Saber Multani's

Principles & Practice of Medicine (SimpleOrganoPathy)

کلیاتِ تحقیقات صابر ملتانیؒ

جلد اوّل

ارسطوء زمان، ابنِ سینا، وقت محقق و مُجدّد طب، حُجۃ الحق،
اُستاذ الحکماء و اطبّاء، ابو الشفاء، حکیم انقلاب المعالج

حضرت دوست محمد صابر ملتانیؒ

کتاب کا نام	کلیات تحقیقات صابر ملتانی رحمۃ اللہ علیہ (جلد اول)
مصنف و مؤلف	حکیم دوست محمد صابر ملتانی رحمۃ اللہ علیہ
ناشر	حکیم عروہ وحید سلیمانی
مطبع	آر۔آر۔ پرنٹرز
طبع اول	مارچ ۲۰۱۲ء
طبع دوم	اکتوبر ۲۰۱۵ء
تعداد	۱۰۰۰
قیمت	-/۱۲۵۰ روپے

دست یابی

ادارہ مطبوعات سلیمانی

رحمان مارکیٹ غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور • فون: 042-37232788
042-37361408 E-mail: idarasulemani@yahoo.com
www.sulemani.com.pk

ترتیب کتب صابر ملتانیؒ

جلد اوّل

جلد دوم

حکیم انقلاب دوست محمد صابر ملتانی

کی تمام کتب الگ الگ بھی دستیاب ہیں۔

حکیم محمد یٰسین دنیا پوری اور نظریہ مفرد

اعضاء پر دیگر کتب کے علاوہ ہمہ قسم طبی،

ہومیو و ایلوپیتھی کتب کے لیے رابطہ کریں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرضِ ناشر

حکیم انقلاب دوست محمد صابر ملتانی کی شخصیت کسی تعریف و تعارف کی محتاج نہیں۔ آج سے تقریباً نصف صدی پیشتر آپ نے جو بیج ''طب مفرد اعضا'' کی شکل میں بویا تھا وہ اب ایک تن آور درخت کی شکل میں ہمارے سامنے کھڑا ہے۔ اس کے ثمرات صرف ہمارے خطے تک ہی نہیں بلکہ اس ربع مسکون کے کونے کونے تک پہنچے ہیں اور پہنچ رہے ہیں۔ تاہم نہایت افسوس سے کہنا پڑے گا کہ اس سے پیشتر جہاں سے بھی صابر ملتانیؒ کی کتب شائع ہوتی رہیں وہ معیار، خوبصورتی، کتابت کی اغلاط کے لحاظ سے نہایت ناقص تھیں۔ اور طب مفرد اعضا کے قارئین کو ہمیشہ دقت کا سامنا کرنا پڑا۔ لیکن میں شکر گزار ہوں جناب حکیم معظم فرید صاحب کا جنہوں نے بالآخر اس کمی کو محسوس کیا اور حکیم انقلاب صابر ملتانی رحمۃ اللہ علیہ کی تمام تحقیقات کو طبع کرنے کے حقوق ادارہ مطبوعات سلیمانی کو دے دیئے تاکہ ان کتب کو دیدہ زیب جلد، خوش نما کاغذ اور عمدہ طباعت کے ساتھ شائع کر کے قارئین کی اس تشنگی کو دور کیا جائے جو وہ آج تک محسوس کرتے آ رہے تھے۔

طب مفرد اعضا کے تحت پریکٹس کرنے والے حکماء میں سے چند ایک ہی ایسے ہوں گے جن کے پاس ہر وقت صابر صاحب کی تمام کتب موجود ہوں، کبھی کوئی مانگ کر لے گیا، کبھی کہیں گم گئی، کبھی کوئی وجہ، کبھی کوئی وجہ۔ سو ادارہ مطبوعات سلیمانی نے صابر صاحب کی تمام تالیفات کو ''کلیاتِ تحقیقاتِ صابر ملتانیؒ'' کے نام سے ایک مجموعے کی شکل دے دی ہے تاکہ یہ مجموعہ طب مفرد اعضا کے ہر حکیم کے پاس ہر وقت موجود رہے، اور انہیں مختلف کتابوں کو سنبھالنے کے جھنجھٹ میں نہ پڑنا پڑے۔ انشاء اللہ جلد ہی تمام کتب کو الگ الگ بھی اسی اعلیٰ معیار اور خوبصورتی کو برقرار رکھتے ہوئے شائع کیا جائے گا۔

اس مجموعہ کی تیاری میں عرصہ 2 سال سے زائد کا عرصہ لگ گیا۔ جو کہ ایک طویل اور صبر آزما مرحلہ تھا۔ لیکن اس مرحلہ میں میں خاص طور پر حکیم محمد ثناء اللہ حلاج، ڈاکٹر محمد صدیق ہاشمی اور کمپوزر جاوید اقبال صاحب کا خاص طور پر شکر گزار ہوں جن کے بھرپور تعاون کی بدولت آج یہ مجموعہ آپ کے سامنے پیش کیا جا رہا ہے۔

حتی المقدور کوشش کی گئی ہے کہ کتاب کو اغلاط سے پاک رکھا جائے اور دیگر نقائص بھی دور کر دیئے جائیں۔ تاہم اگر پھر بھی کچھ اغلاط باقی رہ گئی ہوں تو آپ کی اطلاع ان اغلاط کو دور کرنے میں ہماری مددگار ہوگی۔ دیگر مفید مشوروں سے بھی مطلع فرمایئے گا۔ آپ کے اس تعاون کے لیے ادارہ آپ کا ممنون ہوگا۔

حکیم عروہ وحید سلیمانی

حرفِ تشکر

میں اپنے رب کا کروڑ ہا بار شکر گزار ہوں جس کے خاص فضل و کرم سے دوست محمد صابر ملتانیؒ کا مشن روز بروز پھل پھول رہا ہے، پاکستان کے ساتھ ساتھ دنیا بھر کے ممالک میں اس کی بازگشت سنائی دے رہی ہے۔ لاکھوں لوگ اس طب مفرد اعضاء سے مستفید ہو رہے ہیں۔ میں شکر گزار ہوں ادارہ مطبوعات سلیمانی لاہور کا اور جناب حکیم عروہ وحید سلیمانی صاحب کا جنہوں نے میرے والد جناب دوست محمد صابر ملتانیؒ کے مشن میں ایک نئی روح پھونک دی ہے جن کے تعاون سے بہترین معیاری کتاب مارکیٹ میں آئی ہے۔ (اللہ تعالیٰ) ہم سب کو آسانیاں عطا فرمائے اور آسانیاں تقسیم کرنے کا شرف بخشے۔ آمین!

آپ کی دُعاؤں کا طلبگار

حکیم مسلم ناصر صاحبزادہ حکیم دوست محمد صابر ملتانیؒ

اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ حکیم انقلاب جناب دوست محمد صابر ملتانی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیقی تخلیقات نئے دیدہ زیب ڈیزائن سے زیور طبع ہو کر آپ کی نظروں کی زینت بن رہی ہے۔ جناب حکیم انقلاب دوست محمد صابر ملتانی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیقی تخلیقات ادارہ مطبوعاتِ سلیمانی لاہور کے تعاون سے آپ کی خدمت میں پیش کی جارہی ہے۔ ان تمام کتب کو جدید طریقۂ کتابت سے کمپیوٹرائزڈ کر کے عمدہ سفید کاغذ پر طبع کر دیا گیا ہے۔ میں ان تمام حاملین طب و حکمت اور اہل قلم حضرات کو ہدیہ تحسین پیش کرتا ہوں جو شب و روز اپنے استاد مجدد طب حکیم انقلاب دوست محمد صابر ملتانی رحمۃ اللہ علیہ کے مشن کی تکمیل میں مصروف عمل ہیں۔ اور ان کے پیش کردہ نظریہ مفرد اعضا کی ترویج و ترقی کے لیے کام کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں اس کی اور زیادہ توفیق دے۔ آمین!

میں حکیم عروہ وحید سلیمانی صاحب کا دل کی اتھاہ گہرائیوں سے شکر گزار ہوں جن کے تعاون سے نہایت خوبصورت، اغلاط سے پاک **کلیاتِ تحقیقاتِ صابر ملتانیؒ** آپ کی خدمت میں پیش کی جارہی ہیں۔

حکیم معظم فرید صاحبزادہ حکیم مسلم ناصر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

اللہ تعالیٰ نے جہاں اکبر و اصغر (Microcosm/Macrocosm) کو قوانین فطرت و قدرت (Divine Laws) کے ایسے لازوال و تسخیری جملہ پہلو کے بے شمار انداز اور لاتعداد انواع و اقسام کو "کن فیکون" کی بے مثل ضرب سے تخلیق کیا ہے، جس کی اساس اور علامتی اکائی (Fundamental Unit) انسانی جوہر (Essence) کی شناخت اور ترغیب کے اعمال و افعال ظاہر یہ و باطنیہ پر ہے۔ یہی اساس ذرّہ کو کائنات سے ہم آہنگ کرتا ہوا علوم مخفیہ و اسراریہ کو منکشف کرتا ہے۔ اگر اسی ذرّہ کو کائنات اور کائنات کو ذرّہ کہا جائے تو بھی اساس میں فرق نہیں آئے گا کیونکہ انسانی جوہر میں اللہ تعالیٰ نے وہ تمام کمالات اور علوم و فنون و حکمت معجزانہ قوانین کی خاص ترتیب و ترکیب کے ساتھ تخلیق کیے۔ اس کی حقیقت کو جب اسی جوہری اساس کی بصیرت و حکمت سے سمجھنے کی کوشش کی جائے تو ذرّہ سے کائنات تک ایک خاص نظام اور نظم و نسق و ضبط کے ساتھ جاری و ساری نظر آتا ہے۔ اور جب تحقیق و تدقیق کی جاتی ہے تو عقل ماورائے حیرانگی اور قلب افہام و تفہیم کی اسراریت سے مدہوش و مخمور اور مسرور رہوتا ہے۔

اس کائنات کا خالق و مالک وہی شعور کل (The Total Consciousness) ہے جو اپنے اظہار کے لیے تخلیق کرتا ہے۔ اور یہ تخلیق ایک خاص ترتیب مرحلہ وار و تسلسل نظام کے تحت ہے۔ سب سے پہلے توانائی (Cosmic Energy) کو پیدا کیا جو کہ اصل میں روح کل (Cosmic/ Universal Soul) ہے۔ جس سے نورانی کرنوں (Photonic Cosmic Rays) کو کائنات کی فضاؤں میں بکھیر کر لاتعداد اور لامحدود قوتیں اور حرارت کا ایک جہاں آباد کر دیا۔

دورِ حاضر کی جدید ترین تحقیقات سے پتا چلتا ہے کہ یہ جہان مختلف اجرامِ فلکی (Clestial Objects)، برقی مقناطیسی شعاعیں (Electromegnetic Radiation)، مقناطیسی میدان (Magnetic Fields) اور مختلف عناصر، پلازما (Plasma)، سیاہ مادہ (Dark Matter) و سیاہ توانائی (Dark Energy) پر مشتمل ہے۔ بالکل اسی طرح اللہ تعالیٰ نے تخلیق انسانی میں وہ تمام اسرار مخفیہ و ظاہر یہ جو ہمیں کائنات کی وسیع ترین وسعتوں میں نظر آتے ہیں وہ انسان کے جوہر میں بشمول تمام قوتوں اور آفاقی حقائق سے مزین کی ہیں۔ اس لیے جہان اصغر (Microcosm) کا تعلق جہان اکبر (Macrocosm) سے اس قدر گہرا اور عین مطابق ہے کہ دورِ حاضر کی تحقیقات انسانی جسم کی ساخت کو کائنات کی حقیقتوں کی نقل کہتی ہے۔ اور یہ کہنا بجا ہوگا کہ انسان کو صحیح سمجھنے سے کائنات کا ادراک ہوسکتا ہے۔ جس کے لیے بے شمار علومِ انسانیہ تاریخ کی گوناگوں حالات و واقعات سے پیدا ہو کر انسان کو حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آج تک بیان کر رہی ہیں۔ اور یہ علوم قیامت تک مسلسل انسان کی تخلیق کے حقائق کائنات کی وسعتوں میں تلاش کرتے رہیں گے۔

انہی علوم انسانیہ میں اہم ترین اور بنیادی علم "علم حکمت" ہے، جو تخلیق انسان کے آغاز سے تاریخ کے نشیب و فراز کا حصہ رہا ہے۔ جسکی چکا چوند دریافتوں سے انسان مسلسل حیرانگی کے سحر میں مدہوش رہا ہے۔ یہ دریافتیں آغاز میں فلسفیانہ مفروضوں (Philosophical Hypothesis) سے ہوتے ہوئے آج جدید سائنس (Modern Science) کے آلات کا منطقی حصہ ہیں جو انسان کو اللہ تعالیٰ کی لازوال تخلیق بتاتے ہوئے اس کی وحدانیت کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ جیسے DNA کی دریافت، کوانٹم جمپ (Quantum Jump) اور انفجار کا مبری (Comburian Explosion) جیسے نظریات (Theories) سے یہ ثابت ہو گیا ہے کہ مخلوق ارتقاء یافتہ نہیں ہے۔

مطالعۂ تاریخ انسان سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ "علم حکمت" ایک انتہائی وسیع علم ہے جو کم و بیش تمام علوم کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے

جیسا کہ انسان اپنے اندر کائنات کو۔

ان علوم میں علم طب، علم حکمت کا خاص اور اہم ترین جملہ پہلو ہے جو انسانی جسم کی ساخت وترتیب اور اس کی صحت ومرض کی حالت کو بیان کرتی ہے۔علم طب کی تاریخ میں ہم حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت محمد ﷺ تک اس علم طب کے جملہ قوانین کو ایک بکھرے انداز میں پاتے ہیں جن کی حقیقتوں کو اکٹھا کرنے کے لیے مصری، بابلی، رومی اور یونانی حکماء، فلاسفر اور علماء نے مختلف نظریات دیئے جو زمان ومکان کی رفتار میں کہیں مجسم شکل میں آج بھی موجود ہیں اور کہیں ایک بازگشت کی طرح فضائے بسیط کا حصہ بن کر رہ گئے ہیں۔

دراصل جو حقائق انسان تخلیق اور اس کے جوہر کی ساخت وترتیب اور اس کی تشکیل وتکمیل کے جتنے قریب تھے وہ اتنے ہی مستقل اور مستقیم رہے۔اور بقیہ نامعلوم گمشدہ راہوں کا حصہ بن گئے۔آغاز طب اور اس کے موجد کے تعین کے بارے میں آئے دِن نت نئے نظریات جنم لیتے رہتے ہیں اور پرانی کتابیں قصہ پارینہ بن جاتی ہیں۔لیکن اب تک کی تحقیقات جو خشتی تختیوں سے ماخذ ہیں ان کے مطابق علاقہ مابین النہرین (دجلہ اور فرات کی درمیانی پٹی) کو طب کا اوّلین مرکز قرار دیا گیا ہے۔

1952ء میں کریمر اور مارٹن لیوی (Karemer and Martin Lewis) نے سب سے پرانی خشتی تختی کو اوّلین طبی دستاویز قرار دیتے ہوئے یہ جائزہ پیش کیا تھا کہ علم طب کی ابتداء تین ہزار (۳۰۰۰) سال قبل مسیح سمیری سلطنت کی ایک قوم کے دجلہ اور فرات کے درمیانی علاقہ میں آباد کرنے سے ہوئی۔اور بعد از تقریباً ۲ ہزار جب سلطنت دو حصوں میں تقسیم ہو کر شمال اور جنوب میں بٹ جاتی ہے تو شمالی حصہ آشوریوں کے قبضہ میں آتا ہے۔اسی لیے اس تحقیق سے اسقلی بیوس جو کہ حضرت ادریس علیہ السلام کا شاگرد تھا، پہلے طبیب کی صورت میں آتا ہے۔اس کے بعد جالینوس کے دور تک اطباء کا تذکرہ ملتا ہے، جو علم طب کی بنیادی عمارت کو قائم کرتا ہوا ابوالطب بقراط کے عہد نامہ (HIPPOCRATIC OATH) تک علم طب کے بے شمار مباحث کو تشکیل دیتا ہے۔جس میں نظریہ اخلاط (Humaral Theory) وارکان کو دلائل وثبوت کے ساتھ پیش کیا (اور خصوصی طور پر WHO نے اس نظریہ پر خصوصی مقالہ جات اور تحقیقات ضبطِ تحریر کرائی ہیں)۔

جالینوس نے طب کو سائنس کا نام دیا۔منافع الاعضاء (Physiology) میں سب سے پہلے جسم کے 6500 وظائف بیان کرنا، قویٰ کی فعلیاتی تشریح کرنا، امراض کا خوابوں سے تعلق بیان کرنا اور یہ بتانا کہ گردے پیشاب پیدا کرتے ہیں ایک غیر معمولی کام ہے۔اسی طرح 500 عضلات کی تشریح کی اور معدے کی ساخت اور افعال کی مفصل تشریح کی۔

ارسطو نے اعصاب (Nerves) کی جو تحقیق کی وہ قابل قدر ہے اور قلب کو عروق دمویہ کا مرکز کہنا یقیناً غیر معمولی بصیرت کا ثبوت ہے۔نیز ہضم معدی میں غذا کے چبانے کے عمل کی وضاحت ارسطو کی شخصیت کو اور مسلّم کرتی ہے۔

جارج سارٹن (George Sarton) لکھتا ہے کہ جالینوس سے ارسطو تک کی تحقیقات میں منافع الاعضاء (Physiology)، علم جنین (Embsyology) کے میدان میں تحقیقات نے علم طب کے فروغ میں اہم کردار ادا کیا۔حتیٰ کہ 622ء سے اسلامی عہد کے تابناک دور کا آغاز ہوا اور طب یونانی کی قسمت کا ستارہ چمکا۔جب ان تحقیقات کی کرنیں عالم عرب کے ریگستانوں میں بسی بستیوں پر پڑتی ہیں تو عالم اسلام کی چکا چوند کرنیں علوم فنون وحکمت کے عرب اطباء وحکماء کو للکار للکار کر عالم قدرت کے رازوں سے پردہ اٹھاتی نظر آتی ہیں۔جن کا مرکز آپ ﷺ کی ذات اقدس ہے جو کائنات کے ذرّہ ذرّہ کی حقیقت کو کلام الٰہی سے قریہ قریہ، لحہ لحہ، علوم وفنون وحکمت کو نیابت کمال معجزانہ انداز سے عالم نور سے بکھیر کر روشن کر دیتی ہے۔اسی دور کی اساسی تحقیقات اور اضافات کی وجہ سے طب یونانی دراصل طب عربی اور طب اسلامی بن گئی۔تحقیق کی اس روایت (جو مسلمانوں کی میراث ہے نے) فن طب کو مصر، بابل، اسکندریہ، یونان، روم، ہند، ایران، چین اور جاپان جیسے ذخیرہ نظریاتِ طب کو پس پشت ڈال کر اس طب کو بامِ عروج تک پہنچایا۔اس میں حکماء حارث بن کلدہ اور الحکم دمشقی کی خدمات فن طب میں سنگ میل ہیں۔عرب حکماء واطباء کی

سب سے خوبصورت اور اہم ترین خدمات جو ہیں ان میں تمام گزشتہ طب کے نظریات کو منظم کرنا، مختلف نکات کا دریافت کرنا، اصطلاحات کا وضع کرنا اور پھر ان پر تحقیقات ثبت کر کے اصول وقوانین کو وضع کرنا ایسا کارنامہ ہے جو نہ پہلے دور میں ملتا ہے اور نہ بعد میں نظر آتا ہے، ہاں بعد میں اس کی باقیات سے استفادہ کی صورتیں نظر آتی ہیں۔

عہد نبوی ﷺ میں طب نبوی ﷺ جس کے دو اہم ماٰخذ قرآن اور احادیث شریفہ ہیں ان میں ایسے حقائق ہیں جو اسرارِ خفیہ اور ظاہریہ اور قوانین قدرت اور فطرت کے عین مطابق ہیں۔ اور ہر دور میں اس کے اسرار و رموز دریافت ہوتے رہیں گے۔

حضرت دوست محمد صابر ملتانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ **"جو علم اور سائنس قرآن اور احادیثِ شریفہ سے باہر ہے نہ وہ علم ہے نہ سائنس"۔**

عہد نبوی کے بعد عہد خلافت راشدہ میں بھی طب نبوی ﷺ کے اثرات زیادہ نظر آتے ہیں۔ اور (612-661) اس عہد کے بعد عبدالمالک بن مروان (646-715ء) کے دور میں کئی ممتاز طبیب ماسرجویہ، تیاذوق اور ماہرین کیمیا خالد بن یزید (704ء) اور جابر بن حیان (776ء) کی گراں قدر خدمات نے نامیاتی اور غیر نامیاتی کیمیا (Organic & Inorganic Chemistry) میں بے شمار دریافتیں آج کی اطلاقی کیمیائی تعاملات (Applied Chemistry) کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔

اس دور میں اور اس کے بعد تراجم بہت ہوئے جس سے اس کی ترویج و ترقی میں اضافہ ہوا جس سے یہ حجاز مقدس، شام، مراکش اور الجزائر سے پھیلتا ہوا یہ کاروانِ علم و حکمت جبل الطارق، قرطبہ اور سسلی کے راستہ اٹلی تک کے علاقوں کو فیضاب کرتا گیا۔

ابن ماسویہ نے سب سے پہلے انسانوں سے مشابہت رکھنے والے جانور بندروں کا (DISSECSION) کیا اور تشریح (Anatomy) اور منافع الاعضاء میں گرانقدر اضافہ کیا۔ اسی کا مشہور شاگرد حنین بن اسحاق ہے جو عالم عرب کا سب سے بڑا مترجم ہے، اس نے خصوصی طور پر ہڈی کے گودے (Bone Marrow) کے بارے میں بتایا اور یرقان کے ضمن میں لکھا کہ مرارہ (Gall Bladder) سے نالی نکلتی ہے اس کا مند بند یا تنگ (Portal Hypertension) ہونے سے صفراء خون میں شامل ہو کر سارے بدن میں پہنچ جاتا ہے اسی طرح ورم الکبد (Heapatitis) صلابت الکبد (Cirrhosis) اور یرقانِ سدّی (Obstructive Jaundice) کے اسباب لکھے۔ اسی طرح جب ثابت بن قرہ نے جالینوس کے بے شمار رسائل کے تراجم کیے جس کی بنا پر بہت سے نظریات کی نہ صرف تصدیق ہوئی بلکہ اس سے نئی اصطلاحات میں بھی توضیع ہوئی۔

دسویں صدی کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ طب اسلامی کی عظیم شخصیت ابوبکر محمد ابن زکریا رازی کی ہے، اس نے سب سے پہلے عصب راجع (Vagus Nerve) کی حنجری شاخ (Recurrent Laryngeal Nerves) کو معلوم کیا، آنکھ کے عضلہ ہدبیہ کے افعال پر روشنی ڈالی اور تاریکی اور روشنی میں اس کے سکڑنے اور پھیلنے کے عمل کی وضاحت کی۔ Small Pox اور Measls کے درمیان فرق بتایا اور امراض اطفال (Peadiatric) پر سیر حاصل بحث کی۔ اسی صدی میں علی بن عباس مجوسی نے "کامل الصناعہ" جیسی شاہکار کتاب لکھی جس میں عروق شعریہ (Cappellerries) کے نظام کو پہلی مرتبہ پیش کیا گیا۔ اس کے علاوہ کہ بچہ خود بطن مادر سے باہر نہیں آتا بلکہ یہ رحم کے عضلات کی انقباض (Utrine Contraction) حرکت کی وجہ سے اخراج کا باعث ہوتا ہے۔

ابوسہل مسیحی نے بھی اسی دور میں قلب کی کواڑیوں (Cardiac Valves) کی ساخت اور افعال کے متعلق اہم تحقیقات پیش کیں۔ پھر یہ پہلا طبیب ہے جس نے غذائی نالی (Easophagus) کے مختلف مراحل پر غذا کے انجذاب و استحالہ (Digestive Matabolism) کی تشریح فرق کے ساتھ بیان کی اور اس دور کی مایہ ناز اور ممتاز شخصیت ابن زہراوی جس نے آج کی جدید سرجری (Modern Surgery) کی بنیاد ڈالی اور بجا طور پر وہ علم الجراحت (Surgery) کا بانی تھا اور اس میں استعمال ہونے والے آلاتِ جراحیہ کو بھی سب سے پہلے علم الطب میں متعارف کرایا۔

گیارھویں صدی کے نامور محقق اور (Opthalmologist) ابن الہیثم نے کتاب "المناظر" لکھ کر آنکھ کی تحقیق میں ایسی دقیق باتیں

پیش کیں جن کی طرف قدماء کی نظر نہیں تھی اور آج تحقیقات نے گو کہ Lazer Technology کی مدد سے آنکھوں کے امراض کے حوالے سے نئے دور کو کھولا ہے لیکن اس کی بنیاد ابن الہیثم ہی نے جس نے Visual Perception کو جیسے بیان کیا آج تک اس میں ایک بھی لفظ کا اضافہ نظر نہیں آتا۔ عدسہ (Lens) کی اصطلاح کا وضع کرنا، اور تشکیبہ کے عمل کی وضاحت اور (Coratoplasty) کی بنیاد کا سہرہ ابن الہیثم کے سر ہے۔

اسی صدی میں عالم طب کی سب سے ممتاز شخصیت شیخ الرئیس بوعلی ابن سینا کی ہے، جس کی شہرہ آفاق تصنیف ''القانون فی الطب'' (Cannon of Medicine) نے کئی سو سالوں تک یورپ اور دنیائے عالم طب میں راج کیا۔ [1] اور یہ پہلا محقق ہے جس نے یونانی حکماء کے خلاف یہ بتایا کہ سخت نسیج (Tough Tissue) مثلاً مثلاً ہڈی میں بھی سوجن اور ورم قبول کرنے کی صلاحیت ہوتی ہے اور یہ ورم اور سلعۃ (Tumour) کی پیدائش کا مقام بن سکتی ہے اور انیسویں صدی میں ماہیت الامراض (Pathology) کی جدید ترین تحقیقات آج اس بات کو نہ صرف تسلیم کرتی ہے بلکہ بہت سارے نکات اب بھی جدید ماہیت الامراض میں امراض خبیثہ (Oncology) میں ابہام کی طرح ہیں جو ابن سینا کی تحقیقات سے حضرت دوست محمد صابر ملتانی رحمۃ اللہ علیہ نے تشریح کر کے ان کے جواب وضع کئے ہیں۔

ابن سینا کی تحقیقات میں اعصاب، عضلات، وریدوں اور شریانوں نیز ہڈیوں سے متعلق، امراض و علامات کے متعلق، ادویات عامہ و خاصہ اور ادویات قلبیہ کے حوالے سے اپنی نادر تحقیقات پیش کی ہیں کہ یوں لگتا ہے جیسے وہ ان کی تشریح بصیرت اور یقین کے ساتھ کرتا ہے جیسے جسم اس کے سامنے بالکل عیاں ہے۔ ہڈیوں کی ساخت اور ان کے رخ و اتصال باہمی، امراض تنفس (Respiratory Disorder) میں تنفس کی کیفیت و کمیت اور اس سے متعلق تغیریات کی تشریح جس انداز سے کی آج بھی ان کی اہمیت مسلّم ہے۔ اعصاب کی دو اقسام اعصاب شرکیہ، اعصاب خفیہ کی تشریح و وظائف لکھے۔

گیارھویں اور بارھویں صدی میں اور بھی کئی اطباء اور حکماء ہیں جن کی خدمات کا اعتراف ساری دنیا کرتی ہے اور انہوں نے طب کی ترویج و ترقی کے لیے جس جاں فشانی سے کام کیا قابل تحسین اور ناقابل فراموش ہے۔ ان میں جبرئیل بن عبداللہ، ابن ابی صادق، علی بن عیسیٰ، عبداللہ بن جبرئیل، اسمٰعیل جرجانی، ابوالبرکات بغدادی، ابن زہر، ابن رشد، ابن میمون، نجیب الدین سمرقندی، ابن سہل، عبداللطیف بغدادی اور ابن بیطار وغیرہ شامل ہیں۔

اسی طرح تیرھویں صدی میں شرف الدین، ابن القف (العمدہ فی الجراحت)، ابن نفیس (موجد نظریہ دوران خون) کے نام اس بات کا ثبوت ہیں کہ فن طب میں جس تحقیقی بصیرت پر ان اطباء و حکماء نے اپنی نایاب تحقیقات پیش کیں جو آج بھی فن طب کا نہ صرف حصہ ہیں بلکہ جدید طبی دنیا میں انقلاب کا باعث بھی ہیں۔

چودھویں صدی میں کمال الدین فارسی، منصور بن محمد اور ابن خاتمہ کی تحقیقات اسباب امراض کے حوالے سے نئی جراثیمی تھیوری کے نہ صرف اولین اسباق ہیں بلکہ مکمل طور پر علمی جامع مرقع ہیں۔ جن میں طاعون کی وضاحت کرتے ہوئے جراثیم کی مختلف اقسام کا جسم انسانی سے تعلق

---

[1] سر ولیم اوسلر (1848-1919ء) ابن سینا کی عظمت کو ان الفاظ سے خراج تحسین پیش کرتا ہے: (The most famous book ever written.)

اس کے علاوہ Singer, Charles, Ashowrth Underwood جیسے محقق کو بھی اعتراف کرنا پڑا کہ: (A short history of medicine.)

William Harvey اپنے مورث John Obery کو خط میں لکھتا ہے کہ

For knowledge go to the yountain head and read anstatle, cicero and aricenna.

ڈاکٹر مظہر حسین شاہ (مترجم ''القانون'') لکھتے ہیں:

Modern medicine is a continuation of aricenna's system of medicine alongwith its individuality and identity.

کو ثابت کرتی ہے۔

مجموعی طور پر اگر اس علمی و تحقیقی دور کی طرف نظر دوڑائیں تو ان حکماء و اطباء نے جو کارنامے سرانجام دیئے ہیں، جو انسانی جسم میں کائنات کی حقیقتوں کو دریافت کرنے میں سنگ میل کا کام کرتی ہیں۔ عالم عرب کی یہ کوشش صرف ''علم طب و حکمت'' کے حوالے سے مخصوص نہیں ہے بلکہ کائناتی امور کی بیشتر تحقیقیں جو علم فلکیات (Astronomy)، علم طبعیات (Physics)، ریاضیات (Mathamatics & Geometry)، لسانیات (Linguistics)، علم الہندسیہ (Engineering)، علم کیمیا (Chemisty)، نباتیات (Botony)، علم جغرافیہ (Geography) اور علم فلسفہ و منطق (Philosophy & Logic)، مابعد الطبعیات (Meataphysics) وغیرہ میں دورِ حاضر کی جدید تحقیقات ان علوم کی کہن بنیادیں ہیں۔ کہیں ویسے ہی اصول و قوانین پر ہیں اور کہیں ابھی تک مشق جاری و ساری ہے۔ ہر دور کی تحقیقات و نظریات کے بدلتے نتائج ضروری نہیں حتمی ہوں اور قانونی شکل میں علمی و عملی ہوں۔ بعض اوقات ان کی تردید و اصلاح اور تجدید فن و احیاء کی ضرورت ہوتی ہے جس سے پرانے نظریات ایک سیڑھی کی طرح ہوتے ہیں جو نئے نظریات کے لیے راستے ہموار کرتے ہیں۔ اگر غور کریں تو انسان کی یہ تمام کاوشیں اسی ''حضرت انسان'' کو سمجھنے کے لیے خواہ وہ تحقیق کائناتی ہو یا مادہ کی پیدائش کی اوّلین صورت ہو یہ اسی انسان کو دریافت کرنے کے مختلف ذرائع ہیں۔

اسی طرح یہ علم طب جب عالم عرب سے یورپ، امریکہ اور روس تک جاتا ہے تو کئی سو سالوں تک ان حکماء و اطباء کے تحقیقی اور علمی مصادر میں مبتلائے جاں نظر آتا ہے۔ اور بعض یورپی اطباء حضرات کو صرف حکماء و اطباء عرب کی کتب کے تراجم کر کے سرخرو رہے۔ اور پھر اسی کے نام بعض جگہ پر ان کی تحقیقات وابستہ رہی، جیسے Culpepper جو کہ Western Houstic Herbalist ہے، نے ''القانون'' کا ترجمہ کر کے نام اپنا لگا کر Western Automatic Medicine کی بنیاد ڈالی۔ فرق صرف یہ تھا کہ اس نے چینی طب (Chinese Medicine) میں Herbal Astrology کا اضافہ کر کے اپنی کتاب کو منفرد کر دیا اور مشہور و معروف رہا۔ اور مزے کی بات یہ ہے کہ وہ کہیں ابن سینا کا حوالہ دیتا ہی نظر نہیں آتا۔ اسی طرح William Harvey کے حوالے سے کہا جاتا ہے کہ یہ نظریہ دورانِ خون کا بانی ہے۔ حالانکہ W. Harvey سے 300 سال پہلے نظریہ دورانِ خون کا بانی علامہ علاؤ الدین ابن نفیسی ہے۔ 1242ء میں جو کئی صفحات میں وسیع انداز سے اس کی نہ صرف تشریح کرتا نظر آتا ہے بلکہ اس کے منافع اور افعال بھی پیش کرتا ہے (شیخ ڈاکٹر ابراہیم (نیویارک یونیورسٹی) نے اس حوالے سے ایک کیس تیار کیا تھا جو امریکہ کی یونیورسٹی میں 2004 پیش کیا کہ اصل نظریہ دورانِ خون کا بانی ابن نفیس ہے۔ اور اس کا فیصلہ بھی ابن نفیس کے حق میں رہا)۔

اسی طرح مغرب کی تنگ نظری اور کھلی معاشرت اور کردار نے تحقیق کی روایت کو عالم عرب سے لیا اور اس پر اپنی اجارہ داری کرنے کی کوشش کی اور جاری بھی ہے۔

چودھویں صدی تک عالم عرب نے دنیائے عالم کو ورطۂ حیرت میں ڈالے رکھا اور اپنی تحقیقات سے ساری دنیا کو فیض یاب کرتے رہے، اور اس کے بعد والے حکماء و اطباء نے تقلید دار یاہ کی اور انہی تحقیقات پر علمی و عملی اشکال پیدا کرتے رہے۔ اور کچھ یہی حال ہمیں یورپ و روس میں بھی ملتا ہے لیکن فرق صرف زاویہ اور نظریات کا ہے کہ حکماء و اطباء عرب قوانین فطرت و قدرت سے کائناتی اصول و قوانین کو وضع کرتے ہیں۔ جز سے کل اور کُل سے جز کے اصول کو منطقی اثباتیت میں ڈھالتے ملتے ہیں لیکن اس کے برعکس یورپ و روس میں یہ شکل مختلف ہے۔ وہ جز سے جز کی طرف ہیں جس میں کل کی حیثیت کم ہے اس لیے ان کے نظریات میں تغیر زیادہ، وسعت کم، مشقت زیادہ، نتائج کم اور نت نئی چیزیں زیادہ اور ان کا ستعمال محدود ہے۔

اس لیے آج تک کی جدید ترین تحقیقات ممکن ہے کل تک قدیم ترین بن جائیں اور فرسودہ اور بے کار ہو جائیں اور ناقابل عمل ہوں یہ ظریات کی جنگ زندگی کے ہر شعبہ میں اور دنیا کے ہر حصہ میں نظر آتی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ محقق انسانیت کے لیے اور اپنی استعداد کو نوانے کے لیے اپنی جان تک تحقیقات کی نظر کر دیتا ہے۔ لیکن جب نظریات کا رُخ غلط ہو تو وہ خدمات تو رہتی ہیں لیکن انسانیت کو نفع کم پہنچتا ہے۔

یہ طرۂ امتیاز حکماء واطباء عرب اور یونان کے حق میں جاتا ہے کہ ان کے نظریات آج بھی زندہ ہیں اور ان کی عملی صورت کسی نہ کسی شکل میں موجود رہتی ہے اور ہمیشہ رہے گی۔

ان ساری مباحث کی وجہ دراصل اکیسویں صدی کی اس عظیم شخصیت کے علمی و تحقیقی جستجو اور انتھک محنت اور کمال عرج وجدان والقاء کو خراجِ تحسین پیش کرنا ہے کہ جن کی کاوش اور دن رات کی مسلسل محنت نے اس نطۂ عالم عرب اور یونان کے نظریات کو ایک مرقع جان بخشی۔ عالم عرب اور یونان کے نظریات چیدہ چیدہ ضرور ایک طبیب سے دوسرے طبیب کی طرف تعلق کو وابستہ کرتے ہیں لیکن ایسا تاریخ میں کہیں نہیں دیکھا گیا کہ علم طب و حکمت کو ایک ایسی لازوال جامع اور ناقابل تسخیر شکل میں ایک ایسے نظام کے تحت بیان کیا ہو جو فطرت اور قدرت کے اٹل اور ناقابل تغیر قوانین کو وضع کرتا ہو، جو آفاق و کائنات کو تطبیق انسانی سے مزین کرتا ہو، جو پہلی مرتبہ حواس خمسہ باطنیہ کی عملی تشریح کرتا ہو، جو علم طب کے لاکھوں صفحات پر پھیلے علم کو انتہائی آسان اور عام فہم انداز میں بیان کر کے باقاعدہ منتظم کرتا ہو۔

چودھویں صدری کے بعد علمی و تحقیقی جمود کو توڑنے والی عظیم شخصیت حضرت دوست محمد صابر ملتانیؒ کی ہے جنھوں نے نہ صرف تجدید فن طب میں ایک نیا نظام ایجاد کیا بلکہ انسان سے متعلقہ اور وابستہ تمام امور جو نظام کائنات سے ذرّہ زمان تک اور زرّہ مکان سے نظام آفاق تک کے حقائق کو انتہائی آسان انداز میں دریافت کرتے ہیں۔ علم حکمت و فنِ طب صدیوں سے اپنی تجدید وارتقاء اور کمال کے لیئے کسی مسیحا وقت کا شدت سے منتظر تھا۔ یورپ اور روس میں طب قدیم پر مظالم علمی و عملی طور جا بجا تھے جس کی وجہ سے طب قدیم اپنی بربادی اور تباہی پر نوحہ کناں تھی۔ چودھویں صدی کے بعد عالم عرب سے لے کر برصغیر تک اور یورپ سے روس اور برطانوی راج تک جو علمی تحقیقات ہمیں ملتی ہیں ان میں یہ واضع ہے کہ ان ضمیر فروش تاجروں اور تنگ نظر سائنسدانوں نے علم طب کے مبادیات اور قوانین و کلیات کو اپنے حرص و ہوس کی بھینٹ چڑھا دیا تھا۔ حکماء واطباء اسلاف کی صدیوں کی محنت شاقہ سے کی جانے والی تحقیقات اور فطری مسلمہ حقائق کو مٹی میں رولا جا رہا تھا۔ جب اطباء و حکماء فرنگی طب سے مرعوب ہوتے جا رہے تھے اور فن طب کے نظریات اور تحقیقات کی فرنگی طب کے مطابق کرنے کے درپے تھے اور ایسا کرنے کو وہ فرنگی حصار میں بندھے حکماء واطباء تجدید طب واحیائے فن کا نام دے رہے تھے اور ان کی یہ خود غرضی فن طب کو انتہائی نقصان پہنچا رہی تھی یوں کہیے کہ جب فن طب کا بس جنازہ اٹھنے والا تھا تو ان حالات میں فن طب میں تجدید واحیائے فن وقت کی اہم ضرورت بن چکی تھی۔ اس وقت اللہ نے حضرت دوست محمد صابر ملتانیؒ جیسے مردِ جلیل کو فن طب اور احیائے علم کا مسیحا بنا کر پیدا کیا۔ جو حکیم انقلابؒ کے لقب سے مشہور و معروف تھے۔ قادر مطلب نے فن طب پر تجدید اور اس کے احیائے کے لیے حکیم انقلابؒ کو کمال وعروج فن عطا کیا۔ جس پر حکیم انقلابؒ نے علوم و فنون و حکمت کی تجدید اور احیاء کی بنیاد قوانین فطرت کے عین مطابق رکھی اور حکیم انقلابؒ نے اس اصول کو ایک قانون کی صورت میں طبی دنیا میں پیش کیا۔

یہ نظریہ قانون فطرت کا ایک ایسا اصول ہے جو مادہ (Matter) اور جوہر (Essence) سے اخذ کیا گیا ہے۔ یعنی مادہ دراصل جوہر سے پیدا ہوتا ہے۔ اور اس طرح جوہر اور مادہ اپنے افعال و اثرات کی حیثیت میں ایک ہی خواص و فوائد رکھتے ہیں۔ جیسے جوہر سے مادہ اور پھر مادہ کی مختلف صورتیں و کیفیات اور ان صورتوں و کیفیات سے ارکان کا وجود پھر ارکان سے اخلاط، پھر اخلاط سے اجسام کثیفہ و لطیفہ کی ترتیب اور پھر مفرد اعضاء کا بننا بنیادی حقیقت ہے۔ یعنی جب جوہر کوئی جسم اختیار کر لیتا ہے تو مادہ بن جاتا ہے اور جب مادہ کی تخصیص ہوتی ہے تو وہ ارکان بن جاتا ہے۔ جب ارکان محلول ہوتے ہیں تو اخلاط پیدا ہوتے ہیں اور جب اخلاط مجسم ہوتے ہیں تو مفرد اعضاء بن جاتے ہیں۔ انہی مفرد اعضاء پر حکیم انقلابؒ نے علم و فن طب کی بنیاد رکھی۔ ان میں خاص ترتیب، توازن، فعل وانفعال اور منظم ہم آہنگی اعتدال کی صورت ہو تو حالات جسم صحت کی حالت میں اور درست کام کرتے ہیں اور جب اعتدال نہ رہے تو مرض کی پیدائش ہوتی ہے۔ یہی قانون مفرد اعضاء (Simple Organopathy) تجدید طب واحیائے فن کا روح رواں ہے اور جدید طبی دنیا کے لئے ایک چیلنج بھی ہے۔

انسانی شعور کی وسعت کا اندازہ انسان کے انفرادی و اجتماعی نظریات و کردار سے لگایا جا سکتا ہے۔ دنیائے عالم میں جتنے مفکرین، فلاسفر، حکماء و اطباء آئے سب کی انفرادی شعوری ارتقاء نے انسان کے وجدان اور گمان کی قوتوں کو اجاگر کیا۔ اور یہی شعور اور تحقیقی اذھان اسلوب زندگی کی نمائندگی کرتا ہے۔ یہ ایجادات اور دریافتیں دراصل انسانی جوہر سے مادہ کے تعلق اور حقائق کو واضع کرتی ہیں۔ انسان ہی کے اسرار و رموز کو آشکار کرتی ہیں، کیونکہ تخلیق ایک ایسی قوت کا نام ہے جو کہ وجدانی وسائل کے ہاتھوں تشکیل پاتی ہے۔ یہی وہ مقامات و اسباب ہیں جو کہ انسان کو نت نئے تجربات اور نظریات کے پیش کرنے پر اکساتی ہیں۔ یہ لازوال قوت اس شعبہ ہائے زندگی کے ساتھ جذبہ کی سچائی لے کر بالیقین ہو کر اس کو مقام فکر تک لے جاتی ہے۔ اور غور کریں تو اس قوت کا دریافت ہونا بھی تخلیق ہے۔ اور یہی تخلیق دنیائے عالم میں مفکرین، فلاسفر اور حکماء و اطباء کی پہچان بن جاتی ہے۔ اور اس قوت کی وجہ سے حضرت آدمؑ سے لے کر آج تک کے انسان کو اللہ تعالیٰ شعور کل (The Total Conscience) سے مسلسل فیض یاب کر رہے ہیں۔ یہ قوت ہی انسان کو شناخت اور انفرادی مقام عطاء کرتی ہے۔

یہ قوت کبھی افلاطون (Plato) کے ***"Idea"*** سپائی نوزا(Baracnde Spinoza) کے ***"Substence"***، کانٹ(Immanuel Kant) کے ***"Ding an Sich"*** ہیگل (G.W.F. Hegel) کے ***"Welt-Geist"***، مارکس(Karl Marx) کے ***"K Lasse Kamp"***، شوپنہار(A.Schopenhauer) کی ***"Will to Live"*** نیطشے(Friedrich Nictzsche) کے ***"Will to power"*** اور ***"Superman"*** فرائڈ(Sigmund Freud) کے ***"Libido"*** ژونگ (C.G.Jung) کی ***"Psychic Energy"*** میں تو کبھی برگساں(Henri Bergson) کی ***"Elan Vtal"***، کارلائل(Thomas Carlyle) کے ***"Hero"*** علامہ محمد اقبالؒ(Allama M.Iqbal) کے "مرد مومنؒ" کو ظاہر کرتی ہے۔

یہی قوت انسان کو جب شعور و فکر عطا کرتی ہے تو انسان سے عظیم کارنامے صادر ہوتے ہیں جو کائنات و آفاق کے اسرار و رموز کو دریافت کرنے میں بنیادی کردار ادا کرتے ہیں۔ حکیم انقلابؒ حضرت دوست محمد صابر ملتانیؒ نے بھی اپنی شعوری فرابست اور قوت مرد مومن کی ترقی یافتہ غور و فکر سے طبی دنیا کا عظیم و شاہکار "نظریہ مفرد اعضاء" (Simple Organ Theory) دریافت کیا۔

قانون مفرد اعضاء (Simple Organo Pathy) نفس و آفاق کی وسعتوں میں جاری و ساری وہ قانون ہے جو انسان کے نہ صرف فعلیاتی (Physiological)، کیمیائی (Biochenical)، نامیاتی و غیر نامیاتی (Organic & Morganic)، ماورائی (Paranormal)، ظاہری و باطنی (Visible & Invisible)، نفسیاتی وجدانی (Psychological & Inluitive) اور جنیاتی (Genetical) و ایٹمی / سالماتی (Molecular / Atomic) افعال کی تشریح کرتا ہے بلکہ انسان پر اثر انداز ہونے والے معاشرتی (Social)، معاشی (Economic)، طبقاتی، روحانی (Spiritual) تہذیبی (Civilized)، ثقافتی (Cultural)، سیاسی (Political) اور کائناتی (Universal) حالات کی عکاسی بھی کرتا ہے۔

قانون مفرد اعضاء (Simple Organo Pathy) صرف قدیم اور دور حاضر کی تحقیق نہیں ہے بلکہ یہ ہر دور کی تحقیق ہے جو صدیوں بعد اللہ تعالیٰ اپنے نظام قدرت سے قوانین فطرت کے ذریعے آشکار کرتے ہیں، حکیم انقلابؒ ایک مدبر فلسفی کی طرح کائناتی حسن کی مخفی سچائی کو فطرت کے ازلی و ابدی قانون کے ساتھ نظریہ مفرد اعضاء کا تصور پیش کرتے ہوئے ایک محقق طبی سائنسدان کی نظر سے جوہر (Essence) سے مادہ (Matter) اور پھر مادہ کی مختلف صورتوں کو انتہائی عمیق پختگی کے ساتھ تخلیق کائنات و انسان کو فضاء میں بکھرے رنگوں کو نظام حیات سے تطبیق دے کر کرتے ہیں۔

یقین جانیے آج کی ترقی یافتہ سائنس ابھی بھی ایسے بہت سے فلکیاتی (Astronomical)، طبعیاتی و مابعد الطبعیاتی (Physical &

(Mataphysical) اور روحانی (Spiritual) وجسمانی وحیاتیاتی (Biological) سوالات کے سامنے خاموش کھڑی نظر آتی ہے۔ کیونکہ آج کی سائنس کا مرکز مادی جسم کے افعال واثرات اور اس کے جزوی وکلی خدوخال ہیں۔ اور سائنسدان برسوں سے مادی جسم پر تحقیق کر کے مادی جسم کے راز افشاں کرتے رہے ہیں، جس کے نتیجے میں آج مادی جسم کا کافی سائنسی علم رکھتے ہیں۔ جبکہ انسان کے باطنی علم کو نہیں جانتے جیسے جوہر سے کیفیات کا تعلق / واحد انرجی (Whole Energy) سے ارکان کا تعلق / ارکان کی بنیادی خصوصیات سے اخلاط کا تعلق / اخلاط سے ارواح وقویٰ کا تعلق / کیفیات اور اخلاط سے کیمیائی تعاملات وارتقاونشوونما کا تعلق وغیرہ یہ ایسے عنوان ہیں جس کا جواب سائنس آج تک نہیں دے سکی لیکن طب مفرد اعضاء اس کا نہ صرف جواب دیتا ہے بلکہ اسکی ماہیت، ساخت، افعال واثرات اور تخلیقی اسباب پر سیر حاصل بحث بھی کرتا ہے۔ یہ نظریہ اس سے پہلے تاریخ میں کہیں نہیں ملتا۔ اور جب تک سائنس ان چیدہ سوالات کا جواب قانون مفرد اعضاء کی حکمت وبصیرت کی روشنی میں نہیں دیتی ناممکن ہے کہ جدید دور کے امراض خبیثہ سے جنگ میں ہم کامیاب ہوسکیں۔

عالمی ادارہ صحت (WHO) کی مسلسل تحقیقات وتجربات اور نتائج کے باوجود ابھی تک کئی ایسے امراض ہیں جن کی تشریح بھی ممکن نہیں ہوسکی علاج تو دور کی بات ہے ایک اندازے کے مطابق پوری دنیا میں امریکہ سمیت ہر 58 سیکنڈ کے بعد ایک شخص کینسر (Carcinoma) سے مرتا ہے۔ کروڑوں کی تعداد میں لوگ HVC اور ایڈز (AIDS) جیسے امراض میں مبتلا ہیں اور ان امراض کے پیدائش اور اسباب کے حوالے سے میڈیکل سائنس ابھی تک خاموش کھڑی ہیں۔

ایسا کیوں ہوتا ہے؟ اس کے پیچھے کئی قومی، سیاسی، معاشرتی، عالمی ومعاشی مفروضات اور ذاتی مفاد واقتدار جیسے اسباب ہوتے ہیں جن کو عوام الناس کے سامنے لانے سے گریز کیا جاتا ہے۔

طب مفرد اعضاء ایک فطری سائنس ہے جو جدید میڈیکل سائنس سے کئی سو سال آگے ہے اور اس کے جوازات اور دلائل بھی دیتی ہے۔ حضرت دوست محمد صابر ملتانیؒ نے جو تحقیقات چالیس سال کی عرق ریزی سے کی اور انتہائی ایمانداری سے عوام الناس کے سامنے پیش کیں اسکی مثال ہمیں اپنے خطے میں کم ہی ملتی ہے۔ یہ کلیات تحقیقات صابر ملتانیؒ ان دن رات کی انتھک محنت اور خون جگر سے لکھے گئے نظریات وتحقیقات کا ذخیرہ ہے جس کی وجہ سے آج کی جدید میڈیکل سائنس کی بنیادیں تہہ وبالا ہوگئیں ہیں کیونکہ قانون مفرد اعضاء کی بے شمار خصوصیات وصفات ہمیں جدید میڈیکل سائنس کی کھوکھلی تحقیقات کا باندہ چھوڑتی ہیں۔ سائنس کے پاس حقیقت کو واضع کرنے کا کوئی باقاعدہ نظریہ یا اصول نہیں ہے کیونکہ جو کچھ اس کے پاس ہے اس کے جدا جدا اجزاء کے الگ الگ تصورات ونظریات ہیں جن کا آپس میں کوئی جوڑ نہیں بنتا۔ اس طرح سائنس کا موضوع احساس وادراک (Preception / Sensation) کے تینوں بنیادی مراتب مادہ (Matter) حیات (Life) اور نفس (Aura/Soul) ہیں لیکن یہ سوال کہ ان کا آپس میں کیا تعلق ہے؟ مادی جسم اور غیر مادی جسم اور نفس وروح کا رشتہ کیا ہے؟ تو یہ حقیقت ظاہر ہے ان موضوعات پر بحث تو کی جاتی رہی ہے لیکن ان کے اصول مرتب نہیں کیئے جاتے رہے۔

دراصل سائنس حقیقت نفس الامری کا من حیث الکل مطالعہ کرنے کی بجائے اس کی جزئیات میں کھو جاتی ہے اور تا ایں دم ان متخرجہ نتائج وحقائق میں باہم تطابق وتوافق پیدا کرنے سے قاصر اور ہر نابغہ اپنے ماحول کے تحت حقائق کو جانچنے پرکھنے کے لیے جداگانہ طریق کا حامل ہے اور اس طرح ماحول سے معتقدات راسخ ہوجاتے ہیں۔ تو اب قدیم وجدید افکار کی روشنی میں یہ حقائق واضع ہیں کہ قدیم انسان کی تحقیقات کل سے جزئیات عاملہ وکاملہ کو ادوار منطق وفلسفہ سے استخراج کر کے مفروضوں کو نظریات اور پھر اصول وقانون کی شکل میں پیش کرتی رہیں ہیں۔

آیئے حکیم انقلاب کی تحقیقات سے استفادہ حاصل کرتے ہوئے طب مفرد اعضاء کی روشنی میں جدید سائنس کی تحقیقات کو ملاحظہ کریں۔

① علم وفن طب میں زندگی وکائنات، نفس وآفاق کو من حیث المجموع دیکھا جاتا ہے۔ اس کی عمدہ مثال امور طبعیہ ہیں۔ جو ارکان

(Fundamental Elements)، مزاج (Essential Temperament)، اخلاط (Essential Tissue Fluid /Humourus)، اعضاء (Organs)، ارواح (Soul)، قویٰ (Forces) اور افعال (Function) پر مشتمل ہوتے ہیں اور طبّی فلسفہ کے مطابق ارکان دراصل نفس وآفاق، زندگی وکائنات اور موالید ثلاثہ کے ابتدائی جواہر (Primary Essence) سائنس اور سائنسی علوم پر مبنی برحقیقت علوم ہیں جو حواس ظاہری سے تعلق رکھتے ہیں اور ان کا نتیجہ یکساں ماحول وحالات میں ہمیشہ دو اور دو چار ہی ہوا کرتا ہے ان سے انکار حقائق سے فرار ہونا ہے۔

اب کی جدید سائنسی تحقیقات کی روشنی میں مادہ کا ارتقاء دراصل جوہر کی وہ لہریں ہیں جو بے مایہ نفس وآفاق میں پھیلی ہوئی ہیں یہ لہریں انرجی (Energy) کہلاتی ہیں۔ ولیم جیمز (William James) (1992) کے مطابق تمام مادی کائنات صرف لہروں پر مشتمل ہے یہ لہریں دو قسم کی ہیں۔ 1۔ محصور (bottled) جس کو **مادہ** کہتے ہیں۔ 2۔ آزاد (Unbottled) جنہیں **روشنی** کہا جاتا ہے۔ یہ لہریں کئی اقسام میں اور کئی رنگوں میں پائی جاتی ہیں کیونکہ یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ انرجی مختلف حالتوں میں تبدیل ہوتی رہتی ہے جسکی وجہ سے یہ کبھی مشینی (Mechanical) کیمیائی (Chemical)، برقی (Electrical)، تھرمل (Thermal)، سولر (Solar)، کشش ثقل (Gravity)، برقناطیسی (Electro Megnitic)، کائناتی (Cosmic) سے تخلیق ہو کر توانائی کی مختلف انواع میں تبدیل ہوتی ہے لیکن ان لہروں پر مشتمل توانائی کا اصل وہ واحد توانائی (The Total energy) ہے جو قدرت اپنی شعور کل (The Total Consciousness) سے پیدائش کرتا ہے۔ یہی لہریں جب باہم ہوتی ہے یا اکٹھی ہوتی ہیں تو مادہ کی صورت میں آتی ہیں۔ توانائی کی ہر قسم میں ورنگ میں فرق ہے۔ جو کیفیات سے علیحدہ ہوتی ہیں جدید سائنس دراصل مادے سے جوہر کی طرف جاتی ہیں۔ جیسے مادہ کا تجزیہ کریں تو وہ سالمات (Molecules) میں منقسم ہو کر ایٹم (Atoms) مل کر الیکٹران، پروٹون وغیرہ کے بعد برقیات (Electrone) کی مثبت اور منفی قوتوں میں تقسیم ہو جاتی ہیں جو کہ مادے کی جوہر کی طرف ایک انتہائی شکل ہے۔ درحقیقت یہی کیفیات ہیں (Primary Conditions of Elements) جو مادی وغیرہ مادی اجسام کا آغاز ہیں۔ اور یہ کیفیات ظاہری حالت میں حرارت، رطوبت، یبوست اور برودت ہیں۔ جن کی بنیادی صفات کی وجہ سے مادہ کا ارتقاء ہوا اور آغاز سے شکل وشناخت کی صفات سے نوازا گیا۔ الیکٹران کی حرکات اور اس کے مرکز سے نکلنے والی لہریں ہی لطیف حالتوں میں کائنات وآفاق کا حصہ ہیں زمان ومکاں بھی اسی میں داخل ہے۔ طب مفرد اعضاء (Simple Organo Pathy) جوہر اور مادہ میں کوئی فرق نہیں رکھتا بلکہ صفاتی وقدرتی طور ہیت بدل جاتی ہے کیونکہ جواہر اجسام لطیفہ ہیں اور مادہ ان کی صورت کثیفہ۔ تو یہ ثابت ہوا کہ جوہر اولیٰ وہ واحد توانائی ہے جو حکم الٰہی سے ''کن فیکون'' کی آواز سے پیدا ہوتی ہوئی کیفیات اولیٰ کا حصہ بن کر مادہ کی اشکال کو وضع کرتی ہے۔ تخلیق کائنات سے لے کر تخلیق انسان تک یہ واحد توانائی سے کیفیات اور پھر مادہ کی مختلف صورتیں نفس وآفاق سے تعلق قائم رکھے ہوئے ہیں۔ حکیم انقلابؒ نے اس کی وضاحت قرآن اور حدیث کی روشنی میں تفصیل سے بیان کی ہے۔

(۲) کیفیات سے ارکان یعنی آگ، ہوا، مٹی، پانی وجود میں آئے ہیں جن سے ہر نفس وکائنات کی تمام اشیاء وجود میں آئی ہیں اور ہر شے میں ارکان کی صفاتی / ذاتی خصوصیات دیکھی جا سکتی ہیں۔ جدید سائنس کہتی ہے کہ ارکان ذریعہ مفرد نہیں بلکہ مرکب حالت میں پائے جاتے ہیں۔ جو مختلف انواع واقسام کے عناصر پر مشتمل ہوتے ہیں لیکن ان کی صفاتی حقیقت سے انکار نہیں کرتی ہے اور ان کے تغیرات مادہ کی مختلف حالتوں واشکال کو جنم دیتے ہیں۔ حکیم انقلابؒ نے پہلی مرتبہ کیفیات وارکان کو عالم الاشیاء واجسام ظاہریہ سے تطبیق دی اور اس کے ماخذ وماحصل اور اطلاقی افعال واثرات مرتب کیے جو جدید سائنس کے بس کی بات نہیں ہے طب مفرد اعضاء (Simple Organo Pathy) کی شکل میں کلیاتی طور پر تطبیق دے کر جزیاتی تشریح کی ہے جبکہ جدید سائنس ابھی تک جزیاتی فعلیات کے مشاہدہ میں ہے۔

(۳) کیفیات وارکان انسان جسم کا جوہر ہیں جو کہ ان چاروں کیفیات کے ملاپ سے ہوا تو ان کے عمل ورعمل، فعل وانفعال اور اثر ومتاثر سے ارکان اربعہ کی ابتدائی ترتیب بنی اور پھر یہی ترتیب وترکیب نے جسم انسانی کے ظاہری جوہر (VisibleEssence) اخلاط (Essential Tissue Fluid) کی

بنیاد رکھی۔ جس سے انسانی جسم کی بنیادی اکائی توانائی کی طرف سے ایٹمی صفت (Atomic Property) اور ساختی طور پر خلیہ (Basic Cell) کی شکل میں تشکیل ہوتی ہے۔ پھر طب مفرد اعضاء (Simple Organo Pathy) اس کو خلیات سے نسیج (Tissue) اور پھر اعضاء تک لے کر ایک نظام مرتب کرتا ہے۔

یہ نظام چار قسم کے خلیات عصبی (Nervous) عضلاتی (Muscular) قشری (Epithilial) اور الحاقی (Connective) پر مشتمل ہے جس کا اصل ارتقاء انسان کی تخلیق اور پیدائش میں مضمر ہے۔ حکیم انقلابؒ نے انسانی جسم کے آغاز کو بہت واضح کیا ہے کہ بطن مادر میں استقراء کے بعد مختلف حالتوں میں تبدیل ہو کر سولھویں دن (Embryo) تین قسم کے پردوں میں تقسیم ہوتا ہے جن کو Germ Layer کہتے ہیں۔ جسم کے تمام خلیات و نسیجات اور اعضاء ان تین تہوں سے بنتے ہیں اور یہی **"خلق فی ظلمت ثلث"** کی جدید ترین تشریح ہے۔ قانون مفرد اعضاء (Simple Organo Pathy) کے مطابق ہمارے جسم کا مکمل نظام اس Germ Layer سے تشکیل و تکمیل پاتا ہے۔

(i) **ECTODERM LAYER**: اس سے زیادہ تر دماغ، (Brain) حرام مغز (Spinal Cord) اعصابی جھلی (Nervous Membrane) حواس خمسہ (Sensory Nerves) اور (Motor Nerves) اور تمام جسم کے اعصاب (Nerves) بنتے ہیں جو کہ سارے جسم کی جلد میں پھیلے ہوتے ہیں۔

(ii) **ENDODERM LAYER**: اس سے گردے (Kidneys) جگر (Liver) لبلبہ و غدد نا قلہ و غدد جاذبہ (Exocrine/Endocrine Gland) ہر اور تمام غشائے مخاطی (Mucous Membrane) اور اندرونی طرف جلد کا حصہ ہیں۔ اس میں تمام Endocrinology اور اس سے متعلقہ غدد وغیرہ شامل ہے اور (Urinary & Gastro-Intestinal System) وغیرہ بھی شامل ہیں۔

(iii) **MESODERM LAYER**: اس سے جسم کے عضلات و دل (Heart & Muscles)، عروق اوردہ (Artries & Viens)، نظام دمویہ (Circulatory System) وغیرہ بنتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ الحاقی مادہ (Connective Tissue) اور اس سے ہڈیاں (Bone) غضروف (Cartileges) بال و ناخن (Nail/Hair) اور طحال (Spleen) بنتے ہیں۔

اس سے ثابت ہوا کہ جنین (Embryo) نو ماہ کے مختلف مراحل اور اشکال میں سے گزر کر پیٹ سے جنم لیتا ہے۔ جدید سائنس اس سے انکار نہیں کر سکتی کہ صرف یہ تین نظام ہی اصل نظام جسم انسانی ہیں جو طب مفرد اعضاء کی سچائی کا منہ بولتا ثبوت ہیں اور جدید سائنس کی روشنی میں تمام جسم کی ساخت و فعل (Anatomy/Physiology) کو بیان کیا جا سکتا ہے۔

④ جسم کے اعضاء دراصل مفرد اعضاء یعنی خلیات (Cells) سے بنتے ہیں جو کہ اخلاط کی مجسم صورت ہیں اور ان میں جو اُس قوت (Force)، حرارت (Heat) ور توانائی (Energy) پائی جاتی ہیں جن سے ان کی ذاتی و انفرادی پیدائش اور نشوونما کی طاقت کے ساتھ استحالہ (Metabolism) حس (Irritibilty)، افزائش نسل (Reproduction) عمل تنفس و اخراج (Excretory System) اور تسنیم (Oxygen) و تغذیہ (Nutrition) اور تصفیہ (Purification) کی قابلیت پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ چار اقسام کے خلیات بھی چار اقسام کے نسیج بناتے ہیں۔ جو ایک دوسرے سے نہ صرف مختلف ہے بلکہ اُنکی شکل اور ساخت اور انکی اغذیہ بھی مختلف ہوتی ہیں اور ان کا باہمی تعلق انسانی جسم کو مکمل کرتا ہے یعنی اعصابی ٹشو (Nervous Tissue) عضلاتی ٹشو (Musculer Tissue) غدی ٹشو (Epithilial Tissue) اور الحاقی (Connective Tissue) ہے۔ قانون مفرد اعضاء میں انہی نسیجات کو مفرد اعضاء قرار دیا ہے اور انہی کی مرکب صورت سے اعضاء بنتے ہیں۔ جدید میڈیکل سائنس کی ماڈرن فزیالوجی (Modern Physiology) کی تحقیقات سے یہ ثابت ہوتی ہے کہ حکیم انقلابؒ نے جس

ترتیب وترکیب سے جسم انسانی کی ساخت وفعل کی تشریح کی ہے وہ اتنی جامع اور مفصل ہے کہ اس سے پہلے تخلیق وپیدائش انسان کے حوالے سے اس طرح تحقیق نہیں کی گئی اور نہ زندگی وکائنات کو اس نظریہ سے فطرت کے لازوال قانون کے تحت کبھی پہلے سوچا گیا ہے۔

⑤ تشریح البدن (Anatomy) وعلم الانسجہ (Histology) میں خلیات کا دل ودماغ اور جگر چیر کران کی انتہائی عمیقانہ وماہرانہ نظر سے ان کی ساختوں کا مطالعہ کرکے ایسے ایسے رموز کو منکشف کیا ہے کہ اس سے پہلے جدید میڈیکل سائنس ایسی تحقیق کو نہیں جانتی اور اگر قانون مفرد اعضاء کے تحت ان نظاموں کو بڑھایا جائے تو نہ صرف انسانی جسم کو سمجھنے میں آسان فہم طریقہ آجاتا ہے بلکہ بے شمار اصطلاحوں اور مشکل ترین ناموں سے بچ جاتا ہے مثلاً جدید میڈیکل سائنس نے انسانی جسم کے کم وبیش 220 مختلف اقسام کے خلیات کو دریافت کیا ہے اور ان خلیات کے نام اور مختلف ترین انواع جو شاخ درشاخ چلتی ہوئی مزید دشوار ہوجاتی ہے جسکی وجہ سے طلباء واطباء کیلئے مشکلات پیش آتی ہیں حکیم انقلابؒ نے قانون مفرد اعضاء کی شکل میں ایسا نظریہ دیا کہ ان تمام خلیات کو یعنی 220 (مختلف اقسام کے خلیات) میں تقسیم کردیا اور اس ترتیب وتشکیل سے جدید میڈیکل انکار نہیں کرسکتی۔ ماڈرن فزیالوجی کے مطابق یہ تمام خلیات دراصل Endoderm, Ectoderm اور Mesoderm سے تشکیل پاتے ہیں اور جسم انسانی کی مادی صورت میں بنیادی حیثیت کی حامل ہیں قانون مفرد اعضاء نے انکی مفرد اعضاء کے ساتھ تطبیق دی اور باقاعدہ نظام کے ساتھ بیان کیا اور ساتھ اسکے آپس میں فعل وانفعال واثر ومتاثر کو تفصیل سے بیان کیا۔

⑥ طب مفرد اعضاء نے کیمیائی ودموی تغیرات (Heamato-Chemical Veriables) کو مفرد اعضاء سے تطبیق دے کر مختلف امراض کے اسباب اور علاج معالجہ کی نئی طرح ڈالی۔

⑦ قوت مدافعت (Immunity) کا تعلق اعضاء کے ساتھ اور خون کا تعلق قوت مدبّرہ بدن (Vital Force) کے ساتھ دریافت کرکے ان دونوں قوتوں کا آپس میں معاونت، موازنت اور مماثلت کے لیے **"وزنوا بالقاسطاس المستقیم"** کا میزان قائم کرکے ثبوت کیا۔

⑧ قوت مدبّرہ عالم (The Universal Force) اور قوت مدبّرہ بدن کا آپس میں تعلق بتاکر قوت مدبّرہ عالم اور قوت مدتبرہ بدن کے زیر تحت نظامات قدرت میں فطرت کی قانون سازی اور جلوہ نمائی دکھاکر **" فطرت الله التی فطرالناس علیها"** کا سیدھا راستہ اور آسان وسادہ طریقہ بتایا۔

⑨ نفسیاتی اثرات مسرت وخوشی اور غم وفکر کا تعلق قلب وعضلات سے لذت وسرور اور خوف ومایوسی کا تعلق دماغ واعصاب سے ہے اور ندامت وشرمندگی اور غصہ وطیش کا تعلق جگر وغدد سے پیش کیا اور پھر ان کو دوران خون سے مربوط کرنا قانون مفرد اعضاء کا طرۂ امتیاز ہے۔

امریکی سائیکاٹرک ایسوسی ایشن ***(American Phychaitric Association)*** نے انسانی کردار ونفسیات کے حوالے سے شخصی، حیاتیاتی، جذباتی، معاشرتی اور روحانی امراض وعلامات کیلئے ایک **"Catalogue"** تیار کیا ہے جس میں ہر نئے دن کے آغاز سے اضافہ بھی ہوتا جاتا ہے جس کا نام **DSM** یعنی ***Diagnostic and Statistical of Mental Disorders*** ہے اور ہر چند سال کے بعد اس کا **"Version"** تبدیل ہوتا ہے آجکل **DSM-V** مارکیٹ میں ہے لیکن اس میں کہیں بھی جذبات انسانی کو اعضاء سے تطبیق نہیں بتائی گئی اسی طرح عالمی ادارہ صحت نے جسمانی، ذہنی امراض کی تشخیص وعلاج کیلئے ایک معیاری ومقداری **" Qualitative & Quantitative Manual"** تیار کیا ہے جس کا نام **ICD** (***International Satistical Classification of Disease and Related (Health) Problem*** ہے اس میں بھی مفرد اعضاء سے نہ تعلق کو بتایا گیا ہے اور نہ جذبات کی حقیقت کو آج تک سمجھا جاسکا ہے۔ نفسیاتی عوارضات کے اسباب کو سب سے پہلے ایک اصولی وقانونی شکل میں قانون مفرد اعضاء میں نہ صرف بیان کیا گیا بلکہ اسکی تشخیص وتجویز کیلئے ایک مضبوط ومربوط نظام وضع کیا گیا ہے۔ اسی لیے قانون مفرد اعضاء میں جسم اور اعضاء کی باقاعدہ تقسیم (Systematic Classification) ہوئی

جس کی وجہ سے فطری اور منظم تشخیص و علاج کو سمجھنے کے بعد علم طب ظنی نہیں رہتا بلکہ یقینی طریقہ علاج بن جاتا ہے۔

قانون مفرد اعضاء میں جسم کی درجہ بندی جو امراض و علامات کے حوالے سے کی گئی ہے اس سے لاکھوں اقسام کی مختلف امراض و علامات کی چھ منظم تحریکات میں تقسیم کر کے تاریخ طب و فن میں انقلاب پیدا کر دیا ہے جس سے مقابلے میں (DSM-V) اور ICD Manual کی حیثیت ماند پڑ جاتی ہے اور دوسری کئی امراض کا علاج اب تک ناممکن ہے اور تیسری اس میں امراض کے اسباب اور وجوہات کا ابھی تک کوئی پتا نہیں لیکن قانون مفرد اعضاء کی درجہ بندی سے یہ تمام سوال اب سوال نہیں رہے بلکہ ان کے جوابات ایک ذخیرہ علم میں انقلابی اضافہ بھی ہے اور علم و فن طب میں تجدید و اصلاح بھی ہے۔

⑩ قانون مفرد اعضاء ان تمام اقسام کے علاج و معالجہ کے نظام سے ممتاز ہے کہ اس میں وٹامنی امراض و غذائی امراض (**Avitaminosis & Nutrition Disorders**) کو مفرد اعضاء سے تطبیق دے کر علاج و معالجہ کو انتہائی آسان کر دیا ہے دیگر تمام اقسام کی اغذیہ کو ایک منظم و مربوط شکل میں پیش کر کے یہ بتایا ہے کہ اول قسم کا کامیاب علاج صرف غذائی نظام کے ردو بدل سے ہی ممکن ہے اس نظام سے دور حاضر کے جدید غذائی نظام کی بے شمار خامیاں بھی سامنے آ گئی ہیں قانون مفرد اعضاء میں غذاء بھی ارتقاء جسم اور اعمال و افعال کی وجہ ہے اس میں رطوبت غریزی (Vital Humour) اور حرارت غریزی (Vital Heat or Colidam Innatum) کی تشکیل و تحلیل ہوتی ہے اور غذا بھی اجسام میں نشو و نما کا سبب ہے۔ (**Atkins Nutritional Approach**) بھی قانون مفرد اعضاء کی صداقت کا منہ بولتا ہے گو کہ وہ غذاء نظام میں مفرد اعضاء سے تطبیق اور متعلقہ اصلاح و استحالہ کو واضح نہیں کر سکا لیکن جسم انسانی میں غذائی نظام میں چربی (Fats) کی اہمیت اور لحمیات (Protiens) کی افادیت کو حرارت غریزی کے حوالے سے بیان کرنا، قانون مفرد کی سچائی کا ثبوت ہے **Atkins Diet Revolution** کے مطابق جسم انسانی میں چربی انسانی مشین کے خام پٹرول اور ایندھن کا کام انجام دیتی ہے اور یہی جمع شدہ چربی اس کی غذائیت اور خون بن کر جسم و اعضاء اور خلیات کی پرورش و غذا اور نشو و ارتقاء میں صرف ہوتی ہیں اس لیے Robert Atkins نے جسم کے اندر کیمیاوی تغیرات خصوصی طور پر موٹاپا (Obesity) کے حوالے سے Low-Carbohydrate Diet کو ترجیح دیتا ہے گو اس حوالے سے American Medical Association نے اس کو Cardio Vascular Disease کیلئے خطرہ بھی قرار دیا ہے لیکن قانون مفرد اعضاء تو اس حوالے سے اس کی تصدیق کرتا ہے کہ لحمیات سے پیدا شدہ بنیادی توانائی (Essential Protien) نہ صرف جسم کی ضروریات کو پورا کرتی ہیں بلکہ امراض قلب میں خصوصی اہمیت کی حامل ہے اور Essatial Protien وہ ہم لحمیاتی غذاء سے ہی لے سکتے ہیں اس سے Vegeterain Theory کی غلطیاں بھی سامنے آتی ہیں کہ صرف سبزیوں سے (کاربوہائیڈریٹس) سے ہم جسم کی بنیادی توانائی حاصل نہیں کر سکتے۔ گویا غذا کی بنیاد اور اصل چربی (Fats) اور کاربوہائیڈریٹس ہیں جو بطور غذا استعمال کیے جاتے ہیں جو جسم کو حرارت و آکسیجن کی صورت میں زندگی بخشتے اور اعمال و افعال کا ذریعہ بنتے ہیں۔

قانون مفرد اعضاء (Simple Organo Pathy) غذاء کو بھی جسم کے مزاج کے مطابق تقسیم کرتا ہے۔ اور امراض میں اسی اخلاط و مزاج کے حوالے سے تشکیل دیتا ہے۔

⑪ حکیم انقلابؒ کا اپنی تحقیقات میں یہ ثابت کرنا کہ ایک عضو (Organ) کے بیمار ہونے سے دوسرے اعضاء کی حالت کی وضاحت اور اس سے پیدا شدہ تغیرات جسم کا معلوم ہونا علم طب و فن میں انقلابی کمال ہے۔ جسم میں پیدا ہونے والے مسلسل عوامل تحریک (Stimulation) تسکین (Relaxation) تحلیل (Resolution) کو سمجھنے کے بعد ہم آسانی سے ایک عضو کی حالت یا تغیر سے دوسرے اعضاء بلکہ پورے جسم کی حالت اور مزاج کو نہ صرف صحیح سمجھ سکتے ہیں بلکہ اس مسلسل عمل کو کائناتی و آفاقی طرز حیات کا بنیادی سبب بھی قانونی شکل میں پاتے ہیں اس فکر سے

عالم اصغر (انسان) کا رشتہ عالم اکبر (کائنات وآفاق) سے نہ صرف منظم ومربوط ہوتا ہے جس میں کسر وانکسار وعمل وردِ عمل اور اثر ومتاثر بھی پایا جاتا ہے۔

⑫ جدید میڈیکل سائنس نے علم وفن میں اتنے شعبہ جات (Discipline) بنا دیئے ہیں کہ طب وفن کا نظام انتہائی پیچیدہ ہو گیا ہے۔ اور اس ضمن میں جو امراض قلب کا **متخصص** (Specialist) ہے وہ امراض جگر ومعدہ (Gastro-Hepatologist) کو سمجھنے سے قاصر ہے اور جو امراض دماغ واعصاب (Neurologist) ہے وہ امراض عظام (Orthopedic) کو نہیں جانتا۔ اور ایک مریض کی علامات اگر اختلاف میں ہیں (حالانکہ ایسا نہیں ہوتا) یعنی جگر، قلب اور عظام کی تو وہ تین ڈاکٹرز کے پاس اپنی دواؤں کو تجویز کرائے گا اسی لئے جسم ایک ہے۔ اس کے اعمال میں تحریک، تسکین اور تحلیل ایک مسلسل عوامل ہیں جن کے رازوں سے قانون مفرد اعضاء یوں پردہ اٹھاتا ہے کہ جیسے وہ اپنے سامنے ہوتا دیکھتا ہے۔ وہ جسم انسانی کے تمام شعبہ جات کو ایک منظم شکل میں اصولی وکلی طور پر بیان کرتا ہے جو آج تک کسی اور سائنس نے ابھی تک بیان نہیں کیا۔ اس لیئے جدید میڈیکل سائنس جن کو امراض کہتی ہے وہ قانون مفرد اعضاء میں علامات ہیں۔ باوجود اتنی تحقیقات کے جدید میڈیکل سائنس ابھی تک انسانی جسم کو نہیں سمجھ سکی اور یہ بے شمار غلطیاں (Errors) امراض تو پیدا کر رہے ہیں لیکن علاج کی سہولیات سے دور ہیں جدید میڈیکل سائنس کے چند Errors مندرجہ ذیل ہیں:

(i) انسانی جسم صرف مادہ کی ترقی یافتہ شکل ہے اور اسکے تغیرات اس کے ذاتی مادہ کے حوالے سے منسلک ہیں۔

(ii) انسانی جسم الوجود ایٹم اور مالیکیول سے بنا ہوا ہے اور اس کے افعال دراصل ***Physico-chemical*** کی مزید تشریح ہیں جو باقاعدہ فزکس اور کیمسٹری کے اصول پر قائم ہیں۔

(iii) جذباتی حالات (Psychological Patterns of Emotions) دراصل جسم الوجود میں صرف کیمیاوی تغیرات (Chemical Change) کی وجہ سے ہوتی ہیں۔

(iv) مرض اور زندگی کا رشتہ پرانا اور وراثتی ہے۔

(v) مرض کو جدید ٹیکنالوجی کی مدد سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔

(vi) علامات کا علاج بھی اصل میں مرض کا علاج ہے۔ اسی لیئے علامت بھی مرض ہے۔

(vii) مریض بتلائے مرض کا ذمہ دار نہیں ہوتا ہے۔

(viii) جراثیم (Germs) ہی تمام سوزش وامراض کی بنیادی وجہ ہیں اور طفیلیات (Parasitic Organisms) ہی اصل میں تمام متعدی و سوزشی امراض کی وجہ ہیں وغیرہ۔

اسی طرح کے کئی نظریات ہیں جو بے بنیاد ہیں اور محدود ہیں جس پر جدید میڈیکل کی کھوکھلی بنیادیں قائم ہیں لیکن طب مفرد اعضاء ان تمام کے رموز واسرار کو قانونی واصولی طور پر بیان کرتا ہے اور ان غلطیوں کی وضاحت اور تدارک انتہائی منظم انداز میں کرتا ہے۔ جب جدید سائنس تحریک، تحلیل وتسکین کے اصل فلسفہ سے روشناس ہوگی تب یقیناً نہ صرف جسمانی امراض وتغیرات کا حل کھلے گا بلکہ کائناتی وآفاقی امور کو سمجھنے میں بھی مدد ملے گی جس سے ایک نئی دریافتوں کا سلسلہ چل نکلے گا۔ کیونکہ طب مفرد اعضاء ایک کائناتی وآفاقی سچائی ہے اور قانون فطرت قدرت کا اچھوتا قانون ہے۔

⑬ جب جسم انسانی کو ایک منظم اور مربوط نظام میں سمجھا جائے تو ایک طبیب صرف طبیب نہیں رہتا بلکہ اصل کشاف بدن بن جاتا ہے۔ اسی لیئے طب مفرد اعضاء میں یقینی تشخص (Ultimate Diagnosis) اور بے خطاء علاج (Systemetic Cure) ہی اس کو دوسرے تمام نظام

ہائے طب وصحت سے ممتاز کرتا ہے۔

یہ حقیقت اب سب پر آشکار ہو چکی ہے کہ علم التشخیص میں نبض شناسی (Pulse Reading) اور قارورہ شناسی (Urinalysis) کو بنیادی مقام حاصل ہے۔ طب یونانی (Greek Medicine) اور چینی طب (Traditional Chinese Medicine) کے علاوہ اور کسی طب میں نبض و قارورہ شناسی کی وضاحت نہیں ملتی۔ طب یونان میں نبض کی اتنی اقسام ہیں کہ نہ ان کو یاد کیا جاسکتا ہے اور نہ انکی عملی تدبیر اختیار کی جاسکتی ہے۔ اور چینی طب میں نبض کی فلاسفی Yin, Yan اور Qi قوتوں کے گرد اگرد گھومتی ہے جس سے حالات بدن تو سمجھ میں آتے ہیں لیکن تطبیق اعضاء، کیمیاوی و مشینی تعاملات، اخلاط و مزاج اور قویٰ باطنیہ وظاہریہ کی مناسب تشریح نہیں ملتی۔

حکیم انقلابؒ نے نبض شناسی اور قارورہ شناسی کو اس قدر آسان فہم اور منطقی و یقینی انداز میں پیش کیا کہ آج تک کوئی طب اس انداز سے پیش نہیں کر سکی۔

جدید میڈیکل سائنس نے جسم انسانی کی ترتیب اور اس سے پیدا شدہ تغیرات کی تشخیص کیلئے اب تک کم و بیش 7 کروڑ ٹیسٹ دریافت کر چکی ہے جس کی تعداد میں مسلسل اضافہ ہی ہو رہا ہے۔ لیکن ان بے شمار ٹیسٹوں کے باوجود یقینی تشخیص کا حصول مشکل ترین مرحلہ رہا ہے جو کہ ابھی بھی پیچیدہ ہے ان تمام ٹیسٹوں میں Laboratory Test، Rediological Test، Medical Imaging اور Nuclear Test وغیرہ ایسے مراحل ہیں جن میں بعض میں مریض کو انتہائی مشکل اور پیچیدہ مرحلہ سے گزرنا پڑتا ہے۔ مثلاً MRI اور Biopsy وغیرہ اور بعض میں مریض کا اتنا خون لے لیا جاتا ہے کہ خون کی کمی ہو کر مزید کمزوری پیدا ہو کر تشخیص سے پہلے ہی مریض راہی عدم ہو جاتا ہے۔ اب تک کی جدید Biotechnology اور Nano Technology کی مدد سے گو کہ بہت سے جدید انکشافات ہوئے ہیں لیکن کیا ان انکشافات کا فائدہ مستقل رہا؟ کیا حتمی تشخیص ممکن ہو سکی؟ یقیناً اس کا جواب ہاں یا نہیں کے درمیان میں کہیں ہے۔

لیکن قانون مفرد اعضاء میں نبض شناسی اور قارورہ شناسی سے تشخیص یقینی بن جاتی ہے اور خصوصی طور پر جب آپ کسی عضو رئیس میں پہنچ جاتے ہیں تو جسم کی ساری کیفیت اور حالت آپ کے سامنے دوں بدوں ہوتی ہے۔ یہ قانون مفرد اعضاء کا طرۂ امتیاز ہے کہ طب یونانی میں نبض کی اب تک 10 لاکھ اقسام دریافت ہو چکی ہیں اور نبض کی حالت اور انداز میں اختلاف پایا جاتا ہے جس سے بدن انسانی کے حالات، نباض کی انگلیوں سے ہوئے ہوئے ادراک و احساسات اور وجدان والقاء سے علم طب و فن کی زبان بن جاتی ہیں۔ لیکن اتنی اقسام کی نبض کو یاد رکھنا اور اس کا فہم و تجربہ حاصل کرنے کیلئے کئی عمریں چاہیں۔ لیکن قانون مفرد اعضاء نے مفرد سے مرکب نبض کو چھ مختلف نبضوں میں تقسیم کر کے سمندر کو کوزہ میں بند کیا ہے جسکی مثال تاریخ طب و فن میں نہیں ملتی۔

جدید میڈیکل سائنس نبض شناسی میں رفتار اور قرع میں کمی و بیشی کو بخار یا چند امراض قلب مثلاً Ischeamia / Arrythmias Atrial وغیرہ پر بنیاد بناتی ہے لیکن نبض شناس سے جسم کے حالات کو جاننا اور تمام امراض کی پوری سمجھ حاصل کرنا قانون مفرد اعضاء کو دوسری نظام ہائے طب سے ممتاز کرتا ہے۔ مشاہدات اور علامات پر نبض کو فوقیت حاصل رہی ہے کیونکہ ماہر فن نباض کیلئے نبض مریض کی اندرونی و بیرونی کیفیات اخلاط اور افعال الاعضاء کی افراط و تفریط اور اعتدال کے اسرار و رموز افشاں کر دیتی ہے اور اس طرح ماہر فن و طب جسم کے قلب سے ہوتا ہوا ہر خلیہ کے قلب تک رسائی حاصل کر لیتا ہے جس سے مفرد اعضاء کی تحریک، تسکین او تحلیل کے دروازے کھل جاتے ہیں۔

⑭ قانون مفرد اعضاء نے اخلاط کی کمی و بیشی کی پہچان اور اس وجہ سے پیدا ہونے والے تمام امراض کی تشخیص کو یقینی صورت دی ہے، جس کی وجہ سے نبض شناسی اور قارورہ شناسی کی افادیت و اہمیت از سرِ نو زندہ ہو گئی ہے اور ایک طرف تشخیص میں آسانیاں پیدا ہو جاتی ہیں دوسری طرف تجویز و علاج انتہائی آسان اور بے خطا بن جاتا ہے۔

⑮ حکیم انقلابؒ نے ماہیت امراض (Pathology) کے حوالے سے جو باریکیاں اور نکات بیان کیے آج سے پہلے ان کے حقائق سے

کوئی پردہ نہ اٹھا سکا۔ پچھلی دو صدیوں کی تحقیقات نے ماہیت الامراض کے حوالے سے جو معلومات اور تدقیقی تحقیقات پیش کی ہیں اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ قابل ستائش اور تعریف ہیں لیکن باوجود اتنی جدید ٹیکنالوجی اور آلات ووسائل کے وہ اس میں مہارت نہیں حاصل کر پائے اور بے شمار انتہائی باریک نکات تک رسائی حاصل نہ کر سکے۔

قانون مفرد اعضاء وہ پہلی تحقیق ہے جو ان وسائل اور ٹیکنالوجی کے باوجود اصول وقانون پر ایسے شاہکار نکات اور عمدہ سمت بتاتی ہے کہ جدید سائنس ابھی ان تحقیقات سے بہت پیچھے ہے۔ مثلاً سوزش و اورام میں کیمیائی تغیرات (Chemical Pattern of Physiological Changes) جو مقام ماؤف (Infected Area) پر رونما ہو رہی ہوتی ہیں وہ عضوی و مشینی تحریکات (Organic & Mechenical Pattern of Stimulations) کا پیش خیمہ ہوتا ہے۔ جس کی دلیل اس مقام ماؤف پر کیمیائی تغیرات کی نقل و حرکت جس میں "Exaltation" سے "Exudation" اور پھر "Emigration" سے مختلف عوامل کا عمل تحلیل (Resolution) کر کے سوزش اور اورام کو ختم کر دیتا ہے۔ یعنی "Veso-constrition" سے "Veso-dilation" تک اور پھر "Replacement of Injured Cells" سے انفعال طبعیہ وکیمیاویہ (Physical & Chemical Actions) تک کا سفر عضوی تحریک کا محتاج ہے جو کیمیائی تعاملات میں تغیرات کا باعث بنتی ہیں اور یہ عضوی تحریک دراصل کسی ایک مفرد عضو (Simple Organ) میں تحریک کی وجہ سے رونما ہوتی ہے یعنی صرف عضلاتی تحریک (Vescular Stimulation) میں یہ عمل نہیں ہوتا بلکہ دوسرے احشاء و نسیجات کے مفرد اعضاء میں بھی مختلف انداز اور فعل سے واقع ہوتا ہے۔

اسی لیے سوزش کو سب سے پہلے قانون مفرد اعضاء نے زحمت کی بجائے رحمت سے منسوب کیا اور مدافعتی ردعمل کی صفت ضامن قرار دیا۔

اس کے علاوہ سوزش (Irritation) اور ورم (Inflamation) میں واقع فرق کا بیان کرنا اور دلائل سے ثابت کرنا، بخار (Fever) کی حقیقت کا بیان کرنا، درد کی مختلف صورتوں (Physical & Chemical Conditions of Pains) کو پہلی مرتبہ واضح کرنا، سائل دموی (Plasma) اور رطوبت مائیت دم (Lymph) اور سیرم (Serum) کا امتیازی فرق بیان کرنا، رطوبت طلیہ و دمویہ کی حقیقت بیان کرنا، ورم رخو (Oedema) کی حقیقت اور پیپ (Puss) کی افادیت کا بیان کرنا وغیرہ، غرض ایسے بے شمار حقائق ہیں جو ماہیت الامراض میں نئی جہات اور دریافتیں ہیں جو طبی سائنسی انقلاب پیدا کرتی ہیں۔

حکیم انقلابؒ اس صدی کی ایسی ممتاز ہستی ہیں جنہوں نے قدیم علوم وفنونِ حکمت کو نئی زندگی عطا کی۔ اس کے لازوال اصول وقوانین کو ایک ہنرمند اور صحت مند فطری حیثیت بخشی۔

آپؒ اکثر کہا کرتے تھے کہ "میں طب قدیم کا نمائندہ ہوں اور میرا تعلق کسی جدید طب یا کسی نئے طریق علاج سے نہیں ہے اور طب قدیم جن بنیادوں پر قائم ہے وہ اصولی قدریں ہیں اور نہ صرف سائنسی قدروں کے مطابق ہیں بلکہ فطرت کے عین مطابق ہیں۔ جب تک کوئی قوانین فطرت کو غلط قرار نہ دے دے وہ طب قدیم کو غلط ثابت نہیں کر سکتا، اور فرنگی طب یا ماڈرن میڈیکل سائنس غیر علمی اور غلط ہے۔ یاد رکھیں کہ سائنس اور شے ہے اور ماڈرن میڈیکل سائنس اور شے ہے"۔

ہم نے آغاز سے انجام تک، تاریخ سے جدت تک چند مسائل اور ان کی حقیقت بیان کرنے کی کوشش کی ہے حالانکہ قانون مفرد اعضاء کو تاریخ کے صفحات سے لے کر مستقبل کے جدید امراض اور ان کے علاج تک اگر لکھا جائے تو کئی انسائیکلوپیڈیا بن جائیں گے لیکن پھر بھی کمی رہے گی۔ اور اس قانون سے طب قدیم کی خوشبو قوانین فطرت کا منہ بولتا ثبوت ہیں جس سے پتہ چلتا ہے کہ قدیم انسان اور اس کی تحقیقات ومعلومات آج کی جدید سائنسی اسرار ورموز سے کہیں زیادہ قوی اور پرمغز ہیں۔

حکیم انقلابؒ جس قدیم انسان کے اور اس کی تحقیقات علوم وفنون وحکمت کے داعی تھے وہ انسان روحانی، جسمانی، ذہنی، معاشرتی اور

وقوفی طور پر آج کے انسان سے کہیں زیادہ ترقی یافتہ تھا۔ کیونکہ وہ اپنے باطن کے تشخص سے زیادہ واقف اور اپنی سوچ وفکر کا واضح علمبردار تھا۔ جس کی تصدیق آج کی جدید سائنس بھی کرنے پر مجبور ہے۔ مثلاً آج کے سائنسدانوں نے 1930ء میں AURA کی تصویر کشی (Kirlian Photography) کی اہلیت حاصل کی۔ Raymond Moody نے اپنی کتاب (1975) Life After Life کا موازنہ ایک کتاب Tibeten Book of Dead سے کر کے یہ ثابت کیا کہ موجودہ دور کی جدید طبیعات کا بھرپور مقابلہ کرتی ہے۔ کیونکہ قدیم انسان اپنے اسلوب، فکر، تہذیب وتمدن اور علوم وفنون حکمت میں ایک انفرادی حیثیت رکھتا تھا۔ جیسا کہ ہم نے تاریخ طب کے ادوار اور اس کے عروج باکمال کو یونان، روم اور دنیائے عرب سے لے کر آج تک کی جدید طبی تحقیقات کو قانون مفرد اعضاء کی انفرادی واجتماعی تشخص میں بیان کیا۔ اب تھوڑا سا تبصرہ حکیم انقلابؒ کے انقلابی ذہن کی طب قدیم کے انسان کی طرف رجحان اور اس کی جدت پر کرتے ہیں، جس سے نہ صرف یہ پتا چلے گا کہ قدیم انسان اپنے علوم وفنون وحکمت میں آج کی جدید سائنس سے انتہائی ترقی یافتہ تھا۔

انبیاء علیہم السلام کے معجزات جو کہ آج کی سائنس اپنے مشاہدات سے ثابت کرتی ہے مثلاً حضرت محمد ﷺ کا چاند کو انگلی کے اشارے سے دو لخت کر دینا اور معراج کا سفر کرنا وغیرہ، چاند کا ظاہری وتحلیلی جائزہ لینے کے بعد یہ معجزہ 240 کلومیٹر طویل اور 8 کلومیٹر چوڑی بالکل سیدھی دراڑ ایک حقیقت بن کر نظر آتا ہے، اور اسی طرح صحابہ اکرام رضی اللہ عنہم اولیاء رحمۃ اللہ علیہم کی کرامات کا تسلسل بھی تاریخ سے ملتا ہے، جو کہ عام حالات میں ناممکن ہیں، جس سے اس قدیم انسان کی قدوقامت، مدبرانہ پہلو اور سائنسی روحانیت کی برتری سامنے آتی ہے۔

اہرامِ مصر (Paramids) کی عمارتیں، زیرِ سمندر ہزاروں برس پہلے کے شہرت کی دریافتیں اور Fagium کے مقام پر ایسی Paintings کا ملنا جن کے رنگ ہزاروں برس گزرنے کے باوجود آج بھی ہلکے نہیں پڑے اور جدید سائنس نہ Asphalt سے بنی ہوئی طویل سڑکیں بنا پائی اور نہ ایسے رنگ دریافت کر پائی اور نہ ابھی تک اہرام مصر کی عمارتوں کا سراغ لگا پائی ہے۔

ولیم کونگ نے ایک نظریہ پیش کیا تھا کہ 2500 قبل مسیح میں عراق میں طلائی الکٹروپلیٹنگ کے ثبوت ملے ہیں۔ کیلی فورنیا میں COSO کے پہاڑی سلسلے کے قریب ہزاروں سال پرانا اسپارک پلگ (Spark Plug) کا ملنا، ڈاکٹر کولن فنک کے مطابق 4300 برس قبل مسیح مصر کے لوگوں کا بجلی استعمال کرنا، بغداد میں 2500 سال پرانی الیکٹرک بیٹری کا ملنا، 1800 قبل مسیح میں لکھی گئی کتاب Agasta Samhita میں الیکٹرک بیٹری کی تیاری کی تفصیلات کا موجود ہونا اور حضرت نوح علیہ السلام کا کشتی میں مہر (Tsohar) بنانا جس کا مطلب ایسی روشنی جو کہ سورج کی طرح ہو اور اسی طرح یہودیوں کی مقدس کتاب (Kebra Nagast) میں بھی الیکٹرک بلب کا ذکر ملتا ہے۔

مصری اور چینی تہذیب میں لاشوں کو محفوظ کرنا جو کہ آج تک محفوظ ہیں، لیکن جدید سائنس آج تک ایسا مسالہ تیار نہیں کر پائی کہ جسم کو محفوظ کیا جا سکے۔

Col. P.H. Fast کے مطابق امریکن مائن انجینئرز Seodel Pasco کے قریب ایک قدیم سیل پیک بوتل ملی ہے جو کہ حادثاتی طور پر ٹوٹ گئی اس میں موجود لیکوئیڈ کے چند قطرے ایک پتھر پر گرے اور وہ پتھر لمحہ بھر میں مٹی میں تبدیل ہو گیا اور کچھ دیر بعد وہ دوبارہ اصلی شکل میں آ گیا، اور آج کی سائنس ابھی تک نہیں سمجھ پائی اور نہ ایسا کیمیکل ایجاد کر پائی۔

صرائے گوبی سے 1950ء میں 20 ہزار سالہ پرانے پتھر کا ملنا جس پہ کسی جوتے کے فٹ پرنٹ ہیں، ہزاروں برس پہلے اس قدیم انسان کے پاس کونسے ایسے فارمولے تھے جس سے وہ پتھر کو موم کر لیتے تھے۔

Nayan تہذیب سے دریافت ہونے والی 2500 برس قبل کی قدیم تختیوں میں ایسی تصویریں ملتی ہیں جیسے کوئی راکٹ/جہاز اڑ رہا ہو، اور مصر میں عبیدوس کے مقام پر SETI-1 کا 5 ہزار سال پرانا قدیم معبد موجود ہے، جسے نومبر 1988ء میں دریافت کیا گیا۔ اس میں دیواروں اور

فہرست عنوانات

مختصر سوانح عمری حکیم انقلاب

آپ کا اسم گرامی دوست محمد، ادبی نام صابر اور والد گرامی کا نام حکیم نور حسین تھا۔ دُنیا طب آپ کو صابر ملتانی کے نام سے جانتی ہے۔ آپ کے مؤیدین نے آپ کو حکیم انقلاب اور مجدد طب وغیرہ کے القابات سے نوازا۔

ولادت وجائے پیدائش

آپ کی پیدائش 9 جولائی 1906ء کو مدینۃ الاولیاء یعنی ملتان چھاؤنی کے علاقہ میں ہوئی۔

تعلیم وابتدائی حالات

مڈل تک تعلیم کنٹونمنٹ سکول ملتان میں حاصل کی، مابعد انٹر کا امتحان بھی امتیازی نمبروں سے پاس کیا، اُردو فاضل، منشی فاضل اور عربی فاضل کے امتحانات لاہور (پنجاب یونیورسٹی) سے پاس کئے۔ آپ کا تعلق ایک علمی طبی گھرانے سے تھا۔ صابر ملتانی نے ابتدائی تعلیم اپنے ماموں سے حاصل کی۔ اس کے بعد حکیم حاذق زبدۃ الحکماء اور ممتاز الاطباء کے امتحانات انجمن حمایت الاسلام کے طبیہ کالج لاہور سے اعزاز وامتیاز کے ساتھ پاس کئے۔

طبیہ کالج میں فرنگی طب بھی جلوہ گر تھی۔ لہٰذا فارغ التحصیل حضرات اسی مخمصہ میں مبتلا رہتے تھے کہ ''جراثیمی نظریہ'' یا کیفیات و مزاج یا الخاصہ کے مطابق علاج کریں۔

ایسی ہی صورت جناب صابر ملتانی کے ساتھ پیش آئی اور وہ عبدالحکیم تحصیل خانیوال میں قریباً ساڑھے سات سال تک ایلوپیتھی طریق علاج کے مطابق پریکٹس کرتے رہے۔ وہاں کے بڑے بڑے رؤسا بھی آپ سے بطور معالج مستفید ہوئے۔ مگر متجسسانہ ومحققانہ طبع اس غیر حقیقی وخلاف فطرت طریق علاج سے مطمئن نہ تھی کیونکہ اس کی بنیاد غیر علمی اور اپنے ہی اُصولوں کی نفی کرتی ہے۔ آخر کار آپ 1929ء کے لگ بھگ اپنے ماموں حکیم امجد حسن کے مطب پر آ گئے اور وہاں پر تبصرۃ الاطباء قسم کے رسائل پڑھنے شروع کر دیئے جو کہ حکیم احمد دین شاہدروی کے طبی نظریات کی ترجمانی کرتے تھے۔ ان رسائل کے پڑھنے سے فرنگی طب کی بہت سی خامیاں سامنے آ گئیں اور آپ فرنگی طریق علاج کو خیر باد کہنے پر مجبور ہو گئے۔

ورود لاہور اور تحقیقاتی کام

لاہور سے قریب راوی کے شمالی کنارے شاہدرہ کی بستی میں موجد طب حکیم احمد دین شاہدروی نے طبیہ کالج قائم کر رکھا تھا اور اس نے نظریہ طب جدید پیش کر کے اطباء کو اس کے حسن وقبح کے معلوم کرنے کے لئے متجسس کر دیا۔ صابر ملتانی خوب سے خوب تر کی تلاش اور تحقیق حقیقت کے لئے 1930ء میں حکیم احمد دین شاہدروی کے ساتھ منسلک ہو گئے اور ایلوپیتھی، طب یونانی، آیورویدک اور ہومیوپیتھی

طریقہ ہائے علاج کا مطالعہ کرتے رہے اور ساتھ ساتھ تحقیقی کام بھی اپنی بساط کے مطابق جاری رکھا۔ آپ کے اس جذبہ اور ذہانت کو دیکھتے ہوئے حکیم احمد دین نے نا صرف آپ کو اپنے تحقیقاتی کاموں کا صدر بلکہ کالج کا پروفیسر مقرر کر دیا۔

بطور ایڈیٹر طبی خدمات

جناب حکیم دوست محمد صابر ملتانی ماہنامہ ''تبصرۃ الاطباء'' جو کہ حکیم احمد دین شاہدروی شائع کرتے تھے میں بطور ایڈیٹر کام کرتے رہے۔ اس دوران طبی تحقیقات کے سلسلہ میں ہندوستان کے جید اطباء سے ملاقاتیں کرتے رہے اور انہیں ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنے کی سعی کرتے رہے۔ آپ کی انتھک کاوشوں سے نظریہ افعال الاعضاء نے بہت ترقی کی۔ ''تبصرۃ الاطباء'' کے علاوہ آپ حکیم احمد دین کا مجلہ ''خادم الحکمت'' بھی چلاتے رہے۔ ان رسائل کے ذریعہ آپ نے اس نظریہ کو خاص و عام تک پہنچا دیا۔ جناب صابر کی ذہانت و محققانہ طبع آپ کو ہر آن جستجوئے خوباں میں رکھتی تھی۔ آپ کے سوالات علمی کے جوابات سے حکیم احمد دین بھی اکثر قاصر رہ جاتے اور آپ کی تشنگی مزید بڑھ جاتی۔ آپ ان جوابات کے حصول کے لئے دیگر نامور حکماء سے بھی رجوع کرتے مگر ان کی کماحقہ تشفی نہ ہوتی، ان حالات سے دل برداشتہ ہو کر آپ نے دیگر طریقہ ہائے علاج کی طرف بھی رجوع کیا۔ مثلاً ہائیڈروپیتھی، الیکٹروپیتھی، کروموپیتھی، بایوکیمک اور ہومیوپیتھی کے علاوہ دیگر طریقہ ہائے علاج کی طرف رجوع کر کے ان کو اپنے مخصوص زاویہ نگاہ سے پرکھا۔ مگر کسی بھی طرح تسکین خاطر نہ ہوئی۔

طبی مصائب

جناب حکیم دوست محمد صابر ملتانی نے طب جدید کے نظریہ افعال الاعضاء کو بغور پرکھا مگر آپ اس نظریہ سے متفق نہ ہوئے، کیونکہ اس طریق علاج میں انسانی ڈھانچہ اور اس کی ساخت کی کوئی تشریح نہ تھی۔ نیز صرف خون کو تمام اعضائے جسمانی کی غذا تسلیم کیا گیا تھا اور جناب صابر کی طبع بلند کسی بے بنیاد نظریہ کو قبول کرنے سے اباحت کرتی تھی۔ لہٰذا آپ نے نئے سرے سے اس طریق علاج کو پرکھا اور حکیم احمد دین کی تحقیقات پر اعتراضات کئے جس کی وجہ سے حکیم احمد کے موئدین آپ سے سوءِ ظن رکھنے لگے اور ممبران خادم الحکمت نے بھی اس کو ناپسند کیا۔ چونکہ اکیس سالہ تحقیقاتی کام کے بعد بھی آپ مطمئن نہ ہو سکے۔ لہٰذا آپ نے فن طب کو خیر باد کہنے کا ارادہ کر دیا۔ مگر بقول شاعر

چنداں کہ دست و پا زدم آشفتہ تر شدم
ساکن شدم میانہ دریا کنارہ شد

کی عملی تصور سامنے آ گئی۔

ایجاد و ظہور نظریہ مفرد اعضاء

آپ ایک ہیضہ کے مریض کا علاج کر رہے تھے، طب جدید کے اصول کے مطابق معدہ و امعاء کی دوا نے مرض میں شدت پیدا کر دی تو آپ نے طب قدیم کے اصولوں کے مطابق علاج کیا اور مریض فوری شفایاب ہو گیا۔ لہٰذا آپ نے دوبارہ طب قدیم کا بنظر غائر معائنہ کیا۔ تحقیقات کے دوران آپ پر یہ حقیقت منکشف ہوئی کہ اخلاط اور مفرد اعضاء درحقیقت ایک ہی چیز کے دو مختلف نام ہیں، یعنی مفرد اعضاء درحقیقت مجسم اخلاط ہیں۔ لہٰذا آپ نے ان اخلاط محلولہ کو اخلاط جسم سے مطابقت دے کر پرکھا تو یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو گئی کہ کسی خلط کی پیدائش کے لئے کوئی غذا یا دوا استعمال کی جائے تو اس مفرد عضو میں تحریک پیدا ہو جاتی ہے۔ مثلاً بلغم سے اعصاب و

دماغ، صفراء سے جگر و غدد و غشائے مخاطیہ میں اور سودا سے قلب و عضلات و متعلقہ اعضاء میں تحریک پیدا ہو جاتی ہے۔ اس اصول کو بنیاد بنا کر آپ نے نظریہ مفرد اعضاء کو اہل علم حضرات کے سامنے پیش کر دیا اور دیگر تمام طریقہ ہائے علاج کے حاملین و عاملین کو کھلے انعامی و مباحثاتی چیلنج دیئے مگر جواب بصورت سکوت موصول ہوا۔

تشریح نظریہ مفرد اعضاء

مروجہ عام طریقہ ہائے علاج مثلاً علاج بالضد (ایلوپیتھی)، علاج بالمثل (ہومیوپیتھی)، علاج بالخاصہ (طب یونانی و اسلامی) کو اگر دیکھیں تو ایلوپیتھک معالجین اخلاط اربعہ کو نہیں مانتے مگر چہار ٹشوز (انسجہ) کو ضرور تسلیم کرتے ہیں اور ان ٹشوز کا ایک دوسرے سے مختلف ہونا بھی مانتے ہیں۔ مثلاً نروز ٹشوز (اعصابی انسجہ) اپی تھیلیل ٹشوز (غدی انسجہ) ہر خلیہ ایک زندہ حیوانی ذرہ ہے جس میں تصفیہ، تغذیہ اور تنمیہ کی صفات پائی جاتی ہیں۔ طب یونانی و اسلامی بھی ان کو مفرد اعضاء تسلیم کرتی ہے اور بلحاظ تعداد بھی چار ہی تسلیم کرتی ہے۔ جن کی عملی طور پر دو صورتیں ہیں۔ ایک متحرک یعنی حیاتی اعضاء جن سے زندگی کو بقاء حاصل ہے، مثلاً دل، دماغ اور جگر جن کو ہم اعضائے رئیسہ بھی کہتے ہیں۔ دوم جامد، ساکن و غیر متحرک اعضائے جسمانی جن سے ڈھانچہ بنتا ہے۔ مثلاً کری، ہڈی، رباط و تر وغیرہ گویا جب اخلاط مجسم ہیئت اختیار کرتے ہیں تو یہی مفرد اعضاء بنتے ہیں۔ اخلاط دراصل ایک رقیق و سیال مادہ ہے جو غذا کھانے کے بعد اپنی صورت نوعیہ کے تبدل سے کبد انسانی میں پیدا ہوتی ہے اور یہی اخلاط جب اپنی ساخت میں کثیف و غلیظ ہوتی ہیں تو ٹھوس شکل میں مجسم ہو جاتی ہیں اور یہی اخلاط مجسم اعضاء کہلاتے ہیں۔ یعنی بالفاظ دیگر مجسم اخلاط ہی منفرد اعضاء ہیں اور چونکہ اخلاط اربعہ متغائر ہیں اس لئے بعد از تجسم و مشاکلت ان کا مزاج اور حقیقت بھی اپنی اصل کی مانند یعنی اخلاط کی طرح ہوتی ہے اسی طرح موجد نظریہ مفرد اعضاء نے ہومیوپیتھی کے ذریعہ بھی اپنے نظریہ کی توثیق کی ہے۔

ہومیوپیتھی کے موجد سیموئیل ہانمن نے روح انسانی کے متاثر ہونے کو بیماری کا نام دیا ہے، گویا ان کے نزدیک بیمار صرف روح ہوتی ہے۔ نیز اس نے میازم کی تین اقسام تحقیق کیں اور ان کی علامات پر روشنی ڈالی مثلاً سورا، سائیکوسس اور سفلس۔ لہٰذا علاج بھی ان ہی علامات کے تحت ادویہ کے استعمال سے بتلایا۔ گویا اس طرح ہانمن نے بھی ارواح ثلاثہ کا ثبوت فراہم کیا۔ مگر ہزارہا علامات میں الجھ جانے کی وجہ سے ہومیوپیتھک طریق علاج بھی غیر منضبط اور پیچیدہ ہو گیا۔ نیز ان زہروں کے معدن اور جائے پیدائش پر بھی کوئی روشنی ان کے لٹریچر میں نہیں ملتی۔ جناب حکیم انقلاب نے جسم انسانی میں ان زہروں کی پیدائش کے مقامات کا تعین کیا اور بتلایا کہ ان تینوں زہروں کا تعلق اعضائے رئیسہ کے ساتھ ہے۔ مثلاً سفلس اعصاب میں جن کا مرکز دماغ ہے اور اس کی روح نفسانی ہے۔ سائیکوسس عضلات میں جن کا مرکز دل ہے اور روح حیوانی ہے۔ سورا غدد و غشائے مخاطیہ میں جن کا مرکز جگر ہے اور روح طبعی ہے۔ گویا ان اعضائے رئیسہ کے درست کام سے یہ ارواح میں افراط و تفریط سے یہ زہر پیدا ہوتے ہیں اور ہر دو موافق و مخالف ثمرات اپنی اصلیت کے مطابق پیدا کرتے ہیں۔ مثلاً سفلس کی علامات میں زکام، قے، دست، اخراج رطوبات و بلغم اور ہیضہ وغیرہ ہیں تو نظریہ مفرد اعضاء بھی ان کو اعصاب و دماغ سے متعلق مانتا ہے۔

سورا کی علامات، سوزش صدر، سوزش قارورہ، سوزاک عسر الطمث ہیں اور نظریہ مفرد اعضاء بھی ان کو جگر اور اس کے متعلقہ سے مانتا ہے۔ اسی طرح سائیکوسس میں ریاح، بے خوابی، قبض، بواسیر، خشکی کی زیادتی وغیرہ نظریہ مفرد اعضاء بھی ان کو قلب و عضلات اور اس کے متعلقہ حصص کے امراض و علامات میں شمار کرتا ہے، گویا بلغمی مواد کے تعفن سے آتشک، صفراوی مادہ کے تعفن سے سوزاک اور سوداوی مادہ کے تعفن سے بواسیری زہر پیدا ہوتا ہے۔

نظریہ مفرد اعضاء کی خصوصیات محامد و انفرادیت

بلحاظ افعال الاعضاء، نظریہ مفرد اعضاء کے تحت جسم انسانی کو چھ حصوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے۔

۱ اعصابی عضلاتی: اس تحریک کا مقام نصف دائیں سر سے شانہ تک ہے۔اس مقام پر زیادہ اثر بلغمی امراض یعنی سردی تری کا ہوتا ہے۔

۲ عضلاتی اعصابی: اس تحریک کا مقام دائیں شانہ سے جگر تک ہے مگر جگر اس میں شامل نہیں ہے۔اس مقام پر سوداوی یعنی سرد خشک امراض کا اثر ہوتا ہے۔

۳ عضلاتی غدی: اس کا مقام جگر سے لے کر دائیں پاؤں کی انگلیوں تک ہے۔ یہاں ریاحی اور خشک گرم امراض کا زیادہ اثر ہوتا ہے۔

۴ غدی عضلاتی: اس کا مقام نصف بائیں سر سے شانہ تک ہے۔اس کا مزاج گرم خشک اور یہاں صفراوی امراض پیدا ہوتے ہیں۔

۵ غدی اعصابی: اس کا مقام شانہ سے لے کر طحال تک ہے مگر طحال اس میں شامل نہیں ہے یہاں زیادہ تر دموی اور گرم مزاج کا اثر ہوتا ہے۔

۶ اعصابی غدی: اس کا مقام طحال سے بائیں پاؤں کی انگلیوں تک ہے۔ یہاں پر بلغمی اور تر گرم امراض کا زیادہ اثر ہوتا ہے۔

نظریہ مفرد اعضاء کی مزید خوبیاں

① نظریہ مفرد اعضاء نے جس میں حصص کا تعلق کسی نہ کسی عضو رئیس کے تحت بیان کیا ہے، مریض کی جائے مرض بتلانے پر حکیم فوری مرض کا مقام اور وجہ سمجھ لیتا ہے۔ نیز مریض نبض و قارورہ دیکھ کر دیگر علامات بھی بتلا سکتا ہے۔

② نبض اور قارورہ کی تشخیص، جسمانی رنگت و ساخت وغیرہ کے بغور مطالعہ سے مرض کا صحیح مرکز متعین ہو جاتا ہے کیونکہ مرض کا تعلق کسی مفرد عضو سے جڑ جاتا ہے۔

③ دوائی علاج کے ساتھ غذائی معالجہ و پرہیز بھی سونے پر سہاگہ ثابت ہوتا ہے اور یہ نظریہ مفرد اعضاء کی معالجاتی روح ہے۔

④ صفراء کو بلغم اور بلغم کو سوداء اور سوداء کو صفراء کے ذریعے علاج کر کے اعتدال قائم کیا جاتا ہے جو عین فطرت کے اصولوں اور قوانین کے مطابق ہے۔

⑤ مرض کی تشخیص ہوتے ہی علاج فوری تجویز ہو جاتا ہے۔

⑥ علاج صرف مرض کا کیا جاتا ہے۔جس کے رفع ہوتے ہی علامات از خود رفع ہو جاتی ہیں اور فرنگیوں کے متبعین کی طرح آئے دِن بیماریاں دریافت نہیں ہوتیں کیونکہ نظریہ مفرد اعضاء نے مختلف بیماریاں اور ان کی وجوہ متعین کر دی ہیں۔

⑦ نظریہ مفرد اعضاء نے علاج میں تشخیص و معالجاتی سہولت پیدا کر دی ہے اور لاتعداد علامات کو محدود کر کے اصل مرض اور علامات میں فرق واضح کر دیا ہے۔ یہ خوبی کسی دوسرے طریق علاج میں مفقود ہے۔

⑧ دوشوں، اخلاط اور جراثیم تھیوری کا فرق ان کے محامد اور مفاسد قوی دلائل کے ساتھ پیش کئے ہیں۔

⑨ پہلے تمام امراض کو اعصابی کہا جاتا تھا اور دیگر بیماریاں لاعلاج متصور تھیں، نظریہ کے تحت قلب و کبد یعنی عضلات و غدد کے امراض

اوران کے علاج کا پتہ چلا۔

(۱۰) امراض کی تقسیم واحدیت سے بسط یعنی خلیہ مفردہ سے متعلقہ اعضاء تک کی ہے۔یعنی بیماریاں دراصل خلیہ کا متاثر ہونا ہے۔خلیہ سے نسیج یعنی (ٹشوز اور پھر یہ ٹشوز النسجہ) صورت اعضاء سے مجسم ہوتے ہیں۔

(۱۱) نظریہ مفرد اعضاء کے تحت حیوانی ذرہ میں موجود تمام قوئی پاور، انرجی، فورس، قلب وجگر ودماغ اوراس کی کیفیت کا پتہ چل جاتا ہے کہ کس کس مقام پر کیا کیا کیفیت ہے اور کیا کیا عوامل کارفرما ہیں۔

مخالفین سے نبرد آزمائی اور نظریہ کی ترقی

انسان کی روزاول سے فطری جبلت ہے کہ وہ متجسسانہ طبع رکھتا ہے اور تاوقتیکہ کوئی چیز اس پر روز روشن کی طرح واضح نہ ہو جائے وہ کسی نئی چیز کو قبول کرنے میں ہچکچاہٹ محسوس کرتا ہے اور اس کی طبیعت کسی نئی چیز کو تسلیم کرنے سے محترز رہتی ہے۔کیونکہ عرصہ ہائے دراز سے وہ جن طریقوں کا مشاہدہ کرتا رہتا ہے وہ اس کے نزدیک بمنزلہ محکمات ہوتے ہیں۔اسی وجہ سے ہر عظیم نظریہ یا ایجاد پر ہر دور میں مخالفین نے طوفان برپا کیا حالانکہ وہی ایجادات مستقبل میں بہت ہی مفید ثابت ہوئیں۔مثلاً ٹیلی فون، ٹیلی ویژن، تسخیر قمر و زھرہ وغیرہ وغیرہ، مگر محققین کے لئے یہی مخالفت باعث اشداد مزید قوت ایجاد فتح ہے۔بقول اقبال ؎

تندیِ بادِ مخالف سے نہ گھبرا اے عقاب
یہ تو چلتی ہے تجھے اونچا اڑانے کے لئے

جناب مجدد طب صابر ملتانی کے سامنے ابوحسین بوعلی سینا، امام رازی، بقراط، جالینوس، ابن جلیل اور ابن بیطار کی مشکلات، مسائل اور کارہائے نمایاں تھے۔

''القانون'' مدت تک ایلوپیتھک حضرات کی کتب نصابیہ میں شامل رہی اور یونانی معالجین تو آج بھی اس کے استفادہ کے مقر اور افادیت کے قائل ہیں۔ان امثلہ کو مدنظر رکھتے ہوئے جناب صابر اپنے مخالفین کو نہایت حوصلہ کے ساتھ مثبت جوابات دیتے رہے اور اپنے طریقہ علاج کا سائنٹفک ہونا ثابت کرتے رہے۔اس طرح جن لوگوں نے آپ کے نظریہ سے اتفاق کیا وہ آپ کے موید ہوگئے اور بعض حضرات مخصوص وجوہ کی بنا پر مخالفت پر کمربستہ رہے۔جناب صابر نے احباب کے اصرار پر اخبارات ورسائل وجرائد کے ذریعہ اپنے نظریہ مفرد اعضاء کو اہل فن کے سامنے پیش کرنا شروع کردیا، نیز حکیم غلام نبی ایم-اے کے رسالہ ''خزینہ حکمت'' میں بھی مضامین دینے شروع کردیئے، جب یہ ذرائع ناکافی معلوم ہوئے تو اپنا ذاتی جریدہ جاری کرنے کا فیصلہ کیا۔اس مقصد کے لئے مختار کوثری کے توسط سے حکیم غلام حیدر نبیل ساکن منڈی ہیرا سنگھ کا ماہوار جریدہ ''مداوا'' لے کر نظریہ مفرد اعضاء کا پرچار شروع کردیا۔

ماہنامہ ''رجسٹرین فرنٹ'' کا اجراء

طبیبوں کی رجسٹریشن کے سلسلہ میں تحریک شروع تھی۔ حکومت کی طرف سے طب یونانی کی رجسٹریشن کا وعدہ تھا بلکہ مختصر بورڈ بھی تشکیل دیا گیا تھا۔ جب آپ نے محسوس کیا کہ حکومت اطباء کو بدون مراعات ہی رجسٹرڈ کرنے کی خواہاں ہے اور چند مفاد پرست خودغرض اور ناعاقبت اندیش اطباء بھی اس بے معنی رجسٹریشن پر تلے ہوئے ہیں تو آپ نے اس رجسٹریشن کو روکنے کے لئے ایک ماہنامہ ''رجسٹریشن فرنٹ'' کا اجراء کیا جو اپنے مقاصد کے حصول میں بہت کامیاب رہا اور غلط ولایعنی طبی بورڈ توڑ دیا گیا اور اطباء کرام اس بے مقصد رجسٹریشن سے وقتی طور پر محفوظ ہو گئے۔ نیتجتاً تمام ملک میں بذریعہ ''رجسٹریشن فرنٹ'' نظریہ مفرد اعضاء کی اشاعت شروع ہو گئی اور جگہ جگہ طبی حلقے اور ذیلی مراکز کا قیام عمل میں آ گیا۔ مثلاً دنیاپور، ملتان، وہاڑی، خانیوال، میلسی، میاں چنوں، منڈی بہاؤالدین، سرگودھا، فیصل آباد، مظفر گڑھ، لاڑکانہ، راولپنڈی، وغیرہ وغیرہ۔

• نیز آپ نے مختلف مقامات پر بذریعہ سیمینار و خطابات نظریہ مفرد اعضاء پر بسیط روشنی ڈالی 3 ستمبر 1967ء کو دُنیاپور میں حکیم محمد شریف صاحب کی مساعی سے طبی کیمپ اور جلسہ کا اہتمام کیا گیا جو حد درجہ کامیاب رہا اور علاقے کے عوام و خواص اس طریقہ علاج سے مستفید اور روشناس ہو کر اس معجزانہ طریق علاج کے قائل ہو گئے۔

سرگودھا اور منڈی بہاؤالدین میں بھی جلسہ ہائے طبی بے حد کامیاب رہے۔

ماہنامہ ''رجسٹریشن'' فرنٹ کے ذریعہ آپ نے حکماء کو ان کے صحیح مقام سے روشناس کرایا اور صحیح طبی روح ان کے سامنے پیش کر کے اہل فرنگ سے مرعوب حکما کی سطحی سوچ ان پر واضح کی اور فرنگی حکما کی بیخ کنی کے لئے اس ماہنامہ کو بطریق احسن استعمال کیا۔ مثلاً طبی فارماکوپیا مؤلف حکیم محمد حسن قرشی پر تنقید کرتے ہوئے صابر رقمطراز ہیں'' فارماکوپیا انگریزی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی عام طور پر قرابا دین یا مجربات و مرکبات برائے دستور العلاج کئے جاتے ہیں۔ لیکن اس کے حقیقی معنی یہ ہیں کہ مجربات و مرکبات کا ایسا دستور العمل جو حکومت وقت یا مسلمہ طبی جماعت کی طرف سے برائے عمومی علاج معالجہ شائع کیا جائے۔ اس میں اس امر کا افہام و تفہیم لازمی ہوتا ہے کہ اس دور کے بہترین اور ہر طرح قابل اعتماد مجربات و مرکبات تسلیم کئے گئے ہوں اور ہر معالج ان کو بے خطر اور بے یقینی فائدہ کے زیر اثر استعمال کر سکتے ہیں۔ لیکن فارماکوپیا کے یہ معنی ہرگز نہیں ہیں کہ جو شخص بھی چاہے اپنی رائے کے مطابق جس قسم کے نسخے اسے پسند ہوں یا میسر آئیں ان کو اکٹھا کر کے شائع کر دے اور اس کا نام فارماکوپیا رکھ دے اس قسم کا فعل فن، قوم اور ملک کے ساتھ ایک خطرناک مذاق ہے۔ کسی ملک میں بھی ایسا مذاق نہیں کھیلا جا سکتا۔ کیونکہ اس میں دوسرے کی زندگی سے کھیلنے کے ساتھ ساتھ انسانی کریکٹر کی ذمہ داری کا سوال پیدا ہو جاتا ہے۔ لیکن ہمارے ملک میں جہاں طبی شعور تقریباً مردہ ہو چکا ہے وہاں ایسے انسانیت سوز ڈرامے کھیلے جاتے ہیں اور غیر ذمہ دارانہ حرکات عمل میں آتی ہیں، صرف لالچ زر اور طمع دولت کی خاطر بلکہ دوسروں کو بے وقوف سمجھ کر لوٹنے کے لئے ایسے کھیل کھیلے جاتے ہیں۔ ایسے غلط قسم کے کھیل کھیلنے والوں میں ایک جناب حکیم محمد حسن قرشی بھی ہیں، جو ماشاءاللہ شفاء الملک کے خطاب یافتہ بھی ہیں افسوس انہوں نے فن و قوم اور ملک کو ایکسپلائٹ (EXPLOIT) کیا ہے۔ دھوکے دے کر اور بے وقوف بنا کر فائدہ اٹھانے کی کوشش کی

ہے، وہ اس کتاب کا نام کچھ اور رکھ سکتے تھے۔ مجربات کا نام رکھ کر فروخت کر سکتے تھے۔ لیکن فارماکوپیا کے نام اور اس کے اہل فن پر اثرات کو مدنظر رکھتے ہوئے خاص طور پر یہ ظاہر کر کے کہ وہ یورپی دستور العمل کے مطابق طبی فارماکوپیا پیش کر رہے ہیں، فن اور اہل فن پر کس قدر ظلم ہے یہ صرف دُنیاوی لالچ کے تحت کیا گیا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہر اچھے برے طبیب نے لالچ زر کی خاطر فارماکوپیا شائع کر دیا، اور ملک میں بے شمار بے معنی فارماکوپیا مرتب ہو کر سامنے آ گئے۔

جناب حکیم قرشی نے اگر طبی فارماکوپیا (اگرچہ ادبی حیثیت سے یہ نام غلط ہے کیونکہ فارماکوپیا میں خود طبی تصور شریک ہے، اس کا صحیح نام یونانی فارماکوپیا یا اس سے ملتا جلتا ہونا چاہئے تھا) شائع کیا، دوسروں نے ان کی نقل میں دیگر ناموں سے فارماکوپیا شائع کرنے شروع کر دیئے۔ مثلاً ایک ان کے ہی ادارہ کے ایڈیٹر نے بال فارماکوپیا شائع کر دیا، اس طرح پاکٹ فارماکوپیا وغیرہ بے شمار ناموں سے فارماکوپیا نکل آئے جن سب کی ذمہ داری صرف جناب حکیم قرشی کے سر ہے۔ جاننا چاہئے کہ فارماکوپیا شائع کرنے میں چند قوانین، اصول اور ذمہ داریاں مدنظر ہوتی ہیں مگر جناب قرشی صاحب نے ان میں سے کسی کو بھی سامنے رکھنے کی کوشش نہیں کی، یا ہم یہ سمجھ لیں کہ وہ فارماکوپیا کی اہمیت سے قطعاً واقف نہیں ہیں، حقیقت بھی ایسی ہی نظر آتی ہے۔ کیونکہ جب وہ فارماکوپیا اور قرابادین میں فرق نہیں کر سکے تو لازماً تسلیم کرنا پڑے گا کہ وہ فارماکوپیا کی اہمیت سے واقف نہیں ہیں جیسے وہ اسی کتاب کے مقدمہ میں ص 12 پر تحریر فرماتے ہیں کہ اس مقصد کے لئے سب سے پہلے میں نے قرابادین کے شعبہ کا انتخاب کیا ہے۔ کیونکہ اس کی تجدید کی اطباء کرام عام طور پر ضرورت محسوس کر رہے ہیں اور حقیقت بھی یہ ہے کہ قرابادین سے غفلت کی وجہ سے ہمارا مطب کسمپرسی کے عالم میں ہیں۔ اس عبارت سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ قرابادین میں تجدید کرنا چاہتے ہیں (مگر فن تجدید سے بے خبر اور خالی الذہن ہیں)۔ البتہ کتاب کا نام طبی فارماکوپیا رکھ رہے ہیں۔

اس کتاب میں ایک دوسری عبارت میں صاف صاف واضح کرتے ہی کہ وہ فارماکوپیا اور قرابادین کو ایک ہی شئی سمجھتے ہیں۔ لکھتے ہیں آج طب جدید (یورپی طب) کے حامل ایک مستند قرابادین رکھتے ہیں (ذرا مستند قابل غور ہے) اور مرض کی تشخیص کرنے کے بعد وہ بلاغور وفکر (بلاغور وفکر بھی قابل غور ہے) قرابادین کا نسخہ لکھ دیتے ہیں مگر ایک طبیعت کو سینکڑوں نسخوں میں سے کوئی نسخہ لکھنا پڑتا ہے۔ (گویا فن طب صرف نقل نویسی ہے اس میں تدبیر و دلائل اور درس سے کام بالکل نہیں لیا جاتا) وہ جب قرابادین دیکھتا ہے تو اس میں ایک ہی مرض کے سینکڑوں نسخے لکھے ہوتے ہیں جن میں سے ہر ایک نسخہ کے ساتھ مجرب المجرب وغیرہ الفاظ ہوتے ہیں، اس حالت میں کسی ایک کا انتخاب بہت پریشان کن اور اضطراب انگیز ہوتا ہے۔ اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ حکیم قرشی یورپی طب کی نقل میں فارماکوپیا لکھنا چاہتے ہیں مگر اس کی اہمیت سے بالکل واقف نہیں ہیں اس کو قرابادین کا مترادف تصور کرتے ہیں، فارماکوپیا اس لئے نام رکھ رہے ہیں کہ اس کی اہمیت کو فارماکوپیا کے مساوی رکھنا چاہئے تاکہ مارکیٹ میں خوب بکے اور ان کی چاندی بن سکے۔ اس کا نام تجدید فن رکھ لیں یا تجدید کے نام پر دھوکہ سے دولت اکٹھی کرنا اور فن کی تخریب کرنا ہے۔

جاننا چاہئے کہ فارماکوپیا، قرابادین سے بالکل جدا قسم کی چیز ہے، قرابادین مرکبات کا ایک ایسا مجموعہ ہے جس میں مختلف اعضاء کے تحت ان ادویات کے استعمال کی صورت بیان کی جاتی ہے مثلاً اطریفلات دماغ کے لئے، سرمے آنکھ کے لئے، قطور کان کے لئے، سنون دانتوں کے لئے، پھیپھڑوں کے لئے لعوق اور خمیرہ جات دِل کے لئے، جوارش اور سفوف معدہ کے لئے، حبوب امعاء کے لئے، عرق گردوں کے لئے، انوش دارو جگر کے لئے اور معجون اعصاب کے لئے، وغیرہ وغیرہ۔ گویا قرابادین کا اصل مقصد یہ ہوتا ہے کہ ترتیب مجربات کن طریقوں پر کرنی چاہئے اور ادویات کن اُصولوں پر باہم ملانا چاہئے، مگر حکیم قرشی نے اپنی طبی فارماکوپیا میں ان اصولوں کا کہیں

ذکر تک نہیں کیا۔ ان کا تجارتی مقصد صرف یہ تھا کہ نسخے اکٹھے کر کے مارکیٹ میں فروخت کرنے کے لئے جانے چاہئیں۔

جناب حکیم قرشی صاحب کی مجربات فروشی پر یہ کوئی پہلی کتاب نہیں مرتب کی گئی بلکہ اس سے قبل بھی مجربات فروشی پر کئی کتب فروخت کر چکے ہیں۔ بلکہ حکیم اجمل خان جیسے شہرت یافتہ شخص کا نام بھی بیچ چکے ہیں۔ وہی خون منہ کو لگا ہوا تھا کہ فارماکوپیا مرتب کیا گیا اور اس کے بعد بھی یہ سلسلہ اب تک جاری ہے۔ اسی پر بس نہیں بلکہ اس کا دوسرا حصہ بھی مرتب و شائع کیا۔ مجربات فروشی پر بہت سی کتب مرتب کر کے یا کرا کے کیونکہ اکثر کتب انہوں نے پیسے دے کر دوسروں سے مرتب کرائی ہیں۔ بازار میں لائے اور یہاں تک دولت کمائی ہے کہ وہ کرایہ کے مکان سے اُٹھ کر کوٹھی نشین ہو گئے ہیں اور اسی دولت کے زور پر بڑے حکیم شفاء الملک اور رجسٹریشن بورڈ کے صدر بن گئے تھے۔ لیکن قدرت نے ان کی اُمیدوں کو خاک میں ملا دیا، بد سے بدنام برا۔

یہاں پر ایک حقیقت کا ظاہر کرنا نہایت ضروری معلوم ہوتا ہے کہ بزرگوں نے کہا ہے کہ بد سے بدنام برا۔ جناب حکیم قرشی نے جب مجربات فروشی شروع کی اور انہوں نے دیکھا کہ ان کی دیکھا دیکھی دوسرے اطباء نے بھی یہ سلسلہ شروع کر دیا ہے ''ہیں تو بڑے کائیاں'' تو فوراً دوسرے اطباء کو بدنام کرنا شروع کر دیا اور ان کے خلاف ایسا خاموش پروپیگنڈا شروع کر دیا کہ فلاں فلاں اطباء مجربات فروشی کرتے ہیں مثلاً جن میں حکیم عبداللہ روڑی والے، حکیم عیسیٰ اور حکیم عبدالرحیم جمیل شامل اور قابل ذکر ہیں۔ بے شک یہ درست ہے کہ ان لوگوں نے مجربات فروشی کی ہے، مگر آپ نے کیا کمی رکھی اور ان لوگوں نے بھی یہ سبق آپ جیسے مجربات فروش سے سیکھا ہے، اگر یہ برے ہیں تو آپ کب اچھے رہ سکتے ہیں، گویا فن کی تباہی و تجارت آپ کے گھر سے شروع ہوئی ہے اور آج تک جاری ہے۔

جاننا چاہئے کہ فارماکوپیا ایسے مجربات کا دستور العمل ہے جو حکومت اپنی ریاست کے لئے ماہرین فن کی کونسل سے مرتب کراتی ہے تاکہ وہی دستور عمل تمام ریاست میں جاری رہے اور اس کے تحت ملک کے تمام معالج علاج کرنے پر مجبور ہوتے ہیں، جیسے برٹش فارماکوپیا مرتب ہے جو ان کی حکومت کی زیرنگرانی ان کے ماہرین فن نے مرتب کیا ہے اور کسی ملک کے کسی فردِ واحد کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ فارماکوپیا کے نام پر کوئی مجموعہ مجربات یا مرکبات مرتب کر کے شائع کرے۔ یہ بدعت ہمارے ملک میں جناب قرشی نے شروع کی ہے۔ طبی فارماکوپیا کے مرتب کرنے سے متعلق جناب حکیم قرشی اپنا مقصد بیان فرماتے ہیں۔ کتب کے صفحہ 11 کے مقدمہ کی ابتداء میں لکھتے ہیں، ''اب عام طور پر اس امر کا احساس کیا جا رہا ہے کہ طب قدیم کے گزشتہ صد سال پر محیط عہد جمود و غفلت کی حرکت سے مبدل کر دیا جائے اور ہم ایک مرتبہ پھر اپنے اسلاف کی طرف سرگرم عمل ہوں''۔ سبحان اللہ کتنا بڑا دعویٰ ہے۔ گویا ریسرچ اور تحقیقات کرنے میں سند یافتہ ہیں اور ایسا ظاہر کر رہے ہیں کہ گویا ایک مدت تک وہ فن طب پر ریسرچ و تدقیق کرتے رہے ہیں۔ کیا عربی و فارسی کی چار کتب پڑھ لینے سے اور قانون منشی کا امتحان پاس کر لینے سے کوئی ریسرچ سکالر (RESEARCH SCHOLAR) بن جاتا ہے؟ جب حکیم قرشی صاحب دہلی میں طبی تعلیم پاتے تھے وہاں طبی کالج قائم نہیں ہوا تھا بلکہ معمولی ایک طبی درسگاہ تھی۔ وہاں سے آنے کے بعد آپ نے رسالہ الحکیم میں ملازمت اختیار کی، پھر طبیہ کالج لاہور سے زبدۃ الحکماء کا امتحان پاس کیا۔ فرمائیے آپ نے کہاں تحقیق و ریسرچ کا کام کیا؟ اور کس استاد کی راہنمائی میں یہ کٹھن منزلیں طے کیں یا صرف دولت کے زعم میں ہمہ دانی کا دعویٰ شروع کر دیا۔ آگے چل کر گزشتہ صد سالہ جمود و غفلت کو حرکت میں تبدیل کرنے کا طریق تحریر فرماتے ہیں اسی صفحہ 11 پر لکھتے ہیں: ''اس حرکت کے متعلق عمومی رائے یہ ہے کہ طب جدید کی اعانت سے طب قدیم میں اصلاح و اضافہ کیا جائے اور طب جدید و قدیم کی آمیزش سے ایک ایسی معجون مرکب تیار کی جائے جس کے اجزائے ترکیبی میں مشرق و مغرب دونوں کے عناصر پائے جائیں۔ اگرچہ ''خذ ما صفا ودع ما کدر'' اچھی شئی لے لو اور بری چھوڑ دو کا

معروف مقولہ ہمارے بزرگوں کا طریق عمل رہا ہے اور مسلمانوں نے طب یونانی میں عربی، ایرانی اور ہندی طب کی آمیزش سے پاک نہیں کیا تاہم ہمارے اطباء کا ایک گروہ ابھی تک اس قسم کی تجدید کے لئے آمادہ نہیں ہے''۔

''ایک بام دو ہوا'' قرشی صاحب دوغلی بات کہنے میں اپنے اندر ایک خاص کمال رکھتے ہیں۔ ایک بات کہتے ہیں پھر اس کے برعکس ایک اور بات الفاظ بدل کر کہہ دیتے ہیں، مجلسی زندگی میں ان کی اسی عادت نے نہ صرف مجھے دکھ دیا ہے بلکہ اچھے اچھے دوستوں کو ان سے نفرت ہوگئی ہے۔ اگر میری بات پر یقین نہ ہو یا مبالغہ سے کام لیتا ہوں تو جناب حکیم محمد افضل صاحب بی اے مرحوم (جو جناب قرشی کی جماعت کے ہمیشہ جنرل سیکرٹری رہے ہیں اور ساری زندگی قرشی صاحب اور فن طب کی خدمات انجام دی ہیں اور درحقیقت جناب قرشی کی شہرت و کامیابی اور حکام تک تعلقات پیدا کرنے میں ان کو بڑا دخل رہا ہے کہ صاحبزادے یا ان کے کسی رشتہ دار یا دوست سے دریافت کر لیں کہ کسی صاحب نے ان کے مرض کے دوران تنگی کے وقت کیا سلوک کیا تھا۔ مرحوم رو رو کر اکثر دوستوں کے سامنے حکیم قرشی صاحب کے ظالمانہ سلوک کا ذکر کرتے تھے۔ اگرچہ اس وقت بھی میں ان کی جماعت کا مخالف تھا، انہوں نے یہ سب کچھ مجھے رو رو کر سنایا اور اسی عادت کا نتیجہ ہے کہ ابھی ایک دوست کی باتیں کر رہے ہیں اور جب وہ چلا جاتا ہے تو پھر بڑے منتقمانہ انداز میں سر اور گردن کو کئی چکر دیں گے اور پھر دانت بھینچ بھینچ کر دبی زبان میں اس دوست کی برائیاں شروع کر دیں گے اور سب سے آخر میں یہ کہہ دیں گے کہ یہ لوگ غلط فہمی کا شکار ہیں اور اصل حقیقت سے بہت دور ہیں، خداوند کریم ان پر رحم کرے۔ خیر مقصد یہ ہے کہ دوغلی بات کہنے میں اور دوسروں کی دبی زبان میں برائی کرنے مین ملکہ رکھتے ہیں۔

مندرجہ بالا باتیں ان کے ذاتی کریکٹر کی ہیں۔ میں ان کا ذکر نہ کرتا مگر مجبوراً کرنا پڑا کہ اس کا تعلق فن سے ہے اور تقریباً ان کی ہر کتاب میں ان کی اس عادت کے تحت متضاد باتیں پائی جاتی ہیں۔ انشاء اللہ ہم ایک ایک کو تفصیل سے بیان کریں گے۔ آپ اکثر لوگوں کو کہا کرتے ہیں کہ ہم جواب نہیں دیا کرتے۔ مگر خود اپنے چیلوں چانٹوں کی خوشامدیں کرتے پھرتے ہیں کہ بھائی اس سے ہماری جان چھڑاؤ۔ اس سلسلہ میں اپنے مخالفوں کے پاس بھی جا کر رونے میں فرق نہیں کرتے۔ ان کو اگر یاد نہ ہو تو یاد کرا دوں مثلاً جب جناب حکیم محمد شریف سے جھگڑا تھا تو شاہدرہ حکیم احمد دین کے پاس مدد کے لئے بھاگے تھے، انہوں نے مدد کی۔ آپ دوست کش تو ہوئے ان کے خلاف بھی غلط پروپیگنڈا کیا تو میں نے ان کی حقیقت واضح کی تو حکیم شہزادہ غلام محمد مرحوم اور حکیم نور الٰہی مرحوم کو صلح کے لئے بھیجا۔ آخر میرے دوست حکیم بشیر کے مکان پر صلح کی گئی لیکن جو شرائط وہاں طے پائیں یعنی ہماری جماعت کی رائے کے بغیر فن میں کوئی اصلاحی قدم نہیں اٹھایا جائے گا، لیکن گھر جا کر سب وعدہ وعید بھول گئے۔ پھر وہی بے ایمانی اور دھوکہ بازیاں جاری رکھیں۔

جناب حکیم محمد شریف صاحب کے خاندان کے کسی شخص سے حقیقت حال دریافت کر لی جائے، جناب حکیم بشیر احمد زندہ ہیں۔ وہ اگرچہ ان کے شاگرد ہیں لیکن اس امر کی ضرور تائید کریں گے کہ ان کے گھر صلح ہوئی تھی یا نہیں؟ اس کے علاوہ جناب حکیم نیر واسطی صاحب اور حکیم شمس الحق (ان دونوں حضرات کا ہماری جماعت سے کوئی تعلق نہیں ہے)۔ دریافت کیا جا سکتا ہے کہ ہر کام کرنے والے کے خدمت کار اور قابل شخص کے خلاف انہوں نے کیسے کیسے گندے حربے استعمال کئے۔ تا کہ ان کی شہرت اور آمدنی میں کوئی فرق نہ آئے اور جن لوگوں نے خوشامد کی بس وہی لوگ ان کی جماعت کے ممبر ہیں اور وہ اس سے اس لئے خوش ہیں کہ وہ اپنے آپ کو ان سے کم سمجھتا ہے۔ یہ تلخ حقائق مجبوراً لکھنے پڑے ہیں۔ کیونکہ ان کی گندی اور خراب عادتوں نے ایک طرف فن کو تباہ کیا ہے تو دوسری طرف اہل فن کو خدمت فن سے دور کر دیا ہے۔ دوسری صلح فرنگی حکیم علی احمد نیر واسطی کی دھوکہ بازی سے ان کے گھر کم از کم پندرہ مشہور اطباء کے سامنے اتحاد الاطباء کے نام

سے کرائی گئی۔ مگر پھر صدارت کے شوق میں یہ بدعہدی کر دی کہ اندھی سیاست کی طرف بہہ گئے۔ اب اس کا نتیجہ ان کے سامنے ہے۔ فرماتے ہیں کہ ''ایک گروہ طب یونانی کی اصلاح واضافہ یورپی طب سے چاہتا ہے'' گویا خود اس گروہ سے باہر ہیں۔ پھر دلیل فرماتے ہیں کہ ''طب یونانی میں عربی، ایرانی اور ہندی طب کی آمیزش ہے''۔ حیرت کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ جناب حکیم قرشی صاحب جو کچھ لکھتے ہیں کیا ان کو اس کا کچھ شعور بھی ہوتا ہے۔ جو رطب ودیا بس ذہن میں آیا لکھ دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ چونکہ فن طب کی اصلیت سے آگاہ نہیں ہیں اس لئے بلاغور وفکر لکھتے چلے جاتے ہیں۔

یہی دو مقام ہیں جہاں پتہ چلتا ہے کہ علم وفن سے کوئی کس قدر آگاہ ہے اور کس قدر اس شخص سے علم وفن کو نفع یا نقصان پہنچ سکتا ہے۔ جب جناب حکیم قرشی کو اس کا شعور نہیں ہے کہ کسی علم وفن میں اصلاح واضافہ وآمیزش سے کیا مراد ہے؟ اور ان میں باہم کیا فرق ہے؟ پھر بھلا ان سے فن طب کو کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے؟ جاننا چاہئے کہ کسی علم وفن میں اصلاح کی ضرورت اس وقت پیش آتی ہے جب اس کے بنیادی اصول یا قوانین میں اغلاط ہوں۔ اگر جناب قرشی صاحب کے ذہن میں طب یونانی کے متعلق ایسا تصور ہے کہ قابل اصلاح ہے اور ہمیشہ اس میں اصلاح ہوتی رہی ہے تو پھر ایسی غلط قسم کی طب کا مردہ اٹھائے پھرنے کا کیا مقصد ہے؟ کیوں نہ قدیم وغلط علم وفن کو چھوڑ کر ہر زمانے میں جدید وصحیح علم وفن حاصل کر لیا جائے۔ لیکن جناب قرشی سخت غلطی پر ہیں۔ فن طب قابل اصلاح نہیں ہے۔ اس کے قوانین و اصول اپنی جگہ مضبوطی سے قائم ہیں، البتہ ان قوانین واصولوں میں وسعت وترقی ہوتی رہتی ہے۔ ان کا سمجھ لینا علم وفن کے لئے بے حد مفید ثابت ہوسکتا ہے۔ اگر ان کا مقصد طب میں فروع وجزئیات کی اصلاح ہے تو یہاں پر بھی وہ لغزش کھا گئے ہیں۔ کیونکہ ہر علم وفن میں فروغ و جزئیات کی اصلاح اس علم وفن کے قوانین اور اصولوں کے تحت ہوتی ہے۔ غیر علم وفن اور قوانین واصولوں کے تحت نہیں ہوسکتی اور جو عربی، ایرانی اور ہندی طب کی آمیزش کا ذکر ہے اس کا محل یہاں پر بالکل غلط ہے۔ کیونکہ اوّل تو یہ آمیزش نہیں، یہاں بھی اس لفظ کا غلط استعمال کیا ہے۔ جیسا کہ ہم آئندہ چل کر تحریر کریں گے۔ البتہ اس کو اضافہ کہہ سکتے ہیں۔ مگر اصلاح قطعاً نہیں کہا جا سکتا، اس حقیقت کو کبھی بھی نظر انداز نہ کریں کہ کسی طب نے طب یونانی کے قوانین اور اصولوں میں نہ اصلاح کی ہے اور نہ اپنے قوانین واصولوں کی آمیزش کی ہے۔ طب یونانی کے قوانین اور اصول اپنی جگہ ایسے محکم اور مضبوط ہیں کہ ان کو کوئی طب نہیں ہلا سکتی۔ یہی وجہ ہے کہ یورپ وامریکہ کے سائنس دانوں اور خاص طور پر حکومت برطانیہ نے اپنے ہندوستانی دور حکومت میں اس کو ایک مکمل ضابطہ علاج مانتے ہوئے اس کو ملک کے لئے ایک مفید طریق علاج تسلیم کیا تھا اس لئے حکومت پاکستان اور حکومت ہندوستان نے اس کو ملک میں رواج دینے کے لئے اس کے حاملین فن کی رجسٹریشن شروع کی ہے۔ جناب حکیم قرشی کے خیال کے مطابق اگر یہ فن طب قابل اصلاح ہوتا تو پھر اس کی افادیت اور مکمل ضابطہ علاج کو کون تسلیم کرتا اور کبھی جناب حکیم قرشی غلط بخشی کی بدولت بورڈ کے صدر منتخب نہ ہوتے اور نہ ہی شفاء الملک کا خطاب (اگرچہ حکیم شہزادہ غلام کی کوشش سے حاصل ہوا) نہ نصیب ہوتا۔

خیر! عربی اور ایرانی طبوں کے قوانین اور اصول ان کے باقاعدہ نظام کا علم وفن کی دُنیا میں کہیں پتہ نہیں تا کہ ہم ان کا طب یونانی سے توازن نہ کر سکے۔ البتہ ہندی طب آج بھی زندہ ہے اور اس کے بنیادی اصول وقوانین بھی بہت حد تک اپنی اصل حالت پر قائم ہیں۔ ہر صاحب علم وفن اندازہ لگا سکتا ہے کہ ان کا کون سا قانون ارراصول طب یونانی میں پایا جاتا ہے۔ کوئی بھی ایک قانون یا اصول ثابت نہیں کیا جا سکتا کہ طب یونانی چار اخلاط چار ارکان اور چار مزاج تسلیم کرتی ہے۔ مگر آیورویدک (ہندی طب) پانچ تت تین دوش مانتی ہے اور مزاج کے وہ قائل نہیں ہیں۔ ان کے مزاج دوش کے تحت آ جاتے ہیں، وغیرہ وغیرہ، باقی قوانین اور اصولوں میں اس قسم کے اختلاف چلے

آتے ہیں۔

تحقیقات فارما کوپیا طبع شدہ نوری کتب خانہ بالمقابل ریلوے اسٹیشن لاہور جناب قریشی صاحب کے تعاقب میں مزید لکھتے ہیں:

طبی فارما کوپیا کی تیاری کے لئے یہ دوسری ضرورت ہے جو فرنگی شفاء الملک کے خیال کے مطابق بالعموم محسوس کی جارہی ہے کہ خیسانده اور جوشانده گھوٹنے اور چھاننے کا طویل عمل باقی نہ رہے۔ ''اگر ان کو یہ بھی احساس ہے اس میں شک نہیں کہ یہ اعمال مخصوص فوائد کے لئے وضع کئے گئے ہیں اور بھی یقین ہے کہ'' ان کے مطلوبہ مفادات ہیں۔ پھر جناب کو بے چینی کیوں پیدا ہوگئی ہے کہ ان اعمال کو ختم کر دیا جائے۔ صرف اس لئے کہ موجودہ دور میں جب ڈاکٹروں کے ہاں سے بنی بنائی دوائیں مل جاتی ہیں۔

''کیا تجارتی ذہن پایا ہے؟'' فن تباہ ہوجائے مگر تجارتی ذہن اور منافع خوری کی طبیعت اور ڈاکٹری کی تقلید ختم نہ ہونے پائے۔ اگر طبائع راحت پسند اور ہر شخص کو معیشت میں مصروف ہی سمجھ لیا جائے تو اس کے یہ معنی تو نہیں کہ فن کے'' یہ اعمال مخصوص فوائد کے لئے وضع کئے گئے ہیں'' ختم کر دیئے جائیں اور ان اعمال کی اہمیت کا اندازہ اس امر سے لگالیں کہ خیسانده اور جوشانده گھوٹنے اور چھاننے کے بعد ادویات میں جو تازگی، ذائقہ اور حیاتین پائی جاتی ہیں۔ وہ چند گھنٹوں کے بعد قائم نہیں رہتیں۔ اس میں دونوں کا ذکر ہی بے سود ہے۔ اگر مراد ان کا ست نکالنا، جوہر اڑانا، رب بنانا، تیل نکالنا، عرق تیار کرنا اور شربت بنانا، سفوف اور حبوب تیار کر لینا ہیں تو جاننا چاہئے یہ صورتیں اپنی جگہ مفید ہیں۔ لیکن جن ادویہ اور اشیاء کو خیسانده، جوشانده اور گھوٹنے کے بعد فوری استعمال کرنا ضروری ہے وہ تمام ادویہ ان کے بدل میں نہیں دی جا سکتیں اور اگر دی بھی گئیں تو مفید نہ ہوں گی۔ مثلاً معالجین کی ایک مفید صورت ہمارے سامنے ہے، جس میں دودھ پھاڑ کر فوراً استعمال کرنا پڑتا ہے۔ اس کی کیا صورت کی جائے؟ اسی طرح ہماری زندگی کی روزانہ غذاؤں پر غور کریں کیا ان کی لطافت جن میں دودھ، مکھن، انڈے، گوشت، مچھلی، چاول اور روٹی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ہمیں اس امر کی اجازت دیتی ہیں کہ ہم ان کو دونوں کے بعد کھا جائیں۔ اسی طرح چائے کو لیجئے کہ ہماری زندگی کا ایک اہم جزو بن چکی ہے کیا کوئی نفاست پسند دو تین گھنٹے پہلے کی جوشائی چائے پی لے گا؟ یہ بھی تو ایک قسم کا جوشانده ہے۔ کیا چائے کو کسی اور طریقہ پر استعمال کیا جاسکتا ہے؟ تاکہ بار بار جوشانده نہ بنانا پڑے؟ نہیں! ہرگز نہیں۔ چائے پینے والے کو چائے کا تازہ جوشانده ہی چاہئے۔ کیونکہ اس کی لطافت اسی طرح نکل سکتی ہے کہ ست کی دراصل دوا میں کوئی مناسبت نہیں ہوتی۔ مثلاً مکھن دودھ کا ست ہے۔ لیکن جہاں پر دودھ کی ضرورت ہے وہاں پر مکھن مفید نہیں ہوسکتا اور اسی طرح نہ پنیر وہ کام دے سکتا ہے اور نہ خشک کئے ہوئے دودھ میں تازہ دودھ کی خوبیاں اور اثرات باقی رہتے ہیں اور یہی صورت کھوئے کی ہے۔ فرنگی شفاء الملک کو چاہئے کہ فن کو فن کی حیثیت کے ساتھ اس کو مد نظر رکھیں، جناب نے فن کو اس قدر تباہ کر دیا ہے کہ پتہ نہیں کہ اس کو پھر سے زندہ کرنے اور درست کرنے میں کس قدر وقت صرف ہوگا۔ جاننا چاہئے کہ کسی دوا کا ست، جوہر، عرق، شربت، جوشانده، خیسانده، تیل، دودھ اور سفوف اپنے اندر ایک ہی قسم کے افعال و اثرات نہیں رکھتے۔ ان سب میں نمایاں فرق ہوتا ہے۔ اس لئے خواص الاشیاء میں ان تمام صورتوں کو مد نظر رکھنا پڑتا ہے۔ یہ صورت قطعاً غلط ہے کہ جوشانده اور گھوٹے کی جگہ اس دوا کا ست یا جوہر استعمال کر دیا جائے اور وہ اسی طرح مفید ثابت ہو۔ ہرگز نہیں یہ بات صرف فرنگی شفاء الملک لکھ سکتے ہیں جو خواص الاشیاء سے واقف نہ ہوں اور اپنا مقصد مجربات فروشی بنایا ہو۔ اگر کوئی صاحب ہماری باتوں کو مبالغہ خیال کرتے ہوں تو ہم چیلنج کرتے ہیں کہ فرنگی شفاء الملک ایک دوا کی مختلف صورتوں کے فرق لکھ دیں۔ ہمارا دعویٰ ہے کہ وہ اس علم سے خالی ہیں۔ '' یہ واقعی طب قدیم کی خوبی اور اعجاز فرمائی ہے'' کہ آپ جیسے فرنگی شفاء الملک جن کی قابلیت مجربات فروشی سے آگے نہیں ہے کئی زحمتوں کے باوجود مریض اس کے دامن کو نہیں چھوڑتے اور ابھی تک قبول کئے جارہے ہیں۔ (تحقیقات فارما کوپیا طبع شدہ نوری کتب خانہ بالمقابل ریلوے اسٹیشن لاہور)

برتتے ہیں کہ اس مرض کی صحیح قسم تلاش کرتے ہیں۔ جیسے بخاروں میں ملیریا (تپ صفراوی) انفلوئنزا (حمیٰ نزلی) ٹی بی (تپ دق) وغیرہ۔ اسی طرح دردوں، ورموں کی بھی تخصیص کر لیتے ہیں لیکن علاج کی اس صورت کا نام بھی باقاعدہ اور سسیٹے میٹک علاج نہیں ہے۔ اس قسم کے علاج کو آپ خاص قسم کا اصولی علاج تو کہہ سکتے ہیں، مگر باقاعدہ مشینی علاج کا نام نہیں دے سکتے۔ کیونکہ مشین کی خرابی اور بگاڑ کا پتہ چلائے بغیر اس کی ایک علامت کو رفع کرنے یا حالت کو بدلنے کی کوشش کی گئی ہے جیسے کسی مشین پر جو چلتے چلتے گرم ہوگئی ہو ٹھنڈا پانی پھینک دیا جائے۔ حالانکہ اس کے گرم ہونے کا سبب ممکن ہے لبری کیٹنگ تیل کی کمی ہو۔ شاید پٹرول ضرورت سے زیادہ جل رہا ہو اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس کا وہ آلہ ہی خراب ہوگیا ہو جو حرارت کی زیادتی کو اعتدال پر رکھتا ہے۔ بہر حال مشین کو ٹھنڈا کرنے کے لئے اس کے پرزوں اور اس کے نظام کو دیکھنا ضروری ہے تاکہ حقیقت تک پہنچا جا سکے اور اس پر صرف ٹھنڈا پانی ڈال دینا ہر صورت میں غلط ہوگا۔ اسی طرح اگر مشین میں کسی مقام پر تیل ٹپک رہا ہو تو صرف باہر ہی سے کوئی لیپ کر دینا یا ٹانکا لگا دینا یا اگر کہیں سے غیر معمولی آواز آ رہی ہو تو اس کو دبانے کی کوشش کرنا حقیقت میں مشین کو درست کرنا نہیں ہے بلکہ اس کو مزید خراب اور برباد کرنا ہے۔

خاص طور پر فرنگی طب (ایلوپیتھی) میں اس غلط صورت کو اپنایا جا رہا ہے کہ مریض آ کر بخار کی شکایت کرتا ہے تو اس کو بخار کم کرنے کی دوا دے دی جاتی ہے یعنی اس پر ٹھنڈا پانی ڈال دیا جاتا ہے۔ بعض دفعہ وقتی طور پر یہ عمل اس کے لئے مفید بھی ہوسکتا ہے۔ مگر آئندہ اس کے لئے سخت نقصان رساں ثابت ہوگا۔ اس طرح درد میں مسکنات اور ورم میں محذرات کو بے تکلف برتا جا رہا ہے۔

گویا نہ مریض کا علاج کیا جاتا ہے اور نہ ہی مرض رفع کرنے کی کوشش کی جاتی ہے بلکہ مریض کی ایک علامت کو دبا دینے کو علاج قرار دے دیا جاتا ہے۔ پھر ماشاء اللہ آج کل مجرباتی علاج اور پیٹنٹ ادویہ کا ایسا سلسلہ چل نکلا ہے جس سے ہر شخص ان قدیم مجرباتی اور مغربی پیٹنٹ ادویہ کا نہ صرف شکار بنا ہوا ہے بلکہ مداح ہونے کے ساتھ ساتھ روز بروز اپنی صحت کو تباہ و برباد کر رہا ہے۔ جب ان ادویات کے مسلسل استعمال سے اپنے جسم کو ناکارہ کر لیتا ہے تو پھر ڈاکٹروں اور ان کے ہر قسم کے طریق علاج کو برا بھلا کہا جاتا ہے۔

صحیح علاج

یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ کبھی مرض کا علاج نہیں ہوتا بلکہ ہمیشہ مریض کا علاج ہوتا ہے جس کے لئے لازمی ہے کہ مریض کے جسم (مشینری) کے ہر عضو (پرزے) کا بغور معائنہ اور مطالعہ کیا جائے۔ ان کے افعال کی کمی بیشی اور عضو کی خرابی کے ساتھ ساتھ غذائی (تیل) باقاعدگی کو خاص طور پر جانچا جائے اور پھر اس کا اس طرح سے علاج کیا جائے کہ جسم کے جن اعضاء کے افعال میں کمی بیشی ہو ان کو اعتدال پر لایا جائے اور جو عضو بذاتِ خود کمزور یا زخمی ہوگیا ہو اس کو درست کیا جائے۔ ساتھ ہی ساتھ اس میں خون کا دور چل رہا ہے (غذائی صورت میں) اس کو درست کیا جائے جس کے لئے خون کے کیمیاوی اجزاء کو پورا کرنا ضروری ہوگا اس طرح ایک مریض کا یقینی علاج ہوسکتا ہے اور یہ باقاعدہ کہلانے کا مستحق بھی ہے۔

فرنگی طب میں امراض

فرنگی طب (ایلوپیتھی) میں جو امراض کے نام رکھے ہوئے ہیں وہ صرف علامات ہیں کوئی خاص مرض نہیں کہلا سکتے کیونکہ ایک ایک علامت کے پیدا ہونے کی کئی صورتیں ہوسکتی ہیں۔ مثلاً بخار سردی سے بھی ہوتا ہے اور گرمی سے بھی ہوتا ہے، بخار درد سے بھی ہوتا ہے اور ورم سے بھی ہوتا ہے، بخار میں کبھی قبض اور کبھی اسہال ہوتے ہیں۔ اسی طرح کبھی بخار میں شدید پیاس ہوتی ہے اور کبھی پیاس کا نام تک

آتے ہیں۔

تحقیقات فار ما کوپیا طبع شدہ نوری کتب خانہ بالقابل ریلوے اسٹیشن لاہور جناب قرشی صاحب کے تعاقب میں مزید لکھتے ہیں:
طبی فار ما کوپیا کی تیاری کے لئے یہ دوسری ضرورت ہے جو فرنگی شفاء الملک کے خیال کے مطابق بالعموم محسوس کی جارہی ہے کہ خیسانده اور جوشاندہ گھوٹنے اور چھاننے کا طویل عمل باقی نہ رہے۔'' اگر ان کو یہ بھی احساس ہے اس میں شک نہیں کہ یہ اعمال مخصوص فوائد کے لئے وضع کئے گئے ہیں اور بھی یقین ہے کہ'' ان کے مطلوبہ مفادات ہیں۔ پھر جناب کو بے چینی کیوں پیدا ہوگئی ہے کہ ان اعمال کوختم کر دیا جائے۔ صرف اس لئے کہ موجودہ دور میں جب ڈاکٹروں کے ہاں سے بنی بنائی دوائیں مل جاتی ہیں۔

'' کیا تجارتی ذہن پایا ہے؟''فن تباہ ہو جائے مگر تجارتی ذہن اور منافع خوری کی طبیعت اور ڈاکٹری کی تقلید ختم نہ ہونے پائے۔ اگر طبائع راحت پسند اور ہرشخص کو معیشت میں مصروف ہی سمجھ لیا جائے تو اس کے یہ معنی تو نہیں کہ فن کے'' یہ اعمال مخصوص فوائد کے لئے وضع کئے گئے ہیں''۔ ختم کر دیئے جائیں اور ان اعمال کی اہمیت کا اندازہ اس امر سے لگالیں کہ خیسانده اور جوشاندہ گھوٹنے اور چھاننے کے بعد ادویات میں جو تازگی، ذائقہ اور حیاتین پائی جاتی ہیں۔ وہ چند گھنٹوں کے بعد قائم نہیں رہتیں۔ اس میں دونوں کا ذکر ہی بے سود ہے۔ اگر مراد ان کا ست نکالنا، جوہر اڑانا، رب بنانا، تیل نکالنا، عرق تیار کرنا اور شربت بنانا، سفوف اور حبوب تیار کر لینا ہیں تو جاننا چاہئے یہ صورتیں اپنی جگہ مفید ہیں۔ لیکن جن ادویہ اور اشیاء کو خیسانده، جوشاندہ اور گھوٹنے کے بعد فوری استعمال کرنا ضروری ہے وہ تمام ادویہ ان کے بدل میں نہیں دی جا سکتیں اور اگر دی بھی گئیں تو مفید نہ ہوں گی۔ مثلاً معالجین کی ایک مفید صورت ہمارے سامنے ہے، جس میں دودھ پھاڑ کر فوراً استعمال کرنا پڑتا ہے۔ اس کی کیا صورت کی جائے؟ اسی طرح ہماری زندگی کی روزانہ غذاؤں پر غور کریں کیا ان کی لطافت جن میں دودھ، مکھن، انڈے، گوشت، مچھلی، چاول اور روٹی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ہمیں اس امر کی اجازت دیتی ہیں کہ ہم ان کو دونوں کے بعد کھا جائیں۔ اسی طرح چائے کو لیجئے کہ ہماری زندگی کا ایک اہم جزو بن چکی ہے کیا کوئی نفاست پسند دو تین گھنٹے پہلے کی جوشائی چائے پی لے گا؟ یہ بھی تو ایک قسم کا جوشاندہ ہے۔ کیا چائے کو کسی اور طریقہ پر استعمال کیا جا سکتا ہے؟ تاکہ بار بار جوشاندہ نہ بنانا پڑے؟ نہیں! ہرگز نہیں۔ چائے پینے والے کو چائے کا تازہ جوشاندہ ہی چاہئے۔ کیونکہ اس کی لطافت اسی طرح نکل سکتی ہے کہ ست کی دراصل دوا میں کوئی مناسبت نہیں ہوتی۔ مثلاً مکھن دودھ کا ست ہے۔ لیکن جہاں پر دودھ کی ضرورت ہے وہاں پر مکھن مفید نہیں ہوسکتا اور اسی طرح نہ پنیر وہ کام دے سکتا ہے اور نہ خشک کئے ہوئے دودھ میں تازہ دودھ کی خوبیاں اور اثرات باقی رہتے ہیں اور یہی صورت کھوئے کی ہے۔ فرنگی شفاء الملک کو چاہئے کہ فن کو فن کی حیثیت کے ساتھ اس کو مدنظر رکھیں، جناب نے فن کو اس قدر تباہ کر دیا ہے کہ پتہ نہیں کہ اس کو پھر سے زندہ کرنے اور درست کرنے میں کس قدر وقت صرف ہوگا۔ جاننا چاہئے کہ کسی دوا کا ست، جوہر، عرق، شربت، جوشاندہ، خیسانده، تیل، دودھ اور سفوف اپنے اندر ایک ہی قسم کے افعال و اثرات نہیں رکھتے۔ ان سب میں نمایاں فرق ہوتا ہے۔ اس لئے خواص الاشیاء میں ان تمام صورتوں کو مدنظر رکھنا پڑتا ہے۔ یہ صورت قطعاً غلط ہے کہ جوشاندہ اور گھوٹے کی جگہ اس دوا کا ست یا جوہر استعمال کر دیا جائے اور وہ اس طرح مفید ثابت ہو۔ ہرگز نہیں یہ بات صرف فرنگی شفاء الملک لکھ سکتے ہیں جو خواص الاشیاء سے واقف نہ ہوں اور اپنا مقصد مجربات فروشی بنایا ہو۔ اگر کوئی صاحب ہماری باتوں کو مبالغہ خیال کرتے ہوں تو ہم چیلنج کرتے ہیں کہ فرنگی شفاء الملک ایک دوا کی مختلف صورتوں کے فرق لکھ دیں۔ ہمارا دعویٰ ہے کہ وہ اس علم سے خالی ہیں۔'' یہ واقعی طب قدیم کی خوبی اور اعجاز فرمائی ہے'' کہ آپ جیسے فرنگی شفاء الملک جن کی قابلیت مجربات فروشی سے آگے نہیں ہے کئی زحمتوں کے باوجود مریض اس کے دامن کو نہیں چھوڑتے اور ابھی تک قبول کئے جارہے ہیں۔ (تحقیقات فار ما کوپیا طبع شدہ نوری کتب خانہ بالقابل ریلوے اسٹیشن لاہور)

نظریہ مفرد اعضاء کا پس منظر

دُنیا کو ایک باقاعدہ (Systematic) علاج کی ضرورت ہے

صابر ملتانی مرحوم کے اپنے قلم سے

دُنیا میں اس وقت جس قدر طریق علاج (System Of Medicine) رائج ہیں۔ ان میں بڑے بڑے صرف چار ہیں۔ باقی سب ان کی شاخیں ہیں یا ان کے کسی ایک حصہ کو ترتیب (Develope) کر لیا گیا ہے۔ بڑے طریق علاج میں دو عدد قدیم ہیں۔ جن میں سے ایک طب یونانی اور دوسرا آیورویدک کے نام سے مشہور ہے اور دو عدد جدید طریق علاج میں سے ایک کو ایلوپیتھی (مغربی طب) اور دوسرے کو ہومیوپیتھی (علاج بالمثل) کہتے ہیں۔ جہاں تک ان کے باقاعدہ ہونے کا سوال ہے تو ان کے متعلق کہا جا سکتا ہے کہ ہومیوپیتھی، آیورویدک اور ایلوپیتھی (مغربی طب) تینوں باقاعدہ (سسٹے میٹک) طریق علاج نہیں ہیں۔ کیونکہ یہ تینوں باقاعدہ علاج میں داخل نہیں ہو سکتے۔ اس امر میں کوئی شک نہیں کہ تینوں علمی (Scientific) طریق علاج ہیں۔ مگر باقاعدہ (Systematic) نہیں ہیں۔ جہاں تک ہومیوپیتھی (علاج بالمثل) کا تعلق ہے وہ مکمل طریق علاج میں داخل نہیں ہے۔ کیونکہ اس میں سرے سے حفظان صحت، ماہیت امراض، اسباب، غذا، تدبیر اور جراحی کا ذکر نہیں ہے۔ البتہ اس میں ادویات اور علامات کو باقاعدہ کہا گیا ہے۔ اگرچہ اس میں عمل اور ردعمل (Action and Reaction) کو ایسا خلط ملط کر دیا گیا ہے کہ ان سے پوری طرح مستفید ہونا مشکل ہے۔

یہاں پر علمی اور باقاعدہ علاج کا فرق سمجھنا نہایت اہم ہے۔ علمی طریق علاج اس کو کہا جاتا ہے کہ جس میں مختلف علمی و تجرباتی اور مشاہداتی معلومات کو ترتیب دے کر ایک فن کی صورت دے دی جائے۔ اس صورت کو اس طرح سمجھیں کہ بعض فاضل لوگوں نے علم الامراض کی تشخیص کی ہے اور بعض اہل فن نے ادویات میں تحقیقات کی ہیں اور بعض اہل علم نے تشریح الابدان اور منافع الاعضاء میں تدقیق پر اپنی کوششیں صرف کی ہیں۔ ان سب کو جوڑ کر فن علاج کی تدوین کی گئی ہے اور یہ سلسلہ اب تک جاری ہے۔ جن شعبوں میں جدید تحقیقات اور تدقیقات ظہور میں آتی رہتی ہیں۔ ان کو فن علاج قبول کرتا رہتا ہے اور ان کی جگہ پرانی معلومات کو (اگرچہ وہ بھی کسی زمانہ میں آج کی طرح علمی تجرباتی اور مشاہداتی تھیں) نکال باہر کرتا رہتا ہے۔ اس وقت تک ہر مرض میں سینکڑوں بار نہیں ہزاروں بار تحقیق اور تشخیص کی گئی ہے اور ہر دوا پر اس سے بھی زائد بار تدقیقات و تفتیشات کی گئی ہیں۔ اس طرح ازالہ مرض کے لئے بار ہا نئے نظریات کا انکشاف کیا گیا ہے اور یہ سب کچھ علم (Science) کی روشنی میں ہوا ہے۔ لیکن جہاں تک بیماریوں کو دور کرنے کا تعلق ہے اس میں آج تک پوری طرح ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا ہے۔ ہم طب یونانی اور آیورویدک کا ذکر نہیں کرتے کیونکہ ان کو قدیم اور ہزاروں سال کے پرانے قسم کے علاج خیال کیا جاتا ہے۔ ہم صرف طب مغربی کو پیش کرتے ہیں۔ جس کی خدمت علمی تحقیقات (Science) کم از کم گزشتہ تین صدیوں سے کر رہی ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ آج تک کسی ایک مرض کا یقینی علاج جو سو فیصدی صحیح اور قابل اعتماد ہو پیدا نہیں کر سکی۔ باقی تمام مشکل، کہنہ اور

عسر العلاج امراض جیسے دق وسل، سرطان، ناسور، فالج اور لقوہ وغیرہ ہیں کہ نظر انداز بھی کر دیا جائے تاہم آج تک صرف نزلہ زکام، کھانسی، بخار، قبض اور دردِ سر کا یقینی اور حتمی علاج اس کے پاس نہیں ہے۔ وقتی طور پر اگر منشیات، مخدرات اور مسکنات سے ان امراض کو دبا دینا یا مسہلات و مدرات اور معرقات اور محرکات سے ازالہ مرض کر دینے کو اصول اور با قاعدہ (Systematic) علاج نہیں کہتے ہیں۔ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ ایسے طریق علاج کو علمی (Scientific) بھی نہیں کہا جا سکتا۔ بلکہ ان سب کا نام عطایانہ طریق علاج ہے۔ اگر عطائیانہ کی اصطلاح کو جہلا کے معنی میں بھی لیا جائے تو ویسے بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ فن علاج کو جو اصول اور قوانین اس وقت میسر آئے ہیں وہ سب کے سب سائنس کی مختلف شاخوں سے عطا ہوئے ہیں۔ اس لئے یہ فن علاج عطائیانہ ہی ہوا زیادہ سے زیادہ علمی کہہ لیں مگر با قاعدہ نہیں ہے۔ با قاعدہ (Systematic) علاج کو سمجھنے کے لئے بہترین مثال کسی مشین کی دی جا سکتی ہے۔ یہ مشین کپڑے سینے والی یا بائی سائیکل کی طرح ہاتھ پاؤں سے چلتی ہو یا گھڑی اور کھلونے کی طرح اس میں چابی بھری جاتی ہو یا موٹر اور ریلوے انجن کی طرح تیل، پٹرول، بھاپ اور بجلی سے چلنے والی مشین ہو۔ جب بھی ان کے کسی ایک پرزہ کو حرکت دی جاتی ہے، باقی تمام پرزے حرکت میں آجاتے ہیں اور مشین چل پڑتی ہے اور اگر اس کا کوئی پرزہ بگڑ جاتا ہے یا ٹوٹ جاتا ہے تو مشین رُک جاتی ہے۔ جب اس کے کسی پرزہ کو تیز کریں تو مشین تیز ہو جاتی ہے اور سست کریں تو سست ہو جاتی ہے۔ ہر مشین میں بگاڑ تین طریق سے عمل میں آتا ہے۔

(۱) اس کے پرزے کی رفتار میں سستی یا تیزی پیدا ہو جاتی ہے۔

(۲) پرزہ گھس جاتا ہے یا اپنے مقام سے ہٹ جاتا ہے۔ یعنی اس کی فٹنگ خراب ہو جاتی ہے یا ٹوٹ جاتا ہے۔

(۳) اس کے علاوہ ایک نظام تیل کا بھی ہوتا ہے جو ایک طرف سے اس میں ایندھن کا کام کرتا ہے اور گھسنے سے بچانے کے لئے تر رکھتا ہے۔ اس سلسلہ کو ہم اس کا کیمیاوی نظام کہتے ہیں۔ جب کوئی مشین خراب ہو جاتی ہے تو اس کا ماہر مکینک یا انجینئر اس کی وہ کلوں جائزہ لیتا ہے: (۱) مشینی حالت کا بگاڑ (۲) تیل کی رفتار۔

پس جہاں کہیں بھی نقص ہوتا ہے دور کرتا ہے اور پھر ساری مشین با قاعدگی کے ساتھ اسی طرح اس کے کسی ایک پرزے کو چلانے کے ساتھ چل پڑتی ہے۔ اس طریق کا نام با قاعدہ (Working Systemtic) ہوتا ہے۔ ہر انجینئر اور ماہر فن اپنی مشین کے ہر پرزے کی شکل وصورت، محل وقوع، دیگر پرزوں سے تعلق اور ان کے افعال اور اعمال سے خوب واقف ہوتا ہے اور ضرورت کے مطابق اپنی معلومات سے فائدہ اٹھاتا ہے۔

جاننا چاہئے کہ انسانی جسم بھی ایک قسم کی مشین ہے اس میں بھی تمام پرزے مشین کی طرح ایک دوسرے کے ساتھ گہرا تعلق رکھتے ہیں۔ ان کی خرابی سے ایک دوسرے پر اثر پڑتا ہے اور ان میں با قاعدہ کیمیاوی طور پر خون اور دیگر رطوبات کا لبری کیشن ہوتا ہے۔ جس سے ایک طرف جسم کو غذائی صورت میں تیل ملتا ہے اور طاقت قائم رہتی ہے اور دوسری طرف سے جسم کے کل پرزے تر رہتے ہیں اور ان کو رگڑ اور گرمی سے بچائے رکھتے ہیں۔

عطائیانہ علاج

اصولی علاج بھی اسی صورت کا نام ہو سکتا ہے کہ انسانی مشین کے ہر پرزے (عضو) کے افعال اس کی خرابی اور اس کے اندر غذائی انرجی کی صورتوں کا با قاعدہ علم ہو۔ لیکن جب جسم انسان میں کوئی مرض نمودار ہو جیسے بخار، درد اور ورم وغیرہ ان امراض کے علاج میں عام طور پر بغیر کسی تخصیص کے ان کے دفعیہ کے لئے دوائیں استعمال کرا دی جاتی ہیں یا بعض سمجھدار معالج ان امراض میں اتنی خصوصیت

برتتے ہیں کہ اس مرض کی صحیح قسم تلاش کرتے ہیں۔ جیسے بخاروں میں ملیریا (تپ صفراوی) انفلوئنزا (حمیٰ نزلی) ٹی بی (تپ دق) وغیرہ۔ اسی طرح دردوں، ورموں کی بھی تخصیص کر لیتے ہیں لیکن علاج کی اس صورت کا نام بھی باقاعدہ اور سسٹے میٹک علاج نہیں ہے۔ اس قسم کے علاج کو آپ خاص قسم کا اصولی علاج تو کہہ سکتے ہیں، مگر باقاعدہ مشینی علاج کا نام نہیں دے سکتے۔ کیونکہ مشین کی خرابی اور بگاڑ کا پتہ چلائے بغیر اس کی ایک علامت کو رفع کرنے یا حالت کو بدلنے کی کوشش کی گئی ہے جیسے کسی مشین پر جو چلتے چلتے گرم ہوگئی ہو ٹھنڈا پانی پھینک دیا جائے۔ حالانکہ اس کے گرم ہونے کا سبب ممکن ہے لبری کیٹنگ تیل کی کمی ہو۔ شاید پٹرول ضرورت سے زیادہ جل رہا ہو اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس کا وہ آلہ ہی خراب ہوگیا ہو جو حرارت کی زیادتی کو اعتدال پر رکھتا ہے۔ بہر حال مشین کو ٹھنڈا کرنے کے لئے اس کے پرزوں اور اس کے نظام کو دیکھنا ضروری ہے تاکہ حقیقت تک پہنچا جاسکے اور اس پر صرف ٹھنڈا پانی ڈال دینا ہر صورت میں غلط ہوگا۔ اسی طرح اگر مشین میں کسی مقام پر تیل ٹپک رہا ہو تو صرف باہر ہی سے کوئی لیپ کر دینا یا ٹانکا لگا دینا یا اگر کہیں سے غیر معمولی آواز آ رہی ہو تو اس کو دبانے کی کوشش کرنا حقیقت میں مشین کو درست کرنا نہیں ہے بلکہ اس کو مزید خراب اور برباد کرنا ہے۔

خاص طور پر فرنگی طب (ایلوپیتھی) میں اس غلط صورت کو اپنایا جا رہا ہے کہ مریض آ کر بخار کی شکایت کرتا ہے تو اس کو بخار کم کرنے کی دوا دے دی جاتی ہے یعنی اس پر ٹھنڈا پانی ڈال دیا جاتا ہے۔ بعض دفعہ وقتی طور پر یہ عمل اس کے لئے مفید بھی ہوسکتا ہے۔ مگر آئندہ اس کے لئے سخت نقصان رساں ثابت ہوگا۔ اس طرح درد میں مسکنات اور ورم میں مخدرات کو بے تکلف برتا جا رہا ہے۔

گویا نہ مریض کا علاج کیا جاتا ہے اور نہ ہی مرض رفع کرنے کی کوشش کی جاتی ہے بلکہ مریض کی ایک علامت کو دبا دینے کو علاج قرار دے دیا جاتا ہے۔ پھر ماشاء اللہ اللہ آج کل مجرباتی علاج اور پیٹنٹ ادویہ کا ایسا سلسلہ چل نکلا ہے جس سے ہر شخص ان قدیم مجرباتی اور مغربی پیٹنٹ ادویہ کا نہ صرف شکار بنا ہوا ہے بلکہ مداح ہونے کے ساتھ ساتھ روز بروز اپنی صحت کو تباہ و برباد کر رہا ہے۔ جب ان ادویات کے مسلسل استعمال سے اپنے جسم کو ناکارہ کر لیتا ہے تو پھر ڈاکٹروں اور ان کے ہر قسم کے طریق علاج کو برا بھلا کہا جاتا ہے۔

صحیح علاج

یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ کبھی مرض کا علاج نہیں ہوتا بلکہ ہمیشہ مریض کا علاج ہوتا ہے جس کے لئے لازمی ہے کہ مریض کے جسم (مشینری) کے ہر عضو (پرزے) کا بغور معائنہ اور مطالعہ کیا جائے۔ ان کے افعال کی کمی بیشی اور عضو کی خرابی کے ساتھ ساتھ غذائی (تیل) باقاعدگی کو خاص طور پر جانچا جائے اور پھر اس کا اس طرح سے علاج کیا جائے کہ جسم کے جن اعضاء کے افعال میں کمی بیشی ہو ان کو اعتدال پر لایا جائے اور جو عضو بذاتِ خود کمزور یا زخمی ہوگیا ہو اس کو درست کیا جائے۔ ساتھ ہی ساتھ اس میں خون کا دور چل رہا ہے (غذائی صورت میں) اس کو درست کیا جائے جس کے لئے خون کے کیمیاوی اجزاء کو پورا کرنا ضروری ہوگا اس طرح ایک مریض کا یقینی علاج ہوسکتا ہے اور یہ باقاعدہ کہلانے کا مستحق بھی ہے۔

فرنگی طب میں امراض

فرنگی طب (ایلوپیتھی) میں جو امراض کے نام رکھے ہوئے ہیں وہ صرف علامات ہیں کوئی خاص مرض نہیں کہلا سکتے کیونکہ ایک ایک علامت کے پیدا ہونے کی کئی صورتیں ہوسکتی ہیں۔ مثلاً بخار سردی سے بھی ہوتا ہے اور گرمی سے بھی ہوتا ہے، بخار درد سے بھی ہوتا ہے اور ورم سے بھی ہوتا ہے، بخار میں کبھی قبض اور کبھی اسہال ہوتے ہیں۔ اسی طرح کبھی بخار میں شدید پیاس ہوتی ہے اور کبھی پیاس کا نام تک

نہیں ہوتا۔ بعض صورتوں میں بخار کی شدت ہوتی ہے اور دیگر علامات برائے نام ہوتی ہیں اور بعض وقت بخار کی نسبت دیگر کوئی علامت شدید تکلیف دے رہی ہوتی ہے جیسے درد یا گھبراہٹ وغیرہ کا ہونا۔ اس لئے ہم کسی ایک بھی علامت کو یقینی طور پر نہیں کہہ سکتے کہ فلاں مرض ہے اور باقی علامات ہیں۔ عام طور پر جس علامت میں شدت ہوتی ہے اس کو مرض اور باقی ضعیف تکالیف کو علامت کہہ دیا جاتا ہے۔

لیکن حقیقت میں مرض تو صرف کسی عضو کی خرابی اور بگاڑ کا نام ہے جب کسی عضو کے افعال میں کمی بیشی یا اس کی ساخت میں خرابی واقع ہوتی ہے تو اس صورت میں وہ معینہ اعمال انجام نہیں دے سکتا یعنی اپنے فرائض تغذیہ و تصفیہ اور تنقیہ کو صحیح طور پر انجام نہیں دے سکتا۔ دوسرے الفاظ میں وہ عضو اپنی خرابی کی وجہ سے نہ غذا کو خون میں پورے اور صحیح طور پر تبدیل کر سکتا ہے اور نہ ہی اپنے حصہ کے خون کو صاف کر سکتا ہے اور نہ ہی اپنے اندر کے فضلات کو خارج کر سکتا ہے۔ اس صورت میں جہاں کہیں اس کے فعل کی کمی سے مواد رُک جاتے ہیں یا فعل کی زیادتی سے مواد کا اخراج بڑھ جاتا ہے تو اس کی ساخت کی خرابی سے خود اس میں کسی مواد کی رکاوٹ سے فساد یا خمیر پیدا ہو کر ظاہری صورت اختیار کر لیتا ہے جس کے نتیجہ کے طور پر جسم میں مواد پیدا ہو جاتا ہے یا خمیر اور تعفن کی صورت میں جراثیم پیدا ہو جاتے ہیں۔

پھر اس سے بھی آگے بڑھ کر بے چینی، درد، سوزش، ورم اور بخار کی صورت واقع ہو جاتی ہے۔ ہر علامت میں یہی صورتیں پائی جاتی ہیں۔ اب ہر صاحب علم اور عقلمند شخص خود اندازہ لگا سکتا ہے کہ اصلی مرض اعضاء کی خرابی ہے یا کوئی علامت وغیرہ۔ پھر اگر اس مخصوص عضو کی درستی کے بجائے صرف بخار، درد اور سوزش و ورم وغیرہ علامات کا علاج شروع کر دے تو مریض کو کہاں تک شفا ہوگی۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیورویدک کے زمانے سے لے کر مغربی طب اور موجودہ سائنسی دور تک علاج معالجہ کے متعلق تکنیکی تصور کیوں پیدا نہیں ہوا اور آج تک صرف کیمیاوی صورت پر علاج معالجہ کا طریق جاری رکھا گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ ہر علم و فن کو اپنی ترقی اور کمال حاصل کرنے کے لئے بہت سے فطری تقاضے بھی پورے کرنے پڑتے ہیں۔ اس مقصد کے لئے اس کو ابتدائی نشوو ارتقاء اور تکمیل کے مرحلوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ ہر علم و فن کی تاریخ اس امر پر مکمل شہادت پیش کر سکتی ہے اسی طرح تاریخ علم العلاج کے ہر دور کی شاہد ہے۔

اگر آیورویدک کے زمانے سے لے کر آج تک کی تاریخ کا بغور مطالعہ کریں تو ہمیں علم و فن طب کے نہ صرف تمام دور نظر آتے ہیں بلکہ ان کے باہمی تعلق کا بھی علم ہوتا ہے اور صاف نظر آتا ہے کہ علم العلاج کے ہر دور میں رفتہ رفتہ نشوو ارتقاء کی منزلیں طے کی ہیں۔

یہ اصول فطرت ہے کہ کسی علم و فن کی نشوو ارتقاء اور ترقی کے لئے ایک بنیاد چاہئے اور اس طرح ہر اصلاح و تحقیق اور تجدید کے لئے بھی ایک بنیاد چاہئے پھر رفتہ رفتہ اس پر ایک عظیم منزل تعمیر ہونا شروع ہو جاتی ہے۔ لیکن اس مسلمہ حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ بنیادی تصورات یا حقائق ہمیشہ قائم رہتے ہیں۔ کیونکہ وہ انسان کی کوئی نہ کوئی جبلی ضرورت ہوتی ہے اس سے باہر چھلانگ لگانا بہت مشکل ہوتا ہے۔ اگر چھلانگ لگائی جائے تو وہ بغاوت ہوگی۔ کیونکہ انسان کی ایک فطری ضرورت اور جبلت کو پامال کر دیا گیا ہے جیسے مافوق الانسان کا تصور انسان کا ایک جبلی تصور ہے جو کسی قیمت پر بھی خارج از ذہن نہیں کیا جا سکتا۔ البتہ اگر اس جبلی تصور کو بہتر رنگ میں پیش کر دیا جائے تو اس امر کو انقلاب کہا جائے گا جیسے مافوق الانسان کے تصور میں بھوت پریت، دیوی دیوتا اور بتوں اور کائنات کی اشیاء کا تصور نکال کر صرف ایک خدائے لاشریک کا تصور پیدا کر دیا جائے تو اس طرح انسان کی جبلت اور اس کے فطری تقاضوں کو ایک قسم کی تسکین سی ہو جاتی ہے۔

یہ صورت ہر نشوو ارتقاء اور اصلاح و تجدید میں قائم رہتی ہے، یعنی انقلاب پھولتے پھلتے رہے ہیں اور بغاوتیں تباہ و برباد ہوتی رہتی ہیں۔

علم طب کے چند دور

مندرجہ بالا تمام صورتوں کو سمجھنے کے لئے ہم علم طب کے چند دور پیش کرتے ہیں جس سے تمام ارتقائی اور فطری ترقی کا نقشہ سامنے آجائے گا۔

آیورویدک دور

آیورویدک کے دور سے بھی قبل کی تاریخ بلکہ ہر دور اور ہر زمانہ میں جہاں جہاں بھی لاعلمی اور وحشت کی صورتیں قائم رہیں اور اب تک بھی قائم ہیں امراض کو ہمیشہ بھوت پریت کا اکثر اور دیوی دیوتاؤں کی ناراضگی خیال کیا جاتا ہے۔ مگر جب رفتہ رفتہ بعض امراض کی علامات مخصوص ہوتی گئیں تو ان کا نام امراض رکھا جانے لگا۔ مثلاً جب کسی مرض میں پیلے رنگ کی زیادتی دیکھی تو اس کا نام تپ روگ رکھ دیا گیا اور جب ریشہ میں رطوبت کی زیادتی اور رنگت میں سفیدی دیکھی تو اس علامت کا نام کف روگ رکھ دیا۔ جس کسی کے جسم میں جوش، درد اور بے چینی دیکھی تو اس علامت کا نام وات روگ رکھ دیا۔ پھر رفتہ رفتہ وات، پت اور کف کے ماتحت مختلف علامات دیکھنے کا اتفاق ہوا تو ان میں سے ہر ایک کے کئی کئی امراض ترتیب دیئے گئے۔ پھر جب فن میں مزید ترقی ہوئی تو ان میں سے ہر ایک کے کئی کئی امراض ترتیب دیئے گئے۔ پھر جب فن مزید ترقی ہوئی تو وات، پت اور کف کو امراض کے لئے سبب فاعلہ بنا دیا گیا۔ گویا تسلیم کر لیا گیا کہ جب تک جسم میں زیادتی یا کمی وبیشی کے اسباب وکیفیات موسم اور ماحول ومشروبات کو خیال کیا گیا۔ لیکن بعد میں جب انسان میں بھی ان کی پیدائش اور رہائش کے مقام مقرر کئے گئے جس کے لئے پیدائش مرض میں جہاں پر یہ تسلیم کیا گیا کہ پیدائش امراض دونوں کی کمی وبیشی اور ان کے اندر خرابی سے واقع ہوتی ہے۔ وہاں یہ بھی مان لیا گیا دوش جب اپنا مقام بدل لیں تو مرض پیدا ہو جاتا ہے۔

بہر حال مرض تک پہنچنے کے لئے اچھے اصول ہیں۔ جن کے ذریعے بہت حد تک کامیابی کے ساتھ علاج ہو سکتا ہے۔ لیکن آیورویدک میں یہ تمام اصول صرف کیمیاوی طریق پر قائم کئے گئے ہیں۔ ان میں عضوی (مکینکی) افعال کو کوئی دخل نہیں دیا گیا۔ یہی صورت ادویات کے خواص میں بھی قائم رکھی گئی، یعنی ان میں بھی دوشوں (وات، پت، کف) کے اثرات تلاش کئے جائیں کہ کون سی ادویات ان دوشوں میں کمی وبیشی یا خرابی یا ان کے مقام میں تبدیلی پیدا کر دیتی ہیں۔ ایسا کرنا بھی چاہئے تھا کیونکہ جب امراض یا علامات کے سبب فاعلہ دوش قرار دیئے گئے تو یہ لازمی امر تھا کہ امراض کے دفعیہ کے لئے جسم انسان میں دوشوں کی کمی بیشی اور ان کے مقام کی تبدیلی کے لئے جو ادویات استعمال کی جائیں ان میں دوشوں کی اصلاح اور ان کو اعتدال پر رکھنے کی خوبیاں ہونا چاہئیں۔

لیکن افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ گزشتہ نصف صدی میں آیورویدک پر جو کتب لکھی گئی ہیں چاہے وہ ماہیت امراض کے متعلق ہوں یا خواص الادویہ کے متعلق ان سب میں بہت حد تک دوشوں کے نظریہ کو نظر انداز کیا گیا ہے۔ ماہیت امراض کے بیان کرنے میں صرف تعریف مرض اور خواص الادویہ بیان کرنے میں صرف اتنا کافی سمجھا گیا کہ فلاں فلاں مرض اور علامت کو رفع کرتی ہیں اور جہاں تک دوشوں کے مقام بدلنے کا تعلق تھا وہ نہ ماہیت امراض میں نظر آتا ہے اور نہ ہی خواص الادویہ میں ان کا ذکر کیا گیا ہے۔ گویا اصل نظریہ چھوڑ کر صرف مغربی طب کے طریق کی پیروی کی گئی ہے کہ فلاں فلاں دوائیں فلاں فلاں امراض میں مفید اور مؤثر ہیں، تحقیق کے دوران میں مجھے

کئی نامور وید صاحبان اور پروفیسر صاحبان کی خدمت میں حاضر ہونا پڑا اور آیورویدک کے پیدائش مرض پر معلومات حاصل کرنی چاہیں۔ لیکن ان لوگوں کو ان باتوں سے بالکل نا آشنا پایا۔

جب میں نے تفصیل سے آیورویدک کے مسئلہ پیدائش مرض کو ان کے ذہن نشین کرایا تو فرمانے لگے کہ اب تو کوئی نیا چرک یا سشرک ہی آ کر ان باتوں کو بیان کرسکتا ہے۔ لیکن جب میں نے ان کو کہا کہ آپ مجھ سے جس مرض کی ماہیت یا دوا کے خاص دوش کے متعلق پوچھئے میں بتانے کو تیار ہوں تو حیران ہو کر خاموش ہو گئے بعض نے سوال کیا کہ آپ سنسکرت زبان جانتے ہیں۔ میں نے جواب دیا کہ پوچھ کر دیکھ لیں۔ انہوں نے چند سوالات پوچھے میں نے ان کی تسلی کرا دی تو وہ حیران ہو گئے۔ میں نے ان کی حیرت کو دور کرتے ہوئے بتایا کہ یہ کوئی بڑی بات نہیں ہے۔ ہمارا نظریہ مرض جس کا نام نظریہ افعال الاعضاء ہے اس کو جاننے کے بعد آپ لوگ بھی آسانی سے بیان کرسکتے ہیں۔

خیر اس سے ثابت ہوا کہ آیورویدک کے نظریات جہاں صحیح ہیں وہاں ان میں بعض کمزوریاں بھی ہیں اور باوجود ان کمزوریوں کے صحیح آیورویدک کو جاننے والے ہندوستان تو کیا دُنیا بھر میں کوئی نظر نہیں آتا۔ اگر کوئی ہے تو ہم اس سے بات کرنے کو تیار ہیں۔ ان شاء اللہ طب جدید کے اصولوں سے اس کو تسلی کرا دیں گے۔

طب یونانی کا دور

آیورویدک کے بعد طب یونانی کا دور آیا۔ اگرچہ اس درمیانی زمانہ میں چینی تہذیب، بابلی تہذیب اور مصری تہذیب کے دور گزرے ہیں۔ مگر فن علاج میں کوئی خاطر خواہ اضافہ نہ ہوا۔ البتہ یونانی دور میں جس کی ابتداء تاریخی طور پر حکیم بقراط کے زمانے سے ہوتی ہے اور تاریخی طور پر وہی پہلا شخص خیال کیا جاتا ہے جس نے اس فن کو باقاعدہ طور پر علمی حیثیت سے ترتیب دیا۔ اس کے بعد جالینوس اور دیگر یونانی حکما نے اس میں بہت سی خوبیاں اور نکھار پیدا کر دیئے۔ یونانی تہذیب کے بعد ایرانی تہذیب میں بھی یونانی فلسفہ وحکمت اور طب کا اثر قائم رہا لیکن اس میں کوئی ترقی اور اضافہ کی صورت پیدا نہ ہوئی۔ البتہ اسلامی تہذیب کے زمانے میں اس فن سے علاج میں زبردست تحقیق اور اصلاح کر کے اس کی نوک پلک درست کی گئی اور وہ صحیح معنوں میں ایک علمی فن بن گیا۔ اسلامی تہذیب کے زمانہ ترقی میں سینکڑوں نہیں ہزاروں قابل ترین اطباء اور اجل ماہرین فن پیدا ہوئے۔ مگر ان میں جو شہرت اور ناموری حکیم رازی ابن ارشد اور سہل مسیحی اور شیخ الرئیس بوعلی سینا کو حاصل ہوئی اس کی نظیر نہیں ملتی۔ خاص طور پر شیخ الرئیس کی علمیت اور کمال فن کی شہرت نہ صرف اس کے اپنے زمانے میں رہی بلکہ اس کی وفات کے بعد چھ سو سال تک یورپ کے ممالک میں اس کی کتب درس گاہوں میں پڑھائی جاتی رہیں اور اس کی ''کتاب القانون'' تقریباً دُنیا کی تمام زبانوں میں ترجمہ ہوئی اور تین صدیوں تک پڑھائی جاتی رہی اور اب بھی طب یونانی کو سمجھنے کے لئے اس کا مطالعہ نہایت اہم اور ضروری ہے۔

طب یونانی نے آیورویدک کے مقابلے میں اکثر اہم تبدیلیاں پیدا کر دیں۔ مثلاً پانچ تتوں کے مقابلے میں چار ارکان اور تین دوشوں کے مقابلے میں چار اخلاط اور پھر ارکان اور اخلاط کے مزاج قائم کئے۔ ان کے ساتھ ہی ساتھ مرض اور دوا کے مزاج قائم کر دیئے۔ ماہیت امراض اور خواص الادویہ کے بیان میں عقلی و نقلی طور پر فلسفیانہ اور منطقیانہ انداز میں وہ کچھ بیان کیا کہ ان کی فن علاج میں غیر معمولی دلچسپی اور گہرا تعلق دیکھ کر حیرت ہوتی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی تہذیب کے زمانہ میں اس فن کو بھی معراج کمال تک پہنچا دیا تھا۔

نہ صرف یہ کہ اصل یونانی کتب منگوا کر ان کے ترجمے کیے گئے اور ان پر تحقیقات کی گئیں بلکہ ہندوستان سے وید صاحبان کو بلوایا گیا اور ویدک کی مستند کتب منگوائی گئیں تا کہ فن علاج کے اسرار و رموز سے آگاہی حاصل ہو۔ اس اسلامی تہذیب کے دورِ کمال میں فن طب میں اس قدر ترقی، اصلاح اور تجدید ہوئی کہ اگر اب طب یونانی کو طب اسلامی کہا جائے تو جائز ہے۔ اگر چہ حقیقی طور پر یہ طب اسلامی نہیں ہے۔ کیونکہ طب اسلامی صرف اسی کو کہا جاسکتا ہے جس کے اصول اور قواعد و قوانین قرآن حکیم اور سنت سے اخذ کیے جائیں جس طرف آج تک توجہ نہیں دی گئی چونکہ یہ بحث بہت طویل ہے اس لئے اس کو نظر انداز کیا گیا ہے۔ اس امر کا ذکر صرف اس لئے کیا گیا ہے کہ آئندہ زمانے میں اس انداز پر بہت اہم کام ہوسکتا ہے۔

طب یونانی یا طب اسلامی کے دور میں اگر چہ بے حد ترقی اصلاح اور تجدید ہوئی، مگر امراض کی پیدائش، علاج اور خواص الادویہ کی بنیاد آیورویدک کی طرح جسم کے کیمیاوی تغیرات پر رہی۔ یعنی مرض کی پیدائش کے لئے سبب واصلہ دوشوں کی بجائے واقع ہوتا ہے تو کوئی مرض ظہور میں آتا ہے۔ آیورویدتین دوشوں (وات، پت، کف) مانتے تھے۔ طب قدیم نے چار اخلاط (خون، بلغم، صفرا، سودا) کو تسلیم کرلیا۔ اس امر میں کوئی شک نہیں ہے کہ شیخ الرئیس نے قانون میں پیدائش مرض کی حقیقت پر بحث کرتے ہوئے اس امر کی طرف اشارہ ضرور کیا ہے کہ ''مرض اس حالت کا نام ہے جب اعضائے جسم اپنے افعال صحیح صورت میں انجام نہ دیں''۔

مگر مرض کی پیدائش کا سبب واصلہ اخلاط ہی کو قرار دیا ہے۔ گویا پیدائش مرض کی صورت کیمیاوی ہی رہی ہے۔ جس سے اعضاء کے افعال سامنے نہ آئے بلکہ صدیوں تک افعال الاعضاء کی طرف طب قدیم میں توجہ نہیں دی گئی یہی وجہ ہے کہ قدیم طریق علاج میں افعال الاعضاء پر کتب نہیں لکھی گئیں۔ اس امر میں کوئی شک نہیں ہے کہ طب قدیم میں اعضائے انسانی کے افعال کا کچھ نہ کچھ ذکر پایا جاتا ہے لیکن یہ صرف تشریح الابدان کے تحت بعض ضروری اور بنیادی باتیں پائی جاتی ہیں۔

جہاں تک اعضاء کے افعال کی حقیقت اور اہمیت کا تعلق ہے ان کو چھوا تک بھی نہیں گیا۔ مثلاً مختلف اعضاء کے افعال کس طرح انجام پاتے ہیں۔ ان کا دیگر اعضاء کے ساتھ کیا تعلق ہے۔ وہ اپنے اندر کون کون سے کیمیاوی مواد تیار کرتے ہیں۔ وہ کس طرح تیار ہوتے ہیں، وہ کس طرح مواد حاصل کرتے ہیں، ان کا کس طرح اخراج عمل میں آتا ہے، ان کے اعمال سے خون پر کیا اثرات ظاہر ہوتے ہیں اور سب سے بڑھ کر دورانِ خون کیا شے ہے۔ اس کا دورہ کس طرح مکمل ہوتا ہے۔ جسم کو غذا کیسے ملتی ہے، وغیرہ وغیرہ۔ اس قسم کے بہت سے مسائل ہیں جن کا جاننا فن علاج کے لئے نہایت اہم ہے۔

اسلامی دور میں افعال الاعضاء کی تحقیقات پر زیادہ کام صرف اس وجہ سے نہیں ہوا کہ اہل فن مرض کا سبب واصلہ اخلاط کو ہی تسلیم کرتے تھے۔ اگر وہ اعضاء کو مرض کا سبب واصلہ قرار دیتے جیسا کہ شیخ الرئیس نے مرض کی تعریف بیان کی ہے تو یہ یقینی امر تھا کہ علم طب اور فن علاج آج انتہائی بلندی پر ہوتا، جسم انسان کی وہ موشگافیاں ہوتیں کہ دُنیا دنگ رہ جاتی۔ چونکہ مرض کا سبب واصلہ اخلاط کو قرار دیا گیا جو جسم کے ایک کیمیاوی پہلو کا نتیجہ تھا۔ بس اخلاط کی بحث دتحیص تک رہ گیا۔ اس سے بدن میں ایسی خرابیاں پیدا ہوئیں جن کا مداوا نہ ہوسکا۔ بعض امراض جن کو اخلاط کے ماتحت متعین کیا گیا تھا، علاج ان کے مطابق پیدا نہ ہوسکا۔

مثال کے طور پر یرقان کو گرم خشک یعنی صفراوی مرض قرار دیا گیا لیکن اس کا علاج مزاج کے خلاف سرد تر ادویہ سے نہ ہوسکا۔ اس طرح گرم بخاروں، گرم اورام اور گرمی کے اوجاع کا جب بھی علاج کیا گیا تو اپنے اصول کے خلاف بجائے سرد ادویات کے گرم ادویات سے کیا گیا۔ اس طرح خواص الادویہ میں مزاج مقرر کرنے میں بہت حد تک آپس میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ کوئی ماہر فن کسی دوا کو گرم قرار

دیتا ہے، دوسرا اس کو سرد کہتا ہے۔ اسی طرح خشک وتر میں غیر معمولی اختلاف پایا جاتا ہے۔ پھر مزاج کے درجات میں تو اس قدر اختلاف رائے پایا جاتا ہے کہ شائد ہی کوئی دوا اس سے بچ سکتی ہو اور علاج میں سب سے بڑی مصیبت یہ رہی ہے کہ علاج اس وقت تک صحیح نہیں ہو سکتا، جب تک مریض کا مزاج معہ درجات مرض کا مزاج موسم کا مزاج وغیرہ پوری طرح معلوم نہ کر لیا جائے تا کہ اس کو بدلنے کے لئے اس کے مطابق دوا تجویز کی جائے۔ اس پر بس نہیں کہ تجویز دوا میں مزاج کو بھی مدنظر رکھنا ہے اور ان سے بڑھ کر ایک صورت بالخاصہ کی بھی ہے جہاں پر تدابیر اصول اور مزاج وکیفیات بالکل نظرانداز کر دیئے جاتے ہیں۔

جہاں تک طب قدیم کے اصولی علاج کا تعلق ہے، ہم بغیر کسی جھجک اور اینچ پینچ کے کہتے ہیں کہ طب قدیم اصولی (سائنٹفک) طرق علاج ہے۔ لیکن اس کے کیمیاوی ہونے میں اس قدر طوالت ہے کہ اس پر ہر ذہن کی دسترس بے حد مشکل ہے۔ اس کے علاوہ دُنیا میں بے انداز علمی اور فنی ترقیاں ہو چکی ہیں۔ انسانی اعضاء کے نہ صرف افعال الاعضاء کی باریکیوں کا علم ہو چکا ہے بلکہ ان کی تصاویر بھی ہر وقت لی جاسکتی ہیں۔ اس لئے صرف دوش واخلاط اور کیمیاوی اسباب واصلہ علم الامراض میں کسی طرح کافی نہیں ہو سکتے۔

یورپی طب (ایلوپیتھی)

یورپی معالجین (ڈاکٹروں) نے اگرچہ فن علاج کی تعلیم اسلامی درس گاہوں سے حاصل کی اور مسلمان استادوں کے سامنے زانوئے ادب تہہ کیا تاہم انہوں نے اپنے عروج کے زمانے میں ان اسلامی علوم وفنون میں تحقیقات اور تدقیقات کر کے بحر ناپیدا کنار کی صورت پیدا کر دی۔ اوّل تو وہ لوگ صدیوں تک ان اسلامی علوم وفنون پر پوری طرح دسترس بھی حاصل نہ کر سکے۔ یہی اسلامی کتب ان کے مدارس اور یونیورسٹیوں کی زینت رہیں۔ بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ انہوں نے طب اسلامی میں کبھی بھی کمال پیدا نہ کیا بلکہ اپنی مختلف تحقیقات اور ریسرچ سے وہ ایک دوسرے میدان میں نکل گئے۔ یہی وجہ ہے کہ یورپ آج بھی دعویٰ نہیں کر سکتا کہ اس نے ایک بھی ڈاکٹر، بوعلی سینا، رازی اور ابن ارشد جیسا پیدا کیا ہو۔ خیر طب اسلامی کی تباہی کی ابتدا اسپین میں ہوئی اور اس کا سب سے بڑا سبب وہاں پر اسلامی حکومت کی بربادی تھی۔ قومی نفرت کے سبب مسلمانوں سے نفرت کے ساتھ ساتھ ان کے علوم وفنون سے بھی نفرت برتی گئی اور اس سلسلے میں اسلامی مذہب، ادبیات، اخلاقیات سے علم طب اور دیگر علوم وفنون کی کتب کو سربازار جلا دیا گیا کبھی وہ وقت تھا کہ ایک ڈاکٹر اپنی تعلیم ختم کرنے کے بعد اسلامی جبہ ودستار پہننے پر فخر کرتا تھا، پھر ایک وہ وقت آیا کہ اسلام کے ہر نشان سے نفرت ہوگئی۔

خیر حکومتوں کے نشیب وفراز میں ایسا ہوتا ہی رہتا ہے۔ لیکن سب سے بڑا نقصان اس وقت ہوا جب یورپی تہذیب وتمدن کے سیلاب نے مشرق وسطیٰ خصوصاً بغداد میں قدم رکھا جس کے نتیجہ میں مصر سے لے کر ایران تک تمام اسلامی علوم وفنون رفتہ رفتہ ختم ہو گئے اور آج یہ حال ہے کہ طب اسلامی کا نام تک نہیں ہے۔ جب قدیم علوم وفنون نہ رہے تو ان پر مزید تحقیق اور تجدید اصلاح کس طرح قائم رہ سکتی تھی۔

دوسرا سبب جس نے اسلامی علوم وفنون اور علم طب کو تباہ کیا وہ یورپ کی تجارتی ذہنیت تھی جس سے وہ اپنے ملک کی ہر اچھی اور بری شے کو دوسرے ممالک میں پھیلانے اور ان کے مقابلے میں دیگر ممالک کی تجارت کو تباہ وبرباد کرنا اپنی قومی ترقی اور فوقیت کا جزو لاینفک قرار دے دیا گیا۔ یہ ذہنیت بڑھتے بڑھتے اس مقام تک پہنچ گئی کہ تہذیب وتمدن انہوں نے اپنا پیدائشی حق سمجھ لیا اور دیگر تمام ممالک اور اقوام کو غیر مہذب اور غیر متمدن قرار دے دیا۔ پھر دیگر ممالک کی دولت لوٹنے کے لئے دیگر ممالک کو مہذب ومتمدن بنانے کا سامراجی ڈھونگ کھڑا کر لیا جس کے اثرات اب تک مشرق وسطیٰ، بغداد اور افریقہ وہند میں پائے جاتے ہیں۔

تیسرا اور آخری سب سے بڑا سبب طب اسلامی کی تباہی کا یورپی تحقیقات اور ریسرچ کا ایک جدید اور مختلف دور کا شور ہوتا ہے۔ اگرچہ یورپ کی تحقیقات اپنی جگہ قیمتی اور قابل قدر ہیں لیکن اس امر کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ یہ سب کچھ اسلامی علوم وفنون سے ہٹ کر کیا گیا ہے۔

یورپی تحقیقات کی ابتدا عناصر (Element) سے ہوئی۔ یعنی انہوں نے تحقیقات سے اس امر کی تصدیق کر دی کہ عناصر چار نہیں ہیں بلکہ ایک سو کے قریب ہیں اور اس طرح بعض اشیاء جن میں سونا، چاندی، تانبا، لوہا، گندھک اور سنکھیا وغیرہ آگ، ہوا، پانی اور مٹی سے مرکب نہیں ہیں۔ بلکہ یہ اور اسی طرح کے دیگر تمام عناصر مفرد ہیں۔

جب یورپی طب نے عناصر کا قدیم تصور چھوڑ دیا تو اس کے ساتھ مزاج اخلاط اور ارواح کے نظریات بھی چھوڑنے پڑے۔ چونکہ طب قدیم میں امزجہ اور اخلاط کے نظریات پیدائش الامراض اور علاج الامراض میں بنیادی درجہ رکھتے ہیں اور یہ نظریات اپنی جگہ صحیح بھی ہیں۔ لامحالہ ان کے چھوڑ دینے کے بعد یورپی طب کے لئے ضروری تھا کہ پیدائش الامراض اور علاج الامراض کے لئے اس کی جگہ کوئی نظریہ قائم کرتی۔ سو اس کی جگہ فسادی مادے (Forcing Matters) قوت مضاد (Immunity) اور ضعف (Unability) کو اسباب واصلہ قرار دیا گیا۔

جب فسادی مادے پر تحقیقات کی گئیں تو نظریہ جراثیم (Germs Theory) سامنے آ گیا۔ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ گزشتہ صدی تمام کی تمام تحقیق جراثیم (Germs Research) کے کارناموں سے بھری پڑی ہے۔ اکثر امراض کے جراثیم معلوم کئے گئے۔ بلکہ قوت مضاد کی کمزوری اور ضعف کے اسباب بھی جراثیم کے اثرات قرار دیئے گئے۔ گویا یہ فیصلہ کر لیا گیا کہ ہر مرض جو پیدا ہوتا ہے اس کا سبب واصلہ کوئی نہ کوئی جراثیم ضرور ہے چاہے اس کا علم تاحال سائنس دانوں کو ہوا ہے یا نہیں ہوا ہے۔ اور جن امراض کے جراثیم تاحال تحقیق نہیں ہوئے ہیں ان امراض کا علاج ایمونٹی اور Unability کے تحت کیا جاتا ہے۔ ایک طرف نظریہ اخلاط چھوڑنے اور دوسری طرف تشریح الابدان اور منافع الاعضاء میں انتہائی تحقیق وتدقیق کرنے کے بعد امید تھی کہ ماہرین یورپی طب جسم انسانی کا تکنیکی طریق پر بھی مطالعہ کریں گے۔ اعضاء کے تغیرات کے ساتھ تطبیق دیں گے یا اعضاء کے تغیر کو مرض کا سبب واصلہ قرار دیں گے۔ مگر ایسا نہیں کیا گیا۔ دراصل نظریہ جراثیم نے ان کو ایک ایسے چکر میں ڈال دیا ہے جس سے وہ بڑھتے ہی چلے گئے اور جراثیم کے علاوہ کسی اور نظریہ کی طرف پھر کر بھی نہیں دیکھا۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ یورپی ماہرین طب نے مرض کی حالت میں مختلف اعضاء کے تغیرات اور مختلف علامات کو ابتداء سے انتہاء تک پیتھالوجی میں بیان کیا ہے مگر اس میں مرض اور عضو میں تطبیق نہیں دی گئی۔ جس کے نتیجہ میں سبب پیدائش مرض صرف کیمیاوی بن کر رہ گیا ہے۔

جہاں تک پیدائش امراض میں نظریہ جراثیم کا تعلق ہے کوئی شک نہیں ہے کہ وہ اپنی جگہ پر بالکل صحیح ہے۔ اس ذریعہ سے ایک خاص طریق اور صورت میں امراض کی تحقیقات اور ان کا علاج ہو سکتا ہے اور بہت حد تک مختلف نہیں ہے۔ ان کا اصول ایک ہی ہے۔ وہ دونوں بھی پیدائش امراض کو کیمیاوی تسلیم کرتے ہیں یعنی دوشوں اور اخلاط کی خرابی ہی پیدائش امراض کا سبب ہے۔ ان کے برعکس یورپی طب جراثیم کی پیدائش امراض کے لئے سبب واصلہ خیال کرتے ہیں تینوں طریق علاج کیمیاوی ہیں۔

ان میں امراض کو رفع کرنے کے لئے انسان اس امر پر مجبور ہے کہ یا تو جسم انسان میں دوشوں اور اخلاط کی حالت سدھارے یا جراثیم کو ختم کرے اور ساتھ ہی جسم میں ایمونٹی اور ان ایبلٹی کو پورا کرے تب جا کر مرض ختم ہوگا۔ تینوں طریق علاج میں انسان کو آسانی

سے یقین پیدا نہیں ہو سکتا کہ وہ جسم انسانی کی کیمیاوی صورت کو حسب منشا طریق پر درست کر سکتے ہیں یا نہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہمیشہ تیز سے تیز تر اور زیادہ مؤثر ادویات کا استعمال جاری رہتا ہے جو بعض صورتوں میں ضرر رساں بھی ثابت ہوتی ہیں علاج تعین نہیں کیا جا سکتا، بلکہ ہمیشہ ظنی صورت قائم رہتی ہے، کبھی ایک خاص فائدہ کے لئے ایک قسم کی دوا دی جاتی ہے اور جب فائدہ حاصل نہیں ہوتا تو دوسری قسم کی دوا دے دی جاتی ہے۔ عام طور پر نتیجہ تسلی بخش نہیں ہوتا، یہی وجہ ہے کہ آیورویدک، طب قدیم نے ہر مرض کے لئے ہزاروں نہیں لاکھوں مرکبات اور مجربات ترتیب دیئے ہیں لیکن کسی مرض کا آج تک معین نسخہ پیش نہیں کر سکتی۔ یہی حال طب یورپی کا ہے۔ گزشتہ پانچ صدیوں میں وہ ہر مرض کے لئے بے شمار نسخے اور ادویات پیش کر چکی ہے اور روز بروز نئی تحقیقات اور جدید ایجادات کے ساتھ ساتھ اکسیر اور یقینی علاج یورپ اور امریکہ سے یہاں پہنچ رہے ہیں۔ مگر نتیجہ وہی ڈھاک کے تین پات، نئی تحقیق شدہ ادویات اور پیٹنٹ ادویات کا جس گرم جوشی سے خیر مقدم کیا جاتا ہے۔ جب ان سے حسب خواہ فوائد حاصل نہیں ہوتے تو اسے بھی زیادہ سرد مہری سے اپنے افسوس کا اظہار کیا جاتا ہے۔ ممکن ہے کہ یہ سب کچھ اشتہارات کی سحر آفرینی ہو یا پراپیگنڈے کی جادوگری جب کسی کمپنی کو کمانا منظور ہوتا ہے تو وہ ایک فارمولہ ترتیب دے کر حکومت کو یقینی دلا دیتی ہے کہ یہ جدید تحقیق ہے۔ پھر اس کا اعلان ہو جاتا ہے کہ فلاں مرض کے لئے ایک نئی دوا ایجاد ہوئی ہے اور پھر وہ دوا دھڑا دھڑ بازار میں آ جاتی ہے۔ ساتھ ہی اس کے نمونے اور ترکیب استعمال کے اشتہارات ڈاکٹروں کو روانہ کر دیئے جاتے ہیں۔ جب اشتہارات ڈاکٹروں کے پاس جاتے ہیں تو ڈاکٹر صاحبان بغیر سوچے سمجھے مریضوں کو لکھ کر دینا شروع کر دیتے ہیں۔ دوا دھڑا دھڑ بکنا شروع ہو جاتی ہے، جب اس سے خاطر خواہ فوائد حاصل نہیں ہوتے تو کہا جاتا ہے کہ پچاس فیصد مفید ہے۔ جب اصل دوا کے خلاف نفرت پیدا ہونے لگتی ہے۔ لیکن کمپنی والے بیوقوف نہیں ہیں وہ اس ردّعمل کو خوب سمجھتے ہیں، انہوں نے اپنے بزنس کے لئے پروپیگنڈا کے ماہرین ملازم رکھے ہوئے ہیں اس لئے جب وہ دوا کے خلاف نفرت اور ردّعمل دیکھتے ہیں تو فوراً اوپر تلے اس قسم کے اعلان جاری کر دیتے ہیں۔

(۱) دوا میں جو مؤثر جو ہر تھا وہ خاص دستیاب نہیں ہوتا تھا۔ اب وہ دستیاب ہونا شروع ہو گیا ہے۔ اس لئے دوا بہتر طریقہ پر تیار کر لی گئی ہے، اب بے حد مفید ہو گئی ہے اس کا نمبر 695 مقرر کیا گیا ہے۔

(۲) دوا میں ایک خاص قسم کی کمی تھی وہ پوری کر دی گئی ہے۔ اب دوا بے حد مفید ہو گئی ہے۔ پہلے دوا کا نام اگر 693 تھا تو اب 694 کر دیا گیا ہے۔

(۳) فلاں دوا میں چند نقائص تھے وہ سائنس دانوں کی کوشش سے رفع کر دیئے گئے ہیں۔ اب واقعی اکسیر کے مقام تک پہنچ گئی ہے۔ اس دوا کے نام کے ساتھ لفظ نیو (Neo) کا اضافہ ہو جاتا ہے یا اس کا کوئی اور نمبر مقرر کر دیا جاتا ہے۔

جب یہ نیو بھی فیل ہو جاتی تو میو (Mye) بن جاتی ہے اور یہ سلسلہ چلتا رہتا ہے۔ کمپنیاں بھی اپنی تجوریاں بھرتی رہتی ہیں اور ڈاکٹر صاحبان اپنی روٹی کماتے رہتے ہیں اور اب ان میں وید اور حکیم لوگ بھی شریک ہو گئے ہیں۔

اگرچہ ڈاکٹروں نے کوشش کر کے یہ قانون بھی پاس کرا دیا ہے کہ وید اور حکیم لوگ ڈاکٹری دوائیں نہ برتیں تاہم وہ برتتے ہیں اور روپیہ کماتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان ادویات کی اصلیت سے جس طرح وید اور حکیم لوگ ناواقف ہیں بالکل اسی طرح ڈاکٹر لوگ بھی نابلد ہیں۔ ان ادویات کے استعمال کرنے والے معالج صرف دوا کے اثرات سے واقف ہیں ان کی ترتیب اور خواص کا شاید ہی کسی کو پورا علم ہو پھر جب کوئی نئی دوا آتی ہے تو وہ ہر مرض میں استعمال کرا دی جاتی ہے۔

گویا ہزاروں سال میں آیورویدک طریق علاج سے لے کر آج تک جب کہ سائنس کو اپنی انتہائی ترقی کا دعویٰ ہے، علاج الامراض میں یقینی صورت پیدا نہیں ہوئی بلکہ ظنی سلسلہ چلا جارہا ہے۔ ان طریق کو ہم غیر سائنسی تو نہیں کہہ سکتے، البتہ غیر ترتیبی (Unsystematic) ضرور کہہ سکتے ہیں یا دوسرے لفظوں میں سائنسی اصول کے پردے میں ایک غیر سائنسی ظنی صورت پیدا ہو جاتی ہے۔ گویا اصول سائنس ہے لیکن جب اس کو برتا (اپلائی) جاتا ہے تو بجائے یقینی (Surity) کے ظنی (Guess) سے کام لیا جاتا ہے۔ یعنی جب کوئی مریض آتا ہے تو ہر وید، ہر طبیب اور ہر ڈاکٹر جب صحیح طور پر کسی دوش یا خلط اور جرم کی خرابی معلوم کر لینے کے بعد جب دوا تجویز کرتا ہے تو ہر وید کی دوا دوسرے وید سے، ہر طبیب کی دوا دوسرے طبیب سے اور ہر ڈاکٹر کی دوا دوسرے سے مختلف ہوگی۔ یہ اس لئے کہ انہوں نے ہر دوش ہر خلط اور ہر جرم کی خرابی کو دور کرنے کے لئے متعدد دوائیں تجویز و تحقیق کر رکھی ہیں۔ ادویات کی تحقیق تو سائنس ہے مگر ان کا استعمال یقینی نہیں ہے۔

یہی وجہ ہے کہ ہزاروں سال گزر جانے کے بعد آج تک کسی ایک علامت کی یقینی دوا تیار نہیں کی جاسکی۔ روزمرہ کے امراض نزلہ، زکام، کھانسی، بخار اور قبض و اسہال ہی کو سامنے رکھ کر دیکھیں کہ کیا ان علامات کو رفع کرنے کے لئے کسی وید طبیب اور ڈاکٹر کے پاس یقینی دوا ہے۔ جب ان روزمرہ کے امراض اور علامات کا یہ حال ہے تو مزمن اور پیچیدہ امراض اور علامات میں غیر یقینی صورت خود بخود ظاہر ہے بلکہ اکثر یہی روزمرہ کے امراض اور علامات بگڑ کر مزمن اور پیچیدہ امراض میں تبدیل ہو جاتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ ماہرین نے قبض کو ام الامراض اور نزلہ کو ابوالامراض کہا ہے۔

ہر صاحب عقل خود اندازہ لگا سکتا ہے کہ آج تک جن طریق علاج کو سائنٹیفک (علمی) کہا جاتا ہے وہ کہاں تک علمی ہیں اور کہاں تک ظنی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ اگر کوئی وید یا طبیب اور ڈاکٹر اپنے طریق علاج (systematic) اور علمی (Scientific) ثابت کرتا ہے تو میں ان کو چیلنج کرتا ہوں کہ وہ ایک بھرے اجتماع میں آ کر اپنے حقائق کا ثبوت پیش کریں، میرا دعویٰ ہے کہ وہ کبھی بھی ثابت نہیں کر سکیں گے۔

جیسا کہ اوپر کی مثالیں پیش کی گئی ہیں کہ جس طرح یونانی طریق علاج کی ترقی کے زمانہ میں ویدک علاج بہت حد تک ختم ہو گیا یا عوام نے یونانی طریق علاج کی بڑھتی ہوئی شہرت اور ترقی سے مرعوب ہو کر اس کو اپنانا شروع کر دیا، اسی طرح جب طب یورپی کے عروج اور بلندی کا زمانہ آیا تو طب یونانی ختم ہونا شروع ہو گئی اور طب مغرب کے شیشہ و آلات سے مرعوب ہو کر عوام نے بھی طب یونانی سے بے رُخی اختیار کر لی۔ لیکن اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ آیورویدک اور طب یونانی کے نظریات علمی نہیں ہیں یا وہ اب بے اصولے اور غیر مہذب ہو گئے ہیں نہیں! ''ہرگز نہیں''۔ ان کی صداقت اور علمی صورت اپنی جگہ قائم ہے، ان میں یکساں ضرور ہیں، ان میں مزید ترقی کی جا سکتی ہے۔ لیکن ان کو غیر علمی (ان سائنٹیفک) اور وحشی طریق علاج نہیں کہا جاسکتا۔

جب کسی علم و فن میں مزید ترقی ہوتی ہے تو اس کے علمی اور فنی قوانین و قاعدے غیر علمی نہیں بن جاتے بلکہ ان سب کو ترقی اور بلندی کے وسیلے کہا جاتا ہے۔ جب کسی علم (Science) یا فن (Art) میں جدید اصول تحقیق ہوتے ہیں اور ان پر عمل دخل شروع ہوتا ہے تو ان جدید اصولوں کے حامل لوگوں میں تمام فاضل نہیں ہوتے۔ اکثر عوام قسم کے لوگ بھی ہوتے ہیں اور ایسے لوگ عام طور پر جذباتی ہوتے ہیں۔ وہ علم و فن کی نشو و ارتقاء کی تاریخ اور ادوار ترقی سے واقف نہیں ہوتے۔ ایسے لوگ اپنے زمانے سے قبل کے ہر دور اور علمی و فنی تحقیق کو قدامت اور وحشت کا درجہ دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک صرف اپنے زمانے کے علوم و فنون علمی اور اصولی ہیں اور باقی تمام کو غیر علمی اور غیر اصولی کہہ دیا جاتا ہے۔

ہومیوپیتھی

جس طرح طب یورپی کے بعض عاملین نے جذبات میں ابھر کر آیورویدک اور طب یونانی کو غیر علمی اور غیر اصولی بلکہ غیر مہذب اور وحشی طریق علاج کہہ دیا ہے، اسی طرح جب یورپ میں ہومیوپیتھی نے جنم لیا اور اس کی قلیل اور شیریں ادویات نے لوگوں پر کامیاب اور معجزہ نما اثر کیا تو اس کے عاملین میں غیر فاضل لوگوں نے جذبات میں آ کر یورپی طب کو قاتل، تلخ اور زہریلی ادویات کی حامل جسم میں بجائے شفا کے امراض پیدا کرنے والی، غیر علمیہ اور غیر اصولی طریق علاج کے نام دھرے۔ طب یورپی کے خلاف اس قدر شدید پروپیگنڈا کیا گیا اور اب تک کیا جارہا ہے کہ اکثر لوگوں کو طب یورپی کے قریب جانے سے ڈر لگتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جب ہومیوپیتھی کے موجد ڈاکٹر ہانمن نے سنکونا کے تجربہ سے ثابت کیا کہ ایلوپیتھی طریق علاج جسم انسان میں بڑی بڑی مقدار میں ادویات پہنچا کر شفا کی بجائے زہر پیدا کرتی ہیں اور نئے امراض کو عدم سے وجود میں لاتے ہیں۔ اس نے اپنے تجربات اور مشاہدات سے عوام پر ثابت کر دیا کہ مرض کا علاج بڑی بڑی خوراکوں کے استعمال میں نہیں ہے بلکہ قلیل سے قلیل مقدار میں دوا کھا کر صحت حاصل کی جاسکتی ہے۔ بشرطیکہ معالج ادویات کے صحیح اثرات سے واقف ہوں۔ ادویات کے صحیح خواص جاننے کا طریق اس نے یہ وضع کیا کہ جب ادویات کو زیادہ سے زیادہ کھلایا جائے یہاں تک کہ موت واقع ہو جائے اس دوران میں تمام علامات کو نوٹ کر لیا جائے۔ بس پھر جس انسان میں کسی دوا کی علامات پائی جائیں وہی دوا قلیل مقدار میں دے دی جائے۔ دوا اصولی ہوگی اور مریض کے لئے اکسیر اور تریاق ثابت ہوگی۔ تجربہ اور مشاہدہ میں بھی یہ اصول اور قاعدے تقریباً صحیح ثابت ہوتے ہیں۔ موجد فن کا تقلیل دوا سے مقصد یہ تھا کہ دوا کے جسم کو فنا کر دیا جائے اور اس کی روح قائم کر دی جائے اس سے اس کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ انسان کے جسم میں روح بیمار ہو جاتی ہے اور پھر جسم خود بیمار ہوتا ہے اس لئے علاج میں اوّل روح کو تندرست کیا جائے تو جسم خود بخود درست ہو جائے گا۔

حقیقت یہ ہے کہ ڈاکٹر ہانمن خود ایک مستند ڈاکٹر تھا خود کئی سال تک ایلوپیتھی طریق سے علاج کرتا رہا۔ مگر جب اس کو اس طریق علاج میں یقینی و تسلی بخش کامیابی نہ ہوئی تو وہ اس طریق علاج سے دِل شکستہ ہو گیا۔ پھر اس نے از سرِنو کتاب علم الادویہ (Matria Medica) کا مطالعہ اور ادویات پر تجربے کرنا شروع کر دیئے، جب اس نے مریضوں کو مسلسل سنکونا کھلایا تو اس کو حیرت ہوئی کہ مریضوں میں ملیریا بخار پیدا ہو گیا۔ پھر جب اس نے سنکونا کی قلیل مقدار ملیریا کے مریضوں کو دی تو بخار رفع ہو گیا تو وہ اس نتیجہ پر پہنچا کہ ایلوپیتھی کا طریق علاج صحیح نہیں ہے، بلکہ اس طریق پر مریضوں کو زہر دیا جاتا ہے اور نئے امراض اور علامات پیدا کی جاتی ہیں۔ جن سے مریضوں کی قوت مدبرہ بدن کمزور ہو جاتی اور آخر وہ مر جاتا ہے۔

ڈاکٹر ہانمن نے اس امر پر زور دیا کہ انسان کی اس روحانی قوت کی نگرانی کی جائے جو جسم انسان میں ہر قسم کے خطرات کی حفاظت کرتی ہے جس کو وائٹل فورس (قوت مدبرہ بدن) کہتے ہیں۔ اس نے یہ امر ثابت کیا کہ جو جراثیم کش ادویات امراض کے دفعیہ کے لئے استعمال کی جاتی ہیں وہ جسم انسان کی حیوانی بافتوں (ٹشوز) کے حیوانی ذرّات (سیلز) کو بھی تباہ کر دیتی ہیں۔

جاننا چاہئے کہ جس طرح جرثومہ بغیر خوردبین کے نظر نہیں آتا، اسی طرح حیوانی ذرّہ بھی بغیر خوردبین کے نظر نہیں آتا۔ یعنی نزاکت میں جراثیم سے زیادہ طاقتور نہیں ہوتا۔ بلکہ بعض اوقات جراثیم سے کمزور ہوتا ہے۔ اس لئے جراثیم اس پر اپنا اثر ڈال لیتے ہیں۔ جو ادویات جراثیم کو فنا کر دیتی ہیں وہ ان حیوانی ذرّات کو بھی موت کے گھاٹ اُتار دیتی ہیں۔ نتیجہ کے طور پر قوت دافع مرض (Imunity) اور قوت مدبرہ بدن کمزور ہو جاتی ہے۔ نتیجہ کے طور پر مرض غالب آجاتا ہے اور مریض آخر کار ختم ہو جاتا ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ جب ایلوپیتھی کی ادویات استعمال کی جاتی ہیں تو اس امر کو بالکل مدنظر نہیں رکھا جاتا کہ ادویات مرض کو دفع کرنے کے ساتھ ساتھ جسم کے لئے کس حد تک نقصان دہ ثابت ہوں گی۔ آج بھی زہریلی ادویات کی تاریخ اُٹھا کر دیکھ لیں، اس میں زہریلی ادویات کے استعمال کے نقصانات تفصیلاً نمایاں نظر آئیں گے۔ جس میں آرسینک، مرکری، کچلہ، مارفیا وغیرہ نمایاں نظر آتے ہیں اور پیٹنٹ ادویات میں ہر سال ان کا اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ سالورسان، ایم بی 963 - سلفا گروپ اور خاص طور پر وہ تمام پیٹنٹ ادویات جو ٹی بی (T.B.) سل و دق کے لئے تیار کی گئی ہیں۔

ہومیوپیتھی میں جہاں دوش اور اخلاط کا تصور چھوڑ دیا گیا ہے وہاں پر جراثیم کا خیال بھی ترک کر دیا گیا ہے اور ثابت کر دیا گیا ہے کہ ہر جراثیمی مرض کا علاج بغیر جراثیم کش ادویات کے کیا جا سکتا ہے۔ ہومیوپیتھی میں کامیابی کا راز ادویات کی علامات کا گہرا مطالعہ ہے۔ ان علامات میں کیمیاوی اور مکینکی دونوں قسم کی علامات پائی جاتی ہیں۔ جہاں تک مرض کے گرمی سردی، تری و خشکی کے اثرات کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا، غرض ہومیوپیتھی کی کامیابی نے ترقی کی منزلیں طے کیں اور یہ طریق علاج یورپ اور امریکہ میں خوب پھیلا۔

ہومیوپیتھی کی کامیابی کو دیکھ کر ڈاکٹر سشلر نے بائیوکیمک طریق علاج رائج کیا جس نے ہومیوپیتھی کی ہزاروں ادویات کا دھونا دھویا اور اپنے طریق علاج میں صرف بارہ چودہ ادویات شامل کیں اور دعویٰ کیا کہ انسان کے جسم کی بناوٹ صرف بارہ چودہ نمکیات سے ہے اور ان میں سے جو نمک بھی کم یا خراب ہو جاتا ہے مرض کا باعث ہوتا ہے۔ بس اس کمی کو پورا کر دیا جائے تو مرض کا علاج ہو جائے گا۔

ایلوپیتھی کے بالمقابل ہومیوپیتھی اور بائیوکیمک کو دیکھ کر کئی قسم کے طریق علاج دُنیا میں رائج ہو گئے۔ جس میں ہائیڈروپیتھی (علاج بالماء) کروموپیتھی (علاج بااللون) سائیکوپیتھی (نفسیاتی علاج) وغیرہ شامل ہیں۔ جن کی فہرست طویل ہے جن میں سے چند ایک تو قائم رہ گئے ہیں اور باقی ختم ہو گئے ہیں، ہومیوپیتھی کے باقی جتنے طریق علاج بھی دُنیا میں رائج ہوئے ان کو اگر کوئی اہمیت نہ بھی دی جائے تاہم یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ نظریہ جراثیم کی اہمیت علاج میں ختم ہو گئی ہے۔ ہومیوپیتھی اور دیگر طریق علاج نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ جرم کش ادویات کے بغیر بھی جراثیمی امراض کا علاج کیا جا سکتا ہے۔

جرم کش ادویات سے امراض کا علاج کرنا بھی درست ہے لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ بغیر جرم کش ادویات کے امراض کا دفعیہ ہو سکتا ہے۔ اس حقیقت نے اس امر کو روشن کر دیا ہے کہ علاج میں جو مختلف طریق کامیابی حاصل کر لیتے ہیں، اس کی تہہ میں کوئی راز بھی ہے۔ ورنہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک مرض کا علاج مختلف طریق پر کامیابی کے ساتھ کیا جا سکے۔

عجیب بات یہ ہے کہ ان مختلف طریق علاج کے حامیوں نے اس حقیقت کی تلاش کے بجائے اپنی اپنی جگہ محاذ جنگ قائم کر دیئے ہیں جس میں انہوں نے اپنے اپنے طریق علاج کی تعریفیں اور خوبیاں بیان کرنا شروع کر دیں اور دوسری طرف دیگر طریقہ کی برائیاں اور خرابیوں کا ذکر کرنا شروع کر دیا اور دعوے کئے گئے کہ دُنیا میں انہی کا طریق علاج صحیح ہے۔

پاکستان بننے سے قبل ہندوستان میں فنی جنگ کے اکھاڑے بہت شد و مد کے ساتھ قائم ہوئے۔ کیونکہ ہندوستان میں پہلے ہی وہ طریق علاج آیورویدک اور طب یونانی رائج تھے۔ انگریزی حکومت کے ساتھ ہی یورپی علاج وارد ہوا۔ انگریز کی سامراجیت نے ملکی علاج کو علمی اور صحیح جانتے ہوئے بھی ان کو ختم کرنے کی کوشش کی اور ان کا نام دقیانوس اور غیر مہذب طریق علاج رکھا گیا۔ جب ہومیوپیتھی اور دیگر طریق علاج یورپ سے ہندوستان میں آ گئے تو پھر بے شمار طریق علاج کے ادارے قائم ہو گئے۔ ہر ایک نے اپنی اپنی ڈفلی بجانا شروع کر دی۔ اکثر جلسوں میں مباحثے اور مناظرے ہوئے، مختلف طبی اور ڈاکٹری رسائل میں بلکہ اخباروں میں بھی یہ بحث و تمحیث جاری رہتی اور

کوئی فیصلہ نہ ہوتا۔لیکن یہ اکثر دیکھا گیا کہ اس فنی جنگ میں طب یونانی اور آیورویدک کا پلہ بھاری رہتا۔

اس بحث اور جنگ کا سب سے بڑا نتیجہ یہ نکلا کہ ہر طریق علاج کے ماہر نے دیگر طریق علاج کا مطالعہ کرنا ضروری سمجھ لیا۔اس مطالعہ سے ایک طرف وہ اپنے مدمقابل کو جواب دیتے اور دوسری طرف اس طریق علاج کی خوبیوں سے مستفید ہونا شروع ہو گئے۔آج کل تو شاید ایسے معالج کم ہوں لیکن آج سے بیس تیس سال قبل بے شمار ایسے معالج ہوتے تھے جو بیک وقت آیورویدک، یونانی، ایلوپیتھی اور ہومیوپیتھی سے اچھی طرح واقف تھے۔وہ وید اور ڈاکٹر اور اسی طرح حکیم اور ڈاکٹر کہلاتے تھے۔

پنجاب میں بڑے بڑے فاضل لوگ بھی گزرے ہیں جن میں شمس الاطباء حکیم ڈاکٹر غلام جیلانی، کرنل ڈاکٹر بھولا ناتھ، ڈاکٹر رحیم بخش، حکیم ڈاکٹر فیروز الدین ایڈیٹر رسالہ ''الحکیم'' اور ڈاکٹر سلطان احمد وغیرہ شامل ہیں۔انہوں نے بحث ومباحثہ میں حصے لئے، علمی کتابیں اور مضامین شائع کئے اور ہر کتاب اور مضمون میں قدیم اور جدید نظریات اور علاج تحریر کئے، اس زمانے کے معالج اکثر مرکب علاج کرتے تھے۔ان کی کتب اور مباحثوں میں آج بھی ہر مرض کے تحت مختلف طریق علاج کے نسخے درج ہیں۔ان میں حکیم نوردین بھیروی اور شفاء الملک بھٹی بھی قابل ذکر ہیں۔صورت حال یہاں تک پہنچی کہ اس کو اچھا معالج ہی نہ سمجھا جاتا جو دو تین طریق علاج سے واقف نہ ہوتا۔غرض یہ کہ وہ ایک اچھا طبی اور علمی دور تھا۔

ایک طرف تو مناظرے مباحثے اور طبی وعلمی مقابلے جاری تھے تو دوسری طرف چند ہستیاں ایسی تھیں جو فن علاج میں تجدید و اصلاح کے متعلق غور وفکر کر رہی تھیں، ان میں حاذق الملک مسیح الملک حکیم اجمل خاں اور استاد الاطباء حکیم احمد دین موجد طب جدید خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔اول الذکر کے پاس دولت شہرت اور ذاتی اثر تھا۔انہوں نے ان چیزوں کی مدد سے ہندوستان کے ایک سرے سے لے کر دوسرے سرے تک آیورویدک اور یونانی طب کی حمایت میں آواز اٹھائی اور تمام ویدوں اور اطباء کو ایک پلیٹ فارم پر کامیابی کے ساتھ اکٹھا کیا اور آیورویدک اینڈ طبی کانفرس کی بنیاد رکھی۔اس زمانے کے راجوں مہاراجوں اور امراء تک کو دعوتیں دیں۔ساتھ ہی آیورویدک اور طب یونانی کو ایک بلند مقام پر پہنچا دیا۔پھر ان کی ترقی اور نشر واشاعت کے لئے آیورویدک اینڈ یونانی طبیہ کالج اور ہندوستانی طبیہ کالج قائم کیا۔جس سے آیورویدک اور طب یونانی کی بے حد عزت اور منزلت ہوئی۔لیکن حکیم موصوف کا سب سے بڑا کام وہ تھا جو انہوں نے ایک تحقیقی ادارہ قائم کیا جس میں قابل لوگوں کی نگرانی میں فن میں تحقیق اور اصلاح کا کام کیا۔اس کی پہلی قسط ''قانون مصری'' کی شکل میں شائع ہوئی جس میں طب قدیم کے علمی مسائل پر بحث، اس کتاب پر بحث طوالت کا باعث ہوگی۔مختصر یہ ہے کہ حکیم صاحب موصوف نے چار ارکان سے انکار کر دیا۔اخلاط کو نظر انداز کر دیا۔غرض کہ جو باتیں انہیں موجودہ سائنس میں غیر علمی معلوم ہوئیں ان سے انکار کر دیا اور ان کی جگہ طب یونانی کو اپنانا شروع کر دیا۔ان کی زندگی نے وفا نہ کی اور یہ کام تشنۂ تکمیل رہ گیا۔ان کے بعد کوئی اس کا اہل نہ ہوا۔غنیمت ہے کہ ہندوستانی دواخانہ اور طبیہ کالج قائم ہیں۔

حکیم احمد الدین صاحب

ثانی الذکر استاد الاطباء حکیم احمد الدین صاحب موجد طب جدید نے بھی تجدید اور اصلاح کے لئے غور وخوض کیا۔انہوں نے ایک مختلف زاویہ نگاہ سے اپنی تحقیقات کو شروع کیا۔ان کے سامنے یہ نظریہ تھا کہ تمام طریق علاج اگرچہ ایک دوسرے سے مختلف ہیں لیکن شفا سب میں ہے، ایسا کیوں ہے مدت تک وہ اس مسئلہ پر غور وفکر کرتے رہے۔آخر وہ ایک نتیجہ پر پہنچے اور یہی ان کے تجدید فن کی بنیاد تھی۔ان کے لئے اس نظریہ نے فن طب میں ایک بہت بڑی تبدیلی پیدا کر دی۔ان کے اس نظریہ کا نام نظریہ افعال الاعضاء ہے۔اس میں انہوں

نے ثابت کیا ہے کہ جس قدر طریق علاج ہیں وہ سب دراصل پیدائش مرض کے معاملے میں مغالطے میں ہیں یعنی وہ سب اپنی اپنی جگہ جس سبب کو پیدائش مرض کا سبب قرار دیتے ہیں وہ غلط ہیں۔ مثلاً آیورویدک مرض کا سبب واصلہ دوش کا قرار دیتا ہے اور طب یونانی اخلاط کو، یورپی طب جراثیم کو اور ہومیو پیتھی روح کو قرار دیتی ہے۔ پھر ان کی اصلاح اور درستی سے مرض کا علاج کرتے ہیں۔ لیکن حقیقت میں پیدائش مرض کا اصل سبب واصلہ صرف اعضاء کی خرابی ہے۔ جب تک اعضاء درست کام کرتے ہیں کوئی مرض پیدا نہیں ہوتا۔ جب اعضاء کے فعل میں خرابی پیدا ہوتی ہے تو وہ اخلاط اور دوش کی کمی بیشی سے ہو یا جراثیم کی وجہ سے یا نفسیاتی یا کیفیاتی اثرات سے بہرحال یہ سب اسباب ضرور ہیں لیکن ان میں سے کوئی بھی سبب واصلہ نہیں ہے جس سبب کی وجہ سے مرض نمودار ہوتا ہے وہ صرف اعضاء کے افعال کی خرابی ہے۔ جب تک اعضاء درست رہیں نہ جسم میں دوش اور اخلاط کی زیادتی ہوتی ہے اور نہ ہی وہاں جراثیم اکٹھے ہوتے ہیں اور نہ ہی کوئی زہر وہاں پر رُکتا ہے۔ جب بھی اعضاء کے افعال خراب ہوتے ہیں، اخلاط اور دوش میں بھی خرابی واقع ہو جاتی ہے اور جراثیم اور زہر بھی بڑھتا ہوا نظر آتا ہے۔

مثال کے طور پر اگر جگر کے فعل میں تیزی آ جائے تو جسم میں صفرا کی زیادتی نظر آتی ہے۔ دوسری طرف ملیریا کے جراثیم بھی خون میں نظر آتے ہیں۔ اسی طرح دیگر اعضاء مثلاً معدہ اور امعاء کے فعل میں تیزی آتی ہے تو قے اور اسہال شروع ہو جاتے ہیں اور جب ان کے افعال میں سستی آ جاتی ہے تو بھوک بند اور قبض ہو جاتی ہے۔ غرض امراض کی پیدائش کا تعلق اعضاء کے افعال میں افراط و تفریط کے ساتھ ہے۔ جب ان کے افعال اعتدال پر ہوں گے تو کوئی مرض نہ ہوگا جس میں نہ دوش و اخلاط کی زیادتی ہوگی اور نہ ہی کوئی جرثومہ و زہر ہوگا۔

دیگر طریق علاج میں اعضاء کے افعال کو بالواسطہ درست کرتے ہیں بلاواسطہ درست نہیں کرتے۔ پہلے دوش اور اخلاط کو اعتدال پر لاتے ہیں یا جراثیم اور زہر کو جسم سے خارج کرتے ہیں۔ پھر اعضاء درست ہوتے ہیں لیکن صورت یہ ہونی چاہئے کہ جو عضو خراب ہو یعنی اس میں افراط و تفریط ہو اس کو بلاواسطہ درست کرنا چاہئے تاکہ اس کے اعتدال پر ایک طرف مرض ختم ہو جائے گا اور دوسری طرف اسباب الامراض دور ہو جائیں گے اس طرح ایک طرف علاج میں سہولت پیدا ہو جائے گی اور دوسری طرف تمام طریق علاج ایک مرکز پر اکٹھے ہو جائیں گے۔

دُنیا بھر میں یہ پہلا نظریہ تھا جو کیمیاوی کے بجائے مکینکی اصول پر پیش کیا گیا۔ اس نئے طریق علاج کا نام طب جدید رکھا گیا لیکن اس نئے طریق علاج کو انگریزی حکومت میں کیا وقعت ہو سکتی تھی اور اس کے علاوہ ملک بھر میں ایک درجن کے قریب طریق علاج موجود تھے، ان میں ایک اضافہ ہو جانا معمولی بات تھی۔ سوائے چند لوگوں کے کسی نے اس پر غور کیا اور نہ ہی حکیم صاحب موصوف کے پاس اس قدر دولت اور شہرت واثر تھا کہ اس طریق کو دُنیا سے روشناس کراتے۔ اس کے ساتھ ہی ایک بڑی خرابی یہ واقع ہوئی کہ اس نئے نظریہ کے ساتھ ساتھ حکیم صاحب موصوف نے تمام طریق پر تنقید کر ڈالی اور تمام طریق علاج کو غلط قرار دے دیا۔ بات صرف اسباب واصلہ خرابی افعال الاعضاء ہے۔ لیکن حکیم صاحب موصوف نے دیگر طریق علاج کے اسباب الامراض کی حقیقت سے انکار کر دیا۔ جس کے ساتھ ساتھ تمام طریقوں کو غلط قرار دے دیا۔ نظریہ تو یہ تھا کہ تمام طریقوں میں شفا ہے۔ اس کا سبب کیا ہے غور و فکر کے بعد اس کا جواب یہ تھا کہ پیدائش مرض کا اصل سبب دوش و اخلاط اور جراثیم و زہر نہیں ہے بلکہ خرابی افعال الاعضاء ہے۔ بس بات ختم ہو گئی تھی۔ اس امر کی کیا ضرورت تھی کہ دوسری تمام طبوں اور ان کے تمام علمی اصولوں کو غلط قرار دے دیا جائے۔ اس صورت میں جہاں جہاں بھی ان کی طب اور ان کا نظریہ پہنچا،

ان کی خوب مخالفت کی گئی اور یہ صورت بھی طب جدید کی ترقی میں رکاوٹ کا باعث ہوئی۔

حقیقت یہ ہے کہ ہر محقق اپنا یہ حق سمجھتا ہے کہ اپنی تحقیق اور نظریہ کے بعد اپنے فن کے تقریباً تمام مسائل کو زیر بحث لائے اور اپنی تحقیق اور نظریہ کے مطابق تشریح کرے۔ موجد طب کے مطابق تنقید و تبصرہ کرنے کی بجائے آیورویدک اور طب یونانی اور ایلوپیتھی کے مسائل کو ایک دوسرے فن کی روشنی میں تبصرہ کرنا شروع کر دیا۔ آیورویدک اور طب یونانی کی برائیاں ایلوپیتھی اور ہومیوپیتھی کی روشنی میں بیان کیں اور مؤخر الذکر ہر دو کی خرابیاں ایک دوسرے کے ساتھ نکالنی شروع کر دیں۔ اصولی طور پر یہ طریق تنقید و تبصرہ غلط تھا۔ چاہئے تو یہ تھا کہ افعال الاعضاء کی روشنی میں فلسفہ پیدائش الامراض پر روشنی ڈالی جاتی اور اس کے تحت آیورویدک، طب یونانی، ایلوپیتھی اور ہومیوپیتھی کے پیدائش مرض کی حقیقت پر تنقید کی جاتی۔ لیکن انہوں نے ایلوپیتھی کو سامنے رکھ کر آیورویدک کے دوش و پت اور یونانی طب کے ارکان، مزاج، اخلاط اعضاء ارواح اور قویٰ پر تبصرہ کر دیا۔ اسی طرح جراثیم تھیوری پر ہومیوپیتھی کے تمام اعتراض کر دیئے اور ہومیوپیتھی کے فلسفہ پیدائش امراض کو قیاسی اور وہمی شے قرار دے دیا گیا۔

نتیجہ دونوں صورتوں میں خراب ظاہر ہوا۔ ایک طرف تو نظریہ صاف ہو کر لوگوں کے سامنے نہ آیا اور دوسری طرف دیگر علاج پر غلط تنقید کر دی گئی۔ جب یہ تسلیم کیا گیا کہ ہر طریق علاج میں شفا ہے اور ہر ایک اپنے اندر ایک سچائی رکھتا ہے اور سب ایک پلیٹ فارم پر اکٹھے ہو سکتے ہیں تو پھر ان سب کی برائیاں پیش کرنے کے کیا معنی ہیں۔

چاہئے تو یہ تھا کہ تمام طریقہ ہائے علاج کی وہ خوبیاں بیان کر دی جاتیں جن کی وجہ سے شفا حاصل ہوتی ہے اور سب کی قدر مشترک کو واضح کر دیا جاتا جس طرح ایک حقیقت کو تسلیم کر کے نظر انداز کر دیا گیا۔ بعینہٖ دیگر طریق علاج کو بغیر کسی نظریہ اور اصول کے برا بھلا کہہ دیا گیا۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ کلیات طب جدید میں جس قدر مضامین دیگر طبوں پر تنقید کے طور پر لکھے ہوئے ہیں وہ بالکل غلط ہیں اور ان میں کوئی حقیقت نہیں ہے کیونکہ وہ تمام تبصرہ اصولی اور قاعدے کی رو سے نہیں ہے بلکہ جذبات کے ماتحت کیا گیا ہے۔ سائنس اور فن میں جذبات اور عقائد بے معنی باتیں ہیں۔

طب جدید کی رکاوٹ میں ایک بات اور نقصان کا باعث ہوئی، وہ یہ کہ نظریہ افعال الاعضاء تو پیش کر دیا گیا مگر اس کے تحت عمل کر کے نہیں دکھایا گیا۔ مثلاً موجد طب جدید نے کم و بیش تمام ضروری امراض پر تحقیق فرمائی ہے۔ انہوں نے امراض کو آٹھ حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ اگرچہ یہ تقسیم بھی اپنی جگہ غلط ہے۔ انہوں نے کتاب الاوجاع میں تمام دردوں کو بیان کر دیا ہے۔ لیکن شروع سے آخر تک کسی بھی درد کو دیکھا جائے تو کسی ایک کو بھی افعال کے مطابق بیان نہیں کیا گیا۔ بالکل یونانی اور ڈاکٹری کتب کی نقل ہے کہیں بھی پتہ نہیں چلتا کہ فلاں درد کس عضو کی افراط کے درد بیان کئے ہیں۔ ایک دموی اور دوسرا عصبی۔ یہ تقسیم بھی غلط ہے۔ دموی درد کبھی حرارت کی زیادتی سے ہوتا ہے اور کبھی خون کے دباؤ سے ہوتا ہے۔ اسی طرح عصبی درد بھی کبھی حرارت کی زیادتی سے ہوتا ہے اور کبھی برودت کی زیادتی سے ہوتا ہے اور یہ صورتیں ان کی تقسیم میں داخل نہیں ہوتیں۔ اسی طرح حمیات اور اورام وغیرہ پر بھی جہاں اپنی تحقیق کا ذکر کیا ہے وہاں پر کہیں بھی یہ ظاہر نہیں کیا گیا کہ فلاں عضو کی کمی یا بیشی سے یہ امراض یا علامات پیدا ہوتے ہیں۔ بالکل یہی صورت ادویات پر بھی برتی گئی ہے، آپ نے کم و بیش ایک سو ادویات پر تحقیق فرمائی ہے مگر کسی دوا میں یہ ظاہر نہیں کیا گیا کہ فلاں دوا سے فلاں اعضاء کے افعال میں افراط اور فلاں میں تفریط واقع ہو جاتی ہے۔ اس سلسلہ میں میری تالیف تحقیق الادویہ استاد الاطبا کا مطالعہ کریں۔

اسی طرح موجود طب جدید نے کوئی دوصد کے قریب مجربات اور مرکبات دُنیائے طب کو دیئے مگر ایک بھی مجرب نسخہ یا مرکب ایسا نہیں لکھا جس میں یہ بتایا گیا ہو کہ اس سے فلاں عضو کے افعال میں تیزی یا کمی ہوتی ہے یا فلاں فلاں عضو کے فعل کی کمی یا زیادتی میں ان کو برتا جائے۔ بالکل اسی قسم کے خواص اور تاثیرات لکھے ہوئے ہیں جیسے آیورویدک، یونانی اور ڈاکٹری میں مجربات، مرکبات اور ادویات لکھی ہوئی ہیں۔ البتہ ان طریق علاج میں کہیں یہ تخصیص پائی جاتی ہے کہ فلاں دوش بڑھ جاتا ہے یا گھٹ جاتا ہے یا فلاں فلاں اخلاط درست ہو جاتے ہیں یا فلاں قسم کے جراثیم مر جاتے ہیں۔ لیکن ان کے خواص الادویہ میں کہیں بھی یہ نہیں پایا جاتا کہ یہ ادویات اور مجربات فلاں عضو کے فعل میں فلاں قسم کا اثر کرتے ہیں۔ تفصیل کے لئے کتاب سوانح حیات موجد طب جدید معہ تمام زندگی کے مجربات و مرکبات دیکھیں۔ چونکہ ان کے کام پر تنقید و تبصرہ طوالت کا باعث ہوگا ہم نے نمونے پیش کر دیئے ہیں۔ تفصیل کے لئے ایک ضخیم کتاب کی ضرورت ہے۔

اب ہم ان کے نظریہ افعال الاعضاء کے حسن و قبح پر بحث کرتے ہیں۔ اس امر میں کوئی شک نہیں کہ علاج میں نظریہ افعال الاعضاء ایک بالکل جدید نظریہ ہے۔ جو کئی ہزار سالہ طبی تاریخ میں پہلی بار پیش کیا گیا۔ اس سے قبل علاج الامراض میں تشخیص کے لئے کیمیاوی اسباب کو مدنظر رکھا جاتا ہے۔ کوئی طریق علاج دوش اور اخلاط کو مرض کا سبب واصلہ تسلیم کرتا ہے اور کوئی طریق علاج جراثیمی و زہر اور بیرونی مواد کو امراض کا سبب واصلہ قرار دیتا ہے۔ مگر آج تک کسی بھی طریقہ علاج نے کیمیاوی اسباب سے ہٹ کر مکینکی اسباب کی طرف رجوع نہیں کیا یہ شرف حکیم احمد الدین صاحب موجد طب جدید کو حاصل ہے کہ انہوں نے ہزاروں سال کے فن طب اور اس کی تاریخ سے ہٹ کر دُنیا کے سامنے ایک بالکل نیا نظریہ پیش کیا۔ اگرچہ اپنے زمانے میں وہ اس نظریہ کی مکمل تشریح اور وضاحت تو نہیں کر سکے لیکن ان کے بعد ان کے قابل شاگردوں نے اس نظریہ کو درست کر کے تشریح اور وضاحت کے ساتھ دُنیائے طب کے سامنے پیش کیا جس سے دُنیائے طب میں ایک انقلاب پیدا ہو گیا۔

4-A

نظریہ افعال الاعضاء

حکیم احمد الدین صاحب موجد طب جدید کے نظریہ افعال الاعضاء کی حقیقت یہ ہے کہ ہر مرض اعضاء کی خرابی سے پیدا ہوتا ہے اور کیمیاوی تغیرات بعد میں پیدا ہوتے ہیں اور نہ ہی جسم میں کیمیاوی تبدیلیاں عمل میں آتی ہیں۔ ان کے نظریہ کے مطابق اعضاء میں دو قسم کی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔ اوّل کسی عضو کے فعل میں تیزی آ جائے اس کو افراط کا نام دیتے ہیں۔ دوسرے کسی عضو کے فعل میں سستی واقع ہو جائے اس کو تفریط کا نام دیتے ہیں۔ اس افراط و تفریط کے اسباب کچھ ہی کیوں نہ ہوں یعنی خون میں کوئی خرابی ہو یا بیرونی اثرات کوئی سبب بن جائیں، بہر حال اعضاء میں افراط و تفریط واقع ہونے پر ہی جسم میں کسی مرض کے پیدا ہونے کی صورت ہوگی۔ البتہ جب کسی عضو میں افراط ہوگی تو خون کا دوران اس مرض کی طرف زیادہ ہوگا اور جب تفریط کی صورت ہوگی تو خون کے دوران کی اس صرف کمی ہوگی۔

علاج کی صورت میں انہوں نے فرمایا ہے کہ اس عضو کے فعل کو اعتدال پر لاؤ یعنی اس میں افراط و تفریط باقی نہ رہے۔ اس کی صورت یہ بیان کی ہے کہ عضو میں افراط ہے تو خون کے دوران کو اس طرف سے کم کیا جائے اور جس عضو میں تفریط ہو تو وہاں پر دوران خون کو تیز کیا جائے۔ اگرچہ انہوں نے اس نظریئے کے مطابق سوائے دردسر کے کسی مرض کا علاج بیان نہیں کیا یا کر کے نہیں دیکھا۔ دردسر میں بھی ایک مجمل ساذکر کیا ہے۔ کسی مخصوص دردسر کا ذکر نہیں کیا۔ یعنی فلاں دردسر دماغ کے فلاں حصہ یا عضو کے افراط سے ہوتا ہے اور فلاں دردسر تفریط سے ہوتا ہے۔

بہر حال ہمارے پاس ان کا ایک نظریہ ضرور ہے، دراصل بات یہ ہے کہ کوئی محقق ایک نظریہ پیش کرنے کے بعد ضروری نہیں کہ اس مقام پر پہنچ جائے کہ اس نظریہ کے ذریعے تمام نظریات پر پوری طرح حاوی ہو جائے۔ جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے (مجھے عرصہ دس سال تک ان کا قرب حاصل رہا) انہوں نے کبھی بھی اپنے نظریہ کے مطابق کامیاب علاج نہیں کیا اور وہ کبھی بھی اپنے نظریہ سے مطمئن نہیں ہوئے۔ اوّل اوّل ان کا طریق علاج مجرباتی تھا یعنی فلاں مرض کے لئے فلاں دوا استعمال کرا دی جائے۔ جب اس طرح ان کو کامیابی نہ ہوئی تو انہوں نے ہومیو پیتھک علاج شروع کر دیا اور آخر عمر تک ہومیو پیتھک علاج ہی کرتے رہے اور بالکل ہومیو پیتھی کے اصولوں پر اعضاء کی علامات کو سامنے رکھ کر علاج کرتے رہے۔ انہوں نے کئی بار یہ کوشش کی کہ ہومیو پیتھی کی علامات کو بالاعضاء کیا جائے۔ مگر وہ اس صورت میں کبھی بھی کامیاب نہ ہوئے اور طب جدید کا نظریہ افعال الاعضاء بس ایک نظریئے تک ہی محدود ہو کر رہ گیا ہے۔

بعد میں ان کے دوستوں اور شاگردوں نے نظریہ اور مجربات کو اپنے سینہ سے لگائے رکھا اور آج بھی لگائے ہوئے ہیں۔ لیکن تمام دوست اور شاگرد ایک جیسے نہیں ہوتے بعض نے اس فن کو تکمیل تک پہنچانے کی کوشش کی بعض نے موجد طب جدید کے اصولوں پر کتب لکھیں اور بعض نے اپنی کوششوں سے جماعت میں زندگی کی روح پھونکنے کی جدوجہد اور بعض کسی نہ کسی رنگ میں مرکز قائم کر کے کچھ نہ کچھ کرتے رہے۔ ان میں ایسے لوگ بھی تھے جو حکیم صاحب کا نام اور مجربات بیچ کر اپنا دوزخ بھرتے رہے اور ایسے بھی تھے جنہوں نے فن کی تجدید و اصلاح میں اپنے آپ کو غرق کر دیا اور زمانے کے حوادثات میں گھر کر دکھ اٹھاتے رہے مگر خدمت فن کو ایک منٹ کے لئے بھی نظر انداز نہیں کیا۔ خیر موجد طب جدید کے دوستوں اور شاگردوں میں ایک میری ذات بھی تھی جس نے فن کو ہمیشہ فن کی حیثیت سے حاصل

کرنے کی کوشش کی کبھی عقیدتاً یا تجارتی حیثیت سے قبول نہیں کیا۔ جہاں بھی فن میں خامی نظر آئی یا سمجھ میں نہ بیٹھی تو اس کو سمجھنے کی پوری کوشش کی اور جب تک یقین نہ ہو جاتا اس کو دماغ میں جگہ نہ دی۔

حکیم احمد الدین طب جدید کے زمانے میں اس کو سمجھنے اور سمجھانے کی صورت میں میرے اور ان کے درمیان اکثر اختلاف ہو جاتا اور کئی کئی گھنٹے بحث وتمحیث جاری رہتی۔ اکثر سمجھنے میں ناکامی ہوتی۔ دِل کو یہ کہہ کر تسلی دے لیتا کہ شاید پوری طرح میں نے اس نظریہ کو نہ سمجھا ہو۔لیکن دوسرے دوست میرے جتنا بھی اس فن کو نہ سمجھے تھے۔ خیر موجد طب جدید کی وفات کے بعد ''انجمن خادم الحکمت'' کا بوجھ زیادہ تر مجھ پر آن پڑا۔ جماعتی اور علمی دونوں قسم کی تنظیم کے فرائض مجھ پر ڈال دیئے گئے۔ جہاں تک طب جدید کا تعلق تھا مجھے اس میں تسلی نہ تھی۔

اپنے فرائض کا احساس کرتے ہوئے جو مجھ پر ڈال دیئے گئے تھے یعنی تعلیم میرے ذمہ تھی اور ممبران کے اکثر سوالوں کے جواب مجھے دینے پڑے تھے آخر خیال کیا کہ حکیم صاحب مرحوم کے لٹریچر کا پھر بغور مطالعہ کیا جائے۔ ان کے تقریباً بیس سال کے طبی لٹریچر کا میں نے بغور مطالعہ کیا اور اس کی روشنی میں ان کی سوانح حیات لکھی اور اس میں ان کا نظام طب بھی لکھا۔لیکن مجھے تسلی نہ ہوئی کئی سال تک طب جدید پڑھاتا رہا اور کافی مدت تک ''تبصرہ الاطباء اور خادم الحکمت'' کا ایڈیٹر بھی رہا۔مگر دِل کو پوری طرح تسلی نہ ہوئی، عام طور پر مجھے ذیل کے شکوک بے چین کر دیتے تھے۔

طب جدید پر شکوک

① طب جدید اگر تمام طریقہ علاج سے بہتر ہے تو اس طریق علاج میں شفایابی طریق علاج سے زیادہ ہونی چاہئے۔

② دُنیا میں جس قدر طریق علاج ہیں وہ سب ظنی ہیں اور یہی صورت طب جدید میں پائی جاتی ہے۔

سو علاج میں کمال یہ ہے کہ تشخیص اور علاج میں یقینی صورت ہو جیسے دو اور دو چار ہوتے ہیں۔

اس قسم کے اعتراض مجھے موجد طب کے زمانے میں بھی تھے اور بعد میں بھی رہے پھر ایک وقت ایسا آ گیا کہ میں نے ارادہ کر لیا کہ مجھے علاج معالجہ کا دھندا چھوڑ کر کوئی اور کاروبار کر لینا چاہئے۔ کیونکہ غیر یقینی حالات میں کسی کام کو کرنا گناہ ہے۔ باوجود یہ کہ مجھے آیورویدک، طب یونانی، ایلوپیتھی اور ہومیوپیتھی پر کافی حد تک عبور حاصل تھا۔لیکن علاج میں تسلی اور یقینی صورت قائم نہ تھی۔ اس لئے دِل اکثر پراگندہ رہتا تھا طب جدید پر مجھے بہت سے اعتراض تھے جن میں سے مندرجہ ذیل قابل ذکر ہیں۔

طب جدید پر چند اعتراض

① موجد طب جدید فرماتے ہیں کہ افعال الاعضاء کی خرابی کے بغیر کوئی مرض پیدا نہیں ہوتا۔مگر شیخ الرئیس نے ایسے امراض بھی لکھے ہیں جو سوئے مزاج سے پیدا ہوتے ہیں جن میں اعضاء کے افعال میں کوئی نقص واقع نہیں ہوتا جیسے سوائے مزاج معدہ وجگر اور دِل وغیرہ ہیں۔ ایسے میں صرف ان اعضاء میں کیفیاتی اور نفسیاتی اضافہ ہو جاتا ہے۔لیکن اعضاء کے افعال بہت حد تک درست رہتے ہیں۔

② اگر اعضاء کی خرابی صرف دو ہی صورتیں افراط وتفریط ہیں تو ہر عضو کے صرف دو ہی مرض ہونے چاہئیں۔ ایک تیزی کا مرض جس میں عضو کا فعل تیز ہو اور دوران خون اس طرف زیادہ ہو۔ دوسرے کمی کا مرض جس میں عضو کا فعل سست ہو اور دوران خون بہت کم ہو گیا ہو۔ اگر خفت اور شدت یا حاد اور مزمن کی صورتیں بھی رکھی جائیں تو دو کی بجائے ایک عضو کے چار مرض ہو سکتے ہیں۔لیکن اس

طرح تمام امراض ایک عضو کے ساتھ بیان نہیں ہو سکتے۔ مثلاً اگر اسہال امعاء کی تیزی میں اور قبض امعاء کی سستی میں شمار کریں تو ورم امعاء کو کس صورت میں شمار کریں گے۔ جبکہ اس مرض میں کبھی قبض ہوتا ہے اور کبھی اسہال (ویسے ورم امعاء آنتوں کی تیزی کا مرض ہے)۔

اسی طرح درد امعاء اور حمی امعاوی جن میں سوزش ہوتی ہے، امعاء کے فعل میں تیزی ہوتی ہے۔ مگر قبض ہوتا ہے اور سب سے عجیب صورت ضعف امعاء کی ہے جس میں امعاء کی طرف خون کی کمی ہوتی ہے۔ مگر ہر گھڑی پاخانے کی کیفیت قائم رہتی ہے۔ اسی طرح معدہ و مثانہ اور ششں کے امراض پر غور کر لیں۔ ان سے بڑھ کر اعضائے رئیسہ دِل و دماغ اور جگر میں جن کے امراض صرف عضو کے افراط و تفریط میں ختم نہیں ہوتے، طوالت کی وجہ سے تفصیل کو نظر انداز کیا جاتا ہے۔

③ بعض امراض ایسے ہیں جن میں اعضاء کے فعل میں تیز ہوتی ہے۔ مگر علاج میں ان کے افعال کو ست کرنے کے بجائے اور زیادہ تیز کرتے ہیں، جیسے ہیضہ، ملیریا اور نمونیا وغیرہ۔ ان میں معدہ جگر اور پھیپھڑوں کے افعال بہت تیز ہوتے ہیں۔ ہم ان میں جو ادویات استعمال کرتے ہیں وہ ان کے افعال کو اور بھی زیادہ تیز کر دیتی ہیں۔ مثلاً ہیضہ میں سرخ مرچ، ملیریا میں کونین اور نمونیا میں برانڈی وغیرہ۔

④ امراض کی دو صورتوں کی وجہ سے ہمیں ادویات بھی دو قسم کی چاہئیں۔ ایک عضو کے فعل کو تیز کرنے والی اور دوسری اس کے فعل کو ست کرنے والی۔ مگر ایسا نہیں ہے بلکہ اس عضو کے ہر مرض کے لئے الگ الگ دوا استعمال کرتے ہیں۔ اس قسم کے اور بہت سے اعتراض ہیں جن کا جواب طب جدید کے پاس نہیں ہے۔

یہ حقیقت اپنی جگہ مسلم ہے کہ ہر عضو کے افعال کی صرف دو ہی صورتیں نہیں ہیں اگر کیفیات کو بھی دیکھا جائے تو ہر عضو میں کبھی گرمی زیادہ ہوگی اور کبھی سردی اور اسی طرح کبھی خشکی زیادہ ہوگی اور کبھی تری بڑھی ہوئی نظر آئے گی اس سے صاف ظاہر ہے کہ ہر عضو کے افعال کی دو سے زائد صورتیں ہیں۔ اگر ہم نفسیاتی اثرات کے ماتحت دیکھیں تو کبھی ہر عضو کے افعال کی دو صورتیں نظر نہیں آئیں گی۔ کون نہیں جانتا کہ مسرت، لذت، غصہ، غم، خوف اور ندامت وغیرہ جذبات میں جسم انسان میں مختلف کیفیات وارد ہوتی ہیں جن کا ہر حال میں اعضاء پر اثر پڑتا ہے۔

اسی طرح اگر جراثیم کو لیا جائے تو بے شمار اقسام کے جراثیم تحقیق ہو چکے ہیں اور ہر ایک کیفیت ایک ہی عضو پر جدا جدا نظر آتی ہے۔ سب سے بڑھ کر ہومیوپیتھی کی علامات ہیں جو ایک ہی عضو پر بے شمار اختلافات سے ظاہر ہوتی ہیں، وغیرہ وغیرہ۔

طب جدید پر کیا منحصر ہے۔ دُنیا بھر کے تمام طریق علاج کا بہت ہی دقیق مطالعہ کیا تقریباً عرصہ بیس سال سے زیادہ ان سب میں گہری دلچسپی سے تحقیق کا سلسلہ جاری رکھا۔ مگر حقیقت اور یقینی صورت کہیں بھی پیدا نہیں ہوئی۔ آخر دِل نے فیصلہ کر لیا کہ چونکہ تمام طریق علاج ظنی ہیں اس لئے اس ناجائز صورت سے پیٹ پالنے کا دھندا کرنا گناہ ہے۔

جیسا کہ میں اس سے قبل لکھ چکا ہوں کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے دُعا کی کہ اے اللہ مجھے عزت عطا فرما اور اپنی ہدایت سے مجھے اندھیرے سے نکال کر نور کی رہنمائی فرما۔ خداوند کریم کی مہربانی ہوئی اور تھوڑے ہی دنوں کے بعد دوران علاج اور مطالعہ میں چند انکشافات عمل میں آئے جن کو میں نے بنیاد بنا کر ان پر از سرنو تحقیق کا کام شروع کر دیا۔ مجھے امید کی کرن نظر آئی کام جاری رکھا رفتہ رفتہ ایک یقینی نظام علاج پیدا ہونا شروع ہوا۔ تحقیق میں میرا امید ان تمام طریق علاج سے الگ تھا اس لئے مجھے اپنی رہنمائی کے لئے کتب سے زیادہ غور و فکر کرنا

پڑ تا تھا۔ بہر حال میرے سامنے ایک واضح روشنی آنا شروع ہوگئی اور ایک جدید نظام علاج سامنے آ تا گیا۔ میرا کام جاری رہا۔ شروع میں مجھے کچھ ناکامی بھی ہوئی، لیکن رفتہ رفتہ میرے تصورات تصدیق میں تبدیل ہونے شروع ہو گئے۔ عرصہ پندرہ سولہ سال کی محنت سے میرے سامنے ایک مکمل اور یقینی طریقہ علاج قائم ہو گیا۔ ابتدا میں اپنے دوستوں اور جماعت کے سرکردہ ممبران سے میں نے اپنی تحقیقات اور نئی معلومات کا ذکر کیا، مگر اکثر نے اس طرف توجہ نہیں دی اور بہت سے دوستوں اور ممبران نے برا منایا کہ میں نے طب جدید اور اس کے افعال پر تنقید شروع کر دی ہے۔ لیکن میرے پائے استقلال میں لغزش نہ آئی۔ یہاں تک کہ میرا کام ختم ہو گیا۔ اب میں مسرت اور فن کے وقار کی خاطر آپ کے سامنے اپنا نیا نظریہ پیش کرنے کی اجازت چاہتا ہوں۔ جو دوست کسی بات کو دریافت کرنا چاہیں ان کو ہر طرح سے مکمل آزادی ہے۔ وہ خوشی سے دریافت کر سکتے ہیں اور جب تک ان کی تسلی نہ ہو بار بار دریافت کر سکتے ہیں۔

نیا نظریہ بیان کرنے سے قبل مناسب معلوم ہوتا ہے کہ وہ پس منظر بیان کروں جس کی شدید تحریک نے مجھے نہ تھکنے والی جدوجہد کرنے پر مجبور رکھا اور خداوند کریم کی نوازش سے مجھے یہ نعمت اور دولت حاصل ہوئی جس سے انشاء اللہ قیامت تک دُنیا مستفید ہوتی رہے گی۔ صرف فن علاج ہی نہیں بلکہ کئی اور فنون میں بھی اس نظریہ سے انقلاب پیدا ہو جائے گا۔ جیسے نفسیات، خواص الاشیاء، تعلیم ادب، رنگوں کے اثرات، اخلاقیات اور معاشیات، وغیرہ وغیرہ۔

جن دنوں میں تعلیم حاصل کر رہا تھا تو ذہن میں یہ جذبہ پایا جاتا تھا کہ فن علاج کی تعلیم انتہا تک حاصل کروں گا تاکہ بہت بڑا معالج بن سکوں طب کی تعلیم ختم کرنے کے بعد جب عملی زندگی میں قدم رکھا اور علاج معالجہ شروع کیا تو باوجود انتہائی تعلیم کے علاج کرنے میں تسلی نہ ہوئی اور اکثر ناکامیوں کا منہ دیکھنا پڑا، دِل چاہتا تھا کہ مریض کو دیکھنے کے بعد اس کے مرض کا پوری طرح علم ہو جائے اور پھر جو دوا دی جائے اس کا یقینی اثر ہو۔ مگر ایسا نہیں ہوتا تھا۔ ابتداء میں اکثر انگریزی ادویات استعمال کی جاتی تھیں۔ کیونکہ میرے خاندان میں میرے تمام بزرگ اکثر انگریزی ادویات استعمال کرتے تھے۔ جب ان سے شفا کی یقینی صورت پیدا نہ ہوتی تو آیورویدک اور یونانی ادویات برتنے کی کوشش کی جاتی۔ مگر نتیجہ تسلی بخش پھر بھی نہ ہوا۔ ہومیوپیتھی، ہائیڈروپیتھی اور بایوکیمک تمام چھوٹی بڑی طبوں کی طرف رجوع کرنا پڑا تاکہ علاج میں نتیجہ دو اور دو چار کی طرح ظاہر ہو۔ مگر حقیقی کامیابی نصیب نہ ہوتی۔ وقتی طور پر بعض اوقات کسی پیچیدہ مریض پر کامیابی ہو بھی جاتی تو دِل کو یقین نہ آتا۔ کیونکہ میرے سامنے کوئی اصول نہیں تھا۔ ایسی کامیابی بے معنی معلوم ہوتی۔ اس پر مجھے کوئی خوشی نہ ہوتی، البتہ ان حالات میں میری جدوجہد میں اضافہ ضرور ہو جاتا۔

چار سال اسی طرح گزر گئے۔ اپنی ناکامیوں کو یہ کہہ کر چھپاتے رہے کہ ابھی فن پر پوری طرح عبور حاصل نہیں ہوا۔ چار سال کے بعد اچانک حکیم احمد الدین صاحب موجد طب جدید کا کچھ لٹریچر ہاتھ لگا، مطالعہ کیا، اگرچہ فنی طور پر اس کی حقیقت سے آگاہ نہ تھا، تاہم وہ پسند آیا۔ مزید جس قدر لٹریچر دستیاب ہو سکا منگوا کر مطالعہ کیا۔ میرا شوق مجھے ملتان سے لاہور لے آیا۔ عرصہ دس سال تک ''انجمن خادم الحکمت'' کے ساتھ گزرے، خوب قریب سے دیکھا کہ موجودہ طب سب سے بہتر طب ہے تو اس میں شفا بھی دیگر طبوں سے زیادہ ہونی چاہئے۔ مگر ایسا نہیں ہے ہمارے طریقہ علاج اور دیگر طریق علاج میں ظاہراً کوئی فرق نظر نہیں آتا۔ موجد طب جدید کو خود تسلی نہ تھی۔ اس لئے کوئی گول مول جواب دے دیتے۔ میں احتراماً خاموش ہو جاتا۔ مجھے یہ لگن لگی ہوئی تھی کہ جب تشخیص اور علاج میں یقینی صورت پیدا نہ ہو اس وقت تک یہ علاج نہیں ہے بلکہ مریض پر ظلم ہے اور یہ بہت بڑا گناہ ہے۔ اس دوران میں تمام طریق علاج کے بہترین مجربات اکٹھے کئے اور ایسے یقینی مجربات جو بعض اوقات حیرت انگیز نتائج پیدا کرتے۔ مگر دِل کو تسلی نہ ہوتی، کیونکہ اوّل تو ان کا کوئی اصول نہ تھا اور

دوسرے بعض اوقات وہی مجربات ایسے ناکام ہوتے کہ جیسے وہ دوائیں نہیں ہیں بلکہ صرف خاک ودھول ہیں۔ یہاں تک کہ سونا اور سونے کی طرح قیمتی ادویات بھی راکھ سے زیادہ وقعت نہ رکھتے۔

خیر اس پس منظر نے مجھے ہمیشہ بے چین اور بے قرار رکھا۔ اس وجہ سے مجھے کسی بھی طریق علاج پر یقین نہ رہا اور نہ ہی کسی مجرب دوا سے مجھے تسلی ہوئی۔ آخر میں اس مقام پر آ پہنچا کہ میں نے ارادہ کر لیا میں اس فن علاج کو چھوڑ دوں۔ جیسا کہ میں پہلے بھی ذکر کر چکا ہوں۔

اتفاقی امر ہے کہ اسی دوران مجھے ہیضہ کے چند مریضوں کا علاج کرنے کا اتفاق ہوا۔ جن میں کچھ ایسے بھی تھے جن کی اُمید حیات ختم ہو چکی تھی۔ میں نے اپنے بہترین مجربات سے علاج کیا۔ تمام کے تمام مریض تندرست ہو گئے۔ بے حد خوشی ہوئی۔ مگر جب اصول شفاء پر غور کیا تو خاک بھی سمجھ میں نہ آیا۔ اور دل پھر رنجیدہ ہو گیا۔ میں نے مرض ہیضہ اور اس کے علاج اور ادویات پھر سے تحقیق شروع کر دی مجھے دور روشنی کی شعاعیں چمکتی ہوئی نظر آئیں۔ میں نے اپنی کوششیں جاری رکھیں۔ وہ شعاعیں اُمید بن کر سامنے آنے لگیں۔ رفتہ رفتہ ایسی صورت پیدا ہو گئی کہ میرے سامنے چند بنیادی اصول نمودار ہو گئے۔ میں نے ان کی اساس پر اپنے کام کو اور تیز کر دیا۔ مجھے روز بروز علاج اور تشخیص میں کامیابی حاصل ہوتی گئی۔ اب میری مسرتوں کا کوئی اندازہ نہ تھا۔ اب مجھے علاج کرنے میں تسکین حاصل ہوتی تھی اور تحقیقات میں بے انتہا لطف آتا تھا۔ اس طرح وقت گزرتا گیا، روز بروز یقینی نتائج پیدا ہوتے گئے اور کامیابی قریب سے قریب تر ہوتی گئی۔ یہاں تک کہ چند سالوں میں اپنی تحقیقات کا کام ختم کر لیا۔ لیکن اس خیال سے کہ کہیں میری تحقیقات میں کوئی غلطی رہ گئی ہو۔ مزید مختلف زاویہ نگاہ سے تحقیق شروع کی جن میں ایک پہلو یہ تھا کہ سچائی ایک ایسا مقام ہے کہ جو ہر حقیقت کی تصدیق کرتی ہے۔ یعنی دیگر طریق علاج کی حقیقتیں کیا میری سچائی کی تصدیق کرتی ہیں۔ مجھے یہ معلوم کر کے از حد مسرت ہوئی کہ آیورویدک، طب یونانی، ایلوپیتھی اور ہومیوپیتھی وغیرہ تمام طریق علاج کی سچائیاں میری تحقیقات کی تصدیق کرتی تھیں۔ اس کے بعد مفید قدم میں نے یہ اٹھایا کہ اپنی تحقیقات کا اپنے قریبی دوستوں اور شاگردوں سے ذکر کرنا شروع کر دیا تاکہ ان کو سمجھا سکوں اور وہ اس پر مختلف زاویہ نگاہ سے اعتراض کریں۔ بعض دوستوں نے تو کوئی پرواہی نہ کی۔ بعض نے برا منایا کہ موجد طب جدید پر کیوں اعتراض کئے گئے ہیں۔ لیکن جن دوستوں نے توجہ دی، انہوں نے اس طریق علاج کو نہ صرف پسند کیا بلکہ اس کے شیدائی ہو گئے۔ اس بحث وتمحیث سے یہ فائدہ پہنچا کہ نیا طریق علاج نکھر کر سامنے آ گیا اور ہر قسم کے اعتراضات کے تسلی بخش جواب سامنے آ گئے۔

اب میں اپنی زندگی کی پچاسویں منزل میں ہوں اور تقریباً تیس سال اس فن کی خدمت اور تحقیق میں صرف کئے ہیں۔ اب اللہ تعالیٰ نے مجھے اس قابل کیا ہے کہ فن علاج کی سربلندی کے لئے اس کو عوام کے سامنے پیش کر رہا ہوں۔ اب بھی جس اہل علم اور ماہر فن کو اس کے کسی اُصول یا جزو پر اعتراض ہو تو ان کو اجازت ہے کہ وہ اپنی تسلی کر لیں اور ساتھ ہی تمام دُنیا کے اہل علم اور ماہرین فن کو چیلنج ہے کہ وہ ایسا یقینی مختصر اور عام فہم طریق علاج پیش کریں۔

یہ بیان کر دینا غیر مناسب نہ ہو گا کہ اپنے علاج کو دیگر طریق علاج سے تطابق کے دوران میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ آیورویدک اور یونانی طریق علاج جن بھی اصولوں پر قائم کئے گئے ہیں وہ بالکل صحیح اور حقیقت کے مطابق ہیں۔ مگر ان پر صحیح معنوں میں عمل کرنے والے کم نظر آتے ہیں اور وہ بھی اصول کی بجائے اکثر مجربات سے عمل کرتے ہیں۔ اس لئے کہنا پڑے گا کہ ان کے صحیح اور حقیقی عاملین تقریباً ختم ہو گئے ہیں۔ جہاں تک **ایلوپیتھی کے نظریہ جراثیم کا تعلق ہے وہ تشخیص اور علاج الامراض میں ناکام ہے۔** البتہ صرف اس حد تک

مفید ہے کہ دفع زہر کے لئے دافع زہر اشیاء کا استعمال کیا جائے۔لیکن جرم کش ادویہ سے امراض کا علاج مشکل ہے۔

اس امر میں کوئی شک نہیں ہے کہ اسباب بادیہ اور اسباب سابقہ کی صورت میں جراثیم انسان کے جسم میں افعال کو بگاڑ کر امراض پیدا کر دیتے ہیں۔لیکن اس کا علاج صرف جراثیم کش ادویات استعمال کرنا کافی ہے جب تک وہ اعضاء درست نہ ہوں، جراثیم اور ان کا زہر جسم سے خارج نہیں ہوتا۔یہی وجہ ہے کہ ڈاکٹروں کو مختلف امراض میں صحیح جراثیم کش ادویات استعمال کرنے کے باوجود ضرورت کے مطابق مسہل وملین معرق مقئی اور مقوی ادویات بھی استعمال کرنی پڑتی ہیں۔یہ حقیقت ہے کہ صرف جراثیم کش ادویات سے ان کو کبھی بھی کامیابی نہیں ہوسکتی۔

یہاں یہ امر بھی جان لینا چاہئے کہ جسم انسانی میں قدرتی جراثیم کش دوا حرارت بدنی ہے۔اس لئے طبیعت مدبرہ بدن فوراً جسم میں حرارت کو تیز کر کے بخار کی صورت پیدا کر دیتی ہے۔جو ادویہ بھی حرارت جسم کو بڑھاتی ہیں وہ سب کی سب جراثیم کش ہیں۔جن میں سے پارہ، گندھک، آیوڈین اور چرپری اشیاء وغیرہ تمام جسم میں حرارت کو بڑھا دیتی ہیں۔پنسلین بھی اسی قسم کی ادویات میں سے ایک ہے جس کے استعمال سے فوراً جسم کی حرارت بڑھ جاتی ہے اور جراثیم کا قلع قمع ہونا شروع ہو جاتا ہے اور سب سے بڑی حقیقت یہ ہے کہ حرارت جگر کی تیزی سے پیدا ہوتی ہے اور تمام حرارت پیدا کرنے والی اشیاء جگر کے فعل کو تیز کرتی ہیں۔جہاں جسم میں حرارت کی مقدار بڑھی اور فوراً جراثیم مرنا شروع ہو گئے یہاں یہ تخصیص نہیں رہتی کہ نزلہ، زکام، کھانسی، نمونیا، ٹائیفائیڈ اور ملیریا کے لئے جدا جدا جراثیم کش ادویات استعمال کی جائیں۔اول قدرت خود جسم میں بخار پیدا کر کے جراثیم کو فنا کر دیتی ہے۔نہیں تو ذرا سی مزید حرارت کی مدد سے جگر کے فعل میں تیزی سے پیدا ہوتی ہے اور ہر قسم کے جراثیم فنا ہو جاتے ہیں۔

یاد رکھنا چاہئے کہ بخار کوئی مرض نہیں ہے بلکہ ایک علامت ہے اور ظاہر کرتی ہے کہ جسم میں حرارت غریزیہ کی کمی واقع ہوگئی ہے، بخار کسی قسم کا بھی ہو بالکل نہیں اُتارنا چاہئے بلکہ جسم میں حرارت کا اضافہ کر دینا چاہئے، بخار خود بخود اُتر جائے گا۔لیکن نااہل ڈاکٹر فیور مکسچر استعمال کرا کے مریض کو سخت نقصان پہنچا دیتے ہیں، بعض بے وقوف تو اسپرین وغیرہ دے کر بے حد ظلم کرتے ہیں۔

ہومیوپیتھی اپنے نظریہ اور علامات کے مطابق ایک اصولی طریق علاج ہے اس طریق علاج میں ادویات کی جو علامات اکٹھا کی جاتی ہیں ان میں کیمیاوی اور تکنیکی دونوں قسم کی علامات حاصل ہوتی ہیں۔اگر ان علامات کا پورے طور پر مطالعہ کیا جائے تو شفا یا علاج یقینی ہو جاتا ہے۔مگر کوئی شخص یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ وہ ہر دوا کی علامات پر پوری طرح عبور رکھتا ہے۔جبکہ ان ادویہ کی تعداد سو دو سو نہیں ہے بلکہ ان کی تعداد کئی ہزاروں تک چلی جاتی ہیں اور پھر ایک دوسری سے ملتی جلتی بے شمار ادویات پائی جاتی ہیں۔البتہ ان علامات کو چند گروہوں میں تقسیم کر لیا جائے تو پوری طرح فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔مثلاً:

① ایسی علامات جو اعضاء کے افعال کے تغیر سے پیدا ہوں۔
② ایسی علامات جو جسم انسان کے کیمیاوی تغیرات میں پیدا ہوں۔
③ ایسی علامات جو نفسیاتی تغیرات میں پیدا ہوں۔
④ ایسی علامات جو کیفیاتی تغیرات سے پیدا ہوں۔
⑤ امتیازی علامات۔
⑥ ردعمل کی علامات وغیرہ ملتی جلتی تقسیم کی جاتی ہیں۔

لیکن ہومیوپیتھی کو مکمل طریق علاج نہیں کہا جاسکتا۔ اس میں صرف علامات کا ذکر ہے، اور بس۔ اس میں نہ علم العلاج ہے نہ علاج بالتدبیر ہے نہ ماہیت علامات نہ اصول اغذیہ نہ علاج بالا مالہ نہ جراحی اور نہ ہی بیرونی علاج وغیرہ اور جو کچھ بھی اس سلسلہ میں کیا جارہا ہے وہ ایلوپیتھی کی نقل کی جارہی ہے۔

بایوکیمک اگرچہ ہومیوپیتھی سے مختلف طریق علاج ہے لیکن اسی کو غلط طریق سے ہومیوپیتھی کے اصولوں پر ڈھال لیا گیا ہے۔ اس لئے اس کو ہومیوپیتھی کا بچہ تصور کرلیں۔ مندرجہ بالا طریق علاج کے علاوہ باقی جتنے بھی طریق علاج دُنیا میں رائج ہیں ان کو طریق علاج کا درجہ دینا اور اس میں شمار کرنا بالکل غلط ہے۔ جیسے ہائیڈروپیتھی، کروموپیتھی، الیکٹروپیتھی، آسٹروپیتھی، روحانی علاج، علاج بالموسیقی اور مسمریزم وغیرہ۔

یہ تصدیقات اس لئے بیان کی گئی ہیں کہ جن دوستوں کو تحقیق کا شوق ہو وہ میری رہنمائی سے فائدہ حاصل کرسکیں اور گمراہی سے بچ سکیں۔ افسوس کہ یہ جو کچھ بیان کیا گیا ہے یہ پانچ فیصدی بھی مشکل ہوگا۔ ورنہ سینے سے ایک بحر بے کراں اُمنڈتا چلا آتا ہے۔ خیر اب اپنی تحقیقات کو پیش کرتا ہوں، جس پر میں نے اپنی تیس سالہ زندگی عجیب کشمکش کے ساتھ خرچ کردی۔

جن نامساعد حالات اور مشکلات سے مجھ کو واسطہ پڑا ہے، اب بھی جب میں ان کا تصور کرتا ہوں تو میرا جسم کانپ اُٹھتا ہے اور رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔ آخر اللہ تعالیٰ کی رضا اور حکمت کو تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ وہ کام لینا جانتا ہے اور ہر مقصد کے لئے ضرورت کے مطابق ماحول پیدا کردیتا ہے۔ آج میرا دل اللہ کی خالقیت اور حکمت کو تسلیم کرتا ہے کہ اس کا کوئی فعل بھی حکمت اور حقیقت سے خالی نہیں ہے۔ اسی کا نام جو رحمٰن اور رحیم ہے اب میں اپنی تحقیقات اور علاج میں نئے نظریہ کو پیش کرتا ہوں۔

علاج بالمفرد الاعضاء

تعریف نظریہ مفرد اعضاء:

نظریہ مفرد اعضاء ایک تحقیق ہے جس سے ثابت کیا گیا ہے کہ امراض کی پیدائش مفرد اعضاء گوشت، پٹھے، غدد میں ہوتی ہے اور اس کے بعد مرکب اعضاء کے افعال میں افراط وتفریط اور ضعف سے پیدا ہوتے ہیں اور علاج میں بھی مرکب اعضاء کی بجائے مفرد اعضاء کو مدنظر رکھنا چاہیے، کیونکہ ان کے تمام مرکب اعضاء مفرد اعضاء کی بافتوں اور انسجہ (بنیادوں) سے مل کر بنتے ہیں۔ یہی علمی نظریہ ایک ایسا فلسفہ ہے جس سے جسم انسان کو مفرد اعضاء کے تحت تقسیم کر دیا گیا ہے کہ اعضائے رئیسہ دِل، دِماغ، جگر مفرد اعضاء ہیں جو عضلات، اعصاب اور غدد کے مراکز ہیں۔ جن کی بناوٹ جدا جدا اقسام کے انسجہ (ٹشوز) سے بنی ہوئی ہے اور ہر نسیج بے شمار زندہ حیوانی ذرّات (سیلز) سے مرکب ہے۔ حیوانی ذرّہ انسانی جسم کی اوّلین بنیاد (فرسٹ یونٹ) ہے۔ ہر حیوانی ذرّہ اپنے اندر حرارت وقوت اور رطوبت (ہیٹ، فورس اور انرجی) رکھتا ہے۔ جس کے اعتدال کا نام صحت ہے۔ جب اس حیوانی ذرّہ (خلیہ) کے افعال میں افراط و تفریط یا ضعف واقع ہوتا ہے تو اس کی حرارت وقوت اور رطوبت میں اعتدال قائم نہیں رہتا۔ پس اس کا نام مرض ہے۔ اس حیوانی ذرّہ کا اثر نسیج پر پڑتا ہے۔ اس کے بعد مفرد اعضاء کے تعلق سے اعصاب و غدد اور عضلات وغیرہ کے مطابق گزرتا ہوا اپنے متعلقہ عضو رئیس میں ظاہر ہوتا ہے اور ان میں افراط وتفریط اور ضعف کی شکل میں امراض وعلامات پیدا ہوتی ہیں۔ علاج کی صورت میں انہی مفرد اعضاء کے افعال درست کر دینے سے ایک حیوانی ذرّہ سے لے کر عضو رئیس تک کے افعال درست ہو جاتے ہیں، بس یہی نظریہ مفرد اعضاء ہے۔

نظریہ مفرد اعضاء کی تحقیق کا مقصد:

نظریہ مفرد اعضاء کی ضرورت اور تحقیق کا مقصد یہ تھا کہ طب قدیم کی کیفیات مزاج اور اخلاط کو مفرد اعضاء سے تطبیق دے دی جائے۔ تاکہ ایک طرف ان کی اہمیت واضح ہو جائے اور دوسری طرف یہ حقیقت سامنے آ جائے کہ کوئی طریق علاج جس میں کیفیات ومزاج اور اخلاط کو مدنظر نہیں رکھا جاتا وہ نہ صرف غلط ہے بلکہ وہ غیر علمی طریق علاج ہے اور اس میں یقینی شفا نہیں اور وہ عطایانہ طریق علاج ہے جیسے فرنگی طب ہے۔ جس میں کیفیات ومزاج اور اخلاط کو کوئی اہمیت حاصل نہیں ہے۔ اس لئے اس کی تشخیص وتجویز میں مطابقت اور موافقت پیدا نہیں ہوسکتی۔ انہیں مقاصد کے تحت نظریہ مفرد اعضاء کی بنیاد احیائے فن اور تجدید طب پر رکھی۔

(ماخوذ تحقیقات فارما کوپیا طبع شدہ نوری کتب خانہ بالمقابل ریلوے اسٹیشن-لاہور)

تشریح نظریہ مفرد اعضاء

بزبان وقلم حکیم انقلاب صابر ملتانی رحمۃ اللہ علیہ

ماخوذ تحقیقات فارماکوپیا طبع شدہ نوری کتب خانہ بالمقابل ریلوے اسٹیشن- لاہور

نظریہ مفرد اعضاء بالکل نیا نظریہ ہے۔ تاریخ طب میں اس کا کہیں اشارہ تک نہیں پایا جاتا۔ اس نظریہ پر پیدائش امراض اور صحت کی بنیاد رکھی گئی ہے۔ اس نظریہ سے قبل بالواسطہ یا بلاواسطہ پیدائش امراض مرکب اعضاء کی خرابی کو کہا جاتا رہا ہے۔ مثلاً معدہ وامعاء، شش ومثانہ، آنکھ ومنہ، کان وناک بلکہ اعضائے مخصوصہ تک کے امراض کو ان اعضاء کے افعال کی خرابی سمجھا جاتا ہے۔ یعنی معدہ کی خرابی کو اس کی مکمل خرابی مانا گیا ہے۔ جیسے سوزش معدہ، دردمعدہ، ورم معدہ، ضعف معدہ اور بدہضمی پورے معدہ کی خرابی بیان کی جاتی ہے۔ لیکن حقیقت میں ایسا نہیں ہے۔ کیونکہ معدہ ایک مرکب عضو ہے اور اس میں عضلات واعصاب اور غدد وغیرہ ہر قسم کے اعضاء پائے جاتے ہیں اور جب مرض ہوتا ہے تو وہ تمام اعضاء جو مفرد ہیں بیک وقت گرفتار مرض نہیں ہوتے بلکہ کوئی مفرد عضو مریض ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ معدہ میں مختلف اقسام کے امراض پیدا ہوتے ہیں۔ جب معدہ کے مفرد اعضاء میں سے کوئی گرفتار مرض ہوتا ہے۔ مثلاً معدہ کے اعصاب مرض میں مبتلا ہوتے ہیں تو اس کی دیگر علامات بھی اعصاب میں ہوں گی اور ان کا اثر دماغ تک جائے گا۔ اسی طرح اگر اس کے عضلات مرض میں مبتلا ہوں گے تو جسم کے باقی عضلات میں بھی یہی علامات پائی جائیں گی۔ اور اس کا اثر قلب تک چلا جاتا ہے۔

یہی صورت اس کے غدد کے مرض کی صورت میں پائی جاتی ہے۔ یعنی دیگر غدد کے ساتھ جگر اور گردوں کو بھی متاثر کرتے ہیں یا بالکل معدہ کے مفرد اعضاء، اعصاب وغدد وعضلات کے برعکس اگر دِل ودماغ اور جگر وگردہ میں امراض پیدا ہو جائیں تو معدہ وامعاء اور شش ومثانہ بلکہ آنکھ، منہ، ناک اور کان میں بھی علامات ایسی ہی پائی جائیں گی۔ اس لئے پیدائش امراض اور شفاء امراض کے لئے مرکب عضو کی بجائے مفرد عضو کو مدنظر رکھنا یقینی تشخیص اور بے خطا علاج کی صورتیں پیدا ہو جاتی ہیں۔

اس طرح ایک طرف کسی عضو کی خرابی کا علم ہوتا ہے تو دوسری طرف اس کے صحیح مزاج کا علم ہو جاتا ہے کیونکہ ہر مفرد اعضو کسی نہ کسی کیفیت ومزاج بلکہ اخلاط کے اجزا سے متعلق ہے۔ یعنی دماغ واعصاب کا مرکز سردتر ہے ان میں تحریک سے جسم میں سردی تری اور بلغم بڑھ جاتی ہے، اسی طرح جگر وغدد کا مزاج گرم خشک ہے اس کی تحریک سے جسم میں گرمی خشکی اور صفرا بڑھ جاتے ہیں یہ صورت قلبی عضلات کی ہے اور مفرد اعضاء کے برعکس اگر جسم میں کسی کیفیت یا مزاج اور اخلاط کی زیادتی ہو جائے تو ان کے متعلق مفرد اعضاء پر اثر ہو کر ان میں تیزی کی علامات پیدا ہو جائیں گی۔ اسی طرح دونوں صورتیں نہ صرف سامنے آجاتی ہیں۔ بلکہ علاج میں بھی آسانیاں پیدا ہو جاتی ہیں، ایک خاص بات ذہن نشین کر لیں کہ مفرد اعضاء کی جو ترتیب اوپر بیان کی گئی ہے اور ان میں جو تحریکات پیدا ہوتی ہیں وہ ایک سے دوسرے مفرد عضو میں تبدیل ہوتی رہی ہیں اور کی جاسکتی ہیں۔ اس طرح سے امراض پیدا ہوتے ہیں اور اسی طرح ہی ان تحریکات کو بدل کر ان کو شفا اور صحت کی طرف لایا جاسکتا ہے۔

نظریہ مفرد اعضاء کی عملی تشریح

اس اجمال کی تفصیل کچھ یوں ہے کہ جسم انسانی تین چیزوں سے مرکب ہے: جسم (باڈی)، نفس (وائٹل فورس)، روح (سول)۔

جسم کا بیان

بنیادی اعضاء (بیسک آرگنز) حیاتی اعضاء (لائف آرگنز) خون (بلڈ)۔

① بنیادی اعضاء

ایسے اعضاء جن سے جسم انسانی کا ڈھانچہ بنتا ہے تین اعضاء پر محیط ہیں:

(۱) ہڈیاں۔بونز (۲) رباط۔لگیمنٹس (۳) اوتار۔ٹنڈنز

② حیاتی اعضاء

ایسے اعضاء جن سے انسانی زندگی کی بقا قائم ہے۔یہ بھی تین ہیں:

1. اعصاب (نروز) جن کا مرکز دماغ (برین) ہے۔
2. غدد (گلینڈز) جن کا مرکز جگر (لیور) ہے۔
3. عضلات (مسلز) جن کا مرکز قلب (ہارٹ) ہے۔

گویا دِل، دماغ اور جگر جو اعضائے رئیسہ ہیں وہی انسان کے حیاتی اعضاء ہیں۔

③ خون

سرخ رنگ کا ایک ایسا مرکب ہے جس میں لطیف بخارات (گیسز)، حرارت (ہیٹ)، رطوبت (لیکوئڈ) پائے جاتے ہیں یا ہوا، حرارت اور پانی سے تیار ہوتا ہے۔دوسرے معنوں میں صفراء، سوداء اور بلغم کا حامل ہے۔جس کی تفصیل آئندہ بیان کی جائے گی۔جاننا چاہئے کہ قدرت نے ضرورت کے مطابق جسم میں اس کی ترتیب ایسی رکھی ہے کہ اعصاب باہر کی طرف ہیں اور ہر قسم کے احساسات ان کے ذمہ ہیں، اعصاب کے اندر کی طرف غدد ہیں جو ہر قسم کی غذا جسم کو مہیا کرتے ہیں۔غدد سے اندر کی طرف عضلات ہیں ہر قسم کی حرکات ان سے متعلق ہیں۔یہی تینوں جسم میں ہر قسم کے احساسات، اغذیہ اور حرکات کے طبعی افعال انجام دیتے ہیں۔

غیر طبعی افعال

حیاتی اعضاء کے غیر طبعی افعال صرف تین ہیں:

1. ان میں سے کسی عضو کے فعل میں تیزی آجائے یا ریاح کی زیادتی سے پیدا ہوگی۔
2. انہیں میں سے کسی فعل کے عضو میں سستی آجائے یہ بلغم کی یا رطوبت کی زیادتی سے پیدا ہوگی۔
3. انہیں میں سے کسی عضو میں ضعف پیدا ہو جائے یہ حرارت کی زیادتی سے پیدا ہوگا۔چوتھا کوئی غیر طبعی فعل واقع ہی نہیں ہوتا۔

اعضائے مفرد کا باہمی تعلق جاننا بہت ضروری ہے۔کیونکہ علاج میں ہم ان ہی کی معاونت سے تشخیص، تجویز اور علامات کو رفع کرنے میں مدد حاصل کرتے ہیں۔

افعال کے لحاظ سے بھی ہر عضو میں تین ہی افعال پائے جاتے ہیں۔

۱. عضو کے فعل میں تیزی کو ہم تحریک کہتے ہیں۔
۲. عضو کے فعل میں سستی کو ہم تسکین کہتے ہیں۔
۳. عضو کے فعل میں ضعف کو ہم تحلیل کہتے ہیں۔

حقیقت بھی یہی ہے کہ ہر عضو میں ظاہرہ دو ہی صورتیں ہیں۔ اوّل تیزی اور دوسرے سستی، لیکن سستی دو قسم کی ہوتی ہے۔ اوّل سستی سردی یا بلغم کی زیادتی سے اور دوسرے سستی حرارت کی زیادتی سے ہوتی ہے۔ اس لیے اوّل الذکر کا نام تسکین رکھا جا سکتا ہے اور ثانی الذکر کی سستی کو تحلیل ہی کہنا بہتر ہے کیونکہ حرارت اور گرمی کی زیادتی سے ضعف پیدا ہوتا ہے اور یہ بھی ایک قسم کی سستی ہے لیکن چونکہ ضعف حرارت اور گرمی کی زیادتی سے پیدا ہوتا ہے اور اس میں جسم یا عضو گھلتا ہے اور یہ صورت مرض کی حالت میں آخر تک قائم رہتی ہے بلکہ صحت کی بحالی میں بھی ایک ہلکے قسم کی تحلیل جاری رہتی ہے۔ اس لیے انسان بچپن سے جوانی اور جوانی سے بڑھاپے سے موت کی آغوش میں چلا جاتا ہے۔ اس لیے اس حالت کا نام تحلیل بہت مناسب ہے۔ ساتھ ہی اس امر کو بھی ذہن نشین کر لیں کہ یہ تینوں صورتیں یا علامات تینوں اعضا اعصاب، غدود، عضلات میں کسی ایک حالت میں ضرور پائی جائیں گی۔ البتہ ایک دوسرے میں بدلتی رہتی ہیں اور اسی غیر طبعی تبدیلی ہی سے مختلف امراض پیدا ہوتے ہیں اور انہی کی طبعی تبدیلی سے صحت حاصل ہو جاتی ہے۔ اعضا کے اندر تبدیلیوں کو ذیل کے نقشہ سے آسانی کے ساتھ سمجھا جا سکتا ہے:

نام اعضاء	اعصاب	غدد	عضلات	نتیجہ
۱۔ تحریک اعصاب	تحریک	تحلیل	تسکین	جسم میں رطوبات کی زیادتی
۲۔ تحریک غدد	تسکین	تحریک	تحلیل	جسم میں حرارت کی زیادتی
۳۔ تحریک عضلات	تحلیل	تسکین	تحریک	جسم میں ریاح کی زیادتی

گویا ہر عضو میں یہ تینوں حالتیں یا علامات فرداً فرداً ضرور پائی جائیں گی۔ یعنی:

۱. اگر اعصاب میں تحریک ہے تو غدد میں تحلیل اور عضلات میں تسکین ہوگی، نتیجتاً جسم میں رطوبات، بلغم یا کف کی زیادتی ہوگی۔
۲. اگر غدد میں تحریک ہے تو عضلات میں تحلیل اور اعصاب میں تسکین ہوگی، نتیجتاً جسم میں حرارت صفرا یا پت کی زیادتی ہوگی۔
۳. اگر عضلات میں تحریک ہے تو اعصاب میں تحلیل اور غدد میں تسکین ہوگی، نتیجتاً جسم میں ریاح یا سوداویت کی زیادتی ہوگی۔ یہ تمام جسم اور اس کے افعال کی اصولی تقسیم ہے۔

اس سے تشخیص اور علاج واقعی آسان ہو جاتا ہے۔ گویا اس طریقے کو سمجھنے کے بعد علم طب نہیں رہتا بلکہ یقینی طریق علاج بن جاتا ہے۔

نزلہ کی مثال بانظریہ مفرد اعضاء

نزلہ ایک علامت ہے جو کسی مرض پر دلالت کرتا ہے۔ اس کو کسی صورت میں بھی مرض کہنا صحیح نہیں ہے اور اس کو ابوالامراض کہنا تو انتہائی غلط فہمی ہے کیونکہ نزلہ مواد یا رطوبت کا گرنا ہے اور یہ علامات کسی تحریک کی طرف دلالت ہے۔ اس عضو کے افعال کی خرابی ہی کو مرض کہا جا سکتا ہے۔ البتہ عضو کے افعال کی خرابی کی جس قدر صورتیں ہو سکتی ہیں وہ تمام امراض میں شریک ہوں گی۔

مواد یا رطوبات کا طریق اخراج

رطوبات (نمف) یا مواد (میٹر یا سکریشن) کا اخراج ہمیشہ خون میں سے ہوتا ہے۔ اس کو پوری طرح سمجھنے کے لیے پورے طور پر دورانِ خون کو ذہن نشین کر لینا چاہیے۔ یعنی دل سے صاف شدہ خون بڑی شریان اور طحی سے چھوٹی شریانوں میں اور وہاں سے عروق شعریہ ہی کے ذریعے غدد اور غشائے مخاطی میں جسم کی خلاؤں پر ترشح پاتا ہے۔ یہ ترشح کبھی زیادہ ہوتا ہے، کبھی کم، کبھی گرم ہوتا ہے کبھی سرد، کبھی رقیق ہوتا ہے اور کبھی غلیظ اور کبھی سفید ہوتا ہے اور کبھی زرد، وغیرہ وغیرہ۔ اس سے ثابت ہوا کہ نزلہ یا ترشح (سکریشن) کا اخراج ہمیشہ ایک ہی صورت میں نہیں ہوتا اس میں مختلف صورتیں کیفیتیں اور رنگ پائے جاتے ہیں۔ گویا نزلہ جو ایک علامت ہے وہ بھی اپنے اندر کئی انداز رکھتا ہے۔ اس لیے اس کو ابوالعلامات کہتے ہیں۔

نزلہ کے تین انداز

1. نزلہ پانی کی طرح بے تکلیف رقیق بہتا ہے۔ عام طور پر اس کا رنگ سفید اور کیفیت سرد ہوتی ہے۔ اس کو عام طور پر زکام کا نام دیتے ہیں۔
2. نزلہ لیس دار ہو جو ذرا کوشش اور تکلیف سے خارج ہوتا ہے۔ عام طور پر اس کا رنگ زرد اور کیفیت گرم ہوتی ہے۔ اس کو نزلہ حار کہتے ہیں۔
3. نزلہ بند ہو تو انتہائی کوشش اور تکلیف سے بھی اخراج کا نام نہیں لیتا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے بالکل جم گیا ہو اور گاڑھا ہو گیا ہو۔ عام طور پر رنگ میلا یا سرخی سیاہی مائل اور کبھی کبھی زور لگانے سے خون آنے لگ جاتا ہے۔ اس کو بند نزلہ کہا جاتا ہے۔

نزلہ کی تشخیص

1. پانی کی طرح رقیق اور بے تکلف بہنے والا نزلہ اعصابی (دماغی) ہے۔ رنگت سفید، قارورہ سفید اور کیفیت سرد ہے۔
2. لیسدار گاڑھا، جلن اور تکلیف سے خارج ہونے والا نزلہ غدی (کبدی) ہے اس کا رنگ زرد، کیفیت گرم و تیز، قارورہ زرد یا زرد سرخی مائل ہوتا ہے۔
3. فعل میں تیزی ہوگی۔ کیفیت سوداوی (سردی خشکی) ریاح کی زیادتی، قارورہ سرخ یا سرخ سیاہی مائل ہوتا ہے۔

گویا نزلہ کی تین صورتیں ہیں۔ ان کو اسی مقام پر ذہن نشین کر لینا چاہیے۔ چوتھی صورت کوئی نہ ہوگی۔ البتہ ان تینوں صورتوں میں کمی بیشی اور انتہائی شدت ہو سکتی ہے۔ انتہائی شدت کی صورت میں انہی اعضاء کے اندر درد یا سوزش یا ورم پیدا ہو جائے گا۔ انہی شدید علامات کے ساتھ بخار، ہضم کی خرابی، کبھی تے، کبھی اسہال، کبھی پیچش، کبھی قبض ہمراہ ہوں گے، لیکن یہ تمام علامات انہی اعضاء کی مناسبت سے ہوں گی۔ اسی طرح کبھی معدہ و امعاء اور سینہ کے انہی اعضاء میں کمی بیشی اور شدت کی وجہ سے بھی ان کی خاص علامات کے ساتھ ساتھ نزلہ کی بھی علامات پائی جائیں گی۔ جن کا اوپر ذکر کیا گیا ہے۔

نزلہ کے معنی میں وسعت

نزلہ کے معنی گرنا ہے۔ اگر اس کے معنی کو ذرا وسعت دے کر اس کے مفہوم کو پھیلا دیا جائے اور جسم انسان کی تمام رطوبات اور مواد کو نزلہ کہہ دیا جائے تو ان سب کی بھی اسی نزلہ کی طرح تین ہی صورتیں ہو سکتی ہیں اور ان کے علاوہ چوتھی صورت نظر نہیں آئے گی۔ مثلاً

اگر پیشاب پر غور کریں تو اس کی بھی تین صورتیں ہی ہوں گی:

① اعصاب میں تیزی ہوگی تو پیشاب زیادہ اور بغیر تکلیف کے آئے گا۔

② اگر غدد میں تیزی ہوگی تو پیشاب جلن کے ساتھ قطرہ قطرہ آئے گا۔

③ اگر عضلات میں تیزی ہوگی تو پیشاب بند ہوگا یا بہت کم آئے گا۔

اگر پاخانہ پر غور کریں تو مندرجہ ذیل تین صورتیں ہوں گی۔

① اعصابی صورت میں اسہال آئیں گے۔

② غددی صورت میں پیچش آئیں گے۔

③ عضلاتی صورت میں قبض پائی جائے گی۔

اسی طرح لعاب دہن، آنکھ، کان اور پسینہ وغیرہ ہر قسم کی رطوبات پر غور کر لیں۔ البتہ خون کی صورت رطوبات سے مختلف ہے۔ یعنی؛

① اعصاب کی تیزی میں جب رطوبات کی زیادتی ہوتی ہے تو خون کبھی نہیں آتا۔

② جب غدد میں تیزی ہوتی ہے تو خون تکلیف سے تھوڑا تھوڑا آتا ہے۔

③ لیکن جب عضلات کے فعل میں تیزی ہوتی ہے تو شریانیں پھٹ جاتی ہیں اور بے حد کثرت سے خون آتا ہے۔

اس سے ثابت ہوگیا کہ جب خون آتا ہے تو رطوبات کا اخراج بند ہو جاتا ہے اور اگر رطوبات کا اخراج زیادہ کر دیا جائے تو خون کی آمد بند ہو جائے گی۔ نظریہ مفرد اعضاء کے جاننے کے بعد اگر ایک طرف تشخیص آسان ہوگئی ہے تو دوسری طرف امراض اور علامات کا تعین ہوگیا ہے۔ اب ایسا نہیں ہوگا کہ آئے دِن نئے نئے امراض اور علامات فرنگی طب تحقیق کرتی رہے اور اپنی تحقیقات کا دوسروں پر رُعب ڈالتی رہے بلکہ ایسے امراض اور علامات جو بے معنی صورت رکھتے ہوں وہ ختم کر دیئے جائیں گے۔ جیسے وٹامنی امراض، غذائی امراض اور موسمی امراض، وغیرہ وغیرہ۔ بس ایسے امراض اور علامات کا تعلق کسی نہ کسی عضو سے جوڑنا پڑے گا اور انہی کے افعال کی خرابی کو امراض کہنا پڑے گا۔ گویا کیمیاوی اور دموی تغیرات کو بھی اعضاء کے تحت لانا پڑے گا۔ دموی اور کیمیاوی تغیرات بھی اپنے اندر حقیقت رکھتے ہیں لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ جسم میں خون کی پیدائش اور اس کی کمی بیشی انسان کے کسی نہ کسی عضو کے ساتھ متعلق ہے۔ اس لیے جسم انسان میں دموی اور کیمیاوی تبدیلیاں بھی اعضائے جسم کے تحت آ جاتی ہیں۔ اس امر میں کوئی شک نہیں ہے کہ جسم میں ایک بڑی مقدار میں زہریلی ادویات اور اغذیہ سے موت واقع ہو جاتی ہے۔ لیکن ایسے کیمیاوی تغیرات بھی اس وقت تک پیدا نہیں ہوتے جب تک جسم کا کوئی عضو بالکل باطل نہ ہو جائے۔

دیگر اہم علامات

نزلہ کی طرح دیگر علامات بھی چند اہم علامات میں تقسیم ہو جاتی ہیں۔ اگر ان علامات کو ذہن نشین کر لیا جائے تو نزلہ کی طرح جن مفرد اعضاء سے ان کا تعلق ہوگا ان کے ساتھ ہی وہ ایک مرض کی شکل اختیار کر لیں گے ورنہ تنہا ان علامات کو امراض کا نام نہیں دیا جا سکتا۔

وہ اہم علامات درج ذیل ہیں؛

① سوزش ② ورم ③ بخار ④ ضعف۔ اس کی مختصر تشریح درج ذیل میں ہے۔

(۱) **سوزش:** سوزش ایک ایسی جلن ہے جو کیفیاتی ونفسیاتی اور مادی تحریکات سے جسم کے کسی عضو مفرد میں پیدا ہو جائے۔ سوزش میں سرخی اور درد وحرارت لازم ہوتی ہیں۔ تحریک سے سوزش تک بھی چند منزلیں ہیں؛ ① لذت ② بے چینی ③ سوزش۔

کبھی طبیعت انہی علامات میں سے کسی ایک پر رُک جاتی ہے اور کبھی گزر کر سوزش بن جاتی ہے۔ سوزش اور اورام پر کتاب شائع ہو چکی ہے جس کا نام تحقیقات وعلاج سوزش اور اورام ہے۔

(۲) **ورم:** ورم کی علامت سوزش کے بعد پیدا ہوتی ہے۔ اس میں سوزش کی علامات کے ساتھ سوجن بھی ہوتی ہے اور جب سوجن زیادہ ہو جائے یا شدت اختیار کر لے تو حرارت بخار میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ جسم کے پھوڑے اور پھنسیاں اور دانے وغیرہ بھی اورام میں شریک ہیں۔

(۳) **بخار:** بخار ایک ایسی اور غیر معمولی حرارت ہے جس کو حرارت غریبہ (بیرونی) بھی کہتے ہیں جو جزوخون کے ذریعہ قلب سے تمام بدن میں پھیل جاتی ہے جس سے بدن کے اعضاء میں تحلیل اور ان افعال میں نقصان واقع ہوتا ہے۔ غصہ اور تھکان کی معمولی گرمی بخار کی حد سے باہر ہے کیونکہ اس سے کوئی غیر معمولی تبدیلی بدن انسان میں لاحق نہیں ہوتی۔ اس کو عربی میں حمیٰ (جمع حمیات) فارسی میں تپ کہتے ہیں۔ بخار پر ہماری کتاب ''تحقیقات حمیات'' کے نام سے شائع ہو چکی ہے۔

(۴) **ضعف:** جسم کی ایک ایسی حالت کا نام ہے جس میں گرمی کی زیادتی سے کسی مفرد عضو میں تحلیل پیدا ہو جائے۔ ضعف کے مقابلہ میں طاقت کا تصور کیا جا سکتا ہے۔ ضعف کو سمجھنے کے لیے ہماری کتاب ''تحقیقات اعادہ شباب'' کا مطالعہ کریں۔ ان اہم علامات کو جسم کے ساتھ سر سے لے کر پاؤں تک جس کسی عضو کے ساتھ پائیں گے وہ مرض کہلائے گا۔

مفرد اعضاء کا باہمی تعلق

مفرد اعضاء کا باہمی تعلق بھی ہے۔ اسی تعلق سے تحریکات ایک عضو سے دوسرے عضو کی طرف منتقل ہوتی ہیں مثلاً جب غدد میں تحریک ہے تو اس امر کو ضرور جاننا پڑے گا کہ اس تحریک کا تعلق عضلات کے ساتھ ہے یا اعصاب کے ساتھ ہے، کیونکہ اس تحریک کا تعلق کسی نہ کسی دوسرے عضو کے ساتھ ہونا ضروری ہے، کیونکہ مزاجاً بھی کبھی کوئی کیفیت ایک نہیں ہوتی جیسے گرمی یا سردی کبھی تنہا نہیں پائی جائیں گی۔ وہ ہمیشہ گرمی تری یا گرمی خشکی ہوگی۔ اسی طرح سردی تری یا سردی خشکی ہوگی۔ یہی صورت اعضاء میں بھی قائم ہے یعنی غدی عضلاتی (گرم خشک) یا غدی اعصابی (گرم تر)، وغیرہ وغیرہ۔

البتہ اس امر کو ذہن نشین کر لیں کہ اوّل تحریک عضوی (مشینی) ہوگی اور دوسری تحریک کیمیاوی (خلطی) پر ہوگی۔ جب کسی مفرد عضو میں تحریک ہوگی تو اس کا تعلق جس دوسرے مفرد عضو سے ہوگا، اس کی کیمیاوی صورت خون میں ہوگی۔ مثلاً غدی عضلاتی تحریک ہے تو اخلاط میں خشکی پائی جائے گی۔ جب غدی اعصابی تحریک ہوگی تو خون میں تری پائی جائے گی۔

مفرد اعضاء کے تعلق کی چھ صورتیں ہیں

مفرد اعضاء صرف تین ہیں لیکن اگر ان کا آپس میں تعلق ظاہر کیا جائے تو کل چھ صورتیں بن جاتی ہیں:

① اعصابی غدی ② اعصابی عضلاتی ③ عضلاتی اعصابی ④ عضلاتی غدی ⑤ غدی عضلاتی اور ⑥ غدی اعصابی۔

یاد رکھیں کہ جو لفظ اوّل ہوگا وہ عضو کی مشینی تحریک ہے اور جو لفظ بعد میں ہوگا وہ کیمیاوی تحریک کہلاتا ہے، چونکہ کیمیاوی تحریک ہی

صحت کی طرف جاتی ہے اس لیے ہر عضوی تحریک کے بعد اس سے جو کیمیاوی اثرات پیدا ہوں انہی کو بڑھانا چاہیے، بس اسی میں شفا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہومیوپیتھک میں بھی ری ایکشن (Reaction) کی علامات کو بڑھایا جاتا ہے اس مقصد کے لیے بلکہ اقل مقدار میں بھی دوا نہ صرف مفید ہو جاتی ہے بلکہ اکثر اکسیر اور تریاق کا کام دے دیتی ہے۔

فارما کوپیا نظریہ مفرد اعضاء اعصابی مجربات

اس کی دو صورتیں ہیں: (۱) اعصابی غدی (۲) اعصابی عضلاتی۔

۱ محرک اعصابی غدی: سہاگہ، ملٹھی ہر ایک سات تولہ سفوف کریں۔ خوراک ایک ماشہ سے 6 ماشہ تک حسب ضرورت دیں۔

۲ شدید محرک اعصابی غدی: شیر مدار بالا میں نصف تولہ اضافہ کر دیں۔

مقدارِ خوراک: 1/2 رتی تا 1/2 ماشہ دیں۔

۳ ملین اعصابی غدی: شدید محرک اعصابی غدی میں ریوند چینی 4 تولہ کا اضافہ کر دیں۔

مقدارِ خوراک: ایک رتی تا ایک ماشہ حسب ضرورت۔

۴ مسهل اعصابی غدی: نسخہ نمبر 3 میں سقمونیا 5 تولہ اضافہ کر دیں۔

مقدارِ خوراک: 2 رتی تا 7 ماشہ حسب ضرورت۔

۵ محرک اعصابی عضلاتی: قلمی شورہ 3 تولہ تخم کاسنی 5 تولہ سفوف کریں۔

مقدارِ خوراک: ایک ماشہ تا 3 ماشہ حسب ضرورت۔

۶ محرک شدید اعصابی عضلاتی: نمبر 5 میں جوکھار 3 تولہ شامل کریں۔

مقدارِ خوراک: ایک تا 3 ماشہ حسب ضرورت۔

۷ ملین اعصابی عضلاتی: نمبر 6 میں گلسرخ 8 تولہ شامل کریں۔

مقدارِ خوراک: ایک تا 3 ماشہ حسب ضرورت۔

۸ مسهل اعصابی عضلاتی: نمبر 7 میں کالا دانہ 20 تولہ شامل کریں۔

مقدارِ خوراک: ایک تا 3 ماشہ حسب ضرورت دیں۔

۹ محرک عضلاتی اعصابی: کرنجوہ آملہ ہر ایک 5 تولہ سفوف بنائیں۔

مقدارِ خوراک: ایک تا 3 ماشہ حسب ضرورت دیں۔

۱۰ محرک شدید اعصابی: نمبر 9 میں پھٹکڑی سوختہ 10 تولہ شامل کریں۔

مقدارِ خوراک: 3 رتی تا 2 ماشہ حسب ضرورت دیں۔

۱۱ ملین عضلاتی اعصابی: نمبر 10 میں ہلیلہ سیاہ سوختہ 10 تولہ شامل کریں۔

مقدارِ خوراک: 3 رتی تا 2 ماشہ حسب ضرورت دیں۔

۱۱ **مسہل عضلاتی اعصابی:** نمبر 11 میں جلاپا 20 تولہ شامل کر دیں۔

۱۲ **محرک عضلاتی غدی:** لونگ ایک تولہ دارچینی 3 تولہ، سفوف کریں۔

مقدارِ خوراک: 4 رتی تا ایک ماشہ حسب ضرورت دیں۔

۱۳ **محرک شدید عضلاتی غدی:** نمبر 13 میں جلوتری 2 تولہ ملا لیں۔

مقدارِ خوراک: 4 رتی تا ایک ماشہ حسب ضرورت دیں۔

۱۴ **ملین عضلاتی غدی:** نمبر 14 میں مصبر 6 تولہ شامل کریں۔

مقدارِ خوراک: 4 تا ایک ماشہ حسب ضرور دیں۔

۱۵ **مسہل عضلاتی غدی:** نمبر 15 میں حنظل 4 تولہ شامل کریں۔

مقدارِ خوراک: 4 رتی تا ایک ماشہ حسب ضرورت دیں۔

۱۶ **محرک غدی عضلاتی:** اجوائن دیسی، تیزپات ہر ایک 4 تولہ۔

مقدارِ خوراک: ایک تا 6 ماشہ حسب ضرورت دیں۔

۱۷ **محرک شدید غدی عضلاتی:** نمبر 17 میں رائی 4 تولہ شامل کریں۔

مقدارِ خوراک: ایک ماشہ سے 3 ماشہ تک حسب ضرورت دیں۔

۱۸ **ملین غدی عضلاتی:** نمبر 18 میں گندھک 12 تولہ شامل کر دیں۔

مقدارِ خوراک: 1/2 ماشہ تا 2 ماشہ حسب ضرورت دیں۔

۱۹ **مسہل غدی عضلاتی:** نمبر 19 میں ایک تولہ جمال گوٹہ شامل کریں۔

مقدارِ خوراک: ایک رتی تا 4 رتی حسب ضرورت دیں۔

۲۰ **محرک غدی اعصابی:** زنجبیل 5 تولہ نوشادر 2 تولہ۔

مقدارِ خوراک: 2 رتی تا 2 ماشہ حسب ضرورت۔

۲۱ **شدید غدی اعصابی:** نمبر 12 میں مرچ سیاہ ایک تولہ شامل کریں۔

مقدارِ خوراک: 2 رتی تا 2 ماشہ حسب ضرورت دیں۔

۲۲ **ملین غدی اعصابی:** نمبر 22 میں سناء مکی 8 تولہ شامل کریں۔

مقدارِ خوراک: 3 رتی تا 3 ماشہ حسب ضرورت دیں۔

۲۳ **مسہل غدی اعصابی:** نمبر 23 میں ریوند عصارہ ایک تولہ شامل کریں۔

مقدارِ خوراک: ایک رتی تا 2 ماشہ حسب ضرورت دیں۔

مقویات

۱ **عضلاتی اعصابی اطریفل:** پوست ہلیلہ زرد، پوست ہلیلہ کابلی، پوست ہلیلہ سیاہ، بسفائج، اسطخدوس، کشمش، مویز منقیٰ ہر

ایک 2 تولہ، کشتہ فولاد ایک تولہ، بادام روغن 10 تولہ، چینی ایک سیر قوام تیار کر کے شامل کریں۔

مقدارِ خوراک: 6 ماشہ تا ایک تولہ صبح و شام ہمراہ بدرقہ مناسب استعمال کرائیں۔

۳ عضلاتی غدی معجون: ازراقی مصفّٰی ایک تولہ، جائفل، جلوتری، قرنفل، دارچینی، خولنجاں، بالچھڑ، افسنتین ایک ایک تولہ شہد 3 پاؤ معجون تیار کریں۔

مقدارِ خوراک: ایک ماشہ تا 3 ماشہ۔

۳ غدی عضلاتی معجون: مربہ آملہ خشک 10 تولہ، زنجبیل، پودینہ، اجوائن دیسی، فلفل سیاہ، مصطگی رومی، فلفل دراز، عقرقرحا، بادیان، زیرہ سیاہ ہر ایک اڑھائی تولہ ملا کر زعفران 9 ماشہ شامل کر کے حسب دستور تیار کریں۔

مقدارِ خوراک: 6 ماشہ تا ایک تولہ۔

۴ غدی اعصابی لبوب: مغز چلغوزہ، پستہ، مغز اخروٹ، فندق، کنجد مقشر، مغز تخم خربزہ، مغز تخم خیارین، مغز تخم پنبہ دانہ، ثعلب مصری، بادام شیریں، تخم گندر، تخم پیاز ہر ایک 2 تولہ سب ادویہ سے 3 گنا شہد ڈال کر لبوب تیار کریں۔

مقدارِ خوراک: 6 ماشہ تا 9 ماشہ دیں۔

۵ اعصابی غدی حلوہ: روغنِ گاؤ 4 چھٹانک، شیر گاؤ 2 سیر حسب ترکیب تیار کریں۔

مقدارِ خوراک: ایک ایک چھٹانک صبح اور شام۔

۶ اعصابی عضلاتی خمیرہ: گاؤزبان، ابریشم، کشنیز 10، 10 تولہ ملا کر برادہ صندل سفید 5 تولہ الائچی خورد ایک تولہ، عرق گلاب 2 سیر، آب انار ترش نصف سیر، قند سفید 2 سیر حسب ضابطہ خمیرہ تیار کریں۔

مقدارِ خوراک: 5 تا 9 ماشہ حسب ضرورت۔

مجربات بانظریہ مفرد اعضاء

نظریہ مفرد اعضاء کے تحت جو مجربات دیئے گئے ہیں ان میں چار درجے مقرر کر دیئے گئے ہیں۔ ہر درجہ کا نام دینے کی بجائے ان کے نام رکھ دیئے ہیں:

① محرک ② محرک شدید ③ ملین ④ مسہل۔

اس سے دوا کے استعمال کا صحیح اندازہ ہوسکتا ہے۔ ان کی مختصر تشریح درج ذیل ہے۔

محرک اور شدید: ایسی دوا سے مراد ہے جو کسی عضو کو تیز کر دے یہ تیزی اس عضو کے فعل میں انقباض پیدا کر دینے سے ہوتی ہے، جس کی صورت ایک خام قسم کی ریح (گیس) ہوتی ہے۔ اس کی شدید صورت دوا کی زیادہ تیزی ہے۔

ملین و مسهل: ملین و مسہل کو صرف نرم پاخانہ لانے اور تیز پاخانہ لانے کے معنی میں استعمال نہیں کیا، بلکہ ان سے یہ مقصد بھی ہے کہ یہ دونوں اپنے اندر محرک اور محرک شدید کے افعال زیادہ طاقت کے رکھتے ہیں۔ کیونکہ اگر محرک اور محرک شدید بھی زیادہ سے زیادہ اپنی خوراک میں استعمال کر دیں تو پاخانہ اور اسہال ان سے بھی ہوسکتے ہیں۔ اسی طرح اگر ملین اور مسہل قلیل مقدار میں دیئے جائیں تو ان سے محرک اور محرک شدید بلکہ مقوی اثرات بھی حاصل کئے جاتے ہیں۔

مجربات میں اس بات کو خاص طور پر مدنظر رکھا گیا ہے کہ ان کی تیاری میں ان کی ترتیب اس طرح رکھی گئی ہے کہ ان کی آپس میں مناسبت قائم رہے۔ تاکہ ایک طرف ان کے اثرات قائم رہیں تو دوسری طرف ان کی تیاری میں مشکل پیش نہ آئے اور خاص بات یہ ہے کہ نسخہ جات یاد رکھنے میں مشکل پیش نہ آئے۔ ان کے استعمال میں ہمیشہ کوشش رکھیں کہ محرکات یعنی ہلکی ہلکی ادویات سے شروع کریں اور ضرورت کے مطابق مسہلات (شدید ترین) ادویات پر ختم کر دینا چاہئے کہ طبیعت کے ساتھ ساتھ چل سکیں۔

مقوی، اکسیر اور تریاق

یہ اپنے اندر اپنی بالخاصہ تاثیر رکھتے ہیں۔

مقوی: ایسی دوا یا غذا جو کسی عضو یا خون میں طاقت مہیا کر دے۔ ایسی دوا عضو کے مزاج اور ساخت کو درست کرتی ہے۔ ایسی ادویات عام طور پر قابض ہوتی ہیں اور ان میں خوبی ہوتی ہے کہ ہلکے ہلکے خون یا رطوبت کو اعضاء کی طرف جذب کراتی ہیں۔

اکسیر: جس کو کیمیائے حیات کہتے ہیں۔ آیورویدک میں اس کو رسائن کہتے ہیں، ایسی دوا جس سے جوانی واپس آ جائے۔ اس میں تین خوبیاں لازماً پائی جاتی ہیں:

① دائمی اثر ② جاذب ③ برقی اثر۔

دائمی اثر سے مراد یہ ہے کہ استعمال کے بعد اس کا اثر فوراً ختم نہ ہو جائے بلکہ کافی عرصہ تک اس کا اثر جسم میں جاری رہے۔ جو لوگ غذا، دوا اور زہر کے فرق کو سمجھتے ہیں وہ دائمی اثر کا صحیح اندازہ لگا سکتے ہیں۔ جاذب کا مقصد یہ ہے کہ دوا استعمال کے بعد فوراً جسم میں جذب ہو جائے اور خون و رطوبات اپنی طرف جذب کرنے کے ساتھ ساتھ جزو بدن بنائے۔ برقی اثر کی صورت یہ ہے کہ وہ اپنے اثرات سے جسم میں برقی رو دوڑا دے اور اپنے اثر میں برق رفتار ہو تاکہ خلیات میں دور تک پہنچ سکے۔ اگر کسی دوا میں تینوں خوبیاں نہ ہوں بلکہ صرف ایک یا دو پائی جائیں تو اس میں باقی پیدا کرنی چاہئے پھر دوا اکسیر کہلانے کی مستحق ہے۔ ورنہ یونہی کسی دوا کا نام اکسیر رکھ دینا فن سے جہالت کہا جائے گا۔

تریاق: تریاق سے مراد ایسی دوا ہے جس کے استعمال سے مخصوص زہر یا مخصوص اثرات باطل اور ختم ہو جائیں۔ جیسے ترشی کا اثر کھار سے ٹوٹ جاتا ہے۔ یا افیون کا اثر کچلہ سے باطل ہو جاتا ہے۔ اسی طرح ادویات اور زہر کے متعلق، وغیرہ وغیرہ۔

اکسیرات

✿ **عضلاتی غدی اکسیر:** شنگرف رومی ایک حصہ، مرکی 3 حصہ، ہر دو کو مسلسل ایک گھنٹہ کھرل کریں۔

مقدارِ خوراک: ایک رتی تا ایک ماشہ حسب ضرورت۔

✿ **غدی عضلاتی اکسیر:** پارہ ایک تولہ، گندھک 7 تولہ کم از کم ایک گھنٹہ کھرل کریں۔

مقدارِ خوراک: ایک رتی تا ایک ماشہ حسب ضرورت۔

✿ **غدی اعصابی اکسیر:** ہڑتال ایک تولہ زنجبیل 4 تولہ، فلفل سیاہ 3 تولہ تین گھنٹہ کھرل کریں۔

مقدارِ خوراک: ایک رتی تا ایک ماشہ حسب ضرورت۔

۴ اعصابی غدی اکسیر: حجر الیہود، کہربا، نوشادر، الائچی خورد ہر ایک 6 ماشہ، سفید قند 2 تولہ، کم از کم ایک گھنٹہ کھرل کریں۔

مقدارِ خوراک: ایک تا 3 ماشہ حسب ضرورت سردیوں میں شہد اور گرمیوں میں شربت کے ہمراہ۔

۵ اعصابی عضلاتی اکسیر: کشتہ قلعی، الائچی کلاں، طباشیر، ہر ایک تولہ تولہ ورق نقرہ 3 ماشہ۔

مقدارِ خوراک: 4 رتی تا ایک ماشہ حسب ضرورت۔

۶ عضلاتی اعصابی اکسیر: سم الفار ایک ماشہ، کشتہ چاندی 2 تولہ، کم از کم 2 گھنٹہ کھرل کریں۔

مقدارِ خوراک: ایک چاول تا ایک رتی حسب ضرورت۔

تریاقات

۱ عضلاتی غدی تریاق: سالم اجوائن دیسی چینی کے برتن میں ڈال کر اتنا تیزاب گندھک ڈالیں کہ بمشکل تر ہو سکے۔ پندرہ بیس یوم کے بعد باریک کھرل کریں۔

مقدارِ خوراک: 2 رتی تا ایک ماشہ حسب ضرورت ہمراہ آب نیم گرم۔

۲ غدی عضلاتی تریاق: سرخ مرچ 5 تولہ، رائی 10 تولہ، حبوب نخودی تیار کریں۔

مقدارِ خوراک: ایک تا 4 رتی ہمراہ آب نیم گرم۔

۳ غدی اعصابی تریاق: نیلا تھوتھا، جمال گوٹہ، شیر مدار تولہ تولہ، رائی 15 تولہ، سہاگہ 7 تولہ۔

مقدارِ خوراک: خوراک 2 چاول تا ایک ماشہ حسب ضرورت ہمراہ آب نیم گرم۔

۴ اعصابی غدی تریاق: شیر مدار ایک حصہ، ہلدی سرخی مائل 15 حصے مخلوط کریں۔

مقدارِ خوراک: 2 چاول تا ایک ماشہ ہمراہ آب نیم گرم۔

۵ اعصابی عضلاتی تریاق: افیون ایک ماشہ، لوبان کوڑیا ایک تولہ، قند سفید ایک تولہ، سفوف کریں۔

مقدارِ خوراک: ½ رتی تا ایک ماشہ ہمراہ آب تازہ۔

۶ عضلاتی اعصابی تریاق: سرمہ سیاہ ایک تولہ، قشر بندق ہندی 9 تولہ سفوف بنالیں۔

مقدارِ خوراک: ایک رتی تا ایک ماشہ حسب ضرورت ہمراہ آب تازہ یا آب نیم گرم۔

نوٹ: نظریہ مفرد اعضاء فارماکوپیا کی ادویات کو ضرورت کے مطابق یونانی مرکبات کی شکل دی جاسکتی ہے جیسے مقویات میں اسی طرح اکسیرات اور تریاقات کو بھی مناسب صورتیں دی جاسکتی ہیں۔

روغنیات اور ارواح

۱ عضلاتی غدی روغن اور روح: روغن تلخ 14 حصہ، روغن دارچینی ایک حصہ۔

۲ غدی عضلاتی روغن اور روح: روغن تارپین 14 حصے، روغن قرنفل ایک حصہ۔

۳ غدی اعصابی روغن اور روح: روغن بیدانجیر (کسٹر آئیل) 24 حصہ، ست اجوائن ایک حصہ۔

۴ اعصابی غدی روغن اور روح: روغن کدو 9 حصہ، ست پودینہ ایک حصہ ملالیں، تیار ہے۔

✿ **اعصابی عضلاتی روغن و روم:** روغن بادام 9 حصہ، کافور ایک حصہ شامل کریں، تیار ہے۔

✿ **عضلاتی اعصابی روغن و روم:** روغن کنجد 7 حصہ، روغن صندل ایک حصہ ملالیں، تیار ہے۔

نوٹ: اس طرح اور بھی بہت سے روغنیات ضرورت کے مطابق تیار کیے جاسکتے ہیں۔

کحل؛ کاجل

✿ **عضلاتی غدی کاجل:** کڑوے تیل کا سادہ دھواں 9 حصہ، نیلا تھوتھا ایک حصہ، روغن تلخ کی مدد سے کاجل تیار کریں۔

✿ **غدی عضلاتی کحل:** مامیراں چینی، مغز تخم نیل ہم وزن دو گھنٹہ کھرل کریں، تیار ہے۔

✿ **غدی اعصابی کحل:** فلفل سیاہ ایک حصہ، نوشادر 2 حصہ، ہلدی 7 حصہ، عرق بادیان ایک پاؤ، کحل وجذب کریں، تیار ہے۔

✿ **اعصابی غدی کحل:** سمندر جھاگ ایک تولہ، سہاگہ ایک تولہ، ایک گھنٹہ کھرل کریں، تیار ہے۔

✿ **اعصابی عضلاتی کحل:** سرمہ سیاہ ایک تولہ، قلمی شورہ ایک تولہ، مسلسل ایک گھنٹہ کھرل کریں، تیار ہے۔

✿ **عضلاتی اعصابی کحل:** سرمہ سیاہ ایک تولہ، پھٹکڑی بریاں ایک تولہ، دونوں کو ایک گھنٹہ کھرل کریں، سرمہ تیار ہے۔

نوٹ: اسی اصول پر ان کے علاوہ دیگر کحالات و کاجلیں تیار کی جاسکتی ہیں۔

حکیم انقلاب المعالج صابر ملتانی کے چند خطابات

دنیاپور 4 نومبر 1968ء

محترم حکما و معزز حاضرین، دوستو اور بھائیو! میں آپ سب کا شکر گزار ہوں کہ آپ نے مجھے اپنے اس طبی اجتماع کی صدارت کے لئے عزت بخشی ہے۔ آپ لوگوں کے علم و فن طب کے ساتھ ذوق و شوق اور لگاؤ دیکھ کر دل بے حد مسرت اور انتہائی شادمانی آئی ہے۔ حیرت کا یہ مقام ہے کہ ایک دور افتادہ مقام پر علم و فن طب سے اس قدر دلچسپی و تعلق اور جذبہ انتہائی قابل تعریف ہے فن طب کوئی آسان علم نہیں ہے، یہ حکمت کی شاخ ہے اور حکمت عقلمندی کا نام اس لئے تسلیم کرنا پڑے گا کہ ایسا ذوق و شوق رکھنے والے یقیناً عقل و شعور اور حقیقت و علم کے جذبات رکھتے ہیں۔

گزشتہ سال بھی مجھے انہی دنوں یہاں بلکہ اسی جگہ تقریر کا موقع ملا تھا۔ اس وقت میں نے آپ کے سامنے تین باتیں بیان کی تھیں:

① میں طب قدیم کا نمائندہ ہوں اور میرا تعلق کسی طب جدید یا کسی نئے طریق علاج سے نہیں ہے۔

② طب قدیم جن بنیادوں پر قائم ہے وہ اصولی قدریں ہیں اور نہ صرف سائنسی قدروں کے مطابق ہیں بلکہ فطرت کے بھی مطابق ہیں۔ جب تک کوئی قوانین فطرت کو غلط قرار نہ دے لے وہ طب قدیم کو غلط ثابت نہیں کر سکتا۔

③ فرنگی طب یا ماڈرن میڈیکل سائنس غیر علمی اور غلط ہے۔ یاد رکھیں کہ سائنس اور شے ہے اور ماڈرن میڈیکل سائنس جدا شے ہے۔

آج آپ کے سامنے ایک اور حقیقت بیان کرتا ہوں۔ یہ قدرت کا ایک قانون ہے اور صحت کا ایک راز ہے۔ قدرت کی اس حقیقت و قانون اور صحت کے راز کا نام ہے۔ ''قوت شفا'' یہ ایک اہم حقیقت ہے اور صحت کے لئے بے حد ضروری قانون ہے۔ افسوس ہے کہ فرنگی طب اور سائنس بلکہ میڈیکل سائنس نے بھی اس کا کہیں ذکر تک نہیں کیا بلکہ اس کا طریق علاج بالکل اس کے خلاف ہے۔ علاج بالمثل (ہومیوپیتھی) بھی اس قانون سے ناواقف ہے۔ البتہ آیورویدک اور طب یونانی کے علاج میں ایک قانون کی حیثیت سے شامل ہے۔ مگر اس کی تفصیل و تشریح اور ترتیب لازمی کی حیثیت سے کبھی بیان نہیں کیا گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ اس قانون کے بغیر کبھی ''قوت شفاء'' حاصل نہیں ہو سکتی۔ عام طور پر دست شفا کا ذکر کیا جاتا ہے۔ لیکن جب تک قوت شفا پر دسترس نہ ہو اس وقت تک دست شفا کی خوبی پیدا نہیں ہوتی۔

قانون ''قوت شفا'' کے متعلق جاننا چاہئے مرض بذاتِ خود کوئی شے نہیں ہے، صرف صحت ایک حقیقت ہے اور اس کے قائم نہ رہنے کا نام مرض ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے جھوٹ اور برائی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ بلکہ حقیقت سچائی اور نیکی کا نام ہے۔ جس سچائی اور نیکی کی نفی ہوتی ہے وہاں پر جھوٹ اور برائی کی شکل میں پیدا ہو جاتی ہے۔ حقیقت میں صحت ایک قانون فطرت ہے جو قدرت کے ماتحت عمل کرتا

ہے جس کی تعریف یہ ہے کہ جب جسم انسان کے اعضاء خاص طور پر مفرد اعضاء (انسجہ) خون (اخلاط و کیفیات) اور نفسیاتی اثرات (جذبات) اعتدال پر قائم رہیں اس کا نام صحت ہے۔ جب اعضاء میں بگاڑ، خون میں تغیر اور جذبات میں خرابی واقع ہو جاتی ہے تو اس کا نام مرض رکھ دیا جاتا ہے۔ جاننا چاہئے کہ

① نفسیاتی بگاڑ ایک وقتی اثر ہوتا ہے جو جذبات کے اثرات سے پیدا ہوتا ہے اور منٹوں میں ختم ہو جاتا ہے۔ بعض اوقات گھنٹوں اور دنوں تک چلا جاتا ہے۔ شاید ہی ایسا ہوتا ہے کہ عمر بھر ایک ہی جذبہ قائم رہے۔ بہرحال ہر صورت میں اپنے تاثرات خون میں چھوڑتا رہتا ہے۔ یہاں یہ بھی یاد رکھیں کہ کسی جذبہ اور نفسیاتی اثر کا اظہار کسی نہ کسی عضو کے فعل میں کمی بیشی کے بغیر نہیں ہو سکتا۔

② اعضائے جسم کے افعال کی خرابی جو کیفیات کے تحت پیدا ہوتی ہے وہ فوری طور پر واقع ہو وہ بھی دائمی نہیں ہوتی بلکہ گھنٹوں تک محدود ہوتی ہے۔ پھر خرابی کے اثر کے مطابق جلد ختم ہو جاتی ہے۔ البتہ یہ خرابی بھی خون میں اپنا اثر چھوڑ جاتی ہے۔ یہ دونوں خرابیاں اگرچہ مختلف ہیں لیکن اعضاء کے افعال میں کمی بیشی کے اظہار کی وجہ سے ایک صورت معلوم ہوتی ہے۔ ان کو جسم کے مشینی اثرات کہا جاتا ہے۔ جب تک یہ قائم رہتی ہے خون میں ان کا اثر شامل ہوتا رہتا ہے۔

③ خون میں تغیر ایک دائمی تبدیلی ہے جو مشکل سے پیدا ہوتی ہے اور دیر سے ختم ہوتی ہے۔ یہ زیادہ تر مادی اثرات سے پیدا ہوتی ہے جو کھانے پینے کی اشیا کا نتیجہ ہے۔ البتہ اس میں اعضاء کے افعال اور نفسیاتی اثرات کے تحت کیفیات کے اثرات شامل ہو جاتے ہیں۔ ان کو جسم کے کیمیاوی اثرات کہا جاتا ہے۔

جاننا چاہئے کہ جسم میں یہی تینوں قسم کے اثرات پیدا ہوتے رہتے ہیں: ① نفسیاتی ② عضلاتی افعال ③ دموی تغیرات۔

اوّل دونوں مشینی اثرات ہیں۔ تیسرا کیمیاوی تغیر ہے۔ مشینی اثرات وقتی طور پر پیدا ہوتے ہیں اور فوری طور پر ختم ہو جاتے ہیں۔ کیمیاوی تغیرات مشکل سے پیدا ہوتے ہیں اور دیر سے تبدیل ہوتے ہیں۔ ان کے اعتدال کا دوسرا نام صحت ہے اور اعتدال کے بگڑ جانے کا نام مرض ہے۔

جاننا چاہئے کہ صحت کا قیام اس کیمیاوی ترتیب پر منحصر ہے جو خون میں قائم ہے۔ تمام اعضاء اس کے مطابق اپنے افعال انجام دیتے ہیں اور انسانی جذبات اس کے مطابق اُبھرتے ہیں۔ دوسرے الفاظ میں زندگی و قوت اور عادت (اخلاق) خون کی صحیح کیمیاوی ترتیب (مرکب) پر قائم ہیں۔ بس یہی صورت ہے اور خون کی یہ صحیح کیمیاوی ترتیب بگڑ جاتی ہے۔ چاہے وہ بگاڑ نفسیاتی جذبات کے اثرات ہو یا اعضاء کے افعال کی کمی بیشی سے ہو یا مادی تغیرات سے خون میں کیمیاوی تبدیلی پیدا ہو جائے۔ بہرحال خون کی ترکیب (مرکب) میں فرق پیدا ہو جاتا ہے بس یہی مرض ہے۔ اس مرض سے جسم میں جو حالات پیدا ہوتے ہیں، وہی اس کی علامات ہیں۔ یہ علامات عضوی و کیفیاتی بھی ہوتی ہیں اور مادی و نفسیاتی بھی ہوتی ہیں۔ ان میں بعض شدید ہوتی ہیں اور بعض لطیف معلوم ہوتی ہیں۔ مریض اکثر شدید علامات کی تکلیف کا اظہار کرتا ہے اور انہی کو مرض کا نام دیتا ہے۔

علاج کی صورت میں معالج بھی مریض کی تکلیف کے زیر اثر اپنی کامیابی کے پیش نظر انہیں علامات کو رفع کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اوّل تو وہ کامیاب نہیں ہوتا، اگر کسی حد تک کوئی علامت کم بھی ہو جائے یا تکلیف رُک جائے تو تھوڑے عرصہ بعد پھر نمودار ہو جاتی ہے۔ بلکہ پہلے سے بھی زیادہ شدت کے ساتھ لوٹ آتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ معالج ماہیت سے واقف نہیں ہے اور نہ ہی صحت کے صحیح قانون کا اس کو علم ہے اس لئے اس کے پاس قوت شفا نہیں ہے اور نہ ہی وہ دست شفا رکھتا ہے۔

جاننا چاہئے کہ صحت کسی علامت واثر اور تکلیف کے رفع کرنے کا نام نہیں ہے۔ بلکہ صحت کی اس حالت کو لوٹانے کا نام ہے جس سے خون کی صحیح کیمیاوی ترکیب (مرکب) قائم ہو جائے۔ یہی قوت شفا ہے۔ جب قوت شفا قائم کرنے کی کوشش کی جاتی ہے اس سے نہ صرف اعضاء کے مشینی افعال اور خون کی کیمیاوی درست اور تکالیف بھی دور ہو جاتی ہیں، بس اسی کا نام صحت ہے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ کون سے طریق علاج میں صحت کو حاصل کرنے کے لئے قوت شفا کو مدنظر رکھا گیا ہے جہاں تک فرنگی طب (میڈیکل سائنس) کا تعلق ہے وہ صرف ان علامات واثرات اور تکالیف کو دور کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ جو ظاہر اور باطن جسم میں اس کو معلوم ہوتی ہیں۔ لیکن مجموعی طور پر خون کی کیمیاوی ترتیب اور افعال الاعضاء کو کلی طور پر مدنظر نہیں رکھا جاتا۔ زیادہ سے زیادہ ان کے زہروں کو خون کے اندر معلوم کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

جاننا چاہئے کہ جراثیم اور ان کے زہر خون کے اجزا نہیں ہیں اور نہ ہی حالت صحت میں خون پائے جاتے ہیں۔ اگر ان کو باعث مرض قرار بھی دے دیا جائے اور ان کو اینٹی سپٹک (دافع زہر) ادویات سے دور بھی کر دیا جائے تو بھی خون کی وہ صحیح کیمیاوی ترتیب پیدا نہیں ہو سکتی، جس کا نام قوت شفا ہے۔ اس کے بغیر صحت کا حصول ناممکن ہے۔

دوسرا طریق علاج، علاج بالمثل (ہومیوپیتھی) ہے۔ اس میں سرے سے مرض کا تصور ہی نہیں ہے۔ اس کی ماہیت (پیتھالوجی) کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ان کے ہاں صحت کا کوئی مقام ہی متعین نہیں کیا گیا تو پھر بھلا وہ خون کی صحیح کیمیاوی ترکیب کو کیا سمجھ سکتے ہیں۔ ان کے علاوہ ان کے ہاں اعضاء کے افعال وغذائی خواص اور مادی اثرات ونفسیاتی کیفیات کے جسم پر اور ان کے باہمی تعلقات پائے ہی نہیں جاتے۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا مریض کی کسی علامت کو رفع کرنے سے خون کے اندر صحیح کیمیاوی ترتیب پیدا ہو سکتی ہے۔ نہیں! ہرگز نہیں! بلکہ ادویات تو مادی کے بجائے روحانی خوراکوں میں استعمال کرائی جاتی ہیں۔ اس صورت میں مادی شے کے اضافہ کا سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا۔ پھر خون میں تبدیلی کیسے پیدا ہو سکتی ہے۔ اس لئے ایسے حالات میں قوت شفا کا قائم کرنا ممکن ہی نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہومیوپیتھی میں چند علامات رفع کرنے کے علاوہ کسی مزمن وپیچیدہ بلکہ حقیقی طور پر کسی مرض کا یقینی اور بے خطا علاج نہیں ہے۔ زبانی زبانی کیور کمانڈ (قوت شفاء) کا دعویٰ بے معنی ہے۔

ایلوپیتھی (فرنگی طب) اور ہومیوپیتھی (علاج بالمثل) کے علاوہ اور بھی چند چھوٹے موٹے طریق علاج ہیں جن میں سے بایوکیمک، ہائیڈروپیتھی (پانی اور بھاپ سے علاج)، سائیکوپیتھی (تجزیہ نفس سے علاج) وغیرہ وغیرہ سب فرنگیوں کی پیداوار ہیں۔ ان سب میں قوت شفا کا نام تک نہیں ہے۔ اوّل تو ان کو طریق علاج کہنا ہی غلط ہے بلکہ طریق علاج کے نام کی ذلت ہے۔ صرف چند علامات کو رفع کر دینے کا نام علاج نہیں ہو سکتا۔ جیسے بعض لوگ فاقہ کرنے کو علاج کہتے ہیں۔ موسیقی کو علاج کرنے میں شامل کرتے ہیں۔ مذہبی کتب و آیات اور مذہبی عبادتیں اور منتر کو روحانی علاج کا درجہ دیتے ہیں۔ اسی طرح تعویز گنڈا اور جھاڑ پھونک کو بھی علاج میں شامل کر لیا گیا ہے۔ یہ بھی علاج کی شان کے منافی ہے اور نہ ہی ان میں اصول صحت ہیں اور نہ ہی یہ قانون فطرت کے مطابق ہیں۔ ان میں قوت شفا کا پایا جانا ناممکن ہے۔

ہم نے قانون شفا بیان کر دیا ہے۔ ہر طریق علاج کو اس کسوٹی پر پرکھا جا سکتا ہے۔ اگر کوئی قوت شفا کے اس قانون کے علاوہ کوئی اور قانون پیش کرے جس میں قوت شفا ہو تو ہم اس کو چیلنج کرتے ہیں۔

اب آپ کے سامنے دو عدد ایسے طریق علاج پیش کرتا ہوں جن کی بنیاد ہی قوت شفا پر رکھی گئی ہے۔ کوئی صاحب علم و اہل فن یا سائنس دان مندرجہ بالا قانون یا سائنس کے کسی قانون کے تحت ان کی اس قوت شفا کی خوبی کو غلط ثابت نہیں کر سکتا اور نہ ہی ہماری تحقیق قوت شفا سے انکار کر سکتا ہے۔ یہ معجزہ ہماری تحقیقات نظریہ مفرد اعضاء کا ہے۔ جس نے حق و باطل میں تمیز پیدا کر دی ہے۔ یہ دونوں طریق علاج جن کی بنیاد قوت شفا پر رکھی گئی ہے اصولی اور مکمل ہیں۔

☆ پہلا طریق علاج طب قدیم کا ہے جس میں صحت کی بنیاد اخلاط اور کیفیات کے اعتدال پر رکھی گئی ہے۔ یعنی جب تک ان کا اعتدال قائم نہیں رہتا صحت قائم نہیں رہ سکتی۔ ان کی تین صورتیں بیان کی گئی ہیں۔

① ان میں کمی بیشی واقع ہو جائے۔

② ان کے مزاج میں خرابی اور نقص پیدا ہو جائے۔

③ ان کے اپنے مقام میں تبدیلی پیدا ہو جائے۔

یعنی خلط اپنے اصل مقام سے اخراج پانے کی بجائے دیگر مقام پر چلی جائے۔ یہ صحت کی بنیاد یا ماہیت مرض طب قدیم کا بنیادی قانون ہے۔ جو قانون فطرت کے تحت عمل کرتا ہے۔ یعنی جب تک اخلاط (خون و بلغم اور صفراء و سودا) اور کیفیات (گرمی و سردی اور تری و خشکی) اعتدال پر ہیں کوئی مرض پیدا نہیں ہو سکتا ہے اور اگر کوئی مرض ہو تو جسم میں ان کا اعتدال قائم کر دیا جائے تو فوراً مرض رفع ہو جائے گا یہی قوت شفا ہے۔

☆ دوسرا طریق علاج آیورویدک کا ہے۔ اس میں صحت کی بنیاد دوشوں (صالح اخلاط) اور پرکرتی (کیفیات) پر رکھی گئی ہے۔ اس کا بھی صحت کے متعلق یہی قانون ہے کہ جب دوش اور پرکرتی اعتدال کے ساتھ قائم رہیں تو صحت قائم رہتی ہے اور جب ان کا اعتدال بگڑ جاتا ہے تو اس حالت کا نام مرض قرار دیا جاتا ہے جس کی تین صورتیں ہو سکتی ہیں۔

① ان میں کمی بیشی واقع ہو جائے۔

② ان کے مزاج میں خرابی اور نقص واقع ہو جائے۔

③ ان کے اپنے مقام اخراج میں تبدیلی پیدا ہو جائے۔

آیورویدک میں یہی صحت کا بنیادی قانون ہے اور یہی ان کے ماہیت امراض کی ماہیت ہے۔ طب قدیم اور آیورویدک کے اخلاط اور دوشوں میں صرف اتنا فرق ہے کہ طب قدیم اخلاط کو چار تسلیم کرتی ہے اور آیورویدک دوشوں کو تین تسلیم کرتی ہے جن کو وات (وایو سے ہے، معنی ہوا، پت یعنی صفرا، کف یعنی بلغم) کہتے ہیں۔ وہ خون کو بھی تسلیم کرتی ہیں جس کو رکت کہتے ہیں۔ لیکن اس کو دوش میں شامل نہیں کرتے۔ البتہ خون کے کیمیاوی تغیر و تبدیلی کو سمجھنے کے لئے ایسی تقسیم کی گئی ہے۔ حقیقت میں کیمیاوی تغیر و تبدیلی کی صورتیں وہی چار ہیں جن پر صحت قائم ہے۔ یہی قوت شفا ہے۔

آخر میں اس مسلمہ حقیقت کا اظہار ضروری ہے کہ صحت کی حفاظت کے لئے جسم میں ایک قوت ہوتی ہے جو ان تمام اثرات کا مقابلہ کرتی رہتی ہے جو جسم کو متاثر کرتے رہتے ہیں۔ ان اثرات میں نفسیاتی و کیفیاتی اور مادی و جراثیمی اثرات عام طور پر قابل ذکر ہیں۔ جب تک یہ قوت قائم رہے صحت قائم رہتی ہے جو جسم کو متاثر کرتے رہتے ہیں۔ ان اثرات میں نفسیاتی و کیفیاتی اور مادی و جراثیمی اثرات عام طور پر قابل ذکر ہیں۔ جب تک یہ قوت قائم رہے صحت قائم رہتی ہے۔ جب یہ قوت کمزور ہو جاتی ہے تو کوئی مرض پیدا ہو جاتا ہے۔ اس

قوت کا نام قوت مدافعت ہے۔ جس کو ایلوپیتھی میں امیونٹی، ہومیوپیتھی میں وائٹل فورس، آیورویدک میں فن، علم نفسیات میں نفس ناطقہ اور ادبی زندگی میں اس کو مائنڈ کہتے ہیں۔ اس کا مقام بھی جسم میں خون ہی تسلیم کیا گیا ہے۔ طب قدیم نے اس کو طبعی روح کہا ہے جو اخلاط کے لطیف بخارات سے پیدا ہوتی ہے۔ یہی جسم کی حفاظت کرتی ہے ماڈرن میڈیکل سائنس نے تسلیم کیا ہے کہ خون میں سالڈ (Solid) ولیکوئڈ (ٹھوس ومحلول) مادوں کے علاوہ گیسیں (بخارات) بھی اس کے اجزاء میں جن میں آکسیجن ونائٹروجن، کاربن اور ہائیڈروجن وغیرہ قابل ذکر ہیں اور جب ان کے کیمیاوی تناسب میں فرق پڑ جاتا ہے تو صحت کا توازن بگڑ جاتا ہے۔

ہم روزمرہ زندگی میں بھی عام طور پر ایک دوسرے سے یہ دریافت کرتے رہتے ہیں: ''آپ کا مزاج کیسا ہے؟'' یا ''آپ کی طبیعت کیسی ہے؟'' یہ اس صحت کے توازن کا ہی ذکر ہوتا ہے جو کیمیاوی تناسب سے ہی قوت مدافعت قائم رکھتی ہے۔ بس جس قانون کے تحت یہ قوت صحت کو قائم رکھتی ہے اسی کا نام قانون قوت شفا ہے اسی سے حقیقی شفا پیدا ہوتی ہے۔

جب یہ ثابت ہو گیا کہ اخلاط یا خون اور اس کے دیگر اجزاء ہی جسم واعضاء خصوصاً مفرد اعضاء کی غذا بنتے ہیں۔ بلکہ مفرد اعضاء مجسم اخلاط ہیں۔ بس مفرد اعضاء (انسجہ-ٹشوز) کے افعال کے اعتدال سے ہی قوت شفاء کا قانون عمل میں رہ سکتا ہے۔ صرف طب قدیم اور آیورویدک ہی ایسے طریق علاج ہیں جنہوں نے غذا کے ہضم سے لے کر اخلاط خون اور اس کے دیگر اجزاء کے بننے تک پھر ان سے ہی مفرد اعضاء مجسم ہوتے ہیں جن کو ماڈرن میڈیکل سائنس میں ٹشوز (انسجہ) کہتے ہیں اور یہ ٹشوز (انسجہ) جسم کے ابتدائی حیوانی ذرات سے تیار ہوتے ہیں۔ جن کو خلیات (سیلز) کہتے ہیں جس کا واحد خلیہ (سیل) ہے۔

بس یاد رکھیں کہ اسی حیوانی ذرہ کا اعتدال عمل قانون شفا کی اوّلین اکائی ہے۔ حاصل یہ ہوا کہ اخلاط وخلیات دونوں کیمیاوی اور مشینی طور پر زندگی اور صحت رکھتے ہیں۔ صرف کسی علامت کو رفع کرنے سے کبھی صحت قائم نہیں رہ سکتی۔ بلکہ قانون شفا پر قابو پانے سے مکمل شفا کا ملکہ پیدا ہو سکتا ہے۔

دنیاپور (ضلع ملتان) 3 نومبر 1969ء

محترم حکما اور ڈاکٹر صاحبان، قابل عزت حاضرین اور معزز ساتھیو! میں آپ سب کا شکر گزار ہوں کہ آپ نے مجھے اپنے اس طبی اجتماع کی صدارت کی عزت بخشی ہے۔ آپ لوگوں کو علم وفن طب سے جو ذوق وشوق اور گہرا لگاؤ پیدا ہو گیا ہے، اس کے تحت میں گزشتہ برسوں میں بھی انہی ایام میں یہاں حاضر ہوا تھا۔ اگرچہ دُنیاپور ایک دور افتادہ مقام ہے تاہم آپ لوگوں کی اس قدر دلچسپی وتعلق اور جذبہ قابل تعریف ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ علم وحکمت کی روشنی یہاں سے اُبھر کر دُنیا کو مستفید کرے گی۔ شاید دُنیاپور کے نام میں کوئی اس قسم کا راز اور اسرار معلوم ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس نام میں برکت بخشی۔

پہلے سال میں نے آپ کے سامنے جو تقریر کی تھی، اس میں تین باتیں بیان کی تھیں۔

① میں طب قدیم کا نمائندہ ہوں اور میرا تعلق کسی طب جدید یا کسی نئے طریق علاج سے نہیں ہے۔

② طب قدیم جن بنیادوں پر قائم ہے وہ اصولی قدریں ہیں اور نہ صرف سائنسی قدروں کے مطابق ہیں بلکہ قوانین فطرت کے بھی مطابق ہیں۔ جب تک کوئی قوانین کو غلط قرار نہ دے لے وہ طب قدیم کو غلط ثابت نہیں کر سکتا۔

③ فرنگی طب یا ماڈرن میڈیکل سائنس غیر علمی اور غلط ہے۔ یاد رکھیں کہ سائنس اور شے ہے اور ماڈرن میڈیکل سائنس جدا شے ہے۔

دوسرے سال میں نے آپ کے سامنے ایک حقیقت بیان کی تھی جو قدرت کا ایک فطری قانون ہے اور صحت کا ایک راز ہے۔ قدرت کی اس حقیقت و قانون اور صحت کے اس راز کا نام قوت شفا ہے۔ آج کے اجلاس میں میں جو تقریر آپ کے سامنے پیش کروں گا اس کا عنوان قانون شفا ہے، یہ بھی قدرت کا ایک راز ہے۔

دُنیا میں جس قدر طریق ہائے علاج پائے جاتے ہیں ان میں سے ہر طریق علاج کا یہی دعویٰ ہے کہ وہ سب سے بہتر کامیاب ہے۔ بعض یہاں تک دعویٰ کرتے ہیں کہ ان کے طریق فن میں یقینی تشخیص اور بے خطا علاج کی خوبی پائی جاتی ہے۔ لیکن سالہا سال کے تجربات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ شفا من جانب اللہ ہے۔ یعنی شفا اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے حاصل ہوتی ہے گویا قوت شفا کا مرکز صرف اللہ تعالیٰ ہے اور اللہ تعالیٰ کی مرضی اور منشا کے بغیر کسی کو شفا نصیب نہیں ہوسکتی۔ اس لئے حکیم اور عقل مند معالج مریض کو یہی کہتے ہیں کہ اس کو ان شاء اللہ شفا ہو جائے گی۔ یعنی اگر اللہ تعالیٰ کی مرضی اور منشا شامل حال رہی تو مریض کو ضرور شفاء ہو جائے گی اور اگر اللہ تعالیٰ کی مرضی اور منشا نہ ہوئی تو مریض کو شفا نہیں ہوگی۔ بالکل اسی طرح جیسے کوئی شخص کسی دوسرے شخص سے وعدہ کرتا ہے تو کہتا ہے کہ ان شاء اللہ یہ وعدہ پورا ہوگا۔ یعنی اگر اللہ تعالیٰ کی مرضی اور منشاء ہوئی تو یہ وعدہ پورا ہوگا، ورنہ نہیں۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ حکیم و عقل منداور دیگر اشخاص جو ان شاء اللہ تعالیٰ کہہ کر اللہ تعالیٰ کی مرضی اور منشاء پیش کرتے ہیں خود نہ تو ان شاء اللہ کی حقیقت سے واقف ہیں اور نہ ہی منشائے الٰہی کی رمز سے آگاہ ہوتے ہیں اور ہاتھ پاؤں چھوڑ کر بیٹھ جاتے ہیں کہ دیکھیں کہ منشائے ایزدی سے کیا ظہور میں آتا ہے۔

جاننا چاہئے کہ ان شاء اللہ تعالیٰ اور منشائے الٰہی کے ذکر کا مقصد قانون قدرت و اصول فطرت اور سنت الٰہیہ و عادات خداوندی کی طرف اشارہ ہے کہ جو کچھ اس زندگی اور کائنات میں ہو رہا ہے وہ سب کچھ مرضی رحمٰن اور منشائے رحیم کے بغیر نہیں ہو رہا ہے۔ ہم کو اپنا ہر فعل و عمل اس کی مرضی و منشا اور عادات اور اخلاط کے مطابق انجام دینا چاہئے۔ صرف زبانی ان شاء اللہ تعالیٰ اور رضائے الٰہی کہہ دینا کافی نہیں ہے۔ خداوند کریم نے انسان کو زندگی اور کائنات کی ہر شے کی حقیقت ماہیت اور افعال و اثرات کا علم دیا ہے اور ساتھ ہی یہ تاکید کی ہے کہ لا تبدیل لخلق اللّٰہ (اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں کوئی تبدیلی نہیں ہے) یعنی اللہ تعالیٰ کی کوئی تخلیق چاہے وہ کوئی شے ہو یا عمل وہ ایک خاص انداز پر پیدا کئے گئے ہیں اپنے خاص عمل پر گامزن ہیں۔ ان کی حقیقت و ماہیت اور عمل میں کوئی تبدیلی نہیں کی جاتی۔ جس طرح ان کی ابتدائی پیدائش اور عمل مقرر کیا گیا تھا، وہی صورت تا حال قائم ہے۔

اسی طرح یہ بھی شدید تاکید کے ساتھ بیان کر دیا گیا ہے کہ لن تجد لسنت اللّٰہ تبدیلا (یعنی اللہ تعالیٰ کے قانون میں ہرگز ہرگز تبدیلی نہیں ہوگی) یعنی زندگی و کائنات کی جس کسی شے یا عمل کا ہمیں علم ہو گیا ہے، ان میں کبھی بھی تبدیلی نہ دیکھو گے۔

یہی وہ قانون ہے جس کو ہم مشاہدہ اور تجربہ کہتے ہیں اور آج کے دور میں اس کو سائنس کا نام دیتے ہیں۔ وہی لوگ قانون قدرت و اصول فطرت اور منشائے الٰہی اور رضائے خداوندی پر عمل کر رہے ہیں۔ ایسے ہی لوگ عقلمند و حکیم اور دور اندیش ہیں۔ ایسے ہی لوگ اس وقت تک کسی شے اور عمل کو فعل میں نہیں لاتے جب تک اس کی ماہیت اور حقیقت سے واقف نہ ہو جائیں۔ بس یہی وہ لوگ ہیں جو زندگی میں کامیاب ہیں۔

صحت کا قیام بھی قانون فطرت کے عین مطابق ہی ہوتا ہے۔ کیونکہ انسان بھی فطرت کے مطابق پیدا ہوا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ انسانی صحت کو قائم رکھنے کے لئے اس قانون کو جاننا پڑے گا جس کے تحت انسانی صحت قائم ہے۔ جب تک اس قانون کا علم نہیں ہوگا۔

اس وقت تک صحت قائم نہیں رہ سکتی۔ بلکہ جب کوئی انسان مریض ہوگا اس کو صحت کی طرف لوٹانا مشکل ہو جائے گا جن طریق علاج کا دعویٰ ہے کہ وہ بہتر اور کامیاب ہیں، دیکھنا یہ ہے کہ کیا وہ قانون فطرت کے مطابق بھی ہیں۔ اگر ان کا قانون فطرت سے کوئی تعلق نہیں ہے تو پھر ان کا یہ دعویٰ غلط ہے کہ وہ بہتر ہیں۔

صحت کا فطری قانون یہ ہے کہ وہ مشینی طور پر اعضائے جسم کے صحیح افعال اور کیمیاوی طور پر خون کے مکمل قوام اور مقدار پیدا ہو جائے اور جب بھی مشینی طور پر کسی عضو کے افعال میں افراط وتفریط اور ضعف پیدا ہو جائے یا کیمیاوی طور پر خون کے قوام ومقدار اور مزاج میں خرابی واقع ہوگی تو مرض پیدا ہو جائے گا اور جو طریق علاج بھی مشینی اور کیمیاوی طور پر جسم کو اعتدال پر قائم کر دے گا وہی علاج قانون فطرت کے عین مطابق ہوگا اور وہی طریق علاج بہتر اور کامیاب ہے بلکہ یقینی اور بے خطا ہے۔

اس وقت دُنیا میں جس قدر طریق ہائے علاج رائج ہیں ان میں سب سے زیادہ فرنگی طب (ایلوپیتھی) کا دور دورہ ہے، کیونکہ یہ تمام دُنیا پر چھایا ہوا ہے اور اس کا دعویٰ ہے کہ وہ ماڈرن ریسرچڈ واصولی ہے۔ لیکن جہاں تک اس کی تشخیص اور علاج کا تعلق ہے، وہ نہ صرف ان علامات اور تکالیف کو دور کرنے کی کوشش ہوتی ہے جو ظاہری اور باطنی طور پر جسم میں اس کو معلوم ہوتی ہیں، لیکن جہاں تک خون کے کیمیاوی اثرات اور اعضاء کے افعال کا تعلق ہوتا ہے ان کو کلی طور پر مدنظر نہیں رکھا جاتا۔ زیادہ سے زیادہ جراثیم کے زہروں کو خون کے اندر معلوم کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

جاننا چاہئے کہ جراثیم اور ان کا زہر خون کے کیمیاوی اجزاء نہیں ہیں اور نہ ہی حالت صحت میں خون کے اندر پائے جاتے ہیں اور نہ ہی وہ ادویہ خون کے کیمیائی اجزاء ہیں جن سے جراثیم اور ان کے زہروں کو فنا کیا جاتا ہے۔ اگر ان جراثیم اور ان کے زہروں کو باعث مرض قرار بھی دے دیا جائے اور ان کو دافع زہر ادویہ سے دور بھی کر دیا جائے تو بھی خون کی وہ صحیح کیمیاوی ترکیب اور اعضاء کے افعال میں اعتدال پیدا نہیں ہوتا ہے جس کا نام صحت وشفا ہے۔

دوسرا طریق علاج بالمثل (ہومیوپیتھی) ہے، اس میں سرے سے مرض کا تصور ہی نہیں ہے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ان کے ہاں صحت کا کوئی مقام متعین ہی نہیں ہے، جن کو انہوں نے قائم کرنے کی کوشش کرنی ہے۔ وہ تو صرف علامات دیکھتے ہیں اور ان کو رفع کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ جس کا تعلق نہ خون کے کیمیاوی اجزاء کے ساتھ ہے اور نہ ہی اعضاء کے افعال کے ساتھ ہے، ان کی ادویہ اس قدر تقلیل میں استعمال کی جاتی ہیں کہ کسی چیز کے اضافے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اور یہ حقیقت مسلمہ ہے کہ کسی علامت کو رفع کرنے سے خون کے کیمیائی اجزاء میں ہرگز کسی قسم کی کوئی تبدیلی پیدا نہیں ہو سکتی۔

طب قدیم جس کو طب یونانی اور طب اسلامی بھی کہتے ہیں جس میں صحت کی بنیاد اخلاط وکیفیات اور مزاج پر رکھی گئی ہے، یعنی جب تک ان میں اعتدال قائم ہے اس کا نام صحت ہے، ان کے اعتدال کے بگڑ جانے کا نام مرض قرار دیا گیا ہے۔ یہ اخلاط چار ہیں: ① خون ② بلغم ③ صفرا ④ سودا۔

اسی طرح کیفیات بھی چار ہیں: ① گرمی ② سردی ③ تری ④ خشکی۔

پھر ہر خلط کا ایک مزاج مقرر ہے۔ پھر تمام اخلاط کا جسم انسان میں اعتدال اضافی مقرر کیا گیا ہے۔ جس پر انسانی صحت کا قیام ہے۔ امراض کے علاج کی صورت میں صحت کے اسی مقام کو قائم کرنے کی کوشش کی جاتی ہے اور یہی صحت کا فطری قانون ہے۔ قابل ذکر حقیقت یہ ہے کہ مقام صحت جسم انسانی کے مزاج کے اعتدال کو بیان کر دینا ہی کافی نہیں سمجھا گیا ان کے علاوہ ہر عضو کا مزاج ہر مرکب عضو کا

مزاج انسانی جذبات کے مزاج وغیرہ میں اخلاط سے لے کر اعضا اور جذبات تک ہم آہنگی قائم رہے تاکہ حالت صحت میں اس ہم آہنگی کو قائم رکھا جائے اور مرض کی حالت میں مزاج کی اس ہم آہنگی کو قائم کیا جائے۔ تاکہ صحت لوٹ آئے۔ یہی علاج کی غرض و غایت ہے بلکہ اس مزاج کے قیام کا کمال ہے کہ ہم عام زندگی میں جب ایک دوسرے کو ملتے ہیں تو یہی دریافت کرتے ہیں کہ ''آپ کا مزاج کیا ہے؟'' جس سے جسم و جذبات اور روح کے اعتدال کو معلوم کیا جاتا ہے۔ گویا ان کا مزاج اور طبیعت درست ہے اور صحت قائم ہے۔

تحریک تجدید طب میں تحقیقات کے بعد یہ ثابت کیا گیا ہے کہ اخلاط مجسم ہوتے ہیں تو مفرد اعضاء انسجہ (ٹشوز) بن جاتے ہیں جن سے مرکب اعضاء ترتیب پاتے ہیں۔ جن کے افعال پر صحت قائم ہے۔ اس لئے اگر اخلاط کی بجائے مفرد اعضاء کو بھی مدنظر رکھ کر مزاج کے اعتدال کو قائم کیا جائے تو بھی صحت قائم ہو جاتی ہے، کیونکہ اس سے ایک طرف اخلاط کا اعتدال قائم ہو جاتا ہے اور دوسری طرف مرکب اعضاء کے افعال درست ہو جاتے ہیں۔ بس یہی یقینی تشخیص اور اور بے خطا علاج ہے جس کو دُنیا کا کوئی طریق علاج پیش نہیں کر سکتا اور نہ ہی اس کو غیر علمی اور غیر اُصولی کہہ سکتا ہے اور یہی طریق علاج موجودہ ایٹمی دور کا ساتھ دے سکتا ہے۔ یہی تجدید کا کمال ہے۔

لاہور اپریل 1971ء

کو نوری شفاخانہ بالمقابل ریلوے اسٹیشن لاہور- افتتاح کے موقع پر تقریر کرتے ہوئے حکیم انقلاب المعالج صابر ملتانی صاحب نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ طب یونانی کی سربلندی کے لئے نوری شفاخانہ کا افتتاح ہو رہا ہے۔ جو حقیقی معنوں میں طب یونانی کے اصولوں کے مطابق کیفیات و اخلاط کے تحت ہے۔

آپ نے فرمایا کہ طب یونانی کو جنگلی، وحشی اور زمانہ کا ساتھ نہ دے سکنے کا خیال کرنے والے غلطی پر ہیں۔ بلکہ سچی بات تو یہ ہے کہ اتنی خوبیاں اور اچھائیاں کسی دوسرے طریق علاج میں نہیں ہیں۔ ایلوپیتھی اور ہومیوپیتھی طریق علاج علامات کو دبانے کی کوشش کرتے ہیں۔ جو مرض کی مدد اور مریض پر زیادتی ہے۔

آپ نے فرمایا کہ میں طب یونانی ہی کا نمائندہ ہوں اور نظریہ مفرد اعضاء بھی طب یونانی ہی کا ایک اصول ہے جس کے تحت طب میں تجدید و اصلاح کی گئی ہے۔ طب میں کیفیات و اخلاط کا تعلق اعضاء کے ساتھ ایسا ہی ہے جیسا کیفیات و اخلاط کا تعلق دوا کے ساتھ۔ لیکن مرکب اعضاء کے علاج میں ان کے مفرد اعضاء کے بگاڑ اور افعال کو سمجھے بغیر تمام عضو کی خرابی سمجھ کر علاج کرنے میں فن میں رکاوٹ آگئی جس کو نظریہ مفرد اعضاء کی روشنی میں سمجھا اور دور کر دیا گیا ہے۔ آپ نے مثالیں دیتے ہوئے کہا کہ دماغ کا مزاج سرد تر ہے۔ لیکن چہرہ جو دماغ سے متعلق ہے۔ نہ ہی معدہ و امعاء مفرد ہیں، اس لئے دوران علاج یہ سمجھنا بہت ضروری ہے کہ کس مفرد عضو کی خرابی ہے جب تک یہ نہ سمجھا جائے گا اس وقت تک اکسیر ہاضم و تریاق سینہ وغیرہ کے مرکبات بالکل بے اثر ثابت ہوں گے۔

جناب صابر ملتانی صاحب نے نوری شفاخانہ کو دنیا میں اپنی نوعیت کا واحد شفاخانہ قرار دیتے ہوئے کہا کہ یہ صحیح ترین طریق علاج کا علمبردار اور طب اسلامی کا ترجمان ہے۔ ہمارے ملک کی مسجدوں، ٹرسٹ اور اوقاف کو چاہئے کہ نوری شفاخانہ کی پیروی میں وہ بھی ایسے شفاخانے کھولیں تاکہ عوام کی خدمت بہتر طریقے پر ہو سکے۔

آپ نے فرمایا کہ مسکنات و مخدرات دینا کوئی علاج نہیں ہے۔ نوری شفاخانہ میں کیفیات و اخلاط کے مطابق مفرد اعضاء کی خرابی کا علاج ہوگا، یہی یقینی علاج ہے۔ نوری شفاخانہ کے معالج علامات کو دبانے کی کوشش نہیں کریں گے، کیونکہ علاماتی علاج عارضی اور

وقتی ہوتا ہے۔ ہم ایسے تمام طریقہ ہائے علاج کو غلط سمجھتے ہیں۔ زبانی نہیں بلکہ تحریری چیلنج ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ نوری شفاخانہ کے ذریعہ یہ بات معلوم ہو جائے گی کہ صحیح طریق علاج نظریہ مفرد اعضاء کے تحت ہی کیا جا سکتا ہے اور نظریہ مفرد اعضاء کوئی نیا طریق علاج نہیں ہے بلکہ طب یونانی کا ایک قانون ہے کہ جب اخلاط مجسم ہوں تو مفرد اعضاء بنتے ہیں اور اعضاء کے بگاڑ سے مرض پیدا ہوتا ہے۔

آخر میں آپ نے نوری جماعت کے اراکین کو مبارک باد دی اور کہا کہ میں ان کی حقیقت پسندی کی داد دیتا ہوں اور یقین دلاتا ہوں کہ جس طرح اس مسجد و دواخانہ کا افتتاح بزرگ ہستیوں کے ہاتھوں ہو رہا ہے اسی طرح اس کے نتائج بھی اچھے ہوں گے اور افادیت کے لحاظ سے یہ دنیا میں اپنی نوعیت کا واحد یونانی شفاخانہ ثابت ہوگا۔

دنیا پور 26 اکتوبر 1971ء

محترم صدر اور معزز حاضرین! مجھے بے حد مسرت ہوئی ہے کہ میں نے آپ لوگوں کو چوتھی بار دیکھا ہے۔ دراصل میرے آنے کا باعث آپ دوستوں کی محبت اور جذبہ خدمت فن ہی ہے، جس کی تسکین اور شوق کو بلند کرنے چلا آتا ہوں۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ جس علم و فن میں تجدید و احیاء کا سلسلہ قائم نہیں رہتا وہ فنا اور ختم ہو جاتا ہے، کیونکہ دنیا میں ہمیشہ تغیر و تبدل ہوتا رہتا ہے اور نئی نئی دریافتیں بھی ہوتی رہتی ہیں جن کو علم و فنون کی کلیات و جزئیات سے جوڑنا، نکھارنا اور ان میں حسن پیدا کرنا پڑتا ہے۔ باقی علوم کو تو چھوڑیئے۔ خود دین میں بھی تجدید ہوتی رہتی ہے اور اس بارے میں مذہب اسلام کی چودہ سو سالہ تاریخ ہمارے سامنے ہے۔ مثلاً امام غزالی نے فلسفہ یونان کی یلغار کو روکا اور اس کے متبادل زمانہ کے حالات کے مطابق دین کو سمجھایا۔ اسی طرح اگر سیاست، اخلاق، حکمت، فلسفہ اور معاشرت کی طرف توجہ نہ دی جائے تو یہ علوم بھی رفتہ رفتہ ختم اور فنا ہو جاتے ہیں۔

ایک بات جو خاص طور پر توجہ طلب ہے وہ یہ ہے کہ فنون کی تجدید و احیاء و بقاء و ارتقاء کی طرف اسی وقت توجہ دی جاتی ہے یا ان کی ضرورت اسی وقت محسوس ہوتی ہے جب کبھی کسی متبادل متحارب یا مخالف نظام سے ٹکر ہو جائے۔ اسلام میں بھی تجدید اسی وقت ہوئی جب دیگر فلسفوں نے اس سے ٹکر لی اور اماموں نے ان کی غلطیوں کو واضح کیا اور اسلام کی خوبیوں کو نمایاں کیا۔

میں نے طب قدیم میں تجدید و احیاء کا کام کیا ہے، یہ علم و فن ہزاروں سال پرانا ہے۔ بابل و نینوا، مصر و چین اور یونان و ہند وغیرہ کی مختلف تہذیبوں میں یہ فن زمانہ کی رفتار کے ساتھ ساتھ ترقی کرتا چلا گیا جو اسلام کی روشنی سے منور ہو کر تمام عالم میں ایک نئی آب و تاب سے پھیل گیا، اس کی ٹکر کسی متبادل نظام سے نہیں ہوئی تھی، لیکن انگریز کی روباہی اور مکارانہ ذہنیت کے مظاہرہ کے ساتھ دیگر فنون کی طرح اس فن کو بھی حادثہ پیش آیا۔ خاص کر ہمارے ملک میں جب فرنگی دھوکے باز فاتح کی حیثیت سے وارد ہوا تو اس نے یہاں کے باشندوں کو ذہنی و علمی اور فنی غرض کہ ہر لحاظ سے غلام بنانے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی اور یہ حقیقت ہے کہ غلاموں کے علوم و فنون، سیاست و معاشرت، معیشت اور اخلاق غرض کہ سب کچھ فاتح کی مرضی کے تابع ہوتا ہے۔ اسی طرح فرنگی کی آمد سے فرنگی کا علم و فن سیاست و اخلاق اس تیزی سے پھیلنے لگا کہ ملک میں اس کے نتیجہ میں عیسائی پیدا ہونے لگے اور عیسائیت کو فروغ ملنے لگا۔ اس کی سیاست کے ساتھ ساتھ معاشرہ میں ان کا فلسفہ اور ملک میں ان کا طریق علاج رائج ہوا۔ ہر فرد ان راہوں کو کھوجنے لگا جن سے مل کر اس کا مرتبہ بلند اور حکومت سے تعلق ہو۔ اس لئے حکومت کی ہر جائز و ناجائز بات تسلیم کی جانے لگی۔ محکوم قوم نے اس کا پاس وضع قطع، اخلاق سیاست و معاشرت اور فنون کو اندھا دھند اپنا لیا اور نتیجتاً اپنے علوم و فنون فراموش کر بیٹھی۔ ہمارے اچھے اور ذہین لوگ ختم ہوتے چلے گئے اور نئی نسلوں نے ایم اے وغیرہ کر کے

باہر جانا شروع کر دیا۔ ملک میں واپس آ کر دیکھا کہ فرنگی اپنی تہذیب میں رنگے ہوئے ان نوجوانوں کی توقیر کرتا ہے تو انہوں نے اپنی تہذیب وتمدن کو چھوڑ دیا اور فرنگی تہذیب کو پھیلانے میں اپنی تمام توتیں صرف کر دیں۔ سائنس کو اس طرح پیش کیا جانے لگا کہ گویا یہ مذہب سے بھی بلند و برتر ہے جس کی چکا چوند کو ہمارے علماء فقہاء نے بھی قبول کر لیا اور دین میں کمال رکھنے والوں نے سائنس کے اس سیل رواں کے سامنے سر جھکا دیا۔ لیکن یہ سب کچھ غلامانہ ذہنیت کی بناپر بلا تحقیق ہی کر لیا گیا۔ ورنہ اگر تحقیق کرتے تو قرآن کریم کی عظمت ان پر ظاہر ہو جاتی اور حکمت و سائنس خود قرآن میں نظر آ جاتی۔ لیکن افسوس کہ لوگ اصلی حقائق بھول گئے اور اُلٹا طب قدیم کو جنگلی اور وحشی طریق علاج ثابت کیا جانے لگا۔ یہ ذہنیت مسلسل تین سو سال لگا تار کوششوں سے پیدا کی، جو علم وفن کی موت و تباہی کا پیش خیمہ تھی۔

سب سے بڑے دُکھ کی بات یہ ہے کہ خود اطباء و معالجین اور حکماء نے فن کو نظر انداز کر دیا اور فرنگی طریق علاج کو اپنایا۔ حتیٰ کہ جغادری اور ماہر فن ہونے کے داعی اس سیلاب میں بہہ گئے۔ عوام کا رونا کیا رویا جائے، ہمارے موجودہ طبی بورڈ کے صدر فرنگی ادویہ برتتے ہیں جبکہ انہوں نے ان ادویہ کو طبی کلیات سے نہ تو تطبیق دی اور نہ ہی مزاج و کیفیات کے علاوہ فرنگی طریق پر انہیں سمجھتے ہیں۔ ان کے علاوہ جناب حکیم محمد حسن قرشی نے فن کو تباہ و برباد کر دیا ہے، چونکہ یہ قانون قدرت ہے کہ ہر کمالے راز والے اور ہر زوالے را کمالے۔ اللہ تعالیٰ کے اسی قانون کی صداقت کے لئے طب یونانی کے زوال اور فرنگی طب کے کمال کا جادو توڑنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے مجھے آگے بڑھایا تاکہ فن طب میں از سرنو زندگی پیدا ہو۔ لہٰذا میری زندگی کا مقصد اور تمام تر کوششیں تجدید طب اور احیائے فن کے لئے ہیں۔ میں فن کو زندہ کرنے آیا ہوں۔ کیونکہ فن طب ختم ہو رہا تھا اور دُنیا میں ایک نیا ذہن اُبھر آیا تھا جو شکست خوردہ ذہنیت کا مظاہرہ تھا۔ وہ یہ تھا کہ اب تجدید فن اس کا نام رکھا جائے کہ فرنگی تحقیقات کو بلا کسی اُصول اور قاعدے کے اپنا لیا جائے اور تمام فرنگی ادویات و آلات کو یونانی میں ضم کر دو۔

دوستو! یاد رکھو کہ ہم فرنگی مفردات وادویات اور آلات کے صرف اس حد تک مخالف ہیں جس حد تک ان کی تطبیق نہیں ہوتی۔ ورنہ مفردات و مرکبات یا آلات سے ہمیں کوئی عداوت نہیں ہے۔ وہ نہ پہلے ان کے تھے نہ اب ہیں۔ بلکہ تمام دُنیا کی ادویہ سب کی ملک ہیں۔ لیکن یاد رکھیں کہ طب یونانی اور فرنگی طب میں اُصولی و بنیادی طور پر بعد المشرقین ہے۔ ان بنیادی و اصولی اختلافات کو طے کئے بغیر ہمارے نادان دوستوں نے فن کو برباد کرنا شروع کر دیا اور ایک دوسرے کو خلط ملط کر دیا ہے۔ کیونکہ ان میں سے ایک طب مزاج و اخلاط اعضاء کے افعال کے تحت ازالہ مرض کرتی ہے تو دوسری جراثیم کے نظریہ کے تحت۔ یہ سب اصول ایک دوسری طب میں غلط سمجھے جاتے ہیں۔ پھر طب میں ہزاروں سالوں سے ادویہ کے جو مزاج تھے وہی آج بھی تسلیم کئے جاتے ہیں۔ وہی خواص ہیں لیکن فرنگی طب میں ہر پانچ سال بعد نئی ادویہ و مرکبات کی بازار میں آمد پر پرانی غلط قرار پا جاتی ہیں اور یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ سات ہزار ماہر ڈاکٹروں نے اب یوں ارشاد کیا ہے، کونین اور اسپرو کے ہزاروں مرکبات اس بات کے شاہد ہیں۔ لہٰذا یہ کمال فن نہیں ہے۔ بلکہ زوال فن ہے، طب یونانی میں یہ نہیں ہے کہ اب سات ہزار ڈاکٹر اُٹھ کر کسی چیز کو صحیح یا غلط قرار دے دیں تو وہ تسلیم کر لی جائے بلکہ اس فن کا کمال یہ ہے کہ ہزاروں سال قبل بقراط، رازی، جالینوس اور ابن سینا اجوائن، نمک، مرچ وغیرہ کے جو مزاج و خواص اور افعال و اثرات بیان کر چکے ہیں، انہیں آج تک کوئی نہیں جھٹلا سکا۔

طب یونانی کا مدار مزاج کوئی لمبا چوڑا بھی نہیں ہے جسے سمجھنا ناممکن یا مشکل ہو۔ یہ بڑا موثر اور جامع ہے جسے ہر بچہ و بوڑھا جانتا بھی ہے اور سمجھتا بھی ہے، یہ صرف چار کیفیات ہیں جو گرمی سردی اور خشکی وتری ہیں، یہی بیماری کی وجہ ہیں اور انہی کا اعتدال اور کمی بیشی دور کرنا علاج ہے۔ لیکن فرنگی طب نے چرس، افیون، بھنگ اور دھتورہ جیسی نشلی ادویہ کو معمول بنا رکھا ہے جو نہ صرف عارضی اور علامات کو

رفع کرنے والی دوائیں ہیں بلکہ ردِ عمل کے طور پر مہلک اور تباہ کن اثرات کی حامل ہیں اور اب ان کی مضر سے بے خبر شہر سے دیہاتوں تک وبا کی شکل میں ان کو پھیلا دیا گیا ہے۔

دوستو! فرنگی طب کے پاس ٹی بی، شوگر اور بلڈ پریشر تو چھوڑیئے، نزلہ، زکام کا بھی کوئی علاج نہیں۔ طب یونانی میں جہاں دواؤں کے مزاج ہیں وہاں امراض و اعضاء کے بھی مزاج ہیں جن کا علاج آسان ترین ہے۔ حتیٰ کہ اکثر و بیشتر امراض میں تو حاذق اطباء صرف غذا کے ہیر پھیر سے علاج کر لیتے ہیں۔ اب جو میٹھے سے آرام حاصل کر سکتا ہے اسے کیا ضرورت ہے کہ زہر کھاتا پھرے۔ ہم صرف عضو و پرزہ کے فعل کو از روئے مزاج درست کر دیتے ہیں۔ کیونکہ اعضاء و اخلاط میں کوئی فرق نہیں ہے۔ یہ صرف قوام و استحالہ کا فرق ہے کیونکہ جب اخلاط مجسم ہوتے ہیں تو اعضاء بنتے ہیں۔ اب طبیب جہاں ادویہ کے مزاج سے آگاہ ہے وہاں وہ اخلاط و اعضاء کے مزاج سے بھی واقف ہے۔ لیکن نیا طبقہ ڈاکٹروں کے ٹھاٹھ دیکھ کر فریفتہ ہو جاتا ہے یا سو سو روپے کی دوا اور رقم کا نفسیاتی اثر ہوتا ہے جبکہ سمجھدار حکیم سونف، اجوائن، مکھن وغیرہ سے وہی کام لیتا ہے۔ یہ یورین ٹیسٹ اور معدہ وغیرہ کے ایکسرے کوئی آرام نہیں دیتے۔ بلکہ یہ تو ہماری حکومت کے اغماض کی بنا پر فرنگی کی چاندی بنائی جا رہی ہے۔ کروڑوں روپے کا زرِ مبادلہ برباد کیا جاتا ہے۔ ہم کماتے ہیں اور فرنگی کے حوالے کر دیتے ہیں۔ جو کھاتا اور مزے اُڑاتا ہے۔ حد تو یہ ہے کہ حیوانات کی ادویات ہوں یا فصلوں اور نباتات کے لئے کھادیں، سب کچھ یورپ سے منگوایا جاتا ہے۔ مریض اور گائے کو لگانے کے لئے ٹیکے بھی یورپ سے درآمد کرنے پڑتے ہیں۔ ملکی دوائیں چھوڑ کر غلط طور پر ان کے پیچھے بھاگے چلے جا رہے ہیں اور جب ادھر سے مکمل طور پر مایوس ہو جاتے ہیں تو پھر طبیب کا رُخ کرتے ہیں۔ ہمارے ہاں ایک طبقہ اصحاب غلیظ کا ہے، میری مراد ان بوجھ بجھکڑوں سے ہے جو ان دواؤں کی ترویج کی کوشش اس وقت جزو ایمان سمجھتے ہیں جب وہ یورپ میں بے اثر ثابت ہو کر متروک ہو چکی ہوتی ہیں۔

میں نے احیائے فن کے لئے پچیس سال تک تحقیق کی ہے اور اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے نظریہ مفرد اعضاء کو پا لیا ہے یہ نظریہ کوئی نئی چیز نہیں ہے بلکہ طبی قوانین میں سے ہی ایک قانون ہے۔ کیونکہ تجدید کا مطلب فن کو خس و خاشاک سے پاک کرنا ہوتا ہے۔ کوئی نئی چیز نہیں ہے اور تحقیق کی بنیاد بھی اگر طبی قانون پر ہی ہو تو کامیاب تجدید ہو سکتی ہے ورنہ نہیں۔ اس لئے ہم نے بارہا دوستوں کو دعوت دی ہے اور اب بھی دیتا ہوں کہ یا تو اس سے اچھا نظریہ پیش کریں، میں ان کے ساتھ کام کرنے کو تیار ہوں۔ ورنہ وہ میرے ساتھ آئیں۔ کیونکہ ملک اور قوم کا مفاد اسی میں ہے۔

دوستو! ہم دولت اکٹھی کرنے نہیں بلکہ خدمت کرنے آئے ہیں اور مریضوں کو بھی یہی ہدایت کرتے ہیں کہ حرص و طمع چھوڑ دو۔ اللہ تعالیٰ کو ناراض نہ کرو۔ بھوک ہو تو کھاؤ، بلا ضرورت اور بھوک کے بغیر کھاؤ گے تو امراض کی آماجگاہ بن جاؤ گے اور بلا ضرورت کھانے سے ہاتھ کھینچ لو گے تو اسی وقت سے شفا ہونا شروع ہو جائے گی اور تین دن میں مکمل آرام ملے گا۔ یہ یقینی امر ہے اور اس میں اعجاز مسیحائی ہے۔ یہی قانون فطرت ہے۔

دوستو! ہم زبانی جمع خرچ نہیں کرتے بلکہ ہم نے پہلے بنک میں روپیہ جمع کر دیا اور بعد میں دس ہزار روپے کا چیلنج کیا کہ فرنگی طریق علاج بالکل غلط ہے اور پھر فرنگی طب کی غلطیوں پر ڈیڑھ درجن کتب لکھی ہیں۔ قدرت نے ہمیں فن بخشا ہے اور فنکار، بھکاری یا کسی کا محتاج نہیں ہوتا۔ ہم فن ہی کی لاج کے لئے آج تک امراء و وزراء سے نہیں ملتے بلکہ صحیح راستہ دکھاتے ہیں اور ہم یہ بات دعوے کے ساتھ کہتے ہیں کہ روس و چین اور یورپ و امریکہ سب غلط ہیں، ابتداء میں ہر فرد جب کوئی حقیقت پیش کرتا ہے تو وہ تنہا ہوتا ہے اور رفتہ رفتہ حق پرستوں

کا ہجوم ہو جاتا ہے۔ اسی طرح میں آج تنہا نہیں بلکہ نظریہ مفرد اعضاء کی علمبردار ایک عظیم جماعت میرے ساتھ ہے جو پشاور سے چاٹگام تک ملک کے کونہ کونہ میں پھیلی ہوئی ہے اور اس جماعت کے ممبر طبیب صحیح اُصولوں کو اپنانے کے حامی ہیں، یہ لوگوں سے ہزاروں روپے خرچ نہیں کرواتے، لیکن ہمارے عام اطباء کا یہ عالم ہے کہ نہ انہیں قارورہ کی پہچان ہے اور نہ ہی نبض دیکھنا آتی ہے۔

ہم نے بار بار حکومت کو مشورہ دیا ہے کہ ہائی کورٹ کے ججوں کی نگرانی میں سائنسی اور فنی ماہرین کو بلا کر مناظرہ کروالے۔ ہم فرنگی طب کو غلط ثابت کر دکھائیں گے اور اس غلط فن کو اپنانے سے ملک وقوم کی جو دولت برباد ہو رہی ہے وہ دیگر رفاہی کاموں میں صرف ہو سکے اور قوم کو صحت کی نعمت بھی میسر ہو اور نشیلی ادویہ کا استعمال ختم کرایا جاسکے اور بلا خرچ چند کوڑیوں میں پبلک ہیلتھ بحال کی جا سکے۔ لیکن اس نے اس طرف کوئی توجہ نہیں کی۔ لہٰذا ہم عوام اطباء سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ صحیح فن کو اپنائیں اور دوسروں تک بھی پہنچائیں۔ افسران بالا کو صحیح فن سمجھائیں اور قوم کو کامیاب کرائیں۔ یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ تجدید کے بغیر فن مردہ ہو جاتے ہیں اور ہم نے فن میں تجدید کی ہے جو فطری اصولوں کے عین مطابق ہے اور ساتھ ہی ثابت کیا ہے فرنگی طریق علاج عطائیانہ اور غلط ہے۔ **وماعلینا الا البلاغ۔**

منڈی بہاؤالدین 10 مئی 1970ء

صاحب صدر معزز حاضرین! السلام علیکم

اس جلسے کے متعلق جو مجھے اطلاع پہنچی ہے اس میں خاص طور پر کہا گیا تھا کہ ''رجسٹریشن فرنٹ'' کے متعلق کچھ کہا جائے اس پر ابھی تک کسی دوست نے اپنے خیالات کا اظہار نہیں کیا۔ وقت چونکہ بہت کم ہے اس لئے صرف دو یا تین باتیں میں آپ کے سامنے پیش کروں گا۔ ایک اس کے متعلق، دوسرے طب یونانی کے کمالات کے متعلق اور تیسرے یہ کہ دوسرے طریقہ ہائے علاج پر طب یونانی کو کیا فوقیت حاصل ہے اور ہم کس طرح کامیابی کے ساتھ اس سے پورا پورا فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

سب سے بڑی خوشی کی بات تو یہ ہے کہ آج میں دوسری بار منڈی بہاؤالدین کے ذہین اور محنتی عوام کے پاس حاضر ہوا ہوں، اور اپنے خیالات کا اظہار کر رہا ہوں، اور ان لوگوں کی ذہانت کا یہ حال ہے کہ آپ اندازہ نہیں لگا سکیں گے کہ ان لوگوں نے کتنی زبردست دلچسپی ظاہر کی ہے۔ ان میں جناب حکیم چوہدری ولاور علی، جناب بھلی، جناب حکیم غلام رسول بھٹہ اور جناب حکیم چوہدری فیض احمد قابل ذکر ہیں۔ ہمیں افسوس ہے کہ جناب حکیم چوہدری فیض احمد آج ہم میں نہیں ہیں، اس کے بعد ہم نے دیکھا کہ منڈی بہاؤالدین اور باہر سے لوگ علاج کے لئے وہاں آتے رہے۔ نظریہ مفرد اعضاء سیکھنے کے لئے آتے رہے ہیں اور روز بروز ان کا جوش وخروش بڑھتا رہا اور لوگوں میں نظریہ سے محبت بڑھتی گئی۔ جب سے میں یہاں آیا ہوں دیکھ رہا ہوں کہ یہاں پر شاید ہی کوئی ایسا حکیم ہوگا جو اس طریق کار سے واقف نہ ہو کوئی ایسا شخص ہو جسے اس طریق سے خوشی نہ ہوتی ہو پچھلے اجلاس سے میرا خیال ہے کہ کم وبیش ڈیڑھ ہزار افراد نے اس نظریہ یا طریق علاج سے فائدہ اٹھایا تھا اور اس قدر ہجوم تھا کہ پورے طور پر ان سب کو دیکھ نہ سکا حتیٰ کہ بہت سے مریض ریلوے سٹیشن تک میرے ساتھ گئے۔ یہاں پر کچھ دوستوں نے اس طرح کام کیا ہے اور مریضوں کو سنبھالا ہے کہ تعریف کے قابل ہے، ابھی کچھ وقت پیشتر حکیم افتخار حسین میرے پاس آئے اور میرے پاس رہے، کام دیکھا، پھر یہاں آ کر انہوں نے اس طرح کام کیا ہے کہ دیکھ کر خوشی ہوئی ہے۔

دوستو! ہمارا طریقہ علاج کوئی نیا نہیں ہے بلکہ یہ وہی قدیم یونانی طریق علاج ہے، ہم نے اس میں کوئی نیا اضافہ نہیں کیا، بعض لوگ جو ایسا سمجھتے ہیں وہ بالکل غلط ہیں، اتنی بات ضرور ہے کہ ہم نے اسی طب کو صحیح طریقہ پر درست کر کے لوگوں کے سامنے رکھا ہے تاکہ

وہ اس کو پوری طرح سمجھیں اور اس سے مستفید ہوں۔ اب ضروری ہے کہ ہم اس کو ذمہ دار افسران کے سامنے پیش کریں۔ حکومت کے سامنے پیش کریں اور بتائیں کہ صحیح طریق علاج کیا ہونا چاہئے اور صحیح طریقہ کیا ہے۔ اس کی کارکردگی اور بنیاد پیش کریں۔ اس طرح جب آپ اس چیز کو ان کے سامنے رکھیں گے کہ یہ وہ طریق علاج ہے کہ اس کو سمجھ لینے کے بعد کوئی شخص اس کی سچائی سے انکار نہیں کر سکتا۔ اس سے پہلے ان کے سامنے ایلوپیتھک طریق علاج ہے لیکن اس طب میں ابھی تک انسانی امراض کے اسباب کو صحیح طور پر نہیں سمجھا جا سکا۔ ہر روز نئی نئی بیماریوں اور نئی نئی ادویات کا اعلاج کیا جاتا ہے ابھی تک انہیں نہ امراض پر عبور حاصل ہو سکا ہے اور نہ ادویات پر اس وقت بھی ڈاکٹر جو اگرچہ ولایت پاس ہو یہ نہیں کہہ سکتا کہ فلاں بیماری پر مجھے عبور حاصل ہے یا فلاں بیماری کو مغربی نظریہ علاج میں پوری طرح سمجھ ہی لیا گیا ہے۔ اور اگر وہ نہیں سمجھتا تو اسے کیا حق حاصل ہے کہ کسی کا علاج کرے یہی حال ان کی ادویات کا ہے کہ سوڈا بائی کارب سے لے کر گندھک تک اور ایسے ہی ان چوٹی کی ادویات تک کا ان کو پورا علم نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ وہ لوگوں کو نقصان پہنچا رہی ہیں۔ وہ خود پریشان ہیں کہ بغیر ان ادویات کے ہم کیسے علاج کریں۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ نہ تو وہ امراض سے واقف ہیں اور نہ ادویات سے یہ میں ایسے ہی آپ کے سامنے بات نہیں کر رہا بلکہ آپ سے پانچ سال پیشتر ہی کہہ چکا ہوں کہ آؤ میرے ساتھ بات کرو اور پھر اس کی فیس ان کے نام یا چیلنج کے طور پر دس ہزار روپیہ بنک میں جمع کر دیا ہے کہ جو ہماری بات کو غلط ثابت کر دے وہ دس ہزار روپیہ حاصل کر لے۔ یہ یقینی بات ہے کہ ایلوپیتھک ڈاکٹروں کے پاس امراض کی تحقیق نہیں ہے نہ ادویات کی تحقیق ہے۔ آج ایک دوا ایجاد ہوتی ہے تو چار پانچ سال بعد اس کی جگہ دوسری آ جاتی ہے۔ آج اسپرو آئی ہے تو کل نئی اسپرو آ جائے گی۔ میں کہتا ہوں کہ اگر تمہاری ایک دوا ٹھیک ہے تو پھر اس کو بدلتے کیوں ہو۔

تپ دق کے لئے انہوں نے ہزاروں دوائیں تیار کیں لیکن نہ ان کی قیمتی دوائیں کامیاب ہوئیں نہ ان کے ٹیکے۔ دوسری طرف ہم نے ٹی بی کے لئے دوا تجویز کی ہے جو دو پیسے میں تیار ہو جاتی ہے اور ہم نے اعلان کیا ہے کہ درست اور مقررہ طریق پر جو مریض استعمال کرے اور اسے آرام نہ آئے تو ہم ایک سو روپیہ فی مریض دیں گے۔ آج سے 13 سال پیشتر میں نے اپنی کتاب تحقیقات تپدق وسل کے لئے ایلوپیتھی کو چیلنج کیا تھا کہ آؤ اور اس کو غلط ثابت کرو اور چیلنج کی رقم وصول کر لو لیکن اس طویل عرصہ میں کوئی بھی ایسا نہ کر سکا۔ تو پھر میں پوچھتا ہوں کہ اگر ہمارا طریق علاج ہی صحیح ہے تو پھر مانتے کیوں نہیں۔ یہ کوئی غیر ملکی چیز نہیں ہے۔ روس، امریکہ، چین وغیرہ سے نہیں آئی۔ اپنے ملک کی چیز ہے۔ آپ لوگ سمجھتے کیوں نہیں، غور کیوں نہیں کرتے۔ ٹھنڈے دل سے کیوں نہیں سوچتے۔ ان شاء اللہ ایک وقت آئے گا کہ یورپ اور امریکہ، مشرق اور مغرب تسلیم کر لیں گے کہ ہمارا طریق علاج ہی درست اور صحیح ہے۔ یہ کوئی منطق نہیں ہے۔ یہ سائنس ہے اور ان کی سائنس کے بھی مطابق ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ ہماری بات کو اپنی سائنس پر بھی پرکھ لو۔ اور اگر یہ صحیح ہے تو آؤ اور اسے تسلیم کر لو۔ پھر آخر کیوں نہیں مانتے۔

اب ٹی بی کو لیجئے کہ یہ کوئی بیماری نہیں ہے۔ یہ تو اصل بیماری کی ایک علامت ہے۔ انسان میں آخر کون سا پرزہ خراب ہو جاتا ہے، جب ڈاکٹروں کو یہ پتہ نہیں ہے کہ کون سا پرزہ خراب ہے تو وہ کیسے ٹھیک کریں گے۔ انسانی جسم میں تو ایک مشین ہے اس میں بھی تو پرزے ہیں۔ جب یہ مشین خراب ہوتی ہے تو دراصل کوئی پرزہ ہی خراب ہو جاتا ہے اور وہ یہ پرزہ انسانی جسم میں کیسے داخل کریں یہی حال ان کے دیگر امراض کا ہے۔ یہ ہائی بلڈ پریشر! یہ کون سی بیماری ہے؟ یہ شوگر ہے یہ بھی کوئی بیماری ہے۔ اس کا علاج ہو رہا ہے کہ چینی بند کر دی جائے۔ یہ الرجی ہے! یہ الرجی کیا بیماری ہے؟ کیسے کیسے لغو قسم کے نام دے کر لوگوں کو خوفزدہ کیا جا رہا ہے۔ یہ لوگ ولایت سے ہو کر آتے ہیں اور جو

یہاں ہیں وہ بھی خالی ہیں یہ تو صرف یونانی طب ہے جو اپنے ٹھوس انداز سے سوچتی ہے اور یہ طب یونانی کا کمال ہے کہ جب انگریز یہاں نہیں آیا تھا تو پورے ملک پر یہی طب حاوی تھی بلکہ بیرونی دُنیا میں بھی اس کی قدر تھی، بڑے بڑے حکماء کامیابی سے علاج کر رہے تھے۔ بڑے بڑے راجے مہاراجے ان کے پاس علاج کے لئے آتے تھے کہ دُنیا حیران ہوتی تھی۔ تاریخ بھری پڑی ہے جا کر دیکھو اور غور کرو۔ لیکن جب انگریز یہاں آیا تو اس نے دیکھا کہ ہماری طب یہاں نہیں چلے گی اس نے سوچا کہ اس کا کوئی بندوبست کرنا چاہئے چنانچہ انہوں نے رجسٹریشن کا قانون پاس کر دیا کہ جن لوگوں نے ہم نے علاج سیکھنا ہے۔ انہیں رجسٹرڈ ہونا چاہئے۔ ان کے علاوہ کسی اور کو علاج کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ انگریز نے بڑے بڑے لوگوں کو مجبور کر دیا کہ وہ قدیم حکماء کو چھوڑ کر فرنگی ڈاکٹروں سے علاج کروائیں۔ رجسٹریشن کی حد قائم کر دی گئی کہ اس سے طب یونانی ختم ہو جائے گی۔ یہ 1915ء کی بات ہے، انگریز نے نہ صرف رجسٹریشن کا قانون پاس کیا بلکہ چوٹی کے قابل حکماء کو مار مار کر بھی ختم کر کیا۔ ان پر بڑے بڑے ظلم ڈھائے گئے۔ اس زمانے کے لوگوں میں حافظ حکیم محمد اجمل صاحب قابل ذکر ہیں، انہوں نے اس چیز کو سمجھا اور رجسٹریشن کے خلاف آواز اٹھائی۔

رجسٹریشن سے یہ مقصد تھا کہ انگریز کی حکومت اپنے لوگوں کو اور اپنی طب کو حاوی کرنا چاہتی تھی۔ اپنا اقتدار قائم کرنے کے لئے یہ ضروری تھا کہ اس کی مرضی کے خلاف لوگ مٹا دیئے جائیں۔ ان کا مستقبل ختم کر دیا جائے رجسٹریشن کے لئے اس نے وہ نصاب اور وہ معیار رکھا جو طلباء کے نظریات اور اصولوں کے خلاف تھا۔

اب میں نے ان لوگوں کو جو موجودہ رجسٹریشن کے حق میں تھے سمجھایا کہ آپ لوگ پہلے یہ تو دیکھیں کہ رجسٹریشن کے لئے آپ کا معیار کیا ہے۔ آپ کو رجسٹرڈ ڈاکٹروں کے برابر درجہ دیا جاتا ہے یا کم۔ پہلے اپنا نصاب تو مکمل کر لو، لائبریریاں بناؤ، کالج بناؤ، کالج سے فارغ التحصیل ہونے پر رجسٹریشن ہوتی رہے گی۔ ایک جماعت بناؤ جو تمام پاکستان میں قائم ہو تاکہ وہ جماعت زور دے سکے۔ ایسا کچھ نہیں کیا گیا۔ صرف یہی دیکھا گیا کہ ہم رجسٹرڈ ہو جائیں گے اور حکومت ہم کو تسلیم کر لے گی۔ لیکن رجسٹریشن کا کیا ہے، جو تمباکو بیچتے ہیں وہ بھی رجسٹرڈ ہیں۔ دراصل حکومت یہ چاہتی ہے کہ یہ لوگ اس کے علم میں رہیں۔ لیکن آئندہ کے لئے کیسے اطباء پیدا ہوں گے اس کے لئے حکومت نے یا رجسٹریشن کے حمایتی افراد نے کوئی تجویز پیش نہیں کی۔ بھئی رجسٹریشن تو کوئی شے نہیں ہے اگر آپ اچھے فن کار ہیں تو آپ کو کون روک سکتا ہے۔ رجسٹریشن تو جب ہے کہ آپ اس کے مقابل کو علاج بتائیں۔ لیکن صورت حال یہ ہے کہ جب یہ رجسٹریشن ہے تو اس کے بعد کوئی حکیم نہیں بن سکے گا کہ اب کالج میں کون جائے گا کہ پہلے میٹرک کرے پھر پانچ سال کالج میں پڑھے۔ وقت اور زر کثیر صرف کرے اس کے بعد کیا ملے گا سند ملے گی کہ یہ حکیم ہے۔ رجسٹرڈ حکیم۔ لیکن کیسا حکیم کہ نہ تو کسی کی تصدیق کر سکتا ہے نہ ڈاکٹری سرٹیفکیٹ دے سکتا ہے۔ اس انعام کے لئے کون اس قدر روپیہ اور اتنا وقت ضائع کرے گا۔ ایسا حکیم بننے کی کیا ضرورت ہے، اسی طرح حکیم ختم ہوتے جائیں گے یہی حکومت کا مقصد ہے۔

یہ فرنگیوں کا مقصد تھا کہ یہ فن تباہ ہو جائے۔ اور یہ فن تباہ کیوں ہوا؟ صرف اپنی کوتاہ اندیشی کی وجہ سے۔ اب رجسٹریشن کے ذریعے حکیموں کے بہت سے حقوق چھین لئے گئے ہیں ان کو ادویات کے استعمال سے روک دیا گیا ہے اور بہت سے کاموں کے لئے پابندی لگا دی گئی ہے۔ فرنگی طب کے متعلق دعوے کئے جاتے ہیں حالانکہ اس طب میں اتنی غلطیاں ہیں جو میں نے بیان کی ہیں۔ آپ پڑھیں تو حیران ہو جائیں۔ انہیں تو یہ بھی پتہ نہیں کہ عام قصاب کی طرح جسم پر یعنی عضلات پر کوئی زخم پیدا کئے بغیر اوپر کا پردہ ہی دور کر سکیں۔ جہاں تک ان کے اختیارات کا تعلق ہے وہ علاج کرتے وقت کسی کو جان سے بھی مار ڈالیں تو انہیں کوئی نہیں پوچھتا۔

جہاں تک رجسٹریشن کا تعلق ہے وہ نہ صرف بے سود ہے بلکہ فن کے لئے تباہ کن ہے۔ ایسا رجسٹریشن قانون تو فوراً ختم ہونا چاہئے جب تک کہ اس کا کوئی مقررہ معیار نہ ہو۔ علاج تو وہ شخص کرے گا جس کو استاد سرٹیفکیٹ دے گا اس کی کون سی قدر و قیمت ہے جب تک انہیں ایلوپیتھک ڈاکٹروں کے برابر حقوق نہ دیئے جائیں اس سے کسی شخص کو کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔ دوسری طرف ہم نے طب یونانی کے کمالات کو دُنیا کے سامنے پیش کرنا شروع کر دیا ہے، جس نے اس طب کو سمجھ لیا وہ کامیاب ہے۔ طب یونانی یہ نہیں ہے کہ اس کے پاس فلاں بیماری کا علاج ہے۔ فلاں تریاق یا اکسیر ہے بلکہ دیکھنا تو یہ ہے کہ اس کے اصول کیا ہیں۔ جب تک آپ ان اصولوں کو نہیں سمجھیں گے طب یونانی کبھی سمجھ میں نہیں آئے گی اور کتنے سادہ اصول ہیں کہ مریض کے مزاج کو سمجھا جائے اور مزاج کیا ہیں کیفیات کیا ہیں یہی گرمی، سردی، خشکی، تری جب تک آپ مزاج یا کیفیت کا تعلق نہیں کرلیں گے علاج نہیں کر سکیں گے یہ تو صرف ایلوپیتھی ہے کہ سردرد ہے تو اسپرو دے دی۔ حالانکہ سردرد گرمی سے ہوسکتا ہے، خشکی سے بھی سردی اور تری سے بھی۔ آپ ہر سردرد کو ایک ہی دوا سے نہیں دور کر سکتے ہیں۔ جب بھی آپ علاج کریں آپ کا فرض ہے کہ پہلے مریض کی کیفیت کو سمجھیں۔ ڈاکٹر لوگ نہیں سمجھتے کیونکہ انہیں تو پتہ ہی نہیں ہے۔ آپ بھی ایسا ہی کریں گے تو مریض کو کبھی آرام نہیں آئے گا، بلکہ مرض خراب ہو جائے گا۔ یہی حال ٹی بی کا ہے۔ آپ نے مریض کو سمجھنا ہے۔ یہ دیکھنا ہے کہ اس کو گرمی ہے، سردی ہے، خشکی ہے یا تری ہے۔ یہ کیفیات جب بڑھتی ہیں تو مادے کی شکل اختیار کر لیتی ہیں لہٰذا آپ کے لئے ضروری ہے کہ دیکھیں مریض کا مزاج سرد خشک ہے، سرد تر ہے، گرم خشک ہے یا گرم تر۔ اور یہ کیفیات غذا سے پیدا ہوتی ہیں، جب کوئی غذا کھائی جاتی ہے تو وہ مزاج بنے گی پھر خون میں تبدیلی ہو جائے گی۔ جیسی غذا کھائیں گے ویسی ہی کیفیت خون میں ہوگی۔ یہی حیاتین ہیں۔ ایسے ہی دُنیا میں جس قدر ادویات ہیں ان کے بھی مخصوص مزاج ہیں۔ کیا دُنیا میں ایسی کوئی دوا ہے جس کا کوئی مزاج نہ ہو۔ کیا کوئی ثابت کر سکتا ہے، بالکل نہیں۔ ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا۔ آپ گرم غذا کھائیں گے تو خون میں گرمی پیدا ہوگی۔ صفراء پیدا ہوگا۔ خشک غذا لیں گے تو خون میں خشکی پیدا ہوگی اور خون کا مزاج پورے جسم کا مزاج ہوگا۔ جب تک آپ اس چیز کو نہیں سمجھیں گے، کامیاب نہیں ہوں گے۔ ڈاکٹر کہتے ہیں کہ ہم اخلاط کو نہیں مانتے، صرف خون ہی سب کچھ ہے۔ میں کہتا ہوں کہ ان کی کتابوں میں اخلاط اور کیفیات موجود ہیں۔ میں انہیں دکھا سکتا ہوں کہ وہ چار اقسام کے ٹشوز کو مانتے ہیں: (۱) کنکٹو ٹشوز (۲) اپی تھیلیل ٹشوز (۳) نروز ٹشوز (۴) مسکولر ٹشوز۔

ان چاروں کے مزاج مختلف ہیں اور یہی مختلف مزاج طب یونانی میں اخلاط یا کیفیات کہلاتے ہیں۔ اگر نہیں تو ثابت کریں گے۔ ہم چیلنج کرتے ہیں۔ اب دیکھئے کہ ایک شخص کو نمونیا ہو گیا ہے، وہ کہتے ہیں اس کو سردی ہے۔ اس کا علاج گرم ادویہ سے ہوگا۔ لیکن اگر ہم پوچھیں کہ اس کو ٹھنڈے پانی سے نہلا کیوں نہیں دیتے ہیں۔ چونکہ سردی سے بیمار ہے اس لئے گرمی سے علاج کیا جانا چاہئے وہ اور بات ہے کہ ایلوپیتھی میں ایسے لغو علاج ہوتے رہتے ہیں۔ مثلاً بخار کو ٹھنڈی ہوا اور برف سے دبا دیا جاتا ہے۔ سرد اور گرم بخار میں تمیز نہیں کر سکتے۔ اِدھر بخار تیز ہوا اُدھر مریض کو ٹھنڈ میں ڈال دیا۔ برف میں لگا دیا۔ مریض مر گیا۔

تو میرے بھائی! جب تک آپ اس سردی گرمی اور مزاج کو نہیں سمجھیں گے، آپ مرض دور نہیں کر سکیں گے، جتنے اطباء یہاں موجود ہیں اور جو حضرات یہاں منڈی بہاؤالدین میں کام کر رہے ہیں وہ اگر اس چیز پر قائم ہو جائیں کہ مریض کے مزاج کو سمجھے بغیر علاج نہیں کریں گے اور پھر بھی ان کا کوئی مریض انہیں چھوڑ کر ہسپتال میں داخل ہو جائے تو میں ذمہ دار ہوں جہاں جہاں ہمارے دواخانے ہیں وہاں مریض ڈاکٹروں کو چھوڑ چھوڑ کر ہمارے پاس آتے ہیں۔ ڈاکٹر خود اس پر حیران ہیں کہ میں اس جگہ کا نام لینا نہیں چاہتا۔ بہر حال وہاں کی کمیٹی کے چیئرمین ہمارے حکیموں کے کمالات دیکھ کر میرے پاس آئے۔ ہمارا لٹریچر دیکھا اور پھر میرے شاگرد بن گئے کہ ہمارا پیغام آگے لے جا

سکیں۔ ہماری کتابیں خرید کر لے گئے کہ میں یہ فن سیکھوں گا۔ یہ حقیقت ہے۔ یہ سچائی ہے ایسے ہی میڈیکل لائن کے بہت سے لوگ اور ڈاکٹر آتے ہیں۔ ہمارا طریقہ علاج دیکھتے ہیں یہ طب یونانی کا کمال ہے کہ اس سے آپ کا ایک مریض بھی خراب نہیں ہوگا۔

طب یونانی سے دُنیا کو روشناس کرانے کے لئے میں نے اسے ذرا سا پلٹ کر سامنے رکھ دیا ہے۔ میں اس کو ماڈرن سائنس کے مقابلے میں لے آیا ہوں تا کہ سائنس کی روشنی میں جب ڈاکٹر اس کو دیکھیں تو بے تاب نہ ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ میں نے سب سے پہلے ٹشوز کو پیش نظر رکھا۔ یعنی اپی تھیلیل ٹشوز، کنکٹو ٹشوز، مسکولر ٹشوز اور نروز ٹشوز۔ یہی چاروں ٹشوز ہمارا جسم ہیں، انہی کے مزاج کو میں نے اخلاط پر منطبق کر دیا ہے اور بتایا ہے کہ یہی کیفیات یعنی اخلاط جو چاروں انسجہ کا مزاج ہے۔ یعنی بلغم، سودا، صفرا اور خون جب مجسم صورت اختیار کرتے ہیں تو اعضاء بن جاتے ہیں۔ دوسرے الفاظ میں ٹشوز بن جاتے ہیں۔ انہیں کو میں مفرد اعضاء کہتا ہوں کسی کو اعتراض یا اختلاف ہو تو سامنے آ جائے، کسی ڈاکٹر کو اختلاف ہو تو سامنے بات چیت کرے اور جب بھی چاہے آئے۔ اگر وہ کامیاب ہو تو دس ہزار روپیہ مجھ سے نقد حاصل کرے۔

میں نے دوستوں کو یہی سمجھایا ہے کہ آپ انہی مفرد اعضاء کو مدنظر رکھ کر علاج کریں۔ دِل ایک مفرد عضو ہے ایسے ہی جگر اور دماغ اپنی اپنی جگہ مفرد عضو ہیں۔ ہم انہی کو اعضائے رئیسہ کہتے ہیں۔ جب صفراء زیادہ ہو جاتا ہے تو اس سے اپی تھیلیل ٹشوز بنتے ہیں۔ یعنی جگر گردے اور دیگر غدد بنتے ہیں اس کا نام میں نے رکھا ہے غدی ٹشوز غدی نسیج۔ جب کسی شخص کے جگر میں تحریک پیدا ہوگی تو جسم میں صفراء بڑھے گا۔ بڑی سادہ سی بات ہے جیسے ایک روپے کے سو پیسے یا سو پیسے کا ایک روپیہ۔ ٹشوز یا خلط، خلط یا ٹشوز۔ اخلاط جب مجسم ہوں گے تو اعضاء یعنی ٹشوز بن جائیں گے۔ اور اعضاء یعنی ٹشوز وہی مخصوص کیفیت یعنی خلط پیدا کریں گے۔ بس اتنی سی بات ہے۔ مفرد اعضاء کو سامنے رکھ کر علاج کریں جب آپ کے سامنے ایک مریض ہے جس میں صفرا کی زیادتی ہے۔ آپ دماغ کے ٹشوز کو چھیڑیں گے۔ تحریک دیں گے تو جسم میں بلغم بڑھے گی، اور صفرا فوراً اعتدال پر آ جائے گا۔ ایسے ہی جب آپ جگر کو تحریک دیں گے تو صفرا پیدا ہوگا۔

نظریہ مفرد اعضاء ایک تجدید ہے۔ تا کہ دُنیا کے سامنے ایک کسوٹی رکھی جائے۔ اور اس کسوٹی پر کسی طریق علاج کو پرکھا جا سکے۔ اگر ڈاکٹروں کا طریق علاج ٹھیک ہے تو وہ ٹشوز کو سامنے رکھ کر علاج کریں۔ اگر ہومیوپیتھی ٹھیک ہے تو اسی بنیاد پر علاج کریں۔ طب یونانی نے سمجھا دیا ہے کہ ٹشوز یعنی مفرد اعضاء دراصل مجسم اخلاط ہیں۔ آپ اگر مفرد اعضاء میں پیدا ہونے والی کمی پوری کر دیں تو مریض ٹھیک ہو جائے گا کسی قسم کا مریض ہو۔ کسی بھی قسم کا مرض ہو اس اصول سے باہر نہیں ہو سکتا۔ تمام بیماریاں اپنی اعضائے رئیسہ کے ماتحت آتی ہیں۔ اس لئے آپ کے پاس ہر مریض آئے گا آپ اس کی نبض دیکھیں گے تو فوراً بتا سکیں گے کہ اسے کیا تکلیف ہے۔ یہ طب یونانی کا سب سے بڑا کمال تھا۔ جو ختم ہو چکا تھا وہ تھا نبض دیکھنا، اب میں نے اس کمال کو پھر سے زندہ کر دیا ہے جب تک آپ نبض دیکھ کر کسی کو اس کی بیماری نہ بتا سکیں گے اس وقت تک آپ کامیاب طبیب نہیں۔ پشاور سے لے کر کراچی تک اپنے ہر طبیب پر میں نے اس بات پر زور دیا ہے کہ وہ نبض پر عبور حاصل کریں جو حکیم نبض دیکھنا نہیں جانتا، وہ حکیم کہلانے کا مستحق نہیں ہے۔ جو مریض نبض دکھانے کے لئے آپ کے پاس نہیں آ سکتا اس کا قارورہ منگواؤ۔ طبیب تو وہ ہے جو قارورہ دیکھ کر ہی بیماری بتا دے، یہ سب چیزیں اس وقت ہی کامیاب ہو سکتی ہیں جب آپ مریض کی غذا کا بھی خیال رکھیں۔ غذا سے ہمارے جسم میں خون پیدا ہوتا ہے۔

حکیم بوعلی سینا نے کہا ہے کہ ہم تین قسم کی چیزیں استعمال کرتے ہیں، ایک غذا جس سے خون بنتا ہے۔ دوسری دوا جس سے کیفیات پیدا ہوتی ہیں، اور تیسری زہر جس سے موت واقع ہو جاتی ہے۔ ہر بیماری کے لئے ہم نے الگ الگ غذائیں سمجھا دیں ہیں۔ جب

تک درست غذا معدے میں نہیں جائے گی ہمارے جسم میں خون کی مطلوبہ خلط پیدا نہ ہوگی۔ مرض کا علاج کرنے سے پہلے ایسی غذا تجویز کریں جس سے وہ مزاج پیدا ہو جائے جو آپ دوا سے پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ غذا سے اس مزاج کا خون پیدا ہوگا۔ خون پر ہی صحت اور زندگی کا دارومدار ہے۔ آپ نبض دیکھیں، مریض کو بتائیں کہ اس کو یہ بیماری ہے، اس کے جسم میں فلاں چیز کی کمی ہے اور وہ فلاں غذا استعمال کرے جس سے وہ کمی پوری ہو جائے گی اور مریض ٹھیک ہو جائے گا۔ ہمارا دعویٰ ہے کہ مریض صرف غذا سے ٹھیک ہو سکتا ہے۔ غذا کے متعلق قرآن کریم میں حکم ہے کہ ﴿ کلو حلال طیبا ﴾ ''کھاؤ جو حلال اور طیب ہو''۔ طیب کے معنی ہیں وہ چیز جو پاکیزہ ہو، تازہ ہو اور اس میں خوشبو ہو۔ گوشت ایسا ہونا چاہئے جو تندرست جانور کا ہو جس پر چربی ہو جس گوشت پر چربی ہوگی تندرست ہوگا آپ اسے کھائیں گے تو تندرست رہیں گے۔

دوسری صورت چکنائی یعنی گھی کی ہے لیکن ڈاکٹر کہتے ہیں بناسپتی کھاؤ، بھائی بناسپتی بھی کوئی گھی ہے۔ وہ تو تیل بھی نہیں ہے۔ وہ تو صابن ہے۔ جو کمپنیاں صابن بناتی ہیں وہی بناسپتی بناتی ہیں، جب پتلا ہو جائے تو بناسپتی ہے اور گاڑھا ہو جائے تو صابن ہے۔ اگر صابن کھانے سے صحت بن سکتی ہے تو کھا کر دیکھیں اگر آپ کے ہاتھ پر گھی لگا ہوا ہو تو صابن سے صاف کریں تو سب صاف ہو جائے گا۔ گوشت کے بعد دوسری غذا گھی ہے اگر آپ کو گھی میسر نہیں آتا تو چربی کھائیں۔ یعنی حیوانی چکنائی۔ آپ نباتاتی تیل بھی کھا سکتے ہیں لیکن وہ حیوانی تیل کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ تیل سے سستی چیزیں بھی دنیا میں ہیں۔ آپ کو علم نہیں تو میں بتاتا ہوں۔ مثلاً دُنبے کی چکی ہے۔ پورے صوبہ سرحد میں دُنبے کا گوشت اور چربی استعمال ہوتی ہے۔ چربی صاف کر کے رکھ لیتے ہیں۔ آپ بھی استعمال کریں۔ اس کے بعد گائے کا گوشت ہے، مہنگا بھی نہیں بس دو روپے سیر ہے، کوئی بڑی بات نہیں ہے۔

- ایسے ہی جس کو آپ گلوکوز کہتے ہیں کہ کون سی شکر ہے یہ تو ویجی ٹیبل ہے۔ حیوانی شکر تو شہد ہے۔ شہد کا مقابلہ بھلا گلوکوز کیسے کر سکتا ہے۔ اگر آپ نے شربت ہی پینا ہے تو شہد کا شربت کیوں نہیں پیتے۔ یہ تو ساری یورپ کی اشتہار بازی ہے جس نے لوگوں کو خراب کیا ہے۔ یورپ سے جام آ رہے ہیں۔ شربت آ رہے ہیں۔ دوائیں آ رہی ہیں اور پھر یہاں پر جو غذائیں ہیں ان میں ملاوٹ ہے اس ملاوٹ نے ہمیں خراب کر رکھا ہے۔ جہاں تک ہو سکے آپ صحیح غذا استعمال کریں۔ صحیح غذا کھانے کے بعد ہی صحیح خون بنے گا۔ ایک آدمی درست غذا کھائے اور پھر بھی بیمار ہو جائے یہ نہیں ہو سکتا۔

قرآن پاک میں ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ کے قانون تبدیل نہیں ہوتے یہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ گوشت اپنے خواص بدل لے۔ ہم نہیں سمجھ پاتے، ہمارے جاننے میں فرق ہوتا ہے۔ ایلوپیتھی نے دواؤں اور غذاؤں کا جو فلسفہ پیش کیا ہے یعنی وٹامن یا حیاتین وہ بالکل غلط ہے۔ انہیں تو کسی دوا یا غذا کے استعمال کا پتہ نہیں ہے۔ میں نے ان کے متعلق کتاب بھی لکھی ہے اور انہیں چیلنج کیا ہے کہ آؤ ہمارے ساتھ بات کرو اور کھا کر بتاؤ کہ خود کتنے وٹامن کھاتے ہو۔ بس لوگوں کو ان کی دوائیں لکھ دیں کہ بازار سے جا کر خرید لیں۔ میں کہتا ہوں کہ ڈاکٹر ہم لوگوں کو دھوکہ دیتے ہیں۔ یہ سارے تجارتی اور کاروباری ہتھکنڈے ہیں، یورپ سے آج تک بزنس ہی آ رہا ہے علاج نہیں آیا۔ بلکہ ہمارے علاج کو خراب کیا جا رہا ہے۔ یہ یورپ والے جو اتنی کتابیں غذا کے متعلق رکھتے ہیں قرآن حکیم نے تو اس سے بہت پہلے فرما دیا ہے کہ ﴿ کلو واشربو ولا تسرفوا ﴾ یعنی کھاؤ پیو، لیکن بغیر ضرورت کے نہیں۔ بغیر ضرورت کے ہم کھا پی نہیں سکتے پانی تک بغیر ضرورت کے نہیں پی سکتے حکم ہی نہیں۔ جب تک آپ اللہ کی مرضی کے مطابق نہیں کھائیں پئیں گے اس وقت تک آپ متقی نہیں ہو سکتے۔ مسلمان کے لئے پہلی شرط یہ ہے کہ وہ متقی ہو۔ ہدایت متقی کو ملے گی دوسرے کو نہیں ملے گی۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے: ﴿ ذالك الكتاب لا ريب فيه هدى للمتقين ﴾ یہ وہ کتاب ہے کہ جس میں کوئی شک نہیں اور پرہیز گاروں یعنی متقی لوگوں کے لئے اس میں ہدایت ہے۔ ہدایت متقی کو ملے گی۔ متقی کون ہے؟ وہ جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ كتب عليكم الصيام كما كتب على الذين من قبلكم لعلكم تتقون ﴾ ''تم پر روزے فرض کئے گئے ہیں جیسا کہ تم سے پہلوں پر فرض کئے گئے تھے، تاکہ تم متقی بن جاؤ''۔ متقی بننے کے لئے پیٹ کو خالی رکھنا ضروری ہے۔ ضرورت کے بغیر مت کھاؤ۔ صرف خواہش کے ماتحت کھاؤ۔ خواہشات اور بھوک پر قابو پانا متقی پر فرض ہے۔ بغیر بھوک کے کھاؤ گے بغیر ضرورت کے کھاؤ گے تو ہدایت اور بھوک سے دور ہوتے جاؤ گے۔ مسلمان اس وقت ہی کامیاب ہوسکتا ہے جب وہ اپنی خواہشات کو روکے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جو لوگ اپنی خواہشات کو روکتے ہیں، انہیں کا مقام جنت ہے۔ ایسے ہی ہم بغیر ضرورت اور بھوک کے کھائیں گے تو اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے۔ ہم اللہ کو ناراض کر بیٹھیں گے۔ تو اللہ تعالیٰ کا فرمان ہمارے سامنے ہے کہ ﴿ ان الله لا يحب المسرفين ﴾ اللہ تعالیٰ اسراف اور فضول خرچی کرنے والے و پسند نہیں کرتا۔ تمہیں کہا جاتا ہے کہ پہلے روٹی! لیکن نہیں پہلے تقویٰ پھر روٹی۔ اللہ پر ایمان رکھو، جس نے تمہیں پیدا کیا ہے اس نے رزق بھی دینا ہے۔ کیا تمہارا خیال ہے کہ اللہ کے پاس رزق نہیں ہے یا دُنیا میں جو روٹی ہے وہ ختم ہو جائے گی۔ کروڑوں میل لمبا چوڑا آسمان غذاؤں سے بھرا پڑا ہے، دِن رات زمین پر غذائیں اُتر رہی ہیں۔ رزق نازل ہو رہا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی مرضی یہ ہے کہ بغیر ضرورت کے نہ کھاؤ نہ ذخیرہ اندوزی کرو۔ نہ بلیک مارکیٹ کرو۔ یہ ساری تنگی ہماری اپنی پیدا کی ہوئی ہے۔ کمزوروں کو کیوں تنگ کیا جاتا ہے۔ جائز منافع لو۔ جو پیسہ ناجائز طریقے سے آئے گا وہ جائز کو بھی لے ڈوبے گا۔ متقی کے لئے یہ ساری باتیں ضروری ہیں۔ خواہشات کو روکنا فرض ہے۔ جب موت آئے گی تو یہ ساری بوریاں جو اناج سے بھری ہوئی ہیں۔ یہ گودام سب کچھ یہیں رہ جائے گا لیکن اگر آپ نے زندہ رہنا ہے تو اللہ تعالیٰ ضرور آپ کو رزق دے گا۔

صحیح انسانیت کی پہچان یہ ہے کہ آپ کسی کی کتنی خدمت کر سکتے ہیں۔ صحیح انسانی خدمت یہ ہے کہ آپ دوسروں کو کتنا سکھ پہنچا سکتے ہیں۔ اگر آپ یہ کر سکتے ہیں تو آپ دیکھیں گے کہ آپ کو کتنا سکون ملتا ہے۔ دولت سے اطمینان نہیں ملے گا۔ کروڑوں روپے بھی آپ کو سکون قلب عطا نہیں کر سکتے۔ جب تک کہ آپ انسانیت پر کاربند نہ ہوں گے تو لاکھوں روپے روزانہ کمانے والوں کا حشر بھی ہم نے دیکھا ہے کہ وہ پانی تک کو ترستے مر گئے۔ ڈاکٹروں نے حکم لگا دیا کہ اس کو پانی مت دو ورنہ مر جائے گا۔ وہ ریشمی بستروں پر پڑے ہیں، ریشمی پردے تنے ہیں لیکن پانی تک کو ترس رہے ہیں۔ کروڑوں روپے اس کی کوئی مدد نہیں کر سکتے۔ دوسری طرف حکیم ہے لوگوں کی خدمت کرنے والا لوگوں کو سکھ پہنچانے والا۔ لوگوں کے دکھ بانٹ لینے والا۔ والسلام

سکھر 3 جولائی 1971ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بے شمار درود سلام کے بعد صاحب صدر، دوستو اور ساتھیو! کائنات ارض وسما اور ان کی فضا میں موجود اشیاء اجسام کو سمجھنے کے لئے قرآن حکیم نے دو طاقتیں بیان کی ہیں ایک حق ہے، اور دوسری باطل۔ اور یہ بھی بیان فرمایا ہے کہ باطل کے اثرات سے ظلمت و بے راہ روی ہے اور تخریب و فساد ظاہر ہوتا ہے اور حق سے تعمیر و اصلاح اور حسن و نکھار پیدا ہوتا ہے اور حق چشمہ امن اور باعث نزول رحمت خداوندی اور یہی مطلوب و مقصود اللہ العالمین ہے اور جب اور جہاں بھی حق آ جاتا ہے،

باطل ختم ہو جاتا ہے۔ حق و باطل کو سمجھنے کے لئے بھی وہی اصول ہیں اوّل قانون فطرت اور دوسرے علوم سائنس یہ زمانہ سائنس کا دور کہلاتا ہے اور سائنسی نقطہ نظر سے دیکھا جاتا ہے کہ ہمیں قانون فطرت اور سائنس ہر دو کو سمجھنے کی قوت میسر لیکن یہ قوت بھی ان ہی لوگوں کے لئے مفید و کارآمد ہے جو صالح اور ماہر عالم و فاضل ہیں۔ ہر کس و ناکس ان پر قبضہ و تصرف اور استفادہ کی قدرت نہیں رکھتا۔

قرآن حکیم ایک اور چیز پیش فرماتا ہے جو نہایت ہی آسان اور عام فہم اور اس سے ہم سہولت سے استفادہ کر سکتے ہیں۔ وہ فرماتا ہے: ﴿ ان الذین عنداللّٰہ الاسلام ﴾ دین کے معنی ہیں جزاء سزا، عمل اور ردِ عمل۔ اور یہی حقیقت ظاہر ہے کہ ہم جو کام بھی کرتے ہیں اس کا کوئی نہ کوئی نتیجہ یا ردِ عمل ہوتا ہے۔ اب اگر ان افعال و اعمال کے نتیجہ میں امن و سلامتی ہے تو دین کی صحیح صورت یہی ہے۔ گویا ہمارا ہر عمل یعنی تم پر سلامتی ہو تو اس کا ردِ عمل سلامتی ہی ہوگا۔ یہی سلام ہے اور یہی حق ہے اور یہی کامیابی کامرانی کی راہ ہے اور اگر ہمارے اعمال کا نتیجہ اور ثمرہ سلامتی نہیں ہے تو وہ باطل ہے ہم قرآن پاک کے اس سنہری اصول اور قانون کو لے کر جملہ طریقوں سے دیکھتے اور پرکھتے ہیں ان میں سے جس کے نتائج میں سلامتی ہے وہ حق ہے اور جن کے نتائج برعکس ہیں وہ باطل ہیں۔ ابتدائی زندگی میں بھی یہی چیز تھی کہ حق کامران تھا اور باطل ناکام اور اب بھی یہی حقیقت ہے اور آئندہ مستقبل میں بھی یہی حقیقت رہے گی۔ جیسے ہم دیکھتے ہیں کہ بجلی کی رو صحیح چل رہی ہے تو بٹن دبانے سے پنکھا چلے گا۔ بلب روشن ہوگا اور اگر کوئی چیز قانون قدرت کے مطابق نہیں ہے تو وہ ظنی ہے اور دُنیا کے تمام اُمور میں یہی اصول کارفرما ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے قانون میں تخمین و ظن نہیں ہے اور نہ ہی اس کی کوئی تخلیق اپنے فطری راستہ سے انحراف کر کے قائم اور درست رہ سکتی ہے نہ ہی کسی فائدہ کی حامل ہے۔ اس کا فرمان ہے: ﴿ لا تبدیل لخلق اللّٰہ ﴾ وہ اسی حقیقت کی طرف رہنمائی کرتا ہے کہ جس کسی چیز کے خواص جو آج سے ہزاروں سال قبل تھے وہی آج ہیں اور اس کے نتائج اس وقت تھے، وہی آج ہیں۔ یہ شاہراہ عمل، ردِ عمل کبھی بھی نہیں بدلتی خواہ ہم اسے سمجھیں یا نہ سمجھیں۔ اس بارے میں بھی خود قرآن کریم ہماری رہنمائی کرتا ہے کہ ﴿ لن تجد لسنت اللّٰہ تبدیلا ﴾ اعمال الٰہیہ میں ہرگز تبدیلی نہیں ہوتی۔ شک و شبہ کامرانی کا ضامن ہے۔ شرط صرف یہ ہے کہ کہ ہم صحیح راستہ تلاش کریں اور اس پر چل پڑیں۔ میں نے تمام مروجہ طریقہ ہائے علاج کو اپنایا ہے اور گہرا مطالعہ و تجربہ اور مشاہدہ کیا ہے وہ سب ناکام ثابت ہوتے ہیں۔ لیکن میں نے طب یونانی کو کامیاب ترین طریق علاج پایا ہے۔ یہ تجرباتی و مشاہداتی ہی نہیں الہامی و وجدانی بھی ہے۔ اس کے اصول و قوانین کے تحت اثرات ہمیشہ نتیجہ میں دو اور دو چار ہی ثابت ہوتے ہیں۔ کبھی خطا نہیں ہوتی۔ لیکن مرورِ زمانہ کے ساتھ ساتھ اور انحطاط اور غلامی اور فرنگی حکومت کے غلبہ اور نظام حکومت بدلنے پر دیگر علوم و فنون اور صنعت و حرفت کی طرح علم و فن طب بھی فرنگی کی دست برد کا شکار ہو گیا اور اس میں تحقیق و تجسس و نشو و نما و ارتقا کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔ محمد زکریا اور شیخ الرئیس کے بعد کوئی فنکار نظر نہیں آتا جس نے فن طب کی کوئی ادنیٰ سی بھی خدمت کی ہو۔

اللہ تعالیٰ نے میرے ذہن میں ڈالا کہ جب تک فرنگی طب کا ابطال نہ ہوگا اور طب یونانی کی کتب کے قوانین کا استحقاق نہ ہوگا فن زندہ نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ کی عطا فرمودہ ہدایت اور روشنی میں ہی میں نے قانون شیخ کے ایک قانون پر نظریہ کی بنیاد رکھی اور دنیا کے قوانین اور اصول ہائے طب کو اس کسوٹی پر پرکھا تو سب غلط ثابت ہوئے۔

آپ سوال کر سکتے ہیں کہ فرنگی طب باطل اصول و قوانین کی حامل ہونے کے باوجود دُنیا کی کامرانی سے آگاہ اور چاروں طرف جو اس کی بہار دکھائی جا رہی ہے تو اس کی وجہ کیا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ محض پروپیگنڈا ہے اور حکومت کی سرپرستی اور زرِ کثیر اور بے

شمار وسائل کی بنا پر آپ یہ سب شور و غوغا سن رہے ہیں اور اگر آئینہ حقیقت نما دیکھنا ہو تو آپ چند دنوں تک کسی ڈاکٹر کے پاس یا کسی ہسپتال میں جا کر دیکھ سکتے ہیں کہ کتنے لوگ نہ صرف ناکام بلکہ ان کی غلط تشخیص و تجویز اور غلط مرکبات وادویات کی وجہ سے زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں۔ اگر آپ نظریہ مفرد اعضاء کو سمجھ لیں گے تو آپ کو خود بخود نظر آئے گا کہ فرنگی طب و سائنس کو بالکل غلط ثابت کیا ہے کہ ان کی کوئی دوا اور بیماری کا علاج سائنٹیفک نہیں ہے اور اس کے برعکس وہ طب یونانی کی کسی دوا کو بھی غلط ثابت نہیں کر سکی۔

نظریہ مفرد اعضاء یہ ہے جو طب کا قانون ہے کہ امراض و علامات اور صحت و حیات کا دارومدار صرف چار کیفیات پر ہے جن کی حیثیت قانون کی کلید کی خشت ہے جو گرم تر اور سرد وخشک ہے۔ صحت و مرض، ارکان و مزاج اور اخلاط بھی انہیں کے تحت ہیں اور جسم انسان کے بنیادی و حیاتی اعضاء بھی اخلاط ہی سے بنتے ہیں۔ اور جب تک یہ اعتدال پر ہوں اور اپنے فطری اصولوں پر عمل پیرا ہوں تو صحت قائم رہتی ہے اور قوانین فطرت سے ان کا انحراف مرض کا باعث ہوتا ہے۔ گویا یہ بدلے تو بیماری رونما ہوتی ہے اور اگر یہ درست ہیں تو صحت و شفا ہے۔ مشکل یہ ہے کہ ہمارے اطباء نسخہ جات کے پیچھے بھاگ رہے ہیں اور فن کو چھوڑ گئے ہیں۔ حالانکہ انہیں نسخہ جات کے بجائے یہ دیکھنا چاہئے کہ صفراء سوداا ور بلغم وخون میں کیا بڑھ گیا ہے اور کیا کم ہو گیا ہے جو کم ہو گیا ہے اسے بڑھا دیتے لیکن وہ اس طرف سے آنکھیں بند کر بیٹھے ہیں جس کے نتیجہ میں فن طب تباہ ہو گیا ہے۔ فن طب کو ختم کر دیا گیا تھا میں نے اللہ تعالیٰ کی تائید اور مہربانی سے اسے ختم ہونے سے بچایا اور زندہ کیا اور دُنیا کو اس کی اصلیت و حقیقت سے آگاہ کرنے کا بیڑا اُٹھایا ہے۔

میں نے ثابت کیا ہے کہ اخلاط سے اعضاء بنتے ہیں اور یہ ایسی حقیقت ہے جس سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ دلیل یہ ہے کہ مخصوص خلط کی افزائش سے مخصوص عضو میں تحریک ہوتی ہے۔ اور کسی مخصوص عضو کی تحریک سے اس کی کوئی متعلقہ خلط بڑھتی ہے۔ مثلاً اگر بلغم پیدا کرنے والی یا بڑھانے والی ادویہ استعمال کی جائیں تو دماغی قوت میں شدت، تیزی انفعال واقع ہو جاتی ہے اور اگر صفراء بڑھا دیا جائے تو جگر کے فعل میں تیزی اور جگر کو قوت ملتی ہے یا اگر جگر کو قوت دینے والی ادویہ استعمال کریں تو وہی صفرا کی کثرت ہوتی ہے۔ میں نے اخلاط مفردہ سے مفرد اعضاء کا بننا ثابت کر دیا ہے اور اعضاء کے امزجہ مفرد ہیں اور جسم انسان میں صرف تین ہی حیاتی اعضاء ہیں اور چوتھا بنیادی اور یہی حیاتی اعضاء ہر سہ اعضائے رئیسہ ہیں جو دماغ، دِل اور جگر ہیں اور اعصاب، عضلات اور غدد بالترتیب ان اعضائے رئیسہ کے تحت ہیں۔ انہی تینوں اعضاء کی درستی و خرابی پر نظام حیات و صحت اور مرض و موت واقع ہوتی ہے اور مرض یا موت کی صورت میں ان کے افعال میں خلل یا کسی کا ضائع ہو جانا یا کمزور ہونا یا ٹوٹنا شامل ہیں۔ حصول صحت کے لئے ان کے جس نظام وفعل میں خرابی ہو اسے درست کرنا ہے فرنگی طب کی طرح بلاتشخیص ہر دردِ سر کا علاج اسپرو نہیں ہے اس لئے طب کا حامل سردرد کے علاج میں عضو، خلط اور پرزہ کو درست کرے گا مزاج کا اعتدال قائم اور دورانِ خون معتدل نہیں ہے تو بیماری پیدا ہو گی۔

اب آپ یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ صفرا، سوداء اور بلغم وخون وغیرہ کا اعتدال یا ایلوپیتھی کو راہ راست پر لانے اور ایلوپیتھیوں کی رہنمائی کے سلفر، فیرم اور پوٹاش کم و بیش ہو جائیں یا ان کی ترتیب بگڑ جائے تو بیماری ہو گی اور علاج کی صورت یہ ہو گی کہ کم اجزاء کو پورا کر دیا جائے اور علاج کے لئے یہ بھی لازمی ہو گا کہ جسم کا صحیح مطالعہ کیا جائے تاکہ واقعی کم چیز کو زیادہ کیا جائے اور انکل سے اور فرضی طور پر اٹھا کر کچھ نہ دے دیا جائے۔

نظریہ مفرد اعضاء کے سمجھنے سے سراسر آسانیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ طب یونانی کے بعد نبض و قارورہ دیکھنے کا جو سلسلہ ختم ہو گیا تھا ہم دوران تعلیم اس کی طرف خصوصی توجہ دیتے ہیں۔ اس کا فائدہ یہ ہے کہ اگر جسم میں سردی بڑھی ہو گی تو معالج کی توجہ کا مرکز اعضائے

بارد ہوں گے اور اگر جسم میں گرمی بڑھی ہوگی تو گرم مزاج اعضاء مثلاً جگر و قلب کی کمی بیشی کو دیکھا جائے گا۔ مرض کو دیکھنے کے لئے جیسے مریض کی حالت ضروری ہے ویسی ہی نبض و قارورہ بھی لازم بلکہ اس سے بھی زیادہ اہم ہے۔ کیونکہ طبیب نبض ہی سے شدت وخفت مرض اور مریض کی عدم موجودگی میں بعض اوقات صرف قارورہ ہی سے علاج کی طرف قدم بڑھاتا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ نبض و قارورہ بہت ہی اہم ہیں۔

فرنگی طب کا یہ حال ہے کہ وہ کسی مرض میں کبھی کامیاب علاج نہیں رکھتی۔ ٹی بی، لقوہ، فالج، شوگر وغیرہ کی بات ایک طرف وہ تو نزلہ وزکام کو بھی نہیں سمجھ سکے۔ وقتی دوائیں علاج نہیں ہے۔ بلکہ علاج تو یہ ہے کہ پرزہ کی خرابی کو درست، کمی کو پورا اور جسم اوور ہال کرنا ہے۔ لیکن ایلوپیتھی کے سامنے ان میں سے کچھ بھی نہیں ہے۔ وہ اگر کچھ سمجھتی ہے تو صرف جراثیم کو۔ حالانکہ وہ کچھ بھی نہیں ہیں اور اگر جراثیم کی کوئی اہمیت ہوتی تو شربت اور مربوں جیسی بے ضرر اور غیر جراثیم کش ادویہ سے ہرگز صحت نہ ہوا کرتی۔ حالانکہ ہم صبح وشام ان اشیاء سے بیماریوں کو دفع ہوتے اور کرتے دیکھتے ہیں۔

دوسرے اسلام جیسے حقیقت پسندانہ مذہب میں تو اتنی نفرت نہیں بلکہ دوسرے سے میل ملاپ اور عبادت و بیمار پرسی کی اخلاقیات کا جزو اعظم قرار دیا ہے۔ حتیٰ کہ ایک دوسرے کا جھوٹا بھی کھاتے پیتے ہیں جب کہ نظریہ جراثیم کی رو سے دور کی صاحب سلامت بھلی اس نظریہ میں بھی بنیادی جذبہ جو کام کرتا نظر آتا ہے۔ یہ وہی عیسائی ذہنیت اور رہبانیت کا تصور ہے جو فلاح وارتقاء کے برعکس انحطاط و زوال کا حامل ہے۔

دوستو! فرنگی ذہن کی سوچ بچار اور غور وفکر کے بنیادی دھارے ہی غلط سمت کو بہہ رہے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ بنیادی اعضاء کے افعال کے بگاڑ سے مادے رکتے ہیں۔ اور امراض پیدا ہوتے ہیں۔

نظریہ مفرد اعضاء سمجھنے کے بعد آپ کو دیکھنا ہوگا کہ کس پرزہ میں خرابی ہے اس کو درست کر دیں تو مرض خود بخود دور ہو جائے گا اور جراثیم خود بخود تباہ و برباد ہو جائیں گے۔

یہ بھی یاد رکھیں کہ اخلاط و اعضاء ایک ہی چیز ہیں ان میں صرف قوام و استحالہ کا فرق ہے۔ میں طب اسلامی کا نمائندہ ہوں اور جہاں تک فرنگی طب کا تعلق ہے میں اس پر ایک کتاب لکھ چکا ہوں اور بحث کر چکا ہوں کہ وہ غلط اور اسے صحیح ثابت کرنے والے ماہرین اور سائنسدانوں کو میں نے چیلنج بھی کیا ہے اور دس ہزار روپے کا انعام بھی رکھا ہے۔ فرنگی طب کے وجود اور بقاء کا جہاں تک تعلق ہے تو آپ سب جانتے ہیں کہ حکومتیں مسلسل اس کی سرپرستی کر رہی ہیں۔ اسے ایڈ دیتی ہیں اور پروپیگنڈا کے وسیع وسائل و ذرائع اس کے قبضہ میں ہیں جب کہ طب یونانی کامل ایک سو سال سے نہ صرف بے سہارا چلی آ رہی ہے بلکہ اس کے خاتمہ کے لئے کسی امر کی کافی کوشش سے بھی دریغ نہیں کیا گیا ہے۔ لیکن وہ پھر بھی زندہ ہے تو محض اپنے حقیقی اور سچے بنیادی اصول وقوانین اور تاثیر شفا کی بنا پر۔

ہمیں طب یونانی کے حامل اطبائے کرام کی ذہنیت پر افسوس ہے کہ وہ طب کے نام لیوا ہونے کے باوجود ایلوپیتھی دوائیں استعمال کرتے ہیں۔ انہیں چاہئے کہ وہ اپنا رویہ بدلیں اور مغربی طریق پر تیار شدہ ادویہ کے بجائے طب یونانی کے حیاتی نظریہ کے تحت تیار شدہ ادویہ کو اپنائیں اور اصلاح فن کے لئے سائنس کو دیکھیں۔ آپ کے پاس بنیادی فطری اور سچے قوانین ہیں جب کہ یہ دولت ان کے پاس نہیں ہے۔ ہماری اجوائن اور سونف کے آج بھی وہی خواص ہیں۔ جو ہزاروں سال قبل تھے۔ لیکن ان کے ہاں وہ ہر وقت بدلتے رہتے ہیں۔ وہ تجربہ کر کے ایک چیز مارکیٹ میں لاتے ہیں اور پانچ سال بعد جب وہ ہمارے طبیبوں تک پہنچتی ہے تو یورپ اس سے بدظن ہو کر کسی

نئی چیز کی تلاش میں مصروف ہوتا ہے پھر یہ لوگ سنتے ہیں کہ یہ تو ناکام ہوگئی ہے اور اس کے مقابلہ میں نئی چیز مارکیٹ میں آ گئی ہے تو یہ اس کے پیچھے بھاگتے ہیں لیکن یہ خود غور کرنے سے کیوں گھبراتے ہیں ان کو چاہئے کہ اللہ تعالیٰ دی ہوئی عقل اور شعور کو کام میں لائیں اور حق و باطل میں امتیاز کریں اور اطباء وحکومت ہر دو کو لازم ہے کہ وہ ہر صحیح چیز کو اپنائیں اور غلط کو چھوڑ دیں۔ اگر اطباء اب بھی ایلوپیتھی ادویات کو برتتے رہے اور طب یونانی کی احیاء وبقاء کے ایسے ہی کھوکھلے نعرے اور بانگ دعوے کرتے رہے تو نہ صرف آنے والا دور انہیں معاف نہیں کرے گا بلکہ کار طفلاں تمام خواہد شد۔

میں نے طب کے احیاء کے لئے بار بار چیلنج کیا ہے اور دُنیا کو ایک شاہراہ عمل دی ہے۔ میرا یہ نظریہ مفرد اعضاء ایک کسوٹی ہے اور اگر کسی کے پاس ایسا نظریہ ہے تو میں نہ صرف اسے اپنانے بلکہ اپنے ہزاروں شاگردوں سمیت ایسے شخص کا ساتھ دینے کو تیار ہوں۔

آپ نظریہ مفرد اعضاء کو سمجھنے کے بعد مریض کو غذا تجویز کر دیں تو فائدہ شروع ہو جائے گا۔ مجربات تو کامرانی کی کوئی دلیل نہیں ہیں جب تک ان کے بھی خواص واثرات اور بالاعضاء تعلق کو نہ سمجھا جائے اور یہ ڈاکٹر صاحبان تو بیماری کی تشخیص تک نہیں کر سکتے اور فن ایلوپیتھی اور یورپی طبی ڈگریاں اسی وقت ختم ہو جائیں گی جب اطباء صحیح معنوں میں فن کو اپنالیں گے۔ ابھی آپ سب کے سامنے کی بات ہے کہ میں نے تقریباً پانچ سو مریضوں کا معائنہ کیا ہے یہ سب وہ مرض ہیں جن کا علاج ڈاکٹروں کے پاس نہیں ہے۔ اگر ڈاکٹر ان امراض اور مریضوں کو سمجھتے تو آرام آ جانا چاہئے تھا۔ سب آپ کے سامنے ڈاکٹروں کی بے بسی اور تشخیص نہ کر سکنے کا اعتراف کرتے رہتے ہیں۔ حالانکہ میں ہمیشہ کسی سے مرض دریافت نہیں کرتا خود بتاتا ہوں، یہی کیفیت میرے پاس تربیت پانے والے میرے شاگردوں کی ہے۔ ڈاکٹر کہیں جراثیم کے پیچھے بھاگ رہے ہیں، جہاں جراثیم نہیں ہوتے تو وہ کمزوری کے پیچھے پھرتے ہیں، معالجین کے لئے کامیابی ہے تو صرف نظریہ مفرد اعضاء اپنانے میں ہے۔

(۲)

مبادیاتِ طب

فہرست عنوانات

طبِّ علمی

طبِّ عملی

حرفِ اوّل

حکیم مطلق کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اُس نے علم طب پیدا کر کے اپنے بندوں پر بہت بڑا احسان کیا جس سے ان کے امراض اور تکالیف کا مداوا ہوتا ہے۔ علم طب حکمت کی ایک شاخ ہے اور حکمت کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ:

﴿ من یوت الحکمة فقد اوتی خیرا کثیرا ﴾

''گویا جس کو حکمت (عقل) بخشی گئی، اُس کو بہت بڑی دولت عطا فرمائی''۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ علم طب ایک انتہائی شریف فن ہے اور اس کے حامل اور عامل کو بھی اس علم کی مناسبت سے شرافت کا انتہائی مقام حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اسی لئے کہا گیا ہے کہ بہترین طبیب وہ ہے جس کا اپنا مزاج اعتدال پر ہو۔ اور انسان کے مزاج کا اعتدال اُس کو شرف وفضیلت کی دلیل ہے۔ جب انسان کا مزاج نفسانی خواہشات کی غیر اعتدالی حالت سے چھٹکارا حاصل کر لیتا ہے تو یقیناً اس کے اخلاق بھی اعتدال کے درجہ پر آنا شروع کر دیتے ہیں اور یہ انسان کے مزاج کو ارتقاء کی بلندیوں کی طرف لے جاتا ہے۔

اگر معالج کا اپنا مزاج اعتدال پر نہ رہے اور اخلاق کی اقدار کمال پر نہ ہوں تو حقیقت یہ ہے کہ اُس کا ذہن پوری قوت سے کام نہیں کر سکتا اور حکیمانہ مسائل اور عقلی دلائل جن سے مشکل مضامین حل ہوتے ہیں۔ عام طور پر بے معنی ہو کر رہ جاتے ہیں۔ اس لئے معالج کا اوّلین فرض ہے کہ اپنے دِل ودماغ کو خواہشاتِ نفسانی اور حرص وہوس سے دور رکھے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ من خاف مقام ربه ونهی النفس عن الهویٰ فان الجنة هی الماوی ﴾

گویا معالج کا فرض اوّلین ہے کہ علاج کے دوران میں خدا کے خوف کو اپنے دِل میں رکھے اور خواہشاتِ نفسانی سے دور رہے تا کہ اس کو ابدی مسرت وشادمانی حاصل ہو۔ اس کا سب سے آسان حل یہ ہے کہ معالج کسی قیمت پر بھی جھوٹ نہ بولے نہ جھوٹ پسند کرے اور ہمیشہ حق و صداقت کا گرویدہ بنا رہے۔

ہم نے تقریباً بیس سال کا طویل عرصہ اس فن شریف کو سمجھنے اور اس کی تحقیق پر خرچ کیا ہے۔ اس سے جن حقائق ومعارف کا پتہ چلا ہے، ان کو بلا کم وکاست فن عزیز کی ترقی اور معالجین حضرات کی خدمت کے لئے اس کتاب میں درج کر دیا ہے۔ اس میں اس بات کا خاص اہتمام کیا ہے کہ کوئی بات ایسی نہ لکھی جائے جو تجربہ ومشاہدہ اور تحقیق میں درست ثابت نہ ہوئی ہو۔ محض سنی سنائی باتوں، کتابوں کی بے معنی نقل اور بغیر غور وفکر کئے مسئلہ کو لکھنے کی جرأت نہیں کی بلکہ اس کو گناہِ عظیم خیال کیا ہے۔ صحیح علم وہ ہے جس سے انسان کو خود فائدہ پہنچے اور دوسروں کے لئے بھی نفع کا باعث ہو اور وہ علم پوری طرح دِل ودماغ میں سرایت کر جائے۔ ہم نے کوشش کی ہے کہ صحیح علم وفن کو بہترین طریق پر ذہن نشین کرائیں تا کہ اس سے زیادہ سے زیادہ لوگ مستفید ہو سکیں۔ اس کتاب میں ہم نے کوشش یہ کی ہے کہ اُن قدیم مسائل کو جن کو عرصہ سات سو سال یعنی شیخ الرئیس بوعلی سینا کے بعد سمجھانے کی کوشش نہیں کی گئی۔ بلکہ اکثر مکھی پر مکھی ماردی گئی۔ بڑی وضاحت سے اور عام فہم الفاظ میں آسان اور سہل خیالات کے ساتھ ذہن نشین کرایا ہے۔

اشارات: حکمت وہ علم ہے جس کے ذریعے بقدر طاقت بشری موجودات کی صحیح حقیقت معلوم ہو۔ اس کے تحت بہت سے علوم وفنون اور ان کے اصول و فروعات (شاخیں) نکلتی ہیں۔ اسی لیے علم وفن طب کو حکمت کی ایک قسم علم طبعی کی علمی وعملی شاخ کہا جاتا ہے۔ (رجسٹریشن فرنٹ ۱۹۶۶ء فروری)

بعض مسائل ایسے تھے جن کو آج کل کی سائنس غلط قرار دیتی ہے، جن میں مسئلہ ارکان، اخلاطِ اربعہ، مزاج اور مسئلہ ارواح وقویٰ خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ بلکہ تشریح اور افعال الاعضاء کے بعض مسائل میں بھی موجودہ سائنس اور ڈاکٹری اختلاف کرتی ہیں۔ ان مسائل میں ہم نے بڑی جرأت سے کام لے کر حقیقت پر روشنی ڈالی ہے۔ ان میں سے اکثر مضامین میں موجودہ سائنس اور ڈاکٹروں کی غلطیاں نکالی ہیں۔ بعض مضامین کی ایک ایسی حسین تعبیر وتفسیر کی ہے جس سے وہ مسائل ومضامین باہم منطبق ہو گئے ہیں۔ بعض مسائل میں بالکل نئی راہیں پیدا کی ہیں۔ اس سے پہلے ان حقائق کو طب یونانی نے بیان کیا ہے اور نہ کسی اور طب نے بلکہ موجودہ سائنس بھی اُن حقائق سے خالی ہے۔ ان مضامین کو پڑھنے کے بعد ہی اس کی قدر وقیمت کا اندازہ ہو سکے گا اور پوری طرح لطف اندوز ہوا جا سکے گا۔

علم اسباب فن علاج کی جان ہے اور ان کو سمجھنے سے ہی امراض ذہن نشین ہوتے اور رفع کرنے سے مرض جڑ سے چلا جاتا ہے۔ اس لئے اس علم پر خاص زور دیا گیا ہے اور اس کو بڑی وضاحت سے بیان کیا گیا ہے۔ علم العلامات کی اہمیت بھی کسی طرح کم نہیں۔ انہی سے مرض کی تشخیص ہوتی ہے۔ اس لئے اس پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ خاص طور پر نبض اور قارورہ کو بڑی محنت سے عجیب انداز میں ذہن نشین کرانے کی سعی کی ہے۔ کیونکہ نبض اور قارورہ کا علم تقریباً مفقود ہوتا جا رہا ہے۔ حالانکہ ان علوم کے ساتھ معالجین کا وقار قائم ہوتا ہے، جو معالج بغیر مریض کے مرض بتائے نبض اور قارورہ دیکھ کر خود تمام امراض کو از اوّل تا آخر بیان کر دیتا ہے تو اس کی حذاقت اور کامیابی کا سکہ جم جاتا ہے۔ جو اصحاب فن علاج کا شوق اپنے دل میں رکھتے ہیں، وہ ذرا سی کوشش سے نبض اور قارورہ پر اچھی خاصی دسترس حاصل کر لیں گے اور رفتہ رفتہ ان علوم میں کامل مہارت پیدا ہو جائے گی۔

علم حفظانِ صحت نہ صرف ہر ذی روح کے لئے ضروری ہے بلکہ اس کا جاننا معالج کے لئے از حد ضروری ہے۔ کیونکہ جب وہ اس پر پوری طرح عبور حاصل کر لے گا تو وہ اپنے مریضوں کو صحت کے قیام کے اصولوں سے روشناس کرا سکے گا۔ اور ان کو ان حقائق کا پابند کر دے گا۔ جن سے صحت قائم رہتی اور اپنے کمال کی طرف بڑھتی ہے۔

علم العلاج میں ہم نے علاجِ کلی کی صورت میں تقریباً تمام اہم مسائل پر بڑی وضاحت سے لکھا ہے۔ یہ مسائل انتہائی ضروری ہیں۔ جب تک ایک معالج ان پر پوری طرح حاوی نہ ہو، وہ کسی مرض کے علاج سے بھی کامیابی سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتا۔ ہر معالج کا فرض ہے کہ وہ ان اصولِ کلی کو پوری طرح ذہن نشین کر لے تا کہ علاج کے دوران میں جو غلطیاں سرزد ہوتی ہیں، ان سے محفوظ رہے۔

یہ کتاب صرف مبادیاتِ طب پر ہے۔ اس لئے اس میں صرف مبادی وقوانین کو بیان کیا ہے اور عقلی موشگافیوں اور دلائل ومباحث سے گریز برتا ہے۔ کیونکہ اگر عقلیات ودلائل کو دخل دیا جائے تو ابتدائی طالب علم علم وفن حاصل کرنے کی بجائے بحث وتمحیص کی اُلجھنوں میں اُلجھ کر رہ جاتا ہے۔ اس کے ساتھ ہم نے یہ کوشش بھی کی ہے کہ ابتدائی دور میں مطول اور غیر ضروری مباحث سے گریز کریں، تا کہ طالب علم پہلے صحیح قوانین سے واقفیت حاصل کر لے، اُس کے بعد بحث وتمحیص کے لئے میدان کھلا ہے۔ جہاں وہ حقائق وقوانین کے جاننے کے بعد کبھی بھی غلطی کا شکار نہ ہو گا بلکہ اس کو مطالعہ کا شوق پیدا ہو جائے گا اور وہ خود تحقیق وتدقیق کو اپنا مشغلہ بنا لے گا۔

ہم بڑے وثوق سے کہتے ہیں کہ ہر معالج کو کم از کم اس قدر علم وفن کے قوانین اور حقائق سے ضرور واقفیت ہونی چاہئے۔ اور جو لوگ بھی اس کتاب پر پوری طرح دسترس حاصل کر لیں گے وہ انشاء اللہ تعالیٰ بہترین قسم کے معالجین میں شمار ہوں گے۔ وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم۔

صابر ملتانی

یکم فروری 1958ء

دیباچہ

ہر علم وفن میں اُس کے مبادیات کے جاننے کی اہم ضرورت ہوتی ہے۔ جب تک کسی علم وفن کے مبادیات کا صحیح طور پر پتہ نہ چلے، اُس وقت تک وہ علم وفن پوری طرح حاصل نہیں ہوسکتا۔ اس کا کمال حاصل کرنا، بغیر مبادیات کے جانے ناممکن اور محال ہے۔ یہی صورت علم وفن طب میں بھی پائی جاتی ہے، بلکہ دیگر علم وفن سے بھی بہت زیادہ، کیونکہ اس میں عقلیات کا بہت زیادہ دخل ہے اور ایک اچھے معالج کو اکثر کلیات سے جزئیات اور جزئیات سے کلیات کی طرف آنا پڑتا ہے۔ یعنی وہ کبھی کلی قوانین کے تحت جزوی معانی اخذ کرتا ہے اور کبھی جزوی معلومات سے کلیات کو ترتیب دیتا ہے۔ اسی طرح ایک طبیب کو بارہا تصورات قائم کرنے پڑتے ہیں اور اپنے علم کے تحت دلائل کے ساتھ تصدیقات کی طرف آنا پڑتا ہے۔ گویا ہر اچھے طبیب کے لئے لازم ہے کہ وہ علوم وعقلیات سے بھی کچھ بہرہ ور ہو۔ تاکہ ان کلیات وجزئیات کے تجزیہ وترتیب اور تصورات وتصدیقات کو عملی جامہ پہنا سکے۔ لیکن یہ سب کچھ اُسی صورت میں ہوسکتا ہے، جب وہ فن وعلم طب کے مبادیات اور اصطلاحات سے پوری طرح آگاہ ہو۔

مبادیاتِ طب کو پوری طرح سمجھنے کے لئے جو مشکلات پیش آتی ہیں، اُن کا ایک نمایاں تصور اور گہرے اثرات میرے دماغ اور ذہن میں میری طالب علمی کے زمانے سے شدت کے ساتھ قائم ہیں۔ پھر جب مجھے شاہدرہ طبیہ کالج میں فن طب پڑھانے کی خدمت سپرد کی گئی تو نئے نئے طلبہ کو مبادیات طب سمجھانے میں بڑی مشکلات کا سامنا ہوا، کیونکہ مبادیاتِ طب پر کوئی حسب پسند کتاب دستیاب نہیں ہوتی تھی۔ اس لئے اکثر طالب علموں کو زبانی نوٹ لکھانے پڑتے تھے اور وہ نوٹ اکثر تو کالج کے زمانہ ہی میں طالب علم سے ضائع ہو جاتے تھے یا تعلیم ختم کرنے کے بعد جب طالب علم علاج معالجے کی دُنیا میں داخل ہوتا تو وہ ایک طبیب کی حیثیت سے علاج اور ادویات تک ہی محدود ہو جاتا اور یہ قیمتی نوٹ اکثر ضائع ہو جاتے۔ اس لئے مدت سے خیال تھا کہ تعلیم طب کے لئے مبادیاتِ طب کا ایک ایسا سلسلہ شروع کیا جائے جو ہر نوارد طالب علم اور اہل شوق کے لئے مفید اور کامیاب ہونے کے ساتھ ساتھ پڑھنے میں سہل اور سمجھنے میں زود فہم ہو۔ اس سے دو فائدے حاصل ہوسکتے ہیں۔ اوّل طالب علم بڑی سہولت کے ساتھ علم وفن طب حاصل کرسکیں گے اور یہ ضروری کتب ان کے پاس محفوظ بھی رہ سکیں گی۔ دوسرے اہل شوق علم طب کو اصولی طور پر حاصل کرسکیں گے جو اس سے پہلے تقریباً ناممکن نہیں تو مشکل ضرور تھا۔ کیونکہ دیکھا گیا ہے کہ اہل شوق اکثر علم طب کی کوئی علاج کی کتاب خرید لیتے ہیں اور اس کے تحت اپنا شوق پورا کرتے ہیں۔ جس کی صورت اکثر اس قسم کی ہوتی ہے کہ وہ لوگ کسی علاج کے عنوان کے تحت جو ادویات لکھی ہوتی ہیں، ان کو بے دھڑک اپنے اور اپنے بال بچوں پر یا دیگر مریضوں پر استعمال کرنا شروع کر دیتے ہیں جو اکثر نقصان رساں ثابت ہوتی ہیں۔ کیونکہ وہ لوگ نہ تو مبادیاتِ طب اور اصطلاحات سے واقف ہوتے ہیں اور نہ قوانین طب اور اصولِ فن کا اُن کو علم ہوتا ہے۔ اس لئے وہ اکثر مزاج وکیفیات اور ان کے مدارج اور احکامِ خصوصی کو نظر انداز کرتے ہوئے علاج کرتے ہیں۔ اُمید ہے کہ سلسلۂ تعلیم طب کے مبادیات قلم بند کرنے سے بے حد فوائد حاصل ہوں گے۔

علم وفن طب پر جس قدر کتب شائع ہوئی ہیں، ان میں جناب شیخ الرئیس بوعلی سینا بن حسین صاحب کی کتاب ''القانون'' کو ایک خاص اہمیت حاصل ہے۔ اس کی خوبیوں اور بے حد افادیت کے مدنظر وہ کتاب تقریباً ہر زبان میں عربی سے ترجمہ کی گئی ہے۔ بلکہ یورپ کی یونیورسٹیوں

میں تقریباً سات سو سال تک تدریس میں شامل رہی اور حقیقت بھی یہ ہے کہ اس کتاب میں جس قدر حقائق بیان کئے گئے ہیں وہ قانون (Laws) کا درجہ رکھتے ہیں اور آج بھی زمانے کی ضرورت کے مطابق چند معمولی ترمیمات وتنسیخات کے علاوہ اس میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں کی جاسکتی اور سچ تو یہ ہے کہ جب تک ''القانون'' کو پوری طرح سمجھا نہ جائے علم وفن طب پوری طرح ذہن نشین نہیں ہوسکتا۔ اور پھر اس کتاب کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس کی ترتیب وتدوین ایک بہت اچھے انداز میں کی گئی ہے۔ اس کو چار فنون میں تقسیم کیا گیا ہے۔

فن اوّل میں امورِ طب کے قوانین کلی پر بحث کی گئی ہے۔

فن دوم میں علم الادویہ کے افعال وخواص ذہن نشین کرائے گئے ہیں۔

فن سوم میں امراض خصوصی کی تفصیل وتشریح کی گئی ہے۔

فن چہارم میں امراضِ عامہ کے حقائق ورموز بیان کئے گئے ہیں۔ گویا ایک گلدستہ ہے جو سجا کے رکھ دیا ہے۔ جس کی خوشبو اصحابِ فن اور اہل شوق کے لئے مشامِ جاں سے کم نہیں۔ اس مسلمہ حقیقت کو بیان کرنے میں کوئی باک نہیں کہ اس میں ایسے لاتبدل قوانین اور افادی قوانین بیان کئے گئے ہیں جن کا جواب آج بھی یورپی دُنیا کی سائنس بھی نہیں دے سکتی۔ اس کی ترتیب وتدوین سے ذہن اور دماغ میں جو جلا پیدا ہوتا ہے، وہ یورپ اور مغربی طب کی کسی کتاب سے ممکن نہیں۔ اس لئے ہم نے اپنی اس کتاب ''مبادیاتِ طب'' کے لئے جو کتاب منتخب کی ہے وہ ''القانون'' ہی ہے۔ البتہ اس میں ضروریات زمانہ کے مطابق ان قوانین کو عام فہم زبان میں ذہن نشین کرانے کی کوشش کی ہے، تاکہ مبتدی اور اہل شوق زیادہ سے زیادہ مستفید ہوں۔

''القانون'' کی طوالت کے باعث اس کی تلخیصات اور نچوڑ تقریباً اسی زمانہ اور بعد کے قریب زمانہ ہی میں کئے گئے۔ جن کو'' قانونچہ'' اور'' موجز'' کے نام دیئے گئے۔ جن میں صرف علم وفن طب کے قوانین کو بیان کیا گیا اور طویل تشریحات کو نظر انداز کر دیا گیا۔ البتہ بعد کے زمانہ میں'' قانونچہ'' اور'' موجز'' کی تفسیریں لکھی گئیں اور ان قوانین کو ذہن نشین کرانے کے لئے بے حد موشگافیاں ہوئیں۔ لیکن اس طرح نہ صرف غلط مبحث کی صورت پیدا ہوگئی بلکہ بے حد خس وخاشاک اور لایعنی مباحث سے حقیقت مستور ہوکر رہ گئی۔ کیونکہ ان تشریحات اور تفہیمات میں بے معنی اور بے ضرر فلسفہ اور منطق کو داخل کیا گیا۔ جس کی وجہ سے طالب علم کے دماغ پر بے حد بوجھ ڈال دیا گیا اور اس کے لئے لازم ہوگیا کہ وہ علم وفن طب کے ساتھ ساتھ فلسفہ اور منطق کے مباحث کو بھی ذہن نشین کرے۔ نتیجہ ظاہر تھا کہ طالب علم ان مباحث کی اہمیت اور دلچسپی میں اپنے مقاصد سے دور ہوگئے اور فن طب پر جس قسم کی دسترس حاصل ہونی چاہئے تھی وہ کامیابی کے ساتھ ان کتب سے حاصل ہونی ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہوگئی۔

ہم علم طب میں فلسفہ اور منطق کی چاشنی یا ضرورت کے مخالف نہیں، کیونکہ کسی علم وفن کے حقائق بغیر علم فلسفہ اور علم منطق کے ذہن نشین نہیں ہوسکتے، لیکن یہ اُس وقت تک ہی مفید ہوسکتے ہیں جبکہ ان کو صرف اُس علم وفن کی اصطلاحات کے افہام وتفہیم تک ہی محدود رکھا جائے۔ لیکن جب ان حدود سے باہر قدم رکھا جائے اور ہر بے ضرورت اور واضح مسائل کے امکانات اور حقیقتِ امری پر بحث کی جائے اور پھر یہ مبحث جواب الجواب کی صورت میں شیطان کی آنت کی طرح طوالت اختیار کرلے، تو پھر ان صورتوں سے اجتناب ہی بہتر ہے۔

ان حقائق کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ہم نے غیر ضروری فلسفیانہ اور منطقیانہ مباحث سے اجتناب برتا ہے اور کوشش کی ہے کہ سوائے ضروری مسائل اور قوانین کے غیر ضروری اور بے معنی مبحث سے دوری اختیار کی جائے۔ تاکہ طالب علم کا ذہن اس علم وفن کے حقائق سے نہ صرف پوری طرح مستفیض ہوسکے بلکہ ان حقائق سے عملی صورت میں بھی کامیابی حاصل کرے۔ اس کے ساتھ ساتھ ہم نے یہ کوشش بھی کی ہے کہ فنی اصطلاحات اور مشکل قوانین کو عام فہم صورتوں میں ساتھ ساتھ ذہن نشین کرایا جائے اور جس جس مقام پر اہم قوانین اور ضروری اصطلاحات کا ذکر آگیا ہے، ان

کو نظر انداز نہیں کیا گیا بلکہ ذہن نشین کرانے کی پوری کوشش کی ہے جس سے ایک عام ذہن کا طالب علم بھی پوری طرح مستفیض ہو سکتا ہے اور اہل شوق بھی مستفید ہو سکتے ہیں۔

اس وقت ہمارے سامنے ''القانون'' کے تلخیصات میں ''قانونچہ'' اور ''موجز'' کی مختلف مطبوعات ہیں۔ لیکن ان کو غور سے مطالعہ کرنے پر پتہ چلتا ہے کہ ان میں ''قانون'' کی تلخیص کرتے ہوئے مختلف قسم کی کوتاہیاں برتی گئیں اور غلطیاں کی گئی ہیں۔ اور سب سے بڑا نقص یہ ہے کہ ان میں اکثر مسائل کو سمجھاتے ہوئے موجودہ دور اور سائنس کو مدنظر رکھا گیا۔ اس وجہ سے ان قوانین کو بعد از زمانہ نظریات اور موجودہ دور کے لئے غیر ضروری اصول تصور کیا گیا۔ ان وجوہات کو مدنظر رکھتے ہوئے ہم نے کوشش کی ہے کہ ''القانون'' کے تمام مسائل نہ صرف عام فہم ہو جائیں، بلکہ موجودہ دور کی ضروریات کے بھی مطابق ہو جائیں۔

جہاں تک ''قانون'' کے تلخیصات ''قانونچہ'' اور ''موجز'' کا تعلق ہے۔ ان میں بہت سی اختلافی صورتیں پائی جاتی ہیں۔ مثلاً:

① بعض مسائل کو ''قانونچہ'' میں کچھ تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے اور اس کے برعکس موجز میں انہی مسائل کو اتنے اختصار کے ساتھ بیان کیا گیا ہے کہ ایک طالب علم پوری طرح سمجھ نہیں سکتا۔

② بعض مسائل کی ترتیب ایک دوسرے کے خلاف پائی جاتی ہے۔ کیونکہ بعض مقامات ایسے ہیں کہ جن میں مسائل کی ترتیب کا اصول کے مطابق ہونا ضروری ہے۔

③ بعض اصطلاحات کو اتنی اچھی طرح ذہن نشین نہیں کرایا گیا کہ طالب علم کو اُن کا صحیح تصور ہو سکے۔

④ بعض مسائل کو ذہن نشین کرانے کے لئے دونوں کتابیں تسلی بخش ثابت نہیں ہوتیں، جب تک کوئی قابل اُستاد ان مسائل کو اچھی طرح ذہن نشین نہ کرائے۔

یہی وجہ ہے کہ اطباء میں ہم دیکھتے ہیں کہ مریض کے مزاج اس کے نفسیاتی اثرات اور جسم کی علامات خاص طور پر قارورہ اور نبض کو پوری طرح سمجھنے والے بہت کم ہیں اور یہ اہم مضامین اطباء اور معالجین کے درمیان مفقود ہوتے چلے جاتے ہیں۔

آج ایسا وقت آ گیا ہے کہ تمام ہندوستان و پاکستان میں ان مسائل پر پوری طرح عبور رکھنا تو درکنار ان کو سمجھنے والے بھی شاید انگلیوں پر گنے جا سکیں اور تلاش کرنے پر شاید ایک بھی نہ مل سکے۔ اسی لئے ان مسائل کو سمجھانے اور ذہن نشین کرانے اور ان پر پوری پوری روشنی ڈالنے کی کوشش کی گئی ہے۔ تاکہ اس کتاب سے وہ خاص طور پر اس طریقۂ تعلیم سے زیادہ سے زیادہ طلباء اور اہل شوق کامیابی کے ساتھ فیض حاصل کر سکیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا ہے کہ میرے مقاصد کو تکمیل تک پہنچانے کے لئے مجھے خاص طور پر اپنے نور اور ہدایت کی توفیق ارزانی فرمائے۔

خادمِ فن

صابر ملتانی

9 جولائی 1958ء

علمِ طب

تعریف: علم طب اُس علم کا نام ہے جس کے ذریعے بدنِ انسان کے حالاتِ صحت وحالاتِ مرض کا پتہ چلتا ہے۔

غرض و غایت: علم طب کی غرض وغایت یہ ہے کہ اگر صحت ہو تو اُس کی نگہداشت کی جائے اور مرض پیدا نہ ہونے دیا جائے، یعنی صحت کو برقرار رکھا جائے۔ اگر حالتِ مرض ہو تو حتی الامکان اُس کے ازالہ کی کوشش کی جائے اور مرض کو صحت کی طرف لوٹایا جائے۔

موضوع: جسم انسان جس میں اس کا نفس اور روح دونوں شریک ہیں۔

علمِ طب کی تقسیم

''علم طب'' دو حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے: ① علمی یا نظری ② عملی۔

فی الحقیقت یہ دونوں قسمیں علم ہی سے تعلق رکھتی ہیں۔ جن کی تشریح حسب ذیل ہے۔

حصہ علمی یا نظری کی تعریف: وہ علم ہے جس سے محض اشیاء اور کائنات کا علم اور اُس کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔ مثلاً ارکان یا کسی شے کی ذات اور اُس کے افعال کا علم۔ علاوہ ازیں اس میں اس قسم کی باتیں ہوتی ہیں جن کا عمل سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔

حصہ عملی کی تعریف: وہ علم ہے جس میں ایسے مسائل ہوتے ہیں جن کا تعلق عمل سے ہوتا ہے۔ مثلاً ورزش کیسے کی جائے، اگر کوئی مرض ہو تو اس کا علاج کیسے عمل میں لایا جائے، نیز صحت کو برقرار رکھنے کے لئے کن اصولوں کو مدنظر رکھنا چاہئے۔ گویا عملی سے مراد عمل کا علم مراد ہے یعنی اس میں بتایا جاتا ہے کہ عمل کیسے کیا جائے، گویا یہ بھی ایک علم ہے۔

طبِ علمی اور عملی کی مزید تقسیم

طبِ علمی: طب علمی کو مزید چار حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے: ① امورِ طبیعہ کا علم ② بدنِ انسان کے حالات ③ علم الاسباب ④ علم العلامات۔

طبِ عملی: طب عملی کی دو اقسام ہیں: ① علم حفظانِ صحت ② علم العلاج۔

یہ علم طب کا مکمل خاکہ ہے، ان کی مزید تشریح اور توضیح آئندہ صفحات میں کی جائے گی۔ مگر اختصار کے ساتھ یہاں صرف مبادیاتِ طب سے روشناس کرایا جائے گا۔ اس کی تقسیم کا نقشہ حسب ذیل ہے۔

- علمِ طب
  - طبِ علمی
    - ① علمِ امورِ طبیعہ
    - ② علم حالات بدن
    - ③ علم الاسباب
    - ④ علم العلامات
  - طبِ عملی
    - ① علمِ حفظانِ صحت
    - ② علم العلاج

جزوِ اوّل

امورِ طبیعہ

تعریف: امورِ طبیعہ چند ایسے امور ہیں جن پر بدنِ انسان کی بنیاد قائم ہے۔ یعنی بدن انسان انہی سے مل کر بنا ہے۔ ان میں سے اگر ایک کو بھی نفی فرض کر لیں تو بدنِ انسان قائم نہیں رہ سکتا۔ وہ امور حسب ذیل ہیں:

امورِ طبیعہ
① ارکان ② مزاج ③ اخلاط ④ اعضاء ⑤ ارواح ⑥ قوئی ⑦ افعال

① ارکان

تعریف: ارکان چند ایسے بسیط اجسام ہیں جو بدنِ انسان وحیوان اور نباتات و جمادات میں پائے جاتے ہیں، جن کا مزید تجزیہ نہیں ہوسکتا، یعنی ایسے اجزاءِ اوّلیہ جو مختلف صورتوں اور طبیعتوں کے اجسام میں تقسیم نہیں ہوسکتے۔ گویا وہ اجزاء لاتجزیٰ ہیں یعنی ان اجزاء کو مختلف دیگر اجزاء میں تقسیم نہیں کیا جاسکتا۔ ارکان رکن کی جمع ہے، جس کے ایک معنی یہ بھی ہیں کہ وہ ایک بنیادی چیز ہے۔ گویا چاروں ارکان کائنات میں زندگی کے بنیادی اجزاء ہیں۔ وہ چار ہیں[1]: (۱) آگ- جو گرم خشک ہے۔ (۲) ہوا- یہ گرم تر ہے۔ (۳) پانی- یہ سرد تر ہے۔ (۴) مٹی- یہ سرد خشک ہے۔

ارکان
① آگ ② ہوا ③ پانی ④ مٹی

[1] آیورویدک پانچ ارکان تسلیم کرتے ہیں۔ یعنی وہ ان چار ارکان کے ساتھ ایک ''آکاش'' کا بھی اضافہ کرتے ہیں، جس کو ہم اثیر اور انگریزی میں ایتھر (Ether) کہہ سکتے ہیں۔ اور ان کی ترتیب اس طرح ہے: (۱) آکاش (۲) اگنی (۳) وایو (۴) جل (۵) پرتھوی۔ مغربی سائنس تقریباً 99 عناصر تسلیم کرتی ہے۔ گویا انہوں نے آج تک جس قدر عناصر میں تحقیق اور معلومات کی ہے، وہ 99 کے قریب ہیں۔ جن میں ذیل کے خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ (۱) آئرن- لوہا (۲) آرسینک- سنکھیا (۳) آرگن (۴) اریڈیم (۵) اسٹرانیشیم (۶) اسکینڈیم (۷) انڈیم (۸) اوی سیم (۹) آکسیجن- نسیم بقیہ.....

② مزاج

تعریف: ارکان کے امتزاج میں فعل و انفعال، اثر و متاثر اور کسر و انکسار کے بعد جو کیفیت پیدا ہوتی ہے، اُس کا نام مزاج ہے۔ اس امتزاج میں چاروں کیفیات کا مساوی ہونا ضروری نہیں۔ اس میں جو ایک قسم کا اعتدال پایا جاتا ہے، وہ اعتدال فی القسمت (مزاج معتدل فرضی) یا باضرورت ہے۔ یعنی جس مزاج میں ان کیفیات کی جس قدر ضرورت ہو وہ پائی جائیں ان کیفیات میں حرارت اور برودت کو کیفیاتِ فاعلہ اور رطوبت اور یبوست کو کیفیاتِ مفعولہ تسلیم کیا گیا ہے۔

مزاجِ حقیقی

چاروں کیفیات کا کسی مزاج میں برابر اور مساوی پایا جانا ناممکن ہے، اس مزاج کو عقلی یا حقیقی کہتے ہیں، چونکہ اس کا عقلی اور حقیقی مزاج کا مقام ناممکن ہے، اس لئے اطباء نے ایک فرضی مزاج تسلیم کیا ہے۔

فرضی مزاج

یعنی ایسا مزاج جو ضرورت کے مطابق موالید ثلاثہ (حیوانات، نباتات، جمادات) کی کسی شے کو عطا کیا جائے۔ جس سے اس کی صحت قوئی اور نشوونما قائم رہے، یعنی جس مزاج میں گرمی کی زیادہ ضرورت ہو اُس کو گرمی زیادہ دی جائے اور جس مزاج میں سردی کی زیادہ ضرورت ہو اس کو سردی زیادہ دی جائے۔ یہ مزاج ''عدل فی القسمت'' ہے۔ مثلاً شیر کو حرارت کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے اور خرگوش میں برودت کی زیادہ ضرورت ہے۔ اگر ان کے مزاج میں کمی بیشی ہو جائے تو ان کی صحت، قوئی اور نشوونما قائم نہیں رہ سکتی۔ بس یہی مزاج کا معتدل ہونا

لہ ..... (۱۰) ایری بیم (۱۱) ایلومینیم (۱۲) اینٹی منی - سرمہ (۱۳) آیوڈین (۱۴) بیریم (۱۵) برومین (۱۶) بسمتھ - سونا مکھی (۱۷) بورون (۱۸) بیریلیم (۱۹) پرسیوڈیم (۲۰) پلاٹینم (۱۲۱) پوٹاشیم - کھار (۲۲) پلاڈیم (۲۳) تھیولیم (۲۴) تھوریم (۲۵) تھیلیم (۲۶) ٹنٹیلیم (۲۷) ٹربیم (۲۸) ٹن - ٹین (۲۹) ٹنگسٹن (۳۰) ٹیلوریم (۳۱) ٹین کالم (۳۲) جوسنیم (۳۳) ڈسپروسیم (۳۴) روبیڈیم (۳۵) روتھیلیم (۳۶) رہوڈیم (۳۷) ریڈیم (۳۸) زمیلیم (۳۹) زرکونیم (۴۰) زنک - جست (۴۱) سلفر - گندھک (۴۲) سلور - چاندی (۴۳) سیلیکن (۴۴) سیماریم (۴۵) سوڈیم (دھاتِ نمک) (۴۶) سیریم (۴۷) سلیلیم (۴۸) فلورین (۴۹) فاسفورس (۵۰) کاربن - دخان (۵۱) کرپٹون (۵۲) کرومیم (۵۳) کوبالٹ (۵۴) کاپر - تانبا (۵۵) کولمبیم (۵۶) کیڈمیم (۵۷) کیشیم (۵۸) کیلشیم - چونا (۵۹) کلورین (۶۰) گلوشیم (۶۱) گیلیم (۶۲) گولڈ - سونا (۶۳) گڈولیلیم (۶۴) لناتھیانیم (۶۵) لیتھیم (۶۶) لیٹیسیم (۶۷) لیڈ - سیسہ (۶۸) مرکری - پارہ (۶۹) جولیبیڈیم (۷۰) گلینیشم (۷۱) مینگنیز (۷۲) نائٹروجن - شورہ (۷۳) نیون (۸۴) نکل (۷۵) نیون (۷۶) نیوبیم (۷۷) نیوڈیم (۷۸) ڈیناڈیم (۷۹) ہائیڈروجن - پانی (۸۰) ہولیم (۸۱) ہیلیم (۸۲) ٹیربیم (۸۳) یوٹریم (۸۴) یوریم (۸۵) یورینیم۔ مغربی سائنس کی اس تحقیق سے کہ عناصر چار نہیں بلکہ 99 ہیں طبی دُنیا میں بہت بڑا مغالطہ پیدا ہو گیا ہے۔ اس کی مکمل تشریح ہماری کتاب ''فرنگی طب غیر علمی اور غلط ہے'' میں ملاحظہ فرمائیں۔ مگر یہاں پر اس قدر جان لیں کہ ارکان مادے کی ابتدائی صورت کا نام ہے جو چار ارکان کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ مگر وہ مادی صورتوں میں ظاہر نہیں ہوتے۔ یہ آگ، پانی، ہوا اور مٹی، دراصل وہ حقیقی ارکان نہیں بلکہ ان کے لطیف اور مادی صورتیں ہیں، انہی کی مزید تقسیم در تقسیم سے یہ سائنس کے 99 عناصر پیدا ہو گئے۔ گویا ارکان اور عناصر دو مختلف چیزیں ہیں۔ یا یوں سمجھ لیں کہ ارکان کے بعد عناصر پیدا ہوتے ہیں۔ اور آج سائنس نے ثابت کر دیا ہے کہ عناصر مزید سالمات اور برقیات میں تقسیم ہو سکتے ہیں اور اسی تقسیم کے نتیجہ میں ایٹم بم اور ہائیڈروجن بم وجود میں آئے ہیں۔

تسلیم کیا گیا ہے۔ لیکن جن کا مزاج معتدل فرضی، حقیقی یا عقلی کے زیادہ قریب ہوگا، ان کا مزاج سب سے زیادہ معتدل ہوگا۔ چونکہ انسان کا مزاج تمام کائنات میں مزاج معتدل حقیقی کے بہت قریب ہے۔ اس لئے انسان اس دُنیا میں سب سے زیادہ معتدل اور اشرف المخلوقات ہے۔ اسی نسبت سے نوعی، صنفی، شخصی امزجہ کے خارجی داخلی فروق پائے جاتے ہیں، جو اگرچہ تمام بالقیاس ہیں، مگر حقیقت پر مبنی ہیں۔

چاروں ارکان برابر ہیں
حقیقی مزاج
چاروں ارکان ضرورت کے مطابق
فرضی مزاجِ معتدل
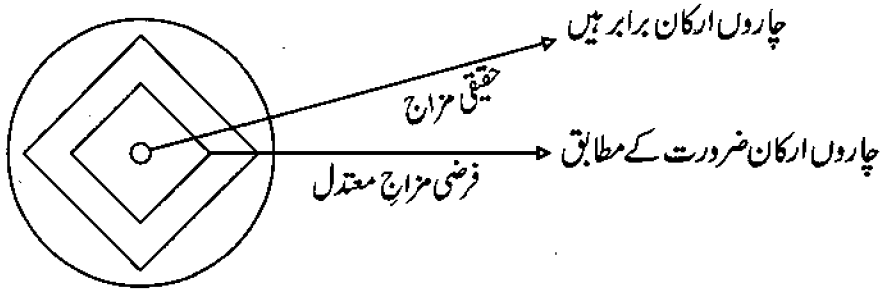
مزاج غیر معتدل

غیر معتدل فرضی ایسا مزاج ہے جو کسی فرضی معتدل مزاج کو اعتدال سے دور کردے۔ اس کی دو قسمیں ہیں: (۱) مفرد (۲) مرکب۔ پھر ہر دو کی چار چار قسمیں ہیں۔

اقسامِ مفرد: (۱) گرم (۲) سرد (۳) خشک (۴) تر۔

اقسامِ مرکب: (۱) گرم خشک (۲) گرم تر (۳) سرد خشک (۴) سرد تر۔

مزاج
مفرد: گرم، سرد، خشک، تر
مرکب: گرم خشک، گرم تر، سرد خشک، سرد تر
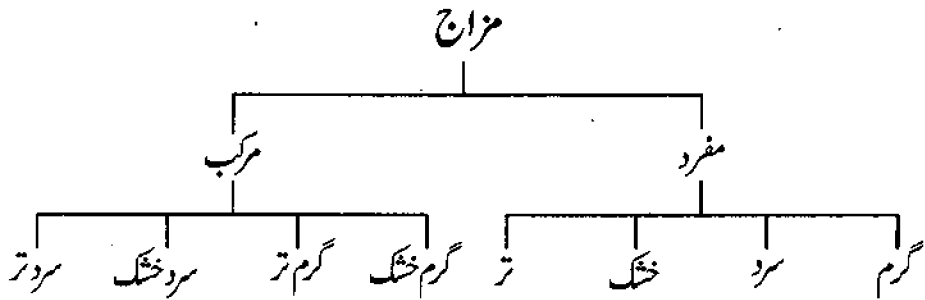
مزاجِ عمر

عمر کے اعتبار سے جوان زیادہ معتدل ہوتے ہیں۔ بچوں میں حرارت جوانوں کے برابر مگر رطوبت زیادہ ہوتی ہے۔ اس لئے بچوں کی حرارت نرم اور جوانوں کی حرارت تیز ہوتی ہے۔ ادھیڑ اور بوڑھے اشخاص کے مزاج سرد خشک ہوتے ہیں۔ مگر بوڑھے ایک عارضی اور سطحی[1] رطوبت کی وجہ سے مرطوب ہوتے ہیں۔

---

[1] رطوبت دو طرح کی ہوتی ہے، ایک حقیقی اور ایک غیر حقیقی۔ درخت کی ٹہنی میں حقیقی یعنی اصلی رطوبت ہوتی ہے۔ سوکھی ہوئی لکڑی کو پانی میں ڈبو دیا جائے تو یہ رطوبت سطحی اور عارضی یعنی غیر حقیقی رطوبت ہوگی۔ بالکل اسی طرح جیسے حرارت غریزی اور حرارت غریبہ ہے۔

مزاجِ اعضاء

اعضاء بدن میں سب سے زیادہ معتدل سرانگشت شہادت کی جلد ہے، اس کے بعد باقی انگلیوں کے اگلے پوروں کی جلد پھر انگلیوں کی جلد، پھر غارِ کف کی جلد، پھر کفِ دست کی جلد، پھر ہاتھ کی جلد، پھر عام جلد۔ جملہ اعضاء میں سب سے زیادہ گرم ''دِل'' ہے۔ اس کے بعد جگر۔ اس کے بعد گوشت۔

اعضاء میں سب سے زیادہ سرد ہڈی، پھر کری، پھر رباط، پھر عصب، پھر تمام نخاع، پھر دماغ۔

تمام بدن میں سب سے زیادہ ترسمین (پتلی چربی)، پھر شحم (موٹی چربی)، پھر نرم گوشت، پھر دماغ، پھر نخاع۔

بدن میں سب سے زیادہ خشک بال ہیں، اس کے بعد ہڈی، پھر کری، پھر رباط پھر اعصاب ہیں۔

③ اخلاط

تعریف: اخلاط ایسا تر سیال ہے جس کی طرف غذا تحلیل ہو کر اوّلاً آتی ہے۔ یعنی جو غذا ہم کھاتے ہیں وہ ہضم ہو کر کیلوس اور کیموس کی صورت کے بعد اخلاط کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔

تعداد: اخلاط[1] چار ہیں: (۱) **خون**- جو گرم تر ہے۔ (۲) **صفراء**- جو گرم خشک ہے۔ (۳) **بلغم**- جو سرد تر ہے۔ (۴) **سودا**- جو سرد خشک ہے۔

خون: جملہ اخلاط سے افضل و برتر ہے۔ یہ بدن کی غذا بنتا ہے۔ اس کی پرورش کرتا ہے۔ اس کی دو قسمیں ہیں: (۱) طبعی (۲) غیر طبعی۔

طبعی خون: طبعی خون وہ ہے جو جگر[2] میں پیدا ہو اور بدن کو اس سے فائدہ پہنچے۔ یہ خون سرخ، بے بو، معتدل قوام اور شیریں ہوتا ہے۔

غیر طبعی خون: غیر طبعی خون ان اوصاف میں خون طبعی سے مختلف ہوتا ہے۔

---

[1] آیورویدک اپنے اخلاط کو دوش (بگڑنے والا) کہتے ہیں۔ وہ تعداد میں تین ہیں۔ (۱) وات، جس کا مزاج سرد خشک ہے۔ (۲) پت، جس کا مزاج گرم خشک ہے۔ (۳) کف، جس کا مزاج سرد تر ہے۔ آیورویدک میں خون کو دوشوں میں شمار نہیں کرتے، بلکہ اس کو علیحدہ چیز کہتے ہیں، جس کا نام وہ رکت رکھتے ہیں۔ ان کے نظریہ کے مطابق تینوں دوشوں کا حامل ہے۔ ایلوپیتھی (یورپی طب) صرف خون کو خلط مانتی ہے، وہ صفراء، سودا اور بلغم کو خلط نہیں مانتے۔ بلکہ ان کو خون کے فضلات میں شمار کرتی ہے۔ اسی وجہ سے وہ اخلاط کے امزجہ اور کیفیات کے بھی قائل نہیں اور اسی باعث وہ علاج میں مزاج و کیفیات اور اخلاط کو مدنظر نہیں رکھتے۔

حقیقت اخلاط: اخلاط کی حقیقت بالکل دودھ کی طرح ہے۔ جب دودھ کچا ہوتا ہے تو وہ ایک ہی چیز معلوم ہوتا ہے۔ لیکن جب اس کو گرم کیا جاتا ہے تو اس کے اوپر بالائی آ جاتی ہے اور اُس کے اندر دانے پیدا ہو جاتے ہیں جو اس کی رطوبت سے علیحدہ معلوم ہوتے ہیں۔ اور ایک حصہ ثُفل کی طرح بیٹھ جاتا ہے اور اکثر جل جاتا ہے، گویا یہ چار حصے (۱) بالائی (۲) ذرات یا دانے (۳) رطوبت یا مائیت (۴) ثُفل یا درد یہ سب اُسی دودھ میں پائے جاتے ہیں۔ اس طرح سبب کیلوس بننے کے بعد اس میں حرارت اثر کرتی ہے، تو اس کے بعد اسی طرح چار جز بن جاتے ہیں جو حصہ بالائی کی طرح جھاگ کی شکل میں اوپر ہوتا ہے، جس کا رنگ سرخی مائل زرد ہوتا ہے، اس کو صفراء کہتے ہیں اور جو ذرّات کی شکل میں سرخ دانے پائے جاتے ہیں، اُس کو خون کہتے ہیں جو خون کی مائیت ہے اس کو بلغم کہتے ہیں۔ اس کی رنگت سفید ہوتی ہے، نیچے تلچھٹ بیٹھ جاتی ہے، جس کا رنگ سرخ سیاہی مائل ہوتا ہے۔ اس کو سودا کہتے ہیں۔ جب تک یہ اجزاء خون میں شریک رہتے ہیں یہ اخلاط ہیں اور جب خون سے باہر اخراج پاتے ہیں تو فضلات کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔

[2] فی الحقیقت ہر خلط طبعی کے لئے یہ شرط ہے کہ وہ جگر میں پیدا ہو اور بدن کو مطلوبہ فوائد پہنچائے جو خلط جگر میں پیدا نہ ہو اور بدن کو مطلوبہ فوائد نہ پہنچائے، تو وہ غیر طبعی خلط کہلاتی ہے۔

صفراء طبعی: صفراء طبعی خون طبعی کی وہ جھاگ ہوتے ہیں جو شوخ زردی مائل سرخ ہوتے ہیں۔ ان کا وزن ہلکا ہوتا ہے، اُن کے مزاج میں تیزی ہوتی ہے وہ جگر میں پیدا ہوتا ہے، اُس کا ایک فائدہ یہ ہے کہ خون کو لطیف بنا کر رگوں میں پہنچاتا ہے۔ دوسرے پھیپھڑے وغیرہ گرم خشک اعضاء کی غذا میں شامل ہوتا ہے۔ نیز اس کا ایک حصہ آنتوں پر گرتا ہے اور اس کے ثقل اور لیسدار بلغم کو دھوڑ التا ہے۔

صفراء غیر طبعی: صفرا غیر طبعی کے چار اقسام ہیں: **① مرہ ② محیہ ③ محترقہ ④ زنجاری یا کراثی۔**

اس کی صورتیں یہ ہیں کہ جو بلغم غلیظ کے ساتھ مخلوط ہونے سے پیدا ہوتا ہے اسے صفرا محیہ کہتے ہیں جو رقیق بلغم کے ملنے سے بنتا ہے۔ اسے مرہ صفراء کہتے ہیں اور جس میں جلا ہوا سودا مل جاتا ہے، اس کو صفراء محترقہ کہتے ہیں یا کبھی خود صفراء جل کر غیر طبعی ہو جاتا ہے۔ اسے کراثی یا زنگاری کہتے ہیں۔ کیونکہ صفراء زنگاری میں احتراق زیادہ ہوتا ہے، اس لئے یہ قتل اور ہلاکت میں زہروں کے مشابہ ہوتا ہے۔

صفرا غیر طبعی

صفرا مرہ | محیہ | محترقہ | زنجاری یا کراثی
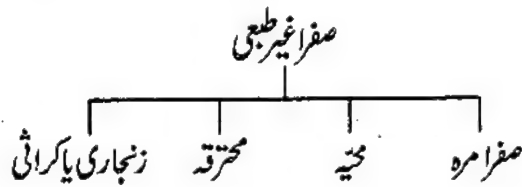
بلغم طبعی: بلغم طبعی وہ ہے جو جگر میں پیدا ہو اور بوقت ضرورت کامل خون بننے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ گویا کہ وہ سفید خون ہے جس میں ابھی کامل نضج نہیں ہوا۔ جب بدن کو غذا میسر نہیں آتی تو بلغم خون کی شکل اختیار کر کے اُس کی غذا بنتا ہے۔ یہ اعضا کو تر رکھتا ہے اور اُن کو حرکت سے خشک نہیں ہونے دیتا۔ اس کا بڑا فائدہ یہ ہے کہ دماغ وغیرہ سرد تر اعضاء کی غذا بنتا ہے۔

بلغم غیر طبعی: بلغم غیر طبعی یا تو مزے کے اعتبار سے ہوتا ہے یا قوام کی رو سے۔ مزے کے اعتبار سے بلغم غیر طبعی کی پانچ قسمیں ہیں۔

اقسامِ بلغم غیر طبعی باعتبار مزہ:

① حلو (شیریں)، اس کا مزاج حرارت کی طرف ہوتا ہے۔

② مالح (نمکین)، یہ حرارت اور یبوست کی طرف مائل ہوتا ہے۔

③ حامض (ترش)، یہ برودت کی طرف مائل ہوتا ہے۔

④ عفص (کھٹا)، اس کا یبوست اور برودت کی طرف میلان ہوتا ہے۔

⑤ تفہ (بے مزہ)، یہ بہت سرد اور خام ہوتے ہیں۔

اقسام بلغم غیر طبعی بلحاظ قوام: جملہ قوام کے لحاظ سے بلغم غیر طبعی کی تین قسمیں ہیں: ① بہت رقیق اس کو بلغم مائی (آبی) کہتے ہیں۔ ② بلغم جصی (گچ کی طرح) بہت غلیظ بلغم کو کہتے ہیں۔ ③ مختلف القوام، اس کا نام مخاطی (ینٹھ) ہے۔

بلغم غیر طبعی

مائی | جصی | مخاطی
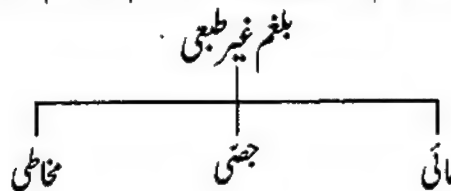
سودا طبعی: سوداء طبعی خون کا تلچھٹ ہوتا ہے، اس کا اوّل فائدہ یہ ہے کہ خون کو گاڑھا کرتا ہے اور سخت بناتا ہے۔ دوسرے ہڈی اور سرد خشک اعضاء کی غذا بنتا ہے۔ تیسرا فائدہ یہ ہے کہ اس میں سے کچھ حصہ فم معدہ پر گر کر بھوک لگاتا ہے۔

سودا غیر طبعی: جلی ہوئی خلط ہے، کبھی یہ خود جل جاتا ہے، کبھی دیگر اخلاط جل کر سودا بن جاتی ہیں۔

خون کے فوائد: خون کا سبب فاعلی معتدل حرارت، سبب مادی اچھی اغذیہ واشربہ جن کا مزاج معتدل ہو۔ سبب صوری نضج کامل اور سبب غائی بدن کو تغذیہ اور گرمی تری پہنچانا ہے۔

صفراء طبعی کے فوائد: صفراء طبعی کا سببِ فاعلی معتدل حرارت ہے۔ سببِ مادی لطیف، گرم شیریں اور چکنی چپڑی غذائیں، سبب صوری نضج کامل اور سبب غائی ان اعضاء کی خوراک جن میں صفراوی خون خرچ ہوتا ہے۔ مثلاً پھیپھڑے جگر وغیرہ۔

بلغم طبعی کے فوائد: بلغم طبعی کا سبب فاعلی ضعیف حرارت، سبب مادی غلیظ لیسدار اور سرد غذائیں سبب صوری نضج کامل سبب غائی بوقت ضرورت بدن کو غذا دینا طراوت پہنچانا اور خاص طور پر بلغمی اعضاء مثلاً دماغ اعصاب وغیرہ کو غذا بخشنا۔

سودا طبعی کے فوائد: سودا طبعی کا سبب فاعلی معتدل حرارت، سبب مادی غلیظ کم، رطوبت جو سرد خشک غذاؤں سے پیدا ہو سبب صوری تہہ نشین دُرد (تلچھٹ) سبب غائی سوداوی اعضاء، مثلاً ہڈی وغیرہ کو غذا بخشنا اور فمِ معدہ پر گر کر بھوک لگانا ہے۔

اسباب کی ان چار اقسام (فاعلیہ، مادیہ، صوریہ اور غائی) کو سمجھنے کے لیے مٹی کے برتن کی مثال لے سکتے ہیں۔

① ہم دیکھتے ہیں کہ اس کی تیاری کے لیے سب سے پہلے مٹی اور پانی کی ضرورت پیش آتی ہے۔ جو اس کے لیے سبب مادیہ ہیں۔

② اس کے بعد کمہار کی ضرورت ہوتی ہے جو برتن بناتا ہے یہ سبب فاعلیہ ہے۔

③ اس کے بعد کمہار مٹی کی مدد سے ایک خاص شکل کا برتن بنا کر تیار کرتا ہے یہ اس کے لیے سبب صوریہ ہے۔

④ اور برتن جس غرض وغائیت یا کام کے لیے تیار کیا گیا ہو یہ اس کا سبب غائیہ یا تمامیہ ہے۔ (حلاج)

④ اعضاء

تعریف: اعضاء وہ کثیف اجسام ہیں جو اخلاط کی ابتدائی ترکیب (رطوبتِ ثانیہ) سے پیدا ہوتے ہیں، جیسا کہ اخلاط ارکان کی ابتدائی ترکیب سے ظہور میں آتے ہیں۔

واضح ہو کہ غذا ایک جسم ہے کہ جب وہ معدہ میں پہنچتا ہے تو بدنِ انسان کا جزو بن جاتا ہے جس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ غذا معدے میں پہنچنے کے بعد ایک ایسے جوہر میں بدل جاتی ہے جو غلیظ آش جو کی مانند ہوتا ہے اس کو کیلوس کہتے ہیں یہ ہضم اوّل بھی کہلاتا ہے۔ اِس کے بعد کیلوس کا صاف اور لطیف حصہ مجریٰ الصدر کے ذریعے دِل میں چلا جاتا ہے اور باقی حصہ آنتوں میں جا کر صفراء اور دیگر آنتوں کی رطوبات کے ملنے سے پکتا ہے۔ یہ کیموس کہلاتا ہے اس کو ہضم ثانی بھی کہتے ہیں۔ پھر یہ کیموس عروق ماساریقا کے ذریعہ جگر کی طرف جذب ہو جاتا ہے اور یہاں پر نضج پانے کے بعد اخلاط میں تبدیل ہو جاتا ہے پھر اخلاط کی ابتدائی ترکیب سے جو رطوبت بنتی ہے اُسے رطوبتِ ثانیہ کہتے ہیں اور اسی رطوبت سے اعضاء بنتے ہیں جس طرح ارکان کی ابتدائی ترکیب سے نباتات وحیوانات بنتے ہیں جن کے کھانے سے کیلوس وکیموس کے بعد اخلاط پیدا ہوتے ہیں۔

اعضاء کی بناوٹ کے لحاظ سے دو قسمیں ہیں: (۱) مفرد (۲) مرکب۔

مفرد اعضاء کی تعریف: مفرد اعضاء وہ اعضاء ہیں کہ اگر اُن کا کوئی ظاہری اور محسوس حصہ لیا جائے تو وہ حصہ نام اور تعریف میں ان کا

شریک ہو۔ مثلاً ہڈی عضوِ مفرد ہے۔ اگر اس کا ایک ٹکڑا لے کر اس کا نام دریافت کیا جائے تو اس کو بھی ہڈی کہیں گے جو تعریف کُل کی ہے، وہی تعریف اُس پر بھی صادق آئے گی۔ مگر ہاتھ یا پاؤں عضوِ مرکب ہیں کیونکہ ان کے ایک حصہ مثلاً انگلی کو ہاتھ نہیں کہا جاسکتا۔

مفرد اعضاء: مفرد اعضاء میں ہڈی، کرّی، رباط، وتر، عصب، غشائی (جھلی)، چربی، وریدیں اور شرائن، جلد، شعر (بال) اور ظفر (ناخن) شامل ہیں۔

عظم (ہڈی) : ایک سخت اور بے حس عضو ہے، جو جسم انسان کی بنیاد کا کام دیتا ہے۔ اس کی بناوٹ میں زیادہ تر چونے کے اجزاء پائے جاتے ہیں۔ جسم انسان میں 246 (دو سو چھیالیس) ہڈیاں ہیں۔ جن کی تفصیل یہ ہے۔

سر کی ہڈیاں	8	ہنسلی کی ہڈیاں (ہر دو طرف)	1	پنجے کی ہڈیاں (ہر دو طرف)	16	پنڈلی کی ہڈیاں (ہر دو طرف)	4
چہرے کی ہڈیاں	16	سینے کی ہڈی	1	ہتھیلی کی ہڈیاں (ہر دو طرف)	10	ٹخنے کی ہڈیاں (ہر دو طرف)	14
زبان کی جڑ کی ہڈی	1	پسلی کی ہڈیاں (ہر دو طرف)	24	انگلیوں کی ہڈیاں (ہر دو طرف)	28	تلووں کی ہڈیاں (ہر دو طرف)	10
دانت (اوپر و نیچے)	32	شانے کی ہڈیاں (ہر دو طرف)	2	کولہے کی ہڈیاں (ہر دو طرف)	2	پاؤں کی انگلیوں کی ہڈیاں (//)	28
کان کی ہڈیلیں (ہر دو طرف)	6	بازو کی ہڈیاں (ہر دو طرف)	2	ران کی ہڈیاں (ہر دو طرف)	2	چھوٹی چھوٹی تل کی مانند ہڈیاں	8
ریڑھ کی ہڈیاں یا مہرے	26	کلائی کی ہڈیاں (ہر دو طرف)	2	چپنی کی ہڈیاں (ہر دو طرف)	2	میزان کل	246

کرّی (غضروف) : ایک سفید عضو ہے اس میں ہڈی کی نسبت لچک اور نرمی ہوتی ہے جو دبانے سے دب جاتی ہے، مگر دباؤ ہٹ جانے پر اپنی لچک کی وجہ سے اپنی اصلی حالت پر آجاتی ہے۔ کرّی گویا ایک قسم کی نرم ہڈی ہے۔ اس کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے یہ ہڈی کو نرم عضو مثلاً گوشت وغیرہ کے ساتھ اس طرح جوڑتی ہے کہ سخت عضو نرم عضو کو ایذا نہیں پہنچا سکتا اور اُس کے ساتھ جڑ جاتا ہے۔ بعض جگہ دو ہڈیوں کو آپس میں جوڑنے کے کام آتی ہے۔ جیسے کہ ریڑھ کے مہرے اور جوڑ اور بعض جگہ ایسے عضو کا کام دیتی ہے، جہاں نہ ہڈی کی سختی کام دے سکتی ہے اور نہ گوشت کی نرمی جیسے ہوا کی نالی اور غذا کی نالی۔

اعصاب: وہ سفید اجسام ہیں جو مڑنے میں لچک دار ہوتے ہیں اور ٹوٹنے میں سخت۔ ان کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے۔ ان سے اعضاء کے اندر حس اور حرکت دینے کی تحریک پیدا ہوتی ہے۔ اعصاب دو قسموں میں منقسم ہیں: (۱) دماغی (۲) نخاعی۔

اعصابِ دماغی: جو دماغ سے اُگتے ہیں، وہ سات جوڑے ہیں۔ ان کے ذریعے حواسِ خمسہ۔ ظاہری) اور بعض اعضاء کو حس حاصل ہوتی ہے اور بعض اعضاء کو حرکت کے لئے تحریک ہوتی ہے۔

اعصابِ نخاعی (حرام مغز) : یہ اعصاب نخاع (حرام مغز) سے اُگتے ہیں، یہ کل اکتیس جوڑے ہیں اور ہر ایک عصب اکیلا ہے۔ اس کا کوئی جوڑ نہیں۔ ان اعصاب کا یہ فائدہ ہے کہ گردن سے نیچے کے اعضاء کی حس اور اُن میں حرکت کی تحریک اُن کے ذریعہ ہوتی ہے

اوتار (نسیں) : وہ اجسام ہیں جو بعض اعضاء کے سروں سے اُگتے ہیں۔ اور رنگ و قوام میں پٹھوں کے مشابہ ہوتے ہیں۔ یہ ان اعضا سے ملے ہوتے ہیں جو حرکت کرتے ہیں یعنی عضلات۔ ان کا فائدہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ عضو متحرک کو اپنے انجذاب سے کھینچ لیتے ہیں اور دوسری مرتبہ مسترخی (ڈھیلے) ہو کر اس کو ڈھیلا چھوڑ دیتے ہیں۔

رباطات (بندھن) : وہ اجسام ہیں جو رنگ و قوام میں پٹھوں کے مشابہ ہوتے ہیں۔ یہ ہڈی سے شروع ہوتے ہیں اور گوشت میں ختم ہو جاتے

ہیں۔ان کا فائدہ یہ ہے کہ جوڑوں کی ہڈیوں کے دونوں سروں کو یا دوسرے اعضاء کو باہم ملاتے اور باندھ دیتے ہیں۔

عضلات (گوشت کی مچھلیاں): یہ خالص گوشت ہے، البتہ ان کے اندر اعصاب، اوتار اور رباطات گزرتے ہیں۔ان کا فائدہ یہ ہے کہ ان سے جسم کی حرکت عمل میں آتی ہے۔ہڈیوں کی پوشش بنتے ہیں اور حرارت غریزی اور رطوبت غریزی جسم میں محفوظ رکھتے ہیں۔

شرائن: ان کو عروقِ ضوارب (کودنے والی رگیں) کہتے ہیں۔یہ دوہرے طبق سے بنی ہوتی ہیں، یہ قلب سے اُگتی ہیں، جوفدار ہوتی ہیں۔ان کی بناوٹ عصباتی مادے سے ہے۔ان میں بذاتِ خود حس و حرکت نہیں ہوتی بلکہ ان کی تڑپ اور حرکتِ قلب کی وجہ سے ہوتی ہے۔ان کے جوف میں سرخ رنگ کا خون اور روح و نسیم ہوتی ہے۔ان کا فائدہ یہ ہے کہ ان کے ذریعہ سے قوتِ حیات اعضاء کو پہنچتی ہے۔

اوردہ (وریدیں): ان کو عروقِ غیر ضوارب (ساکن رگیں) بھی کہتے ہیں، ان کی بناوٹ بھی عصباتی مادے سے ہے، ان میں دوہرا طبق ہوتا ہے، یہ جگر سے اُگتی ہیں اور جوفدار ہوتی ہیں۔ان میں بھی حس و حرکت نہیں ہوتی۔ان کے اندر بمقابلہ شرائن کے خون میں سرخی اور روح کم اور دخان (کاربن) زیادہ ہوتا ہے۔ان کا فائدہ یہ ہے کہ یہ جگر سے خون کو لا کر ان اعضاء کو پہنچاتی ہیں جن کے لئے یہ مفید ہیں، مثلاً عضلات اور پھیپھڑے وغیرہ۔

غشاء (جھلی): یہ جسم بھی عصباتی ہے، شکل میں پتلا ہوتا ہے، اس میں قوتِ حرکت نہیں ہوتی۔البتہ حس ضرور ہوتی ہے۔اس کا فائدہ یہ ہے کہ یہ اپنے ترشح سے اعضاء کی حفاظت کرتی ہے۔

شحم اور سمین (موٹی چربی اور پتلی چربی): یہ وہ جسم ہیں جو سفید اور نہایت نرم ہوتے ہیں۔خون کی مائیت اور چکناہٹ سے پیدا ہوتے ہیں۔ان کو سردی جما دیتی ہے، یہ گرمی سے پگھل جاتے ہیں۔ان کا فائدہ یہ ہے کہ اپنے اِردگرد کے عضو کو نرم رکھتے ہیں۔

جلد (بدن کی کھال): عصباتی جسم ہے، اس میں حس بہت زیادہ ہوتی ہے۔اس کا فائدہ اعضاء کو چھپانا ہے۔

شعر (بال): بال جسم پر زینت کے علاوہ جسم کی حفاظت کرتے ہیں۔اور جسم کے گندے فضلات کو باہر خارج کر دینے میں مدد دیتے ہیں۔زینت کی صورت میں سر کے بال خاص طور پر عورتوں کے لئے اور داڑھی مردوں کے لئے زینت ہے۔اسی طرح پلکوں اور بھوؤں کے بال زینت بھی ہیں اور جسم کی حفاظت بھی کرتے ہیں۔باقی جسم پر جن مقامات پر بال ہیں۔خاص طور پر بغل اور زیر ناف۔ان سے جسم کے بعض فضلات اخراج پاتے ہیں۔

ظفر (ناخن): یہ بھی جوہر عصباتی ہیں۔یہ ہڈی کی نسبت نرم اور کرّی کی نسبت سخت ہوتے ہیں۔ان کا فائدہ یہ ہے کہ انگلی کے پوروں کو سخت اور مضبوط بنا دیتے ہیں، تاکہ چھوٹی چھوٹی چیزوں کے پکڑنے میں مددگار ثابت ہو۔[1]

اعضاء مرکب کی تعریف: وہ اعضاء ہیں جو مفرد اعضاء کے ترکیب پانے سے بنتے ہیں۔یہ تین ترکیبوں سے ترتیب پاتے ہیں۔پہلی ترکیب جیسے آنکھ، دوسری ترکیب جیسے چہرہ، تیسری ترکیب جیسے سر۔پہلی ترکیب میں مفرد اعضاء آپس میں مل کر ایک صورت بناتے ہیں، یعنی اس

---

[1] شیخ کے زمانہ میں چونکہ خوردبین کی ایجاد نہیں ہوئی تھی، اس لئے وہ اعضاء میں مفرد اور مرکب اعضاء کا صحیح تعین نہ کر سکے، اس لئے انہوں نے جز و کل میں مشابہت رکھنے والے اعضاء کو مفرد کر دیا اور مختلف مشابہت رکھنے والے اعضاء کو مرکب کر دیا۔اگرچہ شیخ کے زمانے میں اعصاب، عضلات اور غدد کا صحیح تصور تھا اور انہوں نے بھی ان کو مفرد میں ذکر کیا ہے، لیکن اُن کو انہوں نے بنیادی مفرد اعضاء میں نہیں لکھا۔اس لئے وہ شریانوں اور وریدوں اور غشاء اور جلد کو بھی مفرد اعضاء میں لکھ رہے ہیں۔لیکن حقیقت میں وہ مفرد اعضاء میں شریک نہیں بلکہ مرکب اعضاء ہیں۔کیونکہ ان میں اعصابی اور عضلاتی ریشے اور غشاء بھی پائے جاتے ہیں۔ ...... [illegible]

[illegible] مرفہ پاکر ایک مرکب عضو بن جاتا ہے، جیسے آنکھ۔ دوسری ترکیب میں وہ مرکب عضو دوسرے اعضاء سے مل [illegible] کہ اس میں آنکھیں بھی موجود ہیں۔ اور تیسری ترکیب ایسی ہوتی ہے جس میں آنکھ اور چہرے کے علاوہ دیگر [illegible] شکل اختیار کرتے ہیں۔ جیسے سر اس میں چہرہ اور آنکھیں دونوں شامل ہیں۔

[illegible] اعضاء میں دماغ، جس پر عضلاتی اور اعصابی جھلیاں لپٹی ہوئی ہوتی ہیں۔ آنکھیں جن میں سات پردے اور تین [illegible] لب، زبان، مری (غذا کی نالی) حنجرہ (ہوا کی نالی) لہات (کوا)، پھیپھڑے جو اپنی جھلیوں میں لپٹے ہوئے ہیں۔ [illegible] میں ملفوف ہے۔ معدہ، امعاء (انتڑیاں)، جگر جو مرارہ (پتہ) اعصاب اور جھلیوں سے مرکب ہے۔ اسی طرح طحال (تلی) جو اعصاب اور جھلیوں سے مرکب ہے۔ دونوں گردے جن پر جھلیاں چڑھی ہوئی ہیں اور ان میں اعصاب بھی شامل ہیں۔ اسی طرح مثانہ، انثیین، قضیب، رحم وغیرہ۔ یہ مرکب اعضاء میں شریک ہیں۔

مقام کے لحاظ سے اعضاء کی تقسیم: مقام کے لحاظ سے اعضاء کی دو قسمیں ہیں: (۱) رئیسہ (۲) غیر رئیسہ۔

اعضاء رئیسہ: وہ اعضاء ہیں جن پر بقا اور حیات کا دارومدار ہے۔ یہ تین ہیں: (۱) دل (۲) دماغ (۳) جگر۔ بعض حکماء اعضائے نسلی کو بھی اعضاء رئیسہ میں شمار کرتے ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اعضائے نسلی بھی اعضائے رئیسہ سے مرکب ہیں۔

غیر رئیسہ کی اقسام: دو ہیں (۱) خادم الرئیس (۲) غیر خادم الرئیس۔

خادم الرئیس: خادم الرئیس تین ہیں۔ (۱) دماغ کے لئے اعصاب (۲) دل کے لئے شریانیں اور وریدیں (۳) جگر کے لئے جھلیاں اور غدد۔

غیر خادم الرئیس: ان کی دو قسمیں ہیں: (۱) مروسہ (۲) غیر مروسہ۔

مروسہ: مروسہ میں وہ مرکب اعضاء آجاتے ہیں جو اعضاء رئیسہ کی خدمت بلاواسطہ کرتے ہیں۔ جیسے معدہ، مثانہ، پھیپھڑے وغیرہ۔

غیر مروسہ: غیر مروسہ وہ اعضاء ہیں جن سے مل کر مروسہ اعضاء بنتے ہیں۔ مثلاً ہڈیاں، کریاں وغیرہ۔ ان میں اپنی ذاتی قوت موجود ہوتی ہے۔ جو ان کو قدرت کی طرف سے ودیعت کی گئی ہے۔ ان کی طرف اعضائے رئیسہ سے ظاہری طور پر کوئی قوت نہیں پہنچتی۔

ف...... **اعضاء کے متعلق ہماری تحقیقات:** جسم انسان تین حصوں میں منقسم ہے: (۱) نفس یا طبی روح (۲) خون (۳) بدن۔ پھر بدن انسان تین قسم کے اعضاء میں تقسیم ہوتا ہے: (۱) بنیادی اعضاء (۲) بقائی اعضاء (۳) مرکب اعضاء۔

بنیادی اعضاء: بنیادی اعضاء کی تین قسمیں ہیں: (۱) ہڈی (۲) رباط (۳) وتر۔ یہ اعضاء انسان کی بنیادیں قائم کرنے کے ساتھ ان کو مضبوط بناتے ہیں۔ بقائی اعضاء کے ساتھ جوڑتے ہیں اور مرکب کرتے ہیں۔

بقائی اعضاء: بقاء اعضاء کی بھی تین اقسام ہیں: (۱) عضلات، جن کا مرکز دل ہے۔ (۲) اعصاب، جن کا مرکز دماغ ہے۔ (۳) غدد، جن کا مرکز جگر ہے۔

مرکب اعضاء: مرکب اعضاء وہ اعضاء ہیں جو انہی بنیادی اور بقائی مفرد اعضاء سے مل کر مرکب اعضاء بنتے ہیں۔ ان کی بھی کئی اقسام ہیں۔ یہ تین ترکیبوں سے جڑتے ہیں اور رفتہ رفتہ جسم انسان تیار ہوتا ہے۔ [تفصیل ہماری کتاب ''تشریح وافعال الاعضاء'' میں ملاحظہ فرمائیں۔ صابر]

⑤ ارواح

اگرچہ مذہب میں روح سے مراد نفس ناطقہ ہے، مگر طب میں ہماری مراد طبی روح سے ہے۔ طب میں روح[1] ان لطیف بخارات کو کہتے ہیں جو اخلاط کے لطیف حصہ سے پیدا ہوں۔ جس طرح اعضاء اخلاط کے کثیف حصہ سے بنتے ہیں۔

چونکہ ارواح سے قوتوں کا اظہار ہوتا ہے اور یہ اظہار نفس انسانی کرتا ہے، جس کے ذرائع قویٰ انسانی ہیں۔ اس لئے قویٰ کی طرح ارواح کی بھی تین اقسام ہیں: (۱) روحِ حیوانی، جس کا مقام دِل ہے۔ (۲) روح طبعی، جس کا مقام جگر ہے۔ (۳) روحِ نفسانی، جس کا مقام دماغ ہے۔

⑥ قویٰ

تعریف: قویٰ ان قوتوں کو کہتے ہیں جن سے طبی روح کے افعال صادر ہوں۔

اقسام: قویٰ تین ہیں: (۱) قوت طبعی (۲) قوت نفسانی (۳) قوت حیوانی۔

۱۔ قوت طبعی: قوتِ طبعی وہ قوت ہے جس سے ایسی قوتوں کا اظہار ہوتا ہے جو زندگی کی بقا کے لئے تغیر و تصرف کرتی ہیں، اس کا مقام جگر ہے۔

اقسام قوت طبعی: قوتِ طبعی کی دو اقسام ہیں: (۱) قوتِ تغیر و تصرف جسم (۲) قوتِ بقائے نسل۔

قوت تغیر و تصرف جسم: ایسی قوت ہے جو جسم میں تغیر و تصرف کرے اور اس میں نشو و ارتقاء پیدا کرے۔

اقسام قوت تغیر و تصرف جسم: قوت تغیر و تصرف جسم کی دو قسمیں ہیں: (۱) غاذیہ (۲) نامیہ۔

غاذیہ: غاذیہ وہ قوت ہے جو بدن کے ہر عضو کو غذا پہنچاتی ہے اور جزوِ بدن بناتی ہے۔

غاذیہ کے خدام: (۱) جاذبہ (۲) ماسکہ (۳) ہاضمہ (۴) دافعہ۔ ان کی قوتیں اس طرح عمل میں آتی ہیں کہ اوّل قوتِ جاذبہ غذا کو جسم میں جذب کرتی ہے۔ پھر قوتِ ماسکہ غذا کو اُس وقت تک جسم میں قابو رکھتی ہے جب تک قوتِ ہاضمہ اس کو ہضم نہ کرلے اور پھر قوتِ دافعہ باقی فضلات اور غیر نافع چیزوں کو جسم سے خارج کر دیتی ہے۔

---

[1] یورپی طب اِن ارواح یا کسی ایک روح جو جسم انسان میں پائی جاتی ہے، قائل نہیں، اور نہ اس امر کی قائل ہے کہ یہ ارواح جسم انسانی میں کچھ افعال انجام دیتے ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس انکار کے برعکس وہ لطیف ارواح جن کو گیسز (Gases) کہتے ہیں۔ قائل ہیں کہ وہ خون میں پائی جاتی ہیں اور یہ خون کے اندر ایک اہم مقصد انجام دیتی ہیں۔ اس امر سے ثابت ہوا کہ یورپی طب بھی بالواسطہ ان ارواح اور ان کے افعال سے پوری طرح متفق ہے۔ یہی گیسز (Gases) جب مختلف اعضاء میں جاکر اثر انداز ہوتی ہیں تو ان کے مختلف مقام اور افعال کی وجہ سے نام بدل جاتے ہیں۔ مثلاً جو گیسز دماغ اور اعصاب میں تحریک پیدا کرتی ہیں، انہیں مینٹل فورس (Mantal Force) روحِ نفسانی کہتے ہیں، جو دِل اور عضلات میں اثر انداز ہوتی ہیں، ان کو اینی مل فورس (Animal Force) یعنی روحِ حیوانی اور جو جگر اور غدد میں اثر کرتی ہے ان کو فزیکل فورس (Physical Force) روح طبعی وغیرہ بھی کہتے ہیں۔

قوت نامیہ: قوتِ نامیہ ایسی قوت ہے جو جسم میں نوع و نسل کے اقتضیٰ کے مطابق تینوں قطروں (قطروں یا اقطار سے مراد جسم کی لمبائی، چوڑائی اور موٹائی ہے) میں جسم کی نشوونما کرے۔

قوت بقائے نسل: ایسی قوت جو ایک جسم کے لئے اپنی مثل جسم پیدا کرے۔

اقسامِ قوت بقائے نسل: قوت بقائے نسل کی دو اقسام ہیں: (۱) مولدہ (۲) مصورہ۔

قوت مولدہ: وہ قوت ہے جو اخلاط اور رطوباتِ بدن سے جوہرِ منی الگ کرتی ہے اور اس کے ہر جزو کو خاص عضو بننے کے لئے تیار کرتی ہے۔

قوت مصورہ: وہ قوت ہے جو حسب امر خداوندی منی کے ہر جزو کو اس کے اقتضیٰ کے مطابق خط و خال اور جوف وغیرہ بخشتی ہے۔ جو جسم میں منی سے پیدا ہوتی ہے یا کوئی ایسی شکل اختیار کرتی ہے جو اس نوع کے قریب ہو۔

۲۔ **قوت نفسانی:** قوتِ نفسانی ایک ایسی قوت ہے جو جسم انسان میں احساس اور ادراک کرتی ہے اور ضرورت کے وقت حرکت کے لئے تحریک کرتی ہے اور اس کی ضرورت اس لئے ہے کہ حیوان اور انسان مضر چیزوں سے بھاگ سکے اور نفع بخش چیزوں کے قریب آ سکے یا ظاہر ہے کہ ان تحریکات کے لئے مفید و مضر باتوں کا احساس و ادراک ضروری ہے۔

قوت نفسانی کی اقسام: قوتِ نفسانی کی دو اقسام ہیں: (۱) محرکہ (تحریک دینے والی قوت) (۲) مدرکہ (ادراک کرنے والی)۔

(۱) **قوت محرکہ کی اقسام:** قوتِ محرکہ کی دو قسمیں ہیں: (۱) شوقیہ جو تحریک کا موجب ہوتی ہے۔ اس کی دو خادم قوتیں ہیں: (۱) شہوانیہ، ایسی قوت جو کسی چیز کے حصول کا شوق رکھے۔ (۲) غضبانیہ، جو کسی خوفناک چیز سے دور بھاگنے کی کوشش کرے یا نفرت کا اظہار کرے یا طبیعت میں انقباض پیدا ہو۔

(۲) **قوت فاعلہ:** وہ قوت ہے جو حرکت کے فعل کو تحریک دے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ یہ قوت عضلات کو سکیڑنے کا احساس پیدا کرتی ہے۔ جس سے وتر کھنچ جاتا ہے یا عضلات کو ڈھیلا کر دیتی ہے، جس سے وتر دراز ہو جاتا ہے اور عضو پھیل جاتا ہے۔

نوٹ: یہ دونوں قوتیں اس طرح یکے بعد دیگرے اپنا فعل انجام دیتی ہیں کہ ان میں امتیاز کرنا ذرا مشکل ہو جاتا ہے یعنی جس وقت دماغ میں کسی پسندیدہ چیز کی ضرورت پیدا ہوتی ہے تو قوتِ شہوانیہ اُس کے حصول کی سعی کرتی ہے۔ یا قوتِ غضبانیہ اس کے رفع کرنے کے لئے آمادہ ہوتی ہے، اس طرح قوتِ شوقیہ قوتِ فاعلہ کو تحریک پر آمادہ کر دیتی ہے۔ لیکن ان افعال میں اس انسان یا حیوان کو قطعاً اس امر کا علم نہیں ہوتا کہ اس وقت کس عضلہ کو حرکت میں لایا جائے مگر پھر بھی وہ بغیر علم اور ارادے کے اُسی عضلہ کو متحرک کرتا ہے جس کی اس وقت تحریکِ عضو کے لئے ضرورت ہوتی ہے۔

(۲) **قوت مدرکہ:** قوتِ مدرکہ کی دو قسمیں ہیں: (۱) مدرکہ ظاہری (۲) مدرکہ باطنی۔

① **اقسام مدرکہ ظاہری:** مدرکہ ظاہری کی پانچ اقسام ہیں، ان کو حواس خمسہ ظاہری بھی کہتے ہیں، ان کا کام یہ ہے کہ یہ باہر کی معلومات دماغ کی اندرونی قوتوں تک پہنچاتے ہیں۔ یہ حواسِ ظاہری حسب ذیل ہیں: (۱) قوت باصرہ - دیکھنے کی قوت (۲) قوت سامعہ - سننے کی قوت (۳) قوت شامہ - سونگھنے کی قوت (۴) قوت ذائقہ - چکھنے کی قوت (۵) قوتِ لامسہ - چھونے کی قوت۔

② **اقسام مدرکہ باطنی:** قوتِ مدرکہ باطنی جس کو حواس خمسہ باطنی بھی کہتے ہیں، ایسی قوت ہے جو حواس خمسہ ظاہری کے احساسات اور ایسے تاثرات کا ادراک کرتی ہے جن کو حواسِ خمسہ ظاہری احساس نہیں کر سکتے۔ حواسِ خمسہ باطنی حسب ذیل ہیں۔

(i) **حسّ مشترک:** وہ قوتِ باطنی جو حواس خمسہ ظاہری کی احساس کی ہوئی چیزوں کو ضرورت کے وقت دوبارہ بغیر اُس چیز کی موجودگی کے

محسوس کرتی ہے اور تصور کرتی ہے۔ اس کا مقامِ مقدم دماغ کا پہلا (اگلا) حصہ ہے۔

(ii) **قوت خیال**: وہ قوت ہے جو قوتِ حس مشترک کے خزانے کا کام کرتی ہے۔ یعنی اس کے تمام احساسات خزانہ خیال میں محفوظ رہتے ہیں۔

(iii) **قوت متصرفہ**: جس کو متخیلہ اور مفکّرہ بھی کہتے ہیں، ایسی قوت ہے کہ اگر وہ حس مشترک کے احساسات کا اظہار کرے تو اُس کو متخیلہ کہتے ہیں۔ اور اگر قوتِ واہمہ کے ادراکات کا اظہار کرے تو اس کو قوتِ مفکرہ کہتے ہیں۔ اس کا مقام دماغ کا درمیان حصہ ہے۔

(iv) **قوت واھمہ**: وہ قوت ہے جو ان معانی کا ادراک کرتی ہے جن کو حواس خمسہ ظاہری ادراک نہیں کر سکتے۔ مثلاً کسی لفظ کے معانی کا جاننا، جیسے اللہ کے معنی خدا۔ یا کسی شخص کے متعلق یہ گمان کرنا کہ وہ میرا دوست ہے یا دشمن۔ اس کا مقامِ مؤخر دماغ کا مقدم حصہ ہے۔

(v) **قوت حافظہ**: وہ قوت ہے جو وہم کے ادراکات کو محفوظ کرتی ہے اور ضرورت کے وقت ان کا ادراک کرتی ہے، اس کا مقام دماغ کے بطن مقدم کا آخری حصہ ہے۔

۳۔ **قوت حیوانی**: قوتِ[1] حیوانی ایسی قوت ہے جو اعضاء کو نفسیاتی قوت کے قبول کرنے کو آمادہ کرتی ہے اور اُسے حرکت کے قابل بنا دیتی ہے۔ فی الحقیقت یہی قوت بدن کو حیات بخشتی ہے اور زندہ رکھتی ہے۔ روحِ حیوانی اسی کی حامل اور حرارتِ غریزی اس سے قائم ہے۔

- قویٰ
  - قوتِ طبعی
    - قوت تغیر وتصرف
      - غاذیہ
        - خدام
          - جاذبہ
          - ماسکہ
          - ہاضمہ
          - دافعہ
      - نامیہ
    - قوتِ بقائے نسل
      - مولدہ
      - مصورہ
  - قوتِ حیوانی
  - قوتِ نفسانی
    - مدرکہ
      - مدرکہ ظاہری
        - باصرہ
        - سامعہ
        - شامہ
        - ذائقہ
        - لامسہ
      - مدرکہ باطنی
        - حس مشترک
        - خیال
        - تصرفہ
        - واہمہ
        - حافظہ
    - محرکہ
      - شوقیہ
        - خدام
          - شہوانیہ
          - غضبانیہ
      - فاعلہ

---
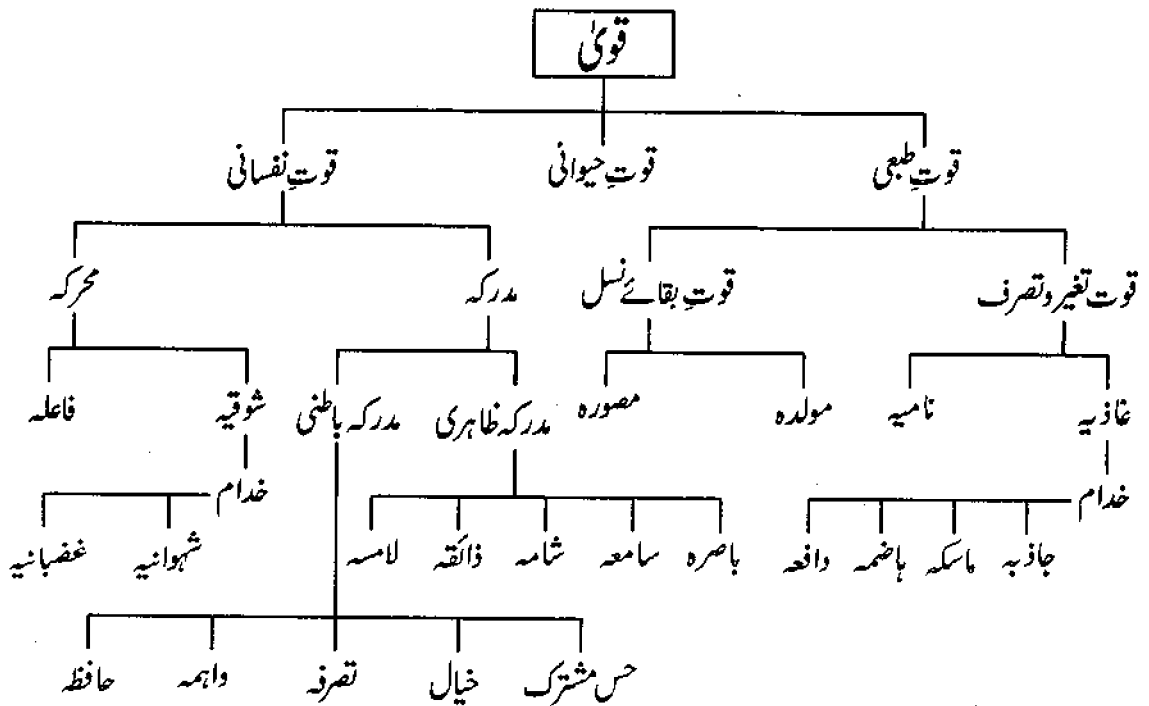
[1] (i) اس قوتِ حیوانی کا قوتِ نفسیاتی سے جدا ہونے کا ایک ثبوت یہ ہے کہ جب کوئی عضو مفلوج ہو جاتا ہے تو اس میں کبھی حس باقی رہتی ہے اور کبھی حرکت۔ جب حرکت قائم رہتی ہے تو پتہ چلتا ہے کہ قوتِ حیوانی قائم ہے اور جب حس قائم ہوتی ہے اور حرکت مفقود تو پتہ چلتا ہے کہ قوتِ حیوانی قائم نہیں مگر قوتِ نفسانی قائم ہے۔ ﷲ...

⑦ افعال

تعریف: افعال جمع فعل کی ہے۔ فعل وہ قوت ہے جو کسی عضو سے سرزد ہو۔ یعنی وہ سکون سے حرکت میں آئے اور اپنے مقررہ افعال انجام دے۔

اقسام: افعال دو قسم کے ہیں: (۱) مفرد (۲) مرکب۔

افعال مفرد: مفرد افعال وہ ہیں جو ایک ہی قوت سے صادر ہوں، جیسے حس۔ احساس یا حرکت یا جذب اور دفع کے افعال۔

افعال مرکب: جو ایک سے زیادہ قوتوں سے سرزد ہوں، جیسے مکھی کا اڑنا۔ مکھی جسم پر سے اُڑانے میں حس اور حرکت دونوں کام کرتی ہے یا غذا کا ہضم ہونا، کیونکہ غذا کے ہضم ہونے میں معدے کے عضلات، اعصاب اور رطوبت کی جھلیاں تمام کام کرتی ہیں۔ افعال کو مزید سمجھنے کے لئے قوتِ حیوانی کا نوٹ (iii) ملاحظہ فرمائیں۔

افعال

مفرد | مرکب

بقیہ...

(ii) یہ امر حقیقت پر مبنی ہے کہ دُنیا کی ہر طاقت کا منبع حرکت ہے۔ اس حرکت سے دوسری طاقت حرارت پیدا ہوتی ہے اور تیسری طاقت سے غذائیت کا ظہور عمل میں آتا ہے۔ ان طاقتوں کو سائنس میں علی الترتیب (۱) فورس (۲) ہیٹ (۳) انرجی کہتے ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ دُنیا میں تین ہی قسم کی طاقتیں پائی جاتی ہیں۔

(iii) انسان کے اندر جو قوتِ اصلاح و تدبیر اور نظام میں مصروف رہتی ہے اس کو قوتِ مدبرہ بدن یا نفس ناطقہ کہتے ہیں۔ انگریزی میں اس کو وائٹل فورس (Vital Force) کہتے ہیں۔ یہ وائیٹل فورس جسم انسان میں تین مخصوص کام کرتی ہے، جن کا تعلق اعضائے رئیسہ کے ساتھ ہوتا ہے، جو قوت مدبرہ بدن کے فرائض انجام دیتے ہیں۔ ان کے نام اور اوصاف درج ذیل ہیں:

۱۔ قوتِ طبعی: جو قوت جسم میں غذا اور نشو و نما کے کام انجام دیتی ہے، اس کو قوتِ طبعی (نیچرل فورس) کہتے ہیں۔ اس کا مقام جگر ہے۔

۲۔ قوتِ نفسانی: جو قوت جسم میں احساسات اور تحریکات کا باعث ہوتی ہے، اس کو قوتِ نفسانی (وائٹل فورس) کہتے ہیں، اس کا مقام دماغ ہے۔

۳۔ قوتِ حیوانی: جو قوت جسم میں حرکات اور افعال قائم رکھتی ہے، اُسے قوت حیوانی (اینی مل فورس) کہتے ہیں، اس کا مقام دِل ہے۔

دراصل یہ تینوں قوتیں ایک ہی قوت کے تین مظہر ہیں، لیکن افعال کی مناسبت سے قوت ان کی تقسیم کردی ہے۔ کیونکہ قدرت نے ہر عضو کے افعال میں اس کی ایک جبلت پیدا کردی ہے۔ جس پر وہ قائم اور رواں دواں ہے۔

جزو دوم

حالاتِ بدن

حالاتِ بدن معلوم کرنے کے لئے انسانی اعضاء کے افعال کا مطالعہ کرنا پڑتا ہے۔ یہ دو صورتوں سے خالی نہیں ہوتے۔

① افعال اعضاء صحیح طور پر انجام پا رہے ہوتے ہیں جس طرح ایک تندرست انسان میں دیکھے جاتے ہیں۔

② افعال اعضاء درست اور صحیح حالات پر نہیں ہوتے۔ یہ دوسری[1] حالت صحت کے مخالف ہے، اس کا نام مرض رکھا جاتا ہے۔

تعریف مرض: مرض بدن کی اس حالت کا نام ہے جب اعضائے بدن اور مجاری (راستے) اپنے افعال صحیح طور پر انجام نہ دیں۔ اعضاء اور مجاری تمام جسم کے صحیح حالات پر نہ ہوں یا ایک عضو کے۔ بہر حال اس کو مرض کا نام دیا جاتا ہے۔

اقسامِ مرض: مرض کی دو قسمیں ہیں: (۱) مفرد (۲) مرکب۔

مفرد مرض کی اقسام: اعضاء کے افعال میں جب خرابی وارد ہوتی ہے تو اس میں تین ہی صورتیں واقع ہو سکتی ہیں:

① تغیر جس میں اعضاء اور اس کے افعال کی طبعی حالت بدل جاتی ہے۔

② نقصان جس میں اعضاء اور اُس کے افعال میں کمی یا خرابی واقع ہو جاتی ہے۔

③ بطلان جس میں اعضاء اور اُن کے افعال بالکل باطل یا رُک جاتے ہیں۔ پہلی حالت کا نام سوءِ مزاج ہے، دوسری حالت کا نام مرضِ ترکیب ہے، تیسری حالت کا نام تفرقِ اتصال ہے۔

مرضِ مفرد

سوءِ مزاج | مرضِ ترکیب | تفرقِ اتصال
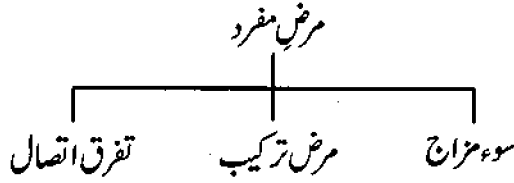
(۱) **سوء مزاج کی اقسام:** سوءِ مزاج کے دو اقسام ہیں، (۱) سادہ (۲) مادی۔

(i) **سوء مزاج سادہ:** سوءِ مزاج سادہ وہ مرض ہے جس میں صرف اعضاء کے اندر کیفیات میں کمی بیشی ہو جائے یعنی گرمی، سردی یا خشکی تری کا اعتدال سے بڑھ جانا۔

(ii) **سوء مزاج مادی:** وہ مرض ہے جس میں کیفیات کی زیادتی کی وجہ سے مزاج میں تبدیلی واقع ہو جائے، جیسے اخلاط کی کمی بیشی۔

(۲) **مرض ترکیب کی اقسام:** مرض ترکیب کی چار اقسام ہیں، (۱) مرضِ خلقت (۲) مرضِ مقدار (۳) مرض عدد (۴) مرضِ وضع۔

---

[1] بعض اطباء نے حالتِ ثالثہ بھی لکھی ہے "لاصحت ولا مرض"۔ لیکن یہ حالت صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ جب انسان کے کسی عضو میں بھی مرض ہوگا اس کا اثر بالواسطہ یا بلاواسطہ تمام جسم انسانی پر پڑے گا۔ مثلاً کسی ایک مقام کا درد تمام جسم کے اعصاب کو متاثر کر دیتا ہے۔ اسی طرح کسی حصہ جسم کی سوزش اور حرارت بھی تمام جسم انسانی کو متاثر کر دیتی ہے۔

(i) مرض خلقت: مرض خلقت ایسا مرض ہے جس میں کسی عضو یا اعضاء کی شکل وصورت اپنی حالت پر قائم نہ رہے، مثلاً سیدھے عضو کا ٹیڑھا ہو جانا یا ٹیڑھے عضو کا سیدھا ہو جانا۔

اقسام مرض خلقت: چار ہیں، (۱) امراضِ شکل (۲) امراضِ مجاری (۳) امراض تجاویف (۴) امراضِ سطح۔

۱۔امراضِ شکل: ایسی حالت کا نام ہے کہ کسی عضو کی حالت میں اس طرح کا تغیر ہو کہ اس کی شکل میں خلل پیدا ہو جائے، جیسے سر کا چپٹا ہو جانا وغیرہ۔

۲۔امراضِ مجاری: مرض کی ایسی حالت کا نام ہے جس میں اعضاء کے راستے خراب ہو جائیں، مثلاً کسی مجاری کا تنگ ہو جانا، ڈھیلا ہو جانا، وغیرہ۔

۳۔امراضِ مجاویف: مرض کی اس حالت کا نام ہے جس میں مجاویف (جمع جوف) ضرورت سے زیادہ بڑے یا وسیع ہو جائیں یا تنگ اور چھوٹے ہو جائیں۔ یا بالکل بند ہو جائیں (بھر کر بند ہو جائے یا ویسے ہی بند ہو جائے)۔

۴۔امراضِ سطح: مرض کی اس حالت کا نام ہے جس میں کسی عضو یا تمام جسم کی سطح خراب ہو جائے۔

(ii) امراضِ مقدار: مرض کی اُس حالت کا نام ہے جس میں کوئی عضو یا تمام جسم اپنی مناسب مقدار سے زیادہ ہو جائے یا کم ہو جائے۔ جیسے جسم کا موٹا ہو جانا یا دُبلا ہو جانا یا کسی ایک بازو کا موٹا یا دُبلا ہو جانا۔

(iii) امراضِ عدد: مرض کی اس حالت کا نام ہے جس میں کسی عضو میں عدد کے لحاظ سے اضافہ ہو جائے یا کمی واقع ہو جائے، جیسے ہاتھ کی انگشت میں کمی یا زیادتی ہو جائے۔ اس کی دو صورتیں ہیں، (۱) طبعی، جو پیدائشی ہو۔ (۲) غیر طبعی، جو بعد میں کسی مرض سے پیدا ہو جائے۔

✿ **امراض مرکب:** مرض کی اس حالت کا نام ہے جس میں کسی ایک عضو کے امراض اکٹھے ہو جائیں۔

مرض
- مفرد
  - سوءِ مزاج
    - سادہ
    - مادی
  - مرضِ ترکیب
    - مرضِ خلقت
      - امراضِ شکل
      - امراضِ مجاری
      - امراضِ تجادیف
      - امراضِ سطح
    - مرضِ مقدار
    - مرضِ عدد
      - طبعی
      - غیر طبعی
    - مرضِ وضع
  - تفرق اتصال
- مرکب
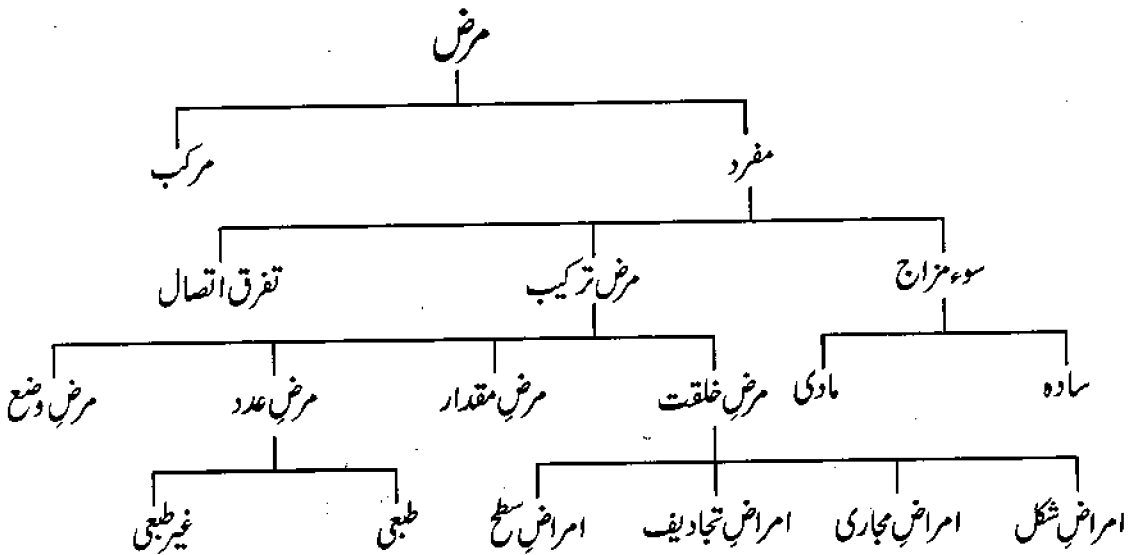
وجہ تسمیہ: امراض کے نام عام طور پر کسی حالت یا سبب یا علامت یا اُن کے مجموعوں کو مدِ نظر رکھ کر رکھے جاتے ہیں۔ مثلاً صرع جس کے معنی ہیں گرنا، فالج کے معنی ہیں نصف نصف ہونا۔

مجاری (راستہ): عضو کے اُن راستوں کو کہتے ہیں جس میں سے کوئی چیز گزرے۔ جیسے وریدیں، شریانیں اور امعاء وغیرہ۔

جوف: عضو کی اس اندرونی وسعت کو کہتے ہیں جس کے اندر کوئی چیز ٹھہرے جیسے چھیپھڑے اور ان کے جوف۔

اوقات مرض: اوقاتِ مرض میں اس امر کا خیال کرنا چاہیے کہ مرض جس زمانے میں ہو اُس کے مطابق علاج کو مدنظر رکھیں۔ مثلاً اگر مرض ابتدائی حالت میں ہو تو رادع (لوٹانے والی) ادویہ استعمال کریں، اگر مرض درمیانی حالت میں ہو تو رادع اور محلل ادویہ سے علاج کریں اور اگر انتہائی حالت میں ہو تو اس میں محللات اور مقویات کا استعمال کرائیں۔

نوٹ: مقویات کا استعمال ہمیشہ مرض کے اختتام پر کرنا چاہیے۔ اگر مرض کے دوران میں مقویات کا استعمال کیا گیا تو وہ ادویہ مرض کو تقویت دیں گی اور مرض بجائے گھٹنے کے زیادہ ہو جائے گا۔

منافع الاعضاء

حالاتِ بدن کا عنوان پڑھنے کے بعد معاً ذہن میں یہ تصور پیدا ہوتا ہے کہ اس باب کے تحت جسم کے حالات اس طرح لکھے جائیں گے جس سے جسم انسان کے اعضاء کے افعال کا علم ہوگا۔ مگر اس حصہ میں صرف امراض کی حقیقت، پیدائش اور اقسام کا ذکر ہے۔ قاری اس بیان کو پڑھنے کے بعد اپنے آپ کو خالی الذہن محسوس کرتا ہے۔ اس لئے مناسب خیال کیا گیا کہ اس باب کے تحت انسانی اعضاء کے کچھ افعال اور منافع بیان کر دیئے جائیں تاکہ پڑھنے والے کے ذہن کو تسلی کے ساتھ ساتھ اس کی معلومات میں بھی کچھ اضافہ ہو جائے، اس کے بعد امراض کے ساتھ انسان کا ذہن یہ بھی محسوس کرتا ہے کہ اس کو اس امر کا بھی علم ہو جائے کہ تندرستی کی حالت میں انسان کے اعضائے جسم اور اس کی مشینری کس طرح کام کرتی ہے، تاکہ اس کا ایک تصور حاصل کرنے کے بعد جب جسم میں کسی مرض کو دیکھے تو اس کا فرق کر سکے کہ تندرستی اور بیماری کی حالت میں کتنا تضاد پایا جاتا ہے۔

جاننا چاہیئے کہ انسان کی پیدائش مرد اور عورت کے نطفے سے ہوتی ہے، ان نطفوں کا جب امتزاج ہوتا ہے تو ایک جان بننے کے بعد وہ بڑھنا شروع ہو جاتا ہے۔ کچھ عرصے کے بعد اُس کی شکل شہتوت کی طرح اور پھر جونک کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ اس کے بعد وہ تین حصوں میں تقسیم ہو جاتا ہے:

① ایک حصہ ہڈی کری، دِل اور گوشت بن جاتا ہے۔
② دوسرے حصے سے جگر، گردے اور دیگر غدد اور غشاء اور نالیوں کے استر وغیرہ بنتے ہیں۔
③ تیسرے حصے سے دماغ، اعصاب اور جلد کا کچھ حصہ تیار ہوتا ہے۔ پھر یہ نو سے دس مہینے تک عورت کے رحم میں تکمیل پا کر عدم سے وجود میں آتا ہے۔

اس جسم کے اندر قدرت نے چار نظام قائم کئے ہیں جن سے اس کے لئے بدل ما یتحلل (یعنی خون) تیار ہوتا ہے۔ دوسرے خون صاف ہوتا ہے، اور تیسرے اس میں حرارت قائم رہتی ہے اور وہ نشو و نما پاتا ہے۔ وہ چار نظام حسب ذیل ہیں:

(۱) نظامِ غذائیہ (۲) نظامِ ہوائیہ (۳) نظامِ دمویہ (۴) نظامِ بولیہ۔

(۱) نظامِ غذائیہ: یہ نظام منہ سے شروع ہوتا ہے اور مقعد تک چلا جاتا ہے۔ اس میں منہ، مری، معدہ، امعاء، جگر، طحال اور لبلبہ شریک ہیں۔ اس نظام کا فعل یہ ہے کہ جو غذا کھائی جاتی ہے وہ پہلے منہ میں دانتوں کے ذریعہ چبائی جاتی ہے جس میں منہ کا لعاب بھی شریک ہوتا ہے، اس کے بعد مری کے ذریعہ معدے میں پہنچتی ہے، جہاں پر معدے کی رطوبت سے ہضم ہوتی ہے۔ اس کے بعد اس کا ایک حصہ مجریٰ الصدر کے ذریعے خون میں شریک ہو جاتا ہے اور باقی پھر امعاء کی طرف چلا جاتا ہے۔ جہاں پر اُس کو جگر کی طرف سے صفراء اور لبلبے کی رطوبات اور امعاء کی دیگر

رطوبات ہضم کرتی ہیں۔ پھر ماساریقا کے ذریعے اس کا جوہر کھنچ کر جگر میں چلا جاتا ہے، جیسا کہ اخلاط کے بیان میں ذکر کیا جاچکا ہے اور باقی فضلہ مقعد کے ذریعے خارج ہوجاتا ہے۔ اس طرح یہ نظام اپنے افعال انجام دیتا ہے۔

یادداشت: جب مریض کے ہاضمہ میں خلل واقع ہو جس کی خاص علامات بھوک کا نہ لگنا یا بھوک زیادہ لگنا، قبض ہوجانا یا اسہال آنا ہیں۔ یا اس نظام میں کسی جگہ درد یا ورم پیدا ہوجائے تو مریض کے اس تمام نظام کا مطالعہ کرنا چاہئے کہ کس مقام پر خرابی واقع ہوئی ہے اور کونسا عضو اپنے افعال صحیح طور پر انجام نہیں دے رہا، تاکہ علاج کرنے میں سہولت ہو۔

(۲) **نظامِ ہوائیہ:** اس نظام میں نتھنے، ہوا کی نالی، پھیپھڑے اور اس کی نالیاں شریک ہیں۔ اس نظام کے افعال یہ ہیں کہ وہ سانس کے ذریعہ ہوا میں سے نسیم (آکسیجن) حاصل کرتا ہے اور دخان (کاربانک ایسڈ گیس) خارج کرتا ہے، اور یہ نسیم کا حصول اور دخان کا اخراج پھیپھڑوں کے اندر عمل میں آتا ہے۔ جبکہ جسم کا خون پھیپھڑوں میں صاف ہونے کے لئے جسم سے بھیجا جاتا ہے۔ اس نظام میں جب خرابی پیدا ہوتی ہے، تو اس میں عام طور پر کھانسی، سانس کی تنگی، نزلہ زکام اور بلغم وغیرہ کی علامات پیدا ہوجاتی ہیں۔ ان امراض کے علاج میں بھی تمام نظام کو غور سے دیکھنا چاہئے کہ تکلیف کس مقام پر ہے۔

(۳) **نظامِ دمویہ:** اس نظام میں دل، شرائن، اور وریدیں اور جلد شریک ہے۔ اس نظام کا فعل یہ ہے کہ یہ تمام جسم میں خون شرائن کے ذریعے پہنچاتا ہے۔ اور وریدوں کے ذریعہ واپس دِل کی طرف صاف ہونے کے لئے لاتا ہے۔ جہاں سے وہ پھیپھڑوں میں صاف ہونے کے لئے جاتا ہے اور وہاں سے واپس دِل میں آجاتا ہے۔ اس نظام کا فضلہ جلد کے راستے خارج ہوتا ہے، اس نظام کا فائدہ یہ ہے کہ یہ جسم میں حرارتِ غریزی کو قائم رکھتا ہے اور خون کے تصفیہ میں اس کو بہت زیادہ دخل ہے۔ جب یہ نظام بگڑ جاتا ہے تو جسم میں بخار، خون کی خرابی اور تمام جسم میں درد وغیرہ پیدا ہوجاتے ہیں۔

(۴) **نظامِ بولیہ:** اس نظام میں گردے، حالبین، مثانہ اور پیشاب کی نالی شریک ہے۔ اس نظام کا حصہ خون سے خاص قسم کے فضلات کو پیشاب کی شکل میں خارج کرنا ہے۔ اس نظام کی خرابی میں پیشاب میں کمی بیشی یا کسی مقام پر پتھری اور ریگ کا پیدا ہوجانا یا درد کا ظاہر ہونا ہے۔ اس نظام میں اگر کوئی تکلیف ہو تو اس میں بھی تمام نظام پر غور کرنا چاہئے کہ خرابی کہاں واقع ہے۔ جس کے دفع کرنے سے نظام اپنی صحیح حالت پر کام کرنا شروع کردے۔

یہ چار نظام بقائے حیاتِ انسانی، اس کی نشوو ارتقاء اور تصفیہ وتغذیہ کے لئے ہیں۔ ان پر انسان کی زندگی کا دارومدار ہے۔ اگر ان میں سے ایک نظام بھی باطل ہوجائے تو انسان زندہ نہیں رہ سکتا۔ ان کے علاوہ ایک نظام اور بھی ہے۔ جس کا انسان کی زندگی میں تو دخل نہیں مگر اُس کا تعلق بقائے نسل انسانی کے ساتھ ہے۔ اس نظام کو نظامِ بقائے نسل انسانی کہتے ہیں۔

نظام بقائے نسل انسانی

① اس میں عضو مخصوص، خصیے اور منی کی نالیاں شریک ہیں۔ اس کے افعال یہ ہیں کہ یہاں پر خون سے منی تیار ہوتی ہے اور ضرورت کے وقت عورت کے رحم میں ڈال دی جاتی ہے۔ جب اس نظام میں خرابی پیدا ہوتی ہے تو اس سے بہت بڑی خرابی انتشار میں نقص رقتِ منی یا غلظتِ منی اور اخراج کی بے قاعدگی واقع ہوجاتی ہے، اس کے علاج میں بھی تمام نظام کے ایک ایک عضو کا مطالعہ کرنا چاہئے۔

② جس طرح بقائے نسل کا نظام مردوں کے لئے ہے، اسی طرح بالکل ایک نظام عورتوں کے لئے بھی ہے، جس میں رحم، خصیۃ الرحم، قاذفین

اور بظر شریک ہیں اس نظام میں دوصورتیں قائم رہتی ہیں، اوّل یہ کہ تمام بالغ عورتوں کو ہر ماہ خون کا اخراج ہوتا ہے اور جب وہ حاملہ ہو جاتی ہیں تو یہی خون بچے کی غذا میں صرف ہوتا ہے۔ دوم اس نظام کے تحت عورت کا رحم مرد کا نطفہ قبول کرتا ہے اور اس کو رحم میں اسی خون سے پرورش کرتا ہے۔ اس نظام میں جب خرابی واقع ہوتی ہے تو ماہواری میں بے قاعدگی واقع ہو جاتی ہے، کبھی ماہواری زیادہ، کبھی بند اور کبھی تکلیف سے آتی ہے۔ اس کے علاوہ کبھی سیلان الرحم کی صورت پیدا ہو جاتی ہے، ان امراض کے علاج کے لئے لازمی ہے کہ عورت کے اس تمام نظام کا بغور مطالعہ کیا جائے۔

(۳) عورتوں میں نظام تناسل کے ساتھ ساتھ ایک تیسرا نظام بھی کام کر رہا ہے جو دراصل اس نظام کی مدد کرتا ہے۔ یہ نظامِ لبن ہے، یعنی عورت کے وہ اعضاء جو خون میں سے دودھ کو تیار کرتے ہیں جو نومولود کی غذا بنتا ہے۔ اس نظام میں پستان اور اُس کی نالیاں شریک ہیں۔ یہ نظام، اس وقت اپنا کام شروع کرتا ہے، جب بچے کی پیدائش عمل میں آتی ہے اور تقریباً دو تین سال تک یہ نظام دودھ پیدا کرتا رہتا ہے۔ طبی نکتہ نگاہ سے بچے کو دو سال دودھ ضرور پلانا چاہئے۔ اس نظام میں جو خرابی عام طور پر واقع ہوتی ہے، وہ دودھ میں انتہائی قلت یا اُس میں زیادتی کا واقع ہو جانا ہے اور گاہے گاہے بچے کا سر شدت کے ساتھ پستانوں کے سات لگ جانے پر وہاں پر ورم کی صورت بھی پیدا ہو جاتی ہے۔ بعض اوقات یہی ورم پک کر زخم کی صورت بھی اختیار کر لیتا ہے۔ ان تمام چیزوں کے علاج میں بڑی احتیاط کے ساتھ ان تمام اعضاء کا بغور مطالعہ کرنا چاہئے۔

پیدائش امراض

مندرجہ بالا نظام کے مطالعہ کے بعد یہ جان لینا ضروری ہے کہ ان کے صحیح اعمال کے بعد امراض کس طرح پیدا ہوتے ہیں۔ تا کہ تشخیص اور علاج میں سہولت ہو۔

سب سے پہلے یہ بات مدِ نظر رکھیں کہ جس قدر بھی نظام اوپر بیان کئے گئے ہیں ان میں سے بعض آزاد ہیں بعض نیم آزاد اور بعض بعض کے ماتحت۔ ان میں نظامِ غذائیہ بالکل آزاد نظام ہے جو جسم سے خود غذا لیتا ہے اور اُس کے فضلات کو خود خارج کر دیتا ہے۔ اس پر دیگر تمام نظامات کا بہت کم اثر پڑتا ہے۔ نظامِ ہوائیہ نیم آزاد ہے، یہ ایک طرف سے سانس کے ساتھ ہوا اندر جذب کرتا ہے اور گندی ہوا کو باہر خارج کرتا ہے، لیکن اس پر نظامِ غذائیہ کا بہت گہرا اثر ہے۔ جب نظامِ غذائیہ بگڑ جاتا ہے تو اس کو بھی متاثر کرتا ہے۔ نظامِ دمویہ اور بولیہ اور نظامِ بقائے نسل انسانی، یہ سب غذائیہ اور ہوائیہ کے ماتحت ہیں۔ کیونکہ یہ خود باہر سے کوئی چیز حاصل نہیں کرتے بلکہ نظامِ غذائیہ اور ہوائیہ جو کچھ غذا اور ہوا سے حاصل کرتے ہیں، یہ اُن کی صفائی اور ان کی تقویتِ جسم میں مصروف رہتے ہیں۔

پیدائش امراض کی صورت

پیدائش امراض کی صورت اس طرح عمل میں آتی ہے کہ جب متذکرہ بالا نظامات میں سے کوئی ایک اپنا فعل انجام دینے میں کسی وجہ سے کمزور ہو جاتا ہے تو قوت مدبرہ بدن اُن فضلات کو جو پورے طور پر اس نظام کے تحت اخراج نہیں پا سکتے ان کو پھر خون میں شریک کر کے دوسرے اعضاء کی طرف خارج کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ چونکہ یہ فضلات اپنے طبعی راستے کی بجائے غیر طبعی راستوں پر چلے جاتے ہیں۔ اس لئے وہاں پر باعث مرض بن جاتے ہیں۔ جیسے قبض کی صورت میں طبیعت اُن فضلات اور مواد کو جو پاخانے کے راستے خارج ہوتا رہتا ہے کبھی

گردوں کی طرف روانہ کر دیتی ہے۔ کبھی پھیپھڑوں کی طرف اور کبھی جلد کی طرف وغیرہ وغیرہ۔ جب وہ گردوں کی طرف اپنے مواد اور فضلات کا اخراج کرے گی تو نظامِ بولیہ میں غیر طبعی مواد کی وجہ سے خرابی واقع ہوگی اور وہاں پر وہ امراض پیدا ہو جائیں گے جن کا ذکر اس نظام کے تحت کیا گیا ہے۔ اسی طرح جب یہ مواد نظامِ ہوائیہ اور دمویہ کی طرف رجوع کرے گا تو وہاں بھی امراض کا باعث ہوگا۔ اس لئے علاج کے دوران میں اوّل یہ ضرور دیکھ لینا چاہئے کہ جو نظام خراب ہے یہ اُس کی اپنی ذاتی خرابی ہے یا کسی دوسرے نظام کی خرابی کا اثر اس پر پڑ رہا ہے۔ اگر وہ نظام بذاتِ خود خراب ہے تو صرف اسی کی اصلاح کر دی جائے اور اگر کسی دوسرے نظام کی خرابی کا اثر پڑ رہا ہے تو اوّل اس کی اصلاح کرنی چاہئے۔ اور پھر اس کے بعد اس نظام میں خرابی باقی رہ جائے تو اس کی اصلاح کر دی جائے۔ اس طرح ہم امراض کی صحیح حقیقت اور ان کے علاج میں صحیح طور پر کامیاب ہو سکیں گے۔

نظامِ بقائے حیات

- نظامِ غذائیہ
- نظامِ ہوائیہ
- نظامِ دمویہ
- نظامِ بولیہ

نظامِ بقائے نسل

- نظامِ بقائے نسلِ مرد
- نظامِ بقائے نسلِ زنانہ
  - نظامِ طمث (ماہواری)
  - نظامِ لبن
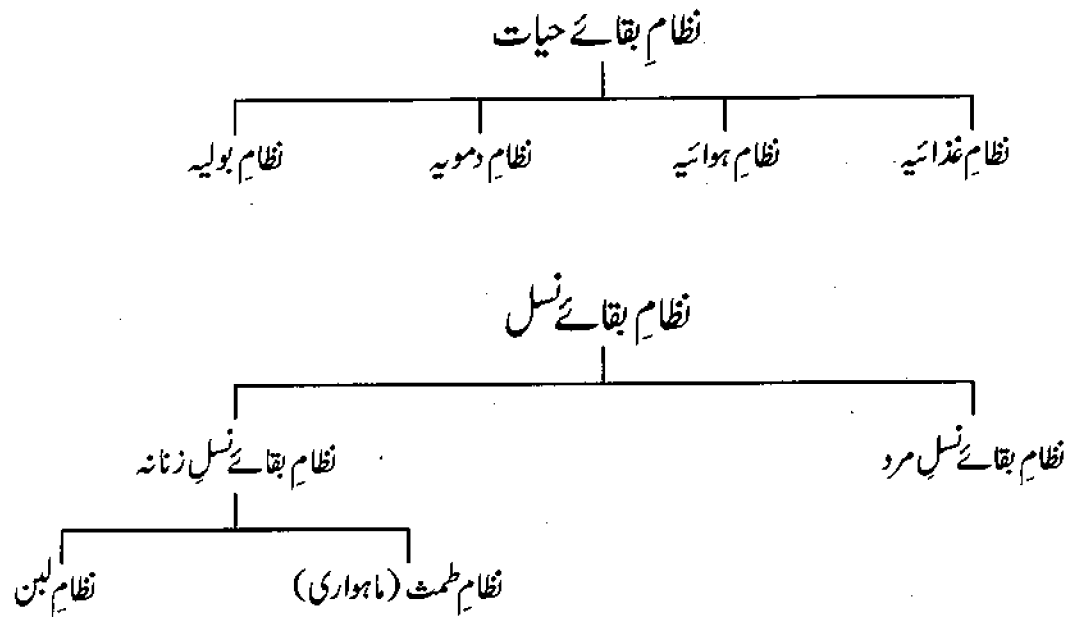
جزو دوم

علم الاسباب

تعریف اسباب

ایسے قوانین اور صورتیں جن سے زندگی اور کائنات کی تعمیر و تخریب کی صورتوں پر روشنی پڑتی ہے اور اُن کی وجہ سے احوال بدن انسان میں کوئی سی حالت (صحت یا مرض) نمودار ہو یا پیدا ہو جائے، یہ پہلے پائے جاتے ہیں۔

اقسام

اسباب کے دو اقسام ہیں، اوّل وہ اسباب جو زندگی اور کائنات کی تعمیر اور ارتقاء میں ممد و معاون ہوتے ہیں، اور دوسرے ایسے اسباب جو اُن کی تخریب کا باعث بنتے ہیں، اوّل اسباب ضروریہ اور دوسرے اسباب ممرضہ کہلاتے ہیں۔

اقسام اسباب ضروریہ

اسباب ضروریہ کی چھ اقسام ہیں، اس لئے ان کو اسباب ستہ ضروریہ بھی کہتے ہیں۔ یہ ایسے اسباب ہیں کہ اگر ان میں سے ایک کی بھی نفی فرض کر لیں تو زندگی اور کائنات دونوں میں خلل واقع ہو جاتا ہے، گویا یہ بدن انسان کے حالات میں تغیر پیدا کرنے والے یا ان حالات کی حفاظت کرنے والے ہیں: (۱) ہوا (۲) ماکولات و مشروبات (۳) حرکت و سکونِ بدنی (۴) حرکت و سکونِ نفسانی (۵) نیند اور بیداری (۶) استفراغ و احتباس۔

❶ ہوا

ہوا ہمارے اجسام کو ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہے، کیونکہ جسم انسان کو اس کی ضرورت دُنیا کی تمام چیزوں سے زیادہ ہے۔ یہ ہر لمحہ سانس کے ذریعہ جسم کے اندر جاتی ہے اور باہر آتی ہے۔ جب اندر جاتی ہے تو روح کو معتدل بناتی ہے۔ اس مقصد کے لئے اپنے ساتھ نسیم لے جاتی ہے، یعنی لطیف اور صاف ہوا، جب باہر آتی ہے تو روح کے فضلات خارج کرتی ہے، جس کی شکل مثل دخان کے ہے یعنی ثقیل اور گندی ہوا۔ صحت کے لئے لطیف اور صاف ہوا کی زیادہ ضرورت ہے، اس لطیف اور صاف ہوا کو نیستان کی زمین، گڑھوں کا گندا پانی، ردّی ترکاریاں، معفن درختوں کے بخارات، مُردوں کی بدبو، متواتر گرد و غبار یا دھواں وغیرہ خراب کر دیتے ہیں۔ لیکن جب ہوا کا مزاج اپنے اعتدال سے منحرف ہو جائے تو اس سے متعلق حکم متذکرہ بھی متغیر ہو جاتا ہے۔ ہوا کے تغیرات کی دو صورتیں ہیں: (۱) طبعی (۲) غیر طبعی۔

(۱) **طبعی تغیرات:** ایسے تغیرات جو طبعی طور پر ظہور پذیر ہوتے ہیں، جیسے ① موسمی تغیرات ② مختلف سمتوں کی ہوائیں ③ پہاڑوں اور سمندروں کا قرب ④ زمین کا تغیر۔

① **موسموں کے تغیرات اور اُن کا مزاج:** کل چار موسم ہیں: (۱) ربیع یعنی موسم بہار جو سردیوں کے بعد آتا ہے۔ اس کا مزاج معتدل ہے۔ (۲) صیف (موسم گرما)، گرم خشک ہے۔ (۳) خریف (موسم خزاں)، جو گرمیوں کے بعد اور سردیوں سے پہلے آتا ہے اس کا مزاج

سرد خشک ہے۔ شتاء (موسم سرما) اس کا مزاج سرد تر ہے۔

موسموں کے امراض: تمام موسم اپنے مزاج کے مناسب امراض پیدا کرتے ہیں اور مزاج کے خلاف امراض دور کرتے ہیں یا دور کرنے میں مدد کرتے ہیں اور اکثر دور کر دیتے ہیں۔

(i) موسم گرما کے امراض: موسم گرما کا مزاج گرم خشک ہے، اس سے جسم میں صفرا زیادہ پیدا ہوتا ہے اور اس میں تیزی آ جاتی ہے جس سے جسم میں بے چینی اور حدت بڑھ جاتی ہے دِل گھبراتا ہے، صفراوی بخار اور سوزشی امراض پیدا ہو جاتے ہیں اور خشکی جسم میں نمایاں ہو جاتی ہے۔ اس سے البتہ موسم سرما کے امراض مثلاً نزلہ، زکام، نمونیہ اور ہر قسم کی بلغم خشک ہو جاتی ہے۔

(ii) موسم خریف کے امراض: چونکہ یہ موسم گرمی کے بعد آتا ہے اس لئے اس موسم میں گرمی تو ختم ہو جاتی ہے البتہ خشکی قائم رہتی [1] ہے، اور اس طرح اس موسم کا مزاج سرد خشک بن جاتا ہیں، اس موسم میں جسم کے اندر سودا بڑھ جاتا ہے جس سے ہاضمے کی خرابی، ریاحی امراض کی زیادتی، بدن میں درد وغیرہ پیدا ہو جاتے ہیں۔ البتہ بھوک کی زیادتی اور صفراء کی حدت میں کمی اور خون میں غلظت پیدا ہونا شروع ہو جاتی ہے۔

(iii) موسم سرما کے امراض: اس موسم میں گزشتہ موسم (خریف) کی سردی کے ساتھ رطوبات کا بھی اضافہ ہو جاتا ہے اور اس موسم کا مزاج سرد تر بن جاتا ہے۔ اس موسم میں بدن میں بلغم کی زیادتی ہو جاتی ہے، جس کے ساتھ بلغمی امراض مثلاً نزلہ، زکام، سردی کا لگ جانا اور نمونیہ وغیرہ اکثر پایا جاتا ہے۔ البتہ اس سے صفراوی امراض دور ہو جاتے ہیں۔ خون کی حدت رفع ہو جاتی ہے۔

(iv) ربیع (موسم بہار) کے امراض: اس موسم میں گزشتہ موسم کی رطوبت تو باقی رہتی ہے، البتہ اس میں گرمی کا اضافہ ہو جاتا ہے اور اس موسم کا مزاج گرم تر بن جاتا ہے۔ اس موسم میں سردی کی وجہ سے رُکے ہوئے مواد گرمی کی وجہ سے تحلیل ہوکر بہہ نکلتے ہیں یا حدّت اُن پر اثر کر کے ان کو پکا کر پھوڑے پھنسیوں کی شکل میں خارج کر دیتی ہے۔ اس لئے اس موسم میں عام طور پر اسہال قے اور ہیضہ کے امراض زیادہ ہوتے ہیں۔

② مختلف سمتوں کی ہوائیں: جنوب اور جنوبی ہوا گرمی تری پیدا کرتی ہے۔ شمال اور شمالی ہوا سردی خشکی پیدا کرتی ہے۔ مشرق اور مشرق کی سمتوں کی ہوائیں اعتدال کے قریب ہیں۔

③ پہاڑوں اور سمندروں کا قرب: اگر پہاڑ شہر سے دکن کی طرف ہوگا تو اس شہر کی ہوا نسبتاً سرد ہوگی اور اگر شمال کی طرف ہوگا تو اس شہر کی ہوا نسبتاً گرم ہوگی۔ اگر سمندر شہر سے دکن کی طرف ہوگا تو شہر کی ہوا نسبتاً گرم ہوگی اور اگر شمال کی طرف ہوگا تو نسبتاً سرد ہوگی۔ ان کی وجوہات یہ ہیں کہ پہاڑ سورج کی شعاعوں کو شہر کی طرف آنے میں رکاوٹ کرتا ہے، اسی طرح سمندر کی مرطوب ہوائیں بھی گرمی اور سردی کے اثر میں رکاوٹ کا باعث ہوتی ہیں۔

④ زمین کا تغیر: زمین کے تغیر سے عام طور پر پتھریلی زمین خشکی پیدا کرتی ہے، لیکن جسم کو مضبوط بناتی ہے۔ خاکی اور تر زمین ہوا کو مرطوب کرتی اور ریگستانی زمین گرمی خشکی پیدا کرتی ہے۔ میدانی زمین گرمی اور تری پیدا کرتی ہے۔

---

[1] قانون فطرت یہی ہے کہ دونوں کیفیت اکٹھی نہ بدلی جائیں بلکہ باری باری ایک ایک کیفیت کو دور کیا جائے۔ مثلاً اگر خشکی کے علاج میں پہلے گرم کیفیت کو دور کیا جائے۔ اور بعد میں خشک کیفیت کو رفع کیا جائے۔ اسی طرح سرد خشک کیفیت میں پہلے خشک کیفیت کو دور کیا جائے اور پھر سردی کو رفع کیا جائے۔ سردی تری کے علاج میں پہلے سردی کو رفع کیا جائے اور اس کے بعد تری کا علاج کیا جائے۔ اسی طرح گرمی تری میں اوّل تری اور بعد میں گرمی کو رفع کیا جائے۔ جس طرح فطرت موسموں کے تغیرات سے سبق دیتی ہے۔

عام طور پر ٹھنڈی ہوا بدن کو مضبوط اور قوائے ہضم کو تیز اور رنگ کو صاف کرتی ہے۔ گرم ہوا جسم کو ڈھیلا اور قوائے ہضم کو ضعیف اور رنگ کو سیاہ کر دیتی ہے۔

وبا: مسموم ہوا فاسد ہو کر زہریلی ہو جاتی ہے اور اکثر ہلاکت کا موجب ہوتی ہے۔

(۲) ہوا کے غیر طبعی تغیرات: اس کے دو اقسام ہیں۔ اوّل وہ جو طبیعت کے مخالف نہیں ہوتے، جیسے اسباب سماوی اور ارضی۔ اسباب سماوی افلاک سے متعلق ہیں۔ چنانچہ کبھی آفتاب کے ساتھ بہت سے روشن ستارے جمع ہو جاتے ہیں اور موسم سرما میں گرمی پیدا کر دیتے ہیں یا سورج گرہن کے وقت موسم گرما میں یکا یک سردی پیدا ہو جاتی ہے۔ ارضی کا تعلق زمین سے ہوتا ہے، جیسے مختلف مقامات کی وجہ سے ہوا مختلف ہو جاتی ہے۔ دوسرے ایسے غیر طبعی تغیرات جو طبیعت کے مخالف ہوتے ہیں، جیسے وباء جو عام طور پر بڑی بڑی جنگوں کے دوران میں لاشوں کے متعفن ہونے سے ہوا میں زہریلے اثرات نفوذ کر جاتے ہیں جس سے وہ مسموم ہو جاتی ہے اور وبائی صورت اختیار کر لیتی ہے۔

✿ ماکولات و مشروبات

ماکول و مشروب میں وہ سب چیزیں شامل ہیں جو کھانے پینے میں آتی ہیں اور منہ کے ذریعہ جسم میں پہنچائی جاسکتی ہیں، ان کی چھ صورتیں ہیں: (۱) غذائے مطلق (۲) دوائے مطلق (۳) سم مطلق (۴) غذائے دوائی (۵) دوائے غذائی (۶) دوائے سمّی۔

(۱) غذائے مطلق: غذائے مطلق وہ خالص غذا ہے کہ جب بدن میں وارد ہوتی ہے تو بدن سے متاثر ہو کر متغیر ہو جاتی ہے۔ لیکن بدن میں کوئی تغیر پیدا نہیں کرتی بلکہ خود جزوِ بدن ہو کر بدن کے مشابہ ہو جاتی ہے۔ مثلاً روٹی، گوشت اور دودھ وغیرہ۔

(۲) دوائے مطلق: دوائے مطلق وہ ہے جو بدن سے متاثر ہو کر بدن میں تغیر پیدا کرے اور آخر کار جزوِ بدن ہوئے بغیر بدن سے خارج ہو جائے۔

(۳) سمِ مطلق (خالص زہر): وہ جو خود تو بدن سے متغیر و متاثر نہ ہو لیکن بدن میں اپنا اثر و تغیر پیدا کر کے فساد کا باعث ہو، مثلاً سنکھیا اور سانپ وغیرہ کا زہر۔

(۴) غذائے دوائی: غذائے دوائی وہ ہے جو بدن سے متاثر ہو کر متغیر ہو جائے اور اس کے بعد خود بدن کو متاثر و متغیر کر دے اور اس کا زیادہ حصہ جزوِ بدن بنے اور کچھ حصہ بغیر جزوِ بدن بنے جسم سے خارج ہو جائے۔ مثلاً پھل وغیرہ۔

(۵) دوائے غذائی: وہ ہے جو بدن سے متاثر ہو کر متغیر ہو جائے اور اس کے بعد بدن کو متاثر و متغیر کر دے اور اس کا کچھ حصہ جزوِ بدن بنے اور زیادہ حصہ بغیر جزوِ بدن بنے جسم سے خارج ہو جائے، مثلاً میوہ جات اور گھی وغیرہ۔

(۶) دوائے سمی: وہ ہے جو بدن سے متاثر کم ہو اور بدن کو زیادہ متغیر کرے اور نقصان پہنچائے۔

ماکول و مشروب کے اثر کرنے کی صورتیں: ماکول و مشروب کے اثر کرنے کی صورتیں یہ ہیں کہ اگر فقط مادے سے اثر انداز ہو تو اُسے غذا کہتے ہیں اور اگر صرف کیفیت سے اثر کرے تو دوا۔ اگر اس کا اثر مادّہ اور کیفیت دونوں کے لحاظ سے ہو تو اگر مادہ زیادہ ہے تو غذائے دوائی اگر کیفیت زیادہ ہے تو دوائے غذائی کہتے ہیں۔ اگر صرف اپنی صورت نوعیہ سے اثر کرے تو اُسے ذوالخاصہ کہتے ہیں۔ جس کی دو صورتیں ہیں۔ اوّل ذوالخاصہ موافقہ (تریاق) اور دوسرے ذوالخاصہ مخالفہ جیسے زہر، اگر مادے اور صورتِ نوعیہ سے اثر کرے تو غذائے ذوالخاصہ اور اگر کیفیت اور صورتِ نوعیہ سے اثر کرے تو اس کو دوائے ذوالخاصہ کہتے ہیں۔

غذا کی اقسام: غذا کی دو اقسام ہیں: (i) لطیف (ii) کثیف۔

(i) غذائے لطیف: ایسی ہلکی غذا جس سے رقیق خون پیدا ہو، جیسے آبِ انار۔

(ii) غذائے کثیف: ایسی بھدّی غذا جس سے غلیظ (گاڑھا) خون پیدا ہو، مثلاً گائے کا گوشت۔ پھر ہر ایک کی دو صورتیں ہیں:

(ا) صالح الکیموس یا فاسد الکیموس (۲) کثیر الغذا یا قلیل الغذا۔

صالح الکیموس: ایسی غذا جس سے جسم کے لئے بہترین خلط پیدا ہو، جیسے بھیڑ کا گوشت، ابلا ہوا انڈہ وغیرہ۔

فاسد الکیموس: وہ غذا جس سے ایسی خلط پیدا ہو جو بدن کے لئے مفید نہ ہو جیسے مولی یا نمکین سوکھی مچھلی۔ کیموس کے معنی خلط کے ہیں۔

کثیر الغذا: کثیر الغذا وہ غذا ہے جس کا اکثر حصہ خون بن جائے جیسے نیم برشت انڈے کی زردی۔

قلیل الغذا: قلیل الغذا وہ غذا ہے جس کا بہت تھوڑا حصہ خون بنے، جیسے پالک کا ساگ۔

غذائے لطیف، کثیر الغذا اور صالح الکیموس کی مثال زردی بیضہ، نیم برشت انڈہ اور ماء اللحم (یخنی) ہے۔ غذائے کثیف، قلیل الغذا اور فاسد الکیموس کی مثال خشک گوشت، بینگن، مسور اور باقلا ہیں۔

پانی

پانی [1] چونکہ ایک بسیط رُکن ہے، اس لئے بدن کی غذا نہیں بنتا بلکہ غذا کا بدرقہ بنتا ہے۔ یعنی غذا کو پتلا بنا کر باریک تنگ راستوں میں پہنچانے کا کام کرتا ہے۔

بہترین پانی: چشموں کا پانی سب سے بہتر ہوتا ہے اور چشموں میں سے بہترین چشمہ وہ ہے جس کی زمین طینی (خاکی) ہو اور اس کی صفت یہ ہو کہ اس کا پانی شیریں ہو، مشرق کی طرف بہتا ہو، اس کا سرچشمہ دور ہو، بلندی سے پستی کی طرف آئے اور اس پر آفتاب کی روشنی پوری طرح پڑتی رہے۔

دوسرے درجہ کا پانی: چشموں کے پانی کے بعد بارش کے پانی کا درجہ ہے، لیکن اس میں بھی بہترین پانی وہ ہے جو پتھریلے گڑھے میں جمع ہو گیا ہو اور اس پر خوب دھوپ پڑتی ہو اور اس کے ساتھ شمال اور مشرق کی ہواؤں کے تھپیڑے لگتے ہوں۔ ان پانیوں کے علاوہ دوسرے سب پانی تیسرے درجہ کے ہیں، جیسے دریاؤں، نہروں اور ندی نالوں کا پانی۔ [2]

✿ نیند اور بیداری

سونا جاگنا ضروریاتِ زندگی کے لئے نہایت اہم ہے۔ اس میں کمی بیشی صحت کے بگاڑ کا موجب بن جاتی ہے۔ نیند ظاہر بدن کو سرد اور اندرونی بدن کو گرم کرتی ہے۔ اگر نیند کمی کے ساتھ ہو تو تری پیدا کرتی ہے اور زیادتی کے ساتھ سردی خشکی پیدا کرتی ہے۔ نیند کو سکون سے زیادہ مشابہت ہے۔ نیند میں روح اندر کو دھنس جاتی ہے اور اسی وجہ سے بیرونی بدن ٹھنڈا ہو جاتا ہے اور اکثر کپڑا اوڑھنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔

---

[1] یہ یاد رہے کہ موجودہ پانی جو ہمارے گردو پیش ہے یہ وہ بسیط پانی نہیں ہے جیسا کہ ارکان کے بیان میں لکھا جا چکا ہے، بلکہ یہ مرکب پانی ہے اور کئی چیزوں سے مرکب ہے۔ یہ پیٹ میں جا کر پھٹ جاتا ہے اور اس میں سے خالص (رُکن) پانی جسم میں اپنے وہ فرائض انجام دیتا ہے جن کا ذکر اوپر کیا گیا ہے۔

[2] آج کل شہروں کے اندر پمپنگ کا انتظام ہے یعنی پانی کو مشینوں کے ذریعہ کھینچ کر اس کی تقطیر کی جاتی ہے جو انسانی ضرورت کے لئے ایک اچھی قسم کا پانی بن جاتا ہے، لیکن یہ پانی بھی چشموں اور بارش کے پانی جو اپنی صفات میں پورے ہوں، مقابلہ نہیں کر سکتا۔

زیادہ سونا بدن میں بہت زیادہ رطوبت پیدا کرتا ہے اور پھر اس میں سردی کی زیادتی، سردی خشکی پیدا کر دیتی ہے۔ جس سے خون میں غلظت اور سوداویت (گاڑھا اور سیاہ خون) پیدا ہو جاتی ہے۔ گویا خون اور دماغ دونوں پر برا اثر پڑتا ہے۔ نیند غذا کو ہضم کرتی ہے۔ جس سے بدن میں گرمی پیدا ہوتی ہے۔ اور جب بدن میں غذا نہیں ہوتی تو روح اور جسم کو تحلیل کر کے ٹھنڈا کر دیتی ہے۔ دن کے وقت سونا نہایت برا ہے۔ اس سے جسم کا رنگ خراب ہو جاتا ہے۔ تلی (طحال) میں نقص پڑ جاتا ہے جس سے وہ خون کو اچھی طرح صاف نہیں کر سکتی۔ منہ میں بدبو پیدا ہو جاتی ہے۔ تمام جسمانی قوتیں سست ہو جاتی ہیں۔ ذہن کند ہو جاتا ہے۔ اس لئے دِن کے وقت سونے کی عادت کو آہستہ آہستہ چھوڑ دینا چاہئے۔ البتہ جو لوگ رات کو جاگتے ہیں یا عبادت گزارتے ہیں یا دماغی محنت کرتے ہیں، اُن کے لئے قیلولہ کرنا بہت ضروری اور مفید ہے۔ کیونکہ رات کی تھوڑی نیند سے اُن کی غذا پوری طرح ہضم نہیں ہوتی، اس لئے قیلولہ سے یہ ضرورت پوری ہو جاتی ہے۔

بیداری کا اثر تمام باتوں میں نیند کے برعکس ہوتا ہے یعنی بیداری کی مشابہت حرکت سے ہے اور اس سے جسم میں حرارت پیدا ہوتی ہے۔ بے خوابی (یعنی ایسی حالت جس میں پوری طرح نیند نہ آئے اور کبھی بیداری کبھی دونوں کی درمیانی حالت) میں نیند چونکہ حرارت کو بدن کے اندر کی طرف لے جاتی ہے اور بیداری باہر کی طرف تو اس کشمکش میں طبیعت گھبرا جاتی ہے اور ساتھ ہی کیونکہ وہ پوری طرح اندر کی طرف متوجہ ہو کر غذا کو ہضم کر سکتی ہے اور نہ ہی باہر کی طرف پوری طرح رجوع کر کے فضلات کا اخراج کر سکتی ہے، اس لئے غذا فاسد ہو جاتی ہے اور شکم میں نفخ، ریاح اور قراقر پیدا ہو جاتے ہیں۔

نیند کے متعلق صحیح صورت یہ ہے کہ جوانی میں دِن رات کی چوتھائی (یعنی چھ گھنٹے) کافی ہے۔ البتہ بچوں، بوڑھوں اور مریضوں کو زیادہ سونا چاہئے۔

۴ حرکت وسکون بدنی

حرکت ایسی صورت کا نام ہے جب کوئی شے (جسم) کسی خاص وضع (سکون یا قیام) سے فعل میں آئے۔ درحقیقت اس دُنیا میں سکون مطلق کا وجود نہیں ہے۔ البتہ جب اس کا ذکر کیا جاتا ہے تو اس سے مراد حرکت وسکون نسبتی ہوتی ہے۔ یعنی جب کوئی جسم بلحاظ دوسرے جسم کے کسی خاص وضع یا خاص حالت پر قائم رہتا ہے تو اس کو ساکن ہونا کہتے ہیں اور جب اس کی وضع یا حالت فعل میں آ جاتی ہے تو اس کو حرکت کہتے ہیں۔ حرکت جسم میں گرمی پیدا کرتی ہے اور اُس کی زیادتی جسم کو تحلیل کرتی ہے۔ سکون سردی پیدا کرتا ہے، اور جسم میں رطوبت کو زیادہ کرتا ہے۔ البتہ حرکت وسکون دونوں کی انتہائی زیادتی جسم میں خشکی پیدا کرتی ہے۔ معتدل حرکت وسکون غذا کو ہضم کرنے اور جسم کو صحت مند رکھنے میں مدومعاون ہے۔ حرکت وسکون دونوں کی انتہائی زیادتی جسم میں سردی پیدا کر دیتی ہے۔ کیونکہ زیادہ حرکت اور زیادتی سکون میں اوّل الذکر جسم کو تحلیل کر کے سردی کا باعث ہوتی ہے۔

۵ حرکت وسکون نفسانی

حرکت وسکون نفسانی، نفس کی حرکت کا نام ہے، جو ضرورت کے وقت کبھی جسم کے اندر کبھی جسم کے باہر حرکت کرتا ہے۔ جس کے ساتھ حرارتِ جسم بھی کبھی اندر کی طرف چلی جاتی ہے اور کبھی باہر کی طرف نمایاں طور پر ظاہر ہوتی ہے۔ پھر ان کی دو صورتیں ہیں۔ (۱) حرکت کا دفعتہً اور یکلخت اندر یا باہر کی طرف جانا۔ (۲) آہستہ آہستہ اندر اور باہر کی طرف رجوع کرنا۔ اسی طرح ایک تیسری صورت بھی پیدا ہو جاتی ہے، جس میں یہ نفس بیک وقت کبھی اندر کبھی باہر حرکت کرتا ہے۔ جاننا چاہئے کہ نفس جس طرف حرکت کرتا ہے وہاں دورانِ خون تیز ہو کر حرارت پیدا کر دیتا ہے اور

جس مقام سے حرکت کر کے جاتا ہے، وہاں دورانِ خون کی کمی ہو کر سردی پیدا ہو جاتی ہے۔

جسم انسان پر نفسیاتی اثرات

جسم انسان پر نفسیاتی اثرات کی تین بالمقابل صورتوں کے چھ جذبات ہیں: (۱) مسرت (۲) غم (۳) خوف (۴) غصہ (۵) لذت (۶) شرمندگی۔

① **غصہ:** غصہ کی حالت میں جذبے کا اظہار باہر کی طرف یکبارگی ہوتا ہے۔

② **خوف:** خوف کی حالت میں جذبے کا رجوع یکبارگی اندر کی طرف ہوتا ہے۔

③ **خوشی:** خوشی کی حالت میں کسی جذبے کا رجوع رفتہ رفتہ باہر کی طرف ہوتا ہے۔

④ **غم:** غم کی صورت میں کسی جذبے کا رجوع رفتہ رفتہ اندر کی طرف ہوتا ہے۔

⑤ **شرمندگی:** شرمندگی کی حالت میں نفس یکبارگی کبھی اندر اور کبھی باہر جاتا ہے۔

⑥ **لذت:** لذت کی حالت میں نفس آہستہ آہستہ کبھی اندر کبھی باہر جاتا ہے۔[1]

یہ ملے جلے جذبات دراصل دو جذبوں سے مرکب ہوتے ہیں۔ جیسے شرمندگی، خوف اور غصے سے مرکب ہے۔ اس لئے خوف کی حالت میں نفس یکبارگی اندر کی طرف رجوع کرتا ہے اور غصے میں یکبارگی باہر کی طرف۔ یعنی اس شخص کو جسے شرمندگی ہوتی ہے، اُسے بیک وقت خوف کے

---

[1] حرکت وسکون نفسانی دراصل نفس کی حرکت وسکون نہیں، کیونکہ نفس اپنا مقام نہیں بدلتا۔ ایسا مجازاً کیا جاتا ہے۔ البتہ نفس کے انفعالات اور تاثرات خون اور روح میں ضرور حرکت پیدا کر دیتے ہیں۔ بالفاظِ دیگر یہ انفعالات وتاثرات دراصل باعث حرکت ہیں، ان کا عدم باعثِ سکون روح اور خون ہے۔ یہ حرکت و سکون نفسانی بدن کے لئے ویسا ہی ضروری ہے جیسا حرکت وسکون بدنی۔ کیونکہ بدنی حرکات کا دارومدار خواہشات وجذبات نفسانیہ پر بھی ہے۔ مثلاً شوق کے وقت طلب کی حرکت، نفرت کے وقت فرار کی صورت، غصے کے وقت مقابلے کی حالت اور اسی طرح خوف کے وقت چہرے کا سفید ہو جانا اور غصے کے وقت چہرے کا سرخ ہو جانا۔ یہ سب کچھ خون اور روح کے زیر اثر ہے۔ اس کے برعکس نفسیاتی سکون کی ضرورت اس لئے ہے کہ روح اور خون کو نسبتاً آرام حاصل ہوتا ہے کہ وہ زیادہ تحلیل نہ ہو جائے۔

جاننا چاہئے کہ نفس جب کسی مناسب یا مخالف شے کا ادراک اور احساس کرتا ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ مناسب کو حاصل کرنا اور مخالف سے بچنا چاہتا ہے، تو اس وقت اپنی نفسانی قوتوں کو حرکت میں لاتا ہے اور یہ مسلمہ امر ہے کہ یہ نفسانی قوتیں ارواح کے تابع ہیں، جن کا حامل خون ہے۔ گویا ارواح خون کی حرکت کے بغیر اور خون نفسانی قوتوں کے بغیر عمل نہیں کر سکتا۔ اسی عمل کا نام نفسانی حرکت وسکون ہے۔

نفسانی جذبات کو سمجھنے کے لئے اور سہولت کی خاطر ہم نے ان کو اعضاء رئیسہ کے مطابق تین حصوں میں تقسیم کر دیا ہے اور ہر عضو کے لئے دو جذبے مخصوص کر دیئے ہیں۔ ان دو جذبوں میں ایک عضو میں انبساط پیدا کرتا ہے اور دوسرا انقباض۔ ان کی ترتیب درج ذیل ہے۔

① **دل:** دِل پر مسرت سے انبساط پیدا ہوتا ہے اور غم سے انقباض۔

② **دماغ:** دماغ میں لذت سے انبساط پیدا ہوتا ہے اور خوف سے انقباض۔

③ **جگر:** جگر میں ندامت سے انبساط پیدا ہوتا ہے اور غصے میں انقباض۔

لیکن یہ جاننا بھی انتہائی ضروری ہے کہ جب دِل، دماغ، جگر کسی ایک میں، کسی خاص قسم کی تحریک ہوگی، تو باقی دو اعضاء میں بھی کوئی نہ کوئی حالت پائی جائے گی۔ مثلاً اگر اعصاب میں تحریک ہوگی تو یہ ضروری بات ہے کہ جگر میں تحلیل (انبساط) اور دِل میں سکون (سردی) پائے جائے گی۔ گویا اس امر کا لحاظ رکھنا نہایت ضروری ہے کہ جب کسی جذبے کے ماتحت کسی عضو کا مطالعہ مقصود ہو تو باقی اعضاء کو بھی نظر انداز نہ کیا جائے۔

ساتھ غصہ بھی آ تا رہتا ہے۔ یہ غصہ دراصل خوف کے جذبے کو دور کرنے کی جدوجہد ہوتی ہے یا ردِّ عمل ہوتا ہے۔ ایسے ہی لذت بھی مسرت اور غم سے مرکب ہے۔ ان کی حقیقت یہ ہے کہ خوشی اور غصہ کی حالت میں قلب پر ایسا اثر پڑتا ہے جس سے اس کی حرکت تیز ہو جاتی ہے اور خون زیادہ مقدار میں شریانوں کی طرف روانہ ہو جاتا ہے اور تمام اعضاء میں زیادہ پہنچتا ہے۔ اس لئے بیرونی اعضاء میں خون کی گرمی اور جوش معلوم ہوتا ہے۔ اس کے برعکس خوف اور غم کی حالت میں قلب پر ایسا اثر پڑتا ہے کہ اُس کی حرکت سست ہونا شروع ہو جاتی ہے۔ اور خون بیرونی جسم کی طرف مقدار میں کم ہونا شروع ہو جاتا ہے اور اسی وجہ سے تمام اعضاء میں کم پہنچتا ہے۔ جس سے جسم ٹھنڈا اور سست ہو جاتا ہے۔

احتباس واستفراغ

استفراغ کے معنی ہیں مواد اور فضلات کا بدن سے اخراج پانا، اور احتباس کے معنی ہیں غذائی اجزاء اور فضلات کا جسم میں رُکنا۔ فضلات دراصل اضافی لفظ ہے۔ حقیقت میں فضلات کوئی شے نہیں ہیں۔ کیونکہ جن مواد کی کسی جسم کے لئے ضرورت نہیں ہوتی وہ اس کے لئے فضلات بن جاتے ہیں۔ کیونکہ اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ جسم کے اندر غیر ضروری غذائی اجزاء یا مفید مواد جب ان کو طبیعت قبول نہیں کرتی یا طبیعت کو ان کی ضرورت نہیں ہوتی تو وہ سب فضلات میں شامل ہیں۔ فضلات سے مراد ہے فاضل چیز یا فالتو شے۔[1]

اسباب احتباس: احتباس مندرجہ ذیل اسباب سے ہوتا ہے: (۱) قوتِ ماسکہ کی سختی (۲) قوت ہاضمہ (۳) قوت دافعہ کی کمزوری (۴) مجاری کی تنگی (۵) سدوں کا پڑ جانا (۶) مادے کی غلظت یا لزوجیت (لیس)۔ (۷) طبیعت[2] کا کسی دوسری طرف متوجہ ہو جانا اور دفعہ کرنے کی حاجت کا احساس زائل ہو جانا۔

استفراغ: بدن کا وجود اور دار و مدار غذا پر ہے۔ غذا کوئی بھی ایسی نہیں جو ساری کی ساری جزوِ بدن ہو جائے اور اس کا فضلہ نہ بنے۔ پھر یہ فضلہ اگر باقی رہے اور اُس کا اخراج نہ ہو تو بدن میں فاسد مادے اکٹھے ہو جاتے ہیں، اس کے لئے استفراغ کی انتہائی ضرورت ہے اور احتباس کی ضرورت اس لئے ہے کہ غذا کچھ عرصہ جسم میں رہے، تاکہ اس کا جوہر طبیعت حاصل کر لے۔

استفراغ اور احتباس کا اعتدال صحت اور طاقت کے لئے نہایت ضروری اور مفید ہے۔ استفراغ کی زیادتی بدن میں خشکی اور سردی پیدا کرتی ہے۔ البتہ اگر جسم میں سرد یا خشک مواد کی زیادتی ہو تو گرمی خشکی بھی پیدا ہو سکتی ہے۔ احتباس کی زیادتی سے جسم بوجھل ہو جاتا ہے۔ بھوک کم ہو جاتی یا رُک جاتی ہے۔ اکثر سدے پیدا ہو جاتے ہیں جن کے نتیجہ میں عفونت (سڑاند) کا ہونا لازمی ہے۔

---

[1] جو غذا کھائی جاتی ہے تندرستی کی حالت میں جسم اس کا ایک خاص حصہ جذب کر کے جزوِ بدن بنا دیتا ہے اور باقی کو فضلات کی شکل میں خارج کر دیتا ہے، لیکن اسکے یہ معنی نہیں کہ فضلات میں جسم انسان کے لئے غذائیت باقی نہیں رہی، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ جس قدر صحت اچھی ہوتی ہے اور اعضاء مضبوط ہوتے ہیں، اُسی قدر زیادہ غذائی اجزاء جذب اور جزوِ بدن بنتے ہیں اور فضلات کم خارج ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مریض اور کمزور اعضاء والے جتنی زیادہ سے زیادہ غذا کھائیں اُن کے اندر اتنی طاقت اور خون کی مقدار پیدا نہیں ہوتی۔ سوال غذا کی قلت و کثرت اور اعلیٰ و ادنیٰ کا نہیں بلکہ اعلیٰ درجہ کی صحت اور مضبوط اعضاء کا ہے۔ اگر یہ ہے تو خود بخود زیادہ غذا ہضم ہوتی اور جزوِ بدن بنتی ہے اور زیادہ سے زیادہ طاقت اور خون پیدا ہوتا ہے۔

[2] جب مادے کا اخراج پسینے کے ذریعے ہوتا ہے تو پیشاب اور پاخانہ کم ہو جاتے ہیں یا بند ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح جب مادے کا اخراج بذریعہ قارورہ (پیشاب) زیادہ ہوتا ہے تو پسینہ اور پاخانہ میں کمی ہو جاتی ہے یا بند ہو جاتا ہے اور اسی طرح جب پاخانے میں زیادتی ہو تو قارورہ اور پسینے پر اثر پڑتا ہے۔

(۴) اسبابِ مرضہ

تعریف

ایسے اسباب وصورتیں اور حالتیں جن کے عمل میں آنے سے جسمِ انسانی کسی نہ کسی مرض میں گرفتار ہوجاتا ہے اور جب تک رفع نہ ہوں، مرض قائم رہتا ہے۔

اقسام: اسبابِ مرضہ کی تین اقسام ہیں: (۱) اسبابِ بادیہ (۲) اسبابِ سابقہ (۳) اسبابِ واصلہ۔

(۱) اسبابِ بادیہ: ایسے اسباب جو ظاہری صورت میں ہمارے گردونواح میں پائے جائیں، جن کے اثرات میں مادی چیزوں کا دخل نہ ہو بلکہ وہ کیفیاتی (گرمی سردی، خشکی تری) ہوں یا نفسیاتی (جیسے غم اور غصہ وغیرہ)۔ تفصیل ان کی یہ ہے کہ وہ اسباب نہ خلطی ہوں اور نہ ترکیبی بلکہ اُن کا تعلق خارجی چیزوں سے ہو، مثلاً گرم ہوا یا سرد ہوا اور نفسیاتی صورت میں غصہ اور خوف وغیرہ۔

(۲) اسبابِ سابقہ: ایسے اسباب جن کا اثر ہمارے جسم پر اُن کے مادے کی وجہ سے ظاہر ہو یعنی کسی شے کے کھانے پینے کے بعد جو اثرات پائے جائیں وہ انہی کا نتیجہ ہوں گے۔❶

(۳) اسبابِ واصلہ: ایسے اسباب جن کے بعد معاً مرض نمودار ہوتا ہے، یعنی مرض اور سبب میں کوئی فرق یا دوری نہیں پائی جاتی یا دوسرے الفاظ میں اُن کے اور مرض کے درمیان کوئی واسطہ نہیں ہوتا بلکہ وہ براہِ راست مرض پیدا کردیتے ہیں۔ کسی دوسری حالت کا اُن کو انتظار نہیں ہوتا۔ جس کی بہترین مثال امتلاء (مواد کا اجتماع) ہے جو بخار کا موجب ہوتا ہے، گویا امتلاء بلاواسطہ بخار پیدا نہیں کرتا بلکہ اُس کے اور بخار کے درمیان عفونت واسطہ بنتی ہے۔ امتلاء سے ابتداً عفونت لاحق ہوتی ہے اور پھر عفونت سے بخار ہوتا ہے، اس صورت میں عفونت سبب واصلہ ہے جس کے ہوتے ہی بخار آجاتا ہے اور امتلاء سبب سابقہ کہلائے گا۔❷

---

❶ اسبابِ بادیہ اور اسبابِ سابقہ ایسے اسباب ہیں کہ ان کے اور مرض کے درمیان واسطہ ہوتا ہے یعنی وہ براہِ راست مرض پیدا نہیں کرتے بلکہ ایسی حالت پیدا کرتے ہیں جو مرض کا موجب بن جاتی ہے اور یہ بھی یاد رہے کہ بعض اطباء نے صرف اسبابِ سابقہ ہی کو بالواسطہ مرض کا موجب تسلیم کیا ہے اور بادیہ کو اس سے خارج کردیا۔ لیکن ہم نے دونوں کو شریک کردیا، کیونکہ اسبابِ بادیہ اور سابقہ دونوں اقسام واصلہ نہیں ہیں۔

❷ دراصل اسبابِ واصلہ، اسبابِ بادیہ اور اسبابِ سابقہ سے علیحدہ نہیں ہیں، بلکہ ان دونوں میں سے جو بھی مرض کا باعث ہوجاتا ہے، اُسے اسبابِ واصلہ کہہ دیا جاتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں یوں سمجھئے کہ جب یہی دونوں اسبابِ بادیہ اور سابقہ اپنی شدت اختیار کرلیتے ہیں اور جس کے بعد مرض پیدا ہوجاتا ہے تو یہی اسبابِ واصلہ کہلاتے ہیں۔ گویا ہم ان کو ''واصلہ'' کا نام اُس وقت دیں گے جب ان کے بعد معاً مرض پیدا ہو۔ ان اسبابِ واصلہ کو ''اسبابِ شرکی'' بھی کہا جاسکتا ہے، یعنی جن کی شرکت مرض کے ساتھ پائی جائے۔

مختلف طبوں کے اسبابِ فاعلہ (واصلہ): جاننا چاہئے کہ طبِ یونانی کا سبب فاعلہ (واصلہ) مزاج اور اخلاط کی خرابی ان کی کمی بیشی اور ان کا جل جانا ہے۔ آیورویدک میں دوشوں کا خراب ہوجانا، ان کی کمی بیشی یا ان کا مقام بدل لینا ہے۔ ایلوپیتھی میں جراثیم اور زہریلے مواد کا پایا جانا اور کمزوری کا پایا جانا ہے۔ ہومیوپیتھی میں روح (وائٹل فورس) کا بیمار ہوجانا۔ بایوکیمک میں جسم میں نمکیات کی کمی یا خرابی کا پیدا ہوجانا۔ کروموپیتھی میں خون کے اندر رنگوں میں کمی بیشی یا خرابی واقع ہوجانا ہے۔ سائیکوپیتھی میں انسانی جذبات میں خرابی واقع ہوجانا اور اُن میں کمی بیشی کا ہوجانا یا ان کا غلط تربیت پاجانا ہے۔ فزیوپیتھی میں اعضاء میں اس قسم کی خرابیاں واقع ہوجانا ہے کہ جن سے ان کے افعال میں افراط وتفریط واقع ہوجائے۔

واضح رہے کہ فزیوپیتھی کے علاوہ باقی جملہ طریقہ ہائے علاج جن اسبابِ واصلہ کو تسلیم کرتے ہیں وہ سب تمام اسبابِ بادیہ یا سابقہ ہیں۔ ☆ .....

9-B

اسبابِ جزوی

تعریف:

ایسی صورتوں اور حالات کا اظہار جن سے گزشتہ تینوں اسباب مرضہ ظہور میں آتے ہیں۔ جزوی اسباب دراصل کوئی جداگانہ اسباب نہیں بلکہ ان صورتوں اور حالتوں کی تشریح ہے جن سے اسباب مرضہ پیدا ہوتے ہیں۔ یہ تین قسم کے ہیں: (۱) سوءِ مزاج (۲) مرض ترکیب (۳) تفرق اتصال۔

۱ اسباب سوءِ مزاج:

ان میں کیفیات، قویٰ اور عفونت کی تفسیر ہے۔

الف> سوء مزاج گرم کے اسباب

① حرکت جو اعتدال سے تجاوز کر جائے، یہ حرکت یا تو بدنی ہوتی ہے، جیسے ریاضت کی کثرت یا نفسیاتی جیسے غصہ۔

② حرارت بالفعل کی ملاقات جیسے دھوپ یا آگ کی گرمی سے جسم میں گرمی پیدا ہو جائے۔

③ حرارت بالقوۃ کی ملاقات مثلاً گرم دواؤں یا غذاؤں کا کھانا یا گرم ضمادوں کا لگانا، حرارت بالقوۃ کا مقصد وہ گرمی ہے جو بالفعل گرم تو محسوس نہ ہو، لیکن اُس کی تاثیر سے بدن گرم ہو جائے جبکہ حرارت بالفعل سے مقصد یہ ہے کہ وہ بحالت موجودہ گرم محسوس ہو۔

④ مسامات بدن کا کثیف ہو جانا۔ مسامات بدن کے کثیف ہو جانے سے حرارت کا اخراج نہیں ہوتا، بلکہ اندرونی بدن میں جمع ہو کر گرمی پیدا ہو جاتی ہے۔ اور مسامات بدن کو کثیف کرنے والی چیزیں بالفعل سرد ہوں جیسے برف اور یخ بستہ یا بالقوۃ ہوں جیسے پھٹکری اور مازو وغیرہ۔

⑤ عفونت یعنی مواد کا سڑ جانا جس سے بخار پیدا ہو جاتا ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ ہر متعفن مقام پر گرم بخارات اُٹھنا شروع ہو جاتے ہیں۔ جو جسم یا ماحول میں حرارت کا باعث ہوتے ہیں۔

ب> اسباب سوء مزاج سرد

① برودت (سردی) بالفعل کی ملاقات۔

② برودت بالقوۃ کی ملاقات۔

③ کھانے کی بے حد کمی۔ کم کھانے سے خون کم پیدا ہوگا اور حرارت غریزی کو کم تقویت ملے گی۔

لہ..... وہ ''واصلہ'' اس وقت تک نہیں بن سکتے جب تک کسی عضو کے فعل میں تغیر واقع نہ ہو۔ مثلاً اگر جراثیم جسم کے اندر اثر انداز ہوں تو وہ کسی عضو کے فعل کو ہی خراب کریں گے یا اگر جسم کے اندر جراثیم کی پیدائش بڑھ جائے تو بھی اس وقت تک مرض ناممکن ہے۔ جب تک جسم کے کسی عضو میں خرابی واقع نہ ہو، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ صحیح طریقہ علاج میں اعضاء کے افعال کا جاننا بہت ضروری ہے اور یہی بات اور اصول شیخ الرئیس نے تعریف مرض میں بیان کیا ہے۔ لیکن اس امر سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اعضاء کی خرابی کے ساتھ ساتھ خون کے اندر جو کیمیاوی خرابی اور تغیر پیدا ہوتا ہے، اس کا علم بھی نہایت ضروری ہے، کیونکہ اگر اعضاء کی خرابی سبب واصلہ ہے تو خون کے اندر کیمیاوی تغیرات سبب بادیہ اور سابقہ کی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں۔ اس لئے تشخیص میں اعضاء کی خرابی اور خون کی کیمیاوی خرابی دونوں کا علم ضروری اور اہم ہے۔

④ کھانے کی بے حد زیادتی - بے حد زیادہ کھانے سے اخلاط نامکمل (کچے) رہ جاتے ہیں، جس سے تخمہ و بدہضمی پیدا ہوتی ہے جو بدن کی حرارت کم کر دیتی ہے۔

⑤ مسامات کا بہت زیادہ کثیف (بند) ہو جانا۔

⑥ حرکت کی زیادتی - حرکت کی زیادتی سے تحلیل کی زیادتی ہو جاتی ہے، جو بالآخر سردی پیدا کر دیتی ہے۔

⑦ سکون کی زیادتی - جس سے رطوبت کا اخراج رُک جاتا ہے اور حرارت غریزی سرد پڑ جاتی ہے۔

⑧ مسامات کا کشادہ ہونا - اس سے حرارتِ غریزی کے بکثرت تحلیل ہونے سے سردی پیدا ہو جاتی ہے۔

ج> سوء مزاج خشک کے اسباب

① بالفعل خشک چیز کی ملاقات - اس سے مراد گرم خشک اور سرد خشک کیفیات کی زیادتی اور نفسیاتی طور پر غصہ او خوف کا پیدا ہونا ہے۔

② بالقوۃ خشک چیزوں کی ملاقات۔

③ کھانے پینے کی کمی - جس سے کم رطوبت پیدا ہوتی ہے جو بدل ما یتحلل کے لئے کافی نہیں ہوتی۔

④ حرکت کی زیادتی - جس سے رطوبت بکثرت تحلیل ہوتی اور خشکی کا باعث ہوتی ہے۔

❁ اسبابِ مرض ترکیب

ان میں فسادِ شکل، تغیرِ بدن اور مجاری کی خرابیوں کی تفسیر ہے۔

الف> اسباب فساد شکل

① قوتِ مصورہ کا قصور جس سے مراد اُس کے فعل کا ناقص ہونا ہے جس سے اعضاء کی مخصوص شکل نہیں بن سکتی۔

② قوت مغیرہ (پھیلانے والی) کا قصور، اس سے مراد اس قوت کا مادۂ تولید سے پوری طرح کام نہ لینا اور تیار نہ کرنا ہے۔

③ ولادتِ غیر طبعی، اس سے مراد وہ باتیں ہیں جو رحم سے بچہ کے نکلتے وقت واقع ہوں، جب کہ بچہ طبعی طور پر نہ نکل سکے۔

④ تکمید (پٹی باندھنا)، پٹی کے شدت سے باندھنے یا دیر تک قائم رکھنے میں اعضاء کی شکل عام طور پر بگڑ جاتی ہے۔

⑤ سکتہ وضربہ اور حرکت غیر طبعی واسباب جو عام طور پر خارج سے واقع ہوتے ہیں۔ مثلاً سکتہ وضربہ (گر پڑنا اور چوٹ لگنا) یا اعضاء کے سخت ہونے سے قبل چلنا پھرنا یا اُن پر دباؤ ڈالنا یا کھینچنا۔

ب> اسباب اتساع (کشادگی) مجاری

① قوت ماسکہ کی کمزوری جس سے مجاری کے ریشے ڈھیلے پڑ جاتے ہیں۔

② قوتِ دافعہ کی شدید حرکت جس کے دباؤ سے راستے زیادہ کھل جائیں۔

③ ادویاتِ مفتح (راستوں کو کھول دینے والی دوائیں) مثلاً گرم تر اندرونی اور بیرونی ادویہ۔

④ ادویات مرخیہ (ڈھیلا کر دینے والی دوائیں) جن سے مجاری کے ریشے ڈھیلے پڑ جاتے ہیں۔

ج> اسباب ضیق مجاری: ایسے اسباب جن سے مجاری تنگ ہو جاتی ہیں جو اکثر اس قسم کے اسباب ہوتے ہیں جو اسباب اتساع مجاری کے برعکس ہوں۔

د> **اسباب سُدہ**

① کوئی بیرونی چیز مجاری میں پھنس جائے۔

② مجاری کا منفذ (سوراخ) کسی زخم کے بھرنے کے باعث بند ہو جائے۔

③ کسی مجریٰ (نالی) کے قریب کوئی ایسا ورم پیدا ہو جائے جس کے دباؤ سے وہ مجریٰ بند ہو جائے۔

④ زیادہ سردی کے باعث سکیڑ پیدا ہو جائے۔

⑤ قوت ماسکہ کا فعل زیادہ سختی کے ساتھ عمل کرے۔

ہ> **اسباب خشونت**: ایسے اسباب جن سے اعضاء کی سطح کھردری ہو جائے، اس کی دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں، داخلی اور خارجی۔ داخلی صورت میں کسی مادے کا گرنا اور خارجی صورت میں گرد وغبار اور دھوئیں کا اثر انداز ہوتا ہے۔

و> **اسباب ملاثت**: ایسے اسباب جن سے اعضاء کی سطح چکنی ہو جائے، اُس کی بھی دو ہی صورتیں ہیں۔ داخلی اور خارجی۔ داخلی صورت میں کوئی لیسدار خلط عضو پر گر کر اس کی سطح کو چکنا کر دیتی ہے اور خارجی طور پر جیسے موم روغن کسی عضو کی سطح پر لگایا جائے۔

ز> **مقدار اور عدد کی زیادتی کے اسباب**

① مادے کی کثرت خواہ مادہ اچھا ہو یا خراب۔

② قوتِ جاذبہ کی شدت جس سے اعضاء کے اندر بکثرت مواد جذب ہو جاتا ہے۔

ح> **مقدار اور عدد کی کمی کے اسباب**:

① مادے کی کمی۔

② قوتِ جاذبہ کی کمزوری۔

③ قوتِ مصورہ کی غلطی۔

ط> **اسباب فساد و وضع**: ایسے اسباب جن سے کوئی عضو ضرورت کے خلاف دوسرے عضو سے قریب یا دور ہو جائے۔ یہ درج ذیل ہیں:

① کوئی مادہ تشنج (کھینچنے والا)۔

② کوئی مادہ مرخیہ (ڈھیلا کرنے والا)۔

③ قرح (زخم) کا اثر۔

④ کسی خلط کی خشکی۔

⑤ تحجر خلط (کسی خلط کا سخت ہو جانا)۔

⑥ حرکت (غیر طبعی) کی زیادتی۔

تفرق اتصال

یہ ایسے اسباب ہیں جن سے جسم کے اندر ٹوٹ پھوٹ واقع ہو۔ اس کی دو صورتیں ہوتی ہیں، داخلی اور خارجی۔ داخلی صورت میں کوئی اکال (کھا جانے والی) خلط اس کو گلا سڑا کر کھا جائے یا کوئی محرق خلط عضو کو جلا دے یا کوئی لاذع (کاٹنے والی) یا صادع (پھاڑنے والی) جسم پر اثر

انداز ہو کر نقصان پہنچائے۔ خارجی صورت میں تلوار سے کٹ جانا یا رسّی سے باندھ کر جھٹکا دے دینا یا آگ سے جلنا وغیرہ۔

اسباب

- اسبابِ ضروریہ
  - ہوا
  - ماکولات و مشروبات
    - غذائے مطلق
      - لطیف
        - صالح یا فاسد الکیموس
        - کثیر یا قلیل الغذا
      - کثیف
        - صالح یا فاسد الکیموس
        - کثیر یا قلیل الغذا
    - دوائے مطلق
    - سم مطلق
    - غذائے دوائی
    - دوائے غذائی
    - دوائے سمی
  - حرکت و سکون بدنی
  - نیند و بیداری
  - استفراغ و احتباس
    - قوت ماسکہ کی سختی
    - قوتِ ہاضمہ
    - قوتِ دافعہ کی کمزوری
    - مجاری کی تنگی
    - سدّے
    - غلظت و لزوجیت مادہ
    - توجہ طبیعت منجانب دیگر
- اسبابِ ممرضہ
  - اسبابِ بادیہ
  - اسبابِ سابقہ
  - اسبابِ واصلہ

ہوا کے تغیرات

- طبعی
  - موسمی تغیرات
    - گرما
    - سرما
    - خریف
    - ربیع
  - ہوائیں
  - پہاڑوں اور سمندروں کا قرب
  - زمین کا تغیر
- غیر طبعی
  - غیر مخالف طبیعت
  - مخالف طبیعت

اسباب جزوی

- سوءِ مزاج
  - سوءِ مزاج گرم
  - سوءِ مزاج سرد
  - سوءِ مزاج خشک
  - سوءِ مزاج رطب
- مرضِ ترکیب
  - فسادِ شکل
  - اتساع مجاری
  - ضیق مجاری
  - سُدّہ
  - خشونت
  - ملاثت
  - زیادتی تعداد عدد
  - کمی تعداد عدد
  - فسادِ وضع
- تفرق اتصال
  - داخلی
  - خارجی

جزو چہارم

علم العلامات

تعریف

علامات ایسے نشانات کو کہتے ہیں جن سے حالتِ صحت یا حالتِ مرض کا پتہ چلتا ہے۔ یہ علامات گاہے مرض ہوتی ہیں اور گاہے عرض۔

اقسام

علامات کی تین اقسام ہیں جو تین زمانوں کے مطابق پائی جاتی ہیں: (۱) ماضی (۲) حال (۳) مستقبل۔

اقسام علامات

ماضی　　حال　　مستقبل

اجناس علامات

ملمس　لحم و شحم　بال　بدن کی رنگت　اخلاط　ساختِ اعضاء　طبعی افعال　نیند و بیداری　انفعالات انسانی　فضلات
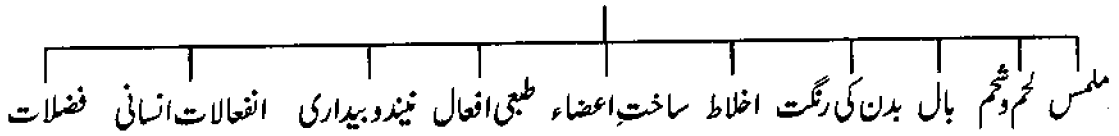
(۱) **علامات ماضی:** یہ عام طور پر اسباب بادیہ یا سابقہ پر روشنی ڈالتی ہیں جن سے اکثر ایک معالج ہی فائدہ حاصل کر سکتا ہے۔ جب وہ ان کا اظہار کرتا ہے تو یہ اُس کی فضیلت اور قابلیت پر دلالت کرتا ہے۔ معالج کے لئے ان کا ہمیشہ ذہن میں رکھنا باعثِ عزت ہے۔ ایسی علامات کو مذاکرہ کہتے ہیں۔

(۲) **علامات حال:** ان کی دو صورتیں ہیں، اوّل وہ جو مریض بیان کرتا ہے، دوسرے وہ جن کا اظہار معالج کرتا ہے۔ مریض اُن کو بیان نہیں کر سکتا، لیکن ان کے اثرات سمجھتا ضرور ہے۔ یہ علامات جو مریض بیان کرتا ہے ''شرکی'' ہوتی ہیں اور جو معالج بیان کرتا ہے ''سبب واصلہ'' ہوتی ہیں۔ اور یہی تشخیص اور حقیقت مرض پر روشنی ڈالتی ہیں۔ ان کو دال کہتے ہیں۔

(۳) **علامات مستقبل:** ایسی علامات جن سے مرض کے نیک و بد کا پتہ چلتا ہے کہ مرض خیر و خوبی سے انجام پائے گا یا مریض ختم ہو جائے گا۔ ایسی علامات کے بیان سے معالج کی حذاقت اور حدث کا سکہ مریض پر بیٹھتا ہے۔ ان سے مریض بھی مستفید ہوتا ہے اور معالج کی شہرت اور عزت بھی بڑھتی ہے۔ ان علامات کو ''تقدم معرفت'' کہتے ہیں۔ علاج کے دوران میں ان تینوں قسم کی علامات کا ذہن نشین رکھنا حاذق طبیب کے

لئے نہایت اہم ہے۔ یہ تینوں قسم کی علامتیں یا تو مزاجوں پر دلالت کرتی ہیں یا ترکیب پر (مشینی یا کیمیاوی)۔

اجناسِ علامات

یہ تمام علامات دس جنسوں میں تقسیم کی گئی ہیں۔

(۱) **ملمس** (چھوکر معلوم کرنا): اگر ملمس چھوکر گرمی محسوس کرے تو یہ حرارت کی علامت ہوگی، اگر سردی محسوس کرے تو برودت پر دلالت کرے گا۔ اگر نرمی محسوس ہو تو رطوبت پر اور سختی محسوس کرے تو خشکی کو ظاہر کرے گا۔ لیکن یہ یاد رہے کہ چھونے والے شخص کا مزاج معتدل ہونا چاہئے۔ اگر اس کے مزاج میں اعتدال نہ ہوگا تو نتیجہ تسلی بخش نہیں آئے گا۔

(۲) **لحم و شحم** (گوشت و چربی): گوشت کی کثرت حرارت و رطوبت پر چربی کی زیادتی کثرت برودت و رطوبت پر اور ان کی کمی رطوبت کی کمی پر دلالت کرتی ہے۔ سرخ رنگ کا گوشت اگر بکثرت ہو تو ایسا جسم ٹھوس ہوا کرتا ہے، اگر سرخ رنگ کا گوشت تھوڑا ہو اور اُس کے ساتھ چربی کی کمی ہو تو گرمی خشکی کی علامت ہے۔ چربی دو قسم کی ہوتی ہے، (۱) شحم (جمی ہوئی سخت چربی) اور (۲) سمین (پتلی چربی)۔ چربی کی زیادتی سے جسم ڈھیلا ہو جاتا ہے اور سردی تری غالب رہتی ہے۔

(۳) **بال**: بال اگر جلد اُگیں تو خشکی کی علامت ہے۔ بالوں کی کثرت گرمی پر دلالت کرتی ہے اور قلت رطوبت پر۔ اُن کی غلظت (موٹاپن) بخارات دخانیہ کی کثرت اور باریک ہونا بخارات دخانیہ کی قلت پر دلالت کرتا ہے۔ بالوں کا گھنگھریالہ ہونا گرمی خشکی پر اور سیدھا ہونا سردی، تری پر دلالت کرتا ہے۔ رنگت کے لحاظ سے بالوں کی سیاہی گرمی پر صہوبت (پیازی رنگ) سردی اور شقرت (زردی مائل سرخی)، حمرت (سرخی) دونوں اعتدال کے قریب ہونے پر دلالت کرتے ہیں، بالوں کی سفیدی سردی پر جس کے ساتھ کبھی تری کبھی خشکی ہوتی ہے

(۴) **بدن کی رنگت**: رنگت کی سفیدی حرارت کی کمی پر، سیاہی خشکی کی کثرت پر۔ سرخی خون کی زیادتی پر۔ زردی اور سرخی حرارت کی کثرت پر۔ بینگنی رنگت سردی اور خشکی پر دلالت کرتی ہے۔ سفید رنگ بلغم کی علامت ہے اور رساسی (سیسے کی مانند) رنگ سردی اور تری پر دلالت کرتا ہے۔

(۵) **اخلاط**: (i) **خون کی زیادتی کی علامات:** سر کی گرانی، انگڑائی، جمائی، اونگھ، حواس کی کدورت، ذہن کی کندی، ذائقے کی شیرینی، بدن اور زبان کا سرخ ہونا، پھوڑے پھنسیوں کا نکلنا، بہ آسانی پھٹ جانے والے مقامات سے خون کا نکلنا، خون کی زیادتی کی علامات ہیں۔

(ii) **بلغم کی زیادتی کی علامات:** بدن کی رنگت کا سفید ہونا، بدن کا ڈھیلا ہونا، بدن کا ملائم اور سرد محسوس ہونا، لعاب دہن کا بکثرت محسوس بہنا، پیاس کی کمی (لیکن جب بلغم کے ساتھ صفراء ملا ہوا ہوتا ہے تو پیاس زیادہ لگتی ہے)۔ کھاری (بکُس) ڈکاریں، نیند کی زیادتی، بلغم کی زیادتی کی علامات ہیں۔

(iii) **صفراء کی زیادتی کی علامات:** بدن اور آنکھ کی زردی، ذائقہ کی تلخی، زبان کا کھردرا ہونا، منہ اور نتھنوں کی خشکی، پیاس کی زیادتی، ضعف اشتہا، متلی اور پھریری (کپکپی)، یہ سب صفراء کی زیادتی کی علامات ہیں۔

(iv) **سودا کی زیادتی کی علامات:** جسم کی لاغری اور نیلا ہونا، خون کی سیاہی اور گاڑھا ہونا، غور و فکر کی زیادتی، معدے کی جلن، ترش ڈکاریں، اشتہائے کاذب، قارورہ کا نیلا یا سیاہ ہونا اور اکثر سرخ و غلیظ رہنا۔ بدن کی رنگت میں سیاہی اور بالوں کا زیادہ ہونا سودا کی زیادتی کی علامات ہیں۔

(۶) **اعضاء کی ساخت**: ہاتھ پاؤں کا بڑا ہونا، سینہ اور رگوں کا کشادہ اور ابھرا ہونا، جوڑوں کا ظاہر ہونا، یہ سب حرارت کی علامات ہیں اور ان کے برعکس سردی کی علامات ہوں گی۔

(۷) **طبعی افعال**: صحیح اور کامل افعال اعتدال کی علامات ہیں اور ناقص اور باطل افعال سردی پر دلالت کرتے ہیں۔ کاموں میں چستی اور چالا کی گرمی اور اُس کے برعکس سستی اور غبی پن سردی کی علامات ہیں۔ پریشان، بے ترتیب اور بے قاعدہ افعال حرارت کی زیادتی پر دلالت کرتے ہیں۔

(۸) **نیند اور بیداری**: معتدل نیند و بیداری اعتدال مزاج کی دلیل ہے۔ بیداری کی کثرت گرمی خشکی کی علامت ہے اور نیند کی کثرت سردی تری پر دال ہے۔ نیند میں انسان جو خواب دیکھتا ہے، اس میں بھی بعض چیزیں مزاج پر دلالت کرتی ہیں، جیسے خواب میں آگ اور شعلوں اور دیگر زرد سرخی مائل چیزوں کا دیکھنا صفراء کی زیادتی پر دلالت کرتا ہے۔ بارش، اولے، بادل، نہر، دریا، پانی وغیرہ اور سفید چیزوں کے خواب آنا بلغم کی علامت ہے۔ سرخ چیزوں، بہتا ہوا خون، جنگ و جدل کا دیکھنا غلبہ خون کی دلیل ہے۔ سیاہ اور خوفناک چیزوں مثلاً دھواں، سیاہ گائے بھینس، ریچھ وغیرہ کا دیکھنا سودا کی علامت ہے۔

(۹) **انفعالات انسانی**: تیز مزاجی، کلام کی کثرت، سرعت اور تسلسل، یہ سب حرارت پر دلالت کرتے ہیں۔ بے حیائی، طیش، جرأت، یہ شدتِ حرارت کی علامات ہیں اور ان کی برقراری یبوست پر اور فوری زائل ہو جانا رطوبت پر دلالت کرتا ہے۔ بزدلی، خوف، سردی کی علامات ہیں۔ غم اور غصہ اور مسرت حرارت کی علامات ہیں۔ حیاء اور وقار کی زیادتی گرمی اور رطوبت پر دلالت کرتی ہے۔

(۱۰) **فضلات**: فضلات کی زیادتی، ان میں بو، رنگت میں پختگی، حرارت کی دلیل ہیں اور اس کے برعکس سردی کی علامات ہیں۔

نبض

تعریف

نبض شرائن کی اس حرکت کا نام ہے جو دِل کے انقباض (سکڑنا) اور انبساط (پھیلنا) کے ساتھ ان میں خون پھینکنے سے پیدا ہوتی ہے۔ یہ حرکت جسم کی تمام شرائن میں پیدا ہوتی ہے۔ مگر یہاں پر مخصوص وہ شرائن ہیں جو بعض مقامات پر نمایاں ہوتی ہیں جن کو انگلیوں سے محسوس کیا جا سکتا ہے۔ جیسے کلائی کی شریان، کنپٹی کی شرائن اور ٹخنے کی شریان، نبض سے مراد انہی شرائن خصوصاً کلائی کی شریان کی حالت کو محسوس کرنا ہے۔ جس سے اکثر علاماتِ جسم کا پتہ چلتا ہے۔

یادداشت

بعض لوگ جن میں اکثریت یورپی طب والوں (ڈاکٹروں) کی ہے، کا خیال ہے کہ نبض سے سوائے حرکاتِ قلب کے اور کسی مرض کا پتہ نہیں چل سکتا۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ وہ فن نبض شناسی سے آگاہ نہیں۔ جو لوگ فن نبض شناسی سے آگاہ اور اس پر پوری دسترس رکھتے ہیں ان کے لئے نبض دیکھ کر امراض کا بیان کر دینا بلکہ ان کی تفصیلات کا ظاہر کر دینا کوئی مشکل نہیں۔ ہم پوری کوشش کریں گے کہ ذیل میں نبض کو اچھی طرح طالب علم کے ذہن نشین کرا دیں۔ کیونکہ ایک نبض شناس معالج نہ صرف اس فن پر پوری طرح دسترس حاصل کر لیتا ہے بلکہ وہ بڑی عزت اور وقار کا مالک بھی بن جاتا ہے۔ اس لئے ہر معالج کا یہ فرضِ اوّلین ہے کہ وہ پوری کوشش سے اس فن کو حاصل کرے۔

حرکت کی تعریف

حرکت کی تعریف اوراس کے معمولات کا بیان علم طب سے وابستہ نہیں بلکہ اس کا تعلق فلسفۂ طبعی سے ہے، ہم یہاں اس کے فلسفہ سے بحث نہیں کریں گے کہ یہ حرکت اینیہ ہے وضعیہ ہے یا اس کا تعلق حرکت کمیہ اور حرکت کیفیہ سے ہے۔ اس کی آسان تعریف جو سمجھ میں آ سکتی ہے، وہ یہ ہے کہ جسم کا قوت سے فعل میں بتدریج آنا حرکت کہلاتا ہے۔ بتدریج سے مراد یہ ہے کہ اس میں کچھ زمانہ صرف ہو خواہ ایک ثانیہ یا ایک دن۔ اس لحاظ سے حرکت خواہ کس قدر تیز ہو، سب کو بتدریج کہنا پڑے گا۔

جاننا چاہئے کہ دوڑنا بھی حرکت ہے (حرکت اینیہ)، چکی کا گھومنا بھی حرکت ہے (حرکت وضعیہ)، گرمی سے پارے کا پھیلنا بھی (حرکت کمیہ) اور سردی سے سکڑنا بھی (حرکت کیفیہ) حرکت ہے۔ نبض کی حرکت کس قسم کی ہے؟ اس میں اطباء کا اختلاف ہے۔ ہم اس بحث میں نہیں پڑنا چاہتے۔ البتہ یہ ضرور واضح کریں گے کہ یہ حرکت اُس کی ذاتی ہے یا قلب کے سکڑنے اور پھیلنے سے پیدا ہوتی ہے۔ اطباء کا اس میں اختلاف ہے۔ جالینوس وغیرہ کا خیال ہے کہ شرائن کی حرکت قلب کی حرکت کے تابع نہیں ہے، بلکہ شرائن میں حرکت کرنے کی ذاتی قوت ہوتی ہے۔ خواہ یہ قوت حیوانیہ ہو یا طبعیہ۔ دوسرے لوگوں کا خیال ہے کہ شریان کی حرکت قلب کی حرکت سے پیدا ہوتی ہے۔ صاحب موجز کا بھی یہی مذہب ہے۔ اُن کا خیال ہے کہ قلب کے پھیلنے کے وقت شریان سکڑتی ہے اور قلب کے سکڑنے کے وقت شریان پھیلتی ہے۔ اس کے برعکس بعض متقدمین کا یہ خیال ہے کہ قلب کے انبساط کے وقت شریان پھیلتی ہے اور قلب کے انقباض کے وقت شریان سکڑتی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ شریان پھیلنے اور سکڑنے کا عمل اس کے عضلات کے سکڑنے اور پھیلنے پر منحصر ہے، اور قلب کا پھیلنا اور سکڑنا بھی اس کے عضلات کے ذریعہ عمل میں آتا ہے۔ گویا سکڑنے اور پھیلنے کا عمل عضلات کا ذاتی ہے جو حرارت کے ساتھ پھیلتا ہے اور حرارت کی کمی کے باعث سکڑتا ہے۔ اس لئے جسم کے تمام عضلات اپنی اس حرکت کو خود حرارت کے تحت قائم رکھتے ہیں اور حرارت کی نفی کے ساتھ ختم کر دیتے ہیں۔[1]

نبض دیکھنے کا طریق

طبیب اپنی چاروں انگلیاں مریض کی کلائی کے اُس طرف رکھے جس طرف کلائی کا انگوٹھا ہو اور شہادت کی انگلی پہنچے کی ہڈی کے ساتھ نیچے کی طرف اور پھر شریان کی حرکت کا احساس کرے۔ یہ احساس مندرجہ ذیل جنسوں میں واضح ہوگا۔

---

[1] ماڈرن سائنس کا مسلمہ اصول ہے کہ قوت سے حرکت پیدا ہوتی ہے اور حرکت سے حرارت کی پیدائش عمل میں آتی ہے اور یہی نظامِ زندگی میں رواں دواں ہے۔ نبض کے سلسلہ میں بھی ہم مریض کے جسم میں یہ سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں کہ اس کے جسم میں اس وقت قوت کی زیادتی ہے یا حرکت کی زیادتی ہے یا حرارت کی زیادتی یا ان میں سے کس کس کی کمی ہے اور اس کے تحت نبض کی باقی جنسیں بھی قائم ہوسکتی ہیں۔ جن کی تفصیل کتاب میں درج ہے۔ نبض کی حقیقت کو سمجھنے کے لئے اس قدر جان لینا ضروری ہے کہ نبض روح کے ظروف (قلب وشرائن) کی حرکت کا نام ہے۔ جو انبساط اور انقباض سے مرکب ہوتی ہے۔ جس کا سب سے اہم مقصد یہ ہے کہ نسیم کو جذب کر کے روح کو ٹھنڈک پہنچائی جائے اور فضلات دُخانیہ کو خارج کیا جائے اس کا ہر نبضہ (ٹھوکر یا قرع) دو حرکتوں اور دو سکونوں سے مرکب ہوتا ہے، کیونکہ ہر ایک نبضہ انبساط اور انقباض سے مرکب ہوتا ہے یہ دونوں حرکتیں ایک دوسرے سے متضاد ہیں اور ہر دو متضاد حرکتوں کے درمیان سکون کا ہونا ضروری ہے۔

اجناس نبض

نبض کی دس اجناس ہیں: (۱) مقدار (۲) قرع نبض (۳) زمانہ حرکت (۴) قوام آلہ (۵) زمانہ سکون (۶) مقدار رطوبت (۷) شریان کی کیفیت (۸) وزن حرکت (۹) استواء واختلافِ نبض (۱۰) نظم نبض۔

❶ مقدار

مقدار کی تین قسمیں ہیں: (۱) طویل (۲) عریض (۳) مشرف اور پھر ان میں سے ہر ایک کی تین تین صورتیں ہیں گویا کل نو صورتیں ہیں۔ جن کی تفصیل درج ذیل ہے۔

(۱) **الف۔ طویل** (لمبی): وہ نبض ہے جس کے اجزاء معتدل شخص (تندرست) کی نبض کی نسبت لمبائی میں زیادہ محسوس ہوں۔ ایسی نبض حرارت کی زیادتی کو ظاہر کرتی ہے۔

ب۔ قصیر (چھوٹی): یہ نبض کی صورت طویل کے مقابل اس کی طوالت کی کمی کا اظہار کرتی ہے لیکن درحقیقت اس کا تعلق طویل نبض سے ہی ہے، صرف وہ اس کی طوالت کی قصر (کمی) کا اظہار کرتی ہے اور اس اظہار سے مراد حرارت کی کمی کو ظاہر کرنا ہے۔

ج۔ معتدل (درمیانی): نبض کی یہ صورت طویل اور قصیر دونوں کے درمیان واقع ہوتی ہے، یعنی یہ بھی وہی طویل نبض ہے جو یہ ظاہر کرتی ہے کہ نبض طوالت اور قصر میں اعتدال پر ہے، اس سے مراد حرارت کا اعتدال ہے۔

یادداشت: نبض طویل دراصل ایک ایسی صورت ہے جس سے حرارتِ جسم کا اظہار ہوتا ہے۔ لیکن جب جسم میں حرارت کم ہو تو وہی نبض قصیر بن جاتی ہے۔ اور جب حرارت اعتدال پر ہو تو اُس نبض کو ہم معتدل کہہ دیتے ہیں یہ تشریح صرف اس لیے کی گئی ہے کہ طالب علم ایک کی بجائے تین اقسام کے چکر میں نہ پڑیں بلکہ اس طویل کو ایک ہی کی تین صورتیں سمجھنے اور ذہن نشین کرنے میں آسانی ہو۔

طویل نبض جانچنے کا معیار: چونکہ نبض انگلیوں سے دیکھی جاتی ہے، اس لئے طوالت، قصر اور معتدل کو ماپنے کے لئے انگلیاں ہی معیار مقرر کی گئی ہیں۔ جس کا طریقہ یہ ہے کہ نبض دیکھنے میں جو چار انگلیاں استعمال کی جاتی ہیں وہی اس مقصد کے لئے معیار بھی ہیں۔ مثلاً اگر نبض کی لمبائی ان چار انگلیوں تک یا اس سے بھی گزرتی ہوئی محسوس ہو تو ہم ایسی نبض کو طویل کہیں گے۔ اگر اس کی طوالت دو تین انگلیوں کے درمیان رہے تو یہ معتدل ہوگی اور اگر دو سے کم ہو جائے تو یہ نبض قصیر ہوگی۔

(۱) **الف۔ عریض** (چوڑی): وہ نبض ہے جس کی چوڑائی معتدل شخص کی نسبت زیادہ محسوس ہو۔ یہ نبض رطوبت کی زیادتی پر دلالت کرتی ہے۔

ب۔ ضیق (تنگ): یہ نبض عریض کی کمی کا اظہار کرتی ہے اور اس طرح رطوبت کی کمی پر دلالت کرتی ہے۔

ج۔ معتدل: وہ نبض ہے جو عریض اور ضیق کے درمیان ہو۔ ایسی نبض رطوبت اور یبوست کے لحاظ سے بدن کی اعتدالی حالت پر دلالت کرتی ہے۔

یادداشت: نبض عریض بھی نبض طویل کی طرح نبض کی ایسی حالت کا اظہار کرتی ہے جس سے بدن کی رطوبات کی زیادتی کا پتہ چلتا ہے، اور رطوبات ضرورت سے کم ہو جائیں تو اس کا نام نبض ضیق رکھ دیا گیا اور جب ضرورت کے مطابق اور اعتدال پر ہوں تو اس کو معتدل کہتے ہیں۔ دراصل یہ معتدل عریض اور ضیق کے بالمقابل ہے۔ گویا جب نبض عریض کا ذکر آئے گا یا اس نبض کا علم ہوگا تو مراد رطوبت ہوگی۔ جیسے کہ نبض طویل سے مراد حرارت ہے اور اس کا معتدل ہونا اس کا اعتدال ہے۔

جانچنے کا معیار: نبض پر چاروں انگلیاں اس طرح رکھیں کہ وہ اپنے سروں پر کھڑی ہو جائیں اور پھر اُن کے پوروں کے سروں سے نبض کا احساس کریں۔ اگر نبض کی چوڑائی نصف پورے کی چوڑائی سے زیادہ ہو تو نبض عریض ہے۔ اگر نصف پورے تک ہے تو معتدل اور اگر نصف سے کم یا تقریباً چوتھائی کے برابر ہو تو ضیق ہوگی۔

(۳) **الف۔ مشرف** (بلند): وہ نبض ہے جس کے اجزاء معتدل شخص کی نبض کی نسبت بلندی میں زیادہ محسوس ہوں۔ ایسی نبض حرکت کی زیادتی پر دلالت کرتی ہے۔

ب۔ منخفض (پست): وہ نبض ہے جو مشرف کی کمی کا اظہار کرتی ہے اور حرکت کی کمی پر دلالت کرتی ہے۔

ج۔ معتدل: وہ نبض ہے جو مشرف اور منخفض کے درمیان ہو اور یہ اعتدال پر دلالت کرتی ہے۔

یادداشت: مندرجہ بالا دونوں نبضوں "طویل" اور "عریض" کی طرف مشرف بھی ایک ہی نبض ہے جو حرکت پر دلالت کرتی ہے اور اُس کی باقی دو صورتیں اس کی کمی اور اعتدال پر دلالت کرتی ہیں۔ مشرف نبض کا دیکھنا (جاننا) نبض کی حرکت کا جاننا ہے۔

جانچنے کا معیار: چاروں انگلیاں نبض کے مقام پر ایسی آہستگی سے رکھیں کہ انگلیوں کا نبض پر دباؤ نہ پڑے۔ اگر انگلیاں رکھنے کے ساتھ ہی نبض کا احساس ہو تو یہ نبض مشرف ہوگی۔ اگر نبض کا احساس نہ ہو تو پھر کلائی پر یہاں تک دباؤ ڈالا جائے کہ نبض کا احساس ہونے لگے۔ اگر یہ احساس کلائی کی ہڈی کے پاس اخیر میں جا کر ہو تو یہ نبض منخفض ہوگی اور اگر مشرف اور منخفض کے درمیان ہو تو معتدل لیکن اتنا یاد رہے کہ بعض وقت نبض کا احساس معتدل اور مشرف کے درمیان اور منخفض کے درمیان بھی ہوتا ہے۔ جن دو کے درمیان احساس ہو تو اس کی علامت غالب ہوگی۔[1]

قرع (ٹھوکر)

یہ نبض ٹھوکر کے لحاظ سے ہے جو انگلیوں کو محسوس ہوتی ہے۔ اس اعتبار سے اُس کی تین قسمیں ہیں: (۱) قوی (۲) ضعیف (۳) معتدل۔

(۱) **قوی**: وہ نبض ہے جو انگلی کے پوروں کے گوشت کو اس زور سے ٹھوکر لگائے کہ اس کا اثر پورے کی گہرائی تک پہنچتا محسوس ہو۔ ایسی نبض قوتِ حیوانی کے قوی ہونے پر دلالت کرتی ہے۔

(۲) **ضعیف**: وہ نبض ہے جو قوی کے بالمقابل ہو اور یہ قوتِ حیوانی کے ضعیف ہونے پر دلالت کرتی ہے۔

(۳) **معتدل**: وہ نبض ہے جو قوی اور ضعیف کے درمیان ہو اور یہ قوتِ حیوانی کے معتدل ہونے کی علامت ہے۔

جانچنے کا معیار: چاروں انگلیاں نبض پر رکھیں، پھر ان کو آہستہ آہستہ دبائیں، اس کے بعد معلوم کریں کہ انگلیاں نبض کو آسانی سے دبا رہی ہیں یا نبض ان کو سختی کے ساتھ دھکیل رہی ہے۔ یہاں بھی پھر سمجھ لیں کہ نبض قرع سے مراد قوتِ حیوانی کا جانچنا ہے اور اس کا ضعف اور اعتدال اس کے بالمقابل اور درمیانی مقام ہے۔

زمانہ حرکت

نبض حرکت کے زمانے کے لحاظ سے ہے اور اس کی بھی تین قسمیں ہیں: (۱) سریع (۲) بطئی (۳) معتدل۔

---

[1] مقدار سے مراد کسی چیز کی لمبائی چوڑائی اور گہرائی کے متعلق معلوم کرنا ہے۔ نبض کی مقدار کا مقصد اُس کی حالتِ انبساط کا تینوں قطروں میں جاننا ہے تاکہ مریض کی طاقت کا پورا پورا علم ہو جائے۔

(۱) **سریع**: وہ نبض ہے جس کی حرکت تھوڑی مدت میں ختم ہو جاتی ہے اور اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ قلب کو ہوائے سرد[1] (نسیم) کی بہت حاجت ہے۔

(۲) **بطی**: وہ نبض ہے جو سریع کے مخالف ہو اور اس چیز کی علامت ہے کہ قلب کو ہوائے سرد کی حاجت نہیں۔

(۳) **معتدل**: جو سریع اور بطی کے درمیان پائی جائے۔ یہ اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ ہوائے سرد کی کسی قدر ضرورت ہے۔

جانچنے کا معیار: انگلیاں رکھنے کے بعد یہ محسوس کریں کہ نبض کی حرکت کتنے وقفہ کے بعد پیدا ہوتی ہے، یعنی اس کے انبساط اور انقباض کا درمیانی وقفہ کتنا ہے۔ بالفاظِ دیگر وہ تیزی کے ساتھ اپنی حرکت کو پورا کر رہی ہے یا سستی کے ساتھ۔ اس امر کا بھی سابقہ نبض کی طرح خیال رکھیں کہ اس نبض میں قرع کی طرح حرکت ہی کو مدِ نظر رکھنا ہے اور اس میں سریع بطی اور معتدل اُس کے صرف درجات ہیں۔

۴ قوامِ آلہ (شریان کی سختی و نرمی)

یہ نبض شریان کی حالتِ جسم کا اظہار کرتی ہے اور اس اعتبار سے اس کی تین اقسام ہیں: (۱) صلب (۲) لیّن (۳) معتدل۔

(۱) **صلب**: وہ نبض ہے جس کو انگلیوں سے دبانے پر اس میں سختی کا اظہار ہو۔ یہ بدن کی خشکی پر دلالت کرتی ہے۔

(۲) **لیّن**: وہ نبض ہے جو صلب کے مخالف ہو۔ یہ رطوبت پر دلالت کرتی ہے۔

(۳) **معتدل**: وہ نبض ہے جو سخت (صلب) اور نرم (لین) کے درمیان ہو اور اس کی علامت ہے کہ جسم نبض متوسط حالت میں ہے۔

جانچنے کا معیار: نبض پر انگلیاں رکھ کر جسم نبض کو محسوس کریں اور یہ جانچنے کی کوشش کریں کہ اُس کا جسم آسانی کے ساتھ دبتا ہے یا نہیں۔ اس امر کو بھی ذہن نشین کر لیں کہ یہ نبض صرف جسمِ نبض کی سختی اور نرمی اور اعتدال کو جانچنے کے لئے ہے۔ گویا صرف آلۂ نبض کو دیکھنا ہے۔ مثلاً کسی ربڑ کے آلہ (ٹیوب) میں پانی بھرا ہو تو اُس میں صرف اُس ربڑ کو محسوس کرنا پڑے گا کہ وہ سخت ہے یا نرم، پانی کی زیادتی، کمی اور دباؤ کا محسوس کرنا مدِ نظر نہیں۔

۵ زمانۂ سکون

یہ نبض زمانہ سکون کے اعتبار سے ہے۔ اس کی تین اقسام ہیں: (۱) متواتر (۲) متفاوت (۳) معتدل۔

(۱) **متواتر**: وہ نبض ہے جس میں وہ زمانہ تھوڑا ہو جو دو ٹھوکروں کے درمیان محسوس ہوا کرتا ہے۔ یہ نبض قوتِ حیوانی کے ضعف کی دلیل ہے۔

(۲) **متفاوت**: یہ نبض متواتر کے مخالف ہوتی ہے تو قوتِ حیوانی کی شدت اور قوت پر دلالت کرتی ہے۔

(۳) **معتدل**: وہ نبض جو متواتر اور متفاوت کے درمیان ہو اور قوتِ حیوانی کی متوسط حالت کو ظاہر کرتی ہے۔

جانچنے کا معیار: حسبِ دستور انگلیاں رکھیں اور غور کریں کہ کتنی دیر کے بعد ٹھوکر آ کر انگلیوں کو لگتی ہے اور پھر دوسری ٹھوکر کے بعد درمیانی وقفہ کو مدِ نظر رکھیں۔ بس یہی زمانہ سکون ایسا زمانہ ہے کہ جس میں شریان کی حرکت بہت کم محسوس ہو، بلکہ بعض اوقات اُس کی حرکت محسوس ہی نہیں ہوتی اور ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے نبض انگلیوں کے ساتھ ٹھہری ہوئی ہے۔ اس کا متواتر ہونا بھی انہی معنوں میں ہے کہ اس کا سکون متواتر قائم ہے۔ البتہ متواتر نبض متفاوت کی نسبت اپنی حرکت کا زیادہ اظہار کرتی ہے۔

---

[1] ہوائے بارد (سرد) سے یہاں مراد نسیم یعنی آکسیجن ہے۔ زمانۂ حرکت کا سریع ہونا یہ ظاہر کرتا ہے کہ جسم میں دخان (کاربانک ایسڈ گیس) کی زیادتی ہے۔

۶ مقدارِ رطوبت

نبض کی یہ جنس رطوبت کے اعتبار سے ہے، جو رگوں کے جوف میں بھری ہوئی ہے۔ اس اعتبار سے اس کی تین اقسام ہیں:

(۱) ممتلی (۲) خالی (۳) معتدل۔

(۱) **ممتلی** (پُر یا بھری ہوئی): خون اور روح کی کثرت پر دلالت کرتی ہے۔

(۲) **خالی**: ممتلی کے مخالف ہوتی ہے۔

(۳) **معتدل**: ممتلی اور خالی کے درمیان اور خون اور روح کے اعتدال پر دلالت کرتی ہے۔

جانچنے کا معیار: حسب دستور انگلیاں رکھیں اور نبض کے جسم کا مطالعہ کریں۔ اُس کی صورت ایسی ہوگی جیسے کسی پانی سے بھری ہوئی ٹیوب کے اندر پانی کی مقدار کا اندازہ لگایا جائے کہ ٹیوب میں پانی ٹیوب کے جوف کے اندازے سے زیادہ ہے یا کم۔ بالکل اسی طرح نبض ضرورت سے زیادہ پھولی ہوگی اور دبانے سے اس کا اندازہ پوری طرح سے ہو سکے گا۔ اگر ممتلی ہوگی تو اُس میں ضرورت سے زیادہ خون اور روح ہوگی جو صحت کے لئے مضر ہے۔ اسی طرح خالی نبض بھی جو خون اور روح کی کمی کی علامت ہے۔ کمزوری کی دلیل ہے۔

۷ شریان کی کیفیت

نبض کی یہ جنس شریان کی گرمی، سردی پر دلالت کرتی ہے۔ اس کی تین اقسام ہیں۔

(۱) **حار**: وہ نبض جو روح اور خون کی گرمی پر دلالت کرتی ہے، جو اس کے اندر ہوتا ہے۔

(۲) **بارد**: وہ نبض جو خون اور روح کی سردی پر دلالت کرتی ہے۔

(۳) **معتدل**: جو حار اور بارد کے لحاظ سے اعتدال پر ہو۔

جانچنے کا معیار: اس نبض کا پہچاننا کوئی مشکل نہیں۔ بہت آسانی سے پتہ چل جاتا ہے۔

۸ وزن حرکت

یہ جنس حرکت کے وزن کے اعتبار ہے، جو ظاہر کرتی ہے کہ نبض کا زمانہ حرکت اور زمانہ سکون مساوی ہے۔ اگر یہ زمانہ صحیح صورت میں مساوی ہو تو نبض انقباض اور انبساط کے لحاظ سے معتدل حالت میں ہوگی۔ اس کی بھی تین صورتیں ہیں۔

(۱) **جید الوزن**: وہ نبض ہے جس کا انقباض اور انبساط معتدل حالت میں ہو۔

(۲) **خارج الوزن**: وہ نبض ہے جس کا انقباض اور انبساط مساوی نہ ہو بلکہ دونوں میں کمی بیشی پائی جائے۔ یہ نبض صحت کی خرابی کی دلیل ہے۔

(۳) **ردی الوزن**: یہ نبض عمر کے اعتبار سے اپنے وزن کو صحیح ظاہر نہیں کرے گی۔ یعنی بچے، جوان اور بوڑھے کی نبض کے اوزان ان کی اپنی نبض کے مطابق نہ ہوں۔ بلکہ دوسری عمر کے مطابق ہوں۔

جانچنے کا معیار: حسبِ دستور انگلیاں نبض پر رکھیں۔ اور اس کی انقباضی اور انبساطی صورت کا مطالعہ کریں نبض جب پھیلے تو اس کی

---

① نبض کے انقباض اور انبساط کو سمجھنے کے لئے ایک ربڑ کا ٹکڑا کسی دوسرے فرد کو پکڑا دیں اور وہ اس کے دونوں سروں کو پکڑ کر کھینچے اور لمبا کرے۔ پھر اس کو ڈھیلا کر کے واپس اپنی جگہ پر لے آئے۔ جب وہ بار بار ایسا کرے تو اپنی انگلیاں اس ربڑ کے ٹکڑے پر رکھ دیں اور اس کو محسوس کرنا شروع کریں کہ اس کے کھینچنے پر انگلیاں کیسا محسوس کرتی ہیں اور سکڑنے پر کیا محسوس کرتی ہیں۔

حرکت کوانبساطی کہتے ہیں اور جب اپنے اندر سکڑے تو اس کو حرکت انقباض کہتے ہیں تو ان دونوں کے زمانوں کا فرق یہی اُس کا وزن ہے اور یہ بھی جاننا چاہئے کہ ہر عمر کے زمانہ میں نبض دوسری عمر سے مختلف ہوتی ہے۔ اس لئے ہر عمر کے انقباض اور انبساط کو ضرور مدِ نظر رکھیں۔ بچپن میں انبساط زیادہ ہوتا ہے اور بڑھاپے میں انقباض بڑھ جاتا ہے اور جوانی میں تقریباً برابر ہوتی ہیں۔

استوا و اختلافِ نبض

یہ جنس اجزائے نبض کے استوا اختلاف کے اعتبار سے ہے۔ اس کی صرف دو صورتیں ہیں: (۱) مستوی (۲) مختلف۔

(۱) **نبض مستوی**: وہ نبض ہے جس کے تمام اجزاء تمام باتوں میں باقی نبض سے مشابہ ہوں۔ یہ نبض بدن کی اچھی حالت ہونے کی علامت ہے۔

(۲) **نبض مختلف**: وہ نبض ہے جو مستوی کے مخالف ہو اور اُس کے برعکس پر دلالت کرتی ہے۔

معیار: حسبِ دستور انگلیاں رکھیں اور جس قدر اجناس گزر چکی ہیں، ان کو پھر بغور دیکھیں اور یہ جاننے کی کوشش کریں کہ ان میں کوئی ربط قائم ہے یا نہیں۔ اگر ان میں ربط قائم ہے تو وہ مستوی ہے، ورنہ مختلف۔ گویا یہ نبض یہ ظاہر کرتی ہے کہ تمام اجناس نبض مقدار، قرع، زمانہ حرکت، قوامِ آلہ وغیرہ میں ایک ربط قائم ہے۔

نظمِ نبض

یہ نبض مندرجہ بالا نبض مختلف کے اعتبار سے منتظم اور غیر منتظم حالت کا اظہار کرتی ہے۔ اس کی بھی دو صورتیں ہیں:
(۱) مختلف منتظم (۲) مختلف غیر منتظم۔

(۱) **مختلف منتظم**: وہ نبض ہے جس میں نبض کی اختلافی حرکت ایک ہی نظام پر قائم ہو۔ یہ نبض یہ ظاہر کرتی ہے کہ نبض میں جو اختلاف پیدا ہو چکا ہے، وہ اپنی حالت پر قائم ہے یعنی وہ ایک نظام کے تحت چل رہا ہے۔

(۲) **مختلف غیر منتظم**: جو مختلف منتظم کے مخالف ہوتی ہے۔ گویا وہ یہ ظاہر کرتی ہے کہ نبض کے حالات بلا کسی خاص نظام کے بدلتے رہتے ہیں۔ مثلاً ایک نبض جس کی کبھی دوسری ٹھوکر سخت ہو جاتی ہے کبھی تیسری چوتھی اور کبھی دسویں ٹھوکر کے بعد ایک ٹھوکر سخت ہو جاتی ہے۔

یادداشت: حکماء نے دسویں جنس کو نبض کے اقسام میں شریک نہیں کیا۔ کیونکہ ان کا خیال ہے کہ دسویں جنس بھی نویں جنس کی طرح ہی ہے۔ نویں جنس بھی باقی نبضوں کا استوا و اختلاف ظاہر کرتی ہے جس کا مقصد نبض کی صحت اور مرض کی طرف لوٹنے کا اظہار ہے، ورنہ اس کا اور کوئی مقصد نہیں۔ اس طرح دسویں جنس بھی نویں جنس کی مختلف نبض کے نظم کو ظاہر کرتی ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ مریض میں صحت کی طرف لوٹنے کی استعداد ہے، یا وہ موت کے قریب جا رہا ہے۔

مرکب نبض کے اقسام

تعریف

مرکب نبض اس نبض کو کہتے ہیں جس میں چند مفرد نبضیں مل کر ایک حالت پیدا کرتی ہیں۔ اس سلسلہ میں اطباء نے نبض کی چند مرکب صورتیں بیان کی ہیں جس سے جسم انسان کی بعض حالتوں پر خاص طور پر روشنی پڑتی ہے۔ اور خاص خاص امراض میں نبض کی جو مرکب کیفیت پیدا ہوتی ہے، ان کا اظہار ہے۔ ان کا فائدہ یہ ہے کہ ایک معالج آسانی کے ساتھ متقدمین اطباء کے تجربات سے مستفید ہو سکتا ہے۔ وہ چند مرکب

نبضیں درج ذیل ہیں۔

(۱) **نبضِ عظیم**: وہ نبض ہے جو طول، عرض اور شرف میں زیادہ ہو۔ یعنی اس کی تینوں حالتیں زیادتی کی طرف مائل ہوں۔ ایسی نبض جسم میں قوت، حرارت اور رطوبت تینوں کی زیادتی کا اظہار ہے۔ اس کے مقابلہ میں نبض صغیر ہے جو اپنے اثرات میں اس کے مخالف ہے اور ان دونوں کے درمیان نبض معتدل ہے۔ جس میں اس کی تینوں حالتیں اعتدال کے ساتھ پائی جائیں گی۔

(۲) **نبضِ غلیظ**: وہ نبض ہے جو صرف چوڑائی (عرض) اور بلندی (عظم) میں زیادہ ہو۔ سردی اور تری پر دلالت کرتی ہے۔ اس کے مقابلے میں نبض دقیق ہے اور ان دونوں کی حالتِ اعتدال نبض معتدل سے ظاہر ہوتی ہے۔

(۳) **نبضِ غزالی**: وہ نبض ہے جو انگلی کے پوروں کو ایک ٹھوکر لگانے کے بعد دوسری ٹھوکر ایسی جلدی لگائے کہ اس کا لوٹنا اور سکون کرنا محسوس نہ ہو۔ یہ نبض اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ ترویح (نسیم) کی جسم میں زیادہ ضرورت ہے۔ غزال کے معنی "بچہ ہرن"۔ یہاں اس کی مشابہت چال کی تیزی کی وجہ سے دی گئی ہے۔

(۴) **نبضِ موجی**: ایسی نبض جس میں شریانوں کے اجزا باوجود پُر ہونے کے مختلف ہوتے ہیں۔ کہیں سے عظیم، کہیں سے صغیر، کہیں سے بلند اور کہیں سے پست، کہیں سے چوڑی اور کہیں سے تنگ۔ گویا اس میں موجیں (لہریں) پیدا ہو رہی ہیں، جو ایک دوسرے کے پیچھے آ رہی ہیں۔ ایسی نبض رطوبت کی زیادتی پر دلالت کرتی ہے۔ جس سے استسقاء، فالج اور سکتہ کے امراض کی طرف اشارہ ہے۔

(۵) **نبضِ دُودی** (کیڑے کی رفتار کی مانند): یہ نبض بلندی میں نبض موجی کے مانند ہوتی ہے، لیکن عریض اور ممتلی نہیں ہوتی۔ یہ نبض موجی کے مشابہ ہوتی ہے، لیکن اس کی موجیں ضعیف ہوتی ہیں۔ گویا یہ اس کے خلاف صغیر ہوتی ہے۔ ایسی نبض قوت کے ساقط ہونے پر دلالت کرتی ہے۔ لیکن سقوطِ قوت پورے طور پر نہیں ہوتا۔ اس نبض کو دودی اس لئے کہتے ہیں کہ یہ حرکت میں اس کیڑے کے مشابہ ہوتی ہے جس کے بہت سے پاؤں ہوتے ہیں۔

(۶) **نبضِ نملی** (چیونٹی کی رفتار کی مانند): یہ وہ نبض ہے جو نہایت ہی صغیر اور متواتر ہوتی ہے۔ ایسی نبض اکثر قوت کے کامل طور پر ساقط ہو جانے اور قریب الموت کے وقت ہوتی ہے۔ دراصل یہ نبض دودی کے مشابہ ہوتی ہے، لیکن اس سے زیادہ صغیر اور متواتر ہے۔

(۷) **نبضِ منشاری** (آرے کے دندانوں کی مانند): یہ وہ نبض ہے جو بہت مشرف، صلب، متواتر اور سریع ہوتی ہے۔ اس کی ٹھوکر اور بلندی میں اختلاف ہوتا ہے یعنی بعض اجزا سختی سے ٹھوکر لگاتے ہیں اور بعض نرمی سے بعض زیادہ بلند ہوتے ہیں اور بعض زیادہ پست۔ گویا ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس نبض کے بعض اجزاء نیچے اُترتے وقت بعض انگلیوں کو ٹھوکر مار دیتے ہیں۔ یعنی ایک پورے کو جس بلندی میں ٹھوکر لگاتے ہیں، اُس سے کم دوسرے پورے کو۔ یہ نبض اس امر کو ظاہر کرتی ہے کہ عضو میں گرم ورم پیدا ہو گیا ہے۔ خاص طور پر پھیپھڑوں اور عضلات میں۔

(۸) **نبضِ ذنب الفار** (چوہے کی دُم کی مانند): وہ نبض ہے جس کے اجزاء کا اختلاف بتدریج کمی سے زیادتی کی طرف یا زیادتی سے کمی کی طرف ہوتا ہے۔ جیسے چوہے کی دُم ایک طرف سے موٹی اور دوسری طرف سے باریک ہوتی ہے۔ یہ نبض ایک مقدار سے شروع ہو کر عظیم یا صغیر کی مقدار کی طرف جاتی ہے اور پھر پہلی مقدار کی طرف لوٹ آتی ہے۔ یہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ قوت ضعیف ہو جاتی ہے اور ضعف کے بعد لوٹ آتی ہے۔ اگر یہ درمیان سے منقطع ہو جائے تو یہ بُری علامت ہے۔

(۹) **نبضِ مطرقی** (ہتھوڑے کی چوٹ کی طرح): وہ نبض ہے کہ جب انگلیوں پر ٹھوکر لگائے تو فوراً ہی دوبارہ ایک ٹھوکر اور لگائے۔ پھر ایک وقفہ کے بعد اسی طرح دو ٹھوکریں جلد جلد لگائے۔ اس نبض کو مطرقی اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس کی حرکت ہتھوڑے کی حرکت سے بہت مشابہ

ہے۔ جب ہتھوڑے کو سندان پر ڈھیلے ہاتھ سے مارا جاتا ہے، تو ایک چوٹ لگا کر دوبارہ اوپر کی جانب فوراً آتا ہے اور پھر آہستہ سے دوبارہ سندان پر گرتا ہے۔ اس دوبارہ گرنے میں ہتھوڑا مارنے والے کے ارادے کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔ یہی حال اس نبض کا ہوتا ہے۔ یہ نبض ضعف پر دلالت کرتی ہے۔

(۱۰) **نبض ذوالفترة** (ٹھہرنے والی): وہ نبض ہے جو چلتے چلتے بیچ میں ایسی جگہ ٹھہر جاتی ہے جہاں اُس کے چلنے کی توقع ہوتی ہے۔ یعنی ایسے وقت میں سکون پایا جاتا ہے جب کہ حرکت کی اُمید ہو۔ یہ نبض بھی مریض کے لئے اچھی علامت نہیں۔

(۱۱) **نبض واقع فی الوسط** (بیچ میں حرکت کرنے والی) وہ نبض ہے جو اس جگہ حرکت کرتی ہے جہاں اس کے ساکن ہونے کی توقع ہو یا نبض ذوالفترہ کے مقابل ہے۔

(۱۲) **نبض مسلی** (سوے کی مانند): یہ نبض درمیان سے موٹی اور دونوں طرف سے باریک ہوتی ہے۔ گویا چوہے کی دو دُموں کو ایک دوسری سے موٹائی کی جانب سے جوڑ دیا۔ یعنی کبھی یہ کمی سے بتدریج زیادتی کی حد تک جاتی ہیں، اور پھر اسی ترتیب سے لوٹ آتی ہے۔ یہاں تک کہ کمی کی پہلی حد تک پہنچ جاتی ہے۔ یہ نبض بہت ضعف کی علامت ہے۔

(۱۳) **مرتعش** (کانپنے والی): وہ نبض ہے جس میں رعشہ کی سی ایک حالت محسوس ہوتی ہے۔ یہ انتہائی ضعف کی حالت کا اظہار کرتی ہے۔

(۱۴) **ملتوی** (بل کھانے والی): وہ نبض ہے جس میں شریان اس طرح محسوس ہوتی ہے گویا وہ ایک دھاگہ ہے جو بل کھا رہا ہے۔ یہ نبض ضعف کے ساتھ حرارت غریزی اور رطوبت غریزی کی انتہائی کمی کا اظہار کرتی ہے۔

نبض کی علمی تشریح

نبض ایک ایسی حرکت کا نام ہے جو شرائن میں پیدا ہوتی ہے اور شرائن کا تعلق کیونکہ دِل کے ساتھ ہے، اس لئے دِل میں جس قسم کی حرکات اور حالات پیدا ہوتے ہیں، وہی شرائن میں بھی ظاہر ہوتے ہیں۔ بناوٹ کے لحاظ سے دِل مفرد اعضاء سے بنا ہوا ہے۔ شرائن بھی تقریباً انہی اعضاء سے بنی ہوئی ہیں۔ نبض کی تشریح کو پوری طرح سمجھنے کے لئے اوّل دِل اور نبض کی بناوٹ اور ان کے افعال کا ذہن نشین کرنا ضروری ہے۔

دل: دِل دورانِ خون کا مرکز ہے۔ یہ ایک مخروطی شکل کا جوفدار عضلاتی عضو ہے، یہ اپنے غلاف میں ملفوف سینے میں دونوں پھیپھڑوں کے درمیان رہتا ہے۔ جوانی میں دِل 5 انچ لمبا اور $2\frac{1}{2}$ انچ موٹا ہوتا ہے۔ مردوں میں اس کا وزن $1\frac{1}{4}$ پاؤ سے $1\frac{1}{2}$ پاؤ تک، لیکن عورتوں میں ایک پاؤ سے $1\frac{1}{4}$ تک ہوتا ہے۔ دِل جسامت میں بڑھاپے تک بڑھتا رہتا ہے۔ اس کے اندر کی جانب ایک جھلی لگی ہوتی ہے جو شرائن کی اندرونی جھلی کے ساتھ ملی ہوتی ہے۔ اس کو عربی میں غشاء مستبطن القلب اور انگریزی میں اینڈوکارڈیم کہتے ہیں۔ دِل کے دو حصے ہوتے ہیں، ایک دایاں دوسرا بایاں۔ یہ دونوں حصے ایک درمیانی دیوار کے ساتھ علیحدہ علیحدہ رہتے ہیں۔ ہر حصہ میں دو خانے ہوتے ہیں، اوپر والے چھوٹے خانے کو دِل کا کان (اُذن القلب) اور انگریزی میں آریکل یا ایٹریم کہتے ہیں۔ نچلے اور موٹے خانے کو عربی میں بطن القلب اور انگریزی میں ونٹریکل کہتے ہیں۔ دائیں طرف کے دونوں بڑے اور چھوٹے خانے ایک سوراخ کے ذریعے ملے ہوتے ہیں۔ ان کے درمیان سیاہ خون ہوتا ہے۔ بائیں طرف کے دونوں خانے بھی ایک سوراخ کے ذریعے ملے ہوتے ہیں، ان کے درمیان سرخ خون ہوتا ہے، ان خانوں کے درمیان کواڑیں لگی ہوتی ہیں، جو ایک طرف کھلتی ہیں اور خون کو جانے دیتی ہیں۔ مگر خون کو واپس نہیں آنے دیتیں۔ اگر خون میں دباؤ ہو تو وہ بند ہوتی ہیں۔

دِل کا فعل یہ ہے کہ وہ اپنی انقباضی حرکت سے خون کو شرائن میں دھکیلتا ہے جس سے وہ بدن کے ہر حصے میں دورہ کرتا ہے۔ دِل خون کو

کس طرح دھکیلتا ہے، اس کی صورت یہ ہے کہ اس کی عضلی دیواریں پے در پے سکڑتی اور پھیلتی رہتی ہیں، جس سے دِل متواتر سکڑتا اور پھیلتا رہتا ہے۔ چنانچہ دِل کے دونوں اُذن ایک ہی وقت میں پھیلتے اور دونوں بطن ایک ہی وقت میں سکڑتے ہیں۔ جب دونوں اُذن پھیلتے ہیں تو دائیں اذن میں جوف صاعد اور نازل وریدوں کے ذریعے جسم کا کثیف سیاہی مائل خون آتا ہے اور بائیں اُذن میں پھیپھڑوں کی وریدوں کے ذریعے صاف شدہ خون آتا ہے، پھر دائیں اُذن کا کثیف خون درمیانی سوراخوں کے راستے دائیں بطن میں اور بائیں اُذن کا لطیف خون بائیں بطن میں چلا جاتا ہے اور جب دونوں بطن سکڑتے ہیں تو دائیں بطن کا کثیف خون بذریعہ شریان ریوی پھیپھڑوں میں صفائی کے لئے چلا جاتا ہے، اور بائیں بطن کا خون بذریعہ شریانِ اعظم (اے اورٹا) تمام بدن میں پرورش کے لئے چلا جاتا ہے۔ دِل کے سکڑنے اور پھیلنے کی یہ حرکت ایک لحہ سے بھی تھوڑے عرصہ میں ہوجاتی ہے۔ دِل کے ہر ایک سکڑنے کی حرکت میں تقریباً $1\frac{1}{2}$ چھٹانک خون شریان اور وریدشریانی میں چلا جاتا ہے۔

دِل کی حرکات کی تعداد میں عمر کی مختلف حالتوں میں اختلاف ہوتا ہے۔ اور اسی طرح مرض کی حالت میں بھی اُس کی حرکات میں کمی بیشی واقع ہوجاتی ہے۔ انسان کا دِل تندرستی میں ایک منٹ میں 70 سے 75 دفعہ حرکت کرتا ہے۔ مگر یہ حرکت ابتدائے زندگی سے آخر وقت تک روز بروز تعداد میں کم ہوتی چلی جاتی ہے۔ چنانچہ جنین میں اس کی معمولی حرکت ایک منٹ میں 150 پیدائش کے وقت ایک منٹ میں 140 سے 130 تک عمر کے پہلے سال میں 120، دوسرے سال میں 110، تیسرے سال میں 95، ساتویں سال میں 80، جوانی میں 70 سے 80، ادھیڑ میں 80 سے 70 اور بڑھاپے میں 70 سے 60 فی منٹ ہوتی ہے۔ بلغمی مزاجوں کی نسبت دموی مزاجوں میں عورتوں کی نسبت مردوں میں دِل اور نبض کی حرکت تیز ہوتی ہے اور اسی طرح بعد از غذا اور ریاضتِ بدنی و دماغی میں بھی تیز ہوجاتی ہے۔ نیند کی حالت میں کم ہوجاتی ہے۔ مرض کی حالت میں اس میں بہت سے تغیرات آجاتے ہیں، لیکن بحالت صحت عام طور پر شام کی نسبت صبح کو، لیٹنے کی نسبت بیٹھنے میں، بیٹھنے کی نسبت کھڑے ہونے میں، کھڑے ہونے کی نسبت چلنے میں اور چلنے کی نسبت دوڑنے میں حرکتِ دل و نبض تیز ہوجاتی ہے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ دِل کس طرح حرکت کرتا ہے؟ اس کے جواب میں حکماء کے مختلف اقوال ہیں۔ جالینوس کا یہ خیال ہے کہ جب قلب میں روحِ حیوانی پیدا ہوتی ہے تو اس سے قلب متحرک ہوتا ہے۔ حکیم دیسکو رطیس کا یہ خیال ہے کہ حرارتِ قلب سے خون پھیلتا ہے اور خون کے پھیلاؤ سے دِل پھیلتا اور حرکت کرتا ہے۔ چونکہ یہ امر مسلم ہے کہ کوئی مادی شے اس وقت تک حالتِ سکون سے متحرک نہیں ہوسکتی جب تک اُس پر کسی تحریک کا اثر نہ ہو۔ مثلاً حرارت یا برودت یا کوئی داخلی تحریک جیسے کوئی کیمیاوی تغیر یا برقی قوت وغیرہ۔ چنانچہ پہلے یہ گمان تھا کہ جس طرح خون دخان (کاربانک ایسڈ گیس) آلاتِ تنفس میں تحریک دیتا ہے، اسی طرح وہ قلب کی تحریک کا بھی باعث ہوتا ہے۔ یعنی جب خون دِل کے خانوں میں جاکر اندرونی جھلی سے مس کرتا ہے، تو اس سے تحریک پیدا ہوکر دِل سکڑتا ہے اور حرکت کرتا ہے، لیکن تجربات و مشاہدات نے اس قول کو غلط ثابت کیا ہے، کیونکہ اگر کثیف خون کی بجائے دِل کے اندر خالص پانی کا دوران کیا جائے تب بھی دِل برابر سکڑتا اور پھیلتا رہتا ہے۔

چونکہ انفعالات انسانیہ مثلاً غم و غصہ وغیرہ نیز دماغی اور نخاعی امراض میں حرکاتِ قلب پر بیّن اثر پڑتا ہے۔ اس لئے بعض محققین کی رائے ہے کہ حرکتِ قلب کا مبداءِ نظام عصبی ہے یعنی دِل متحرک بالذات نہیں بلکہ اس کی حرکت نظامِ عصبی کے تابع ہے، بلکہ بعض حکماء کا تو یہ خیال ہے کہ مؤخر دماغ جسم کے تمام غیر ارادی افعال و حرکات کا محل ہے۔ حرکتِ قلب بھی ایک غیر ارادی فعل ہے، لہٰذا اس کا تعلق بھی مؤخر دماغ سے ہے۔ بعض پہلے مؤخر دماغ کو اور اس کے بعد اعصاب شرکیہ کو یکے بعد دیگرے حرکت قلب کا منبع قرار دیتے ہیں، لیکن مندرجہ ذیل مشاہدات و تجربات سے ان دلائل کی قطعی تردید ہوتی ہے۔

(۱) مرغی وغیرہ کے انڈے میں نظامِ عصبی کے پیدا ہونے سے بہت پہلے نقطہ قلب پیدا ہوکر خود بخود حرکت کرنے لگتا ہے۔ اسی طرح

انسانی جنین میں بھی دوسرے ہفتہ میں دماغ سے پہلے نقطۂ قلب پیدا ہو جاتا ہے۔

(۲) بعض حیوانات میں یہ مشاہدہ اور تجربہ کیا گیا ہے کہ ان کا دِل جسم سے باہر نکال دینے پر بھی کچھ عرصہ خود بخود سکڑتا اور پھیلتا رہتا ہے اور بعض ادنیٰ حیوانات میں یہاں تک دیکھا جاتا ہے کہ دِل کو نکال کر اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے جاتے ہیں، لیکن اگر ان ٹکڑوں کو گرم رکھا جائے اور مناسب غذا پہنچائی جائے تو دو گھنٹوں تک خود بخود حرکت کرتے رہتے ہیں۔ بعض صورتوں میں جب کہ دِل کو حلقوں (Circles) کی صورت میں کاٹا جاتا ہے تب بھی وہ حرکت کرتے رہتے ہیں۔ بعض حکیموں کے یہ عینی مشاہدات ہیں کہ بعض مقتولین میں ایک گھنٹہ بعد از قتل قلب متحرک رہا، بعض پرندوں میں موت کے ایک دو روز بعد بھی حرکت قلب محسوس کی گئی اور جب کسی حیوان کے دِل کو جسم سے نکال کر بعض خاص نمکیات (پوٹاشیم، سوڈیم، کیلشیم وغیرہ) کے پانی میں رکھا جاتا ہے تو وہ گھنٹوں تک حرکت کرتا رہتا ہے اور یہ ایک معجزہ ہے۔

پس مذکورہ بالا تجربات ومشاہدات کی بنا پر اَب یہ امر مسلمہ طور پر مانا جاتا ہے کہ قلب متحرک بالذات ہے، یعنی دِل کی یہ دوامی اور باقاعدہ حرکت ذاتی ہے۔ اور اس حرکت کا باعث خاص دِل ہی میں متمکن اور مستقر ہے۔ چنانچہ جوف قلب میں جو اعصابِ شرکیہ کی چھوٹی چھوٹی گانٹھیں پھیلی ہوئی ہیں اور عصبی ریشوں کے ذریعہ آپس میں ملی رہتی ہیں، وہی حرکتِ قلب کے لئے بمنزلہ مبداء ہیں، لیکن حرکتِ قلب کو کم وبیش یا سست چست کرنے کا انتظام نظامِ عصبی کے تابع ہے۔ چنانچہ عصبِ راجع (ویگز) حرکتِ قلب کو سست کرتی ہے، جس کی دلیل یہ ہے کہ جب دونوں طرف کے یہ اعصاب کاٹ دیئے جاتے ہیں تو حرکاتِ قلب تعداد اور قوت میں بڑھ جاتی ہیں اور جب ان دونوں اعصاب میں تحریک پیدا کی جاتی ہے، یعنی اُس کے ذاتی فعل کو عارضی طور پر تیز کیا جاتا ہے تو حرکاتِ قلب سست اور کہیں بالکل باطل ہو جاتی ہیں اور بخلاف ازیں جب دونوں اعصاب شرکیہ (سمپے تھیٹک نروز) میں تحریک پیدا کی جاتی ہے تو حرکاتِ قلب چست اور قوی ہو جاتی ہیں، اس سے صاف ظاہر ہے کہ اگرچہ قلب کی حرکت ذاتی ہے لیکن اس کو سست اور چست کرنا عصب راجع اور اعصابِ شرکیہ کے تحت ہے۔

نتیجہ: حقیقت یہ ہے کہ دِل کی ذاتی حرکت یعنی اُس کا انقباض وانبساط تو اس کی ذاتی حرکت ہے، لیکن دِل کا چلنا یا دھڑکنا اعصاب کے ماتحت ہے۔ جب اعصاب کا تعلق منقطع ہو جاتا ہے تو اس کا انقباض وانبساط تو قائم رہتا ہے مگر اُس کے چلنے اور دھڑکنے کی حرکت فوراً رُک جاتی ہے۔ اس ساری توضیح سے ثابت ہوا کہ عضلات میں جو حرکت پائی جاتی ہے، وہ اُن کی ذاتی ہے۔

شریان: ایک قسم کی لچکدار نالیاں ہیں جن کو عربی میں عروق ضوارب اور انگریزی میں آرٹریز کہتے ہیں۔ ان کی بناوٹ بھی تقریباً دِل کی بناوٹ کے مطابق ہوتی ہے۔ ہر ایک شریان کی ساخت میں تین طبق ہوتے ہیں، اندرونی طبق باریک، شفاف اور لچکدار ہوتا ہے۔ اُس کے دو پرت ہوتے ہیں، اندرونی پرت (اینڈوتھیلیم) یعنی اُس نازک جھلی کا بنا ہوا جو دِل کے اندر لگی ہوتی ہے، اور بیرونی پرت لچکدار ریشوں کا بنا ہوتا ہے۔ درمیانی طبق جو دبیز اور زردی مائل اور نہایت لچکدار ہوتا ہے۔ لحمی اور وتری ریشوں سے بنتا ہے اور بیرونی طبق جو زیادہ دبیز ہوتا ہے، رباطی ریشوں کے دو پرتوں سے بنتا ہے، جب دِل سکڑتا ہے، خون کو شرائن میں دھکیلتا ہے اور اس کے دھڑکنے کی حرکت تمام شرائن میں تڑپ پیدا کرتی ہے، یہی سبب ہے کہ ہر شریان اچھلتی اور تڑپتی ہے۔ چنانچہ کلائی پر جو تڑپنے والی رگ ہے، عام طور پر اس کو نبض کہتے ہیں۔ اور نبض دیکھنے کے لئے عموماً اسی تڑپ کو محسوس کیا جاتا ہے۔ یہ یاد رہے کہ جب دِل سکڑتا ہے تو شرائن میں خون جاتا ہے۔ اسی لئے شرائن پھیلتی ہیں اور جب پھیلتا ہے تو اس میں خون واپس آتا ہے اور شرائن سکڑتی ہے۔

اس تمہید کے بعد جاننا چاہئے کہ دِل اور نبض کا گہرا تعلق ہے۔ جب نبض دیکھی جاتی ہے تو اُس میں نبض کی حرکت کے ساتھ ساتھ اس کا انقباض وانبساط بھی معلوم کیا جاتا ہے۔ گزشتہ صفحات میں نبض کی جتنی اقسام بیان کی گئیں ہیں، ہم ان کو نبض کی ذات کے علاوہ تین

حصوں میں تقسیم کرتے ہیں، یعنی نبض دیکھنے میں یہی تینوں چیزیں مدنظر ہوں گی اور باقی تمام اقسام ان کے تحت آ جائیں گی۔ یہ اقسام حسب ذیل ہیں: (۱) قوت (۲) حرکت (۳) حرارت۔

ان تینوں کی تفصیل اوران کے ماتحت باقی اقسام بیان کرنے سے قبل ہم نبض کی ذاتی حالت کا بیان کرنا ضروری خیال کرتے ہیں۔

نبض کی ذاتی حالت

نبض کی ذاتی حالت میں مقدار، قوام آلہ اور مقدار رطوبت شریک ہے۔ ان تینوں جنسوں کے دیکھنے سے ایک طرف نبض کی حالت کا علم ہوتا ہے اور دوسری طرف ان سے بعض امراض پر روشنی پڑتی ہے۔ مثلاً: **طویل نبض** جسم کی حرارت، بخار کی حالت اور ورم کی ابتدا کا پتہ دیتی ہے۔ قصیر نبض تپ لرزہ، جریانِ خون، قلتِ دم، اندرونی زخم اور وجع القلب کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ **عریض نبض** اورام شدید اور انتہائے تپ کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ **ضیق نبض** تپ محرقہ، التہاب باریطون، ذات الجنب کی علامت ہے۔ **مشرف نبض** ریاح شکم، ذات الریہ، رعشہ، اورام اور انتہائے تپ کا اظہار ہے۔ **منخفض نبض** اعصابی درد، ہیضہ قے، اسہال غشی، محرقہ دماغی کا اظہار کرتی ہے۔ **نبض صلب** رعشہ، ذات الریہ، امراض گردہ، تصغیر قلب، پچاس برس کی عمر کے بعد آتشک اور شراب خوری کے اثرات کا اظہار کرتی ہے۔ **لین نبض** کمی خون، اندرونی زخم، ذیابیطس (شکری) کی علامت ہے۔ **ممتلی نبض** ابتدائی امراض، حاد، دباؤ خون اور التہاب کا اظہار ہے۔ **خالی نبض** جریانِ خون، ذیابیطس، اندرونی زخم اور اواخر امراض حاد کی علامت ہے۔

(۱) قوت: قوت کے تحت قرع نبض، استوا و اختلاف نبض اور نظم نبض شامل ہیں۔ یہ حسب ذیل امراض پر روشنی ڈالتی ہیں۔

قوی بخار کی شدت، ابتدائے اورام، امراض حاد اور جریان خون کی پیش گوئی ہے۔ **ضعیف** ضعف قلب، کمی خون، بلغم کی زیادتی، ہاضمے کی خرابی کی دلیل ہے۔ **مستوی** طاقت اور مریض کی خیریت سے تندرست ہو جانے کی علامت ہے۔ **مختلف** مستوی کے بالکل مخالف اثرات و حالات کا اظہار ہے۔ **مختلف منتظم** اس امر کی دلیل ہے کہ مرض شاید صحت کی طرف آ جائے۔ **مختلف غیر منتظم** یہ نبض اکثر نقصان پر دلالت کرتی ہے۔ اور مریض کے تندرست نہ ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ ایسے مریض اکثر تمباکو، چائے، کافی اور دیگر منشیات کی کثرت کے عادی ہوتے ہیں۔

(۲) حرکت: حرکت کے تحت زمانہ حرکت، زمانہ سکون اور وزنِ حرکت شامل ہیں۔ یہ اجناس ان امراض کا اظہار کرتی ہیں۔

سریع ریاح کی زیادتی، حرارت کی کمی، اختلاجِ قلب، جگر کی خرابی اور ضعف اعصاب کی علامت ہے۔ **بطی** ضعفِ قلب، سوزشِ جگر اور جسم میں تحلیل کی علامات کا اظہار ہے۔ متواتر امراضِ قلب مزمن، سوزشِ قلب، ورمِ عضلات، ذات الریہ، سرسام اور دیگر اورام کی علامت ہے۔ **متفاوت** دماغی امراض، شدید بخار، سوزشِ اعصاب کی دلیل ہے۔ **جید الوزن** جگر کے فعل میں تیزی، سوزشِ جگر، حرارت کی زیادتی اور ضعف قلب کی علامت ہے۔ **خارج الوزن** ضعفِ قوت خصوصاً قوتِ باہ، مثانے کی کمزوری، پھیپھڑوں کی کمزوری اور بلغم کی زیادتی کا اظہار کرتی ہے۔

(۳) حرارت: اس میں صرف کیفیت شریان شامل ہے۔ اور **نبض حار** روح کی گرمی، صفراء کی زیادتی، بخار اور سوزشِ جگر کی علامت ہے۔ **نبض بارد** نزلہ زکام، کھانسی، ضعفِ معدہ، ضعفِ قوت اور مزمن امراض خصوصاً مزمن بخار کی علامت ہے۔

نبض کا صحیح تصور

نبض کا صحیح تصور اس صورت میں پیدا ہو سکتا ہے کہ ہر معالج اپنے ذہن میں ایک عضلہ (گوشت کی بوٹی) کا تصور رکھے جس کی

ساخت اسفنجی قسم کی ہے، جس میں ہوا اور رطوبت بھری ہوتی ہے اور اس کے درمیان میں سے خون کی شرائن اور وریدیں گزرتی ہیں۔ عضلہ جب اعتدال پر ہو تو اس میں ہوا اور رطوبت اپنے پورے اندازہ پر ہوتی ہے اور شریانوں اور وریدوں کے خون کی گرمی سے حرارت کا اُس میں ایک خاص قسم کا اعتدال پایا جاتا ہے اور جب عضلہ کا اعتدال بگڑتا ہے تو اس میں ہوا رطوبت اور حرارت کے اندازے اور اعتدال میں فرق آ جاتا ہے۔ جس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ اگر کسی گوشت کے ٹکڑے کو کچھ دیر پانی میں پڑا رہنے دیں تو اس میں پانی بھر کر وہ پھیل جاتا ہے اور اگر اس کو آگ کے انگاروں پر رکھیں تو اس میں سے رطوبات ٹپکنا شروع ہو جاتی ہیں اور وہ سکڑنا شروع ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اگر اس کو پانی میں ڈال کر اُس پانی کو دیر تک آگ پر پکاتے رہیں تو اس کے اجزاء تحلیل ہو کر پانی میں شامل ہو جائیں گے۔ بس یہی صورت جسم میں اس عضلہ کی ہوتی ہے۔ کبھی وہ رطوبات کی زیادتی سے پھیل کر ڈھیلا ہو جاتا ہے اور کبھی ہوا کی زیادتی سے سکڑ جاتا اور گا ہے حرارت کی کثرت سے اس میں تحلیل شروع ہو جاتی ہے۔ پس نبض بھی جس کا ایک بڑا حصہ عضلاتی ہے۔ عضلات کی ہی حالات کی نمائندگی کرتی ہے۔ نبض کی نرمی عضلات میں رطوبات کی کثرت کی دلیل ہے اور اس سے اس کی حرکات میں کمی ہو جاتی ہے۔ نبض کا تناؤ اور سکیڑ اور حرکات کی تیزی اس امر کی دلیل ہے کہ عضلات میں رطوبات خشک ہو رہی ہیں اور ریاح بڑھ رہے ہیں اور اسی طرح نبض میں حرارت کی زیادتی اور حرکات قلب میں ضعف اس امر کی علامت ہے کہ عضلات میں تحلیل شروع ہو گئی ہے۔ ان تصورات کو سامنے رکھنے اور نبض کی گزشتہ تشریحات، اقسام اور علامات پر غور کرنے سے امراض کے سمجھنے میں بے حد آسانی ہو جائے گی۔

ایک اہم نکتہ یہ بھی یاد رکھیں کہ معلومات نبض حاصل کرنے کے دوران میں اس امر کو جاننے کی انتہائی کوشش کریں کہ دل، دماغ اور جگر میں فرداً فرداً تیزی، سستی اور ضعف کی صورت میں نبض کی صورتیں کیا ہوں گی۔ اس بنیادی امر سے باقی امراض کے تعین میں بہت سہولت ہو گی اور اس کے ساتھ یہ امر بھی ذہن نشین رہے کہ جب کسی ایک عضو میں تیزی شدت یا سوزش ہو گی تو باقی دو اعضاء کی حالت اس سے بالکل مختلف ہو گی۔ اسی طرح بار بار کے تجربات سے حقیقت حال روشن ہو جائے گی اور نبض کا علم اچھی طرح ذہن نشین ہو جائے گا۔

نبض

مفرد

مقدار — قرعِ نبض — زمانۂ حرکت — قوامِ آلہ — زمانۂ سکون — مقدارِ رطوبت — کیفیت شریان — وزنِ حرکت — استوا و اختلاف نبض — نظم نبض

مرکب

(۱) نبض عظیم — (۲) نبض غلیظ — (۳) نبض غزالی — (۴) نبض موجی — (۵) نبض دودی — (۶) نبض نملی — (۷) نبض منشاری

(۸) نبض ذنب الفار — (۹) نبض مطرقی — (۱۰) نبض ذوالفترہ — (۱۱) نبض واقع فی الوسط — (۱۲) نبض مسلّی — (۱۳) نبض مرتعش — (۱۴) نبض ملتوی
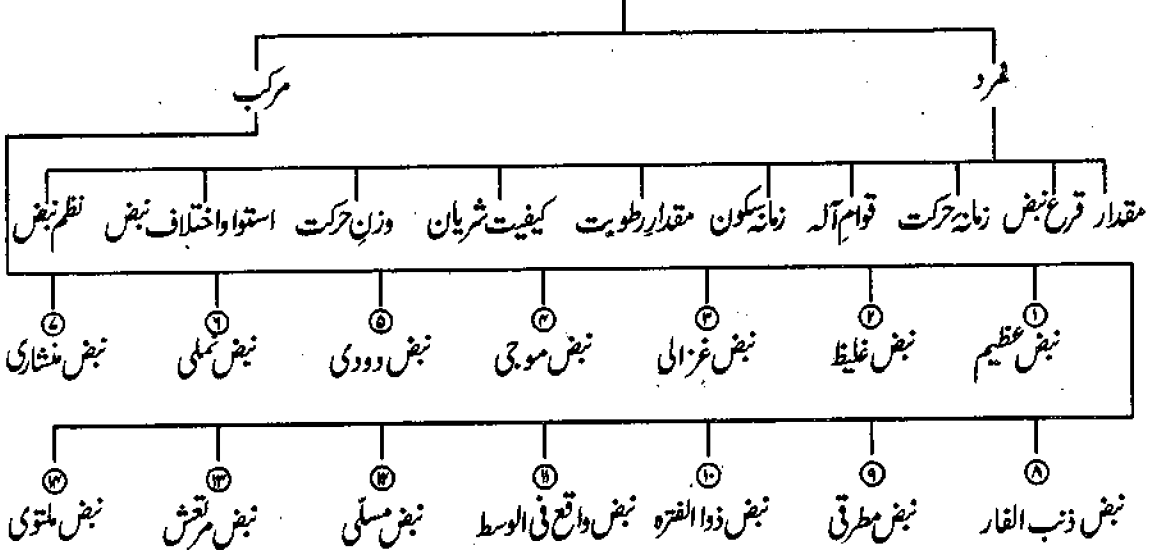
قارورہ

قارورہ دراصل اُس شیشی کو کہتے ہیں جس میں مریض اپنا پیشاب طبیب کو دکھانے کے لئے لاتا ہے۔ لیکن ادب اور گھن کو مدنظر رکھتے ہوئے کہ پیشاب کا نام نہ لیا جائے صرف اُس برتن کا نام لے لیتے ہیں جس میں پیشاب ہوتا ہے اور اسی برتن یا شیشی کو قارورہ کہتے ہیں۔

قارورے کا تعلق چونکہ نظامِ بولیہ کے ساتھ ہے، اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ قارورے کا ذکر کرنے سے قبل کچھ اعضائے بولیہ کی تشریح کردی جائے۔

افعال اعضائے بولیہ

نظام بولیہ میں دونوں گردے، حالبین، مثانہ اور پیشاب کی نالی شریک ہے۔ گردے پیشاب پیدا کرتے ہیں جس طرح دوسرے غدد سے خون کے مختلف مواد مخصوص رطوبات کی شکل میں خارج ہوتے ہیں، چوبیس گھنٹے میں تقریباً سیر سے ڈیڑھ سیر تک پیشاب خارج ہوتا ہے۔ چونکہ شریانِ گردہ اور ورید گردہ حجم میں بڑی ہوتی ہیں، اس لئے گردوں میں خون زیادہ مقدار میں تیزی سے دورہ کرتا ہے اور سارے جسم کا خون گردوں کے ذریعہ صاف ہو جاتا ہے۔ پیشاب کا جو حصہ گردوں کی نالیوں میں بنتا ہے، وہ اگلے حصہ کو حوضِ گردہ کی طرف دھکیلتا ہے جو آخر کار حالبین کے ذریعے مثانہ میں پہنچ جاتا ہے۔ جہاں سے پیشاب کی نالی کے ذریعے خارج ہو جاتا ہے۔

صفاتِ بول

بحالتِ صحت پیشاب عنبری یا ہلکے زرد رنگ کا صاف شفاف سیال ہوتا ہے۔ جس کا وزن مخصوص آبِ خون کے برابر لیکن پانی سے کسی قدر زیادہ ہوتا ہے۔ جس وقت بول خارج ہوتا ہے اُس وقت کسی قدر ترش ہوتا ہے۔ لیکن جب کچھ عرصہ پڑا رہتا ہے تو کھاری ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اس میں تغیر اور فساد سے نوشادر پیدا ہو جاتا ہے، جس کی وجہ سے اس کی بو تیز ہو جاتی ہے اور اُس سے نوشادر کی دھانس آنے لگتی ہے۔ پیشاب کی روزانہ مقدار میں قوت و موسم اور غذا کی کمی بیشی اور نوعیت سے بہت فرق پڑ جاتا ہے۔ چنانچہ موسم گرما میں جب پسینہ زیادہ آتا ہے تو پیشاب کم آتا ہے۔ اگر پانی، شربت، دودھ یا لسی وغیرہ زیادہ پیا جائے تو اس کی مقدار بڑھ جاتی ہے۔ بعض ادویہ اور اغذیہ کے استعمال سے بھی اس کی رنگت میں فرق آ جاتا ہے۔ مثلاً ہلدی اور ریوند چینی وغیرہ کے استعمال سے پیشاب کی رنگت زرد ہو جاتی ہے۔

یادداشت: بعض اطباء کا یہ خیال ہے کہ قارورے سے صرف گردے اور جگر کے امراض تک کا پتہ چلتا ہے اور قارورہ باقی امراض اور اعضاء کی خرابی پر روشنی نہیں ڈال سکتا۔ لیکن یہ خیال غلط اور ناواقفی پر مبنی ہے۔ قارورے سے سر سے لے کر پاؤں تک تمام اعضاء کی حالت اور ہر قسم کے جسمانی و کیمیاوی تغیرات کا پتہ چلتا ہے جس کے دلائل یہ ہیں:

① چونکہ گردے تمام خون کو صاف کرتے ہیں اور اس میں خاص طور پر وہ اعضاء شامل ہوتے ہیں جو جسم انسان میں تکلیف کا باعث یا مرض پیدا کرتے ہیں۔

② پیشاب میں صرف ایک ہی رنگ نہیں ہوتا بلکہ مختلف رنگ پائے جاتے ہیں جو مختلف امراض اور اعضاء کی حالت میں امراض کا اظہار کرتے ہیں۔

③ پیشاب کے اندر صرف ایک ہی قسم کی کیفیت نہیں پائی جاتی بلکہ کبھی اس میں ترشی پائی جاتی ہے اور کبھی کھاری پن۔

④ پیشاب میں مختلف قسم کے مواد پائے جاتے ہیں جو اکثر مختلف اعضاء کی خرابی اور امراض پر دلالت کرتے ہیں۔

قارورہ دیکھنے کا طریق

قارورہ دیکھنے کے لئے یہ چیز نہایت اہم ہے کہ قارورہ صبح کا پہلا ہونا چاہئے اور کوشش کرنی چاہئے کہ قارورہ تمام لایا جائے۔ قارورے میں تین چیزیں نہایت اہم ہیں: ① رنگت ② بو اور قوام ③ رسوب (مواد)۔

① رنگت

رنگت میں سب سے اہم وہی رنگت ہے جو فطرت نے اس کائنات میں پیدا کئے ہیں۔ یعنی نیلا، پیلا اور سرخ۔ باقی رنگ ان کے آپس میں ملنے سے پیدا ہو جاتے ہیں، جیسے سبز رنگ نیلے اور پیلے کے ملنے سے بنتا ہے۔ نارنجی رنگ پیلے اور سرخ کے ملنے سے بنتا ہے اور اسی طرح ارغوانی رنگ پیلے اور سرخ رنگ کے ملنے سے بنتا ہے۔[1]

(i) حمرت (سرخ رنگ): اس رنگت کے چار درجے ہیں: ① اصہب (پیازی)، وہ رنگ جس میں تھوڑی سی سرخی سفیدی مائل ہوتی ہے۔ یہ کسی قدر غلبۂ خون پر دلالت کرتا ہے۔ ② وردی (گلابی)۔ ③ احمر قانی، وہ جو قدرے سرخ سیاہی مائل ہو۔ ④ احمر اقتم، وہ جو سرخ سے زیادہ سیاہی مائل ہو۔ ان میں سے ہر ایک علی الترتیب پہلے کی نسبت خون کی زیادتی پر دلالت کرتا ہے۔

نوٹ: سرخ رنگ کا قارورہ سردی اور خشکی پر دلالت کرتا ہے۔ اکثر اطباء غلطی سے اس کو گرمی کی علامت خیال کرتے ہیں، البتہ اگر قارورے میں خون شریک ہو تو پھر کسی قدر گرمی کی علامت کہی جا سکتی ہے۔ لیکن اس میں بھی ریاح کی زیادتی شامل ہوگی۔

(ii) صفرت (زرد رنگ): اس کے چھ درجے ہیں۔ ① یہ قارورہ سفید شفاف قدرے زردی مائل ہوتا ہے۔ یہ اُس پانی سے مشابہت رکھتا ہے جس میں بھوسہ بھگو دیا گیا ہو۔ یہ رنگ خرابی ہضم پر دلالت کرتا ہے۔ ② اُترجی، یہ قارورہ ترنج کے چھلکے کی مانند ہوتا ہے اور تلبتی کی نسبت زیادہ زرد ہوتا ہے۔ یہ کچھ ہاضمے کی عمدگی پر دلالت کرتا ہے۔ ③ اشقر، زرد رنگ قدرے سرخی مائل، یہ حرارت کی زیادتی پر دلالت کرتا ہے۔ ④ نارنجی ⑤ ناری ⑥ زعفرانی۔ ان میں سے ہر ایک علی الترتیب اپنے سے پہلے سے زیادہ حرارت پر دلالت کرتا ہے۔

(iii) خضرت[2] (سبز رنگ): اس کے پانچ درجے ہیں۔ ① فستقی (پستہ کے رنگ کا)، یہ سردی پر دلالت کرتا ہے۔ ② آسمان گونی یعنی خفیف نیلا۔ ③ نیلنجی، ان میں ہر ایک اپنے سے پہلے کی نسبت سردی پر دلالت کرتا ہے۔ ④ کراثی (گندھنے کے رنگ کا قارورہ)، جو سبز ہوتا ہے۔ یہ احتراق شدید پر دلالت کرتا ہے۔ ⑤ زنجاری (زنگار کی مانند) سفیدی مائل سبز، بہت ہی زیادہ احتراق پر دلالت کرتا ہے۔

سواد اور بیاض: یہ دونوں رنگ بھی مفرد نہیں ہیں، بلکہ مرکب ہیں، جیسا کہ ابتدا میں بیان کیا گیا ہے۔ البتہ اسود کی چار صورتیں پائی جاتی ہیں، جن کا اظہار ضروری ہے۔ یہ یاد رہے کہ اسود ایسا مرکب ہے جو مختلف رنگوں کی بے اُصولی ترتیب سے پیدا ہوتا ہے۔ اس لئے اس میں بعض رنگوں کی زیادتی اور بعض کی کمی کی صورت مختلف حالتوں پر دلالت کرتی ہے۔ لیکن عام طور پر اس کا غلبہ سوداویت کی دلیل ہے۔

---

[1] جاننا چاہئے کہ کل رنگ سات ہیں جو ان تینوں رنگوں کے امتزاج سے پیدا ہوتے ہیں، لیکن اگر ان ساتوں رنگوں کے شیشوں کو آگے پیچھے رکھ کر ایک طرف سے روشنی ڈالی جائے تو دیوار پر سفید رنگ آئے گا لیکن اگر ایک شیشہ بھی نکال دیا جائے تو دیوار پر رنگدار سایہ ہوگا۔ گویا یہ ساتوں رنگ سفید رنگ کے مرکب ہیں اور جب ان ساتوں رنگوں کا امتزاج اندازے سے کم و بیش ہو جائے تو سیاہ رنگ بن جائے گا۔ گویا کل نور رنگ ہوئے۔ سفید نوری رنگ اور سیاہ ظلمت کا رنگ کہلاتا ہے۔

[2] خضرت دراصل مفرد رنگ نہیں ہے بلکہ یہ زردی اور نیلاہٹ سے مرکب ہے، اس لئے خضرت کو دیکھتے ہی دونوں رنگوں کو مدِ نظر رکھنا چاہئے۔

① ایسا سیاہ قارورہ جو زعفرانی رنگ لئے ہوئے ہو یا ایسے سودا پر دلالت کرتا ہے جو صفرا سے پیدا ہوا ہوتا ہے۔

② وہ سیاہ قارورہ جو قیط لئے ہوئے ہو یعنی وہ پہلے احمر اقتم اور اس کے بعد سیاہ ہو گیا ہو، یا بالفاظ دیگر سیاہ سرخی مائل ہو گیا ہو۔ یہ ایسے سودا پر دلالت کرتا ہے جو خون سے پیدا ہوتا ہے۔

③ وہ سیاہ قارورہ جو سبزی مائل ہو یہ خالص سودا پر دلالت کرتا ہے۔

④ سیاہ سفیدی مائل قارورہ سودائے بلغمی پر دلالت کرتا ہے۔

اسی طرح بیاض یعنی قارورے کی سفیدی برودت یا مواد کے نضج نہ پانے پر دلالت کرتی ہے۔

یادداشت: یہ جاننا چاہئے کہ بیاض کی دو قسمیں ہیں:

① **بیاض حقیقی:** جیسے دودھ کا رنگ یہ رنگ اگر پیشاب میں پایا جائے تو بلغم و برودت کے غلبہ کے ساتھ چربی اور اعضاء اصلیہ کے پگھلنے پر دلالت کرتا ہے۔ جیسے دق کے آخری درجے میں اعضائے اصلیہ کے پگھلنے کی وجہ سے قارورے کا یہی رنگ ہوتا ہے یا گردے کی انتہائی سوزش میں انڈے کی سفیدی کی طرح رطوبت اخراج پاتی ہے۔

② **بیاض غیر حقیقی:** جیسے پانی، یہ رنگ اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ طبیعت نے پانی میں تصرف ہی نہیں کیا اور اس صورت میں یہ قارورہ بہت بُرا اور مواد کے نضج اور پختگی سے مایوس کرنے والا ہے۔ یہ سدوں پر دلالت کرتا ہے جو قارورے میں رنگ بخشنے والے اعضاء کو نفوذ کرنے سے روک دیتے ہیں۔

✿ قوام اور کدورت

بلحاظ قوام قارورے کی تین اقسام ہیں: (۱) رقیق (۲) غلیظ (۳) ان دونوں کے درمیان (معتدل)۔

(۱) **رقیق:** رقیق سے مراد پانی کی طرح یعنی جس میں مائیت غالب ہو، ایسا قارورہ عدم نضج، سدے، ضعف گردہ، بکثرت پانی پینا، خشکی کے ساتھ سردی کا غلبہ ہونا، مائیت کے راستوں سے مادّے کا کسی دوسری طرف متوجہ ہو جانا، رقیق رطوبتوں کا پیشاب کی طرف چلا جانا وغیرہ پر دلالت کرتا ہے۔

(۲) **غلیظ:** جس میں گاہے اخلاط کی کثرت سے اور گاہے عدم نضج کے باعث یہ علامات پیدا ہو جاتی ہیں۔

کدورت (گدلا پن): کدورت کا سبب مادہ ارضیہ ہوتا ہے، جس کے ساتھ ریح بھی ہوتا ہے جو مائیت سے مخلوط ہوتا ہے۔ کدورت اور قوام میں یہ فرق ہے کہ قوام میں بول کے تمام اجزاء میں یکسانیت پائی جاتی ہے (یعنی وہ گھل مل کر بالکل ایک چیز معلوم ہوتے ہیں) اور کدورت کی صورت میں اجزاء منتشر دکھائی دیتے ہیں۔ پیشاب میں کدورت نضج نہ ہونے اور اخلاط کی حرکت کرنے کی دلیل ہے۔ کبھی کدورت قوت کے زائل ہونے اور اندرونی ورم کی وجہ سے بھی ہوتی ہے اور اکثر صاحب قارورہ کے سر میں درد ہونے کی علامت ظاہر کرتی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مادہ جوش میں ہے جس سے بخارات اوپر کی طرف صعود (چڑھ) کر رہے ہیں۔

(۳) **رسوب:** اس کے اصطلاحی معنی تلچھٹ کے ہیں، لیکن قارورہ کا رسوب اس جسم کا نام ہے جو قارورے کی مائیت سے غلیظ اور اس سے ممتاز نظر آئے، خواہ قارورے کی مائیت سے غلیظ اور اس سے ممتاز نظر آئے، خواہ قارورے میں معلق ہو یا اس کے اوپر تیر رہا ہو۔ رسوب کے لئے یہ ضروری نہیں کہ قارورے کی تہہ میں بیٹھا ہوا ہو، اگرچہ رسوب کے اصل معنی تہہ میں بیٹھنے کے ہیں۔ رسوب کی دو قسمیں ہیں: (i) طبعی (ii) غیر طبعی۔

(i) **طبعی**: رسوب طبعی وہ ہے جو سفید ہو، تہہ نشین ہو، اس کے اجزاء ایک دوسرے کے ساتھ ملے ہوئے ہوں۔ متخلل اور لطیف ہو، حرکت دی جائے تو جلد پھیل جائے اور پھر جلدی تہہ نشین ہو جائے۔ سفید رسوب کے مخالف رسوبات میں سب سے بہتر سرخ رسوب ہے اور پھر زرد۔

(ii) **غیر طبعی**: رسوب غیر طبعی ایسا رسوب ہے جس میں طبعی رسوب کے اوصاف بالکل نہ پائے جائیں یا بہت کم پائے جائیں۔ اس کی بارہ اقسام ہیں: (۱) خراطی (۲) وشیشی (۳) لحمی (۴) دسمی (۵) مدی (۶) مخاطی (۷) شعری (۸) خمیری (۹) رملی (۱۰) مادی (۱۱) علقی (۱۲) دموی۔

(i) **خراطی** (بڑھئی کے خراد کی مانند): وہ رسوب ہے جو چھلکوں کے مشابہ ہوتا ہے اور یہ پانچ قسم کے ہوتے ہیں۔

(۱) سفید طبقات جو مثانہ کے چھلنے پر دلالت کرتا ہے۔
(۲) لحمی سرخ چھلکے جو گردوں کے چھلنے پر دلالت کرتے ہیں۔
(۳) نیلے رنگ کے چھلکے جو اعضائے اصلیہ کے چھلنے کی دلیل ہیں۔
(۴) سرخ رنگ کے چھوٹے چھوٹے اجزاء، مٹر جیسے، جن کو کرسنی کہتے ہیں، یہ جگر اور گردہ کے اجزاء کے احتراق پر دلالت کرتے ہیں۔
(۵) سفیدی مائل چھلکے، ان کو نخال کہا جاتا ہے۔ یہ مثانہ کی خارش پر دلالت کرتے ہیں (نخال سبوس گندم کو کہتے ہیں)۔

(ii) **دشیشی** (شیش کوٹا ہوا یا کچلا ہوا گیہوں): یہ رسوب ہڑتال سرخ کے مشابہ ہوتا ہے اور خون کے احتراق یا اعضاء کے گھلنے یا خارشِ مثانہ پر دلالت کرتا ہے۔

(iii) **لحمی**: اس کا سبب بھی وہی ہے جو اوپر کرسنی کا بیان ہو چکا ہے۔

(iv) **دسمی** (چربی دار): یہ رسوب اعضاء کے گھلنے پر دلالت کرتا ہے۔ (دسم = چکنائی)۔

(v) **مدی** (پیپ دار): ورم کے پھوٹنے پر دلالت کرتا ہے۔

(vi) **مخاطی** (بیٹھ کے مشابہ): خلط غلیظ بلغمی کی دلیل ہے۔

(vii) **شعری** (بالوں کے مشابہ): اس کا سبب رطوبت کا لمبائی میں منقد اور بستہ ہو جانا ہے۔

(viii) **خمیری** (خمیر کے مشابہ): یہ رسوب رنگت اور غلظت میں خمیر کے ٹکڑوں کی مانند ہوتا ہے جو پانی میں بھگو دیئے گئے ہوں۔ یہ ضعفِ معدہ اور بدہضمی پر دلالت کرتا ہے۔

(ix) **رملی** (ریگ کی مانند): پتھری پر دلالت کرتا ہے جو منعقد ہو چکی ہو یا ہونے والی ہو۔

(x) **مادی** (خاکستر کے مشابہ): یہ رسوب بلغم یا پیپ پر دلالت کرتا ہے، جس کا رنگ زیادہ عرصہ کسی جگہ ٹھہرنے کی وجہ سے تبدیل ہو گیا ہو۔

(xi) **علقی** (خون کے لوتھڑے کی مانند): رسوب کی یہ قسم خون کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے، چنانچہ اگر یہ مائیت کے ساتھ خوب مخلوط ہو تو ضعف جگر پر دلالت کرتا ہے۔ اور اگر اس میں کم اخلاط ہوں تو پیشاب کی نالی کے زخم پر دلالت کرتا ہے اور اگر رسوب مائیت سے ممتاز ہو تو اکثر مثانہ اور قضیب کے زخم پر دلالت کرتا ہے۔

(xii) **دموی**: یہ شریان خون کے پھٹنے پر دلالت کرتا ہے۔

قارورہ کے مقام کے لحاظ سے رسوب کی تین اقسام ہیں: (۱) غمام (۲) معلق (۳) راسب۔

(۱) **غمام** (ابر کی مانند): وہ رسوب ہے جو قارورہ کی سطح کے اوپر تیر رہا ہو، اس کا سبب یہ ہوتا ہے، نفخ کی کمی ہوتی ہے اور ریاح اوپر کو چڑھا دیتی ہے۔

(۳) **معلق** (لٹکا ہوا) : وہ رسوب ہے جو قارورہ کے بیچ میں ٹھہرا ہوا ہو، اس کی وجہ مذکورہ بالا باتوں کی کمی ہوتی ہے۔

(۴) **راسب** (تہہ نشین) : یہ رسوب طبعی میں نضج پر دلالت کرتا ہے اور غیر طبعی میں خرابی کو ظاہر کرتا ہے۔ یعنی اگر رسوب طبعی تہہ میں بیٹھا ہوا ہو تو اچھی علامت ہے اور اگر غیر طبعی رسوب تہہ میں بیٹھا ہوا ہو تو بُری علامت ہے۔

مقدار بو اور جھاگ

قارورہ کو ہم نے دو حصوں میں تقسیم کر دیا ہے، اوّل اس کی صورت اور دوسرے اس کی ماہیت۔ ماہیت سے ہماری مراد اس کا تجزیہ ہے۔ قارورہ دیکھنے کے لئے سب سے اوّل اس کی صورت پر غور کرنا چاہئے، جس کی ہم نے تین صورتیں مقرر کی ہیں: (۱) مقدار (۲) بو (۳) جھاگ۔

✿ مقدار

مقدار کی تین صورتیں ہیں:

(i) **کثیر المقدار**: وہ قارورہ جو حالتِ صحت کے لحاظ سے مقدار میں زیادہ ہو۔ یہ اعضاء کے گھلنے یا زائد فضلات کے خارج ہونے پر دلالت کرتا ہے۔

(ii) **قلیل المقدار**: جو بلحاظ حالتِ صحت کے تھوڑا ہو، یہ قوت کے ضعف یا تحلیل کی کثرت یا مادے کی کسی دوسری طرف متوجہ ہو جانے پر دلالت کرتا ہے۔

(iii) **معتدل المقدار**: جو کثیر اور قلیل کے درمیان ہو اور حالتِ صحت کی دلیل ہے۔

✿ بُو

بُو سے مراد دراصل ذائقہ ہوتا ہے، چونکہ قارورے کو چکھا نہیں جاتا۔ اس لئے اس کا اس کی بُو کے ذریعہ احساس کیا جاتا ہے۔ قارورے میں دو ہی قسم کی بو پائی جاتی ہے۔

(i) **حامض الرائحہ** (ترش بُو رکھنے والا) : ایسا قارورہ سرد اخلاط میں حرارت غریبہ کے اثر کرنے کی وجہ سے ہوتا ہے اور ریاح کی زیادتی پر دلالت کرتا ہے۔

(ii) **حلو الرائحہ** (شیریں) : یہ خون کے غلبے کی وجہ سے ہوتا ہے اور اس میں کھاری پن پایا جاتا ہے۔ البتہ اس بات کو ضرور مدِنظر رکھیں کہ حلوالرائحہ بھی اگر کافی عرصہ پڑا رہے تو حامض الرائحہ میں تبدیل ہو جاتا ہے اور دوسرے اس بات کا خیال رکھیں کہ بعض قاروروں میں بُو زیادہ پائی جاتی ہے اور بعض میں کم۔ اگر بُو زیادہ پائی جائے تو اس سے پتہ چلتا ہے کہ حرارت نے مواد پر زیادہ اثر کیا ہے اور اگر بُو کی کمی ہو تو یہ عارم نضج کی وجہ سے ہوتا ہے اور حرارت کے اثر نہ کرنے کی دلیل ہے۔ بعض وقت بغیر بُو کے قارورے سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ ضعفِ قوت پیدا ہو گیا ہے۔

قارورہ کی مزید تشریح

قارورے کو دیکھنے میں سب سے پہلے اس کی مقدار، بو اور جھاگ دیکھنا چاہئے۔ بعد میں اس کی رنگت، قوام و کدورت اور اس کے بعد رسوب دیکھنا چاہئے۔ ان سب علامات کے اثرات و نتائج گزشتہ صفحات میں تحریر ہو چکے ہیں، اور ان کے ذہن نشین کرنے اور آپس میں تطبیق دینے سے صحیح تشخیص ہو سکتی ہے۔ البتہ رنگوں کی طرف دھیان دینا چاہئے۔ جن کی اہمیت سب سے زیادہ ہے۔ رنگوں میں سرخ، پیلا اور

سفید رنگ اپنے اندر خاص اثرات رکھتے ہیں اور خصوصی امراض پر دلالت کرتے ہیں۔ اور جس قدر زیادہ سرخی بڑھتی جائے گی یا اس میں سیاہی غالب آتی جائے گی، اسی قدر ریاح میں شدت پیدا ہوتی جائے گی اور اس کا اثر خاص طور پر معدہ اور ریہ، دِل اور مثانہ پر پڑے گا۔ نزلہ اور دردِ سر کی شدت ہوگی۔ اسی طرح زرد رنگ کی زیادتی صفراء کی زیادتی کی دلیل ہے۔ اس سے ایک طرف گرمی بڑھتی چلی جاتی ہے تو دوسری طرف ریاح کم ہونا شروع ہو جاتے ہیں اور جوں جوں زردی بڑھتی جاتی ہے، جسم میں حرارت بڑھتی جاتی ہے۔ ان پیلے رنگ کی زیادتی سوزشِ جگر، پیچش، گرمی کا نزلہ، سوزشِ سینہ اور اکثر شدید بخار کا اظہار کرتی ہے اور یہ بعض اوقات دردِ شقیقہ کے پیدا ہونے کا بھی اظہار کرتا ہے۔ عورتوں میں ماہواری کی زیادتی، کمر میں درد اور سوزشِ رحم کی دلیل ہے۔ اس سے مردوں میں سرعتِ انزال کا اظہار ہوتا ہے۔ سفید رنگ حرارت کی کمی اور بلغم کی زیادتی کی دلیل ہے۔ جوں جوں سفید رنگ قارورے میں بڑھتا جاتا ہے، حرارت کی کمی کا اظہار ہوتا جاتا ہے۔ اس سے بلغمی امراض مثلاً سردی کا زکام، نزلہ، کھانسی، دردِ سر، اسہال اور ضعفِ جگر، عورتوں میں سیلان الرحم اور مردوں میں جریان کا اظہار ہوتا ہے۔ ان رنگوں میں جب دو رنگ آپس میں ملے ہوئے ہوں، مثلاً سرخی اور زردی، زردی اور سفیدی، سفیدی اور سرخی یا ان کی مرکب صورتیں مثلاً نارنجی رنگ، سبز رنگ اور فستقی رنگ وغیرہ تو ان میں جس رنگ کا غلبہ ہو، اس کو خاص طور پر مدنظر رکھیں۔ بعض دفعہ دونوں رنگوں کا مجموعہ کسی ایک مرض پر دلالت کرتا ہے۔ جیسے نارنجی رنگ یرقان کی علامت ہے، وغیرہ۔

قارورہ

- رنگت
  - سُرخ
    - پیپ
    - وردی
    - احمر قانی
    - احمر اقتم
  - زرد
    - مبنی
    - اترجی
    - اخقر
    - نارنجی
    - زعفرانی
    - ناری
  - سبز
  - فستقی
  - آسمان گوئی
  - تیلنجی
  - کراثی
  - زنجاری
- بو اور قوام
  - رقیق
  - غلیظ
  - معتدل
- رسوب
  - طبعی
  - غیر طبعی
    - خراطی
    - دشیشی
    - لحمی
    - وسی
    - مدی
    - فخاطی
    - شعری
    - خمیری
    - املی
    - رمادی
    - علقی
    - دموی
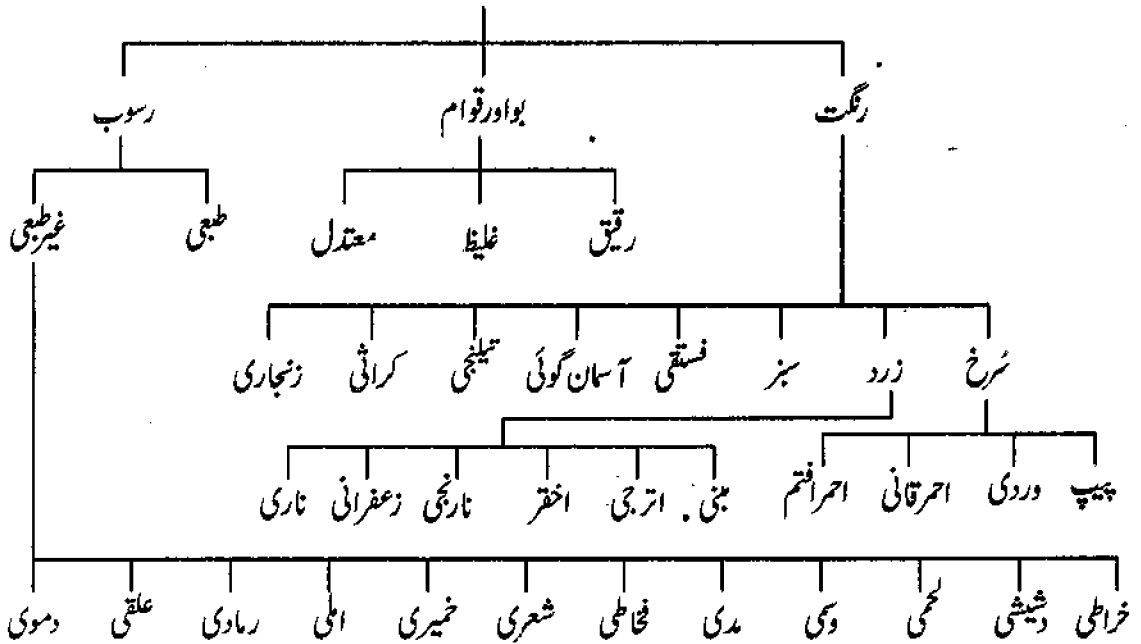
براز

براز کے متعلق معلومات حاصل کرنے سے قبل گزشتہ صفحات میں نظام غذائیہ کا بغور مطالعہ کریں۔ اس کے بعد براز کے متعلق ذیل کی معلومات کی روشنی میں غور کریں۔ براز کا معائنہ کرنے میں تقریباً وہی صورتیں اختیار کی جاتی ہیں جو قارورہ میں بیان ہو چکی ہیں۔ یعنی مقدار، قوام اور رنگت۔ اس کے ساتھ ہی تندرست آدمی کے براز کو بھی ذہن میں رکھنا چاہئے۔ جو عام طور پر معتدل قوام (نہ زیادہ رقیق نہ سخت)، ایک مناسب مقدار (اندازہ غذا کے مطابق) اور سنہری رنگ کا ہوتا ہے۔

مقدار

مقدار کی کمی وبیشی دونوں مرض پر دلالت کرتی ہیں۔ کمی مقدار اعضائے غذائیہ کے ضعف، قوتِ دافعہ اور ہاضمہ کی کمزوری یا قوتِ ماسکہ کی تیزی پر دلالت کرتی ہے۔ ایسے براز سے اکثر قولنج کا خوف پیدا ہو جاتا ہے۔ زیادتی مقدار قوتِ ماسکہ کی کمزوری اور قوتِ دافعہ کی شدت پر دلالت کرتی ہے۔ اور یہ اکثر جسم میں صفرا کی زیادتی کا اظہار کرتی ہے۔ اس سے جسم اکثر کمزور رہتا ہے اور خون کم پیدا ہوتا ہے۔

قوام

قوام کی تین صورتیں ہیں: (۱) رقیق (۲) لیسدار اور غلیظ (۳) خشک اور سدے۔ **رقیق** عام طور پر حرارت کی زیادتی اور اس کی زیادتی اور اس کے ساتھ رطوبات کی کثرت پر دلالت کرتا ہے۔ **لیسدار براز** میں کبھی صرف لیس ہوتی ہے جو غذا کے لیسدار ہونے یا خلط کے لیسدار ہونے کی علامت ہے اور کبھی اعضائے جسم کی سوزش اور تحلیل پر دلالت کرتا ہے اور کبھی لیسدار کے ساتھ چکناہٹ بہت زیادہ ہوتی ہے۔ جو سقوطِ قوت کے اثرات پر دلالت کرتی ہے۔ **خشک اور سدے** ایسا براز کبھی سردی کی زیادتی اور گاہے رطوبات کی کثرتِ تحلیل کی علامت ہوتا ہے اور کبھی اس امر کا اظہار ہوتا ہے کہ صفرا کا اخراج جگر سے امعا کی طرف نہیں ہو رہا۔ اس سے عام طور پر قبض، ضعفِ معدہ وجگر کا پیدا ہونا، ظاہر ہوتا ہے۔ ان علامات کے ساتھ بدبو کو بھی مدنظر رکھا جائے تو تشخیص میں کافی سہولت ہو جاتی ہے۔ مثلاً بدبو کی تیزی حرارت کے مادے میں زیادہ اثر کرنے کو ظاہر کرتی ہے اور پتہ چلتا ہے کہ مادہ اندر زیادہ متعفن ہو گیا ہے۔ اسی طرح بدبو کی کمی یا فقدان اس امر کی دلیل ہے کہ حرارت جسم میں کم ہو گئی ہے یا مواد پر اثر انداز نہیں ہو رہی۔ یہ صورت ضعفِ بدن کی علامت ہے۔ کبھی کبھی بو کا فقدان اس امر کو ظاہر کرتا ہے کہ قوتیں ساقط ہو گئی ہیں اور مریض زیادہ عرصے تک زندہ نہیں رہ سکے گا۔

رنگ

براز کے رنگ بھی قارورے کی طرح ہیں اور انہی اثرات کو ظاہر کرتے ہیں۔ یعنی سرخ رنگ ریاح کی زیادتی اور خون کے جوش کو ظاہر کرتی ہے۔ زرد رنگ کا براز صفراء کے غلبے کی دلیل ہے اور جگر کے فعل کی تیزی کا پتہ دیتا ہے۔ براز کی سفیدی غلبۂ بلغم کی دلیل ہے اور اس سے اس امر کا بھی پتہ چلتا ہے کہ صفراء کم ہو گیا ہے۔ یا اس کا اخراج جگر سے نہیں ہو رہا۔ براز کے رنگ میں سیاہی اخلاط کے جل جانے یا قویٰ کے ساقط ہو جانے کو ظاہر کرتا ہے اور سبز رنگ کا براز اکثر براز کے جسم میں کافی عرصہ تک رُکے رہنے کی دلیل ہے جس کا سبب جسم میں سردی کا غلبہ ہے۔ بعض اوقات براز میں پیپ اور خون بھی ملے ہوتے ہیں جو اندر کے زخم اور پھوڑوں کی طرف اشارہ کرتے ہیں اور بعض وقت ایسا براز ریاضت نہ کرنے والے شخص کا بھی ہوتا ہے۔ براز کے ساتھ غیر معمولی قراقر اور جھاگ بھی اخراج پاتے ہیں جو عام طور پر ریاح کی زیادتی کی دلیل ہوتے ہیں۔ نہایت ہی سڑا ہوا اور نہایت ہی بدبودار سیاہی مائل کے رنگ کا براز اکثر موت کی دلیل ہوا کرتا ہے۔

چہرے سے امراض کی تشخیص

چہرے اور ظاہر جسم کو دیکھ کر امراض کی تشخیص کرنا اگرچہ مشکل امر ہے لیکن ذرا محنت سے یہ علم بھی پوری طرح حاصل ہو سکتا ہے۔ اور اگر معالج اس پر دسترس حاصل کر لے تو اس کی عزت و وقار میں از حد اضافہ اور اُس کی شہرت دور دور تک پہنچ جاتی ہے۔ ذیل میں اس علم کے متعلق چند اصولی باتیں بیان کی جاتی ہیں جن پر غور و فکر کرنے سے معالج کا ذہن کھل جاتا اور وہ ہر مرض کو چہرے اور ظاہر علامات سے معلوم کر سکتا ہے۔ اس علم کو حکم لگانا کہتے ہیں۔

حکم لگانے میں تین حالتوں کو مدنظر رکھنا چاہئے: (۱) چہرے اور جسم کی رنگت (۲) چہرے اور جسم کی ہیئت (۳) چہرے اور جسم کی ظاہر علامات۔

۱ رنگت

اس کا ذکر علامات کے بیان میں گزر چکا ہے۔ اس میں جسم انسان کے اخلاط کے رنگوں کو مدنظر رکھنا ضروری ہے۔ مثلاً سرخ رنگ خون کے جوش پر دلالت کرتا ہے۔ زرد رنگ صفراء کی زیادتی، سفید رنگ بلغم کی کثرت اور اسی طرح سیاہ رنگ سوداویت کا اظہار ہے۔ ساتھ ہی ان رنگوں کو غور سے سمجھ لینے کے بعد ذہن فوراً اُن اعضاء کی طرف لوٹ جانا چاہئے جہاں یہ اخلاط پیدا ہوتے، قیام کرتے اور صاف ہوتے ہیں۔ ان رنگوں سے ایک طرف خون کی کیمیاوی حالت کا علم ہوتا ہے اور دوسری طرف وہ اُن اعضاء کی طرف اشارہ کرتے ہیں جن کی حالت غیر طبعی ہونے سے ان اخلاط میں کمی بیشی سے یہ رنگ پیدا ہو گئے ہیں۔ ان دونوں صورتوں کو مدنظر رکھ کر ذہن میں فوراً مرض کا ایک تصور اُبھر آتا ہے اور باقی علامتوں کے دیکھنے کے ساتھ یقین کی حد تک مرض کا تعین کیا جا سکتا ہے۔ لیکن یاد رہے کہ جب کسی ایک رنگ کے دیکھنے کے بعد اس کے متعلقہ عضو کی طرف توجہ کی جائے تو فوراً دیگر اخلاط کے اعضاء کی طرف بھی دھیان کر لینا چاہئے کہ اُن کی وہاں کیا حالت ہے اور اُس کے بعد حکم لگانا چاہئے۔

۲ ہیئت

ہیئت سے مقصد چہرے اور جسم کا دُبلا یا موٹا پن اور اُس میں رطوبات کی کمی و زیادتی وغیرہ ہے۔ جسم میں چربی کی زیادتی اعصاب کے فعل کی تیزی کی علامت ہے اور اس میں عصبی امراض کو مدِنظر رکھیں۔ اگر جسم میں گوشت کی زیادتی ہو اور عضلات تنے ہوئے ہوں تو جگر کے فعل میں تیزی ہے اور اس کے امراض پر نگاہ رکھیں۔ اسی طرح اگر جسم دُبلا پتلا اور چہرہ اندر کو پچکا ہوا ہو تو معدے، امعاء اور گردوں کے امراض کا تصور ذہن میں لائیں۔ اس کے ساتھ رنگوں کو دیکھنے سے اخذ کردہ نتائج کو ان کے ساتھ تطبیق دیں اور پھر حکم لگائیں۔

۳ ظاہر علامات

یہ علامات زیادہ تر ہم کو بچوں، مدہوش انسانوں اور بے ہوش لوگوں پر کام دیتی ہیں۔ لیکن ان کے علاوہ دوسرے لوگوں میں بھی دیکھ کر حکم لگایا جا سکتا ہے۔ ان میں جسم کی غیر معمولی ساخت، بالوں کی قلت و کثرت، سر، چہرہ، آنکھ، کان، ناک، ہونٹ، ہاتھ پاؤں کا تناسب اور اس کے ساتھ چہرے کی لمبائی، چوڑائی، خدوخال، اُس کے کسی عضو کا کشادہ یا تنگ ہونا اور خاص طور پر چہرے پر داغ مسّے اور پھنسی دانے وغیرہ قابل غور ہوتے ہیں۔ ان کے ساتھ باقی جسم کی بناوٹ لمبائی، چوڑائی، چال ڈھال، بدن کا کسی طرف جھکاؤ، جسم کا حرکات اور چال میں جھٹکنا اور اسی قسم کی کوئی اور بے ترتیبی پر بھی نگاہ ڈالی جائے اور سب سے بڑھ کر چہرے کی ذہنی کیفیت کیفیات وشادمانی کا ضرور ذہن میں تجزیہ کرنا چاہئے۔ اور ان کے بالا اعضاء اثرات کی طرف توجہ دینی چاہئے اور پھر رنگوں اور ہیئت کی علامات سے اخذ کردہ نتائج کے ساتھ تطبیق دے کر حکم لگانا چاہئے۔ ذیل کی

علامتیں خاص طور پر قابل غور ہیں۔

(i) گال: گالوں کی سرخی اور غیر معمولی تمازت (چمک) جس کے ساتھ چہرے کا رنگ اُڑا ہوا اور گھبراہٹ کے آثار ہوں، عام طور پر پھیپھڑوں کے ورم اور اختلاج القلب کی علامت ہوتی ہے۔ مردوں کے گالوں پر سیاہ نشان، سوزش مثانہ وگردہ اور خصیوں کے امراض کی علامت ہے۔ عورتوں کے گالوں پر چھائیوں کا پڑ جانا سوزشِ خصیۃ الرحم اور خرابیٔ حیض کی نشانی ہے۔

(ii) ہونٹ: ہونٹوں کا موٹا ہو جانا، جسم میں ریاح، سوجن، سوزشِ جگر اور ہونٹوں پر سرخ سیاہی مائل پھنسی سوزشِ دماغ کی علامت ہے۔ ہونٹوں کی گہری چمک دار سرخی سل، سفیدی خون کی کمی اور بخار کی دلیل ہے۔ اسی طرح ہونٹوں کی سرخی جسم کی اندرونی سوزش کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ ہونٹوں کی زردی صفراء کی زیادتی اور اس کے امراض و قے کی دلیل ہے۔ ہونٹوں کا خشک رہنا معدے میں سوزش اور مالیخولیا، سفید رنگ کی تہہ چڑھ جانا، جوڑوں کی خرابی، جلن بخار کی علامت ہے۔ لمبے بخاروں میں ہونٹوں کی خشکی زیادہ ہو جاتی ہے۔ سرسام اور پھیپھڑوں کے اورام میں ہونٹوں پر خشک قسم کی پپڑیاں جم جاتی ہیں، ہونٹوں کا پوری طرح بند نہ ہونا لقوہ کی بہت بڑی علامت ہے۔ ہونٹوں کا لٹک جانا ضعفِ اعصاب اور فالج کی علامت ہے۔

(iii) منہ: منہ کا کھلا رہنا ضعف قلب اور پھیپھڑوں کی کمزوری کی علامت ہے۔ اس کے برعکس منہ کا سختی سے بند ہونا تشنج، ورم دماغ اور غشی کی علامت ہے۔ منہ سے رال ٹپکنا، دماغی اور عصبی خرابی اور بعض لوگوں میں امعاء کے کیڑوں اور شدید نفخ شکم کی طرف اشارہ ہے۔

(iv) آنکھ: آنکھوں کی زردی صفراوی امراض مثلاً یرقان، سوالقنیہ، استسقاء سرخی، دردِ سر، نزلہ اور سوزشِ اعصاب کی دلیل ہے۔ آنکھوں کے پپوٹوں پر پھنسیاں عصبی سوزش، آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے، امراض گردہ و امعاء، بواسیر اور خون میں تیزابیت کی زیادتی کی علامت ہے۔ آنکھوں کے گرد گڑھے پڑ جانا خصوصاً بچوں میں اعصاب اور آنتوں کی سوزش کا اظہار ہے، اس میں پیاس اور اسہال کی شدت ہوتی ہے۔ آنکھوں میں اُداسی کا پایا جانا ضعفِ باہ اور جریان کی طرف اشارہ ہے۔

عام علامات

چہرے پر کسی مقام مثلاً ہونٹ، ناک، کان پر سوزشناک سرخی سیاہی مائل پھنسی کا نمودار ہونا مریض کے حق میں خطرناک ہے۔ اور جب تک مریض کا علاج غور و توجہ سے نہ کیا گیا اس کا بچنا ذرا مشکل ہے۔ اگر اس پھنسی کے ساتھ مریض میں ہچکی کی بھی صورت ہو تو ایسا مریض مشکل سے جانبر ہوتا ہے۔ لیٹے ہوئے مریض کے گھٹنے اگر پیٹ کی طرف اکٹھے ہوں تو قولنج اور دردِ گردہ کی علامت ہے۔ اگر مریض اپنی حرکت اور چال میں اپنے پاؤں کو جھٹکا دے تو مریض کے گردوں میں بھی خرابی ہے۔

موت کے قریب کی علامات

(۱) منہ کا کھلا رہنا (۲) آنکھوں کا پتھرایا ہوا معلوم ہونا (۳) ناک کا مڑ جانا (۴) چہرے پر پریشانی کے آثار (۵) سینے پر بلغم کی زیادتی اور اخراج نہ پانا (۶) مریض کا بے ربط باتیں کرنا (۷) ہاتھ پاؤں میں کھچاوٹ اور سکت کا نہ پایا جانا (۸) نبض عام طور پر نملی ہو جاتی اور قارورے میں اکثر سیاہی پیدا ہو جاتی ہے۔

ان علامات کو جاننے کے بعد فوراً حکم نہیں لگانا چاہئے بلکہ اوپر کی علامات جو رنگ اور ہیئت میں بیان کی گئی ہیں، ان کا بھی جائزہ لے کر حکم لگانا چاہئے۔ یہ عمل کچھ مشکل نہیں۔ اس پر مکمل دسترس حاصل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ جب کوئی مریض مطب میں آئے تو پہلے اُس کے چہرے اور ظاہر جسم کو دیکھ کر مرض کو اخذ کریں اور اس کے بعد بقیہ علامات نبض اور قارورہ سے تشخیص کر کے اندازہ لگائیں کہ آپ کس حد تک صحیح ہیں۔ اس طرح رفتہ رفتہ ایک معالج مریض کو صرف دیکھنے کے ساتھ ہی اُس کے امراض کو بیان کر سکے گا۔

طبّ ِ علمی

❶ علم حفظانِ صحت

علم حفظانِ صحت ایک ایسا علم ہے جس کے ذریعے ہم اپنی صحت کو قائم رکھ سکتے ہیں اور امراض سے محفوظ رہ سکتے ہیں۔ جاننا چاہئے کہ علم کی تین صورتیں ہیں: (۱) جبلی (۲) اکتسابی (۳) وہبی۔

(1) جبلی علم

جبلی علم وہ علم ہے جو حکیم مطلق ہر جاندار کو جبلی طور پر عطا فرماتے ہیں۔ جیسے چوہا جب بلی کی آواز سنتا ہے تو ڈر کر بھاگ جاتا ہے اور اسی طرح بلی کتے کی شکل دیکھتے ہی راہِ فرار اختیار کر لیتی ہے۔ کیونکہ جبلی طور پر چوہا اور بلی ان کو اپنا دشمن خیال کرتے ہیں۔ اسی طرح سبزی خور جانور پیدا ہونے کے بعد ہی اپنی غذا کے لئے سبزی کھانی شروع کر دیتے ہیں اور گوشت خور جانور بغیر گوشت کے کبھی رہ نہیں سکتے۔ وہ ہزار بھوکے ہوں مگر کبھی سبزی کھا کر پیٹ نہیں بھریں گے۔ ایسے ہی چند پرند بعض دانے دنکے پر گزارہ کرتے ہیں اور بعض پرندوں کا شکار کر کے اپنا پیٹ بھرتے ہیں۔ قدرت نے انسان میں بھی اسی قسم کا ایک جبلی شعور پیدا کر دیا ہے۔ بچہ پیدا ہونے کے بعد فوراً ماں کی چھاتیوں کی طرف رجوع کرتا ہے اور اس کو ماں کی گود میں سکون حاصل ہوتا ہے۔ بڑے ہونے تک تمام عمر اس کو جبلی علم یا خبر دیتا رہتا ہے کہ فلاں چیز مفید ہے اور فلاں مضر۔

(2) اکتسابی علم

اکتسابی علم وہ علم ہے جو انسان کو خالق دو جہاں نے تجربات و مشاہدات اور عقل کی روشنی سے عطا فرمایا ہے۔ یعنی جب وہ کسی چیز کو اپنے تجربات و مشاہدات کے بعد مفید یا مضر پاتا ہے۔ تو اس کو اختیار کرتا یا اس سے اجتناب برتتا ہے۔ اسی طرح جب اس کی عقل اُن چیزوں کی طرف اشارہ کرتی ہے مثل اُس نے مفید یا مضر چیزیں تجربہ و مشاہدہ کی ہوں تو اُن کو بھی وہ اپنے استعمال میں ضرورت کے مطابق لاتا یا پرہیز کرتا ہے۔

(3) وہبی

وہبی علم وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ انسان کے ذہن میں ادراک کے ذریعے پیدا کر دیتے ہیں کہ فلاں چیز تمہارے لئے مفید ہے یا مضر۔ اس علم کو وجدانی بھی کہتے ہیں۔ کیونکہ قوتِ واہمہ اس میں خاص طور پر کام کرتی ہے۔ یہاں یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ قوتِ وجدانی قوت واہمہ کی انتہائی

ترقی یافتہ صورت کا نام ہے۔ یہ وہبی علم کہیں تو ضرورت کے مطابق عام انسانوں کو حاصل ہوتا رہتا ہے، لیکن اہل علم اور اور فیضان خصوصی طور پر ہوتا رہتا ہے اور وہ اپنی ضرورت کے مطابق اس علم اور عقل کی روشنی میں پرکھتے رہتے ہیں اور جب وہ تجربہ عقلاً صحیح ثابت ہوتا ہے تو اس کو عوام کی خدمت کے لئے پیش کر دیتے ہیں۔ حکماء سے بھی بہت زیادہ اس علم کا القاء وانکشاف اور فیضانِ رسالت پر ہوتا ہے۔ وہ اُس سے اس رنگت اور کائنات کی ہر چیز کے خواص وفوائد قدرت سے حاصل کرتے ہیں اور دُنیا کو مطلع کرتے ہیں کہ دُنیا ان سے مستفیض ہو۔

جاننا چاہئے کہ یہاں پر ہم جس علم سے بحث کریں گے وہ اکتسابی ہوگا۔ کیونکہ ہمارا جبلی اور وہبی علم بھی تجربات ومشاہدات اور نتائج کے بعد اکتسابی ہی ہو جاتا ہے۔ لیکن ہم اکتسابی اس علم کو کہیں گے جو ہمارے تجربات ومشاہدات اور عقل کی روشنی میں صحیح ثابت ہو۔ صحیح ہونے کا معیار یہ ہے کہ ہم جب کبھی بھی تجربات ومشاہدات کے بعد نتیجہ دیکھیں تو وہی نکلنا چاہیے یا جب کبھی اس کے متعلق دلائل دیئے جائیں تو وہی نتائج برآمد ہوں اور اسی کو آج کل کی زبان میں سائنس کہتے ہیں۔

حرارت غریزی ورطوبت غریزی

علم حفظان صحت کا جہاں تک انسان کے جسم سے تعلق ہے اس کے لئے یہ نہایت ضروری ہے کہ انسان کے اعضائے جسم اور ان کے افعال کا پوری طرح علم ہو، یہ علم اُسی وقت شروع ہو جاتا ہے جب انسان کا نطفہ قرار پاتا ہے۔ کیونکہ اگر اُس دوران میں بھی اُس نطفے کی نگرانی نہ کی جائے تو اس کے ضائع ہونے کا احتمال ہے۔ جس چیز کی انسان کے حفظانِ صحت میں نگرانی کی سب سے زیادہ ضرورت ہے وہ اس کا مزاج طبیعت اور طاقت کا اعتدال ہے اور یہی چیز قرار نطفہ سے انسان کی موت تک مدِ نظر رہتی ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ مزاج، طبیعت اور طاقت کیا شے ہے اور ان کی نگرانی کیسے ہوسکتی ہے۔ یہ ایک نہایت اہم سوال ہے اور صحت کے قیام کے لئے اس کا ذہن نشین کرنا سب سے پہلی بات ہے۔

جاننا چاہئے کہ نطفہ قرار پاتے وقت کرم منی، حرارت غریزی اور رطوبت غریزی کا مجموعہ ہوتا ہے۔ یہ نطفہ ایک جسم ہے جس کی پرورش رطوبت غریزی اور حرارت غریزی سے عمل میں آتی ہے، انہی دونوں چیزوں سے اس کو غذا ملتی ہے اور اُس میں نشوو ارتقاء اور تصفیہ کا عمل جاری رہتا ہے۔ یہ دونوں چیزیں اگر اعتدال سے اپنا عمل جاری رکھیں تو نطفہ صحت کے ساتھ نشوو ارتقاء کے مراحل طے کر لیتا ہے اور اگر ان کا توازن قائم نہ رہے تو نطفہ کے ضائع ہونے میں کوئی شبہ نہیں جس کی صورت یہ ہے کہ اگر ان میں سے کوئی ایک بڑھ جائے تو دوسری کو فنا کر دے گا جس سے نطفے کی غذائیت یا تصفیہ وپرورش میں خلل واقع ہو جائے گا اور نطفہ ضائع ہو جائے گا۔ مثلاً اگر حرارت بڑھ جائے تو رطوبت کو جلا دے گی اور رطوبت کی زیادتی حرارت کو ختم کر دے گی۔ اسی توازن سے جسم انسان زندہ رہتا ہے اور اگر اس میں نمایاں فرق واقع ہو جائے تو انسان کی صحت نہ صرف خراب بلکہ بعض اوقات تباہ ہو جاتی ہے۔

بدل ما یتحلل

نطفے کی حرارت ورطوبت اس قدر قلیل ہوتی ہیں کہ انہی سے انسان کے جسم کا کم وبیش ساٹھ ستر سال تک زندہ رہنا محال ہے، اس لئے قدرت نے ان دونوں کے قیام، تقویت اور امداد کے لئے بیرونی طور پر بھی رطوبت وحرارت کا انتظام کر دیا ہے جو اُس حرارت غریزی کا معاون ہوتا ہے اور اس تھوڑی بہت حرارت ورطوبت غریزی کو جو نطفہ قرار پانے کے بعد خرچ ہونا شروع ہو جاتی ہے، پورا کرتا رہتا ہے اور انسان کی ضرورت کو

پورا کرتا رہتا ہے۔ اس رطوبت اور حرارت کو جو انسان کی ضروریات کو پورا کرتی رہتی ہے ''بدل ما یتحلل'' کہتے ہیں۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ بدل ما یتحلل حرارت غریزی اور رطوبت غریزی کی کمی کو پورا کرتا ہے یا خود دماغ پر خرچ ہو کر ان دونوں کا قائمقام بن جاتا ہے۔

اعتراض:

یہاں پر اعتراض وارد ہوتا ہے کہ اگر بدل ما یتحلل خود حرارت غریزی اور رطوبت غریزی کی کمی کو پورا کرتا رہتا ہے، یعنی خود حرارت ا رطوبت غریزی بن جاتا ہے تو پھر حرارت غریزی اور رطوبت غریزی جن کو حرارتِ اصلی اور رطوبت اصلیہ بھی کہتے ہیں اور جن سے اعضائے اصلیہ تیار ہوتے ہیں، اُن کی کوئی ہستی نہ رہی، کیونکہ ہم ان کو مصنوعی طور پر تیار کر سکتے ہیں۔ اور اگر وہ حرارت اور رطوبت جو ان کو بدل ما یتحلل بنتی ہے وہی کام انجام دے سکتی ہے جو حرارت غریزی اور رطوبت غریزی کا انجام دیتی ہے تو پھر بڑھاپا کیوں آتا ہے؟ اور موت کیوں واقع ہوتی ہے؟

جواب

اس کا جواب یہ ہے کہ حرارت غریزی اور یہ رطوبت غریزی کا بدل ما یتحلل نہیں بن سکتا۔ جو رطوبت اور حرارت بدل ما یتحلل کے طور پر خرچ ہوتی ہے، وہ صرف ایک ضرورت ہے جو پوری کی جاتی ہے اور اس سے رطوبت وحرارت غریزی کی مدد کی جاتی ہے۔ تاکہ وہ جلدی تحلیل ہو کر ختم نہ ہو جائے۔ اس کی مثال ایک چراغ کی ہے جس کی روشنی، بتی اور تیل تینوں بیک وقت کام کرتی ہیں۔ چراغ کی روشنی حرارت غریزی میں رطوبت غریزی اور تیل بدل ما یتحلل ہے۔ یہ بدل ما یتحلل جہاں ایک طرف چراغ کی روشنی کو قائم رکھتا ہے، وہاں دوسری طرف اس کی بتی کو بھی جلنے نہیں دیتا۔

صحت کی حفاظت کے لئے یہ ضروری ہے کہ حرارت غریزی چراغ کی روشنی کی طرح اعتدال سے جلتی رہے اور اس کی رطوبتِ غریزی بھی ایک دم فنا نہ ہو جائے۔ یہ وہ اعتدال ہے جو دونوں میں قائم رکھا جاتا ہے، اگر رطوبات بڑھ جائیں تو حرارت کا ختم ہونا اغلب ہے اور رطوبات کی زیادتی سے رطوبت کا جل جانا لازمی ہے۔

خون

نطفہ جب تک علقہ نہیں بنتا، اس وقت تک وہ اپنی غذا اپنے اندر کی رطوبت سے حاصل کرتا ہے اور جب علقہ بن جاتا ہے، اس کا تعلق رحم سے پیدا ہو جاتا ہے اور وہ اپنی غذا ماں کے رس سے حاصل کرتا ہے۔ پیدائش کے بعد اس کو اوّل یہ غذا ماں کے دودھ سے اور پھر دُنیاوی اغذیہ اور اشربہ سے حاصل ہوتی رہتی ہے۔ جن سے اس کا بدل ما یتحلل پورا ہوتا رہتا ہے۔

ان امور سے ثابت ہوا کہ طبیعت انسانی صحت کی حفاظت تو کر سکتی ہے لیکن اس پر یہ فرض عائد نہیں ہوتا کہ وہ انسان کا شباب برقرار رکھے یا اس کو ایک طویل عمر تک زندگی دے سکے۔ موت کا روک دینا تو اس کے بس کا بالکل روگ نہیں۔ کیونکہ نطفہ کے قرار پانے کے بعد حرارتِ غریزی اور رطوبتِ غریزی کچھ نہ کچھ ضرور خرچ ہوتی رہتی ہے اور عمر کے ساتھ ساتھ ان میں ایک خاص قسم کی کمی واقع ہوتی رہتی ہے۔ جس طرح چراغ کے جلنے میں اس کی بتی کے تھوڑا تھوڑا جلنے کے ساتھ ساتھ وہ کم ہوتی رہتی ہے، یہاں تک کہ وہ ختم ہو جاتی ہے۔ یہی صورت انسانی زندگی کی بھی ہے کہ وہ آخر میں حرارتِ غریزی اور رطوبت غریزی کے ختم ہونے کے بعد ختم ہو جاتی ہے۔ ہمیشہ کے لئے شباب اور زندگی ناممکنات میں سے ہے۔

اطباء کے فرائض صرف حفظان صحت کے اصولوں کا ذہن نشین کرانا ہے تاکہ صحت قائم رہے۔ البتہ جب مرض پیدا ہو جائے تو اُس کو

صحت کی طرف لوٹانا بھی انہی کا کام ہے۔صحت کے قیام کے لئے اہم چیز حرارت غریزی اور رطوبت غریزی کی پوری نگرانی اور ان کے بدل ما یتحلل کو صحیح طریقوں پر پورا کرنا ہے اور یہ کوشش بھی جاری رہے کہ رطوبات اصلیہ میں کوئی فساد یا تعفن پیدا نہ ہونے دے۔اگر وہ اپنے ان مقاصد میں کامیاب رہا تو انسان اپنی طبعی عمر کو پہنچے گا اور اُس کی قوت اور صحت ایک صحیح حالت پر قائم رہے گی۔

موت

موت دو قسم کی ہے: (۱) طبعی (۲) غیر طبعی۔ **طبعی** وہ موت ہے جو حرارت و رطوبت غریزی کے پورے طور پر خرچ ہونے کے بعد واقع ہو۔جس کے متعلق اطباء کا خیال ہے کہ وہ سو سال سے ڈیڑھ سو سال تک ہونی چاہئے۔کیونکہ اِن کا اندازہ ہے کہ انسان پچیس تیس سال تک اپنی جوانی کو پہنچتا ہے اور اس کو اس کے بعد پانچ گنا عرصے تک زندہ رہنا چاہئے۔اور اگر اس کے دوران میں وہ کسی مرض کا شکار ہو جاتا ہے، یا ڈوب جاتا ہے یا پھانسی لگ جاتا ہے یا گر کر مر جاتا ہے، وغیرہ تو یہ اُس کی غیر طبعی موت ہوگی۔

حفظانِ صحت کے اہم عناصر

حفظانِ صحت کے اہم عناصر حسبِ ذیل تین ہیں۔

(۱) صحت کے قیام کے لئے بدل ما یتحلل کی جو ضرورت ہے وہ ایک مسلّمہ امر ہے اور بدل ما یتحلل ہمیشہ اغذیہ و اشربہ ہیں کہ ان کو اپنی ضرورت کے مطابق صحیح اصولوں پر استعمال کرے اور اُن سے بدل ما یتحلل حاصل کرے۔

(۲) غذا کے بعد دوسری اہم چیز یہ ہے کہ انسان کے جسم میں غذا کھانے کے بعد فضلات اکٹھے ہوتے ہیں، ان کو باقاعدگی کے ساتھ اخراج کرنے کی کوشش کرتا رہے۔اس کی صورت جسم کو اعتدال کے ساتھ حرکت دینے اور قوت لگانے سے عمل میں آتی ہے۔جس میں ورزش بھی شریک ہے۔کیونکہ سکون محض جسم میں فضلات کو روک دیتا ہے۔

(۳) انسان اپنی قوتوں کو ضروریات سے زیادہ خرچ ہونے سے بچاتا ہے۔ضرورت سے زیادہ جسمانی اور دماغی محنت اور حرکت سے یہ قوتیں ضائع ہونے لگتی ہیں۔

یہ تینوں باتیں اگر اعتدال پر قائم رہیں تو صحتِ انسانی کی حفاظت اچھے طریق پر ہوسکتی ہے۔اس مقصد کے لئے اسبابِ ستہ ضروریہ جن کا ذکر گزشتہ صفحات میں کیا گیا ہے، بہت حد تک کافی ہیں۔لیکن بعض اہم باتوں کا ذکر مندرجہ بالا اصولوں کے متعلق کیا جاتا ہے جو صحت کے لئے بے حد مفید اور ضروری ہیں۔

(۱) اغذیہ و اشربہ

غذا کی مقدار میں اعتدال کو قائم رکھنا اور غذا کے استعمال کے بعد کچھ سکون کرنا ضروری ہے۔

یادداشت: غذا کھانے سے قبل یہ ضروری ہے کہ بھوک شدت سے لگی ہو، بغیر بھوک کے کبھی غذا کی طرف ہاتھ نہیں بڑھانا چاہئے۔بھوک میں بھی اس امر کو ملحوظ رکھا جائے کہ وہ دو قسم کی ہوتی ہے: (۱) صادق، (۲) کاذب۔اشتہائے صادق کی علامات یہ ہیں کہ جسم میں فرحت ہوگی اور وہ ہلکا ہوگا اور گرم معلوم ہوگا۔غذا کھاتے وقت لذت محسوس ہوگی۔اشتہائے کاذب میں یہ باتیں نہیں ہوں گی بلکہ کمزوری محسوس ہوگی۔دِل میں گھٹنے کی سی حالت پائی جائے گی اور کھانے میں بے دِلی سی قائم رہے گی۔کھانے کے بعد جسم بے حد سست اور بوجھل رہے گا، بلکہ بعض اوقات حرکت کرنے کو دِل نہیں چاہتا۔ہر غذا پہلی غذا کے ہضم ہونے کے بعد کھانی چاہئے۔اگرچہ بھوک بھی کیوں نہ لگی ہو اور اشتہائے صادق کی تمام علامات پائی

جائیں۔ کیونکہ ہر غذا جو ہم کھاتے ہیں اُس کے ہضم ہونے میں کم سے کم چھ سات گھنٹے خرچ ہوتے ہیں اور اس کے بعد وہ غذا معدے اور چھوٹی آنتوں سے اُتر کر بڑی آنتوں میں چلی جاتی ہے۔ اگر چھ سات گھنٹے سے قبل کھالیا جائے تو طبیعت پہلی غذا کی طرف مصروف ہوتی ہے اور اگر اس کو ہضم کئے بغیر چھوڑ دے اور دوسری کی طرف مصروف ہو جائے تو پہلی غذا میں تعفن اور فساد پیدا ہو جائے گا۔ اور اگر دوسری کی طرف توجہ نہ دے تو اس میں بھی تعفن وفساد پیدا ہونا ضروری ہے۔ ایک وقت میں مختلف غذاؤں کا اکٹھا کرنا درست نہیں۔

یادداشت: مختلف اغذیہ میں بعض لطیف اور بعض ثقیل ہوتی ہیں اور طبیعت لطیف اغذیہ کو جلدی ہضم کر لیتی ہے اور ثقیل اغذیہ دیر تک اندر پڑی رہتی ہیں۔ نیز بعض اغذیہ ایک دوسرے کی مخالف ہوتی ہیں۔ مثلاً مچھلی اور دودھ، ترشی اور دودھ، ستو اور دودھ، انگور اور ہرنی کا گوشت، انار اور ہریسہ، چاول اور سرکہ، ان کو ایک ساتھ اکٹھا کھانے سے پرہیز کرنا چاہئے۔

اگر غذا مجرب ہو تو اس کے ساتھ نمکین یا چرپری چیزیں کھائی جائیں اور اسی طرح اس کے برعکس بہتر یہ ہے کہ ہمیشہ ایک ہی غذا نہ کھائی جائے بلکہ تبدیلی کے ساتھ کھائی جائے، بھوک کو روکنا مناسب نہیں ہے۔ کیونکہ ایسا کرنے سے معدے کی طرف خراب مواد گرتے ہیں۔ غذا دِن کے معتدل وقت میں کھانی چاہئے۔ موسم سرما میں دوپہر کے وقت اور موسم گرما میں صبح وشام کھانا مناسب ہے۔ کھانے سے مراد یہاں پیٹ بھر کر کھانا اور پورا کھانا مراد ہے۔

یادداشت: ایک ہی قسم کے کھانے بار بار کھانے سے اور ایک ہی ذائقہ بار بار استعمال کرنے سے جسم میں نقصان پیدا ہوتا ہے۔ مثلاً ترش غذاؤں کے بکثرت اور متواتر استعمال سے بڑھاپا جلد آ جاتا ہے۔ نزلہ زکام اکثر رہتا ہے۔ اعضاء میں خشکی پیدا ہو جاتی ہے۔ اعصاب کمزور ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح نمکین چیزیں بدن کو لاغر اور دِل میں ضعف پیدا کرتی ہیں۔ میٹھی چیزیں بھوک کو ضعیف اور بدن کو گرم کرتی ہیں۔ ان کی مضرت کو ترش غذا سے اور ترش غذا کی مضرت کو میٹھی غذا سے دفع کرنا چاہئے۔ پھیکا اکثر کھانے سے بھوک جاتی رہتی ہے اور بدن میں سستی پیدا ہو جاتی ہے۔ اس لئے اس کی مضرت کو نمکین اور چرپری چیزوں کے استعمال سے دور کرنا چاہئے۔

مشروبات

مشروبات میں تین چیزیں خاص طور پر شریک ہیں: (۱) پانی (۲) دودھ (۳) شراب۔

پانی: پانی اکثر پیاس کے وقت پیا جاتا ہے اور یہ پیاس کھانے کے دوران میں بھی لگتی ہے اور بعد میں بھی اور بغیر کھانے کے بھی۔ پانی پینے کا وقت پیاس ہے، خواہ غذا کے ساتھ یا اُس کے بعد وغیرہ۔

یادداشت: جاننا چاہئے کہ پیاس دو قسم کی ہوتی ہے: (۱) صادق (۲) کاذب۔ صادق پیاس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ معدے میں پڑی ہوئی غذا کو رقیق بنائے اور اُس کو باریک شریانوں سے گزارنے کے لئے ذریعہ بنے۔ غذا کے دوران میں بھی جب پیاس لگتی ہے تو اس کی دو صورتیں ہوتی ہیں۔ اوّل معدے میں تیز اور سوزش پیدا کرنے والی اغذیہ کی بے چینی اور دوسری معدے میں انتہائی خشکی جو غذا کھانے کے ساتھ اکثر بڑھ جاتی ہے اور طبیعت اُس کو رقیق کرنے کے لئے پانی طلب کرتی ہے۔ پیاس کاذب کی پہچان یہ ہے کہ اگر پیٹ بھر کر تسلی کے ساتھ بھی پانی پی لیا جائے اور پھر بھی پیاس نہ بجھے، اس کی وجہ عام طور پر شور بلغم یا لیسدار مواد کی معدے میں زیادتی ہوتی ہے۔ جس کو طبیعت رفع کرنا چاہتی ہے۔ لیکن ٹھنڈا پانی پینے سے بلغم اور بھی جم جاتی اور مادۂ شور میں زیادتی واقع ہو جاتی ہے۔ اسی طرح تخمہ اور ہیضہ میں بھی پیاس کی شدت ہوتی ہے جس کی وجہ غذا کا کچا ہونا اور معدے میں سوزش اور متعفن مواد کی موجودگی ہوتی ہے۔ اس کا علاج یہ ہے کہ پانی کے لئے کچھ دیر توقف کیا جائے اور اگر توقف ممکن نہ ہو تو گرم پانی تھوڑا تھوڑا دیا جائے یا بغیر دودھ کی چائے دی جائے۔ مرض میں شدت ہو تو مناسب علاج کیا جائے۔ بعض دفعہ دماغی اور اعصابی سوزش میں

بھی شدید پیاس لگتی ہے، اس کا بھی مناسب علاج کیا جائے۔ بعض اوقات ترمیوں کے استعمال سخت ورزش اور محنت، حمام اور جماع کے بعد جب پیاس لگے تو پانی سے روکنا چاہیئے۔ جہاں تک ممکن ہو نہار منہ پانی نہیں پینا چاہیئے۔

دودھ: دودھ غذا میں شامل ہے اور اس کو غذا کے طور پر یا غذا کے ہمراہ استعمال کرنا چاہیے۔ یہ ہرگز نہ کیا جائے کہ اس کو پانی کے طور پر اور بغیر غذا کے استعمال کیا جائے۔ دودھ استعمال کرنے کا بہترین وقت صبح کا ناشتہ ہے۔ ناشتے کے ہمراہ اس کو استعمال کرنے سے صحت پر بہت اچھا اثر پڑتا ہے۔ دودھ ہمیشہ نیم گرم ہو اور اس کو ہلکا شیریں بھی کر لینا چاہیے۔ اسی طرح بعض لوگ دودھ میں پانی ملا کر اس کی لسی بھی پیاس کے وقت پیتے ہیں۔ اس کے متعلق یہ جاننا ضروری ہے کہ اس کے اثرات اپنے اندر دودھ کی غذائیت کے ہیں۔ البتہ اس میں برودت زیادہ پیدا ہو جاتی ہے اور اس کے اکثر استعمال سے معدہ ٹھنڈا اور سوئے مزاج بارد کے امراض پیدا ہو جاتے ہیں۔ اوّل تو اس کا استعمال ہی نہیں کرنا چاہیے لیکن جب استعمال کیا جائے تو غذا اور اس کے درمیان کافی وقفہ ہونا چاہیے۔

دھی کی لسی: دہی کی لسی بھی غذا میں شریک ہے اور اس کو بھی ہمیشہ غذا کے مقام یا اس کے ہمراہ استعمال کرنا چاہیے۔ اس کے بکثرت استعمال سے حرارت غریزی کم ہو جاتی ہے اور نفخ شکم کی شکایت پیدا ہو جاتی ہے۔ اس کا استعمال دوپہر کو غذا کے ہمراہ کرنا چاہیے۔

شراب: شراب کا استعمال بغیر طبیب کی مرضی کے کبھی نہیں کرنا چاہیے۔ کیونکہ اس میں نقصان بہت زیادہ اور فوائد بہت ہی کم ہیں۔ اس کا سب سے بڑا نقصان یہ ہے کہ اس کے استعمال سے خواہشات نفسانی بھڑک اٹھتی ہیں جو کسی صورت بھی نہیں بجھتی ہیں۔ جس سے طبیعت انتہائی منقبض ہو کر دل کے لیے بے حد نقصان کا باعث ہوتی ہے۔ جہاں تک اس کے فوائد کا تعلق ہے اس کو اکثر اعتدال سے قلیل مقدار میں ضرورت کے مطابق طبیب حاذق کے مشورے سے استعمال کیا جائے تو تمام جسم کے اعضا میں نشو و ارتقا اور قوت کی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے اور ساتھ ہی گندے فضلات کو چھانٹ دیتی ہے اور جسم میں صالح ہو کر جذب کرنے کی صلاحیت پیدا کرتی ہے لیکن ان فوائد کے ساتھ ساتھ جب اس کے اثرات بڑھتے جاتے ہیں تو انہی چیزوں کے لیے سخت نقصان کا باعث ہوتی ہے۔ اس کے اثرات بڑھنے کا سبب یہ ہوتا ہے کہ اس کو ایک دفعہ شروع کرنے کے بعد خواہ وہ دوا کے طور پر ہی کیوں نہ کیا جائے چھوڑنا مشکل ہو جاتا ہے۔ گویا یہ تھوڑے ہی عرصہ میں ایک ایسی عادت بن جاتی ہے جس کا چھوڑنا تقریباً ناممکن ہے۔ اس کو چھوڑنا بھی بجائے فوائد کے باعث صد نقصان ہے۔

(2) حرکت و عمل

حرکت و عمل میں تین چیزیں اہم ہیں: (۱) ورزش (۲) مالش (۳) حمام۔

یادداشت: جاننا چاہیئے کہ یہ تین چیزیں اس لئے اہم ہیں کہ جسم انسان پر ان کے اثرات سے فضلات اندر نہیں رُکتے اور اخراج پا جاتے ہیں۔ ان کی ضرورت اس لئے اور بھی زیادہ ہے کہ دُنیا میں کوئی غذا بھی ایسی نہیں جس کا فضلہ نہ بنے اور اسی طرح کوئی دوا بھی ایسی نہیں جو ان فضلات کو پوری طرح جسم سے خارج کر دے اور اس کا نقصان طبیعت کو نہ پہنچے۔ اس لئے اس مقصد کے حصول کے لئے ایک ہی صورت ہے کہ جسم کو حرکت و عمل کی عادت ڈالی جائے۔ اس میں ورزش ایک ایسی چیز ہے جس میں بغیر کسی اور تدبیر اور خرچ کے انسان اپنا مقصد حاصل کر سکتا ہے۔ مگر مالش اور حمام میں ایک خاص اہتمام کی ضرورت ہے۔ بہر حال ضرورت کے وقت ان کا استعمال لازمی اور مفید ہے۔ کیونکہ اگر یہ فضلات جسم کے اندر چھوڑ دیئے جائیں تو اکٹھے ہو کر تین قسم کا نقصان پیدا کرتے ہیں: ① ان میں تعفن پیدا ہو کر جسم کی رطوبات برباد ہونا شروع ہو جاتی ہیں۔ ② رطوبات کی زیادتی حرارت غریزی کو ضائع کرنا شروع کر دیتی ہے۔ ③ مادے کی رکاوٹ رگوں یا آنتوں میں سدے پیدا کرنے کا باعث ہوتی ہے۔ ان فضلات کا اخراج جس احسن طریقہ پر ورزش، مالش اور حمام سے ہو سکتا ہے۔ وہ کسی اور دوا و تدبیر سے ممکن نہیں۔ اس کے علاوہ ورزش،

مالش اور حمام کے بعد جسم اکثر ہلکا اور خوشی محسوس کرتا ہے۔ بھوک بڑھ جاتی ہے۔ جسم مضبوط ہونا شروع ہو جاتا ہے اور روز بروز زیادہ طاقت کا احساس ہونے لگتا ہے۔

(i) **ورزش**: ورزش ایک ایسی حرکت ارادیہ ہے جس میں بڑے بڑے سانس لینے کی ضرورت پڑتی ہے۔ ورزش مادی امراض کو رفع کرتی ہے۔ حرارتِ غریزیہ کو برانگیختہ کرتی ہے۔ جوڑوں کو سخت بناتی، فضلات کو تحلیل کرتی اور مسامات کو کھولتی ہے۔ اس کی دو قسمیں ہیں: ① وہ جو تمام جسم کے لئے عام ہو یعنی اس کا اثر تمام بدن پر پڑے، مثلاً دوڑنا، سیر کرنا، گھوڑا دوڑانا، کشتی کھینچنا، کشتی لڑنا وغیرہ۔ ② وہ جو صرف بعض اعضاء کے ساتھ مخصوص ہوں مثلاً اونچی آواز سے پڑھنا جس سے سر و سینہ اور آلاتِ تنفس سے فضلات پاک اور غذا کو قبول کرنے کے لئے مستعد ہوتے ہیں۔ بھاری پتھر اُٹھانا، سخت کمان کا کھینچنا، گیند بلا کھیلنا، ان سے دونوں ہاتھوں، گردن، سینہ دونوں شانوں اور پشت کا تنقیہ ہوتا ہے۔ تیز چلنا بھی خاص ورزش ہے، اس سے دونوں سرین، دونوں رانوں اور دونوں پنڈلیوں کا تنقیہ ہوتا ہے۔

یادداشت: ورزش کا وقت وہ ہوتا ہے جب بدن خلطی فضلات اور براز سے پاک ہو اور غذا ہضم ہو چکی ہو۔ اس کے لئے بہتر وقت صبح یا تیسرا پہر ہے۔ ورزش عام طور پر معتدل ہونی چاہئے۔ زیادہ شدید قسم کی ورزش بعض اوقات نقصان کا باعث ہوتی ہے۔ معتدل ورزش میں تھکن کم ہوتی ہے، دورانِ خون جلد کی طرف آ کر اس کو سرخ کر دیتا ہے اور پھیلا دیتا ہے اور ہلکا پسینہ آتا ہے۔ جب پسینے میں شدت اور جسم میں تھکن کی زیادتی محسوس ہو تو فوراً ورزش چھوڑ دینی چاہئے۔ بعض ورزشیں جسمانی اثر کے ساتھ روحانی اثرات بھی رکھتی ہیں۔ مثلاً مقابلے کی دوڑ، گھوڑ دوڑ، گیند بلا وغیرہ جن میں ورزش کے ساتھ جیتنے ہارنے کی مسرت اور افسوس بھی شامل ہوتا ہے۔ جس سے نفس میں حرکت پیدا ہوتی ہے۔

بعض ورزشوں کے فوائد: کشتی کی سیر اخلاط میں تحریک و ہیجان پیدا کرتی ہے اور اس سے جذام و استسقاء اور سکتہ کو بھی اکثر فائدہ ہو جاتا ہے۔ رات کے وقت کشتی کی سیر مقوی قلب ہے، لیکن اس میں چاند کی تیز روشنی لازمی ہے۔ تیرنے سے معدہ بہت زیادہ مقوی ہو جاتا ہے۔ تیز تیز چلنا گردوں کو صاف کرتا اور ضعفِ جگر میں بہت مفید ہے۔ باغات کی سیر باعثِ فرحتِ قلب اور دماغ میں سرور لاتی ہے۔ شدید قسم کی ورزشیں جیسے کشتی کھیلنا، پتھر اٹھانا جسم سے بلغم کو خارج کرتا ہے۔

(ii) **مالش**: مالش سے مراد یہ ہے کہ کوئی شخص کسی دوسرے شخص کے جسم کو تیل یا بغیر تیل کے ملے۔ اس کی کئی قسمیں ہیں مثلاً صلب جو اعضاء کو مضبوط بناتی ہے۔ لیّن جوڑ ھیلا کرتی ہے۔ کثیر جو متواتر کی جائے یہ اعضاء کو دُبلا کرتی ہے۔ معتدل یہ موٹا کرتی ہے۔ کھردری (جو کھردرے کپڑے یا ہاتھ سے کی جائے) یہ خون کو ظاہر بدن کی طرف جذب کرتی ہے اور نرم مالش جو نرم ہتھیلی یا نرم کپڑے سے کی جائے، خون کو بند کرتی ہے یعنی اس عضو کی طرف کھینچ کر وہاں جمع کر دیتی ہے۔

یادداشت: مالش کا طریقہ یہ ہے کہ ابتداء میں قوت کے ساتھ شروع کی جائے اور پھر آہستہ آہستہ نرم کر دی جائے۔ اگر تیل لگانا ہو تو شروع میں ہی لگا لیا جائے۔

(iii) **حمام**: حمام سے مراد بند کمرے میں گرم پانی یا گرم بخارات سے غسل کرنا ہے یا اس میں اس وقت تک ٹھہرنا ہے کہ جس سے جسم کے فضلات پسینہ کے ذریعہ اخراج پا جائیں۔ حمام کے اندر سرد پانی سے غسل کرنے کو حمام نہیں کہتے بلکہ حمام میں گرم پانی یا گرم بخارات کا استعمال لازمی ہے۔

حمام کے تین کمرے ہونے چاہئیں۔ پہلا کمرہ معتدل، دوسرا گرم تر اور تیسرا گرم خشک اور ہر کمرے میں اس کے مطابق ہی ہوا استعمال کی جائے۔ گرم کمرے میں معتدل پانی یا معتدل کمرے میں بہت تیز گرم پانی نہ استعمال کیا جائے۔ کیونکہ یہ پھریری پیدا کرتا ہے۔ اچھا حمام وہ ہے

جو عرصہ دراز کا بنا ہوا ہو، اس کے کمروں کی فضا کشادہ اور ہوا پاک صاف ہو۔ پانی شیریں ہو اور اُس میں اس قسم کا ایندھن نہ جلایا جائے جس میں کسی خاص قسم کی بو وغیرہ پائی جائے۔ حمام کو بہت زیادہ گرم نہیں ہونا چاہئے، کیونکہ وہ زیادہ تحلیل کا باعث ہوتا ہے اور اعضاء کو ڈھیلا بنا دیتا ہے۔ اور نہ ہی پانی ٹھنڈا ہونا چاہئے، کیونکہ وہ پسینہ نہیں لاتا۔ حمام کا ایسا ہونا ضروری ہے کہ جسم پر پسینہ آ جائے اور ہلکی سی حرارت حاصل کرلے۔

حمام کا طریقہ و فوائد: نہار منہ حمام کرنا بدن کو خشک کرتا ہے۔ اور پیٹ بھرا ہونے کی حالت میں موٹا بناتا ہے اور غذا کو ظاہر بدن کی طرف جذب کرتا ہے۔ لیکن ایسا حمام سدے پیدا کرتا ہے۔ اس لئے بہتر یہ ہے کہ حمام نہ تو نہار منہ کیا جائے اور نہ سیر شکم ہونے کی حالت میں۔ حمام میں کسی چیز کے کھانے پینے سے پرہیز کرنا چاہئے۔ کیونکہ ایسا کرنے سے وہ ہضم ہونے سے قبل ہی راستوں کے کشادہ ہونے کی وجہ سے دور سے اعضاء تک پہنچ جاتی ہے۔ حمام میں زیادہ دیر تک بیٹھنے سے ضعیف اعضاء کی طرف فضلات گرنے لگتے ہیں، جسم سست پڑ جاتا ہے، اعصاب کو ضرر پہنچتا ہے، حرارت غریزی تحلیل ہو جاتی ہے اور غذا کی خواہش اور قوت باہ ساقط ہو جاتی ہے۔ یہ باتیں اور مضرتیں صرف حمام میں زیادہ عرصہ بیٹھنے پر ہی موقوف نہیں بلکہ خود حمام بھی ان تمام مضرتوں کو پیدا کرتا ہے۔

یادداشت: جب تک جسم اعتدال پر نہ آ جائے اس وقت تک حمام کے پہلے کمرہ میں رہنا چاہئے۔ اور جب باہر نکلنے کا ارادہ ہو تو بدن کو خوب ڈھانپ لینا چاہئے، تاکہ ہوا نہ لگ جائے۔ جن لوگوں میں صفراء کی زیادتی ہو اُن کو گرم حمام نہیں کرنا چاہئے۔ عام طور پر خالی شکم (جب بھوک لگی ہوئی ہو) حمام کرنے سے لاغری اور خشکی پیدا ہوتی ہے۔ جو لوگ ریاضت کم کرتے ہیں، ان کو اکثر ایسا حمام کرنا چاہئے جس سے پسینہ آ جائے۔ آبِ سرد سے غسل کرنا بدن کو قوی کرتا ہے۔ مگر سردی کے وقت سرد پانی سے غسل نہیں کرنا چاہئے۔ کیونکہ اس سے کمزوری پیدا ہوتی ہے۔ بچوں، بوڑھوں اور مریضوں کو سرد پانی کے غسل سے روکنا چاہئے۔

جسم وقوت کی کثرت تحلیل اور شدید محنت

اس کے ذیل میں تین صورتیں ہیں: (۱) جسمانی اور دماغی محنت (۲) جذبات کی زیادتی (۳) مباشرت۔

(1) جسمانی اور دماغی محنت: جسمانی اور دماغی محنت کی کثرت جسم میں بہت زیادہ تحلیل پیدا کرتی ہے جس کو بدل ما یتحلل پورا نہیں کر سکتا اور ضعف واقع ہو جاتا ہے۔ عام طور پر جسمانی محنت زیادہ سے زیادہ ایک وقت میں چار گھنٹے اور پھر ایک گھنٹہ کے وقفہ کے بعد دو گھنٹہ سے زیادہ نہیں کرنی چاہئے۔ جسمانی محنت کرنے والوں کے لئے لازمی ہے کہ غذا پیٹ بھر کر کھائیں اور اُس میں گوشت کی مقدار کافی ہونی چاہئے۔ دماغی محنت کرنے والوں کے لئے زیادہ سے زیادہ ایک وقت میں تین گھنٹے اور پھر ایک گھنٹہ کے وقفہ کے بعد ڈیڑھ گھنٹے سے زیادہ دماغی کام نہیں کرنا چاہئے۔ اس سے زیادہ دماغی محنت اعصاب میں تحلیل اور اعضائے رئیسہ میں ضعف پیدا کرتی ہے۔ دماغی محنت کرنے والوں کے لئے ضروری ہے کہ اپنی غذا میں غلہ کم اور دودھ، گھی، پھل اور میوہ جات کا استعمال بہت زیادہ کریں۔ گوشت کا استعمال ان کے دل کے چاہنے کے مطابق کرنا چاہئے اور نہ چاہے تو نہ بھی کریں۔ البتہ مچھلی کا استعمال ان کے لئے بہت مفید ہے۔ جسمانی اور دماغی محنت کرنے والوں کے لئے لازمی ہے کہ وہ کبھی کبھار اپنے کام سے چھٹی کریں اور وہ وقت تفریح میں خرچ کریں۔

(2) جذبات کی زیادتی: جذبات کی شدت نہ صرف جسم میں امراض پیدا کرتی ہے بلکہ جسم کو کثرت سے تحلیل کرتی ہے۔ زیادہ کثرت زیادہ تحلیل کا باعث ہے۔ زیادہ غصہ اور غم سے دِل میں تحلیل پیدا ہوتی ہے۔ غصے کی حالت میں فوراً ٹھنڈا پانی پینا چاہئے یا لیٹ جانا چاہئے۔ غم کی حالت میں مسرت کے قیام اور خدائے رحیم کی رحمت کا تصور ذہن میں تازہ کرنا چاہئے۔ خوف کی حالت میں اعصاب تحلیل ہوتے ہیں اور بعض

اوقات بے ہوشی طاری ہو جاتی ہے۔ ایسے وقت میں خوف زدہ آدمی میں غصہ پیدا کرنا چاہئے، تاکہ خوف رفع ہو جائے۔ مسرت ولذت کے جذبات کی کثرت سے ضعفِ جگر پیدا ہوتا ہے اور بعض اوقات جگر اس قدر تحلیل ہو جاتا ہے کہ صحت خطرے میں پڑ جاتی ہے۔ اعتدال سے زیادہ لذت ومسرت میں گرفتار نہیں رہنا چاہئے اور زیادہ قہقہے بھی نہیں مارنے چاہئیں، اس سے بھی اکثر جسم میں تحلیل کی صورت پیدا ہوتی ہے۔

(3) مباشرت: مباشرت کی صورت میں ذیل کی باتوں پر شدت سے عمل کیا جائے۔

① خالی پیٹ مباشرت نہ کی جائے اور شکم سیری کی حالت میں بھی نقصان رساں ہے۔

② بیماری کی حالت میں مباشرت سے قطعاً پرہیز کیا جائے۔

③ جسم میں اگر کسی کیفیت کی زیادتی (گرمی، سردی، خشکی، تری) کا شدید احساس ہو تو اس وقت بھی مباشرت سے پرہیز کرنا چاہئے۔

④ غم، خوف اور غصہ کی حالت میں بھی اس سے دُور رہنا چاہئے۔

⑤ حیض اور نفاس کے ایام میں مباشرت سے بہت دور رہنا چاہئے۔

⑥ کم سن لڑکیوں سے پرہیز کرنا بہت ضروری ہے، کیونکہ اس سے عضوِ مخصوص میں تحلیل پیدا ہوتی ہے اور ہمیشہ کنواری لڑکیوں کے پاس جانا بھی یہی کیفیت پیدا کرتا ہے۔

⑦ بڑھیا اور بدصورت عورتوں سے بھی مباشرت نہ کی جائے۔

⑧ اغلام بازی کے قریب بھی نہیں پھٹکنا چاہئے، اس سے اعضائے رئیسہ میں بے حد ضعف اور خرابی واقع ہوتی ہے۔

⑨ کثرتِ جماع سے پرہیز کیا جائے، اس سے اعصاب کو سخت نقصان پہنچتا ہے اور عام طور پر اس سے فالج، رعشہ اور تشنج کے امراض پیدا ہو جاتے ہیں اور قلب و بینائی میں ضعف واقع ہو جاتا ہے۔

ذیل کی صورتوں میں مباشرت مفید ثابت ہوتی ہے اور صحت کو تقویت حاصل ہوتی ہے:

① جب اس کی شدید خواہش پیدا ہو یعنی بغیر کسی بیرونی تحریک کے شہوت کا غلبہ ہو۔

② مکمل تنہائی ہو، کیونکہ دوسرے کا خوف ضعفِ قلب پیدا کرتا ہے۔

③ جب جسم میں فرحت وانبساط اور ایک خاص قسم کا سرور پایا جائے۔

مباشرت سے پرہیز کرنے سے دورانِ سر، گرانی بدن، تاریکی چشم، ورمِ خصیہ اور ورم کنج ران جیسے تکلیف دہ امراض پیدا ہو جاتے ہیں اور عورتوں میں اختناق الرحم، دورانِ سر، ضعف قلب اور اکثر غشی کے دورے شروع ہو جاتے ہیں۔

ذیل کی چیزیں شہوت کو بڑھانے والی ہیں: (۱) پیڑو کے بالوں کو مونڈنا (۲) لذیذ اغذیہ کا استعمال (۳) عشق ومحبت کے قصے اور افسانے پڑھنا (۴) سریلی آوازوں اور نغموں کا سننا (۵) رقص وسرود کا دیکھنا وغیرہ۔

یادداشت: مباشرت کے روز نہانا دھونا، خوشبو لگانا، عمدہ کپڑے پہننا ضروری ہے۔ متعفن اور گندے مقام سے دور رہنا چاہئے، مباشرت کی تمام شکلوں میں بدترین صورت یہ ہے کہ عورت مرد کے اوپر آئے، اس طرح مرد کے اعصاب اور اعضائے مخصوصہ میں نقصان واقع ہوتا ہے۔ صحیح صورت یہ ہے کہ مرد اوپر ہو۔ مباشرت سے قبل پہلے آپس میں خوشی ومسرت کی باتیں کرنی چاہئیں اور جسم کے مخصوص حصوں میں مساس کرنا چاہئے اور جب تک جسم میں جوش اور لذت کی شدت پیدا نہ ہو اس وقت تک مباشرت نہیں کرنا چاہئے۔ اس سے میاں بیوی دونوں کے انزال میں سہولت ہوتی ہے اور دونوں کا انزال ضروری ہے۔ اگر یہ صورت نہ ہو تو اعضائے رئیسہ میں نقصان واقع ہوتا ہے اور اوپر ذکر کردہ خراب امراض پیدا ہو جاتے

ہیں۔ مباشرت اگر ضرورت کے مطابق کی جائے تو اس سے جسم ہلکا پھلکا محسوس ہوتا ہے، تھکن دور ہو جاتی ہے، اس کے بعد بہت اچھی تسلی بخش نیند آتی ہے۔ بھوک بڑھ جاتی ہے اور جسمانی و دماغی محنت کرنے کو جی چاہتا ہے اور اگر اس کے بعد تھکن، سستی اور کمزوری واقع ہو تو یہ جان لیں کہ مواصلت ضرورت کے مطابق نہیں کی جا رہی بلکہ لذت و شوق کے تحت عمل میں لائی گئی ہے۔ یہ صورت نقصان رساں ہے اور اس سے ضعف اعضائے رئیسہ پیدا ہوتا اور بڑھاپا جلد آتا ہے۔

مباشرت کے بعد تھوڑی دیر سونا لازمی ہے۔ بعض لوگ اس کے بعد دودھ، حلوہ یا کوئی اور مقوی غذا یا دوا استعمال کرنے کے عادی ہوتے ہیں تاکہ مواصلت کا بدل ما یتحلل ہو جائے، لیکن یہ عادت بجائے فائدہ کے نقصان دہ ہے۔ کیونکہ اُس وقت دورانِ خون میں تیزی ہوتی ہے اور وہ دور دور سے اپنے فضلات کا اخراج کر رہا ہوتا ہے اور ایسے وقت پر کھانے سے اُن کا ایک طرف اخراج رُک جاتا ہے اور دوسری طرف طبیعت نئی کھائی ہوئی چیز کی طرف پوری طرح توجہ نہیں دیتی اور اس میں فساد پیدا ہو جاتا ہے۔ کم از کم گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ کے بعد جب بدن اعتدال پر آ جائے، تو اوّل غسل کیا جائے اور بعد میں کچھ کھایا جائے۔ اور اگر ایسی عادت پڑ گئی ہو تو ایسے موقع پر جو چیز مفید ہو سکتی ہے وہ پان ہے اور اگر خوشبودار ہو تو اور زیادہ بہتر ہے۔

عورتوں کو ایامِ حمل اور زمانۂ رضاعت میں جب تک بچہ دودھ نہ چھوڑ دے، مباشرت سے پرہیز کرنا چاہئے۔ کیونکہ اس سے بچہ کی صحت پر بہت برا اثر پڑتا ہے اور اس کو اکثر اسہال، پیچش اور بخار کی شکایت رہتی ہے اور بعض اوقات دق الاطفال اور ام الصبیان جیسے امراض پیدا ہو جاتے ہیں۔ جس سے بچہ سوکھ کر کانٹا ہو جاتا ہے۔ بچہ کو دو سال تک دودھ پلانا ضروری ہے۔

تندرست آدمی کو محض شوق کی خاطر مقوی باہ یا ممسک ادویہ کا استعمال نہیں کرنا چاہئے کیونکہ وہ نہیں جانتا کہ وہ کن اعضاء کے لئے مفید ہے اور اکثر اوقات کسی عضو کو زیادہ تیز کرنے سے بھی اس میں ضعف پیدا ہو جاتا ہے اور اسی طرح طلاء وغیرہ کا استعمال بھی بجائے فائدہ کے نقصان دہ ہے۔ یہ سب چیزیں مریضوں کے لئے ہونی چاہئیں۔

تاکید: بعض لوگ حمل کی روک تھام کے لئے ایسی صورتیں عمل میں لاتے ہیں جس سے قرارِ حمل میں رکاوٹ ہو، مثلاً عزل (انزال کے وقت عضو مخصوص کو باہر نکال دینا)، عضو مخصوص پر باریک کپڑا یا ربڑ کی تھیلی (فرنچ لیدر) یا عورتوں کے جسم میں مواصلت کے بعد ایسی ادویات کا رکھنا جن سے نطفہ ضائع ہو جائے، یہ ساری صورتیں مرد و عورت دونوں کے لئے مضرت رساں ہیں۔ ان سے دِل و دماغ، دونوں پر بُرا اثر پڑتا ہے اور منی کے صحیح طور پر خارج نہ ہونے کی وجہ سے بعض اوقات مردوں کو جنون، مالیخولیا اور دورانِ سر کی شکایت پیدا ہو جاتی ہے اور عورت میں اختناق الرحم اور سیلان وغیرہ کے امراض پیدا ہو جاتے ہیں۔ اسقاطِ حمل بھی عورتوں کی صحت پر بہت بُرا اثر ڈالتا ہے۔ ایک اسقاط دس بچوں کی پیدائش کے برابر اثرات رکھتا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ بچے کی پیدائش سے عورت کی صحت پر برا اثر نہیں پڑتا بلکہ اس کے لئے توانائی کا اثر رکھتا ہے۔ ہر بچہ جو پیٹ میں پرورش و نشو و نما پاتا ہے، اور اس میں زندگی کے نئے آثار پیدا ہوتے ہیں، تو اس کی اس نمو کا اثر ماں پر بھی پڑتا ہے اور اس میں نئی زندگی اور حرارت پیدا کر دیتا ہے۔

تدابیر موسم

موسم بھی انسان پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ اس لئے ان کے غیر معمولی اثرات سے بچنے کی تدابیر کرنی چاہئیں۔ خصوصاً ان لوگوں کو جن کے مزاج کے لئے تکلیف دہ ہوں، علاج کے دوران میں بھی موسم کا خیال رکھنا چاہئے۔ کیونکہ بعض امراض بعض موسموں میں مشکل العلاج ہوتے ہیں۔ اور بعض موسموں میں تیز اور تند ادویہ استعمال نہیں کی جا سکتی۔ چند ضروری باتیں درج ذیل ہیں۔

① موسم بہار کے اوائل میں جلدی فصد اور اسہال کرایا جائے اور تمام گرم تر چیزوں سے پرہیز کیا جائے۔

② موسم گرما میں غذا شراب اور ورزش میں کمی کر دی جائے۔ سایہ میں بیٹھنا، جسم کو دھوپ سے بچانا، آرام وستائش سے رہنا، گرمی بجھانے والی اشیاء کا استعمال اس موسم میں لازمی ہے۔ عادی لوگوں کو قے کرانے میں بھی تاخیر وتساہل نہ کریں۔

③ خزاں میں خشکی پیدا کرنے والی باتوں، جماع، سرد پانی، سرد مکان میں سونے، دوپہر کی دھوپ، صبح اور رات کی سردی، تر میووں کے کھانے سے پرہیز کرنا ضروری ہے۔ نیز اس کے اوائل میں استفراغ کیا جائے۔ تمام ایسی چیزیں کھائی جائیں جو کسی قدر تر اور گرم ہوں۔

④ موسم سرما میں فصد اور قے سے پرہیز لازمی ہے۔ مگر بقدر ضرورت اسہال کی اجازت ہے۔ اس موسم میں غذا کا بکثرت مگر بقدر ہضم استعمال کریں۔ کیونکہ اس موسم میں ہضم اچھا ہو جاتا ہے۔

یادداشت: حاملہ عورت کو فصد، سینگیاں، اسہال اور قے سے پرہیز کرنا چاہئے۔ البتہ اشد ضرورت کے وقت اجازت ہے۔ اسی طرح حمل کے دوران میں شدید خوف، غصہ، ہولناک آوازوں نیز تیز خوشبوؤں سے پرہیز کرنا چاہئے۔

طبِّ عملی

❷ علم العلاج

طریقۂ علاج کا نام

طب یونانی میں جس طریق سے علاج کرتے ہیں، اس کا نام علاج بالضد ہے۔ یعنی ہر علامت، صورت اور کیفیت کا علاج اُس کی ضد ادویات کے ساتھ، مثلاً اگر اسہال اور قے آ رہے ہوں تو بند کر دیئے جائیں، درد اور ورم کی صورت ہو تو اُن کو دور کر دیا جائے اور اگر گرمی ہو تو سرد ادویات استعمال کرائی جائیں اور اگر سردی ہو تو گرم ادویہ کا استعمال کیا جائے، وغیرہ۔ مگر بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ علاج بالشل پر عمل درآمد کرنے والے معالجین بھی کامیابی سے علاج کر رہے ہیں اور اگر ان کو نظر انداز بھی کر دیا جائے تو خود ہمارے اطباء جو علاج بالضد کے قائل ہیں۔ بارہا علاج بالشل کے اصول سے کام لیتے ہیں مثلاً قولنج کا علاج افیون سے کرتے ہیں۔ حالانکہ دونوں سرد ہیں۔ حمّی صفراوی کا علاج سقمونیا سے کرتے ہیں، حالانکہ صفراء اور سقمونیا دونوں گرم ہیں۔ اسی طرح بارہا قے کا علاج قے سے اور اسہال کا علاج اسہال سے کیا جاتا ہے۔ پھر ہم اس طریقہ علاج کو علاج بالضد کیوں کہتے ہیں۔

اس کے جواب میں جاننا چاہئے کہ ہر طریقہ علاج عقل، تجربات اور مشاہدات پر مبنی ہوتا ہے۔ مثلاً تجربہ ہمیں بتاتا ہے کہ سردی گرمی سے دور ہو جاتی ہے اور گرمی سردی سے اس طرح ترشی کھاری پن سے ٹوٹ جاتی ہے اور کھاری پن ترشی سے رفع ہو جاتا ہے اور جسم کا ضعف طاقت ور ادویات سے دور ہو جاتا ہے۔ اسی طرح ہمارا روزانہ کا مشاہدہ ہے کہ جو چیز ایک دوسرے کی ضد ہوتی ہے ان میں سے ہر ایک کا یہ طبعی تقاضا ہوتا ہے کہ دوسری کو توڑ کر اس کی جگہ لے لے اور اس جدوجہد میں جو غالب ہوتی ہے، اسی کا اثر ہوتا ہے، آگ پانی میں یہی قدرتی مشاہدہ نظر آتا ہے۔ عقلاً بھی ہم دیکھتے ہیں کہ اگر گرم امراض میں گرم ادویہ واغذیہ، سرد امراض میں سرد اغذیہ وادویہ اور اسی طرح سرد اور تر امراض میں سرد اور تر اغذیہ و اشربہ استعمال کی جائیں تو مرض میں اضافہ ہوتا ہے نا کہ کمی تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ ہم ہر علامت، صورت اور کیفیت کا بالضد علاج نہ کریں۔

رہا قولنج کا علاج افیون سے تو یہ دراصل قولنج کا علاج نہیں بلکہ قولنج کی حالت میں شدید قسم کے درد کو روکنے کی صورت ہے کیونکہ قولنج اُس سدّے کا نام ہے جو سردی کی وجہ سے آنتوں میں پھنس جاتا ہے اور یہ افیون سے کبھی دور نہیں ہو سکتا۔ لیکن چونکہ سدّے کے اخراج پر اتنا وقت صرف ہوتا ہے کہ اس وقت تک مریض درد کی شدت میں مبتلا رہنا برداشت نہیں کر سکتا۔ اس لئے وقتی طور پر افیون کا استعمال کیا جاتا ہے وہ قولنج کا نہیں بلکہ درد کے احساس کا علاج ہے اور اس کا علاج افیون سے کرنا صحیح معنوں میں علاج بالضد ہے۔ اسی طرح حمّی صفراوی سقمونیا سے دور نہیں ہوتا بلکہ صفراء کی ضرورت کے مطابق کمی کی وجہ سے بخار کا قیام ہوتا ہے اور اس کمی کو سقمونیا کے استعمال سے پورا کیا جاتا ہے جس سے مادۂ صفراوی اخراج پا جاتا ہے، اسی لحاظ سے سقمونیا کا عمل بھی اس کا علاج بالضد ہے۔ ایسے ہی قے اور اسہال کا علاج قے اور اسہال سے بھی قے اور اسہال کا علاج

نہیں ہوتا۔ بلکہ اُس قوت کا علاج ہوتا ہے جس کی کمی کی وجہ سے طبیعت قے اور اسہال کے ذریعہ فاسد مواد کو پوری طرح خارج نہیں کر سکتی۔ اس لئے قے اور اسہال کی کمی کو قے و اسہال کی ادویات سے تیز کیا جاتا ہے، تاکہ مواد فاسد کا اخراج ہو جائے اور اُس کے بعد اکثر خود ہی قے و اسہال بند جاتے ہیں یا اُن کو بالضد ادویات سے بند کر دیا جاتا ہے۔

یادداشت: علاج بالمثل بھی دراصل علاج بالضد ہے، اس کی تفصیل ہماری کتاب ہومیو پیتھک ریسرچ میں ملاحظہ فرمائیں زیرِ طبع ہے۔

طریقۂ علاج: طب یونانی میں علاج تین صورتوں سے کیا جاتا ہے۔ (۱) علاج بالتدبیر (۲) علاج بالدوا (۳) علاج بالید یا دستکاری۔

علم العلاج

علاج بالتدبیر | علاج بالدوا | علاج بالید

(1) علاج بالتدبیر: طریقہ علاج اسبابِ ستہ ضروریہ یعنی غذا پانی وغیرہ میں مناسب تصرف کرنے سے کیا جاتا ہے جس کا ذکر علم الاسباب میں ہو چکا ہے۔

یادداشت: اسبابِ ستہ ضروریہ کے ساتھ ساتھ کیفیات کو بھی مدنظر رکھا جاتا ہے، یعنی گرم کیفیات کے مریضوں کی گرم کیفیات کو سرد ماحول اور سرد اغذیہ و ادویہ اور دیگر تدابیر سے بدلنے کی کوشش کی جاتی ہے اور اسی طرح سرد خشک اور تر کیفیات کے مریضوں کی کیفیات کو بدلنے کے لئے ان کے برعکس تدابیر اختیار کی جاتی ہیں۔

(2) علاج بالدوا: علاج بالدوا میں ہر قسم کی ادویہ و اغذیہ اندرونی اور بیرونی طور پر استعمال کرائی جاتی ہیں اور ان میں بالضد کا خیال مدِنظر رکھا جاتا ہے۔

یادداشت: بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ جس ملک کا علاج ہو اس ملک کی ادویہ استعمال کرنی چاہئیں اور باہر سے نہ منگائی جائیں۔ یہ اعتراض بہت حد تک صحیح ہے، کیونکہ ہر ملک کی ادویات وہاں کے رہنے والوں کے زیادہ مناسب اور مزاج کے زیادہ قریب ہوتی ہیں، لیکن جو ادویہ اپنے ملک میں دستیاب نہ ہوں ان کو باہر سے منگوانا کوئی بری بات نہیں۔ لیکن اُن ادویات کے مزاج، کیفیات اور خواص و فوائد سے پوری آگاہی ہونی چاہئے۔ اس وقت بھی طب یونانی میں بے شمار دوائیں ایسی ہیں جو غیر ممالک سے درآمد کی جاتی ہیں۔ جیسے سنا کی جو مکہ سے آتی ہے، اور دیگر اقسام سناء سے بہتر ہے۔ ثعلب مصری سے اور صبر ثقوطری جو ترکی کے علاقہ ثقوطر سے درآمد کی جاتی تھی۔

(3) علاج بالید یا دستکاری: اس صورت علاج میں اعضائے جسم کو ضرورت کے مطابق چیرنا پھاڑنا، جوڑوں کا درست کرنا اور بٹھانا، بعض امراض میں حصہ جسم میں داغنا، فصد و حجامت، امالہ مرض اور ٹوٹی ہوئی ہڈی کا جوڑنا وغیرہ شامل ہیں۔

یادداشت: دوا سے علاج کرنے میں اس امر کو ضرور ملحوظ رکھیں کہ اگر کیفیات اور مزاج کے مطابق دوا کی بجائے صرف غذا یا غذائے دوا سے علاج ہو سکتا ہو تو زیادہ بہتر اور افضل ہے۔ پھر اگر یہ ممکن نہ ہو، تو پہلے ہلکے مزاج کی ادویات سے علاج شروع کیا جائے اور مرض کی انتہائی اور شدید حالت میں تیز قسم کی شدید ادویات برتنی چاہئیں۔

علاجِ کلی

مندرجہ بالا طریقہ ہائے علاج کا ہم ذیل میں صرف اس قدر ذکر کریں گے جس سے ان کے کلی اصول بیان ہو جائیں، کیونکہ دورانِ علاج ذہن نشین نہ ہوں تو علاج صحیح طور پر نہیں ہو سکتا۔ علاج میں صرف یہ جاننا کافی نہیں ہوتا کہ فلاں مرض کی فلاں دوا ہے، بلکہ چند احکام بھی مدنظر رکھنے پڑتے ہیں۔ اور اُن کے تحت بعض اوقات ادویات میں کمی بیشی، کبھی غذا میں تغیر وتبدل، کہیں ماحول میں تبدیلی اور بعض وقت مریض کے نفسانی اور کیفیاتی اثرات کو دور کرنا ضروری ہوتا ہے۔ اس لئے صرف کسی مرض کی دوا استعمال کر دینا علاج کے لئے کافی نہیں بلکہ علاج کے امورِ کلی کو ذہن نشین کرنا بہت اہم ہے۔ بلکہ ہر مرض کے اصولِ کلی ذہن نشین رکھنے چاہئیں جن کا ذکر کچھ یہاں اور کچھ ''کتاب العلاج'' میں تفصیل سے بیان ہوگا۔

ذیل میں ہم علاج کے جن اصولِ کلی پر بحث کریں گے وہ یہ ہیں: (۱) احکامِ غذا (۲) احکامِ دوا (۳) احکامِ استفراغ (۴) احکامِ امالہ (۵) احکامِ فصد وحجامت۔

احکامِ غذا

غذا کے متعلق سب سے اہم بات یہ ہے کہ بغیر شدید بھوک کے مریض کو غذا بالکل نہ دیں اور جب وہ بھوک سے غذا کے لئے اصرار کرے تو اوّل اس کو لطیف اغذیہ مثلاً دودھ کا پانی، پھلوں کا رس، چائے کا پانی یا چائے، رقیق شوربا، انڈے کی سفیدی یا انڈے کی زردی کا شوربا وغیرہ استعمال کرائیں اور جب ان کے بار بار کھانے سے بھی بھوک رفع نہ ہو تو انہی لطیف اغذیہ میں گھی کا اضافہ کر دیں۔ مثلاً دودھ یا گھی ملا ہوا دودھ یا گھی والی چائے اور شوربے میں گھی وغیرہ اور اگر اس کے بعد بھی مریض بھوک کی شکایت کرے تو دلیا، چاول، خشکہ، ڈبل روٹی اور چپاتی کا چھلکا وغیرہ دیں۔ مگر جس ترکاری کے ساتھ ان کا استعمال کرائیں اُن میں گھی بہت زیادہ ہونا چاہئے۔ اس کے علاوہ یہ بھی ذہن نشین رکھیں کہ غذا کا وقفہ کم از کم چھ گھنٹے ضرور ہونا چاہئے۔ تاکہ طبیب کو تسلی ہو جائے کہ پہلے کھائی ہوئی غذا ضرور ہضم ہو گئی ہے۔

یادداشت: یاد رہے کہ غذا کو ہضم کرنے کے لئے حرارت کی ضرورت ہے اور جسم میں حرارت کی کمی کے وقت جو غذا مریض یا تندرست آدمی کھاتا ہے، وہ ہضم نہ ہونے کی صورت میں اندر متعفن ہو کر باعث فساد ہوتی ہے۔ اس لئے اگر جسم میں حرارت کی کمی ہو تو ثقیل اغذیہ، مثلاً چپاتی، نیم سخت گوشت اور روغنی اغذیہ بند کر دینا چاہئیں اور جب غذا پوری طرح ہضم ہو تو پھر تھوڑا تھوڑا کر کے غذا شروع کرائیں۔ مریض کا بغیر حرارتِ جسم کے غذا کا استعمال کرنا ایک قسم کا جرم ہے۔ اس کے ساتھ یہ بھی مدِنظر رکھنا چاہئے، بغیر ضرورت ٹھنڈی اغذیہ واشربہ مثلاً شربت، لسی وغیرہ سے پرہیز کرانا چاہئے، اور اسی طرح بغیر ضرورت مسہلات اور مدارات کا استعمال بھی منع ہے۔ کیونکہ ان سے جسم کی حرارت کم ہو جاتی ہے۔ غذا میں ذیل کے احکام کو خاص طور پر مدِنظر رکھیں۔

① حرارت کے وقت مریض کو غذا سے روک دینا چاہئے۔ مثلاً جب جسم میں امتلاء زیادہ ہو، کیونکہ اُس وقت طبیعت مواد کو رفع کر رہی ہوتی ہے اور جسم میں اکثر تعفن ہوتا ہے، ایسی حالت میں غذا بھی متعفن ہو کر باعثِ نقصان ہوتی ہے۔ اسی طرح جب مرض رفع ہو رہا ہو، کیونکہ اس وقت جسم مرض کو رفع کر رہا ہوتا ہے اور غذا کی زیادتی سے طبیعت اُسے چھوڑ کر غذا کی طرف متوجہ ہو جائے گی اور مرض رُک جائے گا یا دوبارہ شدت اختیار کر لے گا۔ باری کے بخاروں میں باری کے اوقات پر اُس دن غذا بند رکھنی چاہئے۔ اور جب تک باری گزر نہ جائے۔

غذا نہ دینی چاہئے۔

(۲) جب مریض کو بھوک زیادہ تنگ کرے اور وہ بار بار اس کی شکایت کرے تو اس کو اس قسم کی غذا دینی چاہئے جس میں مقدار کی زیادتی مگر تغذیہ میں کمی ہو۔ مثلاً سبزیوں کا استعمال بغیر دودھ کے چائے اور چاول وغیرہ اور اگر اس کے بعد بھی بھوک کی زیادتی رہے تو ان اغذیہ کے ساتھ گھی کی مقدار بڑھا دینی چاہئے، لیکن کوشش کی جائے کہ اُس کی غذا میں نشاستہ دار اغذیہ نہ ہوں یا بہت کم ہوں۔ یاد رہے کہ بھوک کی زیادتی اکثر معدے کی سوزش یا خشکی کا نتیجہ ہوتی ہے۔

(۳) بعض اوقات مریض کی بھوک بالکل بند ہوتی ہے اور وہ نقاہت محسوس کرتا ہے۔ ایسی حالت میں قلیل مقدار میں مقوی اور زود ہضم اغذیہ استعمال کرائی جائیں جیسے شوربا یا انڈے کی زردی وغیرہ۔ ان سے طاقت بھی بحال رہے گی اور ہاضمہ پر زیادہ بوجھ نہیں پڑے گا۔ بھوک کی کمی بعض وقت معدے میں رطوبات اور بلغم کی زیادتی سے ہوتی ہے، اور کبھی ضعفِ جگر سے پیدا ہوتی ہے۔

(۴) جب بدن میں ضعف کے ساتھ رطوبات کی زیادتی ہو تو غذا مقدار اور کیفیت دونوں کے اعتبار سے کم کرا دی جائے۔

(۵) جب جسم میں غذا کو ہضم کرنے کی استعداد زیادہ ہو جائے اور طبیعت صحت کی طرف راغب ہو تو غذا مقدار اور کیفیت دونوں میں بڑھا دی جائے۔

(۶) جب آنتوں اور جگر میں خرابی ہو تو ایسی غذا استعمال کرائی جائے جو معدے میں ہی ہضم ہو جائے۔ جیسے نشاستہ دار اور لحمی اغذیہ۔

(۷) اسی طرح جب معدے میں خرابی ہو تو ایسی غذائیں استعمال کرائی جائیں جن میں معدے کو زیادہ تکلیف نہ کرنی پڑے اور وہ جگر اور آنتوں میں ہضم ہو جائیں۔ جیسے روغنی اغذیہ۔

(۸) جس وقت جسم میں سُدّوں کا احتمال ہو تو اُس وقت ہر غذا کے ساتھ روغنی اشیاء کا اضافہ کر دیا جائے، جیسے گھی، دودھ اور بادام وغیرہ۔

(۹) جب تک جسم کے اندر مواد ہو تو اس وقت تک غذا خصوصاً مقوی اغذیہ کا استعمال بند رکھنا چاہئے۔ جب فضلات کا اخراج ہو جائے اور اعضاء میں غذا کی طلب کی استعداد پیدا ہو جائے تو اس وقت مقوی اغذیہ کو شروع کرایا جائے۔ لیکن اگر ضعف کا خطرہ ہو تو مقوی اغذیہ قلیل مقدار میں استعمال کرائی جائیں۔

(۱۰) گردوں کے امراض میں محلول اغذیہ مثلاً دودھ چائے اور پھلوں کا رس استعمال کرائے جائیں۔ آنتوں کے امراض میں اور خصوصاً جب پیچش ہو غذا میں بندش کر دینا چاہئے یا صرف دودھ کا پانی اور انڈے کی سفیدی استعمال کرائی جائے۔ اسی طرح نزلے کی حالت میں غذا بالکل روک دی جائے۔ اور اگر مریض اصرار کرے تو خشک اغذیہ مثلاً چنے، مکئی اور باجرہ کی روٹی اور یہ پسند نہ کرے تو صرف گندم کی روٹی بغیر ترکاری کے دی جائے۔ بخار کی حالت میں غذا بالکل بند کر دینا چاہئے اور مریض اصرار کرے تو صرف پھلوں کا رس استعمال کرائیں، قبض کے مریضوں کو عام طور پر زیادہ مقدار میں غذا استعمال کی جائے لیکن اُس کے ساتھ روغنی اغذیہ کی مقدار نمبر ۳ کی مقدار سے زیادہ ہونی چاہئے۔

احکامِ دوا

دوا سے علاج کے دوران میں مندرجہ ذیل امور کی رعایت کرنی چاہئے۔

(1) مزاج مریض: (۱) مرض کی نوعیت کہ آیا مرض گرم ہے یا سرد۔ (۲) مرض کا سبب، بادی سابق یا شرکی ہے۔ (۳) مریض کی قوت و ضعف۔ (۴) مریض کا نیا مزاج جو مرض کی وجہ سے پیدا ہو گیا ہے۔ (۵) مزاج طبعی یعنی مریض کا اصل مزاج جو صحت کی حالت میں ہوتا ہے۔ (۶) عمر۔

(۷) عادات مثلاً مریض مسہلات، مقویات و فصد وغیرہ کا عادی ہے یا نہیں۔ (۸) مقام، جس مقام پر مریض رہتا ہے وہ گرم ہے یا سرد۔
(۹) موجودہ موسم۔ (۱۰) ہوا کی کیفیت۔

(2) دوا کی کیفیت: دوا استعمال کرنے سے قبل اس کا تعین اور اختیار کرنا ضروری ہے جو مریض کے مزاج کے مطابق ہو اور اس میں ذیل کی باتوں کو مدِنظر رکھنا چاہئے۔

① کیفیتِ مرض، مرض کی کیفیات میں شدت ہو تو ادویات بھی اتنی ہی طاقت کی استعمال کرنا چاہئیں۔
② جسم کا مزاج، مثلاً گرم مزاج شخص کو اور زیادہ گرمی پہنچ گئی ہو تو اس کو فوراً زیادہ ٹھنڈا کرنا مناسب نہیں اور اسی طرح اس کے برعکس۔
③ وقت، موسم اور ملک کے مطابق ادویات استعمال کرنی چاہئیں۔ مثلاً سردی کے موسم میں زیادہ سرد اور گرم ادویہ گرمی کے موسم میں استعمال کرنے سے پرہیز کیا جائے اور معتدل ادویہ استعمال کی جائیں۔

(3) اوقات استعمال: اس کے فیصلے میں بھی چند باتوں کا لحاظ کرنا چاہئے۔

① مرض کے اوقات ابتداء اور انتہاء کے اعتبار سے یعنی مرض کس حالت میں ہے۔
② مریض کی قوت، اگر مریض قوی ہو تو استفراغ میں دیر نہ کی جائے لیکن اگر قوت ضعیف ہو تو استفراغ کرنے میں اس وقت تک دیر کریں جب تک بذریعہ غذا قوت کو نہ لوٹایا جائے۔
③ موسم کی مناسبت، جیسے موسم سرما میں دوپہر کے وقت اور گرما میں صبح کے وقت استفراغ کیا جائے۔

یادداشت: ورم کی حالت میں اس امر کو خاص طور پر ملحوظ رکھیں کہ اُس کی ابتدا ہے تو رادع ادویہ کا استعمال کریں۔ درمیانی حالت میں رادع اور محلل ادویہ ملا کر استعمال کریں اور اگر انتہاء ہے تو صرف محلل ادویہ برتنی چاہئیں۔

(4) ادویات کا استعمال:

① صحیح تشخیص کے بعد صحیح تجویز کی ہوئی دوا استعمال کرائیں۔ جب تک تشخیص و تجویز میں شک ہو، دوا استعمال نہ کرائیں بلکہ ایسی صورت میں بہتر یہ ہے کہ صرف غذا روک دیں اور تسلی ہونے پر دوا استعمال کرائیں۔
② جہاں تک ممکن ہو، مفرد دوائیں استعمال کرائیں اور دوائیں بھی جب تک ہلکی دوا سے کام چل جائے، تیز ادویہ استعمال کرنے کی کوشش نہ کریں۔
③ جہاں تک ممکن ہو کم ادویہ کا نسخہ استعمال کریں۔
④ زہریلی ادویات سے حتی الامکان پرہیز برتیں۔
⑤ جن ادویات کے خواص کیفیات کا علم نہ ہو یا جس مرکب کے اجزاء پوری طرح نہ جانتے ہوں ان کو استعمال نہ کریں۔
⑥ کسی مرض کو دور کرنے کے لئے اس وقت تک کوئی دوا نہ دیں جب تک مریض کی کیفیات اور مزاج کو درست نہ کرلیں۔
⑦ جسم میں فاسد مواد اور فضلات کی موجودگی میں مقویات کا استعمال نہ کرائیں، ایسی حالت میں وہ مرض کی زیادتی کا باعث ہوتی ہیں۔
⑧ کسی عضو کی مقوی دوا اس وقت استعمال کریں جب اس عضو کو دوا کے جذب کرنے کے لئے تیار کرلیا ہو۔
⑨ بغیر سوچے سمجھے شدید مسہلات، مدرات اور مقویات استعمال نہ کرائیں۔
⑩ مواد کو اعضائے رئیسہ کی طرف امالہ کرنے کی کوشش نہ کریں۔

(۱۱) مریض جس مرض یا علامت کا ذکر کرے، فوراً اس کے لئے دوا اٹھا کر نہیں دے دینی چاہئے۔ بلکہ خود تشخیص کریں اور پھر دوا تجویز کرنا چاہئے۔ کیونکہ ممکن ہے کہ جب مریض پیٹ کے درد کا ذکر کرے تو وہ درد آنتوں میں ہو یا جگر وغیرہ میں۔ اسی طرح یہ درد ریح بھی ہوسکتا ہے، سوزش سے بھی اور اس مقام پر ورم بھی ہوسکتا ہے۔

(۱۲) مریض اگر گرمی کی شکایت کرے تو اس کے لئے بغیر سوچے سمجھے تدبیر تجویز نہ کریں کیونکہ بے چینی اکثر ریاح کی شدت اور کسی عضو کے انقباض کی وجہ سے ہوتی ہے۔ اور ان کے لئے گرم ادویات کی ضرورت ہوتی ہے۔ جس طرح ہیضے کا مریض گرمی کی زیادتی اور پیاس کی شدت کا اظہار کرتا ہے اور اُس کے لئے سرد پانی زہر قاتل ہے۔

احکام استفراغ

استفراغ کے معنی جسم کو فضلات سے فارغ کرنا ہے۔ اطباء کی اصطلاح میں لفظ استفراغ سے اُن چیزوں کا بدنِ انسان سے خارج کرنا مراد ہے کہ اگر وہ چیزیں باقی رہ جائیں تو بدن میں طرح طرح کا فساد پیدا ہو کر افعال انسانی صحیح طور پر صادر نہیں ہوسکتے۔ اور یہ ذیل کی صورتوں سے کیا جاتا ہے: (۱) بذریعہ مسہل یا ملین (۲) بذریقہ حقنہ (۳) فصد (۴) قے (۵) حجامت (۶) حمام یا (۷) علق یا سینگیاں۔

یادداشت: ان استفراغات میں مسہل قے اور فصد عمومی ہیں اور باقی مقامی۔ عمومی استفراغ عام طور پر اس وقت کیا جاتا ہے جب مواد تمام جسم میں پھیلا ہوا ہو یا دوسرے الفاظ میں اخلاط میں اثر انداز ہو۔ اور مقامی استفراغ اُس وقت کیا جاتا ہے جب مادہ کسی خاص مقام پر رُکا ہوا ہو۔

شرائط استفراغ: ہر استفراغ میں ذیل کے امور کو ضرور مدنظر رکھا جائے: (۱) امتلاء (۲) قوت (۳) مزاج (۴) فربہی اور لاغری (۵) عوارض لازمہ (۶) عمر (۷) وقت (۸) ملک (۹) پیشہ (۱۰) عادت۔

(۱) **امتلاء:** اس سے مراد جسم کا مواد سے بھرا ہونا ہے۔ جب تک جسم میں مواد پایا جائے، استفراغ درست ہے اور بدن مواد سے خالی ہونے پر استفراغ روک دیا جائے۔

(۲) **قوت:** قوت سے مراد یہ ہے کہ مریض کے جسم میں اس قدر قوت ہے کہ استفراغ سے اُس کو ضعف و ناتوانی واقع نہ ہوگی۔ اگر مریض میں ضعف و ناتوانی زیادہ ہو تو استفراغ سے پرہیز کریں۔ البتہ اگر مواد کی شدت سے نقصان کا خطرہ ہو تو استفراغ ضرور کرا دینا چاہئے۔

(۳) **مزاج:** مزاج میں اگر گرمی خشکی اور سردی کی شدت ہو یا خون کی کمی ہو تو بغیر اشد ضرورت کے استفراغ سے پرہیز کرنا چاہئے۔

(۴) **فربھی اور لاغری:** فربہی اور لاغری میں بغیر ضرورت استفراغ کرنے سے انتہائی نقاہت پیدا ہو جاتی ہے۔

(۵) **عوارض لازمہ:** بغیر مرض کا تعین کئے استفراغ مہلک ہوتا ہے۔ جیسے تپ محرقہ، زخم امعاء، اورام، بواسیر اور اسی طرح حمل کے دوران میں بھی استفراغ منع ہے۔

(۶) **عمر:** بغیر اشد ضرورت بچوں، بوڑھوں اور نازک مزاج مستورات کو استفراغ نہیں کرانا چاہئے۔

(۷) **وقت:** شدت گرما و سرما، بارش اور رات کے وقت بغیر اشد ضرورت کے استفراغ سے پرہیز کرنا چاہئے۔

(۸) **ملک:** انتہائی گرم اور سرد ممالک میں استفراغ درست نہیں۔

(۹) **پیشہ:** جن پیشوں میں مواد ویسے ہی تحلیل ہو جاتا ہو اُن کو استفراغ درست نہیں جیسے حمامی، حمال اور دوسرے محنت کش مزدور وغیرہ۔

(۱۰) **عادات:** جن لوگوں کو استفراغ کی عادت نہ ہو ان کو عام طور پر استفراغ نہیں کرانا چاہئے، البتہ ضرورت کے وقت ہلکا سا استفراغ کرا دیا جائے۔

مقاصد استفراغ

① موذی مواد کا بدن سے نکالنا۔
② موذی مادے کا بقدر برداشت نکالنا۔
③ استفراغ اس طرف کیا جائے جس طرف مادے کا میلان ہو۔
④ جو مواد نکالے جائیں ان کے راستے طبعی ہوں۔ مثلاً محدبِ جگر کا مادہ پیشاب کی راہ مقررہ سے، جگر کا مادہ پاخانے کی راہ، نیز جدھر سے نکالا جائے وہ ادنیٰ عضو ہو اور اس سے تعلق رکھتا ہو۔
⑤ استفراغ سے قبل مادے کو منضج دے لیا جائے۔ نضج مواد کی اُس حالت کا نام ہے جس سے وہ قوام میں معتدل ہو جائے اور آسانی سے خارج ہو سکے۔ کیونکہ زیادہ غلیظ اور لیسدار مواد آسانی سے خارج نہیں ہو سکتا۔ البتہ اشد ضرورت کے وقت بغیر نضج کے بھی استفراغ کرایا جا سکتا ہے۔

یادداشت: اگر استفراغ سے مادہ بکثرت خارج ہو رہا ہو تو گھبرانا نہیں چاہئے اور جب تک قابل اخراج مادہ نکلتا رہے اور مریض برداشت کر سکے، اُس وقت تک مادے کی کثرت سے قطعاً نہ گھبرائیں لیکن جب مواد خارج ہو جائے یا کمزوری کا خدشہ ہو تو استفراغ بند کر دیں۔

مسہلات

مسہلات استعمال کرنے میں یہ امر لازمی ہے کہ ادویات نہ صرف مزاج و کیفیات کے مطابق ہوں بلکہ ہر مرض اور عضو کے بھی مطابق ہوں۔ کیونکہ قدرت نے تقریباً ہر مرض اور علامت کا ایک جدا مسہل بنایا ہے اور کسی مسہل کا غیر مناسب جگہ پر استعمال باعثِ نقصان ہوتا ہے۔
مسہلات میں مندرجہ ذیل کے طریق پر عمل کرتے ہیں:

① جسم میں قوتِ انقباض کو بڑھا دیتے ہیں، اور ان کے بعد طبیعت اس کے ردِ عمل کی صورت میں اسہال لے آتی ہے۔ جیسے مصبر۔
② ادویات جسم میں حرارت پیدا کر کے مواد کو تحلیل کرتی اور اسہال لاتی ہیں۔
③ اس قسم کی ادویات جسم میں لیس اور لزوجیت پیدا کر دیتی ہیں اور طبیعت اُن کو خارج کرنے کی کوشش میں اسہال لے آتی ہے جیسے اسپغول۔
④ نمکین ادویہ کے استعمال سے جسم میں ملاحت بڑھ جاتی ہے اور طبیعت اس کا اخراج لازمی سمجھتی ہے اور اسہال آتے ہیں جیسے لاہوری نمک۔
⑤ بعض ادویہ جسم میں سوزش پیدا کر دیتی ہے اور طبیعت اس کو رفع کرنے کی کوشش کرتی ہے اور اسہال آتے ہیں جیسے جمال گوٹہ۔
⑥ جسم میں جب ترشی یا کھار کی کثرت ہو جاتی ہے تو طبیعت ان کو اسہال کے ذریعہ خارج کرتی ہے۔ جیسے ترشی کی صورت میں املی آلو بخارا اور کھار کی صورت میں سجی کھار وغیرہ۔
⑦ جسم میں روغنی اغذیہ کی زیادتی اپنی حرارت اور لزوجیت سے اسہال پیدا کر دیتی ہے۔ جیسے بادام روغن۔

احکامِ مسہلات

① مسہلات کے استعمال میں اگر وقت ہو تو پہلے منضجات کا استعمال کر کے مادے کو صحیح طور پر پکا لیا جائے اور اس کے بعد ملینات استعمال کرائے جائیں۔ بعد ازاں مسہلات کا استعمال کیا جائے۔
② مسہلات کے دوران میں سکون و آسائش اختیار کی جائے اور اگر دوا سے متلی کی صورت پیدا ہو تو خوشبودار ادویات جیسے پودینہ وغیرہ سونگھائیں، یا تھوڑی مقدار میں استعمال کرا دیں۔

③ اگر مسہلات کے استعمال سے اسہال بکثرت آنے لگیں تو حابسات کھلا کر ان کو بند کریں۔

④ اگر دوائے مسہل پینے یا کھانے کے بعد دست نہ آئیں تو یہی بہتر ہے کہ طبیعت کو تحریک نہ دی جائے۔ بشرطیکہ کسی خوفناک مرض کا اندیشہ نہ ہو ورنہ فوراً حقنہ کرا دیں، کیونکہ حقنہ شکم کے فاسد اخلاط کو خارج کر دیتا ہے۔

⑤ مسہل کے دورانِ عمل میں حمام کرنے سے مسہل کا فعل باطل ہو جاتا ہے۔ البتہ مسہل سے قبل ایسا کرنا معاون ثابت ہوتا ہے۔ اسی طرح مسہل ختم ہو جانے کے بعد حمام کرنے سے بقیہ مواد تحلیل ہو جاتا ہے۔

⑥ عمل مسہل ختم ہونے سے قبل یا فوراً بعد کھانا کھانا اس کے فعل کو باطل کر دیتا ہے، کیونکہ ایسے وقت میں طبیعت غذا کے ہضم میں مصروف ہو کر مواد کے دفع کرنے کی طرف متوجہ نہیں ہوتی۔ نیز غذا کے ساتھ دوا کا ملنا اُس کی قوت کو کمزور کر دیتا ہے۔ لیکن جب غذا اور دوا ہم جنس ہوں تو عمل مسہل میں معاون ثابت ہوتی ہے۔

⑦ جو لوگ نہار منہ مسہل ادویات برداشت نہ کریں تو انہیں مسہل لینے سے قبل کوئی ہلکا سا ناشتہ کر لینا چاہئے، جیسے دودھ، چائے یا پھلوں کا رس اور پھل وغیرہ۔

⑧ جن لوگوں کو دوا سے نفرت ہو، اُن کو ایسے مسہل دیئے جائیں جو دوائے غذائی کی صورت رکھتے ہیں۔ جیسے بادام روغن، مویز منقیٰ، انجیر اور گھی وغیرہ۔

⑨ اگر عمل مسہل کے دوران میں پیٹ میں درد یا مروڑ کی صورت پیدا ہو تو تھوڑا تھوڑا گرم پانی یا نیم گرم دودھ کا استعمال کرایا جائے۔ پیچش کی شدت ہونے میں اسپغول نیم گرم پانی سے استعمال کیا جائے۔

⑩ مسہل کے بعد عام طور پر لطیف و مقوی اغذیہ جیسے شوربہ چوزہ مرغ کا استعمال کرانا چاہئے۔ ثقیل اور دیر ہضم اغذیہ کے استعمال سے سدّوں اور بعض حالات میں آنتوں میں سوزش پیدا ہو جانے کا خطرہ ہے۔

احکام حقنہ

حقنہ کا مقصد یہ ہے کہ آنتوں کے مواد کو ملین سے خارج کیا جائے یا آنتوں میں کوئی دوا پہنچائی جائے۔ ملین کی صورت میں جب نیچے کے اعضاء سے مواد خارج ہو جاتے ہیں تو اوپر کے مواد نیچے کی طرف متوجہ ہو کر وہاں جذب ہو جانے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ حقنے کی عملی تاثیر زیادہ تر معاءِ مستقیم اور امعاء کے نچلے حصہ پر ہوتی ہے۔ جس سے بدن کے بالائی حصے کے مواد ان مقامات پر کھنچ کر چلے آتے ہیں اور خالی ہو جاتے ہیں۔ قولنج، آنتوں کی خشکی یا آنتوں کے زخم کا بہترین علاج حقنہ ہے۔

اقسامِ حقنہ

(۱) مسہل آور حقنہ (۲) ملین حقنے (۳) غذا پہنچانے والے حقنے (۴) آنتوں کے زخم بھرنے والے حقنے (۵) آنتوں کے زخم صاف کرنے والے حقنے (۶) اسہال بند کرنے والے حقنے۔

اوقاتِ حقنہ

حقنہ کے لئے بہترین وقت صبح اور شام ہے، لیکن ضرورتِ شدید کے لئے وقت کی کوئی قید نہیں اور ہر وقت حقنہ کیا جا سکتا ہے۔ خواہ دوپہر ہو یا نصف شب۔

احکامِ قے

عمل قے کا مقصد معدے اور جگر کے فضلات کا اخراج ہے۔ جس طرح جو مواد آنتوں میں ہوتے ہیں ان کو ملینات کے ذریعہ خارج کیا

جاتا ہے، اس میں ذیل کے امور کو مدِ نظر رکھا جائے۔

① جن لوگوں کو قے کی عادت نہ ہو اُن کو تیز قے آور ادویات نہ دی جائیں، کیونکہ اس سے بعض اوقات بینائی اور سماعت کو نقصان پہنچتا ہے۔ اور کبھی کبھی کوئی شریان پھٹ جاتی ہے۔ جس کی وجہ سے بہت سا خون خارج ہو کر ضعف کا باعث ہوتا ہے۔

② جن لوگوں کو نفث الدم (خون تھوکنا) کا مرض رہا ہو، ان کو کبھی قے نہیں کرانی چاہئے۔

③ جن لوگوں کو قے کی عادت ہو اُن کو بھی بار بار قے نہیں کرنی چاہئے۔ بعض لوگ روزانہ صبح حلق میں انگلی ڈال کر گلے اور سینے کو صاف کرتے ہیں۔ یہ غلط ہے۔ اس سے پٹھے کمزور ہو جاتے ہیں۔ دِل ٹھنڈا ہو جاتا ہے اور بڑھاپا جلد آ جاتا ہے۔

④ بہت موٹے انسانوں کو بھی قے نہیں کرانی چاہئے، اس سے دِل بیٹھ جانے کا خطرہ ہے جیسے ہیضے میں یک لخت دِل بیٹھ جاتا ہے۔ اسی طرح جن مریضوں کو اسہال آتے ہوں یا دماغی امراض میں مبتلا ہوں انہیں بھی قے سے پرہیز کرنا چاہئے۔

⑤ قے کرانے کے بعد پانی میں تھوڑا سا سرکہ ملا کر کلی وغیرہ کرا دینی چاہئے۔

⑥ جن مریضوں کو خود بخود قے آ رہی ہو لیکن اُن کا فاسد مواد اخراج نہ پا رہا ہو تو اُن کی قے کو فوراً بند نہیں کرنا چاہئے، بلکہ ہلکی قے آور ادویہ کا استعمال کر کے فاسد مواد کا اخراج کر لیا جائے اور پھر بند کی جائے۔ یہی صورت ہیضے میں بھی مدِ نظر رکھی جائے۔

احکامِ جذب وامالہ

اس طریقۂ علاج کا مقصد یہ ہے کہ مواد جسم کو کسی دوسرے حصہ جسم میں جذب یا پھیر دیا جائے۔ مثلاً پیٹ میں درد ہو تو پیٹ کے اوپر پلستر لگانا یا سینگیاں اور گلاس کھینچنا۔ اس میں ذیل کے امور کو ملحوظ رکھا جائے۔

① اگر مادہ کسی عضو کی طرف گرنے کے لئے تیار ہو تو اُسے ایک مقام کی طرف جذب کیا جائے خواہ وہ دوسرا مقام جہاں جذب کیا جا رہا ہو۔ وہاں درد واقع ہو۔

② اگر مادہ کسی عضو میں آ چکا ہو اور اُسے آئے ہوئے تھوڑا ہی عرصہ ہوا ہو تو اُس مادہ کو اُس عضو کے قریبی عضو کی طرف جذب کیا جائے جیسے رحم کا مادہ سینگیوں کے ذریعہ پنڈلیوں کی طرف جذب کیا جاتا ہے۔

③ لیکن اگر اُس عضو میں مادے کو آئے ہوئے زیادہ زمانہ ہو چکا ہو اور وہ وہاں ٹھہر چکا ہو تو اُس مادے کو کسی طرف جذب نہ کیا جائے بلکہ خاص اُسی عضو سے بہا کر خارج کیا جائے جیسے جونکیں لگائی جائیں۔

امالہ اور جذب جس طرح سنگیوں، گلاس اور جونکوں سے کیا جاتا ہے، اسی طرح مسہل، قے، حقنہ، فصد اور حجامت سے بھی کیا جا سکتا ہے۔ امالہ اور جذب کا مقصد صرف مواد کو ایک طرف سے دوسری طرف یا تکلیف کے مقام سے صحت کی طرف پھیر دینا ہے۔

فصد

فصد ایک ایسی صورت کا نام ہے جس میں رگوں سے بوقتِ ضرورت استفراغ یا جذب وامالہ کے لئے خون کو خارج کیا جاتا ہے۔

یادداشت: عام طور پر اطباء کا یہ خیال ہے کہ فصد سے گندے اخلاط یا گندہ خون خارج کیا جاتا ہے۔ یہ بالکل غلط ہے۔ فصد سے مراد صرف یہ ہے کہ جسم میں جو رطوبات کسی مقام پر رُک گئی ہیں اور اخراج نہیں پاتیں۔ اُن کو عمل فصد سے خون کے اندر جذب کیا جائے اور جہاں جہاں بلغم یا رطوبات کی کثرت سے خون نہیں پہنچ سکتا، وہاں پر خون پہنچایا جائے۔ بالفاظِ دیگر جہاں جہاں رطوبت کی زیادتی ہے، وہاں پر خشکی پیدا کر دی جائے۔ اسی طرح اُن اطباء کا خیال بھی درست نہیں، جو ہر مرض میں فصد کھولنے کے قائل ہیں۔ فصد عام طور پر ایسے امراض میں کھولا جاتا ہے جن

میں بعض مقامات پر رطوبات کی زیادتی ہو اور وہاں پر دورانِ خون پوری طرح دورہ نہ کرتا ہو یا پرانے امراض اور پرانی سوزش میں وہاں پر دوران خون کو تیز کرنا اور سوزش کو رفع کرنا مقصود ہو۔ بلا وجہ فصد کھول دینے سے خون کا ایک کثیر حصہ اور مفید حصہ جسم سے خارج ہو جاتا ہے۔ جس سے جسم میں ضعف اور خاص طور پر دِل میں ضعف واقع ہو جاتا ہے۔

احکامِ فصد

① فصد سے قبل تھوڑی سی ہلکی اور لطیف غذا اور فصد کے بعد مقوی ادویہ مثلاً خمیرہ، جوارش اور دیگر مفرحات کا استعمال کرانا چاہئے۔ غشی کی صورت میں مقویاتِ قلب جیسے خمیرہ عنبری جواہر والا استعمال کرایا جائے۔ نیز فصد کے بعد کافی آرام کرنا چاہئے اور کافی دیر تک بغیر اشد ضرورت غذا نہیں دینی چاہئے۔

② حاملہ عورتوں کو فصد نہیں کرنا چاہئے، اس سے جنین کے ساقط ہونے کا اندیشہ ہے اور اسی طرح ایامِ حیض میں فصد نہ کیا جائے اس سے ایام میں رکاوٹ واقع ہوتی ہے۔

③ گرم مزاج، لاغر اندام اور قلیل الدم اشخاص کو فصد تجویز نہیں کرنا چاہئے۔ ایسا ہی لحیم وشحیم اشخاص جن کے بدن ڈھیلے ڈھالے ہوں، اُن کو بھی بلا اشد ضرورت کے فصد منع ہے۔

④ شدت گرما و سرما میں بلا اشد ضرورت فصد سے پرہیز کرنا چاہئے۔

⑤ رنج و غم اور خوف میں بھی فصد منع ہے۔

⑥ اکثر اقسام حمیات (بخار) خصوصاً ابتدائی حالت میں فصد کرنا خوفناک امر ہے۔ اس سے تپ میں شدت، جسم میں سوزش اور ورم ہو جانے کا اندیشہ ہے اور خصوصاً سرسام کا، اسی طرح تپ دق میں فصد بالکل ممنوع ہے۔

⑦ 14 سال سے کم عمر اور 60 سے اوپر کو بغیر اشد ضرورت اور قوی قوی اور اعضاء میں خون کی کثرت کے فصد منع ہے۔

⑧ فصد مہینے کی ہر تاریخ اور دِن کے ہر حصہ میں ہو سکتا ہے۔ لیکن صبح اور تیسرے پہر کا وقت زیادہ مناسب ہے۔

⑨ اگر فصد کی حالت میں غشی کی شدت ہو تو سرد پانی یا عرق گلاب کے منہ پر چھینٹے دینا اور مناسب عطریات و لخلخہ وغیرہ کا سونگھانا اور اسی قسم کی دیگر تدابیر اختیار کرنا چاہئے۔

⑩ فصد کو آخری علاج نہیں سمجھ لینا چاہئے، اس کے بعد مریض کا باقاعدہ علاج کرنا چاہئے۔ فصد سے صرف مرض کا امالہ اور اخلاط کا انجذاب منظور ہے۔

فوائدِ فصد

① خونی مزاج اور بہت زیادہ کھانے پینے والے اشخاص کے لئے فصد ایک قوی علاج ہے۔

② عام طور پر کہنی کی رگوں کا فصد کیا جاتا ہے۔ لیکن فصد رگ قیفال سے سر کے مرض کو اور فصدِ رگ باسلیق سے جسم کے زیریں حصے میں مرض کو جلد نفع ہوتا ہے اور رگِ اکحل (ہفت اندام) کی فصد میں دونوں رگوں کے فصد کے فوائد جمع ہیں۔

③ ذہنی اسلیم کی فصد جگر کے دردوں اور بائیں کو فصد تلی کے دردوں کو دور کرتی ہے۔ رگِ عرق النساء کی فصد مرض عرق النساء اور دوالی اور نقرص میں بھی فائدہ مند ہے۔

④ رگِ صافن کی فصد حیض کے جاری کرنے میں کارآمد ہے۔ اور ساتھ ہی اس سے وہ فوائد بھی حاصل ہوتے ہیں جو فصدِ رگِ عرق النساء سے

حاصل ہوتے ہیں۔

حجامت

حجامت کا مقصد جسم پر پچھنے لگا کر سنگیوں سے خون کو جذب کرنا ہے۔ یہ فعل فصد کی نسبت ضعیف ہے۔ کیونکہ اس سے محض اُس عضو کے آس پاس کا خون جذب ہو کر آتا ہے۔ برعکس اس کے فصد سے دور دور کے اعضاء کا خون خارج ہوتا ہے۔

بلحاظ فوائد سب سے قوی حجامت پنڈلیوں کی ہے، کیونکہ یہ عمل فصد کے قریب قریب ہے۔ یہ حیض کو جاری اور خون کو صاف کرتا ہے۔ اس طرح آشوبِ چشم، گندہ دہنی، منہ آنا، دردِ سر جیسے امراض جن میں خون کے اندر ہیجان یا مواد کی زیادتی ہو، گدّی پر سنگیاں کھنچوانا مفید ہے، کیونکہ اس سے ان مقامات کا خون جذب ہو کر آ جاتا ہے اور امالہ ہو جاتا ہے، لیکن بار بار ایسا کرنے سے نسیان پیدا ہوتا ہے۔

حجامت کے بھی وہی شرائط ہیں جو اوپر فصد میں بیان کئے گئے ہیں۔ البتہ حجامت جسم کے ہر حصہ اور ضرورت کے مطابق دن رات میں کسی وقت بھی کی جا سکتی ہے۔ لیکن جہاں تک ہو سکے بچوں کو اس سے پرہیز کرانا چاہئے۔

۳

فرنگی طب غیر علمی اور غلط ہے

فہرست عنوانات

پیش لفظ

خداوند حکیم اور قادر مطلق کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ جس نے زمین و آسمان پیدا کر کے اس کی گردش کو ایک سیدھے راستہ پر قائم کر دیا ہے:
﴿فطرۃ السماوات والارض حنیفہ﴾ اور ان کے افعال کو جس قانون قدرت پر قائم کیا گیا ہے اس کا نام فطرت اللہ اور سنت الٰہیہ رکھ دیا گیا۔ اور تاکیداً کہہ دیا کہ جب اللہ تعالیٰ کوئی سے پیدا کرتے ہیں۔ پھر اس میں کوئی تبدیلی نہیں کرتے ﴿لا تبدیلا لخلق اللّٰہ﴾ بلکہ تاکیداً لکھ دیا ہے کہ ان کے قانون میں ہرگز ہرگز کوئی تبدیلی نہیں پائی جائے گی۔ ﴿لن تجد لسنت اللّٰہ تحویلا﴾ بلکہ اس میں ہرگز کوئی ہیر پھیر بھی نہیں پایا جائے گا اور فطرت کے متعلق راہ نمائی کر دی ہے کہ فطرت ایسے قوانین ہیں جن پر انسان کو پیدا کیا گیا ہے ﴿فطرۃ اللّٰہ التی فطر الناس علیہا﴾ چونکہ اس کائنات میں انسان ہی اشرف المخلوقات بنایا گیا ہے اور زندگی کا ایک انتہائی کمال ہے۔ اس لیے اس کی فطرت کا خصوصیت سے ذکر کیا گیا ہے اور نمونہ کے طور پر ذکر کیا ہے اور ہر مخلوق اس میں شامل ہے۔

انسانی زندگی اس کائنات میں جن قوانین پر قائم کی گئی ہے اس میں ہر خلق چاہے وہ جمادات میں شریک ہو چاہے نباتات کا حصہ ہو یا حیوانات سے تعلق رکھتی ہو یعنی اس کی تخلیق کسی طرح بھی ہوئی ہو وہ سب نمونے انسان کی زندگی میں شریک ہیں۔

موالید ثلاثہ میں تخلیق کی تین صورتیں نظر آتی ہیں۔ جمادات میں خود کار تخلیق جو کشش ثقل کے اصول پر قائم ہے۔ نباتات میں کیمیاوی طریق تخلیق اور حیوانات میں مشینی طریق تخلیق سے پیدائش عمل میں آئی ہے (جن کا ذکر اس کتاب میں کیا گیا ہے) انسان میں یہ تینوں طریق تخلیق شامل ہیں اور اس لیے اگر انسان کی تخلیق کو پورے طور پر سمجھ لیا جائے تو کائنات کی ہر زندگی اور تخلیق کو آسانی سے سمجھا جا سکتا ہے اس تخلیق میں اہم بات یہ ہے کہ جس طرح وہ انسانی زندگی میں ہم آہنگ ہیں اسی طرح ان کی باہمی زندگی یا جسم میں ہم آہنگ ہوتے ہیں۔ بس اس کا سمجھنا ہی ان کے قانون قدرت اور فطرت کو سمجھنا ہے۔

انسانی مشین

انسانی زندگی کی ہم آہنگی کی مثال بھی ایک مشین سے دی جا سکتی ہے۔ یہ مشین کپڑے سینے کی ہو یا بائیسکل کی طرح ہاتھ پاؤں سے چلتی ہو یا گھڑی اور کھلونے کی طرح اس میں چابی سے کوک بھری جاتی ہو یا موٹر اور ریلوے انجن کی طرح تیل' پٹرول' بھاپ اور بجلی سے چلنے والی مشینیں ہوں۔ جب بھی ان کے کسی ایک پرزہ کو حرکت دی جاتی ہے باقی تمام پرزے حرکت میں آ جاتے ہیں اور مشین چل پڑتی ہے اور اس کا کوئی پرزہ بگڑ جاتا ہے یا ٹوٹ جاتا ہے تو مشین رک جاتی ہے۔ جب اس کے کسی پرزہ کو تیز کریں تو مشین تیز ہو جاتی ہے اور سست کریں تو سست ہو جاتی ہے۔ ہر مشین میں بگاڑ تین طریق سے عمل میں آتا ہے:

1. اس کے پرزے کی رفتار میں سستی یا تیزی پیدا ہو جاتی ہے۔
2. پرزہ گھس جاتا ہے یا اپنے مقام سے ہٹ جاتا ہے۔ یعنی اس کی فٹنگ خراب ہو جاتی ہے یا ٹوٹ جاتا ہے۔ اس نظام کے علاوہ۔
3. ایک نظام تیل کا بھی ہوتا ہے جو ایک طرف سے اس میں ایندھن کا کام کرتا ہے اور دوسری طرف سے اس میں لبریکیشن کے ذریعہ

پرزوں کو گھسنے اور گرم ہونے سے بچانے کے لیے تر رکھتا ہے۔ اس سلسلہ کو ہم اس کا کیمیاوی نظام کہتے ہیں۔ جب کوئی مشین خراب ہو جاتی ہے تو اس کا ماہر مکینک یا انجینئر اس کی دو صورتوں کا جائزہ لیتا ہے: ① مشینی حالت کا بگاڑ ② تیل کی رفتار کا بگاڑ۔ بس جہاں بھی کہیں نقص ہوتا ہے دور کر دیتا ہے۔ پھر ساری مشین باقاعدگی کے ساتھ اسی طرح اس کے کسی ایک پرزے کو چلانے کے ساتھ چل پڑتی ہے۔ اس طریق کا نام کام کا باقاعدہ ہونا (Systematic Working) ہر انجینئر اور ماہر فن اپنی مشین کے ہر پرزے کی شکل و صورت محل وقوع، دیگر پرزوں سے تعلق اور ان کے افعال اور اعمال سے خوب واقف ہوتا ہے اور ضرورت کے مطابق اپنی معلومات سے فائدہ اٹھاتا ہے۔

بس جاننا چاہیے کہ انسانی جسم بھی ایک قسم کی مشین ہے اس میں بھی تمام پرزے مشین کی طرح ایک دوسرے کے ساتھ گہرا تعلق رکھتے ہیں۔ ان کی خرابی سے ایک دوسرے پر اثر پڑتا ہے اور ان میں باقاعدہ کیمیاوی طور پر خون اور دیگر رطوبات کا لبریکیشن ہوتا ہے۔ جس سے ایک طرف جسم کو غذائی صورت میں بدل ما تحلل اور طاقت قائم رہتی ہے اور دوسری طرف سے جسم کے کل پرزے تر رہتے ہیں اور ان کو رگڑ اور گرمی سے بچائے رکھتے ہیں۔

کائناتی مشین

کائنات کا ہر ذرہ قانون فطرت پر پیدا کیا گیا ہے اور اس کا تعلق کائنات میں زمین سے لے کر آسمان تک تمام دیگر ذرات کے ساتھ قانون فطرت کے مطابق ہے۔ اس لیے ان ذرات کی حرکت و گردش نہ صرف قانون فطرت کے مطابق ہے بلکہ باہمی نظم و ضبط اور اصول کے تحت ہے۔ اگر زندگی و کائنات اور نفس و آفاق کے کسی ایک ذرہ یا جز میں حرکت ہوتی ہے تو دیگر ذرات قانون فطرت اور اصولی تعلق کی وجہ سے اپنا نظم و ضبط قائم رکھتے ہوئے ضرور متاثر ہوتے ہیں۔

اس کائنات و آفاق اور زندگی و نفس کی تدوین انہی ذرات سے قائم ہے اور موالید ثلاثہ میں یہی ذرات پنہاں نظر آتے ہیں۔ اور انسان بھی انہی کا مجموعہ ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ جمادات، نباتات، حیوانات، بن مانس، انسان اور نبوت تک ہر ایک میں احساس و شعور اور ادراک کی شدت، غور و خوض اور تدبر و تصدیق کی کمی بیشی پائی جاتی ہے جس قدر بھی احساس و ادراک اور تصدیق یعنی علم و عقل اور حکمت بڑھتا جائے گا اس کا شعور کائنات و آفاق طبیعیات و مابعد طبیعیات بڑھتا جائے گا اور وہ اعلیٰ مقام پر فائز ہوتا جائے گا۔

کائناتی ذرات کو طب قدیم کے قانون میں ارکان کہتے ہیں جو چار ہیں، جن کو بسیط تسلیم کیا گیا ہے اور وہ غیر منقسم ہیں یا فرنگی طب کی تحقیقات میں عناصر جو تقریباً ایک کم سو ہیں جو قابل تقسیم ہیں یعنی ہر عنصر (ایلیمنٹ) اپنے اندر سالمات (مالیکیول) اور مرکزی ذرہ (ایٹم) رکھتا ہے اور پھر یہ ذرات برقیات (الیکٹرون، پروٹان اور نیوٹران) میں تقسیم ہو جاتے ہیں۔ کچھ بھی تسلیم کر لیں۔ موالید ثلاثہ اور انسان میں مشترک طور پر پائے جاتے ہیں۔ گویا برقی ذرات کا ایک سمندر ہے جو مختلف اجسام میں بند بھی ہے اور ان کا آپس میں تعلق بھی ہے البتہ یہ حقیقت پردہ راز میں ہے کہ ان اجسام میں احساس و ادراک اور تصدیق کی قوت اور ان کا کمال کیسے پیدا ہوتا ہے۔ جن کی وجہ سے جمادات و نباتات، حیوان و انسان، آدمیت و بشریت اور نبوت کا فرق نمایاں ہو جاتا ہے۔

بہرحال یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ زمین سے آسمان تک ہر ذرہ منظم و منضبط اور مقررہ اصولوں کے مطابق قانون فطرت میں رواں دواں ہے اس لیے اس دنیا میں جو افعال سرزد ہوتے ہیں جن میں وبائیں و سیلاب اور جنگ و زلزلے وہ سب بغیر قانون، اصول اور نظم و ضبط کے نہیں

آتے اور موجودہ دور کا علم موسمیات بھی اس کی بہت حد تک تصدیق کرتا ہے۔ اس لیے وباؤں کو ہنگامی امراض نہیں خیال کرنا چاہیے بلکہ کائنات وزندگی اور نفس وآفاق کو قائم رکھتے ہوئے وباؤں کو بھی ان کے تحت قوانین اور اصول میں فٹ کرنا چاہیے تاکہ وباؤں اور آفات کے حادثات کا صحیح علم اور اس کی حکمت کا پتہ چل جائے۔ قانون فطرت کو سمجھنے کے بعد یہ جاننا ضروری ہے کہ اس کی خلاف ورزی عملاً یا جہلاً کرنے کے بعد اس کے نظم وضبط میں خرابی واقع ہوتی ہے جس کے نتیجہ میں فطرت میں ایک ردعمل ہوتا ہے اور یہ ردعمل اس طاقت کی طرف سے عمل میں آتا ہے جو اس قانون فطرت کو چلا رہی ہے جس کو مدبر عالم یا روح عالم کہتے ہیں۔ بالکل اسی طرح جیسے طبیعت مدبرہ بدن یا نفس جسم انسانی کو ایک قانون کے تحت نظم وضبط میں رکھتا ہے جس کو طبی روح کہتے ہیں۔ جب انسانی جسم کے نظام میں کوئی خرابی واقع ہوتی ہے تو قوت مدبرہ بدن اس کی اصلاح کرتی ہے۔ اسی انسانی روح کو آیورویدک میں آتما اور روح عالم کو مہاتما کہا جاتا ہے ان دونوں کا آپس میں ایسا ہی گہرا تعلق ہے جیسے نفس وآفاق کا تعلق ہے۔

جس طرح جسم انسان کے افعال میں فطرت کے خلاف صورتیں واقع ہوتی ہیں تو امراض پیدا ہوتے ہیں جس کے لیے قوت مدبرہ بدن یا نفس حرکت میں آتا ہے بالکل اسی طرح جب کائنات میں خرابی واقع ہوتی ہے تو روح عالم یا آفاق میں حرکت پیدا ہوتی ہے اگر جسم کے افعال کی خرابی کو ہم امراض کہتے ہیں تو کائنات کے بگاڑ کو ہم وبائیں کہہ سکتے ہیں۔ جسم اور کائنات کے بعض بگاڑ تو ایسے معمولی ہوتے ہیں کہ ان کی قوت مدبرہ بدن اور روح مدبرہ عالم اصلاح کرتے رہتے ہیں مگر جب جسم یا کائنات میں فساد اور تعفن واقع ہوجاتا ہے تو اس کی اصلاح کے لیے شدید جدوجہد کرنی پڑتی ہے وہ فساد اور تعفن جسم اور کائنات میں غیر معمولی نقصان کا باعث ہوتا ہے۔ یہی فطرت کی عمداً یا جہلاً خلاف ورزی ہی گناہ ہے جس کا کفارہ فوراً قانون فطرت کی طرف لوٹتا ہے۔

عطایانہ علاج

اصولی علاج بھی اسی صورت کا نام ہوسکتا ہے کہ انسانی مشین کے ہر پرزے (عضو) کے افعال اس کی خرابیوں اور اس کے اندر غذائی (انرجی) صورتوں کا باقاعدہ علم ہو۔ لیکن جب جسم انسان میں کوئی مرض نمودار ہو جیسے بخار، درد یا ورم وغیرہ۔ ان امراض کے علاج میں عام طور پر بغیر کسی تخصیص کے ان کے دفعیہ کے لیے دوائیں استعمال کردی جاتی ہیں یا بعض سمجھ دار معالج ان امراض میں اتنی خصوصیت برتتے ہیں کہ اس مرض کی صحیح قسم تلاش کرتے ہیں جیسے بخاروں میں ملیریا (تپ صفراوی) انفلوئنزا (تپ نزلی) ٹی۔ بی (تپ دق) وغیرہ۔ اسی طرح دردوں اور ورموں کی بھی تخصیص کرلیتے ہیں۔ لیکن علاج کی اس صورت کا نام بھی باقاعدہ اور سسٹے میٹک علاج نہیں ہے۔

اس قسم کے علاج کو آپ خاص قسم کا اصول تو کہہ سکتے ہیں مگر باقاعدہ مشینی علاج کا نام نہیں دے سکتے۔ کیونکہ مشین کی خرابی اور بگاڑ کا پتہ چلائے بغیر اس کی ایک علامت کو رفع کرنے یا حالت کو بدلنے کی کوشش کی گئی ہے جیسے کسی ایک مشین پر جو چلتے چلتے گرم ہوگئی ہو ٹھنڈا پانی پھینک دینا حالانکہ اس کے گرم ہونے کا سبب ممکن ہے (لبریکیشن) تیل کی کمی ہو۔ شاید پٹرول ضرورت سے زیادہ جل رہا ہو اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس کا وہ آلہ ہی خراب ہوگیا ہو جو زیادتی حرارت کو اعتدال پر رکھتا ہے بہرحال مشین کو ٹھنڈا کرنے کے لیے اس کے پرزوں اور نظام کو دیکھنا ضروری ہے تاکہ حقیقت تک پہنچا جاسکے اور اس پر صرف ٹھنڈا پانی ڈال دینا ہر صورت میں غلط ہوگا اسی طرح اگر مشین میں کسی مقام پر تیل ٹپک رہا ہو تو صرف باہر ہی سے کوئی لیپ کردینا یا ٹانکا لگا دینا یا اگر کہیں سے غیر معمولی آواز آرہی ہو تو اس کو دبانے کی کوشش کرنا حقیقت میں مشین کو درست کرنا نہیں ہے بلکہ اس کو خراب اور برباد کرنا ہے۔

فرنگی طب میں اسی غلط صورت کو اپنایا جارہا ہے۔ مریض اگر بخار کی شکایت کرتا ہے تو اس کو بخار کم کرنے کی دوا دے دی جاتی ہے یعنی

اس پر ٹھنڈا پانی ڈال دیا جاتا ہے۔ بعض دفعہ وقتی طور پر اس کے لیے مفید بھی ہوسکتا ہے مگر آئندہ اس کے لیے سخت نقصان رساں ثابت ہوگا۔ اسی طرح درد میں مسکنات اور ورم میں مخدرات کو بے تکلف برتا جا رہا ہے۔ گویا نہ مریض کا علاج کیا جاتا ہے اور نہ مرض کو رفع کرنے کی کوشش کی جاتی ہے بلکہ مریض کی ایک علامت کے دبا دینے کو علاج قرار دے دیا جاتا ہے۔ پھر ماشاء اللہ آج کل مجرباتی علاج اور پیٹنٹ ادویہ کا ایسا سلسلہ چل نکلا ہے کہ ہر شخص ان قدیم مجرباتی اور مغربی پیٹنٹ ادویات کا نہ صرف شکار ہے بلکہ مداح ہونے کے ساتھ ساتھ روز بروز اپنی صحت کو تباہ و برباد کر رہا ہے۔ جب ان ادویات کے مسلسل استعمال سے اپنے جسم کو ناکارہ کر لیتا ہے تو پھر ڈاکٹر اور ان کے طریق علاج کو برا بھلا کہا جاتا ہے۔

صحیح علاج

یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ کبھی مرض کا علاج نہیں ہوتا بلکہ ہمیشہ مریض کا علاج ہوتا ہے جس کے لیے لازمی ہے کہ مریض کے جسم (مشینری) کے ہر عضو (پرزے) کا بغور معائنہ اور مطالعہ کیا جائے۔ ان کے افعال کی کمی بیشی اور عضو کی خرابی کے ساتھ ساتھ غذائی (تیل) باقاعدگی کو خاص طور پر جانچا جائے اور پھر اس کا علاج اس طرح کیا جائے کہ جسم کے جن اعضاء کے افعال میں کمی بیشی ہو ان کو اعتدال پر لایا جائے اور جو عضو بذات خود کمزور یا زخمی ہوگیا ہو اس کو درست کیا جائے۔ ساتھ ہی ساتھ اس میں خون کا جو دور چل رہا ہے (غذائی صورت) اس کو درست کیا جائے جس کے لیے خون کے کیمیاوی اجزاء کو پورا کرنا ضروری ہوگا۔ اس طرح ایک مریض کا ایک علاج ممکن ہوسکتا ہے اور یہی باقاعدہ علاج کہلانے کا مستحق بھی ہے۔

فرنگی طب میں جو امراض کے نام رکھے گئے ہیں وہ صرف علامات ہیں کوئی خاص مرض نہیں کہلا سکتے کیونکہ ایک علامت کے پیدا ہونے کی کئی صورتیں ہوسکتی ہیں۔ مثلاً بخار سردی سے بھی ہوتا ہے اور گرمی سے بھی۔ بخار درد سے بھی ہوتا اور ورم سے بھی۔ بخار میں کبھی قبض ہوتی ہے کبھی اسہال ہوتے ہیں۔ اسی طرح بخار میں کبھی شدید پیاس ہوتی ہے اور کبھی پیاس کا نام تک نہیں ہوتا۔ بعض صورتوں میں بخار میں شدت ہوتی ہے اور دیگر علامات برائے نام ہوتی ہیں اور بعض وقت بخار کی نسبت دیگر کوئی علامت شدید تکلیف دے رہی ہوتی ہے جیسے درد یا گھبراہٹ کا ہونا وغیرہ۔ اس لیے ہم کسی ایک علامت کو یقینی طور پر نہیں کہہ سکتے کہ فلاں مرض ہے اور باقی علامات ہیں۔ عام طور پر جس علامت میں شدت ہوتی ہے اس کو مرض اور باقی خفیف تکالیف کو علامت کہہ دیا جاتا ہے۔

لیکن حقیقت میں مرض تو صرف کسی عضو کی خرابی اور بگاڑ کا نام ہے جب کسی عضو کے افعال میں کمی بیشی یا اس کی ساخت میں خرابی واقعہ ہوتی ہے تو اس صورت میں وہ اپنے معینہ اعمال انجام نہیں دے سکتا۔ یعنی اپنے فرائض تغذیہ و تصفیہ اور تنقیہ کو صحیح طور پر انجام نہیں دے سکتا۔ دوسرے لفظوں میں وہ عضو اپنی خرابی کی وجہ سے نہ غذا کو خون میں صحیح طور پر تبدیل کرسکتا ہے نہ اپنے حصہ کے خون کو صاف کرسکتا اور نہ ہی اپنے اندر کے فضلات کو خارج کرسکتا ہے۔ اس صورت میں جہاں کہیں اس کے فعل کی کمی سے مواد رک جاتے ہیں یا فعل کی زیادتی سے مواد کا اخراج بڑھ جاتا ہے یا اس کی ساخت کی خرابی سے خود اس میں کسی مواد کی رکاوٹ سے فساد یا خمیر پیدا ہوکر زہریلی صورت اختیار کرلیتا ہے جس کے نتیجہ کے طور پر جسم میں مواد پیدا ہوجاتا ہے یا تخمیر اور تعفن کی صورت میں جراثیم پیدا ہوجاتے ہیں۔ پھر اس سے بھی آگے بڑھ کر بے چینی، درد، سوزش، ورم اور بخار کی صورت واقع ہوجاتی ہے۔ ہر علامت میں یہی صورتیں پائی جاتی ہیں۔ اب ہر صاحب علم اور عقلمند شخص خود اندازہ لگا سکتا ہے کہ اصل مرض خرابی اعضاء ہے یا کوئی علامت وغیرہ۔ پھر اگر کوئی اس مخصوص عضو کی درستی کی بجائے صرف بخار و درد، سوزش اور ورم وغیرہ علامات کا علاج شروع کردے تو مریض کو کہاں تک شفا ہوسکتی ہے۔

طب یونانی کا کمال

کسی طب کا اصولی پن (پرنسپل) و با قاعدگی (سسٹے میٹک) اور فطری (نیچرل) طریق علاج یہ ہے کہ اس میں مشینی اور کیمیاوی صورتیں دونوں ساتھ ساتھ پائی جائیں۔ لیکن طب یونانی کا کمال یہ ہے کہ اس میں کیمیاوی و مشینی (عضوی و اخلاطی) صورتوں کے علاوہ کائنات کے ارکان و امزجہ اور قویٰ و ارواح کی تمام صورتیں بھی ساتھ ساتھ بیان کر دی گئی ہیں۔ گویا زندگی اور کائنات کے ذروں کو ایک دوسرے میں سمو دیا ہے۔ یعنی اگر کائنات کا ذرہ بھی حرکت کرے تو زندگی پر اثر انداز ہو اور اگر زندگی کے ذرے میں حرکت پیدا ہو تو کائنات تک اثر کرے۔ اس لیے حکماء نے طب قدیم میں طب کی ابتداء ایسے امور سے کی ہے جن کا تعلق ایک طرف کائنات سے ہے اور دوسری طرف زندگی کے حقائق کے ساتھ ہے۔ ان کا نام امور طبیعیہ رکھا گیا ہے۔

ہم نے اس کتاب میں فرنگی طب کے بے اصولا پن و بے قاعدگی اور غیر فطری طریق علاج پر تفصیل سے بحث کی ہے۔ پھر ان کی جراثیم تھیوری کو ہر پہلو سے غلط ثابت کیا ہے۔ اس کے ساتھ امور طبیعیہ کی حقیقت اور ان کی فن علاج میں شدید ضرورت کو بیان کیا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ فرنگی طب کے ان اعتراضوں کا جو طب قدیم پر ہیں تسلی بخش جواب دیا ہے اور ثابت کیا ہے کہ طب قدیم اصولی و باقاعدہ اور فطری طریق علاج ہے اور اس کے مقابلے میں فرنگی طب کا طریق علاج عطایانہ اور غلط ہے۔ اس کتاب کے مطالعہ سے فرنگی طب کے غلط طریقہ علاج اور عطایانہ صورتوں کو پورے طور پر سمجھ لیا جائے گا۔ اور یہ کتاب طبی دنیا میں ایک سنگ میل ثابت ہوگی اور یہی ہمارا مقصد بھی ہے۔

ہنگامی حالات

گذشتہ ۶ ستمبر کو بھارت نے پاکستان پر بغیر الٹی میٹم رات کے اندھیرے میں لاہور پر تین اطراف سے حملہ کر دیا تھا اس کے ساتھ ہی ملک میں ہنگامی حالات کا اعلان کر دیا گیا تھا لیکن باوجود اس شدید جنگ کے اہل لاہور پر خوف و ہراس کا کوئی اثر نہ تھا۔ لاہور کی زندگی معمول کے مطابق بڑے جوش و خروش سے چلتی رہی۔ ہم بھی گولوں کی گن گرج اور ہوائی جہازوں کے سایوں میں بیٹھے کام کرتے رہے۔ ستمبر کا پرچہ وقت پر شائع کیا گیا اور اب اکتوبر نومبر کا خاص نمبر پہلے سے بھی زیادہ ضخیم شائع کر رہے ہیں جس کو پڑھ کر طبی دنیا دنگ رہ جائے گی۔

خداوند کریم کے خاص فضل و کرم سے پاکستان کو نہ صرف شاندار فتح نصیب ہوئی ہے بلکہ ساری قوم یکسر بدل گئی ہے۔ یقین نہیں آتا کہ آج سے صرف ڈیڑھ ماہ پہلے جو قوم تھی کیا یہ وہی قوم ہے۔ اب تمام دنیا میں اس قوم اور ملک کی وہ عزت اور شان پیدا ہو گئی ہے جس کا الفاظ میں بیان کرنا مشکل ہے۔ الہم زد مزلہ

صابر ملتانی

۲۷ اکتوبر ۱۹۶۵ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مُقدّمہ

ایک ''دانشور'' اور ''فنکار'' نے بگلا پکڑنے کا طریق یہ بتایا تھا کہ جب وہ دھوپ میں کھڑا ہو تو اس کے سر پر جا کر موم رکھ دینی چاہیے۔ موم دھوپ کی گرمی سے پگھل کر اس کے پروں اور آنکھوں پر جم جائے گی اور وہ اڑنے کے ناقابل ہو جائے گا۔ البتہ دوڑنے کے پھر بھی قابل ہوگا۔ اس لیے اسے پکڑنے کے وقت چند آدمی ہمراہ لے لیے جائیں تاکہ وہ بھاگ کر کہیں نہ جاسکے۔ اس کے ساتھ اس کا بھی خیال رہے کہ موم جب تک پگھل نہ جائے' اس کے سر پر قائم رہنی چاہیے اور گر پڑنے کی صورت میں دوبارہ سر پر رکھ دینی چاہیے۔ اگر وہ موم کے پگھلنے سے قبل ہی اڑنا شروع کر دے تو حزن و یاس کے ساتھ اس کی طرف تکتے رہیے۔ اس پر عرض کیا گیا کہ کیوں نہ موم سر پر رکھتے وقت ہی پکڑ لیا جائے تو اس ''دانشور'' اور آرٹ کی نمائش کیسے ہوگی حالانکہ کامیابی کا راز ان ہی میں پوشیدہ ہے۔

یہی صورت ایلوپیتھی (طب فرنگی) کی ہے۔ وہ مرض پر قابو پانے کی بجائے پہلے جراثیم پر قابو پانا چاہتی ہے اور جب جراثیم فنا ہو جاتے ہیں تو مرض کو رفع کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ اگر جراثیم فنا نہ ہوسکیں تو پھر مرض کو رفع کرنے کی کوشش بھی بے سود ہوتی ہے۔ گویا جراثیم کو فنا کرنا ان کے نزدیک ایسا ہی اہم ہے جیسے بگلے کے سر پر موم رکھ کر اس کو پہلے اندھا کرنا اور اڑنے کے ناقابل بنانا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ کسی مرض کا علاج بغیر جراثیم فنا کیے بھی ہوسکتا ہے کیونکہ جراثیم کو جسم کے اندر کوئی دوا فنا نہیں کرسکتی بلکہ ان کو فنا کرنے کے لیے ہمارے جسم کے اندر کئی کارخانے' مشینیں اور قوتیں قدرتی طور پر کام کر رہی ہیں جو ان کو ضرورت کے مطابق خود بخود فنا کے گھاٹ اتارتی رہتی ہیں۔ جب یہ فیکٹریاں اور قوتیں کبھی کمزور پڑ جاتی ہیں تو جسم میں بعض قسم کے مواد اکٹھے ہو جاتے ہیں جس کے نتیجہ میں ان میں خمیر اور جراثیم پیدا ہو کر زہر بن جاتا ہے اور باعث مرض ہوتا ہے بعض اوقات بعض قسم کے جراثیم جسم میں داخل ہو کر ان کارخانوں اور قوتوں پر اثر انداز ہو کر ان کو کمزور کر دیتے ہیں جس کے نتیجہ میں ان کی پیدائش وافزائش زیادہ ہو جاتی ہے اور پھر ان میں خمیر اور زہر پیدا ہو کر باعث مرض ہوتا ہے۔ گویا ہر مرض میں تین صورتوں میں سے ایک نہ ایک ضرور ہوگی۔

① جسم میں کسی مواد کے رک جانے سے وہاں پر خمیر کی صورت ہو کر جراثیم پیدا ہو جائیں جن کا نتیجہ زہر ہے۔

② جراثیم فنا کرنے والی فیکٹریاں اور قوتیں کمزور پڑ جائیں جس کے نتیجہ میں جراثیم کا فنا ہونا مشکل ہو جائے اور وہ جسم کے اندر اکٹھے ہو کر اپنا کام شروع کر دیں۔

③ جراثیم کا جسم پر مسلسل حملہ اعضاء جسم اور قوت کو کمزور کر دے اور اس طرح جراثیم اندر جمع ہو کر افزائش نسل کے بعد اپنا زہر پیدا کر لیں اور باعث امراض ہوں۔

غرض ان تینوں صورتوں میں جب جسم کے اندر مرض پیدا ہوتا ہے تو اس میں جراثیم' قوت جسم اور اعضائے جسم تینوں کا اشتراک ہوتا ہے۔ فقط جراثیم کوئی حیثیت نہیں رکھتے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ جراثیم اس میں سوائے علامت کے کوئی نمایاں حیثیت نہیں رکھتے بلکہ ان کی وہی حیثیت ہے' جو مواد کی ہے۔ دوسرے الفاظ میں جراثیم صرف زندہ مواد ہیں جو کبھی مواد کو زہر میں اور کبھی زہر کو مواد میں تبدیل کر

دیتے ہیں۔ اصل حیثیت اعضائے جسم اور قوت جسم کی ہے۔ جب تک اعضائے جسم انسانی اور قوت اپنے صحیح عمل اور حالت میں ہوں تو نہ تو جراثیم ہی جسم میں اثرانداز ہوسکتے اور نہ کہیں مواد پیدا ہوسکتا ہے۔ نیز ایسی صورت میں مواد کے رکنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوسکتا۔

ایلوپیتھی کی غلط فہمیاں

ایلوپیتھی کو یہ غلط فہمی ہے کہ امراض صرف جراثیم سے پیدا ہوتے ہیں اور ان کو فنا کیے بغیر مرض رفع نہیں ہوسکتا۔ فرض کرلیا جائے کہ درست ہے۔ لیکن ہمارے پاس اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ جرم کش ادویہ کے استعمال سے جسم کے اندر جراثیم مرجاتے ہیں اور ان کا اثر صرف جراثیم پر ہوتا ہے۔ اعضائے جسم اور قوت جسم پر نہیں ہوتا اور پھر اس بات کو بھی فرض کرلیا جائے کہ ادویات کا اثر صرف جراثیم پر ہوتا ہے اعضائے جسم وقوت جسم پر نہیں ہوتا اور جراثیم فنا ہوجاتے ہیں (اگرچہ ان دونوں مفروضوں کو سائنس تسلیم نہیں کرتی) لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا صرف جراثیم کو فنا کردینا ہی علاج ہے۔ ان کا بدن سے اخراج اور آئندہ کے لیے پیدائش روکنا علاج میں داخل نہیں ہے (اس مسلّم حقیقت سے انکار مشکل ہے) اگر دونوں صورتیں علاج میں داخل ہیں تو پھر ماننا پڑے گا کہ فنا شدہ جراثیم اعضا کی درستی کے بغیر نہیں نکل سکتے اور نہ بغیر قوتِ جسم آئندہ کے لیے ان کی پیدائش رک سکتی ہے ایلوپیتھی صرف جراثیم کو ہی بیماری کا باعث اور ان کو فنا کردینا ہی علاج مرض خیال کرتی ہے۔ یہ دونوں باتیں نہ صرف غلط بلکہ غیرعلمی (ان سائنٹیفک) ہیں۔

کیا صرف جراثیم ہی باعثِ مرض ہیں؟

اب ذرا ایک اور انداز سے اس امر پر غور کریں کہ کیا صرف جراثیم ہی باعث مرض ہیں؟ اس امر میں شک نہیں کہ جراثیم باعث مرض ہوسکتے ہیں۔ لیکن ان کے علاوہ اور باتیں بھی باعث امراض ہوسکتی ہیں۔ جیسے کیفیاتی اسباب (گرمی، سردی، خشکی، تری، حرکت اور سکون کی کمی بیشی) نفسیاتی اسباب (غم، غصہ، مسرت ولذت اور خوف وپشیمانی وغیرہ) مادی اسباب (ماکولات، مشروبات اور گیس کے اثرات وغیرہ) جن کی تفصیل باعث طوالت ہوگی۔ پھر صرف جراثیم کو ہی باعث مرض قرار دینا کہاں کی صداقت اور کہاں کا علمی نظریہ ہے۔ یہ سب ایلوپیتھی کے غیرعلمی ہونے کی شہادتیں ہیں۔

پھر اسباب کے متعلق یہ جان لینا ضروری ہے کہ سبب بیماری کا محرک تو ہوتا ہے۔ خود مرض نہیں ہوتا یعنی یہ سبب کسی جگہ اثر کرتا اور کسی مقام جسم یا عضو جسم میں تبدیلی پیدا کرتا ہے۔ جس سے افعال اعضاء غیرمعتدل اور مقام جسم کی حالت متغیر ہوجاتی ہے اور اسی حالت کا نام مرض ہے۔ اس لیے طبی اصطلاح میں سبب کو اسباب سابقہ یا بادیہ کہتے ہیں۔ اسباب واصلہ یا فاعلہ نہیں کہتے۔ اس سے ثابت ہوا کہ جراثیم اسباب سابقہ اور بادیہ میں سے تو ہوسکتے ہیں لیکن اسباب واصلہ یا فاعلہ نہیں ہوسکتے۔ جن کے اثر کے بعد مرض پیدا ہو۔ اور اسباب بادیہ وسابقہ چاہے وہ جراثیم ہی کیوں نہ ہوں وہ اعضاء کے فعل کی خرابی اور قوتِ جسم کی کمزوری کا باعث تو ہوسکتے ہیں، مرض کا سبب نہیں بن سکتے۔ کیونکہ اگر اعضا تندرست اور قوتِ جسم مضبوط ہو تو کسی قسم کے جراثیم یا دیگر اسباب سابقہ اور بادیہ جسم میں کوئی تغیر پیدا نہیں کرسکتے۔

پھر ایک اور پہلو سے نظریہ جراثیم پر غور کریں اور دیکھیں کہ کیا جرم کش ادویہ دافع امراض ہیں؟ جن ادویہ کے متعلق برٹش فارماکوپیا اور میڈیکل کونسل جنرل فیصلہ دیتا ہے کہ فلاں دوا فلاں مرض کے جراثیم ہلاک کرتی ہے پہلے ان ادویہ کو جسم سے باہر جراثیم پر ڈال کر ہلاک کر کے دیکھا جاتا ہے لیکن جاننا چاہیے کہ جسم سے باہر کسی دوا کا جراثیم کو ہلاک کرنا اور ہے اور جسم کے اندر ان کو فنا کرنا کار دیگر ہے۔ جرم کش ادویہ

کے استعمال پر دو اعتراض پیدا ہوتے ہیں۔ پہلا اعتراض یہ ہے کہ جرم کش ادویات جسم میں داخل ہو کر فوراً جراثیم کو ہلاک کرنا شروع نہیں کر دیتیں بلکہ ان کا اثر پہلے خون اور متعلقہ اعضاء پر پڑتا ہے۔ پھر وہ اعضاء اپنے دافع زہر لعابات (سکریشن) سے ان جراثیم یا گندے مواد (سپٹک) کو تباہ کر دیتے ہیں۔ لیکن اگر کوئی دوا زیادہ تیز داخل جسم کر دی جائے تو اول وہ کریات خون خاص طور پر سفید کریات (وائٹ کارپلز) کو فنا کرنا شروع کر دیتی ہے جس سے بجائے جراثیم کے مریض خود ہلاک ہو جاتا ہے۔ طبی تاریخ اس قسم کے واقعات سے بھری پڑی ہے اور روزانہ کے واقعات اس پر گواہ ہیں۔ دوسرا اعتراض یہ ہے کہ کسی جرم کش دوا سے مریض کو فائدہ ہو بھی جائے تو دیکھنا یہ ہے کہ دوا نے صرف جراثیم کو ہلاک کیا ہے یا اعضائے جسم میں تغیر و تبدل اور خون و جسم کی قوت کو قوی و مضبوط بھی کیا ہے۔ اگر صرف جراثیم کو فنا کیا ہے تو یقیناً وہ دوا جرم کش ہے لیکن دوسری صورت میں دوا نہیں بلکہ اعضائے جسم اور قوت جسم ان کو فنا کر کے صحت کا باعث ہوئی ہے۔

ایک ہی جرم کش دوا ہر قسم کے جراثیم کو ہلاک کیوں نہیں کرتی

آیئے اس نظریہ جراثیم کو ایک اور اصول سے بھی پرکھیں تاکہ کوئی پہلو تشنہ نہ رہ جائے۔ سو جاننا چاہیے کہ جب سائنس ایسی دوا اور طریق معلوم کر چکی ہے جس سے ہر قسم کے جراثیم ہلاک ہو جاتے ہیں تو پھر کیوں نہ ایک دوا منتخب کر لی جائے جو ہر قسم کے جراثیم کو ہلاک کرنے میں سب سے زیادہ کامیاب ہو اور اسی سے اندرونی طور پر ہر قسم کے مرض کا علاج کر لیا جائے۔ جیسے بیرونی طور پر ایک ہی دوا کو دافع تعفن (Antiseptic) کے طور پر استعمال کر لیا جاتا ہے لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ تقریباً ہر مرض کے لیے جدا جدا دافع جراثیم دوائیں ہیں بلکہ ایک مرض کے لیے کئی کئی ادویات استعمال کی جاتی ہیں۔ اکثر ان سب کے استعمال سے بھی فائدہ نہیں ہوتا اور دن رات دیگر جراثیم کش ادویات کی تلاش جاری ہے۔ یہ اس امر کا ثبوت ہے کہ جراثیم تھیوری بالکل غلط اور ایلوپیتھی بالکل غیر علمی طریق علاج ہے۔ مرض کو جب بھی آرام آتا ہے تو جراثیم کش ادویہ کے استعمال سے نہیں بلکہ ان ادویہ کے استعمال سے آتا ہے جو جسم انسان کے اعضاء کو درست اور قوت کو مضبوط بنائیں۔

جراثیم کش ادویہ جب ناکام ہوتی ہیں

مندرجہ بالا حقائق کے علاوہ ایک اور حقیقت پر بھی غور کریں تاکہ نظریہ جراثیم اور ایلوپیتھی کی ناقص اور غیر علمی تمام صورتیں سامنے آ جائیں۔ ہر ایلوپیتھی کا حامل (ڈاکٹر) جب جرم کش ادویات پر ادویات استعمال کرتا ہے مگر مرض میں تخفیف نہیں ہوتی تو پھر معروف عطایانہ اور عطارانہ طریق علاج اختیار کرتا ہے۔ یعنی مریض کی بیان کردہ حقیقت کے مطابق کبھی قبض کشا دوا سے اندرونی مواد کو خارج کرتا ہے۔ کبھی مدرات سے حرارت دور کرتا ہے اور گاہے محرکات کے استعمال سے اس کا بخار دور کرتا ہے۔ اسی طرح قے آور ادویہ سے معدہ صاف کرتا اور مخدر و مسکن ادویات سے درد دور کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس طریق سے بعض اوقات متعلقہ اعضا اتفاقاً درست ہو جاتے ہیں اور مریض صحت یاب ہو جاتا ہے۔ اس پر ڈاکٹر فخر کرتا ہے لیکن حقیقت میں اس نے اندھیرے میں تیر چلائے ہیں۔ جب کبھی اس طریق سے بھی آرام نہیں آتا تو پھر آخری تیر چلاتا ہے۔ یعنی مقوی جسم و مولد خون ادویات کا استعمال شروع کر دیتا ہے اور مریض کو بھی مقوی اغذیہ خصوصاً چاہے وہ جماداتی، نباتاتی ہوں یا حیوانی، کے کھانے پر زور دیتا ہے۔ کبھی کبھی تلخ مقویات استعمال کرتا ہے جن میں ارزاقی کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ اس طرح بھی بعض اوقات آرام آ جاتا ہے۔ اس پر پھر ڈاکٹر اپنی کامیابی پر ناز کرتا ہے لیکن وہ بھول جاتا ہے کہ یہ طریقہ علاج علمی اور سائنسی

نہیں بلکہ خالص عطایانہ اور عطارانہ ہے۔ اس نے کامیابی نہیں بلکہ فنی طور پر گناہ اور فن کی تذلیل کی ہے۔ کیونکہ اس کی علمی اور اصولی صورت کو چھوڑ کر ایک آرٹ کے حسن کو فنا کر دیا ہے۔ اس کو تو اس اصول کی پیروی کرنی چاہیے تھی کہ مریض مرتا ہے تو مرجائے مگر وہ اپنا اصول اور علمی نظریہ ترک نہیں کرے گا۔ اگر یہ کام خلق کی ہمدردی کے طور پر کیا ہے تو آرٹ کے حسن پر ظلم کیا ہے۔ لیکن وہ مجبور ہے کیونکہ مریضوں کے آرام نہ آنے سے اس کے پاس مریض نہیں آتے اور اس طرح کاروبار خراب ہوتا ہے۔ اے کاش! وہ کبھی اس امر پر بھی غور کرتا کہ اس کا اصول علاج بالکل غیر علمی، بے اصولا و لایعنی ہے۔

غیر جراثیمی امراض

اب ذرا ایک اور پہلو سے غور کریں کہ بلاشک و شبہ ایک دو نہیں بلکہ ہزاروں امراض ایسے ہیں جو بغیر جراثیم کے پیدا ہوتے ہیں اور ان کا علاج بھی بغیر جراثیم کش ادویہ سے محض ادویہ کے خواص کو مدنظر رکھ کر عطایانہ و عطارانہ طور پر کیا جاتا ہے۔ کبھی خون کو صاف کیا جاتا ہے اور کبھی اسے طاقت دی جاتی ہے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ جراثیمی امراض سے غیر جراثیمی امراض بہت زیادہ ہیں۔ جیسے کیفیاتی اور نفسیاتی امراض کیمیاوی امراض (جن میں خون کے قوام میں بعض عناصر کی کمی بیشی ہو جاتی ہے) ضعف کے امراض مثلاً دل و دماغ اور جگر کا کمزور ہو جانا اور اسی طرح پٹھوں کی کمزوری اور حرارت کی کمی سے پیدا ہونے والے امراض وغیرہ جن کی فہرست آئندہ صفحات میں دی جائے گی۔ یہ تمام امور اس بات کا قطعی ثبوت ہیں کہ ایلوپیتھی ایک غیر علمی اور غیر سائنسی طریق علاج ہے اور اس کو جلد از جلد چھوڑ دینا چاہیے۔

فوری امراض

یہ حقیقت تجربہ اور مشاہدہ پر مبنی ہے کہ فوری طور پر پیدا ہونے والے امراض جیسے چوٹ، زخم، ڈوبنا، گیس چڑھنا، زہر کھانا، اچانک بے ہوشی و غشی اور زہریلے جانوروں کا ڈسنا وغیرہ میں فوری طور پر کوئی جراثیم نہیں ہوتے اور نہ ہی ان کے علاج میں دافع جراثیم ادویات استعمال کی جاتی ہیں بلکہ متعلقہ علامات کو عام طور پر حالت جسم کو مدنظر رکھ کر مسکن و مخدر، محرک و مقوی اور دافع زہر و تریاق استعمال کیے جاتے ہیں۔ اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ ان امراض میں سبب کا علم نہیں ہوتا مگر ظاہرہ علامات کو سامنے رکھ کر علاج کیا جاتا ہے اور بعد میں اگر ضرورت ہو تو اسباب کو مدنظر رکھ کر اس کو رفع کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اس تمام عرصہ میں جراثیم کا تصور تک بھی پیدا نہیں ہوتا۔ یہ حقیقی مشاہدہ اور تجربہ اس بات کا قطعی ثبوت ہے کہ صرف جراثیم ہی باعث امراض نہیں بلکہ دیگر اسباب بھی موجب امراض ہوتے ہیں۔

عناصر کی کمی بیشی

جب انسان کے خون و بلغم اور پیشاب و پاخانہ کا کیمیاوی معائنہ کیا جاتا ہے تو اس میں جراثیم کے علاوہ ان مختلف عناصر کی بھی کمی بیشی پائی جاتی ہے جن سے جسم انسان مرکب ہے جیسے کیلشیم، فیرم اور سلفر و فاسفیٹ وغیرہ اور ان کی کمی بیشی بھی باعث مرض ہوتی ہے اور ان کے اعتدال پر لانے سے مرض کو آرام آجاتا ہے۔ بالکل اسی طرح ایسی اغذیہ جن میں ترشی و کھار اور مٹھاس و نمک کی زیادتی ہو تو کھانے سے بھی امراض پیدا ہوتے ہیں اور ان کے اعتدال سے امراض رفع ہو جاتے ہیں۔ ان دونوں صورتوں میں جراثیم کا کوئی دخل نہیں ہے۔ کیا اس امر سے ثابت نہیں ہوتا کہ صرف نظریہ جراثیم کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔

دو یا تین امراض

بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ایک مرض کے ساتھ ہی دوسرا اور تیسرا مرض بھی پیدا ہو جاتا ہے جیسے نزلہ زکام اور ذات الجنب کے ساتھ ہی اسہال وغیرہ شروع ہو جاتے ہیں بلکہ آگے چل کر ٹی بی بھی پیدا ہو جاتی ہے اسی طرح انفلوئنزا' محرقہ اور سرسام وغیرہ اکٹھے ہو جاتے ہیں بلکہ مریض اگر بچ جائے تو سل میں گرفتار ہو جاتا ہے۔ ان میں ہر مرض کے جراثیم جدا جدا ہیں۔ بتایا جائے کہ ایسی حالتوں میں تشخیص وعلاج کی کیا صورت ہوگی۔ ظاہر ہے کہ ایسی حالت میں ڈاکٹر پریشان ہو جاتے ہیں اور عموماً علامات کو ہی مدنظر رکھ کر علاج کرتے ہیں جن میں اکثر ناکامی ہوتی ہے۔ کیا اب بھی اس امر میں شک رہتا ہے کہ نظریہ جراثیم بالکل غلط اور ایلوپیتھی طریقہ علاج بالکل غیر اصولی وغیرہ علمی ہے۔

ایک قسم کے جراثیم کے مختلف امراض

اکثر دیکھا گیا ہے کہ ایک قسم کے جراثیم جب مختلف اعضا پر اثر انداز ہوتے ہیں تو مختلف قسم کے امراض پیدا کرتے ہیں مثلاً گونوریا کے جراثیم سے سوزش مثانہ' سوزش کلیہ' سوزش ریہ اور سوزش چشم وغیرہ پیدا ہو جاتی ہیں۔ لیکن علاج کی صورت میں ہم دیکھتے ہیں کہ ہر مرض اور ہر عضو کے علاج میں ایک دوسرے سے بالکل مختلف صورتیں اختیار کی جاتی ہیں بلکہ بعض صورتوں میں متضاد صورتیں اختیار کی جاتی ہیں۔ مثلاً سوزاک اور سوزش مثانہ میں مدرات' گردوں کی سوزش میں محللات اور نمونیا و سوزش چشم وغیرہ میں محرکات کا استعمال کیا جاتا ہے۔ صرف جرم کش ادویہ کے استعمال سے تمام امراض کو آرام نہیں آتا۔ یہ امور اس امر کی صریح دلیل ہیں کہ ایلوپیتھی میں کہیں بھی ایک اصول کام نہیں کرتا اور وہ محض ایک عطایانہ طریق علاج ہے۔

ایک مرض یا عضو میں مختلف قسم کے جراثیم

مندرجہ بالا صورت کے برعکس یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ ایک عضو کی خرابی یا ایک خاص مرض کی پیدائش میں مختلف اقسام کے جراثیم اثر انداز ہوتے ہیں۔ یہاں معالج کے لیے یہ امر باعث مصیبت بن جاتا ہے کہ وہ علاج میں کیا طریق اختیار کرے کیونکہ ہر قسم کے جراثیم کے لیے جدا قسم کی دوا مقرر ہے اور وہ جب تک لیبارٹری میں اس کا تیقن نہیں کر لیتا' کوئی دوا نہیں دے سکتا۔ اور بغیر تشخیص کے دوا دینے میں نقصان اور زہریلے اثرات کے پیدا ہونے کا امکان ہے۔ اس کے ساتھ یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ معائنہ جراثیم میں غلطیاں سرزد ہو جاتی ہیں اور مریضوں کو غلط ادویہ دے کر یا غلط اپریشن کر کے موت کے گھاٹ اتار دیا جاتا ہے۔ اس سلسلہ میں ایک واقعہ دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ تقسیم ہند سے قبل کا واقعہ ہے کہ سنٹرل جیل لاہور کے ایک ہندو اسسٹنٹ جیلر کی لڑکی آنتوں کے مرض میں گرفتار ہوئی۔ مختلف علاج کرانے کے بعد جب آرام نہ ہوا تو اس وقت کے میو ہسپتال کے سرجن انچارج کرنل میراجکر کو دکھایا گیا۔ چونکہ لڑکی کو زائدہ اعور کے مقام پر درد اور بخار تھا اس لیے انہوں نے ورم زائدہ اعور تجویز کر کے اپریشن کر دیا۔ مگر لڑکی کو نہ درد کا آرام آیا اور نہ بخار اترا۔ کچھ عرصہ بعد انہوں نے دوسرا اپریشن کر دیا مگر آرام کی صورت پیدا نہ ہوئی مجھے لڑکی کو ہسپتال میں دکھایا گیا لیکن مرض کے متعلق کچھ نہ بتایا گیا۔ میں نے جا کر نبض دیکھی اور دو منٹ کے بعد ان سے کہا کہ لڑکی کو آنتوں کی ٹی بی ہے۔ اور اس کے غدد متورم ہیں۔ اتفاق سے میرے جانے سے نصف گھنٹہ قبل ہسپتال کی طرف سے نیا نتیجہ لڑکی کے ایک رشتہ دار کو جو اس کا نگران تھا سپرد کیا گیا تھا۔ وہ میری طرف حیرت سے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے لگا۔ اس نتیجہ کا لڑکی کے والد کو کوئی

علم نہ تھا۔ اس نے اس نگران سے وجہ حیرت دریافت کی تو اس نے بتلایا کہ ابھی ابھی ڈاکٹر میراجکر کی طرف سے نیا نتیجہ آیا ہے جو انہوں نے کل کے معائنہ سے نکالا ہے اور اس میں بھی ٹی بی گلینڈ کا ورم بتایا گیا ہے۔ لڑکی کا باپ اس سے بہت خوش ہوا اور ساتھ ہی بڑے جوش اور حیرت سے کہنے لگا کہ کتنا ظلم ہے کہ سات ماہ کے بعد اور دو دفعہ اپریشن کرنے کے بعد ڈاکٹر کو آج معلوم ہوا ہے کہ لڑکی کو ورم زائدہ اعور نہیں بلکہ ٹی بی گلینڈ کا ورم ہے اور میری طرف مخاطب ہو کر کہا کہ آپ نے صرف نبض دیکھ کر (بغیر پیٹ وغیرہ دیکھے) دو منٹ میں صحیح مرض بتا دیا ہے۔ چنانچہ وہ لڑکی کو گھر لے گیا اور وہاں پر میرا علاج کرایا۔ اس داستان سے مقصود صرف یہ ہے کہ بڑے سے بڑے ڈاکٹر بھی کیمیاوی آلات کی مدد سے تشخیص کرتے ہوئے غلطی کر جاتے ہیں اور غلط علاج شروع ہو جاتا ہے۔ اس امر میں غور طلب بات یہ ہے کہ اوّل ڈاکٹر صاحب کو ورم زائدہ اعور کے جراثیم کیسے معلوم ہوئے اور پھر وہاں ٹی۔ بی کے جراثیم کیسے پیدا ہو گئے۔ اگر انہوں نے پہلے سات ماہ تک کیمیاوی معائنہ نہیں کیا اور بغیر تسلی کے دو اپریشن کر دیئے تو از حد ظلم کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر وہ اعضاء کی خرابی کی علامات بھی جانتے یا ان پر غور کرتے تو صاف معلوم ہو جاتا کہ ورم زائدہ اعور اور ٹی۔ بی میں کتنا نمایاں فرق ہے۔

سوزش کا ایک مقام سے دوسرے مقام پر منتقل ہونا

بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ معدہ کے اندر غشائے مخاطی میں سوزش ہو جاتی ہے اور پھر رفتہ رفتہ سینہ، گلے اور ناک آنکھ اور کان میں پھیل جاتی ہے۔ معدہ سے لے کر کانوں تک جہاں پر بھی سوزش کی شدت ہوگی مرض اور علاج کی پوزیشن جدا ہوگی۔ تشخیص میں بھی غلطیاں پیدا ہوں گی اور ہر جگہ جراثیم کی شکل بھی بدل جائے گی۔ ہر عضو کی تکلیف کے ساتھ علامات بدلتی جائیں گی اور جرم کش ادویہ سے آرام نہیں ہوگا۔ جس قدر بھی علاج کیا جائے گا، مرض بڑھتا جائے گا۔ اس کا باعث بھی وہی طریقہ علاج کا بے اصول ہونا اور وہی علاج کی ناکامی کا موجب ہے۔

جراثیم کش ادویہ دافع سوزش نہیں

یہ ہمارا ایک نہایت اہم اور زبردست انکشاف ہے کہ جرم کش ادویہ دافع سوزش نہیں ہوتیں۔ اس چیز کو سمجھنے کے لیے اوّل یہ امر جاننا چاہیے کہ جرم کش ادویہ خود جراثیم کو ہلاک نہیں کرتیں بلکہ وہ اعضائے جسم اور اندر کی پیچیدہ مشینری کو تیز کر دیتی ہیں جو جرم کو فنا اور مواد کا اخراج کرتے ہیں۔ اگر جراثیم ہلاک بھی ہو جائیں تو یہ سوزش کے ختم ہو جانے کی علامت نہیں۔ وہ تو بعض اوقات زیادہ ہو جاتی ہے کیونکہ جس مقام پر سوزش ہوئی تھی (چاہے وہ جراثیم سے ہی ہوئی ہو حالانکہ وہ جراثیم کے علاوہ کسی مخرش دوا سے بھی ہو سکتی ہے) وہاں پر طبیعت مدبرہ بدن رطوبات اور سفید دانہ ہائے خون کا اجتماع کر دیتی ہے تاکہ وہاں پر سوزش ختم ہو جائے گویا طبیعت خود مرض کا علاج کرتی ہے مگر دافع جراثیم ادویہ اکثر اس رطوبت فنا کر دیتی ہیں جس کے نتیجہ میں اکثر مرض شدت اختیار کر لیتا ہے بلکہ ناقابل علاج ہو جاتا ہے جس طرح کسی نمونیا کے مریض کے درد کو رفع کرنے کے لیے یا دافع جراثیم کے لیے ایم بی ۶۹۳ یا ایسی ہی دوا کا استعمال مریض کو ہلاک کرنا ہے کیونکہ درد اور صرف درد ہی اس مقام پر صحت کی علامت ہے۔ اس سے ایک طرف مریض کی طاقت بحال رہتی ہے اور دوسری طرف وہ رطوبات وسفید دانہ ہائے خون کو اپنی طرف کھینچتا ہے۔ تاکہ سوزش ریہ کو رفع کرے اور اسی لیے ڈاکٹروں نے بعد از خرابی بسیار دیگر ادویہ کی طرح اس کا استعمال بند کر دیا ہے۔ اسی طرح محرقہ بخار بطنی میں مسہل اور جراثیم کش ادویہ کا استعمال اور محرقہ دماغی میں اسپرین یا کوئی دیگر ایسی ہی دوا استعمال کر کے درد کو دور اور بخار کو اتارنا مریض پر ظلم ہے کیونکہ محرقہ بطنی امعاء کے غدد میں سوزش سے پیدا ہوتا ہے اور اگر اس میں مسہلات کا استعمال کیا جائے تو وہ

سوزش ورم اختیار کر لیتی ہے اور امعاء اکثر پھٹ جاتی ہے اور مریض مشکل سے جانبر ہوتا ہے اور جرم کش ادویہ سے بجائے سوزش رفع ہونے کے رطوبت اور سفید دانہ ہائے خون فنا ہو جاتے ہیں۔ جس کے نتیجہ میں بخار تو اتر جاتا ہے مگر مریض کی حالت خراب ہو جاتی ہے۔ وہ اکثر مر جاتا ہے اور اگر بچ جائے تو اس کا کوئی نہ کوئی عضو یا آنکھیں خراب ہو جاتی ہیں۔ ایسے کیس دیکھ کر دل کو از حد دکھ اور اس غلط طریق علاج پر افسوس ہوتا ہے۔

جراثیم کش ادویہ صحت کو تباہ کر دیتی ہیں

جراثیم کش ادویہ جہاں جسم کی اس مشینری کو تیز کر دیتی ہیں جو جراثیم کو ہلاک کر دیتی ہے وہاں وہی مشینری رطوبات جسم اور سفید دانہ ہائے خون کو بھی فنا کر دیتی ہے۔ یہی رطوبات اور سفید دانہ ہائے خون اندرونی زہروں کو ختم کر کے امراض کے دور کرنے کا باعث ہوتے ہیں لیکن ان کے فنا ہو جانے سے نہ جسم کا زہر ختم ہوتا ہے اور نہ مرض دور ہوتا ہے بلکہ کئی دوسرے خوفناک امراض پیدا ہو جاتے ہیں ایسی صورت میں مجبوراً ڈاکٹروں کو پھر مجرباتی اور عطائیانہ طریق اختیار کرنا پڑتا ہے جس سے گاہے مریض بچ جاتا ہے لیکن اکثر ہلاک ہو جاتے ہیں۔

جرم کش ادویہ کا غلط استعمال

جرم کش ادویہ کا صحیح استعمال اور محل بھی ڈاکٹر صاحبان نہیں جانتے۔ اسی وجہ سے پنسلین اور دیگر جرم کش ادویہ سے بے شمار اموات واقع ہو جاتی ہیں اور اسی وجہ سے ڈاکٹر فلیمنگ نے اپنے دورۂ ہندوستان کے وقت اعلان کیا تھا کہ ہر جراثیمی مرض میں بغیر سوچے سمجھے پنسلین کا استعمال غلط اور ہلاکت کا موجب ہوتا ہے۔ اس کی وجہ صرف یہی ہے کہ ایسی ادویہ کے استعمال سے رطوبات جسم اور سفید دانہ ہائے خون ختم ہو جاتے ہیں جو مرض کی ابتدائی حالت میں خود دافع زہر جراثیم اور مرض کی شفا کا موجب ہوتے ہیں۔

اس امر کو سمجھنے کے لیے یہ سمجھنا چاہیے کہ جب جسم میں کسی جگہ جراثیم یا کسی اور وجہ سے سوزش پیدا ہوتی ہے تو ابتدائی حالت میں وہاں رطوبات جسم اور سفید دانہ ہائے خون اکٹھا ہونے شروع ہو جاتے ہیں اور جسم میں سفید دانہ ہائے خون کی پیدائش بڑھ جاتی ہے اس سے ایک طرف سوزش ختم ہونا شروع ہو جاتی ہے اور دوسری طرف اس مرض کے لیے ایک قسم کا دافع زہر مواد بننا شروع ہو جاتا ہے جس کو سیرم (Serum) کہتے ہیں۔ اوّل تو یہی تریاق جسم خود جراثیم یا سوزش ختم کر کے مرض کو دور کر دیتا ہے لیکن اگر اس تریاق کی طاقت کمزور ہو تو طبیعت اس تریاق میں خمیر پیدا کر کے جسم میں حرارت کا موجب بنتی ہے۔ یہ حرارت خود دافع جراثیم و سوزش ہے کیونکہ اس حرارت سے وہ تمام مشینری اپنا عمل شروع کر دیتی ہے جو جراثیم کو فنا کرنے کا کام کرتی ہے۔ بس یہی وقت ہے جب جراثیم کش ادویہ استعمال کی جاتی ہیں۔ اس چیز کی بہترین مثال چھالا (آبلہ) ہے جو کسی حصہ جسم کے جل جانے پر پیدا ہو جاتا ہے۔ چھالے کے اندر کا پانی قدرت اسی لیے پیدا کرتی ہے تاکہ سوزش کو رفع کرے۔ یہی وہ رطوبت ہے جس کا اوپر ذکر ہوا ہے۔ ابتدائی علاج میں ایک لائق معالج کی یہی کوشش ہوتی ہے کہ یہ رطوبت زیادہ سے زیادہ پیدا ہو تاکہ جلن میں رفتہ رفتہ کمی آ کر وہ ختم ہو جائے۔ جو ادویہ اس پر لگائی جاتی ہیں ان کا مقصد بھی وہاں پر رطوبات کو زیادہ پیدا کرنا ہے لیکن ایک نالائق معالج اس چھالے کو کاٹ کر وہاں دافع سوزش یا جرم کش دوا لگا دیتا ہے جس کے نتیجہ میں بجائے آرام کے مرض شدت اختیار کر لیتا ہے اور کسی دوا سے آرام بھی آ جائے تو وہ حصہ جسم خراب ہو جاتا ہے۔ اس کا صحیح علاج یہ ہے کہ جب تک چھالے میں دکھن اور جلن ہو اس پر ایسی ادویہ لگائی جائیں جو رطوبات کو بڑھانے والی ہوں اور جب دکھن اور جلن ختم ہو جائے تو پھر چھالے کو کاٹ کر محلل ادویہ

استعمال کی جائیں۔ ایسی ادویہ دافع جراثیم ہوں یا نہ ہوں مریض کو یقیناً آرام آ جائے گا۔ اس کی دوسری مثال محرقہ بطنی کی ہے کہ جب محرقہ بخار چڑھتا ہے تو ایک ہفتے تک تیز' دوسرے ہفتے میں ایک حالت پر اور تیسرے ہفتے رفتہ رفتہ اترنا شروع ہو جاتا ہے۔ اس کی فلاسفی بھی یہی ہے کہ پہلے ہفتہ طبیعت مدبرہ بدن مقام سوزش پر رطوبات اور سفید دانہ ہائے خون جمع کرتی رہتی ہے۔ جس سے وہاں پر مرض کے خلاف تریاق پیدا ہونا شروع ہو جاتا ہے جوں جوں وہاں پر تریاق بڑھتا جاتا ہے وہاں خمیر بھی زیادہ ہوتا رہتا ہے جس سے جسم کی حرارت بڑھتی رہتی ہے۔ جب یہ اپنے پورے عروج پر پہنچ جاتی ہے تو جراثیم یا کوئی دیگر قسم کی سوزش کو فنا کر دیتی ہے۔ جسم پر باریک باریک دانے نکل آتے ہیں اور پھر بخار اترنا شروع ہو جاتا ہے۔ بعض دفعہ مریض کی کمزوری سے زیادہ دن بھی لے لیتا ہے اور بدپرہیزی سے دوبارہ بلکہ سہ بارہ اپنا کورس پورا کرتا ہے۔ اس کے علاج میں اگر کوئی دوا نہ بھی دی جائے اور صرف غذا پر سخت نگرانی رکھی جائے تو مریض کو یقیناً آرام آ جاتا ہے۔ دیہاتی لوگ اس مرض میں کسی معالج کی طرف رجوع نہیں کرتے۔ ان کا عقیدہ ہے کہ دوا سے یہ مرض ضدی ہو جاتا ہے اور بجائے آرام کے مرض بڑھ جاتا ہے۔ اب جو محرقہ بطنی کا سہ روزہ علاج نکل آیا ہے جس میں شروع ہی میں بخار دبا دیا جاتا ہے۔ گویا بخار اتارنا ہی محرقہ کا اصل علاج ہے نتیجتاً مریض مر جاتا ہے اور اگر بچ جائے تو اس کا کوئی نہ کوئی عضو بالکل باطل ہو جاتا ہے آنکھیں خراب اور اکثر اندھا یا بھینگا ہو جاتا ہے۔ حمی محرقہ کے مطالعہ میں عقلمندوں کے لیے بہترین سبق ہیں اور مسئلہ جراثیم واضح ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اس کی تیسری مثال محرقہ دماغی کی ہے۔ محرقہ دماغی میں اعصاب میں سوزش ہو جاتی ہے (چونکہ دماغ اعصاب کا مرکز ہے اس لیے اس کو محرقہ دماغی کہتے ہیں۔ ورنہ اصل میں سوزش جسم کے تمام اعصاب میں سر سے پاؤں تک ہوتی ہے) اس لیے طبیعت مدبرہ بدن جسم کی رطوبات اور سفید دانہ ہائے خون کو اعصاب کی طرف روانہ کرتی ہے تاکہ سوزش ختم ہو اور پیدا شدہ جراثیم ہلاک ہو جائیں۔ یہ رطوبت جہاں جسم کی سوزش کو رفع کرتی ہے وہاں پر ایک ایسا خمیر بھی پیدا کرتی ہے جو جراثیم کو ہلاک کر دیتا ہے۔ اگر اس خمیر سے جراثیم ہلاک نہ ہوں تو پھر اس خمیر میں حرارت پیدا ہو کر ہر قسم کی سوزش اور جراثیم کو فنا کر دیتی ہے۔ جب یہ رطوبت جسم میں ضرورت سے بڑھ جاتی ہے تو طبیعت مدبرہ بدن ان کو جسم سے خارج بھی کرتی رہتی ہے۔ اسی لیے محرقہ دماغی میں نزلہ' زکام' آنکھوں اور منہ سے پانی' پیشاب کی زیادتی اور اسہال شروع ہو جاتے ہیں۔ ابتدا میں ان کا بند کرنا مضر ہوتا ہے جب تک سوزش اور پھر بخار خود بخود کم نہ ہو ان کو بند نہیں کرنا چاہیے۔ یہ رطوبات کا آنا اس امر کا ثبوت ہے کہ طبیعت خود ان کا علاج کر رہی ہے۔ ایسے موقعہ پر جراثیم کش ادویہ کا استعمال رطوبت اور سفید دانہ ہائے خون کو فنا کر دیتا ہے۔ جرم کش اور محرک ادویات کے استعمال کا موقع و محل وہ ہے جب طبیعت خود جسم میں خشکی پیدا کر دے اور حرارت تیز ہو جائے جو اس امر کی علامت ہے کہ طبیعت کو مدد کی ضرورت ہے۔ اس وقت ان ادویہ کے استعمال سے ان شاء اللہ تعالیٰ مریض کو آرام بھی ہو گا اور نقصان بھی نہیں ہو گا۔

حمیٰ ملیریا کی مثال

اس امر کا سب سے دلچسپ ثبوت ملیریا بخار ہے۔ جب ملیریا بخار آتا ہے تو اس کی تین صورتیں ہوتی ہیں:

① جسم ٹوٹنا شروع ہو جاتا ہے اور سرد ہوتا چلا جاتا ہے۔ جمائیاں آتی ہیں اور منہ میں پانی اور آنکھوں میں آنسو نظر آتے ہیں۔

② سردی کا شدید احساس' جسم کانپنا' دانت پر دانت بجتے اور سخت بے چینی و گھبراہٹ ہوتی ہے۔ مریض گرم کپڑے اور گرم مشروبات کی خواہش کرتا ہے۔ اس طرح اس کا جسم گرم ہونا شروع ہو جاتا ہے۔

③ مریض کا جسم بالکل گرم اور اسے بخار ہو جاتا ہے۔ اوّل اوّل وہ کچھ سکون محسوس کرتا ہے مگر پھر گرم بھٹی میں جلنا شروع ہو جاتا ہے۔

یہاں تک کہ پسینہ آ جاتا ہے۔اس کے بعد مریض کو پورا آرام نصیب ہوتا ہے اور اکثر نیند آ جاتی ہے۔

یہ ہے ملیریا کی تمام کیفیت۔ اب اس پر غور کریں تو جراثیم اور علاج کی پوری کیفیت سمجھ میں آ جاتی ہے۔اوّل صورت میں سوزش جگر ہوتی ہے۔ چاہے وہ ملیریل جراثیم (Malarial Germs) سے ہو۔طبیعت مدبرہ بدن اس سوزش کو رفع کرنے کے لیے رطوبت اور سفید دانہ ہائے خون کو اس طرح روانہ کرنا شروع کر دیتی ہے۔اس حالت میں صورت اوّل کی تمام علامات پیدا ہونا شروع ہو جاتی ہیں۔ جب جسم میں رطوبات کی زیادتی ہو جاتی ہے تو صورتِ دوم کی اور جب جسم گرم ہو جاتا ہے تو صورت سوم کی علامات پیدا ہوتی ہیں۔ جب حرارت اپنے پورے عروج پر پہنچ جاتی ہے تو جگر کی وقتی سوزش ختم ہو جاتی ہے اور طبیعت مدبرہ بدن کو سکون مل جاتا ہے۔وہ پسینہ لا کر بخار کو کم کر دیتی ہے۔ یہ سوزش جگر جراثیمی ہو یا غدی یا موسمی ہو اسے بہر حال بخار کی حرارت سے ختم ہوتی ہے۔ جب تک سوزش جگر ختم نہ ہو اور اپنا کام صحیح طور پر شروع نہ کرے بخار کو آرام نہیں ہوگا۔ چاہے جتنی کونین اسے کھلا دو اور جسم کے ملیریائی جراثیم ختم کر دو۔ پرانا ملیریا بخار اس کے ثبوت میں ایک زبردست تجربہ اور مشاہدہ ہے۔حقیقت میں ملیریا پرانا بھی صرف اسی لیے ہوتا ہے کہ کونین اور اسی قسم کی دیگر ادویہ کے استعمال سے رطوبت وحرارت جسم کو ختم کر دیا جاتا ہے۔ڈاکٹر لوگ غلطی سے اس قدرتی رطوبت کو جو ابتداء میں طبیعت پیدا کرتی ہے اور جس سے سوزش رفع ہوتی ہے جراثیم کش ادویہ سے اس کو جلا دیتے اور پیدائش کو روک دیتے ہیں جس کے نتیجہ میں مرض مزمن ہو جاتا ہے یا مریض مر جاتا ہے۔ نیز ضعف قلب، کمی خون، عمومی کمزوری پیدا ہو جاتی ہے جو ہارٹ فیلور (Heart Falure) کا باعث ہوتی ہے۔ یہ تمام تجربات ومشاہدات اور دلائل اس پر گواہ ہیں کہ اصل باعث مرض نہ جراثیم ہیں اور نہ ان کو ہلاک کرنے سے مرض رفع ہو سکتا ہے اور ایلوپیتھی طریق علاج غیر علمی ہے۔

حرارت ورطوباتِ جسم

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ جسم انسان میں خون ہی زندگی اور طاقت ہے۔خون ایک گرم مرکب رطوبت (Hot Compound Fluid) ہے جو اعضاء کی مدد سے تمام جسم میں بنتا اور پہنچتا ہے۔ جب خون خراب ہو جائے (عناصر میں کمی بیشی آ جائے) اس کی رطوبت یا حرارت گھٹ جائے یا اس میں کسی قسم کا زہر یا جراثیم پیدا ہو جائیں تو مرض پیدا ہوتا ہے اور ان باتوں کی شدت موت کا باعث ہوتی ہے۔ قدرت نے خون ہی میں یہ طاقت رکھی ہے کہ وہ اعضاء کی مدد سے صحیح زندگی قائم رکھتا ہے۔ ہمارے اعضائے جسم تین کام کرتے ہیں۔اوّل خون پیدا کرتے، دوم اس کو صاف کرتے اور سوم جسم کے ہر حصہ میں پہنچاتے ہیں۔ گویا خون اور اعضاء کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔خون اعضاء کی غذا، گرمی اور صحت کا ذمہ دار ہے اور اعضاء اس کی پیدائش، صفائی اور گردش میں غیر معمولی مدد کرتے ہیں۔ دونوں کا یہی باہمی تعلق اور چکر صحت اور زندگی کا ضامن ہے۔

جاننا چاہیے کہ خون ذرات، رطوبات اور نمکیات سے مرکب ہے۔ ذرات جسم میں طاقت اور حرارت پیدا کرتے ہیں۔نمکیات اس کا رنگ اور قوام رکھتے ہیں اور رطوبات جسم میں غذائیت اور اعتدال قائم رکھتی ہیں۔ چونکہ نمکیات رطوبت وحلول اور ذرات خون کے قوام میں شامل رہتے ہیں۔اس لیے ظاہراً تین باتوں کا احساس ہوتا ہے۔ ❶ سرخی ❷ رطوبت ❸ حرارت۔ سرخی اگرچہ ایک رنگ ہے اور جسم میں اس کے بے شمار فوائد ہیں لیکن عام طور پر اس کے فوائد رطوبت کے ساتھ دیگر نمکیات کی طرح شامل رہتے ہیں۔ باقی رطوبت اور حرارت ہی وہ چیزیں ہیں جو جسم انسان کی زندگی کے قیام کے ساتھ صحت کی حفاظت اور مرض کو رفع کرنے کی طاقت رکھتی ہیں۔ یہ مرض کا مقابلہ کیسے کرتی ہیں۔اس کو اوپر ملیریا کے تحت بیان کر دیا گیا ہے۔

جراثیم کس طرح ہلاک ہوتے ہیں

مندرجہ بالا تمام تشریح سے یہ صاف واضح ہو جاتا ہے کہ ہر قسم کی سوزش (چاہے وہ جراثیمی ہو اور اس میں اورام بھی شریک ہیں) زہر اور درد (ہر قسم کے بخار شریک ہیں) یا دیگر کوئی مرض جسم کے انہی دونوں کیمیاوی اثرات یعنی رطوبتِ خون (Liqved of The Blood) اور حرارتِ خون (Heat of The Blood) سے اعضاء کی مدد سے رفع ہوتے ہیں۔

ان کا جسم میں کیمیاوی تغیر (Pathology) اس طرح عمل میں آتا ہے کہ جہاں کہیں سوزش یا جراثیم پیدا یا داخل ہوتے ہیں، طبیعت مدبرہ بدن وہاں پر فوراً رطوبات گرانا شروع کر دیتی ہے جن میں سفید ذرات خون بھی شریک ہوتے ہیں۔ وہاں پر یہ مرکب اس سوزش یا جراثیم اور زہر کو رفع کرنے کے لیے مختلف قسم کا مواد (Antiseptic Matter) تیار کرنا شروع کر دیتا ہے۔ جس سے وہاں کی سوزش، جراثیم اور زہر فنا ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔ اگر جسم میں قوتِ مدافعت (Immunity) مضبوط ہو تو مرض پیدا نہیں ہوتا اور طبیعت مدبرہ بدن کی ایک زبردست مدافعت ہوتی ہے اور اس کی شدت اس مدافعتی متضاد مواد (Immunitical Antiseptic Matter) میں حرارت پیدا کر دیتی ہے جس سے اوّل وہ سوزش و جراثیم اور زہر فنا ہو جاتا ہے اور پھر وہاں کی رطوبت بھی ختم ہو جاتی ہے۔ اگر طبیعت مدبرہ بدن اس طرح بھی کامیاب نہ ہو سکے تو پھر وہ جسم کے غدد جاذبہ کے افعال کو تیز کر دیتی ہے اور اس تمام رطوبت کو جس میں سوزشی، جراثیمی اور زہریلا مواد ہوتا ہے ان کے اندر جذب کرانا شروع کر دیتی ہے جس سے وہاں کے کیمیاوی اور پیچیدہ افعال سے ہر قسم کا سوزشی، جراثیمی اور زہریلا مواد تباہ ہو جاتا ہے۔ اگر اس آخری طریق میں بھی قوت مدبرہ بدن کامیاب نہ ہو تو پھر وہ تمام زہریلا مواد وریدوں (Veins) کے راستہ دل میں پہنچ جاتا ہے اور موت واقع ہو جاتی ہے۔ اس تمام تشریح سے صاف ظاہر ہے کہ درحقیقت طبیعت مدبرہ بدن ہی امراض کا علاج کرتی اور سوزش، جراثیم اور دیگر زہریلے مواد کو فنا کرتی ہے۔ ایلوپیتھی اس سے آگاہ نہیں ہے اس لیے اس کا علاج نہ صرف غیر اصولی ہے بلکہ ظالمانہ ہے۔

ماہیتِ مرض کو سمجھے بغیر اس کا بالمطابق طریق علاج (Accordingly way of Treatmet) مشکل و محال ہے۔ اس کی تشریح علاج کے سلسلہ میں کی جائے گی یہاں پر اتنا جان لینا نہایت ضروری ہے کہ جب جسم میں رطوبات کی ضرورت ہو تو ان کو بڑھایا جائے۔ جب حرارت کی ضرورت ہو تو اسے پیدا کیا جائے اور جب غدد جاذبہ سے کام لینا ہو تو ان کے افعال کو تیز کیا جائے۔

زہریلا مواد۔ عناصر اور اعضائے جسم

جاننا چاہیے کہ جسم انسان کے امراض زہریلے مواد (خواہ وہ جراثیمی ہو) عناصر کی کمی بیشی اور اعضائے جسم کے افعال کی خرابی سے پیدا ہوتے ہیں اور انہی کو اعتدال پر لانے سے امراض رفع ہوتے ہیں لیکن ایلوپیتھی نے صرف اوّل الذکر زہریلے مواد اور وہ بھی صرف جراثیمی مواد کو باعث امراض قرار دیا ہے اور مؤخر الذکر دونوں کو نظر انداز کر دیا ہے۔ تمام ڈاکٹری کتب ان کے ذکر سے خالی ہیں۔ اگر کہیں ذکر کیا گیا ہو تو بیان کیا جائے ہم چیلنج کرتے ہیں کہ وہ ان عنوانوں کے تحت ان سے پیدا ہونے والے امراض کو پیش نہیں کر سکتے۔ اس امر سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ عناصر کی کمی بیشی اور افعال اعضائے جسم کی خرابی سے امراض پیدا ہوتے ہیں۔ اگر یہ حقیقت مسلمہ ہے تو پھر ایلوپیتھی طریق علاج یقیناً غیر علمی اور بے اصول ہے۔

صرف دفع سبب علاج مرض نہیں

اگر تھوڑی دیر کے لیے اس کو تسلیم بھی کر لیا جائے کہ ہر مرض یا اکثر امراض کا سبب صرف جراثیم ہی ہیں لیکن پھر بھی صرف جراثیم کی ہلاکت کو مرض کا علاج سمجھ لینا ایک غلط نظریہ ہے۔ کیونکہ صرف دفع سبب سے مرض رفع نہیں ہوتا بلکہ اعضاء کی خرابی اور عناصر بلکہ جملہ کیفیات کا اعتدال لازم ہے۔ ان کے عدم اعتدال کی حالت میں مرض دور نہیں ہوتا اور جراثیم دوبارہ پیدا ہو جاتے ہیں۔ مثلاً اگر کسی زخم کے جراثیم کار بالک یا کسی دوسری جراثیم کش دوا سے ہلاک بھی کر دیے جائیں تو پھر بھی زخم کا علاج اپنی جگہ قائم ہے۔ وہ علاج کیا ہے؟ اعضاء کے افعال، عناصر کی کمی بیشی اور کیفیات کا اعتدال ہے۔ ان تمام باتوں کا ذکر ایلوپیتھی میں کہیں نظر نہیں آتا جو اس کے غیر علمی ہونے کی غیر معمولی دلیل ہے۔

سبب کا پہلے رفع کرنا ضروری نہیں ہوتا

عوام (لے مین) بھی اس حقیقت کو جانتے ہیں کہ علاج میں مقدم تکلیف کو رفع ہونا چاہیے۔ مثلاً دردِ سر کا سبب قبض ہے اور اس کو دور کرنے کے لیے کم از کم دو تین گھنٹے چاہئیں۔ اس لیے مناسب یہی ہے کہ اوّل دردِ سر کو دور کیا جائے۔ یہی صورت ایسی دیگر امراض مثلاً دردِ معدہ و امعاء، دردِ جگر و گردہ وغیرہ اور جراثیم سے پیدا شدہ امراض مثلاً پرانے زخم (Chronic wounds)، سرطان (Cancer)، آتشک (Syphilis) اور ان سے پیدا ہونے والے درد، بخار اور تناؤ وغیرہ میں اختیار کرنا چاہیے۔

شدتِ جذبات کے امراض

ایسے امراض جو اکثر جذبات کی شدت سے پیدا ہوتے ہیں اور جن میں ابتدائی حالت میں جراثیم کا کہیں بھی دخل نہیں ہوتا۔ مثلاً غم و غصہ سے جگر کا خراب ہو جانا۔ انتہائی مسرت و لذت سے دل پر برا اثر پڑنا اور اسی طرح خوف و ندامت سے دماغ کا متاثر ہونا وغیرہ روزانہ کے تجربات و مشاہدات ہیں۔ ایسے امراض میں اوّل تو جراثیم کا کوئی دخل نہیں ہے اور اگر بعد میں پیدا ہو بھی جائیں تو جراثیم کو ہزار بار ہلاک کر دیجیے مرض رفع نہیں ہوگا جب تک جذبات کی تسکین نہ ہو یا بالفاظ دیگر اعضائے جسم کے افعال اور کیفیاتِ خون کو اعتدال پر لانا انتہائی ضروری ہے۔ مگر ایلوپیتھی میں جذبات کی شدت سے پیدا ہونے والے امراض کا سرے سے ذکر ہی نہیں ہے۔ کیا اب بھی اس طب مغرب کو غیر علمی نہیں کہا جائے گا؟

ایک مرض کی متعدد علامات

اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ایک مرض کی کئی علامات ہوتی ہیں۔ مثلاً ورم میں درد، بخار، سوجن، دل کی بے چینی، گاہے غشی و بے ہوشی، پیاس، کبھی قے گاہے اسہال و پیچش اور اکثر ضعف جسم وغیرہ۔ ان سب کا رفع کرنا بے حد ضروری ہے۔ البتہ شدید تکلیف دہ اور خوفناک علامات کو پہلے اور دیگر کو بعد میں دور کیا جاتا ہے۔ گو یہ مرض جراثیمی ہی کیوں نہ ہو لیکن محض جراثیم کش ادویہ سے یہ علامات رفع نہیں ہوں گی چاہے جسم میں تمام جراثیم ہلاک ہی کیوں نہ ہو جائیں بلکہ ان کے استعمال کے علاوہ کچھ اور کوشش بھی کرنا پڑے گی۔ یہ مشاہدات و تجربات اس بات کی صریح شہادت ہیں کہ صرف جراثیم کا ہلاک کر دینا مرض تو کیا کسی ایک علامت کو بھی رفع نہیں کر سکتا۔ جب یہ حقیقت ہے تو پھر دن رات جراثیم کا رونا کہاں کی عقل و دانش ہے۔ لطف کی بات یہ ہے کہ مختلف امراض میں الگ الگ اقسام کے اورام ہوتے ہیں۔

غیر جراثیم کش ادویہ

ماہیت امراض، تشخیص، اسباب وعلامات کے بعد علاج اور ادویات کے نکتہ نگاہ سے بھی دیکھا جائے تو دس بیس نہیں بلکہ ہزاروں ادویہ ایسی ہیں جو جرم کش نہیں لیکن جراثیمی امراض کا نہ صرف شافی علاج ہیں بلکہ اکسیر کا حکم رکھتی ہیں۔ مثلاً مخدرات (افیون، بیش، اجوائن خراسانی وغیرہ)، مسکنات (خشخاش، کشنیز، کاسنی وغیرہ)، مبردات (بہیدانہ، لسوڑیاں، عناب وغیرہ)، ملطف (ملٹھی، انجیر وغیرہ)، قابضات (مائیں، مازو، آملہ وغیرہ)، تلخ مقویات (جنطیانہ، چرائتہ اور کرنجوا وغیرہ)، دھاتیں اور ان کے کشتہ جات (فولاد، تانبہ، قلعی وغیرہ) اور اسی طرح ملینات (گل سرخ، گل بنفشہ اور ہلیلہ وغیرہ) یہ چند نمونہ از خروارے ہیں۔ ورنہ ہر قبیل کی ہزاروں ادویہ کتب طبیہ میں بھری پڑی ہیں جو کسی قسم کی جراثیم کش تو نہیں البتہ سینکڑوں امراض کے لیے اکسیر اور تریاق کا درجہ رکھتی ہیں۔ جس پر روزانہ کا تجربہ اور استعمال گواہ ہے بلکہ ان میں کی ہزاروں ادویہ انہی خواص کے ساتھ برٹش فارماکوپیا (B.P) امریکن فارماکوپیا (A.P) اور دنیا کے دیگر ممالک کے فارماکوپیاؤں میں درج ہیں۔ جادو وہ ہے جو سر پر چڑھ کر بولے۔ کیا کوئی مغربی طب کا ماہر ڈاکٹر یا معالج (Physician) یا طبی سائنس سے متعلق (Connected with mediacal science) مندرجہ بالا امور کا جواب دے سکتا ہے؟ نہیں، ہرگز نہیں دے سکتا اور ہمارا چیلنج ہے کہ نہیں دے سکتا۔ ان حقائق کی موجودگی میں بلاخوف تردید کہا جا سکتا ہے کہ ایلوپیتھی طریق علاج غلط اور غیر علمی (Unscientific) ہے۔

خود سائنس دانوں کی شہادتیں

تجربات، مشاہدات اور علمی وعقلی دلائل پیش کرنے کے بعد یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ خود یورپ اور امریکہ کے ممالک میں سائنس کی دنیا میں مغربی سائنس کے خلاف جو طوفان اٹھ رہا ہے اس کا بھی ذکر کر دیا جائے تاکہ یہ غلط فہمی کہ سائنس غلطی نہیں کرتی دور ہو جائے۔ سائنس کے اندر بھی غلطیاں ہوتی ہیں۔ جب کوئی نئی تھیوری (Theory) پیدا ہوتی ہے تو ماقبل کی تمام وہ تھیوریاں (Theories) غلط قرار پاتی ہیں جن کو پہلی دفعہ پیش کرتے وقت بہت بلند بانگ دعوے کیے جاتے تھے کہ دنیا کا ایک بڑا راز معلوم ہو گیا ہے۔ ان نظریات کا بار بار بدلنا اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ فطرت کے قوانین پر قابو پانے کا ہر شخص پوری طرح دعویٰ نہیں کر سکتا۔ ہر موڑ پر اس کے اصول بدل جاتے ہیں۔ جن لوگوں کے ذہن پر یورپ اور امریکہ وغیرہ کی دنیا سوار ہے ان کو ان معلومات سے آنکھیں کھولنی چاہئیں۔ علم وعقل کسی خاص ملک اور قوم کی میراث نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کا یہ انعام تمام دنیا پر تقسیم ہوتا رہتا ہے۔ اس امر میں کوئی شک نہیں کہ دیئے سے دیا جلتا ہے اور مغربی ممالک سے بہت کچھ حاصل کیا گیا ہے۔ لیکن غور وفکر کرنے والوں کے لیے بہت راہیں کھلی ہیں۔ مغرب نے بھی تو مشرق اور عرب ممالک سے بہت کچھ حاصل کیا ہے۔

ایک برطانوی طبی رسالہ میں یہ سوال اٹھایا گیا ''کہ کیا ہم نے جو تیر بہدف علاج دریافت کیے ہیں ان سے نئی بیماریاں تو پیدا نہیں ہو جاتیں؟ اس کے جواب میں یہ خیال ظاہر کیا گیا کہ متعدی بیماریوں کے جراثیم کے خلاف جو جنگ شروع ہوئی تھی اسے ہم جیت چکے ہیں لیکن یہ جیت پھر ہار میں تبدیل ہوا چاہتی ہے۔ انٹی بایوٹک (جرم کش) ادویہ کی ایجاد کے بعد بہت سے جراثیم اور ان سے پیدا ہونے والی بیماریوں کا کم وبیش صفایا کر دیا گیا ہے۔ لیکن ان دواؤں سے کچھ نئے جراثیم پیدا ہو گئے ہیں جو مریضوں پر نوازش کر رہے ہیں۔ یہ نوازش خاص طور پر شفا خانوں کے مریضوں پر ہو رہی ہے۔ انٹی بایوٹک ادویات کو لوگوں نے جادو کی پڑیا سمجھا تھا لیکن اب یہ محسوس ہوتا ہے کہ یہ دوغلی پڑیا ہے جو ایک

طرف بیماری کو سلاتی اور دوسری طرف جگاتی ہے۔ اس سلسلہ میں کچھ نئی تحقیقات ہوئی ہیں۔ جن سے ہمارے بعض پچھلے تصورات غلط ثابت ہو گئے ہیں۔ اب تک ہم یہ سمجھتے تھے کہ تھوک وبلغم سے جراثیم پیدا ہوتے ہیں اور حلق وناک کو جراثیم کا سرچشمہ سمجھا جاتا تھا اور اسی لیے ہسپتالوں میں اپریشن کے وقت ڈاکٹر اور نرس منہ پر نقاب ڈال لیتے ہیں لیکن اب یہ تحقیقات ہوئی ہے کہ سانس لینے، کھنگھارنے، باتیں کرنے بلکہ چھینک لینے سے بھی بعض جراثیم مرجاتے ہیں۔ لیکن منہ وناک پر نقاب ڈال لینے سے یہ زور پکڑ لیتے ہیں۔ اس سے زیادہ تشویشناک بات یہ ہے کہ ڈاکٹر، نرس اور کمپونڈر جو معمولی سا صاف لباس اوپر پہن لیتے ہیں اس سے جراثیم کی روک تھام نہیں ہوتی۔ پھر ہسپتال میں اپریشن سے قبل نرسیں اور ڈاکٹر ہاتھ دھوتے ہیں۔ لیکن ہاتھ سے جو چھینٹیں مارتی ہیں ان سے کمرے میں جراثیم پھیلتے ہیں۔ ان دلچسپ تحقیقات نے حفظان صحت کے ان قواعد وضوابط پر پانی پھیر دیا ہے جن کی ہم برسوں سے شدومد سے تبلیغ کرتے آرہے تھے''۔ (روزنامہ آفاق ۱۰/نومبر ۱۹۵۶ء)

پرائز یافتہ عالمی شہرت کے ایک فرانسیسی سائنس دان لوکامتے دونوائی ❶ جو موجودہ دور کا نہ صرف بہت بڑا سائنس دان ہے بلکہ اس کے پاس سائنس کی مختلف شاخوں کی متعدد ڈگریاں ہیں اور بیالوجی، طبیعات، جیالوجی اور علم الادویہ پر ان کی کتابیں دنیا کے ہر حصے میں مقبولیت کی نظر سے دیکھی جاتی ہیں۔ اس کی ایک کتاب انسانی منزل ((Human Destiny (1947)) تاریکی کے اس ماحول میں روشنی کی کرن ہے۔ اس میں انہوں نے مغربی سائنس دانوں اور مادہ پرستوں کے کھوکھلے نعروں کا تفصیلی جواب سائنٹیفک دلائل اور کائناتی حقائق کی روشنی میں دیا ہے اور مادہ پرست اسے پڑھ کر کانپ اٹھے ہیں۔ ڈاکٹر موصوف کا کہنا ہے ''مغربی سائنس دان مادی چیزوں کی حقیقت (جو وہ سمجھ سکتے ہیں) جان کر یہ تصور کرنے لگتے ہیں کہ انہوں نے کائنات کے اصل اسرار کی نقاب کشائی کر لی ہے۔ مشاہدات حسی مادی اشیاء نہیں ہیں۔ آواز کی کھٹک، رنگ کی چمک اور ایسے دوسرے مشاہدات ہمارے ذہنی افق پر جو تاثرات ابھارتے ہیں ہم ان کو حرف آخر نہیں کہہ سکتے۔ حل کا تجربے سے گہرا تعلق ہے۔ سائنسدانوں کا یہ سمجھ لینا کہ انہوں نے اپنے تجربات سے جو نتائج اخذ کیے ہیں وہ کائناتی حقائق ہیں ایک بہت بڑی بھول ہے۔ اس پر طرہ یہ کہ وہ ان پر اصرار اور غرور بھی کرتے ہیں''۔ کتاب کافی ضخیم ہے اور ڈاکٹر صاحب موصوف نے زندگی اور سائنس کے بہت سے موضوعات پر بحث کی ہے۔ ابتداء میں سائنس اور اس کے مظہرات کی حدود کے تعین پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں ''انسان کے افعال کا انحصار اس کے شعور کی راہ نمائی پر ہے۔ شعور کا تعلق مادی طور پر اعصاب عقلی پر ہوتا ہے یہ ضروری نہیں کہ اعصاب عقلی ہر بات کو اس کے صحیح رنگ میں دیکھیں اور ان کا احاطہ کر سکیں۔ انسان کے ذہن میں جب بھی کسی چیز کا کوئی خاکہ پیدا ہوتا ہے وہ نامکمل ہوتا ہے اور اسے کسی صورت میں بھی حتمی نہیں کہا جاسکتا۔ اعصاب کے فعل میں غلطی اور کمی بیشی کا بہت سا امکان ہوتا ہے۔ ایک مادی چیز کا وجود ایک ہی وقت میں دو مختلف دماغوں میں مختلف اثرات پیدا کرتا ہے اور ایک ہی آدمی دو مختلف اوقات میں ایک ہی چیز کو دو مختلف زاویوں سے دیکھتا ہے۔ ایک کالے رنگ کا سفوف اور سفید مائع کا محلول ہمیشہ ہماری آنکھوں کو خاکستری نظر آتا ہے۔ مگر ایک خوردبین کو سفید اور سیاہ رنگ کے ذرات نظر آئیں گے جو عجیب وغریب نظام ترتیب سے ٹکراتے ہوں گے۔ اسی طرح مشاہدہ کی آنکھ اس محلول کی ایک تیسری صورت بھی دیکھ سکتی ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ مشاہدہ اور سائنسی تجربہ کسی چیز کی حقیقت متعین کرنے میں ناکام رہ سکتا ہے''۔

سائنس کے متعلق علامہ اقبالؒ اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے فرماتے ہیں ''سائنس فطرت کا مطالعہ کرتی ہے اور فطرت حقیقت ہی کے ایک گوشہ کا نام ہے''۔ اس لیے ان کے نزدیک ذات خداوندی سے فطرت (Nature) کا وہی تعلق ہے جو انسانی ذات سے اس کے

---

❶ Dr. PIERRE LECOMTE DU NOÜY (1883 - 1947)

کردار (Character) کا ہے۔ اسی کو قرآن نے ''فطرت اللہ'' کہہ کر پکارا ہے۔ اس کے بعد فرماتے ہیں ''سائنس حقیقت کے مختلف گوشوں یعنی فطرت کے مطالعہ کا نام تو ہے لیکن اس میں نقص یہ ہے کہ یہ حقیقت کو تماماً اور کمالاً نہیں دیکھ سکتی۔ اس کے مختلف شعبے اپنی دنیا میں الگ الگ مصروف مشاہدات وتجربات رہتے ہیں۔ اس لیے وہ حقیقت کا کلی ادراک نہیں کرسکتی''۔ اسی بنا پر فرماتے ہیں کہ ''مذہب کو سائنس سے خائف ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ مذہب کا مقصود حقیقت کا کلی تجزیہ ہے اور وہ حقیقت کا جزوی مطالعہ کرنے والی سائنس سے کیوں گھبرائے؟'' اس کے بعد سائنس کی اصلیت کے متعلق فرماتے ہیں ''سائنس کے لیے ناگزیر ہے کہ وہ حقیقت کے کسی ایک رخ کو اپنے مطالعہ کے لیے منتخب کرلے اور باقی رخوں کو چھوڑ دے۔ لہٰذا اگر سائنس یہ دعویٰ کرے کہ حقیقت کے جن پہلوؤں کا اس نے انتخاب کیا ہے وہی پہلو حقیقی ہیں تو اس کا یہ دعویٰ باطل ہوگا''۔

موجودہ دور کے سائنسی نظریات (Theories) کے متعلق بریفالٹ [1] اس طرح اظہار خیال کرتا ہے ''ہمارے طبیعاتی اور حیاتی نظریات آنے والی نسلوں کو اس طرح عجوبہ دکھائی دیں گے جس طرح ہمیں آج اس زمانے کے نظریات مضحکہ خیز دکھائی دیتے ہیں جب سائنس اپنے عہد طفولیت میں تھی (The Making of Humanity.P.197)۔

اسی طرح (Kenneth Walker) [2] اپنی کتاب (Meaning and Purpose) میں لکھتا ہے ''سائنس کے نظریات فکر انسانی کے لیے ستانے کے مقامات ہیں۔ جب کسی نئی تحقیقات کے انکشاف سے معلوم ہو کہ فلاں نظریہ اس سے مطابقت نہیں رکھتا، اسے فوراً چھوڑ دینا چاہیے''۔ [3] آئن سٹائن کے نظریہ اضافیت (Special Theory of Relativity) نے نیوٹن کے نظریہ کشش وثقل (Gravity) کو پاش پاش کردیا ہے۔ جس کی رو سے زمان ومکان (Time & Space) کا تصور بالکل بدل گیا ہے۔ اس کے متعلق پروفیسر کار [4] (H.W.Carr) اپنی کتاب (The General Principle of Relativity) میں لکھتے ہیں ''اس حقیقت کو تسلیم کیا جارہا ہے کہ آئن سٹائن کا جدید نظریہ اضافیت فلسفہ کے بنیادی اصولوں کو متاثر کرتا ہے۔ اب یہ اصول قرار پایا ہے کہ ہر مشاہدہ کرنے والا اپنی ذات میں مطلق ہے۔ ایسی کوئی کائنات ہی نہیں جو تمام مشاہدہ کرنے والوں کے لیے مشترک ہو۔ ہر مشاہدہ کرنے والے کی کائنات اپنی اپنی جدا ہے''۔ حکیم آئن سٹائن کے اپنے الفاظ یہ ہیں ''سائنس کا قانون حرف آخر نہیں قرار پاسکتا۔ کیونکہ سائنس کی ترقی کے ساتھ ساتھ وہ تصورات جن کی بنیادوں پر وہ قوانین مبنی ہوتے ہیں۔ نامکمل اور ناکافی ثابت ہوتے چلے جاتے ہیں''۔

پروفیسر وائٹ ہیڈ [5] (White Head) اپنی کتاب (The Science & The Modren World - 1925) میں لکھتا ہے: ''سائنس تو الٰہیات سے بھی زیادہ قابل تغیر وتبدل ہے آج سائنس کا کوئی عالم گلیلیو کے عقائد یا نیوٹن کے معتقدات کو بلاشرط تسلیم کرنے کو تیار نہیں حتیٰ کہ وہ خود اپنے دس سال پہلے کے معتقدات کو بھی علی حالہٖ صحیح تسلیم کرنے پر تیار نہیں ہے''۔ پروفیسر موصوف دوسری جگہ لکھتے ہیں: فکر سائنس

---

[1] ROBERT BRIFFAULT (1876-1948) The Making of Humanity (1949)

[2] KENNETH WALKER (1882-1966) Meaning and Purpose (1944)

[3] ALBERT EINSTEIN (1879-1955)

[4] HERBERT WILDON CARR (1857-1931)
General Principle of Relativity in its Philosophical and Historical Aspect (1920)

[5] PROFESSOR ALFRED NORTH WHITE HEAD (1861-1947)

کی قدیم بنیادیں اب ناقابل فہم ہوتی جاتی ہیں۔ زمان و مکان، مادہ، ایتھر، برق، نامیاتی نظام، میکانکیت، ترتیب اجزا، ساخت قالب اور افعال سب پر نظر ثانی کی ضرورت ہے''۔

جراثیم کا باہمی رشتہ مؤدت

روزنامہ امروز کے سائنسی کالم نویس جناب حمید جہلمی صاحب انسان کے لیے خطرہ کے تحت تحریر کرتے ہیں کہ جب جراثیم کش دوائیں بنیں تو یار لوگوں نے کہا ''چلو بیماریوں سے پیچھا چھوٹا۔ جب جراثیم ہی نہ رہیں گے تو بیماریاں کہاں کی'' اور سچ بھی تو ہے کہ پنسلین اور انٹی بایوٹک دواؤں سے بہت فائدہ پہنچا ہے اور بے شمار لوگ موت کے منہ کا نوالہ بننے سے بچ گئے۔ لیکن یہ جب کی بات ہے کہ جراثیم میں قوت مدافعت پیدا نہیں ہوئی تھی۔ اور ان دواؤں کا اثر قبول کرتے تھے۔ اب تو حالت مختلف ہے۔ بیشتر دوائیں بے اثر ہوگئی ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ انسان ایک سے ایک بڑھیا اور پر از تاثیر دوا بنالیتا ہے۔ یوں ایک دوا جب بے کار ہوئی، دوسری نے اس کی جگہ لے لی۔ لیکن تابہ کہ۔ جراثیم نے پہلے ایک دوا کو بے اثر کیا پھر دوسری کو۔ جو باقی رہ گئی ہیں، کچھ دنوں کے بعد وہ بھی غیر مؤثر ہو جائیں گی۔ کل کیا ہوگا؟ اس سے غافل نہیں رہنا چاہیے۔ کچھ پیش بینی اور پیش بندی کر لینی چاہیے۔ بالکل آنکھیں موند لینا دانشمندی نہیں۔ سائنس کی ترقی کا جائزہ لیں تو پتہ چلے گا کہ وہ آنے والے کل کو بہت اہمیت دیتی ہے۔ ایسا نہ ہوتا تو تحقیق و تفحص کا سلسلہ کب کا منقطع ہوگیا ہوتا۔ سو وہ جراثیم کے اس عجیب و غریب رویے سے قطعاً غافل نہیں وہ ان کے طرح دے جانے کے مضرات کو سمجھتی ہے اور پوری ذمہ داری کے ساتھ اصلاح احوال کے لیے کوشاں ہے۔

سب سے پہلا سوال تو یہ ہے کہ جراثیم میں دفاعی نظام کی نوعیت کیا ہے اور وہ کام کس طرح کرتا ہے؟ اس کا کوئی معقول جواب مل جائے تو جراثیم سے نمٹنے کی سبیل کی یا سوچی جاسکتی ہے۔ جراثیم میں قوت مدافعت پیدا ہونے کے دو امکانات ہوسکتے ہیں۔ اوّلاً یہ کہ جراثیم اپنے طبعی خواص بدل دیتے ہیں یا یہ کہ ان کی تخلیق و نمو بے حد سریع ہو جاتی ہے کہ جیسے ہی پنسلین کے اثر سے کچھ جراثیم ہلاک ہوئے، اسی لمحے دوسرے جراثیم نے جنم لے لیا اور ان کی جگہ سنبھال لی۔ ان میں کوئی بھی صورت ہو جراثیم انٹی بایوٹک ادویہ سے بچنے کی راہ ڈھونڈ ہی نکالتے ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ اب تک انسان نے ہمت نہیں ہاری۔ وہ جب دیکھتا ہے کہ ایک دوا کا اثر زائل ہوگیا ہے تو فوراً دوسری دوا بنالیتا ہے۔ یہ سلسلہ چاہے ہمیشہ قائم رہے یعنی انسان خواہ مدت مدید تک عناصر فطرت کے خلاف برسرپیکار رہے اور قدرت کے اصولوں کو اپنی مرضی کے مطابق توڑتا موڑتا اور ڈھالتا رہے۔ تاہم اس ساری تگ و دو کی نتیجہ خیزی کا انحصار اس پر ہے کہ صحیح وقت پر یہ تعین ہو جائے کہ جراثیم میں قوت مدافعت پیدا ہوگئی ہے تاکہ اسی کے اعتبار سے دوا میں مناسب تبدیلی کی جاسکے۔ بظاہر یہ ممکن نظر نہیں آتا کہ ہسپتالوں میں یا ایسے مراکز میں جہاں تحقیق و تشخیص کے اسباب اور جدید سہولتیں میسر ہیں وہاں تو شاید اس باب میں کچھ کیا جاسکتا ہو لیکن عام آدمی گھر پر یہ سارا بکھیڑا کیسے مول لے۔ اگر نہیں لے سکے گا تو نئی دواؤں کا موجود ہونا بھی نافع نہیں ہوگا۔ پھر یہ بھی حقیقت ہے کہ ہسپتالوں میں جراثیم جس طرح قوت مدافعت کا مظاہرہ کرتے ہیں کہیں اور کم ہی کرتے ہیں۔ یہی سبب ہے کہ ڈاکٹر اور جراح (سرجن) بہت پریشان ہیں۔ کچھ نہیں سوجھتا کہ کیا کریں کیا نہ کریں۔ کتنی بے بسی ہے کہ مرض کی تشخیص ہو جائے۔ دوا بھی موجود ہو لیکن شفا نہ ہو۔ مریض ایڑیاں رگڑتا رہے اور گھلتا رہے۔

جراثیم کی قوت مدافعت پیدا کیسے ہوئی۔ دو امکانات کا ذکر پہلے ہوا۔ ان کی تصدیق یا تردید ابھی نہیں ہوسکی۔ ایک نیا پہلو ضرور سامنے آیا ہے جو بہت حیران کن ہے۔ سائنس دانوں کا کہنا ہے کہ طویل تحقیق سے یہ عقدہ کھلا کہ جراثیم میں قوت مدافعت اگرچہ ایک جسمانی فعل ہے

مگر اس کی تحریک جراثیم کی ''دانش'' کرتی ہے۔ جیسے ہی ان میں سے کسی کو علم ہو کہ انہیں ہلاک کرنے کے لیے انٹی بایوٹک دوا کھائی گئی ہے وہ بلا توقف دوسرے ہم جنسوں کو اس کی اطلاع کرتا ہے یہ خبر ان میں متعدی مرض کی طرح پھیلتی ہے اور وہ حفاظتی تدابیر کرنے میں مگن ہو جاتے ہیں لیکن کیا مجال کہ اپنے اصل حریف کو نظر انداز کریں یا اس سے صلح صفائی کی سوچیں۔ وہ ہمہ وقت آمادہ جنگ و جدال رہتے ہیں۔ یعنی مرض کو بڑھاتے اور پھیلاتے ہیں اور انسان کو طرح طرح سے تنگ اور زچ کرتے ہیں۔ جب انسان انہیں دم نہ لینے دے اور آمادۂ پیکار رہے تو بھلا وہ اس کی جان بخشی کیوں کریں۔ جہاں اور جب داؤ چل گیا اپنا ہنر دکھا گئے۔

جب ایک دانشور جرثومے کو دوا کا اثر محسوس ہوتا ہے تو وہ فوراً اپنے پڑوسی کے کان میں سرگوشی کرتا ہے اور اسے بتاتا ہے کہ حفاظت کی فکر کرلو وہ بھی اطلاع دوسرے کو پہنچاتا ہے اور یوں سب جراثیم ہوشیار ہو جاتے ہیں اور اپنے اندر دوا کے اثر کو زائل کرنے کا جذبہ بیدار کر لیتے ہیں۔ ایک جرمن سائنس دان جیر ہارڈ لیک نے ثابت کیا ہے کہ جب دو جرثومے ایک دوسرے کے پہلو میں لیٹے ہوں وہ آپس میں اطلاعات کا تبادلہ کرتے رہتے ہیں۔ سیدھے سادھے الفاظ میں تبادلہ خیال کرتے ہیں۔ لیکن اس کے لیے وہ زبان کے محتاج نہیں۔ جس طرح وہ انسان کو بیماری میں مبتلا کرتے ہیں اسی طرح وہ اپنے ہم جنس کو خبر یا اطلاع میں مبتلا کرتے ہیں۔ یعنی ان کی اطلاع بھی بیماری کے وائرس سے کم نہیں ہوتی۔ بالکل وہی نوعیت ہوتی ہے۔ اطلاع کے تبادلے کا فعل جسمانی طور پر سرزد ہوتا ہے اس کا ایک ذریعہ جرثوموں کا باہمی جنسی تعلق ہے جو خطرے کا مقابلہ کرنے کے وقت ہی قائم ہوتا ہے اور خطرے کی موجودگی کا احساس (جراثیم میں) عام کرتا ہے۔

سائنس دان جراثیم کی مدافعتی اہلیت کی اہمیت جانتے ہیں۔ انہیں علم ہے کہ یہ بڑھی تو امراض کا دفعیہ ممکن نہ رہے گا۔ اس لیے وہ اس باب میں بہت مغز ماری کر رہے ہیں اور جراثیم کے مدافعتی نظام کا بغور مطالعہ کیا جا رہا ہے۔ چنانچہ اسی کے باعث بہت سی نئی باتیں معلوم ہوئی ہیں۔ مثلاً ایک جرثومہ اپنے ہی گروہ کے جراثیم کو اطلاع نہیں دیتا بلکہ دوسری نسل کے جراثیم کو بھی خطرے سے آگاہ کر دیتا ہے۔

جرثومہ دوا کے اثر کی خبر دوسروں تک پہنچانے سے باز رہے تو بات بنتی ہے لیکن فطرت کا قانون کیوں کر بدلے۔ جرثومے بھی اس قانون کے پابند ہیں۔ وہ بھی جہد للبقاء میں گرفتار ہیں۔ بھول پن میں مار کھائی اور انسان پنسلین اور دوسری انٹی بایوٹک دواؤں کی ایجاد پر بہت اترایا۔ لیکن جیسے جیسے جرثومے کو ان کی ہلاکت خیزی کا احساس ہوا اس نے بچ نکلنے کی ترکیب ڈھونڈ نکالی۔ سائنس دان اب دو باتوں پر اپنی توجہ مرکوز کیے ہوئے ہیں۔ اوّلاً یہ کہ ایسا ماحول پیدا ہو جائے کہ اس میں جراثیم پروان ہی نہ چڑھیں۔ اس کے لیے صفائی کا ایک نہایت عمدہ انتظام کرنا لازم ہوگا۔ دوسرے جیسے ہی جراثیم ایک دوا کے اثر سے آزاد ہو جائیں، دوسری دوا ایجاد کر لی جائے۔ اسی سلسلے میں وہ ایک نسل کے جراثیم کو دوسری نسل کے جراثیم سے الگ رکھنے پر بہت زور دیتے ہیں کہ اگر ضرر رسانی کا سلسلہ مختلف نسلوں میں راہ پا گیا تو پھر اصلاح احوال کی کوئی صورت کارگر نہ ہوگی۔

جراثیم کے بغیر بھی زندگی ممکن ہے؟

کوئی سو سال پہلے لوئی پاسچر ((LOUIS PASTEUR (1822-1895)) نے یہ نظریہ پیش کیا تھا کہ کوئی انسان اور کوئی حیوان خواہ کتنا ہی صحت مند کیوں نہ ہو، جراثیم سے خالی نہیں ہے۔ لوئی پاسچر اپنے دور کا بہت بڑا محقق تھا۔ اپنے دعوے کے جواز میں بڑے وزنی دلائل لایا۔ تھوڑی سی حیص بیص کے بعد اس کا نظریہ تسلیم کر لیا گیا۔ اب تک اس نظریئے کی صحت محل نظر نہیں ٹھہری تھی۔ دیکھا جائے تو جدید طب کی بنیاد ہی اس نظریئے پر اٹھی ہے۔ جراثیم کا وجود اور اہمیت دونوں تسلیم کر کے ہی امراض کی تشخیص بھی ممکن ہے اور علاج کا خاکہ مرتب کیا جا سکتا ہے۔

لوئی پاسچر (LOUIS PASTEUR) نے بڑے وثوق سے کہا تھا کہ کوئی جاندار جراثیم کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ لیکن یہ نظریہ اب غلط ٹھہرا ہے۔ سائنس دان ایسے چوہے، چوزے، تیتر اور دوسرے جانور پالنے میں کامیاب ہو گئے ہیں جن کے جسم داخلی اور خارجی ہر اعتبار سے جراثیم سے پاک ہیں۔ یہ جاندار اپنے دوسرے ہم جنسوں کی طرح معمول کے مطابق زندگی گزار رہے ہیں۔ یہ نہیں ہے کہ جراثیم سے مبرا ہونے کے باعث ان کو کوئی عارضہ لاحق ہو گیا ہو یا ان کے جسم کے وظائف و معمولات میں کسی قسم کا کوئی فرق رونما ہوا ہو۔ جراثیم سے پاک جانوروں کی پرورش سے چھوت کی ایسی بیماریوں کا مطالعہ اور تجزیہ آسان ہو گیا ہے جن میں صرف ایک ہی نوعیت کے جراثیم کارفرما ہوتے ہیں۔ اسی طرح بیمار انسانوں پر جراثیم سے پاک عمل جراحی کے لیے بھی راہ ہموار ہوگئی ہے۔

نوٹیرڈم یونیورسٹی کے ماہر جراثیم جیمز اے ریز نے جراثیم سے پاک جانور پالنے کا تجربہ کوئی تیس پینتیس برس پہلے شروع کیا۔ انہیں چند سال پہلے کامیابی حاصل ہوئی۔ ریز نے اپنی ایک الگ مکمل (لیبارٹری) قائم کر رکھی ہے۔ جہاں کئی ایسے جاندار پرورش پا رہے ہیں جو جراثیم سے آلودہ نہیں ہیں۔ ریز دوسری تجربہ گاہوں کو بھی "بلا جراثیم" جانور فراہم کرتے ہیں۔

جانور اسی صورت میں جراثیم سے پاک ہوسکتا ہے جب وہ پیدا ہوتے ہی جراثیم سے مبرا ہو۔ پرندوں کو ان کی پیدائش سے پہلے ہی جراثیم کی دست برد سے محفوظ کرنا قدرے آسان ہے۔ چوزوں پر اس کا تجربہ بہت کامیاب رہا ہے۔ انڈہ خول میں جراثیم سے محفوظ ہوتا ہے۔ اس کے خول کو باہر کی جانب سے بھی جراثیم سے پاک کیا جاسکتا ہے۔ انڈے کو پہلے ایک جراثیم کش محلول میں ڈالا جاتا ہے۔ پھر اسے انڈے سینے والی خاص طرز کی مشین میں بند کر دیا جاتا ہے۔ جب انڈے سے چوزہ نکل آتا ہے تو ایک ایسے برتن سے خوراک حاصل کرتا ہے جو ہر قسم کی آلائش سے پاک ہوتی ہے۔ چنانچہ اس تک کسی ذریعہ سے بھی جراثیم نہیں پہنچ پاتے۔

چوزوں سے بھی زیادہ جاپانی تیتر مفید ہیں۔ کیوں کہ یہ سات ہفتے کی عمر کو پہنچتے ہی انڈے دینے لگتے ہیں۔ جب کہ مرغی سات ماہ کی عمر کو پہنچ کر انڈے دیتی ہے۔ سو جاپانی تیتروں کی تعداد بڑھانے میں آسانی رہتی ہے۔ البتہ چوپایوں کو جراثیم سے پاک کرنا خاصا مشکل کام ہے۔ خصوصاً اس صورت میں کہ ان کی پیدائش کے لیے ایسا انتظام کرنا ضروری ہے کہ وہ رحم مادہ سے نکلنے کے بعد جراثیم سے بالکل محفوظ رہیں۔ اس کے لیے عموماً یہ طریقہ برتا جاتا ہے کہ جب کسی جانور کے بچہ پیدا ہونے کا وقت قریب آتا ہے تو اسے بے ہوش کر دیا جاتا ہے۔ پھر اس کے پیٹ کو جراثیم سے پاک کیا جاتا ہے۔ بعد از اں دو ٹینکیاں لی جاتی ہیں جو ایک بڑے سے پائپ کے ذریعے ملی ہوتی ہیں اور بڑی پھرتی کے ساتھ بچے کو درمیانی پائپ کے ذریعے دوسری ٹینکی میں پہنچا دیتے ہیں۔ ٹینکی میں نومولود بچے کے لیے جراثیم سے پاک غذا کا انتظام ہوتا ہے اس طرح وہ ماں کے پیٹ سے نکلتے ہی جراثیم کے اثر سے محفوظ ہو جاتا ہے اور ایک صاف ماحول میں پرورش پانے لگتا ہے۔

جراثیم سے محفوظ بندروں کی پرداخت خاصی مشکل ہے ان کو مقررہ طریقے سے کھلانا پلانا اور عرصے تک یہ عمل جاری رکھنا دقت طلب اور صبر آزما ہے۔ البتہ سؤر کی پرورش آسان ہے وہ آنکھیں کھولے ہوئے پیدا ہوتے ہیں۔ انہیں غذا کھلانے میں کوئی مشکل پیش نہیں آتی۔ وہ چھ ہفتوں میں اتنا حجم حاصل کر لیتے ہیں کہ ان کا آسانی سے اپریشن ہوسکتا ہے اور امراض کی تشخیص و تفہیم کے سلسلے میں تحقیق کی جاسکتی ہے۔

چھوٹے جانور مثلاً چوہے وغیرہ جراثیم سے پاک ٹینکیوں میں چھوڑ دیئے جاتے ہیں اور وہیں ان کی افزائش نسل کا اہتمام ہوتا ہے۔

انسانی امرض کا مطالعہ کرنے کے لیے جب ڈاکٹر والڈ ایل نیوٹن کی قیادت میں ایک تحقیقاتی جماعت نے جراثیم سے مبرا جانوروں پر تجربے کیے تو پتہ چلا کہ پیچش کے جراثیم اس وقت تک معدے میں پرورش نہیں پاسکتے جب تک کہ وہاں بکٹیریا موجود نہ ہوں۔ تجربے سے یہ بات بھی ثابت ہوگئی ہے کہ اگر جراثیم سے پاک جانور کو عام جانوروں کے کمرے میں چھوڑ دیا جائے تو وہ چھوت میں مبتلا ہو کر ۴۸ گھنٹے کے

اندر مر جائے گا۔ لیکن ایک بات بڑی تعجب خیز ہے کہ چوہوں میں سے صرف پچاس فی صد مرتے ہیں۔ جراثیم سے صاف چوہے اور چوزے ان کے مخصوص ماحول سے نکال کر عام چوہوں اور چوزوں میں چھوڑ دیئے جاتے ہیں۔ یوں ان پر (ایک طویل عرصہ تک جراثیم سے محفوظ رہنے کے بعد) جراثیم کے اثرات دیکھے جاتے ہیں۔ اسی نوع کے تجربات انسانی امراض کو سمجھنے میں مدد ہوں گے۔ مثلاً یہ معلوم ہو سکے گا کہ جب فوجی سپاہی دوسرے ملکوں میں جاتے ہیں تو ان میں سے بعض پر ان ملکوں کی بیماریوں کا حملہ اس قدر شدید کیوں ہوتا ہے کہ وہ جانبر نہیں ہو سکتے اور بعض معمولی سے بیمار رہنے کے بعد بھلے چنگے کیسے ہو جاتے ہیں؟

جراثیم سے محفوظ اور آلودہ نہ ہونے کا راز معلوم ہو جائے اور اس کے مطابق انسان کی حفاظت کا اہتمام ہو سکے تو جراحت کے سلسلے میں بھی بڑی مدد ملے گی۔ اس وقت ہر ممکن احتیاط کے باوجود ایک بھی اپریشن ایسا نہیں ہوتا جس کے سلسلے میں یہ دعویٰ کیا جا سکے کہ اس میں مریض کا زخم جراثیم سے آلودہ نہیں ہوا۔ پھر یہ بھی حقیقت ہے کہ جراحت کے بعد اکثر و بیشتر اموات محض جراثیم سے اور ان سے لگنے والے چھوت کے امراض کے سبب ہوتی ہے۔ ماہرین طب کا خیال ہے کہ جانوروں کی طرح عام انسان بھی جراثیم سے پاک پیدا ہو سکتے ہیں۔ لیکن اس ضمن میں عملی تجربے سے قبل جانوروں پر طویل تجربے اور گہری تحقیق کی ضرورت ہوگی۔ (روزنامہ امروز لاہور)

ایلوپیتھی کے متعلق غلط فہمی

تمام دنیا اور خصوصاً پاک ہند برصغیر میں یہ تسلیم کیا جاتا ہے کہ ایلوپیتھی (یورپی طب) کی بنیاد یونانی طب پر ہے۔ اور ایلوپیتھی طب یونانی کی بیٹی اور اس کی ترقی یافتہ صورت ہے۔ ایسا خیال کرنا غلط ہے اور یہ نظریہ حقیقت وصداقت سے سے قطعاً خالی ہے کہ ایلوپیتھی یونانی طب کی ترقی یافتہ صورت (Progressive Form Condition) ہے بلکہ دونوں میں بعد المشرقین ہے دونوں کے قواعد، قانون، نظریات، شکل وصورت اور عمل وغیرہ بالکل جدا جدا اور مختلف ہیں۔ یہ کسی زمانہ میں ایک نہیں ہوئے اور نہ کبھی ایک ہو سکتے ہیں۔ جو لوگ ان کو ایک سمجھتے یا ان کو ایک کرنے کی کوشش کرتے ہیں یا آئندہ ایک کرنا چاہتے ہیں وہ بہت بڑی غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔ دو مختلف اصول اور نظریات ایک نہیں ہو سکتے۔ دو مختلف راہیں ایک نہیں کہلا سکتیں اور دو مختلف مذاہب ایک نتیجہ پیدا نہیں کر سکتے۔ اگرچہ دونوں کا عمل ایک ہی مقصد کو حاصل کرنا ہو۔ جب دونوں کے طریق کار جدا جدا ہیں تو نتائج بھی الگ الگ ہوں گے۔ جب ان دونوں طریقہ ہائے علاج میں کوئی بات بھی مشترک نہیں تو پھر دونوں ایک کس طرح ہوئے اور ایک دوسری کی ترقی یافتہ صورت اور ارتقائی حالت کیسے ہو سکتی ہے؟

اس امر میں شک نہیں کہ طب یونانی اور یورپی طب دونوں طریق کا نام علاج بالضد (Allopathy) ہے۔ یعنی ہر مرض، حالت اور علامت کا علاج اس کی ضد سے کیا جائے یا زمان ومکان کی ترقیات کو نظر انداز کرنے سے دونوں کی ایک ہی شکل نظر آتی ہے۔ تاریخ بھی بظاہر دونوں کا ایک ہونا ظاہر کرتی ہے۔ لیکن جب تاریخ طب کا محققانہ مطالعہ کیا جائے تو یہ تمام مغالطے دور ہو جاتے ہیں۔ خصوصاً جب ایک محقق تاریخ طب کا وہ باب مطالعہ کرتا ہے۔ جب یورپ ہسپانیہ کی درسگاہوں میں اسلامی علوم وفنون اور حکمت ورشد کی روشنی حاصل کر کے گمراہی اور جہالت کی حالت سے نکل کر علمی وعملی زندگی میں قدم رکھ رہا تھا۔ مگر قومی اور مذہبی تعصب کے زیر اثر اسلامی علوم وفنون اور حکمت ورشد سے فرار کی راہ نکال رہا تھا۔ گویا اس تعصب کے باعث فطرت اس کو ایک گمراہی، تاریکی اور جہالت سے نکال کر ایک دوسری گمراہی اور تاریکی میں مبتلا کر رہی تھی۔ وہ اسلامی علوم وفنون کے ساتھ تعصب رکھنے کے باعث ہر علم وفن اور حکمت ورشد کے بنیادی اصولوں کو بھی نظر انداز کر بیٹھا اور اس نے اپنے لیے ایک جدید راہ عمل اختیار کر لی۔ اسی تعصب کے باعث وہ بے علمی وغفلت میں قوانین ارتقائے علوم وفنون کی اہمیت کو بھی نظر انداز کر بیٹھا اور پھر صدیوں کے لیے اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں مارنے کے لیے میدان میں آ گیا۔ بالکل ایسے جیسے کوئی آدمی جہاز والوں سے ناراض ہو کر اندھیری رات میں جہاز سے سمندر میں چھلانگ لگا دے اور یہ خیال کرے کہ وہ جہاز کی حالت سے بہتر رہے گا بلکہ اس سے پہلے منزل مقصود پر پہنچ جائے گا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ یورپ نے اپنی اسی جدوجہد میں سینکڑوں نئے قوانین دریافت کیے کیونکہ جدوجہد کا ثمرہ ضرور ملتا ہے۔ لیکن اگر بغور دیکھا جائے تو یہ قوانین پہلے ہی اسلامی علوم وفنون اور حکمت ورشد میں موجود ہیں اور جو قوانین ان کے خلاف اخذ کیے گئے ان سے بعد میں بعد از خرابی بسیار دست بردار ہونا پڑا۔ اور بھی بے شمار قوانین اور قواعد اسلامی دور تہذیب کے باقی ہیں۔ جہاں تک یورپ کی رسائی نہیں ہوئی۔ الغرض یورپ کا وہ دور خاصہ اہم ہے جب وہ اسلامی تہذیب وتمدن، علوم وفنون، حکمت ورشد اور طب وفلسفہ سے برگشتہ ہو کر اس کی کتب جلا رہا تھا اور ان کے خلاف نفرت کی آگ پھیلا رہا تھا۔ یہی غلط اور نفرت انگیز روش علم طب اور فن علاج کے ساتھ بھی اختیار کی گئی۔ جس کی

تفصیل آئندہ صفحات میں بیان ہوگی۔اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یورپ نے صدیوں کے ارتقائی اصولوں کو نظر انداز کر کے جو خود ساختہ قانون بنائے وہ اکثر بے بنیاد نکلے اور فن کا ساتھ نہ دے سکے اور تقریباً ہر نصف صدی کے بعد بدلتے رہتے ہیں۔

طب کی ارتقائی ترقی

یونانی طب نے اسلامی دور میں بے حد ترقی کی ہے اس لیے بعض لوگ اس کو اسلامی طب کے نام سے یاد کرتے ہیں۔لیکن درحقیقت طب نہ یونانی ہے اور نہ اسلامی بلکہ یہ ایک ایسا علم ہے جس سے حالاتِ بدن سے آگاہی ہوتی ہے۔اس کی غایت صحت جسمانی کو قائم رکھنا اور وہ مبتلائے مرض ہو جائے تو صحت کی طرف لوٹانا ہے۔یہ تمام نام اضافی ہیں اور بعد کے زمانوں میں ان زمانوں کی یاد اور تاریخ کے طور پر ان کو ان ناموں سے موسوم کیا گیا ہے۔ ہر نام اپنے اندر مختلف اصول رکھتا ہے۔اس لیے ان کو طب یونانی، طب یورپی، طب ہندی وغیرہ کی بجائے یونانی طب کے اصول، یورپی طب کے اصول اور ہندی طب کے اصول کی صورت میں جاننا چاہیے لیکن اس امر کو ہمیشہ ملحوظ رکھا جائے کہ علم طب ایک واحد علم ہے اور اس کا موضوع صرف زندہ جسم (جس میں انسان کے ساتھ حیوان اور نباتات بھی شریک ہے) ہے اور غایت حفظ صحت اور علاج ہے۔البتہ مختلف ازمنہ اور ادوار میں اس کی غایت کو زیادہ نفع بخش بنانے کے لیے اس کے اصولوں اور قوانین میں تدوین واضافہ تحقیق وتجدید اور ترمیم وتنسیخ ہوتی رہی لیکن مقصد یہی رہا کہ صحت، طاقت، جوانی بلکہ زندگی کو ہمیشہ قائم رکھا جائے۔ ہر زمانے اور دور کے اصولوں اور طریق علاج کا ایک مختلف نام پڑ گیا۔اس لیے جب ہم کہتے ہیں طب یونانی یا ہندی طب یا یورپی طب تو ہمارا مقصد ان کے اصول وطریق کا بیان کرنا ہوتا ہے۔لیکن اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ علم طب ہی جدا جدا ہیں یا ان کا موضوع اور غایت مختلف ہیں۔اس کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے مذاہب کہ ہر زمانے اور دور میں جدا جدا اصول وقوانین لے کر پیدا ہوئے لیکن ان سب کا مقصد ایک ہی ہے کہ انسان اس دنیا میں بہتر طریق (اصول فطرت اور عقل) پر زندگی گزارے تاکہ موت کے بعد نجات ہو۔جس مذہب کے اصول عقل وفطرت کے مطابق ہوں گے اس میں زندگی کی خوش حالی اور نجات کا تعین تسلی بخش ہوگا۔بالکل یہی اصول اور طریق کار ہر طب اور طریق علاج میں پایا جاتا ہے کہ جس طب اور طریق علاج کے قواعد، اصول اور قوانین فطرت اور عقل کے مطابق یا زیادہ قریب ہوں وہی طریق علاج یا طب دوسری طبوں سے بہتر اور افضل ہے۔آئندہ چل کر ہم اس پر بحث کریں گے کہ فطرت اور عقل کے مطابق علاج کس قسم کا ہونا چاہیے جو ایک عام انسان سے لے کر ایک ذہین آدمی تک قابل قبول ہو سکے۔

ایلوپیتھی کی ابتدا

کرنل بھولا ناتھ اپنی کتاب علم وعمل کے صفحہ ۶۱ پر تحریر کرتے ہیں ''اہل عرب کی علمی ترقی کا سورج جس کی شعاعوں نے فرنگستان کے دارالعلوموں کو کئی صدیوں تک منور رکھا، ہسپانیہ کے زوال کے ساتھ غروب ہوتا ہے۔سپین کے عیسائیوں کا جب عربوں اور موروں کے ساتھ میل جول ہونے لگا اور انہوں نے مشرقی تہذیب اور ترقی کو دیکھا تو ان کے دل میں بھی تحصیل علم کا شوق پیدا ہوا''۔آگے چل کر لکھتے ہیں ''مقام ملاتو جنوبی اٹلی میں پادریوں نے ایک یونیورسٹی بنائی تھی جس میں طبابت بھی جزوی طور پر سکھائی جاتی تھی۔مگر علاج کا دارومدار ابھی تک پرانے اصولوں اور طریقوں (اسلامی طب) پر ہوتا تھا۔۱۳۰۰ء میں مان پیلے ار'' میں ایک شفاخانہ قائم کیا گیا جہاں پر بیماریوں کی علامات کا مشاہدہ اور دواؤں کا امتحان باقاعدہ طور پر کیا جانے لگا۔شاہ فریڈرک دوم نے ۱۳۳۱ء میں فرمان شاہی جاری کیا تھا کہ مقام سلانو میں پانچ سال میں ایک بار آدمی کی لاش تشریح سیکھنے کی غرض سے چیری جائے اور اس کی مملکت کے تمام اطباء اور حکماء اس موقع پر حاضر ہوں۔

اس کے بعد حکام سلطنت دنیس نے بھی اس قسم کے احکام جاری کیے''۔ زمانہ دراز تک یہ سلسلہ چلتا رہا۔ اہل یورپ اہل عرب کی شاگردی پر فخر کرتے رہے اور ان کی درسگاہوں سے سیکھ کر اپنے ملک میں انہی کے اصولوں پر علاج کرتے رہے۔ شاہی درباروں میں عربی اطبا پسند کیے جاتے اور یورپی اطبا اور حکیم بھی وہی لباس پہننا باعث صد عزت خیال کرتے تھے۔ آگے چل کر کرنل موصوف لکھتے ہیں ''فلسفہ میں ابن رشد کی کتابوں اور شرحوں نے ارسطالیس کو معلم اوّل بنا دیا تھا اب طب میں جالینوس، بقراط اور ابن سینا کے کمال کا ڈنکا یورپ کے دارالعلوموں میں بجنا شروع ہوا۔ بہت عرصہ یہ سلسلہ بھی جاری رہا۔ عربی کتب کے یورپ کی مختلف زبانوں میں ترجمے کیے گئے۔ بلکہ ان کی شرحیں لکھی گئیں۔ ان کے کئی کئی ایڈیشن شائع ہوئے اور ہر ملک نے بڑھ چڑھ کر اس میں حصہ لیا۔ اس کے بعد کرنل موصوف کے لفظوں میں ''یورپ والوں کو یہ سوجھی کہ بجائے عربی ترجموں کے حکمائے سلف کی اصلی تصانیف کی تلاش کرنی چاہیے چنانچہ حکمائے یونان اور روؤسا کے پرانے نسخے مدفون اور معبد کے تہ خانوں میں سے ڈھونڈ ڈھونڈ کر نکالے گئے اور علم تشریح اور افعال الاعضاء کو از سر نو تازہ کیا گیا۔ سب سے پہلا باقاعدہ تشریح دان (.......) گزرا ہے۔ یہ شخص پیڈوا مقام انگی کا رہنے والا تھا اور اس کی پیدائش کی تاریخ ۳۱ دسمبر ۱۵۱۹ء ہے۔ اس نے فرانس اور اٹلی کے دارالعلوموں میں تعلیم پا کر تشریح کی ایک نہایت خوبصورت کتاب مسمی ''داہیو مینائی کارپورس نابریکا'' تصنیف کی جو اب تک پرانے کتب خانوں میں پائی جاتی ہے۔ اسی حکیم نے سب سے پہلا ''ریفائی ننگ'' کا جراحی عمل ''شاہ دوم کارلو'' پر کیا۔ مدت تک یہ سلسلہ بھی چلتا رہا اور عربی تراجم و شرح کے ساتھ ساتھ تالیفات و تصنیفات کی بھی کثرت ہوگئی۔ بعض مقامات پر طبی درسگاہیں اور ہسپتال بھی قائم ہوگئے۔ اس کے بعد ایک زبردست انقلاب آ گیا۔

ایلوپیتھی میں تعصب کی ابتداء

یورپ کے علمی ترقی کے پہلے دور میں عربی طب کو اپنایا گیا۔ عربی طبی کتب کے تراجم و شرح لکھی گئیں۔ انہی اصولوں پر درسگاہیں اور علاج میں بھی وہی طریق اختیار کیا گیا۔ دوسرے دور میں یونانی طب کی اصل کتب کی تلاش۔ ان کے تراجم اور تفاسیر لکھی گئیں۔ پھر تیسرا دور شروع ہوا۔ اور یہ دور علم وفن کے لیے انتہائی خطرناک تھا۔ ملک بھر میں ایک انقلاب پیدا ہوگیا۔ عربی طب سے نفرت اور انتہائی تعصب پیدا ہو گیا۔ اس انقلاب نے جس کے نفسیاتی اثرات بہت گہرے ہیں۔ ملک بھر میں عربی طب کے خلاف انتہائی نفرت اور تعصب پیدا کر دیا۔ چونکہ علم وفن میں نفرت اور تعصب بے معنی شے ہے اس لیے ایلوپیتھی اپنے صحیح ارتقائی راستہ سے ہٹ کر غلط راستہ پر گامزن ہوگئی۔ کرنل موصوف آگے چل کر لکھتے ہیں ''اس کے بعد حکیم پیرسلوس (۱۴۹۰ء تا ۱۵۴۱ء) نے اعلانیہ طور پر حکمائے سلف کے مسائل کے ساتھ اختلاف ظاہر کیا۔ اس کے علم و کمال میں کوئی کلام نہیں ہوسکتا۔ مگر اس میں بھی شک نہیں ہوسکتا کہ وہ شخص خود پسند اور کسی قدر خبطی تھا۔ اپنے علم کے زعم میں اس نے جالینوس اور ارسطو کی کتب کو اپنے شاگردوں کے سامنے پبلک میں جلا دیا۔ ایک تو پیراسلوس کی سرکشی نے جالینوس اور ابن سینا کی توقیر کو بہت کچھ گھٹا ڈالا تھا۔ اس کے اوپر پندرھویں صدی میں چند ایک بیماریاں اس قسم کی نمودار ہوئیں جن کا ذکر پرانی کتب میں نہ تھا۔ مثلاً آتشک، طاعون اور رکٹس وغیرہ''۔ از کرنل بھولا ناتھ۔

ایلوپیتھی کی بنیادی غلطی

عربی طب یا یونانی طب کے خلاف نفرت و تعصب اور مظاہرے کرنل موصوف کے بیان کے مطابق پیراسلوس کے خود پسند اور خبطی قسم

کے انسان ہونے کا نتیجہ تھے۔ اور نئے امراض کی نمود کوئی اہم بات نہ تھی۔ کیونکہ طب عربی میں علم العلاج اور علم الامراض کے تحت جہاں امراض وعلاج کو انفرادی طور پر بیان کیا گیا ہے وہاں اجتماعی طور پر کلی قوانین بھی بیان کر دیئے گئے ہیں تاکہ جو امراض اور علامات علم العلاج والامراض میں مذکور نہ ہوں، ان کا بھی علاج کیا جا سکے۔ اس سلسلہ میں کلی قوانین میں ایک طویل اور مفصل بحث موجود ہے۔ حکیم پیراسلوس اور اس قسم کے دیگر اطباء کو نفرت وتعصب نے اندھا کر دیا تھا اور نہ وہ علم وفن کا کوئی خاص فاضل تھا، ورنہ آج بھی عربی طب میں مندرجہ بالا امراض کا علاج احسن طریق پر کیا جا سکتا ہے اس کے ساتھ یہ امر بھی ذہن میں رہنا چاہیے کہ یورپ تک جو کتب وتعلیم پہنچی وہ زیادہ تر ہسپانیہ کے مدرسہ فکر کا نتیجہ تھی۔ لیکن اس علم وفن کا بہت بڑا خزانہ مشرق وسطیٰ میں پایا جاتا تھا جس میں ان دنوں بغداد کو خاص اہمیت حاصل تھی۔ اس مدرسہ فکر میں ایسے ایسے حکماء پیدا ہوئے جن کا جواب آج بھی دنیا پیش نہیں کر سکتی۔ جن میں شیخ الرئیس ابن سینا۔ ذکریا، رازی اور فارابی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ اس زمانے کی یہ اولین غلطی تھی کہ عربی علم طب وفن کو نہ صرف بنیادی طور پر نظر انداز کر دیا گیا۔ بلکہ تعصب ونفرت کے ساتھ اس کو نذر آتش کرنے کی حماقت کی گئی۔ اس زمانے کے انقلاب کی وجوہات پر تبصرہ کرتے ہوئے کرنل موصوف لکھتے ہیں ''حکیم گلیلیو کی تحقیقات اور بیکن نے علوم وفلسفہ کو پرانی کٹھالیوں میں سے نکال کر نئے سانچوں میں ڈھال دیا تھا۔ کپلر، کوپرنیکس اور نیوٹن کی تحقیقات نے اس کی عالیشان عمارت کو منہدم کر کے نئے آسمان اور نئی زمین کی بنیاد ڈالی۔ اسی زمانہ میں نئی دنیا نے نیا جلوہ دکھایا۔ میکیلین نے زمین کے گرد سفر کر کے ثابت کر دیا کہ زمین کروی شکل ہے مسطح نہیں۔ ڈالٹن نے ظاہر کیا کل مادی مکنونات چھوٹے چھوٹے اجزاء سے ترکیب پائے ہوئے ہیں اور اس کا نام ایٹم یعنی جز ولا یتجزیٰ رکھا۔ اسی طرح پروفیسر بیلمولٹس کے عجیب وغریب تجارب وامتحانات کے زور سے ہر کسی کو ماننا پڑا کہ مادہ اور قوی دائم اور باقی ہے۔ یہ کسی صورت میں نیست نہیں ہو سکتے۔ ادھر ڈارون کے نظریہ کے مطابق ارتقائے قوانین کے آگے کل موجودات اور موالید ثلاثہ کو سر جھکانا پڑا۔ غرضیکہ ہر عالم اور فلسفی اس بات کا قائل ہو گیا کہ کل مکنونات پر ایک ہی قانون جاری ہے اور سارے علوم وحکمت میں یگانگت اور اتحاد ہے''۔

کرنل موصوف نے مندرجہ بالا جن تحقیقات اور اختراعات وایجادات کا تذکرہ کیا ہے۔ اگر وہ اس وقت زندہ ہوتے تو دیکھ لیتے کہ ان میں سے اکثر جدید تحقیقات غلط ثابت ہو گئی ہیں۔ اور بعض اختراعات جن کو یورپین لوگوں کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ وہ عرب لوگوں کی کوششوں کا نتیجہ ہیں۔ جیسا کہ سائنس کا ہر طالب علم جانتا ہے اور آئندہ چل کر ان کی حقیقت کو اچھی طرح واضح کیا جائے گا۔

البتہ یہ جان لینا خالی از دلچسپی نہ ہو گا کہ ایجاد واختراع دو جدا جدا چیزیں ہیں ایجاد تحقیقات کا نتیجہ ہے جو قدیم معلومات سے وجود میں آتا ہے اور اکثر قدیم علوم وفنون سے اس کا تعلق ہوتا ہے چاہے قاعدے اور اصول بدل جائیں لیکن اس کا اشارہ اسی علم وفن کی طرف ہی ہوتا ہے جس میں یہ ایجاد اور جدید تحقیق ہوئی ہے۔ جیسے علم الابدان ایک علم ہے لیکن اس کو جن زاویوں سے دیکھا جائے گا وہ اس کے مختلف نظریات ہوں گے اسی طرح فن علاج میں مختلف طریق علاج ہیں اور ان میں سے ہر ایک نے کسی حقیقت پر بنیاد رکھی ہے اور جو حقیقت فطرت کے زیادہ قریب ہے وہ قانون بن جاتی ہے۔

اختراع کسی بالکل نئی شے یا مظہر فطرت کا علم حاصل ہونا ہے۔ یہ چیزیں زمانے کے ساتھ ساتھ انسانی طلب سے معلوم ہوتی رہتی ہیں۔ جیسے پہیے کی اختراع اچانک ظہور میں آ جاتی ہے۔ ایکس ریز (X-Rays) کا علم اچانک اور خود بخود ہو گیا۔ یہ اختراعات بھی جدید تحقیقات اور ایجاد کی طرح اس وقت تک زمانے کا ساتھ دیتی ہیں جب تک کوئی نئی اختراع کا ظہور نہ ہو۔ جب کوئی نیا قانون، اصول اور ایجاد واختراع وجود میں آ جاتی ہے جو پہلے کی نسبت زیادہ مفید اور فطرت کے قریب ہو تو گذشتہ ایجادات واختراعات کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ اس

طرح زمانے میں ہزاروں اصول و نظریات بلکہ قاعدے اور قوانین اور سینکڑوں ایجادات و اختراعات ختم ہو گئیں یا ان کی شکل و صورت ارتقاء کی منزلیں طے کر گئیں، دراصل انسان اپنی ضرورت دیکھتا ہے اور اس کے مطابق شے یا قانون طلب کرتا ہے اور پھر جدوجہد کرتا ہے۔ اسی لیے کہا گیا ہے کہ ضرورت ایجاد کی ماں ہے۔

ایلوپیتھی کی اوّلین غلطی

ظاہر میں تو ایلوپیتھی نے تجدید و تحقیق اور اصلاح و اضافہ کی طرف قدم بڑھایا اور علم طب کے ہر شعبہ میں جدت و تحقیق شروع کر دی مگر جلد بازی اور شوق ترقی میں علم طب کے بنیادی قوانین کو نظر انداز کر دیا۔ چنانچہ جہاں پر انہوں نے تحقیقات کے جوش میں امور طبعیہ (Essential Laws of Physics) کو اپنی تحقیق کا زاویہ نگاہ بنایا اور اس پر سالہا سال تک دادِ تحقیق دی۔ اور اس میدان میں بہت سی مفید معلومات بھی بہم پہنچائیں لیکن حقیقت کو اپنے قبضہ میں نہ رکھ سکے اور ان امور طبعیہ کو نظر انداز کر دیا۔ یہاں تک تو خیر کوئی بات نہ تھی کہ کسی اصول کو غلط سمجھ کر چھوڑ دیا جائے۔ البتہ یہ ضرور مناسب تھا کہ اس کی جگہ پوری کرنے کے لیے کوئی قواعد و قوانین اور اصول بھی مقرر کیے جاتے۔ مگر ایسا نہیں کیا گیا اور یہ ایلوپیتھی کی اوّلین غلطی تھی۔

جاننا چاہیے کہ امور طبعیہ ایسے قوانین کا مجموعہ ہے کہ ان میں سے اگر ایک کی بھی نفی کر دیں تو ہم انسانی زندگی کو قائم نہیں رکھ سکتے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ایک طرف ان قوانین کا انسانی زندگی کے ساتھ لازمی تعلق ہے اور دوسری طرف ان کا گہرا تعلق کائنات کے ساتھ ہے۔ گویا ان قوانین کو زندگی اور کائنات سے ہم آہنگ کر دیا گیا ہے۔ یہ قوانین تعداد میں سات ہیں: ❶ ارکان (Fundamental Elements) ❷ مزاج (Tempartament) ❸ اخلاط (Blood Compound) ❹ ارواح (Spirits) ❺ قویٰ (Vital Force) ❻ اعضاء (Organs) ❼ افعال (Actions)۔

ہر صاحب علم و عقل دیکھ سکتا ہے کہ ان میں سے کسی ایک کو بھی نہیں چھوڑا جا سکتا۔ اور اگر کسی ایک کو ترک بھی کیا جائے تو اس کی جگہ کوئی دوسرا قانون مقرر کیا جانا ضروری ہے لیکن مغربی طب نے ان سب کو یک قلم چھوڑ دیا اور ان کے قائم مقام کوئی قوانین و اصول مرتب نہیں کیے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ زندگی اور کائنات کی ہم آہنگی کی صورت ختم ہو گئی اور مغربی طب چند بے ربط، بے جوڑ اور غیر منظم نظریات کا مجموعہ ہو کر رہ گئی۔ یعنی جس کسی نے بھی علم طب میں کوئی تحقیق شروع کی اور اس میں بہت کچھ حاصل بھی کیا۔ لیکن یہ جاننے کی کوشش نہ کی کہ اس کا زندگی کے اہم مسائل خصوصاً امور طبعیہ کے ساتھ کیا تعلق ہے اور زندگی اور کائنات کو کہاں تک ہم آہنگ کرتی ہے۔ مثلاً ایک شخص اٹھتا ہے اور عناصر پر تحقیقات کرنے کے بعد یہ ثابت کرتا ہے کہ وہ چار نہیں بلکہ زیادہ ہیں اور یہ ہوا پانی اور مٹی مفرد نہیں بلکہ مرکب ہیں۔ ہم اس کو تسلیم کر لیتے ہیں لیکن ان چار عناصر کا جو تعلق انسان کے ابتدائی خمیر سے تھا اور جس پر اس کے مزاج اور صحت کی عمارت قائم تھی وہ ختم ہو گئی۔ اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ انسان کے اسی مزاج کو کائنات کے مزاج سے جو تطبیق دی گئی تھی اس کا تصور بھی ختم ہو گیا مثلاً کائنات میں جو بھی موسم ہوتا ہے ہم اس کی گرمی، سردی، خشکی اور تری کے اثرات کو انسان پر یقینی سمجھ لیتے ہیں اور ہر موسم کی بیماریاں اس کے اثرات کے ماتحت ہوتی ہیں۔ اسی طرح جو کائنات کے ان عناصر سے جتنا زیادہ قریب ہے، اتنا ہی ان سے متاثر ہے مثلاً کوئی میدانی علاقے کا باشندہ ہے۔ کسی کو سمندر کا قرب حاصل ہے اور کوئی پہاڑ پر اپنی زندگی گذارنے پر مجبور ہے یا کوئی شہر میدانی علاقہ میں واقع ہے جہاں سخت گرمی پڑتی ہے اور کوئی شہر پہاڑ کے دامن میں اور کوئی سمندر کے کنارے آباد ہے تو یقینی امر ہے کہ ان عناصر کا فرد اور اجتماع دونوں پر اثر پڑے گا۔

اب ہم ان عناصر کے قانون کو بدلتے ہیں اور چار کی بجائے سومقرر کرتے ہیں اور جسم انسان میں چودہ مقرر کرتے ہیں اور اس کو صحیح بھی فرض کر لیتے ہیں۔ لیکن اب بتائیے کہ ان کو زندگی اور کائنات سے کیسے تطبیق دیں۔ موسم کے اثرات کو کس طرح سمجھیں، علاقائی قرب کا اندازہ کیسے لگائیں۔ انفرادی طور پر جب کسی پر کیفیات کا اثر ہو یا اس کے مزاج میں خرابی پیدا ہو تو ان کا کیسے اندازہ لگائیں۔ ایک شخص سردی سے متاثر ہوتا ہے تو یہ کیسے معلوم کریں کہ یہ سردی پانی کے اثرات کا نتیجہ ہے یا سرد ہوا کا نتیجہ ہے اور پانی کے استعمال سے جو تکلیف ہو تو اس بات کا پتہ کیسے چلے کہ اس شخص کو پانی کی ہائیڈروجن تکلیف دے رہی ہے یا آکسیجن نقصان پہنچا رہی ہے۔ اسی طرح انتہائی گرمی بھی ضعف قلب پیدا کر کے دل کی رفتار کم کر دیتی ہے اور انتہائی سردی بھی قلب کو ٹھنڈا کر کے اس کی رفتار سست کر دیتی ہے۔ اب ان امور کا اندازہ کیسے لگایا جائے۔ نقص تو یہ ہے کہ یورپ میں زیادہ تر سردی پڑتی ہے۔ وہاں پر جب کسی کو غشی یا دل گھٹنے کا دورہ پڑتا ہے وہاں فوراً سپرٹ امونیا ایرومیٹک اور دیگر اسی طرح کی گرم و تیز مقوی قلب دوائیں استعمال کرتے ہیں۔ لیکن گرم ملک میں جب ایک شخص کو گرمی سے ضعف قلب ہو جاتا ہے تو یہ ادویات بجائے آب حیات کے زہر قاتل ثابت ہوتی ہیں۔

اسی طرح ہوا بھی کئی عناصر سے مرکب ہے اور کوئی آدمی اندازہ نہیں لگا سکتا کہ اس وقت کاربن نقصان پہنچا رہی ہے یا نائٹروجن باعث تکلیف ہے یا ہوا اور پانی کے اندر کوئی دوسرا زہر اثر کر چکا ہے جو باعث تکلیف ہے۔ بہرحال اس سے زندگی اور کائنات کے طبعی تعلق سے انسان خالی الذہن ہو جاتا ہے۔ جب یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ گرمی اور سردی کا انسان پر اور کائنات پر یقینی اثر ہے اور علاج کے دوران میں بھی ہم روزانہ دیکھتے ہیں کہ نمونیا کے مریض کے لیے اس کمرے کا درجہ حرارت گرم کرنا پڑتا ہے اور محرقہ بخار کے مریض کے ماحول کو سرد کرنا پڑتا ہے۔ آخر کیوں؟ اگر یہ مسلمہ حقیقت ہے تو مزاج کو تسلیم کرنا پڑے گا اور انسان اور کائنات کے مزاج کو تطبیق دینا پڑے گی اور ایسا نہ کرنے کی صورت میں علاج میں خرابیوں اور ناکامیوں کا منہ دیکھنا پڑے گا۔

اگر جسم انسان کے اندر جو چودہ عناصر ہیں ان کو چار عناصر کی جگہ اپنایا جائے تو اوّل تو ہم کو انسان کے اندر چار امزجہ کو چھوڑنا پڑے گا۔ یہ تو خیر کوئی بات نہیں لیکن ان چودہ امزجہ کو کائنات کے ساتھ کیسے تطبیق دی جائے گی جبکہ کائنات میں ایک طرف چار چار موسم ہیں اور دوسری طرف سو سے زائد عناصر معلوم ہو چکے ہیں۔ مغربی طب نے اس مسلمہ حقیقت کو چھوڑ کر فن علاج پر جو ظلم کیا ہے اس کی تلافی ناممکن ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ عناصر کی طرح دیگر طبعی امور کو بھی اسی طرح نظر انداز کر دیا ہے۔ ان کی مزید تشریح آئندہ صفحات میں بیان کریں گے اور ثابت کریں گے کہ ان کے بغیر کوئی علاج ممکن نہیں اور ہر ایسا علاج غیر علمی اور عطائیانہ ہے بلکہ علم طب پر ایک بدنما دھبہ ہے۔

یونانی طب اور آیورویدک میں بھی بہت سے ایسے اصول ہیں جن کو غلط کہا جا سکتا ہے لیکن ان کے بنیادی قوانین اور قاعدے ایسے ہیں کہ وہ سب کے سب ایک نظام کے ساتھ مربوط ہیں اور اس نظام کی کسی ایک کڑی کو بھی نکال دینے سے وہ سارا سلسلہ درہم برہم ہو جاتا ہے۔ ان کے علاوہ ہومیوپیتھی، بایوکیمک بلکہ کسی دوسری چھوٹی بڑی طب کو بھی دیکھا جائے تو اس کے بھی چند بنیادی قوانین و قواعد ہیں جن کے تحت اس کا فن علاج ترتیب دیا ہوا ہے۔ انہی بنیادی اصولوں کے تحت تشخیص ہوتی ہے اور انہی کے ماتحت علاج کیا جاتا ہے۔ مثلاً ہومیوپیتھی میں اصول علامات کو اختیار کیا گیا ہے۔ یعنی ہر مرض کی علامات کو اس دوا کی علامات سے تطبیق دی جاتی ہے جو تندرست آدمی کو کھلانے سے پیدا ہوتی ہیں۔ پھر صحت علامات کے بعد وہی دوا قلیل مقدار میں دی جاتی ہے۔ ان علامات کے ساتھ زندگی اور کائنات کے طبعی امور کو بھی نظر انداز نہیں کیا جاتا جو انسان پر اثر انداز ہوتے ہیں جس میں انسانی مزاج بھی شریک ہیں جیسے گرمی کی حالت میں دوا کی علامات کیا ہوں گی۔ سردی میں ان علامات میں کیا تغیر پیدا ہوگا۔ اسی طرح پانی کا اثر جسم پر کیا ہوگا اور ہوا کیسے تغیرات پیدا کر دے گی۔ غرض انسانی جذبات، کائناتی تغیرات

بلکہ ستاروں کے اثر کو بھی نظر انداز نہیں کیا گیا۔ یہی حال دوسری طبوں کا بھی ہے مگر مغربی طب میں ایسا کوئی نظام اور ترتیب نہیں پائی جاتی۔ جس سے تشخیص اور انسانی جسم کو سمجھنے میں سہولتیں ہوئیں اور علاج بھی اس کے مطابق باقاعدہ طریق پر ہو جائے۔ جب محققین مغربی طب نے عربی طب میں تحقیق کرتے ہوئے اس کی کمزور اور زنگ خوردہ کڑیوں یا اس کے لایعنی اور غیر علمی اصولوں اور قاعدوں کو نکال دیا تھا تو یہ تو کوئی بری بات نہ تھی مگر اس کے ساتھ یہ بھی لازمی تھا کہ ان کی جگہ مضبوط کڑیاں، صحیح اصول اور علمی قاعدے قائم کر کے اس سلسلے اور نظام کو قائم رکھا جاتا اور اگر وہ نظام بالکل ہی غلط اور غیر علمی تھا تو اس کی جگہ نیا نظام اور سلسلہ ترتیب دیا جاتا کہ باقاعدگی میں کوئی خرابی پیدا نہ ہوتی لیکن ان دونوں صورتوں میں سے کسی ایک کو بھی نہیں اپنایا گیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مغربی طب ایک غیر علمی، بے قاعدہ بلکہ عطایانہ طریق علاج بن کر رہ گئی جس میں امراض کے لیے ادویات ہیں اور مریض کا کوئی علاج نہیں اور نہ اس کے پاس کوئی قانون ہے جس کے تحت مریض کا علاج کر سکے۔

بعض لوگ جو مغربی پروپیگنڈہ، شان وشوکت، عالی شان کالج وہسپتال، شیشہ وآلات حسین وزہد شکن نرسیں اور جوشیلے ڈاکٹروں سے مرعوب ومتاثر ہیں۔ وہ ہماری اس بات کو بالکل غلط قرار دیں گے اور کہیں گے کہ انگریزی طب درست اصولوں پر قائم ہے۔ لیکن جو لوگ ان تین بنیادی باتوں کو سمجھ جائیں گے وہ حقیقت کو پالیں گے ① حکومت کی سرپرستی ② مغرب کا بے پناہ پروپیگنڈہ اور ③ ہماری ذہنی غلامی۔ اگر یہ کسی اور طریق علاج کو بھی حاصل ہو جائیں تو وہ بھی ایسے ہی عزت واحترام اور تقدس سے دیکھا جائے گا جیسے امریکہ میں ہومیوپیتھی کو حکومت کی سرپرستی حاصل ہے تو اس کی وہاں پر ایسی ہی شان وشوکت ہے اور خود ہمارے ملک میں بھی ہومیوپیتھک ڈاکٹروں کے مطب ایلوپیتھک ڈاکٹروں سے کسی طرح کم نہیں، بلکہ بعض تو ان سے بھی بڑھے ہوئے ہیں۔ لیکن ظاہری شان وشوکت کے معنی یہ نہیں کہ اس کے اندر کچھ حقیقت بھی ہے۔ ہر چیز جو چمکتی ہے، ضروری نہیں کہ وہ سونا ہو۔

حقیقت یہ ہے کہ مغربی طب کے اندر نظام اور ترتیب ختم ہونے کے بعد وہ صرف چند تجربات کی مرہون منت رہ گئی ہے۔ اس میں کوئی مکمل قانون واصول نہیں ہے ایک تھیوری دوسری کے خلاف اور ایک اصول دوسرے اصول سے متصادم ومتضاد ہے جنہیں باہم کسی طرح مربوط نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن بایں ہمہ وہ دنیا کی دوسری طبوں کا مذاق اڑاتی اور اسے غیر علمی قرار دیتی ہے۔ حالانکہ وہ خود انتہائی بے اصول، بے قاعدہ غیر علمی طریق علاج ہے۔

مغربی طب کو غیر علمی اور بے قاعدہ ثابت کرنے کے لیے آئندہ صفحات میں ہم اس کے ایک ایک قانون اور اصول پر بحث کریں گے اور واضح کریں گے کہ یہ طریق علاج حقیقت اور سچائی سے اسی قدر دور ہے، جیسے ظلمت نور سے، رات دن سے، باطل حق سے اور شر نیکی سے جدا ہے اور اس کے لیے مجھے سینکڑوں سال پیچھے کی طرف لوٹنا پڑے گا اور اس عربی طب کو سامنے رکھنا پڑے گا جس کو اول اول مغرب والوں نے سیکھا، گلے سے لگائے رکھا اور پھر تجدید وتحقیق اور اصلاح کے نام سے ایسے غار میں جا گرے کہ سالہا سال کے ترقی یافتہ فن کو فنا کر دیا۔ ہم مغربی طب کے دشمن نہیں اور نہ ہی عربی طب کے دوست ہیں، بلکہ فن برائے فن یا فن برائے افادیت کے قائل ہیں۔ جہاں تک عربی طب کا تعلق ہے وہ آیورویدک اور یونانی طب کی ترقی یافتہ صورت ہے اور یہ ارتقائی منزلیں اس نے صدیوں میں طے کی ہیں۔ ابتداً میں جو قاعدے اور اصول وضع کیے گئے تھے وہ عربی طب میں تقریباً قوانین کی صورت اختیار کر گئے اور پھر ان قوانین میں ایک نظم وربط پایا جاتا ہے جو اس علم طب کی جان ہے جس کو افسوس، مغربی طب نے فنا کر کے سینکڑوں سالوں کی محنت کو برباد کر دیا اور جو کچھ اس کی جگہ دیا وہ اتنا غیر علمی اور غیر مربوط ہے کہ پھر صدیوں کے بعد ہی یہ نظام اور سلسلہ درست ہو کر اپنے مقام پر آئے گا۔

ہم عربی طب کے طرف دار نہیں ہیں کیونکہ ہمارا طریق علاج یہ نہیں بلکہ اس سے زیادہ ترقی یافتہ (Refine) ہے البتہ اس کی بنیادیں عربی طب پر قائم ہیں جس پر ہم نے ایک عظیم قصر تعمیر کیا ہے۔ ہم نے مغربی طب کی طرح عربی طب کو نظر انداز نہیں کیا اور نہ غلط سمجھ کر چھوڑ دیا ہے بلکہ اس کی بنیادوں کی صحت وحقیقت کو تسلیم کر کے ان میں مزید تحقیق واصلاح کی ہے تا کہ وہ زود فہم اور اس کی افادیت پر تیقن پیدا ہو جائے۔

آئندہ صفحات میں ہم ثابت کریں گے کہ مغربی طب قدیم طب کے بنیادی مگر معیاری اور نہ تبدیل ہونے والے قوانین سے فرار ہو کر بنیادی قاعدوں اور مسلمہ قوانین سے سے کس قدر دور نکل گئی ہے جس کے نتیجہ میں اس کا فن علاج غیر علمی بن کر رہ گیا ہے لیکن اس کو پڑھنے سے قبل اس امر کو ضرور ذہن نشین کر لیں کہ ہمیں مغربی طب وجدید سائنس کی معلومات اور تحقیقات کا پورا پورا احساس اور علم ہے جو انہوں نے مختلف علوم وفنون میں انفرادی طور پر کی ہیں، جس میں اکثر اپنے اندر سچائی اور افادیت بھی رکھتی ہیں۔ لیکن اجتماعی طور پر وہ فن علاج کے لیے نقصان رساں اور غیر مفید ہیں۔

مغربی طب کو غیر علمی اور بے قاعدہ ثابت کرنے کے لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اول علم طب کے بنیادی قواعد اور قوانین بیان کر دیئے جائیں جن کی ترتیب سے یہ نظام علم طب اور فن علاج مدون ہوا ہے تا کہ دوران بحث میں حقیقت سامنے رہے اور کہیں الجھن پیدا نہ ہو کیونکہ ہم اس اہم اور انقلابی بحث میں صاحب ذوق اور خصوصاً اہل علم حضرات کو فضول ولایعنی اور طویل مباحث میں نہیں الجھانا چاہتے بلکہ حقیقت سامنے رکھ کر فیصلہ ان کے حسن ذوق اور فضیلت علم پر چھوڑتے ہیں۔

تین معیار

یہ جاننا چاہیے کہ حقیقت یا اس کے قریب پہنچنے کے لیے صرف تین چیزیں پیش کی جاسکتی ہیں:

① **فطرت** (Nature): کیونکہ دنیا اور زندگی کا ہر قانون اسی فطرت کے مطابق عمل میں آتا اور صحیح نتیجہ دیتا ہے بلکہ ترقی وارتقاء کی طرف لے جاتا ہے یاد رہے کہ فطرت کچھ نہیں بدلتی ﴿لاتبدیل لخلق اللّٰہ﴾ فرمان خداوندی ہے۔

② **عقل**: عقل ہی ایک ایسی طاقت ہے جو استقرا اور استنباط دونوں طریق پر ایک صحیح فیصلہ پر پہنچ سکتی ہے۔ اس کی مدد سے ہم کلیات و جزئیات کو ترتیب دے سکتے اور ضرورت کے وقت اسی کی مدد سے تصورات کو تصدیقات کی شکل دے سکتے ہیں۔

③ **تجرباتی مشاہدہ**: اس کی ضرورت اس وقت پیدا ہوتی ہے جب انسانی ذہن کم مائیگی علم سے قوانین فطرت سے واقفیت نہیں رکھتا یا ذہنی کمزوری سے علوم عقلیہ سے آگاہ نہیں ہوتا۔ اس وقت لازم ہوتا ہے کہ تجرباتی مشاہدہ سے اس کی تسلی کر دی جائے تا کہ عوامی سے عوامی ذہن بھی حقیقت سے گریز نہ کر سکے اور ہر کوئی حقیقت کے آگے سر تسلیم خم کر دے۔ ہم گذارش کریں گے کہ ہماری اس تحقیقات اور معلومات پر تنقید کر لی جائے تو انہی اصولوں پر اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو ایسے ہی دیگر قوانین اور کلیات بیان کر کے ان کے تحت کی جائے ورنہ وہ بے اصولی بحث سمجھی جائے گی اور قابل قبول نہ ہو گی علمی مباحث ہمیشہ حکمت کے ماتحت بیان ہونے چاہئیں۔

ہم اس تحقیق میں عربی طب کے ان قوانین کو بھی ساتھ ساتھ بیان کریں گے جو صدیاں گذر جانے کے بعد بھی اپنی جگہ قائم ہیں اور یہ ثابت کریں گے کہ ان میں سے بعض کو جو مغربی طب نے چھوڑا ہے تو یہ اس کی غلطی اور حقیقت سے ناواقفیت تھی اور بعض کو صرف اس لیے چھوڑا ہے کہ ان کا زاویہ نگاہ مختلف تھا۔ نتیجتاً مغربی طب غلط راستہ پر چلی گئی اور فن علاج میں تباہی پیدا ہو گئی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ اس بحث میں ہم سلسلہ کی تمام کڑیوں کو منضبط، متعلق اور منظم رکھیں گے۔ ہمارا دعویٰ ذہن نشین رکھیں کہ ''عربی طب کے تمام قوانین صحیح ہیں''۔

تعریف علم طب

علم طب (Medical Science) اس علم کا نام ہے جس کے ذریعے بدن انسان کے حالات صحت و مرض کا پتہ چلتا ہے۔ اس تعریف سے دنیا بھر میں کسی صاحب علم وفن کو انکار نہیں خواہ وہ مشرق کا ہو یا مغرب کا۔

علم طب کی غرض و غایت

اس علم کی غرض و غایت یہ ہے کہ اگر جسم انسان صحت مند ہے تو اس کی نگہداشت کی جائے اس کو برقرار رکھا جائے اور مرض نہ پیدا ہونے دیا جائے۔ اگر مرض ہو گیا ہے تو حتی الامکان اس کے ازالہ کی کوشش کی جائے تاکہ پھر صحت مند ہو جائے۔

موضوع

اس علم کا موضوع جسم انسان ہے۔ اگرچہ اس علم سے حیوانات و نباتات کی صحت و مرض کے ساتھ بھی بحث ہو سکتی ہے اور ان کے لیے بھی اس علم سے استفادہ کیا جا سکتا ہے۔ مگر یہاں تخصیص اس لیے کر دی گئی ہے کہ اس میں جسم انسان کے ہر جز، ہر کیفیت اور ہر حالت پر بحث ہو گی۔ یعنی اس میں جسم انسان کے ساتھ ساتھ اس کا نفس اور روح بھی زیر بحث آئے گی کیونکہ یہ دونوں چیزیں بھی جسم انسان سے متعلق اور ان کے بھی جسم انسان پر مفید اور غیر مفید اثرات پڑتے ہیں جس سے انسان اپنے جسم کے اعتدال کو قائم نہیں رکھ سکتا اور یہ حقیقت ہے کہ جسم انسان کا اعتدال روح اور نفس کے اعتدال کے بغیر ممکن نہیں ہے۔

علم طب کی حقیقت

جاننا چاہیے کہ علم طب دراصل علم حکمت کی ایک شاخ ہے جس کا تعلق جسم انسان کے ساتھ ہے۔ اس لیے بعض لوگ اس کو حکمت بھی کہتے ہیں۔ اور اسی مناسبت سے ہر طبیب حکیم بھی کہلاتا ہے۔

حکمت کی تعریف

ایک ایسا علم ہے جس کے تحت انسان عقل کے ذریعہ کسی صحیح فیصلہ پر پہنچنے کی کوشش کرتا ہے۔ گویا حکمت قوتِ عقل کے صحیح فیصلہ کا نام ہے۔ یہ فیصلہ قوت متفکرہ اور قوت متخیلہ کے تحت ہوتا ہے اور فیصلہ کی صورت یہ ہوتی ہے کہ قوت متفکرہ اور متخیلہ اپنی معلومات اپنے اپنے خزانہ یعنی حافظہ اور حس مشترک سے حاصل کرنے کے بعد ان میں تدبر و ادراک کرتی ہیں گویا متفکرہ استنباط (احکام لگانا) اور متخیلہ استقراء (تلاش کرنا) کرتی ہے جس سے کبھی کلیات سے جزئیات یا اس کے برعکس استخراج کیا جاتا ہے اور کبھی تصورات کو تصدیقات کی شکل دی جاتی ہے۔ غرض ان صورتوں سے گذرنے کے بعد جو کبھی شعوری اور کبھی غیر شعوری طور پر عمل میں آتی ہیں۔ حکمت اپنے صحیح فیصلہ پر پہنچنے کی کوشش کرتی ہے۔

علم طب کے ساتھ ہم نے حکمت کا تذکرہ اس لیے کیا ہے کہ علم طب پر بحث کرنے کے لیے علم حکمت یا اس کی کسی شاخ کو مدنظر رکھنا پڑے گا۔ کیونکہ علم حکمت کے تحت ہی فلسفہ و منطق اور تجربہ و مشاہدہ آتے ہیں۔ اگر قوانین حکمت کو چھوڑ دیا جائے تو پھر صحیح معنوں میں کسی علم پر بحث و تمحیص نہیں ہوتی۔ افسوس ہے کہ آج کل علم حکمت اور عقلیات کے جاننے والے بہت کم ہیں اور اسی لیے عقلی قاعدوں اور حکمی کلیوں کی بجائے زیادہ تر بحث جذبات کے تحت ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علم میں زوال آ گیا ہے۔ اسی قسم کی غلطیاں مغربی طب کے حاملین بلکہ یورپ کے اکثر سائنس دانوں نے کی ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ ان غلطیوں کا اعادہ نہ ہو اس لیے ہم علم طب کے قواعد و قوانین کلیات و نظم کے تحت بیان کرنے کے ساتھ ساتھ عقل و حکمت کے مبادیات اور حقائق کا بھی تذکرہ کرتے جائیں گے۔

علم طب کی تقسیم

عربی طب نے علم طب کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے: ❶ علمی یا نظری اور ❷ عملی۔

حقیقت یہ ہے کہ زندگی اور کائنات میں بھی فطری طور پر دو ہی صورتیں نظر آتی ہیں۔ ایک وہ جس میں ہم کسی چیز کے متعلق علم حاصل کرنا چاہتے ہیں اور دوسری وہ صورت ہے جس میں کسی چیز کے عمل یا فوائد کے متعلق جاننا چاہتے ہیں۔ ان دو کے علاوہ علم طب کیا کسی علم کے حاصل کرنے کی کوئی تیسری صورت نہیں ہے۔ اس لیے کہا گیا ہے کہ "العلم علمان علم الابدان وعلم الادیان" اگرچہ اس کی تشریح یہ کی جاتی ہے کہ علم دو ہی ہیں۔ بدن انسان کا علم (علم طب) اور علم دین (مذہب کا علم) لیکن یہ تشریح صحیح معلوم نہیں ہوتی۔ کیونکہ بے شمار علوم مثلاً فلسفہ و منطق، ادب و شاعری، اخلاق و سیاست، سائنس و آرٹ، صنعت و حرفت وغیرہ اس میں نہیں آتے۔ اس لیے ہم اس کی صحیح تشریح یوں سمجھتے ہیں کہ ایک علم وہ ہے جس سے دنیا اور زندگی کی ہر شے کے بدنی حالات کا علم و تعارف وغیرہ حاصل ہو اور دوسرا وہ جس سے اس کے

افعال ومنافع کا علم وتعارف ہو جیسے کسی جماداتی، نباتاتی یا حیوانی قسم کے متعلق معلومات ومعرفت حاصل کرنا علم الابدان ہوگا اور اس کے افعال ومنافع، طریق عمل اور استعمال کا علم وتعارف علم الادیان کہلائے گا۔ دین کے معنی جزا وسزا، عمل ورد عمل، ان حقائق سے ثابت ہوتا ہے کہ علم دو ہی قسم کا ہے اوّل نظری یا علمی اور دوسرے عملی۔

یہاں اعتراض پیدا ہوتا ہے کہ طب بذات خود ایک علم ہے اس کی تقسیم علمی کیسے ہوسکتی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ علم طب ایک کلی علم ہے تقسیم علمی ایک جزوی مفارقت ہے جس کو نظری بھی کہتے ہیں۔ جس کے معنی فکری علم کے ہیں یعنی ایسا علم جس کا تعلق صرف فکر ونظر کے ساتھ ہے جس میں عمل کو کوئی دخل نہیں ہے۔ اس کی تعریف یوں ہوگی۔

طب علمی یا نظری کی تعریف

وہ علم جس سے زندگی اور کائنات کی اشیاء کی محض معرفت اور معلومات حاصل ہوتی ہے جن کا عمل سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ جس کی صورت اوّل اعتقادی ہوتی ہے۔ اگرچہ بعد میں بعض اعتقادات کی صورت استنباط واستخراج اور تصدیقات کے بعد عین الیقین اور حق الیقین کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ بہر حال اس علم کا تعلق فکر ونظر اور اعتقاد کے ساتھ ہے۔ اس میں عمل کو کوئی دخل نہیں ہوتا۔ مثلاً عناصر کا علم یا موالید ثلاثہ میں ارتقائی مدارج کی معرفت وغیرہ۔

طب عملی کی تعریف

وہ علم جس کا تعلق عمل کے علم سے ہے محض عمل سے نہیں ہے یعنی اس کی فعلی صورت کو جاننا ہے۔ عمل کو فعلی صورت میں لانا نہیں ہے۔ اس علم میں ایسے مسائل سے بحث ہوتی ہے جن کا تعلق عمل سے ہوتا ہے گویا یہ علم ایسے اعتقادات نہیں ہیں جن کا جاننا صرف فکر ونظر تک محدود ہو بلکہ اس کا تعلق کیفیت عمل سے ہے اگرچہ صرف علم کی حد تک ہے فعلی صورت اس میں شامل نہیں۔

یہاں اعتراض کیا گیا ہے کہ اگر علم طب کا ایک حصہ عملی بھی ہے تو مجموعہ طب کو علم کہنا درست نہیں اور یہ تعریف جامع نہیں اور تعریف مذکورہ کے لحاظ سے قسم عملی طب کی تعریف سے خارج ہو جاتی ہے کیونکہ عمل کیفیت محسوسہ ہے اور علم کیفیت غیر محسوسہ۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ قسم عمل کا تعلق فعلی صورت کے ساتھ نہیں ہے جس میں حرکات بدنیہ اور اعضاء وجوارح کا استعمال ہوتا ہے بلکہ اس سے ایسا علم حاصل ہونا مراد ہے جس کا تعلق کیفیت عمل سے ہو اور صرف اسی مناسبت سے اس کو عمل کہا جاتا ہے۔ اس لیے نہیں کہ اس میں عمل کی فعلی صورت پائی جائے جیسے جاننا کہ ہر مرض کا علاج بالضد کیا جاتا ہے۔ ابوعلی سینا نے علم طب کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے اور یہی مذہب ہم نے بھی اختیار کیا ہے۔ بلکہ دنیا کے تمام علوم کو دو حصوں میں تقسیم کر کے دیکھا ہے۔ ہمارا دعویٰ ہے کہ اس تقسیم کو کوئی نہیں بدل سکتا۔ آئندہ صفحات میں بھی جن مسائل ونظریات پر بحث کریں گے وہ تمام مسلمہ حقیقت ہوں گے۔ جو شخص چاہے ان کو عقلی، نظری، تجرباتی اور اصول وقوانین کے تحت پرکھ کر دیکھ لے یہ صرف ہماری ذاتی آرا نہیں ہوں گی بلکہ سائنسی وعلمی تحقیق وتدقیق ہیں۔ طب علمی وعملی کو آئندہ پھر تقسیم کیا گیا ہے جس سے اس کا ایک مکمل ڈھانچہ تیار کر دیا گیا ہے۔

طب علمی کی تقسیم

طب علمی کو چار حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے: (۱) امور طبعیہ (۲) حالات بدن (۳) اسباب علامات۔ ان سب کی تفصیل آئندہ صفحات

میں اپنے مقام پر بیان کی جائے گی۔

طب عملی کی تقسیم

طب عملی کو بھی پھر دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے: ① علم حفظان صحت ② علم العلاج۔ان کی بھی آئندہ تقسیم اور تفصیل اگلے صفحات میں اپنی جگہ بیان ہوگی۔

یہ علم طب کا ایک ڈھانچہ اور اس کی حدود ہیں۔باقی اسی خاکے کو پر کرنا اور نمایاں کرنا ہے۔ہمیں بتایا جائے کہ علم العلاج کا کوئی مسئلہ۔ نظریہ، قانون اور قاعدہ اس سے باہر رہ گیا ہو۔ ہمارا دعویٰ ہے کہ ایسا نہیں۔ یہ چیلنج بار بار اس لیے کیا جارہا ہے کہ ہم علم طب کو یقینی طور پر پیش کر سکیں۔ظنی باتوں کو ہم خود ماننے کے لیے تیار نہیں۔

طب علمی کے چاروں حصوں کی تعریف و تقسیم اور تفصیل و تشریح

اُمور طبیعیہ کی تعریف

امور طبیعیہ ایسے چند امور ہیں جو بدن انسان کے وجود کے لیے بنیاد اور لازمی ہیں اور اگر ان میں سے کسی ایک کو بھی نفی یا عدم فرض کر لیا جائے تو بدن انسان کا قیام بالکل ناممکن ہو جائے گا۔ یہ تعداد میں سات ہیں:

① ارکان ② مزاج ③ اخلاط ④ اعضاء ⑤ ارواح ⑥ قویٰ ⑦ افعال۔

آگے بڑھنے سے قبل ہم ایک اہم حقیقت کی طرف اشارہ کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔ وہ یہ کہ ''امور طبیعیہ'' کی تعریف میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ ان میں سے کسی ایک کو بھی نفی یا عدم فرض کر لیں تو بدن انسان کا قیام بالکل ناممکن ہے۔ یہ کتنا بڑا دعویٰ ہے۔ کوئی اس دعوے کو توڑ سکتا ہے تو آئے اور ساتھ ہی یہ بھی ذہن نشین رہے کہ ان سات امور پر کسی اور امر کا اضافہ بھی نہیں ہو سکتا۔ کیا مغربی طب نے ان پر کسی امر کا اضافہ کیا ہے؟ نہیں اور بالکل نہیں! البتہ ان میں سے اکثر کو چھوڑ دیا ہے، جیسے مزاج، ارواح، قویٰ اور افعال جن تین (ارکان، اخلاط، اعضاء) کو اختیار کیا ہے ان میں سے اوّل الذکر دو کو یونانی طب سے مختلف طریق پر اختیار یا بیان کیا ہے البتہ تیسرے کو بڑی تحقیق و تفصیل سے بیان کیا ہے جس پر تشریح الابدان اور منافع الاعضاء کی بنیاد رکھی گئی ہے۔ اس میں ڈاکٹر ہاروے کو خاص مقام حاصل ہے کہ اس نے دوران خون کو بہت اچھے طریق پر بیان کیا۔ اگرچہ عربی طب میں اس کے اثرات نمایاں پائے جاتے ہیں۔ لیکن چونکہ مغربی طب نے ارواح و قویٰ اور افعال کا انکار کر دیا تھا۔ اس لیے ان سے اعضاء کے سلسلہ میں دوران خون کے تحت ارواح و قویٰ اور افعال کا تعلق قائم نہیں رہ سکا۔ یعنی اعضاء کے افعال جو قویٰ اور ارواح بطور عمل کرتے ہیں ان کا ذکر نہیں ہے۔ اس بات کو اس طرح سمجھا جا سکتا ہے کہ دوران خون تمام جسم میں جاری ہے لیکن جب کسی عضو میں تکلیف ہوتی ہے تو وہاں دوران خون کم یا زیادہ ہو جاتا ہے۔ اس مسلمہ حقیقت سے کسی کو مجال انکار نہیں لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب اعضائے رئیسہ (دل۔ دماغ۔ جگر) میں سے کسی ایک کی طرف اگر دوران خون زیادہ ہوتا ہے: ① تو کیوں ہوتا ہے یعنی کون سی طاقت ایسا عمل انجام دیتی ہے۔ ② اس عضو کی کیا حالت و کیفیت ہوتی ہے ③ جب کسی ایک عضو کی طرف دوران خون تیز ہوتا ہے تو باقی دونوں اعضاء کی کیا حالت و کیفیت ہوگی اور کیوں؟ مثلاً دوران خون دماغ کی طرف تیز ہے تو کیوں؟ دماغ کی اس وقت حالت و کیفیت کیا ہے اور ساتھ ہی دل و جگر کی کیفیت و حالت کیا ہے اور کیوں ہے؟ یہ وہ سوالات ہیں جن کا جواب مغربی طب میں قطعاً نہیں ہے جس سے فن علاج میں

از حد خرابیاں پیدا ہوئی ہیں۔ ان کا جواب غیر ارواح وقویٰ اور افعال کے نہیں دیا جا سکتا جن کو مغربی طب اپنی کم نظری کی وجہ سے چھوڑ بیٹھی ہے۔ تفصیل آئندہ اپنے مقام پر آئے گی۔

امور طبیعیہ میں کمی بیشی نہ کر سکنے کے دعویٰ کے بعد تیسرا دعویٰ ان کی ترتیب ہے جس کو قائم رکھا گیا ہے تاکہ طالب علم اس کو سمجھ سکے اور منتہی علاج کے دوران میں اس ترتیب سے جسم انسان کو پوری طرح سمجھ سکے۔ دیکھئے انسان جو غذا کھاتا ہے اس سے جسم انسان میں جو خون بنتا ہے وہ عناصر سے مرکب ہے اور عناصر کی ترتیب سے جو ایک خاص کیفیت پیدا ہوتی ہے اس کا نام مزاج ہے پھر اسی مزاج سے غذا میں حرارت کے کم وبیش اثر کرنے کے باعث اخلاط پیدا ہوتے ہیں۔ ان ہی اخلاط سے اعضاء اور ارواح پیدا ہوتے ہیں جن کی قوتوں اور افعال سے انسان میں حرکت اور زندگی ہے۔

اوپر تین نہایت اہم حقائق بیان کیے گئے ہیں: ❶ نظام طب ❷ امور طبیعیہ ❸ امور طبیعیہ کی تعداد اور ترتیب۔

ان حقائق کے متعلق ہمارا دعویٰ ہے کہ مغربی طب اس سے بالکل خالی ہے۔ اس میں سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس میں نظام طب کو اس طرح بیان کیا گیا ہے جس کے باعث وہ ایک دوسرے سے باہم مربوط ومنظم ہیں اور یہ نظام بالکل ایک مشین کے پرزوں کی طرح خودکار (Automatic) معلوم ہوتا ہے۔ جس کا اگر ایک پرزہ بھی نکال دیا جائے تو نظام مشین درہم برہم ہو جاتا ہے۔ مغربی طب کی سب سے بڑی غلطی یہ ہے کہ اوّل تو اس میں یہ نظام نہیں دوسرے اس میں بہت سے اہم مسائل کو خارج کر دیا گیا ہے اور تیسرے جو مسائل پائے جاتے ہیں تو ان میں ترتیب نہیں پائی جاتی جس سے نہ صرف تشخیص الامراض، علاج الامراض اور حفظان صحت میں سخت خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔ بلکہ تعلیم کے زمانہ میں طالب علم کو اس فن کو سمجھنے میں بھی ہزار دقتیں پیش آتی ہیں۔

مغربی طب میں مندرجہ بالا تمام خرابیوں اور نقائص کے علاوہ ایک اہم خرابی اور نقص یہ ہے کہ جب مغربی طب کی بنیاد رکھی گئی تھی تو اس وقت طبی (Medical) طبیعی (Physical) اور کیمیاوی مسائل کو اصل مسائل سے مختلف زاویہ نگاہ سے اپنایا گیا جس سے فن علاج (Technology) غلط بنیاد پر قائم ہو گیا ہے اور چند صدیوں کی روز بروز اصلاح کے بعد بھی ان نقائص اور خرابیوں سے پاک نہیں ہوا۔ ثبوت کے لیے گذشتہ دو تین صدیوں کی طبی تاریخ اٹھا کر دیکھی جائے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت کے نظریات اور آج کل کی مغربی طب میں تقریباً اتنا ہی فرق ہے جتنا ان نظریات اور یونانی طب کا ہے بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ آج کل کے نظریات اور یونانی طب کے بہت سے مسائل میں ہم آہنگی اور مناسبت ہوتی جا رہی ہے۔ اگرچہ یورپ نے ان کو کہیں نہیں اپنایا۔ آئندہ صفحات میں اس کی پوری تشریح بیان کی جائے گی۔ تاکہ ہر اہل علم وفن مغربی طب کی بوالعجبیوں سے آگاہ ہو جائے۔

امور طبیعیہ کی تشریح

اب ہم امور طبیعیہ کے ہر امر کی اس طرح تشریح کریں گے کہ اوّل یونانی طب کا قانون تحریر کریں گے۔ پھر مغربی طب کا قدیم نظریہ اور ساتھ ہی سائنس کی جدید تحقیقات ان کے بعد ان کی تشریح کریں گے تا کہ ہر صاحب علم وفن بلکہ ایک عامی بھی اندازہ لگا سکے کہ مغربی طب غلط اور غیر علمی ہے۔

① ارکان

ارکان کی تعریف

شیخ الرئیس ابوعلی سینا لکھتے ہیں:

(اما الارکان فھی اجسامٌ بسیطةٌ وھی اجزاءٌ اولیتٌ بعد الانسان وغیرہ التی لایمکن ان تنقسم الی اجسام مختلفة الصور والطبائع).

''ارکان چند ایسے بسیط اجسام ہیں جو بدن انسان وغیرہ کے لیے اجزائے اولیہ ہیں اور یہ ناممکن ہے کہ وہ مختلف صورتوں اور طبیعتوں کے اجسام میں تقسیم ہوسکیں''۔

یعنی جن کے ابتداءً باہم ملنے سے تمام مرکبات عالم اور مخلوقات وجود میں آئے ہیں۔ آگے شیخ الرئیس لکھتے ہیں:

(وھی اربعةٌ النار حارة یابسةٌ والھواء وھو حار رطبٌ والماء وباردہ رطبٌ والارض وھو باردة یابسةٌ).

''ارکان چار ہیں: ❶ آگ، جو گرم خشک ہے۔ ❷ ہوا جو گرم تر ہے۔ ❸ پانی جو سرد تر ہے۔ ❹ مٹی جو سرد خشک ہے''۔

مغربی طب نے تحقیق و تجربات کے بعد یہ ثابت کیا کہ ارکان چار نہیں ہیں بلکہ عناصر (Elements) سو سے بھی زائد ہیں۔ یعنی پانی آکسیجن اور ہائیڈروجن سے مرکب ہے۔ ہوا تقریباً سات آٹھ گیسوں سے مرکب ہے۔ اسی طرح مٹی نو کے قریب عناصر سے مل کر بنی ہے۔ اور اسی طرح پارہ، سونا، چاندی، سنکھیا وغیرہ سب عناصر اور مفرد ہیں جن کو یونانی طب مرکب تسلیم کرتی آئی ہے۔ مغربی طب قدیم سائنس کا یہ اصول بھی تسلیم کرتی ہے کہ مادہ (Matter) غیر مبدل ہے۔ اس کی شکلیں بدل جاتی ہیں لیکن مادہ نہیں بدل سکتا۔ ان عناصر کے متعلق تسلیم کیا گیا ہے کہ یہ سب غیر مبدل ہیں۔ البتہ ان کی صورتیں بدل سکتی ہیں۔ لیکن ان کی عناصرانہ شکل (Elemental Base) نہیں بدل سکتی۔

اب ماڈرن سائنس کی تحقیقات پر غور کریں جو درج ذیل ہے۔

جدید سائنس کی تحقیقات

اب مادہ کی حیثیت باطل قرار پا گئی ہے جو اسے انیسویں صدی کے محققین نے عطا کی تھی۔ مادہ کا تجزیہ کر کے اسے سالمات (Molecules)

میں تقسیم کیا گیا۔ پھر یہ سالمات ایٹم میں منقسم ہوئے اور ایٹم کے متعلق تحقیق ہوا کہ یہ برقیات (Electrons) کی مثبت اور منفی قوتوں کے سوا کچھ نہیں۔ لہٰذا مادہ کی اصل حقیقت غیر مادی (Immaterial) قرار پائی اور مادہ کا بہ حیثیت مادہ یوں خاتمہ ہو گیا۔

بقول پروفیسر مگڈوگل[1] (McDoughall) ''تیس چالیس سال قبل جب میں نے سائنس کا مطالعہ شروع کیا تو یہ کہنے کے لیے کہ انسان کی زندگی کا کوئی مقصد نہیں ہے بڑی جرأت درکار تھی۔ لیکن آج حالات کس قدر بدل چکے ہیں۔ آج بڑے بڑے آئمہ طبیعیات ہمیں متنبہ کر رہے ہیں کہ یادرکھو فزیکل سائنس کے اصول انسانی زندگی کی تعبیر کے لیے یکسر ناکافی ہیں'' ...... ''آج یہ ساری کائنات جس کے متعلق کہا جاتا تھا کہ سخت مادی ذرات سے مرکب ہے، حرکت و توانائی کا گہوارہ بن چکی ہے جس میں ہر شے ہر آن بدلتی رہتی ہے'' ...... ''آج مادی ذرات ختم ہو چکے ہیں اور مادہ نے محض توانائی کی صورت اختیار کر لی ہے اور توانائی کے متعلق کوئی نہیں کہہ سکتا کہ یہ کیا ہے بجز اس کے کہ اس میں مزید تغیرات اور ارتقاء کے امکانات ہیں۔ خطبہ مقدمہ ۱۹۲۴ء جو Energies of Men (Preface) میں دیا گیا۔

پروفیسر ملیکن اپنے ایک خطاب میں جو امریکن کیمیکل سوسائٹی (- AMERICAN CHEMICAL SOCIETY MAGZINE 1912) کو ۱۹۱۲ء میں کیا گیا۔ فرماتے ہیں ''ہم سب متفق ہیں کہ جہاں تک طبیعیات کی سائنس جا چکی ہے اس کی رو سے دو ہی بنیادی عناصر کا وجود نظر آتا ہے۔ یعنی مثبت اور منفی برقیات (Electrons) تمام کائنات کی تعبیر کا مسالہ دکھائی دیتے ہیں۔

مشہور ماہر ریاضیات سر جیمز جینس (William James 1842-1910) لکھتے ہیں ''دورِ حاضرہ کی طبیعیات کا رجحان اس طرف ہے کہ تمام مادی کائنات سوائے لہروں (Waves) کے کچھ نہیں۔ یہ لہریں دو قسم کی ہیں محصور (Bottled) جنہیں ہم مادہ کہتے ہیں اور آزاد جنہیں روشنی (Light) کہا جاتا ہے۔ فنائے مادہ اس سے زیادہ کچھ نہیں ہوگا کہ ان محصور لہروں کو آزاد کر دیا جائے کہ وہ فنا کی پہنائیوں میں منتشر ہو جائیں ان تصورات کے تحت یہ تمام کائنات سمٹ سمٹا کر ''دنیائے نور'' رہ جاتی ہے۔

ہم نے تینوں نظریات اکٹھے بیان کر دیئے ہیں تاکہ ان کی تشریح و تطبیق کو سمجھنے کے لیے ناظرین کو کسی قسم کی دقت کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ قارئین اندازہ لگا لیں گے کہ مغربی طب کس قدر اغلاط کا مجموعہ ہے اور جدید سائنس بھی تا حال قدیم نظریات بلکہ قوانین طبیعیہ کو پوری طرح سمجھ اور اپنا نہیں سکی۔ ذیل میں ہم قدیم نظریات اور ان کی تشریح پیش کرتے ہیں اور ساتھ ساتھ سہولت کی خاطر ان کو ان نظریات سے تطبیق بھی دیں گے جن تک جدید سائنس پہنچی ہے یا پہنچنے کے لیے مساعی ہے۔ البتہ یونانی طب کے حقیقت مادہ پر پوری روشنی ڈالیں گے تاکہ جدید سائنس ان معلومات سے مستفید ہو سکے۔

مادہ کی حقیقت

مادہ کیا ہے؟ کیسے وجود میں آ گیا؟ کائنات کے ساتھ اس کا تعلق کیا ہے؟ زندگی کیسے پیدا ہوئی۔ اس کی ارتقائی منزلیں کیا ہیں؟ ہزاروں سالوں سے اہل علم اس پر غور و فکر کرتے آ رہے ہیں۔ قدیم فلاسفروں کے تصورات گو اس کے متعلق باہم مختلف ہیں۔ مگر حقیقت کی طرف قدم بڑھانے کی ہر ایک نے کوشش کی ہے۔ مغربی طب نے مادہ کا جو تصور پیش کیا ہے وہ اس کا ذاتی نہیں بلکہ یونانی فلاسفروں کے ابتدائی دور کی معلومات ہیں البتہ موجودہ سائنس دانوں نے بسیار تحقیق و تدقیق کے قدیم نظریہ کو چھوڑ کر جو جدید صورت اختیار کی ہے۔ وہ بہت حد تک اس کے قریب ہے جو نظریات عربی فلاسفروں نے پیش کیے ہیں جن کی تفصیل اپنے مقام پر آئے گی۔ البتہ یہاں یہ جان لینا ضروری

---

[1] Professor William McDougall (1871-1938) (Energies of Men)

ہے کہ یونانی فلاسفروں کے تصورات کو عربی فلاسفروں نے تصدیق کا مقام بخشا اور یونانی طب کی معلومات کو عربی اطبا نے کمال تک پہنچایا۔ فرنگی طب نے تعصب کی بنا پر ان کو چھوڑ کر پھر یونانی طب پر اپنی بنیاد رکھی۔ لیکن آج چھ سو سال کی جدوجہد کے بعد پھر ای مقام پر آ رہی ہے جس پر عربی فلاسفر و حکما چھوڑ گئے تھے۔ اگرچہ تاحال اس مقام کو بھی حاصل نہیں کر سکی۔

مادہ کس طرح وجود میں آیا۔ اس پر تو بحث آئندہ ہو گی۔ البتہ یہاں یہ بتا دینا چاہتے ہیں کہ جب مادہ وجود میں آیا تو مختلف اجسام میں نظر آیا۔ موالید ثلاثہ کا ہر جسم مادہ سے بنا ہوا ہے۔ جب کوئی انسان زندگی اور کائنات پر غور کرتا ہے تو اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ اس کی ہر شے مادہ سے بنی ہوئی ہے۔

مادہ کی تعریف

مادہ ایک ایسا جوہر بسیط ہے جس سے کائنات کے موالید ثلاثہ کے اجسام تیار ہوتے ہیں۔ جہاں تک مادہ کے بسیط ہونے کا تعلق ہے جدید و قدیم تمام فلاسفر و حکماء اس پر متفق ہیں۔ البتہ تصور و تعداد میں اختلاف ہے۔ جس کی تفصیل یہ ہے:

دیمقراطیس: (یونان کا ایک مشہور فیلسوف اور سقراط کا ہم عصر) کی رائے ہے کہ عالم اجسام میں مادہ کی حرکت اور قوت اتصال کے سوا کچھ نہیں ہے۔ یہ فضا جو ہم دیکھ رہے ہیں اس میں مادہ ہی مادہ منتشر ہے جن کی ابتدائی حالت ٹھوس ذرات کی ہے۔ جن کے صفات و خواص یہ ہیں: ❶ یہ ذرات بجز انقسام وہمی کے انقسام خارجی کی صلاحیت نہیں رکھتے ❷ ان ذرات کی حقیقت و ماہیت ایک ہے لیکن شکلیں ایک نہیں ہیں۔ مثلاً لوہے سے چھری یا قلم جو چاہے بنالو مادہ ایک ہے ❸ ان ذرات میں کسی عمل سے کوئی تبدیلی پیدا نہیں ہو سکی ❹ یہ ذرات فضا میں ہمیشہ حرکت کرتے رہتے ہیں ❺ ان ذرات کے مستحکم اتصال کا نتیجہ جسم ہے۔ دیمقراطیس مادہ کے اندر ایک قوت صانع کو تسلیم کرتا تھا۔ لیکن روحانی اور اصلی اثرات کا قائل نہ تھا۔

متکلمین کا نظریہ ہے کہ اجسام کی ترکیب ان اجزائے پریشاں سے ہوتی ہے جو انقسام وہمی و خارجی کسی بھی انقسام کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ یہ اجزائے عالم میں متحرک و منتشر رہتے ہیں۔ جب صانع عالم کی قدرت کاملہ سے باہم مل کر سکون و استقرار حاصل کر لیتے ہیں تو جسم کی صورت وجود میں آ جاتی ہے۔ ان اجزاء کی ماہیت و حقائق مختلف ہیں۔ بعض ناریہ، بعض ہوائیہ، مائیہ اور ارضیہ ہیں اور یہ جوہر فردہ کی ترکیب سے بنے ہیں۔

ارسطو: جو معلم اوّل کے نام سے مشہور ہے اس کا نظریہ مادہ اولیٰ کے متعلق یہ ہے کہ وہ ایک ایسا جوہر بسیط ہے جو خود تو جسم نہیں لیکن جسم کی صورت قبول کرنے کی اس میں صلاحیت ہے جیسے تخم خود تو درخت نہیں لیکن اس میں درخت کی صورت قبول کرنے کی استعداد ہے۔ آنکھیں اس کو دیکھنے اور حواس محسوس کرنے سے عاجز ہیں۔ اس کے وجود کا علم ہم کو صرف استدلال و قیاس سے حاصل ہو سکتا ہے اور وہ اس طرح کہ ہم دیکھتے ہیں کہ عناصر اربعہ ایک دوسرے سے بدلتے رہتے ہیں۔ یہ بدلنے کی کیفیت سوائے اس کے دوسری نہیں ہو سکتی کہ مادہ ایک صورت چھوڑ کر دوسری صورت کے لباس میں جلوہ گر ہوتا ہے۔ مثلاً پانی اگر ہوا ہو جائے تو بجز اس کے کیا ہو گا کہ پانی کی صورت جاتی رہی اور اس کی جگہ ہوا کی صورت آ گئی لیکن وہ چیز جس میں پہلے پانی کی صورت تھی اور اب ہوا کی آ گئی بعینہٖ باقی ہے۔ وہی چیز جس پر اس قسم کی صورتوں کا توارد ہوتا ہے اس کو مادہ اولیٰ (Premitive Matter) اور ہیولیٰ کہتے ہیں۔

ہیولیٰ کا وجود کسی دوسرے ہیولیٰ سے نہیں ہوا ہے بلکہ وہ ایک پرتو اور عکس ہے اس روح کل کا جس کو فلاسفہ کی اصطلاح میں عقل فعال کہتے ہیں۔ ہیولیٰ اپنی ذات کے اعتبار سے نہ متصل ہے نہ منفصل کیونکہ جسم متصل اور منفصل ہوتا ہے اور ہیولیٰ جسم نہیں ہوتا البتہ جب ہیولیٰ میں جسم کی صورت قائم ہو جاتی ہے تو منفصل اور متصل سب کچھ ہوتا ہے۔

مادہ اولیٰ کو سمجھنے کے لیے جسم انسان کو لے کر دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ وہ مرکب ہے مختلف اعضاء سے اور اعضاء مرکب ہیں گوشت پوست اور استخواں سے۔ یہ سب کچھ اخلاط جسم سے بنتا ہے اور اخلاط جسم کی اصل غذا ہے۔ غذا کی اصل نباتات، نباتات کی اصل عناصر یہاں تک ایک جسم دوسرے جسم سے بنتا چلا آیا ہے۔ اب عناصر بھی اگر اجسام مرکبہ ہوں اور ان کی ترکیب بھی دیگر اجسام سے ہو تو ہم ان اجسام کا مادہ دریافت کریں گے اور اگر عناصر اجسام مفردہ ہوں تو سوال یہ ہوگا کہ عناصر کس چیز سے بنے ہیں۔ ان کا مادہ کیا ہے لامحالہ آخر میں ایک ایسے مادہ کے وجود کا اقرار کرنا پڑے گا جو جسم نہ ہوگا ورنہ مادہ کا سلسلہ کہیں ختم نہ ہوگا کیونکہ ہر جسم کے لیے مادہ کا وجود لازمی ہے۔ بس اسی آخری مادہ کو مادہ اولیٰ کہتے ہیں اور وہی اس ساری بحث کا موضوع ہے۔

مادہ اولیٰ کی تقسیم

مادہ اولیٰ جو ابھی جسم کی صورت میں نہیں آیا جب جسم کی صورت اختیار کرنے لگتا ہے تو اپنے اندر تقسیم ہوتا ہوا کئی صورتیں بدلتا ہے اور اس کی یہ صورتیں مادہ اولیٰ ہونے کی حالت میں ہی قائم ہو جاتی ہیں اس کے بعد جب یہ جسم اختیار کرتا ہے تو اس کے اندر تقسیم در تقسیم اور ترتیب در ترتیب سے بے شمار مختلف اقسام کے اجسام بن جاتے ہیں جن کو ہم ان کی قابلیت و استعداد کی مناسبت سے مختلف ناموں سے یاد کرتے ہیں۔ مثلاً اس اعتبار سے کہ ان سے مرکبات کی ترتیب ہوتی ہے اس کو اسطقسات (Principle Element) اور اس اعتبار سے کہ مرکبات کسی تحلیل کے بعد وہی باقی رہتے ہیں۔ عناصر (Elements) سے ان میں کون وفساد اور تغیر و تقسیم کی صورت قائم رہتی ہے ارکان (Premitive Elements) کہتے ہیں۔ گویا تینوں صورتیں نہ صرف مختلف ہیں بلکہ اس کی تین حالتیں ہیں۔ اوّل ارکان، دوسرے اسطقسات اور تیسرے عناصر ہے۔ مغربی طب کی یہ ایک بہت بڑی غلطی ہے کہ وہ عناصر وارکان کو ایک ہی چیز خیال کرتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ دونوں مختلف صورتیں اور چیزیں ہیں جن کی تفصیلی درج ذیل ہے۔

مغربی سائنس عناصر (Elements) کو سو کے قریب تسلیم کرتی ہے۔ لیکن شیخ الرئیس نے ارکان کی جو تعریف کی ہے کہ وہ ایسے بسیط اجزا ہیں جن کا مزید تجزیہ نہیں کیا جا سکتا جس سے ثابت ہوتا ہے کہ جب تک مادے کا تجزیہ ہو سکتا ہے وہ شیخ الرئیس کے ارکان کی تعریف میں نہیں آ سکتا۔ گویا ان کی بساط ایسی لطیف ہے کہ ہمارے حواس خمسہ ان کا ادراک نہیں کر سکتے۔ یہ ہوا، پانی اور مٹی جو ہم کو نظر آتے ہیں دراصل شیخ الرئیس کے ارکان نہیں کیونکہ ان کا تجزیہ ہو سکتا ہے۔ بلکہ یہ اصل ارکان کے طیف میں (طیف ایسے مادی مجموعہ کو کہتے ہیں جس میں اصل شے کے علاوہ دوسری چیزیں بھی ملی ہوں مگر ظاہر میں وہی شے نظر آئے جس کی اکثریت ہو۔ جیسے ریت کے تودے میں ریت کے علاوہ مٹی، کنکر وغیرہ بھی ملے ہوتے ہیں۔ لیکن بوجہ کثرت ریت اس کو ریت کا تودہ کہتے ہیں۔ گویا وہ تودہ ریت کا طیف ہے) جو یقیناً مرکب ہیں۔

جہاں تک عناصر کا تعلق ہے ان کو ہم مغربی سائنس کی تحقیقات کے مطابق تقریباً سو ہی تسلیم کرتے ہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ دریافت ہو سکتے ہیں۔ ان کو کائنات کے ابتدائی جسم اور مادی نمونے کہیں گے۔ ارکان ان سے جدا ہیں۔ عناصر کو بسیط اور بنیادی ان معنوں میں کہا گیا ہے کہ یہ سب اپنے اندر خاص منفرد اور دوسرے سے مختلف شکل رکھتے ہیں۔ یہ ہمیشہ عناصر کہلائیں گے۔ سائنس نے بھی ایٹم کا الیکٹرون اور پروٹرون (Electrons & Protrons) برقی شراروں میں تجزیہ کرنے کے بعد اپنے خاص رنگ میں بسیط اور بنیادی کہا ہے۔ کیونکہ انہی عناصر سے کائنات وزندگی کی تشکیل نظر آتی ہے بالکل اسی طرح جس طرح یونانی حکمت اپنے اخلاط کو ارکان سے مرکب مانتے ہوئے جسم انسان بلکہ نباتات وجمادات کے لیے ابتدائی جوہر مانتے ہیں۔ ارکان وعناصر کو ایک سمجھنے کا نتیجہ ہے کہ ارکان کے لیے مغربی سائنس میں کوئی

لفظ ہی نہیں ہے۔ ہم نے اس کے لیے (Premitive Elements) کا نام وضع کیا ہے تا کہ عناصر (Elements) اور ارکان میں باہم فرق ہو سکے۔

مغربی طب کو یہ غلط فہمی رہی ہے کہ یہی عناصر مادہ اولیٰ ہیں جو سائنسدانوں کے انکشافات کا حاصل ہے اور انہی کے باہم ملنے سے اجسام بنتے ہیں۔ یورپ میں مشینی طریق زندگی (Mechanical way of Life) کی ابتداء اسی نظریہ سے ہوئی۔ مغربی طب کا یہ خیال تھا کہ فضاء میں ان ذرات کی لہریں ہمیشہ اٹھتی رہتی ہیں اور نظام شمسی جس مادہ سے مرکب ہے وہ پہلے بشکل خیا تیہ النجوم یعنی بصورت غبار کو بھی موجود تھا۔ اگر ذرا غور کیا جائے تو کوئی جدید نظریہ نہیں بلکہ پرانی شراب نئے ساغروں میں چھلک رہی ہے کیونکہ اگلوان ذرات کو قابل تقسیم تسلیم کیا جائے تو دیمقراطیس اور اگر نا قابل تقسیم تسلیم کیا جائے تو متکلمین کے نظریہ کے مطابق ہے اب اگر ان عناصر کو مادہ اولیٰ قرار دیا جائے تو ان میں ابعاد ثلاثہ (طول، عرض اور عمق) نہیں پایا جانا چاہیے۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ عناصر میں ابعاد ثلاثہ پایا جاتا ہے اور ان کا تجزیہ بھی ممکن ہو گیا ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اجسام (Metter) ہیں نہ کہ مادہ اولیٰ یا ارکان عناصر نہ ارکان ہیں اور نہ مادہ اولیٰ۔

تعداد ارکان

تعداد ارکان کے متعلق حکماء کا اختلاف ہے۔ بعض کی رائے یہ ہے کہ عنصر صرف ایک ہونا چاہیے جس پر عالم موجودات میں تمام متغیر ہونے والے اجسام طبعیہ کے تغیرات واقع ہو سکیں۔ اسی بنا پر بعض حکما نے ہوا کو عنصر قرار دیا کہ اس میں مختلف شکلوں کو آسانی سے قبول کرنے کی صلاحیت ہے ان کا خیال تھا کہ ہوا میں حرارت کی زیادتی سے آگ اور تکاثف سے درجہ حرارت کم ہو جائے تو پانی اور جب وہ اور زیادہ بڑھ جائے تو مٹی کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ گویا عنصر ایک ہوا ہے اور آگ، مٹی، پانی اس ہوا کے بلحاظ ثقل و لطافت مدارج ہیں۔ اسی طرح بعض حکماء نے پانی کو بعض نے مٹی کو اور حکیم ہرقلیس نے آگ کو عنصر مانا ہے۔ بعض فلاسفروں کی رائے میں بخارات کو ہی عنصر مانا جا سکتا ہے کہ وہ تھوڑی کثافت سے پانی اور تھوڑی سی لطافت زیادہ ہونے سے ہوا اور آگ کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ اس کے بعد بجائے ایک عنصر کے پانی اور مٹی دو عناصر کو قرار دیا گیا اور ان کا نظریہ یہ تھا کہ تمام اجسام و مرکبات عالم کو مختلف شکلوں میں موجود ہونے کے لیے ایک تو جسم رطب کی ضرورت ہے جس پر ہر شکل آسانی سے وارد ہو سکے اور وہ پانی ہے اور دوسرے جسم یابس کی ضرورت ہے جو ان اشکال کو قائم رکھ سکے اور وہ مٹی ہے۔ بعض حکماء نے تین عناصر کو تسلیم کیا اوّل ہوائی۔ دوم سیال اور سوم منجمد۔ ان کا نام انہوں نے اپنی اصطلاح میں کبریت، زیبق اور ملح رکھا۔ بقراطؒ، ارسطو اور دیگر یونانی حکما چار عناصر کے قائل تھے۔ عربی حکماء میں شیخ ابو علی سینا، فارابی اور ابن رشد چار عناصر کو تسلیم کرتے ہیں جس کو اثیر اور ایتھر بھی کہتے ہیں اور یہ سب سے لطیف عنصر ہے۔ حکمائے متقدمین کا ایک طبقہ عالم میں غیر متناہی اور مختلف الحقیقت ذرات و عناصر کے وجود کا قائل تھا اور اس کا خیال تھا کہ انہی ذرات و عناصر کی ایک خاص ترکیب و ترتیب سے تمام اشیائے عالم وجود میں آتی ہیں اور انہی کے تجزیہ و تحلیل اور تفریق سے فنا ہو جاتی ہیں۔

اس سے قبل کہ ہم حکمائے متقدمین کے خیالات و تصورات پر بحث کریں۔ ان کے تصور ارکان کو بیان کرنا ضروری ہے تا کہ ارکان اور عناصر کا فرق ذہن نشین ہو جائے۔ جن حکما نے آگ، پانی، مٹی اور ہوا کو عناصر تسلیم کیا ہے انہوں نے ان کو بسیط نہیں بلکہ مرکب تسلیم کیا ہے، کیونکہ جن عناصر کا ہم حواس خمسہ سے احساس کر سکتے ہیں وہ مرکب اور قابل تقسیم ہیں خواہ ان کا احساس خوردبین یا دیگر کیمیاوی ذرائع سے کیا جائے کیونکہ ہر محسوس شے جسم اور ابعاد ثلاثہ رکھتی ہے اور ایسا جسم جو ابعاد ثلاثہ رکھتا ہے، مرکب ہے۔

جن حکمائے متقدمین نے ایک عنصر کو تسلیم کیا ہے انہوں نے مادہ کو اسی رنگ میں سمجھا اور تمام کائنات و زندگی کو اسی عنصر کی پیدائش تسلیم کیا ہے۔ اس کی تین صورتیں سامنے رکھیں: ❶ عنصر کو مادہ اولیٰ تسلیم کرنا اور اس سے زندگی و کائنات کی پیدائش ❷ عنصر کو بجائے عنصر سمجھنا اور اسی کی لطافت کو اس کا مادہ اولیٰ قرار دینا ❸ صرف مادی عنصر تسلیم کرنا مگر اس کی لطافت و مادہ اولیٰ کسی شے کو نہ ماننا۔ جن لوگوں نے دو تین یا چار عناصر تسلیم کیے ہیں۔ انہوں نے بھی ان کو تین صورتوں میں مانا ہے۔ لاتعداد عناصر تسلیم کرنے والے حکمانے صرف مادی اور جسمانی عناصر تسلیم کیے ہیں۔ جیسا کہ فرنگی طب نے مانے ہیں، ان کی لطافت کے قائل نہ تھے اور نہ فرنگی طب ہے۔

مغربی سائنس نے کائنات کی ابتداء عناصر سے تسلیم کی ہے جو اتفاقیہ وجود میں آ گئے موجودہ سائنس نے ثابت کیا کہ عناصر قابل تقسیم ہیں۔ اب اس امر کو تسلیم کرنا سخت جہالت ہے کہ عناصر ہی دنیا کی ابتدائی اکائی (Unit) ہیں۔ اب عناصر کو سالمات ایٹم بلکہ ایٹم کو بھی الیکٹرون اور پروٹرون میں تبدیل کیا جا سکتا ہے۔ اب یونانی حکما اور عربی حکما اور موجودہ سائنس کے نظریات کو آسانی منطبق کیا جا سکتا ہے۔ قدیم حکما عناصر کی اصل آگ اور جدید سائنس عناصر کا اختتام برقی ذرات تسلیم کرتی ہے گویا ثابت کیا ہے کہ عناصر کی ابتداء آگ سے ہوئی ہے۔ موجودہ سائنس ان برقی ذرات کو بھی توانائی (Energy) اور حرکت کی پیداوار قرار دیتی ہے اور اس کا منبع ایثر (Ether) کو تسلیم کیا جا رہا ہے قدیم حکمانے جس چیز کو مادہ اولیٰ قرار دیا ہے وہ یہی آکاش (ایتھر) ہے جس میں ایک فطری اور قدرتی حرکت (Impulse) پائی جاتی ہے، اسی ایثر کا تمام کائنات پر غلبہ اور حرکت ہے۔ اس حرکت کو اگر روح عالم کہا جائے تو غیر مناسب نہ ہوگا۔ کائنات کی تمام حرکت وعمل برق و رعد وغیرہ اسی ایثر اور اس کی حرکت کے باعث ہے۔ اس ایثر کا خاصہ ہے کہ وہ ہر قسم کے مادی اجسام سے اس طرح گزر جاتی ہے جس طرح روشنی آئینہ سے اور لاشعاع (X-rays) پتھر اور لوہے وغیرہ میں سے گزر جاتی ہے۔

حکیم آئن سٹائن کے نظریات نے اس امر کو اور بھی سمٹا دیا ہے کہ لہریں، توانائی اور حرکت مادہ کا اصل ہیں اور اب یہ سمجھا جاتا ہے کہ مادہ درحقیقت مربوط حوادثات ہیں اور بقول رسل ''نظریہ اضافیت نے زماں کو زمان و مکان (Time & Space) میں سمو کر مادیت کے روایتی تصور کو بہت زیادہ مجروح کیا ہے اب نظریہ اضافیت کے قائلین کے نزدیک مادہ کا تصور مادی خصوصیات کا حامل نہیں رہا بلکہ مربوط حوادث کا مجموعہ بن چکا ہے جس کی اصل حرکت یا توانائی ہے''۔ کائنات جو ہمیں اشیاء کا مجموعہ نظر آتی ہے، ایک ٹھوس شے نہیں جو فضا میں پڑی ہے۔ یہ شے ہے ہی نہیں بلکہ عمل (Action) ہے یا حوادث کی عمارت (از خطبات اقبال)۔

جدید سائنس کی ان تحقیقات کی روشنی میں قدیم حکماء کی حقیقت پرستی اور مغربی طب کی تاریکی کا اعتراف کرنا پڑتا ہے۔ ماڈرن سائنس کا یہ عقیدہ کہ مادہ کی اصل ٹھوس نہیں بلکہ حرکت و توانائی ہے جو زمان و مکان کی حدود سے نکل کر صرف مربوط حوادثات اور منجمد خیالات کا مجموعہ ہے حکمائے قدیم کے اس نظریہ سے کتنا تطابق رکھتا ہے کہ مادہ اولیٰ کی اصل ہیولیٰ اور عقل فعال سے ہے۔ ہیولیٰ سے مادہ اولیٰ کی پیدائش ہے وہ اس سے بہت بلند تر شے ہے جو ابتدائی توانائی (Energy) کے قائم مقام ہے۔ اس ہیولیٰ کو عقل فعال کا پرتو یا عکس کہا گیا ہے عقل فعال کو روح کل بھی کہتے ہیں۔ گویا عقل فعال اور روح کل ایسی حرکت ہیں جن میں شعور ہے اسی کو آفاق اور روح عالم بھی کہتے ہیں جس سے نظام کائنات اور زندگی رواں دواں ہے۔ یہ اس امر کا ثبوت ہے کہ مغربی سائنس کے مقابل میں قدیم حکمت درست ہے۔ کیونکہ ماڈرن سائنس کی تحقیقات اور وہ باہم منطبق ہو جاتے ہیں اور اس جدید سائنس کے نظریات کو غلط کہنے کی کسی میں جرأت نہیں۔

اب ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ جدید سائنس کی تحقیقات ابھی اس مقام تک نہیں پہنچیں، جہاں عربی اطباء کی معلومات تھیں۔ عربی اطباء نے اسلام کی تعلیم کے تحت طب یونانی کی اصلاح کی اغلاط کو درست کیا اور اس کی وہمی اور خیالی چیزوں کو علوم باطنیہ کشف والہام سے

تصدیقات کا مقام بخشا۔ ویدانت میں بھی علوم باطنیہ کا ذکر ہے لیکن اس تفصیل کے ساتھ نہیں جس کے ساتھ اسلام میں ہے اور ساتھ ہی جس مقام پر مسلمان صوفی کی رسائی ہے ہندو یوگی اس کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتا۔ بخوف طوالت امثال کو نظر انداز کیا جاتا ہے۔

اسلامی حکماء کی تحقیقات و آراء

اب ہم اسلامی حکماء کی مادہ، ارکان، عناصر، جسم، صورت، زندگی، موالید ثلاثہ اور کائنات کی پیدائش کے متعلق آراء پیش کرتے ہیں تا کہ مغربی دنیا کو پتہ چل جائے کہ حکمائے اسلام نے جو کئی سو سال پہلے پیش کیا تھا وہ بالکل صحیح تھا اور جدید سائنس باایں ہمہ دعوائے تحقیق و تدقیق ابھی تک وہاں نہیں پہنچ سکی۔ البتہ اس کا کچھ احساس ہوا ہے کہ مابعد الطبیعیات بھی کچھ ضرور ہے جس کے اثرات ہم محسوس کرتے ہیں لیکن ہمارے حواس خمسہ سے بالاتر ہیں۔ الفریڈ کوپن اپنی کتاب (The Crisis of Civilization) میں لکھتا ہے ''اس امر کا خیال تک بھی نہیں کیا جا سکتا کہ ہم حقیقت کا قطعی علم حاصل کر چکے ہیں حتیٰ کہ سائنس کے محدود دائرہ میں بھی نہیں جب تک اس تمام محسوس دنیا کا علم نہ ہو جائے''۔

ایڈنگٹن (Henry Addington Bayley Bruce 1874-1959) اپنی کتاب (Adventuring in the Psychical) میں لکھتا ہے ''قوت، توانائی اور البادیہ سب اشارات کی دنیا سے متعلق ہیں۔ یہی وہ تصورات ہیں جن سے ہم نے طبیعیات کی خارجی دنیا تخلیق کی ہے۔ طبیعیات کی دنیا کے اسباب و ذرائع ختم کرنے کے بعد جب ہم اپنے شعور کی دنیا کی انتہائی گہرائیوں میں پہنچتے ہیں وہاں ایک نئے منظر میں داخل ہوتے ہیں اور خود اپنی ذات سے اشارات لے کر ایک نئی دنیا تخلیق کرتے ہیں جس کی بنیاد روحانیات پر ہوتی ہے''۔ آج کل کی جدید سائنس قطعی حقیقت سے ناواقف اور صرف اشارات سے حقیقت کو سمجھنے کی کوشش کرتی ہے۔ اسی قسم کا جواب آج سے ڈھائی ہزار سال قبل افلاطون نے دیا تھا۔ جب ان سے اس وسیع و عریض کائنات کے اسرار و غوامض اور مستور و مجرد قوتوں کی ماہیت کے متعلق دریافت کیا گیا ''میں ایک تخیل کے رنگ میں بتاتا ہوں کہ ہماری عقل کہاں تک روشنی حاصل کر چکی ہے اور کہاں تک تا ہنوز اندھیرے میں ہے۔ ذرا تصور میں لائیے کہ نوع انسانی ایک زیر زمین غار میں سکونت پذیر ہے۔ اس غار کا منہ روشنی کی طرف کھلتا ہے اور اندر سب اندھیرا ہی اندھیرا ہے۔ نوع انسانی اس غار کے منہ پر اس طرح زنجیروں میں جکڑی پڑی ہے کہ کوئی پیچھے مڑ کر نہیں دیکھ سکتا۔ ان کے پیچھے آگ کے بڑے بڑے درخشاں شعلے نورافشاں ہیں۔ جس سے غار کے آخری بند حصے پر روشنی پڑتی ہے۔ ان شعلوں اور ان جکڑے ہوئے آدمیوں کے درمیان سے بہت سے لوگ گذر رہے ہیں جن کے پاس قسم قسم کے ظروف، مجسمے وغیرہ ہیں۔ یہ لوگ ایک دوسری طرف سے گزر رہے ہیں۔ ان کا اور ان تمام چیزوں کا سایہ جو انہوں نے اٹھا رکھی ہیں غار کے اندر سامنے کی دیوار پر پڑتا ہے۔ غار کے منہ پر بیٹھے ہوئے انسان ان تمام اشیاء کا سایہ سامنے دیوار پر دیکھ سکتے ہیں۔ پیچھے مڑ کر ان اشیاء کی حقیقت کو نہیں دیکھ سکتے۔ ان کے نزدیک حقیقت فقط اس سایہ کا نام ہے جو ان کے سامنے دیوار پر ادھر سے ادھر گذرتا دکھائی دیتا ہے۔ ماڈرن سائنس کی جملہ تحقیقات ایک خاص مقام پر آ کر رک جاتی ہیں۔ یعنی جہاں مادہ اپنا جسم و صورت چھوڑ دیتا ہے جس کے ساتھ غیر مادی تصور پیدا ہو جاتا ہے۔ پھر اس غیر مادی تصور کو عقلی یا وہمی طور پر جہاں تک چاہے تقسیم کر دے ہو سکتا ہے۔ لیکن بہرحال جدید سائنس کی دسترس سے باہر ہے۔ وہ اس کا نام نظر آنے کی صورت میں برقی شرارے (Electrons) اور شعاعیں رکھ لیں اور نظر نہ آنے کی صورت میں لاشعاع (X-rays) یا کائناتی شعاعیں (Cosmic-rays) رکھ لیتے ہیں۔ پھر ان دیدہ و نادیدہ شعاعوں کے اصل کو توانائی اور توانائی کا تعلق کسی قوت سے اور آخر میں ہر قوت کی پیدائش حرکت کو تسلیم کرتے ہیں۔ صرف اس پر بس نہیں بلکہ یہ بھی تسلیم کیا

گیا ہے کہ توانائی میں ایک شعور بھی پایا جاتا ہے جس کے لیے ایک غیر مادی طاقت کا تسلیم کرنا ضروری ہے اور اس کو روح (Soul) کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ توانائی، قوت اور حرکت کہاں سے پیدا ہوئے اور پھر اس میں شعور اور روحانی قوت کہاں سے آ گئی۔ یہاں پہنچ کر جدید سائنس لاچار ہو جاتی ہے یونانی حکماء کا بھی یہی حال ہے جیسا کہ ابھی افلاطون کے جواب سے معلوم ہو چکا ہے کہ وہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ ان کے ذہنوں پر اصل علوم کے صرف سائے ہی پڑتے ہیں۔ برعکس ان دونوں گروہوں کے حکمائے اسلام نے اس مادہ کا تعلق غیر مادی طاقتوں سے جوڑ کر ان غیر مادی طاقتوں کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے جو خالق کل ارض وسماء اور مادہ وغیر مادہ ہے اس پیدائش کی تفصیل درج ذیل ہے: حکمائے اسلام نے حکمت نظری کو تین حصوں میں تقسیم کیا ہے: ❶ طبعی ❷ ریاضی ❸ الٰہی۔

حکمتِ طبعی

حکمت نظری کی طبعی قسم میں اجسام اور ان کے متعلقات سے بحث کی جاتی ہے اور خصوصاً اس لحاظ سے کہ ان میں استحالہ اور تغیر پذیر ہونے کی استعداد ہے۔ یعنی آگ سے ہوا۔ ہوا سے پانی اور اس کے برعکس اور اسی طرح زمین سے ابخرات کس طرح پیدا ہوتے ہیں۔ فضا میں جا کر پانی کے قطرات بنتے ہیں۔ بجلی گرج کیونکر پیدا ہوتی ہے۔ ان امور کے علاوہ حکمت طبعی میں نفس ناطقہ کے حالات سے بھی بحث کی جاتی ہے کیونکہ اس کا بھی بدن انسان کے ساتھ گہرا تعلق ہے۔ حکمت طبعی کو ماڈرن سائنس میں فزکس (Physics) کہتے ہیں۔

حکمتِ ریاضی

حکمت نظری کی قسم ریاضی میں مقادیر واوزان اور اشکال سے بحث کی جاتی ہے۔ مثلاً اعداد کہ عدد ایک مقدار ہے یا لمبائی چوڑائی اور بلندی کا اندازہ۔ اسی طرح اوزان کا اندازہ اور کمی بیشی کے تغیرات، شکل، نکتہ، لکیر، دائرہ ومربع وغیرہ اس کا موضوع ہے۔

حکمتِ الٰہی

حکمت نظری کی قسم الٰہی میں مجردات سے بحث کی جاتی ہے جیسے واجب باری تعالیٰ اور ان چیزوں سے بحث کی جاتی ہے جو مجردات وجسمیات دونوں مشترک ہیں۔ مثلاً موجود ومعدوم، وحدت وکثرت، علت ومعلول کہ مجردات میں بھی یہ پائے جاتے ہیں اور جسمیات میں بھی۔ حکمت نظری کی اس قسم کو علم اعلیٰ بھی کہتے ہیں۔

جسم کی تعریف

طبعیات میں جس جسم سے بحث کی جاتی ہے وہ ایک ایسا جوہر ہے جس میں ابعادِ ثلاثہ اس طور پر فرض کیے جائیں کہ وہ ایک دوسرے کو زاویہ قائمہ پر قطع کریں۔ اس طرح بارہ قائمہ زاویے پیدا ہوں گے۔ چار فوقانی اور آٹھ تحتانی۔

چونکہ طبعیات کا موضوع جسم ہیں۔ البتہ اس کے اجزاء میں مادہ، صورت اور عرض لازم ہیں۔ اور اگر جسم کی اس تعریف کو مدنظر رکھا جائے تو یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ مادہ کی ہستی کے لیے ایک جوہر کا ہونا بھی ضروری ہے جس نے مادہ اولیٰ سے جوہر کی صورت اختیار کی ہے اور جواب ایک خاص عرض وصورت کے ساتھ مادی جسم اختیار کر گیا ہے۔

صورت جسمیہ کی تعریف

صورت جسمیہ کا اطلاق عموماً شکل پر ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے دونوں کو ساتھ ساتھ بولتے ہیں۔ مثلاً زید کی شکل وصورت یہ ہے لیکن فلاسفہ کی اصطلاح میں صورت کا اطلاق اس شے پر ہوتا ہے جس کے ذریعہ سے کسی شے کو اغیار سے امتیاز حاصل ہو۔ اس بنا پر جسم کی صورت وہ چیز ہوگی جو اس کو جواہر مجردہ (ارواح وعقل) سے ممتاز کرے اور وہ سوائے امتداد (طول، عرض، عمق) کے کوئی شے نہیں ہے۔ اس لیے فلاسفہ اسی امتداد کو جسم کی صورت یعنی صورت جسمیہ کہتے ہیں۔

حکمائے مشائیہ: دو امتداد کے قائل ہیں۔ ایک وہ جو از قبیل جواہر ہے جس کو صورت جسمیہ کہتے ہیں اور دوسرا وہ جو از قبیل عرض ہے جس کو مقدار کہتے ہیں۔ محسوس صرف مقدار ہے اور صورت جسمیہ غیر محسوس ہے اس کا علم صرف استدلال وقیاس سے ہوتا ہے۔ دراصل دونوں میں کوئی فرق نہیں۔ دونوں گروہ امتداد کو صورت جسمیہ کہتے ہیں البتہ حکمائے مشائیہ جوہر کے ساتھ عرض کو بھی تسلیم کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ صورت جسمیہ میں امتداد کے ساتھ جوہر و مادہ اور عرض تینوں شریک ہیں۔

اتصال جسم

اجسام جو صورت اختیار کرتے ہیں حقیقت میں وہ چھوٹے چھوٹے ذرات سے مرکب ہوتے ہیں جیسے پانی کے قطرات اور موم کے ذرات یا جدید سائنس میں برقی ذرات کا اتصال، ان کا اتصال اس قدر مسلسل ہوتا ہے کہ وہ ایک جسم کی صورت اختیار کر لیتے ہیں اور یہ اجسام حقیقت میں اپنے اپنے جوہر کے طیف ہوتے ہیں۔

ارکان کی حقیقت

جوہر اور جسم کے درمیان جو تغیرات ہوتے ہیں جس سے مختلف صور نوعیہ عمل میں آتی ہیں یعنی جوہر میں جب تغیرات عمل میں آتے ہیں جس سے وہ جسم کی صورت اور انواع اختیار کرتا ہے، اس دوران میں جوہر ارکان کی صورت اختیار کرتے ہوئے جسم، صورت اور نوع بنتا ہے جس کو ہم عناصر کہتے ہیں۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ ارکان کی حسی تقسیم نہیں ہوسکتی۔ البتہ وہمی اور عقلی تقسیم ہوسکتی ہے البتہ عناصر کی حسی تقسیم ممکن ہے گویا ارکان (آگ، پانی، ہوا، مٹی) جسم کی صورت نوعیہ ہیں جو جسم سے الگ نہیں کی جاسکتیں۔ البتہ وہ تحلیل ہو کر جوہر، مادہ اولی، توانائی وقوت اور حرکت وشعور تک پہنچ جاتا ہے۔

صور نوعیہ

صورت جسمیہ نے جسم کو جن چیزوں سے ممتاز کیا ہے وہ جسم نہیں ہیں۔ اسی طرح صور نوعیہ کے سبب سے جسم کے انواع میں امتیاز ہوتا ہے اور امتیاز بھی اس درجہ کا کہ کبھی ایک نوع پر دوسری نوع کا شبہ تک نہیں ہوتا۔ ایک طرف تو یہ عالم اختلاف ہے اور دوسری طرف عالم اتحاد واشتراک بھی ہے۔ حیرت کا مقام ہے تمام انواع ایک دوسرے سے صور نوعیہ کے اعتبار سے متحد ہیں۔ اسی سبب سے صورت جسمیہ کو تمام انواع کی علت قرار نہیں دے سکتے۔ ورنہ تمام اجسام صور واشکال اور آثار وخواص کے اعتبار سے متحد ہو جائیں گے اور یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ اس اختلاف کی علت مادہ ہے۔ کیونکہ اوّل تو مادہ قابل محض اس کا کام صرف یہ ہے کہ وہ اجسام کے صفات وخواص اور صور واشکال کو قبول کرے نہ کہ

ان کے لیے فاعل وعلت بنے۔ دوسرے یہ کہ تمام اجسام عنصریہ کا مادہ ایک ہے وہ انواع کا اختلاف کیونکر ہوسکتا ہے اس لیے جسم کی ہر نوع کے لیے ایک خاص صورت نوعیہ ہے جو اس کے تمام آثار وخواص کی علت وسبب ہوتی ہے شیشے کی سختی، سونے کی لچک، پانی کا سیلان، آگ کی حرارت، مٹی کی یبوست وغیرہ یہ سب اس کی صورت نوعیہ کے خواص ہیں گویا نوعی تباین اور آثار وخواص کے اختلاف کا سبب اجسام کی صور نوعیہ ہیں۔

اجسام بسیط (آگ، پانی، مٹی، ہوا) کی طبیعت ہی صورت نوعیہ ہوتی ہے اور مرکبات (موالید ثلاثہ) کی طبیعت صورت نوعیہ کا ایک جز ہوتی ہے مثلاً انسان مادہ کے علاوہ نفس نباتیہ۔ نفس حیوانیہ اور نفس ناطقہ اور طبیعت کا مرکب ہے۔ گویا صورت نوعیہ اشیائے مذکورہ کے مجموعہ کا نام ہے اور طبیعت اس کا ایک جزو ہے۔ جس طرح صورت جسمیہ اور مادہ میں تلازم ہے اسی طرح مادہ اور صورت نوعیہ میں بھی تلازم ہے اور صورت جسمیہ ونوعیہ ہر دو جوہر ہیں۔ کیونکہ جس حال سے محل بے نیاز نہیں ہوتا وہ حال بھی جوہر ہوتا ہے۔

جوہر وعرض

جوہر اس شے کو کہتے ہیں جس کا وجود کسی موضوع میں قائم نہ ہو جیسے انسان، عرض اس شے کو کہتے ہیں جو اس کے برعکس ہو۔ مثلاً سرخی وسیاہی وغیرہ۔ جوہر کے بعض افراد بھی اپنے وجود میں محل کے محتاج ہوتے ہیں۔ مثلاً صورت جسمیہ ونوعیہ۔ لیکن پھر بھی وہ جوہر ہوتے ہیں اور اصل راز اس میں یہ ہے کہ عرض کا قیام محل کی حقیقت کو نہیں بدلتا۔ مثلاً سیاہی ایک عرض ہے۔ اگر کسی کپڑے پر قائم ہو تو اس کپڑے کی حقیقت نہیں بدلتی۔ اس لیے سفید کپڑا ہو یا سرخ وہ سیاہ ہو جائے تو اسے کپڑا ہی کہیں گے۔ مگر صورت کا قیام حقیقت بدل دیتا ہے۔ مثلاً مادہ پہلے مادہ تھا لیکن صورت جسمیہ کے قیام سے جسم بن گیا اور اس کو مادہ کہنا درست نہ ہوگا۔ جس طرح نطفہ میں صورت انسانی آنے سے اس کو نطفہ کہنا غلط ہے۔

لہٰذا عرض وصورت میں فرق کے لیے حکماء نے یہ اصطلاح قرار دی ہے کہ عرض کے محل کو موضوع اور صورت کے محل کو مادہ کہتے ہیں۔ اس بنا پر عرض کی تعریف یہ ہوگی کہ عرض اس شے کو کہتے ہیں جس کا وجود موضوع میں قائم نہ ہو اور جوہر کی تعریف اس کے برعکس ہے۔

جوہر کے اقسام

جوہر کی پانچ اقسام ہیں: ① ہیولیٰ ② صورت ③ جسم ④ نفس ⑤ عقل ومفارق۔ جوہر محل ہو تو ہیولیٰ۔ حال ہو تو صورت جسمیہ ونوعیہ۔ اگر نہ حال ہو نہ محل بلکہ دونوں سے مرکب ہو تو جسم اور اگر حال ومحل سے مرکب نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق جسم کے ساتھ ہے تو نفس ورنہ عقل مفارق۔

عرض کے اقسام

عرض کی نو اقسام ہیں: ① کم ② کیف ③ این ④ زمان ⑤ نسبت ⑥ ملک ⑦ وضع ⑧ فعل ⑨ انفعال۔ طوالت کی وجہ سے تشریح نظر انداز کی جاتی ہے۔

جوہر اور جسم

جوہر جب ہیولیٰ وصورت کے ساتھ نفس اور عقل رکھتے ہوئے جسم اختیار کرتا ہے تو اس میں ہم صرف جسم کو حواس خمسہ سے احساس کر سکتے ہیں۔ باقی چیزوں کو ہم حواس باطنیہ سے ادراک کرتے ہیں۔ البتہ صورت کا ہم فرق ضرور کرتے ہیں لیکن ہر صورت جسم اور نفس کے ساتھ

اس طرح مربوط ہے کہ اس کو جسم سے جدا نہیں کیا جا سکتا۔ جس طرح اس عالم میں ایک چیز دوسری چیز سے بنتی ہے اور ایک چیز دوسری چیز کا سبب ہوتی ہے حالانکہ فاعل حقیقی اور بخشندۂ وجود جناب باری تعالیٰ ہیں۔ اسی طرح عقل فعال جو عالم عقول میں ایک جوہر ہے روح اور مادہ وغیرہ کے لیے سبب ہے۔

عالم عقول

عقل کو سمجھنے کے لیے شعور کا لفظ بہت اچھا ہے۔ ہم اس کی مزید تشریح آئندہ ارواح کے بیان میں کریں گے۔ یہاں پر صرف عقول اور اجسام کے باہمی تعلق اور مادہ وجسم کے عالم عقول سے علت وسبب کے ساتھ عالم وجود میں آنے کا ذکر کریں گے۔ یہ تحقیقات صرف اسلامی حکما کی ہے۔ جنہوں نے الہام وکشف اور باطنی قوت سے اس کا پتہ چلایا۔ دوسرے لوگ ان کو کما حقہ نہیں سمجھ سکتے۔

جاننا چاہیے کہ جس طرح یہ ہماری دنیا ایک خاص نظام پر چل رہی ہے۔ اسی طرح ایک عالم عقول اور ملائکہ بھی ہے اور اس عالم میں بھی ہماری اس دنیا کی طرح علت ومعلول کا سلسلہ جاری ہے۔ مشائیہ کہتے ہیں کہ خداوند کریم نے سب سے پہلے ایک جوہر مجرد پیدا کیا جس کو عقل اوّل کہتے ہیں اور پھر اسی عقل اوّل کے واسطہ سے عقل ثانی اور فلک نہم (مکان وزمان عالم عقول) کا وجود جناب باری تعالیٰ کے فیض وبخشش سے ہوا۔ اسی طرح عقول معاشرہ اور فلک اوّل کا سلسلہ...... وجود ہوا۔ بواسطہ عقول معاشرہ جناب باری تعالیٰ کے جود وکرم سے عالم عناصر ظہور پذیر ہوا۔ عقل معاشرہ کو اس عالم کے وجود کی علت ہونے کے سبب عقل فعال کہتے ہیں۔ حکمائے اشراقیہ اور حکمائے اسلام کے نزدیک عالم افلاک وعناصر کی ہر نوع کے لیے عالم عقل میں عقول مدبرہ ہیں جن کے ذریعہ جناب باری تعالیٰ اپنے فیض وبخشش سے اس عالم کو سیراب کرتا ہے اور انہی عقول کو اصطلاح شرع میں ملائکہ کہتے ہیں۔

حکمائے اسلام کی یہ تحقیقات اس حقیقت کے تحت ہیں کہ جو کچھ آفاق میں ہے وہ سب کچھ نفس انسانی میں پایا جاتا ہے۔ لیکن آفاق ایک غیر مادی شے ہے اس کا ادراک حواس باطنی ہی سے ہو سکتا ہے۔ نفس انسانی ایک غیر مادی شے ہے جو غیر مادی اشیاء کا ادراک کر سکتا ہے، اور یہ ادراک الہام وکشف کے ذریعہ ہوتا ہے۔ اس کی مثال بالکل خواب کی سی ہے جو تقریباً جاگنے کی حالت میں پیدا ہوتی ہے۔ طوالت کے پیش نظر اس بحث کو یہاں ختم کیا جاتا ہے۔ البتہ قرآن حکیم کا یہ نقطہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان کا کام سنوارنے کے بعد زمین کو سجایا اور پھر اس کو آسمان کی طرف لوٹایا۔ اس حقیقت سے ظاہر ہے کہ آفاق وعقول سے آسمان، آسمان سے زمین۔ زمین سے موالید ثلاثہ۔ پھر احساس وادراک اور نفس بنائے گئے اور نفس وہ مقام ہے جو اپنے اندر طبیعیات سے لے کر مابعد الطبیعیات تک کا ادراک کر سکتا ہے اور یہ وہ مقام ہے جہاں تک یورپ نہیں پہنچ سکا اور نہ بغیر اسلام کے شاید پہنچ سکے۔

خلاصہ بحث

ارکان ایسے اجزائے بسیط ہیں جن کا مزید تجزیہ نہیں ہو سکتا۔ عناصر قابل تجزیہ ہیں اور سالمات وایٹم میں تقسیم ہو جاتے ہیں۔ ایٹم برقی شراروں میں تقسیم ہو جاتا ہے۔ برقی شراروں کی پیدائش ایتھر کی لہروں سے ہوتی ہے۔ لہریں حرکت سے اور حرکت شعور سے پیدا ہوتی ہے۔ شعور آفاق کی پیداوار ہے اور آفاق کو عقل سے بنایا گیا ہے۔ عقل کل اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے۔

② مزاج

مزاج کی تعریف

شیخ الرئیس لکھتے ہیں:

(واما الامزجه فنقولُ ان الارکان اذا اتصغرت اجزاؤها و تماست فعل بعضها فی بعض بقواها المتضادة و تکسّر کلّ واحدٍ من سورة کیفیة متشابهة فی اجزائه فهی المزاج).

''مزاج ہم اس کو کہتے ہیں کہ جب ارکان کے اجزاء بہت ہی چھوٹے چھوٹے ہو کر ایک دوسرے کے ساتھ ملتے ہیں۔تو یہ اجزاء اپنی متضاد قوتوں سے ایک دوسرے میں اثر کرتے ہیں اور ان میں سے ہر ایک عنصر دوسرے عنصر کی کیفیت کے غلبہ کو توڑ دیتا ہے۔آخر کار جب ان کا فعل وانفعال (کسر وانکسار اور اثر ومتاثر) ایک حد تک پہنچ جاتا ہے تو اس مرکب میں ایک ایسی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے جو اس مرکب کے تمام اجزاء میں یکساں ہوتی ہے۔اسی کو مزاج کہتے ہیں)''۔

فرنگی طب کی غلط فہمی

فرنگی طب اور ماڈرن سائنس جہاں چار ارکان سے انکار کرتے ہیں جن کی حقیقت پر ہم گذشتہ صفحات میں لکھ چکے ہیں وہاں پر وہ چار کیفیات سے بھی انکار کرتی ہیں۔لیکن وہ جسم انسان میں گرمی وسردی اور تری وخشکی کے اظہار اثرات سے انکار نہیں کرسکتی۔مثلاً آگ کی گرمی برف کی سردی اور مٹی کی خشکی اور گھی کی تری سے انکار نہیں کرسکتی۔اسی طرح موسموں میں گرمی، سردی اور خشکی تری کا پایا جانا۔اسی طرح انسان میں بھی خون کی گرمی۔رطوبت کی سردی ہڈی کی خشکی اور چربی کی تری سے انکار نہیں کرسکی۔چونکہ اس نے چار ارکان سے انکار کر دیا ہے اس لیے وہ کیفیات اور مزاج سے دور ہوگئی ہے۔

یورپی طب کے مزاج نہ ماننے پر اعتراضات

اگر یہ تسلیم کر بھی کیا جائے کہ کیفیات (گرمی۔سردی۔تری اور خشکی) دنیا میں کوئی حقیقت نہیں رکھتیں۔تاہم کائنات اور زندگی کا ایک مزاج تو پھر بھی تسلیم کرنا پڑتا ہے۔یعنی یہ تمام عناصر اپنے قوئی وانفعال اور جسم ونوع کی وجہ سے آپس میں اختلاف رکھتے ہیں جب اس امر سے کوئی سائنسدان انکار نہیں کرسکتا کہ یہ تمام عناصر اختلاف افعال کیمیاویہ اور مختلف الجسم والنوع بلکہ اختلاف تناسب بھی رکھتے ہیں تو یقینی امر ہے کہ جب وہ کسی جگہ زمین کے اندر ہوا میں یا پانی کے اندر اور خاص طور پر کسی نباتی اور حیوانی یا انسانی زندگی میں ملیں تو ایک مزاج پیدا کریں۔یہ ناممکن ہے کہ یہ آپس میں ملیں اور ان میں فعل وانفعال، تاثیر وتاثر اور کسر وانکسار پیدا نہ ہو۔جب یہ شے لازمی ہے تو پھر مزاج کا پیدا ہونا بھی ضروری ہے۔

سائنس وتغیرات کیمیاویہ

کیا کوئی سائنس دان اس امر سے انکار کرسکتا ہے کہ جب متضاد قوئی وافعال اور مختلف الجسم وتناسب اشیاء آپس میں ملتی ہیں تو کوئی

کیمیاوی تغیر پیدا نہیں ہوتا۔ ہم روزانہ دیکھتے ہیں کہ صاف اور خالص پانی اپنی ایک خاص شکل، ذائقہ اور رنگ رکھتا ہے۔ بے شک یہ ہائیڈروجن اور آکسیجن کا ہی مرکب ہے مگر اس کا ایک خاص تناسب ہے جو ہمیشہ قائم رہتا ہے اور جب تناسب قائم نہ رہے تو کبھی بھی پانی پیدا نہیں ہوتا۔ اس کے علاوہ جب اس میں کوئی دوسرا عنصر یا گیس شامل ہو جاتی ہے تو اس کی شکل، ذائقہ اور رنگ میں فرق آ جاتا ہے۔ یہی حال ہوا کا ہے۔ انسانی جسم میں اس کے اثرات زیادہ نمایاں نظر آتے ہیں۔ جسم انسان اور خصوصاً اس کے خون میں سائنس کے مطابق چار ارکان وکیفیات کی بجائے چودہ یا کچھ زیادہ عناصر بھی تسلیم کر لیے جائیں۔ لیکن اس امر سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ان عناصر کے امزجہ اور اخلاط سے ایک درمیانی قوام پیدا ہوتا ہے وہی صحیح قوام انسانی زندگی کے لیے نہایت اہم ہے اس کو ہم خون کہتے ہیں۔ اگر اس قوام میں مشمولہ عناصر میں کوئی کمی بیشی ہو جائے یا کوئی عنصر خراب ہو جائے یا اس قوام میں کوئی زہریلا مواد شامل ہو جائے تو خون خراب ہو جائے گا اور انسانی زندگی کے لیے یقیناً مضر ہوگا۔ اگر غور کیا جائے تو چودہ عناصر والا خون چار اخلاط کے ساتھ تطبیق پا سکتا ہے۔

طب یونانی نے کیفیات اور مزاج سے فن میں سہولت پیدا کر لی ہے جو چودہ عناصر اور ان کے خواص سے ممکن نہیں ہے۔ اس لیے مغربی طب اس میدان میں طب یونانی کے مقابلہ میں ناکام ہے۔ ایک یونانی طب کا معالج جب کسی مریض کے جسم یا نبض کو دیکھتا ہے تو اوّل وہ کیفیات اور مزاج ہی دیکھتا ہے۔ جب وہ کسی کیفیت کی زیادتی دیکھتا ہے تو پھر اس کے اثرات مریض کے قارورہ، پاخانہ اور باقی جسم میں تلاش کرتا ہے۔ اس تطبیق کے بعد مریض کے مزاج کی رعایت سے اس کیفیت کو رفع کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ پھر اطباء کا سالہا سال کا تجربہ ہے کہ مریض کے مزاج اور کیفیات کو اعتدال پر لانے سے نہ صرف مرض رفع ہو جاتا ہے بلکہ ہر قسم کا زہر بھی فنا ہو جاتا ہے۔ یہ یقین و تجربہ اور مشاہدہ ان کو تمام زندگی اس پر قائم رکھتا ہے۔

یقین، تجربہ اور مشاہدہ

یہ حقیقت ہے کہ ہر علم کی ابتداء صرف ایک ایسے یقین پر ہوتی ہے جس کو فرض کیا جاتا ہے اس کو علم الیقین کہتے ہیں اور پھر یہی علم تجربات ومشاہدات کے بعد صحیح اترنے پر عین الیقین اور پھر حق الیقین بن جاتا ہے۔ کیفیات اور مزاج کا علم حاصل کرنے کے بعد جب طبیب مریض کے جسم میں کسی کیفیت یا مزاج کی کمی بیشی دیکھتا ہے تو وہ اپنے تجربات کے تحت اس کیفیت کو مریض کے قارورہ، پاخانہ اور پسینہ میں دیکھتا ہے اور پھر اس یقین اور تجربہ و مشاہدہ کے بعد اس مزاج اور کیفیات کی بالضد ادویات استعمال کرتا یا تدابیر عمل میں لاتا ہے تو مریض کو آرام وصحت ہونا شروع ہو جاتی ہے تو اس کے دل و دماغ میں یقین محکم پیدا ہو جاتا ہے کہ مزاج وکیفیات کے تحت تشخیص وعلاج بالکل صحیح طریق علاج ہے۔ اس کے مقابلہ میں اوّل تو چودہ عناصر کو بغیر مزاج اور کیفیات کے صرف ان کے قویٰ اور خواص کے اثرات تلاش کر کے پورا کرنا مشکل ہے۔ اور پھر ان کے ساتھ خون میں جراثیم کی تلاش امر زائد ہے۔ جب کسی مرض کا کوئی جرثومہ مل جائے تو پھر چودہ عناصر بھی نظرانداز ہو جاتے ہیں اور اس خاص قسم کے جرثومہ کے لیے قاتل جراثیم ادویہ استعمال کی جاتی ہیں اور چودہ عناصر کی کمی بیشی اپنی جگہ قائم رہتی ہے۔ پھر اس امر پر بھی غور نہیں کیا جاتا کہ ممکن ہے اس جرثومہ اور زہر کا سبب ہی ان چودہ عناصر کی کمی بیشی اور خرابی ہو۔ مریض کو آرام آئے نہ آئے بس کسی خاص قسم کے جرثومہ کے نظر آنے پر صرف اسی کو فنا کرنا لازمی ہوتا ہے۔ خواہ سبب کے قائم رہنے پر وہ جرثومہ اپنی نسل کے ساتھ دوبارہ وہاں پیدا ہو جائے۔

چودہ عناصر اور جراثیم

یورپی طب نے اس امر کا کہیں فیصلہ نہیں کیا کہ تشخیص کے دوران میں جب مرض معلوم کیا جاتا ہے تو خون کے چودہ عناصر کا تجزیہ کر

کے ان کو درست یا پورا کیا جائے یا جراثیم کو تلاش کیا جائے یا جن امراض کے جراثیم کا علم ہو چکا ہے ان میں جراثیم اور باقی امراض میں چودہ عناصر کی کیمیاوی کمی بیشی اور خرابی کو کو سامنے رکھا جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر صالح، طاقتور اور مقدار میں پورا خون اپنے اندر ایک خاص قوت مدافعت (Immunity) یا قوت مدبرہ بدن (Vital Force) رکھتا ہے تو ایسی حالت میں جب بھی کوئی جرثومہ جسم یا خون میں داخل ہوگا فوراً فنا ہو جائے گا جیسا کہ سائنس کا یقین ہے۔ اگر جرثومہ تلاش بھی کر لیا جائے تو جرم کش دوا کے استعمال کی ضرورت نہیں بلکہ جسم کی قوت مدافعت اور قوت مدبرہ بدن کو مضبوط کرنے کی ضرورت ہے اور یہ چودہ عناصر کے پورا اور درست کرنے پر موقوف ہے جیسا کہ طب یونانی چار مزاج اور چار کیفیات پر یقین رکھتی ہے اور تجزیہ و مشاہدہ اس کو عین الیقین اور حق الیقین بنا دیتا ہے۔ آج بھی ہر اس مریض کے مزاج میں جس کے مزاج میں کیفیات کی کمی بیشی اور خرابی واقع ہوگئی ہو۔ اعتدال پیدا کرنے سے مرض رفع ہو جائے گا۔ اس مقصد کے لیے جو تیز و ہلکی ادویہ استعمال کی جاتی ہیں وہ مزاج و کیفیات کی خرابی کے مختلف مدارج کے مطابق ہوتی ہیں۔ طب یونانی کی بالخاصہ ادویہ تیسرے درجہ پر آتی ہیں۔ اوّل کیفیات اور دوم مزاج کو مدنظر رکھا جاتا ہے بالخاصہ ادویہ کا علم نہ بھی ہو تو صرف کیفیات کی درستی اور مزاج کے اعتدال سے بھی مرض رفع ہو جاتا ہے۔ بالخاصہ ادویات سے صرف یہ مقصد ہوتا ہے کہ وہ بار بار کے تجربات سے خاص خاص امراض و علامات میں مفید ثابت ہوئی ہیں جن میں ان امراض کے مزاج و کیفیات بھی شریک ہیں لیکن بغیر مزاج اور کیفیات کے صرف مرض اور دوا کا تعلق بے معنی شے ہے۔ اس امر سے ثابت ہوا کہ قوت مدافعت اور قوت مدبرہ بدن کا کیفیات اور مزاج کے ساتھ گہرا تعلق ہے، بالفاظ دیگر خون کی مقدار، صفائی اور قوت ہی صحت کی ضامن ہے۔

قوتِ مدافعت اور قوتِ مدبرہ بدن

سوال پیدا ہوتا ہے کہ قوت مدافعت اور قوت مدبرہ بدن کیا شے ہیں۔ ان کے کیا کام ہیں اور ان کے درمیان کیا فرق ہے۔ یورپی طب قوت مدافعت کے متعلق یہ بیان کرتی ہے کہ وہ ایک ایسی قوت ہے جو عضو و خون میں ہوتی ہے اور ضرورت کے وقت اس میں پیدا ہونے والے زہر یا زہریلے جراثیم کا مقابلہ کرتی ہے اور قوتِ مدبرہ بدن وہ قوت ہے جو خون و جسم انسان میں پائی جاتی ہے اور ضرورت کے وقت اس پر نازل ہونے والے حوادث و تکالیف کا مقابلہ کرتی ہے۔ لیکن وہ کیا ہیں؟ کہاں پیدا ہوتی ہیں؟ اور ان میں کیا فرق ہے؟ کی کوئی وضاحت نہیں کی گئی حقیقت یہ ہے کہ قوتِ مدافعت اس قوت کا نام ہے کہ جب خون کا مزاج اور عناصر اعتدال پر ہو اور اس کی مقدار صفائی اور قوت کیمیاوی طور پر اپنے پورے اندازے پر پائی جاتی ہو اور اسی طرح قوت مدبرہ بدن ایسی قوت ہے جو جسم کے خون میں پائی جاتی ہے جس سے ان کے افعال اپنی درست حالت میں قائم ہوتے ہیں۔ یہ اس وقت ہو سکتا ہے جب ان کا مزاج و کیفیات بالکل صحیح حالت میں پائی جائیں بس اسی شے کا نام مزاج ہے جو انسانی صحت کو درست اور قائم رکھتا ہے۔

جب تک دونوں قوتیں اعتدال پر نہ ہوں مرض کی مدافعت اور اصلاح نہیں ہو سکتی اور ان کا اعتدال ناممکن ہے۔ جب تک جسم کے عناصر کیفیات اور خون کی مقدار اپنی مکمل حالت میں نہ ہو۔ اگر ہم ارکان کا مزاج نہ بھی تسلیم کریں تو عناصر کا اعتدال لامحالہ ماننا پڑے گا اور یہی عناصر کا اعتدال ان کا مزاج قرار پائے گا۔ اسی طرح خون بھی اپنے مرکب کے ساتھ اپنے اندر ایک خاص مقدار حرارت کی رکھتا ہے خواہ وہ ازلی ہو (حرارت غریزی) یا سرخ ذرات کی گردش یا عناصر کے امتزاج سے پیدا ہو جس کا ثبوت تھرمامیٹر دیتا ہے۔ جب کسی وجہ سے حرارت میں کمی واقع ہو جاتی ہے تو لامحالہ خون میں سردی کا اثر داخل ہوگا۔ اس طرح خون میں گرمی سردی کا پایا جانا ثابت ہو گیا۔ اسی طرح اگر خون کی مقدار پر غور کیا جائے تو بعض امراض (ہیضہ) یا موسم کے اثرات سے اس میں کبھی رطوبات کی کمی واقع ہو جاتی ہے۔ اسی کو طب یونانی میں خشکی

اور جب رطوبات کی مقدار کسی سبب سے زیادہ ہو جائے تو اس کو تری کا نام دیا جاتا ہے۔ یہی ہے خون کا مزاج اور اس کی کیفیات کی حقیقت۔ کیا کسی کو اس سے انکار ہے۔ طب یونانی نے ان پر اپنے فن کی بنیاد رکھ کر عقل و فطرت سے کام لیا ہے اور مغربی طب نے ان کو نظر انداز کر کے غیر علمی راستہ اختیار کیا ہے۔

عناصر کا فعل و انفعال

فلاسفہ نے ثابت کیا ہے کہ ہر جسم عنصری میں حرارت و برودت کیفیاتِ فعلی اور رطوبت یبوست کیفیاتِ انفعالی ہیں۔ ان چار کیفیتوں میں ایک کیفیت فعلی اور ایک انفعالی کا ہونا ضروری ہے۔ کیونکہ تمام اجسام عنصریہ کی ترکیب ارکان اربعہ سے ہوتی ہے اور چونکہ آگ (حار یابس) ہوا (رطب حار) پانی بارد و رطب اور مٹی (بارد و یابس) ہے اس لیے وہ اجسام جن کی ان عناصر سے ترکیب ہوتی ہے۔ ان میں ان چار کیفیات کو موجود ہونا چاہیے۔ مگر نہیں! مزاج حاصل ہونے کے بعد صرف ایک کیفیت فعلی اور ایک انفعالی رہ جاتی ہے مزاج چونکہ اس کیفیت متوسطہ کو کہتے ہیں جو عناصر کے کسر و انکسار سے حاصل ہوتی ہے۔ کاسر و منکسر کے تعین میں فلاسفہ کے درمیان اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک فاعل کاسر کیفیت اور بعض کے نزدیک صورت ہے اور منفعل مادہ وغیرہ۔ طب یونانی میں اس بحث کا پایا جانا ثابت کرتا ہے کہ اس فن میں کس قدر لطیف و دقیق تحقیقات کا جز تھا وہ کسی مشاہدہ کو نظر انداز نہیں کرتے تھے۔ مگر یورپی طب نے جہاں کیفیات و مزاج کو اپنی غلط روش سے تسلیم نہیں کیا وہاں ان قویٰ پر بھی بحث و تحقیق رہ گئی ہے ورنہ اس تحقیقات میں موجودہ کیمسٹری میں اشیاء کے مشینی اور کیمیاوی اثرات کے ایک نئے باب کا اضافہ ہوتا اور پتہ چلتا کہ جسم انسانی پر مشینی اور کیمیاوی اثرات کرنے والی ادویہ و اشیاء کون سی ہیں۔ مشینی اشیاء وہ ہیں جن کے اثرات فعلی ہوں جو دیگر اعضا یا اشیاء میں تحریک پیدا کرتی ہیں اور کیمیاوی اشیاء وہ ہیں جن کے اثرات انفعالی ہیں یعنی وہ دیگر اشیا یا اعضاء میں اوّل جذب ہوتی ہیں اور پھر اپنے اثرات ظاہر کرتی ہیں۔ ان شاء اللہ ہم اس سلسلہ میں اپنی تحقیقات پوری وضاحت سے بیان کریں گے۔ یہاں یہ جان لیں کہ فرنگی طب میں جہاں اور خامیاں ہیں وہاں یہ بھی ایک بہت بڑی خامی ہے جس سے نصف کیمسٹری (کیمیا) خالی اور نامکمل ہے۔

موجودہ کیمسٹری جب یہ تسلیم کرتی ہے کہ جسم انسان چودہ عناصر سے مرکب ہے اور بایوکیمسٹری (کیمیائے زندگی) یہ بھی تسلیم کرتی ہے کہ ان چودہ عناصر کا اپنی پوری مقدار اور تناسب سے خون کے اندر مکمل ہونا صحت انسانی کے لیے لازمی ہے اور ان میں کمی مقدار اور تناسب مرض کی علامت ہے تو بس اسی قوام کا نام مزاج ہے مزاج کے معنی چند چیزوں کے ملنے اور اثر و متاثر اور فعل و انفعال کے بعد جو قوام پیدا ہوتا ہے۔ جیسا کہ شیخ الرئیس کا بیان پیچھے گزر چکا ہے۔ گویا موجودہ سائنس عملی طور پر مزاج تسلیم کرتی ہے۔ لیکن علمی طور پر انکار ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ موالید ثلاثہ میں ہر مقام پر مزاج قائم ہے جس سے انکار نا ممکن ہے۔ اس کے ساتھ اس کا بھی اندازہ ہو سکتا ہے کہ تشخیص میں طب یونانی کے چار ارکان کی چار کیفیات کو جانچنا اور تجزیہ کرنا سہل ہے یا طب مغرب کے چودہ عناصر کا تجزیہ اور پھر اس کے ساتھ یہ بھی ملحوظ رہے کہ ان چار میں سے گرمی و سردی دو کیفیاتِ فاعلہ اور تری و خشکی دو کیفیات منفعلہ ہیں یعنی اوّل صرف گرمی سردی کو سمجھ لیا جاتا ہے اس کے بعد باقی دو کیفیات کو جوڑ لیا جاتا ہے۔ یہ چیز ہر معالج آسانی سے سمجھ لیتا ہے اس کے مقابلہ میں چودہ عناصر کا تجزیہ و علم بغیر لیبارٹری کے ایک معالج کے بس کا روگ نہیں ہے جس میں کم از کم ایک دن خرچ ہو جاتا ہے اتنی دیر مریض بچے یا مرے۔ اس پر مزید جائے افسوس یہ ہے کہ اس تجزیہ کے بعد بھی صرف اس عنصر کا علم ہو گا مرض کا علم پھر بھی یقینی نہ ہو گا۔ کیونکہ ہر عنصر کی خرابی سے کئی امراض پیدا ہو جاتے ہیں اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اندازہ نہیں ہو گا کہ اس خاص عنصر کے کم ہو جانے سے کون سا عنصر بڑھ گیا ہے جس کو علاج میں پورا کرنا چاہیے یا بڑھ جانے کو کم کرنا

چاہیے یا دونوں کو ساتھ ہی کم وبیش کرنا چاہیے۔اس پر طرہ یہ ہے کہ سائنس کو اس امر کی تحقیق بالکل نہیں ہے کہ کس نمک کے بڑھ جانے سے کون سا نمک کم ہوجاتا ہے اور کس نمک کے کم ہونے سے کون سا نمک بڑھ جائے گا۔ یہ سب کچھ ایک گورکھ دھندا بن کر رہ جاتا ہے۔اس کے مقابلہ میں ہر عامی سے عامی بھی جانتا ہے کہ گرمی کی زیادتی سے سردی کم ہوجاتی ہے اور تری کی کمی سے خشکی بڑھ جاتی ہے۔

مزاج کی تقسیم

شیخ الرئیس بیان کرتے ہیں''مزاج عقلی طور پر تقسیم ہوتا ہے ❶ معتدل حقیقی اس مزاج کو کہتے ہیں جس مرکب میں متضاد کیفیات (عقلی طور پر) مساوی مقدار میں ہوں ❷ معتدل غیر حقیقی جو اعتدال حقیقی سے خارج ہو لیکن قسم اول کا وجود بیرونی طور پر قطعی ممکن نہیں البتہ جو مزاج بیرونی طور پر پائے جاتے ہیں وہ اعتدال حقیقی سے خارج ہوتے ہیں۔قسم اوّل کا نام اطباء نے معتدل فرضی رکھا ہے اور وہ مزاج ہے جو کسی نوع کے موضوع میں پایا جاتا ہے وہی مزاج اس کے لیے بہتر ہے اور دوسرا وہ مزاج جو اعتدال سے خارج ہو''۔

طب یونانی میں مزاج پر بحث کر کے بے شمار گتھیوں کو سلجھایا گیا ہے اس کا کمال پہلو یہ ہے کہ کائنات میں موالید ثلاثہ کے ساتھ انسان پر عقلی طور سے بحث کی ہے اس صورت سے ثابت ہوتا ہے کہ انسان کا کائنات میں کیا درجہ ہے اور وہ اشرف المخلوقات کیوں ہے اور پھر ہر انسان اپنے مزاج کی وجہ سے دیگر انسانوں پر کیا تفوق رکھتا ہے۔ایک ذہین انسان کو جاہل انسان پر کیا فوقیت ہے اور انتہا یہ ہے کہ ایک نبی اپنے اعتدال مزاج کی وجہ سے دیگر انسانوں پر درجہ میں کیوں بلند ہے اور سب سے بڑھ کر خوبی یہ ہے کہ مزاج کی اصلاح سے انسانوں میں بلندی مراتب کی جاسکتی ہے۔

ایلوپیتھی نے مزاج کی بحث چھوڑ کر نہ صرف علمی دنیا میں ایک نقصان عظیم کیا ہے بلکہ طب یونانی کے پھلتے پھولتے شجر پر سایہ ڈال کر سالہا سال تک اس کی نشوونما میں رکاوٹ ڈالی ہے۔مگر سائنس اس اہم مسئلہ کو کیسے نظر انداز کرسکتی تھی آخر یورپ میں ایسے سائنس دان پیدا ہوئے جنہوں نے مسئلہ ارتقاء کو جانا اور اس پر بحث وتمحیص کی اور اس بحث وتمحیص میں کائنات کی ابتداء، موالید ثلاثہ پر غور وفکر کیا گیا۔اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ حیوانات کی ابتدا نباتات کی انتہا اور نباتات کی ابتدا جمادات کی انتہا ہے اسی طرح حیوانات کی انتہا ابتدائی انسان (بندر۔بن مانس۔ریچھ وغیرہ) سے ہوئی ہے۔ان مسائل کی صحت پر ابھی تک اگرچہ کوئی مکمل ثبوت بہم نہیں پہنچایا گیا تاہم یہ حقیقت مسلمہ امر ہے کہ اس دنیا میں ارتقاء قائم ہے اور کائنات کی ہر شے میں مدارج پائے جاتے ہیں جن کا آپس میں گہرا تعلق ہے اور انسان ان سب میں اشرف المخلوقات ہے۔اس وقت تک سائنس نے انسان کو اشرف المخلوقات ثابت کرنے میں جو صورت اختیار کی ہے اس میں صرف ادراک اور شعور سے کام لیا ہے اور ثابت کیا ہے کہ یہ سوائے انسان کے کسی حیوان اور نباتات میں نہیں پائے جاتے۔نشوونما، احساس ادراک اور شعور پر بحث پھر کبھی کریں گے۔البتہ یہاں ہم مزاجاً ثابت کرتے ہیں کہ یہ ادراک اور شعور بغیر اس مزاج کے نہیں پائے جاتے جن میں اعتدال حقیقی کا بہت قرب نہ پایا جائے۔یہ تطابق جہاں انسان کے اشرف المخلوقات ہونے کی تصدیق ہے وہاں مزاج کی حقیقت کی سچائی کا بھی ثبوت ہے۔

انسان کا مزاج اور اشرف المخلوقات ہونا

فن طب میں دو قسم کے مزاجوں سے بحث کی گئی ہے۔مزاج معتدل حقیقی اور مزاج معتدل فرضی۔مزاج معتدل حقیقی یعنی وہ مزاج

جس میں چاروں کیفیات برابر ہوں۔ اس صورت کا پایا جانا ناممکن ہے۔ کیونکہ یہ کیفیات ایک دوسرے کی ضد ہیں اس لیے لازم ہے کہ ان کے باہم امتزاج سے جب کسر وانکسار اور اثر و متاثر عمل میں آئے کہ ان میں سے کوئی نہ کوئی کیفیت غالب ہو اس مزاج کا وجود عملی نہیں ہے بلکہ عقلی ہے اور اس کا ذکر صرف تمثیلی ہے۔ دوسرا مزاج معتدل فرضی ہے۔ یہ وہ مزاج ہے جو کائنات کی ہر شے کے مطالعہ کے بعد اس میں فرض کیا گیا ہے کہ صحت کی حالت میں موالید ثلاثہ کی ہر چیز میں پایا جاتا ہے۔ مثلاً شیر میں اس قدر گرمی رکھ دی گئی ہے کہ اس سے اس کے قویٰ، جرأت اور صحت قائم رہتی ہے اسی طرح خرگوش میں سردی غالب ہے جو اس کی صحت کے قیام کے ساتھ اس میں خوف کے غلبہ کو قائم رکھتی ہے۔ اسی طرح موالید ثلاثہ کی ہر شے کا ایک مزاج فرض کیا گیا ہے جس پر اس کی صحت و زندگی قائم ہے۔ جمادات، نباتات اور حیوانات کے بعد جب انسان کا فرضی مزاج دیکھا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس میں وہ تفاوت نہیں پایا جاتا جو حیوانی مزاج میں پایا جاتا ہے یعنی ایک طرف اس میں شیر کی انتہائی حرارت اور دوسری طرف خرگوش کی انتہائی برودت نظر آتی ہے۔ انسان میں حرارت و برودت کا تفاوت بہت کم ہے۔ بالفاظ دیگر اس میں چاروں کیفیات برابر برابر تو نہیں البتہ دنیا کی تمام مخلوقات میں مزاج معتدل حقیقی کے بہت ہی قریب ہیں۔

نظریہ ارتقاء کی تحقیق کے لیے مزاج کا مسئلہ کتنا آسان ذریعہ ہے کیونکہ موالید ثلاثہ کے مزاج میں نہ صرف تفاوت بلکہ ایک تطابق بھی پایا جاتا ہے۔ یہی وہ نظریہ ہے جس کو فن طب میں دو قیمتی اصولوں میں بند کر دیا ہے۔ مزاج معتدل حقیقی اور مزاج معتدل فرضی۔ اگرچہ مزاج معتدل حقیقی اس دنیا میں نہیں پایا جاتا تاہم اس کو کائنات کا ایک عقلی مزاج اور مرکزی نقطہ تو کہہ سکتے ہیں۔ اس مزاج کو مرکزی نقطہ مقرر کرنے کے بعد یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ جس شے کا مزاج "جو ہم نے اس کی صحیح صحت کے مطابق فرض کیا ہے"۔ اس اعتدال حقیقی کے زیادہ قریب ہوگا وہی احسن اور افضل ہوگا۔ اس سے نہ صرف جمادات، نباتات، حیوانات اور انسانوں کا باہم تفاوت اور ارتقائی مقام کا پتہ چلتا ہے بلکہ انسانوں کے باہمی تفاوت کی حقیقت بھی واضح ہو جاتی ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ اس سے ایک شخصیت کی انسانیت، آدمیت، ادراک عقل اور حکمت کا دوسری شخصیت سے فرض کیا جا سکتا ہے بلکہ ایک قوم و ملک کا دوسری قوم و ملک اور ایک جنس کا دوسری جنس کے ساتھ ذہنی اور جسمانی فرق کیا جا سکتا ہے۔

مزاج کے حدود

طب میں جہاں سہولت کے لیے مزاج کا ایک مرکز (مزاج معتدل حقیقی) اور اس کے بعد (مزاج معتدل فرضی) مقرر کر دیا گیا ہے وہاں اس کا حدود اربعہ بھی مقرر کر دیا گیا ہے جس سے وہ باہر نہیں ہوگا۔ شیخ الرئیس کا کمال ہے کہ وہ ہر مسئلہ کو پہلے کلی طور پر اختصار کے ساتھ بیان کرتا ہے اور پھر اس کے جزئیات کی طرف آتا ہے تاکہ طالب علم ہر مسئلہ کو سہولت سے سمجھنے کے بعد اس کے جزئیات و کلیات پر بھی پورے طور پر حاوی ہو جائے وہ آٹھ حدود مندرجہ ذیل ہیں: ❶ معتدل نوعی ❷ معتدل صنفی ❸ معتدل شخصی ❹ معتدل عضوی۔ پھر قیاس کے اعتبار سے ان کو خارجی اور داخلی دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا تاکہ ہر اعتبار سے مزاج کا اعتدال ہر طالب علم کے سامنے آجائے۔

شیخ الرئیس کے مقرر کردہ آٹھ حدود

شیخ الرئیس لکھتے ہیں: "اس معنی (اعتدل فرضی) کے لحاظ سے معتدل فرضی کی مختلف اعتبارات سے آٹھ قسمیں ہوتی ہیں"۔ یعنی جب کسی فرضی معتدل کو معتدل کہا جاتا ہے تو اس کو ان آٹھ اعتبارات میں سے کسی ایک اعتبار سے ہی معتدل کہا جاتا ہے۔

❶ معتدل نوعی بالقیاس الی الخارج

یہ وہ مزاج ہے جو انسان کو دیگر مخلوقات کے مقابلہ میں حاصل ہے۔ یعنی وہ مخصوص مزاج جو مخلوقات کی کسی نوع کو حاصل ہو اور یہ مزاج اس نوع کے لیے یقیناً معتدل اور مناسب ہوگا۔ تشریح اس کی یہ ہے کہ جو مزاج انسان کے لیے مناسب اور معتدل ہے اس کے بغیر انسان ہونا ناممکن ہے مگر یہ مزاج انسانی شیر اور خرگوش کے لیے مناسب نہ ہوگا اور نہ شیر اور خرگوش کا مزاج انسان کے لیے مناسب ہوگا اور یہ مزاج انسان کے ہر ایک فرد میں خواہ وہ بچہ ہو یا جوان، عورت ہو یا مرد، پاکستانی ہو یا برمی کم و بیش اختلاف کے ساتھ پایا جاتا ہے۔ اگر یہ مخصوص مزاج نہ ہو تو وہ انسان اپنے مقام پر انسان ہی نہ رہے۔

❷ معتدل نوعی بالقیاس الی الداخل

یہ مزاج اس شخص کو حاصل ہوگا جو انسان کے اشخاص میں سب سے زیادہ معتدل ہوگا۔ گویا اس نوع کے اندر جو افراد داخل ہیں ان سب کے مزاج کے مقابلہ میں یہ مزاج معتدل ہوگا۔

❸ معتدل صنفی بالقیاس الی الخارج

یہ مزاج کسی اقلیم کے باشندوں کو دوسری اقالیم کے مقابلہ میں حاصل ہوگا۔ یعنی وہ مزاج جو کسی نوع کی ایک صنف کو دوسری اصناف کے مقابلہ میں حاصل ہوتا ہے۔ تشریح اس کی یہ ہے کہ انسان ایک نوع ہے۔ اس کی بہت سی اصناف عربی، پاکستانی، اور یورپی وغیرہ ہیں ہر ایک صنف کا مزاج دوسری صنف سے جداگانہ اور مخصوص ہوتا ہے اور یہی اس کے لیے متعدل اور بہتر ہوتا ہے۔

❹ معتدل صنفی بالقیاس الی الداخل

یہ مزاج اس شخص کو حاصل ہوگا جو کسی معیّن صنف کے اشخاص میں سب سے زیادہ معتدل ہوگا۔ یعنی وہ مزاج جو نوع کی کسی صنف کو حاصل ہو اور اس صنف کے اندر جو افراد داخل ہوں ان سب کے مقابلہ میں معتدل ہوگا۔

❺ معتدل شخصی بالقیاس الی الخارج

یہ وہ مزاج ہے جو کسی معین شخص کو حاصل ہوتا ہے۔ یعنی وہ مخصوص مزاج جو کسی نوع کے اشخاص کو حاصل ہو اور یہ اس نوع کے دوسرے اشخاص کے مقابلہ میں معتدل ہوتا ہے۔ اس مزاج کے لحاظ سے ہر شخص معتدل ہے خواہ وہ گرم، سرد کوئی مزاج رکھتا ہو گویا ہر شخص کا مخصوص مزاج اس کے لیے مناسب ہے دوسرے شخص کا مزاج اس کے لیے ہرگز مناسب نہیں خواہ دوسرا شخص زیادہ معتدل ہو۔

❻ معتدل شخصی بالقیاس الی الداخل

یہ مزاج جب کسی شخص کو حاصل ہو جاتا ہے تو وہ ہر خراب حالت سے دور ہو جاتا ہے۔ یعنی یہ معتدل شخصی اس کے اپنے لحاظ سے ہوگا۔ یہ حقیقت ہے کہ ہر شخص کا مزاج ابتدائے عمر سے آخر تک ایک حال پر قائم نہیں رہتا بلکہ عمر، موسم، صحت، تندرستی و مرض میں بدلتا رہتا ہے۔ مگر ایک حالت ایسی ہوگی جس میں وہ بہت زیادہ تندرست ہو اور اس کے سب افعال درست ہوں۔ چنانچہ اس وقت کا مزاج ہی اس کا بہترین مزاج ہوگا۔

❼ معتدل عضوی بالقیاس الی الخارج

یہ وہ مزاج ہے جو تمام اعضا کے ہر نوع میں پایا جاتا ہے یعنی وہ مزاج جو ہر ایک عضو کو غیر کے مقابلہ میں حاصل ہے تاکہ وہ دیگر نوع

سے اپنے اس مزاج کے لحاظ سے مختلف ہو جائے۔ مثلاً ہڈی، گوشت، چربی ہر ایک کا دوسرے سے ایک الگ مزاج ہے اور وہی اس کے لیے مناسب ہے۔

⑧ معتدل عضوی بالقیاس الی الداخل

یہ مزاج جب کسی عضو کو حاصل ہو جاتا ہے تو وہ اپنے بہترین حالات میں ہوتا ہے۔ یعنی یہ مزاج اس عضو کے ذاتی حالات کے لحاظ سے ہوتا ہے۔ اس کی دو صورتیں ہیں:

اوّل: اس کی وہ صورت جبکہ وہ اپنے مزاج کی بہترین صورت میں ہونے کی وجہ سے اعتدال پر ہو۔

دوسری: جبکہ تمام اعضاء میں کوئی ایک اپنے مزاج کی وجہ سے دوسروں کی نسبت اعتدال حقیقی کے قریب کہا جا سکے۔

مزاج غیر معتدل

اس کے متعلق شیخ الرئیس فرماتے ہیں:

''وہ مزاج جو حسب مناسب اطبا غیر معتدل ہے۔ یعنی اعتدال فرضی سے خارج ہو۔ اس کی آٹھ اقسام ہیں۔ اس لیے کہ وہ گرم ہوگا یا سرد یا تر و خشک۔ اسی طرح وہ گرم تر یا گرم خشک ہوگا یا سرد تر یا سرد خشک ہوگا''۔

❊❊❊

③ اخلاط

شیخ الرئیس فرماتے ہیں:

(الخلط جسمٌ رطبٌ سیالٌ یتحیل الیه الغذا اوّلاً وانواعه الدم وهو حارٌ رطبٌ والصفراء وهی حارةٌ یا بسةٌ والبلغم وهو باردٌ رطبٌ والسوداءُ وهی باردة یابسةٌ).

''خلط ایک تر اور بہنے والا مادہ ہے۔غذا ہضم ہونے کے بعد پہلے اسی کی صورت اختیار کرتی ہے اور اس کے اقسام یہ ہیں: ① خون جو گرم تر ہے۔ ② صفراء جو گرم خشک ③ بلغم جو سرد تر۔ اور ④ سودا جو سرد خشک ہے''۔

اس کی تشریح یہ ہے کہ غذا کے معدہ وامعاء سے ہضم ہونے کے بعد اس کا جو خلاصہ جگر کی طرف بذریعہ ماساریقا کے چلا جاتا ہے اس خلاصہ غذا سے تمام اخلاط بنتے ہیں جن کو خون، صفرا، بلغم اور سودا کہتے ہیں اور یہ تمام اخلاط جگر میں پیدا ہوتے ہیں جس کی تفصیل یہ ہے:

اخلاط غذا کا جو حصہ معتدل طور پر پختہ ہو کر جاتا ہے وہ خون، جو پک کر زیادہ لطیف ہو جاتا ہے وہ صفرا، غذا کا جو حصہ جل کر سیاہ ہو جاتا ہے وہ سودا اور جو خام رہ جاتا ہے وہ بلغم ہے۔

اس کے مقابلہ میں یورپی طب کا نظریہ یہ ہے: ① غذا کا خلاصہ جگر کی طرف ماساریقا کے ذریعہ بہت کم جاتا ہے۔ اس کا زیادہ حصہ عروق بعینہ اور مجرئ الصدر کے ذریعے جگر سے پہلے قلب میں پہنچتا ہے۔ ماساریقا کا بڑا کام معدہ اور امعاء سے وریدی خون کا واپس لے جانا ہے ② اخلاط چار نہیں بلکہ صرف ایک، خون ہے جو مختلف اجزاء سے مرکب ہے۔ ③ کچھ اجزا جگر میں بنتے ہیں ④ کچھ طحال ⑤ کچھ ہڈیوں کے گودے اور ⑥ کچھ بدن کی گلٹیوں میں تیار ہوتے ہیں ⑦ صفراء واقعی جگر میں بنتا ہے ⑧ بلغم کا مستقل کوئی وجود نہیں ⑨ زیادہ سے زیادہ اسے خون کا ایک جز تسلیم کرنا پڑے گا۔ ⑩ سودا کا وجود ثابت ہی نہیں ہوتا اور ⑪ طبعی خون کے لیے جگر میں پیدا ہونا ضروری نہیں بلکہ محض کیمیاوی طور پر درست ہونا لازمی ہے۔

اخلاط کے متعلق شیخ الرئیس کے فوائد وقیود

شیخ الرئیس کی تعریف خلط میں چند فوائد وقیود بھی ہیں یعنی رطب کہنے سے ہڈی، گوشت کری وغیرہ الگ ہو گئے۔ سیال نے چربی کی نفی کر دی ''جس کی طرف غذا متحیل ہوتی ہے''۔ اس سے مراد یہ ہے کہ غذا کی ماہیت (صورت نوعیہ) بدل کر دوسری شکل اختیار کر لے۔ اس نے کیلوس کو الگ کر دیا کیونکہ کیلوس اگرچہ جسم رطب اور سیال ہے مگر اس میں صورت نوعیہ غذا کی قائم ہے اور غذا کی بو اور مزہ قائم رہتا ہے اور ''متحیل اولاً'' کی قید سے رطوبت ثانیہ اور دیگر اقسام کی رطوبات کی نفی ہو جاتی ہے کیونکہ وہ تمام اگرچہ جسم، رطب اور سیال ہیں اور غذا کا استحالہ بھی ان کی طرف ہو سکتا ہے مگر استحالہ اولاً نہیں ہوتا بلکہ اولاً غذا اخلاط ہی کی طرف متحیل ہوتی ہے۔

اس تشریح اور فوائد وقیود کا ذکر کرنے کے بعد اب ہم طب یورپ کے ایک ایک اعتراض کا جواب دیتے ہیں جو ہمارے مطالعہ کے مطابق زیادہ سے زیادہ یہ ہو سکتے ہیں اور فیصلہ اہل علم وفن پر چھوڑتے ہیں کہ آیا طب یونانی حقیقت پر ہے یا طب فرنگی۔

اعتراض نمبر(۱): غذا کا خلاصہ جگر کی طرف ماساریقا کے ذریعہ بہت کم جاتا ہے اس کا زیادہ حصہ عروق لبینہ اور مجریٰ الصدر کے ذریعے جگر سے پہلے قلب میں پہنچتا ہے۔

جواب: جاننا چاہیے کہ غذا کا جو خلاصہ عروق لبینہ اور مجریٰ الصدر کے ذریعے قلب میں جاتا ہے وہ کیلوس میں سے جذب ہو کر جاتا ہے۔ اس کا رنگ اگرچہ سفید ہوتا ہے اور اس میں غذا کی صورت نوعیہ اور بو بھی قائم نہیں رہتی لیکن ہم اس کو خون بھی نہیں کہہ سکتے کیونکہ وہ سرخ نہیں ہوتا اس کی شکل زیادہ سے زیادہ سفید رطوبت خون کی ہوتی ہے یا زیادہ سے زیادہ اس میں سفید ذرات کی زیادتی تسلیم کر لیں اور جب یہی رطوبت دوران خون کے ساتھ جگر میں صاف ہونے کے لیے پہنچتی ہے تو وہاں پر اس کا رنگ سرخ ہو جاتا ہے اور اس کا صفرا اس سے الگ ہو جاتا ہے اس امر سے کسی یورپی ڈاکٹر اور سائنسدان کو انکار نہیں ہے کہ خون جگر میں صاف ہوتا ہے اور اس کا صفراوی مادہ اس سے جدا ہوتا ہے اور اس امر سے بھی کسی کو انکار نہیں ہے کہ خون میں رطوبت خون اور سفید ذرات خون شامل ہوتے ہیں جو بوقت ضرورت خون اور سرخ ذرات خون میں تبدیل ہو جاتے ہیں اور یہی کام جگر اور مختلف غدد کی حرارت انجام دیتی ہے۔ یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ جب تک جگر کی حرارت خام خون پر اثر انداز نہ ہو تو وہ کبھی بھی پختہ اور اصلی خون میں تبدیل نہیں ہو سکتا۔ اس مسلمہ حقیقت کے بعد اس امر سے کون انکار کر سکتا ہے کہ جب تک کیلوس سے جذب شدہ رطوبت جگر میں جا کر حرارت حاصل نہ کرے اس وقت تک پختہ اور اصلی خون نہیں بنتا اور نہ ہی اس کا رنگ سرخ ہوتا ہے۔ کیلوس سے کشید کشیدہ رطوبت پہلے قلب میں جائے یا جگر میں، جب تک جگر کی حرارت سے پختہ نہ ہو اس وقت تک خون کی شکل اختیار نہیں کر سکتی۔

یہاں یہ بھی جان لینا چاہیے کہ جو خلاصہ غذا قلب کی طرف نکل جاتا ہے اس میں روغنی اجزا نہیں ہوتے کیونکہ وہ بغیر صفراوی مادہ کے حل نہیں ہوتے لہٰذا جگر کی طرف روانہ ہو جاتے ہیں۔ دوسرے قدرت فیاض واقع ہوئی ہے کہ وہ خلاصہ غذا کا ایک حصہ فوراً دل کی طرف بھیج دیتی ہے تاکہ جسم کو فوراً غذا مل جائے اور ساتھ ہی اگر جگر کی طرف ہضم کرنے والے اعضاء کمزور یا مریض ہو تو جسم غذا کی کمی کی وجہ سے نقصان میں نہ رہے اسی طرح کبھی قلب کی طرف خلاصہ غذا روانہ کرنے والا حصہ کمزور یا مریض ہو جائے تو جگر والا حصہ جسم کو غذا کے نقصان سے بچائے۔ لیکن اس میں ایک اسرار یہ بھی ذہن میں رکھیں کہ جو خلاصہ غذا قلب کی طرف جاتا ہے اس میں تیزابیت غالب ہوتی ہے تیزابیت کا خاصہ دل کو تقویت دینا اور سکیڑنا اور حرکت میں رکھنا ہے۔ جو حصہ جگر کی طرف جاتا ہے وہ جگر میں تقویت، حرارت اور اس کے فعل کو تیز کرتا ہے۔ یہ وہ تحقیقات ہیں جن سے نہ صرف فرنگی طب بلکہ جدید سائنس بھی خالی ہے۔

دوسرا اعتراض: اخلاط چار نہیں بلکہ صرف ایک۔ خون ہے اور وہ مختلف اجزاء سے مرکب ہے۔

جواب: یہ سمجھنا کہ خون چار اخلاط سے مرکب نہیں ہے صحیح نہیں بلکہ حقیقت میں خون کی چار صورتیں ہیں اور ہر صورت کے خواص جداگانہ ہیں۔ آسانی سے یہ مسئلہ یوں سمجھ میں آ سکتا ہے کہ دراصل خون کا رنگ سرخ نہیں بلکہ سفید ہے جس کو یونانی خام خون (بلغم) کہتے ہیں جو بوقت ضرورت حرارت سے استحالہ حاصل کر کے سرخ خون بن جاتا ہے۔ فرنگی طب اس رطوبت کو خون ہی تسلیم کرتی ہے جو کیلوس بن جانے کے بعد کشید ہو کر مجریٰ الصدر کے ذریعے قلب کی طرف جاتا ہے اور اس کا رنگ بھی سفید ہوتا ہے اور ضرورت کے وقت جگر اور دیگر غدد میں حرارت سے پختہ ہوتا ہے۔ دونوں طبوں کے ان حقائق سے یہ امر مسلمہ ہو گیا ہے کہ خام خون سفید ہے اور حرارت سے پختہ ہو کر سرخ ہو جاتا ہے جس طرح معتدل حرارت سے خام خون سرخ ہو جاتا ہے جس کو خون کہتے ہیں اس طرح زیادہ حرارت سے زرد رنگ کا صفرا پیدا ہو جاتا ہے جس کو جگر صاف کرتا ہے۔ فرنگی طب کو اس سے انکار نہیں، بلغم سے بھی انکار نہیں کرتی کیونکہ ہم نے ثابت کر دیا ہے کہ خام خون بلغم ہے اور سرخ خون

کو تو وہ تسلیم کرتی ہے البتہ سودا کی صورت سے منکر ہے لیکن ذرا غور کیا جائے تو فوراً یہ حقیقت سامنے آجاتی ہے کہ جب معتدل حرارت سے خام خون (خلاصہ غذا) سرخ خون زیادہ تیز حرارت سے صفرا میں تبدیل ہو جاتا ہے تو کیا اشد حرارت سے وہ جل کر سیاہ صورت اختیار نہیں کر سکتا۔ اب ہر صاحب عقل بتا سکتا ہے کہ طب یونانی کے چار اخلاط کو سمجھنے میں کیا دقت ہے۔ یہ سارا کارنامہ حرارت کا ہے جو جگر میں پیدا ہوتی ہے۔ جس سے یہ تمام تبدیلیاں پیدا ہوتی ہیں۔ پھر طبیعت جسم کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ ایک دم تمام خام خون (خلاصہ غذا) نہ خون میں تبدیل کرتی اور نہ سارے کا سارا صفراء اور سودا بنا دیتی ہے بلکہ یہ سلسلہ جاری رہتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی قوتِ مدبرہ بدن ایسے اجزا کو جو جسم میں زیادہ ہو جائیں اور ان سے نقصان کا احتمال ہو نکالتی رہتی ہے۔ اسی کے تحت صفراء کو جگر اور سودا کو طحال صاف کرتی ہے گویا جسم انسانی میں بلغم (خام خون۔ خلاصہ غذا) کے ساتھ ساتھ (معتدل حرارت والا) سرخ خون (زیادہ حرارت والا) صفرا اور (اشد حرارت والا) سودا ملے جلے پائے جاتے ہیں۔ کیونکہ جسم انسان کی مشین کچھ ایسی بنی ہے کہ ایک طرف غذا سے خون بنتا جاتا ہے اور دوسری طرف جسم میں خرچ ہوتا جاتا ہے اور تیسری طرف خراب اور ناکارہ خون صاف ہوتا جاتا ہے۔ یہ مشین کے تین حصے اپنا عمل کیسے انجام دیتے ہیں اس کی تفصیل آئندہ اپنے مقام پر آئے گی۔ جہاں تک خون کا تعلق ہے وہ غذا کا خلاصہ اور غذا عناصر سے مرکب اور عناصر چودہ پندرہ قسم کے جسم انسان میں پائے جاتے ہیں اور یہ عناصر چار ارکان سے مرکب ہیں جن کی تفصیل وتشریح ارکان اور مزاج کے سلسلہ میں کی جا چکی ہے۔

اعتراضات نمبر (۳۔۴۔۵۔۶۔۷): (۳) کچھ اجزاء جگر میں بنتے ہیں (۴) کچھ طحال میں (۵) کچھ ہڈیوں کے گودے میں اور (۶) بدن کی گلٹیوں میں تیار ہوتا ہے (۷) صفراء واقعی جگر میں بنتا ہے۔

جواب: یہ قطعاً غلط ہے کہ خون مندرجہ بالا مقامات پر تیار ہوتا ہے بلکہ خون صرف معدے اور امعاء میں تیار ہوتا ہے جہاں غذا تحلیل ہو کر کیلوس کی شکل اختیار کرتی ہے۔ دوسرے تمام مقامات پر کیمیاوی اعمال سے خون صاف ہوتا ہے یا حرارت سے پختہ ہوتا ہے۔ جگر میں بھی خون تیار نہیں ہوتا بلکہ پختہ اور صاف ہوتا ہے یہ جو کہا گیا ہے کہ جگر میں تمام اخلاط پیدا ہوتے ہیں تو اس سے مراد ان کا بننا اور شکل اختیار کرنا ہے ورنہ پیدائش صرف معدہ اور امعاء میں ہوتی ہے۔ پھر ضرورت کے مطابق مختلف اعضاء اور مقامات میں صاف ہوتا اور بعض کیمیاوی صورتوں سے اس شکل وترکیب میں تغیر پیدا ہوتا ہے تاکہ مختلف اعضاء کے مناسب تیار کیا جائے مثلاً جگر میں سے جب خام خون یا خام جمع پختہ خون گذرتا ہے تو حرارت کے اثر سے اس میں سرخی پیدا ہو جاتی ہے اور اگر حرارت اعتدال سے زیادہ ہو تو صفرا زیادہ پیدا ہو جاتا ہے اور اس کی رنگت میں زردی نمایاں ہو جاتی ہے اور اگر حرارت کا شدید اثر ہو جائے تو خون میں سیاہی (کاربن) پیدا ہو جاتی ہے جس کو سودا کہتے ہیں۔ جب یہی خون طحال کی طرف جاتا ہے تو وہاں کیمیاوی اثر سے اس میں سیاہی صاف ہوتی ہے اور تیزابیت کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ یہی تیزابیت ضرورت کے وقت رطوبت معدی کی صورت میں معدہ اور دیگر عضلات پر گر کر اس میں تحریک پیدا کرتا ہے، تعفن دور کرتا اور روغنی اجزاء کو ہضم کرتا ہے۔ تیزابیت معدہ سے فرنگی طب انکار نہیں کر سکتی ہے۔ جو غیر ناقلہ غدد سے ترشح پاتی ہے۔

اعتراض نمبر (۸۔۹): بلغم کا کوئی مستقل وجود نہیں ہے۔ زیادہ سے زیادہ اس کو خون کا جز تسلیم کرنا پڑے گا۔

جواب: حیرت کا مقام ہے کہ بلغم (خام خون) جو دراصل صحیح معنوں میں خون ہے اس کو تسلیم نہیں کیا جا رہا اور سرخ رنگ کے محلول کو خون کہا جاتا ہے جو خام خون کی حرارت سے پختہ ہو کر ایک شکل ہے۔ اسی طرح صفراء کو تسلیم کیا جاتا ہے جو خون میں اعتدال سے زیادہ اثر کرنے کا نتیجہ ہے مگر سودا کو نہیں تسلیم کیا جاتا جو خون میں اشد حرارت کے عمل کرنے کا نتیجہ ہے۔ ان اخلاط کی ان چار صورتوں کی بہترین مثال دودھ ہے جس سے یہ مسئلہ آسانی سے ذہن نشین ہو جاتا ہے۔

کچا دودھ جب کسی برتن میں ڈال کر دیکھا جائے تو اوپر سے نیچے تک ایک جیسا ہوتا ہے۔ جب اس کو آگ پر رکھا جائے تو تھوڑی دیر ابلنے کے بعد اس کے اوپر بالائی آ جاتی ہے اور دودھ کے اندر دانہ بن جاتا ہے گویا سفید ذرات دودھ کی رطوبت میں تیرتے نظر آتے ہیں۔ جب زیادہ آگ پر رہے تو بالائی کے رنگ میں زردی اور دودھ میں ہلکی سرخی پیدا ہو جاتی ہے اور برتن کے تلے میں سیاہی مائل بالائی کی قسم کی ایک شے جم جاتی ہے جس کو کھرچن کہتے ہیں گویا دودھ کو گرم کرنے سے اس کی چار صورتیں بن جاتی ہیں: ❶ بالائی ❷ ذرات ❸ رقیق سفید رطوبت ❹ گاڑھا اور بعض اوقات سخت شدہ دودھ۔ ان چار صورتوں کی شکل بالکل چار اخلاط کی ہے۔ ذرات خون، بالائی صفراوی جھاگ۔ رقیق سفید رطوبت بلغم اور گاڑھا دودھ سودا کی صورت میں نظر آتا ہے۔ اس مثال کو سامنے رکھ کر کوئی کیلوس (خام خون) کی چار حالتوں سے انکار کر سکتا ہے؟ مگر حقیقت پسند نہیں بلکہ کور باطن ہے۔

بس یہ حقیقت ہے کہ خون دراصل کیلوس کی اس حالت کا نام ہے جب آنتوں سے جذب یا کشید ہو کر خون میں شریک ہوتا ہے۔ اس وقت اس کا رنگ سفید ہوتا ہے۔ جگر میں سے گذرتے وقت اس کی معتدل حرارت اس کو پکا کر سرخ بنا دیتی ہے اور یہی سلسلہ جاری رہتا ہے۔ جب حرارت اعتدال سے زیادہ ہو یا غذا کے اجزاء میں حرارت زیادہ ہو تو جگر میں صفرا کی صورت نمودار ہوتی ہے اور جب حرارت اشد ہو یا غذا میں سوداوی اجزاء کی زیادتی ہو تو سودا زیادہ تیار ہوتا ہے۔ جگر میں جب خون پختہ ہو کر چار رنگ اختیار کر لیتا ہے وہاں پر اس کی چار حالتیں بھی نظر آتی ہیں: ❶ خون کے جھاگ ❷ خون کے ذرات ❸ خون کی رطوبت ❹ خون کی غلظت، جو علی الترتیب صفرا، خون، بلغم اور سودا کہلاتے ہیں۔ یہاں اس غلطی کا پھر ازالہ کیا جاتا ہے کہ خون چار اخلاط سے مرکب ہے بلکہ اخلاط خون کی چار صورتوں کا نام ہے جو حرارت بن جاتی ہیں۔

اخلاط کے خواص وفوائد

اخلاط کو صحیح طور پر سمجھنے اور ذہن نشین کرانے کے لیے اطبائے قدیم نے ان کے خواص وفوائد بھی بیان کیے ہیں تاکہ پوری طرح ذہن نشین کر کے ان سے فوائد حاصل کیے جائیں۔ پہلے ان کو صالح وغیر صالح کے لحاظ سے دو اقسام ❶ خلط طبعی ❷ خلط غیر طبعی میں تقسیم کیا ہے اور پھر ان کے فوائد بیان کیے ہیں جو شیخ الرئیس کے الفاظ میں ذیل میں درج ہیں۔

خون کے اوصاف

''خون طبعی کا رنگ سرخ ہوتا ہے۔ اس میں بدبو نہیں ہوتی اور اس کا مزہ (دوسرے اخلاط کی نسبت) شیریں (اچھا ذائقہ) ہوتا ہے اور خون غیر طبعی رنگ۔ بو اور مزہ میں خون طبعی کا مخالف ہوتا ہے''۔

صفراء کے اوصاف

صفراء طبعی، خون طبعی کے جھاگ ہوتے ہیں اور وہ اپنے اوصاف میں شوخ سرخ ہوتا ہے۔ وزن میں ہلکا اور مزے میں تیز ہوتا ہے اور جگر میں پیدا ہوتا ہے۔ صفراء غیر طبعی کے چار اقسام ہیں: ① مرہ جس میں پانی کی طرح رقیق رطوبت ملی ہوتی ہے ② مرہ محیہ جس میں غلیظ رطوبت ملی ہوتی ہے ③ کراثی جو صفرائے محرقہ اور صفرائے مرہ سے مرکب ہے اس کی پیدائش معدہ میں ہوتی ہے ④ زنجاری جو تمام اقسام سے گرم اور مزاج میں زیادہ تر زہر کے قریب ہے''۔

بلغم کے اوصاف

''بلغم طبعی وہ ہے جو کامل خون بننے کی پوری صلاحیت رکھتا ہے اور وہ ایسا خون ہے جو پوری پختگی پانے سے قاصر رہا ہے۔ بلغم غیر طبعی کے پانچ اقسام ہیں: ① حلو جس میں کسی قدر خلط شیریں کی آمیزش ہوتی ہے ② مالح (نمکین) اس میں صفرائے محرقہ (جلا ہوا) ملا ہوتا ہے ③ حامض (ترش) وہ بلغم جس میں ضعیف حرارت اپنا اثر کر جاتی ہے ④ عمص (بکھٹا) جس میں جوہر ارضی کا غلبہ ہوتا ہے اور وہ جملہ اقسام بلغم میں زیادہ کثیف ہوتا ہے ⑤ تفہ (بے مزہ) جس کا کوئی مزہ نہیں ہوتا اس میں جوہر مائی غالب ہوتا ہے، یہ تمام اقسام سے سرد ہے''۔

سودا کے اوصاف

''سودا طبعی، خون طبعی کا تلچھٹ ہے۔ البتہ سوداء غیر طبعی جلی[1] ہوئی خلط ہے''۔

کیفیت تولد اخلاط

جاننا چاہیے کہ پیدائش اخلاط کی کیفیت یہ ہے کہ غذا ایک ایسا جسم ہے جو بدن انسان میں پہنچنے سے اس کا ایک جزو بن جاتا ہے جب وہ معدہ میں داخل ہوتی ہے تو اس میں ایک ایسا استحالہ ہوتا ہے کہ وہ ایک جوہر (خلاصہ غذا) میں تبدیل ہو جاتی ہے جس کی شکل غلیظ آش جو کی مانند ہوتی ہے وہ کیلوس کہلاتا ہے (یہ اولیں کشید ہے) پھر اس کا بھی صاف (لطیف) حصہ عروق ماساریقا کے ذریعہ جگر کی طرف بھیج دیا جاتا ہے (یہ دوسری کشید ہے) جگر میں (اس کی حرارت سے) طبخ آتا ہے (یہ اولیں ہضم ہے) اس طبخ کے بعد وہ کیموس کہلاتا ہے اس میں سے، ایک سے جھاگ کی مانند۔ ایک رسوب کی مانند۔ زیادتی طبخ کی وجہ سے دو کے ساتھ ایک شے جلی ہوئی۔ ایک شے غیر طبخ شدہ حاصل ہوتی ہے جبکہ طبخ میں کمی رہ جاتی ہے۔ پس جھاگ صفرائے طبعی۔ رسوب سودائے طبعی۔ لطیف جلی ہوئی شے صفرائے غیر طبعی اور کثیف سوئے غیر طبعی اور غیر طبخ شدہ شے بلغم ہے اور ان تمام میں جو صاف اور پختہ ہے، وہ خون ہے''۔

خواص وافعال اخلاط

خون سبب فاعلی: معتدل حرارت۔ سبب مادی: معتدل اور مناسب اغذیہ واشربہ۔ سبب صوری: نضج کامل سبب غائی۔ بدن کو تغذیہ۔ گرمی اور رطوبت پہنچانا ہے۔

صفرائے طبعی سبب فاعلی: معتدل حرارت۔ زیادہ احتراق شدہ کا حرارت کی زیادتی۔ سبب مادی: لطیف۔ گرم شیریں۔ چکنی اور چرپری اغذیہ۔ سبب صوری: طبعی کا پختگی کامل اور غیر طبعی میں پختگی کا حد سے بڑھ جانا، سبب غائی: ❶ ایسے اعضاء کو غذا پہنچانا جن کو اس کا پہنچنا مناسب ہے ❷ خون کو لطیف بنانا جس سے کہ وہ تنگ مجاری میں نفوذ کر سکے ❸ امعاء میں احساس پیدا کرنا تاکہ فضلات کے رفع کے لیے ان میں ضرورت پیدا ہو۔

بلغم سبب فاعلی: کمی حرارت سبب مادی غلیظ، لیس دار اور سرد غذائیں۔ سبب صوری: پختگی کی کمی۔ سبب غائی: ❶ جب بدن کو غذا کی کمی محسوس

---

❶ جو بھی خلط جل جائے وہ سودا بن جاتی ہے لیکن جاننا چاہیے کہ اصل خلط بلغم (خلاصہ کیلوس) ہے اور تمام اخلاط جگر کی حرارت سے ہی بنتے ہیں۔ سودا گویا اصل خلط کا جلنا ہے۔

ہو تو فوراً پہنچائے ❷ بدن کو رطوبت پہنچانا ❸ ان اعضاء کی غذا لینے جن کے لیے وہ مقرر ہے۔

سوداء طبعی کا سبب فاعلی: معتدل حرارت اور احتراق شدہ کا اعتدال سے متجاوز حرارت سبب مادی غلیظ و کم رطوبت والی گرم اغذیہ۔ سبب صوری: تہ نشین درد جو نہ تو بہے اور نہ تحلیل ہو سکے۔ سبب غائی: ① ان اعضاء کو غذا پہنچانا جن کے لیے مقرر کیا گیا ہے ② طحال سے فم معدہ پر گر کر غذا کی خواہش پیدا کرنا جس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ وہ زیادتی کسیلے پن سے تحریک پیدا کرتا ہے اور اپنی ترشی سے بھوک لگاتا ہے۔ یہ سارے کیمیاوی تغیر ہم گذشتہ صفحات میں بیان کر چکے ہیں۔

خلاصہ بحث

شیخ الرئیس کے مندرجہ بالا بیان کا خلاصہ درج ذیل ہے تاکہ پوری بحث سامنے آجائے اور اس پر فرنگی طب کے متوقع اعتراضات اور ان کے جوابات سمجھائے جاسکیں۔ تمام اخلاط خون، صفراء، بلغم، سوداء خلاصہ غذا سے جگر میں تیار ہوتے ہیں۔ خلاصہ غذا میں جو معتدل طور پر پختہ ہو جاتا ہے وہ خون جو پک کر زیادہ لطیف ہو جاتا ہے وہ صفراء اور جو جل کر سیاہ ہو جاتا ہے وہ سودا اور جو خام رہ جاتا ہے وہ بلغم ہے خون کا مزہ شیریں ہے حتیٰ کہ بعض نے اس کی حلاوت کو شہد سے تشبیہ دی ہے۔ بلغم سرد تر اعضا جیسے دماغ اور اعصاب کے تغذیہ میں داخل ہوتا ہے۔ صفرا گرم خشک اعضاء جیسے پھیپھڑے کے تغذیہ میں داخل ہوتا ہے اور اس کے فوائد یہ ہیں کہ یہ رگوں میں خون کے ساتھ جاتا ہے اور اس کو رقیق بنا کر باریک باریک رگوں میں نفوذ کرا دیتا ہے اور آنتوں پر گر کر پاخانہ کے اخراج کا احساس کرا دیتا ہے۔ صفرائے طبعی کا رنگ شوخ سرخ یعنی زعفران کی مانند سرخ زردی مائل ہوتا ہے اور اس کا قوام لطیف و رقیق اور وزن میں خفیف ہوتا ہے۔ سوداء خون کو غلیظ کرتا ہے تاکہ وہ اعضاء کی ساخت میں قائم رہے اور جزو بدن بن سکے۔ ہڈیوں جیسے سرد خشک اعضاء کی غذائیت طحال سے فم معدہ پر گر کر اپنی ترشی اور کسیلے پن سے بھوک لگا دیتی ہے۔

یورپی طب کے متوقع اعتراضات

ان حقائق پر طب یورپ کے جو اعتراضات کیے جاسکتے ہیں وہ درج ذیل ہیں:

❶ **خون**: اگرچہ خون کے اندر شریں اجزاء ضرور ہیں مگر مزے میں شوریت غالب ہوتی ہے۔

❷ **بلغم**: تمام بدن کا تغذیہ محض خون سے ہوتا ہے اس لیے سرد تر اعضا جیسے دماغ اور اعصاب وغیرہ کا تغذیہ بھی خون ہی کے مخصوص اجزاء سے ہوتا ہے۔

❸ **صفراء**: صفراء طبعی زرد یا زرد سبزی مائل ہوتا ہے۔ اسی میں کسی قدر لزجیت بھی ہوتی ہے۔ یہ پانی سے ثقیل ہوتا ہے اور جب پتہ میں دیر تک رہتا ہے تو سیاہی مائل ہو جاتا ہے۔ تمام بدن کا تغذیہ محض خون سے ہوتا ہے اس لیے پھیپھڑے بھی اسی خون سے اپنی غذا حاصل کرتے ہیں۔ یہ ایک قدرتی مسہل ہونے کے علاوہ چربیلے اور روغنی مواد کے ہضم کرنے میں بھی حصہ لیتا ہے۔

❹ **سوداء**: چونکہ سودا کا وجود ہی ثابت نہیں اس لیے اس کے تمام فوائد بھی ناقابل تسلیم ہیں۔ تمام اعضاء کی پرورش کے لیے خون کے اندر ہر قسم کے مواد موجود ہیں اس لیے ہڈیوں کا تغذیہ بھی خون ہی سے ہوتا ہے۔ طحال میں سودا کا جمع ہونا اور پھر وہاں سے فم معدہ تک روانہ ہونا اور اس سے بھوک کا لگنا یہ سب باتیں ناقابل تسلیم ہیں۔ طحال کا کام خون کے بعض اجزاء کا مکمل کرنا ہے۔ بھوک دیگر احساسات اور خواہشات کی طرح اعصاب کے تابع ہے، معدہ کے اندر جو ترشی پائی جاتی ہے وہ معدہ کی رطوبت سے حاصل ہوتی ہے اور اس سے غذا ہضم ہوتی ہے یعنی بھوک سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

اعتراضات کے جوابات

❶ **خون** کے ذائقہ کے متعلق یورپی طب یہ تسلیم کرتی ہے کہ خون میں شیریں اجزاء ہوتے ہیں مگر اس امر سے انکاری ہے کہ اس کا ذائقہ شیریں ہے اس کا کہنا ہے کہ خون کا ذائقہ نمکین ہے لیکن حیرت کا مقام ہے کہ وہ سائنس کی موجودہ تحقیقات پر عقل کی روشنی میں کیوں غور نہیں کرتی۔ طب یونانی کا دعویٰ یہ ہے کہ خون کا ذائقہ شیریں ہے نہ کہ صفراء، سوداء اور بلغم سے مخلوط خون کا ذائقہ شیریں ہے۔ ان حقائق کو سائنس کی روشنی میں غور کرنے سے فرنگی طب کے مغالطہ کا صاف پتہ چل جاتا ہے۔ سب سے پہلے ہم انسانی غذا کو لیتے ہیں جس کے متعلق موجودہ سائنس کہتی ہے کہ وہ پانچ اجزاء سے مرکب ہے: ① پروٹین (اجزائے لحمیہ) ② کاربوہائیڈریٹس (نشاستہ اور شکر کے اجزاء) ③ فیٹس (روغنی اجزاء) ④ سالٹس (نمکین اجزاء) ⑤ واٹر (پانی)۔

ہر صاحب عقل وفہم جانتا ہے کہ جو غذا کھائی جاتی ہے اس میں نشاستہ اور شکر کے اجزاء زیادہ ہوتے ہیں کیونکہ ان سے جسم انسانی میں انرجی (قوت غذائیہ) زیادہ پیدا ہوتی ہے اور ضرورت کے وقت نشاستہ بھی شکر میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ جب تجربہ ومشاہدہ یہ بتاتا ہے کہ جسم میں شکر والے اجزاء زیادہ ہوتے ہیں تو لازمی ہے کہ خون میں شیرینی کا غلبہ ہو مگر اس کے برعکس جب خون کو چکھا جائے تو اس کا ذائقہ نمکین ہوتا ہے۔ اس کی تطبیق یہ ہے:

خون میں تین ضروری اجزاء ① ترشی ② کھاری اور ③ نمکین پائے جاتے ہیں ان حقائق سے جدید سائنس بھی انکار نہیں کرسکتی۔ کیونکہ جب بھی خون کا کیمیاوی امتحان کیا جائے تو اس میں کبھی ترشی کی زیادتی اور گاہے کھاری اجزا زیادہ پائے جاتے ہیں۔ لیکن صحت کی حالت میں جب ان کا اعتدال ہوگا تو خون کا ذائقہ نمکین ہوگا۔ سائنس کا ایک ابتدائی طالب علم بھی جانتا ہے کہ ایسڈ (ترشی) اور الکلی (کھار) سے سالٹ (نمک) پیدا ہوتا ہے۔ یہی صورت انسانی خون کی بھی ہے کہ وہ ترشی اور کھار کا مرکب ہونے کی وجہ سے نمکین ہے۔ البتہ اس میں کھاری پن غالب ہے۔ اس حقیقت سے جہاں یہ انکشاف ہوتا ہے کہ خون کا اصل ذائقہ شیریں اور اس کے مرکب کا نمکین ہے وہاں یہ حقیقت بھی واضح ہوتی ہے کہ خون میں صفراء کے علاوہ سودا بھی ہے جس کا ذائقہ ترش ہے اور یہی ترشی صفراء کی تلخی اور خون کی شیرینی سے مل کر تمام مرکب کا ذائقہ نمکین بنا دیتی ہے۔ تجربہ ومشاہدہ اس پر گواہ ہے کہ اگر ہم ترشی اور شیرینی کو ملائیں اور اس میں ضرورت کے مطابق تلخی شامل کرلیں تو اس مرکب کا ذائقہ نمکین بن جائے گا۔ یہاں اس امر کو بھی نظر انداز نہیں کرنا چاہیے کہ بلغم (جو خون کی بنیاد ہے) کے متعلق یہ امر تسلیم کیا گیا ہے کہ اس کے ذائقے صفراء اور سودا کی آمیزش سے بدلتے رہتے ہیں۔ کبھی نمکین، کبھی شور اور کبھی بے مزہ، پھر یہی بلغم جب خون میں تبدیل ہوتی ہے تو اس میں وہی ذائقے قائم رہتے ہیں۔ طبعی بلغم کا ذائقہ ہمیشہ شیریں ہوتا ہیں۔ جو دراصل بنیاد خون ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ایلوپیتھی کا رجوع ایک نئے میدان کی طرف تھا اس لیے جب بھی کسی یونانی مسئلہ کو اپنے نظریہ کے خلاف پایا بلا تحقیق وتدقیق اس کو رد کر دیا۔ سہل پسند معالج اس کو تسلیم کرتے گئے اور حکومت سرپرستی کرتی گئی اور تمام ممالک میں وہی تسلیم کیا جاتا رہا۔ یہاں تک کہ آج ایلوپیتھی کے کسی نظریہ کو جھٹلانا اور اس کی کسی بات کو غلط قرار دینا ایک کار عظیم بن گیا ہے لیکن بہت جلد دنیا ایلوپیتھی کے غیر علمی ہونے کو تسلیم کرلے گی۔

❷ **بلغم** کے متعلق یہ اعتراض کس قدر غلط ہے کہ وہ دماغ اور اعصاب جیسے اعضاء کی غذا نہیں بنتا۔ ان عقلمندوں سے کوئی پوچھے کہ جب آپ خود تسلیم کرتے ہیں کہ خون جو تقریباً چودہ عناصر سے مرکب ہے اس کا ہر عنصر جسم کے کسی نہ کسی عضو کی غذا بنتا ہے مثلاً کیلشیم (چونا) اور فیرم

(فولاد) کا زیادہ حصہ عضلات کی غذا میں صرف ہوتا ہے۔ آیوڈین۔ سلفر (گندھک) اور سالٹس (نمکیات) کا اکثر حصہ جگر اور دیگر غدد اور اسی طرح پوٹاشیم۔ میگنیشم اور فاسفیٹ کا زیادہ حصہ دماغ اور اعصاب کی غذا کے لیے مخصوص ہے تو پھر طب یونانی کے اس نظریہ پر کیوں اعتراض ہے کہ بلغم سرد تر ہونے کی وجہ سے اعصاب اور دماغ کی غذا بنتا ہے۔ اگر اس طرح یقین نہ آئے تو بلغم کا کیمیاوی تجزیہ کر لیں اس میں وہی اجزاء پائے جائیں گے جن کو آپ دماغ اور اعصاب کی غذا تسلیم کرتے ہیں۔

اسی پر بس نہیں۔ غذا کے متعلق بھی سائنس یہ تسلیم کرتی ہے کہ پروٹین زیادہ تر دل اور عضلات کی غذا ہیں۔ فیٹس جگر اور دیگر غدد اور گلیسرین (جو زیادہ تر شکر و نشاستہ (کاربوہائیڈریٹس) سے تیار ہوتی ہے) دماغ اور اعصاب کی غذا میں خرچ ہوتی ہے اب صاحب فہم سمجھ سکتا ہے کہ یہ اعتراض کس قدر بودا ہے کہ بلغم دماغ اور اعصاب کی غذا میں صرف نہیں ہوتی بلکہ وہ بھی صرف خون ہی سے غذا حاصل کرتے ہیں۔

❸ **صفراء** کے متعلق بھی یہی اعتراض ہے کہ وہ پھیپھڑے وغیرہ کسی خاص حصہ کی غذا نہیں بنتا بلکہ تمام بدن کا تغذیہ محض خون سے ہوتا ہے۔ اس کے لیے اوپر والے جواب کو پھر ملاحظہ کریں کہ جسم کے مختلف اعضاء کو خون کے مختلف عناصر کس طرح غذا پہنچاتے ہیں پھر اس امر پر غور کریں کہ پھیپھڑے ایسے اعضاء ہیں جن کا کام خون میں زبردست انقلاب پیدا کرنا ہے جس سے خون کے اندر دو ہواؤں نسیم (آکسیجن گیس) اور دخان (کاربانک گیس) کا ملاپ اور تبدیلی (ٹرانس مشن) ہوتی ہے۔ اس لیے پھیپھڑوں کے جسم کو سخت اور خشک بنایا گیا ہے تاکہ اس کی نالیوں میں رکاوٹ پیدا نہ ہو۔ جب پھیپھڑوں پر سردی اور تری کا اثر ہوتا ہے تو وہاں پر بلغم و ریشہ اور رطوبات پیدا ہو جاتی ہیں اور اس سے ہوا کی نالیوں کے راستے تنگ اور بعض اوقات تقریباً بند ہو جاتے ہیں جس سے سانس میں تنگی پیدا ہو جاتی ہے۔ اس مقصد کے لیے ضروری ہے کہ پھیپھڑوں میں گرمی خشکی کا غلبہ رہے اور یہ مقصد ایسے عناصر سے حاصل ہوتا ہے جن میں سلفر (گندھک) کی زیادتی ہو یا دوسرے معنوں میں ان کی غذا ایسے خون سے ہو جس میں صفراء کے اجزاء غالب ہوں اور عقل بھی اس کو تسلیم کرتی ہے۔ اگر مزید تجربات کی ضرورت ہو تو کسی ایسے شخص کو جس کی صحت بالکل صحیح ہو اس کو سرد تر اغذیہ و اشیاء مثلاً مولی۔ گاجر یا کھیرا ککڑی وغیرہ استعمال کرائیں۔ سردیوں میں تو صرف چند بار سرد پانی پلا دینے سے فوراً تجربہ ہو جائے گا۔ اوّل تو سردی کی زیادتی سے نمونیا ہو جائے گا۔ نہیں تو نزلہ ضرور پھیپھڑوں پر گرنا شروع ہو جائے گا جس سے ہوا کی نالی میں بلغم اور رطوبت رک کر سانس میں رکاوٹ کا باعث ہو گی۔

پھیپھڑوں میں جب کھانسی کا مرض ہوتا ہے تو یہ بھی اس بات کی علامت ہے کہ ان میں سردی خشکی سے سوزش پیدا ہو گئی ہے یا سردی تری سے بلغم پیدا ہو کر ہوا کی نالیوں میں رکاوٹ کا باعث ہوتی ہے اور کھانسی کا عمل اس تکلیف کے اظہار اور رفع کرنے کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے۔ پھر جب گرم خشک اغذیہ یا ادویہ استعمال کرائی جاتی ہیں تو بلغم خشک ہو جاتا ہے اور اگر سوزش ہو تو رفع ہو کر کھانسی رک جاتی ہے۔

تیسرے یہ ایک قانون فطرت ہے کہ جس رنگ کی غذا کھائی جائے، مسلسل استعمال سے جسم کا رنگ بھی وہی ہو جاتا ہے۔ پھیپھڑوں کی غذا خون کے صفراوی اجزاء ہیں جن کا رنگ سرخ زردی مائل ہے اس لیے قدرت نے ان کا رنگ بھی سرخ زردی مائل بنا دیا ہے۔ طوالت کے پیش نظر مزید دلائل ختم کیے جاتے ہیں۔

❹ **سوداء** کے متعلق اعتراضات زیادہ ہیں اس لیے جوابات بھی زیادہ ہوں گے:

① اوّل تو فرنگی طب سودا کا وجود ہی تسلیم نہیں کرتی۔ اس کے جواب میں اخلاط کی پیدائش کے متعلق ہمارا جواب دوبارہ مطالعہ کر لیں۔

② بلغم اور سودا کی طرح یہاں بھی یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ سودا کسی عضو کی غذا نہیں بنتا۔ اس کے متعلق بلغم اور سودا کے جوابات ملاحظہ فرمائیں۔ اس کے بعد جاننا چاہیے کہ طب یونانی نے سودا کا رنگ سیاہی مائل، ذائقہ ترش اور قوام گاڑھا بیان کیا ہے بس انہی تین

علامات کو سامنے رکھ کر انہی سے ہم نہ صرف سودا کی حقیقت واصلیت ثابت کریں گے بلکہ اس کے فوائد کو بھی بہ تشریح بیان کریں گے۔

یہاں یہ امر ذہن نشین کرلیں کہ طب یونانی کے مطابق سوداطحال کے مقام پر جمع ہوتا ہے پھر وہاں سے فم معدہ پر گرتا ہے جس سے بھوک پیدا ہوتی ہے۔فرنگی طب ان سب چیزوں کو تسلیم نہیں کرتی البتہ یہ ضرور تسلیم کرتی ہے کہ معدہ میں ترشی ضرور گرتی ہے جو ان کی تحقیق کے مطابق معدہ کے اندر کی میوکس ممبرین (غشائے مخاطی) سے ترشح پاتی ہے اس سے لامحالہ یہ ماننا پڑے گا کہ غشائے مخاطی یا معدہ میں ترشی خون کے اندر ترشح پاتی ہے یا کسی اور مقام سے وہاں پر گرتی ہے۔اگر خون سے ترشح پاتی ہے تو جیسا کہ فرنگی طب یہ تسلیم کرتی ہے کہ جسم کے ہر حصہ کو خون سے غذا ملتی ہے۔یہ حقیقت تسلیم کرنا پڑے گی کہ خون کے اندر ترشی بھی ہوتی ہے اس کے ساتھ یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ:

1. جب خون میں ترشی بڑھ جاتی ہے تو اس میں کاربانک ایسڈ گیس کی زیادتی پائی جاتی ہے۔
2. خون میں ترشی بڑھ جانے سے اس گاڑھا پن اور
3. سیاہی پیدا ہو جاتی ہے۔یہی علامات طب یونانی پیش کرتی ہے۔اس سے سودا کا ثبوت حاصل ہو گیا۔

اگر ترشی غشائے مخاطی سے گرتی ہے اور خون سے ترشح نہیں پاتی تو پھر وہاں کہاں سے آتی ہے اور وہاں کیسے پیدا ہوتی ہے؟ اوّل تو طب فرنگی کے پاس کوئی جواب نہیں اور کچھ جواب ہو سکتا ہے تو غشائے مخاطی خود ترشی پیدا کرتی ہے بالکل اس طرح جیسے جگر صفراء پیدا کرتا یا خون سے علیحدہ کرتا ہے اور گردے پیشاب پیدا کرتے یا خون سے اس کے اجزا جدا کرتے ہیں۔اس جواب کے بعد بھی یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ خون میں ترشی ہوتی ہے اور غشائے مخاطی کے ذریعہ جدا کی جاتی ہے۔اس سے بھی سودا کی حقیقت خون میں واضح ہو جاتی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ فرنگی طب اس امر کو تسلیم کرتی ہے کہ طحال ایک ایسی غدود ہے جس میں نالی وغیرہ نہیں لگی ہوئی یعنی وہ (Duct less gland) (بے نالی کا غدود) ہے اور اس کے افعال میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ خون کے وہ اجزاء جو جسم میں خرچ ہو جاتے ہیں یا وہ سرخ ذرات جن میں ٹوٹ پھوٹ واقع ہوتی ہے۔ایسا خراب خون اور ٹوٹے ہوئے ذرات کیمیاوی طور پر (کسی نالی کے ذریعہ نہیں) طحال میں جا کر پھر خون کی صحیح صورت اختیار کرتے ہیں۔ہمیں اس امر کی صحت سے انکار نہیں لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ:

1. جب طحال میں کوئی نالی نظر نہیں آتی اور اس میں خراب خون کا جانا اور وہاں سے درست شدہ خون کا واپس آنا تسلیم ہے تو یہ امر بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ ایسا خون اپنے اندر خاص قسم کے اجزاء رکھتا ہے اور اس کی بناوٹ میں بالکل ایک خاص قسم کی شے پائی جاتی ہے جیسے جگر اور گردوں کے افعال کے بعد جب خون صاف ہوتا ہے تو ان کے خون میں بھی خاص قسم کے اوصاف پائے جاتے ہیں تجربہ اور مشاہدہ نے بتایا ہے کہ جگر میں صاف شدہ خون میں سرخی وحرارت (فیرم وسلفر اجزاء کی زیادتی) اور گردوں میں صاف شدہ خون میں خشکی وبرودت (پوٹاشیم وسوڈیم) کی زیادتی پائی جاتی ہے۔اسی طرح طحال سے صاف شدہ خون میں سیاہی وغلظت (کیلشیم اور آیوڈین) پائے جاتے ہیں اور اس طرح خون کی کیمیاوی طور پر درستی وصفائی ہوتی رہتی ہے۔
2. جب خون صاف ہوتا ہے تو اس کا ایک فضلہ بھی باقی رہ جاتا ہے جیسے جگر خون کو صاف کرنے کے بعد اس میں سے خراب قسم کے صفراء کو الگ کر کے پتہ کی طرف بھیج دیتا ہے۔اسی طرح گردے پیشاب کو صاف کر کے اس میں سے پیشابی مواد (یوریا) جدا کر کے مثانہ کے راستے باہر نکال دیتے ہیں۔بعینہٖ طحال جب خون کو صاف کرتی ہے یا خراب خون کو درست کرتی ہے تو پھر اس کا بھی ایک فضلہ بنتا ہے۔آخر وہ کہاں جاتا ہے؟ کیا وہ طحال کے اندر ختم ہو جاتا ہے؟ یا کیمیاوی راستہ سے خون میں شریک ہوتا ہے یا جسم کے کسی عضو یا

حصہ پر گرتا ہے؟ یا کیمیاوی راستہ سے خون میں شریک ہوتا ہے یا جسم کے کسی عضو یا حصہ پر گرتا ہے اور اس کو گرنا بھی چاہیے۔

جو کچھ اوپر بیان کیا گیا ہے اگر مسلمہ حقائق اور روزانہ کے تجربات و مشاہدات پر مبنی ہے تو تسلیم کرنا پڑے گا کہ طحال میں صاف ہونے کے بعد جو خون دوران خون میں شریک ہوتا ہے اس میں خاص قسم کے اجزاء شریک ہوتے ہیں جن کا خون میں شریک ہونا ضروری ہے ان سے بعض اعضائے جسم خصوصاً قلب اور عضلات کو تقویت پیدا ہوتی ہے اور جو کچھ فضلہ بچتا ہے وہ بھی طحال میں پڑا نہیں رہ جاتا بلکہ کیمیاوی طور پر جسم کے کسی حصہ یا عضو پر گرتا ہے۔ یہی چیز ہے جس کو طب یونانی سودا کہتی ہے جو طحال سے معدہ پر گرتا ہے۔ جب اس حقیقت سے انکار نہیں کہ معدہ پر ترشی گرتی ہے اور پھر اس امر سے بھی انکار نہیں کہ طحال میں صاف شدہ خون کا فضلہ ہوتا ہے تو پھر وہ معدہ پر گرتا کس طرح ہے۔ اس ذریعہ (Process) کو جان لینا سائنس کا کام ہے ہم اس کی حقیقت اپنی کتاب ''منافع الاعضا'' میں بیان کریں گے۔

بھوک اور سوداء

مندرجہ بالا حقائق سے یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ سودا کا وجود ہے اور وہ طحال میں جمع ہوتا ہے اور وہاں سے معدہ پر گرتا ہے باقی یہ امر کہ وہ بھوک لگاتا ہے یا بھوک کا تعلق اعصاب کے تحت ہے اس مسئلہ میں بھی فرنگی طب غلطی پر ہے اور اس سلسلہ میں ان کی تحقیقات نفی کے برابر ہیں۔ کیونکہ جہاں تک مفرد اعضاء کے افعال کا تعلق ہے فرنگی طب اور سائنس کی تحقیقات اس بارے میں نہ ہونے کے برابر ہیں اور اسی لیے انہوں نے فزیالوجی (منافع الاعضاء) میں شرمناک غلطیاں کی ہیں۔ مثلاً فرنگی طب یہ تو جانتی ہے کہ بھوک کا احساس اعصاب سے ہوتا ہے۔ طب یونانی میں بھی یہ ایک مسلمہ امر ہے اور ہم بھی تسلیم کرتے ہیں مگر اس امر کا قطعاً علم نہیں ہے کہ جب اعصاب کسی بات کا احساس کرتے ہیں تو دیگر مفرد اعضاء کی اس وقت کیا حالت ہوتی ہے کہ وہ بھی اس کے فعل میں شریک ہوتے ہیں مثلاً بھوک لگنے کا فعل بھی ایک عصبی احساس ہے کسی کو اس سے انکار نہیں بلکہ بدن کے جملہ احساسات کا تعلق اعصاب ہی سے ہے لیکن یہ جاننا چاہیے کہ جب اعصاب اپنے احساسات کا اظہار کرتے ہیں تو اس وقت نہ ان پر رطوبات کی زیادتی ہوتی ہے جو سردی کے بڑھ جانے کا نتیجہ ہے اور نہ خون کی زیادتی جو گرمی سے زیادہ ہو جاتی ہے۔ دوسرے معنوں میں یوں سمجھ لیں کہ دوران خون کی اگر اعصاب کی طرف کمی ہو جائے تو وہاں پر حرارت کم ہو کر سردی کی وجہ سے رطوبات زیادہ ہو جائیں گی اور اسی طرح اس طرف دوران خون کی زیادتی سے حرارت کی کثرت ہو جائے گی اور دونوں صورتوں میں اعصاب کے افعال صحیح حالت میں نہیں رہیں گے اوّل صورت میں جسم کے اندر پوٹاشیم سوڈیم، میگنیشیم، ہائیڈروجن گیس اور الکلی کی زیادتی ہو جائے گی۔ دوسری صورت میں سلفر، فیرم کیلشیم بڑھ جائے گا اور اس جگہ آکسیجن اور نمک کی زیادتی ہو جائے گی۔ جب اعصاب کے افعال صحیح حالت میں نہیں ہوں گے تو پھر ان کا احساس بھی چاہے بھوک کے لیے ہو یا جنسی صحیح طور پر نہ ہوگا۔ اس امر کے لیے لازمی ہے کہ اعصاب اپنی صحیح حالت پر ہوں۔ اعصاب اپنی صحیح حالت پر اسی وقت رہ سکتے ہیں جب دل کا فعل صحیح ہو اور وہ صحیح طور پر اپنا خون اعصاب کی طرف روانہ کر رہا ہو اور کیمیاوی طور پر خون کے عناصر درست ہوں۔ دل کا فعل اسی صورت میں درست حالت میں قائم رہتا ہے کہ جب ان کے عضلات میں انقباض و انبساط اعتدال پر رہے اور جاننا چاہیے کہ دل کا انقباض خون کی اس ترشی پر قائم رہتا ہے جو عضلات پر ترشح پاتی ہے اور خون میں شریک ہوتی ہے چونکہ معدہ کا تعلق غذا کے ساتھ ہے اس لیے جب معدہ کے عضلات پر ترشی کا اثر ہوتا ہے تو ان میں انقباض پیدا ہوتا ہے جس سے اعصاب کی طرف سے رطوبات جذب ہو جاتی ہیں اور اعصاب میں تناؤ اور سختی پیدا ہو جاتی ہے۔ پھر ان کے درمیان برقی رو (Electricity) تیزی سے گزرنا شروع کر دیتی ہے اور اعصاب کے فعل میں

احساس کی تیزی بڑھ جاتی ہے۔

ان حقائق سے جہاں یہ ثابت ہوتا ہے کہ ترشی عضلات معدہ پر گر کر بھوک لگاتی ہے وہاں یہ امر بھی سامنے آ جاتا ہے کہ بھوک لگنے میں صرف اعصاب کو دخل نہیں ہے بلکہ اس میں عضلات اور غشائے مخاطی بھی برابر کی شریک ہیں۔ اس روشنی میں اس امر کا بھی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ فرنگی طب کی تحقیقات کس حد تک غیر علمی اور اس کا علاج مریضوں کے لیے کتنا نقصان رساں ہے۔

بھوک لگنے میں ترشی کو جو دخل ہے وہ اوپر بیان کر دیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ ہمارا روزانہ کا تجربہ و مشاہدہ ہے کہ ترش اشیاء اور اغذیہ کھانے سے فوراً بھوک لگ جاتی ہے اس لیے قدرت نے:

1. پھلوں میں اکثر ترشی کا حصہ غالب رکھا ہے۔
2. اور پھر جو اغذیہ و اشربا کچھ دن پڑی رہیں۔ ان میں ترشی پیدا ہو جاتی ہے۔
3. گویا ترشی خمیر کی پیداوار ہے۔
4. خمیر اپنے اندر طاقت رکھتا ہے۔
5. اسی خمیر سے الی (پھپھوندی) پیدا ہوتی ہے جس سے پن سلین تیار کی جاتی ہے جس کی طاقت و حرارت ایک مسلمہ امر ہے۔
6. یہی خمیر ہے جس سے سرکہ تیار ہوتا ہے جو انتہائی مقوی اور اشتہا آور معدہ ہے۔
7. آخر میں یہ حقیقت بھی سن لیں کہ یہی خمیر ہے جس سے شراب تیار کی جاتی ہے جس کی گرمی اور فوری طاقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔

مندرجہ بالا تمام اشیاء میں ترشی کا اثر داخل ہے اور سب کی سب انتہائی بھوک لگاتی ہیں۔ ان حقائق کے بعد بھی اگر فرنگی طب کے معالج اور سائنس دان اپنی آنکھیں بند کر لیں تو پھر اس کو کور ذوقی اور تعصب کے سوا اور کیا کہا جاسکتا ہے ورنہ ان کی موجودگی میں کوئی اہل علم و عقل سودا اور اس کے افعال سے انکار نہیں کرے گا۔

④ اعضاء

اعضائے جسم انسان کا علم فن علاج میں اولین اور بنیادی ضرورت ہے۔ کیونکہ علاج کا تعلق انہی کے ساتھ ہے۔ اگر اعضاء کا صحیح تصور، ان کی ماہیت اور حقیقی مقام کا علم نہ ہو تو یقین کے ساتھ علاج کرنا تقریباً ناممکن ہے۔ اس کی مثال بالکل ایک مشین کی ہے جس کے تمام پرزوں اور ان کے افعال و مقام کا علم اس کے چلانے والے کو ہونا لازمی ہے ورنہ اوّل تو وہ اس کو چلا نہیں سکتا اور چلا بھی لے تو بگڑنے کی صورت میں درست نہیں کر سکتا۔

فرنگی طب کا دعویٰ ہے کہ اس کو نہ صرف اعضائے انسان کا پہلے اور قدیم طریقہ ہائے علاج سے زیادہ بلکہ صحیح اور حقیقی علم ہے۔ کیونکہ اس تحقیق میں سائنس نے بھی اس کی بہت مدد کی ہے اور مسلسل تجربات و مشاہدات اور قیمتی آلات کی مدد سے یہ علم حاصل کیا گیا ہے مگر ہم اس باب میں واضح کریں گے کہ اس باب میں بھی ان سے کس قدر فاش غلطیاں ہوئی ہیں اور خصوصاً منافع الاعضاء میں انہوں نے کیسی کیسی قلابازیاں لگائی ہیں۔ عجیب بات یہ ہے کہ جہاں تک اعضاء کے باہمی تعلق کی صورت ہے اس میں فرنگی طب کی تحقیقات صفر کے برابر ہیں۔ مثلاً اعضائے رئیسہ اور خادم الرئیسہ کے افعال کا باہمی تطابق۔ مفرد اور مرکب اعضاء کا تعلق اور خاص طور پر یہ کہ مرکب اعضا اپنے افعال کس طرح انجام دیتے ہیں۔ ان سے بڑھ کر یہ بات ہے کہ دوران خون کا مختلف اعضاء پر کیا اثر ہوتا ہے مثلاً اگر دوران خون کی تیزی اعضائے رئیسہ میں سے کسی ایک کی طرف زیادہ تیز ہو تو باقی دو کی اس وقت کیا حالت اور کیفیت ہوتی ہے۔ اس قسم کے اور کئی حقائق ہیں جن کا تعلق انسان کے جسم، صحت، بقائے حیات اور بقائے نسل کے ساتھ ہے۔ مگر فرنگی طب ان مسائل میں تقریباً خاموش ہے۔ ہم ان سب مسائل پر نہ صرف تفصیلی بحث کریں گے بلکہ یورپی طب کی غلطیاں بھی واضح کرتے جائیں گے۔

پیدائش اعضاء

شیخ الرئیس لکھتے ہیں:

(وہی اجسامٌ متوالدة من اول مزاج الاخلاط کما ان الاخلاط اجسامٌ متولدة من اول مزاج الارکان).

''اعضاء وہ اجسام ہیں جو اخلاط کی ابتدائی ترکیب سے پیدا ہوتے ہیں جیسا کہ اخلاط ایسے اجسام ہیں جو ارکان کی ابتدائی ترکیب سے پیدا ہوئے ہیں''۔

جاننا چاہیے کہ ارکان کی ابتدائی ترکیب سے نباتات اور حیوانات بنتے ہیں جن کے کھانے سے پہلے پہل بدن انسان میں اخلاط پیدا ہوتے ہیں۔ انہی اخلاط کی ابتدائی ترکیب سے جو رطوبت بنتی ہے۔ اس سے اعضاء ظہور میں آتے ہیں۔ اس رطوبت کا نام ''رطوبت ثانیہ'' رکھا گیا ہے۔

فرنگی طب میں چونکہ ارکان، مزاج اور اخلاط کی دقیق و نازک مباحث کا تذکرہ نہیں ہے اس لیے اس میں انسان کی پیدائش کو مرد و عورت کے نطفہ سے شروع کیا ہے اور اس میں اپنی دقیق و نازک تحقیقات کا ذکر کیا ہے۔ مثلاً مرد کی منی میں کرم ہوتے ہیں اور عورت کی منی میں بیضے، اور جب مرد کی منی عورت کے رحم میں داخل ہوتی ہے تو مرد کے کرم منی بیضہ انثی کے قریب جا کر اس کے اندر داخل ہو جاتے ہیں۔ پھر اس

کے اندر بہت سی تبدیلیاں ہوتی ہیں اور پھر دونوں یک جان ہو کر بڑھنے لگتے ہیں اور جب وہ بڑھ کر خوشہ شہتوت کے برابر ہو جاتا ہے تو پھر چار حصوں میں تقسیم ہو جاتا ہے۔ یہ تقسیم چار پردوں کی صورت میں ہوتی ہے۔ جن کو فرنگی طب نے ٹشوز کا نام دیا ہے۔ جن کو انسجہ کہنا چاہیے۔ چونکہ ان کی بناوٹ بالکل ایسی ہوتی ہے جیسے بافندہ کا کپڑا بنا ہوتا ہے اس لیے ان کو بافت بھی کہتے ہیں۔

حیوانی ذرہ

ان ٹشوز (انسجہ) کے متعلق فرنگی طب لکھتی ہے کہ ان کی بناوٹ و بافت اور ترتیب وترکیب سیل (Cell) کے مجموعوں سے ہوتی ہے۔ جس کو ہم "خلیہ" کہتے ہیں۔ گویا خلیہ انسانی جسم کا ایک ابتدائی ذرہ ہے۔ چونکہ اس میں ایک جداگانہ زندگی اور اس کے افعال تسلیم کیے گئے ہیں۔ اس لیے اس کو حیوانی ذرہ بھی کہتے ہیں یعنی تمام جسم انسانی انہی حیوانی ذروں سے ترتیب وترکیب پاتا ہے جن کی تفصیل کتب میں بھری پڑی ہیں۔ آج کل یہ بالکل جدا ایک فن بن گیا ہے۔ جس طرح علم الجراثیم بھی ایک فن بن گیا ہے۔

انسجہ کی تقسیم

فرنگی طب اور ماڈرن سائنس نے اپنی تحقیقات سے ثابت کیا ہے کہ ان خلیات (حیوانی ذروں) کے جسم انسانی میں چار قسم کے مجموعے ہیں۔ جن کو ٹشوز (انسجہ یا بافت) کہا جاتا ہے۔ یہی چار اقسام کے ٹشوز (انسجہ) انسان کے اعضاء اور جسم بناتے ہیں۔ یہ بات یاد رکھیں کہ ایک خاص قسم کی ساخت اور بافت بنتی ہے اس خاص قسم کی ساخت یا بافت کو "نسج" کہتے ہیں جن کی جمع "انسجہ" ہے۔ یہ انسجہ ہی اعضاء بناتے ہیں۔ ان انسجہ یا اعضائے جسم کے افعال وفوائد وہی ہیں۔ جو ان خلیات کے ہیں جن کے وہ مجموعے ہیں۔ انہی انسجہ کو انگریزی میں "ٹشوز" کہتے ہیں۔ یہی انسجہ ٹشوز یعنی خلیات کے مجموعے کی ساختیں اور بافتیں دراصل جسم کے مفرد اعضاء ہیں۔

اقسام انسجہ

یہ انسجہ (ٹشوز) چار قسم کے ہوتے ہیں جو درج ذیل ہیں: ❶ نسج لحمی (مسکولر ٹشوز) اس سے عضلات (لحم۔ گوشت) جسم تیار ہوتے ہیں ❷ نسج عصبی (نروس ٹشوز) ان سے اعصاب جسم تیار ہوتے ہیں ❸ نسج قشری (اپی تھیلیل ٹشوز) ان سے جھلیاں اور غدود (گلٹیاں) بنتے ہیں ❹ نسج الحاقی (کنکٹو ٹشوز) ان سے باقی تمام جسم کی بھرتی ہوتی ہے جیسے ہڈی، رباط اور وتر وغیرہ۔

ان تمام انسجہ سے بعض اعضاء صرف ایک ہی قسم کی ساخت کے بنتے ہیں۔ جیسے اعصاب وعضلات اور غدد۔ اسی طرح ہڈی ورباط اور وتر کی بافت تیار ہوتی ہے لیکن یہ مفرد اعضاء بعض مقامات پر آپس میں ایک دوسرے سے باہم جڑے اور ملے ہوتے ہیں۔ اور بعض اعضاء کی ساخت اور بافت میں مختلف اقسام کے انسجہ شریک ہوتے ہیں جیسے جلد وجھلیاں اور عروق وغیرہ۔ فرنگی طب میں اس کو علم انسجہ (ہسٹالوجی) کہتے ہیں۔ لیکن وہ ان کی فزیالوجی (منافع الاعضاء) سے واقف نہیں ہیں جن پر ہم نظریہ مفرد اعضاء کے تحت روشنی ڈالیں گے اور ثابت کریں گے کہ وہ ان کی تخلیق وماہیت اور افعال وتعلق باہم کیا ہیں اور پھر غلط ثابت کرنے والوں کو چیلنج کرتے ہیں۔

فرنگی طب کو ناز ہے کہ اس نے تشریح الابدان (اناٹومی) اور منافع الاعضاء (فزیالوجی) میں بہت لمبی چوڑی تحقیقات کی ہے۔ ظاہر میں بھی ایسا ہی معلوم ہوتا ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ وہ تحقیق تو ضرور کرتی رہی ہے مگر وہ غلط راستہ پر چلتی رہی ہے، جیسے کعبہ کی طرف جانے والا

ترکستان کے پرکشش راستہ کو اختیار کر لے، وہ چلتا تو ضرور گیا ہے مگر منزل مقصود سے بہت دور جا پڑا ہے۔ پھر آنے والی نسلوں نے ترکستان کو ہی منزل مقصود قرار دے دیا ہے یہی حال فرنگی طب کی تحقیق کا ہے۔

فرنگی طب کو سب سے زیادہ ناز سیل وٹشو (خلیہ ونسیج) کی ریسرچ (تحقیق) پر ہے لیکن اگر وہ باغور طب قدیم کا مطالعہ کرتی تو اس میں اس سے بہتر صورتیں نظر آ جاتیں اور تحقیقات میں ایک سیدھا راستہ بھی ہاتھ آ جاتا۔ یہ امر ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے کہ منزل تحقیقات کے لیے صراط المستقیم کا ہونا بھی ضروری ہے۔ اسلام نے اس پر بہت زور دیا ہے۔ اسی کو انگریزی میں لائن آف ایکشن (Line of Action) کہتے ہیں۔ اور یہی فطری طریق تحقیق ہے۔

سیل (حیوانی ذرہ۔ خلیہ) پر اگر غور کریں تو تحقیق کا یہ ایک راز معلوم ہوتا ہے کہ یہ حیوانی ذرہ جوہر اور مادہ کی ابتدائی صورت ہے۔ جن کے ذہن میں ہماری جوہر و مادہ اور صورت کی بحث محفوظ ہے وہ خود اندازہ لگا لیں گے کہ حیوانی ذرہ (سیل) جوہر و مادہ کی ابتدائی صورت ہے جو مفرد اعضاء (انسجہ) کی درمیانی حالت ہے جس کو خوردبین کی آنکھ نے دیکھا ہے۔ لیکن طب قدیم نے حیوانی ذرہ سے پہلی حالتیں جوہر اور مادہ کو بڑی خوبصورتی سے بیان کر دیا ہے۔ شیخ الرئیس کے الفاظ پر غور کریں کہ وہ پیدائش اعضاء پر لکھتے ہیں کہ ''اعضاء وہ اجسام ہیں جو اخلاط کی ابتدائی ترکیب سے پیدا ہوتے ہیں''۔ جس کی مثال بھی بیان کر دی ''جیسا کہ اخلاط ایسے اجسام ہیں جو ارکان کی ابتدائی ترکیب سے پیدا ہوتے ہیں''۔ لطف کی بات یہ ہے کہ مادہ اور صورت میں کوئی فرق نہیں آیا۔ بلکہ صورت (حیوانی ذرہ اور نسج) اور مفرد اعضاء جو صرف آنکھ سے نظر آ سکتے ہیں ان کی ماہیت اور عمل میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اگر کوئی ان میں فرق پیدا کر دے تو ہم اس کو چیلنج کرتے ہیں۔ گویا شیخ الرئیس نے جوہر و مادہ اور صورت تک سب کچھ بیان کر دیا ہے۔

غور کریں کہ طب قدیم چار اخلاط تسلیم کرتی ہے اور ہر خلط اپنا ایک الگ مزاج اور عمل رکھتی ہے اور فرنگی طب چار اقسام کے انسجہ (ٹشوز) بیان کرتی ہے۔ ہماری تحقیق یہ ہے کہ ہر قسم کے انسجہ میں طب قدیم کی ایک خلط پائی جاتی ہے اور اسی سے وہ غذا اور زندگی حاصل کرتی ہے۔ تطبیق یوں ہے: ❶ اعصابی انسجہ میں بلغم ❷ عضلاتی انسجہ میں خون ❸ کبدی انسجہ میں صفرا اور ❹ طحالی انسجہ میں سودا کے محلول پائے جاتے ہیں جو ان کی غذا اور عامل (ایری ٹیٹ) ہیں اور جب انہی محلولات میں انسجہ (مفرد اعضاء) کے اندر جب خمیر پیدا ہوتا ہے تو وہاں پر ان کے خاص قسم کے جراثیم پیدا ہو جاتے ہیں۔ ہماری تحقیق سے یہ بات بھی سمجھ لیں کہ جراثیم بھی ابتدائی طور پر تین قسم کے ہیں ❶ جراثیم عصی (بیسی لائی) ڈنڈا نما۔ جہاں پر اعصابی ہیں وہاں پر غیر طبعی بلغم پیدا کرتے ہیں۔ بلغم کے جس قدر غیر طبعی اقسام ہیں۔ ان کے اقسام جراثیم سے تطبیق پاتے ہیں ❷ جراثیم کرویہ (کا کائی) گیند نما۔ جہاں پر کبدی ہیں وہاں پر غیر طبعی صفراء پیدا کرتے ہیں۔ صفراء کے جس قدر غیر طبعی اقسام ہیں ان کے اقسام کو جراثیم سے تطبیق دے دیں ❸ جراثیم حلزونیہ (وبریو) گھونگھا نما۔ جہاں پر عضلاتی ہیں وہاں پر غیر طبعی سودا پیدا کرتے ہیں۔ سودا کی جس قدر غیر طبعی اقسام ہیں ان کے اقسام جراثیم سے تطبیق پا جاتے ہیں۔ یہ سب کچھ انتہائی اختصار سے بیان کیا گیا ہے ان کی تفصیل ہم اپنے رسائل میں بیان کر چکے ہیں۔

جاننا چاہیے کہ فرنگی طب نے تین قسم کے انسجہ ❶ اعصابی ❷ عضلاتی ❸ غدی کو حیاتی تسلیم کیا ہے۔ مگر الحاقی کو ادنیٰ قسم مانا ہے۔ اسی طرح طب یونانی نے بھی سوداء کو گھٹیا خلط کہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آیورویدک نے تین دوش (وات۔ پت۔ کف) مانے ہیں۔ چوتھے خون (رکت) کو الگ کر دیا ہے۔ ہم نے طب قدیم اور آیورویدک کو ماڈرن سائنس کے ساتھ تطبیق دیتے ہوئے صرف تین ہی انسجہ کو حیاتی اور فعلی تسلیم کیا ہے۔ تاکہ دنیا کی کوئی طبی تحقیق ہماری اس تحقیق سے انکار نہ کر سکے۔ یہ ہماری تحقیق وتجدید علم وفن جو صرف خداوند حکیم وکریم کے فضل و کرم سے ہمیں نوازی گئی ہے۔ کیا طبی دنیا میں کوئی ہے جو اس کا مقابلہ کر سکے۔ یہ ایک نیا فلسفہ اور نئی حقیقت ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ فرنگی طب اور ماڈرن سائنس اپنی تمام تحقیقات میں جوہر اور روح کو نظر انداز کر دیتی ہے اور مادہ اور جسم کو اپنے سامنے رکھتی ہے جس کی وجہ سے وہ حقیقت اور صدق سے بہت دور نکل جاتی ہے۔ چونکہ اس کی تحقیق کی بنیاد نہیں ہوتی۔ اس لیے ادھر ادھر ہاتھ پاؤں مارتی ہے اور سر پٹختی ہے پھر نئی راہیں تلاش کرتی ہے۔ ہم اسلام کی بات نہیں کرتے اس کی تو بنیاد ہی ایمان بالغیب ہے جہاں سے وہ جوہر و روح پیدا کیے ہیں جن سے یہ مادہ اور جسم بنتے ہیں ہم عیسائیت کی بات کرتے ہیں جس کو فرنگی قوم اختیار کیے ہوئے ہے جس میں مادیت کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ گویا ایک بغیر روح لاشہ اٹھائے پھرتے ہیں جس سے دماغ کو تسکین ہے اور نہ ہی دل کو اطمینان ہے۔

فرنگی طب میں تقسیم اعضاء

فرنگی طب نے اعضاء میں حیات وقوت پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ خلیہ ایک ایسا حیوانی ذرہ ہے جس کو انسانی جسم کی ایک ایسی اینٹ کہنا چاہیے جس کے مرکز میں جوہر حیات ہے جس کی وجہ سے اس میں طبعی وعضوی اور کیمیاوی وحیاتی افعال مکمل طور پر پورے ہوتے ہیں۔ یعنی تغذیہ وتنمیہ اور تصفیہ تنسیم کے اعمال کے ساتھ اس میں نشو وارتقاء اور تولد وتناسل کی قوت ہوتی ہے۔ یعنی زندہ رہتا ہے۔ غذا حاصل کرتا ہے۔ بڑھتا ہے اپنے فضلات خارج کرتا ہے۔ نسیم جذب کرتا ہے۔ بڑھ کر اپنے کمال تک پہنچتا ہے اور اپنی مثل پیدا کرتا ہے۔ دیگر الفاظ میں اس طرح سمجھ لیں کہ زندگی کے تمام لوازم حیات (قوت وحرارت اور رطوبت) اس میں پائے جاتے ہیں۔ اور ضرورت کے مطابق بڑھتے گھٹتے رہتے ہیں۔ اس لیے خلیہ کو حیوانی ذرہ کہتے ہیں اور انسان انہی حیوانی ذروں کے مجموعوں (انسجہ) سے مرکب ہے۔

خلیہ کی ماہیت

خلیہ کو کیسہ (سیل) بھی کہتے ہیں۔ یہ انتہائی چھوٹا سا ذرہ ہوتا ہے۔ یہ جسامت کے لحاظ سے مختلف اقسام کے ہوتے ہیں۔ بعض خلیے اس قدر چھوٹے ہوتے ہیں جو بغیر خوردبین کے نظر نہیں آ سکتے ان خلیات کی جسامت کا اندازہ اس طرح لگا سکتے ہیں کہ ایک انچ لمبی قطار میں ایک سو سے لے کر چھ ہزار (۱/۱۰۱ سے ۱/۶۰۰۰) تک آ جاتے ہیں۔ یہی خلیات جب باہم مل جاتے ہیں تو نسج (ٹشو) بناتے ہیں۔ خلیہ کی ساخت کو کم از کم چار حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے ❶ خلیہ کی تھیلی ❷ مادہ حیات ❸ جوہر حیات ❹ مرکز حیات۔ جن کی کلی ماہیت اور ان سے تیار ہونے والے انسجہ واعضاء مفردہ ومرکبہ کی تفصیلات کتب طبیہ وتشریح اور منافع الاعضاء میں بھری پڑی ہیں۔ لیکن ان میں انسجہ (مفرد اعضاء) کی انفرادی ماہیت وافعال اور باہمی تعلقات کا کہیں ذکر نہیں آتا۔ سب سے بڑا نقص یہ ہے کہ ماہیت امراض (پیتھالوجی) میں امراض کو مرکب اعضاء کی خرابی اور بگاڑ کو تسلیم کیا ہے چاہے ان کا سبب جراثیم ہوں یا کیمیاوی تغیرات۔ بہر حال ماہیت امراض میں انسجہ (مفرد اعضاء) کو کہیں دخل نہیں ہے۔ ان کے برعکس طب قدیم نے ان مفردات کی پیدائش سے قبل ہی مادہ کے تغیر کو ہی ماہیت مرض تسلیم کر لیا ہے اس طرح کیمیاوی تغیرات اور جراثیم کی پیدائش سے قبل ہی امراض کی صورت سامنے آ جاتی ہے۔ یہی فطرتی کمال ہے۔

طب قدیم میں تقسیم اعضاء

شیخ الرئیس اعضاء کو اخلاط کی ابتدائی ترکیب (رطوبت ثانیہ) سے پیدائش کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

(وھی تنقسم الی رئیسة وغیر رئیسه والتی لیست برئیسة تنقسم الی خادمة الرئیسة والی غیر خادمة

الرئیسة والتی لیست بخادمة الرئیسة تنقسم الی مروسة والی غیر مرؤسة).

''اعضاء کی دو قسمیں ہیں: ❶ رئیسہ ❷ غیر رئیسہ۔ پھر جو اعضائے رئیسہ نہیں ہیں ان کی بھی دو قسمیں ہیں: ❶ خادم رئیس ❷ غیر خادم رئیس۔ اور پھر غیر خادم رئیس کی بھی دو قسمیں ہیں: ❶ مروسہ ❷ غیر مروسہ''۔

ان سب کی تعریفیں ذیل میں بیان کی جاتی ہیں۔ شیخ الرئیس لکھتے ہیں:

(اما الاعضاء الرئیسة فهی التی تکون مبادی للقویٰ محتاجًا الیهانی بقاء انشخص اولنوع. اما بحسب ابقا انشخص نثلثة القلب وهو مبد اقوة الحیوٰة. والدماغ وهو مبداء قوة الحس والحوکة. والکبد وهو مبدأ قوة التفذیه. واما بحسب بقاء النوع فهذه الثلثة مع رابع وهو الانیثان).

''اعضائے رئیسہ وہ اعضاء ہیں جو قوتوں کے مبادی (سرچشمہ) ہیں (یعنی قوتیں انہی سے پیدا ہوتی ہیں) اور بقائے شخص یا نسل کے لیے ان کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس لیے بقائے شخص کے لیے اعضائے رئیسہ ہیں ① قلب جو قوت حیوانیہ کا مبدا اور سرچشمہ ہے ② دماغ جو قوت حس و حرکت کا مبدا اور سرچشمہ ہے ③ جگر جو قوت تغذیہ کا مبدا اور سرچشمہ ہے۔ لیکن بقائے نسل کے لیے تین تو یہی ہیں اور ان کے ساتھ چوتھے انثیین ہیں''۔

قابلِ غور بات یہ ہے کہ طب قدیم نے اعضائے جسم کو شخصی طور پر تین صورتوں میں اور نسلی طور پر چار صوتوں میں نہ صرف تقسیم کر دیا ہے بلکہ ان کے جدا جدا ابتدائی افعال بھی بیان کر دیئے ہیں اور یہی افعال ان کے کیمیاوی مواد (اخلاط) کے بھی ہیں جن سے نہ صرف یہ اعضاء تیار ہوتے ہیں بلکہ انہی سے ان کا تغذیہ بھی ہوتا ہے۔

خلیات کے افعال وقویٰ سے ناواقف

طب قدیم نے جس خوبصورتی سے اعضائے رئیسہ کے افعال وقویٰ بیان کیے ہیں اور انہی کو انہوں نے مفرد اعضاء بیان کیا ہے جن کی ہم آئندہ مکمل تشریح کریں گے۔ فرنگی طب نے اپنے مفرد اعضاء (انسجہ) کے افعال وقویٰ کو اس طرح بیان نہیں کیا۔ اس نے نہ انسجہ کے افعال وقویٰ کی تشریح کی ہے اور نہ ہی ان کے باہمی تعلق کو ظاہر کیا ہے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ان کی پیدائش اور تغذیہ جن کیمیاوی مواد سے ہوتا ہے ان کی تفصیل بیان نہیں کی۔ وہ تو ہر انسجہ بلکہ ہر عضو کی غذا صرف خون سے تسلیم کرتی ہے۔ جب وہ ان کے جداگانہ کیمیاوی مواد کا تجزیہ کر لے گی وہ فوراً اخلاط اور مزاج کو تسلیم کر لے گی۔ یہ وہ راز ہیں جن کو ابھی فرنگی طب کو اپنے خلیات (سیلز) اور علم الحیات (بائیولوجی) میں تحقیقات کرتے ہیں۔ یہ افعال وقوتیں جسم میں کس طرح اثر انداز ہوتی ہیں ان کے متعلق باقی اعضا کی تعریفیں بیان کی جاتی ہیں۔ شیخ الرئیس لکھتے ہیں:

(اما خادمة الرئیسة نمثل الاعصاب الدماغ والشرائین القلب والاوردة الکبد وادعیه المنی الانیشین).

''اعضائے خادم الرئیس جیسے اعصاب دماغ کے لیے شرائین قلب کے لیے وریدیں جگر کے لیے اور ادعیہ منی انیثین کے لیے ہیں''۔

فرنگی طب کا اعتراض

یہاں پر فرنگی طب کا اعتراض ہے کہ شریانوں کی طرح وریدوں کا مرکز بھی قلب ہے۔ وہ جگر سے نہیں نکلتیں بلکہ ان کا تعلق بھی قلب کے ساتھ ہے۔

طب قدیم کا جواب

یہ ایک ایسا دقیق تحقیقاتی مسئلہ ہے جس سے فرنگی طب بے خبر ہے۔ اگر چہ علم الانسجہ اس کو پورے طور پر تسلیم کرتی ہیں۔ ہم اس کی اس مشکل کو اپنی تحقیقات سے حل کرتے ہیں اور ان کی بے خبری کو دور کرتے ہیں۔ جاننا چاہیے کہ دماغ انسجہ اعصابی سے بنا ہوا ہے اور اس پر دو عدد پردے ہوتے ہیں۔ ایک پردہ غشائی جو انسجہ قشری سے بنا ہوا ہے اور دوسرا پردہ حجابی ہے جو انسجہ عضلاتی سے بنا ہوا ہے۔ اسی طرح قلب انسجہ عضلاتی سے بنا ہوا ہے اور اس پر بھی دو پردے ہیں۔ ایک پردہ غشائی ہے جو انسجہ قشری سے بنا ہوا ہے۔ دوسرا پردہ مخاطی ہے جو انسجہ اعصابی سے بنا ہوا ہے۔ بالکل اسی طرح جگر انسجہ قشری سے بنا ہوا ہے اور اس پر بھی دو پردے ہیں۔ ایک عضلاتی اور دوسرا اعصابی ہے۔ اس تحقیق سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جس طرح دماغ اور اعصاب کے انسجہ کی ترتیب و بناوٹ ایک ہے اسی طرح قلب اور شرائین کی ترتیب و بناوٹ کی ایک ہی صورت ہے بالکل اسی طرح جگر اور وریدوں کی ترتیب و بناوٹ ہم شکل ہے۔ اسی لیے اعصاب و شرائین اور وریدین اپنی خدمت سے دماغ و قلب اور جگر کے خادم ہیں۔ یہ وہ راز ہے جس سے آج تک فرنگی طب اور اس کی ماڈرن سائنس بے خبر ہے۔ کیا کوئی اس حقیقت کا جواب دے سکتا ہے۔

فرنگی طب کا اعتراض

فرنگی طب کا ایک اعتراض یہ ہے کہ طب قدیم جو یہ تسلیم کرتی ہے کہ تمام اعضاء کا تغذیہ وریدی خون سے ہوتا ہے جو جگر سے تمام بدن میں وریدوں کے ذریعہ پہنچتا ہے اور شریانی خون بالکل خرچ ہی نہیں ہوتا برائے نام خرچ ہوتا ہے۔ شریانوں کا کام اپنی روح حیوانی کے ذریعہ اعضاء میں قوت حیات پہنچانا ہے۔ کیونکہ فرنگی طب اور ماڈرن سائنس نے تحقیق کیا ہے کہ تمام اعضاء کا تغذیہ شریانی خون سے ہوتا ہے اور وریدوں کے خون سے اعضاء کا بچا ہوا سیاہی مائل خون قلب کی طرف واپس آتا ہے تاکہ قلب پھیپھڑوں میں بھیج کر اسے دوبارہ صاف کر سکے۔ غرض شریانی خون برابر خرچ ہوتا رہتا ہے جس سے برابر اعضاء کا تغذیہ ہوتا رہتا ہے۔ اور اس میں قوت حیات بھی قائم رہتی ہے۔

طب قدیم کا جواب

فرنگی طب اور ماڈرن سائنس اس حقیقت کو تسلیم کرتی ہے کہ جو کیموس اور کیلوس غذا کے بعد تیار ہوتا ہے وہ جب تک جگر میں پختہ نہ ہو اس میں نہ حرارت پیدا ہوتی ہے اور نہ ہی اس کا رنگ شوخ سرخ ہوتا ہے۔ دوسرے یہ بھی تسلیم کرتی ہے کہ جگر کی بناوٹ انسجہ قشری سے ہوتی ہے۔ تیسرے یہ بھی تسلیم کرتی ہے کہ جسم کی اصل خوراک حرارت ہے۔ ان کے انہی تینوں حقائق کو سامنے رکھیں اور غور کریں کہ طب یونانی اپنے حقائق میں کہاں تک صحیح اور فرنگی طب اور اس کی ماڈرن سائنس کہاں تک غلط ہے۔

جاننا چاہیے کہ جو غذا معدہ میں ہضم ہو کر سیدھی دل میں جا کر خون میں شریک ہو جاتی ہے اس میں اس وقت تک حرارت اور سرخی پیدا نہیں ہوتی جب تک وہ وریدوں اور جگر میں پختہ ہو کر دوبارہ قلب میں داخل نہ ہو بالکل اسی طرح جیسے آنتوں کی غذا جب جگر میں جاتی ہے تو پختہ ہو کر اس کے اندر حرارت اور سرخی پیدا ہو جاتی ہے۔ گویا خون میں حرارت اور سرخی پیدا ہونے کے لیے غذا کا جگر میں پختہ ہونا ضروری ہے۔ اوپر ہم یہ ثابت کر چکے ہیں کہ شریانوں کی بناوٹ قلب کے مشابہ ہے اور وریدوں کی بناوٹ جگر کے مشابہ ہے۔ ان حقائق سے ثابت ہوا کہ شریانوں کا کام اور ہے اور وریدوں کا کام دیگر ہے۔ صرف یہی کام نہیں ہے کہ وہ شریانوں سے بچا ہوا وہ خون جس میں سے نسیم

(آکسیجن) نکل چکی ہے اور سیاہ ہو چکا ہے۔ اس کو واپس قلب میں پہنچا دے۔ بلکہ وریدوں کا کام یہ ہے کہ وہ شریانی خون میں سے نسیم کے ساتھ جو حرارت اور سرخی ختم ہو گئی ہے ان کو دوبارہ پیدا کرے۔ جب بھی خون وریدوں میں داخل ہوتا ہے تو اس کی بناوٹ کے لحاظ سے وہاں پر گردش سے حرارت اور سرخی پیدا کرنا شروع کر دیتا ہے اس کا ثبوت یہ ہے کہ اگر خون وریدوں سے نہ گزرے تو وہ پھیپھڑوں میں دوبارہ نسیم کو کبھی جذب نہ کرے۔ جن لوگوں کے سانس میں تنگی ہوتی ہے اور وہ منہ کھول کر سانس لیتے ہیں۔ ان کے خون میں وہ حرارت نہیں ہوتی جو وریدوں اور جگر میں پیدا ہوتی ہے۔

یاد رکھیں فرنگی طب کی یہ تحقیق بھی غلط ہے کہ پھیپھڑوں میں جب خون جاتا ہے وہ فوراً نسیم کو جذب کر لیتا ہے اور دخان کو چھوڑ دیتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جب تک خون وریدوں سے پورے طور پر حرارت حاصل نہ کرے اس وقت تک اس قابل نہیں ہوتا کہ وہ نسیم کو جذب کر سکے۔ یاد رکھیں: شریانوں کی بناوٹ میں جو انسجہ عضلاتی کی کثرت ہوتی ہے اس لیے وہ ایک تو نسیم کو دھکیلتی ہیں دوسرے اس کو اور پختہ کرتی ہیں اور جب نسیم کو خون میں سے خارج کر دیتی ہیں اور پھر اس خون میں سیاہی (کاربن) رہ جاتی ہے۔ یہی سیاہی وریدوں میں حرارت سے پختہ ہو کر اپنے اندر سرخی اور نسیم حاصل کرنے کی صلاحیت پیدا کر دیتی ہے۔

ان حقائق سے ثابت ہو گیا کہ جسم کی اصل غذا حرارت ہے وہی نسیم کو جذب کرتی اور دخان کو خارج کرتی ہے۔ یہی حرارت بلغم کو پختہ کر کے خون کو سرخ کرتی ہے۔ یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ حرارت کی پیدائش جگر اور وریدوں میں ہوتی ہے۔ بس ثابت ہو گیا کہ تمام جسم کو غذا صرف جگر سے جاتی ہے۔ قلب اور شرائین تو صرف غذا پہنچانے والے اعضاء اور آلات ہیں۔ اس کے مزید ثبوت کے لیے ہم مرض ذیابیطس پیش کرتے ہیں۔ جسم میں غذا جگر میں پورے طور پر پختہ نہیں ہوتی تو طبیعت اس کو خون میں بھی قائم رکھتی ہے اور پیشاب میں بھی خارج ہوتی رہتی ہے۔ یاد رہے کہ جگر سے ہماری مراد جسم کے تمام غدد ہوتے ہیں جس میں لبلبہ اور گردے بھی شریک ہیں۔ جگر ان کا مرکز ہے جیسے دماغ اعصاب کے لیے اور قلب عضلات کے لیے مرکز ہیں۔ یہ ہیں طب یونانی میں ہماری تحقیقات جن کے فرنگی طب کے پاس نہ جواب ہیں اور نہ ہی وہ ان سے انکار کر سکتی ہے۔

فرنگی طب کا اعتراض

فرنگی طب یہ تسلیم نہیں کرتی کہ اعصاب کا تغذیہ براہ راست دماغ یا حرام مغز سے ہوتا ہے۔ اس کی تحقیق یہ ہے کہ اعصاب کا تغذیہ دیگر اعضاء کی طرح عروق دمویہ سے ہوتا ہے۔ کیونکہ اعصاب کے اندر دوسرے اعضاء کی طرح رگیں آتی ہیں۔

طب قدیم کا جواب

ہم یہ ثابت کر چکے ہیں کہ تمام اعضائے جسم کی قوت غاذیہ کا مرکز جگر ہے اور چونکہ فعل نمو بھی تغذیہ کے ساتھ ہوتا ہے اس لیے قوت نامیہ کا مرکز بھی جگر ہے اور ہم یہ بھی ثابت کر چکے ہیں کہ جگر تمام جسم کے غدد کا مرکز ہے اور ہر غدد اپنی جگہ جگر کا کام کر رہا ہے۔ فرنگی طب بھی یہ تسلیم کرتی ہے کہ تمام اعضاء کے اندر قدرتی طور پر قوت غاذیہ و نامیہ موجود ہوتی ہے جو شریانی خون کی دوامی آمد سے قائم رہتی ہے۔ ان حقائق سے ثابت ہو گیا کہ اعصاب کو بھی تغذیہ جگر ہی سے ہوتا ہے۔ جہاں تک طب قدیم یہ تسلیم کرتی ہے ان کا تغذیہ براہ راست دماغ یا حرام مغز سے ہوتا ہے۔ اس میں یہ راز ہے کہ اعصاب کی وہی غذا ہے جو دماغ اور حرام مغز کی ہے۔ یعنی بلغم ہے۔ جس کو فرنگی طب اس طرح تسلیم کرتی

ہے کہ دماغ وحرام مغز اوراعصاب کے غذا گلیسروفاسفیٹس کے اجزاء ہیں۔ یہی بلغم میں اجزاء پائے جاتے ہیں۔ جس کا ایک بہت بڑا ثبوت یہ ہے کہ اطباء جب کسی انسان کے دماغ وحرام مغز اوراعصاب کو طاقت کے لیے کوئی دوا استعمال کراتے ہیں تو اس میں بادام اور دیگر مغزیات شامل ہوتے ہیں جن میں گلیسروفاسفیٹ کے اجزاء بکثرت پائے جاتے ہیں۔ فرنگی طب اس حقیقت سے انکار نہیں کرسکتی کہ ہر عضو جسم کے لیے مختلف غذا ہوتی ہے اور وہ خون سے اپنی ضرورت کی غذا جذب کرتا ہے۔ یہ طب قدیم کی تحقیق ہے جس سے فرنگی طب بالکل بے خبر ہے۔

طب قدیم میں بقایا تقسیم اعضاء

شیخ الرئیس لکھتے ہیں:

(واما الاعضاء المروسه بلاخلامة فهی الاعضاء التی تجری الیها القویٰ من الاعضاء الرئیسة کالکلی والمعده والطحال والرئیسة و اما الرعضاء التی لیست بخادمة ولا مرؤسةٍ وهی الاعضاء التی تختص بقوی غریزیةٍ لها ولا تجری الیها من الاعضاء الرئیسة قوی اخر کالعظام والفضاریف).

''اعضائے مروسہ جو اعضائے رئیسہ کے خادم نہیں ہیں، وہ اعضاء ہیں جن کی طرف اعضائے رئیسہ سے قوتیں پہنچتی ہیں۔ مثلاً گردہ، معدہ، طحال، پھیپھڑا۔ البتہ جو اعضاء نہ تو خادم رئیس ہیں اور نہ ہی مروسہ ہیں۔ یہ وہ اعضاء ہیں جن میں قوت غریزی موجود ہے اور ان کی طرف اعضائے رئیسہ سے کوئی دوسری قوت نہیں پہنچتی۔ مثلاً ہڈیاں اور کریاں''۔

اعضائے مروسہ اگرچہ اعضائے رئیسہ نہیں ہیں اور نہ ہی خادم الرئیس ہیں لیکن یہ اپنے اندر بے حد اہمیت رکھتے ہیں۔ ان کی اہمیت کا اندازہ اس امر سے لگالیں کہ ان کی طرف تمام اعضائے رئیسہ کی طرف سے قوتیں آتی ہیں۔ گویا ان کا تعلق تینوں اعضائے رئیسہ کے ساتھ ہے جب کہ اعضائے خادم الرئیس کا تعلق صرف کسی ایک عضو رئیس کے ساتھ ہے۔ اس بیان کا مقصد یہ ہے کہ عضو رئیس یا اس کے خادم عضو میں سے کوئی بیمار ہو تو صرف اسی عضو کی خرابی و بیماری اور کمی بیشی کو مدنظر رکھنا پڑتا ہے۔ لیکن اگر کسی عضو مروسہ میں خرابی ہو تو لازمی ہے کہ یہ معلوم کرنا پڑے گا کہ کس عضو رئیس کی خرابی کا اثر اس پر ہے۔ انسجہ (مفرد اعضاء) کے نقطہ نظر سے دیکھنا پڑے گا کہ عضو مروسہ کا کون سا نسج خراب ہے۔ یہ ایک ایسا راز ہے جس سے فرنگی طب بالکل ناواقف ہے اگر اس کو علم ہے تو وہ اپنی کتب طبیہ میں اس قانون کو دکھائیں۔ ان شاءاللہ نہیں دکھا سکیں گے۔

آخر میں ایسے اعضاء کو بیان کیا ہے جو نہ تو خادم الرئیس ہیں اور نہ ہی مروسہ ہیں۔ یعنی ان کی طرف کسی عضو رئیس کی طرف سے قوت نہیں جاتی۔ خود ان کے اندر فطرۃً قوت موجود ہے جس کو طب قدیم حرارت عزیزی کی قوت کہتی ہے جس سے اس میں خود تغذیہ و تنمیہ کی قوت پائی جاتی ہے۔ حرارت غریزی وہی قوت ہے جو نطفہ کے ساتھ انسان کے اندر ودیعت کی گئی ہے اور وہ قوت موت تک قائم رہتی ہے۔ اسی قوت غریزی کی مدد سے وہ اپنے نشوو ارتقاء اور زندگی کے لیے غذا خون سے حاصل کرتے رہتے ہیں۔ ان میں ہڈیاں اور کریاں (نرم ہڈیاں) شامل ہیں۔

یہاں یہ بات خاص طور پر ذہن نشین کرنے کی ضرورت ہے کہ ہڈیوں اور کریوں کو طب قدیم نے اعضائے اصلیہ میں شمار کیا ہے۔ اور اعضائے اصلیہ کی تعریف یہ کی ہے کہ وہ منی سے پیدا ہوتے ہیں جو اعضاء منی سے پیدا ہوتے ہیں ان میں تازندگی قوت غریزی قائم رہتی ہے تاکہ اس کی وجہ سے اس میں نشوو ارتقاء اور زندگی کے لیے غذا حاصل کرنے کے لیے قوت حاصل رہے اور کبھی تھوڑی بہت ضرورت پڑے تو وہ مقصد بھی حاصل ہوجائے۔ مثلاً ٹوٹی ہوئی ہڈی جڑ جائے۔ یا کبھی قوت میں تیزی ہو تو زائد ہڈی پیدا ہوجائے یا کہیں کوئی ہڈی میں ابھار پیدا ہوجائے۔ بعض لوگوں میں پانچ سے زائد انگلیاں یا بعض لوگوں میں زائد دانت یا ضرورت سے زائد لمبے دانت دیکھے جاتے ہیں۔ اسی طاقت سے ناخن اور دانت

پیدا ہوتے ہیں۔ بچپن کے جب دانت گر جاتے ہیں تو دوبارہ پیدا ہو جاتے ہیں۔ اگر اس قوت میں شدت ہو تو تیسری بار بھی دانت یا دانت نما صورت پیدا ہو جاتی ہے۔ گویا یہ سب کچھ حرارت غریزی کی قوت پر منحصر ہے جس سے اعضائے اصلیہ میں نشو و ارتقاء اور زندگی قائم رہتی ہے۔

فرنگی طب اور ماڈرن سائنس ہڈی اور کری کی پیدائش انسجہ الحاقی (کنکٹوٹشوز) سے تسلیم کرتے ہیں۔ دوسرے یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ ہر نسیج بلکہ ہر حیوانی ذرہ (سیل) میں اپنی جداگانہ زندگی ہے جس سے اس میں تغذیہ و تنمیہ اور تسنیم و تصفیہ کی قوت ہوتی ہے اور تیسرے اس میں نشو و ارتقاء کی قوت ہوتی ہے جس سے ایک قسم کا نسیج دوسرے قسم میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ ان حقائق کے بعد اب طب قدیم کی قوت حرارت غریزی پر غور کریں۔ جو کچھ مغربی طب تسلیم کرتی ہے اس سے بھی زیادہ اس میں موجود ہے۔ یہ ہیں طب قدیم کے کمالات جن سے پورے طور پر فرنگی طب واقف نہیں ہے۔ فرنگی طب کی اس تحقیق کو بھی ذہن میں رکھیں کہ وہ یہ تسلیم کرتی ہے کہ نسج الحاقی تمام دیگر انسجہ سے ادنیٰ ہے۔ اب غیر مرو سہ اعضاء اور ادنیٰ انسجہ کو بالمقابل رکھ کر لطف اٹھائیں اور طب قدیم کے بیان پر فخر کریں۔ یہی ہے فن کا کمال۔ صرف یہیں پر کمالات ختم نہیں ہوتے بلکہ ان کی ماہیت کو بیان کرتی ہے۔

ماہیت اعضاء

شیخ الرئیس لکھتے ہیں:

(وتنقسم الاعضاء بالجملة الى مفردة وهي التي اى جده محسوس اخذت منها كان مشاركا للكل في الاسم والحد. والى مركبة هي التي لاتكون كذلك وتسمىٰ اعضاءً اليةٌ).

''اعضاء بالجملہ مفرد کی صورت میں تقسیم ہوتے ہیں۔ اعضاء مفرد وہ ہیں جن کا کوئی ظاہری اور محسوس حصہ لیا جائے تو وہ نام اور تعریف میں کل کا شریک ہو۔ اعضاء مرکبہ وہ اعضاء ہیں جو اعضاء مفردہ کے مانند نہ ہوں۔ اعضاء مرکبہ کو اعضاء الیہ بھی کہتے ہیں''۔

مفرد اعضاء طب قدیم انہی کو کہتی ہے جن کو فرنگی طب نے انسجہ کا نام دیا ہے اور انہی کو اعضائے اصلیہ بھی کہا ہے۔ یہ وہی اعضاء ہیں جو اوّل اوّل منی سے پیدا ہوتے ہیں جن کی تفصیل سے طبی کتب میں بھری پڑی ہیں۔

فرنگی طب کا اعتراض

طب قدیم ہڈی۔ کری۔ رباط۔ وتر۔ عصب۔ عضلہ اور جسم کی شرائین اور وریدوں کو بھی مفرد اعضاء میں شریک کرتی ہے۔ حالانکہ وہ مرکب انسجہ سے بنی ہوتی ہیں۔

طب قدیم کا جواب

جہاں تک شرائین اور وریدوں میں امتیاز کی صورت ہے ہم ان کو گذشتہ صفحات میں بیان کر چکے ہیں جن سے فرنگی طب اور ماڈرن میڈیکل سائنس بالکل واقف نہیں ہے۔ جہاں تک ان کے طبقات کا تعلق ہے یہ طبقات قلب اور جگر میں بھی پائے جاتے ہیں۔ ان طبقات کو دور کیا جائے اور ان کے ایسے اجزاء کو لیا جائے جو محسوس ہوں اور عرف میں ان کو اس کا جز بھی کہا جائے تو ایسی صورت میں شرائین اور وریدیں مفرد کہلائیں گی۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ان کے افعال مختلف ہیں اس لیے اپنی اپنی جگہ وہ مفرد ہیں۔

فرنگی طب کا دوسرا اعتراض

چربی نہ مفرد اعضاء سے متعلق ہے اور نہ ہی اس کی پیدائش خون کی ماہیت سے ہوتی ہے بلکہ وہ خون کے روغنی اجزا سے پیدا ہوتی ہے۔

طب قدیم کا جواب

ہم گذشتہ صفحات میں ثابت کر چکے ہیں کہ بلغم خام خون ہے اور اس میں خون کے تمام اجزاء ہوتے ہیں اور یہ دماغ و نخاع اور اعصاب کی غذا ہیں۔ فرنگی طب یہ تسلیم کرتی ہے کہ اعصاب کی غذا میں گلیسرین جیسے روغنی اجزا شریک ہیں تو چربی جس ماہیت سے بنتی ہے اس میں روغنی اجزاء کا ہونا لازمی ہے۔ یہ بھی یاد رہے کہ چربی کو طب قدیم نے اگرچہ مفرد اعضاء میں لکھا ہے مگر اس کو اعضاء اصلیہ میں شمار نہیں کیا۔ اس کی پیدائش خون سے تسلیم کی ہے اور اس کا مزاج سرد مقرر کیا گیا ہے۔

مفرد اعضاء کی تقسیم

طب قدیم کے قانون کے تحت اعضائے مفردہ تین قسم کے ہوتے ہیں: ❶ بنیادی اعضاء (بیسک آرگن) ❷ حیاتی اعضاء (لائف آرگن) ❸ خون سے بنے ہوئے اعضاء (بلڈ آرگن) جن کی مختصر تشریح درج ذیل ہے:

❶ بنیادی اعضاء

ایسے اعضاء جن سے انسانی جسم کا ڈھانچہ تیار ہوتا ہے جن میں تین اعضاء شریک ہیں ① ہڈیاں (بونز) ② رباط (لگے منٹس) ③ اوتار (ٹنڈنز) ان میں حرارت غریزی کی قوت ہوتی ہے جس کی مدد سے یہ خون میں سے غذا حاصل کرتے ہیں۔ انسانی جسم کی بنیاد اور ڈھانچہ کے سوا ان کا انسانی زندگی کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ نہ اعضائے رئیسہ کی طرف سے ان کی طرف کوئی قوت آتی ہے اور نہ ہی ان کی طرف سے کوئی قوت جاتی ہے۔

❷ حیاتی اعضاء

ایسے اعضاء جن سے انسانی زندگی اور بقاء قائم ہے۔ یہ بھی تین ہیں ① اعصاب (نروز) جن کا مرکز دماغ (برین) ہے۔ ② عضلات (مسلز) جن کا مرکز قلب (ہارٹ) ہے۔ ③ غدد (گلینڈز) جن کا مرکز جگر (لیور) ہے گویا دل و دماغ اور جگر جو اعضائے رئیسہ ہیں یہی انسان کے حیاتی اعضاء ہیں اور انہی کے ساتھ انسانی زندگی قائم ہے اور دیگر اعضاء اور خون رواں دواں۔

❸ خون سے بنے ہوئے اعضاء

خون سرخ رنگ کا ایک ایسا مرکب ہے جس میں لطیف بخارات (گیسز) حرارت (ہیٹ) رطوبات (لیکوئیڈ) پائے جاتے ہیں۔ یا ہوا و حرارت اور پانی کا مرکب ہے۔ دوسرے معنوں میں سوداء و صفراء اور بلغم کا حامل ہے اور اس سے جسم کے بنیادی و حیاتی اعضاء کی غذا کے ساتھ ساتھ چربی بھی تیار ہوتی ہے جو اس کے بنائے ہوئے اعضاء ہیں جو خون کی ماہیت اور اس کے روغنی مادوں سے پیدا ہوتی ہے۔

مفرد اعضاء کی مختصر تشریح و منافع

مفرد اعضاء کی تینوں اقسام کو الگ الگ بیان کیا جاتا ہے:

بنیادی اعضاء

شیخ الرئیس لکھتے ہیں:

(اما الغضروف فهو جسم الینُ من العظم واصلبُ من سائر الاعضاء خلق لیحسن به اتصال العظم بالاعضاء اللینة)

''کری ایک جسم ہے جو ہڈی سے نرم اور دیگر اعضاء سے سخت ہوتی ہے۔ اس کی پیدائش کی غرض یہ ہے کہ اس کے ذریعے ہڈی کو نرم اعضاء سے جوڑا جاتا ہے ''کری میں ہڈی بھی شریک ہے''۔

(وما الاوتار فهو اجسام تنبت من اطراف بعض العضل شبیهة بالعصب فتلاقی الاعضاء المتحرکة فتارة تجذبها بانجذ ابها و تارة ترخیها باستو خائها).

''اوتار وہ اجسام ہیں جو بعض عضلات کے سروں سے اگتے ہیں اور پٹھوں کے مشابہ ہوتے ہیں۔ یہ ان اعضاء سے ملے رہتے ہیں جو حرکت کرتے ہیں۔ پس اوتار ایک مرتبہ تو عضو متحرک کو کھینچ لیتے ہیں اور دوسری بار خود ڈھیلے ہو کر اس کو چھوڑ دیتے ہیں''۔

(واما الرباطات فهی اجسام شبیهة بالعصب تاقی من العظم الی اللهم وتوصل بین طرفے عضمے المفاصل وبین اعضاء اخره).

''رباطات (بندھن) وہ اجسام ہیں جو پٹھوں کے ہم شکل ہوتے ہیں۔ یہ ہڈی سے شروع ہوتے ہیں اور گوشت میں ختم ہو جاتے ہیں اور جوڑوں کی ہڈیوں کے دونوں سروں کو دوسرے اعضاء سے باہم باندھ دیتے ہیں''۔

حیاتی اعضاء

(واما الاعصاب فهی جسامٌ بیضٌ لینة فی الانعطاف صلبةٌ فی الانفصال خلقت لیتم الاعضاء الحس وحرکة)

''اعصاب (پٹھے) وہ سفید اجسام ہیں جو نرم لچکدار ہوتے ہیں اور ٹوٹنے میں سخت ہوتے ہیں۔ ان کو اس لیے پیدا کیا گیا ہے تاکہ ان کے ذریعے اعضاء میں حرکت عمل میں آتی ہے''۔

(واما العضلات فهی اجسام لحمیة الجسد ترکیبها من اللحم المحض ومن العصب والاوتار والرباطات ومنفقها ان تحوك الأعضاء بمعاونةِ الاوتار لها وان تکسو العظام وتحقن الحرارة الغریزیة فی الجسد).

''عضلات (گوشت) وہ لحمی اجسام ہیں جن کی بناوٹ میں خالص گوشت ہوتا ہے۔ پھر اعصاب و اوتار اور رباطات مل کر اکٹھے ہو جاتے ہیں اور ان کے فوائد میں ❶ اوتار کی مدد سے اعضاء کو حرکت دینا ❷ ہڈیوں کو ڈھانپنا ❸ حرارت عزیزی کو جسم میں محفوظ رکھنا ہے''۔

(واما الکبد فهو جسم مرکبٌ من اللهم والعروق والشرائین والغشاء الذی ستیرها ونیس لها فی نفسها حسٌ. اما عشاؤها فله حس کثیر ولونها شبیه بالدم الجامد وهی منبت العروق الغیر الضوارب التی تسمے الاوردة

وموصفها فی الجانب الایمن وظهرها یلاحق بضلوع الخلف وبطنها یلاصق بالمعدة واعلاها فی مابین حجاب الصدر و اسفها ینتهیٰ الٰی الخاصرة ومنفقها تولید الدم تغذیه الاعضاء).

"جگر (غدود) ایک جسم ہے جو گوشت، شریانوں، وریدوں اور اس جھلی سے مرکب ہے جو جگر کو ڈھانپے ہوئے ہے۔ بذات خود جگر بے حس ہے لیکن اس کی جھلی بہت ذی حس ہے (یعنی جگر جدا ایک مفرد عضو (نسج) ہے اور وہ گوشت عضلات اور جھلی (اعصاب) سے مرکب ہے اس میں شریانیں اور وریدیں بھی ہیں) جگر کی رنگت منجمد خون کی مانند ہے۔ عروق غیر صوارب (ساکن) اس سے اگتی ہیں جن کو اوردہ کہتے ہیں۔ اس کی جائے قیام دائیں طرف پسلیوں کے اندر ہے۔ جگر کی پشت زیریں پسلیوں سے چسپاں رہتی ہے اس کا بطن معدہ کے ساتھ متصل ہے۔ جگر کا بالائی حصہ حجاب حاجز کے درمیان رہتا ہے اور زیریں حصہ خاصرہ تک پہنچتا ہے۔ جگر کا فائدہ اعضاء کے تغذیہ کے لیے خون پیدا کرنا ہے"۔

نوٹ: طحال ولبلبہ اور گردے وغیرہ بھی جگر کی طرح غدد ہیں۔

طب قدیم کے کمال کا راز

اس کتاب کے لکھنے میں جہاں طب قدیم کے فطری قوانین کی حقیقت کا اظہار ہے وہاں پر اس کے علاج الامراض اور حفظ صحت کے کمال کا ایک راز بیان کرنا ہے۔ یہی راز ہے جس سے طب قدیم میں علاج الامراض اور حفظان صحت سو فی صدی یقینی اور بے خطا بن سکتے ہیں۔ یہ کمال فرنگی طب تو کیا کسی طب میں نہیں پائے جاتے۔ البتہ آیورویدیں اس کی جھلکیاں ضرور نظر آتی ہیں۔ لیکن مکمل طور پر اس میں بھی بیان نہیں کیا گیا ہے وہ راز کیا ہے؟ یہ راز پیدائش امراض ہے۔ پیدائش امراض میں فرنگی طب جراثیم کو تسلیم کرتی ہے۔ جہاں ان کو جراثیم نہیں ملے وہ عناصر خون کی کمی بیشی سے امراض کا علاج کرتے ہیں۔ جیسا کہ ہم ابتدائے کتاب میں لکھ چکے ہیں آیورویدک میں پیدائش امراض دوشوں کی خرابی وکمی بیشی اور ان کے مقام بدل جانے کو تسلیم کرتے ہیں اور ہومیو پیتھی میں پیدائش امراض روح (وائٹل فورس) کا کمزور ہو جانا تسلیم کیا گیا ہے وغیرہ وغیرہ۔

طب قدیم میں پیدائش مرض اور حفظان صحت کا قیام مزاج اور اخلاط کے اعتدال پر ہے جو جسم انسان میں کیمیاوی صورتیں ہیں۔ اس میں راز کی بات یہ ہے کہ اعضائے مفردہ (انسجہ) انہی امزجہ اور اخلاط سے پیدا ہوتے ہیں اور امزجہ واخلاط اس غذا سے پیدا ہوتے ہیں جو انسان کھاتا ہے۔ گویا جوہر و مادہ اور امزجہ واخلاط سے لے کر اعضائے مفردہ تک ہے جن میں حیوانی ذرہ (سیل) اور انسجہ (ٹشوز) بھی شریک ہیں ایک قسم کے مواد واجزاء اور اخلاط واعضاء ہیں۔ یعنی اگر امزجہ اور اخلاط میں کیمیاوی طور پر کمی بیشی اور خرابی پیدا ہوگی تو مفرد اعضاء (انسجہ) اور مرکب اعضاء میں بھی وہی خرابی اور مرض کی حالت چلی جائے گی۔ اسی حالت کا نام مرض ہے اور جسم انسان کے امزجہ اور اخلاط کی حالت درست کر دی جائے گی تو مرض دور ہو جائے گا اور صحت قائم ہو جائے گی۔

اس حقیقت میں غور کرنے کی بات یہ ہے کہ غذا سے لے کر اعضاء تک جراثیم کا کہیں تصور پیدا ہی نہیں ہوتا۔ اگر اس دوران میں کسی مقام پر یعنی غذا سے لے کر اعضاء تک کہیں بھی بیرونی طور پر یا اندرونی طور پر کہیں خمیر اور فساد سے جراثیم پیدا ہو کر اپنا زہریلا اثر کریں تو یقینی امر ہے کہ امزجہ واخلاط اور اعضاء کی قوتیں ان کے فنا اور برباد کرنے کا خود کار عمل کرتی ہیں۔ جس طرح دیگر اقسام کے زہروں کو وہ فنا و برباد کرنے کے لیے خود کار عمل کرتی ہیں۔ امراض پیدا کرنے والے جراثیم کو ہم تسلیم بھی کر لیں تو بھی ان کی اہمیت دیگر اقسام کے زہروں سے

زیادہ نہیں ہے۔ زیادہ سے زیادہ ہم ان کو حیوانی زہروں کا نام دے سکتے ہیں۔ لیکن ان کا تعلق امراض اور حفظ صحت سے کوئی نہیں ہے۔ جس طرح دیگر زہروں کا تعلق امراض و حفظان صحت سے پیدا نہیں کیا گیا بلکہ طب قدیم میں ہر قسم کے زہروں کا تعلق امزجہ اور اخلاط سے پیدا کیا گیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ طب قدیم کیا فرنگی طب میں بھی زہروں کے امراض بیان نہیں کیے گئے۔ جس طرح انہوں نے حیوانی زہروں (جراثیم) کے امراض گنوائے ہیں ان کو چاہیے تھا کہ جراثیم (حیوانی زہر) کی طرح نباتاتی اور جماداتی زہروں کے امراض بھی بیان کرتے۔ ان کے سلسلہ میں تو ان کی زہریلی علامات لکھ دی ہیں اور ان کے علاج بیان کر دیئے ہیں۔ زیادہ سے زیادہ وہ اپنی سہولت کے لیے (ہماری سہولت کے لیے نہیں کیونکہ طب قدیم میں ہر زہر اوّل کسی مزاج اور خلط میں اضافہ کرتا ہے پھر وہ کسی عضو پر اثر انداز ہوتا ہے۔ کیونکہ ہر زہر بھی ایک مزاج رکھتا ہے) وہ ہر نوع جراثیم کی زہریلی علامات لکھ لیتے اور ان کے تریاق بیان کر دیتے۔ ان کا امراض سے تعلق پیدا نہ کرتے تو ان کے لیے علم العلاج بہت آسان ہو جاتا۔ انہوں نے خواہ مخواہ حیوانی ذروں (جراثیم) کو علم الامراض میں کھینچ کر اپنے لیے بہت بڑی مشکلات پیدا کر لی ہیں۔ ان کی سہولت کے لیے ان سے زیادہ ہم نے کام کیا ہے کہ ہم نے تمام اقسام جراثیم کو نہ صرف بالمفرد اعضاء (انسجہ) بلکہ امزجہ اور اخلاط کے ساتھ تطبیق دے دیا ہے۔ ہماری یہ تحقیقات ''ماہنامہ رجسٹریشن فرنٹ'' میں شائع ہو چکی ہیں۔ یہ تحقیقات ہم نے اس لیے کی ہیں کہ ہم ثابت کر سکیں کہ جراثیم (حیوانی زہروں) کا تعلق ایک طرف امزجہ اور اخلاط کے ساتھ ہے اور دوسری طرف مفرد اعضاء (انسجہ) کے ساتھ ہے تاکہ ان کے زہریلے اثرات کا تعلق ایک طرف امزجہ اور اخلاط سے قائم ہو جائے اور دوسری طرف ان کا تعلق اعضائے مفرد سے ظاہر ہو جائے جیسے دیگر نباتاتی اور جماداتی زہروں کے اثرات کے تعلقات امزجہ اور اخلاط کے ساتھ قائم ہیں تاکہ ان کے زہروں کے لیے دافع جراثیم (انٹی سپٹک) ادویات کی ضرورت نہ رہے بلکہ صرف امزجہ واخلاط یا مفرد اعضاء (انسجہ) کے افعال کے اعتدال سے امراض کو رفع کیا جا سکے۔ گویا جراثیم کی علاج میں کوئی اہمیت نہیں ہے اور حقیقت یہ ہے کہ فرنگی طب کی بنیاد جو جراثیم پر ہے بالکل غلط ہے۔ کیونکہ جراثیم نہ خون کا کیمیاوی جزو ہیں اور نہ ہی جراثیم اعضائے مفردہ کا حصہ ہیں۔ اس لیے امراض اور حفظان صحت کی بنیاد جراثیم پر رکھنا انتہائی لغو اور بے معنی بات ہے۔ انہی حقائق سے ثابت ہے کہ فرنگی طب بے اصولا و عطایانہ اور غلط ہے۔

فرنگی طب کے جراثیم کو غلط ثابت کرنے کے لیے ایک اور حقیقت پیش کرتے ہیں۔ یہ حقیقت علاج بالمثل (ہومیوپیتھی) کے تجربات اور مشاہدات ہیں۔ یہ بات ہم بار بار بیان کر چکے ہیں کہ ہومیوپیتھی مکمل طریقہ علاج نہیں ہے۔ البتہ اس کا علم الادویہ اپنے اندر کچھ حقائق رکھتا ہے۔ انہی حقائق کو ہم پیش کر کے ثابت کر دیں گے کہ جراثیم کا تعلق کسی مرض کے ساتھ نہیں ہے البتہ ان کے اثرات کی علامات ضرور ہیں۔

ہومیوپیتھی علم الادویہ کے تجربات اور مشاہدات سے یہ حقیقت مسلمہ بن گئی ہے کہ جسم انسان پر جو ادویات اور زہر استعمال کیے جاتے ہیں ہر ایک کی الگ الگ علامات ہوتی ہیں۔ ان سے امراض پیدا نہیں ہوتے اس لیے وہ کسی مرض اور حفظان صحت کو تسلیم نہیں کرتے۔ انہی اصولوں پر جراثیم (حیوانی زہر) کی بھی علامات ہو سکتی ہیں۔ ان سے امراض پیدا نہیں ہو سکتے۔ اس حقیقت سے یہ بھی ظاہر ہے کہ جراثیم کا امراض سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس سے بھی بڑا ثبوت یہ ہے کہ جن امراض کے اسباب فرنگی طب جراثیم کو تسلیم کرتی ہے۔ انہی امراض کے اسباب کو ہومیوپیتھی تجربات ومشاہدات سے اپنی ادویات اور زہروں (سورا، سفلس، سائیکوسس) کے اثرات میں بیان کرتی ہے۔ گویا جن امراض کو وہ جراثیم کا نتیجہ ثابت کرتی ہے۔ ہومیوپیتھی ان کو اپنی ادویات اور زہروں کے اثرات کی علامات ثابت کرتی ہے۔ اب کوئی فرنگی طب کی تحقیق کو اہم سمجھے یا ہومیوپیتھی کے تجربات اور مشاہدات کو صحیح تسلیم کرے۔ کیا کوئی فرنگی معالج ہومیوپیتھی کی اس حقیقت کو غلط ثابت کر سکتا ہے۔ کیا اب بھی کوئی صاحب عقل اور اہل فن فرنگی طب کو صحیح تسلیم کر سکتا ہے۔ ہرگز نہیں!!

لطف کی بات یہ ہے کہ ہومیوپیتھی کے علم الادویہ میں فرنگی طب کی دافع عفونت اور قاتل جراثیم ادویات ہی سے خوفناک امراض کا پیدا ہونا ثابت ہے۔ مثلاً مرکری اور ایوڈم جیسی انتہائی دافع عفونت اور قاتل جراثیم ادویہ تپ دق اور نمونیا پیدا کرتی ہیں۔ کونین سے ملیریا پیدا ہوتا ہے اور ہارٹ فیل ہوجاتا ہے۔ سوڈا اور پوٹاس کے مرکبات سے ذیابیطس اور عام کمزوری پیدا ہوجاتی ہے ان سے جسم میں خوفناک پھوڑے اور خارش پیدا ہوجاتی ہے وغیرہ۔

اس سے بھی پرلطف بات یہ ہے جو امراض زہریلے جراثیم سے پیدا ہوتے ہیں وہ امراض طب قدیم کی ایسی ادویات سے دور ہو جاتے ہیں جو نہ دافع تعفن ہیں اور نہ ہی قاتل جراثیم ہیں۔ یہی وہ راز ہے جس کو ہم نے یہاں ثابت کیا ہے کہ امراض جراثیم سے پیدا نہیں ہوتے بلکہ کیمیاوی طور پر اخلاط کی خرابی یا مفرد اعضاء (انسجہ) کے افراط و تفریط اور ضعف سے پیدا ہوتے ہیں۔ یہ اعضائے مفردہ (انسجہ) اخلاط سے بنتے ہیں اور اخلاط اغذیہ سے پیدا ہوتے ہیں اور اغذیہ عناصر سے مرکب ہیں۔ گویا یہ ایک مربوط تسلسل ہے جو اغذیہ و اشیاء مزاج و اخلاط اور اعضائے مفرد اور اعضائے مرکبہ تک اپنا سلسلہ جاری رکھتا ہے۔ اسی سلسلہ کے درست قائم رہنے کا نام صحت ہے اور جہاں پر اس سلسلہ میں خرابی واقع ہوتی ہے مرض پیدا ہوجاتا ہے اور پھر جب اس سلسلہ کو درست کردیا جائے مرض دور ہوکر صحت قائم ہوجاتی ہے۔ اس کی مثال بالکل میدان جنگ کی ہے جہاں فوج لڑ رہی ہوتی ہے اور اس کے پیچھے رسد اور کمک کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ جہاں پر رسد اور کمک میں خلل پیدا ہوا وہاں پر فوج کی لڑائی میں خلل پیدا ہوجاتا ہے۔ اگر یہ سلسلہ رسد اور کمک کا درست کردیا جائے تو فوج کامیاب ہوجاتی ہے۔ ورنہ فوج شکست کھا جاتی ہے۔ انسانی جسم میں اعضاء فوج ہیں جو صحت کو قائم رکھنے کے لیے ایک قسم کی جنگ لڑ رہے ہیں۔ اغذیہ و اشیاء اور امزجہ و اخلاط اس کے لیے رسد اور کمک ہیں جن کا سلسلہ قائم رہنا ضروری ہے۔ اس سے صحت قائم رہ سکتی ہے۔ ورنہ مرض کا حملہ ہوجانا لازمی ہے۔ یہی زندگی و صحت اور طاقت فطری کا راز ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ فرنگی طب اور ماڈرن سائنس نے مادہ اور اعضاء کی حقیقت پر سے پردہ ہٹانے کی بہت کوشش کی ہے مگر جو کچھ طب قدیم نے بیان کیا ہے اس کی حقیقت تک نہیں پہنچ سکیں۔ خاص طور پر اس نے مادہ اور اعضاء کے سلسلہ اور تعلق کو جس خوبصورتی سے باہم جوڑا ہے اس کا جواب نہ فرنگی طب میں ہے اور نہ ہی ماڈرن سائنس پیش کرسکتی ہے۔ یہی حفظان صحت و مرض اور علاج مرض کا فطری اور حقیقی راز ہے اور جب تک وہ اس سلسلہ کو قائم نہیں کریں گے ان کے فن علاج میں خرابی رہے گی۔ ان کا علم و فن طب کبھی صحیح اور کامیاب نہیں ہوسکتا۔ یہی ہمارا چیلنج ہے۔

⑤ ارواح

ارواح کیا ہیں

شیخ الرئیس لکھتے ہیں:

(امّا الالرواح اجسامٌ لطیفةٌ تحدث من بخارية الاخلاط ولطافتها وتنقسم الى طبيعية).

''ارواح وہ لطیف اجسام ہیں جو اخلاط اوران کی لطافت سے پیدا ہوتے ہیں اور اپنی طبیعتوں کی طرف تقسیم ہو جاتے ہیں) یہ تین ہیں: ❶ روح طبیعی ❷ روحی حیوانی ❸ روح نفسانی''۔

روح طبیعی

(وهى التى تنفذ من الكبد فى العروق غير الضوارب الى جميع البدن).

''روح طبیعی وہ ہے جو جگر سے بذریعہ اوردہ تمام بدن میں پہنچتی ہے''۔

روح حیوانی

(والى حيوانيةٍ وهى التى تنفذ فى العروق الضوارب من القلب الى جميع البدن)

''روح حیوانی وہ ہے جو قلب سے بذریعہ شرائین تمام بدن میں پہنچتی ہے''۔

روح نفسانی

(والى نفسانية وهى التى تنفذ من الدماغ فى العصب الى اقاصى الاعضاء)

''روح نفسانی وہ ہے جو دماغ سے پٹھوں کے ذریعہ اعضاء کے انتہائی حصوں تک پہنچتی ہے''۔

طب قدیم میں روح ان لطیف بخارات کو کہتے ہیں جو اخلاط کے لطیف حصہ سے پیدا ہوتے ہیں جس طرح اعضاء اخلاط کے کثیف حصہ سے بنتے ہیں۔اس سے مراد طبی روح ہے۔مذہبی روح نہیں ہے جس کو نفس ناطقہ کہتے ہیں۔

چونکہ ارواح سے قوتوں کا اظہار ہوتا ہے جن کا ذریعہ اظہار نفس انسانی ہے اس طرح قویٰ کی طرح ارواح کی بھی تین اقسام ہیں: ❶ روح حیوانی جس کا مقام قلب ہے ❷ روح طبیعی جس کا مقام جگر ہے ❸ روح نفسانی جس کا مقام دماغ ہے۔

فرنگی طب میں ارواح کا تصور

ماڈرن سائنس اور فرنگی طب میں ارواح یا کسی ایک روح کا جو جسم انسانی میں پائی جاتی ہے کوئی تصور نہیں پایا جاتا۔وہ ان کے قائل نہیں ہیں اور نہ اس امر کے قائل ہیں کہ یہ ارواح جسم انسان میں کچھ افعال انجام دیتی ہیں۔لیکن یہ حقیقت ہے کہ اس انکار کے برعکس وہ لطیف ہواؤں کے قائل ہیں جن کو گیسز کہتے ہیں۔اس امر کے بھی قائل ہیں کہ وہ خون میں بھی پائی جاتی ہیں اور یہ خون کے اندر کئی اہم مقصد انجام دیتی ہیں۔ان حقائق سے ثابت ہوا کہ فرنگی طب بھی بالواسطہ ان ارواح اوران کے افعال سے پوری طرح واقف ہے،البتہ طب قدیم نے ان

ارواح کا امورِ طبیعہ میں جس طرح تانا بانا بنا کر ایک مجموعہ کی صورت دی ہے اس کے فوائد اور حقائق سے بے خبر ہے یہیں سے فرنگی طب کی بے اصولی اور لاقانونی پیدا ہوتی ہے اور فرنگی طب غلط ہو کر عطایانہ صورت اختیار کر گئی ہے۔

اس حقیقت سے فرنگی طب انکار نہیں کر سکتی کہ یہی گیسز جب مختلف اعضاء میں جا کر اثر انداز ہوتی ہیں تو ان کے مختلف مقام اور افعال کی وجہ سے نام بدل جاتے ہیں۔ مثلاً جو گیسز دماغ اور اعصاب میں تحریک پیدا کرتی ہیں انہیں منٹل فورس (روح نفسانی) کہتے ہیں۔ جو قلب اور عضلات میں اثر انداز ہوتی ہیں ان کو اینی مل فورس (روح حیوانی) اور جو جگر اور دیگر غدد میں اثر انداز ہوتی ہیں ان کو فزیکل فورس (روح طبعی) کہتے ہیں۔ اگر ان کے قویٰ اور افعال کے مطابق دیکھا جائے تو: ❶ روح نفسانی (مینٹل فورس) کا تعلق دماغ اور اعصاب کے ساتھ ہے جن کا تعلق بلغم اور رطوبت کے ساتھ ہے۔ اس کو انرجی کہتے ہیں۔ ❷ روح حیوانی (اینی مل فورس) کا تعلق قلب اور عضلات کے ساتھ ہے جن کا تعلق خشکی کے ساتھ ہے اس کو فورس کہتے ہیں ❸ روح طبعی (فزیکل فورس) کا تعلق حرارت سے ہے اس کو پاور کہتے ہیں۔ بہر حال ہم نے ثابت کر دیا ہے کہ ماڈرن سائنس اور فرنگی طب میں ارواح کا تصور ہے جو اصل میں انہوں نے طب قدیم سے ہی لیا ہے مگر ان کو علاج سے دور کر کے اپنے کو غلط اور عطایانہ بنا لیا ہے۔

روح پر فرنگی طب کا اعتراض

روح کے متعلق فرنگی طب کا ایک یہ اعتراض بھی ہے کہ روح جس کی تعریف طب قدیم یہ کرتی ہے کہ وہ لطیف بخاری جسم ہے۔ ایسے جسم کا اگر وجود بھی ہو تو قویٰ بدنیہ کو ان سے کوئی خاص لگاؤ نہیں ہے اور نہ ایسے جسم کی کوئی خاص بدنی اہمیت ہے۔

طب قدیم کا جواب

پھر ایک بار طب قدیم کے اس قانون کو ذہن نشین کر لیں کہ روح بخارات کے مانند ایک لطیف جسم ہے جو لطیف خون سے تیار ہوتا ہے تمام قوتیں اسی جسم کے ساتھ قائم ہوتی ہیں اور انہی کے تمام اعضاء میں پہنچتی ہیں۔ یہاں ذہن نشین کرنے والی حقیقت یہ ہے کہ جسم کی تمام قوتیں ارواح سے قائم ہوتی ہیں اور انہی کے ذریعے تمام اعضاء میں پہنچتی ہیں۔ اس کی مثال بجلی کے ساتھ دی جا سکتی ہے جو آسانی سے سمجھ میں آ سکتی ہے۔ بجلی کی پیدائش (سیل) کے ذریعے کی جائے یا مشین (ڈائنمو) کے ذریعے کی جائے۔ جب یہ بجلی تیار ہو جاتی ہے تو اس کا اظہار اس کی لہر سے ہوتا ہے۔ یہ لہر اس کی تاروں میں گزرتی ہے اور ضرورت کے مقام پر اپنی طاقت اور شعلہ کا اظہار کرتی ہے۔ اس طرح بجلی کے اظہار میں تین چیزوں کا پایا جانا نہایت ضروری ہے ❶ وہ مرکز جہاں سے بجلی پیدا ہو رہی ہے ❷ وہ قوت جو اس مرکز میں پیدا ہو رہی ہے ❸ وہ لہر جو اس قوت سے خارج ہو کر بجلی کی تاروں سے اخراج پا رہی ہے۔ بس اس لہر کی مثال روح کی ہے جو قوت میں سے تاروں کے ذریعے اخراج پاتی ہے۔ اور قوت اپنے مرکز میں پیدا ہو رہی ہے جس طرح یہ لہر کسی مشین کے پرزے کو حرکت دیتی ہے یا کہیں شعلہ (سپارک) پیدا کرتی ہے بالکل اسی طرح روح جسم انسان میں اپنے مرکز سے قوت کو لے کر کسی عضو تک پہنچ جاتی ہے۔ اگر روح یا لہر اپنے مرکز سے قوت کو باہر خارج نہ کرے تو قوت اپنے مرکز میں ہی بند رہے یہی روح جسم اور اس کے افعال ہیں۔ کیا فرنگی طب یا ماڈرن سائنس اس حقیقت سے انکار کر سکتی ہے۔ اگر اس کو انکار ہے تو ہمارا چیلنج قبول کرلے۔ ہم ہر گھڑی یہ حقیقت ثابت کرنے کے لیے تیار ہیں۔

روح اور زندگی

انسانی نطفہ (منی) جس کے اندر فرنگی طب اور ماڈرن سائنس بے شمار کرم تسلیم کرتی ہے اس کے متعلق کہتی ہے کہ اس کی زندگی مثل ❶ امیبا ❷ حیوانی ذرہ جرثومہ کے ہوتی ہے۔ جن میں زندگی کے تمام لوازم پائے جاتے ہیں۔ جیسا کہ ہم گذشتہ صفحات میں لکھ چکے ہیں۔ جب انسانی نطفہ (منی کا کرم) عورت کے بیضہ انثیٰ سے مل کر بڑھنا شروع ہوتا ہے، دونوں یک جان اور یک قالب ہو کر بڑھتے ہیں۔ طب قدیم یہ تسلیم کرتی ہے کہ اس نطفہ میں ایک رطوبت ہوتی ہے جس کو وہ رطوبت غریزی (اصلی) کہتے ہیں اور دوسرے حرارت ہوتی ہے جس کو حرارت غریزی (اصلی) کہتے ہیں اور تیسری حقیقت وہ امر ہے جو حرارت غریزی اور رطوبت غریزی کے قوام و مقدار اور افعال و تصرف کو قائم رکھتا ہے۔ یہی ناظم اور نگران روح ہے۔ بالکل بجلی کے سیل کی طرح جس میں بجلی پیدا ہو رہی ہے اور لہریں اٹھ رہی ہیں اور تاروں میں ان کی رو دوڑ رہی ہے۔ جن لوگوں کو سمندر کی لہریں اور شعلوں میں مرغولوں کو دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے وہ خوب اچھی طرح اندازہ لگا سکتے ہیں۔ ہر قوت کے اندر سے لہریں اٹھتی ہیں اور ان میں ہوائیں چلتی ہوئی معلوم ہوتی ہیں۔ یہی ان کی ارواح ہوا کرتی ہیں۔ یہی قانون قدرت ہے اور اشیاء کی فطرت ہے۔ اسی مسلمہ حقیقت کا نام ماڈرن سائنس فورس رکھتی ہے یہی تینوں حقیقتیں مل کر نطفہ کو نشو و ارتقاء کی منزل طے کرا کے مکمل انسان بنا دیتی ہیں اور زندگی تک اس کی صحت اور طاقت کو قائم رکھتی ہیں اور جب ان میں سے کسی میں نقص پیدا ہو جاتا ہے تو امراض نمودار ہوتے ہیں اور جب ان میں سے کوئی ختم ہو جاتا ہے تو موت واقع ہو جاتی ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے بجلی کے سیل میں سے اس کی کوئی شے خراب اور ختم ہو جائے اور کام بگڑ جائے۔

ایٹم اور روح

موجودہ دور میں روح کی بہترین مثال ایٹم سے دی جا سکتی ہے ماڈرن سائنس نے ایٹم کو وہ لطیف ترین ذرہ تسلیم کیا ہے باوجودیکہ وہ بے جان ہے لیکن اس میں بھی ایک خود کار زندگی ہے جس کا اظہار اس کی لہریں کرتی رہتی ہیں۔ یہ لہریں بجلی کی رو کی طرح اس کے اندر سے نکلتی رہتی ہیں جو اس کی طاقت کا اظہار کرتی رہتی ہیں۔ یہ تعداد میں تین مختلف قسم کی ہوتی ہیں جن کی تشریح طویل ہے ان کے نام یہ ہیں: ❶ الیکٹرون ❷ نائٹرون ❸ پروٹرون۔ اعلیٰ دھاتوں میں ان کے مشاہدے آسانی سے کیے جا سکتے ہیں جیسے ریڈیم، یوریم اور پلاٹینم وغیرہ وغیرہ۔ یہاں ہمارا مقصد صرف روح کی حقیقت کا بیان کرنا ہے۔

ان حقائق سے صاف ظاہر ہے کہ طب میں ارواح لطیف گیسز اور بجلی کی لہریں ہیں جن میں بعض کے اندر جلنے کی قوت ہے اور شعلہ قبول کرتی ہیں۔ جلنے والی گیس کا نام آکسیجن (نسیم) رکھ لیں یا کچھ اور نام رکھ لیں۔ یعنی اس کو حرارت غریزی (اصلی) کے شعلہ کا نام دے دیں یا حرارت غریزی کی مدد و معاونت کرنے والا مادہ جس کے ایٹم کے پھٹنے سے حرارت غریزی پیدا کر دیتی ہے۔ اس توضیح سے ہم زندگی کے بہت قریب پہنچ جاتے ہیں یعنی ہم حرارت غریزی کو پیدا کر سکتے ہیں۔ البتہ اس میں شعلہ (سپارک) جس کو ہم روح کہتے ہیں اس کی ضرورت باقی رہ جاتی ہے اگر موجودہ دور کے سائنسدانوں کے تجربات کی طرف ہم غور کریں کہ انہوں نے بعض چھوٹے چھوٹے جانوروں کو مار دینے کے کئی کئی گھنٹے بعد ان میں دوبارہ زندگی پیدا کر دی ہے یا ایسے انسانوں کو دوبارہ زندگی لوٹا دی ہے جو ڈوب کر مر گئے تھے یا بجلی کے شاک سے مر گئے تھے یا آکسیجن کے ٹینٹ (خیمہ) میں مرنے والوں کو زندہ رکھ کر ان کو موت سے باہر گھسیٹ لیا جاتا ہے تو تسلیم کرنا پڑے گا کہ آئندہ بہت جلد انسان اس امر پر قابو پا لے گا کہ وہ روح کے شعلہ (سپارک) سے حرارت غریزی کو پھر روشن کر دے۔ اس میں مذہب کے

خلاف کوئی بات پیدا نہیں ہوتی وہ بھی امر ربی ہوگا۔ بلکہ یوں خیال کرلیں کہ خداوند حکیم نے ہمیں خود زندگی کے طریق سے آگاہ کیا ہے۔ ثبوت کے طور پر قرآن حکیم میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے مردوں کا زندہ کرنا ثابت ہے۔ بلکہ مٹی کے پرند بنا کران میں روح پھونکنا ثابت ہے۔ یہ طاقت پیدا ہونے کے بعد مریضوں اور کوڑھیوں کو ہاتھ لگا کر تندرست کر دینا معمولی بات ہے۔

لیکن ضرورت اس امر کی ہے کہ ہمیں اس گیس (روح) کا علم ہو جائے جو اپنے شعلہ (سپارک) سے حرارت غریزی کو پھر روشن کر دے جس طرح ہم بجلی کی مثبت و منفی تاروں کو جب باہم جوڑتے ہیں تو شعلہ بھڑک اٹھتا ہے۔ ہر شخص بجلی کی تاروں میں جدا جدا بجلی کی لہروں کو محسوس کرسکتا ہے۔ مگر شعلہ اس وقت پیدا ہوتا ہے جب دونوں تاروں کو ملایا جاتا ہے۔ یہی روح ہے۔

روح اور حرارت غریزی

حرارت غریزی کے متعلق اگرچہ حکمائے متقدمین اور متاخرین میں اختلافات ہیں۔ لیکن وہ سب اس امر پر متفق ہیں کہ حرارت غریزی ایک ایسی حرارت ہے جو قیام نطفہ کے وقت مرد اور عورت کے مادہ تولید کے ملنے کے ساتھ پیدا ہوتی ہے اور اسی پر زندگی قائم ہے اور جب وہ ختم ہو جاتی ہے تو موت واقع ہو جاتی ہے اس لیے اس کو حرارت اصلیہ بھی کہتے ہیں۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا نطفہ اور مادہ تولید میں پہلے حرارت نہیں ہوتی۔ جواب یہ ہے کہ ان میں ہوتی ہے۔ مگر دونوں کے ملنے سے ایک شعلہ پیدا ہوتا ہے جس طرح بجلی کے دو تاروں میں جدا جدا بجلی کی رو تو چل رہی ہوتی ہے مگر شعلہ اس وقت پیدا ہوتا ہے جب وہ دونوں آپس میں ملتی ہیں۔ بس یہی شعلہ ہی روح ہے۔

طب قدیم کے قانون کے مطابق حرارت غریزی بڑھائی نہیں جاسکتی۔ اس کے برعکس ماڈرن سائنس اس امر کو تسلیم کرتی ہے کہ حرارت غریزی کوئی حرارت اصلیہ نہیں ہے۔ بلکہ جسم انسان میں پیدا شدہ حرارت ہے۔ اس کو جس قدر بھی چاہیں انسان بڑھا سکتا ہے۔ اس کا جواب طب قدیم کا وہ ہے جو ہم اوپر لکھ چکے ہیں۔ انسانی نطفہ اور عورت کا مادہ تولید اپنے ملنے پر جو حرارت پیدا کرتا ہے پھر زندگی بھر یہ حرارت اور شعلہ پیدا ہونا فی الحال ممکن نہیں۔ آئندہ شاید کوئی ایسی صورت پیدا ہو جائے ممکن ہے البتہ ان دونوں نظریات میں جو مغالطہ ہے کہ روح کو شعلہ تسلیم کرلیا جائے اور حرارت غریزی جلنے والا مادہ (بتی) تو حقیقت اس طرح سامنے آجاتی ہے کہ شعلہ پھر روشن نہیں کیا جاسکتا۔ اگرچہ حرارت غریزی کو زیادہ سے زیادہ جس قدر بھی بڑھایا جائے اس سے دو مقدمات واضح ہو جاتے ہیں کہ انسان حرارت غریزی کے ساتھ زندہ ہے اور وہ بڑھائی جاسکتی ہے مگر شرط ہے کہ شعلہ (روح) روشن رکھا جائے تو اس طرح انسان ایک لمبی عمر تک زندہ رہ سکتا ہے۔ دلیل کے طور پر چند شواہد بھی پیش کیے جاسکتے ہیں۔ مثلاً پیدائش کے بعد تندرست بچے کا سانس نہ لینا یا مر جانا یا تندرست نوجوان کا دم گھٹ جانا یا ڈوب جانا۔ بلند مقام سے گر کر مر جانا اور بہت زیادہ خون خارج ہو جانے کے بعد موت کا واقع ہو جانا۔ ان سب مشاہدات سے صاف ظاہر ہے کہ حرارت غریزی تو جسم میں قائم ہے مگر روح کا شعلہ بجھ گیا ہے اور اسی پر زندگی کا دارومدار ہے۔

قرآن حکیم اور روح

قرآن حکیم نے روح کے متعلق فرمایا ہے: ﴿قل الروح من امر ربی﴾ (کہہ دیں کہ روح میرے رب کا امر ہے) رب کو ہم نے نور اور حرارت غریزی (اصلی) تسلیم کیا ہے اور شعلہ اس وقت پیدا ہوتا ہے جب امر ربی صادر ہوتا ہے۔ یہی روح ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ روح ایک شعلہ ہے۔ حکماء نے جسم انسان میں ایک طبی روح کو تسلیم کیا ہے جس کو مذہبی روح سے ایک الگ ہستی قرار دیا ہے۔ جیسا کہ شیخ

الرئیس نے بیان کیا ہے جو ہم گذشتہ صفحات میں لکھ چکے ہیں۔ یہی روح ایک شعلہ ہے جو بھڑک اٹھتا ہے۔ اگرچہ روح کے مشرقی اور مغربی تصورات میں بہت کچھ فرق ہے فرنگی طب اور ماڈرن سائنس روح کو سپرٹ کہتی ہے وہ سپرٹ کو روح شراب بھی کہتے ہیں جو ایک محلول ہے اور آگ سے بھڑک اٹھتا ہے اور شعلہ پیدا کرتا ہے۔ اس سے بھی روح کے ایک پہلو کی وضاحت ہوتی ہے۔ دوسری دلیل مادہ اور جوہر کی ہے اگر ان دونوں کی تقسیم کو جاری رکھا جائے تو آخر میں ان کا اختتام بھی شعلہ پر ہوگا۔ تیسری دلیل یہ ہے کہ ماڈرن سائنس کی تحقیق سے بھی اگر عناصر (ایلیمنٹ) کا تجزیہ کیا جائے تو وہ بھی ایٹم کے بعد برقات (الیکٹرون) پر ختم ہوتا ہے جو بذات خود شعلہ ہیں۔ چوتھی دلیل قدیم آیورویدک سائنس کی ہے۔ جو پانچ ارکان (تت) تسلیم کرتی ہے اور ان کی پیدائش کو اس طرح بیان کرتی ہے ❶ پرتھوی (مٹی) کی پیدائش جل (پانی) سے ہوئی ہے ❷ جل کی پیدائش وایو (ہوا) سے ہوئی ہے ❸ وایو کی پیدائش اگنی (آگ) سے ہوئی ہے ❹ اگنی کی پیدائش آکاش (ایتھر) سے ہوئی ہے۔ آگ اگر شعلہ ہے تو تسلیم کرنا پڑے گا کہ ❺ آکاش آگ کا سمندر ہے جو اس کائنات کے اوپر پھیلا ہوا ہے اور آفاق کا سلسلہ اس سے قائم ہے جس کو ہم روح عالم کہتے ہیں۔ قرآن حکیم نے بھی آسمان کو اثیر کے معنوں میں بیان کیا ہے جس کو ماڈرن سائنس ایتھر کہتی ہے۔ وہ فرماتا ہے: ﴿أَوْ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَاءِ فِيهِ ظُلُمَاتٌ وَرَعْدٌ وَبَرْقٌ﴾ (یا بارش کی مانند آسمان سے جس میں اندھیرا اور گرج اور بجلی ہے) ان حقائق سے ثابت ہے کہ اثیر ایک آگ کا سمندر ہے۔ قرآن حکیم میں اور بھی کئی جگہ اس سما کی وضاحت آئی ہے جن سے ان حقائق کی مزید وضاحت کی گئی ہے۔

نفس اور آفاق

اگر نفس اور آفاق کے تعلق کو آپس میں جوڑا جائے تو تسلیم کرنا پڑے گا کہ دونوں آگ کے قبیل سے تعلق رکھتے ہیں۔ ہندو علم العقائد (میتھالوجی) میں آتما اور پرماتما کی تعلیم پر اگر غور کیا جائے تو وہ بھی بہت کچھ نفس اور آفاق کے تصورات اور اثرات کی ایک ہندی شکل ہے جس کے متعلق قرآن حکیم نے بھی فرمایا ہے جو کچھ آفاق میں ہے وہی نفس میں ہے۔ اس نفس اور آفاق اور آتما و پرماتما کی توضیح کا مقصد یہ ہے کہ ان سب چیزوں کا تعلق آگ سے ہے اور صرف آگ ہی میں وہ قوت ہے جو زندگی بخش ہے۔ پرورش کرتی ہے اور حرارت بخشتی ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ آگ کی پوجا ہوتی رہی ہے۔ فرقہ زرتشت خدا کا تصور آگ سے کرتا ہے۔

قرآن حکیم نے رب کا جو لفظ دیا ہے اس میں بھی زندگی و پرورش اور حرارت کے معنی پائے جاتے ہیں۔ ان حقائق سے ثابت ہے کہ روح کو ہوا کہنا بالکل غلط فہمی ہے بلکہ اس کو شعلہ اور سپرٹ کہنا زیادہ مناسب ہے۔ یہی شعلہ انسانی جسم میں حرارت غریزی کو روشن رکھتا ہے یا اس سے حرارت غریزی جلتی ہے اور زندگی قائم رہتی ہے۔ حرارت غریزی ختم ہو جائے یا شعلہ کسی صورت میں بجھ جائے تو زندگی کو فنا آ جاتی ہے۔

جہان اکبر اور جہان اصغر

یہ کائنات و آفاق اور برہما جس کو جہان اکبر بھی کہتے ہیں جن قوانین اور قویٰ کے تحت چل رہا ہے، بالکل انہی قوانین اور قویٰ کے تحت جسم انسان میں روح و نفس اور من چل رہا ہے۔ اس کو جہان اصغر کہتے ہیں جن کی مختصر تشریح یہ ہے کہ جس طرح جہان اکبر میں قوت اور بجلی کی پیدائش کیمیاوی ذرہ ہائے، رگڑ کی صورت اور کشش ثقل سے ہو رہی ہے اسی طرح جہان اصغر میں بھی یہ نظام قائم ہیں اور اس میں بھی ہر گھڑی قوت و بجلی پیدا ہو رہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ❶ انسان کا ہر حیوانی ذرہ ایک الیکٹرک سیل ہے ❷ جسم انسان میں خون کی گردش حرکت و رگڑ (ایکشن) کے اصولوں پر بجلی اور قوت پیدا کر رہی ہے ❸ ہر غیر حیوانی ذرہ اپنے اندر نظام شمسی (نظام ایٹم) اور ہر گھڑی غیر شعوری طور پر بجلی

اور قوت پیدا کر رہا ہے۔ جب جہان اکبر اور جہان اصغر دونوں ایک قانون کے مطابق فطرت اور قدرت کے تحت قائم ہیں۔ پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ ان کا باہمی تعلق نہ ہو یہ تعلق نفس و آفاق کا ہی ہے۔

مادہ قوت اور روح

یہ حقیقت ہے کہ جو قوتیں نفس و آفاق میں پیدا ہو رہی ہیں وہ بغیر مادہ کے ناممکن ہیں۔ جس مقام پر قوت اور بجلی پیدا ہو رہی ہے وہ کیمیاوی طور پر ہو چاہے حرکت سے پیدا ہو یا نظام شمسی اس کا ذریعہ ہو وہاں پر مادہ مقدم ہے اور اس کے ساتھ کسی ایسی قوت کا تصور بھی ضروری ہے جو مادہ اور قوت کے نظام کو قائم رکھ سکے۔ کیونکہ بغیر قوام کے نظام جہاں ممکن نہیں ہے۔ اس کا نام ہم روح رکھتے ہیں۔ گویا جہاں پر قوت کا تسلسل قائم ہے وہاں پر مادہ وقوت اور روح تینوں موجود ہیں۔ ان میں سے اگر ایک بھی نفی کر دیں تو قوئ اور بجلی کی پیدائش فوراً ختم ہو جاتی ہیں۔ گویا انسانی جسم مادہ وقوت اور روح کا مرکب ہے۔

اگر غور سے دیکھا جائے تو مادہ اور روح کا فرق کثافت اور لطافت کا ہے اور ان کا تعلق ہمیشہ قوتوں سے قائم رہا ہے۔ مادہ بغیر صورت کے نظر نہیں آسکتا اس کی یہ صورتیں عناصر وارکان کی شکل میں ہوں یا موالید ثلاثہ کے جسم میں پائی جائیں لیکن اپنی صورت میں نظر نہیں آسکتا۔ مادہ اپنی شکل وصورت میں ایک جسم ضرور ہے مگر وہ ایک ہیولیٰ ہے جس کو مادہ کی ابتدا کہنا چاہیے۔ جب ہیولیٰ کی حقیقت پر غور کیا جائے تو اس کی اصل بھی قوت اور روح پر ختم ہو جاتی ہے۔ گویا مادہ کے اندر بھی روح کارفرما ہے جس طرح مادہ کا اظہار صورت سے ہوتا ہے روح کا اظہار عمل اور حرکت سے ہوتا ہے۔

جسم خودکار روح ہے

ہم یہ ثابت کر چکے ہیں کہ مادہ میں روح ہوتی ہے جیسے جسم میں مادہ ہوتا ہے۔ اس لیے ہر ایک جسم وہ ذی حیات ہو یا غیر ذی حیات اپنے اندر ایک روح اور خاص قسم کی زندگی رکھتا ہے۔ یہاں تک کہ ہر ذرہ زمین اپنے اندر ایک نظام زندگی رکھتا ہے اور ایٹم (ابتدائی ذرہ) کی جدید تحقیقات نے بھی اس حقیقت کو ثابت کر دیا ہے کہ ہر ذرہ اپنے اندر نظام شمسی رکھتا ہے جو بذات خود ایک زندگی ہے اس لیے یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ ہر جسم اپنے اندر روح رکھتا ہے اور دوسری طرف یہ حقیقت بھی واضح ہوگئی ہے کہ ہر جسم حیات اور ظاہری طور پر غیر ذی حیات بے شمار ذرات کا مجموعہ ہے۔ دونوں حقائق کو اگر ملایا جائے تو ایک نئی تیسری حقیقت بھی سامنے آجاتی ہے کہ ہر جسم زندگی اور روح رکھنے والے ذرات کا مجموعہ ہے۔

روح ایک امر ناگزیر ہے

مندرجہ بالا حقائق سے یہ حقیقت ثابت ہوگئی ہے کہ روح ایک امر ناگزیر ہے۔ جو جسم کی قوت سے فطرت کے مطابق عمل کرنے سے جاری ہوتا رہتا ہے اور یہی ''من امر ربی'' ہے۔ اگر اجسام اپنی صحیح شکل میں اپنی قوتوں کو پیدا کریں اور وہ قوتیں فطرت کے عمل کے مطابق اپنا عمل جاری رکھیں تو روح نہ صرف عدم سے امر خداوندی کے مطابق پیدا ہوتی رہتی ہے بلکہ ارتقاء کی منزلیں بھی طے کرتی ہے بالکل اسی طرح جیسے اجسام کے خواص ہیں ان کے مطابق ارواح کا ظہور یقینی ہے اگر اجسام ختم ہو جائیں گے تو نہ قوتیں پیدا ہوں گی اور نہ ہی روح امر ہوگی اور موت وارد ہو جائے گی۔ بس اسی عمل ورد عمل کو قرآن لفظ ''دین'' کہتا ہے۔ گویا زندگی اور کائنات کی روحیں فطرت اور قدرت کے مطابق عمل در عمل پر قائم ہیں۔ یہی ارواح کی حقیقت ہے۔ اگر فرنگی طب اور ماڈرن سائنس تسلیم نہ کرے تو ہمارا چیلنج قبول کرلے ہم ان کی تشفی کرنے کے لیے تیار ہیں۔

⑥ قویٰ

قوت کی تعریف

قوت وہ شے ہے جو فعل کا بالذات مبداء اور مرکز ہو۔ جس سے طبی روح کے افعال صادر ہوں۔ یعنی قوت خود کار شے ہے جو روح کے واسطے سے اپنا عمل کرتی ہے۔

قویٰ کے اقسام

شیخ الرئیس لکھتے ہیں:

(وھی ثلثة اقسام طبیعیة وھی فی الکبد وحیوانیة وھی فی القلب ونفسانیة وھی فی الدماغ).

''قوتوں کی تین قسمیں ہیں: ❶ قوت طبیعیہ جو جگر میں ہے ❷ قوت حیوانیہ جو قلب میں ہے ❸ قوت نفسانیہ جو دماغ میں ہے''۔

یہ امر حقیقت پر مبنی ہے کہ دنیا کی ہر قوت کا منبع حرکت ہے۔ اس حرکت سے دوسری قوت پیدا ہوتی ہے جس کو حرارت کہتے ہیں اور پھر اس سے تیسری قوت کا ظہور عمل میں آتا ہے اس کو غذائیت کہتے ہیں۔ ان قویٰ کو ماڈرن سائنس میں علی الترتیب ❶ فورس ❷ ہیٹ ❸ انرجی کہتے ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ دنیا میں تین ہی قسم کی طاقتیں پائی جاتی ہیں۔ قویٰ کے تین ہونے کی دلیل یہ ہے کہ بدنی قوت کا فعل دو حال سے خالی نہیں ہے۔ اگر شعور کے ساتھ نہ ہوگا تو پھر اس کی دو صورتیں ہیں یا وہ حیوان کے ساتھ خاص ہوگا۔ اگر حیوان کے ساتھ خاص ہے تو اس کا نام قوت حیوانیہ ہے اگر اس کے ساتھ خاص نہیں ہے تو اس کا نام قوت طبیعیہ ہے۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ تین قوتیں کیوں ضروری ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ قوت حیوانیہ اس لیے ضروری ہے کہ بدن انسان عناصر سے مرکب ہے اور ہر ایک عنصر قدرتاً الگ ہونے اور متعفن ہونے کا میلان رکھتا ہے۔ اس لیے ایسی قوت کی ضرورت ہے جو ان کو الگ ہونے سے روکے اور متعفن نہ ہونے دے۔ اسی کا نام قوت حیوانیہ ہے۔

قوت نفسانیہ اس لیے ضروری ہے کہ اسی سے اچھے برے کی تمیز ہوتی ہے اگر یہ نہ ہو تو ہمیں نہ غذا کا علم ہو اور نہ آگ اور زہر کی تمیز ہو اور نہ ہم کسی مضادِ حیات سے بچ سکتے ہیں اور نہ کسی مفید چیز کی طلب کر سکتے ہیں۔

قوت طبیعیہ اس لیے ضروری ہے کہ بدن حرارت و رطوبت سے مرکب ہے اور رطوبت جب حرارت سے ملتی ہے تو بخارات بن کر تحلیل ضرور ہوتی ہے۔ اس لیے کسی ایسی قوت کی ضرورت ہوتی ہے جو اس تحلیل کا عوض حاصل کرتی رہے۔ ورنہ چند دنوں میں انسان فنا ہو جائے۔

یہ حقیقت ہے کہ جس بدن میں جو قوت ہوتی ہے وہ اس کے نظام کو قائم رکھتی ہے جس کے ساتھ وہ فطری طور پر اس میں اصلاح و تدبیر بھی کرتی رہتی ہے۔ اگر قوت میں یہ خوبی نہ ہو تو وہ جسم قائم نہ رہ سکے۔ اسی حقیقت کے تحت انسان کے اندر بھی جو قوت ہے وہ اصلاح و تدبیر اور نظام میں مصروف ہے۔ اس کو قوت مدبرہ بدن یا نفس ناطقہ کہتے ہیں۔ انگریزی میں اس کو وائٹل فورس کہتے ہیں۔ یہ وائٹل فورس جسم انسان میں تین مخصوص کام کرتی ہے جن کا تعلق اعضائے رئیسہ سے ہوتا ہے جو قوت مدبرہ بدن کے تحت اس کے فرائض انجام دیتے ہیں۔ ان کے نام اور اوصاف حسب ذیل ہیں:

❶ قوت طبعی

جو قوت جسم میں غذا اور نشو و نما کے کام انجام دیتی ہے اس کو قوت طبعی کا نام دیتے ہیں۔ اور انگریزی میں نیچرل فورس کہتے ہیں جس کا مقام جگر ہے۔

❷ قوت نفسانی

جو قوت جسم میں احساسات اور تحریکات کا باعث ہوتی ہے اس کو قوت نفسانی کا نام دیتے ہیں اور انگریزی میں اس کو مینٹل فورس کہتے ہیں۔ اس کا مقام دماغ ہے۔

❸ قوت حیوانی

جو قوت جسم میں حرکات و افعال قائم رکھتی ہے اس کو قوت حیوانی کا نام دیتے ہیں اور انگریزی میں اسے اینی مل فورس کہتے ہیں۔ اس کا مقام قلب ہے۔

دراصل یہ تینوں قوتیں ایک ہی قوت کے تین مظہر ہیں جو تین مختلف مراکز میں تقسیم کر دی گئی ہیں تاکہ ان کے تعلق سے وہ ایک دوسری کے ساتھ کام کر سکیں کیونکہ قدرت نے ہر عضو کے افعال میں اس کی ایک جبلت (انسٹنکٹ) پیدا کر دی ہے جس کے تحت وہ قائم اور جاری ہے۔

قوت طبیعیہ کے اقسام

شیخ الرئیس لکھتے ہیں:

(اما القوۃ الطبیعیۃ فتنقسم الی قسمین مخدومہ وخدمۃ اما المخدومۃ فتنقسم الی مایتصرف فی الغذاء البقاء الشخص وھی الغاذبیۃ والنامیۃ والٰی ما یتصرف فی الغذاء البقا النوع وھی المولدۃ والمصورۃ).

''قوت طبیعیہ کی دو قسمیں ہیں ❶ مخدومہ ❷ خادمہ۔ پھر مخدومہ کی بھی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ ہے جو بقائے شخص کے لیے غذا میں تصرف کرتی ہے اور اس کی بھی دو قسمیں ہیں: ❶ غاذیہ ❷ نامیہ۔ دوسری قسم وہ ہے جو غذا میں بقائے نوع کے لیے تصرف کرتی ہے اس کی بھی دو قسمیں ہیں: ❶ مولدہ ❷ مصورہ''۔

ان کی تشریح شیخ الرئیس اس طرح بیان کرتے ہیں:

(واما الغاذیۃ فھی التی تحلیل الغذاء الٰی مشابھۃ المفتذی یخلف بدل ماتیحللٗ منہ. واما النامیۃ فھی التی تنریدنی اقصار الجسم علی التناسب الطبیعی لیبلغ علٰی تمام النشوء واما المولدۃ فعلٰی نوعین نوع یحصل المنی فی الذکور الانثٰی ونوع اخر یفصلُ القوی التی فی المنی فیمزجُھا تمریجاۃٍ مختلفۃ بحسب کل عصوٍ و تسمٰی المغیرۃ الاولٰی. واما المصورۃ فھی التی تصدُر فیھا تخطیط الاعضاء وتشکیلاتھا وتسمٰی المغیرۃ الثانیۃ. واما الخادمۃ فھی الجاذبۃ والماسکۃ والھاضمہ والدافعۃ للتفل).

''غاذیہ وہ قوت ہے جو غذا کو بدل کر مغتذی کے مشابہ کر دیتی ہے۔ تاکہ یہ غذاء اس چیز کا عوض اور بدل بن جائے جو اس عضو سے تحلیل ہو گئی ہے۔ نامیہ وہ قوت ہے جو جسم کو طبعی تناسب میں بڑھاتی ہے۔ یہاں تک کہ وہ جسم اپنی پوری بڑھوتری تک پہنچ جاتا

ہے مولدہ دو قسموں میں تقسیم ہوتی ہے۔ایک قسم تو وہ ہے جو مرد و عورت میں منی کو پیدا کرتی ہے اور دوسری قوت وہ ہے جو ان قوتوں کو جدا جدا کرتی ہے جو منی میں موجود ہوتی ہیں اور پھر ان قوتوں کو مختلف ترکیبوں سے ہر عضو کے مطابق ترتیب دیتی ہے اس کا نام مغیر اولیٰ ہے۔مصورہ وہ قوت ہے جو اعضاء کے خط و خال اور شکل و صورت پہناتی ہے۔اس کا نام مغیر ثانیہ ہے۔قوت خادمہ کی چار قسمیں ہیں جن کو ❶ جاذبہ ❷ ماسکہ ❸ ہاضمہ ❹ دافعہ کہتے ہیں''۔

یہاں پر یہ حقیقت ذہن نشین کر لیں کہ قوت غاذیہ کے فعل اور قوت نامیہ کے فعل میں یہ فرق ہے کہ تغذیہ میں انسانی جسم کی کمی جو گرمی اور حرکت وغیرہ سے تحلیل ہو جاتی ہے وہ کمی پوری ہو جاتی ہے اس پر اضافہ نہیں ہوتا۔اور تنمیہ میں اعضاء پہلی حالت سے بہت زیادہ بڑھ جاتے ہیں۔چنانچہ جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو وہ بڑھ کر جوان ہو جاتا ہے۔مگر یہ یاد رہے کہ قوت نامیہ اعضاء کو اسی تناسب سے اور اسی حد تک بڑھا سکتی ہے جس حد تک قد و قامت ہو سکتا ہے جس کی کم و بیش ایک حد ہوتی ہے۔یہ نہیں ہے کہ نامیہ کا فعل ہمیشہ جاری رہتا ہے اور اعضاء ہمیشہ بڑھتے ہی چلے جاتے ہیں۔حتیٰ کہ انسان کا بدن ایک ہاتھی کے برابر ہو جائے۔نیز نامیہ تینوں قطروں (لمبائی۔چوڑائی۔موٹائی) میں بڑھتا ہے۔اگر صرف فربہی آ جائے اور لمبائی میں اضافہ نہ ہو جیسا کہ توند والے فربہ لوگوں میں پایا جاتا ہے تو وہ نامیہ کا فعل نہیں سمجھا جا سکتا۔بلکہ وہ غاذیہ کے افعال میں داخل ہوگا۔

قوت مولدہ کے تحت جو دو قوتیں بیان کی گئی ہیں اوّل محصلہ (جمع کرنے والی) دوسرے مفصلہ (جدا جدا کرنے والی) ان کی توضیح یہ ہے کہ منی گو ایک چیز ہے پھر اس میں دو جدا جدا قوتیں کیسے پائی جاتی ہیں اور اس سے بڑھ کر یہ کہ اسی سے ہڈی جیسے سخت اعضاء بھی بنتے ہیں اور گوشت جیسے نرم اعضاء بھی بن جاتے ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ منی اگرچہ دیکھنے میں بظاہر ایک جیسی معلوم ہوتی ہے مگر دراصل اس کے اندر مختلف قسم کے اجزا پائے جاتے ہیں اور ان اجزاء کے اندر مختلف کیفیات پائی جاتی ہیں جو تمام اپنی اپنی جگہ مختلف قوتیں ہیں۔اور ہر قوت اپنی اپنی جگہ کام کرتی ہے جیسے خون میں مختلف اجزا ہوتے ہیں اور وہ مختلف اعضاء کی غذا بنتے ہیں۔

فرنگی طب کا اعتراض

فرنگی طب کو اعتراض ہے کہ تمام اعضاء کی قوت غاذیہ و نامیہ کا مرکز جگر ہے۔بلکہ تمام اعضاء کے اندر قدرتی طور پر قوت غاذیہ و نامیہ موجود ہوتی ہے۔جو شریانی خون کی دوامی آمد سے قائم رہتی ہے۔

طب قدیم کا جواب

جاننا چاہیے کہ شریانی خون اس وقت تک غذا نہیں بن سکتا جب تک وہ شریان سے جسم پر ترشح نہ پائے۔ترشح کا عمل شریانوں کے اختیار میں نہیں ہے۔یہ کام ان غدد کے ذمہ ہے جو شریانوں کے سروں پر لگے ہوئے ہیں جو جگر کے تحت کام کرتے ہیں اور ان کی بناوٹ جگر جیسی ہے اس لیے ثابت ہوا کہ قوت غاذیہ و نامیہ کا مرکز جگر ہے۔

طب فرنگی کا اعتراض

فرنگی طب اعتراض کرتی ہے کہ قوت مصورہ جس کا کام جنین کی شکل و صورت بنانا ہے۔یہ قوت رحم میں ہوتی ہے یعنی مادہ منی کے اندر

جو شکل وصورت پیدا ہوتی ہے یہ قوت اس میں رحم سے حاصل ہوتی ہے۔ وہ تسلیم کرتی ہے کہ قوت مصورہ براہ راست نطفہ میں ہوتی ہے جو زن ومرد کے مادہ تولید کے ملنے سے بنتا ہے جس طرح انڈوں میں ہوتی ہے۔ مرغی کے انڈے اگر مناسب گرمی میں رکھے جاتے ہیں تو بچے پیدا ہو جاتے ہیں۔ رحم محض تغذیہ جنین کا بہترین مقام ہے۔

طب قدیم کا جواب

اوّل تو انسانی نطفہ کو مرغی کے انڈے سے تشبیہ نہیں دی جاسکتی۔ کیونکہ اس کے اندر ہی اس کی غذائیت کا انتظام ہے۔ دوسرے انسانی نطفہ کے لیے غذا اور حرارت کے ساتھ احساس وشعور کی بھی ضرورت ہے جو رحم کے بجائے کہیں اور حاصل نہیں ہوسکتی۔ اگر صرف غذائیت اور حرارت کی ضرورت ہوتی تو اب تک مشینی یا بوتل کا انسان بن چکا ہوتا۔ یہی احساس وشعور ہے جو شکل وصورت کو ترتیب دیتا ہے۔

قوتِ حیوانیہ

شیخ الرئیس لکھتے ہیں:

(واما الحیوانیة فھی التی تفصل انبساط القلب والشرائین وانقباضھا للترویح واخراج الابخوة الدخانیة وبھا یکون حرکة الخوف والغضب).

''قوت حیوانیہ وہ قوت ہے جو قلب وشرائین میں پھیلاؤ اور سکیڑ پیدا کرتی ہے جس سے اس کو ترویح اور بخارات دخانیہ کا اخراج ہوتا ہے اور اسی سے ڈر اور غصہ کی حرکت ظاہر ہوتی ہے''۔

اس امر کو یاد رکھیں کہ ڈر اور غصہ میں اخلاط اور روح اور خون میں حرکت ہوتی ہے۔ چنانچہ ڈر میں جب چہرہ سفید ہو جاتا ہے تو اس میں روح اور خون باہر سے اندر چلے جاتے ہیں اور غصہ میں جب چہرہ لال ہو جاتا ہے تو خون اور روح باہر کی طرف تیز ہو جاتے ہیں۔

قوت حیوانی ایسی قوت ہے جو اعضاء کو نفسیاتی قوت کے قبول کرنے پر آمادہ کرتی ہے اور اس کو حرکت کے قابل بنا دیتی ہے۔ فی الحقیقت یہی قوت بدن کو حیات بخشتی ہے اور زندہ رکھتی ہے۔ روح حیوانی اسی کی حامل ہے اور حرارت غریزی اس سے قائم ہے۔

حرارت غریزی پر اعتراض

فرنگی طب حرارت غریزی پر یہ اعتراض کرتی ہے کہ بدن کی حرارت کسی خاص قدرتی جوہر سے نہیں ہے بلکہ جو غذائیں ہم کھاتے ہیں اس کے مخصوص اجزا نسیم (آکسیجن) سے مل کر جلتے ہیں جس سے حرارت پیدا ہوتی ہے۔ غرض بدنی حرارت کا دارومدار غذا پر ہے اور یہ حرارت مسلسل ہر وقت پیدا ہوتی رہتی ہے۔ غذا کے وہ اجزاء جو مستعمل ہو کر بدن کے اندر ہر وقت حرارت پیدا کرتے رہتے ہیں۔ ان میں روغن، شکر، گوند اور نشاستہ خصوصیت سے اہمیت رکھتے ہیں۔

طب قدیم کا جواب

طب قدیم تین قسم کی حرارت کو تسلیم کرتی ہے:

❶ حرارت اصلیہ وہ حرارت ہے جو انسانی جسم کی پیدائش کے نطفہ میں ہوتی ہے۔ اس کو حرارت غریزی کہتے ہیں جو زندگی تک قائم رہتی ہے اور اس کے ختم ہو جانے یا بجھ جانے سے موت واقع ہو جاتی ہے۔ زندگی بھر یہ حرارت دوبارہ پیدا نہیں ہو سکتی۔ اس پر دلیل یہ ہے کہ اگر یہ پیدا ہو سکتی تو نہ بڑھاپا آتا اور نہ ہی موت واقع ہوتی اس کی مثال حکماء نے چراغ میں بتی کی دی ہے جس پر چراغ کی زندگی قائم ہے۔

❷ حرارت بدنیہ، جو صحیح غذا کھانے کے بعد صحت کی حالت میں پیدا ہوتی رہتی ہے اور جسم کی صحت کو قائم رکھتی ہے اور امراض سے محفوظ رکھتی ہے۔

❸ حرارت غریبہ وہ حرارت ہے جو جسم کے مواد کے بھڑک اٹھنے سے پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ فساد خمیر اور تعفن سے پیدا ہوتی ہے۔ یہ حرارت بھی حرارت بدنیہ کی غیر حاضری میں اس کی حفاظت کرتی ہے۔ جس کو ہم بخار کہتے ہیں۔

ان کے فرق کو اس طرح سمجھ لیں کہ ماڈرن سائنس تسلیم کرتی ہے کہ اس میں دو حصے ہائیڈروجن اور ایک حصہ آکسیجن ہوتی ہے۔ پانی چاہے درجہ انجماد تک ٹھنڈا کر لیا جائے پھر بھی اس میں آکسیجن قائم رہے گی۔ کیونکہ پانی اس کی ترتیب پر ہی قائم ہے۔ اور اگر پانی کو کھولاؤ کے مقام تک بھی گرم کر لیا جائے تو بھی پانی میں آکسیجن قائم ہے۔ بلکہ پانی میں جو بخارات پیدا ہوتے ہیں ان میں بھی آکسیجن قائم رہتی ہے۔ یہی اس کی حرارت اصلیہ (غریزی) ہے جس نے اس کو پانی کی شکل دی ہے اور جس حرارت سے وہ پانی گرم ہوتا ہے وہ حرارت بدنیہ ہے جو اس کو پہنچائی گئی ہے۔ تیسری حرارت وہ ہے جب پانی میں فساد ہو کر اس میں حرارت غریبہ پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ فساد اس کے اندر خمیر سے بھی پیدا ہو سکتا ہے اور ہائیڈروجن کے جلنے پر بھی پیدا ہو سکتا ہے۔ اسی فساد ہی سے آج کل ہائیڈروجن بم پیدا کیا گیا ہے۔ اس کا تجربہ ہم پٹرول کو آگ لگا کر اس پر پانی ڈال کر کر سکتے ہیں۔ فرنگی طب کی غلط فہمی صرف اس لیے ہے کہ وہ فزکس (طبیعیات) اور کیمسٹری (کیمیا) کے مسائل کو باہم ملا کر نہ نتائج اخذ کر سکتی ہے اور نہ دونوں کے تعلق کو قائم رکھ سکتی ہے۔

جہاں تک روغن، شکر، گوند اور نشاستہ کا تعلق ہے ان کے اندر جو حرارت ہے ان کے اثرات وافعال سے بھی وہ بے خبر ہے۔ کیونکہ ہر شے جدا قسم کی ہے۔ اس کے عناصر جدا ہیں اور وہ جدا قسم کی حرارت پیدا کرتی ہے۔ دلیل کے لیے ہم ایٹم بم۔ نائٹروجن بم اور ہائیڈروجن بم کو پیش کرتے ہیں۔ کیا کوئی ان کی حرارت کو ایک ہی قسم کی ثابت کر سکتا ہے۔ پھر اگر لطافت کے اعتبار سے حرارت کو دیکھنا شروع کر دیں تو ہم آگ و بجلی اور ایکس ریز و کاسمک ریز تک جا سکتے ہیں۔ جن کے بیّن فرق سے کوئی فرنگی ڈاکٹر اور سائنس دان انکار نہیں کر سکتا۔ ہم ان کو نہ صرف غیر معمولی حقائق معلوم ہوں گے بلکہ ان کو اپنی غلطیوں کا علم بھی ہو جائے گا۔ یہی فطرت ہے۔

یاد رکھیں کہ طب قدیم حرارت غریزی کی حقیقت کو بدن کے اندر اس کی پیدائش کے وقت ایک ایسا جوہر قدرتی طور پر سپرد کر دیا گیا ہے جو بدن کے اندر ہر وقت گرمی بھیجتا رہتا ہے۔ اس جوہر کا مرکز قلب ہے۔ یہ جوہر جوانی کے بعد سے کم ہونا شروع ہوتا ہے اور بڑھاپے تک بتدریج کم ہوتا چلا جاتا ہے۔ جب یہ بالکل ختم ہو جاتا ہے تو موت واقع ہو جاتی ہے۔ اس جوہر کو قوت ''حرارت غریزی'' کہتے ہیں۔ جو دوبارہ پھر کسی صورت سے زیادہ نہیں ہو سکتی۔

جہاں تک غذائی حرارت کا تعلق ہے اس کے متعلق فرنگی طب تسلیم کرتی ہے کہ غذا جزو بدن بھی بنتی ہے اور تولید حرارت کے لیے بھی مواد مہیا کرتی ہے جو ایندھن کا کام دیتی ہے۔ طب قدیم نے غذائی حرارت (بدنی حرارت) کو اس طرح بیان کیا ہے کہ غذا جزو بدن بنتی ہے اور اعضائے بدن کے جو اجزا تحلیل ہوتے رہتے ہیں ان کا بدل اور قائم مقام بن جاتی ہے۔ گویا اس غذائی حرارت کا حرارت سے کوئی تعلق

نہیں ہے۔ یہ امر بھی ذہن نشین کر لیں کہ طب قدیم میں غذا کا تعلق جگر سے ہے اور جگر حرارت پیدا کرتا ہے۔ گویا جسم انسان کی اصل غذا حرارت ہے۔ ماڈرن سائنس اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتی۔

قوتِ نفسانیہ

قوت نفسانی ایک ایسی قوت ہے جو جسم انسان میں احساس اور ادراک کرتی ہے اور ضرورت کے وقت حرکت کے لیے تحریک کرتی ہے اور اس کی ضرورت اس لیے ہے کہ حیوان اور انسان مضر اشیاء سے بھاگ سکے اور مفید و نفع بخش چیزوں کے قریب آ سکے۔ یہ ظاہر ہے کہ ان تحریکات کے لیے مفید و مضر باتوں کا احساس و ادراک ضروری ہے۔

قوت نفسانیہ کی تقسیم

شیخ الرئیس لکھتے ہیں:

(واما النفسانية فتنقسم الٰى مدركة ومحركة. اما المدركة فتنقسم الى ماهو فى الظاهر والٰى ما هو فى الى لباطن. اما التى فى الظاهر فهو السمع والبصر والشم والذوق واللمس. واما التى فى الباطن فالحس المشترك والخيال والمتصرفة والوهم والحافظة).

''قوت نفسانی مدرکہ اور محرکہ میں تقسیم ہوتی ہے۔ پھر مدرکہ قوت ظاہری اور قوت باطنی میں تقسیم ہوتی ہے۔ قوت ظاہری میں ❶ سامعہ ❷ باصرہ ❸ شامعہ ❹ ذائقہ اور ❺ لامسہ ہیں۔ اور قوت باطنیہ میں ❶ حس مشترک ❷ خیال ❸ متصرفہ ❹ وہم اور ❺ حافظہ ہیں''۔

جاننا چاہیے کہ قوت مدرکہ ظاہری کو حواس خمسہ ظاہری بھی کہتے ہیں۔ ان کا کام یہ ہے باہر کی معلومات دماغ کی اندرونی قوتوں تک پہنچاتے ہیں جو تمام اپنی جگہ بھی قوی ہیں۔

❶ قوت سامعہ (سننے کی قوت) ❷ قوت باصرہ (دیکھنے کی قوت) ❸ قوت شامہ (سونگھنے کی قوت) ❹ قوت ذائقہ (چکھنے کی قوت) اور ❺ قوت لامسہ (چھونے کی قوت)۔

اسی طرح قوت مدرکہ باطنی جسے حواس خمسہ باطنی بھی کہتے ہیں ایسی قوت ہے جو حواس خمسہ ظاہری کے احساسات اور ایسے تاثرات کا ادراک کرتی ہے جن کو حواس ظاہری محسوس نہیں کر سکتے۔ یہ بھی اپنی جگہ قوی ہیں۔

① حس مشترک وہ قوت ہے جو حواس خمسہ ظاہری کے احساس کی ہوئی چیزوں کو ضرورت کے وقت دوبارہ بغیر ان چیزوں کی موجودگی کے محسوس کرتی ہے اور تصور کرتی ہے۔

② قوت خیال وہ قوت ہے جو قوت حس مشترک کے خزانے کا کام کرتی ہے یعنی اس کے تمام احساسات خزانہ خیال میں محفوظ رہتے ہیں۔

③ قوت متصرفہ جس کو متخیلہ اور مفکرہ بھی کہتے ہیں ایسی قوت ہے کہ اگر وہ حس مشترک کے احساسات کا اظہار کرے تو اس کو متخیلہ کہتے ہیں۔ اور اگر قوت واہمہ کے ادراکات کا اظہار کرے کو اس کو مفکرہ کہتے ہیں۔

④ قوت واہمہ وہ قوت ہے جو ان معانی کا ادراک کرتی ہے جن کو حواس خمسہ ظاہری احساس نہیں کر سکتے۔ مثلاً کسی لفظ کے معنی جاننا جیسے

رب کے معنی خدا کیے جاتے ہیں یا کسی شخص کے متعلق یہ گمان کرنا کہ وہ دوست ہے یا دشمن ہے۔

⑤ قوت حافظہ وہ قوت ہے جو وہم کے ادراکات کو محفوظ کرتی ہے اور ضرورت کے وقت اس کو پھر ادراک کرتی ہے۔

یہاں پر اس حقیقت پر غور کریں کہ حواس خمسہ ظاہری صرف ظاہری اشیاء کا احساس ہی کر سکتے ہیں۔ لیکن جو واردات اور معنی انسانی ذہن میں تاثرات پیدا کرتے ہیں ان کا احساس نہیں کر سکتے۔ ان کو صرف حواس خمسہ باطنیہ ہی ادراک کر سکتے ہیں انہی کے تحت ہی قوت عقل کام کرتی ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ قوت عقل کیا ہے؟

قوت عقل

یہ ایک ایسی قوت ہے جو اشیاء کی صحیح حقیقت کو ذہن نشین کرنے کے لیے فیصلہ کرتی ہے اور اس کا یہ عمل احساس اور ادراک سے حاصل شدہ تاثرات میں ہوتا ہے۔ اس لیے قوت عقل کو قوت متخیلہ اور قوت متفکرہ بھی کہتے ہیں جب یہ احساس (حواس خمسہ ظاہری کے) تاثرات میں اپنا فیصلہ صادر کرتی ہے تو اس کو قوت متخیلہ کہتے ہیں اور جب یہ ادراک (حواس خمسہ باطنی) کے تاثرات میں اپنا فیصلہ صادر کرتی ہے تو اس کو قوت متفکرہ کہتے ہیں۔ جن تاثرات کا عقل فیصلہ کر لیتی ہے بس یہی اس کا علم ہوتا ہے۔ اس علم کی صحت کا دارومدار صحیح مشاہدات اور صحت مند تجربات پر قائم ہے۔ پھر زندگی بھر انسانی معلومات کا خزانہ اسی علم و عقل اور مشاہدات و تجربات سے بڑھتا رہتا ہے۔ انسان کے مشاہدات و تجربات جس قدر فطرت اور قدرت کے قریب ہوتے ہیں اور علم و عقل کے فیصلے جس قدر صحت مندی کے قریب ہوں گے، اسی قدر انسان حقیقت کے قریب ہوگا۔ اس لیے حقیقت کے قریب پہنچنے تک حواس خمسہ ظاہری اور باطنی کا صحیح ہونا ازبس ضروری ہے۔ اس حقیقت کو بھی یاد رکھیں کہ حقیقت کے قریب پہنچنے کے لیے صرف مشاہدات و تجربات کافی نہیں ہیں بلکہ اس علم کی بھی ضرورت ہے جو عقل کی روشنی میں حاصل ہوا ہے اور قوت خیال اور قوت حافظہ میں محفوظ ہے کیونکہ یہی ادراکات اور مشاہدات اور تجربات کو قبول کرتے ہیں اور قبول کرنے کا کام قوت حیوانیہ کے سپرد ہے جو اعضاء کو نفسانی تحریکات کو قبول کرنے پر آمادہ کرتی ہے اور اسے حرکت کے قابل بناتی ہے۔ فی الحقیقت یہی قوت بدن کو حیات بخشتی اور زندہ رکھتی ہے۔ روح حیوانی اسی کی حامل ہے اور حرارت غریزی اسی سے قائم ہے یا اس طرح سمجھ لیں کہ قوت نفسانی سے مشاہدات و تجربات حاصل ہوتے ہیں۔ اور قوت حیوانی سے وہ قبول ہو کر علم و حقیقت بن جاتے ہیں۔ اس لیے سائنس کے ساتھ فلسفہ بھی ضروری ہے جو علم اور عقل کا خزانہ ہے اور اشیاء کی حقیقت پر روشنی ڈالتا ہے اور انسان کے اندر وجدانی قوت پیدا کر دیتا ہے۔

قوت کی حقیقت

سوال پیدا ہوتا ہے کہ قوت کی حقیقت کیا ہے؟ قوت کے متعلق یہ امر ذہن نشین کر لیں کہ قوت کوئی ایسی شے نہیں ہے جس کو ہم مادی طور پر محسوس کر سکیں۔ اس کا اظہار ہمیشہ کسی طاقت کے فعل سے ہوتا ہے۔ ہم زیادہ تر اس کا ادراک کرتے ہیں۔ البتہ بعض حالتوں میں لمس سے بھی محسوس کر سکتے ہیں۔ انسان میں جب قوت قائم ہوتی ہے تو حواس خمسہ ظاہری اور باطنی میں احساسات اور ادراکات کے علاوہ غور و فکر۔ جرأت و بہادری اور عقل و حرکات جسم کا اظہار ہوتا ہے۔ اور جوں جوں انسان میں قوت کی کمی واقع ہوتی چلی جاتی ہے تو اس کے قویٰ کمزور ہو جاتے ہیں۔ اور ایک وقت ایسا بھی آتا ہے کہ اس میں حس و حرکت ختم ہو جاتی ہے۔ اس کو موت کہتے ہیں لیکن اس کے حیوانی ذرات جسم میں زندہ ہوتے ہیں۔ جب ان میں فساد و خمیر اور تعفن پیدا ہوتا ہے تو ان کی زندگی بھی ختم ہو جاتی ہے لیکن پھر بھی اس کے غیر حیوانی ذرات میں زندگی باقی

رہتی ہے۔ یہ وہ زندگی ہے جو ایٹم کی زندگی کہلاتی ہے۔

انسانی زندگی کے علاوہ جب ہم کائنات پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں پتہ چلتا ہے کہ کائنات میں ہم جن اشیاء کو قوت کہتے ہیں یا جن اشیاء میں قوت نظر آتی ہے وہ آگ، روشنی، نور، برق، حرارت، ہوا کا دباؤ اور پانی کی تیزی ہے اور انہی اشیاء پر کائنات قائم ہے۔ کائنات میں قوت کے جو مظاہر ہیں ان میں شدت کے لحاظ سے بجلی کو سب پر اہمیت حاصل ہے۔ اس کی گھن گرج، برق رفتاری اور جلا کر فنا کر دینے کی تیزی کا مقابلہ نہیں ہے۔ انسان نے جب بجلی کے یہ کارنامے دیکھے تو عقل سے اس کو ایجاد کر لیا۔ اور اس سے اپنی خدمات حاصل کرنی شروع کر دیں۔ یہی بجلی اب اس کے گھر میں روشنی کرتی ہے۔ اس کا پنکھا چلاتی ہے۔ کمروں کو گرم اور سرد رکھتی ہے۔ کھانا تیار کرتی ہے۔ دیگر ہزاروں مشینیں چلانے کے علاوہ اس کی تفریح کے لیے ریڈیو بھی چلاتی ہے۔ نہ صرف موجودہ دور کی سب سے بڑی قوت ہے۔ بلکہ ہر زمانے میں یہی قوت سب سے بڑی قوت تسلیم کی جائے گی۔ ایٹم کی قوت میں اسی کا اظہار ہے۔

بجلی کے اقسام

بجلی تین اقسام سے پیدا ہوتی ہے:

❶ بیٹری میں پیدا ہوتی ہے۔ جو کیمیاوی طور پر تیار کی جاتی ہے۔

❷ ڈائنامو سے پیدا کی جا سکتی ہے۔ یہ مشینی طور پر رگڑ سے پیدا ہوتی ہے۔

❸ نظام کشش ثقل سے پیدا ہوتی ہے۔ یہ ذرات کی گردش سے پیدا ہوتی ہے۔ اسی پر نظام شمسی اور دیگر ستارگان قائم ہیں۔ ان کی تفصیل ہم اپنی کتاب تحقیقات اعادہ شباب میں لکھ چکے ہیں۔

جسم انسان خود برقی سرکٹ ہے

جسم انسان میں بھی انہی تینوں صورتوں سے بجلی پیدا ہوتی ہے۔ ہر حیوانی ذرہ (سیل) ایک مخفف الیکٹرک سیل ہے جس میں بجلی محفوظ رہتی ہے۔ چونکہ اعضائے رئیسہ تین ہیں اور انہی پر زندگی قائم ہے۔ اس لیے بجلی کی تینوں اقسام ان میں جدا جدا ہیں:

① پہلا بجلی کا نظام جو کشش ثقل کے تحت کام کرتا ہے وہ دماغ اور اعصاب کے خلیات میں قائم ہے۔

② دوسرا بجلی کا نظام جو حرکت و رگڑ کے تحت کام کر رہا ہے وہ قلب و عضلات کے خلیات میں قائم ہے۔

③ تیسرا بجلی کا نظام جو کیمیاوی طور پر کام کر رہا ہے وہ جگر و غدد کے تحت کام کر رہا ہے۔

یہ تینوں قوتیں ① قوت حس ② قوت حرکت ③ قوت حرارت (انرجی، ایکشن، ہیٹ) اپنی اپنی جگہ کام کر رہی ہیں۔ اور ضرورت کے وقت قوت کا اخراج کرتی ہیں۔ اس طرح جسم کے مختلف اعضاء اپنے حیوانی ذرات (سیلز) سے مختلف قویٰ کے تحت مختلف اشیاء پیدا کرتے ہیں۔ اعصابی خلیات رطوبات (انرجی) عضلاتی خلیات کیسز (فورس) اور غدی خلیات حرارت (ہیٹ) پیدا کرتے ہیں۔ اس طرح ان کے مرکب سے خون اور اخلاط تکمیل پاتے ہیں۔ یہ سلسلہ بجلی کی طرح ان سیلز (خلیات) سے ہر گھڑی پیدا ہو کر انسانی زندگی و قوت اور صحت قائم رکھتے ہیں۔ گویا بجلی کا ایک نظام (سرکٹ) قائم ہے جو قویٰ کو پیدا اور خارج کر رہا ہے۔ کیا ماڈرن سائنس اور فرنگی طب ان حقائق سے انکار کر سکتی ہے۔ یہ ہماری وہ تحقیقات ہیں جن کے لیے ہم ان کو چیلنج کرتے ہیں۔

راز کی بات

یہاں پر ایک راز کی بات سمجھ لیں کہ یہ تینوں قوتیں (بجلی) باہم مل کر کام کرتی ہیں۔ان کا باہمی گہرا تعلق ہے اور ان میں ضرورت کے مطابق اعتدال رہتا ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے خون کے اجزاء جسم میں ایک خاص اعتدال کے ساتھ کام کرتے ہیں۔ اگر ان قویٰ میں کمی بیشی یا کمزوری واقع ہو جائے تو اعضاء کے افعال بگڑ جاتے ہیں اور صحت قائم نہیں رہ سکتی۔ بس اسی حالت کا نام مرض ہے۔ جب اعضاء کے افعال درست ہو جائیں یا خون کے اجزاء مکمل ہو جائیں یا یہ قوتیں (بجلی) اپنے افعال اعتدال سے انجام دیں تو مرض رفع ہو جاتا ہے اور اس کا نام صحت ہے۔

مقام غور یہ ہے کہ طب قدیم میں ارکان سے لے کر قویٰ تک کس قدر خوبی کے ساتھ ایک دوسرے کو بن دیا جاتا ہے کہ اگر ان میں سے ایک اپنی جگہ سے بگڑ جائے یا خراب ہو جائے یا ان میں کمی بیشی ہو جائے تو اس طرح سارا نظام (سرکٹ) قائم نہیں رہ سکتا۔ یہی زندگی و قوت اور صحت کا راز فرنگی طب کو قطعی معلوم نہیں ہے۔

❋❋❋

⑦ افعال

تعریف افعال

افعال جمع فعل کی ہے۔ فعل وہ امر ہے جو قوت سے عمل میں آتا ہے۔ اور کسی عضو کی حرکت سے سرزد ہوتا ہے۔ یعنی اپنی حالت سکون سے حرکت میں آکر اپنے مقررہ افعال انجام دیتا ہے۔

جاننا چاہیے کہ جب قویٰ کا وجود جسم اور اعضاء کے لیے ضروری ہے تو افعال بھی اس کے لیے ضرور رہوں گے۔ اس لیے جسم اور اعضاء کا وجود بلا ان تینوں قسم کے افعال قویٰ کے ناممکن ہے۔ یعنی افعال کے بغیر قویٰ بیکار ہیں۔

افعال کی تقسیم

شیخ الرئیس لکھتے ہیں:

(اما الافعال فتنقسم الٰی مفرد و مرکب. اما المفرد فھو الذی یتم بقوۃ واحدۃ کاالجذب الامساک والھضم الدفع. و اما المرکب فھو الذی یتم بقوتین فصاعد النفوذ الغذاء فانہ یتم بقوتین الجاذبۃ والدفعۃ).

افعال دو قسم ہوتے ہیں: ① مفرد ② مرکب۔ افعال مفرد وہ ہیں جو صرف ایک قوت سے پورے ہو جاتے ہیں۔ جیسے جذب، امساک، ہضم اور دفع۔ افعال مرکب وہ ہیں جو دو قوتوں یا دو سے زیادہ قوتوں سے انجام پاتے ہیں۔ جیسے نفوذ غذا جو دو قوتوں، جاذبہ اور دافعہ سے انجام پاتا ہے''۔

جاننا چاہیے کہ انسانی جسم اعضاء سے مرکب ہے اور اعضاء انسجہ سے مرکب ہیں اور انسجہ خلیات سے مرکب ہیں۔ خلیہ ایک حیوانی ذرہ جو اپنے اندر زندگی کے تمام افعال رکھتا ہے۔ خلیہ اپنے افعال میں بالکل آزاد ہے۔ مگر ایک ہی قسم کے خلیات جو ایک خاص قسم کا نسیج (ٹشو) بناتے ہیں۔ وہ اپنے خاص قسم کے افعال میں ایک دوسرے سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہی ان کے مفرد افعال ہیں۔ جیسے اعصابی انسجہ میں قوت حس، غدی انسجہ میں قوت غازیہ (نشوونما) پائی جاتی ہے اسی طرح عضلاتی انسجہ میں قوت حرکت پائی جاتی ہے چونکہ انسجہ مفرد اعضا ہیں اس لیے ان کے افعال بھی مفرد ہیں۔

چونکہ اعضائے انسانی انہی انسجہ (مفرد اعضاء) سے مرکب ہیں۔ اس لیے اعضاء کے افعال انہی مختلف انسجہ کے مختلف افعال سے مرکب طور پر انجام پاتے ہیں جیسے غذا کا جسم میں ہضم ہونا۔ یعنی غذا جس عضو کی طرف جاتی ہے اس عضو کی قوت جاذبہ اس کو جذب کرتی ہے اور جس عضو سے جدا ہو کر جاری ہوتی ہے اس کی قوت دافعہ اس کو دفع کرتی۔ اس طرح بھی سمجھ لیں کہ جب مکھی کا جسم پر بیٹھنے کا احساس ہوتا ہے تو یہ صرف اعصاب کا مفرد فعل ہے۔ جب ہم مکھی کو اڑانے کے لیے اسے ہاتھ سے اڑاتے ہیں تو ہاتھ کی یہ حرکت عضلاتی حرکت ہے۔ ان دو افعال سے جو فعل عمل میں آتا ہے بس یہی مرکب فعل ہے۔

جاننا چاہیے کہ جسم انسان میں جس قدر افعال سرزد ہوتے ہیں وہ مرکب ہوتے ہیں۔ اور یہ تمام افعال اس قدر خودکار ہیں کہ ہم ان

کا شعور بھی نہیں کر سکتے البتہ ان افعال کے سرزد ہونے کے بعد جو علامات اور نتائج پیدا ہوتے ہیں ان سے ہم کو اندازہ ہوتا ہے کہ فلاں مفرد فعل اعتدال سے زیادہ یا کم عمل میں آیا ہے۔ بس انہی اعضاء کی کمی بیشی اور ضعف کو جاننے کا نام مرض ہے۔ طب قدیم ان مفرد افعال کو امزجہ واخلاط اور قویٰ واعضاء کے افراط وتفریط اور ضعف سے اندازہ لگا کر مرض کی حقیقت تک پہنچ جاتے ہیں اور ان کو اعتدال پر لا کر صحیح علاج کرتے ہیں۔

فرنگی طب کے علاج میں غلطی

فرنگی طب خلیات (سیلز) اور مفرد اعضاء (ٹشوز) کو تسلیم کرتی ہے بلکہ یہ خوردبینی دور کی تحقیقات ہیں۔ لیکن ان کی یہ تحقیقات تشریح الابدان اور منافع الاعضاء تک محدود ہیں۔ اس نے ان کے کیمیاوی اعمال اور طبعی افعال کو امراض اور علاج کی بنیاد نہیں بنایا۔ اس لیے اس کو مرض کی بنیاد جراثیم پر قائم کرنا پڑی ہے اور علاج کے سلسلہ میں انہی جراثیم کو قتل اور فنا کرنا پڑتا ہے جن کا مفرد اعضاء اور مرکب اعضاء سے کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ بیرونی طور پر یا اندرونی طور پر ان رطوبات پر پلتے ہیں جو خون سے جدا ہوتی ہیں ان کو فنا کر دینے یا اخراج کر دینے سے بھی امراض دور نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ اس طرح اعضاء کے افعال درست نہیں ہو سکتے۔

اعضاء کے افعال اس وقت درست ہو سکتے ہیں جب اعضاء کے افعال درست کیے جائیں۔ خصوصاً ٹشوز (مفرد اعضاء) کے افعال درست کیے جائیں۔ کیونکہ افعال کی خرابی سے وہاں پر پھر جراثیم اپنا حملہ کر سکتے ہیں۔ یہی سب کچھ غیر فطری (ان نیچرل) اور غیر علمی (ان سائنٹیفک) ہے اس لیے ہم فرنگی طب کو غلط کہتے ہیں۔

مفرد اعضاء اور اخلاط

مفرد اعضاء کے افعال کی خرابی کو درست کرنے سے اخلاط بھی اعتدال پر آ جاتے ہیں۔ اسی طرح اخلاط میں اگر اعتدال پیدا کیا جائے تو اعضائے مفردہ (ٹشوز) کے افعال درست ہو جاتے ہیں۔ اس طرح نہ صرف جسم کے تمام مواد وفضلات اور زہر ختم ہو جاتے ہیں بلکہ جراثیم اور ہر قسم کر کرم فنا ہو کر نکل جاتے ہیں۔ گویا اخلاط کا اعتدال ہی اعضائے مفردہ (ٹشوز) کی درستی ہے جن سے ہر قسم کے امراض رفع ہو کر صحت قائم ہو جاتی ہے۔

جہاں تک فرنگی طب، امراض میں اعضاء کی خرابی کو تسلیم کرتی ہے۔ اوّل تو وہ اس کو کچھ اہمیت نہیں دیتی اور جراثیم کی تلاش اور فنا میں سرگرداں رہتی ہے لیکن چونکہ امراض کی ترتیب بالاعضاء ہے اس لیے جب وہ امراض کا نام لیتی ہے تو بالاعضاء ان کا ذکر کرتی ہے۔ جیسے سوزش وورم اور درد کو بھی سر وسینہ اور کبھی معدہ ومثانہ سے موسوم کرتی ہے۔ گویا پورے سر وسینہ اور معدہ ومثانہ کو مرض کی آماجگاہ قرار دیتے ہیں۔ یہی صورتیں جگر وگردوں اور قلب وامعاء میں بھی تسلیم کرتے ہیں۔ لیکن ان کے مفرد اعضاء (ٹشوز) کی خرابیوں کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ گویا بیک وقت تمام عضو کو مریض سمجھتے ہیں اور یہ بھول جاتے ہیں کہ وہ مرکب اعضاء ہیں جو مفرد اعضاء (ٹشوز) سے مرکب ہیں اور بیک وقت تمام مفرد اعضاء (ٹشوز) مریض نہیں ہو سکتے۔ اس لیے ان کے سامنے یہ حقیقت نہیں ہوتی کہ ان مرکب اعضاء کا کون سا مفرد عضو (ٹشو) خراب ہے اور صرف اسی کا درست کرنا ہی صحیح علاج ہے۔ یہی فرنگی معالجوں کی غلط فہمی ہے اس لیے فرنگی طب غلط ہے۔ اگر جراثیم کو ہی مدنظر رکھیں تو تسلیم کرنا پڑے گا کہ مفرد اعضاء (ٹشوز) کے جراثیم مختلف ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہر مرکب عضو میں مختلف جراثیمی امراض نظر آتے ہیں اور

وہاں پر مختلف امراض پیدا کرتے ہیں۔

طب قدیم میں یہی کمال ہے کہ اس میں جو امراض کا ذکر بالاعضاء سے ہے تو ان کے ساتھ ہی ہر عضو، ہر قوت اور ان کے افعال اخلاط کے تحت بیان کر دیئے گئے ہیں۔ گویا امور طبیعیہ کی ساتوں صورتیں ایک دوسرے کے ساتھ بنی اور گوندھی ہوئی ہیں۔ جب کوئی یونانی معالج کسی مرض کا علاج کرتا ہے تو وہ مزاج کے تحت تمام امور طبیعیہ کو سلسلہ وار جانچ لیتا ہے اور پھر اسی مزاج و اخلاط کے تحت دواء اور غذا تجویز کرتا ہے جس کے نتیجہ میں اس کو یقینی اور بے خطا کامیابی ہوتی ہے۔ یہی علمی اور سائنسی طریقہ ہے اور یہی فطری و قدرتی اور صحیح طریقہ علاج ہے۔

ان حقائق سے ثابت ہو گیا ہے کہ امراض کی حقیقت کو سمجھنے کے لیے اور صحیح علاج کرنے کے لیے امور طبیعیہ کا نہ صرف جاننا بلکہ ان کو امراض اور علاج کی بنیاد بنانا انتہائی لازم اور بہت ضروری ہے۔ ان کے بغیر امراض کا جاننا اور صحیح علاج کرنا انتہائی مشکل بلکہ ناممکن ہے۔ اس لیے ہم نے ان حقائق کو واضح کرنے کے لیے مفرد اعضاء (ٹشوز) کا نظریہ دنیائے طب کے سامنے پیش کیا ہے اور ثابت کر دیا ہے کہ مفرد اعضاء و قویٰ اور اخلاط و مزاج لازم و ملزوم ہیں۔ جن سے ایک طرف فرنگی طب کی غلطی و عطائی پن دوسری طرف طب یونانی صحت اور کمال ثابت ہوتا ہے۔ یہی ہماری تیس سالہ تحقیق ہے جس پر ہم دنیا بھر کی تمام تحقیقات کو چیلنج کرتے ہیں اور حقیقی و فطری طب یونانی کے کمالات کی طرف دعوت دیتے ہیں۔

پہلا حصہ ختم

خداوند کریم کا ہزار ہزار شکر ہے کہ اس کتاب (فرنگی طب غیر علمی اور غلط ہے) کا پہلا حصہ ختم ہو گیا ہے۔ اس کے باقی حصے ان شاء اللہ تعالیٰ زندگی بخیر رفتہ رفتہ لکھنے کی کوشش جاری رکھی جائے گی۔ یہ کتاب بھی وقت کی کمی کی وجہ سے عرصہ سات سالوں میں لکھی گئی ہے۔ چونکہ اس وقت اس کتاب کی ضرورت تھی اس لیے اس کے پہلے حصے کو جو نہایت اہم ہے، شائع کر دیا گیا ہے اور باقی حصوں کو دوسرے مناسب وقت کے لیے چھوڑ دیا گیا ہے۔ کیونکہ ضرورت کے مطابق ہمیں دو کتب کی بے حد ضرورت ہے۔

1. تحقیقات علم الادویہ۔ جس کا بہت سا حصہ ''ماہنامہ رجسٹریشن فرنٹ'' میں شائع ہو چکا ہے۔ کوشش کی جائے گی کہ اس کو جس قدر جلد ہو سکے شائع کر دیا جائے۔
2. تجدید طب۔ اس میں علم و فن طب میں تجدید کی اہمیت، تجدید طب کی تاریخ تجدید طب کے لیے طریق کار، نظریات، ہمارا نظریہ مفرد اعضاء اور ہماری تحقیقات کو ترتیب سے پیش کرنا وغیرہ شامل ہے۔

ان دونوں کتب کی چونکہ بہت ضرورت ہے اس لیے کتاب (فرنگی طب غیر علمی اور غلط ہے) کے باقی حصے ان دونوں کتب کے بعد شائع کیے جا سکتے ہیں۔

اس کتاب (فرنگی طب غیر علمی اور غلط ہے) کی ترتیب شیخ الرئیس کے قانون کے مطابق رکھی گئی ہے۔ جیسا کہ ہم ابتداء میں لکھ چکے ہیں کہ طب کے دو حصے ہیں ① علمی یا نظری حصہ ② عملی حصہ۔ عملی حصے کے چار جزو ہیں: ① امور طبیعیہ ② حالات بدن ③ اسباب ④ علامات۔ علمی حصے کے دو جزو ہیں ① علم حفظان صحت ② علم العلاج۔ موجودہ کتاب علمی حصہ کا پہلا جزو ہے۔ جو کتاب فرنگی طب غیر علمی اور غلط ہے کا ایک حصہ ہی شمار ہو سکتا ہے۔

اس کتاب کی اہمیت کا اندازہ اس کے مطالعہ سے واضح ہو جاتا ہے۔ ہمیں افسوس ہے کہ وقت کی کمی کی وجہ سے اس کتاب کو زیادہ تفصیل سے نہیں لکھا جا سکا۔ مکمل تشریحات کی صورت میں اس کتاب کا دس گنا طویل ہونا ممکن تھا۔ لیکن ہم نے اختصار کے ساتھ ساتھ تمام اہم مباحث کو اس میں بہت احسن طریق پر سمیٹ لیا ہے۔ جن سے ایک قاری پورے طور پر مطمئن ہو سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ یہ کتاب علم و فن طب میں ایک انقلابی سنگ میل ثابت ہوگی۔ اور طب قدیم کو نہ صرف اپنا پورا مقام مل جائے گا۔ بلکہ اس کے کمالات کے نور سے دنیا جگمگا اٹھے گی۔ اور فرنگی طب کا مقام واپسی (ٹرننگ پوائنٹ) آج سے شروع ہو جائے گا۔ یہی اس کتاب کے لکھنے کا اصل مقصد ہے۔

وما توفیقی الا باللہ!

۴
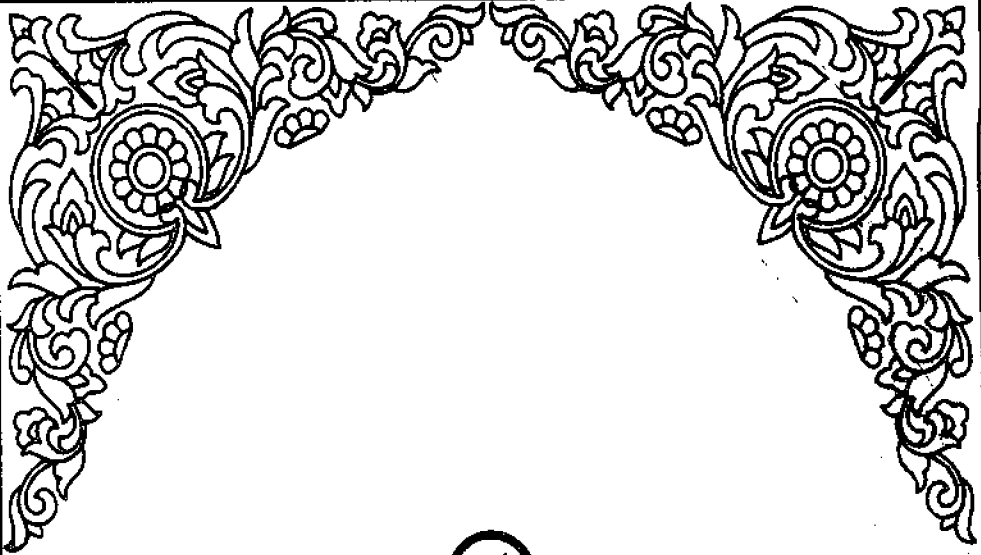
تحقیقاتِ سوزاش واورام

فہرست عنوانات

معنون

اپنی اس علمی تحقیق وفنی انکشاف اور طبی تجدید وسائنسی تدقیق کو جو احیائے طب اور ارتقائے علم وفن کے لئے گئی ہے اپنے عزیز دوست حکیم محمد شریف صاحب زبدۃ الحکماء دواخانہ دنیاپور ضلع ملتان کے نام نامی اور اسم گرامی سے موسوم کرتا ہوں۔ آپ نظریہ مفرد اعضاء کو سمجھنے اس کے تحت علاج معالجہ کرنے اور نبض وقارورہ پر عبور حاصل کرنے کے لئے ایک ماہ سے زیادہ لاہور رہے اور نہ صرف بار بار تشریف لاتے رہے بلکہ اپنے برادر اصغر اور دیگر دوستوں کو بھی بھیجتے رہے۔

آپ تحریک تجدید طب کے سرگرم رکن ہیں، انہوں نے تھوڑے عرصے میں نہ صرف اپنے شہر دنیاپور میں اطباء وحکماء اور صاحب علم و اہل فن کو حلقہ تجدید طب میں شریک کرلیا ہے بلکہ گردونواح کے اطباء اور معالجین کو بھی اس سے پوری طرح آگاہ کردیا ہے ساتھ ہی عوام میں ذوق و شوق اور تبلیغ کے لئے گذشتہ سال وہاں پر 3 نومبر کو میری صدارت میں جلسہ کرایا گیا اور اس سال پھر 4 نومبر کو جلسہ کا اہتمام کیا۔ آپ نے چند ماہ سے طبی تعلیم کا سلسلہ شروع کردیا ہے ان کے ارادے بہت بلند ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے علم وعمل میں برکت بخشے۔

خادم فن

صابر ملتانی

1968ء

پیش لفظ

یہ حقیقت مسلمہ ہے کہ خداوند حکیم نے یہ زندگی اور کائنات اپنی مرضی سے تخلیق کی ہے اور اپنی مرضی کے مطابق بنائی ہے اور ان کا رواں دواں ہونا بھی اسی کی مرضی پر منحصر ہے۔ اس میں انسان اور فرشتوں کے دخل کا کوئی تعلق نہیں ہے کہ وہ ذرّہ برابر بھی اپنی مرضی سے کمی بیشی کر سکیں۔ مگر اللہ تعالیٰ کی ایک صفت عادل بھی ہے اور یہ صفت ربّ و رحمان اور رحیم کے بعد سب سے بڑی صفت ہے کہ مالک یوم الدین ہے، یعنی جزاء اور سزا کے دن کا مالک ہے۔ یہ اسی صورت میں ممکن ہو سکتا ہے کہ اگر مخلوق کو کچھ اختیار بھی دیئے جائیں۔ ظاہر میں تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ مخلوق مجبور ہے، مگر عقل کا تقاضا ہے کہ جزاء اور سزا کا نتیجہ عدل ہے جو بغیر کسی فعل کے صادر نہیں ہو سکتے۔ لیکن اگر غور و فکر سے دیکھا جائے تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ یہ زندگی اور کائنات جو خداوند حکیم کی مرضی سے تخلیق ہوئی ہے اس میں زبردست حکمت پائی جاتی ہے۔ یعنی جو کچھ بھی تخلیق ہوا ہے وہ سب کا سب کسی قانون کے مطابق ہے۔ اس قانون کا نام فطرت ہے جو حقیقت و سچائی ہے اور اس کا نام منشائے الٰہی اور رضائے خداوندی ہے۔

قانون فطرت اور منشائے الٰہی جس پر زندگی اور کائنات رواں دواں ہے۔ یہی حق پرستی اور حقیقت پسندی ہے۔ جب حق و صداقت اور حقیقت و سلامتی کی پرواہ نہیں کی جاتی تو یہ نہ صرف رضائے خداوندی اور منشائے الٰہی کی بغاوت ہوتی ہے جو گناہ کا درجہ رکھتی ہے بلکہ قانون فطرت کی بھی خلاف ورزی ہے۔ جس کا نتیجہ اس کا ردّعمل ہے۔ یہ ردّعمل زندگی میں بھی ہوتا ہے اور کائنات میں بھی ہوتا ہے جس سے زندگی اور کائنات میں خلل واقع ہو جاتا ہے۔ زندگی کے معمولات اور اس کے اعضاء کے افعال میں خلل واقع ہو تو اس کو مرض کہتے ہیں۔ اور اگر کائنات کے معمولات اور اس کے ستارگان کے افعال میں خلل واقع ہو جائے تو اس کو آفت کہتے ہیں۔ یہ سب قانون فطرت کی خلاف ورزیاں ہیں۔

اکثر لوگ زندگی کے خلل اور مرض کو تو سمجھتے ہیں مگر کائنات کے خلل اور آفت کو بہت کم لوگ سمجھتے ہیں۔ جاننا چاہیے کہ اس کائنات کے ہر ذرّہ کا ایک دوسرے سے گہرا تعلق ہے جیسے انسانی یا حیوانی یا نباتاتی جسم کے ہر ذرے کا آپس میں گہرا تعلق ہے بلکہ یہ تعلق اس قدر گہرا ہے کہ جسم کے ایک ذرّے سے دوسرے ذرّے تک کا خون دورہ کرتا ہے۔ جس میں خون کی حرارت و رطوبت اور روح وغیرہ اور دیگر کیمیاوی اجزاء بھی دورہ کرتے ہیں۔ اسی طرح کائنات کے ہر ذرّہ میں بھی اس کی فضا اپنا دورہ کرتی ہے جس کے ساتھ اس کی حرارت و رطوبت اور روح وغیرہ اور دیگر کیمیاوی اجزاء بھی دورہ کرتے ہیں۔ پھر جس طرح زندگی کے جسم میں اس کے کسی ذرّے میں کانٹا چبھ جائے تو وہاں پر درد کے ساتھ ہی سوزش پیدا ہو جاتی ہے جس کے ساتھ ہی جسم کا خون وہاں پر اکٹھا ہو کر ورم کی صورت اختیار کر لیتا ہے اور جسم میں ایک غیر معمولی تغیر پیدا ہو جاتا ہے جس کا نام ہم مرض رکھتے ہیں۔ بالکل اسی طرح جب کائنات کے کسی ذرّے میں فطرت کے خلاف رکاوٹ یا اثر پیدا ہو جائے تو وہاں پر بے چینی پیدا ہو کر ایک ہنگامہ ابھرتا ہے جس کے ساتھ کائنات کی فضا اسی طرف دباؤ ڈال کر وہاں خلل پیدا کر دیتی ہے جس کو آفت کہتے ہیں۔ ان آفات میں آگ و ہوا اور پانی کے طوفان زلزلے اور سیلاب، متعدی امراض اور جنگیں وغیرہ شامل ہیں۔

جو بات میں ذہن نشین کرانا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ زندگی اور کائنات میں حق و صداقت ہی ایک شے ہے۔ اس کی مطابقت کا نام نیکی اور خداترسی ہے۔ یہی منشائے الٰہی و رضائے خداوندی اور اطاعت و سلامتی ہے۔ جہاں پر مطابقت نہیں رہتی وہاں پر گناہ و بغاوت اور مرض و آفت کی صورت بن جاتی ہے جو بذاتِ خود کوئی شے نہیں ہے۔ یعنی جہاں حق و صداقت کے عمل میں رکاوٹ پیدا ہو جائے وہاں برائی اور خلل نمودار ہو گا۔ ورنہ ان کی ذاتی شکل و صورت کوئی نہیں ہے۔

یہی صورت امراض کی بھی ہے کہ وہ بذاتِ خود کوئی صورت نہیں رکھتے۔ اصل صورت زندگی کے نظام اور جسم کے اعضاء اور اعضاء کے ذرّات کے افعال کا درست ہونا ہے۔ جس کا نام صحت ہے۔ جب صحت قائم نہیں رہتی تو اس کا نام مرض رکھ دیا جاتا ہے۔

یاد رکھیں کہ مرض کی ماہیت کو سمجھنے کے لئے جب تک جسم کے طبعی اور صحت مند افعال و حالات کو ذہن نشین نہ کیا جائے۔ اس وقت تک اس کے غیر طبعی افعال و حالات اور مرض پر عبور حاصل نہیں ہوسکتا۔ اس مقصد کے لئے علم تشریح الابدان، علم افعال الاعضاء اور علم الانسجہ کو سب سے پہلے ذہن نشین کرنا ضروری ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ علاج میں کامیابی کا راز صحیح تشخیص ہے جو ماہیت مرض کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتی اور مرض کو سمجھے بغیر علاج کرنا نہ صرف گمراہی ہے بلکہ بہت بڑا گناہ ہے۔

جب کوئی مریض معالج کے پاس آتا ہے تو پہلی بات جو اس کے ذہن میں ابھرتی ہے وہ یہ ہے کہ اس کو مرض کیا ہے۔ بلکہ نفسیاتی طور پر مریض کے ذہن میں بھی یہی ہوتا ہے کہ اس کو کیا مرض ہے، اس لئے طب کے طالب علم کو سب سے پہلے جس بات کا علم ہونا چاہئے وہ مرض کی ماہیت ہے۔ اس لئے یہ ایک جدا علم کی صورت اختیار کر گیا ہے جو اپنے اندر بے حد اہمیت رکھتا ہے اور طبی اصطلاح میں اس کو علم الامراض یا ذرا وسیع معنوں میں علم ماہیت امراض کا نام دیا گیا ہے۔ جس کو انگریزی میں پیتھالوجی (PATHOLOGY) کہتے ہیں۔ بعض اطباء نے اس کا ترجمہ باتو موجیا کیا ہے جو ماہیت امراض کے مقابلے میں بے معنی ہے۔ کیونکہ علم ماہیت امراض بذاتِ خود ہر جنس اور نوع کے امراض اور جسم کے غیر طبعی حالات میں اعضاء کی ماہیت و ترکیب اور افعال میں کیا تبدیلیاں واقع ہوتی ہیں۔ مفرد اعضاء (انسجہ) اور مرکب اعضاء ایک دوسرے کو کس طرح متاثر کرتے ہیں۔ پھر مرض کی صورتیں کیوں اور کس طرح پیدا ہو جاتی ہیں، کو پورے طور پر ظاہر کر دیتا ہے۔ اس لئے اس کا نام ماہیت الامراض ہی صحیح ہے۔

جاننا چاہئے کہ ماہیت امراض میں مرض کی ابتدائی صورت کسی مفرد اعضاء (نسیج) میں تحریک اور خون کے مزاج (کیفیات) یا خون کے کیمیاوی مادوں (اخلاط) میں تغیر پیدا ہوتا ہے۔ پھر مفرد اعضاء میں سوزش کی صورت قائم ہو جاتی ہے جس کی طرف خون کی تیزی بڑھ جاتی ہے۔ اگر خون کے دباؤ سے وہاں کی سوزش رفع نہ ہو تو وہاں پر ورم کی صورت نمودار ہو جاتی ہے۔ گویا مرض کی ابتدائی مستقل صورت سوزش ہی ہے جس میں درد و خارش اور گرمی سرخی بھی شامل ہیں۔ اس لئے ہم نے علم الامراض کو سمجھانے کے لئے سوزش پر مکمل بحث کی ہے اور پھر سوزش سے لے کر ورم تک کی تمام تبدیلیوں اور تغیرات کو مکمل طور پر بیان کیا ہے تاکہ ہر معالج ماہیت الامراض سے پورے طور پر آگاہ ہو کر دسترس حاصل کرلے اور یہیں سے معالج کی کامیابی اور کمال شروع ہوتا ہے۔

جہاں تک سوزش اور ورم کے علاج کا تعلق ہے وہ مرض کی ترکیب و ترتیب اور تربیت جس کو انگریزی میں Constitution، Synthesis اور Development کہتے ہیں، سے سوزش اور ورم کی صورتیں ابھرتی ہیں۔ انہی صورتوں کو قانون علاج کے تحت قائم کر دینے کا نام علاج ہے اور یہی مقام صحت مندی ہے۔ پھر بھی مثال کے طور پر اورام سر کے علاج کو بے حد تفصیل اور تشریح کے ساتھ بیان کر دیا ہے، تاکہ اس کی روشنی میں سر سے پاؤں تک کے سوزش اور اورام کا علاج یقینی اور بے خطا طریق پر کیا جاسکے۔ حقیقت یہ ہے کہ جن معالجین نے نظریہ مفرد اعضاء کو سمجھ کر ذہن نشین کر لیا ہے، ان کے لئے ہر سوزش و ورم کا علاج بلکہ ہر مرض کا علاج مشکل نہیں ہے۔ ہم پورے طور پر سمجھتے ہیں کہ معالجین کی نفسیاتی خواہش ہے کہ ہر سوزش اور ورم کا علاج لکھ دیا جاتا تو بہتر تھا، کیونکہ ہر ذہن اپنے اندر کمال نہیں رکھتا۔ اس مقصد کے لئے کچھ عرصہ انتظار کرنا پڑے گا۔ البتہ اس کتاب میں ایک مشکل دور کر دی گئی ہے کہ جسم کے تمام امراض کو نظریہ مفرد اعضاء (انسجہ) کے تحت دل و دماغ اور جگر کے ماتحت تقسیم کر دیا گیا ہے، جس سے تشخیص میں بے حد آسانیاں اور علاج میں انتہائی سہولتیں پیدا ہو گئی ہیں، جس کا مقابلہ فرنگی طب نہیں کرسکتی۔ اس کا اندازہ صاحب فن اور اہل علم ہی کر سکتے ہیں۔

صابر ملتانی 1968ء

مقدمہ

خداوندکریم نے قرآن حکیم میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زبانی کہلوایا ہے کہ ﴿ وَ إِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ ﴾ ''اور جب میں بیمار پڑتا ہوں بس وہی شفا دیتا ہے''۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ انسان جب بادی اثرات (کیفیاتی وآفاقی اور نفسیاتی) اور مادی اثرات (ماکولات و مشروبات) سے بیمار ہو جاتا ہے تو خداوند حکیم ہی اس کو شفا دیتے ہیں۔ گویا جب انسانی جسم کا اعتدال قائم نہیں رہتا تو وہ بیمار ہو جاتا ہے۔ یعنی مرض اس وقت پیدا ہوتا ہے جب انسان کی صحت قائم نہیں رہتی۔ اس سے ثابت ہوا کہ صحت کا قیام انسانی جسم کا اعتدال ہی صحت ہے اور یہ یقینی امر ہے کہ یہ افعال الاعضاء کسی قانون کے تحت عمل کر رہے ہیں، یہ قانون یقیناً قانون فطرت ہے جو دو حالات سے خالی نہیں ہے۔ اوّل قانون آفاق، دوسرے قانون انفس اور دونوں قانون قانون قدرت کے تحت کام کرتے ہیں۔ ﴿إِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ ثابت ہوا کہ شفاء اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ گویا زندگی اور کائنات میں جو تغیرات پیدا ہوتے ہیں ان میں تدبیر صرف قانون قدرت کے اختیار میں ہے۔ قانون قدرت اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے ہیں اور اسی کے اختیار میں ہے۔ انہی قوانین قدرت میں ایک قانون شفا بھی ہے۔ جو فطرت کے تحت کام کرتا ہے۔

قدرت اور فطرت کا فرق

جاننا چاہیے کہ قدرت وہ طاقت ہے جس سے اللہ تعالیٰ زندگی وکائنات اور تمام عالمین پر قادر ہے، ان کی یہ قدرت بھی اصول کے تحت ہے جو قانون بن گیا ہے۔ فطرت وہ طاقت ہے جس پر یہ زندگی وکائنات اور تمام عالم رواں دواں ہیں۔ یہ بھی اصول وقاعدہ اور ترتیب کے ماتحت ہے اس لئے قانون کی حیثیت رکھتی ہے۔ بہرحال ذہن نشین کرنے کے لئے قانون فطرت کہہ دیا جاتا ہے، لیکن فطرت خود قدرت کے تحت قانون ہے۔

قانون

قانون کا لفظ جب بولا جاتا ہے تو عوام اس کو سن کر عمومی لفظ کی طرح نظرانداز کر دیتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ لفظ قانون اپنے اندر بہت بڑی طاقت رکھتا ہے، یعنی ایسے قاعدے اور طریق جو کسی اصول وترتیب اور صحیح بنیادوں پر قائم ہوں۔ یا یوں سمجھ لیں کہ روزانہ زندگی میں مسلسل تجربات ومشاہدات کسی عمل یا شے کے نتائج ایک ہی صورت میں پیدا ہوں تو بس اس کو قانون کہتے ہیں۔ جیسے آگ جلاتی ہے اور پانی کو گرم کرتی ہے۔ اسی طرح پانی سردی پیدا کرتا ہے اور آگ کو بجھا دیتا ہے۔ جب بھی یہ اعمال کئے جائیں گے ایسا ہی ہوگا۔ انگریزی میں اس کو لاء (Law) کہتے ہیں اور یہ بالکل سائنس کے معنوں میں آتا ہے، بلکہ مزید زور پیدا کرنے کے لئے سائنسی قوانین (Scientific Laws) کہتے ہیں۔

القانون

قانون کی اہمیت کو مدنظر رکھتے ہوئے اس امر پر غور کریں کہ تقریباً سات سو سال پہلے شیخ الرئیس بوعلی سینا نے علم وفن طب پر جو کتاب لکھی ہے اس کا نام القانون رکھا ہے، جس کا مقصد اور اظہار یہ ہے کہ یہ کتاب ایسے اصول قاعدوں کے تحت ترتیب دی گئی ہے جو روزانہ زندگی میں مسلسل تجربات ومشاہدات کے بعد قائم کئے گئے ہیں۔ جن میں کہیں بھی نقص اور خلا نہیں ہے۔ جو لوگ لفظ سائنس کو اہمیت دیتے ہیں وہ لفظ

قانون پر غور کریں جس کے بغیر سائنس بھی مکمل نہیں ہے۔ یاد رکھیں علم کو اصول، قاعدوں اور ترتیب کے مطابق عمل کرتے ہیں۔ قرآن حکیم نے فطرت کا لفظ بھی استعمال کیا ہے، جیسے:

﴿ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا ﴾ (سورۃ الروم: ۳۰)

''اللہ تعالیٰ کی یہ فطرت ہے کہ جس کے قانون پر انسان پیدا کیا گیا ہے''۔

اور فطرت کے معنوں میں ''سنت'' کا لفظ بھی استعمال کیا ہے، جیسے:

﴿ لَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِیْلًا ﴾ (سورۃ الاحزاب: ٦٢)

''ہرگز اللہ تعالیٰ کے قانون میں تبدیلی نہ پاؤ گے''۔

ترتیب

قدرت وفطرت اور قانون کی تشریح کی ضرورت اس لئے پیدا ہوئی کہ یہ سب کسی ترتیب پر کام کرتے ہیں اور یہ ترتیب خود کار اصول اور طریق پر قائم ہے۔ یعنی ایک صورت کے بعد دوسری صورت اور ایک عمل کے بعد دوسرا عمل پیدا ہو جاتا ہے جس کو انگریزی میں سسٹے میٹک (Systematic) (با قاعدہ) کہتے ہیں۔

مرض کا تصور

غور کریں کہ قانون قدرت وقانون فطرت اور سنت الٰہیہ کے تحت مرض کا تصور کیا ہے۔ اس حقیقت سے تو انکار نہیں ہے کہ مرض جس طرح بھی پیدا ہو، بہر حال وہ کسی نہ کسی قانون صحت کی خلاف ورزی ہوگا۔ یاد رکھیں کہ برائی کبھی قانون کے ماتحت نہیں ہوتی بلکہ برائی وہ شے یا عمل ہے، جو نیکی اور بھلائی کی خلاف ورزی سے پیدا ہوتی ہے، اس لئے مرض بھی کسی قانون کے تحت پیدا نہیں ہوتا بلکہ جب صحت کے قانون کی خلاف ورزی کی جاتی ہے تو مرض پیدا ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دُنیا میں جس قدر طریق علاج ہیں، سب نے مرض کی پیدائش کو صحت کے قوانین کی خلاف ورزی قرار دیا ہے۔ ذیل میں چند طریق علاج کے اصول صحت اور ان کی خرابی سے پیدائش امراض کی صورتیں پیش کی جاتی ہیں۔

آیورویدک اور پیدائش امراض

آیورویدک میں صحت کی بنیاد دوشوں (اخلاط) اور پرکریتوں (کیفیات) کے اعتدال پر رکھی گئی ہے اور جب ان میں کمی بیشی یا نقص و خرابی یا ان کے مقام میں تبدیلی پیدا ہو جاتی ہے تو اس حالت کو مرض قرار دیتے ہیں۔ یاد رہے کہ مرض کا پتہ اس وقت چلتا ہے جب بے اعتدالی کا اثر اعضاء کے افعال میں ظاہر ہوتا ہے۔

طب یونانی میں پیدائش امراض

یونانی طب میں صحت کی بنیاد جسم کے اخلاط (خون وبلغم اور صفراء وسودا) اور کیفیات (گرمی سردی اور خشکی وتری) کے اعتدال پر رکھی گئی ہے۔ جب ان میں اعتدال قائم نہیں رہتا تو اس میں تین صورتیں پیدا ہوتی ہیں: (۱) کمی بیشی واقع ہو جاتی ہے۔ (۲) مزاج میں خرابی ونقص رونما ہو جاتا ہے۔ (۳) ان کے اپنے مقام میں تبدیلی پیدا ہو جائے۔ یعنی کوئی خلط اپنے صحیح مقام سے اخراج پانے کی بجائے دیگر مقام پر چلی جائے۔ مثلاً صفراء جگر سے اخراج کی بجائے خون میں شامل ہو کر دیگر اعضاء پر اثر انداز ہو۔ یہ حقیقت بھی یاد رکھیں کہ حالت مرض کا اظہار اسی وقت ہوگا جب اعضاء کے افعال میں اعتدال بگڑ جائے گا۔ یہی بے اعتدالی مرض قرار دی جاتی ہے۔

فرنگی طب اور پیدائش مرض

فرنگی طب چار اخلاط اور چار کیفیات تسلیم نہیں کرتی، وہ صرف ایک خون کو ہی تسلیم کرتی ہے۔ البتہ وہ یہ تسلیم کرتی ہے کہ خون کم وبیش بارہ چودہ عناصر سے مرکب ہے۔ جب ان عناصر میں کمی بیشی اور نقص وخرابی واقع ہو جاتی ہے تو مرض پیدا ہو جاتا ہے۔ جس کا اظہار اعضاء کے افعال کی بے اعتدال سے ہوتا ہے۔ البتہ جب سے جراثیم تھیوری پیش کی گئی ہے، اس وقت سے یہ تسلیم کیا گیا ہے کہ یہی اعضاء کے افعال اور خون میں خرابی کا سبب ہوتے ہیں۔ لیکن پھر بھی یہ حقیقت ہے کہ جب تک اعضاء کے افعال اور خون کے مرکب میں بے اعتدالی واقع نہ ہو اس وقت تک مرض کی صورت کا اظہار نہیں ہوسکتا۔ گویا صحت کے اصول کی بے اعتدال کا نام مرض ہے۔

ہومیو پیتھی اور پیدائش مرض

ہومیو پیتھی (علاج بالمثل) تسلیم کرتی ہے کہ اوّل روح بیمار ہوتی ہے پھر اس کا اثر جسم وخون پر پڑتا ہے اور اعضاء کے افعال بگڑ کر مرض کی صورت پیدا ہو جاتی ہے۔ روح سے مراد وائٹل فورس (Vital Force) (طبی روح) ہے۔

بائیو کیمک اور پیدائش مرض

جسم اور خون تقریباً بارہ چودہ نمکیات سے مرکب ہیں۔ جب ان میں سے کسی نمک میں کمی یا خرابی واقع ہو جاتی ہے تو مرض پیدا ہو جاتا ہے۔ فرنگی طب کے عناصر اور بایو کیمک کے نمکیات میں یہ فرق ہے کہ فرنگی عناصر کو مفرد ظاہر کرتی ہے اور بائیو کیمک نمکیات کو مرکب تسلیم کرتی ہے۔

ہائیڈرو پیتھی اور پیدائش مرض

جسم اور خون کے (فارن میٹرز) ایسے گندے مادے جن کو خارج ہونا چاہئے، جب اندر رک جاتے ہیں تو ان کا اثر اعضاء کے افعال پر پڑتا ہے اور مرض پیدا ہو جاتا ہے۔

سائیکو پیتھی اور پیدائش مرض

سائیکو پیتھی (نفسیاتی علاج) تسلیم کرتی ہے کہ انسان میں جسم اور روح کے علاوہ جذبات بھی پائے جاتے ہیں، جب ان جذبات میں کمی وبیشی یا خرابی اور نقص پیدا ہو جاتا ہے تو اس کا اثر اعضاء کے افعال پر پڑتا ہے اور مرض کی صورت پیدا ہو جاتی ہے۔ جذبات کو سمجھنے کے لئے طبی روح (وائٹل فورس Vital Force) کو مدنظر رکھیں اور ان کے باہمی فرق کو سمجھیں۔

مندرجہ بالا سات مشہور طریق کے علاوہ اور بھی کئی غیر مشہور طریق ہیں جن میں (۱) کرومو پیتھی (رنگوں سے علاج) (۲) الیکٹرو پیتھی (۳) علاج بالغذا (۴) طب روحانی (۵) علاج بالموسیقی (۶) فزیکل پیتھی (مالش اور امالہ سے علاج) (۷) تعویز گنڈہ سے علاج وغیرہ جو سب طب کی شاخیں ہیں یا ان سے بالواسطہ یا بلاواسطہ تعلق ہے، یہ سب بھی مرض کی پیدائش کو اعضاء کے افعال کی خرابی ہی تسلیم کرتے ہیں جو ان کے نظریات کے تحت عمل میں آتے ہیں۔

قرآن حکیم اور پیدائش مرض

آج ہم دُنیا میں ایک نئی حقیقت پیش کرتے ہیں۔ آج کی دُنیا سائنس کی دُنیا ہے، جس کو اپنے علوم ومشاہدات اور تجربات پر ناز ہے مگر وہ اس حقیقت سے بالکل بے خبر ہیں۔ حکماء اور اطباء نے بھی اس حقیقت کا ذکر نہیں کیا۔ ان کے علاوہ علمائے عظام اور صوفیائے کرام نے بھی اس حقیقت کی طرف اشارہ تک نہیں کیا کہ قرآن بھی پیدائش مرض کے متعلق ایک قانون رکھتا ہے۔ قرآن حکیم کے نزول کو تقریباً چودہ سو سال ہو گئے

ہیں، مگر اس حقیقت کو ہم دُنیا کے سامنے پہلی بار پیش کر رہے ہیں۔ البتہ حضرت رسول کریم ﷺ کی حدیثوں میں اس طرف پورے طور پر اشارات ملتے ہیں۔ مسلسل تیس سال تک کے مطالعہ سے اللہ تعالیٰ نے یہ حقیقت مجھ پر روشن کر دی ہے جو موجودہ سائنسی دور اور میڈیکل سائنس کی غلطیوں کا صحیح اظہار ہے۔

قرآن حکیم کا دعویٰ ہے کہ وہ کتاب فطرت ہے، وہ اپنا ایک قانون رکھتا ہے، اس کی بھی ایک سائنس ہے جو اپنے اندر علوم و اعمال اور مشاہدات و تجربات کا ایک مسلسل اور لامتناہی سلسلہ رکھتا ہے جو تقریباً چودہ سو سال سے ان خزانوں کو بکھیر رہا ہے۔ یہ حقیقت بھی اس کے خزانے کا ایک بیش بہا موتی ہے۔ قرآن حکیم کے اس دعویٰ کے ساتھ کہ وہ کتاب فطرت ہے اس کے ساتھ اس دعوے کو بھی ذہن نشین رکھیں کہ اس میں ہر صغیر و کبیر اور طب دیا بس کا ذکر ہے۔ پھر یہ کیسے ممکن ہوتا ہے کہ اس میں پیدائش مرض کا ذکر نہ ہوتا۔ حقیقت یہ ہے کہ اس میں امراض کا بھی ذکر ہے۔ یقینی شفا کا بیان بھی ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ نے توفیق عطا فرمائی تو قرآن حکیم کے اس طبی خزانے کی ایک ایک شے بیان کروں گا، یہی صحیح علاج ہوگا۔ ماشاءاللہ۔

قرآن حکیم پیدائش مرض کے متعلق بیان کرتا ہے:

﴿ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ﴾ (البقرة: ۱۰)

''ان کے دِلوں میں بیماری ہے''۔

ایک چھوٹے سے جملے میں کتنی بڑی حقیقت بیان کر دی ہے کہ انسانوں میں جب مرض پیدا ہوتا ہے تو وہ دِل میں پیدا ہوتا ہے۔ اس حقیقت سے تین صورتیں سامنے آتی ہیں: (۱) مقام پیدائش (۲) ابتداء پیدائش مرض (۳) اسباب بادی ہوں یا مادی پیدائش مرض دِل ہی میں ہوگا۔ گویا مرض پہلے دِل میں اثر انداز ہوگا۔ پھر باقی جسم اور خون میں اپنے اثرات ظاہر کرے گا جس کی تشریح درج ذیل ہے۔

اوّل جاننا چاہئے کہ انسان تین حالتوں سے مرکب ہے (۱) جسم (۲) نفس (۳) روح۔ تینوں کا مرکز دِل ہی تسلیم کیا گیا ہے اور اگر جسم کے ساتھ خون کا بھی ذکر کر دیں تو تسلیم کرنا پڑے گا کہ خون کا مرکز بھی دِل ہی ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ جسم و خون اور نفس و روح پر اندرونی و بیرونی طور پر کوئی شے اثر انداز ہو تو اس کا اظہار دِل پر ہوگا۔ یہ ایک ظاہری تشریح اور دلیل ہے۔

اس کی باطنی تشریح اور دلیل یہ ہے کہ کسی بات یا شے کے لئے کوئی ظرف بھی ہونا چاہئے، ہم مرض کی پیدائش دوش و اخلاط سے تسلیم کریں یا عناصر و نمکیات کی کمی بیشی جانیں۔ یا روح و نفس کی خرابی کو مانیں تو لازمی امر ہے کہ ان کے لئے کوئی مقام بھی تسلیم کرنا پڑے گا اور جسم انسان میں جب ہم غور و فکر کرتے ہیں تو قلب ہی میں چار مقام نظر آتے ہیں۔ ان میں سے دو عدد دِل کے بطن کہلاتے ہیں اور دو عدد اس کے اذن کہلاتے ہیں جن میں خون اور اس کے مادی روحانی اجزاء اثرات سے اس طرح بھرے ہوئے ہوتے ہیں کہ اس طرح سارے جسم میں کہیں نظر نہیں آتے۔ البتہ کہا جا سکتا ہے کہ شریانوں اور وریدوں میں بھی خون دوڑتا ہے۔ لیکن جاننا چاہئے کہ جسم کی تمام شریانیں دِل ہی کی طرف سے آتی ہیں اور تمام وریدیں دِل ہی میں واپس لوٹ جاتی ہیں۔ وہ بھی دِل کا حصہ تسلیم کئے گئے ہیں اور یہ بھی یاد رکھیں کہ جسم میں دِل کے سوا جتنے بھی اعضاء ہیں ان میں خون صرف شریانوں اور وریدوں ہی میں رہتا ہے۔ دِل کی طرح ان سے جدا ہو کر ان اعضاء میں کہیں اکٹھا نہیں ہوتا۔ ایک اور بات بھی کہی جا سکتی ہے کہ خون جب جسم پر ترشح پاتا ہے تو وہاں پر اکٹھا ہوتا ہے۔ جاننا چاہئے کہ جہاں پر خون ترشح پاتا ہے اور جذب ہو کر جزو بدن بنتا ہے وہ تمام عضلات ہیں اور یہ عضلات دِل کے ماتحت ہیں لیکن یہ بھی یاد رکھیں کہ جو خون ترشح پاتا ہے، وہ صرف خون کی رطوبت ہوتی ہے، اصل خون نہیں ہوتا۔ اصل خون تو صرف دِل ہی میں نظر آ سکتا ہے۔

تیسری تشریح و دلیل نظریہ مفرد اعضاء کے تحت ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ نظریہ مفرد اعضاء کی روشنی ہی میں مجھے قرآن حکیم کے اس خزانے کا علم ہوا ہے، مجھے یقین ہے کہ جب دُنیا میں نظریہ مفرد اعضاء کی روشنی پھیلی تو دُنیا بھر کے علوم وفنون میں ایک انقلاب آ جائے گا۔ اور ان کی نئی نئی صورتیں سامنے آئیں گی اور یہی ان کی حقیقت کا تجزیہ ہوگا۔

جاننا چاہئے کہ جہاں تک قلب کی ذاتی ساخت کا تعلق ہے وہ عضلاتی انسجہ (ٹشوز) کا بنا ہوا ہے اور زندگی بھر حرکت میں رہتا ہے۔ جس کے ساتھ اس کے اندر کا خون حرکت میں رہتا ہے۔ یہ امر مسلمہ ہے کہ عضلات (دِل) میں ایک ذاتی حرکت ہے۔ بلکہ یوں سمجھ لیں کہ عضلات کے معنی حرکت کے ہیں۔ جس طرح اعصاب کے معنی احساس کے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ دِل ہر وقت حرکت میں رہتا ہے۔ اس حرکت کو مسلسل رکھنے اور اس میں کمی وبیشی کرنے کے لئے تحریکات اور اغذیہ کی ضرورت ہے۔ اس مقصد کے لئے دو عدد غلاف ہیں جن میں یکے بعد دیگرے قلب ملفوف ہے۔ ان میں پہلا غلاف جو قلب پر لپٹا ہوا ہے۔ وہ غشائے مخاطی (انسجہ غدی۔ اپی تھیلیل ٹشوز Epithelium Tissue) کا ہے۔ اس کے اوپر دوسرا غلاف اعصابی نسیج (نروس ٹشوز Nervous Tissue) کا ہے۔ پہلے غلاف کا تعلق جگر کے ساتھ ہے، جہاں سے غذا حرارت کی صورت میں ملتی رہتی ہے، اور دوسرے غلاف کا تعلق دماغ سے ہے جہاں تحریکات رطوبت کی صورت میں پہنچتی رہتی ہیں۔

یہ بات یاد رکھیں کہ یہ غلاف صرف قلب کے اوپر ہی نہیں لپٹے ہوئے بلکہ قلب کی ہر گہرائی اور تہہ تک چلے گئے ہیں۔ گویا قلب اگرچہ نسیج عضلاتی کا بنا ہوا ہے، لیکن اس کی ساخت اور بافت میں عصبی (دماغ) اور غدی (جگری انسجہ) گندھے ہوئے ہیں، جس کے ساتھ ان کی خلاؤں کو الحاقی ساخت نے پر کیا ہے۔ ان حقائق سے ثابت ہوا کہ قلب جو ذاتی طور عضلاتی نسیج کا بنا ہوا ہے، اس میں دیگر تمام انسجہ پوری طرح شریک ہیں جس سے اس کا دیگر اعضائے رئیسہ سے گہرا تعلق ہے۔ یعنی اعضائے رئیسہ اور ان کے متعلقات میں جو کیفیات وتحریکات اور اعمال وصورتیں پیدا ہوتی ہیں۔ ان کا نہ صرف اثر قلب پر پیدا ہوتا ہے بلکہ اس کے فعل میں کمی بیشی اور ضعف بھی پیدا کر دیتا ہے۔ یہاں تک کہ انسان کے ذہن میں کوئی جذبہ پیدا ہو، بیدار ہو تو معاً یعنی ایک سیکنڈ سے بھی پہلے دِل پر اس کا اثر ہو جاتا ہے۔ گویا سب سے پہلے جسم پر کوئی بات اثر انداز ہو سکتی ہے تو وہ جذبہ ہی ہو سکتا ہے، جو نفسیاتی اثر ہے۔ مادی شے دیر میں اثر انداز ہوگی اور بذریعہ نسیج یا بذریعہ خون ہوگا۔

یہ بات بھی یاد رکھیں کہ ہر مادے کے عمل کے ساتھ اس کے نفسیاتی اور کیفیاتی اثرات بھی ہوتے ہیں جو مادے کے اثر سے پہلے پہنچ جاتے ہیں۔ اسی لئے تسلیم کیا گیا ہے کہ انسان میں جو امراض پیدا ہوتے ہیں ان میں نفسیاتی اور کیفیاتی اثرات 99 فیصد پائے جاتے ہیں۔ امراض کے علاج میں ان کو مدنظر رکھنا انتہائی ضروری ہے۔ قرآن حکیم نے نہ صرف ان نفسیاتی وکیفیاتی اور مادی اثرات کا ذکر تفصیل سے کیا ہے، بلکہ ان غلافوں کا ذکر بھی کیا ہے، جن میں قلب ملفوف ہے اور ان کی طرف سے یہ تاثیر پہنچتے ہیں جو قلب کے افعال میں تغیر پیدا کر کے مرض پیدا کر دیتے ہیں۔

قرآن حکیم بیان کرتا ہے:

﴿ اِنَّا جَعَلْنَا قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ ﴾

"تحقیق ہم نے ان کے دِلوں پر پردہ بنایا ہے تاکہ سمجھ سکیں"۔

اس پردے کا بڑا مقصد ہی یہ ہے کہ وہ ان اثرات کو سمجھائے جو اس کی طرف پہنچتے ہیں۔ کئی جگہ اکنہ (دِل کا پردہ) ذکر آیا ہے اور اس کے علاوہ **قلوبنا غلف** (ہمارے دِلوں پر پردے ہیں)۔ غلاف کا لفظ اسی غلف سے بنا ہے۔ ایسا پردہ جو کسی شے کے اوپر بالکل غلاف کی طرح چڑھا کر ڈھانپ دیا جائے۔ قرآن حکیم میں پردے کے معنوں میں حجاب وکشف اور غشاء بھی آتے ہیں۔ ان کا ذکر اپنے اپنے مقام پر آئے گا۔ دِل پر جن پردوں کا ذکر کیا گیا ہے وہ اکنہ اور غلف ہی ہیں اور اس میں یہ سمجھ لیں کہ طبی تشریح کے مطابق دِل پر دو پردے ہوتے ہیں۔ باہر کا پردہ

اعصابی انسجہ (نروس ٹشوز Nervous Tissue) کا ہوتا ہے اور اندرونی غدی انسجہ (Epithlium Tissue) کا ہوتا ہے۔ غلاف بیرونی عصبی پردہ ہے جس کا تعلق اعصاب اور دماغ سے ہے اور اکنہ اندرونی پردہ ہے جس کا تعلق غدد اور جگر سے ہے۔ انہی دونوں ذرائع سے تمام جسم کے کیفیاتی ونفسیاتی اور مادی اثرات قلب تک پہنچ کر اس کے فعل میں کمی بیشی اور ضعف پیدا کر دیتے ہیں۔ یہ اثرات خود کار طریق کار پر اثر انداز ہوتے ہیں اور اتنی جلدی ہوتے ہیں کہ انسانی شعور بھی اس وقت ہوتا ہے جب اثر شروع ہو جاتا ہے۔

یہ بات بھی سمجھ لیں کہ قرآن حکیم نے جہاں بھی قلب کا ذکر کیا ہے وہاں دیگر اعضائے رئیسہ کا اکثر ساتھ ہی ذکر کیا ہے۔ البتہ اس کے تعین لئے دو ایسی علامات واضح کر دی گئی ہیں۔ جن کا آپس میں گہرا تعلق ہے۔ دماغ کے لئے اذن (کان) اور جگر کے لئے بصر (آنکھ) کو متعین کیا ہے۔ جیسے قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿ خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَ عَلٰى سَمْعِهِمْ وَ عَلٰٓى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ ﴾ (البقرة: ۷)

’’اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں اور کانوں پر مہر لگادی ہے اور ان کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا ہے‘‘۔

ایک دوسری جگہ قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا وَ لَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا وَ لَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ۝ ﴾ (الاعراف: ۱۷۹)

’’ان کے واسطے دِل ہیں مگر ان کے ساتھ نہیں سمجھتے، ان کے واسطے آنکھیں ہیں لیکن ان سے نہیں دیکھتے، ان کے واسطے کان ہیں مگر ان کے ساتھ نہیں سنتے، یہ چار پایوں کی مانند ہیں بلکہ ان سے زیادہ گمراہ ہیں۔ یہ لوگ غافل ہیں‘‘۔

ایک اور مقام پر فرمایا:

﴿ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَتَكُوْنَ لَهُمْ قُلُوْبٌ يَّعْقِلُوْنَ بِهَآ اَوْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَ لٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ ۝ ﴾ (الحج: ٤٦)

’’کیا انہوں نے زمین پر سیر نہیں کی ہے کہ ہوتے ان کے واسطے دِل اور سمجھتے ان کے ساتھ اور کان کہ ان کے ساتھ سنتے، پس تحقیق یہ بات نہیں ہے کہ ان کی آنکھیں اندھی نہیں لیکن ان کے دِل اندھے ہیں جو ان کے سینوں میں ہیں‘‘۔

اس طرح قرآن حکیم میں بہت ساری آیتیں ہیں جن کا دِل کی تشریح وافعال اور نفسیاتی وجسمانی امراض کو ذہن نشین کرنے کے ساتھ ساتھ دِل کے دیگر اعضاء کے ساتھ تعلق کو ظاہر کیا گیا ہے۔ جگہ کم ہے، مضمون بہت طویل ہے۔ اس کے لئے ایک الگ کتاب کی ضرورت ہے۔ ذیل میں ہم قرآن حکیم کی پیدائش مرض کو بیان کرتے ہیں، تاکہ اس کا ایک ہلکا سا نقشہ ذہن نشین ہو جائے اور صاحب فن اور اہل علم اس انداز پر غور وفکر کر سکیں۔

چونکہ امراض کی پیدائش کے تین بڑے اسباب ہیں: (۱) بادی - کیفیاتی ونفسیاتی (۲) مادی (۳) سابقہ - فاعلہ۔ قرآن حکیم نے بھی اسی طرح بیان کیا ہے۔ پہلے بادی امراض کے متعلق سمجھیں۔ قرآن حکیم بیان فرماتا ہے:

﴿ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا وَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ۝ ﴾ (البقرة: ۱۰)

’’ان کے دِلوں میں بیماری ہے، اللہ نے بیماری بڑھادی اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے، بسبب اس کے کہ وہ جھوٹ بولتے تھے‘‘۔

جاننا چاہئے کہ لوگوں کی بری عادتوں میں سب سے بُری عادت جھوٹ بولنا ہے۔ حیرت یہ ہے کہ بعض لوگ اس کو برائی خیال ہی نہیں

کرتے لیکن قرآن حکیم جھوٹ کو ایک نفسیاتی مرض قرار دیتا ہے اور بیان کرتا ہے کہ جو لوگ جھوٹ بولتے ہیں وہ دوسروں کو فریب دیتے ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ دوسروں کو نہیں اپنے آپ کو فریب دیتے ہیں۔ قرآن حکیم بیان کرتے ہیں:

﴿ یُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ مَا یَخْدَعُوْنَ اِلَّاۤ اَنْفُسَهُمْ وَ مَا یَشْعُرُوْنَ۝ ﴾ (البقرۃ: ۹)

''اللہ تعالیٰ اور ان لوگوں کو جو ایمان لائے ہیں، فریب دیتے ہیں، لیکن وہ اپنے نفس کو فریب دیتے ہیں اور نہیں سمجھتے''۔

یہاں یہ بات بھی ذہن نشین کر لیں کہ فریب دینا خوف کی علامت ہے۔ جو اعصاب میں تحریک سے پیدا ہوتا ہے، جس سے قلب کے فعل میں کمی پیدا ہو جاتی ہے اور انسانی جرأت ختم ہونا شروع ہو جاتی ہے، جس کے لئے دردناک عذاب ہی ہو سکتا ہے۔

اب مادی صورت بھی سمجھ لیں۔ قرآن حکیم بیان کرتے ہیں:

﴿ وَ اَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا اِلٰی رِجْسِهِمْ ﴾ (التوبۃ: ۱۲۵)

''اور وہ لوگ کہ جن کے دِلوں میں مرض ہے، پس زیادہ کر دی نجاست ان کی نجاست میں''۔

یاد رکھیں کہ جب دِل کے فعل میں خرابی واقع ہوتی ہے تو قلب (عضلات) میں مواد رُکنا شروع ہو جاتا ہے اور باعث فساد ہوتا ہے۔

تیسری صورت سبب سابقہ کی ہے اور وہ وہی عضو ہے جس کے فعل میں خرابی پیدا ہو کر مرض کی صورت میں نمودار ہوتی ہے۔ یہ قلب یا اس کا کوئی پردہ ہو سکتا ہے۔ یہی صورت فاعلہ ہے۔ یہی مرض کی ابتداء ہے۔

دُنیا کے تمام طریقہ ہائے علاج اور قرآن حکیم کے پیدائش مرض کو پیش کرنے کے بعد ہم ماہیت مرض کی طرف لوٹتے ہیں۔ ہم پہلے بھی لکھ چکے ہیں کہ مرض حقیقت اور مثبت شے نہیں ہے بلکہ خرابی اور منفی شے ہے۔ حقیقت اور مثبت شے صحت ہے جو قدرت اور فطرت کے قوانین پر قائم ہے۔ اس لئے صحت کا قیام انہی قوانین کا سمجھنا ہے اور یہی زندگی اور کائنات کا ماحصل ہے۔

جہاں تک ماہیت امراض کی تشخیص کا تعلق ہے اس کی انتہائی اختصار کے ساتھ مندرجہ ذیل تین صورتیں ہیں: (۱) کسی مفرد عضو کے فعل میں کمی یا (۲) اس کے فعل میں تیزی یا (۳) اس کے فعل میں ضعف واقع ہو جائے۔

ایسی صورتوں میں ان مفرد اعضاء کے دیگر مفرد اعضاء کے ساتھ باہمی تعلقات، پھر ان کے مرکب اعضاء وخون اور تمام جسم پر کیا اثرات ہوتے ہیں۔

اس کتاب میں ہم نے ماہیت امراض پر بحث کی ہے اور ثابت کیا ہے کہ مرض کی ابتدا کسی مفرد عضو میں تحریک سے ہوتی ہے جو سوزش کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ پھر رفتہ رفتہ یہی سوزش ورم کی حالت پیدا کر لیتی ہے جس سے اس کی تمام علامات ظاہر ہو جاتی ہیں۔ ہم نے تحریک سے لے کر سوزش اور ورم تک تمام صورتیں اور حالات بیان کئے ہیں۔ اسی بیان کا نام ماہیت مرض (پیتھالوجی) ہے۔ جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے اس میں قدیم طب کی خوبیوں کے ساتھ ساتھ ایمان داری سے فرنگی طب کی غلط تحقیق اور نظریات کو بھی پیش کر دیا ہے، تا کہ آئندہ نسلیں طب قدیم کی صداقت سے مستفید ہوں اور فرنگی طب کی غلط فہمیوں سے محفوظ رہیں۔

اس جدوجہد اور سعی کا اندازہ صاحب علمؒ اور اہل فن ہی لگا سکتے ہیں۔ یہ اللہ کا انعام ہے۔ میں تہہ دِل سے اس کا شکر گزار ہوں۔ یہی میرے لئے سب سے بڑی سعادت ہے۔

صابر ملتانی 1968ء

تحقیقات سوزش

سوزش کی تعریف

جسم کے کسی حصہ میں جلن یا خراش پیدا ہو جائے جس کا طبی نام التہاب ہے اور انگریزی میں اس کو اریٹیشن کہتے ہیں۔

فرنگی طب (ڈاکٹری) کی غلط فہمی

فرنگی طبی کتب میں سوزش کو اریٹیشن (Irritation) کی بجائے انفلامیشن (Inflammation - ورم) لکھا ہے۔ یہ غلط ہے۔ انفلامیشن ورم کو کہتے ہیں جو اریٹیشن (التہاب) کی انتہائی صورت ہے۔ سوزش سے جب ورم بنتا ہے تو کئی قسم کی نسیجی، عضوی اور کیمیاوی تبدیلیاں عمل میں آتی ہیں۔

جاننا چاہئے کہ التہاب (سوزش) ورم کے مترادف نہیں ہے۔ ورم میں اُبھار (Swelling) ضروری ہے اور سوزش میں بجائے اُبھار کے انقباض ہوتا ہے۔ پھر ہر ورم التہابی نہیں ہوتا اور نہ ہر التہاب کو ورم کہہ سکتے ہیں۔ بلکہ صرف ورم کہنا ہی کافی ہے، کیونکہ تہوّج بالکل جدا قسم کے اُبھار ہیں جو ورم کی تعریف میں نہیں آسکتے۔

سوزش کی وضاحت

سوزش (التہاب) ظاہر میں کسی حصہ جس میں کسی خراش کنندہ شے کے خلاف قوتِ مدبرہ بدن کی ایک منظم و مرتب مدافعانہ تدبیر ہے تاکہ اس شے کے مضر اثرات کو وہیں ختم کر دیا جائے اور وہ پہنچنے نہ پائے اور باقی جسم محفوظ رہے۔

سوزش کی اہمیت

سوزش کی اہمیت تین صورتوں میں مسلمہ حقیقت بن گئی ہے۔ ① اس کی حقیقت کا جاننا جس کا تعلق مرض کی ماہیت کے ساتھ ہے۔ ② اس کا علم رکھنا، اس کا تعلق معالج کے ساتھ ہے۔ ③ اس کی وسعت کا جاننا، اس کا تعلق فن کے ساتھ ہے۔

جب تک سوزش کی حقیقت اور ماہیت کا پتہ نہ چل جائے علم الامراض پر عبور حاصل نہیں ہو سکتا۔ اگر معالج اس علم سے ناواقف ہے تو وہ صرف دوا فروش ہے اور اس کی وسعت کا یہ عالم ہے کہ **ایک ماہر، مشہور اور بلند پایہ سرجن پروفیسر راتھر فورڈ ماریسن کا قول ہے: ''جس معالج نے التہاب کو اچھی طرح سمجھ لیا وہ دو تہائی جراحت کا مالک بن گیا''۔ مگر میری رائے یہ ہے کہ جو معالج سوزش کو پوری طرح سمجھ کر اس پر عبور حاصل کر لے، اس نے تین چوتھائی علم العلاج اور جراحت پر دسترس حاصل کر لی ہے۔**

یہ عام طور پر خیال کیا جاتا ہے کہ سوزش بہت مضر اور عضو کو تباہ کرنے والی ہے۔ مگر جو اہل فن حقیقت شناس ہیں، وہ جانتے ہیں کہ سوزش جسم کے لئے کس قدر رحمت اور امراض کے علاج میں اپنے اندر کس قدر شفائی طاقت رکھتی ہے۔ بالکل اسی طرح جس طرح بدن بذاتِ خود انسانی جسم کے لئے ایک نعمت ہے۔

اگر چہ ظاہر میں ہر مرض ایک تکلیف اور دکھ کا احساس ہے، لیکن:

① سوزش زہر کو جسم میں سے روکتی ہے اور جس مقام پر سوزش ہوتی ہے اس کو اسی مقام تک محدود رکھنے کی کوشش کرتی ہے۔

② اس مقام پر طبیعت مدبرہ بدن کی مدد سے بغیر دوا کے اس کو آرام دینے کی کوشش کرتی ہے اور جب خون میں قوت مقابلہ (Immunity) کم ہو جاتی ہے تو وہ اصلاح سے عاجز ہو جاتی ہے۔

③ جب کسی مقام پر سوزش ہوتی ہے تو وہ سوزش جسم کی پہلی سوزش یا تکلیف دہ علامت کو رفع کر دیتی ہے۔

④ اگر کسی حصہ جسم میں کسی قسم کا مرض ہو اور اس کا علاج ممکن نہ ہو تو اس عضو کی مناسبت سے جسم کے کسی ایسے مقام پر سوزش پیدا کر دی جائے تو اس عسر العلاج مرض سے شفا کلی حاصل ہو جاتی ہے۔ مثلاً صرع میں بائیں ٹانگ پر سوزش پیدا کرنے سے شفاء کلی حاصل ہوتی ہے۔ اسی طرح پیٹ میں درد ہو تو پیٹ کے اوپر رائی کا پلستر یا ماتھے پر سوزش پیدا کر دینے سے درد شکم رفع ہو جاتا ہے۔ اسی طرح باری کے بخار میں پیٹ پر یا ہاتھ پاؤں یا ماتھے پر سوزش پیدا کر دینے سے باری کا بخار ختم ہو جاتا ہے اور قیام مرض پر دورانِ خون کی پوری شدت ہو جاتی ہے اور مرض رفع ہو جاتا ہے۔ گویا طبیعت کی معاونت ہو جاتی ہے۔

علاج بالا مالہ کوئی نیا طریق علاج نہیں ہے۔ زمانہ قدیم سے یونانی طب میں چلا آتا ہے۔ مگر اس کی حقیقت اور اس کے اصول علاج سے شاید دنیا میں ایک شخص بھی واقف نہ ہو۔

جناب استاد الاطباء حکیم احمد الدین صاحب پہلے شخص ہیں جنہوں نے اس ماہیت کی طرف نہ صرف اشارات کئے بلکہ اس پر بہت تاکید کی تھی، لیکن سچ یہ ہے کہ وہ اس کی افادیت سے ضرور واقف تھے، مگر اس کی ماہیت، حقیقت اور اصول علاج سے واقف نہ تھے۔ ہم انشاء اللہ تعالیٰ اس پر پوری روشنی ڈالیں گے۔ فصد، حجامت، پچھنے، سنکیاں کھچوانا، مالش، ٹکور، پلستر، حمام، پاشویہ وغیرہ اس کی مختلف تدبیریں ہیں۔ **میری ذاتی رائے میں اسلام نے جو وضو کی تعلیم دی ہے وہ بھی علاج بالا مالہ میں داخل ہے۔**

سوزش کی ماہیت

سوزش کی ماہیت کو سمجھنے کے لئے نسیجی، عضوی اور کیمیاوی تبدیلیوں کا جاننا نہایت اہم ہے جو انسانی جسم میں رونما ہوتی ہیں۔ سوزش کو پوری طرح ذہن نشین کرنے کے لئے اس کی ماہیت کا جاننا نہایت اہم ہے۔ جب تک سوزش کی ماہیت کا پورا علم نہ ہو اس وقت تک سوزش کی حقیقت سے معالج بے خبر رہتا ہے۔ جس کا نتیجہ ظاہر ہے کہ علاج میں پوری دسترس پیدا نہیں ہو سکتی۔ خاص طور پر سوزش کی ابتدائی حالت وانتہائی اور پرانی حالت میں تمیز پیدا نہیں ہو سکتی۔ یہ امتیاز اس وقت پیدا ہوتا ہے جب سوزش سے پیدا ہونے والی نسیجی وعضوی اور کیمیاوی تبدیلیوں کا پورا پورا علم ہو۔ یہ تبدیلیاں گویا علامات ہیں جو دورانِ مرض یا کسی بڑی علامت میں رونما ہوتی ہیں۔

جب کوئی مہیج (خراش کنندہ) سوزش کا باعث ہوتا ہے تو بیک وقت تمام جسم میں تین قسم کی تبدیلیاں پیدا ہوتی ہیں۔ اول نسیجی، دوسرے کیمیاوی، تیسرے عضوی اور تینوں کا آپس میں گہرا تعلق ہے۔ اگر چہ تبدیلیوں کی ابتداء تو کسی ایک نسیج میں شروع ہوتی ہے، لیکن فوراً ہی کیمیاوی اور عضوی تبدیلیاں رونما ہو جاتی ہیں۔ یا اس کے برعکس یوں سمجھ لیں کہ ہر عضو نسیجی بافتوں سے مرکب ہے اور ان کی غذا کے لئے خون کی نالیاں لگی ہوئی ہیں جن میں کیمیاوی تبدیلیاں کچھ نالیوں کے اندر اور کچھ نالیوں کے باہر رونما ہوتی ہیں۔ یہ تینوں تبدیلیاں آپس میں ایسی لازم وملزوم اور خود کار (Automatic) ہیں، گویا یہ تمام قسم کی تبدیلیاں جدا جدا معلوم نہیں ہوتیں۔ لیکن دراصل یہ الگ الگ ہیں۔

فرنگی ڈاکٹروں کی غلط فہمی

سوزش سے جو تبدیلیاں جسم میں پیدا ہوتی ہیں، فرنگی ڈاکٹروں نے ان کے سمجھنے میں بے حد غلطیاں کی ہیں اور ایسے غلط انداز میں سمجھا ہے کہ سوزش کی ماہیت اور حقیقت کے ساتھ ساتھ اس کی اہمیت کا علم پوری طرح ان کو حاصل نہیں ہے۔ فرنگی ڈاکٹروں کی کتب میں سوزش اور ورم میں تفریق نہیں کی جاتی۔ گویا ایک طالب علم جو سوزش کو سمجھنا چاہے وہ ورم میں اُلجھ جاتا ہے۔ حیرت کی بات تو یہ ہے کہ کالج کے پروفیسر اس کی پوری تشریح و وضاحت اور فرق بیان نہیں کر سکتے تو بے چارے طالب علم کیسے پورے طور پر سمجھ سکتے ہیں۔ وہاں پر زیادہ سے زیادہ اس مقام یا عضو میں پیدا ہونے والے انقباض (خون کی کمی اور ضعف اور رطوبات کی کمی بیشی اور سفید و سرخ ذرات کی کثرت وقلت اور اخراج و بندش وغیرہ کو بیان کیا جاتا ہے۔ لیکن ضرورت اس امر کی ہے کہ حیوانی ذرّہ (سیل) میں کیا تبدیلیاں پیدا ہوتی ہیں۔ کیسے پیدا ہوتی ہیں؟ حیوانی ذرات کی بافتوں یعنی انسجہ کا مختلف اعضاء کے ساتھ کیا تعلق ہے؟ اسی طرح انسجہ، اعضاء اور دوران خون کا باہمی تعلق کیا ہے؟ اور مرض کی حالت میں اس باہمی تعلق میں کیا نقائص رونما ہو جاتے ہیں؟ جب تک صحت کی حالت کا پورا نقشہ ذہن میں نہ ہو تو مرض کی حالت میں جو تبدیلیاں پیدا ہوتی ہیں، ان کو کیسے سمجھا جا سکتا ہے۔

کیسہ اور عضو کا فرق

سوزش کے سمجھنے کے لئے ایک نہایت اہم رمز یہ ہے کہ حیوانی ذرّہ (کیسہ) کے افعال اور عضو کے افعال میں مماثلت اور ان کے افعال میں جو اختلاف ہے ان کا جاننا بھی نہایت ضروری ہے۔ اس کے ساتھ اس امر پر بھی روشنی پڑتی ہے کہ اعضاء کے افعال اپنے انسجہ (ٹشوز) کے ماتحت ہیں یا ان سے جدا ہیں۔ ان تمام اہم باتوں کا فرنگی طب (ڈاکٹری) اوّل تو علم ہی نہیں رکھتی۔ ان کی کتب میں ان کا کوئی ذکر نہیں ہے اور اگر کسی قسم کا علم پایا جاتا ہے تو وہ غلط، بے معنی اور ناکارہ ہے۔ جب تک کیسہ کے افعال کو عضو کے افعال کے ساتھ تطابق نہیں دیا جائے گا اس وقت تک سوزش تو رہی ایک طرف دیگر امراض کی ماہیت بھی پورے طور پر نہیں آسکتی۔ کیونکہ کیسہ انسانی جسم میں ایک ابتدائی زندگی (First Unit) ہے اور یہ تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ اس میں زندگی ہے۔ اس کے افعال ہیں۔ اس میں نشوونما ہے۔ اس میں تولید ہے اور اس میں موت بھی واقع ہوتی ہے۔ ایسی صورت میں یہ بھی مسلمہ حقیقت ہے کہ وہ غذا لیتے ہیں۔ اپنی غذا کے فضلات کو صاف کرتے ہیں اور باقاعدہ سانس لیتے ہیں۔ گویا ان کا تغذیہ، تصفیہ اور تسنیم بالکل ایسے ہے جیسے انسانی جسم کا ہے۔ جو مرکب اعضاء سے بنتے ہیں، مرکب اعضاء مفرد اعضاء سے ترتیب پائے ہوئے ہیں۔ مفرد اعضاء کی بناوٹ انسجہ (ٹشوز) سے ہے اور انسجہ حیوانی ذرّات (کیسہ جات) سے ترتیب پاتے ہیں۔ ایک طرف حیوانی ذرّہ میں بھی یہ سب کچھ نظر آتا ہے تو باقی درمیانی کڑیوں کو کیوں نظر انداز کر دیا جائے۔ اور پھر ان کے باہمی تعلق کیوں نہ سمجھا جائے۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ان سب کے افعال کو بالمقابل سمجھا جائے۔ اگر کیسہ اور انسانی زندگی کے افعال میں تطابق پایا جاتا ہے تو کیسہ کو جو انسان کی ابتدائی ترکیب (First Unit) ہے اس کو سامنے رکھ کر صحت و مرض کا تعین کیا جائے۔ اور ان سے اعضاء کے افعال پر جو اثر پڑتا ہے اس کو ذہن نشین کیا جائے۔

فرنگی طب کی علمی کم مائیگی

فرنگی طب کو اپنی طبی سائنس (میڈیکل سائنس) پر بہت ناز ہے، لیکن جب ایک محقق ان کی علمی اور سائنسی کتب کو دیکھتا ہے تو ان کی فاش غلطیوں کے ساتھ ساتھ ان کی بے علمی اور جہالت کو دیکھ کر افسوس کرتا ہے کہ ایک طرف اپنی سائنس کے اتنے لمبے چوڑے دعوے اور دوسری طرف

اندر سے یہ کھوکھلا پن۔ ایک طرف یہ شور اور دوسری طرف یہ بے نمکی۔ جب کسی فرنگی ڈاکٹر سے پوچھا جائے یہ کیا بات ہے؟ تو شرم سے گردن جھکا کر آئیں بائیں اور شائیں کرنے لگتے ہیں۔

ماہیت امراض کے سمجھنے میں بھی ان کے ہاں بے حد غلطیاں ہیں۔ بے علمی اور حقیقت سے ناواقفیت کے بے شمار نمونے نظر آتے ہیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ ہم ان کی ادنیٰ ادنیٰ غلطی بھی معاف نہیں کریں گے۔ بال کی کھال نکالیں گے اور ان دی کی چندی کر دیں گے۔ امراض کا تعین اس وقت تک جس طرح کیا گیا ہے وہ فرنگی طب اور ماڈرن سائنس کی بے علمی (Unscientific) اور جہالت پر دلالت کرتا ہے۔ ایک طرف تو انسانی جسم کی تشریح اور افعال کو کیسہ تک بیان کر دیا ہے۔ مگر دوسری طرف امراض کا تعین کرتے وقت صرف مرکب اعضاء کو سامنے رکھا گیا ہے۔ مثلاً اگر معدے اور امعاء میں خرابی ہو یا مثانہ اور سینہ میں نقص ہو تو معدہ اور امعاء اور مثانہ و سینہ کی مناسبت سے امراض کا تعین کیا گیا ہے اور اسی نسبت سے نام رکھے گئے ہیں۔ جیسے درد معدہ، ورم امعاء، سوزش مثانہ اور سینہ کی جلن وغیرہ۔ حالانکہ معدہ وامعاء اور مثانہ و سینہ دیگر تمام اسی قسم کے اعضاء مفرد اعضاء سے مرکب ہیں۔ یعنی وہ تمام اعصاب و غدد اور عضلات سے مرکب ہیں اور یہ مفرد اعضاء سب کے سب مختلف اقسام کی بافتوں (ٹشوز) اور کیسوں (سیلز) سے ترتیب پا کر ترکیب پاتے ہیں۔ اور ہر مفرد عضو کے افعال دوسرے عضو سے اسی طرح مختلف ہیں جس طرح ان کے کیسے الگ الگ ہیں۔ ایک وقت میں ان میں سے کسی ایک میں تحریک یا سوزش ہوتی ہے۔ سب میں بیک وقت نہ تحریک ہوتی ہے اور نہ سوزش۔ اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ان سب کے افعال میں افراط و تفریط یا ضعف بیک وقت ایک ہی جیسا نہیں ہوتا۔ سوزش نہیں ہوگی۔ لیکن فرنگی طب معدہ اور دیگر مرکب اعضاء میں سے کسی ایک میں آ کر سوزش تسلیم کرے گی تو اس کے تمام مفرد اعضاء میں بیک وقت تسلیم کرے گی۔ جو قطعاً ناممکن ہے جس کے ثبوت میں ہم ان کے غلط تجربات کی تفصیل بیان کریں گے، جو انہوں نے مینڈکوں پر کئے ہیں اور غلط نتائج حاصل کئے ہیں۔ ایسی صورت میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ ان کا تعین امراض صحیح ہے نہ سوزش وغیرہ کے متعلق انہوں نے جو کچھ لکھا ہے وہ صحیح ہے نہ ان کے تجربات درست ہیں نہ ان کی تحقیقات فطرت کے مطابق اور علمی (Scientific) ہیں۔

فرنگی طب کے غلط تجربات

فرنگی طب میں سوزش کی ماہیت (Pathology) بیان کرنے میں بالکل اندھے پن سے کام لیا جاتا ہے۔ وہاں نسیجی تبدیلیوں، کیمیاوی اثرات اور اعضاء کے افعال کو ان کی اپنی حیثیت سے جدا جدا کر کے بیان نہیں کیا گیا۔ بلکہ چاہئے تو یہ تھا کہ کیسہ سے شروع کیا جاتا کہ وہ بذات خود ایک حیوانی ذرہ ہے۔ اس میں احساس ہے۔ غذائی نظام ہے اور قوت و ضعف کے اثرات کے ساتھ ساتھ زندگی اور موت کی صورتیں بھی نظر آتی ہیں۔ اس کی زندگی اور افعال کو اول اس کی ذاتی نسیجی بافت اور پھر اسی بافت سے بنے ہوئے مفرد عضو کو سامنے رکھا جاتا اور پھر کیسہ سے لے کر مفرد عضو تک کی تبدیلیوں کی مناسبت اور فرق کو بیان کیا جاتا۔ پھر جو امراض یا علامات کی صورتیں پیدا ہوتیں ہیں ان کو بیان کیا جاتا۔ مگر فرنگی طب اور ماڈرن میڈیکل سائنس کا پورا علم ان باتوں سے خالی ہے جس کے ثبوت میں ہم ان کی کتب پیش کر سکتے ہیں۔

سوزش سے فرنگی طب کے غلط تجربات

فرنگی طب میں سوزش کو سمجھنے کے لئے زیادہ سے زیادہ خوردبین کے نیچے کسی سوزش ناک مقام کو رکھا جاتا ہے اور اس میں جو تبدیلیاں ہوتی ہیں ان کو نوٹ کیا جاتا ہے۔ اس مقصد کے لئے زیادہ تر مینڈک سے کام لیا جاتا ہے۔ مثلاً مینڈک کے پنجے کو پھیلا کر اس پر کوئی بیرونی محرک لگا کر اوّل سوزش پیدا کرتے ہیں، پھر ان تبدیلیوں کا مطالعہ کرتے ہیں۔ لیکن تبدیلیوں کا پورا علم اس وقت ہو سکتا ہے جب کہ پہلے بغیر سوزش کے تندرست مقام کا بھی مطالعہ کیا جائے۔ غرض اس کی تبدیلیوں میں خون کی کمی بیشی، رفتار میں تیزی اور سستی، سرخ اور سفید دانوں کا خون کی رو میں

بہنا اور الگ ہونا، خون کی نالیوں کا سکڑنا اور پھسلنا، کیسہ اور نسیج کی اندرونی اور بیرونی تبدیلیاں، وہاں پر لمف اور رطوبات کا گرنا، اس میں انقباض اور انبساط کا پیدا ہونا، ان کا بڑھنا اور زندگی کے اثرات کا قائم رہنا یا مردہ ہوجانا۔ غرضیکہ تجربات میں اس قسم کے نتائج حاصل کئے جاتے ہیں۔ مگر یہ طریق کار غلط ہے، کیونکہ اس صورت میں اوّل ٹشوز کا تعین نہیں کیا جاتا کہ ایک تجربہ کرنے والا کس قسم کی بافت (ٹشو) پر تجربات کر رہا ہے۔ وہ بافت عصبی ہے یا عضلاتی یا کوئی اور ہے اور ہر ایک کا باہمی فرق کیا ہے؟

دوسرے خون کی نالیوں کے پرت بھی مختلف پرتوں سے تیار ہوتے ہیں۔ ان کا انقباض انبساط کس بافت سے متعلق ہے اور خون کی رفتار پر تیزی وسستی کا اثر کس بافت کے انقباض اور انبساط سے پڑتا ہے۔

تیسرے یہ کہ تجربات سے جو نتائج حاصل کئے گئے ہیں وہ تیزابی اثر رکھتے ہیں یا کھاری اور نمکین اثرات کے حامل ہیں۔ ہر ایک کے تجربات دوسرے سے جدا ہوں گے۔ یہ اور اسی قسم کے کئی حقائق ہیں جن کا نہ فرنگی طب کو علم ہے اور نہ کسی قسم کی کتب اور تجربات میں ان کا ذکر پایا جاتا ہے۔ اور ان حقائق سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کے تجربات غلط اصولوں پر مبنی ہیں اور ان کے نتائج بھی صحیح نہیں ہیں۔ طرہ یہ کہ اگر ہم کسی قسم کے جراثیم کو بھی سوزش کا محرک تسلیم کرلیں تو پھر یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ ذات الریہ، ذات الجنب اور سل ودق (Tuberclosis) کے جراثیم اپنے اندر مختلف نوعیت رکھتے ہیں۔ یا ان کے زہر بالکل مختلف اقسام کے ہوتے ہیں۔ پھر ہر قسم کی سوزش کے ایک ہی جیسے نتائج کیسے ہوسکتے ہیں۔

ہماری مشکلات

ہماری مشکلات میں سب سے اہم بات یہ ہے کہ ہم کو بیک وقت دو کام کرنے پڑتے ہیں۔ یعنی اوّل رول ادا کرنا پڑتا ہے۔ ایک طرف اپنی تحقیقات کو پیش کرنا اور دوسری طرف فرنگی طب کی غلطیوں اور خرابیوں کو راستہ میں سے دور کرنا تاکہ جہاں پر اہل علم اور صاحب فن ہماری تحقیقات سے مستفید ہوں وہاں پر وہ فرنگی طب کی غیر علمی معلومات سے آگاہ ہوتے رہیں تاکہ صحیح علم وفن حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ فرنگی طب کی وجہ سے ان کے اندر جو احساس کمتری پیدا ہوگیا ہے وہ بھی دور ہوتا رہے۔

ان دوگونا مشکلات کے ساتھ ساتھ سب سے بڑی مشکل یہ ہے کہ ہمارے حکماء اور اطباء کا اکثر طبقہ علمی تحقیقات سے مناسبت نہیں رکھتا۔ اس کو نہ فن عزیز ہے اور نہ ملک اور قوم کی بہتری کا جذبہ ہے۔ خودی اور خودداری اور خود اعتمادی کے اسرار ورموز سے بہت دور ہے۔ وہ پیٹ کا بندہ ہے۔ جائز وناجائز دولت چاہتا ہے، چاہے وہ ملکی ادویات کو فروخت کرکے ملے چاہے وہ فرنگی ادویات فروخت کرنے سے حاصل ہو۔ اکثر صرف اس لئے مخالفت کرتے ہیں کہ کیوں ان کے غلط طریق کار سے ان کو روکا جاتا ہے، جس سے انہوں نے بڑی بڑی دولت کمائی ہے اور لاکھوں روپیہ جمع کرلیا ہے، لیکن ہمیں کسی دولت منداور دشمن فن کی پرواہ نہیں ہے۔ ہم نے صرف اپنا کام جاری رکھا ہے، بلکہ ہم ایسے غلط قسم کے بے غیرت و زر پرست لوگوں کو چیلنج کرتے رہیں گے۔ اور ان کو ننگا کرکے طبی دُنیا میں پیش کرتے رہیں گے۔ تاکہ دوسروں کے لئے عبرت ہو۔

سوزش کی حقیقت

جسم کے کسی مقام پر سوزش ہمیشہ تحریک یا جل جانے سے پیدا ہوتی ہے۔ کبھی یہ تحریک اور جلنا خفیف ہوتا ہے اور کبھی شدید ہوتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہر قسم کی تحریک بھی جسم کے اس حصہ کا جلنا ہے کیونکہ تحریک کا دوسرا نام رگڑ ہے اور رگڑ سے حرارت پیدا ہوتی ہے جس سے بجلی پیدا ہوتی ہے اور جب جسم کی برداشت سے زیادہ ہوجاتی ہے تو اس کو جلا دیتی ہے۔ بس اس طرح سوزش پیدا ہوجاتی ہے، گویا سوزش حرارت سے جلنے کا نام ہے۔

سوزش سے کیمیاوی تبدیلیاں

جس مقام پر سوزش پیدا ہوتی ہے، وہاں پر جلنے سے آکسیجن بھڑک اٹھتی ہے اور کاربن ڈائی اوکسائیڈ گیس پیدا ہوتی ہے۔ اگر سوزش خفیف ہوتی ہے تو اس کا اثر اعصاب تک رہتا ہے۔ کیونکہ جسم کی سطح پر اندر باہر اوّل اعصاب استر کئے ہوتے ہیں۔ اس کا ردِّ عمل یہ ہوتا ہے کہ وہاں رطوبت کا ترشح شروع ہو جاتا ہے جس کو لمف کہتے ہیں۔ یہ رطوبات متعلقہ غشائے مخاطی سے ترشح پاتی ہیں جس کے ساتھ ساتھ خون کا دباؤ اس طرف بڑھ جاتا ہے اور ترشح میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ وقت سوزش کو ختم کر دیتا ہے جس کے ساتھ ہی ترشح بھی رُک جاتا ہے۔ یہ صورت اس وقت عمل میں آتی ہے جب سوزش کے ساتھ جلد بھی زخمی ہو کر کھل جائے، لیکن اگر سوزش میں وہی رطوبت جمع ہو کر سوزش کو رفع کرنے کی کوشش کرتی رہتی ہے اور جب تک سوزش ختم نہ ہو چھالے اور دانے قائم رہتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ بعض اوقات خون میں ایسے سوزشی مادے جن سے اعصاب میں مسلسل یا مستقل طور پر چھالے اور دانے نکلتے رہتے ہیں۔ یہ چھالے اور دانے اکثر سفیدی مائل ہوتے ہیں، کبھی ان میں ہلکی زردی بھی پائی جاتی ہے اور بعض اوقات سرخی کی زیادتی ہوتی ہے۔ کیمیاوی طور پر اس رطوبت میں کھاری پن ہوتا ہے۔ اندرونی طور پر جو مادہ یہ سوزش پیدا کرتا ہے وہ **آتشکی مادہ** ہوتا ہے، چاہے وہ شدید ہو یا خفیف۔

اگر سوزش درمیانے درجے کی ہو تو رطوبت کے ساتھ ملا ہوا خون بھی آ جاتا ہے، اس سوزش کا اثر غشائے مخاطی اور غدد تک پہنچ جاتا ہے، کیونکہ اعصاب کے بعد جسم میں غدی اور غشائی نسیج ہوتے ہیں۔ جن کا تعلق جگر اور گردوں سے ہوتا ہے۔ چونکہ اس صورت میں غدود اور غشاء زخمی اور سوزش ناک ہو جاتی ہے اس لئے رطوبات کا ترشح پوری طرح قائم نہیں رہتا اور اس میں خون بھی شریک ہو جاتا ہے اور جب تک سوزش قائم رہتی ہے خون کا دباؤ بڑھتا چلا جاتا ہے۔ لیکن اکثر رطوبت ملا خون (کچ لہو) اخراج پاتا ہے۔ جب سوزش ختم ہو جاتی ہے تو رفتہ رفتہ پہلے خون اور پھر رطوبت کا ترشح بند ہو جاتا ہے۔

جب جلد زخمی نہ ہو تو جلد کے نیچے سرخی مائل رطوبت اکٹھی ہو جاتی ہے جو بہت جلد زردی مائل ہو جاتی ہے اور دانے کی بجائے پھوڑے کی صورت نظر آتی ہیں اور جب خون میں ایسے سوزشی مادے ہوں جن سے جسم میں ایسی صورت پیدا ہو جائے تو یہ پھوڑے مسلسل اور مستقل طور پر قائم ہو جاتے ہیں۔ اس مادے میں سوزاکی مادے کے اثرات پائے جاتے ہیں جس کو آپ سورا کہہ سکتے ہیں۔ سوزاکی مادہ اور سوزاک میں صرف یہ فرق ہے کہ سوزاکی مادہ کے اثرات تمام جسم میں پائے جاتے ہیں اور سوزاک کا اثر صرف پیشاب کی نالی میں پایا جاتا ہے۔ یہ مادہ کیمیاوی طور پر اپنے اندر صفراوی کیفیات اور مزاج رکھتا ہے، اس میں تیزابی کیفیت اکثر نہیں پائی جاتیں اور اگر کبھی پائی بھی جائیں تو بہت قلیل مقدار میں ہوتی ہیں۔ مادہ کے شدید اور خفیف ہونے سے ان میں کمی بیشی ہوتی ہے۔

اگر سوزش شدید ہو تو اس کا اثر عضلات تک پہنچ جاتا ہے، کیونکہ اعصاب اور غشاء یا غدد کے بعد عضلات کا مقام ہے، اس کے ردِّ عمل میں رطوبت کی بجائے خالص خون کا اخراج شروع ہو جاتا ہے۔ رطوبت اس لئے نہیں آتی کہ اس کا نظام باطل ہو چکا ہوتا ہے۔ چونکہ سوزش عضلات میں ہوتی ہے جس سے دِل کے فعل میں تیزی ہوتی ہے اس لئے خون کا دباؤ بے حد شدید ہو جاتا ہے یہاں پر نکتہ قابلِ غور ہے کہ جس مقام سے رطوبت کا اخراج ہو رہا ہو تو وہاں پر خون کا اخراج بند ہو جاتا ہے۔ یہی ان دونوں کی زیادتی کا یقینی علاج بھی ہے۔ اسی نظریہ کے تحت فصد اور سینگی کے اعمال کو بھی سمجھ لیں۔ یعنی جسم میں کسی مقام پر اگر رطوبات یا بلغم کا اجتماع ہو تو وہ فصد کرنا اور سینگی کھچوانا افضل ہے۔

اگر عضلاتی سوزش کے بعد جلد زخمی نہ ہو تو خون کے نیچے اکٹھا ہو کر پھوڑا بن جاتا ہے یا خون میں ایسے شدید مادے ہوں جو عضلات میں اندرونی طور پر سوزش پیدا کریں تو بڑے بڑے پھوڑے (گومڑ) پیدا ہو جاتے ہیں اور جب تک سوزش عضلات ختم نہ ہو تو یہ سلسلہ بدستور جاری رہتا

ہے۔ ان پھوڑوں میں سرخی اور جلن زیادہ ہوتی ہے۔ البتہ جب ان میں پیپ پڑ جاتی ہے تو جلن اور سرخی کم ہو جاتی ہے۔ کیمیاوی طور پر ان پھوڑوں میں تیزابیت پائی جاتی ہے۔ ایسا مادہ جو عضلات میں سوزش پیدا کرے، یہ **بواسیر مادہ ہوتا ہے۔ جس کو سائیکوسس کہتے ہیں۔** سائیکوسس مادہ میں اور بواسیر میں صرف مقام کا فرق ہے۔ البتہ بواسیر کے مریض کے خون میں رفتہ رفتہ یہ مادہ اکٹھا ہو جاتا ہے یا بواسیر مادے والے انسان کو بھی بواسیر ہو جاتی ہے۔

بواسیری مادے میں اگر حرارت کی کمی واقع ہو جائے تو یہی دقی مادہ بن جاتا ہے۔ ان کی مثال تیزاب گندھک اور تیزاب سرکہ کے فرق سے ہو سکتی ہے۔ دونوں تیزاب ہیں۔ لیکن تیزاب گندھک میں جو ترشی کے ساتھ حرارت کا بھی اثر ہے۔ اہل علم حضرات اور صاحبان فن ان حقائق پر غور کر کے فائدہ حاصل کر سکتے ہیں۔

سوزش کے مشینی اثرات

جس مقام پر سوزش پیدا ہوتی ہے وہاں پر چونکہ دخانی (کاربانک ایسڈ) مادہ کی زیادتی بڑھ جاتی ہے، اس لئے وہاں پر سکیڑ پیدا ہو جاتا ہے۔ اس سکیڑ کے ساتھ ہی اس عضو کے فعل میں تیزی آ جاتی ہے اور وہاں پر بے چینی بڑھ جاتی ہے۔ خون کا دباؤ بڑھ جاتا ہے جس کی زیادتی سے اعصاب پر دباؤ پڑ کر درد شروع ہو جاتا ہے۔ چونکہ سکیڑ کی وجہ سے اس عضو میں خون پورے طور پر دورہ نہیں کر پاتا یا وہاں کی شرائین اور آوردہ بھی سکڑ جاتی ہیں اس لئے وہاں اجتماع خون شروع ہو جاتا ہے اس لئے وہاں پر سرخی اور ابھار (سوجن) پیدا ہو جاتا ہے۔ لیکن یہ ہمیشہ یاد رکھیں کہ جب اعصابی سوزش ہو تو سرخی ہوتی ہے اور سوجن نہیں ہوتی ہے اور جب غدی سوزش ہوتی ہے تو اس وقت سوجن تو ہوتی ہے مگر خون نہیں ہوتا، بلکہ رطوبت کی سوجن ہوتی ہے جس میں سرخی نہیں ہوتی۔

یہ ہے سوزش کی مختصر حقیقت۔ اہل علم اور صاحب فن اس کی تفسیر سمجھ کر بے حد فوائد حاصل کر سکتے ہیں۔ یہ جو کچھ ہم نے لکھا ہے، فرنگی طب اور ماڈرن میڈیکل سائنس اس علم سے ناواقف ہے، اس لئے اس کا علم نامکمل اور غلط ہے۔ اگر ان میں جرأت ہے تو وہ ہمارے اس علم کو اپنی نامکمل سائنس اور علم سے نکال کر دکھائے۔ انشاء اللہ تعالیٰ اب وقت بھی قریب آ رہا ہے کہ فرنگی طب اور ماڈرن میڈیکل سائنس کو غلط اور غیر یقینی قرار دے دیا جائے۔ ہم روز بروز ایسی علمی اور تحقیقی معلومات پیش کریں گے کہ ان کی حقیقت کے سامنے ان کا ٹھہرنا بے حد مشکل ہو جائے گا۔

سوزش کا اثر

سوزش کی ماہیت، سوزش کی تعریف وحقیقت عملی وکیمیاوی تبدیلیاں ذہن نشین کر لینے کے بعد اس امر کو بھی سمجھ لیں کہ جسم میں کسی عضو کی زندہ ساخت پر مہیج اور خراش کنندہ سے جو بے چینی یا جلن پیدا ہوتی ہے اس کے خلاف قوت مدافعت (امیونٹی) یا قوت مدبرہ بدن (وائٹل فورس) کی ایک مدافعانہ خودکار (سسٹے میٹک) اور منظم (آرگنائزڈ) تدبیر ہے تاکہ اس کے مضر اثرات کو روکنے کی کوشش کی جائے اور وہ پھیلنے نہ پائے تاکہ باقی جسم محفوظ رہے۔

سمجھنے کی خاص بات تو یہ ہے کہ عضو کے خاص خلیات یا انسجہ میں انقباض اور سکیڑ پیدا ہوتا ہے اور وہاں کے خلیات یا اس عضو کے افعال میں تیزی واقع ہوتی ہے۔ اس عضو یا انسجہ پر پڑی ہوئی رطوبت خشک ہو چکی ہوتی ہے۔ اور قوت مدافعت اس کو پیدا کرنا یا اس مقام پر رطوبت طلیہ یا بلغم کو گرانا چاہتی ہے۔ طبیعت مدبرہ بدن اس کی ضرورت کے تحت دورانِ خون کو تیز کر دیتی ہے۔ لیکن سکیڑ وانقباض کی وجہ سے رطوبت ترشح کم ہوتا ہے یا نہیں ہوتا۔ لیکن سوزش کی بے چینی اور تکلیف کے مطابق وہاں خون اکٹھا ہوتا رہتا ہے۔

سوزش سے سکیڑ اور اجتماع خون کیونکر ہوتا ہے؟

یہ قانون فطرت ہے کہ زندگی اور موالید ثلاثہ میں تحلیل صرف حرارت سے ہوسکتی ہے جہاں کہیں سوزش یا رکاوٹ پیدا ہوتی ہے تو حرارت کی کمی اور سردی کی زیادتی پیدا ہو جاتی ہے۔ اگر ظاہر میں سردی کے اثرات نہ بھی ہوں تاہم اس مقام کی مناسب حرارت میں اس قدر کمی واقع ہو جاتی ہے کہ وہ اپنے ضروری افعال انجام نہیں دے سکتی۔ اس لئے اس مقام کے مناسب اور ضروری حرارت میں جو کمی واقع ہوگی وہاں پر سردی کے اثر ودخل کا نتیجہ ہوگا۔

یہ سکیڑ ایک طرف سردی کا نتیجہ ہوتا ہے اور دوسری طرف قانون فطرت کے اس عمل کو پورا کرتا ہے کہ وہاں پر حرارت کی کمی کو پورا کیا جائے۔ یعنی خون کی جو تیزی اس طرف بڑھ جاتی ہے۔ قوت مدافعت اس کو روک کر اس مقام کو گرم کر کے اس سے تحلیل کا کام لینا چاہتی ہے۔ جب حرارت پورے انداز پر آ جاتی ہے تو رکاوٹ اور موالید تحلیل ہو جاتا ہے اور سوزش ختم ہو جاتی ہے۔

ایک بہت بڑی غلط فہمی

جس مقام پر سوزش کی زیادتی سے بے چینی اور جلن ہو رہی ہو تو عام طور پر اس کو گرم مرض سمجھ لیا جاتا ہے کیونکہ وہاں پر خون کی زیادتی ہوتی ہے جس سے وہاں پر گرمی کا بڑھ جانا لازمی ہے، لیکن اس امر کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے کہ گرمی اجتماع خون کی وجہ سے ہے جس کی وجہ وہاں پر سکیڑ ہے۔ قانون فطرت ہے کہ سکیڑ ہمیشہ سردی سے ہوتا ہے۔ جب حرارت اپنے پورے انداز پر آ جائے گی تو سوزش رفع ہو جائے گی اور اجتماع خون تحلیل ہو جائے گا۔

علاج کی صورت میں بجائے اس کے کہ وہاں پر حرارت بڑھائی جائے، وہاں پر علاج سے سردی پہنچائی جاتی ہے۔ فرنگی ڈاکٹر فوراً ٹھنڈے کمروں میں پنکھے کے نیچے مریض کو لٹا دیتے ہیں۔ بخار ہو تو سر پر برف کی پٹی یا تھیلی رکھتے ہیں۔ نتیجہ ظاہر ہے کہ اوّل تو مریض ہی ختم ہو جاتا ہے یا فالج سے اس کا کوئی عضو مارا جاتا ہے۔ فرنگی ڈاکٹر اس امر کی قطعاً تشخیص نہیں کر سکتا کہ فلاں مرض سردی کا ہے یا گرمی کی زیادتی کا ہے جس کسی بھی مرض میں بخار ہو وہ فوراً سر کو ٹھنڈا کرنے کی ہدایت کرتے ہیں اور مریض کی قوت مدافعت اور قوت مدبرہ بدن کو کمزور کر کے مریض کا نقصان کر دیتے ہیں۔

اگر بخار کی تیزی میں سر پر ٹھنڈی پٹی یا تھیلی رکھنی ضروری ہے تو نمونیا اور پلورسی میں کیوں نہیں رکھی جاتی۔ نمونیا کی سردی کا بخار تسلیم کر بھی لیں لیکن پلورسی تو ظاہرہ جسم میں گرمی کی زیادتی کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔ اس کے بخار میں سر کو ٹھنڈا رکھنے سے کیوں گھبراتے ہیں۔ اس میں دل و دماغ اور جگر اس قدر متاثر ہوتے ہیں کہ ایسا کرنے سے مریض فوراً مر جاتا ہے۔ اس طرح کی غلطیاں وہ کرتے ہیں۔ ہم انشاء اللہ تعالیٰ ان کی ہزاروں غلطیاں پیش کریں گے۔

علاج کا سب سے بڑا راز

سوزش کی ماہیت کا سمجھ لینا علاج کا سب سے بڑا راز ہے۔ کیونکہ اس سے بڑے بڑے امراض میں غلط فہمیاں ہوتی ہیں۔ مثلاً جگر کی سوزش سے یرقان پیدا ہو جاتا ہے۔ جاہل اس کو گرمی کا مرض خیال کر کے ٹھنڈی ادویات کا استعمال کرتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ استسقاء اور سوء القنیہ ہو کر مریض مر جاتا ہے۔ یہی غلطی دق وسل (ٹی۔بی) کے علاج میں بھی کی جاتی ہے کہ اس کو گرم مرض خیال کرتے ہوئے ٹھنڈے شربت اور عرق استعمال کرائے جاتے ہیں اور مریض رفتہ رفتہ موت کے گھاٹ اُتار دیا جاتا ہے۔

شدید پیاس ہمیشہ سوزش سے لگتی ہے

عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ پیاس گرمی کی شدت سے لگتی ہے لیکن ایسا نہیں ہے۔ گرمی سے جو پیاس لگتی ہے وہ پانی کی کمی کا احساس ہے جو پسینہ کی زیادتی سے کم ہو جاتا ہے۔ جب تازہ پانی پیا جاتا ہے تو پیاس بجھ جاتی ہے۔ لیکن شدید پیاس تازہ پانی تو کیا ٹھنڈے پانی اور شربت وغیرہ سے بھی نہیں بجھتی۔ ایسی پیاس سوزش سے لگتی ہے اور سوزش سردی سے پیدا ہوتی ہے۔ گویا شدید پیاس گرمی سے نہیں سردی سے لگتی ہے، الہٰذا اس کے لئے گرم پانی، قہوہ اور چائے وغیرہ ہی مفید ہو سکتے ہیں۔

ہیضہ اور نمونیا بے حد شدید پیاس ہوتی ہے۔ مریض کہتا ہے کہ اس کے منہ کے ساتھ یخ پانی لگا دیا جائے۔ لیکن صاحب فن معالج جانتا ہے کہ ایسا کرنا موت کو دعوت دینا ہے۔ وہ گرم پانی اور قہوہ دیتا ہے۔ فرنگی ڈاکٹر تو نمونیا میں رم شراب تک دے دیتے ہیں۔ اگر چہ اس کا استعمال بھی اصولاً غلط ہے۔ تاہم ٹھنڈے پانی کا استعمال انتہائی مضر ہے۔

سوزشی بخار

سوزشی بخار میں حرارت مسلسل ہوتی ہے اور وہ اس امر کی علامت ہے کہ مقام سوزش پر جو حرارت اکٹھی ہو رہی ہے طبیعت مدبرہ بدن اس کو جسم میں پھیلا رہی ہے۔ باوجود درجہ حرارت زیادہ ہونے کے سوزش قائم ہے، اس لئے ایسے بخاروں میں زیادتی حرارت سے سوزش کو ختم کرنا چاہئے۔ ٹھنڈی ادویات، فیور مکسچر، اسپرین سے درجہ حرارت کو کم کرنے کی کوشش نہیں کرنی چاہئے۔ ورنہ مریض کے ختم ہو جانے کا خطرہ ہوتا ہے۔

گرمی سے کوئی بخار نہیں ہوتا

جاننا چاہئے کہ خالی گرمی سے کوئی بخار نہیں ہوتا، گرمی کی زیادتی سے جب فوراً پسینہ آ جاتا ہے تو بخار کیسے رہ سکتا ہے۔ صفراوی بخار خالص گرمی کا بخار نہیں ہے۔ اس میں صفراء کا اخراج رُک جاتا ہے۔ اس میں ٹھنڈی ادویات سے آرام نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا اعضاء کو مدنظر رکھ کر علاج کرنا چاہئے۔

سوزشی درد

سوزشی دردوں میں ٹھنڈی اور منشی ادویات مثلاً افیون، بھنگ، اور دھتورہ وغیرہ کبھی مفید نہیں ہوتیں۔ البتہ عارضی فائدہ ہو جاتا ہے یعنی اعصاب سن ہو جاتے ہیں لیکن پھر شدید قسم کا حملہ ہوتا ہے۔ ان کا علاج بھی سوزش رفع کرنا ہے اس کے لئے ہمیشہ گرم ادویات استعمال کرنا پڑتی ہیں۔

سوزش کے فوائد

سوزش کے بڑے فوائد اعضاء میں سکیڑ سے قوت پیدا کرنا اور اس مقام پر اجتماع خون سے حرارت پیدا کرنا ہے تاکہ فوراً تحلیل واقع ہو کر رکاوٹ دور ہو جائے۔ جو لوگ فطرت کے اس قانون کو نہیں سمجھتے ہر گرم مقام پر سرد ادویات استعمال کرتے ہیں۔ یا شدید پیاس کو بھی گرمی کی علامت خیال کرتے ہیں یا سوزشی بخاروں اور سوزشی دردوں میں ٹھنڈی ادویات یا منشیات یا عارضی رفع درد ادویات مثلاً سیریڈین وغیرہ استعمال کرتے ہیں۔ وہ مریض پر ظلم کرتے ہیں۔ ایسے ظلم فرنگی طب (ڈاکٹری) میں روز ہو رہے ہیں۔ جن کو بہت آسانی سے ہسپتالوں میں دیکھا جا سکتا ہے۔

سوزش کی ماہیت میں فرنگی طب کی غلطیاں

اس امر کو مدنظر رکھیں کہ مقام سوزش میں جو تبدیلیاں ہوتی ہیں ان کا مطالعہ فرنگی طب نے خوردبینی مشاہدات اور تجربات سے کیا ہے۔ مگر

پھر بھی ایسی ایسی غلطیاں کی ہیں کہ پڑھ کر شرم آتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ مفرد اعضاء کے افعال اور ان کے تعلق اور خاص طور پر خلیات اور انسجہ کے افعال اور تعلقات سے پورے طور پر آگاہ نہیں ہیں۔ ان اغلاط کو ذہن نشین کرنا بے حد ضروری ہے۔

(۱) سوزش جس مقام پر مہیج اثر انداز ہوتا ہے اس مقام کے انسجہ میں انقباض (سکیڑ) پیدا ہو جاتا ہے اور یہ انقباض عروق شعریہ اور عروق دمویہ دقیقہ میں تھوڑی دیر کے لئے ہوتا ہے اور پھر مہیج کے موذی اور سمی اثرات سے فالج ہو کر انبساط ہو جاتا ہے۔ وہ پھیل جاتی ہیں جس سے مقام ماؤف پر خون کی مقدار بڑھ جاتی ہے اور ایک قسم کا احتقان دموی ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد بہت جلد وہاں کا دورانِ خون سست ہو جاتا ہے اور سوزش پیدا ہو جاتی ہے۔

(۲) حیرت کا مقام ہے کہ یہ انقباض تھوڑی دیر کے بعد انبساط میں کیسے تبدیل ہو جاتا ہے جب کہ ان عروق میں فالج کی صورت بھی پیدا ہو گئی ہو۔ فالج کے متعلق یہ ذہن نشین کر لیں کہ جس مقام پر ہو گا وہاں کے احساس و افعال دونوں یا کسی ایک میں نقصان ہو گا۔ پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ وہاں پر انقباض کے فوراً بعد انبساط واقع ہو جائے۔ اگر انبساط ہو جائے گا تو نہ صرف دورانِ خون کا اجتماع رفع ہو کر دورانِ خون درست ہو جائے گا بلکہ سوزش بھی رفع ہو جائے گی۔ دوسرے ایک طرف سے یہ تسلیم کیا جاتا ہے کہ انبساط کے ساتھ ہی وہ عروق میں پھیل جاتی ہے اور دوسری طرف یہ مانا جاتا ہے کہ وہاں پر خون کی مقدار بڑھ جاتی ہے۔ دوسرے یہ انقباض خلیات اور انسجہ میں پیدا ہوتا ہے نہ کہ عروق میں البتہ جس قسم کے انسجہ میں انقباض پیدا ہوتا ہے اسی قسم کے انسجہ جو عروق میں ہیں وہ متاثر ہوتے ہیں۔ کبھی انسجہ عصبی، کبھی انسجہ عضلاتی اور کبھی انسجہ قشری وغیرہ سکڑتے ہیں کیونکہ ایک وقت میں ایک ہی قسم کے خلیات نسیج سوزش ناک ہوتے ہیں۔ بیک وقت تمام پر ایک ہی قسم کی سوزش کا اثر نہیں ہوتا۔

(۳) دورانِ خون کے سست ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اور اگر سوزش انسجہ عضلاتی اور انسجہ قشری میں ہو تو خون کے دباؤ میں تیزی رہتی ہے اور دورانِ خون کے سست ہونے کا کبھی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اور اگر سوزش انسجہ اعصابی میں ہو تو خون کا دباؤ ٹوٹ جاتا ہے اور دورانِ خون سست ہو جاتا ہے لیکن پھر بھی اعصاب کی طرف تیزی رہتی ہے اور رطوبات (لمف) کی زیادتی ہو جاتی ہے۔

فرنگی طب سوزش خصوصاً ورم میں بہت بڑی غلطی یہ کرتی ہے کہ وہ تمام اقسام کے انسجہ کو بیک وقت بیمار یا سوزش ناک سمجھ لیتی ہے اور عروق دمویہ کے افعال کو بھی اس میں شریک کر دیتی ہے، لیکن حقیقت اس سے بالکل مختلف ہے۔ کیونکہ سوزش ہمیشہ کسی ایک نسیج میں شروع ہوتی ہے اور موت تک اسی ایک ہی قسم کے نسیج میں رہتی ہے۔ البتہ دیگر صورتیں پیدا ہو جاتی ہیں جس کا نتیجہ فالج ہوتا ہے۔ تسکین، تحذیر اور تحلیل کی حالتیں سوزش سے جدا ہیں۔ اس لئے ہر سوزش و ورم تمام اقسام کے انسجہ اور عروق دمویہ کو ایک ہی حالت میں سمجھنا نہ صرف فرنگی طب اور ماڈرن سائنس کی جہالت ہے بلکہ خوردبین ہونے کے باوجود ان کا اندھا پن ہے۔

سوزش کے متعلق ہمیشہ یہ بات ذہن نشین رکھیں کہ خلیات و انسجہ اعضائے عروق دمویہ سے بالکل جدا ہیں۔ اگرچہ یہ انسجہ عروق دمویہ کی بناوٹ میں شریک ہیں، جب دورانِ خون عروق دمویہ سے عروق شعریہ (شعریہ بال سے باریک عروق) میں پہنچتا ہے۔ تو وہاں سے شبنم کی طرح رطوبت طلیہ (لمف) کی صورت میں اعضاء پر گرتا ہے جس سے خلیات و انسجہ کی غذا بنتا ہے اور جو کچھ وہاں پر بچتا ہے وہ غدد جاذبہ سے جذب ہو کر عروق جاذبہ میں واپس چلا جاتا ہے۔ اس رطوبت کا گرنا بھی سوزش خصوصاً دردوں کے لئے مفید ہے، کیونکہ رطوبت طلیہ بھی خون کا ایک حصہ ہے جس میں سرخی کم مائیت بہت زیادہ ہوتی ہے۔ اگر سوزش زیادہ ہو تو اس مقام پر خون کی مقدار زیادہ پہنچنے لگتی ہے۔ لیکن اخراج میں چونکہ کمی ہوتی ہے اس لئے اجتماع خون ہو جاتا ہے جو رفتہ رفتہ ورم کی صورت اختیار کر لیتا ہے، لیکن یہ یاد رکھیں کہ جب سوزش انسجہ اعصابی میں ہو گی تو ورم کی صورت

تہوج کی ہوگی۔ یعنی ورم میں رطوبات کی زیادتی ہوگی جیسے شہد کی مکھی اور بھڑ کے کاٹنے سے جسم سوجھ جاتا ہے یا جسم پر چھالے پڑ جانے کی صورت میں ہم دیکھتے ہیں کہ اگر سوزش غدی انسجہ ہوگی تو ورم کے ساتھ خون کا بہاؤ زیادہ رہتا ہے۔ رطوبت کا اخراج بالکل بند رہے گا اور جب انسجہ عضلاتی میں سوزش ہوگی تو ورم دموی کے ساتھ ساتھ کم وبیش رطوبت بھی جاری رہے گی۔ علاج میں ہم کو ہر قسم کے نسیج کی صورت کا خیال کرنا لازمی ہے، فرنگی طب کی جہالت اور اس کی اندھی سائنس کی کورانہ تقلید نہیں کرنی چاہئے۔ کیا کوئی فرنگی ڈاکٹر یہ ثابت کرسکتا ہے کہ یہ علم ان کے پاس ہے یا وہ اس قسم کی غلطیاں نہیں کرتے ہیں۔

ہم اوپر لکھ چکے ہیں کہ عروق دمویہ بھی انہی انسجہ سے مرکب ہیں جن سے تمام جسم مرکب ہے، اس لئے ان ہی انسجہ کی تحریکات سے عروق دمویہ کے انسجہ بھی متاثر ہوجاتے ہیں۔ لیکن تمام اقسام کے انسجہ بیک وقت متاثر نہیں ہوتے۔ بلکہ نسیج جسم کا سوزش ناک ہوگا۔ اسی کی مناسبت سے عروق دمویہ کا نسیج بھی متاثر ہوگا۔ لیکن فرنگی طب کی تحقیق یہ ہے کہ ہر سوزش اور ورم میں صرف عروق کا قشری مہج (جس کو بنظر مبطنہ یعنی عروق کے اندر استر کرنے والی جلد کہتے ہیں) متاثر ہوتا ہے۔ یہ فرنگی طب اور ماڈرن سائنس کی غلط فہمی ہے یہی وجہ ہے کہ وہ جراحی میں صحیح انسجہ کی خرابی کو تلاش کرنے کی بجائے مریض حصہ کاٹ کر پھینک دیتے ہیں۔ جیسے زائدہ اعور میں اکثر ان کا معمول ہے۔ اس طرح روزانہ ایک بہت بڑی غلطی گلے پڑجانے کے آپریشن میں کرتے ہیں (Tonsilitis)۔ یعنی گلے پڑ جانے میں وہاں کے نسیج عضلاتی سوزش ناک ہوتے ہیں اور وہاں کے غدد نکال کر باہر کردیتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ غدد نکال دینے کے بعد بھی وہاں پر سوزش قائم رہتی ہے اور نزلہ دائمی ہوجاتا ہے۔ کیونکہ جس رطوبت نے ان غدد میں اکٹھا ہونا تھا وہاں سے خارج کردی گئی ہیں اور سوزش باقی ہے۔ مرض ایک دوسری خوفناک صورت اختیار کرلیتا ہے۔ ایسے اپریشنوں کا انجام اکثر ٹی بی اور سعال مزمن ہوجاتی ہے۔

فرنگی طب کی ایک بہت بڑی غلطی یہ ہے کہ جسم میں جہاں پر بھی کہیں غدد پھول جاتے ہیں وہ ان کو اورام دموی میں شمار کرتے ہیں جن میں کبد وطحال اور لبلبہ بھی شریک ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ اورام نہیں ہیں، بلکہ رخوع ہیں۔

ہمیشہ یاد رکھیں! رخوع میں رطوبات کا اجتماع ہوتا ہے، خون کا اجتماع نہیں ہوتا۔ اس طرح قلب کے پھول جانے اور پھیل جانے میں بھی رطوبات کی زیادتی ہوتی ہے۔ ان تمام صورتوں کا علاج اورام کی صورت میں کرنا سخت خطرناک ہے۔ اس امر کو ہمیشہ ذہن نشین رکھیں کہ سوزش اور ورم میں انقباض پیدا ہوتا ہے اور رخوع میں انبساط ہوتا ہے۔ فرنگی طب اور ماڈرن سائنس نے اس طرح کی بے شمار غلطیاں کی ہیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ رفتہ رفتہ سب پیش کردی جائیں گی۔

سوزش کے اسباب

سوزش کے اسباب تین قسم کے پائے جاتے ہیں:

(۱) کیفیاتی اور نفسیاتی: جیسے گرمی سردی وخشکی تری کی کمی وزیادتی۔ اس میں بجلی، ایکس ریز اور ریڈیم بھی شریک کرلیں۔ نفسیاتی اثرات میں غم وغصہ اور خوف میں افراط وتفریط۔ جن کی تفصیل مبادیات طب میں ملاحظہ کریں۔

(۲) مادی و سمی: جیسے جسم میں کسی جگہ خراب مادہ کا رکنا، یا زہریلی اشیاء کا اثر انداز ہونا۔ مثلاً جراثیم، تیزابات جن میں سم الفار، ایسڈ کاربالک وغیرہ تیز قسم کی کھاریں جیسے سہاگہ وغیرہ۔

(۳) شرکی و کیمیاوی: جیسے ضربہ وسقطہ اور شدید دباؤ وغیرہ یا خون میں رفتہ رفتہ کسی زہر یا مادے کا اکٹھا ہوجانا وغیرہ۔

جہاں تک ان اسباب کا تعلق ہے یہ سب کے سب جب تک کسی عضو یا عضو کے خلیے پر اثر انداز نہ ہوں سوزش پیدا نہیں ہوتی۔ سوزش کی

کی بیشی مہیج و مؤثر کی خفت و شدت اور اعضاء کے ردِّعمل پر منحصر ہے۔ کیونکہ ہر عضو اور خلیے کا ردِّعمل اس میں قوت مدبرہ بدن کی جدوجہد مختلف طریق پر عمل کرتی ہے۔ مثلاً عضلاتی سوزش کا ردِّعمل شدید اور خطرناک ہوتا ہے، اس لئے اس میں جلد موت واقع ہو جاتی ہے، کیونکہ اس میں خون کا دباؤ بڑھ جاتا ہے۔ عضلات کا مرکز قلب ہے اور وہ ہلکی سوزش بھی مشکل سے برداشت کر سکتا ہے، جیسے نمونیا میں دیکھا جاتا ہے۔ اس کے برعکس اعصابی سوزش اگر شدید بھی ہو تو کم خطرناک ہوتی ہے۔ جیسے اکثر پرانے دردوں اور بلغمی امراض میں دیکھا گیا ہے۔ بہرحال غیر معمولی سوزش یہاں پر بھی اپنا کام کر جاتی ہے، جیسے ہیضہ و نزلہ وبائی وغیرہ۔

فرنگی طب کی غلطی

فرنگی طب ان تمام اسباب کو تسلیم کرتی ہے، مگر جب علاج کی صورت سامنے آ جاتی ہے تو جراثیمی نظریہ کو سامنے رکھ کر علاج کرتی ہے۔ زیادہ سے زیادہ کیمیاوی طور پر متضادِ زہر (اینٹی ڈوٹ) ادویات استعمال کر لیتے ہیں۔ جیسے ایسڈ کے مقابلے میں الکلی (کھار) اس کے برعکس استعمال کرتے ہیں۔ لیکن اعضاء کے افعال اور ان کی خرابیوں کو نظر انداز کر دیتے ہیں، یہاں تک کہ خلیات اور انسجہ کے افعال کی طرف بھی نہیں دیکھتے۔ ان کے سامنے گرمی وسردی اور تری وخشکی بلکہ بجلی وریڈیم اور ایکس ریز کے اثرات اور داغ بھی جراثیم کش ادویات سے دور کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ اسی طرح ضربہ وسقط اور دباؤ کے علاج میں وقتی طور پر دادع مسکن اور مخدر ادویات کو بھی اہمیت نہیں دیتے۔ بس یہی کوشش کرتے ہیں کہ یہاں پر دافع تعفن ادویات لگا کر اس مقام کو جراثیم سے پاک کر لیں۔ پھر کھاری دافع تعفن لے کر تیزابی دافع تعفن تک کا تجربہ کر جاتے ہیں۔ ماشاء اللہ ان کو یہ حقیقی علم بھی نہیں ہوتا کہ دافع تعفن دوا میں کون سی کیمیاوی کیفیت پائی جاتی ہے۔ جہاں آیوڈین استعمال کرنا ہوتی ہے، وہاں پر کاربالک ایسڈ برت لیتے ہیں اور جہاں کریوزوٹ برتنا ہوتا ہے وہاں پر آیوڈوفارم استعمال کر لیتے ہیں یا سیدھا ہی لائی سول یا فینائل استعمال کر لیتے ہیں۔

تقسیم اسباب سوزش

فرنگی طب میں سوزش کے التہاب کو دو جماعتوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ اوّل اسباب سابقہ (پری ڈسپوزنگ کاز)، اس کو متعدی بھی کہتے ہیں۔ دوم اسباب محرکہ (راکسائیٹنگ کاز) اس کو اسباب واصلہ بھی کہتے ہیں۔ اسباب سابقہ یا متعدی جن میں جسم کی قوت مدافعت یا عضو کی قوت حیوانیہ کم ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے بیرونی موذیات بآسانی مضرت پہنچا سکتی ہیں۔ اسباب سابقہ یا متعدی کو دو اقسام میں تقسیم کرتے ہیں۔

الف- مقامی اسباب سابقہ مثلاً:

① دورانِ خون کی خرابی، دورانِ خون کا غیر معمولی طور پر تیز یا سست ہونا، جیسا کہ عوارض عروق میں قلب الدم سے ہوتا ہے یا دباؤ وغیرہ کے باعث امتلائے دم سے واقع ہوتا ہے۔

② بعض مخصوص قسم کی ساختیں مثلاً غشیہ مائیہ (میرس ممبرین) غشیہ نکالیہ (سائنوویل ممبرین) اپنی مخصوص بناوٹ کے لحاظ سے بمقابلہ غشیہ مخاطیہ (میوکس ممبرین) قبول سوزش کی زیادہ استعداد رکھتی ہے۔ بشرطیکہ ان کا تعلق بیرونی ہوا سے قائم ہو۔ ان کے علاوہ جو عضو ایک مرتبہ سوزش میں مبتلا ہو جائے وہ شفا پا لینے کے بعد بھی دوسری مرتبہ سوزش میں مبتلا ہونے کی مخصوص اور زیادہ استعداد رکھتا ہے۔

ب - عمومی اسباب سابقہ یا متعدیہ، مثلاً خون کی ترکیب کا بوجھ، بڑھاپا، فاسد و ناقص ہو جانا یا امراض و موذیات سمیہ کے باعث خرابی کا آ جانا جس میں کثرت استعمال شراب یا پارہ وسیسہ اور فاسفورس کے استعمال سے فساد خون کا ہو جانا یا کیمیاوی فاسد مواد کا خون میں جذب ہونا

جیسے ذیابیطس شکری (ڈایابیٹز میلیٹس، النقرس/ گاؤٹ) اور وجع المفاصل (روماٹزم) وغیرہ میں ہوتا ہے یا خون کے فضلات کا طبعی طور پر خارج نہ ہونا جیسے کہ گردوں کے بعض امراض میں ہوتا ہے، یا خون کے معمولی امراض میں تغیر واقع ہونا جیسے کہ گردوں کے بعض امراض میں ہوتا ہے یا خون کے معمولی امراض میں تغیر واقع ہونا جیسے فقرالدم (انیمیا) سکروی سمیات جراثیمی خنازیر اور آتشک وغیرہ۔

اسباب محرقہ یا واصلہ:

یہ وہ اسباب ہیں جن سے خراش ہو کر سوزش پیدا ہوتی ہے۔ پھر التہاب کے بعد ورم کی صورت بنتی ہے۔ ان کو اسباب مہیج (اری ٹینٹ) کہتے ہیں۔ ان کی مندرجہ ذیل اقسام ہیں۔

(۱) مہیجات آلیہ: جیسے ضرب، زخم، صدمہ، رگڑ، دباؤ، کھچاؤ، موچ، اور گھونسہ وغیرہ۔

(۲) مہیجات طبیعہ: (الف) حرارت، احتراق (جلنا)، پانی یا آگ کے اثرات۔ (ب) یخ بستگی (ج) برقی تموجات۔ یہ یا تو طبعی برق و رعد کے اثر سے صدمہ پیدا کر دیں یا غیر طبعی ہوں۔ جیسے شدید اور طاقتور مصنوعی تموجات برق جو طبیب یا جراح علاج کے لئے استعمال کرتا ہے یا مصنوعات میں روشنی پیدا کرنے، گاڑیوں کو چلانے اور کھینچنے کے لئے استعمال میں آتے ہیں۔

(۳) مہیجات سمیہ: ان کی چند قسمیں ہیں:

الف۔ مہیجات کیمیاویہ: تیزابات (ایسڈز)، کھاریں (الکلائز)۔

ب۔ سمیات نباتیہ: روغن جمال گوٹہ (کروٹن آئل)، روغن خردل (مسٹرڈ آئل)۔

ج۔ سمیات حیوانیہ: تیلنی مکھی (کینتھریڈ فلائی)، دیگر کیڑے، ٹڈیاں، حشرات الارض کے ڈنگ مارنے یا ڈسنے اور اثرات سے سوزش و آبلہ اور ورم پیدا ہو جاتا۔

د۔ جراثیم یا اجساد دقیقہ وغیرہ کے زہریلے کیمیات وغیرہ۔

(۴) علم الجراحت۔ [ترجمہ حکیم کبیر الدین]

تقسیم اسباب کے متعلق فرنگی طب کی غلط فہمی

فرنگی طب تقسیم اسباب کے سلسلہ میں بہت بڑی غلط فہمی میں گرفتار ہے۔ اوّل وہ اسباب سابقہ اور اسباب محرقہ کا فرق نہیں سمجھتی۔ کیونکہ اسباب محرکہ (اکسائٹنگ کاز) یا واصلہ جن کو اسباب فاعلہ بھی کہتے ہیں یہ کوئی جدا اسباب نہیں ہیں، بلکہ جو بھی اسباب پیدائش مرض میں محرکہ و واصلہ اور فاعلہ ہوں گے، یعنی جن کے معا بعد مرض کا ظہور ہو یا دیگر الفاظ میں جن کے اثرات کے بعد کسی عضو یا نسیج یا خلیہ کے افعال میں خرابی واقع ہو وہی اسباب محرک اور واصلہ بن جاتے ہیں تو پھر جدا طور پر اسباب محرکہ اور واصلہ کے قائم کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ اگر ان اسباب محرکہ اور واصلہ کی طرف توجہ کریں جن کی فہرست ان کے تحت دی گئی ہے تو یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ وہ تمام اسباب دو قسم کے ہیں۔ اوّل بادیہ یعنی ظاہرہ جن کا تعلق کسی مادے سے نہیں ہے جیسے مہیجات الیہ، مہیجات طبیعہ برودت اور برقی تموجات شامل ہیں اور باقی کے اسباب سابقہ ہیں۔ یعنی جن کا تعلق مادے کے ساتھ ہے۔ جیسے مہیجات سمیہ۔ ان کی چند قسمیں ہیں: (الف) مہیجات کیمیاویہ (ب) سمیات نباتیہ (ج) کیمیات حیوانیہ اور جراثیم یا اجساد دقیقہ وغیرہ۔ اب اگر اسباب سابقہ اور متعدیہ پر غور کریں تو وہ بھی اسی قسم کے ہیں جیسے کہ اسباب محرکہ ہیں۔ جیسے مقامی اسباب سابقہ اور متعدیہ میں دورانِ خون کی خرابی اور بعض مخصوص ساختوں کی کمزوری یا خرابی وغیرہ۔

اسی طرح عمومی اسباب اور متعدیہ میں بوجہ بڑھاپے اور امراض موذیات سمیہ کے باعث خون کی ترکیب کا فاسد ہو جانا، کثرت شراب نوشی، پارہ وسیسہ اور فاسفورس کے استعمال سے خون میں فساد کیمیادی، فاسد مواد کا خون میں جذب ہونا جیسے ذیابیطس شکری، نقرس اور وجع المفاصل وغیرہ میں ہوتا ہے۔ خون کے فضلات کا طبعی طور پر خارج نہ ہونا جیسے گردوں کے بعض امراض میں ہوتا ہے۔ خون کے معمولی اجزاء میں تغیر واقع ہوتا ہے جیسے کمی خون، خرابی خون، جراثیمی سمیات مثلاً خنازیر اور آتشک وغیرہ۔

گویا جو اسباب سابقہ اور متعدیہ بیان کئے گئے ہیں ان کا اسباب محرکہ اور واصلہ میں کوئی فرق نہیں ہے کیونکہ جن اسباب کا تعلق مادہ کے ساتھ ہے وہ سب سابقہ ہی ہیں البتہ جو مادی اسباب نہیں ہیں ہم نے ان کا بادیہ ظاہری اسباب لکھا ہے۔ ان کو کیفیاتی بھی کہہ سکتے ہیں۔

طب قدیم اور اسباب

طب قدیم میں بھی اسباب کی بحث ہے اور وہ ہر ظاہری و باطنی مرض کے لئے تین اسباب تسلیم کرتی ہے جو کہ وہ (۱) اسباب بادیہ (۲) اسباب سابقہ (۳) اسباب واصلہ کہتی ہیں۔

ان کی تشریح ہم اوپر لکھ چکے ہیں۔ البتہ طالب علموں کے لئے ایک اہم حقیقت کا بیان کرنا ضروری ہے تاکہ تلاش اسباب میں مغالطہ نہ ہو۔

اسباب واصلہ کی غلط فہمی

جاننا چاہئے کہ طب قدیم میں جو تین اسباب بیان کئے جاتے ہیں دراصل وہ تین نہیں بلکہ دو قسم کے ہیں۔ اوّل بادیہ جس میں ہر قسم کے غیر مادی اسباب داخل ہیں۔ دوم سابقہ جس میں ہر قسم کے مادی اسباب شامل ہیں۔ اگر زندگی اور کائنات پر غور کیا جائے تو صرف دو ہی قسم کے اسباب پائے جاتے ہیں۔ بادی ذجسمی اور غیر مادی اور غیر جسمی۔ ان کے علاوہ کسی قسم کی اشیاء یا غیر اشیاء پائی نہیں جاتیں۔ اس لئے اسباب صرف دو ہی قسم کے ہیں۔ غور کریں فرنگی طب کے اسباب محرکہ میں مادی اسباب شریک ہیں۔

اسباب واصلہ کا جو ذکر کیا گیا ہے وہ صرف تعین اسباب کی خاطر ہے۔ یعنی وقت پیدائش مرض اسباب بادیہ اور سابقہ میں سے جو بھی ہوں گے ان کو اسباب واصلہ کہہ دیا جائے گا۔ ان کی ذاتی یا اپنی کوئی صورت نہیں ہے۔ اکثر طالب علم اس کو سمجھنے میں غلطی کرتے ہیں اور یہی غلطی فرنگی طب نے بھی کی ہے جس کی وجہ سے اسباب کی تقسیم میں خرابیاں پیدا ہو گئی ہیں۔ طب قدیم میں اسباب کی تقسیم قانون فطرت کے مطابق یونہی انکل پچو نہیں ہے۔ البتہ ان اسباب بادیہ اور سابقہ کو سہولت کے لئے دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ جیسے اسباب بادیہ کی ظاہری صورت کیفیاتی اور باطنی صورت کو نفسیاتی کہہ سکتے ہیں اور اسی طرح اسباب سابقہ کی ظاہرہ صورت کو مادی اور اس کی باطنی صورت کو شرکی کہہ سکتے ہیں۔ لیکن طب قدیم نے اس تقسیم کو ضروری نہیں سمجھا۔ کیونکہ یہ دونوں مفہوم ان کے ناموں میں نمایاں ہیں۔

علامات سوزش

یہ ہم لکھ چکے ہیں کہ کسی زندہ ساخت پر کوئی مہیج (خراش کنندہ) اگر اثر کرے تو اس کے خلاف جسم کی ایک مدافعانہ تدبیر کا نام سوزش ہے چونکہ یہ مدافعانہ تدبیر ایک اصولی اور فطری ہے اس لئے اس کو منظم کہا جا سکتا ہے۔ ہر اصولی و فطری اور منظم عمل اپنے اندر چند ایسی علامات رکھتا ہے جن کے بار بار کے مشاہدے اور تجربے سے اس کی حقیقت واضح ہو جاتی ہے۔ یہ حقیقت حکمت بن جاتی ہے۔ ان کو سمجھنے ہی سے انسان حکیم بنتا ہے۔

جاننا چاہئے کہ مقام سوزش کو سمجھنے کے لئے بھی چند علامات مقرر ہیں۔ ان کا سمجھنا اس لئے بھی نہایت اہم ہے کہ سوزش کو سمجھ لینے سے

پچھتر فیصد امراض کو سمجھا جاسکتا ہے۔ سوزش بذاتِ خود ایک بڑی علامت ہے۔ مرض نہیں ہے۔ لیکن بڑی علامات یا مجموعہ علامات کو بھی امراض میں شریک کیا جاسکتا ہے، لیکن ان میں تخصیص لازمی ہے تاکہ امراض اور افعال الاعضاء کا تعلق قائم رہے۔ ہم تقسیم امراض میں اس پر بحث کر چکے ہیں اور آئندہ پھر کریں گے۔

یہاں اس امر کو پھر ذہن نشین کرلیں کہ فرنگی طب نے سوزش کو الگ بیان نہیں کیا ہے بلکہ ورم کے ساتھ اس طرح بیان کیا ہے کہ ان کا آپس میں کوئی فرق نہیں پایا جاتا۔ گویا سوزش اور ورم ایک ہی شے ہیں، لیکن یہ فرنگی طب کی غلطی ہے۔ جیسا کہ ہم پہلے بھی لکھ چکے ہیں کہ سوزش اور ورم دونوں جدا جدا علامات ہیں۔ ان میں کوئی شک نہیں کہ ورم اکثر سوزش کے بعد پیدا ہوتا ہے۔ لیکن یہ فرنگی طب کی غلطی ہے۔ جیسا کہ ہم پہلے بھی لکھ چکے ہیں کہ سوزش اور ورم دونوں جدا جدا علامات ہیں۔ ان میں کوئی شک نہیں کہ ورم اکثر سوزش کے بعد پیدا ہوتا ہے۔ لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر سوزش کے بعد ورم ہو یا ہر ورم میں سوزش لازمی ہو۔ دونوں کی علامات جدا جدا ہیں۔ سوزش میں پانچ علامات پائی جاتی ہیں:
(۱) جلن (۲) گرمی (۳) سرخی (۴) رطوبات (۵) تغیر افعال۔ جن کی تشریح درج ذیل ہے۔

(۱) **جلن:** سوزش کے معنی جلن کے ہیں اور یہی سوزش کی بڑی علامت ہے لیکن یہاں جلن کو التہاب کے معنوں میں نہیں بلکہ احساس تکلیف اور الم کے معنوں میں لیا جاتا ہے جس کو انگریزی میں برننگ پین (Burning Pain) کہتے ہیں۔ درحقیقت درد بھی جلن کی تیزی کی علامت ہے۔ خارش بھی اس میں شریک ہے۔ لذب بھی ایک قسم کی ہلکی خارش ہے وہ بھی جلن میں شمار کی جاتی ہے لیکن یہ یاد رہے کہ ہر قسم کا درد صرف اور صرف جلن سے پیدا نہیں ہوتا اس کا ذکر درد کے تحت بیان کیا جائے گا۔

(۲) **حرارت:** حرارت گرمی کا احساس ہے جو چھونے سے معلوم ہوتی ہے۔ چونکہ مقام سوزش کی طرف دورانِ خون کی تیزی ہوتی ہے اور خون وہاں پر اکٹھا ہونا شروع ہوجاتا ہے۔ اس لئے وہ مقام چھونے سے گرم محسوس ہوتا ہے۔

(۳) **سرخی:** سرخی کا تعلق خون کے ساتھ ہے۔ چونکہ مقام سوزش کی طرف اجتماع خون ہو رہا ہوتا ہے اس لئے وہاں پر سرخی لازمی ہوتی ہے۔ سوزش کے ابتدائی دور میں سرخ کا رنگ شوخ گلابی ہوتا ہے۔ لیکن جب دوران خون میں سستی واقع ہوتی ہے تو اس کے رنگ میں سرخ زردی یا سرخی سیاہی پیدا ہوجاتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ خون کی سرخی اپنے اندر تیز ابیت رکھتی ہے اور یہ دبا کی صورت میں قائم رہتی ہے اور جب زردی نمودار ہوتی ہے تو اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہاں یہ تیز ابیت کم ہوگئی ہے اور صفرا زیادہ ہوگیا ہے اور جب سیاہی مائل ہوجاتی ہے تو اس امر کی علامت ہے کہ رطوبات وہاں پر بڑھ رہی ہیں اور تیز ابیت رفتہ رفتہ کھاری پن میں تبدیل ہو رہی ہیں۔

البتہ اس حقیقت کو ذہن نشین کرلیں کہ کسی ایسی ساخت میں جس میں عروق دمہ بالکل نہیں پائے جاتے اس میں جب بھی سوزش ہوتی ہے تو اس میں جلن و رطوبات اور تغیر افعال تو ہوتا ہے مگر سرخی اور حرارت نہیں ہوتی ہے۔ اگرچہ وہ بھی مقام سوزش ہے جیسے آنکھ کا طبقہ قرنیہ ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ پانچوں علامات ہر سوزش میں ضروری نہیں ہیں۔ جو معالج تشریح اور افعال الاعضاء کا علم رکھتے ہیں، ان سے ایسی غلطیاں نہیں ہوتیں کیونکہ علم تشریح الابدان اور علم منافع الاعضاء ہم کو بتاتے ہیں کہ طبقہ قرنیہ میں عروق دمویہ نہیں ہوتے اور اس کی نشوونما بذرطوبت جلدیہ سے ہوتی ہے اور پہلے بتایا جاچکا ہے کہ حرارت محض کثرت و سرعت خون پر منحصر ہے اور سرخی عروق شعریہ میں کثیر مقدار خون کی وجہ سے ہوتی ہے اس لئے ایک ایسی ساخت جس میں عروق دمویہ بالکل موجود نہ ہوں تو اس میں بحالت سوزش سرخی اور حرارت دونوں واقع نہیں ہوسکتیں۔ یہ صورت غضروف مفاصلی (جوڑوں کی کری) کی بھی ہے، وہاں پر بھی یہی صورت واقع ہوتی ہے، یعنی سرخی اور گرمی نہیں پائی جاتی۔

سرخی کے لئے یہ امر بھی ذہن نشین رکھیں کہ اگر کوئی مہیج (مہیج اس شے یا طاقت کو کہتے ہیں جو کسی ساخت پر عمل کرنے سے اس کی طبعی بناوٹ یا طبعی افعال یا ان ہر دو میں تغیر پیدا کر دے) اپنے اندر تیزابیت رکھتا ہے تو مقام سوزش پر حرارت اور سرخی زیادہ ہوگی اور جس قدر بھی تیزابیت میں کمی بیشی ہوگی اسی قدر ان میں کمی بیشی ہوگی اور ساتھ ہی جلن اور افعال میں بھی زیادہ تیزی ہوگی۔ البتہ رطوبات کے اخراج میں بے حد کمی ہوگی یا بالکل نہیں ہوگی۔ اور جو ہوگی وہ صرف تیزابیت کا ردِ عمل ہوگا۔ لیکن اگر مہیج اپنے اندر کھاری پن رکھتا ہے تو اس میں سرخی و حرارت اور جلن و افعال میں تیزی نسبتاً بہت کم ہوگی۔ مگر رطوبات کا اخراج بہت زیادہ ہوگا۔

فرنگی تحقیق کی غلطی

سوزش کی ان علامات کی کمی بیشی کی وجہ فرنگی تحقیقات میں اوّل تو ذکر ہی نہیں کی گئی کیونکہ انہوں نے صرف تیزابیت کا ذکر کیا ہے۔ کھاری پن کا ذکر نہیں کیا۔ لیکن اگر کسی فرنگی ڈاکٹر سے سوال بھی کیا جائے تو وہ جھٹ یہی کہہ دے گا کہ یہ بات تو صاف نظر آتی ہے کہ تیزابیت سے سوزش کم ہوگی اور کھاری پن سے زیادہ ہوگی۔ لیکن وہ اس امر کو نظر انداز کر جائے گا کہ کھاری پن میں بھی کاسٹک (کائی) کا اثر ہوتا ہے۔ لیکن بعض اوقات تیزابیت سے زیادہ ہوتا ہے جیسے سوڈا کاسٹک اور پوٹاش کاسٹک میں پایا جاتا ہے۔ لیکن حقیقت وہ نہیں جانتے اور نہ ہی ان کی کتب میں لکھا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ تیزابیت کا اثر ہمیشہ عضلات پر ہوتا ہے جس سے رطوبات کا اخراج شدید ہو جاتا ہے اور باقی علامات میں کمی واقع ہو جاتی ہے۔

یہاں پر ایک اور بحث کی ابتدا ہوتی ہے کہ بعض کیڑے مکوڑے اور جانور ایسے ہیں کہ اگر ان کا ایک حصہ کاٹ دیا جائے تو وہ حصہ پھر پیدا ہو جاتا ہے۔ جیسے اکٹوپس مچھلی کا کوئی سا بیرونی عضو ضائع ہو جائے تو وہ پھر از سرِ نو پیدا ہو جاتا ہے۔ اور اسی طرح اگر ہوٹ مچھلی کی دُم کٹ جائے تو وہ پھر ایک عرصہ کے بعد مکمل ہو جاتی ہے۔ اسی طرح کیچوؤں چھپکلیوں بلکہ امیبا اور نسیج میں بھی دیکھا گیا ہے۔ اس کے برعکس ہم دیکھتے ہیں کہ اگر کسی چوہے کی گردن کاٹ دی جائے تو اس کا بالائی اور زیریں دونوں حصے مردہ ہو جاتے ہیں اور اگر کتے کی دم کٹ جائے تو وہ بھی کبھی پیدا نہیں ہوتی۔

اس کے متعلق فرنگی طب یہ کہتی ہے کہ جانور کا جو حصہ دوبارہ پیدا ہو جاتا ہے یا مکمل ہو جاتا ہے تو در اصل اس کا مرکزی حصہ (نواۃ) باقی رہتا ہے، جہاں نواۃ ہی علیحدہ ہو جائے وہ حصہ کبھی دوبارہ زندہ نہیں ہوتا اور نہ مکمل ہوتا ہے اور اعلیٰ جانوروں میں جو اکثر ریڑھ والے حیوانات ہوتے ہیں ان میں مختلف نظام جسمانی ایک دوسرے کے ماتحت ہوتے ہیں اس لئے جب ان میں سے کوئی سا نظام جسمانی باطل ہو جاتا ہے تو اس کے ساتھ دوسرا بھی باطل ہو جاتا ہے۔

سرخی و حرارت کے تحت یہ بحث بیان کی جا رہی ہے کہ ادنیٰ حیوانات کے اعضاء کے کٹ جانے پر یا کاٹ دینے پر ان کے کٹے ہوئے حصے دوبارہ پیدا ہو جاتے ہیں اور ان کے مقابلے میں اعلیٰ حیوانات میں یہ بات نہیں پائی جاتی۔

فرنگی سائنس کی غلط فہمی

اس امر میں کوئی شک نہیں ہے کہ ہر حیوان کیا بلکہ نباتات اور جمادات میں بھی یہی صورت قائم ہے کہ ان کا تعلق اگر مرکز یا اصل سے قائم نہ رہے تو نشو و ارتقاء ختم ہو جاتا ہے اور اگر جسم میں کوئی خرابی یا نقص واقع ہو جائے تو مرکز اور اصل کے تعلق سے وہ پورا ہو جاتا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ادنیٰ طبقہ کے کیا اعلیٰ طبقہ کے حیوانات بلکہ انسانوں کے جسم پر اگر گہرا زخم بھی آ جائے تو رفتہ رفتہ بالکل بھر جاتا ہے۔ درختوں کی شاخیں کاٹ دی جاتی ہیں۔ وہ پھر پیدا ہو جاتی ہیں۔ پہاڑوں کو توڑ دیا جاتا ہے ان کے اندر کی جمادات نکال لی جاتی ہیں۔ لیکن کچھ عرصہ بعد پھر وہاں پر بہت کچھ جمع ہو

جاتا ہے۔ یہاں پر ادنیٰ اور اعلیٰ حیوانات کا کچھ تصور نہیں ہے۔

زندگی اور نشوو ارتقاء پانی پر ہے

حقیقت یہ ہے کہ زندگی اور نشوو ارتقاء کا دارومدار پانی پر ہے اور قرآن حکیم میں بھی یہی فرمایا گیا ہے۔ اس اصول کے تحت جو جانور پانی یا کیچڑ میں رہتے ہیں ان میں نشوو ارتقاء جلد واقع ہوتا ہے۔ ان کے مقابلہ میں جو حیوانات خشکی پر واقع ہیں ان کی نشوو ارتقا دیر سے واقع ہوتی ہے۔ یہی چیز نباتات میں بھی پائی جاتی ہے۔ اور یہی صورت پہاڑوں میں بھی قائم ہے۔

جاننا چاہئے کہ حیوانات کی دو بڑی اقسام ہیں: (اوّل) پانی کے حیوانات جیسے ایبا مچھلی اور کیچوا وغیرہ۔ (دوسرے) خشکی کے جانور گائے، بکری، گھوڑا اور بندر وغیرہ ہیں۔ اوّل الذکر حیوانات میں جو نشوو ارتقاء جلد ہوتا ہے اس کی وجہ ریڑھ کی ہڈی کے تحت نظامات کا ہونا اور نہ ہونا نہیں ہے بلکہ پانی اور رطوبات کی زیادتی ہے۔ کیونکہ یہ حیوانات پانی میں زندگی بسر کرتے ہیں یا پانی کے قریب رہتے ہیں اس لئے ان کے اعصاب انتہائی تیزی سے کام کرتے ہیں۔

نشوو ارتقا زندگی اور اعصاب

جاننا چاہئے کہ نشوو ارتقا اور زندگی اعصاب کی تیزی پر قائم ہے اور اعصاب کی تیزی پانی کی غذائیت پر منحصر ہے۔ یہ مزمن اور پیچیدہ امراض جیسے دق وسل (ٹی بی)، سرطان (کینسر)، مرگی (Epilepsy)، کوڑھ (Leprosy) وغیرہ میں اعصاب کے افعال ناکارہ ہو جاتے ہیں اور ایسے امراض میں اعصاب کے افعال درست ہو جائیں تو وہ بہت جلد رفع ہو جائیں اور شباب میں بھی اعصاب میں تیزی پیدا کرنے سے بہت حد تک کامیابی ہو سکتی ہے۔ یہ ہماری تحقیقات ہیں۔ جن سے فرنگی طب واقف ہے اور نہ ہی فرنگی سائنس کو اس کا علم ہے یہ اہل فن کا فرض ہے کہ اس کو ہر اہل علم اور صاحب فن تک پہنچائیں۔

رطوبات

حالت صحت میں طبعی طور پر انسانی جسم کے اندرونی اور بیرونی اعضاء پر رطوبات کا ترشہ ہوتا رہتا ہے جس سے جسم اور اعضاء نرم رہتے ہیں۔ یہ رطوبات قدرتی طور پر جو بدن پر ترشہ پاتی ہیں ان کو طبی اصطلاح میں رطوبات طلیہ (شبنم) اور انگریزی میں Secration کہتے ہیں۔ یہ رطوبات صحت کی حالت میں اعتدال کے ساتھ اس قدر ترشح ہوتا ہے جس سے ایک طرف جسم کی غذا بنتا ہے اور دوسرے اس سے جسم اور اعضاء میں خشکی رفع ہوتی رہتی ہے تاکہ اعضاء میں سوزش پیدا نہ ہو۔ مثلاً ناک کان اور آنکھ و منہ میں اس کی وجہ سے خشکی نہیں ہوتی۔ اس طرح حلق وحنجرہ اور غذا کی نالی بھی اسی سے تر رہتی ہے۔ ان کے علاوہ بیرونی جلد اور اندرونی مجاری اور جوڑوں میں خشکی وغیرہ پیدا نہیں ہوتی۔ بلکہ پیشاب کی نالی و مقعد اور رحم میں بھی یہی رطوبت بوقت ضرورت اعتدال کے ساتھ تراوت رکھتی ہے، لیکن جب کسی حصہ جسم یا مجرا میں سوزش پیدا ہوتی ہے تو اس کو رفع کرنے کے لئے ردِّ عمل کے طور پر یہ رطوبت اعتدال سے زیادہ گرنا شروع کر دیتی ہے۔ یہ رطوبات کا زیادہ گرنا جسم کی ایک بڑی علامت ہے۔ مختلف مقام کی وجہ سے اس کے مختلف نام ہیں۔ مثلاً اگر یہ رطوبت ناک سے گرے تو زکام حلق سے گرے تو نزلہ کہتے ہیں۔ نزلہ کے معنی گرنا ہے۔ اگر نزلہ کو زیادہ وسعت دے دیں تو ناک و کان آنکھ و منہ کی رطوبات کی زیادتی بھی نزلہ میں شمار ہو سکتی ہے۔ اسی طرح پیشاب کی زیادتی اسہال اور پسینہ بھی نزلہ کی صورتیں ہیں۔ اگر مردانہ اور زنانہ عضوی امراض و علامات جریان اور سیلان کو سامنے رکھا جائے تو یہ بھی نزلہ ہی کی مختلف شکلیں ہیں جو انسانی جسم سے باہر کی طرف گرتی ہیں۔

اسی طرح جسم انسان کے اندر گرنے والی رطوبات بھی کئی امراض وعلامات بن کر سامنے آ جاتی ہیں۔ یہ سب اندرونی اعضاء کی سوزش کے نتیجے ہیں۔ مثلاً ماؤفی الدماغ نزولا ماء ماءفی الصدر۔ استسقاء قیلہ الماء وغیرہ یہ سب اندرونی سوزش اور رطوبات کی زیادتی سے پیدا ہوتے ہیں۔ یہ بذاتِ خود امراض نہیں ہیں بلکہ بعض امراض کی علامات ہیں۔ ان کا علاج ان اعضاء کی سوزش کا رفع کرنا ہے۔ فرنگی طب ان سب کو جدا جدا امراض سمجھتی ہے اور ہر ایک کا علیحدہ علیحدہ علاج تجویز کرتی ہے جس کا نتیجہ امراض کا غلط سمجھنا اور ان کا غلط علاج ہوتا ہے۔

رطوبت کی حقیقت

جو رطوبت انسانی جسم کے اعضاء پر ترشح پاتی ہے یا باہر کی طرف خارج ہوتی ہیں یہ خون سے جدا ہو کر اخراج پاتی ہے۔ جب جسم پر شبنم کی طرح گرتی ہے تو اس کو رطوبت طلیہ اور رطوبت دمویہ بھی کہتے ہیں۔ انگریزی میں اس کو پلازمہ (خون کا آبی رقیق حصہ) کہتے ہیں۔ یہ رطوبت عروق شعریہ کی دیواروں سے تراوش پاتی ہے۔ تراوش یافتہ آب خون کو لمف بھی کہتے ہیں۔

پلازمہ کا نام لمف غلط ہے

فرنگی طب اس پلازمہ کو جو جسم انسان کے اعضاء پر ترشح پاتا ہے لمف کا نام دیتی ہے۔ یہ بالکل غلط ہے۔ کیونکہ پلازمہ خون کی ایک ایسی مائیت (رقیق آب) ہے جس میں خون کے قریباً تمام اجزاء معہ سرخ انتہائی باریک ذرات خون اور گازین (گیسیں) شامل ہوتی ہیں اس مائیت میں جسم انسان کے لئے حرارت اور غذائیت ہوتی ہے۔ یہ جسم میں جہاں اس کا بدل یا تحلل بنتی ہے وہاں اس کی سوزش بھی رفع کرتی ہے اور بے شمار امراض کو رفع کرتی ہے۔ لیکن (لمف) اس رطوبت کا نام ہے جو تغذیہ و تسنیم اور تحمیہ کی تحلیل سے بچ جاتی ہے اور اس میں حرارت نام کو نہیں رہتی اور کیمیاوی طور پر پلازمہ میں تیزابیت ہوتی ہے اور لمف میں کھاری پن غالب ہوتا ہے اس لئے اس کو لمف کی بجائے صرف سکریشن کہنا چاہئے۔ اس کا نام لمف اس لئے رکھا گیا ہے کہ جب یہ جسم کی ضروریات سے بچ جاتی ہے تو لمفیٹک گلینڈز (Lymphatic Glands) (غدد جاذبہ) جذب کر کے پھر درستی کے لئے خون میں ملا دیتے ہیں۔ اس لئے جاننا چاہئے کہ پلازمہ رطوبت طلیہ اور لمف (رطوبت جاذبہ) دونوں مختلف چیزیں ہیں۔

رطوبت کے متعلق فرنگی طب کی ایک اور غلطی

فرنگی طب اس بات کو تسلیم کرتی ہے کہ ہر عضو کی سوزش میں ایک ہی قسم کی رطوبت کا اخراج (سکریشن) ہوتا ہے۔ یہ بالکل غلط ہے ہر عضو کی سوزش میں جو رطوبات اخراج پاتی ہیں ان کی کیمیاوی نوعیت ایک دوسری سے بالکل مختلف ہے۔ مثلاً اعصاب کی سوزش میں جو رطوبات اخراج پاتی ہیں۔ ان میں مائیت اور کھاری پن زیادہ ہوتا ہے، جیسے زکام میں ہم دیکھتے ہیں جو سوزش کسی غدود میں ہوتی ہے اس میں ہر غدود کا اپنا کیمیاوی تغیر شامل ہوتا ہے۔ البتہ اس میں لمفی مادے اور لحمی مادے نہیں ہوتے بلکہ سیرم کی زیادتی ہوتی ہے، جیسے سوزش جگر نزلہ اور غشائے مخاطی میں مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔ اسی طرح جو سوزش کسی عضلہ میں ہوتی ہے اس کی رطوبت میں لحمی اجزاء اور تیزابی مادے زیادہ ہوتے ہیں جیسے سوزش معدہ اور رشش میں ظاہر ہیں۔ اس لئے ہر عضو کی سوزش میں علاج کے دوران ان امور کو ضرور مدنظر رکھنا چاہئے۔ باوجودیکہ فرنگی طب اور ماڈرن سائنس کے پاس خوردبین اور نازک آلات ہیں لیکن پھر بھی اس کی یہ غیر معمولی غلطیاں قابل غور ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے طریق علاج کی بنیاد ہی غلط اصولوں پر قائم ہے۔

گزشتہ چار علامات جن کا ذکر مختصر طور پر کیا گیا ہے، وہ اگرچہ علامات ہیں لیکن انتہائی اہم اور بڑی علامات ہیں جن پر امراض اور علاج کی بنیاد ہے اور یہی علامات جب پھیلتی ہیں تو تمام جسم انسان کو گھیرے میں لے لیتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کو امراض کا درجہ دے دیا گیا ہے۔ مثلاً:

① جلن اپنی شدت میں خارش اور درد کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔

۲ گرمی جب بڑھتی ہے تو بخار کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔

۳ سرخی کی زیادتی ورم کا روپ بھر لیتی ہے اور ساتھ ہی جلد میں خرابی پیدا کر دیتی ہے۔

۴ رطوبات کی زیادتی جسم کے اندر یا باہر کسی حصہ یا عضو میں رطوبات کی زیادتی کے ساتھ تمام جسم میں بلغمی مزاج کا اثر قائم کر دیتی ہے۔ لیکن یہ چاروں صورتیں کیمیاوی ہیں۔ پانچویں علامت تغیر افعال کی شکل مشینی اور عضوی ہے۔ اس حیثیت سے اس کی اپنی اہمیت اپنی جگہ قائم ہے جو اس کے بیان سے ظاہر ہے۔

تغیر افعال

جب جسم کے کسی عضو میں سوزش ہوتی ہے تو وہاں کے افعال میں تغیر واقع ہوتا ہے۔ اس تغیر کی تین صورتیں ہوتی ہیں: (۱) تحریک (۲) تسکین (۳) تحلیل۔ جن کی مختصر تفصیل یہ ہے۔

(۱) **تحریک**: جب کسی مقام پر سوزش پیدا ہوتی ہے تو وہاں پر اوّل انقباض پیدا ہوتا ہے۔ جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں جو اس امر کا اظہار ہے کہ وہاں پر حرارت یا آکسیجن کی کمی اور برودت اور کاربن کی زیادتی ہوتی ہے جس کے نتیجہ میں وہاں پر رطوبات کی کمی واقع ہوتی ہے بلکہ بندش ہو جاتی ہے کیونکہ جب تک رطوبات کی بندش نہ ہو تو دوران خون کا اس طرف اجتماع نہیں ہو سکتا۔ یہ اجتماع طبیعت مدبرہ بدن آگ کے لئے کرتی ہے کہ خون کی حرارت سے سوزش کو رفع کر سکے، جس کے نتیجہ میں وہاں پر تناؤ بڑھ جاتا ہے اور حرکت کرنے میں وقت ہوتی ہے۔ خاص طور پر جب سوزش عضلات میں ہوتی ہے تو طبعاً انسان آرام کا خواہش مند ہوتا ہے۔ جب آنکھ اور کان میں سوزش ہوتی ہے تو دیکھنے اور سننے میں تکلیف ہوتی ہے۔ گویا حرکات اعضا اور جسم میں تیزی اور تناؤ بلکہ انقباض شدید ہو جاتا ہے۔

(۲) **تسکین**: چونکہ سوزش کا ابتدائی ردّعمل رطوبات کا گرنا ہے، اس لئے طبیعت مدبرہ بدن اکثر رطوبات کو گراتی رہتی ہے اور یہ رطوبات خون ہی سے جدا ہو کر گرتی ہے۔ اس طرح وہاں پر رفتہ رفتہ کافی مقدار میں رطوبت بھی اکٹھی ہو جاتی ہے۔ یہی رطوبت ہے جو جسم کی جلن اور دردوں کو روکتی ہے۔

یاد رکھیں کہ جس قدر مخدر و مسکن اور دافع درد ادویات ہیں جو بذاتِ خود جسم پر نہ کیمیاوی طور پر اور نہ ہی عضوی طور پر کچھ اثر کرتی ہیں، بلکہ ان سے جسم میں رطوبات کا اخراج بڑھا دیتی ہیں اور یہی رطوبت تسکین، تخدیر اور دردوں کو دور کرنے کا باعث ہوتی ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے جل جانے کے بعد جب کسی مقام پر چھالا پڑ جاتا ہے، تو اس چھالے کے پانی کا صرف یہ مقصد ہوتا ہے کہ وہاں کی جلن اور درد دور کرے۔ بعض جاہل معالج اس چھالے کو کاٹ دیتے ہیں جس سے بجائے فائدے کے سوزش بہت زیادہ بڑھ جاتی ہے۔ گویا چھالا اور رطوبت قدرتی اور فطری طریق علاج ہے اس میں اضافہ کرنا چاہئے، اس سے جلن دور کے ساتھ بے چینی اور تناؤ بھی کم ہو جاتا ہے۔

علاج کا ایک راز: اسلامی اطباء نے سوزش اور ورم کے علاج میں ابتدائی طور پر جس واضح صورت کا ذکر کیا ہے وہ یہی ہے کہ اس مقام پر رطوبات کو زیادہ سے زیادہ گرایا جائے۔ جب رطوبات کی زیادتی کے باوجود بھی سوزش اور ورم قائم ہو تو پھر ایسی ادویات استعمال کرائیں جو رادع کے ساتھ محلل بھی ہوں یعنی رطوبات کو زیادہ گرائیں مگر وہ محلل بھی ہوں۔ یعنی ان ادویات میں گرمی بھی ہونی چاہئے گویا گرم تر ادویات ہونی چاہئیں اور جب یہ مقام بھی گزر جائے تو صرف محلل ادویات برتنی چاہئے اور حرارت بڑھانا چاہئے اور ساتھ ہی غدود جاذبہ کے افعال میں تیزی پیدا ہو جائے یا پسینہ کے ذریعہ باہر اخراج پا جائیں تا کہ سوزش اور ورم وہاں پر ختم ہو جائے۔

ان حقائق سے ثابت ہوا کہ رطوبت جسم جب اعضاء پر پڑتی ہے تو قدرتاً اور فطرتاً وہاں پر تخدیر اور تسکین کا باعث ہوتی ہے۔ یہی رطوبت

جب زیادتی کے ساتھ کسی عضو پر پڑتی رہے یا کثرت سے گرتی رہے تو استرخاء (پیرالائس) پیدا کر دیتی ہے۔ یہ ہیں علاج کے اسرار و رموز اور علاج کے راز جن سے فرنگی ناواقف ہے۔ اور اس کو کہتے ہیں تجدید طب اور ترقی فن جو فی زمانہ دُنیائے طب میں ختم ہو چکی ہے۔

(۳) **تحلیل**: تحلیل کے معنی ہیں حل کرنا۔ طبی اصطلاح میں سوزش اور ورم کو ختم کر دینا جاننا چاہئے کہ تحلیل حرارت کا ضرورت کے مطابق قائم کرنا ہے۔ جب حرارت قائم ہو جاتی ہے تو اس کے نتیجہ میں خشکی اور کاربن دور ہو جاتی ہے جیسا کہ ہم حمیات میں بیان کر چکے ہیں۔ اس کی دو صورتیں ہیں۔ ابتداء میں ایسی گرمی چاہئے جس کے ساتھ رطوبات بھی شامل ہوں۔ مثلاً گرم پانی کی بھاپ سے حرارت پیدا کی جائے۔ دوسری صورت میں ایسی گرمی پیدا کی جائے جس میں گرمی کے ساتھ خشکی بھی لازمی ہے۔ جیسے ریت اور اینٹ کی گرمی سے حرارت پیدا کرنا وغیرہ۔ تکمید تو ورم سوزش پر ہر معالج کیا ہر ضرورت مند کرتا ہے۔ مگر تحلیل کے راز کو دس ہزار میں سے ایک بھی نہیں جانتا اور فرنگی طب تو ایسے اسرار و رموز اور رازوں سے بالکل خالی دامن ہے۔

یہ یاد رکھیں کہ تحلیل اس وقت تک تو مفید ہے جب تک سوزش و ورم، خشکی و بے چینی، انقباض و تناؤ، ریاح و کاربن اور جلن و بخار ہو۔ لیکن جب ان میں سے کوئی صورت بھی نہ ہو تو لازم یہ تحلیل جسم میں ضعف پیدا کرتی ہے، جیسے موم بتی پگھلتی ہے یا برف دھوپ میں رفتہ رفتہ ختم ہو کر پانی بن جاتی ہے۔ یہ تحلیل حرکات جسم کو بھی کم کر دیتی ہے۔ جیسے دباؤ خون کی زیادتی میں جب خون کا دباؤ قلب کی طرف ہوتا ہے تو ہارٹ فیل ہو جاتا ہے۔ یعنی اس کا فعل کثرت حرارت سے رُک جاتا ہے یا جب خون کا دباؤ دماغ کی طرف ہوتا ہے نروس بریک ڈاؤن (تحلیل اعصاب) واقع ہو جاتا ہے۔ گویا اگر رطوبات کی زیادتی سکون سے اعضا کے افعال میں کمی پیدا کرتی ہے تو حرارت کی زیادتی بھی تحلیل سے اعضا کے افعال میں تفریط پیدا کر دیتی ہے۔

استاذ الاطباء حکیم احمد الدین کی غلط فہمی

جناب استاذ الاطباء حکیم احمد الدین نے فرنگی طب کی نقل میں نہ صرف کیفیات و اخلاط سے انکار کر دیا تھا بلکہ اپنا نظریہ افعال الاعضاء بیان کرنے میں صرف عضو کی دو صورتیں بیان کی تھیں۔ اوّل کسی عضو کے فعل میں تیزی یا افراط اور دوسرے اس کے فعل میں سستی لیکن انہوں نے اس افراط اور دوسرے اس کے فعل میں سستی۔ لیکن انہوں نے اس افراط و تفریط کی وجہ صرف دوران خون کی زیادتی اور کمی کے سوا اور کچھ نہیں بتایا کہ خون کی زیادتی سے اعضاء کے افعال میں تیزی کیوں پیدا ہوتی ہے اور اس کی کمی سے ان میں سستی کیوں پیدا ہوتی ہے۔ افسوس ان کو اس امر کا علم ہی نہیں تھا کہ خون کی زیادتی سے جب حرارت بڑھ جاتی ہے تو اس سے بھی اعضاء میں تحلیل ہو کر اعضاء میں ضعف اور کمی واقع ہو جاتی ہے۔

اگر وہ اس راز سے واقف ہوتے تو تفریط کی دو صورتیں تسلیم کرتے۔ ایک سردی کی زیادتی سے اور دوسرے گرمی کی زیادتی سے۔ لیکن ان دو صورتوں کو تسلیم کرنے سے ان کو گرمی سردی اور خشکی تری کیفیات اور مزاج کا قائل ہونا پڑتا۔ اور آیورویدک اور طب یونانی کو انہوں نے جو غلط قرار دیا تھا ان کو صحیح ماننا پڑتا۔ اس طرح ان کی تحقیقات کا سلسلہ ختم ہو کر رہ جاتا ہے۔

اس امر کو ہمیشہ ذہن نشین رکھیں کہ حقائق قدرت اور قوانین فطرت کو کبھی نہ جھٹلایا جا سکتا ہے اور نہ توڑا جا سکتا ہے۔ فرنگی طب نے بھی یہی غلطی کی ہے کہ جو اس نے آیورویدک اور طب یونانی کو جھٹلانے اور ان کے قوانین کو توڑنے کی کوشش کی ہے سیدھی راہ صرف ایک ہوا کرتی ہے دو نہیں ہو سکتیں۔ جب طب قدیم صحیح راہ پر ہے تو لازمی امر ہے کہ فرنگی طب غلط راہ اور گمراہی میں مبتلا ہے۔

تحلیل کی حقیقت

تحلیل کی اصطلاح کو سمجھنا اگرچہ مشکل نہیں ہے یہ ایک عام لفظ ہے، لیکن عوام اور طلباء کے ذہن نشین کرنے کے لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کی مکمل کیمیاوی اور فعلی تشریح کردی جائے تاکہ اس کا صحیح تصور ذہن نشین ہو جائے۔ یہی افہام وتفہیم نہ صرف اورام کے علاج میں بلکہ تمام علم العلاج کے لئے مفید ثابت ہوگا۔

ہم تحلیل لکھ چکے ہیں، حل کرنا، طبی اصطلاح میں سوزش اور ورم کو ختم کرنا زیادہ وضاحت کے لئے یوں سمجھ لیں کہ رُکے ہوئے خون کو اپنے مجریٰ میں جاری کرنا یا مجریٰ کی بندش میں جو کیمیاوی اور فعلی مواد پیدا ہو گیا ہو ان کو دور کرنا۔ انگریزی میں اس کو ریزالویشن (Resolvation) کہتے ہیں۔ جس کی مثال ہم نے جلتی ہوئی موم بتی اور دھوپ میں پڑی ہوئی برف سے دی تھی کہ اس میں تحلیل کی ایک صورت قائم ہے۔ اسی طرح اگر گڑ کی ڈلی پانی میں ڈال دیں تو عمل تحلیل شروع ہو جائے گا، وغیرہ وغیرہ۔

لیکن طبی تحلیل تو اس وقت تک جاری رہتا ہے جب تک سوزش و ورم، مواد کی بندش اور خون کی رکاوٹ دور نہ ہو۔ اور عضو سوزش ناک اپنی اصل جگہ پر لوٹ نہ آئے۔ یہ اس وقت واقع ہوتا ہے جب کہ التہاب کا بلب اس قدر سخت نہ ہو کہ ماؤف کی قوت حیوانیہ (وٹیلٹی) بالکل باطل ہو جائے۔

تحلیل کو سمجھنے کی آسان صورت یہ ہے کہ عمل سوزش کو ذہن نشین کر لیا جائے، کیونکہ تحلیل کا فعل بالکل سوزش کے اُلٹ ہے۔ یعنی اگر عمل سوزش کا نام ترتیب مواد سینتھیسس آف میٹر (Synthesis Of Matter) اور اجتماع خون کنجکشن آف بلڈ (Congestion Of Blood) ہے تو تحلیل کو ہم ترکیب مواد یا انالیسز آف میٹر (Analysis Of matter) اور خون کے اجراء یاری فلو آف بلڈ (Reflow Of Blood) اس لئے عمل سوزش خصوصاً اس کے خوردبینی نظائر (Microscopic Divices) کا سمجھنا نہایت ضروری ہے۔ لیکن اس کے سمجھنے سے قبل جسم میں گردش خون کا جان لینا بھی نہایت ضروری ہے تاکہ صحیح گردش خون عمل سوزش اور تحلیل سے متعلق جدا جدا تین صورتیں ہیں جو علاج معالجہ کے اندر بے انتہا اہمیت رکھتی ہیں۔

سوزش سے قبل جسم میں گردش خون کا نظارہ

سوزش التہاب کو ذہن نشین کرنے کے لئے حیوانات پر تجربے کئے جاتے ہیں اور اصلی التہابی حالت کی چشم دید کیفیت سے بصیرت حاصل کی جاتی ہے۔ چنانچہ اگر زندہ مینڈک کے پنجہ کی جھلی کو پہلے خوب تان کر خوردبین کے نیچے پھیلا دیا جائے اور بغور دیکھا جائے تو سیلان خون کی طبعی کیفیت کا عجیب وغریب نظارہ آنکھوں کے سامنے پیش ہوگا۔ جس کی تین صورتیں ہوتی ہیں۔

① بحالت صحت شریانوں، وریدوں اور عروق شعریہ میں خون بہتا ہوا نظر آئے گا۔ سیلان خون (Blood Flow) کا اندازہ کریات دمویہ (ذرّات خون) کی نقل وحرکت سے بخوبی ہو سکتا ہے۔ کریات حمراء (سرخ ذرّات خون میں ہر عنصر و ذرّہ دوسرے ذرّہ سے جدا نظر آئے گا)۔ خون کے سرخ دانے بہاؤ کے وسطی یا مرکزی حصہ میں بہتے ہوئے نظر آئیں گے اور اس کے گرد یعنی عروق کا محیطی حصہ جو کریات سے معرا ہوتا ہے بے حرکت و بے رنگ نظر آئے گا۔ مگر اس میں بعض کریات بیضا (سفید ذرّات خون) آہستگی وسست رفتاری کے ساتھ بہاؤ میں لڑھکتے ہوئے نظر آئیں گے۔ گاہے بعض سفید دانے سرخ دانوں کے درمیان مرکزی حصہ میں بھی دکھائی دیں گے۔ شریانیں کہیں پتلی اور کہیں موٹی نظر آئیں گی۔

(۲) چھوٹی شریانوں کے جوف میں مسلسل و مستوی تغیرات نظر آئیں گے۔ یعنی ان کی جسامت ایک قسم کی ترتیب و باقاعدگی کے ساتھ متواتر کم و بیش ہوتی ہوئی دکھائی دے گی۔ شرائین صغیرہ کی جسامت کا یہ اختلاف قلب کی حرکات کے اثر سے تو بے تعلق ہوتا ہے مگر عروق شعریہ کے اندر کے سیلان خون پر اس مد و جذر اور تغیر کا نمایاں اثر ہوتا ہے۔

(۳) کریات حمرا (سرخ ذرّات خون) کی جسامت میں بھی تغیرات نظر آئیں گے۔ جو بیشتر روشنی کے اثر سے نمایاں ہوتے ہیں، یعنی جب روشنی زیادتی کے ساتھ ہوگی تو یہ سرخ دانے سکڑ جائیں گے۔ اور جب یہ روشنی کم ہو جائے گی تو یہ دانے پھیل جائیں گے کیونکہ روشنی باعث تحریک ہے اور اندھیرا باعث تسکین۔ [دیکھیں میرا مضمون ''روشنی اور اندھیرے کے اثرات'']

سوزش کی حالت میں گردش خون کا نظارہ

اب اگر مینڈک کے پنجہ پر کوئی تیز مہیج مرکب (مثلاً نمک خوردنی یا نوشادر کا ایک ذرّہ) لگا دیں۔ پھر پنجہ کی جھلی کو خوردبین کے نیچے رکھ کر دیکھا جائے تو ابتداء میں جھلی کے شرائین صغیرہ تھوڑی دیر کے لئے عارضی طور پر سکڑ جائیں گے، لیکن یہ عارضی انقباض چنداں اہمیت نہیں رکھتا اور ایسے ہی التہاب میں عموماً نمودار ہوتا ہے جو (تجزیہ مہیجات) کے اثر سے پیدا کیا گیا ہے۔ اس عارضی انقباض کے بعد ہی فوراً ملتہب (سوزش) حصے میں ماؤف کے عروق بہ سرعت پھیل جاتے ہیں۔ اور یہ استرخاء (ڈھیلا پن) دیرپا ہو جاتا ہے۔ پھر اس مقام کا دوران خون تیز ہو جاتا ہے۔ یہ سرعت دورانِ استرخاء شرائین صغیرہ کے اندر کے مقامی محرک اعصاب میں بعض تغیرات پیدا ہونے کی وجہ سے ظہور میں آتا ہے۔ دورانِ خون کی سرعت کچھ وقفہ کے لئے تو جاری رہتی ہے، مگر بالآخر خون کا بہاؤ بتدریج سست پڑ جاتا ہے۔ گویا رفتار خون کو آہستہ آہستہ کوئی چیز آگے بڑھنے سے روک رہی ہے۔ اس مزاحمت کے بعد ایک ایسا وقفہ نمودار ہوتا ہے جس میں خون کے دانے جو پہلے جدا جدا بہہ رہے تھے ایک جگہ مجتمع ہو کر ٹھہر ٹھہر کر اور رُک رُک کر آگے قدم رکھتے ہیں اور کبھی آگے بڑھتے ہیں اور کبھی پیچھے ہٹتے ہیں۔ اور اس حالت ذبذبہ کو اگزیلٹیشن (Exalation) کہتے ہیں۔ بالآخر ایک ایسی حالت وقوف آ جاتی ہے جس کو اسٹےسس (Stasis) کہتے ہیں۔

اس وقوف کا نتیجہ بعض حالات میں تو یہ ہوتا ہے کہ عروق کے اندر حقیقی انجماد خون واقع ہو کر رگوں کے اندر جم کر ان کو بند کر دیتا ہے۔ جس کو حالت انسداد (تھرامبوسس- Thrombosis) کہتے ہیں۔ اور اس منجمد خون کو جو رگوں کے اندر جم کر ان کو بند کر دیتا ہے سدہ (تھرامبس - Thrombis) کہتے ہیں۔ (علم الجراحت) تھرامبوسس (خون کی نالیوں میں سدہ بن جانا، فرنگی طب میں ایک بہت بڑا مرض خیال کیا جاتا ہے)، جس کا ان کے پاس کوئی یقینی علاج نہیں ہے اور اس کا نتیجہ اچانک موت، ہارٹ فیلور (Heart Failure) کہا جاتا ہے۔

سوزش میں اجتماع خون کی حالت

سوزش کے دوران میں عروق کی دیواروں اور اجزائے خون کے باہمی طبعی تعلقات ان کی صورتوں اور حالات میں تغیرات واقع ہو جاتے ہیں اور اس کا سبب یہ ہے کہ خود عروق کی دیواروں میں بعض غیر محسوس تبدیلیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ خون کی ترکیب و ساخت کی کوئی تبدیلی یہ تغیر پیدا نہیں کرتی۔ چنانچہ جیسے جسم میں استرخاء عروق واقع ہوتا ہے، خون کے سفید دانے عروق کی دیواروں سے متصل ؛ وکر بہاؤ کو غیر متحرک محیطی طبقہ میں مجتمع ہو جاتے ہیں۔ گویا وہ اپنی ہمراہی فوج کی قطار سے علیحدہ ہو کر بچھڑ جاتے ہیں۔ اوّلاً سفید دانوں کا اجتماع وریدوں میں شروع ہوتا ہے۔ پھر عروق شعریہ میں اور آخر کار شریانوں میں خون کے سفید دانے بھی جو ابتدا میں ایک دوسرے سے علیحدہ علیحدہ بہتے چلے جاتے ہیں ایک دوسرے کے ساتھ اور عروق کی دیواروں کے ساتھ چسپاں ہو جاتے ہیں۔ مگر خون کے سفید دانے بمقابلہ سرخ دانوں کے عروق کی دیواروں سے زیادہ

چسپاں ہوتے ہیں۔ سوزش میں جب اس قسم کے تغیرات کے بعد اجتماع خون ہوتا ہے۔ اس کو امتلائے دموی (ہائی پریمیا-Hyperemea) کہتے ہیں۔

سوزش کے دوران میں ترشح

سوزش میں اجتماع خون کے ساتھ ایک انتہائی ضروری عمل ترشح کا ہے یعنی وہ رطوبات جو خون سے اخراج پاتی ہیں۔ یہ عمل ابتدائی صورت ہی سے نمودار ہو جاتا ہے۔ خون کا ہر ایک جزو اس عمل ترشح (اگزوڈیشن-Exudation) میں لیتا ہے۔ یہ پہلے ہی بتایا جا چکا ہے کہ خون کے سفید دانے عروق کی دیواروں سے قریب یعنی محیطی حصہ میں جمع ہو جاتے ہیں۔ یہاں اس اجتماع کے دو وجود ہیں۔ اوّل تو عروق کی دیواروں میں بطور خود چند تغیرات واقع ہوتے ہیں جن کی وجہ سے یہ دیواریں زیادہ چپچی ہو جاتی ہیں اور دانوں کو چسپاں کر لیتی ہیں۔ دوئم جراثیمی مرکبات کی کشش جسے کشش جراثیمی (بیکٹیریل فی لیلی) کا نام دیتے ہیں۔ اپنی طرف کھینچ لیتی ہے۔

الغرض خون کے سفید دانے عروق کی دیواروں کے قریب بکثرت جمع ہو جاتے ہیں یہ نقل وحرکت بالخصوص وریدوں کی دیواروں میں زیادہ نمایاں ہوتی ہے اور اس کے بعد عروق شعریہ میں اخراج وترشح خصوصی طور پر ایک قسم کی حیوانی قوت (وائیٹلٹی-Vitality) کا ظہر ہے اور حیوانیہ (امیبا-Amoeba) کی سی حرکت کے ذریعہ انجام پاتا ہے۔ پہلے تو عروق کی غشائی مبطن (انڈوتھیلیم-Endothelium) کے خلیات (سیلز-Cells) میں عمل التہاب کے تفرق اتصال واقع ہو جاتا ہے۔ پھر انہی خلیات کے مابین مقامات تفرق میں سیف دانوں کے باریک زوائد گھس جاتے ہیں اور مادہ حیات (پروٹوپلازم-Protoplasm) دانوں سے بہہ کر ان زوائد میں آنے لگتا ہے۔ یہاں تک کہ غشائے مبطن کے اجزاء وعناصر ایک دوسرے سے جدا ہو جاتے ہیں اور بالآخر یہ دانے نفوذ کر کے عروق کی دیواروں سے باہر آس پاس منہج خلوی میں آ جاتے ہیں۔ سفید دانوں کی یہ حرکت بھی بند ہو جاتی ہے۔ جب خون کے سفید دانے بھاگ کر رگوں کے باہر کی ساخت میں چلے جاتے ہیں تو ان میں مختلف تبدیلیاں واقع ہوتی ہیں۔ مثلاً اوّل تو ممکن ہے کہ ترشح سے ہلاک ہو جائیں اور ان کے ٹوٹنے کے بغیر خمیر لیفین (فائبریشن فرمنٹ - Fibrin Ferment) تیار ہو کر خلط دمویہ (Coagulum) کے بنانے میں معاون ہو جس کا بیان ابھی کیا جائے گا۔

دوسرے یہ بھی ممکن ہے کہ یہ دانے ٹوٹ کر عروق جاذبہ (لمفیٹک ویسلز-Lymphatic Vasells) کے سلسلہ میں شامل ہو جائیں یا یہ کہ پیپ کے دانوں میں تبدیل ہو جائیں۔ علاوہ ازیں ان کے ٹوٹنے یا پیپ کے دانوں کی شکل میں آنے سے پہلے مرکز التہاب کے آس پاس کی مردہ ساخت کے خارج کرنے یا جراثیم کے ہضم کرنے میں مددگار ہوتے ہیں۔ دراصل خون کے یہ دانے فضلات بدن کے صاف کرنے میں جاروب کش کے مانند ہیں یا قدرتی مقدمہ الجیش (فوج کا ابتدائی حصہ) ہیں جو حملہ آور دشمن کی روک تھام کرنے کے لئے عروق سے باہر آ جاتے ہیں اور بدنی حفاظت کا کام سب سے پہلے یہی کرتے ہیں۔ بدن میں ان کا اوّلین فرض یہ ہے کہ یہ فاسد مواد اور مردہ ساخت کو بدن سے خارج کر دیں اور گل فساد کو محدود کر کے پھیلنے سے روک دیں۔ اس کے بعد اپنی جگہ اپنے سے بہتر دانوں کو دے دیتے ہیں۔ جو فعل التیام (ہیلنگ پراسس-Healing Process) میں حصہ لیتے ہیں۔ ان کو خلیات جرثومہ لیفیہ (فائبروبلاسٹک سیلز-Fibro Blastic Cells) اسی طرح خون کے سرخ دانے عروق شعریہ کی دیواروں سے چھن کر باہر آ جاتے ہیں۔ مگر یہ صرف التہاب حابس (عضلاتی) میں ہوتا ہے، جب یہ عروق سے باہر آ جاتے ہیں تو یہ ٹوٹ جاتے ہیں اور ان کا رنگین مادہ یہاں کی ساخت میں پھیل جاتا ہے جو صحت کے بعد بالآخر جذب ہو جاتا ہے۔

سوزش میں کیمیاوی اور مشینی افعال کے متعلق فرنگی طب کی غلط فہمی

سوزش میں خون اور اس کے بہاؤ اور عروق میں جو تبدیلیاں ہوتی ہیں فرنگی طب اس کا بڑا سبب خون میں کیمیاوی تبدیلیاں ہی قرار دیتی

ہے۔مثلاً اجماع خون رطوبات کا ترشح سفید و سرخ دانوں کے افعال میں تبدیلی ترشح و استرخائے عروق اور لزوجیت اور کشش جراثیمی وغیرہ اور سب سے بڑی تبدیلی خون میں سدہ (تھرومبس-Thrombis) کا پیدا ہونا کیمیاوی تبدیلیاں سمجھا جاتا ہے اور اس کا علاج بھی وہ کیمیاوی طریق پر کرتی ہے۔لیکن یہ سب کچھ بالکل غلط ہے۔ یہ سب تبدیلیاں مشینی فعل کا نتیجہ ہیں۔یعنی جب تک کسی عضو کے فعل میں خرابی نہ پیدا ہو خون میں مندرجہ بالا کیمیاوی تبدیلیاں رونما نہیں ہوتیں۔یاد رکھیں! سوزش بذاتِ خود عضو کا فعلی تغیر ہے اور خون اور اس کے اجزاء کے اجتماع اور تبدیلیاں مشینی اعمال کے تغیر کا نتیجہ ہیں۔

دوسری غلط فہمی

جس طرح کی تبدیلیوں کا ذکر مندرجہ بالا اوراق میں کیا گیا ہے یہ صرف ایک صورت ہے اس کو ہم عضلاتی سوزش کہتے ہیں۔اس کے علاوہ غدی اور عصبی سوزشیں بھی ہوتی ہیں۔جن کی صورتیں عضلاتی سے بالکل مختلف ہیں جو معالج نظریہ مفرد اعضاء سے واقف ہیں وہ پوری طرح جانتے ہیں کہ عضلاتی غدی اور عصبی تحریکات میں خون کہاں اکٹھا ہوتا ہے اور رطوبات کس عضو کے مقام پر اکٹھی ہوتی ہیں۔لیکن فرنگی طب صرف ایک ہی صورت سے واقف ہے اور وہ بھی اس کا صحیح علم نہیں رکھتی۔اس لئے اس کے بیان میں کیمیاوی اور فعلی طور پر غلطیاں پائی جاتی ہیں جن کی اصلاح ہم اپنا فرض خیال کرتے ہیں۔کیونکہ اول یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ فرنگی طب غلط ہے اور دوسرے اس اصلاح سے ہم اپنے ممبر کو صحیح اور مفید علم پیش کرنا چاہتے ہیں تا کہ اس سے مکمل طور پر مستفید ہو سکیں جس کے نتیجہ میں فرنگی ڈاکٹروں کو فن علاج سے بے علمی اور ناواقفیت کی وجہ سے اس فنی میدان میں شکست دے کر اس میدان سے نکال باہر کر دیں یا وہ اس امر پر مجبور ہو جائیں کہ نظریہ مفرد اعضاء کو تسلیم کر لیں اور اس کے مطابق علاج جاری رکھیں۔

سوزش سے عروق کے اندر تغیرات

سوزش کی صورت میں سائل دموی (لائکر سنگوئنس-Liquar Sanguinis) بھی عروق سے باہر آ جاتا ہے۔یعنی طبعی مقدار سے بہت زیادہ باہر آ جاتا ہے، اور یہ ظاہر ہے کہ ہمیشہ باہر آیا کرتا ہے اور اس طرح یہ زیادتی اس قدر ہوتی ہے کہ باوجود عروق جاذبہ معمول سے زیادہ اپنا کام کرتے ہیں۔پھر بھی یہ وہاں اس قدر اکٹھا ہو جاتا ہے کہ وہ جذب کرنے سے عاجز آ جاتے ہیں۔اگر یہ سائل دموی بہ کر اس پاس کی ساخت میں چلا جاتا ہے تو یہ وہاں جا کر منجمد ہو جاتا ہے، کیونکہ یہ وہاں کے ٹوٹے ہوئے سفید دانوں کے اس مادہ (خمیر لیفین) سے مل جاتا ہے جو اسے منجمد کر دیتا ہے۔اس مقام میں سوزش کی وجہ سے عروق جاذبہ کی رطوبت مائیت دم (لمف-Lymph) بھی جمع ہو جاتا ہے۔جس سے ایک قسم کا تہوج (ایڈیما-Odaema) پیدا ہو جاتا ہے۔اگر اس طرح میں تفرق اتصال کافی ہوتا ہے تو یہ عضو سے بڑھ کر خارج ہونے لگتا ہے۔اگر اس کا ترشح (سکریشن-Secretion) کسی غشائے پانی (Serous Membrance) مثلاً صفاق (پری ٹونیم-Peritonium)، غشائے صدرہ (پلیورہ-Pleura)، غشائے زلالیہ (سائینوویل ممبرین-Synovial Membrane) میں سے تو یہ مصل وہاں کے جوف میں جمع ہو جاتا ہے۔اول یہ مصل ذاتی طور پر منجمد ہونے کے قابل ہوتا ہے، کیونکہ اس کے اندر سائل دموی شامل ہوتا ہے۔چنانچہ اگر انجماد خود واقع ہو جائے تو یہ لوتھڑا یا سطح غشاء کے ساتھ چپکا ہوا ہوتا ہے یا آزادی کے ساتھ پانی میں تیرتا رہتا ہے۔

فرنگی طب کی غلط فہمی

سوزش کی صورت میں جو سائل دموی عروق سے باہر آ جاتا ہے جس سے تہوج پیدا ہو جاتا ہے۔خاص طور پر صفاق اور غشائے صدر کے جوف میں اکٹھی ہو کر تہوج کا باعث ہوتی ہے، وہ رطوبت وہ نہیں ہوتی جو مقام سوزش سے اخراج پاتی ہے بلکہ سوزش کی وجہ سے جو اجتماع خون ہوتا

ہے جس کی روانگی رُک چکی ہوتی ہے۔ اسی خون کی حدت سے وہاں کے اعضاء میں تحلیل پیدا ہو کر اخراج ہوتا ہے۔ اسی طرح استسقاء ماء فی الصدر اور ماء فی الدماغ کی صورتیں پیدا ہوتی ہیں۔ اس حقیقت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ سوزش کا اثر صرف اسی مقام تک محدود نہیں رہتا۔

سوزش کا نظام جسم سے تعلق

سوزش کے متعلق یہ پہلے بتلایا گیا ہے کہ وہ ایک ایسی صورت ہے جو سوزش کی حالت میں کسی مہیج شے کے مقابلے میں ایک فوری منظم و مرتب مدافعانہ تدبیر ہے۔ یہاں یہ بھی سمجھ لیں کہ اس مدافعانہ تدبیر میں جسم کے تقریباً تمام نظام کام کرتے ہیں۔ مثلاً:

(۱) عصبی نظام جس کا مرکز دماغ ہے جس کا کام اپنی حس سے جسم کو اطلاع پہنچانا ہے۔

(۲) عضلاتی نظام جس کا مرکز قلب ہے اور جس کا کام احساس شدہ مقام پر ضرورت کے مطابق خون روانہ کرتا ہے۔

(۳) غدی نظام جس کا مرکز جگر اور گردے ہیں (دونوں میں فرق پھر کبھی بیان کیا جائے گا جس کا کام احساس کے مقام پر ضرورت کے مطابق رطوبات غدی پہنچانا ہے یہ سب نظام ایک دوسرے کے ساتھ اس طرح منسلک ہیں کہ اگر ان میں سے کسی نظام جسم میں کسی قسم کا کوئی فساد پیدا ہو جائے تو اس کا اثر باقی نظام ہائے جسمانی پر بھی پڑتا ہے)۔

لیکن اس امر کو ذہن میں کر لیں کہ مدافعانہ تدبیر اور ردِ عمل مہیج کی شدت اور مقام کی وجہ سے اس کے مطابق ہوتی ہے اور یہی صورت تمام جسمانی طور پر بھی فائد ہوتی ہے یعنی سوزش کا اثر تمام نظام جسمانی پر مہیج کی خاصیت وشدت اور مقام کی اہمیت پر منحصر ہے۔ مثلاً اگر کسی کے رخسار پر کوئی معمولی یا ہلکی سی سوزش ہو تو وہ شخص اس کی پرواہ کئے بغیر چلتا پھرتا ہے اور اپنا کام کاج کرتا رہتا ہے اور اکثر اس کو یہ تھوڑی سی سوزش بھول بھی جاتی ہے۔ مگر اس کے برعکس اگر یہی سوزش کان کے باہر یا اندر ہو یا دانت یا آنکھ میں ہو یا گردن پر ہو یا رخسار پر ہی ایک بڑے دمبل کی صورت اختیار کر لے تو مریض سخت بے چین ہوگا اور ساتھ ہی بھوک بند ہو جاتی ہے۔ بخار آ جاتا ہے۔ سمجھنے کی بات یہ ہے کہ سوزش و ورم اور دنبل کے اثرات سے تمام نظام جسم میں یہ تغیرات پیدا ہوئے ہیں لیکن ان کے اندر کمی بیشی سوزش کی صورت اور مقام پر منحصر ہے۔

سوزش کے فوائد

سوزش کی افادیت پر ہم پہلے بھی لکھ چکے ہیں۔ اب آخر میں بھی اس کے ضروری فوائد لکھ دیتے ہیں، تاکہ معالجین سوزش دیکھ کر یا اس کا نام سن کر گھبرا نہ جائیں بلکہ اس کے مفید پہلوؤں کو مدنظر رکھ کر جسم اور اس کے نظام کو جو فوائد پہنچا سکتے ہیں پہنچائیں۔ بعض وقت سوزش کی مدد سے بڑے بڑے امراض دور کر دیئے جاتے ہیں۔ اس کے قیام سے زندگیاں بچائی جا سکتی ہیں، اس لئے بعض مزمن اور پیچیدہ امراض میں سوزش پیدا کی جاتی ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ فطرت بھی سوزش اس لئے پیدا کرتی ہے کہ وہ اس سے نہ صرف اندرونی مواد و جراثیم کو جلاتی ہے بلکہ انسانی غفلت سے اندر جو امراض و علامات پیدا ہو جاتی ہیں ان کو دور کرتی ہے۔

سوزش اگرچہ ایک شدید علامت ہے، جس سے جسم انسانی کو بہت تکلیف ہوتی ہے، لیکن وہ ایک ایسا ردِ عمل اور مفید صورت ہے جس سے مواد فاسدہ اور جراثیم کی سمیت جو جسم کے اندر پیدا ہو گئی ہے یا داخل ہو گئی ہے اور اپنے زہریلے اور خراب اثرات سے نقصان کا باعث ہونا چاہتی ہے۔ اس کی مدافعت اور مقابلہ کر کے اس کو ختم کرنے کی کوشش کرے۔

مقابلے کی پہلی صورت یہ ہوتی ہے کہ دوران خون میں تیزی جو مقام سوزش کی طرف واقع ہوتی ہے اس سے تین فائدے ہوتے ہیں:

(۱) زہریلے مواد اور جراثیم کی مقدار اس میں مل کر کم ہو جاتی ہے۔

(۲) خون کی حرارت اور متضاد مادے جو وہاں اکٹھے ہو جاتے ہیں ان کو کم کر دیتے ہیں۔

(۴) خون کی تیزی سے وہ بہت حد تک مقام سوزش سے بہہ جاتے ہیں بلکہ خارج ہو جاتے ہیں اور وہاں پر سوزش کو بڑھنے یا مکمل ہونے کے مواقع ضائع ہو جاتے ہیں، جیسا کہ معمولی اور تھوڑی سوزش میں اکثر دیکھا جاتا ہے۔

دوسری صورت یہ ہوتی ہے کہ مقام سوزش کے عضو میں انتہائی تیزی اور انقباض پیدا ہو جاتا ہے۔ جس سے اس عضو پر زیادہ تحدیر اور حرارت جذب ہوتی ہے۔ جس سے وہ عضو طاقت حاصل کر کے مقابلے کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔

تیسری صورت وہاں پر دوران کی رکاوٹ ہے جس کا بڑا مقصد وہاں پر حرارت ساتھ ساتھ وہاں پر اوّل رطوبت کا زیادتی سے گرانا ہے اور سفید دانوں کو وہاں پر اکٹھا کر دینا ہے جو قاتل جراثیم اور دافع زہر ہیں۔ اگر یہاں رکاوٹ واضح نہ ہو تو ظاہر ہے کہ یہ فوائد حاصل نہیں ہو سکتے۔

انتہا یہ ہے کہ اگر کسی مقام پر سوزش پیدا ہوتی ہے تو اس سے اس قدر فوائد حاصل کرنے کے مواقع پیدا ہوتے ہیں جن سے ایک قابل معالج ہی استفادہ کر سکتا ہے۔ ان حقائق اور فوائد کے بیان کرنے کا فائدہ یہ ہے کہ جہاں پر سوزش کا علاج کیا جائے وہاں سوزش سے بذاتِ خود جو فوائد حاصل ہوتے ہیں ان کو بھی حاصل کرنا ضروری ہے۔

سوزش کا بیان ختم

یہاں پر سوزش کا بیان ختم کر دیا گیا ہے۔ ہم نے سوزش پر اس قدر تفصیل سے لکھا ہے کہ دُنیا کی کسی طبی کتاب میں نہ اس طرح شرح و بست سے لکھا ہے اور نہ ہی اس طرح یقین کے ساتھ ذہن نشین کرایا گیا ہے۔ باقی رہا سوزش کا علاج وہ ہم اورام کے ساتھ لکھیں گے کیونکہ اورام بھی سوزش کی انتہائی صورت ہے اور دونوں کے اکٹھے علاج میں معالج کے لئے بے حد سہولتیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ اس طرح دونوں کے صحیح تعلق کا علم ہو جائے گا۔ دوسرے دونوں ایک دوسرے سے اس طرح متصل ہیں کہ دونوں کی اکٹھی تشخیص اور تجویز ہی مفید ثابت ہو سکتی ہے۔

تحقیقات اورام

ورم کی تعریف

جسم انسانی کے کسی عضو یا حصے کے حجم اور مقدار کا غیر طبعی طور پر کسی مادہ کے نفوذ کرنے سے زیادہ ہو جانا جس کے ساتھ درد، گرمی اور سرخی کا پایا جانا بھی لازمی ہے۔

ورم سوزش کے بعد دوسرا درجہ ہے۔ سوزش پر ہم گزشتہ صفحات میں تفصیل کے ساتھ لکھ چکے ہیں اور اب اورام پر تحقیقات شروع کی جا رہی ہے، اس کے اختتام پر دونوں کو ملا کر کتابی صورت میں شائع کر رہے ہیں، جس کا نام ہے تحقیقات سوزش واورام اور ان کا علاج۔ اس میں اعصابی وغدی اور عضلاتی تینوں قسم کے اورام زیر بحث لائے گئے ہیں۔ خداوند کریم کے فضل وکرم سے ایسے اسرار ورموز بیان کئے گئے ہیں کہ فرنگی طب مدت تک یہ کمال حاصل نہیں کر سکے گی۔

اس سے قبل ہم سوزش کے بیان میں یہ تاکید لکھ چکے ہیں کہ سوزش کسی مہیج شے کے مقابلے میں ایک فوری منظم ومرتب مدافعانہ تدبیر ہے جو بدن اختیار کرتا ہے۔ جب جسم اپنی اس تدبیر میں کامیاب نہیں ہو سکتا تو پھر ورم کی صورت پیدا ہو جاتی ہے۔ اس کو سوجن اور اماس کے نام بھی دیتے ہیں۔ انگریزی میں اس کو سویلنگ (Swelling) کہتے ہیں، لیکن اس کو فرنگی طب کی اصطلاح میں انفلی میشن (Inflamation) کہتے ہیں۔

تاکید نمبر ۱: ہم یہ بھی واضح کر چکے ہیں کہ ورم کو التہاب کا مترادف نہیں سمجھنا چاہئے یہ کسی طرح بھی درست نہیں ہے، کیونکہ ہر ورم التہابی نہیں ہوتا اور نہ ہی ہر التہاب میں ورم ہوتا ہے۔ البتہ جب کوئی ورم التہاب کی وجہ سے پیدا ہو تو ایسی صورت میں اس کو التہابی ورم کہا جا سکتا ہے۔

تاکید نمبر ۲: اس لئے بعض لوگ تہیج (Aneurysma) کو بھی اورام میں شمار کرتے ہیں۔ لیکن تہیج کو اورام میں شریک نہیں کرنا چاہئے، کیونکہ ورم کی صورت پوری نہیں ہوتی بلکہ رطوبت کا کسی بند جھلی میں اجتماع ہے۔

تاکید نمبر ۳: اسی طرح کی ایک بہت بڑی غلطی یہ کی جاتی ہے کہ بعض اورام کو حار کہا جاتا ہے۔ یہ بالکل غلط ہے اور کوئی ورم بھی گرم نہیں ہوتا۔ کیونکہ ہر سوزش اور ورم میں اجتماع مواد ہوتا ہے اور اجتماع کبھی بھی گرمی سے نہیں ہوتا، بلکہ سردی سے ہوتا ہے، چاہے وہ سردی گرمی کی نسبت بہت ہی کم کیوں نہ ہو۔ اس لئے ورم کے علاج میں کبھی بھی سرد ادویات کا استعمال جائز نہیں ہے۔

سوزش اور ورم میں فرق

سوزش میں ابھار واماس اور سوجن نہیں ہوتی اور باقی سوجن کی تمام صورتیں مثلاً (۱) درد (۲) گرمی (۳) سرخی اور (۴) فتور افعال پائی جاتی ہیں، جن کا ذکر ہم سوزش کے باب میں تفصیل کے ساتھ کر چکے ہیں۔ ایک فعل اور بھی ہوتا ہے کہ جب تک سوزش رہتی ہے اس وقت تک مقامی طور پر حرارت رہتی ہے، لیکن جب ورم بن جاتا ہے تو مقامی حرارت میں زیادتی ہو جاتی ہے جس کو طبیعت مدبرہ بدن رفتہ رفتہ جسم میں پھیلاتی رہتی ہے جس کے نتیجہ میں بخار کی صورت قائم ہو جاتی ہے اور یہ بخار اس وقت تک قائم رہتا ہے جب تک ورم قائم رہتا ہے۔

ورم اور بخار کا تعلق

بخار اور ورم کا بہت گہرا تعلق ہے، بلکہ یوں سمجھ لیں کہ تمام مسلسل بخار کم وبیش اورام ہی سے قائم رہتے ہیں جس قدر شدید بخار ہوگا۔ اسی قدر بڑا ورم ہوگا یا زیادہ نازک مقام وعضو میں ورم واقع ہوگا۔ مشہور دائمی بخار جسم کے کسی نہ کسی عضو کا ورم ہی ہے۔ ذات الریہ، محرقہ بطنی اور غب غیر خالص دائمی وغیرہ وغیرہ کو یا اکثر دائمی بخار صرف اورام کا نتیجہ ہیں۔

بخار کی علامات کے متعلق اس قدر سمجھ لینا کافی ہے کہ وہ زیادہ تر حرارت کی زیادتی کے نتائج ہیں جو اورام پیدا ہوتی ہے یا ان فضلات سمی کے نتائج ہیں جو دورانِ خون میں شامل ہو کر عضلات وغدد اور دیگر اعضاء احشاء کے خلیات پر اثر کرتے ہیں۔

بخار کی شدت اور اس کی نوعیت مریض کے سابقہ حالات اور مرض کی نوعیت اور مدت کے لحاظ سے مختلف ہوا کرتی ہے۔ نوجوان تندرست اور قوی اشخاص میں اورام شدید کا بخار عموماً شدید قسم کا ہوتا ہے اور اس میں حرارت اور اس کے دیگر عوارض مع ہذیان (Delirium) کے بہت نمایاں ہوتے ہیں۔ اس کے برعکس کمزور مریضوں میں اور اسی طرح طویل بخاروں کے انتہائی درجہ میں مثلاً حمی مطبقہ متناقصہ (ٹائی فائیڈ فیور) اور شدید غدودی جراثیمی بخار مثلاً سرخ باد اور تعفن دم (Erisipelas Septicemia) جس سے انتہائی ضعف وہبوط (کولیپس-Collepse) نمایاں ہو جاتے ہیں اس حالت میں بخار کا تیز ہونا ضروری نہیں ہے اور مریض پر بے عقلی سی طاری ہو جاتی ہے، یا بکواس کے ساتھ ہلکا ہذیان ہوتا ہے۔ کپڑے نوچتا ہے اور پاخانہ وپیشاب بستر پر ہی ہو جاتا ہے۔

یہ امر محقق ہے کہ حرارت بدنیہ کے نظام کے خاص مراکز میں پیدائش حرارت زیادہ ہو جاتی ہے اور اخراج واعتدال حرارت کم ہو جاتا ہے یا رُک جاتا ہے۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ حرارت بدنیہ کی پیدائش اور اس کے زوال کا باہمی اعتدال اس طرح قائم رہتا ہے کہ جلد وتنفس اور دیگر ذرائع سے جس قدر وہ ضائع ہوتی ہے اسی قدر وہ پھر اعضاء اور علی الخصوص احشاء وعضلات، رادیہ کے استحالۂ انسجہ (Tissue Matabolism) سے پیدا ہو جاتی ہے۔ اس لئے بدن کے اندر ارتفاع حرارت کے دو ہی اسباب ہو سکتے ہیں:

① حرارت طبعی حالت میں کم ہو۔

② اس کی پیدائش اعتدال سے زیادہ ہو۔

لیکن یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ بخار کا باعث یہ ہے کہ حرارت پیدا کرنے والے انسجہ خاص کر عضلات میں تیزی آ جاتی ہے۔ جس کی شہادت اس امر سے ملتی ہے کہ بخار کی حالت میں مریض کے عضلات ڈبلے پتلے ہو جاتے ہیں۔ اس کی عقلی طاقت کم ہو جاتی ہے اور اس کے علاوہ قارورہ میں عضلی انسجہ (مسکولر ٹشوز-Muscular Tissues) کے فضلات بکثرت پائے جاتے ہیں۔

تولید حرارت کی یہ تیزی انسجہ میں اس وجہ سے پیدا ہوتی ہے کہ قانون قدرت ہے کہ سوزش ہمیشہ حرارت ہی سے ختم ہوتی ہے۔ قانون قدرت ہے کہ سوزش سے ہمیشہ حرارت پیدا ہو کر مقام ورم تک پہنچ کر وہاں کے ورم کو تحلیل کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ دوسری طرف طبیعت مدبرہ بدن اس حرارت کو بدن میں پھیلا کر اس میں اعتدال پیدا کرتی رہتی ہے۔ یہ اب معالج کا کام ہے کہ وہ اس حرارت کو جسم میں محفوظ کرلے اور ضائع ہونے سے بچائے اور مقام ورم پر اکٹھا کر کے ورم کو تحلیل کر دے تاکہ ورم رفع ہو جائے اور اگر ضرورت سمجھے تو ادویات سے حرارت کی پیدائش میں زیادتی کر کے اپنا مقصد بہت جلد حاصل کر لے تاکہ ورم کے اثر سے جسم کو نقصان نہ پہنچ جائے۔ یہی معالج کا کمال فن ہے۔

اورام کی اہمیت

ورم کی ماہیت کو ذہن نشین کرنے کے لئے اس کو خوب اچھی طرح جان لیں کہ ہر ورم میں مندرجہ ذیل پانچ علامات ضرور پائی جائیں۔

① سوجن (سوئیلنگ-Swelling)

② سرخی (ریڈنس-Redness)

③ درد (پین-Pain)

④ حرارت (ہیٹ-Heat)

⑤ فتور حرکت (لاس آف ایکشن-Loss Of Action)

ان میں ایک چھٹی علامت بخار کا بھی اضافہ کر لیں جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں۔ لیکن بخار ہر ورم میں ضروری نہیں ہے یہ اکثر ان اورام میں پایا جاتا ہے جن میں ان کی شدت ہوتی ہے جو ان کے شدید اسباب تہیج کی وجہ سے ہوتے ہیں۔ البتہ یہ یاد رکھیں کہ بخار اس وقت تک نہیں ہوتا جب تک عضلات اور مرکز عضلات کے افعال میں تیزی پیدا ہو کر دل کی حرکت میں تیزی نہ پیدا ہو جائے اور یہ بھی ذہن نشین کر لیں کہ اگر دماغ اور اعصاب کے افعال میں تیزی ہوگی تو نہ ورم جلد مکمل ہوگا اور نہ آرام کی صورت پیدا ہوگی۔ اس صورت میں ورم مدت تک قائم رہے گا یا مریض رطوبات جسم کے نکل جانے پر جلد مر جائے گا۔ موت کی صورت میں مریض پر غنودگی یا بیہوشی کا غلبہ رہے گا جیسا کہ عام طور پر محرقہ میں دیکھا جاتا ہے۔ اسی طرح اگر اورام میں جگر اور غدد کے افعال میں تیزی ہوگی تو ورم جلد پختہ ہوگا یا جلد تحلیل ہو جائے گا، اور اکثر جلد آرام آ جاتا ہے یا شدت کی صورت میں جب خشکی بھی ساتھ ہو تو موت واقع ہو جاتی ہے۔ اس میں حرارت اور بخار کی انتہائی تیزی ہوتی ہے اس لئے اورام کی حقیقت کو سمجھنے کے لئے ان کی حرارت اور خصوصاً بخار کو ضرور مدنظر رکھنا چاہئے۔

ورم میں حرارت کی اہمیت

اس سے پہلے بھی تاکید کی گئی ہے کہ اورام میں سے کوئی بھی ورم اصولی طور پر گرم نہیں ہوتا اور وہ سب اپنے مقام کی اہمیت کے لحاظ سے گرمی کی وجہ سے ہوتے ہیں۔ کیونکہ اگر ورم کے مقام پر گرمی ہو تو وہاں پر ورم کیا سوزش بھی قائم نہیں ہو سکتی۔ اس لئے تمام اورام میں حرارت پیدا کرنی پڑتی ہے۔ کیونکہ طبیعت مدبرہ بدن بھی وہاں پر خون کو بھیج کر حرارت ہی پیدا کر رہی ہوتی ہے۔ جہاں تک سرد ادویات سے رادع صورت کا تعلق ہے وہ بھی خون کی بہت کم ہے۔ اس لئے حالت ورم کو ذہن نشین کئے بغیر کبھی بھی رادع ادویات یا رادع اور محلل ملی جلی ادویات کو بغیر سوچے سمجھے نہ استعمال کریں۔ جیسا کہ فرنگی ڈاکٹر فوراً ٹھنڈا پانی یا برف یا کولر کا پانی استعمال کر دیتے ہیں۔ بلکہ پنکھے کے استعمال سے بھی احتیاط کریں بعض فن سے اندھے معالج خصوصاً فرنگی ڈاکٹر سرسام میں گھڑوں پانی گرا دیتے ہیں۔ یہ مریض پر بالکل ظلم ہے بلکہ اس کو فنا کر دینے کے مترادف ہے۔

جن کو حکماء اور اطباء سرد اورام لکھتے ہیں، وہ اورام وہی ہیں جن میں اعصاب کے افعال میں تیزی ہوتی ہے جن کی وجہ سے دل اور عضلات کے افعال میں سکون رہتا ہے اور جسم میں حرارت نہیں پھیلتی۔ ایسی صورت میں فوراً دل اور عضلات کے افعال کو تیز کر دینا چاہئے، جیسے خسرہ و چیچک اور محرقہ بطن میں دانے اندر رک جاتے ہیں۔ یا محرقہ دماغی میں اسہال یا پیشاب زیادہ آتا ہے یا تزاد و نیند اور بے ہوشی کی صورت قائم رہتی ہے۔

ورم میں گرمی لازمی ہے

ورم کے مقام پر جو گرمی محسوس ہوتی ہے وہ اس خون کی وجہ سے ہوتی ہے جو طبیعت مدبرہ بدن وہاں پر حرارت قائم ہو کر وہاں کی سوزش و جراثیم اور تکلیف و مواد و دوسری سے خشکی کو دور کر دے۔ لیکن اس گرمی سے دھوکا نہیں کھانا چاہئے۔ یہی گرمی جب وہاں پر بڑھ جاتی ہے تو طبیعت

مدبرہ بدن اعتدال کو قائم رکھنے کے لئے اس خون کو تمام جسم میں پھیلا دیتی ہے جو وہاں پر گرمی پیدا کر رہا ہوتا ہے اور وہاں پر تازہ خون روانہ کر دیتی ہے۔اس طرح جسم میں بخار پیدا ہو جاتا ہے۔اس ورم کی حرارت اور جسم کے بخار کو بدن کی زائد گرمی تصور کر کے وہاں سرد ادویات کا استعمال شروع کر دینا مرض کو خراب کرنا اور مریض پر ظلم کرنا ہے۔ایسی غلطی کبھی نہیں کرنی چاہئے۔ بلکہ پینے کے لئے سرد پانی تک نہیں دینا چاہئے۔شربت اور برف کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

اورام کے بخار

بعض معالج جن میں فرنگی ڈاکٹر خاص طور پر قابل ذکر ہیں، بخار خصوصاً اورام کے بخار کو سمجھے بغیر مکسچر یا دافع بخار دوا، جس سے ٹمپریچر گر جائے، کا استعمال کر دیتے ہیں۔ یہ بالکل غلط ہے بلکہ مرض کو بگاڑنا اور مریض پر ظلم کرنا ہے۔اس طرح پسینہ اور پیشاب آور اور مسہل وملین وغیرہ ادویات سے شربت یا عرق اور ٹھنڈا پانی وغیرہ استعمال کرنا درست نہیں ہے۔ان تمام صورتوں سے اورام کی تحلیل میں دیر واقع ہو جاتی ہے۔اورام کے بخار پر کیا منحصر ہے ہر قسم کا بخار کوئی مرض نہیں ہے وہ ایک قسم کی علامت ہے جو سوزش واورام اور جراثیم ومواد متعفنہ سے پیدا ہوتا ہے جن سے کسی مفرد عضو کے فعل میں خرابی واقع ہو کر بخار پیدا ہو جاتا ہے۔بس اس عضو جسم کے افعال کو درست کر کے اس کی قوت مدافعت (امیونٹی) کو بڑھایا جائے اس طرح سبب دور ہو کر بخار خود بخود اُتر جاتا ہے۔ بخاروں کے متعلق تفصیل کے لئے ہماری کتاب ''تحقیقات حمیات (بخار)'' کا مطالعہ کریں۔

اورام کی حرارت اور بخار سے گھبرانا نہیں چاہئے۔ بلکہ ان کو بڑھانے کی کوشش کرنی چاہئے۔ جیسے ہی ان کو اندرونی اور بیرونی طور پر بڑھانے کی کوشش کی جائے گی۔فوراً اورام کی حرارت اور بخار کم ہونا شروع ہو جاتا ہے۔

ذات الریہ (نمونیہ) کے متعلق ہر باشعور طبیب وحکیم اور وید جانتا ہے کہ یہ پھیپھڑوں کا ورم ہے اور اس کا علاج گرم ادویات سے کرتا ہے۔فرنگی ڈاکٹر بھی گرم ادویات دیتے ہیں بلکہ برانڈی جیسی حرام شے تک استعمال کرا دیتے ہیں۔لیکن مریضوں کو خشکی اور پیاس کی شدت ہوتی ہے تو گلوکوز استعمال کرا دیتے ہیں۔ان کو کوئی سمجھائے کہ گلوکوز (کاربوہائیڈریٹ/نشاستہ) اور الکلائن (کھار) ہے۔جس کے استعمال سے فوراً ٹمپریچر (حرارت بدنیہ) کم ہو جاتا ہے۔اس میں حرارت نہیں ہوتی، اس لئے اس کو اورام میں استعمال نہیں کرنا چاہئے۔ یہ کوئی مقوی شے بھی نہیں ہے۔

ذات الریہ (نمونیہ) کی طرح محرقہ بطنی بھی آنتوں کا ورم ہے۔لیکن اس کے علاج میں اطباء اور حکماء سرد ادویات استعمال کرتے ہیں بلکہ ایسی ایسی سرد ادویات دی جاتی ہیں کہ دیکھ اور سن کر عقل حیران ہوتی ہے۔ بڑی بڑی طبی کتب میں یہی کچھ لکھا ہے۔اگر یقین نہ ہو تو فرنگی شفاء الملک کی کتب خصوصاً جامع الحکمت اور طبی فارما کوپیا کو دیکھ لیں۔ جب ایسے ایسے مجربات سے آرام نہیں ہوتا تو پھر یہی اطباء اور حکماء فرنگی گرم ادویات کی تعریف کرتے ہیں۔مگر اپنے بے یقینی بے خطاء شفاء رکھنے والے علم العلاج کی طرف نہیں دیکھتے کہ ان میں اورام کا علاج کیا لکھا ہے۔ حمی اورامیہ کا علاج کیسے کرنا چاہئے۔بخار کا نام سن کر صرف عرق اور شربت پلا پلا کر بخار کو خراب اور مریضوں پر ظلم نہیں کرنا چاہئے۔ان حقائق سے اورام کی حرارت کو پورے طور پر سمجھ لینا نہایت ضروری ہے۔

ورم میں درد کی اہمیت

اورام میں دوسری علامات درد (پین-Pain) ہے۔درد کی اہمیت کا اندازہ اس امر سے لگالیں کہ اگر ورم میں درد کی تکلیف نہ ہو تو مریض ورم کی چنداں پرواہ نہیں کرتا اور باقی تکلیف بہت حد تک برداشت کر کے پڑا رہتا ہے بلکہ کاروبار میں مصروف رہتا ہے۔لیکن ورم کا درد ایک

ایسی تکلیف ہے جو قابل برداشت نہیں ہے۔اس لئے بعض معالج جن میں فرنگی ڈاکٹر خاص طور پر قابل ذکر ہیں اس کوشش میں ہوتے ہیں کہ درد کی تکلیف کو جلد از جلد ختم کر دیا جائے۔ایسا کرنا نہ صرف غلط ہے بلکہ مریض پر ظلم کرنے کے مترادف ہے۔ایسا علاج بالکل بے اصولا ہے، کیونکہ درد کی موجودگی اس امر کا اظہار ہے کہ سبب ورم قائم ہے۔مثلاً جسم میں کسی جگہ کانٹا یا سوئی چبھ جائے تو اس سے جو درد ہوتا ہے اس کا علاج یہ نہیں ہے کہ کانٹا یا سوئی نکالے بغیر وہاں کے درد کو مجربات یا منشیات سے روکنے کی کوشش کی جائے، جس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ طبیعت مدبرہ بدن جو فطرتاً اس تکلیف کے علاج کے لئے مقررہ ہے، وہ اپنے کام سے غافل ہو جائے گی اور فوری طور پر جس قوت اور حرارت سے اس ورم یا سوزش کا علاج وہ کرنا چاہتی ہے ختم ہو جائے گا یا رُک جائے گا۔گویا درد نہ صرف ایک قدرتی علاج کی صورت ہے بلکہ علاج کا معیار بھی ہے۔جس کے قیام سے پتہ چلتا ہے کہ تاوقت وہاں پر ورم یا سوزش اور مرض موجود ہے، اس لئے علاج میں صرف درد کو روکنے کی کوشش نہیں کرنی چاہئے بلکہ ورم اور سوزش کو اصولی طور پر رفع کرنا چاہئے جس سے پہلے درد ہی کو آرام ہوتا ہے۔

درد کی حقیقت

درد کی حقیقت یہ ہے کہ مقام ورم کی عروق شعریہ میں خون حد اعتدال سے زیادہ آجاتا ہے جس کی وجہ سے وہاں سوزش ہوتی ہے جو بذاتِ خود ایک ہلکی قسم کا درد ہے اس کو جلد ہی دورانِ خون کو اس طرف تیز کر دیتی ہے۔ساتھ ہی ساتھ مائیت خون بھی تراوش کرتی رہتی ہے۔اس طرح خون کے دباؤ کی زیادتی سے رگوں کے پردوں پر پھیلے ہوئے اعصاب تن کر دب جاتے ہیں اور درد کرنے لگتے ہیں۔لیکن جو اعضاء زیادہ نرم ہوجاتے ہیں ورم پر کم دباؤ کے سبب درد کم ہوتا ہے جہاں پر اعضاء سخت اور جلد تنی ہوئی ہوتی ہے وہاں پر زیادہ دباؤ کے باعث درد سخت اور اکثر درد ٹیس کے ساتھ ہوتا ہے جیسے ذات الجنب (پلوری) میں ہوتا ہے۔

دردوں میں جو مختلف اقسام کی صورتیں ظاہر ہوتی ہیں اس کی وجہ درد کا مختلف اعضاء میں ہونا ہے جیسے اعصاب میں درد کے ساتھ بے چینی جلد کی خارش اور اکثر ناقابل برداشت بلکہ بعض اوقات بے ہوشی کی صورت ہوتی ہے۔غدد کلیتین میں جلن کے ساتھ درد ہوتا ہے۔جیسے ذات الجنب (پلوری) اور سوزاک (گونوریا) وغیرہ میں۔اسی طرح عضلات اور حجاب میں چبھن اور مروڑنے والا درد ہوتا ہے۔اندازِ نرم اور سخت اعضاء کے مقابلہ میں پستانوں اور گردوں کے دردوں اور گالوں اور ماتھے کے دردوں سے لگایا جاسکتا ہے۔یہ اوّل الذکر مقام نرم ہیں اور ثانی الذکر سخت مقام ہیں جہاں پر زیادہ رطوبت اکٹھی نہیں ہوسکتی اور درد میں شدت ہوتی ہے۔

دردوں کی دوسری وجہ خون اور رطوبات کی کمی بیشی ہے اور ان کا گرم اور سرد احساس ہے۔یعنی جہاں خون کا دباؤ ہوگا وہاں پر درد شدید ہوگا۔اس کو عام طور پر اطباء گرمی کا درد کہتے ہیں اور جہاں پر خون کی رطوبات تراوش پا کر دباؤ پیدا کردیں وہاں پر درد کم، مگر بوجھ زیادہ ہوگا۔ایسے دردوں کو اطباء نے بلغمی اور سردی کا درد کہا ہے۔یہ وہ تحقیقات ہیں، ان کو ذہن نشین کرلیں، فرنگی طب (ڈاکٹری) ان حقائق سے واقف نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہڈیوں کے درد شدید اور توڑنے والے ہوتے ہیں۔کیونکہ ہڈیوں کے غشاء کے نیچے رطوبات کا اجتماع ہوتا ہے، اس لئے خون کا اجتماع درد میں شدت پیدا کرتا ہے۔

بعض درد اپنے مقام سے دور معلوم ہوتے ہیں جیسے جگر اور طحال کے درد اور سوزش کندھوں میں اور پھیپھڑوں کے درد اور سوزش گردوں کے نیچے اور اوپر پیچھے۔گردوں کے درد اور سوزش رانوں کے اندر بلکہ بعض اوقات پوری ٹانگ اور پاؤں تک محسوس ہوتا ہے۔اسی طرح مثانہ کے درد اور سوزش خصیوں اور پیشاب کی نالی تک چلے جاتے ہیں۔عورتوں میں رحم کی درد اکثر کمر اور سر میں محسوس ہوتی ہے اور اکثر مستقل صورت اختیار کر لیتے ہیں۔اس لئے کسی صورت میں بھی دردوں میں اس وقت تک روکنے کی کوشش نہ کریں، جب تک اس کی اصل وجہ معلوم نہ کرلیں۔اگر درد کو فوراً

روک دیا گیا تو سوزش اور ورم مزمن صورت اختیار کر لیتے ہیں اور جب تک پھر ان دردوں کو پیدا نہ کیا جائے ان کو آرام نہیں آ سکتا۔ کیونکہ دردوں میں یہ خوبی ہے کہ وہاں پر خون کو کھینچ کر مقام کو گرم رکھتے ہیں۔ بلکہ بعض دفعہ بخار چڑھا دیتے ہیں۔ بخار کی آگ (دوزخ کی بھٹی) ہی نوے فیصدی امراض کا علاج ہے۔

درد کی صورتیں

درد کی صرف تین صورتیں ہیں جو درج ذیل ہیں۔

① آرام اور سکون کی حالت میں ورم کے مقام پر درد محسوس ہو اور جب کچھ حرکت کی جائے تو درد میں آرام معلوم ہو۔ **اس قسم کا درد اعصابی ہوتا ہے۔**

② آرام اور سکون کی حالت میں مقام ورم پر درد میں سکون رہے۔ مگر معمولی حرکت پر یا مقام ورم کو ذرا سا بھی چھوا جائے تو درد کا فوراً احساس ہو۔ **اس قسم کا درد غدی ہوتا ہے۔**

③ درد کا احساس صرف اسی وقت ہوتا ہے جب کہ مقام ماؤف پر دباؤ ڈالا جائے یا اس کو حرکت دی جائے۔ البتہ بعض دفعہ خفیف دباؤ یا خفیف حرکت سے درد کا احساس نہیں ہوتا۔ لیکن شدید دباؤ یا زیادہ حرکت سے درد کا احساس ہونے لگتا ہے۔ **اس قسم کا درد عضلاتی ہوتا ہے۔**

چوٹ

اس امر کو ذہن نشین کر لیں کہ درد کا اندازہ بڑے اور چھوٹے ورم سے نہیں ہو سکتا بلکہ اس میں جس قدر سختی ہوگی اسی قدر درد زیادہ ہوگی اور جس قدر نرمی ہوگی، درد کم ہوگا یا دوسرے الفاظ میں یوں سمجھ لیں کہ جس قدر سوجن زیادہ ہوگی اور درد کم ہوگا۔ جس قدر سوجن کم ہوگی، درد زیادہ ہوگا۔ کیونکہ ابتداء میں رطوبات کے ترشح سے درد میں کمی ہوتی ہے۔ یہی مقام ہے جس کو رفوع کہتے ہیں۔

دردوں میں کمی بیشی

ان حقائق سے یہ حقیقت پورے طور پر جان لیں کہ درد کی زیادتی ایسے مقام پر ہوگی جہاں پر اعصاب کی زیادتی انسجہ کی سختی پائی جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کان کا درد اور دانت کا درد دیگر دردوں سے زیادہ اور ناقابل برداشت ہوتا ہے۔ کان میں اعصاب کی زیادتی اور دانتوں اور مسوڑھوں میں زیادہ سختی پائی جاتی ہے۔ وہاں پر انسجہ بہت زیادہ پھیل نہیں سکتے اور ان مقامات پر جب بھی خون کا ذرا سا دباؤ بڑھ جاتا ہے درد شدید ہو جاتا ہے۔

دوسرا تجربہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص کے ہاتھ کی پشت پر جب بھی کوئی بھڑ وغیرہ ڈنگ مارتی ہے تو وہاں پر ورم بہت زیادہ اور نمایاں طور پر ہوتا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی درد فوراً کم ہونا شروع ہو جاتا ہے اور پشت دست کی بجائے اگر کف دست میں کوئی بھڑ وغیرہ ڈنگ مارے تو وہاں پر ورم نہ ہونے کے برابر ہوگا۔ مگر درد زیادہ ہوگا۔ ان دردوں کی کمی بیشی کی وجہ بیان کر دی گئی ہے تا کہ معالج اورام کے دردوں کو رفع کرنے میں مقام اور اصول علاج کو مدنظر رکھیں اور فوراً درد کو مخدرات اور منشیات سے کم کرنے کی کوشش نہ کریں۔ بلکہ اصولی طور پر اورام کا علاج کریں اور یہی اصولی علاج ہے۔

ورم میں سرخی کی اہمیت

اورام میں تیسری علامت سرخی (حمرت) کی ہے، جس کو انگریزی میں ریڈنس (Redness) کہتے ہیں۔ سرخی کی اہمیت کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ سرخی کی زیادتی کے ساتھ ہی ساتھ حرارت اور درد کی زیادتی ہوتی ہے اور سرخی کو دیکھنے سے اورام کی اکثر صورتوں کا اندازہ

لگایا جا سکتا ہے۔ یہ بتایا جا چکا ہے کہ سرخی مقام درد پر خون کے اجتماع سے پیدا ہوتی ہے۔ جس قدر سوزش زیادہ ہوتی ہے، اسی قدر خون کا دباؤ، حرارت، درد اور سرخی زیادہ ہوتی ہے۔ جب تک درد اور حرارت اور خون کا دباؤ بڑھتا رہتا ہے، سرخی بھی بڑھتی رہتی ہے۔ جہاں درد میں کمی اور سوجن میں زیادتی ہوئی، سرخی میں کمی واقع ہونا شروع ہو جاتی ہے۔

سرخی میں تغیرات

ابتداء میں اس کا رنگ شوخ گلابی رنگ کا ہوتا ہے اور پھر جلد گہرا سرخ ہوتا ہے۔ اگر ضعف کی وجہ سے دورانِ خون میں دباؤ کم ہو جائے یا ترشہ رُک جائے یا حرارت میں کمی واقع ہو جائے یا خون کی واپسی میں رکاوٹ پیدا ہو جائے، جیسا کہ عروق شعریہ سے خون کے گزرنے میں زیادہ وقت ہوتی ہے تو سرخی گہری سیاہی مائل ہو جاتی ہے۔ اسی طرح اگر سوزش کم ہو تو سرخی میں زیادتی ہوتی ہے اور جب سوزش بڑھ جائے تو سرخی ہلکی ہو جاتی ہے۔ کیونکہ سوزش میں رطوبات کا ترشہ بڑھ جاتا ہے۔ جو سرخی کو کم کر دیتا ہے۔ ابتدائی صورت میں سرخ ذرّات خون کی کثرت ہوتی ہے جن سے سرخی کا اظہار زیادہ ہوتا ہے اور ترشح کے بعد سفید ذرّات خون زیادہ بڑھ جاتے ہیں وہ بھی سرخی کی زیادتی کو کم کر دیتے ہیں۔

مقام سرخی کو اگر دبایا جائے تو بھی اس کا رنگ ہلکا ہو جاتا ہے اور جب دباؤ ہٹایا جائے تو پھر وہاں پر سرخی لوٹ آتی ہے۔ سرخی کی زیادتی کی ایک وجہ نسیم (آکسیجن-Oxygen) کی زیادتی بھی ہوتی ہے۔ جب نسیم کم ہو جاتی ہے تو سرخی کے بجائے دبانے سے زردی پیدا ہو جاتی ہے۔ کیونکہ عروق میں سے خون کی سرخی خارج ہو کر ساخت میں چلی جاتی ہے۔ جب کبھی خون میں رکاوٹ پیدا ہو جائے یا عروق میں سدہ واقع ہو جائے یا عروق شعریہ میں سے کوئی عروق پھٹ جائے اور خون کی روانگی رُک جائے تو دبانے سے سرخ رنگ غائب نہیں ہوتا۔ اور اگر یہ حالت دیر تک رہے تو اس مقام پر اکثر دھبہ پڑ جاتا ہے۔

اکثر ورم اپنے رنگ کی وجہ سے پہچانے جاتے ہیں۔ مثلاً آتشک اپنی سرخی کی وجہ سے تشخیص کیا جاتا ہے۔ طب یونانی میں سرخ رنگ کے ورم کو عام طور پر دموی کہا جاتا ہے اور جب زرد صورت اختیار کر لیتا ہے تو اس کو صفراوی ورم کہتے ہیں۔ اسی طرح اگر سفیدی زیادہ ہو تو بلغمی ورم کہتے ہیں۔ طب یونانی میں انہی رنگوں کی وجہ سے اورام کے نام بھی رکھ دیئے گئے ہیں۔ مثلاً سر کے دموی ورم کو جس میں سرخی زیادہ ہوتی ہے قرانیطس خالص کہتے ہیں اور بلغمی ورم کو لثیرغس کہتے ہیں۔

بعض اورام کی رنگت کا اثر دور دور تک ہوتا ہے۔ مثلاً دماغ کے ورم سے منہ سرخ ہو جاتا ہے، امعاء کے ورم سے جلد پر سرخ دانے نکل آتے ہیں، معدہ کی سوزش اور ورم سے جسم پر پتی اُچھل آتی ہے، جسم پر سر سے لے کر پاؤں تک اور جلد پر سرخ دھبے پڑ جاتے ہیں۔

اورام میں سرخ رنگ کے متعلق یہ یاد رکھیں کہ عضلاتی ورم ہے یا عضلات میں تحریک پیدا ہو جاتی ہے۔ اور جس ورم میں زردی غائب ہو تو سمجھ لیں کہ غدی تحریک ہے یا وہ غالب آ رہی ہے۔ جو ورم سفید ہو یا سفیدی ان پر غالب ہو تو اس کی وجہ اعصابی تحریک ہوتی ہے۔ جو صورت حمیات میں حرارت پیدا کرتی ہے وہ صورت اورام میں بھی کام کرتی ہے۔

سرخی کی پیدائش اور اس کے افعال

یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ خون کے سرخ دانوں کی وجہ سے سرخی پیدا ہوتی ہے۔ خون میں اکثر سرخ دانے ہوتے ہیں جن کی وجہ سے خون کے باقی اجزاء خصوصاً اس کا پانی بھی رنگین نظر آتا ہے۔ یہ سرخ دانے سفید دانوں سے پیدا ہوتے ہیں اور خون کے سفید دانے کیلوس اس کے دانوں سے پیدا ہوتے ہیں جو غذا کھانے کے بعد تیار ہوتا ہے۔

یہ ذرّات کیلوس و ذرّات سفید اور ذرّات سرخ کی پیدائش اور تبدیلیاں یونہی خود بخود نہیں ہوتی رہتیں بلکہ یہ جسم میں کیمیادی

تبدیلیاں ہیں جو بعض اعضاء کے تعاون سے پیدا ہوتی رہتی ہیں۔اس بیان کا مقصد یہ ہے کہ ان تبدیلیوں کی کمی بیشی کی صورت میں ان اعضاء کو مدِنظر رکھنا چاہئے۔

صحیح کیلوس اسی وقت تیار ہوسکتا ہے جب کہ غذا میں صحیح طور پر رطوبات معدی و امعائی اور لبلبہ و کبدی وغیرہ اس میں شامل ہوں اور اس کو پوری طبخ کا وقفہ حاصل ہو۔اسی طرح سفید ذرات خون اسی وقت صحیح طور پر تیار ہو سکتے ہیں جب غدد جاذبہ میں ان کی پختگی عمل میں آئے۔یہی صورت سرخ ذرّات خون کی ہے۔جب تک ان کی پختگی جگر میں نہ ہو،اس وقت تک وہ سرخ نہیں بنتے۔گویا جگر کی حرارت ہی ان کو پکا کر سرخ بناتی ہے۔اور خون سرخ ہونے تک جسم کے تمام اعضاء اپنا اپنا کام کرتے ہیں۔جب جا کر خون میں سرخی پیدا ہوتی ہے۔

جب یہ سرخی تندرستی کی حالت میں جسم میں خرچ ہو جاتی ہے تو باقی رطوبات جو جسم میں پڑی رہ جاتی ہیں غدد جاذبہ کے ذریعے کھینچ جاتی ہیں اور کیمیاوی طور پر طحال میں وارد ہو کر اس میں پھر تکمیل شروع ہو جاتی ہے۔خون کی سرخی میں ترشی اور کھار تقریباً اعتدال پر ہوتے ہیں۔سرخی ختم ہونے پر اس میں صرف کھاراپن رہ جاتا ہے اور یہی کھاراپن طحال میں جا کر کیمیاوی طور پر ترشی میں تبدیل ہوتا ہے اور پھر کیمیاوی طور پر قلب اور عضلات میں اپنی ترشی سے تیزی پیدا کرتا ہے۔جہاں پر تیزی اور گردش سے حرارت پیدا ہو کر جگر میں پھر سرخی حاصل کرتا ہے اور یہی سلسلہ جاری رہتا ہے۔

جو خون شریانوں میں ہوتا ہے اس کی سرخی شوخ ہوتی ہے اور اس کا ذائقہ نمکین ہوتا ہے اور یہی اس کی گرمی اور تحلیل پر دلالت ہے۔ کیونکہ حرارت کا حامل بھی خون ہے اور اسی حرارت کی وجہ سے وہ شریانوں میں بہتا اور گردش کرتا ہے۔خون کی حرارت خون کی سرخی سے قائم ہے۔ البتہ جب اس میں نرم پن پیدا ہو جائے تو اس کی حرارت اور قوت تحلیل ورم کی صورت میں یہ طاقت مفید ثابت ہوتی ہے۔

جب خون کو باہر نکالا جائے تو اوّل وہ گاڑھا سیاہ ہو جاتا ہے اور پھر جم جاتا ہے۔شریانوں کے اندر خون کے اجزائے ہوائیہ اپنی مقدار اوسطاً اس کے جسم کے نصف سے بھی زیادہ ہوتے ہیں۔یہ اجزائے ہوائیہ، دخان و نسیم اور شوریہ (کاربالک ایسڈ، آکسیجن اور نائیٹروجن) سے مرکب ہوتے ہیں۔ان کا ایک خاص تناسب ہے جو شریانوں میں خون کو سیال رکھتا ہے۔جب خون باہر آتا ہے تو یہ توازن اجزائے ہوائیہ ختم ہو جاتے ہیں،اور وہ جم جاتا ہے۔جب جسم کے اندر کسی ورم میں سرخی کی تبدیلی سیاہی میں ہونے لگے تو اس عمل سے فوراً اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ان اجزائے ہوائیہ کا توازن ختم ہو رہا ہے۔اس عمل کو سمجھنے سے بہت سے خوفناک اورام کا علاج کیا جاسکتا ہے اور بہت سی زندگیوں کو بچایا جاسکتا ہے۔

خون کی سرخی ایک سرخ رنگ کے مادے (ہیموگلوبن) سے ہوتی ہے جس سے ایک طرف دخانی اجزاء کم ہوتے ہیں دوسری طرف حرارت قائم ہو جاتی ہے۔بس یہی سرخ دھار اور سیال خون دافع سوزش اور محلل اورام ہے۔یہی خون روح حیوانی کا حامل ہے بلکہ صحت کا محافظ ہے۔

ورم میں سوجن کی اہمیت

اورام میں چوتھی علامت سوجن کی ہے جس کو نمو (سویلنگ-Swelling) کہتے ہیں۔یہ سوجن ایک غیر طبعی ابھار اور نمو ہے جو مقام سوزش پر خون اور رطوبت کی زیادتی یا وہاں پر کسی مواد کی تربیت سے نمو اور جسم کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔کبھی وہاں پر خون کی زیادتی اور سختی ہوتی ہے اور کبھی رطوبات کی زیادتی اور سختی ہوتی ہے اور کبھی رطوبات کی زیادتی اور نرمی ہوتی ہے۔کبھی نہ خون کی زیادتی ہوتی ہے اور نہ رطوبات کی زیادتی۔مگر وہاں پر جسمانی سختی پائی جاتی ہے۔

سوجن میں امتیاز

اصلی ورم کی سوجن تو وہی ہے جس میں خون کی زیادتی اور سختی پائی جائے یا خون کی زیادتی اور سختی کے ساتھ رطوبات اور نرمی پائی جائے۔ کبھی خون کی زیادتی اور سختی زیادہ ہوتی ہے اور رطوبات اور نرمی کم ہوتی ہے۔اسی طرح کبھی اس کے برعکس ہوتا ہے۔ دونوں کا کسی نہ کسی حد تک پایا جانا ضروری ہے اور یہ کبھی نہ ہوگا کہ رطوبات ونرمی تو پائی جائے لیکن خون اور سختی کا وہاں پر وجود ہی نہ ہو۔

دوسری صورت ایک قسم کا تہوج ہے۔اس کو رخوء کہتے ہیں۔ جیسے استسقاء وذات الجنب اور وجع المفاصل وغیرہ ہیں۔ یہاں پر مقام عدم پر رطوبات اکٹھی ہوتی ہیں۔

وہ اندر کے عضو کی تحلیل ہوتی ہے۔ جیسے استسقاء میں سوزش غدود وجگر میں ہوتی ہے اور تحلیل قلب وعضلات میں ہوتی ہے۔ یہی صورت ذات الجنب کی غشائے مخاطی (غدی جھلی) میں پائی جاتی ہے اور وجع المفاصل میں سوزش اعصاب میں ہوتی ہے اور تحلیل غدود میں ہو جاتی ہے۔اسی طرح جہاں بھی جسم میں تحلیل ہوگی اس طرح کی رطوبات اندر اس مقام پر اکٹھی ہو سکتی ہیں۔ایسے تمام اورام حقیقی اورام نہیں ہوتے،صرف سوجن ہوتے ہیں،اس لئے رخوع کہلاتے ہیں۔

تیسری قسم کی سوجن ایسے سخت اجسام کی ہے جن میں ظاہرہ نہ خون کی زیادتی ہوتی ہے اور نہ رطوبات کی زیادتی ہوتی ہے۔اس کی دو صورتیں ہیں۔اوّل جیسے عظم کبد وعظم طحال اور عظم قلب و گلے پڑنا وغیرہ۔ان تمام صورتوں میں اعضاء کی طرف سکون ہوتا ہے اور رطوبات کی زیادتی سے یہ اعضاء پھول جاتے ہیں۔ان کو ورم نہیں خیال کرنا چاہئے اور نہ ہی ورم کی طرح ان کا علاج کرنا چاہئے۔ کیونکہ اورام میں زیادہ سے زیادہ حرارت پیدا کی جاتی ہے۔مگر یہاں پر زیادہ سے زیادہ تحریک پیدا کر کے ان اعضاء کی رطوبات کو خشک کرنا پڑتا ہے۔تیسری قسم کی دوسری صورت رسولی کی ہے جو جسم میں کسی مقام پر مواد جسم تربیت پا کر بے ڈول جسم بن جاتا ہے یا کسی مقام کا مواد سختی قبول کر لیتا ہے،جن کی تفصیل ان کے باب میں بیان کی جائے گی۔

اصل سوجن اس وقت پیدا ہوتی ہے جب خون کی رطوبت ٹپک کر خانہ اور جسم میں بھر جاتی ہے۔ جوں جوں یہ رطوبت اور مائیت بڑھتی جاتی ہے،سوجن زیادہ ہوتی جاتی ہے۔جن مقامات پر خانہ دار جسم زیادہ ہوتا ہے،وہاں پر ورم بھی زیادہ ہوتا ہے۔

یاد رکھیں کہ جب ورم کی سرخی کم ہوتی جائے گی۔ ورم کا بڑھنا رک جاتا ہے اور سرخی ختم ہو جاتی ہے۔ ورم بالکل نرم ہو جاتا ہے۔اگر حرارت بھی کم ہو جائے تو وہی نرم سوجن جو صرف رطوبت اور مائیت ہوتی ہے پھر سخت ہونا شروع ہو جاتی ہے۔لیکن ایسے سخت ورم میں سرخی غائب ہوتی ہے۔

رطوبت طلیہ اور رطوبت دمویہ

حالت صحت میں طبعی طور پر تغذیہ وتنمیہ اور تصفیہ جسم کے لئے جو رطوبت جسم پر ترشح پاتی رہتی ہے اس کو رطوبت طلیہ کہتے ہیں۔طلیہ کے معنی شبنم کے ہیں۔گویا یہ جسم پر شبنم کی طرح ترشح پاتی ہے جس کو انسانی جسم جذب کر لیتا ہے اور اگر کچھ باقی بچ جاتی ہے یا غلیظ رطوبات جو جسم سے اس میں شامل ہو جاتی ہیں ان سب کو غدد جاذبہ جذب کر کے عروق جاذبہ کے ذریعے قلب میں شامل کر دیتے ہیں۔

صحت کی حالت میں رطوبت طلیہ طبعی طور پر اعتدال کے ساتھ ترشح پاتی ہیں۔لیکن جب اس کے ترشح میں اضافہ یا زیادتی پیدا ہو جائے تو اس کو رطوبت طلیہ کی بجائے رطوبت دمویہ کہا جاتا ہے۔یاد رہے کہ رطوبت طلیہ اور رطوبت دمویہ میں کوئی فرق نہیں۔ یہ فرق صرف ان کی کمی اور زیادتی کا ہے۔ جہاں تک ان کے اجزاء کا تعلق ہے اس میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔اس کو سمجھنے کے لئے نزلہ زکام کو مدنظر رکھیں۔یعنی نزلہ زکام میں جو

رطوبات جسم کے اندر یا باہر گرتی ہیں وہ کوئی نئی نہیں ہوتیں۔ بلکہ وہی رطوبات ہوتی ہیں جو صحت اور تندرستی کی حالت میں طبعی طور پر جسم کو تر و نرم اور گرم رکھتی ہیں۔ لیکن جب ان مقامات پر اندر و باہر کسی جگہ سوزش ہوتی ہے یا کوئی مہیج اثر کرتا ہے تو ان کی مقدار میں زیادتی ہوتی ہے بلکہ اسی نزلہ میں ہم نے ان تمام رطوبات کو بیان کیا ہے جو جسم انسان سے کسی راہ خارج ہو یا منی اور ودی کے اخراج میں زیادتی ہو۔ ان کی تفصیل ہماری کتب تحقیقات نزلہ و زکام اور تحقیقات فارماکوپیا میں دیکھیں۔

رطوبت دمویہ کی زیادتی مرض پر دلالت کرتی ہے۔ لیکن قدرت فطری طور پر کسی علامت کو بغیر مفید وجہ کے پیدا نہیں کرتی۔ ظاہرداری میں چونکہ یہ علامات غیر طبعی ہیں، اس لئے ان کو امراض کے ذیل میں داخل کر لیتے ہیں۔ ورم میں بھی یہی رطوبت دمویہ خون سے جدا ہو کر ترشح پاتی ہے اور جہاں اس کے اخراج کا کوئی ذریعہ نہیں ہوتا، وہاں سوجن کی صورت پیدا کر دیتی ہے۔

اس رطوبت دمویہ میں خون کے تمام خواص واثرات پائے جاتے ہیں۔ البتہ اپنے اعضاء کی مناسبت سے ان کی ماہیت میں ضرور فرق ہوتا ہے۔ مثلاً اعصاب میں تحریک ہو تو رطوبات رقیق ہوں گی۔ اس میں سردی غالب ہوگی جسم میں خون کا دباؤ بہت کم ہوگا اور رنگت میں سفیدی غالب ہوگی۔ گویا جسم میں شوریت (ہائیڈروجن) کا غلبہ ہوگا۔ جب غدی تحریک ہوگی تو رطوبت غلیظ اس میں حدت غالب، پیشاب میں جلن، جسم میں خون کا دباؤ دِل کی طرف بڑھا ہوا، رنگت میں زردی نمایاں ہوگی۔ گویا جسم میں کبریت (آکسیجن) کا غلبہ ہوگا۔ عضلاتی تحریک میں رطوبت زیادہ غلیظ، اکثر ناقابل اخراج، خشکی غالب، جسم میں خون کا دباؤ دماغ کی طرف بڑھا ہوا، رنگت میں سرخی نمایاں ہوگی۔ گویا جسم میں دخان (کاربن) کا غلبہ ہوگا۔ جب دو تحریکوں کو سامنے رکھیں گے تو افعال واثرات مشترک ہوں گے۔

رطوبت دمویہ کے افعال واثرات

جیسا کہ ہم لکھ چکے ہیں کہ قدرت جسم میں کسی علامت کو بغیر کسی مفید وجہ کے ہرگز پیدا نہیں کرتی۔ اگرچہ اس کی غیر طبعی صورت باعث تکلیف اور مرض کے تحت داخل ہو یہی صورت اس رطوبت دمویہ (ترشح) کی بھی ہے۔ اس کے فوائد درج ذیل ہیں: ① اپنے اعضاء کی مناسبت کی وجہ سے انہیں ترشح میں کھاری و ترشی اور نمکینی اثرات غالب ہوتے ہیں۔ ② فاد زہر ہوتا ہے۔ ③ اس میں ہر قسم کے حیواناتی و نباتاتی اور جماداتی زہر ختم یا خفیف ہو جاتے ہیں۔ ④ سوزش اور جلن کو کم کرتا ہے۔ ⑤ خون کے اجتماع کو کم کرتا ہے۔ ⑥ دورانِ خون کو اس طرف آنے سے روکتا ہے۔ ⑦ اس کے دباؤ کی وجہ سے اعضاء کے افعال میں سکون پیدا ہوتا ہے۔ اورام پر گرم پلٹس، ٹکور اور گرم مالش کا مقصد اس رطوبت کا بڑھانا ہے اور یہی اس کے مفید ہونے کی دلیل ہے۔ گویا رطوبت دمویہ کے ساتھ سوجن بھی فطرت کا ایک مفید عمل ہے۔

ورم سے افعال کی خرابی میں اہمیت

اورام میں پانچویں علامت فتور افعال اعضاء (لاس آف فنکشن-Loss Of Function) ہے جو اعضاء کی معمولی افراط وتفریط سے لے کر حرکت وسکون یا اس کی کسی خفیف علامت جلن وخارش اور لذت کی زیادتی سے ہوتا ہے اور سستی کا اعضاء کی حرکت میں بوجوہ مشکل سے حرکت کا ہونا یا بالکل ہی حرکت کا رُک جانا ہوتا ہے۔

فتور افعال اعضاء میں غلط فہمی

جب کسی عضو کے افعال میں افراط وتفریط اور تیزی و کمی پیدا ہوتی ہے تو اس کے متعلق کبھی بھی اس عضو کی سوزش ورم کی طرف توجہ نہیں دیتی بلکہ یونہی اس عضو کی خرابی ایک بے معنی تکلیف سمجھ لی جاتی ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ کسی عضو کے افعال میں ہر افراط تفریط سے اورام و سوزش کا ایک گہرا تعلق ہے۔ اگر وہاں پر درد یا اس کی خفیف علامت سے عضو کے افعال میں فتور ہے تو درد بھی سوزش اور ورم کی علامت ہے۔ بلکہ

ان کے بغیر درد پیدا ہی نہیں ہوتا۔ اگر وہاں پر سوجن کی وجہ سے افعال اعضاء میں فتور ہے تو یہ علامت بھی ورم کی ہے۔ گویا اس حقیقت کو مدنظر رکھیں کہ جسم کے کسی عضو کے افعال میں اگر کسی قسم کا فتور تھوڑا یا بہت واقع ہو تو فوراً اس عضو کے ورم یا سوزش کو ضرور سامنے رکھیں۔ اسی طرح کبھی کسی ایک عضو کی سوزش اور ورم کا اثر کسی دوسرے عضو کے افعال میں فتور پیدا کر دیتا ہے، اس لئے جسم میں خرابی اعضاء کے ساتھ دیگر اعضاء کو بھی بغور سمجھنا ضروری ہے۔

فتور افعال اعضاء کی صورتیں

اعضاء کے افعال میں فتور کی تین صورتیں پیدا ہوتی ہیں۔ اوّل اعضاء کے افعال میں تیزی پیدا ہو جائے جس میں درد اور خون کے دباؤ سے اس کا اظہار ہوگا۔ دوسرے اعضاء کے افعال میں سستی پیدا ہو جائے جو تخدیر (سن ہو جانے) تک پہنچ جاتی ہے۔ یہ صورت تسکین یا رطوبات کی زیادتی سے پیدا ہو جاتی ہے۔ تیسرے اعضاء کے افعال میں ضعف یا دُبلا پن باد یہ سابقہ اور مشینی یا کیمیاوی یا کچھ اور کیوں نہ ہو، لیکن تینوں صورتوں کے علاوہ چوتھی صورت کبھی نہیں ہو سکتی۔ ان کو سمجھ لینے سے فتور افعال اعضاء کو پورے طور پر سمجھا جا سکتا ہے۔ پھر سستی تسکین سے لے کر فالج و تخدیر تک اور بے چینی حرکت اعضاء سے جنون تک کو آسانی سے سمجھا جا سکتا ہے اور پھر ہر قسم کی خرابی خون اور ضعف کا آسانی کے ساتھ علاج کیا جا سکتا ہے۔

فرنگی طب کے علاج میں ایک بڑی خرابی

جسم کے کسی عضو کے افعال میں اگر فتور پیدا ہو جائے تو فرنگی معالج اوّل تو اس کو ضعف یا امیونٹی کی کمی یا مواد کی زیادتی یا خون کے کیمیاوی عناصر کی کمی یا وہاں جراثیم کا سراغ لگاتے ہیں۔ لیکن ان میں سے کوئی چیز ہاتھ نہ لگے تو اپنی بے بسی اور کمزوری پر رو کر بیٹھے رہتے ہیں۔ جیسے جوڑوں کے دردوں اور فالج میں ان کو کچھ نظر نہیں آتا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ایسے علاج میں بے حد ناکام ہیں۔

علاج کی جلد بازی میں فرنگی طب کے ظلم

امراض کا فوری علاج کرنا فرنگی طب نے اپنی فوقیت بنا رکھی ہے ہیں اور ہر مرض علامت کے دور کرنے میں جلد بازی اختیار کر رکھی ہے۔ اور ان کی اس خوبی کا عوام پر گہرا اثر پڑا ہے۔ مثلاً دردِ سر میں سارِیڈان اور اسپرو کا استعمال دیگر اقسام کے دردوں میں مارفیا و افیون اور بھنگ، دھتورہ اور دیگر منشی ادویہ کے استعمال کو فوقیت دی جاتی ہے۔ اسی طرح محرقہ و خسرہ اور پیچش وغیرہ کے فوری علاج میں تیز ادویات کا استعمال کرنا بے حد ظلم ہے۔ کیونکہ ایسی ادویات سے رطوبات کے ترشح میں فوری طور پر ایسی تیزی ہو جاتی ہے کہ ان کی زیادتی سے جسم کے کسی عضو یا سارے جسم میں تخدیر فالج اور اکثر موت واقع ہو جاتی ہے۔ اسی طرح دورانِ خون کی کسی ایک عضو کی طرف تیزی اور شدت وہاں پر تحلیل اور ضعف پیدا کر دیتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فرنگی طب کے اس ظلم کی وجہ سے اکثر ایسے مریض دیکھنے پڑتے ہیں جن کی دماغی اور قلبی حالت خراب ہو گئی ہے اور دورے پڑتے ہیں۔ آنکھوں میں بھینگا پن یا اندھا پن پیدا ہو گیا ہے یا کوئی بازو اور ٹانگ وغیرہ ماری گئی ہے یا ٹمپریچر اور درجہ حرارت ایسا گر گیا ہے کہ وہ پورا ہی نہیں ہوتا اور جسم روز بروز کمزور ہوتا جاتا ہے۔

فرنگی طب کی جلدی بازی کے یہ چند نمونے ہیں جو انسانوں پر غیر معمولی ظلم ہے۔ مرض کیا، درد کیا، مریض کی زندگی تباہ کر کے رکھ دی۔ یہی وجہ ہے کہ اطباء ہر مرض کے علاج میں اوّل نضج کو مدنظر رکھتے ہیں تاکہ پہلے مواد پختہ ہو جائے اور خود نکلنے کی کوشش کرے۔ اس لئے ہم نے ہر عضو کو تحریک دینے کی تاکید کی ہے۔ تاکہ عضو میں تربیت و تقویت پیدا ہو جائے اور جسم میں کیمیاوی اعضاء بھی پورے ہو جائیں اور ان میں امراض و علامات کو خارج کرنے کی اہلیت پیدا ہونا بے حد ضروری ہے۔

علاج میں ورم کا مقام

علاج میں یہ امر ذہن نشین کر لیں کہ سوزش اور ورم کا ایک خاص مقام اور اہمیت ہے جو مقام اور اہمیت ان کو حاصل ہے وہ کسی علامت کو امراض اور علاج سے حاصل نہیں ہے، بلکہ یوں سمجھنا چاہئے کہ تقریباً جسم انسان کی تمام علامات انہی دونوں علامات سے پیدا ہوتی ہیں۔ مثلاً درد، بخار، سرخی، ضعف اور اعضاء کے افعال میں کمی بیشی اور ان کے ماتحت علامات سب انہی سے پیدا ہوتی ہیں۔ جو معالج سوزش اور ورم کو پورے طور پر ذہن نشین کر لے گا وہ تمام امراض اور ان کی علامات پر پوری طرح قابو پالے گا۔ آج تک سوزش اور ورم کو پورے طور پر سمجھنے کی کوشش کبھی نہیں کی گئی ہے اور نہ ہی ان کو دیگر ہر مرض اور علامت میں مدنظر رکھا گیا ہے۔

فتور افعال کی حقیقت

قدرت کا کوئی کام مصلحت سے خالی نہیں ہوتا۔ لیکن انسان اندازے کے مطابق نہیں پاتا تو پریشان اور بے چین ہو جاتا ہے اور اکثر اپنی تکلیف کی شدت میں تڑپتا ہے اور روتا ہے۔ مگر خداوند کریم کی رحمت وقدرت اور ربوبیت ہمیشہ اس پر اپنی نوازشات ہی کرتی رہی ہے۔ مثلاً کام کی زیادتی سے جب تھکن ہو جاتی ہے تو انسانی اعضاء میں حرکت مشکل ہو جاتی ہے۔ حرکت میں تکلیف ہونا اس امر کی دلیل ہے کہ اس کو آرام کی ضرورت ہے۔ گویا وہ حرکت میں تکلیف رحمت خداوندی ہے۔

اسی طرح جب زیادہ لیٹنے سے تھکن اور بے چینی پیدا ہو جاتی ہے تو دل لیٹنے میں پریشانی اور گھبراہٹ محسوس کرتا ہے اور چلنے پھرنے اور اٹھنے بیٹھنے کی قوت معلوم ہوتی ہے۔ اسی طرح زیادہ کھانے سے سستی و تھکن اور قرار نہیں آتا اور بھوک ختم ہو جاتی ہے، اور آرام کو دل چاہتا ہے۔ اس میں خیریت پائی جاتی ہے۔ اسی طرح دیگر مفرد اور مرکب اعضاء کے افعال کی افراط وتفریط اور ضعف پر غور کیا جا سکتا ہے۔

ورم میں مدہ کی اہمیت

اورام میں جن پانچ علامات ورم کی اہمیت پر تفصیلی بحث کی گئی ہے، یہ اورام کی تشخیص میں زبردست اہمیت رکھتی ہے۔ اورام میں ایک شے اور بھی شامل ہے۔ اگرچہ اس کا علامات اورام سے تعلق نہیں ہے، تاہم اس کی اہمیت مسلمہ ہے۔ کیونکہ ورم کی ابتداء سے انتہاء تک اس کا ورم کے ساتھ تعلق رہتا ہے۔ اس کو پیپ کہتے ہیں۔ اس کو مدہ اور قیح (پس-Puss) بھی کہتے ہیں۔

پیپ کی تعریف

یہ ایک گاڑھی لیسدار رطوبت ہے جس کا بالائی حصہ کچھ رقیق اور نیچے کا حصہ کثیف ہوتا ہے۔ کبھی تمام کی تمام کثیف بلکہ بعض اوقات منجمد ہوتی ہے۔ رنگ سفید زردی مائل کبھی سرخی مائل اور کبھی نیلگوں بھی ہوتا ہے۔ اس کا رقیق حصہ اکثر رطوبت صدیدی (رطوبت زخم) ہوتی ہے۔ اپنے مقام کے لحاظ سے اس کی رنگت اور قوام میں تبدیلی ہوتی ہے۔ یعنی **اگر سوزش اعصاب میں ہوگی تو رنگت میں سفیدی اور نیلاہٹ غالب ہوگی اور اگر عضلات میں سوزش ہوگی تو رنگت سرخی مائل اور اکثر گاڑھی یا منجمد شدہ ہوگی۔ اسی طرح اگر سوزش غدد میں ہوگی تو رنگت گاڑھی اور زرد اور قوام نیم جامد ہوگا اور جلد تیار ہو جاتی ہے۔**

مدہ کی حقیقت

مدہ یا پیپ دراصل مترشح رطوبت ہے۔ جو رطوب طلیہ کی صورت میں وہاں پر گر کر اکٹھی ہو جاتی ہے اور جب وہ وہاں پر کافی عرصہ ٹھہرنے کے بعد حرارت اس پر عمل کرتی ہے تو اس میں خمیر پیدا ہو جاتا ہے اور خمیر پیدا ہونا قدرت کا فطری عمل ہے تاکہ اس میں تیزی پیدا ہو کر وہ ورم کے جسم کو کھانا شروع کر دے۔ جس سے مدہ کے اخراج کا راستہ پیدا ہو جائے اور باہر اخراج پائے۔ ایک طرف تو یہ قدرتی علاج ہے، دوسری

طرف اس سے جسم گرم رہتا ہے۔تیسرے قدرت اس میں جراثیم پیدا کردیتی ہے جو اس خمیر کو ختم کرنا شروع کردیتے ہیں۔ مدہ میں رقیق رطوبت تو سائل صدیدی ہوتا ہے اور کثیف وغلیظ یا منجمد شدہ مادے وہاں کے نسیج اور جراثیم جو مردہ ہو چکے ہوتے ہیں۔اور وہ متعدد زہریلے اجزاء جو وہاں پر اکٹھے ہوگئے ہوتے ہیں۔سب پیپ کی صورت اختیار کرلیتے ہیں۔اس طرح سوزش اور ورم کا ہر قسم کا مواد پیپ میں تبدیل ہوتا رہتا ہے۔

مدہ کے فوائد

باوجودیکہ پیپ ایک لیسدار گاڑھا اور بدبودار مواد ہے لیکن قدرت کا ایک ایسا کیمیاوی مواد ہے جس سے وہ سوزش اور ورم کا علاج کرتی ہے۔① اس سے سوزش کم ہونا شروع ہوجاتی ہے۔② ورم میں نرمی اور اس میں شگاف پیدا ہونا شروع ہوجاتا ہے۔③ ہر قسم کے جراثیم مرجاتے ہیں اور زہریلے اجزاء ختم ہوجاتے ہیں۔④ جب پیپ بن جاتی ہے تو بخار اتر جاتا ہے یا کم ہوجاتا ہے۔⑤ پیپ کے بن جانے پر ورم کا زہر جسم میں پھیل جانے سے رُک جاتا ہے اور پیپ پیدا نہ ہو تو ورم سے جلد موت واقع ہوجاتی ہے۔

مدہ کے نقصانات

قدرت کا ایک قانون ہے کہ جب کوئی عضو اپنے افعال اعتدال پر انجام نہ دے یا کوئی مواد مقررہ وقت سے زیادہ عرصہ تک کسی مقام پر ٹھہرے یا مواد کی پیدائش میں کمی بیشی واقع ہو تو یہ غیر فطری صورتیں نقصان کا باعث ہوتی ہیں۔یہی صورتیں پیپ کے غیر فطری قوام اور قیام کو عمل میں لاتی ہیں جس سے بعض اوقات نقصان واقع ہوجاتے ہیں: ① پیپ زیادہ مدت تک رہے تو جسم کے اندر گرداگرد اس کو کھا کر اس میں غار پیدا ہوجاتے ہیں۔② اس کے منجمد ہوجانے پر اس کا عمل رُک جاتا ہے اور وہاں پر غیر فطری افعال عمل میں آتے ہیں۔③ اس مقام پر بوجھ پیدا ہو جاتا ہے۔④ وہاں زیادہ قیام سے اس میں پھر جراثیم پیدا ہونا شروع ہوجاتے ہیں۔⑤ اگر پیپ دورانِ خون میں شریک ہوجائے تو اس کے زہر کا بخار بن جاتا ہے۔⑥ پیپ کے زیادہ دیر قیام سے یا اس کی شدت سے وہاں کے اعضاء مردار ہوجاتے ہیں۔⑦ پیپ کی پیدائش کے ساتھ ہی خون کی پیدائش کم ہوجاتی ہے۔

مدہ کی علامات:

جب پیپ پیدا ہوتی ہے تو ذیل کی علامات پیدا ہوجاتی ہیں: ① درد اور جلن جو ورم میں ہوتا ہے، کم ہونا شروع ہوجاتا ہے۔② بخار کم ہوجاتا ہے یا اُتر جاتا ہے۔③ عام طور پر پسینہ آتا ہے۔④ بھوک بند ہوجاتی ہے۔⑤ ضعف کی علامات شروع ہوجاتی ہیں۔⑥ اگر اعضائے رئیسہ کے قریب ہو تو فوراً جسم میں زہریلے اثرات پیدا ہونا شروع ہوجاتے ہیں۔

مدہ کے اظہار کی صورتیں

جاننا چاہئے کہ سوزش اور ورم کسی نہ کسی ایک نسیجی ساخت میں ہوگا۔تمام میں بیک وقت نہیں ہوسکتا۔جیسا کہ ہمارا نظریہ مفرد اعضاء بتاتا ہے۔البتہ ایک نسیجی ساخت میں منتقل ہوگا تو اوّل نسیجی ساخت کو چھوڑ دے گا جس کا ثبوت ہمیں خون کے کیمیاوی اثرات سے ملتا ہے۔یعنی جس نسیج میں تحریک ہوگی اس کا اثر زیادہ خون میں ہوگا اور جس طرف اس کا رجوع ہوگا اس کا اثر خون میں نمودار اور ظاہر ہونا شروع ہوگا یعنی وہ کم ہوگا جیسے جیسے بڑھتا جائے گا خون میں زہر ہوتا جائے گا یعنی اگر اعصابی نسیج میں تحریک ہے اور وہ عضلاتی نسیج کی طرف بڑھ رہی ہے خون میں رطوبات زیادہ ہوں گی۔جسم سے رطوبات کا اخراج بڑھ جائے گا۔خون میں کھاری پن (الکلی) کے اثرات زیادہ ہوں گے۔ہائیڈروجنی اثر غالب ہوگا۔پیشاب میں سفیدی یا نیلاہٹ ہوگی۔یہ سب اعصابی نسیج کی تحریک کی علامات ہیں۔عضلاتی نسیج کی تحریک کا اثر اس طرح ظاہر ہوگا کہ خون میں سرخی، گاڑھا پن اور ترشی جو پہلے کم تھی بڑھنی شروع ہوگی۔کاربن اور ریاح کے اثرات زیادہ ہونے شروع ہوجائیں گے۔پیشاب میں سرخی بڑھنی شروع ہو

جائے گی۔کاربن اور ریاح کے اثرات زیادہ ہونا شروع ہو جائیں گے۔ پیشاب میں سرخی بڑھنی شروع ہو جائے گی۔ یہ اعصابی عضلاتی تحریک ہے۔اسی طرح باقی پانچ کو اچھی طرح سمجھ لیں۔

یہی صورت سوزش اور ورم کی بھی ہے۔کسی ایک ہی تحریک سے شروع ہو گی جس کا کیمیاوی طور پر خون میں اثر ہوگا اور اسی کی صورت میں پیپ کا اظہار ہوگا۔مثلاً **اگر پیپ عضلاتی نسیج میں ہوگا تو اس کی شکل خون (پھوڑے) کی ہوگی۔اور اگر پیپ نہ پڑے جس کی وجہ حرارت کی کمی ہو تو وہ ایک قسم کی داد کی شکل ہو جائے گی اور اگر پیپ کسی غشائے مخاطی سے تعلق رکھتی ہے تو یہ تعلق غدی ہے اس لئے یہ قرحہ کہلائے گی۔اسی طرح اگر یہ پیپ غدد کے اندر ہوگی تو ناسور کہلائے گی۔اگر اعصابی نسیج میں پیدا ہو جائے تو اس کی شدت اور سمیت سے معمولی دانے پیدا ہو جاتے ہیں، جن میں سفیدی پانی یا گاہے گاہے لیسدار مادہ ہوتا ہے۔لیکن اگر اعصابی نسیج میں شدت یا سمیت کی زیادتی ہو تو ساختوں کی تحلیل ہو کر پیپ پیدا ہونے کی مہلت ہی نہیں ملتی اور فوراً سارے نسیجی نظام میں شدت اور زہر پھیل جاتا ہے۔دوسرے نسیجی نظام تک اثر پہنچ کر ساختیں مردہ ہو جاتی ہیں اور بعض اوقات فوراً موت واقع ہو جاتی ہے۔**

کینسر اور فرنگی طب کی لاعلمی

کینسر (سرطان) کے متعلق فرنگی طب نے آج تک بہت تحقیق کی ہے مگر وہ اس کی حقیقت سے آگاہ نہیں ہے۔اور اس وقت تک آگاہ نہیں ہو سکتی جب تک وہ ہر نسیجی اثرات وتحریک اور سوزش کا الگ الگ مطالعہ نہ کرے۔کیونکہ اس سے زیادہ کچھ نہیں ہے کہ ہر نسیجی ساخت کی خرابی کا الگ الگ اظہار ہے جو اس میں سوزش کے مزمن یعنی حرارت کی کمی سے پیدا ہو جاتا ہے۔اس لئے ان کی شکل کینسر (سرطان) سے ملتی ہے۔یعنی اسی واحد ساخت کی نسیجی ساختیں ہوتی ہیں جو ایک دوسری ساختوں میں بنی اور گوندھی ہوتی ہیں اور جب ان میں پیپ پیدا ہو جائے تو وہاں کی سوزش ختم ہو جائے گی۔بس یہی وہاں کے کینسر (سرطان) کا علاج ہے۔ہم فرنگی طب کو چیلنج کرتے ہیں کہ وہ کینسر (سرطان) کے متعلق ہم سے بات کرے، کیونکہ صرف نظریہ مفرد اعضاء ہی یہ مسئلہ حل کر سکتا ہے۔

اورام اور جراثیم

اورام میں جراثیم کا اندازہ صرف اس امر سے لگا لیں کہ فرنگی طب اور ماڈرن سائنس میں اورام کا تصور بغیر جراثیم کے نہیں پایا جاتا۔یہ تصور بالواسطہ ہو یا بلاواسطہ، ہر حال میں جراثیم کے بغیر وہ کبھی بھی اورام کا تصور نہیں کر سکی یعنی ضربہ وسقطہ اور ہر ماحول سے بالواسطہ اورام میں جراثیم پیدا ہو جائیں یا جراثیم سے بلاواسطہ اورام پیدا ہو جائیں۔بہر حال اس کے نزدیک دو چیزیں لازم وملزوم ہیں بلکہ یوں سمجھ لیں کہ جراثیم کے بغیر ورم کو ورم ہی نہیں سمجھا جاتا۔ان کے بغیر اورام کا علاج ہی ناممکن سمجھا جاتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ علم جراثیم اور فرنگی طب اور ماڈرن سائنس میں ایک جداگانہ مستقل فن بن گیا ہے بلکہ اس کی اس قدر شاخیں بن گئی ہیں کہ ان سے کسی ایک پر مکمل عبور حاصل کرنے کے لئے ایک پوری انسانی زندگی درکار ہے لیکن ہم کوشش کریں گے کہ علم جراثیم کو اس انداز اور اختصار سے بیان کریں کہ مکمل طور پر اس کی حقیقت واہمیت سامنے آ جائے اور حسن وقبح سے استفادہ حاصل کیا جا سکے۔

جہاں تک اورام میں جراثیم کا تعلق ہے ان کے پائے جانے اور ان کے اعمال کا کچھ نہ کچھ تو پتہ چلتا ہے اور اسی طرح ان امراض میں بھی ان کا سراغ ملتا ہے جو اورام سے پیدا ہوتی ہیں۔لیکن فرنگی طب اور ماڈرن سائنس نے ان کو ہر مرض میں تلاش کرنا شروع کر دیا ہے اور اس امید میں گرفتار اور سرگرداں ہیں کہ جلد ہی ان کے جراثیم مل جائیں گے۔ان کی دیکھا دیکھی جدید طبیب اور فرنگی حکیم و ماڈرن دید و ہومیو پیتھ جن کے طریق علاج کی بنیاد بالکل جدا قوانین اور اصولوں پر ہے۔انہوں نے بھی جراثیم تھیوری کو بے معنی طریق پر اپنا لیا ہے۔جس کے ساتھ ہی اپنے طریق

علاج کو برباد وفنا کر دیا ہے۔

نظریہ مفرد اعضاء اور جراثیم

نظریہ مفرد اعضاء کے تحت کسی حصہ جسم میں اس وقت تک کوئی مرض پیدا نہیں ہوتا۔ جب تک کسی حصہ جسم یا عضو میں کم وبیش تحریک پیدا نہ ہو اور یہی تحریک پھر دوران خون کو اس عضو یا حصہ جسم کی طرف تیز کر دیتی ہے اور جب تحریک زیادہ تیزی اختیار کر لیتی ہے تو اس کو ہم سوزش کہتے ہیں اور یہی سوزش ہی بڑھ کر ورم بن جاتا ہے اور پھر باقی علامات بھی ظہور میں آ جاتی ہیں۔ جن کا ذکر اورام کے سلسلہ میں بیان کیا گیا ہے۔ اس طرح امراض وعلامات کی پیدائش ہوتی ہے۔

ابتدائی سوزش قاتل جراثیم ہے

جاننا چاہئے کہ جس مقام پر تحریک یا ابتدائی سوزش پیدا ہوتی ہے اس مقام پر ہر قسم کی رطوبات کا فقدان ہوتا ہے، وہاں پر اگر رطوبات تسلیم کی جائیں تو اس جگہ پر صحیح معنوں میں تحریک تسلیم نہیں کیا جاسکتی۔ اس تحریک سے وہاں پر ریاح (گیسز) تو تسلیم کی جاسکتی ہیں جن میں کاربانک ایسڈ کا اثر کم وبیش ضرور ہوتا ہے اور خشکی کا غلبہ ہوتا ہے اس ریاح کے ساتھ طبیعت وہاں پر حرارت پیدا کرنے کی کوشش کر رہی ہوتی ہے۔

اس حقیقت سے ثابت ہوا کہ جب کسی مقام پر تحریک اور ابتدائی سوزش ہوگی وہاں پر خشکی اور حرارت کا غلبہ ہوگا۔ پھر یہ امر مسلمہ ہے کہ گرمی خشکی قاتل جراثیم ہے، اگر طب قدیم کی رو سے بھی غور کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ گرم خشک مزاج صفراء کا ہے جو قاتل جراثیم ہے۔ اس لئے جہاں پر تحریک یا ابتدائی سوزش ہوگی، وہاں جراثیم نہیں ہوں گے۔ اگر کوئی اس حقیقت کو غلط ثابت کر دے تو ہم چیلنج کرتے ہیں۔

جراثیم کی پیدائش

اس حقیقت کو کبھی بھی نظر انداز نہ کریں کہ کسی قسم کا جرثومہ کسی خشکی گرمی کے مقام پر زندہ رہ سکتا ہے۔ جب بھی اور جہاں بھی جراثیم پائے جائیں گے چاہے وہ بالواسطہ پائے جائیں یا بلاواسطہ۔ بالواسطہ صورت یہ ہوتی ہے کہ کسی قسم کے جراثیم کسی طرح اس مقام پر پہنچ جائیں جہاں پر رطوبات یا نمی پائی جائے اور وہاں پر اپنی نشوونما بڑھا دیں اور بلاواسطہ صورت یہ ہوتی ہے کہ کسی مقام پر رطوبات یا نمی رُک کر قانون قدرت کے مطابق متعفن ہوگئی ہے اور وہاں پر جراثیم کی پیدائش اور نشوونما ہوگئی۔ بس انہی دو صورتوں کے علاوہ جراثیم پیدا ہونے کی کوئی صورت نہیں ہے اور یہ دونوں صورتیں بھی اسی وقت عمل میں آتی ہیں جب رطوبت اور نمی ہوتی ہے۔

ورم میں جراثیم کی آمد

جاننا چاہئے کہ ابتدائی سوزش کے بعد جب دورانِ خون کی وہاں تیزی ہو جاتی ہے تو طبیعت مدبرہ بدن اس عضو کی قوت مدافعت کے تحت وہاں پر زیادہ رطوبات گراتی ہے۔ جیسے کہ تندرستی کی حالت میں وہ اعتدال کے ساتھ گرا رہی ہوتی ہے، تاکہ اس مقام کی سوزش اور بے چینی و خشکی کو ختم کر دے اور معمولی سوزش میں وہ اکثر کامیاب ہو جاتی ہے، لیکن جب سوزش زیادہ ہوتی ہے تو رطوبت مسلسل گرتی رہتی ہے اور اس قدر زیادہ ہو جاتی ہے کہ غدد جاذبہ اس کو وہاں سے جلد از جلد ختم نہیں کر سکتے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہاں پر بالواسطہ یا بلاواسطہ جراثیم پیدا ہو جاتے ہیں اور پھر وہاں پر ان کی نشوونما شروع ہو جاتی ہے۔

تعفن قاتل جراثیم

قانون قدرت ہے کہ جس مقام پر کوئی رطوبت یا نمی اپنے مقررہ وقت سے زیادہ عرصہ تک قیام کرے تو فطرتاً اس میں حرارت اثر کرنے لگتی ہے اور وہاں پر خمیر ہونا شروع ہو جاتا ہے جس کا نتیجہ جراثیم ہوتے ہیں یا باہر سے اگر جراثیم اس پر اثر انداز ہو کر وہاں پر خمیر پیدا کر دیتے ہیں اور پھر جراثیم کی نشوونما شروع ہو جاتی ہے۔ ان جراثیم کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہاں پر رطوبت یا نمی خصوصاً اس رطوبت اور نمی کے مواد ختم ہو جاتے یا مر جاتے ہیں۔

ترشی قاتل جراثیم ہے

ہر خمیر ترشی سے پیدا ہوتا ہے۔ ایک طرف تو خمیر تعفن اور جراثیم کے بعد اول مادہ متعفنہ اور جراثیم کو ختم کر دیتا ہے۔ اگر رطوبات زیادہ ہوں تو ان کو پھر تیزابیت میں تبدیل کر دیتا ہے۔ یہ تیزابیت ہر قسم کے جراثیم کو ختم کر دیتی ہے جیسے سرکہ میں جراثیم پیدا نہیں ہو سکتے۔ بلکہ شراب میں بھی جراثیم نہیں ہوتے اور دونوں جراثیم سے تیار ہوتے ہیں۔ ان تیزابات میں ہر قسم کے جراثیم فنا ہو جاتے ہیں۔ گویا اگر قدرت کسی جگہ جراثیم پیدا کرتی ہے تو اپنے فطری اصولوں پر ان کو فنا بھی کر دیتی ہے۔ ہمیں انہی فطری اصولوں کو جاننا چاہئے جو جراثیم کو فنا اور برباد کر دیتے ہیں یہ فطری اصول وہی ہیں جو اعضاء کے افعال کو تیز کر کے وہاں پر اس کی قدرتی امیونٹی کو تیز کرتا ہے۔ یہ وہی طریق کار ہے جس سے طبیعت مدبرہ بدن خود جراثیم کو ہلاک کر دیتی ہے۔

تاکید

اگر ہم کسی خمیر کو ادویات سے فنا کریں تو وہ صرف وقتی بات ہوگی، جب تک وہاں رطوبتی مادہ پڑا ہے، وہاں پر پھر خمیر پیدا ہو کر جراثیم کی پیدائش اور نشوونما شروع ہو جائے گی، اس لئے دافع تعفن ادویات کا استعمال نہ صرف غیر مفید ہے بلکہ بعض اوقات نقصان رساں ہو جاتا ہے۔ کیونکہ دافع تعفن ادویات سے جہاں پر جراثیم مرجاتے ہیں وہاں مفید جراثیم اور انسجہ بھی کمزور ہو جاتے ہیں یا مرجاتے ہیں پھر دوبارہ ان میں طاقت نہیں ہوتی کہ مرض کا مقابلہ کریں۔ اس لئے دافع تعفن کی بجائے وہاں قدرتی طور پر قانون فطرت کے عمل کو پورا کرنا چاہئے جو اعضاء اور قوت مدافعت کے عمل سے پورا ہوتا ہے۔ یعنی اعضاء کے افعال کو تیز کر کے وہاں کی رطوبات اور نمی کو ختم کر دینا چاہئے۔ جس سے قوت مدافعت (امیونٹی) بڑھ جائے گی۔ اس طرح ایک طرف تمام جراثیم فنا ہو جائیں گے اور دوسری طرف انسجہ میں قوت پیدا ہو جائے گی۔ اور مرض نہ صرف آسانی سے ختم ہو جائے گا، بلکہ جڑ سے چلا جائے گا اور طاقت بھی قائم ہو جائے گی۔ فرنگی طب نظریہ جراثیم کو اپنا کمال خیال کرتی ہے جو ہم نے ختم کر دیا ہے اور اس کا جادو توڑ دیا ہے۔ تفصیل آئندہ ملاحظہ کریں۔

جراثیم کی ماہیت

جراثیم کی تعریف اس طرح کی جاتی ہے کہ وہ نہایت باریک اور چھوٹی حیوانات ہیں جو صرف ایک حیوانی ذرہ سے بنے ہوتے ہیں۔ جیسے ایسا بنا ہوتا ہے۔ جراثیم کی ساخت نہایت بسیط اور سادہ ہوتی ہے۔ وہ ایک نہایت نازک اور باریک دِل ہوتا ہے جس کے اندر مادہ حیات پایا جاتا ہے۔ مادہ حیات کے اندر ایک دو بلبلے اور کچھ دانے ہوتے ہیں۔ دیوار کے باہر لیسدار مادہ کا غلاف ہوتا ہے۔ جراثیم کے اوپر مخملی روئیں ہوتے ہیں جن کو ''اہداب'' کہتے ہیں جو دراصل مادہ حیات کے باہر کی طرف لمبے لمبے بڑھاؤ ہیں۔ جیسے انسان کے جسم پر بال ہوتے ہیں جن میں ذاتی احساس اور حرکت ہوتی ہے اور یہ اہداب تین سے چھ تک ہوتے ہیں جن جراثیم پر یہ نہیں ہوتے ان میں حرکت نہیں پائی جاتی۔ ذاتی حرکت سے مراد

وہ حرکت ہے جو بلا ارادہ یا بارادہ ظاہر ہو۔ جس سے جسم ایک مقام سے دوسرے مقام تک حرکت کر سکے یا وہ جسم کے کسی حصہ کو ہلا سکے جن پر یہ مخملی روئیں نہیں ہوتیں ان میں ذاتی حرکت نہیں پائی جاتی۔ البتہ وہ دیگر مادوں سے حرکت میں رہتے ہیں۔

جراثیم کی افزائش نسل

جراثیم میں افزائش نسل کے طریقے نہایت سادہ اور بسیط ہے کیونکہ ان میں آلات تولید و تناسل کی کوئی علامت نہیں ہوتی۔ چنانچہ ان میں افزائش نسل معمولی اقسام یعنی خود بخود تقسیم در تقسیم سے ہوتی ہے۔ یہ بعض قسموں میں اندرون خلیہ تخم اور بیج کے بننے سے بڑھتی ہے جس کو تکوین بزر کہتے ہیں۔ اوّل قسم بسیط۔ اس کی دو صورتیں ہیں:

① خانہ یا جھلی بڑھ جاتی ہے اور پھر وہ دو خانوں میں تقسیم ہو جاتی ہے۔ پھر دونوں خانے بڑھ کر پختہ جراثیم بن جاتے ہیں، پھر جدا ہو جاتے ہیں۔

② ایک خانہ یا جھلی میں کئی بڑھاؤ ہو جاتے ہیں۔ پھر وہ مستقل جراثیم بن جاتے ہیں اس طرح چند گھنٹوں کے اندر بے شمار جراثیم بن جاتے ہیں۔

دوسرا طریقہ خلیہ کے اندر تخموں کا پیدا ہو کر بڑھنا اور جراثیم کا بننا ہے۔ اس کو تکوین بزر کہتے ہیں۔ یہ پہلے طریقہ کی نسبت کسی قدر پیچیدہ ہے اور اس طرح ان جراثیم کی پیدائش ہوتی ہے جو ڈنڈا نما ہوتے ہیں جن کو ''عصٰی'' کہتے ہیں۔ جراثیم کے تخم گول یا بیضوی شکل کے ہوتے ہیں اور خانہ جرثومہ کی دیوار کے اندر اس طرح پیدا ہوتے ہیں کہ ایک جرثومہ کا مادہ حیات اپنے غلاف کے اندر ایک یا زیادہ حصوں میں سکڑ جاتا ہے اور پھر ہر ایک حصہ ایک علیحدہ غلاف میں ملفوف ہو کر ایک مستقل جرثومہ بن جاتا ہے۔

اقسام جراثیم

تقسیم کے لحاظ سے جراثیم کی بنیاد اگرچہ ان کی شکل و صورت اور پیدائش امراض پر رکھی گئی ہے۔ لیکن ان کے وہ خواص بھی شامل کر لئے جاتے ہیں جو ان کے افعال اور کاشت سے تعلق رکھتے ہیں۔ یعنی بعض اقسام تو محض بوجہ خصوصیات شکل کے دوسرے اقسام سے ممتاز ہوتے ہیں۔ مگر بعض اقسام اگرچہ شکل میں ایک دوسرے سے ملتے ہیں مگر اپنے خصائص و افعال جدا رکھتے ہیں۔ اسی طرح بعض اقسام اپنے طریق کاشت کے لحاظ سے دوسروں سے الگ ہیں۔ اس وجہ سے شکل کے علاوہ تقسیم کے وقت ان دونوں باتوں کا لحاظ کیا جاتا ہے۔ اس لئے ان کی تین اقسام کی جاتی ہیں: (۱) عصٰی - ڈنڈا نما (۲) کرویہ - گیند نما (۳) حلزونیہ - پیچدار، گھونگھا کی شکل کے ہوتے ہیں۔ تفصیل درج ذیل ہے۔

جراثیم عصٰی

ان جراثیم کی شکلیں ڈنڈوں کی مانند ہوتی ہیں۔ انگریزی میں ان کو بیسی لائی کہتے ہیں جس کا واحد ہے۔ یہ عام طور پر سیدھے ہوتے ہیں لیکن گاہے گاہے کسی قدر خمیدہ بھی ہوتے ہیں۔ عصٰی قسم کے جراثیم عام طور پر بند ہی سے بنتے ہیں اور ان پر اہداب (بال) بھی پائے جاتے ہیں۔ اس وجہ سے ان میں ذاتی حرکت بھی ہوتی ہے۔ یعنی ان کی حرکت انہی اہداب کی وجہ سے ہوتی ہے۔

جراثیم عصٰی کی امراض کے لحاظ سے تقسیم

اس لحاظ سے جراثیم عصی کی تین اقسام کی گئی ہیں:

(۱) **مقامی**: یہ جراثیم جسم کے خاص حصہ میں داخل ہو کر وہیں ساکن رہتے ہیں اور اسی مقام پر اپنے سمیات بناتے ہیں اور پھر یہی سمیات جذب ہو کر علامات پیدا کر دیتے ہیں۔ اس قسم کے جراثیم تمام جسم میں نہیں پائے جاتے۔ ان کی مثال ہیضہ، کزاز، خناق وبائی اور پیچش وغیرہ کی ہے۔

(۲) **مقامی منتقل**: اس قسم کے جراثیم وہ ہیں جو اوّل ایک مقام پہ ہوتے ہیں اور بعد میں اسی مقام سے منتقل ہو کر جسم کے مختلف مقامات پر پھیل جاتے ہیں اور جہاں پر جا کر سکونت اختیار کرتے ہیں وہیں پر نوآبادیات قائم کر لیتے ہیں۔ جن کے اثرات سے زہریلے حادثات رونما ہوتے ہیں۔ ان کی مثال ٹیوبرکل (مادہ دق وسل) کی ہے۔

(۳) **منتقل عامہ**: اس قسم کے جراثیم بدن پر حملہ کرتے ہی تمام جسم میں پھیل جاتے ہیں اور خون ورطوبت میں ہر جگہ پائے جاتے ہیں۔ ان کی مثال آتشک، جذام، طاعون، ملیریا، انتھریکس، تپ محرقہ اور تمام حمیات وامراض عامہ کے جراثیم اسی قسم کے ہوتے ہیں، البتہ یہاں پر یہ یاد رکھیں کہ جدری، حصہ وجع المفاصل اور سرخ باد وغیرہ بھی امراض عامہ ہیں۔ لیکن ان کے جراثیم ابھی تک معلوم نہیں ہوئے۔

جراثیم کرویہ

یہ جراثیم بالکل یا قریب قریب گیند کی طرح گول ہوتے ہیں۔ ان کو انگریزی میں کاکائی کہتے ہیں جس کا واحد کاکس ہے۔ یہ تمام اقسام میں زیادہ سادہ ہوتے ہیں ان میں سے بہت ہی کم ہوتے ہیں جن پر اہداب پائے جاتے ہیں۔ ان میں بزر نہیں بنتے۔ بلکہ تقسیم در تقسیم سے بڑھتے ہیں۔ گویا جراثیم گول گول نقطوں کی طرح ہوتے ہیں۔ بحیثیت جماعت جراثیم کرویہ ریم اور سدہ پیدا کرنے والے ہوتے ہیں۔ اس لئے مختلف اقسام کے پیدا کردہ امراض ایک دوسرے کے ساتھ مبدل ہو جاتے ہیں جیسے سوزاک کا ورم سطح کے اتصال سے بڑھتا خصیتین میں منتقل ہو جاتا ہے۔ یا تمام جسم میں اس کا زہر پیدا ہو جاتا ہے۔ جراثیم کرویہ سے جو اورام پیدا ہوتے ہیں۔ وہ کئی قسم کے ہوتے ہیں:

① بعض تو فقط مقامی ہوتے ہیں اور ایک جگہ پر ہمیشہ محدود رہتے ہیں، جیسے خراج، دنبل اور دبیلہ وغیرہ۔

② ایسے ورم بھی ہوتے ہیں جو مقدم مقامی ہوتے ہیں۔ مگر اتصال سطح کے ساتھ ساتھ ورم متعدی ہو کر پھیلتے جاتے ہیں اور پیپ بنتی جاتی ہے جس کے سبب سے اعضاء کھائے جاتے ہیں اور مردہ ہوتے ہیں۔ جیسے گوشت خورہ اور آکلہ وغیرہ۔

③ ایک اور قسم کا ورم ہوتا ہے جو مقامی تو ہوتا ہے مگر بعد میں اس کا اثر تمام جسم پر تیزی سے پھیل جاتا ہے۔ اس کے جسم میں سرایت کرنے کے دو طریقے ہیں۔ پہلی صورت تو یہ ہے کہ متورم مقام پر جراثیم کے موذی اثرات سے سمیات پیدا ہوتے ہیں، یہ سمیات جذب ہو کر تمام جسم میں پھیل کر اس کو اپنے موذی اثرات سے متاثر کر دیتے ہیں۔ چونکہ جراثیمی سمیات کیمیاوی مرکبات ہوتے ہیں اس لئے اس کا موذی اثر جذب شدہ زہر کی مقدار پر منحصر ہوتا ہے۔ اسی طرح پر جس طرح سنکھیا اور پارہ سے ہوتا ہے۔ یعنی جذب شدہ زہر کی مقدار کم ہوتی ہے تو علامات بھی خفیف ہوتی ہیں۔ ان علامات کو اصطلاح میں تسمیم یا سپٹک انٹاکسی کیشن (Septic Intoxication) کہتے ہیں۔ تپ دق، پرسوت کا تپ اور خفیف بخار جو پھوڑے پھنسی کے ہمراہ ہوتا ہے ایسے تسمیم کی مثالیں ہیں، جب جذب شدہ زہر کی مقدار زیادہ ہوتی ہے تو بیمار بہت جلد ہلاک ہو جاتا ہے۔ اس کو پسی سیمیا (Septiceamis) یا تپ عفینہ کہتے ہیں۔ دوسری صورت وہ ہوتی ہے کہ جراثیم خود متورم مقام سے کسی نہ کسی حیلہ سے منتقل ہو کر تمام جسم میں پھیل جاتے ہیں اور باعث نقصان ہوتے ہیں۔

منتقلی جراثیم

ایک صورت تو یہ ہے کہ جراثیمی زہر جسم میں جذب ہو کر باعث نقصان اور فنا ہو۔ جس کا ذکر کر دیا گیا ہے۔ دوسری صورت وہ ہوتی ہے کہ جراثیم خود متورم مقام سے کسی نہ کسی طرح منتقل ہو کر تمام جسم میں پھیل جاتے ہیں۔ یہ بھی دو طریق سے ہوتا ہے۔ پہلا طریقہ یہ ہے کہ متورم مقام میں سے نکل کر جراثیم خود خون میں ایک ہی وقت میں منتشر ہو جاتے ہیں۔ اس کو اصطلاح میں انتشار عامہ (سپٹی سیمیا) کہتے ہیں۔

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ جراثیم مقام سے منتقل ہو کر کسی مقام میں اسی قسم کے ورم والتہاب پیدا کر دیتے ہیں۔ اس کی مثال وجع المفاصل ریحی ہے جو سوزاک سے پیدا ہو جاتے ہیں یا اکیمیا سپٹک انڈوکارڈائٹس ہے۔ ورم منتقل اس طور پر ہوتا ہے کہ مقامی ورم کے حوالے سے وریدیں بھی متورم ہو جاتی ہیں اور ان کے اندر خون منجمد ہو جاتا ہے، اس انجماد خون کو اصطلاح میں سدہ وریدی (تھرامبوسس) کہتے ہیں۔ اتفاقی یا صدمہ سے منجمد شدہ خون کا ذرا سا ٹکڑا ٹوٹ جاتا ہے۔ اور خون کے ساتھ بہتا ہوا دور تک چلا جاتا ہے۔ اور باریک عروق میں جا کر اٹک جاتا ہے اور اس سے سدہ پیدا ہو جاتا ہے اور چونکہ اس کے اندر موذی جراثیم موجود ہوتے ہیں، اس لئے وہاں پر بھی اسی قسم کا ورم پیدا ہو جاتا ہے۔ اس کا نام پائی ریمیا ہے۔

جراثیم کرویہ کے اقسام

جراثیم کرویہ (کاکائی) کی کئی جماعتیں ہیں۔

① ایک جماعت تو وہ ہے جس میں نقاط ایک دوسرے سے علیحدہ ہوتے ہیں، اس کے جراثیم کرویہ واحدیہ (مائیکروکاکائی) یا فقط کاکائی کہلاتے ہیں۔ اوران کے اثرات سے کئی قسم کے اورام اور التہاب پیدا ہو جاتے ہیں۔

② دوسری جماعت وہ ہے جس میں نقاط جوڑا جوڑا بن کر رہتے ہیں۔ ان کا نام جراثیم زوجہ کو یہ (ڈپلومہ کاکائی) ہے۔ اس جماعت کے جراثیم سوزاک، ذات الریہ اور سرسام میں پائے جاتے ہیں۔

③ تیسری جماعت وہ ہے جو چار چار مل کر رہتے ہیں۔ یہ مربع جراثیم کرویہ (سکوائر کاکائی) ہیں جو امراض معدہ میں پائے جاتے ہیں۔

④ چوتھی جماعت کے جراثیم قطار در قطار زنجیر بنا لیتے ہیں۔ جو زنجیری کرویہ (سٹرپٹوکاکائی) کہلاتے ہیں۔

⑤ پانچویں جماعت کے جراثیم انگور کی طرح خوشہ در خوشہ ہوتے ہیں۔ اسی سبب سے ان کو جراثیم ملمی کرویہ (سٹیفلو کاکائی) کہتے ہیں۔ یہ جراثیم مختلف اقسام کے اورام، بثور اور خراج وغیرہ میں ملتے ہیں۔

جراثیم حلزونیہ

تیسری بڑی قسم کے جراثیم حلزونیہ کہلاتے ہیں۔ حلزون گھونگھا کو کہتے ہیں۔ جو سمندری جانور کا گھر ہوتا ہے۔ اس کو انگریزی میں ''اسپرلا'' کہتے ہیں۔ جس کا واحد اسپرس ہوتا ہے۔ یہ جراثیم جو اصل میں لمبے لمبے بلدار عصی (ڈنڈے) کی شکل کے ہوتے ہیں اور تین جانب پیچ کھاتے ہیں۔ انہی میں سے بڑے بڑے اور لمبے لمبے جراثیم بل کھا کر پیچ کش (بیرم) کی طرح لہردار اور بلدار ہو جاتے ہیں۔ ان کی بعض قسمیں چھوٹی اور لمبی ہوتی ہیں جو کم بل کھاتی ہیں۔ ان کو شرطیہ (وریو) کہتے ہیں لیکن جراثیم حلزونیہ دراصل لمبے لمبے جراثیم ہی ہوتے ہیں۔ جن میں گھونگھا کی طرح بل پڑے ہوتے ہیں۔ جراثیم حلزونیہ کی اکثر قسمیں فن جراحت میں کچھ زیادہ اہمیت نہیں رکھتیں اور اس کے امراض پیدا کرنے والی بھی صرف دو اقسام زیادہ مشہور ہیں۔

اوّل شرطیہ ہیضہ ایشیائی (ویرو کالرائی ایشیاٹکی) دوسرے حلزونیہ حمیٰ راجعہ (اسپرس ریلیپ سنگ فیور) اس کی آخری قسم کو ادنیٰ رُتبہ کا حیوان (پرٹوزون) کہتے ہیں۔ یعنی اس کو جراثیم سے الگ خیال کرتے ہیں۔

جراثیم اور اعضاء کی تطبیق

علم جراثیم کو مختصر طور پر بیان کر دیا گیا ہے۔ لیکن اس میں ضروری علم کو نظر انداز نہیں کیا گیا ہے۔ مندرجہ بالا جو صورتیں ہیں ہم نے صرف انہی کو بیان کیا ہے۔ کیونکہ ہم چاہتے ہیں کہ ان جراثیم کو بھی اعضاء سے تطبیق دے دیں تاکہ فرنگی طب کی تحقیقات کی وہ غلطیاں جو اس نے جراثیم کے افعال اور تدقیق اور امراض و علامات کو پورے طور پر سمجھایا جا سکے۔

جہاں تک علم الجراثیم کا تعلق ہے اس میں اس قدر طوالت پیدا ہو چکی ہے جس کا اندازہ اس امر سے لگا لیں کہ وہ اپنی جگہ ایک مکمل سائنس اور شعبہ بن چکا ہے جس کے حصول کے لئے اگر ایک انسان اپنی ساری زندگی صرف کر دے تو مشکل سے اس کو ضرورت کے مطابق حصول اور شعبوں کو حاصل کر سکتا ہے۔ لیکن تمام علم پر حاوی ہونا اگر ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ جہاں تک علم الجراثیم کی اس وسعت کا تعلق ہے اس میں جن شعبوں پر بحث ہوتی ہے، وہ مندرجہ ذیل ہیں: (۱) جراثیم کی حقیقت (۲) جراثیم کے اقسام اور اقسام در اقسام (۳) جراثیم کے افعال ان سے زہروں اور امراض کی پیدائش (۴) جراثیم سے اغذیہ و ادویہ اور اشیاء میں تبدیلی اور پیدائش جیسے خمیر و تیزاب اور الکوحل اسی طرح اس سے مختلف اقسام کے کیمیاوی تریاق اور اکسیری مقاصد کے لئے زہر بنانا جیسے پینسلین اور ویکسین وغیرہ۔ (۵) جراثیم کی کاشت اور پیدائش اور پرورش کے طریقے۔ (۶) جراثیم کی غذائیت، ان کو رکھنا اور ان کی نسلیں تیار کرنا۔ (۷) جراثیم سے مناعت پیدا کرنا اور انہی سے ادویات خاص طور پر حفظ صحت کے لئے ادویات بنانا۔ جیسے چیچک کے ٹیکے وغیرہ۔ غرض اس کی وسعت اس قدر بڑھ گئی ہے کہ اس کا اندازہ بھی طوالت کا باعث ہے اور پھر یہ وسعت روز بروز بڑھ رہی ہے، پتہ نہیں کہاں جا کر ختم ہو۔

جراثیم اور شفایابی

علم الجراثیم کی اس قدر وسعت کے باوجود جہاں تک شفا امراض کا تعلق ہے اس میں آیورویدک اور طب یونانی کے مقابلے میں فرنگی طب کو کوئی کامیابی نہیں ہوئی اور حقیقت یہ ہے کہ ان کے مقابلے میں عشر عشیر کامیابی بھی نہیں ہوئی بلکہ اگر ماہیت امراض و اصول علاج اور مزاج و کیفیات کو سامنے رکھا جائے تو کہا جائے گا کہ فرنگی طب نے اپنے آپ کو اندھیرے و گمراہی میں دھکیل دیا ہے۔ اگر جراثیم کو جن بھوت قرار دے دیا جائے تو تسلیم کرنا پڑے گا کہ فرنگی طب جہالت میں داخل ہو گئی ہے۔

یاد رکھیں کہ جراثیم کش ادویات کا استعمال امراض میں شفا پیدا نہیں کر سکتا۔ جراثیم مر سکتے ہیں لیکن مقام میں طاقت و امیونٹی اور قوت مدافعت پیدا نہیں کر سکتے۔ جس کی کمی اصل باعث تھی وہاں پر جراثیم کا اثر انداز ہونا اور پیدا ہونا اور جبکہ اصل سبب درست نہ ہو مرض ہرگز ہرگز نہیں جا سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ فرنگی معالج کی جراثیم کش ادویات جہاں ناکام ہوتی ہیں وہاں پر مخدرات سے کام لیتے ہیں۔ اس طرح افیون و مارفیا، بھنگ، دھتورہ، اجوائن خراسانی اور کوکین وغیرہ سینکڑوں ادویات استعمال کر کے مریضوں کے اعصاب سن کر رہے ہیں تاکہ احساس مرض رُکا رہے۔ لیکن کب تک پھر جب ری ایکشن ہوتا ہے تو مریض موت کے غار میں چلا جاتا ہے۔ فرنگی ڈاکٹر افسوس کرتا رہتا ہے کہ فرنگی طب کی ایسی اکسیر ادویات بھی مریض کو بچا نہ سکیں۔

جراثیم کا تعلق اعضاء

فرنگی طب نے تقسیم کے لحاظ سے جراثیم کی بنیاد ان کی شکل وصورت اور پیدائش امراض پر رکھی ہے۔ البتہ وہ خواص بھی شامل کر لئے ہیں جوان کے افعال وکاشت سے تعلق رکھتے ہیں۔ یعنی بعض اقسام تو محض خصوصیات شکل کے دوسرے اقسام سے ممتاز ہوتے ہیں۔ لیکن بعض اقسام اگرچہ شکل میں ایک دوسرے سے ملتے ہیں مگر اپنے خصائص افعال جدا رکھتے ہیں۔ اسی طرح بعض اقسام اپنے طریق کاشت کے لحاظ سے دوسروں سے الگ ہیں۔ اسی وجہ سے شکل کے علاوہ تقسیم کے وقت ان دونوں باتوں کا بھی لحاظ کیا جاتا ہے۔ اس لئے فرنگی طب میں ان کی تین اقسام کی جاتی ہیں۔ (۱) بیسی لائی (ڈنڈا نما) جن کو ہم عصٰی کا نام دیتے ہیں۔ (۲) کاکائی (گیند نما) جن کو ہم کرویہ کہتے ہیں۔ (۳) سپر لائی (گھونگھا نما) جن کو حلزونیہ کہا جاتا ہے۔

لیکن فرنگی طب نے ان کی تقسیم بالاعضاء نہیں کی۔ اس وجہ سے ان کو جراثیم کے افعال واثرات اور ماہیت امراض وتخصیص علامات کے سمجھنے میں بے حد مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس لئے انہوں نے ایک ہی قسم کے جراثیم کو مختلف مقامات پر مختلف امراض کی شکل میں صرف امراض اور علامات کے نام سے تخصیص کر کے ماہیت امراض کو بیان کیا ہے۔ مثلاً نمونیا کاکس اور گونوکاکس وغیرہ کو ذات الریہ اور سوزاک میں ایک ہی قسم کے جراثیم کا ذکر کیا ہے۔ اگر انہوں نے جراثیم کو بالاعضاء تحقیق کیا ہوتا تو وہ امراض وعلامات کے ناموں سے موسوم کرنے کی بجائے اعضاء سے موسوم کرتے جن میں ان کے لیے سہولتیں بھی ہوتیں اور غلط فہمیاں بھی پیدا نہ ہوتیں۔ جیسے نمونیا کے لئے کاکس جراثیم کا نام دیا گیا ہے حالانکہ کاکائی بلوری سی پیدا کرتے ہیں۔ نمونیا پیدا نہیں کرتے۔ یوں سمجھ لیں کہ جو جراثیم غدود پر اثر کرتے ہیں، اسی قسم کے جراثیم تمام جسم میں غدود پر ہی اثر انداز ہوں گے۔ اور ان کی شکل بھی غدد سے مشابہت رکھتی ہوگی۔ یہی صورت اعصابی اور عضلاتی انسجہ (ٹشوز) میں پائی جانی لازمی ہے۔ اگر بعض جراثیم میں کم وبیش کچھ انیس بیس کا فرق ہوگا تو اس کی وجہ سے وہاں کے اعصاب وعضلات میں اور غدد کی بناوٹ میں کمی بیشی لازمی پائی جائے گی۔ ایسا ہونا یقینی ہے۔

جراثیم بالاعضاء

ماڈرن میڈیکل سائنس (فرنگی طب) نے جراثیم کی تین بڑی اقسام بیان کی ہیں۔ جیسا کہ ہم اوپر لکھ چکے ہیں، اگر آپ ان پر غور کریں تو اس کی تحقیق کے مطابق باتیں ایسی ہیں جو ان کو ایک دوسرے سے جدا کرتی ہیں: (۱) شکل (۲) خواص (۳) اثرات۔ یعنی شکل سے ان کی وضع و صورت ہے۔ خواص سے ان کی پیدائش سے لے کر آخر زندگی تک ان کی خصوصیات ہیں اور اثرات میں ان کے زہر ہیں اور قانون فطرت کی روشنی میں دیکھیں تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ ہر شکل وصورت واضح نہیں سمجھی جا سکتی۔ سوائے قدرت کی فطرت کے اس قانون میں تبدیلی نہیں آسکتی۔ اسی قدرت کے فطری قانون کے تحت جب جراثیم کی شکل وصورت اور وضع پر غور کریں تو اعضاء کی مناسبت کے مدنظر ان کے اقسام کی اس طرح بالاعضاء تطبیق ہوتی ہے: (۱) عصٰی۔ جن کو بیسی لائی کہتے ہیں، اور ڈنڈا نما ہوتے ہیں بالکل اعصابی شکل وجسم اور کیفیات و ماحول رکھتے ہیں۔ (۲) حلزونیہ جن کو اسپر لائی کہتے ہیں۔ گھونگھا نما ہوتے ہیں۔ وہ عضلاتی شکل وجسم اور کیفیات و ماحول رکھتے ہیں۔ البتہ جہاں جہاں اعصاب وغدد اور عضلات کے انسجہ میں حالات کے مطابق چیز میں فرق پیدا ہو جاتا ہے۔ اگر خواص کو مدنظر رکھیں جو تینوں میں پیدائش سے آخر زندگی تک ان کے افعال واعمال بالکل جدا جدا ہیں جن کا ہم ذکر کر چکے ہیں اور جہاں تک اثرات زہر وامراض اور علامات پیدا کرنے کا تعلق ہے تو صاف پتہ چلتا ہے کہ:

① جراثیم عصی (Bacilli) ایسے ہی زہر وامراض اور علامات پیدا کرتے ہیں جن میں اعصابی انسجہ میں تحریک وتیزی پیدا ہو جاتی ہے۔ چاہے وہ جسم کے کسی حصہ میں کیوں نہ ہو۔ وہاں پر رطوبات کی زیادتی، بلغم اور ریشہ (سکریشن ولمف) کا جو غلبہ ہوگا جن کا اثر منہ سے لے کر مقعد تک اور تھوک سے لے کر ادرار تک زیادتی ہوگی۔ اگر اس تحریک میں بال برابر فرق ہو تو ہم ذمہ دار ہیں۔

② جراثیم کرویہ (Cocci) ایسے زہر وامراض اور علامات پیدا کرتے ہیں جن میں غدی انسجہ میں تحریک وتیزی پیدا ہو جاتی ہے، چاہے وہ جسم کے کسی حصہ میں کیوں نہ پائے جائیں، وہاں پر سوزش وجلن اور حرارت وصفراء کی زیادتی ہوگی۔ ناک ومنہ سے لے کر پیشاب وپاخانہ تک جلن وصفراء کا اثر نظر آئے گا۔ کوئی بھی ان حقائق سے انکار نہیں کر سکتا۔

③ یہی صورت جراثیم حلزونیہ (Spirula) کے زہر وعلامات پیدا کرتے ہیں جن سے عضلاتی انسجہ میں تحریک وتیزی رونما ہو جاتی ہے۔ چاہے وہ جسم کے کسی حصہ میں کیوں نہ ہوں۔ وہاں پر ترشی ورياح اور خشکی کی زیادتی ہوگی جن کا اثر سر سے لے کر پاؤں تک ظاہر ہوگا۔ ذائقہ سے لے کر پیشاب تک میں ترشی پائی جائے گی۔ جس طرح اعصاب وعضلات اور غدد کی تحریکات یا بلغم وسودا اور صفراء کے کیمیاوی اثرات ایک عضویا اپنے مقام سے دوسرے عضویا مقام تک پہنچ جاتے ہیں۔ اسی طرح جراثیم اور ان کے اثرات بھی ایک عضویا مقام سے دوسرے عضویا مقام تک چلے جاتے ہیں۔ لیکن اس حقیقت کو کبھی نظر انداز نہ کریں کہ امراض اور علامات کبھی جراثیم اور ان کے زہر سے اس وقت تک پیدا نہیں ہو سکتے جب تک کسی مفرد عضو کے فعل میں تحریک وتسکین اور تحلیل میں زیادتی پیدا نہ ہو۔

یہ ہیں جراثیم کے متعلق ہماری تحقیقات، جن کے متعلق ہمارا دعویٰ ہے کہ فرنگی طب اس سے بالکل ناواقف اور تہی دست ہے اور نہ ہی اس نہج پر اس نے اپنی تحقیقات کی ہیں۔

جراثیم اور اخلاط کا تعلق

جراثیم اور اعضاء کے تعلق کو ذہن میں رکھ لینے کے بعد اب ذرا ایک اور زاویہ نگاہ سے جراثیم کے متعلق ہماری تحقیقات کو سمجھیں تا کہ جراثیم کی حقیقت اور ان کے افعال پورے طور پر واضح ہو جائیں۔ کیونکہ ہم چاہتے ہیں کہ تحریک تجدید طب کے حاملین اور عاملین فرنگی طب سے پورے طور پر واقف ہو جائیں اور فرنگی ڈاکٹروں کو اچھی طرح جواب دے کر سمجھا سکیں۔

جاننا چاہئے کہ طب قدیم چار اخلاط تسلیم کرتی ہے اور فرنگی طب چار اقسام کے انسجہ (ٹشوز) بیان کرتی ہے۔ ہماری تحقیق یہ ہے کہ ہر قسم کے انسجہ میں طب قدیم کی ایک خلط پائی جاتی ہے اور اسی سے وہ غذا اور زندگی حاصل کرتی ہے۔ تشریح یوں سمجھ لیں ① اعصابی انسجہ میں بلغم ② عضلاتی انسجہ میں خون ③ قشری (کبدی) انسجہ میں صفراء اور ④ الحاقی (طحالی) انسجہ میں سودا کے محلول پائے جاتے ہیں۔ جو ان کی غذا اور عامل ہیں۔ اوپر ہم نے انہی محلولات میں خمیر پیدا ہونے سے وہاں پر ان کے خاص قسم کے جراثیم کا ذکر کیا ہے۔ اب ہماری تحقیقات سے ہماری بات کو سمجھ لیں کہ ① جراثیم عصی جہاں اعصابی ہیں وہاں غیر طبعی بلغم پیدا کرتے ہیں اور بلغم کے جس قدر غیر طبعی اقسام ہیں ان سے تطبیق دے دیں۔ ② جراثیم کرویہ بھی قشری ہونے کی وجہ سے غیر طبعی صفراء پیدا کرتے ہیں۔ ③ جراثیم حلزونیہ میں عضلاتی ہونے سے غیر طبعی سودا اور ترشی پیدا کرتے ہیں۔

جاننا چاہئے کہ فرنگی طب نے تین قسم کے انسجہ اعصابی، عضلاتی اور قشری کو حیاتی تسلیم کیا ہے۔ الحاقی کو ادنیٰ نبات مانا ہے۔ اس لئے طب یونانی نے سوداء کو گھٹیا خلط کہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آیورویدک نے دوش (وات، پت، کف) مانے ہیں۔ خون (رکت) کو الگ کر دیا ہے۔ ہم نے بھی یونانی و آیورویدک اور ماڈرن سائنس کو تطبیق دیتے ہوئے صرف تین ہی انسجہ کو حیاتی اور فعلی تسلیم کیا ہے تا کہ دُنیا کی کوئی طبی تحقیق اس سے انکار نہ کر سکے۔ یہ ہے ہماری تحقیق و تجدید جو صرف خداوند حکیم کے فضل و کرم سے ہمیں نوازی گئی ہے۔ کیا طبی دُنیا میں کوئی ہے جو اس کا مقابلہ کر سکے۔ یہ ایک نیا فلسفہ اور ایک نئی حقیقت ہے۔

اورام کے اقسام

اورام کے اقسام بیان کرنے میں جہاں ماہیت و ترتیب اور تربیت و ترکیب مرض کا تعلق ہے طب قدیم اور فرنگی طب میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ گویا مشرق و مغرب کا فرق ہے۔ جہاں تک علامات کا تعلق ہے دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اسی طرح جہاں تک علامات کو مرض سمجھنے کی صورت ہے اس میں بھی دونوں مشترک ہیں۔ یعنی پھوڑے پھنسی اور قروحات و جروحات ایک ہی انداز میں پائے اور سمجھے جاتے ہیں۔ لیکن حقیقت میں اورام کے اقسام کو بحیثیت امراض کے سمجھنا ضروری ہے تا کہ اس کی ماہیت و ترکیب اور تربیت و ترتیب (پیتھالوجی) ذہن نشین ہو جائے۔ ہم طب قدیم کو الہامی سمجھتے ہیں۔ فرنگی طب کو اپنی تحقیقات پر ناز ہے اور ساتھ ہی اس کا پروپیگنڈہ ہے کہ فرنگی طب کو جراحی امراض (سرجری) میں کمال حاصل ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ جہاں تک اورام کا بحیثیت امراض کے تعلق ہے کونسی طب صحیح راہ اور حقیقت کی طرف راہ نمائی

کرتی ہے۔

طب قدیم میں اورام کی تعریف

ورم ایک ایسا مرض مرکب ہے جس کے ساتھ سوئے مزاج وتفرق اتصال اور مرض ترکیب بھی موجود ہوتا ہے۔اس کا مادہ چاروں اخلاط سے کوئی خلط ہوا کرتی ہے یا بعض دفعہ ریح سے بھی عارض ہو جاتا ہے۔مادی ریح کی نسبت زیادہ خطرناک اور دشوار علاج ہوتا ہے۔گرم ورموں کی علامت ضربات اور مقام ورم کی سرخی یا زردی ہوتی ہے اور سرد ورموں میں مقام ماؤف کی سفیدی یا نیلاہٹ نیز درد کی خفت پائی جاتی ہے۔

طب قدیم میں تقسیم مرض

طب قدیم میں مرض کی دو قسمیں ہیں: ① مرض مفرد (Simple Desease) ② مرض مرکب (Compound Desease)
مرض مفرد کی پھر تین قسمیں ہیں: (۱) مرض سوئے مزاج (۲) مرض ترکیب (۳) مرض تفرق اتصال۔

مرض سوئے مزاج

سوئے مزاج جب کسی مفرد عضو کے اندر کیمیاوی طور پر تغیر پیدا ہو جائے اور اس تغیر کے ساتھ تبدیلی بھی ہو جائے تو اس کی مندرجہ ذیل دو صورتیں ہوں۔

(۱) **سوئے مزاج سادہ:** جس میں کسی مفرد عضو میں صرف کیفیاتی یا نفسیاتی طور پر تبدیلی اور تغیر پیدا ہو جائے اور اس تغیر اور تبدیلی سے اس عضو کے فعل میں خرابی واقع ہونا شروع ہو جائے۔ یہ خرابی اس قدر لطیف ہوتی ہے کہ اس سے اس عضو کے اندر کوئی کیمیاوی اور خلطی خرابی واقع نہیں ہوتی۔ البتہ عضو کے فعل میں لطیف تغیر و تبدیلی ضرور واقع ہوتی ہے۔ جس کا اندازہ مریض کے احساسات اور معالج نبض و قارورہ سے آسانی کے ساتھ لگا سکتا ہے۔ یہ مرض کی ایک صورت ہے اگرچہ اس قدر قلیل کیوں نہ ہو اور عام طور پر اس کی مدت بہت قلیل ہوتی ہے۔ اس کے بعد کبھی یہ اصل کی طرف لوٹ جاتے ہیں اور جب کبھی قوت مدبرہ بدن یا قوت مدافعت عضو کمزور ہو تو پھر یہ صورت سوئے مزاج سادہ آئندہ شدت اختیار کر لیتی ہے۔ کبھی یہ سلسلہ مدت تک قائم رہتا ہے۔

(۲) **سوئے مزاج مادی:** جس میں کسی مفرد عضو میں کیمیاوی اور خلطی تغیرات اور تبدیلیاں پیدا ہوں یعنی یہ تغیرات و تبدیلیاں صرف کیفیاتی (گرم و سرد اور تر و خشک) اور نفسیاتی (غم و غصہ اور خوف، خوشی و لذت اور ندامت) بلکہ اس مفرد عضو میں خون کے اجزاء میں کمی بیشی یا خون میں صفراء اور بلغم و سوداء میں کمی بیشی یا خرابی یا اپنا مقام تبدیل کر لیتے ہیں۔ البتہ اس میں فساد اور تعفن کی حالت ابتداء میں نہیں پائی جاتی جس سے عضو کے افعال میں تغیر پیدا ہو جاتا ہے۔ یہ تغیر و تبدیلی نمایاں ہوتی ہے اور جب اس میں فساد و تعفن پیدا ہو جائے تو سوزش و ورم اور بخار تک نوبت پیدا ہو جاتی ہے۔

یہاں پر سمجھنے والی بات یہ ہے کہ سوئے مزاج سادہ اور سوئے مزاج مادی صرف (۱) مفرد عضو میں واقع ہوتا ہے۔ (۲) عضو میں کیفیاتی و نفسیاتی اور کیمیاوی و خلطی تغیرات و تبدیلیاں پیدا ہوتی ہیں۔ (۳) فساد اور تعفن اس کا لازمی جزو نہیں ہیں۔ بلکہ بعد میں غلبہ مرض سے شروع ہوتا ہے۔

فرنگی طب میں سوئے مزاج کے امراض نہیں ہیں

فرنگی طب میں امراض سوئے مزاج سادہ اور سوئے مزاج مادی دونوں کا تصور نہیں ہے۔ ان کے امراض فساد اور تعفن سے شروع ہوتے ہیں جب کہ مادہ میں جراثیم پیدا ہو جاتے ہیں یا کوئی بیرونی جراثیمی یا غیر جراثیمی زہر اگر فساد و تعفن کا باعث بن جائے لیکن طب قدیم میں سوئے مزاج کے بہت سے امراض ہیں اور اگر غور سے دیکھا جائے تو اکثر امراض کی ابتداء سوئے مزاج سے شروع ہوتی ہے اور بہت سے امراض مدت تک صرف سوئے مزاج مادی کیفیاتی اور اخلاط سے بالکل مختلف صورت کا ہوگا۔ باقی رہا سوئے مزاج سادہ جو صرف کیفیاتی اور نفسیاتی ہوتا ہے اس کا

ان کے ہاں قطعاً تصور تک نہیں ہے۔یعنی مفرد اعضاء میں تحریک ہے۔

آیورویدک میں سوئے مزاج سادہ

آیوروید میں اگرچہ پرکرت (مزاج) کا تصور قائم ہے اور دوشوں کے مزاج بھی تسلیم کرتے ہیں، لیکن ان کے طریق علاج میں سوئے مزاج سادہ کا کوئی تصور نہیں ہے، البتہ ہومیو خواص الادویہ اور بائیوکیمک خواص الادویہ میں کیفیاتی اور نفسیاتی اثرات کو نہ صرف تسلیم کیا گیا ہے بلکہ ان کی علامات بھی لکھی گئی ہیں۔یہی اثرات تحلیل نفسی (Pychernalysis)، علاج بذریعہ ماء (Hydro Therapy) اور علاج بذریعہ رنگ (Chromo-Therapy) صورتوں میں بھی حاصل کئے جاتے ہیں۔

طب جدید شاہدوری کی غلط فہمی

طب جدید جس کے موجد جناب الاطباء حکیم احمد الدین صاحب تھے، ان کا نظریہ ماہیت مرض افعال الاعضاء کے افعال میں کمی بیشی تھی، اس میں نقص و خرابیاں اور غلط فہمیاں تھیں۔اس لئے مجھے اس کو چھوڑنا پڑا۔یا یوں سمجھ لیں کہ اس کی جدت سے متاثر ہو کر طب قدیم میں بالاعضاء تجدید کرنی پڑی اور خداوند کریم نے زبردست کامیابی عطا فرمائی۔طب جدید میں مندرجہ ذیل خامیاں تھیں:

(۱) وہی نقص ہے جو فرنگی طب میں پایا جاتا ہے۔یعنی مفرد اعضاء (انسجہ) کی خرابی ہے۔امراض کی خرابی سے ابتداء نہیں کی گئی بلکہ مرکب اعضاء کے افعال کی خرابی کو امراض قرار دے دیا گیا ہے۔

(۲) یہ خرابی ہے کہ کیفیات و اخلاط اور مزاج کو بالکل چھوڑ دیا ہے جس سے ان کے ہاں گرمی، سردی و خشکی اور تری کا اثر امراض پر نہیں پڑتا۔ اس لئے ان کے ہاں صرف اعضاء کی تیزی اور سستی، دو ہی صورتیں پائی جاتی ہیں اور ضعف کا کہیں تصور نہیں ہے۔

جاننا چاہئے کہ اعضاء میں تیزی طب جدید کے اصول میں خون کی تیزی سے پیدا ہوتا ہے اور اعضاء کی سستی خون کی سستی سے ہوتی ہے۔ اگر ہم اوّل صورت کو تحریک کہیں تو دوسری صورت کو تسکین تسلیم کرنا پڑے گا، جو سردی یا بلغم کی زیادتی کا اثر ہے، لیکن ضعف جو تحلیل کا نتیجہ ہے اس کو کوئی صورت پیدا نہیں ہوتی اور علم العلاج نامکمل رہ جاتا ہے۔

(۳) تیسری غلط فہمی یہ ہے کہ جب تک عضو میں کمی بیشی واقع نہ ہو اس کو طب جدید مرض تسلیم نہیں کرتی۔مگر یہ طب قدیم کیفیاتی و نفسیاتی اثر سے تبدیلی اور تغیر کو بھی مرض قرار دیتی ہے جو سوئے مزاج سادہ کہلاتے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ بہت سے امراض اس کے تحت آتے ہیں، بس یہی نکتہ بازگشت (Turning Point) تھا جس سے طب قدیم کی طرف پھر لوٹنا پڑا۔اور یہی زاویہ نگاہ تھا جس سے تجدید کا مقام پیدا ہوا۔یعنی جب تک سوئے مزاج سادہ اور کیفیات کو تسلیم نہ کیا جائے تو کوئی علم العلاج مکمل نہیں ہو سکتا۔ذہن میں یہ بات سما چکی تھی کہ اعضاء کے افعال کی خرابی ہی کو مرض کہنا صحیح ہے۔بس اسی جدوجہد اور تحقیق میں مفرد اعضاء (انسجہ) کو بنیاد قرار دے دیا گیا اور تجدید طب کی ابتداء شروع ہو گئی۔جواب تکمیل کے قریب ہے۔

سوئے مزاج مفرد اور مرکب

چونکہ بنیادی طور پر کیفیات چار ہیں: (۱) گرمی (۲) سردی (۳) تری اور (۴) خشکی۔جو کبھی مفرد یعنی ایک ایک اور کبھی مرکب دو دو کی زیادتی کو سوئے مزاج کی خرابی کہا گیا ہے۔اس لئے حکماء اور اطباء نے سوئے مزاج کی آٹھ قسمیں تسلیم کی ہیں۔جس میں چار کی مفرد اور چار کی مرکب، اور سوئے مزاج مفرد کی چار اقسام اس طرح بیان کی ہیں:

(۱) سوئے مزاج حار جس سے مزاج میں صرف گرمی بڑھ جاتی ہے۔

(۲) سوئے مزاج بارد جس سے مزاج میں سردی بڑھ جاتی ہے۔

(۳) سوئے مزاج بارد رطب جس سے مزاج میں سردی اور تری بڑھ جاتی ہے۔

(۴) سوئے مزاج بارد یابس جس سے مزاج میں سردی اور خشکی بڑھ جاتی ہے۔

پھر اسباب کے تحت ہر ایک کی دو صورتیں ہیں۔ اوّل سوئے مزاج سادہ جس میں صرف کیفیات کی زیادتی سے جیسے گرمی، سردی وغیرہ، کسی مادہ کے بغیر جسم متاثر ہوتا ہے۔ یہ صرف خارجی اثرات سے متاثر ہوتا ہے، ان کو اسباب بادیہ کہتے ہیں۔ دوسرے سوئے مزاج مادی جس میں اخلاط کی زیادتی سے جسم متاثر ہوتا ہے۔ یہ مزاج کا بگڑنا داخلی اثرات سے متاثر ہوتا ہے۔ ان کو اسباب سابقہ کہتے ہیں۔ مثلاً صفراء کی زیادتی سے بدن میں گرمی ہو جائے یا بلغم کی زیادتی سے جسم میں سردی بڑھ جائے، وغیرہ وغیرہ۔

سوئے مزاج مفرد غلط ہے

سوئے مزاج سادہ میں جو مفرد کیفیات کی وجہ سے مزاج کا بگڑنا بیان کیا جاتا ہے، یہ بالکل غلط ہے، کبھی بھی جسم میں گرمی یا سردی اور کسی مفرد کیفیت کی زیادتی نہیں پائی جاسکتی۔ جسم میں کیفیات ہمیشہ مرکب ہوتی ہیں۔ یعنی اگر گرمی یا سردی کی زیادتی ہوگی تو ان کے ساتھ گرمی یا سردی کا پایا جانا لازمی امر ہے۔ یہ ایک بہت بڑی غلطی ہے۔ حکماء اور اطباء نے جو سوئے مزاج سادہ کی یہ مفرد صورتیں بیان کی ہیں، وہ صرف افہام وتفہیم کے لئے ہیں۔ ایسے جسم میں گرمی خشکی اور سردی تری یا سردی خشکی دونوں کا ہونا ضروری ہے۔

البتہ سوئے مزاج مادی میں مفرد تین پائی جاتی ہیں، کیونکہ وہ بنیادی طور پر خود مرکب ہوتی ہیں۔ یعنی (۱) خون کا گرم تر (۲) بلغم کا مزاج سرد تر (۳) صفراء کا مزاج گرم خشک (۴) سودا کا مزاج سرد خشک جیسا کہ بنیادی طور پر تسلیم کیا گیا ہے۔ اس لئے جب جسم میں کوئی خلط بڑھتی ہے تو اس کے مادہ کے ساتھ اس کی کیفیات بھی بڑھ جاتی ہیں۔

اخلاط کی مرکب صورتوں میں غلط فہمی

بعض دفعہ دو اخلاط بھی مرکب ہو جاتے ہیں اور علاج میں دونوں کی رعایت رکھی جاتی ہے۔ لیکن یہ یاد رکھیں کہ دور کے اخلاط یا مقابل اور متضاد اخلاط آپس میں کبھی نہیں ملتے اور ان کو غلط طور پر سمجھنے سے اکثر غلط فہمیاں پیدا ہوتی ہیں۔ مثلاً خون میں بلغم اور صفراء تو مل سکتے ہیں اور جب بلغم کے ملنے سے خون میں رطوبت کی زیادتی اور حرارت میں کمی یا صفراء کے ملنے سے خون میں رطوبات کی کمی اور حرارت کی زیادتی پیدا ہو جاتی ہے، اسی طرح بلغم اور سوداء کے ملنے سے رطوبات اور سردی میں کمی بیشی، ایسے ہی سوداء اور صفراء کی کمی بیشی میں خشکی اور حرارت میں کمی بیشی اور ان کے مشترکہ اثرات تو پیدا کر سکتے ہیں۔ **مگر کبھی بلغم وصفراء اور سوداء خون آپس میں نہیں ملتے۔** کیونکہ ان کی پیدائش دور کے اعضاء میں ہوتی ہے اور ان کی موجودگی میں مقابل اور متضاد اخلاط پیدا نہیں ہو سکتے۔

خلط غیر طبعی کا ایک غلط تصور

خلط غیر طبعی اس خلط کو کہتے ہیں جس میں صفراء اور بلغم دونوں ملے ہوتے ہیں۔ لیکن جاننا چاہئے کہ بلغم کی پیدائش اعصاب میں تحریک سے ہوتی ہے اور صفراء کی پیدائش جگر کی تحریک سے ہوتی ہے۔ جب بلغم کی پیدائش ہوتی ہے اس سے قبل صفراء خون میں تبدیل ہو چکا ہوتا ہے۔ اس لئے اس وقت صفراء کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اسی طرح جب صفراء کی پیدائش ہوتی ہے، اس سے قبل سوداء بن چکا ہوتا ہے۔ ایسی صورت میں بلغم کا پیدا ہونا ناممکن ہے۔

بعض حکماء اور اطباء یہ اعتراض کر سکتے ہیں کہ جب بلغم اور صفراء کو اکٹھا دیکھا جاتا ہے تو پھر اس کے ماننے میں کیوں انکار ہے۔ اس کے متعلق جاننا چاہیئے کہ جب جگر میں سکون ہوتا ہے تو اس وقت اس میں اور اس کے متعلقہ مفرد اعضاء (انسجہ) جسم میں جس مقام پر بھی ہوں ان میں سکون (بلغم) ہوتا ہے جو عضلاتی تحریک سے وہاں اکٹھا ہو چکا ہوتا ہے۔ لیکن جب فطری طور پر خود جگر کے انسجہ نسیج قشری کو تحریک دی جاتی ہے تو وہاں پر صفراء کی پیدائش شروع ہو جاتی ہے، تو اس وقت وہ بلغم صفراء سے مل کر خارج ہوتا ہے۔ اسی طرح دوسری صورت یہ ہوتی ہے کہ جب جسم میں کسی مقام پر قشری انسجہ (کبدی وغدی) کو جب قدرتی یا فطری طور پر یا خود بخود تحریک دی جاتی ہے تو اس تحریک یا سوزش کو ختم کرنے کے لئے اعصابی انسجہ اپنی رطوبات (سکریشن) کو وہاں پر تسکین دینے کے لئے گراتے ہیں جو بلغم کی شکل میں وہاں پر رُک جاتا ہے اور اکثر صفراء کے ساتھ مل کر خارج ہوتا ہے تو ان دونوں حالتوں کو خلط غیر طبعی کہا جاتا ہے۔ لیکن حقیقت میں یہ بلغم کا تصور نہیں ہوتا۔ ان مرکب اخلاط میں چاہے بخار ہو یا کوئی اور علامت اس میں بلغم کا تصور غلط ہے۔ اور یہ خالص صفراوی امراض ہیں، ان کا علاج صفراوی خلط یا جگر کے تحت کرنا ضروری ہوتا ہے۔

صفراء غیر طبعی کا غلط تصور

صفراء لغت میں زرد کو کہتے ہیں۔ مگر طبی اصطلاح میں اس خلط کا نام ہے جو آیورویدک میں پت کہلاتی ہے۔ یہ خلط اکثر زرد رنگ کی ہوتی ہے اور اس کا مزاج گرم خشک تسلیم کیا گیا ہے۔ اس کو ماڈرن میڈیکل سائنس میں بائل (Bile) کہتے ہیں۔ اس کا فائدہ یہ ہے کہ آنتوں پر گر کر پاخانہ کی حاجت پیدا کرتی ہے اور آنتوں کو پاخانہ اور بلغم وغیرہ سے صاف کرتی ہے۔ یہ بھی اس کا فائدہ بیان کیا جاتا ہے کہ بعض مقامات میں صفراء خون کے ساتھ مل کر اور خون کو رقیق ولطیف بنا کر باریک باریک رگوں میں نفوذ کرا دیتا ہے۔ نیز بعض گرم خشک اور لطیف اعضاء کی غذا میں خون کے ساتھ صرف ہوتا ہے۔ جیسے پھیپھڑے۔ علاوہ ازیں آنتوں پر گر کر بعض اجزاء کے ہضم ہونے میں اور زیادہ سڑاند کے روکنے میں آمادہ کرتا ہے۔

صفراء کی طبعی صورت اس طرح بیان کی جاتی ہے کہ وہ شوخ سرخ ہو۔ اس کا وزن ہلکا ہو اور اس میں کافی حدت اور تیزی ہو۔ صفراء غیر طبعی وہ ہے جو ان باتوں میں طبعی صفراء کے مخالف ہو۔ صفراء کے غیر طبعی ہونے کی کئی صورتیں ہیں: ① غلیظ بلغم سے مل جاتا ہے جسے صفراء صفر (محیہ) انڈے کی زردی کی مانند کہتے ہیں۔ ② وہ رقیق بلغم کے ساتھ مل جاتا ہے، جس سے صفراء بذاتِ خود جل جاتا ہے۔ جسے صفراء کراثی (گندنا کے رنگ کا) یا صفراء زنجاری (زنگار کے رنگ کا) کہتے ہیں۔ صفراء زنجاری میں چونکہ احتراق بہت زیادہ ہوتا ہے اس لئے یہ صفراء زہروں کے قریب ہوتا ہے۔ دونوں اکثر معدہ میں پیدا ہوتے ہیں اور قے کی راہ خارج ہوتے ہیں۔

یاد رکھیں کہ صفراء کراثی یعنی گندنا کے مانند ہے جو سبز رنگ کا ہوتا ہے اور اسی طرح زنجاری (زنگاری) بھی سبز رنگ کا ہوتا ہے۔ رنگوں کی مناسبت سے ان پر غور کریں کہ ان کا تعلق کن اعضاء کے ساتھ ہے اور اس کے ذائقہ پر بھی غور کریں تو صاف پتہ چلتا ہے کہ اخلاط کے لحاظ سے بلغم کی پیدائش صفراء کی پیدائش سے بالکل مختلف اور متضاد صورت میں ہوتی ہے۔

حکماء اور اطباء متقدمین اور متاخرین نے جو صفراء محیہ اور صفراء مرہ میں غلیظ اور رقیق بلغم کی آمیزش بیان کی ہے، یہ دونوں دراصل وہی صورتیں ہیں جن کا ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں۔ ان کے علاج میں بلغم کی رعایت رکھ کر بلغمی ادویات کا استعمال کرنا بالکل غلط ہے۔ مثلاً غب غیر خالص جس کے مادہ میں صفراء اور بلغم دونوں مخلوط ہوتے ہیں۔ اس کا علاج خالص صفراء یا غدی انسجہ کو مدنظر رکھ کر کرنا چاہیئے۔ اسی طرح ذات الجنب خالص صفراوی مرض ہے اور پھیپھڑوں کے قریب ہونے کی وجہ سے بھی بلغم کا اس کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ وہ غلطیاں ہیں جو حکماء اور اطباء علاج میں روزانہ کرتے ہیں۔

مرض ترکیب

طب یونانی میں مفرد کی تین اقسام ہیں۔ ہم اس کی پہلی قسم سوئے مزاج اور اس کی ترکیب پر تنقید کر چکے ہیں۔ پھر یہ بات ذہن نشین کر لیں کہ اوّلاً سوئے مزاج کا تعلق اعضائے مفردہ (انسجہ) سے ہوتا ہے۔ جس سے تغیر پیدا ہو جاتا ہے۔ جس میں اس کے افعال کی طبعی حالت بدل جاتی ہے۔ پھر اس کا اثر ایک مفرد عضو سے دوسرے مفرد عضو کی طرف رجوع کرتا ہے۔ جب مرض کا اثر دیگر مفرد اعضاء کی طرف اثر کرتا ہے اس وقت گویا مرکب صورت پیدا ہو جاتی ہے۔ اس حالت کو اس کا نقصان کہتے ہیں۔ جب دو مفرد اعضاء (انسجہ) میں مرض اثر کر جائے اس کو طب یونانی میں مرض ترکیب کہتے ہیں۔ یہ مرض مفرد کی تین اقسام میں سے دوسری صورت ہے۔

طبی کتب مرض ترکیب کو بھی سوئے مزاج کی طرح بے حد سمجھنے کی ضرورت ہے۔ **جب تک ہم مرض کی حالت اور اس کی تبدیلیوں سے پوری طرح واقف نہ ہوں، اس وقت تک جسم انسان کا پورے طور پر علاج نہیں ہو سکتا۔ صرف علامت کا علاج ہوتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ ایلوپیتھی اور ہومیوپیتھی اپنے علاماتی علاج میں بری طرح ناکام ہیں۔**

''ایلوپیتھی'' میں اعضائے جسمانی کی اندرونی تبدیلیوں کا علم ہوتا ہے۔ مگر مزاج کے تغیرات سے بالکل بے علم ہے۔ ہومیوپیتھی میں کیفیاتی اور نفسیاتی تغیر کو مدنظر رکھا جاتا ہے۔ مگر اعضائے جسم کی اندرونی تبدیلیوں اور مزاجی خرابیوں سے وہ بالکل لاعلم ہے۔

علم الامراض میں بیرونی کیفیاتی و نفسیاتی تغیرات اور علامات کا علم اور اندرونی وجسمانی وعضوی اور مزاجی تبدیلیوں کی حقیقت کا پتہ چلتا ہے۔ اس لئے علم الامراض ایک اہم علم ہے۔ علم الامراض کی حقیقت اور اہمیت کا پتہ مفرد اعضاء (انسجہ) کی اصلیت معلوم کرنے سے چلتا ہے۔ اس لئے اوّل کچھ مفرد اعضاء کے متعلق سمجھ لیں جو طب یونانی نے لکھا ہے۔

تعریف اعضاء طب یونانی

اعضاء وہ کثیف اجسام ہیں جو اخلاط کی ابتدائی ترکیب سے پیدا ہوتے ہیں، جس کو رطوبت ثانیہ کہتے ہیں، جیسا کہ اخلاط ارکان کی ابتدائی ترکیب سے ظہور میں آتے ہیں۔ یعنی ارکان سے اخلاط اور اس کی رطوبت ثانیہ جدا ہو کر اعضاء بناتی ہے۔

مفرد اعضاء طب یونانی

مفرد اعضاء وہ اجسام ہیں کہ اگر ان کا کوئی ظاہری اور محسوس حصہ لیا جائے تو وہ حصہ نام اور تعریف میں اس جسم میں شریک ہوگا۔ مثلاً ہڈی ہی کہیں گے اور جو تعریف کل کی ہے وہ اس ٹکڑے پر بھی صادق آتی ہے۔ مگر ہاتھ پاؤں اور باقی جسم مرکب عضو ہیں۔ کیونکہ ان کے ایک حصے کو مثلاً انگلی کو ہاتھ پاؤں نہیں کہا جا سکتا۔ ماڈرن سائنس بھی اس تعریف اور نام سے انکار نہیں کر سکتی۔ مثلاً ہڈی کل ہو یا جز وان کے نزدیک کنکٹو ٹشوز (نسیج الحاقی) سے تیار ہوتی ہے اور اس لئے مفرد عضو نسیج ہے، ہڈی اس کا طیف ہے۔

مفرد اعضاء جو طب یونانی میں بیان کئے گئے ہیں، ان کی ترتیب ماڈرن سائنس کے مطابق اس طرح ہے:

(۱) **نسیج الحاقی** (Connective Tissue): ہڈی، کری، ناخن، رباط و تر اور بال۔

(۲) **نسیج عصبی** (Nervous Tissue): اعصاب جسم اور ان کی جھلیاں۔

(۳) **نسیج عضلاتی** (Musscular Tissue): عضلات جسم اور ان کی جھلیاں۔

(۴) **نسیج قشری** (Epithelial Tissue): غدد اور اس کی جھلیاں۔

طب یونانی نے مفرد اعضاء کی تعریف کے مطابق شریانوں، وریدوں، جلد اور چربی کو بھی مفرد اعضاء میں لکھا ہے۔ مگر انسجہ کے تحت یہ چاروں چیزیں مختلف انسجہ سے مرکب ہیں۔ اس لئے اس کو مفرد اعضاء نہیں کہنا چاہئے اور مرکب اعضاء سے سمجھنا چاہئے۔ اگرچہ ظاہر میں مفرد نظر آتے ہیں۔ ان مفرد اعضاء (انسجہ) کی تفصیلی تشریح یونانی اور اسلامی دور میں اس لئے نہ ہوسکی کہ اس وقت خوردبین ایجاد نہیں ہوئی تھی۔

مفرد اعضاء کی ترکیب

ترکیب کے معنی ہیں باہم جڑنا۔ جب اعضاء باہم مل کر یک جان بنتے ہیں تو گویا باہم جڑتے ہیں۔ مثلاً اعصابی اور عضلاتی ریشے جب آپس میں ترکیب پاتے ہیں تو ان کے جڑنے کی تین صورتیں ہیں، اوّل دونوں قسم کے انسجہ اپنی اپنی جگہ تکمیل پا کر باہم جڑ جائیں۔ شرائین وادردہ اور جلد میں عضلاتی اعصابی اور غدی ریشے باہم جڑے ہوتے ہیں۔ اور خوردبین سے بھی الگ الگ دیکھے جاسکتے ہیں۔ دوسرے مختلف انسجہ کے کیمیاوی مرکب سے انسجہ باہم جڑے ہیں، جیسے چربی اور ہڈی کے اندر کے گودے وغیرہ۔ تیسرے مختلف انسجہ باہم ایک دوسرے کے اندر بنتے چلے گئے ہوں۔ جیسے اعضائے رئیسہ میں دل ودماغ اور جگر میں نظر آتے ہیں۔

چونکہ مفرد اعضاء (انسجہ) ایک دوسرے سے ترکیب پاتے ہیں، اس لئے امراض ترکیب میں ایک مفرد عضو (نسیج) کی خرابی کا اثر جب دوسرے مفرد عضو (نسیج) تک پہنچ جاتا ہے تو تغیر مفرد اعضاء (انسجہ) کے بعد نقصان پیدا ہوتا ہے اور اس سے دونوں کے افعال میں تبدیلیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ بس یہی مرض ترکیب ہے۔ اس عضو (نسیج) تک پہنچ کر اس کے فعل میں تبدیلی پیدا کرے اور غیر طبعی افعال ظہور میں آئیں۔

نظریہ مفرد اعضاء کے تحت ہم نے مرض ترکیب کو جس طرح ذہن نشین کرایا ہے، اس سے قدیم وجدید طبی کتب خالی ہیں۔ اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ علم الامراض اپنے اندر کس قدر اہمیت رکھتا ہے۔

مرض ترکیب کے اقسام

مرض ترکیب کو سمجھ لینے کے بعد مفرد (انسجہ) کے اندر جو تبدیلیاں پیدا ہوتی ہیں ان کا سمجھنا نہایت اہم ہے کہ طب یونانی نے ان پر کس خوبصورتی سے روشنی ڈالی ہے۔ جب ہم ماڈرن سائنس کی روشنی میں مرض کی ماہیت پر روشنی ڈالیں گے تو ان کو سمجھنے میں نہ صرف آسانیاں پیدا ہوں گی بلکہ فرنگی طب کی خرابیاں وغلطیاں اور نقائص سامنے آ جائیں گے اور طب یونانی کی عظمت کا صحیح اندازہ کیا جا سکے گا۔ مرض کی چار اقسام ہیں:
(۱) مرض خلقت (۲) مرض مقدار (۳) مرض عدد (۴) مرض وضع۔ مختصر تفصیل درج ذیل ہے۔

۱۔ مرض خلقت

ایک ایسا مرض ہے جس میں کسی عضو یا جسم کی شکل وصورت اپنی صحیح حالت پر قائم نہ رہے۔ مثلاً سیدھے عضو کا ٹیڑھا ہو جانا۔ مرض خلقت کے بھی چار اقسام ہیں: (۱) امراض شکل (۲) امراض مجاری (۳) امراض تجاویف (۴) امراض سطح۔ مختصر تفصیل درج ذیل ہے:

(۱) **امراض شکل:** اس کی شکل میں خلل پیدا ہو جائے، جیسے چپٹا سر ہونا وغیرہ۔

(۲) **امراض مجاری:** مرض کی ایسی حالت کا نام ہے جس میں اعضاء کے راستے خراب ہو جائیں۔ مثلاً مجاری کا تنگ اور ڈھیلا ہو جانا۔

(۳) **امراض تجاویف:** مرض کی ایسی حالت کا نام ہے جس میں تجاویف ضرورت سے زیادہ وسیع، تنگ یا بند ہو جائیں

(۴) **امراض سطح:** مرض کی ایسی حالت کا نام ہے جس میں کسی عضو یا جسم کی سطح خراب ہو جائے۔

۲۔ امراض مقدار

مرض کی ایسی حالت کا نام ہے جس میں کوئی عضو یا تمام جسم اپنی مناسب مقدار سے زیادہ ہو جائے یا کم ہو جائے۔ جیسے جسم کا موٹا ہو جانا یا دُبلا ہو جانا یا کسی ایک حصہ کا موٹا یا دُبلا ہو جانا۔

۳۔ امراض عدد

مرض کی ایسی حالت کا نام ہے جس میں کسی عضو میں عدد کے لحاظ سے اضافہ ہو جائے یا کمی واقع ہو جائے۔ جیسے ہاتھ کی انگلی میں کمی یا زیادتی ہو جائے۔ اس کی دو صورتیں ہیں: (۱) طبعی یعنی پیدائشی (۲) غیر طبعی جو کسی مرض کی وجہ سے ہو جائے۔

۴۔ امراض وضع

مرض کی ایسی حالت کا نام ہے جس میں کوئی عضو اپنے موضوع یا مقام سے دور ہو جائے یا کسی ساکن عضو میں حرکت پیدا ہو جائے یا متحرک عضو ساکن ہو جائے۔

مرض ترکیب کی تشریح

طب یونانی میں مرض ترکیب کی یہ جو اقسام بیان کی گئی ہیں، سب مفرد اعضاء (انسجہ) کے وہ اثرات ہیں جو اپنی بافتوں کے ذریعے سے ایک دوسرے میں اُتر جاتے ہیں۔ یہ صورتیں پیدائش سے پہلے بھی ہو سکتی ہیں اور پیدائش کے بعد بھی ہو سکتی ہیں۔ پیدائش سے پہلے مثلاً نطفہ میں اثر

پیدا ہو جائے یا حمل کے دوران میں ماں کے خون میں کوئی کیفیاتی یا نفسیاتی اور جسمانی خرابی اور توہماتی اثر پڑ جاتا ہے اور عجیب و غریب بچے پیدا ہوتے ہیں جن میں شاہ دولہ کے چوہے بھی شریک ہیں۔ ان کو طبعی صورت نہیں کہنا چاہئے۔ قبل پیدائش اثرات کہنا چاہئے۔ پیدائش کے بعد اکثر امراض میں جب کسی مفرد عضو میں تحریک و تحلیل یا تسکین کا زیادہ اثر ہوتا ہے تو یہ صورتیں ہو جاتی ہیں۔ ماڈرن سائنس نے بھی یہ حقیقت تسلیم کر لی ہے کہ مختلف انسجہ میں خرابی پیدا ہو جاتی ہے۔

مرض تفرق اتصال

مرض مفرد کی تیسری قسم کو طب یونانی میں تفرق اتصال کہتے ہیں۔ اس کی پہلی اور دوسری اقسام سوئے مزاج اور مرض ترکیب اور ان پر تنقید و تشریح بیان کر چکے ہیں۔ ان دونوں کی طرح مرض تفرق اتصال کو بھی سمجھنے کی بے حد ضرورت ہے۔ کیونکہ صدیوں سے نہ ان پر تنقید کی گئی ہے اور نہ ہی ان کی صحیح تشریح ہو سکی ہے اور اب جب کہ ماڈرن سائنس کا دور ہے اور زبردست خوردبینوں کی مدد سے ذرہ ذرہ جسم (خلیہ و سیل) کی تشریح و افعال بیان کر دیئے گئے ہیں اس لئے ضروری ہے کہ طب یونانی میں بیان کی گئی امراض تشریح اور تفصیل کو اس طرح بیان کر دیا جائے کہ اس کی خوبی و برتری اور عظمت اور فرنگی طب اور ماڈرن سائنس پر واضح ہو جائے اور انہوں نے موجودہ دور میں جو ترقی کی ہے وہ اس غلط فہمی میں نہ رہے کہ وہ نشو و نما میں اور ارتقاء میں یونانی طب کے مقابلہ میں کہیں افضل اور بہتر ہے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ جس قدر دقیق اور صحیح بیان طب یونانی میں ہے فرنگی طب ابھی تک اس کے پائے کو نہیں پہنچ سکی۔ یہی اس کا کمال ہے۔

مرض تفرق اتصال کی تعریف

وہ مرض ہے جس میں اعضاء کی ساخت متفرق اور جدا ہو جاتی ہے اور اس کا باہمی اتصال جاتا رہتا ہے۔ جسم کٹ پھٹ جاتا ہے۔ یہ اچھی طرح یاد رکھیں کہ گاہے تفرق اتصال بالکل نمایاں ہوتا ہے اور آنکھوں سے نظر آتا ہے۔ مثلاً عضو کا کٹ جانا، جلد کا چھل جانا اور گاہے اس قدر خفیف اور باریک ہوتا ہے کہ وہ آنکھوں سے نمایاں طور پر ظاہر نہیں ہوتا۔ مثلاً سوئی کی نوک اگر جلد میں خفیف طور پر چبھو کر نکال لی جائے کہ خون نہ نکلے تو جلد میں تفرق اتصال سوئی کی نوک سے پیدا ہو جائے گا اور اس کا اثر درد کی صورت میں محسوس ہوگا۔ مگر جلد کے اجزاء کی علیحدگی آنکھوں سے معلوم نہ ہوگی۔ اسی طرح ورم جب اعضاء کی ساخت میں مادہ نفوذ کرتا ہے گو مادہ کے نفوذ سے اس عضو کے اجزاء لازمی طور پر متفرق اور جدا ہو جاتے ہیں۔ مگر ہر ایک مفرد عضو کا تفرق آنکھوں سے نظر نہیں آتا۔ جیسے سوزش جو بادی ہو مادی اور اندرونی ہو یا بیرونی، جب کیفیات کے اثر سے مفرد عضو میں سکیڑ پھیلاؤ پیدا ہوتا ہے تو اس مفرد عضو نسیج میں خفیف تفرق ضرور پیدا ہو جاتا ہے لیکن وہ دیکھا نہیں جا سکتا۔ مگر جو تفرق اتصال گہرا اور نمایاں ہو وہ آسانی سے دیکھا جا سکتا ہے۔ تفرق اتصال مفرد اعضاء اور مرکب اعضاء دونوں میں ہو سکتا ہے یعنی دونوں کے اجزاء متفرق اور جدا ہو سکتے ہیں۔ تفرق کا معنی جدا ہونا ہے۔ طب یونانی میں مختلف اعضاء کے تفرق اتصال کے مختلف نام ہیں۔ چونکہ اعضاء کے افعال میں روک پیدا ہو جاتی ہے۔ یا بالکل باطل ہو جاتے، اس لئے تفرق اتصال کو بطلان بھی کہتے ہیں۔

مرض تفرق اتصال کی حقیقت

تفرق اتصال کے متعلق عام طور پر یہی سمجھا جاتا ہے کہ اس مرض کا تعلق اولاً اعضائے مفرد و مرکبہ دونوں سے ہوتا ہے۔ بعض حکماء نے اس کی تشریح اس طرح کی ہے کہ ایسا مرض ہے جس میں اس کا تعلق کبھی اولاً اعضائے مفرد سے ہوتا ہے اور کبھی اعضائے مرکبہ سے۔ یہی تفرق اتصال ایک عام مرض ہے۔ جس کا تعلق دونوں قسم کے اعضاء کے ساتھ ممکن ہے۔ بخلاف سوئے مزاج اور مرض ترکیب کے کیونکہ ان کا تعلق عضو مفرد اور عضو مرکب سے جدا جدا ہوتا ہے۔

لیکن ہمیں تو اس حقیقت کو سمجھنا ہے کہ مرض کی اصلیت اور ماہیت کیا ہے اور اعضائے مفردہ اور مرکبہ سے تعلق کا مقصد کیا ہے۔ تفرق اتصال کی حقیقت کو ذہن نشین کرنے اور سوئے مزاج اور مرض ترکیب کا فرق سمجھنے کے لئے یہ جان لیں کہ سوئے مزاج سے کسی ایک مفرد عضو (نسیج) میں کیفیاتی ونفسیاتی اور مادی و کیمیاوی طور پر تبدیلی پیدا ہوتی ہے جس سے اس میں تغیر واقع ہوجاتا ہے۔ یعنی اس کے افعال کی طبعی حالت بدل جاتی ہے اور جب اس تغیر کا تعلق دوسرے مفرد اعضاء سے ہوجاتا ہے تو اس کو مرض ترکیب کہتے ہیں۔ چونکہ اس حالت میں دیگر اعضائے کے افعال میں بھی خرابی پیدا ہوجاتی ہے۔ جس کو نقصان بھی کہتے ہیں۔ گویا سوئے مزاج اور مرض ترکیب میں اعضائے مفردہ اور اعضائے مرکبہ میں خرابیاں صرف ان کے طبعی افعال میں تغیر اور نقصان سے پیدا ہوتی ہیں جس کی وجہ کیفیاتی ونفسیاتی اور مادی و کیمیاوی ہوتی ہے لیکن ان میں ابھی تک تفرق اتصال نہیں ہوتا۔ یعنی اعضاء کے اتصال میں تفرق اور جدائی کی صورت پیدا نہیں ہوتی اور جب یہی تغیر اور نقصان بڑھ کر بطلان پیدا کردے تو یہ تفرق اتصال بن جاتا ہے۔

یاد رکھیں کہ یہ تفرق اتصال جیسے اندرونی طور پر تغیر اور نقصان سے پیدا ہوا اسی طرح بیرونی طور پر واقع ہوسکتا ہے جس کی مختلف صورتیں، جو مختلف اعضاء میں واقع ہوتی ہیں، درج ذیل ہیں:

① جلد میں تفرق اتصال کی دو صورتیں ہیں۔ اولاً جس میں جلد پر خفیف خراش ہوں اس کو خدش (Excoriation) کہتے ہیں۔ دوسرے جس میں جلد زیادہ چھل جائے اس کو سحج (Abrasion) کہتے ہیں۔

② گوشت کے تفرق اتصال کی بھی دو صورتیں ہیں۔ اوّل گوشت کا تازہ زخم جس میں پیپ نہ پڑی ہو۔ جراحت (Wound) کہتے ہیں۔ دوسرے جب گوشت کے زخم میں پیپ پڑ جائے تو اس کو قرحہ (Ulcer) کہتے ہیں۔

③ ہڈی کے تفرق اتصال کی بھی دو صورتیں ہیں، اوّل ہڈی یا کری جب اس کے دو یا چند ٹکڑے ہوجائیں تو اس کو (Transverse Fracture) کہتے ہیں۔ دوسرے ہڈی یا کری جب وہ ہر صورت میں ٹکڑے ہوجائے تو اس کو مفتت (Communicated Fracture) کہتے ہیں۔

④ ہڈی کے ساتھ مرکب تفرق اتصال وہ ہے جس میں ہڈی یا کری یا عصب یا شریان یا ورید کے طول میں واقع ہو۔ اس کو شق (Repture) کہتے ہیں۔

⑤ شریان یا ورید کا تفرق اتصال، اس کی بھی دو صورتیں ہیں۔ اوّل جب کسی شریان یا ورید کے عرق میں تفرق اتصال واقع ہو تو اس کو باتر (Invasion) کہتے ہیں، دوسرے اگر کسی شریان یا ورید کا منہ کھل جائے تو اس تفرق اتصال کو باثق کہتے ہیں۔

مرض تفریق اتصال کی یہ صورتیں کسی ایک مفرد عضو (نسیج) یا دیگر مفرد اعضاء انسجہ میں بیک وقت ہوسکتی ہیں۔ مگر ان مفرد اعضاء (انسجہ) میں بیک وقت عمل کرنے کو مرض مرکب نہیں کہتے اس کی صورت دیگر ہے۔

مرض مرکب

اس حالت کا نام ہے جو امراض کے ملنے سے پیدا ہو، یعنی اس میں بیک وقت مرض سوئے مزاج مرض ترکیب اور مرض تفرق اتصال تینوں صورتیں پائی جاتی ہیں۔ جیسے ورم، قرحہ اور ناسور وغیرہ۔ کیونکہ اس میں تغیر ونقصان اور بطلان تینوں شامل ہیں، اس لئے مرکب امراض کے علاج میں بھی تینوں صورتوں کو مدنظر رکھنا چاہئے۔ یہاں اعضائے مرکبہ کو بھی سمجھ لیں، جو طب یونانی میں بیان کی گئی ہے، تاکہ غلط فہمی باقی نہ رہے۔

اعضائے مرکبہ کی تعریف

وہ اعضاء ہیں جو مفرد اعضاء کی ترکیب سے بنتے ہیں۔ یہ تین ترکیبوں سے ترتیب پاتے ہیں، پہلی ترکیب جیسے آنکھ، دوسری ترکیب جیسے چہرہ، تیسری جیسے سر، پہلی ترکیب میں مفرد اعضاء آپس میں مل کر ایک صورت بناتے ہیں اس میں اعصاب وغشاء اور عضلات وغیرہ ترکیب پا کر ایک مرکب عضو بناتے ہیں۔ جیسے آنکھ، دوسری ترکیب میں وہ مرکب عضو دوسرے اعضاء سے مل کر ایک نئی ترکیب بناتے ہیں جیسے چہرہ کہ اس میں آنکھیں بھی موجود ہوتی ہیں۔ اور تیسری ترکیب ایسی ہوتی ہے جس میں آنکھ چہرہ کے ساتھ دیگر اعضاء بھی مل کر ایک عضو کی شکل اختیار کرتے ہیں جیسے سر، اس میں چہرہ اور آنکھیں سب شامل ہیں۔ طب یونانی کا کتنا بڑا کمال ہے کہ خوردبین نہ ہونے کے باوجود مفرد اور مرکب اعضاء کے فرق اور ان کی ترکیبوں کو ظاہر صورت میں کس خوبی کے ساتھ بیان کیا ہے۔

فرنگی طب میں تقسیم امراض:

ہم گزشتہ بیان میں طب قدیم کی ماہیت اور تقسیم مرض پر نہ صرف تفصیل سے لکھ چکے ہیں بلکہ اس میں غیر جانبدارانہ تنقید کر کے اس کے حقائق بھی پیش کر چکے ہیں۔ اس سلسلے میں ہم نے جو دقیق تشریح کی ہے اس سے ہمارا مقصد فرنگی طب کی پیتھالوجی (ماہیت امراض) اس کی تقسیم اس میں کیمیاوی وعضوی تبدیلیوں کا بیان کرنا اور اس کا ذہن نشین کرنا ہے۔ تا کہ پورے طور پر اندازہ ہو سکے کہ یونانی طب اور فرنگی طب میں حقیقت مرض کو کس نے بہتر طریق پر ذہن نشین کرایا ہے۔ جہاں تک ماہیت وترتیب اور تربیت وترکیب مرض کا تعلق ہے، یونانی طب اور فرنگی طب میں زمین وآسمان کا فرق ہے جس طرح باقاعدہ اور فطری اصولوں پر یونانی طب نے اس کو ذہن نشین کرایا ہے فرنگی طب اور اس کی سائنس میں یہ بات نہیں ہے اور جگہ جگہ ذہن الجھتا ہے جس سے علاج میں خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔ جب تشخیص ہی غلط ہو تو علاج میں خرابیاں واقع ہونا ضروری ہوتا ہے۔

ترسب وفساد (Infiltration & Degeneration)

جس طرح یونانی طب میں مرض کی ماہیت میں اس کی ابتدائی صورت مرض سوئے مزاج، مرض ترکیب اور مرض تفرق اتصال سے شروع ہوتی ہے، اسی طرح فرنگی طب کی پیتھالوجی میں اس کی ابتداء بدن انسان میں کیمیاوی وعضوی تغیرات اور تبدیلیوں سے ہوتی ہے، وہ ترسب اور فساد کے نام سے موسوم ہوتے ہیں۔ گویا فرنگی طب میں امراض کی حقیقت کو سمجھنے کے لئے ترسب وفساد کا سمجھنا اوّلین شے ہے۔ چونکہ جسم انسان کی ترتیب وترکیب ابتدائی حیوانی ذرّہ (خلیہ سیل) سے ہوتی ہے، اس لئے ترسب وفساد کا تعلق بھی خلیہ ہی سے شروع ہوتا ہے۔

ترسب کی ماہیت

اگر کسی خلیہ (سیل) یا نسیج (ٹشو) کی ساخت میں اندرونی یا بیرونی کیمیاوی اور عضوی طور پر کوئی تبدیلی پیدا نہ ہو، اور نہ ہی اس میں کوئی تکلیف ہو بلکہ اس پر یا اس کے اندر کوئی دوسرا مادہ کسی دوسری جگہ سے آ کر اکٹھا ہونا شروع ہو جائے اس کو ترسب (Infiltration) کہتے ہیں۔ ترسب میں خلیہ یا نسیج تندرست ہوتا ہے، لیکن دوسرا مادہ اس کے اندر کیمیاوی یا عضوی طور پر اکٹھا ہو کر اثر انداز ہوتا ہے۔ ہم اس کو یونانی طب کے قسم مرض ترکیب سے تشبیہ دے سکتے ہیں۔ کیونکہ جو مواد وہاں پر آ کر جمع ہو کر اثر انداز ہوتا ہے، لامحالہ اس کا تعلق کسی نہ کسی دیگر خلیہ یا ٹشو سے ضرور ہوگا۔ مثلاً چربی کے لطیف اجزاء دوسری جگہ سے آ کر اکٹھا ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔ بعض اوقات کسی فساد شحمی میں اس کے ذرات شحمی اکٹھے ہو کر مادہ حیات کو خلیے کی دیوار کی طرف دھکیل دیتے ہیں۔ اسی طرح ہڈیوں کے گودے میں بھی شحمی ترسب واقع ہو سکتا ہے۔ یہ سب اس وقت واقع ہو سکتا

ہے، جب ان کے شحمی ذرّات طبعی ذرّات میں غیر معمولی کمی واقع ہوجاتی ہے۔

ترسب کی اقسام

① ترسب شحمی (Fally Infiltration) ② ترسب کلسی (Calcification) ③ ترسب گلائی کوجینی (Glycogenous) (شکری)۔ان کی تفصیل طویل ہے اوراس کے مقام پر بیان کی جائے گی لیکن اس بات کو ذہن نشین کرلیں کہ فرنگی طب نے ان کو سمجھنے میں غلطی کی ہے۔

فساد کی ماہیت (Degeneration)

جب کسی خلیہ (سیل) یا نسیج (ٹشو) کی ساخت یا اس کے طبعی افعال میں کیمیاوی یا عضوی طور پر نقص واقع ہوجائے یعنی بذاتِ خود مریض ہوجائے تو اس کو ہم یونانی طب کے قسم مرض تفرق اتصال سے تشبیہ دے سکتے ہیں۔ کیونکہ اس میں خلیہ کے اتصال میں فرق پیدا ہوجاتا ہے۔ چونکہ فساد اصل سبب جراثیم سمجھے جاتے ہیں اس لئے فرنگی طب میں مرض کی ابتداء فساد پر رکھی جاتی ہے اوران کی ساری طب ان کے گرد گھومتی ہے۔ فساد جسم میں کسی جگہ واقع ہو، اس کا سبب بالواسطہ یا بلاواسطہ جراثیم کا اثر ہی سمجھا جاتا ہے۔

ترسب اور فساد کا فرق

ان کے فرق کو سمجھنے کے لئے یہ ذہن نشین کرلیں کہ ترسب میں بذاتِ خود کسی خلیہ میں نقص واقع نہیں ہوتا بلکہ دوسرے حصہ جسم سے کوئی مادہ وہاں پر اکٹھا ہوکر اثر انداز ہوتا ہے۔ لیکن اس کے برعکس فساد میں خلیہ ذات میں کیمیاوی یا عضوی طور پر خرابی واقع ہوجاتی ہے۔ ہم نے سمجھانے کے لئے ترسب کو مرض ترکیب سے تشبیہ دی ہے۔ اگر چہ یہ صرف تشبیہات ہیں جن کو مثل نہیں کہا جاسکتا۔ کیونکہ جن خوبیوں سے مرض ترکیب اور مرض تفرق اتصال سے امراض ذہن نشین ہوتے ہیں ان خوبیوں سے مرض ترسب اور فساد سے ذہن نشین نہیں ہوسکتے۔ یہی وجہ ہے کہ فرنگی طب کی پیتھالوجی اوّل تو مرض کی ماہیت پر پوری طرح روشنی نہیں ڈال سکی ہے۔ اور جہاں ترسب اور فساد کا تعلق ہے۔ جو مرض کی بنیادی صورتیں ہیں۔ ان کو بھی چھوڑ کر صرف جراثیم کے نظریہ کو اپنا کر مرض کی ماہیت پر پردہ ڈال کر اس کو اندھیرے میں بند کردیا ہے۔ مرض کی ماہیت کو ذہن نشین کرنے کے لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلے خلیہ کے متعلق پورے طور پر آگاہ ہوجانا چاہئے۔ کیونکہ مرض کا آغاز خلیہ (حیوانی ذرّہ) سے ہوتا ہے۔

تعریف خلیہ

خلیہ اس کو کیسہ (سیل) کہتے ہیں، یہ انتہائی چھوٹا حیوانی ذرہ ہوتا ہے۔ یہ جسامت کے لحاظ سے مختلف اقسام کے ہوتے ہیں۔ بعض خلیے اس قدر چھوٹے ہوتے ہیں کہ بغیر خوردبین کے نظر نہیں آسکتے۔ ان خلیات کی جسامت کا اندازہ اس طرح لگا سکتے ہیں کہ ایک انچ لمبی قطار میں ایک سو سے لے کر چھ ہزار تک آجاتے ہیں، یہی خلیات جب باہم مل جاتے ہیں تو نسیج (Tissue) بناتے ہیں۔ یہ نسیج کل چار قسم کے ہوتے ہیں۔ ان پر ہی جسم انسان کی بنیاد ہے۔

خلیہ کی ترتیب ساخت

خلیہ کی ساخت کو کم از کم چار حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے: ① خلیہ کی تھیلی ② مادہ حیات ③ جوہر حیات ④ مرکز حیات۔ جن کی تشریح درج ذیل ہے۔

(۱) خلیہ کی تھیلی: یہ تھیلی ایک جالی دار نہایت چھوٹی سی تھیلی ہوتی ہے جس کی ساخت میں باہر کی طرف ایک شفاف حجابی جھلی ہوتی ہے۔ یہ جھلی باریک ریشوں کی بنی ہوتی ہے جس کے اندر ایک خاص قسم کی رطوبت ہوتی ہے اور جھلی کے اندر جو رطوبت بھری ہوتی ہے اس کو مادہ حیات (Protoplasm) کہتے ہیں۔

(۲) مادہ حیات: ایک رقیق ولعابدار اور شفاف وسفید رطوبت ہوتی ہے جو خلیہ کی تھیلی میں بھری رہتی ہے۔ اس کو مادہ حیات (Protoplasm) کہتے ہیں، اس میں زندگی کے تمام لوازم پائے جاتے ہیں، یعنی اس میں نشوو ارتقاء اور توالد وتناسل کے ساتھ تکتمیہ وتصفیہ اور تسنیم کے اعمال کی قوت ہوتی ہے۔ یعنی زندہ رہتا ہے، بڑھتا ہے، اور اپنی مثل پیدا کرتا ہے۔ اس کے اندر ایک گٹھلی سی ہوتی ہے، اس کو جوہر حیات (نیوکلی ایس) کہتے ہیں۔ اس کو جوہر حیات اس لئے کہتے ہیں کہ مادہ حیات کی زندگی کا دارومدار اس جوہر حیات پر ہوتا ہے۔

(۳) جوہر حیات: ایک گٹھلی کی طرح گول دانہ ہوتا ہے جو خلیہ کے مادہ حیات میں پائی جاتی ہے جس کو جوہر حیات (نیوکلی) کہتے ہیں، اس گٹھلی پر بھی ایک جاگیدار جھلی چڑھی ہوتی ہے، اس جالیدار جھلی کے ریشوں میں بھی رطوبت بھری ہوتی ہے اور جھلی کے اندر بھی رطوبت ہوتی ہے۔ زندگی کا دارومدار بھی اسی جوہر حیات کو سمجھا جاتا ہے۔ تجربتاً جب کسی خلیے کے دو ٹکڑے کر دیئے جائیں اور جس حصے میں جوہر حیات ہوگا وہ زندہ رہے گا، باقی مر جائے گا اور بڑھ کر پھر پورا خلیہ بن جاتا ہے۔ اس جوہر حیات کے اندر بھی ایک نقطہ ہوتا ہے جس کو مرکز حیات کہتے ہیں۔

(۴) مرکز حیات (Nucleus): جوہر حیات کے درمیان ایک نقطہ سا ہوتا ہے، اس کو مرکز حیات (نیوکلی ایس) کہتے ہیں۔ بعض خلیات میں یہ مرکز حیات نہیں ہوتا۔ بہرحال اس میں بھی زندگی ہوتی ہے۔ اس طرح خلیہ کی زندگی عمل کرتی ہے۔

حقیقت خلیہ

خلیہ (سیل) ایک حیوانی ذرہ ہے۔ جس کو انسانی جسم کی ایک ایسی اینٹ کہنا چاہئے جس کے مرکز میں جوہر حیات ہے۔ جس کی وجہ

سے اس میں طبعی وعضوی اور کیمیاوی وحیاتی افعال مکمل طور پر پورے ہوتے ہیں۔ یعنی تغذیہ وتمیہ اور تصفیہ وتسنیم کے اعمال کے ساتھ اس میں نشو وارتقاء اور توالد وتناسل کی قوت ہوتی ہے، یعنی زندہ رہتا ہے۔ غذا حاصل کرتا ہے، بڑھتا ہے، اپنے فضلات خارج کرتا ہے، نسیم جذب کرتا ہے۔ بڑھ کر اپنے کمال تک پہنچتا ہے اور اپنا مثل پیدا کرتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں اس طرح سمجھ لیں کہ زندگی کے تمام لوازم قوت حرارت اور رطوبت اس میں پائے جاتے ہیں اور ضرورت کے مطابق بڑھتے گھٹتے رہتے ہیں۔ اس لئے خلیہ کو حیوانی ذرہ کہتے ہیں اور انسان انہی حیوانی ذرّوں کا مرکب ہے۔

خلیات کی نشو ونما اور باہمی تعلق

خلیات کی نشو ونما کی جو تین صورتیں ہیں، تقریباً باہمی تعلق اور ملاپ کی وہی صورتیں ہیں۔ یہ تین صورتیں ہیں:۔

① نوک درنوک ② شاخ درشاخ ③ پہلو بہ پہلو۔

(۱) **نوک در نوک:** جو خلیے نوک درنوک ملتے ہیں وہ باہم تقسیم درتقسیم ہوتے ہیں یعنی ایک خلیہ مع اپنی تھیلی اور جوہر حیات کے دو حصوں میں تقسیم ہوجاتا ہے۔ پھر دو کے چار اور چار کے آٹھ تقسیم درتقسیم ہو کر بے شمار ہوجاتے ہیں۔ اس طرح نوک درنوک آپس میں مل کر ریشے بناتے ہیں۔ جیسے عضلات وغیرہ بنتے ہیں۔

(۲) **شاخ در شاخ:** خلیہ کے جسم سے چھوٹی چھوٹی شاخیں پھوٹ نکلتی ہیں۔ پھر خود مکمل ہو کر ایک خلیہ بن جاتی ہیں اور اس خلیہ سے الگ ہو جاتی ہیں اور پھر خود علیحدہ خلیہ بن کر شاخوں کے ذریعہ باہم ملتی ہیں۔ اس طریقے سے الحاقی اور عصبی خلیے باہم ملتے ہیں۔

(۳) **پہلو بہ پہلو:** اس طریقے سے ملنے والے خلیے غلاف کے اندر ہی تیار ہوتے ہیں۔ جوہر حیات کئی حصوں میں تقسیم ہو کر ہر حصہ خود ایک خلیہ بن جاتا ہے۔ جب یہ مکمل ہوجاتے ہیں تو غلاف خلیہ پھٹ جاتا ہے اور وہ باہر آجاتے ہیں اور پہلو بہ پہلو مل کر جھلیاں بناتے ہیں۔

انسجہ (Tissues)

اس طرح خلیات کے باہم ملنے سے انسان کے مختلف اعضاء بنتے ہیں۔ گویا تمام جسم بے شمار خلیات کا مجموعہ ہے۔ اعضائے جسم بننے سے قبل ان خلیات کے باہم ملنے وجڑنے اور تعلق سے ایک خاص قسم کی ساخت اور بافت بنتی ہے۔ ان کی ایک قسم کی ساخت اور بافت کو نسیج کہتے ہیں۔ جن کی جمع انسجہ ہے۔ یہ انسجہ ہی اعضاء بناتے ہیں۔ ان انسجہ یا اعضائے جسم کے افعال وفوائد وہی ہیں جو ان خلیات کے ہیں جن کے وہ مجموعے ہیں۔ انہی انسجہ کو انگریزی میں ٹشوز کہتے ہیں۔ یہی انسجہ (ٹشوز) یعنی خلیات کے مجموعے کی ساخت اور بافت دراصل جسم کے اعضائے مفرد ہیں۔

اقسام انسجہ

یہ انسجہ (ٹشوز) چار قسم کے ہوتے ہیں۔ جو درج ذیل ہیں:

① **نسیج لحمی** (Muscular Tissue) : ان سے عضلات جسم تیار ہوتے ہیں۔

② **نسیج عصبی** (Nervouse Tissue) : ان سے اعصاب جسم تیار ہوتے ہیں۔

③ **نسیج قشری** (Epithelial Tissue) : ان سے جھلیاں اور غدد (گلٹیاں) بنتے ہیں۔

④ **نسیج الحاقی** (Connective Tissue) : ان سے باقی تمام جسم کی بھرتی ہوتی ہے۔

ان تمام انسجہ سے بعض اعضاء صرف ایک ہی قسم کی ساخت اور بافت سے بنتے ہیں، جیسے اعصاب وعضلات وغدد اور ہڈی وکری وغیرہ۔

لیکن یہ مفرد اعضاء آپس میں ایک دوسرے سے باہم جڑے اور ملے رہتے ہیں۔لیکن بعض اعضاء کی ساخت اور بافت میں مختلف اقسام کے انسجہ شریک ہو جاتے ہیں۔ جیسے جلد وجھلیاں اور عروق وغیرہ۔فرنگی طب میں اس کو علم الانسجہ (Histology) کہتے ہیں۔لیکن وہ ان کی فزیالوجی (منافع) سے واقف نہیں ہیں۔جن پر ہم نظریہ مفرد اعضاء کے تحت روشنی ڈال رہے ہیں۔

غرض انہی خلیات (حیوانی ذرّات) کی ساختوں اور بافتوں سے انسجہ (ٹشوز) اور انسجہ کے مفرد اعضاء مثلاً گوشت و پٹھے، ہڈیاں اور گلٹیاں اور جلد وعروق تیار ہوتے ہیں، پھر انہی اعضائے مفرد سے اعضائے مرکب تیار ہوتے ہیں۔جیسے آنکھ، ناک، کان اور عروق وجھلیوں سے مکمل دل و دماغ اور جگر۔اسی طرح ہاتھ پاؤں اور باقی تمام جسم۔گویا جسم ایک کپڑا ہے جوتانے بانے سے بنا ہوا ہے۔بافتن کے معنی بھی بننا ہے۔ اس سے بافندہ اسم فاعل ہے۔

افعال خلیہ

ہم لکھ چکے ہیں کہ ایک خلیہ میں زندگی کے تمام لوازم پائے جاتے ہیں، ان میں قیام حیات کے ساتھ ساتھ توالد وتناسل کا سلسلہ بھی قائم ہے، قیام حیات میں جہاں وہ اپنے لئے تغذیہ اور تسنیم حاصل کرتا ہے وہاں پر تصفیہ جسم بھی کرتا ہے جس سے وہ اپنے اندر سے خاص قسم کے مواد کے رطوبات کی شکل میں خارج بھی کرتا رہتا ہے۔ یہ تغذیہ بھی جسم ہی سے حاصل کرتا ہے وہ اس کی اپنی ذات کے لئے مفید ہوتی ہے۔لیکن جو مواد اخراج پاتے ہیں دیگر اعضاء کی غذا یا باعث زندگی ہوتے ہیں۔ مثلاً نسیج اعصابی جو غذا حاصل کرتے ہیں وہ کھاری ہوتی ہے۔لیکن جب وہ اپنے فضلات کا اخراج کرتے ہیں وہ ترشی ہوتی ہے۔جو نسیج عضلات کی غذا ہے اس طرح نسیج عضلاتی جو فضلہ خارج کرتے ہیں، ان میں خمیری اثرات یا صفراء وہ اجزاء شریک ہوتے ہیں جو غدد (جگر وغیرہ) کی غذا میں شریک ہوتے ہیں۔گویا ایک طرف یہ ذرّات غذا بنتے ہیں۔دوسری طرف خون میں تقویت کا باعث بنتے ہیں۔اس طرح یہ خلیات جسم میں نشو وارتقاء اور صحت وتقویت کا باعث بنے رہتے ہیں۔مختصر طور پر اس طرح سمجھ لیں کہ خلیات اپنے طبعی افعال انجام دیتے رہتے ہیں۔جو درج ذیل ہیں:

① خلیہ اپنی حیات قائم رکھتا ہے جس کے لئے وہ تغذیہ وتسنیم اور نشو ونما پاتا ہے۔

② خلیہ اپنے توالد وتناسل قائم رکھتا ہے، جس کے لئے اس میں نشو وارتقاء اور ٹوٹ پھوٹ رہتی ہے۔

③ خلیہ اپنا خاص کام ضرور کرتا ہے اور وہ اپنے اندر خاص قسم کی غذا جذب کرتا ہے اور خاص قسم کے مواد کا اخراج کرتا ہے۔بس اس طرح خلیات اپنے طبعی افعال جاری رکھتے ہیں۔

جب ان خلیات میں کہیں ترسب وفساد پیدا ہوتا ہے تو ان کے طبعی افعال میں نقص واقع ہوتا ہے۔ان نقائص کو ذہن نشین کرنے کے لئے خلیات کے طبعی افعال کو مدنظر رکھنا انتہائی ضروری ہے۔کیونکہ اس پر انسان کے صحت ومرض کے ساتھ نہ صرف گہرا تعلق ہے بلکہ اس کی اپنی حیات اور نشو وارتقاء اسی پر منحصر ہے۔

جو مواد غذا کے طور پر وہ جذب کرتا ہے اس میں خمیری وکیمیاوی تبدیلی پیدا کرتا ہے اور جو مواد فضلات کے طور پر خارج کرتا ہے وہ دیگر خلیات کی غذا کے علاوہ دافع تعفن اور سوزش بھی ہوتے ہیں۔دراصل خلیات سے یہی مواد ہر قسم کے جراثیم اور زہروں کو فنا کر دیتے ہیں اور یہ فطری سلسلہ قدرت نے خودکار قائم رکھا ہے، لیکن جب خلیات میں فساد پیدا ہوتا ہے، تو اس کے مواد اور فضلات بھی زہر کی شکل اختیار کر کے باعث نقصان بن جاتے ہیں۔یا کبھی خلیات کی رطوبت کے مواد کی زیادتی اور کمی دونوں دیگر خلیات کے لئے تکلیف کا باعث ہوتے ہیں، اس لئے ان خلیات کے طبعی افعال کا جاننا نہایت ضروری ہے۔اس طرح خلیات کی تشریح فعلی اور کیمیاوی افعال کو پورے طور پر سمجھ کر امراض وعلاج پر مکمل

دسترس حاصل کر سکتے ہیں۔

انسجہ (ٹشوز) کے مجموعے

یہ حقیقت بار بار لکھی جا چکی ہے کہ تمام جسم انسان مختلف اقسام کے حیوانی ذرّات (سیلز) سے بنا ہوا ہے۔ یہ خلیات چونکہ مختلف اقسام کے ہوتے ہیں، اس لئے یہ خلیات پہلے اپنے مجموعے تیار کرتے ہیں اور پھر ان مجموعوں سے اعضائے مفرد تیار ہوتے ہیں اور پھر اعضائے مفرد سے اعضائے مرکبہ بنتے ہیں۔ ان مرکب اعضاء سے جسم انسان کی صورت بن جاتی ہے۔ گویا خلیات کے بعد جو شے پہلے تیار ہوتی ہے، وہ یہی خلیات کے مجموعے ہیں۔ جن کو بافت یا ساخت عربی میں نسیج اور انگریزی میں Tissues کہتے ہیں۔ گویا یہی مجموعے جسم انسان کی اصل بنیاد ہیں اور یہی اعضائے مفرد ہیں۔

انسجہ کے اقسام

یہ حقیقت بھی بار بار لکھی جا چکی ہے کہ یہ انسجہ چار قسم کے ہوتے ہیں۔

① نسیج عصبی ایسی بافت (ٹشو) ہے جو عصبی قسم کے خلیات سے تیار ہوتی ہے جس سے اعصاب اور ان کا مرکز دماغ تیار ہوتا ہے۔

② نسیج عضلاتی ایسی بافت (ٹشو) ہے جو عضلاتی قسم کے خلیات سے تیار ہوتی ہے جس سے عضلات اور ان کا مرکز قلب تیار ہوتا ہے۔

③ نسیج قشری ایسی بافت (ٹشو) ہے جو قشری قسم کے خلیات سے تیار ہوتی ہے جس سے غدد اور ان کا مرکز جگر تیار ہوتا ہے۔

④ نسیج الحاقی ایسی بافت (ٹشو) ہے جو الحاقی قسم کے خلیات سے تیار ہوتی ہے جس سے جسم کی بنیادیں (ہڈی وکری اور وتر و رباط) اور بھراؤ مکمل ہوتا ہے جن سے اعضائے جسم قائم ہیں۔

مفرد اعضاء کی صورت میں تو صرف ایک ہی قسم کے خلیات پائے جاتے ہیں۔ جیسے ہڈی وکری میں الحاقی مادہ۔ لیکن جب اعضاء مرکب ہوتے ہیں جلد وعروق اور شرائن وادردہ تو ان میں مختلف اقسام کی بافتیں آپس میں مل کر ترتیب پاتی ہیں یا جہاں جہاں اعضاء آپس میں متعلق ہوتے ہیں تو پھر یہ بافتیں ایک دوسری بافت کے اندر تک چلی جاتی ہے جیسے جگر میں نظر آتا ہے تفصیل درج ذیل ہے:۔

① **نسیج عصبی** (Nervous Tissue): یہ عصبی خلیات کے ریشے ہوتے ہیں۔ یہ ریشے نہایت باریک بنے ہوتے ہیں۔ ایک متوسط عصبی ریشے کی جسامت ۴ر۱انچ ہوتی ہے۔ نسیج عصبی پر دو غلاف چڑھے رہتے ہیں۔ اس لیے نسیج عصبی کو محور عصب (AXON) کہتے ہیں۔ یہی عصبی ریشے کا اصل جوہر ہوتا ہے۔ اس کے اوپر غلاف شحمی (Medullary Sheath) ہوتا ہے جس کا تعلق قشری بافت سے ہوتا ہے۔ دوسرا غلاف ایک اور جھلی کا ہوتا ہے جس کا تعلق عضلاتی بافت کے ساتھ ہوتا ہے جس طرح برقی تار ربڑ کی نلکیوں میں لپٹی ہوتی ہے اسی طرح انسجہ اعصابی اپنے مرکز سے لے کر تمام جسم میں پھیلے ہوتے ہیں اور ان میں برقی رو کی طرح تحریکات چلتی ہیں۔ ان انسجہ اعصابی میں چھوٹی چھوٹی بلندیاں ہوتی ہیں جن کو طبی اصطلاح میں عقود (Ganglion) کہتے ہیں۔ جہاں پر دیگر انسجہ اپنی دیگر راہیں بناتے ہیں انسجہ اعصابی کا اختتام مختلف طریق پر ہوتا ہے:

❶ جال کی شکل میں ختم ہوتے ہیں۔

❷ حلقوں میں ختم ہوتے ہیں۔

❸ لمبی صورت میں ختم ہوتے ہیں۔

❹ ابھار بنا کر ختم ہوتے ہیں۔ جیسے ہتھیلی اور تلووں کی جلد کے نیچے ہوتے ہیں۔ انسجہ اعصابی دماغ سے لے کر حرام مغز کے ذریعے تمام جسم

میں پھیلتے ہیں۔ان کے افعال احساس کرنا ہے اور عضلات وغدد کو حرکت دینا ہے۔ان کا تعلق حواس ظاہری اور باطنی سے ہوتا ہے۔

② نسیج عضلاتی (Muscular Tisseu): یہ عضلاتی خلیات سے بنتے ہیں چونکہ ہڈی اور کری کے بعد جسم پر گوشت کا ایک بہت بڑا حصہ ہوتا ہے۔اس لیے عضلات (گوشت) کی جسم پر کثرت ہوتی ہے۔اس بافت کے ریشے باہم مل کر مجموعے بناتے ہیں۔ پھر یہی مجموعے مل کر عضلہ بن جاتے ہیں۔ یہ عضلات سر سے لے کر پاؤں تک اعصاب وغدد کے ساتھ متعلق رہتے ہیں۔ دل عضلات کا مرکز ہے اور معدہ کو عضلات میں بے حد اہمیت حاصل ہے۔

عضلات بناوٹ اور افعال کے لحاظ سے دو قسم کے ہوتے ہیں۔اوّل ارادی عضلات (Voluntary Muscles) جو انسان کے ارادہ کے تحت کام کرتے ہیں جیسے ہاتھ پاؤں کے عضلات جن پر خاص قسم کی دھاریاں ہوتی ہیں۔دوسرے غیر ارادی عضلات (Involuntary Muscle) جن کی حرکت انسان کے ارادہ کے تحت نہیں ہے جیسے دل و پھیپھڑے اور معدہ وغیرہ ارادی عضلات میں پھیلنے اور سکڑنے کی طاقت ہوتی ہے بلکہ ان کی حرکت جونک کی سی حرکت ہوتی ہے۔ یعنی ان عضلات کا اگر ایک حصّہ سکڑتا ہے تو دوسرا پھیل جاتا ہے جیسے مری اور آنتوں کے عضلات میں یہ بات نمایاں طور پر ظاہر ہوتی ہے۔ ہر قسم کے عضلات کے افعال کے متعلق یہ بات سمجھ لیں کہ ان کے ذمہ قدرت نے جسم کی ہر قسم کی حرکت کرنا لگا رکھا ہے۔ یہ احساس باعث حرکت ہو یا نہ ہو۔اسی طرح جسم کی ہر حرکت صرف عضلات ہی کرتے ہیں۔

③ نسیج قشری (Epithelial Tissue): یہ قشری خلیات سے بنتے ہیں۔جسم انسان میں نسیج قشری عام طور پر غدد اور غشائے مخاطی کی شکل میں سر سے لے کر پاؤں تک پھیلے ہوئے ہیں۔غشا کی صورت میں اعضاء کے اندر یا باہر لگی ہوتی ہے۔ جیسے مری ومعدہ اور امعاء کی صورت میں جلد کا بالائی طبق جس کو بشرہ کہتے ہیں۔اعصاب کے ریشے کے ساتھ لگی ہوتی ہے جو حقیقی جلد کی حفاظت کرتا ہے۔ جب بالائی طبق کے پرانے انسجہ کی وجہ سے مردہ ہو کر گر پڑتے ہیں تو اس کی جگہ نئی بافت پیدا ہو جاتی ہے۔

افعال کے لحاظ سے جسم کے اندر یا باہر جہاں جہاں پر رطوبات کی ضرورت ہے وہاں پر نسیج قشری غدد یا جھلی کی شکل میں ضرور لگے ہوتے ہیں جیسے منہ میں تھوک' آنکھ میں آنسو' ناک اور حلق میں رطوبت اسی طرح مری و پھیپھڑوں کے اندر بلغم' عورتوں میں دودھ اور مردوں میں منی وغیرہ کا اخراج پانا۔اسی طرح پسینہ اور پیشاب وغیرہ کا اخراج بھی نسیج قشری کے افعال میں داخل ہے۔

④ نسیج الحاقی (Connective Tissue): یہ الحاقی خلیات سے بنتے ہیں۔اس کو اس طرح سمجھ لیں کہ جسم انسان کی بنیاد ہڈی وکری اور رباط واوتار پر ہے ان پر اعصابی وغددی اور عضلاتی انسجہ سے جو اعضاء بنتے ہیں ان کے علاوہ جو جسم میں بھرتی ہوتی ہے وہ سب انسجہ الحاقی سے ہوتی ہے۔ جہاں تک احساس وحرکت اور اخراج رطوبت کا تعلق ہے اس میں اس قسم کے کوئی اثرات وافعال اور فوائد نہیں پائے جاتے گویا ان میں زندگی تو ہے مگر انسانی زندگی کے معاملات میں جو دخل اعصاب وعضلات اور غدد کو حاصل ہے وہ انسجہ الحاقی میں نہیں پایا جاتا۔ گویا الحاقی انسجہ صرف بنیاد اور بھرتی کا کام کرتے ہیں۔ ماڈرن میڈیکل سائنس نے ثابت کیا ہے کہ انسجہ الحاقی انسانی زندگی اور جسم میں ابتدائی بافت ہیں جن میں نشو وارتقاء پیدا ہوتا ہے تو یہ دیگر انسجہ میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔جسم کے جس مقام پر نشو وارتقاء ختم ہو جاتا ہے۔ وہاں پر الحاقی انسجہ کی کثرت ہو جاتی ہے۔ گویا ان کی کثرت بعض مقامات پر وہاں کی زندگی ختم کر دیتی ہے۔خون میں ہر قسم کے انسجہ کے مادے پائے جاتے ہیں۔لیکن سب سے زیادہ جو مادہ پایا جاتا ہے وہ انسجہ الحاقی کا ہوتا ہے۔ جب انسجہ الحاقی کے مادہ میں زیادتی ہوتی جاتی ہے تو جسم میں خشکی اور خون میں گاڑھا پن پیدا ہو جاتا ہے۔ اعصاب و عضلات اور غدد کے افعال بگڑ جاتے ہیں اور جب اس میں کمی واقع ہوتی ہے تو جسم میں رطوبات کی زیادتی خون میں رقت اور کمزوری پیدا ہو جاتی ہے۔ ہڈیوں میں خرابی اور جسم کی نشو وارتقاء رک جاتی ہے۔

مفرد اعضاء میں مرض کی ابتداء

مفرد اعضاء (انسجہ) کے خلیات کے افعال جب طبعی طور پر اعتدال پر قائم رہتے ہیں تو مجرائے بدن میں بھی کوئی خرابی نہیں پیدا ہوتی۔اس کا نام صحت ہے۔جب ان میں نقص وخرابی اور بے اعتدالی پیدا ہو جاتی ہے۔یعنی اگر کسی خلیہ کے ان صفات کے اندر کسی قسم کا فرق آ جائے تو یہ خلیہ ایسی صورت میں ضرور مریض ہوگا۔اس کا نتیجہ اور اثر مجرائے جسم پر پڑے گا۔ان میں خرابی اور بے اعتدالی واقع ہو جائے گی۔بس اسی کا نام مرض ہے اور اس کی طرف جسم کی جو صورتیں دلالت کریں گی وہ علامات ہیں۔

طب یونانی میں مرض کی ماہیت میں اس کی ابتداء مفرد اعضاء (انسجہ) کے مرض: (۱) سوئے مزاج۔ (۲) مرض ترکیب۔ (۳) مرض تفرق اتصال سے شروع ہوتی ہے۔فرنگی طب کی پیتھالوجی (ماہیت امراض) میں مرض کی ابتداء ترسب وفساد سے شروع ہوتی ہے۔اگر فرنگی طب کے ترسب کو مرض ترکیب اور فساد کو تفرق اتصال بھی تسلیم کر لیں تو بھی سوئے مزاج ایک ایسی صورت ہے جو طب یونانی میں تو نظر اور سمجھ آ سکتی ہے مگر فرنگی طب میں اس کی کوئی صورت نہیں ہے۔پھر ترسب میں جو صورت بیان کی گئی ہے۔صرف اس قدر ہے کہ اس کی طرف کوئی دوسرا مادہ اکٹھا ہو جائے۔وہ خود تندرست ہوتا ہے اور اس کے اندر باہر کوئی تبدیلی پیدا نہیں ہوتی اور یہی حالت اس کے تمام اقسام میں قائم ہے۔لیکن طب یونانی مرض سوئے مزاج میں مفرد اعضاء (انسجہ) کے اندر مزاج کی تبدیلی تسلیم کرتی ہے جس میں اس کے اندر کی تبدیلیاں پیدا ہوتی ہیں اور امراض کی ابتداء ہوتی ہے۔حیرت کی بات یہ ہے فرنگی طب خلیہ کی اندرونی تبدیلیاں کسی نہ کسی صورت میں تسلیم کرتی ہے۔مثلاً کسی قسم کی تبدیلی اس کی شکل میں واقع ہو جائے۔یا اس کی نواۃ جو مرکز یا وسط میں واقع ہے۔اسی طرح مادہ حیات کی اپنی خاص شکل اور جائے وقوع ہے۔ان کے طبعی اجزاء غیر طبعی مقدار میں یا غیر طبعی جگہ پر واقع یا مفقود ہوں تو خلیہ مریض سمجھا جائے گا۔یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس کے مزاج میں خرابی واقع ہوگئی ہے لیکن فرنگی طب نہ اس حالت کا نام رکھتی ہے اور نہ اس کو ترسب اور فساد میں شمار کیا جا سکتا ہے۔

مفرد اعضاء میں امراض کی صورتیں

ہم نے نظریہ مفرد اعضاء کے تحت انسجہ (مفرد) اعضاء میں امراض کی تین صورتیں بیان کی ہیں:

① ان کے افعال میں تیزی ہوگی جس کو ہم ان کی تحریک کا نام دیتے ہیں۔
② اس کے افعال میں سستی ہوگی جس کو ہم تسکین کہتے ہیں۔
③ ان کے افعال میں ضعف واقع ہوگا جس کا نام ہم نے تحلیل رکھا ہے۔

ان تینوں صورتوں کی ابتداء سوئے مزاج سے شروع ہوتی ہے اور پھر مرض ترکیب اور داخلی تفرق اتصال تک پہنچ جاتی ہے۔اس کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔امراض کی ماہیت اور حقیقت کے سمجھنے کا سب یہی راز ہے۔مرض کی ابتداء سے لے کر اس کی انتہاء تک یہی سلسلہ چلا جاتا ہے۔اس طرح طالب علم اور اطباء کو امراض کی حقیقت' ماہیت اور ان کے نتائج جو ضعف وقوت اور بڑھاپے کی صورتوں میں آسانی سے ذہن نشین ہو جاتے ہیں۔فرنگی طب اور ماڈرن میڈیکل سائنس تو کیا کسی طریق علاج نے بھی ان کوائف کو اس ترتیب اور خوبصورتی سے بیان نہیں کیا ہے۔جن کی تفصیل درج ذیل ہے:۔

مفرد اعضاء میں تحریک کے امراض

کسی مفرد عضو میں جب تحریک پیدا ہوتی ہے تو اس کے فعل میں تیزی پیدا ہو جاتی ہے۔تحریک کی ابتداء میں تو عضو بوجہ کسی محرک کیفیت یا مادہ (عنصر) کی زیادتی یا اپنی ساخت میں کسی کیفیت یا مادہ کی کمی سے گر جاتا ہے اور اس کے مزاج میں سردی اور رطوبت میں خشکی واقع ہونا شروع ہو جاتی ہے۔اس سے اس فعل میں تیزی پیدا ہو جاتی ہے لیکن اس عضو جسم میں ابتداءً کوئی تبدیلی پیدا نہیں ہوتی البتہ اس میں خشکی کی وجہ سے وہ اپنے افعال تیزی سے انجام دینے لگتے ہیں اور خون کا دورہ اس کی طرف تیز ہو جاتا ہے۔گویا ایک قسم طاقت کی صورت اس میں قائم رہتی ہے۔اگر یہی صورتیں اس میں قائم رہیں اور اس کی رطوبات تمام خشک نہ ہو جائیں اور اس کا سکیڑ زیادہ بڑھے تو اس کے افعال کی تیزی سے جو اخلاط یا رطوبات یا مواد پیدا ہو رہے ہیں وہ جسم میں بڑھ جاتے ہیں جیسے **جگر کے فعل میں تیزی سے صفراء، دماغ کے فعل میں تیزی سے رطوبت اور دل کے فعل میں تیزی سے ریاح کی زیادتی ہو جاتی ہے۔گویا یہ سکیڑ اعصاب وغدد اور عضلات تینوں میں ہو سکتا ہے۔** یہ کیمیاوی امراض ہیں جو مشینی طور پر اعضاء میں سکیڑ سے پیدا ہوتے ہیں۔اس تحریک سے اعضاء میں جو سکیڑ پیدا ہوتا ہے اس کو طب میں ضمور اور انگریزی میں اٹروفی (Atrophy) کہتے ہیں۔بعض نے اس حالت کو ہزال لکھا ہے۔یہ غلط ہے کیونکہ ہزال تحلیل کے بعد پیدا ہوتا ہے جاننا چاہیے کہ عضو کا سکیڑ یا ضمور حجم میں عظم کے مقابلے میں ہوا کرتا ہے۔اس میں حرارت کا کوئی تعلق نہیں ہوتا۔اس لیے اس حالت کو ہزال کہنا صحیح نہیں ہے۔

جب کسی عضو میں سکیڑ پیدا ہوتا ہے تو اس میں کیمیاوی طور پر ارضی مادے پیدا ہوتے اور بڑھتے چلے جاتے ہیں۔جن کو کلسی مادہ کہنا زیادہ بہتر ہے۔اعضاء میں کلسی مادے کی زیادتی سے کبھی ریاح کی پیدائش بڑھ جاتی ہے۔کبھی وہاں انسجہ میں تحریک ہو کر ان میں نشوونما شروع ہو جاتی ہیں۔جس سے رسولیاں سلعات (Tumor) بن جاتی ہیں۔کبھی خشکی سے اعضاء پھٹ جاتے ہیں۔کبھی خارش شروع ہو جاتی ہے۔کبھی دانے آتے ہیں۔

جب کبھی کسی عضو میں رفتہ رفتہ یا یکبارگی یا ضربہ یا سقطہ سے خشکی ہو جاتی ہے جس میں اکثر ورم پیدا ہو جاتا ہے۔گویا خشکی سے لے کر خارش و دانے' سوزش و بدن پھٹنا اور سلعات و اورام سب اسی تحریک کے مشینی امراض ہیں۔مشینی اور کیمیاوی امراض اور علامات کے فرق کو اچھی طرح ذہن نشین کر لینا چاہیے۔

مفرد اعضاء میں تسکین کے امراض

جب کسی مفرد عضو میں بلغم اور رطوبات کی زیادتی شروع ہو جاتی ہے تو اس عضو کے حجم یا انسجہ کی تعداد یا غیر عضوی (نسیج) مادوں کے اجتماع سے نشوونما ہو کر اس کی ساخت میں غیر طبعی بڑھاؤ پیدا ہو جاتا ہے جس کو عظم کہتے ہیں۔اس کی مندرجہ ذیل صورتیں ہیں:

① عظم صادق ② عظم کاذب ③ عظم اضافی۔

① عظم صادق (Hypertrophy Proper): جب اعضاء کی ساخت میں طبعی طور پر بڑھاؤ پیدا ہو تو اس کو عظم صادق کہتے ہیں۔جیسے ورزش اور محنت سے اعضائے جسم میں عظم واقع ہو جاتا ہے۔اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ وہاں کے اعضاء میں ورزش اور محنت' خشکی کے ساتھ طلب غذا بڑھ جاتی ہے جو خون سے حاصل کرتے ہیں جس سے ان میں طبعی نشوونما ہو جاتی ہے اور یہی صالح چیز ہے۔اس کو مرض میں شمار نہیں کیا جاتا۔یہ مفید صورت ہے۔

② **عظم کاذب** (Hypertrophy Improper): جب عضو کی ساخت میں بلغم یا رطوبات جمع ہوں مگر وہ اعضاء میں جذب اور جزو بدن نہ ہوں ان سے مفرد اعضاء (انسجہ) بڑھ کر نرم یا ڈھیلے ہو جائیں۔ایسے بڑھاؤ زیادہ تر انسجہ الحاقی میں ہوا کرتے ہیں۔ چونکہ یہ غیر طبعی بڑھاؤ ہوتا ہے۔اس لیے اس کو عظم کاذب کہتے ہیں۔جیسے جگر وطحال اور دل و پیٹ کا بڑھ جانا وغیرہ۔

③ **عظم اضافی** (Compensatory Hypertrophy): جب کسی عضو پر کسی غیر مادہ کا بڑھاؤ پیدا ہو جائے' جیسے چربی یا غیر انسجہ کا بڑھاؤ۔ چونکہ یہ بڑھاؤ غیر طبعی ہوتا ہے اس لیے اس کو عظم اضافی کہتے ہیں۔جیسے دل گردوں اور پیٹ پر چربی کا چڑھ جانا۔

تحلیل کے امراض

جسم میں انسجہ (مفرد اعضاء) کے امراض کی تیسری صورت تحلیل ہے۔حقیقت یہ ہے کہ حرارت کی زیادتی سے جسم میں تحلیل ہوتی ہے جس سے ضعف پیدا ہو جاتا ہے۔جس سے انسجہ میں کمی واقع ہونا شروع ہو جاتی ہے جیسے موم بتی کے جلنے کی حرارت سے موم تحلیل ہو کر اس میں کمی واقع ہو جاتی ہے یا برف اگر دھوپ میں پڑی ہو تو اس میں تحلیل اور کمی شروع ہو جاتی ہے۔لیکن ظاہر میں اس تحلیل جسم کی رطوبت جہاں پر اکٹھی ہو جاتی ہے وہاں ایک ورم کی صورت پیدا کر دیتی ہے۔یہ مرض تحلیل کی علامت ہے۔

ورم کی حقیقت

ورم کی حقیقت پر ہم ابتداء میں بھی روشنی ڈال چکے ہیں کہ ورم صرف ابھار یا سوجن کو کہتے ہیں جس کو انگریزی میں سویلنگ (Swelling) کہتے ہیں۔جو ماؤف جگہ کو باقی صحیح بدن سے اونچا کر دے۔یہ اورام (۱) سوزش میں ہو سکتے ہیں جن کو ہم ضمور کے تحت لکھ چکے ہیں۔(۲) رطوبت کی زیادتی سے ہو سکتے ہیں جن کو ہم نے عظم یا تضخم کے تحت بیان کیا ہے۔(۳) انسجہ کے ٹوٹ پھوٹ اور تکاثر و تحلیل سے پیدا ہوتے ہیں جن کو ہم استسقاء کے تحت بیان کریں گے۔ورم صرف التہاب کو نہیں کہتے وہ صرف سوزشی ورم کو کہا جاتا ہے۔اور یہ بھی ضروری نہیں کہ ہر ورم کا باعث صرف التہاب (Inflammation) ہو۔ورم کی حقیقت کو پورے طور پر ذہن نشین کر لینا چاہئے ،تا کہ مبالغہ نہ رہے۔

استسقاء (Dropsy)

وہ مرض ہے جس میں پیٹ یا بیرونی اعضاء پھول جاتے ہیں۔استسقاء ایک عرب لفظ ہے۔جو سقی سے مشتق ہے۔جس کے لغوی معنی ہیں پانی مانگنا، پانی کا جمع ہو جانا۔چونکہ حالت استسقاء میں جسم کی کسی نہ کسی ساخت یا جوف میں خون کا پانی (Serum) اکٹھا ہو جاتا ہے یا جسم میں پانی کی طلب بڑھ جاتی ہے جس سے یہ علامت استسقاء ظاہر ہوتی ہے۔چونکہ اس مرض میں جسم پھول جاتا ہے اور اس میں ابھار یا سوجن کی صورت پیدا ہو جاتی ہے۔جو ماؤف جگہ کو صحیح حالت بدن سے اونچا کر دیتا ہے، اس لئے اس مرض کو اورام کے تحت بیان کیا گیا ہے۔

استسقاء کی اقسام

اطبائے قدیم نے اس کے تین اقسام بیان کئے ہیں۔

① استسقاء زقی (Ascites)، زق مشک کو کہتے ہیں۔جس طرح مشک پانی سے پھول جاتی ہے، اسی طرح پیٹ بھی پانی سے پھول جاتا ہے۔

② استسقاء لحمی (Anasarca) (لحم = گوشت) اس مرض میں جسم کا گوشت نرم اور پھول جاتا ہے۔

③ استسقاء طبلی (Tympanites) (طبل یعنی ڈھول)۔ پیٹ اس طرح پھول جاتا ہے کہ اس میں سے ڈھول کی سی آواز آتی ہے۔ چونکہ

ان اقسام کو سمجھانے میں حکماء اور اطباء نے کچھ غلطیاں کی ہیں اور کہیں ذہن نشین کرایا ہے تو پورے طور پر نہیں سمجھا گیا۔ ہم انشاء اللہ تعالیٰ اس مضمون کو پوری طرح ذہن نشین کرا دیں گے۔

استسقاء کی مقامی تقسیم

جب جسم کا کوئی مقام پھول جائے یا اس کی بعض ساختوں اور جوفوں میں سیالی خون جمع ہو جائے، تو ان کو مختلف ناموں سے نامزد کیا جاتا ہے۔ مثلاً استسقاء الدماغ، استسقاء الصدر، استسقائے غلاف القلب، پیٹ کے جوف میں ہو تو استسقائے زقی، استسقاء الخصیہ، استسقاء الرحم وغیرہ وغیرہ کہتے ہیں۔ استسقاء کا مطلق اظہار استسقاء الذقی پر کیا جاتا ہے۔ بعض دفعہ چہرہ و پپوٹوں اور ہاتھ پر اماس آ جاتی ہے۔ اس کو بھی ورم رخو یا تہوج (Oedema) کہتے ہیں۔

مقاموں کے متعلق غلط فہمی

مختلف مقامات کے استسقاء کے جو مختلف نام رکھے گئے ہیں ان کو جدا جدا اقسام کے استسقاء خیال نہیں کرنا چاہئے بلکہ استسقاء الزقی کی مختلف صورتیں ہیں جو مختلف اعضاء یا مختلف مقامات پر تحریک کی وجہ سے وہاں پر واقع ہو گئے ہیں یا ان کو استسقاء الزقی کی مختلف علامات خیال کر لینا چاہئے۔ اسی طرح چہرہ و پپوٹوں اور ہاتھ پاؤں کے اماس (پھول جانے) کو بھی استسقاء الزقی ہی تسلیم کر لینا چاہئے۔ کیونکہ یہ سب استسقاء الزقی کے بعد پیدا ہوتا ہے۔ اور ان کے ایک ہی اسباب ہوتے ہیں اس لئے ان کا ایک ہی علاج ہے۔ ان کو مختلف امراض خیال کر کے مختلف علاج کے لئے پریشان نہ ہونا چاہئے۔

فرنگی طب کی غلط تشخیص

جسم کے مختلف جوفوں میں جو استسقاء پیدا ہو جاتا ہے اس کو رطوبت طلیہ (Secration) یا رطوبت لمفاویہ تحقیق کیا گیا ہے۔ اس کے متعلق فرنگی منافع الاعضاء کی کتب میں لکھا گیا ہے کہ رطوبت طلیہ ہمیشہ بدن میں بنتی رہتی ہے۔ اور اس کا یہ کام ہے کہ اپنے ہمراہ خون سے غذا لے جا کر مثل شبنم جسم پر پھیل جاتی ہے اور ان کو غذا پہنچاتی ہے۔ پھر وہاں سے ان کے فضلات جذب کر کے اپنے ہمراہ لیتے ہوئے عروق جاذبہ سے اور وہاں سے پہنچ کر خون میں مل جاتی ہے۔ بس اس رطوبت طلیہ ہی کی زیادتی کو استسقاء تحقیق کیا ہے۔ جو بالکل غلط ہے۔ فرنگی طب اس رطوبت طلیہ کے اجتماع کی صورتیں اس طرح بیان کرتی ہے کہ استسقاء کی حالت میں رطوبت طلیہ کا جمع ہونا دو ہی وجہ سے ہو سکتا ہے۔ اوّل یہ کہ رطوبت طلیہ بہت زیادہ مقدار میں خون سے مترشح ہوتی رہتی ہے۔ دوسرے یہ کہ رطوبت طلیہ کے طبعی دوران میں کوئی خرابی پڑ جاتی ہے۔ ان دونوں وجوہات میں سے پہلے زیادہ ورم ہے اور ان کا سبب عروق دموی کی اس کمزوری کا سبب فقر الدم یا کوئی سمیت (جو خون میں دورہ کر رہی ہے) ہوتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ استسقاء کبھی بھی رطوبت طلیہ کے اجتماع سے نہیں ہوتا۔ ایسا خیال کرنا بھی بالکل غلط ہے۔ جاننا چاہئے کہ استسقاء ہمیشہ اس رطوبت سے ہوتا ہے۔ جو کسی مفرد عضو (نسیج) کے تحلیل ہونے سے اخراج پاتی ہے۔ کیونکہ جسم کی رطوبت عضلات ہی میں بھری رہتی ہے۔ یہ تحلیل اس وقت عمل میں آتی ہے جب غدد (جگر) میں سوزش اور انقباض ہو جاتا ہے۔ جس سے مجاری تنگ ہو جاتی ہے۔ اس صورت میں صفراء کی پیدائش تو قائم رہتی ہے مگر اس کا اخراج رُک جاتا ہے۔ پھر یہی صفراء خون میں داخل ہو کر اکٹھا ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ اس حالت کی ابتدائی صورت کا نام یرقان (Jaundice) ہے۔ پھر سوالقنیہ پیدا ہو جاتا ہے جس میں خون بگڑ جاتا ہے۔ چہرہ اور بدن کی رنگت زردی مائل ہوتی ہے۔ اور ہاتھ پاؤں پھول جاتے ہیں اور نہایت کمزوری ہو جاتی ہے، اس کے بعد جب عضلات میں تحلیل شروع ہو جاتی ہے تو وہ پھیلنا

شروع ہو جاتے ہیں۔ اور یہی حالت دِل کے عضلات کی ہوتی ہے۔ پھر عضلات اور دِل کی تحلیل شدہ رطوبت بدن کے جوفوں میں اکٹھا ہونا شروع ہو جاتی ہے۔ بس اس حالت کا نام استسقاء ہے۔ جس حصہ جسم میں تحلیل زیادہ ہوتی ہے اس کی مناسبت سے نام رکھ دیا جاتا ہے۔ لیکن مرض کی حالت ایک ہی رہے گی۔ غدد (جگر) میں سوزش، عضلات (قلب) میں تحلیل اور اعصاب (دماغ) میں سکون (بلغم) ہوگا۔ یعنی دماغ ہو یا قلب صدر ہو یا شکم رحم ہو یا خصیہ اور چہرہ و پپوٹے ہیں یا ہاتھ پاؤں میں بھی ابھار و سوجن اور اماس و تہوج ہو، حقیقت میں غدد (جگر) اور ان کے متعلقات میں سوزش ہوگی۔ گویا استسقاء ایک ہی مرض ہے اور اس کی ایک ہی ماہیت ہے چاہے مقام کے لحاظ سے اس کا نام مختلف کیوں نہ ہوں۔ جیسے سوزش و درد اور بخار و ضعف کی علامات مختلف مقامات پر مختلف ناموں سے نامزد کئے جاتے ہیں لیکن ان کی اپنی حقیقت ایک ہی رہتی ہے۔ ان حقائق سے ثابت ہوا کہ فرنگی تحقیقات کس قدر غلط اور گمراہ کن ہیں۔ ہم ذیل میں ثبوت کے لئے انہی کے اسباب مرض بیان کرتے ہیں تاکہ حقیقت پورے طور پر روشن ہو جائے۔

رطوبت طلیہ اور سیال خون میں فرق

جاننا چاہئے کہ رطوبت طلیہ کی تعریف جو فرنگی طب منافع الاعضاء میں درج ہے ہم اوپر لکھ چکے ہیں اور اس کی کتب ہی سے سیال خون کی ماہیت لکھتے ہیں:۔

① استسقاء میں جو رطوبت ہوتی ہے اس کا رنگ طبعی (ہلکا زرد) ہوتا ہے۔
② اس کا وزن مخصوص 1006 سے لے کر 1013 تک ہوتا ہے۔
③ اس میں مادہ ملحمہ برائے نام ہوتا ہے۔
④ اس میں کریات بیضہ بہت کم مقدار میں ہوتے ہیں۔
⑤ اس میں غیر طبعی آمیزش مثلاً صفراء جو خون میں دورہ کر رہا ہوتا ہے۔

یہ رطوبت ابالنے پر رطوبات بیضہ کی طرح منجمد نہیں پائی جاتی بلکہ وہ ایسی رطوبت ہے جو خون سے شرائین و غدد کے ذریعہ جسم پر شبنم کی طرح ترشح پاتی ہے اور جسم اپنی غذائی ضرورت کے لئے جذب کر لیتا ہے۔ اور اس میں خون کے تمام اوصاف پائے جاتے ہیں اور اس کے خلاف سیال خون میں نہ ہی اس کا رنگ و وزن ہوتا ہے اور نہ ہی اس میں اجزائے ملحمہ و کریات بیضا اور البیومن ہوتی ہے۔ بلکہ اس میں نمک و صفراء کی زیادتی کی وجہ سے اس کا رنگ ہلکا زرد ہوتا ہے یا کسی زہر یا زہریلے جانور مثلاً زہریلی مچھلی، کیکڑا وغیرہ کھانے یا سانپ، بچھو، کن کھجورا، اور بھڑ کے زہر کا اثر ہوتا ہے جن سے جگر اور گردوں میں انقباض ہو کر غدد میں سکیڑ پیدا ہو جاتا ہے۔ اور عضلات و قلب میں تحلیل شروع ہو جاتی ہے۔

تحقیقات علاج اورام

علاج اورام

اب تک ہم تحقیقات اورام پر لکھتے رہے ہیں اوراب علاج اورام پر اپنی تحقیقات شروع کر رہے ہیں۔ہم کوشش کریں گے کہ اس مضمون کو جلد ختم کردیں۔ کیونکہ بعض دوست اس کی طوالت سے گھبرا گئے ہیں۔ چونکہ ہمارے ملک میں تحقیقات کا ذوق بہت ہی کم ہے،اس لئے اکثریت معالجین صرف اس امر کو پسند کرتے ہیں کہ مرض یا علامت کا نام لکھ کر علاج پیش کردیا جائے۔لیکن حقیقت یہ ہے کہ جب تک ماہیت مرض اوراس کے متعلق پوری تحقیقات سے آگاہی نہ ہو اس وقت تک مرض کے علاج پر پورے طور پر دسترس حاصل نہیں ہوسکتی۔پھر سوزش اوراورام جیسی علامات کا مکمل طور پر جاننا نہایت اہم ہے کیونکہ پہلے بھی یہ بات ہم واضح کر چکے ہیں کہ تمام علم العلاج میں سوزش واورام کو انتہائی اہمیت حاصل ہے اور جو معالجین اس پر اچھی طرح دسترس رکھتے ہیں وہ ہر قسم کے علاج پر مکمل قدرت رکھتے ہیں۔

ہم نے سوزش واورام کی تحقیقات میں ایسے ایسے اسرار ورموز اور حقائق پیش کئے ہیں کہ فرنگی طب اور ماڈرن سائنس کو ان کا تا حال علم بھی نہیں ہے۔شاید آئندہ سو پچاس سالوں تک ان کی حقیقت سے آگاہ ہوسکیں اوران کے ساتھ ہی ماہیت امراض تشخیص امراض، نام امراض اور علامات واسباب پر بہت تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ یہ سب کچھ اس لئے بھی لکھنا تھا کہ کوئی یہ کہہ نہ پائے کہ جب ہماری تحقیقات فرنگی طب ماڈرن سائنس پر برتری ایڈوانس رکھتی ہیں تو ان کی معلومات کی حقیقت کو کیوں نہیں پیش کیا گیا اور دوسری اہم بات یہ تھی کہ ہمیں ان کے علم وفن کی غلطیوں کو بھی پیش کرکے یہ واضح کرنا تھا کہ ان کا علم وفن نہ صرف غلط ہے بلکہ حقیقت سے بھی بہت دور ہے۔الحمدللہ کہ ہم اپنے قول وفعل میں بہت حد تک کامیاب رہے ہیں۔اُمید ہے کہ آئندہ علم وفن کی تجدید وتکمیل کے لئے بھی اللہ تعالیٰ صراط المستقیم کی ہدایت فرمائیں گے۔

تعین اورام

آیورویدک اور اطباء نے چونکہ اورام کو دوشوں اور اخلاط کے تحت بیان کیا ہے اور ہم نے دوشوں اور اخلاط کو بالمفرد اعضاء سے تطبیق دے کر فن میں تجدید اور تکمیل کی صورت پیدا کی ہے۔اس لئے انہوں نے اورام کی جو صورتیں پیش کی ہیں ان کا تعین اور تطبیق کرنا ضروری ہے تا کہ ان کو پورے طور پر سمجھا جاسکتا اور اس کے ذہن نشین کرنے میں سہولت بھی ہو۔

شیخ الرئیس لکھتے ہیں کہ ورم ایک ایسا مرض ہے جس میں جسم کا کوئی مقام پھول جاتا ہے یا غلیظ ہوجاتا ہے۔ یہ مرض کسی عضو میں فضلات اور زائد مواد سے نمودار ہوتا ہے جو اس میں جمع ہوکر تناؤ اور پھیلاؤ پیدا کردیتے ہیں۔اور بثور یعنی پھنسیاں اورام ہی سے ہیں۔ پھنسیاں دراصل چھوٹے اورام ہیں۔اس طرح اورام بھی گویا بڑی بڑی پھنسیاں ہیں گا ہے ورم بیرونی اسباب سے بھی پیدا ہوجاتے ہیں۔مثلاً کسی عضو میں چوٹ لگتی ہے تو درد کی وجہ سے اس کے اندر جوش حرارت پیدا ہوجاتا ہے جس سے خون یہاں کھنچ کر چلا آتا ہے۔چونکہ چوٹ کے باعث اس عضو کے اندر

ضعف پیدا ہو جاتا ہے۔ اور طبیعت اس ضعف کو دور کرنے اور اس کی اصلاح کرنے کی غرض سے خون روانہ کرتی ہے جس سے یہ عضو اس خون سے پر ہو کر متورم ہو جاتا ہے۔

اقسام اورام

شیخ الرئیس نے پھر مختلف اخلاط سے ان کے اقسام لکھے ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) **فلغمونی** (Phlegmon): دموی ورم ہے۔ علامات: مقام پھولا ہوا، گرم سرخ اور تناؤ ہوا ہوتا ہے، ہاتھ سے نہیں دبتا، درد بھی سخت ہوتا ہے، ٹیس پڑتی ہے، علی الخصوص اس وقت جب کہ یہ ورم کسی ایسے عضو میں ہو جہاں شریانیں بکثرت ہوتی ہیں، ورم دموی کی ایک قسم ہے جسے یونانی میں شقاقلوس اور عربی میں خبیثہ کہتے ہیں۔ یہ ایک بڑا ورم ہے جو غلیظ خون سے پیدا ہوتا ہے۔ یہ ورم اتنا بڑا ہوتا ہے اور اس کا مادہ اتنا غلیظ ہوتا ہے کہ وریدیں، شریانیں بلکہ ہوائی آمدورفت کے تمام راستے بند ہو جاتے ہیں۔ شریانیں حرارت غریزیہ کی ترویج سے رُک جاتی ہیں جس سے حرارت بجھ جاتی ہے۔ خون گندہ ہو کر فاسد ہو جاتا ہے۔ پھر اس خون سے یہ عضو بھی گندہ اور فاسد ہو جاتا ہے اور مردہ ہو کر سیاہ ہو جاتا ہے۔ اس کا علاج کاٹ ڈالنے کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ لیکن جب تک حرارت غریزیہ نہیں بجھی ہوتی اور عضو میں جب تک اتنا فساد نہیں ہوتا، بلکہ حرارت غریزیہ کے بجھنے خون کے جمنے اور جلد کے کثیف ہونے کے باعث صرف اس کے رنگ کی تازگی جانے لگی ہو اور اس کی ٹیس بند ہو چکی ہو تو اس کا نام ''غانغرایا (Gangrene)'' ہوتا ہے اس حالت میں ٹیس کے بند ہونے کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ اس کی قوت جاتی رہتی ہے۔

(۲) **حمرہ** (Erysipelas): وہ ورم ہے جو خالص صفراء سے پیدا ہوتا ہے۔ علامات صفراوی ورم روشن، براق، سوزش اور صفراء کے رنگ پر سرخ ہوتا ہے جو دبانے سے ہٹ جاتی ہے۔ پھر یہ سرخی جلد ہی لوٹ آتی ہے۔ نیز یہ ورم سطح جلد سے قریب تر ہوتا ہے۔ زیادہ گہرا نہیں ہوتا۔ وہاں اگر صفراء خون کے ساتھ مخلوط ہو تو یہ ورم گوشت کے اندر گہرا ہوتا ہے۔ درد خفیف ہوتا ہے۔ سوزش شدید ہوتی ہے اور حمرہ پھیلتا اور دوڑتا ہے۔ اس کی ایک قسم نملہ ہے۔ وہ ایک دانہ یا چند دانے ہیں جن کے ساتھ اس قدر سوزش اور جلن ہوتی ہے۔ اور دانے کی جگہ ہلکا سا ورم ہوتا ہے اور چونکہ اس کا مادہ تیز ہوتا ہے، اس لئے ایک جگہ سے دوسری جگہ چیونٹی کی طرح رینگتا ہے۔

نملہ کی ایک قسم نملہ متاکلہ (Herpes Zoaster) ہے۔ جو جلد کو زخمی کر کے کھا جاتا ہے (متاکلہ کھانے والا) دوسری قسم نملہ ساذجہ (Herpes Simplex) (ساذجہ سادہ) جو ظاہر جلد میں دوڑتا ہے اس کا سبب لطیف اور تیز صفراء ہوتا ہے جو باریک رگوں کے دبانے سے خارج ہوتا ہے۔ یہ مادہ جلد کی گرہ میں کیوں بند نہیں ہوتا اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ نہایت لطیف اور تیز ہوتا ہے۔

نملہ کی اقسام میں سے جاورسیہ ان دانوں کو کہتے ہیں جو باجرہ کے مانند چھوٹے چھوٹے متفرق آبلے ہوتے ہیں۔ ان کی جڑیں سرخ اور سرے سفید ہوتے ہیں۔ گاہے ان کے ساتھ شدید سوزش اور ورم ہوتا ہے اور پانی بہتا ہے۔ اس کا سبب بھی صفراء ہے جس سے نملہ پیدا ہوتا ہے۔ مگر یہاں کا مادہ صفراء رقت وغلاظت میں اوسط درجہ کا ہے اور حدت میں کم ہوتا ہے۔ کیونکہ اس کے ساتھ کسی قدر بلغم رقیق مل جاتا ہے۔

(۳) **جمرہ** (Anthrax): وہ دانے ہوتے ہیں جو گاہے منتشر اور گاہے اجتماعی حالت میں چپٹے ہو کر نمودار ہوتے ہیں۔ جمرہ یعنی انگارہ کی مانند ان میں سخت سرخی ہوتی ہے۔ ہر ایک دانہ بدن کا ایک گہرا حصہ گھیر لیتا ہے۔ گوشت کے اندر گھس جاتا ہے اور اس کا درد ایسا ہوتا ہے گویا بدن پر آگ رکھی ہوئی ہے۔ اس پر کھرنڈ جم جاتا ہے۔

(۴) **نار فارسی** (Ecxema): وہ دانہ ہے جو نکل کر جلد پر کھرنڈ جما لیتا ہے۔ کیونکہ یہ اپنی حدت کی زیادتی سے جلد کو جلا دیتا ہے۔ اس کے ساتھ نہایت سخت سوزش ہوتی ہے۔ یہ دانہ جہاں نکلتا ہے وہاں طوؤسی رنگ کے سرخ خطوط جلتی ہوئی آگ یا بھڑکتے ہوئے شعلے کے مانند ہوتے

ہیں۔ یہ حمرہ سے قریب تر ہوتا ہے۔

(۵) **تنفط** (Blister): کبھی بدن پر آبلے نکل آتے ہیں جن میں رقیق رطوبت ہوتی ہے جس طرح جلنے سے آبلے نکل آتے ہیں اور گاہے ان میں پتلا خون ہوتا ہے۔ آبلوں کے پیدا ہونے کی یہ صورت ہوتی ہے کہ عارضی حرارت سے خون رقیق ہو جاتا ہے اور اس میں اس قدر جوش آتا ہے کہ مائیت الگ ہو کر عروق کے سروں میں جلد کے نیچے چلی جاتی ہے اور جلد بمقابلہ ساختوں کے زیادہ ٹھوس ہوتی ہے۔ اس لئے مائیت اس میں نفوذ کر کے خارج نہیں ہو سکتی۔ اگر ایسا ہوتا تو مائیت پسینہ کی طرح بدن سے بالکل خارج ہو جاتی۔ بلکہ جلد سے پانی سے بھرے ہوئے آبلے بن کر رہ جاتی۔

(۶) **شری** (Urticaria): یہ بھی ایک قسم کے دانے ہیں۔ بعض چھوٹے اور بعض بڑے اور چپٹے ہوتے ہیں۔ یہ دانے سرخ ہوتے ہیں۔ ان میں پریشان کن کھجلی ہوتی ہے اور علی العموم یک لخت پیدا ہوتے ہیں۔ اس مرض کا سبب وہ گرم بخارات ہوتے ہیں جو یک لخت صفراوی خون یا بلغم شور سے بدن میں پیدا ہو جاتے ہیں۔ جو پتی خون سے اچھلتی ہے اس کی علامت یہ ہے کہ ان میں سرخی اور گرمی زیادہ ہوتی ہے اور جلد نمودار ہو جاتی ہے اور اکثر دن کو نکلا کرتی ہے اور بلغمی کی علامت یہ ہے کہ سفید مائل ہوتی ہے۔ اور اکثر شب کے وقت اچھلا کرتی ہے۔

(۷) **خراج** (Acute Abscess): بڑے بڑے گرم ورموں میں جب پیپ جمع ہو جاتی ہے تو اس کو خراج (پھوڑا) کہتے ہیں۔ اس کی پیدائش غلیظ مادے سے ہوتی ہے جس کو طبیعت کسی عضو کی طرف دفع کرتی ہے اور وہ غلیظ ہونے کی وجہ سے اس قابل نہیں ہوتا کہ جلد میں نفوذ کر کے میل اور پسینہ اور بخارات کی شکل میں تحلیل ہو سکے اور نہ ہی اس قابل ہوتا ہے کہ گوشت میں سرایت کر جائے اور پیوست ہو جائے۔ وہ عضو کو پھاڑ کر اپنی جگہ بنا لیتا ہے اور پھر خود بھی متعفن ہونے لگتا ہے۔ اور اردگرد کے گوشت کو بھی اس گرمی سے متعفن کرنے لگتا ہے۔ جو اس میں عارضی حرارت سے پیدا ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ اس فضا میں جہاں یہ جمع ہوتا ہے، پیپ اکٹھی ہو جاتی ہے۔ پھر یہ پیپ پختہ ہو کر اور اردگرد کی جگہ کو کھا کر پھوٹ نکلتی ہے۔ پیپ بننے کی علامت یہ ہے کہ درد بڑھتا چلا جاتا ہے اور چھونے سے تنا ہوا معلوم ہوتا ہے اور پیپ کے پک جانے کی علامت یہ ہے کہ درد کی شدت میں سکون آ جاتا ہے۔

(۸) **دنبل** (Boil): دنبل دراصل بڑی اور صنوبری شکل کی پھنسی ہے۔ اس کی رنگت میں سرخی اور ابتداء میں سخت درد ہوتا ہے۔ یہ بھی حقیقت میں پھوڑوں کی قسم ہے۔ بلغمی اورام یونانی طب میں ان کو اورام کہا گیا ہے جو بلغمی مادہ کی زیادتی یا خرابی سے پیدا ہوتا ہے۔

(۹) **ورم رخو** (Dadema): ورم رخو کا یونانی نام اوذیما ہے۔ یہ ایک سفید اور ڈھیلا سا ورم ہوتا ہے۔ اس ورم کے ساتھ نہ گرمی ہوتی ہے اور نہ ہی درد کیونکہ یہ رقیق رطوبت کے بہنے سے پیدا ہوتا ہے۔ اس ورم میں کسی قدر غلاظت اور قدرے ثقل بھی ہوتا ہے اور دبانے سے انگلی اندر گھس جاتی ہے۔ اور دباؤ کا اثر اس پر دیر تک قائم رہتا ہے۔

(۱۰) **رسولی** (Tumor): یہ ایک غلیظ ورم ہے جو گوشت کے ساتھ چسپاں نہیں ہوتا بلکہ اس طرح الگ ہوتا ہے کہ وہ گرفت میں آ سکتا ہے اور حرکت دینے سے وہ ہر طرف آگے پیچھے، دائیں بائیں پھر سکتا ہے۔ یہ ورم چنے سے لے کر تربوز تک کے برابر ہوتا ہے۔ اس کی ایک تھیلی ہوتی ہے جو اسے ہر طرف سے گھیرے رکھتی ہے۔ اس کی پیدائش غلیظ بلغم سے ہوتی ہے۔

رسولی کی چار قسمیں ہیں: ① شحمیہ ② عسلیہ۔ شہد جیسی ③ اردھالیہ۔ ایک قسم کے حریرے جیسی۔ ④ شیرازیہ۔ ایک قسم کے سالن کی مانند۔ اس سے مراد یہ ہے کہ مذکورہ بالا قسمیں مذکورہ بالا اشیاء پر حاوی ہوتی ہیں۔ پہلی قسم میں شحمیہ سب سے سخت ہوتی ہے اور اس کے چھونے سے کسی قدر درد بھی ہوتا ہے اور باقی تینوں اقسام نرم اور قلیل الحس ہوتی ہیں۔

(۱۱) **اورام غدد اور عقد**: گلٹیاں اور گانٹھیں دو قسم کی ہوتی ہیں: ① طبعی یعنی اصلی (غدد) ② غیر طبعی یعنی عارضی (رسولی اور مسے)۔

زبان کی جڑ کے غدد اور عارضی عقد دراصل بدن کے زوائد اور ابھاروں کے مانند ہیں۔ دراصل عقد سخت جسم ہوتی ہیں اور سردی اور خشکی سے بستہ ہوکر اور وہ بھی غلاظت اور صلابت اختیار کر لیتی ہیں۔ فرق ان میں اور رسولی میں صرف یہ ہے کہ یہ رسولی کی طرح بڑھتی نہیں ہیں۔ اور ان پر رسولی کی طرح غلاف بھی نہیں ہوتا اور غدد نرم نہیں ہوتے بلکہ سخت ہوتے ہیں۔

عقد کی اقسام

عقد کی کئی قسمیں ہیں:

(۱) جو گوشت سے خالی مقامات پر نمودار ہوتی ہیں۔ یہ فندق اور اخروٹ وغیرہ کے مانند ہوتی ہیں اور دبانے سے پھیل کر غائب ہو جاتی ہیں۔ یہ گاہے درد کے ساتھ ہوتی ہیں اور گاہے درد کے بغیر۔

(۲) عقد گاہے لحمی یعنی گوشت کی سی ہوتی ہے۔ یہ پہلی قسم کے خلاف بدن کے ہر حصے میں پیدا ہو سکتی ہے۔ ان کو ثالیل مدفنہ (چھپے ہوئے) کہتے ہیں۔

(۳) گاہے غیر معمولی حرکت اور رگڑ سے بھی اعصاب میں عقد پڑ جاتی ہے۔ اعصاب کی عقد بھی رسولی کی طرح ابھری ہوئی ہوتی ہیں۔ اور اسی طرح دب جاتی ہیں۔ لیکن رسولی اور ان میں یہ فرق ہے کہ رسولی ہر طرف پھر سکتی ہے مگر یہ صرف دائیں بائیں ہٹ سکتی ہیں۔

(۱۲) **خنازیر** (Scrofula): کنٹھ مالا رسولی کی طرح گوشت سے الگ نہیں ہوتا بلکہ گوشت کے ساتھ لگا ہوتا ہے۔ یہ رسولی سے زیادہ سخت ہوتا ہے اور خنازیر کی جگہ باہر سے گلٹیاں اور رسولی سی نظر آتی ہیں۔ خنازیر لحوم رخوہ یعنی گلٹیوں اور خاص کر گردن میں پیدا ہوتا ہے۔ (دیگر مقامات پر بھی پیدا ہو سکتا ہے)۔ خنازیر کی گلٹیاں اکثر متعدد ہوتی ہیں اور ایک تھیلی کے اندر بند ہوتی ہیں۔ ان کا نام خنازیر اس لئے رکھا گیا ہے کہ یہ اکثر مرض سؤر کو ہوتا ہے۔ کنٹھ مالا کی پیدائش بدہضمی اور تخمہ سے ہوا کرتی ہے۔

(۱۳) **طاعون** (Plague): شیخ الرئیس کا قول ہے کہ جس یونانی لفظ کا ترجمہ عربی میں طاعون ہے، یونانیوں کے نزدیک یہ تمام ان اورام کے لئے بولا جاتا ہے جو لحوم غدد یعنی گلٹیوں میں ہوا کرتے ہیں۔ خواہ وہ گلٹیاں حسدار ہوں جیسے خصیے، چھاتی اور اصل اللسان وغیرہ اور خواہ وہ بے حس ہوں مثلاً بغل کی گلٹیاں، کان کے پیچھے کی گلٹیاں، سر کے پیچھے کی گلٹیاں، بعد میں لفظ مہلک اور زہریلے اورام کے لئے مخصوص کر دیا گیا ہے، لیکن گلٹیوں سے اس کا تعلق لازمی ہوتا ہے۔

طاعون چھوٹے چھوٹے دانے یا بڑے ورم کی شکل میں نمودار ہوتا ہے۔ ان کے ساتھ حد سے زیادہ سوزش ہوتی ہے۔ یہ مقام ماؤف سبز یا نیلا یا سرخ ہو جاتا ہے۔ اس مرض کے ساتھ قے بھی آتی ہے۔ اس کا سب سے زہریلا مادہ ہوتا ہے جو عضو کو فاسد اور متصلہ اجزاء کے رنگ کو بدل دیتا ہے اور اس کی بری کیفیت شریانوں کی راہ قلب تک پہنچ کر قے، غشی اور خفقان پیدا کرتی ہے اور یہ مرض علی العموم چوتھے روز ہلاک کر دیتا ہے۔ اور اکثر اس کا ورم ضعیف اور ڈھیلے اعضاء میں ہوتا ہے۔ علی الخصوص یہ مغابن یعنی کنج ران، بغل اور کان کے پیچھے ہوا کرتا ہے۔ اور کبیر طاعون وہ ہے جو بغل اور کان کے پیچھے عارضی ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ مقام ایسے اعضاء سے قرب رکھتے ہیں جو رئیس ہیں۔

(۱۴) **اورام المغابن**: گاہے مغابن یعنی بغلوں اور کنج ران میں ہو جایا کرتا ہے (مگر وہ زہریلے اور فاسد نہیں ہوا کرتے)۔ بلکہ ان اورام کے پیدا ہونے کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ اعضائے رئیسہ اپنے فضلات کو ان کی طرح پھینکتے ہیں۔ گاہے ہاتھ پاؤں کے دوسرے زخموں اور ورموں سے بھی ان میں ورم پیدا ہو جاتا ہے۔ کیونکہ طبیعت اصلاح کرنے کی غرض سے ان اورام وغیرہ کی طرف اچھے یا برے مواد کی راہ میں ہوتی ہے اور ان کی ساخت بھی ضعیف ہوتی ہے۔ اس لئے یہ مواد ان گلٹیوں کے اندر نفوذ کر کے ورم پیدا کر دیتا ہے۔

(۱۵) **عرق مدنی (انارو ا)** (Guinea Worm): عرق مدنی ایک مرض ہے۔ اوّل یہ دانہ سا نمودار ہوتا ہے۔ پھر پھول کر آبلہ بن جاتا ہے۔ پھر اس میں چھید ہو جاتا ہے جس سے ایک شے رگوں کی مانند خارج ہوتی ہے اور وہ بڑھتے بڑھتے ایک بالشت کے برابر اور مزید بڑھ جاتی ہے۔ یہاں تک کہ وہ بالکل خارج ہو جاتی ہے اور گاہے کیڑے کی طرح جلد کے نیچے حرکت کرتی ہے۔

سبب: اس مرض کا سبب ردّی فضلات ہوتے ہیں جو گوشت کے اندر کی رگوں میں جمع ہو جاتے ہیں اور ساتھ ہی غیر معمولی حرارت بھی ہوتی ہے۔ جو ان فضلات کو بھون کر خشک اور بستہ کر دیتی ہے اور یہ فضلات دھاگے کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ کیونکہ یہ رگوں کی نالیوں میں پیدا ہوتے ہیں، ان کو طبیعت دوسرے فضلات کی طرح دفع کرتی ہے۔ جو بعض باریک شاخوں شاخوں کی طرح جا کر اسے کھولتے ہیں اور قوت دافع کے زور سے جلد میں سوراخ کر دیتے ہیں۔ یہ مرض اکثر حجاز جیسے گرم خشک ممالک میں پیدا ہوتا ہے۔ اس کو مدینہ منورہ کی طرف اس لئے منسوب کیا گیا کہ وہاں اکثر پیدا ہوتا ہے۔

اورام ریاحی

شیخ الرئیس لکھتے ہیں کہ ورم ریحی کی ایک قسم تو وہ ہے جو متحرک بخارات سے پیدا ہوتی ہے، اور تہیج یعنی بھر بھراہٹ سے مشابہ ہوتی ہے۔ اور دوسری قسم وہ ہے جو ریاحی بخارات (غلیظ بخارات) سے عارض ہوتی ہے، اس کا نام نفخہ (پھولنا) ہے۔

علامات: یہ ورم پھولی ہوئی مشک کی طرح ہلکا ہوتا ہے۔ انگلی سے بہت کم ہوتا ہے اور دباؤ کا اثر فوراً زائل ہو جاتا ہے۔

سبب: گاہے اس کی پیدائش سوداوی مادے سے ہوتی ہے جو خون کا میل اور تلچھٹ ہوتا ہے۔ اس قسم کے اعضاء کٹ کٹ کر نہیں گریں گے۔ کیونکہ اس کا مادہ زیادہ فاسد نہیں ہوتا بلکہ اعضاء کی حس باطل ہو جاتی ہے اور یہ موٹے اور ٹھوس ہو جاتے ہیں۔ آواز بیٹھ جاتی ہے۔ اسی وجہ سے اس مرض کا نام داء الاسد (شیر کا مرض) ہے۔ اگر شروع شروع میں ہی اس کا تدارک کر دیا جائے تو یہ قسم قابل علاج ہے۔ گاہے یہ مرض اس سوداوی مادہ سے پیدا ہوتا ہے جو غیر طبعی صفراء کے جلنے کے بعد حاصل ہوتا ہے۔ اس قسم میں اعضاء گل کر گرنے لگتے ہیں اور یہ شفایاب نہیں ہوتا۔

علامات: جذام کے شروع ہونے کی علامت یہ ہے کہ آواز بگڑتی جاتی ہے۔ سانس میں تنگی آجاتی ہے۔ آنکھ کی سفیدی گدلی ہو جاتی ہے۔ چہرہ سیاہی مائل ہو جاتا ہے۔ رگوں میں گانٹھیں سی پڑ جاتی ہیں۔

جرب (Scabies) (خارش کے دانے)

یہ چھوٹی چھوٹی پھنسیاں ہیں جو اوّل اوّل سرخ ہوتی ہیں اور ان کے ساتھ سخت کھجلی ہوتی ہے۔ ان میں ریم بھر جاتی ہے۔ اور گاہے نہیں بھرتی اور اکثر یہ ہاتھوں اور انگلیوں کے درمیان پیدا ہوتی ہے۔ گاہے سارے بدن میں عارض ہو جاتی ہے۔

سبب: اس کا سبب یہ ہے کہ براہِ راست خون فاسد ہو جاتا ہے یا صفراء اور جلا ہوا سوداء یا نمکین بلغم خون کے ساتھ مل جاتا ہے، خارش کی قسموں اور درد و کھجلی وغیرہ جیسے عوارض کے اختلاف کا دارومدار ان ہی اخلاط کے ملنے پر اور ان کی تیزی و سکون اور غلاظت و رقت اور کثرت و قلت پر ہے۔ خون کے فاسد ہونے اور جلنے کا سبب یہ ہوتا ہے کہ گرم مصالحے بکثرت استعمال کئے جاتے ہیں یا گرم اور چٹ پٹ کوامخ (ایک قسم کا سالن جو پودینہ دودھ اور گرم مصالحہ سے تیار کیا جاتا ہے) شوربا اور نمکین گوشت وغیرہ، مٹھاس و شراب اور دوسری خشک غذائیں بکثرت کھائی جاتی ہیں۔ جس سے خون فاسد ہو کر قوام اور مزہ بدل جاتا ہے۔ اس میں وہی غیر طبعی مواد پیدا ہو جاتے ہیں۔ طبیعت اس کو دیگر فضلات کی طرح اور اندرونی شریف اعضاء سے دفع کر کے جلد کی طرف باریک رگوں میں پھینک دیتی ہے اور جلد اپنی ذاتی کمزوری کے باعث اس کو قبول کر لیتی ہے اور کھجلی پیدا ہو جاتی ہے۔

اقسام

خارش کی مندرجہ ذیل اقسام ہیں۔

(۱) **خشکی کھجلی:** جس میں نہ پیپ پڑتی ہے اور نہ اس میں سے کوئی رطوبت بہتی ہے۔

(۲) **تر کھجلی:** جس سے رطوبت اور پیپ بہتی ہے اور گاہے اس سے سیاہ خون بھی جاری ہو جاتا ہے اور گاہے اس وقت جب کہ مادہ غلیظ اور اس میں رطوبت ہوتی ہے اور اس میں لیکھ کی مانند کیڑے پیدا ہو جاتے ہیں۔ اس مرض کی شکلیں مختلف ہوا کرتی ہیں جس میں تیز صفراء کا غلبہ ہوا کرتا ہے اس میں دانوں کے سرے تیز رنگ سرخ اور درد کھجلی اس میں زیادہ ہوتی ہے جس میں سودا کا غلبہ ہوتا ہے اس میں دانوں کی جڑیں سیاہ ہوتی ہیں، اس میں درد کم، مرض پائیدار اور سستی سے صحت پذیر ہوتا ہے اور جو بلغم سے پیدا ہوتی ہے اس کے دانے سفید اور پھیلے ہوئے ہوتے ہیں۔

قوبا (Ring Worm)

داد ایک قسم کی خشونت یعنی کھردرا پن ہے جو جلد پر پیدا ہو جاتی ہے اس کا رنگ گاہے سرخی مائل ہوتا ہے، اس کی پیدائش تیز اور لطیف خون سے ہوتی ہے جس کے ساتھ غلیظ سودا ملا ہوتا ہے، جو جرب (خارش) کے مادہ سے زیادہ غلیظ ہوتا ہے اور گاہے اس کی پیدائش جلی ہوئی غلیظ رطوبت اور بلغم شور سے ہوتی ہے جو تیز خون سے مل جاتی ہے اور یہ دیرپا داد میں ہوتا ہے جس میں جلد کے چھلکے اتر اتر کر گرتے ہیں۔

ورم کا علاج عمومی

ہم نے مفرد اعضاء (انسجہ) میں امراض کی تین صورتیں بیان کی ہیں:

① ان کے افعال میں تیزی ہوگی جس کو تحریک کا نام دیا گیا ہے۔

② اس کے افعال میں سستی ہوگی، ہم اس کو تسکین کہتے ہیں۔

③ اس کے فعل میں ضعف واقع ہوگا، جس کا نام ہم نے تحلیل رکھا ہے۔

ان تینوں صورتوں کی ابتداء سوئے مزاج سے شروع ہوتی ہے اور پھر مرض ترکیب آخر میں تفرق اتصال تک پہنچ جاتی ہے اور ورم بھی انہی تینوں صورتوں کے تحت آتے ہیں۔

اورام کو علاج الامراض پر فوقیت اس لئے حاصل ہے کہ کوئی بھی مرض جس نسیج (مفرد اعضاء) میں شروع ہوتی ہے۔ وہ آخر میں کسی نہ کسی سوزش اور ورم پر ختم ہوتی ہے۔ گویا ہر مرض کی انتہا کسی نہ کسی ورم کی ابتداء پر ہوتی ہے۔ اگر علم الامراض پر غور کیا جائے تو وہ صرف علم الاورام ہیں۔ یعنی ابتداء سے انتہاء تک اورام کی مختلف صورتیں ہیں، اس لئے جو لوگ بھی علم الاورام پر پوری دسترس رکھتے ہیں۔ وہ معالج ہر قسم کے امراض پر فضیلت رکھتے ہیں۔ اس کے علاوہ علم الامراض میں اور کچھ نہیں ہے۔ امراض کی ماہیت کو سمجھنے کا بس یہی راز ہے۔ امراض کی ابتداء سے لے کر ان کی انتہاء تک بس یہی سلسلہ چلا جاتا ہے۔ اس طرح طالب علم اور عوام کو امراض کی حقیقت و ماہیت اور علامات و نتائج آسانی سے ذہن نشین ہو جاتے ہیں۔

امراض کی انتہائی صورتوں کو ہم نے ورم تحقیق کیا ہے اور اورام کی تین صورتیں بیان کی ہیں:

① ضمور (Atrophy) ② عظم (Hypertrophy) ③ استسقاء (Oedema)

عام طور پر جس کو ورم کہا جاتا ہے وہ ضمور ہے۔ اس کو التہاب اور انگریزی میں Inflamation کہتے ہیں۔ اس نوع کے تمام اور

ام ضمور کے تحت ہی آئیں گے۔ اگرچہ اس کے متعلق ہم تفصیل سے لکھ چکے ہیں، لیکن ذہن نشین کرنے کے لئے اس قدر پھر سمجھ لیں کہ جب کسی عضو میں اندرونی طور پر سوزش ہوتی ہے، یا بیرونی طور پر کسی عضو پر شدید ضرب پہنچتی ہے تو اس کا اثر مقام مضروب سے دماغ نخاع میں سرایت کر جاتا ہے۔ پھر مبدائے اعصاب سے پلٹ کر عضو ماؤف کے ہر ایک جزو میں پھیل جاتا ہے۔ اس سے وہاں پر دوران خون تیز ہو جاتا ہے۔ رگیں خون سے بھر جاتی ہیں۔

ماہیت ورم

ورم میں جو تغیرات پیدا ہوتے ہیں ان کی درج ذیل صورتیں عمل میں آتی ہیں:۔

اوّل- اوّل انسداد الدم (خون کا بند ہو جانا)، سوزش کے خاص مرکز میں خون کی رفتار بند ہو جاتی ہے اور خون ایک چکر سا معلوم ہوتا ہے۔

دوم- اجتماع الدم (خون کا اکٹھا ہونا) مرکز کے ہر طرف خون نہایت سست اور مدھم اور رُک رُک کر چلتا ہے۔ رگوں کی طاقت جاذبہ بالکل دور ہو جاتی ہے۔ خون کے سرخ ذرّات ختم ہونے شروع ہو جاتے ہیں اور سفید دانوں کی تعداد بڑھنے لگتی ہے۔ جب ان کی تعداد زیادہ ہو جاتی ہے تو باہم چسپیدہ ہو کر عروق کے خون میں اٹک جاتے ہیں۔ اس صورت میں اگر کسی قدر خون نکالا جائے تو اس پر ایک نیلگوں جھلی بن جاتی ہے جب خون جم جاتا ہے تو یہی جھلی سطح خون پر سفید زردی مائل نظر آتی ہے۔ پھر سکڑ کر پیالہ کی شکل بن جاتی ہے۔

سوم- رجوع الدم۔ دوسری صورت کے گرداگرد دورانِ خون بے حد تیز ہو جاتا ہے۔ عروق شعریہ وغیرہ کی رگیں پھول جاتی ہیں۔ خون کے سرخ دانے بہ نسبت سفید دانوں کے بکثرت اکٹھے ہونے لگتے ہیں۔ خون میں کئی قسم کے تغیر پیدا ہو جاتے ہیں جن کا ذکر ہم سوزش میں کر چکے ہیں۔ یہ سب تغیرات اعصاب کے افعال میں خلل سے عمل میں آتے ہیں۔

اسباب عمومی

بیرونی طور پر ضربہ وسقطہ، صدمہ و دباؤ، محنت و مشقت کی کثرت، موسمی تغیرات، سردی خشکی، یا گرمی خشکی کا بڑھ جانا مختلف اندرونی و بیرونی زہر اور فاسد مواد وغیرہ کا جسم میں اثر کر جانا۔ ان میں جراثیم بھی شامل ہیں۔ اسی طرح **شدید نفسیاتی اثرات غم و غصہ اور خون کی زیادتی بھی فوری طور پر یا رفتہ رفتہ جسم میں سوزش اور ورم پیدا کر دیتے ہیں۔**

علامات: سب سے بڑی علامات یہ ہیں۔ مقام ماؤف پر (۱) سرخی (۲) سوجن (۳) تناؤ (۴) درد (۵) گرمی۔ جن کی تفصیل ہم ماہیت اورام میں لکھ چکے ہیں۔ یہ علامت خفیف حالت میں کم اور شدید حالت میں زیادہ ہوتی ہے۔ نبض تیز و مشرف اور عضلاتی ہو جاتی ہے۔ شدت میں بخار جو اکثر لرزہ کے ساتھ چڑھتا ہے، حرارت جسم زیادہ ہو جاتی ہے، جسم کا رنگ سرخ نیلگوں ہو جاتا ہے، پیشاب و پسینہ کم، اکثر قبض اور ریاح کی زیادتی، قارورہ کا رنگ سرخ زردی یا سیاہی مائل ہوتا ہے، بھوک بند ہو جاتی ہے اور اشتہائے طعام ختم ہو جاتی ہے، جسم میں خصوصاً مقام ماؤف پر بے چینی اور بے قراری بڑھ جاتی ہے۔

اصول معالجات اورام

چونکہ اورام کے اسباب مختلف ہوتے ہیں اور اس میں سوئے مزاج و مرض ترکیب اور تفرق اتصال تینوں شامل ہوتے ہیں اور اس میں چاروں اخلاط میں سے کوئی ایک خلط ہوا کرتی ہے۔ اور بعض دفعہ ریح سے بھی عارض ہو جاتا ہے۔ ان کے ساتھ ہی مختلف مقامات اور مختلف احوال کی وجہ سے علاج میں کچھ نہ کچھ اختلاف ضرور ہوتا ہے، اس لئے ان سب کو مدنظر رکھ کر معالجات اورام کے اصول کو مدنظر رکھنا چاہئے۔

اورام کی مختلف صورتیں

اورام کی اقسام ہم تفصیل سے لکھ چکے ہیں، لیکن مختلف صورتیں جو مختلف اسباب کے تحت پیدا ہوتی ہیں۔ ان کے علاج میں عام طور پر ورم حار و ورم سادہ اور ورم عضوی کو مدنظر رکھا جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان صورتوں میں کچھ غلط فہمیاں دور کرنا ضروری ہیں۔ کیونکہ ان غلط فہمیوں سے معالجات میں جو الجھنیں پیدا ہوتی ہیں وہ اکثر خوفناک ہوتی ہیں۔ اس لئے ان کو ذہن نشین کر لیں۔

جمہور حکماء سے اختلاف

شیخ الرئیس لکھتے ہیں بعض اورام حار ہوتے ہیں، بعض بارد۔ پھر اورام باردہ کی دو صورتیں ہیں۔ گاہے نرم ہوتے ہیں (اورام تہو جیہ۔ Oedema) گاہے سخت (سوداوی)۔ حکمائے متقدمین اور متاخرین نے متفقہ طور پر اورام کی دو بڑی اقسام بیان کی ہیں: اوّل گرم، دوسرے سرد۔ اور اخلاط کے مطابق ان کی چار صورتیں ہو جاتی ہیں یعنی گرم تر و گرم خشک اور سرد تر و سرد خشک۔ لیکن میری تحقیقات یہ ہے کہ مطلق گرم ہرگز نہیں ہو سکتا۔ ہر قسم کے ورم کی ابتداء سوزش اور جلن سے ہوتی ہے۔ چونکہ سوزش میں انقباض ہونا لازمی ہے۔ اور انقباض ہمیشہ سردی سے ہوتا ہے۔ گرمی سے انقباض ہرگز پیدا نہیں ہوتا۔

یہ حقیقت ہے کہ سردی ہر شے میں سکیڑ پیدا کرتی ہے اور گرمی ہر شے کو پھیلاتی ہے۔ اس لئے اس کا ورم صرف سردی سے پیدا ہوتا ہے۔ گرمی سے ہرگز کوئی ورم پیدا نہیں ہو سکتا۔ اور نہ ہی گرمی سے کوئی درد اور بخار پیدا ہو سکتا ہے۔ ان تینوں کے متعلق ہم پہلے لکھ چکے ہیں۔

جہاں تک گرم ورم کہنے کا تعلق ہے، یہ صرف اضافی بات ہے۔ یعنی جن اورام میں خون کا دباؤ ہوتا ہے ان کو گرم ورم کہہ دیا جاتا ہے۔ اور جن اورام میں رطوبات زیادہ ہوتی ہیں ان کو سرد ورم کہہ دیا جاتا ہے۔ اور لطف کی بات یہ ہے کہ جن اورام کو سرد (تہوجیہ) کہا جاتا ہے ان کے اندر جسم میں انتہائی گرمی بلکہ صفراء کی بے حد زیادتی ہوتی ہے۔ ان حقائق کو سمجھنے کے لئے بنیادی طور پر یہ بات ذہن میں رکھیں کہ اورام ہمیشہ سردی سے پیدا ہوتے ہیں ان کا علاج ہمیشہ گرم اشیاء سے کیا جاتا ہے۔ جہاں تک رادع اور سرد ادویات کا تعلق ہے یہ ابتداء میں صرف اس لئے کیا جاتا ہے کہ خون کا اجتماع اور دوران ورم کی طرف کم ہو جائے تاکہ زیادہ حصہ جسم کو متاثر نہ کرے۔ لیکن یہ حقیقی علاج میں شریک نہیں ہے۔ حکمائے جمہور اس امر پر متفق ہیں کہ ہر مکمل ورم کا علاج گرم اشیاء سے کیا جائے یہاں تک کہ تہوجیہ (Oedema) کا علاج بھی گرم اشیاء سے کیا جاتا ہے۔ بس یہی اس تحقیق پر زبردست دلیل ہے کہ اورام کی ابتدا ہمیشہ سردی سے ہوتی ہے اور ان کا علاج گرمی سے کرنا چاہئے۔ اس طرح طالب علم کے دل میں کوئی غلط فہمی نہیں رہتی اور وہ علاج پر پوری طرح قابو پا لیتا ہے۔

ورم کی کیفیاتی بالاعضاء تقسیم

عضلات میں جب ورم ہوگا تو اس کی کیفیاتی طور پر دو ہی صورتیں ہوں گی، اوّل عضلات میں غیر معمولی خشکی سردی اثر کر جائے یعنی **عضلاتی اعصابی ورم** (ورم خشک سرد)۔ یہ عام طور پر انتہائی انقباض سے ہوتی ہے۔

یاد رکھیں! یہ ریاحی ورم ہے اور سوداویت کی صورت میں پیدا ہوتا ہے، لیکن اس میں تیزی و جلن اور سوزش نہیں ہوتی، اس لئے اس کو سرد ہی کہا جاتا ہے۔ دوسرے عضلات میں خشکی کے ساتھ کچھ گرمی اثر کر جائے یا پیدا ہو جائے جو انتہائی خشکی کا اثر ہے، لیکن یہ یاد رکھیں کہ یہ گرمی بہر حال خشکی سے کم ہوگی (کیونکہ اگر گرمی خشکی سے بڑھ جائے تو لازماً اور فطرتاً ورم تحلیل ہو جائے گا)۔

یہ بھی یاد رکھیں کہ (سوداویت میں سردی کا غلبہ ہوتا ہے، لیکن اس کی خشکی کی زیادتی ہمیشہ حرارت کو پیدا کرتی رہتی ہے) اس ورم کو **عضلاتی غدی** کہتے ہیں۔ یعنی خشکی گرمی کی طرف مائل ہو گئی ہے (یعنی ورم خشک گرم) یہ ورم اس وقت پیدا ہوتا ہے جب عضلات میں انتہائی انقباض

کے ساتھ تیزی وجلن اور سوزش پیدا ہو جائے اور یہ سوزش اس خون سے پیدا ہوتی ہے جو ورم کی صورت میں وہاں پر اکٹھا ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ یہ بھی ریاحی ورم ہے۔ اس کو غلطی سے گرم ورم کہا جاتا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ خون وجسم اور مقام ورم میں کچھ تیزی وجلن اور سوزش پیدا ہو جاتی ہے۔ لیکن بہر حال ہر جگہ جو گرمی پیدا ہوتی ہے، وہ خشکی سے بہت ہی کم ہوتی ہے۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ اس ورم کو طب قدیم میں انتہائی گرم ورم کہا گیا ہے اور پر لطف بات یہ ہے کہ اس کا علاج بھی گرم ادویہ اور اغذیہ سے کرتے ہیں۔ اس کا علاج بھی گرم ادویہ اور اغذیہ سے ہونا چاہئے۔ اس لئے نظریہ مفرد اعضاء کے تحت غدی تحریک کو تیز کر دیا جاتا ہے۔ جو عضلاتی کی طرف ہوتی ہے۔ **غدی عضلاتی تحریک** کو اس لئے قائم رکھا جاتا ہے کہ پورے طور پر حرارت پیدا ہو جائے اور جسم میں اکٹھی بھی ہوتی رہے۔ ویسے یہ **یاد رکھیں کہ گرمی خشکی (غدی عضلاتی تحریک) میں بھی پوری گرمی نہیں پائی جاتی، پوری گرمی ہمیشہ گرمی تری میں پائی جاتی ہے، جو غدی اعصابی تحریک ہے اور جب تک یہ تحریک پیدا نہ ہو عضلاتی ورم تحلیل نہیں ہوسکتا۔**

عفونتی اور غیر عفونتی ورم

طب یونانی میں کیفیاتی اور اخلاتی صورتوں کے علاوہ اورام کی غیر عفونتی اور عفونتی دو صورتوں کو بھی بیان کیا گیا ہے۔ غیر عفونتی کی مثال کانٹا چبھنا ہے اور فرنگی طب میں غیر عفونتی ورم کو تسلیم ہی نہیں کیا گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ ہر سوزش بغیر خمیر کے پیدا ہی نہیں ہوتی۔ یہ خمیر ہی فساد اور تعفن کا باعث ہوتا ہے۔ اس میں حرارت ضرور پیدا ہوتی ہے۔ مگر یہ حرارت ورم کی خشکی سے بہت کم ہوتی ہے۔ اس کو ریاحی ہی سمجھنا چاہئے۔ جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے، جب تک سوزش پیدا نہ ہو اور چاہے انتہائی انقباض سے وہاں پر خون کا دباؤ کتنا بڑھ جائے ایسا ورم ہمیشہ سرد ہی کہلائے گا۔ لیکن ایسے اورام اکثر زیادہ دیر تک نہیں رہتے اور خمیر وفساد پیدا ہو جاتا ہے اور اورام عفونتی بن جاتے ہیں۔ اور یہ بھی یاد رکھیں کہ بغیر سوزش وخمیر اور فساد وتعفن کے کسی سرد یا گرم اور ریاحی ورم کا علاج بھی نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ سوزش وخمیر اور فساد وتعفن ہی جسم میں حرارت پیدا کرتے ہیں جن سے تحلیل ہو کر اورام رفع ہو جاتے ہیں۔ یہ بھی خیال رہے کہ جب بھی سوزش وخمیر اور فساد وتعفن کے بعد پیدا ہوتی ہے۔ جو ابتدائی اورام کی جلن اور درد کے لئے مفید ہے، لیکن اگر اس کا قیام زیادہ دیر رہ جاتا ہے تو وہ خود قاطع اور زہر بن جاتی ہے۔ بہر حال سوزش وخمیر اور فساد وتعفن کی افادیت اور نقصان کو مدنظر رکھنا چاہئے۔ یہ سب کچھ اورام کی حقیقت پر روشنی ڈالتے ہیں۔ اور اس کے علاج (کی حقیقت) کے لئے اسرار ورموز اور راز بھی ہیں۔

غدی اور اعصابی اورام

عضلاتی اورام کو ذہن نشین کرنے کے بعد غدی اور اعصابی اورام کو سمجھیں۔ عضلاتی اورام کی دو صورتیں بیان کی ہیں:

(۱) عضلاتی اعصابی (۲) عضلاتی غدی۔

اسی طرح غدی کی بھی دو صورتیں ہیں: (۱) غدی عضلاتی - گرم خشک (۲) غدی اعصابی - گرم تر۔

جاننا چاہئے کہ غدی عضلاتی اورام جلد شفایاب ہو جاتے ہیں۔ یا ان میں جلد موت واقع ہو جاتی ہے۔ جیسے ذات الجنب۔ کیونکہ ان میں حرارت بہت پیدا ہو کر اورام کو تحلیل کر دیتی ہے۔ لیکن اگر علاج میں غلطی واقع ہو جائے جو سرد ادویات کے استعمال سے ہو جاتی ہے، تو حرارت اورام ضعف قلب پیدا کر کے موت کا باعث بن جاتی ہے۔

غدی اعصابی اورام (گرم تر اورام) بہت جلد شفایاب ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ ان میں حرارت اور رطوبت کی پیدائش زیادہ ہوتی ہے۔ لیکن گرمی کو مدنظر رکھتے ہوئے جو سرد خشک یا سرد تر ادویات اور اغذیہ استعمال کرتے ہیں۔ یہ اورام مزمن بن جاتے ہیں۔ وہ لوگ جو اورام کی حقیقت سے واقف نہیں ہیں وہ کیفیات واخلاط کی زیادتی کو دیکھ کر جھٹ بالضد ادویات اور اغذیہ کا استعمال شروع کر دیتے ہیں اور اس امر کو نظر انداز کر دیتے

ہیں کہ جگر گردہ اور غدود وغیرہ میں بھی ورم کی صورت پیدا ہوگی۔ وہاں پر سوزش اور جلن انقباض اور سردی سے پیدا ہوگی۔ صفراء اور حرارت کی زیادتی جگر و گردوں اور غدد کی تیزی کا نتیجہ ہیں۔ پس اس قسم کے اسرار و رموز اور راز نہ جاننے سے معالجین علاج الامراض خصوصاً اورام کے علاج میں غلطیاں کیا کرتے ہیں۔

اعصابی اورام

عضلاتی اور غدی اورام کی طرح اعصابی اورام بھی دو اقسام کے ہوتے ہیں: (۱) اعصابی غدی اورام (تر گرم اورام)۔ (۲) اعصابی عضلاتی اورام (تر سرد اورام)۔ یاد رکھیں کہ اعصابی اورام اکثر نہیں ہوتے۔ اگر ہو جائے تو بہت جلد رفع ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ ان کے ساتھ ہی ایک طرف جسم سے رطوبات کا اخراج بڑھ جاتا ہے۔ جس سے خون کے اندر کے زہر کیمیاوی طور پر کم ہو جاتے ہیں اور دوسری طرف دِل کی حرکات میں کمی واقع ہو جاتی ہے جس سے اجتماع خون میں فوراً کمی واقع ہو جاتی ہے۔ لیکن جب اعصاب میں سوزش شدید یا ورم واقع ہو جائے، جیسے اعصابی غدی ورم میں چیچک اور خسرہ وغیرہ اور اعصابی عضلاتی ورم جیسے آتشک وخارش وغیرہ تو ان کے علاج میں بے حد مشکلات پیدا ہوتی ہیں، کیونکہ جسم میں ایک طرف رطوبت زیادہ ہوتی ہے اور دوسری طرف دِل اور عضلات میں تسکین پیدا ہو جاتی ہے۔ اس لئے ان کے علاج میں ایک رطوبت کا خشک کرنا اور دوسری طرف دِل و عضلات کی تسکین کو دور کرنا ضروری ہوتا ہے۔ اس لئے چیچک و خسرہ اور محرقہ بطنی (ٹائی فائیڈ) میں بخار کے تیز ہو جانے، قبض پیدا کر دینے سے جسم پر فوراً دانے نکل آتے ہیں اور اعصابی قسم کے اورام بلکہ بخار اور درد وغیرہ سب دور ہو جاتے ہیں اور مریض بہ خیریت صحت کی طرف لوٹنا شروع کر دیتا ہے۔

یہ وہ اسرار و رموز اور راز وحقیقت ہے جس سے فرنگی طب بالکل ناواقف ہے۔ بلکہ بالکل ناکام ہے۔ اور اگر ان کے طبی کتب خانوں میں ایسے خزانے ہوں تو پیش کرنے والوں کو ہم چیلنج کرتے ہیں۔ یاد رکھیں کہ فرنگی طب کم از کم ایک سو سال کے بعد اس مقام کو سمجھ سکے گی۔ ان کے سامنے فی الحال جراثیم کا مسئلہ ہے، جب وہ ایٹم کے امراض کو سمجھے گی تو اس وقت ہماری تحقیقات کی حقیقت سے مستفید ہوں گے۔

علاج اورام کی تشریح

طب میں اورام کو دو صورتوں میں بیان کیا گیا ہے۔ اوّل اورام خصوصی جیسے ورم دماغ، ورم سینہ اور ورم معدہ وغیرہ۔ دوم اورام عمومی جیسے پھوڑے پھنسیاں اور خارش و رسولیاں وغیرہ۔ اور پھر ان کو سر سے پاؤں تک ترتیب کے ساتھ تقسیم کر دیا گیا ہے۔ لیکن اس صورت اور تقسیم میں کئی غلط فہمیاں پیدا ہوتی ہیں جیسے اورام خصوصی کسی خاص اعضاء کے ساتھ مخصوص ہیں جن کا ذکر اوپر کیا گیا ہے لیکن جب کسی خصوصی ورم کی صورت طوالت پکڑ لیتی ہیں یا طوالت اختیار کر لیتی ہے تو اس سے خون میں جو مواد اکٹھے ہو کر کیمیاوی تبدیلیاں پیدا ہوتی ہیں ان سے اورام عمومی پیدا ہو جاتے ہیں، اسی طرح جب جسم پر اورام عمومی پیدا ہو جاتے ہیں تو اس کا اثر بھی رفتہ رفتہ کسی خاص عضو کو زیادہ متاثر کرتا ہے۔ اس لئے یہ اورام خصوصی اور اورام عمومی کی صورتیں کوئی قابل وقعت نہیں ہیں۔

اسی طرح اورام کی سر سے پاؤں تک کی تقسیم بھی کوئی زیادہ وقعت نہیں رکھتی۔ کیونکہ کسی ایک جگہ کا ورم ضروری نہیں ہے کہ وہ اسی مقام کا ہو۔ مثلاً سر کے پردوں کے اورام یا عضلاتی ہوں گے یا غدی ہوں گے۔ جن کے تعلق قلب و جگر کے ساتھ ہیں۔ جب تک قلب و جگر میں خرابی واقع نہ ہو دماغ کے ان پردوں میں اورام نہیں ہوتے۔ مثلاً نمونیہ میں دماغی ورم عضلاتی ہوتا ہے۔ اور محرقہ بطنی میں دماغی ورم غدی ہوتا ہے گویا ان دونوں صورتوں میں دماغی اورام مرض نہیں ہیں بلکہ علامات ہیں۔

اسی طرح دماغ کے علاوہ جسم کے کسی حصہ میں اعصابی سوزش یا ورم ہو تو یقینی بات ہے کہ اس کا اثر دماغ میں ہوگا۔ اس طرح جسم میں

جس جگہ سوزش اور ورم ہوگا اس کو دماغی علامت ہی کہنا پڑے گا۔ مرض نہیں کہا جاسکتا۔ البتہ دماغ بجائے سوزش ''اعصابی نسیج'' کہہ سکتے ہیں، لیکن یہ جاننا ضروری ہے کہ خالص اعصابی سوزش اورام کا اثر جسم میں کس کس مقام میں کہاں تک ہوتا ہے، تاکہ علاج میں آسانیاں پیدا ہوجائیں۔

اس مشکل کو حل کرنے کے لئے ہم نے اعصابی وغدی اور عضلاتی تحریکات اور سوزش کی حدود مقرر کردی ہیں اور ان کی حدود کو ایک عضو سے لے کر دوسرے عضو تک کے تعلقات کو ان دونوں کے ناموں میں ملا کر بیان کردیا ہے۔ گویا ایک عضو کا تعلق دوسرے عضو کے ساتھ کہاں تک ہے۔ چونکہ ہر عضو کا دیگر دو اعضاء کے ساتھ تعلق ہے، اس لئے ان کی صورتیں اس طرح پیدا ہوتی ہیں: (۱) اعصابی عضلاتی (۲) اعصابی غدی (۳) عضلاتی اعصابی (۴) عضلاتی غدی (۵) غدی عضلاتی (۶) غدی اعصابی۔

اس طرح ایک عضو کا دوسرے کے ساتھ پورا تعلق پیدا ہوجاتا ہے۔ سالہا سال کی تحقیقات کے بعد ان چھ حدوں کو اس طرح تعین کیا گیا ہے یعنی ان چھ حدود میں سے کسی ایک میں بھی تحریک وسوزش اورام ہوگا تو یہ اصل مرض ہے اور یہ صورتیں ان مقامات کے علاوہ کسی اور مقام پر ہوں گی تو وہ ان کی علامات ہوں گی۔ بس یہی مرض اور علامات کا فرق ہے۔ دراصل یہ چھ حدود تین حدود میں بھی بیان ہوسکتی ہیں۔ مثلاً عصبی مفرد عضو (Tissue) کا تعلق عضلی مفرد عضو تک ایک حد مقرر کی جاسکتی ہے۔ اسی طرح عضلی کا غدود سے تعلق اور غدود سے عصبی تعلق کی تین صورتیں ہوسکتی ہیں۔ اس میں دوگنی (ڈبل) صورتیں اس لئے بیان کی گئی ہیں کہ جو لفظ پہلے بیان ہوتا ہے وہ عضو کا ذاتی فعل ہے جس کو اس کا مشینی فعل کہہ سکتے ہیں اور دوسرا لفظ جو بیان کیا جاتا ہے وہ اس فعل کا کیمیاوی اثر یا نتیجہ ہے۔ کیونکہ دُنیا میں کوئی کیفیت مفرد نہیں ہوتی۔ یعنی صرف گرم یا سرد یا صرف تر یا خشک نہیں ہوتیں بلکہ گرم تر یا گرم خشک اور سرد تر یا سرد خشک دو دو کیفیات کو اکٹھا بیان کیا جاتا ہے۔ ان کا مقصد بھی یہی ہوتا ہے کہ پہلی کیفیت مشینی ہوتی ہے اور دوسری کیفیت کیمیاوی ہوتی ہے۔ ان پر ذرا سا غور کرنے پر آسانی سے ذہن نشین ہوجاتی ہیں۔ جو لوگ بھی ان تحریکات پر جتنا زیادہ غور کریں گے وہ اتنا ہی زیادہ علم تشخیص پر دسترس حاصل کرلیں گے۔ تفصیلات درج ذیل ہیں۔

ظاہری تقسیم جسم انسان بہ نظریہ مفرد اعضاء

جسم انسان کو ہم نے اعضائے رئیسہ یا دوسرے الفاظ میں انسجہ (ٹشوز) میں تقسیم کر دیا ہے جن کے مرکز یہی اعضائے رئیسہ (دل، دماغ اور جگر) ہیں۔ یہ انسجہ تمام جسم میں اس طرح اوپر تلے پھیلے ہوئے ہیں کہ جسم کا کوئی ایسا مقام نہیں ہے کہ جہاں پر صرف ایک یا دو قسم کے انسجہ ہوں یا ان کا آپس میں تعلق نہ ہو۔ اس لئے امراض کی صورت میں تینوں اقسام کے حیاتی انسجہ متاثر ہوتے ہیں۔ البتہ ان کی صورتیں جدا جدا ہوتی ہیں۔ ہر عضو کی صرف تین صورتیں ہو سکتی ہیں۔ یعنی اس میں (۱) تحلیل ہوگی (۲) تحریک ہوگی (۳) تسکین ہوگی۔ چوتھی حالت نہیں ہو سکتی، اور نہ ہی کوئی چوتھا عضو رئیس ہے۔ چونکہ تین ہی اعضائے رئیسہ ہیں اور تین ہی حالتیں پائی جاتی ہیں اس لئے جب کسی ایک عضو میں ایک حالت مثلاً تحریک پائی جائے گی تو باقی دو اعضاء میں دوسری دو حالتیں تحلیل و تسکین کی پائی جائیں گی۔

یاد رکھیں کہ جہاں پر تحریک ہے بس وہی مقام مرض ہے اور جہاں پر تحلیل تسکین ہوگی تو یہ اس کی علامات ہیں۔ البتہ مقام تحریک کے عضو مفردہ (انسجہ) کا اثر جہاں جہاں پر جسم میں پھیلا ہوگا وہ بھی اس کی تحریک کے ساتھ ہوگا۔ گویا اس کا تعلق بھی اسی تحریک کے ساتھ ہے۔

بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ جسم کے کسی مقام پر کسی ایک عضو میں کوئی اندرونی یا بیرونی تکلیف یا صدمہ پہنچ جاتا ہے اور وہ اس قدر شدت اختیار کر لیتا ہے کہ اس عضو مفردہ (نسیج) کے اصل مقام پر اس کا معمولی اثر ہوتا ہے۔ اس لئے اصل مقام کے علاوہ جہاں پر بھی کوئی تکلیف کسی قدر بھی شدید ہو وہ اس تحریک کے تحت شمار ہوگی اور اس کا علاج اس کے تحت ہی کیا جا سکتا ہے۔ ایسا صرف اس لئے ہوتا ہے کہ دورانِ خون کی گردش ہی قدرت نے فطری طور پر ایسی بنائی ہے کہ جہاں جا رہا ہے وہاں تحریک ہے، جہاں جا چکا ہے وہاں پر تحلیل ہے، اور جہاں سے گزر رہا ہے، وہاں پر تسکین ہے۔ اگر معالج دورانِ خون کی گردش کو پورے طور پر ذہن نشین کر لے تو امراض کی ماہیت کو آسانی سے سمجھ سکتا ہے۔ مختصراً درج ذیل ہے۔

دورانِ خون اور نظریہ مفرد اعضاء

نظریہ مفرد اعضاء کے تحت دورانِ خون دِل (عضلاتی انسجہ) سے جسم میں دھکیلا جاتا ہے۔ پھر شریانوں کی وساطت سے جگر (غدی انسجہ) سے جسم میں دھکیلا جاتا ہے۔ پھر شریانوں کی وساطت سے جگر (غدی انسجہ) سے گزرتا ہوا دماغ (اعصابی انسجہ) پر گرتا ہے۔ تمام جسم کی غذا بننے کے بعد پھر باقی رطوبات غدد جاذبہ کے ذریعے جو طحال کے تحت غدد کی وساطت سے کام کرتے ہیں جذب ہو کر پھر خون میں شامل ہو کر دِل (عضلاتی انسجہ) کے فعل کو تیز کرتا ہے اور جو خون غدد سے چھننے سے رہ جاتا ہے وہ بھی وریدوں کے ذریعے واپس قلب میں چلا جاتا ہے۔ اسی طرح دوران خون کا یہ سلسلہ جاری رہتا ہے۔ لیکن جس مفرد عضو (انسجہ) کے مقام پر تحریک یا سوزش ہو کر تکلیف ہو جاتی ہے، وہاں پر مرض قائم ہو جاتا ہے۔ جس کا انجام ورم ہوتا ہے اور باقی اس کی علامات ہوتی ہیں۔ یہ نظریہ مفرد اعضاء کے تحت دوران خون اور مرض و علامات کی ماہیت ہے جس کو سمجھ لینے سے حقیقت مرض پر دسترس ہو جاتی ہے۔

جسم انسان کی بالمفرد اعضاء تقسیم

امراض تشخیص کے لئے نبض و قارورہ اور براز دیکھنے کافی ہیں۔ ایک قابل معالج ان کی مدد سے مریض کے جسم میں جو کیفیاتی، خلطی اور

کیمیاوی تبدیلیاں ہوتی ہیں مفرد اعضا (ٹشوز۔انسجہ) کے افعال کی خرابی کو سمجھ سکتا ہے اور ان کے علاوہ دیگر رطوبات جسم جن کا ذکر نزلہ کے بیان میں کیا گیا ہے کے افعال کو سمجھ کر امراض کا تعین کر سکتا ہے مگر ہم نے زیادہ سہولت اور آسانی کے لئے جسم انسان کو چھ حصوں میں تقسیم کر دیا ہے تا کہ مریض اپنے جس حصہ پر ہاتھ رکھے معالج فوراً متعلقہ مفرد اعضاء کی خرابیوں کو جان جائے اور اپنا علاج یقین کے ساتھ کرے، تا کہ قدرت کی قوتوں کے تحت فطری طور پر شرطیہ آرام ہو جائے۔

یاد رکھیں کہ اللہ تعالیٰ کی فطرت نہیں بدلتی۔ انسان کا فرض ہے کہ وہ فطرت اللہ کا صحیح علم رکھے تا کہ نتیجہ اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق نکلے۔ اللہ تعالیٰ کی اسی فطرت کے مطابق علاج کا نام شرطیہ طریق علاج ہے۔ قرآن حکیم نے کئی بار تاکید کی ہے: ﴿ لن تجد لسنت الله تبديلا ﴾ ''اللہ تعالیٰ کے نظام فطرت میں ہرگز ہرگز تبدیلی نہیں آتی''۔ آگ اپنی فطرت حرارت سے جدا نہیں اور پانی اپنی برودت سے الگ نہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔ جب کسی کام کے کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں اور اس کے ساتھ ہی انشاء اللہ تعالیٰ کہتے ہیں اس کا مقصد بھی یہ ہوتا ہے کہ اس کام میں منشائے الٰہی شریک ہے اور وہ فعل فطرت اللہ کے مطابق ہے اس لئے اس میں اللہ تعالیٰ کی مدد شامل رہتی ہے۔

جاننا چاہئے کہ ہم نے انسان کو سر سے لے کر پاؤں تک دو حصوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ پھر ہر حصے کے تین مقام مقرر کئے ہیں۔ اس طرح کل چھ مقام بن جاتے ہیں۔ چونکہ اعضائے رئیسہ تین ہیں اس لئے ہر عضو رئیس کے تحت دو دو مقام اپنا کام کرتے ہیں۔ اس طرح ایک طرف ہر مفرد عضو کے حدود کا تعین ہو جاتا ہے اور دوسری طرف اس کے کیمیاوی اثرات کا پتہ ہو جاتا ہے۔ پس ان میں سے جس مقام پر کوئی تکلیف ہوگی وہ ایک ہی قسم کے مفرد عضو (نسیج) کے تحت ہوگی۔ اور ان کا علاج بھی ایک ہی قسم کے مشینی اور کیمیاوی تبدیلیوں سے کیا جا سکتا ہے۔

جسم انسان کے دو حصوں کی تقسیم اس طرح کی گئی ہے کہ سر کے درمیان جہاں پر مانگ نکلتی ہے وہاں سے ایک سیدھا فرضی خط لے کر بالکل ناک کے اوپر سے سیدھے منہ، ٹھوڑی اور سینہ و پیٹ سے گزرتی ہوئی مقعد کی لکیر تک پہنچ جاتی ہے۔ اور اسی طرح پشت کی طرف سے ریڑھ کی ہڈی پر سے گزرتی ہوئی پہلی لکیر سے مل جاتی ہے۔ اس طرح انسان دو حصوں میں تقسیم ہو جاتا ہے۔ یعنی انسان کا ایک دایاں حصہ اور دوسرا بایاں حصہ ہے۔ یہ دونوں حصے جدا جدا اپنے اندر بے شمار راز رکھتے ہیں۔ قرآن حکیم نے بھی انسان کے دائیں بائیں کو بہت اہمیت دی ہے۔

یہ تقسیم اس لئے کی گئی ہے کہ سالہا سال کے تجربات نے بتایا ہے کہ قدرت نے جسم انسان کو اس طرح بنایا ہے کہ وہ بیک وقت تمام جسم کو کسی مرض کے نقصان پہنچنے سے روکتی ہے۔ بلکہ کسی ایک حصہ جسم میں تحریک سے تکلیف ہو رہی ہوتی ہے، کسی دوسرے حصے میں تقویت (ابتدائی صورت تحلیل) اور کسی تیسرے حصے میں تسکین (رطوبات اور غذائیت) پہنچا رہی ہوتی ہے۔ اور یہ کوشش اس لئے جاری رہتی ہے کہ انسان کو تکلیف اور مرض سے اسی طاقت کے مطابق بچایا جائے اور یہ کوشش اس وقت تک جاری رہتی ہے جب تک کوئی جسم بالکل بے کار اور ناکارہ ہو کر دوسروں سے تعلق نہ توڑ دے اور موت واقع ہو جائے مثلاً اگر جگر اور غدد کے فعل میں تیزی اور تحریک ہو تو دورانِ خون دِل و عضلات کی طرف جا کر اس کی پوری حفاظت کرتا ہے اور دماغ و اعصاب کی طرف رطوبت اور سکون پیدا کر دیتا ہے تا کہ تمام جسم صرف جگر و غدد کی بے چینی سے محفوظ رہے اور قوتیں اس کا مقابلہ کر سکیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی خاص ربوبیت اور رحمت ہے۔

مرض کی ابتدا ہمیشہ ایک طرف ہوتی ہے

جب جسم انسان کے دائیں یا بائیں حصے میں کوئی تکلیف یا مرض ہو تو طبیعت مدبرہ بدن دوسرے حصے کو محفوظ رکھتی ہے اور یہ اوپر والے قانون بالمفرد اعضاء کے تحت ہوتا ہے۔ مثلاً دردسر بھی دائیں طرف ہوتا ہے کبھی بائیں طرف ہوتا ہے، کبھی سر کی پچھلی طرف ہوتا ہے کبھی پھیل کر سارے سر میں ہوتا ہے۔ اسی طرح کبھی دائیں آنکھ میں کوئی تکلیف ہوتی ہے اور کبھی بائیں آنکھ میں۔ پھر دونوں میں پھیل جاتی ہے

لیکن کمی بیشی ضرور قائم رہتی ہے۔ اسی طرح ناک میں کبھی دائیں طرف مرض ہوتا ہے اور کبھی بائیں طرف مرض ہوتا ہے اور بہت کم دونوں میں ایک سی حالت ہوتی ہے۔ یہی صورت کانوں، دانتوں اور منہ کے باقی حصوں کی ہوتی ہے۔ اس صورت کو اگر پھیلاتے جائیں تو صاف پتہ چلتا ہے کہ گردن کے دونوں طرف، دونوں شانوں، دونوں بازوؤں، سینہ اور معدہ اور امعاء کے ساتھ ساتھ جگر وطحال اور دونوں گردے، یہاں تک کہ مثانہ و خصیے اور دونوں ٹانگیں اپنی اپنی تکالیف میں جدا جدا صورتیں رکھتی ہیں۔ یہ تقریباً ناممکن ہے کہ دونوں میں بیک وقت تکلیف شروع ہو البتہ رفتہ رفتہ دوسری طرف کے وہی مفرد اعضاء (نسیج) متاثر ہو کر کم و بیش اثر قبول کر لیتے ہیں۔ یہ وہ راز ہے جو اللہ تعالیٰ نے نظریہ مفرد اعضاء کے تحت دُنیائے طب پر ظاہر کیا ہے۔ اس سے قبل دُنیائے طب میں اس کا کسی کو علم نہیں تھا۔ فرنگی طب اور ماڈرن میڈیکل سائنس اس علم سے بالکل خالی ہیں۔

مفرد اعضاء کی ظاہری تقسیم کی تشریح

ان دونوں حصوں کو ہم نے تین تین مقامات میں اس طرح تقسیم کیا ہے جس کی تفصیل یہ ہے۔

پہلا مقام: اس مقام کی ابتداء اعصاب کے انسجہ سے شروع ہو کر عضلات کے انسجہ تک پہنچتی ہے۔ اس کا نام **عصابی عضلاتی** مقام رکھا ہے۔ مزاج اس کا سرد تر ہے۔ اس مقام میں سر کا دایاں حصہ، دایاں کان، دائیں آنکھ، دائیں ناک، دایاں چہرہ مع دائیں طرف کے دانت و مسوڑھے اور زبان۔ دائیں طرف کی گردن شامل ہے۔ گویا سر کے دائیں طرف سے دائیں شانہ تک جس میں شانہ شریک نہیں ہے۔ جب کبھی بھی ان مقامات پر کہیں تیزی ہوگی اعصابی عضلاتی تحریک ہوگی۔ علامت کے طور پر جسم میں رقیق بلغم کی زیادتی ہوگی۔ بول و براز اور نبض میں بھی بلغم کا اثر بہت زیادہ ہوگا۔

دوسرا مقام: اس مقام کی ابتداء عضلات کے انسجہ سے شروع ہو جاتی ہے اور اعصاب کے انسجہ سے تعلق رہتا ہے۔ گویا مفرد اعضاء انسجہ کا وہ تعلق ہے۔ مگر تحریک اعصاب کی بجائے عضلات میں شروع ہو گئی ہے۔ اس مقام کا نام **عضلاتی اعصابی** رکھا ہے۔ مزاج اس کا سرد خشک ہے۔ ظاہر طور پر اس مقام میں دایاں شانہ، دایاں بازو، دایاں سینہ، دایاں پھیپھڑہ اور دایاں معدہ شریک ہے۔ گویا دائیں شانہ سے لے کر جگر تک۔ اس میں جگر شریک نہیں ہے۔ جب کبھی ان مقامات میں سے کسی میں تیزی و درد اور سوزش و ورم ہوگا تو یہ عضلاتی اعصابی تحریک ہوگی۔ اس کی علامات میں بلغم اور سوداویت جسم پر غالب ہوگا اور بول و براز اور نبض میں ان کا اثر نمایاں ہوگا۔ گویا اس کا اثر خشک سرد ہے۔ خشکی مقدم اور سردی مؤخر، کیونکہ خشکی زیادہ ہے۔

تیسرا مقام: اس مقام کی ابتداء عضلات کے انسجہ سے شروع ہو کر غدد (جگر) کے انسجہ تک قائم ہے۔ اس مقام کا نام **عضلاتی غدی** ہے۔ اس تحریک میں عضلات کا تعلق غدی کے ساتھ قائم ہے۔ اور تحریک غدد کی طرف جانا شروع ہو جاتی ہے۔ مزاج اس کا خشک گرم ہے۔ خشک کا لفظ پہلے اس لئے کہ اس تحریک میں خشکی زیادہ اور گرمی کم ہوتی ہے۔ ظاہری طور پر اس مقام میں جگر دائیں طرف کی آنتیں، دائیں طرف کا مثانہ، دایاں خصیہ، دائیں طرف کا مقعد اور دائیں ساری ٹانگ کولہے سے لے کر پاؤں کی انگلیوں تک شامل ہیں۔ گویا جگر سے لے کر دائیں ٹانگ، پیر کی انگلیوں تک سب اس میں شامل ہیں۔ جب بھی ان مقامات میں سے کسی ایک میں تیزی ہوگی تو عضلاتی غدی تحریک ہوگی۔

چوتھا مقام: اس مقام کی ابتداء غدد (جگر) کے انسجہ سے شروع ہو کر عضلات کے انسجہ تک قائم رہتا ہے۔ یعنی تحریک تو غدد سے شروع ہوتی ہے مگر اس کا تعلق عضلات ہی سے قائم ہے۔ اس تحریک کا نام **غدی عضلاتی** ہے۔ مزاج اس کا بھی گرم خشک ہے لیکن اس کی گرمی ''تیسرے مقام''

سے زیادہ ہے۔ مگر اس قدر زیادہ نہیں ہے کہ خشکی پر غالب آ جائے۔ البتہ جب یہ تحریک پوری ہو جائے تو اس وقت گرمی غالب ہو جاتی ہے اور ساتھ تحریک بدل جاتی ہے۔ یاد رہے کہ اس تحریک میں حرارت یا صفراء کی پیدائش ہونے کے ساتھ ساتھ اخراج نہیں ہوتا، بلکہ جسم و جگر اور خون میں اکٹھا ہوتا رہتا ہے اور جب ضرورت کے مطابق پورا ہو جاتا ہے تو اعصاب میں تحریک پیدا کر کے اس کو غدی اعصابی بنا دیتا ہے۔ یہی تحریک کا فطری طریقہ ہے۔

ظاہری طور پر اس مقام کی ابتداء بائیں طرف سے شروع ہوتی ہے۔ اس میں سر کا بایاں حصہ، بایاں کان، بائیں آنکھ، بائیں ناک، بایاں چہرہ مع بائیں طرف کے دانت و مسوڑھے اور زبان اور بائیں گردن شامل ہیں۔ گویا بائیں جانب سر سے لے کر بائیں شانہ تک جس میں شانہ شریک نہیں ہے۔ جب کبھی ان مقامات پر تیزی ہو تو غدی عضلاتی تحریک ہوگی۔

پانچواں مقام: اس مقام کی ابتداء غدد (جگر) انسجہ ہی سے شروع ہوتی ہے اور اعصاب کے انسجہ کی طرف جاتی ہے۔ اس تحریک کا نام **غدی اعصابی** ہے۔ مزاج اس کا گرم تر ہے۔ اس میں گرمی زیادہ اور رطوبت بہت کم ہوتی ہے۔ پھر اس میں رطوبت بڑھتی جاتی ہے۔ جب گرمی کم اور رطوبت زیادہ ہو جاتی ہے تو خودکار طریق پر تحریک بدل کر اعصابی غدی بن جاتی ہے۔

ظاہری طور پر اس مقام میں بایاں شانہ، بایاں بازو، بایاں سینہ، بایاں پھیپھڑہ اور بایاں معدہ شریک ہیں۔ گویا بایاں شانہ سے لے کر طحال تک جس میں طحال شریک نہیں ہے۔ یاد رہے کہ اس مقام میں دِل ہوتا ہے۔ مگر اس کا صرف غدی انسجہ (ایپی تھل ٹشو) شریک ہوتا ہے۔ البتہ اس کا تعلق اس کے اعصاب تک رہتا ہے جس طرح تیسرے مقام میں جگر اور گردے شریک ہیں۔ لیکن ان کے صرف عضلاتی انسجہ شریک ہوتے ہیں۔ جب کبھی پانچویں مقام میں کسی جگہ تیزی ہوگی تو یہ تحریک غدی اعصابی ہوگی۔

چھٹا مقام: اس مقام کی ابتداء اعصابی انسجہ سے شروع ہوتی ہے لیکن اس کا تعلق غدد (جگر) سے قائم رہتا ہے۔ اس تحریک کا نام **اعصابی غدی** ہے۔ مزاج اس کا گرم تر ہے جس میں گرمی کم اور رطوبت زیادہ بڑھ جاتی ہے۔ جب گرمی بالکل ختم ہو جاتی ہے تو خودکار طریق سے تحریک بدل جاتی ہے اور پھر اعصابی عضلاتی تحریک شروع ہو جاتی ہے اور یہی ہماری پہلی تحریک ہے۔ یہی فطری طریق علاج ہے۔

ظاہری طور پر اس مقام میں طحال و لبلبہ اور بایاں گردہ بائیں طرف کی آنتیں، بائیں طرف کا مثانہ، بایاں خصیہ، بائیں طرف کا مقعد، گویا کولہے سے لے کر بائیں پاؤں کی انگلیوں تک شریک ہیں۔ یاد رکھیں کہ اس میں جو غدد شریک ہیں ان کے اعصابی انسجہ ہوتے ہیں۔

دورانِ خون

یہ تقسیم دورانِ خون کی گردش کے بالکل مطابق ہے جو دِل (عضلات) سے شروع ہو کر جگر (غدد) سے گزرتے ہوئے دماغ (اعصاب) کے زیر اثر تمام جسم پر رطوبات کو بکھیر دیتی ہے۔ پھر طحال (غدد جاذبہ) سے وہ رطوبت جذب ہو کر دِل (عضلات) میں شامل ہو جاتی ہے۔ یہ وہی دورانِ خون ہے جس کو طب یونانی نے بیان کیا ہے۔ جن کو ہم غذا کے چار ہضم کہتے ہیں۔

چونکہ دورانِ خون دِل سے شروع ہوتا ہے اس لئے ہم کو اس کا بیان عضلاتی غدی تیسرے مقام سے شروع کر کے ترتیب وار چھ مقام بیان کرنے چاہئیں تھے۔ اس طرح یہ دورانِ خون عضلاتی اعصابی دوسرے مقام پر ختم ہوتا۔ لیکن ہم نے ایک سرے کو مدنظر رکھتے ہوئے سر کے دائیں طرف سے شروع کر کے بائیں طرف کے پیر کی انگلیوں پر ختم کر دیا ہے، تاکہ اس تقسیم کو سمجھنے میں آسانی رہے۔ حقیقی دورانِ خون کو ذہن میں رکھنا ضروری ہے۔

تحریکات کا تعلق

تحریک کے جو یہ چھ مقام بیان کئے گئے ہیں ان میں اس حقیقت کو نہ بھولیں کہ دراصل یہ تین مفرد اعضاء کی تین تحریکیں ہیں۔ جب ان کا تعلق جوڑا جاتا ہے تو چھ صورتیں بن جاتی ہیں۔ یہ تین مفرد اعضاء (انسجہ) دماغ و دِل اور جگر (اعصاب و عضلات اور غدد) کی ابتدائی بافتیں (ٹشوز) ہیں۔ اعصاب (دماغ) کا تعلق ایک طرف عضلات (دِل) سے ہے اور دوسری طرف غدد (جگر) سے ہے۔ بالکل ایسے ہی غدد (جگر) کا تعلق ایک طرف عضلات (دِل) سے اور دوسری طرف اعصاب (دماغ) کے ساتھ ہے۔ یہ تینوں تعلق انہیں مفرد اعضاء (انسجہ) کے ذریعے ہیں گویا ہر مفرد عضو کی دو تحریکیں ہیں۔ اس طرح یہ چھ صورتیں بن جاتی ہیں۔ بالکل اسی طرح جیسے آیورویدک میں تین دوشوں وات، پت، کف کا باہمی تعلقات مل کر ان کی چھ صورتیں (۱) وات پت (۲) وات کف (۳) پت وات (۴) پت کف (۵) کف وات (۶) کف پت۔ یہ صورتیں طب یونانی میں بھی پائی جاتی ہیں، یعنی اس کے اخلاط کی کیفیات بھی مرکب ہیں جن کا باہمی دیگر خلطوں سے تعلق ہے۔ گرمی خون میں بھی ہے اور صفراء میں بھی ہے۔ اسی طرح سردی بلغم میں بھی ہے اور سوداء میں بھی ہے۔ بالکل ایسے ہی خشکی صفراء میں بھی ہے اور سودا میں بھی ہے۔ یہی صورت تری کی بھی ہے۔ وہ خون میں بھی ہے اور بلغم میں بھی پائی جاتی ہے جس طرح دوشوں اور اخلاط کی ان مرکب صورتوں سے مزاج قائم ہوتے ہیں۔ بالکل اسی طرح مفرد اعضاء (انسجہ) کی مرکب صورتوں سے انسانی مزاج بنتے ہیں۔

لیکن پھر یاد رکھیں کہ حیاتی مفرد اعضاء (انسجہ) صرف تین ہیں۔ چوتھا مفرد عضو (نسیج) بھی ہے جس کو نسیج الحاقی کہتے ہیں، لیکن اس کا تعلق بنیادی اعضاء (ہڈی) وغیرہ کے ساتھ ہے۔ چونکہ اعضائے رئیسہ تین ہیں، اس لئے حیاتی مفرد اعضاء بھی تین ہیں، انہی کو ذہن نشین کرنا ہی راز زندگی ہے۔

اس حقیقت کو بھی ذہن نشین رکھیں کہ جب مفرد عضو میں تحریک ہوگی دیگر دونوں اعضاء میں ترتیب کے لحاظ سے اس کے بعد والے مفرد عضو میں تحلیل ہوگی اور تیسرے مفرد عضو میں تسکین ہوگی۔ مثلاً اگر اعصاب میں تحریک ہوگی تو ان کے بعد چونکہ غدد ہوتے ہیں ان میں تحلیل ہوگی اور غدد کے بعد جسم میں عضلات ہیں ان میں تسکین ہوگی۔ اسی طرح تمام مفرد اعضاء میں تحریک و تحلیل اور تسکین ہوگی۔ یہ بات بھی ذہن میں رکھیں کہ جراثیم جسم کے کسی بھی مقام پر ہوگا، وہی اثر رفتہ رفتہ تمام جسم میں پھیل جاتے ہیں۔ ساتھ ہی یہ بھی ذہن میں رکھیں کہ مختلف مقامات پر جو مختلف اقسام کی سوزشیں، اورام اور پھوڑے وابھار ہوتے ہیں، وہ مقامات کا مختلف ہونا ہے۔

ورم سر (سرسام)

ماہیت ورم سر

ورم سر کو طبی اصطلاح میں سرسام کہتے ہیں۔ سرسام کے لغوی معنی بھی ورم دماغ کے ہیں۔ اس مرض میں صرف جوہر دماغ یا اس کے پردوں میں ورم ہو جاتا ہے۔ طب قدیم میں یہ مرض دو قسم کا ہوتا ہے۔ اوّل سرسام حقیقی جس میں جوہر دماغ یا اس کے پردوں میں ورم ہو جاتا ہے۔ دوم سرسام غیر حقیقی جس میں دماغ اور اس کے پردے بذاتِ خود متورم نہیں ہوتے بلکہ دیگر امراض کا اثر دماغ پر پڑ جاتا ہے۔ بہر حال اس قسم کا ورم بھی سرسام کہلاتا ہے لیکن اس کو اورام دماغ میں شریک نہیں کرنا چاہئے۔

تشخیص میں غلطیاں

چونکہ سرسام میں اکثر مریض کو غش آ جاتا ہے یا بے ہوش ہو جاتا ہے اور اس کو ہذیان ہو جاتا ہے اور بکواس کرتا ہے۔ اس لئے اس کی تشخیص میں اکثر غلطیاں ہو جاتی ہیں۔ اس کے کامیاب علاج کے لئے ضروری ہے کہ اس کی صحیح تشخیص کی جائے۔ حکمائے طب قدیم نے سرسام کو حقیقی اور غیر حقیقی میں تقسیم کر کے پھر باعتبار مادہ سرسام حقیقی کو مندرجہ ذیل چار اقسام میں تقسیم کر دیا ہے۔

① سرسام دموی (قرانیطس) ② سرسام سوداوی (الیتاغس) ③ سرسام صفراوی (قرنیطس خالص) ④ سرسام بلغمی (لیثرغس)

لیکن بعض کیفیات کے تحت پہلی دوسری قسم کے سرسام حار اور تیسری چوتھی قسم کے سرسام بارد کہتے ہیں۔ اسی طرح سرسام غیر حقیقی کی بھی مادہ اور کیفیات کے تحت اقسام ہو سکتی ہیں۔ انہی اقسام در اقسام کے تحت ہی سرسام کی تشخیص میں اکثر غلطیاں سرزد ہوتی ہیں۔ کیونکہ امراض کی تشخیص میں مزاج و اخلاط اور اعضاء تینوں صورتیں مدنظر ہوتی ہیں۔ اس طرح اگر اعضاء کو مزاج اور اخلاط کے تحت بھی دیکھیں تو کم از کم بارہ اقسام بنتی ہیں۔ یعنی چار صورتیں جوہر دماغ کے لئے اور چار چار صورتیں دونوں پردوں کے لئے۔ لیکن اگر ہم مفرد اعضاء کی حقیقت کو مدنظر رکھیں اور پوری طرح ذہن نشین کر لیں تو تشخیص کی یہ تمام غلطیاں ختم ہو جاتی ہیں۔

اس حقیقت سے کسی کو انکار نہیں ہے کہ جوہر دماغ خالص اعصابی انسجہ (ٹشوز) سے بنتے ہیں۔ اور اس کا مزاج سرد تر ہے۔ جب اس میں تیزی و سوزش اور ورم کی صورت پیدا ہوگی، تو اس کی کیفیاتی اور مادی صورتوں میں شدت پیدا ہو جائے گی۔ اسی طرح جوہر دماغ پر جو پردہ ہے جس کو غشاء کہتے ہیں جو غدی انسجہ کا بنا ہوا ہے جس کا تعلق جگر سے ہے جس کا مزاج گرم خشک ہے جب اس میں تیزی و سوزش اور ورم ہوگا تو اس میں اس کی کیفیاتی اور مادی صورتوں میں زیادتی ہوگی۔ یہی صورت دماغ کے دوسرے پردے کی ہے جس کو حجاب کہتے ہیں جو عضلاتی انسجہ کا بنا ہوا ہے جس کا تعلق قلب سے ہے جس کا مزاج گرم تر ہے جب اس میں تیزی و سوزش اور ورم پیدا ہو جائے گا تو اس میں اس کی کیفیات اور مادہ زیادہ ہوگا۔

یہاں پر بات یاد رکھیں کہ عضلات کا مزاج ہم نے خشک تسلیم کیا ہے مگر یہاں پر خون کی گرمی سے اس کو گرم تر لکھ دیا ہے۔ انقلابی معالج

اس حقیقت سے پورے طور پر واقف ہیں۔

ان حقائق کو ذہن نشین رکھیں کہ ہر مفرد عضو اسی مادہ سے بنا ہوا ہے جو وہ خود پیدا کرتا ہے۔ اس طرح ورم دماغ کی تشخیص بالکل آسان ہو جاتی ہے۔ یعنی جس مفرد عضو میں تیزی و سوزش اور ورم ہوگا تمام جسم میں اور خون میں وہی مشینی اور کیمیاوی اثر غالب ہوگا۔

فرنگی طب کی غلط فہمی

فرنگی ڈاکٹروں نے ورم دماغ کی تین صورتیں اس طرح تسلیم کی ہیں: ① خاص دماغ کے ورم کو Cerebritis ② دماغی جھلیوں کے ورم کو Meningitis اور ③ دماغ اور جھلیوں کے ایک ساتھ متورم ہونے کو Cerbro-meningitis کہتے ہیں۔ اس میں یہ غلط فہمی ہے کہ وہ دماغ کی دونوں جھلیوں کے ورم کو ایک ہی قسم کا ورم تسلیم کرتے ہیں۔ یہ بالکل غلط ہے کیونکہ دونوں جھلیوں کے ورم جدا جدا قسم کے ہوتے ہیں۔ اسی طرح جوہر دماغ اور اس کے دونوں پردوں کو بھی ایک ہی قسم کا ورم تسلیم کیا ہے۔ یہ اور بھی زیادہ غلط ہے۔ گویا تینوں اقسام کے اورام کو ایک ہی قسم کا ورم تسلیم کر لیا گیا ہے۔ البتہ بعض نام مختلف رکھ لئے ہیں جو کسی صورت میں بھی صحیح نہیں ہے۔

اگر جراثیم کے تحت انہوں نے تینوں اقسام اورام کو جدا جدا تسلیم کیا ہے تو یہ بالکل ہی غلط ہے، کیونکہ جوہر دماغ اور اس کے پردوں کے انسجہ (ٹشو) جدا جدا ہیں۔ ان میں جدا جدا قسم کے جراثیم پیدا ہو کر سوزش اور ورم پیدا کیسے پیدا کر سکتے ہیں۔ ان جراثیم کی تشریح بالاعضاء ہم گزشتہ صفحات میں تفصیل اور تشریح کے ساتھ بیان کر چکے ہیں۔ جب فرنگی طب کی تشخیص ہی غلط ہے تو پھر اس کا علاج کیسے صحیح ہو سکتا ہے۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ اس نے جراثیم کو مرض کی ماہیت سمجھ رکھا ہے۔

جب تک وہ جراثیم کی ماہیت کو سمجھ کر اس کو صحیح مقام نہ دیں اس وقت تک وہ ماہیت مرض کا صحیح تعین نہیں کر سکتے۔ یہ بہت بڑی غلط فہمی ہے۔

سرسام غیر حقیقی

اس کو سرسام مجازی بھی کہتے ہیں۔ یعنی مجازاً اس کو سرسام کہہ دیا گیا ہے۔ درحقیقت یہ سرسام نہیں ہوتا لیکن اس کو ضرور مدنظر رکھیں کہ سرسام غیر حقیقی میں بھی جوہر دماغ اور اس کے پردے شدید متاثر ہوتے ہیں۔ فرنگی طب میں اس کو (Delirium) کہتے ہیں۔ جس طرح سرسام حقیقی کی غلط فہمی سے تشخیص میں غلطیاں ہوتی ہیں۔ اسی طرح سرسام غیر حقیقی میں بھی غلطیاں ہوتی ہیں۔

جاننا چاہئے کہ سرسام غیر حقیقی کسی دوسرے مرض کی شدت خصوصاً جسم میں کسی اور مقام پر ورم و سوزش اور بخار و زہر کی تیزی سے پیدا ہوتا ہے لیکن اس امر میں اس حقیقت کو ضرور مدنظر رکھیں کہ اعضائے مفردہ کی مناسبت سے جس عضو (اعصاب و غدد اور عضلات) میں مرض کی شدت ہوگی، اسی کے تعلق سے دماغ یا اس کے پردوں پر اثر ہوگا۔ فرنگی ڈاکٹر اس حقیقت سے ناواقف ہیں۔ وہ ہمیشہ مکمل دماغ کو مریض خیال کرتے ہیں۔

تاکید

یہاں پر اس امر کو بھی ذہن نشین رکھیں کہ دماغ یا اس کے پردے چونکہ مفرد ہیں اس لئے ان کے اورام میں مختلف مادے یا مختلف کیفیات کے اثر سے اورام نہیں ہوں گے۔ مثلاً جوہر دماغ میں کبھی بلغمی و اعصابی تحریکات سے سرسام نہیں ہوگا بلکہ ہمیشہ صفراوی و کبدی اثرات سے ہوگا۔ بالکل اسی طرح حجاب میں بلغمی و اعصابی اور صفراوی و کبدی تحریکات سے سرسام نہیں ہوگا۔ بلکہ ہمیشہ سوداوی اور عضلاتی اثرات سے ہوگا۔ اگر مفرد اعضاء کو مدنظر رکھا جائے گا تو کیفیاتی اور اخلاطی و مادی صورتیں بھی آسانی سے سامنے آئیں گی۔ اس طرح تشخیص میں کوئی دقت پیش نہیں آئے گی اور علاج میں تمام مشکلات بھی دور ہو جائیں گی۔

ورم دماغ (اعصابی عضلاتی)

ماہیت ورم

یہ ورم خالص دماغی اور اعصابی ہوتا ہے جس کو طب میں سرسام بلغمی (لیثرغس) اور انگریزی میں Cerebritis کہا جاتا ہے۔ یاد رکھیں کہ اس کا اثر دماغ کے کسی پردے پر نہیں ہوتا۔ اگر ہو جائے تو یہ ورم کم ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ یہ بھی یاد رکھیں کہ جب بھی اس کا اثر کسی پردے پر ہوگا تو صرف عضلاتی پردے (حجاب) پر ہوگا۔ غشاء پر بالکل نہیں ہوگا۔ کیونکہ بلغم میں سردی کی شدت ہو جاتی ہے تو وہ خشک ہو کر سوداوی صورت اختیار کر لیتی ہے اور عضلات کو تحریک دیتی ہے۔ پردہ غشاء جگر اور صفراء کے تحت ہے اس کو تحریک ہمیشہ عضلاتی تحریک کے بعد ہوتی ہے۔ کیونکہ انتہائی خشکی حرارت کی طرف مائل ہوتی ہے۔ یہ سب حکماء کے حقائق ہیں جن پر جدید سائنس کا اتفاق ہے۔

حقیقت مرض

مفرد اعضاء کے تحت ہم اس ورم کو اعصابی کہتے ہیں جس کا اثر عضلات کی طرف جاتا ہے۔ اس لئے اس کا نام اعصابی عضلاتی ورم رکھا ہے۔ یعنی مشینی طور پر اعصاب میں تحریک ہے اور کیمیاوی طور پر خون میں خشک سردی بڑھ رہی ہے۔

درد و ورم

یہ ورم دماغ میں ہو کر اس کا اثر نصف دائیں سر سے لے کر نصف دائیں گردن و شانہ تک جاتا ہے۔ اس میں شانہ شریک نہیں ہے۔ یہ دماغ کا حقیقی ورم ہے۔ اگر دماغ کی بجائے یہ دائیں طرف گردن سے شانہ تک کسی مقام پر ورم ہو جائے تو وہاں کے اعصاب کا یہ حقیقی ورم ہوگا۔ مگر دماغ کا غیر حقیقی ورم ہوگا۔ اسی طرح بائیں طرف گردے سے لے کر پاؤں تک جس میں بائیں طرف کی آنتیں و مثانہ اور عضو مخصوص اور خصیہ شریک ہیں، اس میں گردہ شریک نہیں ہے۔ البتہ اس میں جگر و گردوں کا تعلق قائم رہتا ہے۔ یہ ایسے حقائق ہیں جن کا فرنگی طب کو بھی علم نہیں ہے۔

اسباب: ہر ورم کے اسباب دو ہی قسم کے ہوتے ہیں: اوّل بادیہ، دوم سابقہ۔ اسباب بادیہ (ظاہری اسباب) جن میں کیفیاتی و نفسیاتی اثرات میں خاص طور پر خوف کا پیدا ہونا پایا جاتا ہے۔ ان صورتوں میں سوزش اور درد لاحق ہوتا ہے۔ جو جذب معدہ ہیں۔ یعنی طبیعت اس سوزش درد اور تفرق کی اصلاح کے لئے اس طرف متوجہ ہوتی ہے۔ اور عروق کو پھیلا کر اس طرف رطوبات زیادہ مقدار میں روانہ کر دیتی ہے۔ یہی صورت باعث ورم بن جاتی ہے۔ اسباب سابقہ (اندرونی اسباب) جن میں تیز بخار و امتلاء، خسرہ و چیچک، محرقہ دماغی، وجع المفاصل، زہر آتشک و سوزش اعصاب اور سرد منشیات مثلاً افیون بھنگ اور دھتورہ وغیرہ۔ عورتوں میں سیلان رحم اور بندش حیض قابل ذکر ہیں۔

علامات: چونکہ یہ ورم خالص اعصابی ہے، اس لئے اس میں بلغم کی شدت ہوتی ہے۔ بلغم جس بخار میں ہوگی وہ بھی اعصابی ہوگا اور جس مرض سے ہوگا وہ بھی اعصابی ہوں گے۔ اسی طرح جن زہروں سے ہوگا وہ بھی اعصاب میں سوزش پیدا کرنے والے ہوں گے۔ جیسا کہ اسباب کے تحت

لکھا گیا ہے اور بلغم کے ساتھ اسی بخار و مرض اور زہر کی علامات پائی جائیں گی۔ ابتدائی علامات میں سر کا بوجھل ہونا، طبیعت کا سست اور بے چین ہونا، پھر درد اور دوران کا پیدا ہو جانا، سردی کی شدت کا احساس، ساتھ ہی بدن میں کھچاؤ اور تناؤ کے تشنج کی صورت پیدا ہو جاتی ہے۔ بخار کی شدت اور پیاس میں زیادتی۔ رفتہ رفتہ ہوش وحواس میں خلل پیدا ہو کر مریض ہذیان شدید کرنا شروع کر دیتا ہے۔ آنکھیں سرخ پانی سے بھری ہوئی، ناک بہتی ہے۔ مریض بالعموم ٹکٹکی باندھ کر دیکھتا ہے۔ بعض اوقات چار پائی سے اٹھ کر بھاگنے کی کوشش کرتا ہے۔ گاہے بستر اور کپڑوں کو چننے دیوار پر کسی چیز کو تلاش کرنے اور ہوا میں سے کسی چیز کو پکڑنے کی کوشش کرنے لگتا ہے اور آخر کار بالکل بے ہوش پڑا رہتا ہے۔ ابتداء میں قبض ہوتا ہے اور عضلات شکم تنے ہوئے ہوتے ہیں۔ لیکن آخر میں عضلات ڈھیلے پڑ جاتے ہیں اور بول و براز بلا ارادہ خارج ہونے لگتے ہیں۔ آنکھیں نیم کشادہ ہوتی ہیں۔ جلد سرد اور چپچپی ہوتی ہے۔ چہرے پر مردنی چھا جاتی ہے، ہاتھ پاؤں سرد ہو جاتے ہیں، سانس خراٹے سے آنے لگتا ہے اور آخر کار مریض اسی بے ہوشی کی حالت میں انتقال کر جاتا ہے۔

جب دماغ اور اعصاب میں ورم ہونے لگتا ہے تو ابتداً منہ میں پانی آتا ہے، جی متلاتا ہے اور ابکائیاں آتی ہیں اور کبھی قے بھی ہو جاتی ہے۔ آنکھوں کی گہرائی میں درد محسوس ہوتا ہے۔ نبض مشرف وموجی اور قارورہ سفید اور براز رقیق ہوتا ہے۔

انجام: چونکہ یہ ورم جوہر دماغ میں ہوتا ہے اور خالص دماغی ورم ہے، اس لئے زیادہ خطرناک ہوتا ہے۔ چونکہ اکثر اطباء، حکماء اور فرنگی ڈاکٹر تشخیص میں غلطی کر جاتے ہیں، اس لئے مریض بالعموم ہلاک ہو جاتا ہے۔ اکثر دوسرے تیسرے روز حد چوتھے روز تک ہلاک ہو جاتا ہے۔ لیکن گھبرانا نہیں چاہئے۔ اگر معالج ذرا کوشش سے کام لے کر اس ورم کو تشخیص کرے تو علاج کے ساتھ ہی فوراً آرام ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ یہ بات یاد رکھیں کہ کسی مرض میں نقصان یا موت اسی وقت ہوتی ہے جب تشخیص غلط ہو اور علاج اور ادویات صحیح نہ ہوں۔ یہ ناممکن ہے کہ صحیح تشخیص اور علاج پر اللہ تعالیٰ آرام نہ دے۔

تاکید: جو علامات اوپر لکھی گئی ہیں، یہ سرسام بلغمی کی ہیں جو اعصابی عضلاتی ہیں، ان کو خوب یاد کر لیں، ذہن نشین کر لیں۔ ہر اعصابی عضلاتی مرض کی علامات کم وبیش اور شدید وخفیف طور پر ان سے ملتی ہوں گی اور ہمیشہ کام دیں گی۔ یہ بھی یاد رکھیں کہ **اکثر طبی اور ڈاکٹری کتب میں مختلف اقسام کے اورام سر کی علامات کو آپس میں غلط ملط کر دیا ہے۔ اور ہر شخص ان کو باہم تمیز نہیں کر سکتا۔ خاص طور پر ہومیو پیتھک ادویات استعمال کرنے والے ان علامات سے بہت فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔**

اصول علاج

کسی مرض کی دوا جاننے سے اہم بات یہ ہے کہ اس مرض کے اصول علاج کا علم ہونا چاہئے کیونکہ کسی مرض کے علاج میں اگر مقررہ علاج وادویات اور تدابیر سے کامیابی نہ ہو تو معالج کو ناکامی کا منہ دیکھنا نہ پڑے۔ اس لئے اصول علاج کا جاننا نہایت اہم ہوتا ہے۔ اور علاج کے دوران میں اس کو یقین ہوتا ہے کہ جو علاج وہ کر رہا ہے اس مرض کے لئے صحیح ہے یا نہیں۔ اگر اس کو ناکامی ہو تو اس مرض کے اصول علاج کے تحت وہ فوراً ضرورت کے مطابق تجدید وترتیب قائم کر سکتا ہے۔

اصول علاج دو قسم کا ہوتا ہے۔ اوّل علاج عمومی، دوسرے اصول علاج خصوصی۔ اصول علاج عمومی سے مقصد یہ ہے کہ وہ اصول جو ہر مرض میں مدنظر رکھنا ضروری ہے، وہ تین ہیں: (۱) ازالہ سبب (۲) سکون مریض (۳) اعتدال دوران خون۔ ان کی تشریح مندرجہ ذیل ہے:۔

(۱) ازالہ سبب: مقصد یہ ہوتا ہے کہ مرض کی صورت میں جو سبب ظاہر یا سبب واصل ظاہر میں نظر آئے یا محسوس ہو چکا ہے وہ سبب بادیہ ہو یا سبب سابقہ ہو فوراً دور کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ مثلاً اسباب بادیہ میں کیفیاتی ونفسیاتی اثرات، ضربہ وسقطہ اور نشہ، بجلی یا کسی اور شے سے جل جانا۔ اسی

طرح اسباب سابقہ میں بخار، دیگر حصہ جسم کے امراض خصوصاً سوزش و اورام اور منشیات کا استعمال اور تیز بو اور زہریلی گیسوں کا اثر کر جانا، وغیرہ وغیرہ۔

(۲) **سکون مریض:** اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ مریض کو ظاہری طور پر اس طرح لٹا دیں کہ اس کی بے چینی رفع ہو جائے۔ مثلاً مریض میں سردی گرمی کی شدت کا احساس ہو تو اس کو فوراً دور کرنے کی کوشش کی جائے۔ اگر جسم میں کسی مقام پر درد یا بوجھ ہو تو اس مقام پر سہارا دیا جائے یا پٹی باندھ دی جائے۔ اگر پیاس کی شدت ہو تو ضرورت کے مطابق مگر مناسب گرم کوئی مشروب دیا جائے۔ مریض کا کمرہ سکون بخش ہو اور تیماردار خوش اخلاق اور ہمدرد ہونا چاہیے۔

(۳) **اعتدال دوران خون:** اس کا مقصد یہ ہے کہ جسم میں جو حصہ گرم یا سرد معلوم ہو اس کو فوراً اعتدال پر لانے کی کوشش کرنی چاہئے۔ اس کی وجہ وہاں پر خون کی کمی یا زیادتی ہوتی ہے۔ غذا و دوا یا مالش وغیرہ سے دورانِ خون کو اعتدال پر لایا جا سکتا ہے۔ اس کو امالہ بھی کہتے ہیں۔ یعنی جس مقام پر خون کی کمی محسوس ہو وہاں پر خون کھینچ لینا۔ شدید صورتوں میں سوزشناک ادویات، جونک، سنگیاں اور حجامت فصد تک بھی اگر ضرورت پیش آئے تو فوری طور پر کیے جا سکتے ہیں۔ ان سے بھی سکون مریض اور ازالہ مرض ہو جاتا ہے۔

اصول علاج خصوصی

سرسام بارد (اعصابی عضلاتی) جیسے اصول علاج میں ان تین صورتوں کو مدنظر رکھیں۔ ① مریض کو سردی سے محفوظ کریں۔ ② بلغم اور رطوبت کو کم کرنے کی کوشش کریں۔ ③ قلب کو طاقت دیں۔

تاکید: سرسام میں عام طور پر جو علاج کئے جاتے ہیں ان میں محلل اورام ادویات کی بجائے امالہ (مرض کا رخ بدلنا) پر زیادہ زور دیا جاتا ہے۔ اور اس مقصد کے لئے زیادہ تر مسہل استعمال کیا جاتا ہے۔ تاکہ دوران خون سر کی طرف سے کم ہو کر امعاء کی طرف ہو جائے۔ لیکن مسہلات میں اس امر کو ہمیشہ نظرانداز کر دیا جاتا ہے کہ وہ کس قسم کے ہونے چاہئیں۔ کوئی سا تیز مسہل دے دیا جاتا ہے۔ یہ نظریہ غلط ہے۔ کیونکہ اگر مسہلات اعصاب و دماغ میں تحریک دینے والے اور بلغم و رطوبات کو زیادہ کر کے رقیق اسہال لانے والے ہوں گے تو وہ بجائے مفید ہونے کے مضر ثابت ہوں گے۔ یاد رکھیں کہ مسہلات ایسے ہونے چاہئیں جو جسم میں اوّل خشکی (عضلاتی اعصابی) اور بعد میں خشکی اور حرارت (عضلاتی وغدی) پیدا کریں۔ اس طرح مریض فوراً خطرے سے باہر نکل جاتا ہے۔

تاکید: سرسام بارد شدت میں کبھی اسہال خود بخود شروع ہو جاتا ہے، ان سے تسلی حاصل نہیں کرنی چاہئے۔ کیونکہ اسہال کے جسم میں بلغم اور رطوبت کی زیادتی کا نتیجہ ہوتا ہے۔ ان کو فوراً خشک گرم اشیاء سے روکنا چاہئے۔ ایسی صورت میں بھی اگر مسہل دینا ضروری ہو تو مقوی قلب مسہل دے سکتے ہیں۔ جو تحقیقات فارماکوپیا میں بیان کر دیئے گئے ہیں۔ یعنی عضلاتی غدی مسہل دیں۔

سرسام کا علاج

سرسام بارد (اعصابی عضلاتی) کا اصل علاج یہ ہے کہ دماغ اور اعصاب کی طرف سے دوران خون کو دل (عضلات) کی طرف کر دیں۔ یعنی **عضلاتی اعصابی تحریک کر دیں۔** اس طرح جو خون دماغ و اعصاب کی طرف جا رہا ہے وہ وہاں اس طرف نہ صرف جانا رک جائے گا بلکہ جو بلغم اور رطوبت پیدا ہو چکی ہے وہ خشک ہونا شروع ہو جائے گی اور جو خون وہاں پر آ چکا ہے وہ بھی رفتہ رفتہ اعتدال پر آنا شروع ہو جائے گا۔ چونکہ اس مریض میں گھبراہٹ کے ساتھ پیاس بھی ہوتی ہے۔ اس لئے آب انار ترش یا سکنجبین سادہ یا شربت آلو بخارا یا رب الٰہی آلو بخارا دیں۔ روغن گل اور سرکہ میں کپڑا بھگو کر سر پر رکھیں۔ دوا کے طور پر عضلاتی اعصابی محرک یا محرک شدید دیں۔ اگر قبض ہو تو عضلاتی اعصابی یا عضلاتی اعصابی مسہل اس مقدار میں دیں کہ پانچ سات اسہال ہو جائیں۔ بلغم اور رطوبات خشک ہو جائیں تو عضلاتی اعصابی مقوی استعمال کریں۔ اس سے جلد

صحت اور طاقت آ جاتی ہے۔

تاکید: ایک سب سے بڑی غلطی اس علاج میں یہ کی جاتی ہے کہ جب مریض کو گھبراہٹ اور بے چینی ہوتی ہے تو خمیرہ جات خصوصاً خمیرہ گاؤزبان استعمال کراتے ہیں۔ لیکن جاننا چاہئے کہ یہ مفرح قلب ادویہ اور اشیاء ہمیشہ اعصابی ہوتی ہیں جن سے اعصاب میں تحریک ہو کر بلغم اور رطوبات میں زیادتی ہو جاتی ہے۔ اس طرح کاہو، کاسنی، خرفہ، بہیدانہ اور کدو وغیرہ کا استعمال مفید ہونے کے بجائے یقیناً مضر ثابت ہوتا ہے۔ اسی طرح کے شربت اور عرقیات سے پرہیز کریں، جیسے بید مشک، صندل، نیلوفر اور گلاب وغیرہ سے دور رہیں۔

سرسام سوداوی

سرسام سوداوی (عضلاتی اعصابی) سرسام بارد (اعصابی عضلاتی) سے جدا ہے۔ لیکن یاد رکھیں کہ سرسام بارد (اعصابی عضلاتی) کے غلط علاج یا کچھ عرصہ علاج نہ کرنے سے پیدا ہو جاتا ہے۔ اس حیثیت سے یہ کوئی جدا شے نہیں ہے، اس لئے اسی سرسام کے ساتھ ہی اس کے علاج کو ذہن نشین کرنا ضروری ہے۔

سودا کے متعلق غلط فہمی

سودا کا مزاج انتہائی سرد خشک تسلیم کیا گیا ہے جس کا قوام گاڑھا، لیسدار، مائل بہ خشکی، رنگ سفید سیاہی مائل اور ذائقہ کبھی پھیکا مائل بہ ترشی ہوتا ہے۔ کبھی مکمل ترش ہوتا ہے۔ جوں جوں اس میں شدت بڑھتی چلی جاتی ہے۔ سیاہی، ترشی اور خشکی بھی بڑھتی چلی جاتی ہے۔ یہ بھی تسلیم کیا گیا ہے کہ بلغم و صفراء اور خون جب جل جاتے ہیں تو سودا میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔

یہ تو سمجھ میں آتا ہے کہ بلغم (رطوبت) جب انتہائی سرد ہونا شروع ہو جاتی ہے، تو وہ گاڑھی لیسدار اور خشک ہونا شروع ہو جاتی ہے۔ یہاں تک کہ انتہائی سردی میں جسم برف ہو جاتا ہے۔ پھر انتہائی خشکی کے باوجود اس میں تیزی پیدا ہو جاتی ہے جس سے حرارت کی پیدائش تسلیم کی گئی ہے۔ اس لئے انتہائی خشک ادویہ اور زہروں کو گرم خشک تسلیم کر لیا گیا ہے۔ لیکن یہ بات حقیقت سے بعید معلوم ہوتی ہے کہ سودا اور خون جو گرم ہیں جل جانے کے بعد سودا بن جاتے ہیں۔ کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ **سودا کا علاج انتہائی گرم اغذیہ وادویہ اور زہر و اشیاء ہیں۔** یہ حقیقت ہے کہ سودا کا علاج سرد اغذیہ وادویہ اور اشیاء و زہروں سے نہ صرف مشکل ہے بلکہ ناممکن ہے۔ اگر صفراء و خون کے جل جانے کے بعد سودا پیدا ہوتا ہے تو بات بعید از عقل و حقیقت اور تجربہ و مشاہدہ کے خلاف ہے۔ ہم جب چاہیں سودا کو صفراء سے ختم کر دیں اور نظریہ مفرد اعضاء کے تحت عضلاتی تحریک کو جو سودا پیدا کرتی ہے غدی تحریک سے جو صفراء پیدا کرتی ہے، فوراً ختم کر سکتے ہیں۔ اور جب خون کی حرارت ختم ہو جائے تو بلغم (رطوبت) بن جاتی ہے۔ اس کے برعکس ناممکن ہے۔

تاکید: جب بلغم خشک ہو کر سودا میں تبدیل ہوتی ہے تو عضلاتی تحریک شروع ہو جاتی ہے اور اعصابی تحریک ختم ہو جاتی ہے۔ عضلاتی تحریک کا علاج یہ ہے کہ غدی (جگر) تحریک پیدا کر دی جائے۔ اس سے صفراء پیدا ہوتا ہے۔

سرسام سوداوی کا علاج

سرسام سوداوی جو عضلاتی تحریک ہے اس کا اوّل یہ دیکھنا ہے کہ عضلاتی تحریک کا تعلق اعصاب (سردی) کے ساتھ یا جگر (گرمی) کے ساتھ ہو گیا ہے۔ اگر تعلق اعصابی ہے، یعنی عضلاتی اعصابی ہے تو پھر اس کا تعلق جگر (گرمی) سے کریں۔ یعنی عضلاتی غدی کر دیں۔ اوّل تو یہیں مرض ختم ہو جائے گا۔ اس مقصد کے لئے عضلاتی غدی ملین یا عضلاتی مسہل دیں۔

یاد رکھیں کہ شدید امراض اور خطرناک امراض میں ابتداء ہی سے ملینات اور مسہلات کا استعمال ضروری ہے۔ کیونکہ وقت کم ہوتا ہے اور

جان کا خطرہ ہوتا ہے۔ البتہ جب اجابتوں میں شدت ہو اور کمزوری کا خطرہ ہو تو محرک یا محرک شدید استعمال کئے جا سکتے ہیں۔

اگر عضلاتی غدی کے بعد جسم میں سودا کا اثر ہو یا حرارت کی کمی ہو تو **غدی عضلاتی محرک و محرک شدید یا ملین و مسہل استعمال کرا دیں۔ فوراً** سرسام سوداوی (عضلاتی تحریک) بالکل ختم ہو جائے گا اور مریض یقیناً تندرست ہو جائے گا۔ **آرام آ جانے کے بعد غدی عضلاتی مقوی کچھ روز** استعمال کر کے علاج ختم کر دیں۔ غذا شدید بھوک کے بغیر نہ دیں۔ صرف قہوہ دیں۔ جب بھوک ہو تو شوربا یا یخنی دیں۔ گرم پانی پلائیں۔

محلل ادویات کا خارجی استعمال

محلل سرخی اور گرم ادویات کے اندرونی استعمال کے ساتھ ضرورت کے مطابق بیرونی طور پر بھی استعمال کیا جا سکتا ہے۔ لیکن اس پر بھروسہ نہیں کرنا چاہئے۔ کیونکہ یہ بیرونی استعمال سے صرف مقامی طور پر اور عارضی طور پر مفید ہو کر تسکین ہو سکتی ہے۔ اگر اندرونی استعمال سے غفلت برتی گئی تو ورم تحلیل نہیں ہوگا۔ اس لئے اندرونی استعمال ادویہ کو مقدم رکھیں تاکہ خون اور اس عضو میں پوری حرارت پیدا ہو جائے اور اس کا تعلق ورم سے مسلسل قائم رہے اور مریض جلد صحت یاب ہو جائے۔

بیرونی استعمال میں تکمید رطب مثلاً تھیلیوں میں گرم پانی (خواہ خالص ہو یا اس میں کوئی محلول دوا ہو) بھر کر سینکنا، گرم پانی سے کپڑا یا نمدہ تر کر کے نچوڑنے کے بعد ٹکور کرنا (اس پانی میں بھی کوئی دوا شامل کر سکتے ہیں) گرم ضماد یا نطوخ لگانا۔ مثلاً السی کا ضماد یا سادہ روئی گرم کر کے سینکنا، مرغ، کبوتر یا کسی دوسرے پرندے کو ذبح کر کے اور فوراً پیٹ چاک کر کے گرم گرم متورم حصہ پر باندھ دینا اور مالش وغیرہ کی موٹی ٹکیہ یک طرفہ پکا کر اس پر گھی یا تیل لگا کر باندھنا۔ خشک تکمید کے لئے ریت، گرم اینٹ یا خشک ادویات کو گرم کر کے تھیلی میں بھر کر ٹکور کرنا۔ خشک حرارت بھی ضرورت کے وقت ورم کے علاج میں استعمال کرنا چاہئے۔ اس کا بہت بڑا فائدہ یہ ہے کہ وہ ترشح شدہ رطوبات کو جو وہاں پر خون کے آنے میں رکاوٹ کا باعث ہوتی ہیں، وہاں سے جذب کر لیتی ہے۔ **خشک تکمید اورام مزمن میں زیادہ مفید ہوتی ہے۔**

دافع عفونت ادویات

دافع عفونت ادویات تریاقات کے تحت آتی ہیں۔ ان کا اثر فوری طور پر ہوتا ہے۔ جیسا کہ ہم علم الادویہ کی اصطلاحات میں لکھ چکے ہیں۔ کیونکہ ورم عفونی کے علاج کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ عفونت کو زائل کیا جائے۔ عفونی مواد کو تباہ و برباد کیا جائے اور اس کے سمی مواد کو ضائع اور خارج کیا جائے اور ساتھ ہی یہ بھی مدنظر ہوتا ہے کہ عفونت کے زہر سے اعضاء کی ساختوں اور انسجہ کو تباہی و بربادی سے بچایا جائے۔ کیونکہ متورم حصہ کی رگوں اور عروق جاذبہ میں اچھے خون کا دوران نہیں رہتا یا کم ہو جاتا ہے۔ اس لئے مواد عفونیہ کا زہر ساختوں پر برا اثر کرتا ہے اور پھر خون میں جذب ہو کر اس کی ترکیب اور قوت مقابلہ کو بگاڑ اور کمزور کر دیتا ہے اور جلد موت واقع ہو جاتی ہے۔

فرنگی طب کی غلط فہمی

عفونت سے طب یونانی پورے طور پر آگاہ ہے۔ طب یونانی میں عفونتی اور غیر عفونتی دونوں قسم کے امراض پائے جاتے ہیں۔ کم و بیش نوے فیصدی عفونتی امراض ہیں۔ ان میں حمیات اورام اور اندرونی زہریلے مواد کا خاص طور پر عفونت سے تعلق ہے۔ فرنگی طب عفونت سے اس وقت واقف ہوئی جب ان کے سامنے جراثیم کا مسئلہ آیا اور انہوں نے علم الامراض کی بنیاد جراثیم کی پیدائش پر رکھی۔ لیکن جراثیم کے چکر میں آ کر وہ عفونت کی حقیقت کو نظر انداز کر گئی۔ اور وہ جراثیم کو فنا کرنے کو امراض کا صحیح علاج خیال کرتی ہے۔ لیکن جاننا چاہئے کہ عفونت اور جراثیم دو مختلف چیزیں ہیں۔ یعنی کبھی عفونت کے بعد جراثیم پیدا ہو جاتے ہیں اور کبھی جراثیم عفونت پیدا کرتے ہیں۔

یاد رکھیں! عفونت ایک خاص صورت ہے جو خاص قسم کے مواد و ماحول اور درجہ حرارت میں پیدا ہوتی ہے اور جراثیم حیوانی و نباتی اجسام

ہیں۔ جو بغیر عفونت کے پیدا نہیں ہوسکتے۔ لیکن وہ عفونت کے بغیر بھی زندہ رہ سکتے ہیں اور عفونت کی شدت میں مر بھی جاتے ہیں۔ کسی عفونت پر اگر جرم کش دوا ڈالی جائے تو جراثیم ضرور مر جاتے ہیں۔ لیکن اگر مواد اپنی جگہ پر قائم رہے تو اس میں پھر جراثیم پیدا ہو جائیں گے۔ یہ سلسلہ اس وقت تک قائم رہتا ہے جب تک مواد و ماحول اور درجہ حرارت قائم رہتا ہے۔

کسی مرض کی بنیاد عفونت تو ہوسکتی ہے مگر جراثیم نہیں ہوسکتے۔ کیونکہ بغیر عفونت کے جراثیم پیدا نہیں ہوسکتے۔ اور جراثیم بغیر مواد و ماحول اور درجہ حرارت کے عفونت پیدا نہیں کر سکتے۔ اس لئے عفونتی امراض میں دفع عفونت کی کوشش کرنی چاہئے نہ کہ قاتل جراثیم ادویات کو دافع عفونت اور علاج مرض کو حقیقت سمجھ لیا جائے۔ یہ خیال کرنا غلط فہمی ہے۔

ایک اور غلط فہمی

فرنگی طب کا یہ نظریہ غلط ہے کہ جراثیم کش خاص قسم کی ادویات ہوتی ہیں۔ بلکہ ہر گرم و شدید اور زہر جرم کش ہے۔ البتہ ہر عفونت کے لئے مختلف اقسام کی ضرورت ہے۔ مثلاً نمک و چونا اور گندھک تینوں جرم کش ہیں۔ لیکن تینوں مختلف قسم کی عفونتوں کو ختم کرتی ہیں۔ اس لئے مختلف اعضاء عفونت ان اعضاء کی تقویت و تیزی کے بعد پیدا ہوتے ہیں، اس لئے متعلقہ اعضاء کی خرابی کے مدنظر دافع عفونت ادویات استعمال کرنی چاہئیں۔

یاد رکھیں تریاق کسی دوا و زہر اور عفونت کے متضاد شے کو کہتے ہیں۔ جیسے کھاد کے مقابلے میں تیزاب اور افیون کے مقابل کچلہ اور سانپ کے عفونتی زہر کے لئے عشر (آک) کا کھلانا تریاق ہیں۔ یاد رکھیں کہ دوا و زہر اور عفونت جس قدر شدید ہوں ان کے تریاق بھی اسی قدر شدید مؤثر ہونے چاہئیں۔ اطباء کو خوفناک زہروں اور امراض کے تریاق کا پورے طور پر علم ہونا چاہئے۔ اس سے قیمتی جانیں بچائی جاسکتی ہیں۔

قانون استعمال ادویات

ہر قسم کے سرسام کا علاج ہم لکھ چکے ہیں، لیکن مزید معلومات کے لئے آخر میں کچھ مفرد ادویات لکھ رہے ہیں، تاکہ ان معلومات سے بھی معالجین مستفید ہوسکیں۔ چونکہ ہم نے سرسام کے تین اقسام لکھے ہیں: (۱) اعصابی (۲) عضلاتی (۳) غدی۔ اس لئے ان کی ادویات بھی انہیں کے تحت لکھتے ہیں۔

اس امر کو پھر ذہن نشین کرلیں کہ اس امر کا اصل علاج یہ ہے کہ دماغ کی طرف خون کی آمد کو کم کیا جائے۔ اس مقصد کے لئے رادع اور مسکن ادویات استعمال کی جاتی ہیں۔ رادع کا مقصد یہ ہے کہ سوزش اور اورام کے مقام پر جو بے چینی اور درد ہے اس کو کم کیا جائے تاکہ خون اس مقام کی طرف آنا کم ہو جائے۔ یہ دونوں صورتیں لازم و ملزوم ہیں۔ ان مقاصد کے لئے تقریباً ایک ہی قسم کی ادویات ہوتی ہیں اور وہ دونوں کام کرتی ہیں۔

یاد رکھیں کہ جب کسی مقام پر سوزش ہوتی ہے تو اس کا اندرونی سبب کیمیاوی ہوتا ہے جو خون میں موجود ہوتا ہے۔ اس کے رفع کرنے کے لئے دو ہی صورتیں ہوسکتی ہیں۔ اوّل خون میں کیمیاوی طور پر تغیر پیدا کیا جائے اور دوسرے مقام سوزش اور ورم پر سکون پیدا کیا جائے تاکہ رادع صورت پیدا ہوکر وہاں پر خون کی آمد کم ہو جائے اور یہی صحت کی ابتدائی صورت ہے۔ یہ بات پھر ذہن نشین کرلیں کہ رادع اور مسکن ادویات کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ خون کی رطوبات کا وہاں ترشح کیا جائے۔ کیونکہ یہ ترشح ہی حقیقی رادع اور مسکن صورت پیدا کر سکتی ہے۔ اور اس کا ایک فائدہ یہ بھی ہوتا ہے کہ جو خون وہاں پر جمع ہو گیا ہے اس کے ترشح سے اس میں کمی واقع ہو جاتی ہے اور یہی فطری طریق علاج بھی ہے اور قدرت بھی فطری طور پر عمل کرتی ہے۔ لیکن جب سوزش اور ورم میں شدت ہوتی ہے یا خون کی کیمیاوی صورت میں مواد کی زیادتی ہوتی ہے تو رادع اور مسکن ادویہ انتہائی ترشح کے بعد بھی رادع اور تسکین کی صورت قائم نہیں ہوتی بلکہ وہاں پر ترشح شدہ رطوبات کی زیادتی بوجھ اور سستی جسم کا باعث بن جاتی ہے۔

رطوبت کی زیادتی کی صورت میں ایسی ادویات استعمال کی جاتی ہیں کہ جو رطوبات وہاں پر آچکی ہیں ان کو وہاں سے جذب کر کے

حالت اعتدال پر لایا جائے۔ ایسی ادویات کو رادع محلل کہتے ہیں۔ ایسی ادویات ایک طرف خون کی تیزی اور جوش کو کم کر کے رطوبات کا ترشح قائم رکھتی ہیں اور دوسری طرف جو رطوبات وہاں پر اکٹھی ہوتی ہیں ان کو وہاں سے جذب کر کے محلل میں پھر شامل کرنا شروع کر دیتی ہیں۔ لیکن جب مواد کی زیادتی اور تیزی کی وجہ سے سوزش اور ورم تحلیل نہ ہوں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ خون کے اندر حرارت اور قوت مدافعت کم ہو گئی ہے۔ اور مریض میں ضعف بڑھ جاتا ہے۔

ضعف اور حرارت کی کمی صورت میں محلل ادویات کا استعمال کیا جاتا ہے، جس سے ایک طرف طاقت اور حرارت جسم میں بڑھتی ہے، دوسری طرف دوران خون میں تیزی ہو کر سوزش اور ورم تحلیل ہو جاتے ہیں۔ محلل ادویات سے رطوبات کا ترشح فوراً بند ہو جاتا ہے اور جو رطوبات وہاں پر قائم ہوتی ہیں بہت جلد جذب ہونا شروع ہو جاتی ہیں۔ جب رطوبات خشک ہو جاتی ہیں تو اس مقام پر حرارت بھڑک اٹھتی ہے جس سے سوزش اور ورم فوراً تحلیل ہو جاتے ہیں۔

رادع اور مسکن ادویات

ایسی ادویہ مسکن حرارت اور مولد رطوبات ہوتی ہیں۔ یہ مولد بلغم ہونے کی بناء پر مبرد و مسکن کے علاوہ مخدر بھی ہو سکتی ہیں جو انتہائی شدت میں استعمال کی جا سکتی ہیں۔ **ایسی ادویہ ہمیشہ اعصابی عضلاتی ہوتی ہیں:**

(۱) آب برگ کاسنی (۲) آب برگ خرفہ (۳) شیرہ تخم خیارین (۴) شیرہ تخم کاہو (۵) شیرہ تخم خرفہ (۶) شرہ تخم کشنیز (۷) شیرہ صندل (۸) عرق بید مشک (۹) عرق کیوڑہ (۱۰) عرق گلاب (۱۱) عرق نیلوفر (۱۲) عرق لعاب بہدانہ (۱۳) سبوس اسپغول (۱۴) کتیرا (۱۵) خشخاش (۱۶) شیرہ تخم کدو (۱۷) لعاب اسپغول (۱۸) شیرہ تخم تربوز (۱۹) کافور وغیرہ ادویات کے شیرہ جات و عرقیات اور شربت تیار کر کے دے سکتے ہیں۔

رادع و محلل

ایسی ادویات مسکن حرارت کے ساتھ حابس رطوبات ہوتی ہیں، سرد خشک مولد سودا ہوتی ہیں۔ ایسی ادویات مبردہ مسکن کے ساتھ مخدر بھی ہو سکتی ہیں جو انتہائی ضرورت پر استعمال کرنی چاہئیں۔ **ایسی ادویات ہمیشہ عضلاتی اعصابی ہوتی ہیں:** (۱) عضلاتی غدی (۲) غدی عضلاتی (۳) غدی اعصابی ہوتی ہیں۔

(۱) اسارون (۲) اصل السوس (۳) افسنتین (۴) اکلیل الملک (۵) انزروت (۶) ایرسا (۷) ایلوا (۸) بابونہ (۹) بالچھڑ (۱۰) دار چینی (۱۱) لونگ (۱۲) جائفل (۱۳) برگ آک (۱۴) ارنڈ (۱۵) اراروٹ (۱۶) بیروزہ (۱۷) پان (۱۸) پپیتہ (۱۹) پودینہ (۲۰) پیاز (۲۱) حنظل (۲۲) پیلا مول (۲۳) تخم ترب (۲۴) تلسی (۲۵) تھوہر (۲۶) تیزپات (۲۷) جاوتری (۲۸) جدوار (۲۹) جمالگوٹہ (۳۰) چاکسو (۳۱) چربی (۳۲) لونگ (۳۳) گھی (۳۴) ریوند (۳۵) زوفا (۳۶) زیرہ (۳۷) سقمونیا (۳۸) سورنجاں (۳۹) شاخ گوزن (۴۰) شنگرف (۴۱) شہد (۴۲) صابون (۴۳) عشبہ (۴۴) عودصلیب (۴۵) غاریقون (۴۶) لفاح (۴۷) گل بنفشہ (۴۸) گندھک (۴۹) لہسن (۵۰) مرچ سرخ (۵۱) مرکی (۵۲) مقل (۵۳) موم (۵۴) نوشادر (۵۵) ہلدی (۵۶) نیلا طوطیہ وغیرہ۔ ضرورت کے مطابق مفرد یا مرکب دیئے جا سکتے ہیں۔

مسہلات

ہر قسم کا مسہل محلل کی صورت رکھتا ہے۔ اس لئے ہر ضرورت کا مسہل محلل ادویات ہی سے ہونا چاہئے۔ اس مقصد کے لئے بالمفرد اعضاء کوئی بھی مفرد دوا استعمال کی جا سکتی ہے۔ البتہ جب مرکبات کی صورت میں استعمال کرنا چاہیں تو تحقیقات فارماکوپیا میں دیئے ہوئے مسہلات استعمال کریں۔ کیونکہ وہ سب مجربات ہیں۔ البتہ انہی اصولوں پر اور مرکبات ترتیب دیئے جا سکتے ہیں۔

دماغ اور اعصاب کے امراض

یادداشت

گزشتہ صفحات میں اورام وسوزش کے متعلق ہم اپنی تحقیقات تفصیل کے ساتھ پیش کر چکے ہیں اور ساتھ ہی ورم سر (سرسام) کے مختلف اقسام کی مکمل تشریح کو بیان کر دیا ہے۔ نیز سرسام غیر حقیقی میں تمام جسم کے اورام کا دماغ اور اس کے پردوں پر جو اثر اور تکلیف پیدا ہوتی ہے، اس کو بھی بڑا شرح وبسط کے ساتھ بیان کر دیا ہے اور اس کے ساتھ ہی ان کے علاج کو سہل اور آسان طریق پر ذہن نشین کرا دیا ہے۔ گویا اس تفصیل اور تشریح کو پڑھ کر ہر معالج علاج سرسام پر مکمل طور پر قابو پالیتا ہے۔

اس حقیقت سے کوئی ایک معالج بھی انکار نہیں کرے گا کہ جس انداز اور طریق پر ہم نے یہ تفصیل وتشریح بیان کی ہے، ہم سے قبل کسی نے نہیں کی۔ یہی وجہ ہے کہ آج تک سرسام کو ایک انتہائی مشکل اور تقریباً ناقابل علاج خیال کیا جاتا ہے۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ فرنگی طب جس کو ماڈرن میڈیکل سائنس کے کمالات کا دعویٰ ہے، اس کے متعلق بڑی وضاحت کے ساتھ لکھا ہے کہ اس نے سرسام کو پورے طور پر نہیں سمجھا اور خاص طور پر اس کے اقسام کو سمجھنے میں قدم قدم پر ٹھوکریں کھائی ہیں۔ الحمدللہ جو معالج بھی اس سے مستفید ہوں وہ اسی حکیم مطلق کا شکریہ ادا کریں جس نے یہ علم وفن عطا فرمایا اور فرنگی طب اور ماڈرن سائنس کی غلطیوں سے محفوظ کر دیا۔ جو معالج اورام وسوزش اور سرسام کی اس تحقیق اور روشنی کو اپنے ذہن میں محفوظ رکھیں گے وہ ہمیشہ فرنگی طب اور ماڈرن میڈیکل سائنس کی غلط تحقیقات اور بے معنی ریسرچ سے پوری طرح محفوظ رہیں گے۔ یہی ہماری جدوجہد کا مقصد ہے۔

دماغ واعصاب کے امراض

دماغ اور اعصاب کے کئی امراض ہیں۔ صرف سرسام ہی ایک دماغی مرض نہیں ہے۔ سرسام (ورم دماغ) سر کا ایک انتہائی اور شدید مرض ہے۔ اس کے مشکل اور شدید ہونے کی وجہ سے اس کو پہلے بیان کر دیا گیا ہے۔ کیونکہ اس کے عُلاج پر حاوی ہو جانے سے باقی امراض دردِ سر سے لے کر ورم دماغ تک اس کی سوزش اور ورم میں آ جاتے ہیں۔ اور بعض امراض ایسے ہیں جو ورم دماغ کے دوران پیدا ہو جاتے ہیں یا ورم دماغ کے پورے طور پر رفع نہ ہونے پر قائم رہ جاتے ہیں۔ جیسے فالج اور استرخاء، وغیرہ وغیرہ۔ اب جب کہ ان امراض کو بیان کیا جائے گا تو سرسام کی روشنی میں بہت آسانی سے ذہن نشین ہو جائے گا۔ یہ بہت بڑا فائدہ ہے۔

فرنگی طب کی غلطیاں

سب سے بڑی بات جو ذہن نشین کرائی ہے وہ فرنگی طب کی غلطیاں ہیں جو دماغی امراض کے بیان میں کی ہیں۔ یعنی بعض دماغی اور اعصابی امراض کو دیگر اعضاء کے تحت لکھ دیا ہے۔ مثلاً لعاب دہن کا زیادہ ہونا، دِل کا بڑھ جانا، ہیضہ، ذیابیطس، تلی کا بڑھ جانا وغیرہ۔ اسی طرح بعض دیگر اعضاء کے امراض کو اعصاب کے تحت لکھ دیا گیا ہے۔ تشنج، بیداری اور جنون ونزلہ وغیرہ۔ یہ بات پھر ذہن نشین کر لیں کہ امراض سر اور امراض

دماغ واعصاب ایک ہی قسم کے نہیں ہوسکتے۔ امراض سر میں دماغ واعصاب کے ساتھ ان کے پردوں کے امراض بھی شریک ہیں۔ ذیل میں دماغ اور اعصاب کے امراض کی فہرست درج کی جاتی ہے۔

خاص دماغ اور اعصاب کے امراض

(۱) صداع بارد ساذج (۲) صداع بلغمی (۳) صداع شرکی بلغمی۔ سر سے لے کر پاؤں تک اعصابی سوزش (۴) صداع قوت حس دماغی واعصابی (۵) صداع جماعی (۶) صداع خماری (۷) صداع کرمی (۸) صداع جسی (۹) صداع فحی دائیں طرف (۱۰) عصابہ (۱۱) سرسام بلغمی (۱۲) سدرد دوار سر چکرانا۔ سبات (غفلت کی نیند) (۱۳) جمود (۱۴) نسیان (۱۵) مالیخولیا (۱۶) داء الکلب (جنون کلبی) (۱۷) جرع دماغی (۱۸) سکتہ (۱۹) استرخاء (۲۰) فالج عصبی (۲۱) لقوہ (۲۲) خدر (۲۳) اختلاج۔

آنکھوں کے امراض جو دماغی اور اعصابی ہیں: (۱) رمد اور تکدر بلغمی (۲) دمعہ (ڈھلکہ) (۳) شب کوری (۴) ضعف بصر بلغمی (۵) استرخاء الجفن (۶) بردہ (پلک کے دانے)۔

کان کے امراض جو دماغی اور اعصابی ہیں: (۱) وجع الاذن (۲) دیدان الاذن (۳) سیلان الاذن۔

ناک کے اعصابی و دماغی امراض: (۱) زکام (۲) زکام بلغمی (۳) عطاس (۴) مجز الانف (۵) دیدان الانف۔

ہونٹوں کے دماغی اور اعصابی امراض: (۱) اختلاج الشفت (۲) تشقق الشفتین۔

منہ زبان اور گلے کے دماغی واعصابی امراض: (۱) وجع الاسنان بلغمی (۲) وجع الاسنان وردی (۳) تحریک الاسنان (۴) ذہاب ماء الاسنان (۵) حفر و قلع۔ دانتوں پر میل جمنا (۶) تریدالاسنان۔ دانتوں کا بڑھنا (۷) حکتہ الاسنان (۸) جریرالاسنان۔ دانت پیسنا۔

حلق ومری اور نرخرہ کے دماغی واعصابی امراض: (۱) استرخاء اللہات۔ کوا گرنا (۲) استرخاء المری (۳) حکاک المری (۴) عسرالبلع بلغمی (۵) ورم المری۔

پھیپھڑوں اور سینہ کے دماغی واعصابی امراض: (۱) ضیق النفس بلغمی (۲) سعال بلغمی۔

دل کے دماغی واعصابی امراض: (۱) عظم القلب۔

پستان کے دماغی واعصابی امراض: (۱) کثرت اللبن (۲) عظم الثدی۔

معدہ اور آنتوں کے اعصابی امراض: (۱) قراقر معدہ وامعاء (۲) سقوط اشتہاء (۳) علت الغثیان والسہوع والقی (۴) علت العطش (۵) ہیضہ (۶) اسہال۔

جگر وطحال کے دماغی واعصابی امراض: (۱) ضعف کبد (۲) عظم طحال (۳) علت الابدان۔

مقعد کے دماغی واعصابی امراض: (۱) استرخاء المقعد (۲) النواصیر۔

گردہ ومثانہ کے دماغی واعصابی امراض: (۱) ضعف کلیہ (۲) ذیابیطس (۳) بول فی الفراش (۴) سلسل البول (۵) استرخاء مثانہ (۶) استرخاء قضیب (۷) جریان منی۔

جوڑوں کے دماغی واعصابی امراض: (۱) وجع المفاصل (۲) عرق النساء۔

رحم کے دماغی واعصابی امراض: (۱) حبس الطمث (۲) حکتہ الفرج (۳) استرخاء المہبل (۴) سیلان الرحم (۵) اسقاط حمل۔

جلد کے دماغی واعصابی امراض: (۱) الطاعون (۲) الخنازیر (۳) الثور۔

جلد کے دماغی اور اعصابی بخار: (۱) حمی بلغمی (۲) حمی دموی (۳) الحصبہ والجدری (۴) محرقہ دماغی۔

تاکید: دماغی اور اعصابی امراض کی یہ فہرست سے ایک طرف امراض کا علم ہوتا ہے، دوسرے علامات کا یقینی پتہ لگتا ہے۔ یعنی جب بھی جسم میں کسی مقام پر دماغی اور اعصابی مرض ہوگا تو یہ امراض اس پر علامت کا بھی کام کر دیں گی۔ یہ ناممکن ہے کہ دماغی اور اعصابی امراض صرف اسی مقام پر محدود رہیں۔ اور دیگر مقام پر اثر نہ ہوں۔ بس ان کو ذہن نشین کر لیں۔ علاج پر دسترس حاصل کرنے کا راز ہے۔

دِل وجگر کے امراض

تقسیم امراض

نظریہ مفرد اعضاء کے تحت ہم نے امراض کو اعضائے رئیسہ (دِل و دماغ اور جگر) کے مطابق تین اقسام میں تقسیم کیا ہے تاکہ تشخیص میں سہولت اور علاج میں آسانیاں ہوں۔ اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ہم فرنگی طب (میڈیکل سائنس اور ماڈرن سائنس) کی غلطیوں کو اچھی طرح سمجھ سکیں۔ اس طرح ایک طرف اخلاط و کیفیات معالج کے سامنے ہوتے ہیں اور دوسری طرف اعضاء کے مشینی افعال اور ان کے خون میں کیمیاوی تاثرات کا علم ہوتا ہے۔ اس طرح معالج کو جسم انسان اور اس کے اعضاء پر مکمل نگاہ رہتی ہے۔ نظریہ مفرد اعضاء کا یہی سب سے بڑا مقصد ہے۔

دماغ اور اعصاب کے امراض ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ ذیل میں قلب وعضلات کے امراض بیان کرتے ہیں۔

قلب وعضلات کے امراض

سر کے قلبی اور عضلاتی امراض: (۱) صداع سوداوی (۲) صداع ریحی۔ درد سر ریحی کوئی جدا مرض نہیں ہے، صداع سوداوی کی ہی ایک علامت کی شدت ہے۔ (۳) صداع شرکی معدی سوداوی۔ یہ بھی کوئی جدا مرض نہیں ہے۔ معدہ عضلاتی ہے۔ سودا اس کی کیمیاوی صورت ہے۔ یہ سادہ ہو یا مادی بہر حال عضلاتی ہے۔ (۴) صداع دموی۔ درد سر دموی نہیں ہوتا، البتہ اطباء جس درد سر کو دموی کہتے ہیں وہ عضلاتی غدی ہے، اس میں خون کا دباؤ بہت شدید اور تیز ہوتا ہے۔ (۵) صداع ضعف دماغی۔ یہ درد سر دراصل قلبی وعضلاتی ہوتا ہے جس میں اعصاب ودماغ میں ضعف ہوتا ہے۔ اسی طرح یہ غدد تحریک میں ضعف عضلاتی (حجاب دماغ) ہوتا ہے۔ اسی صورت میں اعصابی ودماغی تحریک میں ضعف غدی غشائے دماغی ہوتا ہے۔ اور دونوں اقسام کے ضعف سر کا ذکر نہ طب یونانی میں ہے اور نہ فرنگی طب میں پایا جاتا ہے۔ (۶) صداع ذہنی۔ یہ درد بھی کوئی جدا نہیں ہے۔ خشکی سودا میں لازم ہے اس کا جدا درد سر ہونا بے معنی بات ہے۔ (۷) صداع جماعی۔ یہ درد سر بھی کوئی جدا مرض نہیں ہے۔ عضلاتی تحریک کی علامت ہے۔ شدت کی صورت میں درد پیدا ہوتا ہے۔ (۸) سرسام سوداوی (۹) ماشرا (۱۰) سدر و دوار سوداوی (۱۱) سہر۔ بے خوابی (۱۲) مالیخولیا (۱۳) کابوس (۱۴) صرع معدی (۱۵) استرخاء وفالج اور لقوئی سوداوی (۱۶) تشنج (۱۷) تمدد وکزاز۔

آنکھ کے قلبی وعضلاتی امراض: (۱) رمد۔ آنکھ دکھنا (۲) رمد ریحی۔ یہ آنکھ دکھنا بھی سوداوی میں شریک ہے۔ (۳) طرفہ آنکھ کا خونی نقطہ (۴) ظفرہ۔ ناخونہ (۵) بیاض العین۔ پھلی (۶) انتفاع ملتحمہ۔ آنکھ کا پھولنا (۷) ورقہ۔ آنکھ کی پھنسی (۸) قروح العین۔ آنکھ کے زخم (۹) کمنہ دھند غبار (۱۰) مہرور توندی (۱۱) نجوظ العین۔ آنکھ کا ابھر آنا (۱۲) معد سرج۔ یہ کوئی جدا مرض نہیں ہے۔ پھلی ہے جو سیاہ رنگ کی ہوتی ہے۔ (۱۳) مولی۔ بھینگا پن (۱۴) غیق۔ پتلی کا پھیل جانا (۱۵) ضعف بصر۔ اعصاب ودماغ میں تحلیل سے ضعف پیدا ہو جانا۔ (۱۶) سرطان العین۔

پلکوں کے قلبی وعضلاتی امراض: (۱) استرخاء الجفنا (۲) سلاق۔ باہمنی (۳) شعیرہ۔ انجن ہاری (۴) توثہ الاجفان۔ نوک پلک (۵) غرب۔ کوئے کا ناسور۔

کان کے قلبی وعضلاتی امراض: (۱) وجع الاذن۔ درد کان (۲) طنین دودی وکان بجنا (۳) سوزش واورام اور قلاح الاذن۔

ناک کے قلبی وعضلاتی امراض: (۱) نزلہ (۲) قروح اورام الانف (۳) بواسیر الانف (۴) جفات الانف۔ ناک کی خشکی۔

ہونٹوں کے قلبی وعصبی امراض: (۱) تشقق الشفتین۔ ہونٹ کا پھٹنا (۲) قروح واورام الشفت (۳) بواسیر الشفت۔

منہ اور زبان کے قلبی وعصبی امراض: (۱) قلاع سوداوی (۲) عظم اللسان (۳) ورم اللسان (۴) فساد الذوق (۵) خشونۃ اللسان (۶) حرقۃ اللسان۔ زبان کی جلن۔ (۷) شقاق اللسان۔ زبان کا پھٹنا۔

مسوڑھوں کے قلبی وعضلاتی امراض: (۱) وجع الاسنان (۲) خرس الاسنان۔ دانتوں کا کند ہو جانا۔ (۳) تفتت الاسنان۔ دانتوں کا ریزہ ریزہ ہو جانا۔ (۴) صریر الاسنان۔ دانت پیسنا (۵) ورم اللثہ۔

حلق و مری کے قلبی و عضلاتی امراض: (۱) ورم اللہات۔کوے کی سوجن (۲) خناق۔خناق صرف عضلاتی ہوتا ہے، عضلاتی اعصابی (سرد) اور عضلاتی غدی (گرم) بھی ہوسکتا ہے۔یاد رکھیں کہ کبھی اعصابی اور غدی نہیں ہوسکتا۔اس کے تمام اقسام اس میں شریک ہیں۔(۳) بثور حلق (۴) عسر البلع سوداوی۔مشکل سے نگلنا (۵) ورم المری (۶) بحتہ الصوت۔آواز کا بیٹھنا۔

سینہ کے قلبی و عضلاتی امراض: (۱) ضیق النفس یابس۔دمہ (۲) سعال یابس (۳) ذات الریہ پھیپھڑوں کا ورم۔پھیپھڑوں کی سوزش اور دانے اس میں شریک ہیں۔(۴) ذات العرض۔درد پشت (۵) ذات الصدر۔درد سینہ (۶) برسام۔ورم حجاب حاجز (۷) جمود صدر۔سینہ کی جکڑن۔

قلب کے عضلاتی امراض: (۱) خفقان یابس۔خفقان معدی اس میں شریک ہے۔(۲) غشی یابس (۳) ضغطہ القلب۔دل کا سکڑنا۔(۴) ورم اذن القلب۔دل کے اندر کا ورم۔(۵) علت دخانیہ۔دل سے دھواں اٹھنا۔

پستانوں کے قلبی و عضلاتی امراض: (۱) ورم ثدی سوداوی (۲) سرطان الثدی۔

معدہ کے قلبی (عضلاتی) امراض: (۱) وجع المعدہ یابس (۲) ورم معدہ (۳) نفخ و ریاح معدہ (۴) جوع الکلب۔کتے کی بھوک۔(۵) علتہ الفواق (۶) علتہ العطش۔پیاس کی مرض (۷) سوزش اور حرارت معدہ۔

جگر اور طحال کے قلبی و عضلاتی امراض: (۱) عظم الکبد (۲) علتہ الطحال۔تلی کا سکڑ جانا۔

آنتوں کے قلبی اور عضلاتی امراض: (۱) علتہ الکلیہ۔گردوں کا سکڑ جانا۔(۲) ریاح الکلیہ (۳) علت الحصاۃ سوداوی (۴) ورم مثانہ (۵) وجع المثانہ (۶) احتباس البول۔پیشاب کا بند ہوجانا۔(۷) تشنج مثانہ۔

عضو تناسل اور خصیوں کے قلبی و عضلاتی امراض: (۱) کجی (۲) ورم قضیب (۳) احتلام (۴) ورم خصیتین۔

رحم کے قلبی و عضلاتی امراض: (۱) وجع الرحم یابس (۲) ورم الرحم (۳) اختناق الرحم (۴) عسر الطمث۔

جوڑوں کے قلبی و عضلاتی امراض: (۱) نقرس (۲) وجع الراکبہ۔گھٹنے کا درد۔(۳) وجع الورک۔سرین کا درد۔(۴) عرق النساء۔

قلبی و عضلاتی بخار: (۱) روزانہ کا بخار (۲) حمیٰ دموی یابس (۳) حمیات سوداویہ (۴) حمیات اورام یابس۔یہ بات ذہن نشین کرلیں کہ بخار جسم میں اسی وقت پیدا ہوتا ہے جب عضلات میں تحریک ہوتی ہے۔

جلد کے قلبی و عضلاتی امراض: (۱) دبیلہ و دمل (۲) قوبا۔داد۔

بالوں و ناخنوں کے قلبی و عضلاتی امراض: (۱) داء الثعلب۔بال جھڑ۔(۲) الحزاز۔بفا یا بھوسی۔(۳) ناخنوں کا پھٹنا۔(۴) دبلا پن۔

جگر اور غدد کے امراض

سر کے کبدی امراض: (۱) صداع صفراوی (۲) صداع ضعف۔دماغی و قلبی (۳) صداع شقیقہ۔بائیں طرف (۴) سرسام صفراوی (۵) ماشرا۔ورم چہرہ (۶) جنون (۷) ریشہ (۸) حذر۔

آنکھوں اور پلکوں کے کبدی و غدی امراض: (۱) رمد صفراوی (۲) رمد الاطفال (۳) سبل۔آنکھ میں رگوں کا پردہ (۴) قروح العین (۵) مور سرج۔سیاہ پھولا (۶) اتساع۔پتلی کا پھیل جانا۔(۷) نزول الماء (۸) ضعف بصر قلبی (۹) استرخاء ظفن (۱۰) بردہ۔پپوٹہ کے دانے (۱۱) عزب۔ناسور چشم۔

کان کے کبدی امراض: (۱) سوزش اذن (۲) قرحہ وناسورالاذن (۳) انفجارالاذن-کان سے خون آنا۔ (۴) قلاح الاذن (۵) اورام اصل الاذن۔

کان کے کبدی وغدی امراض: (۱) نولہ (۲) رعاف-نکسیر (۳) بثورالانف (۴) قروح الانف۔

لب کے قلبی وعضلاتی امراض: (۱) تشقق انشد قیق-باچھوں کا پھٹ جانا۔

دہن کے جگر وغدی امراض: (۱) بثورالفم (۲) قروح الفم (۳) قلاح صفراوی (۴) آکلۃ الفم (۵) استرخاء اللسان (۶) فساد الذوق (۷) حرقۃ اللسان۔

دانتوں اور مسوڑھوں کے امراض: (۱) تحریک الاسنان (۲) قروح وناسور لثہ (۳) لثہ دمویہ۔

حلق ومری کے امراض: (۱) خناق صفراوی (۲) بثورالحلق (۳) استرخاء المری (۴) قروح المری (۵) بحتہ الصوت۔

سینہ اور پھیپھڑوں کے امراض: (۱) ضیق النفس کبدی (۲) سعال کبدی یا حاد (۳) سعال بلغمی (۴) نفث الدم (۵) سل اور سل کے ساتھ بخار کا ہونا سل کا بخار ہے۔ تپدق نہیں ہے۔ تپدق عضلاتی ہے۔ اس میں سل شامل نہیں ہے۔ (۶) ذات الجنب۔

قلب کے کبدی امراض: (۱) قلت اللبن (۲) ورم ثدی حار (۳) دبیلہ ثدی (۴) قروح وآکلہ ثدی۔

معدہ وآنتوں کے کبدی امراض: (۱) قئ الدم معدی (۲) جوع البقر (۳) ضعف معدہ (۴) ہیضہ (۵) زحیر خونی۔

جگر کے کبدی وغدی امراض: (۱) سوزش جگر (۲) یرقان (۳) علت الاستسقاء (۴) حب القرح۔

مقعد کے امراض: (۱) قروح المقعد (۲) استرخاء المقعد (۳) شقاق المقعد (۴) بواسیر خونی (۵) ناسور مقعد۔

گردہ ومثانہ کے امراض: (۱) ریاح الکلیہ (۲) حصاۃ الکلیہ (۳) قروح الکلیہ (۴) حرکت بول (۵) وجع الکلیہ ومثانہ (۶) بول الدم (۷) استرخاء المثانہ۔

قضیب وخصیتین کے امراض: (۱) سرعت انزال (۲) ضعف باہ کبدی (۳) حلۃ الفتق (۴) وجع الخصیتین (۵) سوزاک۔

رحم کے کبدی امراض: (۱) خصیۃ الرحم (۲) کثیر الطمث (۳) نتوء الرحم (۴) سیلان الرحم (۵) قروح الرحم (۶) علت الفقر۔

جوڑوں کے کبدی امراض: (۱) غب دائمی (۲) تپدق سلی (۳) نوبتی تپ (۴) طاعون۔

امراض جلد: (۱) خارش (۲) ناسور (۳) جریان خون (۴) چھائیاں (۵) مثاپا۔

بالوں کے امراض: (۱) بالوں کا گرنا (۲) بالوں کا گھونگھریالا ہونا۔

ہم نے اعضائے رئیسہ (دِل ودماغ اور جگر) کے امراض کو جدا جدا لکھ دیا ہے۔ بڑا محنت طلب کام تھا۔ صاحب فن اور اہل علم ہی اس محنت کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ اب معالجین کا فرض ہے کہ اس کو یاد کرلیں، اس سے تشخیص میں آسانیاں اور علاج میں سہولتیں ہو جائیں گی۔ اور اگر معالج ان پر غور کریں گے تو ان کو رفتہ رفتہ علم ہو جائے گا کہ دِل ودماغ اور جگر کے امراض کس کس قسم کے ہو سکتے ہیں۔ یہ فن کے کمال کا راز ہے اور اسی میں فن کا عروج ہے۔

۵

تحقیقات تین انسانی زہر

فہرست عنوانات

معنون

اپنی اس علمی تحقیق کو اپنے عزیز شاگرد جناب حکیم رحمت علی راحت صاحب، جھال خانو آنہ نزد مسلم کمرشل بنک لائل پور (فیصل آباد) کے نام سے موسوم کرتا ہوں جو علم و فن طب کا انتہائی شوق رکھنے والے ہیں۔ عزیز نے قانون مفرد اعضاء کو سمجھنے کے لئے بے حد کوشش کی ہے۔ بے حد مشکلات کا مقابلہ کیا ہے۔ یہاں تک کہ دوسروں کو قانون مفرد اعضاء ذہن نشین کرانے کے لئے تشریح نظریہ مفرد اعضاء پر ایک کتاب لکھ کر شائع کی ہے۔ آج کل ان کی تصانیف بھی مارکیٹ میں ناپید ہیں۔

تحریک تجدید طب کے ابتدائی ساتھیوں میں سے ہیں۔ انہوں نے کم و بیش چودہ سال فن کی خدمت کی ہے۔ ان کے چھوٹے بھائی عزیزم ڈاکٹر محمد صدیق رہبر کلیمی ایم اے بھی ایک فاضل ہیں۔ جن کے اندر علم و فن طب کے حصول کا زبردست جذبہ ہے۔ اللہ تعالیٰ دونوں کو کمال و برکت نصیب کرے۔ آمین!

خادم فن

صابر ملتانی

تیسری کرن

''تحقیقات تین اِنسانی زہر'' ایک ایسی نایاب کتاب ہے جس نے طبی دُنیا میں انقلاب پیدا کر دیا ہے۔اس کے مطالعہ سے آگاہی ہوتی ہے کہ ''سورا'' تمام امراض کا مبداء ومصدر ہے یا نہیں؟ تینوں میازم سورا، سفلس اور سائیکوسس آپس میں اکٹھے ہوتے ہیں یا نہیں اور ان ہر دو یا سہ میازم کے ملنے سے جو مشترکہ علامتیں پیدا ہوتی ہیں وہ کیا ہوتی ہیں؟ کہاں سے آتی ہیں؟ اور کہاں چلی جاتی ہیں؟ یا یہ تینوں زہر اکٹھے ایک جسم میں ہو ہی نہیں سکتے؟ ان سب باتوں کا جواب اس کتاب میں ملے گا۔

قدیم سائنسی نظریات سے ہی جدید طبی نظریات جنم لیتے ہیں۔ ڈاکٹر ہانمن اور ان کے پیروکاروں کی بات کوئی حتمی دلیل یا وحی نہیں کہ جس میں اصلاح یا تبدیلی نہ ہو سکے۔ رچرڈ ہیوز اور کئی ڈاکٹر نظریہ میازم کو تو کلی طور پر رد کر کے اسے عبث اور نا قابل فہم سمجھتے ہیں، ہومیو پیتھی فلسفہ میں جو غلطیاں ہیں نہ صرف یہ کتاب ان کی اصلاح کے لئے ٹھوس لائحہ عمل پیش کرتی ہے بلکہ ہومیو پیتھی کی تمام علامات کا ایک منفرد طریقہ علاج ''قانون مفرد اعضاء'' کے تحت سو فیصد احاطہ کرتی ہے۔ ڈاکٹر ہانمن کی یہ بات غلط تھی کہ سورا کی تخریب کاری زندگی بھر جاری رہتی ہے، حالانکہ حدیث رسول ﷺ کے مطابق ((لکل داء دواء)) یعنی ہر مرض کا علاج ہے۔ تو پھر مرض کی علامات کا رفع کرنا بھی ممکن ہے۔ بانیان ہومیو پیتھی کی کتاب Organan of Medicine اور Nature of Chronic Diseases سے لے کر دورِ حاضر کے مختلف ہومیو پیتھی مصنفین مثلاً ای-بی نیش اور ڈاکٹر مسعود قریشی وغیرہ نے سورا کی حقیقت یا وسعت اور اس کی اصلیت کو سمجھنے کی ضرورت پر زور دیا، حالانکہ وہ اسے خود نہ سمجھ سکے اور قانون مفرد اعضاء سے ناواقف ہومیو پیتھ ڈاکٹرز، ایلو پیتھ ڈاکٹرز، حکماء وید سورا کی مخفی اور ظاہری صورت کو نہیں سمجھ سکے، پھر بے چارے اس کی مخلوط حالت کا رنگ، گہرائی، تنہا ظاہری ومخفی علامات کو کیسے سمجھ سکیں گے؟ تین زہروں کی ماہیت اور ان کا سد باب اس کتاب میں پیش کردہ ریسرچ سے ہی ممکن ہوا ہے، جس سے بیماروں کی شفا کی اُمید بندھی ہے۔

قانون مفرد اعضاء سے ہی آپ ایلو پیتھی، ہومیو پیتھی، طب یونانی، آیورویدک ادویہ کا درست طریق سے استعمال کر سکتے ہیں۔

یہ کتاب اپنے مفید ہونے کا خود ثبوت پیش کرتی ہے۔

؎ مشک آنست کہ خود ببوید، نہ کہ عطار بگوید

ایڈیٹر

المعالج حکیم بابر بن دلاور

رجسٹرار تحریک تجدید طب پاکستان

ایڈوائزر ہومیو پیتھک میڈیکل ایسوسی ایشن آف پاکستان

پیش لفظ

الحمدللّٰہ رب العالمین، الصلوٰۃ والسّلام علی رسولہ الکریم. امابعد!

اللہ کریم کا لاکھ لاکھ شکر ہے، جس نے ہمیں اس قابل کیا کہ ہم علم وفن طب میں علم العلاج پر ایسی کتاب پیش کر سکیں، جس کی مثال گذشتہ ہزاروں سال کی طبی دُنیا میں نہیں ملتی اور نہ آج کل کی طبی دُنیا اس کی نظیر پیش کر سکی ہے۔ اس کے بغیر علم وفن طب بے روح جسم ہے جو بے جان ہو کر رہ جاتا ہے۔ یعنی اس کی ہستی بے معنی ہو کر رہ جاتی ہے۔ اس لئے جن معالجین کو علم العلاج پر دسترس حاصل ہے، وہی معالج علم وفن طب میں کامیاب رہے ہیں۔ انہی معالجین نے دراصل علم وفن طب کی زندگی ونام اور کمال کو برقرار رکھا ہے۔

علم العلاج میں ایک شعبہ زہروں کے علاج کا بھی مقرر ہے، جس میں ہر قسم کے جماداتی، نباتاتی اور حیواناتی زہروں کا علاج کیا جاتا ہے۔ مگر انسانی زہروں پر نہ کوئی کتاب لکھی گئی ہے اور نہ ہی کسی علاج کی کتاب میں تفصیل سے لکھا گیا ہے۔ البتہ بعض محققین نے ان زہروں کی طرف اشارے ضرور کئے ہیں، لیکن وہ اشارے ناکافی ہیں۔ کیونکہ ان میں زہروں کی ماہیت و پیدائش اور علامات وعوارضات پر کچھ بھی روشنی نہیں ڈالی گئی۔ یہ ایک انتہائی اہم موضوع ہے۔ بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ روزمرہ زندگی میں ہر ایک مرض سے اس کا کچھ نہ کچھ تعلق ہوتا ہے۔ کیونکہ انسانی خون واخلاط میں کیمیائی طور پر بعض اثرات ایسے پائے جاتے ہیں جو بچہ اپنی پیدائش پر ماں باپ سے لے کر پیدا ہوتا ہے اور ساری زندگی اس کے اثرات یا اس سے ملتے جلتے اثرات اس کے اندر پائے جاتے ہیں۔ جن کو ایسے امراض کا نام دیا جاتا ہے جو وراثت میں منتقل ہو گئے ہیں۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ اکثر اولاد میں ایسے امراض پائے جاتے ہیں جو ماں باپ میں پائے جاتے ہیں۔ اسی طرح بعض ایسے امراض وعلامات بھی ہیں جو کسی ایک علاقہ میں کسی خاص آب وہوا اور ماحول کی وجہ سے انسان کے اندر پیدا ہو جاتے ہیں اور یہ تمام قسم کے امراض وعوارضات تمام زندگی انسان میں رہتے ہیں۔ بلکہ دیگر انسانوں میں بھی منتقل ہو جاتے ہیں۔ یہ ایک قسم کے زہر ہیں جو انسانی جسم وخون اور اخلاط میں کیمیائی طور پر تیار ہوتے ہیں جو نہ صرف زندگی بھر ان کے لئے باعث مصیبت اور عذاب ہوتے ہیں بلکہ دیگر بنی نوع انسان کے لئے بھی مشکلات پیدا کرتے رہتے ہیں۔ ہم نے اس کتاب میں انہی انسانی زہروں پر بحث کی ہے۔ یہ اپنی نوعیت کی پہلی کتاب ہے۔ یہ کتاب نہ صرف ایک نئے باب وشعبہ کی ابتداء کرے گی بلکہ ایک سنگ میل ثابت ہوگی۔

یہ زہر تین قسم کے ہوتے ہیں: (۱) آتشکی زہر (۲) بواسیری زہر (۳) سوزاکی زہر۔

یہ زہر صرف تین اس لئے ہیں کہ جسم انسان میں اعضائے رئیسہ بھی تین قسم کے ہوتے ہیں، اور ہر عضو رئیس کی خرابی سے ایک زہر پیدا ہوتا ہے۔ یاد رکھیں کہ ان کے علاوہ دُنیا میں کوئی ایسا زہر نہیں پایا جاتا جو جسم انسان میں پیدا ہو سکتا ہے۔ اگر کوئی ماہر یا محقق ان کے علاوہ کوئی زہر ثابت کرے تو ہم اس کو چیلنج کرتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ دُنیا بھر میں جس قدر زہر پائے جاتے ہیں چاہے وہ جماداتی، نباتاتی، حیواناتی یا جراثیمی ہوں اور چاہے وہ زہریلے امراض کے زہر ہوں، وہ سب ان تینوں اقسام کے زہروں سے باہر نہیں ہوں گے۔ دُنیا میں صرف تین اقسام کے زہر پائے جاتے ہیں جو جسم انسان

کو نقصان و تکلیف اور مرض و عوارض کا باعث بن جاتے ہیں۔ اس لئے دوائیں بھی صرف تین اقسام کی ہوتی ہیں۔ جن کی تفصیل اس کتاب میں ذہن نشین کرادی ہے جس سے تشخیص الامراض میں آسانیاں اور علاج میں سہولتیں پیدا ہوگئی ہیں۔

سب سے بڑی بات جو اس کتاب میں بیان کی گئی ہے، یہ ہے کہ انسانی جسم کے سر سے لے کر پاؤں تک تمام امراض کے متعلق ثابت کر دیا گیا ہے کہ وہ تمام امراض جن کی اس وقت دُنیا میں تحقیق ہو چکی ہے، وہ سب ان تین زہروں کے اندر شریک ہیں اور انہی کے علاج میں ان سب کے علاج بھی شریک ہیں۔

ایک اہم تحقیق یہ کی گئی ہے کہ فرنگی طب اور ماڈرن میڈیکل سائنس آئے دِن جو نئے نئے امراض کی تحقیق کا ڈھونگ رچا رہی ہے، وہ سب اس کی بے علمی اور بے اُصولی کے ثبوت ہیں، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس کا طریق علاج نہ صرف غیر علمی ہے بلکہ غلط بھی ہے۔

ایک اور اہم بات یہ ہے کہ فرنگی طب اور ماڈرن سائنس نے اس وقت جو امراض تحقیق کئے ہیں، وہ صرف ایک نظام کے امراض ہیں۔ جن کو اعصابی امراض کہتے ہیں۔ مگر ہم نے اس کے علاوہ دو اور نظام پیش کئے ہیں، ایک عضلاتی نظام اور دوسرا غدی نظام، جن کے تحت ایسے تمام عضلاتی اور غدی امراض پیش کر دیئے گئے ہیں جن کا ان کو بالکل علم نہیں ہے۔ یہ ہمارے علم العلاج کی بہت بڑی فوقیت ہے جو ایسا سنگ میل ہے جو ہمیشہ قائم رہے گا اور دُنیائے طب کو روشنی دیتا رہے گا۔ یہ ہمارے فن کا کمال ہے۔

آخری اہم بات یہ ہے کہ ڈاکٹر ہانمن صاحب نے تین زہروں کا ذکر کیا ہے، جو مندرجہ ذیل ہیں:

① سفلس (آتشکی زہر)

② سائیکوسس (بواسیری زہر)

③ سورا (سوزاکی زہر)

مگر ہم نے یہ ثابت کیا ہے کہ یہ تین قسم کے زہر درست تو ہیں مگر ڈاکٹر ہانمن اور ان کے تمام ساتھیوں کو ان زہروں کی صحیح حقیقت کا بالکل علم نہیں تھا اور نہ ہی دُنیا بھر کا کوئی ہومیو پیتھ جانتا ہے اور اگر جانتا ہے تو ہم چیلنج کرتے ہیں کہ وہ ڈاکٹر ہانمن یا اپنی کتب سے ہمیں نکال کر دکھائیں۔ ہم یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ انشاء اللہ تعالیٰ نہیں دکھا سکیں گے۔

البتہ ہم نے ان زہروں پر پوری روشنی ڈالی ہے، اور ان کو پورے طور پر ذہن نشین کرا دیا ہے۔ تاکہ حکماء و اطباء اور معالج وغیرہ بلکہ ہر طالب علم طب پورے طور پر اسے سمجھ کر مستفید ہو سکے اور کمال حاصل کر سکے۔ جو صاحب علم اور اہل فن اس کو سمجھ لیں گے وہ ان شاء اللہ تعالیٰ فن علاج میں کامل ہو جائیں گے۔ یہی اس کتاب کی تعلیم کا کمال ہے۔

خادم فن

صابر ملتانی

اکتوبر 1971ء

مُقدّمہ

ربّ العالمین نے قرآن حکیم میں سورت والتین میں فرمایا ہے:

﴿وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ ۝ وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ ۝ وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ ۝ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ ۝ ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِيْنَ ۝ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ۝ فَمَا يُكَذِّبُكَ بَعْدُ بِالدِّيْنِ ۝ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَحْكَمِ الْحٰكِمِيْنَ ۝﴾

ترجمہ: ”قسم ہے انجیر کی اور زیتون کی، طور سینین کی، اور اس شہر امن والے کی، بے شک پیدا کیا ہم نے انسان کو اچھی ترکیب کے ساتھ، پھر پھیر دیا ہم نے انتہائی نیچے، مگر جو لوگ کہ ایمان لائے اور اعمال کئے اچھے، پس ان کے واسطے اجر نہ ختم ہونے والا ہے، پھر جزا کے بعد کس نے تم کو جھٹلایا ہے، کیا اللہ تمام حاکموں سے اعلیٰ حاکم نہیں ہے“۔

تشریح: اس سورہ میں انسانی پیدائش وعظمت اور ارتقاء وتنزل کا ذکر ہے۔ بیان سے پہلے چار مختلف مزاجوں کو دو دو بالمقابل بیان کیا ہے:

(۱) انجیر۔ سرد خشک (عضلاتی اعصابی) (۲) زیتون۔ گرم تر (غدی اعصابی)

(۳) طور سینین۔ سرد تر (اعصابی عضلاتی) (۴) بلد الامین۔ گرم خشک (عضلاتی غدی)

یہ چار مزاج جہاں مادی طور پر اپنے اثرات رکھتے ہیں، وہاں نفسیاتی اور روحانی طور پر بھی ان کو مدنظر رکھنا چاہیے۔ یہ مادی، نفسیاتی اور روحانی طور پر بیان کر کے ہر قسم کے ساتھ یہ واضح کیا ہے کہ انسان کی پیدائش انتہائی خوبی اور اعلیٰ مقام تک کی گئی ہے۔

پھر تاکید کی گئی ہے کہ یہ مقام اس وقت تک قائم رہتا ہے جب تک کہ انسان اللہ کریم پر ایمان رکھے اور اس کے قلب کا تعلق اللہ تعالیٰ کے ساتھ رہے۔ اور ساتھ ہی اس کے اعمال میں عمدگی اور اصلاح کا پہلو قائم رہے۔ ورنہ وہ انتہائی گہرائیوں میں گرا دیا جاتا ہے۔

پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ کون ہے جو اللہ تعالیٰ کے دین (نہ ختم ہونے والی جزاء اور سزاء) کو جھٹلا سکے۔ ان حقائق کے بعد اللہ تعالیٰ کو تمام حاکموں کا حاکم نہ سمجھنا عقل وبصیرت اور ذہن کے خلاف ہے۔

اسی طرح ایک دوسری جگہ قرآن حکیم میں ارشاد ہے:

﴿اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ﴾

ترجمہ: ”تحقیق اللہ تعالیٰ کے نزدیک جزاء کا معیار اسلام ہے“۔

یعنی جس عمل میں اور زندگی وکائنات میں سلامتی اور امن ہے، وہی حقیقی دین ہے۔ گویا انسان کے صحیح وصالح اعمال ہی اس کے صحت مند جسم ونفس اور روح کے ضامن ہیں اور اسی طرح اس کے اندرونی اعضاء اور خون کی صحت مندی کے حامل ہیں۔

ان حقائق سے ثابت ہوا کہ انسان عین فطرت کے مطابق پیدا کیا گیا ہے، جس کی تصدیق خود قرآن حکیم نے بھی کی ہے۔ جو لوگ اس کی پیدائش کی حقیقت کو سمجھ گئے ہیں، وہ جسمانی، نفسیاتی اور روحانی طور پر کامیاب ہیں اور ہمیشہ کامران رہیں گے۔ کیونکہ قرآن حکیم کی ہدایت

قانون فطرت بیان کرتی ہے۔انسان وہ ہے جس میں جذبہ اُنس پایا جاتا ہے، ورنہ وہ حیوان ناطق ہے، جس میں اُنس کے بجائے وحشت پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ وحشت ان زہریلے اجزاء سے پیدا ہو جاتی ہے جو خون میں پیدا ہو جاتے ہیں۔ یہ جذبہ اُنس ہی ہے جو ان زہروں کو خارج اور ختم کرتا رہتا ہے۔انسان کی ایک جبلت ہے جو اس کی صحیح فطرت پر قائم رہتی ہے۔

ماہرین نفسیات نے اس امر کی تصدیق کی ہے کہ صحیح جبلت سے انسان میں جذبہ اُنس قائم ہوتا ہے۔ وہ غیب پر ایمان رکھتا ہے کہ ایسی طاقت ہے جس نے اس کو پیدا کیا ہے اور اس کی مالک ہے۔اس کی عبادت کرتا ہے۔اس کے لئے خرچ اور قربانی کرتا ہے۔اس میں محبت کے ساتھ خوف کا جذبہ بھی شریک ہوتا ہے اور اس کے ساتھ تعلق پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

قرآن حکیم نے ایسے صحیح جبلت انسان کو متقی کہا ہے اور تاکید کی ہے کہ ہدایت صرف متقی کے لئے ہے۔انسان مسلمان ہو یا غیر مسلمان، اس کی پیدائش صحیح فطرت پر ہوتی ہے اور اس کی جبلت بھی صحیح ہونی چاہئے اور اس کا تعلق اور ایمان غیب پر ہونا چاہئے۔اس کی خوشنودی کے لئے اس کے اعمال اچھے ہونا اور اس کے ساتھ تعلق پیدا کرنا لازمی بات ہوتی ہے۔ وہ ایسے پیغام کا منتظر رہتا ہے جو غیب کی طرف سے اس کو ملے اور اس پیغام کے مطابق زندگی گزارے۔

جب رسول، پیغمبر اور نبی آئے تو ایسے ہی صحیح جبلت اور صحیح فطرت کے انسانوں نے ان کو تسلیم کیا اور اپنی زندگیوں کو ان کے احکام کے مطابق ڈھال کر مجسم اخلاق بن گئے اور ان کا درجہ انسان سے بڑھ کر آدمی تک جا پہنچا اور وہ انسان سے بڑھ کر آدمی بن گئے اور یہ سلسلہ نبوت نور اپنے کمال کو پہنچا تو یہ سلسلہ نور نبوت ختم ہو گیا۔ خاتم نبوت رسول اکرم حضرت محمد ﷺ تشریف لائے اور اللہ تعالیٰ کا پیغام بذریعہ وحی قرآن حکیم کی صورت میں دُنیا کے سامنے پیش کر دیا اور زندگی و کائنات کے تمام فطری قوانین کی تشریح کر دی۔اب کوئی ایسا فطرت کا قانون اور اسرار رموز باقی نہیں رہ گیا جو قرآن حکیم میں نور نبوت کے ذریعے بیان نہ کیا گیا ہو۔اس لئے آئندہ نہ کسی نبوت کی ضرورت ہے اور نہ کسی پیغام کا انتظار ہے۔

جن انسانوں نے حضرت رسول اکرم ﷺ کو تسلیم کیا ہے، ان میں آدمیت اور اخلاق پائے جاتے ہیں۔ان کے درجے بڑھا دیئے گئے ہیں۔ وہ آدمی سے بشر بن گئے ہیں۔ وہ تمام دُنیا کے لئے امن و سلامتی اور خیر و خدمت بنی نوع انسان و ترتیب کائنات کے حامل ہیں۔ہم نے تخلیق انسانی کے بعد اس کے ترقی و تنزل کی تمام صورتوں کے ساتھ اس کے کمال تک کو بیان کر دیا ہے۔انسانیت کا کمال آدمیت ہے، اور آدمیت کا کمال بشریت ہے، اور بشریت کا کمال نور نبوت ہے، اور نور نبوت کا کمال ختم نبوت ہے۔ چونکہ نبوت نور مجسم ہے، اس لئے انسان خواہ کتنا بھی کمال حاصل کر لے نبی نہیں بن سکتا۔

نور اللہ اور ربوبیت ہی ایسے کمال ہیں جن سے جسم و نفس اور روح میں کمال پیدا ہوتا ہے۔ جب انسان کے ایمان و عمل صالح میں ترتیب قائم نہیں رہتی تو مادی طور پر خون میں خرابی اور فساد پیدا ہونا شروع ہو جاتا ہے، جو جسم کے لئے تکلیف اور دُکھ کا باعث بن جاتا ہے۔ یہی وہ زہر ہیں جو انسان کے جسم میں امراض و عوارض پیدا کر دیتے ہیں۔بس ثابت ہوا کہ انسان کے اعضاء کے غیر صالح اعمال سے زہر پیدا ہوتے ہیں۔

یہ حقیقت بار بار بیان کر دی گئی ہے کہ تجدید طب اور احیائے فن کی بنیاد قانون مفرد اعضاء پر قائم ہے۔یعنی جب اخلاط مجسم ہوتے ہیں تو مفرد اعضاء بن جاتے ہیں۔گویا مفرد اعضاء مجسم اخلاط ہیں۔ یہ مفرد اعضاء (انسجہ) جن کو انگریزی میں ٹشوز کہتے ہیں جو خلیہ (حیوانی ذرّہ) سیل سے مرکب ہوتے ہیں۔ یہ خلیہ جسم میں اپنی جگہ ایک یونٹ اور اکائی ہے، جو اپنی جگہ پر ایک مقام رکھتا ہے اور اپنی زندگی کو قائم رکھنے کے لئے خود اپنی غذا خون سے حاصل کرتا ہے۔اپنا فضلہ خارج کرتا ہے اور آکسیجن کو جذب اور کاربن ڈائی آکسائیڈ کو خارج کرتا ہے۔گویا یہ اپنی جگہ پر ایک مکمل

زندگی رکھتا ہے۔

اس سے ثابت ہوا کہ حیوانی ذرّہ (سیل) اور اخلاط کا باہمی گہرا تعلق ہے۔ یعنی یہ اخلاط ہی سے تیار ہوتے رہتے ہیں۔ اس لئے جب اخلاط میں زہر پیدا ہوتا ہے تو خلیات (سیلز) مرنے شروع ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح جب مفرد اعضاء (ٹشوز) اپنے اعمال میں بگڑ جاتے ہیں، تو اخلاط میں زہر پیدا ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ ثابت ہوا کہ اخلاط و مفرد اعضاء لازم و ملزوم ہیں۔

جہاں تک روح اور نفس کا تعلق ہے، ان کے متعلق یہ ذہن نشین کر لیں کہ روح طبی یا ربی ان کا حامل خون ہے اور وہاں سے مفرد اعضاء کے ذریعے تمام جسم میں نشوو ارتقاء اور تحریک پیدا کر دیتے ہیں۔ نفس کے حامل مفرد اعضاء ہیں۔ ہر مفرد اعضاء اپنے اپنے مزاج کے مطابق اپنے مزاج کا اظہار کرتا ہے۔ اس طرح اخلاط و جسم اور نفس و روح کا تعلق قائم رہتا ہے۔ اس لئے جسمانی اور مادی امراض کے تعلق کو نفس و روح تک قائم کرنا ضروری ہے۔ اس طرح ہر انسان کے مرض کے ساتھ ساتھ اس کے نفسیاتی اور روحانی امراض اور خرابی اخلاق کا پورے طور پر علم ہو سکتا ہے۔

انہی جذبات اور وجدان کے تحت ہم نے ''تین انسانی زہر'' نامی کتاب لکھی ہے۔ اس میں اگرچہ تین زہروں کا تعلق تین مفرد اعضاء سے ہے۔ لیکن یہ کتاب ہر قسم کے زہر اور ہر مفرد عضو کی خرابی کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے اور اس سے اس قدر بصیرت پیدا ہوتی ہے کہ انسان ہر قسم کے زہر کے اثرات اور ہر قسم کے مفرد اعضاء پر پوری طرح قابو پا لیتا ہے۔ اپنی انہی خوبیوں کی وجہ سے یہ کتاب تحقیقات زہر کے لحاظ سے نہ صرف غیر معمولی نوعیت کی کتاب ہے، بلکہ بیان امراض کے سلسلہ میں یہ بے حد خصوصیات کی حامل ہے۔ اس کے پڑھنے کے بعد قاری کو ہر مرض اور ہر زہر پر پورے طور پر عبور حاصل ہو جاتا ہے۔

جہاں تک علاج کا تعلق ہے، یہ کتاب دُنیائے طب میں اپنی نوعیت کی واحد کتاب ہے۔ اس وقت تک جس قدر کتب علاج الامراض یا علاج زہر پر لکھی گئی ہیں، اوّل تو ان میں علاج الامراض نقل در نقل اور غیر یقینی ہے۔ دوسرے جہاں تک زہروں کا تعلق ہے، اوّل تو ان کا کوئی ذکر ہی نہیں ہے اور اگر کہیں ان کا تھوڑا بہت ذکر ہے تو وہ بالکل بے اصولا اور بے ربط پایا جاتا ہے۔ اس طرح ایک طالب علم نہ تو ان کی حقیقت کو سمجھ سکتا ہے اور نہ ہی ان کے علاجوں پر حاوی ہو سکتا ہے۔

اس سلسلے میں جہاں تک فرنگی طب کا تعلق ہے، جس کو ماڈرن میڈیکل سائنس کہتے ہیں۔ وہ سائنس کے نام پر ایک زبردست دھوکا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ فرنگی طب (ماڈرن میڈیکل سائنس) میں نہ تو امراض کے سلسلہ میں کوئی تحقیق ہے اور نہ ہی اس میں زہروں کی حقیقت پر کوئی اُصولی اور بنیادی بات بیان کی گئی ہے۔ نتیجہ کے طور پر ہر مرض کے علاج میں جدا جدا علاج اور ہر زہر کے علاج میں الگ الگ تریاق پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

اس طرح اس بے ربط اور غیر یقینی تشریح الامراض اور سمیات میں کسی طالب علم کا پوری طرح قابو پانا نہ صرف مشکل ہے بلکہ ایک ناممکن امر ہے۔ ہم نے اپنی کتاب ''تحقیقات الامراض والعلامات'' اور ''مختصر علاج'' میں ان امراض و علامات کو تفصیل سے بیان کر دیا ہے۔

اپنی زیر نظر کتاب میں علاج الادویہ کے سلسلہ میں ہم نے بعض اہم ادویہ اور غیر معمولی اصول ادویات کو نہ صرف نظر انداز کر دیا ہے، بلکہ بالکل غلط قرار دے دیا ہے۔ کیونکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ سب اصولی طور پر قانون علاج کے بالکل منافی ہیں۔

ہم نے ہر ممکن کوشش کی ہے کہ اصول علاج اور علاج الادویہ کسی قانون کلی اور فطری اُصولوں کے تحت رہیں۔ جس طرح ایک عضو کے مرض کا علاج دوسرے عضو سے کیا جا سکتا ہے، اسی طرح ایک زہر کا علاج دوسرے زہر سے کیا جا سکتا ہے۔ بلکہ اس حقیقت کو قانون کی حیثیت دے دی ہے کہ ایک زہر جب شدت اختیار کر لیتا ہے تو وہ دوسرے عضو کو تحریک دے کر اس کے زہر کی پیدائش شروع کر دیتا ہے۔ جس سے نیا زہر پیدا ہو

کر فطری طور پر پہلے زہر کو ختم کرنا شروع کر دیتا ہے۔ یہ قانون الٰہی ہے جو رحمٰن اور رحیم ہے۔

اس سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ اگر انسان قانونِ الٰہی کے مطابق اپنی زندگی کو قائم کر لے تو وہ ایسے زہروں اور ان سے پیدا شدہ امراض سے محفوظ رہ سکتا ہے۔

علاج الادویہ میں اس امر کی کوشش کی گئی ہے کہ غذائی علاج کے ساتھ مفرد ادویہ اور مرکب ادویہ کو تفصیل سے بیان کیا جائے۔ ان کے علاوہ خاص الخاص مجربات پیش کر دیئے ہیں۔ لیکن یہ یاد رہے کہ یہ سب علاج بالمفرد اعضاء ہے۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ان میں یقینی علاج اور بے خطا مجربات ہیں۔

تجدید طب سے علم و فن طب میں جو انقلابی کام کیا گیا ہے، اس کی کامیابی اور کمالات حقیقت بن گئے ہیں اور ہر معالج جو ان اصولوں کے تحت علاج کرتا ہے، وہ نہ صرف اپنے علاج میں کامیاب ہے بلکہ روز بروز شہرت حاصل کرتا جا رہا ہے۔

اب صورت حال یہ ہے کہ دیگر اطباء و حکماء بلکہ ایلوپیتھی ڈاکٹر اور ہومیو پیتھ بھی ان کامیابیوں اور کمالات کو دیکھ کر خود بخود ان کی طرف رجوع کر رہے ہیں اور چاہتے ہیں کہ جلد از جلد قانون مفرد اعضاء کو سمجھ کر تجدید طب سے مستفید ہوں اور اپنے مطب کو کامیاب اور کامران بنائیں۔ یہ قانون مفرد اعضاء کی کامیابی اور تجدید طب کی حقیقت کا زندہ ثبوت ہے۔ اب ممبران کا فرض ہے کہ وہ ایسے اہل علم و صاحب فن اور معالجین کو اپنے قریب کر لیں اور محبت سے ان کو تجدید طب کا قانون مفرد اعضاء سمجھائیں۔

صابر ملتانی

اکتوبر 1971ء

تین اِنسانی زہر

جو اشیاء کھائی جاتی ہیں، وہ تین حالات سے خالی نہیں ہوتیں: ① غذا ② دواء اور ③ زہر۔ جن کی تعریفیں درج ذیل ہیں:

تعریف غذا

ایسی شے جو اگر کھالی جائے تو اوّل جسم کو متاثر کرے، پھر جسم سے متاثر ہو کر جزو بدن بن جائے غذائے خالص کہلاتی ہے۔

تعریف دواء

ایسی شے جو اگر کھالی جائے تو اوّل جسم کو متاثر کرے، لیکن جسم سے متاثر نہ ہو، اور جزو بدن ہوئے بغیر جسم سے خارج ہو جائے، دوائے خالص کہلاتی ہے۔

تعریف زہر

ایسی شے جو اگر کھالی جائے تو جسم کو اس قدر متاثر کرے کہ جسم کو فنا کر دے، سم خالص کہلاتی ہے۔

پھر ان سے مرکبات کی بھی تین صورتیں ہیں:

① غذائے دواء: جس میں غذاء زیادہ اور دواء کم ہو۔

② دوائے غذائی: جس میں دواء زیادہ اور غذاء کم ہو۔

③ دوائے زہر: جس میں دواء زیادہ اور زہر کم ہو۔

جاننا چاہئے کہ زہر بھی غذاء اور دواء کی طرح تین قسم کے ہوتے ہیں۔ اس کی مندرجہ ذیل تین اقسام ہیں:

① جماداتی زہر: جیسے (۱) سنکھیا (۲) ہڑتال (۳) پارہ وغیرہ۔

② نباتاتی زہر: جیسے (۱) بیش (۲) کچلہ (۳) افیون وغیرہ۔

③ حیوانی زہر: جیسے (۱) سانپ (۲) بچھو (۳) زہریلے کیڑے۔

ہر قسم کے زہر جب جسم میں داخل ہوتے ہیں تو وہ اپنے اثرات وافعال اور خواص سے جدا جدا علامات پیدا کرتے ہیں۔ یہاں پر ہم جن اقسام کے زہروں کا ذکر کر رہے ہیں، وہ ان زہروں سے الگ قسم کے ہیں جن کا اوپر ذکر کیا گیا ہے۔ یہ وہ زہر ہیں جو صرف انسانی جسم میں تیار ہوتے ہیں اور ان سے خوفناک قسم کے امراض پیدا ہوتے ہیں۔ ذیل میں ہم انہی اقسام کے زہروں کا ذکر کریں گے۔

تعریف زہرِ انسانی

انسانی خون ورطوبات اور جسم میں ایسی حالت وصورت پیدا ہو جائے جیسی دیگر اقسام کے زہروں کے اثرات سے پیدا ہوتی ہے۔ یعنی جب جسم میں پیدا ہو اس کو فنا کر دے یا کسی دیگر جسم میں داخل ہو تو اس کو بھی فنا کر دے یا اس میں بھی زہریلی علامات اور اثرات پیدا کر دے۔ اس

زہر کا اثر فوری بھی ہوسکتا ہے اور رفتہ رفتہ بھی ہوسکتا ہے۔

پیدائش زہرِ انسانی

جسمِ انسانی میں جب کوئی مرض پیدا ہوتا ہے تو قوت مدافعت (امیونٹی) اور قوت مدبرہ بدن (وائٹل فورس) اس کو رفع کرنے کی کوشش کرتی رہتی ہے۔ جب وہ کمزور ہونا شروع ہوجاتی ہے تو پھر اس مرض کا زہر خون میں اکٹھا ہونا شروع ہوجاتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ غالب ہوجاتا ہے اور رفتہ رفتہ جسم کو ختم کردیتا ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ یہی زہر کسی دوسرے جسم پر اثر انداز ہوکر اس جسم میں بالکل اسی قسم کے زہریلے اثرات اور علامات پیدا کردے۔

تیسری صورت یہ ہے کہ جس انسان میں یہ زہر پایا جاتا ہے، اس کی اولاد میں بھی اسی قسم کے زہریلے اثرات اور علامات پائی جاتی ہیں۔ یہ اثرات اور علامات بالکل وہی ہوتی ہیں جو باپ میں پائی جاتی ہیں۔ پہلی صورت کا نام بگاڑ اعضاء، دوسری صورت کا نام چھوت چھات اور تیسری کا نام اثرات وراثت ہے۔

انسانی زہر کی اقسام

چونکہ ان زہروں کی ابتداء اعضاء کے بگاڑ سے ہوتی ہے، اور انسانی جسم کے حیاتی اعضاء صرف تین ہیں جن کو ہم اعضاء رئیسہ (دِل، دماغ، جگر) کہتے ہیں۔ اس لئے یہ زہر بھی تین ہی اقسام کے ہوتے ہیں، جن کی صورتیں درج ذیل ہیں:

① **اعصاب**: جن کا مرکز دماغ ہے، ان کے بگاڑ سے جو زہر پیدا ہوتا ہے، اس کا نام زہرآتشک یا آتشکی مادہ ہے۔

② **غدد و غشائے مخاطی**: جن کا مرکز جگر ہے، ان کے بگاڑ سے جو زہر پیدا ہوتا ہے، اس کا نام زہرسوزاک یا سوزاکی مادہ ہے۔

③ **عضلات**: جن کا مرکز دِل ہے، ان کے بگاڑ سے جو زہر پیدا ہوتا ہے، اس کا نام زہر بواسیر یا بواسیری مادہ ہے۔

یہی زہر مختلف صورتوں میں نظر آتے ہیں، لیکن اگر ان کا تجزیہ کیا جائے تو وہ ان تین صورتوں ہی میں شامل نظر آتے ہیں جن کی تفصیلات آئندہ پیش کی جائیں گی۔

یادداشت: یاد رکھیں کہ آتشک جس کو انگریزی میں سفلس کہتے ہیں، یہ نہ تو مرض ہے اور نہ ہی زہر ہے، بلکہ یہ اس مرض کی علامت ہے جس کا زہر آتشکی مادہ ہے۔ آتشک اور آتشکی مادہ کا فرق ظاہر کرنا ضروری ہے۔ اسی طرح سوزاک اور سوزاکی مادہ میں فرق ہے۔ بالکل اسی طرح ہی بواسیر اور بواسیری مادہ میں بھی فرق ہے۔ ان کی تفصیلات آئندہ پیش کی جائیں گی۔

تاریخ ابتداء

جہاں تک زہروں کی ابتداء کا تعلق ہے یہ حقیقت ہے کہ انسان کی پیدائش کے ساتھ ساتھ اس کے خون اور گوشت میں ان کا پایا جانا ضروری تھا۔ مگر ان کے علم اور حقیقت کا اسی وقت پتہ چلا جب علم وفن طب پر کتب لکھی گئیں۔ سب سے قدیم علم وفن آیورویدک ہے اور اس میں علمی و فنی طور پر کتب لکھی گئی ہیں۔ ان کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ کسی نہ کسی رنگ میں ان زہروں کا پتہ چلتا ہے۔ اسی طرح جب طب یونانی کا گہرا مطالعہ کیا جاتا ہے تو اس میں بھی ان زہروں کا کسی نہ کسی رنگ میں بیان پایا جاتا ہے۔

فرنگی طب (ایلوپیتھی) کی کتب میں آتشک وسوزاک اور بواسیر کا علم تو ضرور ملتا ہے لیکن آتشکی مادہ، سوزاکی مادہ اور بواسیری مادہ کا الگ الگ کہیں ذکر نہیں کیا گیا۔ البتہ بعض امراض کے اسباب میں ان مادوں کا ذکر کہیں کہیں ضرور پایا جاتا ہے اور جب سے ماڈرن میڈیکل

سائنس نے نظریہ جراثیم پیش کیا ہے، اس وقت سے ان زہروں کو ان کے ساتھ منتقل کر کے ان کے ان کے ناموں کے ساتھ منسوب کر دیا ہے۔ مگر ان زہروں کی تفصیلات سے واقف نہیں کرایا گیا۔ یعنی یہ زہر کہاں کہاں پیدا ہوتے ہیں؟ کیسے پیدا ہوتے ہیں؟ ان کی حدود کیا ہیں؟ ان کی تفصیلی علامات کیا ہیں؟ ان کے اثرات کیا ہیں اور کہاں کہاں ہیں؟ خاص طور پر ان زہروں کا ایک دوسرے پر کیا اثر ہوتا ہے اور نفسیاتی طور پر ان زہروں کے انسانی جذبات پر کیا اثرات پڑتے ہیں؟

ان زہروں کا سب سے پہلے علمی وفنی طور پر ڈاکٹر ہانمن نے ذکر کیا ہے۔ انہوں نے ان زہروں کو سفلس، سورا اور سائیکوسس کے ناموں سے موسوم کیا ہے۔ اگرچہ سفلس ایک علامت کا نام ہے یا زیادہ سے زیادہ مرض کا نام کہا جا سکتا ہے۔ اس سے کسی زہر کا پتہ نہیں چلتا۔ مگر سورا اور سائیکوسس چونکہ نہ کسی مرض کے نام ہیں اور نہ ہی کسی علامت کے نام ہیں۔ اس لئے ان کے ساتھ جب سفلس کو ملا کر پڑھا جاتا ہے تو اس سے بھی ان کا مقصد ایک خاص قسم کا زہر ہی معلوم ہوتا ہے۔

ڈاکٹر ہانمن اور ان کے بعد کے ایک قابل ہومیو پیتھ ڈاکٹر جیمز ٹیلر کینٹ (James Tyler Kent) نے ان تینوں زہروں کو روشناس کرانے کی کوشش کی ہے۔ ان میں بہت سی باتیں اچھی اور قابل ذکر ہیں۔ لیکن جب ان کا گہرا مطالعہ کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ ان زہروں کی اصلیت اور ہستی تو ان کے تحت الشعور میں ضرور ہے، مگر شعوری طور پر وہ ان کی حقیقت سے واقف نہیں ہیں۔ مثلاً ① یہ زہر کہاں پیدا ہوتے ہیں؟ ② کیسے پیدا ہوتے ہیں؟ ③ ان کی حدود کیا ہیں؟ ④ ان کی تفصیلی علامات کیا ہیں؟ ⑤ ان کے اثرات کیا ہیں اور کہاں پائے جاتے ہیں؟ ⑥ ان زہروں کا ایک دوسرے پر کیا اثر ہے؟ ⑦ جذبات پر ان زہروں کے اثرات انہوں نے بیان کیے مگر غیر مبہم ہیں، واضح نہیں ہیں۔ ⑧ زہروں کے اثرات سے کیا کیا جذبات اُبھرتے ہیں، ان کا ذکر نہیں ہے اور نہ ہی جذبات کی حقیقت پر کچھ لکھا ہے۔ ⑨ جن ادویات کا ذکر ان زہروں کے سلسلہ میں کیا ہے، وہ بالکل غلط ہیں۔ ان سب کی تفصیل آئندہ بیان کی جائے گی۔

آتشکی مادہ

تعریف آتشکی مادہ

آتشکی مادہ ایک ایسا زہر ہے جو آتشک سے پیدا ہوتا ہے، پھر انسانی جسم و خون اور منی میں سرایت کر جاتا ہے۔ آتشک کبھی اندرونی خرابی سے پیدا ہوتا ہے، کبھی دوسروں سے چھوت کی وجہ سے لگ جاتا ہے اور کبھی ماں باپ کی طرف سے ورثہ میں مل جاتا ہے۔ جب یہ مادہ انسان میں پورے طور پر اثر کر جاتا ہے تو خوفناک صورتیں اور علامتیں پیدا ہو جاتی ہیں۔

آتشک کی تاریخ

آیورویدک ایک انتہائی قدیم علم وفن علاج ہے جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہ ربانی علم وفن ہے، جس کے اوّلین حامل صرف رشی اور منی تھے اور عوام کی دسترس سے بہت دور تھا۔ موجودہ دور کی مستند کتاب ''مخزن آیورویدک'' (مصنفہ ویدراج کرشن دیال وید شاستری) میں آتشک کے متعلق یوں تحریر ہے: ''سوزاک کی مانند آتشک کا ذکر بھی قدیم آیورویدک کتب میں نہیں پایا جاتا۔ اس کی وجہ بھی وہی ہے جو کہ ہم مرض سوزاک کے بیان میں کر چکے ہیں''۔ سوزاک کے بیان کے تحت یوں تحریر ہے: ''حقیقت یوں ہے کہ مرض سوزاک اور آتشک ہندوستان کی بیماریاں نہیں ہیں۔ بلکہ یہ دونوں امراض ہندوستان پر غیر ملکی حکومتوں کے وقت سے ہی رونما ہونا شروع ہوئے ہیں۔ غیر ملکی حکومتیں اس ملک میں جس قدر پرانی ہوتی

گئیں، اس قدر ان امراض کو زیادہ پھیلنے کا موقعہ ملا۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی حکومت یا عہد مغلیہ تک ہندوستان کی طب قدیم آیورویدک کی مستند تصانیف ان امراض سے خالی پائی جاتی ہیں''۔

اس کا مطلب یہ نہیں کہ آیورویدک تصانیف اس لحاظ سے نامکمل اور ادھوری ہیں۔ یا اس وقت کے ویدوں کو ان امراض کا علاج کرنا نہیں آتا تھا، درآنحالیکہ آیورویدک طب بطور خود ہر طرح سے مکمل اور ضروریات وقت کے لئے کافی سے زیادہ ہے۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جس زمانے میں آیورویدک تصانیف معرض وجود میں آئیں، اس وقت اس ملک میں ان امراض کا نام ونشان تک نہ تھا۔ ورنہ یہ کبھی ہوسکتا ہے کہ آیورویدک جیسی مکمل سائنس کی کتب میں ایسے تباہ کن اور خوفناک قسم کے امراض کا ذکر تک نہ ہو۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا وجہ ہے کہ ہندوستان میں اس وقت یعنی عہد مغلیہ سے پیشتر مرض آتشک اور سوزاک کا وجود نہ تھا، اس کا جواب اگر عقلی ونقلی دلائل سے دینے لگیں تو ایک ضخیم کتاب بن جائے، مگر ہم یہاں صرف دو لفظوں میں اس کا جواب دے کر اس بحث کو یہیں ختم کرتے ہیں اور وہ جواب یہ ہے کہ ہندوستان کے قدیم رشیوں اور منیوں نے انسانی جسم کو نشو ونما دینے، اس کو مکمل بنانے، اور اس کو ہر طرح کی آفات سے محفوظ رکھنے کے لئے اُصول ہی اس قسم کے وضع کئے تھے کہ کوئی بھی انسان ان پر عمل پیرا ہو کر کبھی بیمار نہیں ہوسکتا تھا۔ چہ جائیکہ آتشک اور سوزاک جیسے گھناؤنے امراض میں مبتلا ہو۔

حائضہ عورت کے لئے ہندو دھرم شاستر اور ویدک شاستر کا حکم ہے کہ وہ حیض کے دنوں میں بالکل تخلیہ میں رہے۔ کسی سے چھوئے نہیں اور نہ ہی کھانے پینے کی اشیاء کو ہاتھ لگائے۔ اسی طرح حائضہ کے متعلقین کے لئے بھی خاص ہدایت ہے کہ وہ اس کے ہاتھ کی کسی چیز کو بھی استعمال نہ کریں۔ حتیٰ کہ حائضہ اور حاملہ سے مباشرت کرنے والے کو گنہگار کہا گیا ہے۔ اس قسم کے اُصول ہندو مذہب کا جز و خاص بن چکے تھے، اور کوئی بھی آدمی ان کی خلاف ورزی نہیں کرتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس زمانے میں ہندوستان میں آتشک اور سوزاک وغیرہ جیسے خوفناک امراض پیدا ہی نہیں ہوتے تھے۔

چونکہ زمانہ انگریزی راج کی برکت سے یہ مرض ملک میں عام ہو گیا ہے، اس لئے مخزن آیورویدک جو کہ ضروریات وقت کو ملحوظ رکھ کر وجود میں آیا ہے، اس میں موجودہ زمانے کے امراض کا اندراج نہایت ضروری سمجھ کر ہم نے ڈاکٹری ویونانی کتب سے مدد حاصل کی ہے۔

پھر آتشک کے بیان میں لکھتے ہیں: ''حقیقت میں مرض سوزاک اور آتشک اس زمانے میں کسی بھی انسان کو نہ ہوتے تھے جس زمانے میں آیورویدک کی قدیم کتب ان امراض کے نام تک سے ناآشنا ہیں۔ زمانہ جدید کی کتب میں اس مرض کا ''فرنگ روگ'' کے نام سے ذکر ملتا ہے۔ جس کے متعلق لکھا ہے کہ یہ مرض فرنگستان کی عورتوں سے مجامعت کرنے کے باعث یا فرنگیوں سے میل جول کے سبب ہندوستان میں پیدا ہوا۔ ورنہ انگریزی دور حکومت سے پیشتر اس مرض کا ہندوستان بھر میں کہیں نام ونشان تک نہ تھا۔ بعض ویدوں کا خیال ہے کہ آیورویدک کتب میں جس مرض کو اپدنش کے نام سے موسوم کیا گیا ہے، وہی آتشک ہے۔ مگر یہ بات بالکل غلط ہے۔ کیونکہ آتشک اور اپدنش کے اسباب وعلامات پر نگاہ ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آتشک اور اپدنش بالکل جدا جدا امراض ہیں۔ آیورویدک کا اپدنش صرف مردوں کی بیماری ہے اور آتشک مرد وعورت دونوں کو ہو سکتا ہے۔ اپدنش اخلاط کی خرابی یا چوٹ وغیرہ سے پیدا ہوتا ہے اور آتشک ایک متعدی مرض ہے جو کہ صرف آتشک میں مبتلا مرد سے عورت کو اور عورت سے مرد کو ہو جاتا ہے۔ یا آتشکی مریض کے ہمراہ کھانے پینے، سونے یا اس کے کپڑے وغیرہ پہننے سے ہو جاتا ہے۔ اگرچہ ہر دو امراض عضو تناسل سے تعلق رکھتے ہیں، لیکن ہیں دونوں ایک دوسرے سے مختلف۔

حقیقت سے بے خبری

ویدراج کرشن دیال جی کے مندرجہ بالا بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ سوزاک اور آتشک، دونوں کی حقیقت سے ناواقف ہیں۔ وہ لکھتے ہیں: ''سوزاک اور آتشک ہندوستان کی بیماریاں نہیں ہیں، بلکہ یہ دونوں امراض ہندوستان پر غیر ملکی حکومتوں کے وقت سے رونما ہونا شروع ہو گئے ہیں''۔ تصدیق میں یہ لکھتے ہیں کہ ''اسلامی حکومت یا عہد مغلیہ تک ہندوستان کی طب قدیم آیورویدک کی مستند تصانیف اس امراض سے خالی پائی جاتی ہیں''۔ لیکن دوسری طرف یہ لکھتے ہیں کہ ''اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آیورویدک تصانیف اس لحاظ سے نامکمل یا ادھوری ہیں یا اس وقت کے ویدوں کو ان امراض کا علاج کرنا نہیں آتا تھا، درآنحالیکہ آیورویدک طب بطور خود ہر طرح سے مکمل اور ضروریات وقت کے لئے کافی تھی''۔ دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ ''اس کا مطلب یہ ہے کہ جس زمانے میں ویدک تصانیف معرض وجود میں آئیں اس وقت اس ملک میں ان امراض کا نام و نشان نہ تھا۔ ورنہ یہ کبھی ہو سکتا ہے کہ آیورویدک جیسی مکمل سائنس کی کتب میں ان کا ذکر نہ ہو''۔

ایک طرف تو ویدراج یہ تسلیم کرتے ہیں کہ سوزاک اور آتشک ہندوستان کی بیماریاں نہیں ہیں، دوسری طرف یہ تسلیم کرتے ہیں کہ آیورویدک تصانیف ان امراض سے خالی نہیں ہیں، اب ان دونوں بیانوں میں سے کس کو صحیح تسلیم کیا جائے۔ اگر ان کا مطلب سوزاک اور آتشک کے ناموں سے ہے کہ یہ فرنگی دورِ حکومت میں آئے ہیں تو وہ آیورویدک سے ان امراض کو نکال کر پیش کریں یا جس انداز میں آیورویدک ان امراض کو تسلیم کرتا ہے، اس کا ذکر کریں یا کسی طرح سوزاک اور آتشک کے ساتھ مطابقت ثابت کریں۔ اگر ان کا مقصد اُن کو اپنے سامنے کسی عضو کی خرابی یا خون کے کیمیائی تغیرات کا ذکر کرنا پڑے گا۔ جن سے اندازہ ہو جائے گا کہ واقعی ان امراض کا آیورویدک میں علاج موجود ہے۔

امراضِ خبیثہ

تحقیقاتی حیثیت سے امراض خبیثہ پر کچھ کام نہیں کیا گیا۔ البتہ لیفٹیننٹ کرنل ڈاکٹر بھولا ناتھ نے ان امراض اور ان کی تاریخی صورتوں پر کچھ روشنی ڈالنے کی کوشش کی ہے۔ ان کی کتاب ''علم و عمل طب'' 1915ء میں شائع ہوئی۔ گویا تقریباً ستتر سال پہلے کی تصنیف ہے۔ اگرچہ اس زمانے میں نظریہ جراثیم اور ماڈرن سائنس کے اثرات پورے عروج پر تھے، تاہم پاک و ہند میں فرنگی طب کے اثرات گہرے نہ تھے اور طب یونانی اپنے پورے وقار سے قائم تھی۔ اس لئے تعصب کے باوجود اس کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ چونکہ کرنل ڈاکٹر بھولا ناتھ صاحب جدید تعلیم کے ساتھ ساتھ عربی اور فارسی کا بھی ذوق رکھتے تھے، اس لئے انہوں نے اس زمانے کے ماحول میں اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ انہوں نے ان امراض کی ماہیت پر اسی قدر لکھا ہے جو کچھ کتب میں درج ہے۔ مگر امراض کی حقیقت پر روشنی نہیں ڈال سکے۔ یہ شاید اس لئے کہ نظریہ جراثیم جس پر ان کا ایمان تھا اس سے باہر جانا ان کے لئے بہت مشکل تھا۔ بہرحال ان کی کوشش بہت حد تک قابل تعریف ہے۔ اپنی کتاب ''علم و عمل'' کے صفحہ 479 پر امراض خبیثہ کے متعلق لکھتے ہیں: ''اس جماعت میں تین بیماریاں شامل ہیں: (۱) گوریا (سوزاک) (۲) سافٹ (شنکر) اور (۳) سفلس (آتشک)۔ ان میں سوزاک کے بارے میں شک نہیں ہو سکتا کہ یہ مرض قدیم زمانے سے یورپ و ایشیاء کے ممالک میں چلا آتا ہے''۔

ہیروڈوٹس ایک مشہور یونانی مؤرخ لکھتا ہے کہ ''جب اہل سیتیا نے ملک یونان پر حملہ کر کے ہماری سلطنت کو تہ و بالا کرنا چاہا تو ہماری مقدس دیوی وینس یورینیا (Venusurinia) نے خفا ہو کر ان حملہ آوروں کے درمیان ایک مکروہ اور متعدی مرض بطورِ سزا کے پیدا کر دیا''۔

اگرچہ یہ بیان افسانہ معلوم ہوتا ہے، مگر اس مکروہ مرض کی جو علامات یونانی مؤرخ ہیروڈوٹس نے بیان کی ہے، ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ مرض سوزاک تھا۔ البتہ آتشک کے بارے میں شک معلوم ہوتا ہے۔ بعض محققین کی رائے میں یہ مرض ایشیاء اور یورپ کے ممالک میں مسیح علیہ السلام

سے کئی صدیاں پیشتر موجود تھا۔ اس دعوے کی تائید میں دو قسم کے ثبوت پیش کئے جاتے ہیں۔ مصر، یونان اور روما کے پرانے مدفون میں جو ہڈیاں پائی گئی ہیں، ان میں بعض ہڈیوں پر آتشک کے اثرات موجود تھے۔

ہزاروں برس کی دفن کی ہڈیوں کے مشاہدات سے کسی امر کے اثبات ونفی کی غرض سے رائے قائم کرنا قابل اعتبار نہیں ہوسکتا۔ حال کے محققین نے ان حقائق پر بہت کچھ غور وفکر کیا ہے اور جملہ محققین آثار قدیمہ متفق الرائے ہیں کہ جن نشانات کو آتشک کا ثبوت سمجھا گیا تھا وہ درحقیقت ٹیوبرکل اور سرطان کے آثار ہیں۔

دوسرا ثبوت یہ پیش کیا جاتا ہے کہ پرانے مصنفوں کی تحریر میں اس مرض کا ذکر موجود ہے۔ یہ بیان صحیح نہیں ہے۔ پرانی یونانی، ہندی اور چینی کتابوں میں اعضائے تناسل کی بواسیر اور نواسیر کا کہیں کہیں ذکر پایا جاتا ہے۔ مگر بقراط، جالینوس اور پرانے مصری اطباء کی تحریروں میں ان امراض کا کہیں بھی ذکر نہیں ہے۔ اور نہ ہی کسی مصنف نے آتشک کے دوسرے اور تیسرے درجے کے عوارضات عامہ کو بیان کیا ہے اور نہ اس مرض کا تعلق اعضائے تناسل کے زخموں کے ساتھ بتایا ہے۔

آگے چل کر لکھتے ہیں" عام اطباء کی رائے ہے کہ یہ مرض امریکہ دریافت ہونے کے بعد کولمبس کے ملاحوں کے ذریعے یورپ میں پھیلا اور ایک تاریخی واقعہ ہے کہ آتشک نے پندرھویں صدی کے اواخر میں تمام یورپ میں وبائی صورت اختیار کرلی تھی۔ کولمبس 1493ء میں امریکہ سے واپس آیا۔ اس کے دوسال بعد چارلس شاہ فرانس نے نیپلز پر حملہ کیا اور شہر کے گرد محاصرہ ڈالا۔ شاہ فرانس کی مدد کے لئے ہسپانیہ سے بھی فوجیں آئیں اور بہت سے ترک اور دیگر اقوام اس ہنگامہ میں شامل ہوئیں۔ اس جم غفیر میں یہ مرض نمودار ہوا اور اس سرعت کے ساتھ پھیلا کہ شاید ہی کوئی آدمی اس سے بچا ہو۔ چنانچہ طنز کے طور پر فرانس والوں نے مشہور کیا کہ یہ نیپلز کا میوہ ہے۔ نیپلز والوں نے اس کو فرانس کے سر جڑا۔ اسی طرح اس کے کئی نام مشہور ہوگئے۔ نیپلز کا آبلہ، فرانس، ترکی اور ہسپانیہ کے نام سے منسوب کیا گیا۔ یہ مرض نیپلز سے پھیلتا ہوا یورپ کے تمام ممالک میں اثر کر گیا اور اعلیٰ ادنیٰ، امیر غریب سب اس مرض میں مبتلا ہوگئے، حتیٰ کہ روما کا پوپ بھی اس حملہ سے خالی نہ رہا۔ جب علمائے دین میں یہ مرض پہنچا تو اس کے لئے دینی نام بھی تجویز ہوئے اور مرض جرب، مرض سینٹ لیزڈ، مرض راس اور مرض سینٹ کلیمنٹ کے ناموں سے اسے موسوم کیا گیا۔

پس منظر کی تشریح

مندرجہ بالا جو تاریخی پس منظر بیان کیا گیا ہے، اس سے آتشک اور آتشکی مادہ کی حقیقت کا علم تو نہیں ہوتا، البتہ اس کی ماہیت پر روشنی ضرور پڑتی ہے اور اس امر کا بھی پتہ چلتا ہے کہ سفلس آبلہ فرنگ اور آتشک وغیرہ کا نام پہلی بار فرنگیوں کی طرف سے روشناس کرایا گیا اور اجتماعی طور پر یہ مرض یا آتشکی مادہ صرف فرنگیوں ہی میں پھیلا ہے اور پھر اس کے بعد باقی دُنیا میں پھیلا ہے۔ لیکن اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ یہ مرض بالکل نیا ہے، جس کو پہلے فرنگی طب نے تحقیق کیا ہے۔

یہ بات یاد رکھیں کہ جو مرض بھی انسان کو لاحق ہوتا ہے، وہ ہر زمانے اور ہر ملک میں ہوتا ہے اس کا نام چاہے کچھ ہی کیوں نہ ہو، بہر حال یقیناً ہے۔ کیونکہ یہ انسانی جسم کی بناوٹ میں فطری طور پر داخل ہے۔ البتہ کسی مرض کا اجتماعی طور پر ظاہر ہونا اس کا ایک عام تعارف ہوتا ہے۔ دوسرے اس مرض کی کثرت سے اس ملک کے برے کردار اور گندی فطرت کا اندازہ ہوتا ہے۔ خاص طور پر جنگ کے دوران سپاہیوں کی وحشیانہ اور بے ہنگم فطرت کا اندازہ ہوتا ہے۔

سفلس (آتشک) کی ماہیت پر جو روشنی پڑتی ہے وہ کولمبس کے ملاحوں کی بیماری سے ظاہر ہوتی ہے، جو اس کے ساتھ سفر میں شریک تھے۔ یہ ایک طویل سمندری سفر تھا۔ سمندری پانی، سمندری آب وہوا اور ممکن ہے سمندری غذا کا اثر بھی اس میں شریک ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ

مرض تقریباً تمام ملاحوں کو متاثر کر گیا ہو جس سے یہ مرض تمام یورپ میں کثرت سے پھیل گیا تھا۔

ان حقائق سے دو باتوں کا علم ہوتا ہے۔ اوّل یہ کہ مرض سفلس (آتشک) اور مادہ سفلس (آتشکی مادہ) میں سمندری آب وہوا اور نمی و غذا کا دخل ہے۔ دوسرے یہ کہ یہ مرض متعدی ہے، اور اس کی ماہیت کا یہ پتہ چلتا ہے کہ یہ جنسی مرض ہے اور اس کی ابتداء جنسی اعضاء پر آبلہ کی شکل میں ظاہر ہوتی ہے جو آتشک کی صورت میں نمودار ہوتا ہے۔

آتشک اور آبلہ فرنگ

جناب حذاقت مآب حکیم احمد علی خاں صاحب زبدۃ الحکماء ایک بہت فاضل اور قابل طبیب گزرے ہیں۔ ان کو طب قدیم اور فرنگی طب دونوں پر زبردست عبور حاصل تھا۔ وہ زبدۃ الحکماء کا امتحان پاس تھے۔ ان دونوں زبدۃ الحکماء کی تعلیم پنجاب یونیورسٹی میں دی جاتی تھی۔ اور اس کا مرتبہ اسسٹنٹ سرجن کے برابر ہوتا تھا۔ فرنگی ڈاکٹر بھی وہاں لیکچر دیتے تھے اور سرجری کی تعلیم بھی دی جاتی تھی۔ حکیم صاحب کو علاج معالجہ کے ساتھ ساتھ جراحی میں بھی کمال دسترس حاصل تھی۔ انہوں نے اصول معالجات فن جراحی پر ایک کتاب لکھی ہے۔ جس کا نام معمول احمد یہ ہے اور یہ تین حصوں میں لکھی گئی ہے۔ میرے پاس اس کا تیسرا ایڈیشن ہے جو 1906ء میں شائع ہوا تھا۔

اپنی اس کتاب کے متعلق حکیم صاحب موصوف اس کے دیباچہ میں لکھتے ہیں ''الحمدللہ کہ نیاز کیش کے ہاتھ سے یہ مشکل اور اہم کام 2 رجب 1307ھ مطابق 22 فروری 1890ء جو میری عمر کا بیالیسواں سال ہے، سرانجام پایا۔ اس مردہ فن نے نئی زندگی حاصل کی۔ جس محنت و تلاش، جانفشانی اور عرق ریزی سے اس کتاب کو میں نے لکھا ہے، اس کا حال میں خود ہی جانتا ہوں۔ اسی مناسبت سے اس کتاب کا نام معمول احمد یہ رکھا گیا ہے۔ اس کتاب میں علم جراحی اور اس کے متعلق دیسی اور انگریزی دونوں طریق عمل سے تصاویر و آلات اور اصول وقواعد جن پر میں اٹھارہ سال سے عمل کر رہا ہوں اور دونوں طریق کے شفاخانوں میں برابر استعمال کئے جاتے ہیں، حسن ترتیب نہایت عام فہم اور سلیس اُردو میں لکھا ہے تاکہ کم علم طبیب کو بھی دقیق اُصول سمجھنے اور مرض کی تشخیص کرنے میں کسی قسم کی دقت پیش نہ آئے۔ انگریزی، یونانی اور ہندی ادویات کا مقابلہ کیا ہے اور ایک دوسرے میں تطبیق دی ہے۔ حتی المقدور زمان حال وماضی کی کسی تحقیق وتدقیق کو فروگزاشت نہیں کیا گیا تاکہ مبتدیوں کو ایک مستقل درسی کتاب اور منتہیوں کو ایک عمدہ دستور العمل ہاتھ آجائے۔ یہ کام جو میرے ہاتھ سے انجام کو پہنچا ہے، سخت مشکل ہے۔ میں بڑے دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ میں پہلا شخص ہوں جس نے طب یونانی وڈاکٹری کو متحد کرنے کی کوشش کی، اس کوشش میں منزل مقصود پر پہنچنے یا اس میں ناکام ہونے کا فیصلہ منصف مزاج اور قدر دان، ہم پیشہ ناظرین پر منحصر ہے''۔

سبب تالیف کتاب کے متعلق حکیم صاحب لکھتے ہیں: ''جب دونوں شریف فن طب کی تحصیل سے فراغت کلی حاصل ہوئی اور بہت سی کتب مبسوط جدیدہ مطالعہ میں آئیں تو دل میں خیال آیا کہ روز افزوں مشاہدات تشریح، جدید تجربات، تشخیص مرض، ادویات کی تاثیر کیمیائی وغیرہ اُصول وقواعد سے یونانی طب کو فروغ دے کر تکمیل تک پہنچایا جائے اور یونانی اطباء کے اسرار مخفیہ، صدر یہ، کم خرچ اور سریع التاثیر نسخہ جات مفیدہ سے جن پر دیسی اطباء کو کمال فخر حاصل ہے اور انہی کو وہ ذریعہ حصول معاش جانتے ہیں۔ فن ڈاکٹری کو ترقی دی جائے اور اس طرح باہم خلط ملط کیا جائے کہ کسی فرد وبشر کو دوئی کی تمیز نہ رہے۔ بلکہ ایک ہی نام سے پکارا جائے اور ہر فریق کے اہل فن دونوں طبقوں کے اصولوں سے واقف ہو کر عوام کو مستفید کریں۔ اسی بناء پر 1880ء میں ایک ماہوار رسالہ موسوم ''تکمیل الحکمت لاہور'' سے جاری کیا جو خدا کے فضل وکرم اور اہل ملک کی قدر دانی سے جلد ہی مقبول خلائق ہو گیا۔ دولت مآب سرآمد حکماء انگلستان برگزیدہ ڈاکٹران زمان جناب ای سٹیفن صاحب بہادر کمشنر حفظان صحت پنجاب نے اس کو اپنی سرپرستی میں لے لیا۔ اس وقت کی گورنمنٹ عالیہ اس کی بہت سی کاپیاں خرید کر پنجاب کے سول سرجنوں اور میونسپل کمیٹیوں کو ارسال

فرماتی۔ جناب ممدوح کے ہیڈ کلرک خلیق الطبع، حلیم مزاج امیر باتوقیر جناب ڈبلیوڈی روزویل صاحب کی ذات بابرکت سے اس رسالہ کو ظاہری و باطنی امداد ملتی تھی۔ چونکہ رسالہ مذکور میں عام خیال کے مطابق مختلف مضامین شائع ہوا کرتے تھے، اس لئے مدت سے اشتیاق تھا کہ کوئی مستقل کتاب مرتب کرنی چاہئے، جس سے زمانہ میں میرے بعد میرے ہم پیشہ اصحاب مستفید ہوتے رہیں اور مجھے دعائے خیر سے یاد فرماتے رہیں اور میرا نام بھی دُنیا میں تاابد قائم رہے''۔

کتاب و مؤلف اور اس کے کام کا تعارف ذرا تفصیل سے کرایا گیا ہے، تاکہ ان کی اہمیت کا صحیح اندازہ ہوسکے۔ مؤلف موصوف نے اس کتاب کی فصل پانزدہم میں صفحہ 88 پر آتشک کا ذکر کیا ہے۔ لکھتے ہیں: ''آتشک (سفلس) میں چونکہ جلن اور سوزش اس طرح پائی جاتی ہے، جیسے کوئی مقام آگ سے جل رہا ہے۔ اس کو آتشک کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ اس کو آبلہ فرنگ بھی کہتے ہیں۔ اس جہت سے کہ نویں صدی تک یہ مرض صرف جزائر فرنگ تک محدود تھا، بعدازاں عرب میں اس کا ظہور ہوا اور اس وجہ سے زمانہ قدیم کی کتب طبیہ میں اس کا نام نہیں پایا جاتا۔ بعض اطباء اس کو ارمنی دانہ اور نار فارسی کہتے ہیں۔ اس لحاظ سے کہ ابتداء میں اس کا ظہور ارمن یا فارس میں ہوا۔ بعض عہد سکندری سے اس کی ابتدائی پیدائش شمار کرتے ہیں۔ بثور غریبہ و نفاطات کو آتشک میں شامل کرتے ہیں۔ یہ مرض جس قدر خوفناک ہے، اسی قدر فی زمانہ عام ہے۔ جب آتشک کے مواد خون میں سرایت کر جاتے ہیں تو مختلف اقسام کی بیماریاں پیدا کرتے ہیں۔ شروع میں خفیف سی سوزش ہوتی ہے۔ پھر اس کا زہر اندرونی اعضاء کے غشائے مخاطیہ اور بعد میں غشائے الحاقیہ کے رباط استخواں اور جلد وغیرہ پر حملہ کرتا ہے۔ جس کے سبب فوطے، دماغ اور جگر وغیرہ مبتلائے مرض ہوجاتے ہیں۔ آخر کو جلد عضلات کے پھیپھڑے اور استخواں کے ٹکڑے گل کر اخراج پاتے ہیں۔

حکیم صاحب موصوف بھی آتشک کو آبلہ فرنگ کہہ کر فرنگی مرض کہتے ہیں اور تسلیم کرتے ہیں کہ نویں صدی تک یہ مرض جزائر فرنگ تک محدود تھا۔ بعدازاں عرب ممالک میں ظاہر ہوا۔ جہاں پر اس کو ارمنی دانہ اور نار فارسی کہتے ہیں اور یہی وجہ بیان کرتے ہیں کہ اس کا نام کتب طبیہ میں نہیں ہے، لیکن وہ اس امر کو بھی مانتے ہیں کہ بعض اس کی ابتداء عہد سکندری سے شمار کرتے ہیں۔ اور دلیل میں بثور غریبہ و نفاطات کو آتشک میں شامل کرتے ہیں۔ لیکن یقین کے ساتھ اس مرض کی ماہیت اور حقیقت پر روشنی نہیں ڈالتے۔ البتہ اس مرض میں آتش و جلن اور سوزش و آبلہ وغیرہ کی صورتیں بیان کرتے ہیں اور یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ اس مرض کا اثر اعضائے مخصوصہ اور خصیوں پر ہوتا ہے اور یہ مرض امراض خبیثہ میں شمار ہوتا ہے۔

آتشکی مادہ کی تلاش

لیفٹیننٹ کرنل ڈاکٹر بھولا ناتھ سفلس کا تعین کرتے ہوئے اپنی کتاب ''علم و عمل طب'' کے صفحہ 481 پر لکھتے ہیں: ''بعض لوگوں کا خیال ہے کہ نار فارسی، آبلہ فرنگ آتشک اور جمرہ کا بیان جو طب یونانی کی کتابوں میں پایا جاتا ہے، وہ بھی سفلس ہے۔ یہ بالکل غلط ہے، نار فارسی کی علامات مندرجہ ذیل ہیں:

آن بز باشد پر از آب رقیق۔ شدید الحرقۃ و کثیر الحکۃ۔ چون بر آید بزودی خشک گردد و خاصہ ویست کہ چوں ظاہر خواہد شد نخستین در بدن لحیکہ بر آید۔ خط ہائے سرخ طاوسی پدید آید ہمچوں زبانہ آتش بثور ظہور نماید و این را شر آتشک بعض آن را مترادف جمرہ خوانند و علامات او آنست کہ باملہ و تلہب مفرط باشد و ہمچوں آبلہ زرد خشک ریشہ آرد۔ (محمد اکبر ارزانی)

فقال القرشی: ''الجمرة بالجیم و نار فارسیة یقال ذلك لكل بثره اكالته منفطه محترقه محرقه للحشریشه و ریما حصب النار فارسیه لما كان بلثومن جنس التملته في سعي و تنفيط من مادة صفراويه و قليته تالتعفن والسوداء ولا

جمره بما بسوداء بحد معه من غير رطوبت و تكون كثير السودا غليظ نا ملصته قليل الصود".

یونانی کتابوں میں پانچ قسم کی بثور غریبہ بھی بیان کی گئی ہیں۔ جن کی مختصر تشریح مندرجہ ذیل ہے:

① **ذات الاصل**: آن خوردو سپید و سخت بیخ بود مانند غدود مشرفۃ الروءس و قلیل الالم و غیر النضج و از بثور اندک ریم ترشح نماید۔

② آ نکہ خورد و سرخ و سخت و بے درد باشد و منتقل بود یعنی در یک موضع ظاہر شد و باز از آنجا پہناح شود۔ دور جائے دیگر بر آید زمانی طویل بایند۔

③ **شلم**: بثر ہائے طلب و در روئے و رخسار پدید آید و قوای و مقدار در روئے سرخ گرد و دو مادہ دے خون فاسد تیر است۔ لہٰذا اگر در علاج او دیر کنند، بثور مذکور منتمش شوند و تمام روئے را مشتمل گرداند۔

④ **ثبور الاصداغ**: بثر ہائے بزرگ شبیہ بہ و ماميل خورد یہ اصداغ ظاہر شوند و خاصہ ویست کہ پختہ نہ گردد۔ اما متسرخی باریک و سرخ شود و آ نکہ شگافند غیر از خون غلیظ چیزے دیگر بر بناید۔

⑤ **ثبور القفا**: بثر ہائے شبیہ الاصداغ در پس گردن عارضی شوند و فرق در ثبور الاصداغ و قفا آنست کہ ثبور کثیر العدد باشد و وجع شدید دارد و نجات از اں کمتر متوقع شود و سبب او خون تیز است کہ در مجاری نخاع در آمدہ چیزے دیگر بر بناید۔

مفصلہ بالا علامات کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ ان امراض میں ایک بھی سفلس نہیں ہے۔ مثلاً جلن، سوزش وزرد پانی کا جانا اور خشک ریشہ جو نار فارسی آتشک اور جمرہ کی علامات بیان کی ہیں، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی جلد یا مقامی مرض سے مراد ہے، غالباً مصنف اگزیما کے بارے میں بیان کر رہا ہے۔ سفلس میں یہ علامات نہیں پائی جاتیں۔ ذات الاصل بھی سفلس نہیں ہو سکتا۔ شلم کی علامات ایکنی سے ملتی ہیں۔ بثور الاصداغ اور بثور القفا میں بائل اور کاربنکل میں مغالطہ کر دیا ہے۔ آبلہ فرنگ کی چار قسمیں ہیں:

ا۔ خونی علامات

گرانی سر و امتلاء و انتفاخ رگہا و شرائن، شیرینی دہن، گرانی خانہ ہائے چشم، سرخی رو، ثقل اعضاء، درد بندگاہ و رنگ دانہ ہا مائل بہ سرخی بدن و تہ اد سرخ نمودن خشونت در حلق و عظم نبض و سرخی و غفلت در قارورہ پدید آمدن۔

۲۔ صفراوی علامات

زردی و لاغری رو و بدن، تلخی دہن، تشنگی و بے خوابی خشکی بینی و زبان، سرعت نبض، غلظت و سرخی قارورہ و خیالات در پیش چشم آمدن و رنگ جوشش مائل بہ زردی بودن و ایں جوشش با سوزش باشد و زرد آب از و بسیار رود۔

۳۔ بلغمی

درد بند ہا، سردی جلد، بسیاری خواب، سپیدی بول، رنگ جوشش بہ سپیدی مائل بودن و گرد جراحت سپید سوزناک بودن و رطوبات و زرد آب رواں شدن از جراحت و از بینی و زبان آب آمدن، سر و چشم گراں بودن و ہوائے سردہ از چیز ہائے سرد متاذی گشتن۔

۴۔ سوداوی علامات

گرانی و خشکی رو، بے خوابی و تیرگی رو و بدن و رقت و بطو نبض۔ سفیدی بول و خشکی چشم و بینی و خیالات و افکار فاسد۔ رنگ جوشش مائل بہ سیاہی بودن و خشکی بر جراحت غائب نمودن و ایں مرض دیر پائے شود۔

اس بیان سے بھی شک دور نہیں ہوتا۔ علامات کی اتنی لمبی چوڑی فہرست میں فقط تین علامات ایسی ہیں جو سفلس کی علامات ہو سکتی ہیں اور

خیالات وافکار فاسدہ آب از بینی دہن آمدن، گرانی، خشکی اور بے خوابی وغیرہ سفلس کی علامات ہرگز نہیں ہوسکتیں۔ علاوہ اس کے نہایت ضروری بات مصنف نے یہ نہیں لکھی کہ جس مرض کو آبلہ فرنگ بیان کیا گیا ہے، اس کا مقامی زخم سے بھی کوئی تعلق ہے۔ البتہ آبلہ فرنگ کے علاج میں جو سیماب کو کئی صورتوں میں استعمال کیا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آبلہ فرنگ درحقیقت سفلس تھا۔ بہرکیف یہ مرض جدید ہے اور پندرھویں صدی سے پہلے موجود نہ تھا۔ یا کم از کم اس مرض کا ذکر پندرھویں صدی سے پہلے کی تصانیف میں نہیں پایا جاتا۔

آتشکی مادہ سے بے خبری

لیفٹیننٹ کرنل ڈاکٹر بھولا ناتھ نے یہ ثابت کرنے کے لئے کہ سفلس ایک جدید مرض ہے اور فرنگی طب کی تحقیق ہے۔ طب قدیم کی تمام امراض اور علامات کو دیکھ ڈالا ہے، بلکہ خوب چھان بین کی ہے۔ مگر ان کو سفلس کی قابل قدر علامات نہیں ملتی ہیں۔ اگر تین چار علامات ملی بھی ہیں تو ان کو دیگر امراض سے مشابہت کے تحت نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ لیکن حیرت کی بات ہے کہ یہ تمام علامات تو رہیں ایک طرف، ان علامات کی طرف بھی غور نہیں کیا گیا جن کو امراض کا نام دیا گیا ہے۔ اور ان میں سفلس کی غالب صورتیں ظاہر ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جمرہ، نار فارسی، آتشک اور آبلہ فرنگ پر غور کیا جائے تو یہ تمام سفلس پر روشنی ڈالتے ہیں اور ان کی خاص علامات جیسے بثور، بثوہ انگارہ کی سرخی و جلن نار و آتش اور آبلہ وغیرہ، یہ سب آتشکی مادہ پر دلالت کرتے ہیں۔ یاد رکھیں کہ بثور و آبلہ اور پھوڑہ و پھنسی میں زمین و آسمان کا فرق ہے، جو اہل فن اور صاحب علم ان میں طبیعاتی کیمیائی اور مادی طور پر فرق سمجھ سکتے ہیں۔ وہ سفلس اور آتشکی مادہ کو خوب سمجھ سکتے ہیں جن کی تشریح ہم آئندہ اپنے مقام پر بیان کریں گے۔ کسی مرض کے سبب کو جاننا ہی اس کی حقیقت کو سمجھنا ہے۔

آتشک کے اسباب:

معمول احمدیہ میں آتشک کے اسباب اس طرح تحریر ہیں: ''اس کی پیدائش حار مزاج کثیر الفساد اخلاط عورتوں کی صحبت سے ہوجاتی ہے اور ان کی مباشرت سے آتشک کا سریع السرایت مادہ خون میں داخل ہوجاتا ہے جس کی سمیت سے مردوں کے خصیے، نائزہ اور عورتوں کی اندام نہانی اور فم رحم پر زخم پیدا ہوجاتا ہے۔ اگر مریضہ آتشک کا دودھ تندرست بچہ کو پلایا جائے تو بچہ کو بھی آتشک ہوجاتا ہے، مبتلائے آتشک بچہ کے دودھ پینے سے مریضہ کے پستانوں پر، آتشک والی زچہ کی قابلہ کی انگلیوں پر یہ مرض ہوجاتا ہے۔ مریض کے مواد زخم، تھوک، دودھ وغیرہ حتیٰ کہ اس کے بستر پر لیٹنے سے بھی یہ مرض ہوجاتا ہے۔ آتشک والے بچہ کے مواد سے ٹیکا لگانا موجب ظہور مرض ہوجاتا ہے۔ مگر وہ شخص جس کے جسم میں آتشک کی علامات موجود ہوں، تندرست عورت کے ساتھ مباشرت کرے تو اس کے اعضائے تناسل پر کوئی نشان زخم وغیرہ کا پایا جائے تو بچہ آتشک کی جسمی علامات میں مبتلا پیدا ہوگا۔ یہ مرض موروثی بھی ہے۔ غرض کہ آتشک کا مواد خواہ کسی طور سے لگے ہر جگہ اپنا اثر ضرور پیدا کرتا ہے۔

اس کی بیخ کنی کی نسبت بحث طویل ہے اور بڑی بڑی دقتیں پیش آتی ہیں۔ لیکن اس کے زہر کی سرایت سے زخم ظہور میں نہ آئیں اور نہ غدد جاذبہ متورم ہوں اور علاج بھی معقول طور پر کیا جائے تو بے شک زہر کا اثر معدوم ہوسکتا ہے۔ مگر جب زخم موجود ہوں اور زہر کی سرایت غدد جاذبہ تک پہنچ جائے تو اس کا نیست و نابود کرنا محال ہوجاتا ہے۔

علم و عمل طب میں آبلہ فرنگ (سفلس) آتشک حقیقی کے اسباب میں اس طرح تحریر ہیں: ''اس کا باعث ایک قسم کا جرم ہے جس کو سپائرو چیٹا پیلڈا کہتے ہیں۔ یہ حیوانی مادہ ہوتا ہے''۔

آبلہ فرنگ (سفلس) آتشک کی دو اقسام ہیں:

① **خود حاصل کردہ:** یعنی وہ مرض جو مریض کو اپنی بداعمالی کی سزا میں ملتا ہے۔

② **موروثی:** جو بچہ کو اپنے والدین کی بدافعالیوں سے ورثہ میں ملتا ہے۔

✿ خود حاصل کردہ آبلہ فرنگ کئی طرح سے ہوسکتا ہے: ① جماع سے زخم اعضائے تناسل پر بنتا ہے۔ ② مریض بچوں اور عورتوں کا منہ چومنے سے۔ ③ مریضوں کے جھوٹے برتن میں پانی پینے یا ان کے ساتھ حقہ اور سگریٹ پینے سے زخم ہونٹوں اور زبان پر پیدا ہوتا ہے۔ ④ ڈاکٹر اور قابلہ جو آبلہ فرنگ کے مریض زچہ کے وضع حمل میں معالج ہوتے ہیں، ان کی انگلیوں پر زخم ہو جاتا ہے۔

✿ موروثی: ① مرض والے بچہ کو اگر تندرست دایہ دودھ پلائے تو اس کے پستانوں پر زخم واقع ہوگا۔ ② کند پچکاری یا دوسرے آلات جو مریضوں پر استعمال کئے جانے کے بعد تندرست آدمیوں کے کام میں لائے جاتے ہیں، ان کے ذریعہ بھی مرض تحویل ہو جاتا ہے۔ ③ مرض والے بچہ کا مواد لے کر تندرست بچوں کو چیچک کا ٹیکہ لگانے سے بھی مرض تحویل ہو جاتا ہے۔

خزائن الطب جدید مصنفہ ڈاکٹر محمد نصیر الدین میں آتشک (سفلس) کے اسباب اس طرح تحریر ہیں: ”1906ء میں شاڈن (Schaudian) نے اس کو پیدا کرنے والے جراثیم بڑی کوشش سے دریافت کئے تھے، جن کا نام ٹریپو نیمو پیلیڈیا (Trepo Nemu Pallidia) مشہور ہو گیا۔ مگر فی زمانہ جرثومہ مذکور کو سپائروچیٹا پیلیڈیا کہتے ہیں۔ مگر بعض وجوہ کی بنا پر اس کا نام سپائروچیٹما پیلیڈم بھی مشہور ہے۔ یہ ایک بلدار حلزونیہ قسم کا نہایت ہی مہین اور نازک جرثومہ ہے، جس کا رنگ سفید قدرے سیاہی مائل بہ نیلگوں ہوتا ہے۔ برمے کی مانند اس میں بل ہوتے ہیں۔ اس کی لمبائی آٹھ سے دس مائیکرو ملی میٹر ہوتی ہے۔ ایک جگہ سے دوسری جگہ حرکت کرنے میں بہت سست ہوتا ہے۔ ایک درجہ سینٹی گریڈ کی حرارت پر تلف ہو جاتا ہے۔ یہ جرثومہ فلٹر سے نہیں گزر سکتا۔

دیگر اسباب

اس کے جسم میں داخل ہونے کا عام طریقہ جماع ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ مجامعت کے وقت مریض کے اعضائے تناسل پر چھیلن یا زخم موجود ہوں، بلکہ اس کا زہر جلد اور پردہ مخاطیہ میں بغیر زخم اور چھیلن کے بہ آسانی سرایت کر سکتا ہے۔ پردہ مخاطیہ پر خصوصیت سے اس کا اثر ہوتا ہے۔ اس مرض کے جراثیم زخموں کو مندمل ہونے کے بعد بھی منی میں موجود ہوتے ہیں۔ مرض سے شفایاب ہو جانے کے دو سال بعد تک اس مرض سے تندرست کو چھوت لگنے کا احتمال ہوتا ہے۔ مگر بعض اوقات پانچ سال بعد بھی یہ مرض سرایت کر سکتا ہے۔ اس میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں کہ جنین کی بہت مدت گزرنے کے بعد بھی اپنی ماں کا متعدی اثر پہنچ سکتا ہے۔ پس اس میعاد کو محدود نہ سمجھنا چاہئے۔ بعض اوقات بہت مدت کے بعد بھی جراثیم مریض کے خون میں موجود ہوتے ہیں۔ مگر اس متعدی چھوت کا وقت وہ ہے جب مریض کے جسم پر پرائمری سفلیٹک سور (ابتدائی آبلہ فرنگ) موجود ہو۔ نیز دوسرے درجہ کے آغاز کا زمانہ بھی سخت متعدی اور خطرناک ہوتا ہے۔ مرض کو جس قدر زیادہ مدت گزرتی جاتی ہے، اسی قدر دشواری سے جراثیم ملاحظہ میں آتے ہیں۔

اس کے سرایت کرنے کا باعث تو مجامعت ہی ہے۔ مگر بوسہ لینے یا مریض کے بستر پر سونے سے، اس کے جھوٹے برتنوں میں کھانے سے، اس کا حقہ سگریٹ پینے سے پرائمری سفلیٹک سور (ابتدائی آبلہ فرنگ) بجائے اعضائے تناسل کے ہونٹوں پر برآمد ہوتے ہیں۔ جن کو ایکسٹرا جینیٹل شینکر (Extra genital chancer) کہتے ہیں۔

بعض اوقات مریض باد فرنگ کی مستعملہ جونکیں یا انجکشن تندرست آدمی کو لگانے سے بھی ابتدائی زخم جونکوں یا انجکشن کے مقام پر پیدا ہو

جاتا ہے۔کبھی کبھی مرضِ آتشک میں مبتلا حاملہ کے بچہ جنتے وقت دایہ بھی غفلت کے باعث اس مرض میں مبتلا ہوسکتی ہے۔مگر 95 فیصدی یہ مرض قحبہ خانے (چکلہ) کے چکر لگانے والے اوباشوں کو ہوتا ہے،جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ قدرت نے بدافعال لوگوں کو قبیح افعال سے باز رکھنے کے لئے اس مرض کو بطورِ سزا،عذاب اور قہر کا نشانہ بنایا ہے۔یہ سزا نہ صرف اس کی ذات تک ہی محدود رہتی ہے بلکہ آئندہ نسل تک اس کا متعدی اثر ظاہر ہوتا ہے،جو عبرتناک ہے''۔

''حاذق''،اشاعت اٹھارویں،بار 1938ء از افادات جناب مسیح الملک حکیم حاذق محمد اجمل خاں صاحب مرحوم میں آتشک کے اسباب اس طرح تحریر ہیں:''چونکہ یہ مرض متعدی ہے،اس لئے آتشک میں مبتلا مریضوں کے ساتھ صحبت کرنے سے اور ان کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے اور کھانا کھانے سے یا ایسے مریضوں کا جھوٹا پانی پینے سے یا حائضہ عورتوں کے ساتھ یا فاحشہ عورتوں اور طوائفوں کے ساتھ مباشرت کرنے سے یہ مرض پیدا ہوتا ہے۔بعض دفعہ ایسے مریضوں اور تندرست اشخاص کے ایک جگہ پیشاب پاخانہ پھرنے سے بھی یہ بیماری ہو جاتی ہے۔بہر حال اس بیماری کا زہریلا اثر جسم میں سرایت کر کے اخلاط اور خون کو جلا کر سودائے محترق بنا دیتا ہے اور یہ فاسد اخلاط اور خون جسم میں رہ کر بیماری کا باعث ہوتے ہیں۔

''علاج بالمفردات'' 1939ء از جناب شمس الاطباء حکیم ڈاکٹر غلام جیلانی صاحب کے صفحہ 297 پر آبلہ فرنگ یعنی آتشک کے متعلق یوں تحریر ہے:''بقول بعض یہ مرض قدیم ہے اور بثور غریبہ سے مؤلفین کی یہی مراد ہے۔بعض کہتے ہیں کہ جمرہ اور نار فارسی کی ایک قسم ہے۔عام طور پر یہ بیان کیا جاتا ہے کہ یہ مرض نیا ہے،جو چار پانچ سال سے جزائر فرنگ میں ظاہر ہو کر اب تمام بلاد میں پھیل گیا ہے۔اس لئے اطبائے قدیم کی کتابوں میں اس کا ذکر موجود نہیں ہے۔بہر حال یہ مرض متعدی اور مسہری (سرایت کرنے والا) ہے۔اس کے اسباب دیگر امراض کی طرح اخلاط اربعہ سے وابستہ ہیں۔مگر اس کی ہر نوع میں سودا کے آثار ضرور پائے جاتے ہیں۔بعض دفعہ اس کا مادہ تنہا سودا بھی ہوا کرتا ہے۔اس کے حادث ہونے کا سب سے بڑا سبب اس مرض کی عورتوں سے جماع کرنا ہے۔بعض اوقات ایسے مریضوں کے ساتھ باہم کھانے پینے اور اٹھنے بیٹھنے سے بھی لاحق ہو جایا کرتا ہے''۔

اصل سبب سے لاعلمی

آبلہ فرنگ (سفلس) آتشک کے متعلق جس قدر بھی اسباب لکھے گئے ہیں۔ان میں اس کو متعدی اور مسہری مرض قرار دیا گیا ہے،جو چھوت چھات سے ہو جاتا ہے اور اس کو جدید فرنگی مرض کہا گیا ہے۔تقریباً ہر کتاب میں ایسا ہی لکھا ہے۔البتہ یونانی کتب نے ضرور تسلیم کیا ہے کہ مرض پیدا ہونے کے بعد جو اخلاط اور خون کو جلا کر سودا محترق بنا دیتا ہے،مگر سوائے چھوت چھات کے اس مرض کا اور کوئی سبب بیان نہیں کیا۔سوال پیدا ہوتا ہے کہ چھوت چھات کے سوا اور بھی کوئی صورت پیدا ہو سکتی ہے یا نہیں۔مثلاً (۱) موسم (۲) کوئی غذا (۳) کوئی دوا (۴) کوئی زہر۔یعنی چھوت چھات کے علاوہ کوئی مادی اثر بھی ہے،جو یہ مرض پیدا کر دیتا ہے اور کوئی ایسا سبب کسی نے بیان نہیں کیا۔البتہ کرنل بھولا ناتھ کے تاریخی پس منظر سے یہ ضرور معلوم ہوتا ہے کہ کولمبس جب اپنے سمندری سفر سے واپس آیا تو اس کے ساتھیوں میں یہ مرض پایا جاتا تھا۔ظاہر ہے کہ اس کے ساتھ نہ ہی عورتیں تھیں اور نہ ہی جانے سے قبل کسی کو یہ مرض تھا۔اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ سمندر کی نمکین رطوبت نے ان میں یہ مرض پیدا کر دیا تھا۔یہی اس کی تحقیقات کی ابتدا ہے۔

آتشک ایک مزمن عفونت ہے

ڈاکٹر جیمز ٹائلر کینٹ کی کتاب ''لیکچرز آون ہومیو پیتھک فلاسفی'' جس کا ترجمہ جناب سید عنایت حسین صاحب بخاری ایم اے ہومیو پیتھ نے کیا ہے۔ اس کتاب کے عنوان ''علم وفن'' کے تحت صفحہ 216 پر ڈاکٹر موصوف بیان کرتے ہیں: ''بنی نوع انسان میں تین مزمن عفونتیں پائی جاتی ہیں۔ جنہیں سورا، آتشک اور سائیکوسس کہا جاتا ہے۔ اس کا بیان آگے آئے گا۔ سب سے بڑی اور دشوار مزمن مرضیاتی حالتیں وہ ہوتی ہیں جن میں یہ تینوں عفونتیں باہم مخلوط پائی جاتی ہیں یا ان تینوں کے بعض حصوں یا حالتوں کو دواؤں کے غلط اور بے احتیاطی کے استعمال سے اور پیچیدہ بنا دیا جاتا ہے۔ ایسی صورتوں میں جب دوائیہ اثرات رفع کئے جا چکیں تو اصل عفونتوں کے مطالعہ ومشاہدہ کا سوال پیدا ہوتا ہے۔ لیکن اکثر مریضوں میں یہ عفونتیں دوائیہ اثرات کے تحت پیچیدہ بنا دی جاتی ہیں۔ اس لئے جب کبھی مزمن مرض سے واسطہ پڑتا ہے تو ساتھ ہی مزمن دوائیہ اثرات سے بھی نپٹنا پڑتا ہے اور ان دواؤں کی قوت حیات پر جو اثرات مرتب ہوتے ہیں ان کا مطالعہ کرنا اور جائزہ لینا پڑتا ہے۔ میری رائے تو یہ ہے کہ پرانے وقتوں میں جب مسہلات، فصد، قے آور ادویات، بے حس کر دینے والی اشیاء اور شدید پسینہ لانے والی چیزوں کا استعمال وغیرہ امور رائج تھے، انسان کو صحت کے لحاظ سے اس درجہ تباہ وبرباد نہ کیا گیا تھا جس قدر آج کل انسان کو امراض کے حوالے کر دیا گیا ہے اور اس کے جسم کو پارہ پارہ کیا جا رہا ہے۔ ان دنوں مریض تیز جلابوں اور شدید قے آور دواؤں کے ذریعے پیٹ کی صفائی کے بعد اپنے آپ کو بہتر محسوس کرنے لگتا تھا اور ان کے اثرات ایسے نہ ہوتے تھے جنہیں وہ اپنے ساتھ قبر میں لے جاتے تھے۔ لیکن آج کل تو ان کی نسبت دواؤں کی کم مقدار خوراک جو کیمیائی ذرائع سے زیادہ مرتکز اور مختصر بنالی گئی ہے، اپنے مضر اثرات کو جسم پر مسلط کر دیتی ہے اور آہستہ آہستہ اپنی مزمن علامتیں جسم میں پیدا کرتی رہتی ہیں۔

ان ایلوپیتھک دواؤں کے متواتر استعمال سے ایک عجیب خوفناک صورت پیدا ہوگئی ہے، جو طبی تاریخ میں کبھی نہ پائی جاتی تھی۔ اب تو ان کی متعدد خوراکوں کے ذریعے انتہائی ضرر رساں حالت پیدا کی جاتی ہے۔ سلفانل جیسی ہلکی دوائیں بھی اپنی مزمن علامات پیدا کرنے کے لئے کئی مہینے کا تقاضا کرتی ہیں اور نہایت ہی ضرر رساں دوائیں ہیں۔ ان سے تیز اور شدید دواؤں کا تو کیا کہنا اور کیا ٹھکانا، وہ تو ایک مصیبت ہیں، جسے بنی نوع انسان پر مسلط کر دیا گیا ہے۔ یہ سست رفتار مگر انتہائی تیز اور عمدہ مرکبات ومفردات کچھ اس طرح کیمیائی طور پر تیار کئے جاتے ہیں کہ ابتدائی عمل میں تو نرم اور ہلکے ہوتے ہیں، لیکن ثانوی عمل میں اور بعد کے بداثرات کے اعتبار سے انتہائی شدید اور مضر ہیں۔

ڈاکٹر ہانمن نے اپنے دور میں یہ بیان دیا تھا کہ وہ مزمن امراض نہایت مضر اور اذیت رساں ہیں، جنہیں دوائیہ بداثرات کے ساتھ شامل کر کے مزید پیچیدہ اور خوفناک بنا دیا جاتا ہے۔ دردسر اور نزلہ وزکام کے لئے چھوٹی چھوٹی خوبصورت مگر ضرر رساں ٹکیاں اپنے ابتدائی عمل میں تو ہلکی اور خفیف ہوتی ہیں، لیکن ثانوی عمل یا آخری اثرات کے اعتبار سے انتہائی مضر اور خوفناک بنا دیا گیا ہے''۔

مندرجہ بالا بیان سے ظاہر ہے کہ ایلوپیتھی طریقہ علاج میں جب آتشک کا علاج کیا جاتا ہے تو آتشکی مادہ جو ایک زہریلی عفونت ہے۔ زہریلی ادویہ کے استعمال سے اس زہر کو اور بھی پیچیدہ بنا دیا جاتا ہے اور جب تک ان زہریلی ادویہ کے اثرات ختم نہ ہوں، اس وقت تک اصلی آتشکی زہریلا مادہ سامنے نہیں آتا جس کے بغیر وہ قابل علاج نہیں ہے۔ یعنی اس کی صحیح صورت میں ہی اس کے لئے صحیح ادویہ سے آرام ہوسکتا ہے۔

یہ بات ذہن نشین کر لیں کہ ہومیوپیتھی میں ہر مرض کے لئے وہی ادویات استعمال کی جاتی ہیں، جو تندرست انسان میں وہ علامات پیدا کر دیں جو کسی مرض میں پائی جاتی ہیں۔ علامات کی صحیح دوا ہی اس مرض کا علاج ہوسکتا ہے، اس نظریہ کے تحت اگرچہ ہومیوپیتھی میں امراض کی بحث نہیں کی جاتی۔ لیکن اگر تحقیقات کی نظر سے دیکھا جائے تو یقین کرنا پڑتا ہے کہ جن ادویہ کو ہومیوپیتھک طریقہ علاج میں شفا کے لئے استعمال کیا جاتا

ہے، وہی ادویہ کے اسباب بھی بن سکتی ہیں۔یہی صورت آتشک میں بھی پائی جاتی ہے۔

ہومیوپیتھی کی جن ادویہ میں آتشک کی علامات پائی جاتی ہیں ان میں آتشکی زہر (The Syphilitic Virus) کو بھی دوا کے طور پر استعمال کیا گیا ہے، جس کا نام سفیلینم (Syphilinum) ہے۔اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ہومیوپیتھی بھی چھوت کو تسلیم کرتی ہے۔

بہرحال ہمیں یہاں آتشک کے ان اسباب سے بحث ہے جن سے انسانی جسم میں زہر خود بخود کسی مادہ میں عفونت سے پیدا ہوتا ہے۔ پھر وہ چھوت بن کر دیگر انسانوں کے لئے باعث تکلیف اور مرض کا سبب بن جاتا ہے۔ذیل میں ہم ہومیوپیتھی کی ان ادویات کو تحریر کرتے ہیں جن سے آتشک کی علامات پیدا ہوتی ہیں۔گویا یہ ادویہ بھی آتشکی زہر پیدا کرتی ہیں۔

ہومیوپیتھی میں پہلے درجہ کی ادویات

نائٹرک ایسڈ: پارہ کا کثرت سے استعمال کیا گیا ہو اور اصلی زخم یا گلٹی کے آس پاس مہاسے نکل آئیں۔

گوائیکم: اگر زخم پر گلٹی جلد مندمل نہ ہوتی نظر آئے اور گھونگٹ میں ورم ہو۔

مرکیورلیس وائیوس: ابتدائی درجوں کے لئے بہترین دوا ہے اور جہاں مرض شدید ہو، زخم ہو جائیں یا گلٹی نکل آئے وہاں کام آتی ہے۔

اس امر کو پھر ذہن نشین کر لیں کہ ہومیوپیتھی میں جن علامات کے لئے جو ادویہ استعمال کرائی جاتی ہیں، وہی ادویات ہوتی ہیں جو ایک تندرست انسان میں زیادہ سے زیادہ کھلانے سے وہی علامات پیدا کر دیتی ہیں۔تندرست انسان کا تصور ذہن میں رکھیں، یعنی ایسا انسان جس کے جسم میں نہ کسی قسم کی سوزش ہو اور نہ ہی خون میں کسی قسم کے جراثیم کا اثر ہو تاکہ ادویات کھلانے کے بعد صحیح طور پر صرف اسی کی ذاتی علامات ظاہر ہوں۔تندرست انسان کے تصور پر تاکید صرف اس لئے لگائی گئی ہے کہ ہم نے یہ ثابت کرنا ہے کہ آتشک صرف چھوت کا مرض نہیں ہے، بلکہ بغیر چھوت کے دیگر کیفیاتی ونفسیاتی اور مادی اثرات سے بھی پیدا ہو سکتا ہے۔

ہومیو پیتھی میں دوسرے درجہ کی ادویات: آتشک کے دوسرے درجے میں ہومیوپیتھی کی مندرجہ ادویات استعمال ہوتی ہیں:

مرک کار: جب حلق اور منہ میں درد ہو۔

مرکیورس آئیوڈیٹس فلیوس: جب دانے نکل آئیں۔

کالی آئیوڈائیڈ: جب حلق میں درد ہو اور دانے نکل آئیں۔

بربرلیس اکوی فولیم: جب کمزوری کے ساتھ آتشک کی شکایت ہو۔

مزریم: جب رات کے وقت ہڈیوں میں درد ہو۔

گریفائٹس: جب آتشکی چنبل اور مندمل نہ ہونے والا زخم ہو۔

کالی بائی کرومیم: جب زبان میں چنبل اور زخم ہو۔

ہومیوپیتھی میں تیسرے درجہ کی ادویات: آتشک کے تیسرے درجے میں ہومیوپیتھی کی مندرجہ ذیل ادویات استعمال ہوتی ہیں:

کالی آئیوڈائیڈ: جب جسم کے اندرونی اعضاء میں آتشکی گومڑ ہوں۔

آرم مٹیلیکم: جب ہڈیوں میں درد یا زخم ہوں اور ڈھیلے بڑھ جائیں۔

فلورک ایسڈ: جب زبان اور حلق میں تکلیف ہو۔

نائٹرک ایسڈ: جب مقعد میں آتشکی زخم ہوں۔

آتشکی مادہ کے تحت دیگر علامات

آتشکی مادہ کے تحت کمی بیشی کے ساتھ سینکڑوں دیگر علامات ہیں جن کو ہومیو پیتھی نے آتشک سے جدا جدا بیان کیا ہے، مگر آتشکی مادہ کے ساتھ ان کا کوئی ذکر نہیں کیا۔ خصوصاً اعصاب میں تیزی کی علامات مثلاً: قے، ملیریا اور بعض دیگر بخار، ضعف جگر، دل کا بڑھ جانا اور بلغمی دمہ وغیرہ۔ ہومیو پیتھی کی کوئی کتاب ایسی نہیں ہے۔ جس نے ان تمام علامات کو اکٹھا کر دیا ہو جو آتشکی مادہ سے پیدا ہوتی ہوں۔ اگر ایسا ہو جاتا کہ جسم انسان کی تمام علامات کو (۱) سفلس (۲) سورا (۳) سائیکوسس کے تحت تقسیم کر دیا جاتا تو ہومیو پیتھک طریق علاج میں اختصار پیدا ہو جاتا، جس سے تشخیص اور علاج میں آسانی ہو جاتی۔ ہم مسرت سے اعلان کرتے ہیں کہ ہم نے تمام جسم کی علامات کو اعصابی، غدی اور عضلاتی انسجہ کے تحت تقسیم کر کے شائع کر دیا ہے۔ جس سے معالج کے لیے بے حد سہولتیں پیدا ہوگئی ہیں۔

آتشکی زہر کی علامات

ہومیو پیتھی میں آتشکی زہر (The Syphilitic Virus) کو کھلا کر بھی علامات حاصل کی جاتی ہیں اس دوا کو سفلینیم (Syphilinum) کہتے ہیں۔ یہ دوا آتشک کے جرم سے تیار کی جاتی ہے۔ لطف کی بات یہ ہے کہ اس دوا کو آتشک کے علاوہ دیگر امراض میں بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ مگر ان علامات کو آتشکی زہر کے تحت شمار نہیں کیا جاتا۔ یہی وجہ ہے کہ شفا پر معالج مکمل دسترس نہ رکھنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

آتشکی زہر کے باعث جو شکایات پیدا ہو جاتی ہیں، ان کی علامات درج ذیل ہیں: تمام شکایات رات کو ترقی کرتی ہیں۔ درد شام کو شروع ہوں اور پو پھٹنے تک رہیں۔ درد آہستہ آہستہ بڑھیں اور پھر بتدریج کم ہوتے جائیں۔ بھالا مارنے والے درد جو دل کے میانہ سے شروع ہو کر نچلے سرے تک جائیں اور رات کو زیادہ ہو جائیں۔ عصبی درد سر رات کو نیند نہ آئے اور ہذیان ہو جائے۔ درد چار بجے شام سے شروع ہو کر دس گیارہ بجے رات تک بہت زیادہ ہو جائیں۔ پھر آہستہ آہستہ کم ہوتے جائیں۔ حتیٰ کہ پو پھٹنے تک غائب ہو جائیں۔ پیدائشی آنکھ دکھنے (شدید رمد مولودی) پپوٹے متورم اور سونے میں چپک جائیں۔ رات کو بڑے غضب کا درد ہو۔ خاص کر رات کے دو بجے سے پانچ بجے تک سخت تکلیف رہے۔ کیچ (گید) بکثرت آئے اور ٹھنڈے پانی سے دھونے سے آرام آئے۔

مزمن قبض

کئی سال سے لگاتار قبض ہو۔ مبرز میں سکڑا وپڑے ہوئے محسوس ہوں۔ اگر انیما کا استعمال کیا جائے تو ناقابل برداشت درد ہو۔ مقعد اور مبرز کا انشقاق، کانچ نکل آئے۔ خاندان میں آتشک کا مرض ہو۔ کندھے کے جوڑ یا عضلہ بازو کے شروع حصہ میں وجع المفاصل کے درد ہوں اور بازو کو اوپر اٹھانے میں درد زیادہ ہو۔ آتشکی مریض جنہوں نے آتشک کے زخم کا خارجی علاج کرایا ہو اور اس کے باعث ان کو حلق، جلد اور بدن کے امراض سالہا سال سے تنگ کر رہے ہوں۔ لیکوریا جب کہ پانی بافراط آئے اور رس رس کر مریضہ کی ہڈیوں تک جائے۔ شیاٹیکا (لنگڑی کا درد) جب کہ رات کو ہو اور دن چڑھے آرام آ جائے۔

ان علامات پر اس امر میں غور کرنے کی ضرورت ہے کہ کس شئی کی تحریک سے یہ علامات پیدا ہوتی ہیں۔ یہی دوا جن دیگر تکالیف میں استعمال کی جاتی ہے، ان کی علامات پر بھی اسی انداز میں غور کر لینا چاہیے۔ ان علامات کی تفصیل درج ذیل ہیں: ① درد آہستہ آہستہ بڑھیں اور بتدریج بڑھیں۔ مختلف مقامات میں حرکت کریں۔ مریض کو بار بار جگہ بدلنی پڑے۔ جسم پر ہلکے سرخ تانبے کے رنگ کے دھبے نمودار ہوں اور سردی لگنے سے نیلے ہو جائیں۔ ② رات کو بہت خوف آئے اور جاگنے پر اس قدر نقاہت ہو کہ مریض زندگی پر موت کو ترجیح دے۔ ③ حافظہ کمزور،

کتابوں، اشخاص یا جگہوں کے نام بھی یاد نہ رہیں۔ ④ ایک ایک کے دو دو نظر آئیں۔ ایک کے نیچے دوسری شکل نظر آئے۔ ⑤ **ریاضی کے سوالات حل کرنا مشکل ہو۔** ⑥ دانت مسوڑھوں کے پاس بوسیدہ ہو کر ٹوٹ جائیں۔ بدشکل، سرے دندانے دار، قدر میں چھوٹے اور سروں کے پاس جھک جائیں۔ ⑦ مریض شراب پینے کی خواہش کرے، سمیت سے موروثی شکایت۔ ⑧ ٹانگوں کے درمیان سرخی اور درد ہو۔ ⑨ وجع المفاصل کے دردوں کے دوران عضلات میں سخت گانٹھیں پڑ گئی ہوں۔ ⑩ موسم گرما میں دمہ کا پرانا عارضہ شروع ہو جائے۔ چھاتی میں سے سیٹی بجنے اور کھڑ کھڑانے کی آوازیں آئیں، آواز بیٹھ جائے۔ ⑪ کھانسی رات کو شدید اور خشک ہوتی ہے اور ہوا کی نالیوں کو چھونے سے درد ہو۔ ⑫ جسم پر سرخ بھورے رنگ کے داغ، ان میں سے بڑی سخت بدبو آئے، سخت نقاہت ہو۔

زیادتی مرض: غروب آفتاب سے لے کر طلوع آفتاب تک موسم گرما میں اور ساحل سمندر پر۔

کمی مرض: پہاڑوں پر، خشکی پر، دن کے وقت، آہستہ آہستہ حرکت سے۔

تطبیق: آتشکی علامات اور دیگر علامات جو آتشکی زہر سے پیدا ہوتی ہیں، دراصل وہ بھی آتشک کی علامات ہیں۔ کیونکہ ہم کو یقین ہے کہ ہم نے آتشکی زہر کھلا کر حاصل کی ہیں۔ اس لئے اگر ہم ان کا اشتراک معلوم کریں تو ہم آسانی سے اس نتیجے پر پہنچ سکتے ہیں کہ آتشکی زہر کا تعلق کس ٹشو کے ساتھ ہے۔ دوسری طرف ہمیں اس امر کا بھی یقینی علم ہو جائے گا کہ جو ادویہ بالخاصہ آتشکی زہر پیدا کرتی ہیں، ان کا باہم نوعی فرق کیا ہے۔ اس طرح آتشکی زہر کے زیر اثر اس کی تمام علامات اور ادویات ایک مرکز پر اکٹھی ہو جائیں گی۔ یہ طبی دُنیا میں ایک بہت بڑا انقلاب ہوگا۔

ہومیو آتشکی ادویات

ہومیوپیتھی میں جو ادویات آتشکی علامات کے لئے دی جاتی ہیں، دراصل وہی ادویات آتشک کے اصلی زہر ہیں۔ آتشکی مادہ یا آتشکی جراثیم سے جو آتشک کی علامات پیدا ہوتی ہیں، وہ آتشک کا اصلی زہر یا مادہ نہیں ہے۔ اس حقیقت کو ذہن نشین کر لینے کے بعد ہمارے سامنے تین کلیے قائم ہو جاتے ہیں:

① آتشکی ادویات کا باہمی اشتراک کیا ہے اور ان میں باہمی اختلاف کیوں ہے۔

② آتشکی ادویہ کس مفرد عضو (نسیج۔ٹشو) پر اثر انداز ہوتی ہیں۔

③ آتشکی ادویات کے اثرات اور علامات کی پیدائش میں کیا کیا تغیرات اور انتشار پیدا ہوتے ہیں۔ خصوصاً معمولی یا غیر معمولی اور خفیف و شدید بالکل اسی طرح مزمن و پیچیدہ علامات کی ترکیبات کیا ہوتی ہیں؟

ان کلی حقائق کے بعد ہم ایک طرف آتشک اور اس کی تمام ادویہ پر پورے طور پر حاوی ہو جائیں گے اور دوسری طرف اس مفرد عضو کے پورے تغیرات و ترکیبات پر عبور حاصل ہو جائے گا۔ اس طرح نہ صرف آتشک کی علامات میں ہم کو دسترس حاصل ہو جائے گی بلکہ وہ تمام علامات جن کا تعلق آتشک کے ساتھ ہے، ان کا بھی علم ہو جائے گا۔ اس طرح ہم تلاش ادویہ سے بچ جائیں گے اور یقینی و بے خطا علاج ہمارے سامنے ہوں گی۔ یہ طبی دُنیا میں ایک بہت بڑا انقلاب ہے۔

① **سی لینیم:** یہ ہومیوپیتھی کی ایک دوا ہے جو عام طور پر آتشک کے پہلے درجے میں دی جاتی ہے۔ غور کریں کہ جو علامات اس سے پیدا ہوتی ہیں ان کا تعلق کس عضو اور کس خلط سے ہے۔ یہ غور و فکر ہی علم الیقین ہے۔

علامات: بوڑھے اور ادھیڑ عمر کے اشخاص کی قوت میں کمی۔ غدہ قدامیہ کی سوزش۔ غدہ قدامیہ کا رس قطرہ قطرہ کر کے گرتا رہتا ہو۔ مریض خیالات شہوانی میں مستغرق رہے اور قوت باہ بالکل کمزور ہو۔ نامردی ہو لیکن مجامعت کی خواہش زیادہ ہو۔ سرعت انزال کے ساتھ ہی بڑی دیر تک کپکپی

رہے۔ خیزش ست اور ناکافی ہو۔ مجامعت کے بعد مریض کمزوری محسوس کرے۔ بدمزاج ہوجائے۔ بیٹھنے پر بوقت اجابت اور دورانِ خواب میں غدہ قدامیہ کارس قطرہ قطرہ گرتا رہے۔ قرحہ، منی پتلی اور بودار نکلے۔ دخول کے وقت قضیب ڈھیلا رہے۔ مجامعت کے لئے مریض دیوانہ ہو۔ مگر عملی طور پر ناکام رہے۔

پیشاب: چلتے پھرتے پیشاب کے قطرے خود بخود گرتے رہیں۔ پیشاب سرخ سیاہ اور تھوڑا آئے۔ موٹی ریت تہہ نشین ہو۔

پاخانہ: پاخانہ سخت، لمبا اور مبرز میں ایسا بھرا ہوا ہو کہ اس کے خارج کرنے کے لئے بیرونی مدد کی ضرور پڑے (ایلوز۔ کلکیریا۔ سیپیا۔ سلیشیا) تپ محرقہ یا دیگر مہلک امراض کے بعد قبض کا عارضہ ہوگیا ہو۔ رات کے وقت مریض کو بھوک لگے۔ سر، بھوؤں اور آلہ تناسل کے بال گرتے جائیں، شراب نوشی، عیاشی میں لیمونیڈ اور چائے پینے کے باعث ہر سہ پہر کو دردِ سر ہو۔ لیٹنے اور سونے کی زبردست خواہش موجود ہو۔ خاص کر موسم گرما میں۔ قوت آناً فاناً زائل ہوجائے۔

زیادتی مرض: موسم گرما میں، سونے کے بعد چائے نوشی سے۔

کمی مرض: ٹھنڈا پانی پینے اور سرد ہوا اندر کھینچنے سے۔

مخالف: چائنا، شراب۔

مصلح: اگنیشیا، پلسٹلا۔

تطبیق: اگر ان علامات پر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ عضوی (مشینی) طور پر عضلاتی اعصابی علامات ہیں۔ یعنی عضلات میں سردی کا اثر ہے۔ یعنی خشکی سردی غالب ہے اور کیمیائی طور پر سوداوی علامات ظاہر ہیں۔

اس امر کو ذہن نشین کرلیں کہ طب قدیم میں اخلاط کی صرف چار ہی صورتیں ہیں (خون و صفراء اور بلغم و سودا)۔ اس حقیقت سے انکار نہیں ہے کہ انسان کسی قسم کی غذا و دوا اور زہر کھائے، لیکن اخلاط میں چار کے علاوہ کبھی پانچویں خلط نہیں بنتی۔ البتہ ہر غذا و دوا اور زہر کے اخلاط میں کمی بیشی، تیزی و شدت، گرمی و سردی اور تری و خشکی وغیرہ ایک خاص درجہ میں ضرور پائی جاتی ہیں۔

اس کے ساتھ ہی اس حقیقت کو بھی ذہن نشین رکھیں کہ ہر خلط کی دو صورتیں ہوتی ہیں۔ اوّل خلط طبعی اور دوسری خلط غیر طبعی۔ طبعی اخلاط میں تو ہر خلط صرف ایک ہوتی ہے، لیکن غیر طبعی اخلاط میں ہر خلط کی متعدد صورتیں ہیں اور یہی صورتیں ان کی کیفیات میں کمی بیشی، تیزی و شدت۔ گرمی و سردی اور تری و خشکی وغیرہ پائی جاتی ہیں۔ ان کے علاوہ ان تمام اخلاط کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ کسی خلط میں خمیر اور تعفن پیدا ہوجائے۔ یہ خمیر و تعفن طبعی اخلاط میں بھی پیدا ہوسکتا ہے، اور غیر طبعی اخلاط کی صورت میں بھی پیدا ہوسکتا ہے۔ جیسی بھی صورت ہوگی، ویسی ہی علامات پیدا ہوتی ہیں۔ یہ تمام اختلافات ہمارے سامنے ہوں، تو ہم غذا و دوا اور زہر کی علامات کو ہر خلط کے ساتھ تطبیق دے سکتے ہیں۔

⑦ نائٹرک ایسڈ (Nitricum Acidum): تیزاب شورہ۔ آتشک کے لئے ہومیوپیتھی کی دوسری دوا ہے۔ اس کے استعمال کے لئے ایک حصہ نائٹرک ایسڈ اور 9 حصے "آب مقطر" ملانے سے 1x ڈلیوشن تیار کیا جاتا ہے۔ 3x ڈلیوشن کے بعد الکوحل میں ڈلیوشن تیار کئے جاتے ہیں۔ علامات درج ذیل ہیں۔ ان علامات پر غور کریں کہ ان کا تعلق کن مفرد اعضاء (انسجہ) سے ہے۔

علاماتِ خاص: ① شور و غل ناقابل برداشت ہو اور اس سے مرض میں اضافہ ہو۔ ② پیشاب گہرا زرد، تیز بو والا، گھوڑے کے پیشاب کی طرح۔ ③ تمام اخراج بودار۔ ④ لکڑی یا سوئی چبھونے سے درد دفعتہً نمودار ہوں اور بیک وقت غائب ہوجائیں۔ ⑤ اسہال کی نسبت قبض کی جانب طبیعت کا زیادہ میلان۔ ⑥ ہر موسم سرما میں زکام شروع ہوجائے، پھر دوسرا حملہ شروع ہوجائے۔ ⑦ زندگی سے مایوسی۔ ہر ایک شے سے

جی اُچاٹ ہو جائے۔

طبیعت: انتقام پسند، موت سے خائف، رونے پر آمادہ ہو، چڑ چڑی طبع، متنفر، سینہ زوری، مایوس، مرض کے خیال سے پریشان، عصبی مزاج برانگیختہ اور بے تسکین۔

سر: ٹوپی کے بوجھ سے سردرد، سر بھرا ہوا معلوم، سر پر پٹی بندھی ہونے کا احساس، کھوپڑی ذکی الحس، بال گرتے ہوں، گلی کے شور سے مرض میں اضافہ۔

کان: اونچا سنائی دے۔ قوت سماعت میں فتور۔ گاڑی یا ریل میں سیر کرتے وقت سماعت درست ہو جائے۔ کوئی چیز چباتے وقت کانوں میں چبھن پڑے، شور وغل بے حد ناقابل برداشت۔ گاڑیوں کا سڑک پر چلنا ناگوار معلوم ہو۔

آنکھیں: تیز چبھونے کے سے درد، قرنیہ زخمی، اشیاء دوہری نظر آئیں۔

ناک: مزمن زکام کے ساتھ زرد ناگوار اور خراشیدہ رطوبت کے اخراج، ناک کا ڈفتھیریا۔ اس کے ساتھ ناک سے پانی کی طرح اور بے حد خراش دار جلانے والی رطوبت کا اخراج۔ بواسیر الانف۔ ہر روز صبح کو سبز میل نکلتے ہوں۔ زکام کے ساتھ نتھنے دکھیں اور ان سے خون نکلے۔

منہ: تھوک کے ساتھ منہ سے بدبو آئے، خونی تھوک، سانس بدبودار، تھوک بکثرت آئے، مسوڑھوں سے اخراج خون، زبان سرخ، چبھن پڑے زبان کے کناروں پر درد کرنے والی پھنسیاں زبان صاف سرخ اور تر۔ درمیان میں میل جمی ہوئی۔ دانت ڈھیلے، مسوڑھے اسفنجی، تالو میں زخم۔

حلق: لوزتین پر خناقی جھلی، حلق خشک اور کانوں میں درد، کھانسی سے بلغم نکلے سفید دھبے اور واضح نشانات ہوں، کسی چیز کے نگلتے وقت تکلیف ہو۔

خواهش: چونا مٹی، چاک، مچھلی، چربی وغیرہ۔

نفرت: گوشت اور روٹی سے۔

معدہ: نہ ہضم ہونے والی اشیاء کی خواہش۔ بھوک بہت لگے۔ ذائقہ میٹھا، بدہضمی کے ہمراہ اگزالک ایسڈ کی زیادتی۔ یورک ایسڈ اور فاسفورس بڑھے ہوئے ہوں۔ طبعی اضمحلال بہت زیادہ۔ دل کے دہانے میں درد، چاک مٹی کھانے کی خواہش۔

پیٹ: قبض، مقعد پھٹی ہوئی معلوم ہو، بہت کونتھنا پڑے لیکن اخراج کم ہو، مقعد میں شقاق، پاخانے کے بعد شدید کاٹنے والا درد جو گھٹنوں تک جائے۔ امعاء سے جریان خون، چمکیلے خون کا بکثرت اخراج، خروج مقعد، بواسیر، مسوں سے خون جلد نکل آئے، اسہال مٹیالے اور ناگوار بو والے، پاخانے کے بعد طبیعت میں چڑ چڑاپن اور تکان، پیٹ پھولا ہوا اور نفخ، جگر کے مقام پر چبھن، حرکت سے تکلیف میں اضافہ، قولنج کو کپڑا کس کر باندھنے سے آرام، مقعد کے قریب نمی، ضیق کا عارضہ۔

پیشاب: پیشاب بے خبری میں نکل جائے، نائزہ متشنج اور زخمی، پیشاب شراب تلچھٹ کی مانند گدلا، مقدار میں کم، زرد، گھوڑے کے پیشاب کی بو والا اور خارج ہوتے وقت سرد معلوم ہو، جلن اور ڈنگ مارنے والا درد، پیشاب خون آمیز اور البومن والا۔

آلات مخصوصہ: (مردانہ) سوزاک کے ساتھ آتشکی زخم یا مسے۔ آتشک سپاری اور دیانہ میں دکھن۔ جلن اور ورم۔ ڈنگ مارنے کے سے درد، ناگوار مادہ خارج ہو۔ (زنانہ) وضع حمل کے بعد استحاضہ۔ بیرونی حصوں میں دکھن اور ان کے ساتھ زخم۔ سیلان الرحم زرد۔ گوشت کے رنگ کا پانی کی طرح تار تار ہو کر خارج ہو، موٹے زہار گرتے ہوں، رحم میں جریان خون۔ حیض قبل از وقت اور بکثرت پانی کی طرح آتا رہتا ہو۔

آلات تنفس: آواز بیٹھ جائے۔ آواز بھاری، خشک بجنے والی کھانسی جو سیڑھیوں پر چڑھنے سے سانس پھول جائے۔ کھانسی دن میں زیادہ ہو نیند میں کھانسی آئے۔ کھردری خشک کھانسی، آدھی رات سے پیشتر آئے۔ کھانسی کے ہمراہ زرد اور سیال بلغم کا اخراج ہو۔

اطراف: ہاتھوں پر پسینہ آئے، پاؤں کی انگلیاں پھٹی ہوں۔ پاؤں پر بدبودار پسینہ آئے، جس کی وجہ سے پاؤں کی انگلیاں دکھیں۔

جلد: بڑے بڑے مسے پھٹے ہوئے ہوں، انہیں دھونے سے خون نکل آئے۔ زخم جن سے خون بہ آسانی نکل آتا ہو۔ جلد خشک زرد اور چھلکے اُترتے ہوں۔ گہری رنگت کی جھریاں اور مہاسے۔ مسے گوبھی کے پھول کی طرح۔ لکڑی چبھونے سے درد۔ کنارے بے قاعدہ۔ چہرے پر نشان، پیشانی پر زیادہ ہو۔

مزاج: آتشکی اور خنازیری مزاج، کالے رنگ والے کالے بالوں والے، کالی آنکھوں والے عصبی، دبلے مضبوط ریشوں والے۔ جسمانی اُکساہٹ بہت ہو۔ مزمن امراض کا شکار۔ جلد سردی لگ جائے۔ جلدی اسہال آنے لگیں۔ غور و فکر کرنے والے معمر اشخاص۔

اسباب: کسی بیماری کا حد سے زیادہ خیال رہے۔ پارے کے مرکبات کا بکثرت استعمال۔ بے خوابی، گھبراہٹ، نقصان رسی۔ کوئی دیرپا زہر، پارہ، آتشک، خنازیر۔ ڈجی ٹیلس کا بکثرت استعمال۔

شدت مرض: حرارت یا موسم کی تبدیلی، چھونے سے، بیٹھے ہوئے اُٹھنے سے، شب کو آدھی رات کے بعد، ہیرنگ مچھلی سے، پسینہ آنے سے، چلنے پھرنے سے، جاگنے پر، گرم تر موسم میں۔

کمی مرض: گرمی سے، ٹہلنے پر، گاڑی کی سواری سے۔

امراض جن کے لئے مفید ہے: (۱) بدبودار پیشاب (۲) پارہ کے خراب اثرات (۳) جلدی امراض جو بوجہ آتشک یا ثولولیہ ہوں۔ (۴) ہڈی اور غدی عوارض۔ (۵) مزمن امراض۔ (۶) مسوڑھوں، دانتوں، زبان اور ایسے امراض جو پارے کی وجہ سے ہوں۔ (۷) ناک کا ڈھیریا۔ (۸) تپ دق میں، پیشاب کے بعد۔ (۹) خنازیر، شدید خنازیر، رمد چشم۔ (۱۰) بچوں کی رمد چشم۔ (۱۱) سوزا کی رمد چشم۔ (۱۲) متورم گلٹیاں۔ (۱۳) حنجرہ کی کھانسی جب کہ بلغم نہ آتا ہو۔ (۱۴) جن مریضوں کو گاڑی میں سوار ہونے سے ہی آرام آئے۔ (۱۵) آتشک کی وجہ سے ہڈیوں کے درد۔ (۱۶) فتق کے لئے۔ (۱۷) قبض جو اسہال کے ساتھ باری باری ہوں۔ (۱۸) سوزاک جب کہ اخراج پتلا خونی ہو۔ بعد میں زرد یا سبز ہو جائے، پیشاب کرتے وقت جلن، لکڑی ٹھونکنے کے سے درد، نائزہ متورم اور بہت درد کرے۔ (۱۹) کنڈائی لومیٹا (۲۰) قرحہ (۲۱) پیچش (۲۲) آلات تناسل کے آتشکی (۲۳) حنجرہ کی سل میں نہایت مفید اور کارآمد ہے۔ (۲۴) تپ محرقہ میں مجرب اور آزمودہ۔ (۲۵) کثرت طمث جو اسقاط یا مسلسل وجع الطمث کی وجہ سے ہو۔ (۲۶) اندام نہانی کی خارش، حکۃ الفرج۔ (۲۷) جھریاں۔ (۲۸) جب بخار کی وجہ سے چھاتی میں دکھن ہو، پھیپھڑوں سے جریان خون، ناگوار بلغم اور خونی سیال کا اخراج۔

نائٹرک ایسڈ سے قبل: نیٹرم کارب، کلکیر یا کارب، ہیپر سلف، مرکری پلسٹلا، سلفر، کالی کارب، مرکری کارب۔ یہ ادویہ مفید ہیں۔ گویا یہ تمام ادویہ بھی جسم میں آتشک کی علامات پیدا کرتی ہیں۔

نائٹرک ایسڈ کے بعد: پلسٹلا، کلکیر یا کارب سلفر، مرکری کارب، برائی اونیا، فاسفورس اور کالی کارب کا استعمال نہایت فائدہ مند ہوتا ہے۔ یعنی یہ تمام ادویہ بھی جسم میں آتشک کی علامات پیدا کرتی ہیں۔

مخالف: لیکیسس وہ دوا جو آتشک کی علامات کے مخالف ہے۔

معاون: آرسینک، کیڈمیم۔ یہ وہ ادویہ ہیں جو ان علامات کے لئے معاون ہیں۔

نائٹرک ایسڈ کے فاد زہر: کیمفر، ہیپر سلف، کلکیر یا کارب، بیلاڈونا، مرکری آئیوڈم، سلفر، فاسفورک ایسڈ، پٹرولیم، کونیم۔

نائٹرک ایسڈ جن کا فاد زہر ہے: ڈجی ٹیلس، مرکیوریس، کلکیر یا کارب، کونیم۔

۳ **گوائکم (Guaiacum)**: جس کو Resin of Ligumvitae بھی کہتے ہیں۔ یہ تیسری دوا ہے جس کے کثرت استعمال سے جسم میں آتشک پیدا ہو جاتا ہے۔ ہومیوپیتھی میں جب اس کی تقلیل کر کے استعمال کرتے ہیں، تو یہی دوا آتشک کے لئے مفید ہو جاتی ہے۔ یہ دوا جسمانی ریشوں پر نمایاں اثر کرتی ہے اور خاص طور پر ریاحی دردوں، گٹھیا، ورم لوزتین میں اس کا استعمال مفید ہے۔ آتشک کے دوسرے درجہ میں بھی مفید ہے۔ حاد وجع المفاصل میں بے حد مفید ہے۔ گوائیکم کی رطوبتیں بدبودار ہوتی ہیں۔ اس کی دیگر علامات درج ذیل ہیں۔

دماغ: حافظہ کمزور، خیالات منتشر، مریض آنکھ پھاڑ کے دیکھے، کوئی بات یاد نہ رکھ سکے۔ نسیان کا عارضہ ہو۔

سر: سر اور چہرے میں وجع المفاصل اور ریاحی درد جو گردن کی طرف منتقل ہوں۔ کھوپڑی میں پھاڑنے والا درد ہو جو سرد اور مرطوب موسم میں بڑھ جائے، سر سوجا ہوا محسوس ہو۔ شریانیں پھولی ہوئی ہوں۔ بائیں کان میں درد۔ سر میں درد ختم ہونے کے بعد چبھن ہو۔

آنکھیں: پتلیاں پھیلی ہوئی، پپوٹے چھوٹے محسوس ہوں۔ آنکھ کے گرد پھنسیاں ہوں۔

حلق: حلق میں مفاصلی درد اور عضلات میں کمزوری۔ حلق خشک۔ حلق میں سوجن اور جلن جو کان کی طرف منتقل ہو۔ غدد متورم ہوں۔

معدہ: زبان پر میل، سیب اور دیگر پھل کھانے کی خواہش، دودھ پینے سے نفرت، معدے میں جلن، فم معدہ میں کھچاوٹ۔

پیٹ: پیٹ میں نفخ، دست اور طفلی ہیضہ، آنتوں میں خمیر اٹھے۔

مثانہ: پیشاب کرنے کے بعد تیز چبھن، پیشاب کی بار بار حاجت۔

آلات تنفس: سانس رکنے کا احساس، خشک کھانسی، کھانسی کے بعد متعفن سانس، سینے میں پسلیوں کے ہلنے سے درد جس کے ساتھ بلغم کے اخراج سے پہلے دم گھٹے۔

آلاتِ تناسل زنانہ: خصیہ الرحم میں ورم، حیض میں بے قاعدگی، درد والے حیض اور مثانہ میں خارش۔

کمر: سر سے گردن تک درد ہو۔ گردن اکڑی ہوئی اور شانے درد کریں۔

اطراف: شانوں، بازوؤں اور ہاتھوں میں ریاحی درد، عرق النساء اور کمر میں درد ٹخنوں میں درد جس سے لنگڑاہٹ پیدا ہو۔ جوڑوں میں سوجن، درد اور دباؤ، گرمی ناقابل برداشت ہو۔

کمی بیشی علامات: حرکت سے، گرمی سے، سرد اور مرطوب موسم میں دباؤ اور چھونے سے۔ ۶ بجے شام سے ۴ بجے صبح تک علامات شدت اختیار کریں۔

۴ **میزیرم (Mesreum)**: جس کو Spurg Olive اسپرج اولیو بھی کہتے ہیں۔ یہ ایک چھوٹی سی جھاڑی وسط یورپ میں پائی جاتی ہے۔ یہ چوتھی دوا ہے جس کے کثرت استعمال سے آتشک ہو جاتی ہے اور تقلیل استعمال سے اس مرض سے آرام ہو جاتا ہے۔ اس کی مختصر علامات درج ذیل ہیں۔

علامات: ① جلن دار پھنسیاں ناقابل برداشت خارش ② آتشکی وخنازیری علامات جب کہ استخوان اور جلد مبتلائے مرض ہوں۔ ③ رخساروں کے استخوان میں عصبی درد اور ماؤف مقام سن ہو جائیں۔ ④ عصبی درد جو نزلہ چشم یا پھنسیوں کی وجہ ہوں۔ ⑤ مفاصلی درد ہوں۔ خفیف چھونے سے مرطوب آب و ہوا سے اور رات کو بستر میں اضافہ۔ ⑥ آتشک میں پارہ کے ناجائز استعمال سے درد پیدا ہو جائیں یا گلٹیاں نکل آئیں۔ ⑦ ٹیکہ کرانے کے بعد جلن اور خراشدار پھنسیاں جسم پر نکل آئیں۔ ⑧ بوسیدہ دانتوں میں درد، دانت ہلتے معلوم ہوں۔ غذا چباتے وقت زبان لگے تو درد ہو۔ ⑨ دانتوں میں رات کو درد زیادہ ہوں، منہ کھولنے اور ہوا اندر کھینچنے سے آرام معلوم ہو۔ ⑩ دانتوں کی جڑیں بوسیدہ ہو جائیں۔

زخم: زخموں کے اردگرد چھالے ہوجائیں جو بہت خارش کریں۔ آگ کی مانند جلن اور ان کے گرد چمکیلے حلقے نظر آئیں۔ زخموں کے اوپر موٹی زردی مائل سفید پڑیاں جم جائیں اور ان کے گرد زرد پیپ جمع ہو جائے۔

سر: سر پر چھڑے کی مانند پڑیاں جم جائیں۔ ان کے نیچے سفید رنگ کی گاڑھی پیپ جمع ہوجائے۔ بال جھڑ جائیں کچھ عرصہ بعد پیپ میں بو آنے لگے اور اس میں کیڑے پڑ جائیں۔ بچہ چہرے کو نوچتا رہے۔ چہرہ سرخ اور متورم۔ رات کو خارش، بہت زیادہ ستائے۔

زیادتی مرض: رات کو شام سے لے کر آدھی رات تک، سرد ہوا چلنے سے۔

فادزہر:

ایسیٹک ایسڈ، برائی اونیا، کلکیریا کارب، کیمفر اور نکس وامیکا وغیرہ مندرجہ بالا ادویہ کی علامات، ان کی کمی بیشی اور ان کے فادزہر کی علامات پر غور کرنے سے آتشک کی حقیقت سامنے آجاتی ہے اور اس کا علاج بہت حد تک آسان ہوجاتا ہے۔

آتشک پیدا کرنے والی ادویہ

اس حقیقت کو ثابت کرنے کے لئے کہ بعض ادویہ اور زہروں کے استعمال سے آتشک پیدا ہوجاتا ہے۔ اس کے لئے ہم نے ہومیوپیتھی علم الادویہ کی چند ادویہ پیش کی ہیں، ذیل میں چند اور ادویہ پیش کر رہے ہیں۔ تاکہ ذہن اس حقیقت کو پورے طور پر قبول کرلے۔

ہم نے ہومیوپیتھی علم الادویہ سے یہ چند ادویہ اس لئے پیش کی ہیں کہ اس کے حقائق اور تجربات سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ ورنہ ہم کم از کم پچاس ایسی ادویہ پیش کر سکتے ہیں جن کے استعمال سے آتشک پیدا ہوسکتا ہے اور ان کے ثبوت میں ہم ہومیوپیتھی کی دیگر ادویہ بھی پیش کر سکتے ہیں۔ ہم نے صرف انہی ادویہ تک اکتفا کیا ہے جو ہومیوپیتھی نے آتشک کی علامات میں پیش کی ہیں۔

⑤ مرکیوریس آئیوڈیٹس فلیورس (Mercurius Iodatus Flavurs)

اس کو Yellow Iodide of Mercury بھی کہتے ہیں۔ یہ دوا پارہ اور آئیوڈائیڈ کا مرکب ہے۔ علامات درج ذیل ہیں:
① دائیں طرف کے غدود خاص کر متورم ہو کر تراوش پا رہے ہوں۔ ② زبان کی جڑ پر گہری میل جمی ہو اور نوک و کنارے سرخ ہوں اور ان پر دانتوں کے نشان ہوں۔ ③ خناق وبائی ہو جب کہ غدود بڑھے ہوئے اور متورم ہوں۔ ان پر جھلی آئی ہوئی ہو۔ ④ سخت آتشک یا مادہ آتشک کے لئے غدود جنگاسہ بڑھ جائیں۔ ⑤ آتشکی اور خنازیری مزاج والے اشخاص کی برونکائیٹس (کھانسی) تر کھانسی اور کھڑکھڑاہٹ۔ ناک اور حلق کی رطوبتی جھلیاں متورم۔ ہوا کی نالیوں میں بلغم جمی ہو۔ نگلنے کی خواہش لگاتار رہے۔ گلے میں بلغم معلوم ہو اور گلے کے دائیں طرف سخت درد اور ورم ہو۔ ⑨ پستانوں میں گلٹیاں ہوں۔ پسینہ آتا ہو ہاضمہ کا فتور لاحق ہو۔

اس دوا کے بجائے پارہ اور آئیوڈائیڈ جدا جدا بھی آتشک کی دوائیں ہیں، ان کے علاوہ پارہ کے دیگر مرکبات (۱) مرکیوریس کار (Mercurius cor) اس کو کاروسو سبلی میٹ (Corrocsive Sublimate) بھی کہتے ہیں۔ (۲) مرکیوریس سالو (Mercurius Solubulus) اس کو کوئیک سلور (Quick Silver) بھی کہتے ہیں۔ (۳) مرکیورس آئیوڈائیڈس ربرم، ریڈ آئیوڈائیڈ آف مرکری (Red Iodide of Mercury) بھی کہتے ہیں، وغیرہ وغیرہ۔

⑥ آرسینکم برومیم (Arsenicum Bromium)

جس کو برومائیڈ آف آرسینک (Bromide of Arsenic) بھی کہتے ہیں۔ سنکھیا اور برومائیڈ کا مرکب ہے۔ اس کی علامات درج

ذیل ہیں: پھوڑے پھنسیاں، آتشکی زخم، خنازیر، ضدی، نوبتی بخار، ذیابیطس، آتشکی زہراور سوزا کی اثرات۔اس دوا کی بجائے آرسینک اور برومائیڈ جداجدا بھی آتشک کی علامات پیدا کرتی ہیں۔ان کے علاوہ آرسینک کے دیگر مرکبات بھی یہی علامات پیدا کردیتے ہیں۔

(۱) آرسینک آئیوڈائیڈ (Arsenic Iodide) جس کو آئیوڈائیڈ آف آرسینک (Iodide Of Arsenic) کہتے ہیں۔

(۲) آرسینک البم (Arsenic Album) جس کو ایسڈ آرسینک (Acid Arsenic) بھی کہتے ہیں۔

⑦ کالی آرسینکم (Kali Arsenicum)

یہ پوٹاش اور سنکھیا کا مرکب ہے۔اس کی علامات درج ذیل ہیں: ناقابل برداشت خارش جو کپڑے اُتارنے سے زیادہ ہو۔کیل، آبلے جو دورانِ خون میں زیادہ تکلیف دہ ہوں۔حزین انگیز یا گرمی اور چلنے پھرنے اور کپڑے اتارنے سے خارش بڑھے، زخم اور چنبل، بازو اور گھٹنوں کے جوڑوں میں شگاف، گٹہ کے اُبھار، جلدی سرطان جو اچانک ظاہر ہو اور جلد کے نیچے گانٹھیں وغیرہ۔

آلات تناسل زنانہ

رحم کے منہ پر گوبھی کے پھول کی طرح کے مہاسے جس کے ساتھ ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونے والے درد ہوں۔رحم سے بدبودار رطوبت کا اخراج اور پیڑو کے نیچے درد ہو۔

(۱) کالی آرسینکم (Kali Arsenicum) اس کو پوٹاش آف بائی کرومیٹ (Potas of Bichromate) بھی کہتے ہیں۔

(۲) کالی برومیٹ (Kali Bromatum) اس کو پوٹاشیم برومائیڈ (Potassium Bromide) بھی کہتے ہیں۔

(۳) کالی کاربانیکم (Kali Corbonicum) اس کو پوٹاشیم کاربونیٹ (Potassium Corbonate) بھی کہتے ہیں۔

(۴) کالی میوراٹیکم (Kali Muraticum) اس کو کلورائیڈ آف پوٹاشیم (Chloride of Potassium) بھی کہتے ہیں۔

(۵) کالی نائٹریکم (Kali Nitricum) اس کو نائٹریٹ آف پوٹاشیم (Nitrate of Potassium) بھی کہتے ہیں۔

(۶) کالی فاسفوریکم (Kali Phos) اس کو فاسفیٹ آف پوٹاشیم (Phosphate of Potassium) بھی کہتے ہیں۔

(۷) کالی سلفیوریکم (Kali Sulph) جس کو پوٹاشیم سلفیٹ (Potassium Sulphate) بھی کہتے ہیں۔

ان ادویہ کے علاوہ اور بھی بہت سی ادویہ ایسی ہیں جن کے ہومیوپیتھی طریق سے خواص لینے پر آتشک (سفلس) کی علامات پیدا ہو جاتی ہیں۔جن کی علامات کو ہم ہومیوپیتھی علم الادویہ سے نکال کر پیش کر سکتے ہیں۔مگر طوالت کی وجہ سے نظر انداز کر دیا ہے۔حقیقت کے پیش کرنے کے لئے اس قدر ادویہ ہی کافی ہیں۔ان سے ہمارا مقصد پورا ہو جاتا ہے اور یہ حقیقت پورے طور پر واضح ہو جاتی ہے کہ آتشک صرف چھوت سے ہی پیدا نہیں ہوتا بلکہ بعض قسم کی اغذیہ و ادویہ اور زہروں کے استعمال سے بھی پیدا ہو جاتا ہے۔خصوصاً ایسی اشیاء جو محرک دماغ اور اعصاب ہونے کی وجہ سے جسم میں کثرت سے رطوبات وبلغم اور سردی پیدا کر دیتی ہیں۔

آتشک کے سبب کی صحیح تحقیق

ہم گذشتہ صفحات میں یہ ثابت کر چکے ہیں کہ مرض آتشک کا سبب جو اس وقت تک تسلیم کیا گیا ہے وہ چھوت ہے جو ایک سے دوسرے کو لگ جاتی ہے۔لیکن ہم نے گذشتہ صفحات میں یہ ثابت کیا ہے کہ چھوت ایک سبب تو ہو سکتا ہے، لیکن وہ اصل سبب نہیں ہے یعنی وہ سبب فاصلہ نہیں ہے۔

یادرکھیں کہ سبب فاصلہ وہ ہوتا ہے جس میں تغیر کے بعد مرض کی صورت پیدا ہوتی ہے اور وہ مرض آتشک کے لئے جسم انسان میں سوزش وورم اعصاب ودماغ ہے۔ جب تک اعصاب میں سوزش اور ورم کی صورت پیدا نہیں ہوتی، مرض آتشک نمودار نہیں ہوسکتا۔ آتشک کی چھوت بھی سوزش وورم اعصاب ودماغ پیدا کرتی ہے۔ اسی طرح جو اغذیہ وادویہ اعصاب میں سوزش وورم کا سبب بنتی ہیں، ان سے بھی مرض آتشک پیدا ہو جاتا ہے۔ جس کے ثبوت میں ہم نے چند ہومیوپیتھک ادویہ کی علامات پیش کی ہیں۔ جن کے کھانے سے مرض آتشک پیدا ہوجاتا ہے۔ اور حیرت یہ ہے کہ ان میں چھوت چھات کا کہیں ذکر نہیں ملتا۔ آتشک کے متعلق ہماری یہی تحقیق ہے کہ مرض آتشک انہی اسباب سے پیدا ہوتا ہے جو اعصاب ودماغ میں سوزش پیدا کردیتے ہیں۔ اس سے قبل آج تک یہ تحقیق دُنیا کی کسی طب نے پیش نہیں کی۔

یادرکھیں کہ اعصاب کی غذا بلغم اور رطوبت ہے اور اس میں جب تحریک ہوتی ہے تو یہ بھی جسم میں رطوبت اور بلغم پیدا کرتے ہیں۔ ان حقائق سے ثابت ہوتا ہے کہ آتشک کے مریض کے جسم میں اعصاب کی تحریک کے ساتھ ساتھ رطوبات اور بلغم کی شدت ہوتی ہے، جس میں خمیر اور تعفن پیدا ہوکر مرض کی صورت اختیار کرلیتا ہے۔ محققین نے اس مرض کی علامات میں تین درجے لکھے ہیں۔ جن کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے۔

آتشک کا درجہ اوّل

آتشک کا زہر جسم میں داخل ہوتے ہی اس مرض کا ابتدائی دور شروع ہوجاتا ہے اور تین ہفتے سے لے کر پانچ ہفتے تک کی مدت زیادہ سے زیادہ اس درجے کی مانی گئی ہے۔ لیکن کم ازکم دس دن بعد سرایت کے مقام پر ایک سخت اُبھار یا سرخ پھنسی پیدا ہوجاتی ہے، جس کی جڑ سخت ہو جاتی ہے اور یہ رفتہ رفتہ بڑھ کر پھٹ جاتی ہے اور ایک زخم بن جاتا ہے جو صرف ایک ہی ہوتا ہے اور اس کے آس پاس کی جگہ قدرے اونچی ہوتی ہے۔ اگر زخم کو دبا کر دیکھیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی سخت گری جلد کے اندر پیدا ہوگئی ہے۔ اس زخم میں درد بالکل نہیں ہوتا اور مواد بھی بہت کم نکلتا ہے اور زخم کے پیدا ہونے کے پانچ سات روز بعد جنگل سوں (کنج رانوں) کی گلٹیاں متورم ہونے لگتی ہیں جو دبانے سے سخت تکلیف دہ معلوم ہوتی ہیں۔ لیکن ان میں درد نہیں ہوتا اور نہ ہی وہ نرم ہوتی ہے اور نہ ان میں پیپ پڑتی ہے۔ اگر اس آتشکی پھنسی یا اُبھار میں سے یا متورم غدد میں سے بذریعہ سوئی ذرہ سی رطوبت لے کر بذریعہ خوردبین امتحان کیا جائے تو اس میں آتشک کے لہر دار جراثیم نظر آئیں گے۔

آتشک کا درجہ دوم

یہ تو ناظرین کو معلوم ہوگیا ہے کہ آتشک ابتدائی درجہ میں ایک ورم یا آبلہ سا عضو تناسل پر نمودار ہوتا ہے اور یہ درجہ دس گیارہ دِن یا دس دِن سے لے کر پانچ چھ ہفتے تک ہوا کرتا ہے۔ اب درجہ دوم کی علامات سنئے، اسی ورم یا پھنسی یا آبلہ میں جو ابتدا بہت مشتبہ اور مشکوک حالت میں ہوتا ہے، آتشک کے جراثیم پلتے ہیں۔ اگر ان زخموں کو کھرچ کر خوردبین کے سامنے دیکھا جائے تو آسانی سے آتشک کے جراثیم کا ثبوت ملتا ہے۔ پھر اگر یہ درجہ غفلت اور لاپرواہی سے گزار دیا جائے تو درجہ دوم شروع ہوجاتا ہے۔ اور خون کے مسموم ہوجانے کی علامتیں ظاہر ہونے لگتی ہیں۔ یعنی جب آتشک کا زہر جسم میں سرایت کرجاتا ہے۔ تب علامات مفصلہ ذیل ہوتی ہیں۔ چنانچہ ابتداء میں مریض کے جسم میں نہایت لمل چل مچ جاتی ہے۔ یعنی بخار ہوجاتا ہے جو کبھی خفیف اور کبھی شدید ہوجاتا ہے اور کبھی نوبتی اور کبھی لازمی ہوتا ہے اور بعض اوقات ملیریا بخار سے اس بخار کا دھوکہ ہونے لگتا ہے۔ مریض پست ہمت اور نڈھال ہوجاتا ہے۔ گوشت اور ہڈیوں میں درد ہونے لگتا ہے۔ عموماً دست وپا اور جوڑوں میں درد ہونے لگتا ہے۔ شدید درد سر اور بے خوابی ہونے لگتی ہے اور جلد کی رنگت پیلی پڑ جاتی ہے۔ آتشک کے بخار اور دردوں کو اکثر رات کے وقت شدت ہوتی ہے۔ حلق، تالو اور لوزتین میں التہاب اور ورم کا آغاز ہوجاتا ہے۔ اس کے بعد بازوؤں اور رانوں کے پچھلے حصوں میں گلابی رنگ کے داغوں سے درجہ دوم

کے آغاز کا ثبوت ملتا ہے۔ یہ دانے دو ہفتے سے چار ہفتے تک تمام جسم پر نکلتے ہیں۔ اور پھر دو ماہ کے اندر مرجھا جاتے ہیں یا ختم ہو جاتے ہیں۔ اور کچھ عرصہ کے لئے وہاں سیاہ داغ رہ جاتے ہیں۔ ان دانوں کے درمیان پیپ بھی پڑ جاتی ہے۔ مگر جلن یا خارش بالکل نہیں ہوتی جو آتشکی دانوں کی علامات خاص ہے۔ ان دانوں کے نکلتے ہی لبوں اور زبان پر اور رخساروں کے اندر سفید داغ بن جاتے ہیں۔ چٹیوں اور گردن کی گلٹیاں بھی بڑھ جاتی ہیں۔ حنجرہ، لوزتین اور حلق میں ورم اور التہاب جو عروق جاذبہ کی سوزش کا نتیجہ ہے پیدا ہو جاتی ہے۔ یعنی ورم لوزتین آتشکی ہو جاتا ہے۔ ان میں زخم پڑ جاتا ہے۔ نیز مبرز وغیرہ کے اطراف میں اور عورتوں کے جسم کے زیریں حصے میں مرد کے فوطوں وغیرہ پر اور انگلیوں کے درمیانی حصے چپے یا بدبودار رطوبت کا بہہ کر جم جانا جو لعابدار جھلیوں میں پھیل جاتی ہے۔ یہ علامتیں ہیں جو ظاہر ہونے لگتی ہیں۔ بالوں کا جھڑ جانا، ناخنوں میں شکستگی و تیرگی کا پیدا ہونا۔ یہ سب عصبی خرابیوں کا نتیجہ ہے اور انہی صورتوں کے ساتھ بعض اوقات جسم پر بثور ثولولی (مسوں کی طرح کی پھنسیاں) پیپ دار دانے اور چھالے اور جسم کے مختلف حصوں میں زخم یا عام پھوڑے بھی اس مادے کی ماہیت اور خون صالح سے تغذیہ حاصل نہ ہونے کے اسباب کا نتیجہ ہے۔ انہی دنوں کلائی اور ٹانگوں کی لمبی ہڈیوں میں لمبی نلیوں میں درد ہونے لگتا ہے۔ چونکہ علامات جسم کی شدت میں بہت اختلاف ہے، اس لئے جب تھوڑے عرصہ کے بعد گلابی رنگ کے دھبے مرجھانے لگتے ہیں، تب کوئی نہ کوئی اور قسم کے بخارات بدن میں نکلتے ہیں اور یہ چہرے، سر اور چشم اور ہاتھ پاؤں پر اکثر نمودار ہوتے ہیں۔ رنگ ان بخارات کا بھی تانبے جیسا ہوتا ہے اور جب یہ بڑھنے لگتے ہیں، تب ان پر چھلکے پیدا ہو جاتے ہیں اور تمام جسم سورائی سس کی شکل کا ہو جاتا ہے۔ یعنی تمام جسم پر یا جسم کے بعض حصوں پر گول گول چھلکوں کی چٹیں پیدا ہو جاتی ہیں، مگر ان میں کسی قسم کی رطوبت نہیں ہوتی۔ جب یہ جھڑ جاتی ہیں تب جلد پر اور چٹیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ بعض صورتوں میں ایسی سخت پھنسیاں جن میں پیپ نہ پڑے بڑھ کر اونچا اُبھار بن جاتے ہیں۔ اب ملائم تالو اور حلق میں زخم پیدا ہو جاتے ہیں۔ یا لوزتین میں گہرے زخم پڑ جاتے ہیں۔ حلق کے پردہ اور باچھوں پر۔ عورت کے اندام نہانی اور لبوں پر، مرد کے فوطوں پر اور مقعد کے گرد داغ پیدا ہو جاتے ہیں۔ سر کے بال اس قدر گر جاتے ہیں کہ بیمار گنجا ہو جاتا ہے یا اس کے سر میں لف پیدا ہو جاتا ہے، اکثر بیمار بہرے ہو جاتے ہیں۔ بعد ازاں کف دست و پا پر سورائی سس اور زبان کے کناروں پر زخم پیدا ہو جاتے ہیں۔ طبقہ عنبیہ کے التہاب کی بیماری بھی ہو جاتی ہے۔

بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ ابتداء ہی سے جلد پر سخت قسم کی پھنسیاں پیدا ہو جاتی ہیں اور جب وہ جا بجا اکٹھی ہوتی ہیں اور ان پر جا بجا موٹا سیاہ رنگ کا کھرنڈ بن جاتا ہے۔ تب مریض نہایت بدشکل ہو جاتا ہے۔ بعض اوقات پھنسیاں بھی چیچک کے دانوں کی طرح نمودار ہوتی ہیں۔ جلد کی وہ بیماری جو آتشک کے سبب پیدا ہوتی ہے، علاج سے بمشکل رفع ہوتی ہے اور برسوں تک چلتی رہتی ہے۔ ان امراض جلدی میں جو آتشک کے سبب سے پیدا ہوتی ہیں اور ان جلدی بیماریوں میں جو آتشک کے سبب سے پیدا نہیں ہوتیں، یہ فرق ہے کہ جو بیماریاں آتشک کے سبب سے پیدا ہوتی ہیں اور ان جلدی آتشک کے سبب سے پیدا ہوتی ہیں، ان سے جلد کا رنگ تانبے جیسا ہو جاتا ہے۔ اور ان میں نہ خارش ہوتی ہے اور نہ ہی گرم ہوتی ہے۔ مگر تشخیص کامل کے لئے حلق اور منہ کو بھی ملاحظہ کرنا چاہئے اور جبڑوں اور گلو کی گلٹیاں بھی دیکھنی چاہئیں۔ جلد کا رنگ تانبے جیسا اس لئے ہوتا ہے کہ آتشک کا زہر تمام خون میں سرایت کر جاتا ہے۔ جس کی وجہ سے تمام باریک عروق اور رگوں میں خون کا اجتماع ہونے لگتا ہے۔ ان کی رنگت اس مادہ سمیہ کے اشتراک کی وجہ سے تانبے جیسی ہو جاتی ہے اور کبھی ان بثور میں پیپ بھی پڑ جاتی ہے۔ لیکن اس کے باوجود بھی ان میں خارش اور جلن نہیں ہوتی۔

آتشک کا درجہ سوم

آتشک کے تیسرے درجے کے ظاہر ہونے کا کوئی وقت مقرر نہیں ہوتا۔ آتشک کے تیسرے درجے کا ظاہر ہونا بہت حد تک مریض کی

صحت اور علاج پر منحصر ہے۔ چنانچہ آتشک کے تیسرے درجے کا ظاہر ہونا بہت حد تک مریض کی صحت اور علاج پر منحصر ہے۔ چنانچہ آتشک کے تیسرے درجہ میں جن بیماریوں کا صحیح اور باقاعدہ علاج کیا جاتا ہے، ان میں آتشک کے تیسرے درجے کی علامتیں ظاہر نہیں ہوتیں۔ اگر ہوں بھی تو بہت خفیف ہوتی ہیں۔ لیکن بعض مریضوں میں معقول علاج کے باوجود چھ یا آٹھ ماہ بعد اور بعض میں کئی کئی سال بعد درجہ سوم کی علامتیں ظاہر ہوتی ہیں اور بعض مریض پندرہ پندرہ بیس بیس سال تک بھلے چنگے رہتے ہیں اور پھر ان میں درجہ سوم کی علامتیں ظاہر ہوتی ہیں۔ درجہ دوم اور سوم میں وقتاً فوقتاً ایسی علامتیں ظاہر ہوتی ہیں جو مریض کو تنبیہ کرتی ہیں کہ ابھی آتشک کا مرض گیا نہیں۔ ان علامتوں کو درجہ دوم کی آخری علامتیں کہتے ہیں۔ مثلاً:

(۱) کرہ چشم کے مختلف پردوں میں التہاب۔

(۲) شرائین کے اندرونی طبق میں التہاب۔ کسی دماغی شریان میں سدہ واقع ہو کر کسی خاص حصہ دماغ کے دوران خون کا مسدود ہو جانا اور اس کے افعال کا معطل ہو کر مقام کا فالج ہو جانا۔

(۳) ہاتھ پاؤں کے تلووں اور بعض دفعہ تمام جسم پر مرض سورائی سس کا پیدا ہو جانا۔ جس میں گول گول چٹاخ پڑ جاتے ہیں اور چمڑا خشک ہو کر پھٹ جاتا ہے اور اس پر سے چھلکے اُترتے رہتے ہیں۔

(۴) ٹانگوں وغیرہ پر گول گول زخم بن جاتے ہیں، جنہیں ڈاکٹری اصطلاح میں روپیا (Rupia) اور طب قدیم کی اصطلاحات میں لفاخات یا چھالے کہتے ہیں یہ چھالے کبھی متفرق اور کبھی مجتمع ہوتے ہیں اور مٹر کے دانے سے لے کبوتر یا مرغی کے انڈے کے برابر ہوتے ہیں اور آبی رطوبت سے پر ہوتے ہیں۔ چھالے پھوٹ کر رطوبت بہہ جاتی ہے اور ان پر کھرنڈ جم جاتے ہیں۔ آتشکی لفاخات کا یہ خاصا ہوتا ہے کہ یہ زخم اندر ہی اندر بڑھتا ہے، ننھے بچوں کی ہتھیلیوں اور تلوؤں میں مادہ آتشک سے یہ مرض عموماً ہو جاتا ہے۔

غرض یہ کہ اس مرض میں اگر پہلے اور دوسرے درجے کا علاج دھیان سے نہ کروایا جائے تو تیسرا درجہ اپنے خوفناک اثرات کے ساتھ رونما ہوتا ہے اور اعضائے رئیسہ تک متاثر ہوتے ہیں۔ دماغ اور اس کے اعصاب، پھیپھڑے، جگر، گردے طحال آنتیں اور اعضائے باطنی میں گونا گوں خرابیاں اور سختیاں پیدا ہو کر حیات کی مسرتیں اور نشاط عمر کا دور کلفت اور مصیبتوں میں بدل جاتا ہے۔ بعض اوقات آنکھ کا پردہ قرنیہ اور دوسرے پردے باہم جڑ جاتے ہیں اور عصب لوزتین میں التہاب پیدا ہو جاتا ہے۔ ابتدائی حالات میں تو ہڈیاں درد کرتی ہیں، لیکن آخر میں ہڈیاں نرم ہو کر گلنے لگتی ہیں۔ تالو گل جاتا ہے۔ کبھی ناک کا بانسہ گل کر ناک بیٹھ جاتی ہے اور پھر یہ حالتیں ایسی بعید العلاج ہوتی ہیں کہ مریض موت کی گھڑیاں گننے لگتا ہے۔

اس مرض کا اثر ذرّات خون اور اعضائے جسم کے تار و پود پر بھی ہوتا ہے اور وہ اس طرح کہ جب مریض کے جسم میں مادہ کا سم قاتل داخل ہو جاتا ہے اور مدافعات فطری مقابلے پر آمادہ ہو جاتے ہیں تو جسم کے ریشوں، غدد اور جھلیوں وغیرہ میں سختی اور مادہ تو ثولی پیدا ہو کر اس کے مزاج کی رطوبتیں جسم کے ہر حصہ میں جہاں آسانی سے موقع ملتا ہے جمع ہو کر صلابتیں پیدا کرتی رہتی ہیں اور اسی مادہ لزوج کا دباؤ کہیں جسم کے ریشوں اور شریانوں و اعصاب وغیرہ پر پڑتا ہے اور کہیں یہ لزوجت ان تمام اعضاء میں سے کسی ایک کو انتخاب کر لیتی ہے۔ چنانچہ مختلف احشاء میں گلٹیاں جلد کے نیچے عضلات میں، زبان، حلق، امعاء، دماغ، نخاع، اعصاب دل، پھیپھڑے جگر، تلی اور گردوں وغیرہ پر نیز ہڈیوں میں بھی پیدا ہو جاتی ہے۔

آتشک کے اقسام

آتشک کے دو اقسام ہیں، عوام ان کو نر اور مادہ کہتے ہیں۔ انگریزی میں سافٹ شنکر اور ہارڈ شنکر کہتے ہیں۔ ہماری تحقیقات میں ایک

اعصابی عضلاتی ہے اور دوسری اعصابی غدی ہے۔ یونانی طب میں اعصابی عضلاتی اس آتشک کو کہتے ہیں جس میں رقیق بلغم جل کر سودا بن جائے اور متعفن ہو جائے اور اعصابی غدی اس آتشک کو کہتے ہیں جس میں رقیق بلغم صفراء سے مل کر جل جائے اور متعفن ہو۔ بہر حال دونوں قسم کے آتشک میں بلغم کا دخل ہوتا ہے، جل کر متعفن ہو جاتا ہے۔

دلچسپ بحث

عوام میں آتشک کے دو اقسام نر اور مادہ کے لحاظ سے تسلیم کئے گئے ہیں۔ ان میں دلچسپ بات یہ ہے کہ ہم نے کئی بار اشارہ کیا ہے کہ ہماری تحقیقات میں عورت میں عضلاتی تحریک اوّل تو ہوتی ہی نہیں ہے اور اگر ہوتی ہے تو اعصابی عضلاتی یا غدی عضلاتی تک محدود رہتی ہے اور مردوں میں پوری عضلاتی غدی تحریک کام کرتی ہے۔ اس لئے **نر آتشک اعصابی عضلاتی ہوتا ہے جو زیادہ تر مردوں کو ہوتا ہے اور عضلاتی اعصابی آتشک مادہ ہوتا ہے جو مردوں کو کم اور عورتوں کو زیادہ ہوتا ہے۔** دیگر طبی کتب میں ان کی تشریح درج ذیل ہے۔

نر اور مادہ آتشک میں فرق

مادہ اور نر آتشک میں یہ تفاوت ہے کہ مادہ آتشک سے مسموم ہونے کے بعد کم از کم دس یوم ورنہ دو ہفتے تک ابتدائی علامتیں ظاہر ہوں تو سمجھ لینا چاہئے کہ آتشک مادہ ہے اور اگر ارتکاب فعل بد سے 24 گھنٹے کے اندر ہی فوری آبلہ نمودار ہو جائے اور ٹوٹ کر چار پانچ دِن میں زخم بن جائے تو سمجھ لینا چاہئے کہ آتشک کا مادہ ہے۔ نیز نر اور مادہ آتشک کی شناخت کے لئے اور بھی علامتیں ہیں۔ مادہ آتشک میں آبلہ یا زخم پیدا ہونے کے ہفتہ عشرہ بعد چڈوں میں ایک طرف یا دونوں طرف گلٹیوں میں ورم نمودار ہوتا ہے۔ لیکن پیپ نہیں پڑتی۔ اور اگر آتشک نر ہے تو زخم پیدا ہوتے ہی غدود متورم ہو کر عموماً جلد پک جاتے ہیں اور پیپ بہنے لگتی ہے۔

اس میں تو کوئی کلام نہیں ہے کہ فاحشہ بازاری عورتوں سے مباشرت کے بعد ان علامتوں کا پیدا ہو کر آبلہ ورم یا زخم بن جانا، پھر چڈوں کی گلٹیاں متورم ہو جانا بطور مشترک ہیں۔ لیکن مادہ آتشک میں بڑا امتیازی فرق یہ ہے کہ اس کا آبلہ بہت سخت ہو جاتا ہے اور چٹکی کے اندر دبانے سے جلد کے اندر ایک غدود سا معلوم ہوتا ہے اور چھونے سے متحرک اور ایک سمت سے دوسری سمت ہٹتا معلوم ہوتا ہی اور آتشک نر میں اتنی صلاحیت نہیں ہوتی۔ وہ نمودار بھی جلد ہوتا ہے اور پک بھی جلد جاتا ہے اور اس کا زخم بھی گہرا ہوتا ہے۔ تاہم یہ باتیں بہت غور کے قابل ہیں۔ کیونکہ دونوں آتشک نر اور مادہ ایک ہی زمانے میں پیدا ہوتے ہیں اور دھوکا کھا کر نتائج بد سے سابقہ پڑتا ہے۔ اس لئے طبیب کی حذاقت کا امتحان انہی حالات کے موازنہ میں ہوا کرتا ہے۔ ان دونوں کے اثرات میں بھی فرق ہے۔

مادین آتشک کا زہر خون میں سرایت کر جاتا ہے اور اس کا مادہ اندر ہی اندر نشوونما پاتا رہتا ہے۔ اس لئے ایک زمانہ دراز تک علاج کی ضرورت ہے۔ اس لئے دورِ جدید میں تین سال تک علاج کی ضرورت ہے۔ ورنہ صلی السبیل توارث نسلوں میں یہ قاتل منتقل ہو کر قوم کے شیرازہ حیات میں ابتری پیدا کر دینے کا ذریعہ بنتا ہے۔ لیکن نر آتشک کا زہر خون میں شامل نہیں ہوتا۔ بلکہ بیرونی تکلیف پر ہی ختم ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر زخم کا علاج اور فوری نہ کیا جائے تو اس سے بھی عضو تناسل میں تکل پیدا ہو جاتا ہے اور وہ گل جاتا ہے۔ لیکن اگر ہوشیاری سے خبرگیری کی جائے اور جلدی اس کا علاج کر لیا جائے تو زیادہ خطرات پیش نہیں آتے۔

نر آتشک میں مرکبات سیماب وغیرہ کے زیادہ استعمال کی ضرورت بھی نہیں پڑتی۔ اس لئے کہ اس کا اثر خون اور عروق کے نازک حصے تک نہیں پہنچ سکتا اور اس میں درجات بھی نہیں ہوتے۔

جب تک کوئی ایسی قوی وجہ نہ ہو کہ آتشک نر اور آتشک مادین متحد الوقت نہ ہو جائے، اس وقت تک دونوں میں مابہ الامتیازی وہی علامتیں رہیں گی جو اوپر بیان کردی گئی ہیں۔ اس لئے آتشک نر میں خون عموماً سمیت سے محفوظ ہوتا ہے، لیکن اس کے مادہ کے خبیث ہونے میں کسی قسم کا شبہ نہیں ہے۔

اصول علاج

یاد رکھیں کہ اصول علاج اسباب کے مطابق قائم کئے جاتے ہیں۔ ہم اپنی تحقیقات میں یہ ثابت کر چکے ہیں کہ مرض آتشک کا سبب صرف چھوت چھات نہیں ہے بلکہ وہ سبب غذائیں، دوائیں اور ماحول ہو سکتے ہیں جو دماغ اور اعصاب میں سوزش پیدا کردیں اور ان سے زہر پیدا ہو کر جسم کو کھانا شروع کردیں۔ آتشک ایک مخصوص علامت ہے جس کے زخم کی ابتداء اعضائے مخصوصہ سے ہوتی ہے اور اس کے بعد اس کے اثرات اور زخم باقی جسم پر پھیل جاتے ہیں۔ خاص طور پر حلق اور ناک، آنکھ اور کان، ہاتھ اور پاؤں کی انگلیاں نمایاں طور پر اس سے متاثر ہوتی ہیں۔ لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ آتشک کی ابتدا صرف اعضائے مخصوصہ سے شروع ہو۔ بلکہ مادے کی شدومد اور خفت کی وجہ سے دیگر اعضاء پر بھی اس کی علامات شروع ہو سکتی ہیں۔ اس لئے تشخیص میں مریض کے مزاج اور اعضاء پر اثرات خاص طور پر انسجہ (Tissues) پر سوزش کا خاص طور پر خیال رکھیں تو صحیح تشخیص سامنے آجاتی ہے۔

اُصول علاج کو پھر ذہن نشین کرلیں کہ دماغی اور اعصابی امراض کی سوزش میں اعصاب میں تیزی۔ غدد اور جگر میں تحلیل اور دِل اور عضلات میں سکون ہوتا ہے۔ اس لئے نظریہ مفرد اعضاء کے تحت جس مقام پر سکون ہوتا ہے، اس میں تیزی پیدا کردی جاتی ہے، جس سے وہاں کی رطوبات خصوصاً متعفن اور زہریلی رطوبات ختم ہونا شروع ہو جاتی ہیں، اور ان کی مکمل تحریک کے بعد جسم کی حالت اس طرح بن جاتی ہے کہ دِل اور عضلات میں تحلیل اور دماغ اور اعصاب میں تحریک اور جگر و غدد میں تسکین ہوتی ہے۔ یعنی جہاں پر تسکین تھی وہاں پر تحریک ہوگی جہاں سوزش تھی وہاں پر وہ تحریک سے رفع ہوگی اور جہاں پر تحلیل تھی اور اس سے ضعف تھا وہاں پر حدت ختم ہو کر سکون پیدا ہو گیا۔ یہی اعصابی اور دماغی امراض کا اصول علاج ہے۔ چاہے وہ سر سے پیر تک کسی مقام پر ہوں۔ البتہ سہولت کے لئے اگر اتنا اور کرلیا جائے تو بہتر ہے کہ اعصابی غدی تحریک سے پہلے اعصابی عضلاتی کردیا جائے تاکہ دورانِ خون آسانی کے ساتھ اعصاب سے عضلات کی طرف منتقل کیا جائے۔

یادداشت

یاد رکھیں کہ اصول علاج کلی طور پر صرف اتنا ہی ہے کہ دورانِ خون کے ساتھ ساتھ ہمیں اپنی تحریکات اور علاج کو جاری رکھنا چاہئے دوران خون جو قلب اور عضلات سے شروع ہوتا ہے۔ جگر اور غدد سے گزرتا ہوا دماغ اور اعصاب پر اپنی رطوبات پھینکتا ہے۔ پھر عضلات اور قلب کے انقباض سے وہ رطوبات جذب ہو کر دورانِ خون میں ترشی اختیار کرنے کے بعد شامل ہو جاتی ہیں۔ بس اسی دوران خون کے تحت امراض بھی ختم ہو جاتی ہیں اور کیمیائی طور پر خون بھی صاف ہو جاتا ہے۔

فرق

یادداشت کے لئے ہم اعصابی غدی اور اعصابی عضلاتی کا فرق پھر بیان کر رہے ہیں تاکہ نو آموز معالج مغالطے میں نہ رہیں۔ اعصابی غدی میں اعصاب میں سوزش کے ساتھ ساتھ جسم میں کچھ حدت بھی پائی جاتی ہے اور زخموں میں سوزش زیادہ ہوتی ہے۔ رطوبات بھی زیادہ ہوتی ہیں، زخم زیادہ رستے ہیں، لیکن جلن ختم نہیں ہوتی اور اعصابی عضلاتی میں سوزش کم، تعفن زیادہ، رطوبات کم اور غلیظ، جلن بھی کم ہوتی ہے۔ اس لئے

اگر اعصابی غدی صورت کو پہلے غدی اعصابی کر لیا جائے تو تحریک بدلنے کے ساتھ ساتھ مرض کی تیزی میں بھی کمی ہو جاتی ہے۔

ہم اپنی تحقیقات میں آتشک کے نر اور مادہ اقسام کے متعلق لکھ چکے ہیں۔ وہ بھی یہی دونوں صورتیں ہیں۔ یعنی مادہ آتشک اعصابی غدی ہے جو اپنے اثر میں مادی ہوتی ہے اور اعصابی عضلاتی نر آتشک ہے جو اپنے اثرات کے لحاظ سے پہلے کی نسبت کم ہوتی ہے۔ گویا اس طرح ہم مادہ آتشک کو نر آتشک میں بدل سکتے ہیں۔ اگر کوئی معالج وقتی طور پر نبض یا قارورے سے یہ فرق معلوم نہ کر سکے تو اس کو اصول علاج کے مطابق اعصابی امراض کا علاج اعصابی تحریک سے شروع کرنا چاہئے۔ طبیعت خود بخود رفتہ رفتہ منزلوں سے گزر کر ٹھیک ہو جائے گی۔ گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

ہر عضو کے ساتھ جو دو تحریکیں وابستہ کی گئی ہیں، وہ صرف سہولت کے لئے ہیں۔ ورنہ ان کا اصول علاج پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ اس لئے اعصابی غدی اور اعصابی عضلاتی کے فرق سے گھبرانا نہیں چاہئے۔

اسی طرح دیگر امراض کے علاج میں عضلاتی اعصابی اور عضلاتی غدی یا غدی عضلاتی اور غدی اعصابی وغیرہ تحریکات میں فرق اگر وقتی طور پر معلوم نہ ہو سکے تو کسی قسم کا فکر کئے بغیر اصول علاج کے تحت صرف مفرد اعضاء عضلات، غدد اور اعصاب میں ضرورت کے مطابق تحریک پیدا کر دینا کافی وشافی اور یقینی علاج ہے۔ ذیل میں ہم دونوں تحریکات کے مطابق ادویات لکھیں گے۔ لیکن اگر تشخیص میں کوئی کمی رہ جائے تو صرف عضلاتی ادویات استعمال کریں اور یہی آتشک کا صحیح وشافی اور یقینی ومکمل علاج ہے۔ شرط یہ کہ غذا بھی اس کے مطابق رکھی جائے اور اگر ہو سکے تو ماحول بھی دیکھا جائے۔

علاج

مرض آتشک کا آسان اور سیدھا سادھا علاج یہ ہے کہ یونانی طریق علاج کے مطابق اخلاط اور مزاج کے تحت کیا جائے۔ یہ بات پھر ذہن نشین کر لیں کہ جب بلغم میں فساد اور تعفن پیدا ہو کر سودا بن جاتا ہے تو وہ جسم میں آتشک کی علامات پیدا کرنا شروع کر دیتا ہے اور جب اس کے بالمقابل خلط اور مزاج پیدا کیا جاتا ہے تو بلغم کی پیدائش اور اس کا فساد اور تعفن ختم ہونا شروع ہو جاتا ہے اور مزمن آتشک ہمیشہ کے لئے ختم ہو جاتا ہے۔

چونکہ بلغم کی زیادتی اعصابی تحریک سے پیدا ہوتی ہے اور اس کے بالمقابل عضلاتی تحریک سے بلغم ختم ہو جاتی ہے۔ اس لئے عضلات کو تحریک دیں جو بالکل طب یونانی کے بنیادی اصولوں کے مطابق عمل کر کے جسم میں نیا مزاج پیدا کر دیتا ہے، اس مقصد کے لئے ذیل کی ادویات استعمال کریں۔ یہاں پر پھر تاکید کی جاتی ہے کہ عام ذہن کے اطباء عضلات کی دو تحریکوں کا خیال نہ رکھیں جن میں سے ایک سرد اور ایک گرم ہوتی ہے جو تحریک بھی استعمال کریں گے فائدہ شروع ہو جائے گا۔

تحقیقات فارما کوپیا کے نسخے جو عضلاتی ہیں، استعمال کر سکتے ہیں۔ عضلاتی اعصابی مسہل، عضلاتی غدی ملین، ضرورت پر مسہل اور جب دیکھیں کہ خوفناک صورت اختیار کر گیا ہے تو اس وقت عضلاتی اعصابی اکسیر، عضلاتی غدی اکسیر یا عضلاتی اعصابی تریاق یا عضلاتی غدی تریاق استعمال کرائیں۔ لیکن اگر مریض کو قبض ہو تو عضلاتی یا اعصابی مسہل یا عضلاتی غدی مسہل ساتھ شریک رکھیں۔ بلکہ کوشش یہ ہونی چاہئے کہ مریض کو روزانہ دو تین اسہال ہو جایا کریں۔

زہریلی ادویات

ہم نے اپنی تحریروں میں ہمیشہ یہ تاکید کی ہے کہ جہاں تک ممکن ہو، زہریلی ادویات کا استعمال نہ کیا جائے اور جب اس کے بغیر چارہ نہ ہوتو اس کو قلیل سے قلیل مقدار میں برتیں۔ چونکہ اکسیرات اور تریاقات میں زہروں کی آمیزش ہوتی ہے، اس لئے ان کا استعمال اشد ضرورت کے وقت کیا کریں تاکہ معالج یا مریض کبھی غلطی سے یا جلد فائدہ کی خاطر زیادہ مقدار میں دوا کھا لے تو نقصان نہ ہو۔

پارہ کا استعمال

آیورویدک، طب یونانی اور فرنگی طب ہومیوپیتھی میں پارے کو آتشک کے مرض میں استعمال کیا جاتا ہے اور ہر طریق علاج میں اس سے یقینی فائدہ حاصل ہوسکتا ہے۔

پارہ کے متعلق ہماری تحقیقات

کیمیا کی اصطلاح میں پارے کو خام چاندی کہتے ہیں اور ان دونوں کے ایک ہی قسم کے افعال واثرات بیان کرتے ہیں اور جہاں تک مزاج اور خلط کا تعلق ہے، چاندی اور پارہ اپنی خام حالتوں میں بلغم پیدا کرتے ہیں اور ان کا اثر اعصاب پر شدت سے ہوتا ہے۔ لیکن جب چاندی کا کشتہ تیار کیا جاتا ہے تو اس کا اثر عضلات پر پڑتا ہے اور اس کے علاوہ چاندی کسی صورت میں بھی استعمال کی جائے، اس کے افعال واثرات میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔ لیکن پارہ ایک ایسی دوا ہے جو مختلف افعال واثرات کی ادویات کے ساتھ مل کر دوسری ادویات کے افعال واثرات میں تیزی اور شدت پیدا کر دیتا ہے۔ اس لئے آیورویدک اور فرنگی طب میں اس کے بے شمار مرکبات ہیں جو طب یونانی میں بھی استعمال ہوتے ہیں۔ مثلاً اس کا ایک عام مرکب کجلی ہے۔ جو پارہ اور گندھک کو ہم وزن ملانے سے آدھ گھنٹہ تک کھرل کرنے کے بعد تیار ہو جاتی ہے۔ اس کے افعال و اثرات غدی عضلاتی ہوتے ہیں۔

ہم نے کجلی کے نسخے میں یہ تبدیلی کر دی ہے کہ پارہ ایک حصہ اور گندھک سات حصے آدھ گھنٹہ تک کھرل کریں تو کجلی تیار ہو جاتی ہے اور جہاں کجلی کی ضرورت ہو، اس کو استعمال کریں، یہ کجلی سے بھی زیادہ مفید اور بہتر ثابت ہوتی ہے اور اس سے منہ بھی نہیں آتا۔

اس کا دوسرا مشہور مرکب شنگرف ہے۔ جو گندھک اور پارے کے ملانے سے تانبے کے برتن میں پختہ کیا جاتا ہے۔ اس کے اثرات و افعال عضلاتی غدی ہیں۔ اس کا تیسرا مرکب دار چکنا ہے جو پارے اور نمک اور دیگر کیمیائی ادویات کا مرکب ہے۔ اس کے افعال واثرات غدی اعصابی ہیں۔ اس کا چوتھا مرکب سنگچورہے جو پارہ اور سنکھیا کا مرکب ہے۔ یہ عضلاتی اعصابی ہے۔ ان کے علاوہ فرنگی طب کے علم الادویہ میں اس کے مزید مرکبات پائے جاتے ہیں جن میں سب سے پہلا مشہور مرکب کیلومل ہے۔ اس میں پارے کے نمایاں اثرات کے ساتھ مسہل اور ملین اثرات بھی پائے جاتے ہیں۔ یہ اعصابی غدی ہے اس کے ساتھ کوئی نہ کوئی ملین ضرور دینا چاہئے۔ نہیں تو فوراً منہ آجاتا ہے۔

پارے کی یہ خوبی کہ وہ فوراً ہر قسم کی ادویات میں تحلیل ہو کر ان کے اثرات کو بڑھا دیتا ہے، بہت ہی کم ادویات میں نظر آتی ہے اور جن میں یہ خوبی پائی بھی جاتی ہے تو بہت کمی کے ساتھ پائی جاتی ہے۔ ہم کسی اور موقع پر اس کا ذکر کریں گے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ جب پارہ گندھک سے ملتا ہے تو اس کا رنگ سیاہ ہو جاتا ہے۔ شنگرف کو جب پختہ کرتے ہیں تو اس کا رنگ شنگرفی ہو جاتا ہے۔ جب اس میں نمک کی آمیزش کرتے ہیں تو اس کا رنگ زردی مائل ہو جاتا ہے۔ جب اس کو نیلے تھوتھے میں ملایا جائے تو اس کا رنگ سلیٹی بن جاتا ہے۔ اس کے مختلف رنگ اپنے اندر مختلف اثرات بھی رکھتے ہیں اور ضرورت کے وقت یہ اکسیر کا کام دیتے ہیں۔

یادرکھیں کہ جس نسخے میں پارہ نہیں ہوتا وہ کبھی اکسیر کا کام نہیں کرسکتا۔ کیونکہ پارے کے افعال واثرات میں اتنی شدت ہے کہ یہ برق رفتاری کے ساتھ عمل کرتا ہے۔

بیرونی طور پر بھی پارہ اپنی مختلف صورتوں اور رنگوں میں مختلف امراض میں اکسیر کا کام دیتا ہے۔ اگر کیمیائی طور پر بھی پارہ دہی کی طرح پھٹ جائے تو یہ آبِ حیات بن سکتی ہے۔ جس کی ایک خوراک جسم کو کندن بنا سکتی ہے۔ لیکن یہ بہت مشکل عمل ہے جس کو یہ نصیب ہو جائے، وہ بادشاہ ہوتا ہے۔

چند اہم نکات

ہم نے اپنی تحقیقات میں یہ ثابت کیا ہے کہ آتشک اگرچہ متعدی مرض ہے، تاہم اس کی ابتداء ایسی اغذیہ اور ادویہ سے بھی ہو سکتی ہے جو اعصاب میں شدید تحریک پیدا کریں یا بلغم اور رطوبت کی پیدائش کو بڑھا دیں۔ اس لئے انسان کو خصوصاً ایسے لوگوں کو جن کو اعصاب میں تحریک ہو یا وہ بلغم کے مریض ہوں، ان کو ایسی اغذیہ اور ادویہ سے پرہیز کرنا چاہئے، جن سے ان کی تکالیف میں اضافہ ہوتا ہے۔ مثلاً:

(۱) سرد پانی کا زیادہ استعمال، سرد اغذیہ کا زیادہ کھانا۔ دریائی اور سمندری زندگی، ہر وقت رطوبت اور نمی میں گھرے رہنا۔ مچھلی اور دریائی یا سمندری جانور کو بہت مدت تک استعمال کرنا وغیرہ۔

(۲) جن لوگوں کو مرض آتشک ہے، ان سے ملنے جلنے اور کھانے پینے میں پرہیز لازمی ہے۔

(۳) ایسے لوگوں کو اس وقت تک شادی نہیں کرنی چاہئے جب تک ان کو اس مرض سے پوری طرح آرام نہ آ جائے۔ کیونکہ شادی کے بعد یہ مرض بیوی کو بھی ہو جاتا ہے، جس سے وہ دیگر رشتہ دار عورتوں میں پھیل سکتا ہے اور اگر اولاد پیدا ہو جائے تو یہ مرض یقیناً اس میں بھی جاتا ہے۔ پھر یہی بچے کھیل کود کے میدان اور سکول و کالجوں میں دوسرے بچوں اور ہمجولیوں میں اس مرض کے پھیلانے کا باعث بنتے ہیں۔ کھیل کود کے دوران ماں باپ کو بچوں کے دوستوں پر خاص نگاہ رکھنی چاہئے۔ اور سکول اور کالج میں ایسے بچوں کو جب تک معالج کی تصدیق نہ ہو، داخلہ نہیں ملنا چاہئے۔

(۴) اگر مریض کے ظاہری جسم پر زخم وغیرہ نہ ہوں تو اس کو علاج کے دوران گھر سے باہر آنے جانے کی بندش نہیں ہونی چاہئے۔ لیکن اگر جسم پر زخم ہوں اور خاص طور پر ان میں تعفن پیدا ہو جائے تو اس کو ہسپتال داخل کرا دیا جائے یا گھر میں رہنے کی تاکید کی جائے، تاکہ اس سے دوسرے لوگ محفوظ رہیں۔

(۵) جب جسم میں درد اور جلن کے ساتھ بدبودار پیپ اور تعفن پیدا ہو جائے تو کوشش یہ کرنی چاہئے کہ جلد ہی درد و جلن اور بدبودار پیپ رفع ہو جائے، کیونکہ ایک طرف یہ پیپ بدن میں جہاں بھی دوسری جگہ لگتی ہے وہیں زخم بنا دیتی ہے اور دوسری طرف دوسرے لوگوں میں امراض پھیلانے کا باعث بنتی ہے۔

(۶) یہ بات یاد رکھیں کہ جس شخص کے جسم میں پھوڑے یا زخم یا خارش ہو اس کے جسم پر مرض آتشک کا جلد حملہ ہو سکتا ہے۔

(۷) بعض لوگوں میں جب آتشک کے سبب سے غدود پر اثر ہوتا ہے تو تحلیل کے بعد ان میں کھچاؤ کی صورت پیدا ہو جاتی ہے۔ ایسی صورت میں جسم میں فوراً حرارت کی کمی پورا کرنا چاہئے۔ علاج کے دوران یہی کوشش ہونی چاہئے کہ مریض کے زخم لور درد و جلن جلد رفع ہو جائے اور اس سے بہنے والی رطوبت اور پیپ جلد سے جلد ختم ہو جائے۔ اور اس امر کو بھی یاد رکھنا چاہئے کہ مکمل شفا تک مریض کو قبض ہرگز نہیں ہونی چاہئے۔

(۸) اگر مرض صرف اعضائے مخصوصہ تک محدود ہو تو اس میں مقامی ادویات کا استعمال بھی ضروری ہے۔

(۹) مرض کتنی بھی شدت اختیار کر جائے یہاں تک کہ گوشت گلنے سڑنے لگے تو بھی علاج سے گھبرانا نہیں چاہئے۔ البتہ اکسیرات اور تریاقات کے ساتھ ساتھ حرارت پیدا کرنے والی ادویات استعمال کرائیں۔

(۱۰) علاج کے دوران میں ہمیشہ یہ پہلے تشخیص کر لینا چاہئے کہ مرض آتشک کے زخم ہیں یا کسی اور مرض سے زخم پیدا ہو گئے ہیں۔ تشخیص میں سب سے بڑا ذریعہ نبض و قارورہ ہیں۔ ان کے علاوہ زخم ہمیشہ سطح پر ہوتے ہیں اور ان کے علاوہ دیگر امراض کے زخم جسم کے اندر کی طرف سے باہر کی طرف آتے ہیں۔

(۱۱) یہ بات بھی یاد رکھیں کہ جب جسم میں جگہ جگہ گلٹیاں بن جائیں تو اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ الحاقی مادے میں حرارت کی کمی سے سختی پیدا ہو جاتی ہے اور یہ گلٹیاں حرارت کی کمی سے پیدا ہو جاتی ہیں۔ اگر یہ گلٹیاں بڑھ جائیں تو ان میں بھی پھٹ کر زخم پیدا ہو جاتے ہیں اور کبھی کبھی بہت سی گلٹیوں کے زخم اکٹھے ہو کر ایک بہت بڑا زخم بنا دیتے ہیں۔

(۱۲) الحاقی مادے میں سختی پیدا ہونے کے بعد عضلاتی مادے میں کھچاؤ اور زخم بڑھنے لگتے ہیں، اور جسم متورم ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد یہ مرض ہڈیوں کی جھلی کو نقصان پہنچا کر مردہ بنانا شروع کر دیتا ہے۔

(۱۳) اگر مریض بہت ضعیف ہو گیا ہو تو اس کے علاج میں مقوی اغذیہ کا اضافہ کر دینا چاہئے اور مریض کو صاف ستھرا رکھنا چاہئے جس سے اس کے جسم میں بہت جلد طاقت پیدا ہو کر مرض رفع ہونا شروع ہو جاتا ہے۔

بواسیری مادہ

تین انسانی زہروں میں سے ایک زہر آتشکی مادہ کو ہم بیان کر چکے ہیں۔ اب دوسرے زہر بواسیری مادہ کا ذکر کرتے ہیں۔ اس کے بعد ہم ان شاء اللہ تعالیٰ تیسرے زہر سوزاکی مادہ کا ذکر کریں گے۔ ان زہروں کی تعریف ہم نے اس طرح کی ہے۔

تعریف زہر انسانی

انسانی خون اور رطوبات اور جسم میں ایسی حالت و صورت پیدا ہو جائے جیسے دیگر اقسام کے زہروں کے اثرات سے پیدا ہوتی ہیں۔ یعنی جس جسم میں پیدا ہو اس کو فنا کر دے یا کسی دیگر جسم میں داخل ہو کر اس کو بھی فنا کر دے یا اس میں بھی زہریلی علامات و اثرات پیدا کر دے اس زہر کا اثر فوری بھی ہو سکتا ہے اور رفتہ رفتہ بھی ہو سکتا ہے۔

پیدائش زہر انسانی

جسم انسان میں جب کوئی مرض پیدا ہوتا ہے تو قوت مدافعت (امیونٹی) اور قوت مدبرہ (وائٹل فورس) اس کو رفع کرنے کی کوشش کرتی رہتی ہے۔ جب وہ کمزور ہونا شروع ہو جاتی ہے تو پھر اس مرض کا زہر خون میں اکٹھا ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ غالب ہوتا جاتا ہے اور رفتہ رفتہ جسم کو ختم کر دیتا ہے۔ یہی زہر جسم کو فنا کر دیتا ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ یہی زہر کسی دوسرے جسم پر اثر انداز ہو کر اس جسم میں بالکل اسی قسم کے زہریلے اثرات اور علامات پیدا کر دے۔

تیسری صورت یہ ہے کہ جس انسان میں یہ زہر پایا جاتا ہے، اس کی اولاد میں بھی یہی زہریلے اثرات اور علامات پائی جاتی ہیں۔ یہ

اثرات اور علامات بالکل ویسی ہوتی ہیں جو باپ میں پائی جاتی ہیں۔ اوّل صورت کا نام بگاڑ اعضاء، دوسری صورت کا نام چھوت چھات اور تیسری صورت کا نام اثرات و وراثت ہے۔ ہم نے زہروں کے اقسام کے متعلق اس طرح بیان کیا ہے۔

اقسام انسانی زہر

چونکہ ان زہروں کی ابتداء بگاڑ اعضاء سے ہوتی ہے اور چونکہ جسم انسان کے حیاتی اعضاء صرف تین ہیں، جن کو ہم اعضائے رئیسہ کہتے ہیں یعنی دِل، دماغ اور جگر۔ اس لئے یہ زہر بھی تین ہی اقسام کے ہوتے ہیں۔ جن کی صورتیں درج ذیل ہیں:

(۱) اعصاب جن کا مرکز دماغ ہے، ان کے بگاڑ سے جو زہر پیدا ہوتا ہے، اس کا نام زہر آتشک یا آتشکی مادہ ہے جس کو ہم بیان کر چکے ہیں۔

(۲) غدد اور غشائے مخاطی، جن کا مرکز جگر ہے، ان کے بگاڑ سے جو زہر پیدا ہوتا ہے اس کا نام زہر سوزاک یا سوزاکی مادہ ہے، جس کا ذکر ہم آئندہ کریں گے۔

(۳) عضلات، جن کا مرکز دِل ہے، ان کے بگاڑ سے جو زہر پیدا ہوتا ہے اس کا نام زہر بواسیر یا بواسیری مادہ ہے، جس کا ذکر ہم اب کر رہے ہیں۔

یہی زہر بعض اوقات مختلف صورتوں میں نظر آتے ہیں اور ان سے مختلف علامات ظاہر ہوتی ہیں۔ لیکن اگر ان کا پوری طرح تجزیہ کیا جائے تو وہ ان تینوں صورتوں ہی میں نظر آتے ہیں۔

یادداشت

یاد رکھیں کہ آتشک جس کو انگریزی میں سفلس کہتے ہیں۔ یہ نہ مرض ہے اور نہ ہی خود زہر ہے۔ بلکہ یہ اس مرض کی علامت ہے جس کا زہر آتشکی مادہ ہے۔ آتشک اور آتشکی مادہ کا فرق سمجھنا ضروری ہے، اسی طرح سوزاک اور سوزاکی مادہ کا فرق ہے اور بالکل اسی طرح بواسیر اور بواسیری مادہ میں فرق ہے۔

راز کی بات

دُنیا بھر میں جس قدر بھی زہر پائے جاتے ہیں، چاہے وہ جماداتی و نباتاتی اور حیواناتی ہوں، جن میں ہر قسم کے جراثیم بھی شریک ہیں اور چاہے وہ امراض زہر ہوں جن میں ہر قسم کے امراض شامل ہیں۔ وہ سب زہر ان تینوں اقسام سے باہر نہیں ہیں۔ اس لئے دُنیا میں صرف تین اقسام کے زہر، تین اقسام کی ادویہ اور تین ہی اقسام کی اغذیہ پائی جاتی ہیں۔ اسی طرح تین ہی اقسام کے امراض اور تین ہی اقسام کے زہر پائے جاتے ہیں۔ یہ تین چیزیں ① کھار ② ترشی اور ③ نمک (جو کھار اور ترشی کا مرکب ہے) ہیں۔ دُنیا میں یہی تینوں چیزیں خالص یا کم و بیش ملی جلی پائی جاتی ہیں۔ ان کے خواص پر حاوی ہونا تمام کائنات پر حاوی ہونا ہے۔ اب ہم بواسیر کی ماہیت پر لکھتے ہیں، اس کے بعد بواسیری مادہ کی حقیقت پر لکھیں گے، تاکہ دونوں کا فرق سمجھا جا سکے اور علاج میں کسی قسم کی مشکل پیدا نہ ہو۔

بواسیر کی ماہیت

بواسیر سے مراد عام طور پر مقعد کے مقام پر مسوں کا نکل آنا ہے۔ یہ باسور کی جمع ہے، جس کے معنی ہیں مواد کا بہنا۔ چونکہ ان مسوں سے اکثر اوقات خون و آب زرد اور ریاح کا اخراج ہوتا رہتا ہے، اس لئے اس کو بواسیر کہتے ہیں۔ جس کو انگریزی میں پائلز کہتے ہیں۔ یہ مسّے عروق مقعد کے دھانوں پر ان کے لحمی بڑھاؤ کی شکل میں ظاہر ہوتے ہیں۔ جس کا سبب بالعموم سوداوی غلیظ خون تسلیم کیا گیا ہے۔ یہ سوداوی غلیظ خون

بذاتِ خود سودا ہو یا کوئی دیگر خلط جل کر سودا غلیظ بن کر خون میں شامل ہوگئی ہو۔ یہ بھی تسلیم کیا گیا ہے کہ بعض اوقات صفرا خون میں ملنے سے بھی بواسیر پیدا ہو جاتی ہے۔ لیکن اس میں بھی سوداوی صورت کو تسلیم کیا گیا ہے۔ اس کی عمومی علامت یہ ہے کہ مقعد پر بوجھ اور خارش رہتی ہے۔ شدت کی صورت میں سوزش اور درد ہوتا ہے اور مسوں سے مواد بہتا ہے اور خونی ہو تو خون آتا ہے جو کبھی پاخانے سے پہلے اور کبھی بعد میں آتا ہے۔ بعض اوقات پاخانے کے ساتھ بھی ملا ہوا ہوتا ہے۔

بواسیر کی اقسام

بواسیر کی دو اقسام ہیں: ایک بادی، دوسری خونی۔ پھر خونی کی بھی دو قسمیں ہیں۔ (۱) جس میں مسوں کے ساتھ خون آتا ہے، اس کو دامی یا دامیہ کہتے ہیں۔ (۲) جس میں مسے تو ہوتے ہیں مگر خون نہیں آتا، اس کو عمیا کہتے ہیں۔

مسوں کی اقسام

بواسیر کے مسے کئی قسم کے ہوتے ہیں۔ مختلف شکل وصورت کی وجہ سے ان کے نام بھی مختلف ہوتے ہیں۔ چند اقسام کے نام درج ذیل ہیں: (۱) عنبی (انگوری) جو انگور کی شکل کے ہوتے ہیں۔ (۲) تینی (انجیری) جو انجیر کی شکل کے ہوتے ہیں۔ (۳) ثولولی (مسوری) جو مسور کی شکل کے ہوتے ہیں۔ (۴) تمری (کھجوری) جو گٹھلی کی مانند سخت ہوتے ہیں۔ (۵) توثی (شہتوتی) جو شکل میں لمبے اور نرم ہوتے ہیں۔

نوٹ: مسوں کے مقعد کے اندر اور باہر ہونے کے بھی دو اقسام ہیں۔ بہر حال مندرجہ بالا اقسام میں شمار ہوتے ہیں۔

ریحی بواسیر

اس کو عربی میں ریح البواسیر کہتے ہیں۔ اس میں مسے نہیں ہوتے۔ اگر ہوتے بھی ہیں تو نمایاں نہیں ہوتے۔ اس کی خاص علامات یہ ہیں: پیٹ میں ریاح دوڑتی پھرتی ہے، جو آسانی کے ساتھ اخراج نہیں پاتی۔ ریاح جسم میں مختلف مقامات میں دوڑتی پھرتی ہے۔ کبھی پیٹ و کمر میں اور کبھی مقعد اور آنتوں میں دباؤ ڈال دیتی ہے۔ پیٹ میں اکثر قبض رہتی ہے۔ مقعد کی بواسیر کی طرح اور بھی چند امراض ہیں جن میں مسے پائے جاتے ہیں۔ مثلاً (۱) بواسیر الانف (۲) بواسیر شفت (۳) بواسیر رحم وغیرہ۔

بواسیر الانف

ناک کی بواسیر، ناک کے اندر بدگوشت پیدا ہو جاتا ہے جو گلٹی کی طرح عام طور پر سفید ہوتا ہے اس کے ساتھ درد کم ہوتا ہے اور کبھی یہ گوشت سرخ اور نیلا ہوتا ہے۔ جس کے ساتھ درد شدید ہوتا ہے۔ خصوصاً اگر اس سے بدبودار زرد پانی بہہ رہا ہو۔ اس سے ہوا کا راستہ تنگ ہو جاتا ہے۔ اور ناک کا بانسہ بھر جاتا ہے۔ حتیٰ کہ یہ بڑھا ہوا گوشت ناک میں دکھائی دیتا ہے اور گاہے وہ بڑھ کر اتنا لمبا ہو جاتا ہے کہ ناک سے یا تالو سے باہر آ جاتا ہے۔ اس وقت اسے طبی اصطلاح میں علق (جونک) کہتے ہیں۔

ناک کے اندر جو زائد گوشت پیدا ہو جاتا ہے، اس کا سبب اس کی اندرونی رگوں میں خون سوداوی کا احتباس ہوا کرتا ہے۔ اگر زیادہ سخت ہو اور اس سے کسی قسم کی رطوبت نہ نکلے تو سرطان کی قسم میں شمار ہو کر بمشکل علاج پذیر ہوتا ہے۔ لیکن اگر نرم اور بارطوبت ہو تو بہ سہولت علاج پذیر ہو سکتا ہے۔

بواسیر شفت

ہونٹ کی بواسیر۔ گاہے نچلے ہونٹ میں چھوٹے سے انگور کے برابر نیلے رنگ کا ابھار پیدا ہو جاتا ہے۔ جس سے ہونٹ باہر کی طرف

لوٹ جاتا ہے اور درمیان سے پھٹ جاتا ہے۔ اس کو ہونٹ کی بواسیر کہتے ہیں اور گاہے نچلے ہونٹ میں سیاہ رنگ کا توت نما اُبھار پیدا ہو جاتا ہے۔ جس کی رنگت اور شکل و شباہت شہتوت جیسی ہوتی ہے۔ اس مرض کا سبب خون محترق ہوا کرتا ہے۔ جس سے صرف لب زیریں (نچلا ہونٹ) یا دونوں ہونٹ موٹے ہو جاتے ہیں اور ان میں شقاق (پھٹن) پیدا ہو جاتی ہے اور ہونٹ پر توت نما اُبھار پیدا ہوتا ہے۔ اس میں مادہ کی شدت ہوتی ہے۔

بواسیر رحم

رحم کی بواسیر۔ رحم کے اندر مسے پیدا ہو جاتے ہیں۔ اس کے مسے دیکھنے اور چھونے سے معلوم ہوتے ہیں۔ یہ مسے درد کی شدت کے وقت سرخ ورنہ زرد رہتے ہیں۔ ان سے میل کی مانند رطوبت خارج ہوتی ہے جس کا رنگ سیاہی مائل ہوتا ہے۔ اس مرض کا سبب بھی سوداوی مادہ کی شدت ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے اکثر رحم میں درد اور رطوبت کی زیادتی رہتی ہے۔

فرنگی طب اور تحقیق بواسیر

کرنل بھولا ناتھ اپنی کتاب "علم و عمل طب" میں لکھتے ہیں: "بواسیر ایک ایسا عالمگیر مرض ہے کہ بہت ہی کم ایسے خوش نصیب آدمی ہوں گے جو اس آفت سے بری ہوں گے"۔ بواسیر بلحاظ مقام دو قسم کی ہوتی ہے: (۱) خارجی جو خارج از مبرز ہوتی ہے۔ (۲) داخلی جو مقعد کے اندر واقع ہوتی ہے۔

۱۔ خارجی بواسیر

مبرز کے باہر کی جانب ایک یا دو مسے بن جاتے ہیں، ان میں خارش اور جلن ہوا کرتی ہے اور قبض ہونے سے اور سرد یا سخت چیز پر بیٹھنے سے ان میں ورم ہو کر درد اور سوزش ہوتی ہے اور بیمار نہ چل پھر سکتا ہے۔ نہ بیٹھ سکتا ہے۔ رفع حاجت کے وقت درد کے مارے مریض پریشان ہو جاتا ہے۔ کبھی کبھی پیشاب بھی بند ہو جاتا ہے۔ اگر مسے عین مبرز کے اوپر واقع ہوں، یعنی نیم دروں یا نیم بروں تو اس قسم کی بواسیر کو درمیانی بواسیر کہتے ہیں۔

درحقیقت مبرز کے آس پاس کی جلد کے چنوٹوں کے اندر ڈھیلا پن واقع ہو کر ورم ہو جاتا ہے۔ یہی مسے ہوتے ہیں اور متورم جلد کے اندر وریدوں کی ایک شاخ ہوتی ہے۔ یہ مسے ہمیشہ خشک ہوتے ہیں اور ان میں سے کسی قسم کا مواد خون نہیں نکلتا۔ یہی اصل میں خارجی بواسیر اندرونی بواسیر کی علامت ہے۔ یعنی پہلے اندرونی بواسیر ہوتی ہے اور اس کے کچھ عرصہ بعد خارجی بواسیر پیدا ہوتی ہے۔

۲۔ داخلی بواسیر

مبرز سے لے کر دو انچ کے اوپر تک مسے بنتے ہیں۔ یا تو مقعد کے گرداگرد چاروں طرف میوکس ممبرین میں وریدیں پھول جاتی ہیں یا ایک دو وریدیں دائمی طور پر ممد ہو کر یا تو بلندیاں پیدا ہو جاتی ہیں یا پھر موٹے موٹے مسے بن جاتے ہیں۔ مسوں کی سطح کسی قدر کھردری ہوتی ہے اور وہ سٹرابری (فرنگی قسم کا بیر) کی طرح دانہ دار نظر آتے ہیں۔ یہ مسے کبھی کبھی پاخانے کے وقت مبرز سے باہر نکل آتے ہیں۔ اور زور لگانے سے اس قدر پھول جاتے ہیں کہ پھر اندر نہیں جا سکتے اور ان میں ورم ہو کر سخت درد اور سوزش ہوتی ہے۔ اندرونی بواسیر میں خون نہیں جاتا۔ مگر گاہے گاہے ضرور جاتا ہے یا رفع حاجت کے وقت پاخانے کے پہلے یا بعد میں چند قطرے نکلتے ہیں۔ خاص کر جب قبض ہو جاتی ہے یا کھانے میں بے احتیاطی کی جاتی ہے۔

اندرونی بواسیر کی ایک شدید قسم بھی ہے جس کا خون دورہ سے خارج ہوتا ہے۔ اس مرض کا دورہ اس طرح سے ہوتا ہے کہ چند روز پیشتر مریض کا ہاضمہ بگڑ جاتا ہے اور پیٹ میں قراقر اور کھلبلی ہوتی ہے۔ ٹانگوں میں درد ہوتا ہے، پنڈلیوں میں تکان اور درد محسوس ہوتا ہے۔ خصوصاً درد تیز چلنے یا سیڑھی چڑھنے سے زیادہ ہو۔ کبھی کبھی خفقان بھی ہوتا ہے اور دِل بے تحاشا دھڑکتا ہے۔ رات کو اچھی طرح نیند نہیں آتی۔ سوتے ہوئے دفعتاً ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہاتھ پاؤں یا بدن کا اور کوئی حصہ سن ہو گیا ہے اور سن ہونے پر بیمار چونک کر اُٹھ کھڑا ہوتا ہے، دوسری کروٹ لیٹ کر سو جاتا ہے۔ تھوڑی دیر بعد پھر وہی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ ان ایام میں پیشاب بھی چند بار زیادہ آتا ہے۔ غرضیکہ اس قسم کی علامات دو تین دِن رہ کر قبض ہونے کے ساتھ یا بغیر قبض کے خون جاری ہو جاتا ہے اور خون نہایت کثرت سے جاتا ہے۔ مسہل کرتے رہو یا پاخانہ صاف ہوتا رہے تو بھی خون جاری رہتا ہے۔ رفتہ رفتہ خون خود بخود بند ہو جاتا ہے اور علامات دور ہو جاتی ہیں۔ بواسیر کا دورہ مہینہ یا دو مہینہ میں ایک بار ہوتا ہے۔ مگر شدید حالتوں میں یا بے احتیاطی کرنے کی صورت میں پندرھویں دِن یا ہفتہ وار ہوتا ہے اور کبھی خون ہر روز آتا ہے اور بالکل نہیں رُکتا اور مریض سفید رنگ منحنی اور کمزور ہو کر صاحب فراش ہو جاتا ہے اور چل پھر نہیں سکتا۔

بواسیر اور فرنگی طب کی تحقیق

بواسیر کو ایک عالمگیر مرض کہا گیا ہے۔ جس کی چند وجوہات بیان کی گئی ہیں۔ اوّل یہ کہ مقعد میں عروق و شریانیں عمومی واقع ہوتی ہیں۔ حالانکہ اور سارے امعاء میں عرضاً پائی جاتی ہیں۔ ان عروق میں دوسری وریدوں کی طرح مصارع نہیں ہوتے اور نتیجہ اس کا یہ ہوتا ہے کہ خون اپنے وزن سے ہمیشہ نیچے اُترنے کا رُخ کرتا ہے۔ اور مقعد کے عروق میں ایک قسم کا ہر وقت امتلاء موجود رہتا ہے۔

دوسرے وریدوں کے اطراف میں عضلات یا دوسرے اعضاء ہوتے ہیں جن کی مجاورت سے وریدیں کچھ نہ کچھ دبی ہوئی اور کسی ہوئی رہتی ہیں۔ مقعد کی اندرونی سطح میں جہاں پر یہ وریدیں واقع ہوتی ہیں کوئی چیز اس قسم کی موجود نہیں ہے جو وریدوں کو سنبھالے اور ان کو دبا کر کس دے اور گاہے گاہے خالی کردے۔ بیداری کی حالت میں انسان ہر وقت کھڑا یا چلتا پھرتا رہتا ہے یا پھر کچھ بیٹھ کر کام کرتا ہے۔ ان دونوں صورتوں میں مقعد کے عروق کے اندر خون کا رُخ کشش ثقل کی وجہ سے نیچے کی طرف ہوتا ہے۔

یہ گویا خلقی اسباب ہیں۔ جو ہماری بشریت کے وارث ہیں اور ہر فرد و بشر میں موجود ہوتے ہیں۔ اب ان کے اوپر اگر اور اس قسم کے اسباب واقع ہو جائیں جن سے امتلائے امعاء زیادہ ہو جائے تو فوراً یہ خبیث مرض نمودار ہو گا اور تا دوام الحیات قائم ہو جائے گا۔

اس قسم کے اسباب میں زیادہ کھانا یا اس قسم کی اشیاء کا کھانے پینے میں استعمال کرنا ہے جن سے سوئے ہضم، قبض اور امتلاء پیدا ہوتا ہے۔ مثلاً ثقیل اور مرغن اشیاء مرچ مصالحہ، اچار، شراب، گوشت۔ زیادہ آرام طلبی اور بیٹھے رہنا اور ورزش نہ کرنا، جس سے کھانا اچھی طرح سے ہضم نہیں ہوتا اور قبض رہتا ہے۔ مسہلات کا زیادہ استعمال کرنا بھی مضر ہے۔

مردوں کو یہ مرض بہ نسبت عورتوں کے زیادہ ہوتا ہے۔ جس کا باعث یہ ہوتا ہے کہ عورتوں میں ماہواری (حیض) آنے کے سبب سے تنقیہ ہوتا رہتا ہے۔ اس مرض کا زیادہ زور تیس برس کے بعد ہوتا ہے اور خود بخود کم ہو جاتا ہے۔ مگر بڑھاپے کی عمر میں جب مثانہ اور پراسٹیٹ گلینڈ (غدودا حلیل) کی بیماریاں پیدا ہوتی ہیں اور پیشاب اور پاخانہ کرتے وقت زور لگانا اور کونتھنا پڑتا ہے تو بواسیر پھر نمودار ہو جاتی ہے۔ کرم امعاء و دیگر اورام قولون و مستقیم بھی اس کے موئید اسباب ہوتے ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس کسی سخت یا سرد چیز پر بیٹھنا اور سائیکل کی سواری بھی بواسیر کے لئے مضر ہے۔ عورتوں کو ایام حمل میں یا جب کسی قسم کے اورام اور ٹیومر (رسولی) رحم یا خصیتین میں پیدا ہو جائیں جن سے حوض الورک میں وزن بڑھ کر عروق

کا امتلاء ہو جاتا ہے۔ بواسیر ضرور پیدا ہو جاتی ہے۔ بواسیر بعض مریضوں میں علامات پیدا ہوا کرتی ہیں۔ امراض کبد وقلب جن میں ورید باب کے شاخوں میں امتلاء ہوتا ہے بواسیر بھی ضرور پیدا ہو جاتی ہے اس لئے کہ وہ اور مقعد آخر میں ورید باب میں جا کر ختم ہوتے ہیں۔

بعض لوگوں میں یہ مرض خاندانی اور موروثی ہوتا ہے۔ خصوصاً سوداوی مزاج کے لوگوں میں۔ بلکہ اغلب خیال یہ بھی ہے کہ نقرس اور نیورلجیا یعنی وجع عصب سے بھی اس مرض کا کچھ نہ کچھ تعلق ہے۔ اس طور پر ایک خاندان میں باپ کو نقرس میں مبتلا ہوتا ہے۔ لیکن اس کے دو لڑکے یا ایک لڑکا اور ایک لڑکی میں سے ایک کو نیورلجیا ہوگا، دوسرے کو بواسیر بلکہ ایسا بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ ایک ہی شخص کو بواسیر اور نیورلجیا تھا۔ جب بواسیر کا خون جاتا رہتا ہے تو نیورلجیا کا دورنہیں ہوتا اور جب نیورلجیا کا زور ہوتا ہے تو بواسیر کا خون بند ہو جاتا ہے۔ بواسیر کے مریضوں کو دوامی ویریکوسل وغیرہ وریدوں کے امراض بھی اکثر ہوا کرتے ہیں۔ خونی بواسیر ہمیشہ دورہ سے زور کرتی ہے جس کے سبب دائرہ امراض یعنی نقرس و نیورلجیا کے ساتھ اس مرض کا رشتہ اور مستحکم طور پر ثابت ہوتا ہے۔

فرنگی طب کی غلط فہمی

فرنگی تحقیقات میں پہلی غلطی یہ کی گئی ہے کہ بواسیر کے عالمگیر ہونے کی ایک وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ مقعد میں عروق وشرائن عمودی واقع ہوتے ہیں۔ یہ گویا خلقی سبب ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ انسان میں خلقی طور پر کچھ بھی خرابی نہیں ہے۔ کیونکہ انسان مسلمہ طور پر اشرف المخلوقات ہے اور خداوند تعالیٰ نے بھی قرآن حکیم میں فرمایا ہے:

﴿ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ ﴾

''البتہ تحقیق ہم نے انسان کو بہترین بناوٹ پر پیدا کیا ہے''۔

پھر انسان کی تخلیق پر اعتراض غیر مناسب اور اس کی حقیقت کا نہ جاننا ہے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ مقعد کی عروق اور شرائن کو عمودی اس لئے رکھا گیا ہے کہ وہاں پر اعصاب کی کثرت ہے۔ تا کہ تحریک سے وہاں غدد اپنی رطوبات کو آسانی سے نیچے کی طرف گرا سکیں۔ جس سے پاخانہ اور ریاح آسانی سے اخراج پا سکیں۔ اگر مقعد کے پاس بھی ان کی عمودی صورتیں نہ ہوتیں تو مواد وہاں پر رُکا رہتا اور متعفن ہو کر باعث فساد ہوتا۔ جس سے تکلیف دہ امراض کا پیدا ہونا یقینی ہے۔ اگر خلقی سبب تسلیم کر لیا جائے تو پھر یہ مرض ہر شخص کو ہونا چاہئے۔ مگر ایسا نہیں ہے۔

دوسری یہ وجہ بیان کی گئی ہے کہ عضلات اور دیگر اعضاء کے مجاورات کے دباؤ اور کساوٴ سے بواسیر کی صورت پیدا ہو جاتی ہے۔ اس دباؤ اور کساوٴ کا کوئی سبب پیش نہیں کیا گیا جو بالکل بے دلیل ہے۔ البتہ دیگر اسباب میں یہ لکھا گیا ہے کہ بیداری کی حالت میں انسان ہر وقت یا کھڑا رہتا ہے یا چلتا پھرتا رہتا ہے یا کچھ بیٹھ کر کام کرتا ہے۔ ان دونوں صورتوں میں مقعد کے عروق کے اندر خون کا رُخ بوجہ کشش ثقل کے نیچے کی طرف کو ہوتا ہے۔

جاننا چاہئے کہ چلنا پھرنا مرض بواسیر کے لئے بے حد مفید ہے۔ البتہ بیٹھے رہنا، چونکہ حرکت کے خلاف ہے، اس لئے قبض کی صورت پیدا کر دیتا ہے۔ لیکن ان دونوں صورتوں کا تعلق کشش ثقل سے کچھ نہیں ہے۔ جب کہ ہم دیکھتے ہیں کہ بے شمار ایسے امراض ہیں جن میں دورانِ خون نیچے کی طرف ہوتا ہے اور اسی طرح بہت سے ایسے امراض ہیں جن کا تعلق اوپر کی طرف ہوتا ہے اور ان پر کشش ثقل کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔

یاد رکھیں کہ جسم میں دورانِ خون نیچے کی طرف اس وقت ہوتا ہے جب دماغ اور اعصاب میں تحریک ہو اور دورانِ خون اوپر کی طرف اس وقت ہوتا ہے جب تحریک قلب و عضلات میں ہوتی ہے اور اسی طرح جسم کے اندر کی طرف دورانِ خون اس وقت ہوتا ہے جب جگر اور غدد میں تحریک ہو۔ بہر حال فرنگی طب کی یہ تحقیقات دوران خون اور قانون فطرت کے خلاف ہیں اور تجربہ اور مشاہدہ ان کو غلط قرار دیتا ہے۔

جہاں تک دباؤ اور کساؤ کی حقیقت کا تعلق ہے، اس کے متعلق فرنگی طب خاموش ہے۔ اس کی حقیقت ہم ذیل میں درج کرتے ہیں۔ معدہ کی بناوٹ میں زیادہ تر عضلات کا تعلق ہے جن کا کام ترشی (ایسڈیٹی) پیدا کرنا ہے، جس سے وہ غذا جو معدہ میں داخل ہوتی ہے نہ صرف تحلیل ہوتی ہے بلکہ اس سے ہضم بھی ہوئی ہے۔ لیکن جو غذا معدہ میں پورے طور پر تحلیل ہوتی ہے، بلکہ اس سے ہضم بھی ہوتی ہے۔ لیکن جو غذا معدہ میں پورے طور پر تحلیل نہ ہو سکے، چاہے غذا ثقیل ہو یا ترشی میں کمی ہو تو وہ غذا معدہ میں پڑی رہتی ہے، اس میں فساد و خمیر پیدا ہو کر نقص پیدا ہو جاتا ہے جس کے نتیجہ میں وہاں پر ریاح کی کثرت ہو جاتی ہے۔ اسی ریاح اور تبخیر کی زیادتی سے عضلات و امعاء اور عروق و شریان میں دباؤ اور کساؤ پیدا ہوتا ہے۔ اسی کے مسلسل اثر سے قبض و بواسیر اور مسے پیدا ہو جاتے ہیں۔ ان حقائق سے ثابت ہوا کہ قبض و بواسیر اور تبخیر و مسے عضلات کے افعال میں تیزی نہ ترشی کی زیادتی سے پیدا ہوتے ہیں۔ اس لئے ان میں تیل و ترشی اور گوشت و خشک اشیاء مضر پائی جاتی ہیں۔

بواسیر اور ہومیو پیتھی

ہومیو پیتھی میں امراض کا تصور نہیں ہے۔ صرف علامات کو مدنظر رکھ کر علاج کیا جاتا ہے۔ یہ علامات وہ ہیں جو کسی مفرد دوا کے کسی تندرست انسان کو کھلانے سے پیدا ہوتی ہیں۔ ظاہر میں جسم انسان اور ادویات کے تعلقات کو ذہن نشین کرنے کا بہترین نظریہ ہے، بلکہ جسم انسان میں جو تکالیف پیدا ہو سکتی ہیں، ان کے جاننے کا ایک بہت اچھا ذریعہ ہے۔ لیکن کلی طور پر انسان کی تکالیف کو اس نظریہ اور ذریعے سے سمجھا نہیں جا سکتا اور جب کہ ایک ہی علامت کے لئے بہت سی ادویات ہوں تو پھر ان کا ذہن نشین کرنا ایک مشکل امر ہو جاتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ طب و آیورویدک اور فرنگی طب (ڈاکٹری) میں ادویات اور علامات یا امراض کو باہم تطبیق سے پہلے ان علامات کو سمجھنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ بلکہ فرنگی طب میں یہ کوشش اب تک جاری ہے اور اس کو فن علاج کا ایک علیحدہ حصہ بنا کر اس میں شامل کر دیا ہے۔ اس علم کو پیتھالوجی (ماہیت) امراض کہتے ہیں۔ جس میں کسی علامات یا مرض کی پیدائش و ترتیب اور اس کے نتائج پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔

طب اور آیورویدک میں ماہیت امراض چونکہ اخلاط اور دوشوں کے ماتحت ہے۔ اس لئے ہر مرض کے ساتھ ہر علامت کو جو جسم انسان میں پیدا ہو سکتی ہے۔ اس کو سمجھنے کی کوشش کی گئی ہے۔ یہاں تک کہ ان کے اسباب کو بھی بغیر سمجھے نظر انداز نہیں کیا۔ مگر ہومیو پیتھی میں نہ امراض کا تصور ہے اور نہ ہی اسباب کا ذکر ہے۔ اس طرح اسباب سے لے کر امراض تک علامات میں جو صورتیں بنتی بگڑتی ہیں، اور ان میں کمی بیشی ہوتی ہے، ان سے معالج ناواقف رہتا ہے۔ ایسی صورتوں میں امراض و علامات کی ابتدائی و انتہائی اور پیچیدہ حالتوں کو سمجھنے سے وہ قاصر رہتا ہے۔

ان حقائق کو سامنے رکھا جائے اور بواسیر کی ماہیت پر غور و فکر کیا جائے تو اس کی علامات کی پیدائش، ان میں تبدیلیاں اور ترتیب و نتائج کی جو صورتیں پیدا ہوتی ہیں ان سے ایک ہومیو پیتھ بے خبر ہی رہتا ہے۔ ان کی کتب میں بھی وہی علامات درج ہیں جو طب و آیورویدک اور فرنگی طب میں امراض کے ناموں سے موسوم ہیں۔ چونکہ ان کے ہاں امراض کا تصور نہیں ہے، اس لئے امراض اور علامات کا فرق نہیں کر سکتے۔ پھر ان کے ہاں اکثر علامات مرکب ہیں جن کو دیگر طریق علاج میں امراض کا نام دیا گیا ہے۔ یہ سب اس لئے ہے کہ ان کے ہاں نہ مرض کا علم ہے اور نہ ہی علامت کی حقیقت ہے۔ بہرحال ہومیو پیتھی نے بواسیر کی علامات کے لئے جن ادویات کا ذکر کیا ہے وہ درج ذیل ہیں:

۱ ایسی کیولس ہپوکاسٹنم ۲ ایلوز ۳ ایپس ملیفیکا ۴ آرسینکم ۵ سلفر ۶ بیلاڈونا ۷ کلکیر یا کارب ۸ کاربوویجی ٹیبلس ۹ کاسٹیکم ۱۰ کالن سونیا ۱۱ ڈایاسکوریا ۱۲ گریفائٹس ۱۳ ہیمامیلس ۱۴ ہائیڈراسٹس ۱۵ اگنیشیا ۱۶ کالی کارب ۱۷ میوراٹک ایسڈ ۱۸ نائٹرک ایسڈ ۱۹ نکس وامیکا ۲۰ پلسٹلا ۲۱ فاسفورس ۲۲ پوڈوفائیلم ۲۳ رسٹاکس ۲۴ سیپیا ۲۵ ایکونائٹ۔

علاماتِ ادویہ

ان ادویات کی ہومیوپیتھی علامات کتب میں درج ہیں۔ اگر ہر دوا کی علامات کو تفصیل کے ساتھ سر سے پاؤں تک بیان کیا جائے تو بہت طوالت ہوگی، اس لئے صرف انہی علامات کو یہاں لکھا جائے گا جن کا تعلق بواسیر و مقعد اور مسوں کے ساتھ ہے۔ تا کہ ان کے تعلق کو سمجھنے میں آسانی ہو اور علاج میں سہولت رہے۔

۱ ایسی کیولس ہپو کاسٹینم: مسے لمبے اور ارغوانی رنگ کے بڑھے ہوئے جن سے قلیل سا جریان خون ہوتا ہے۔ خارش اور جلن دار درد جن کے ساتھ مقعد میں بھراؤ اور خشکی کا احساس ہو۔ کمر اور پیڑو کے حوالی میں شدید دکھن ہو۔ جس کے ہمراہ پیٹھ میں سختی ہو جس میں چلنے پھرنے سے اضافہ ہو۔ متواتر کمر درد جو پیڑو اور جوڑوں کو متاثر کرے۔

۲ ایلوز: بواسیر کے مسے انگوروں کے گچھوں کی طرح لٹکتے ہوئے۔ جس کے ساتھ امعائے مستقیم میں متواتر نیچے کی طرف دباؤ رہے۔ مسوں میں شدید حرارت اور بے چینی جسے سرد پانی سے آرام محسوس ہو۔ شدید دباؤ جس کے ساتھ خونی یا جیلی نما خونی پاخانے۔ سر درد دھیما دھیما اور سر بوجھل۔ اس کے ساتھ جگر میں میٹھا میٹھا درد۔ پاخانہ پھرنے کے دوران اور بعد میں نقاہت کا احساس۔

۳ ایکونائٹ: خونی بواسیر یہ ایک مرکب علامت ہے۔ اس میں خون، درد، مسوں اور قبض کا تصور شامل ہے۔ مقعد میں نیش زنی اور دباؤ۔ جلد عام طور پر خشک۔ متواتر بے آرامی۔ مریض چپ چاپ نہ رہ سکے دموی مزاج اور پرخون اشخاص۔

۴ ایپس میلفیکا: بواسیر میں ڈنگ مارنے والے جلانے والے اور ٹیس دار درد جنہیں ٹھنڈے پانی سے آرام ملے۔ قبض جس کے ساتھ اس طرح کا احساس ہو کہ پاخانہ کرتے وقت کوئی تنگ چیز ٹوٹ جائے گی۔ دائیں خصیۃ الرحم کا بڑا ہو جانا۔ چھاتی کے بائیں حصہ میں درد اور کھانسی۔

۵ آرسینکم: بادی بواسیر جو آگ کی مانند جلے۔ خاص کر رات کے وقت نیند حرام ہو جائے۔ دِن کے وقت نیش زن درد۔ خصوصاً چلتے وقت سخت تشویش، بے آرامی اور موت کا خوف، بہت پیاس، مریض تھوڑا تھوڑا پانی بار بار پیئے۔ جملہ علامات رات کے وقت خراب۔ خصوصاً نصف شب کے بعد۔

۶ بیلاڈونا: خونی بواسیر جو نہایت بے حس ہوتی ہے اور ذرا سا چھو لینے سے درد کمر میں اس امر کا احساس جیسے ٹوٹ جائے گی۔ درد کا یکایک ظاہر ہونا اور پھر اسی طرح بند ہو جانا۔ سر کی طرف خون کی زیادتی جس کے ہمراہ کن پٹیوں میں درد، مریض نیند کی طرف مائل مگر سو نہ سکے۔

۷ کلکیریا کارب: مسے سوجے ہوئے اور باہر نکلے ہوئے جن سے کافی مقدار میں خون خارج ہو۔ امعائے مستقیم میں چبھن اور جلن۔ مریض آرام سے نہ رہ سکے۔ امعائے مستقیم میں کھچاؤ اور کاٹنے والا درد جس کے ساتھ درد انگیزی کا احساس خاص کر پاخانہ پھرنے کے بعد۔ ماہواری جلد جلد اور بکثرت، پاؤں ٹھنڈے اور نمدار، سیڑھیوں پر چڑھنے سے درد سر۔

۸ کاربو ویجی ٹیبلس: مسے سوجے ہوئے اور باہر نکلے ہوئے۔ جن سے کافی مقدار میں خون خارج ہو۔ امعائے مستقیم سے چھلنے والی رطوبت کا اخراج جس سے سخت بدبو آئے۔ مسوں میں گدگدی، خارش اور جلن۔ پاخانے بدبودار۔ خونی بلغم کے ترش اور گلی سڑی غذا کے ڈکار جن کے ساتھ انتڑیوں سے بہت زیادہ ریاح کا اخراج۔

۹ کاسٹیکم: مسے بڑے اور پردرد جو پاخانے کو روکیں۔ چھونے سے مسوں پر نیش زنی اور جلن۔ چلنے پھرنے میں ناقابل برداشت اذیت۔ کمزور، خنازیری مزاج اشخاص جن کا چہرہ زرد ہو۔ پیٹ میں بھراؤ اور دباؤ جیسے پھٹ جائے گا۔

۱۰ کالن سونیا: بواسیر بادی یا خونی جس کے ساتھ ایسا احساس گویا امعائے مستقیم میں کنکر یا ریت اٹک رہی ہے۔ دائمی قبض۔ پاخانے میں

ہلکے رنگ کے سدے جن کے ساتھ مقعد میں ہلکا ہلکا درد حیض کے وقت درد شام کے وقت تکالیف میں اضافہ۔ صبح کے وقت آرام۔

۱۱ ڈایا سکوریا: بواسیر انگوروں کے گچھوں کی مانند۔ مقعد کے اردگرد جس سے خون نہیں نکلتا۔ مقعد سے لیس دار بلغم بلا ارادہ خارج ہو۔ پرانے بواسیری مسوں سے لے کر جگر تک برچھی لگنے کے سے درد۔ پاخانہ سیاہ رنگ کا سخت اور ڈلے دار۔

۱۲ گریفائٹس: بواسیر کے ساتھ امعائے مستقیم کا اخراج مسوں کے درمیان پر درد اور جلن دار شگاف امعائے مستقیم میں جلن خارش اور چبھن۔ خروج امعائے مستقیم بغیر زور لگائے واقع ہو جائے جیسے کہ مقعد کا بند فالج زدہ ہو رہا ہو۔ قبض مزمن جس کے ساتھ سخت دشوار گزار اور گانٹھ دار پاخانے، جلد بیمار اور اس پر پھنسیاں وغیرہ جن سے لیسدار رطوبت خارج ہو۔ مقعد میں شگاف ہو۔

۱۳ ھیمامیلس: بواسیر جس سے بکثرت خون خارج ہو جس کے ساتھ جلن اور سوزش اور بعض اوقات مقعد چھل جائے۔ تھوڑا سا خون نکل جانے سے بھی تکان اور نقاہت۔ ایسا محسوس ہو کہ گویا کمر ٹوٹ جائے گی۔ ناک معدہ یا امعاء سے ست جریان خون ہوتا ہو۔

۱۴ ھائی ڈراسٹس: بواسیر سے قلیل خون خارج ہونے پر بھی نقاہت طاری ہو جائے، قبض، پاخانے ڈلی دار، جھلی سے ڈھکے ہوئے، قولنج رحمی جس کے ساتھ نقاہت اور شدید قسم کی کمزوری۔ معدہ میں ڈوب جانے کا احساس۔

۱۵ اگنیشیا: بواسیر کے ساتھ امعائے مستقیم میں کافی اوپر گولی لگنے کا سا درد۔ مسے ہر مرتبہ پاخانہ پھرنے پر باہر نکل پڑیں اور انہیں اپنی جگہ واپس رکھنا پڑے۔ اعضاء اس طرح سوزش سے پر ہوں جیسے چھل گئے ہوں۔ جب پاخانے کھلے ہوں تو اخراج خونی اور درد بہت شدت کے ہوں۔ پیڑو کے موالی میں کھینچ دار درد ہوں۔ مریض غم زدہ اور معدہ میں خلا کا احساس ہو۔

۱۶ کالی کارب: مسے لمبے اور پر درد ہوں جو پیشاب کرتے وقت کافی باہر نکل آئیں۔ پاخانے لمبے اور دشوار گزار جیسے کہ امعائے مستقیم کی سستی کی وجہ سے ایسی حالت ہوگئی ہو۔ پاخانہ پھرتے وقت سوج جائیں اور ان سے خون بہہ نکلے اور اس کے ساتھ ان میں چبھن اور جلن ہو۔ شدید قبض ہو اور پاخانہ پھرنے سے ایک یا دو گھنٹے قبل سراسیمگی ہو جس کے ساتھ قولنج کی چبھن دار درد ہو۔

۱۷ میوراٹک ایسڈ: مسے باہر نکلے ہوئے جن میں جلن اور سوزشی درد ہوں۔ مسے نیلگوں اور نہایت پر حس اور پر درد۔ اعضاء میں شدت کی کھجلی۔ جس کو کھجلانے سے آرام نہ ہو۔ پاخانے کے ساتھ خون کا اخراج۔ پیشاب کرتے وقت مقعد باہر نکل آئے۔

۱۸ نائٹرک ایسڈ: خونی بواسیر جس کے مسے ہر مرتبہ پاخانہ پھرنے کے بعد باہر نکل آئیں۔ خون کا رنگ چمکیلا، سرخ اور جما ہوا لیکن تھکے دار نہیں ہوتے، امعائے مستقیم میں تیز کاٹنے والا درد جو پاخانہ پھرتے وقت کئی گھنٹوں تک قائم رہے اور کھلے پاخانے کے بعد خراب ترین حالت پرانے بواسیری مسے جن سے بہت زیادہ کیچ خارج ہو۔ پاخانہ پھرنے کے بعد شدت سے خون خارج ہو۔ مقعد میں شگاف پڑ جائیں۔

۱۹ نکس وامیکا: خونی یا بادی بواسیر۔ مسوں میں جلن دار درد اور چبھن، پاخانہ پھرنے کے وقت ہلکے سرخ رنگ کا خون خارج ہو۔ پاخانہ پھرنے کی لاحاصل حاجت بار بار ہو۔ دائمی قبض۔ مریض نہایت متلون اور الگ تھلگ رہنا چاہتا ہو۔ بیٹھے رہنے کی عادت اور شراب خوری میں مبتلا۔

۲۰ فاسفورس: خونی بواسیر جس کے ساتھ نیزہ لگنے کا سا درد۔ ہر مرتبہ پاخانہ پھرنے پر ایک چھوٹی سی دھار کی صورت میں خون خارج ہو۔ امعائے مستقیم میں پھوڑے پیدا ہو جائیں۔ جن سے خون اور پیپ نکلتی رہے۔ پاخانہ باریک لمبا اور سخت دشوار گزار۔

۲۱ پوڈو فائیلم: زچگی کے دوران میں بعد ازاں بواسیر اور خروج مقعد انقباض رحم اور اس کے ساتھ قبض اور بچہ دانی کا بڑا اور پھیلا ہوا رہنا۔ جس کی وجہ سے زچہ بستر پر ہی پڑے رہنے پر مجبور ہو جاتی ہے۔

۲۲ پلسٹلا: زیادہ تر بادی بواسیر جس کے ساتھ مسوں میں درد انگیز بوجھ رہے۔ امعائے مستقیم میں چبھن اور خارش اور مقعد کی سوزش، پیچیدہ اور

ڈھیلی قبض، جس کے ساتھ صبح کے وقت متلی اور منہ بدذائقہ۔ مریضہ کی طبیعت رونے والی اور شکایت وشکوہ کرنے والی بیٹھی حالت سے اُٹھنے پر دوران سر۔ جملہ علامات شام کے وقت خراب تر۔

رستاکس: بواسیر پر سوزش۔ ریاح، مسے ہر مرتبہ پاخانہ پھرنے سے باہر نکل آئیں۔ کمر میں کھچاؤ، جو اوپر سے نیچے کی طرف ہوتا ہو۔ امعائے مستقیم میں دباؤ اور تناؤ۔ چھوٹی کمر میں ایسا درد گویا کہ وہ پھٹ گئی ہے جسے حرکت سے آرام معلوم ہو۔ بھیگ جانے اور بوجھ اٹھانے سے حالت خراب تر۔ مریض کی خلقی عادت وجع المفاصل کی طرف راغب۔

سیپیا: عام طور پر خونی بواسیر۔ جس کے ساتھ پاخانہ پھرتے وقت مسے اور امعائے مستقیم باہر نکل آئیں۔ امعائے مستقیم میں متواتر درد اور دباؤ جس کے ساتھ مقعد میں گرمی، جلن اور سوجن۔ امعائے مستقیم سے رطوبت کا اخراج ہوتا رہے۔ مقعد میں گولے کے سے بوجھ کا احساس جو پاخانہ پھر چکنے کے بعد رفع نہ ہو۔

سلفر: بواسیر خونی ہو یا بادی۔ پاخانہ پھرنے کی بار بار حاجت، جو ایک رقیق خونی اخراج کے بعد بھی بدستور قائم رہے۔ مقعد اور موالی مقعد میں نیشن زنی کی طرح جلن اور سوزش۔ پاخانہ پھرتے وقت خروج مقعد۔ کمر میں شدید چبھن دار درد۔ پیشاب کرتے وقت مجری البول میں جلن دار درد۔ نقاہت اور کمزوری کے دورے جو خصوصاً کھڑا ہونے یا چلنے پر واقعہ ہوں۔ سر کی چوٹی پر متواتر حرارت پیدا کرنے والی گرمی۔

ان ادویات کے علاوہ بعض کتب میں دیگر ادویات بھی درج ہیں۔ جن میں (۱) لیکسس (۲) اناکارڈیم (۳) مرکیوریس (۴) کروٹن ٹگ (۵) کینتھر (۶) تھوجا (۷) ایسکولس ہپوکاسٹینم (۸) کالن سوینا (۹) انٹی موینم کرڈم۔ اور (۱۰) رہٹینیا وغیرہ شامل ہیں۔ ہم نے طوالت کے پیش نظر ان کی علامات کو نظر انداز کر دیا ہے۔ یہ کتب میں درج ہیں۔

ہم نے ہومیو پیتھک علامات کے تحت پچیس ادویات درج کر دی ہیں، جن سے ایک معالج کے ذہن میں ادویات اور علامات کا ایک مناسب نقشہ بن جاتا ہے۔

ہومیو پیتھی

ہومیو پیتھی میں عام طور پر تین قسم کی علامات پائی جاتی ہیں۔ جن کے حاصل کئے بغیر علاج ناممکن ہے۔ یہ تینوں قسمیں یہ ہیں:

(۱) کامن سمپٹمز۔ علاماتِ مشترکہ (۲) جنرل سمپٹمز۔ علاماتِ خصوصی (۳) پرٹیکولر سمپٹمز۔ علاماتِ جزوی۔

ان کی تشریح درج ذیل ہے۔

۱ کامن سمپٹمز: یہ ایسی علامات ہیں جو کسی مریض کی حالت مرض میں ظاہری طور پر مشترک ہیں۔ چونکہ عام طور پر ان کا پایا جانا لازمی ہے۔ اس لئے ان کو عمومی علامات (کامن سمپٹمز) کہتے ہیں۔ یہ ایسی ابتدائی علامات ہیں جن سے ہم مریض کو کسی ایک حالت (مرض) سے کسی دوسری حالت (مرض) میں فرق محسوس کر سکتے ہیں۔ ان علامات کی اہمیت کا اندازہ اس امر سے لگائیں کہ جب تک علامات مشترک عمومی کو نہ حاصل کیا جائے، ہم اس حالت (مرض) کے لئے کسی دوا کا انتخاب نہیں کر سکتے۔ ان علامات سے کسی علامت کی ایک خاص حالت (مرض) کا تعین ہوتا ہے۔ یہ علامات تشخیص کی بنیاد ہیں۔ مثلاً بخار کی مشترک علامات۔

۲ جنرل سمپٹمز: یہ ایسی علامات ہیں، جن کا تعلق مریض کے اظہار پر ہے جن کو مریض خود بیان کرتا ہے۔ ان کو مریض کی خصوصی علامات کہا جاتا ہے۔ جس سے وہ اپنی حالت (مرض) کی خصوصی صورتیں بیان کرتا ہے۔ جن سے اس کی حالت (مرض) کی کمی بیشی اور تکلیف و بے چینی یا خواہشات واثرات کا پتہ چلتا ہے۔ یہ علامات خصوصی ہی عمومی مشترک علامات کو واضح کر کے اس مریض کے ساتھ مخصوص کر دیتی ہیں۔

مثلاً مریض کو بخار ہو تو یہ بخار کی عمومی مشترک علامت ہے۔ جو ہر بخار کے مریض میں پائی جاتی ہے۔ لیکن جب کوئی مریض بیان کرے گا کہ اس کو گرمی کے احساس میں کس قدر شدت ہے یا باوجود بخار ہونے کے جسم میں سردی کی کیفیت ہے، پیاس ہے یا نہیں، کہیں درد یا جلن کا احساس ہے۔ پاخانہ اور پیشاب میں کمی بیشی، بھوک کی زیادتی یا بھوک بند یا کھانے پینے سے نفرت وغیرہ ایسی علامات ہیں جو صرف مریض ہی بیان کر کے اپنی حالت (مرض) کو محفوظ کر سکتا ہے۔

پرٹیکولر سمپٹمز: علامات جزوی۔ یہ ایسی علامات ہیں جو جسم کے کسی حصہ یا عضو سے تعلق رکھتی ہیں۔ یہ علامات عمومی بھی مشترک ہو سکتی ہیں اور علاماتِ خصوصی میں مریض بھی بیان کر سکتا ہے۔ ان جزوی علامات سے عمومی اور خصوصی علامات میں یعنی حالت مرض اور دوا کے بے خطا اثرات سامنے آجاتے ہیں۔ مثلاً بخار کی عمومی حالت اور مریض کے خصوصی اظہار بیان کے ساتھ جزوی علامات ظاہر کرتی ہیں کہ جسم کے فلاں حصہ یا عضو میں جلن و درد اور سرخی و ابھار۔ اسی طرح پھوڑا و پھنسی اور دباؤ اور تناؤ وغیرہ کے اثرات پائے جاتے ہیں۔ اس کے بعد ہم کسی صحیح حالت (مرض) یا دوا کا تعین کر سکتے ہیں۔

ہم نے ہومیوپیتھی کے اقسام علامات و اصول علامات اور انتخاب علامات کو پورے طور پر ذہن نشین کرانے کی کوشش کی ہے۔ تاکہ ہمارے اعتراض پڑھ کر وہ یہ نہ سمجھ لیں کہ ہم ہومیوپیتھی کی علامات کو سمجھے بغیر اعتراض کرتے ہیں۔ یہ بات بھی قابل غور ہے کہ اعتراضات سے مراد ہومیوپیتھی کی برائیاں نہیں ہیں، بلکہ اس میں جو خامیاں ہیں ان کو پیش کر دیا جائے تاکہ اس طریقہ علاج سے زیادہ سے زیادہ فوائد حاصل کئے جا سکیں۔ اگر ایسا ممکن نہیں ہے، تو پھر اس لاش کو اٹھائے پھرنا ملک اور قوم پر بے معنی بوجھ ہے۔

علامات اور مرض کا فرق

ہومیوپیتھی میں امراض کا ذکر نہیں ہے، بلکہ علم الامراض کا سرے سے ذکر ہی نہیں ہے، جس سے تعریف مرض و حالت مریض کا پتہ چلتا ہے۔ حقیقت مرض جس میں مرض و علامات کا فرق معلوم ہوتا ہے۔ ماہیت مرض جس میں مرض کی علامات اور ان کی تبدیلیوں کا علم ہوتا ہے جس کو انگریزی طب میں پیتھالوجی کہتے ہیں۔ لیکن جب ہومیوپیتھی کی علامات کو دیکھتے ہیں، چاہے وہ عمومی ہوں یا خصوصی اور چاہے وہ جزوی ہوں، ان میں شاید ہی کوئی ایسی علامت ہو جس کو طب و آیورویدک اور فرنگی طب اور دیگر طریق ہائے علاج نے امراض نہ لکھا ہو اور ان کا علاج امراض کے نہ کیا گیا ہو۔ گویا یہ بھی ایک غلط فہمی ہے کہ امراض کو علامات تسلیم کر لیا گیا ہے۔

ہومیوپیتھی میں علامت کی نہ کوئی تعریف بیان کی گئی ہے اور نہ کوئی مخصوص صورت بیان کی گئی ہے اور نہ ہی کہیں علامت اور مرض کا فرق بیان کیا گیا ہے۔ جب ان کی علامات عمومی و خصوصی اور جزوی کو دیکھا جاتا ہے وہ سب امراض کے مجموعے ہیں۔ بلکہ ان کی کتب میں انہی حالات کے تحت علاج تحریر ہیں۔ وہ سب کے سب امراض ہیں۔ کیا دُنیا کا کوئی ہومیوپیتھ ایسا ہے جو ان ناموں کو بدل دے مثلاً بخار ایک علامت ہے۔ ہم بھی اس کو علامت ہی تسلیم کرتے ہیں۔ لیکن اس کی عمومی و خصوصی اور جزوی کوئی بھی صورت ہو، دُنیا کے تمام طریق ہائے علاج نے اس کو مرض تسلیم کر کے علاج کیا ہے۔ ان کے برعکس ہومیوپیتھی کو چاہئے تھا کہ وہ بخار کی کسی حالت یا علامت کا عنوان نہ بناتی۔ مگر انہوں نے یہ عنوانات قائم کئے اور ان کے تحت علامات بیان کر کے اسباب تک لکھ دیئے جن کا ذکر ان کے ہاں گناہ ہونا چاہئے تھا۔ ان کے اسباب و علاج تو صرف ادویہ ہیں، یعنی دوا کی زیادتی اسباب ہیں اور دوا کی تقلیل علاج۔ لیکن انہوں نے اس پر بھی بس نہیں کی بلکہ اپنی کتب میں ہر قسم کے بخار کو عنوان بنا کر علاج لکھ دیئے ہیں اور تمام امراض کے ساتھ یہی حشر کیا ہے۔ ان کو چاہئے تھا کہ بخار کو حرارت کے نام کی علامت قرار دیتے پھر اس کی شدت و خفت اور سردی و گرمی کے ساتھ ان کے اندرونی و بیرونی احساس کو سامنے رکھ کر علاج بیان کرتے۔ ایک جگہ پر ہر قسم کے بخاروں کا علاج ہو جاتا اور معالج کو بھی علاج

کرنے میں سہولت ہوتی۔ لطف کی بات یہ ہے کہ علامت بخار عمومی علامت ہے۔ لیکن بخار کے تمام اقسام جزوی علامت میں شریک ہیں۔ ایسی صورتیں دیگر علامات میں بھی پائی جاتی ہیں۔

علامات کے باہمی فرق

ہومیوپیتھی میں جس قدر بھی علامات درج ہیں۔ ان کی کمی بیشی اور ان کی مختلف صورتوں کے باہمی فرق کی کہیں تشریح نہیں ہے۔ مثلاً درد وجلن اور ورم و بخار وغیرہ نہایت اہم علامات میں شریک ہیں۔ ان میں کمی بیشی اور مختلف صورتوں کا سمجھنا مشکل ہے۔ جیسے درد کی کمی بیشی کے ساتھ اس کی مختلف صورتیں ہیں۔ ان میں ٹیس مارنے والا درد چوٹ مارنے والا اور چیرنے والا درد وغیرہ مختلف اقسام کے دور ہیں۔ ان کے فرق کو کہیں نہیں سمجھا گیا ہے۔

بواسیر کی علامات

یہ ساری تمہید اس لئے بیان کی گئی ہے کہ ہم بواسیر کی علامات کے متعلق لکھ سکیں۔ حالت بواسیر میں جو علامات بیان کی گئی ہیں، ان میں عمومی علامات یہ ہیں جیسے مقعد سے مواد کا رسنا اور مسوں کا ہونا۔ خصوصی علامات میں مقعد میں درد جلن اور خون و رطوبت کا اظہار۔ ان کے علاوہ قبض کی کیفیت۔ جزوی علامات میں مسوں کی شکل وصورت اور مقعد کی حالت وغیرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ان علامات کے متعلق یہ سمجھ لیں کہ اوّل تو یہ ساری علامات مرکب ہیں۔ یعنی مختلف علامات کے مجموعوں سے پیدا ہوتی ہیں۔ مثلاً علامت درد ایسی علامت ہے جو کسی عضو میں انقباض و سوزش اور خون و بلغم کے دباؤ سے پیدا ہوتی ہے۔ یہی صورتیں جلن و ورم اور بخار میں بھی پائی جاتی ہیں۔ دوسرے ان علامات میں یہ پتہ نہیں چلتا کہ یہ کس عضو میں پیدا ہوئی ہیں۔

ظاہر ہے کہ مقعد ایک مرکب عضو ہے۔ وہاں پر اعصاب اور عضلات کے ساتھ غشائے مخاطی بھی پائے جاتے ہیں۔ اس صورت میں یہ تعین کرنا مشکل ہے کہ درد وجلن اور ورم و مسے کن اعضاء کے ساتھ متعلق ہیں۔ ان کے سمجھے بغیر بواسیر کا علاج آسان نہیں ہوسکتا۔ اور دوا کے انتخاب میں بھی آسانی نہیں ہوسکتی۔

زہریلی علامات

ڈاکٹر ہانمن پہلے شخص ہیں جنہوں نے جسم انسان میں پیدا ہونے والے زہروں کا ذکر کیا ہے اور بتایا ہے کہ بواسیر کا تعلق سائیکوسس زہر کے ساتھ ہے۔ اس کے علاج میں اسی زہر کو مدنظر رکھنا چاہئے اور انہی علامات کو لکھنا چاہئے جو اس زہر سے پیدا ہوتی ہیں۔ یہ علامات اپنے مقام و اثر اور شکل وصورت کے لحاظ سے سفلس اور سورا کے زہروں سے مختلف ہیں۔ لیکن علاج میں جن ادویات کو بیان کیا گیا ہے۔ ان میں تینوں زہروں کی علامات پائی جاتی ہیں۔ مختصر طور پر ہم نے علامات کے متعلق کچھ لکھ دیا ہے تاکہ بواسیر اور اس کے علاج میں سہولت پیدا ہوجائے۔ علامات پر اس کے علاوہ بھی بہت کچھ لکھا جاسکتا ہے۔ لیکن ہم نے طوالت کی وجہ سے نظرانداز کردیا ہے۔

ڈاکٹر ہانمن اور تین انسانی زہر

ڈاکٹر سیموئیل ہانمن موجد ہومیوپیتھی پہلے محقق ہیں جنہوں نے تین ایسے زہروں کا ذکر کیا ہے جو جسم انسان میں ایک خاص کیفیت اور مزاج پیدا کردیتے ہیں۔ اور تاکید کی ہے کہ علاج کے دوران ان زہروں کو مدنظر رکھتے ہوئے ادویات کا انتخاب کرنا چاہئے۔ واقعی یہ قابل تعریف تحقیق اور علاج میں یقینی تجویز ہے۔ ان زہروں کے متعلق انہوں نے اپنی کتاب آرگینن (کلیات) میں مختلف مقامات پر خاص ناموں سے ذکر کیا

ہے۔ وہ نام سفلس، سائیکوسس اور سورا ہیں۔ جن کو ہم نے آتشکی مادہ، بواسیری مادہ اور سوزا کی مادہ کا نام دیا ہے۔

ہمیں افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ڈاکٹر موصوف نے ان تینوں زہروں کے متعلق اپنے جو خیالات پیش کیے ہیں۔ وہ ایک تصور سے زیادہ نہیں ہیں۔ کیونکہ انہوں نے ان کی حقیقت و ماہیت کی کوئی تفصیل بیان نہیں کی اور جہاں اور بھی انہوں نے وضاحت بیان کرنے کی کوشش کی ہے وہاں پر ان کو باہم خلط ملط کر کے الجھایا ہے جس سے ظاہر ہے کہ ان کے متعلق ڈاکٹر موصوف کا علم ایک تصور سے زیادہ نہیں ہے۔ انہوں نے اپنی کتاب آرگینن (کلیات) میں اور بھی بہت سی غلطیاں کی ہیں۔ لیکن ان پر ہم باقاعدگی سے پھر لکھیں گے یہاں پر ان تین زہروں کے متعلق لکھ رہے ہیں گزشتہ آتشکی مادہ میں بھی اس کی غلط فہمی پر لکھ چکے ہیں۔

ڈاکٹر ہانمن کی تشریح

آرگینن (صفحہ ۷۹) میں تحریر ہے: ''آج تک صرف مرض آتشک ہی کو ایک ایسی زہریلی مرض تسلیم کیا گیا ہے جو علاج سے رفع نہ ہونے کی حالت میں مریض کی زندگی کے ساتھ ہی دفع ہوسکتی ہے۔ مرض سائیکوسس (Sycosis) یعنی گانٹھ دار جلدی مرض (یہ گانٹھ دار اُبھار عام طور پر چہرہ اور تلوؤں پر دیکھنے میں آتے ہیں) بغیر مناسب علاج کی مدد کے روح رواں (Vital Force) کی اپنی طاقت سے اتنی ہی ناقابل علاج ہے جتنی کہ آتشک جس کو اب تک ایک خاص زہریلی مزمن مرض کا درجہ نہیں دیا گیا۔ لیکن دراصل یہ ایک علیحدہ مرض ہے۔ معالج لوگوں نے اس مرض کے علاج میں جس وقت جلد کے اُبھاروں کو دور کر دیا تو یقین کر لیا کہ خود مرض ہی دفع ہو گیا ہے۔ لیکن وہ اس کے طرح طرح کے اندرونی بگاڑ کو سمجھنے سے قاصر رہے۔

صفحہ ۸۰ میں تحریر ہے کہ مذکورہ بالا مرض امراض آتشک اور جلدی اُبھار (سائیکوسس) سے بھی زیادہ زبردست اور توجہ طلب ہے۔ کھجلی کا مادہ (سورا) مزمن زہر ہے۔ آخر الذکر یعنی سائیکوسس بھی مرض آتشک اور مرض دانہ دار اُبھار (سائیکوسس) کی طرح اپنے زہر کو ظاہر کرتا ہے۔ آتشک کے اندرونی مادہ کا اظہار بادفرنگ سے ہوتا ہے اور مرض سائیکوسس کا گوبھی کے پھول کی شکل جیسے اُبھاروں سے اسی طرح کھجلی کا مادہ (سورا) کا زہر جس وقت تمام جسم کے اندر مکمل طور پر سرایت کر جاتا ہے تو اپنے آپ کو ایک خاص جلدی اُبھار کے ذریعے ظاہر کرتا ہے۔ اس اُبھار میں بعض اوقات صرف چند دانے ہوتے ہیں اور ان میں ناقابل برداشت خارش ہوا کرتی ہے اور گدگدی سی محسوس ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ دانوں میں خاص قسم کی بو پائی جاتی ہے۔

صفحہ ۲۰۴: اگر ہم ان تمام مزمن امراض اور بگاڑوں کو نظر انداز کر دیں جو کہ طرزِ معاش کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں۔ نیز ان بے شمار امراض دوائی والی امراض کو بھی نظر انداز کر دیں جو کہ طرزِ معالجہ کے ماہرین کی فضول خطرناک اور نامعقول تدبیروں سے ظہور پذیر ہوتی ہیں (حالانکہ معالجہ کے وقت اصلی مرض بالکل خفیف سا ہوتا ہے) تو باقی سب بیماریاں ان تین مزمن زہریلے مادوں کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں۔ اندرونی سفلس۔ اندرونی سائیکوس۔ لیکن عموماً زیادہ تعداد میں اندرونی سورا (کھجلی کا مادہ) ان تین میں سے ہر ایک جب کبھی جسم میں سرایت کر جائے تو یہ جسم کے اوپر اپنا غلبہ پالیتا ہے اور تمام حصوں میں پھیل جاتا ہے۔ اس کے بعد ان میں سے ہر ایک کی خاص خاص ابتدائی اور قائم مقامی علامات نمودار ہوتی ہیں۔ کھجلی کے مادہ کی صورت میں جلد کی کھجلی، آتشک کی صورت میں بادفرنگ یعنی شینکر اور سائیکوسس کی صورت میں گوبھی کی شکل والے اُبھار۔ اگر ہم ان مزمن زہریلے مادوں والی بیماریوں کو ان کی مقامی علامات سے محروم کر دیں، تو زبردست قدرت کا تقاضا ہوتا ہے کہ وہ زہریلے مادے جسم کے اندر ہی اندر ترقی کر کے جلدی یا دیر سے نہایت خطرناک صورت میں ظاہر ہوں اور ان بے شمار تکلیف دہ امراض کا باعث بنیں جن کے ہاتھوں

انسان کی نسل صد ہا سال سے نالاں ہے۔ کاش معالج ان تین زہریلے امراض کا مناسب اندرونی ہومیو پیتھک ادویہ کے ذریعے سے علاج کرتے اور ان کی مقامی علامات کے لئے کوئی خارجی ادویہ استعمال نہ کرتے۔ تب ممکن تھا کہ وہ ہولناک امراض اس قدر کثیر تعداد میں ہرگز ظاہر نہ ہوتے۔

صفحہ ۲۰۶: کسی مزمن مرض کا علاج شروع کرنے سے پیشتر یہ دریافت کر لینا نہایت ضروری ہے کہ مریض کے اندر امراض زہرہ میں سے کسی کی سرایت تو نہیں ہوئی۔ کیونکہ اگر ہوئی ہو تو علاج صرف اسی کی طرف مبذول کیا جائے۔ بشرطیکہ صرف آتشک کی علامات موجود ہوں یا اس سے کم ہونے والے مرض کی جس میں گو بھی کی شکل کے اُبھار ہوتے ہیں۔ لیکن یہ بیماری (آتشک) آج کل شاذ و نادر ہی اکیلی دیکھنے میں آتی ہے۔ اگر اس قسم کی سرایت بہت پہلے کبھی واقع ہو چکی ہو تو معالج اس کا بھی خیال کرے اور جب صرف آتشک کی علامات کے علاوہ اور کئی علامات موجود ہوں تو وہ عموماً سورا (کھجلی کا مادہ) کی وجہ سے ہوتی ہیں۔ ایسی حالت میں سورا اور سفلس کے مادے باہم مل کر مرض کو پیچیدہ بنا دیتے ہیں۔ جس وقت معالج کا یہ خیال ہوتا ہے کہ اس کے سامنے مزمن امراض زہروں میں سے کوئی بیماری ہے تو دراصل اس کو کسی آتشکی مرض کا جس کے ہمراہ سورا (کھجلی کا مادہ) بھی ہوتا ہے علاج کرنا پڑتا ہے۔ کیونکہ مزمن امراض کے بنیادی اسباب میں سے اندرونی کھجلی کا بگاڑ سب سے بڑا سبب سورا (کھجلی کا مادہ) یا آتشک کے ساتھ ملا ہوا ہوتا ہے اور مادہ سائیکوسس کے ساتھ اور وہ بھی آتشک یا سوزاک کے امراض کا بنیادی سبب ہوتا ہے۔ خود ان امراض کے کوئی بھی مختلف نام کیوں نہ ہوں۔ علاوہ ازیں یہ مزمن امراض ایلو پیتھک غلط تدابیر کی وجہ سے نہ صرف ترقی کرتی رہتی ہیں بلکہ بعض ملکوں میں عجیب و غریب قسم کی ہولناک صورتیں اختیار کرتی ہیں۔

ڈاکٹر ہانمن کی غلط فہمی

ان تمام اقتباسات کو غور سے پڑھا جائے تو صاف ظاہر ہوتا ہے کہ جناب ڈاکٹر موصوف نے ان تین زہروں کی نہ حقیقت پر روشنی ڈالی ہے اور نہ ہی اس کی ماہیت کی تشریح کی ہے۔ اور جہاں تک ان مادوں کی پیدائش اور ترتیب کا تعلق ہے، اس میں الجھاؤ پیدا ہو گیا ہے۔ یعنی سورا، سفلس اور سائیکوسس کیا مادے ہیں۔ ان کے خواص و فوائد اور افعال و اثرات کیا ہیں۔ ان کی پیدائش کیسے ہوتی ہے اور ان کے آپس میں ملنے کی ترتیب کیا ہے۔ ایک کا دوسرے پر کیا اثر ہے۔ یہ سب کچھ اندھیرے میں ہے۔ صرف اتنا پتہ چلتا ہے کہ مزمن امراض کے علاج میں ان تینوں زہروں کو مدنظر رکھنا چاہئے۔ عام امراض میں ان کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ سفلس شینکر (آتشک) ہے۔ سائیکوسس جلدی اُبھار کا مرض ہے اور سورا ایسا زہر ہے جس سے کھجلی پیدا ہوتی ہے۔ یہ جدا جدا بھی مرض پیدا کرتے ہیں اور مل کر خوف ناک امراض پیدا کر دیتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ تینوں زہر اپنی جگہ مستقل مادے ہیں جو جسم کے مختلف اعضاء کی خرابی سے پیدا ہو کر خون میں شریک ہوتے ہیں۔ ہر زہر ایک دوسرے کے مخالف ہے، کیونکہ ایک کی پیدا شدہ امراض دوسرے سے مختلف ہیں۔ جس قدر ادویات دُنیا میں پائی جاتی ہیں، چاہے وہ جمادات ہوں یا نباتات اور حیوانات، وہ کھار، ترشی اور نمک سے خالی نہیں ہیں، اور ہر ایک اپنی اپنی جگہ سورا و سفلس اور سائیکوسس پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ اس لئے ان تینوں زہروں کی حقیقت و ماہیت اور پیدائش و تربیت کا جاننا علم و فن میں زبردست انقلاب ہے۔

ڈاکٹر کینٹ کی تشریح

گزشتہ صفحات میں ہم نے ڈاکٹر ہانمن موجد ہومیو پیتھی کی وہ تحقیقات پیش کی ہیں جو انہوں نے سائیکوسس (بواسیری مادہ) کے متعلق اپنی کتاب آرگینن (کلیات) میں تحریر کی ہیں۔ ہم نے ثابت کیا ہے کہ ان کو ان عفونتی مادوں کا تصور ضرور ہے۔ مگر ان کی انفرادی حقیقت و ماہیت اور علامات و اثرات کو واضح الفاظ میں بیان نہیں کیا۔ بلکہ کہیں سورا کو سفلس میں منتقل کر دیا ہے۔ کہیں سفلس میں سائیکوسس کو شامل کر دیا ہے اور کہیں

سائیکوسس کو سورا کی پیداوار ثابت کیا ہے۔ پھر عام امراض اور عفونتی امراض میں کوئی تفریق قائم نہیں کی گئی ہے۔

اب ہم ڈاکٹر جیمز ٹائلز کینٹ (اے ایم۔ایم ڈی) جو ڈاکٹر ہانمن موجد ہومیوپیتھی کے نامور اور چوٹی کے شارح ہیں، کے خیالات اور تحقیقات پیش کرتے ہیں۔ ان سے ایک طرف سائیکوسس و سورا اور سفلس پر روشنی پڑے گی اور دوسری طرف اس حقیقت کا علم ہو جائے گا کہ ڈاکٹر ہانمن اور ان کے بہترین ساتھیوں نے ان عفونتوں کو کس انداز میں سمجھا ہے۔ وہ اپنی کتاب ''لیکچرز آن ہومیو پیتھک فلاسفی'' جس کا ترجمہ سید عنایت حسین شاہ صاحب بخاری ایم اے نے کیا ہے، میں فرماتے ہیں:

بنی نوع انسان میں تین مزمن عفونتیں پائی جاتی ہیں، جن کو (۱) سورا (۲) سفلس اور (۳) سائیکوسس کہا جاتا ہے۔ سب سے بڑی اور دشوار مزمن مرضیاتی حالتیں وہ ہوتی ہیں جن میں یہ تینوں عفونتیں باہم مخلوط پائی جاتی ہیں۔ یا ان تینوں کے بعض حصوں یا حالتوں کو دواؤں کے غلط اور بے احتیاطی کے استعمال سے پیچیدہ بنا دیا گیا ہے۔ ایسی صورتوں میں جب دوائیہ اثرات رفع کئے جا چکیں تو اصل عفونتوں کے مطالعے و مشاہدہ کا سوال پیدا ہوتا ہے۔ لیکن اکثر مریضوں میں یہ عفونتیں دوائیہ اثرات کے تحت پیچیدہ بنا دی جاتی ہیں۔ اس لئے جب بھی مزمن امراض سے واسطہ پڑتا ہے تو ساتھ ہی مزمن دوائیہ اثرات سے بھی نپٹنا اور ان دواؤں کی قوت حیات پر جو اثرات مرتب ہوئے ہوں، ان کا مطالعہ کرنا اور جائزہ لینا پڑتا ہے۔

سورا ہی تمام امراض جسمانی کا مبداء اور مصدر ہے۔ اگر سورا عفونت کی حیثیت میں بنی نوع انسان پر مسلط ہو جاتا ہے تو دوسرے دو مزمن مرضوں کا وجود غیر ممکن ہو جاتا ہے۔ ساتھ ہی انسان شدید امراض کے لئے استعداد قبول مرض بھی ممکن نہ رہتی۔ جملہ امراض انسانی کی بنیاد ہی سورا ہے، کیونکہ اس پر بھیانک عمارت تعمیر ہوتی ہے۔ یہی پہلا مرض ہے اور باقی تمام امراض اس کے بعد وجود پذیر ہوئے۔

دوسرے لفظوں میں پہلا بنیادی سبب سورا اور دوسری مزمن عفونتیں سفلس اور سائیکوسس ہیں۔

ہانمن اپنی کتاب مزمن امراض میں تذکرہ کرتے ہیں کہ سورا سب سے قدیم و عالمگیر اور انتہائی مہلک عفونتی مرض ہے۔ اس کے باوجود اسی کے ادراک و فہم میں انتہائی غلط فہمی واقع ہوئی ہے۔ سورا انتہائی عفونتی مرض ہے جو اب تک علم انسان میں آیا ہے۔

تینوں مزمن عفونتیں سورا، سفلس اور سائیکوسس متعدی اور وبائی ہیں۔

آتشک وہ مرض ہے جو ناپاک مجامعت کے نتائج سے ہم آہنگ ہوتا ہے۔ وہاں جانے سے جہاں آتشک ہو یا ان افراد سے میل جول رکھنے سے جو اس میں مبتلا ہوں، یہ مرض وجود پذیر ہوتا ہے۔ یہ ایک عمل ہے۔ ایک فعل ہے۔ لیکن یہ حیثیت سورا کی نہیں ہے۔ وہ اس کا اکتساب اور جستجو نہیں کرتا۔ وہ کسی ایسی جگہ نہیں جاتا جہاں سورا ہو۔

قدیم یا ابتدائی سورا نے اپنے ساتھ سفلس اور سائیکوسس کو بھی جمع کر لیا ہے۔ پھر انہوں نے اجتماعی حیثیت سے ترقی کرتے ہوئے ایک حالت اور حیثیت حاصل کر لی ہے۔

سورا نے اس قدر ترقی کی ہے کہ یہ سب سے زیادہ متعدی بن گیا ہے۔ اس لئے کہ یہ جس قدر پیچیدہ سے پیچیدہ تر ہوتا جاتا ہے، اس قدر ذریت انسانی میں اس کے لئے اثر پذیری بڑھتی جا رہی ہے اور یہ چھوت پرانے مرض میں زیادتی کا باعث ہوتی ہے۔ جوں جوں یہ بڑھتا جاتا ہے، بچوں میں دوسری عفونتوں کی ذکاوت حس پیدا ہوتی جاتی ہے۔ موجودہ نسل انسانی تینوں عفونتوں یعنی سورا، سفلس اور سائیکوسس کے لئے شدید اثر پذیری رکھتی ہے۔ ہانمن کے نزدیک سورا ہی تمام مزمن امراض کا مشترک سرچشمہ ہے یا موجودہ دور میں مزمن امراض کم از کم ۸/۷ حصے کا باعث سورا ہی ہے۔

ایک ایسے مریض کو لیجئے جو دس پندرہ سال تک سائیکوسس کے عارضہ میں مبتلا رہا ہو، اس کا چہرہ پلپلا اور پھیکا ہوتا ہے۔ جسم پر مسے اور گومڑیاں نکل آتی ہیں، ہونٹ زرد پڑ جاتے ہیں، کان شفاف دکھائی دینے لگتے ہیں اور وہ انحطاط و اضمحلال کی طرف جارہا ہوتا ہے۔ وہ اس طرح کئی ایک عوارض میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ [صفحہ ۲۵۷-عنوان سائیکوسس]

یادرہے کہ ناک کا نزلہ بھی اکثر حالتوں میں سائیکوسس ہوسکتا ہے اور ایسا نزلہ عموماً سوزاک کی اخراج کے مواد کے دب جانے کے بعد لاحق ہوتا ہے۔ یہ نزلہ یا سوجن نتھنوں میں جگہ پکڑ لیتی ہے۔ [صفحہ ۲۵۷-عنوان سائیکوسس]

البتہ یہ ایک عجیب بات ہے کہ سائیکوسس صرف نرم خلیات پر اثر انداز ہوتا ہے اور ہڈیوں پر کچھ اثر نہیں کرتا۔ لیکن آتشک نرم خلیات کے علاوہ ہڈیوں پر بھی اثر کرتی ہے۔ البتہ سورا پورے جسم پر اثر انداز ہوتا ہے۔ کوئی حصہ یا عضو اس کے اثر سے محفوظ نہیں رہتا۔ وہ پورے جسم میں ایک عام انحطاط کی کیفیت پیدا کر دیتا ہے۔ [صفحہ ۲۶۰-عنوان سائیکوسس]

یہ مرض اپنا اظہار پھنسیوں وغیرہ کے ذریعے سے نہیں کرتا۔ سوا اس کے مسے اور گومڑیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ یہ سفلس یا سورا کی سی خارش یا جلدی بیماری کے توسط سے ظاہر نہیں ہوتا بلکہ وجہ الفاصل کی حالتوں اور کمی خون کی کیفیتوں کے واسطے سے نمودار ہوتا ہے۔ یہ پہلے پہل خون پر قابو پاتا ہے۔ [صفحہ ۴۴۲-عنوان سائیکوسس]

ڈاکٹر کینٹ کی کتاب کے اس ۴۴۲ صفحات کے ترجمہ میں سائیکوسس کو ذہن نشین کرنے اور اس کا سورا اور سفلس سے جو تعلق ہے، اسے پوری طرح بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ مگر اس میں سائیکوسس کی حقیقت و ماہیت اور پیدائش و امراض سے کیا تعلق ہے، کوئی وضاحت معلوم نہیں ہوتی۔ بلکہ ان عفونتوں کو سمجھنے میں اور مشکلات پیدا کر دی ہیں۔ مثلاً جب یہ عفونتیں آپس میں مل جاتی ہیں تو تین قسم کی عفونتیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ یعنی (۱) سورا اور آتشک کا مرکب (۲) سورا اور سائیکوسس کا مرکب اور (۳) آتشک اور سائیکوسس کا مرکب۔ ان سب سے بڑھ کر سورا اور آتشک اور سائیکوسس تینوں عفونتوں کا مرکب ہے۔ لیکن حیرت ہے کہ ان نئے مرکبوں کی علامات کا کہیں ذکر نہیں کیا گیا۔ اس کے علاوہ ان عفونتوں اور امراض کا ذکر ہے۔ مگر ان کی علامات کا کہیں ذکر نہیں ہے۔ اس طرح زہریلی ادویات کے اثرات کو عفونتوں پر تسلیم کیا گیا ہے کہ ان کے اثرات دب جاتے ہیں۔ لیکن یہ نہیں بتایا کہ وہ دب کر عفونتیں کہاں چلی جاتی ہیں۔

سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ہومیو پیتھی کے بنیادی نظریہ کے تحت تندرست انسان پر ادویات کے استعمال سے جو علامات پیدا ہوتی ہیں انہی علامات کے لئے وہی دوا قلیل مقدار میں دینا چاہیے پھر ہومیو پیتھی میں عفونتوں اور متعدی امراض کا ذکر کیا معنی رکھتا ہے۔

بہرحال یہ امر قابل غور ہے کہ جب تک ان مسائل کا حل پیدا نہیں ہوگا، ہومیو پیتھی کی ترقی ناممکن ہے۔ یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ جب ہر چوٹی کا ہومیو پیتھ اس امر کو تسلیم کرتا ہے کہ اس میں بہت حد تک ترقی اور اصلاح کی ضرورت ہے، تو پھر ان امور پر غور کرنا ناگزیر ہے۔

بواسیری مادہ کی صحیح تحقیق

بواسیری مادہ ایک ایسا زہر ہے جس کی پیدائش جسم انسانی میں ہی ہوتی ہے۔ یہ بات ذہن نشین کرلیں کہ جب تک جسم میں بواسیری مادہ پیدا نہ ہو، اس وقت تک جسم میں بواسیر کے اثرات اور علامات ظاہر نہیں ہوتے۔

یہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ بواسیری زہر جب جسم میں پیدا ہوتا ہے تو اس کے اثرات تمام جسم میں سر سے پاؤں تک خاص طور پر مقعد اور رحم میں نمایاں ہوتے ہیں۔ جس کے ثبوت میں بواسیر کے مسوں کے علاوہ ناک ولب اور رحم کے بواسیری مسے پیش کئے جاسکتے ہیں۔ بلکہ جسم انسان میں کسی جگہ بھی مسے نمودار ہوں، وہ بھی بواسیری مادہ کے اثرات ہیں۔

یہ بات یاد رکھیں کہ جب جسم انسان میں بواسیری مادہ کا زہر ہوگا، اس وقت جسم میں کوئی دوا یا زہر اثر نہیں کرے گا۔ خصوصاً انسانی زہروں میں آتشکی زہر اور سوزاکی زہر یا ان کے مادے یا جراثیم بالکل اثر نہیں کر سکتے۔ اگر یہ زہر اثر کر جائیں تو سمجھ لیں کہ بواسیری زہر ختم ہو گیا ہے۔ دوسرے یہ امر بھی ذہن نشین کرلیں کہ بیک وقت دو زہر نہ تو جسم پر اثر انداز ہو سکتے ہیں، اور نہ ہی آپس میں مل سکتے ہیں۔ یہ نظریہ بالکل غلط ہے۔ کیونکہ زہر کے اثرات مختلف اعضاء پر ہوتے ہیں، اور ہر ایک کا کیمیائی مرکب ایک جدا صورت رکھتا ہے۔ یہ قانون فطرت ہے کہ جب کسی ایک زہر میں دوسرا زہر اثر انداز ہوتا ہے تو دونوں کے اثرات باطل یا کمزور ہو جاتے ہیں۔ البتہ ایک ہی انداز اور تحریک کے دو زہر ضرور ممد و معاون ہوتے ہیں۔

جب ایک زہر میں دوسرا زہر اثر کرتا ہے تو وہ پہلے زہر کے اثرات کو ختم کرنا شروع کر دیتا ہے۔ بشرطیکہ دوسرا زہر اپنی مقدار اور طاقت میں زیادہ ہو، ورنہ پہلا زہر پھر غالب آجاتا ہے۔ کیوں کہ پہلے زہر کے کیمیائی اثرات خون میں شریک ہوتے ہیں اور دوسرا زہر ابتداء میں صرف عضوی طور پر اثرات پیدا کر رہا ہوتا ہے۔ جب تک وہ خون میں کیمیائی اثرات کو ختم نہ کرے، پہلے زہر کے اثرات ختم نہیں ہوتے۔ وہ دوبارہ نمایاں ہو کر زہر یلے اثرات کو ختم کر دیں گے اور عضوی افعال کو بدل دیں گے۔ یہی صورت صحت اور مرض میں بھی ہے۔ یعنی صحت کی حالت میں جب کوئی مرض اثر انداز ہوتا ہے تو اس کا پہلا اثر کسی مفرد عضو پر ہوتا ہے۔ پھر رفتہ رفتہ اس کا اثر خون کے کیمیائی اثرات (اخلاط) کو بدلتا ہے۔ جب تک خون کے کیمیائی اثرات میں تبدیلی پیدا نہ ہو، مرض قیام پذیر نہیں ہوتا۔ رفتہ رفتہ خود بخود ختم ہو جاتا ہے اور جس کسی عضو میں خرابی واقع ہوگئی تھی، وہ رفع ہو جاتی ہے۔ کسی دوا کی ضرورت پیدا نہیں ہوتی۔ یہی صحت و مرض کا راز ہے اور یہی قوتِ شفا ہے۔

غلط فہمی

عام طور پر ایک غلط فہمی پائی جاتی ہے کہ آتشک اور سوزاک دونوں اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ بلکہ بعض دفعہ سوزاک کے ساتھ آتشک کے زخم بھی دیکھے جاسکتے ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ سوزاک اور آتشک دونوں مختلف زہر ہیں اور کبھی اکٹھے نہیں ہو سکتے۔ اگر سوزاک کے ساتھ آتشک کے اثرات اختیار کریں گے تو سوزاک کے اثرات خود بخود ختم ہو جائیں گے۔ اگر سوزاک کے اثرات ختم نہ ہوئے تو آتشک کے اثرات خود بخود

رفع ہو جائیں گے۔

یہی صورت بواسیری مادہ میں بھی پائی جاتی ہے کہ جب تک خون میں بواسیری زہر پایا جاتا ہے۔اس وقت تک نہ سوزاک کا زہر اثر کر سکتا ہے اور نہ ہی آتشک کا زہر غلبہ پا سکتا ہے۔اگر ان میں سے کسی ایک کا اثر بھی خون میں کیمیائی طور پر غلبہ پا گیا ہے تو یقیناً بواسیری مادہ ختم ہو جائے گا۔ورنہ بواسیری مادہ دیگر زہروں کو رفع کر دے گا۔

بواسیری مادہ کی پیدائش

جسم میں خون ایک ایسا ماحول ہے جو دِل اور اس کے عروق (شرائن ورید) میں دوڑتا پھرتا ہے۔یہ مسلمہ حقیقت ہے،خون مرکب ہے، چاہے اس کو اخلاط سے مرکب تسلیم کر لیں جیسا کہ ہم نے ثابت کیا ہے۔یا اس کے عناصر سے مرکب سمجھ لیں۔بہر حال خون مرکب ہے، یہ مرکب اس لئے ہے کہ جسم جو خود مفرد اعضاء ہیں،ان کی غذا بنتا ہے۔اس لئے قدرت نے جسم میں ایسا خود کار نظام بنایا ہوا ہے کہ جب بھی کسی مفرد اعضاء (ٹشوز) کی طرف سے غذا طلب ہوتی ہے،وہاں پر خون پہنچ کر مخصوص قسم کی غذا کا اخراج شروع کر دیتا ہے اور دوسری طرف اسی قسم کی غذا خون میں زیادہ سے زیادہ بننا شروع ہو جاتی ہے۔مثلاً جب دماغ اور اعصاب میں غذا کی طلب ہوتی ہے یعنی ان میں تیزی آ جاتی ہے تو خون میں ایسی رطوبات اخراج پاتی ہیں،جن میں کھاری پن (الکلی) زیادہ ہوتی ہے جس کو طب میں بلغم کہتے ہیں۔اسی طرح جب دِل اور عضلات میں غذا کی طلب ہوتی ہے یا ان کے انفعال میں تیزی آ جاتی ہے تو خون میں ایسی رطوبات اخراج پاتی ہیں جن میں تری (تیزابیت) زیادہ ہوتی ہے۔بالکل یہی صورت جگر اور غدد کی طلب کی ہوتی ہے۔یعنی جب ان میں تیزی آ جاتی ہے تو خون میں ایسی رطوبات اخراج پاتی ہیں جن میں صفراء (بائل) ہوتا ہے جو اپنے اندر خاص قسم کی حرارت رکھتا ہے۔

جب یہ رطوبت جسم کسی مفرد عضو پر گرتی ہے تو اس عضو کو جس قدر ضرورت ہوتی ہے،وہ حاصل کر لیتا ہے اور جو بچ جاتی ہے تو طبیعت اپنے خود کار طریق پر اس کو جذب کر کے پھر خون میں شامل کر دیتی ہے۔لیکن بعض دفعہ رطوبت اس قدر زیادہ ہوتی ہے جو تمام کی تمام جذب نہیں ہو سکتی تو طبیعت اس کو وہاں سے ختم کرنے کے بعد اس میں خمیر پیدا کر دیتی ہے۔بس یہی خمیر در خمیر جب بڑھتا رہتا ہے تو آخر کار زہریلے اثرات میں تبدیل ہو جاتا ہے۔جیسے تازہ دودھ دوسرے روز دہی بن جاتا ہے اور یہی دہی تین چار روز میں اس قدر ترش ہو جاتا ہے کہ زبان سے نہیں لگایا جا سکتا اور چند روز بعد اسی شدید ترش دہی میں کیڑے پیدا ہو جاتے ہیں۔پھر یہی کیڑے اس مادے میں زہر پیدا کر دیتے ہیں۔اسی طرح ہر وافر رطوبت زہر میں تبدیل ہو جاتی ہے۔

یاد رکھیں کہ یہ زہر باعث مرض نہیں ہوتا بلکہ باعث مرض وہ سبب ہوتا ہے جس سے رطوبت اس عضو پر اعتدال سے زیادہ گری تھی۔اس لئے اس کا علاج اس زہر کو ختم کرنا نہیں اور نہ وہاں کیڑے (جراثیم) فنا کرنا ہے،بلکہ اس عضو کو درست کرنا ہے جس کی وجہ سے وہاں پر رطوبت زیادہ گری ہے تاکہ خمیر بننا ہی رُک جائے،اس طرح زہر کی پیدائش ختم ہو جاتی ہے۔

جو رطوبت قلب اور عضلات کی تیزی سے پیدا ہوتی ہے،اس کی زیادتی اور اس میں خمیر سے جو مادہ بن کر زہر میں تبدیل ہوتا ہے،یہی بواسیری مادہ ہے،بالکل اسی طرح جیسے ہم نے آتشکی مادہ میں لکھا ہے کہ دماغ اور اعصاب کی تیزی سے جو رطوبت پیدا ہوتی ہے،اس میں خمیر پیدا ہو کر اس میں آتشکی زہر پیدا ہو جاتا ہے۔یہ صورت سوزاکی زہر کی ہوتی ہے۔عضلاتی رطوبت بذاتِ خود ترش ہوتی ہے۔پھر اس ترقی میں خمیر پیدا ہو کر شدید ترشی بن جاتی ہے۔اور اس میں اس قدر شدت پیدا ہو جاتی ہے کہ زہر بن جاتی ہے۔یہی زہر پھر غذا کے ساتھ خون میں جذب ہونا شروع

ہوجاتا ہے۔ پھراس کا اثر خون کے ساتھ تمام جسم پر اثر انداز ہوتا ہے۔

علامات

جسم میں تناؤ، کھچاؤ۔ دِل کی رفتار میں تیزی۔ عضلات میں سکیڑ۔ دماغ واعصاب میں ضعف۔ جگراور دیگر غدد کے افعال میں سستی اور سکون اور وہاں پر رطوبت اور بلغم کی زیادتی۔ اسی ترش بلغم اور رطوبت کے دباؤ سے جسم کے تمام مخرجوں پر مسے پیدا ہوجاتے ہیں۔ جن میں مقعد، رحم اور ناک ولب وغیرہ شامل ہیں اور بعض دفعہ جسم کی دیگر حصوں پر بھی مسے پیدا ہوجاتے ہیں۔ ذائقہ ترش لیکن جب صفراء کا اخراج رُک جاتا ہے تو ذائقہ تلخ بھی ہوجاتا ہے۔ منہ، ناک اور سر میں خشکی۔ بندنزلہ، سینے میں جلن اور خشک کھانسی۔ معدہ میں جلن، درداور ریاح، گردوں اور جگر پر دباؤ۔ ان علامات میں شدت سے جوڑوں اور عضلات میں درد شروع ہوجاتا ہے اور ہر قسم کی تکلیف میں اضافہ ہوجاتا ہے۔

بواسیر کی خاص علامت

بواسیر کی عام علامات لکھ دی گئی ہیں اور اب اس کی خاص علامات لکھی جاتی ہیں۔ تاکہ تشخیص میں سہولت رہے۔ وہ یہ ہیں:

مریض کی مقعد کے اندر درد وسوزش اور خارش وبوجھ کے احساس کی شدت ہوتی ہے اور طبیعت بے حد بے چین رہتی ہے۔ بیٹھتے وقت تکلیف محسوس ہوتی ہے۔ اکثر انسان لیٹا رہتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ عروق مقعد کے دہانوں پر جو مسے (لحمی فزونیات) ہوتے ہیں، بیٹھنے سے ان پر سخت دباؤ پڑ کر مرض میں شدت پیدا ہوجاتی ہے۔ اگر ان مسوں سے خون سے اور زرد آب خارج ہوتا ہوتو اس کو خونی بواسیر کہتے ہیں۔ اس کو عمیا (اندھی) بھی کہتے ہیں۔

یادرکھیں کہ اگر خونی بواسیر ہوتو پاخانے کے ساتھ خون ملا ہوا نہیں آتا۔ یہ اکثر پہلے آتا ہے یا بعد میں قطروں کی شکل میں گرا کرتا ہے۔ خون کے اخراج کے بعد سوزش اور بوجھ کم ہوجاتا ہے اور ریاح کے اخراج کے بعد درد میں کمی ہوتی ہے۔ جوں جوں ریاح میں بندش ہوتی جاتی ہے، مسے بڑھتے جاتے اور درد میں شدت ہوتی جاتی ہے۔ اکثر قبض رہتی ہے۔ مگر کبھی مروڑ کے ساتھ پاخانہ آتا ہے۔ جلن میں شدت ہوتی ہے۔ البتہ پیشاب بار بار آتا ہے، جس کے ساتھ کچھ تسکین محسوس ہوتی ہے۔

تدبیر وعلاج بواسیر

بواسیری مادے کا زہر چونکہ عضلاتی ہوتا ہے جیسا کہ ہم اپنی تحقیقات، تجربات ومشاہدات اور دلائل وقیاس سے ثابت کرچکے ہیں اور یہ بھی ثابت کرچکے ہیں کہ بواسیری مادہ ترشی سے پیدا ہوکر تیزابیت کی صورت اختیار کرکے زہر بن جاتا ہے جیسا کہ دہی اگر چند ہفتے پڑا رہے تو وہ نہ صرف تیزاب بن جائے گا بلکہ اس کے اندر زہریلے اثرات پیدا ہوجائیں گے جو مہلک ثابت ہوتے ہیں۔

بواسیری مادہ کا اثر واخراج چونکہ گردوں، جگر اور دیگر غدد کی طرف ہوتا ہے۔ اس لئے وہ متاثر ہوتے ہیں اور رفتہ رفتہ ان میں سوزش یا سوزشی مادہ کے اجتماع سے پتھری پیدا ہوجاتی ہے۔ اس لئے اس کا اثر غدد پر پڑتا ہے۔ تحریک کی صورت یہ ہوتی ہے کہ **عضلات میں تحریک، غدد میں تسکین اور اعصاب میں تحلیل کی صورتیں پیدا ہوجاتی ہیں۔** چونکہ نظریہ مفرد اعضاء میں علاج کا اصول یہ ہے کہ جس عضو میں تسکین ہو اس کو تیز کردینا چاہئے۔ اس لئے بواسیری مادے کے زہر کا علاج یہ ہے کہ اس کو نکالنے اور ختم کرنے کے لئے غدی ادویہ اور اغذیہ کا استعمال ہونا چاہئے۔ یہی اس کے لئے یقینی علاج اور بے خطا تدبیر ہے۔

طب کے نظریہ اخلاط سے یوں سمجھیں کہ جمہور اطباء متفقہ طور پر تسلیم کرتے ہیں کہ مرض بواسیر سوداوی مادہ سے پیدا ہوتا ہے۔ بس یہی

سوداوی مادہ اپنی کثرت اور خمیر و تعفن اور فساد سے زہر کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ لیکن اس کے علاج میں اکثر اطباء میں اختلاف ہے جس سے اس کے علاج کی کامیاب صورت سامنے نہیں آ سکی۔ حقیقت یہ ہے کہ اب تک اس کا یقینی اور بے خطا علاج کتب میں نہیں ہے۔ صرف علامات کے علاج کئے گئے ہیں۔ کبھی خون روکنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ کبھی مسوں کو خشک کیا جاتا ہے اور کبھی مسوں کی قطع برید سے علاج کیا جاتا ہے۔ قدیم حکماء میں شیخ الرئیس بوعلی سینا اور حکیم رازی وغیرہ تک سب نے اسی علامتی علاج کو ہی لکھا ہے۔ جس میں کامیابی کی کہیں کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ اور ہر علاج بے اثر اور ناکام ثابت ہوتا ہے۔

جہاں تک فرنگی طب میں بواسیر اور اس کے زہریلے مادے کے علاج کا تعلق ہے، وہ طب سے بھی زیادہ ناکام ہے۔ کیونکہ ان کے ہاں اخلاط کا تصور سرے ہی سے نہیں ہے، سینکڑوں سالوں سے وہ ایسی ادویات کے تجربات اور مشاہدات کر رہے ہیں۔ مگر تا حال ان کو کامیابی نہیں ہوئی ہے۔ البتہ اس میں بھی علاقائی علاج ضرور ہوتا ہے جو صرف عارضی ہوتا ہے۔ آخر تنگ آ کر وہ بواسیر کے مسوں کا آپریشن کر کے بھی کامیاب نہیں ہوتے۔ کیونکہ آپریشن سے مسے کٹ جاتے ہیں، لیکن بواسیری مادہ اور سوداویت کی پیدائش ختم نہیں ہوتی اور تھوڑے عرصہ بعد پہلے سے بھی خراب حالت پیدا ہو جاتی ہے۔

اسی طرح آیورویدک بھی اس علاج میں ناکام ہے۔ کیونکہ ان کے ہاں بھی صرف علاماتی علاج ہے جو کامیاب نہیں ہے۔

جہاں تک ہومیوپیتھی طریق علاج کا تعلق ہے، تو وہ ہے ہی علامات کا علاج۔ وہاں پر نہ کسی مرض کا تصور ہے اور نہ کسی مادہ کو مدنظر رکھا جاتا ہے۔ ڈاکٹر ہانمن صاحب نے تین مادوں کا ذکر کیا ہے جس میں سفلس وسورا اور سائیکوسس کا ذکر ضرور کیا ہے۔ اوّل بواسیری مادہ کی تخصیص نہیں کی ہے اور دوسرے ان مادوں کو اس طرح بیان کیا ہے کہ آپس میں گڈمڈ کر دیا ہے۔ نہ ان سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے اور نہ ہی اس طرف توجہ کی گئی ہے۔ اس لئے اس میں بواسیر کے کامیاب علاج کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ تمام ہومیوپیتھ خوش فہمی میں بتلا ہیں۔

بواسیر کے علاج میں ناکامی کی وجوہات

بواسیر کی پیدائش چونکہ سوداوی مادہ سے ہوتی ہے، اس لئے خیال کیا جاتا ہے کہ سوداوی امراض میں بھی پائی جاتی ہے، سوداوی مادہ کے متعلق یہ خیال کیا جاتا ہے کہ چونکہ سودا کی صورت میں اخلاط جل کر ختم ہو چکی ہوتی ہیں۔ اس لئے صالح اخلاط کا پیدا کرنا مشکل امر ہے۔ طب میں سوداوی امراض کا علاج زیادہ سے زیادہ ماء الجبن ہے۔ لیکن وہ بھی کامیاب نہیں ہے، بلکہ صرف علاماتی علاج ہے۔

دوسری ناکامی کی وجہ یہ ہے کہ سوداوی امراض کا علاج غلط کیا جاتا ہے اور یہی سب سے بڑی وجہ ہے۔ بواسیر اور دیگر سوداوی امراض میں ناکامی ہوتی ہے۔ اس وقت تک سوداوی امراض کا علاج مولد خون ادویہ سے کیا جاتا ہے، یہی اس کے علاج کی غلط فہمی ہے۔

یاد رکھیں کہ سوداوی امراض کا علاج مولد خون ادویہ سے نہ صرف مشکل ہے بلکہ ناممکن ہے۔ کیونکہ سودا کا مزاج سرد خشک ہے۔ چاہے وہ سودا صفراوی اور دموی کیوں نہ ہو۔ اس لئے جب بھی سوداوی امراض کا علاج کرنا مقصود ہو تو سوداوی کیفیات سردی خشکی کو ختم کرنا ضروری ہے۔ **قانون فطرت کے مطابق سردی خشکی کو ختم کرنے کے لئے خشکی کو بڑھا کر سردی کی تری کو ختم کر دینا چاہئے جسم میں گرمی خشکی پیدا ہو جائے۔ یعنی صفراء پیدا ہو جائے، جو گرم خشک ہے۔ اگر گرمی تری پیدا کی گئی تو تری پھر گرمی کو توڑ دے گی اور رطوبت بڑھ جائے گی اور سردی میں تبدیل ہو جائے گی۔ نتیجہ میں سردی خشکی قائم رہے گی۔ سوداوی امراض کے علاج کا راز نظریہ مفرد اعضاء نے پیش کیا ہے** اور علاج میں اطباء جو غلطی کرتے ہیں، وہ بھی اسی سے پتہ چلا ہے۔

- جاننا چاہئے کہ سوداوی امراض یا سرد خشک کیفیات کی تحریک نظریہ مفرد اعضاء میں عضلاتی ہوتی ہے۔ اس کا علاج غدی تحریک ہے جو

صفراوی یا گرم خشک ہے اور وہ بھی غدی عضلاتی، تاکہ صفراء پیدا ہو جائے اور یہی صفراء قاطع سودا ہے۔

دوسرے الفاظ میں اگر ہم عضلاتی تحریک کو چونا خیال کرتے ہیں تو غدی تحریک گندھک ہوگی۔ اور چونے کا علاج گندھک یقینی اور بے خطا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ تیزابیت کا علاج صفراویت ہے۔ سائیکوسس کا علاج سوراسے یقینی کامیابی سے اور شرطیہ طور پر کیا جاسکتا ہے۔

پس یہ بات ہمیشہ کے لئے ذہن نشین کرلیں کہ بواسیر اور بواسیری زہر کی پیدائش سوداوی مادہ عضلاتی تحریک سے ہوتی ہے اور اس کا علاج صفراوی مادہ اور غدی تحریک سے کامیاب اور بے خطا کیا جاسکتا ہے۔

بواسیر کا اُصول علاج

طب میں اصولی علاج کے طور پر مندرجہ ذیل صورتوں پر عمل کیا جاتا ہے: ① رفع قبض ② بندش خون ③ اخراج ریاح ④ رفع درد و سوزش اور ورم ⑤ مولد خون ورطوبت اور ⑥ اصلاح جگر و ہضم وغیرہ وغیرہ۔

طب کے قانون کے تحت یہ جس صورت میں بھی کی گئی ہیں، یہ علامات کا علاج ہوسکتا ہے۔ مگر اصول علاج بالکل نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ طب کی بنیاد اخلاط پر ہے اور اس میں ہر مرض وعلامت کا علاج اخلاط کی اصلاح اور مزاج میں ترتیب ہونی چاہئے۔ چونکہ بواسیر خونی ہو یا ریاحی، دونوں اقسام میں خلط سودا کی زیادتی اور خرابی ہوتی ہے، اس لئے اس کی اصلاح کرنا مقدم ہوتا ہے۔ البتہ درستی جگر لازمی امر ہے۔

اگر بواسیر کے علاج میں کم ازکم جگر کے افعال کی درستی بھی کرلی جائے تو نہ صرف بواسیر دور ہو جاتی ہے بلکہ مندرجہ بالا صورت میں جن کو اصول علاج کہا جاتا ہے وہ سب رفع ہو جاتی ہیں۔ مگر اوّل یہ سمجھنا ضروری ہے کہ جگر اپنے افعال میں ست ہے یا تیز ہے یا اس میں ضعف پیدا ہو گیا ہے۔ اس سے یہ بھی اندازہ ہوسکتا ہے کہ وہ اپنی خلط صفراء پیدا کر رہا ہے یا نہیں کر رہا ہے۔ اگر صفراء کی کمی ہے اور جگر کے فعل میں سستی ہے تو پھر یہ یقینی امر ہے کہ جگر کی اصلاح کے لئے اس فعل میں تیزی پیدا کرنا ضروری ہے۔ اور یہی اس کا بے خطا اُصول علاج ہے۔

آیورویدک، فرنگی طب اور علاج بالمثل تینوں میں کوئی اصول علاج نہیں ہے صرف علامات کو رفع کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ جن میں کبھی قبض کو رفع کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ کبھی بندش خون اور کبھی دفع درد مگر کلی طور پر کسی اصول کو مدنظر رکھ کر علاج نہیں کیا جاتا ہے۔ اس لئے یہ تمام طریق علاج بواسیر میں ناکام ہیں۔

نظریہ مفرد اعضاء کے تحت بواسیر کا اصول علاج یہ ہے کہ بواسیر عضلاتی تحریک اور سوزش ہے اور اس کا علاج غدی تحریک ہے جس کا مرکز جگر ہے۔ اگر ریاحی بواسیر ہے تو عضلاتی اعصابی ہے۔ اور خونی ہے تو عضلاتی غدی ہے۔ اگر ریاحی (عضلاتی اعصابی) ہے تو اس کو عضلاتی غدی کر دیں۔ بس آرام ہو جائے گا۔ اور اگر خونی (عضلاتی اعصابی) ہے تو اس کو عضلاتی غدی کر دیں۔ بس آرام ہو جائے گا۔ اور اگر خونی **(عضلاتی غدی) ہے تو غدی عضلاتی تحریک کر دیں۔** اس مقصد کے لئے ادویہ اور اغذیہ ان کے مطابق ہونی چاہئیں۔ البتہ اس حقیقت کو ذہن نشین کرلیں کہ خون آئے یا نہ آئے، اگر مسے ہوں تو بواسیر یقیناً خونی ہے اور خون کی کثرت اس وقت ہوتی ہے جب طبیعت مدبرہ بدن اصلاح کے طور پر غدد کے فعل کو تیز کر دیتی ہے۔

بندش خون

یہ قانون ہم کئی بار لکھ چکے ہیں کہ جب کہیں سے خون آ رہا ہو تو وہاں پر رطوبات کا آنا بند ہو جاتا ہے اور جب رطوبات کا اخراج شروع ہو جاتا ہے تو خون کا اخراج بند ہو جاتا ہے۔ اس مقصد کے لئے اعصاب میں تحریک دینے سے فوراً رطوبات کا اخراج شروع ہو جاتا ہے اور ساتھ ہی خون کا آنا بند ہو جاتا ہے۔ اگر خون آنے کے ساتھ پیچش ہو تو وہ بھی رُک جاتی ہے۔ ساتھ ہی مقعد اور مسوں کا بوجھ بھی فوراً ختم ہونا شروع

ہو جاتا ہے۔

درد سوزش

درد اور سوزش خون کے دباؤ سے یا رطوبت کے دباؤ سے ہوتا ہے جو وہاں پر اکٹھے ہو رہے ہوتے ہیں۔ جیسا کہ ہم نے اپنی کتاب ''تحقیقات وعلاج سوزش واورام'' میں لکھا ہے۔

یہ حقیقت بھی ذہن نشین کر لیں کہ جب خون کے دباؤ سے درد وسوزش اور ورم ہو تو رطوبت کا وہاں سے اخراج فوراً ان کے آرام کی صورت پیدا کر دیتا ہے۔ لیکن اگر دباؤ کا باعث وہاں پر رطوبات کی زیادتی ہو تو وہاں دورانِ خون کی تیزی سے فوراً آرام شروع ہو جاتا ہے۔ ان مقاصد کے لئے وہاں پر کسی دافع درد وسوزش مرہم یا روغن کی ضرورت نہیں ہے۔ صرف تحریک پیدا کرنا کافی ہے۔ اگر مرہم یا روغن لگانے کا خیال ہو تو وہ اسی تحریک سے ہونا چاہئے بہتر یہ ہے کہ جو دوا کھلا رہے ہیں، اسی کو تحریک کے مطابق مرہم یا روغن میں ملا کر استعمال کریں۔ مگر خون اور رطوبت کی دونوں صورتیں مدنظر رکھیں۔

قبض اور بندش ریاح

رفع قبض اور اخراج ریاح میں صفراء اور حرارت کا بہت دخل ہے۔ جگر کا اہم فعل ہی یہی ہے کہ وہ خون سے صفراء اور حرارت آنتوں میں گرا کر رفع قبض اور اخراج ریاح کرتا ہے۔ جب جگر کے فعل میں کمی واقع ہو جاتی ہے تو صفراء کی پیدائش اور اخراج رُک جاتی ہے جس سے قبض اور بندش ریاح ہو جاتی ہے۔ اس کا علاج قبض کشا اور دافع ریاح ادویہ اور اغذیہ کا استعمال نہیں ہے۔ بلکہ جگر کے فعل تیز کرنا ہے۔ جس سے ایک طرف قبض کشائی اور اخراج ریاح ہوتی ہے اور دوسری طرف بواسیر کی دیگر علامات کو دور کرتی ہے۔

مولد خون رطوبات

یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ غذا معدہ اور امعاء میں ہضم ہو کر جب جگر سے گزرتی ہے تو وہ خون بن جاتی ہے یا ضرورت کے وقت بلغم جگر میں جا کر خون میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ گویا خون کی پیدائش بھی جگر میں ہوتی ہے۔ اگر جگر کے فعل میں کمی واقع ہو تو خون کی پیدائش بہت حد تک کم ہو جاتی ہے۔

یہ حقیقت بھی ذہن نشین کر لیں کہ جسم میں رطوبت کی پیدائش حرارت کے عمل اور اثر سے ہوتی ہے۔ جس کی صورت یہ ہے کہ صفراء اور حرارت اعصاب میں تحریک پیدا کرتے ہیں جس سے غدد رطوبت کی پیدائش شروع کر دیتے ہیں۔ بہر حال جگر (غدی) تحریک سے بواسیر کو آرام ہو جاتا ہے اور اس کی علامات دور ہونا شروع ہو جاتی ہیں۔

بواسیر کے لئے اغذیہ

بکری کا گوشت، مرغی وبطخ اور مرغابی کا گوشت اور انڈے، تیتر وبٹیر اور تلیر کا گوشت۔ چلغوزہ، بادام شیریں۔ کھجور تر اور شیریں، خوبانی، شہتوت، پالک اور میتھی کا ساگ، ادرک اور لہسن، سیاہ مرچ اور زیرہ سیاہ۔ گائے اور بکری کا دودھ۔ مکھن اور گھی گیہوں کی چپاتی اور دلیہ وغیرہ شدید بھوک پر دے سکتے ہیں۔

پرہیز

گائے بھینس کا گوشت، اُبلے ہوئے انڈے، تیز مرچ، مصالحہ، اچار اور ترشی وغیرہ اور خشک اشیاء۔

مفرد ادویہ

اجوائن دیسی، اساروں، پلاس پاپڑا، تیزپات، جمال گوٹہ اور اس کا روغن، ست پودینہ، ست بیروزہ، رائی، رسونت، شنگرف، عاقر قرحا، کھیکوار، کمی، گیندا اور انزروت۔

علاج بالمرکبات

چونکہ بواسیر عضلاتی تحریک (سوداوی مادہ) ہے۔ اس لئے اس کے لئے غدی ادویہ یقینی و بے خطا اور اکسیر ادویہ ہیں۔ اس لئے غدی ادویہ خصوصاً غدی عضلاتی ادویہ۔ کیونکہ ان سے نہ صرف صفراء اور حرارت پیدا ہوتی ہے۔ بلکہ وہ پتہ میں جمع ہو کر خون میں سرایت بھی کرتی رہتی ہے۔ جب وہ ضرورت کے مطابق پیدا ہو جاتی ہے، اس مقصد کے لئے وہ تمام مرکبات و مجربات جو تحقیقات فارما کوپیا اور تحقیقات المجربات میں درج ہیں، ضرورت کے مطابق محرک و شدید اور ملین و مسہل وغیرہ۔ اسی طرح تریاق و اکسیرات اور مقویات بھی دے سکتے ہیں۔

مجربات

مندرجہ بالا مفردات و مرکبات اور مجربات وغیرہ علاج کے لئے بہت کافی ہیں۔ مگر چونکہ اکثر دوستوں کو ذوق مجربات ہوتا ہے، اس لئے دیگر مجربات درج ذیل ہیں۔

سفوف بواسیر: تخم ترب ایک حصہ، تخم سرس 8 حصے، زیرہ سیاہ 6 حصے۔ سب کو کوٹ پیس کر سفوف بنالیں۔

مقدار خوراک: 3 ماشے سے 6 ماشے تک ہمراہ آب نیم گرم۔

حبوب بواسیر: تخم نیم، بکائن اور افسنتین، ہر ایک 2 تولے۔ اور رسونت 6 تولے۔ حب بقدر نخود تیار کر لیں۔

مقدار خوراک: 2 سے 4 حب دن میں دو سے چار بار دے سکتے ہیں۔

تریاق بواسیر: جمال گوٹہ ایک حصہ، شنگرف 12 حصے، انزروت 12 حصے۔ کوٹ پیس کر باہم ملالیں۔

مقدار خوراک: 2 چاول سے 2 رتی تک ہمراہ آب تازہ دیں۔

اکسیر بواسیر: اکسیر غدی عضلاتی ایک تولہ کھرل میں ڈال دیں۔ کھیکوار ایک پاؤ تھوڑا تھوڑا ڈال کر تمام کھرل کریں۔ پھر وزن کر کے اس کے برابر ریٹھے کا سفوف ملالیں۔ بس تیار ہے۔

مقدار خوراک: 2 رتی سے ایک ماشہ تک ہمراہ آب تازہ استعمال کریں۔

سوزاکی مادہ

تین انسانی زہروں میں سے دو زہر آتشکی مادہ اور بواسیری مادہ کو ہم بیان کر چکے ہیں، اب ہم تیسرے زہر سوزاکی مادہ کا ذکر کرتے ہیں۔ ان زہروں کی تعریف ہم نے اس طرح کی ہے۔

تعریف زہر انسانی

انسانی خون و رطوبت اور جسم میں ایسی حالت اور صورت پیدا ہو جائے جیسے دیگر اقسام کے زہروں کے اثرات سے پیدا ہوتی ہے۔ یعنی جس جسم میں پیدا ہو کر اس کو فنا کر دے یا کسی دیگر جسم میں داخل ہو کر اس کو بھی فنا کر دے یا اس میں بھی زہریلی علامات و اثرات پیدا کر دے اس زہر

کا اثر فوری بھی ہوسکتا ہے اور رفتہ رفتہ بھی ہوسکتا ہے۔ ہم نے ان زہروں کی پیدائش کے متعلق لکھا ہے۔

پیدائش زہر انسانی

جسم انسانی میں جب کوئی مرض پیدا ہوتا ہے تو قوت مدافعت (امیونٹی) اور قوت مدبرہ بدن (وائٹل فورس) اس کو رفع کرنے کی کوشش کرتی رہتی ہے اور جب وہ کمزور ہونا شروع ہوجاتی ہے۔ تو پھر اس مرض کا زہر خون میں اکٹھا ہونا شروع ہوجاتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ غالب ہوتا چلا جاتا ہے اور رفتہ رفتہ جسم کو ختم کر دیتا ہے۔ یہاں تک کہ یہی زہر آخر کار جسم کو بالکل فنا کر دیتا ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ یہی زہر کسی دوسرے جسم پر اثر انداز ہو کر اس جسم میں بالکل اسی قسم کے زہریلے اثرات اور علامات پیدا کر دے۔

تیسری صورت یہ ہے کہ جس انسان میں یہ زہر پایا جائے اس کی اولاد میں بھی یہی زہریلے اثرات اور علامات پائی جاتی ہیں۔ یہ اثرات اور علامات بالکل وہی ہوتی ہیں جو باپ میں پائی جاتی ہیں، اوّل صورت کا نام بگاڑ اعضاء دوسری کا نام چھوت چھات اور تیسری صورت کا نام اثرات وراثت ہے۔ ہم نے زہروں کے اثرات کے متعلق اس طرح بیان کیا ہے۔

اقسام زہر انسانی

چونکہ ان زہروں کی ابتداء بگاڑ اعضاء سے ہوتی ہے اور چونکہ جسم کے حیاتی اعضاء صرف تین ہیں، جن کو ہم اعضائے رئیسہ کہتے ہیں۔ یہ دِل، دماغ اور جگر ہیں۔ اس لئے یہ زہر بھی تین ہی اقسام کے ہیں جن کی صورتیں درج ذیل ہیں:

① اعصاب جن کا مرکز دماغ ہے، ان کے بگاڑ سے جو پیدا ہوتا ہے، اس کا نام زہر آتشک یا آتشکی مادہ ہے جس کو ہم بیان کر چکے ہیں۔

② عضلات جن کا مرکز دِل ہے، ان کے بگاڑ سے جو زہر پیدا ہوتا ہے اس کا نام زہر بواسیر یا بواسیری مادہ ہے۔ اس کا بیان بھی ختم ہو چکا ہے۔

③ غدد اور غشائے مخاطی جن کا مرکز جگر ہے۔ ان کے بگاڑ سے جو زہر پیدا ہوتا ہے، اس کا نام زہر سوزاک یا سوزاکی مادہ ہے جس کا ذکر ہم اب کر رہے ہیں۔ یہی زہر بعض دفعہ مختلف صورتوں میں نظر آتے ہیں اور ان کی مختلف علامات ظاہر ہوتی ہیں۔ لیکن ان کا اگر تجزیہ کیا جائے تو وہ ان ہی تین صورتوں میں نظر آتے ہیں۔

یادداشت

یاد رکھیں کہ آتشک جس کو انگریزی میں سفلس کہتے ہیں۔ یہ نہ مرض ہے اور نہ ہی خود زہر ہے۔ بلکہ یہ اس مرض کی علامت ہے جس کا زہر آتشکی مادہ ہے۔ آتشک اور آتشکی مادے کا فرق سمجھنا ضروری ہے۔ اس طرح بواسیر اور بواسیری مادہ کا فرق ہے۔ یہی صورت سوزاک اور سوزاکی مادہ کی ہے۔

راز کی بات

دُنیا بھر میں جس قدر بھی زہر پائے جاتے ہیں، چاہے وہ جماداتی و نباتاتی اور حیواناتی ہوں، جن میں ہر قسم کے جراثیم بھی شریک ہیں اور چاہے وہ امراض ظاہر ہوں جن میں ہر قسم کے امراض شامل ہیں۔ وہ سب زہر ان تینوں اقسام سے باہر نہیں ہیں۔ اس لئے دُنیا میں صرف تین اقسام کے زہر، تین اقسام کی ادویہ اور تین ہی اقسام کی اغذیہ پائی جاتی ہیں۔

اسی طرح تین ہی اقسام کے امراض اور تین ہی اقسام کے زہر پائے جاتے ہیں۔ یہ تین چیزیں ① کھار ② ترشی اور ③ نمک (جو دراصل کھار اور ترشی کا مرکب ہے) ہیں۔ دُنیا میں یہی تینوں چیزیں خالص یا کم وبیش ملی جلی حالت میں پائی جاتی ہیں۔ ان کے خواص پر حاوی ہونا تمام کائنات پر حاوی ہونا ہے۔ اب ہم پہلے سوزاک کی ماہیت کے بارے میں لکھتے ہیں اور پھر سوزاکی مادہ کی حقیقت پر لکھیں گے تاکہ دونوں کا فرق

سمجھ میں آسکے اور علاج میں کسی قسم کی مشکل پیدا نہ ہو۔

تعریف مرض

سوزاک پیشاب کی نالی (نائزہ) کا زخم ہے جس میں سے پیپ یا بدبودار رطوبت بہتی ہے اور اکثر درد ہوتا ہے۔ مزمن ہونے کی صورت میں یہ علامات بہت کم ہو جاتی ہیں۔ البتہ پیشاب کی نالی میں تنگی ہو جاتی ہے، اس کو تضیق نائزہ کہتے ہیں۔

حقیقت مرض

پیشاب کی نالی کے غشاء میں زخم ہو جاتا ہے۔ جب وہاں سے پیشاب گزرتا ہے تو شدید درد ہوتا ہے۔

ماہیت مرض

کسی سبب سے نائزہ (پیشاب کی نالی) میں اوّل سوزش پیدا ہو جاتی ہے، پھر رفتہ رفتہ زخم ہو جاتا ہے۔ جس میں سے خون آنا شروع ہو جاتا ہے۔ ساتھ ہی درد شدت اختیار کر لیتا ہے۔ مریض پیشاب کرتے وقت تڑپ جاتا ہے۔ بلکہ پیشاب کرتے ہوئے گھبراتا ہے۔ پھر رفتہ رفتہ خون کی بجائے رطوبت آنا شروع ہو جاتی ہے اور پھر پیپ آنا شروع ہو جاتی ہے جس سے درد کم ہو جاتا ہے۔ رفتہ رفتہ یہ علامات کم ہو جاتی ہیں۔ لیکن غشاء سکڑ جاتی ہیں جس سے نائزہ میں تنگی پیدا ہو جاتی ہے۔

آیورویدک میں سوزاک کا ذکر نہیں ہے

مخزن آیورویدک میں لکھا ہے کہ آیورویدک کی قدیمی مستند کتب کے علاوہ جدید ویدک کتب میں بھی مرض سوزاک کا ذکر نہیں ملتا۔ بعض ویدوں کا خیال ہے کہ موتر کرچھر، موتر گھات سوزاک ہے اور بعض اس کو اوشن وات کہتے ہیں۔ مگر اسباب و علامات کے لحاظ سے اگر سوزاک اور موتر کرچھر، موتر گھات اور اوشن وات وغیرہ کو دیکھا جائے تو یہ سوزاک سے بالکل جداگانہ ہیں۔ کیونکہ سوزاک جہاں بدکاری، زناکاری، کثرت جماع، حاملہ و حائضہ سے مجامعت وغیرہ کے اسباب سے پیدا ہوتا ہے۔ وہاں موتر کوچھر وغیرہ امراض دیگر امراض کی مانند اخلاط کے غیر معتدل ہونے سے پیدا ہوتی ہیں۔

حقیقت یوں ہے کہ مرض سوزاک اور آتشک برصغیر پاک و ہند کی بیماریاں نہیں ہیں بلکہ یہ دونوں امراض ہندوستان کی غیر ملکی حکومتوں کے وقت سے ہی رونما ہونا شروع ہوئے ہیں اور غیر ملکی حکومتیں اس ملک میں جس قدر پرانی ہوتی گئیں اس قدر ان امراض کو زیادہ پھیلنے کا موقع ملا۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی حکومت یا عہد مغلیہ تک ہندوستان کی طب قدیم آیورویدک کی مستند تصانیف ان امراض سے خالی پائی جاتی ہیں۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آیورویدک تصانیف اس لحاظ سے نامکمل یا ادھوری ہیں یا اس وقت کے ویدوں کو ان امراض کا علاج کرنا نہیں آتا تھا۔ درآں یہ حال آیورویدک طب بطور خود ہر طرح سے مکمل اور ضروریات وقت کے لئے کافی تھی، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جس زمانے میں ویدک تصانیف معرض وجود میں آئیں اس وقت اس ملک میں ان امراض کا نام و نشان تک نہ تھا۔ ورنہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ آیورویدک جیسی مکمل سائنس کی کتب میں ان کا ذکر تک نہ ہو۔

طب میں سوزاک کا ذکر نہیں ہے

طب کے یونانی اور اسلامی دور میں متقدمین اور متاخرین حکماء اور اطباء کی کتب میں سوزاک کا ذکر نہیں ملتا۔ البتہ حرقۃ البول الدم اور سدۃ البول کا ذکر ضرور ہے۔ جن میں سوزاک کی تمام صورتیں داخل ہیں۔ بلکہ ان میں پیشاب کی نالی سے لے کر مثانہ اور گردوں تک کی سوزش و درد

اور زخم کا علاج ہوسکتا ہے۔اس سلسلہ میں جو علاج لکھے گئے ہیں وہ اکثر درست اور کامیاب ہیں۔البتہ جلن، خون اور پیپ کی قسم کو مدنظر رکھ کر علاج کرنا چاہیے۔

شمس الاطباء حکیم ڈاکٹر غلام جیلانی نے جو کتب لکھی ہیں، ان میں جہاں یونانی اور اسلامی کتب کے تراجم اور ترتیب کو قائم رکھا ہے۔ان میں سوزاک کا بالکل ذکر نہیں ہے اور جو کتب فرنگی طب کی کتب کو سامنے رکھ کر لکھی ہیں، ان میں سوزاک کا ذکر ضرور ہے۔ان حقائق سے ثابت ہے کہ سوزاک فرنگی دور کی لعنت ہے اور جب سے اس کو متعدی وجنسی امراض میں شمار کرلیا گیا ہے، اس کی لعنت بڑھ گئی ہے، ورنہ یہ ایک زخم ہی تو ہے جو پیشاب کی نالی میں ہوجاتا ہے، جس کا علاج طبی کتب میں کامیابی سے بیان کیا گیا ہے۔البتہ جہاں تک سوزاک کی مادہ کا تعلق ہے، اس کے متعلق کچھ ذکر نہیں ہے۔لیکن فرنگی دور میں سوزاک کی مادہ سے پیدا ہونے والے امراض کا ذکر بھی ضرور پایا جاتا ہے۔جو یقیناً فرنگی کتب سے اخذ کیا ہوا معلوم ہوتا ہے، اس سے سوزاک کی مادہ کے اثرات ضرور سامنے آگئے ہیں۔

فرنگی طب اور سوزاک

شمس الاطباء حکیم ڈاکٹر غلام جیلانی کی کتب مخزن حکمت (طبع دوازدہم- جلداوّل) میں فرنگی طب کو سامنے رکھ کر جو کچھ لکھا ہے، وہ درج ذیل ہے۔اس کا اُردو میں نام سوزاک، طبی نام سیلان زہری اور ڈاکٹر نام گنوریا ہے۔

مرض کی کیفیت

سوزاک ایک چھوت دار مرض ہے جس میں پیشاب کی نالی متورم ہوکر اس سے پیپ آنے لگتی ہے۔اس کا باعث بھی ایک خوردبینی جرثومہ ہے جس کو ڈاکٹری اصطلاح میں گونوکاکس یعنی جرثومہ سوزاک کہتے ہیں۔حضرت انسان کے سوا اور کسی حیوان میں یہ مرض نہیں پایا جاتا۔

نوٹ

پیشاب کی نالی (یوریتھرا) نائزہ میں ورم ہوکر پیپ آنے لگ جایا کرتی ہے۔مثلاً اگر حائضہ کے ساتھ جماع کیا جائے یا ایسی عورت کے ساتھ جماع کیا جائے جس کو سفید رطوبت (لیکوریا) سیلان الرحم آتی ہو۔تب بھی نائزہ متورم ہوجاتا ہے۔پیشاب جل کر آنے لگتا ہے اور اس کے ساتھ پیپ بھی آنے لگتی ہے۔مرض نقرس (گاؤٹ) کے مریض جن کا پیشاب نہایت ترش ہوتا ہے، جب شراب وکباب اور مرچ مصالحہ کا زیادہ استعمال کرتے ہیں تب ان کے پیشاب میں بھی جلن پیدا ہوجاتی ہے اور نائزہ متورم ہوجاتا ہے۔ایسے ہی مسہل خصیہ فوقانی میں بھی نائزہ (پیشاب کی نالی) سے پیپ آنے لگتی ہے۔

لیکن مذکورہ بالا اسباب سے جو نائزہ میں ورم ہوکر پیپ آنے لگتی ہے یا پیشاب سوزش سے آنے لگتا ہے تو اس کو سوزاک نہیں کہتے۔ کیونکہ اس کا ورم نہ تو متعدی ہوتا ہے اور نہ ہی اس کی پیپ میں سوزاک کے جراثیم ہوتے ہیں۔ایسے ورم نائزہ کو ڈاکٹری میں سمپل یوریتھرائٹس اور طب میں ورم مجری بول کہتے ہیں۔ورم نائزہ اور سوزاک میں اگرچہ مریض کے حالات دریافت کرنے سے تشخیص ہوسکتی ہے، لیکن پیپ کا خوردبینی امتحان کرنے سے کامل تشخیص ہوجاتی ہے۔

مردوں میں سوزاک کا زخم پیشاب کی نالی کے عموماً اگلے حصے (سپاری والے حصے) میں ہوتا ہے۔لیکن کبھی بڑھ کر اس کے پچھلے حصے میں بلکہ غدی مذی (پراسٹیٹ گلینڈ) مثانہ اور خصیہ فوقانی (اپی ڈڈی مس) تک جا پہنچتا ہے۔بعض مریضوں میں جراثیم سوزاک خون میں سرایت کر کے اس کو متعفن اور زہریلے کر دیتے ہیں۔ایسی حالت کو سرایت جرثومہ سوزاک (گونوکاکس انفیکشن) کہتے ہیں۔جس کو اب ایک مستقل مرض مانا جاتا ہے۔اس لیئے ہم نے بھی اس کو سوزاک کے بعد ایک مستقل مرض کی حیثیت سے لکھ دیا ہے۔ایسی حالت میں اکثر سوزاک کی گٹھیا وغیرہ ہوجاتا ہے۔

کبھی خون کے متعفن ہو جانے سے جسم پر جا بجا پھوڑے نکل آتے ہیں اور کبھی دِل کے اندر کی جھلی میں ورم ہو کر زخم پڑ جاتے ہیں۔ عورتوں میں سوراخ بول کے علاوہ کبھی یہ مرض رحم کی گردن تک جا پہنچتا ہے۔ جس کے باعث رحم اور پیڑو کے بہت سے امراض اور تکالیف پیدا ہو جاتی ہیں۔

غرضیکہ سوزاک ایک ایسا خبیث مرض ہے جس سے اور کئی امراض مثلاً ① بد ② بدگھیا ③ خونی پیشاب کا آنا ④ پیشاب کا بند ہو جانا ⑤ ورم خصیہ ⑥ ورم مثانہ ⑦ نامردی ⑧ سوزا کی آنکھ کا آنا ⑨ خون کا متعفن ہو جانا ⑩ عورتوں میں ورم گردن رحم ⑪ ورم رحم اور ⑫ بانجھ پن وغیرہ پیدا ہو جاتے ہیں۔ لیکن عام طور پر لوگ نادانی سے سوزاک کو ایک معمولی مرض سمجھ کر اس کا مناسب علاج نہیں کرتے، حالانکہ یہ ایک نہایت ہی موذی اور خبیث مرض ہے۔

سوزا کی مادہ اور فرنگی طب

ماڈرن میڈیکل سائنس اور فرنگی طب میں سوزا کی مادہ کا کوئی تصور نہیں ہے۔ اس لئے ان میں سوزا کی زہر کا ذکر ہے اور نہ اس زہر سے پیدا ہونے والے امراض کا ذکر ہے۔ البتہ سوزا کی جراثیم کی چھوت اور اس سے سوزاک اور دیگر امراض کے پیدا ہونے کا ذکر ضرور ہے اور اس پر فرنگی طب میں بہت کچھ لکھا گیا ہے۔

مخزن حکمت میں متعدی امراض کے تحت سوزا کی جراثیم کی چھوت کو سرایت جرثومہ سوزاک اور اس کا طبی نام عدوی جرثومہ سوزا کیہ لکھا ہے جو انگریزی نام گونو کاکس انفیکشن کا اُردو طبی ترجمہ معلوم ہوتا ہے اس کے متعلق جو نوٹ دیا گیا ہے وہ درج ذیل ہے: ''سرایت جرثومہ سوزاک سے مراد ہے سوزاک کی چھوت لگنا۔ یعنی جرثومہ سوزاک کا جسم میں سرایت کرنا جس سے نہ صرف سوزاک ہو جاتا ہے بلکہ اور بہت سے موذی اور مہلک سوزا کی امراض ہو جاتے ہیں۔ پاک و ہند میں مرض سوزاک کو ایک معمولی مرض خیال کیا جاتا ہے۔ لیکن اس مضمون کو پڑھنے سے آپ کو بخوبی معلوم ہو جائے گا کہ یہ کس قدر موذی مرض ہے اور اس کے عوارض و نتائج کس قدر خطرناک ہیں۔ پناہ بخدا چونکہ یہ مرض امراض جدیدہ میں نہایت اہمیت رکھتا ہے اور تمام موجودہ فاضل محققین نے اس کو بیان کیا ہے، اس لئے ہم نے بھی اس کو تحریر کرنا ضروری سمجھا ہے۔

گونو کاکس یعنی جرثومہ سوزاک ایک چھوٹا سا جوڑا جرثومہ (ڈپلو کاکس) ہے جس کی دونوں متصلہ سطحیں چپٹی یا قدرے گہری ہوتی ہیں۔ جرثومہ سوزاک چونکہ جسم انسان کے باہر مشکل سے چند گھنٹے ہی زندہ رہ سکتا ہے، اس لئے یہ براہِ راست انسان سے انسان میں سرایت کرتا ہے۔

طریق سرائیت

جرثومہ سوزاک کی چھوت لگنے یا سرایت کرنے کا عمل مریض یا مریضہ سوزاک کے ساتھ مجامعت کرنا ہے۔ لیکن اگرچہ مرض سوزاک میں مبتلا ہو تو جراثیم اس کے اندام نہانی کی رطوبت سے نومولود یعنی نوزائیدہ بچہ کی آنکھ میں لگ کر آشوب چشم سوزا کی پیدا کر دیتے ہیں۔ علاوہ ازیں کبھی اتفاقیہ ان چھوت دار اشیاء سے بھی جن کو آشوب چشم سوزا کی کے مریضوں یا مریضہ سوزاک کے اندام نہانی سے مادہ لگ گیا ہو۔ یہ مرض دوسروں میں سرایت کر جاتا ہے۔

خصوصیات سرایت جرثومہ سوزاک

سرایت جرثومہ سوزاک کی نہایت اہم اور غالباً خاص خصوصیت یہ ہے کہ یہ نہایت ہٹیلا ہوتا ہے، دیگر جراثیم موذیہ کی نسبت اس جرثومہ کے جسم میں سرایت کرنے سے بہت تھوڑی اموات واقع ہوتی ہیں۔ مگر اموات کی کمی کا تناسب ان بے شمار مرضی تغیرات سے پورا ہو جاتا ہے جو

مرض میں واقع ہوتے ہیں۔ یعنی اس میں مرضی تغیرات جسم میں زیادہ ہوتے ہیں۔ اگر ایک دفعہ یہ جرثومہ جسم میں پہنچ جائے تو یہ جسم کی ساخت میں اس مستحکم طور پر سرایت کر جاتا ہے کہ پھر اس کا قلع قمع کرنا یا اس کو نیست و نابود کرنا بہت دشوار ہو جاتا ہے۔ کیونکہ یہ ان تمام حفاظتی و مدافعتی تدابیر کا جو اس کے دفعہ و اخراج کے لئے کی جاتی ہیں پوری قوت اور شدت سے مقابلہ کرتا ہے۔

سرایت جرثومہ سوزاک کی مدت بجائے مہینوں کے سالوں تک ہوتی ہے گو اس میں ایسے وقفے ہو سکتے ہیں جن میں کہ اعضائے ماؤف بالکل تندرست ہو جاتے ہیں۔ مثلاً ورم غبیہ (ایکوائرائٹس) جرثومہ سوزاک کی ابتدائی سرایت کے کئی سال بعد بھی ہو جاتا ہے اور اس بات کا ثبوت کہ ورم مذکورہ جرثومہ سوزاک کی سرایت کے سبب ہی سے پیدا ہوتا ہے۔ بہت مشکل ہوتا ہے۔ اگر چہ بعض محققین نے لکھا ہے کہ ورم غبیہ سوزاکی مرض سوزاک ہو چکنے کے چودہ پندرہ سال کے بعد بھی ہوا ہے۔ اس لئے بعض اوقات ابتدائی سرایت جرثومہ سوزاک کے سرایت کر جانے کے بعد جب شدید مرض سوزاک ہو جاتا ہے تو ایک بار شدید علامات مرض رفع ہو جانے کے بعد پھر خفیف یا مشتبہ سوزاک کا جراثیمی ثبوت حاصل کرنا بہت مشکل ہو جاتا ہے۔ کیونکہ ایسی صورت میں جراثیمی ثبوت حاصل کرنا اکثر بہت مشکل ہو جاتا ہے۔ کیونکہ ایسی صورت میں جراثیمی سوزاک کی تعداد بہت تھوڑی رہ جاتی ہے اور وہ ماؤف ساخت کے مسامات میں اس قدر گہرے نفوذ کر جاتے ہیں کہ پھر اس مقام ماؤف سے تراوش یافتہ رطوبت یا مواد میں خوردبینی امتحان سے بھی ان کا سراغ نہیں ملتا اور ابھی تک دیگر بلاواسطہ طریق تشخیص مثلاً ایگلوٹی نیشن وغیرہ بمشکل قابل اعتماد ہیں۔

جراثیم سوزاک کے سرایت کرنے کے بعد بالعموم پیپ پیدا کرنے والے گول زنجیری جراثیمی (سٹرپٹوکاکائی) اور خوشہ دار جراثیم (سٹفیلوکاکائی) بھی سرایت کر جایا کرتے ہیں۔ جس کو سیکنڈری ایکشن یا عدوی ثانیہ کہتے ہیں۔ جراثیم سوزاک کے جسم انسانی میں سرایت کرنے کے مندرجہ ذیل نتائج ہوتے ہیں۔

(۱) ابتدائی چھوت لگنے یا سرایت کرنے کے نتائج

جب جراثیم سوزاک کی ابتدائی چھوت لگتی ہے، یعنی ابتدا میں مریض سے تندرست انسان میں سرایت کرتے ہیں تو ایسی صورت میں مردوں میں شدید یا خفیف ورم نائزہ (یوریتھرائٹس) یعنی سوزاک اور قرحہ (گلیٹ) ہو جاتا ہے۔ عورتوں میں شدید یا مزمن ورم اندام نہانی (وجائنائٹس) ورم گردن و باطن رحم (سروائیکو اینڈ اسٹرائٹس) اور مردوں اور عورتوں دونوں میں آشوب چشم (کنجنکٹے وائٹس) کی شکایت ہو جاتی ہے۔

ابتدائی انتشار کے نتائج

مجامعت وغیرہ سے جب جراثیم سوزاک آلات بول میں سرایت کر کے مقام سرایت کے آس پاس کی ساختوں میں فوراً منتشر ہو جاتے ہیں تو اس کے اس سرایت و انتشار سے مردوں میں ورم حوالئے نائزہ (پیری یوریتھرائٹس) دبل (ایب سس) ورم غدہ مذی (پراسٹے ٹائٹس)، ورم خصیہ فوقانیہ، یا ورم اغدیدوس (اپی ڈیڈی سائڈس)، ورم کیسہ منی (ویسی کولائٹس)، عورتوں میں ورم قاذف یعنی رحم اور خصیۃ الرحم کی درمیانی نالی کا ورم (سلپن جائٹس) قاذف و خصیۃ الرحم کا ورم (سپنجو ارپرائیٹس) مردوں اور عورتوں دونوں میں ورم مثانہ (سس ٹائٹس) ہو جاتا ہے۔ نیز دونوں میں اور بالعموم عورتوں میں مقامی طور پر باریطون یعنی آنتوں وغیرہ کی غلافی جھلی یا پیری ٹونیم بھی متاثر ہو جاتی ہے۔ یعنی اس میں جراثیم سرایت کر کے باعث ورم ہوتے ہیں۔ زیادہ تر عورتوں میں پیڑو کی باریطون میں ورم (پیلوک پیری ٹونائیٹس) ہو جاتا ہے اور متورم جھلی مختلف مقامات میں جڑ جاتی ہے۔ جس سے پیڑو کے اندرونی اعضاء مثلاً رحم و خصیۃ الرحم وغیرہ کے طبعی افعال ناقص و زائل ہو جاتے ہیں۔ جس کا نتیجہ عورتوں میں بانجھ پن (سٹرے لٹی) پیدا ہو جاتا ہے۔ مردوں میں جراثیم سوزاک کی سرایت اور مقام انتشار کے آخری نتائج یہ ہوتے ہیں کہ پیشاب کی نالی میں رکاوٹ

(یوریتھرل سٹرکچر) پیدا ہو جاتی ہے۔ غدہ مذی میں مزمن قسم کا ورم (کرانک پراسٹے ٹائٹس) ہو جاتا ہے۔ اور اگر مثانہ سے براہِ حالبین جراثیم گردوں میں سرایت کر جائیں تو ورم حوضِ گردہ (پائی لائٹس) ہو جاتا ہے اور بعد میں آلاتِ بول میں بی کولائی قسم کے جراثیم سرایت کر کے مرض کی تکلیف میں شدید اضافہ کر دیتے ہیں۔

جراثیم سوزاک کے خون میں سرایت کرنے کے نتائج

جب سوزاک کے جراثیم خون میں سرایت کر جاتے ہیں تو تعفن دم (سپٹی سیمیا) تنقیح الدم کی علامات پیدا ہو جاتی ہیں۔

الف۔ تعفن خون (سپٹی سیمیا)

جراثیم سوزاک کے خون میں سرایت کرنے سے خون میں تعفن پیدا ہو جاتا ہے، اگرچہ اس کے مریض بہت کم دیکھے جاتے ہیں مگر ایسے مریضوں میں دِل کی اندرونی جھلی میں ورم ہو کر اس میں زخم پڑ جاتے ہیں اور یہ مرض بالعموم مہلک ہوتا ہے۔ ایسے مریضوں کے خون کا امتحان کرنے پر اس میں سوزاک کے جراثیم پائے جاتے ہیں، جس سے تعفن خون سوزاکی کی کامل تشخیص ہو جاتی ہے۔

ب۔ پیپ آمیز خون کی ظاہری علامات (پائی ایمک فیسی ٹیشز ہ)

ان میں سے اہم ترین سوزاکی گنٹھیا (گنوریل روماٹزم) ہے جس میں جوڑ متورم ہوتے ہیں اور ان کی اندرونی جھلیاں اور رباطات ماؤف ہو جاتے ہیں۔ شدید یا کم شدید قسم کے سوزاکی گنٹھیا کو ایک قسم کا تنقیح الدم سوزاکی (گنوریل پائی ایمیا) ہی سمجھنا چاہئے۔ سوزاکی گنٹھیا کے اکثر مریضوں کے ماؤف جوڑوں میں سوزاک کے جراثیم پائے جاتے ہیں۔ ریڑھ میں ورم ہو کر اس میں کجی آ جاتی ہے، جسے سپنڈیلائٹس ڈیفارمینس کہتے ہیں۔ جدید تحقیقات سے معلوم ہوا ہے کہ اکثر صورتوں میں یہ بھی مزمن سرایت سوزاک یعنی عرصہ سے جسم میں جراثیم سوزاک کے سرایت کر جانے کا نتیجہ ہوتی ہے۔

ورم غلاف دِل (پیری کارڈائٹس) اور ورم غلاف الریہ یا ذات الجنب (پلورسی) بھی جراثیم سوزاک کے سرایت کرنے کے نتائج بعیدہ بتائے جاتے ہیں۔ آنکھ کے پردہ عنبیہ کا ورم (آئی رائٹس) جو کہ بار بار عود کر آتا ہے اور جس کو اکثر آتشکی خیال کیا جاتا ہے۔ وہ زیادہ تر سوزاکی ہی ہوتا ہے۔ یعنی جراثیم سوزاک کے آنکھ کے پردہ عنبیہ میں سرایت کر جانے سے ہوا کرتا ہے۔

فرنگی طب اور سوزاکی مادہ

فرنگی طب ظاہر میں سوزاکی مادہ کی بجائے سوزاکی جراثیم کو تسلیم کرتی ہے۔ لیکن سوزاکی زہر سے بھی انکار نہیں کر سکی۔ بلکہ اس نے سوزاکی زہر کی دو صورتیں تسلیم کی ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) تعفن خون سوزاکی (گنوریل سپٹی سیمیا)

(۲) سوزاکی پیپ (گنوریل پائی ایمیا)

لیکن اگر غور کیا جائے تو دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ صرف صورتیں مختلف ہیں۔ اس کی غلط فہمی ہے۔ جب سوزاک کا مادہ خون میں سرایت کر جاتا ہے تو وہ خون میں تعفن پیدا کر دیتا ہے اور جہاں سوزاکی زخم میں پیپ پیدا ہوتی ہے تو وہ سوزاکی پیپ ہوتی ہے۔ پھر جہاں جہاں یہ سوزاکی پیپ سرایت کر جاتی ہے وہاں پر سوزاکی امراض و علامات پیدا کر دیتی ہے، جن میں سوزاکی جراثیم کا پایا جانا ضروری ہے۔ کیونکہ اس میں تعفن ہوتا ہے۔ اور جراثیم تعفن ہی کی پیداوار ہوتے ہیں۔

جہاں تک ان امراض کا تعلق ہے جو سوزاک کی جراثیم سے پیدا ہوتے ہیں وہ وہی امراض ہیں جو سوزاک کی زہر سے پیدا ہوتے ہیں۔ جن میں مردوں میں خصیوں کا ورم عورتوں میں خصیۃ الرحم کا ورم۔ آنکھ کے پردہ عنبیہ کا ورم۔ ذات الجنب کا ورم اور جوڑوں کے اورام وغیرہ شامل ہیں۔ گویا جسم میں جہاں تک انسجہ غدد اور غشائے مخاطی (اپی تھیلیل ٹشوز) کا تعلق ہے، ان میں سوزاک کی زہر کے امراض و علامات نظر آتے ہیں جن میں جگر اور گردے لازمی طور پر شریک ہیں۔

فرنگی طب کی غلط فہمی

فرنگی طب کی تحقیقات میں سب سے بڑی غلطی یہ ہے کہ ان کا طریق تحقیقات کلی نہیں ہے بلکہ جزدی ہے اور وہ تجزیہ و تحلیل کی طرف توجہ دیتی ہے۔ مگر کلی طور پر کسی عضو یا شے کا مطالعہ اور تحقیق کئے بغیر ان کا تجزیہ اور تحلیل کر کے ان کے جزئیات پر تحقیق شروع کر دیتی ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایک کل کو مختلف اجزاء میں تجربہ و مشاہدہ کر لیتی ہے۔ اور ان کے جدا جدا اثرات و افعال اور نتائج پیدا کر دیتی ہے۔ لیکن ان کے باہمی تعلق سے بے خبر رہتی ہے۔

سوزاک کی جراثیم ہوں یا سوزاک کی مادہ، دونوں کے ایک ہی اثرات ہیں۔ البتہ سوزاک کی مادہ سے جو زہر پیدا ہوتا ہے وہ جراثیم میں ظاہر نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ سوزاک کی زہر سے جو امراض پیدا ہوتے ہیں وہ سوزاک کی مادہ کے پیدا ہوئے بغیر ظاہر نہیں ہو سکتے۔ اس لئے سوزاک کی مادہ کا پیدا ہونا ضروری ہے۔ گویا سوزاک کی زہر کا درمیانی واسطہ ضروری امر ہے۔ اس لئے سوزاک کی مادہ کا تجربہ و مشاہدہ لازمی امر ہے۔

سوزاک اور ہومیو پیتھی

علاج بالمثل (ہومیو پیتھی) میں امراض کا تصور نہیں ہے صرف علامات کو مدنظر رکھ کر علاج کیا جاتا ہے اور یہ علامات ان ادویات کی ہوتی ہیں جو تندرست انسان کو کھلا کر حاصل کی جاتی ہیں۔ لیکن انتہائی حیرت کا مقام ہے کہ جب علاج کے متعلق ہومیو پیتھک کتب کا مطالعہ کیا جاتا ہے تو ان میں علاج کے سلسلہ میں جو عنوان دیئے گئے ہیں وہ انہی امراض کے نام ہیں جو دیگر طریق ہائے علاج کی کتب میں درج ہیں۔ ان میں سوزاک کا نام بھی درج ہے۔

ایک خالی الذہن محقق یہ سمجھنے سے قاصر ہے کہ ان عنوانات کو دیگر طریق ہائے علاج کی طرح امراض تصور کیا جائے یا علامات ہی سمجھ لیا جائے۔ تعجب اس امر پر ہے کہ ہومیو پیتھی کی جس قدر کتب علاج پر لکھی گئی ہیں ان کے نام علاج الامراض اور انہی کے تحت علامت بیان کر کے علاج کئے گئے ہیں۔ علم و فن میں یہ اختلاف حقیقت کے خلاف سمجھا جاتا ہے۔ بہر حال سوزاک کے عنوان کے تحت جو ادویہ اور ان کی علامات درج ہیں، ان کو بیان کیا جاتا ہے اور ان ادویہ کے باہمی تعلق کو ان کے اختتام پر بیان کیا جائے گا۔ تاکہ غور کے بعد نتائج نکالے جا سکیں۔

❁ ایکونائٹ: ابتدائی اور سوزشی درجہ میں جیلسیمیم (کنے بس سٹیوا) پیشاب کرنے پر حشفہ میں جلن اور ٹیسیں، رات کے وقت دردانگیز ایستادگی (کینتھرس اور کیپسیکم) نوجوان اور پرخون افراد۔

❁ اگیوا امریکانہ: انتہائی پر درد ایستادگی، پیشاب کرتے وقت سخت تکلیف جس کے ہمراہ گرمی درد اور مثانہ کی گردن میں دباؤ خصیتین میں کھچاؤ۔ جس کا اثر رانوں تک جائے، درد اس قدر شدید ہو کہ مریض مرجانے کو ترجیح دے۔

۷ **اگنس کاسٹس:** زرد رنگ کا ریم آلود اخراج۔ خصوصاً پرانے زنا کاروں میں مریض نامرد اور ساتھ ہی شہوانی جذبات مرتے جائیں گے اور ایستادگی بھی غائب ہوتی جائے۔ بار بار سوزاک کا حملہ ہو چکا ہو۔ خصیتین سرد متورم اور سخت ہوں۔

۴ **آرجنیٹم نائٹریکم:** پیشاب کرتے وقت مجری البول میں جلن اور ایسا احساس کہ مجری البول سوجا ہوا ہے اور اندر سے چھلا ہوا ہے۔ دبے ہوئے سوزاک کی وجہ سے خصیتین سوجے ہوئے اور سخت ہوتے ہیں۔

۵ **کنے بس سٹیوا:** سوزشی درجہ جس کے ہمراہ دردانگیز علامات (ایکونائٹ) حشفہ کا غلاف بہت زیادہ سوجا ہوا اور آگے سے بہت تنگ ہو جانے کے قریب۔ ایسی حالت میں جب کہ غلاف آگے سے تنگ ہو جائے تو حشفہ واپس نہیں چڑھ سکتا (مرکیوریس) حشفہ وغلاف حشفہ سیاہی مائل سرخ۔ عضو تناسل پر سوزش جیسے کہ جل گیا ہو اور چلتے پھرتے وقت سخت درد، عسر البول، پیشاب قطرہ قطرہ تکلیف سے آئے (اگیو۔ کینتھرس) پیشاب کرنے کے دوران میں اور بعد میں مجری البول میں جلن پیشاب کی دھار دوشاخی (کنتھیرس)۔

۶ **کینتھرس:** جب کہ سوزش مثانہ تک پھیل گئی ہو۔ پیشاب کرنے کی متواتر خواہش جس کے ساتھ بہت تھوڑا پیشاب خارج ہو (کیپ سیکم) رات کے وقت درد اور ایستادگی۔ جس کے ساتھ مجری البول میں کھچاؤ اور سوزش۔

۷ **کیپ سیکم:** مجری البول میں کرم کی مانند یا ریم آلود زرد اخراج ہو (اگنس کاسٹس) پیشاب کرتے وقت مجری البول میں جلن کاٹ یا نیشن زنی مجری البول چھونے سے درد کرے۔ رات کے وقت تکلیف دہ ایستادگی (ایکونائٹ)۔

۸ **ھائی ڈراسٹس:** حاد یا مزمن قسم کا سوزاک۔ دوسرے درجہ میں۔ اخراج گاڑھا اور زرد (سیپی شیو) پتلا مواد جو کہ پرانے سوزاک میں نکلتا رہتا ہے۔ بکثرت اور بلا درد خارج ہو اور اس کے ہمراہ نقاہت ہو۔ دائیں جنگاسا میں خصیتین تک کھچاؤ (مرکیوریس) ہر مرتبہ انتڑیوں میں پاخانہ خارج ہونے پر نقاہت اور بے ہوشی کا احساس (وراٹرم)۔

۹ **آئیوڈائیڈ آف سلفر:** نالی کا سکڑاؤ، جس کے ہمراہ غدہ مثانہ بہت بڑھا ہوا ہو۔

۱۰ **مرکیوریس:** آتشک کے گھاؤ کے ساتھ پیچیدہ سوزاک (نائٹرک ایسڈ) اخراج زردی مائل سبز ریم آلود۔ رات کو بکثرت۔ حشفہ کا گھونگھٹ سوجا ہوا اور اس کی اندرونی سطح پر سوزش و سرخی۔ پیشاب باریک دھار کی صورت میں یا قطرہ قطرہ آئے۔ بعض اوقات خون آمیز ہو۔ رات کے وقت اور نمدار بارشی موسم میں حالت زیادہ خراب ہوتی ہے۔

۱۱ **نائٹرک ایسڈ:** سوزاک جس کے ہمراہ آتشک اور مسے ہوں۔ مجری البول کے سوراخ پر اور حجاب حشفہ کی اندرونی سطح پر چھوٹے چھوٹے چھالے۔ اخراج خون بلغم کا ساریم، آلود (مرکیوریس) پرانا سوزاک (اگنس کاسٹس) مرکیوریس۔ تھوجا، پیشاب نہایت بدبودار اور خارج ہونے پر درد۔ پارہ کے غلط اور بے جا استعمال کے بعد۔

۱۲ **نکس وامیکا:** کباب چینی اور دیگر عطائی ادویات کے استعمال کے بعد اخراج پتلا، پیشاب کرنے پر جلن اور حرارت، اخراج دبا ہوا، جس کی وجہ سے خصیتین متورم۔ غدی مثانہ سوجا ہوا (پلسٹلا) سر کے پچھلے حصہ میں دھیما دھیما درد اور دائمی قبض ہو۔

۱۳ **پلسٹلا:** اخراج گاڑھا۔ زرد یا زردی مائل سبز (لیتھیم کاربالیکم) غلاف حشفہ کے اندرونی اور اوپر کی سطح پر خارش اور جلن۔ دبا ہوا سوزاک جس کے ہمراہ جوڑوں کا گنٹھیا (تھوجا) غلاف حشفہ پر چھالے، مثانہ کی شدید حرارت، اور پیشاب کر چکنے کے بعد سخت درد ہو۔

۱۴ **سنی شیو**: ترقی یافتہ درجہ۔ غدہ مثانہ بڑھا ہوا اور سخت۔ بائیں جانب میٹھا میٹھا اور بوجھل درد جو نیچے خصیتین تک مار کرے۔ رات کے وقت شہوانی خواب آئیں جن کے ساتھ جسم ناپاک ہو جائے۔

۱۵ **سلفر**: پرانا سوزاک۔ بلا درد یا صرف مجری البول میں ہلکی ہلکی سی جلن۔ مختلف اعضاء میں گٹھیا کے درد، آنکھوں کی کہنہ سوزش۔ غدہ مثانہ کے مزمن عوارضات بواسیر بادی یا خونی (تکس) جلد خشک، ناصاف اور بھوسی دار۔

۱۶ **تھوجا**: اخراج پتلا اور سبز، پیشاب کے وقت چھیلن کا درد، مجری البول سوجا ہوا پیشاب دو دھارا (کنےبس سٹیوا) رکا ہوا سوزاک جس کے باعث مفاصلی گٹھیا، غدہ مثانہ کا ورم، جرب الحلق (ایک طرح کی خارش جو سر یا چہرے کے اس حصہ میں، جہاں داڑھی ہوتی ہے پیدا ہو جاتی ہے) اور نامردی، رات کو پر درد ایستادگی جس کی وجہ سے بے خوابی ہو جائے (ایکونائٹ)۔

۱۷ **لٹسی لاگو**: حاد درجہ جس میں مجری البول کے حشفہ والے حصہ میں ایک مقررہ جگہ پر نیش زن درد ہوتا ہے۔ اس دوران میں مزمن درجہ بھی پیدا ہو جاتا ہے جس میں آنکھوں پر آشوب اور خصیتین متورم ہوں۔ یہ کیفیت اخراج کے دب جانے پر پیدا ہوتی ہے۔ غیر معتدل عادات والے اشخاص جو مرغن غذائیں کثرت سے استعمال کرتے ہیں۔

امدادی تدابیر

ہومیو پیتھک ڈاکٹر سوزاک کا علاج سوزش پیدا کرنے والے انجکشنوں سے کرتے ہیں۔ حالانکہ دوسرے ڈاکٹر اس کو مفید تسلیم نہیں کرتے ہیں۔

ہم نے ہومیو پیتھک علامات کے تحت سترہ عدد ادویات درج کردی ہیں۔ ان ادویات کے علاوہ بعض کتب میں دیگر ادویات بھی درج ہیں۔ مگر ہم نے طوالت کے پیش نظر ان کو نظر انداز کر دیا ہے۔ البتہ ان چند ادویات سے معالج کے ذہن میں ادویات اور علامات کا ایک مناسب نقشہ پیدا ہو سکتا ہے۔

ہومیو پیتھی ادویات میں اختلاف

حیرت سے کہنا پڑتا ہے کہ ہومیو پیتھی میں علاج کے وقت صرف علامات کو مدنظر رکھا جاتا ہے اور مرض کے ساتھ ادویات کی حقیقت پر بالکل توجہ نہیں دی جاتی۔ جہاں تک علامات کا تعلق ہے، ان کی ترتیب کو سمجھنے کے لئے بھی بے شمار غلطیاں کی جاتی ہیں۔ ان پر ہم بحث نہیں کرنا چاہتے۔ یہاں پر کچھ ادویات کے انتخاب اور اختلاف کے متعلق لکھا جاتا ہے۔

جس قدر ادویات سوزاک اور اس کی علامات کے متعلق درج ہیں، ان میں باہمی اختلاف پایا جاتا ہے۔ اول اگر مزاج کے اعتبار سے غور کیا جائے تو ہومیو پیتھی گرمی سردی اور تری وخشکی کی بے حد قائل ہے۔ اگرچہ چار اخلاط کو تسلیم نہیں کرتی مندرجہ بالا ادویہ پر نظر کی جائے تو ان میں ہر مزاج کی ادویات شامل ہیں۔ ظاہر ہے کہ **سوزاک اور اس کی علامات ہر مزاج کے انسان کو نہیں ہو سکتیں۔ ان کے لئے گرم خشک مزاج یا زیادہ سے زیادہ انتہائی سرد مزاج ہو سکتا ہے اور اس کے علاوہ کوئی مزاج نہیں ہو سکتا۔ ایسا خیال کرنا بھی فن علاج سے بے علمی ہے۔**

اگر ہم مزاج کو چھوڑ دیں اور صرف ان کے کیمیائی عناصر کو دیکھیں تو صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ان میں سے بعض فیرم اور کیلشیم کے اجزاء رکھتی ہیں اور بعض سلفر و فاسفیٹ اور پوٹاشیم کے اثرات خون میں پیدا کرتی ہیں اور ان کے باہمی اختلافات بالکل نمایاں ہیں۔ کوئی ہومیو پیتھ یہ نہیں کہہ سکتا کہ کون سی ادویات مفید ہیں اور کون سی مضر ہیں۔

اسی طرح اُن کے کیمیائی اجزاء کا تجزیہ کریں تو ان میں کھاری ادویہ کے ساتھ تیزابی ادویات بھی شامل ہیں۔ ان کے علاوہ سالٹ بھی ہیں جو کھار اور تیزاب کے مرکب سے تیار ہوتے ہیں۔ ہومیو پیتھی یقینی طور پر یہ نہیں بتا سکتی کہ سوزاک کے لئے کھاری ادویہ زیادہ مفید ہیں یا تیزابی اور نمکین ادویات ان کے لئے یقینی علاج ہیں۔

اس کے علاوہ اس حقیقت کو بھی نظر انداز نہ کریں کہ سوزاک اور اس کی علامات کے لئے جسم میں ایک خاص قسم کا زہر پیدا ہو جاتا ہے جس سے سوزاک اور اس کی علامات پیدا ہو جاتی ہیں۔ یہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ ہر قسم کے زہر سے سوزاک پیدا ہو جائے۔

ڈاکٹر ہانمن نے تین قسم کے زہروں کا ذکر کیا ہے جو یہ ہیں: (۱) سورا (۲) سفلس اور (۳) سائیکوسس۔ ان کے علاوہ جسم میں اور کوئی زہر پیدا نہیں ہو سکتا۔ اب ذرا غور کریں کہ سوزاک اور اس کی علامات ان تینوں زہروں میں سے کس کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں۔ یقیناً کسی ایک زہر سے ان کا تعلق ہے۔ پھر لازمی ہو جاتا ہے کہ ادویات بھی وہی ہونی چاہئیں جو جسم میں اس زہر کے اثرات پیدا کر سکیں اور وہی ان کے لئے باعث شفا ہوں گی۔ لیکن مندرجہ بالا ادویہ میں ہر قسم کے زہر کو پیدا کرنے والی اشیاء شامل ہیں۔

ان حقائق اور دلائل میں ہومیو پیتھ حضرات کو غور و فکر کرنے کی ضرورت ہے، پاک و ہند کے ہومیو پیتھ حضرات کو یورپ اور امریکہ کی طرف نظریں جما کر نہیں رکھنی چاہئیں۔ بلکہ خود بھی تحقیق و تدقیق کرنی چاہئے۔

سورا اور ڈاکٹر ہانمن کی غلط فہمی

ڈاکٹر ہانمن موجد ہومیو پیتھ پہلے محقق ہیں جنہوں نے تین انسانی زہروں سے طبی دُنیا کو روشناس کرایا ہے اور تاکید کی ہے کہ علاج الامراض خصوصاً مزمن امراض میں ان تینوں زہروں کو مدنظر رکھنا ضروری ہے۔ ان زہروں کے نام یہ ہیں: (۱) سورا (۲) سفلس (۳) سائیکوسس۔ امراض کے علاج میں پہلے اس امر کا تعین کر لینا ضروری ہے کہ اس کا تعلق کس زہر سے ہے۔ پھر ایسی ادویات کا انتخاب کرنا چاہئے جن کا تعلق کسی خاص زہر کے ساتھ ہو ورنہ علاج میں کامیابی نہیں ہو گی۔

جہاں تک ان زہروں کا تعلق ہے یہ ایک مفید تحقیق ہے اور علاج الامراض میں یہ ایک کامیاب اُصول ہے۔ لیکن جہاں تک ان زہروں کی تشریح کا تعلق ہے، اس کو تفصیل سے بیان نہیں کیا گیا۔ ایک زہر کو دوسرے زہر سے الگ کر کے بیان نہیں کیا گیا۔ بلکہ ایک کو دوسرے کے ساتھ مخلوط کر دیا گیا ہے۔ اس طرح ان کے افعال و اثرات اور خواص کو الگ نہیں کیا جا سکتا۔ گویا ڈاکٹر ہانمن کو ان کے متعلق بہت بڑی غلط فہمی ہے۔ جس کے ثبوت میں ہم آرگینن سے اقتباسات پیش کرتے ہیں۔

صفحہ ۲۰۶: کسی مزمن مرض کا علاج شروع کرنے سے پیشتر یہ دریافت کر لینا نہایت ضروری ہے کہ مریض کے اندر امراض زہری میں سے کسی زہر کی سرایت تو نہیں ہوئی۔ اگر ہوئی ہو تو علاج صرف اسی کی طرف مبذول کیا جائے۔ بشرطیکہ صرف آتشک کی علامات موجود ہوں یا اس سے کم ہونے والی مرض کی جس میں گو بھی کی شکل کے اُبھار ہوں۔ لیکن یہ بیماری آتشک آج کل شاذ و نادر ہی اکیلی دیکھنے میں اور آتی ہے۔ اگر اس قسم کی سرایت پہلے کبھی واقع ہو چکی ہو تو معالج اس کا بھی خیال کرے اور جب صرف آتشک کی علامات کے علاوہ اور کئی علامات بھی موجود ہوں تو وہ عموماً سورا (کھجلی کا مادہ) کی وجہ سے ہوتی ہیں۔ ایسی حالت میں سورا اور سفلس کے مادے باہم مل کر مرض کو پیچیدہ بنا دیتے ہیں۔ جس وقت معالج کا یہ خیال ہوتا ہے کہ اس کے سامنے مزمن امراض زہری میں سے کوئی بیماری ہے تو دراصل اس کو کسی آتشکی مرض کا جس کے ہمراہ سورا بھی ہوتا ہے، علاج کرنا پڑتا ہے۔ کیونکہ مزمن امراض کے بنیادی اسباب میں اندرونی کھجلی کا بگاڑ سب سے بڑا

سبب ہے۔ سورا یا تو آتشک کے مادے کے ساتھ ملا ہوا ہوتا ہے اور یا سائیکوسس کے ساتھ۔ اور وہ بھی اس وقت جب کہ آتشک یا سوزاک کے امراض واقعی جسم میں سرایت کر چکے ہوں۔

صفحہ ۲۰۴: اگر ہم ان تمام مزمن امراض اور بگاڑوں کو نظر انداز کر دیں جو کہ طرز معاش کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں، نیز ان بے شمار دوا والے امراض کو بھی نظر انداز کر دیں جو کہ پرانے طرز کے معالجہ کے ماہرین کی فضول، خطرناک اور نامعقول تدبیروں سے ظہور پذیر ہوتی ہیں۔ حالانکہ معالجہ کے وقت اصلی مرض بالکل خفیف سا ہوتا ہے، تو باقی سب کی سب بیماریاں ان تین مزمن زہریلے مادوں کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں۔ اندرونی سفلس، اندرونی سائیکوسس، لیکن عموماً اور تعداد میں اندرونی سورا۔ ان تینوں میں سے ہر ایک (جب کبھی جسم میں سرایت کر جائے) جسم کے اوپر اپنا غلبہ رکھتا ہے اور تمام حصوں میں پھیل جاتا ہے۔ اس کے بعد ان میں سے ہر ایک کی خاص خاص ابتدائی اور قائم مقامی علامات نمودار ہوتی ہیں۔ (کھجلی کے مادے کی صورت میں جلد کی کھجلی) آتشک کی صورت میں بادفرنگ یعنی شینکر اور سائیکوسس کی صورت میں گوبھی کی شکل والے اُبھار۔

اگر ہم مزمن زہریلے مادوں والی بیماریوں کو ان کی مقامی علامت سے محروم کر دیں تو زبردست قدرت کا تقاضا ہوتا ہے کہ وہ زہریلے مادے جسم کے اندر ہی اندر ترقی کر کے جلد یا بدیر نہایت خطرناک صورت میں ظاہر ہوں اور ان بے شمار تکلیف دہ امراض کا باعث بنیں جن کے ہاتھوں انسان کی نسل صدہا سال سے نالاں ہے۔ کاش معالج ان تین زہریلے امراض کا مناسب اندرونی ہومیو پیتھک ادویہ کے ذریعے علاج کرتے اور ان کی مقامی علامات کے لئے کوئی خارجی ادویہ استعمال نہ کرتے تب ممکن تھا کہ وہ ہولناک امراض اس قدر کثیر تعداد میں ظاہر نہ ہوتے۔

ان کے علاوہ کچھ اقتباسات ہم سفلس اور سائیکوسس کے بیان میں پیش کر چکے ہیں۔ ان سب سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ڈاکٹر ہانمن ان کی الگ الگ تشریح و تفصیل اور افعال و اثرات سے واقف نہ تھے۔ انہوں نے تینوں کے خواص اور فوائد کو ایک دوسرے میں خلط ملط کر دیا ہے۔ اس لئے کوئی ہومیو پیتھ ان کی صحیح حقیقت سے واقف نہیں ہے۔

ڈاکٹر کینٹ کی سورا کے متعلق غلط فہمی

ہم یہ تحریر کر چکے ہیں کہ ڈاکٹر ہانمن موجد ہومیو پیتھی پہلے محقق ہیں جنہوں نے سورا، سفلس اور سائیکوسس تین قسم کے انسانی زہروں سے طبی دُنیا کو روشناس کرایا ہے۔ انہوں نے تاکید کی ہے کہ جب تک ان کو مدنظر نہ رکھا جائے، ہومیو پیتھک علاج کامیاب نہیں ہو سکتا۔ مگر جہاں تک ان زہروں کی تعریف اور تشریح کا تعلق ہے ہم نے ان کی کلیات (آرگینن) سے ثابت کیا ہے کہ وہ نمایاں طور پر ان کی تعریف و تعین نہیں کر سکے اور نہ ہی ان کی تشریح و تفصیل بیان کر سکے ہیں۔ یعنی ایک زہر کو دوسرے زہر سے الگ کر کے بیان نہیں کیا گیا ہے۔ بلکہ ایک کو دوسرے کے ساتھ مخلوط کر دیا گیا ہے۔ اس طرح ان کے افعال و اثرات اور خواص کو الگ الگ نہیں کیا جا سکتا ہے۔ گویا ڈاکٹر ہانمن کو ان کے متعلق بہت بڑی غلط فہمی تھی۔

اس خیال سے کہ شاید ہم ڈاکٹر ہانمن کے بیان کو پورے طور پر نہ سمجھ سکے ہوں۔ ہم ان کے ایک قابل ترین شاگرد ڈاکٹر جیمز ٹائلر کینٹ کی معلومات پیش کرتے ہیں۔ مگر افسوس کہ شاگرد نہ ہی استاد کے علم کو بیان کر سکا ہے اور نہ ہی اس کا تعین اور تشریح کر سکا ہے۔ ذیل میں ان کی کتاب ''لیکچرز آن ہومیو پیتھک فلاسفی'' (ہومیو پیتھک فلسفہ) ترجمہ از جناب سید عنایت حسین صاحب بخاری ایم اے ہومیو پیتھی سے چند اقتباسات پیش کر رہے ہیں۔ قارئین خود فیصلہ کر سکتے ہیں۔

صفحہ ۲۱۸۔مزمن امراض سورا کے تحت لکھتے ہیں: ''سورا ہی تمام امراض جسمانی کا مبداء اور مصدر ہے۔اگر سورا عفونت کی حیثیت میں بنی نوع انسان پر مسلط نہ ہو جاتا تو دوسرے دو مزمن مرضوں کا وجود غیر ممکن ہو جاتا ہے۔ساتھ ہی انسان میں شدید امراض کے لئے استعداد قبول مرض بھی ممکن نہ رہتی۔گویا جملہ امراض انسانی کی بنیاد ہی سورا ہے، کیونکہ اسی مرض کی بھیانک عمارت تعمیر ہوتی ہے۔یہی پہلا مرض ہے اور باقی کے تمام امراض اس کے بعد وجود پذیر ہوئے''۔

صفحہ ۲۰۰:''سورا کی سادہ اشکال جب دانے یا آبلے یا خارش (ہیں) غائب ہو جائیں۔یہ ہیں کہ نزلہ و زکام کی مختلف شکایات پیدا ہو جاتی ہیں اور جب آپ ان عوارض یا علامات کے لئے دوا دیتے ہیں تو بچپن کے دبے ہوئے جلدی دانے اور آبلے پھر سے نمودار ہو جاتے ہیں''۔

صفحہ ۲۲۸:''سورا سادہ اور منفرد آبلہ دار خارش کی صورت میں ابتدائی طور پر ظاہر ہوتا ہے''۔

صفحہ ۲۲۹:''سورا ان امراض کے مزمن اظہار کا ذمہ دار ہے جو طبیعت میں آتشکی اور سوزا کی نہیں، سورا کی سرگرمی عمل کا نتیجہ ہے جو جسم میں گردوں پر اثر انداز ہو رہی ہے۔اسی طرح جگر کی عام بیماریاں امراض نہیں ہیں بلکہ سورا جگر کے مقام پر مرتکز ہوتا ہے۔اسی طرح پھیپھڑوں کی بیماریاں قلب کی بیماریاں اور دماغ کی بیماریاں امراض نہیں ہیں۔کیونکہ ان کا سرچشمہ ایک ہے اور اسی سرچشمہ سے ہم ان کے ارتقاء کی حالت کا مشاہدہ کرتے ہیں''۔

صفحہ ۲۳۱،عنوان مزمن امراض (سورا مسلسل) کے تحت لکھتے ہیں: ''تینوں مزمن عفونتیں سورا، سفلس اور سائیکوسس متعدی اور وبائی ہیں''۔

صفحہ ۲۳۲:''سورا مقدم اور باقی دو عفونتیں مؤخر ہیں''۔

صفحہ ۲۳۹:''یہ حالت متواتر ترقی کرتے کرتے اب مجتمع اور مرتکز ہو کر پیچیدہ تر ہو گئی ہے۔قدیم ابتدائی سورا نے اپنے ساتھ سفلس اور سائیکوسس کو بھی جمع کر لیا ہے۔پھر انہوں نے اجتماعی حیثیت سے ترقی کرتے ہوئے ایک حالت اور حیثیت حاصل کر لی ہے''۔

صفحہ ۲۴۰:''یہی کیفیت سورا کی خارجی اشکال کی ہے۔یعنی آبلہ دار یا چھلکے والی خارش۔پھنسیوں اور دوسری تمام جلدی بیماریوں وغیرہ کی یہی صورت ہوتی ہے''۔

صفحہ ۲۴۱:''سورا کو جسم کے اندر دبا دینے کے نتیجہ میں سرطان یا ناسور کی شکل میں مختلف قسم کی شکایات اور عوارض لاحق ہو جاتے ہیں۔ پھیپھڑوں اور قلب کے خلیاتی تغیرات سل و دق اور دوسری خلیاتی اور عضوی تباہ کاریاں ہوتی ہیں''۔

صفحہ ۲۴۴:''ان علامات میں جو سورا کی مظہر تھیں اور ان علامات میں جو گندھک کی تصویر پیش کرتی ہیں، ایک عجیب و غریب مشابہت پائی گئی تھی جس کی بنا پر ہانمن نے گندھک کا استعمال سورائی مریضوں میں کیا۔سورائی علامات اکثر دواؤں میں پائی جاتی ہیں۔جتنی بھی مزمن دوائیں یعنی گہرا اور پائیدار اثر کرنے والی دوائیں ہیں، وہ سب کی سب کم و بیش سورائی مزاج و طبیعت کی حامل ہیں''۔

صفحہ ۲۴۹:''آتشک پہلے پہل انسان کے اندرونی خلیات، غلاف، استخوانی ہڈیوں اور دماغ وغیرہ پر حملہ آور ہوتی ہے۔اگر اس کا تقابل سورا سے کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ مؤخر الذکر عموماً شرائین اور جگر وغیرہ پر اثر انداز ہوتا ہے اور جلد کے نیچے انجماد پیدا کر دیتا ہے۔جس کی وجہ سے دنبل، پھوڑا، پیپ وغیرہ عوارض پیدا ہو جاتے ہیں۔آتشکی پھوڑا صحیح معنوں میں پھوڑا نہیں ہوتا۔یہ تو ایک دقی مادہ سا مجتمع ہو کر ماہیت میں انتہائی زہریلا اور تباہ کن ہوتا ہے''۔

صفحہ ۲۵۳:''حقیقی سائیکوسس کے مریض جو معالج کے پاس آتے ہیں بالعموم وہی ہوتے ہیں جن کی حالت میں مرض کو دبا دیا جاتا ہے

اور اب وہ ابتدائی حالت مرض کی نسبت زیادہ خطرناک اور بدتر حالت میں ہوتے ہیں''۔

صفحہ ۲۵۷: ''ایک ایسے مریض کو لیجئے جو دس پندرہ سال تک سائیکوسس کے عارضے میں مبتلا رہا ہو۔ اس کا چہرہ پلپلا اور پھیکا ہوتا ہے، جسم پر مسے اور گومڑیاں نکل آتی ہیں، ہونٹ زرد پڑ جاتے ہیں، کان شفاف دکھائی دینے لگتے ہیں اور وہ انحطاط و اضمحلال کی طرف جا رہا ہوتا ہے۔ وہ اس طرح کئی ایک عوارض میں مبتلا ہوتا ہے جو ایک قسم کی مخصوص علامات ہوتی ہیں''۔

صفحہ ۲۵۸: ''یاد رہے کہ ناک کا نزلہ بھی اکثر حالتوں میں سائیکوسس ہوسکتا ہے، ایسا نزلہ عموماً سوزاک کی مواد کے دب جانے سے ہوتا ہے''۔

صفحہ ۲۶۰: ''یہ ایک عجیب بات ہے کہ سائیکوسس صرف نرم خلیات ہی پر اثر انداز ہوتا ہے اور ہڈیوں پر کچھ اثر نہیں کرتا۔ لیکن آتشک نرم خلیات کے علاوہ ہڈیوں پر بھی اثر انداز ہوتی ہے۔ البتہ سورا پورے جسم پر اثر انداز ہوتا ہے۔ کوئی حصہ یا عضو اس کے اثر سے محفوظ نہیں رہتا۔ وہ پورے جسم میں انحطاط کی کیفیت پیدا کر دیتا ہے۔

نتیجہ

ہم نے پوری کوشش کی ہے کہ سورا و سفلس اور سائیکوسس کو ڈاکٹر کینٹ کی وساطت سے ذہن نشین کرا دیں۔ لیکن قارئین خود فیصلہ کر لیں کہ وہ ان کا کس حد تک تعین کر سکے ہیں۔

سوزاکی مادہ کی حقیقت

سوزاکی مادہ ایک ایسا زہر ہے جو غدی مادہ، صفرا (بائل) میں خمیر در خمیر سے پیدا ہوتا ہے۔ جیسے تازہ دہی بذاتِ خود ایک خمیر ہے۔ دوسرے تیسرے روز اس کے خمیر میں اور زیادہ تیزی پیدا ہو جائے گی۔ اس کی ترشی بہت زیادہ ہو جائے گی۔ اگر یہی دہی دس پندرہ روز یا بیس تیس روز پڑی رہے تو اس میں انتہائی ترشی کے ساتھ کیڑے بھی پڑ جائیں گے۔ بالکل یہی صورت غدی مادہ (صفراء) میں مسلسل خمیر کے بعد پیدا ہو جاتی ہے۔ بالکل ایسے ہی صفراء جس کو طب میں کراثی صفراء اور زنجاری صفرا کہا گیا ہے اور ان کو زہر تسلیم کیا گیا ہے۔ یہ زہر غدی انسجہ (اپی تھل ٹشوز) کی پیداوار ہے جس کا مرکز جگر ہے۔ رفتہ رفتہ یہ جسم کے ہر غدد میں سر سے پیر تک پھیل جاتا ہے اور کیمیائی طور پر خون میں شریک ہو جاتا ہے اور ان سب میں سکیڑ پیدا ہو جاتا ہے۔

سوزاک کی علامات

جسم میں جلن، خارش، سوزشی دانے، خون میں جوش، جسم و چہرہ اور پیشاب میں زردی کے ساتھ جلن، خون میں رقت۔ چونکہ اس زہر کا اخراج پیشاب کی طرف ہوتا ہے، اس لئے پیشاب کی نالی میں زخم ہو جاتے ہیں اور خون کے ساتھ پیشاب میں پیپ بھی آنے لگ جاتی ہے۔ پیشاب کی ایسی حالت کو سوزاک کہتے ہیں۔ رفتہ رفتہ یہی مادہ آنکھوں میں سوزش پیدا کر کے وہاں سرخی اور ورم پیدا کر دیتا ہے۔ اس کو سوزاکی آنکھ دکھنا کہتے ہیں۔ جس مرد یا عورت میں یہ مادہ شدت اختیار کر گیا ہو، ان کے نوزائیدہ بچے پر بھی اس کا اثر ہوگا۔ اس کی آنکھیں سوزش ناک ہوں گی یا ضائع ہو چکی ہوں گی اور بچہ اندھا ہوگا اور اس کے جسم پر بھی سوزش کے اثرات ہوں گے۔

جن مردوں کو یہ مرض ہو ان کو اس وقت تک شادی نہیں کرنی چاہئے جب تک ان کا قارورہ اس امر کی تصدیق نہ کر دے کہ اس میں سوزاکی مادہ نہیں پایا جاتا۔ ورنہ معصوم و بھولی بھالی اور پاک دامن و نیک بیبیوں کی زندگی میں نہ صرف عذاب آ جاتا ہے، بلکہ اولاد کے لئے بھی

مصیبت آ جاتی ہے۔ کتنی شرم کی بات ہے کہ ایسے مرد اپنی چھوٹی چھوٹی بچیوں کو اٹھائے پھرتے ہیں اور ویدوں، اطباء اور ڈاکٹروں کو علاج کے لئے دکھاتے پھرتے ہیں۔ جن لوگوں میں سوزاک کی شدت ہو، اکثر ان کے ہاں اولاد نہیں ہوتی۔ اگر ہوتی ہے تو مر جاتی ہے۔ اگر نہ مرے تو زندگی بھر بیمار رہتی ہے اور گھر بھر کے لئے مصیبت بنی رہتی ہے اور دوسروں میں اس مرض اور زہر کے پھیلانے کا سبب بنتی ہے۔

چونکہ سوزاک غدی مرض ہے اور اس کا پہلا اثر پیشاب کی نالی پر ہوتا ہے اور غشائے مخاطی میں ہوتا ہے۔ وہاں پر شدید سوزش اور زخم کے بعد ورم ہو جاتا ہے۔ پھر حشفہ سوج جاتا ہے۔ اس کا دوسرا حملہ ودی اور مذی کے غدد اور خصیوں پر ہوتا ہے جس سے وہ دردناک ہو جاتے ہیں۔ انتشار کی شدت پیدا ہو جاتی ہے، جس سے پیشاب کے زخم اور ورم میں انتہائی درد ہوتا ہے اور مریض چیخیں مارتا ہے۔ وہ اس عذاب سے جان دے دینا سہل سمجھتا ہے۔ ایک مریض کو دیکھا کہ اس نے اپنے عضو مخصوص کو جراحی کے ذریعے کٹوایا۔ مگر یہ اس کا علاج نہیں ہے۔ کیونکہ اپریشن سے جسم میں اس مرض کا زہر ختم نہیں ہو سکتا۔ باقاعدہ علاج سے یہ مرض بہت جلد رفع ہو سکتا ہے۔ ڈاکٹر اپنی غلط فہمی کی وجہ سے اپریشن کر دیتے ہیں۔

اسی طرح جب عورت میں اس زہر کی شدت ہوتی ہے تو یہ مرض پیشاب کی نالی کے زخم کے بعد اندر کے اعضائے مخصوصہ میں بھی پھیل جاتا ہے۔ اندام نہانی میں آگ لگا دیتا ہے۔ پیشاب کے جل کر آنے کے ساتھ اندام نہانی میں تیز مادے بھر جاتے ہیں اور بدبودار رطوبت کا اخراج ہوتا ہے۔ ساتھ ہی پیشاب کی نالی سے پیپ اخراج پاتی رہتی ہے۔ کمر اور جسم میں سخت درد اور دکھن ہو جاتی ہے۔ اس مرض میں مبتلا عورتیں اکثر بانجھ ہو جاتی ہیں۔ جب کوئی مرد ایسی عورت سے مواصلت کرتا ہے، تو یقیناً اس زہر سے متاثر ہوتا ہے اور بہت جلد سوزاک کا مریض بن جاتا ہے۔

تمام بازاری عورتیں اس مرض میں مبتلا ہوتی ہیں۔ ان کے قریب جانا سانپ کے منہ میں جانے کے مترادف ہے۔ اگر کسی عورت میں زہر ہو تو اس کی شادی اس وقت تک نہیں کرنی چاہئے جب تک یہ یقین نہ ہو جائے کہ وہ اس مرض کے زہر سے بالکل پاک اور تندرست ہوگئی ہے۔ ورنہ وہ اس زہر کو دُنیا میں مزید پھیلانے کا باعث بن جائے گی۔

علاماتِ شفا

جب اس مرض سے شفا ہوتی ہے تو اس کے زہر کا اثر جسم سے ختم ہو جاتا ہے۔ جس کی مندرجہ ذیل علامات ہیں:

① پیشاب میں جلن نہیں ہوتی۔

② پیشاب میں خون اور پیپ کا نشان تک نہیں رہتا۔ بلکہ اس کے سوراخ میں چیک تک ختم ہو جاتی ہے۔

③ گرم اور جگر میں سوزش پیدا کرنے والی اشیاء کے استعمال سے اس کی علامات کا اظہار نہیں ہوتا۔ خاص طور پر انڈے، بھنا ہوا گوشت، لہسن، پیاز، سرخ مرچ اور گرم مصالحہ جات وغیرہ۔

④ نلوں میں درد اور بوجھ وغیرہ کے محسوس نہ ہونے کے بعد اس مرض سے کلی طور پر شفا سمجھ لینا چاہئے۔

نوٹ

اس زہر سے جسم میں اور بھی بعض قسم کی علامات پیدا ہو جاتی ہیں، جیسے جوڑوں کا درد، ناک میں جلن اور گردوں میں سوزش وغیرہ۔ ان تمام صورتوں میں غدی و غشائی امراض کو ہی مدنظر رکھنا چاہئے۔

غلط فہمی

اس زہر سے جب جوڑوں میں درد ہوتا ہے تو اس کو وجع المفاصل سوزاکی کہتے ہیں۔ یہ بہت بڑی غلط فہمی ہے۔ یہ وجع المفاصل (رہوماٹزم) نہیں بلکہ نقرس (گاؤٹ) ہوتا ہے۔ اس طرح ناک کی سوزش میں جب رطوبت آتی ہے، وہ زکام نہیں ہوتا بلکہ نزلہ حار ہوتا ہے۔

سوزاک

پیشاب کی نالی میں شدید سوزش سے زخم ہو جاتا ہے۔ جس سے پہلے جلن کے ساتھ پیشاب، پھر شدید درد کے ساتھ خون اور پھر پیپ آنا شروع ہو جاتی ہے۔ جس کے ساتھ ہی عضو مخصوص متورم ہو جاتا ہے۔ اگر پیشاب میں جلن ہو، مگر خون اور پیپ نہ آئے تو اس کو سوزاک نہیں کہا جائے گا بلکہ اس حالت کو حرقت بول کہتے ہیں۔ اگر سوزاک پرانا ہو جائے تو اسے قرحہ کہتے ہیں۔ سوزاک کو انگریزی میں گنوریا کہتے ہیں۔

ماہیت سوزاک

پیشاب کی نالی (نائزہ) میں اندر کی طرف ایک جھلی ہوتی ہے جو قشری (غدی) مادہ کی بنی ہوتی ہے۔ وہ ضرورت کے وقت رطوبت سے تر رہتی ہے اور یہ ضرورت پیشاب اور منی کے اخراج میں پیدا ہوتی ہے۔ جب اس رطوبت کا اخراج کسی سبب سے رُک جاتا ہے تو نالی میں جلن پیدا ہو جاتی ہے۔ یہی جلن حرقت بول یا سوزاک کی صورت اختیار کر لیتی ہے اور جب یہ شدت اختیار کر لے تو سوزاک کی مادہ (سورا) پیدا ہو جاتا ہے۔

اسباب

سوزاک کے جس قدر بھی اسباب ہو سکتے ہیں ان میں یہ بات ضروری ہے کہ پیشاب کی نالی میں رطوبت کا اخراج بند ہو جاتا ہے۔ مثلاً کثرت مباشرت، حیض کا اثر، گرم تیز اشیاء، سوزاکی مادہ کا اثر، حاملہ کی رطوبت، بعض امراض کا اثر، اغلام بازی، جلق کا کثرت سے استعمال وغیرہ جن کی صورت یہ ہوتی ہے کہ کثرت مباشرت خصوصاً زنا کاری اس مرض کا خاص سبب ہوتا ہے۔ جس کے باعث ہمیشہ رگڑ اور کثرت انزال سے ایک طرف عضو سوزشناک ہو جاتا ہے اور دوسری طرف رطوبات کا اخراج ختم ہو جاتا ہے۔ بلکہ منی کی پیدائش بھی ختم ہو جاتی ہے۔ خشک رگڑ سے اکثر خون آ جاتا اور عضو متورم ہو جاتا ہے۔

حیض کے خون میں جو تیزی ہوتی ہے اس کے اثرات سے انکار ممکن نہیں، اس کے علاوہ خون بذاتِ خود قاطع رطوبات ہے۔ حیض کے علاوہ رحم کی متعفن رطوبات، حمل کے ایام کی رطوبات، سیلان الرحم کی رطوبات وغیرہ کے اثرات بھی یہ مرض پیدا کر دیتے ہیں۔ اسی طرح عورت و مرد کے اندر سوزاکی مادہ کا اثر بھی یہ مرض پیدا کر دیتا ہے۔ گرم اور تیز اشیاء میں مرچ و مصالحہ جات، تیل و ترشی، چٹنی و اچار، کثرت شراب و بھنا ہوا گوشت رطوبات کے اخراج کو روک کر نالی میں سوزش پیدا کر دیتے ہیں۔ اور ساتھ ہی پیشاب میں تیزی پیدا ہو جاتی ہے۔

بعض امراض میں غدد اور غشائے مخاطی میں سوزش پیدا ہو جاتی ہے۔ پتھری و ریگ، نقرس کثرت احتلام وغیرہ۔ ان کے علاوہ اغلام بازی اور جلق میں کثرت رگڑ و گندگی اور منی و رطوبات کا زیادہ اخراج اکثر سوزاک پیدا کر دیتے ہیں۔ سوزاکی مرد اور سوزاکی عورت سے بھی ایک دوسرے کو یہ مرض ہو جاتا ہے۔

علامات

سوزاک کی مادہ (سورا) اور دیگر اثرات کے چند دنوں بعد اکثر تین یوم سے سات یوم کے اندر اندر پیشاب کی نالی میں سوزش و خارش اور جلن اور کمی بول شروع ہو جاتا ہے۔ جس کے ساتھ درد و خون اور پیپ کا آنا شروع ہو جاتا ہے۔ درد بڑھتا جاتا ہے، پیشاب رُک جاتا ہے، عضو مخصوص متورم ہو جاتا ہے۔ پیشاب کرتے وقت ٹیسیں پڑتی ہیں۔ تکلیف یہاں تک بڑھ جاتی ہے کہ کپڑا بھی چھو جائے تو درد ہوتا ہے۔ رفتہ رفتہ علاج سے کچھ تخفیف ہو جاتی ہے۔ اگر علاج صحیح ہوا ہو تو سوزاک بالکل رفع ہو جاتا ہے۔ نہیں تو قرحہ بن جاتا ہے اور رفتہ رفتہ اس کا سوزا کی مادہ سارے جسم میں اثر کر کے خوفناک صورتیں پیدا کر دیتا ہے۔

خوفناک صورتیں

سوزاک کا جب آرام نہیں آتا تو قرحہ بن جاتا ہے۔ اس سے پیشاب کی نالی خشک اور تنگ ہو جاتی ہے۔ جس سے پیشاب کا اخراج مشکل ہو جاتا ہے۔ بعض اوقات تو پیشاب کی نالی میں تیز سلائی سے پھر زخم کیا جاتا ہے اور نالی کا راستہ کھولا جاتا ہے۔ اور بعض اوقات پیشاب کے اخراج کے لئے نالی میں ایک اور راستہ بنا دیا جاتا ہے۔ سوزا کی مادہ میں شدت کے بعد یہ مثانہ کی طرف بڑھتا ہے۔ تو غدد مذی و ودی اور خصیہ فوقانی تک چلا جاتا ہے۔ جب اس زہر کا اثر خون میں سرایت کر جاتا ہے تو اس کو بھی متعفن اور زہریلا کر دیتا ہے۔ جس سے جسم پر دانے نکل آتے ہیں۔ اس سے دِل اور باقی اعضاء کی غدی جھلی (غشائی مخاطی) میں بھی شدید سوزش ہو جاتی ہے جس میں پیشاب کا بند ہو جانا، پیشاب میں خون کا آنا، خون کا متعفن ہو جانا، جوڑوں کا درد (نقرس)، ورم مثانہ اور سوزا کی آنکھ کا آنا شامل ہے۔ عورتوں میں یہ مرض جب رحم تک پہنچ جاتا ہے تو رحم اور خصیۃ الرحم میں ورم پیدا ہو جاتا ہے۔ جس میں پیشاب کے امراض کے علاوہ رحم کے بعض امراض پیدا ہو جاتے ہیں۔ اکثر بانجھ پن پیدا ہو جاتا ہے۔

سوزاک کوئی معمولی مرض نہیں ہے، اس سے بھی بہت خوفناک قسم کا زہر پیدا ہوتا ہے۔ جس کو سوزا کی زہر (سورا) کہنا چاہئے۔ جب تک اس کا مکمل علاج نہ ہو جائے، اس کو نظر انداز نہیں کرنا چاہئے۔ ورنہ اس کا زہر جسم میں داخل ہو جاتا ہے۔

اصول علاج

سوزاک پیشاب کی نالی (نائزہ واحلیل) کا مرض ہے۔ اس میں نالی کے اندر سوزش ہو جاتی ہے۔ یہ سوزش وہاں کی غشائے مخاطی میں ہوتی ہے، جس کا تعلق غدد (جگر) سے ہے۔ گویا جگر و گردوں اور جسم کے تمام غدد اس سے متاثر ہوتے ہیں۔ اگرچہ مرض کا مرکز پیشاب کی نالی ہے، مگر اصل مرکز جگر ہے جو ایک عضو رئیس ہے۔ اس لئے سوزاک کے علاج میں جگر و گردوں اور غدد غشائے مخاطی کو مدنظر رکھنا نہایت ضروری ہے۔

چونکہ اس مرض میں جگر گردوں اور غدد و غشائے مخاطی میں سکیڑ پیدا ہو جاتا، اس لئے اس کے اصول علاج میں اس حقیقت کو بھی ذہن میں رکھیں کہ وہاں کی سوزش کے ساتھ ساتھ وہاں کا سکیڑ بھی ختم ہو جانا چاہئے۔

غلط فہمی

چونکہ اس مرض میں گرمی اور صفراء بے حد بڑھ جاتا ہے اور پیشاب میں بندش آ جاتی ہے۔ اس لئے اس مرض میں عموماً اطباء اور عوام سرد سے سرد مدرات دیتے ہیں۔ یہاں تک کہ صندل و کباب چینی اور مہندی و دھنیا تک استعمال کرا دیتے ہیں۔ قلمی شورہ ان ادویہ کا خاص جز ہے۔ بعض مجرباتی معالج گرم مدرات جیسے دار چینی، لوبان اور ست سلاجیت و ست گلو وغیرہ دیتے ہیں اور زخم بھرنے کے لئے ست بیروزہ ان کا ضروری جزو

ہے۔ یہ سب بے اصولی علاج ہیں۔

اسی طرح فرنگی معالج (ڈاکٹر) قاتل جراثیم اور حابس رطوبات دوا دینے سے ایک روز میں علامات روک دیتے ہیں۔ چند روز بعد پھر وہی علامات پیدا ہو جاتی ہیں۔ پھر کھانے کے لئے ادویات دیتے ہیں۔ ان میں مسکنات و مخدرات اور دافع تعفن اور دافع جراثیم کے ویکسین اور مرکبات بڑے فخر سے دیتے ہیں۔ لیکن یہ سب طریقے غلط اور عطائیانہ ہیں۔

صحیح علاج

یادرکھیں کہ سوزاک اس وقت ظاہر ہوتا ہے جب پیپ بن چکی ہوتی ہے۔ ایسے موقعہ پر ورم مکمل ہو چکا ہوتا ہے۔ اس لئے رادع و مسکنات اور مخدرات و جراثیم کش ادویات کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا بلکہ محللات کی ضرورت ہوتی ہے۔ جس سے نہ صرف یہ کہ وہاں کی سوزش و درد اور زخم و پیپ ختم ہو جاتی ہے، بلکہ پیشاب بھی کھل کر آ جاتا ہے۔ اس مقصد کے لئے محللات جگر اور مخرج صفراء ادویات کی ضرورت ہوتی ہے۔ جیسے یرقان اور سوالقینہ واستسقاء میں ہوتا ہے۔ علاج میں ادویہ اور اغذیہ ایک ہی قبیل کی ہونی چاہئیں۔ غذا کے لئے دیکھیں ''تحقیقات علاج بالغذا'' (غدی) **اعصابی دوا کے لئے بھی غدی اعصابی ادویہ دیں۔ اگر قبض ہو تو غدی اعصابی ملین یا غدی اعصابی مسہل دیں۔ یہ یقینی اور بے خطا کے ساتھ ساتھ فوری علاج بھی ہے۔** تحقیقات فارما کوپیا اور ''تحقیقات المجربات'' میں یہ سب نسخے درج ہیں۔ مفرد ادویہ کے لئے دیکھیں ''تحقیقات علم الادویہ'' میں غدی اعصابی ادویہ۔ اس میں کوئی ڈیڑھ سو ادویہ دی گئی ہیں۔ ضرورت کے مطابق استعمال کر سکتے ہیں۔ ان کے علاوہ تحقیقات فارما کوپیا میں غدی اعصابی تریاق جو ابتدائی اور شدید حالت میں دینے چاہئیں اور غدی اعصابی اکسیر جو قرحہ و مزمن اور خباثت و خوفناک حالت و صورت میں دے سکتے ہیں۔ **آرام آجانے کے بعد کچھ دنوں تک غدی اعصابی مقوی بھی استعمال کردیں اس طرح مکمل تسلی بخش علاج ہو جاتا ہے** اور مرض کا قلع قمع ہو جاتا ہے۔

وما علینا الا البلاغ

٦

تحقیقات امراض و علامات

فہرست عنوانات

عرضِ ناشر

قارئین عرصہ دراز سے ہمارے بزگوار (داداجان) حکیم انقلاب المعالج صابر ملتانی موجد قانون مفرد اعضاء کی تحقیقی تصانیف کی کمی شدت سے محسوس کی جارہی ہے۔ جن کو شائع کرنے کے لیے والد محترم جناب حکیم مسلم ناصر شکیل صاحب نے کئی بار کوشش کی کہ حکیم انقلاب رحمۃ اللہ علیہ کی تمام کتب شائع کر کے ان کے ہزاروں شاگردوں کی علمی پیاس بجھائی جائے مگر بعض مجبوریوں کی وجہ سے وہ کتب شائع نہ کر سکے۔ دوست بار بار اصرار کر رہے تھے کہ آپ کی تمام تصانیف کی اشاعت کا بندوبست کیا جائے۔ کیونکہ قانون مفرد اعضاء پر مکمل عبور حاصل کرنے کے لیے آپ کی کتب کا ہونا بہت ضروری ہے۔ اب والد صاحب نے تمام کتب کی اشاعت کا بارگراں میرے ذمہ لگا دیا ہے۔

تحقیقات الامراض والعلامات میری پہلی کوشش ہے جو آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ اس کتاب کی اشاعت کے لیے مجھے کافی مشکلات کا سامنا بھی ہوا مگر میں ان مشکلات کے باوجود اپنے داداجان کی کتب کی اشاعت کو اپنا فرض سمجھتے ہوئے پورا کروں گا۔ اور اس راہ میں آنے والی تمام مشکلات کا مقابلہ کرتے ہوئے ہر ماہ ایک کتاب شائع کر کے آپ کے شاگردوں کی علمی پیاس بجھانے کی حتی الامکان کوشش کروں گا۔

کتاب ہذا کی ترتیب و پروف ریڈنگ کرتے ہوئے کتاب کو اغلاط سے پاک کرنے کی پوری کوشش کی ہے۔ مگر پھر بھی آپ سے استدعا ہے کہ کتاب میں اگر کوئی اشاعتی یا طباعتی خامی نظر آئے تو مجھے مطلع فرمائیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں درست کیا جا سکے۔

اس سلسلہ میں میں اپنے دوستوں کا مشکور ہوں جن کے بھرپور تعاون کی وجہ سے میں اس قابل ہو سکا کہ کتاب آپ کے سامنے پیش کرسکوں۔

امید ہے کہ اس کتاب سے معالجین قانون مفرد اعضاء ہی نہیں بلکہ ہر عام و خاص اور اہل علم حضرات کے علاوہ، حکیم، طبیب اور ڈاکٹر حضرات بھی مستفید ہوں گے۔

قارئین سے آخر میں گذارش ہے کہ میرے لیے دعا بھی کریں کہ اللہ تعالیٰ مجھے اس کتاب کے علاوہ دوسری تمام کتب شائع کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

معظم فرید صاحبزادہ حکیم مسلم ناصر شکیل

مختصر تعارف

حکیم انقلاب المعالج دوست محمد صابر ملتانی رحمۃ اللہ علیہ

موجد قانون مفرد اعضاء وبانی تحریک تجدید طب

آپ کا اصل نام دوست محمد تھا صابر ملتانی آپ کا ادبی نام تھا اسی نام سے آپ دنیائے طب میں مشہور ہوئے ۹ جولائی ۱۹۰۶ء کو ملتان میں پیدا ہوئے اسی نسبت سے ملتانی کہلائے ابتدائی تعلیم سے ایف اے تک ملتان میں ہی تعلیم حاصل کی اردو فارسی عربی فاضل کے امتحانات لاہور سے پاس کیے ابتدائی طبی تعلیم اپنے ماموں حکیم احمد حسن سے حاصل کی اس کے بعد ۱۹۳۳ء سے تحقیقات کا آغاز کیا تحقیقات کے متعلق آپ فرمایا کرتے تھے کہ تحقیقات کرنا لوہے کے چنے چبانے کے مترادف ہے۔

چونکہ آپ کا ذہن انتہائی تحقیقی تھا اس لیے ہر مسئلہ کو فطرت کے مطابق پرکھنے لگے چونکہ فرنگی طب کی بنیاد ہی قانون فطرت کے مطابق نہیں ہے اس لیے اسے خلاف فطرت پایا مثلاً جراثیم اور اس کی نشوونماء پر غور کیا اور یہ ثبوت حاصل کرنے کی کوشش کی کہ کیا جراثیم ہی مرض کا باعث ہوتے ہیں؟ یا کوئی اور سبب ہوتا ہے؟

تحقیقات سے معلوم ہوا کہ جراثیم تو نتیجہ مرض ہیں نہ کہ سبب مرض کیونکہ اگر کسی جگہ رطوبتی مواد رکھ دیا جائے اور وہاں کئی دن تک پڑا رہے اور اس پر مناسب حرارت اثر کرتی رہے تو اس رطوبتی مواد میں پہلے خمیر پیدا ہوتا ہے پھر جراثیم نمودار ہوجاتے ہیں بالکل اسی اصول کے تحت جب کوئی مفرد عضو اپنے فضلات یا رطوبت باہر خارج نہیں کرتا تو کچھ عرصہ کے بعد اس میں خمیر پیدا ہوجاتا ہے جس کے نتیجہ میں وہاں تعفن پیدا ہوکر جراثیم بن جاتے ہیں۔

اسی طرح کیفیات کو تسلیم کیے بغیر کوئی چارہ نہ تھا ان کے خواص وفوائد اور افعال واثرات سے انکار کسی صورت میں نہ بن پڑتا تھا مثلاً گرمی سے سردی ختم ہوجاتی ہے تو خشکی سے تری قائم نہیں رہ سکتی اسی طرح ترشی کو الکلی سے ختم ہوتے ہوئے دیکھا اور الکلی کو ترشی سے تو طب یونانی کی وہ اخلاط مزاج والی تھیوری حقیقت بن کر سامنے آ گئی یعنی الکلی طب یونانی کی رو سے بلغم ہے تو ترشی طب یونانی کی رو سے سودا ہے اگر سائنس الکلی سے ترشی کو ختم کرنا ضروری سمجھتی ہے تو طب یونانی بلغم (تری) کو سودا (خشکی) سے ختم کرتی ہے اسی طرح اخلاط مزاج کی حقیقت کو اٹل صورت میں تسلیم کرنا پڑا اسی طرح ایلوپیتھی کے ہر نکتہ کو فطرت کے مطابق پرکھنا شروع کر دیا جوں جوں ایلوپیتھی کے ہر پہلو کو پرکھتے جاتے ویسے ہی اس سے دور بھاگنا شروع کر دیا یہی وجہ تھی کہ آپ فرمایا کرتے تھے کہ جس طریقہ یا قانون کا نتیجہ دو اور دو چار نہ ہو اس پر عمل نہیں کرنا چاہیے اس دوران آپ کو ایک عجیب وغریب حیرت انگیز واقع پیش آیا جس نے آپ کا ذہن بدل کر رکھ دیا۔

آپ کے پاس ہیضہ کا ایک مریض آیا آپ نے طب جدید کے اصول کے تحت معدہ وامعاء کے سکون کے لیے دوا دی تو مریض کی حالت غیر ہوگئی پھر طب قدیم کے اصول کے تحت علاج کیا گیا تو فوراً شفاء ہوگئی نتیجہ کے طور پر آپ کو امید کی ایک کرن نظر آئی آپ نے طب قدیم کا گہری نظر سے مطالعہ شروع کر دیا آخر اللہ تعالیٰ نے آپ کو وہ نعمت عطا کر دی جس کے آپ مدت سے متلاشی تھے اس نعمت کا نام قانون مفرد اعضاء ہے یہ قانون طب یونانی اور آیورویدک میں ایک انقلاب آفریں قانون ہے جو طبی دنیا میں ایک زبردست انقلاب تھا اسی وجہ سے آپ حکیم انقلاب کے نام سے مشہور ہوئے۔

امراض کی تعداد

اس قانون کی رو سے ثابت کیا گیا ہے کہ امراض صرف تین ہیں جو مفرد اعضاء یعنی اعصاب غدد اور عضلات میں پیدا ہوتے ہیں باقی سب کی سب علامات ہیں قانون مفرد اعضاء کے تحت جو علاج کیا جاتا ہے اس کا نتیجہ دو اور دو چار کی صورت میں برآمد ہوتا ہے آپ نے قانون مفرد اعضاء دنیا کے فلاسفروں، محققوں، مجددوں اور ڈاکٹرز کے سامنے دعوے کے ساتھ ۱۹۵۸ء میں پیش کیا۔ اس وقت آپ کے سامنے مشکلات کے پہاڑ تھے مگر آپ نے ان کی پرواہ نہ کی اور تحقیقات جاری رکھیں اور اپنی مطبوعات بھی پیش کر دیں جو رہتی دنیا تک انسانیت کے کام آتی رہیں گی ادویات کی تحقیق کے سلسلے میں بھی آپ اپنے جسم کو اذیتیں دیتے رہے گویا آپ نے اپنے جسم کو ایک لیبارٹری بنا کر دنیا کو ایک حقیقی فن کی طرف راغب کر دیا، کثرت مطالعہ اور تیز ترین ادویات کے استعمال نیز دن رات کی مصروفیت اور دور دراز کے تھکا دینے والے سفر سے آپ بیمار ہو گئے اور بالآخر چونسٹھ سال کی عمر میں ۳۰ جون ۱۹۷۲ء کو اللہ کو پیارے ہو گئے۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ○

پیش لفظ

تحقیقات الامراض والعلامات کی اہمیت کا اندازہ اس امر سے لگالیں کہ ان کے بغیر نہ ہی تشخیص صحیح ہوسکتی ہے اور نہ کسی علاج میں کامیابی ہو سکتی ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ شیخ الرئیس بوعلی سینا کے بعد امراض اور علامات پر کوئی تحقیقات نہیں ہوئیں اور اس کے بعد جو کتب حقیقت امراض اور علامات پر لکھی گئی ہیں ان میں اسی کی نقل کی گئی ہے۔ اسی طرح آیورویدک میں چرک اور سسشرت کے بعد ہزاروں سالوں میں ان کی معلومات پر اضافہ کیا ہوتا۔ البتہ انہوں نے جو کچھ لکھا ہے ان کو بھی پورے طور پر نہیں سمجھا گیا بلکہ ان میں خس وخاشاک اس قدر ملا دیا گیا ہے کہ ان کی اصل حقیقت بھی ان میں دب کر روپوش ہوگئی ہے۔ اب ان کی حقیقت اصل رنگ میں پیش کرنا نہ صرف مشکل بلکہ ناممکن ہوگیا ہے۔

آیورویدک کی تحقیقات کا کام تو اس وقت ختم ہو گیا تھا جب سکندر اعظم کی فتوحات کے ساتھ ہندوستان پر طب یونانی کی برتری قبول کر لی گئی اور بعد کے زمانوں میں خصوصاً اسلامی علوم وفنون کے انتہائی ترقی یافتہ دور میں طب یونانی کی عظمت ہندوستان میں بہت بڑھ گئی اور جب ہندوستان پر مسلمانوں نے صدیوں تک بادشاہی کی تو طب یونانی کا ہر طرف غلبہ اور بول بالا ہو گیا جس کے ساتھ ہی آیورویدک یا تو کتب میں بند ہوگئی یا طب یونانی کے ساتھ ساتھ اس کا بھی ذکر ہوتا رہا لیکن اس کی تحقیق وترقی کا سلسلہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ختم ہوگیا۔ آیورویدک کی تحقیق وترقی میں رکاوٹ کا ایک بڑا سبب یہ بھی پیدا ہوگیا کہ آیورویدک کی اصل زبان سنسکرت ہمیشہ کے لیے ختم ہوگئی۔ ہندوستان کی نئی زبانوں میں نئے علم وفن اکٹھے ہوگئے۔ اب حالت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ آیورویدک زبان کا زندہ ہونا قطعاً ناممکن ہو گیا ہے۔ اس لیے آیورویدک کی تجدید کا سوال ہی ہمیشہ کے لیے ختم ہوگیا ہے۔

فرنگی طب اور ماڈرن سائنس کے عروج اور علوم وفنون کے دور نے طب یونانی کے ساتھ بھی وہی سلوک کیا جو یونانی طب وحکمت اور علم و سائنس نے آیورویدک کے ساتھ کیا تھا۔ مگر انیسویں صدی کے آخر تک مسلمانوں کی حکومت کے ساتھ ساتھ ہندوستان کے دیگر چھوٹے بڑے نوابوں، حکمرانوں اور راجوں مہاراجوں کے دور میں طب یونانی بہت حد تک زندہ رہی اور آج بھی وہ زندہ ہے کیونکہ اس کی روح یعنی اس کی زبان عربی آج بھی زندہ زبانوں میں شامل ہے اور تقریباً نصف دنیا میں بولی اور سمجھی جاتی ہے۔ البتہ یہ صحیح ہے کہ فرنگی طب اور ماڈرن سائنس کی ترقی اور عروج کے بعد اس میں بھی تحقیق اور ترقی کا دور ختم ہوگیا ہے۔

ان حقائق کے مدنظر ہم نے عرصہ بیس پچیس سالوں سے طب یونانی میں تجدید کا سلسلہ شروع کیا تھا جس کی بنیاد کیفیات واخلاط کو بالمفرد اعضاء پیش کیا گیا تاکہ فرنگی طب کا نہ صرف مقابلہ کیا جائے بلکہ ان کو ان کی معلومات کے تحت غلط اور غیر علمی (ان سائنٹیفک) ثابت کیا جائے جو ہم عرصہ پانچ برس سے بہت کامیابی کے ساتھ دنیا طب وحکمت اور جدید دور سائنس اور علم میں پیش کر رہے ہیں۔

نظریہ مفرد اعضاء کا مقصد صرف یہ ہے کہ طب یونانی کے علوم فنون کو جو کیفیات واخلاط کے حدود میں بند ہیں ان کو ماڈرن سائنس کی تدقیق (مائینوٹ) تحقیقات جوایٹمی دور کے منافع الاعضاء فزیالوجی کا سب بڑا اور آخری کارنامہ ہے اس کے مطابق اور اس کے رنگ میں پیش کرسکیں۔

اللہ کریم کا ہزار ہزار شکر ہے کہ اس نے ہمیں اس پیش کش اور تجدید طب میں انتہائی کامیاب اور کامران کیا ہے۔

اس کتاب سے پہلے ہم تقریباً دس کتب اسی نظریہ مفرد اعضاء (انسجہ۔ٹشوز) کے تحت پیش کر چکے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی کرم نوازی سے بے حد مقبول اور بے انتہا مفید ثابت ہوئی ہیں۔ یہ کتاب بھی انہی کی ایک کڑی ہے۔نظریہ مفرد اعضاء تو پہلے کئی بار بیان ہو چکا ہے۔اس کے تحت قابل اطباء اور فاضل معالجین امراض وعلامات کی حقیقت سے واقف ہو چکے ہیں لیکن نو آموز اطباء اور طالب علموں کی سہولت کے ساتھ ساتھ تشخیص میں آسانیاں پیدا کرنے کے لیے یہ تحقیقات الامراض وعلامات اور ان کے علاجات کی طرف اشارے پیش کیے گئے ہیں تاکہ علاج میں اور بھی یقینی اور بے خطا صورتیں پیدا ہو جائیں۔اس کتاب پر جو محنت کی گئی ہے اس کا اندازہ ایماندار اور محقق اہل علم صاحب فن ہی لگا سکتے ہیں اور وہی اس کی قدر وقیمت کی داد دے سکتے ہیں۔

اس کتاب میں تحقیقات الامراض وعلامات کے علاوہ تین باتوں کو خاص طور پر مدنظر رکھا گیا ہے:

1. بیرونی طور پر جسم انسانی کی تقسیم اور مفرد اعضاء میں امراض کی ابتدا کی حدود تاکہ مریض اگر جسم کے کسی مقام پر ہاتھ رکھ دے تو فوراً پتہ چل جائے کہ فلاں مفرد عضو میں تحریک شروع ہوگئی ہے۔ یہ علم تشخیص میں اتنا بڑا کارنامہ ہے کہ اس کی مثال آج تک طبی دنیا پیش نہیں کر سکی اور آئندہ اس کی بنیاد پر قابل قدر تحقیقات سامنے آ سکتی ہیں۔
2. تشخیص الامراض وعلامات میں ان کے فرق کو دلائل کے ساتھ بیان کر دیا ہے تاکہ علاج میں غلط فہمی باقی نہ رہے اور یقینی طور پر مرض کو رفع کیا جاسکے۔
3. علاج کو ذہن نشین کرانے میں بعض مشہور امراض وعلامات کے علاجات کے اشارے لکھ دیئے ہیں تاکہ ان میں مشکلات پیش نہ آئیں۔اگر ہم تمام امراض میں یہ صورت قائم رکھتے تو کتاب کا حجم کم از کم دس گنا ہوتا جو اس قلیل وقت میں بالکل ناممکن ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ تفصیلی علاجات کے لیے دس گنا حجم بھی ناکافی ہے۔

وما توفیقی الا باللّٰہ.

مُقدّمہ

حکیم مطلق وخالق ارض وسماء اور قادر زندگی وکائنات کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے ایسی کتاب لکھنے کی قوت عطا فرمائی جس کی علم وروشنی سے طبی دنیا نہ صرف محروم تھی بلکہ اس کے حقائق کے بغیر علم وفن طب کو سمجھنے کے لیے ظن وگمان اور پیچیدگی میں مبتلا تھی۔ اس کتاب میں حقیقت الامراض وعلامات کا ایسا نقشہ پیش کر دیا ہے جس سے ہر مرض اور ہر علامت نکھر کر نمایاں ہوگئی ہے اور کسی قسم کے شک وشبہ اور ظن وگمان کی ادنیٰ سی صورت بھی باقی نہیں رہی۔ ہر معالج جس کو فن طب کی مبادیات کا علم ہو اس سے پورے طور پر مستفید ہوسکتا ہے۔ اس کتاب کا سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ ایسے زمانے میں لکھی گئی ہے جب کہ طبی دنیا میں فرنگی طب کا نہ صرف دور دورا ہے بلکہ اس کا تمام دنیا پر قبضہ ہے۔ اس کتاب نے اس کے تحقیقات الامراض وعلامات کو نہ صرف کلہم بدل دیا ہے بلکہ غلط قرار دے دیا ہے۔ اس کتاب کو پڑھنے کے بعد فرنگی طب کی بے بسی اور بے کسی طبی دنیا میں نمایاں طور پر روشن اور واضح ہو جائے گی۔ اس کے بعد طبی دنیا کبھی بھی اس کی تحقیقات کو صحیح مقام نہیں دے گی۔ جن لوگوں نے امراض اور علامات کی حقیقت کو سمجھنا ہے ان کے لیے لازمی امر ہوگا کہ وہ اس کتاب کو اپنا رہنما بنا کر علم وفن طب کی روشنی حاصل کریں ورنہ وہ طبی دنیا کے حقیقی علم سے محروم اور کامیابی سے دور رہیں گے۔

ہندو پاکستان میں صدیوں سے تحقیقات الامراض وعلامات پر کوئی کتاب نہیں لکھی گئی۔ آیورویدک کا ذکر تو بالکل بے سود ہے کیونکہ اس میں صدیوں سے علم طب وفن میں کوئی کام ہی نہیں ہوا۔ جہاں تک طب یونانی کا تعلق ہے اس میں ابن نفیس کی کتاب ''شرح اسباب وعلامات'' کے بعد کوئی قابل قدر کتاب نہیں لکھی گئی۔ پھر بعد کے زمانوں میں اسی کتاب سے فارسی میں کتب لکھی گئیں اور بعد میں اسی کتاب کے اردو زبان میں ترجمے ہوئے اور ہندو پاکستان کے تمام فرنگی طبیہ کالجوں (انگلو انڈین طبیہ کالج) جن میں طب یونانی کے ساتھ فرنگی طب بھی پڑھائی جاتی تھی' شامل نصاب رہی۔

''شرح اسباب وعلامات'' ایک انتہائی قابل قدر کتاب میں اسلامی طب کے دور کمال کی تمام تحقیقات' اسباب وعلامات اور امراض وعلاجات کے متعلق درج کی گئی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بعد کے زمانوں میں اسے بڑھ کر تو کیا اس کے برابر بھی کوئی کتاب نہیں لکھی گئی۔ لطف کی بات یہ ہے کہ ایسی تحقیقاتی کتاب آج تک فرنگی طب (ماڈرن میڈیکل سائنس) بھی شائع نہیں کر سکی۔ یہی اس کا کمال ہے ان حقائق سے اندازہ لگالیں کہ یہ کتاب طبی دنیا میں کس پائے کی قابل قدر کتاب ہے جس کی تفصیل کے لیے پھر اس سے دگنی تگنی کتاب لکھنے کی ضرورت ہے۔

جہاں تک اس کتاب کے حقائق کا تعلق ہے، بہت سے مقام ایسے ہیں جہاں پر اختلاف کیا جاسکتا ہے کیونکہ تحقیق میں مختلف ذہن اور جداقسم کے نظریات غالب رہتے ہیں۔ لیکن اس کتاب میں شرح اسباب وعلامات اور امراض وعلاجات میں ہمیشہ حقیقت تک پہنچنے کی کوشش کی گئی ہے۔ مگر جن لوگوں نے ان کے اردو ترجمے کیے ہیں انہوں نے اس پر جو حاشیے لکھے ہیں ان میں بے حد خرابیاں کی ہیں۔ جن کی تفصیل طوالت کا باعث ہوگی۔ ہمارے سامنے اتنا عظیم کام ہے کہ ہم فی الحال ہر طبی مفید یا غیر مفید کتاب کے حسن قبح پر بحث نہیں کر سکتے لیکن یہ خدمت بھی ہمارے ذہن

میں محفوظ ہے۔

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد جس میں ہندوستان کو بدقسمتی سے شکست ہوگئی تھی جس کا نام فرنگی حکومت نے غدر ۱۸۵۷ء رکھا تھا۔ اس کے بعد فرنگی نے جب اپنی حکومت مضبوط کر لی تو انہوں نے اپنے ملکی اور قومی علوم وفنون کی نشر واشاعت کے لیے تمام ہندوستان میں جگہ جگہ اپنے سکول اور کالج قائم کیے۔ ان میں میڈیکل سکول اور کالج بھی قائم کیے گئے۔ لیکن یہ وہ زمانہ تھا جب ملک میں زبان اردو اپنے پورے عروج میں تھی۔ وہی دور تھا جب مرزا غالب' مومن اور ذوق کا طوطی بولتا تھا اور اسی دور میں سرسید' مولوی نذیر احمد اور مولانا شبلی نعمانی نے اپنے علمی خزانوں سے ملک کو مالا مال کر دیا۔ اس کے فوراً بعد ہی مولانا حالی' مولانا محمد حسین آزاد اور اکبر الہ آبادی نے زبان اردو کی پلک نوک سیدھی کر دی۔ اسی باکمال دور میں مولانا ابوالکلام آزاد اور حکیم الامت علامہ اقبال جیسی باکمال شخصیتوں نے اپنی زبان' قوت اور علم وفن کا لوہا دنیا بھر میں منوالیا۔

زبان کے اس اثر کی وجہ سے فرنگی حکومت مجبور تھی کہ ملک میں علوم وفنون کی اشاعت کو انگریزی' فارسی اور عربی کی بجائے اردو زبان میں جاری کرے۔ تقریباً تمام ہندوستان میں علوم وفنون اردو زبان میں جاری کیے گئے اور اس مقصد کے لیے انگریزی کتب کے ترجمے کر کے ان کو نصاب میں داخل کیا گیا اور سالہا سال کی تعلیم کے بعد اردو زبان ہی میں امتحان لیے گئے اور کامیاب لوگوں کو فرنگی طب کی ڈگریاں دی گئیں اور ان کو ملازمتیں بھی عطا کی گئیں۔ وہ کتب جو نصاب میں داخل تھیں اب بھی لائبریریوں میں موجود ہیں۔

پنجاب میں فرنگی طب کی بڑی درس گاہ میڈیکل سکول لاہور تھی جس کا نام بعد میں کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج رکھا گیا۔ جو اب تک قائم ہے۔ تھوڑا عرصہ گزرا اس کی صد سالہ برسی منائی گئی ہے۔ اس درسگاہ میں بھی اردو زبان میں فرنگی تعلیم دی جاتی تھی۔ اس دور میں جو فرنگی طبی کتب ترجمہ ہوئیں ان میں ڈاکٹر رحیم بخش کی طب رحیمی اور ڈاکٹر پنڈت بال کرشن کول کے میٹیریا میڈیکا کا پہلا ایڈیشن ۱۸۹۷ء میں شائع ہوا۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ انیسویں صدی کے آخر تک پنجاب کی اس فرنگی درسگاہ میں فرنگی طبی تعلیم اردو زبان میں دی جاتی تھی اور اس طرح فرنگی طبی تعلیم کو مقبول بنانے کی سعی اور کوشش جاری تھی۔

شاید اسی جذبہ کے تحت جیسا ڈیڈیکیشن (معنون) سے ظاہر ہے لفٹیننٹ کرنل بھولا ناتھ نے اپنی ''کتاب علم وعمل طب'' لکھی۔ کوئی شک نہیں کہ تاریخی وتمدنی اور عملی وفنی تبدیلیوں کی حیثیت سے یہ کتاب ایک سنگ میل ہے جس میں معاشرہ کی تبدیلی پر خاص روشنی پڑتی ہے لیکن اس کتاب کا بڑا مقصد یہ تھا کہ طب یونانی کو ختم کر دیا جائے کہ وہ اب قدیم ہو چکی ہے۔ فرنگی طب کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ جگہ جگہ طب قدیم پر زبردست اعتراض کیے گئے ہیں۔ یہ کتاب جناب مسیح الملک حکیم حافظ محمد اجمل خاں صاحب کے نام منسوب کی گئی ہے۔ اس کا جواب ضرور جناب مسیح الملک صاحب کو دینا چاہیے تھا مگر نہیں دیا گیا۔ البتہ بعد کے زمانے میں جناب حکیم کبیر الدین صاحب پروفیسر طبیہ کالج دہلی نے بعض اعتراضوں کے جوابات دیئے ہیں۔ لیکن وہ سب بے معنی ہو جاتے ہیں جب کہ انہوں نے اپنی کتاب ''افادہ کبیر'' کے آخر میں ایک ضمیمہ لکھ کر فرنگی طب کے بہت اعتراضوں کو صحیح سمجھ کر درست تسلیم کر لیا ہے جن کے جوابات ہم نے اپنی کتاب ''فرنگی طب غلط طریق علاج'' میں دیئے ہیں۔ اب کرنل بھولا ناتھ کی کتاب ''علم وعمل طب'' کے جواب کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ ہم نے تمام فرنگی طب کو غلط ثابت کر دیا ہے اور ان اکثر اعتراضات کے جواب اپنی طبی تصانیف میں جگہ جگہ دیئے ہیں جن سے وہ لوگ باخبر ہیں جنہوں نے وہ پڑھ لی ہیں۔

کرنل بھولا ناتھ نے اپنی کتاب ''علم وعمل طب'' میں طب یونانی پر خوفناک حملے کیے ہیں جو اکثر غلط ہیں۔ لیکن حیرت یہ ہے کہ ان میں سے اکثر اعتراضات کو جناب حکیم کبیر الدین نہ صرف لاجواب ہو کر بلکہ صحیح سمجھ کر اپنا گئے ہیں اور اپنی کتاب ''افادہ کبیر'' میں قدیم اور جدید نظریات کو بالمقابل لکھا ہے اور تعجب انگیز بلکہ دردناک بات یہ ہے کہ طب یونانی کے وہ قانون جن پر اس کی بنیاد ہے اور پوری عمارت قائم ہے جن کے

خلاف فرنگی طب نے لکھا ہے انہی فرنگی طب کے نظریات کو صحیح سمجھ کر قانون عصری میں تحقیقات طب یونانی کے نام سے لکھا گیا ہے۔ اس کتاب پر ① جناب مسیح الملک حکیم حافظ محمد اجمل خاں صاحب ② جناب حکیم محمد کبیر الدین صاحب ③ جناب حکیم محمد الیاس صاحب مرحوم سابق پروفیسر طبیہ کالج دہلی اور ④ جناب حکیم فضل الرحمٰن صاحب سابق پروفیسر طبیہ کالج کے دستخط ثبت ہیں۔

کرنل بھولا ناتھ کی کتاب ''علم وعمل طب'' بیسویں صدی کے بالکل ابتداء میں لکھی گئی اور ۱۹۱۵ء میں شائع ہوئی جو طب قدیم کی تباہی کی زبردست کوشش تھی۔ مگر اسی زمانے میں ایک دو ایسی شخصیتیں بھی ابھریں جنہوں نے نہ صرف فن طب کو سہارا دیا بلکہ طب یونانی کی عزت رکھ لی۔ یہ قابل عزت جناب حکیم فیروز الدین صاحب مرحوم مالک ماہنامہ ''الحکیم'' لاہور اور جناب شمس الاطبا حکیم ڈاکٹر غلام جیلانی صاحب تھے جنہوں نے علم العلاج، علم الادویہ اور مجربات کے خزانے پیش کر کے وہ قابل قدر خدمات انجام دیں کہ پھر تباہ وبرباد اور فنا ہوتے ہوئے فن طب کو زندہ کر دیا۔ انہوں نے سب سے بڑا کام یہ کیا کہ فرنگی طب کے تحقیق شدہ علم وفن کے مقابلے میں طب یونانی اور آیورویدک کے خزانے دنیا کے سامنے پیش کر دیئے۔ طب قدیم کو طب فرنگی کے ساتھ علمی اور فنی حیثیت سے تطبیق دینے کی کوشش کی اور اپنے علمی اور فنی کارناموں میں پورے طور پر کامیاب ہوئے اور ان کی اولاد اور متعلقین اسی انداز میں خدمت علم وفن کرتے رہے ہیں۔

شمس الاطبا حکیم ڈاکٹر غلام جیلانی نے مخزن حکمت (گھر کا حکیم وڈاکٹر) جیسی کامیاب کتاب لکھی کہ اس کی تمام ہندوستان میں دھوم مچ گئی۔ شاید ہی کوئی حکیم اور ڈاکٹر ہو جس نے اس کو خرید کر اپنے علم میں اضافہ نہ کیا ہو بلکہ ہر صاحب علم نے اس کو خریدا۔ لطف کی بات یہ ہے کہ ملک کی ہر بڑی لائبریری نے اس سے اپنی زینت بڑھائی۔ پنجاب یونیورسٹی نے اس کو ایک بہترین کتاب ہونے کا انعام دیا اور حکومت ہند نے ان کو خان صاحب کا خطاب عطا کیا۔

اگر شمس الاطبا ''مخزن حکمت'' کے سوا اور کوئی کتاب نہ لکھتے تو بھی ان کی کامیابی کے لیے یہ کتاب کافی تھی۔ مگر انہوں نے اس پر بس نہیں کی۔ اس سے بھی زیادہ بہتر کتب لکھیں جن کا جواب آج تک نہیں لکھا گیا۔ مثلاً میٹیر یا میڈیکا (علم الادویہ) علاج بالمفرد ادویہ، مخزن العلاج اور تشریح وافعال الاعضاء انسانی وغیرہ جن کی کوئی آج تک کامیاب نقل بھی نہیں کر سکا اور حقیقت ہے کہ جس خلوص اور محنت سے وہ لکھی گئی ہیں ان کا جواب لکھنا واقعی مشکل ہے۔

''مخزن حکمت'' کی کامیابی کو دیکھ کر دوسرے لوگوں کے منہ میں بھی پانی بھر آیا اور اس انداز پر اور کتب لکھی گئیں۔ جن میں ڈاکٹر نصیر الدین کی کتاب ''خزائن الطب جدید'' (گھر کا کامل طبیب) اور فرنگی شفاء الملک کی کتاب ''جامع الحکمت'' قابل ذکر ہیں۔ مگر دونوں میں ''مخزن الحکمت'' والی خوبیاں کہاں۔ زمین آسمان کا فرق ہے۔ ''خزائن الطب جدید'' میں نہ کوئی ترتیب ہے اور نہ ہی اس کو عام کیا گیا ہے بلکہ فرنگی طب کے بوجھل مضامین کو بے ترتیبی سے اردو کا جامہ پہنایا گیا ہے۔ اس میں طب قدیم کے علم وفن کو اتنی اہمیت بھی نہیں دی جس قدر کرنل بھولا ناتھ نے اپنی بدنام کتاب علم وعمل طب میں دی۔ اس کے علاوہ علمی، فنی اور روزانہ زندگی کے مسائل کو کسی سلجھے ہوئے ڈھنگ سے بیان نہیں کیا گیا۔ اس لیے اس کتاب کی طرف کسی نے آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھا اور یہ کتاب ردی اور کباڑ خانے میں پھینک دی گئی اور بے موت مر گئی۔ فطرت کا یہ ردعمل بھی صحیح تھا۔

دوسری کتاب فرنگی شفاء الملک حکیم محمد کی ''جامع الحکمت'' کو پوری کوشش سے مقابلے کے لیے لکھا گیا۔ اس کی لفظ بلفظ نقل کی گئی۔ مگر اس میں اہتمام یہ کیا گیا کہ طب قدیم کے علاج کو فرنگی طب سے مقدم رکھا گیا تاکہ طب قدیم کی نمائندگی کرے لیکن اس اہتمام کے سوا تمام کتاب کو فرنگی طب کے علوم وفنون کی جدید تحقیقات سے بھر کر نہ صرف کتاب کا ستیہ ناس کر دیا بلکہ طب قدیم کے حقائق اور خزانے کو تباہ وبرباد کر کے رکھ دیا۔ طب قدیم کے علم وفن کو کہیں ابھرنے کا موقعہ نہیں دیا گیا۔ بعض جگہ طب قدیم کے بنیادی قوانین کو فرنگی طب سے تطبیق دے کر ان کو سہارا دینے کی کوشش کی

گئی ہے اور یہ کوشش نہ صرف بھونڈی ہے بلکہ جگہ جگہ طبی مسائل کو غلط طریق پر بیان کر کے ان میں احساس کمتری پیدا کر دیا گیا ہے۔ جہاں تک ماہیت امراض واسباب اور علامات کا تعلق ہے فرنگی طب کی تحقیقات کو نہ صرف مقدم رکھا گیا ہے بلکہ اپنایا گیا ہے۔اس سلسلہ میں جراثیم کو بے حد اہمیت دی گئی ہے۔ طب قدیم کے بنیادی قوانین کو قطعاً نظر انداز کر دیا گیا ہے۔اس لیے امراض کے علاج میں ذہن خود بخود فرنگی علاج کی طرف رجوع کرتا ہے۔ علاج میں جو مجربات خصوصاً طب قدیم سے لکھے گئے ہیں۔ اوّل تو بے معنی اور بے تعلق ہیں' دوسرے علم مجربات کی رو سے بالکل غلط ہیں۔ہم نے ان کے متعلق ایک بار لکھا تھا کہ فرنگی شفاء الملک اپنی اس کتاب سے جس قدر صحیح تجربات پیش کر دیں ہم اتنے ہی روپے پیش خدمت کر دیں گے۔ سب سے بڑا ظلم جو اس کتاب میں نظر آیا ہے۔ وہ مسئلہ غذا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس مسئلہ سے جناب شفاء الملک صاحب قطعاً نابلد ہیں۔ سر سے پیر تک کسی مرض کے متعلق صحیح غذا تجویز نہیں کی گئی۔ پڑھ کر لگتا ہے جو مریض بھی اس غذا کو کھائے گا یقیناً مرے گا۔ گویا کتاب لکھ کر نہ صرف ملک وقوم کی دولت کو تباہ و برباد کیا گیا ہے بلکہ ملک وقوم پر علاج وغذا سے ظلم کیا گیا ہے۔سب سے بڑا دکھ یہ معلوم ہوتا ہے کہ طب یونانی کے علم وفن کی عزت و وقار خاک میں ملایا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے اس کتاب میں علمی وفنی دنیا ہی بالکل بدل دی گئی ہے۔ اس لیے اس کے مقبول ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ چونکہ فرنگی شفاء الملک طبیہ کالج لاہور کے پرنسپل رہے ہیں اس لیے ان کے شاگرد اور طالب علموں کو یہ کتاب مجبوراً خریدنا پڑتی تھی۔ لطف کی بات یہ ہے کہ کالج کے کورس میں علم العلاج کی حیثیت سے قبول نہیں ہو سکی۔ اس کے علاوہ موصوف نے کوشش کی ہے کہ پنجاب یونیورسٹی یا حکومت اس پر کچھ انعام عطا کرے۔ مگر انتہائی جدوجہد اور خوشامد کے بعد بھی وہ اس سلسلہ میں ناکام ہوئے ہیں۔ آج بھی حقیقت روز روشن کی طرح ظاہر ہے کہ ''مخزن حکمت'' کے مقابلہ میں اگر اس کتاب کو رکھا جائے تو کوئی اس کو نصف قیمت پر بھی خریدنے کو تیار نہیں ہے۔ فرنگی شفاء الملک نے صرف یہی علمی کتاب پیش کی ہے۔ جس کا حشر آپ کے سامنے ہے۔ باقی کتب تو صرف مجربات فروشی کے تحت لکھی گئی ہیں۔ جن کی قدر وقیمت صرف تجارتی پہلو کے سوا اور کچھ نہیں۔ تفصیل کے لیے ہماری کتاب ''تحقیقات فارماکوپیا'' کا مطالعہ کر لینا کافی ہے۔

مخزن حکمت کی نقلیں دیگر طریقہ ہائے علاجوں نے بھی خوب کھلے دل سے کی ہیں۔ اس کو سامنے رکھ کر مخزن آیورویدک لکھی گئی۔ اسی طرح ہومیوپیتھی اور بایوکیمک والوں نے ہومیوپیتھی علاج اور بایوکیمک علاج کے نام سے اس کی پوری پوری نقلیں کیں۔ ثبوت کے طور پر جناب ڈاکٹر نظام الدین کی ''علاج ہومیوپیتھی'' اٹھا کر دیکھی جا سکتی ہے۔ ہومیوپیتھ معالجوں کو نقل کے لالچ نے اس قدر اندھا کر دیا کہ وہ اس حقیقت کو بھول گئے کہ علامات کے علاوہ انہوں نے امراض کا تعین کر کے علاج لکھ ڈالے یعنی امراض واسباب اور علامات لکھ کر نیچے ہومیوپیتھک اور بایوکیمک کے علاج نقل کر دیئے اور اس کا نام اپنے علم وفن کا کمال ظاہر کیا گیا اور کہیں بھی اختلاف ظاہر کرنے کی جرأت نہ ہو سکی۔ ترتیب کو مدنظر رکھنا برا نہیں ہے۔ لیکن نقل کرنا علم وفن کو ختم کر دیتا ہے۔ ان پر بس نہیں ہوئی۔ ان کے علاوہ دیگر طریق ہائے علاج ہومیوپیتھی ''کروموپیتھی'' (رنگوں سے علاج) ہائیڈروپیتھی (پانی اور بھاپ سے علاج) سائیکوپیتھی (نفسیاتی تجزیہ سے علاج) علاج بالغذا وغیرہ (جو دراصل ہومیوپیتھی اور بایوکیمک کی طرح طریقہ ہائے علاج نہیں ہیں بلکہ خواص الاشیاء اور علامات الاجسام لینے کے طریق ہیں ان کے ساتھ پیتھی اور علاج کا نام لگا کر ان کو ایک جداگانہ طریق علاج بنا دینے کی کوشش کی گئی ہے) سب نے مخزن حکمت کی نقلیں حسب منشا کی ہیں۔ بہر حال مخزن حکمت جیسی قابل قدر کتاب کی خوبیوں کو بگاڑ کر رکھ دیا اور اس طرح علم الامراض اور علم العلامات کی تحقیقات وکامیابی خصوصاً طب یونانی کے تحقیقاتی وتدقیقی اور علمی وفنی مقام کو ختم کر کے رکھ دیا۔ نتیجتاً پاک وہند میں علم وفن کی ترقی اور تجدید ہمیشہ کے لیے ابھرتی ہوئی برباد ہو گئی جس کی تجدید اور احیاء کے سب دروازے بند ہو گئے۔ جن کے کھلنے کی سب راہیں بند ہو گئیں اور اس کے بعد علم وفن طب میں فرنگی طب کے جراثیم داخل ہو گئے جن سے ان میں تعفن اور فساد پیدا ہو گیا اور پھر وہ خرابی پیدا ہوئی کہ حق وباطل میں تمیز نہ رہی۔ اب اس کا صرف یہی علاج باقی تھا کہ مرغولے کو ختم کر کے از سر نو علم وفن طب میں احیاء وتجدید کی جائے

جو دنیا کے سامنے اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے ہم کرر ہے ہیں۔اسی کے تحت ہم تحقیقات الامراض والعلامات اوران کا علاج پیش کرر ہے ہیں۔

جو حقائق ہم پیش کرر ہے ہیں ان میں ذیل کے حقائق کو خاص طور پر مدنظر رکھا گیا ہے:

❶ ماہیت امراض وعلامات کی تحقیقات کو خاص اہمیت حاصل ہے کیونکہ انہی پر تشخیص اور علاج کی بنیاد قائم ہے۔آیورویدک ان کی ماہیت کی بنیاد پرکرتی اور دوشوں پر رکھتی ہے اور طب یونانی نے ان کی بنیاد کیفیات اور اخلاط پر رکھی ہے ان دونوں میں کچھ زیادہ فرق نہیں ہے کیونکہ آیورویدک خون رقت دوشوں اور پت کف سے الگ شمار کرتے ہیں اور طب یونانی میں چاروں کو اخلاط میں شریک کرتے ہیں اور انہی کے تحت دونوں طریق علاج میں امراض وعلامات کی ماہیت بیان کر دی ہے۔فرنگی طب نے پرکرتی دوشوں اور کیفیات واخلاط چھوڑ کر جراثیم اور خون کے اجزاء کی کمی بیشی یا زیادہ سے زیادہ کسی عضو کی قوت (امیونٹی) کے تحت ماہیت امراض وعلامات بیان کیے ہیں۔ان کے تحت امراض وعلامات کی طبی و کیمیاوی تبدیلیاں (پیتھالوجی) میں بیان کی جاتی ہیں۔

نظریہ مفرد اعضاء کے تحت ہم نے ان پرکرتی دوشوں اور کیفیات واخلاط کو اوّل مفرد اعضاء کے ساتھ تطبیق دی ہے۔اور پھر ان کے تحت امراض وعلامات کی ماہیت اور حقیقت پر روشنی ڈالی ہے۔مثلاً آیورویدک کف کا مقام دماغ اور اعصاب تسلیم کرتی ہے اسی طرح طب یونانی کا قانون ہے۔سردتر مزاج دماغ اور اعصاب کا ہے۔اسی طرح اوّل الذکر پت کا مقام جگر اور غدی ترشہ بیان کرتے ہیں اور ثانی الذکر جگر کا مقام گرم خشک کہتے ہیں اسی طرح باقی اعضاء کے متعلق آیورویدک اور طب یونانی میں تفصیل سے درج ہیں ہم نے نظریہ مفرد اعضاء کے تحت انہی آیورویدک اور طب یونانی کے تعین کیے ہوئے مقامات اور مزاج کو مقدم بنیاد قائم کر دیا ہے۔یعنی مفرد اعضاء کو ہی بنیاد (فرسٹ یونٹ) قرار دے کر ان کے تحت ماہیت امراض وعلامات بیان کر کے سہل طریق پر ذہن نشین کر دیا ہے۔ماڈرن میڈیکل سائنس (فرنگی طب نے بھی جسم انسان کی اصل چار قسم کے ٹشوز (انسجہ) تسلیم کیے ہیں۔جن کو نروس ٹشوز (اعصابی انسجہ) مسکولر ٹشوز (عضلاتی انسجہ) اپی تھیلیل ٹشوز (قشری انسجہ) اور کنکٹو ٹشوز (الحاقی انسجہ) کہتے ہیں۔ہم نے ان چاروں انسجہ کو چاروں اخلاط سے تطبیق دے کر ان کی دو دو کیفیات مقرر کر دی ہیں جن کو اس طرح سمجھ لیں: ① اعصابی انسجہ کا مزاج سردتر اور ان کو غذا بلغم سے ملتی ہے ② عضلاتی انسجہ جن کا مزاج گرم تر اور ان کو غذا خون سے ملتی ہے ③ الحاقی انسجہ جس کا مزاج سرد خشک ہے ان کو غذا سودا سے ملتی ہے۔اس طرح تمام کیفیات اور اخلاط کے نہ صرف مسائل حل ہو جاتے ہیں بلکہ ماہیت امراض وعلامات اور تشخیص میں بے حد آسانیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔

ماڈرن میڈیکل سائنس (فرنگی طب) کا ٹشوز (انسجہ) کا علم تو ہے جس کا پہلا جز سیل (حیوانی ذرہ یا خلیہ) ہے مگر فرنگی طب نے اس کو امراض وعلامات کی بنیاد قرار نہیں دیا۔یہ حقیقت سائنس تسلیم کرتی ہے کہ سیل جسم انسان میں اولین بنیاد اور جزو ہے اور انہی سے ٹشوز بن کر جسم انسان تعمیر ہوا ہے۔ہم نے انہی مفرد اعضا یا بنیادی اعضاء کو آیورویدک اور طب یونانی سے تطبیق دے کر انہی کے تحت امراض وعلامات کی ماہیت بیان کر کے اپنی تحقیقات پیش کی ہیں۔اب اہل علم اور صاحبان فن کا کام ہے کہ وہ غور کریں کہ ہم اپنی تحقیقات میں کہاں تک کامیاب ہیں۔کیا اس سے دقیق اور بہتر امراض وعلامات کے متعلق تحقیقات ہو سکتی ہیں۔آخر میں اس امر کی پھر تاکید کی جاتی ہے کہ یہ چھ صرف اعصابی غدی اور عضلاتی تحریکیں ہیں اور ان کی تحلیل وتسکین کو نظریہ مفرد اعضاء کے مطابق مدنظر رکھیں۔اگرچہ ہم نے ہر تحریک کے امراض کے ساتھ ان کی تحلیل وتسکین کے امراض وعلامات کی طرف تسلی بخش اشارے کر دیئے ہیں۔تقسیم امراض وعلامات کو دو تین بار غور سے پڑھنے کے بعد ان کا پورا نقشہ نظریہ بالمفرد اعضاء کے ساتھ ذہن نشین ہوگا اور یہی اس میں کامیابی کا راز ہے۔

وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم.

تحقیقاتِ امراض اور علامات

علم الامراض دراصل علم طب کی جان ہے۔ جب تک علم الامراض پر پورا عبور حاصل نہ ہو اس وقت تک کوئی انسان پوری طرح معالج کہلانے کا مستحق نہیں ہوسکتا۔ علم طب کے تحت جس قدر بھی علوم کی تقسیم کی گئی ہے وہ چاہے علم الابدان ہو یا علم افعال الاعضاء یا علم حفظان صحت تمام کے تمام اس کے گرد چکر کاٹتے ہیں۔ جب تک علم الامراض کی پوری طرح واقفیت نہ ہو اس وقت تک حکمت کا پورا علم سمجھ میں نہیں بیٹھ سکتا اور نہ ہی صحت کی پوری پوری حفاظت ہوسکتی ہے اور اس سے بڑھ کر یہ امر ذہن نشین رکھیں کہ اس علم کے بغیر ہم کسی مرض کا پوری طرح علاج نہیں کرسکتے مثلاً ایک مریض کسی معمولی مرض کی شکایت کرتا ہے جیسے بدہضمی۔ ظاہر میں یہ مرض بالکل معمولی ہے۔ لیکن اہل فن جانتے ہیں کہ اس مرض کا تعلق پورے نظام الغذا سے ہوتا ہے جو منہ سے لے کر مقعد تک پھیلا ہوا ہے۔ اس میں منہ، معدہ، امعاء، جگر، طحال اور لبلبہ وغیرہ شریک ہیں اور ان کے علاوہ دیگر نظام ہائے جسم کا بھی اس پر اثر پڑتا ہے۔ جب تک نظام ہضم کی صحیح خرابی کا مقام اور سبب سامنے نہ آئے اس وقت تک اس معمولی بدہضمی کا صحیح معنوں میں علاج نہیں ہوسکتا۔ صرف ہاضم یا ملین یا مقوی معدہ ادویات کا استعمال کر دینا علاج نہیں ہوگا۔ البتہ اس کو عطایانہ علاج کہا جاسکتا ہے جو مریض پر ظلم ہے اور فن طب کی بدنامی ہے۔

علم الامراض کی حقیقت کو ذہن نشین کرنے سے قبل ضروری ہے کہ طالب عالم کو علم تشریح، علم افعال الاعضاء اور افعال نظام ہائے جسم کا پوری طرح علم ہونا چاہیے یعنی صحت کی حالت میں اعضاء کی صورت و مقام اعضاء کے صحیح افعال اور نظام ہائے جسم کے حقیقی اعمال کی مکمل کیفیت کیسی ہوتی ہے۔ اس کے بعد جب اعضاء اور نظام ہائے جسم کے افعال و اعمال میں جہاں بھی خرابی واقع ہوگی تو فوراً مرض کی ماہیت اور حقیقت ذہن نشین ہوجائے گی۔

علم الامراض کی تعریف

یہ ایک ایسا علم ہے جس سے ہر مرض کی ماہیت اور حقیقت اس طرح ذہن نشین ہوجاتی ہے کہ مرض کی ابتداء اس کی شکل وصورت، جسم کی تبدیلیاں، خون میں تغیرات، خراب مادوں کی پیدائش اور اس کے انجام کا پورا نقشہ سامنے آجاتا ہے۔ اس علم کو انگریزی میں پیتھالوجی (Pathology) کہتے ہیں۔

ماہیت مرض عمومی

مرض بدن کی اس حالت کا نام ہے جب اعضائے بدن اور مجاری (راستے) اپنے افعال صحیح طور پر انجام نہ دے رہے ہوں۔ یہ صورت جسم کے تمام اعضاء اور مجاری یا کسی ایک عضو اور مجریٰ میں واقع ہوجائے تو مرض کہلائے گا۔ گویا ہر حالت مرض میں دو صورتیں سامنے آئیں گی۔ اوّل عضو کے فعل میں خرابی اور دوسرے خون میں تغیر پیدا ہوجائے گا۔ اوّل صورت کا نام مرض کی مشینی (مکینیکل) خرابی اور دوسری حالت کا نام کیمیائی (کیمیکل) نقص ہوگا۔

مشینی افعال

مشینی افعال کے مطالعہ کے لیے دل' نظام ہائے جسم پھر مرکب اعضاء اور آخر میں مفرد اعضاء پر غور کرنے کے بعد ان کے افعال میں کمی بیشی اور ضعف کو مدنظر رکھنا چاہیے۔

کیمیائی اثرات

کیمیائی اثرات کے لیے اخلاط وکیفیات کے ساتھ ساتھ خون کی مخصوص حرارت' خون کے اجزائے ہوایہ اور خون کی رطوبت کی کمی بیشی اور تغیرات کا جاننا ضروری ہے تاکہ مشینی افعال کے ساتھ کیمیائی اثرات کے توازن کا اندازہ کیا جاسکے۔

تقسیم امراض

تقسیم امراض کا مسئلہ بھی نہایت اہم ہے۔ تقسیم امراض میں اگر اس امر کو مدنظر رکھا جائے کہ امراض اور علامات کے درمیان فرق کر دیا جائے تاکہ امراض اور علامات خلط ملط نہ ہوں۔ جب بھی کوئی علامت سامنے آئے تو فوراً اس کا تعلق مخصوص مرض سے سمجھ کر اس مرض کے تحت اس کا علاج کر دیا جائے۔ اس سے اصل مرض بھی رفع ہو جائے گا اور درد دور ہو جائے گا۔ بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ مرض ظاہر نہیں ہوتا اور علامات شدید ہوتی ہیں ❶ اس سے پتہ چلتا ہے کہ اصل مرض کا زہر اندر ہے جس سے یہ مخصوص علامت پیدا ہو رہی ہے ❷ ایک مرض میں جس قدر علامات ہوں گی وہ تمام کی تمام ایک مرض کے تحت علاج پذیر ہوں گی جیسے درد' ورم اور بخار ❸ ایک ہی قسم کا مختلف مقاموں کے امراض اور علامات کو ایک ہی مقام پر سمجھنے میں بے حد آسانی ہوگی۔ تقسیم کی مزید تشریح کرنے سے قبل مناسب معلوم ہوتا ہے کہ استاذ الاطباء حکیم احمد الدین صاحب موجد طب جدید کا ایک اقتباس پیش کر دیا جائے۔ انہوں نے بھی امراض وعلامات کی الجھن کو اچھی طرح محسوس کر کے اس کو حل کرنے کی کوشش کی ہے۔ اگرچہ وہ اس کو حل کرنے میں کامیاب نہیں ہوئے تاہم ان کے بیان کا انداز تحقیق سے خالی نہیں لکھتے ہیں:

''بیشتر اس کے کہ میں امراض اور ان کے علاج کا سلسلہ شروع کروں میرے واسطے نہایت مشکل اور کٹھن کام درپیش ہے کہ میں سلسلہ امراض کی ہر صورت اور کسی طرز پر قائم کروں جس میں اختصار بھی مدنظر ہو اور سلسلہ امراض بھی نہ ٹوٹنے۔ طب قدیم میں سلسلہ امراض بالعموم اعضاء کے سلسلہ کے ماتحت دیا جاتا ہے۔ مثلاً پہلے سر کے امراض پھر آنکھ' کان' ناک' سینہ' دل' معدہ' جگر اور امعاء وغیرہ کے امراض کو درجہ بدرجہ بیان کرتے ہیں۔ مگر اس میں یہ نقص ہے کہ ایک ہی قسم کے بعض امراض جو مختلف اعضاء میں پیدا ہو سکتے ہیں ان کو بار بار بیان کرنا پڑتا ہے جیسے ورم سر غبادہ پہلے سر کے بیان میں اس کو ماشراء کے نام سے بیان کیا جاتا ہے۔ پھر شرائے لب کے بیان میں پھر جلدی امراض میں سرخباد یا زہرباد کے نام سے اسی طرح ورم رخو کی جگہ کوئی جگہوں میں بیان کیا جاتا ہے۔ ایک ہی قسم کی پھنسیوں کو جب وہ سر پر ہوں جیسے سعفہ وغیرہ تو یہاں اس کو الگ بیان کرنا پڑتا ہے پھر اور اعضاء بھی پیدا ہوں تو ان اعضاء کے امراض میں ان کو دوبارہ سہ بارہ بلکہ کئی دفعہ بیان کرنا پڑتا ہے۔ پس اس سلسلہ کے طریق امراض میں ایک تو یہ نقص ہے کہ بے چارے طالب علموں کے لیے اسماء الامراض کو یاد کرنا محال ہو جاتا ہے پھر چونکہ طالب علم ابھی نوآموز ہوتے ہیں۔ اس لیے ان کو الگ الگ مستقل امراض سمجھ لینے میں حق بجانب ہوتے ہیں اور کتاب خواہ مخواہ طویل ہو جاتی ہے۔ فہم وعقل طرح طرح کی پیچیدگیوں میں اور الجھنوں میں گھر جاتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔

ایلوپیتھک ڈاکٹر سلسلہ امراض کو بالعموم بعض خاص خاص اسباب پر متنوع اور منقسم کرتے ہیں مثلاً متعدی امراض الگ' غیر متعدی الگ' پھر اعضاء کی مناسبت سے الگ۔ اس میں یہ نقص ہے کہ اکثر امراض چونکہ ایک دوسرے کے ساتھ مشابہت رکھتے ہیں لیکن ان کا بیان الگ الگ باب

میں ہونے کی وجہ سے طلباء کے لیے دقت پیدا ہونے کا موجب ہوتا ہے مثلاً بعض قسم کے حمیات کا ذکر تو متعدی امراض میں آ جاتا ہے اور بعض حمیات کا ذکر دوسرے باب یعنی غیر متعدی امراض میں درج ہو جاتا ہے بلکہ علاوہ ازیں بعض قسم کے حمیات کا ذکر الگ الگ اعضاء کے ابواب میں متفرق مقامات میں ملتا ہے۔ اس طرح سے ان کو محنت زیادہ کرنا پڑتی ہے پھر حمیات ہی نہیں بلکہ اسی طرح اکثر مرض میں تقسیم محنت زیادہ کرنی پڑتی ہے پھر حمیات ہی نہیں بلکہ اسی طرح اکثر مرض میں تقسیم اور تفریق ہو کر کچھ کا کچھ بن جاتا ہے مثلاً ذیابیطس کا ذکر علامات ہائے امراض میں کرنے کی بجائے امراض خون میں کر دیں گے۔ لیکن کثرت بول کا مرض آلات البول کے امراض میں جا کر کریں گے۔ نزلہ وبائی کا ذکر متعدی امراض میں کریں گے تو نزلہ وزکام کا ناک کے امراض کے بیان میں، مرض بھس یعنی کمی خون کا کچھ بیان تو امراض خون میں اور کچھ امراض متعدی یا جراثیمی کے بیان میں اور کچھ امراض جگر کے بیان میں اور کچھ امراض گردہ کے بیان میں علیٰ ہذاالقیاس عجیب قسم کا سلسلہ امراض انہوں نے باندھ رکھا ہے۔

پھر ہومیو پیتھک والوں نے تو اپنا سلسلہ ہی کوئی خاص نہیں رکھا بلکہ وہ تو ادویات کی علامات میں ہی امراض کی علامات کا تناسب قرار دے کر ایک عجیب بے ربط کتاب لکھ دیتے ہیں۔ اگر چہ مجبوراً ان کو امراض کے نام بھی لکھنے ہی پڑتے ہیں مگر نہ تو طبیبوں کی طرح اعضاء کو لیتے ہیں اور نہ ہی ڈاکٹروں کی طرح امراض کے اسباب پر سلسلہ باندھتے ہیں۔ بلکہ محض بے ربط اور متفرق طریق سے امراض کا بیان کرتے ہیں کہ فہرست امراض کے ہوتے ہوئے بھی مطلوبہ مرض کا بیان نہایت تلاش اور دقت سے ملتا ہے (ہومیو علاج میں مرض کا کوئی تصور نہیں بلکہ سلسلہ علامات ہے اور علامتوں کا علاج کیا جاتا ہے۔ ایڈیٹر) علاج بالماء اور علاج بالشمس کے مصنفین تو سرے سے سلسلہ امراض کے قائل ہی نہیں ہیں۔ تاہم ان کو بھی مجبوراً کوئی نہ کوئی اوٹ پٹانگ سلسلہ بنانا ہی پڑتا ہے اور امراض کے نام بھی اگر چہ مجبوراً ان کو لکھنے پڑتے ہیں مگر بے ڈھنگ۔ پس اب مجھے یہ دقت درپیش ہے کہ اگر ہم بھی کسی ایک طب کی تقلید میں سلسلہ امراض قائم کریں۔ اوّل تو وہ تحصیل حاصل ہے۔ پھر اس میں جو نقص ہیں وہ دور نہیں ہو سکتے۔ اس لیے اس مسئلہ پر میں نے سالہا سال غور اور جانکاہی کے بعد ایک سلسلہ جدید طرز کا قائم کیا ہے۔ امید ہے کہ ناظرین اسے دیکھ کر بہت محظوظ ہوں گے''۔

جناب استاذ الاطباء حکیم احمد الدین صاحب موجد طب جدید نے مختلف طریق علاج کے تقسیم امراض کی خرابیاں اور نقص بیان کرنے کے بعد انہوں نے اپنا نیا تقسیم امراض بیان کیا جو انہوں نے سالہا سال غور اور جانکاہی کے بعد قائم کیا تھا جو درج ذیل ہے۔ اگر چہ اس میں بھی مندرجہ بالا اقسام کی خامیاں اور نقص ہیں جن کا ذکر ہم آئندہ کریں گے۔ تاہم ان کی جدت بھی قابل مطالعہ ہے۔ لکھتے ہیں:

''میں اس سلسلہ میں امراض کو بیان کرتا ہوں تا کہ ناظرین کو اس سلسلہ جدید کی نوعیت سمجھ میں آ جائے۔ یاد رہے کہ جیسے انسان دو چیزوں سے مرکب ہے یعنی جسم اور روح سے اسی طرح امراض بھی کلی پر صرف دو ہی قسم کے ہیں۔

اوّل وہ جن کا اثر پہلے جسم پر نمودار ہو کر بعد میں روح یعنی طاقت پر پڑتا ہے جیسے ضربہ وسقطہ یا اورام ظاہری و باطنی اور جروحات وقروحات وغیرہ پیدا ہو کر افعال وقوائے انسانی میں خلل انداز ہوتے ہیں۔ دوسرا وہ جو جسم کے بظاہر متغیر اور متبدل ہوئے بغیر ہی انسانی طاقتیں متبدل اور متغیر ہو جاتی ہیں اور اس طرح سے افعال الاعضاء میں خلل واقع ہو جاتا ہے۔ پہلی قسم یعنی اعضاء کا تغیر وتبدل خون اور اسی کے دوران کی کمی بیشی سے پیدا ہوا کرتا ہے۔ جس کا ذریعہ شریانیں اور وریدیں ہیں لیکن دوسری قسم یعنی طاقتوں میں تغیر وتبدل روح کی اور اس کے دوران کی کمی بیشی سے پیدا ہوا کرتا ہے جس کا ذریعہ اعصاب ہیں۔ پس گویا دو قسم کے نظام بدن انسان میں قائم ہیں ایک کا نام دموی ہے دوسرا نظام اعصابی عصبی ہے۔

پس امراض بھی دو قسم کے ہیں۔ ایک امراض الاعضاء دوسرے امراض القویٰ گویا جس قدر بھی امراض کی تقسیم در تقسیم کرتے چلے جائیں وہ یا تو امراض الاعضاء کے ذیل میں آئیں گے یا امراض القویٰ کے تحت۔ لیکن اگر ہم تقسیم امراض کو صرف دو تک ہی محدود رکھیں تو اس کا چنداں فائدہ

نہیں۔ کیونکہ پھر ایک قسم کی امراض میں بہت بڑی تعداد میں امراض کا ذکر کرنا پڑے گا جو مختلف ہیات اور کیفیات ہونے کی وجہ سے دقیق الفہم رہیں گے۔ اور تسہیل فہم کے لیے ان کو بہت سی اقسام پر منقسم کر دیا جائے تو پھر تقریباً ہر ایک مرض کی ایک الگ قسم قرار دینی پڑتی ہے اور اختصار ملحوظ نہیں رہتا۔ اس لیے میں نے بہت ہی غور فکر کے بعد تمام امراض کو موٹی موٹی آٹھ اقسام پر منقسم کر دیا ہے۔ مگر یہ اقسام میں نے یونانیوں کی طرح اعضاء کے لحاظ سے مقرر نہیں کیں بلکہ نوعیت مرض کے لحاظ سے مقرر کی ہیں اور پھر ہر ایک نوع کو یونانیوں کی طرح تمام اعضاء پر منقسم کر دیا ہے۔ چنانچہ سب سے پہلی قسم دردوں کی قرار دی گئی۔ کیونکہ درد جس کو عربی میں وجع یا الم کہتے ہیں ایک خاص نوع کی تکلیف ہے۔ پس جب کوئی مریض اپنے معالج سے کہیں درد کی شکایت کرے گا تو معالج فوراً امراض الاوجاع کے باب میں مخصوص نظر سے غور کرے گا اور پھر ان میں سے خاص اسی فصل پر اس کی نظر رکھنی پڑے گی جس عضو میں درد ہونا مریض بیان کرے گا تو اس طرح سے معالج کو تشخیص مرض میں بھی سہولت رہے گی۔ تعین علاج میں آسانی رہے گی اور یہی ہمارا منشاء ہے۔

دوسری قسم امراض الاورام مقرر کی گئی ہے۔ اس باب میں وہ تمام امراض لکھے جائیں گی جن میں کسی نہ کسی عضو میں ورم اور بثورات وغیرہ پیدا ہو کر باعث تکلیف ہوا کرتے ہیں اور ہر قسم کے اورام کی علیحدہ علیحدہ فصل باندھی جائے گی مثلاً اورام ملتہبہ یا اورام رخو یا بثورات یا دبل دیا اورام خارشناک' اورام بلا درد' اورام المثانہ وغیرہ وغیرہ اور وہ تمام فصول سر سے لے کر پاؤں تک کے اورام پر حاوی ہوں گی اور اس میں یہ فائدہ ہوگا کہ طلباء کو ہر ایک فصل کی ورم کی پیدائش' اسباب اور علاج خوب یاد رہے گا اور پھر وہ ورم جس عضو میں بھی پیدا ہوا اس کے ذہن میں اس کا مالہٗ اور ماعلیہ فوراً آ جائے گا اور تشخیص مرض اور تعین علاج اس کے لیے آسان ہو جائے گا۔

تیسری قسم قروحات و جروحات کی مقرر کی گئی اور اس باب میں سر سے پاؤں تک تمام اعضاء بیرونی واندرونی وغیرہ ہر قسم کے زخموں کو بیان کیا گیا۔

چوتھی قسم صدمات خارجیہ کے امراض مقرر کیے ہیں۔ اس میں ہر ایک عضو پر بیرونی تصادم کا ذکر ہوگا مثلاً **ذی العین قذی الالف قذی الاذن** وغیرہ سے کورض **الانف رض الدی کسر العظم. تعلق العلق فی الحلق.** ہر قسم کا ضربہ وسقط اور ہر قسم کی سمیات حیوانی یا معدنی وغیرہ اور حرق النار اور حرق الشمس وغیرہ وغیرہ تک آ جائیں گی۔

پانچویں قسم امراض الحمیات مقرر کی گئی ہے۔ جس میں حمیٰ کی تعریف اور حمیٰ کی تمام اقسام خواہ وہ کسی عضو کے ساتھ تعلق رکھتی ہوں مذکور ہوں گی اور کوئی ایک قسم کا مرض بھی نہ چھوڑا جائے گا جس میں تپ ہو سکتا ہو خواہ عوارضات کے رنگ میں ہو یا علامات کے رنگ میں۔

چھٹی قسم امراض المجاری کی مقرر کی گئی ہے کیونکہ انسان کے دس مجاری ہیں جن میں سے آٹھ تو مرد وعورت میں مشترک ہیں جیسے آنکھ' کان' ناک' حلق (سانس کی نالی) مبرز (پاخانہ کا راستہ) مبول (پیشاب کا راستہ) مسامات جلدیہ مگر دو مجریٰ ایسے ہیں جو صرف عورتوں کے لیے خاص ہیں جیسے پستان اور رحم اور ان میں سے جو چیزیں خارج ہوتی ہیں وہ تقریباً سولہ قسم کی ہیں۔ جیسے رینٹھ' خون' پیپ' میل' بلغم' شیر' عرق یعنی پسینہ' صفرا' بول' پاخانہ' کرم' پتھری' ریگ' جنین مشیمہ' منی اور مذی وغیرہ۔ ان خارج ہونے والی اشیاء میں سے بعض تو غیر متعاد طبی ہیں۔ جیسے کرم' حصاۃ ورمل وغیرہ وہ تو خود ہی مرض ہیں۔ لیکن جو چیزیں معتاد طبی کا حکم رکھتی ہیں۔ ان کا اعتدال طبی سے کم و بیش ہونا مرض میں داخل ہوگا۔ پس اس باب میں نہ صرف اشیاء مخرجہ اور مستخرجہ کا ہی ذکر ہوگا بلکہ احتقان وامساک اور سیلان وجریان ہر دو کا ذکر ہوگا۔ بلکہ علاوہ ان کے خود مجاری کے تسدید وتوسیع پذیر ہونے کے متعلق بھی ذکر ہوگا۔ گویا جب ایک مریض معالج سے مجاری کے متعلق کوئی شکایت کرتا ہے۔ خواہ وہ کسی چیز کے غیر متعاد اخراج کی شکایت کرے یا کسی متعاد چیز کے اخراج میں کمی بیشی کی شکایت ہو تو معالج کا ذہن اس باب امراض المجاری کی طرف فوراً منتقل ہوگا۔ اور جس چیز یا جس عضو کا وہ نام لیتا ہے فوراً اسی فصل سے اس مرض کے اقسام' اسباب' علامات اور علاج کو تلاش کر لے گا۔

ساتویں قسم امراض القویٰ مقرر کی گئی ہے۔ اس میں نہ صرف حس وحرکت کی قوتوں کے متعلق ذکر ہوگا۔ بلکہ اس میں وہ امراض مذکور ہوں گی جو انسانی قویٰ میں کسی نہ کسی طاقت کے ساتھ تعلق رکھ سکتے ہیں جیسے قوت عقل' حافظہ' بینائی' شنوائی' تکلم' قوت بلع' تنفس' ہضم' باہ اور تولید وغیرہ وغیرہ اسی طرح تمام قوائے بدنی کی کمی بیشی جن جن امراض میں پائی جاتی ہے سب کا بیان اسی باب میں ہوگا۔ اور تمام قسم کی مقوی مضعف ادویہ واغذیہ کا ہرایک عضو کے متعلق بیان کیا جائے گا اور ہرایک قسم کی طاقت کی تیزی یا ضعف کی کیفیات مبرہن کی جائیں گی۔

آٹھویں قسم امراض المکروہات مقرر کی گئی ہے۔ یہ قسم ایسے امراض پر مشتمل ہوگی جن میں نہ تو کسی طاقت میں کمی بیشی ہوتی ہے اور نہ درد نہ ورم اور نہ بخار وغیرہ ہوتا ہے بلکہ اس قسم کے تمام امراض سے طبیعت انسانی محض متنفر اور ناخوش ہوتی ہے گویا بغیر کسی تکلیف کے صرف فطرتاً ان کو ناپسند کرتی ہے اور ان سے نجات حاصل کرنا چاہتی ہے جیسے منہ ناک وغیرہ سے بدبو کا آنا' جسم کے کسی حصہ کا قدرتی رنگ متغیر ہو جانا' بالوں کا بجائے سیاہ ہونے کے سفید یا سرخ وغیرہ ہو جانا' بالوں کا پیدا نہ ہونا یا اکھڑ جانا' جلد پر مسے چھائیاں وغیرہ کا پیدا ہونا' جسم کے کسی حصہ کا زیادہ خشک یا زیادہ تر رہنا' بدن پر سے چھلکے اترنا یا جوئیں پڑ جانا وغیرہ وغیرہ۔ اس باب میں عموماً باتیں بیان ہوں گی جو حسن وزینت کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں۔

غرضیکہ تمام امراض کو ان آٹھ اقسام پر ہم نے منقسم کر دیا ہے ہمارا ارادہ تھا کہ تمام مشہور ومعروف امراض کے اسماء ہرایک قسم کے ماتحت لکھ کر دکھایا جاتا کہ کس طرح ہم نے تمام امراض کو آٹھ اقسام میں تقسیم کر دیا ہے۔ گویا دریا کو ایک کوزہ میں بند کر دکھایا ہے مگر بوجہ خوف طوالت اس کی ضرورت نہیں سمجھی۔ نیز جبکہ ہرایک قسم پر ایک ایک مستقل کتاب لکھنے کا ہمارا ارادہ ہے تو عنقریب سب لوگ دیکھ لیں گے کہ کس طرح سب کی سب امراض انہیں آٹھ اقسام کے اندر آ گئی ہیں فالحمدللّٰہ علی احسانہ ''کتاب الاوجاع''۔

مختلف طریق علاج میں جو تقسیم الامراض بیان کی گئی ہے اس کا خلاصہ یوں سمجھ لیجئے:

① طب یونانی میں تقسیم امراض بالاعضاء ہے اور اعضاء کی خرابی کی جو صورتیں سامنے آ سکتی ہیں ان کے تحت ان کو بیان کیا گیا ہے۔ جیسے کسی عضو کا درد وسوزش وسکون ضعف وغیرہ اور یہی صورت تمام امراض میں قائم رکھی ہے۔ یہی صورتیں ایک وقت میں اگر امراض ہیں تو دوسرے وقت میں علامات بن جاتی ہیں۔ گویا امراض اور علامات کا بین فرق کوئی نہیں ہے۔ پھر علامت یا مرض کبھی کیفیاتی ہے اور کبھی خلطی ہے جن کی پھر چار چار صورتیں ہیں۔

② ایلوپیتھی (فرنگی طب) میں تقسیم امراض بھی بالاعضاء ہی بیان کیا گیا ہے اس میں اعضاء کی خرابی کی صورتیں بھی بالکل ویسی ہی بیان کی گئی ہیں۔ ان میں بھی امراض اور علامات کو خلط ملط کر دیا گیا ہے۔ البتہ اس میں کیفیاتی اور خلطی کی بجائے متعدی اور غیر متعدی میں تقسیم کر کے اوّل ایک کے تحت تمام اعضاء' امراض اور علامات کو گنوایا گیا ہے بعد میں دوسرے کے تحت یہی سلسلہ شروع کر دیا گیا ہے۔ اگر بنظر غور دیکھا جائے تو یہ تقسیم یہیں ختم نہیں ہوتی بلکہ آگے بھی بڑھتی ہے۔ مثلاً: ❶ متعدی مرض کو پھر جسم انسان کے چودہ عناصر کی کمی بیشی کے تحت ❷ غذائی اجزاء پروٹین اجزاء (لحمیہ) فیٹس (اجزاء دہنیہ) کاربوہائیڈریٹس (اجزاء شیریں ونشاستہ) کی کمی کے تحت۔ خیال رہے یہاں بیشی کو کبھی مدنظر نہیں رکھا گیا اگرچہ اس کا ہونا امکانات میں ہے ❸ آب وہوا کی خرابی کے تحت' منشیات اور تہذیب وتمدن کے اثرات کے تحت وغیرہ وغیرہ۔

ہومیوپیتھی اور بایوکیمک میں امراض کا تعین ہی ختم کر دیا گیا ہے۔ وہاں جسم کی ہر کیفیت اور صورت کو صرف علامات کہا گیا ہے اور چند علامات کے مجموعے جو کسی ادویہ کے تحت جمع کیے گئے ہیں گویا مرض سمجھے جا سکتے ہیں۔ دوسرے الفاظ میں یوں سمجھ لیں دنیا بھر میں جس قدر اشیاء ہیں چاہے وہ اغذیہ ہیں چاہے ادویہ وہ سب علامات کے مجموعے ہیں اور امراض کہے جا سکتے ہیں۔

③ علاج بالماء وعلاج باللون اور تجزیہ بالنفس وموسیقی وغیرہ میں صرف نظریہ کے علاوہ اور ان کا ذاتی کچھ نہیں ہے۔ بلکہ سب کچھ طب یونانی سے مستعار لیا ہوا ہے۔

④ طب جدید شاہد روی میں پہلے امراض کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے۔ اوّل قسم جسمانی امراض دوسری قسم روحانی امراض پھر اوّل قسم امراض کو دوران خون کی کمی بیشی سے تعلق کر دیا ہے اور دوسری قسم کا تعلق اعصاب سے ظاہر کر دیا گیا ہے۔ اس تقسیم کے بعد پھر امراض کو آٹھ حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے ❶ امراض اوجاع (دردوں کے امراض) ❷ امراض الاورام ❸ امراض قروحات وجروحات ❹ صدمات خارجیہ ❺ امراض حمیات (بخار) ❻ امراض المجاری ❼ امراض قویٰ ❽ امراض المکرّ وہات۔

تمام طریق ہائے کے تقسیم الامراض کے اجمال کے بعد اب ہم ان پر نقد ونظر اور تبصرہ کے ذریعے اس کے حسن قبح کو اجاگر کرتے ہیں۔ تاکہ اہل فن اور معالجین کے سامنے حقیقی صورت آجائے۔ پھر صحیح تقسیم الامراض پیش کریں گے جس سے نہ صرف فن کی شکل سامنے آجائے گی بلکہ ہماری تحقیقات اور نظریہ مفرد اعضاء کی خوبیوں کا اندازہ ہو سکے گا۔

تقسیم الامراض سے قبل مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اوّل مرض اور علامت کا فرق کر لیا جائے کیونکہ یہی وہ مقام ہے کہ جہاں معالج سے غلطیاں سرزد ہوتی ہیں۔ دیکھا گیا ہے کہ جب کوئی معالج کسی علامت کو مرض قرار دے کر اس کو رفع کرنے کی کوشش کرتا ہے تو وہ اس کے لیے مجربات تلاش کرتا ہے۔ جب کسی ایک نسخہ سے آرام کی صورت نظر نہیں آتی تو دوسرا اور تیسرا مجرب نسخہ تلاش اور استعمال کرتا ہے۔ تقریباً ہمیشہ ناکام رہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کسی ایک طریق علاج کے حامل کو اپنے طریق علاج کے مجربات میں ناکامی ہوتی ہے تو دیگر علاج کے مجربات کی طرف رجوع کرتا ہے۔ اسی لیے فن طب کے حامل یونانی مجربات کے علاوہ ایلوپیتھی (علاج بالضد) کے مجربات کے بعد ہومیوپیتھی (علاج بالمثل) تک' مجربات بلکہ علاج بالماء علاج بالون اور بالتجزیہ نفس سے گذر کر تعویز گنڈا اور جھاڑ پھونک تک کر گزرتے ہیں۔ اگر ان کے سامنے پوری پوری ماہیت اور حقیقت (پیتھالوجی) ہو تو وہ پھر صحیح معنوں میں وہی دوا اور مجرب نسخہ استعمال کرتا ہے جو اس مقصد کے لیے نہ صرف مفید ہوتا ہے بلکہ اکسیر کا درجہ رکھتا ہے۔

جاننا چاہیے کہ ایک مرض کے لیے کبھی بھی متعدد اور مختلف اقسام کے نسخے اور ادویات نہیں ہو سکتے چاہے وہ علاج بالمثل یا علاج بالضد ہو ہمیشہ ایک ہی قسم کی دوا مفید ہوتی ہے۔ افسوس ہے کہ علم الادویہ سے بہت ہی کم لوگ واقف ہوتے ہیں۔ ان کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر بھی نہیں ہے اور جو لوگ واقف بھی ہوتے ہیں ان میں اکثریت ایسے اہل فن کی ہے جو ماہیت مرض (پیتھالوجی) کا صحیح طور پر جاننا تو رہا ایک طرف مرض اور علامت میں فرق نہیں جانتے۔ یہی وجہ ہے کہ بڑے بڑے جگادری قسم کے معالج' غدار لیڈر قسم کے اطبا اور تاجر قسم کے دوا فروش صرف دولت' شہرت اور کوٹھی اور کار کے سر پر اپنا پراپیگنڈا کرتے ہیں۔ کوئی اپنے آپ کو شفاء الملک کہلوا کر خوش ہوتا ہے اور کوئی رئیس الاطباء لکھ کر لذت لیتا ہے۔ جہاں تک فن کو سمجھنے' ماہیت مرض کو جاننے اور خواص اشیاء کے علم رکھنے کا تعلق ہے وہ بالکل کورے اور خالی ہیں۔ اسی لیے وہ انگریزی' ہومیوپیتھی اور دیگر طریق علاج کی ادویات انہی اصولوں پر استعمال کرتے ہیں۔ اگر ان میں قابلیت ہوتی تو ان ادویات کو اپنے قوانین اور اصولوں پر ڈھال لیتے مگر ان میں ان باتوں کو سمجھنے کی قابلیت نہیں ہے۔

مثلاً شورہ' بادیاں اور دارچینی کے جو افعال واثرات ہیں وہ کسی دوسری دوا کے نہیں ہیں۔ اگر قریبی ادویات کے افعال واثرات پر نظر کی جائے جیسے جماداتی نمک اور حیوانی نمک وغیرہ تو ان ہاں بھی بین فرق نظر آئے گا۔ یہی صورت امراض میں اعضاء کے اندر پائی جاتی ہے۔ ان میں جو بھی اعضاء میں صورت پائی جاتی ہے وہ یقیناً دیگر صورت سے مختلف ہوگی۔ اس لیے ہر صورت کو علیحدہ علیحدہ ذہن نشین کرنا چاہیے تاکہ علاج کے دوران میں اعضاء کے افعال کو اعتدال پر لایا جا سکے۔

امراض وعلامات کا فرق

اس وقت تک دنیا میں جس قدر طریق علاج ہیں ان میں طب یونانی ہو یا آیورویدک یا ایلوپیتھی طب جدید شاہدروی سب میں مرض اور علامت کا صحیح فرق پیش نہیں کیا گیا۔ ان سب میں اگر ایک موقع پر ایک صورت کو اگر مرض کہا گیا ہے تو دوسرے موقع پر اسی کو علامت بنا دیا گیا ہے مثلاً مطلق درد یا درد سر یا کسی اور جسم کے درد کو ایک وقت مرض کا عنوان دیا گیا ہے۔ دوسرے کسی مرض میں ان دردوں میں سے کسی کو علامت قرار دیا گیا ہے۔ طالب علم جب اس صورت کو دیکھتا ہے تو پریشان ہوتا ہے کہ وہ درد کو مرض قرار دے یا علامت ہی سمجھنے پر اکتفا کرے۔ پھر بار بار سر سے پاؤں تک مختلف اعضاء کے تحت مختلف صورتوں اور مختلف کیفیات میں یہی درد کبھی مرض قرار دیا جاتا ہے اور کبھی علامت بنا کر ظاہر کیا جاتا ہے۔ پھر سر سے لے کر پاؤں تک ہر درد کی ماہیت جدا' اصول علاج الگ اور علاج کی صورت علیحدہ غرض درد کا سمجھنا اور اس کا علاج ایک معمہ بن کر رہ جاتا ہے یہی صورت ورم بخار اور ضعف میں پائی جاتی ہے۔ پھر درد ورم اور بخار کی اقسام میں جو کمی بیشی کے لحاظ سے بھی ہیں حاد و مزمن کے تحت بھی کی گئی ہیں شرکی اور غیر شرکی صورتوں میں بھی بیان کی گئی ہیں۔

ان کے علاوہ ایسی صورتیں بھی ہیں جو دراصل انہی درد، ورم اور بخار کی اقسام ہیں لیکن ان کو کہیں مستقل طور پر مرض لکھا گیا ہے اور کہیں علامت بیان کیا گیا ہے۔ اس لیے ان کے اصول علاج اور علاج کی صورتیں ان سے بالکل جدا اور الگ ہیں حالانکہ ان کے اصول علاج اور ادویات میں کوئی فرق نہیں ہے مثلاً سوزش' خارش' کسی مقام کی بے چینی اور لذت وغیرہ۔

سوزش دراصل ورم کی ابتدائی صورت ہے یعنی جب تک جسم کے اندر یا باہر کہیں سوزش پیدا نہ ہو تو ورم کبھی نہیں ہوسکتا۔ خارش بھی سوزش کی صورت ہے۔ لیکن اس سے خفیف ہوتی ہے اسی طرح لذت اور بے چینی وغیرہ درد کی ابتدائی صورتیں ہیں۔ ان کے حالات اور علاج کو درد کے تحت سے ذہن نشین کرنا چاہیے۔ مگر ایسا نہ کرنے سے امراض اور علامات کا ایسا دور چلا دیا گیا ہے کہ علم تشخیص نہ صرف ایک معمہ بن گیا ہے بلکہ روز بروز یہ معمہ ایک بھول بھلیاں بنتا جارہا ہے۔ یورپ اور امریکہ کے سائنس دان اور ڈاکٹر ایسی بال کی کھال اتارتے ہیں کہ نہ تو بال ہی نظر آتا ہے اور نہ کھال۔ ان کو اگر کوئی شے نظر آتی ہے۔ تو وہ جراثیم ہیں۔ ان کے نزدیک جراثیم ہی مرض ہیں۔ یہی جراثیم سے مرض اور یہی جراثیم علامت بن کر رہ گئے ہیں اور پھر سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ یہی جراثیم ایک وقت میں ایک مرض قرار دیئے جاتے ہیں اور دوسرے وقت میں ان کو علامات میں شمار کر لیا جاتا ہے۔ گونوکاکس اور نونوکاکس اگر ایک وقت میں مرض شمار ہوتے ہیں تو یہ جراثیم بعض دیگر امراض میں علامات بن جاتے ہیں۔ اسی طرح مرض' سبب اور علامت کے سب امتیاز ختم کردیئے گئے ہیں۔

جن امراض میں فرنگی طب کو جراثیم نظر نہیں آتے ہیں مثلاً بواسیر' یرقان اور استسقاء یا لقوۂ فالج اور ضعف اعصاب' اسی طرح جریان' احتلام اور سرعت انزال' عورتوں میں طمث کی خرابی' سیلان اور عقر وغیرہ۔ بے شمار امراض اور علامات پائی جاتی ہیں۔ جراثیم کا سایہ بھی نظر نہیں آتا۔ وہاں بھی فرنگی ڈاکٹر سخت پریشان ہوتے ہیں اور آئیں بائیں شائیں باتیں کرتے ہیں۔

طب یونانی میں امراض کی تقسیم میں یہاں تک مبالغہ کیا گیا ہے کہ کیفیات اور نفسیات و مادی اثرات کو بھی امراض کا نام دے دیا گیا ہے۔

مثلاً سردی لگ جانا' خوف کھانا' غم لگ جانا' مرض عشق کو تو بے حد اہمیت ہے۔ مادی امراض کا تو ایک مستقل باب ہے۔ جس میں نشہ آور اشیاء اور زہریلی ادویہ کے نام پر امراض کو موسوم کیا گیا ہے۔ خاص طور پر زہر کھانے کے بعد تو زہریلی ادویہ کے نام پر امراض کو موسوم کیا گیا ہے۔ خاص طور پر زہر کھانے کے بعد تو زہریلی ادویات کو سامنے رکھ کر علاج کیا جاتا ہے۔ امراض کی صورت میں صداع قمری اور ذیابیطس شکری وغیرہ خاصی اہمیت رکھتی ہیں۔ اس پر بس نہیں بلکہ زہریلے جانوروں اور حشرات الارض کے زہریلے اثرات کو انہی کے ناموں سے موسوم کیا جاتا ہے۔ سانپ کا ڈسنا' داء الکلب اور آگے بڑھیں تو مریض کے ظاہری حالات پر امراض کے نام رکھ دیئے گئے ہیں مثلاً جوع البقر' صرع وغیرہ۔ یہ ایک طویل بحث ہے جس کی تفصیل پر ضخیم کتاب لکھی جا سکتی ہے۔

جہاں تک ایلوپیتھی کا تعلق ہے اس نے بالکل طب یونانی کی پیروی کی ہے۔ صرف کیفیاتی اور اخلاطی نام چھوڑ کر ان کی جگہ جراثیمی نام اختیار کر لیے ہیں۔ ان کے علاوہ وٹامنی امراض کا اضافہ کر دیا ہے مثلاً بیری بیری اور ریکٹس وغیرہ۔ باوجود یہ کہ ماڈرن میڈیکل سائنس کا دعویٰ ہے۔ اس نے بے حد ترقی کر لی ہے مگر ذرا غور سے دیکھا جائے تو ہر جگہ ۹۰ فیصدی طب یونانی کی پیروی کر رہی ہے۔ علم الامراض ہو یا علم الادویہ ہر جگہ وہ ایلوپیتھی پر چھائی ہوئی ہے۔ اگر ایلوپیتھی میں جرأت ہوتی تو علم الامراض میں طب یونانی کے چنگل سے نکل جاتی۔

جو کچھ اوپر لکھا گیا ہے اس سے صاف ثابت ہے کہ ایلوپیتھی یقیناً طب یونانی کی کاربن کاپی ہے اور آج تک اس سلسلے میں ذرا بھر تحقیقات اور جدت سے کام نہیں لیا گیا۔

ایلوپیتھی کو اپنی تحقیقات اور ریسرچ کا دعویٰ ہے اور وہ پیتھالوجی پر ناز کرتی ہے۔ اس کو چاہیے کہ وہ امراض کے نام اعضاء کے افعال پر رکھتی کیونکہ پیتھالوجی کا مقصد بھی یہ ہے کہ وہ اعضاء کے افعال میں جو تبدیلیاں' تغیرات اور کمی بیشی پیدا ہوتی ہے ان کو بیان کرتی ہے۔ مگر وہ ایسا نہ کر سکی۔ پھر بری طرح ناکام ہے اور تقلید ائمیٔ پر مجبور ہو کر طب یونانی کی پیروی کر رہی ہے۔ نیز امراض و علامات کے وہی نام ہیں جو طب میں ہزاروں سال پہلے کے رکھے ہوئے ہیں۔

ایلوپیتھی میں جہاں تک امراض اور علامات کے فرق کا تعلق ہے وہ اس میں بالکل ناکام ہے جیسا کہ ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں۔ جس کے ثبوت میں ہم ہومیوپیتھی کی علامات پیش کر سکتے ہیں کہ اس میں ان تمام امراض کو علامات بیان کیا گیا ہے جو بہت حد تک صحیح ہے۔ **ہومیوپیتھی امراض کا تعین نہیں کرتی کیونکہ ان کے اصول میں صرف ادویات کا جمع اور حاصل کرنا ہی علاج کے لیے نہ صرف کافی ہے بلکہ ان کے اصول کے مطابق صحیح ہے۔** کیونکہ ہر علامت کے ساتھ جو مریض کو دکھ دے رہی ہے چند دیگر علامات بھی ضرور ہوتی ہیں جو اکثر ہمیشہ مختلف ہوتی ہیں۔ اس لیے کسی ایک علامت کو سامنے رکھ کر علاج کرنا یا کسی مرض کا تعین کر دینا صحیح اور یقینی علاج کے لیے کافی نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ امراض اور علامات کا سلسلہ وسیع ہے جس کو نہ تو طب یونانی اور آیورویدک نے حل کیا اور نہ ہی ایلوپیتھی اور ہومیوپیتھی نے ان کے متعلق فیصلہ کن صورت اختیار کی ہے۔ یہ مسئلہ اس وقت تک حل نہیں ہو سکتا جب تک مرض اور علامت کا صحیح فرق نہ بیان کر دیا جائے۔

امراض وعلامات کے تعین میں خرابی

صحیح اور یقینی علاج کے لیے امراض اور علامات میں امتیاز کرنا اور ان کا صحیح تعین نہایت ضروری ہے مگر یہ تعین میں خرابی اور ان میں نمایاں امتیاز نہ ہونا علاج میں غیر یقینی ظنی صورت پیدا کر دیتا ہے لیکن صدیوں سے اس کی طرف توجہ نہیں دی گئی بلکہ اس کے بجائے انہی غیر یقینی اور بے معنی

علامات کے لیے بہتر سے بہتر معالجات اورادویات تلاش کرنے کی کوششیں کی گئیں جن میں اکثر یا تو ناکامیاں ہوئی ہیں یا عارضی علاج کی صورتیں پیدا ہوئی ہیں اور وہ بھی صرف مخدرات اور مسکنات سے کام لیا گیا ہے۔ جہاں تک حقیقی علاج اور مکمل شفاء کا تعلق ہے اس سے دنیائے طب بہت حد تک بے بہرہ ہے اور جہاں کہیں بھی کوئی ایک آدھ علامت (مرض نہیں) کا تسلی بخش علاج مل سکا ہے اس میں باقاعدہ علم العلاج کا دخل نہیں ہے بلکہ قدرت کی طرف سے اچانک بخشش ہوگئی ہے یا فطرت کا کوئی سربستہ اسرار منکشف ہوگیا ہے جس کو آج تک غیر سائنسی اور غیر عقلی کہا گیا ہے جیسے آتشک میں پارہ کے اثرات اور خارش میں گندھک کے خواص کو تحت علاج سمجھ لیا گیا ہے۔

امراض اور علامات میں امتیاز اور تعین نہ کرنے میں خرابی کی وجوہات

جب بھی کسی مریض میں کوئی تکلیف دہ علامت پیدا ہوئی اس کو مرض سمجھ لیا گیا اور اس علامت کو جسم انسانی کے کسی نظام سے متعلق نہ کرنے کے بغیر ہی اس کا علاج شروع کر دیا گیا مثلاً جب پیٹ درد ہوا تو اس کو کسی دوا سے دور کرنے کی کوششیں کی گئی جس طرح بھی ہوا آرام ہوگیا مگر جب اسی مرض میں یا کسی اور مرض میں بھی دوا دی گئی تو آرام کی صورت پیدا نہ ہوئی۔ پھر ان کے لیے دیگر ادویات تجربات میں لائی گئیں۔ اگر ان میں سے کسی ایک سے آرام ہوگیا تو پھر اس دوا سے دوسری جگہ آرام کی صورت حاصل نہ ہوئی۔ یہی سلسلہ ابھی تک چلا جا رہا ہے۔ یہی صورت دیگر علامات جیسے ورم بخار اور نزلہ وغیرہ میں پائی جاتی ہے مزمن علامات میں تو علاج کی صورتیں نہ صرف افسوسناک ہیں بلکہ دردناک ہیں۔ گویا آج تک کا فن علاج بالکل ناکام ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ان علاجات میں ناکامی کی صورتوں کو یہ سمجھ لیا گیا ہے کہ پیٹ میں یا جسم میں کسی اور مقام پر درد یا دیگر علامات یا امراض کی صورتیں نہ صرف مختلف ہوا کرتی ہیں۔ اس لیے ایک ہی دوا سے آرام نہیں ہوسکتا۔ مگر ان مختلف صورتوں کی طرف توجہ نہ دی گئی اور نہ غور کیا گیا ہے۔

کیا یہ حقیقت غور طلب نہیں ہے کہ:

1. درد کی مختلف صورتیں کیوں پیدا ہوتی ہیں؟
2. ایک ہی عضو میں جدا جدا قسم کے درد کیسے نمودار ہو جاتے ہیں؟

آخر فرق کیوں؟

صدیوں سے ہم ایک زبردست مشکل میں گرفتار ہیں مگر ہم نے اس کی طرف نہ توجہ دی ہے اور نہ حقیقت معلوم کرنے کی کوشش کی ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ کیا ہے۔ کہ اپنے علم العلاج میں کسی نئی علامت یا نئے امراض کا اضافہ کر دیا ہے مگر علامت کی حقیقت اور ایک عضو میں مختلف اقسام کی ایک نوعیت کی علامات کو تحقیق کرنے کی کوشش نہیں کی ہے۔

مرض اور علامت کی تحقیق

آخر یہ حقیقت تو مسلمہ ہے کہ جسم کے کسی مقام کی کوئی علامت چاہے وہ درد ہو یا ورم' بخار ہو یا نزلہ' مواد کا گرنا یا رک جانا، کسی عضو کی خرابی سے ہوگا یا خون کی خرابی سے ہوگا جس کو ہم کیمیائی یا مشینی کے آسان نام دے سکتے ہیں۔ یہ مشینی خرابی جس سے اعضاء کے افعال میں نقص واقع ہو جاتا ہے اس کی جس قدر بھی صورتیں ہوسکتی ہیں وہ تمام بہر حال ایک ہی قسم کی ہوں گی ان کو ایک ہی جگہ پر ایک دفعہ سمجھ لینا چاہیے نہ کہ ہر بار ہر علامت کو نئے سرے سے سمجھنے کی کوشش کی جائے مثلاً ہم معدہ کو سامنے رکھتے ہیں۔ پھر اس کے مشینی آلات کو دیکھتے ہیں۔ اس میں تین ہی صورتیں پیدا ہوں گی:

① اس کے فعل میں اعتدال سے زیادہ تیزی آ جائے گی۔
② اعتدال سے کمی ہو جائے گی۔
③ اس کے جرم میں خرابی واقع ہو جائے گی۔

چوتھی صورت اور کوئی نہیں ہے۔ اب ہم کیوں نہ اس کی تیزی کی علامات کو آخر تک نوٹ کر لیں۔ اسی طرح اس کے فعل میں کمی کی علامات کو بھی نوٹ کر لیں اور جرم (عضوی کے جسم میں خرابی) کے نقائص کو بھی نوٹ کر لیں۔ بس اس طرح ہم اس کی ہر خرابی کو علامات کی صورت میں درج کر لیں۔ پھر جب بھی ہم کو پیٹ کی کوئی علامت نظر آئے گی۔ ہم اس کے اس فعل یا جرم کی خرابی کے تحت ہمیشہ اس کو درست اعتدال پر لے آئیں گے اور اس طرح ہم یقینی علاج کے قریب پہنچ جائیں گے اور ہم کو مکمل کامیابی ہو گی۔

یہی صورت کیمیائی تغیرات میں بھی قائم کر سکتے ہیں مثلاً کیفیات اور اخلاط کی خرابی اور کمی بیشی یا خون کے عناصر کی کمی بیشی یا جراثیمی اور زہریلے مواد کی خرابی سے اس مقام یا عضو میں جو خرابیاں اور علامات پیدا ہو سکتی ہیں ان سے ہم پورے طور سے آگاہ ہوں تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ جسم کے کسی مقام یا عضو کے کیمیائی اور مشینی تغیر کی علامات ہم سے رہ جائیں اور ہم ان کو یقینی طور پر دور یا رفع نہ کر سکیں۔

مرض اور علامت کی حقیقت

مندرجہ بالا حقائق کو مدنظر رکھتے ہوئے بھی ہمیں اول مرض اور علامت کا فرق مدنظر رکھنا پڑے گا۔ جس کی صورت یہ ہو گی کہ اعضاء اور ان کے طبعی افعال کی خرابیوں کو چاہے وہ مشینی ہوں یا کیمیائی (اگرچہ دونوں لازم وملزوم ہیں) امراض کے تحت رکھا جائے گا۔ مثلاً ذات الریہ (نمونیا) ذات الجنب (پلورسی) دل کا پھیل جانا (انلار جمنٹ آف دی ہارٹ) یا دل کا سکڑ جانا (کنجشن آف دی ہارٹ) اور ان کے علاوہ جو دیگر صورتیں ہمراہ ہوں گی جیسے بخار' ضعف' اسہال اور قبض ان کو علامات میں شمار کیا جائے گا اگرچہ ذات الریہ اور ذات الجنب بھی امراض کے صحیح نام نہیں ہیں کیونکہ ان کے ساتھ درد' کھانسی' بخار اور بلغم کی علامات سامنے آ جاتی ہیں۔ لیکن صرف سمجھانے کی خاطر مثالیں پیش کر دی گئیں ہیں کیونکہ ذات الریہ اور ذات الجنب شش کا ورم اور غشائے شش کی سوزش ہیں اور دونوں ایک دوسرے سے متضاد امراض ہیں' اگرچہ اکثر اطباء' وید اور ڈاکٹر ان کو ایک اقسام کے امراض خیال کر کے ایک ہی طرح کا علاج کرتے ہیں۔

ان حقائق کو سامنے رکھ کر غور کریں کہ کیا دنیا بھر کے کسی طریق علاج نے ماہیت امراض' نام' تقسیم' تشخیص' اسباب اور علامات پر اس اصول سے روشنی ڈالی ہے؟ نہیں! ہرگز نہیں ان شاء اللہ تعالیٰ ہم آئندہ صفحات میں اسی اصول کے تحت اوّل دیگر طریق علاج کا تجزیہ کریں گے اور پھر اس اصول کو بیان کر کے اس کے تحت امراض اور علامات کی حقیقت اور تجزیہ بیان کر دیں گے۔ جس کے بعد ان شاء اللہ تعالیٰ علاج یقینی صورت میں سامنے آ جائے گا اور یہ فن علاج میں ایک زبردست انقلاب ہو گا جس کی مثال نہ کوئی دوسرا طریق علاج اور نہ ماڈرن سائنس پیش کر سکے گی۔

طب یونانی میں امراض کی تقسیم

طب یونانی میں امراض کی تقسیم اوّل دو صورتیں میں کی گئی ہے ❶ امراض مخصوصہ ❷ امراض عامہ۔ امراض مخصوصہ میں سر سے لے کر پاؤں تک ہر ایک عضو کے جدا جدا امراض بیان کیے گئے ہیں۔ جیسے سر کے امراض' آنکھ کے امراض' کان کے امراض' ناک اور منہ کے امراض وغیرہ وغیرہ اور امراض عامہ' بخار' خرابی خون' پھوڑے پھنسیاں اور جوڑ کے درد وغیرہ۔ امراض مخصوصہ میں تو کچھ نہ کچھ اعضاء کا تعلق نظر آتا ہے لیکن امراض

عامہ میں تو کسی عضو کا تصور تک پیدا نہیں ہوتا۔ جہاں تک امراض مخصوصہ میں اعضاء کا تعلق نظر آتا ہے وہ بھی برائے نام ہے کیونکہ امراض سر میں جس قدر بھی امراض بیان کیے جاتے ہیں جیسے دردسر، دوران سر، ضعف دماغ، شقیقہ، اعصابہ، ورم دماغ، سوزش دماغ، فالج، لقوہ، خدر، مرگی، اختناق الرحم اور نزلہ وغیرہ تمام سر یا دماغ سے متعلق نظر آتے ہیں۔ بعض ماہرین فن نے ورم اور سوزش دماغ میں دماغ کے ساتھ غشائے دماغ اور حجاب دماغ کا بھی ذکر کیا ہے اور بعض محققین نے شرکی امراض کے تحت دماغی امراض بیان کیے ہیں جیسے خصیہ، دل، جگر اور معدہ کلیہ کی خرابیوں سے دماغی امراض اسی طرح رحم اور خصیہ کی خرابیوں سے دماغی امراض کا ذکر کیا ہے۔ مگر کسی جگہ یہ پتہ نہیں کہ سر اور دماغ کے امراض میں کون سے حصہ دماغ، غشاء اور حجاب میں تکلیف ہے؟ ان کے مخصوص اسباب وعلامات کیا ہیں؟ دیگر اعضائے جسم خصوصاً اعضائے رئیسہ سے ان کا کیا تعلق ہے؟ شرکی امراض میں یا دیگر امراض میں سے مرض کی ابتداء ہوتی ہے یا دماغ ہی کی طرف سے ان اعضاء کی طرف خرابی پہنچ جاتی ہے۔ یہی صورت آنکھ، کان، ناک اور منہ وغیرہ میں بھی قائم ہے۔

اصل حقیقت

حقیقت یہ ہے کہ سر، آنکھ، کان، ناک اور منہ وغیرہ جس قدر بھی اعضاء سر سے پاؤں تک چلے جاتے ہیں ان سب کو ایک قسم کے ٹھوس اعضاء سمجھ لیا گیا ہے اگرچہ تشریح الابدان اور منافع الاعضاء میں رگ دپٹھا اور غشاء وحجاب کو جدا جدا بیان کیا جاتا ہے مگر ماہیت امراض اور علاج الامراض میں پورے کے پورے عضو کو سامنے رکھا جاتا ہے۔ کیا کسی طریق علاج اور ماڈرن سائنس نے نظام عصابی کی طرح نظام غشاء، نظام حجاب یا عضلات اور نظام غدد کے باہمی تعلق اور ان کے امراض کا ذکر کیا ہے؟ نہیں کیا! بالکل نہیں! یہی وجہ ہے کہ سر سے پاؤں تک کے ماہیت امراض کو یقینی طور پر بیان نہیں کیا گیا۔ جب ماہیت امراض یقینی نہیں ہیں تو علاج الامراض کیسے یقینی ہوسکتا ہے۔

❶ دردسر

ہم یہاں صرف سر کے ایک ہی مرض دردسر کو لیتے ہیں جس کی اقسام بیسیوں نہیں، سینکڑوں ہیں۔ اگر غور کریں تو پتہ چلتا ہے کہ شاید ہی کوئی ایسا مرض ہو جس میں دردسر نہ ہوتا ہو۔ اسی طرح ہومیوپیتھی علم الادویہ سے پتہ چلتا ہے کہ شاید ہی کوئی ایسی دوا ہو جو سر پر اثر انداز نہ ہوتی ہو گویا ہر مرض اور ہر دوا بلکہ غذا کے استعمال کا اثر سر پر پڑتا ہے۔ اسی لیے اکثر اہل فن نے سردرد کو مرض قرار ہی نہیں دیا بلکہ اس کو صرف علامت تک مخصوص کر دیا ہے جو قطعاً غلط ہے۔ بہرحال سر میں کئی اعضاء ہیں۔ ان میں سے کسی میں تکلیف ہوگی تو سردرد ضرور ہوگا۔ یہ امر جدا ہے کہ اس کے اسباب اور عوارض کیا ہیں؟ مقامی ہے یا شرکی، مشینی ہوگا یا کیمیائی۔ بہرحال درد تو سر میں ضرور ہوگا۔ اس کو نظر انداز کیسے کیا جا سکتا ہے۔ دردسر صرف اس صورت میں نظر انداز ہوسکتا ہے جب ہم سر کے اعضاء اور ان کے افعال سے واقف نہ ہوں۔ اس کا نتیجہ ظاہر ہے کہ اس کا علاج پھر اسپرین اور سارِیڈان وغیرہ کے سوا کیا ہوسکتا ہے۔

مجھے یاد ہے کہ ایک بار میرے بے حد قابل احترام دوست حکیم سید فضل حسین شاہ صاحب نے ایک مضمون لکھا تھا تو انہوں نے طب یونانی میں دردسر کی ہزار اقسام بیان کی تھیں اور ان کے مقابلے میں طب جدید کی صرف دو اقسام کے دردسر کا ذکر کیا تھا۔ ایک عصبی اور دوسرے دموی ایک طرف اس قدر کثرت اور دوسری طرف یہ قلت اور تیسری طرف دردسر سے بالکل انکار۔ غرض یہ وہ گورکھ دھندہ ہے کہ اس میں جب کوئی طبیب پھنس جاتا ہے تو اول نکلتا نہیں اور جب نکل جاتا ہے یعنی دردسر سے انکار کر دیتا ہے تو پھر صرف فرنگی ادویات یا منشی اور مخدر ادویات جن میں حب شفا،

برشعشا اور معجون فلک سیر سے مریض کے ہوش وحواس کو گم کردیتا ہے مگر درد سر اپنی جگہ قائم رہتا ہے۔ کبھی جلاب پر جلاب دے کر مادہ کو خارج کردیتا ہے اور کبھی مقویات دے کر خون کو پیدا کرتا ہے اور بڑھاتا ہے تاکہ طاقت سے درد سر رفع ہوجائے مگر سر درد ہے کہ جن کی طرح ایسا چمٹ جاتا ہے کہ بیس بیس سال تک قائم رہتا ہے اور اگر دوروں کی صورت اختیار کر لے تو عمر بھر نہیں جاتا پھر نہ کسی پیر فقیر کو مانتا ہے اور نہ تعویذ گنڈے کا اثر ہوتا ہے بلکہ جتنے بھی جادو ٹونے کرو اسی قدر زیادہ ہوجاتا ہے۔

فرنگی طب (ڈاکٹری) میں تقسیم امراض کے لیے نہ کوئی بنیادی قاعدہ ہے اور نہ کوئی اصولی طریق ہے۔ جب تمام کی تمام فرنگی طب کسی نظام اور کلیہ کے ماتحت نہیں ہے تو پھر تقسیم امراض باقاعدہ اور اصولی کیسے ہوسکتے ہیں۔ ہر آنے والے دور میں مختلف نظریات کے تحت تقسیم امراض کیا گیا ہے اور اس وقت تک اس میں امراض کا سلسلہ جاری رہے گا جب تک تمام طب کو کسی ایک نظام یا قانون کلیہ کے تحت منظم اور باقاعدہ نہیں کیا جائے گا۔

فرنگی طب کی ایک تقسیم الامراض طب یونانی کی پیروی میں ہے کہ امراض کو بلحاظ وسعت تقسیم کیا ہے۔ اوّل امراض عام (جنرل ڈزیزز) اس میں سے ایسے امراض بیان کیے گئے ہیں جن کا اثر ایک ہی جیسا تمام جسم پر پڑتا ہے مثلاً درد، اورام، رسولیاں وغیرہ۔ دوسرے امراض مقامی (لوکل ڈزیزز) ایسے امراض جن کا تعلق خاص خاص اعضاء کے ساتھ مخصوص ہے۔ پھر ان کو سر سے لے کر پاؤں تک مقامی طور پر تقسیم کیا ہے جیسے دماغ کے امراض، قلب کے امراض اور جگر کے امراض وغیرہ۔

❷ تقسیم امراض بلحاظ علامات

یہ تقسیم امراض تین حصوں میں کی گئی ہے۔ اوّل امراض حادہ (اکیوٹ ڈزیزز) جن میں علامات کے اندر شدت پائی جاتی ہے مگر ان کا وقفہ دیرپا نہیں ہوتا البتہ یہ مہلک ہوتے ہیں۔ دوسرے امراض خفیفہ (سب اکیوٹ) ان کی علامات میں خفت پائی جاتی ہے اور زیادہ مہلک اور زوردار نہیں ہوتے۔ تیسرے امراض مزمنہ (کرانک ڈزیزز) ایسے امراض جو ہفتوں، مہینوں بلکہ سالوں تک ستاتے رہتے ہیں۔ پھر ان کو سر سے لے کر پاؤں تک بالاعضاء بیان کیا گیا ہے تاکہ ترتیب قائم رہے۔

❸ تقسیم الامراض بلحاظ انحداث مرض

اس تقسیم الامراض کی بھی تین صورتیں ہیں۔ اوّل امراض الافراد (سپوریڈک ڈزیزز) ایسے امراض جو فرداً فرداً متعدد اشخاص میں پائے جائیں۔ دوسرے امراض وبائیہ (اپیڈیمک ڈزیزز) (Epidemic Deseaes) امراض کی ایسی صورت میں بیک وقت کثیر تعداد لوگ مبتلا ہو جائیں۔ تیسرے امراض مکانی (ایڈیمک ڈزیزز) ایسے امراض ہیں جو خاص خاص مقام پر پائے جائیں مگر ہر علاقہ میں نہ پائے جائیں۔ پھر ان کی تقسیم سرتا پاؤں کی گئی ہے تاکہ ترتیب قائم رہے۔

❹ تقسیم امراض بلحاظ حملہ مرض

اس تقسیم الامراض کی پانچ صورتیں بیان کی گئی ہیں: ① میعادی ② غیر میعادی ③ نوبتی ④ خلقی ⑤ اتفاقی۔ پھر ہر ایک قسم کو سرتا پاؤں برائے ترتیب تقسیم کردیا گیا ہے۔

❺ تقسیم امراض جراثیمی

اس تقسیم امراض کی دو صورتیں ہیں: ① متعدی امراض ② غیر متعدی امراض۔ یہاں بھی وہی سرتاپا ترتیب الگ الگ بیان کی گئی ہے۔

❻ تقسیم الامراض کیمیائی

اس تقسیم الامراض کی بھی دو صورتیں ہیں: ① تغیر عنصری' ایسے امراض جن کے خون کے کیمیائی عناصر میں کمی اور خرابی پیدا ہو جائے۔ ② غیر عنصری وہ امراض جن میں خون کے کیمیائی عناصر میں تغیر پیدا نہ ہو ان میں بھی سرتاپا کی تقسیم قائم رکھی گئی ہے۔

❼ تقسیم الامراض خوردبینی

اس تقسیم الامراض کی دو ہی صورتیں ہیں: ① ایسے امراض جن کی تبدیلیاں خوردبین سے دیکھی جاسکتی ہیں ② غیر خوردبینی تبدیلیاں' ایسے امراض جن کی تبدیلیاں بغیر خوردبین دیکھی جاسکتی ہیں۔

مندرجہ بالا تقسیم الامراض جو فرنگی طب میں کی جاتی ہے وہ یہیں پر ختم نہیں ہوتی بلکہ موسمی خرابیاں' حیاتینی نقائص' غذائی خرابیاں اور اس کی کمی بیشی بحیثیت مقدار اور بحیثیت طاقت وغیرہ کے تحت بھی سرتاپا امراض کی الگ الگ تقسیم کی جاتی ہے۔ ان بے شمار امراض کے علاوہ یورپ اور امریکہ میں آئے دن نئے نئے امراض پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ تقریباً عرصہ ساڑھے تین سوسال سے یہ سلسلہ قائم ہے۔

اور خدا جانے فرنگی طب کی تحقیقات برائے امراض تجدیدہ کب تک قائم رہے۔ ظاہر میں تو یہ نظر آتا ہے کہ ان کا تقسیم الامراض کا مسئلہ لامتناہی ہے۔ شاید کبھی ختم نہ ہو سکے۔

قابل غور بات یہ ہے کہ طب کا ایک طالب علم اس قدر امراض اور ان کے اقسام در اقسام پر کس طرح حاوی ہو سکتا ہے اور اگر یہ فرض بھی کر لیں کہ عمر کے ایک بڑے حصہ میں آ کر وہ اس قسم الامراض اور ان کی بے شمار اقسام کو سمجھنے کی دسترس حاصل کر لے گا۔ پھر سوال پیدا ہوتا ہے ہر مرض کے بے شمار اسباب اور علامات ہیں ان پر کیسے قابو پائے گا۔ اگر بفرض محال وہ یہاں تک بھی کامیاب ہو جاتا ہے تو پھر اصول علاج اور علم الادویات جو ایک بحر بے کنار ہے ان کی کس طرح تکمیل کریں گے ان علوم کے علاوہ حفظان صحت' تشریح ومنافع الاعضاء' جراحی' عورتوں اور بچوں کے امراض ان کے علاوہ ہیں۔ ان امور سے ثابت ہوا کہ فرنگی ڈاکٹر جن کی ایلوپیتھی کسی نظام اور کلیہ کے تحت بیان نہیں کی گئی علم الامراض کیا علم العلاج کے شعبہ پر دسترس حاصل نہیں کر سکتے۔ ہاں یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ وہ ایک بار امتحان کی خاطر پڑھ ضرور لیتے ہیں اور امتحان کے بعد ان کا اکثر علم بے معنی اور فضول ہو کر رہ جاتا ہے۔

جاننا چاہیے انسانی دماغ کی تشکیل کچھ اس قسم کی ہوئی ہے کہ اس میں وہ باتیں محفوظ رہتی ہیں جن کا تعلق ایک دوسرے سے وابستہ ہوتا ہے کہ ایک کے بعد دوسری اور تیسری پھر چوتھی بات خود بخود دماغ میں پیدا ہوتی جائے یہ صورت اسی حالت میں ہی قائم رہ سکتی ہے جب علم اور فن کسی ایک نظام یا کسی قانونی کلیہ میں منسلک ہوں جیسے درخت کو بے شمار پتوں' شاخوں اور پھولوں پھلوں کو ہم ایک جڑ سے باہم پیوستہ دیکھتے ہیں۔ اور اگر کوئی چاہے تو جڑ کے تنوں کے ساتھ بڑی شاخوں اور چھوٹی شاخوں کو بڑی سہولت سے اپنے ذہن میں رکھ سکتا ہے۔ اگر وہ اس قاعدہ کے علاوہ ویسے درخت کی بڑی چھوٹی شاخوں اور مقام وحدود اربعہ کو یاد کرنا چاہے تو یہ ایک مشکل کام ہوگا فرنگی طب ایک ایسا ہی درخت ہے جس کی کوئی جڑ نہیں ہے

بلکہ جدا جدا شاخوں و پتوں اور پھلوں و پھولوں کو اکٹھا کرنے کی کوشش کی گئی ہے جس پر کوئی بڑے سے بڑا ڈاکٹر پورے طور پر قادر نہیں ہو سکا اور شائد کبھی قادر نہ ہو سکے۔ اس صورت میں مخلوق خدا اور دنیا کا ان سے فائدہ حاصل کرنا بے حد مشکل ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ جہاں پر فرنگی طب میں امراض کو کسی بنیادی اور قانون کلی کے تحت بیان نہیں کیا گیا وہاں پر کسی مرض کو کسی دیگر مرض کے تحت رکھنے کی کوشش نہیں کی گئی ہے۔ سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ جسم انسان کے اندر جو نظامات کام کر رہے ہیں جیسے نظام غذائیہ، نظام ہوائیہ، نظام بولیہ اور نظام دمویہ، نظام عصبی، نظام غدی، اور نظام عضلاتی کے ساتھ ان امراض کا کیا تعلق ہے اور جہاں تک اعضائے رئیسہ کا تعلق ہے ان کو ان امراض سے قطعاً جوڑا ہی نہیں گیا۔ یہی وجہ ہے کہ جب جسم میں کوئی مرض پیدا ہوتا ہے تو اس کی علامات کو جدا جدا دیکھا اور علاج کیا جاتا ہے اور یہ تشخیص میں سب سے بڑی غلطی کا باعث بن جاتا ہے۔

اگر امراض کو انسان کے بنیادی نظام اور قانون کلی کے تحت مطالعہ کرنے کے ساتھ ساتھ جسم انسان کے نظامات اور اعضائے رئیسہ سے تعلق قائم کر دیا جائے تو اس کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ ان نظامات اور اعضائے رئیسہ میں سے جس کسی میں خرابی ہوگی اس نظام اور عضو رئیس کے تمام متعلقہ نظام اور اعضاء میں اس مرض کا اثر ہوگا۔ بس وہی اس مرض کی صحیح علامات ہوں گی۔ اس صورت میں امراض اور علامات آپس میں منسلک ہو جائیں گی اور تشخیص میں بے حد آسانیاں ہو جائیں گیں اور وہ تشخیص یقینی ہو جائے گی۔

فرنگی طب نے امراض کو جو متعدد صورتوں کے تحت تقسیم کیا ہے۔ کسی ایک مرض کی ایک ڈاکٹر کچھ تشخیص کرتا ہے اور دوسرا ڈاکٹر ایک مختلف تشخیص کا دعویٰ کرتا ہے۔ نتیجہ ظاہر ہے کہ جس کثرت سے تشخیص کی صورتیں سامنے آئیں گی اسی قدر مختلف علاج تجویز ہوں گے۔ اس صورت میں کسی مریض کا اپنی بیماری سے نجات حاصل کر لینا ایک معجزہ سے کم نہیں ہے۔ جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے۔ اگر اس میں مغالطہ ہو تو ہم ڈاکٹرز کو چیلنج کرتے ہیں کہ مندرجہ بالا تقسیم امراض کی صورتوں کو سامنے رکھ کر یا جو اصل وہ پسند فرمائیں پہلے بیان کر دیں۔ پھر اس کے تحت امراض کی تشخیص کی تشریح کر دیں۔ ہم چیلنج کرتے ہیں کہ وہ کبھی بھی کسی ایک مرض کی تشخیص کامیابی سے نہیں کر سکیں گے۔ جن کو اپنے فن پر اعتماد ہو وہ میدان میں ہمارے دعویٰ کو غلط کر سکتے ہیں۔

ہومیوپیتھی

علاج بالمثل میں سرے سے امراض کا ذکر ہی نہیں ہے۔ پھر اس میں ماہیت امراض، نام امراض، تقسیم امراض اور تشخیص امراض کا سلسلہ ہی پیدا نہیں ہوا اور اس کے ساتھ علم اسباب کی ضرورت ہی ختم ہو جاتی ہے۔ البتہ علامات کا ذکر ضرور ہے مگر یہ علامات مرض کی نہیں ہیں بلکہ ان ادویات کی ہیں جو ایک تندرست جسم پر کھلا کر حاصل کر لی ہیں۔ یعنی ہر دوا کے استعمال میں تندرستی سے لے کر موت تک جو علامات پیدا ہوتی ہیں انہی کو علاج میں مدنظر رکھا جاتا ہے۔ گویا ہر دوا کے ساتھ ایک مجموعہ علامات ہے۔ جب تک یہ مجموعہ مکمل نہیں ہوتا اس وقت تک صحیح علاج تقریباً ناممکن ہے۔

برخلاف علاج بالمثل کے علاج بالضد میں ہر مرض کے لیے علامات کا ایک مجموعہ مقرر ہے۔ جن کو سامنے رکھ کر ماہیت امراض، نام امراض، تقسیم امراض اور تشخیص امراض کی جاتی ہے۔ علاج بالمثل اور علاج بالضد میں فرق یہ رہ جاتا ہے اوّل الذکر علامات کو دوا کے نام پر اکٹھا کر کے علاج کرتے ہیں اور ثانی الذکر علامات کو مرض کے نام پر یکجا کر کے تشخیص کرتے ہیں۔ جس کے بعد علاج کی صورت آتی ہے البتہ دوا دینے کے سلسلے میں علاج بالمثل میں وہی دوا قلیل صورت بلکہ تقلیل صورت میں اس مریض کو دیتے ہیں جن میں اس دوا کی مماثلت میں علامات پائی جاتی ہیں اور علاج

بالضد میں تشخیص مرض کے بعد ایسی ادویات استعمال کرتے ہیں جو اس کے بالضد اور اس کو رفع کرنے والی ہوتی ہیں۔ مثلاً ناک اور حلق سے رطوبت کے گرنے کو نزلہ وزکام کہتے ہیں۔ یہ ایک علامت ہے اس کے ساتھ دیگر علامات بھی پائی جاتی ہیں مثلاً کبھی رطوبت پانی کی طرح پتلی ہوتی ہے، کبھی گاڑھی اور کبھی اس قدر گاڑھی کہ اخراج نہیں پاسکتی۔ سر میں گرانی، چھینکیں، ناک اور حلق میں جلن، ناک اور حلق میں سوزش، کبھی ناک اور حلق میں سوجن، کبھی درد اور کبھی بخار، کبھی بدن ایک دم سرد، کبھی رطوبات بالکل سفید، کبھی زرد رنگ کی، کبھی ساتھ خون اور نکسیر کا پھوٹنا بھی شامل ہوتا ہے۔ کبھی رطوبات میں سخت بدبو، کبھی کان کی نالی اور ناک تک میں درد معلوم ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ کبھی بہرا پن اور آنکھوں میں سرخی اور سوزش پیدا ہو جاتی ہے۔ علاج بالضد کے سلسلہ میں آیورویدک، طب یونانی اور فرنگی طب ان تمام امراض کو نزلہ وزکام کہیں گے۔ مگر علاج کرتے وقت ان کے اسباب کو مدنظر رکھ کر اس کی اقسام کی تشخیص کرنے کے بعد اس کا علاج کریں گے۔ اقسام کے سلسلہ میں ایک وید صاحب وات، پت اور کف کو مدنظر رکھیں گے اور ایک طبیب خون، بلغم، صفرا اور سودا کی تقسیم کر کے علاج کا سلسلہ جاری کرے گا اور فرنگی طب کا ماہر نزلہ وزکام کے جراثیم کو ہی فنا کرنے کی کوشش کرے گا۔ چاہے وہ جراثیم ٹی بی، ملیریا اور ٹائیفائڈ کے ہوں۔ مگر وہ نزلہ وزکام کو فنا کرنا اپنا فرض کرے گا۔ لیکن وہ یہ خیال نہیں کرے گا کہ نزلہ وزکام ایک علامت ہے (مرض نہیں ہے) علاج بالمثل اور علاج بالضد کے اس فرق سے صاف پتہ چلتا ہے کہ اوّل الذکر کی علامات ادویات کے گرد چکر کاٹتی ہیں اور آخر الذکر کی علامات امراض کے گرد اکٹھی کی جاتی ہے۔ بہرحال دونوں طریق علاج علامات کے مجموعہ ہی سے تشخیص اور علاج کرتے ہیں۔ جو معالج بھی چاہے اور ماہر علاج بالمثل ہو یا حامل علاج بالضد علامات کے کسی صحیح مجموعہ کو قابو کرے گا۔ اسی کی تشخیص اور علاج یقیناً کامیاب ہوگا ورنہ دونوں ناکام ہوں گے اور ان کا علاج غیر صحیح کہا جاسکتا ہے۔

ظاہر ہے ہومیوپیتھی میں امراض کا تصور نہیں ہے۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو ان کے ہاں بھی وہی امراض کی صورت ہے جو ایلوپیتھی میں ہے۔ صرف ان کو علم امراض سے ناواقفیت کی وجہ سے اس کی حقیقت کے تصور کا دھوکا ہے۔ کیونکہ اوّل ہومیوپیتھ جب علاج شروع کرتا ہے اور مریض کی جو علامات اکٹھی کرتا ہے تو ان میں مریض جس علامت کی شدت یا تکلیف بیان کرتا ہے جو اس کی بنیادی تکلیف ہے اس کو وہ معالج اختیار کر کے اس کو مرکزی نقطہ بتاتا ہے۔ پھر مریض کی دیگر علامات کو اس کے گرد اکٹھا کر کے اس کے لیے دوا تجویز کرتا ہے یعنی یہ دیکھتا ہے کہ یہ علامات کس دوا میں پائی جاتی ہیں۔ بالکل وہی صورت علاج بالضد کا ماہر بھی کرتا ہے کہ مریض کی بنیادی علامات کے ساتھ اس کی دیگر علامات کو اکٹھا کرتا ہے اور مرض کی ایک صورت قائم کر کے پھر ان علامات کو رفع کرنے کے لیے دوا تجویز کرتا ہے۔ فرق صرف یہ رہ جاتا ہے علاج بالمثل کا ماہر بالمثل دوا استعمال کرتا ہے اور علاج بالضد کا ماہر علاج بالضد کے اصول پر ان علامات کے اثرات کو دور کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ جہاں تک امراض کا تعلق ہے دونوں میں ایک سی صورت ہے۔ یعنی ماہر علامت شدت کے وقت کی صورت (بنیادی علامت) کو سامنے رکھ کر باقی علامات کو اس کے گرد اکٹھا کر دیتا ہے۔ علاج بالمثل کا معالج بھی تشخیص ضرور کرتا ہے وہ مرض کا نام نہیں رکھتا۔ سیدھی دوا تجویز کر دیتا ہے اور اسی دوا کو مرض کا نام دے دیتا ہے۔ گویا دونوں ایک ہی کام کرتے ہیں۔ ایک مرض کے نام کو تسلیم نہیں کرتا اگرچہ مریض کی ہر تکلیف کو مرض قرار دیتا ہے اور دوسرا مرض کو تسلیم کرتا ہے اور اس کی اقسام کی تشخیص کر کے اس کا علاج کرتا ہے گویا دونوں ایک عمل کو مختلف زاویوں سے کرتے ہیں۔ اس سے ثابت ہوا علاج بالمثل میں بھی امراض ہیں البتہ ان کا نام ادویات کے نام پر ہے یعنی آرسنک کی بیماری، بیلاڈونا کی بیماری اور کچلہ کی بیماری۔ گویا دنیا میں جس قدر ادویات ہیں اسی قدر امراض کی اقسام ہیں۔

علاج بالضد میں مرض کی ایک تعریف یہ کی جاتی ہے کہ وہ چند علامات کا مجموعہ ہوتا ہے اور اکثر وہی علامت پیش نظر ہوتی ہیں جو شدید ہوتی ہے اور اس کو مرض کا نام دے کر اسباب کے تحت اس کی تشخیص کر لی جاتی ہے۔ پھر اس کا علاج کر دیا جاتا ہے۔ اسباب کیفیاتی ہوں یا نفسیاتی یا مادی یا

زہریلے انہی کو دور کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ جس میں اکثر ایک ہی تجویز کامیاب ہو جاتی ہے۔ لیکن ہومیوپیتھی میں مرض کی شدت وخفت‘ کیفیاتی ونفسیاتی اثرات‘ بے چینی و درد‘ سوزش و ورم‘ حرکت وسکون‘ صبح وشام‘ اندھیرا اور روشنی کے اثرات کے تحت اکثر علامات جلد جلد بدل جاتی ہیں۔ اس لیے وہاں پر ہر گھڑی نئی تجویز کی ضرورت ہوتی ہے۔ تاکہ صحیح دوا کے تعین کے قریب پہنچا جا سکے۔ یہی وجہ ہے کہ ہزاروں ادویات یعنی امراض کا صحیح تعین کرنا ایک بے حد مشکل اور انتہائی محنت طلب تشخیص ہے۔ جس سے دشوار اور غیر یقینی بن جاتا ہے۔

علاج بالمثل میں مرض کے تصور کی ایک صورت مریض کی شدید علامت ہے جس کے گرد باقی علامات اکٹھی کی جاتی ہیں اور دوسری صورت ادویات خود امراض کا تصور پیش کرتی ہیں۔ جن میں ہر دوا اپنے اندر سینکڑوں علامات رکھتی ہے۔ جس میں مرض شدید اور نمایاں اور بعض میں خفیف اور پوشیدہ ہوتا ہے اور ادویات کے خواص بھی انہی علامات کے تحت یاد رہتے ہیں۔ تیسری صورت ایک اور بھی ہے جو زہریلے مادوں کے تحت تقسیم کر دی گئی ہے تاکہ علاج کے دوران میں بے شمار ادویات یا علامات کچھ سہولت کے ساتھ ذہن نشین ہو سکیں اور علاج کسی حد تک یقین کے ساتھ کیا جا سکے۔ وہ صورت یہ ہے کہ ڈاکٹر ہانمن نے جسم انسان میں تین قسم کے مادوں کو تسلیم کیا ہے کہ اوّل ان تین قسم کے زہریلے مادوں میں سے کوئی زہریلا مادہ انسان کے جسم میں پیدا ہوتا ہے اور بڑھتا ہے۔ پھر اس سے دیگر علامات ظاہر ہوتی ہیں البتہ یہ تمام علامات ایک خاص قسم (کیٹگری) کی ہوتی ہیں جن میں انہی زہریلے مادوں کے اثرات نمایاں ہوتے ہیں۔ ان تین زہریلے مادوں کے نام یہ ہیں: ❶ سفلس ❷ سورا ❸ سائیکوسس۔

ہومیوپیتھی کی کتب میں ان کی کوئی تفصیلی تشریح نہیں ہے۔ البتہ ان کی علامات بیان کر دی گئی ہیں۔ بعض ماہرین نے ان کا ترجمہ ❶ آتشکی مادہ ❷ بواسیری مادہ ❸ سوزا کی مادہ سے کیا ہے۔ لیکن اس ترجمہ سے ان کی حقیقت پر صحیح روشنی نہیں پڑتی۔

یہاں پر ہمارا مقصد یہ ظاہر کرنا ہے کہ ہومیوپیتھی بھی امراض کے تصور سے خالی نہیں ہے۔ یعنی علامات کے مجموعے (گروپ) ضرور تیار کرنے پڑتے ہیں۔ چاہے شدید اور تکلیف دہ علامات کے تحت تیار کیے جائیں۔ چاہے ادویات کے نام پر اکٹھے کیے جائیں یا زہریلے مادوں پر ان کی تقسیم کی جائے۔ تاکہ علاج معالجہ میں سہولت پیدا ہو۔ یہ حقیقت ہے کہ امراض کے تحت علاج کرنے میں بے حد سہولت ہے کیونکہ ان کے تحت علامات کے چھوٹے بڑے گروپ تیار ہو جاتے ہیں۔ ادویات کی کمی بیشی اور تبدیلی ایک جدا صورت ہے مگر امراض کی شکل اختیار کرنا اپنی جگہ مسلمہ حقیقت ہے۔ مثلاً ٹی بی فالج‘ تشنج‘ یا آتشک‘ بواسیر اور سوزاک نمایاں علامات میں سے ہیں۔ جب بھی کوئی ہومیوپیتھ ان علامات کا علاج کرے گا۔ یہ ناممکن ہے کہ ان کو مدنظر نہ رکھے۔ ان سب کے ساتھ دیگر مخصوص علامات پائی جاتی ہیں جن کو سامنے رکھ کر علاج بالمثل اور علاج بالضد دونوں کے ماہرین علاج کرتے ہیں۔ اب آسانی سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ دونوں طریقہ ہائے علاج کے معالج اکثر علامات کی ہی تشخیص اور علاج مدنظر رکھتے ہیں۔

ہمارے سامنے ماہیت امراض‘ تشخیص امراض‘ تقسیم امراض اور نام امراض کا جو سلسلہ ہے ان سب سے بالکل جدا ان سب سے آسان اور یقینی ہے۔ ہم نے سالہا سال غور وفکر اور تحقیقات کے بعد یہ نتائج اخذ کیے ہیں۔ ان میں یہ پتہ چلا ہے کہ ہر بار علامات کو قابو کرنا یا امراض کے تحت علامات کا اکٹھا کرنا یا چند علامات کے مجموعے کو امراض کہہ دینا تشخیص اور علاج میں دشواریاں پیدا کر دیتا ہے کیونکہ اکثر صورتوں میں علامات بدلتی رہتی ہیں اور معالج یقینی طور پر ان کے متعلق کلی حکم نہیں لگا سکتا۔ اسی لیے علاج معالجہ ظنی صورت بن کر رہ گیا ہے۔ جب تک معالج کو پورے طور پر یقین نہ ہو کہ فلاں علامات کس مرض کی ہیں جو کسی اور مرض میں پیدا نہیں ہو سکتیں اس وقت تک اس کا علاج یقینی طور پر کامیاب نہیں ہوگا اور اسی یقین کو حاصل کرنے کے لیے اب تک فن علاج میں تحقیقات اور ریسرچ کا سلسلہ جاری ہے۔

جاننا چاہیے کہ انسانی جسم ایک مشین ہے جس میں چند پرزے لگے ہوئے ہیں جن کو ہم اعضاء کہتے ہیں۔ جب ان اعضاء کے افعال میں

کوئی خرابی واقع ہوتی ہے تو غیر طبی علامات پیدا ہوتی ہے جو جسم انسانی میں تکلیف اور دکھ کا باعث ہوتی ہیں۔ چونکہ ان علامات کا تعلق انسانی اعضاء کے ساتھ ہے۔ اس لیے ہم کو بھی ان علامات کو اعضاء کے ساتھ مخصوص کر دینا چاہیے۔ اس کی صورت یہ ہونی چاہیے کہ اعضاء کی خرابی کی جس قدر صورتیں ہوسکتی ہیں مثلاً عضو کے فعل میں تیزی یا سستی یا ضعف اور ان کے مدارج وغیرہ مثلاً تیزی سے خارش' سوزش اور ورم وغیرہ ان کو امراض کے نام دے دینے چاہئیں اور ہر مرض کے ساتھ جو علامات مخصوص ہوں ان کو انہی امراض کے تحت مخصوص کر دینا چاہیے۔ اس طرح تشخیص میں سہولت اور علاج میں آسانیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ ہم اس سے بھی ایک قدم آگے جانا چاہتے ہیں کہ ان علامات اور امراض کا تعلق صرف جسم کے عام اعضاء کے ساتھ نہیں جوڑنا چاہیے بلکہ ان اعضاء کا تعلق اعضاء رئیسہ تک قائم کر دینا چاہیے تاکہ تشخیص اور علاج کے دوران میں ہمارے سامنے کم از کم امراض اور علامات یا دوسرے الفاظ میں کم از کم اعضاء باقی رہ جائیں۔ اعضاء رئیسہ چونکہ تین ہیں اس لیے ہمارے سامنے بے حد سہولتیں پیدا ہوسکتی ہیں۔

علاماتی علاج میں جو خرابیاں ہیں وہ تشخیص اور علاج میں بے حد مشکلات پیدا کرتی ہیں مثلاً مرگی اور اختناق الرحم اور دیگر ایسے امراض جن میں دورے پڑتے ہیں اور مریض گر پڑتا ہے ان کا تعلق کسی عضو کے افعال سے مخصوص ہونا چاہیے۔ صرف گر پڑنا اور دورہ پڑ جانا کوئی تسلی بخش علامت نہیں ہے اور اس حالت کو مرض بھی نہیں کہنا چاہیے بلکہ کسی خاص مرض جو کسی خاص عضو کی بلکہ عضو رئیس کی خرابی سے پیدا ہوسکتا ہے اس کی علامت مخصوص کر دینی چاہیے۔

ہم نے اس امر کی واضح اور تفصیل کے ساتھ تشریح کی ہے کہ تمام طریق ہائے علاج میں امراض کی تقسیم کو بالاعضاء بیان نہیں کیا گیا۔ اس لیے ان کے اکثر امراض کی ماہیت میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ علاج بالضد میں زیادہ سے زیادہ مرض کی یہ تعریف کی جاتی ہے کہ چند علامات کے مجموعہ کا نام مرض ہے مگر اس میں ہمیشہ یہ پریشانی رہتی ہے کہ ایک وقت میں ایک مجموعہ علامات کا نام مرض ہے اور دوسرے وقت وہی مرض ایک علامت کی صورت میں بیان کیا جا رہا ہے۔ پھر یہ علامات ہوں یا امراض کیفیات یا اخلاط اور جراثیم کے تحت تقسیم ہو جاتے ہیں اور جہاں تک ان کا اعضاء سے تعلق ہے وہ صرف ایک ترتیب کو مدنظر رکھتے ہوئے سر سے پاؤں تک بیان کر دیئے جاتے ہیں۔ گویا ان مقامات کو گنوا دیا جاتا ہے جہاں پر تکالیف کے احساسات ہوتے ہیں۔ گویا اعضاء کے افعال اور ان کے کیمیائی تغیر کا اس میں کوئی دخل نہیں ہے۔ علاج بالضد کے برعکس علاج بالمثل میں تمام علامات کو ایک دوا کے گرد اکٹھا کر دیا جاتا ہے گویا ہر دوا ایک مرض ہے۔ دنیا میں جس قدر ادویات ہیں اسی قدر امراض ہیں اور جوں جوں نئی ادویات کے خواص و افعال تحقیق ہوتے جائیں گے اسی قدر نئے امراض اور نئی علامات ظہور میں آتے جائیں گے۔ گویا امراض اور علامات کے لیے کوئی قید نہیں ہے اور وہ قیامت تک پیدا ہوتے رہیں گے۔

اسی طرح علاج بالضد میں بھی امراض اور علامات کی اس قدر کثرت اور بہتات ہے کہ وہ سب تقریباً شمار سے باہر ہیں۔ پھر ان سب کی کوئی ترتیب اور سلسلہ قائم نہیں کیا گیا اور نہ وہ کسی نظام کے تحت بیان کی گئی ہیں۔ آیورویدک اور طب یونانی میں تو ان کی مزید تحقیق اور پیدائش ختم ہو چکی ہے مگر ایلوپیتھی میں آئے دن نئے نئے امراض تحقیق اور پیدا ہو رہے ہیں۔ خدا جانے یہ سلسلہ کہاں جا کر ختم ہو۔ البتہ ان نئی تحقیقات' اور پیدائش امراض کے سلسلہ سے یہ پتہ ضرور چلتا ہے کہ ایلوپیتھی میں تاحال انسانی امراض یا علامات کو پورے طور پر احاطہ تحریر میں نہیں لایا گیا۔ گویا یہ طریقہ علاج ابھی تشنہ کام ہے۔

تعریف صحت اور امراض

صحت اور مرض کی اس وقت تک جو تعریف کی گئی ہے۔ ان میں سب سے احسن تعریف شیخ الرئیس بوعلی بن سینا کی ہے کہ جب مجریٰ انسانی

اپنی صحیح صورتوں پر کام کر رہے ہوں ان کا نام صحت ہے اور جب یہی مجریٰ انسانی اپنے صحیح افعال انجام نہ دے رہے ہوں ان کا نام مرض ہے۔ اگرچہ اس تعریف کا تعلق بھی اعضاء کے ساتھ مخصوص نہیں کیا گیا تاہم یہ تعریف بہت حد تک صحت اور مرض کی صورت کو بیان کر دیتی ہے۔ اگر یہ تعریف یوں کر دی جاتی کہ جب اعضاء انسانی اپنے صحیح افعال انجام دے رہے ہوں تو اس حالت کا نام صحت ہے اور جب اعضاء کے افعال اپنی صحیح حالت پر نہ ہوں تو اس حالت کا نام مرض ہے تو اس تعریف سے صحت کا ایک صحیح تصور ذہن میں قائم ہو سکتا ہے کیونکہ جسم انسانی اعضاء سے مرکب ہے اور جن کے افعال غذا اور خون انسانی پر قائم ہیں۔

تعریف علامت

علامت کی تعریف یہ کی جاتی ہے کہ وہ مرض کی پہچان بن سکے۔ جہاں تک اس تعریف کا تعلق ہے یہ بالکل صحیح ہے۔ مگر یہ لازم ہے کہ علامت کو کبھی مرض قرار نہیں دینا چاہیے۔ اگر شیخ الرئیس کی تعریف مرض کو سامنے رکھا جائے تو علامت کی تعریف اس پر صحیح صادق آتی ہے۔ یعنی جسم انسان کے جو مجریٰ اپنے افعال صحیح انجام نہیں دے رہے ان سے جسم انسانی کی طرف جو صورتیں دلالت کرتی ہیں بس وہی علامت ہیں مثلاً نزلہ میں آنکھ، ناک اور حلق کی سوزش، درد سر اور گلو، سردی یا گرمی اور خشکی یا تری کا احساس، قبض یا اسہال، ہاضمہ کی خرابی یا بھوک اور پیاس کی شدت، بدن کا بہت زیادہ سرد ہو جانا یا بخار کا چڑھ جانا، شدید صورت میں ناک اور حلق کے اندر سوجن یا نکسیر کا آنا، پیشاب کی زیادتی یا پیشاب کی سوزش، پسینہ کا بند ہو جانا یا اس کا زیادہ آنا، حرکت یا سکون سے اس میں زیادتی یا اس میں کمی پیدا ہو جانا وغیرہ وغیرہ یہ سب علامات ہیں۔ ان کو علامات ہی رہنا چاہیے۔ اس کو کبھی بھی مرض کا مقام نہیں دینا چاہیے۔ اگر یہی علامات ان اعضاء کے ساتھ مخصوص کر دی جائیں جن کے افعال کی خرابی سے نزلہ پیدا ہوتا ہے تو تشخیص مرض اور علاج مرض میں بہت زیادہ خرابیاں دور ہو جاتی ہیں اور اس کے برعکس تشخیص آسان اور علاج سہل ہو جاتا ہے۔ جہاں تک امراض کا تعلق ہے کہ وہاں ایک سب سے بڑی خوبی ہے کہ تشخیص مرض کے وقت باوجود کہ کسی عضو میں مختلف امراض پیدا ہوتے ہیں پھر بھی ہر مرض میں اسی مرض کو کلی طور پر سامنے رکھا جاتا ہے مثلاً پیٹ میں نفخ ہو یا قے، بھوک کی شدت ہو یا بھوک بند، تبخیر ہو یا ہچکی بس یہی کہا جائے گا کہ پیٹ میں خرابی ہے ان علامات میں اعضائے غذائیہ کی بہت کم تشخیص کی جائے گی۔ اگر کسی اہل فن نے پیٹ کی خرابی میں معدہ، امعاء، جگر، طحال اور لبلبہ و دندان کی تخصیص کر بھی لی تو اس کو بہت بڑا کمال خیال کیا جائے گا۔ لیکن اس امر کی طرف کسی کا دھیان نہیں جائے گا کہ معدہ و امعاء وغیرہ خود مرکب اعضاء ہیں اور ان میں بھی اپنی جگہ پر عضلات، اعصاب اور غدد واقع ہیں۔ اس سے بھی آگے بڑھیں تو معدہ یا اعضاء کا درد، سوزش، ورم اور پھوڑا وغیرہ سامنے آتے ہیں۔ مگر یہاں پر بھی صرف معدہ کو مریض کہا جاتا ہے جو ایک مرکب عضو ہے۔ یہاں بھی معدہ کے مفرد اعضاء کی طرف دھیان نہیں دیا جاتا۔ حالانکہ معدہ کے ہر مرض کی علامات بالکل مختلف اور جدا جدا ہیں مگر تشخیص ہے کہ کلی عضو کی رہی ہے اور علاج بھی کلی طور پر معدہ کا تجویز کیا جا رہا ہے۔ نتیجہ اکثر صفر نکلتا ہے اور پھر کوشش یہ کی جاتی ہے کہ کسی نئی مرض کا وجود پیدا کر دیا جائے یا کسی نئی علامت کو مرض قرار دے دیا جائے۔ پھر ایسی صورت کو ایک کارنامہ شمار کیا جاتا ہے۔

جاننا چاہیے کہ جب معدہ کے اعصاب میں سوزش ہوتی ہے تو اس کی صورتیں اور علامات معدہ کے عضلات کی سوزشوں سے بالکل جدا ہوتی ہیں۔ اسی طرح جب معدہ کے غدود میں سوزش ہو تو اس کی علامات ان دونوں مفرد اعضاء کی سوزشوں سے بالکل الگ الگ ہوتی ہیں۔ پھر سب کو صرف معدہ کی سوزش شمار کرنا تشخیص اور علاج میں کس قدر الجھنیں پیدا کر دیتا ہے۔ یہی صورت معدہ کے درد، ورم اور پھوڑے میں بھی سامنے آجاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یورپ اور امریکہ کو بھی علاج میں ناکامیاں ہوتی ہیں اور وہ پریشان اور بے چین ہیں اور اس وقت تک ہمیشہ ناکام رہیں گے

جب تک علاج اور امراض میں کسی عضو کے مفرد اعضاء کو سامنے نہیں رکھیں گے۔

علاج میں مفرد اعضاء کو مدنظر رکھنا یہ ہماری جدید تحقیق ہے جو برسوں کی محنت سے دنیا کے سامنے پیش کر رہے ہیں۔ ہماری اس تحقیق کا نام ہے۔''نظریہ مفرد اعضاء (سمپل آرگن تھیوری)''اس نظریہ سے نہ صرف تشخیص میں بے حد آسانیاں پیدا ہوگئی ہیں بلکہ ہر مرض کا علاج یقینی صورت میں سامنے آ گیا ہے۔اس کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ ہر مرکب عضو میں جس قدر امراض پیدا ہوتے ہیں ان کی جدا جدا صورتیں سامنے آ جاتی ہیں۔ ہر صورت ایک دوسرے سے جدا ہے ان کی علامت جدا ہے۔فوراً یہ پتہ چل جاتا ہے کہ اس عضو کا کون سا حصہ بیمار ہے۔ پھر صرف اسی حصہ کا آسانی سے علاج ہو جاتا ہے۔

اسی نظریہ مفرد اعضاء کے تحت ہم نہ صرف جدید تقسیم امراض اور ماہیت امراض پیش کر رہے ہیں بلکہ جدید تشخیص اور جدید علاج بھی سامنے لا رہے ہیں۔ یہ ایک ایسی تحقیق ہے جس کا علم نہ یورپ و امریکہ کو ہے اور نہ روس و چین اس سے واقف ہیں۔ یہ فن طب میں ایک انقلاب ہے اور دنیا کا کوئی ملک اس نظریہ سے آ گاہ ہو تو ہم اس کو چیلنج کرتے ہیں۔ ہم ان شاء اللہ تعالیٰ اپنے اس جدید نظریہ علاج بالمفرد اعضاء سے یورپ و امریکہ روس اور چین کے طریقہ ہائے کو نہ صرف غلط اور ان سائنٹیفک ثابت کر دیں گے بلکہ اس کے علم الادویہ اور جراثیم تھیوری کی خرابیوں کو بھی واضح کر دیں گے اور بہت جلد دنیا طب کے صحیح طریق علاج سے واقف ہو جائے گی۔

جاننا چاہیے کہ یہ فرض کر لینا غلط ہے کہ تحقیق صرف یورپ' امریکہ' روس اور چین کا کام ہے اور ہمارا کام صرف ان کی نقالی ہے۔ بلکہ محنت کرنے سے ہر ایک ملک و قوم ہر علم میں فن میں تحقیق کر سکتے ہیں۔ یہ ہماری تحقیق اور تدقیق طب یونانی میں ہے اور یہ اسی علم و فن قدیم کے کارنامے ہیں۔ اچھا ذہن اور ترقی پسند دماغ صرف یورپ' امریکہ' روس اور چین کے حصہ میں نہیں آیا۔ دیگر ممالک میں بھی یہ باتیں پیدا ہو سکتی ہیں۔

آئندہ ہم اس نظریہ مفرد اعضاء کے تحت تقسیم امراض ماہیت امراض پیش کریں گے۔ جو ان شاء اللہ تعالیٰ طبی دنیا میں ایک بہت بڑا انقلابی کارنامہ ہوگا اور ان شاء اللہ تعالیٰ رہتی دنیا تک قائم رہے گا اور اس نظریہ مفرد اعضاء سے علم و فن طب سے دنیا کے دیگر علوم و فنون میں بھی روشنی اور رہنمائی ظاہر ہوگی۔ اب اہل فن کا فرض ہے کہ وہ میرے خیالات اور تحقیقات پر ایمانداری سے غور کریں اور اپنے ملک کی روشنی سے طبی دنیا کو منور کر دیں۔

اس حقیقت پر ہم پورے طور پر روشنی ڈال چکے ہیں کہ علاج میں سب سے بڑی خرابی کا باعث امراض وعلامات کے فرق' ماہیت امراض و تقسیم امراض کو صحیح طریق پر نہ سمجھ سکنا ہے جس سے تشخیص میں خرابیاں پیدا ہوتی ہیں اور ان سے بھی بڑی خرابی علاج میں یہ ہوتی ہے کہ علاج کی ہزاروں سال کی تحقیقات کے بعد بھی تا حال انسانی جسم کی کل امراض اور کل علامات کا تعین نہیں ہو سکا۔ باوجود یہ کہ اس وقت تک ہزاروں امراض اور علامات سامنے آ چکی ہیں مگر ابھی تک ان کا سلسلہ ختم نہیں ہوا۔ ماڈرن سائنس (ایلوپیتھی) آئے دن نئے امراض کا انکشاف کر رہی ہے۔ اسی طرح ہومیوپیتھی میں جب کسی نئی دوا کا اضافہ ہوتا ہے نئی علامات سامنے آ جاتی ہیں۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا واقعی جسم انسان میں فطرتاً اس قدر امراض اور علامات ہیں جن سے تشخیص میں بے شمار مشکلات اور علاج میں بے حد دشواریاں پیدا ہوتی رہتی ہیں یا یونہی بے معنی بال کی کھال نکالی گئی ہے اور یوں بے وجہ یا بے سمجھے امراض میں طوالت دے دی گئی ہے۔

جہاں تک ہماری تحقیقات ہیں ہم بڑے اعتماد سے کہہ سکتے ہیں کہ نہ تو جسم انسانی میں اس قدر امراض ہیں اور نہ کثرت سے علامات پائی جاتی ہیں بلکہ تشریح کے چند خانوں کو باہمی ضرب دے کر اس قدر پھیلا دیا گیا ہے کہ طالب علم تو رہے ایک طرف ماہرین فن بھی ان پر پورے طور پر

قابو نہیں پاسکتے۔جس کی وجہ سے اکثر تشخیص میں غلطیاں اور علاج میں ناکامیاں سامنے آتی رہتی ہیں جن کے حقائق اس طرح بیان کیے جاسکتے ہیں:

1. جسم کے مشینی اور کیمیائی تعلق کو پورے طور پر نہ سمجھنا اور مختلف مقامات پر اس تعلق کو ہمیشہ جدا جدا خیال کرنا۔اس تعلق کے مختلف مقامات پر جو امراض اور علامات پیدا ہوتی ہیں ان کو ہمیشہ جدا جدا امراض اور علامات خیال کر لینا مثلاً جگر کے فعل میں جب تیزی ہوتی ہے تو یہ مسلمہ امر ہے کہ ① اس کی تیزی میں خون اس کی طرف زیادہ آنا لازمی امر ہوگا ② خون کا اس طرف دباؤ بڑھ سکتا ہے۔خون اس طرف اکٹھا ہوسکتا ہے ③ خون کے دباؤ سے وہاں پر درد ہوسکتا ہے ④ وہاں سوزش ہوسکتی ہے ⑤ مقام گرم ہوسکتا ہے ⑥ وہاں پر ورم ہوسکتا ہے ⑦ وہاں پر حرارت کی زیادتی سے تحلیل واقع ہوسکتی ہے۔بالکل یہی صورتیں اس وقت بھی ہوسکتی ہیں جب خون کا دباؤ دماغ کی طرف جائے۔اگر ہم کسی ایک مقام پر عضو اور خون کے تعلق کو پوری طرح ذہن نشین کرلیں تو باقی مقام کے پورے نقشے بھی لازماً سمجھ میں آسکتے ہیں۔بالکل اسی طرح جب کسی عضو کی طرف خون کی کمی واقع ہو یا وہاں پر خون کے بجائے رطوبات و بلغم (کف) کی زیادتی ہو تو اس کی جو صورت ہوگی وہی صورت دیگر اعضاء کی بھی ہوگی جہاں پر خون کی کمی یا رطوبت کی زیادتی پائی جاتی ہے۔ان تمام مشترکہ صورتوں کو ایک ہی مقام پر سمجھا جاسکتا ہے۔
2. علامات کو پوری طرح ذہن نشین نہ کرنا' اس کی کمی بیشی یا کچھ بدلی ہوئی صورت کو ایک مختلف علامت خیال کرنا مثلاً درد ایک عام علامت ہے۔وہ اگر مختلف اعضاء میں پایا جائے تو ان کو مختلف علامات خیال کر لینا یا کسی عضو میں کمی بیشی یا شدت اور خفت سے پایا جائے یا اس کے کسی ایک حصہ میں محسوس ہو یا ایسا درد ہو جیسے ہتھوڑا مار رہا ہے یا ایسا ہو جیسے وہاں پر بہت بڑا بوجھ ہے یا ایسا معلوم ہو کہ وہ جگہ خالی خالی معلوم ہو وہاں پر گرمی یا سردی کا احساس ہو بہر حال وہ ساری صورتیں درد کی ہوں گی۔ان سے اسی مقام پر سمجھ لینا چاہیے اور ان کے فرق کو پورے طور پر ذہن نشین کر لینا چاہیے۔کسی طرح مختلف مقامات کے دردوں میں ساتھ ہی ساتھ امتیاز کر لینا چاہیے۔اس طرح ہر قسم کے درد کی تشخیص نہایت سہل اور علاج بے حد آسان ہوجاتا ہے۔
3. ایک ہی علامت کا مختلف اعضاء سے متعلق ہونے سے اس میں کمی بیشی کا پایا جانا مثلاً نزلہ ایک روزانہ ہونے والی علامت ہے۔کبھی وہ انتہائی شدت سے بہتا ہے۔کبھی کمی کے ساتھ گرتا ہے اور کبھی بند معلوم ہوتا ہے۔بہر حال وہ بھی نزلہ میں شمار ہوتا ہے۔کبھی اس کے ساتھ سرد رطوبت گرتی ہے۔کبھی اس کے ساتھ جلن ہوتی ہے' گرم رطوبت سے کبھی درد سر ہوتا ہے یا سر بھاری ہوتا ہے' کبھی بدن سرد اور کبھی شدید بخار پایا جاتا ہے۔کبھی معمولی بخار اور جسم ٹوٹتا ہے' کبھی اس میں قبض پائی جاتی ہے اور کبھی ساتھ ہی اسہال آنے شروع ہوجاتے ہیں۔بہر حال نزلہ ضرور ہوتا ہے۔اس لیے ان تمام صورتوں کے ساتھ نزلہ کو پورے طور پر ذہن نشین کر لینا چاہیے۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ

نزلہ کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ ابوالامراض ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس کو کسی صورت میں بھی مرض نہیں کہا جاسکتا۔وہ صرف ایک علامت ہے جو صرف یہ ظاہر کرتی ہے کہ رطوبت حلق میں گر رہی ہے:

1. اگر یہ کہا جائے کہ مرض کی تعریف یہ ہے کہ وہ چند علامات کا مجموعہ ہے اس کا جواب یہ ہوسکتا ہے کہ نزلہ صرف واحد علامت ہے اور اس کے ساتھ جو دیگر علامات پائی جاتی ہیں وہ اکثر مختلف ہوتی ہیں۔اس لیے اس کے کسی مجموعہ کا نام مرض رکھا جائے گا۔
2. پھر صرف نزلہ ہی کو مرض کا نام کیوں دیا جائے اس کے ساتھ درد' سوزش' بخار' اسہال' قبض یا بدہضمی وغیرہ جو پائے جاتے ہیں ان کو

امراض کا نام کیوں نہ دیا جائے۔

3. نزلہ کسی عضو کے فعل کی خرابی سے پیدا ہوتا ہے اس لیے مرض اس عضو کے فعل کو کہنا لازم ہے نہ کہ نزلہ جو اس عضو کے فعل کی خرابی پر دلالت کرتا ہے۔ یہی صورت قبض کی بھی ہے جس کو ام الامراض کہا گیا ہے۔ بس جاننا چاہیے کہ نہ ہی نزلہ ابوالامراض ہے اور نہ قبض ام الامراض ہے۔ دونوں اپنی اپنی جگہ علامات ہیں۔

نزلہ کی حقیقت بالمفرد اعضاء

نزلہ کے معنی ہیں گرنا اس میں عام طور پر رطوبت حلق اور ناک سے گرتی ہیں۔ البتہ حلق سے جو رطوبت گرتی ہے اس کو نزلہ اور جب رطوبت ناک سے گرے اس کو زکام کہتے ہیں۔ بعض گرمی سے رطوبت گرنے کو نزلہ اور سردی سے گرنے کو زکام کہتے ہیں لیکن حقیقت میں دونوں صورتوں میں رطوبات کا گرنا نزلہ ہی ہوتا ہے۔ صرف زکام کو نام دے کر ایک تخصیص کر دی گئی ہے۔ رطوبات کے گرنے کے لحاظ سے کوئی فرق نہیں ہے البتہ دونوں صورتیں بعض حالات سے مختلف اعضاء سے متعلق ہوتی ہیں۔ جن کی تشریح درج ذیل ہے۔

نزلہ ایک علامت ہے جو کسی مرض پر دلالت کرتا ہے۔ اس کو کسی صورت میں بھی مرض کہنا صحیح نہیں اور اس کو ابوالامراض کہنا تو انتہائی غلط فہمی ہے کیونکہ نزلہ مواد یا رطوبت کا گرنا ہے اور اس علامت سے کسی عضو کے فعل کی طرف دلالت ہے۔ اس عضو کے افعال کی خرابی ہی کو مرض کہا جاسکتا ہے البتہ عضو کے افعال کی خرابی کی جس قدر صورتیں ہوسکتی ہیں وہ تمام امراض میں شریک ہوں گی۔

مواد یا رطوبت کا طریق اخراج

رطوبات (لمف) یا مواد (میٹر یا سکریشن) کا اخراج ہمیشہ خون میں سے ہوتا ہے۔ اس کو پوری طرح سمجھنے کے لیے پورے طور پر دوران خون کو ذہن نشین کر لینا چاہیے یعنی دل سے صاف شدہ خون بڑی شریان اورٹی سے چھوٹی شریانوں میں سے عروق شعریہ کے ذریعہ غدد اور غشائے مخاطی سے جسم کی خلاؤں پر ترشح پاتا ہے۔ یہ ترشح کبھی زیادہ ہوتا ہے کبھی کم، کبھی سرد ہوتا ہے کبھی گرم، کبھی رقیق ہوتا ہے کبھی غلیظ اور کبھی سفید ہوتا ہے کبھی زرد وغیرہ وغیرہ۔ اس سے ثابت ہوا کہ نزلہ یا ترشح (سکریشن) کا اخراج ہمیشہ ایک ہی صورت میں نہیں ہوتا۔ مختلف صورتیں، کیفیتیں اور رنگ پائے جاتے ہیں۔ گویا نزلہ جو ایک علامت ہے وہ بھی اپنے اندر کئی انداز رکھتا ہے۔

نزلہ کے تین انداز

1. نزلہ پانی کی طرح بے تکلف رقیق بہتا ہے۔ عام طور پر اس کا رنگ سفید اور کیفیت سرد ہوتی ہے اس کو عام طور پر زکام کا نام دیتے ہیں۔
2. نزلہ لیس دار جو ذرا کوشش اور تکلیف سے خارج ہوتا ہے۔ عام طور پر اس کا رنگ زرد اور کیفیت گرم ہوتی ہے اس کو نزلہ حار کہتے ہیں۔
3. نزلہ بند ہوتا ہے۔ انتہائی کوشش اور تکلیف سے بھی اخراج کا نام نہیں لیتا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے بالکل جم گیا ہو اور گاڑھا ہو گیا ہے۔ عام طور پر رنگ میلا یا سرخ سیاہی مائل اور کبھی کبھی زور لگانے سے خون آنے لگ جاتا ہے اس کو بند نزلہ کہا جاتا ہے۔

نزلہ کا غلط تصور

آیورویدک میں نزلہ کو کف دوش کے تحت بیان کر دیا گیا ہے جو وید سمجھ اور فہم رکھتے ہیں وہ اس طرح سمجھتے ہیں کہ دوشوں میں کمی بیشی واقع ہوگئی یا دوش کے مقام بدل گئے ہیں۔ بہرحال اس میں کف دوش کی زیادتی ضرور تصور کریں گے چاہے وات اور پت کی خرابی اور مقامات کی تبدیلی بھی ان کے سامنے ہو۔ ان مقامات کی تبدیلی کو صرف ایک اچھا وید ہی سمجھ سکتا ہے۔ ہم نے طوالت کو مدنظر رکھتے ہوئے تفصیل کو نظر انداز کر دیا ہے۔

افسوس اچھا و یدس ہزار میں بھی مشکل سے نظر آتا ہے لیکن پھر بھی نزلہ کا صحیح اور یقینی تصور ذہن نشین نہیں ہوتا۔

طب یونانی میں نزلہ کو دماغی امراض میں لکھا گیا ہے اور اطبا کے خیال میں دماغ سے نزلہ گرتا ہے۔ اگرچہ بالکل فرنگی طب کی پیروی میں کہا جاتا ہے کہ نزلہ دماغ سے نہیں گرتا ہے کیونکہ دماغ سے ناک میں کوئی رستہ نہیں ہے۔ مگر افسوس ان اطبا پر ہے کہ انہوں نے اپنے صحیح علم کو ناقص خیال کرتے ہوئے فرنگی طب کے غلط علم کو قبول کر لیا۔

جاننا چاہیے کہ نزلہ دماغ ہی سے گرتا ہے۔ اوّل اس پر دلیل یہ ہے کہ سر نزلہ میں درد کرتا ہے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ دوران خون سر کی طرف زیادہ ہوتا ہے۔ تیسری دلیل یہ ہے کہ مزمن نزلہ میں ضعف دماغ لاحق ہو جاتا ہے اور اگر یہ کہا جائے کہ دماغ سے کوئی راستہ ناک اور گلے کی طرف نہیں آتا تو ان بھلے لوگوں کو کون سمجھائے کہ دماغ اور ناک کے درمیان جو جالیدار ہڈی ہے اس میں سے شریانیں اور اعصاب ناک میں آ کر پھیلتے ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ دماغ سے رطوبت نہیں گرتی مگر رطوبات گرنے کا فعل تو عروق شعریہ کے بعد ہوتا ہے جو ناک اور حلق میں پھیلی ہوئی ہیں۔ جب خون دماغ سے آ رہا ہے اور عروق شعریہ بتعلق غشائے مخاطی اور غدد رطوبات یا بلغم کی صورت میں خارج ہو رہا ہے تو پھر بھلا یہ نزلہ دماغی امراض میں شامل ہوا کہ نہ ہوا۔ یہ ایک الگ ہماری تشخیص ہے کہ ہم نزلہ کو مرض نہیں علامت کہتے ہیں۔ جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے۔ تسلیم کرنا پڑے گا کہ نزلہ دماغ سے گرتا ہے۔ یہ امر بھی یاد رہے کہ جب نزلہ لاحق ہوتا ہے اس وقت دماغ کو پوری غذا خون کی میسر نہیں آتی۔ یہ بھی صحیح ہے کہ بعض قابل اطبا نزلہ کی ایک صورت شرکی بھی رکھتے ہیں۔ اسی صورت میں دل، جگر، معدہ اور گردہ کو اسباب میں شمار کر لیتے ہیں۔ بہر حال نزلہ کا صحیح تصور پھر بھی ذہن نشین نہیں ہوتا۔ اس لیے نزلہ کو عسر العلاج امراض میں شمار کیا گیا ہے۔ شائد ہی کوئی کامل طب اور ماہر فن ہو جو اس امر کا دعویٰ کرے کہ وہ نزلہ پر پوری طرح قابو رکھتا ہے فرنگی طب اس مرض کا باعث جراثیم قرار دیتی ہیں جن سے ناک اور گلے میں سوزش پیدا ہو جاتی ہے پھر زکام اور نزلہ شروع ہو جاتا ہے۔ اوّل تو فرنگی طب کا نظریہ جراثیم غلط ہے کیونکہ جراثیم سبب واصلہ نہیں ہیں بلکہ سبب بادیہ اور سابقہ ہیں۔ جب تک جراثیم عفونت اور عضو میں سوزش پیدا نہ کریں نزلہ کی صورت پیدا نہیں ہو سکتی۔ یہ ان کا سبب سابقہ ہے نہ کہ واصلہ اور بادیہ صورت میں جب تک کیفیاتی اور نفسیاتی طور پر قوت مدافعت اور قوت مدبرہ بدن (وائٹل فورس) کمزور نہ ہو جراثیم اپنا اثر پیدا نہیں کر سکتے۔ دونوں صورتوں یعنی کیمیائی (کیمیکل) اثر ہو یا میکانکی (مکینیکل) عضوی خرابی مقدم ہے۔ اس سے مرض پیدا ہونے میں جراثیم کا تصور اور جرم کش ادویات کا استعمال دونوں بے سود ہیں اور دلائل کے طور پر ہم تجربہ پیش کر سکتے ہیں کہ فرنگی طب نزلہ اور زکام کے علاج میں بالکل ہی ناکام ہے۔ نزلہ اور زکام کا بہاؤ روک دینا اور سوزش جلن کو دور کر دینا کوئی علاج ہے۔ یہ بات افیون اور دیگر منشی مخدر ادویات کے ساتھ ایک خوراک سے روکی جا سکتی ہیں۔ ان کے علاوہ اسپرین اور دیگر پین کلر ادویات کی چند خوراکوں سے روکا جا سکتا ہے لیکن جہاں تک ان کے مستقل علاج کا تعلق ہے، فرنگی طب بالکل ناکام ہے۔

دوسری فرنگی طب کی سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ وہ نزلہ زکام میں کیفیاتی اور نفسیاتی اثرات کی قائل نہیں ہے۔ لیکن تجربہ بتاتا ہے کہ کیفیاتی اور نفسیاتی اثرات بھی اپنے شدید اثرات رکھتے ہیں۔ جہاں جراثیم کا تصور بھی ذہن میں نہیں گذر سکتا مثلاً اگر کوئی فرنگی ڈاکٹر ان شدید اثرات کو تسلیم نہیں کرتا تو ہم ان کو ایک تجربہ کی دعوت دیتے ہیں یعنی کسی تندرست انسان کو گرم گرم چائے پلا کر برف کے ٹھنڈے پانی سے فوراً غسل کرا دیں اور نتیجہ دیکھیں اسی طرح شدید غم وغصہ اور خوف کی حالت میں بھی نزلہ زکام لاحق ہو جاتے ہیں۔ تجربہ شرط ہے۔

تیسری سب سے اہم بات یہ ہے کہ فرنگی طب نزلہ زکام کی رطوبت کے بہاؤ (فلو) کو ایک ہی قسم کی رطوبت سمجھتی ہے جو جراثیم کے اثرات سے اخراج پانا شروع ہو جاتی ہے لیکن ہمیں تجربہ بتاتا ہے کہ جب ناک اور گلے کے اعصاب میں سوزش ہوتی ہے اس وقت اس کی کیفیت اور ہوتی ہے جب غشائے مخاطی میں سوزش ہوتی ہے اس وقت صورت اور ہوتی ہے اور جو وہاں کے عضلات میں سوزش ہوتی ہے تو حالت ہی کچھ اور ہوتی

ہے کہ گویا آج تک کی ماڈرن میڈیکل سائنس جسم انسان کے مفرد اعضاء کے اثرات اور علامات سے بالکل ناواقف اور نابلد ہے۔ کوئی ڈاکٹر یہ دعوی نہیں کرسکتا کہ فرنگی طب اس قسم کی تشخیص اور تحقیقات سے باخبر ہے۔

استاذ الاطباء حکیم احمد الدین صاحب نے زکام نزلہ کو غشائے مخاطی کے فعل کی زیادتی لکھا ہے۔ یہ بالکل فرنگی طب کا شاہدروی ماڈل ہے۔ اس میں جراثیم سے انکار ضرور ہے مگر جراثیم کے سبب سے انکار نہیں ہے۔ گویا ایک خوبصورت دھوکا ہے۔ اس کے علاوہ اس میں کیفیاتی' نفسیاتی اور رطوبات کی تخصیص بالکل نہیں پائی جاتی۔ بالکل وہی اعتراضات جو فرنگی طب پر کیے گئے ہیں ان پر بھی وارد آتے ہیں۔ اس لیے اس طریق علاج میں بھی نزلہ زکام پر کچھ روشنی نہیں پڑتی۔ اس میں یہ نکتہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ انہوں نے غشائے مخاطی کے سلسلہ میں ترشی کا ذکر کیا ہے لیکن ترشی کا اثر غشائے مخاطی کی بجائے عضلات پر پڑتا ہے۔ اس فرق کو صرف وہی ماہر فن سمجھ سکتے ہیں جو افعال الاعضاء کے عالم ہیں۔ اب ہم نزلہ کی صحیح ماہیت پیش کرتے ہیں۔

نزلہ کی تشخیص

(۱) اگر نزلہ پانی کی طرح بے تکلف رقیق بہ رہا ہے تو یہ اعصابی (دماغی) نزلہ ہے یعنی اعصاب کے فعل میں تیزی ہے اور اس کا رنگ سفید اور کیفیت سرد ہوگی اس میں قارورہ کا رنگ بھی سفید ہوگا (۲) اگر نزلہ لیس دار جو ذرا کوشش اور تکلیف اور جلن سے خارج ہو رہا ہے تو یہ غدی (کبدی) نزلہ ہے یعنی جگر کے فعل میں تیزی ہوگی اس کا رنگ عام طور پر زردی مائل اور کیفیت گرم وتر ہوگی۔ اس میں قارورہ کا رنگ زرد یا زرد سرخی مائل ہوگا۔ گویا یہ نزلہ حار ہے (۳) اگر نزلہ بند ہو اور انتہائی کوشش اور تکلیف سے بھی اخراج کا نام نہ لے۔ ایسا معلوم ہو کہ جیسے بالکل جم گیا ہے اور گاڑھا ہو گیا ہے تو یہ نزلہ عضلاتی (قلبی) ہوگا۔ یعنی اس میں عضلات کے افعال میں تیزی ہوگی اس کا رنگ عام طور پر میلا یا سرخی سیاہی مائل اور کبھی کبھی زور زیادہ لگانے سے خون بھی آ جاتا ہے۔ اوّل صورت میں جسم میں رطوبات سردی (بلغم) کی زیادتی ہوگی۔ دوسری صورت میں صفرا (گرمی خشکی) کی زیادتی ہوگی۔ تیسری صورت میں سوداویت (سردی خشکی) اور ریاح کی زیادتی ہوگی۔ اور انہی اخلاط و کیفیات کی تمام علامات پائی جائیں گی۔

گویا نزلہ کی یہی تین صورتیں ہیں۔ ان کو اسی مقام پر ذہن نشین کر لینا چاہیے چوتھی صورت کوئی نہ ہوگی البتہ ان تین صورتوں میں کمی بیشی اور انتہائی شدت ہوسکتی ہے۔ انتہائی شدت کی صورت میں انہی اعضاء کے اندر درد یا سوزش یا ورم پیدا ہو جائے گا۔ انہی شدید علامات کے ساتھ بخار' ہضم کی خرابی' کبھی قے' کبھی اسہال' کبھی پیچش' کبھی قبض ہمراہ ہوں گے لیکن یہ تمام علامات انہی اعضاء کی مناسبت سے ہوں گی۔ اسی طرح کبھی معدہ و امعاء اور سینہ کے انہی اعضاء میں کمی بیشی اور شدت کی وجہ سے بھی ان کی خاص علامات کے ساتھ ساتھ نزلہ کی بھی یہی علامات پائی جائیں گی جن کا اوپر ذکر کیا گیا ہے۔

نزلہ کے معنی میں وسعت

نزلہ کے معنی گرنا ہے اگر اس کے معنی کو ذرا وسعت دے کر اس کے مفہوم کو پھیلا دیا جائے اور جسم کی ان تمام رطوبات اور مواد کو نزلہ کہہ دیا جائے تو ان سب کی بھی اسی نزلہ کی طرح تین ہی صورتیں ہوسکتیں ہیں اور ان کے علاوہ چوتھی صورت نظر نہیں آئے گی۔ مثلاً اگر پیشاب پر غور کریں تو اس کی تین صورتیں یہ ہوں گی (۱) اگر اعصاب میں تیزی ہوگی تو پیشاب زیادہ زور بغیر تکلیف کے آئے گا (۲) اگر غدد میں تیزی ہوگی تو پیشاب

جلن کے ساتھ قطرہ قطرہ آئے گا ③ اگر عضلات میں تیزی ہوگی تو پیشاب بند ہوگا یا بہت کم آئے گا۔ یہی صورتیں پاخانہ پر بھی وارد ہوں گی۔ یعنی ① اعصابی صورت میں اسہال ② غدی صورت میں پیچش ③ عضلاتی صورت میں قبض پائی جائے گی۔ اسی طرح لعاب دہن' آنکھ' ناک اور پسینہ وغیرہ وغیرہ ہر قسم کی رطوبات پر غور کر لیں۔ البتہ خون کی صورت رطوبات سے مختلف ہے۔ یعنی اعصاب کی تیزی میں جب رطوبات کی زیادتی ہوتی ہے۔ تو خون کبھی نہیں آتا ② جب غدد میں تیزی ہوتی ہے تو خون تکلیف سے تھوڑا تھوڑا آتا ہے۔ لیکن جب عضلات کے فعل میں تیزی ہوتی ہے تو شریانیں پھٹ جاتی ہیں اور بے حد کثرت سے خون آتا ہے۔ اس سے ثابت ہو گیا ہے کہ جب خون آتا ہے تو رطوبات کا اخراج بند ہو جاتا ہے اور اگر رطوبات کا اخراج زیادہ کر دیا جائے تو خون کی آمد بند ہو جائے گی۔

نظریہ مفرد اعضاء کے جاننے کے بعد اگر ایک طرح تشخیص آسان ہوگئی ہے تو دوسری طرف امراض وعلامات کا تعین ہو گیا ہے۔ اب ایسا نہیں ہوگا کہ آئے دن نئے نئے امراض اور علامات فرنگی طب تحقیق کرتی رہے اور اپنی تحقیقات کا دوسروں پر رعب ڈالتی رہے بلکہ ایسے امراض وعلامات جو بے معنی صورت رکھتے ہیں وہ ختم کر دیئے جائیں گے جیسے وٹامنی امراض' غذائی امراض اور موسمی امراض وغیرہ وغیرہ بس ایسے امراض اور علامات کا تعلق کسی نہ کسی اعضاء سے جوڑنا پڑے گا اور انہی کے افعال کی خرابی کو امراض کہنا پڑے گا۔ گویا کیمیائی اور دموی تغیرات کو بھی اعضاء کے تحت لانا پڑے گا۔ دموی اور کیمیائی تغیرات بھی اپنے اندر حقیقت رکھتے ہیں۔ لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ جسم انسان میں خون کی پیدائش اور اس کی کمی بیشی انسان کے کسی نہ کسی عضو کے ساتھ متعلق ہے۔ اس لیے جسم انسان میں دموی اور کیمیائی تبدیلیاں بھی اعضاء جسم کے تحت آ جاتی ہیں۔ اس امر میں کوئی شک نہیں ہے کہ جسم میں ایک بڑی مقدار میں زہریلی ادویات اور اغذیہ سے موت واقعہ ہو جاتی ہے۔ لیکن ایسے کیمیائی تغیرات بھی اس وقت تک پیدا نہیں ہوتے جب تک جسم کا کوئی عضو بالکل باطل نہ ہو جائے۔

اس اجمال کی تفصیل تو ہم پھر بیان کریں گے۔ یہاں صرف مختصر سی تشریح ہم بیان کر دیتے ہیں جس سے اس کا ایک ہلکا سا خاکہ قارئین کے ذہن نشین ہو جائے اور اہل فن اس نظریہ سے مستفید ہو سکیں۔ ان شاء اللہ تعالیٰ ہم اس کی تمام تفصیلات سے اسی طرح بیان کرتے رہیں گے۔

جاننا چاہیے کہ انسان تین چیزوں سے مرکب ہے: ① جسم (باڈی) ② نفس (وائٹل فورس) ③ روح (سول) نفس اور روح کا ذکر تو پھر کریں گے یہاں اوّل جسم کو بیان کرنا ضروری ہے۔

جسم انسان

تین چیزوں سے مرکب ہے: ① بنیادی اعضاء (بیسک آرگن) ② حیاتی اعضاء (لائف آرگن) ③ خون (بلڈ) ان کی مختصر تشریح درج ذیل ہے۔

بنیادی اعضاء

ایسے اعضاء ہیں جن سے انسانی جسم کا ڈھانچہ تیار ہوتا ہے جن میں تین اعضاء ہیں ① ہڈیاں ② رباط ③ اوتار۔

حیاتی اعضاء

ایسے اعضاء ہیں جن سے انسانی زندگی اور بقاء قائم ہے۔ یہ بھی تین ہیں: ① اعصاب (نروز) جن کا مرکز دماغ (برین) ہے ② غدد (گلینڈ) جن کا مرکز جگر (لیور) ہے ③ عضلات (مسلز) جن کا مرکز قلب (ہارٹ) ہے۔ گویا دل و دماغ اور جگر جو اعضائے رئیسہ ہیں وہی انسان کے حیاتی اعضاء ہیں۔

خون

خون سرخ رنگ کا ایک ایسا مرکب ہے۔ جس میں ① لطیف بخارات (گیسز) ② حرارت (ہیٹ) ③ رطوبات (لیکوئیڈ) پائے جاتے ہیں۔ یہ ہوا' حرارت اور پانی سے تیار ہوا ہے۔ دوسرے معنوں میں سودا' صفرا اور بلغم کا حامل ہے جن کی تفصیل آگے بیان کی جائے گی۔

اسی مختصری تشریح کے بعد جاننا چاہیے کہ قدرت نے ضرورت کے مطابق جسم میں اس کی ترتیب ایسی رکھی ہے کہ اعصاب باہر کی طرف ہیں اور ہر قسم کے احساسات ان کے ذمہ ہیں۔ اعصاب کے اندر کی طرف غدد ہیں اور ہر قسم کی غذا جسم کو یہ مہیا کرتے ہیں۔ غدد کے اندر کی طرف عضلات ہیں اور جسم میں ہر قسم کے احساسات اغذیہ اور حرکات کے طبعی افعال انجام دیتے ہیں۔

غیر طبعی افعال

حیاتی اعضاء کے غیر طبعی افعال صرف تین ہیں ① کسی عضو میں تیزی آجائے گی۔ یہ صورت ریاح کی زیادتی سے پیدا ہوگی ② ان میں سے کسی عضو میں سستی پیدا ہو جائے یہ رطوبت یا بلغم کی زیادتی سے پیدا ہوگی ③ ان میں سے کسی عضو میں ضعف پیدا ہو جائے۔ یہ حرارت کی زیادتی سے پیدا ہوگا۔ یاد رکھیں چوتھا کوئی غیر طبعی فعل واقع ہی نہیں ہوتا۔ اعضائے مفرد کا باہمی تعلق جاننا نہایت ضروری ہے کیونکہ علاج میں ہم ان ہی کی معاونت سے تشخیص' تجویز اور علامات کو رفع کرنے میں مدد حاصل کرتے ہیں۔ ان کی ترتیب میں اوپر یہ بیان کیا گیا ہے کہ اعصاب جسم کے بیرونی طرف یا اوپر کی طرف ہیں اور ان کے نیچے یا بعد میں غدد کو رکھا گیا ہے اور جہاں پر غدد نہیں پائے جاتے وہاں ان کے قائم مقام غشائے مخاطی بنادی گئی ہیں اور ان کے نیچے یا بعد میں عضلات رکھے گئے ہیں۔ اور جسم میں ہمیشہ یہی ترتیب قائم رہتی ہے۔

افعال کے لحاظ سے بھی ہر عضو میں صرف تین ہی افعال پائے جاتے ہیں: ① عضو کے افعال میں تیزی پیدا ہو جائے تو ہم اس فعل کو تحریک کہتے ہیں ② عضو کے فعل میں سستی نمودار ہو جائے تو ہم اس کو تسکین کا نام دیتے ہیں ③ عضو کے فعل میں ضعف واقع ہو جائے۔ اس کو تحلیل کی صورت قرار دیتے ہیں۔

حقیقت بھی یہی ہے کہ ہر عضو میں ظاہر دو ہی صورتیں ہوتی ہیں۔ اوّل تیزی اور دوسرے سستی۔ لیکن سستی دو قسم کی ہوتی ہے اوّل سستی سردی یا بلغم کی زیادتی اور دوسری سستی حرارت کی تیزی ہے۔ اس لیے اوّل الذکر کا نام تسکین رکھا جاسکتا ہے۔ ثانی الذکر سستی کو تحلیل ہی کہنا بہتر ہے۔ کیونکہ حرارت اور گرمی کی زیادتی سے ضعف پیدا ہوتا ہے اور یہ بھی ایک قسم کی سستی ہے۔ لیکن چونکہ ضعف حرارت اور گرمی کی زیادتی سے پیدا ہوتا ہے اور اس میں جسم یا عضو گھٹتا ہے اور یہ صورت مرض کی حالت میں اخیر تک قائم رہتی ہے بلکہ صحت کی حالت میں بھی ایک ہلکی قسم کی تحلیل جاری ہے۔ اس لیے انسان بچپن سے جوانی اور جوانی سے بڑھاپے اور بڑھاپے سے موت کے آغوش میں چلا جاتا ہے۔ اس لیے اس حالت کا نام تحلیل بہت مناسب ہے۔

ساتھ ہی اس امر کو ذہن نشین کرلیں کہ یہ تینوں صورتیں یا علامات تینوں اعضاء اعصاب' غدد اور عضلات میں کسی ایک میں کوئی حالت ضرور پائی جائے گی۔ البتہ ایک دوسرے میں بدلتی رہتی ہے اور اسی غیر طبعی بدلنے ہی سے مختلف امراض پیدا ہوتے ہیں اور انہی کی طبعی تبدیلی سے صحت حاصل ہوجاتی ہے اور اعضاء کے اندران تبدیلیوں کو ذیل کے نقشہ سے آسانی کے ساتھ سمجھایا جاسکتا ہے۔

نام اعضاء اعصاب' غدد اور عضلات۔ نتیجہ اوّل حالت تحریک' تحلیل' تسکین' جسم میں رطوبات کی زیادتی' دوسری حالت تسکین' تحریک' تحلیل' جس میں حرارت کی زیادتی۔ تیسری حالت' تحلیل' تسکین' تحریک۔ جسم میں ریاح کی زیادتی گویا ہر عضو میں یہ تینوں حالتیں یا علامات فرداً فرداً

ضرور پائی جائیں گی۔

یعنی ① اگر اعصاب میں تحریک ہے تو غدد میں تحلیل اور عضلات میں تسکین ہوگی۔ نتیجتاً جسم میں رطوبت (بلغم یا کف) کی زیادتی ہو گی ② غدد میں تحریک ہوگی اور عضلات میں تحلیل اور اعصاب میں تسکین نتیجتاً جسم میں حرارت (صفرا یا پت) کی زیادتی ہوگی ③ اگر عضلات میں تحریک ہوگی تو اعصاب میں تحلیل اور غدد میں تسکین ہوگی۔ نتیجہ جسم میں ریاح (سودا) کی زیادتی ہوگی۔ یہ تمام جسم اور اس کے افعال کی اصولی (سسٹومیٹک) تقسیم ہے۔ اس سے تشخیص اور علاج واقعی آسان ہوجاتا ہے۔ گویا اس طریق کو سمجھنے کے بعد علم طب ظنی نہیں رہتا بلکہ یقینی طریق علاج بن جاتا ہے۔

نزلہ کی حقیقت

نزلہ کی ماہیت و تقسیم اور تشخیص و علامات پر ہم گزشتہ مضمون میں روشنی ڈال چکے ہیں۔ اور بار بار بلکہ تاکیداً لکھ چکے ہیں کہ نزلہ اور زکام کوئی مرض نہیں ہے بلکہ امراض کی علامات ہیں۔ اس کی مختلف صورتوں کو اس کے اسباب واصلہ کے تحت بیان کیا گیا ہے تاکہ سمجھنے میں بے حد سہولتیں اور علاج میں آسانیاں ہوں یعنی نزلہ کی علامت کے لیے تین ہی اسباب واصلہ ہو سکتے ہیں ① نزلہ دماغی ② نزلہ کبدی ③ نزلہ قلبی۔ جن کو ہم سہولت کے لیے ① نزلہ اعصابی ② نزلہ غدی اور ③ نزلہ عضلاتی کے نام دیتے ہیں۔ کیونکہ جسم میں یہی مفرد اعضا پھیلے ہوئے ہیں۔ دل و دماغ اور جگر تو ان کے مرکز ہیں۔ اگر نام مرکز کے تحت رکھے جائیں تو تشخیص میں غلط فہمی پیدا ہونے کا امکان ہوسکتا ہے۔ ان کی علامات فارقہ بیان کر دی گئی ہیں جن سے ثابت ہے کہ ان کے علاوہ نہ نزلہ کی کوئی صورت ہے اور نہ کوئی اس کا اور سبب پایا جاتا ہے۔

اسباب واصلہ کی اہمیت

امراض اور علامات کو رفع کرنے کے لیے یعنی علاج کے لیے اسباب کا جاننا بے حد ضروری ہے۔ کیونکہ بغیر اسباب کے سمجھے علاج کرنا اندھیرے میں تیر چلانا ہے اور اسی کو عطایانہ علاج کہتے ہیں۔ طب یونانی میں اسباب تین ہیں: ① بادیہ ② سابقہ ③ واصلہ۔ اسباب واصلہ کو علاج میں بے حد اہمیت حاصل ہے۔ اسباب واصلہ وہ اسباب ہیں جن کے بعد امراض اور علامات نمودار ہوتی ہیں یعنی اسباب واصلہ اور امراض و علامات آپس میں ایسے ملے جلے رہتے ہیں کہ ان کے درمیان کوئی فاصلہ نہیں رہتا مثلاً جسم میں کہیں پر مادہ کا رکنا بغیر کسی عضو کے فعل کی خرابی کے ناممکن ہے۔ بخار بغیر تعفن اور ورم و سوزش دوران خون کی انتہائی کمی بیشی کے یقیناً مشکل ہے۔ اسی طرح بغیر مادہ کے رکنے، خمیر اور تعفن کے بغیر جراثیم کا پیدا ہونا بالکل انہونی بات ہے۔

گویا اسباب واصلہ کا لازم ہونا انتہائی ضروری ہے۔ مگر اسباب واصلہ کی عملی صورت اسباب بادیہ اور سابقہ سے قائم ہے۔ اسباب بادیہ کیفیاتی اور نفسیاتی اثرات ہیں اور اسباب سابقہ مادی اور خلطی صورتیں ہیں اور انہی کیفیات اور اخلاط پر طب یونانی کی بنیادیں قائم ہیں۔ جب بھی ان اثرات اور صورتوں کو نظر انداز کر دیا جائے گا۔ طب یونانی کی عمارت دھڑام سے نیچے گر پڑے گی۔ جو لوگ فرنگی طب کی پیروی میں بغیر کیفیات اور اخلاط کے تعین کے علاج کرتے ہیں وہ نہ صرف طب یونانی سے اپنی جہالت کا ثبوت دیتے ہیں بلکہ فن علاج کی حقیقت سے بھی ناواقف ہیں۔ جہاں تک جراثیم کے نظریہ کا تعلق ہے وہ نہ اسباب بادیہ میں شمار ہو سکتے ہیں جو بغیر اسباب واصلہ کے عمل کے بے معنی ہو کر رہ جاتے ہیں یعنی جب تک اعضاء کے افعال درست ہیں کوئی مادہ یا جراثیم نقصان نہیں پہنچا سکتا کیونکہ ایسی صورت میں اعضاء جسم کو بیمار اور خراب ہونے سے بچا لیتے ہیں۔ کیفیات کے اثرات کو سمجھنے کے لیے صرف اس قدر کافی ہے کہ انتہائی سردی کے موسم میں کسی نمونیا کے مریض کا علاج کھلے میدان میں بغیر

آگ اور گرم کپڑوں کے نہیں ہوسکتا چاہے جس قدر بھی گرم ادویہ اور انجکشن دیئے جائیں۔ نمونیہ میں اولین شرط یہ ہے کہ مریض کے کمرے اور ماحول کو گرم کیا جائے تاکہ اس کے جسم میں غیر معمولی حرارت قائم ہوجائے۔ ان حقائق سے ثابت ہوا کہ علاج میں اسباب خصوصاً اسباب واصلہ کو مدنظر رکھنا نہایت ضروری ہے اور یہ اسباب واصلہ صرف اعضاء کے افعال میں خرابی ہوسکتی ہے جیسا کہ شیخ الرئیس نے لکھا ہے کہ جب مجریٰ جسم میں خرابی واقع ہوتی ہے تو اس حالت کو مرض کہتے ہیں۔

نزلہ اور نظریہ مفرد اعضاء

نزلہ کی حقیقت کو نظریہ مفرد اعضاء کے تحت بیان کیا گیا ہے جس سے اس کی ماہیت وتقسیم اور تشخیص وعلامات میں آسانیاں پیدا ہوگئی ہیں۔ وہاں پر اس کا علاج یقینی اور بے خطا ہوگیا ہے اسی طرح ہم اسی نظریہ مفرد اعضاء کے تحت دیگر علامات خصوصاً سوزش، ورم اور بخار کا ذکر کریں گے۔

نظریہ مفرد اعضاء (سمپل آرگن تھیوری) ایک بالکل نیا نظریہ ہے جو کم وبیش بیس سال کی جدوجہد کا نتیجہ ہے۔ اس نظریہ سے نہ یورپ وامریکہ واقف ہیں نہ ہی روس اور نہ دنیا کا کوئی اور ملک اس سے آگاہ ہے۔ گزشتہ ہزاروں سالوں کی طبی تاریخ جو بابل ونینوا اور چین وہندوستان سے شروع ہوتی ہے۔ جن کے اثرات اور تہذیب مصر وشام سے گھومتی پھرتی اور چکر کاٹتی ہوئی یونان کے فلسفیانہ مدرسوں اور رومن امپائر کے بقعہ نور ایوانوں میں صدیوں پھولتی پھلتی اور بڑھتی رہی۔ پھر ایران کی زمین کو عملی وفنی اور ثقافتی حیثیت سے آباد وشاداب کرتی ہوئی عربی اور اسلامی دور میں ارتقائی بلندیوں پر پہنچ کر اپنے کمال کو پہنچی۔ مگر کسی زمانے اور دور میں بھی اس نظریہ مفرد اعضاء کو کہیں اشارے اور کنائے سے بھی بیان نہیں کیا گیا۔ آج یورپ، امریکہ اور روس کی تحقیقات علمی اور سائنسی معلومات اس کمال پر پہنچ گئی ہیں کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ پھر بھی ان کے علم العلاج میں اس نظریہ کا ادنیٰ سا اشارہ بھی نہیں پایا جاتا۔ گویا یہ نظریہ بالکل طبع زاد اور صحیح معنوں میں جدید ہے۔

ہزاروں برسوں کی طبی تاریخ اور موجودہ زمانے کا سائنسی اور تحقیقاتی دور اس امر کا شاہد ہے کہ ہر زمانے میں ہر ملک اور ہر طریق علاج میں ہر مرض کا علاج مرکب اعضاء کو مدنظر رکھ کر کیا گیا ہے۔ مثلاً جب معدہ اور امعاء یا مثانہ میں کوئی تکلیف ہو تو ان میں سے ہر ایک کو ایک عضو تصور کر کے اس کا علاج کیا جاتا ہے یعنی اگر معدہ وامعاء اور مثانہ یا کسی دوسرے عضو میں درد، سوزش، ورم یا ضعف ہو تو ہمیشہ اس عضو کو سامنے رکھ کر دوا تجویز کر دی جاتی ہے۔ جیسے درد معدہ، سوزش امعاء، ورم مثانہ، ضعف قلب ودماغ وغیرہ وغیرہ۔ لیکن حقیقتاً علاج کا یہ نظریہ غلط ہے کیونکہ بیس سالہ تحقیقات کے بعد پتہ چلا ہے کہ جب بھی کسی عضو جو دراصل مفرد نہیں ہے بلکہ مرکب ہے اور مفرد اعضاء سے مل کر بنا ہوا ہے کیونکہ معدہ وامعاء اور مثانہ یا دل ودماغ یا آنکھ، کان اور ناک یہ سب مفرد اعضاء سے مل کر بنے ہیں۔ ان سب میں اعصاب (نروز) کے علاوہ غدود (گلینڈز) اور عضلات (مسلز) پائے جاتے ہیں۔ اس حقیقت سے کوئی طریقہ علاج یا سائنس انکار کرسکتی۔ یہی وجہ ہے کہ ایک عضو میں مختلف امراض پیدا ہوتے ہیں۔ اگر مرکب عضو نہ ہوتا اور مفرد ہوتا تو اس عضو میں صرف دو امراض پائے جاتے۔ ایک اس عضو کی تیزی کا مرض اور دوسرے اس عضو کی سستی کا مرض اور زیادہ سے زیادہ تیسرا مرض اس عضو میں یہ ہوتا کہ اس میں ضعف پایا جاتا اور بس۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ ایک ایک عضو میں بے شمار امراض پائے ہیں۔ جن کا تعلق اس عضو کے مفرد اعضاء اور ان کے باہمی تعلق سے نئی صورتوں میں پیدا ہوتے ہیں۔ اس لیے علاج میں بھی انہی مفرد اعضاء کو مدنظر رکھنا چاہیے۔

علم العلاج کی مشکلات

ہزاروں سال سے علم العلاج میں جو تحقیقات وتدقیقات اور تجدید واضافات ہوتے چلے آرہے ہیں اور آج بھی جب کہ اس دور کو تحقیقات

وتجربات کے اعتبار سے علم وفن اور سائنس کا سب سے بڑا دور کہتے ہیں یہی سلسلہ جاری ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ یورپ' امریکہ' روس اور چین کی اس قدر علمی وفنی اور سائنسی تجرباتی بیداری اور دولت کے امراض اور ان کی تشخیص کا مسئلہ یقینی طور پر حل نہیں ہوسکا۔ اس لیے آج بھی دنیا امراض کی مصیبت اور عذاب میں مبتلا ہے۔ اللہ کریم وحکیم کی انتہائی کرم فرمائی اور حکیمانہ راہ نمائی ہے۔ یہ مسئلہ ہماری ذات سے حل ہوا ہے۔ اگر کسی صاحب کو اس دعوے میں مبالغہ معلوم ہوتو ہم چیلنج کرتے ہیں کہ دنیا بھر میں آج سے لے کر ہزاروں سال کے قدیم زمانہ تک اگر کسی نے ماہیت امراض اور تشخیص الامراض کے مسئلہ کو اس آسانی اور سہولت سے حل کیا ہوتو وہ تاریخ اور کتب میں ایسا ثبوت پیش کریں۔ نزلہ کی علامت میں ہم نے جس وضاحت اور تشریح کے ساتھ روشنی ڈالی ہے۔ یہ آج تک کی طبی تاریخ میں نظر نہیں آئے گی۔ ہم ان شاءاللہ باقی امراض اور علامات پر اسی تشریح اور تفسیر کے ساتھ روشنی ڈالیں گے۔

علم الامراض کی اہمیت

جاننا چاہیے کہ فن طب میں ترقی اور کامیابی اسی صورت میں ہوسکتی ہے جب کہ معالج امراض کی ماہیت اور اس کی باریکیوں سے پورے طور پر آگاہ ہوں۔ عسر العلاج اور پیچیدہ امراض پر اسی صورت میں دسترس ہوسکتی ہے جب کہ اس کی حقیقت اور اصلیت کو عام فہم زبان میں سمجھایا جا سکے۔ لیکن عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ اوّل ماہیت امراض کو صحیح طور پر بیان نہیں کیا گیا۔ یونہی بے معنی باتوں کا ذکر کردیا گیا ہے اور دوسرے اگر کہیں تھوڑا بہت کیا گیا ہے وہاں لکیر کے فقیر کی طرح ایسی جناتی زبان میں لکھ دیا گیا ہے جو طالب علم کی سمجھ سے باہر ہوتی ہے اور وہ اس کو صرف زبانی رٹ لیتا ہے اور حقیقت واصلیت مرض تک نہیں پہنچتا۔ تیسرے جو کچھ بھی ماہیت مرض کے متعلق سمجھا جاتا ہے نہ اس پر غور وفکر کیا جاتا ہے اور نہ ہی ان کو تجربات میں لایا جاتا ہے۔ نتیجہ صرف یہ نکلتا ہے کہ ماہیت مرض کی بجائے نام مرض ذہن میں رہ جاتا ہے۔ مجربات اور ادویات سے علاج کردیا جاتا ہے۔

ماہیت امراض اور تشخیص امراض کے متعلق جو کچھ لکھ دیتے ہیں۔ ہمارے سامنے پوری فرنگی طب ہے اور ہماری کوشش یہی ہے کہ اس کی خامیوں اور غلطیوں کو سامنے لاتے چلے جائیں۔ جس سے ایک طرف غلط اور ان سائنٹیفک علم سے نفرت ہوتی جائے اور دوسری طرف صحیح علم سامنے آتا جائے۔ ان دونوں صورتوں سے بہت اچھی طرح فن سمجھ میں آسکے گا۔ یہ بات بھی ذہن نشین کرلیں کہ جو کچھ ہم لکھ رہے ہیں وہ آیورویدک اور طب یونانی کی روشنی میں لکھ رہے ہیں۔ جس میں ہم نے تقریباً عرصہ پچیس سال میں تحقیق کی ہے۔ بعض لوگ یہ اعتراض کرسکتے ہیں کہ آیورویدک اور طب یونانی دراصل فرنگی طب سے مختلف طریق علاج ہیں۔ پھر اوّل الذکر سے ثانی الذکر کی غلطیاں کیسے نکل سکتی ہیں۔

علمی اور فنی علاج میں یکسانیت

جاننا چاہیے کہ اوّل علم طب ایسے علم کا نام ہے جس سے جسم کی حالت صحت اور حالت مرض کا پتہ چلتا ہے۔ جس کا موضوع جسم انسان ہے۔ دوسرے صحت اس حالت کا نام ہے جب اعضائے جسم انسانی اپنے افعال انجام دے رہے ہوں اور مرض اس حالت کا نام ہے جب اعضائے جسم انسانی اپنے افعال صحیح انجام نہ دے رہے ہوں۔ گویا حالت اعضائے جسم انسانی صحت اور مرض کی حالت میں فطری طور پر ہر طریق علاج میں بالکل ایک ہی صورت پر پائی جائیں گی۔ اس حالت کو چاہے کوئی دوش سے سمجھ لے یا کوئی اخلاط ومزاج کی کمی بیشی سے نمایاں کردے یا کوئی جراثیم کے اثرات سے واضح کردے۔ بہرحال اعضاء کے افعال اور حالت سب صورتوں میں بالکل ایک ہی ہوگی۔ ایسی صورت میں ہر طریق کی غلطیاں اور

غیر علمی باتیں فوراً سامنے آجاتی ہیں۔ بہرحال اگر کسی معالج یا ماہر فن کو کوئی اعتراض ہو تو ہم اس کا ہر گھڑی جواب دینے کو تیار ہیں۔

مگر ایسے اعتراض اہل علم اور صاحب فن نہیں کر سکتے کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ علم الامراض ایسے علم کا نام ہے جس سے انسان کی غیر طبعی حالت میں اعضاء کی ہیئت وترکیب اور ترتیب وافعال میں کیا کیا تبدیلیاں رونما ہوگئی ہیں۔ بالکل اس طرح جیسے علم تشریح اور علم منافع الاعضاء ہر عضو کی طبعی ساخت اور اس کے طبعی افعال سے بحث کرتے ہیں۔ کسی طریق علاج کا حامل اور ماہر جب ان علوم پر بحث کرے گا تو نتائج فطرۃً ایک ہی قسم کے ہونے چاہئیں۔ جب طبعی حالت میں بحث اور نتائج یکساں ظاہر ہوتے ہیں تو غیر طبعی حالت میں بحث اور نتائج کیسے بدل سکتے ہیں۔ بلکہ اس علم سے ہم کو یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ کیوں اور کس طرح امراض پیدا ہوتے ہیں اور امراض پیدا ہو کر ان کی کیا شکل صورت ہوتی ہے: ① ہمارے سامنے وہ اسباب ہوتے ہیں جن سے امراض جسم میں داخل ہوتے ہیں ② کس طرح سے مقصد وہ تبدیلیاں ہیں جو امراض کی پیدائش کے دوران جسم انسان میں پیدا ہوتی ہیں ③ کیا شکل وصورت سے امراض کی حالت میں اعضائے جسم وصورت افعال سامنے آجاتے ہیں تاکہ حالت صحت اور مرض کا بین فرق واضح ہو کر سامنے آجائے۔ یہ تمام ایسی صورتیں ہیں کہ علمی وسائنسی اور تجرباتی طور پر کسی بھی طریق علاج کے حامل اور ماہر میں کچھ فرق نہیں ہو سکتا۔ البتہ سمجھنے اور افہام وتفہیم میں ضرور فرق ہے۔ ہمارا دعویٰ ہے کہ علم الامراض کو سمجھنے اور سمجھانے کی دیگر طریق ہائے علاج خصوصاً فرنگی طب نے اور دیگر علم طب (میڈیکل سائنس) کے علوم میں جو غلطیاں اور خرابیاں کی ہیں ان کی طرف ہم بڑے شدومد کے ساتھ توجہ دلاتے ہیں۔ تاکہ فرنگی طب کی برتری اور فوقیت کا تصور اور احساس کمتری (انفیریارٹی کمپلیکس) ختم ہو جائے۔ طرہ یہ ہے کہ ہم ہر قسم کے اعتراضات کے ہر گھڑی جوابات دینے کو تیار ہیں۔

ماہیت الامراض

اس علم کی تعریف تقریباً ہر طریق علاج کے علماء نے ایک ہی طریق پر کی ہے یعنی یہ وہ علم ہے جو بدنی اعضاء کی غیر طبعی تشریح اور افعال سے بحث کرتا ہے۔ اس تعریف کے ساتھ ہی بیان کیا جاتا ہے کہ مختلف امراض کیسے پیدا ہوتے ہیں۔ اور ان کی شکل وصورت کیا ہوتی ہے۔ اس علم پر پوری طرح حاوی ہونے کے لیے علم تشریح الابدان، علم افعال الاعضاء اور علم اسباب وعلامات پر کسی قدر عبور ضروری ہے۔ کیونکہ جب تک بدن انسان کے اعضاء کی صحیح شکل وصورت اور ان کے صحیح افعال کا مشاہدہ اور تجربہ نہ ہو تو مرض کی حالت میں صحت کی حالت سے دونوں کا فرق کیسے کیا جا سکتا ہے۔ اسی علم اسباب کے تحت کائنات کی ہر شے کے خواص علم کا پتہ چلتا ہے جو انسانی زندگی پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ یہ اثرات کیفیاتی ہوں یا نفسیاتی یا مادی بہرحال ان میں سے کوئی نہ کوئی سبب ضرور ہوگا۔ جو بدن انسان اور اعضائے انسانی کے افعال میں مؤثر کا باعث ہوگا جہاں تک علم العلامات کا تعلق ہے یہ وہ کش مکش ہے جو مؤثر ومتاثر فعل وانفعال اور کسر وانکسار سے پیدا ہوتی ہے۔ یعنی جب کوئی سبب اعضائے جسم پر اثر انداز ہوتا ہے تو ردقبول اور دفع وجذب میں حالات اور صورتیں پیدا ہوتی ہیں۔ ان کا نام علامات ہے۔ انہی علامات سے صحت کے تغیرات کا علم ہوتا ہے جس کو مرض کہتے ہیں اور اس مرض کی پوری واقفیت وحقیقت حاصل کرنے کا نام ماہیت الامراض ہے۔ جس کو انگریزی میں پیتھالوجی کہتے ہیں۔

علم الامراض وعلامات

علامات نزلہ پر سیر حاصل بحث کرنے کے بعد اب سوزش کی علامت کی حقیقت اور پیدائش کو بیان کرتے ہیں تاکہ اس سے امراض کی جو

شکلیں اور صورتیں پیدا ہوتی ہیں وہ ذہن نشین ہو جائیں۔ سوزش پر بحث کرنے سے قبل جناب کرنل بھولا ناتھ کے ایک مضمون کا اقتباس جو ماہیت مرض اور اعضائے باہمی تعلق سے متعلق ہے پیش کرتے ہیں۔ یہ بھی صرف اس لیے کہ انہوں نے اس مضمون میں شیخ الرئیس بوعلی سینا کی اس تعریف کو قبول کیا ہے جو انہوں نے مرض کے متعلق کی ہے۔ بعض لوگ یہ اعتراض کر سکتے ہیں کہ کرنل بھولا ناتھ نصف صدی پہلے کے فرنگی ڈاکٹر ہیں۔ ان پر طب یونانی کا گہرا اثر ہوگا۔ یہ بات نہیں ہے بلکہ انہوں نے طب یونانی پر بے حد اعتراض کیے ہیں جن کے جوابات ان شاء اللہ تعالیٰ پھر کبھی ہم دیں گے۔ حقیقت یہ ہے کہ موجودہ دور کا کوئی فرنگی ڈاکٹر اگر کرنل بھولا ناتھ کی اس تعریف کو جو انہوں نے شیخ الرئیس سے نقل کی ہے غلط ثابت کرے تو ہم جواب دینے کو تیار ہیں۔

وہ لکھتے ہیں:

''عام طور پر کہا جا سکتا ہے کہ مرض کسی خاص معین چیز کا نام نہیں۔ یہ ایک غیر طبعی حالت کا نام ہے جو بدن انسان میں عارض ہو جاتی ہے''۔

بوعلی سینا نے صحت اور مرض کی تعریف قانون میں یوں لکھی ہے:

الصحت حالته لبدن الانسان معها تجری افعاله علی المجری الطبعی والمرض حالته خارج عن المجری الطبعی.

جس کے معنی یہ ہے کہ:

''جب تک بدن کے افعال طبعی حالت پر سرانجام پاتے رہتے ہیں تو اس حالت کا نام صحت ہے اور اگر یہ اعتدال قائم نہیں رہتا تو افعال بدن بھی طبعی حالت سے انحراف کر جائیں گے۔ اس حالت کو مرض کہیں گے''۔

صحت اور مرض کی یہ نہایت ہی عمدہ اور بہترین تعریف ہے۔ اس سے پایا جاتا ہے کہ کیفیت اور ماہیت مرض کے سمجھنے کے لیے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ صحت کیا چیز ہے اور وہ کس طور پر قائم رہ سکتی ہے۔

بالفاظ دیگر پہلے ہمیں یہ معلوم ہونا چاہیے کہ اس مشین میں کون کون سے پرزے ہیں، کہاں کہاں پر ہیں، ایک دوسرے سے ان کا کیا ربط اور لگاؤ ہے۔ اس کے ہر ایک پرزے کے جدا جدا افعال ہیں اور وہ ایک دوسرے کو کس طرح مدد دیتے ہیں۔

اس مشین کے پرزوں کو صحت کی حالت میں فرداً فرداً اور بحیثیت مجموعہ کام کرتا ہوا دیکھ کر ہم اپنے دل میں ایک قیاسی معیار بنا کر مقرر کر لیتے ہیں اور مرض کے تجاوز اور انحرافات کا اس معیار کے ساتھ موازنہ اور مقابلہ کرتے ہیں۔ اس کا نام تشخیص مرض ہے۔

اگرچہ افراد انسان ایک ہی نمونہ اور ایک ہی ماڈل پر بنائے گئے ہیں مگر ہر ایک میں شخصی اور فردی اختلافات ضرور ہوتے ہیں۔

بعض میں یہ اختلافات موروثی اور خاندانی ہوتے ہیں۔ دوسروں میں عادات، اطوار، آب و ہوا، حرفت و پیشہ پر موقوف ہوتے ہیں۔ یہ شخصی خصوصیتیں انسان کے لیے لوازمہ صحت ہو جاتے ہیں۔ جب اس کو ان خصوصیتوں سے علیحدہ کر دیا جاتا ہے تو اس کی صحت میں خلل واقع ہو جاتا ہے۔

لہٰذا ان اختلافات کے لحاظ سے اشخاص کی صحت کا معیار بھی جدا ہوتا ہے۔ مگر وسیع مشاہدہ سے ہم جملہ افراد انسان کی یہ ہیئت مجموعی دیکھ کر ایک اوسط فرض کر لیتے ہیں اور اس اوسط کو اپنا معیار بنا لیتے ہیں اور انحرافات طبائع کا اس اوسط سے موازنہ کرتے ہیں۔

صحت کی قیاسی اوسط کی تحقیق اور تلاش کے لیے سب سے مقدم بدن انسان کی ترکیب اور شناخت کا علم ضروری ہے۔ اس کی تشریح سے کامل طور پر واقفیت ہونی چاہیے اور معلوم ہونا چاہیے کہ بدن کے اعضاء کے مقام کیا ہیں۔ ان کا علیحدہ علیحدہ حجم کیا ہے۔ ان کے حدود کیا ہیں۔ اور

یہ اعضاء کن کن علامات سے پہچانے جا سکتے ہیں۔ زیادہ تر بیماریاں اس قسم کی ہوا کرتی ہیں جو اعضاء کے مقامی مقداری اور حدودی انحرافات سے پیدا ہوتی ہیں۔ اعضاء کی تشریح کا علم ہونے کے بغیر ان امراض کا اندازہ ہونا ممکن نہیں۔

اعضاء جب اپنے طبعی مقامات وحدود کے اندر رہتے ہیں تو ان کے افعال بھی عام طور پر اپنی طبعی صورت میں رہتے ہیں۔ اعضاء کے طبعی افعال سے پوری پوری واقفیت ہونا بھی علم مرض کے لیے ضروری ہے کیونکہ طبعی افعال کا ہمیں قیاس کسی صورت میں نہیں ہو سکتا۔ تشریح اعضاء (اناٹومی) اور افعال الاعضاء (فزیالوجی) کا علم تشخیص وعلاج مرض کا مقدم لوازمہ ہے۔ بلکہ کہہ سکتے ہیں کہ علم مرض (پیتھالوجی) غیر طبعی تشریح اور غیر طبعی افعال الاعضاء کا نام ہے۔ صحت کا معیار نہ صرف ہر انسان میں علیحدہ علیحدہ ہوتا ہے بلکہ اسی شخص میں مختلف اوقات اور مختلف حالتوں میں یہ معیار بدلتا رہتا ہے۔

مثلاً کسی روز ہمیں بھوک لگتی ہے کسی دن بھوک نہیں لگتی کسی روز نیند آتی ہے کسی دن نیند نہیں آتی کبھی قبض ہو جاتی ہے کبھی معمول سے زیادہ اجابت ہوتی ہے۔ لیکن اس قسم کے انحرافات کو مرض نہیں کہتے ہیں۔

مگر جو بھی عارضی اور اتفاقی انحرافات دائمی طور پر مستقل ہو جائیں یا معمولی درجہ سے بعید تجاوز کر جائیں تو فوراً مرض کی فہرست میں داخل کر دیئے جاتے ہیں۔ جس وقت مرض حادث ہوتا ہے تو ایک نہیں بلکہ کئی قسم کی علامات نمودار ہو جاتی ہیں۔ اس کا سبب یہ ہوتا ہے کہ ایک تو تمام جسم کے اعضاء ایک دوسرے کے ساتھ اعصاب کے ذریعہ وابستہ ہوتے ہیں اور جن اعضاء کا ایک دوسرے کے ساتھ افعالی تعلق وانحصار زیادہ ہوتا ہے ان میں وابستگی بھی زیادہ پائی جاتی ہے۔ دوسرا ایک ہی عضو کے کئی فعل ہوا کرتے ہیں۔

یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ ایک ہی علامت کئی کئی مرضوں میں پائی جاتی ہے۔ مثلاً کھانسی نہ صرف امراض شش مثل برانکائیٹس ذات الجنب سل اور ذات الریہ میں پائی جاتی ہے بلکہ امراض قلب امراض معدہ امراض گردہ اور دوسرے دور دراز کے اعضاء کی بیماریوں میں بھی پیدا ہو جاتی ہے تو اگرچہ کھانسی سینے اور شش میں پیدا ہوتی ہے مگر کھانسی فی نفسہٖ اس بات کا ثبوت نہیں ہو سکتی کہ مرض شش کے اندر ہے اور کہیں نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ علاماتی علاج ہمیشہ ناقص اور ناقابل اعتبار ہوا کرتا ہے۔

اس قسم کی واحد علامات بہت ہی کم ہیں جو فقط ایک ہی مرض میں دیکھنے میں آئیں اور کسی دوسرے مرض میں نہ پائی جائیں۔ اس قسم کی علامات کو مخصوصہ علامات کہتے ہیں۔

کیسہ اور عضو کا فرق

سوزش کو سمجھنے کے لیے ایک نہایت اہم رمز یہ ہے کہ حیوانی ذرہ (کیسہ) کے افعال اور عضو کے افعال میں مماثلت اور ان کے افعال میں جو اختلاف ہے ان کا جاننا بھی نہایت ضروری ہے۔ اس کے ساتھ اس امر پر بھی روشنی پڑتی ہے کہ اعضاء کے افعال اپنے انسجہ (ٹشوز) کے ماتحت ہیں یا ان سے جدا ہیں یا انسجہ کے افعال اپنے عضو کے ماتحت کام کرتے ہیں۔ ان تمام اہم باتوں کا فرنگی طب (ڈاکٹری) علم ہی نہیں رکھتی۔ ان کی کتب میں ان کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ اور اگر کسی قسم کا ذکر پایا جاتا ہے تو وہ غلط بے معنی اور ناکارہ ہے۔ جب تک کیسہ کے افعال کو عضو کے افعال کے ساتھ تطابق نہیں دیا جائے گا۔ اس وقت تک سوزش تو رہی ایک طرف دیگر امراض کی بھی ماہیت پورے طور پر سامنے نہیں آ سکتی جب کیسہ جسم انسان میں ایک ابتدائی زندگی (فرسٹ یونٹ) ہے اور یہ تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ اس میں زندگی ہے۔ اس کے افعال ہیں۔ اس میں نشوونما ہے۔ اس میں تولید ہے اور اس میں موت بھی واقع ہوتی ہے۔ ایسی صورت میں یہ بھی مسلمہ حقیقت ہے کہ وہ غذا لیتا ہے۔ اپنی غذا کے فضلات کو صاف کرتا

ہے اور باقاعدہ سانس لیتا ہے گویا ان کا تغذیہ' تصفیہ اور تسنیم بالکل ایسے ہے جیسے انسانی جسم کا ہے جو مرکب اعضاء ان سے بنے ہوئے ہیں۔ مرکب اعضاء مفرد اعضاء سے ترتیب پائے ہوئے ہیں۔ مفرد اعضاء کی بناوٹ انسجہ (ٹشوز) سے ہے۔ اور انسجہ حیوانی ذرات (کیسہ جات) سے ترکیب پاتے ہیں۔ ایک طرف حیوانی ذرہ میں بھی یہ سب کچھ نظر آتا ہے تو باقی درمیانی کڑیوں کو کیوں نظر انداز کر دیا جائے اور پھر ان کے باہمی تعلق کو کیوں نہ سمجھا جائے۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ان سب کے افعال کو بالمقابل سمجھا جائے۔ اگر کیسہ اور انسانی زندگی کے افعال میں تطابق پایا جاتا ہے تو کیسہ کو جو انسان کی ابتدائی ترکیب (فرسٹ یونٹ) ہے کو سامنے رکھ کر صحت اور مرض کا تعین کیا جائے اور ان سے جو انفعال الاعضاء پر اثر پڑتا ہے ان کو ذہن نشین کیا جائے۔

فرنگی طب کی علمی کم مائیگی

فرنگی طب کو اپنی طبی سائنس (میڈیکل سائنس) پر بہت ناز ہے لیکن جب ایک محقق ان کی علمی اور سائنسی کتب کو دیکھتا ہے تو ان کی فاش غلطیوں کے ساتھ ساتھ ان کی بے علمی اور سائنسی کتب کو دیکھتا ہے تو ان کی فاش غلطیوں کے ساتھ ساتھ ان کی بے علمی اور جہالت کو دیکھ کر افسوس کرتا ہے کہ ایک طرف اپنی سائنس کے اتنے لمبے چوڑے دعوے اور دوسری طرف اندر سے یہ کھوکھلا پن' ایک طرف یہ شوراشوری اور دوسری طرف یہ بے نمکی۔ جب کسی فرنگی ڈاکٹر سے یہ پوچھا جائے یہ کیا بات ہے تو شرم سے گردن جھکا کر آئیں بائیں شائیں کرنے لگتے ہیں۔

ماہیت امراض کے سمجھنے میں بھی ان کے ہاں بے حد غلطیاں' بے علمی اور حقیقت سے ناواقفیت کے بے شمار نمونے نظر آتے ہیں۔ ان شاء اللہ تعالیٰ ہم ان کی ادنیٰ ادنیٰ غلطی بھی معاف نہیں کریں گے۔ بال کی کھال نکالیں گے اور اندی کی چندی کر دیں گے۔ امراض کا تعین اس وقت تک جس طرح کیا گیا ہے وہ فرنگی طب اور ماڈرن سائنس کی بے علمی (ان سائنٹیفک) اور جہالت پر دلالت کرتا ہے۔ ایک طرف انسانی جسم تشریح اور افعال کو کیسہ تک بیان کر دیا ہے مگر دوسری طرف امراض کا تعین کرتے وقت صرف مرکب اعضاء کو سامنے رکھا گیا ہے۔ مثلاً اگر معدے اور امعاء میں خرابی ہو یا مثانہ اور سینہ میں نقص ہو تو معدہ وامعاء اور مثانہ وسینہ کی مناسبت سے امراض کا تعین کیا گیا ہے اور اسی مناسبت سے نام رکھے گئے ہیں۔ جیسے درد معدہ' ورم امعاء' سوزش مثانہ اور سینہ کی جلن وغیرہ۔ حالانکہ معدہ وامعاء اور مثانہ وسینہ اور دیگر تمام اسی قسم کے اعضاء مفرد اعضاء سے مرکب ہیں اور یہ مفرد اعضاء سب کے سب مختلف اقسام کی بافتوں (ٹشوز) اور کیسوں (سیلز) سے ترتیب پا کر ترکیب پاتے ہیں اور ہر مفرد عضو کے افعال دوسرے عضو سے اسی طرح مختلف ہیں جس طرح ان کے کیسے الگ الگ ہیں۔ ایک وقت میں ان میں سے کسی ایک میں تحریک یا سوزش ہوتی ہے۔ سب میں نہ بیک وقت تحریک ہوتی ہے نہ سوزش۔ اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ان سب کے افعال میں افراط وتفریط یا ضعف بیک وقت ایک ہی جیسا نہیں ہوتا۔ مثلاً اگر معدہ کے عضلات میں سوزش ہوگی تو معدہ کے اعصاب وغدد میں اس وقت سوزش نہیں ہوگی۔ لیکن فرنگی طب معدہ اور دیگر مرکب اعضاء میں سے کسی میں اگر سوزش تسلیم کرے گی تو اس کے تمام مفرد اعضاء میں بیک وقت تسلیم کرے گی۔ جو قطعاً ناممکن ہے۔ جس کے ثبوت میں ہم ان کے غلط تجربات کی تفصیل بیان کریں گے جو انہوں نے مینڈکوں پر کئے ہیں اور غلط نتائج حاصل کیے ہیں۔ ایسی صورت میں ہم کیسے کہہ سکتے ہیں کہ ان کا تعین امراض صحیح ہے اور سوزش وغیرہ کے متعلق انہوں نے جو کچھ لکھا ہے وہ صحیح ہے یا ان کے تجربات درست ہیں یا ان کی تحقیقات فطرت کے مطابق اور علمی (سائنٹیفک) ہیں۔

فرنگی طب کے غلط تجربات

فرنگی طب میں سوزش کی ماہیت (پیتھالوجی) بیان کرنے میں بالکل اندھے پن سے کام کیا گیا ہے۔ وہاں نسیجی تبدیلیوں' کیمیائی اثرات اوراعضاء کے افعال کوان کی اپنی حیثیت سے جدا جدا کر کے بیان نہیں کیا گیا۔مگر چاہیے تو یہ تھا کہ کیسہ سے شروع کیا جاتا کہ وہ بذات خود ایک حیوانی ذرہ ہے۔اس میں احساس ہے۔غذائی نظام ہے اورقوت وضعف کے اثرات کے ساتھ ساتھ زندگی اور موت کی صورتیں بھی نظر آتی ہیں۔ اس کی زندگی اورافعال کواوّل اس کی ذاتی نسیجی پھراسی بافت سے بنے ہوئے مفرد عضو کو سامنے رکھا جاتا اور پھر کیسہ سے لے کر مفرد عضو تک کی تبدیلیوں کی مناسبت اورفرق کو بیان کیا جاتا۔ پھر جوامراض یا علامات کی صورتیں پیدا ہوتیں' ان کو بیان کیا جاتا۔مگر فرنگی طب اور ماڈرن میڈیکل سائنس کا پوراعلم ان باتوں سے خالی ہے۔جس کے ثبوت میں ہم ان کی کتب پیش کر سکتے ہیں۔

سوزش سے متعلق فرنگی طب کے غلط تجربات

فرنگی طب میں سوزش کو سمجھنے کے لیے زیادہ سے زیادہ خوردبین کے نیچے کسی سوزش ناک مقام کو رکھا جاتا ہے اوراس میں جو تبدیلیاں ہوتی ہیں ان کو نوٹ کیا جاتا ہے۔اس مقصد کے لیے زیادہ تر مینڈک سے کام لیا جاتا ہے مثلاً مینڈک کے پنجے کو پھیلا کر اس پر کوئی بیرونی محرک لگا کر اوّل سوزش پیدا کرتے ہیں۔ پھران تبدیلیوں کا مطالعہ کرتے ہیں۔لیکن تبدیلیوں کا پوراعلم اس وقت ہوسکتا ہے جب کہ پہلے بغیر سوزش کے تندرست مقام کا بھی مطالعہ کیا جائے۔غرض اس کی تبدیلیوں میں خون کی کمی بیشی' رفتار میں تیزی اورسستی' سرخ اورسفید دانوں کا خون کی رو میں بہنا اور الگ ہونا' خون کی نالیوں کا سکڑنا اور پھیلنا' کیسہ اورنسیج کی اندرونی اور بیرونی تبدیلیاں' وہاں پر لف اور رطوبات کا گرنا' اس میں انقباض اورانبساط کا پیدا ہونا' ان کا بڑھنا اورزندگی کے اثرات کا قائم رہنا یا مردہ ہو جانا غرض کہ تجربات میں اس قسم کے نتائج حاصل کیے جاتے ہیں۔مگر یہ طریق کار غلط ہے کیونکہ اس صورت میں اوّل ٹشو پر تجربات کر رہا ہے وہ بافت عصبی ہے یا عضلاتی یا کوئی اور ہے اور ہرایک میں باہمی فرق کیا ہے۔دوسرے خون کی نالیوں کے پرت بھی مختلف پرتوں سے تیار ہیں۔ان کا انقباض وانبساط کس بافت سے متعلق ہے اورخون کی رفتار پر تیزی وسستی کا اثر کسی بافت کے انقباض انبساط سے پڑتا ہے۔تیسرے تجربات سے جو نتائج حاصل کیے گئے ہیں وہ محرک تیزابی اثر رکھتا ہے یا کھاری یا نمکینی اثرات کا حامل ہے۔ ہرایک کے تجربات ایک دوسرے سے جدا ہوں گے۔ یہ اوراسی قسم کے اور کئی حقائق ہیں جن کا نہ فرنگی طب کو علم ہے اور نہ کتب اور تجربات میں ذکر پایا جاتا ہے اوران حقائق سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کے تجربات غلط اصولوں پر مبنی ہیں۔اوران کے نتائج بھی صحیح نہیں ہیں۔طرہ یہ کہ اگر ہم کسی جراثیم کو بھی سوزش کا محرک تسلیم کرلیں تو پھر یہ تسلیم کرنا پڑے گا۔کہ نمونیہ' ذات الریہ (پلوری) ذات الجنب ٹی۔بی (سل ودق) کے جراثیم اپنے اندر مختلف نوعیت رکھتے ہیں یاان کے اثرات مختلف اقسام کی بافتوں پر ہوتے ہیں یا وہ مختلف مقامات پر اثرانداز ہوتے ہیں۔یاان کے زہر بالکل مختلف اقسام کے ہوتے ہیں۔پھر ہرقسم کی سوزش کے ایک ہی جیسے نتائج کیسے ہوسکتے ہیں۔

ہماری مشکلات

ہماری مشکلات میں سب سے اہم بات یہ ہے کہ ہم کو بیک وقت دو کام کرنے پڑتے ہیں یعنی ڈبل رول ادا کرنا پڑتا ہے' ایک طرف اپنی تحقیقات کو پیش کرنا اور دوسری طرف فرنگی طب کی غلطیوں اور خرابیوں کو راستہ میں سے دور کرنا تاکہ جہاں پر اہل علم اور صاحب فن ہماری تحقیقات سے مستفید ہوں وہاں پر وہ فرنگی طب کی غیرعلمی معلومات سے بھی آگاہ ہوتے رہیں تاکہ صحیح علم وفن حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ فرنگی طب کی وجہ

سے جوان کو احساس کمتری پیدا ہو گیا ہے وہ بھی دور ہوتا رہے۔

اس دوگنا مشکل کے ساتھ ساتھ سب سے بڑی مشکل یہ ہے کہ ہمارے اکثر حکما اور اطبا کا طبقہ عملی تحقیقات سے مناسبت نہیں رکھتا۔ اس کو نہ فن عزیز ہے اور نہ ملک و قوم کی برتری کا جذبہ ہے۔ خودی، خودداری اور خود اعتمادی کے اسرار و رموز سے بہت دور ہے۔ وہ پیٹ کا بندہ ہے، جائز و ناجائز دولت چاہتا ہے۔ چاہے وہ ملکی ادویات کو فروخت کر کے ملے چاہے وہ فرنگی ادویات کے فروخت کرنے سے حاصل ہو۔ اکثر صرف اس لیے مخالفت کرتے ہیں کہ کیوں ان کے غلط طریق کار سے ان کو روکا جاتا ہے جس سے انہوں نے بڑی بڑی دولت کمائی ہے۔ اور لاکھوں ہا روپیہ جمع کر لیا ہے لیکن ہمیں کسی دولت مند اور دشمن فن کی پروا نہیں ہے ہمیں صرف اپنا کام جاری رکھنا ہے نا صرف ایسے غلط قسم کے بے غیرت وزر پرست لوگوں کو چیلنج کرتے رہیں گے بلکہ ان کو ننگا کر کے بھی دنیا میں پیش کرتے رہیں گے تا کہ دوسروں کے لیے عبرت ہو۔

تقسیم امراض بانظریہ مفرد اعضاء

خوبیاں: نظریہ اعضاء کے تحت تقسیم امراض اور علامات میں بہت سی خوبیاں ہیں اور ذیل کی خوبیاں قابل تعریف ہیں:

① یقینی تشخیص ② بے خطا علاج ③ امراض کی ماہیت پر یقین ④ تجویز علاج میں سہولت ⑤ ہر مرض کا صرف ایک بار ہی بیان ہونا ⑥ مختلف امراض میں شک و شبہ نہ پیدا ہونا ⑦ دنیا بھر کے تمام طریقہائے علاج کی صحیح تشخیص اور درست تجویز کا اس کے مطابق ہونا۔ گویا نظریہ مفرد اعضاء صحیح تشخیص اور درست تجویز کے لیے ایک کسوٹی ہے ⑧ اس نظریہ کے تحت تقسیم امراض سمجھنے کے بعد ہر غلط طریق علاج کو معالج چھوڑ دیتا ہے اور مشکل تشخیص اور دشوار تجویز کے علاجوں سے دور ہو جاتا ہے ⑨ امراض کی تعداد مقرر کر دی گئی ہے اس کے بعد نئے امراض کی تحقیقات ختم ہو گئی ہے جیسا کہ فرنگی طب اہل فن و صاحب علم اور عوام کو روزانہ نئے امراض کے نام سے دھوکا دیتی رہتی ہے ⑩ کسی مرض کے مختلف بے معنی اسباب ختم کر کے صحیح اسباب مقرر کر دیئے گئے ہیں ⑪ طویل علامات کو مقررہ علامات میں محدود کر دیا ہے تا کہ تشخیص میں کوئی تکلیف نہ ہو ⑫ سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ دنیا بھر کے طریق علاج میں جو ماہیت امراض بیان کی گئی ہیں۔ چاہے وہ اخلاط و دوشوں کے تحت ہوں چاہے جراثیم اور روح کی بیماری کو مدنظر رکھا گیا ہے یا عناصر انسانی اور جذبات انسانی کو مدنظر رکھا گیا ہے سب کے حسن و قبح کی حقیقت کھل جاتی ہے۔ اور یہ تمام باتیں بیک وقت معالج کے ذہن کے سامنے آجاتی ہیں۔

نظریہ مفرد اعضاء کے تحت تقسیم امراض کا کمال یہ ہے کہ اس سے تقسیم کی ابتدا واحد خلیہ اصل حیوانی ذرہ سے شروع ہوتی ہے۔ جس سے نسیج (ٹشوز) بنا ہے اور پھر یہی مختلف انسجہ (ٹشوز) اعضاء کی صورت اختیار کرتے ہیں۔ اس تقسیم امراض کی انتہا یہ ہے کہ اس میں حیوانی ذرہ کا بھی دل و دماغ اور جگر چیرتے ہوئے اس کے ایٹمی اثرات تک پہنچ کر اس کی انرجی و پاور اور فورس کا پتہ چلاتے ہیں۔ گویا نظریہ مفرد اعضاء ایٹمی دور کی مکمل تصویر ہے اور لطف یہ ہے اس سے دقیق تشخیص اور تقسیم ناممکن ہے اور اگر کوئی اور طریق علاج کسی ایسے نظریہ کا دعویٰ کرے تو ہم چیلنج کرتے ہیں۔

مفرد اعضا کی تقسیم

ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ ہم نے جسم انسان کو تین حصوں میں تقسیم کیا ہے ① بنیادی اعضاء ② حیاتی اعضاء ③ خون۔ پھر ان میں سے ہر حصہ تین حصوں میں تقسیم ہوتا ہے۔ بنیادی اعضاء میں ① ہڈیاں ② رباط ③ اوتار جو تینوں نسیج الحاقی کے بنے ہوئے ہیں اور انسان جسم کی بنیاد بناتے ہیں۔ حیاتی اعضاء میں ① اعصاب جن کا مرکز دماغ ہے اور یہ نسیج اعصابی سے تیار ہوتے ہیں اور احساس کا ذریعہ اور مرکز ہیں ② عضلاتی

اعضاء جن کا مرکز دل ہے یہ نسیج عضلاتی سے بنتے ہیں اور جسم انسان میں حرکت کا ذریعہ اور مرکز ہیں ③ غددی اعضاء جن کا مرکز جگر ہے۔ یہ نسیج قشری سے پیدا ہوتے ہیں۔ اور جسم انسان میں غذا کا ذریعہ اور مرکز ہیں۔

خون

یہ کیمیائی مرکب ہے جس میں ① حرارت، رطوبت اور ریاح پائی جاتی ہے۔ ② اس میں چار اقسام کے انسجہ کے لیے غذائیت پائی جاتی ہے۔ جو غذا ہم کھاتے ہیں اور آب وہوا ہمیشہ انسانی جسم میں حرارت، رطوبت اور ریاح تیار کرتے رہتے ہیں۔ ③ جب ہمارے جسم میں مناسب اجزاء داخل نہیں ہوتے یا کیفیاتی ونفسیاتی طور پر ہمارا خون یا اعضاء متاثر ہوتے ہیں تو ان کے افعال میں خرابیاں واقع ہو جاتی ہیں۔ جن کا نام امراض ہے اور ان کے افعال کی خرابی سے جو اثرات باقی جسم پر پیدا ہوتے ہیں ان کے نام علامات ہیں، گویا جسم انسان کے تمام امراض اور علامات انہی تین حیاتی اعضاء کے تحت بیان کرنا ہے، یہ ہے مفرد اعضاء کی تقسیم اور ان سے پیدائش امراض اور علامات کی صورت۔ جو انسان بھی اس پر حاوی ہو جائے گا۔ وہ اپنے وقت اور زمانے کا بہترین معالج ہوگا۔ بس یہی مفید طبابت ہے۔

مفرد اعضاء کے افعال

ہم پہلے بھی لکھ چکے ہیں کہ ہر حیاتی عضو کے تین افعال ہیں: ① تحریک یعنی عضو کے فعل میں تیزی جو ریاح کی زیادتی سے پیدا ہوتی ہے ② تسکین عضو کے فعل میں سستی جو رطوبت اور بلغم کی زیادتی سے پیدا ہوتی ہے ③ تحلیل یعنی کسی عضو میں ضعف جو حرارت کی زیادتی سے پیدا ہوتا ہے۔

جاننا چاہیے کہ قدرت نے اعضاء کو اس طرح بنایا ہے کہ اعصاب باہر کی طرف ہوتے ہیں اور ان کے ساتھ غدد کا تعلق ہے۔ پھر ان کے بعد عضلات متعلق ہیں اور عضلات کا تعلق اعصاب کے ساتھ ہے۔ گویا تینوں حیاتی اعضاء آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ اس طرح متعلق ہیں جیسے کیفیات باہم متعلق ہیں۔

مفرد اعضاء کا باہمی تعلق

مفرد اعضاء کا باہمی تعلق بھی ہے۔ اسی تعلق سے جسم انسانی میں تحریکات ایک عضو سے دوسرے عضو کی طرف منتقل ہوتی ہیں مثلاً جب غدد میں تحریک ہوتی ہے تو اس امر کو ضرور جاننا پڑے گا کہ اس تحریک کا تعلق عضلات کے ساتھ ہے یا اعصاب کے ساتھ ہے کیونکہ اس تحریک کا تعلق کسی نہ کسی عضو کے ساتھ ہونا ضروری ہے کیونکہ مزاجاً بھی کبھی کوئی کیفیت مفرد نہیں ہوا کرتی۔ جیسے اس کا تعلق بھی کسی نہ کسی دوسری کیفیت سے ضرور ہوتا ہے جیسے گرمی یا سردی کبھی تنہا نہیں پائی جائے گی وہ ہمیشہ گرمی تری یا خشکی یا سردی تری یا سردی خشکی کی شکل میں پائی جائے گی۔

یہی صورت اعضاء میں بھی قائم ہے یعنی تحریک غددی عضلاتی (گرم خشک) ہوگی یا غددی اعصابی (گرم تر) ہوگی وغیرہ وغیرہ۔

البتہ اس بات میں اس امر کو ذہن نشین کر لیں کہ تحریک میں جس مفرد اعضاء کا نام پہلے بولا جائے گا وہ مشینی (مکینیکل) کہلائے گی اور جس مفرد عضو کا نام بعد میں لیا جائے گا وہ خلطی یا کیمیائی (کیمیکل) ہوگی۔ یعنی دوسرے مفرد اعضاء کی تحریک کے یہ معنی ہیں کہ خون میں کیفیاتی و خلطی اور کیمیائی طور پر اس کا اثر یقینی طور پر پایا جاتا ہے۔ یہ ضرورت سے زیادہ ہے۔ اور طبیعت مدبرہ بدن نے اسے اعتدال پر لانے کے لیے دوسرے عضو کے فعل کو تیز کر دیا ہے اور جس عضو میں مشینی اثر تیز ہو رہا ہے۔ طبیعت مدبرہ بدن اس کو تیز کر کے خون کے کیفیاتی و خلطی اور کیمیائی اثرات کو اعتدال پر لا رہی ہے مثلاً غددی عضلاتی تحریک ہے تو خون میں کیفیاتی و خلطی اور کیمیائی طور پر گرمی، خشکی وصفراء اور گندھک کی زیادتی ہوگی۔ اسی

طرح جب غدی اعصابی تحریک پائی جائے گی تو خون میں کیفیاتی و خلطی اور کیمیائی طور پر گرمی تری و حرت اور ملاحت کی زیادتی ہوگی وغیرہ وغیرہ۔ یہی سلسلہ تمام مفرد اعضاء میں قائم رہے گا۔ جیسے باہمی تعلق قائم رہتا ہے۔

مفرد اعضاء کے تعلق کی چھ صورتیں

مفرد اعضاء حیاتی تین ہیں لیکن ان کے باہمی تعلق سے درج ذیل چھ صورتیں بن جاتی ہیں:

① اعصابی غدی ② اعصابی عضلاتی ③ عضلاتی اعصابی ④ عضلاتی غدی ⑤ غدی عضلاتی ⑥ غدی اعصابی۔

یاد رکھنا چاہیے کہ جو لفظ مقدم ہوگا وہ عضو کی تحریک ہے اور لفظ مؤخر ہوگا وہ کیفیاتی و خلطی اور کیمیائی تحریک کہلائے گی۔ چونکہ صحت کا دار و مدار کیفیات و اخلاط اور خون کے کیمیائی اعتدال پر قائم ہے اس لیے یہ اعتدال ہر صورت قائم رکھنا ضروری ہے۔ جو مفرد اعضاء کے افعال کو تیز تر کر دینے سے خون کا اعتدال درست ہو جاتا ہے بس اسی کا نام شفا ہے۔ ہومیو پیتھی میں جو بالمثل ادویات دی جاتی ہیں ان کا مقصد بھی جسم انسان کی علامات ردعمل (ری ایکشن) کی علامات کو بڑھایا جاتا ہے جو طبیعت مدبرہ بدن نے تیز کر دی ہیں۔ اس سے قلیل بلکہ اقل مقدار میں دی گئی دوا نہ صرف مفید ہوتی ہے۔ بلکہ اکسیر اور تریاق کا کام دیتی ہے۔

عارضی علاج اور مستقل علاج کا فرق

جاننا چاہیے کہ عارضی علاج اور مستقل علاج کا فرق بھی ایک بہت بڑے اسرار و رموز میں داخل ہے۔ طب قدیم کے معدودے چند اطباء نے اس طرف اشارے کیے ہیں مگر فرنگی طب نہ صرف اس کی حقیقت سے بے خبر ہے بلکہ ان کا طریق علاج جو اکثر عارضی ہے مریضوں کے لیے مقتل بن گیا ہے۔ مرض کا وقتی طور پر روک دینا علاج نہیں ہے بلکہ مرض کی حقیقت سمجھ کر اس کو دور کرنے کی کوشش کرنا ہی صحیح علاج الامراض ہے۔

طب قدیم میں مرض کی صورت میں خون کے اندر کیفیاتی و خلطی اور کیمیائی طور پر جو زیادتی ہوتی ہے اس کو بالضد کیفیات و اخلاط اور کیمیائی اثرات پیدا کر کے اعتدال پر لایا جاتا ہے۔ یہ اسی وقت ممکن ہو سکتا ہے جب خون میں یہ تبدیلی پیدا ہو اور اعضاء (ان کے مطابق خون پیدا کرنا شروع کریں۔ یہ تبدیلی فوراً پیدا نہیں ہوتی۔ اس کے لیے ایک مدت درکار ہے لیکن جو فوری طور پر مرض کو روکنا چاہتے ہیں وہ بالضد کیفیات و اخلاط اور کیمیائی اثرات انتہائی شدید اور بے حد تیز بلکہ زہر کی حد تک ادویات استعمال کر کے ان کو دبانے کی کوشش کرتے ہیں۔ بلکہ اکثر شدید تبریدات و مسکنات اور مخدرات استعمال کر کے پٹھے سن کر دیتے ہیں یا دل کی حرکت کو کمزور کر دیتے ہیں۔ جس سے مریض وقتی طور پر آرام محسوس کرتا ہے جس کا نتیجہ دل و دماغ کی مسلسل کمزوری سے موت واقع ہو جاتا ہے۔ اگر وقتی علاج روکا جاتا ہے تو مرض پہلے سے بھی زیادہ شدت کے ساتھ حملہ کرتا ہے اور حالت زیادہ خراب ہو جاتی ہے۔

یہی صورت فرنگی طریق علاج میں پائی جاتی ہے۔ اگر وہ جراثیم کش ادویات استعمال کرتے ہیں۔ تو وہ بھی متعفن مواد کو ختم ہونے اور جلنے سے پہلے غیر متعفن کر کے اس کو اپنے عمل سے روک دیتا ہے۔ لیکن مواد اپنی جگہ قائم رہتا ہے۔ مگر جسم کی حرارت ختم ہو جاتی ہے۔ جس مرض کا فطرت اپنی قدرت سے خود علاج کر رہی تھی۔ وہ اس صورت میں ختم ہو جاتا ہے کہ مریض کے جسم میں مادہ باقی رہ کر مستقل اور مزمن مرض بن جاتا ہے یا کبھی فوری علاج سے جسم کا کوئی عضو بے کار ہو جاتا ہے اور پھر جب بھی طبیعت مدبرہ بدن کو موقعہ ملتا ہے۔ وہ شفا دینے کی خاطر پھر اس مرض کو قائم کر دیتی ہے مگر جسم میں حرارت بہت حد تک کم ہو چکی ہوتی ہے جس کے نتیجہ میں موت واقع ہو جاتی ہے یا وہ مریض ہمیشہ کے لیے بے کار ہو کر رہ جاتا ہے۔

اس حقیقت کو سمجھنے کے بعد اب مفرد اعضاء کی تحریکات کی طرف آئیں جو دوا کی صورت میں بولی جاتی ہیں۔ جیسے غدی عضلاتی (گرم خشک) اس میں پہلا لفظ مشینی فعل ہے اور دوسرا لفظ کیمیائی فعل ہے گویا جسم میں صفرا بڑھ رہا ہے اور اس کی زیادتی کے سبب جسم میں گرمی کے ساتھ

خشکی کی زیادتی ہے اور انہی اعضا پر اثر ہے جن پر صفرا اثر انداز ہوتا ہے اس میں دوسرا لفظ یعنی عضلاتی اثر ''خشکی'' کیمیائی اثر ہے جب ہم اس کیمیائی اثر یعنی خشکی کو تری میں بدل دیں تو نتیجہ یہ ہوگا کہ مزاج میں گرمی تری پیدا ہونا شروع ہو جائے گی اس کی صورت یہ ہوگی ہم غدی عضلاتی تحریک کو غدی اعصابی کر دیں گے جس کے ساتھ حرارت کیمیائی طور پر بڑھنا شروع ہو جائے گی جس سے خشکی ختم ہو جائے گی اور تری بڑھ جائے گی۔ پھر صفرا کی تمام تکالیف جن اعضاء پر ہوں ختم ہو جائیں گی۔ رفتہ رفتہ طبیعت مستقل صحت کی طرف آ جائے گی۔

اس حقیقت کو اس طرح سمجھ لیں جسم میں امراض کی جو صورت ہے وہ خون میں کیفیاتی واخلاطی اور کیمیائی اثرات کی زیادتی ہے جو خاص مفرد اعضا کے تحت پیدا ہو رہی ہے اور قائم ہے اور جن مفرد اعضاء نے خون کے ان اثرات کو اعتدال پر رکھنا ہے۔ ان میں سکون پیدا ہو گیا ہے۔ اس میں جراثیم کا کوئی دخل نہیں ہے۔ اطبا اور حکما بالضد ادویات اور تدابیر سے خون کے ان اثرات کو اعتدال پر لاتے ہیں۔ اطبا اور حکما کا طریق بھی درست ہے۔ لیکن اس میں یقینی ادویات کا تعین نہ کر سکنے سے علاج یقینی نہیں بن سکتا لیکن مسکن اور ست اعضاء کو تیز تر کر دینے سے نہ صرف علاج یقینی بن جاتا ہے بلکہ شرطیہ کیا جا سکتا ہے جیسے بجلی کا بٹن دبانے سے کبھی اپنی مرضی سے بجلی جلا لیتے ہیں کبھی پنکھا چلا لیتے ہیں۔ کبھی پانی کی نالی کھول دیتے ہیں اس طرح جب مسکن اور ست اعضاء میں تحریک پیدا ہوتی ہے تو وہاں پر تمام رطوبات اور بلغم ختم ہو جاتی ہے جس سے وہاں پر اگر جراثیم ہوں تو وہ بھی مر جاتے ہیں پھر جب سکون کے مقام پر تحریک ہو جاتی ہے تو گزشتہ تحریک کے مقام پر تحلیل ہو کر سوزش ختم ہو جاتی ہے اور جہاں پر تحلیل تھی وہاں پر رطوبت پہنچ کر تحلیل کو روک دیتی ہے۔ بس یہی صحیح طریق علاج ہے اور یہی اس کی مستقل صورت ہے۔

فوری علاج

وہ معالج بھی غلطی پر ہیں جو اعضا کے افعال خصوصاً مرکب اعضاء کی تیزی کو کم کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور تبریدات ومسکنات اور مخدرات کو استعمال کر کے فوری فائدے کی خاطر مریضوں کو زہر دے کر موت کی طرف دھکیلتے ہیں اور اس طرح بار بار کرنے سے ان اعضاء کو اعتدال پر تو نہیں لا سکتے۔ البتہ ان کو کمزور ضرور کر دیتے ہیں۔

یاد رکھیں کہ فوری علاج بھی وہی علاج ہے جو صحیح علاج ہو یعنی مسکن اور ست مفرد اعضاء کو تحریک دے کر تیز کر دیں۔ جتنی جلدی آپ کر سکیں گے اتنی جلدی آرام ہوگا۔ اس سے فوراً ہی خون میں کیفیاتی اور اخلاطی اور کیمیائی اثرات اعتدال پر آنا شروع ہو جائیں گے۔ یقین جانئے اس طرح کے صحیح علاج سے بعض وقت پانچ منٹ کے اندر تحریک بدل جاتی ہے جس کے ساتھ ہی آرام آنا شروع ہو جاتا ہے۔ اگر دنیا بھر میں کوئی اس سے بہتر علاج پیش کر دے جو صحیح ہونے کے ساتھ فوری بھی ہو تو ہم چیلنج کرتے ہیں اور یہ بھی ہم دعویٰ کرتے ہیں کہ ان شاء اللہ تعالیٰ دنیا کی کوئی طاقت اس مفرد اعضاء کے طریق علاج کو کامیاب ہونے اور پھیلنے سے نہیں روک سکتی بلکہ اس طرح جیسے کوئی طاقت اللہ تعالیٰ کی اس ایٹمی طاقت کو اپنے کام سے روک نہیں سکتی۔ اور اس کا پھیلنا اور عمل کرنا بھی ضروری ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ ایک وقت آئے گا کہ ایٹمی طاقت اور نظریہ مفرد اعضاء بالکل ایک ہو جائیں گے۔ یہی دنیا کی کامیابی کا راز ہے۔

علاج میں کامیابی کا راز

ہر قسم کے علاج چاہے وہ نئے ہوں یا پرانے (حاد یا مزمن) ان میں کیفیاتی وخلطی اور کیمیائی تحریک کو مدنظر رکھیں جس کا اظہار جسم میں علامات اور دوسری مفرد تحریک سے ہوتا ہے۔ بس یہی مرض ہے۔ کیونکہ ان علامات سے ظاہر ہوتا ہے کہ خون میں کسی قسم کی کیفیات واخلاط اور کیمیائی اثرات کی کمی واقع ہو گئی ہے۔ اس کا اظہار وہی اعضاء کرتے ہیں جو جسم میں تیز ہیں یا ست ہیں۔ جیسا کہ شیخ بوعلی سینا نے کہا ہے کہ مرض اس حالت کا نام ہے جب مجریٰ جسم کے افعال اعتدال پر نہیں ہوتے بس اس کا آسان علاج یہ ہے کہ جن اعضاء اور مجرا کے افعال میں سکون وسستی

ہوا ن کو تیز کر دیں۔ جس کے نتیجہ میں ایک طرف خون میں جن کیفیات واخلاط اور کیمیائی اثرات کی زیادتی ہو گی وہ کم ہونا شروع ہو جائیں گے۔ اور دوسری طرف اس کی تیزی سے جن ضروری اثرات وعناصر کی ضرورت ہو گی وہ پورے ہونا شروع ہو جائیں گے۔ اس میں جراثیم کش ادویات کا کوئی دخل نہیں۔ اگر وہاں پر جراثیم ہوں بھی تو ان اعضاء کی تیزی ان کو ہلاک کر کے جسم سے خارج کر دے گی۔ اسی وجہ سے غیر جراثیم کش ادویات سے جراثیمی امراض میں شفاء آ جاتی ہے جس کے ثبوت میں ایسی غیر جراثیم کش ادویات جو شیرہ وشربت اور عرقیات کی صورت میں دی جاتی ہیں کامیابی سے جراثیمی امراض کا علاج کر دیتی ہیں۔ جراثیم کے متعلق صرف اتنا یاد رکھیں کہ جن مقامات پر رطوبات رُک جاتی ہیں۔ وہاں پر متعفن ہو کر جراثیم پیدا کر دیتی ہے۔ جب اعضاء کی تیزی وہاں رطوبت کو خشک یا خارج کر دیتی ہے تو ساتھ ہی جراثیم بھی مر کر ہلاک ہو جاتے ہیں۔ اس کی مثال اس طرح سمجھ لیں کہ مکان میں اگر گندگی اور غلاظت پڑی ہو اور اس میں تعفن شدید ہو تو اگر اس پر دافع تعفن دوا ڈال دی جائے تو فوراً تعفن رُک جائے گا۔ لیکن چند دنوں بلکہ چند پہروں میں پھر شروع ہو جائے گا۔ لیکن اگر وہ گندگی اور غلاظت اٹھا کر باہر پھینک دی جائے اور وہ جگہ خشک کر دی جائے تو وہاں پر نہ صرف گندگی اور تعفن ختم ہو جائے گا بلکہ ساتھ ہی جراثیم بھی دور ہو جائیں گے۔ یہ ہے وہ علاج جس کا جواب فرنگی طب کے پاس نہیں ہے اور وہ اب تک اپنے طریق علاج میں ناکام ہے اور غلطی میں مبتلا ہے۔

ظاہری تقسیم جسم انسانی بانظریہ مفرد اعضاء

جسم انسان کو ہم نے اعضائے رئیسہ یا دوسرے الفاظ میں انسجہ (ٹشوز) میں تقسیم کر دیا ہے جن کے مرکز یہی اعضائے رئیسہ دِل، دماغ اور جگر ہیں۔ جیسا کہ گزشتہ صفحات میں پڑھ چکے ہیں یہ انسجہ تمام جسم میں اس طرح اوپر تلے پھیلے ہوئے ہیں کہ جسم کا کوئی مقام ایسا نہیں ہے کہ جہاں صرف ایک یا دو اقسام کے انسجہ ہوں یا ان کا آپس میں تعلق نہیں ہو۔ اس لئے امراض کی صورت میں تینوں اقسام کے حیاتی انسجہ متاثر ہوتے ہیں۔ البتہ ان کی صورتیں جدا جدا ہوتی ہیں جیسا کہ لکھا جا چکا ہے۔ ہر عضو کی زیادہ سے زیادہ تین صورتیں ہو سکتی ہیں: ① تحریک ② تحلیل ③ تسکین۔ جب کسی میں ایک حالت پائی جاتی ہے تو باقی دو دوسرے اعضاء مفرد (انسجہ۔ٹشوز) میں پائی جاتی ہیں، ایسا صرف اس لئے ہوتا ہے کہ دورانِ خون کی گردش ہی قدرت نے فطری طور پر ایسی بنائی ہے۔ اگر معالج دورانِ خون کی گردش کو پورے طور پر ذہن نشین کر لے تو امراض کی ماہیت کو آسانی سے سمجھ سکتا ہے۔ تفصیل درج ذیل ہے:۔

دورانِ خون اور نظریہ مفرد اعضاء

نظریہ مفرد اعضاء کے تحت دوران خون دِل (عضلاتی انسجہ) سے جسم میں دھکیلا جاتا ہے۔ پھر شریانوں کی وساطت سے جگر (غدی انسجہ) سے گزرتا ہوا دماغ (اعصابی انسجہ) پر گرتا ہے۔ تمام جسم کی غذا بننے کے بعد پھر باقی رطوبات (غدد جاذبہ) کے ذریعے جو طحال کے ماتحت غدد کی وساطت سے کام کرتے ہیں جذب ہو کر اور پھر خون میں شامل ہو کر دِل (عضلات) کے فعل کو تیز کرتا ہے اور ہر خون غدد سے چھننے سے رہ جاتا ہے۔ وہ بھی وریدوں کے ذریعے واپس قلب میں چلا جاتا ہے۔ اس طرح یہ سلسلہ جاری رہتا ہے۔

طب قدیم کی حقیقت کی تصدیق:

یہاں پر سمجھنے والی بات وہ حقیقت ہے جو طب قدیم نے ہزاروں سال قبل لکھی ہے کہ دورانِ خون جب تک جگر (غدد) سے نہ گزرے وہ جسم میں نہیں پھیلتا یا ترشح نہیں پاتا۔ اسی طرح ترشح پانے کے بعد جب بقایا رطوبات طحال (غدد جاذبہ) میں جذب ہو کر کیمیاوی طور پر تبدیلی حاصل نہ کر لیں یعنی ان کا کھاری پن ترشی میں تبدیل نہ ہو۔ وہ دِل (عضلات) پر نہیں گرتیں اور ان کو تیز نہیں کر سکتیں۔ صرف سمجھانے کے لئے دِل وجگر اور

دماغ وطحال کے اعضاء کے نام لکھے گئے ہیں ورنہ جسم میں ہر جگہ عضلات وغدد اور اعصاب وغدد جاذبہ اپنے علاقہ اور حدود میں وہی کام انجام دے رہے ہیں جو اعضائے رئیسہ ادا کر رہے ہیں۔ خون اور دوران خون کی ان چار تبدیلیوں کو طب قدیم میں خون وصفرا اور بلغم وسودا کے نام دیئے گئے ہیں۔ جہاں جہاں یہ کیمیاوی تبدیلیاں ہوتی ہیں انہی جگہوں کو ان کا مقام قرار دیا گیا ہے۔ خون کا مقام دِل، صفرا کا مقام جگر، بلغم کا مقام دماغ اور سودا کا مقام طحال۔ لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ باقی جسم میں یہ تبدیلیاں نہیں ہوتیں بلکہ ہر جگہ جسم میں تمام انسجہ (ٹشوز) دِل، دماغ، جگر وطحال کے کام انجام دے رہے ہیں۔ دلیل وتصدیق اور ثبوت کے طور پر ہم ان اعضاء کا مزاج پیش کر سکتے ہیں جہاں ہر دو رطوبات کیمیاوی تبدیلیاں حاصل کرتی ہیں۔ دونوں کی کیفیاتی وخلطی اور کیمیاوی مزاجوں میں ذرا بھر کوئی فرق نہیں ہے۔ کیا فرنگی طب اندھی ہے۔ اگر اس کے سائنس دان نہیں سمجھ سکتے تو ہم ان کو سمجھانے کا چیلنج کرتے ہیں۔

تحقیقات امراض

امراض کی تحقیقات کو ذہن نشین کرنے کے لئے اس راز کو سمجھ لیں کہ دوران خون دِل (عضلات) سے شروع ہو کر جگر (غدد) و دماغ (اعصاب) اور طحال (غدد جاذبہ) میں سے گزرتے ہوئے دِل (عضلات) کی طرف واپس لوٹتا ہوا جسم کے کسی حصہ کے مجریٰ مفرد اعضا (ٹشوز) میں افراط وتفریط اور تحلیل پیدا کر دیتا ہے۔ بس وہیں مرض پیدا ہوتا ہے اور اس کی علامات انہیں مفرد اعضا (انسجہ۔ٹشوز) کی وساطت سے تمام جسم میں ظاہر ہوتی ہیں اور خون میں بھی کیمیاوی طور پر وہی تغیر ہوتے ہیں۔ انہی مشینی اور کیمیاوی علامات کو دیکھ کر تشخیص مرض کیا جاتا ہے اور پھر جس مفرد عضو (ٹشوز۔نسیج) میں سکون ہوتا ہے اس کو تیز کر دینے سے فوراً صحت ہونا شروع ہو جاتی ہے۔

جسم انسان کی بالمفرد اعضاء تقسیم

امراض تشخیص کے لئے نبض وقارورہ اور براز دیکھنے کافی ہیں۔ ایک قابل معالج ان کی مدد سے مریض کے جسم میں جو کیفیاتی اور خلطی اور کیمیاوی تبدیلیاں ہوتی ہیں مفرد اعضا (ٹشوز۔انسجہ) کے افعال کی خرابی کو سمجھ سکتا ہے اور ان کے علاوہ دیگر رطوبات جسم جن کا ذکر نزلہ کے بیان میں کیا گیا ہے کے افعال کو سمجھ کر امراض کا تعین کر سکتا ہے مگر ہم نے زیادہ سہولت اور آسانی کے لئے جسم انسان کو چھ حصوں میں تقسیم کر دیا ہے تاکہ مریض اپنے جس حصہ پر ہاتھ رکھے معالج فوراً متعلقہ مفرد اعضاء کی خرابیوں کو جان جائے اور اپنا علاج یقین کے ساتھ کرے تاکہ قدرت کی قوتوں کے تحت فطری طور پر شرطیہ آرام ہو جائے۔

یاد رکھیں کہ اللہ تعالیٰ کی فطرت نہیں بدلتی۔ انسان کا فرض ہے کہ وہ فطرت اللہ کا صحیح علم رکھے تاکہ نتیجہ اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق نکلے۔ اللہ تعالیٰ کی اسی فطرت کے مطابق علاج کا نام شرطیہ طریق علاج ہے۔ قرآن حکیم نے کئی بار تاکید کی ہے: ﴿لن تجد لسنت الله تبديلا﴾ ''اللہ تعالیٰ کے نظام فطرت میں ہرگز ہرگز تبدیلی نہیں آتی'' جیسے آگ اپنی فطرت حرارت سے جدا نہیں اور پانی اپنی برودت سے الگ نہیں۔

جاننا چاہئے کہ ہم نے انسان کو سر سے لے کر پاؤں تک دو حصوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ پھر ہر حصے کو تین تین مقاموں میں تقسیم کر دیا ہے۔ اس طرح کل چھ مقام بن جاتے ہیں۔ اس طرح ان میں سے جس مقام پر کوئی تکلیف ہوگی اور ایک ہی قسم کے مفرد اعضاء (انسجہ۔ٹشوز) کے تحت ہوگی اور ان کا علاج بھی ایک ہی قسم کی مشینی اور کیمیاوی تبدیلی سے کیا جا سکتا ہے۔ یہ فطرت کا ایک عظیم راز ہے۔

جسم انسان کے دو حصوں کی تقسیم اس طرح کی گئی ہے کہ سر کے درمیان میں جہاں پر مانگ نکلتی ہے وہاں سے ایک سیدھی فرضی لکیر لے کر بالکل ناک کے اوپر سے سیدھی منہ وٹھوڑی اور سینہ وپیٹ سے گزرتی ہوئی مقعد کی لکیر تک پہنچ جاتی ہے۔ اسی طرح پشت کی طرف سے ریڑھ کی ہڈی پر سے گزرتی ہوئی پہلی لکیر سے مل جاتی ہے۔ اس طرح انسان کے دو حصے ہو جاتے ہیں۔

یہ تقسیم اس لئے کی گئی ہے کہ سالہا سال کے تجربات نے بتایا ہے کہ قدرت نے جسم انسان کو اس طرح بنایا ہے کہ وہ بیک وقت تمام جسم کو کسی مرض کے نقصان پہنچنے سے روکتی ہے بلکہ کسی ایک حصہ جسم میں تحریک سے تکلیف ہو رہی ہوتی ہے، کسی دوسرے حصے میں تقویت (ابتدائی تحلیل اور کسی تیسرے حصے میں تسکین) رطوبات، غذائیت پہنچا رہی ہوتی ہیں اور یہ کوشش اس لئے جاری رہتی ہے کہ انسان کو تکلیف اور مرض سے اسی طاقت کے مطابق بچایا جائے اور یہ کوشش اس وقت تک جاری رہتی ہے جب تک کوئی جسم بالکل بے کار اور ناکارہ ہو کر دوسروں سے تعلق نہ توڑ دے اور موت واقع ہو جائے مثلاً اگر جگر اور غدد کے فعل میں تیزی اور تحریک ہو تو دورانِ خون دِل وعضلات کی طرف جا کر اس کی پوری حفاظت کرتا ہے اور دماغ واعصاب کی طرف رطوبت اور سکون پیدا کر دیتا ہے تا کہ تمام جسم صرف جگر وغدد کی بے چینی سے محفوظ رہے اور قوتیں اس کا مقابلہ کر سکیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی خاص ربوبیت اور رحمت ہے۔

مرض کی ابتدا ہمیشہ ایک طرف ہوتی ہے

اسی طرح جب جسم انسان کے دائیں یا بائیں حصے میں کوئی تکلیف یا مرض ہو تو طبیعت مدبرہ بدن دوسرے حصے کو محفوظ رکھتی ہے اور یہ اوپر والے قانون بالمفرد اعضاء کے تحت ہوتا ہے مثلاً درد سر کبھی دائیں طرف ہوتا ہے کبھی بائیں طرف ہوتا ہے، کبھی سر کی پچھلی طرف ہوتا ہے کبھی پھیل کر سارے سر میں ہوتا ہے۔ اسی طرح کبھی دائیں آنکھ میں کوئی تکلیف ہوتی ہے اور کبھی بائیں آنکھ میں۔ پھر دونوں میں پھیل جاتی ہے لیکن کمی بیشی ضرور قائم رہتی ہے۔ اسی طرح ناک میں کبھی دائیں طرف مرض ہوتا ہے اور کبھی بائیں طرف مرض ہوتا ہے اور بہت کم دونوں میں ایک سی حالت ہوتی ہے۔ یہی صورت کانوں، دانتوں اور منہ کے باقی حصوں کی ہوتی ہے۔ اسی صورت کو اگر پھیلاتے جائیں تو صاف پتہ چلتا ہے کہ گردن کے دونوں طرف، دونوں شانوں، دونوں بازوؤں، سینہ اور معدہ اور امعاء کے ساتھ ساتھ جگر وطحال اور دونوں گردے، یہاں تک کہ مثانہ وخصیے اور دونوں ٹانگیں اپنی اپنی تکالیف میں جدا جدا صورتیں رکھتیں ہیں۔ یہ تقریباً ناممکن ہے کہ دونوں طرف بیک وقت تکلیف شروع ہوں البتہ رفتہ رفتہ دوسری طرف کے وہی مفرد اعضاء (انسجہ-ٹشوز) متاثر ہو کر کم وبیش اثر قبول کر لیتے ہیں۔ یہ وہ راز ہے جو اللہ تعالیٰ نے نظریہ مفرد اعضاء کے تحت دُنیائے طب پر ظاہر کیا ہے۔ اس سے قبل دُنیائے طب میں اس کا کسی کو علم نہیں تھا۔ فرنگی طب اور ماڈرن میڈیکل سائنس اس علم سے بالکل خالی ہیں۔

مفرد اعضاء کی ظاہری تقسیم کی تشریح

ان دونوں حصوں کو ہم نے تین تین مقامات میں اس طرح تقسیم کیا ہے۔

پہلا مقام (اعصابی عضلاتی): اس مقام میں سر کا دایاں حصہ، دایاں کان، دائیں آنکھ، دائیں ناک، دایاں چہرہ مع دائیں طرف کے دانت ومسوڑھے اور زبان۔ دائیں طرف کی گردن شامل ہے۔ گویا سر کے دائیں طرف سے دائیں شانہ تک جس میں شانہ شریک نہیں ہے۔ جب کبھی بھی ان مقامات پر کہیں تیزی ہوگی اعصابی عضلاتی تحریک ہوگی۔

دوسرا مقام (عضلاتی اعصابی): اس مقام میں دایاں شانہ، دایاں بازو، دایاں سینہ، دایاں پھیپھڑہ اور دایاں معدہ شریک ہے۔ گویا دائیں شانہ سے لے کر جگر تک۔ اس میں جگر شریک نہیں ہے۔ جب کبھی ان مقامات میں سے کسی میں تیزی ہو تو عضلاتی اعصابی تحریک ہوگی۔

تیسرا مقام (عضلاتی غدی): اس مقام میں جگر، دائیں طرف کی آنتیں، دائیں طرف کا مثانہ، دایاں خصیہ، دائیں طرف کا مقعد اور دائیں ساری ٹانگ کولہے سے لے کر پاؤں کی انگلیوں تک سب شامل ہیں۔ جب کبھی ان مقامات پر کسی میں تیزی ہوگی تو عضلاتی غدی تحریک ہوگی۔ دایاں حصہ ختم ہوگیا۔

چوتھا مقام (غدی عضلاتی) : بایاں نصف حصہ، اس میں سر کا بایاں حصہ، بایاں کان، بائیں آنکھ، بائیں ناک، بایاں چہرہ مع بائیں طرف کے دانت ومسوڑھے اور زبان اور بائیں گردن شامل ہیں۔ گویا بائیں جانب سر سے لے کر بائیں شانہ تک جس میں شانہ شریک نہیں ہے۔ جب کبھی ان مقامات پر تیزی ہو تو غدی عضلاتی تحریک ہوگی۔

پانچواں مقام (غدی اعصابی) : اس مقام میں بایاں شانہ، بایاں بازو، بایاں سینہ، بایاں پھیپھڑہ اور بایاں معدہ شریک ہیں۔ گویا بائیں شانہ سے لے کر طحال تک جس میں طحال شریک نہیں ہے۔ جب کبھی ان مقامات میں سے کسی میں تیزی ہوگی تو غدی اعصابی تحریک ہوگی۔

چھٹا مقام (اعصابی غدی) : اس مقام میں طحال ولبلبہ، بائیں طرف کی آنتیں، بائیں طرف کا مقعد، بائیں طرف کا مثانہ، بایاں خصیہ، بائیں ساری ٹانگ کولہے سے لے کر پاؤں کی انگلیوں تک شریک ہیں۔

تاکید: یہ تقسیم دوران خون کی گردش کے مطابق ہے جو دِل (عضلات) سے شروع ہو کر جگر (غدد) سے گزرتے ہوئے دماغ (اعصاب) اور طحال (غدد جاذبہ) سے گزر کر پھر دِل (عضلات) میں شامل ہوتا ہے۔ اس کا بیان عضلاتی غدی سے شروع ہو کر ترتیب وار چھ مقام بیان کئے گئے ہیں جو عضلاتی اعصابی پر ختم ہوتے ہیں لیکن ہم نے ایک سارے کو مدنظر رکھتے ہوئے دائیں طرف سرے سے شروع کر کے بائیں طرف کی ٹانگ پر ختم کر دیا ہے تاکہ سمجھنے میں آسانی رہے۔

یہ چھ مقام صرف تحریک کے ہیں لیکن اس امر کو نہ بھولیں کہ یہ چھ مقام دراصل تین مفرد اعضاء کے تعلقات اور تشخیص کو سمجھانے کے لئے ہیں کہ جسم اور خون کی تحریک کس طرف چل رہی ہے۔ اس لئے اس امر کو یاد رکھیں کہ جس ایک مفرد عضو میں تحریک ہو باقی دو میں تحلیل وتسکین ترتیب کے ساتھ ہوگی اور ان کا دیگر مفرد اعضاء پر وہی اثر ہوگا۔

تحقیقات الامراض بالمفرد اعضاء

اس بات کو پھر ذہن میں تازہ کرلیں کہ طب یونانی میں امراض کے بیان کو سر سے شروع کر کے پھر ناک اور آنکھوں کے امراض اور پھر کان اور منہ کے امراض کے بعد پاؤں تک ذکر کر دیا گیا ہے۔ البتہ ہر مرض کو کیفیات واخلاط کے مطابق واضح کر دیا ہے۔ آیورویدک میں بھی امراض کو سر سے بیان کر کے پاؤں تک پہنچایا گیا ہے۔ البتہ ہر مرض کی دوشوں اور پرکرتیوں کے مطابق تشریح کر دی گئی ہے۔ اس طرح فرنگی طب میں بھی امراض کو سر سے پاؤں کی طرف بیان کیا گیا ہے۔ البتہ ان کو متعدی اور غیر متعدی میں تقسیم کر کے پھر جراثیمی اور کیمیائی تغیرات کی تفصیل لکھ دی گئی ہے۔ لیکن اسی طرح امراض کے بیان اور تعین میں جو خرابیاں پیدا ہوتی ہیں ان کا ذکر گزشتہ صفحات میں تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

امراض کے بیان میں خاص خرابیاں

ان تمام خرابیوں سے بچنے کے لئے ہم نے امراض کو مفرد اعضاء (انسجہ۔ٹشوز) کے تحت تقسیم کیا ہے۔ اور ان کے بیان میں سر سے لے کر پاؤں تک دیگر طریق علاج کو مدنظر رکھا گیا۔ کیونکہ تقریباً ہر عضو مختلف مفرد اعضاء (انسجہ) سے مرکب ہے۔ جیسے سر میں اعصاب کے ساتھ عضلات اور غدد بھی شریک ہیں اور ہر مفرد عضو (نسیج) کے نقص سے ایک مختلف قسم کا مرض نمودار ہو جاتا ہے۔ جس کو طب یونانی نے کیفیات واخلاط کے تحت بیان کیا گیا ہے۔ آیورویدک نے دوشوں اور پرکرتوں کے تحت تشریح کی ہے اور فرنگی طب نے جراثیم اور کیمیائی تبدیلیوں کے تحت واضح کیا ہے۔ ان سے بھی زیادہ چند بڑی خرابیاں اور ہیں۔ جو تعین امراض میں باعث خرابی ہیں۔

اول: سر کے بیان کے بعد اعصابی امراض الگ بیان کئے ہیں۔ حالانکہ تمام اعصابی امراض سر کے تحت آنے چاہئیں۔ کیونکہ سر کو اعصاب کا مرکز تسلیم کیا گیا ہے۔

دوسرے: اعصاب کے امراض تو بیان کئے گئے ہیں لیکن کسی طب نے عضلاتی اور غدی امراض کا اعصابی امراض کی طرح کہیں ذکر نہیں کیا۔ گویا عضلات جسم میں کوئی نظام نہیں ہے۔ ان کا کسی نظام کے تحت باہمی کوئی تعلق نہیں ہے۔ بلکہ یونہی اِدھر اُدھر پھیلے ہوئے ہیں۔ اس طرح جسم کے دو حصے امراض کو آج تک بیان ہی نہیں کیا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ فرنگی طب نے جس طب کو پیش کیا ہے، وہ ناکارہ اور نکمی ہے۔ جب یہ حقیقت ہے کہ اعصابی انسجہ (نروس ٹشوز) کی طرح عضلاتی انسجہ (مسکولر ٹشوز) اور انسجہ قشری (اپی تھل ٹشوز) بھی جسم میں اپنے اپنے نظام رکھتے ہیں، تو پھر اعصابی امراض کی طرح عضلاتی اور غدی امراض کا ذکر ان کی کتب میں کیوں نہیں ہے۔ گویا فرنگی طب اور ماڈرن سائنس کو ان کا آج تک علم بھی نہیں ہے۔

تیسرے: فرنگی طب اور ماڈرن سائنس نے دموی امراض کو صرف کیمیکل تغیرات کے تحت بیان کیا ہے۔ ان کا تعلق کسی عضو (آرگن) سے قائم نہیں کیا۔ مثلاً دموی امراض اور جلدی امراض کو الگ الگ بیان کیا گیا ہے۔

چوتھے: **جہاں جسم کی کمزوریوں کا ذکر کیا گیا ہے، وہاں صرف اعصابی کمزوری کو تو بیان کیا گیا ہے، لیکن جسم میں عضلاتی اور غدی کمزوریوں کا کہیں ذکر نہیں کیا گیا۔ گویا سوائے اعصابی کمزوری کے کسی عضو میں اور کسی قسم کی کمزوری پیدا ہی نہیں ہو سکتی۔ یہی وجہ ہے کہ اعصابی کمزوری کے علاوہ عضلاتی اور غدی کمزوریوں کے مریض فرنگی طب میں کبھی اچھے نہیں ہوئے اور ان کو ہمیشہ نقصان پہنچتا رہا ہے۔**

پانچویں: بعض قویٰ کو امراض سمجھ لیا گیا ہے جیسے قوت باہ وقوت اشتہاء اور قوت دماغ وغیرہ۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ تمام قوتیں مختلف اعضاء کے تحت پیدا ہوتی ہیں۔ ان میں کوئی ایک مفرد عضو خراب ہوتا ہے، تمام بیک وقت بے کار نہیں ہوتے۔

چھٹے: بعض امراض کے نام علامات کے تحت رکھ دیئے گئے ہیں، جیسے صرع ونزلہ اور کھانسی ودمہ وغیرہ۔ چونکہ اکثر علامات کا تعلق مختلف اعضاء (انسجہ) کے ساتھ ہوتا ہے، اس لئے ان کا علاج تقریباً بالکل مختلف ہوتا ہے۔

ساتویں: بعض امراض کے نام اسباب کے تحت رکھے گئے ہیں۔ جیسے موسمی امراض، جنسی امراض، کیفیاتی امراض اور نفسیاتی امراض کا تعلق بھی کسی نہ کسی مفرد عضو کے ساتھ ہے۔ یہ سب امراض جسم میں صرف کیمیائی تغیرات سے پیدا نہیں ہوتے۔ یہ صرف اسباب تک محدود نہیں ہیں۔

آٹھویں: بعض امراض کو دیگر اعضاء کی شرکت سے بیان کیا گیا ہے۔ جیسے نزلہ ضعف دماغ، ضیق النفس قلبی، ضعف باہ کلوی وغیرہ لیکن ان میں شرکی اعضاء کی اہمیت وتعلق کی کوئی حقیقت بیان نہیں کی گئی۔ خاص طور پر ان کے فروق پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

نویں: زہر خوردنی اور زہریلے جانوروں سے پیدا ہونے والی تکالیف کو انہی کے نام کے تحت امراض قائم کر دیئے گئے ہیں۔ اور ان کا علاج بھی خون کے کیمیائی تغیرات سے کیا جاتا ہے۔ ان کا تعلق کسی مفرد اعضاء (انسجہ) سے نہیں کیا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ ایک ایک مرض میں کئی کئی اقسام کی ادویات استعمال کی جاتی ہیں۔

دسویں: یہی صورت وبائی امراض میں بھی بیان کی گئی ہے۔ ہر وبائی مرض میں علاج کے لئے خاص کیمیائی تغیرات یا مجربات کو سامنے رکھا گیا ہے۔ ان کا تعلق کس مفرد عضو کے ساتھ ہے، آج تک فرنگی طب اور ماڈرن سائنس واضح نہیں کر سکی۔ اگر ایسا کر لیتی تو ان کے یقینی تریاق مقرر کر لئے جاتے۔

یہ چند نمونے پیش کئے گئے ہیں جس سے فرنگی طب اور ماڈرن سائنس کی کمزوریاں اور خرابیاں واضح ہیں جن پر وہ صدیوں قابو نہیں پا سکی۔ مگر طب یونانی اور آیورویدک میں ہزاروں سال پہلے کیفیات واخلاط اور پرکرتوں اور دوشوں کے تحت بیان کر دیئے گئے ہیں۔ ہم انشاء اللہ تعالیٰ ان کو مفرد اعضاء کے تحت بیان کر کے فن علاج کو مکمل کر دیں گے۔

بالمفرد اعضاء امراض کا تعین

امراض کا تعین صرف مفرد اعضاء (انسجہ، ٹشوز) سے ہو سکتا ہے۔ جو تمام جسم میں پھیلے ہوئے ہیں اور تمام جسم کے اعضاء انہی سے مل کر بنے ہوئے ہیں۔ قانون فطرت یہ ہے کہ جسم کے جس مفرد عضو میں تکلیف ہوتی ہے تو اس کا اثر تمام جسم کے اس مفرد عضو میں پھیل جاتا ہے۔ جس جگہ پر تکلیف ہوتی ہے اس جگہ کو مرکزی مقام قرار دے کر مرض کا نام دے دیتے ہیں۔ اور باقی جسم میں اسی مفرد عضو کے اثرات کو علامات کا نام دے دیتے ہیں۔ یہ تمام اثرات مرض کے مطابق ہوتے ہیں۔ البتہ دیگر دو مفرد اعضاء (انسجہ) پر جو مختلف اثرات ہوتے ہیں وہ بھی علامات میں شریک کر لئے جاتے ہیں۔ مثلاً جگر میں جب سوزش پیدا ہو جاتی ہے تو تمام نظام غدد میں اس کا اثر نمودار ہو جاتا ہے۔ غدد امعاء پر اس کا نمایاں اثر ہوتا ہے۔ اس طرح جسم میں سر سے لے کر پاؤں تک تمام غشائے مخاطی خصوصاً پھیپھڑوں اور معدہ اور دماغی غشائے مخاطی فوراً متاثر ہو جاتی ہیں۔ بالکل اسی طرح جیسے صفراء کی زیادتی سے آنتوں میں جلن، مروڑ، پیٹ میں تناؤ، پھیپھڑوں کی جھلی میں سوزش اور دماغی غشائے مخاطی میں نزلہ کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ گویا وہ سب سوزش جگر یا صفراء کی علامات ہیں جو سب جگہ کی سوزش کے مطابق ہیں۔ مخالف علامات کی صورت میں تمام عضلات کے افعال میں تحلیل (ضعف) ہوگا اور تمام اعصاب کے افعال میں سکون (سن ہو جانا) پایا جائے گا۔ گویا جگر کی ایک تکلیف سے تمام جسم متاثر ہوتا

ہے۔ یہ سب کچھ مدنظر ہونا چاہئے۔ صرف جگر (غدد) کے فعل کا سامنے رکھنا کافی نہیں ہے۔

تحقیقات العلامات بالمفرد اعضاء

علامات کی حقیقت

علامات ایسے نشانات ہیں جن سے حالت صحت یا حالت مرض کا پتہ چلتا ہے۔ یہ طبی اصطلاح میں علامات تکالیف کی ان کیفیات کو کہتے ہیں جو مرض کے ساتھ جسم کے مختلف مقامات پر ظاہر ہوا کرتی ہیں۔ یہ علامات اکثر امراض کو سمجھنے، ان کے فروق اور تشخیص کے لئے دلائل بنائے جاتے ہیں اور انہی کی راہ نمائی میں امراض کی ماہیت و نام امراض اور تقسیم امراض کئے جاتے ہیں۔ چونکہ یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ مرض اس حالت کا نام ہے جب اعضاء کے افعال میں اعتدال نہ ہو، یعنی ان میں افراط وتفریط اور ضعف پایا جائے۔ اس لئے اعضاء کے افعال کی خرابیوں کو جاننے کے لئے ان علامات کو دیکھیں گے جو ان پر دلالت کرتی ہیں۔ یہ اس وقت ہوسکتا ہے کہ ہم امراض اور ان کی علامات کو الگ الگ ذہن نشین کر لیں۔ ایسا نہ ہونا چاہئے کہ اوّل ہم امراض اور علامات کا فرق ہی نہ سمجھ سکیں اور ہر علامت کو مرض اور ہر مرض کو علامت کہہ دیں۔ جیسا کہ فرنگی طب میں درج ہیں۔ مثلاً چھینک بھی مرض، ہچکی بھی مرض اور شدید پیاس کو مرض سمجھا گیا ہے۔ یہ بھی ابھی معمولی علامات ہیں۔ وہ بڑی بڑی علامات کو بھی مرض کہتے اور لکھتے ہیں۔ جیسے نزلہ وزکام، سوزش وورم اور بخار وضعف وغیرہ۔ گویا ان کے ہاں امراض وعلامات میں کوئی فرق نہیں ہے۔

اہم علامات

علامات نزلہ زکام جن کا ذکر گزشتہ صفحات میں تفصیل سے کیا گیا ہے۔ چند اور علامات بھی قابل ذکر ہیں۔ اگر ان علامات کو ذہن نشین کر لیا جائے تو ایک طرف نزلہ کی طرح جن مفرد اعضاء (انسجہ) سے ان کا تعلق ہوگا ان کے ساتھ ہی وہ ایک مرض کی شکل اختیار کر لیں گی اور اسی کی مناسبت سے نام قرار پالیں گی۔ ورنہ تنہا ان علامات کو امراض کا نام نہیں دیا جاسکتا اور دوسری طرف بہت سی چھوٹی چھوٹی علامات جو ان سے متعلق ہیں یا ان کے کم وبیش درجے ہیں ذہن ان کو اچھی طرح قبول کر لے گا۔ وہ درج ذیل ہیں:۔

(۱) سوزش (۲) ورم (۳) بخار (۴) ضعف (۵) تخدیر وغیرہ۔ یہی وہ علامات ہیں جو بار بار عضو میں پیدا ہو کر نئے امراض کی صورت میں ظاہر ہوتے رہتے ہیں۔ اگر ان کو ایک ہی مقام پر سمجھ لیا جائے تو تین چوتھائی امراض ختم ہوجاتے ہیں۔

سوزش: ایک ایسی جلن ہے جو کیفیاتی ونفسیاتی اور مادی تحریکات سے جسم کے کسی مفرد عضو میں پیدا ہو جاتی ہے۔ سوزش میں حرارت کی پیدائش، سرخی اور درد لازم ہیں۔ اور تحریک سے سوزش تک بھی چند منزلیں پائی جاتی ہیں۔ جیسے حِس، قبض، لذت، بے چینی، خارش اور جوش خون وغیرہ۔ انہی علامات میں سے کسی پر جب طبیعت مدبرہ بدن رُک جاتی ہے تو اس کو اس عضو کی علامت کا مرض کہا جاتا ہے۔

ورم: ورم کی علامت سوزش کے بعد پیدا ہوتی ہے۔ اس میں سوزش کی علامات کے ساتھ سوجن بھی ہوتی ہے اور جب سوجن زیادہ ہو جائے یا شدت اختیار کر لے تو حرارت بخار میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ جسم کے پھوڑے اور پھنسیاں اور دانے وغیرہ بھی اورام میں شریک ہیں۔

بخار: بخار ایک ایسی اور غیر معمولی حرارت ہے۔ جس کو حرارت غریبہ (بیرونی) بھی کہتے ہیں جو خون کے ذریعہ قلب سے تمام بدن میں پھیل جاتی ہے جس سے بدن کے اعضاء میں تحلیل اور ان افعال میں نقصان واقع ہوتا ہے۔ غصہ اور تھکان کی معمولی گرمی بخار کی حد سے باہر ہے کیونکہ اس سے کوئی غیر معمولی تبدیلی بدن انسان میں لاحق نہیں ہوتی۔ اس کو عربی میں حمیٰ (جمع حمیات) فارسی میں تپ کہتے ہیں۔ بخار پر ہماری کتاب ''تحقیقات حمیات'' کے نام سے شائع ہو چکی ہے۔

ضعف: جسم کی ایک ایسی حالت کا نام ہے جس میں گرمی کی زیادتی سے کسی مفرد عضو میں تحلیل پیدا ہو جائے۔ضعف کے مقابلہ میں طاقت کا تصور کیا جاسکتا ہے۔ضعف کو سمجھنے کے لیے ہماری کتاب ''تحقیقات اعادہ شباب'' کا مطالعہ کریں۔

تخدیر: کسی مفرد عضو کا سن ہو جانا۔اس علامت میں احساسات اعضاء ختم ہو جاتے ہیں۔تسکین وتبرید اسی میں شامل ہیں۔تخدیر کی صورت جسم میں بلغم اور رطوبت کی زیادتی سے پیدا ہوتی ہے۔فرنگی طب صرف اعضاء کی تخدیر کو سمجھتی ہے،لیکن وہ عضلات اور غدد کی تخدیر سے بالکل ناواقف ہے۔

استرخاء: کسی مفرد عضو کا ڈھیلا ہو جانا۔یہ استرخاء تحلیل سے واقع ہوتا ہے۔لقوہ اور فالج اس میں شریک ہیں۔تحلیل تینوں مفرد اعضاء میں ہو سکتی ہے۔اس لئے استرخاء صرف عصبی مرض نہیں ہے۔ بلکہ یہ عضلات اور غدد میں بھی پیدا ہوتا ہے۔اس لئے لقوہ ودیگر کسی عضو کے استرخا کے ساتھ عرضاً اور طولاً (کبھی دائیں کبھی بائیں) استرخاء ہو جاتا ہے۔جس کو فالج کہتے ہیں۔

تشنج: کسی مفرد عضو کا ایک طرف یا دونوں طرف سکڑ جانا۔اس کی وجہ حرارت رطوبت کا ختم ہو جانا اور سردی اور خشکی کا بڑھ جانا ہے۔کبھی ریاح کبھی سوزش اور شدت برودت سے یہ حالت پیدا ہو جاتی ہے۔یہ عصبی نسیج کے علاوہ عضلاتی اور غدی انسجہ میں بھی ہوتا ہے۔

اختلاج: کسی مفرد عضو کا پھڑکنا۔کسی مواد یا ریاح یا سوزش سے اس عضو کے فعل میں تیزی آجاتی ہے۔بعض دفعہ معمولی اعضاء پھڑکنے سے بڑی بیماریاں پیدا ہو جاتی ہیں۔

خون آنا: جسم کے کسی مخرج آنکھ، ناک، کان، منہ، مقعد اور احلیل سے خون خارج ہو یا کسی پھوڑے پھنسی یا ورم وزخم سے خون دفعتہً یا رفتہ رفتہ آئے،اس کی وجہ عضلاتی انسجہ میں تحریک ہوتی ہے۔اس کی دو صورتیں ہوتی ہیں۔اگر معدہ سے اوپر کی طرف سر تک کسی مخرج سے خارج ہو تو یہ عضلاتی اعصابی تحریک (سردی خشکی) ہوتی ہے اور اگر جگر سے لے کر پاؤں تک اگر کسی مخرج یا مجریٰ سے خارج ہو تو یہ عضلاتی غدی تحریک ہوتی ہے۔

رطوبات کا گرنا: رطوبات یا رطوبتی مواد یا بلغم کا اخراج پانا۔اس کا ذکر نزلہ زکام میں تفصیل سے کر چکے ہیں۔البتہ یہ ذہن نشین کر لیں کہ جب کسی حصہ جسم سے رطوبات اخراج پا رہی ہوں۔تو وہاں سے خون کا اخراج نہیں ہوتا۔اور جب خون کا اخراج ہو رہا ہو تو رطوبات بند ہوتی ہیں۔ گویا دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں۔اس لئے ایک دوسرے کا علاج سمجھنا چاہئے۔

جسم کے کسی مخرج یا مجریٰ سے کسی قسم کی بو کا ہونا مثلاً ناک، منہ، بغل، کنج، ران یا کسی مادہ کے اخراج کے ساتھ اس کی زیادتی کا احساس ہو تو یہ وہاں کی رطوبات کے رکنے اور متعفن ہونے سے ہوا کرتا ہے۔رطوبات کا رکنا تسکین کی علامت ہے۔

شقاق: کسی حصہ کا پھٹنا۔یہ انتہائی سردی خشکی کی علامت ہے۔یہ عضلاتی اعصابی تحریک ہوتی ہے اور ہر قسم کی سردی خشکی اس کے تحت شامل ہے۔

تعظم الاعضاء: کسی عضو جسم کا اپنے حجم میں بڑا ہو جانا۔مثلاً دِل ودماغ کا بڑا ہو جانا یا جگر وطحال کا عظیم ہو جانا،معدہ وجوڑ کا بڑھ جانا اور گلوں کا پڑ جانا۔وغیرہ۔یہ رطوبات کی زیادتی سے ہوتا ہے اور تسکین اعضاء کی علامت ہے۔کبھی ریاح سے بھی پیٹ پھول جاتا ہے۔یہ عارضی ہوتا ہے۔ہوا خارج ہو جانے پر پیٹ اپنی جگہ آجاتا ہے۔اور یہ بھی جاننا چاہئے کہ ریاح پیٹ کو سکیڑتی ہے اور پھیلاتی نہیں ہے۔یہی وجہ ہے کہ ریاح سے پیٹ یا کسی اور عضو میں درد ہوتا ہے۔مگر تعظم میں درد نہیں ہوتا۔یاد رکھیں کہ اس عضو کا علاج تحریک سے کرنا چاہئے۔تحلیل سے ہرگز نہیں کرنا چاہئے۔

تصغر الاعضاء: عظم الاعضاء کے برعکس کسی عضو کا چھوٹا ہو جانا۔یہ وہاں پر ریاح کی پیدائش اور سوزش سے ہوتا ہے۔یہ کسی عضو کی تحریک

ہے۔اس کا علاج وہاں پر رطوبات پیدا کرنا نہیں ہے بلکہ وہاں پر تحلیل کرنا چاہئے تاکہ وہاں سے ریاح دور ہو جائے اور سوزش ختم ہو جائے۔کسی مخرج یا مجاری میں سدہ پیدا ہو جانا سردی خشکی کی علامت ہے۔یہ عضو میں عضلاتی اعصابی تحریک ہے جس سے وہاں کا مواد سدہ کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔

استسقاء: جسم کے کسی خلا میں پانی کا پڑ جانا۔اس کا تعلق صرف پیٹ سے نہیں ہے بلکہ دل و دماغ اور سینہ و پیٹ ہر خلا میں پانی بھر جاتا ہے۔بلکہ جگر اور طحال کے پردوں کی خلاؤں میں بھی یہ رطوبت بھر جاتی ہے۔اسی طرح خصیتین میں بھی پانی بھر جاتا ہے۔اسؔ کے متعلق یہ راز سمجھ لینا چاہئے کہ فرنگی طب اس کو رطوبت دمویہ خیال کرتی ہے۔جو بالکل غلط ہے بلکہ یہ اس عضو کی رطوبت ہے جو تحلیل ہو رہا ہے۔یہی وجہ ہے کہ جب کسی انسان میں استسقاء پیدا ہو جاتا ہے تو اس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس کی زندگی بہت مشکل ہے۔اس کی تین اقسام بیان کی گئی ہیں۔

(۱) **زقی:** اصل استسقاء یہی ہے۔اس قسم میں مریض کا پیٹ مشک کی طرح پھولا ہوا اور کھچا ہوا ہوتا ہے۔دائیں بائیں حرکت کرنے سے پانی چھلکنے کی آواز پیدا ہوتی ہے۔یہ پانی پیٹ کے پردوں صفاق اور خرب کے درمیان ہوتا ہے۔اس پانی کا رنگ زرد ہوتا ہے۔**یہ غدی عضلاتی تحریک ہے۔**

(۲) **خمی:** دراصل یہ استسقاء نہیں ہے بلکہ استسقاء سے بالکل برعکس علامت ہے۔البتہ اس میں بھی پانی ہوتا ہے۔لیکن یہ پانی پردوں کی بجائے نسیج عضلاتی (مسکولر ٹشوز) کے خلیات (سیلز) میں ہوتا ہے۔اس میں جسم کے عضلات خصوصاً پیٹ کے عضلات پھولے اور بڑھے ہوتے ہیں۔یہ قسم زقی کی طرح خطرناک نہیں ہے۔**یہ اعصابی عضلاتی تحریک ہے۔**

(۳) **طبلی:** یہ قسم بھی استسقاء نہیں ہے۔اس میں پانی وغیرہ نہیں ہوتا۔بلکہ نسیج عضلاتی کے خلیات میں ضروری رطوبات کی نسبت ریاح زیادہ ہو جاتی ہے۔یہ ریاح وہاں کی رطوبات میں تبخیر کی صورت قائم ہو جانے سے پیدا ہو جاتی ہے۔بعض اطباء میں اس قسم میں اسی محل پر جہاں زقی میں پانی بھرا ہوتا ہے، کسی قدر رطوبات کے ساتھ بدشواری تحلیل ہونے والی ریاح کا ہونا قرار دیا ہے۔مگر یہ غلط ہے۔اس لئے کہ صفراوی رطوبات میں تبخیر پیدا ہونا مشکل ہے، کیونکہ وہ دافع تعفن ہے۔دوسرے اگر وہاں ریاح پیدا ہو جائے تو وہ استسقاء کے لئے باعث شفا ہو سکتی ہے۔یہ دراصل **عضلاتی غدی تحریک ہے۔**

کیڑے اور جراثیم: جسم میں اندر یا باہر جہاں پر رطوبت یا بلغم متعفن ہو جائے وہاں پر کیڑے یا جراثیم پیدا ہو جاتے ہیں جو اپنے مقام یا مادہ کی وجہ سے شکلوں میں مختلف ہوتے ہیں۔مثلاً ناک، کان، دانت، مسوڑے، پھیپھڑے، ہوا کی نالی، پیٹ، امعاء اور اندرونی بیرونی زخم اور ورم وغیرہ۔جراثیم ایسے کیڑے ہیں جو آنکھوں سے دکھائی نہیں دیتے۔البتہ جس مقام پر تعفن ظاہر ہو وہاں پر خوردبینی کیڑوں اور جراثیم کا پیدا ہو جانا ضروری ہے۔لیکن ان کیڑوں اور جراثیم کو علاج میں کوئی اہمیت نہیں ہے۔جس مقام پر کیڑے اور جراثیم ہوں وہاں کے مفرد اعضاء کو تحریک دینے سے یہ کیڑے اور جراثیم نہ صرف خود بخود مر جاتے ہیں بلکہ خود بخود اخراج بھی پا جاتے ہیں۔ان کو مارنے کے لئے جدا قسم کی ادویات کی ضرورت نہیں ہے۔

ان کیڑوں میں پیٹ اور امعاء کے کیڑوں کو خاص اہمیت حاصل ہے۔پیٹ میں جو کیڑے پیدا ہوتے ہیں اکثر قے سے خارج ہوتے ہیں۔آنتوں میں تین قسم کے کیڑے ہوتے ہیں۔اوّل کیچوے، جو لمبے لمبے سانپ کی شکل کے ہوتے ہیں۔یہ چھوٹی آنتوں میں پیدا ہوتے ہیں۔دوسرے کدو دانے، جو کدو دانوں کی شکل کے ہوتے ہیں۔یہ بڑی آنتوں میں پیدا ہوتے ہیں۔تیسرے چچنے، جو باریک اور چھوٹے ہوتے ہیں۔یہ مقعد کے اندر رہتے ہیں۔اقسام کے لحاظ سے ان کی تحریکات بھی مختلف ہوتی ہیں۔**اگر چھوٹی آنتوں میں کیڑے ہوں تو عضلاتی اعصابی تحریک**

ہوتی ہے اور بڑی آنتوں میں ہوں تو عضلاتی غدی تحریک ہوتی ہے اور مقعد میں ہوں تو غدی عضلاتی تحریک ہوا کرتی ہے۔ باقی جسم میں جہاں بھی کیڑے اور جراثیم ہوں تو اپنے اپنے مقام کی صورت میں ان کی تحریکات کو سمجھا جا سکتا ہے۔

پتھری: مختلف جوفدار اعضاء میں جہاں پر رطوبات کا اخراج ہوتا ہے، وہاں پر راستوں کی تنگی اور مواد کے لیسدار مواد کے بار بار گرنے سے رفتہ رفتہ وہاں پر خشک اور سخت ہو کر پتھر کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ اگر مواد لیسدار کم ہو تو ریگ کی صورت میں خارج ہوتا ہے۔ یہ پتھریاں خاص طور پر جگر، گردہ، حالبین ومثانہ میں پائی جاتی ہیں۔ **ان کی تحریک عضلاتی غدی اور غدی عضلاتی ہوتی ہیں۔**

غشی اور بے ہوشی: غشی اور بے ہوشی دو ایسی علامات ہیں جن کا تعلق تو قویٰ اور حواس کے ساتھ ہے۔ مگر امراض کی صورت میں تمام جسم کے ساتھ ہے۔ یعنی جسم میں کسی مرض اور علامات میں شدت پیدا ہو جائے تو غشی اور بے ہوشی کی نوبت آ جاتی ہے۔ فرنگی ڈاکٹروں نے غشی اور بے ہوشی کو ایک ہی چیز لکھا ہے۔ صرف کمی بیشی کا فرق لکھا ہے۔ یعنی اگر تکلیف خفیف ہو تو غشی اور اگر تکلیف زیادہ ہو تو پھر بے ہوشی ہو جاتی ہے۔ لیکن یہ بالکل غلط ہے۔ **جاننا چاہئے کہ غشی ضعف عضلات اور قلب کا نام ہے اور بے ہوشی اعصاب و دماغ کی شدت ضعف کا نام ہے جو انتہائی تحلیل سے پیدا ہوتی ہیں۔** چاہے یہ تحلیل رفتہ رفتہ واقع ہو یا وقتی طور پر کسی شدید تکلیف یا حادثہ میں واقع ہو جائے۔ مثلاً استفراغات کی کثرت، بھوک کی شدت، ناقابل برداشت درد، بخار کا بڑھ جانا، زہر یا کسی زہریلے مادہ کے اثرات، کیفیات کی تیزی، نفسیاتی اثرات کی شدت، جیسے غم وغصہ اور خوف وخوشی کے ناقابل برداشت حالات جن کے بعد بعض دفعہ موت بھی واقع ہو سکتی ہے۔ اسی طرح زہریلے جانوروں کا ڈسنا یا وحشی جانوروں کا حملہ کرنا وغیرہ۔

حرکات جسم کی زیادتی سے تکلیف: جسم کے بعض امراض وعلامات میں ذرا بھی اِدھر اُدھر حرکت کی جائے تو ان میں تکلیف پیدا ہو جاتی ہے۔ یا شدت ہو جاتی ہے۔ ایسی صورت میں عضلات قلب میں سوزش ہوتی ہے۔ حرکت سے جسم میں خشکی پیدا ہوتی ہے۔

آرام کی صورت میں تکلیف: مندرجہ بالا علامات کے خلاف جب آرام کیا جائے تو تکلیف جسم بڑھ جاتی ہے اور طبیعت حرکت کرنے سے آرام پاتی ہے۔ ایسی صورت میں اعصاب و دماغ میں سوزش اور تیزی ہوتی ہے۔ آرام سے جسم میں رطوبات کی زیادتی ہو جاتی ہے۔

خلطی کیفیاتی اثرات: جسم میں کیفیاتی اثرات کی زیادتی بھی امراض وعلامات میں شدت پیدا کر دیتی ہے۔ ان کا مفرد اعضاء (انسجہ۔ٹشوز) پر مندرجہ ذیل صورت میں اثر پیدا ہوتا ہے۔

① گرمی خشکی (غدی عضلاتی) یہ صفراء کا مزاج ہے۔

② گرمی تری (غدی اعصابی) یہ خون کا مزاج ہے۔

③ سردی تری (اعصابی عضلاتی) یہ بلغم کا مزاج ہے۔

④ سردی خشکی (عضلاتی اعصابی) یہ سودا کا مزاج ہے۔

نفسیاتی اثرات: جذبات کا بھی نفسیاتی طور پر جسم میں گہرا تعلق ہے اور حقیقت یہ ہے کہ کم وبیش انسان ہر وقت کسی نہ کسی جذبہ سے سرشار رہتا ہے۔ اس طرح انسان کے کسی نہ کسی عضو پر اثر پڑتا رہتا ہے یا کسی نہ کسی عضو کی تیزی سے کوئی نہ کوئی جذبہ بیدار ہوتا رہتا ہے یا شدت اختیار کرتا رہتا ہے۔ اس طرح معالج انسانی اعضاء کے عمل وافعال اور امراض وعلامات دیکھ کر اس کے جذبات وخیالات سے آگاہ ہوتا رہتا ہے۔ اس علم کا نام نفسیاتی منافع الاعضاء (فزیوسائیکالوجی) ہے۔ لیکن جس طرح فرنگی طب غلط ہے۔ اس طرح وہ اس علم سے بھی پورے طور پر واقف نہیں ہے۔ یہ شرف تحریک تجدید طب کو ہے کہ وہی پہلی بار دُنیائے طب میں فن کو علمی طور پر (Scientifically) پیش کر رہا ہے۔ یہ مبالغہ نہیں ہے، فرنگی طب

اور ماڈرن سائنس نظریہ مفرد اعضاء سے واقف نہیں ہے۔ اس لئے وہ اس علم کی مبادیات سے بھی آگاہ نہیں ہے۔ جو کچھ علم اس کے پاس ہے وہ عطائیانہ ہے۔ اثرات درج ذیل ہیں:

① مسرت-عضلاتی غدی ② لذت-عضلاتی اعصابی ③ غصہ-غدی عضلاتی

④ غم-غدی اعصابی ⑤ ندامت-اعصابی غدی ⑥ خوف-اعصابی عضلاتی

تحریکات کبھی بیک وقت پیدا ہوتی ہیں اور کبھی رفتہ رفتہ عمل میں آتی ہیں۔

جذبات نفسیاتی طور پر ایک قسم کا انسانی مزاج بن جاتے ہیں۔ اگر نفسیاتی طور پر انسان کے جذبہ کو بدل دیا جائے تو اس انسان کا علاج ہو جاتا ہے۔ یہ تبدیلی بھی نظریہ مفرد اعضاء کے قانون کے تحت ہو جاتی ہے۔ قدیم اخلاقی کتب میں اس کو روحانی علاج لکھا ہے۔

علامات خاص

اوپر جو علامات بیان کی گئی ہیں یہ علامات عامہ ہیں۔ جن کا تعلق تمام جسم کے ساتھ ہے۔ ذیل میں علامات خاصہ بیان کی جاتی ہیں۔ جن کا تعلق جسم کے مختلف حصوں کے ساتھ ہے۔

شقیقہ: آدھا سیسی، وہ درد جو آدھے سر میں ہوتا ہے۔ فرنگی طب تسلیم کرتی ہے کہ یہ درد سر کے نصف طول (لمبائی) میں دائیں یا بائیں طرف لاحق ہوا کرتا ہے اور اکثر دوری ہوتا ہے۔ لیکن یہ غلط ہے۔ شقیقہ وہ درد سر ہے جو نصف طول میں صرف بائیں طرف ہوتا ہے۔ **یہ درد سر غدی عضلاتی ہے۔ گویا گرمی خشکی سے لاحق ہوتا ہے۔**

عصابہ: درد ابرو، وہ درد سر جو سر اور ابرو میں ہوتا ہے۔ عصابہ کے معنی پٹی کے ہیں جیسے کسی نے دونوں ابروؤں کے اوپر پٹی باندھ دی ہو۔ جالینوس کا قول نقل کرتے ہیں کہ وہ بیان کرتا ہے کہ ''شقیقہ سر کے طولانی حصہ میں لاحق ہوتا ہے۔ مگر عصابہ کا احساس عرض میں ہوا کرتا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ **عصابہ سر کے دائیں طرف کا درد ہے چونکہ یہ عصبی درد ہے۔ اس لئے اس کا احساس باہر کی طرف ہوتا ہے اور شدت کے وقت دوسرے ابرو تک پھیل جاتا ہے۔** بلکہ بعض وقت تمام سر کے گرد پٹی معلوم ہوتی ہے اور بعض وقت تمام سر درد کرتا ہے۔ **یہ درد سر (اعصابی عضلاتی)** ہے۔ دائیں طرف سے اس کی ابتداء ہوتی ہے اور یہ سردی تری سے ہوتا ہے۔ اس لئے عصابہ اور شقیقہ میں سردی اور گرمی کو مدنظر رکھنا ضروری ہے۔ اس لئے شقیقہ طلوع آفتاب کے بعد بند ہو جاتا ہے۔ لیکن عصابہ رات کو بھی قائم رہتا ہے۔

سدور دوار: سر چکرانا، چونکہ چکروں کا تعلق سر کے ساتھ ہے، اس لئے اس کو سر کے تحت لکھ دیا گیا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ چکروں کا تعلق حرکت سے ہے۔ گویا عضلات کو قابو نہیں ہے اس لئے اس کو دِل و عضلات میں ہونا چاہئے۔ کبھی عضلات میں تحلیل ہوتی ہے اور کبھی عضلات میں تحریک ہو کر اعصاب میں تحلیل ہوتی ہے۔ اس صورت کو غشی اور بے ہوشی کی ابتدائی صورت سمجھ لینا چاہئے۔ لیکن تکلیف زیادہ تر دماغی عضلات میں ہوتی ہے۔

سرسام: دماغ یا پردہ دماغ کے اورام کا نام ہے۔

سبات و سھر: نیند اور بیداری، ان علامات کو بھی سر کے ساتھ متعلق کرنا صرف اس لئے ہے کہ سوزش و تحریک یا مادہ کا تعلق دماغ اور اس کے پردوں کے ساتھ ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ دونوں علامات عضلات کے تحت آنی چاہئیں۔ کیونکہ ان میں حرکات میں افراط و تفریط پیدا ہو جاتی ہے۔

نسیان: بھول جانا یا یادداشت کا ختم ہو جانا، اس کا اصل سبب دماغ اور اس کے پردوں پر بلغم اور رطوبات کی زیادتی ہے۔ **اس میں کبھی اعصابی**

غدی تحریک ہوتی ہے اور کبھی اعصابی عضلاتی تحریک ہوتی ہے۔

مالیخولیا اور جنون: چونکہ ان علامات کا تعلق بھی دماغ اوران کے پردوں کے ساتھ ہے جس کے برعکس ان کی رطوبات خشک ہوجاتی ہیں لیکن حقیقت میں اس کا تعلق عضلات کے ساتھ ہے۔اس میں انسانی حرکات بے چینی اور اکثر شدت اختیار کرلیتی ہیں۔اس کی دوصورتیں ہیں عضلاتی اعصابی (سوداوی) اور عضلاتی غدی (صفراوی)۔ **پہلی صورت کو مالیخولیا اور دوسری صورت کو جنون کہتے ہیں۔**

صرع ، مرگی: صرع کے معنی گرنا ہے۔اس کو دماغی اور اعصابی مرض کہا گیا ہے۔اگرچہ اس مرض میں گرنا اور دورہ کے وقت غیر معمولی اور تشنج کی حرکات کا ہونا عضلاتی علامات ہیں۔لیکن یہ علامات ردِّعمل کی ہیں۔اس لئے اس کو خالص دماغی مرض کہنا چاہئے۔اس کی تین صورتیں بیان کی ہیں۔اوّل دماغ جس میں زہریلا مادہ دماغ میں ہوتا ہے۔دوسرے معدی جس میں زہریلا مواد معدہ میں تیار ہوتا ہے۔تیسرے اطرافی جس میں زہریلا مواد اطراف میں تیار ہوتا ہے۔لیکن حقیقت میں یہ صرف اعصابی مرض ہے۔اس کی اوّل تحریک اعصابی عضلاتی ہوتی ہے۔دوسری تحریک اعصابی غدی ہوتی ہے اور جب دونوں تحریکوں میں رطوبات خشک ہوجاتی ہیں لیکن زہریلا مواد باقی رہتا ہے تو پھر یہ تحریک عضلاتی اعصابی ہوجاتی ہے۔اس کو صرع سوداوی بھی کہتے ہیں۔نسیان کو اس کی ابتداء خیال کرنا چاہئے۔بلغم کی زیادتی اور اس میں زہر پیدا ہوجانے سے اعصاب میں تحریکات پورے طور پر قائم نہیں رہ سکتیں۔مریض گر جاتا ہے۔پھر ردِّعمل کی حرکات سے ان میں تحریکات جاری ہوجاتی ہیں۔مرگی کے دورے اس وقت زیادہ پڑتے ہیں جب پانی یا آگ یا کسی اور چمک کا مریض پر اثر پڑتا ہے جس سے رطوبات اور بلغم میں اضافہ ہوجاتا ہے۔

ام الصبیان: بچوں کی مرگی، اس کی ماہیت بالکل صرع کی سی ہے۔بچوں میں چونکہ رطوبت زیادہ ہوتی ہے اس لئے ان میں یہ علامت زیادہ پائی جاتی ہے۔اس لئے ام الصبیان کے نام سے اس علامت کو جدا قائم کیا گیا ہے۔البتہ اس امر کو ذہن نشین کرلیں کہ بچوں میں ایک علامت **''پسلی چلنا'' بھی ہوتی ہے جو دراصل ذات الجنب ہے اور صفراء سے ہوتی ہے، جس کی تحریک غدی عضلاتی ہے۔لیکن ام الصبیان سردی سے ہوتا ہے، اس کی تحریک اعصابی عضلاتی یا اعصابی غدی ہوتی ہے۔** یہ بھی یاد رکھیں ام الصبیان میں تشنج ہوتا ہے مگر پسلی نہیں چلتی اور نہ درد ہوتا ہے۔ذات الجنب کی تشریح اپنے مقام پر دیکھیں۔

سکتہ: جسم انسان میں حس وحرکت دونوں کا بند ہوجانا۔اس علامت میں دفعتہً حس وحرکت دونوں بند ہوجاتی ہیں۔دراصل یہ دماغی علامت ہے۔اس میں حرکت کے اعصاب میں تحریکات رُک جاتی ہیں۔جس کا سبب دماغی بطون شریفہ میں سدہ تامہ کا واقع ہونا یا بلغم اور خون کا اس میں زیادہ بہہ کر ان کے افعال کو معطل کردینا ہے۔بلغم کی صورت میں تحریک اعصابی عضلاتی ہوتی ہے اور خون کی صورت میں عضلاتی اعصابی تحریک ہوتی ہے۔ان اندرونی صورتوں میں پرانے امراض یا جسم میں کسی قسم کے زہروں کا پیدا ہونا ہے۔ان کے علاوہ بیرونی طور پر ضربہ وسکتہ اور صدمہ وایذاء سے بھی یہی کیفیت پیدا ہوجاتی ہے۔گویا ایک قسم کی موت ہوتی ہے۔لیکن یہ حقیقی موت نہیں ہوتی اس لئے مریض کی پوری تسلی کرکے اس کو دفن کرنا چاہئے۔پوری تسلی کے لئے دِل کی حرکت اور آنکھوں کی پتلیوں کا پورا معائنہ کرلینا چاہئے کیونکہ نبض ختم ہوچکی ہوتی ہے۔

کابوس: نیند کی حالت میں تمام جسم خصوصاً سینہ پر بوجھ معلوم ہونا۔بعض وقت کسی انسان یا غیر انسان کا جسم پر بیٹھے ہوئے معلوم ہونا، نیند میں شور کرنا، مگر آواز کا نہ نکلنا اور نہ حرکت کرسکنا۔یہ دراصل سکتہ کی ایک ابتدائی حالت ہے۔جس میں بلغم اور ریاح کی زیادتی سے سینہ اور دماغ پر دباؤ پڑ جاتا ہے اور تحریک رُکتی معلوم ہوتی ہے۔بعض دفعہ اس طرح موت بھی واقع ہوجاتی ہے۔

رعشہ: جسم کے کسی حصہ خصوصاً ہاتھ پاؤں کا کانپنا، بعض لوگوں کے ابرو میں بھی یہی حرکت دیکھی گئی ہے۔دراصل یہ سکتہ کا ابتدائی درجہ ہے۔اس میں حرکات کی مکمل طور پر حس خراب نہیں ہوتی۔کچھ حس کی خرابی سے عمل اور ردِّعمل جاری رہتا ہے اس لئے رعشہ کی صورت پیدا ہوجاتی ہے۔

جسم میں سردی زیادہ ہوتی ہے اور اکثر نفع بھی رہتا ہے اس کی تحریک **عضلاتی اعصابی** ہوتی ہے۔

رمد: آنکھ دکھنا، آنکھ کا پردہ ملتحمہ کا ورم ہوتا ہے۔ اس کی ابتداء اگر دائیں طرف سے ہو تو **اعصابی عضلاتی ہے اور اگر بائیں طرف سے ہو تو غدی عضلاتی ہوتا ہے۔**

سلاق: اس مرض میں پپوٹوں کے کنارے سرخ اور موٹے ہو جاتے ہیں اور پلکیں گرنا شروع ہو جاتی ہیں۔ اس مرض کو باہمنی بھی کہتے ہیں۔ یہ پپوٹوں کی سوزش ہے۔ جس طرف ہوگی اس کی تحریک جدا ہوگی۔ لیکن جب دونوں طرف ہو تو ایک ہی تحریک اسی مفرد عضو میں پھیل جاتی ہے۔

شترہ: پپوٹوں کا چھوٹا ہو جانا، اس کا تشنج ہے۔ **عضلاتی اعصابی تحریک ہے۔**

پڑبال: پلکوں میں زائد بال پیدا ہو جانا یا ان کا اندر کی طرف مڑ جانا۔ جسم میں بالوں کے مواد کا زیادہ ہونا اور پلکوں میں اندر کی طرف تحریکات کا پیدا ہو جانا جس سے زائد بالوں کی پیدائش شروع ہو جاتی ہے۔ **یہ عضلاتی اعصابی (سوداوی) تحریک ہوتی ہے۔**

شب کوری: اس کو رتوندی بھی کہتے ہیں۔ اس علامت میں مریض رات کے وقت نہیں دیکھ سکتا۔ یہ علامت سردی تری سے پیدا ہوتی ہے۔ **اعصابی عضلاتی تحریک ہے جو رطوبت کی زیادتی سے پیدا ہوتی ہے۔** اس کا اثر اعصاب دماغ پر اثر کر کے ان کی تحریکات کو روک دیتا ہے۔ جس میں سے روشنی اندر پورے طور پر داخل نہیں ہو سکتی۔ اندھیرا جسم میں اعصابی تحریک کو بھی بڑھا دیتا ہے۔

روز کوری: اس علامت میں دِن کے وقت کم دکھائی دیتا ہے یا آنکھیں چندھیا جاتی ہیں۔ یہ علامت بالکل شب کوری کے برعکس ہے۔ اس میں روشنی کی برداشت کم ہو جاتی ہے اور دیکھنے میں تکلیف ہوتی ہے۔ اس میں ایک صورت یہ ہے کہ پردہ شبکیہ میں کچھ سیاہی کی کمی بھی واقع ہو جاتی ہے جو روشنی کو برداشت کرتی ہے۔

دھند: آنکھ پر غبار کا ایک پردہ سا معلوم ہوتا ہے۔ گویا اس میں آنکھ کی شفائیت پر گندلا پن چھایا رہتا ہے۔ اور ظمث بصر لاحق ہو جایا کرتی ہے۔ اس علامت میں کبھی کبھی رطوبات کا اخراج بھی ہوتا ہے۔ دراصل یہ رطوبات کی زیادتی ہے جو آنکھوں میں بھری رہتی ہے۔ یہ نزلہ زکام کی ایک علامت ہے۔

سبل: اس علامت میں آنکھوں کی رگیں پھول کر ایک سرخ پردہ سا بن جاتا ہے۔ ساتھ ہی آنکھوں سے پانی بھی بہتا ہے۔ **عضلاتی اعصابی تحریک ہے۔** ''سبل'' کے معنی آنسو بہنے کے ہیں۔

ظفرہ: ناخنونہ ایک سخت جھلی سی ہوتی ہے جو اندرون گوشہ چشم سے کبھی بیرونی گوشہ چشم سے اور کبھی دونوں گوشوں سے شروع ہو کر تمام آنکھ پر پھیل جاتی ہے۔ لیکن اکثر صرف سفیدی چشم تک رہتی ہے۔ بہت کم سیاہی چشم کو پوشیدہ کرتی ہے۔ دراصل یہ ایک زیادتی ہے جو طبقہ ملتحمہ کے قریب واقعہ ہو جاتی ہے۔ اس کو ناخونہ اس لئے کہتے ہیں کہ یہ زائد جھلی ناخون کی قبیل سے ہے اور اسی کی طرح سخت ہوتی ہے۔ بعض نے ظفرہ اور سبل کو ایک ہی چیز لکھا ہے اور فرق یہ ہے کہ ظفرہ گوشتہ چشم تک محدود ہے لیکن سبل تمام آنکھ پر پھیل جاتا ہے۔ لیکن یہ غلط ہے۔ کیونکہ سبل کوئی زائد جھلی نہیں ہوتی بلکہ آنکھوں کی رگیں ہی خون کے دباؤ سے پھول کر سرخ ہو جاتی ہیں۔

طرفہ: یہ ایک سرخ یا سیاہ یا نیلے رنگ کا نقطہ ہے جو چوٹ لگنے سے آنکھ کی سفیدی پر ظاہر ہو جاتا ہے۔ گاہے قے کی شدت، حرکت یا جوش خون سے کسی رگ کا منہ کھل جانے سے واقع ہو جاتا ہے۔

غرب: یہ ناسور ہے جو اندرونی گوشہ چشم میں پیدا ہو جاتا ہے۔ اس میں اکثر زرد پانی یا پیپ بہتی رہتی ہے۔

بردہ: آنکھ کے پپوٹے میں سخت وسفید ابھار یا دانے کا پیدا ہو جانا جو کبھی اندر ہوتا ہے کبھی باہر ہوتا ہے۔

شعیرہ: گوہانجنی، جو پلک کے کنارے ایک لمبوتری شکل کا ورم ہے۔

نزول الماء: موتیا بند، ایک رطوبت غریبہ ہے جو نزلہ کی شکل میں بتدریج یا کبھی یکبارگی ان کی پتلی ھقبہ غبیہ میں ٹھہر جاتی ہے۔ جب یہ رطوبت زیادہ غلیظ ہو اور پردہ کے تمام سوراخ پر چھا جائے تو نظر بند ہو جاتی ہے۔ اگر کچھ خالی رہے تو کم وبیش بینائی باقی رہتی ہے۔ لیکن رطوبت اگر رقیق ہو تو بھی اس سے روشنی آفتاب یا چراغ کا پتہ چلتا رہتا ہے۔ اس کا صحیح علاج دستکاری ہے۔ لیکن جب تک بینائی مکمل بند نہ ہو جائے دستکاری مفید نہیں ہے۔

رعاف (نکسیر): ناک سے خون جاری ہونے کو کہتے ہیں۔

بواسیر الانف (ناک کی بواسیر): ناک کے اندر زائد گوشت پیدا ہو جاتا ہے، چونکہ ناک کی اندرونی رگوں میں تیزی اور دباؤ سے پیدا ہوتا ہے۔ اس کی شکل بواسیر کے مسوں کی طرح ہوتی ہے۔ اس لئے اس کو ناک کی بواسیر کہتے ہیں۔ **عضلاتی اعصابی تحریک ہے۔**

عطاس: زیادہ چھینکیں آنا، **اعصابی عضلاتی تحریک ہے اور کبھی عضلاتی اعصابی بھی ہوتی ہے۔**

بواسیر الشفت (لب کی بواسیر): اس کی صورت بھی بالکل بواسیر کے مسوں کی ہے۔ اکثر زیریں لب اور کبھی دونوں لب موٹے ہو کر پھٹ جاتے ہیں اور ان پر توت کی مانند مسوں کے ابھار نمایاں ہو جاتے ہیں۔ ان میں سے کبھی خون اور کبھی رطوبت کا اخراج ہوتا ہے (**عضلاتی اعصابی تحریک ہے**)۔ اس علامت میں مسے اس قدر بڑھ جاتے ہیں کہ لب لٹک جاتے ہیں۔

دانتوں کی آب کا زائل ہو جانا: دانتوں کے اوپر ایک چمک دار مادہ ہوتا ہے جو اتر جاتا ہے جس سے دانتوں کی آب ختم ہو جاتی ہے۔ ایسی حالت میں ان میں گرم سرد اشیاء کی برداشت کرنے کی طاقت نہیں رہتی۔ ان کو سردی گرمی پہنچنے سے تکلیف ہوتی ہے۔ بلکہ سخت اشیاء کو چبانا مشکل ہو جاتا ہے۔ **اس کی تحریک عضلاتی غدی یا غدی عضلاتی ہوتی ہے۔** جس سے جسم میں چونے (کیلشیم) کے اجزاء ختم ہو جاتے ہیں۔

دانتوں کا ٹوٹنا اور ریزہ ریزہ ہونا: دانتوں کی آب زائل ہو جانے کے بعد دانتوں میں قوت برداشت ختم ہو جاتی ہے اور روز بروز کمزور ہو کر ٹوٹنا اور ریزہ ریزہ ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔

دانتوں کا بڑھنا: خون میں حیوانی مادہ (فاسفورس) کی زیادتی سے دانتوں کے زیادہ بڑھنے اور باہر کی طرف پھیلنے کی حالت پیدا ہو جاتی ہے۔ اس میں اعصابی غدی تحریک ہوتی ہے۔

دانتوں کا پسنا: بعض لوگ خاص طور پر بچے اور عورتیں نیند میں دانت پیستی ہیں۔ اس کی جڑوں کے عضلات میں تشنج ہوتا ہے جو ریاح کی زیادتی سے پیدا ہو جاتا ہے۔

خناق (حلق کا ورم): **عضلاتی اعصابی تحریک** شدید ہے۔

آواز کا بیٹھ جانا: **عضلاتی غدی تحریک** ہے۔

دمہ: تنگی تنفس، پھیپھڑوں کی علامت ہے۔ کبھی یہ علامت اعصابی ہوتی ہے اور کبھی عضلاتی اور کبھی غدی ہوتی ہے۔ اس میں سانس تنگی سے آتا ہے۔

کھانسی: پھیپھڑوں کی غیر طبعی حالت ہے جس میں ان کو تکلیف کی وجہ سے دفعتہً ایسی بے چینی پیدا ہوتی ہے جس سے گلے میں آواز پیدا ہوتی ہے۔ جیسے اچانک چھینک پیدا ہوتی ہے، یہ دمہ کی ابتدائی صورت ہے۔

منہ سے خون آنا: یہ خون منہ میں مسوڑوں سے لے کر حلق، پھیپھڑوں اور معدہ میں سے کسی مقام سے آ سکتا ہے۔ عام طور پر پھیپھڑوں

کے مقام پر دلالت کرتا ہے (**عضلاتی اعصابی تحریک ہے**)۔

سل: عام طور پر پھیپھڑوں کے زخم کو کہتے ہیں۔ لیکن ہر اندرونی زخم جس میں پیپ پڑ جائے سل کہا جاتا ہے۔ **عضلاتی اعصابی تحریک یا عضلاتی غدی تحریک ہوتی ہے۔**

پہلو کا درد (ذات الجنب): سینہ کی اندرونی جھلی غشائے مخاطی میں سوزش ہوتی ہے۔ **یہ غدی عضلاتی تحریک ہے۔** یہ درد کبھی پھیپھڑوں میں نہیں ہوتا۔ یہ ہمیشہ بائیں طرف سے شروع ہوتا ہے، اس کے برعکس **پھیپھڑوں کا ورم عضلاتی اعصابی ہے** اور ہمیشہ دائیں طرف سے شروع ہوتا ہے۔

خفقان: دل دھڑکنا۔ **عضلاتی اعصابی تحریک ہے۔**

جوع البقر (بیل کی بھوک): یہ وہ مرض ہے جس میں باوجود یہ کہ اعضاء کو غذا کی ضرورت ہوتی ہے مگر معدہ بالکل بھوک محسوس نہیں کرتا۔ بھوک بالکل جاتی رہتی ہے اور کھانے کی بالکل خواہش نہیں ہوتی۔ انسان کمزور ہو جاتا ہے۔ **اعصابی عضلاتی تحریک ہوتی ہے۔**

جوع الکلب: اس مرض میں اس قدر سختی سے بھوک لگتی ہے کہ بہتیری غذا کھانے کے بعد بھی پیٹ نہیں بھرتا بلکہ خواہش باقی رہتی ہے۔ گویا مثل کتے کے اس کی بھوک نہیں ختم ہوتی، چاہے کتنا بھی کھائے اس کی حرص ختم نہیں ہوتی (**عضلاتی اعصابی تحریک ہے**)۔

قے: معدہ کی وہ حرکت ہے جس کے ساتھ منہ سے غذا یا کوئی مادہ خارج ہو، جب حرکت تو ہو مگر کچھ خارج نہ ہو اس کو ابکائی کہتے ہیں اور جب حرکت بھی نہ ہو، یوں ہی طبیعت بے چین ہو، تو اس کو متلی کہتے ہیں۔ **یہ اعصابی غدی تحریک ہوتی ہے،** صرف کمی بیشی کا فرق ہے۔

ہچکی (فواق): ایک ایسی علامت ہے جس میں یکبارگی منہ سے ایک آواز پیدا ہوتی ہے جو معدہ سے اٹھتی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ یہ معدہ میں اچانک حرکت سے پیدا ہوتی ہے۔ یہ علامت معدہ کے عضلات اور حجاب معدہ میں تشنج سے پیدا ہوتی ہے۔ اس تشنج کا سبب سوزش عضلات ہوتا ہے جو کبھی ورم اور زخم کی صورت بھی اختیار کر لیتا ہے۔ معدہ کی یہ حرکت گویا کسی ایذا (تکلیف) کو رفع کرنا مقصود ہوتا ہے۔ شدید امراض میں ہچکی کا پیدا ہو جانا، اکثر خطرناک ہوا کرتا ہے۔

پیاس (العطش): پیاس کے متعلق یہ ذہن نشین کر لیں کہ پیاس کبھی اس چیز سے نہیں بجھتی جو کچھ کہ پیا جاتا ہے، بلکہ اس رطوبت سے بجھتی ہے جو خون سے معدہ میں ترشح پاتی ہے۔ اسی طرح جسم میں کسی مقام کی جلن بھی اسی رطوبت سے دور ہوتی ہے۔ پانی یا شربت دیگر پینے کی اشیاء تو صرف اس رطوبت کے اخراج کا باعث بن جاتی ہیں۔ اگر ضرورت پانی کی پیاس ہوتی تو فوراً وہ بجھ جاتی ہے، اگر کوئی تکلیف ہوتی ہے تو وہ پیاس پانی سے نہیں بجھتی۔ اس کو پیاس کاذب یا مرض کی علامت کہتے ہیں (**یہ غدی اعصابی تحریک ہے**)۔

ہیضہ: معدہ اور امعاء کی ایک ایسی حرکت ہے جس میں پیٹ کے درد یا بغیر درد کے قے کبھی اسہال شروع ہو جاتے ہیں۔ اکثر دونوں شروع ہو جاتے ہیں۔ اس کی دو صورتیں ہیں۔ اوّل سادہ جو اعصاب کی تحریک سے عمل میں آتی ہے اور دوسرے متعفنہ جو اعصابی تسکین میں تعفن پیدا ہونے سے ہوتی ہے۔ جس کو عام طور پر وبائی کہتے ہیں۔ لیکن ضروری نہیں کہ یہ صورت صرف وباء میں پیدا ہو۔ ہر زمانے میں بغیر وبائی ایام کے بھی پیدا ہو سکتی ہے۔ اس کی وبائی صورت اس وقت تسلیم کرتے ہیں جب موسم و ماحول اور آب و ہوا میں ایسے اثرات پیدا ہو چکے ہوں جو اعصابی تحریک میں فوراً تعفن پیدا کر دیں۔ اس کو فوراً روکنے کی کوشش نہ کریں جب تک زہریلے مواد اخراج نہ پالیں یعنی ایک تحریک کو مکمل کر لیں پھر دوسری تحریک کی طرف رجوع کریں۔ **ہیضہ میں اعصابی غدی یا اعصابی عضلاتی تحریکیں ہوتی ہیں۔**

قے الدم (خون کی قے): یہ قے صرف مری اور معدہ تک مخصوص ہے۔

یرقان: استسقاء کی ابتدائی صورت ہے۔ جس میں جگر سے صفراء کا اخراج رُک جاتا ہے۔ اس کو زرد یرقان کہتے ہیں۔ اور جب طحال اپنی رطوبات کو کیمیائی طور پر اخراج کرنا بند کر دیتی ہے تو جسم میں **سیاہ رنگ کا یرقان ہو جاتا ہے جس کو سوداوی یرقان کہتے ہیں۔**

مسہل: امعاء کے افعال کو تیز کر کے شکم کے مواد کو خارج کرنا شکم میں معدہ وامعاء اور جگر وطحال شریک ہیں۔ آنتیں چونکہ مرکب عضو ہیں۔ اور اس میں اعصاب، غدد اور عضلات تمام شریک ہیں۔ اس لئے جو بھی مفرد عضو (نسیج) تیز ہو جاتا ہے پاخانے شروع ہو جاتے ہیں۔ اس لئے پاخانہ لانے کے لئے یا قبض کرنے کے لئے ان کی تحریکات کو تیز اور سست کرنا چاہئے۔ ہم نے تین مفرد اعضاء کی چھ مرکب صورتوں کے لئے چھ عدد مسہلات لکھے ہیں۔ دیکھیں ''تحقیقات فار ماکوپیا''۔

زحیر (پیچش): آنتوں کی شدید سوزش ہے۔ جس میں **غدی عضلاتی تحریک ہوتی ہے۔**

قولنج: ایسی علامت ہے جس میں امعاء قولون کے اندر درد ہوتا ہے۔ فرنگی طب نے اس کو زحیر میں لکھا ہے۔ یہ غلط ہے۔ جاننا چاہئے کہ امعاء قولون مرکب عضو ہے۔ اس میں درد کبھی اعصابی اور کبھی غدی وعضلاتی ہوتی ہے۔ ہر ایک کی علامات ان کے مطابق ہوتی ہے۔

کانچ نکلنا: مقعد کا ڈھیلا ہونا۔ ضعف عضلات مقعد ہے۔

بواسیر مقعد: بواسیر مقعد پر ریاح کا غیر معمولی دباؤ ہوتا ہے۔ دباؤ کی وجہ سے مقعد کی وریدوں کے سرے بڑھ کر مسے بن جاتے ہیں۔ جاننا چاہئے کہ وریدوں کے سروں پر غدد لگے ہوتے ہیں۔ یہ خون کی رطوبات اور ریاح (گیسز) جہاں سے اخراج پاتی ہیں جب عضلات میں تحریک ہوتی ہے تو خون کا دباؤ اس طرف بڑھ جاتا ہے۔ جس سے ریاح کا اخراج رُک جاتا ہے۔ اور ساتھ ہی رطوبات رُک جاتی ہیں۔ نتیجہ کے طور پر وریدوں کے سروں پر دباؤ بڑھ کر اکثر باریک وریدیں پھٹ جاتی ہیں۔ جس سے وریدی خون اخراج پاتا ہے۔ اس کو بواسیر مقعدی کہتے ہیں۔ یہ **عضلاتی غدی تحریک** ہوتی ہے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ مسے بن جاتے ہیں، لیکن خون نہیں آتا۔ یہ **عضلاتی اعصابی تحریک** ہوتی ہے۔ جسم میں جہاں بھی کہیں بواسیر کی صورت ہو ہمیشہ یہی شکل ہوتی ہے۔

ذیابیطس: پیشاب میں شکر آنا، فرنگی طب تسلیم کرتی ہے کہ جگر کا ایک کام یہ بھی ہے کہ وہ لبلبہ کی رطوبت کی مدد سے شکر کو ہضم کرتا ہے اور جب وہ ہضم نہیں کر سکتا تو طبیعت اس کو خون کے لئے خرچ کر دیتی ہے۔ یہ اس کی ماہیت بالکل غلط ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اعصاب میں تحریک پیدا ہوتی ہے اور اس تحریک کا مرکز خاص طور پر جگر کے ملحقہ اعصاب یا اس کا دماغی مرکز ہوتا ہے۔ جب اعصاب میں تحریک ہو جاتی ہے تو غدد میں تحلیل (ضعف) اور عضلات میں سکون ہو جاتا ہے۔ اس سے ایک طرف رطوبات خصوصاً پیشاب کا اخراج بڑھ جاتا ہے، جب پیشاب کی مقدار بڑھ جاتی ہے تو اس میں شکر کا اخراج بھی زیادہ ہونا چاہئے۔ دوسری طرف غدد خصوصاً جگر اور لبلبہ کے افعال میں تحلیل (ضعف) واقع ہو جاتا ہے جس سے ایک طرف رطوبت لبلبہ کی پیدائش بہت کم ہو جاتی ہے دوسری طرف جگر کی تحلیل (ضعف) سے وہ شکر کو پورے طور پر ہضم نہیں کر سکتا اور پھر یہی غیر منہضم شکر اعصاب میں مزید تحریک بڑھا دیتی ہے۔ اس طرح پیشاب اور شکر کی زیادتی بڑھتی رہتی ہے۔ چونکہ اعصاب میں تحریک قائم ہوتی ہے، اس لئے پیاس بھی قائم رہتی ہے۔ دراصل ذیابیطس کی حقیقت اور ماہیت یہ ہے جس کو فرنگی طب بالکل نہیں جانتی۔ جاننا چاہئے کہ ایک ذیابیطس غیر شکری بھی ہوتی ہے اس کی وجہ گردوں کے اعصابی مرکز میں تحریک ہوا کرتی ہے۔ یہی صورت مثانہ کے اعصابی مرکز کی تحریک سے بھی پیدا ہو جاتی ہے۔ لیکن ذیابیطس غیر شکری بھی باقاعدہ علاج نہ کرنے پر ذیابیطس شکری میں تبدیل ہو جاتی ہے۔

بول فی الفراش: نیند میں بستر پر پیشاب کا نکل جانا، اس علامت میں مثانہ کے عضلہ میں تحلیل (ضعف) سے ڈھیلا پن پیدا ہو جاتا ہے۔ یہ علامت اکثر بچوں کو ان کے مزاج میں رطوبت کی وجہ سے لاحق ہو جاتی ہے (**اعصابی غدی تحریک ہے**)۔ پیشاب کا بلا ارادہ نکل جانا بھی تحریک

ہوتی ہے۔

بول الدم: پیشاب میں خون آنا۔ یہ **غدی عضلاتی سوزش** ہے۔

ضعف باہ: قوت باہ اس قوت کو کہتے ہیں جس کا تعلق مردانہ جنسی قوت کے ساتھ ہے۔ اس میں ضعف واقع ہو جاتا ہے۔ اس کے متعلق فرنگی طب کی یہ تحقیق ہے کہ اس میں مرد کے اعصاب خصوصاً جنسی اعصاب کمزور ہو جاتے ہیں۔ لیکن یہ تحقیق غلط ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ ضعف کبھی اعصاب اور کبھی غدد وعضلات کے ضعف کی وجہ سے ہوتا ہے۔ جو تحلیل سے پیدا ہوتا ہے۔ کیونکہ جنسی اعضاء صرف اعصاب سے بنے ہوئے نہیں بلکہ اس میں غدد اور عضلات بھی شریک ہیں۔

کجی: جنسی عضو کا ٹیڑھا ہو جانا۔ اس علامت میں عضو دُبلا اور ٹیڑھا ہو جاتا ہے۔ اس میں **عضلاتی اعصابی تحریک** ہوتی ہے جس سے اعصاب میں ضعف اور غدد میں سکون ہوتا ہے۔

فتق: فوطوں میں آنت کا اتر جانا۔ اس علامت میں پردہ صفاق کا پھٹ جانا۔ خصیوں میں آنت اتر آتی ہے اور بعض وقت اس اتری ہوئی آنت میں ہوا بھر جاتی ہے اور آنت کا وہ حصہ پھول جاتا ہے جس سے یہ آنت اس وقت سخت درد کرتی ہے اور جب تک یہ ہوا نہ نکلے درد قائم رہتا ہے۔ کبھی یہ ابھار مستقل ہو جاتا ہے اور کبھی بہت بڑا گیند کے برابر بن جاتا ہے۔ پردہ صفاق کا پھٹنا۔ **عضلاتی غدی تحریک ہے۔** لیکن جلدی علاج دستکاری (آپریشن) ہے اور ساتھ ہی تحریک درست کرنا بھی ضروری ہے نہیں تو پھر پردہ کے پھٹنے کا خطرہ ہوتا ہے۔ کبھی یہ پردہ خصیوں سے ناف کے درمیان کسی مقام سے پھٹ جاتا ہے اور آنت پردہ ثرب میں چلی جاتی ہے لیکن علاج ایک ہی قسم کا ہے۔

اختناق الرحم: رحم کا گھٹ جانا۔ یہ ایک ایسی علامت ہے جس میں مریضہ کو ایک دورہ سا پڑتا ہے اور دم گھٹ کر غشی کی صورت پیدا ہو جاتی ہے۔ جب مریضہ کو ہوش آتی ہے تو وہ کہتی ہے کہ اس کو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی گولا سا گلے کی طرف چڑھتا ہے۔ اس کے متعلق فرنگی طب کی تحقیق ہے کہ یہ عصبی مرض ہے یا پیٹ میں ہوا کا گولا بن جاتا ہے یا منی کی زیادتی سے شہوانی جذبات بڑھ جاتے ہیں۔ یہ بالکل غلط ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ رحم کے عضلات میں تحریک ہو جاتی ہے۔ اس تحریک شدید سے رحم کے عضلات میں تشنج شدید پیدا ہوتا ہے جس کا اثر معدہ، قلب اور پھیپھڑوں کے ساتھ گلے تک پہنچتا ہے۔ جس سے سانس کی آمد میں رکاوٹ پیدا ہو جاتی ہے اور پھر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی گولا سا گلے کی طرف چڑھ کر پھنس رہا ہے۔ مریضہ میں غشی کی صورت پیدا ہو جاتی ہے۔ اختناق کے معنی گھٹنا ہے اور اصطلاح طب میں سانس کا گھٹنا ہے جو عضلات میں گھٹن سے پیدا ہو جاتا ہے۔ چونکہ یہ رحم کے عضلات میں تحریک شدید ہے اس لئے جنسی جذبات میں بھی تحریک پیدا ہو جاتی ہے۔ یا جنسی جذبات میں تحریک سے اختناق کا مرض پیدا ہو جاتا ہے۔ چونکہ عضلاتی تحریک میں شدت ہوتی ہے۔ اس لئے پیٹ میں ریاح کی کثرت، قلب میں تیزی اور پھیپھڑوں میں خشکی کی وجہ سے اکثر سانس چڑھتی رہتی ہے۔ **غیر شادی شدہ عورتوں میں تحریک عضلاتی اعصابی اور شادی شدہ عورتوں میں عضلاتی غدی ہوتی ہے۔ جاننا چاہئے کہ عورت کی تخلیقی اہمیت کے تحت عورتوں میں عضلاتی تحریک نہیں ہونی چاہئے۔ اس کی تحریک صرف اعصابی عضلاتی یا غدی عضلاتی تک رہنی چاہئے۔ لیکن جب ان میں حرکات یا جذبات کے اثرات سے عضلاتی تحریک شروع ہو جائے تو اکثر اختناق الرحم کی علامت پیدا ہو جاتی ہے۔**

نتو الرحم: رحم کا باہر نکل پڑنا یا کسی قدر نیچے اتر آنا۔ عضلات رحم میں رطوبات کے بڑھ جانے سے اس کا جسم پھول جاتا ہے یا وہ کچھ نیچے کی طرف اتر جاتا ہے (**یہ اعصابی غدی تحریک ہے**)۔

صلابت رحم: رحم کی سختی۔ رحم کے عضلات میں مزمن سوزش یا ورم مزمن کا پیدا ہو جانا ہوتا ہے۔ اس میں **عضلاتی اعصابی** تحریک ہوتی ہے۔ کبھی

عضلاتی غدی بن جاتی ہے۔اس علامت میں اختناق الرحم بھی لازم ہوتا ہے۔اس کا فرق ورم خصیۃ الرحم سے ضرور کرنا چاہئے علامت میں غدی تحریک ہوتی ہے۔

ملزف رحم: رحم سے خون کا بہنا۔ ماہواری یا زچہ کے خون کے علاوہ خون کا آنا یہ رحم کی **غدی عضلاتی تحریک** ہے۔جس میں خون کے دباؤ سے کوئی شریان پھٹ جاتی ہے۔اس کے علاوہ اندر زخم ہو جانے سے بھی خون آتا ہے۔اس تحریک سے خصیۃ الرحم میں سوزش ہو کر بھی خون آنا شروع ہو جاتا ہے۔کبھی ماہواری کے خون میں شدت ہو جاتی ہے اور وہ جاری رہتا ہے۔

بانجھ پن: عورتوں میں اولاد کا نہ ہونا۔اگر یہ مرض عورتوں میں ہو تو اس میں صلابت رحم یا سوزش رحم یا ورم رحم ہوتا ہے جو رحم کے مختلف اعضاء میں ہو سکتا ہے۔

اسقاط حمل: حمل کا گرنا۔بعض عورتوں میں حمل تو قرار پا جاتا ہے لیکن ضعف عضلات کی وجہ سے اکثر حمل گر جاتا ہے۔ **یہ غدی عضلاتی تحریک ہوتی ہے۔**

دقت ولادت: مشکل سے بچہ پیدا ہونا۔بعض دفعہ اعصاب میں سکون کی وجہ سے بچے کا رحم میں زیادہ پل جانے کی وجہ سے یا عورت کے نازک مزاج ہونے کی وجہ سے یا بچہ کے ٹیڑھا ہونے اور پھنس جانے کی وجہ سے بچہ کی ولادت مشکل ہو جاتی ہے(**یہ غدی اعصابی تحریک** ہوتی ہے)اور کبھی اس تحریک کی وجہ سے آنول کا اخراج رُک جاتا ہے۔

فم رحم کی فراخی: رطوبات کی زیادتی سے فم رحم میں فراخی پیدا ہو جاتی ہے(**یہ اعصابی غدی تحریک ہے**)۔

حدبہ: کوب۔پیٹھ کے مہروں کا اپنی جگہ سے اکھڑ جانا۔ان کا میلان اگر آگے کی طرف ہو تو اس کو حدبہ مقدم کہتے ہیں اور پیچھے کی جانب ہو تو اس حدبہ مؤخر کہتے ہیں۔اس علامت میں ریڑھ کے اوپر کی جھلی میں سوزش ہو جاتی ہے جس سے ہڈی میں چونے کے اجزاء پورے طور پر جذب نہیں ہوتے اور وہاں عضلات میں بھی تحلیل ہو جاتی ہیں(**یہ تحریک غدی عضلاتی ہوتی ہے**)کبھی سوزش ورم کی صورت بھی اختیار کر لیتی ہے۔تو اس کو ریاح فراسہ کہتے ہیں۔

وجع المفاصل: جوڑوں کا درد۔اس علامت میں جوڑوں میں سوجن زیادہ ہوتی ہے اور درد کم ہوتا ہے عام طور پر یہ بڑے جوڑوں میں ہوتا ہے۔اس کی تحریک جوڑوں میں **اعصابی غدی** ہوتی ہے۔

نقرس: جوڑوں کا شدید درد۔اس علامت میں جوڑوں میں سوجن نہیں ہوتی اور درد شدید ہوتا ہے۔یہ عام طور پر چھوٹے جوڑوں سے شروع ہو کر بڑے جوڑوں میں پھیل جاتا ہے(**عضلاتی تحریک**)۔یہ جو کہا جاتا ہے کہ وجع المفاصل بڑے جوڑوں میں ہوتا ہے اور نقرس چھوٹے جوڑوں میں ہوتا ہے۔یہ غلط ہے۔حقیقت یہ ہے کہ بڑے جوڑوں میں رطوبات کی زیادتی باعث تکلیف بن جاتی ہے۔پھر دونوں علامات چھوٹے بڑے جوڑوں میں پھیل جاتی ہیں۔صرف ابتداء میں یہ فرق معلوم ہوتا ہے یہ تشخیص میں مدد کرتا ہے۔

تحجر المفاصل: جوڑوں کا پتھرا جانا۔بلغم اور رطوبت میں شدت سردی کی وجہ سے جوڑ پتھرا جاتے ہیں اور اکثر اعضاء آپس میں جڑ جاتے ہیں۔یہ **عضلاتی اعصابی** تحریک شدید ہوتی ہے۔

عرق النساء: لنگڑی کا درد۔یہ درد کولہے کے جوڑ سے شروع ہو کر ٹانگ کے بیرونی رخ پاؤں کی انگلی تک چلا جاتا ہے۔فرنگی طب میں اس درد کو وجع المفاصل کا درد کہتے ہیں۔حقیقت میں یہ گردوں کے نقص کی وجہ سے ہوتا ہے اور ہر دو طرف مختلف صورت ہوتی ہے۔دائیں طرف اس کی **تحریک عضلاتی غدی** ہوتی ہے اور بائیں طرف **اعصابی غدی** ہوتی ہے۔

داءالفیل: دوالی۔اس علامت میں پنڈلی کی رگیں فراخ ہوجاتی ہیں، ساتھ ہی رفتہ رفتہ پنڈلی ہاتھی کے پاؤں کی طرح موٹی ہوجاتی ہے۔اس کو اس لئے ہاتھی کی بیماری بھی کہتے ہیں۔**اس کی تحریک اعصابی غدی ہوتی ہے۔** یہ اوّل بائیں پنڈلی سے شروع ہوتی ہے اور پھر دائیں میں پھیل جاتی ہے۔

طاعون: ایک قسم کا غدی ورم ہے۔جو زبان کی جڑ، بغل پس گوش اور کنج ران وغیرہ مقامات میں ہوتا ہے۔یہ عام طور پر وبائی صورت میں ہوتا ہے۔جب کہ آب و ہوا میں خرابی اور عفونت پیدا ہوجاتی ہے۔اس کا اثر چوہوں پر بہت شدت سے ہوتا ہے۔اس کے ساتھ بخار بھی لاحق ہوتا ہے۔ اس کی حقیقت یہ ہے کہ غدد جاذبہ کے اندر جو رطوبت ہوتی ہے اس میں تعفن ہوکر ورم ہوجاتا ہے (اس کی تحریک **اعصابی غدی** ہوتی ہے)۔

خنازیر: کنٹھ مالا۔اس علامت میں گردن کے غدد جاذبہ پھول جاتے ہیں۔بعض دفعہ ان میں سوزش پیدا ہوکر پھٹ جاتے ہیں اور زخموں کی صورت بن جاتی ہے۔یہ **اعصابی غدی تحریک** ہے۔

شری: پتی اچھلنا۔جسم پر مختلف شکلوں میں دودڑے نکل آتے ہیں جو عام طور پر سرخی مائل ہوتے ہیں۔ان میں خارش بھی ہوتی ہے۔کبھی یہ پھنسیوں کی شکل اختیار کرلیتے ہیں۔اس کی **تحریک غدی اعصابی** ہوتی ہے۔

خراج: بڑا پھوڑا۔عضلاتی ورم ہے۔اس کی **تحریک عضلاتی غدی** ہے۔رنگ سرخ ہوتا ہے۔

دبیلہ: بڑا پھوڑا۔یہ بھی عضلاتی ورم ہے۔اس کی **تحریک عضلاتی اعصابی** ہے۔رنگ سفید ہوتا ہے۔

دمل: پھوڑا۔یہ غدی ورم ہے۔اس میں **غدی عضلاتی تحریک** ہوتی ہے۔رنگ زرد ہوتا ہے۔

پھنسیاں: اگر باریک ہوں اور رنگ سفید ہو تو اعصابی سوزش ہوتی ہے۔اگر بڑی ہوں اور رنگ زرد ہو تو غدی ہوتی ہیں اور **اعصابی غدی تحریک** ہوتی ہے۔**اگر غدی ہوں تو غدی اعصابی تحریک ہوتی ہے۔**

نملہ: یہ ایک قسم کی پھنسی ہے جس میں چیونٹی کے کاٹنے کی تکلیف ہوتی ہے۔نملہ چیونٹی کو کہتے ہیں۔بعض دفعہ بے حد تیز اور پر سوزش ہوتی ہے اور ارد گرد پھیل جاتی ہے۔کبھی بدن کا بہت سا حصہ گھیر لیتی ہے۔کبھی کبھی اپنی تیزی کی وجہ سے گوشت کو کھاتی ہے (یہ تحریک **غدی اعصابی** ہے)۔

جمرہ: سرخ رنگ کی چوڑی چوڑی جلن دار پھنسیاں ہیں جو سرخ زردی مائل ہوتی ہیں۔ایسا معلوم ہوتا ہے گویا آگ کے انگارے رکھے ہوئے ہیں۔نار فارسی بھی اسی قسم کی پھنسی ہے جو جمرہ سے بھی تیز ہوتی ہے (ان کی تحریک **غدی عضلاتی** ہوتی ہے)۔

آتشک: جسم پر سرخ سفیدی مائل چٹاخ قسم کے زخم ہوتے ہیں جن میں آگ کی سی جلن بھی ہوتی ہے اس کو ابلہ فرنگ بھی کہتے ہیں۔بعض اس کو جمرہ نار فارسی بھی اسی قسم کی پھنسی ہے جو جمرہ سے بھی تیز ہوتی ہے (ان کی تحریک **غدی عضلاتی** ہوتی ہے)۔

خسرہ اور چیچک: چیچک کے دانے مسور کے برابر یا ان سے بھی بڑے ہوتے ہیں۔جب وہ پختہ ہوجاتے ہیں تو ان میں پیپ پڑ جاتی ہے۔ مادہ کے لحاظ سے کوئی فرق نہیں ہوتا۔البتہ تحریک کے اعتبار سے خسرہ **غدی عضلاتی تحریک** ہے اور چیچک **غدی اعصابی تحریک** ہوتی ہے۔دراصل خسرہ و چیچک کے دانے اس وقت نمودار ہوتے ہیں جب عصبی تسکین میں فساد پیدا ہوکر تعفن کی صورت ظاہر ہوتی ہے اور ساتھ ہی بخار قائم ہوجاتا ہے۔ان دونوں علامات کو دراصل بخار میں شریک کرتے ہیں۔

کیل مہاسے (بثورلبنیہ): ابتدائے جوانی میں چہرے پر سرخ یا سفید رنگ کے دانے نکل آتے ہیں جن کو دبانے سے روغن زرد کی سی منجمد رطوبت نکلتی ہے۔یہ **عضلاتی غدی تحریک** ہوتی ہے۔

داد: قوبا۔یہ جلد پر کھردرے پن کے ابھار ہیں جن کے کنارے موٹے ہوتے ہیں۔رنگ اکثر سرخی مائل اور کبھی سیاہی مائل ہوتا ہے۔ان میں

خارش رہتی ہے اور اوپر سے مچھلی کے چھلکے کی طرح ریشے اترتے ہیں۔ یہ **عضلاتی اعصابی شدید تحریک** ہے۔ جب کبھی ان میں شدت اختیار کر جائے تو پھیل کر چنبل کی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔

ناروا: رشتہ۔ جلد پر آبلہ نما دانہ نمودار ہوتے ہیں۔ البتہ پہلے اس مقام پر سخت خارش اور سوزش ہوتی ہے۔ اس دانے میں سوراخ ہو کر اس میں رگ کی شکل میں ایک مادہ کبھی سفید سرخی مائل یا سیاہی مائل نکلتا ہے جو رفتہ رفتہ لمبا ہوتا جاتا ہے۔ یہ علامت اکثر پاؤں میں یا ناف کے نیچے اور کبھی ہاتھوں اور پہلوؤں میں بھی ظاہر ہوا کرتی ہے۔ بعض دفعہ رگ جلد کے نیچے جاندار کیڑے کی طرح حرکت کرتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔ یہ زیادہ تر گرم خشک ممالک میں پائی جاتی ہے، زیادہ تر مدینہ منورہ میں پائی جاتی ہے، اس کو عرق مدنی بھی کہتے ہیں۔

دراصل یہ غدی فضلات ہیں جو کسی غدد میں فساد اور تعفن کے بعد یہ شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ اور طبیعت مدبرہ بدن ان کو دفع عضلات کے لئے یہ طریقہ اختیار کر لیتی ہے۔ اس کی رگ کی صورت میں خارج ہونے کی وجہ غدد کا لیسدار مادہ ہوتا ہے۔ بعض حکماء اس کو کیڑا تصور کرتے ہیں۔ در حقیقت یہ لیس دار متعفن مادہ ہے۔ اگر متعفن مادہ میں کیڑے کی طرح حرکات پیدا ہو جائیں تو بعید از قیاس نہیں ہے (یہ **غدی عضلاتی تحریک شدید** ہوتی ہے)۔

جذام: کوڑھ۔ یہ دراصل آتشک کی بگڑی ہوئی شکل ہے جس میں شدت پیدا ہو جاتی ہے۔ اس میں اعضاء کے اندر اور باہر تغیر پیدا ہو جاتا ہے۔ مرض کی تیزی سے اعضاء جھڑنا شروع ہو جاتے ہیں۔ آنکھیں گول، چہرہ خوفناک، اور بدن کا رنگ سیاہی مائل ہو جاتا ہے۔ بال بھی جھڑ جاتے ہیں۔ اس علامت کے خوفناک اثر سے اس کو داء الاسد (شیر کی بیماری) کہتے ہیں۔ گویا شیر کو ہوتی ہے اور شیر کی طرح خوفناک بھی ہوتی ہے۔

بال چر (داء الثعلب): اس علامت میں جسم خصوصاً سر کے بال گرنا شروع ہو جاتے ہیں۔ داء الثعلب کے معنی لومڑی کی بیماری ہے۔ گویا یہ لومڑی کو ہوتا ہے یا شکل میں ان کے بالوں سے مناسبت ہو جاتی ہے۔ یعنی موٹے ہو کر گرنا شروع ہو جاتے ہیں۔ اس علامت کا اثر کچھ ایسا ہوتا ہے کہ بالوں کی جڑوں میں کوئی ایسا مادہ پیدا ہو گیا ہے جو اس کو کھائے جاتا ہے۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ بالوں کے ساتھ جسم کی جلد بھی اترنا شروع ہو جاتی ہے۔ اس کو داء الحیہ (سانپ کا مرض) کہتے ہیں۔ اس میں **عضلاتی اعصابی تحریک** ہوتی ہے۔ بعض دفعہ مادہ زیادہ شدید نہیں ہوتا۔ اس کے بال گرتے نہیں البتہ پھٹ جاتے ہیں یا گھونگھرالے بن جاتے ہیں۔ کبھی رنگت میں سرخی پیدا ہو جاتی ہے، کبھی گنج ہو جاتا ہے۔

بالوں کا سفید ہونا: بالوں کی جڑوں میں رطوبت اور بلغم زیادہ پیدا ہو جاتی ہے۔ یا خون میں سرخی بہت کم ہو جاتی ہے۔ عام طور پر نزلہ زکام مزمن میں یہ حالت پیدا ہو جاتی ہے (**اعصابی عضلاتی تحریک** ہے)۔

جاننا چاہئے کہ بالوں کی پیدائش اور رنگت طبعی سودا سے ہے جو خون کا تلچھٹ ہوتا ہے۔ اگر سودا غیر طبعی ہو جائے تو بالوں کے امراض پیدا ہو جاتے ہیں۔ اگر سودا طبعی پیدا بھی نہ ہو تو بال سفید ہو جاتے ہیں۔ اگر سودا غیر طبعی میں فساد اور تعفن ہو جائے تو بال چر وغیرہ علامات پیدا ہو جاتی ہیں۔

برص: جلد کے نیچے رطوبات اور بلغم میں تعفن پیدا ہو جانے سے جسم پر سفید داغ پیدا ہو جاتے ہیں۔ جب ان میں شدت ہوتی ہے تو سفید داغوں کے کناروں پر سرخی یا سیاہی پیدا ہو جاتی ہے۔ جب مادہ بہت کم ہو ہلکے سفید داغ ہوتے ہیں، ان کو بہق چھیپ کہتے ہیں۔ اگر اس مادہ میں فساد اور تعفن نہ ہو اور وہ کافی عرصہ سے جلد کے نیچے رکا رہے تو چھائیاں اور ساہیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ یہ راز یاد رکھیں کہ دودھ اور مچھلی کے اکٹھا کھانے سے اکثر برص پیدا ہو جاتا ہے۔ کیونکہ مچھلی کا گوشت دودھ میں بہت جلد فساد اور تعفن پیدا کر دیتا ہے اور باسی مچھلی کا گوشت تو یقیناً فساد اور تعفن پیدا کر دیتا ہے۔ یہ **اعصابی عضلاتی تحریک** کی شدت ہوا کرتی ہے۔

موٹاپا: زیادہ موٹاپا بھی ایک علامت میں شریک ہے۔ اس سے نہ صرف حرکات وسکنات میں تکلیف ہوتی ہے بلکہ زندگی کے لئے خطرات پیدا ہوجاتے ہیں۔ اس علامت سے دِل ودماغ پر معمولی اثر پڑتا ہے۔ موٹاپا دوقسم کا ہے ایک میں جسم کے اندر رطوبات اور بلغم پڑ جاتی ہے اور دوسرے میں جسم میں چربی زیادہ پیدا ہوجاتی ہے۔ اوّل صورت **اعصابی عضلاتی** ہوتی ہے۔ اور دوسری **اعصابی غدی** ہوتی ہے۔

دبلا پن: یہ بھی ایک علامت ہے جس میں جسم کے اندر رطوبات وخون اور گوشت وچربی کی غیر معمولی کمی ہوجاتی ہے اور اس سے اکثر اس قدر کمزوری ہوجاتی ہے کہ انسان اپنی ضروریات زندگی کو نہ آسانی سے حاصل کرسکتا ہے اور نہ ہی ان کو انجام دے سکتا ہے اور سب سے زیادہ یہ ہے کہ امراض کا مرکز بنا رہتا ہے۔ ساتھ ہی اس کے جذبات قابو میں نہیں رہتے۔ یہ عضلاتی تحریک ہے۔

خرابی خون: عام طور پر جب جسم پر پھوڑے پھنسیاں اور خارش سے دانے نکل آتے ہیں تو اس کو خرابی خون کہہ دیتے ہیں۔ اکثر موسم بہار میں یا بارش کے موسم میں یہ علامتیں خاص طور پر ظاہر ہوتی ہیں۔ ان علامات میں اعصابی غدی یا **اعصابی عضلاتی تحریکیں** ہوتی ہیں۔ خون کی خرابی کا لفظ یہاں کثرت علامت کی وجہ سے استعمال کیا گیا ہے۔ ورنہ ہر تحریک میں افراط وتفریط اور ضعف سے خرابی خون ہوجاتی ہے۔

تحقیقات الامراض بانظریہ مفرد اعضاء

مرض کی تعریف میں ہم بار بار لکھ چکے ہیں کہ جب تک جسم میں کسی غیر طبعی فعل کو کسی عضو اور مجریٰ خصوصاً مفرد اعضاء سے تعلق قائم نہ کریں ہم اس کو مرض نہیں کہہ سکتے۔ اس لئے اطباء وحکماء قدیم نے باوجود یکہ ہر مرض کا تعلق کیفیات ومزاج اور اخلاط وکیمیائی تبدیلیوں سے قائم کیا ہے۔ تاہم انہوں نے عضو ومجریٰ کے افعال واعمال کے افراط وتفریط اور ضعف کو بھی ضرور ساتھ شریک کیا ہے۔ صرف کیفیات وامزجہ اور اخلاط وکیمیائی تبدیلیوں پر امراض کی بنیاد نہیں رکھی۔ گویا یہ اسباب بادیہ اور سابقہ ہیں یا دیگر اسباب کے حامل ہیں اور اسباب واصلہ اس وقت بنتے ہیں جب کسی عضو یا مجرا کے افعال واعمال میں افراط وتفریط اور ضعف پیدا کردیتے ہیں۔ اسی لئے ہم نے مفرد اعضاء کو کیفیات وامزجہ اور اخلاط وکیمیائی تبدیلیوں کے ساتھ تطبیق دے دیا ہے، جس سے دونوں لازم وملزوم ہوکر گویا ایک حیثیت اختیار کرگئے ہیں۔ یعنی جب جسم میں کیفیات وامزجہ اور اخلاط وکیمیائی تبدیلیاں معمولی یا غیر معمولی تاثر حاصل کرتی ہیں تو فوراً مفرد اعضاء سے متاثر ہونا شروع ہوجاتا ہے۔ پھر ان کے افعال واعمال میں تبدیلیاں پیدا ہونا شروع ہوجاتی ہیں۔ اسی حالت کا نام مرض قرار دے دیا گیا ہے۔ بعض انہی تبدیلیوں کو اعتدال پر لانے کا نام شفاء اور جن طریق سے لائی جاتی ہیں ان کا نام علاج ہے۔

علامات اور تعلق امراض

جہاں تک علامات کا تعلق ہے ان کے متعلق بھی کہا جاسکتا ہے کہ وہ کسی نہ کسی صورت میں اعضاء کے افعال ہی سے تعلق رکھتی ہیں۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ ان کے تعلق کو سمجھنا ہی ان کی صحیح ماہیت کو جاننا ہے۔ یہی کوشش ایک معالج فن کو تشخیص اور علاج کے قریب کردیتی ہے۔ اصلیت یہ ہے کہ جن اہل فن اور صاحب علم نے علامات اور امراض یا اعضاء کے افعال کے تعلق کو نہیں سمجھا، انہوں نے ان علامات یا ان کے مجموعہ کو امراض قرار دیا ہے۔ اس لئے ان کو ہر علامت کے لئے جدا جدا علاج تجویز کرنے پڑے ہیں۔ مثلاً دردسر کو بعض حکماء نے درد کی مناسبت سے علامت لکھا ہے اور بعض نے سر کے تعلق سے اس کو مرض کہا ہے۔ مگر دردسر کے اقسام کی کثرت کو سامنے رکھا جائے تو حیرت ہوتی ہے کہ اس کو علامت کہا جائے یا مرض لکھا جائے۔ پھر یہ کثیر اقسام جو بادیہ وسابقہ اور کیمیائی شرکی اسباب سے متعلق ہیں۔ ان پر غور کیا جائے تو بعض علامات ظاہر ہوتی ہیں اور بعض

علامات معلوم ہوتی ہیں۔ پھر بعض علامات ایسی ہیں کہ جن میں صرع اور نزلہ ہیں۔ دونوں کے معنی گرنا ہے۔ نزلہ کا تعلق کچھ سمجھ آتا ہے کہ ناک کے ساتھ ہے لیکن صرع کے ساتھ کوئی تعلق ذہن میں نہیں بیٹھتا۔ اسی طرح جوع البقر اور جوع الکلب کے ساتھ داء الثعلب اور داء الحیہ ہیں۔ گائے کی بھوک اور کتے کی بھوک کا تو کچھ اعضائے غذائیہ اور کھانے پینے سے تعلق معلوم ہوتا ہے لیکن لومڑی کی بیماری اور سانپ کی بیماری سے خالی ذہن میں کوئی مرض پیدا نہیں ہوتا۔ اسی طرح داء الاسد، خنازیر اور غلہ کی صورتیں سامنے آجاتی ہیں۔ ان سے آگے بڑھیں تو مختلف اعضاء کی سوزش و ورم اور درد و بخار وغیرہ کے مقام کے لحاظ سے مختلف نام ہیں۔ جیسے سرسام و برسام، ذات الجنب وذات الریہ، دق وسل اور محرقہ وقولنج وغیرہ ہیں۔ اس لئے ان سب علامات کی تشریح کر کے ان کا تعلق اعضاء خصوصاً مفرد اعضاء کے ساتھ واضح کیا گیا ہے تاکہ تشخیص اور علاج میں سہولتیں اور آسانیاں پیدا ہو جائیں۔ طب قدیم میں ان علامات اور امراض کو کیفیات امزجہ اور اخلاط و کیمیائی تبدیلیوں سے واضح کیا گیا ہے۔ ہم نے ان کو بالمفرد اعضاء سے واضح کر دیا ہے تاکہ وہ تمام ایک تعلق اور رشتہ میں منسلک ہو جائیں۔ رفتہ رفتہ علامات اور امراض کا فرق اس طرح ختم ہو جائے کہ گویا وہ دراصل ایک ہیں۔

امزجہ اور فرنگی طب

طب قدیم، امراض اور علامات کو امزجہ کے تحت تسلیم کرتی ہے جن کو ہم نے مفرد اعضاء کے ساتھ تطبیق دے دیا ہے۔ مگر فرنگی طب امزجہ کو تسلیم نہیں کرتی۔ وہ امراض وعلامات کو جراثیم اور عناصر کی کیمیائی تبدیلیوں کے تحت تسلیم کرتی ہے جس سے بہت سے امراض وعلامات خارج ہو جاتے ہیں۔ مثلاً طب قدیم امراض وعلامات کو امزجہ کے دو اقسام کے تحت تسلیم کرتی ہے۔ اوّل سوئے مزاج سادہ اور دوسرے سوئے مزاج مادی۔ فرنگی طب کے جراثیمی اور کیمیائی امراض تو سوئے مزاج مادی کے تحت آجاتے ہیں، لیکن سوئے مزاج سادہ کے تحت سر سے لے کر پاؤں تک تقریباً ہر مرض وعلامت بیان کی گئی ہے۔

جاننا چاہئے کہ سوئے مزاج سادہ کے تحت جو امراض وعلامات بیان کی گئی ہیں۔ ان کی اخلاطی و کیمیائی تبدیلیاں اور ان اعضاء میں کسی مادے کا اثر تک نہیں ہوتا۔ صرف وہاں پر کیفیاتی اثرات میں کمی بیشی پائی جاتی ہے۔ جن کو آسانی سے بالضد کیفیاتی اثرات سے رفع کیا جا سکتا ہے۔ ان کیفیاتی اثرات کو ہم مفرد اعضاء میں بہت آسانی سے محسوس کرتے ہیں۔ لیکن جب مرکب اعضاء میں ان کا اثر داخل ہوتا ہے تو مادی اخلاطی اور کیمیائی صورت اختیار کر چکے ہوتے ہیں۔ کیونکہ مرکب اعضاء سے رطوبات اور مواد اخراج پاتے ہیں۔ یہی وہ مقام اور موڑ ہے جہاں مجھے مفرد اعضاء پر غور کرنے کا موقعہ ملا ہے۔ جس کے فرنگی طب اور طب تجدید شاہدروی کو غلط قرار دے کر طب قدیم کو پھر اختیار کیا تھا۔ بعض امراض وعلامات میں جراثیم نہیں پائے جاتے۔ مثلاً صفراوی اور سوداوی امراض وعلامات ایسے ہیں جن میں ان دونوں اخلاط کی زیادتی ہوتی ہے۔ کیونکہ ان دونوں اخلاط میں جراثیم زندہ نہیں رہ سکتے۔ جیسے صفراوی امراض میں یرقان سے لے کر سوء القنیہ اور استسقاء تک کہیں جراثیم کا اثر دخل فرنگی طب کی کتب میں نظر نہیں آتا۔ اسی طرح مالیخولیا سے جنون تک کہیں جراثیم کا نام تک نہیں ہے۔ اسی طرح جس مقام میں ضعف ہوتا ہے وہاں پر تحلیل ہوتی ہے جو حرارت یا صفرا کی زیادتی سے ہوتی ہے وہاں پر بھی کوئی جراثیم زندہ نہیں رہ سکتا۔ کیا دُنیا بھر کا کوئی فرنگی ڈاکٹر ان مقامات پر اپنے جراثیم دکھ سکتا ہے۔ اسی طرح امراض وعلامات کی ایک بہت لمبی فہرست ہے جن میں جراثیم کا نہ نام اور نہ پتہ ہے اور نہ ہی اس کا اثر دخل ہے۔ ان کے علاوہ ہم نے اعصابی امراض کی طرح غدی اور عضلاتی نظام کے تحت ایک باقاعدہ سلسلہ امراض وعلامات پیش کیا ہے جو منظم و متعلق اور باقاعدہ بھی ہے جن کا فرنگی طب میں کہیں ذکر نہیں ہے۔

تقسیم امراض بالمفرد اعضاء

نظریہ مفرد اعضاء" کے تحت تقسیم امراض تین صورتوں میں ہوسکتی ہے۔ اوّل صورت یہ ہے کہ امراض کو علامات پر تقسیم کر کے ان کی تحریک بیان کر دی جائے اور یہ ترتیب سر سے لے کر پاؤں تک لکھ دی جائے۔ جیسا کہ ہم گزشتہ صفحات میں تحقیقات علامات بالمفرد اعضاء کے تحت لکھ چکے ہیں۔ یہ ہے تو صحیح لیکن اس میں بھی کچھ طوالت اور تکرار قائم رہتی ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ ایک مفرد اعضاء کے تحت اس کے تمام امراض اور ساتھ ہی علامات بیان کر دی جائیں۔ مثلاً اعصاب کے تمام امراض پہلی تحریک کے تحت پھر تسکین کے تحت بعد میں تحلیل کے تحت بیان کر کے ان کی اعصابی غدی یا اعصابی عضلاتی تحریکوں کو واضح کرتے جائیں جیسے ہم تحقیقات الحمیات میں بخاروں کی تقسیم کر چکے ہیں۔ یہ تقسیم بھی درست ہے، اگرچہ اس میں طوالت کم ہے مگر پھر بھی طوالت ہے اور ہر مرض و علامت کی تحریک و تسکین اور تحلیل یاد کرنا پڑتی ہے۔ تیسری صورت یہ ہے کہ ہر تحریک کے تحت اس کے تمام امراض بیان کر دیئے جائیں اور ساتھ ہی اس کے مطابق تسکین و تحلیل کے اثرات کا ساتھ ساتھ ذکر کر دیا جائے۔ تاکہ امراض و علامات تسبیح کے دانوں کی طرح ایک لڑی میں پروئے ہوئے معلوم ہوں۔ اس صورت میں اختصار بھی ہے اور تشخیص و علاج میں آسانیاں اور سہولتیں بھی زیادہ پیدا ہو جاتی ہیں۔ جیسا کہ ہم جسم کی تقسیم میں گزشتہ صفحات میں پیش کر چکے ہیں۔ چونکہ نبض، قارورہ اور تقسیم جسم و علامات ان تحاریک کے مطابق بیان کئے گئے ہیں، اس لئے اس مختصر تقسیم امراض کی صورت میں انتہائی خوبیاں اور کامیابیاں حاصل ہو جاتی ہیں۔

تحریک اعصابی عضلاتی (دائیں نصف سر سے شانہ تک)

اس تحریک سے ابتداء کی وجہ: ہم اعصابی عضلاتی تحریک سے شروع کر رہے ہیں، جس کا کیفیاتی مزاج سرد تر اور خلط بلغم کی زیادتی ہوتی ہے۔ دراصل ہم کو عضلاتی غدی تحریک سے شروع کرنا چاہئے تھا کیونکہ ہماری تحریک کی ابتداء دورانِ خون کے ساتھ دِل سے جگر (عضلات سے غدد) کی طرف پھر جگر سے دماغ (غدد سے اعصاب) اور بعد میں دماغ سے دِل (اعصاب سے عضلات) کی طرف چلتی ہے۔ کیمیائی صورت میں خون کی پیدائش جو معدہ میں ہوتی ہے، دل کی طرف جاتی ہے، اس وقت اس میں ترشی اور ریاح کی زیادتی ہوتی ہے، اس وقت خون کے دباؤ میں تیزی بھی ہوتی ہے، دِل سے عضلات کے دباؤ کے ساتھ جگر (غدد) کی طرف پختگی کے لئے جاتا ہے، جہاں پر اس میں حرارت اور سرخی پیدا ہوتی ہے۔ مگر ترشی اور ریاح کم ہو جاتے ہیں۔ اس پختہ خون میں اگر ریاح غالب رہیں تو اس کی حرارت صفراء کی صورت میں قائم رہتی ہے اور اگر حرارت غالب ہو جائے تو پھر اس میں رطوبات بڑھ جاتی ہیں اور یہی خالص خون ہے۔ جب خون میں رطوبات بڑھ جائیں تو وہ دماغ (اعصاب) کی طرف رجوع کر دیتا ہے، جس کی تحریک سے خون اپنی رطوبات کو بلغم کی صورت میں جسم پر شبنم کی صورت میں گرانا شروع کر دیتا ہے جو جسم میں خرچ ہونے کے بعد بقایا غدد جاذبہ کی مدد سے جو طحال کے تحت کام کرتے ہیں کیمیائی طور پر پھر دل (عضلات) میں گرتی ہیں۔ انہی غدد جاذبہ کی رطوبات کو جوان سے اخراج پاتی ہیں، سودا کا نام دیتے ہیں۔ جس میں ترشی اور کاربن غالب ہوتی ہے۔ اس طرح یہ چکر قائم رہتا ہے۔ اس دورانِ خون کے بیان میں ہمارا مقصد یہ بھی ہے کہ یہ واضح کر دیا جائے کہ فطرت خود ہی صفراء کی گرمی خشکی کو خون کی گرمی تری سے بدلتی رہتی ہے اور خون کی گرمی تری بلغم کی سردی تری میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ اسی طرح بلغم کی سردی تری سوداء کی سردی خشکی کی طرف منتقل ہو جاتی ہے اور آخر میں سودا کی سردی خشکی کا خاتمہ صفراء کی گرمی خشکی سے ہوتا ہے۔ ہر مقام پر ایک ایک کیفیت ختم ہوتی ہے اور دوسری ایک کیفیت پیدا ہو جاتی ہے یا

دوسرے الفاظ میں جب خون میں کوئی کیفیت غالب ہو جاتی ہے تو وہ اپنے مفرد اعضاء کو تیز کر دیتی ہے۔اس طرح مزاج اور اخلاط میں کیمیائی تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں۔اس کے معنی یہ ہیں کہ جو تحریک چل رہی ہے اس کی کیفیت اور خلط خون میں غالب ہے اور ساتھ ہی دوسری کیمیائی تحریک تیار ہو رہی ہے۔اس طرح یہ دوران خون کا چکر خودکار (آٹومیٹک) اور باقاعدہ (سسٹے میٹک) اپنا کام کر رہا ہے اور جس مقام پر رکتا ہے گویا وہاں پر کسی مفرد عضو میں تحریک شدید یا سوزش پیدا ہوگی بس اسی کا نام مرض ہے۔یہ جب شدت اختیار کر جائے تو پھر ورم و بخار اور ضعف کی منزلوں تک پہنچ جاتا ہے۔جس مقام یا عضو مفرد میں مرض یا علامت پیدا ہو اسی کی مناسبت سے قائم رہتی ہے۔

موسموں میں تغیرات کی صورت

یہی صورت کائنات میں بھی نظر آتی ہے۔یہاں بھی ہر موسم اسی طرح بدلتا ہے یعنی اس کی دونوں کیفیات بیک وقت ختم نہیں ہوتیں، باری باری ایک کیفیت ختم ہوتی ہے اور دوسری پیدا ہونا شروع ہو جاتی ہے۔مثلاً موسم گرما کا مزاج گرم خشک ہے، اس کے بعد خزاں کا موسم آتا ہے جو سرد خشک ہے۔اس میں موسم گرما کی گرمی سردی میں بدل جاتی ہے مگر خشکی قائم رہتی ہے۔پھر موسم سرما آتا ہے، اس کا مزاج سرد تر ہے، اس میں موسم خزاں کی خشکی تری میں تبدیل ہو جاتی ہے مگر سردی قائم رہتی ہے۔اس کے بعد موسم بہار آتا ہے جس کا مزاج گرم تر ہے، اس میں موسم سرما کی تری قائم رہتی ہے مگر سردی گرمی میں بدل جاتی ہے اور یہ چکر اسی طرح قائم رہتا ہے۔

وبائی امراض

جب کبھی ان موسموں میں افراط و تفریط پیدا ہو جاتی ہے یا ان میں کوئی دوسرا موسم پیدا ہو جاتا ہے تو موسمی امراض پیدا ہو جاتے ہیں۔انہی موسم کی خرابیوں میں بعض وقت فضاء میں فساد اور تعفن پیدا ہو جاتا ہے جس سے وبائیں پھیل جاتی ہیں۔جن کی تفصیل ہماری کتاب نزلہ زکام وبائی میں دیکھیں۔

ہم کہہ یہ رہے تھے کہ ہم نے اعصابی عضلاتی تحریک سے شروع کیا ہے۔لیکن ہم کو عضلاتی غدی تحریک سے شروع کرنا چاہئے تھا جس کی ایک تفصیل بیان کر چکے ہیں۔دوسری وجہ یہ ہے عضلاتی غدی تحریک جگر سے شروع ہو کر پاؤں کی انگلیوں تک جاتی ہے۔اس کو درمیان سے شروع کرنا کچھ اچھا نہیں لگتا اور اصولاً ہر کام ایک سرے سے شروع کرنا چاہئے، اس لئے ہم نے سر ہی سے شروع کیا ہے، چونکہ سر کے نصف بائیں سے اعصابی تحریک شروع ہوتی ہے اس لئے ہم نے بھی اعصابی عضلاتی تحریک سے امراض کی تقسیم شروع کی ہے۔

تشریح اعصابی عضلاتی تحریک

یہ تحریک مرکز سر کے اعصاب سے شروع ہو کر عضلاتی انسجہ تک پہنچتی ہے۔یہ تحریک خالص اعصابی ہے جو سردی تری یا بلغمی اثرات کی کیفیاتی و نفسیاتی اور مادی اشیاء سے پیدا ہوتی ہے اور جسم میں رطوبات اور بلغم ہر طرف ظاہر ہوتی ہے جب وہاں بلغم اور رطوبات کی کیمیائی طور پر زیادتی ہو جاتی ہے، اس تحریک سے چونکہ غدد میں تحلیل ہو کر عضلات میں کثرت رطوبات کی وجہ سے سکون ہو جاتا ہے۔یہ عضلاتی سکون جب کیمیائی طور پر انتہاء کو پہنچ جاتا ہے تو عضلات میں مشینی تحریک شروع ہو جاتی ہے گویا اعصاب کا عضلات سے صرف کیمیائی تعلق ہے۔ورنہ یہ تحریک خالص اعصابی (سردی تری) کی تحریک ہے۔عضلات کا ذکر صرف اس کے کیمیائی تعلق کی وجہ ہے یعنی جب کیمیائی تحریک اپنے کمال کو پہنچ جاتی ہے تو مشینی تحریک میں بدل جاتی ہے۔یہ مشینی تحریک سردی کی شدت سے رطوبات کے جم جانے سے خشکی میں تبدیل ہو کر عضلات کو تحریک دے دیتی ہے۔اس طرح یہ تحریک بدل کر عضلاتی اعصابی (سرد خشک) بن جاتی ہے، جس طرح سردی تری کا تعلق سردی خشکی میں تبدیل ہو جاتا ہے اسی طرح

اعصابی عضلاتی تحریک عضلاتی اعصابی میں بدل جاتی ہے۔ بس یہی باہمی تعلق ہے۔

چونکہ اعصابی عضلاتی تحریک مشینی طور پر خالص اعصابی تحریک ہے، اس لئے اس کے مقام وحدود اور افعال درج ذیل ہیں۔

نظام اعصابی میں دماغ ونخاع اور خود اعصاب شریک ہیں۔ ان تینوں کا باہمی تعلق اس طرح سمجھ لیں کہ دماغ ایک عضورئیس ہے۔ نخاع اس کا وزیر ہے جس کی معرفت احکام کی تکمیل ہوتی ہے اور اعصاب اس کے خادم ہیں جو اس کے احکام کی تکمیل کرتے ہوئے احساسات کو دماغ تک پہنچاتے ہیں۔ اور پھر عضلاتی حرکات کے ذریعے اس کے احکام کی تعمیل کرتے ہیں۔

دماغ

دماغ کھوپڑی کی آٹھ ہڈیوں کے اندر تین جھلیوں میں چھٹکا رہتا ہے۔ یہ جھلیاں اس کی غذا، اعمال اور حفاظت کے لئے بنائی گئی ہیں۔ یہ تعداد میں تین ہیں۔

(۱) **بیرونی جھلی:** جو کھوپڑی کی ہڈیوں کی اندرونی سطح پر لگی ہوئی ہے۔ یہ ایک سفید خاکی مائل دبیز مضبوط اور ریشہ دار ہے، اس کو ام صلب (ام غلیظ) کہتے ہیں۔ یہ عضلاتی مادہ سے بنی ہوئی ہوتی ہے۔ اس کو حجاب بھی کہتے ہیں۔ پھر یہی صلب جھلی ہر ایک کو تین گہرے شگافوں (فرجات) میں تقسیم کر دیتا ہے۔ جس سے دماغ کی بیرونی سطح پر پانچ لوتھڑے (نصوص) بن جاتے ہیں۔ یہ تقسیم قدرت اس لئے کرتی ہے کہ دماغ خصوصاً اس کے دوطولانی حصے بیک وقت متاثر نہ ہوں اور پھر دائیں نصف سر کا تعلق عضلات سے رکھا گیا ہے۔ یہاں پر یہ حقیقت قابل غور ہے کہ سر کے سوا تمام جسم میں باہر کی طرف اعصاب پھر غدد یا غشاء اور بعد میں عضلات بنائے گئے ہیں۔ لیکن سر میں جسم کے برعکس عضلات باہر کی طرف ہیں۔ تا کہ دماغ کے اندر کی طرف سے احساسات حرکات کے لئے باہر بھیج سکے۔ یہی صحیح نظام ہے۔

(۲) **اندرونی جھلی:** اندرونی جھلی جو دماغ کی بیرونی سطح سے چسپاں رہتی ہے اور دماغ کے ہر نشیب وفراز اور بطون دماغ کے اندر داخل ہوتی ہے۔ یہ دماغ کا سب سے اندر والا غلاف ہے چونکہ اس میں سے رطوبت سے دماغ کو غذا ملتی ہے یہ غشاء نخاعی کا کام کرتی اور دماغ کی پرورش کرتی ہے۔ اس میں خون کی باریک باریک رگوں کا جال ہوتا ہے۔ چونکہ اس کی شکل مشمیہ کی مانند نظر آتی ہے۔ اس لئے اس کو غشاء مشیمی بھی کہتے ہیں۔ یہ غدی جھلی ہوتی ہے۔ نام ام رقیق ہے۔

(۳) **درمیانی جھلی:** یہ جھلی مندرجہ بالا دونوں جھلیوں کے درمیان ہوتی ہے۔ یہ لکڑی کے سفید جالے کی مانند ایک نہایت باریک اور نازک آبدار جھلی ہوتی ہے۔ اس لئے اس کو غشاء عنکبوتی کہتے ہیں۔ اس کے بعض حصے اوپر کی جھلی ام غلیظ سے اور بعض حصے نیچے کی جھلی (ام رقیق) سے ملے ہوئے ہیں اور بعض حصے جالیتے ہیں۔ اس طرح درمیان میں کچھ خلا بن جاتے ہیں جن میں رطوبت ہوتی ہے۔

نخاع (حرام مغز)

نظام دماغی نخاعی کا وہ حصہ ہے جو ریڑھ کے ستون کی نالی میں رہتا ہے۔ یہ گدی کی ہڈی کے سوراخ کے نچلے کنارے سے شروع ہو کر کمر کے دوسرے مہرے تک پہنچ کر بہت سی شاخوں میں تقسیم ہو جاتا ہے۔ اور پھر دمچی کی ہڈی تک پہنچ جاتا ہے۔

دماغ کی طرح حرام مغز کے بھی تین غلاف ہوتے ہیں۔ دراصل یہ وہی دماغ کی تین جھلیاں ہوتی ہیں اور ان کے نام بھی وہی ہوتے ہیں۔ اسی حرام مغز کی راہ سے دماغ کے دائیں بائیں ہر نصف سے بارہ بارہ اعصاب نکلتے ہیں۔ اس اعتبار سے دماغی اعصاب بارہ جوڑوں میں منقسم ہوتے ہیں۔

اعصاب

ایک قسم کی سفید باریک یا موٹی تاریں ہیں جو ان عصبی عقد سے نکلتی ہیں جو حرام مغز سے باہر نکل کر اعصاب بناتے ہیں جہاں سے وہ تمام جسم میں پھیل جاتے ہیں۔ یہ اعصاب انسجہ اعصابی سے تیار ہوتے ہیں جو اعصابی خلیات سے بنتے ہیں۔ اس لئے ہم ان کو ایک مفرد اعضاء کہتے ہیں۔

حدود و مقام اور افعال

اعصاب تو تمام جسم میں پھیلے ہوئے ہیں اور جب ان میں تحریک ہوتی ہے تو وہ سب متاثر ہوتے ہیں، لیکن ان کی تحریک کی ہمیشہ ابتداء اعصابی عضلاتی مقام سے ہوتی ہے۔ جس کی حدود سر کے دائیں نصف سے لے کر شانے کی ہڈی کے اوپر تک ہے گویا گردن کے تمام مہروں سے دائیں طرف دائیاں ماتھا، دائیاں کان، دائیاں ناک، دائیں آنکھ، دائیاں جبڑا سے دانت اور زبان کی دائیں طرف اور دائیں سے دائیں گردن شانوں کی ہڈی تک کے امراض شریک ہیں یہ تمام امراض صرف تحریک اعصابی کے ہیں جن میں کیمیائی طور پر عضلاتی تحریک پیدا ہوگی اعصابی عضلاتی تحریک پیدا ہوگی۔ اعصابی عضلاتی تحریک ہمیشہ سردی تری (بلغم) سے ہوگی اور ان میں جو امراض پیدا ہوں گے وہ درج ذیل ہیں۔ ان کی ترتیب ہم نے سر سے ہی شروع کی ہے تاکہ سمجھنے میں سہولت ہو۔

نصف دائیں سر کے امراض

یہ امراض خالص دماغی ہیں جو دماغ ہی میں شروع ہوتے ہیں اور اعصاب تک مخصوص ہیں۔ اکثر مشکل، پیچیدہ اور مزمن ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ جسم میں حرارت کافی حد تک کم ہو جاتی ہے۔ ان میں تکلیف گہری ہوتی ہے۔

صداع

دردِ سر کے لئے صداع کا لفظ ہے۔ یہ درد عام ہے جو سر کے کسی حصہ میں ہو سکتا ہے۔ لیکن یہ بات پھر یاد رکھیں کہ دردِ سر ہمیشہ کسی نصف سر کی طرف سے شروع ہوتا ہے۔ البتہ پھیل کر اسی مفرد عضو میں پھیل جاتا ہے۔ یہی صورت سر کے پچھلی طرف بھی قائم ہے۔ جو دردِ سر درمیان سر وغیرہ سے ہو تو وہ اکثر شرکی ہوتے ہیں۔ چونکہ یہ دردِ سر سوءِ مزاج سادہ و مادی اور تعفن رطوبات (بلغم) اور ضربہ و سکتہ اور تغیر اتصال سے واقع ہو سکتا ہے اس میں نفسیاتی اور سمیاتی اثرات و اسباب شریک ہو سکتے ہیں۔ البتہ سوءِ مزاج سادہ اور مادہ میں یہ تخصیص کر لیں کہ وہ سرد تر اور بلغمی ہوں گے۔ اسی طرح نفسیاتی اور سمیاتی اثر میں بھی سردی کے اسباب پائے جائیں گے۔ گویا یہاں ہر قسم کے دردِ سر کی تقسیم ہوگئی ہے۔ دیگر طریقہ ہائے علاج خصوصاً فرنگی طریق علاج میں دردِ سر کی بے شمار اقسام پائی جاتی ہیں۔ دردِ سر کی ذاتی صورتوں کے علاوہ جسم انسان کے جس قدر امراض ہیں ان کی علامات بلکہ مستقل طور پر دردِ سر میں شریک ہوگئی ہیں۔ ہم صرف وہی دردِ سر اور امراض کا ذکر کریں گے جن کا تعلق عضلات اور غدد کے ساتھ ہے اور وہ یقیناً شرکی کہے جا سکتے ہیں۔ اگرچہ ان کی تحریکات دماغ کی جھلیوں، ام غلیظ اور ام رقیق ہی کیوں نہ ہوں۔ البتہ جب اس اعصابی عضلاتی تحریک میں تحلیل ہو تو ضعف دماغ کا دردِ سر اور جب تسکین ہو تو اس کی ابتدائی صورت میں دباؤ سے درد ہو سکتا ہے۔ لیکن بعد میں سرسن ہو جاتا ہے اور درد معلوم نہیں ہوتا بلکہ دیگر امراض شروع ہو جاتے ہیں۔ دردِ سر کے متعلق یہ بات پھر ذہن نشین کر لیں کہ جرم دماغ اور جرم اعصاب (انسجہ اعصابی) میں سرد تر کیفیاتی و نفسیاتی اور مادی و خلطی اثرات سے سوزش پیدا ہو کر رطوبات و بلغم کے دباؤ سے درد پیدا ہو جاتا ہے۔ یہی درد بڑھ کر سرد ورم اور اس سے بخار پیدا ہو جاتا ہے۔ اُمید ہے کہ اس تفصیل سے امراض خصوصاً دردِ سر پوری طرح سے ذہن نشین ہو گئے ہوں گے اور آئندہ ہر شرکی درد کو بھی پورے طور پر ذہن نشین کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ اعصابی عضلاتی تحریک کے امراض درج ذیل ہیں۔

صداع بارد ساذج - ساذج سردی کا دردِ سر (نیورلیجک ہیڈ ئیک)

اسباب: اس تحریک کے اسباب اوپر بیان کر دیئے گئے ہیں جن سے جسم میں سردی تری پیدا ہو جاتی ہے۔ مثلاً سرد پانی سے نہانا، گرمی سے سردی میں جانا، سخت سرد اشیاء کا کھانا یا گرم اشیاء کا کھا کر فوراً سرد اشیاء کا کھانا، ہر قسم کے کیفیاتی و اخلاطی اسباب کے علاوہ نفسیاتی اور کیمیائی اثرات کو بھی مدنظر رکھیں۔

علامات: دائیں نصف سر کی مقامی علامات کو علاوہ تمام سر اور جسم میں ان علامتوں کو دیکھنے کے بعد اس امر کو ذہن میں رکھیں کہ جسم کے غدد میں تحلیل اور عضلات میں تسکین ہوگی جس سے جسم خصوصاً سر اور پیشانی کی جلد سرد محسوس ہوگی۔ آگ، دھوپ اور گرم کپڑوں کے قرب سے آرام محسوس ہوتا ہے۔

علاج: عضلاتی اعصابی تحریک کو شروع کر دیں۔ مرض اور علامات کا اندازہ لگاتے ہوئے کمی بیشی کے مطابق محرک و شدید اور ملین و مسہل کا استعمال کرائیں۔ اگر ضرورت محسوس کریں تو بیرونی طور پر بھی یہی دوائیں گرم پانی یا مناسب بدرقہ کے ساتھ استعمال کر سکتے ہیں۔ مثلاً لیپ و طلا اور مالش و ورد کی صورت میں ہو سکتا ہے۔

غذا: مریض کی بھوک کا سب سے پہلے خیال رکھیں۔ بغیر بھوک کے کچھ نہ دیں۔ بھوک کا بیدار کرنا اوّلین علاج ہے۔ جب بھوک لگے تو تحریک کے مطابق اغذیہ استعمال کرائیں۔ اگر بھوک نہ ہو تو صرف گرم پانی یا بغیر دودھ کی چائے اور قہوہ وغیرہ دیں۔ غذا بھی ضرور نیم گرم دیں۔

صداع بلغمی - دردِ سر بلغمی / مادی (کٹارل ہیڈ ئیک)

اسباب: سابقہ اسباب ذہن میں رکھیں، بار بار بیان کرنا باعث طوالت ہوگا۔

علامات: جسم میں رطوبت کی کثرت، تمام مخارج سے رطوبات معمول سے زائد، بول و براز کی رنگت میں سفیدی یا میلا پن، قوام میں گاڑھا پن ہوگا، ساذج میں گاڑھا پن نہیں ہوتا، نبض سست اور منخفض ہوگی۔ البتہ شدت سے پہلی انگلی کے نیچے اٹھے گی۔ باقی صداع ساذج کی علامات ذہن میں رکھیں۔

علاج وغذا صداع ساذج کے مطابق عمل کریں۔

صداع کرم - صدع دودی (درمی نل ہیڈ ئیک)

نوٹ: اس تحریک کے مقامات میں کسی جگہ رطوبات کا غلیظ ہو کر متعفن ہو جانے سے وہاں پر کیڑے پیدا ہو جاتے ہیں۔ ان کے بڑھنے کے ساتھ ساتھ یہ درد بڑھتا رہتا ہے۔

علامات: سابقہ دردِ سر کی علامات کے ساتھ دماغ میں ہلکا مسلسل درد یا شدید خارش اور دغدغہ محسوس ہوتا ہے۔ تمام مخارج کی رطوبات خصوصاً ناک سے بدبو کا آنا بڑی علامت ہے۔

علاج وغذا بالکل سابقہ رکھیں۔ کرموں کو خارج کرنے اور مارنے کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔ جب عضلاتی اعصابی تحریک مکمل ہو جائے گی اور رطوبات اور بلغم خشک ہو جائے گی تو وہاں پر کوئی کیڑا یا جراثیم زندہ نہیں رہ سکے گا۔

۴ صداع ضربی اور سقطی - چوٹ یا گرنے سے دردسر (کمپریسو ہیڈ ئیک)

تاکید: اس کی دو صورتیں ہیں۔ اوّل صورت میں دماغ اور اس کی جھلیوں میں چوٹ لگ جائے ان کا علاج ان کی تحریک کی علامات کے مطابق کریں۔ دوسری صورت میں دھمک پہنچنے سے جو ہر دماغ ہی جنبش کھا جاتا ہے، اس سے چکر اور آنکھوں کے سامنے اندھیرا سا آ جاتا ہے۔ اس میں بعض وقت بے حد نقصان ہوتا ہے۔ مثلاً نسیان شروع ہو جاتا ہے یا انسان سب کچھ اپنی زندگی کے متعلق بھول جاتا ہے۔ بعض دفعہ شنوائی کھو بیٹھتا ہے۔ کبھی بصارت ختم ہو جاتی ہے۔ کبھی بولنا بند ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اس کا اثر دور کے اعضاء پر بھی پڑ سکتا ہے۔ مثلاً ہاتھ، بازو، پاؤں اور ٹانگ میں حس ختم ہو جاتی ہے اور بعض وقت فالج ہو جاتا ہے۔ اسی طرح کبھی سونگھنے کی قوت ضائع ہو جاتی ہے۔ اس کو حکماء اور اطباء نے ایک جدا قسم کے دردسر میں لکھا ہے۔ جس کو صداع تزعزئی (دردسر جنبشی) کہتے ہیں۔ علاج و غذا سابقہ رکھیں۔ گھبرائیں نہیں، یقیناً آرام ہو جائے گا۔ کیونکہ یہ تمام علامات اسی وقت تک رہتی ہیں جب تک اعصابی عضلاتی تحریک کا اثر رہتا ہے۔ جب یہ اثر ختم ہو جاتا ہے تو بالکل آرام ہو جاتا ہے۔ طاقت بھی آ جاتی ہے اور خون بھی پیدا ہو جاتا ہے۔ پھر رفتہ رفتہ تمام نقائص رفع ہو جاتے ہیں۔ البتہ مریض کو کہیں کہ جلدی نہ کرے اور تسلی سے علاج کرائے۔ رفتہ رفتہ مریض تندرست ہو جاتا ہے۔

۵ عصابہ - درد آربیٹک ڈولر

یہ دراصل دائیں نصف سر کا درد ہے۔ جو سردی تری یا بلغم سے ہوتا ہے۔ جس کا اظہار ابرو پر ہوتا ہے۔ کبھی شدت کی وجہ سے دوسرے ابرو تک پہنچ جاتا ہے۔ بعض وقت اسی حدود میں تمام سر کے گرد محسوس ہوتا ہے۔ گویا ماتھے کے گرداگرد ایک پٹی لپٹی ہوئی ہے۔ عصابہ کے معنی پٹی کے ہیں۔ جب یہ مادہ ہوتا ہے تو اس میں شدت زیادہ ہوتی ہے۔

تاکید: بعض اطباء اور حکماء نے اس کے اسباب میں حرارت کی زیادتی یا خلطوں کے بخارات کو چڑھنا لکھا ہے۔ جو بالکل غلط ہے۔ اس درد میں حرارت کا مطلق دخل نہیں ہے۔

یادداشت: یہ امر ذہن نشین کر لیں کہ حرارت سے کبھی کوئی درد نہیں ہوتا بلکہ نہ سوزش ہوتی ہے نہ ورم ہوتا ہے۔ البتہ گرم بخارات (ریاح) سے ہو سکتا ہے۔ لیکن حقیقت میں گرم بخارات میں سردی کا اثر غالب ہے اور جب ان پر حرارت کا اثر غالب ہوتا ہے تو وہ تحلیل ہو جاتے ہیں۔

فرق: شقیقہ بھی نصف سر کا درد ہے دونوں کا فرق یہ بیان کیا جاتا ہے کہ عصابہ کی تکلیف زوال آفتاب کے بعد بہت کم ہو جاتی ہے۔ مگر کلی طور پر زائل نہیں ہوتی اور سر رات کو بوجھل رہتا ہے، لیکن شقیقہ کا درد دوپہر کے بعد صبح تک کچھ اثر مریض محسوس نہیں کرتا۔ اس بیان میں گرمی سردی کا اظہار ہے۔ شقیقہ سورج کی گرمی کے بعد بڑھتا ہے، غروب کے بعد کم ہو جاتا ہے۔ عصابہ دوپہر کے وقت جب سورج پوری شدت سے گرم ہوتا ہے تو یہ درد رک جاتا ہے اور اس کا مادہ تحلیل ہو جاتا ہے۔ شدت کی سردی میں پھر اکٹھا ہو کر صبح کو طلوع آفتاب سے قبل ہی شدت اختیار کر لیتا ہے۔ گویا گرمی اور سردی کا فرق ہے۔

جالینوس نے ایک اور فرق بھی بیان کیا ہے کہ شقیقہ سر کے طولانی حصہ میں لاحق ہوتا ہے، مگر اعصابہ کا احساس عرض میں ہوتا ہے۔ یہ درد چونکہ ابرو کا ہے۔ اس میں طول و عرض کی تخصیص نہیں ہے۔ البتہ درد کی شدت میں دونوں تمام سر میں پھیل جاتے ہیں۔ بس اسی حقیقت کو ذہن نشین کر لیں کہ عصابہ دائیں طرف شروع ہوتا ہے اور خالص عصبی درد ہے اور شقیقہ بائیں طرف سے شروع ہوتا ہے اور خالص غدی درد ہے۔ نبض اور قارورہ سے ان کا فرق نمایاں ہو جاتا ہے۔ علاج و غذا میں مندرجہ بالا دردوں کو مدنظر رکھیں بار بار بیان کرنا باعث طوالت ہے۔

۶ نسیان-فراموشی (ایم نے سیا)

اس مرض میں انسان باتیں کرتا کرتا بھول جاتا ہے یا قوت حافظہ کم ہو جاتی ہے اور کبھی گزشتہ باتوں اور واقعات کو بھی بھول جاتا ہے۔ گویا اس مرض میں ذکر وفکر اور تخیل میں فساد واقع ہو کر انسان باتوں اور واقعات بلکہ اپنی ذات کو بھی بھول جاتا ہے گویا اس میں قوت فکر اور تخیل زائل ہو جاتی ہے۔

اسباب و علامات: اس کی ایک صورت تو یہ ہے کہ ضرب وسقطہ اور دھمک سے دماغ میں خلل واقع ہو جائے جن کا ذکر گزشتہ صفحات میں کر دیا گیا ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ سردی تری یا بلغم کی کثرت پیدا ہو جائے جو اس تحریک میں ہو جاتی ہے۔

علاج وغذا میں اس تحریک کے مطابق عمل کریں۔

۷ سبا-غفلت کی نیند (قوما)

علامات: اس علامت میں مریض اس قدر غفلت کی نیند سو جاتا ہے کہ اس کو بہت مشکل سے بیدار کیا جاتا ہے اور بعض وقت تو بیدار کرنے سے بھی بیدار نہیں ہوتا اور کئی دِن یا کئی کئی ماہ سویا رہتا ہے اور علاج وغذا اس تحریک کو مدنظر رکھ کر کریں۔

بعض وقت تو نوبت برسوں تک پہنچ جاتی ہے۔ اس تحریک کی علامات نمایاں ہوتی ہیں اور علاج وغذا بھی اس کے مطابق دیں۔ گھبرائیں نہیں رطوبات کا اخراج اور پیدائش کا بند کرنا ذرا دیر سے ہوتا ہے۔

۸ جمود-حواس باختہ ہونا (کیٹالیپسی)

یہ ایک ایسا مرض ہے کہ جس سے مریض کی حس ختم ہو جاتی ہے جس سے اس کی حرکات رُک جاتی ہیں اس کے حواس باختہ ہو جاتے ہیں۔ گویا وہ ہکا بکا ہو کر جس حالت میں ہوتا ہے، اسی حالت میں رہ جاتا ہے یعنی کھڑا ہے تو کھڑا ہے اور لیٹا ہے تو لیٹا ہے۔ بعض اطباء نے اس کو سوداوی مرض لکھا ہے لیکن یہ سوداوی مرض نہیں ہے، چونکہ سودا میں خشکی ہوتی ہے اور یہ مرض نہیں ہو سکتا۔

علامات: رطوبات بلغم کی وجہ سے جب اعصابی تحریک رُک جاتی ہے تو مریض ایک ہی حالت میں رُک جاتا ہے۔ بیٹھا ہو تو بیٹھا رہتا ہے، آنکھیں اگر کھلی ہیں تو کھلی رہتی ہیں، اگر بند ہوں تو بند رہتی ہیں۔ نہ کلام کر سکتا ہے اور نہ ہی کھا پی سکتا ہے۔ جس حالت میں ہو پڑا رہتا ہے۔ کسی طرف پہلو نہیں بدل سکتا۔ علاج وغذا تحریک کے مطابق کریں۔ دورہ کے وقت اسی تحریک کی ادویات کی نسوار بھی دے سکتے ہیں۔

۹ جمود، سکتہ، مثل مردہ ہونا (APOPLEXY)

اس علامت میں مریض کی جمود کی طرح دفعتہً حس وحرکت بند ہو جاتی ہے اور مریض مردہ کی طرح چت بے ہوش پڑا رہتا ہے۔ گویا جمود کی انتہاء ہے۔ اس میں دماغ کے اندر یا باہر اس قدر رطوبت اور بلغم بھر کر جم جاتی ہے کہ سدہ تامہ کی شکل واقع ہو جاتی ہے اور ساتھ ہی خون کا دباؤ بڑھ جاتا ہے۔ کبھی فالج ہو جاتا ہے۔

اسباب: سردی تری اور بلغم کی زیادتی کے علاوہ سر میں چوٹ ودھکا لگ جانا، اسی طرح سر کے بل گر پڑنے اور نفسیاتی اثرات جیسے خوف وغیرہ یا کسی ایسے زہر کا اثر ہوتا ہے جو اس تحریک کو شدید متاثر کر دے۔

علامات: مریض بالکل مردہ کی طرح پڑا رہتا ہے، گویا بے ہوش ہے اور بیدار کرنے سے بالکل ہوش نہیں پکڑتا۔ ہاتھ پاؤں سرد، آنکھیں پتھرائی

ہوئی، دانتی لگی ہوتی ہے۔ اگر کبھی دورہ کم ہو تو سانس وقت سے آتا محسوس ہوتا ہے۔ منہ میں جھاگ ہوتی ہے، دل میں کسی قدر حرکت کا احساس ہوتا ہے اور بول و براز بے خبر نکل جاتے ہیں۔ لیکن اکثر بے حس و حرکت ہوتا ہے۔ پتلیاں پھیل کر بے حس و حرکت ہو جاتی ہیں۔ اوّل تو مریض ۹۹ فیصدی اسی حالت میں موت کے آغوش میں چلا جاتا ہے، اگر بیدار ہو بھی جائے تو فالج ہو جاتا ہے یا اپنی تمام یادیں بھول جاتا ہے۔

تاکید: ایسے مریض کو فوراً دفن نہ کریں اور کم از کم ۲۴ گھنٹے ضرور رکھیں۔ بعض وقت تو نسیان وسبات اور جمود کی علامت سے سکتہ میں گرفتار ہوتا ہے اور کبھی دفعتہً بے ہوش ہو کر گر پڑتا ہے۔ سکتہ کی علامت فالج میں بھی واقع ہوتی ہے۔ لیکن **اس میں غدی اور عضلاتی** علامات نمایاں ہوتی ہیں۔

علاج: مریض چونکہ ادویات کھا نہیں سکتا اور نہ نگل سکتا ہے اس لئے اس تحریک کے مطابق **عضلاتی اعصابی ادویات کو ناک میں پھونکیں** اور اس کے تیل اس کے ناک و کان میں ڈالیں اور حلق و زبان پر مالش کریں اور صبر سے نتیجہ کا انتظار کریں۔

سکتہ اور موت میں فرق: مریض کے جسم میں کسی جگہ کوئی حرکت محسوس ہو، مثلاً دل کی خفیف حرکت یا سانس کا ناک کے مقام پر محسوس ہونا یا آنکھ اختلاج یا جھپکنا اور آنکھ کی پتلی یا چراغ کا عکس دکھائی دے۔ اگر ایسی کوئی حرکت محسوس نہ ہو تو پھر اس کو مردہ خیال کر لینا چاہئے۔ لیکن پھر بھی اس کے دفن کرنے میں جلدی نہ کرنی چاہئے۔ پھر زندگی کی اُمید ہو سکتی ہے۔ یاد رکھیں جمود وسبات اور سرسام بارد سکتہ درجہ بدرجہ ایک ہی علامت ہیں۔

۱۰ سرسام بارد، سرسام بلغمی (کرانک سری برائیٹس)

سرسام کے لغوی معنی سر کا مرض ہے۔ سرسام مرض کو کہتے ہیں، لیکن شیخ الرئیس سام کے معنی ورم کہتے ہیں۔ عام طور پر دماغ اور اس کی جھلیوں کے ورم پر بولا جاتا ہے۔ ہر ایک کی علامات جدا جدا ہیں۔ ہر قسم کے ورم کو حقیقی سرسام کہتے ہیں۔ لیکن ایک سرسام غیر حقیقی بھی ہوتا ہے۔ جس کے متعلق اطباء لکھتے ہیں کہ دماغ میں تو نہیں ہوتا مگر اس میں ورم کی سی علامات ہوتی ہیں گویا وہ سرسام شرکی ہوتا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ جسم میں کسی مفرد عضو میں کوئی شدید سوزش یا ورم ہوتا ہے تو اس کا اثر سر کے اسی مفرد عضو پر ظاہر ہو کر سرسام کی سی علامات پیدا ہو جاتی ہیں۔ سرسام بلغمی کو طبی اصطلاح میں لیثرغس کہتے ہیں۔

علامات: اس قسم کے ورم میں شدت پیدا نہیں ہوتی، لیکن غنودگی زیادہ ہوتی ہے۔ عام طور پر یہ سرسام بہت کم ہوتا ہے، کیونکہ سردی میں بلغم کی زیادتی سے بہت کم سوزش بڑھتی اور ورم بنتا ہے۔ البتہ رطوبات میں اگر تعفن پیدا ہو جائے لیکن وہ عضلاتی مقام پر ہوتا ہے اس کو عضلاتی ورم ہونا چاہئے، بخار خفیف مگر منہ سے لعاب دہن و پیشاب کی کثرت ہوتی ہے۔ کبھی اسہال شروع ہو جاتے ہیں۔ علاج و غذا اسی تحریک کو مدنظر رکھ کر کریں۔

۱۱ سدر و دوار سر چکرانا اور دوران سر (ورٹیگو-گڈی نیس)

سدر کی علامت میں جب آدمی کھڑا ہوتا ہے تو آنکھوں کے سامنے اندھیرا آ جاتا ہے۔ اس میں دراصل بینائی منتشر ہو جاتی ہے۔ دوار چکر آنے کو کہتے ہیں اس میں سر گھومتا معلوم ہوتا ہے، بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کا گرد و پیش گردش کر رہا ہے۔

علامات: سر بوجھل، منہ میں رطوبات کی زیادتی، جسم سست، بلغم کی اکثر زیادتی ہوتی ہے۔ علاج و غذا اس تحریک کے مطابق کریں۔

۱۲ صرع، مرگی (اپی لیسی)

صرع کے معنی گر پڑنا ہے اسی علامت میں مریض بے ہوش ہو کر گر پڑتا ہے۔ اعضاء تشنج، منہ سے کف اور تنفس سے خرخراہٹ جاری ہو جاتی

ہے۔اس کے دورے پڑتے ہیں چمک دار شے دیکھ کر فوراً دورہ پڑ جاتا ہے۔جاہل لوگ اس کو جادوگری کا مرض کہتے ہیں۔

دراصل اعصاب میں سوزش کی شدت سے رطوبات کی زیادتی ہو جانے پر اعصاب کی روگزرنی رُک جاتی ہے اور دورہ پڑ جاتا ہے۔پھر جب تشنج ہوتا ہے تو ہوش ٹھکانے آ جاتا ہے۔

اطباء نے صرع کی تین اقسام لکھی ہیں: صرع دماغی، صرع معدی اور صرع اطرافی۔حقیقت یہ ہے کہ صرع معدی اور صرع اطرافی دونوں کا تعلق صرف اعصاب کے ساتھ ہے اور مادہ سر میں ہوتا ہے۔**صرع معدی دراصل صرع اعصابی عضلاتی اور صرع اطرافی درحقیقت اعصابی غدی ہوتی ہے۔**ہر تحریک کی علامات نمایاں ہوتی ہیں۔

علامات خصوصی: صرع اکثر بچپن میں شروع ہوتا ہے۔اس لئے بچوں کے صرع کو ام الصبیان کہتے ہیں۔اس میں آتشک کے زہر کو بہت دخل ہے۔مرگی کے مریضوں میں خوف اور ڈر زیادہ پایا جاتا ہے۔مریض کمزور اور دبلے ہو جاتے ہیں۔پھر رفتہ رفتہ بعض اعضاء خصوصاً ہاتھ، بازو اور ٹانگیں مڑ جاتے ہیں۔کبھی کمر بھی جھک جاتی ہے۔دیگر دورے پڑنے اور بے ہوش ہونے والے امراض کے ساتھ اس کا یہ فرق ہے کہ اس میں مکمل بے ہوشی اور تشنج ضرور ہوتا ہے۔

امراضِ چشم

یہ امراض بھی نصف دائیں سر کے ہیں، یہ بھی اعصابی عضلاتی تحریک کے تحت ہیں۔

اعصابی عضلاتی تحریک کے تحت امراض چشم کی تشریح

آنکھ ایک مخروطی گیند ہے جو چشم خانوں کی ہڈیوں کے اندر تین پردوں کے اندر اس طرح لپٹی ہوئی ہے کہ ان کے اندر تین قسم کی رطوبتیں آگے سے پیچھے تک محفوظ ہیں۔ان تینوں حصوں کو تین طبقات کہتے ہیں۔ہر طبقہ میں ایک پردہ اور ایک رطوبت ہے جو دوسرے پردے کے سہارے اندر بند ہے۔بیرونی پردہ صلبیہ ہے یہی پردہ جب آنکھ کے سامنے آ جاتا ہے تو سفید اور شفاف ہو جاتا ہے۔پھر قرنیہ کہلاتا ہے۔گویا اسی سے پیدا ہوا ہے۔اس کے اندر جو رطوبت ہوتی ہے اس کو رطوبت بیضہ کہتے ہیں۔اندرونی پردہ شبکیہ کہلاتا ہے۔یہ آنکھ کے دونوں طرف ختم ہو جاتا ہے اور اس میں جو رطوبت ہوتی ہے اس کو جلیدیہ کہتے ہیں۔اندرونی پردہ شبکیہ کہلاتا ہے۔یہ آنکھ کے دونوں طرف ختم ہو جاتا ہے اور اس میں جو رطوبت ہوتی ہے اس کو زجاجیہ کہتے ہیں۔پردہ صلبیہ سفید کا وہی سخت پردہ ہے جو دماغ پر ام غلیظ کے نام سے بیان کیا گیا ہے۔یہ بھی عضلاتی پردہ ہے۔اس میں عروق کم اور مستقل اعصاب بھی نہیں ہوتے۔دوسرا پردہ مشیمیہ جس میں کثرت سے عروق ہوتے ہیں۔یہ وہی پردہ ہے جو دماغ پر ام رقیق کے نام سے بیان کیا گیا ہے۔اس کی اندرونی سطح سیاہ ہوتی ہے۔اس سے جو رطوبت اخراج پاتی ہے۔اس سے آنکھ پرورش پاتی ہے۔یہ پردہ دراصل غدی کا کام سرانجام دیتا ہے۔تیسرا پردہ جو شبکیہ کہلاتا ہے، دراصل یہی عصبی پردہ ہے۔اس کا تعلق عصبہ مجوعہ کے ساتھ ہوتا ہے اور باقی دونوں پردے بھی اس پر چڑھے رہتے ہیں۔گویا عصبہ مجوفہ ان کو چھید کر آنکھ کے اندر رطوبت زجاجیہ تک پہنچ جاتا ہے جو مرکز نور ہے۔

رطوبات بھی تین ہیں جو ان تین پردوں میں بند ہیں۔اول ''رطوبت بیضہ'' یہ پانی کی مانند سیال رطوبت ہے۔پردہ قرنیہ اور پردہ عنبیہ کے درمیان واقع ہے۔یہ دونوں پردے دراصل پردہ صلبیہ اور پردہ مشیمہ کے وہ لطیف و شفاف اور نازک حصے ہیں جو آنکھ کے سامنے بنے ہوئے ہیں جہاں سے روشنی گزرتی ہے۔دوسری رطوبت کا نام 'جلیدیہ' ہے جو رطوبت بیضہ کے بعد ایک نازک جھلی میں ہوتی ہے جس کو عنکبوتی کہتے ہیں۔

بالکل ایسی جھلی جو دماغ میں ہوتی ہے جو ام غلیظ اور ام رقیق کو ملاتی ہے اور اس کے خلاؤں میں بھی رطوبت ہوتی ہے۔ یہ بھی ایک سفید شفاف اور شکل میں مثل اولہ کے ہوتی ہے۔ جلید یہ کے معنی بھی اولہ کے ہیں۔ ضرورت کے مطابق اس کی شکل میں تبدیلی ہوتی رہتی ہے۔ اسی رطوبت کے مکدر ہو جانے سے نزول الماء ہو جاتا ہے۔ تیسری رطوبت کو ''رطوبت زجاجیہ'' کہتے ہیں۔ یہ رطوبت جلید یہ کے بعد ہوتا ہے۔ یہ طبقہ شبکیہ کے اندر پھیلی ہوتی ہے۔ یہ بھی شفاف مگر لیسدار ہوتی ہے۔ بالکل اسی قسم کی ہوتی ہے جیسا کہ ایثر (ایتھر) کا تصور پیش کیا جاتا ہے۔ یعنی اس میں ارتعاش اور تموج پیدا ہوتا ہے۔ جس کا احساس اعصاب کو ہوتا ہے۔

ان رطوبات کے افعال کو آسانی سے ذہن نشین کرنے کے لئے انسجہ کے خلیات کا مطالعہ کرنا چاہئے۔ یہ تینوں رطوبات عضلاتی غدی اور اعصابی خلیوں کی رطوبات کے مثل ہوتی ہیں اور ان کے افعال بھی انہی کی طرح ہوتے ہیں یعنی رطوبت بیضہ ایسی رطوبت ہے جو عضلاتی خلیات میں ہوتی ہے۔ رطوبت جلید یہ بالکل ایسی رطوبت ہوتی ہے جو غدی خلیات کے اندر ہوتی ہے۔ اسی طرح رطوبت زجاجیہ ایسی رطوبت ہوتی ہے جو اعصابی خلیات کے اندر ہوتی ہے۔ جب آنکھ کے ان پردوں میں کوئی نقص پیدا ہوتا ہے تو یہ رطوبات بھی متاثر ہوتی ہیں۔ اسی طرح جسم کے کسی حصہ میں کسی نسیج خصوصاً دماغی انسجہ پر اثر پڑتا ہے تو ان رطوبات کو ضرور متاثر کرتا ہے۔ یہ ایسی تشریح اور افعال ہیں جن سے فرنگی طب آگاہ نہیں ہے۔

رمد بلغمی، آنکھ دکھنا (ایکیوٹ کٹارل کنجنکٹی وائٹس)

آنکھ دکھنا دراصل طبقہ ملتحمہ کا مرض ہے جو ایک غشائی جھلی ہے جو آنکھ کے پپوٹوں کے اندر لگی ہوئی ہے۔ پھر یہی باریک جھلی پردہ قرنیہ پر لپٹی ہوتی ہے۔ دراصل یہ جھلی جلد کے قائم مقام ہے پپوٹوں کے اندر اس میں عروق کے ساتھ چھوٹی چھوٹی گلٹیاں بھی ہوتی ہیں۔ جب وہ سوج جاتی ہیں تو ان کو ککروں کا مرض کہتے ہیں۔ دراصل یہ جھلی پرسبہ کے اندر کی طرف شیمیہ اور شبکیہ کے توصل سے بنتی ہے۔ جب اس میں سوزش ہوتی ہے تو اس کو آنکھ کا دکھنا کہتے ہیں۔

بلغمی آنکھ دکھنا میں سوزش صرف ملتحمہ کے اعصاب میں انتہائی سردی تری سے ہوتی ہے اور آنکھ میں خفیف سوزش مگر رطوبت اور میل زیادہ آتی ہے اور جب شدت ہوتی ہے تو سوجن بھی ہو جاتی ہے۔ علاج وغذا کے لئے **تحریک اعصابی عضلاتی** کے مدنظر علاج کریں اور سرمہ لگائیں۔

عشا (رتوندی - نائٹ بلائنڈنس)

اس علامت میں مریض رات خصوصاً اندھیرے میں نہیں دیکھ سکتا۔ کبھی ابر اور شام کے وقت اس کو نظر نہیں آتا۔ اس علامت کو بعض اطباء قوت باصرہ کا ضعف خیال کرتے ہیں، لیکن دراصل اس علامت میں پردہ شبکیہ میں تحریک بڑھ جاتی ہے اور رطوبت زجاجیہ میں رطوبت بڑھ جاتی ہے جس سے اس میں اندھیرا کی وجہ سے تحریک نور رک جاتی ہے۔ علاج وغذا کے لئے اس تحریک کو مدنظر رکھیں۔

امراض گوش اعصابی عضلاتی تحریک (سردی تری) کے تحت

تحریک کی بالمفرد اعضاء تشریح

کان کا سوراخ جونظر آتا ہے ایک جھلی پر ختم ہوتا ہے۔ اس جھلی کو کان کا ڈھول کہتے ہیں۔ اس جھلی کے اندر ایک خلا ہے جس کو جوبہ کہتے ہیں۔ اسی خلا سے ایک نالی حلق کی طرف جاتی ہے۔ کان کا ڈھول جو آواز سنتا ہے اس میں تھرتھراہٹ پیدا ہوتی ہے۔ پھر اس کی حرکت سے خلا کے اندر جو تین چھوٹی چھوٹی ہڈیاں ہیں وہ ڈھول کی موجوں سے ہلتی ہیں اور پھر موجوں کو عصب سامع تک پہنچاتی ہیں۔

اس ڈھول کے تین پردے ہوتے ہیں۔ بیرونی اعصابی، درمیانی عضلاتی اور اندرونی غشاء مخاطی (غدی) کا ہوتا ہے۔ عام طور پر اس ڈھول کے خرابی سے امراض پیدا ہوتے ہیں۔ کبھی عصب سامع خراب ہوجاتا ہے۔

۱۵ وجع الاذن بارد سردی تری کا درد کان (اوٹلیجیا)

اس درد کان میں کیفیات (ساذج) اور مادی (بلغمی) دو شریک ہیں۔

تاکید: یہ دونوں درد کان کی ابتدائی صورتیں ہیں۔ ان میں رطوبات اور سردی کی زیادتی سے اعصاب پر دباؤ پڑنے سے درد ہوتا ہے۔ لیکن جب اعصاب میں سوزش بڑھ جائے تو خارش و پھنسیاں اور اورام بارد کی صورت بھی پیدا ہوجاتی ہے اور کبھی رطوبات میں تعفن پیدا ہوکر ورم ہو جاتا ہے۔ اسی طرح سر، آنکھ، ناک اور منہ میں بھی اس تحریک سے درد ہوتو کان میں بھی درد ہوجاتا ہے۔ اس کے بعد کان سے پیپ آنا اور اس میں کیڑے پیدا ہوجانا بھی اسی تحریک میں شامل ہیں۔ ان کو الگ الگ بیان کرنے کی ضرورت نہیں البتہ یہی سمجھ لینا ہی کافی ہے۔ فرق صرف مواد کی کمی بیشی ہے۔ البتہ جب ایک تحریک کیمیائی طور پر اپنے کمال کو پہنچ جاتی ہے تو ساتھ ہی عضوی تحریک بدل جاتی ہے۔ تحریک بدلنے پر علاج و غذا بھی بدل جاتا ہے۔

امراض انف

ناک کی بناوٹ پانچ عدد کریوں سے ہے۔ جس میں تین ہڈیاں شامل ہیں، دو عدد طرفین کی اور ایک عدد درمیانی بانسہ کی ہڈی جس سے دو عدد نتھنے تیار ہوتے ہیں۔ ان کے علاوہ جبڑے کی ہڈی کا نکال ہوتا ہے جس سے دماغ کی طرف سے اعصاب اور عروق داخل ہوتا ہے۔

نتھنوں کے اندر اعصابی ریشوں کا جال بچھا ہوا ہوتا ہے۔ جہاں سے سونگھنے کی قوت دماغ تک جاتی ہے۔ اس عصبی جھلی کے نیچے غشائے مخاطی اور عضلاتی ریشے ہوتے ہیں۔ ان سب کا تعلق آنکھ اور کان کی طرح دماغ اور ان کے پردوں سے ہوتا ہے۔

زکام یا نزلہ بارد، سردی سے ناک کا بہنا (نیزل کٹار)

نزلہ ایک ایسی علامت ہے جس میں ناک اور حلق سے مواد گرتا ہے۔ نزلہ کے معنی گرنا ہے۔

نزلہ اور زکام کا فرق

جمہور اطباء کے نزدیک دماغی فضلات کا ناک کی طرف گرنا زکام کہلاتا ہے اور جب یہی فضلات حلق کی طرف گرتے ہیں تو ان کو نزلہ کہتے ہیں۔

یہ فرق بالکل غلط ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ سردی تری یا بلغم سے جب مواد گرتا ہے تو اس کو زکام کہتے ہیں۔ چاہے وہ ناک سے گرے یا حلق سے گرے۔ چونکہ نزلہ بارد میں ناک کا خصوصاً دایاں نتھنا پہلے متاثر ہوتا ہے اس لئے اس کو زکام کہتے ہیں۔ اسی زکام کی شدت سے دوسرے نتھنے اور حلق سے بھی سرد تر یا بلغمی مواد گر سکتا ہے۔ اسی طرح گرمی سے جو مواد گرتا ہے اس کو نزلہ کہتے ہیں، یہی نزلہ حلق کی بجائے ناک سے بھی گرتا ہے۔ البتہ اس کی ابتداء ہمیشہ بائیں نتھنے سے شروع ہوتی ہے۔ گویا **زکام اعصابی تحریک ہوتی ہے اور نزلہ غدی (جگری) تحریک** ہوتی ہے۔ (علم النفس یا سرودھا بھی اس کی تصدیق کرتا ہے۔ ایڈیٹر)

ہم نے نزلہ کی تین اقسام بیان کی ہیں۔ (اوّل) اعصابی نزلہ، سردی تری کا نزلہ جس کو زکام کہتے ہیں۔ چاہے وہ ناک سے گرے یا حلق سے گرے۔ (دوسرا) غدی نزلہ گرمی کا نزلہ جس کو نزلہ حار کہتے ہیں۔ چاہے وہ حلق سے شروع ہو یا ناک سے گرے۔ (تیسرا) عضلاتی نزلہ، یہ خشکی کا نزلہ ہے چاہے گرمی خشکی ہو یا سردی خشکی ہو یہ نزلہ بہتا نہیں بلکہ بند رہتا ہے۔ ان کی تفصیل ہماری کتابوں ''تحقیقات نزلہ وزکام'' اور ''تحقیقات نزلہ وزکام وبائی'' میں دیکھیں۔

نزلہ وزکام علامات کو اکثر اطباء نے دماغی امراض میں بیان کیا ہے۔ حقیقت میں نزلہ بارد یا زکام دماغی مرض ہے اور نزلہ حار کبدی مرض ہے۔ لیکن مقام تکلیف کی وجہ سے ان کو ناک اور حلق میں ہی بیان کرنا چاہئے۔ حلق کا تعلق بھی ناک سے بالکل قریب کا ہے۔ ہم یہاں پر نزلہ بارد یا زکام ذکر کر رہے ہیں جو **اعصابی عضلاتی تحریک** میں تیزی سے جاری ہوتا ہے۔

اسباب و علامات: گزشتہ امراض میں جو اس تحریک کے تحت ہیں ان کو مدنظر رکھیں۔

علاج و غذا: اس سلسلہ میں تحریک کے مطابق عمل کریں۔

تاکید: اس تحریک کی شدت سے ناک اور حلق میں سوزش ورم اور زخم و پھنسیاں وغیرہ اور بخار بھی ہو جاتا ہے۔ اس طرح عطاس (زیادہ چھینکیں آنا)، خشم (ناک سے بدبو آنا)، دیدان الانف (ناک کے کیڑے) وغیرہ اسی تحریک میں شامل ہیں۔ ان سب میں کیفیات واخلاط اور مواد و کیمیائی اثرات کی کمی بیشی کا فرق ہے۔ علاج میں گھبرائیں نہیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ شرطیہ آرام ہوتا ہے۔

امراضِ فم

منہ کے امراض کا تحریک اعصابی عضلات کے تحت بیان کرنا۔

ان امراض میں منہ اور اس کے تمام متعلقات کو داخل کر لیا ہے تاکہ سمجھنے میں آسانیاں ہوں۔ ان میں ذیل کے حصے شریک ہیں:

(۱) امراض لب (۲) امراض زبان (۳) امراض الاسنان اور لثہ۔

تشریح

منہ کی ابتداء ہونٹوں سے ہوتی ہے۔ پھر منہ کے اندر بتیس دانتوں کے اندر زبان جو حلق کی ہڈی میں لگی ہے اور دانت مسوڑوں میں جڑے ہوئے ہیں۔ زبان اور مسوڑھے عضلاتی ہیں۔ ان میں غشائے مخاطی اور خون کی رگیں ہیں اور ان کے باہر کی طرف اعصابی جھلی پھیلی ہوئی ہے۔ ان

تینوں مفرد اعضاء کا تعلق دماغ، جگر اور دل کے ساتھ اس طرح ہے جس طرح اوپر کے مرکب اعضاء کا ذکر کیا گیا ہے۔

ان میں بھی اسی قسم کے امراض وعلامات پیدا ہوتی ہیں جیسی اوپر کے اعضاء میں بیان کی گئی ہے جیسے نزلہ رطوبات کی زیادتی، سوزش واورام اور زخم وپھنسیاں جن کے ساتھ کبھی بخار اور کبھی ضعف پیدا ہو جاتا ہے۔ اسی طرح دانتوں کے درد اور ان کا خراب وخستہ ہو جانا وغیرہ۔ ان تمام امراض اور علامات میں جن میں رطوبات وسردی تری اور بلغم غالب ہو تو سب اسی تحریک کے ماتحت عمل کر رہے ہیں۔

بثور فم ۔ منہ کے چھالے (ویس کیولر سٹو مے ٹائیٹس)

یہ مرض بڑوں کو کم اور بچوں کو زیادہ ہوتا ہے۔ کیونکہ ان کے مزاج میں رطوبت زیادہ ہوتی ہے۔ جب ان میں حرارت کی کمی واقعہ ہوتی ہے تو یہ مرض ہو جاتا ہے۔ دوسرے چونکہ بچے زیادہ دودھ پیتے ہیں، وقت بے وقت پیتے ہیں اور اس سے بدہضمی ہو جاتی ہے۔ دودھ کا مزاج سرد تر ہے اس لئے اس تحریک میں تیزی پیدا ہو کر منہ میں چھالے پیدا ہو جاتے ہیں۔ جو بچے ماں کا دودھ بغیر وقت کے پیتے ہیں یا زیادہ تر بازار کا دودھ پیتے ہیں ان کو یہ مرض زیادہ تر ہوتا ہے۔

علامات: اس مرض میں سفیدی یا خاکستری مائل چھوٹے چھوٹے چھالے لبوں، زبان، مسوڑھوں اور رخساروں کے اندر کی طرف نکل آتے ہیں۔ منہ میں سوزش اور جلن ہوتی ہے۔ کھایا پیا اور بولا نہیں جا سکتا۔ ہر وقت منہ سے رال بہتی ہے اور اکثر منہ سے بدبو آتی ہے، جیسے دودھ متعفن ہو گیا ہو۔ بعض وقت قے اور دست بھی شروع ہو جاتے ہیں۔ کبھی ہلکا ہلکا بخار بھی رہتا ہے۔

علاج وغذا میں اس تحریک کو مدنظر رکھیں۔

تاکید: جب اس مرض میں شدت ہوتی ہے تو منہ میں زخم ہو جاتے ہیں اور منہ پھول جاتا ہے (قلاع) بلکہ منہ کا گلنا (آکلہ) پیدا ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ آتشکی قلاع میں بھی یہی تحریک ہے۔ اسی تحریک میں علامت کثرت بزاق (بہت تھوکنا)، بخر الفم (منہ سے بو آنا) اور فساد ذوق کی ایک صورت اس میں بھی ہے۔ اسی تحریک میں دانت ہل جاتے ہیں اور جلد گر جاتے ہیں۔

جمہور اطباء نے ایک ایک علامت کو الگ الگ باب میں بار بار گنوایا ہے جو طالب علموں کے ذہن پر صرف بوجھ ہیں۔

جلد: دائیں نصف سر سے لے کر دائیں شانے تک جو جلد پھیلی ہوئی ہے اس پر بھی جو باریک دانے چھالے یا رستے ہوئے زخم کسی مقام پر ہوں وہ سب اسی تحریک **اعصابی عضلاتی** کی وجہ سے ہوتے ہیں اور پھر یہی تمام جسم پر پھیل بھی سکتے ہیں۔ مگر ابتداء اندرونی طور پر اکثر اسی مقام سے ہوگی۔

تاکید: تمام جسم میں اندر اور باہر جہاں بھی کوئی ایسی تحریک ہو تو اس کی ابتداء اکثر اسی مقام کے اندرون یا بیرون پر شروع ہوگی۔ اگر کسی بیرونی وجہ سے کسی اور عضو کے عصبی نسیج میں شروع ہو جائے تو اس کا فوراً اعصابی عضلاتی مقام تحریک کے کسی حصہ پر اثر پڑے گا۔ یہی باہمی ایک دوسرے کے لئے علامات ہیں۔

دوسری تحریک عضلاتی اعصابی

(دائیں شانہ سے معدہ تک)

اس تحریک کا کیفیاتی مزاج سرد خشک ہے اور خلط سودا کی زیادتی ہوتی ہے۔ جسم میں سیاہی اور ریاح غالب ہوتی ہے۔ چونکہ عضلات میں تحریک ہوتی ہے اس لئے وہاں پر رطوبت، بلغم اور ریشہ خشک ہونا شروع ہوجاتا ہے اور اعصاب کی طرف تحریک کی تیزی اور سوزش کے بعد دورانِ خون تیز ہوکر وہاں پر تحلیل سے اوّل وہاں پر سوزش اور تحریک ختم کرتا ہے، جب طبیعت اعتدال پر آجائے تو باعث تقویت ہوتا ہے اور شدت اختیار کرلے تو ضعف کی صورت اختیار کرلیتا ہے۔ اور غدد میں پہلے حرارت کی تیزی سے تحلیل ہورہی ہوتی ہے وہاں پر رطوبت اور بلغم کی زیادتی سے سکون شروع ہوجاتا ہے جس سے وہاں کی حرارت رفتہ رفتہ کم ہونا شروع ہوجاتی ہے اور جب یہ تحریک مکمل ہوجائے تو جسم میں ہر طرف خشکی ہی خشکی معلوم ہوتی ہے۔

یہ خالص عضلاتی تحریک ہے۔ اس کا اعصاب سے اس لئے تعلق ہے کہ یہ عضوی (مشینی) طور پر اعصاب سے عضلات کی طرف آتی ہے۔ دوسرے کیمیائی طور پر جب اپنی تحریک مکمل کرلیتی ہیں تو فوراً عضوی طور پر عضلات کو بالترتیب عمل میں لے آتی ہے۔ یعنی کیمیائی طور پر خودکار (آٹومیٹک) عمل ہوتا ہے گویا فطرت نے قدرتی طور پر ایک باقاعدگی بخش دی ہے تاکہ امراض کا خود علاج ہوتا ہے۔

تحریک کا مقام اور اثر دخل

چونکہ یہ تحریک عضوی طور پر عضلاتی ہے اور کیمیائی طور پر اعصابی ہے اس لئے اس میں رطوبات خشک ہونا شروع ہوجاتی ہیں اور ریاح بڑھ جاتے ہیں اور خلطی طور پر خون میں سوداء کی زیادتی ہوجاتی ہے اس لئے اس تحریک میں قلب و پھیپھڑے اور معدہ و خون کی عروق شریک ہیں ان کا باہمی تعلق تو یہ ہے کہ ان سب کا تعلق عضلات کے باہم مشترک ہونے کی وجہ سے ہے لیکن صورت ایسے بھی سمجھ میں آتی ہے کہ قلب عضوِ رئیس ہے پھیپھڑے اور معدہ اس کے معاون ہیں جن کی معرفت اس کو خون ملتا اور صاف ہوتا ہے اور خون کی عروق جو اس کی خادم ہیں جو اس کے حکم کی تعمیل کرتے ہیں یعنی جسم کا خون اس کی طرف پہنچتا ہے اور پھر اس کی طرف سے خون تمام جسم میں پہنچایا جاتا ہے اس لئے قلب اور اس کی عروق کے ساتھ پھیپھڑوں کے ساتھ اس کی نالیاں اور معدہ کے ساتھ اس کی نالی کا ذکر کرنا ضروری ہے تاکہ حدود قائم ہوجائے۔

قلب (دِل)

جمع قلوب۔ یہ ایک رئیس عضو ہے جو سینے کے اندر دونوں پھیپھڑوں کے درمیان واقع ہے۔ سیب کی شکل اور بناوٹ، عضلاتی انسجہ (ٹشوز) سے ہوتی ہے اس کا رنگ تازگی میں سرخ اور پھر سرخ سیاہی مائل ہوجاتا ہے۔ اس کے اندر دائیں بائیں دو دو خانے ہوتے ہیں اس کے باہر کے خانے کو اذن (کان) اور نیچے کے خانے کو بطن (پیٹ) کہتے ہیں۔ تمام جسم کا سیاہی مائل خون دائیں اذن میں گرتا ہے اور پھر وہاں سے دائیں بطن

میں پڑتا ہے۔ پھر وہاں سے پھیپھڑوں کی طرف صفائی کے لئے چلا جاتا ہے۔

غلاف قلب

یہ مخروطی شکل کا تھیلی نما غلاف ہوتا ہے جو دِل پر الٹا چڑھا ہوتا ہے۔ اس کے دو طبق ہوتے ہیں۔ اندرونی باریک طبق جو آبدار جھلی کا ہوتا ہے دِل کے اوپر لپٹا ہوا ہوتا ہے یہ نسیج قشری (اپی تھیلیل ٹشو) کا ہوتا ہے جس میں غدی اثر کام کرتا ہے۔ بیرونی طبق جو ریشہ دار ساخت کا ہوتا ہے۔ نسیج اعصابی (نروس ٹشو) کا ہوتا ہے اور اعصابی تحریک اس کے تحت پہنچتی ہیں۔ دِل کو قلب اس لئے کہتے ہیں کہ وہ الٹا لٹکا ہوا ہوتا ہے دوسرے اس پر غلاف الٹا چڑھا ہوتا ہے۔ تیسرے یہاں دورانِ خون الٹا چلتا ہے۔ یعنی شریانوں میں وریدی خون اور وریدوں میں شریانی خون چوتھے یہاں سے دورانِ خون واپس لوٹتا ہے، گویا بالکل انقلاب ہو جاتا ہے۔

پھیپھڑے اور ہوا کی نالی

دِل کے دونوں طرف دو پھیپھڑے سینہ کے جوف میں جدا جدا قائم ہوتے ہیں اور ان پر بھی دِل کی طرح دو جھلیاں ہوتی ہیں۔ ایک پھیپھڑوں کے ساتھ لگی ہوتی ہے، وہ غدی ہے اور دوسری سینہ کے ساتھ استر کرتی ہے وہ اعصابی ہوتی ہے۔ یہ تمام ہوائی نالیوں اور نیچے حجاب حاجز پر لپٹی ہوتی ہیں۔

معدہ اور غذا کی نالی

معدہ جس میں غذا داخل کی جاتی ہے، مشک نما پیٹ کے اوپر کی طرف ہوتا ہے۔ اس کے حجاب حاجز کے نیچے آنتیں جگر طرف جگر اور بائیں طرف طحال اور لبلبہ ہوتے ہیں۔ اس میں بھی یہی دو پردے اوپر تلے استر کرتے ہیں جو بعد کی نالی تک چلے جاتے ہیں اور غدی پردے کی امداد کے لئے اس میں غدد بھی لگے رہتے ہیں۔

حدود مقام اور افعال

اعصاب کی طرح عضلات بھی تمام جسم میں ان کے ساتھ ساتھ پھیلے ہوئے ہیں دِل اور عضلات کو اعصاب سے حرکت ہوتی ہے، لیکن دِل اور عضلات کی ایک ذاتی حرکت بھی ہے۔ جو ان کے انقباض اور انبساط سے ہوتی ہے۔ تو باقی جسم کے عضلات بھی وہی محسوس کرتے ہیں اور رفتہ رفتہ ان میں وہی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ لیکن عضلاتی تحریک کی اکثر ابتدا عضلاتی اعصابی تحریک سے ہوتی ہے جس کی حدود دائیں شانہ کے اوپر سے معدہ تک ہیں۔ اس میں نصف دائیں ہوا کی نالی غذا کی نالی دایاں پھیپھڑہ اور دایاں معدہ شامل ہیں اور پورا دایاں بازو بھی شریک ہے۔ انسان میں عضوی طور پر کیمیائی تحریک ہوتی ہے جس کی کیفیات سرد خشک اور خلطی طور پر سودا کا اثر ہوتا ہے۔ ظاہر میں تو اس تحریک کے امراض کو شانہ سے لے کر معدہ تک ہونا چاہئے، لیکن علامات کی صورت میں اعصابی عضلاتی تحریک کے امراض کی طرح تمام جسم میں خاص طور پر دائیں سر سے لے کر شانہ تک زیادہ متاثر ہوتا ہے یعنی اعصابی عضلاتی تحریک (سرد تر۔ بلغمی) امراض لکھی گئی ہیں۔ ان میں جس قدر کیفیات کے لحاظ سے سرد خشک اور خلطی حیثیت سے سوداوی اور ریاحی امراض ہیں سب اس میں آ جاتی ہیں۔ جو درج ذیل ہیں۔

سر کے امراض

(۱) صداع بیسی (۲) صداع سوداوی (۳) صداع ریحی (۴) صداع قوت حس۔ دماغی (۵) صداع خماری (۶) صداع ضربی وسقطی

عضلاتی (۷) صداع بیضی (۸) سرسام عضلاتی (۹) سہر و بے خوابی (۱۰) مالیخولیا (۱۱) کابوس (۱۲) صرع اطرافی (۱۳) جنون (۱۴) لقوہ (۱۵) رعشہ (۱۶) تشنج (۱۷) غدد و کزاز۔

ان میں چند امراض قابل غور ہیں۔ مثلاً بیسی صرف کیفیات کی زیادتی سے ہوتا ہے۔ صداع سوداوی ہمیشہ مادی ہوتا ہے۔ ریحی اس وقت ہوتا ہے جب مادوں میں تبخیر پیدا ہو جائے، صداع حس دماغی اس وقت ہوتا ہے جب مادہ بالکل ختم ہو جاتا ہے، وغیرہ وغیرہ۔ صرف تحریک کی کمی بیشی کا فرق ہے۔ بعض کی تفصیل درج ذیل ہے۔ مالیخولیا، وہم، وسواس (میلن کولیا)۔

یہ ایک یونانی لفظ کی بگڑی ہوئی شکل ہے جو اصل میں ''میلن کولیا'' ہے۔ یہ دو کلمات سے مرکب ہے اوّل ''میلن''، جس کے معنی سیاہ کے ہیں دوسرے ''کولیا'' معنی خشکی کے ہیں گویا ایسا سیاہ مادہ جس سے خشکی ہو جائے۔ جمہور اطباء نے اس کو سیاہ صفراء یا صفراء محترق سے تعبیر کیا ہے۔ یہ بالکل غلط ہے۔ یہ صرف سوداوی مادہ کو کہتے ہیں۔ دوسرے صفراء میں جب حرارت کی زیادتی ہوتی ہے تو خشکی ختم ہو جاتی ہے۔ سودا پیدا نہیں ہوتا۔ تیسرے صفراء کی زیادتی سے جنون پیدا ہوتا ہے جو مالیخولیا سے بالکل مختلف مرض ہے۔ جس کی ابتداء بائیں طرف کے نصف سر سے شروع ہوتی ہے۔ اور وہ غدی تحریک ہے۔

مالیخولیا صرف سوداوی ہوتا ہے۔ جو بلغم کے سودا بن جانے پر اپنا عمل کرتا ہے۔ نہ صفراوی ہوتا ہے اور نہ ہی دموی ہوتا ہے۔ البتہ موروثی ضرور ہوتا ہے کیونکہ وہ عضلاتی پردہ ہے اسی طرح معدہ عضلاتی سوزش سے بھی شروع ہو جاتا ہے۔

علامات: مریض افکار و تخیلات فاسد و پریشان ہو جانے پر بھی خاموش رہتا ہے اور کبھی مختلف قسم کی حرکات کرتا ہے۔

علاج و غذا اس تحریک کے مطابق عمل میں لائیں۔

لقوہ چہرہ اور منہ کا ٹیڑھا ہونا (فے سیل پیریلے سس)

لقوہ کے لغوی معنی عقاب کے ہیں۔ عقاب جب بیٹھتا ہے تو وہ اپنا چہرہ ایک طرف کر کے بیٹھتا ہے اور ایسی حالت میں اس کی باچھ فراغ ہوتی ہے چونکہ اس مرض میں ایک مریض کا چہرہ ٹیڑھا اور باچھ فراغ ہو جاتی ہے اس لئے اس کو لقوہ کہتے ہیں۔

متقدمین اطباء یونان نے لقوہ و فالج اور استرخا میں کوئی فرق نہیں کیا لیکن متاخرین اطباء لقوہ و فالج اور استرخا میں یہ فرق کرتے ہیں کہ لقوہ چہرے کا استرخا ہے۔ فالج نصف جسم کا استرخا اور استرخا کو پورے جسم پر بولا جاتا ہے۔ فالج کے معنی نصف کے ہیں، اس میں جسم کا دایاں بایاں طولانی مسترخی ہو جاتا ہے۔ اگر جسم کے سوا سارا مسترخی ہو جائے تو اس حالت کو ابوبلقیا کہتے ہیں۔ چونکہ لقوہ و فالج اور استرخا کے اسباب اصول علاج کو اطباء ایک ہی خیال کرتے ہیں اس لئے اس کا کتب طبیہ میں ایک ہی جگہ ذکر کرتے ہیں۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ تینوں علامات مختلف تحریکات کے ماتحت ہیں، اس لئے ان کو جدا جدا سمجھنا چاہئے۔ **لقوہ عضلاتی اعصابی تحریک کے تحت لکھ رہے ہیں۔ دائیں طرف کا فالج عضلاتی غدی تحریک کے ماتحت ہے اور بائیں طرف کا فالج غدی عضلاتی ہوتا ہے۔ اسی طرح نچلے نصف حصے کا فالج جو اکثر سر کے سوا تمام جسم کا معلوم ہوتا ہے، اعصابی غدی ہوتا ہے۔** لقوہ چونکہ عضلاتی اعصابی تحریک ہے، اس لئے عضلات میں تحریک اور اعصاب میں تحلیل ہو جاتی ہے، جس سے چہرہ دائیں طرف ٹیڑھا ہو جاتا ہے۔ جاننا چاہئے کہ لقوہ دائیں طرف چہرے کے ٹیڑھا ہو جانے کو کہتے ہیں۔ اکثر چہرہ بائیں طرف ٹیڑھا نہیں ہوتا اور اگر ہو جائے تو بائیں طرف کا فالج بھی ضرور ہوگا۔

علامات: چہرہ دائیں طرف کھچ جاتا ہے، بائیں طرف کی باچھ بند نہیں ہو سکتی گویا بائیں طرف کھچ جاتی ہے۔ مریض نہ تھوک سکتا ہے، نہ سیٹی بجا

سکتا ہے اور نہ پھونک مار سکتا ہے۔ بائیں آنکھ بھی کھلی رہتی ہے، جب پانی پیتا ہے تو باہر بہہ جاتا ہے۔ البتہ منہ سے رال بہتی رہتی ہے۔
علاج وغذا کے لئے تحریک کے مطابق عمل کریں۔ نہ فکر کریں اور نہ جلد بازی سے کام لیں۔ یقیناً آرام ہو جاتا ہے۔

تشنج، اینٹھن (CONVULSIONS)

تمدد وطرفہ اینٹھن (لاک جا)
کزاز اینٹھن سے جھک جاتا ہے (ٹٹےنس)
تشنج ایک ایسا مرض ہے۔ جس میں عضلات میں سو کیڑے پیدا ہو کر اینٹھن پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ تینوں علامات ایک ہی ہیں لیکن اینٹھن کا فرق ہے۔ تشنج میں کھچاؤ ایک ہی طرف ہوتا ہے، تمدد میں یہ اینٹھن دونوں طرف ہوتی ہے۔ اور کزاز میں یہ اینٹھن اس قدر زیادہ ہو جاتی ہے کہ مریض اگلی یا پچھلی طرف جھک جاتا ہے اور اکڑ جاتا ہے۔ تشنج جسم کے ہر حصہ میں ہو سکتا ہے مگر تحریک عضلاتی ہی ہوتی ہے۔ علاج وغذا تحریک کے مطابق کریں۔

امراض عین کی علامات

امراض سر کی علامات کی طرح امراض چشم کی علامات اس کی عضلاتی اعصابی تحریک (سردی، خشکی، سودا) کی علامات پیدا ہو جاتی ہیں اور چشم یابس وسوداوی اور ریحی طرفہ (قرنیہ کے نیچے سرخی سیاہی مائل نقطہ کا پڑ جانا)، ظفرہ (قرنیہ کی جھلی میں پوٹوں کا خون سے پُر ہو جانا) بیاض العین (قرنیہ زخم یا سوجن کے بعد سفیدہ پھولا کی شکل میں پیدا ہو جانا)، سبل (آنکھ پر عروق کا پردہ سا چھا جانا)، انتفاخ ملتحمہ (آنکھ کے اندر ورم پیدا ہو کر اس کا باہر نکل آنا)، جالت ملتحمہ (آنکھ میں خشکی پیدا ہو جانا، آنکھ کی خارش، سوزش اور ورم اسی طرح آنکھ کی عینیاں)، زخم اور چوٹ وغیرہ، دھند غبار اور رتوندی (دِن کے وقت نظر نہ آنا)، ماحول (بھینگا پن)، پتلی کا تنگ ہو جانا۔ یہی صورتیں پپوٹوں کے امراض میں بھی پائی جاتی ہیں۔ اسی طرح کان کے امراض میں درد وسوزش اور ورم جو سوداوی اور ریحی ہوتے ہیں اور کان سے خون وغیرہ کا آنا، ناک کے امراض میں بند نزلہ، نکسیر کا آنا، سوزش، ورم اور زخم وبواسیر وغیرہ، ناک کی خشکی، اسی طرح امراض منہ میں لبوں سے لے کر زبان واندرون گال اور دانت ومسوڑھے وغیرہ میں خارش، سوزش اور درد وورم، عینیاں کا پھٹ جانا وغیرہ اسی طرح گلے پڑنا اور خناق وغیرہ علامات شامل ہیں۔
ان علامات کو پیش کرنے کے بعد جو عضلاتی اعصابی میں پیدا ہوتی ہیں اور اس تحریک کے امراض پیش کئے جاتے ہیں، جو شانہ سے لے کر معدہ تک پھیلے ہوئے ہیں جو دِل وعضلات پھیپھڑے کے ساتھ ہوا کی نالی اور معدہ کے ساتھ غذا کی نالی یقان اور حجاب حاجز تک کے امراض پھیلے ہوئے ہیں۔

اختلاج قلب، دل کا پھڑکنا (ٹیکی کارڈیا)

دِل ہی ایک ایسا عضو رئیس ہے جو سب سے پہلے تعلق حیات کے ساتھ محترک ہوتا ہے۔ جس کی آخری حرکت کے ساتھ ہی موت واقع ہو جاتی ہے یعنی اسی پر زیادہ تر جسم کی حیات کا دارو مدار ہے۔ اس لئے معالج کو چاہئے کہ اس کے علاج پر خاص طور پر توجہ دے۔ اس کے افعال کو اعتدال پر رکھنا ہی اس کی صحیح نگاہ داشت ہے۔
حکماء اور اطباء نے دِل کی حرکات کو کیفیات اور اخلاط کے تحت سادہ ج اور مادی طور پر سمجھ کر اعتدال پر رکھنے کی کوشش کی ہے۔ مگر فرنگی طب میں اس کے ساتھ جو ظلم کئے گے ہیں وہ ناقابل بیان ہیں۔ ان کا نتیجہ سقوط قلب (ہارٹ فیلور) ہی نکلتا رہتا ہے۔ حیرت کی بات ہے کہ اب تک

اختلاج اور خفقان کا فرق ہی معلوم نہیں ہو سکا۔ دونوں میں دِل کا دھڑکنا اور پھڑکنا لکھا ہے۔ اطباء نے خفقان کو چاروں کیفیات اور امزجہ میں لکھ دیا ہے۔ دِل کا ڈوبنا، دِل کا ضعف، دِل کا پھیلنا، دِل کا درد و جلن اور زخم و ورم کو الگ لکھا ہے، مگر طالب علم پر سب کی حقیقت نہیں کھلتی وہ تشخیص میں پریشان رہتا ہے۔

جاننا چاہئے کہ دِل کے صرف تین ہی افعال ہیں۔ ایک اس کے فعل میں تحریک ہے۔ جب اس کے دِل میں خشکی اور سکیڑ واقع ہو کر تیزی ہو جاتی ہے۔ اس حالت میں دِل کے اندر درد اور جلن بھی ہوتی ہے۔ اس کو ہم نے اختلاج قلب لکھا ہے اور یہی عضلاتی اعصابی تحریک ہے۔ اس وقت غدی تسکین اور اعصابی تحلیل ہوتی ہے۔ دِل کا دوسرا فعل اس میں حرارت کی زیادتی سے تحلیل واقع ہو جاتا ہے جس میں دِل اور اس کی کواڑیں بگڑ جاتی ہیں، اس کو ہم خفقان کہتے ہیں۔ یہ حالت غدی عضلاتی تحریک کے ماتحت ہوتی ہے۔ اس میں غدود میں تحریک اور اعصاب میں تسکین ہوتی ہے۔ اس کا تیسرا فعل اس میں رطوبت کی زیادتی ہے۔ اس میں دِل ڈوبتا ہے اور جسامت میں بڑھ جاتا ہے۔ اس کی یہ حالت اعصابی عضلاتی تحریک میں ہوتی ہے جو پہلی تحریک میں علامت کے طور پر ہوا کرتی ہے۔ اس میں اعصاب کے اندر تحریک اور غدود میں تحلیل ہوتی ہے۔ دِل کے افعال کے یہی اثرات اس تحریک سے شروع ہو کر تمام جسم کے عضلات میں پھیل جاتے ہیں۔ اور اگر جسم کے کسی عضو میں ضرب و سقطہ اور زخم سے تحریک ہو جائے تو پہلے قلب پر اثر انداز ہو کر پھر جسم کے تمام عضلات کو متاثر کر دیتا ہے۔ دِل کے افعال کی ان خرابیوں میں جب کیفیات صرف سادہ ہوتی ہیں تو افعال بہت کم متاثر ہوتے ہیں۔ لیکن مادی صورت میں حالت خطرناک ہو جاتی ہے۔ علاج اور غذا میں تحریک کو مدنظر رکھ کر علاج کریں۔ انشاء اللہ یقیناً تسلی بخش علاج یہی ہوتا ہے۔

پھیپھڑوں ہوا کی نالی اور سینہ کے امراض

جو عضلاتی اعصابی تحریک کے ماتحت بیان کئے گئے ہیں۔

ضیق النفس (دمہ ASTHMA)

اس مرض میں سانس لینے میں تنگی آ جاتی ہے۔ اس مرض میں بھی فرنگی طب نے امراض قلب کی طرح غلطیاں کی ہیں اور آج تک اس مرض کے مریض ان کے علاج سے شفایاب نہیں ہوئے۔ کہیں تشنجی دمہ لکھا ہے اور کہیں اس کے برعکس استرخائی دمہ لکھا ہے۔ کہیں سوزش شش اور کہیں ورم ریہ سے سہارا لیا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ یونہی الٹی سیدھی قلابازیاں کھائی ہیں اور بے تکے اندازے لگائے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ قلب کی طرح پھیپھڑوں کے بھی تین افعال ہیں اور ان افعال میں شدت پیدا ہونے سے تین قسم کا دمہ ہوتا ہے۔ اوّل صورت ''دمہ نزلاوی'' کی ہے اور یہ صورت اعصابی تحریک کے ماتحت رطوبت بلغم کی زیادتی سے ہوتی ہے۔ یہ حالت اعصابی عضلاتی تحریک کے ماتحت ہوتی ہے جو پہلی تحریک ہے۔ دوسری صورت ''دمہ قلبی'' ہے جو پھیپھڑوں کے اندر تحریک پیدا ہو کر انقباض ہو جاتا ہے۔ پھیپھڑوں اور دِل کی رفتار تیز ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ قلب کی تحریک میں بیان کیا گیا ہے۔ یہ عضلاتی اعصابی تحریک ہے۔ جس کو ہم بیان کر رہے ہیں۔ تیسری صورت ''کبدی دمہ'' کی ہے جس میں پھیپھڑوں میں تحلیل ہو کر ضعف شش اور قلب پیدا ہو کر سانس میں تنگی ہو جاتی ہے۔

پھیپھڑوں کے افعال کی یہ تین صورتیں ایک طرف ہوا کی نالی میں گلے تک چلی جاتی ہیں۔ دوسری طرف حجاب حاجز تک پہنچ جاتی ہے۔ اسی تحریک میں حنجرہ سے لے کر حجاب حاجز تک تحریک کی کمی بیشی اور مزاج کے سادہ اور مادی ہونے کی وجہ سے خارش و سوزش اور ورم و زخم اسی طرح

درد اور جلن کی صورتیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ خشک کھانسی، ذات الریہ (نمونیا)، دق وسل، خون آنا اور خون تھوکنا وغیرہ سب اس تحریک کے تحت ظاہر ہوتے ہیں۔ تفصیل کے لئے ہماری کتاب ''تحقیقات تپ دق اور سل'' دیکھیں۔

ورم غدی، پستان کا ورم

پستان غدی ہیں اور ان کے گوشت کا رنگ سفید ہوتا ہے اس لئے خون جب اس کی غذا کے لئے آتا ہے تو وہاں پر اس کا ہم رنگ بن جاتا ہے۔ یہی خون بچے کی پرورش کے لئے دودھ بن جاتا ہے۔ پستان کی بناوٹ میں غدی مادے کے چھوٹے بڑے حصے پائے جاتے ہیں جو الحاقی ریشوں، عروق اور نالیوں کے ذریعے آپس میں ملے رہتے ہیں۔ ہر ایک حصہ چند گول گول دانوں کے اکٹھا ہونے سے بنتا ہے۔ پستانوں کی نالیوں اور عروق میں اعصابی وعضلاتی عروق ہوتے ہیں اور باہر کی جھلی جو استر کرتی ہے وہ بھی اعصابی ہوتی ہے اور گوشت میں الحاقی ریشوں کے ساتھ عضلاتی ریشے بھی ہوتے ہیں۔ چونکہ **دائیں پستان پر عضلاتی دباؤ ہوتا ہے** اس لئے اس طرف جب کبھی ورم یا درد ہوتا ہے تو اس تحریک عضلاتی اعصابی کے تحت ہوتا ہے۔ اور اس کا علاج وغذا بھی تحریک کے مناسب ہونا چاہئے۔

تاکید: جاننا چاہئے کہ دونوں پستان الگ الگ اپنا اثر رکھتے ہیں، کبھی ایک طرف دودھ زیادہ ہوتا ہے کبھی دوسری طرف۔ کبھی ایک طرف کا دودھ خراب ہو جاتا ہے اور کبھی دوسری طرف زہریلا ہو جاتا ہے۔ اسی طرح کبھی دائیں طرف ورم ہوتا ہے۔ جب دائیں طرف سوزش وخارش یا ورم و پھنسیاں ہوں تو عضلاتی دباؤ ہوگا اور جب یہی صورتیں بائیں طرف ہوں تو غدی عضلاتی اثر ہوگا۔ **اگر دائیں طرف دودھ زیادہ ہو تو اعصابی عضلاتی تحریک ہوگی اور جب بائیں طرف دودھ زیادہ ہوگا تو اعصابی غدی تحریک ہوگی۔** دودھ کی دائیں طرف عضلاتی اعصابی اور بائیں طرف غدی عضلاتی ہوا کرتی ہے۔ تحریک کو مدنظر رکھ کر علاج کریں۔

وجع المعدہ، درد معدہ (گیسٹریلجیا)

صحیح معنوں میں معدہ ایک شریف عضو ہے۔ بدن کی صحت کا دارومدار اس کے صحیح افعال پر ہے، کیونکہ افعال کی ابتداء اسی سے ہوتی ہے۔ جب اخلاط صالح پیدا نہیں ہوں گے تو اس کے افعال کی خرابی کے ساتھ خون میں بھی خرابی واقع ہو جائے گی۔ جس سے دیگر اعضاء متاثر ہو کر بگڑ جائیں گے۔ ہم معدہ کی شرافت سے ناجائز فائدہ اٹھاتے اور جائز وناجائز غذا اس میں ٹھونس دیتے ہیں۔ لیکن ہم یہ نہیں سمجھتے کہ جو غلط سلط غذا ہم معدہ میں ٹھونستے رہتے ہیں وہ اس کے مطابق اخلاط تیار کرتا ہے جو دیگر اعضاء حاصل کر کے مریض ہو جاتے ہیں۔ مسلسل غلط سلط اغذیہ لینے کے بعد جب وہ برداشت نہیں کر سکتا تو چیخ اٹھتا ہے اور اس میں تکلیف پیدا ہو جاتی ہے۔ کبھی بوجھ وبے چینی ہو جاتی ہے۔ کبھی ذرد وقے کی صورت پیدا ہو جاتی ہے اور کبھی سوزش وورم ہو جاتا ہے۔ آخر تنگ ہو کر وہ بالکل ضعیف ہو جاتا ہے۔

چونکہ معدہ عضو مرکب ہے اس میں اعصاب وغدد اور عضلات تینوں پائے جاتے ہیں۔ تو جب اس میں درد معدہ یا اس کے مرض کی تشخیص کرنا ہو تو ان مفرد اعضاء کی علامات پر غور کرنا چاہئے۔ مثلاً درد معدہ جب اعصاب کی سوزش سے ہوگا تو منہ میں رطوبت کی زیادتی، جی متلانا، ابکائی اور قے کی صورت ہوگی۔ جب غدد میں خرابی ہوگی تو درد کے ساتھ پیاس گرمی کی شدت اور اگر قے کرائی جائے یا شدت صفراء سے ہو جائے تو زرد رنگ کی ہوگی۔ پیشاب اور پاخانے میں زردی اور جلن ہوگی۔ اسی طرح عضلات میں درد کی تکلیف ہوگی تو اکثر قبض ونفخ اور گھبراہٹ اور بے چینی زیادہ ہوگی اس لئے بغیر تحقیق کے علاج وغذا نہ دیں۔ اعصابی عضلاتی سوزش میں جو پہلی تحریک ہے اس کی علامات میں معدہ کا اعصابی درد، متلی و ابکائی اور قے، بھوک کا بند ہو جانا۔

ضعف جگر

اگر یہ تحریک شدت اختیار کرلے تو اس کا اثر آنتوں تک پہنچ کرتے کے ساتھ اسہال بھی شروع ہو جاتے ہیں۔ جس کو ہیضہ کہتے ہیں۔ کبھی کبھی یہ ہیضہ وبائی صورت بھی اختیار کر لیتا ہے۔

اس عضلاتی اعصابی تحریک میں درد معدہ کے ساتھ دیگر اسی قسم کے امراض ہو سکتے ہیں جیسے ریاح، معدہ و تنگی، بھوک کا ہونا، معدہ کی سوزش وورم اور پھنسیاں اور زخم وغیرہ۔

جب غدی عضلاتی تحریک ہو جائے، درد معدہ کے ساتھ پیاس، خونی قے اور ضعف عضلات معدہ وغیرہ امراض پیدا ہو جاتے ہیں اور ایسی علامت تمام جسم میں پائی جائیں گی۔ لہٰذا تمام جسم کا مطالعہ ضروری ہے۔ علاج وغذا میں تحریک مدنظر رکھیں۔ علامات میں سادہ و مادی اور خلطی و کیمیائی صورتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے ہلکی و تیز ادویات اور اکسیرات و تریاقات کو مدنظر رکھیں۔ یہی حکیم کا کام ہے۔

تیسری تحریک عضلاتی غدی (صفراوی جس میں حرارت کم اور ریاح زیادہ ہوتی ہے)

یہ تحریک جگر سے شروع ہو کر دائیں طرف کے پاؤں کی انگلیوں تک جاتی ہے۔ اس میں دایاں معدہ، دائیں آنتیں، دایاں گردہ، دایاں خصیہ، دائیں سرین اور دائیں ٹانگ پاؤں تک شامل ہے۔ اس عضلاتی غدی تحریک میں عضلات کا تعلق اعصاب سے ختم ہو کر غدد سے قائم ہو جاتا ہے گویا خشکی سردی کے بجائے جسم میں خشکی گرمی کا اثر پیدا ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ یاد رکھیں کہ سودا (سردی خشکی) کا علاج گرمی تری (خون) نہیں ہے، جیسا کہ جمہور اطباء کا اتفاق ہے۔ بلکہ اس کا علاج گرمی خشکی (صفرا) ہے۔ جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ دونوں کیفیات یک وقت نہیں بدلنی چاہئیں۔ دوسرے یہ غلط ہے کہ صفرا اور خون جل کر سودا بنتے ہیں۔ البتہ بلغم سردی کی زیادتی سے خشک ہو کر سودا میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ اس لئے سوداوی امراض میں گرم ادویات سے گھبرانا نہیں چاہئے کیونکہ دنیا کے ہر طریق علاج میں دفع ریاح ادویات اکثر گرم خشک یا گرم تر ہوتی ہیں۔ سرد تر یا سرد خشک نہیں ہوتی ہیں۔ اس حقیقت کو دُنیا کا کوئی معالج نہیں جھٹلا سکتا۔ سوداوی امراض میں جب ماء اللحم کیا جاتا ہے تو وہ بھی گرم تر ادویات اور غذا کا استعمال کیا جاتا ہے اور یہی صحیح بھی ہے۔

اس تحریک میں چونکہ عضلات میں تحریک شدید ہوتی ہے۔ اس لئے غدد میں بھی تسکین کے ساتھ تیزی شروع ہو جاتی ہے اور اعصاب میں حرارت کے اثر کی وجہ سے تحلیل شدید ہو کر ضعف دماغ اور اعصاب بڑھ جاتا ہے۔ اس لئے اس تحریک میں دائیں طرف خدر اور فالج جیسی خوفناک علامات پیدا ہوتی ہیں۔ اس امر کو پھر یاد رکھیں کہ جب سوداویت خشک ہو کر ریاح کی صورت اختیار کر لیتی ہے تو اس کا تعلق قدرتی طور پر اعصاب سے ختم ہو کر غدد (جگر) سے مل جاتا ہے اور غدد میں کیمیائی صورت پیدا ہو جاتی ہے۔

تشریح امراض

اگر یہ تحریک اعتدال پر رہے تو قلب میں قوت، معدہ میں بھوک کی زیادتی اور قوت باہ میں تیزی ہوتی ہے۔ جب اس میں غیر معمولی شدت ہو جائے تو دماغ اور اعصاب میں ضعف پیدا ہو کر بینائی و شنوائی اور شامہ و ذائقہ میں خرابی جس کے بعد خدر اور فالج کے دائیں طرف آثار پیدا ہو جاتے ہیں۔ عضلات خصوصاً قلب میں تیزی پیدا ہو جاتی ہے۔ جس سے جسم پر پھوڑے پھنسیاں اور سوزش و اورام نمودار ہو جاتے ہیں، جس کے ساتھ آنتوں میں اورام، گردوں میں پتھری اور دائیں طرف کی ٹانگ اور بازو میں درد خصوصاً عرق النساء پیدا ہو جاتا ہے۔ اس تحریک سے بواسیر

بادی ظاہر ہو جاتی ہے گویا سوداوی مادہ (سائیکوسس) اپنے پورے زور پر ہوتا ہے۔ اس تحریک میں دائیں خصیہ میں سکیڑ اور مرض فتق بھی پیدا ہو سکتا ہے۔ یہاں پر دائیں طرف کے امراض اور علامات ختم ہو جاتے ہیں۔

علاج وغذا کے لئے تحریک مدنظر رکھیں مشکل اور پیچیدہ امراض میں بالکل نہ گھبرائیں۔ یہ بھی یاد رکھیں فرنگی طب میں ان امراض کا یقینی اور صحیح علاج نہیں ہے۔ وہ بالکل عطایانہ علاج کرتے ہیں۔

چوتھی تحریک غدی عضلاتی (کیفیات میں گرمی خشکی اور خلط میں صفرا ہوتا ہے)

یہ تحریک بائیں نصف سر سے شروع ہو کر بائیں طرف کے شانے تک جاتی ہے۔ گویا یہ تحریک خالص غدی ہے۔ اس کا تعلق عضلات سے یہ ہے کہ اس کی انتہائی کیمیائی تحریک نے اس کو شروع کیا ہے اور اس کے انتہاء پر پہنچ جانے پر غدی تحریک پیدا ہوگی جس سے عضلات میں رفتہ رفتہ ریاح ختم ہو کر وہاں پر حرارت کی شدت پیدا ہونا شروع ہو جاتی ہے۔

غدی عضلاتی تحریک میں غدد میں تحریک، عضلات میں تحلیل اور اعصاب میں تسکین پیدا ہو جاتی ہے، جس سے تمام جسم میں صفراء اور حرارت کی زیادتی ہونا شروع ہو جاتی ہے، اس تحریک میں تمام جسم کے غدد سکڑنا شروع ہو جاتے ہیں اور عضلات پھیلنا اور اعصاب میں تسکین کی علامات ظاہر ہونے لگتی ہیں۔ عضلات کے پھیلنے کو خاص طور پر ذہن میں رکھیں کیونکہ جب عضلات میں تسکین ہوتی ہے تو وہ گیند کی طرح پھول جاتے ہیں۔ شک پڑتا ہے کہ پھولنا ورم کی وجہ سے ہے۔ ورم میں سوزش ہوتی ہے۔ اس میں عضلات سکڑ جاتے ہیں اور بخار لازم ہوتا ہے۔ یاد رکھیں کوئی حصہ جسم کا پھول جائے مثلاً گلے پڑنا، زبان کا موٹا ہونا، دِل کا بڑھ جانا یا عظم جگر اور عظم طحال وغیرہ یا خصیوں کو بڑھ جانا وغیرہ۔ اسی طرح سر اور پیٹ کا بڑھ جانا یہ سب عضلات میں رطوبات کی زیادتی ہوتی ہے لیکن کسی عضو کا پھیلنا ایسا ہے جیسے پانی میں کچھ عرصہ تک گوشت کی بوٹی رکھ دی جائے تو یہ پانی کی تری سے پھیل جاتی ہے بالکل اسی طرح **غدی تحریک سے عضلات میں تحلیل ہو کر وہ پھیل جاتے ہیں۔**

جگر (کبد-لیور)

ایک قسم کا غدد یعنی گلٹی ہے جو جسم انسان کے دیگر غدد کی نسبت بڑا ہوتا ہے اس کی رنگت سرخی مائل بھوری ہوتی ہے۔ اس کا بہت سا حصہ دائیں جانب نیچے کی پسلیوں کے نیچے معدہ کے اوپر کو ہوتا ہے مگر اس کے بائیں لوتھڑے کا تھوڑا سا حصہ بائیں جانب نیچے کی پسلی کے نیچے بھی رہتا ہے۔ جگر کی بالائی سطح محدب اور حجاب حاجز، عضلاتی کے نیچے رہتی ہے۔ جس پر آبدار جھلی (باریطون) لگی رہتی ہے یہ سطح دیافرغما اور دیوار شکم سے متصل ہوتی ہے۔ جگر کی زیریں سطح مقعر ہوتی ہے اور اس سطح پر بھی سوائے ایک دو درزوں کے باقی سب پر آبدار جھلی لگی رہتی ہے۔ زیریں سطح پر ایک لمبی درز جگر کو دو حصوں میں تقسیم کر دیتی ہے۔ جس میں سے دایاں حصہ بہ نسبت بائیں کے بہت بڑا ہوتا ہے اور پیٹ کے بالائی اور داہنی طرف کی کل جگہ میں رہتا ہے۔ بایاں حصہ چھوٹا اور معدے کے اوپر واقع ہوتا ہے۔ جگر کا پچھلا کنارہ گول اور دبیز ہوتا ہے جو دیافرغما سے بذریعہ تاج نما بند (رباط جھلی) کے ساتھ چسپاں ہوتا ہے۔ جگر میں پانچ شگاف ہوتے ہیں۔ اس میں پانچ لوتھڑوں میں تقسیم ہوتا ہے۔ یہ تقسیم عضلاتی پردے کے ذریعے سے ہوتی ہے جو اندر تک چلے جاتے ہیں اور تمام جگر نیچے اوپر سے اعصابی جھلی سے ڈھکا رہتا ہے۔ جس میں ضرورت کے وقت رطوبت رستی ہے۔

جگر کے دائیں حصے کی زیریں سطح پر اس کے کنارے کے نزدیک ناشپاتی کی شکل کی دو انچ لمبی اور ایک انچ چوڑی تھیلی لگی رہتی ہے۔ اس کو پتہ کہتے ہیں۔ جگر جو صفراء جدا کرتا ہے وہ اس تھیلی میں جمع ہوتا رہتا ہے۔ یاد رکھیں جگر اس وقت صفراء بناتا ہے جب اس کا فعل ہضم ختم ہو جاتا ہے۔ یہی صفراء جگر سے آنتوں میں گر کر روغن کو ہضم، تلیین اور دفع تعفن کا کام کرتا ہے۔

غدی عضلاتی تحریک کے امراض

اس میں بایاں نصف سر، بائیں آنکھ، بایاں کان، بائیں ناک، بائیاں جبڑا اور گال اور بائیں زبان کے امراض شریک ہیں۔ چونکہ ان مرکب اعضاء کے امراض غدد یا غدی پردوں سے شروع ہوتے ہیں۔ اس لئے ان تمام اعضاء کے غدد میں تحریک ان کے عضلات میں تحلیل اور اعصاب میں سکون انہی کے ساتھ ہی تمام جسم کے غدد مثلاً جگر و گردوں اور طحال ولبلبہ میں تحریک اور تمام جسم کے عضلات خصوصاً قلب میں تحلیل اور اعصاب خصوصاً دماغ میں تسکین ہوتی ہے۔ اسی نقشہ کے تحت امراض اور علامات کو مدنظر رکھیں۔ ان کے مخصوص امراض درج ذیل ہیں۔

سر کے امراض

صداع حار ساذج مادی (صفراوی)، ضعف دماغ (غدی)، صداع ضربی وسقطی (غدی)، شقیقہ، سرسام صفراوی، ورم وسوزش دماغ نخاعی (غدی)، ماشرہ (ورم چہرہ)، سر چکرانا، جنون، استرخا اور فالج (دائیں طرف)۔ اسی طرح آنکھ وناک اور کان ومنہ کے وہ امراض جن کی وجہ سے گرمی خشکی اور صفراء ہو سکتا ہے۔ ایسے ہی سر سے شانہ تک کی بیرونی جلد پر سوزش و ورم اور زخم و پھنسیاں ہو سکتی ہیں جن کا سبب صفراء ہوا کرتا ہے۔ ان کے ساتھ دیگر اہم علامات میں خفقان قلب، ضعف قلب، ضعف شش ومعدہ اور امعاء ومثانہ شامل ہیں۔ خاص طور پر ذات الجنب (پھیپھڑوں کے غدی پردہ میں سوزش) اور زحیر آنتوں کے غدد میں سوزش و ورم داخل ہیں۔ یاد رکھیں ذات الریہ (نمونیہ) ہمیشہ دائیں طرف سے شروع ہوتا ہے اور ذات الجنب (پلورسی) ہمیشہ بائیں طرف سے شروع ہوتی ہے۔ کیونکہ اوّل الذکر عضلاتی ہوتی ہے اور ثانی الذکر غدی ہوتی ہے۔ اسی طرح تپ دق دائیں پھیپھڑے سے شروع ہوتی ہے اور سل ہمیشہ بائیں پھیپھڑے کے غدی پردہ سے ابتداء کرتا ہے۔ آنتوں کی دق وسل اور ہڈی کی دق وسل بھی ہمیشہ ان کے غشائے مخاطی اور غدی پردوں کی خرابی سے ہوا کرتے ہیں۔ اس تحریک میں جب شدت ہوتی ہے تو یرقان واستسقاء اور سوالقینہ ہو جاتے ہیں۔ تفصیل طویل ہے۔

پانچویں تحریک غدی اعصابی
(کیفیاتی گرم تر اور خلطی دموی)

یہ تحریک بائیں شانہ کی ہڈی سے شروع ہو کر بائیں گردہ تک جاتی ہے۔طحال اس میں شریک نہیں ہے۔البتہ لبلبہ اور امعاء (آنتیں) بائیں طرف کی ضرور شامل ہیں۔اس میں جو امراض وعلامات پیدا ہوتی ہیں، اس میں ریاح کا اثر داخل نہیں ہوتا، البتہ خون میں جوش اور حرارت زیادہ ہوتی ہے۔اسی تحریک کو فرنگی طب میں ہائی بلڈ پریشر (خون کے دباؤ میں تیزی) کہتے ہیں۔اس تحریک میں بھی چونکہ غدد میں انتہائی تحریک، عضلات میں انتہائی تحلیل اور اعصاب میں انتہائی سکون ہوتا ہے۔اس لئے اس تحریک میں گزشتہ تمام امراض وعلامات میں انتہائی شدت ہوتی ہے۔اس کا اثر خاص طور پر دل، پھیپھڑوں، معدہ وامعاء کے غدی پردوں اور گردوں ولبلبہ پر بہت شدت سے ہوتا ہے۔اس لئے انتہائی ضعف قلب، غدی دمہ، معدہ میں شدید سوزش وورم، آنتوں میں شدید قسم کی پیچش ہو جاتی ہے اور بائیں گردے کی تکلیف میں بائیں کولہے سے بائیں ٹانگ کے پاؤں کی انگلیوں تک عرق النساء (لنگڑی کا درد) کبھی اس کی شدت بائیں بازو پر بھی اثر انداز ہوتی ہے۔مردوں میں بائیں خصیے کے اثر سے سرعت انزال کی شدت اور عورتوں میں خصیۃ الرحم میں سوزش سے ماہواری میں تنگی اور درد میں شدت ہوتی ہے۔

امعاء (آنتیں)

یہ دو قسم کی ہوتی ہیں۔اوّل چھوٹی آنتیں جو معدہ کے نچلے حصہ سے شروع ہو کر تقریباً بائیس فٹ لمبی ہوتی ہیں اور اس کے تین حصے ہوتے ہیں (۱) بارہ انگشت آنت (۲) خالی آنت (۳) پیچیدہ آنت۔انہی آنتوں میں آنتوں کی اپنی رطوبت کے ساتھ صفراء اور لبلبہ کی رطوبت بھی شامل ہوتی ہے۔دوسری بڑی آنتیں جو پیچیدہ آنت کے آخری سرے سے شروع ہو کر مقعد تک پہنچتی ہے۔یہ تقریباً پانچ فٹ لمبی ہوتی ہے۔اس کے بھی تین حصے کئے گئے ہیں: (۱) کانی آنت (۲) فراخ آنت (۳) سیدھی آنت۔ان میں جو امراض اور علامات پیدا ہوتی ہیں، ان کے نام بھی تقریباً انہی ناموں سے رکھ دیئے گئے۔مثلاً کولہوں میں جو درد ہو اس کو قولنج کہتے ہیں۔یہ ایک مرض فرنگی ڈاکٹروں نے تسلیم کرلیا ہے۔مگر اس امر کی کہیں وضاحت نہیں کی گئی کہ یہ اعصابی نقص سے پیدا ہوتا ہے یا غدی اور عضلاتی خرابیوں سے عمل آتا ہے۔اس لئے اس کے علاج میں بھی ناکام ہیں۔آنتوں میں اگرچہ غدی اور اعصابی اثر غالب ہے، لیکن دائیں بائیں کے لحاظ سے عضلات اور غدی اثرات نمایاں نظر آتے ہیں اور سب سے نیچے کی آنتوں میں اعصابی اثرات بہت واضح ہیں۔اس لئے مقعد میں جو امراض ہوتی ہیں۔مثلاً بواسیر اور کانچ نکلنا وہ سب اسی تحریک کے تحت ہوتے ہیں۔اسی طرح آنتوں میں جو کیڑے پیدا ہوتے ہیں وہ بھی مختلف تین اقسام کے ہوتے ہیں۔چھوٹی آنتوں میں پیدا ہوں تو کیچوے، بڑے آنتوں میں پیدا ہو جائیں تو کدو دانے اور مقعد میں پیدا ہو جائیں چنونے کہلاتے ہیں۔ان کا علاج علامات کے مطابق تحریکات کے تحت کرنا چاہئے۔اس تحریک میں گردوں اور مثانے میں پتھری بن جاتی ہے اور اسی تحریک میں ان میں سوزش اور ورم ہو کر پیشاب میں رطوبت بیضہ اور خون آنا شروع ہو جاتا ہے۔اسی تحریک میں آنتوں میں خونی پیچش اور زخم ہو جاتے ہیں۔خونی بواسیر کی شدت بھی اسی تحریک میں ہوتی ہے۔اسی تحریک میں پیشاب بار بار اور جل کر آتا ہے اور اسی تحریک میں سوزاک ہو جاتا ہے۔الغرض غدد میں انتہائی تحریک سے جب سکیڑ ہوتا ہے تو ایسے امراض پیدا ہوتے ہیں۔اسی تحریک میں جو کیمیائی مادہ پیدا ہوتا ہے اس کو سوزاک کا مادہ (سورا) کہتے ہیں۔

چھٹی تحریک اعصابی غدی

(کیفیاتی تر گرم۔خلطی دموی)

یہ تحریک طحال سے شروع ہو کر بائیں ٹانگ کے پاؤں کی انگلیوں تک پہنچتی ہے۔اس میں طحال، لبلبہ، بایاں مثانہ، بایاں کولہا، بایاں خصیہ اور عضو مخصوص کی بائیں طرف اور بائیں ٹانگ سے پیدا ہونے والے امراض اور علامات شریک ہیں۔

اس تحریک میں غدد کی انتہائی کیمیائی تحریک وہاں سے بدل کر اعصاب پر اثر انداز ہو جاتی ہے۔جس سے غدد کی بجائے اعصابی تحریک شروع ہو جاتی ہے۔البتہ حرارت کی وجہ سے اس کا تعلق غدد سے رہتا ہے۔اگرچہ خالص خون کی تحریک ہے کیونکہ اس میں ریاح ختم ہو چکے ہوتے ہیں لیکن اس خون میں رقت (رطوبت کی گرمی سے زیادتی ہو جاتی ہے) اور ایسے امراض و علامات ظاہر ہوتے ہیں جن کے اندر خون میں رقت بڑھ جاتی ہے۔کیونکہ اس تحریک میں اعصاب میں سوزش، غدد میں تحلیل اور عضلات میں تسکین شروع ہو جاتی ہے اور روز بروز اس وقت تک بڑھتی رہتی ہے کہ جب تک رطوبات جسم اس قدر بڑھ جاتی ہیں کہ حرارت ختم کر کے پھر پہلی تحریک اعصابی عضلاتی تحریک شروع ہو جائے۔قدرت کی طرف سے انسانی جسم میں فطرت کا یہ چکر جاری رہتا ہے۔اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ قدرت فطری طور پر خود معالج ہے اور انسان کو قدرت کے اس فطری قانون کا پورا علم ہونا چاہئے جس سے اس کی نگہداشت کر سکے اور بوقت ضرورت جب کوئی خرابی پیدا ہو تو اس کو وہیں درست کر لے بس یہی علاج ہے۔اعصابی غدی تحریک سے بھی یہ نہ سمجھ لیں کہ اس کے امراض صرف اس کی حد تک محدود ہیں۔بلکہ تمام جسم میں اس کی علامات رونما ہوتی ہیں جیسا کہ گزشتہ پانچ تحریکوں میں بیان کیا گیا۔البتہ ابتداء اسی تحریک سے ہوتی ہے۔اگر حادثات میں یہی اعصابی غدی تحریک کسی اور جگہ سے بھی شروع ہو جائے تو اس کا فوراً پہلا اثر تحریک کے اسی مقام پر ظاہر ہوگا۔بس یہ یوں سمجھ لیں کہ یہ بھی اعصابی تحریک ہے، لیکن اس کا تعلق کیمیائی غدد کے ساتھ قائم ہے۔

ظاہراً تو یہ تحریک امراض کے لحاظ سے طحال سے شروع ہو کر بائیں ٹانگ کے پاؤں کی انگلیوں تک جاتی ہے، لیکن پھر پہلی تحریک کی طرح خالص دماغ نخاعی اور اعصابی تحریک ہے۔اس میں دماغی غدی پردوں کا صرف کیمیائی دخل ہے یعنی اگر پہلی اعصابی تحریک کا عضلاتی انسجہ (ٹشوز) کے ساتھ کیمیائی دخل تھا تو اس تحریک میں کیمیائی طور پر غدی انسجہ کے ساتھ تعلق ہے ورنہ یہ تحریک بھی صرف دماغی و نخاعی اور اعصابی ہے۔البتہ اس کا تعلق دماغ و نخاع اور اعصاب کے بائیں حصوں میں ہوتا ہے۔اس لئے اس میں بائیں طرف کے امراض شامل ہیں۔اس لئے سر سے پاؤں تک کے امراض و علامات جو تری گرمی سے شروع ہوتے ہیں، ان کی ابتداء اسی تحریک سے شروع ہونی چاہئے۔بعد میں وہ تمام جسم میں پھیل کر اپنی علامات کو نمایاں کر دیں جن کا اظہار ان کی علامات سے ہوتا ہے جو مقامات جسم میں پیدا ہوتی ہے۔ان کے امراض درج ذیل ہیں۔

سر کے امراض

صداع دموی، صداع جماعی، سرسام دموی، داء الکلب (کتے کاٹے کا جنون)، مرگی، (اطرافی)، ام الصبیان، فالج جسم اسفل، استرخائے اسفل، خنازیر و غیرہ وغیرہ۔

اسی طرح آنکھ وناک اور کان ومنہ کی اعصابی غدی علامات وغیرہ پر غور کریں۔ یہی علامات قلب وسینہ اور معدہ وامعاء میں بھی نظر آتی ہیں۔لیکن نیچے کے حصہ میں اس تحریک کا اثر نہایت نمایاں ہوتا ہے۔جن میں اگر ضعف گردہ ومثانہ اور ضعف طحال وجگر کے علاوہ ضعف باہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔جس طرح دیگر رطوبات میں رقت اور بہاؤ بڑھ جاتا ہے،اسی طرح جریان منی میں بھی رقت اور اخراج زیادہ ہوجاتا ہے۔جریان منی کے ساتھ جو ضعف باہ کی صورت پیدا ہوجاتی ہے،وہ یہی تحریک ہے۔

قوت باہ

ضعف باہ کے متعلق یہ امر ذہن نشین کرلیں اس کا تعلق کسی خاص تحریک سے نہیں ہے،کیونکہ قوت باہ کسی ایک تحریک سے تکمیل کو نہیں پہنچتی۔ بلکہ تمام جسم کے قویٰ میں اعتدال لازم ہے۔اس لئے ضعف باہ جس طرح اعصابی نقائص سے ہوسکتا ہے،اسی طرح غدی عضلاتی خرابیوں اور بے اعتدالیوں سے بھی ہوسکتا ہے۔صرف قوتِ باہ پر ہی کیا منحصر ہے،جسم کے تمام قویٰ کے افعال تمام جسم کے افعال پر منحصر ہیں۔مثلاً دماغ قوت بصر، قوت سمع،قوت شامہ،قوت لامسہ،سانس کی باقاعدگی،قوت ہضم (اس میں قبض واسہال شریک ہیں)،قوت ارادہ بلکہ جسم کی قوت عمومی (جنرل ٹانک) وغیرہ سب ایسی صورتیں ہیں جن میں اعصاب وغدد اور عضلات مشترکہ شریک ہیں۔جیسے ہر تحریک میں تمام دیگر تحریکوں پر اثر پڑتا ہے،اسی طرح ہر قوت میں تمام مفرد اعضاء انسجہ برابر کے شریک ہوتے ہیں لیکن تحریکوں کے جن مقامات کی تقسیم کا ذکر کیا ہے،ان کے امراض اور علامات کی ہمیشہ انہی مقامات سے ابتدا ہوا کرتی ہے۔یہ تقسیم وتفصیل تشخیص مرض اور تجویز علاج کے لئے انتہائی اہمیت رکھتی ہے،گویا ان تحریکات کو سمجھ لینا امراض وعلامات اور ان کے علاجات کی کنجی کو حاصل کرلیتا ہے۔

کجی

مردانہ عضو مخصوص کا ٹیڑھا (کجی) ہوجانا یا دبلا ہوجانا کبھی دونوں طرف سے نہیں ہوتا،کبھی دائیں طرف سے ہوتا ہے اور کبھی بائیں طرف سے اس لئے کجی کو پورے طور پر سمجھیں،پھر اس کی علامات کو دیکھ کر اندرونی ادویات کھلائیں اور بیرونی طور پر تحریک کے مطابق روغن طلا کریں۔ گھبرانے کی کوئی بات نہیں ہے۔ہر قسم کی کجی بہت آسانی سے دور ہوجاتی ہے۔

جریان منی

منی کا اخراج بھی ایک قوت کے ماتحت ہوتا ہے جس کی مختلف صورتیں ہیں۔اگر منی پانی کی طرح اکثر یا ہر وقت بہتی رہے تو اس کو جریان منی کہتے ہیں۔یہ علامت اس تحریک اعصابی غدی کے تحت ہوتی ہے۔لیکن اگر منی میں ہر وقت یا اکثر بہنے کی صورت نہ ہو اور ذرا سی لذت کے وقت انزال کی صورت واقع ہوجائے تو اس کو سرعت انزال کہتے ہیں۔یہ غدی اعصابی تحریک ہے اور اگر منی کا اخراج نیند کی حالت میں کثرت سے ہو یا گاہے گاہے ہو تو اس کو احتلام کہتے ہیں۔یہ تحریک عضلاتی غدی ہوتی ہے۔بعض لوگ سرعت انزال اور احتلام کے فرق کو پورے طور پر ذہن نشین نہیں کرتے اور تشخیص میں پریشان رہتے ہیں۔احتلام میں نیند شرط ہے،اگر نیند کے بغیر انزال ہو تو سرعت انزال ہے۔لیکن اس امر کو بھی نظر انداز نہ کریں کہ جن لوگوں کو سرعت انزال کا مرض ہو ان کو نیند میں بھی انزال ہوسکتا ہے۔بس یہی فرق ہے ورنہ دونوں تحریکیں ساتھ ساتھ چلتی ہیں۔ذرا سی کوشش سے علامات پر غور کرنے سے فوراً صحیح تشخیص سامنے آجاتی ہے۔

ذیابیطس

یہی تحریک اعصابی غدی ہے،کیونکہ اس میں اعصاب میں سوزش ہونے کے بعد غدد میں تحلیل اور عضلات میں تسکین ہوجاتی ہے۔اسی وجہ

سے طحال ولبلبہ اور جگر میں ضعف واقع ہو جاتا ہے اور وہ اپنے افعال پورے طور پر انجام نہیں دے سکتے۔ یعنی نہ تو وہ اپنے خمیر صحیح طور پر تیار کر کے خون میں شامل کر سکتے ہیں جن سے خون میں طاقت پیدا ہو کر قلب وعضلات کے افعال میں تحریک پیدا ہو۔ دوسرے غدد جاذبہ رطوبات کو جذب کرنے کے قابل نہیں رہتے، جو خون سے جدا ہونے والی رطوبات کو فوراً جذب کر کے شامل خون کر دیں۔ ان کے ساتھ نظام ہائے جسم بہت تیزی سے بگڑ جاتے ہیں اور مریض پریشان ہو جاتا ہے وہ فوری شفا چاہتا ہے۔ خشک اور قابض ادویات اور اغذیہ استعمال کرتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس علاج کی تحریک کے تحت سوزش اعصاب کو رفع کرنا ہے۔

شرکی امراض

شرکی امراض کبھی نہیں ہوتے ہیں بلکہ امراض کی شرکی علامات ہوا کرتی ہیں۔ یہ کوئی امراض سے جدا نہیں ہوتیں بلکہ انہی مفرد اعضاء (انسجہ۔ٹشوز) کے اثرات کو تمام جسم میں ظاہر کرتی ہیں۔ جیسے اعصاب تمام جسم میں پھیلے ہوئے ہیں۔ جب جسم میں کسی مقام پر ان میں تحریک یا سوزش ہوگی تو ان کا اثر تمام جسم میں کم وبیش ضرور ظاہر ہوگا بلکہ مرکز تک پہنچ جائے گا۔ اسی طرح مرکز سے جسم میں ظاہر ہو جاتا ہے۔ مثلاً جسم میں کسی اعصاب میں سوزش ہوگی تو اس کا اثر دماغ تک جائے گا اور دماغ میں سوزش ہوگی تو اس کا اثر تمام جسم کے اعصاب خصوصاً دائیں بائیں کے حصوں میں ضرور ظاہر ہوگا۔ یہی اعصاب کی شرکی علامات ہیں۔ البتہ یہ علامات بعض مقام پر شدت سے ظاہر ہوتی ہیں۔ ان کو غلطی سے امراض کہہ دیا جاتا ہے۔

یہی صورتیں عضلاتی اور غدی امراض کی بھی ہیں۔ ان کے ساتھ یہ بھی ذہن نشین کر لیں کہ اعصاب میں چونکہ تحریک کے بعد غدی تحلیل اور عضلات میں تسکین ہوتی ہے، اس طرح یہ بھی شرکی علامات بن جاتی ہیں۔ اسی غدد اور عضلات کی تحریکات میں دیگر کو مفرد اعضاء میں بھی اسی قسم کی شرکی علامات پیدا ہو سکتی ہیں۔ انہی علامات کو غلطی سے امراض سمجھ لیا جاتا ہے جن سے علاج میں اکثر ناکامی ہوتی ہے۔

علاج میں سب سے بڑا راز

یہ تو ہم بار بار واضح کر چکے ہیں کہ امراض ہم انہی صورتوں کو کہتے ہیں جب ان کا تعلق کسی مفرد عضو نسیج سے شروع ہوتا ہے یعنی اس میں تحریک ہوتی ہے چاہے کسی مقام پر شروع ہو اور ہم نے اپنے سالہا سال کی تحقیقات سے چھ مقام واضح کر دیئے ہیں تا کہ طلباء کو ذہن نشین کرنے میں سہولت ہو اور وہ تشخیص میں آسانی حاصل کر لیں۔ لیکن اس سے بھی بڑھ کر راز کی بات یہ ہے کہ جس قسم کی کوئی تکلیف ہوگی چاہے وہ اعصابی ہو یا غدی یا عضلاتی ہو چاہے اس کا مقام کوئی تحریک ہو لیکن جس مقام سے اس کا تعلق پیدا ہو گیا ہے چاہے وہ تحریک کا مقام ہے یا شرکت کی وجہ سے وہاں پر اثر پہنچ گیا ہے۔ بس اسی مقام میں تحریک شدت تکلیف کا باعث بن جاتی ہے۔ جیسے گردہ کے اعصابی پردوں میں سوزش ہوگی تو پیشاب زیادہ آئے گا اور اگر لبلبہ کے اعصابی پردوں میں سوزش ہو جائے تو ذیابیطس شروع ہو جائے گی، اسی طرح تمام جسم کے اعضاء اور مقام پر غور کر لیں جیسا کہ علامات سے ذہن نشین کرا دیا ہے۔ یہ وہ راز ہے جس کو طب یونانی تو مزاج اعضاء کے سلسلہ میں بیان کرتی ہے مگر فرنگی طب اس سے بے خبر ہے۔ اس لئے ان تحریکات اور ان کے امراض وعلامات کو بڑے غور سے ذہن نشین کر لینا انتہائی ضروری ہے۔

شرکی علامات کے خاص مقام

ویسے تو امراض کی علامات اسی مفرد عضو میں تمام جسم کے اندر پائی جاتی ہیں، لیکن خاص خاص مقام ایسے ہیں جہاں پر نمایاں ہوتی ہیں۔

مثلاً اعصابی امراض میں دماغ، ناک اور مثانہ میں رطوبت کی زیادتی کے ساتھ بے چینی اور خارش، جو کبھی بڑھ کر درد کی صورت ہو جاتی ہے۔

غدی امراض میں حلق گلے، آنتوں اور پیشاب میں جلن جو شدید صورتوں میں درد تک پہنچ جاتی ہے۔

عضلاتی امراض میں قلب وشش اور معدہ وجوڑوں میں خشکی وریاح کی زیادتی معلوم ہوتی ہے جو بڑھ جانے پر درد کی صورتیں بن جاتی ہیں۔

تشخیص مرض

مرض کا صحیح تعین کرنے اور یقین حاصل کرنے کے لئے تحریک کے ان مقامات کو دیکھنے کے ساتھ نبض اور قارورہ کو بھی ضرور دیکھ کر تسلی کر لینی چاہئے بلکہ تشخیص کی ابتداء نبض اور قارورہ سے کرنی چاہئے۔ اعصابی نبض منخفض، عضلاتی نبض شرف اور غدی نبض دونوں کے متوسط ہوگی۔ ان کے آپس کے تعلقات کو ملالیں اور قوت وضعف کے لئے باقی نبضوں کو مدنظر رکھیں جن سے مرض کا مقام اور قوت کا پتہ چلتا ہے۔

اعصابی قارورہ سفید یا نیلگوں، عضلاتی قارورہ، سرخ اور غدی قارورہ پیلا ہوتا ہے۔ چونکہ ہمیشہ عضوی اور کیمیائی دونوں تحریکیں چلتی ہیں، اس لئے قارورہ دونوں رنگوں سے مرکب ہوتا ہے۔ یہی تشخیص میں کامیابی ہے۔

۷
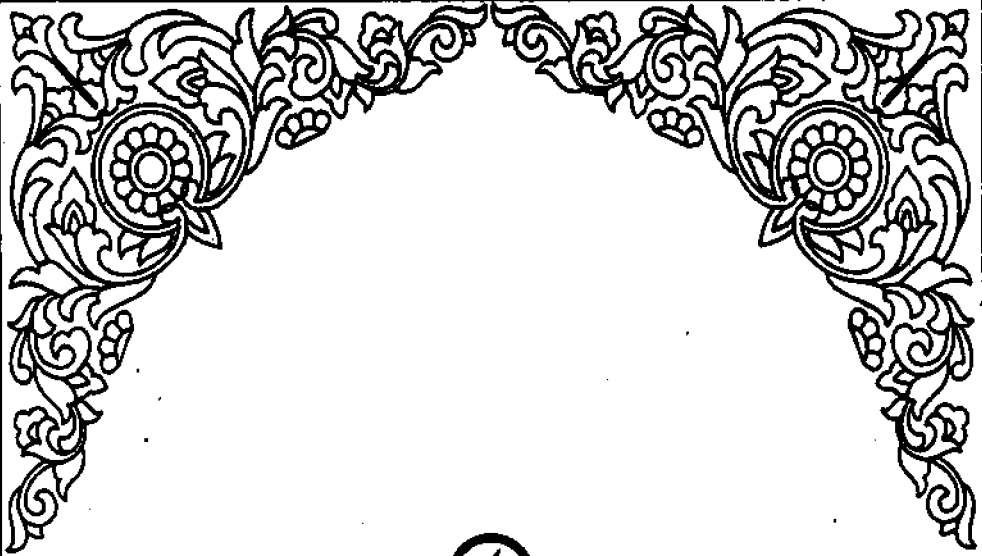
تحقیقات علاج بالغذاء

فہرست عنوانات

معنون

اپنی اس علمی، تحقیقی وفنی تحقیق اور طبی تجدید وسائنسی تدقیق کو جواحیائے طب اور ارتقائے علم وفن کے لئے کی گئی ہے اپنے ایک صاحب علم اور اہل فن عزیز دوست محترم رفیق اور ساتھی جناب حکیم پروفیسر صوفی عبدالعزیز صاحب ایم اے ایم اوایل اقبال گنج، کالج روڈ، گوجرانوالہ سرگرم رکن تحریک تجدید طب (پاکستان) کے نام نامی اور اسم گرامی سے موسوم کرتا ہوں۔ صاحب موصوف علم وفن طب میں تحقیقات وتدقیقات اور ریسرچ کا اس قدر ذوق سلیم اور شوق عظیم رکھتے ہیں کہ باوجود اپنی بڑی عمر اور نفاست طبع کے اکثر گوجرانوالہ سے لاہور آتے ہیں اور نظریہ مفرد اعضاء کے تحت علم العلاج کو سمجھنے اور فنی پیاس بجھانے کی کوشش کرتے ہیں اور بہت خوش ہوتے ہیں۔ علم وفن طب کی خدمت واشاعت اور تکمیل کے لئے ابتدائی دور سے میرے ساتھ ہیں۔ انہی کی تحریک پر ماہنامہ ”رجسٹریشن فرنٹ“ وجود میں آیا تھا۔ وہ میری اور تحریک کی کامیابی کے لئے ہمیشہ دست بدعا رہتے ہیں۔ وہ ایک خاموش مگر زبردست مبلغ ہیں۔ اسلام اور انسانیت کی خدمت ان کی زندگی کے مقاصد ہیں۔

صابر ملتانی

1964ء

مقدمہ طبع ثانی

خداوند حکیم نے یہ زمین و آسمان بنایا ہے اور اس میں اور آسمان میں جس قدر ظاہر و باطن مخلوقات ہیں وہ بھی خدائے اعلیٰ و عظیم نے پیدا کی ہیں۔ اس تمام مخلوق کی غذا اور خوراک بھی اسی رازق مطلق کے ذمہ ہے۔ ان تمام اور دیگر ہر قسم کے معاملات میں اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ جب تک انسان کو زندہ رہنا ہے چاہے وہ عقل مند ہو یا جاہل اور پاگل ہو اس کو زندگی کے لیے ایک وقت یا دونوں وقت یا ہمہ وقت غذا اور خوراک ضرور ملے گی چاہے اس کو دوسرے ہی کیوں نہ کھلائیں۔ جیسے بچوں کو ان کے شعور تک کھلائی جاتی ہے۔ جب کسی کا رزق ختم ہو جائے گا تو اس کی بے حساب دولت وقارون کا خزانہ یا رشوت و بلیک سے بھری ہوئی بوریاں اور سمگلنگ کا مال بھی اس کو زندہ نہیں رکھ سکے گا۔

یہ امر ذہن سے نکال دینا چاہئے کہ رزق حاصل کرنا اور کھانا کسی انفرادی یا اجتماعی قوت کا کام ہے یا فرد و جماعت اور ملک و قوم کا کام ہے۔ نہیں! ہرگز نہیں! بلکہ ایک منٹ کے لیے بھی ایسا تصور کرنا گناہ ہے۔ یاد رکھیں کہ رازق صرف اللہ تعالیٰ ہے جو رحمٰن اور رحیم ہے۔ اس لیے وہی رب العالمین ہے۔ یہ رزق اسی کا ہی فضل و کرم ہے۔ زمین و آسمان کی نعمتوں کا وہی مالک ہے اور وہی ان نعمتوں کی طرف ہدایت کرتا ہے لیکن شرط یہ ہے کہ ہدایت متقی (پرہیزگار) کے لیے ہے۔ متقی ایسے صحیح فطرت انسان کو کہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ اور روزِ حساب سے ڈرتا ہے اور اپنے عمل میں غلط قدم سے پرہیز کرتا ہے۔ اور یہ خیال کرتے ہوئے کہ کہیں اسراف نہ ہو جائے اور اللہ تعالیٰ کی نظر کرم سے دور نہ ہو جائے اکثر پیٹ خالی رکھتا ہے۔ اس کو اس امر کا یقین ہوتا ہے کہ فضول خرچ شیطان کا بھائی ہوتا ہے۔

جہاں تک رزق اور غذا کی تقسیم کا تعلق ہے وہ اللہ تعالیٰ نے حیوانات و نباتات اور جمادات کی صورت میں میدانوں، پہاڑوں، دریاؤں اور سمندروں میں پھیلا دیئے ہیں اور ہر انسان اپنی ضرورت کے مطابق نہ صرف حاصل کر سکتا ہے بلکہ باغات و زراعت اور حیوانی نسل کشی سے پیدا کر سکتا ہے۔ مگر ایسا نہیں ہو سکتا کیونکہ دولت مند اور سرمایہ دار نے ان تمام وسائل پر قبضہ کر رکھا ہے جس سے کوئی غریب اور کوئی سرمایہ دار اور زیادہ دولت مند ہو گیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی مغربی جرمنی اور یورپ و امریکہ کی حکومتیں دن رات یہ پراپیگنڈہ کر رہی ہیں کہ دُنیا کی آبادی بڑھ رہی ہے اور غذا اور خوراک کی پیدائش کم ہو رہی ہے۔ اس لیے اس کا آسان علاج یہ ہے کہ پیدائش اولاد بند کر دی جائے مگر وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ ربوبیت اور رزاقیت صرف اللہ تعالیٰ سے متعلق ہے جو ہر بچہ پیدا ہونے کے ساتھ ہی اس کا رزق اور قسمت اس کے ساتھ ہی پیدا کر دیتا ہے بلکہ حیوانات میں چرند و پرند اور درند کا بچہ بھی جب پیدا ہوتا ہے بلکہ نباتات کا پودا جب نکلتا ہے تو اس کا رزق بھی اس کے ساتھ ہوتا ہے۔ گویا ہر پیدا ہونے والا اپنا رزق اور قسمت ساتھ لاتا ہے بلکہ پہلے ہی اس کی ماں کے سینے میں دودھ آ جاتا ہے جو دو سال تک رہتا ہے۔ اس کے بعد زندگی بھر وہ اس زمین سے رزق و غذا اور خوراک کھاتا رہتا ہے۔

جو سائنس دان رات دن یہ رٹ لگا رہے ہیں کہ دُنیا میں غذا اور خوراک کم ہو رہی ہے اور آبادی و پیدائش بڑھ رہی ہے کیا انہوں نے زمین میں بحر و بر کی وسعتوں کا اندازہ لگا لیا ہے۔ اس کے علاوہ آسمان سے جو نعمتیں نازل ہوتی ہیں' ان کا اندازہ لگا لیا ہے۔ صرف سمندروں اور

دریاؤں میں اس قدر غذا اور خوراک پائی جاتی ہے کہ اس دُنیا کی کئی گنا آبادی بھی اس کو ختم نہیں کر سکتی۔ اس کے علاوہ میدانوں اور پہاڑوں میں اس قدر غذا اور خوراک موجود ہے جس کا ابھی تک احاطہ نہیں کیا گیا مگر اس کا کیا علاج کہ اس پر سرمایہ دار اور دولت مند کا قبضہ ہے اور غریب عوام کو متوازن اور مکمل غذا تو رہی ایک طرف صرف پیٹ بھرنے اور زندہ رہنے کے لیے غیر متوازن اور ضرورت کے مطابق غذا اور خوراک نصیب نہیں ہے۔ غریب عوام کے لیے پروٹین (اجزائے لحمیہ) فیٹس (اجزائے روغنیہ) کاربوہائیڈریٹس (نشاستہ اور شکری اجزاء) وٹامن (حیاتین) کا سوال ہی پیدا نہیں ہوسکتا۔ اگرچہ فرنگی طب کی یہ تقسیم بھی غلط ہے۔ بہرحال غذا اور اس سے علاج پر مکمل تحقیقات پیش کی جارہی ہے۔

غذا کی خوبیوں میں سب سے بڑی بات یہ ہے کہ علاج بالغذا پر علمی اور سائنسی حیثیت سے یہ اوّلین کتاب ہے جو نظریہ بالمفرد اعضاء (ٹشوز) کے تحت لکھی گئی ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ اس کا جواب دُنیائے طب اور ماڈرن میڈیکل سائنس ہرگز پیش نہ کرسکیں گے اور علاج کی دُنیا میں یہ ایک سنگ میل ثابت ہوگی۔ اس کتاب کو سمجھ لینے کے بعد علاج یقینی اور آسان ہوجائے گا۔ اس کتاب میں مندرجہ ذیل تین باتوں کو خاص طور پر مدنظر رکھا گیا ہے۔

① جسم انسان کی نشوونما و ارتقاء اور تربیت صرف خون اور اس کے کیمیاوی عناصر پر ہے، جو انسان کی غذا سے تیار ہوتے ہیں، ان میں ادویہ کو دخل نہیں ہے۔ گویا ادویہ خون کے اجزا نہیں ہیں۔ اس لیے مکمل وصحیح اور مستقل علاج صرف غذا ہی سے ہوسکتا ہے۔ ادویہ کا تعلق صرف انسانی اعضاء کے افعال میں افراط یا تحریک وتسکین اور تحلیل تک ہے۔

② امراض کا علاج کرنا چاہیے، علامات کا علاج نہیں کرنا چاہیے۔ علامات ہمیشہ امراض کے تحت ہوتی ہیں۔ امراض رفع ہوجانے کے بعد علامات خود بخود دور ہوجاتی ہے۔ اگر علامات کو دور کرنے کی کوشش کی گئی تو امراض رفع نہیں ہوں گی۔ کوئی دوسری صورت اختیار کرلیں گے۔ امراض کا تعلق صرف مفرد اعضاء (ٹشوز) سے ہوسکتا ہے۔ پس ان کی تشخیص کرکے ان کو اعتدال پر قائم کریں۔

③ انسان چونکہ اشرف المخلوقات ہے اس کی خوراک حیوانی غذا ہے جس کی ابتدا دودھ سے ہوتی ہے اور کسی نہ کسی شکل میں انسان کی موت تک اس کی خوراک حیوانی غذا رہتی ہے۔ اسی میں اس کے لیے زندگی وصحت اور طاقت ہے۔

تحقیقات علاج بالغذا میں مختصر طور پر وہ سب کچھ سمو دیا گیا ہے جس کی ضرورت تھی۔ البتہ ہم یہ ضرور محسوس کرتے ہیں کہ طلبہ اور عوام کے لیے اس میں تفصیل کی ضرورت تھی، یعنی:

① ہر مفرد غذا کے تفصیلی افعال واثرات۔
② اسی طرح ہر مرکب خوراک سے افعال واثرات۔
③ ہر مرض وہر علامت کے تحت مفرد اور مرکب اغذیہ اور اس کا طریق استعمال ہونا چاہیے تھا۔
④ بعض اغذیہ کی کمی کی وجہ سے بعض خصوصی امراض پیدا ہوجاتے ہیں، ان کا ذکر بھی لازمی تھا۔
⑤ بعض اغذیہ بالخاصہ بعض امراض میں یقینی طور پر شفا بخش ہیں، ان کا ذکر بھی ہوجاتا تو بہتر تھا۔
⑥ غذا سے علاج کس طرح کرنا چاہیے۔
⑦ غذا کو کب روکنا اور کب شروع کرنا چاہیے۔
⑧ لطیف اور ثقیل غذا کب اور کیوں دینی چاہیے، وغیرہ وغیرہ۔ ان سب باتوں کا ذکر اس لیے کیا گیا ہے کہ ان کو مدنظر رکھا جائے۔

بہرحال یہ علاج بالغذا پر ایک بہت بڑا خزانہ جمع کردیا گیا ہے۔

فرنگی طب صرف عارضی علاج ہے

فرنگی طب (ایلوپیتھی) صرف عارضی اور وقتی علاج ہے۔ اس میں صرف علامات کو روکا جاتا ہے یا جراحی میں کاٹ کر جسم سے دور کر دیا جاتا ہے۔ یہ حقیقی معنوں میں علاج نہیں ہے' بلکہ بوچڑی ہے۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ اس نے صرف جراثیم کو اسباب مرض قرار دیا ہے۔ وہ جراثیم کو فنا کرنے اور جراثیم کو خارج کرنے میں لگے رہتے ہیں۔ غذا کی اہمیت اور افادیت کو مدنظر نہ رکھنے سے ہزاروں مریض زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا ہیں۔

علاج بالمثل صرف علاماتی علاج ہے

علاج بالمثل (ہومیوپیتھی) خود تسلیم کرتی ہے کہ وہ علامات کو رفع کرتی ہے گویا صرف علاماتی علاج ہے۔ یہ بھی تسلیم کرتی ہے کہ اس طریقہ علاج میں مرض کو کوئی حقیقت نہیں ہے اور یہ کتنی خوفناک حقیقت ہے کہ ان کے علاج میں بنیادی حقیقت ہی نہیں پائی جاتی۔ جس کی وجہ سے 99 فیصدی امراض پیدا ہوتے ہیں، کیونکہ غذا ہی سے خون پیدا ہوتا ہے اور خون ہی جسم کی نشو وارتقاء اور ترتیب پیدا کرتا ہے اور یہ مکمل اور صحیح خون ہی زندگی وصحت اور طاقت ہے۔

ہومیوپیتھی میں سفلس وسورا اور سائیکوسس کیا ہیں؟ یہ خون کی کیمیاوی تبدیلیاں جو غذا سے پیدا ہوتی ہیں۔ جب تک ان میں پھر تبدیلی پیدا نہ ہو کبھی مریض کو مکمل شفا نہیں ہو سکتی۔ اگر کوئی علامت رفع بھی ہوتی ہے تو وہ عارضی اور وقتی ہوتی ہے۔ اس لیے ہم بار بار لکھتے ہیں کہ **ہومیوپیتھی نہ مکمل طریقہ علاج ہے اور نہ ہی سائنٹیفک علاج ہے۔ یہ صرف خواص الادویہ کا ایک خاص طریقہ ہے جس کو علاج بنالیا گیا ہے۔** جیسے دیگر خواص الاشیاء کو علاج بنالیا گیا ہے جن میں بایوکیمک، ہائیڈروپیتھی، سائیکوپیتھی، آسٹروپیتھی، علاج بالفاقہ، علاج بالغذاء، علاج طب روحانی، علاج بالموسیقی، جھاڑ پھونک اور تعویذ گنڈے وغیرہ وغیرہ سے علاج کیا جاتا ہے۔ دراصل یہ تمام طریق علاج آیورویدک اور طب قدیم کے ہی اجزاء ہیں۔ ان کی جدا کوئی ہستی نہیں ہے۔

علاج بالغذا کی اہمیت

علاج بالغذا میں علاج بالفاقہ بھی شامل ہے اور غذا ہماری زندگی کا ایک اہم جزو ہے۔ غذا کا تعلق حالت صحت کو قائم رکھنے کے لئے بھی ہے اور حالت مرض کو دور کرنے سے بھی ہے۔ اس لئے فطرتاً اور قدرتاً ہر علاج غذا چھوڑنے یا غذا کھانے سے شروع کرنا پڑتا ہے۔ اسی لئے آیورویدک اور طب میں تاکید ہے کہ ہر مرض کا علاج اوّل صرف غذا ہی سے کرنا چاہئے یعنی اس میں کوئی خاص غذا چھوڑنا پڑے جس کو فاقہ کہتے ہیں۔ اس سے بہت سے فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ مثلاً:

① غذا چھوڑ دینے سے جسم پر اور خصوصاً مقام مرض پر جو مادے کا بوجھ ہوتا ہے وہ کم ہو جاتا ہے۔ جیسے کسی انسان کے سر پر اس قدر بوجھ ہو کہ وہ چل پھر نہ سکتا ہو جب اُتار دیا جائے تو وہ آسانی سے چل سکتا ہو۔

② جسم میں غذا کا بوجھ کم ہو جاتا ہے اور اعضا تیزی سے اپنا کام شروع کر دیتے ہیں۔ جس سے فضلات جسم سے خارج ہونا شروع ہو جاتے ہیں اور جو خام غذا اور مادے پڑے خمیر اور فضلہ بن کر فساد اور مرض کا باعث بن رہے ہوتے ہیں ان کو خارج کرنا شروع

کر دیتے ہیں۔

③ یہ بات ذہن نشین کرلیں کہ جب تک جسم میں خمیر بنتا ہے خون نہیں بنتا۔ جسم میں خمیر اور تیزابیت کو فوراً ختم کر دینا چاہئے۔

④ جسم اور خون میں جن اجزاء کی کمی ہے وہ غذا کے ذریعے پوری کریں اور جن اجزاء کی زیادتی ہے وہ اس قسم کی غذا کو روک کر کم کر دیں۔ یہ کام دوا سے ممکن نہیں ہے۔ اس لئے علاج کی ابتداء غذا سے کریں۔ جب مرض صحت کی طرف لوٹے تو اگر ضرورت محسوس کریں تو انہی غذائی اصولوں پر ادویات شروع کر دیں۔ مریض بہت جلد صحت اور طاقت کی طرف آ جائے گا۔

دوا کی خوبیاں اپنی جگہ پر ہیں۔ مثلاً غذا سے اگر ہم جسم کو زیادہ سے زیادہ دس حصہ تک تیز کر سکتے ہیں تو ادویات سے جسم کو پچیس و پچاس اور سو بلکہ ہزار حصہ تک تیز کر سکتے ہیں اور جب طبیعت غذائی علاج سے صحت کی طرف آ رہی ہو تو دوا سے اور بھی تیز ہو جاتی ہے اور اگر یہی دوا بغیر غذائی علاج کے غلط استعمال ہو تو اتنا ہی شدید نقصان ہوتا ہے۔ اس لئے یہ تاکید ہے کہ اوّل علاج بالغذا کریں اور یہ تاکید اس لئے بھی ہے کہ تجدید طب کی تحریک میں ہم یہ خصوصیت پیدا کرنا چاہتے ہیں کہ ہمارے علاج کی ابتداء علاج بالغذا ہوتی ہے۔ اس میں ملک وقوم اور عوام کی خدمت بھی ہے اور کسی قسم کے نقصان کا خطرہ بھی نہیں ہے۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ہم علاج بالغذا سے فرنگی طب کا بہت اچھی طرح مقابلہ کر سکتے ہیں۔

صابر ملتانی

پیش لفظ

علاج بالغذا کی اہمیت کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ ہر قسم کے جسمانی علاج کے ساتھ غذا کی مناسبت اور پرہیز بالکل لازم اور ضروری ہے۔ اگر علاج کے ساتھ غذا کو اہمیت نہ دی جائے تو بے خطا اور یقینی علاج بھی کامیاب نہیں ہوتا اور اکسیر و تریاق قسم کی ادویات بے معنی ہو کر رہ جاتی ہیں۔ جہاں تک نفسیاتی اور روحانی علاج کا تعلق ہے وہ صرف غذائی علاج سے ممکن ہو سکتا ہے اور دوائی علاج ان دونوں کے لیے ناکام ہے۔ علم علاج کا دوسرا حصہ علم حفظان صحت ہے جو تمام کا تمام علاج بالغذا اور علاج بالتدابیر پر ہے۔ جن کا تعلق ستہ ضروریہ کے ساتھ قائم ہے۔ علم حفظان صحت کی بنیاد صرف اس امر پر قائم ہے۔ صحت کا دارومدار صحیح و سالم اور مقوی و مکمل خون پر ہے جو صرف غذا سے حاصل ہوتا ہے اس لیے صحیح و مناسب اور ضرورت کے مطابق اغذیہ سے انسانی صحت کی حفاظت کی جا سکتی ہے۔ اس لیے علاج بالغذا کا جاننا ہر معالج کے لیے ضروری ہے۔ حقائق سے ثابت ہے کہ علاج میں غذا کو اہمیت حاصل ہے۔

چونکہ میرے طریق علاج میں علاج بالغذا کو بے حد اہمیت حاصل ہے اور اس سے نہ صرف سو فیصدی شفا حاصل ہوتی ہے بلکہ مکمل صحت ہوتی ہے اس لیے میری تحقیقات میں علاج کے ساتھ پچاس فیصدی غذا کا تعلق ہے۔ پچیس فیصدی نفسیاتی ماحول کا اور صرف پچیس فیصد ادویات کا تعلق ہے۔ اس لیے ادویہ کے بغیر بھی ہر قسم کا علاج کامیاب ہو سکتا ہے۔ علاج بالغذا تحریک تجدید طب (پاکستان) کی یہ ایک زبردست خصوصیت ہے جو دُنیا بھر کے کسی طریق علاج میں نہیں پائی جاتی اور نہ ہی کسی زمانے میں طب دُنیا نے اسے جامعیت و انداز اور اس یقینی تحقیقات کے ساتھ پیش کیا ہے۔ اس لیے علاج بالغذا کی خصوصیت سے طبی دُنیا میں ہر شخص خصوصاً ممبران کو مستفید ہونا چاہیے۔

خادمِ فن

صابر ملتانی

3 ستمبر 1964ء

مُقدّمہ

انسان اور ہر قسم کے حیوانات بلکہ وحشی درندوں کا خون بھی صرف غذا سے پیدا ہوتا ہے۔ کسی ہوا اور زہر سے نہیں بن سکتا۔ حکماء و اطبا متقدمین اور متاخرین سب اس کی تصدیق کرتے ہیں اور دُنیا کی کوئی سائنس اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتی۔ دوسرے یہ حقیقت ہے کہ زندگی کا دارومدار صرف صحیح اور مکمل خون پر قائم ہے۔ اس میں بھی کسی دوا اور زہر کو دخل نہیں ہے۔ تیسرے یہ حقیقت بھی مسلمہ ہے کہ ہر جسم کی نشوو ارتقا اور تقویت صرف خون پر قائم ہے۔ جب ان حقائق سے ثابت ہے کہ زندگی و قوت اور نشوو ارتقا صرف خون پر قائم ہے اور خون غذا سے پیدا ہوتا ہے تو پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ انسانی صحت کا دارومدار غذا کی بجائے دوا پر رکھا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ آیورویدک اور طب یونانی میں نہ صرف علاج کی ابتدا میں غذا کی بے حد تاکید ہے بلکہ دوائی علاج میں بھی پرہیز اور خاص قسم کی اغذیہ کے لیے مجبور کیا گیا ہے اور کسی قسم کے علاج میں اگر پرہیز اور خاص قسم کی اغذیہ کو نظر انداز کر دیا جائے تو یقیناً علاج ناکام رہتا ہے، یہی فطرت ہے۔

آیورویدک اور طب یونانی میں جسم انسان اور خون کا تجزیہ دوشوں اور اخلاط کے ذریعے کیا گیا ہے اور ثابت کیا گیا ہے کہ یہ دوش اور اخلاط غذا سے تیار ہوتے ہیں۔ مختلف قسم کی اغذیہ مختلف اقسام کے دوش اور اخلاط پیدا کرتی ہیں۔ جب غذا میں خاص قسم کے اجزاء کم و بیش ہو جاتے ہیں یا ان کا مقام بدل جاتا ہے تو امراض پیدا ہو جاتے ہیں۔ جب ان دوشوں اور اخلاط کو درست کر لیا جائے تو امراض رفع ہو جاتے ہیں۔

جہاں تک ادویات اور زہروں کا تعلق ہے ان کا اثر صرف اعضائے جسم پر ہوتا ہے جس پر ان کے افعال کی کمی بیشی اور تحلیل ضرور ہوتی ہے۔ وہ خون میں بھی شامل ہو جاتے ہیں۔ مگر خون کا جزو نہیں بنتے اور اگر جسم میں طاقت ہو تو وہ جسم سے خارج ہو جاتے ہیں۔ گویا ادویات اور زہروں کا اثر جسم پر صرف اعضاء کے افعال کی وجہ سے ہوتا ہے اور جب دوا یا زہر کا اثر ختم ہو جاتا ہے تو افعال بھی اپنی حالت پر لوٹ آتے ہیں۔ گویا ان کا اثر اعضا اور جسم پر بالکل عارضی ہوتا ہے۔ جسم پر مستقل اثر صرف خون کے کیمیاوی اجزا کا ہوتا ہے جو خون میں پیدا ہوتے ہیں اور خون غذا سے پیدا ہوتا ہے۔ یہی مکمل اور مستقل علاج ہے۔

یاد رکھیں کہ علاج دوا سے ہمیشہ عارضی اور وقتی ہوتا ہے جس کا فائدہ اس کے اثرات کے ختم ہو جانے کے بعد رفع ہو جاتا ہے۔ دوا سے علاج اس وقت مکمل و مستقل طور پر کامیاب ہو سکتا ہے جب اس کے ساتھ خون کے ان کیمیاوی اجزاء کو بھی پورا کیا جائے جو اس میں کم ہو گئے ہیں۔ یہ وہ علاج کا فطری اصول ہے جس پر آیورویدک اور طب یونانی کا لازمی قانون ہے اور فرنگی طب اس قانون سے ناواقف ہے اور نہ اس پر اس کا عمل ہے۔ اس لیے وہ علاماتی و عارضی اور وقتی علاج ہے جس کے نتیجہ میں جسم اور خون میں امراض کا زہر اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ملک میں خوفناک امراض جیسے ٹی بی، شوگر آنا، ہائی بلڈ پریشر اور فالج وغیرہ کی کثرت ہو گئی۔

فرنگی طب (ایلوپیتھی) اور ماڈرن میڈیکل سائنس نے بھی خون کا تجزیہ کیا ہے۔ اس نے ثابت کیا ہے کہ خون پندرہ ایلیمنٹ (عناصر) کا مرکب ہے اور یہ بھی ثابت ہے کہ ان ایلیمنٹ میں سے اگر کسی ایک میں کمی یا خرابی واقع ہو تو خون خراب ہو جاتا ہے جس سے مرض

پیدا ہو جاتا ہے۔ اسی نظریہ پر ڈاکٹر شسلر نے بایوکیمک (کیمیاوی زندگی) کی بنیاد رکھی تھی۔ مگر ہومیوپیتھی کی پیروی میں یہ ایک مفید نظریہ جس کو علاج بالغذا کا ایک چوتھائی حصہ کہنا چاہیے بالکل ختم ہو گیا اور اس کے حقیقی فوائد سے طبی دُنیا محروم ہو گئی جس کا پھر زندہ کرنا بہت مشکل ہے۔

جب تک جراثیم کا انکشاف نہ ہوا تھا فرنگی طب کے علاج کی بنیاد خون کے عناصر کی کمی بیشی پر تھی اور جب سے جراثیم کو امراض کا سبب قرار دے دیا گیا ہے اس وقت سے یہ نظریہ برابر ختم ہو رہا ہے۔ اب تک جن امراض کے جراثیم معلوم نہیں ہو سکے ان کا علاج پرانی ڈگر پر خون کے کیمیاوی اجزاء کی کمی بیشی اور خرابی پر کیا جا رہا ہے۔ یا اعضائے جسم اور عام جسمانی کمزوری کو مدنظر رکھا جاتا ہے جو بالکل ان کے نظریہ کے خلاف ہے۔ جہاں تک جراثیم کا تعلق ہے نہ وہ خون کا جزو ہیں اور نہ ہی ان کا زہر خون کا جزو ہے۔ ان کا اثر صرف اعضاء پر ہوتا ہے جس طرح دیگر بادی یا مادی ادویات اور زہروں کا اثر خون میں شامل نہیں ہوتا۔ اگر کچھ شامل ہوتا ہے تو طبیعت مدبرہ بدن فطری طور پر ان کو خارج کرنے کی کوشش کرتی ہے اور جب غالب آ جاتی ہے تو ان کو خارج کر دیتی ہے۔ تجربات نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ اگر اعضاء میں قوت مدافعت مکمل ہو اور خون میں قوت مدبرہ بدن طاقتور ہو تو جراثیم اور ان کا زہر نہ جسم اور خون پر اثر انداز ہو سکتے ہیں اور نہ ہی امراض پیدا ہو سکتے ہیں۔ ان حقائق سے ثابت ہوا کہ مکمل اور مقوی خون اور صحیح و تندرست اعضاء کی صورت میں جراثیم اور ان کا زہر ہمیشہ بے اثر ہو جاتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ صحت و تندرستی کے لیے خون کے اجزا کا مکمل اور مقوی ہونا ضروری ہے۔ یہی زندگی و تقویت اور صحت کا راز ہے اور یہ سب غذا سے حاصل ہوتا ہے۔

فرنگی طب اور ماڈرن میڈیکل سائنس نے تحقیق کیا ہے کہ انسانی غذا میں پانی کے ساتھ چار اجزاء کا ہونا انتہائی ضروری ہے۔ پروٹین (اجزائے لحمیہ)، فیٹس (اجزائے روغنیہ)، سالٹس (نمکیات) اور کاربوہائیڈریٹس (نشاستہ و شکر) ہیں۔ ان کے ساتھ چند وٹامن (حیاتین) بھی تسلیم کیے گئے ہیں جن کو اغذیہ کے ضروری اجزا سمجھا گیا ہے اور یہ بھی تحقیق کیا گیا ہے کہ ان اجزائے اغذیہ اور وٹامن کی جسم اور خون میں کمی اور خرابی واقع ہو جائے تو امراض اور تکلیف دہ علامات پیدا ہو جاتی ہیں۔ پھر تجربات نے یہ بھی ثابت کر دیا ہے کہ جب یہی اجزاء اور وٹامن ایسے مریضوں کو استعمال کرائے گئے جن میں ان کی کمی اور خرابی تھی تو ان کے امراض اور تکلیف دہ علامات رفع ہو گئیں۔ ان تحقیقات اور تجربات سے بھی غذا کی اہمیت واضح ہے مگر فرنگی طب (ایلوپیتھی) جراثیم تھیوری میں ایسی پھنسی کہ اس نے ہر مرض کا علاج جراثیم کشی ہی قرار دے دیا اور غذائی اجزا اور وٹامن کی اہمیت کو صرف حفظانِ صحت اور تقویتِ جسم تک محدود کر دیا بلکہ اب تو حفظان صحت کے لیے بھی ہر مرض کے ٹیکے تیار کیے جا رہے ہیں۔ پہلے صرف چیچک کا ٹیکہ ہوا کرتا تھا۔ اب تپدق، سل اور ہیضہ و دیگر امراض کے ایسے ٹیکے ایجاد کر لیے گئے ہیں جو ان امراض سے حفاظت کے لیے لگائے جاتے ہیں۔ اس طرح غذا کی اہمیت ختم کر دی گئی ہے۔ جب حفظ وصحت کے لئے استعمال غذا کی اہمیت فرنگی طب اور ماڈرن سائنس میں ختم کی جا رہی ہے تو پھر علاج بالغذا کا تو وہ تصور بھی نہیں کر سکتی، لیکن غذا کی اہمیت ہر انسان کے دِل میں قائم ہے کیونکہ تجربات و مشاہدات سے یقین کامل ہو گیا ہے کہ جہاں بھی غذا میں خرابی واقع ہوتی ہے فوراً تکلیف پیدا ہو جاتی ہے۔ البتہ غذا کو گندگی و تعفن اور جراثیم سے پاک رکھنا ضروری ہے۔

اس وقت تک علم الغذا پر پاک و ہند اور یورپ و امریکہ میں ہزاروں کتب لکھی گئی ہیں لیکن غذا کی کمی بیشی اور خرابی کی بنیاد پر کوئی کتاب علاج بالغذا پر آج تک نہیں لکھی گئی اور جو لکھی بھی گئی ہیں تو وہ صرف امراض ہضم کے پیش نظر یا زیادہ سے زیادہ چند تکلیف دہ علامات کے لیے۔ بعض اغذیہ اور ان کے اجزا کا ذکر کیا گیا ہے لیکن مطلق علاج بالغذا کو فنی طور پر بیان نہیں کیا گیا۔ اعضائے مفرد (انسجہ-ٹشوز) کی خرابی اور تغیرات کی بنیاد پر آج تک دُنیائے طب میں کوئی کتاب نہیں لکھی گئی۔ یہ ہماری تحقیقات ہے اور ہم ہی اس کو دُنیا طب میں پہلی بار پیش کر

رہے ہیں۔ایسی حقیقت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ مفرد اعضاء (ٹشوز) کی نشو و ارتقا اور غذا و پرورش خون سے ہوتی ہے اور خون غذا سے بنتا ہے اور جب غذا میں کمی بیشی اور خرابی واقع ہوتی ہے تو خون میں نقص واقع ہو جاتا ہے۔جس سے ضرورت مند مفرد اعضاء (انسجہ) کو صحیح اور مکمل غذا حاصل نہیں ہوتی۔ان کے افعال میں خرابی واقع ہو جاتی ہے۔بس اسی کا نام مرض ہے اور جب صحیح و مکمل غذا استعمال کرادی جاتی ہے تو مرض رفع ہو جاتا ہے۔اس لیے ہم نے اس کتاب میں علم الغذا کے ساتھ مفرد اعضاء (انسجہ) کی اہمیت کی تشریح ان کے افعال، ان کی تقسیم اور تقسیم جسم انسانی کو مختصر طور پر بیان کیا ہے تاکہ معالج خصوصاً عوام اس نظریہ علاج بالغذا بہ نظریہ مفرد اعضاء کو پورے طور پر سمجھ لیں اور ان کو حفظان صحت اور علاج میں نہ صرف آسانیاں ہوں بلکہ مکمل اور مستقل اور صحیح و کامیاب علاج بہت آسانی کے ساتھ کر سکیں اور ساتھ ہی اہل علم اور صاحب فن اس انداز پر مزید تجربات و مشاہدات کر سکیں تاکہ غذا کی اہمیت جو ہماری روزانہ زندگی کا عمل اور جزو ہے اس سے پورے طور پر مستفید ہو سکیں۔ ہمیں ادویات اور زہروں کی اہمیت سے انکار نہیں ہے۔یہ بھی علاج میں مفید ہیں مگر علاج بالغذا کو جو ان سے امتیازی خصوصیت حاصل ہے اس کو مدنظر رکھنا ضروری ہے۔

آخر میں ہم پھر یہی تاکید کریں گے کہ

① غذا روزانہ زندگی کا عمل اور جزو ہے اور اسی سے خون پیدا ہوتا ہے۔

② ادویات و زہر ہماری غذا کا جزو نہیں ہیں اور نہ ہی ان سے خون بنتا ہے۔

③ مکمل و مستقل اور صحیح و کامیاب علاج صرف مکمل اور صحیح خون اور غذا سے ہو سکتا ہے، دوا اور زہروں سے عارضی اور وقتی اور نقصان رساں علاج ہوتا ہے۔

④ امراض صرف مفرد اعضاء (انسجہ) کی خرابی سے پیدا ہوتے ہیں جو خون اور غذا کے نقص سے خراب ہوتے ہیں۔انہی کے درست کرنے سے امراض رفع ہو جاتے ہیں۔

⑤ امراض و علامات دونوں میں فرق کرنا چاہیے، علامات کو دبانا نہیں چاہیے، امراض کے علاج سے علامات خود بخود رفع ہو جاتی ہیں۔

⑥ علاج بالغذا میں بھوک، وقت پر غذا اور صحیح غذا کو بہت اہمیت حاصل ہے۔

⑦ بھوک سے غذا ہضم ہوتی ہے اور خون پیدا ہوتا ہے۔

⑧ اگر بغیر بھوک کے غذا کھائی جائے تو ہضم نہیں ہوتی پڑی رہتی ہے اور خمیر بن جاتی ہے۔

⑨ گھی کو انسانی زندگی میں انتہائی اہمیت حاصل ہے لیکن بغیر بھوک کے ہضم نہیں ہوتا اور جس غذا کے ساتھ کھایا جائے اس کو بھی ہضم نہیں ہونے دیتا۔

⑩ گھی کے استعمال نہ کرنے سے خوفناک امراض جیسے تپ دق و سل، فالج، ذیابیطس اور جنون پیدا ہو جاتے ہیں۔یہ صحت کا اہم جز ہے۔جو لوگ میری ان تحقیقات کو بغور پڑھیں گے اور ان پر عمل کریں گے وہ نہ صرف خوفناک امراض اور دردناک تکالیف سے بچے رہیں گے بلکہ تھوڑے عرصے میں خود بھی اچھے معالج بن جائیں گے۔

خادم فن

صابر ملتانی

ستمبر 1970ء

علاج بالغذا کی اہمیت اور وسعت

خداوند کریم نے بھوک پیدا کی ہے تاکہ انسان کو اپنی ضرورت غذا کا احساس ہو لیکن بھوک میں جو خوبیاں ہیں انسان نے ان کو نظر انداز کر کے اپنی غذائی ضرورت کا دارومدار اپنی خواہشات پر مقرر کر دیا ہے یعنی جس چیز کو دل چاہا جب بھی چاہا کھالیا۔ اس طرح رفتہ رفتہ بھوک کا تصور ہی ختم کر دیا۔ اس طرح ضرورت غذا اور خواہش غذا کا فرق ہی ختم ہو گیا لیکن قدرت کے فطری قوانین ایسے ہیں جو لوگ ان کی پیروی نہیں کرتے یا ان کو سمجھے بغیر زندگی میں من مانی کرتے ہیں تو اس کا نتیجہ امراض کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔

تاریخی اہمیت

جمہور حکماء اور اطبائے متقدمین و متاخرین بلکہ ہر دین کے علماء کا بھی اس حقیقت پر اتفاق ہے کہ بھوک ایک مرض ہے اور اس کا علاج حسب ضرورت اور مناسب غذا کا کھانا ہے۔ دُنیا میں کوئی بھی ایسا مذہب نہیں ہے جس نے غذا کی اہمیت و ضرورت اور استعمال پر کچھ نہ کچھ نہ کہا ہو اور اسلام میں تو اس قدر کہا گیا ہے کہ اس پر ایک طویل کتاب بن سکتی ہے۔ اسلام نے اس کو اس قدر وسعت اس لیے دی ہے کہ:

① غذا سے انسانی کردار پیدا ہوتا ہے۔

② غذا زندگی کی ضرورت ہے۔

③ رزق اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے، جن لوگوں کی ان حقائق پر نظر ہے وہ شخصیت اور قوم کی تعمیر کے لیے بڑا کام کرتے ہیں۔

آیورویدک

ایک انتہائی قدیم طریق علاج ہے۔ اس کی قدامت اس قدر قدیم ہے کہ اس کا تعین مشکل ہے البتہ یہ کہا جاتا ہے کہ چین کی تہذیب و تمدن ہند سے قدیم ہے۔ اس لیے اس کا علم و فن قدیم کہا جا سکتا ہے۔ بہر حال جہاں تک دونوں کے علم و فن طب کا تعلق ہے دونوں کی بنیاد کیفیات و مزاج اور اخلاط پر ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ قدیم زمانے میں ہند اور چین ایک ہی ملک تھے اور ان کی تہذیب و تمدن بھی ایک تھا۔ اس لیے ممکن ہے کہ آیورویدک ہی نے چینی طب کی شکل اختیار کر لی ہو۔ بہر حال آیورویدک اپنی بنیاد پت وپر کرتی اور دوشوں کے مطابق ہر غذا و دوا اور آب و ہوا کے استعمال میں ارکان و مزاج اور اخلاط کو مدنظر رکھے بغیر علاج نہیں کر سکتی۔ اس طریق علاج میں سب سے اہم تاکید یہ ہے کہ علاج کے دوران میں پت وپر کرتی اور دوشوں کو مدنظر رکھتے ہوئے اوّل غذا سے علاج کیا جائے۔ اگر مرض میں شدت ہو تو پھر مجرب مفرد ادویات سے علاج کیا جائے۔ پھر بھی اگر مرض باقی ہو تو مجرب مرکبات سے مرض کو دور کیا جائے اور ادویات کے علاج کے دوران میں بھی غذا کو پت وپر کرتی اور دوشوں کے تحت ہی استعمال کیا جائے اور یہی صحیح آیورویدک علاج ہے۔

طب یونانی میں غذا کی اہمیت

طب یونانی کی قدامت بھی تقریباً آیورویدک کے برابر قدیم ہے کیونکہ ابتداً جب یونان میں اس کی ترتیب و تدوین ہوئی اور اس

نے کتابی صورت اختیار کی تو اس کا نام طب یونانی رکھا گیا لیکن یہ حقیقت ہے کہ طب چینی یونانی طب سے ہزاروں سال قدیم ہے۔ جس طرح مختلف تہذیبوں اور تمدنوں میں عروج وزوال پیدا ہوتا گیا، طب میں بھی نشو وارتقا پیدا ہوتا گیا۔ چین و ہند کے بعد تہذیب وتمدن بابل ونینوا میں نظر آتی ہے جس کو آج کل عراق وعرب اور مڈل ایسٹ کہتے ہیں۔ اس کے بعد تہذیب وتمدن کا کمال مصر میں نظر آتا ہے۔ ابوالہول، اہرام مصر، (پیرامائڈ) آج بھی اس پر گواہ ہیں جہاں پر بے شمار فرعون گزرے ہیں۔ اس کے بعد یہی تہذیب وتمدن اور ثقافت روما سے گزرتی ہوئی ہزاروں سالوں میں یونان پہنچی۔ اگرچہ مصر میں کاغذ کی ابتداء ہوئی تھی اور علم وفن کی تحریرات مقبروں سے ملی ہیں لیکن یونان میں خصوصاً بقراط کے زمانے میں علم وفن کی تحریرات مقبروں سے ملی ہیں لیکن یونان میں خصوصاً بقراط کے زمانے میں علم وفن طب کی کتابی صورت میں ترتیب و تدریس ہوئی جس پر اسلامی دور تہذیب وتمدن میں چار چاند لگ گئے۔ لفظ ''طب'' بذاتِ خود عربی نام ہے لیکن احتراماً یونانی لفظ ساتھ قائم رہا ہے۔ یہ علم وفن میں ایمانداری کی دلیل ہے۔

طب یونانی میں علاج تین صورتوں میں کیا جاتا ہے؛ (۱) علاج بالتدبیر۔ (۲) علاج بالدوا۔ (۳) علاج بالید (سرجری)۔

علاج بالتدبیر

علاج بالتدبیر میں تین باتیں شامل ہیں:

اوّل اسباب ستہ ضروریہ جو مندرجہ ذیل ہیں: ۱ ہوا اور روشنی ۲ ماکولات ومشروبات ۳ حرکت وسکون بدنی ۴ حرکت وسکون نفسیاتی ۵ نیند وبیداری ۶ استفراغ واحتباس۔

دوم کیفیات ومزاج اور اخلاط میں تغیر وتبدل۔

سوم ماحول اور حالات میں نظم یعنی مریض جس تکلیف دہ ماحول میں گھرا ہوا ہے اور جس مشکل حالت میں ہے، اس میں بہتر تبدیلی پیدا کرنا۔

چونکہ ان تینوں باتوں کا تعلق بالواسطہ یا بلاواسطہ طور پر غذا سے ہے۔ اس لیے یہ سب کچھ علاج بالغذا میں شریک ہیں۔ ان کے علاوہ جہاں تک دوا کا تعلق ہے اس میں طب کا قانون درج ذیل ہے۔

ماکولات ومشروبات کی تقسیم

ماکول ومشروب (کھانا پینا) میں وہ سب چیزیں شامل ہیں جو منہ کے ذریعے جسم میں پہنچائی جاتی ہیں۔ ان کی چھ صورتیں ہیں؛ ۱ غذائے مطلق ۲ دوائے مطلق ۳ سم مطلق ۴ غذائے دوائی ۵ دوائے غذائی ۶ دوائے سمی، جن کی مختصر تفصیل درج ذیل ہے۔

(۱) غذائے مطلق: خالص غذا کو کہتے ہیں۔ جب وہ بدن میں داخل ہوتی ہے تو بدن سے متاثر ہو کر متغیر ہو جاتی ہے لیکن بدن میں کوئی تغیر پیدا نہیں کرتی بلکہ خود جزوبدن بن کر بدن کے مشابہ ہو جاتی ہے یعنی خون میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ مثلاً دودھ، گوشت اور روٹی وغیرہ۔

(۲) دوائے مطلق: خالص دوا۔ جب وہ بدن میں داخل ہوتی ہے تو بدن سے متاثر ہو کر بدن میں تغیر پیدا کر دیتی ہے اور آخرکار جزوبدن ہوئے بغیر بدن سے خارج ہو جاتی ہے۔ جیسے زنجبیل، بادیان اور ملٹھی وغیرہ۔

(۳) سم مطلق: خالص زہر۔ جب وہ جسم میں داخل ہو تو وہ خود تو بدن سے متاثر نہ ہو لیکن بدن کو متغیر کر کے اس میں فساد پیدا کر دے۔ مثلاً سنکھیا، کچلہ، افیون وغیرہ۔

(۴) غذائے دوائی: غذا میں کچھ دوائی اثرات شامل ہوں۔ جب بدن میں داخل ہوتی ہے تو بدن سے متاثر ہو کر متغیر ہو جاتی ہے اور

خود بھی بدن کو متاثر کرتی ہے۔اس کا زیادہ حصہ جزو بدن بنے اور کچھ حصہ جزو بدن بنے بغیر جسم سے خارج ہو جائے۔مثلاً مچھلی و میوہ جات۔

(۵) دوائے غذائی: دوا میں کچھ غذائی اثرات شامل ہوں۔جب بدن میں داخل ہوتی ہے تو بدن سے متاثر ہو کر متغیر ہو اور خود بھی بدن کو متاثر و متغیر کرتی ہے۔اس کا تھوڑا حصہ جزو بدن بنتا ہے اور زیادہ حصہ جزو بدن بنے بغیر جسم سے خارج ہو جاتا ہے۔میوہ جات و گھی اور نمک و مٹھاس وغیرہ۔

(۶) دوائے سمی: دوا جس میں کچھ زہریلے اثرات شامل ہوں۔جب بدن میں داخل ہوتی ہے تو بدن سے بہت کم متاثر ہوتی ہے اور بدن کو بہت زیادہ متاثر و متغیر کرتی ہے اور نقصان پہنچاتی ہے جیسے نیلا تھوتھا اور پارہ وغیرہ۔

ماکول و مشروب کے اثرات کی صورتیں

ماکول و مشروب (کھانے پینے) کے اثرات کی صورتیں یہ ہیں کہ اگر فقط مادہ سے اثر انداز ہو تو اسے غذا کہتے ہیں، اگر صرف کیفیات کا اثر ہو تو دوا ہے۔اگر اس کا اثر مادہ و کیفیت دونوں سے ہو تو اگر مادہ زیادہ ہے تو غذائے دوائی اور اگر کیفیت زیادہ ہے تو اسے دوائے غذائی کہتے ہیں۔اگر صرف اپنی صورت نوعیہ سے اثر کرے تو اسے ذوالخاصہ کہتے ہیں جس کی دو صورتیں ہیں۔اوّل ذوالخاصہ موافقہ، تریاق اور دوسرے ذوالخاصہ مخالفہ جیسے زہر۔اگر مادے اور صورت نوعیہ سے اثر انداز ہو تو غذائے ذوالخاصہ اور اگر کیفیت اور صورت نوعیہ سے اثر کرے تو اس کو دواذ والخاصہ کہتے ہیں۔

اس مختصر تفصیل سے اندازہ ہوگا کہ غذا کے اثرات اور وسعت کس قدر طویل ہے یعنی ادویات میں بھی غذائی اثرات شامل ہیں۔اس لیے علاج بالغذا میں ایسی تمام ادویات شامل ہیں اور ہماری روزانہ زندگی میں ان کا کثرت سے استعمال بھی ہوتا ہے۔جیسے نمک اور مٹھاس وغیرہ اور ایسی خالص ادویات بھی شامل ہیں جو روزانہ زندگی کا جزو ہیں۔زنجبیل و مرچ اور گرم مصالحہ وغیرہ۔

غذا کی اقسام

غذا کی دو اقسام ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں: ❶ غذائے لطیف ❷ غذائے کثیف۔

(۱) غذائے لطیف: ہلکی پھلکی قسم کی ایسی غذا جس سے رقیق خون پیدا ہو۔جیسے آب انار وغیرہ۔

(۲) غذائے کثیف: بھاری یا بھدی قسم کی ایسی غذا جس سے غلیظ (گاڑھا) خون پیدا ہو۔مثلاً گائے کا گوشت وغیرہ۔

پھر ہر ایک کی دو صورتیں ہیں؛ ❶ صالح الکیموس یا فاسد الکیموس ❷ کثیر الغذا یا قلیل الغذا۔

صالح الکیموس: ایسی غذا جس سے جسم کے لیے بہترین خلط پیدا ہو جیسے بھیڑ کا گوشت اور ابلا ہوا انڈہ وغیرہ۔

فاسد الکیموس: وہ غذا جس سے ایسی خلط پیدا ہو جو بدن کے لیے مفید نہ ہو جیسے مولی یا نمکین سوکھی مچھلی وغیرہ۔کیموس کے معنی خلط کے ہیں۔

کثیر الغذا: کثیر الغذا وہ غذا ہے جس کا اکثر حصہ خون بن جائے۔جیسے نیم برشت انڈے کی زردی وغیرہ۔

قلیل الغذا: قلیل الغذا وہ غذا ہے جس کا بہت تھوڑا سا حصہ خون بنے جیسے پالک کا ساگ۔

غذائے لطیف، کثیر الغذا اور صالح الکیموس کی مثال زردی بیضہ نیم برشت، انگور اور ماء اللحم (یخنی) ہے۔غذائے کثیف، قلیل الغذا اور فاسد الکیموس کی مثال خشک گوشت، بینگن، مسور اور باقلا ہیں۔

پانی

پانی چونکہ ایک بسیط رُکن ہے اس لیے بدن کی غذا نہیں بنتا بلکہ غذا کا بدرقہ بنتا ہے یعنی غذا کو پتلا کر کے باریک تنگ راستوں میں پہنچانے کا کام کرتا ہے۔

بہترین پانی

چشموں کا پانی سب سے بہتر ہوتا ہے اور چشموں میں سے بہترین چشمہ وہ ہے جس کی زمین طینی (خاکی) ہو اور اس کی صفت یہ ہو کہ اس کا پانی شیریں ہو، مشرق کی طرف بہتا ہو، اس کا سرچشمہ دور ہو، بلندی سے پستی کی طرف آئے اور اس پر آفتاب کی روشنی پوری طرح پڑتی رہے۔

یہ یاد رہے کہ موجودہ پانی جو ہمارے گردوپیش میں ہے وہ بسیط پانی نہیں ہے جیسا کہ ارکان کے بیان میں لکھا جا چکا ہے بلکہ یہ مرکب پانی ہے اور کئی چیزوں سے مرکب ہے۔ یہ پیٹ میں جا کر پھٹ جاتا ہے اور اس میں سے خالص (رکن) پانی جسم میں اپنے وہ فرائض انجام دیتا ہے جن کا ذکر اوپر کیا گیا ہے۔

دوسرے درجے کا پانی

چشموں کے پانی کے بعد بارش کے پانی کا درجہ ہے، لیکن اس میں بھی بہترین پانی وہ ہے جو پتھریلے گڑھے میں جمع ہو گیا ہو اور اس پر خوب دھوپ پڑتی ہو اور اس کے ساتھ شمال اور مشرق کی ہواؤں کے تھپیڑے لگتے ہوں۔ ان پانیوں کے علاوہ دوسرے سب پانی تیسرے درجہ کے ہیں، جیسے دریاؤں، نہروں اور ندی نالوں کا پانی۔

آج کل شہروں کے اندر پمپنگ اور ڈسٹلنگ کا انتظام ہے یعنی پانی کو مشین کے ذریعے کھینچ کر اس کی تقطیر کی جاتی ہے جو انسانی ضرورت کے لیے ایک اچھی قسم کا پانی بن جاتا ہے لیکن یہ پانی بھی چشموں اور بارش کے پانی کا جو اپنی صفات میں پورے ہوں مقابلہ نہیں کر سکتا۔

فرنگی طب میں علاج بالغذا کو اہمیت

فرنگی طب (ایلوپیتھی) میں بھی علاج الامراض میں دوا کے ساتھ غذا کا تعلق ضرور رہا ہے، لیکن غذا کو علاج میں کوئی اہمیت نہیں دی گئی۔ اگرچہ خواص الاغذیہ اور علاج بالغذا پر بے شمار کتب لکھی گئی ہیں لیکن علاج بالغذا کو فن کی حیثیت سے کبھی نہیں اپنایا گیا۔

گزشتہ تیس سالوں سے خصوصاً دوسری جنگ عظیم میں علاج بالغذا پر بہت کچھ لکھا گیا ہے لیکن مقام حیرت ہے کہ اس کو نہ تو عوام میں

اور نہ ہی معالجین میں وہ مقبولیت حاصل ہوئی جس کا وہ واقعی مستحق تھا، حالانکہ غذا کے متعلق یورپ وامریکہ نے جو تھیوریاں اور نظریات پیش کیے ہیں اگر ان کو جمع کیا جائے تو کئی مطول کتب بنتی ہیں لیکن اکثر غلط اور بے معنی تھیوریوں اور نظریات نے نہ صرف عوام اور معالجین کا نقصان کیا بلکہ عوام کو ان کی ایسی تحقیقات سے نفرت سی ہوگئی جو نئی تحقیقات کے بعد گزشتہ تھیوریوں اور نظریات کو غلط قرار دے دیتی ہیں۔ یہ تھیوریاں اور نظریات اکثر انہی کمپنیوں کی طرف سے شائع ہوتی رہیں جو غذائی قسم کی تجارت کرتی ہیں لیکن ان کے برعکس جو کمپنیاں دوائیوں کا کاروبار کرتی ہیں انہوں نے اس کو کبھی برداشت نہیں کیا اور عوام کے ذہن میں فوری شفا اور آرام بخش ادویات کی لذت اور شوق پیدا کر دیا لیکن یہ نہیں سوچنے دیا کہ فوری شفا آور اور آرام بخش ادویات صرف مسکنات و مخدرات اور نشہ آور ہی ہوسکتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ فرنگی طب میں کونین اور اس کے اقسام مارفیا اور اس کی بنی ہوئی ادویات کے ساتھ ساتھ افیون و بھنگ اور دھتورا کا اس کثرت سے استعمال کیا جاتا ہے کہ شاید ہی کوئی دوا اس کے بغیر استعمال ہوتی ہو۔

امریکہ کے ایک ڈاکٹر ویلے نے جو ماہر علاج بالغذا سمجھے جاتے تھے ایک بار کہا تھا کہ بہت جلد ایسا دور آنے والا ہے کہ ڈاکٹر مریضوں کو جو نسخے دیں گے وہ ادویات نہیں بلکہ اغذیہ ہوں گے۔ اس امر میں کوئی شک نہیں کہ جو کچھ ڈاکٹر موصوف نے کہا تھا وہ درست ہے کیونکہ موجودہ سائنسی دور میں جو کچھ غذائیات پر تحقیقات ہوئی ہے اگر اس کو سلیقہ سے ترتیب دے دیا جائے تو علاج بالغذا پر ایک بہت بڑا خزانہ سامنے آجاتا ہے جس کی مختصر حقیقت درج ذیل ہے۔

(۱) غذائی تجزیہ: غذا میں پانچ اجزاء کا ہونا ضروری ہے: ❶ پروٹین (اجزائے لحمیہ) ❷ فیٹس (اجزائے روغنیہ) ❸ کاربوہائیڈریٹس (شکری اور نشاستہ دار غذا) ❹ سالٹس (نمکیات) ❺ واٹر پانی۔ جس غذا میں ان میں سے کسی ایک جزو کی کمی بیشی رہے گی تو یقیناً امراض پیدا ہوں گے اور ایسا ہوتا ہے۔

(۲) وٹامن کی ضرورت: مندرجہ بالا غذائی اجزا کے ساتھ ان میں ایک قسم کا جوہر بھی ہوتا ہے جس کو وٹامن (حیاتین) کہا جاتا ہے، جس غذا میں یہ وٹامن نہ ہوں یا ضائع ہو جائیں یا ضرورت کے مطابق استعمال نہ کیے جائیں تو جسم انسان میں امراض پیدا ہو جاتے ہیں۔ یہ تجربات کیے گئے اور درست ثابت ہوئے۔ ان کو علاج بالغذا کے طور پر استعمال کیا گیا لیکن فرنگی طب کو کامیابی نہ ہوئی کیونکہ ان کو ادویات کی صورت دے دی گئی یا ادویات میں شامل کر دیا گیا اور مقصد علاج بالغذا ختم ہو کر رہ گیا۔

جب فرنگی طب کی یہ تحقیق سامنے آئی کہ انسان کی بناوٹ میں چودہ پندرہ قسم کے نمکیات پائے جاتے ہیں جیسے کیلشیم و فیرم اور سلفر و پوٹاشیم وغیرہ، اور ان کی کمی بیشی اور خرابی سے امراض پیدا ہوتے ہیں۔ اگرچہ یہ اجزاء ادویات میں شمار ہوتے ہیں لیکن دوسری طرف یہی اجزا ہماری اغذیہ کے اجزا بھی ہیں گویا جن امراض میں ان اجزا کی کمی ہو اسی قسم کی غذا استعمال کر دینا ان امراض کے لیے شفا ہے۔ یہ نظریہ بھی صحیح ہے مگر ادویات کے تاجروں نے اس کو بھی فروغ نہیں دیا اور بے موت مر گیا۔ آئندہ زمانے میں شاید ہی فرنگی طب غذائی نظریات اور علاج بالغذا میں کامیاب ہو سکے۔ اسی نظریہ پر ڈاکٹر شسلر نے بایوکیمک کی بنیاد رکھی تھی جس کا نظریہ یہ تھا کہ غذائی ادویات میں جو بھی نمک خون میں کم یا خراب ہو گیا ہو اسے پورا کر دیا جائے۔ بہت حد تک صحیح تھا۔ مگر ڈاکٹر موصوف نے ہومیوپیتھی کی تقلیل ادویات کی اندھی تقلید کر کے اس قیمتی نظریہ کو برباد کر دیا۔ اس نے یہ نہ سمجھا کہ ہومیوپیتھی کی تقلیل تو بالمثل کی وجہ سے ہے اور بایوکیمک میں کثرت درکار ہے لیکن یاروں کے ہاتھ ایک مشغلہ آگیا اور علاج بالغذا پر سب سے کاری ضرب جراثیم تھیوری نے لگائی ہے اور یہی وجہ ہے کہ جراثیم تھیوری علاج بالغذا کو معالجین اور عوام سے ہمیشہ دور رکھے گی کیونکہ دو متضاد نظریات کبھی ساتھ ساتھ نہیں چل سکتے۔

جراثیم تھیوری

فرنگی طب کے اسباب وتحقیق اور علامات کا رُخ اس وقت سے بدل گیا ہے جب سے ڈاکٹر کاخ صاحب نے تقریباً ہر مرض کا سبب کوئی نہ کوئی جرثومہ تحقیق کیا ہے اور علامات میں بھی اسی کو پیش کیا ہے۔ نظریہ جراثیم کے پیش کرنے کے بعد فرنگی طب میں سب سے بڑی خرابی یہ پیدا ہوگئی ہے کہ ہر مرض کی تشخیص میں مادی وغذائی اور کیفیاتی ونفسیاتی وغیرہ اسباب کو نظر انداز کر کے صرف جراثیم کی تلاش شروع کر دی ہے۔ اگر جراثیم نظر آ جائیں تو ان کو مارنے کے لیے انجکشن اور نشتر سنبھال لئے جاتے ہیں لیکن اس مرض میں نہ تو مادی وغذائی اور کیفیاتی ونفسیاتی اثرات کو مدنظر رکھا جاتا ہے اور نہ ہی ان کے مشینی تغیرات اور کیمیاوی تبدیلیوں کو سامنے رکھا جاتا ہے جس کا اکثر نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ مریض مر جاتا ہے اور اگر بچ جاتا ہے تو دائم المریض بن جاتا ہے۔

ہمیں جراثیم کی ہستی سے انکار نہیں ہے لیکن ان کو امراض وصحت اور زندگی میں جس طرح سمو دیا گیا ہے وہ مفید ہونے کے بجائے نقصان کا باعث بن کر رہ گیا ہے جس کی تفصیل ہماری کتب ''تحقیقات نزلہ وزکام'' و''تحقیقات نزلہ زکام وبائی'' اور ''ملیریا کوئی بخار نہیں'' میں دیکھیں۔

ہومیوپیتھی میں غذا کا تصور ہی نہیں ہے

چونکہ ہومیوپیتھی ایک خاص قسم کا طریقہ خواص الادویہ ہے اس میں غذا کے متعلق کوئی تصور بھی نہیں پایا جاتا کہ مختلف اقسام کے مریضوں کو کون کون سی اغذیہ کا استعمال کرنا چاہیے۔ ان کے بھی خواص ادویہ وبالمثل اور نہ بالضد کسی قانون پر نہیں پائے جاتے بلکہ لطف کی بات یہ ہے کہ جب کسی ہومیوپیتھ ڈاکٹر سے پوچھا جاتا ہے کہ غذا میں کیا پرہیز رکھنا چاہیے اوّل تو وہ یہ کہے گا کہ کوئی پرہیز نہیں صرف حقہ اور سگریٹ فوراً نہیں پینا چاہیے اور اگر پرہیز کرے گا تو وہی علاج بالضد یعنی تیل، ترشی اور لال مرچ وثقیل اغذیہ وغیرہ سے پرہیز رکھا جائے۔ تجارتی قسم کے لوگوں نے اس کو ایک جدا مکمل علاج سمجھ لیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ کوئی طریق علاج نہیں ہے صرف بالمثل خواص الادویہ حاصل کرنے کا ایک طریقہ ہے جیسے بایوکیمک ایک طریقہ پر بعض غذائی ادویات (Organic Elements) کے خواص بیان کیے گئے ہیں۔ اسی طرح کرومو پیتھی، ہائیڈرو پیتھی، الیکٹرو پیتھی، فزیو پیتھی، علاج روحانی، علاج موسیقی، علاج بالفاقہ، علاج بالغذا، تعویز وگنڈا اور جھاڑ پھونک وغیرہ وغیرہ کو تجارتی اور سرمایہ پرست لوگوں نے ایک جدا طب بنا کر رکھ دیا ہے۔ ایسا خیال کرنا نہ صرف زبردست فریب ہے بلکہ بالکل غلط ہے۔

علاج بالغذا میں غلط فہمی

عام طور پر علاج بالغذا میں یہ سمجھا جاتا ہے کہ اس کا تعلق ان امراض کے ساتھ ہے جو اعضائے غذائیہ سے پیدا ہوتے ہیں۔ جن میں منہ کے غدود دومری، معدہ وامعاء جگر وطحال اور لبلبہ شریک ہیں۔ زیادہ سے زیادہ یہ خیال کیا جاتا ہے کہ

1. وہ امراض جو اعضائے ہضم کی خرابی سے ظاہر ہوں۔
2. وہ امراض جو غذا کی کمی بیشی یا اجزائے غذائیہ کی کمی بیشی سے پیدا ہوتے ہیں۔

بعض مخصوص اغذیہ جو بعض امراض میں مفید ہیں لیکن ایسا خیال کرنا غلط ہے بلکہ لاعلمی پر منحصر ہے۔

حقیقت علاج بالغذا

علاج بالغذا کی حقیقت یہ ہے کہ انسان کے اعضائے غذائیہ خصوصاً منہ سے لے کر مقعد تک کوئی ایک ہی قسم کا عضو نہیں ہیں اور نہ ہی ایک ہی قسم کی نسیج (ٹشو) سے بنے ہیں بلکہ انہی انسجہ سے بنے ہیں جن سے اعضائے رئیسہ بنے ہیں اور ہر مفرد عضو (نسیج) کا تعلق ان کے ساتھ ہے۔ اس لیے جب بھی اعضائے غذائیہ میں کسی حصہ میں خرابی پیدا ہوتی ہے تو وہ عضو رئیس مبتلائے مرض ہو جاتا ہے۔ اس لیے متعلقہ عضو درست ہونے پر صحت کامل حاصل ہو جاتی ہے چونکہ خون جسم کی غذا بنتا ہے اور غذا سے خون پیدا ہوتا ہے اس لیے غذائی اجزاء ہی صحیح معنوں میں صحت و طاقت قائم رکھتے ہیں۔

زندگی اور ضرورت غذا

زندگی کے لازمی اسباب

ہر زندگی کے لیے وہ انسانی ہو یا حیوانی اس میں اسباب زندگی لازمی ہیں، جن میں ❶ ہوا اور روشنی ❷ کھانا پینا ❸ حرکت وسکون جسمانی ❹ حرکت وسکون نفسانی ❺ نینداور بیداری ❻ استفراغ واحتباس ضروری اُمور ہیں۔ یہ ایسے قوانین اور صورتیں ہیں جن سے زندگی کا تعلق کائنات سے بھی پیدا ہو گیا ہے۔ انہی کو اسباب زندگی کہا جاتا ہے۔ طبی اصطلاح میں ان کو اسباب ستہ ضروریہ کہتے ہیں۔ ان میں جب کمی بیشی واقع ہو جاتی ہے۔ اس کی وجہ سے بدن انسانی میں جو حالت پیدا ہوتی ہے اس کو مرض کا نام دیا جاتا ہے جن کی تفصیل کتب طبیہ میں درج ہے۔

یہ چھ اسباب ضروریہ دراصل عملی حیثیت میں تین صورتیں اختیار کر لیتے ہیں۔ **اوّل** جسم کو غذائیت مہیا کرنا۔ جیسے ہوا اور روشنی اور ماکولات ومشروبات ہیں۔ **دوسرے** جسم میں غذائیت کو ہضم کر کے جزو بدن بناتے ہیں جیسے نینداور بیداری، حرکت وسکون جسمانی اور حرکت وسکون نفسانی ہیں۔ **تیسرے** جسم کے اندر غذائیت ایک مقررہ وقت تک قائم رکھتے ہیں تا کہ جزو بدن بن جائے اور جب ان کی ضرورت نہ ہو تو اس کو خارج کر دے۔ ان کو احتباس اور استفراغ کہتے ہیں۔

غذائیت زندگی

غذائیت میں ہوا اور روشنی کے ساتھ ہر قسم کی وہ اشیاء شامل ہیں جو کھانے پینے میں استعمال ہو سکتی ہیں جن میں تریاقات اور زہر بھی شامل ہیں۔ ان کے متعلق یہ امور ذہن نشین کر لیں کہ وہ سب جسم میں صرف غذائیت مہیا نہیں کرتی ہیں بلکہ جسم بھی بناتی ہیں اور جسم کو متاثر بھی کرتی ہیں۔ اس کے ساتھ بدل ما یتحلل کی تکمیل بھی ہوتی ہے۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ حرارت غریزی اور رطوبت غریزی کی مدد کرتی ہے۔ ان حقائق سے ثابت ہوا کہ غذائیت کی ضرورت ذیل کی صورتوں میں لازم ہے۔

① غذائیت سے اخلاط خصوصاً خون پیدا ہوتا ہے۔

② غذائیت سے کیفیات بنتی ہیں۔

③ غذائیت سے جسم کی تعمیر ہوتی ہے۔

④ جو کچھ جسم انسانی میں کسی حیثیت سے خرچ ہوتا ہے وہ پھر مکمل ہو جاتا ہے۔

⑤ غذائیت سے حرارت غریزی کو مدد ملتی ہے۔

⑥ غذائیت سے رطوبت غریزی قائم رہتی ہے۔

غذا کی ضرورت کی ایک دلیل یہ ہے کہ جس طرح تیل چراغ کی بتی میں خرچ ہوتا ہے اور جلتا ہے اسی طرح انسان اور حیوان کے بدن کی حرارت اور رطوبت بھی خرچ ہوتی ہے۔ بالکل چراغ کے تیل اور بتی کی طرح جب وہ دونوں خرچ ہو جائیں تو وہ بجھ کر رہ جاتا ہے۔ اسی طرح حرارت اور رطوبت انسانی کے فنا ہو جانے سے انسانی زندگی کا چراغ بھی گل ہو جاتا ہے۔ پس حرارت اور رطوبت انسانی جو انتہائی ضروری اور لابدی اشیاء ہیں ان کا بدل اور معاوضہ ہونا لازمی امر ہے تاکہ حرارت غریزی اور رطوبت غریزی فوراً جل کر فنا نہ ہو جائیں۔ اس لیے غذائیت ایک انتہائی ضروری طور پر لابدی شے ہے۔ اس لیے اس کی طلب اور تقاضا ایک اضطراری اور غیر شعوری حالت ہے۔

انسان کے جسم کی حرارت غریزی اور رطوبت غریزی کی مثالیں چراغ کی بتی اور تیل کی سی ہیں جو چراغ کے جلنے کو قائم رکھتے ہیں۔ کبھی بتی جل جانے سے چراغ بجھ جاتا ہے اور کبھی تیل خرچ ہو جانے سے چراغ گل ہو جاتا ہے۔ یہی صورت انسانی جسم میں پائی جاتی ہے اور حرارت غریزی اور رطوبت غریزی ختم ہو کر انسانی زندگی کو فنا کرتی رہتی ہیں۔ اس لیے اگر انسان حرارت غریزی کی حفاظت کرتا رہے تو نہ صرف طبعی عمر کو پہنچتا ہے بلکہ امراض سے بھی محفوظ رہتا ہے اور اس کے قویٰ اور طاقتیں قائم رہتی ہیں۔

اس حقیقت سے اکثر انسان ناواقف ہیں کہ حرارت کیسے پیدا ہوتی ہے اور رطوبت کیسے قائم رہتی ہے۔ عام طور پر یہی ذہن نشین کر لیا گیا ہے کہ جو غذا وقت بے وقت کھالی جائے وہ ضرور خون اور طاقت بن جاتی ہے۔ زیادہ سے زیادہ گرم یا مرغن اغذیہ کھالینا کافی ہیں لیکن ایسی باتیں حقیقت سے بہت دور ہیں۔ اگر اتنا سمجھ لینا کافی ہوتا تو ہر امیر آدمی انتہائی صحت مند ہوتا اور ان میں کوئی مریض نظر نہ آتا بلکہ اگر غور سے دیکھا جائے تو اُمیروں میں مریض زیادہ ہوتے ہیں اور بھوکے فقیروں اور غریبوں میں تو مریض خصوصاً پیچیدہ امراض کے مریض تو مشکل سے نظر آتے ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ صرف غذا کا کھالینا ہی صحت و طاقت کے لیے کافی نہیں ہے بلکہ اس کے لیے کچھ اصول بھی ہیں تاکہ وہ غذا جسم میں جا کر مناسب طور پر حرارت اور رطوبت کی شکل و صورت اختیار کرے اور خرچ ہو۔ ایسا نہ ہو کہ بجائے مفید و معاون اثرات کے مضر اور غیر معاون ثابت ہو کر مرض یا فنا کا باعث بن جائے۔ یہ صحیح غذا کے استعمال اور غذائیت سے مفید اثرات حاصل کرنے کا راز ہے۔

طاقت غذا میں ہے

جاننا چاہیے کہ انسانی جسم میں طاقت خصوصاً قوت مردانہ کے کمال کا پیدا کرنا صرف مقوی اور اکسیر ادویات پر ہی منحصر نہیں ہے کیونکہ ادویات تو ہمارے جسم کے اعضاء کے افعال میں صرف تحریک و تقویت و تیزی پیدا کر سکتی ہیں لیکن وہ جسم میں بذاتِ خود خون اور گوشت و چربی نہیں بن سکتیں۔ کیونکہ یہ کام اغذیہ کا ہے۔

پس جب تک صحیح اغذیہ کے استعمال کو اُصولی طور پر مدنظر نہ رکھا جائے تو اکسیر سے اکسیر مقوی ادویہ بھی اکثر بے سود ثابت ہوتی ہیں۔ اگر ان کے مفید اثرات ظاہر بھی ہوں تو بھی غلط اغذیہ سے بہت جلد ان کے اثرات ضائع ہو جاتے ہیں۔

حصولِ قوت میں اغذیہ کی اہمیت کا اندازہ اس امر سے لگائیں کہ حکماء اور اطباء نے تقویت کے لیے جو ادویات تجویز کی ہیں، ان میں عام طور پر اغذیہ کو زیادہ سے زیادہ شامل کیا ہے۔ مثلاً حلوہ جات و حریرہ جات اور مربہ جات و خمیرہ جات وغیرہ شامل ہوتے ہیں۔ ان سے بھی زیادہ تیز قسم کی اغذیہ کو ادویات میں تبدیل کرنے کی صورت میں ماء اللحم دو آتشہ و سہ آتشہ اور قسم قسم کی شرابیں شامل کر لی ہیں اور کسی جگہ بھی غذائی اثرات کو نظرانداز نہیں کیا گیا۔ یہی فن طب قدیم کا کمال ہے۔

ہم روزانہ زندگی میں جو پلاؤ زردہ اور متنجن و فرنی وغیرہ چاولوں کی شکل میں استعمال کرتے ہیں۔ یہ سب کچھ اغذیہ کو ادویات سے

ترتیب دے کر ان میں تقویت پیدا کی گئی ہے۔ اسی طرح سوجی کی بنی ہوئی سویاں، ڈبل روٹی، حلوہ وحریرہ اور پراٹھے یہ سب کچھ طاقت کو مدنظر رکھ کر اطباء اور حکماء نے ترتیب دیئے ہیں۔ البتہ ان کے صحیح مقام استعمال کو جاننے اور مدنظر رکھنے کی ضرورت ہے۔ فرنگی طب میں یہ خزانے اور کمال کہاں ہیں۔ وہاں طاقت کی ادویہ میں اغذیہ کا تصور تک نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج تک ہمارے ملک میں طاقت کے لیے فرنگی ادویات کی طرف رجوع ہی نہیں کیا گیا بلکہ ان ادویات کو خشک سمجھ کر نقصان رساں سمجھا جاتا ہے کیونکہ فرنگی طب کی اکثر ادویات تیزابات اور زہر ہوتی ہیں۔ ان سے انسانی اعضائے رئیسہ کو غذائیت کی بجائے نقصان پہنچتا ہے اور اکثر ضعف ونقاہت اور کمی خون کے امراض پیدا ہو جاتے ہیں اور انسان ہمیشہ کے لیے مریض بن کر رہ جاتا ہے۔

غذا سے طاقت کی پیدائش

غذا صرف کھا لینے ہی سے طاقت پیدا نہیں ہوتی بلکہ حقیقی طاقت اس وقت پیدا ہوتی ہے جب غذا کھا لینے کے بعد صالح اور مقوی خون بن جاتا ہے۔ صالح اور مقوی خون میں حرارت اور رطوبت ہوتی ہے جو حرارت غریزی اور رطوبت کی مدد کرتی ہے۔ حرارت غریزی اور رطوبت غریزی کا صحیح طور و پیدائش افعال واثرات اور خواص وفوائد کچھ وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں جنہوں نے قرآن حکیم میں مختلف مقامات پر ربوبیت اور رحمت کی حقیقت وماہیت، افعال واثرات اور خواص وفوائد کو ذہن نشین کرنے کی کوشش کی ہے اور ان کو یہ شوق وجذبہ پیدا ہوا ہے کہ وہ زمانے میں ایک ربانی شخصیت بن جائیں۔

بہر حال یہ اگر ہر ایک کے لئے سہل کام نہیں ہے تو کم از کم اس قدر ہی سمجھ لے کہ صحت وطاقت کا دارومدار صالح اور مقوی خون پر ہے اور اس خون سے بدن انسان کو ہر قسم کی غذائیت اور قوت مل سکتی ہے اور ہماری غذا میں وہ تمام اجزاء شامل ہوتے ہیں جن سے صحت مند اور صالح خون پیدا ہو سکتا ہے جو انسان میں غیر معمولی طاقت پیدا کر دے بلکہ وہ طاقت اس کو شیر کے مقابلے میں کھڑا کر سکتی ہے۔ اس کے ثبوت میں ہم پہلوان کو دیکھ سکتے ہیں جو کبھی کوئی دوا کھا کر پہلوان نہیں بنتے بلکہ غذا کھا کر پہلوان بنتے ہیں۔ البتہ ان کو اس بات کا علم ہوتا ہے کہ وہ کیسی غذا کھائیں اور اس کو کس طرح ہضم کریں۔

غذا اور طاقت

یہ حقیقت ذہن نشین کر لیں کہ دُنیا میں کوئی غذا بلکہ کوئی دوا ایسی نہیں ہے جو انسان کو بلاوجہ اور بلاضرورت طاقت بخشے۔ مثلاً دودھ ایک مسلمہ طور پر مقوی غذا سمجھی جاتی ہے لیکن جس کے جسم میں ریشہ اور بلغم اور رطوبات کی زیادتی ہو اس کے لیے سخت مضر ہے۔ گویا جن لوگوں کے اعصاب میں تحریک اور تیزی وسوزش ہو وہ اگر دودھ کو طاقت کے لئے استعمال کریں گے تو ان کا مرض روز بروز بڑھتا جائے گا اور وہ طاقتور ہونے کی بجائے کمزور ہوتے جائیں گے۔ اسی طرح مقوی اور مشہور غذا گوشت ہے۔ ہر مزاج کے لوگ اس سے طاقت حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں لیکن ایک فاضل حکیم جانتا ہے کہ گوشت کا ایک خاص مزاج ہے جس کسی کا وہ مزاج نہ ہو اس کے لئے وہ مفید ہونے کی بجائے مضر ہے۔ مثلاً لوگوں کے جسم میں جوش خون یا خون کا دباؤ (ہائی بلڈ پریشر) بڑھا ہوا ہو۔ ان کو اگر گوشت خصوصاً بھنا ہوا گوشت کھلایا جائے تو ان کو الٹا کر مارے گا۔ گویا جن لوگوں کے گردوں میں سوزش ہو اس میں گوشت کا استعمال بجائے طاقت دینے کے سخت نقصان دہ ثابت ہوتا ہے۔ تیسری مقوی اور مشہور غذا گھی ہے جو اس قدر ضروری ہے کہ تقریباً ہر قسم کی غذا تیار کرنے میں استعمال ہوتا ہے لیکن جن لوگوں کو ضعف جگر ہو وہ اگر گھی کا استعمال کریں گے تو ان کے ہاتھ پاؤں بلکہ تمام جسم پھول جائے گا اور سانس کی تنگی پیدا ہو

جائے گی اور ایسا انسان بہت جلد مر جاتا ہے۔

یہی صورتیں ادویات میں بھی پائی جاتی ہیں۔ دُنیا میں کوئی ایسی دوا مفرد یا مرکب نہیں ہے۔ جس کو بلا وجہ اور بلا ضرورت استعمال کریں اور وہ طاقت پیدا کرے۔ یہی وجہ ہے کہ آج جبکہ فن علاج کو دُنیا میں پیدا ہوئے ہزاروں سال گزر چکے ہیں کوئی حاذق اور فاضل حکیم بلا وجہ اور بغیر ضرورت کسی ایک دوا یا غذا کو عام طور پر مقوی (جنرل ٹانک) قرار نہیں دے سکتا، لیکن فرنگی ڈاکٹر اور ان کے دیکھا دیکھی اطباء بھی عام مقوی (جنرل ٹانک) یا خاص مقوی (سپیشل ٹانک) کے نام سے فروخت کر رہے ہیں۔ یہ ہزاروں یورپ کی پیٹنٹ مقوی ادویات نہ صرف ہمارے ملک کے کروڑوں روپوں کو برباد کر رہی ہیں بلکہ بہت ہی خطرناک امراض پیدا کر رہی ہیں جن کا استعمال فوراً بند کر دینا چاہئے۔ ہمارے ملک میں ٹی بی (تپ دق وسل)، ڈائبیٹیز (ذیابیطس) اور جوش خون (ہائی بلڈ پریشر) وغیرہ امراض اس قدر بڑھ گئے ہیں کہ سرکاری اعداد و شمار کے مطابق لاکھوں افراد ہر سال ان میں گرفتار ہو جاتے ہیں اور مر جاتے ہیں لیکن کوئی فرنگی ڈاکٹر حکومت کو ان مقوی پیٹنٹ ادویات سے روکنے کا مشورہ نہیں دیتا۔ اس طرح دولت کے ساتھ ساتھ قوم اور ملک کا نقصان ہو رہا ہے۔

غذا کھانے کا صحیح طریقہ

میں نے سالہا سال کے طبی مطالعہ اور تجربات میں کوئی ایسی کتاب نہیں دیکھی جو صحیح اور عوامی طریق پر انسان کو غذا کھانے کے اصول بتائے۔ اس میں طب یونانی کے ساتھ ویدک کتب اور فرنگی طب کے ساتھ ماڈرن میڈیکل سائنس کی وٹامینی تھیوری تک شریک ہیں لیکن قرآن حکیم ہی ایک ایسی کتاب ہے جو صحیح اور عوامی طریق پر غذا کھانے کا انسان کو صحیح طریقہ بتاتی ہے۔ میں یہ بات اپنے مذہب، ایمان اور عقیدہ کی بنا پر نہیں کہتا بلکہ علم و فن اور سائنس کو مدنظر رکھ کر کہتا ہوں جس کو میری اس بات میں مبالغہ معلوم ہو اس کو چیلنج ہے کہ قرآن حکیم کے سیدھے سادے اور یقینی طریق غذا کے استعمال کو دُنیا کی کسی طبی یا سائنسی کتاب سے نکال کر دکھا دے۔ میں اس شخص کی عظمت کو تسلیم کر لوں گا۔ ایک بات میں یہاں اور بیان کر دوں کہ میں نے گزشتہ تیس سالوں میں کسی اسلامی قانون کو اس وقت تک تسلیم نہیں کیا جب تک اس کی حکمت و سائنس اور نفسیات کے قانون کو پرکھ نہیں لیا۔ البتہ بعض مقامات پر دُنیا کی حکمت و سائنس اور نفسیات کے اُصول غلط ہو جاتے ہیں لیکن قرآن حکیم کے قوانین اور سنت الٰہیہ میں سر مو فرق نہیں آتا۔ حقیقت ہی قانون ہے۔

قرآن حکیم فرماتا ہے: ﴿ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا ﴾ ''کھاؤ پیو مگر بغیر ضرورت کے صرف نہ کرو''۔

کتنی سادگی سے تین باتیں کہہ دی ہیں اور اس میں کھانے پینے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔ جس قدر جس کا دِل چاہے کھائے پئے کوئی کمی بیشی کی مقدار مقرر نہیں کی گئی۔ زیادہ کھانے والے بھی ہوتے ہیں اور کم کھانے والے بھی۔ ہر ایک کو کلی اجازت ہے، مگر تاکید ہے کہ بغیر ضرورت کے کھانا پینا منع ہے۔ اس ضرورت کا اندازہ کون لائے۔ اس کے لئے پیٹ کی طلب ہمارے سامنے ہے۔ یعنی وہ جو کچھ مانگ رہا ہے وہ اس کی ضرورت ہے۔ اس کو بھوک ہے یا جو کچھ کھایا پیا جا رہا ہے وہ صرف ایک خواہش کے تحت کھایا جا رہا ہے۔ اگر بھوک پیاس کے بغیر صرف خواہش اور لذت کے لئے کھایا پیا جا رہا ہے تو پھر یہ اصراف ہے۔ اس کو قرآن منع کرتا ہے۔ بھوک اور پیاس کا اندازہ کون لگائے، اس کا آسانی سے اندازہ روزوں سے لگایا جا سکتا ہے کہ بھوک اور پیاس کیا ہوتی ہے اور اس وقت کتنا کھایا پیا جا سکتا ہے۔ گویا صحیح بھوک اور پیاس کے انداز کے مطابق بھوک ہے اور کھایا پیا جا سکتا ہے تو کھاؤ ورنہ اس سے کم بھوک اور مقدار میں کھاؤ پیو گے تو یہ خواہش اور لذت ہوگی ضرورت نہیں۔

مقدار غذا کا اندازہ

مقدار غذا جو ایک وقت کھانی چاہئے اور شدید بھوک پر بھوک کا اندازہ چاہے وہ تیسرے روز ہی کیوں نہ لگے پیٹ بھرنے سے کر سکتا ہے۔ مثلاً شدید بھوک میں انسان اپنے علاقہ و مقام اور معمول کے مطابق تین عدد روٹیاں یا چپاتیاں یا تھالیاں بھر کر غذا کھا سکتا ہے تو پھر انسان کو لازم ہے کہ جب تک اس قدر کھانے کی ضرورت نہ ہو غذا کو ہاتھ نہ لگائے۔ جو لوگ کم غذا کھاتے ہیں ان کے پیٹ میں پہلے ہی غذا پڑی ہوئی خمیر بن رہی ہوتی ہے۔ اس لئے وہ تھوڑی غذا کھاتے ہیں اور وہ بھی پیٹ میں اس غذا سے مل کر خمیر بن جاتی ہے۔ اس طرح خمیر کے ساتھ تبخیر کا سلسلہ جاری رہتا ہے جو بڑھ کر زہر کی صورت اختیار کر لیتا ہے جس کا نتیجہ مرض اور ضعف کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔

بلاضرورت غذا ضعف پیدا کرتی ہے

عام طور پر اس قول و فعل اور بات و عمل پر سو فیصد یقین پایا جاتا ہے کہ ضرورت و بلاضرورت غذا کھالی جائے تو وہ جسم انسان کے اندر جا کر یقیناً طاقت پیدا کرے گی اور خون بنائے گی۔ اسی یقین کے ساتھ کمزوری اور مرض کی حالت میں بھی یہی کوشش کی جاتی ہے اور مریض کو مقوی غذا دی جاتی ہے لیکن یہ نظریہ اور یقین حقیقت میں غلط ہے کیونکہ بلاضرورت غذا ہمیشہ ضعف اور مرض پیدا کرتی ہے۔ جو لوگ صحت اور طاقت کے متلاشی ہیں ان کو بلاضرورت کھانا تو رہا ایک طرف اس کو ہاتھ لگانے اور دیکھنے سے بھی دور رہنا چاہیے کیونکہ ہر غذا کے چھونے اور دیکھنے سے بھی جسم میں لطف و لذت پیدا ہوتی ہے۔ اس کا بھی جسم پر اثر ہوتا ہے جیسے ترشی کو دیکھ کر منہ میں پانی آجاتا ہے۔

ہضم غذا

جو غذا ہم کھاتے ہیں اس کا ہضم منہ سے شروع ہو جاتا ہے۔ لعاب دہن اور منہ اور دانتوں کی حرکات و دباؤ اس کی شکل و کیفیت کو بدل کر اس کو ہضم کرنے کی ابتدا شروع کر دیتے ہیں۔ جب غذا معدہ میں اُتر جاتی ہے تو اُس میں ضرورت کے مطابق رطوبت معدی اپنا اثر کر کے اس کو ایک خاص قسم کا کیمیاوی محلول بنا دیتی ہے اور اس کا اکثر حصہ ہضم ہو کر خون میں شامل ہو جاتا ہے اور باقی غذا چھوٹی آنتوں میں اُتر جاتی ہے۔ معدہ کے فعل و عمل میں تقریباً تین گھنٹے خرچ ہوتے ہیں۔ چھوٹی آنتوں میں پھر اس کی رطوبات اور لبلبہ کی رطوبات اور جگر کا صفرا باری باری اور وقتاً فوقتاً شریک ہو کر اس میں ہضم ہونے کی قوت پیدا کرتے ہیں۔ اس عمل و فعل میں تقریباً چار گھنٹے صرف ہوتے ہیں۔ پھر یہ غذا بڑی آنتوں میں اُتر جاتی ہے جہاں اس کے ہضم میں تقریباً چار پانچ گھنٹے صرف ہو جاتے ہیں۔ پھر کہیں جا کر غذا پورے طور پر جگر کے ذریعے پختہ ہو کر خون میں شریک ہوتی ہے اور خون بنتی ہے۔ لیکن حقیقی معنوں میں غذا پورے طور پر ہضم نہیں ہوتی۔

ظاہر میں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ غذا ہضم ہو گئی ہے کیونکہ وہ خون بن جاتی ہے لیکن طب قدیم میں صحیح معنوں میں غذا اس وقت تک ہضم نہیں ہوتی جب تک وہ خون سے جدا ہو کر جسم پر مترشح ہو اور پھر طبیعت اس کو جذب کر کے جزو بدن بنا دے۔ غذا کو خون بننے تک اگر گیارہ گھنٹے صرف ہوتے ہیں تو جزو بدن ہونے تک تین چار گھنٹے اور خرچ ہو جاتے ہیں۔

غذا کا درمیانی وقفہ

ظاہراً تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب تک ایک وقت کی کھائی ہوئی غذا خون بن کر جزو بدن نہ ہو اس وقت تک دوسری غذا نہیں کھانی

چاہئے کیونکہ جو غذا ہضم ہو رہی ہے اس کی طرف پورے جسم وروح اور خون ورطوبت کی توجہ ہے۔ جب بھی اس ہضم کے دوران میں غذا کھائی جائے گی تو جو توجہ اوّل غذا کی طرف ہے وہ یقیناً نئی غذا کی طرف لگ جائے گی۔ اس طرح اوّل غذا پوری طرح ہضم ہونے سے رہ جائے گی اور جہاں پر رہ گئی ہے وہاں پڑی رہنے سے متعفن ہو جائے گی اور یہ تعفن باعث امراض ہو گا اور یقیناً طاقت دینے کی بجائے ضعف پیدا کرے گی۔ اگر طبیعت دوسری غذا کی طرف متوجہ نہیں ہو گی تو یقیناً وہ بغیر ہضم ہوئے پڑی رہے گی اور متعفن ہو جائے گی۔ اب اصولاً اور فطرتاً پندرہ سولہ گھنٹے اس پر عمل کرنا انتہائی مشکل ہے۔ اس لئے اطباء اور حکماء نے اس وقت کو زیادہ اہمیت دی ہے جس وقت ہضم میں تیزی اور طبیعت کی توجہ زیادہ ہو یہ صورت اس وقت تک قائم رہتی ہے جب تک غذا چھوٹی آنتوں سے بڑی آنتوں میں اُتر جائے۔ اس عرصہ میں تقریباً پانچ سات گھنٹے لگ جاتے ہیں۔ دوسرے معنوں میں اس طرح سمجھ لیں کہ جب تک غذا کے ہضم میں خون کی مختلف رطوبات شامل ہوتی رہتی ہیں اس وقت تک دوسری غذا نہیں کھانی چاہئے کیونکہ اس طرح وہ رطوبات جو ہضم غذا میں شامل ہوتی ہیں رُک جاتی ہیں اور اس طرح وہ خراب اور نامکمل رہ جاتی ہے۔ گویا چھ سات گھنٹے وقفہ ہر غذا کے درمیان لازمی اور یقینی امر ہے ورنہ صحت کا قائم رہنا ناممکن ہے۔

روزہ اور وقفہ غذا

اسلام میں روزہ فرض ہے۔ ہر سال پورے ایک ماہ کے روزے ہر بالغ اور صحیح الدماغ انسان پر فرض ہیں۔ ہر روزہ کی ابتدا صبح سورج نکلنے سے تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ پہلے شروع ہوتی ہے اور سورج غروب ہونے کے ساتھ ختم ہو جاتی ہے۔ اس حساب سے روزے کا وقفہ تیرہ چودہ گھنٹے سے پندرہ سولہ گھنٹے بن جاتا ہے۔ اس وقفہ پر اگر غور کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ ہر سال میں ایک ماہ کے روزے رکھنا ہضم غذا کے مکمل نظام کو چلانا اور قائم کرنا ہے۔ اس طرح سارے جسم کی مکمل صفائی ہو جاتی ہے اور خون کیمیاوی طور پر مکمل ہو جاتا ہے اور تمام اعضاء کے افعال اور انسجہ درست ہو جاتے ہیں۔

روزہ اور کنٹرول غذا

روزے میں سب سے زیادہ اہمیت یہ ہے کہ وقت مقررہ کے بعد نہ روزہ رکھا جاسکتا ہے اور نہ وقت مقررہ سے پہلے کھولا جاسکتا ہے۔ گویا روزہ رکھ لینے کے بعد ہر قسم کا کھانا پینا بالکل بند بلکہ کھانے پینے کی چیزوں کو دیکھنا بھی اچھا خیال نہیں کیا جاتا۔ اس لئے دوسروں کو تاکید ہے کہ روزہ دار کے سامنے کھانا اور پینا نہیں چاہئے۔ گویا ماہ رمضان میں غذا پورے طور پر کنٹرول ہو جاتی ہے البتہ مسافر اور مریض کو غذا کی اجازت ہے اور ان کو تاکید ہے کہ وہ اپنے روزوں کی گنتی سکون اور صحت کے زمانے میں پوری کر سکتے ہیں۔

اگر اس حقیقت کو سامنے رکھا جائے کہ قرآن حکیم کا نزول ماہ رمضان میں ہوا تو تسلیم کرنا پڑے گا کہ اسلام کی ابتداء کنٹرول غذا سے ہوتی ہے اور جو لوگ کنٹرول غذا کرتے ہیں ان کو متقی اور پرہیز گار کہتے ہیں قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''روزے تم پر فرض ہیں جیسے پہلے لوگوں پر فرض تھے تاکہ تم متقی اور پرہیز گار بن جاؤ''۔

جو لوگ جائز اور اپنی حلال کی کمائی اللہ تعالیٰ کی مرضی (کنٹرول) کے بغیر نہیں کھاتے وہ دوسروں کی دولت کی طرف کیسے آنکھ اُٹھا کر دیکھ سکتے ہیں۔ بس یہی تقویٰ اور پرہیز گاری ہے۔

اس تقویٰ اور پرہیز گاری اور اطاعت ورضا الٰہی کو مدنظر رکھیں اور اس طرح غور کریں کہ

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ﴾ ''بے شک اللہ تعالیٰ بلاضرورت خرچ کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا''۔

اللہ تعالیٰ جو تمام طاقتوں کا خالق ہے جس سے ان کی محبت نہ رہے گی تو پھر اس کو طاقت کیسے حاصل ہو سکتی ہے۔ اس لئے غذا میں ضرورت کا احساس اور تصور انتہائی ضروری بات ہے اور عین حقیقت و فطرت ہے۔ باقی رہا غذا کا توازن یعنی کس قسم کی غذا کھانی چاہئے۔ اس کے لئے مزاج و ماحول اور قوت کو مدنظر رکھنا پڑتا ہے۔ یہ سب کچھ بالاعضا ہی تسلی بخش طریق پر عمل میں آ سکتا ہے۔ جس کی تحقیقات علم بالغذا میں بیان کی جاسکتی ہے۔ البتہ اس حقیقت کو ضرور مدنظر رکھیں کہ کس قسم کی غذا ہو اس لئے انتہائی ضروری ہے کہ وہ حلال اور طیب ہو جیسے قرآن حکیم میں لکھا ہوا ہے: ﴿ کُلُوا حَلَالًا طَیِّبًا ﴾ حلال سے مراد ہے جس شے پر اللہ تعالیٰ کا نام لیا گیا ہو یا اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق حاصل کی گئی ہو۔ طیب سے مراد ہے کہ اس شے میں نہ صرف خوشبو ہو بلکہ اس میں پا تازگی کی بھی خوشبو ہو۔

یہاں پر یہ مقام قابل غور ہے کہ طیب شے کو حلال کے ساتھ بیان کیا گیا ہے یعنی اگر وہ شے طیب نہیں ہے تو یقیناً نجس ہے جس کا درجہ حرام کے بالکل قریب ہے۔

ہضم غذا

زندگی کے لازمی اسباب جن کو اسباب ستہ ضرور یہ کہا جاتا ان کی عملی حیثیت تین ہیں جیسا کہ لکھا گیا ہے اس کی اوّل صورت جسم کے لئے غذا حاصل کرنا ہے جیسے ہوا، روشنی اور ماکولات و مشروبات وغیرہ۔ ان کا بیان ہو چکا ہے۔ ان کی دوسری عملی صورت جسم میں غذا کو ہضم کر کے جزو بدن بنانے کے لوازم زندگی ہیں۔ یہ اسباب ضروری ہضم غذا میں اس لئے لازمی ہیں کہ اگر حرکت و سکون جسمانی، حرکت و سکون نفسانی اور نیند و بیداری اعتدال پر نہ رہیں تو نہ صرف ہضم غذا میں فرق پڑ جاتا ہے بلکہ صحت میں بھی خرابی پیدا ہو جاتی ہے۔

حرکت و سکون جسمانی اور ہضم غذا

حرکت ایک ایسی صفت کا نام ہے جس سے کوئی جسم یا شے کسی خاص وضع (قیام یا سکون) سے فعل میں آئے۔ درحقیقت اس دُنیا میں سکون مطلق کا وجود نہیں ہے، البتہ جب اس کا ذکر کیا جاتا ہے تو اس سے مراد حرکت و سکون نسبتی ہوتا ہے، یعنی جب کوئی جسم بلحاظ دوسرے جسم کے کسی خاص وضع یا حالت میں فعل میں آ جاتا ہے تو اس کو حرکت کہتے ہیں۔ بہرحال یہ نسبتی حرکت و سکون اپنے اندر خواص و اثرات رکھتے ہیں۔ جب کوئی جسم حرکت میں آتا ہے تو اس کے ساتھ ہی جسم کا خون حرکت میں آتا ہے اور جسم کے جس حصے کی طرف سے حرکت کی ابتدا ہوتی ہے اس طرف روانہ ہوتا ہے۔ پھر طبیعت اس کو تمام جسم میں پھیلا دیتی ہے۔ اس طرح خون کی تیزی اور شدت بدن کو گرم کر دیتی ہے۔ اس لئے کہا جاتا ہے کہ حرکت جسم میں گرمی پیدا کرتی ہے اور اس کی زیادتی جسم کو تحلیل کر دیتی ہے۔ اس کے مقابلے میں سکون سردی پیدا کرتا ہے۔ اس سے خون کی حرکت میں سستی اور رطوبات میں زیادتی ہو جاتی ہے گویا نسبتاً ہر حرکت، ہر سکون کے مقابلہ میں گرمی و خشکی اور تیزی کا باعث ہوا کرتی ہے۔ اس کے ساتھ ہی خون جسم کے جس حصہ میں پہنچتا ہے، وہاں پر اپنی حرارت سے وہاں کے اعضا میں تیزی اور گرمی پیدا کر کے وہاں کی غذا کو ہضم کرتا ہے اور مواد کو تحلیل کر کے خارج کرتا ہے اور اپنی تیزی سے وہاں کی رطوبات خشک کر دیتا ہے۔

حرکت کا تعلق عضلات سے ہے

اس امر کو بھی ذہن نشین کر لیں کہ جسم انسان میں ہر قسم کے احساسات اعصاب کے ذمہ ہیں جن کا مرکز دماغ ہے اور ہر قسم کی حرکات جو جسم میں پیدا ہوتی ہیں ان کا تعلق عضلات سے ہے جن کا مرکز قلب ہے۔ اسی طرح جسم کو جو غذا ملتی ہے اس کا تعلق غدد سے ہے جن کا مرکز جگر ہے، یہی جسم کے اعضائے رئیسہ ہیں۔ جب جسم میں یا اس کے کسی عضو میں حرکت ہوتی ہے تو اس کے ساتھ ہی قلب کے فعل میں تیزی

آ جاتی ہے۔اس کے فعل میں تیزی کے ساتھ ہی وہ جسم کے خون کو جسم میں تیزی کے ساتھ روانہ کرنا شروع کر دیتا ہے جس کے ساتھ ہی جسم میں حرارت بڑھنا شروع ہو جاتی ہے، جس کے نتیجہ میں ریاح کا اخراج شروع ہو جاتا ہے اور جہاں جہاں پر غیر ضروری رطوبات اور مواد جمع ہوتے ہیں، طبیعت ان کو تحلیل کرنا شروع کر دیتی ہے۔اس کے ساتھ ہی دوران خون کی تیزی کے ساتھ اس کا دباؤ غدد کی طرف بڑھ جاتا ہے اور وہ جسم کو زیادہ سے زیادہ غذا حرارت کی صورت میں دینا شروع کر دیتے ہیں، جو اس میں شریک ہوتی ہے۔ساتھ ہی بھوک بڑھ جاتی ہے اور غذا زیادہ سے زیادہ ہضم ہوتی ہے جس کا لازمی نتیجہ خون کی زیادتی وصفائی اور طاقت میں ظاہر ہوتا ہے۔ان حقائق سے ثابت ہوا کہ حرکت جسم میں حرارت وخون اور قوت وصفائی پیدا کرتی ہے۔اس کے برعکس سکون سے جسم میں سردی اور کمی خون اور کمی قوت اور زیادتی مواد کا پیدا ہونا لازمی امر ہے۔ بس یہی دونوں صورتوں کا بین فرق ہے۔

حرکت اور حرارت غریزی

جاننا چاہئے کہ بدن انسان کا یہ کام ہے کہ جو چیز بدن انسان میں ازقسم اغذیہ یا اشربہ وغیرہ خارج سے اور رطوبت ومواد اور اخلاط وغیرہ داخل بدن سے کسی بے محل جگہ یا غیر طبعی حالت سے کسی عضو بدن میں وارد ہوں اس میں حرارت غریزی اپنا فعل کرتی رہتی ہے چونکہ اس دوام فعل اور محنت سے حرارت غریزی میں ضعف پیدا ہو جانا یقینی امر ہے اور ضعف وکسل وغیرہ افعال کے لاحق ہونے سے اس کے فضلات کی تحلیل سے عاجز ومجبور ہوتی ہے۔اس وجہ سے تھوڑا تھوڑا مواد اور فضلہ جمع ہو کر کافی مقدار میں حرارت غریزی کو مغلوب کر دیتا ہے۔اس لئے حرکات کی طلب ضروری ہو جاتی ہے تاکہ اس سے ایک دوسری گرمی پیدا ہو اور اس کی مدد سے طبیعت مواد اور فضلات کو تحلیل کر دے۔اگرچہ مواد اور فضلات قے واسہال اور پسینہ کے ذریعہ سے بھی خارج ہو سکتے ہیں مگر ان طریقوں سے ان کا اخراج ضعف جسم کا باعث ہوتا ہے۔دوسری طرف متعلقہ اعضا میں قوت اخراج کو فطری طور پر کمزور کر دیتا ہے اور یہ مسلسل عمل ہمیشہ کے لئے انسان کو ہلاکت کے قریب کر دیتا ہے اس لئے اس کا علاج حرکات جسم کو متوازن کرنا لازمی امر ہے۔یہی حرکات کا احتیاج ہے گویا حرکت جسم حرارت غریزی کے لئے بہترین مددگار ہے جو [illegible] وقوت ہے۔

تحریک قدرت کا فطری قانون

خداوند حکیم کی حکمتوں میں سے ایک حکمت یہ بھی ہے کہ ضرورت بدن انسان کے لئے ایک تحریک پیدا کی گئی ہے، مثلاً غذا کے لئے بھوک، پانی کے لئے پیاس، نیند کے لئے اونگھ، چونکہ انسانی طبیعت کا اعتدال پر قائم رہنا مشکل ہے اس لئے ان تحریک میں اکثر کمی ہوتی رہتی ہے، اس سے ماکولات ومشروبات اور آرام میں بے اعتدالی پیدا ہو جاتی ہے۔بس انہی ضروریات کو قائم رکھنے کے لئے یہ تحریکات پیدا کی گئی ہیں۔پس یہ محرکات فطری طور پر قدرت کی طرف سے پیدا نہ کئے جاتے تو لازمی امر تھا کہ انسان اپنی مطلوبہ ضروریات مذکورہ سے غافل ہو جاتا جس کا نتیجہ لازمی طور پر یہ ہوتا کہ بدن انسان میں خلل واقع ہو جاتا۔اس سے ہلاکت تک کی نوبت پہنچ سکتی تھی۔اس لئے جب انسان کی ان تحریکات میں خلل واقع ہو جائے تو اس کو صحت کی خرابی سمجھنا چاہئے اور ان تحریکات کو اعتدال پر لانے کی کوشش کرنی چاہئے جس سے نہ صرف صحت قائم رہتی ہے بلکہ طاقت بھی پیدا ہوتی ہے۔

حرکات کی فطری صورت

ضروریات زندگی خصوصاً ماکولات ومشروبات کے لئے انسان میں جو احتیاج پیدا کی گئی ہے اس کے لئے انسان کو لازمی طور پر

بھاگ دوڑ اور جدو جہد کرنا پڑتی ہے۔بس یہی کوشش اس میں فطری طور پر اس کی تحریکات کو بیدار رکھتی ہے،لیکن افراد کو اپنی ضروریات زندگی کے لئے یہ جدو جہد اور کوشش نہیں کرنا پڑی۔ بہر حال ان تحریکات کو تیز کرنے کے لئے حرکات کا کرنا لازمی امر ہے۔اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے حکماء نے ریاضت اور ورزش کی مختلف صورتیں پیدا کی ہیں تاکہ انسان اپنی تحریکات اور صحت کو قائم رکھ سکیں جو زندگی کے لئے لازم ہیں۔

ریاضت کی حقیقت

ریاضت انسان کے لئے ایک اختیاری حرکت کا نام ہے۔جیسے ورزش و دوڑ، کھیل کود، سیر و گھوڑ سواری، کشتی لڑنا اور کشتی چلانا۔اسی طرح ہاتھ پاؤں کی مختلف پے در پے حرکات سے ریاضت کی صورتیں پیدا کی جاتی ہیں۔اگر چہ عوام و خواص بلکہ ورزش ماسٹر بھی اس علم سے واقف نہیں ہیں کہ مختلف اقسام کی ورزش اور ریاضت سے کس قسم کے اعضاء متاثر ہوتے ہیں، کس عضو کی تقویت کے لئے کس قسم کی ورزش اور ریاضت ضروری ہے۔کیونکہ لوگ افعال الاعضاء اور تشریح انسانی سے واقف نہیں ہوتے۔ بہر حال عمومی طور پر ریاضت اور ورزش بے حد مفید عمل ہے۔اگر ورزش یا ریاضت کے متعلق یہ پتہ چل جائے کہ کس قسم کے کھیل ہمارے جسم پر خاص طور پر اعصاب و دماغ، عضلات و قلب اور جگر و گردوں پر اثر انداز ہو سکتے ہیں تو ایسی ریاضت اور ورزش بہت مفید ہوتی ہے۔

حرکت و سکون نفسانی

نفس کی ایسی حرکت جو ضرورت کے وقت کبھی جسم کے اندر اور کبھی جسم کے باہر ظاہر ہو جس کے ساتھ حرارت جسم بھی کبھی اندر کی طرف چلی جاتی ہے اور کبھی باہر کی طرف ظاہر ہوتی ہے۔اس کو حرکت و سکون نفسانی کہتے ہیں۔نفس سے مراد نفس انسان ہے جس کو نفس ناطقہ کہتے ہیں جس کا تعلق اور ربط انسان کے قلب سے ہے جو اپنے معانی جزئیہ اور مفہومات کو بذریعہ مختلف قوتوں کے ادراک کرتا ہے۔ پھر اس کی تین صورتیں ہیں؛ امارہ (غیر شعور)، لوامہ (نیم شعور) اور مطمعنہ (شعور)۔ان کی تفصیل طویل ہے صرف اشارات درج کئے جاتے ہیں۔

حرکت و سکون نفسانی کی ضرورت

یہ محال عقلی ہے کہ کوئی نفس انسانی اس عالم میں فکر زندگی اور آخرت یا ضرورت معاش و معاشرت یا محبت اولاد یا وصل حبیب یا لطف و لذت سے رغبت یا موذی کا خوف دُکھ یا دُشمن سے خطرہ و نفرت وغیرہ، کیفیات و عوارض کے حصول و دفع کی غرض سے باعث حرکت بدن ہوتے ہیں۔یہ حقیقت ہے کہ اگر عوارض مذکورہ کا عارض ہونا ضروری ہے تو ان کے ردِّ عمل سے متاثر ہونا بھی یقینی امر ہے۔اس سے روح قلب کو تحریک کرے گا اور قلب کی تحریک کے ساتھ خون میں گردش شروع ہو جائے گی جس سے وہ خون شعوری یا غیر شعوری طور پر اپنا شوق اور دفاع پورا کرے گا۔پس جو عوارض یا کیفیات اس کے لئے نافع اور بہتر ہوں گے ان کا وہ طالب ہوگا اور ان کا وہ شوق کرے گا اور جو اس کے لئے مضر اور تکلیف کا باعث ہوں۔اس سے وہ بھاگے گا اور ان کو دفع کرتا رہے گا۔بس انسان کی ان طلب و فرار اور شوق و دفع حرکات ہی سے ہو سکتی ہے بس انہی کیفیات و عوارض کے ردِّ عمل کا نام حرکت و سکون نفسانی ہے۔

نفس بذاتِ خود متحرک نہیں ہے

کہا تو یہ جاتا ہے کہ ”حرکت و سکون نفسانی“ لیکن حقیقت یہ ہے کہ نفس بذاتِ خود متحرک نہیں ہے بلکہ حرکت قویٰ کو ہی لاحق ہوتی ہے

جو بذریعہ ارواح محرک ظہور میں آتے ہیں۔ اس لئے قویٰ متحرک ہیں اور ارواح محرک ہیں۔ ان اعمال سے جن جذبات کا اظہار ہوتا ہے انہی کو ہی حرکت وسکون نفسانی کہتے ہیں مگر یہ امر بھی یہاں ذہن نشین کر لیں کہ روح سے ہماری مراد روح طبعی ہے جس کا حامل خون ہے اس کو حرکت بھی بذاتِ خود نہیں ہوتی بلکہ حسب ضرورت اور ارادہ نفس ناطقہ سے ہوتی ہے جس طرح کوئی مشین خود بخود متحرک نہیں ہوتی جب تک کہ اس کو حرکت دینے والا کوئی نہ ہو، اس لئے یہاں حرکت وسکون کا لفظ مجازاً ہی استعمال کیا جاتا ہے۔

نفس میں حرکت وسکون کی صورتیں

نفس ضرورت کے وقت کبھی جسم کے اندر کبھی جسم کے باہر حرکت کرتا ہے جس کے ساتھ خون اور اس کی حرارت بھی کبھی اندر کی طرف چلی جاتی ہے اور کبھی باہر کی طرف نمایاں طور پر ظاہر ہوتی ہے۔ پھر اس کی تین صورتیں ہیں:

(۱) حرکت کا دفعتاً اور یک لخت اندر یا باہر کی طرف جانا۔

(۲) آہستہ آہستہ اندر یا باہر کی طرف جانا۔

(۳) نفس کا بیک وقت کبھی اندر اور کبھی باہر حرکت کرنا۔

یہ بات یاد رکھیں کہ نفس جس طرف حرکت کرتا ہے وہاں پر دوران خون تیز ہو کر حرارت پیدا کرتا ہے جہاں سے حرکت کر کے جاتا ہے وہاں پر دوران خون کی کمی ہو کر سردی پیدا ہو جاتی ہے۔

یہ امر پھر ذہن نشین کر لیں کہ حرکت وسکون نفسانی دراصل نفس کی حرکت وسکون نہیں ہے کیونکہ نفس اپنا مقام نہیں بدلتا۔ ایسا صرف مجازاً کہا جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ نفس کے تاثرات اور انفعالات (ردِ عمل) روح طبعی اور خون میں حرکت پیدا کر دیتے ہیں۔ بالفاظ دیگر یہ تاثرات اور انفعالات صالح اور فطرت کے مطابق ہوں تو حامل قوت وصحت اور باعث نشو وارتقائے جسم ہوتے ہیں۔ انہی کو اسلام لفظ دین سے تعبیر کرتا ہے۔

یہ حرکت سکون نفسانی بدن کے لئے ویسی ہی ضروری ہے جیسی حرکت سکون بدن کیونکہ بدنی حرکات کا دارومدار ہوا و ہوس اور خواہشات وجذبات نفسانیہ پر ہے جیسے شوق کے وقت طلب کی حرکت، نفرت کے وقت بیزاری کی صورت، غصے کے وقت چہرے کا سرخ ہو جانا، یہ سب کچھ روح اور خون کے زیر اثر ہوتے ہیں اور اس کے برعکس نفسانی سکون کی ضرورت اس لئے ہے کہ روح اور خون کو نسبتاً آرام حاصل ہو کہ ان میں کمی واقع نہ ہو اور جسم کو تحلیل ہونے سے بچایا جائے۔

جاننا چاہئے کہ نفس جب کسی مناسب یا مخالف شے کا ادراک حاصل کرتا ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ مناسب کو حاصل کرنا اور مخالف سے بچنا چاہتا ہے۔ اس وقت وہ اپنی نفسانی قوتوں کو حرکت میں لاتا ہے اگر اس حرکت وسکون میں تسلسل قائم رہے تو باعث مرض و ضعف اور رفتہ رفتہ باعث موت ہے اور بعض اوقات ان کی یکبارگی شدت دفعتاً زندگی ختم کر دیتی ہے۔ جیسے غم مرگ اور شادی مرگ کی صورتیں ظاہر ہوتی ہیں۔ انسان کے انہی تاثرات اور انفعالات اور خواہشات وجذبات کا مطالعہ اور نتائج سے جو صورتیں پیدا ہوتی ہیں اس کو علم نفسیات کہتے ہیں۔

نفسانی جذبات کی حقیقت

نفسانی جذبات کو سمجھانے کے لئے اور انتہائی سہولت کی خاطر جس کا ذکر قدیم وجدید بلکہ ماڈرن نفسیات میں بھی نہیں ہے ہم نے

ان کو نظریہ مفرد اعضاء کے تحت اعضائے رئیسہ کے مطابق تین حصوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ ہر مفرد عضو (نسیج) کے لئے دو جذبے مخصوص کر دیئے ہیں۔ ان جذبوں میں ایک عضو انبساط سے پیدا ہوتا ہے اور دوسرا انقباض ہے۔ ان کی ترتیب درج ذیل ہیں:

✿ **دل** :- عضلات میں انبساط سے مسرت پیدا ہوتی ہے اور انقباض سے غم حاصل ہوتا ہے۔

✿ **دماغ** :- اعصاب میں انبساط سے لذت پیدا ہوتی ہے اور انقباض سے خوف حاصل ہوتا ہے۔

✿ **جگر** :- غدد میں انبساط سے ندامت محسوس ہوتی ہے اور انقباض سے غصہ حاصل ہوتا ہے۔

لیکن یہ جاننا بھی انتہائی ضروری ہے کہ جب دِل، دماغ اور جگر (عضلات، اعصاب اور غدد) کے کسی ایک نسیج (ٹشو) میں کسی خاص قسم کی تحریک ہوگی تو باقی دو اعضاء میں بھی کوئی نہ کوئی حالت ضرور پائی جائے گی۔ مثلاً اگر اعصاب میں تحریک ہوگی تو یہ ضروری بات ہے کہ غدد میں تحلیل اور دِل میں تسکین ہوگی۔ گویا اس امر کا لحاظ رکھنا ضروری ہے کہ جب کسی جذبہ کے تحت کسی عضو کا مطالعہ مقصود ہو تو باقی اعضاء کو نظر انداز نہ کیا جائے۔ اس طرح تمام جسم کی حقیقت سامنے آجاتی ہے۔ یہ وہ علم نفسیات ہے جس کے علم سے ماڈرن سائنس اور جدید علم نفسیات بھی بے خبر ہے۔

نفسیاتی اثرات

جسم انسانی پر نفسیاتی اثرات اور انفعالات کی تین مقابل صورتوں کے کل چھ جذبات ہیں:

① مسرت ② غم ③ لذت ④ خوف ⑤ غصہ ⑥ شرمندگی۔

یہ چھ بنیادی جذبات ہیں۔ ان کے تحت ہی باقی دیگر جذبات پائے جاتے ہیں۔ ان کی مختصر تفصیل درج ذیل ہے۔

① مسرت میں نفس بغرض حصول شے مرغوب قلب شے خارج بدن کی طرف رفتہ رفتہ متحرک ہوتی ہے۔ بشرطیکہ بے انتہا خوشی کی کیفیت نہ ہو ورنہ یکدم متحرک ہوگی۔ خوشی کی حالت میں چہرہ سرخ ہو جائے گا۔

② غم میں نفس موذی پر قادر نہ ہونے کی وجہ سے رفتہ رفتہ داخل بدن یعنی دِل کی طرف حرکت کرتی ہے اور چہرے کا رنگ زرد ہو جاتا ہے۔

③ لذت کی حالت میں بغرض قیام مرغوب شے اور لطیف نفس رفتہ رفتہ کبھی اندر اور کبھی باہر کی طرف حرکت کرتا ہے۔

④ خوف نفس موذی کے مقابلے میں نا اُمید ہو کر یکبارگی داخل جسم رجوع کرتا ہے۔ کمی خوف میں یہ عمل رفتہ رفتہ ہوتا ہے اور چہرہ سفید ہو جاتا ہے۔

احتباس واستفراغ

اسباب ستہ ضروریہ کی جو تین صورتیں ہیں یعنی (اوّل) جسم کے لئے غذائیت مہیا کرنا جیسے ہوا اور روشنی اور ماکولات ومشروبات۔ (دوسرے) جسم میں غذائیت کو ہضم کر کے جزو بدن بنانا ہے، جیسے نیند و بیداری اور حرکت وسکون جسمانی و حرکت وسکون نفسانی۔ (تیسرے) جسم کے اندر غذائیت ایک مقررہ وقت تک رکے رہنا ہے تاکہ ہضم ہو کر جزو و بدن بن جائے اور جب ان کی ضرورت نہ ہو تو فضلات کی صورت میں خارج کر دینا۔ ان کو احتباس واستفراغ کہتے ہیں۔ پہلی دو صورتیں بیان کر دی گئی ہیں۔ اب تیسری کی تفصیل دی جاتی ہے۔

استفراغ کے معنی ہیں مواد اور فضلات کا اخراج پانا اور طبی اصطلاح میں لفظ استفراغ سے ان چیزوں کا بدن سے خارج کرنا مراد

ہے تاکہ اگر وہ چیزیں باقی رہ جائیں تو بدن میں طرح طرح کے فساد پیدا ہو کر افعال انسانی سلیم طور سے صادر نہ ہوں۔ اس کے برعکس احتباس کے معنی ہیں۔ غذائی اجزاء اور فضلات کا جسم میں رُکنا اور بوقت ضرورت اخراج نہ پانا دراصل یہ ایک دوسرے فعل کی ضد کا اظہار ہے ورنہ دونوں میں سے کسی ایک لفظ کا ہونا ہی کافی ہے کیونکہ حکیم مطلق نے طبیعت بدن Original Text لہٰذا حسب طاقت وہ مناسب راستوں سے فضلات مذکورہ کے دفع پر ہمیشہ سرگرم رہتی ہے لیکن بعض اوقات ایسی رکاوٹیں پیش آ جاتی ہیں کہ اس کے دفع فضلات اور مواد میں کمی بیشی واقع ہو جاتی ہے گویا استفراغ اور احتباس کا اعتدال صحت ہے اور ان میں کمی بیشی کا ہونا مرض میں داخل ہے۔

فضلات کی حقیقت

فضلات دراصل اضافی لفظ ہے۔ حقیقت میں اس کائنات اور زندگی میں فضلات کوئی شے نہیں ہیں۔ جن مواد کی کسی جسم کے لیے ضرورت نہیں ہوتی تو وہ اس کے لیے فضلات بن جاتے ہیں۔ اکثر ایسا ہی ہوتا ہے کہ جسم کے اندر غیر ضروری غذائی اجزا یا مفید مواد..... جن کو طبیعت قبول نہیں کرتی یا طبیعت کو جن کی ضرورت نہیں ہوتی وہ سب فضلات میں شامل ہیں۔ فضلات سے مراد فاضل شے ہے یعنی جو چیز زائد یا فالتو ہو۔

جو غذا کھائی جاتی ہے تندرستی کی حالت میں جسم کا ایک خاص حصہ جذب کر کے جزو بدن بنا دیتا ہے اور باقی کو فضلات کی شکل میں خارج کر دیتا ہے لیکن اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ فضلات میں جسم انسان کے لیے غذائیت باقی نہیں رہتی بلکہ حقیقت یہ ہے کہ جس قدر اچھی صحت ہوتی ہے اور اعضا مضبوط ہوتے ہیں اسی قدر زیادہ غذائی اجزاء جذب اور جزو بدن بنتے ہیں اور فضلات کم خارج ہوتے ہیں یا بعض اعضاء میں اس قدر تیزی ہوتی ہے کہ وہ غذا کو پورے طور پر ہضم کیے بغیر خارج کر دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جن مریضوں کے اعضا میں افراط و تفریط اور ضعف ہوتا ہے وہ جتنی بھی زیادہ سے زیادہ غذا کھائیں ان کے اندر طاقت اور خون کی مقدار میں زیادتی نہیں ہوتی۔ سوال غذا کی قلت اور کثرت اور اعلیٰ و ادنیٰ کا نہیں ہے بلکہ اعلیٰ درجہ کی صحت اور مضبوط اعضا کا ہے جس سے خود بخود زیادہ غذا ہضم ہوتی ہے اور جزو بدن بنتی ہے جس کا نتیجہ خون کی کثرت اور طاقت کی زیادتی ہوتی ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ بدن کے وجود اور اس کی طاقت کا دارومدار غذا پر ہے کیونکہ خون کی تعمیر اور تکمیل صرف غذا پر ہوتی ہے دوا سے نہیں ہوتی کیونکہ دوا جزو بدن نہیں ہوتی اور نہ ہی خون کا جزو ہے۔ صرف اعضائے جسم میں تحریک اور شدت کا باعث ہوتی ہے۔ جس سے اعضائے جسم اپنے مفید اجزاء خون میں شامل کر کے اس کی تعمیر اور تکمیل کرتے ہیں لیکن غذا کوئی بھی ایسی نہیں ہے جو ساری کی ساری جزو بدن بن جائے اور اس کا فضلہ نہ بنے۔ پھر اگر یہ فضلہ باقی رہے اور اس کا اخراج نہ ہو تو بدن میں فاسد مادے اکٹھے ہو جاتے ہیں جن مواد کو فضلات کی صورت میں خارج ہونا چاہئے تاکہ اس کی جگہ نیا مواد بنے یا مواد سے اس راہ گزر مجراری کو غذائیت اور تقویت حاصل ہو۔ اس لیے استفراغ کی انتہائی ضرورت ہے اور احتباس کی ضرورت اس لیے ہے کہ غذا کچھ عرصہ جسم میں رہے تاکہ اس کا جوہر طبیعت حاصل کر لے۔

استفراغ اور احتباس کا اعتدال صحت اور طاقت کے لیے نہایت ضروری اور مفید ہے۔ استفراغ کی زیادتی بدن میں خشکی پیدا کرتی ہے۔ احتباس کی زیادتی جسم میں فضلات کی زیادتی کی وجہ سے اس کو بوجھل بنا دیتی ہے جس سے اکثر سدے اور تعفن پیدا ہوتا ہے۔

استفراغ کی صورتیں

جسم انسان سے استفراغ کی مندرجہ ذیل تین صورتیں ہیں: ① طبعی فضلات ② غیر طبعی فضلات ③ مفید فضلات۔

جن کی تفصیل درج ذیل ہیں:

① طبعی فضلات

طبعی فضلات وہ ہیں جو ہمارے مجاری اور اعضاء سے طبعی طور پر ضرورت کے مطابق خارج ہوتے ہیں جیسے نزلہ، زکام، کان کا میل، آنکھ کے آنسو، لعاب دہن، بلغم، بول، براز، حیض اور منی وغیرہ۔ ان کے اخراج ایک طرف مجاری اور اعضاء جہاں سے وہ گزرتے ہیں ان کو نرم رکھتے ہیں۔ دوسرے وہاں کی سوزش وغیرہ کو دور کرتے ہیں۔ اگر ان کے اخراج میں کمی بیشی واقع ہو جائے تو باعث امراض ہوتے ہیں۔ جب ان میں کمی واقع ہوتی ہے تو ذیل کی صورتوں میں کوئی صورت اختیار کر جاتی ہے:

(۱) **مسہلات:** بذریعہ دست آور ادویات ناقص اخلاط مواد اور متعفن فضلات کا انسان کے بدن سے خارج کرنا۔ اس کی دو اقسام ہیں؛ اوّل بذریعہ ادویہ مشروبہ یعنی کھانے پینے کی ادویہ۔ دوسرے بذریعہ حقنہ اور عمل احتقان (بذریعہ) پچکاری۔

(۲) **مدرات:** پیشاب آور ادویات اور آلات وغیرہ کے ذریعے مواد اور فضلات کا اخراج۔

(۳) **تصریحات:** بذریعہ پسینہ، حمام یا بھپارہ اور دیگر اعمال سے براہ مسامات بدن سے ردی اخلاط و مواد اور فضلات کا خارج کرنا۔

(۴) **مقیات:** قے آور ادویات یا دیگر اعمال کے ذریعے مواد اور فضلات کا خارج ہونا۔

(۵) **حجامت:** شگاف رگ، پچھنے اور فصد وغیرہ کے ذریعے اخلاط وردی مواد اور فضلات بدن کا انسان کے بدن سے خارج کرنا وغیرہ۔

(۶) **انزال:** جماع کے ذریعے غیر مفید اخلاط وردی مواد اور فضلات کا بدن سے خارج کرنا وغیرہ۔

② غیر طبعی فضلات

ایسے ناقص مواد ہیں جو خون سے پیدا ہو جاتے ہیں جن سے خون کا مزاج اور اخلاط یا اس کے عناصر میں کمی بیشی واقع ہو جاتی ہے یا خون رگوں کے اندر یا باہر متعفن ہو جاتا ہے۔ جب ایسے غیر طبعی فضلات رُک جاتے ہیں تو ان کے اخراج کی صورت بھی مندرجہ بالا طریق پر کی جاتی ہے، البتہ ضرورت کے مطابق ادویات بھی استعمال کی جاسکتی ہیں۔

③ مفید فضلات

دراصل یہ فضلات نہیں ہوتے چونکہ جسم سے اخراج پاتے ہیں یا ان کو اخراج پانا چاہیے۔ اس لیے ان کو فضلات کہہ دیا گیا ہے۔ مثلاً جسم میں غیر معمولی کیفیاتی ونفسیاتی اور مادی تحریکات ہو کر مفید رطوبات وخون اور منی کا اخراج پانا جس میں مذی اور ودی بھی شریک ہیں رطوبات کی صورت میں لعاب دہن، آنسو، مذی اور ودی ہیں۔ خون کی صورت میں نفث الدم، قے الدم، نکسیر، خونی زحیر اور بواسیر وغیرہ ہیں۔ منی کی صورت میں جریان واحتلام اور سرعت انزال ہیں۔ کبھی مفید رطوبات وخون اور منی کے اخراج کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ طبیعت کا رجحان اس طرف زیادہ ہو۔ ان چیزوں کی پیدائش بڑھے۔ اس مقصد کے لیے کیفیاتی ونفسیاتی اور مادی تحریکات لطف ولذت اور صحیح وبصر نوازی کے ساتھ ساتھ جذبہ شوق ومحبت کے بھڑکانے سے بھی پیدا کی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ اطباء اور حکماء نے اس کی آخری حد جماع رکھی ہے اور یہی ضرورت عقد اور نکاح ہے۔

استفراغ واحتباس میں یہ اہم مقام ہے۔ اس لیے ہم نے ستہ ضروریہ کا باب قائم کیا ہے۔ جنسی امراض میں عام طور پر یہ سمجھ لیا گیا

ہے کہ صرف مجربات و مرکبات کافی ہو سکتے ہیں۔ کوئی شک نہیں کہ مجربات کا علاج بہت بڑا مقام رکھتا ہے، لیکن جب تک اسباب ستہ ضروریہ سامنے نہ ہوں خصوصاً استفراغ و احتباس کی اہمیت کو مدنظر نہ رکھا جائے جنسی امراض کا علاج کیسے ممکن ہو سکتا ہے۔ اگر صرف مجربات تک ہی ممکن ہوتا ہے تو ہر قسم کے مجربات کی کتب کی اس قدر کثرت ہے کہ مزید مجربات کی ضرورت نہیں ہے۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ طبی دُنیا میں جنسی مجربات کی آج پہلے سے بھی زیادہ طلب ہے۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ مرض کی تشخیص اور صحیح دوا کی تجویز کی آج بھی ضرورت باقی ہے اور وہ لوگ بہت بڑی غلطی پر ہیں جو بغیر تشخیص اور بغیر صحیح تجویز کے صرف جنسی مجربات طلب کرتے ہیں۔ جنسی امراض کی حقیقت اور ان کے لیے صحیح دوا اور غذا کے اُصول اور مجربات کے لیے ہماری کتاب تحقیقات علاج جنسی امراض دیکھیں۔

غذا اور حفظانِ صحت

حفظانِ صحت کے اہم عناصر حسب ذیل تین ہیں:

① صحت کے قیام کے لیے بدل ما یتحلل کی جو ضرورت ہے وہ ایک مسلمہ امر ہے اور بدل ما یتحلل ہمیشہ اغذیہ واشربہ سے حاصل کیا جاتا ہے۔ اس لیے حفظانِ صحت میں سب سے اوّل چیز اغذیہ واشربہ ہیں کہ ان کو اپنی ضرورت کے مطابق صحیح اُصولوں پر استعمال کیا جائے اور ان سے بدل ما یتحلل حاصل ہو۔

② غذا کے بعد دوسری اہم چیز یہ ہے کہ انسان کے جسم میں غذا کھانے کے بعد فضلات اکٹھے ہوتے ہیں ان کا باقاعدگی کے ساتھ اخراج ہوتا رہے۔ اس کی صورت جسم کو اعتدال کے ساتھ حرکت دینے اور کام میں لگانے سے عمل میں آتی ہے جس میں ورزش بھی شریک ہے کیونکہ سکون محض جسم میں فضلات کو روک دیتا ہے۔

③ انسان اپنی قوتوں کو ضرورت سے زیادہ خرچ ہونے سے بچائے۔ ضرورت سے زیادہ جسمانی اور دماغی محنت اور حرکت سے یہ قوتیں ضائع ہونے لگتی ہیں۔

① اغذیہ واشربہ

غذا کی مقدار میں اعتدال کو قائم رکھنا اور غذا کے استعمال کے بعد کچھ سکون کرنا ضروری ہے۔

یادداشت: غذا کھانے سے قبل یہ ضروری ہے کہ بھوک شدت سے لگی ہوئی ہو۔ بغیر بھوک کے کبھی غذا کی طرف ہاتھ نہیں بڑھانا چاہیے۔

بھوک میں بھی اس امر کو ملحوظ رکھا جائے کہ وہ دو قسم کی ہوتی ہے: ① اشتہائے صادق۔ ② اشتہائے کاذب۔

اشتہائے صادق کے مفادات یہ ہیں کہ جسم میں فرحت ہوگی اور وہ ہلکا ہوگا اور گرم معلوم ہوگا۔ غذا کھاتے وقت لذت محسوس ہوگی۔ اشتہائے کاذب میں یہ باتیں نہیں ہوں گی بلکہ کمزوری محسوس ہوگی، دِل میں گھٹنے کی سی حالت پائی جائے گی اور کھانے میں بے دلی سی قائم رہے گی۔ کھانے کے بعد جسم بے حدست اور بوجھل رہے گا بلکہ بعض اوقات حرکت کرنے کو دِل نہیں چاہتا۔ ہر غذا پہلی غذا کے ہضم ہونے کے بعد کھانی چاہیئے اگرچہ بھوک بھی کیوں نہ لگی ہو اور اشتہائے صادق کی تمام علامات پائی جائیں کیونکہ ہر غذا جو ہم کھاتے ہیں اس کے ہضم ہونے میں کم سے کم چھ سات گھنٹے خرچ ہوتے ہیں اور اس کے بعد وہ غذا معدے اور چھوٹی آنتوں سے اُتر کر بڑی آنتوں میں چلی جاتی ہے۔ اگر چھ سات گھنٹے سے قبل کھالیا جائے تو طبیعت جو پہلی غذا کی طرف مصروف ہوتی ہے اس کو ہضم کیے بغیر چھوڑ دے گی اور دوسری طرف مصروف ہو جائے گی۔ اس سے پہلی غذا میں تعفن اور فساد پیدا ہو جائے گا۔ اگر دوسری کی طرف توجہ نہ دے تو اس میں بھی تعفن اور فساد کا پیدا ہونا ضروری ہے۔

ایک وقت میں مختلف غذاؤں کا اکٹھا کرنا درست نہیں ہے۔ اغذیہ میں جنس لطیف اور بعض ثقیل ہوتی ہیں اور طبیعت لطیف اغذیہ کو جلدی ہضم کر لیتی ہے اور ثقیل اغذیہ دیر تک اندر پڑی رہتی ہیں۔ نیز بعض اغذیہ ایک دوسرے کی مخالف ہوتی ہیں مثلاً مچھلی اور دودھ، ترشی اور دودھ، ستواور دودھ، انگور اور سری کا گوشت، انار اور ہریسہ، چاول اور سرکہ، ان کو ایک ساتھ کھانے سے پرہیز کرنا چاہیے۔

اگر غذا مچرب ہو تو اس کے ساتھ نمکین یا چرپری چیزیں کھائی جائیں اور اسی طرح اس کے برعکس بہتر یہ ہے کہ ہمیشہ ایک ہی غذا نہ کھائی جائے بلکہ تبدیلی کے ساتھ کھائی جائے۔ بھوک کا روکنا مناسب نہیں کیونکہ ایسا کرنے سے معدے کی طرف خراب مواد گرتے ہیں۔ غذا دن کے متعدل وقت میں کھائی چاہیے۔ موسم سرما میں دوپہر کے وقت اور موسم گرما میں صبح وشام کھانا مناسب ہے۔ کھانے سے مراد یہاں پیٹ بھر کر کھانا اور پورا کھانا مراد ہے۔

ایک ہی قسم کے کھانے بار بار کھانے سے اور ایک ہی ذائقہ بار بار استعمال کرنے سے جسم میں نقصان پیدا ہوتا ہے۔ مثلاً ترش غذاؤں کے بکثرت اور متواتر استعمال سے بڑھاپا جلد آ جاتا ہے۔ نزلہ زکام اکثر رہتا ہے اور اعضا میں خشکی پیدا ہو جاتی ہے، اعصاب کمزور ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح نمکین چیزیں بدن کو لاغر اور دِل میں ضعف پیدا کرتی ہیں۔ میٹھی چیزیں بھوک کو ضعیف اور بدن کو لاغر کرتی ہیں۔

ترش غذا کی مضرت کو میٹھی غذا سے دفع کرنا چاہیے۔ اکثر پھیکا کھانے سے بھوک جاتی رہتی ہے اور بدن میں سستی پیدا ہو جاتی ہے۔ اس لیے اس کی مضرت کو نمکین اور چرپری چیزوں کے استعمال سے دور کرنا چاہیے۔

② مشروبات

مشروبات میں مندرجہ ذیل تین چیزیں خاص طور پر شریک ہیں؛ ❶ پانی ❷ دودھ ❸ شراب۔

(ا) **پانی**: پانی اکثر پیاس کے وقت پیا جاتا ہے اور یہ پیاس کھانے کے دوران میں بھی لگتی ہے اور بعد میں بھی اور بغیر کھانے کے بھی۔ پانی پینے کا وقت پیاس ہے خواہ غذا کے ساتھ ہو یا اس کے بعد۔

یادداشت: جاننا چاہیے کہ پیاس دو قسم کی ہوتی ہے؛ ❶ پیاس صادق ❷ پیاس کاذب۔

صادق پیاس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ معدے میں پڑی ہوئی غذا کو رقیق بنانے اور اس کو باریک شریانوں سے گزارنے کا ذریعہ بنے۔ غذا کو رقیق بنانے اور اس کو باریک شریانوں سے گزارنے کا ذریعہ بنے۔ غذا کے دوران میں بھی جب پیاس لگتی ہے تو اس کی دو صورتیں ہوتی ہیں۔ اوّل معدے میں تیزی اور سوزش پیدا کرنے والی اغذیہ کی بے چینی اور دوسری معدے میں انتہائی خشکی جو غذا کھانے کے ساتھ اکثر بڑھ جاتی ہے اور طبیعت اس کو رقیق کرنے کے لیے پانی طلب کرتی ہے۔

پیاس کاذب کی پہچان یہ ہے کہ اگر پیٹ بھر کر تسلی کے ساتھ پانی پی لیا جائے اور پھر بھی پیاس نہ بجھے۔ اس کی وجہ عام طور پر شور بلغم یا لیسدار مواد کی معدے میں زیادتی ہوتی ہے جس کو طبیعت رفع کرنا چاہتی ہے لیکن ٹھنڈا پانی پینے سے بلغم اور بھی جم جاتی ہے اور مادہ شور میں زیادتی واقع ہو جاتی ہے۔ اسی طرح تخمہ اور ہیضہ میں بھی پیاس کی شدت ہوتی ہے جس کی وجہ غذا کا کچا ہونا اور معدے اور سوزش اور متعفن مواد کی موجودگی ہوتی ہے۔ اس کا علاج یہ ہے کہ پانی کے لیے کچھ دیر توقف کیا جائے اور اگر توقف ناممکن ہو تو گرم پانی تھوڑا تھوڑا دیا جائے یا بغیر دودھ کے چائے دی جائے۔ مرض میں شدت ہو تو مناسب علاج کیا جائے۔ بعض دفعہ دماغی اور اعصابی سوزش میں بھی شدید پیاس لگتی ہے۔ اس کا بھی مناسب علاج کیا جائے۔ **بعض اوقات تر میووں کے استعمال، سخت ورزش اور محنت، حمام اور جماع کے بعد پیاس لگے تو پانی سے روکنا چاہیے۔ جہاں تک ممکن ہو نہار منہ پانی نہیں پینا چاہیے۔**

(۲) **دودھ:** دودھ غذا میں شامل ہے اور اس کو غذا کے طور پر یا غذا کے ہمراہ استعمال کرنا چاہیے۔ یہ ہرگز نہ کیا جائے کہ اس کو پانی کے طور پر اور بغیر غذا کے استعمال کیا جائے۔ **دودھ استعمال کرنے کا بہترین وقت صبح کا ناشتہ ہے۔ ناشتے کے ہمراہ اس کو استعمال کرنے سے صحت پر بہت اچھا اثر پڑتا ہے۔ دودھ ہمیشہ نیم گرم ہو اور اس کو ہلکا شیریں بھی کر لینا چاہیے۔** اسی طرح بعض لوگ دودھ میں پانی ملا کر اس کی لسی بھی پیاس کے وقت پیتے ہیں۔ اس کے متعلق یہ جاننا ضروری ہے کہ اس کے اثرات اپنے اندر دودھ کی غذائیت کے ہیں۔ البتہ اس میں برودت زیادہ پیدا ہو جاتی ہے اور اس کے اکثر استعمال سے معدہ ٹھنڈا اور سوئے مزاج بارد کے امراض پیدا ہو جاتے ہیں۔ اوّل تو اس کا استعمال ہی نہیں کرنا چاہیے لیکن جب استعمال کی جائے تو غذا اور اس کے درمیان کافی وقفہ ہونا چاہیے۔

دھی کی لسی: دہی کی لسی بھی غذا میں شریک ہے اور اس کو بھی ہمیشہ غذا کے مقام یا اس کے ہمراہ استعمال کرنا چاہیے۔ اس کے بکثرت استعمال سے حرارت غریزی کم ہو جاتی ہے اور نفخ شکم کی شکایت پیدا ہو جاتی ہے۔ اس کا استعمال دوپہر کو غذا کے ہمراہ کرنا چاہیے۔

(۳) **شراب:** شراب کا استعمال بغیر طبیب کی مرضی کے کبھی نہیں کرنا چاہیے کیونکہ اس میں نقصان بہت زیادہ اور فوائد بہت ہی کم ہیں۔ اس کا سب سے بڑا نقصان یہ ہے کہ اس کے استعمال سے خواہشات نفسانی بھڑک اٹھتی ہیں جو کسی صورت بھی نہیں بجھتی ہیں۔ جس سے طبیعت انتہائی منقبض ہو کر دِل کے لیے بے حد نقصان کا باعث ہوتی ہے۔ جہاں تک اس کے فوائد کا تعلق ہے اس کو اکثر اعتدال سے قلیل مقدار میں ضرورت کے مطابق طبیب حاذق کے مشورے سے استعمال کیا جائے تو تمام جسم کے اعضا میں نشو و ارتقا اور قوت کی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے اور ساتھ ہی گندے فضلات کو چھانٹ دیتی ہے اور جسم میں صالح ہو کر جذب کرنے کی صلاحیت پیدا کرتی ہے لیکن ان فوائد کے ساتھ ساتھ جب اس کے اثرات بڑھتے جاتے ہیں تو انہی چیزوں کے لیے سخت نقصان کا باعث ہوتی ہے۔ اس کے اثرات بڑھنے کا سبب یہ ہوتا ہے کہ اس کو ایک دفعہ شروع کرنے کے بعد خواہ وہ دوا کے طور پر ہی کیوں نہ کیا جائے چھوڑنا مشکل ہو جاتا ہے۔ گویا یہ تھوڑے ہی عرصہ میں ایک ایسی عادت بن جاتی ہے جس کا چھوڑنا تقریباً ناممکن ہے۔ اس کو چھوڑنا بھی بجائے فوائد کے باعث صد نقصان ہے۔

حرارتِ غریزی و رطوبتِ غریزی

علم حفظانِ صحت کا جہاں تک انسان کے جسم سے تعلق ہے اس کے لیے یہ نہایت ضروری ہے کہ انسان کے اعضائے جسم اور ان کے افعال کا پوری طرح علم ہو۔ یہ علم اس وقت سے شروع ہو جاتا ہے جب انسان کا نطفہ قرار پاتا ہے۔ کیونکہ اگر اس دوران میں بھی اس نطفے کی نگرانی نہ کی جائے تو اس کے ضائع ہونے کا احتمال ہے۔ جس چیز کی انسان کے حفظانِ صحت میں نگرانی کی سب سے زیادہ ضرورت ہے وہ اس کا مزاج، طبیعت اور طاقت کا اعتدال ہے اور یہی چیز قرارِ نطفہ سے انسان کی موت تک مدنظر رہتی ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ مزاج، طبیعت اور طاقت کیا شے ہے اور ان کی نگرانی کیسے ہو سکتی ہے۔ یہ ایک نہایت اہم سوال ہے اور صحت کے قیام کے لیے اس کا ذہن نشین کرنا سب سے پہلی بات ہے۔

جاننا چاہیے کہ نطفہ قرار پاتے وقت کرمِ منی، حرارت غریزی اور رطوبت غریزی کا مجموعہ ہوتا ہے۔ یہ نطفہ ایک جسم ہے جس کی پرورش رطوبت غریزی اور حرارت غریزی سے عمل میں آتی ہے۔ انہی دونوں چیزوں سے اس کو غذا ملتی ہے اور اس میں نشو و ارتقا اور تصفیہ کا عمل جاری رہتا ہے۔ یہ دونوں چیزیں اگر اعتدال سے اپنا عمل جاری رکھیں تو نطفہ صحت کے ساتھ نشو و ارتقا کے مراحل طے کر لیتا ہے اور اگر ان کا توازن قائم نہ رہے تو نطفہ کے ضائع ہونے میں کوئی شبہ نہیں جس کی صورت یہ ہے کہ اگر ان میں سے کوئی ایک بڑھ جائے تو دوسری کو فنا کر دے

گی جس سے نطفے کی غذائیت یا تصفیہ و پرورش میں خلل واقع ہو جائے گا اور نطفہ ضائع ہو جائے گا۔ مثلاً اگر حرارت بڑھ جائے تو رطوبت کو جلا دے گی اور رطوبت کی زیادتی حرارت کو ختم کر دے گی۔ اسی توازن سے جسم انسان زندہ رہتا ہے اور اگر اس میں نمایاں فرق واضح ہو جائے تو انسان کی صحت نہ صرف خراب بلکہ بعض اوقات تباہ ہو جاتی ہے۔

بدل ما یتحلل: نطفے کی حرارت و رطوبت اس قدر قلیل ہوتی ہے کہ انہی سے انسان کے جسم کا کم و بیش ساٹھ ستر سال تک زندہ رہنا محال ہے۔ اس لیے قدرت نے ان دونوں کے قیام و تقویت اور امداد کے لیے بیرونی طور پر بھی رطوبت و حرارت کا انتظام کر دیا ہے جو اس حرارت غریزی کا معاون ہوتا ہے اور اس تھوڑی بہت حرارت و رطوبت غریزی کو جو نطفہ قرار پانے کے بعد خرچ ہونا شروع ہو جاتی ہے پورا کرتا رہتا ہے اور انسان کی ضرورت کو پورا کرتا رہتا ہے۔ اس رطوبت اور حرارت کو جو انسان کی ضرورت کو پورا کرتی رہتی ہے بدل ما یتحلل کہتے ہیں۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ بدل ما یتحلل حرارت غریزی اور رطوبت غریزی کی کمی کو پورا کرتا ہے یا خود دماغ پر خرچ ہو کر ان کا قائم مقام بن جاتا ہے۔

اعتراض: یہاں پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ اگر بدل ما یتحلل خود حرارت غریزی اور رطوبت غریزی کی کمی کو پورا کرتا رہتا ہے یعنی خود حرارت و رطوبت غریزی بن جاتا ہے تو پھر حرارت غریزی اور رطوبت غریزی جن کو حرارت اصلی اور رطوبت اصلیہ بھی کہتے ہیں اور جن سے اعضائے اصلیہ تیار ہوتے ہیں۔ ان کی کوئی ہستی نہ رہی کیونکہ ہم ان کو مصنوعی طور پر تیار کر سکتے ہیں اور اگر وہ حرارت اور رطوبت جو ان کا بدل ما یتحلل بنتی ہے وہی کام انجام دے سکتی ہے جو حرارت غریزی اور رطوبت غریزی انجام دیتی ہے تو پھر بڑھاپا کیوں آتا ہے اور موت کیوں واقع ہوتی ہے۔

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ حرارت غریزی اور رطوبت غریزی کا بدل ما یتحلل نہیں بن سکتا۔ جو رطوبت اور حرارت بدل ما یتحلل کے طور پر خرچ ہوتی ہے وہ صرف ایک ضرورت ہے جو پوری کی جاتی ہے اور اس سے رطوبت و حرارت غریزی کی مدد کی جاتی ہے تاکہ وہ جلدی تحلیل ہو کر ختم نہ ہو جائے۔ اس کی مثال ایک چراغ کی ہے جس کی روشنی، بتی اور تیل تینوں بیک وقت کام کرتی ہیں۔ چراغ کی روشنی حرارت غریزی، بتی رطوبت غریزی اور تیل بدل ما یتحلل ہے۔ یہ بدل ما یتحلل جہاں ایک طرف چراغ کی روشنی کو قائم رکھتا ہے، وہاں دوسری طرف اس کی بتی کو بھی جلنے نہیں دیتا۔

صحت کی حفاظت کے لیے یہ ضروری ہے کہ حرارت غریزی چراغ کی روشنی کی طرح اعتدال سے جلتی رہے اور اس کی رطوبت غریزی بھی ایک دم فنا ہو جائے۔ یہ وہ اعتدال ہے جو دونوں میں قائم رکھا جاتا ہے۔ اگر رطوبات بڑھ جائیں تو حرارت کا ختم ہونا اغلب ہے اور رطوبات کی زیادتی سے رطوبت کا جل جانا لازمی ہے۔

خون: جب تک حلقہ نہیں بنتا اس وقت تک وہ اپنی غذا اپنے اندر کی رطوبت سے حاصل کرتا ہے اور جب حلقہ بن جاتا ہے تو اس کا تعلق رحم سے پیدا ہو جاتا ہے اور وہ اپنی غذا ماں کے رس سے حاصل کرتا ہے۔ پیدائش کے بعد اس کو اوّل یہ غذا ماں کے دودھ سے اور پھر دنیاوی اغذیہ اور اشربہ سے حاصل ہوتی رہتی ہے۔ جس سے اس کا بدل ما یتحلل پورا ہوتا رہتا ہے۔

ان امور سے ثابت ہوا کہ طبیب انسانی صحت کی حفاظت تو کر سکتا ہے لیکن اس پر یہ فرض عائد نہیں ہوتا کہ وہ انسان کا شباب برقرار رکھے یا اس کو ایک طویل عمر تک زندگی دے سکے۔ موت کا روک دینا تو اس کے بس کا بالکل روگ نہیں کیونکہ نطفہ قرار پانے کے بعد

حرارت غریزی اور رطوبت غریزی کچھ نہ کچھ ضرور خرچ ہوتی رہتی ہے اور عمر کے ساتھ ساتھ ان میں ایک خاص قسم کی کمی ہوتی رہتی ہے۔ جس طرح چراغ کے جلنے میں اس کی بتی تھوڑا تھوڑا جلنے کے ساتھ ساتھ کم ہوتی رہتی ہے، یہاں تک کہ وہ ختم ہو جاتی ہے، یہی صورت انسانی زندگی کی ہے کہ وہ آخر میں حرارت غریزی اور رطوبت غریزی کے ختم ہونے کے بعد ختم ہو جاتی ہے۔ ہمیشہ کے لیے شباب اور زندگی ناممکنات میں ہے۔

اطباء کے فرائض صرف حفظانِ صحت کے اُصولوں کا ذہن نشین کرانا ہے تاکہ صحت قائم رہے، البتہ جب مرض پیدا ہو جائے تو اس کو صحت کی طرف لوٹانا اس کا کام ہے۔ صحت کے قیام کے لیے اہم چیز حرارت غریزی اور رطوبت غریزی کی پوری نگرانی اور ان کے بدل ما یتحلل کو صحیح طریقوں پر پورا کرنا ہے اور یہ کوشش بھی جاری رکھنا ہے کہ رطوبت اصلیہ میں کوئی فساد یا تعفن پیدا نہ ہونے دے۔ اگر وہ اپنے مقاصد میں کامیاب رہا تو اپنی طبعی عمر کو پہنچے گا اور اس کی قوت اور صحت صحیح حالت پر قائم رہے گی۔

موت: موت دو قسم کی ہوتی ہے؛ ❶ طبعی ❷ غیر طبعی۔

طبعی موت وہ ہے جو حرارت اور رطوبت غریزی کے پورے طور پر خرچ ہونے کے بعد واقع ہو۔ جس کے متعلق اطباء کا خیال ہے کہ وہ سوا سو سال سے ڈیڑھ سو سال تک ہونی چاہیے، کیونکہ ان کا اندازہ ہے کہ انسان پچیس تیس سال تک اپنی جوانی کو پہنچتا ہے اور اس کو اس کے بعد پانچ گنا عرصے تک زندہ رہنا چاہیے اور اگر اس دوران میں وہ کسی مرض کا شکار ہو جاتا ہے یا ڈوب جاتا ہے یا پھانسی لگ جاتا ہے یا گر کر مر جاتا ہے تو یہ اس کی غیر طبعی موت ہوگی۔

نظریہ مفرد اعضاء

تعریف نظریہ مفرد اعضاء

نظریہ مفرد اعضاء ایک ایسی تحقیق ہے جس سے ثابت کیا گیا ہے کہ امراض کی پیدائش مفرد اعضاء (گوشت، پٹھے، غدد) میں ہوتی ہے اور اس کے بعد مرکب اعضاء کے افعال میں افراط و تفریط اور ضعف پیدا ہوتا ہے۔ علاج میں بھی مرکب اعضا کی بجائے مفرد اعضاء کو مدنظر رکھنا چاہیے کیونکہ انسان کے تمام مرکب اعضاء مفرد اعضاء کی بافتوں اور انسجہ (بنیادوں) سے مل کر بنتے ہیں۔

یہ علمی نظریہ ایک ایسا فلسفہ ہے جس سے جسم انسان کو مفرد اعضاء کے تحت تقسیم کر دیا گیا ہے۔ اعضائے رئیسہ، دِل، دماغ، جگر مفرد اعضاء ہیں جو عضلات، اعصاب اور غدد کے مراکز ہیں۔ جن کی بناوٹ جدا جدا اقسام کے انسجہ (ٹشوز) سے بنی ہوئی اور ہر نسیج بے شمار زندہ حیوانی ذرات (سیلز) سے مرکب ہے۔ حیوانی ذرہ انسانی جسم کی اوّلین بنیاد (فرسٹ یونٹ) ہے۔ ہر حیوانی ذرّہ اپنے اندر حرارت وقوت اور رطوبت (ہیٹ، فورس اور انرجی) رکھتا ہے۔ جس کے اعتدال کا نام صحت ہے۔ جب اس حیوانی ذرّہ (خلیہ) کے افعال میں افراط و تفریط یا ضعف واقع ہوتا ہے تو اس کے اندر کی حرارت وقوت اور رطوبت میں اعتدال قائم نہیں رہتا۔ پس اس کا نام مرض ہے۔ اس حیوانی ذرّہ کا اثر نسیج پر پڑتا ہے۔ اس کے بعد مفرد اعضاء کے تعلق سے اعصاب وغدد اور عضلات وغیرہ کے مطابق گزرتا ہوا اپنے متعلقہ عضو رئیس میں ظاہر ہوتا ہے ان میں افراط و تفریط اور ضعف کی شکل میں امراض وعلامات پیدا ہوتی ہیں۔ علاج کی صورت میں انہی مفرد اعضاء کے افعال درست کر دینے سے ایک حیوانی ذرّہ سے لے کر عضو رئیس تک کے افعال تک درست ہو جاتے ہیں۔ بس یہی نظریہ مفرد اعضا ہے۔

نظریہ مفرد اعضاء کی تحقیق کا مقصد

نظریہ مفرد اعضا کی ضرورت اور تحقیق کا مقصد یہ تھا کہ طب قدیم کی کیفیات، مزاج اور اخلاط کی مفرد اعضا سے تطبیق دے دی جائے تاکہ ایک طرف ان کی اہمیت واضح ہو جائے اور دوسری طرف یہ حقیقت سامنے آ جائے کہ کوئی طریق علاج جس میں کیفیات و مزاج اور اخلاط کو مدنظر نہیں رکھا جاتا وہ نہ صرف غلط ہے بلکہ وہ غیر علمی (ان سائنٹفک) اور عطایانہ علاج ہے۔ اس میں یقینی شفا نہیں ہے اور وہ عطایانہ طریق علاج ہے، جیسے فرنگی طب ہے، جس میں کیفیات و مزاج اور اخلاط کو کوئی اہمیت حاصل نہیں ہے۔ اس لیے اس کی تشخیص و تجویز میں مطابقت اور اخلاق کو کوئی اہمیت حاصل نہیں ہے۔ اس لیے اس کی تشخیص و تجویز میں مطابقت اور موافقت پیدا نہیں ہو سکتی۔ انہی مقاصد کے تحت ہم نے نظریہ مفرد اعضاء کی بنیاد احیائے فن اور تجدید طب پر رکھی ہے کیونکہ موجودہ فرنگی دور میں فرنگی طب کی تقلید میں کیفیات و مزاج اور اخلاط کو چھوڑ کر صرف امراض وعلامات کے نام پر ان کے علاج کرنے شروع کر دیتے ہیں۔ یہ طب قدیم کے قانون علاج کے خلاف ہے بلکہ بالکل غلط اور عطایانہ صورت اختیار کر گیا ہے۔

ہم نے نظریہ مفرد اعضاء کے ساتھ کیفیات ومزاج اور اخلاط کی تطبیق دے کر ثابت کیا ہے کہ اعضاء کے افعال کیفیات ومزاج اور اخلاط کے اثرات کے بغیر عمل میں نہیں آ سکتے۔ اس لیے ان کے اثرات کو مدنظر رکھنا ضروری ہے تاکہ اعضاء کے افعال کو درست رکھا جا سکے۔ اگر اثرات کو مدنظر رکھا جائے تو پھر لازم ہے کہ مفرد اعضاء کے مطابق ادویہ اور اغذیہ اور تدبیر کو عمل میں لایا جائے۔ گویا مفرد اعضاء کے افعال بالکل کیفیات ومزاج اور اخلاط کے اثرات کے مطابق ہیں۔

اس تحقیق وتطبیق سے افعال مفرد اعضاء اور کیفیات ومزاج اور اخلاط سے ایک طرف ان کی اہمیت سامنے آ گئی ہے اور طب قدیم میں زندگی پیدا ہو گئی ہے اور دوسری طرف اعضاء کے افعال کی علاج میں ضرورت سامنے آ گئی ہے۔ اس طرح تجدید طب کا سلسلہ قائم کر دیا گیا ہے اور ساتھ ہی علم الادویہ میں بھی اسی صورت کو ثابت کیا گیا ہے۔ وہ بھی صرف انہی مفرد اعضاء پر اثر کرتی ہیں جن سے امراض وعلامات رفع ہو جاتی ہیں۔ پوری طرح صحت صحیح ہو جاتی ہے کیونکہ ہماری تحقیق ہے کہ کوئی دوا بھی مفرد اعضاء کی بجائے سیدھی امراض وعلامات پر اثر انداز نہیں ہو سکتی۔

نظریہ مفرد اعضاء کی تشریح

نظریہ مفرد اعضاء بالکل نیا نظریہ ہے۔ تاریخ طب میں اس کا کہیں اشارہ تک نہیں پایا جاتا۔ اسی نظریہ پر پیدائش امراض وصحت کی بنیاد رکھی گئی ہے۔ اس نظریہ سے قبل بالواسطہ یا بلاواسطہ پیدائش امراض مرکب اعضاء کی خرابی کو تسلیم کیا جا رہا ہے۔ مثلاً معدہ وامعاء ورشش ومثانہ، آنکھ ومنہ، کان وناک بلکہ اعضائے مخصوصہ تک کے امراض کو ان کے افعال کی خرابی سمجھا جاتا ہے یعنی معدہ کی خرابی کو اس کی مکمل خرابی مانا گیا ہے جیسے سوزش معدہ، درد معدہ، ورم معدہ، ضعف معدہ اور بدہضمی وغیرہ پورے معدہ کی خرابی بیان کی جاتی ہے لیکن حقیقت میں ایسا نہیں ہے کیونکہ معدہ ایک مرکب عضو ہے اور اس میں عضلات واعصاب اور غدد وغیرہ ہر قسم کے اعضاء پائے جاتے ہیں اور جب مریض ہوتا ہے تو وہ تمام اعضاء جو مفرد ہیں بیک وقت مرض میں گرفتار نہیں ہوتے بلکہ کوئی مفرد عضو مریض ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ معدہ میں مختلف اقسام کے امراض پیدا ہوتے ہیں۔

جب معدہ کے مفرد اعضاء میں سے کوئی گرفتار مرض ہوتا ہے مثلاً معدے کے اعصاب مرض میں مبتلا ہوتے ہیں تو اس کی دیگر علامات بھی اعصاب میں ہوں گی اور ان کا اثر دماغ تک جائے گا۔ اسی طرح اگر اس کے عضلات مرض میں مبتلا ہوں گے تو جسم کے باقی عضلات میں بھی یہی علامات پائی جائیں گی اور اس کا اثر قلب تک چلا جاتا ہے۔ یہی صورت اس کے غدد کے مرض کی حالت میں پائی جاتی ہے۔ یعنی دیگر غدد کے ساتھ جگر وگردوں کو بھی متاثر کرتے ہیں یا بالکل معدے کے مفرد اعضاء، اعصاب وغدود اور عضلات کے برعکس اگر دل ودماغ اور جگر وگردہ میں امراض پیدا ہو جائیں تو معدہ امعاء اور شش ومثانہ بلکہ آنکھ ومنہ اور ناک وکان میں بھی علامات ایسی ہی پائی جائیں گی۔ اسی لیے پیدائش امراض اور شفا، امراض کے لیے مرکب عضو کو مدنظر رکھنے سے یقینی تشخیص اور بے خطا علاج کی صورتیں پیدا ہوتی ہیں۔

اسی طرح ایک طرف کسی عضو کی خرابی کا علم ہوتا ہے تو دوسری طرف اس کے صحیح مزاج کا علم ہوتا ہے کیونکہ ہر مفرد عضو کسی نہ کسی کیفیت ومزاج بلکہ اخلاط کے اجزا سے متعلق ہے یعنی دماغ واعصاب کا مزاج سرد تر ہے۔ ان میں تحریک سے جسم میں سردی تری اور بلغم بڑھ جاتے ہیں۔ اسی طرح جگر اور غدد کا مزاج گرم خشک ہے۔ اس کی تحریک سے جسم میں گرمی خشکی اور صفرا بڑھ جاتا ہے۔ یہی صورت قلبی عضلات کی ہے اور مفرد اعضاء کے برعکس اگر جسم میں کسی کیفیت یا مزاج اور اخلاط کی زیادتی ہو جائے تو ان کے متعلق مفرد اعضاء پر اثر

انداز ہو کر ان میں تیزی کی علامات پیدا ہو جائیں گی۔ اسی طرح دونوں صورتیں نہ صرف سامنے آ جاتی ہیں بلکہ علاج میں بھی آسانیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ ایک خاص بات یہ ذہن نشین کر لیں کہ مفرد اعضاء کی جو ترتیب اوپر بیان کی گئی ہے ان میں جو تحریکات پیدا ہوتی رہتی ہیں وہ ایک سے دوسرے مفرد عضو میں تبدیل ہوتی رہتی ہیں اور کی جا سکتی ہیں۔ اسی طرح امراض پیدا ہوتے ہیں اور اسی طرح ان تحریکات کو بدل کر ان کو شفا اور صحت کی طرف لایا جا سکتا ہے۔

نظریہ مفرد اعضا کی عملی تشریح

اس اجمال کی تفصیل تو ہم پھر بیان کریں گے، یہاں صرف مختصر سی تشریح بیان کر دیتے ہیں کہ جس سے ایک ہلکا سا خاکہ قارئین کے ذہن نشین ہو جائے اور اہل فن اس نظریے سے مستفید ہو سکیں۔

جاننا چاہیے کہ انسان ان چیزوں سے مرکب ہے: ✿ جسم (باڈی) ✿ نفس (وائٹل فورس) ✿ روح (سول)۔

نفس اور روح کا ذکر تو ہم پھر کریں گے، یہاں اوّل جسم کو بیان کرنا ضروری ہے۔

جسم انسان

جسم انسان تین چیزوں سے مرکب ہے: ① بنیادی اعضاء یا بیسک آرگن ② حیاتیاتی اعضا یا لائف آرگن ③ خون (بلڈ)۔

اس کی مختصر سی تفصیل درج ذیل ہیں۔

(۱) **بنیادی اعضاء**: یہ ایسے اعضاء ہیں جن سے انسانی جسم کا ڈھانچہ تیار ہوتا ہے۔ جن میں تین اعضاء شریک ہیں: ① ہڈیاں یا بونز ② رباط یا لگےمنٹس ③ اوتار یا ٹنڈنز۔

(۲) **حیاتی اعضاء**: یہ ایسے اعضاء ہیں جن سے انسانی زندگی اور بقا قائم ہے۔ یہ بھی تین ہیں: ① اعصاب (نروز) جن کا مرکز دماغ (برین) ہے۔ ② غدد (گلینڈز) جس کا مرکز جگر (لیور) ہے۔ ③ عضلات (مسلز) جن کا مرکز قلب (ہارٹ) ہے۔ گویا دِل، دماغ اور جگر جو اعضائے رئیسہ ہیں، وہی انسان کے حیاتی اعضاء ہیں۔

(۳) **خون**: سرخ رنگ کا ایک ایسا مرکب ہے جس میں لطیف بخارات (گیسز)، حرارت (ہیٹ)، رطوبات (لیکوئڈ) پائے جاتے ہیں یا ہوا، حرارت اور پانی سے تیار ہوتا ہے۔ دوسرے معنوں میں سودا، صفرا اور بلغم کا حامل ہے جن کی تفصیل آئندہ بیان کی جائے گی۔

اس مختصر سی تشریح کے بعد جاننا چاہیے کہ قدرت نے ضرورت کے مطابق جسم میں اس کی ترتیب ایسی رکھی ہے کہ اعصاب باہر کی طرف ہیں اور ہر قسم کے احساسات ان کے ذمہ ہیں۔ اعصاب کے اندر کی طرف غدد ہیں اور ہر قسم کی غذا جسم کو مہیا کرتے ہیں۔ غدد کے اندر کی طرف عضلات ہیں اور ہر قسم کی حرکات ان کے متعلق ہیں۔ یہی تینوں جسم میں ہر قسم کے احساسات اغذیہ اور حرکات کے طبعی افعال انجام دیتے ہیں۔

غیر طبعی افعال

حیاتی اعضاء کے غیر طبعی افعال صرف تین ہیں:

① ان میں سے کسی عضو میں تیزی آ جائے، یہ صورت ریاح کی زیادتی سے پیدا ہوتی ہے۔

② ان میں سے کسی عضو میں سستی پیدا ہو جائے، یہ رطوبات یا بلغم کی زیادتی سے پیدا ہوگی۔

③ ان میں سے کسی عضو میں ضعف پیدا ہو جائے، یہ حرارت کی زیادتی سے پیدا ہوگا۔

یادرکھیں کہ چوتھا کوئی غیر طبعی فعل نہیں ہوتا۔اعضائے مفرد کا باہمی تعلق جاننا نہایت ضروری ہے کیونکہ علاج میں ہم ان کی معاونت سے تشخیص، تجویز اور علامات کو رفع کرنے میں مدد کرتے ہیں۔ان کی ترتیب میں اوپر بیان کیا گیا ہے کہ اعصاب جسم کے بیرونی حصے یا اوپر کی طرف ہیں اور ان کے نیچے یا بعد میں غدد کو رکھا گیا ہے۔ جہاں پر غدد نہیں پائے جاتے، وہاں ان کے قائم مقام غشائے مخاطی بنا دیئے گئے ہیں اور ان کے نیچے یا بعد میں عضلات رکھے گئے ہیں اور جسم میں ہمیشہ یہی ترتیب قائم رہتی ہے۔

افعال کے لحاظ سے بھی ہر عضو میں صرف تین ہی افعال پائے جاتے ہیں:

① عضو کے فعل میں تیزی پیدا ہو جائے تو ہم اس کو تحریک کہتے ہیں۔

② عضو کے فعل میں سستی نمودار ہو جائے تو ہم اس کو تسکین کا نام دیتے ہیں۔

③ عضو کے فعل میں ضعف واقع ہو جائے تو اس کو تحلیل کی صورت قرار دیتے ہیں۔

حقیقت بھی یہی ہے کہ ہر عضو میں ظاہرہ دو ہی صورتیں ہیں۔ اوّل تیزی اور دوسرے سستی، لیکن سستی دو قسم کی ہوتی ہے۔ اوّل سستی سردی یا بلغم کی زیادتی سے اور دوسرے سستی حرارت کی زیادتی سے ہوتی ہے۔اس لیے اوّل الذکر کا نام تسکین رکھا جا سکتا ہے اور ثانی الذکر کی سستی کو تحلیل ہی کہنا بہتر ہے کیونکہ حرارت اور گرمی کی زیادتی سے ضعف پیدا ہوتا ہے اور یہ بھی ایک قسم کی سستی ہے لیکن چونکہ ضعف حرارت اور گرمی کی زیادتی سے پیدا ہوتا ہے اور اس میں جسم یا عضو گھلتا ہے اور یہ صورت مرض کی حالت میں آخر تک قائم رہتی ہے بلکہ صحت کی بحالی میں بھی ایک ہلکے قسم کی تحلیل جاری رہتی ہے۔اس لیے انسان بچپن سے جوانی اور جوانی سے بڑھاپے سے موت کی آغوش میں چلا جاتا ہے۔اس لیے اس حالت کا نام تحلیل بہت مناسب ہے۔

ساتھ ہی اس امر کو بھی ذہن نشین کر لیں کہ یہ تینوں صورتیں یا علامات تینوں اعضا اعصاب، غدود، عضلات میں کسی ایک حالت میں ضرور پائی جائیں گی۔ البتہ ایک دوسرے میں بدلتی رہتی ہیں اور اسی غیر طبعی تبدیلی ہی سے مختلف امراض پیدا ہوتے ہیں اور انہی کی طبعی تبدیلی سے صحت حاصل ہو جاتی ہے۔اعضا کے اندر تبدیلیوں کو ذیل کے نقشہ سے آسانی کے ساتھ سمجھا جا سکتا ہے:

نام اعضاء	اعصاب	غدد	عضلات	نتیجہ
ا۔تحریک اعصاب	تحریک	تحلیل	تسکین	جسم میں رطوبات کی زیادتی
۲۔تحریک غدد	تسکین	تحریک	تحلیل	جسم میں حرارت کی زیادتی
۳۔تحریک عضلات	تحلیل	تسکین	تحریک	جسم میں ریاح کی زیادتی

گویا ہر عضو میں یہ تینوں حالتیں یا علامات فرداً فرداً ضرور پائی جائیں گی۔یعنی:

① اگر اعصاب میں تحریک ہے تو غدد میں تحلیل اور عضلات میں تسکین ہوگی، نتیجتاً جسم میں رطوبات (بلغم یا کف) کی زیادتی ہوگی۔

② اگر غدد میں تحریک ہے تو عضلات میں تحلیل اور اعصاب میں تسکین ہوگی، نتیجتاً جسم میں حرارت (صفرا یا پت) کی زیادتی ہوگی۔

③ اگر عضلات میں تحریک ہے تو اعصاب میں تحلیل اور غدد میں تسکین ہوگی، نتیجتاً جسم میں ریاح (سودا و بیت وایو) کی زیادتی ہوگی۔

یہ تمام جسم اور اس کے افعال کی اصولی (سسٹے میٹک) تقسیم ہے۔اس سے تشخیص اور علاج واقعی آسان ہو جاتا ہے۔گویا اس طریقے کو سمجھنے کے بعد علم طب نہیں رہتا بلکہ یقینی طریق علاج بن جاتا ہے۔

نزلہ کی مثال بانظریہ مفرد اعضاء

نزلہ ایک علامت ہے جوکسی مرض پر دلالت کرتا ہے۔اس کو کسی صورت میں بھی مرض کہنا صحیح نہیں ہے اور اس کو ابوالامراض کہنا تو انتہائی غلط فہمی ہے کیونکہ نزلہ مواد یا رطوبت کا گرنا ہے اور یہ علامات کسی کی تحریک کی طرف دلالت ہے۔اس عضو کے افعال کی خرابی ہی کو مرض کہا جاسکتا ہے۔البتہ عضو کے افعال کی خرابی کی جس قدر صورتیں ہوسکتی ہیں وہ تمام امراض میں شریک ہوں گی۔

مواد یا رطوبات کا طریق اخراج

رطوبات (لمف) یا مواد (میٹریا سکریشن) کا اخراج ہمیشہ خون میں سے ہوتا ہے۔اس کو پوری طرح سمجھنے کے لیے پورے طور پر دورانِ خون کو ذہن نشین کر لینا چاہیے۔

دِل سے صاف شدہ خون بڑی شریان اور ٹی سے چھوٹی شریانوں میں سے عروق شعریہ ہی کے ذریعے غدد اور غشاء مخاطی میں جسم کی خلاؤں پر ترشح پاتا ہے۔یہ ترشح کبھی زیادہ ہوتا ہے، کبھی کم، کبھی گرم ہوتا ہے کبھی سرد، کبھی رقیق ہوتا ہے اور کبھی غلیظ اور کبھی سفید ہوتا ہے اور کبھی زرد، وغیرہ وغیرہ۔

اس سے ثابت ہوا کہ نزلہ یا ترشح (سکریشن) کا اخراج ہمیشہ ایک ہی صورت میں نہیں ہوتا اس میں مختلف صورتیں کیفیتیں اور رنگ پائے جاتے ہیں۔گویا نزلہ جوایک علامت ہے وہ بھی اپنے اندر کئی انداز رکھتا ہے۔اس لیے اس کو ابوالعلامات کہتے ہیں۔

نزلہ کے تین انداز: ① نزلہ پانی کی طرح بے تکلیف رقیق بہتا ہے۔عام طور پر اس کا رنگ سفید اور کیفیت سرد ہوتی ہے۔اس کو عام طور پر زکام کا نام دیتے ہیں۔

② نزلہ لیس دار ہو جو ذرا کوشش اور تکلیف سے خارج ہوتا ہے۔عام طور پر اس کا رنگ زرد اور کیفیت گرم ہوتی ہے۔اس کو نزلہ حار کہتے ہیں۔

③ نزلہ بند ہو تو انتہائی کوشش اور تکلیف سے بھی اخراج کا نام نہیں لیتا۔ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے بالکل جم گیا ہو اور گاڑھا ہو گیا ہو۔عام طور پر رنگ میلا یا سرخی سیاہی مائل اور کبھی کبھی زور لگانے سے خون آنے لگ جاتا ہے۔اس کو بند نزلہ کہا جاتا ہے۔

نزلہ کی تشخیص: ① اگر نزلہ پانی کی طرح بے تکلف رقیق بہ رہا ہے تو یہ اعصابی (دماغی) نزلہ ہے۔یعنی اعصاب کی تیزی سے ہے۔اس کا رنگ سفید اور کیفیت سرد ہوگی۔اس میں قارورہ کا رنگ بھی سفید ہوگا۔

② اگر نزلہ لیسدار ہو جو ذرا کوشش و تکلیف اور جلن سے خارج ہو رہا ہو تو یہ غدی (کبدی) نزلہ ہے یعنی جگر کے فعل میں تیزی ہے۔اس کا رنگ عام طور پر زردی مائل اور کیفیت گرم اور تیز ہوگی۔اس میں قارورہ کا رنگ زرد یا زرد سرخی مائل ہوگا۔گویا یہ نزلہ حار ہے۔

③ اگر نزلہ بند ہو اور انتہائی کوشش اور تکلیف سے بھی خارج ہونے کا نام نہ لے، ایسا معلوم ہو کہ جیسے بالکل جم گیا ہے اور گاڑھا ہو گیا ہے تو یہ نزلہ عضلاتی (قلبی) ہوگا، یعنی اس میں عضلات کے فعل میں تیزی ہے۔اس کا رنگ عام طور پر میلا یا سرخی سیاہی مائل اور کبھی کبھی زیادہ زور لگانے سے خون بھی آجاتا ہے۔اوّل صورت میں جسم میں رطوبات سرد (بلغم) کی زیادتی ہوگی۔دوسری صورت میں صفراوی (گرمی خشکی) کی زیادتی ہوگی۔تیسری صورت میں سوداویت (سردی خشکی) اور ریاح کی زیادتی ہوگی اور انہی اخلاط و کیفیات کی تمام علامات پائی جائیں گی۔

گویا نزلہ کی یہی تینوں صورتیں ہیں۔ ان کو اسی مقام پر ذہن نشین کر لینا چاہیے۔ چوتھی صورت کوئی نہ ہوگی۔ البتہ ان تینوں صورتوں میں کمی بیشی اور انتہائی شدت ہو سکتی ہے۔ انتہائی شدت کی صورت میں انہی اعضاء کے اندر درد یا سوزش یا ورم پیدا ہو جائے گا۔ انہی شدید علامات کے ساتھ بخار، ہضم کی خرابی، کبھی قے، کبھی اسہال، کبھی پیچش، کبھی قبض ہمراہ ہوں گے، لیکن یہ تمام علامات انہی اعضاء کی مناسبت سے ہوں گی۔ اسی طرح کبھی معدہ و امعاء اور سینہ کے انہی اعضاء میں کمی بیشی اور شدت کی وجہ سے بھی ان کی خاص علامات کے ساتھ ساتھ نزلہ کی بھی علامات پائی جائیں گی۔ جن کا اوپر ذکر کیا گیا ہے۔

نزلہ کے معنی میں وسعت: نزلہ کے معنی گرنا ہے۔ اگر اس کے معنی کو ذرا وسعت دے کر اس کے مفہوم کو پھیلا دیا جائے اور جسم انسان کی تمام رطوبات اور مواد کو نزلہ کہہ دیا جائے تو ان سب کی بھی اسی نزلہ کی طرح تین ہی صورتیں ہو سکتی ہیں اور ان کے علاوہ چوتھی صورت نظر نہیں آئے گی۔ مثلاً اگر پیشاب پر غور کریں تو اس کی بھی تین صورتیں ہی ہوں گی:

① اعصاب میں تیزی ہوگی تو پیشاب زیادہ اور بغیر تکلیف کے آئے گا۔
② اگر غدد میں تیزی ہوگی تو پیشاب جلن کے ساتھ قطرہ قطرہ آئے گا۔
③ اگر عضلات میں تیزی ہوگی تو پیشاب بند ہوگا یا بہت کم آئے گا۔

یہی صورتیں پاخانہ پر بھی وارد ہوں گی یعنی:

① اعصابی صورت میں اسہال۔
② غددی صورت میں پیچش۔ اور
③ عضلاتی صورت میں قبض پائی جائے گی۔

اسی طرح لعاب دہن، آنکھ، کان اور پسینہ وغیرہ ہر قسم کی رطوبات پر غور کر لیں۔ البتہ خون کی صورت رطوبات سے مختلف ہے یعنی؛

① اعصاب کی تیزی میں جب رطوبات کی زیادتی ہوتی ہے تو خون کبھی نہیں آتا۔
② جب غدد میں تیزی ہوتی ہے تو خون تکلیف سے تھوڑا تھوڑا آتا ہے۔
③ لیکن جب عضلات کے فعل میں تیزی ہوتی ہے تو شریانیں پھٹ جاتی ہیں اور بے حد کثرت سے خون آتا ہے۔

اس سے ثابت ہو گیا کہ جب خون آتا ہے تو رطوبات کا اخراج بند ہو جاتا ہے اور اگر رطوبات کا اخراج زیادہ کر دیا جائے تو خون کی آمد بند ہو جائے گی۔

نظریہ مفرد اعضاء کے جاننے کے بعد اگر ایک طرف تشخیص آسان ہو گئی ہے تو دوسری طرف امراض اور علامات کا تعین ہو گیا ہے۔ اب ایسا نہیں ہوگا کہ آئے دن نئے نئے امراض اور علامات فرنگی طب تحقیق کرتی رہے اور اپنی تحقیقات کا دوسروں پر رُعب ڈالتی رہے بلکہ ایسے امراض اور علامات جو بے معنی صورت رکھتے ہوں وہ ختم کر دیئے جائیں گے۔ جیسے وٹامنی امراض، غذائی امراض اور موسمی امراض، وغیرہ وغیرہ۔ بس ایسے امراض اور علامات کا تعلق کسی نہ کسی عضو سے جوڑنا پڑے گا اور انہی کے افعال کی خرابی کو امراض کہنا پڑے گا۔ گویا کیمیاوی اور دموی تغیرات کو بھی اعضاء کے تحت لانا پڑے گا۔ دموی اور کیمیاوی تغیرات بھی اپنے اندر حقیقت رکھتے ہیں لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ جسم میں خون کی پیدائش اور اس کی کمی بیشی انسان کے کسی نہ کسی عضو کے ساتھ متعلق ہے۔ اس لیے جسم انسان میں دموی اور کیمیاوی تبدیلیاں بھی اعضائے جسم کے تحت آ جاتی ہیں۔

اس امر میں کوئی شک نہیں ہے کہ جسم میں ایک بڑی مقدار میں زہریلی ادویات اور اغذیہ سے موت واقع ہو جاتی ہے۔ لیکن ایسے کیمیاوی تغیرات بھی اس وقت تک پیدا نہیں ہوتے جب تک جسم کا کوئی عضو بالکل باطل نہ ہو جائے۔

دیگر اہم علامات: نزلہ کی طرح دیگر علامات بھی چند اہم علامات میں تقسیم ہو جاتی ہیں۔ اگر ان علامات کو ذہن نشین کر لیا جائے تو نزلہ کی طرح جن مفرد اعضاء سے اس کا تعلق ہوگا ان کے ساتھ ہی وہ ایک مرض کی شکل اختیار کر لیں گے ورنہ تنہا ان علامات کو امراض کا نام نہیں دیا جا سکتا۔ وہ اہم علامات درج ذیل ہیں: (۱) سوزش (۲) ورم (۳) بخار (۴) ضعف۔ اس کی مختصر تشریح درج ذیل ہے:

(۱) سوزش: سوزش ایک ایسی جلن ہے جو کیفیاتی و نفسیاتی اور مادی تحریکات سے جسم کے کسی عضو مفرد میں پیدا ہو جائے۔ سوزش میں سرخی اور درد و حرارت لازم ہوتی ہیں۔ تحریک سے سوزش تک بھی چند منزلیں ہیں: (۱) لذت (۲) بے چینی (۳) سوزش۔

کبھی طبیعت انہی علامات میں سے کسی ایک پر رُک جاتی ہے اور کبھی گزر کر سوزش بن جاتی ہے۔ سوزش اور اورام پر کتاب شائع ہو چکی ہے جس کا نام "تحقیقات و علاج سوزش اور اورام" ہے۔

(۲) ورم: ورم کی علامت سوزش کے بعد پیدا ہوتی ہے۔ اس میں سوزش کی علامات کے ساتھ سوجن بھی ہوتی ہے اور جب سوجن زیادہ ہو جائے یا شدت اختیار کر لے تو حرارت بخار میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ جسم کے پھوڑے اور پھنسیاں اور دانے وغیرہ بھی اورام میں شریک ہیں۔

(۳) بخار: بخار ایک ایسی اور غیر معمولی حرارت ہے جس کو حرارت غریبہ (بیرونی) بھی کہتے ہیں جو جزو خون کے ذریعہ قلب سے تمام بدن میں پھیل جاتی ہے جس سے بدن کے اعضاء میں تحلیل اور ان افعال میں نقصان واقع ہوتا ہے۔ غصہ اور تھکان کی معمولی گرمی بخار کی حد سے باہر ہے کیونکہ اس سے کوئی غیر معمولی تبدیلی بدن انسان میں لاحق نہیں ہوتی۔ اس کو عربی میں حمیٰ (جمع حمیات) فارسی میں تپ کہتے ہیں۔ بخار پر ہماری کتاب "تحقیقات حمیات" کے نام سے شائع ہو چکی ہے۔

(۴) ضعف: جسم کی ایک ایسی حالت کا نام ہے جس میں گرمی کی زیادتی سے کسی مفرد عضو میں تحلیل پیدا ہو جائے۔ ضعف کے مقابلہ میں طاقت کا تصور کیا جا سکتا ہے۔ ضعف کو سمجھنے کے لیے ہماری کتاب "تحقیقات اعادہ شباب" کا مطالعہ کریں۔ ان اہم علامات کو جسم کے ساتھ سر سے لے کر پاؤں تک جس کسی عضو کے ساتھ پائیں گے وہ مرض کہلائے گا۔

مفرد اعضاء کا باہمی تعلق

مفرد اعضاء کا باہمی تعلق بھی ہے۔ اسی تعلق سے تحریکات ایک عضو سے دوسرے عضو کی طرف منتقل ہوتی ہیں مثلاً جب غدد میں تحریک ہے تو اس امر کو ضرور جاننا پڑے گا کہ اس تحریک کا تعلق عضلات کے ساتھ ہے یا اعصاب کے ساتھ ہے، کیونکہ اس تحریک کا تعلق کسی نہ کسی دوسرے عضو کے ساتھ ہونا ضروری ہے، کیونکہ مزاجاً بھی کبھی کوئی کیفیت ایک نہیں ہوتی جیسے گرمی یا سردی کبھی تنہا نہیں پائی جائیں گی۔ وہ ہمیشہ گرمی تری یا گرمی خشکی ہوگی۔ اسی طرح سردی تری یا سردی خشکی ہوگی۔ یہی صورت اعضاء میں بھی قائم ہے یعنی غدی عضلاتی (گرم خشک) یا غدی اعصابی (گرم تر)، وغیرہ وغیرہ۔

البتہ اس میں اس امر کو ذہن نشین کر لیں کہ اوّل تحریک عضوی (مشینی) ہوگی اور دوسری تحریک کیمیاوی (خلطی) طور پر ہوگی۔ جب کسی مفرد عضو میں تحریک ہوگی تو اس کا تعلق جس دوسرے مفرد عضو سے ہوگا، اس کی کیمیاوی صورت خون میں ہوگی۔ مثلاً غدی عضلاتی تحریک ہے تو اخلاط میں خشکی پائی جائے گی۔ جب غدی اعصابی تحریک ہوگی تو خون میں تری پائی جائے گی۔

مفرد اعضاء کے تعلق کی چھ صورتیں ہیں

مفرد اعضاء صرف تین ہیں لیکن اگر ان کا آپس میں تعلق ظاہر کیا جائے تو کل چھ صورتیں بن جاتی ہیں:

(۱) اعصابی غدی (۲) اعصابی عضلاتی (۳) عضلاتی اعصابی (۴) عضلاتی غدی (۵) غدی عضلاتی اور (۶) غدی اعصابی۔

یاد رکھیں کہ جو لفظ اوّل ہوگا وہ عضوی تحریک ہے اور جو لفظ بعد میں ہوگا وہ کیمیاوی تحریک کہلاتا ہے، چونکہ کیمیاوی تحریک ہی صحت کی طرف جاتی ہے اس لیے ہر عضوی تحریک کے بعد اس سے جو کیمیاوی اثرات پیدا ہوں انہی کو بڑھانا چاہیے، بس اسی میں شفا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہومیو پیتھک میں بھی ری ایکشن کی علامات کو بڑھایا جاتا ہے اس مقصد کے لیے بلکہ قلیل مقدار میں بھی دوا نہ صرف مفید ہو جاتی ہے بلکہ اکثر اکسیر اور تریاق کا کام دیتی ہے۔

ظاہری تقسیم جسم انسانی بہ نظریہ مفرد اعضاء

جسم انسان کو ہم نے اعضائے رئیسہ یا دوسرے الفاظ میں انسجہ (ٹشوز) میں تقسیم کر دیا ہے جن کے مرکز یہی اعضائے رئیسہ دِل، دماغ اور جگر ہیں۔ جیسا کہ گزشتہ صفحات میں پڑھ چکے ہیں یہ انسجہ تمام جسم میں اس طرح اوپر تلے پھیلے ہوئے ہیں کہ جسم کا کوئی مقام ایسا نہیں ہے کہ جہاں صرف ایک یا دو اقسام کے انسجہ ہوں یا ان کا آپس میں تعلق نہیں ہو۔ اس لئے امراض کی صورت میں تینوں اقسام کے حیاتی انسجہ متاثر ہوتے ہیں۔ البتہ ان کی صورتیں جدا جدا ہوتی ہیں جیسا کہ لکھا جا چکا ہے۔ ہر عضو کی زیادہ سے زیادہ تین صورتیں ہو سکتی ہیں: (۱) تحریک (۲) تحلیل (۳) تسکین۔

دورانِ خون اور نظریہ مفرد اعضاء

نظریہ مفرد اعضاء کے تحت دوران خون دِل (عضلاتی انسجہ) سے جسم میں دھکیلا جاتا ہے۔ پھر شریانوں کی وساطت سے جگر (غدی انسجہ) سے گزرتا ہوا دماغ (اعصابی انسجہ) پر گرتا ہے۔ تمام جسم کی غذا بننے کے بعد پھر باقی رطوبات (غدد جاذبہ) کے ذریعے جو طحال کے ماتحت غدد کی وساطت سے کام کرتے ہیں جذب ہو کر اور پھر خون میں شامل ہو کر دِل (عضلات) کے فعل کو تیز کرتا ہے اور جو خون غدد سے چھننے سے رہ جاتا ہے۔ وہ بھی وریدوں کے ذریعے واپس قلب میں چلا جاتا ہے۔ اس طرح یہ سلسلہ جاری رہتا ہے۔

طب قدیم کی حقیقت کی تصدیق

یہاں پر سمجھنے والی بات وہ حقیقت ہے جو طب قدیم نے ہزاروں سال قبل لکھی ہے کہ دورانِ خون میں جب تک جگر (غدد) سے نہ گزرے وہ جسم میں نہیں پھیلتا یا ترشح نہیں پاتا۔ اسی طرح ترشح پانے کے بعد جب بقایا رطوبات طحال (غدد جاذبہ) میں جذب ہو کر کیمیاوی طور پر تبدیلی حاصل نہ کر لیں یعنی ان کا کھاری پن ترشی میں تبدیل نہ ہو۔ وہ دِل (عضلات) پر نہیں گرتیں اور ان کو تیز نہیں کر سکتیں۔ صرف سمجھانے کے لئے دِل و جگر اور دماغ و طحال کے اعضاء کے نام لکھے گئے ہیں ورنہ جسم میں ہر جگہ عضلات و غدد اور اعصاب و غدد جاذبہ اپنے علاقہ اور حدود میں وہی کام انجام دے رہے ہیں جو اعضائے رئیسہ ادا کر رہے ہیں۔ خون اور دوران خون کی ان چار تبدیلیوں کو طب قدیم میں خون و صفرا اور بلغم و سودا کے نام دیئے گئے ہیں۔ جہاں جہاں یہ کیمیاوی تبدیلیاں ہوتی ہیں انہی جگہوں کو ان کا مقام قرار دیا گیا ہے۔ خون کا مقام دِل، صفرا کا مقام جگر، بلغم کا مقام دماغ اور سودا کا مقام طحال۔ لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ باقی جسم میں یہ تبدیلیاں نہیں ہوتیں بلکہ ہر جگہ جسم میں تمام انسجہ (ٹشوز) دِل، دماغ، جگر و طحال کے کام انجام دے رہے ہیں۔ دلیل و تصدیق اور ثبوت کے طور پر ہم ان اعضاء کا مزاج پیش کر سکتے ہیں جہاں ہر دور رطوبات کیمیاوی تبدیلیاں حاصل کرتی ہیں۔ دونوں کی کیفیاتی و خلطی اور کیمیاوی مزاجوں میں ذرا بھر کوئی فرق نہیں ہے۔ کیا فرنگی طب اندھی ہے۔ اگر اس کے سائنس دان نہیں سمجھ سکتے تو ہم ان کو سمجھانے کا چیلنج کرتے ہیں۔

تحقیقات امراض

امراض کی تحقیقات کوذہن نشین کرنے کے لئے اس راز کو سمجھ لیں کہ دورانِ خون دِل (عضلات) سے شروع ہوکر جگر (غدد) ودماغ (اعصاب) اور طحال (غدد جاذبہ) میں سے گزرتے ہوئے دِل (عضلات) کی طرف واپس لوٹتا ہوا جسم کے کسی حصہ کے مجری مفرد اعضا (ٹشوز) میں افراط وتفریط اور تحلیل پیدا کر دیتا ہے۔ بس وہیں مرض پیدا ہوتا ہے اور اس کی علامات انہی مفرد اعضا (انسجہ-ٹشوز) کی وساطت سے تمام جسم میں ظاہر ہوتی ہیں اور خون میں بھی کیمیاوی طور پر وہی تغیر ہوتے ہیں۔ انہی مشینی اور کیمیاوی علامات کو دیکھ کر تشخیص مرض کیا جاتا ہے اور پھر جس مفرد عضو (ٹشو-نسیج) میں سکون ہوتا ہے اس کو تیز کر دینے سے فوراً صحت ہونا شروع ہو جاتی ہے۔

جسم انسان کی بالمفرد اعضاء تقسیم

امراض تشخیص کے لئے نبض وقارورہ اور براز دیکھنا کافی ہیں۔ ایک قابل معالج ان کی مدد سے مریض کے جسم میں جو کیفیاتی اور خلطی اور کیمیاوی تبدیلیاں ہوتی ہیں مفرد اعضا (ٹشوز-انسجہ) کے افعال کی خرابی کو سمجھ سکتا ہے اور ان کے علاوہ دیگر رطوبات جسم جن کا ذکر نزلہ کے بیان میں کیا گیا ہے کے افعال کو سمجھ کر امراض کا تعین کر سکتا ہے مگر ہم نے زیادہ سہولت اور آسانی کے لئے جسم انسان کو چھ حصوں میں تقسیم کر دیا ہے تاکہ مریض اپنے جس حصہ پر ہاتھ رکھے معالج فوراً متعلقہ مفرد اعضاء کی خرابیوں کو جان جائے اور اپنا علاج یقین کے ساتھ کرے تاکہ قدرت کی قوتوں کے تحت فطری طور پر شرطیہ آرام ہو جائے۔

یاد رکھیں کہ اللہ تعالیٰ کی فطرت نہیں بدلتی۔ انسان کا فرض ہے کہ وہ فطرت اللہ کا صحیح علم رکھے تاکہ نتیجہ اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق نکلے۔ اللہ تعالیٰ کی اسی فطرت کے مطابق علاج کا نام شرطیہ طریق علاج ہے۔ قرآن حکیم نے کئی بار تاکید کی ہے:

﴿ لن تجد لسنت اللّٰہ تبدیلا ﴾ ''اللہ تعالیٰ کے نظام فطرت میں ہرگز ہرگز تبدیلی نہیں آتی''۔

جیسے آگ اپنی فطرت حرارت سے جدا نہیں اور پانی اپنی برودت سے الگ نہیں۔

جاننا چاہئے کہ ہم نے انسان کو سر سے لے کر پاؤں تک دو حصوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ پھر ہر حصے کو تین تین مقاموں میں تقسیم کر دیا ہے۔ اس طرح کل چھ مقام بن جاتے ہیں۔ اس طرح ان میں سے جس مقام پر کوئی تکلیف ہوگی اور ایک ہی قسم کے مفرد اعضاء (انسجہ-ٹشوز) کے تحت ہوگی اور ان کا علاج بھی ایک ہی قسم کی مشینی اور کیمیاوی تبدیلی سے کیا جا سکتا ہے۔ یہ فطرت کا ایک عظیم راز ہے۔

جسم انسان کے دو حصوں کی تقسیم اس طرح کی گئی ہے کہ سر کے درمیان میں جہاں پر مانگ نکلتی ہے وہاں سے ایک سیدھی فرضی لکیر لے کر بالکل ناک کے اوپر سے سیدھی منہ وٹھوڑی اور سینہ وپیٹ سے گزرتی ہوئی مقعد کی لکیر تک پہنچ جاتی ہے۔ اسی طرح پشت کی طرف سے ریڑھ کی ہڈی پر سے گزرتی ہوئی پہلی لکیر سے مل جاتی ہے۔ اس طرح انسان کے دو حصے ہو جاتے ہیں۔

یہ تقسیم اس لئے کی گئی ہے کہ سالہا سال کے تجربات نے بتایا ہے کہ قدرت نے جسم انسان کو اس طرح بنایا ہے کہ وہ بیک وقت تمام جسم کو کسی مرض کے نقصان پہنچنے سے روکتی ہے بلکہ کسی ایک حصہ جسم میں تحریک سے تکلیف ہو رہی ہوتی ہے، کسی دوسرے حصے میں تقویت (ابتدائی تحلیل اور کسی تیسرے حصے میں تسکین) رطوبات، غذائیت پہنچا رہی ہوتی ہیں اور یہ کوشش اس لئے جاری رہتی ہے کہ انسان کو تکلیف اور مرض سے اسی طاقت کے مطابق بچایا جائے اور یہ کوشش اس وقت تک جاری رہتی ہے جب تک کوئی جسم بالکل بے کار اور ناکارہ ہو کر دوسروں سے تعلق نہ توڑ دے اور موت واقع ہو جائے مثلاً اگر جگر اور غدد کے فعل میں تیزی اور تحریک ہو تو دورانِ خون دِل وعضلات کی طرف جا کر اس کی

پوری حفاظت کرتا ہے اور دماغ واعصاب کی طرف رطوبت اور سکون پیدا کر دیتا ہے تاکہ تمام جسم صرف جگر وغدد کی بے چینی سے محفوظ رہے اور قوتیں اس کا مقابلہ کرسکیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی خاص ربوبیت اور رحمت ہے۔

مرض کی ابتدا ہمیشہ ایک طرف ہوتی ہے

اسی طرح جب جسم انسان کے دائیں یا بائیں حصے میں کوئی تکلیف یا مرض ہو تو طبیعت مدبرہ بدن دوسرے حصے کو محفوظ رکھتی ہے اور یہ اوپر والے قانون بالمفرد اعضاء کے تحت ہوتا ہے مثلاً دردِ سر بھی دائیں طرف ہوتا ہے کبھی بائیں طرف ہوتا ہے، کبھی سر کی پچھلی طرف ہوتا ہے کبھی پھیل کر سارے سر میں ہوتا ہے۔ اسی طرح کبھی دائیں آنکھ میں کوئی تکلیف ہوتی ہے اور کبھی بائیں آنکھ میں۔ پھر دونوں میں پھیل جاتی ہے لیکن کمی بیشی ضرور قائم رہتی ہے۔ اسی طرح ناک میں کبھی دائیں طرف مرض ہوتا ہے اور کبھی بائیں طرف مرض ہوتا ہے اور بہت کم دونوں میں ایک سی حالت ہوتی ہے۔ یہی صورت کانوں، دانتوں اور منہ کے باقی حصوں کی ہوتی ہے۔ اسی صورت کو اگر پھیلاتے جائیں تو صاف پتہ چلتا ہے کہ گردن کے دونوں طرف، دونوں شانوں، دونوں بازوؤں، سینہ اور معدہ اور امعاء کے ساتھ ساتھ جگر وطحال اور دونوں گردے، یہاں تک کہ مثانہ وخصیے اور دونوں ٹانگیں اپنی اپنی تکالیف میں جدا جدا صورتیں رکھتیں ہیں۔ یہ تقریباً ناممکن ہے کہ دونوں طرف بیک وقت تکلیف شروع ہو البتہ رفتہ رفتہ دوسری طرف کے وہی مفرد اعضاء (انسجہ۔ٹشوز) متاثر ہو کر کم وبیش اثر قبول کر لیتے ہیں۔ یہ وہ راز ہے جو اللہ تعالیٰ نے نظریہ مفرد اعضاء کے تحت دُنیائے طب پر ظاہر کیا ہے۔ اس سے قبل دُنیائے طب میں اس کا کسی کو علم نہیں تھا۔ فرنگی طب اور ماڈرن میڈیکل سائنس اس علم سے بالکل خالی ہیں۔

مفرد اعضاء کی ظاہری تقسیم کی تشریح

ان دونوں حصوں کو ہم نے تین تین مقامات میں اس طرح تقسیم کیا ہے۔

پہلا مقام (اعصابی عضلاتی): اس مقام میں سر کا دایاں حصہ، دایاں کان، دائیں آنکھ، دائیں ناک، دایاں چہرہ مع دائیں طرف کے دانت ومسوڑھے اور زبان۔ دائیں طرف کی گردن شامل ہے۔ گویا سر کے دائیں طرف سے دائیں شانہ تک جس میں شانہ شریک نہیں ہے۔ جب کبھی بھی ان مقامات پر کہیں تیزی ہوگی اعصابی عضلاتی تحریک ہوگی۔

دوسرا مقام (عضلاتی اعصابی): اس مقام میں دایاں شانہ، دایاں بازو، دایاں سینہ، دایاں پھیپھڑہ اور دایاں معدہ شریک ہے۔ گویا دائیں شانہ سے لے کر جگر تک۔ اس میں جگر شریک نہیں ہے۔ جب کبھی ان مقامات میں سے کسی میں تیزی ہو تو عضلاتی اعصابی تحریک ہوگی۔

تیسرا مقام (عضلاتی غدی): اس مقام میں جگر، دائیں طرف کی آنتیں، دائیں طرف کا مثانہ، دایاں خصیہ، دائیں طرف کا مقعد اور دائیں ساری ٹانگ کولہے سے لے کر پاؤں کی انگلیوں تک سب شامل ہیں۔ جب کبھی ان مقامات پر کسی میں تیزی ہوگی تو عضلاتی غدی تحریک ہوگی۔ دایاں حصہ ختم ہوگیا۔

چوتھا مقام (غدی عضلاتی): بایاں نصف حصہ، اس میں سر کا بایاں حصہ، بایاں کان، بائیں آنکھ، بائیں ناک، بایاں چہرہ مع بائیں طرف کے دانت ومسوڑھے اور زبان اور بائیں گردن شامل ہیں۔ گویا بائیں جانب سر سے لے کر بائیں شانہ تک جس میں شانہ شریک نہیں ہے۔ جب کبھی ان مقاماتِ پر تیزی ہو تو غدی عضلاتی تحریک ہوگی۔

پانچواں مقام (غدی اعصابی): اس مقام میں بایاں شانہ، بایاں بازو، بایاں سینہ، بایاں پھیپھڑہ اور بایاں معدہ شریک ہیں۔ گویا بائیں شانہ سے لے کر طحال تک جس میں طحال شریک نہیں ہے۔ جب کبھی ان مقامات میں سے کسی میں تیزی ہوگی تو غدی اعصابی تحریک ہوگی۔

چھٹا مقام (اعصابی غدی): اس مقام میں طحال ولبلبہ، بائیں طرف کی آنتیں، بائیں طرف کا مقعد، بائیں طرف کا مثانہ، بایاں خصیہ، بائیں ساری ٹانگ کولہے سے لے کر پاؤں کی انگلیوں تک شریک ہیں۔

تاکید: یہ تقسیم دوران خون کی گردش کے مطابق ہے جو دِل (عضلات) سے شروع ہو کر جگر (غدد) سے گزرتے ہوئے دماغ (اعصاب) اور طحال (غدد جاذبہ) سے گزر کر پھر دِل (عضلات) میں شامل ہوتا ہے۔ اس کا بیان عضلاتی غدی سے شروع ہو کر ترتیب وار چھ مقام بیان کئے گئے ہیں جو عضلاتی اعصابی پر ختم ہوتے ہیں لیکن ہم نے ایک سرے کو مدنظر رکھتے ہوئے دائیں طرف سرے سے شروع کر کے بائیں طرف کی ٹانگ پر ختم کر دیا ہے تاکہ سمجھنے میں آسانی رہے۔

یادداشت: یہ چھ مقام صرف تحریک کے ہیں لیکن اس امر کو نہ بھولیں کہ یہ چھ مقام دراصل تین مفرد اعضاء کے تعلقات اور تشخیص کو سمجھانے کے لئے ہیں کہ جسم اور خون کی تحریک کس طرف چل رہی ہے۔ اس لئے اس امر کو یاد رکھیں کہ جس ایک مفرد عضو میں تحریک ہو باقی دو میں تحلیل و تسکین ترتیب کے ساتھ ہوگی اور ان کا دیگر مفرد اعضاء پر وہی اثر ہوگا۔

امراض وعلامات بہ نظریہ مفرد اعضاء

علاج بالغذا سے تمام امراض کا علاج سر سے لے کر پاؤں تک یقینی طور پر کامیابی کے ساتھ ہوسکتا ہے۔ یہ ہماری تقریباً پچیس سالہ تحقیق ہے جو پہلی دفعہ ہم دُنیائے طب کے سامنے پیش کر رہے ہیں۔ یہ علاج بالغذا نظریہ مفرد اعضاء کے تحت ہی کیا جاسکتا ہے جس کا مختصر بیان ہم گزشتہ صفحات میں کر چکے ہیں۔ اس علاج بالغذا کے دلائل درج ذیل ہیں:

① انسانی جسم سر سے لے کر پاؤں تک صرف چار قسم کے مفرد اعضاء سے بنا ہے۔ یہ مفرد اعضاء چار اقسام کے انسجہ (ٹشوز) سے بنے ہیں جن کی ترتیب وترکیب اور بافت وساخت ابتدائی حیوانی ذرّہ (سیل) سے ہوئی ہے اور تمام جسم انہی کے تحت کام کرتا ہے۔ اعضائے رئیسہ ان کے عامل اور مراکز ہیں؛ (۱) اعصاب جن کا مرکز دماغ ہے، (۲) عضلات جن کا مرکز دِل ہے، (۳) غدد جن کا مرکز جگر ہیں۔ ان سب کا باہمی گہرا تعلق ہے۔ انہی مفرد اعضاء کے غذا پر عمل اور تصرف کا نتیجہ خون واخلاط اور کیفیات ومزاج ہیں۔

② جسم انسانی کی پرورش وصحت اور نشو ونما خون سے ہوتی ہے۔ حکماء اور اطباء نے اس خون کو چار اخلاط اور چار کیفیات سے مرکب کہا ہے۔ اخلاط (۱) خون (۲) بلغم (۳) صفرا اور (۴) سوداء اور کیفیات (۱) گرمی (۲) تری (۳) سردی اور (۴) خشکی ہیں۔ انہی چاروں اخلاط اور کیفیات کے اعتدال پر جسم کی صحت اور طاقت قائم ہے اور یہی چاروں انہی چاروں مفرد اعضاء (ٹشوز) کی الگ الگ غذا بنتے ہیں، جن کو ہمارے اعضاء تیار کرتے ہیں۔ گویا خون کی مثال پانی کی ہے جو ہر قسم کے درخت کو اس کی ضرورت کے مطابق غذا دیتا ہے یا مٹی کی ہے جو ہر قسم کے درخت کو غذا پہنچاتی ہے۔ خون غذا سے تیار ہوتا ہے، ادویات سے نہیں۔

③ ماڈرن میڈیکل سائنس نے خون کا تجزیہ کر کے اس میں چودہ پندرہ عناصر کو ثابت کیا ہے۔ یہی عناصر ہمارے آرگینک (عضوی) عناصر ہیں اور یہ عناصر انہی مفرد اعضاء (ٹشوز)، جو صرف چار اقسام کے ہیں، کی غذا بنتے ہیں۔

④ ہم جو بھی غذا کھاتے ہیں وہ چار اقسام کے ارکان اور چار ہی قسم کی کیفیات سے مرکب ہوتی ہے۔ وہ خون میں بھی چار ہی قسم کے اخلاط تیار کرتی ہے اور پانی ان سے جدا ہے۔ یہی خون چار اقسام کے مفرد اعضاء (ٹشوز) کی غذا بنتا ہے۔ یاد رہے کہ طب کا یہ مسلمہ قانون ہے کہ خون غذا سے تیار ہوتا ہے۔ کوئی بھی دوا خون کا جزو نہیں ہے۔

⑤ ماڈرن سائنس نے تجزیہ اور تحقیقات کے بعد خون کے چودہ پندرہ عناصر بتائے ہیں لیکن غذا کے تجزیہ وتحقیقات کے بعد اس کے چار جز (۱) پروٹین۔ اجزائے لحمیہ (۲) کاربوہائیڈریٹس۔ نشاستہ (۳) فیٹس۔ اجزائے روغنیہ (۴) سالٹس۔ نمکیات اور پانچویں شے پانی قرار دیا ہے۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو ہزاروں برسوں کی طب ماڈرن سائنس سے کہیں افضل اور اعلیٰ نظر آتی ہے۔

⑥ کسی مرض کا علاج کبھی بھی کامیابی سے نہیں ہوسکتا، بلکہ یقیناً موت واقع ہو جاتی ہے، جب تک کہ خون کے اندر طاقت نہ ہو۔ گویا خون ہی زندگی اور طاقت ہے اور اس سے صحت بھی حاصل ہوتی ہے۔

⑦ خون کے اندر سے اس کے عناصر اور اجزاء اور اخلاط و کیفیات اگر کم ہو جائیں تو پھر اس کی قوت مدافعت اور قوت مدبرہ بدن کمزور ہو جاتی ہے جو صرف غذا ہی سے اعضاء کے ذریعے پیدا ہو سکتی ہے۔ کسی دوا سے نہ خون کے اجزا اور عناصر بن سکتے ہیں اور نہ ہی قوت مدافعت اور قوت مدبرہ بدن ہی پیدا ہو سکتی ہے چاہے وہ دوا تیز سے تیز اور کتنی ہی زہریلی کیوں نہ ہو۔ اس کو منہ کی بجائے انجکشن کے ذریعے بھی کیوں نہ دے دیا جائے۔ کبھی صحت نہ ہوگی بلکہ یقینی موت واقع ہوگی۔ انسانی صحت و زندگی اور طاقت کا راز غذا میں ہے، دوا میں نہیں...... دوا کا کام صرف یہ ہے کہ وہ ہمارے جسم کے مفرد اعضاء کے فعل کو تیز یا سست کر سکتی ہے اور بس۔ اگر کوئی فرنگی ڈاکٹر یا ماڈرن سائنس کا عامل ہمارے ان دلائل کو غلط ثابت کر دے تو ہم اس کو چیلنج کرتے ہیں۔ ان حقائق سے ثابت ہوا کہ زندگی و صحت اور طاقت کا راز دواؤں میں نہیں بلکہ صرف غذا میں ہے۔

مکمل اور کامیاب علاج کا راز

کسی تکلیف کا یہ علاج نہیں ہے کہ اس تکلیف کو رفع کر دیا جائے، یہ تکلیف کو دبا دیتا ہے۔ اصل علاج یہ ہے کہ اس کے اسباب کو رفع کر دیا جائے۔ جس تکلیف کو دبایا جا رہا ہے وہ تو اس تکلیف کی علامت ہے اس کو ہرگز دبانا نہیں چاہئے بلکہ اسی وجہ سے ہی اس مرض کا علم ہوتا ہے۔ اگر اسے ہی دبا دیا گیا تو مرض اور اس کے اصل سبب کے رفع ہونے کا کیا ثبوت ہے، لیکن اصل سبب رفع ہونے کے بعد اس کی علامت اور تکلیف خود بخود رفع ہو جائے گی۔ اس سے ثابت ہوگا کہ واقعی مرض ختم ہو گیا ہے۔

یاد رکھیں کہ سبب واصلہ ہمیشہ کسی مفرد عضو (ٹشوز) کی خرابی ہوگی اور اسی کے افراط و تفریط اور تحلیل سے مرض نمودار ہوتا ہے۔ اس میں مفرد عضو (نسیج) کے فعل میں خرابی تو اصل مرض ہے اور اس مفرد عضو (نسیج) کے عمل کی نوعیت افراط و تفریط اور تحلیل اس کی علامات ہیں۔ یہی تینوں علامات کمی بیشی اور مختلف حالات کے ساتھ بے شمار علامات بن جاتی ہیں۔ اب ایک حقیقت باقی رہ گئی ہے، وہ ہے اصل سبب جس نے سبب واصلہ پیدا کیا ہے، یعنی کسی مفرد عضو (نسیج) کے فعل میں خرابی پیدا کی ہے۔ وہ دو اسباب (۱) سبب بادیہ (۲) سبب سابقہ میں سے کوئی ایک ہوگا اور یہ سبب اس وقت عمل کرے گا جب خون کے اندر اپنی پوری کیفیت و مادی اثرات پیدا کرے گا۔ یہ جسم کی کیمیاوی حالت ہے اور مفرد عضو (نسیج) کی خرابی اس کی مشینی حالت۔ اگر صرف اس مفرد عضو (ٹشوز) کی مشینی حالت کی خرابی درست کر دی جائے گی تو عارضی اور وقتی علاج ہے اور اگر خون کی کیمیاوی حالت درست کر دی جائے گی تو مرض بالکل ختم ہو جائے گا۔ بس یہی مکمل اور کامیاب علاج کا راز ہے۔

اس مکمل اور کامیاب علاج کے راز پر غور کریں تو یہ بھی علاج بالغذا پر ایک زبردست دلیل ہے، کیونکہ جسم انسان کے خون کی کیمیاوی حالت یعنی اس کی مصفیٰ و مقوی اور مکمل صورت صرف غذا ہی سے ہو سکتی ہے کسی دوا سے نہیں ہو سکتی۔ اگر کوئی اس حقیقت کو غلط ثابت کر دے تو ہم اس کو بھی چیلنج کرتے ہیں۔ جو معالج بھی اس حقیقت پر غور کریں گے یقیناً زندگی میں کامیاب معالج ہوں گے۔ یہ راز طب یونانی اور آیورویدک کا پیش کردہ ہے کیونکہ ان کے علاج اخلاط و کیفیات اور دوشوں اور پرکرتیوں پر قائم ہیں جو کیمیاوی طریق علاج ہیں۔

ایلوپیتھی اور ہومیوپیتھی علاماتی علاج ہیں

اس میں کوئی انکار نہیں ہے کہ فرنگی طب (ایلوپیتھی) میں ماہیت مرض اور حقیقت اسباب پر تفصیل سے بحث کی گئی ہے مگر علاج کی صورت میں عملی طور پر کوشش صرف یہ کی جاتی ہے کہ مریض کو صرف علامات تکلیف دے رہی ہیں۔ ان کو رفع کر دیا جائے۔ مثلاً کہیں جسم میں سوزش و بخار کوئی بھی علامت ظاہر ہو تو اس کو دور کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، چاہے اس کے رفع کرنے سے مریض کو کتنی تکلیف ہو یا مر جائے یا

ہمیشہ کے لئے ناکارہ ہو جائے مگر ان کی کوشش یہی ہوتی ہے کہ وہ علامت دور ہو جائے اور اس پر وہ فخر کرتے ہیں اور یہ تمام کچھ وہ مسکنات و مخدرات اور منشیات سے کرتے ہیں اور اب تو ان کی کوشش صرف جراثیم کو ختم کرنے پر لگی ہوئی ہے سوائے جراثیم کے ان کو کسی سبب یا غذائی خرابی وغیرہ کی کوئی پرواہ نہیں ہے۔ بس اسی کا نام علاج رکھ دیا گیا ہے جس میں معالج کو غور کرنے کی ضرورت نہیں ہے صرف رفع علامات کے لئے چند ادویات کافی ہیں۔

جہاں تک ہومیوپیتھی کا تعلق ہے اس میں نہ امراض کا نام ہے نہ ان کے اسباب کا ذکر ہے اور نہ علم الغذا کی حقیقت پر بحث ہے۔ صرف علامات ہی علامات کا ذکر ہے اور انہی کو رفع کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اس لئے ہم بار بار لکھ چکے ہیں کہ ہومیوپیتھی کوئی طریق علاج نہیں ہے۔ یہ صرف خواص الادویہ کا ایک خاص طریقہ علاج ہے۔ اس لئے اس سے مکمل اور کامیاب علاج نہیں ہو سکتا۔ کیا کوئی ہومیوپیتھ ان حقائق سے انکار کر سکتا ہے۔

علم الامراض اور علامات

علم الامراض دراصل علم وفن طب کی جان ہے۔ جب علم الامراض پر پورا پورا عبور حاصل نہ ہو اس وقت تک کوئی انسان پورے طور پر معالج کہلانے کا حق نہیں ہو سکتا اور نہ ہی صحت کی پوری حفاظت کر سکتا ہے۔ اس لئے یہ امر ذہن نشین کر لیں کہ اس علم کے بغیر ہم کسی مرض کا پوری طرح علاج نہیں کر سکتے۔ مثلاً ایک مریض کسی معمولی مرض کی شکایت کرتا ہے جیسے بدہضمی۔ ظاہر میں یہ معمولی تکلیف ہے لیکن اہل فن جانتے ہیں کہ اس تکلیف کا تعلق پورے نظام اغذیہ سے ہے جو منہ سے لے کر مقعد تک پھیلا ہوا ہے اس میں منہ، دانت، معدہ و امعاء، جگر و طحال اور لبلبہ شریک ہیں اور ان کے علاوہ دیگر نظام ہائے جسم کا بھی ان پر اثر ہے جیسے (۱) نظام ہوائیہ (۲) نظام دمویہ (۳) نظام بولیہ۔ یہ تمام مرکب نظام ہیں جو جسم کے مفرد اعضاء (نشوز) کے نظام کے تحت کام کرتے ہیں۔ (۱) نظام عصبی (۲) نظام عضلاتی (۳) نظام غدی۔ ان مفرد اعضاء کی تدوین بے شمار مختلف حیوانی ذرات، خلیات (سیلز) سے عمل میں آئی ہے۔ جب تک نظام ہضم کی صحیح خرابی کا مقام و سبب اور دیگر اعضاء کا تعلق سامنے نہ آئے اس وقت تک اس معمولی بدہضمی کا صحیح معنوں میں علاج نہیں ہو سکتا صرف ہاضم و مقوی معدہ اور ملین و مسہل ادویات کا استعمال کرا دینا علاج نہیں کہلا سکتا۔ ایسا کرنا عطایانہ علاج ہو گا چاہے پیٹنٹ ادویات اور انجکشنوں سے کیوں نہ علاج کیا جائے۔ یہ مریضوں پر ظلم ہے اور فن علاج کی بدنامی ہے۔ ایسے عطایانہ علاج سے یا تو مریض مر جاتا ہے یا ہمیشہ کے لئے کسی مشکل مصیبت میں گرفتار ہو کر اپنی زندگی کو برباد کر لیتا ہے۔ ایسے عطایانہ علاجوں سے بچنا چاہئے۔

علم الامراض کی حقیقت کو ذہن نشین کرنے سے قبل انسان کو علم تشریح الابدان، علم افعال الاعضاء اور علم افعال نظام ہائے جسم کا پوری طرح علم ہونا چاہئے یعنی صحت کی حالت میں اعضاء کی صورت اور مقام اور ان کے صحیح افعال اور نظام ہائے جسم کے حقیقی اعمال کی مکمل کیفیت کیسی ہوتی ہے۔ اس کے بعد جسم انسان کے جس حصہ میں کسی قسم کی کوئی خرابی واقع ہو جائے گی تو فوراً اس کے بارے میں مرض کی پوری حقیقت ذہن نشین ہو جائے گی۔

علم الامراض کی تعریف: یہ ایک ایسا علم ہے جس سے ہر مرض کی ماہیت اور حقیقت اس طرح ذہن نشین ہو جاتی ہے کہ مرض کی ابتداء اس کی شکل وصورت، جسم کی تبدیلیاں، خون میں تغیرات، خراب مادوں کی پیدائش اور ان کے نظام کا پورا نقشہ سامنے آ جاتا ہے۔ اس علم کو انگریزی میں پیتھالوجی کہتے ہیں۔

مرض کی حقیقت

مرض بدن کی اس حالت کا نام ہے جب اعضائے بدن اور مجاری (راستے) اپنے افعال صحیح طور پر انجام نہ دے رہے ہوں۔ یہ صورت جسم کے تمام اعضاء اور مجاری یا کسی ایک عضو اور مجریٰ میں واقع ہو جائے مرض کہلاتا ہے۔ گویا ہر حالت میں مرض کی دو صورتیں سامنے آئیں گی؛ اوّل عضو کے فعل میں خرابی کا ہونا اور دوسرے خون میں تغیر پیدا ہو جانا۔ اوّل صورت کا نام مشینی (مکینکی) خرابی اور دوسری صورت کا نام کیمیاوی (کیمیکل) نقص ہوگا۔

مشینی افعال: مشینی افعال کی تشخیص کے لئے اوّل نظام ہائے جسم پر مرکب اعضاء اور آخر میں مفرد اعضاء پر غور کرنے کے بعد ان کے افعال کی کمی بیشی کو مدنظر رکھنا چاہئے۔

کیمیاوی اثرات: کیمیاوی اثرات کے لئے کیفیات و اخلاط کی خرابی کے ساتھ ساتھ ان کے اجزائے حرارت و ہوا اور رطوبت کی کمی بیشی اور تغیرات کا جاننا ضروری ہے تا کہ مشینی افعال کے ساتھ کیمیاوی اثرات کے توازن کا اندازہ ہو۔

علامات کی حقیقت

علامات کی تعریف یہ کی جاتی ہے کہ وہ مرض کی دلیل بن سکے یعنی علامات مرض کی طرف رہنمائی کر سکیں۔ گویا مرض اور علامات دو مختلف حقیقتیں ہیں۔ علاج میں کامیابی کا راز یہ ہے کہ علاج مرض کا کیا جائے۔ علامت کو کبھی مرض قرار نہ دیا جائے۔

اگر شیخ الرئیس کی تعریف مرض کو سامنے رکھا جائے تو علامت اس پر صحیح صادق آتی ہے یعنی جسم انسان کو جو مجریٰ اپنے افعال صحیح طور پر انجام نہیں دے رہے ہیں، ان سے جسم کی طرف جو صورتیں دلالت کرتی ہیں، بس وہی علامات ہیں۔ مثلاً نزلہ ہے جو بذاتِ خود ایک بڑی علامت ہے۔ آنکھ، ناک، حلق کی سوزش، درد سر اور درد گلو، سردی یا گرمی اور تری یا خشکی کا احساس، قبض یا اسہال، ہاضمہ کی خرابی یا بھوک اور پیاس کی شدت۔ بدن کا بہت زیادہ سرد یا گرم ہونا یا بخار ہو جانا شدید صورت میں ناک اور حلق کے اندر سوجن یا نکسیر کا آنا۔ پیشاب کی زیادتی یا کمی کا پیدا ہونا، وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب علامتیں ہیں، ان کو علامتیں رہنا چاہئے، کبھی بھی مرض کا مقام نہیں دینا چاہئے۔ اگر یہی علامات تمام کی تمام اس عضو کے ساتھ مخصوص کر دی جائیں جس کے افعال میں خرابی سے یہ پیدا ہوتی ہے تو تشخیص مرض اور علاج میں تمام خرابیاں دور ہو جاتی ہیں۔ اس کے برعکس تشخیص آسان اور علاج سہل ہو جاتا ہے۔

امراض اور علامات کا فرق

اس وقت دُنیا میں جس قدر طریق ہائے علاج ہیں جن میں آیورویدک، طب یونانی اور ایلوپیتھی شامل ہے، سب میں مرض اور علامت کا صحیح فرق پیش نہیں کیا گیا۔ ان سب میں اگر ایک موقع پر ایک حالت کو مرض کہہ دیا ہے تو دوسرے موقعہ پر اس کو علامت بنا دیا ہے۔ مثلاً مطلق درد یا درد سر یا کسی اور جسم کے درد کو ایک وقت میں مرض کا عنوان دے دیا ہے اور دوسری جگہ کسی مرض میں اسی درد کو کسی کی علامت قرار دے دیا ہے۔ طالب علم جب اس صورت کو دیکھتا ہے تو پریشان ہو جاتا ہے کہ مرض قرار دے یا علامت کی صورت میں جگہ دے۔ یہیں پر بس نہیں مگر پھر سر سے پاؤں تک مختلف اعضاء کے تحت مختلف صورتوں اور مختلف کیفیات میں یہی درد کبھی مرض قرار دیا جاتا ہے اور کبھی علامت بنا کر ظاہر کیا جاتا ہے۔ پھر ہر درد کی ماہیت جدا، اُصول علاج الگ اور علاج کی صورتیں علیحدہ بنا کر دی جاتی ہیں، مثلاً سوزش و ورم اور بخار و ضعف میں پائی جاتی ہیں۔ پھر ان کے اقسام میں جو صرف کمی بیشی یا مقام کے بدلنے سے پیدا ہوتے ہیں اسی طرح ان کے فرق حاد و مزمن اور شرکی

وغیرہ کے تحت بھی بیان کیے جاتے ہیں۔ پھر ان کے ساتھ ہی علاج وادویات اور اغذیہ بدل کر ایک پریشانی پیدا کر دی جاتی ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ علامت ہر جگہ علامت ہے جو مرض کی رہنمائی کرتی ہے اور مرض مفرد اعضاء کی خرابی کا نام ہے۔

ہماری تحقیقات کا نتیجہ

ہماری تحقیقات سے اوّل یہ حقیقت واضح ہوگئی ہے کہ امراض و علامات صرف انسانی جسم کی دو مختلف صورتیں ہیں۔ علاج صرف امراض کا کرنا چاہئے، علامات کا نہیں، کیونکہ امراض کے ختم ہونے کے بعد تمام علامات خود بخود رفع ہو جاتی ہیں۔

دوسرے امراض خون میں خرابی (کیمیاوی تغیرات) سے پیدا ہوتے ہیں اور خون غذا سے پیدا ہوتا ہے۔ خون میں جو خرابی ہوگی وہ غذا کی کمی بیشی کا نتیجہ ہے۔

تیسرے کسی قسم کی دوا یا زہر جسم یا خون کا جز نہیں ہے۔ تمام جسم صرف خون سے بنتا ہے۔ خون صرف غذا سے بنتا ہے۔ دوا اور زہر اعضائے جسم میں داخل ہونے کے بعد اپنے اثرات سے صرف اعضاء کے افعال میں کمی بیشی اور تحلیل ایک عرصہ تک قائم رکھنے کے بعد جسم سے خارج ہو جاتے ہیں اور اپنی شدت سے موت کا باعث بن جاتے ہیں۔

چوتھے اغذیہ وادویہ اور زہر تینوں صرف مفرد اعضاء پر اثر انداز ہوتے ہیں لیکن خون کی تکمیل صرف غذا سے ہوتی ہے اور اسی کا دائمی اثر (کیمیاوی) اعضاء کے افعال پر قائم رہتا ہے۔

پانچواں مستقل اور مکمل علاج صرف غذا سے ہوسکتا ہے۔ دوا اور زہر سے صرف عارضی علاج ہوتا ہے۔

چھٹے دوا اور زہر کے علاج سے صرف خون کی کمی اور خرابی و کمزوری پوری نہیں ہوسکتی۔ اس لئے اس سے عارضی علاج ہوتا ہے۔

ساتویں جسم میں جہاں کہیں مرض ہوتا ہے وہاں کے اعضاء اپنی ضرورت غذا کو طلب کرتے ہیں جو غذا سے ہی پوری ہوتی ہے، دوا سے نہیں ہوسکتی۔

خواص الاغذیہ بہ نظریہ مفرد اعضاء

تمام امراض چونکہ مفرد اعضاء کی خرابی (کمی، بیشی اور تحلیل) سے پیدا ہوتے ہیں جیسا کہ ہم گزشتہ تحقیقات میں ثابت کر چکے ہیں اس لئے ہر قسم کی اغذیہ بلکہ ادویہ اور زہروں وغیرہ کے اثرات بھی صرف انہی مفرد اعضاء پر عمل میں آتے ہیں۔ اغذیہ تو ہضم ہو کر خون بن جاتی ہیں لیکن ادویہ اور زہر تو اپنے اثرات کے بعد خارج ہوتے یا اپنی شدت سے موت کا باعث بن جاتے ہیں۔ انسجہ (مفرد اعضاء) چونکہ چار اقسام کے ثابت ہو چکے ہیں۔ اس لئے اغذیہ بلکہ ادویہ اور زہر بھی اپنے اندر صرف چار اقسام کے اثرات رکھتے ہیں جو انہی انسجہ (مفرد اعضاء) پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ان چار انسجہ کے علاوہ کوئی نسیج ہی نہیں ہے غذا و دوا اور زہر کس پر اثر کر سکتے ہیں۔ آیورویدک نے تین دوش وات، پت، کف اور چوتھے رکت (خون) کو تسلیم کیا ہے اور طب یونانی نے چار اخلاط خون، بلغم، صفرا اور سودا تسلیم کئے ہیں۔ گویا آیورویدک اور طب یونانی بھی ہر غذا و دواء اور زہر کے ماڈرن سائنس کی طرح چار ہی قسم کے خواص اور اثرات تسلیم کرتی ہیں جن سے ان چار قسم کے انسجہ (مفرد اعضاء) کی غذا بنتی ہے۔

جیسا کہ ہم اپنے رسائل میں انسجہ اور اخلاط کی تخلیق میں ثابت کر چکے ہیں اور ماڈرن سائنس نے خون کے اندر جو پندرہ سولہ اجزاء پیش کئے ہیں۔ وہ بھی انہی چار انسجہ کی غذا بنتے ہیں۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو آیورویدک کے دوش و رکت اور اخلاط بھی انہی خون کے اثرات سے مرکب ہیں۔ ان حقائق سے ثابت ہوا کہ آیورویدک اور طب یونانی کی تحقیقات ماڈرن میڈیکل سائنس اور فرنگی طب سے کہیں زیادہ صحیح اور کامیاب ہے۔

اشیاء کے اثرات اور جسم انسان

اغذیہ و اشیاء اور دوا و زہر کے اثرات صدیوں سے جسم انسان پر معلوم کئے جا رہے ہیں اور ہزاروں اشیاء کے اثرات اس وقت ہمیں معلوم ہو چکے ہیں جو روزانہ اغذیہ اور ادویات کی صورت میں استعمال ہو رہی ہیں اور بہت حد تک یقین کے ساتھ ہو رہی ہیں اور یہ سب کچھ تجربہ و مشاہدہ اور تحقیقات کے کمالات ہیں لیکن حیرت اس بات پر ہے کہ جب بھی ان اغذیہ اور اشیاء و ادویہ اور زہروں پر تجربات و مشاہدات کئے جاتے ہیں ان میں نئے نئے اسرار و رموز سامنے آتے رہتے ہیں۔

اشیاء کے اثرات کی حقیقت

آیورویدک اور طب یونانی کے عملی دور سے قبل امراض صرف علامات تک محدود تھے۔ جب کسی کو کوئی تکلیف ہوتی تھی تو مذہبی پیشوا اپنے تجربات و مشاہدات یا معلومات اور خوابوں کے ذریعے جو علم رکھتے تھے، لوگوں کو ان کی تکالیف اور خراب معاملات کو رفع کرنے کے لئے اغذیہ و ادویہ یا کوئی شے یا کوئی عمل بتا دیا کرتے تھے۔ صدیوں تک یہ سلسلہ جاری رہا اور اکثر ادویہ و اغذیہ اور اشیاء کے خواص تحریر میں آ گئے

تا کہ ضرورت کے وقت ان سے کام لیا جائے لیکن ایسے علاج صرف ادویات کے استعمال تک محدود تھے۔ ان میں علاج کے اصول ونظریات اور قانون وفلسفہ کو دخل نہیں ہوا کرتا تھا بلکہ ان کو جادو ٹونہ اور تعویذ گنڈے کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا۔ آج کل بھی عطایانہ علاج اسی قسم کے اکثر دیکھے جاتے ہیں۔

جب آیورویدک اور طب یونانی کے دور شروع ہوئے تو اغذیہ وادویہ اور اشیاء کو تکلیف اور خراب علامات کے رفع کرنے کی بجائے بالواسطہ دوشوں اور اخلاط وکیفیات کے تحت استعمال کرنا شروع کر دیا۔ البتہ ان میں ادویات کے بالخاصہ اثرات کو کسی نہ کسی تکلیف اور خراب علامت کے لئے مخصوص کر دیا گیا اور اس طرح یہ سلسلہ بھی صدیوں چلتا رہا۔ اسلامی دور میں تحقیقات خواص اغذیہ وادویہ اور اشیاء وزہروں کو کیفیات واخلاط کے ساتھ ساتھ اعضاء کے افعال واثرات کو بھی مدنظر رکھا گیا۔ البتہ بالخاصہ فوائد کو بھی ضرور مدنظر رکھا گیا کیونکہ ان کی نوعیتی صورت کے تحت یہ فوائد بھی ضروری سمجھے گئے۔ یہ سلسلہ بھی کئی سو سال تک جاری رہا۔ اس کے بعد اسلامی دور کی تحقیقات پر ہی فرنگی طب کی بنیاد رکھی گئی۔ کچھ عرصہ تو یہ سلسلہ جاری رہا لیکن جلد ہی اس کی تحقیقات موڑ بدل گئی اور اغذیہ واشیاء اور ادویہ وزہروں کے افعال واثرات کو اعضاء کے ساتھ مخصوص کرنے کی بجائے جراثیم کی طرف بدل دیا۔ پھر ہر تکلیف اور علامت کے لئے جراثیم تلاش کئے گئے جس تکلیف وعلامت کے جراثیم نہ معلوم ہو سکے ان کو مخصوص یا عمومی قسم کی کمزوری کہہ دیا گیا۔ اگر ان کے اثرات وافعال بالاعضاء لئے گئے تو ان کا تعلق مرکب اعضاء تک رہا یا کسی نہ کسی تکلیف اور علامت کے ساتھ مخصوص کر دیئے گئے۔ اس طرح فرنگی میڈیکل سائنس کا رُخ بالکل بدل گیا اور جو تحقیقات اسلامی دور میں کمال تک پہنچی تھیں وہ فرنگی دور میں ختم ہو گئیں جس کے ساتھ فرنگی طب کی نشوونما ارتقا کی گئی اور اب صرف پیٹنٹ ادویات میں ڈوب کر فنا ہو گئی ہے۔ جہاں سے اس کا نکلنا بہت مشکل ہے۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ ماڈرن میڈیکل سائنس نے تشریح الابدان (اناٹومی) میں اس قدر تحقیقات کی ہے کہ اس کو انسجہ وخلیات (ٹشوز وسیلز) تک پہنچا دیا مگر اغذیہ واشیاء اور ادویہ اور زہروں کے اثرات وافعال کی بنیاد ان ٹشوز انسجہ (مفرد اعضاء) پر نہ رکھی اور علم وفن طب اپنے کمال کو نہ پہنچ سکا۔

خداوند حکیم اور خالق قدرت وفطرت جس کو چاہیں عزت دیں۔ انہوں نے یہ عزت وکامیابی ہمارے نام کے ساتھ لکھ دی تھی اور امراض وعلامات کی تحقیقات کا کام ہم سے پورا کرانا تھا یعنی امراض کے بنیادی اعضاء ومفرد اعضاء اور انسجہ پر ہم سے تحقیقات مکمل کرانا تھی۔ ہم نے تحقیقات سے ثابت کر دیا ہے کہ امراض مفرد اعضاء (انسجہ) کی خرابی (کمی، بیشی اور تحلیل) کا نام ہے۔ باقی ہر قسم کی تکالیف علامات ہیں۔ علاج میں امراض کو مدنظر رکھنا چاہئے۔ دیگر الفاظ میں مفرد اعضاء (انسجہ) کے افعال کو درست کرنا چاہئے کیونکہ اغذیہ واشیاء اور ادویہ اور زہروں کا اثر انہی پر ہوتا ہے اور انہی کی درستی سے صالح خون پیدا ہوتا ہے جو حقیقی شفا ہے۔

اشیاء کے تین اقسام

قدرت نے اپنی فطرت کی تکمیل کے لئے دُنیا بھر کی اشیاء کو صرف تین اقسام میں تقسیم کر دیا ہے تا کہ ان کے افعال واثرات کو سمجھنے میں سہولت رہے۔ اوّل جمادات، دوم نباتات، سوم حیوانات جن کو موالید ثلاثہ کا نام دیا گیا ہے۔ جمادات کائنات وزندگی کی ابتدائی صورت ہے جس کے نشوونما ارتقائے نباتات کی صورت پیدا کی ہے۔ جمادات اور نباتات میں نمایاں فرق ہے۔ جمادات میں مٹی، پتھر سے لے کر نمک اور گندھک اور ہر قسم کی دھاتیں اور پارہ تک پائے جاتے ہیں، اگرچہ مٹی کا تیل اور پتھر کا ست (سلاجیت) بھی قدرت نے پیدا کئے ہیں لیکن نباتات میں جو فولاد و چونہ اور نمکیات وگندھک، تیل وشکر، پھلوں کے رس اور میوہ جات کے روغن پیدا کر دیئے ہیں وہ جمادات میں قطعاً نہیں پائے جاتے۔ پھر اسی نباتات کو حیوانات کی غذا بنا دیا ہے لیکن حیوانات میں جو خوبیاں قدرت نے پیدا

کی ہیں وہ فطرت کے نشوو ارتقاء میں درجہ کمال رکھتی ہیں۔ حیوانات میں گوشت و چربی اور دودھ اور گھی کے خزانے اور ندیاں بہا دی ہیں۔ یہ چیزیں نباتات میں ناپید ہیں اور ان کے ساتھ ہی حیوانی چونا، حیوانی فولاد، گندھک، حیوانی نمکیات اور حیوانی رطوبات دودھ اور شہد کے اپنے نشوو ارتقاء کا درجہ انتہائی کمال پہلو ہے۔

موالید ثلاثہ کا استعمال

جہاں تک موالید ثلاثہ (جمادات و نباتات اور حیوانات) استعمال کرنے کا تعلق ہے ان میں سے جمادات میں صرف کھانے کا نمک بطور غذا استعمال ہوتا ہے اور باقی تمام جمادات ان میں پتھر و جواہرات ہوں یا لوہا و سونا اور سمیات و پارہ تمام ادویات میں استعمال ہوتے ہیں۔ نباتات میں اغذیہ بھی ہیں اور ادویہ بھی شامل ہیں۔ اغذیہ میں اناج و سبزیاں، پھل، میوے، تیل و شکر سب ہمارے روزانہ کھانے پینے میں شامل ہیں۔ ادویہ میں زہریلی اور غیر زہریلی جڑی بوٹیاں، ان کے پھول و پھل اور ان کے پتے اور شاخیں سب شریک ہیں جن کے متعلق پوری تمیز اور پہچان کتب میں لکھ دی گئی ہے۔ اسی طرح حیوانات میں جن حیوانات کے جسم میں زہر اور تعفن نہیں ہے ان کا گوشت چربی اور دودھ و گھی انسانی غذا میں استعمال ہوتا ہے۔ جہاں تک ان اشیاء کے جزو بدن ہونے کا تعلق ہے جمادات تو جزو بدن ہوتے ہیں۔ نباتات بہت کم جزو بدن ہوتے ہیں اور زیادہ مقدار میں جسم سے خارج ہو جاتے ہیں، لیکن حیوانات جو قابل غذا ہیں زیادہ تر جزو بدن ہوتے ہیں اور بہت کم ان کا فضلہ خارج ہوتا ہے۔ جو لوگ گوشت و چربی نہیں استعمال کرتے ان کی غذا میں حیوانی دودھ و گھی اور شہد ہوتا ہے اور جو گوشت و چربی کھاتے ہیں وہ پرندوں کے انڈے اور مچھلی بھی کھاتے ہیں اور یہ اشیاء بھی گوشت میں شریک ہیں۔ دُنیا میں غذا کے طور پر جو شے سب سے زیادہ کھائی جاتی ہے وہ کسی نہ کسی شکل میں گوشت ہوتا ہے۔ دوسرے درجہ پر دودھ ہے، تیسرے درجے میں پھل اور میوہ جات ہیں اور آخری درجہ میں اناج ہیں۔ گوشت اور دودھ کے زیادہ استعمال سے ثابت ہوتا ہے کہ اجزائے لحمیہ جو دونوں میں پائے جاتے ہیں انسانی غذا کا سب سے نہ صرف بڑا جزو ہیں بلکہ ضروری جز اور بے حد مفید بھی ہیں۔ بچہ کی پرورش دو سالوں تک دودھ پر ہوتی ہے اور پھر تمام عمر دودھ یا اس کے مختلف اجزاء مکھن و گھی، دہی و پنیر وغیرہ کسی نہ کسی رنگ میں روزانہ کھاتا پیتا رہتا ہے۔ جب یہ دونوں اشیاء میسر نہ ہوں تو غذا کا توازن بگڑ جاتا ہے اور انسانی صحت بگڑنا اور گرنا شروع ہو جاتی ہے۔ گوشت اور دودھ کے اجزا کی ضرورت پھلوں اور اناجوں سے ہرگز پوری نہیں ہوتی۔ اگرچہ ان میں اجزائے لحمیہ کسی نہ کسی حد تک موجود ہوتے ہیں، لیکن نباتی اجزائے لحمیہ حیوانی اجزائے لحمیہ کا مقابلہ کسی صورت میں نہیں کر سکتے۔ یہی فرق تیل و گھی اور بناسپتی گھی اور اصل گھی کا ہوتا ہے۔

فرنگی طب کی غذا کے متعلق تحقیقات

فرنگی طب نے اغذیہ کا تجزیہ کر کے ثابت کیا ہے کہ انسانی غذا میں کم از کم ان چار اجزاء کا ہونا ضروری ہے: (۱) پروٹین۔ اجزائے لحمیہ (۲) فیٹس۔ اجزائے روغنیہ (۳) کاربوہائیڈریٹس۔ اجزائے شکریہ و نشاستہ (۴) سالٹس۔ نمکیات، اور ان کے ساتھ پانچویں شے پانی شریک ہے اور اس نے ثابت کیا ہے کہ گوشت و انڈہ اور دودھ میں کم و بیش یہ پانچوں اجزا پائے جاتے ہیں۔ اگرچہ یہ اجزاء اناجوں، سبزیوں، پھلوں اور میوہ جات میں پائے جاتے ہیں لیکن ہر ایک میں تمام اجزاء شریک نہیں ہوتے۔ اس لئے اس کو مکمل غذا نہیں کہا جاتا اور جب تک غذا کے مکمل اجزاء جسم انسان میں داخل نہ ہوں، اس وقت تک نہ ہی مکمل اور صالح خون بنتا ہے اور نہ ہی صحت قائم رہ سکتی ہے۔ اس لئے صحت و طاقت اور زندگی کے لئے غذا کا صحیح توازن بے حد ضروری ہے۔ اس غذا کے تجزیہ کے ساتھ فرنگی طب نے وٹامن (حیاتین) کا بھی ذکر کیا ہے لیکن ہم اس

کو فرنگی طب کی تجارت کا ایک زبردست چکر خیال کرتے ہیں جس کا ذکر ہم نے اپنی کتاب ''تپ دق اور خوراک'' میں کیا ہے۔

اس تحقیقات سے یہ بھی ثابت ہے کہ گوشت اور دودھ (پروٹین-اجزائے لحمیہ) کو غذا میں اوّلین اہمیت حاصل ہے۔

اشیاء کے صرف تین اثرات

خداوند کریم نے دُنیا میں جس قدر اشیاء پیدا کی ہیں ان کا شمار ناممکن ہے لیکن حکما نے ان کو موالید ثلاثہ جمادات و نباتات اور حیوانات، تین اقسام میں تقسیم کر دیا ہے۔ ان کا نمایاں فرق حکماء اور عقلمندوں کے سامنے ہے جس سے ان کے افعال و اثرات اور خواص و فوائد حاصل کرنے میں نہ صرف سہولتیں ہوتی ہیں بلکہ ان کے استعمال میں آسانیاں پیدا ہوگئی ہیں۔ ان کے امتیازات پر ہم مختصر روشنی ڈال چکے ہیں۔

موالید ثلاثہ کی تقسیم کی طرح ہم نے بھی دُنیا کی بے شمار اشیاء کے فوائد و خواص کو جاننے کے لئے انہیں مفرد اعضاء (انسجہ) کے تحت صرف تین اثرات میں تقسیم کر دیا ہے تاکہ ان کے افعال و اثرات کو سمجھنے میں مشکلات پیدا نہ ہوں اور انہی تین اثرات و افعال کو ضرورت کے مطابق آئندہ پھیلایا جا سکتا ہے۔ اس طرح علاج میں کسی قسم کی غلطی کا امکان بہت کم ہوتا ہے اور عوام بھی بڑی سہولت سے ہر شے کو یقین سے استعمال کر کے مستفید ہو سکتے ہیں۔

جاننا چاہئے کہ دُنیا بھر میں موالید ثلاثہ کی شکل میں جس قدر اشیاء پائی جاتی ہیں وہ اپنے اندر صرف تین اثرات رکھتی ہیں۔ خالق مطلق نے چوتھا اثر ہی پیدا نہیں کیا۔ البتہ انہی تین اثرات کو خلط ملط کرنے سے سینکڑوں اور ہزاروں رنگ بنائے جا سکتے ہیں۔ وہ تین اثرات کھار، ترشی اور نمک ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ نمک بھی کھار اور ترشی کا مرکب ہے۔

دُنیا بھر کی کسی شے کو استعمال کریں اس کے اثرات و افعال میں کھاری پن ہوگا یا ترشی کی کیفیت یا نمکین حالت پائی جائے گی۔ جب ہم ان تینوں چیزوں کو بار بار استعمال کرتے ہیں اور تجربہ و مشاہدہ کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ **کھار کے استعمال سے جسم میں رطوبات اور ٹھنڈک بڑھ جاتی ہے اور ان کا اخراج بھی زیادہ ہوتا ہے۔ ترشی کے استعمال سے جسم میں خشکی اور جوش بڑھ جاتا ہے اور ریاح کے اثرات نمایاں ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح نمک کے استعمال سے جسم میں حرارت اور تیزی زیادہ ہو جاتی ہے اور جسم میں نرمی پیدا ہو جاتی ہے۔**

کھار و ترشی اور نمک کے اثرات بالمفرد اعضاء

① کھاری اشیاء جو جسم میں رطوبات و تری و بلغم پیدا کرتی ہیں۔ ان کا اثر نسیج اعصابی پر ہوتا ہے جس کا مرکز دماغ ہے۔ اس میں قارورہ مقدار میں زیادہ اور اس کا رنگ سفید یا مائل نیلاہٹ ہوتا ہے۔

② ترش اشیاء جو جسم میں خشکی اور جوش اور ریاح پیدا کرتی ہیں۔ ان کا اثر نسیج عضلاتی پر ہوتا ہے جس کا مرکز دِل ہے۔ اس میں قارورہ مقدار میں کم اور اس کا رنگ سرخ یا مائل زردی ہوتا ہے۔

③ نمکین اشیاء جو جسم میں حرارت و تیزی اور صفراء پیدا کرتی ہیں ان کا اثر نسیج قشری پر ہوتا ہے جس کا مرکز جگر ہے۔ اس میں قارورہ مقدار میں مناسب یا جلن کے ساتھ اور اس کا رنگ زرد یا زرد سفیدی مائل ہوتا ہے۔ تین ہی حیاتی اعضاء ہیں، یہی اعضائے رئیسہ ہیں، چوتھا مفرد عضو نسیج الحاقی بنیادی عضو میں شریک ہے۔ اس کو غذا حیاتی اعضاء سے ملتی ہے۔

مفرد اعضاء کے تحت ذائقے

ہر مفرد عضو (نسیج) کے لئے دو دو ذائقے ہیں۔ اعصاب کے تحت ایک شیریں دوسرا کسیلا۔ عضلات کے تحت ایک ترش دوسرا تلخ۔ غدد کے تحت ایک چرپرا اور دوسرا نمکین۔ گویا کل چھ ذائقے اور مزے ہیں۔ ان کو آیورویدک میں رس اور انگریزی میں ٹیسٹ (Taste) کہتے ہیں۔ دُنیا بھر کی کوئی غذا اور دوا اور زہر ایسا نہیں ہے جو ان چھ ذائقوں اور مزوں سے باہر ہو۔ بس یہی تین اثرات وافعال اور چھ ذائقے اور مزے خواص وفوائد غذائی علاج کی طرف رہنمائی کرتے ہیں۔

ضرورت غذا

اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کرسکتا کہ انسان کی زندگی وقوت اور صحت کا دارومدار صرف کھانے پینے اور ہوا پر ہے اور ان میں غذا کو بھی زبردست اہمیت حاصل ہے کیونکہ انسان بغیر غذا کے ہوا اور پانی پر کچھ عرصہ تک زندہ رہ سکتا ہے لیکن بغیر غذا اس کی طاقت روز بروز گھٹتی چلی جاتی ہے اور صحت بگڑنی شروع ہو جاتی ہے۔ یہاں تک کہ وہ انتہائی کمزور ہو کر مر جاتا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ زندگی کے ساتھ صحت اور طاقت کا راز غذا میں پوشیدہ ہے کیونکہ اس غذا سے جو طاقت پیدا ہوتی ہے وہ اس قوت کا بدل بنتی ہے جو روزانہ انسانی جسم اپنے احساسات و حرکات اور ہضم غذا پر خرچ کرتا ہے۔ گویا غذا کا سب سے بڑا کام بدل ما یتحلل کو پورا کرنا ہے۔ **بعض لوگوں میں کثرت محنت کی وجہ سے زیادہ قوت خرچ ہوتی اور ان میں زیادہ تحلیل واقع ہوتی ہے۔ ان میں بھی بعض دماغی محنت کرتے ہیں جس سے ان کے اعصاب کمزور ہوجاتے ہیں جن کا تعلق دماغ سے ہے اور بعض محنت تو کسی قسم کی نہیں کرتے مگر کثرت خوراک کے عادی ہوتے ہیں، ان کے غدد اور گردے کمزور ہوجاتے ہیں جن کا تعلق جگر سے ہوتا ہے، کیونکہ کثرت خوراک سے ان کے جگر اور گردوں وغدد کو بہت محنت کرنا پڑتی ہے۔**

اس لئے جس قسم کی جسم انسان کو محنت کرنی پڑتی ہے اسی قسم کی کمزوری واقع ہوتی ہے۔ اگر اس کمزوری کو رفع نہ کیا جائے تو صحت خراب ہونا شروع ہوجاتی ہے۔ آخرکار انسان مریض ہوجاتا ہے۔

اسی طرح ہر عمر میں مختلف قسم کی غذا کی ضرورت ہوتی ہے۔ اگر اس عمر میں ویسی غذا میسر نہ ہوتو کمزوری واقع ہوکر صحت بگڑنا شروع ہو جاتی ہے۔ مثلاً: بچپن میں جب اس کے لئے نشوونما وارتقاء کی ضرورت ہوتی ہے، اس میں تری زیادہ ہوتی ہے جو اس کی گرمی پر غالب رہتی ہے۔ یعنی تر گرم (اعصابی غدی) ہوتا ہے۔ جوانوں کا مزاج غدی ہوتا ہے۔ اس میں گرمی اور تری برابر ہوتی ہے یعنی گرم تر (غدی اعصابی) ہوتا ہے۔ بوڑھوں کا مزاج عضلاتی ہوتا ہے۔ ان میں خشکی غالب رہتی ہے یعنی خشک گرم (عضلاتی غدی) ہوتا ہے۔ جب بھی ان کے مزاجوں کے مطابق غذا نہیں ملتی تو ان میں کمزوری پیدا ہونا شروع ہو جاتی ہے جس سے اس کے اندر امراض پیدا ہو جاتے ہیں۔ جب غذا ان کے مطابق میسر آ جاتی ہے تو مرض رفع ہو جاتا ہے۔ اسی طرح آب وہوا نفسیاتی وکیفیاتی اثرات کے تحت بھی غذا میں کمی بیشی ہوکر ضعف اور مرض پیدا ہو جاتا ہے۔

جاننا چاہئے کہ جب بھی کسی قسم کی محنت کی جاتی ہے تو اس کا اثر خون کے ساتھ جسم انسان کے ان مفرد اعضاء (انسجہ) پر پڑتا ہے جن سے جسم انسانی مرکب ہے۔ اسی محنت سے ایک طرف جسم میں خون اور اس کی طاقت خرچ ہوتی ہے اور دوسری طرف جسم کے خلیات (سیلز) میں ٹوٹ پھوٹ ہوتی ہے جن سے مفرد اعضاء (انسجہ) بنتے ہیں۔ یہ ہم پہلے واضح کر چکے ہیں کہ خون حرارت ورطوبت اور ریاح سے مرکب ہے۔ ان کا پورا پورا امتزاج ہی اس کی صحیح معنوں میں طاقت ہے۔ اسی طرح ہمارے مفرد حیاتی اعضاء (انسجہ) بھی تین قسم کے ہیں، اعصابی وغدی اور عضلاتی۔ ان کے بھی صحیح معنوں میں افعال ہی ان کی قوت ہیں۔ یہ بھی ہم واضح کر چکے ہیں کہ

اعصاب کا تعلق رطوبت اور بلغم سے ہے۔ غدد کا تعلق حرارت اور صفراء سے ہے۔ عضلات کا تعلق ریاح اور خون سے ہے۔ اس لئے خون کی کمی اور کمزوری اور خلیات کی ٹوٹ پھوٹ کے لئے ہمیں متوازن غذا کی ضرورت ہے۔ اگر کوئی مرض پیدا ہو جائے تو اس کے لئے مناسب غذا کی ضرورت ہے۔ یہ ہم کئی بار واضح کر چکے ہیں کہ خون صرف غذا سے بنتا ہے دوا سے نہیں بنتا۔ اسی طرح مفرد اعضاء (انسجہ) خون سے بنتے ہیں۔ البتہ دوا اور زہران کے افعال میں کمی بیشی اور تحلیل ضرور کر سکتے ہیں۔ اس لئے زندگی وقوت اور صحت کا دارومدار صرف غذا پر ہے۔

جسم انسان کو کیسی غذا کی ضرورت ہے

انسان اشرف الخلوقات ہے۔ فلسفہ ارتقاء کے تحت انسان کا مقام حیوان سے افضل ہے۔ اس لئے انسان کی غذا حیوانات پر ہے۔ اس پر دلیل یہ ہے کہ بچہ کی پہلی غذا ماں کا دودھ ہے جو حیوانی غذا ہے۔ جب انسان بڑا ہوتا ہے تو اس کی غذا حیوانی گوشت ہوتا ہے جس میں انڈے اور مچھلی بھی شریک ہے۔ اس حیوانی غذا میں انسانی زندگی وقوت اور صحت قائم رکھنے کے لئے سب اجزاء شامل ہوتے ہیں لیکن جب انسان کو حیوانی غذا میسر نہ رہی یا وہ قلیل ہوگئی تو پیٹ بھرنے کے لئے انسان نے پھلوں اور میوہ جات کا استعمال شروع کر دیا۔ ان میں ایک طرف پیٹ کے لئے تسکین تھی اور دوسری طرف ان میں غذا ہضم کرنے کی بھی قوت تھی کیونکہ پھلوں اور میوہ جات میں غذا کے کم وبیش اجزاء کے ساتھ نمکیات کی کثرت ہوتی ہے جو خون کے لئے ضروری ہیں۔

جب تہذیب دُنیا میں پھیلی اور ہر طرف تمدن کا دور دورہ ہوا تو حیوانی غذاؤں اور پھلوں و میوہ جات پر قوت و دولت اور حسن کا قبضہ ہو گیا تو کمزور اور غریب عوام کے لئے غذا مشکل ہوگئی۔ انہوں نے اصل غذا کی بجائے اناج اور سبزیوں سے زندگی اور قوت وصحت کے لئے پیٹ پری شروع کر دی۔ وہ اس کے سوا کر بھی کیا سکتے تھے لیکن گوشت و چربی اور دودھ و گھی میں جو غذائیت وقوت ہے وہ اناجوں اور سبزیوں سے کیسے حاصل ہو سکتی ہے۔ لیکن رفتہ رفتہ انہی اناجوں، دالوں، چاولوں اور سبزیوں کو ضرورت کے مطابق گوشت، انڈوں، دودھ، چربی اور گھی سے ملا کر پکانے سے ان میں غذائیت وقوت اور لذت پیدا کر لی گئی اور غریب عوام کے ساتھ ساتھ صاحب قوت و دولت اور مالکان حسن نے بھی ان چیزوں کو کھانا شروع کر دیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اصل غذائیت کی اہمیت انسان کے دل سے نکل گئی اور اصل قوت جس سے وہ درندوں اور شیروں سے لڑا کرتا تھا وہ ختم ہوگئی اور اب وہ اپنی طاقت کو قائم رکھنے کے لئے دواؤں اور زہروں کا استعمال کرتا ہے۔

گوشت کے اثرات

جسم انسان کے تمام عضلات کا مرکز دِل ہے۔ یہ سب گوشت ہیں۔ اس کا مزاج خشک گرم ہے اور جب پک جاتا ہے تو گرمی اور تری میں معتدل ہو جاتا ہے۔ یہی انسان کا بہترین مزاج ہے۔ گوشت کی بناوٹ میں فولاد اور چونا بہت کثرت سے پایا جاتا ہے۔ جگر اور تلی میں فولاد کی کثرت ہے اور معدہ و پھیپھڑوں میں چونے کا خزانہ ہے۔ اسی طرح مختلف قسم کے اعضائے حیوانی مختلف اقسام کی رطوبات وحرارت اور نمکیات اور دیگر اجزائے خون بناتے ہیں ان میں سے اگر کسی کو بھی استعمال کیا جائے گا وہ جسم میں جا کر وہی اثرات واجزا پیدا کر دے گا۔ علاج بالغذا کے لئے یہ بہت بڑا خزانہ ہے۔

مختلف چرند اور پرند اور حیوانات کے گوشت میں ثابت فرق رکھا ہے۔ اگر ہم بکری کے گوشت کو مزاج کے لحاظ سے خیال کریں تو زیادہ بہتر ہے۔ کیونکہ اس میں حرارت اور رطوبت تقریباً معتدل ہیں۔ اگر اس کے مقابلے میں بھیڑ اور دُنبہ و گائے اور بھینس کے گوشت کو

استعمال کریں تو ان میں بکری کی نسبت حرارت کم، رطوبت اور ریاح زیادہ ہیں۔ اسی طرح اگر بکری کے مقابلے میں مرغی اور بطخ اور تیتر و بٹیر وغیرہ پرندوں کے گوشت استعمال کئے جائیں تو ان میں حرارت ورطوبت زیادہ اور ریاحی مادے کم ہیں چونکہ انسانی زندگی کو قوت اور صحت کے لئے پرورش و ربوبیت کی زیادہ ضرورت ہے اس لئے بکری کے گوشت سے لے کر پرندوں کے گوشت تک کا استعمال زیادہ مفید ہے۔ جسم میں سوزش، ورم اور درد و بخار کے لئے یہی گوشت مفید ہیں۔ البتہ اگر جسم میں حرارت اور صفرا کی زیادتی سے رطوبات اور ارضی مادوں کی کمی ہو جائے تو پھر گائے بھینس کے گوشت اکسیر کا کام کرتے ہیں۔

انسان چونکہ گوشت پکا کر کھاتا ہے اور اس میں مختلف قسم کے مصالحہ جات ڈالتا ہے، اس میں حرارت کی زیادتی کے ساتھ ساتھ ہضم کی بھی زیادتی ہو جاتی ہے، گوشت اچھی طرح گلا کر کھانا چاہئے تاکہ اس کا ایک ایک ریشہ ہضم ہو کر خون اور جزو بدن بن جائے۔ کچا گوشت وحشت پیدا کرتا ہے اور کچا پکا یعنی کم گلا ہوا گوشت پیٹ میں کیڑے اور متعفن مادے پیدا کرتا ہے۔ بجائے قوت اور صحت کے تکلیف اور امراض پیدا کرتا ہے۔

انڈے اور مچھلی

ہر قسم کے انڈے اور مچھلیاں بھی گوشت میں شریک ہیں جن پرندوں کے انڈے ہوتے ہیں وہی تاثیر رکھتے ہیں۔ مچھلی کے گوشت میں حرارت سے زیادہ رطوبت غالب ہے۔ اس لئے بہت جلد گندی اور متعفن ہو جاتی ہے۔ اس تعفن سے اعصاب میں انتہائی تیزی پیدا ہو جاتی ہے جس سے جسم میں چونے اور فولاد کی نہ صرف کمی واقع ہو جاتی ہے جبکہ جلد کا رنگ خراب ہو کر سفید داغ اور دھبے پڑ جاتے ہیں۔ مچھلی کے ساتھ رطوبت والی اغذیہ مثلاً دودھ اور دہی کھانے سے اس کو جلد متعفن کر دیتا ہے۔ جب تک مچھلی جسم میں جا کر متعفن نہ ہو اس کا نقصان نہیں ہوتا۔ چاہے اس کے ساتھ کچھ کھا لیا جائے۔ مچھلی کھانے والوں کو اس امر کی تاکید ہونی چاہئے کہ مچھلی ہمیشہ تازہ بلکہ زندہ لے کر پکائی جائے۔ پھر اس سے کبھی نقصان نہیں ہوتا۔ بے حد مفید ثابت ہوتی ہے۔ اس میں جوانی کو قائم رکھنے کی بہت بڑی طاقت ہے۔

دودھ اور گھی

دودھ کو آبِ حیات اور گھی کو تریاق کہنا زیادہ مناسب ہے۔ انسان کی زندگی دودھ سے شروع ہوتی ہے اور باقی تمام زندگی اگر میسر آئے تو دودھ، گھی اور مکھن و دہی پر گزار دیتا ہے۔ ان اشیاء کے استعمال سے انتہائی قوت اور صحت قائم رہتی ہے اور انسان طویل عمر پاتا ہے۔ دودھ کا مزاج تر گرم ہے اور جس جانور کا دودھ ہوتا ہے اپنی رطوبت کے ساتھ گرمی کے وہی اثرات اپنے اندر رکھتا ہے۔ سفید اور سیاہ جانور کا دودھ زیادہ رطوبت اور سردی کی طرف مائل ہوتا ہے جیسے گدھی کا دودھ۔ گھی کا مزاج گرم تر ہے۔ جسم انسان کے اندر کسی قسم کی سوزش، ورم اور درد و بخار ہو اس کا شرطیہ تریاق ہے۔ جس ملک میں خالص گھی ملتا ہو وہاں تپ دق و سل نہیں ہو سکتا۔ فالج اور ذیابیطس کے لئے بے حد مفید ہے۔ اس کا جسم پر ایسا ہی اثر ہوتا ہے جیسے پرزوں پر تیل اثر کرتا ہے۔ یہ حیوانی گندھک ہے۔ دوسرے معنوں میں اس کو روغن گندھک کہہ دیں جس کے لئے کیمیا بنانے والے ترستے ہیں کہ ہر دھات کو سونا بنا دیتا ہے۔ اسی طرح یہ گھی بھی جسم میں سونے کے خواص پیدا کر دیتا ہے۔ ہماری رائے میں **انسانی غذا صرف گھی ہے جو کبھی گوشت کبھی دودھ اور کبھی اناج کے ساتھ کھایا جاتا ہے اور زندگی و قوت اور صحت بخشتا ہے۔ بناسپتی اس کے مقابلے میں زہر ہے۔ یہ تیل سے تیار ہوتا ہے۔ تیل جسم میں تیزاب پیدا کرتا ہے، گندھک پیدا نہیں کرتا اور جب تیل میں تیز ادویات اور گیسیں شامل کر کے اس کو گھی بنایا جاتا ہے تو وہ زہر بن جاتا ہے۔ دوسرے معنوں میں بناسپتی اور صابن کا نسخہ ایک ہے۔ صابن گاڑھا ہوتا ہے اور**

بناسپتی گھی رقیق ہوتا ہے۔اس میں جس قدر چاہیں وٹامن ملالیں۔اس کے زہر ہونے اور نقصان پہنچانے میں کوئی کمی نہ ہوگی۔گویا قوت اور صحت کے لئے نقصان عظیم ہے۔

شہد

حیوانی اغذیہ میں شہد بھی شریک ہے جو شہد کی مکھیاں پھلوں اور پھولوں سے تیار کرتی ہیں۔اس میں قدرت کی طرف سے انتہائی مٹھاس کے ساتھ انتہائی حرارت کے اثرات پائے جاتے ہیں۔اس کے دوتین چمچے کھانے سے فوراً جسم گرم ہو جاتا ہے۔باوجود انتہائی گرم ہونے کے جسم کے اندر کی ہر قسم کی سوزش اور ورم کے لئے انتہائی مفید ہے۔گھی سے زیادہ گرم اور زیادہ ملین ہے۔نئی و پرانی پیچش اور ضعف جسم اور فالج کے لئے انتہائی مفید ہے۔ان مقاصد کے لئے اس کا شربت یا چائے وقہوہ میں ڈال کر استعمال کرنا بہت مفید ہے۔**شہد کا مزاج گرم تر ہے لیکن دیگر اغذیہ اور پانی کے ساتھ ہر مرض میں استعمال کیا جاسکتا ہے۔کیونکہ یہ اپنی حرارت کی وجہ سے جگر اور اعصاب کے لئے بے حد مقوی اور محرک اثر کرتا ہے۔**فرنگی طب میں جو گلوکوز استعمال ہو رہا ہے وہ نباتاتی مٹھاس ہے۔وہ کسی حیثیت سے بھی شہد کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔**شہد اور گلوکوز میں ایسا ہی فرق ہے جیسے گھی اور بناسپتی کا فرق ہے۔گلوکوز کا مزاج سرد تر ہے۔**اس میں جتنے بھی وٹامن شامل کر لئے جائیں وہ شہد کی طرح گرم نہیں ہوسکتا۔شہد ہر مرض میں گلوکوز سے مفید ہے۔

نباتاتی اغذیہ میں مکمل غذائیت نہیں ہے

نباتات میں ہر قسم کے میوہ جات، پھل، اناج، دالیں، سبزیاں اور جڑیں سب شامل ہیں۔نباتاتی اغذیہ حیوانانی اغذیہ کے مقابلے میں بالکل ایسی ہے جیسے بھوسہ، یعنی پیٹ بھرنا، ورنہ جہاں تک غذائیت کا تعلق ہے ان میں مکمل غذائیت نہیں ہے۔ان میں افضلیت میوہ جات اور پھلوں کو حاصل ہے کیونکہ ان میں اجزائے لحمیہ، اجزائے روغنیہ، اجزائے شکریہ اور نمکیات کافی مقدار میں پائے جاتے ہیں۔جس طرح پھل اور میوہ جات حیوانی اغذیہ کا مقابلہ نہیں کر سکتے، اسی طرح اناج ودالیں اور سبزیاں وجڑیں پھلوں اور میوہ جات کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔

میوہ جات اور پھل

میوہ جات میں بادام، پستہ، ناریل، اخروٹ، مونگ پھلی، چلغوزہ اور کھاجا وہ سب غذائیں دوائیں ہیں۔اپنے اندر کافی حرارت اور قوت رکھتے ہیں۔ان کا دوائی اثر بھی غیر معمولی شدت پیدا کر دیتا ہے، لیکن غذائی علاج میں ان سب کو بہت اہم مقام حاصل ہے۔سردیوں میں ان کا استعمال بے حد مفید ہے۔

پھلوں میں کھجور، انگور، آم، سیب، مالٹا، امرود، ناشپاتی، لیچی، کیلا، جامن، فالسہ، انجیر، انار، میٹھا، آلوچہ، آلو بخارا اور آڑو وغیرہ۔ ان میں بعض گرم ہیں جیسے کھجور، انگور، آم، انجیر۔بعض اپنے اندر غذائیت رکھتے ہیں جیسے سیب، امرود، کیلا، جامن، خوبانی، خربوزہ، شہتوت، لیچی، آلو بخارا، میٹھا، انار، اناناس، تربوز، رس بھری، آلوچہ، سنگترہ، گنا وغیرہ۔

اناج ودالیں اور سبزیاں وجڑیں

اناجوں میں گیہوں کو اوّلیت کا درجہ حاصل ہے۔اس کے بعد چاول کا مقام ہے۔پھر چنے اور دیگر دالیں۔مکئی، جوار، باجرہ اور جو وغیرہ۔ان میں درجہ بدرجہ نشاستہ اور غذائیت پائی جاتی ہے۔

سبزیوں میں میتھی، پالک، کریلے، آلو، ٹماٹر، مولی، گاجر، مٹر، گوبھی، کھیرا، ککڑی، شلغم، کدو، کچنار، سیم، چقندر، بینگن، بھنڈی، اروی، ٹینڈے، سرسوں کا ساگ، پیاز، ادرک۔ ان میں گرم وسرد دونوں اثر رکھنے والی سبزیاں ہیں۔ یہ دراصل دوائے غذائی ہیں۔ ان میں غذائیت بہت کم پائی جاتی ہے۔ بہرحال پیٹ بھرنے کے لئے استعمال کی جاتی ہیں۔ البتہ ضرورت کے مطابق امراض کا علاج ہیں۔

بھوک

بعض حکماء نے لکھا ہے کہ بھوک بھی ایک مرض ہے۔ اس کا علاج غذا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب تک مرض کی طرح تکلیف دہ بھوک نہ ہو غذا نہیں لینی چاہئے۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ جب غذا کھانے سے امراض پیدا ہوں تو غذا کھانا چھوڑ دینا چاہئے، کیونکہ سوائے چوٹ وگر پڑنے اور بیرونی حادثات کے کوئی مرض بغیر ضرورت غذا واشیاء اور دوا اور زہر کھانے پینے کے پیدا نہیں ہوتا۔ انتہائی بھوکا انسان کمزوری کا احساس تو ضرور کرے گا مگر یہ نہیں کہے گا کہ وہ مریض ہے۔ اس حقیقت سے یہ ظاہر ہے کہ صحت اور مرض کی دراصل بھوک ہے۔ بھوک کی شدت ہی ضرورت غذا کا اظہار ہے اور یہی ثقیل اور زیادہ سے زیادہ غذا کو ہضم کرا دیتی ہے۔ بھوک دراصل ایک زبردست قوت اور اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے۔ بھوک کے یہ معنی نہیں ہیں کہ چند لقمے کھالئے جائیں بلکہ ایسی بھوک ہو جو انسانی معدے کے خلا (کپیسٹی) کو پورے طور پر بھر دے تاکہ طبیعت میں ہضم کا دباؤ (پریشر) پورے طور پر کام کرے۔ مثلاً ایک انسان کے پیٹ میں اندازاً درمیانہ درجہ کی تین روٹیاں پڑتی ہیں تو یہی اس کی بھوک ہے۔ اگر تین روٹیوں سے پیٹ بھرنے والا ایک یا نصف روٹی کھائے گا تو یہ اس کی بھوک نہ ہوگی۔ یونہی بغیر ضرورت صرف خواہش یا شوق سے کھالیا ہے۔ ایسی غذا میں ہضم کا دباؤ پورا نہیں بنے گا اور غذا پڑی رہے گی اور متعفن ہو جائے گی، جس کا نتیجہ امراض کا پیدا ہونا ہے۔

کم کھانا

غذا کم کھانے کے متعلق ایک بہت بڑی غلط فہمی پیدا ہو چکی ہے لیکن اس کی حقیقت سے کوئی واقف نہیں ہے۔ بعض لوگ اپنی کم خوراکی پر فخر کرتے ہیں کہ وہ صرف چند لقمے کھاتے ہیں، لیکن حقیقت یہ ہوتی ہے کہ ان کے پیٹ میں بہت سی غذا غیر منہضم پڑی رہتی ہے جس میں ہر وقت خمیر اور تعفن پیدا ہوتا رہتا ہے جو اس کو زیادہ کھانے نہیں دیتا۔ جب تک پورے معدے کی بھوک نہ ہو کھانا نہیں چاہئے۔ کم کھانا صرف اس کو کہتے ہیں کہ بھوک تو تین چار روٹیوں کی ہو مگر نصف یا ایک روٹی کھائی جائے۔ یہ صرف صوفیائے کرام کا کام ہے جو در حقیقت بے حد مشکل ہے۔ اسی بھوک کی روشنی میں ہم نے چند اُصول ترتیب دیئے ہیں تاکہ ہر شخص فائدہ اٹھا سکے۔ کیونکہ تجربہ نے بتایا ہے کہ ہر شخص بھوک کی صحت کو سمجھ نہیں سکتا اور کھالیتا ہے۔ پھر تکلیف اٹھاتا ہے۔

① ہر ایک غذا کے بعد دوسری غذا کم از کم چھ گھنٹے بعد لینی چاہئے کیونکہ پوری غذا بارہ گھنٹوں میں ہضم ہوتی ہے۔ چھ گھنٹوں میں وہ معدہ اور چھوٹی آنتوں میں سے گزر کر بڑی آنتوں میں پہنچ جاتی ہے۔ اس طرح دو ہضم سے جو غذا خراب ہو جاتی ہے اس سے بچ جاتا ہے۔

② چھ گھنٹے کے بعد بھی یہ شرط ہے کہ بھوک شدید ہونی چاہئے ورنہ اور وقفہ بڑھا دینا چاہئے، البتہ اس وقفہ میں پانی پی سکتا ہے۔

③ غذا خوب پختہ گلی ہوئی اور ذائقہ کے مطابق ہونی چاہئے۔ اگر طبیعت نے پسند نہ کی تو ہضم نہیں ہوگی۔

غذا بطور دوا

غذا کی حقیقت واہمیت اور ضرورت کو سمجھنے کے بعد یہاں پر یہ مقام آتا ہے کہ غذا کو بجائے خوراک کے دوا کے طور پر استعمال کیا

جائے یعنی جس غذا کی مرض میں ضرورت ہے اس کو استعمال کیا جائے اور جو غذا نقصان دہ ہے اس کو استعمال نہ کیا جائے۔ اس طرح مفید اغذیہ کے استعمال اور غیر مفید اغذیہ کو نکال دینے سے مرض رفع ہو جاتا ہے۔ اس طرح خون میں ایک ایسی طاقت پیدا ہو جاتی ہے جس سے ہر قسم کے مشکل اور پیچیدہ امراض بھی چند دنوں میں رفع ہونا شروع ہو جاتے ہیں کیونکہ مکمل و مقوی اور مصفی خون ہی جسم و نفس اور روح کے لئے زندگی و قوت اور صحت ہے۔ یہی علاج بالغذا کا راز ہے۔

سائنس کا نظریہ غذا غلط ہے

سائنس کا دعویٰ

ماڈرن سائنس اور فرنگی طب کا دعویٰ ہے کہ انہوں نے غذا پر بے حد تحقیق کی ہے۔ اس سلسلہ میں بال کی کھال اُتاری ہے۔ جن غذاؤں کی ضرورت ہے ان کے ایک ایک جز کا تجزیہ اور مشاہدہ کیا ہے۔ اس کے علاوہ صحت کو قائم رکھنے کے لئے جن غذاؤں کی ضرورت ہے ان کے بارے میں یہاں تک تحقیق کی گئی ہے کہ کن کن غذاؤں کی کمی سے کون کون سے امراض پیدا ہوتے ہیں۔ بلکہ یہاں تک مشاہدات اور تجربات کئے گئے ہیں کہ مختلف حیاتی ذرّات (سیلز) کن کن غذاؤں سے زندہ رہتے اور بڑھتے ہیں اور کن کن غذائی اجزاء سے بیمار ہو جاتے اور فنا ہو جاتے ہیں۔ ان کے علاوہ یہ بھی تجربات اور مشاہدات کئے گئے ہیں کہ جن غذاؤں اور ان کے اجزاء کی کمی یا خرابی سے جو امراض پیدا ہوتے ہیں اور ان کے استعمال سے وہ امراض رفع ہو جاتے ہیں ان مشاہدات اور تجربات کے بعد انہوں نے غذا کا ایک قانون بنایا ہے جس کا نام ہے متوازن غذا یعنی ایسی غذا کا استعمال جس سے صحت قائم رہے اور اگر بگڑ گئی ہو تو اس متوازن غذا سے اس کو صحت کی طرف واپس لایا جائے۔

متوازن غذا کیا ہے

متوازن غذا سے مراد وہ غذا ہے جو تندرستی کی محافظ ہو۔ یعنی اس کے استدلال سے خون کے اجزاء مکمل ہوں اور اس میں کیمیاوی طور پر حرارت پیدا ہو اور قائم رہے۔ ساتھ ہی اعضاء کے افعال اعتدال کے ساتھ کریں اور ان میں طاقت قائم رہے۔ اس طرح صحیح معنوں میں جسم کا بدل ما یتحلل قائم رکھے۔ ایسی ہی غذا متوازن ہو سکتی ہے۔

عالمی ادارہ صحت نے اس کی تعریف یہ کی ہے کہ مکمل جسمانی و ذہنی اور معاشرتی آسودگی کا دوسرا نام تندرستی ہے اور آسودگی اس وقت حاصل ہو سکتی ہے جب ہماری غذا متوازن ہو اور اس میں وہ تمام اجزا متوازن مقدار میں موجود ہوں جن سے جسم کو مناسب مقدار میں حرارت اور طاقت ملتی ہے۔ گویا اچھی اور متوازن غذا وہ ہے جو جسم کے ہر خلیے (سیل) کو طاقت بخشے۔ اس مقصد کے لئے غذا میں مندرجہ ذیل بنیادی اجزاء یا بنیادی غذائی مادے ہونے چاہئیں؛ ① غذا۔ جس کی تین اقسام ہیں۔ ② معدنی نمک اجزائے خون ③ پانی ④ وٹامن۔ جن کی چھ اقسام ہیں۔

غذا کی اقسام

(ا) پروٹین **(اجزائے لحمیہ)**: ایسی غذائیں جو گوشت پیدا کریں جن میں حیوانی اغذیہ کے ساتھ نباتی غذا بھی شریک ہیں۔ حیوانی اغذیہ میں گوشت، مچھلی، انڈے اور مع دہی و پنیر وغیرہ شریک ہیں اور نباتی اغذیہ میں گیہوں، مٹر، لوبیا، سیم، مونگ اور ماش وغیرہ شریک ہیں۔

چونکہ لحمی اغذیہ میں خالص لحمی اجزاء کے علاوہ دیگر ایسے اجزاء بھی شریک ہوتے ہیں، اس لئے ان کو خصوصی طور پر ایلبیومنی اور نائٹرا جنسی اغذیہ بھی کہتے ہیں۔ اس کا کیمیاوی تجزیہ درج ذیل ہیں: ① نائٹروجن 16 فیصدی ② آکسیجن 32 فیصدی ③ ہائیڈروجن 7 فیصدی ④ کاربن 4 فیصدی ⑤ گندھک ایک فیصدی شامل ہیں۔ سوائے نائٹروجن اور گندھک کے باقی اجزاء چونکہ دیگر قسم کی اغذیہ میں شامل ہیں اس لئے اس کا خصوصی نام نائٹروجنی غذا کہتے ہیں۔ پروٹین کی بہترین مثال انڈے کی سفیدی ہے۔ اس میں صرف پانی اور پروٹین شامل ہیں۔ اس لئے اس کو ایلبیومنی غذا کہا جاتا ہے۔

چونکہ پروٹین دو قسم کی ہیں اس لئے حیوانی پروٹین کو ''مایوسین'' کہتے ہیں اور نباتی پروٹین ''لیگومین'' کہلاتے ہیں۔ اسی طرح خصوصیت کو مدنظر رکھتے ہوئے گیہوں میں پائے جانے والے پروٹین کو ''گلوٹی نین'' اور ہڈیوں اور جلد سے حاصل کئے ہوئے پروٹین کو جیلاٹین کہتے ہیں لیکن یہ پروٹین کی بہترین قسم نہیں ہے البتہ حیوانی پروٹین نباتاتی پروٹین کے مقابلے میں بہتر ہوتے ہیں کیونکہ ان کے ایمفو ایسڈ ہاضمہ کے دوران جزو بدن ہو کر جسم میں پروٹین کی شکل اختیار کرتے ہیں۔ اس کے برعکس نباتاتی پروٹین جسم میں حرارت اور قوت تو پہنچا سکتے ہیں مگر جزو بدن نہیں بن سکتے۔ معدہ میں غذا ہضم ہونے کے بعد پہلے پروٹین پیٹومنز میں تبدیل ہوتے ہیں پھر خون میں جذب ہو کر جگر میں پہنچ جاتے ہیں۔ جگر ان سے نائٹروجن علیحدہ کرتا ہے اور یوریا میں شامل کر کے واپس خون میں بھیج دیتا ہے۔ جس کو گردے پیشاب کی راہ خارج کر دیتے ہیں۔

پروٹین سے عضلات کی بافتیں بنتی ہیں جن سے گوشت اور پوست تکمیل پاتے ہیں اور ان کے عمل سے جسم میں آکسیجن کی رفتار باقاعدہ رہتی ہے اور ہائیڈروجن اور کاربن کی وجہ سے جسم میں ایندھن کا کام بھی دیتے ہیں۔ ان اعمال کے علاوہ کسی حد تک چربی اور حیوانی نشاستہ (گلائی کوجن) بھی بناتے ہیں۔ صورت یہ ہے کہ جب امائنو ایسڈ اور نائٹروجن نکل جاتے ہیں تو وہ شحمی ترشہ یا شکر میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔ شحمی ترشہ کا یہ عمل ہے کہ آکسیجن کے ساتھ مل کر پہلے چربی میں تبدیل ہوتا ہے پھر جسم میں گردوں کے آس پاس آنتوں میں جمع ہو جاتے ہیں جو امینو ایسڈ ان تبدیلیوں سے نہیں گزرتے وہ جسم کی بافتوں میں تقسیم ہو جاتے ہیں جہاں پہنچ کر دوبارہ پروٹین کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ متوازن غذا میں پروٹین سب سے مقدم ہے کیونکہ اگر پروٹین جسم میں کم ہو جائے تو خون کے سرخ ذرات کی تعداد بہت تھوڑی ہو جاتی ہے۔ گویا پروٹین جسم میں سب سے بڑی طاقت ہے۔ روزانہ غذا میں اس کی بے حد ضرورت ہوتی ہے۔

(۲) کاربوہائیڈریٹس **(اجزاء نشاستہ)**: ایسی اغذیہ جن میں مٹھاس پائی جاتی ہے۔ ان اغذیہ میں زیادہ تر پھل، نباتات اور بہت کم حیوانی اغذیہ ہوتی ہیں۔ نباتاتی اغذیہ میں گیہوں، آلو، شکر قندی اور مختلف اناج اور جڑیں وغیرہ اور حیواناتی اغذیہ میں شہد اور دودھ شکر وغیرہ شامل ہیں۔ اس کا کیمیاوی تجزیہ درج ذیل ہے۔ کاربن، ہائیڈروجن، آکسیجن۔ چونکہ اغذیہ میں بھی یہی اجزاء پائے جاتے ہیں، اس لئے اس میں تخصیص کے لئے دو حصے ہائیڈروجن اور ایک حصہ آکسیجن ہوتی ہے۔ اس لئے ہی اس کو کاربوہائیڈریٹس کہتے ہیں۔ اس قسم کی غذا سے جسم میں حرارت اور رطوبت پیدا ہوتی ہے۔ ہر قسم کے شکری اغذیہ ہضم ہونے سے پہلے گلوکوز (انگوری شکر) میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔ اسی کا عمل منہ میں لعاب دہن کے ملنے سے شروع ہو جاتا ہے۔ معدہ میں ہضم ہونے کے بعد جب آنتوں میں پہنچتی ہے تو اس میں لبلبہ کی رطوبت شامل ہو کر اس کو ہضم کرتی ہے پھر جگر میں پہنچ کر حیوانی شکر کی صورت میں وہاں جمع رہتی ہے۔ جہاں ضرورت کے وقت خرچ ہوتی رہتی ہے۔ اس کا زیادہ تر اخراج گردوں سے ہوتا ہے۔ اگر جسم میں یہ گھٹ جائے تو کمزوری اور خشکی پیدا ہو جاتی ہے۔ پیشاب میں رکاوٹ پیدا ہو جاتی ہے اور اگر زیادہ آنے لگ جائے تو ذیابیطس اور اس کے عوارضات پیدا ہو جاتے ہیں۔ جوانوں اور بوڑھوں کی نسبت بچوں کو اس کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے اس

لئے وہ زیادہ پسند کرتے ہیں۔

(۴) فیٹس (**اجزاء روغنیہ**): ایسی غذا جن میں روغنی اجزاء پائے جاتے ہیں ان میں حیوانی اور نباتی دونوں قسم کی اغذیہ پائی جاتی ہیں۔ حیوانی چکنائی میں گھی، مکھن، چربی اور لحمی اجزا وغیرہ، نباتی چکنائی میں روغن زیتون، روغن بادام، روغن ناریل، روغن کنجد، روغن مونگ پھلی اور روغن بنولہ وغیرہ۔ اس کا کیمیاوی تجزیہ مندرجہ ذیل ہے۔ کاربن، ہائیڈروجن، آکسیجن، چونکہ نشاستہ دار اور تناسب بمقابلہ آکسیجن کہیں زیادہ ہوتا ہے۔ ہر قسم کی چربی اور روغن دو اجزاء سے مرکب ہوتا ہے۔ ایک مرکب کو گلیسرین کہتے ہیں اور دوسری شے ایک روغنی تیزاب ہوتا ہے۔

روغنی اجزا جسم میں حرارت اور توانائی پیدا کرتے ہیں۔ اوپر لکھا جا چکا ہے کہ اجزائے لحمیہ اور اجزائے شکری بھی حرارت اور توانائی پیدا کرتے ہیں لیکن ان میں حرکت اور توانائی کی قابلیت کا اندازہ ان کی کیلوری سے لگایا جا سکتا ہے یعنی اگر ایک چھٹانک روغن سے ۵۱۰ کیلوری بنتے ہیں تو اجزاء لحمیہ اور اجزاء شکری اتنی مقدار میں صرف ۲۲۰ کیلوری (حرارے) پیدا کرتے ہیں۔ گویا دونوں کے مقابلے میں دگنی حرارت اور توانائی پیدا کرتا ہے۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ روغنی اغذیہ کافی دیر تک معدہ اور جگر میں ٹھہرتے ہیں جن سے جلد بھوک محسوس نہیں ہوتی۔ جسم نرم رہتا ہے۔ اس سے خشکی وجلن اور سوزش دور ہو جاتی ہے۔

روغنی اجزاء کا ہضم آنتوں میں اس وقت ہوتا ہے جب اس میں صفراء اور لبلبہ کی رطوبت شامل ہوتی ہے۔ منہ اور معدہ میں اس پر نہ لعاب دہن کا اثر ہوتا ہے اور نہ ہی رطوبت معدی اثر انداز ہوتی ہے۔ جب روغنی اجزاء میں یہ رطوبات ملتی ہیں تو دودھیا رنگ کا شیرہ بن جاتا ہے پھر ہضم ہو کر جگر میں پہنچ جاتا ہے۔ اس طرح خون میں شامل ہو کر حرارت اور توانائی بڑھا دیتا ہے۔

① معدنی نمکیات

معدنی نمکیات تو بہت سے ہیں لیکن ہمارا مقصد ان نمکیات سے ہے جو جسم انسان میں پائے جاتے ہیں۔ ان میں (۱) کیلشیم (۲) فیرم (۳) سوڈیم (۴) پوٹاشیم (۵) فاسفورس (۶) سلفر (۷) میگنیشیا (۸) آئیوڈین (۹) کاپر (۱۰) زنک (۱۱) سلیکا (۱۲) کلورین (۱۳) کاربن (۱۴) فلورین شامل ہیں۔ یہ نمکیات جسم انسان میں بسیط حالت میں نہیں پائے جاتے یعنی جدا جدا نہیں ہوتے بلکہ مختلف طریق پر باہم مرکب ہوتے ہیں اور نمکیات ہماری اغذیہ میں پائے جاتے ہیں۔ جب ہمارے جسم میں کسی نمک کی کمی یا خرابی واقع ہوتی ہے تو کوئی نہ کوئی مرض پیدا ہو جاتا ہے۔ اس لئے صحت کو قائم رکھنے یا مرض کو رفع کرنے کے لئے ان اغذیہ کو کھانا چاہئے جن میں یہ اجزائے نمک پائے جاتے ہیں۔ جن اغذیہ میں یہ اجزا پائے جاتے ہیں وہ درج ذیل ہیں:

(۱) **نمک طعام**: یہ نمک سب سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔ روزانہ کی خوراک میں شریک ہے۔ یہ سوڈیم اور کلورین کا مرکب ہے اس لئے اس کو سوڈیم کلورائیڈ کہتے ہیں۔ اگر چند روز میسر نہ آئے تو انسان مریض ہو جائے۔ اگر بالکل ہی نہ ملے تو یقیناً انسان کا اس کے بغیر زندہ رہنا ناممکن ہو جائے۔ اس سے غدد کی بافتیں تکمیل پاتی ہیں اور حرارت پیدا ہو کر ہضم غذا میں مدد ملتی ہے: (۱) کرم کا ساگ (۲) پنیر (۳) پالک (۴) انڈے کی سفیدی (۵) بکری کا دودھ (۶) سلاد (۷) شلغم (۸) پیاز (۹) آلو بخارا (۱۰) مولی (۱۱) ٹماٹر اور مکھن میں شریک ہوتا ہے۔

(۲) **کیلشیم**: (۱) دودھ (۲) پنیر (۳) سبز پتوں والی سبزیوں (۴) چولائی اور (۵) میتھی کے پتوں میں کافی مقدار میں پایا جاتا ہے۔ اس طرح (۶) گوبھی (۷) انجیر (۸) پیاز (۹) مونگ پھلی (۱۰) سویابین (۱۱) انڈوں میں بہت زیادہ پایا جاتا ہے (۱۲) گوشت میں انڈوں سے

بھی زیادہ ہے۔

(۳) **میگنیشیم**: دودھ، بادام، انگور، خوبانی، سلاد، کھنب، زیتون، ٹماٹر، آلو، بخارا اور سیب۔

(۴) **پوٹاشیم**: دودھ، دہی، گاجر، کھیرے، ککڑی، اناناس، مولی۔

(۵) **کاربن**: انگور، سیب، کھجور، آلو، مٹر، انجیر، گوبھی اور کھنب۔

(۶) **فیرم**: کلیجی، گوشت، انڈے، مچھلی، خوبانی، پنیر، کھجور، اناناس، کرم کلا، زیتون، انگور، گندم، چقندر، پالک وغیرہ۔

(۷) **گندھک**: انڈے، خوبانی، انگور، کھجور، گندم، پالک میتھی، ناریل، مٹر، ٹماٹر اور خشک انجیر۔

(۸) **فاسفورس**: دودھ، پنیر، انڈے، گوشت، مچھلی، مٹر، زیتون، کھنب، مونگ پھلی، سلاد، گوبھی اور آلو۔

(۹) **آئیوڈین**: مچھلی، سلاد، انڈے، گوبھی، چکوترا اور ٹماٹر۔

③ پانی

پانی کی اہمیت مسلمہ ہے۔ اس کے بغیر غذا مشکل ہے، یہ غذا میں پایا جاتا ہے، غذا کو محلول کرتا ہے۔ غذا کو جسم میں دور دور تک لے جاتا ہے۔ اسی سے خون محلول بنتا ہے۔ اسی کی مدد سے پیشاب اور پسینہ آتا ہے۔ جب جسم میں اس کی مقدار کم ہو جاتی ہے تو پیاس لگتی ہے۔ اگر پانی میسر نہ آئے تو گلا اور باقی جسم خشکی محسوس کرتا ہے۔ پانی ہائیڈروجن اور آکسیجن کا مرکب ہے۔ ہمارے جسم کا ستر فیصدی حصہ پانی ہے اور خون میں اسّی فیصدی پانی ہوتا ہے۔ خون کی گردش کے ساتھ پانی خلیوں میں پہنچتا ہے۔ یہاں تک کہ ہڈیوں میں بھی پانی پایا جاتا ہے۔ پانی کے بغیر موت ہے۔

④ وٹامن

وٹامن ایسے مادے ہیں جو کیمیاوی طور سے غذا سے جدا کئے گئے ہیں۔ وہ کوئی غذا سے جدا شے نہیں ہیں۔ ان کا غذا میں پایا جانا لازمی ہے۔ اگر غذا میں یہ وٹامن شریک نہ ہوں تو انسان کی صحت میں نقص واقع ہو جاتا ہے۔ اس لئے صحت کے لئے غذا میں ان کا شامل ہونا ضروری ہے۔ اگرچہ وٹامن صحت، دفع مرض اور نشو و نما کے لئے از حد ضروری ہیں لیکن غذا کے لئے ان کی کچھ حیثیت نہیں ہے کیونکہ ان سے حرارت پیدا ہوتی ہے اور نہ ہی یہ جزو بدن بنتے ہیں۔ انسانی متوازن غذا کا ضروری حصہ ہیں گویا غذا کے لئے محرکات ہیں، جیسے نمک آٹے کو ہضم کے قابل بنا دیتا ہے۔ وٹامن کو غذا سے جدا کر کے تجارتی طور پر بازار میں فروخت کیا جا رہا ہے اور ضرورت مندوں کو استعمال کرائے جا رہے ہیں۔

تعداد میں چھ ہیں جو اے، بی، سی، ڈی، ای، کے، وغیرہ ناموں سے موسوم ہیں۔ بعض نے ان کو ایک درجن تک بیان کر دیا ہے اور بعض وٹامن کے کئی کئی اجزاء بنالئے گئے ہیں۔ تمام وٹامن دو صورتوں میں پائے جاتے ہیں۔ اوّل جو پانی میں حل ہو جاتے ہیں جو دو ہیں ''بی'' اور ''سی'' دوسرے جو روغن یا چربی میں حل ہو جاتے ہیں ان میں ''اے''، ''ڈی''، ''ای'' اور ''کے'' ہیں۔ ابتدائی تحقیق میں ان کی کیمیائی حقیقت کا علم نہیں تھا۔ اس لئے ان کے نام حروف ابجد پر عارضی طور پر رکھ دیئے گئے تھے۔ اب ان کے متعلق بہت کچھ معلومات حاصل ہو گئی ہیں۔ اس لئے اب انہیں ان کے کیمیائی ناموں سے بھی پہچانا جاتا ہے۔

(۱) **وٹامن اے**: غذا کا ایسا کیمیائی جز جو چربی یا روغن میں حل ہو جاتا ہے مگر پانی میں حل نہیں ہو سکتا۔ یہ وٹامن، کیروٹین کی شکل میں پایا جاتا

ہے۔ کیروٹین سبزیوں میں کافی مقدار میں پائی جاتی ہے۔ ہماری خوراک میں جتنا وٹامن ''اے'' ہوتا ہے اس کی نصف مقدار کیروٹین کی شکل میں سبزیوں، ترکاریوں ہی سے حاصل ہوتی ہے۔ کیروٹین کا بہترین ذریعہ گہرے سبز رنگ کے پتوں والی سبزیاں ہیں۔ ان کا زیادہ گہرا سبز اور تیز پیلا رنگ کیروٹین کی مقدار کی وجہ سے ہوتا ہے لیکن کیروٹین بذات خود وٹامن نہیں ہے۔

وٹامن ''اے'' مکھن، بالائی، انڈے اور بعض حیوانی روغن بالخصوص مچھلی کے تیل میں موجود ہوتا ہے۔ ان کے علاوہ کلیجی، گردوں، دودھ، کریم، پنیر اور گھی میں بھی ہوتا ہے۔ ان کے علاوہ بعض نباتات جیسے گاجر، ٹماٹر، ہری پیاز، سرسوں کا ساگ، شلغم کے پتے، پالک، خوبانی اور آڑو میں چونکہ کیروٹین بکثرت ہوتا ہے ان سے بن جاتا ہے۔

اس کے استعمال سے جسم نرم و چمکدار ہو جاتا ہے اور مقابلہ مرض کے لئے جسم میں صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے۔ جلد ملائم رہتی ہے۔ آنکھوں میں چمک آ جاتی ہے۔ بینائی تیز ہو جاتی ہے۔ ہڈیوں کے لئے مفید ہے۔ پھیپھڑوں کے امراض کے لئے خاص طور پر مفید ہے اور دافع تعفن ہیں۔ یہ وٹامن انسانی عمر، جسمانی نشوونما اور قوت بالیدگی اور قیام حیات کے لئے ضروری ہے۔

اگر غذا میں اس کی کمی واقع ہو جائے۔ آنکھوں کی سوزش، رات کو نظر کا کام نہ کرنا، معدہ اور پھیپھڑوں کے امراض، مثانہ اور گردوں میں پتھری، جلد کی خشکی، دانتوں کا بھربھرا ہونا، مسوڑھوں میں پائیوریا کی بیماری ہو جاتی ہے۔

(۲) **وٹامن بی**: غذا کا ایسا کیمیاوی جز جو پانی میں حل ہو جاتا ہے مگر چربی اور روغن میں حل نہیں ہو سکتا۔ زیادہ حرارت سے ضائع ہو جاتا ہے۔ اکثر پکی ہوئی اغذیہ میں ختم ہو جاتا ہے۔ سوڈا اور کھار کے اثر والی اشیاء میں ضائع ہو جاتے ہیں۔ وٹامن بی کی بارہ مختلف صورتیں ہیں لیکن دراصل یہ ایسے وٹامنوں کا مجموعہ ہے جو ایک ہی قسم کی اغذیہ میں پائی جاتی ہیں۔ ان کے اثرات تقریباً ملتے جلتے ہیں۔ یہ ایک سے لے کر بارہ تک شمار ہوتے ہیں، لیکن ان سب کے بھی کیمیاوی نام ہیں۔ وٹامن (بی) کی بارہ صورتیں ہیں۔ ان کے کیمیائی نام، ان کی اغذیہ اور ان کے اثرات وغیرہ یہ ہیں: وٹامن ''بی ۱'' (کمپلیکس) کا کیمیائی نام تھایامن اور اینورین۔ جسم میں کچھ زیادہ ذخیرہ نہیں ہوتا، اس لئے ضرورت کے مطابق جسم کو مہیا ہونا چاہئے۔ اس کا بہترین ذخیرہ وہ خمیر ہے جسے خمیر اُٹھانے کے لئے کیا جاتا ہے۔

وٹامن ''بی'' عام طور پر سالم اناج، مونگ پھلی اور اس کے تیل میں کافی مقدار میں پایا جاتا ہے۔ ان کے علاوہ، دودھ، مٹر، سنگترہ، پالک، چوزہ، مچھلی، آلو، پنیر، پھول گوبھی، راب، لوبیا، سیب، سرخ مرچ، سٹرابری، بند گوبھی، گریپ فروٹ (چکوترا)، انناس، شلغم، چقندر، ٹماٹر، شکر قندی، آڑو وغیرہ میں پایا جاتا ہے۔

اس کے استعمال سے اعصاب کو طاقت آ جاتی ہے، جس سے دماغ و بینائی اور بالوں کو طاقت آ جاتی ہے۔ اس کے علاوہ دِل و جگر اور معدہ پر بھی مقوی اثر پڑتا ہے، بھوک لگاتا ہے اور قبل از وقت بڑھاپے کو روکتا ہے۔

یہ وٹامن بیری بیری کے مرض کو روکنے کے لئے مشہور ہے۔ اس کے علاوہ اعصابی کمزوری، جلد کی بے حسی، ٹانگوں کی کمزوری، لرزش، دِل کا بیٹھ جانا، ناروا اور ٹانگوں میں پانی بھر جانا، معدہ اور آنتوں کی کمزوری، بھوک کی کمی، ضروری رطوبت کی جسم میں کمی، وزن اور حرارت میں کمی وغیرہ میں مفید ہے۔

وٹامن ''بی ۲'' اس کا کیمیائی نام ایبورین ہے۔ یہ زیادہ تر خشک خمیر اور دِل و جگر کے ساتھ گردوں میں پایا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ گوشت و مچھلی اور مرغی اور ان کے انڈے، سالم گیہوں اور پتوں والی سبزیاں، ہری پیاز اور ساگ وغیرہ ترش میں محفوظ رہتے ہیں۔ روشنی میں ضائع ہو جاتے ہیں۔

اس کے استعمال سے چہرہ، بالوں اور آنکھوں میں قوت پیدا ہوتی ہے۔ چہرے پر رونق پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ مرض پلاگرا کو دور کرنے کے لئے مشہور ہے۔ جب باچھیں پک جائیں۔ ہونٹوں پر خراشیں آ جائیں اور زبان سوج جائے تو یہ وٹامن مفید ہے۔ ان کے علاوہ اس کی کمی سے ناک پر خشکی، آنکھوں میں سرخی اور بال گرنا شروع ہو جاتے ہیں۔

وٹامن (بی ۳): اس کا کیمیائی نام نکوٹینک ایسڈ ہے۔ اس کا دوسرا نام نیاسن ہے۔ یہ (بی کمپلیکس) میں شامل ہونے والا ایک جز ہے۔ یہ حرارت سے کم ضائع ہوتا ہے۔ تقریباً انہی اغذیہ میں پایا جاتا ہے جن میں (بی) پایا جاتا ہے۔ اس کے استعمال سے جسم میں رطوبت اور حرارت پیدا ہو کر خشکی دور ہو جاتی ہے۔ وزن بڑھ جاتا ہے۔ حافظہ اور ذہن درست ہو جاتے ہیں۔

''بی ۲'' کی تمام علامات کے ساتھ معدہ و آنتوں میں درد اور اسہال پیشاب میں جلن اور جنسی کمزوری پیدا ہو جاتی ہے۔ رفتہ رفتہ اس کا نتیجہ مالیخولیا اور بے ہوشی کے دورے پڑنے لگتے ہیں۔ عورتوں کی ماہواری میں نقص آ جاتا ہے۔ ایسی علامات میں وٹامن (بی ۳) مفید ہوتا ہے۔

وٹامن (بی ۴): اس وٹامن کی اغذیہ و علامات اور افعال و اثرات تقریباً ''بی ۲'' اور ''بی ۳'' کے مطابق ہیں۔

وٹامن (بی ۵): اس کا کیمیاوی نام ''پینٹوتھینک ایسڈ'' ہے۔ ''وٹامن بی'' کے دیگر اجزاء کی طرح یہ جز بھی مقوی اعصاب ہے۔ اس میں سردی کی برداشت بڑھ جاتی ہے اور یہ بھی زیادہ گرمی اور ہوا میں ضائع ہو جاتا ہے۔

یہ ''وٹامن بی ۵'' دل، کلیجی، مغز، گردے، انڈے، بکری کی ران کا گوشت، خمیر، گیہوں، کھنب، مونگ پھلی، سویابین، جو، ہرے پتوں والی سبزیوں اور سالم اناج وغیرہ میں پائے جاتے ہیں۔

جب سردی کے امراض پیدا ہوں، جگر میں بے قاعدگی سے آنتوں اور جلد کی بیماریاں پیدا ہو جائیں۔ سردی کی زیادتی کی وجہ سے کھانسی اور پاؤں کا جلنا ظاہر ہو تو اس وٹامن سے فائدہ ہو جاتا ہے۔

وٹامن (بی ۶): یہ وٹامن بھی اپنے دیگر گروپ کی طرح مقوی اعصاب اور دافع امراض باردہ ہے۔

اس وٹامن کا حصول بھی گوشت، کلیجی، ہری سبزیوں سے ہوتا ہے۔ اناج خاص کر اناج کے چھلکوں میں اس کی کثرت ہوتی ہے۔ جب اعصاب و دماغ میں سوزش سے زبان و دہن اور ہونٹوں میں سوجن ہو، یا جلدی امراض میں اس کی خشکی و رنگت کی خرابی اور داغ و دھبے پیدا ہو جائیں۔ خون خراب ہو کر دانت گر جائیں تو اس کا استعمال مفید ہے۔

وٹامن (بی ۷): اس کا کیمیاوی نام بائیوٹن ہے یہ بھی کمپلیکس کے گروپ کا جز ہے اور اپنے مکمل گروپ سے افعال و اثرات کا تعلق رکھتا ہے یعنی اعصاب و دماغ اور امراض باردہ سے متعلق ہے۔

وٹامن (بی ۷) مرغی کے گوشت، گائے کے گوشت اور دودھ، مچھلی، انڈے، پنیر، خمیر، سٹرابری، کشمش، نارنگی، گریپ فروٹ، گاجر، کیلا، سیب، گیہوں، بندگوبھی، پھول گوبھی، مکئی، گڑ، پیاز، مٹر، مونگ، آلو، پالک، ٹماٹر اور شلغم میں پایا جاتا ہے۔

جب دماغی اور اعصابی سوزش سے خرابی خون ہو، جلد کی رنگت زرد ہو جائے اور خون کے ذرات کم ہو جائیں یا بھوک کی کمی اور متلی کا اثر ہو یا زبان میں لکنت ہو یا مردانہ امراض کے اثرات سے کمزوری معلوم ہو تو یہ وٹامن مفید ہے۔

وٹامن (بی ۸): اس کا کیمیاوی نام فولک ایسڈ ہے۔ روزانہ تقریباً نصف گرام سے دو ملی گرام تک درکار ہوتا ہے۔ اتنی مقدار ہاضمہ اور تندرستی رکھنے کے لئے ضروری ہے۔ اس سے خون کے ذرات اور ہڈیوں کے گودا کی پیدائش قائم رہتی ہے۔

اس وٹامن کا حصول گوشت، کلیجی، گردے، دودھ، خمیر، پھل، سبزیاں، خاص طور پر ہرے پتوں والی سبزیاں وغیرہ، جب اعصاب کی خرابی سے منہ آ جائے، زبان سوج جائے، اسہال، بدن کی لاغری، ہاتھ پاؤں میں سوئیاں سی چبھتی ہوں یہ وٹامن مفید ہے۔

وٹامن (بی ۹): اس کا کیمیاوی نام اینوسٹال ہے۔ یہ بھی وٹامن بی کمپلیکس کے گروپ میں شامل ہے۔ اس کا حصول بھی گوشت، کلیجی اور خمیر وغیرہ ان ہی اغذیہ سے ہوتا ہے جن سے اس کے دیگر گروپ کا ہوتا ہے۔ یہ ان کی طرح اعصاب و دماغ کی خرابی کے سبب جب ہاضمہ خراب ہو، خصوصاً گنجا پن پیدا ہو جائے تو یہ وٹامن مفید ہے۔

وٹامن (بی ۱۰): اس کا کیمیاوی نام ''کولین'' ہے۔ یہ بھی دماغ و اعصاب میں طاقت دے کر جسم میں چربی کی صحیح تقسیم کرتا ہے۔ اس وٹامن کا حصول انڈے، مچھلی، کلیجی، گردے اور اناج و سبزیاں جن میں گیہوں، جو، بند گوبھی، گاجر، مٹر، پیاز، اجوائن اور پالک۔ آج کل اس کا بہترین ذریعہ بکرے کا مغز ہے۔

جب جگر و گردوں کی خرابی سے خون کا دباؤ بڑھ جائے، دل کمزور ہو جائے، معدہ میں سوزش و ورم پیدا ہو جائے یا قوت مدافعت جراثیم کم ہو جائے یعنی سفید ذرات خون جسم میں کم ہو جائیں یا بچوں میں نشو و ارتقاء میں خرابی واقع ہو جائے یا بیضہ تولید میں خرابی واقع ہو جائے یا زچہ کے دودھ میں کمی واقع ہو جائے تو یہ مفید ہے۔

وٹامن (بی ۱۱): اس کا کیمیاوی نام ''پیرا امینو بنز وئک ایسڈ'' ہے۔ اس کے متعلق مشہور ہے کہ اس میں دو وٹامن پائے جاتے ہیں۔ اس کو بے حد مقوی دماغ اور اعصاب خیال کیا جاتا ہے۔ جراثیم کو ہلاک کرنے کی غیر معمولی طاقت ہے۔ اس کا حصول بھی دودھ، انڈا، کلیجی، خمیر، اناج اور سبزیاں ہیں۔

جب دماغ و اعصاب کے کمزور ہونے سے سر کے بال سفید ہو جائیں، جسم میں جراثیمی امراض، یہاں تک کہ دق ہو جائے۔ سورج کی تپش سے جلد میں خرابی واقع ہو جائے اور دھوپ کی برداشت نہ رہے تو یہ وٹامن مفید ہے۔

وٹامن (بی ۱۲): اس وٹامن کی کیمیاوی ساخت میں ایک دھات ہوتی ہے جس کو کوبالٹ کہتے ہیں جو صرف حیوانی اغذیہ میں پائی جاتی ہے۔ اس میں عجیب بات یہ ہے کہ اس کی تخلیق کئی قسم کے جراثیم بھی کرتے ہیں۔ گویا اس کا اہم ذریعہ جراثیمی عمل ہی ہے۔ جگالی کرنے والے جانوروں کے معدے میں جہاں غذا محفوظ رہتی ہے وہیں یہ جراثیم بھی پائے جاتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ تجارتی سطح کے لئے وٹامن ''بی ۱۲'' جراثیم ہی سے حاصل کئے جاتے ہیں۔ ویسے ان کا حصول گوشت، کلیجی، گردہ، دودھ اور سویابین سے ہوتا ہے۔

جب دماغ و اعصاب میں خرابی ہو کر مولد خون اعضاء میں نقص واقع ہو جائے، ہڈیوں کے گودوں میں خرابی پیدا ہو جائے معدہ، آنتیں اپنے افعال پورے طور پر ادا نہ کریں تو یہ وٹامن مفید ہے۔

(۳) وٹامن ''سی'': اس کا کیمیاوی نام ''اسکاربک ایسڈ'' ہے۔ پانی میں آسانی سے حل ہو جاتا ہے۔ گرمی اور پانی میں رہنے سے ضائع ہو جاتا ہے۔ اسے تانبے اور لوہے کے اثرات سے نقصان پہنچتا ہے۔ اس کے استعمال سے جسم میں قوت و توانائی اور صحت ہوتی ہے۔ دافع خارش کے نام سے مشہور ہے۔

وٹامن ''سی'' اکثر پھلوں اور سبزیوں میں پائے جاتے ہیں۔ ترش اشیاء میں آڑو، آلوچہ، امرود، آلو بخارا، آم انار، انجیر، چکوترا، ٹماٹر، سرخ مرچ، بند گوبھی، آلو، شلغم، سلاد، پھول گوبھی، پالک، سویابین، اروی، پیٹھا، دال ماش، بھنڈی، مسور، موٹھ، مونگ، باتھو (بتھوا) کا ساگ، لوبیا، ٹینڈے، چنے، چاول، چقندر، حلوہ کدو، دال ارہر، چولائی کا ساگ، سویا، کرم کلہ، خرفہ کا ساگ، کچالو، کچنار، کدو، کریلا، مٹر، مولی،

میتھی، پھلوں اور سبزیوں کے علاوہ کلیجی میں بھی پایا جاتا ہے۔

جب خون میں تیزی پیدا ہو کر جسم پر خارش ہو، مسوڑھوں سے خون بہنے لگے اور دانت اور ہڈیاں خراب ہونے لگیں۔ جسم کمزور قوت مدافعت کم ہو جائے اور وہ وائرس (غیر مرئی جراثیم) کا مقابلہ نہ کر سکے اور اکثر نزلہ، زکام اور انفلوائنزا کے حملے ہوتے رہیں اور عورتوں میں حیض کی بے قاعدگی خاص طور پر جب حیض میں کثرت ہو، اس وقت وٹامن ''سی'' کا استعمال مفید ہے۔

(۴) وٹامن ''ڈی'' : یہ وٹامن حیوانی روغن اور چربی میں حل ہوتا ہے اور پانی میں حل نہیں ہو سکتا۔ اس کی خصوصیت یہ ہے کہ جسم میں داخل ہو کر یہ کیلشیم اور فاسفورس کو جذب کر کے ہڈیوں اور دانتوں کی تقویت کا سبب بنتا ہے۔

اس وٹامن کا حصول دودھ، بالائی، مکھن، انڈے کی زردی، روغن مچھلی، چربی، بادام، ناریل، سورج کی روشنی وغیرہ۔ سورج کی روشنی میں وٹامن ''ڈی'' کی بڑی مقدار پائی جاتی ہے۔

جب جسم میں کیلشیم اور فاسفورس کی کمی ہو جاتی ہے تو ہڈیاں کمزور و بھربھری اور دانتوں میں خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ بچوں میں سوکھا پن ہو جائے، جنین کی نشوونما میں خرابی ہو، بچوں کی ہڈیاں ٹیڑھی ہو گئی ہوں۔ ایسی صورت میں اگر وٹامن ''ڈی'' کا استعمال کیا جائے تو بہت فائدہ ہوتا ہے۔

(۵) وٹامن ''ای'' : اس کا کیمیاوی نام ''ٹوکوفیرول'' ہے۔ یہ وٹامن چربی میں حل ہو جاتا ہے۔ یہ قوت بالیدگی اور جنسی قوت میں تحریک کا باعث ہوتا ہے اور بانجھ پن دور ہوتا ہے اور اولاد پیدا کرنے کی قابلیت پیدا ہو جاتی ہے۔

اس وٹامن کے حصول کا ذریعہ دودھ، مکھن، انڈے، مچھلی، ناریل، خوبانی، چلغوزہ، تل، پستہ، اخروٹ، بادام، گندم، سلاد، آلو، بند گوبھی، لوبیا، ساگ، چقندر، سویا، گاجر وغیرہ ہیں۔

چونکہ یہ وٹامن قلب و عضلات کے امراض میں مفید ہے۔ اس لئے جب دل اور عضلات کمزور ہوں اور جلد سکڑ جائے، بانجھ پن اور مردوں میں قوت تولید کم ہو، جنسی قوت کمزور ہو اور پیشاب میں زیادتی ہو تو اس کا استعمال مفید ہے۔

(۶) وٹامن ''کے'' : یہ وٹامن بھی روغن اور چربی میں حل ہو جاتا ہے اور خون کی قوت انجماد کو قائم رکھتا ہے۔ اس وٹامن کا حصول انڈے، ٹماٹر، گاجر، سویابین، پالک، سبز پتوں والی سبزیاں وغیرہ ہیں۔

جب انگلیوں میں سوجن ہو، جریان خون، مسوڑھوں سے خون آتا ہو، حیض کی بے قاعدگی، پھوڑے وغیرہ ہوں تو یہ وٹامن مفید ہے۔

نوٹ : وٹامن کی تحقیق کے ابتدائی دور میں صرف دو تین وٹامن کا پتہ چلا تھا، اس کے بعد چھوٹے وٹامن تک علم ہو گیا۔ پھر ان کی تعداد چھ تک پہنچ گئی جو اے، بی، سی، ڈی، ای اور کے وغیرہ ابجد کے ناموں سے مشہور ہیں۔ مگر اب بعض کتب میں تین عدد اور وٹامن کا بھی ذکر ہے جو وٹامن ''جی''، وٹامن ''پی'' اور وٹامن ''ایچ'' کے ناموں سے مشہور ہیں، لیکن ان کی خصوصیات و حصول اور افعال و اثرات میں چھ وٹامن سے کچھ جدا صورتیں معلوم نہیں ہوتیں اور زیادہ تر غذا میں انہی کے استعمال پر تاکید کی جاتی ہے۔

ابتدائی تحقیقات میں ماہرین کسی مرض میں کسی ایک وٹامن کے استعمال کی تاکید کرتے تھے مگر اب اس امر کی تحقیق ہو گئی ہے کہ کسی ایک وٹامن کے استعمال کی کمی سے کوئی مرض نہیں ہوتا بلکہ پورے گروپ سے ہوتا ہے۔ اس تمام وٹامن کا کھانا ضروری ہے۔

وٹامن کی ضرورت

اغذیہ میں ہر قسم کے وٹامن پائے جاتے ہیں۔ پھر وٹامن کے استعمال کی جسم میں کیا ضرورت ہے۔ یہ بات درست ہے کہ اگر متوازن غذا کھائی جائے تو جسم کو کسی وٹامن کی ضرورت نہیں رہتی لیکن جب غذا متوازن نہیں ہوگی تو جسم میں وٹامن کی کمی پوری کرنے کے لئے وٹامن کا استعمال ان کی ضرورت اور علامات کے مطابق استعمال کرنا ضروری ہے، جیسے غذا میں نمکیات اور پانی کے اجزاء شریک ہوتے ہیں مگر جب ان کی کمی محسوس اور معلوم ہوتی ہے تو ضرورت کے مطابق نمکیات اور پانی کا استعمال کرنا پڑتا ہے۔

اسی ضرورت کے تحت اغذیہ سے وٹامن تیار کیے جاتے ہیں۔ جن کی گولیاں اور شربت بازار میں عام بکتے ہیں۔ جب غذائی وٹامن کے استعمال سے خاطر خواہ فوائد حاصل نہ ہوں تو ضرورت اور علامات کے مطابق وٹامن کی گولیاں اور شربت استعمال کرنا پڑتا ہے۔ لیکن ہر شخص ضرورت اور علامات کو نہیں سمجھ سکتا۔ اس لئے ڈاکٹر کا مشورہ ضروری ہے۔ ان وٹامن کو اضافی وٹامن کہتے ہیں۔

وٹامن کے استعمال میں غلط فہمی

وٹامن کے متعلق اکثر یہ غلط فہمی ہے کہ جوہر اغذیہ اور روح حیات ہیں اور ان کے استعمال سے بے حد خون پیدا ہوجاتا ہے۔ ہر قسم کی جسمانی کمزوری فوراً رفع ہوجاتی ہے۔ اس کی ایک گولی کھانے سے سیروں دودھ کی طاقت پیدا ہوجاتی ہے۔ ایک ٹکیہ کھانے سے سیروں گوشت کی طاقت آجاتی ہے۔ اس کے شربت کا ایک گھونٹ پینے سے پاؤ بھر مکھن کا اثر رکھتا۔ ایک انجکشن پھلوں سے بے نیاز کردیتا ہے بلکہ ان کے استعمال سے غذا کی ضرورت پیدا نہیں ہوتی، وغیرہ وغیرہ۔ اس قسم کے خیالات اکثر لوگوں میں پائے جاتے ہیں اور اپنی کمزوری دور کرنے کے لئے اکثر وٹامن کی ٹکیاں کھاتے، شربت پیتے اور انجکشن لگواتے پھرتے ہیں۔ ان میں کوئی بھی خیال صحیح نہیں ہے۔ اکثر لوگ غلط فہمی کا شکار ہیں۔

افہام و تفہیم

ہم نے فرنگی طب اور سائنس کے نظریہ غذا و متوازن غذا اور اجزاء غذا اور وٹامن پر پورے طور پر روشنی ڈالی ہے اور کوشش کی ہے کہ متوازن غذا اور اس کا کوئی پہلو تشنہ کام نہ رہ جائے تا کہ ہم پورے طور پر اس پر تنقید و تبصرہ کرسکیں اور ثابت کرسکیں کہ یہ کہاں تک مفید اور کس حد تک غیر سائنسی و نقصان دہ اور غلط ہے۔

فرنگی طب اور میڈیکل سائنس کا عمل و استعمال تقریباً تمام دُنیا پر ہے۔ ہم عرصہ چودہ سال سے ان کے نظریات، اُصول اور علوم و فنون کو غلط ثابت کررہے ہیں۔ اس سلسلہ میں ہمارا فرض ہے کہ ہم ان کے غذائی نظریات و اصول اور تحقیقات و تجربات کو غلط ثابت کریں۔ ذیل میں ہمارے اعتراض و دلائل اور مشاہدات و تجربات پر غور کریں۔ اس سے ہر صاحب علم اور ماہرین کو پتہ چل جائے گا کہ ان کی یا ہماری تحقیقات صحیح ہیں کیونکہ حق و حقیقت اور تحقیقات کسی کی ذاتی ملکیت نہیں ہیں۔

اعتراضات

پہلا اعتراض: یہ ہے کہ فرنگی طب اور ماڈرن سائنس نے جو غذا کا نظریہ بیان کیا ہے، وہ نہ حفظ صحت کے لئے مفید ہے اور نہ ہی علاج کے لئے کامیاب ہے۔ کیونکہ اغذیہ کے جو اجزاء نمکیات، پانی، وٹامن بیان کئے ہیں، ان کا ذاتی کوئی توازن نہیں ہے یعنی غذا کے تین اجزاء (۱) پروٹین (۲) کاربوہائیڈریٹ (۳) فیٹس ہیں۔ نمکیات کم از کم بارہ، پانی ایک اور وٹامن کم از کم چھ ہیں۔ ان کی باہمی نسبت کیا ہونی چاہئے اور

ان میں اکائی کس کو مقرر کرنا چاہئے اگر ہم غذا کے اجزاء کو کافی مقرر کریں اور ہونا بھی یہ چاہئے تو ان میں نمکیات و پانی اور وٹامن کا کیا تناسب ہونا چاہئے اور یہ بات بھی ذہن نشین کر لیں کہ یہ سب کچھ غذا میں پہلے سے شریک بھی ہیں۔ اس لئے یہ تناسب مقرر کرنا مشکل ہو جائے گا اور پھر اہم بات یہ ہے کہ ہر غذا کے اجزاء چاہے حیوانی ہوں یا نباتی ان میں نمکیات و پانی اور وٹامن کا تناسب مختلف ہے۔ اس صورت میں باہمی تناسب مقرر کرنا تو اور بھی مشکل ہو جاتا ہے۔ جب غذا اور ان کے متعلقات کا توازن ہی مقرر نہیں کر سکتے تو متوازن غذا کا سوال ہی بے معنی ہے۔

دوسرا اعتراض: یہ ہے کہ جب غذا کے تینوں اجزاء کا تجزیہ کیا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ پروٹین میں پانچ جز (۱) کاربن (۲) ہائیڈروجن (۳) آکسیجن (۴) نائٹروجن (۵) سلفر ہے۔ کاربوہائیڈریٹ میں تین جز (۱) کاربن (۲) ہائیڈروجن (۳) آکسیجن ہیں۔ فیٹس کے تین جز (۱) کاربن (۲) ہائیڈروجن (۳) آکسیجن ہیں۔ گویا پروٹین میں صرف دو جز (۱) نائٹروجن (۲) سلفر زیادہ ہیں اور باقی سب جز مشترک ہیں۔ پھر ان میں ہر قسم کے نمکیات اور وٹامن شریک ہیں۔

جب ایک قسم کی غذا میں خاص طور پر پروٹین یا اجزاء لحمیہ میں ہر قسم کے اجزاء غذا و نمکیات اور وٹامن شریک ہیں تو پھر کاربوہائیڈریٹ اور فیٹس کی جدا کیا اہمیت ہے یا مختلف اقسام کے پھل و میوہ جات اور سبزیوں اور ان سے وٹامن کی خاص کیا ضرورت ہے۔ سائنس کے پاس اس کا کیا جواب ہے۔ اسلامی زاویہ نگاہ سے حیوانی اغذیہ یا اجزاء لحمیہ (پروٹین) کی یوں تعریف آئی ہے کہ جب موسیٰ کی قوم نے کہا کہ ہم ''من و سلویٰ'' وخورد و مٹھاس یا میوہ جات اور پرند کا گوشت نہیں کھائیں گے اور ان کی جگہ ﴿ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْبِتُ الْاَرْضُ مِنْۢ بَقْلِهَا وَ قِثَّآئِهَا وَ فُوْمِهَا وَ عَدَسِهَا وَ بَصَلِهَا ﴾ ہمارے واسطے اپنے رب سے ان چیزوں کو مانگ جو زمین اُگاتی ہے اس کے ساگ، اس کے گیہوں، اس کی ککڑی، اس کے مسور اور اس کے پیاز۔ جواب میں کہا گیا: ﴿ اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِيْ هُوَ اَدْنٰى بِالَّذِيْ هُوَ خَيْرٌ ﴾ کیا ادنیٰ چیزوں سے بہترین چیزوں کو بدلنا چاہتے ہو۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ تمام ساعتوں سے بہتر ''لحم'' ہے۔ اب سائنس بھی یہ تسلیم کرتی ہے کہ حیوانی پروٹین نباتی پروٹین کے مقابلے میں بہتر ہے کیونکہ ان کے امائنو ایسڈ ہاضمے کے دوران ہی جزو بدن ہو کر جسم میں پروٹین کی شکل اختیار کرتے ہیں۔ اس کے برعکس نباتاتی پروٹین جسم میں حرارت اور قوت تو پہنچاتے ہیں مگر جزو بدن نہیں بنتے کیونکہ ان میں ضروری امائنو ایسڈ (Amino Acid) نہیں ہوتے اور پروٹین بنے بغیر جسم سے خارج ہو جاتے ہیں۔ شیخ الرئیس بوعلی ابن سینا نے غذا کی تعریف یہ کی ہے کہ جو شے جزو بدن بنے وہ غذا ہے اور جو جزو بدن نہ بنے وہ دوا ہے یا زہر ہے۔ جو شے جزو بدن بنتی ہے وہ پروٹین (اجزاء لحمیہ) ہی ہوتے ہیں۔

ان حقائق سے ثابت ہوا کہ اوّل حیوانی پروٹین نباتی پروٹین سے بہتر ہیں اور دوسرے حیوانی پروٹین جسم میں جا کر خون اور جسم کا جزو بن جاتے ہیں لیکن نباتی پروٹین جسم میں کیفیت پیدا کر کے خارج ہو جاتے ہیں اس لئے یہ پیٹ بھرنے کے لئے تو کھا سکتے ہیں لیکن تعمیر جسم کے لئے مفید نہیں ہے۔

پروٹین ہمارے جسم میں گوشت پوست بنانے کے علاوہ حیوانی چربی، حیوانی نشاستہ اور حیوانی شکر (گلائی کوجن اور گلوکوز) بھی بناتے ہیں۔ امائنو ایسڈ نائٹروجن نکل جانے کے بعد جسم میں فیٹی ایسڈ لحمی ترشہ یا شکر میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔ فیٹی ایسڈ آکسیجن کے ساتھ مل کر پہلے چربی میں تبدیل ہوتے ہیں اور پھر جسم میں گردوں کے آس پاس آنتوں میں جمع ہو جاتے ہیں۔ کچھ امائنو ایسڈ جو ان تبدیلیوں سے نہیں گزرتے وہ جسم کی بافتوں میں تقسیم ہو جاتے ہیں اور وہاں پہنچ کر دوبارہ پروٹین کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔

پروٹین سے زیادہ تر عضلات اور ان کی بافتیں بنتی ہیں۔ اس لئے جسم میں آکسیجن کی آمد کی رفتار کو باقاعدہ رکھنا ان کا کام ہے اور چونکہ پروٹین میں کاربن اور ہائیڈروجن موجود ہوتے ہیں اس لئے یہ جسم میں ایندھن کا کام بھی دیتے ہیں۔ جب معدہ میں غذا ہضم ہوتی ہے تو پہلے پروٹین پیپٹونز میں تبدیل ہو جاتے ہیں پھر خون میں جذب ہو کر جگر میں چلے جاتے ہیں۔ جگر ان سے نائٹروجن علیحدہ کر کے یوریا میں تبدیل کر دیتا ہے جو وہاں سے پھر خون میں شامل ہو جاتا ہے جس کو گردے پیشاب کے ذریعے خارج کر دیتے ہیں۔

ان مسلمہ حقائق سے ثابت ہوا کہ انسانی غذا صرف حیوانی پروٹین ہے اور اگرچہ نباتاتی پروٹین بھی کسی قدر مفید ہے لیکن وہ اس وقت تک مفید نہیں ہو سکتی جب تک وہ حیوانی پروٹین میں تبدیل نہ ہو۔ وہ اکثر نہیں ہوتی صرف کسی قدر حرارت اور عارضی قوت کے بعد ضائع ہو جاتی ہے۔ اسی طرح نباتاتی روغن اور نباتاتی شکر بھی انسانی جسم کے لئے غذا لحمیہ نہیں پیدا کرتے بلکہ اکثر نقصان کا باعث ہوتے ہیں۔ اس لئے **زندگی وصحت اور صحت کے لئے حیوانی روغن (گھی اور چربی) اور حیوانی شکر (شہد) ہی مفید ہیں ان ہی سے جسم کی تعمیر وتکمیل اور مرمت ہوتی ہے۔ یہ نباتاتی روغن یا بناسپتی گھی اور نباتاتی شکر اور گڑ وغیرہ یا ان سے تبدیل کی ہوئی مٹھائیاں اور بسکٹ، کیک، پیسٹریاں ہمارے جسم کا حصہ نہیں بنتیں اور ضائع ہو جاتی ہیں بلکہ نقصان دیتی ہیں۔ ان کی جگہ معمولی سے معمولی گوشت جسم میں خون بن کر زندگی وصحت اور طاقت پیدا کرتا ہے اور جوانی قائم رکھتا ہے۔**

جاننا چاہئے کہ زمین سے تین قسم کی چیزیں پیدا ہوتی ہیں (۱) میوہ جات اور پھل (۲) اناج (۳) سبزیاں ہیں۔ میوہ جات اور پھل تو بغیر آگ پر پکائے کھائے جاتے ہیں مگر اناج اور سبزیاں بغیر آگ پر پکائے نہیں کھائی جاتیں اور یہ بھی حقیقت ہے کہ جس قدر حرارت اور قوت میوہ جات اور پھلوں میں پائی جاتی ہے وہ اناجوں اور سبزیوں میں نہیں پائی جاتی اور پھل ایسے ہی جن کا معیار پروٹین کے قریب قریب ہے، جیسے انگور وکھجور اور آم وغیرہ ہیں۔

قرآن حکیم نے پھلوں کو انسانوں کی غذا لکھا ہے بلکہ جنت میں بھی یہی رزق ملے گا۔ ان میں انگور، کھجور، انار، زیتون، انجیر اور انہی سے ملتے جلتے دیگر پھلوں کا قرآن حکیم نے ذکر کیا ہے: ﴿ كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا قَالُوْا هٰذَا الَّذِیْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ وَ اُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا ﴾ ''ان کو میوہ جات اور پھلوں سے رزق دیئے جائیں گے۔ وہ لوگ کہیں گے یہ وہ رزق ہے کہ اس سے قبل بھی ان سے ملتے جلتے دیئے گئے ہیں''۔ جہاں تک کہ وہ گوشت اور ثمرات کے مقابلے میں ادنیٰ ہیں۔ ان حقائق سے ثابت ہے کہ پروٹین واجزاء لحمیہ، انسان کے لئے مکمل اور متوازن غذا ہے۔ اس لئے اناجوں اور سبزیوں کو غذا میں شامل کرنا ہی بے معنی ہے۔ شاید اسی لئے قرآن حکیم میں جس درخت کے قریب جانے سے منع کیا ہے وہ اناجوں اور سبزیوں ہی کی اقسام سے معلوم ہوتا ہے۔ ﴿ وَ لَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِیْنَ ﴾ ''اس درخت کے قریب نہ جانا ورنہ ظالموں میں سے ہو جاؤ گے''۔ اگر ظلمت پر غور کیا جائے تو بہت سے اسرار ورموز سامنے آجاتے ہیں۔

تیسرا اعتراض: یہ ہے کہ متوازن غذا متعین کرنے کے لئے کوئی معیار اور توازن نہیں ہے۔ یعنی اگر متوازن غذا کا معیار اجزاء غذا (پروٹین)، فیٹس (کاربوہائیڈریٹ) کو بنایا جائے تو ان کے ساتھ جو نمکیات اور وٹامن کسی انداز سے ہونے چاہئیں۔ یہی صورت وٹامن کے متعلق ہے کہ اگر ان کو معیار بنایا جائے تو اجزاء، غذا اور نمکیات کس انداز سے ہونے چاہئیں۔ بہر حال متوازن غذا کے لئے فرنگی طب اور ماڈرن سائنس کے پاس کوئی معیار اور اندازہ نہیں ہے۔ اس لئے حفظ صحت کے لئے ان کو غذا سے کوئی کامیابی نہیں ہوئی۔ کیونکہ بڑے سے بڑا ماہر غذا صحیح متوازن کھا کر اپنی صحت کو قائم نہیں رکھ سکتا۔ البتہ مرض کی حالت میں بعض علامات کو سامنے رکھ کر اجزاء غذا ونمکیات اور وٹامن دیئے جاتے ہیں، لیکن ان کا بھی کوئی یقینی اور تسلی بخش اثر نہیں ہے۔ ان میں ردّوبدل کیا جا سکتا ہے مگر مرض اپنی جگہ ہی قائم رہتا ہے۔

متوازن غذا کا معیار قائم کرنے کے لئے غذا کے اجزاء و نمکیات اور وٹامن کے اثرات و مشینی طور پر اعضاء کے افعال کے ساتھ متعین کیا جائے۔ کیمیاوی طور پر خون کے اجزاء کے ساتھ توازن کیا جائے یا جسم کے ٹشوز (بافتوں) کے نشوونما اور اثرات کے تحت اندازے لگانے چاہئیں تاکہ ہر شخص اپنی کمی کو سمجھے اور ضرورت کے مطابق متوازن غذا استعمال کر سکے۔ اس کو یہ سبق یاد کرنے کی ضرورت نہیں ہوگی کہ روز کتنا گوشت ہو کس قدر چربی، مکھن ہو یا کتنے انڈے کا اناج و شکر ہوں اور ان کے ساتھ کس مقدار میں وٹامن ہو اور نمکیات کا توازن کیا ہو۔ بلکہ ہر انسان کو اس امر کا علم ہونا چاہئے کہ اس کے اندر غذا و نمکیات اور وٹامن کے کس جزو کی کمی ہے جس کو اس نے اپنی روزانہ کی غذا میں پورا کرنا ہے کیونکہ ہر انسان میں نہ ایک ہی قسم کی کمی ہوتی ہے اور نہ ہی روزانہ ایک ہی قسم کے اجزاء کی ضرورت پیدا ہوتی ہے کیونکہ انسان مختلف جسم و ذہن اور ماحول و اعمال میں گھرے رہتے ہیں۔ اس لئے ان کے لئے کوئی ایک متوازن غذا کا معیار کرنا نہ صرف غلط ہے بلکہ فطرت کے بنیادی اُصولوں کے خلاف ہے۔

چوتھا اعتراض: یہ ہے کہ ہر قسم کی غذا چاہے وہ حیوانی ہو یا نباتاتی اس میں وٹامن اور نمکیات شامل ہوتے ہیں۔ اس لئے کس قسم کی غذا کھائی جائے جس میں زیادہ سے زیادہ وٹامن اور نمکیات حاصل ہوں اور زندگی و صحت اور طاقت قائم رہے مگر سائنس کی اس متوازن غذا میں کوئی ایسی صورت نہیں پائی جاتی بلکہ اکثر اُلٹ اور نقصان دہ اثر ہوتا ہے۔ مثلاً انڈے اور گاجر میں ہر قسم کے زیادہ سے زیادہ وٹامن ہیں لیکن حیرت کی بات یہ ہے کہ انڈا حیوانی غذا ہے اور گاجر نباتی غذا ہے لیکن دونوں میں برابر کے وٹامن اور طاقت پائی جاتی ہے۔ لیکن جب تجربات اور مشاہدات کے معیار پر دیکھا جاتا ہے تو نتیجہ خوفناک حد تک تکلیف دہ ہو جاتا اور نقصان رساں ہوتا ہے۔ مثلاً جب انڈے کو چند روز تک مسلسل استعمال کیا جائے تو چند روز میں بواسیر، پتھری اور دل میں تیزی پیدا ہو کر خون کا دباؤ بڑھ جاتا ہے۔ اسی طرح جب گاجر چند روز صبح شام کھائی جائے تو نزلہ، ریشہ، پیشاب کی کثرت اور دل گھٹنا شروع ہو جاتا ہے۔ بالکل ایک دوسرے کے متضاد علامات پیدا ہو جاتی ہیں۔ دونوں میں ایک ہی قسم اور ایک ہی مقدار کے وٹامن پائے جاتے ہیں مگر افعال و اثرات بالکل مختلف ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دونوں میں نمکیات مختلف قسم کے ہیں۔ انڈوں میں کیلشیم ہے اور گاجر میں پوٹاشیم پائی جاتی ہے۔ اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ صرف وٹامن کی کثرت کوئی مفید شے نہیں اور نہ ہی اس سے صحت قائم رہ سکتی ہے اور نہ ہی امراض کا علاج کیا جا سکتا ہے۔

پانچواں اعتراض: یہ ہے کہ ماڈرن سائنس نے ہر غذا کا تجزیہ کر کے اس کو پروٹین، فیٹس، کاربوہائیڈریٹ، نمکیات، پانی اور وٹامن میں تقسیم کر دیا ہے پھر ان کے افعال و اثرات کو بیان کیا ہے مگر اس نے اس امر پر غور نہیں کیا کہ مجموعی طور پر غذا کے جو اثرات و افعال اور خواص ہیں وہ اس کے انفرادی اجزاء میں نہیں پائے جاتے جیسے دودھ کے جو افعال و اثرات اور خواص ہیں وہ مکھن و پنیر اور دودھ کی کھانڈ و دودھ کے نمکیات میں نہیں پائے جاتے یا اس طرح سمجھ لیں کہ ہر غذا میں کاربن، ہائیڈروجن، آکسیجن، نائٹروجن اور گندھک ہیں۔ لیکن ہر ایک کے افعال و اثرات اور خواص ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں اور مجموعی طور پر کسی غذا میں بالکل جدا ہیں۔ پھر غذا کے نظریات کو کیسے سمجھا جا سکتا ہے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ایک عام انسان کے لئے کسی ایک غذا کے افعال و اثرات اور خواص کا سمجھ لینا آسان ہے یا اس کے مختلف اجزاء کو الگ الگ سمجھ کر غلط قسم کے تاثرات اور علامات برداشت کرنا ماڈرن سائنس اغذیہ اور اشیاء کے تجزیہ اور تحلیل میں گرفتار ہو کر حقیقت سے دور ہو گئی ہے اور طب اصل اغذیہ اور اشیاء کے عملی افعال و اثرات بیان کر کے ان کی کیفیات اور ان کے بالخاصہ خواص بیان کر دیتی ہے۔ ماڈرن سائنس صدیوں میں بھی طب کے یہ کمالات اپنے اندر پیدا نہیں کر سکتی۔ یہی طب کے علم و فن کا کمال ہے۔

چھٹا اعتراض: یہ ہے کہ فیٹس (چربی) کو غذا کا اہم جزو تسلیم کیا گیا ہے کہ جسم انسان کے لئے نہایت ضروری شے ہے۔ یہ نہ صرف اپنی انفرادی حیثیت رکھتی ہے بلکہ ہمارے تمام اعضائے جسم اور خون کا حصہ ہے۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ ہماری غذا اور اس تمام وٹامن کا دوتہائی حصہ صرف چربی میں حل ہوتا ہے۔ اس کی جسم میں انفرادی حیثیت یہ ہے کہ ضرورت کے وقت جسم و اعضاء اور خون کو غذا پہنچائے اور جسم میں جہاں بھی تری (Lubrication) کی ضرورت ہو وہاں پر یہ اپنا کام انجام دے اور جسم میں تقویت کا باعث بنے۔ یہ حقیقت ہے کہ جسم انسان اور حیوان میں چربی کی پیدائش کو اچھی صحت کا تسلیم کیا گیا ہے۔

ان حقائق کے باوجود چربی و گھی اور حیوانی روغن کے استعمال کو غذا میں منع کیا جاتا ہے اور اس کی بجائے بناسپتی گھی (ویجی ٹیبل آئل) کے استعمال کی تاکید کی گئی ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ نباتات جزو جسم ہرگز نہیں ہوتیں جیسا کہ ہم ثابت کر چکے ہیں۔ دوسرے نباتاتی غذائیں حیوانی غذاؤں سے بے حد کم درجہ رکھتی ہیں اور جسم میں جزو بنے بغیر نکل جاتی ہیں تو پھر بناسپتی گھی کیسے انسانی جسم کا جزو بن سکتا ہے۔ اس کی انفرادی حیثیت کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، ان حقائق سے ثابت ہوا کہ بناسپتی گھی جسم میں کسی طرح مفید نہیں ہے بلکہ بے حد مضر اثرات پیدا کرتا ہے۔

ساتواں اعتراض: یہ ہے کہ جس طرح وٹامن کی کمی کو جسم میں نقصان کا باعث تسلیم کیا گیا ہے۔ اسی طرح ان کی زیادتی کو بھی خطرناک تسلیم کیا گیا ہے، لیکن ان کی کمی بیشی کا اندازہ کہیں بیان نہیں کیا گیا۔ بازاروں میں جو وٹامن فروخت ہوتے ہیں ان میں جو معلومات درج ہیں، ان کی قوت میں زیادتی یا زیادہ سے زیادہ کسی جراثیمی مرض کے لئے مفید لکھا ہے۔ کسی عضو کے افعال کے ساتھ تعلق پیدا نہیں کیا گیا۔

آٹھواں اعتراض: یہ ہے کہ اب یہ تسلیم کیا گیا ہے کہ جسم میں کسی ایک وٹامن کی کمی سے کوئی مرض پیدا نہیں ہوتا بلکہ کسی گروپ کی کمی یا خرابی سے مرض پیدا ہوتا ہے۔ جیسے بیری بیری اور پائیوریا وغیرہ، لیکن ان گروپوں کا کہیں ذکر نہیں کیا گیا۔ عوام تو کیا ماہر غذا بھی ان کا اندازہ نہیں لگا سکتے۔ صرف وٹامن بی کمپلیکس کا ذکر ہے۔ صرف بی وٹامن کے مرکبات تک محدود ہے۔ بعض تجارتی اداروں نے مختلف وٹامن کے مرکبات تیار کئے ہیں لیکن ان کا حفظ صحت اور مفید خون و اعضاء سے کوئی تعلق ظاہر نہیں کیا گیا بلکہ چند مخصوص امراض کے علاج تک محدود کر دیا گیا ہے۔ اس لئے وٹامن کے مرکبات کا مسئلہ بھی تشنہ کام ہے۔

نواں اعتراض: یہ ہے کہ جسم انسان مختلف اعضاء اور کیفیات کا مجموعہ ہے۔ ان کے لئے اغذیہ بھی مختلف اقسام کی دینا پڑتی ہیں۔ اگر ان اغذیہ کا انتخاب صحیح نہ ہو تو بجائے مفید اثرات کے نقصان ہو جاتا ہے۔ متوازن غذا میں ایسا کوئی اصول بیان نہیں کیا گیا کہ فلاں عضو کے لئے فلاں فلاں اجزائے اغذیہ، نمکیات اور وٹامن مفید ہیں۔ اس اصول کے بغیر یقین کے ساتھ کوئی غذا اور شے تجویز نہیں ہو سکتی۔ غذا میں بہت بڑی ناکامی ہے۔

دسواں اعتراض: بعض اغذیہ اور اشیاء ایک دوسرے کی مخالف ہوتی ہیں اور ان کے افعال و اثرات کو ضائع کر دیتی ہیں۔ جیسے پروٹینی اغذیہ کاربوہائیڈریٹ کے اثرات کو ضائع کر دیتی ہیں۔ فیٹی اغذیہ پروٹینی اغذیہ کے اثرات کو روک دیتی ہیں اور کاربوہائیڈریٹ اغذیہ فیٹی کے اثرات کو ختم کر دیتی ہیں۔ جیسے کیلشیم کے نمکیات پوٹاشیم کے نمکیات کو ضائع کر دیتے ہیں۔ سلفر کے نمکیات کیلشیم کے نمکیات کے اثرات کو روک دیتے ہیں اور پوٹاشیم کے نمکیات سلفر کے نمکیات کے اثرات کو ختم کر دیتے ہیں۔ یہی صورت وٹامن کے افعال و اثرات میں بھی پائی جاتی ہے مگر متوازن غذا میں اجزاء اغذا و نمکیات اور وٹامن کے سلسلوں میں کہیں بھی ذکر نہیں ہے اور نہ ہی ایسے گروپوں کا کہیں اشارہ تک ہے۔ یہ تو مفرد

صورتیں ہیں لیکن جہاں تک غذا کے کلی اجزاء (پروٹین، فیٹس، کاربوہائیڈریٹ) نمکیات اور وٹامن کا تعلق ہے۔ ان کے مختلف اور متضاد افعال واثرات کا کہیں بیان نہیں کیا گیا۔ اس لئے ایسی غذا کو متوازن کہنا غلط ہے۔

یہ چند اعتراضات وحقائق مع دلائل پیش کر دیئے ہیں جن سے کوئی اہل علم اور صاحب فن انکار نہیں کر سکتا۔ جس کو کسی بات کی سمجھ نہ آئی ہو وہ ہم سے دریافت کر سکتے ہیں۔ ان اعتراضات اور حقائق سے معلوم ہوتا ہے کہ فرنگی طب اور ماڈرن سائنس کے اصول اغذیہ نہ صرف غلط ہیں بلکہ غیر متوازن ہیں۔

فرنگی سائنس کی مہر

یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ سچائی کبھی نہیں بدلتی۔ سچائی ہر مقام پر سچائی ہی ہے، سچائی حقیقت کا اظہار ہے۔ سائنس مشاہدات اور تجربات کے بعد ان پر سچائی کی مہر ثبت کرتی ہے۔ لیکن اس کے معنٰی یہ نہیں ہیں کہ فرنگی دور کی سائنس جس سچائی اور حقیقت کو نہ پرکھے اور اس پر اپنی مہر ثبت نہ کرے وہ سائنس نہیں ہے یا جو مشاہدات اور تجربات ابھی تکمیل کی راہ میں ہیں اور کمال واختتام تک نہیں پہنچے، ان کو سائنس کی سچائی کا نام دے دیا جائے۔ سائنس کی گزشتہ صد سالہ تاریخ کو اٹھا کر دیکھا جا سکتا ہے کہ سائنس کے ہزاروں مسائل اب تک تشنہ تکمیل ہیں۔

یاد رکھیں کہ سائنس کی ذاتی حیثیت جدا ہے جو ایک علم ہے اور سائنسی مسائل اپنی ایک الگ حیثیت رکھتے ہیں، جن میں ہر روز تبدیلی ہوتی رہتی ہے۔ ان دونوں کو علیحدہ علیحدہ سمجھنا چاہئے۔ ہر سائنسی مسئلہ جو زیر تکمیل ہے سائنس نہیں ہے۔ اس وقت سائنس کے سامنے سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں مسائل ہیں جو مشاہدات وتجربات کی راہ میں زیر تکمیل ہیں۔ اہل سائنس اور صاحب فن خود ان کی حقیقت اور سچائی سے واقف نہیں ہیں، بلکہ پریشان ہیں۔

جہاں تک انسانی محسوسات ومشاہدات کا تعلق ہے تین صورتیں اس کے سامنے ہو سکتی ہیں۔ **اوّل**: حالات کائنات جن میں آسمان و نجوم اثیر وبرق اور زندگی وتوانائی۔ **دوم**: امور طبیعہ جن میں (۱) ارکان (۲) مزاج (۳) اخلاط (۴) ارواح (۵) قویٰ (۶) اعضاء اور (۷) افعال۔ **سوم**: ستہ ضروریہ جن میں (۱) ہوا (۲) ماکولات ومشروبات (۳) حرکت وسکون جسمانی (۴) حرکت وسکون نفسانی (۵) نیند و بیداری اور (۶) احتباس واستفراغ۔

ان میں سے کون سے ایسے امور اور مسائل ہیں جن کے متعلق فرنگی سائنس دعویٰ کر سکتی ہے کہ وہ ان کو تکمیل تک پہنچا چکی ہے۔ ان میں ایک بھی ایسا مسئلہ نہیں ہے جس کے لئے وہ کہہ سکے کہ وہ اس کی آخری منزل تک پہنچ گئی ہے۔ پھر وہ اپنی سائنس کی مہر ثبت کرنے کو کیوں اہمیت دیتی ہے۔ اس کے برخلاف قدیم سائنسوں میں آیورویدک اور طب قدیم بھی اپنے سائنس ہونے کا دعویٰ کرتی ہے اور انہوں نے بھی ان امور اور مسائل پر روشنی ڈالی ہے۔ کیا فرنگی سائنس نے ان کو پرکھا ہے یا ان پر تجربات کئے ہیں۔ نہیں! بالکل نہیں! اگر ان کو قدیم اور فرنگی طب کو جدید کہا جائے تو یہ صرف زماں ومکاں کی بحث ہے اس میں سچائی اور حقیقت کے اظہار میں کچھ فرق نہیں پڑتا۔ امور اور مسائل اپنی جگہ قائم ہیں اور سچائی اپنی جگہ حقیقت ہے۔ جو صاحب علم اور اہل فن زماں ومکاں سے واقف ہیں، ان کی نگاہ میں قدیم وجدید کی کوئی بحث نہیں ہے۔

حیرت کی بات یہ ہے کہ جدید سائنس جس قدر ترقی کرتی جاتی ہے، وہ انہی مسائل کی طرف لوٹ رہی ہے جن کو ہزاروں سال قبل آیورویدک اور طب قدیم بیان کرتی ہیں۔ مثلاً ارکان وعناصر سے لے کر برق وایٹم تک۔ مادہ وزندگی سے لے کر حیوانی ذرہ اور اعضاء تک

اور قوت سے لے کر روح تک۔ یہ سب حقائق قدیم سائنسوں میں نمایاں طور پر بیان ہو چکے ہیں، لیکن فرنگی سائنس ان کی طرف آتے ہوئے گھبراتی ہے اور ان پر مہر تصدیق ثبت نہیں کرتی تا کہ ان کی سائنس کا مقام ختم نہ ہو جائے اور جو لوگ اصل حقیقت اور سچائی سے واقف ہیں وہ فرنگی سائنس کی بے مائیگی اور کم ظرفی سے پورے طور پر آگاہ ہیں اور ان کو قدیم کے مقابلے میں کوئی اہمیت نہیں دیتے۔

اس سے بھی عجیب بلکہ زبردست بات یہ ہے کہ مختلف مذاہب نے بھی فطرت اور حقیقت پر بحثیں کی ہیں۔ ان سب کو سچائی کہا ہے۔ ان میں جن مسائل کو بیان کیا ہے ان کی دو صورتیں ہیں۔ **اوّل**: زندگی و کائنات اور ان کے تغیرات وہ سب مشاہدات و محسوسات ہیں اور ان کے افعال مقررہ قوانین کے تحت پائے جاتے ہیں جن کو ہم طبیعات میں شمار کرتے ہیں۔ **دوسرے**: روح و نور اور ان کے تاثرات ہیں۔ ان کے اعمال بھی مقررہ قوانین پر ظاہر ہوتے ہیں۔ ان کو ہم مابعد طبیعات کا نام دیتے ہیں۔ کیا فرنگی سائنس نے ان کی سچائی کو تسلیم کر کے ان پر مہر ثبت کی ہے۔ نہیں! ہرگز نہیں!

دُنیا میں جس قدر مذاہب ہیں جن میں بدھ مت، ویدک، اسرائیلیت، اسلام، عیسائیت اور کارل مارکس کی اشتراکیت شامل ہے اگر ان کو بھی ایک مذہب کا نام دیا جائے، فرنگی سائنس نے کسی کو بھی سائنس تسلیم نہیں کیا اور نہ ہی ان پر سائنس ہونے کی مہر ثبت کی ہے۔ اگر فرنگی مفکروں نے مذہب اور سائنس پر کتب لکھی ہیں تو ان کتب میں مذہب کی اہمیت کو ختم کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

لیکن اسلام اپنے آپ کو مذہب نہیں کہتا۔ وہ اپنی تعلیم کو دین کا نام دیتا ہے جس کا مقصد انسانی کردار و فعل اور جہد وسعی کے لئے جزاء و سزا مقرر کرنا ہے۔ گویا انسان کی ہر حرکت اپنا ایک نتیجہ رکھتی ہے اور اس کا ذہن پیدائش سے موت تک ہر فعل و کردار پر حاوی ہے۔ وہ صرف زندگی کو بیان نہیں کرتا بلکہ زندگی کی روح سے لے کر کائنات تک کو بیان کرتا ہے۔ گویا طبیعات سے لے کر مابعد طبیعات تک بیان کرتا ہے۔

قرآن حکیم جو تعلیم و حکمت کو پیش کرتا ہے، اس نے دو قسم کی آیات بیان کی ہیں۔ **اوّل**: محکمات جو محسوسات و مشاہدات اور روزانہ زندگی کے تجربات ہیں۔ جن میں اخلاق و عادات، تدبیر منزل، مدن و سیاست اور معاشرت و معاشیات تک سب کچھ بیان کر دیا ہے۔ ان میں زمین اور زمین کے اندر کے تمام خزانوں اور ان کی حکمت کا ذکر کیا ہے۔ **دوم**: متشابہات جو ہمارے ادراکات ہیں جن کو ذہن نشین کرنے کے لئے تشبیہات اور دلائل سے بیان کیا ہے، ان میں قوت و روح اور نفس و زندگی کے حقائق کے ساتھ آسمان اور نجوم کا تعلق بیان کیا ہے اور اس کو ذہن نشین کرانے میں ان کے ہر پہلو کو بیان کیا ہے۔ مثلاً آسمان کیا ہے، کس شے کا بنا ہوا ہے، اس میں کیا ہے، اس کے افعال کیا ہیں۔ اس کا زندگی اور کائنات کے ساتھ کیا تعلق ہے، بلکہ یہاں تک تشبیہ دے دی ہے کہ جو کچھ نفس میں ہے وہی آفاق میں ہے اور اتنا کچھ بیان کیا ہے کہ فرنگی سائنس صدیوں تک ان کا کھوج لگاتی رہے تو ان پر عبور حاصل نہ کر سکے مگر فرنگی سائنس کی مہر اس پر بھی ثبت نہیں ہے۔ اس لئے جن مسلمانوں کے ذہن پر فرنگی سائنس کا غلبہ ہے وہ اعلانیہ کہتے ہیں کہ چودہ سو سال پہلے کا اسلام موجودہ سائنس کا مقابلہ نہیں کر سکتا، یا اسلام کو مذہب خیال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ سائنس جدا شے ہے اور مذہب الگ چیز ہے۔ ان کو آپس میں ملانا اسلام کے خلاف ہے۔ اس طرح قرآن حکیم کی تعلیم و حکمت کو ختم کرنے کا باعث بنتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو صراط مستقیم کی ہدایت بخشے۔

یاد رکھیں! جو علم و سائنس قرآن حکیم و حکمت کے مطابق نہیں ہے وہ غلط اور نامکمل ہے۔

علاج میں غذا کی اہمیت

فرنگی طب (ڈاکٹری) نے اطباء اور عوام کے ذہنوں پر جہاں یہ اثر ڈالا ہے کہ فرنگی ادویات ہر مرض کے لئے سالہا سال کی سائنسی تحقیق اور تدقیقات ریسرچ اور انلسس (Analysis) کے بعد بنائی گئی ہیں اس لئے ہر مرض کی ہر حالت میں مفید ہیں وہاں پر یہ غلط صورت بھی پیدا کر دی ہے کہ مریض کے لئے کسی خاص قسم کی غذائی تخصیص نہیں ہے۔ گویا دوا اپنے اندر پورے کے پورے شفائی اثرات رکھتی ہے، مگر جب ادویات استعمال کی جاتی ہیں تو نتیجہ صفر کے برابر نکلتا ہے۔ البتہ مخدر اور منشی ادویات اور ان کے ٹیکے مریضوں کو بے ہوش ضرور کر دیتے ہیں یا میٹھی نیند سلا دیتے ہیں۔ اکثر ہمیشہ کے لئے ہی سلا دیتے ہیں ورنہ جہاں تک مریض کے علاج کا تعلق ہے فرنگی طب بالکل ناکام ہے۔

لیکن اس تقلید کا کیا کیا جائے جو ہمارے حکماء اور اطباء نے نہیں بلکہ عطار اور عطائی قسم کے معالج کر رہے ہیں۔ جن کا مقصد سستی شہرت، ناجائز دولت کمانا اور ملک وفن کے ساتھ غداری ہے۔ ایسے لوگ طب یونانی کا صحیح اور مکمل علم نہیں رکھتے۔ انہوں نے فرنگی طب کی نہ سند حاصل کی ہے اور نہ باقاعدہ تعلیم کا موقعہ ملا ہے لیکن علاج کے لئے شب و روز فرنگی ادویات استعمال کرتے ہیں۔ انجکشن لگاتے ہیں اور عوام پر یہ ثابت کرتے ہیں کہ وہ ڈاکٹر اور حکیم دونوں سے اچھے ہیں۔ دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ وہ انگریزی ادویات کو دیسی ادویات سے ملا کر ان کا نقصان دور کر دیتے ہیں اور یونانی دوا کی طاقت تیز کر دیتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ سب سے زیادہ یہ لوگ عوام اور مریضوں کے نقصان کے ساتھ ساتھ فن طب اور یونانی ادویات کے لئے بدنامی کا باعث بنے ہیں۔ مجھے ایک دو نہیں سینکڑوں ایسے عطائیوں اور عطاروں سے ملنے کا اتفاق ہوا ہے، جو فن طب تو رہا ایک طرف، کسی معمولی مرض کی ماہیت اور بادیان جیسی روزمرہ استعمال کی دوا کے خواص تک نہیں جانتے اور باتیں کرتے ہیں پنسلین، سلفا ڈرگ اور اینٹی بائیوٹک ادویات کی۔ ان کو نہ نضج کا پتہ ہے نہ اسہال کی ضرورت کا، نہ پسینہ اور ادرار کے اوقات کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ ان کی بلا جانے مسہل وملین میں کیا فرق ہے۔ ان کے لئے اتنا ہی کافی ہے فلاں دوا پاخانہ لاتی ہے، فلاں شے سے پیشاب آ جاتا ہے اور فلاں شے دینے سے پسینہ آ جاتا ہے یا زیادہ دل کو طاقت دینے کے لئے چند دوائیں ذہن میں حاضر ہیں مگر (ڈیجی ٹیلس)، سپرٹ ایمونیا ارومیٹک اور ایڈرنالین کا فرق نہیں جانتے لیکن وہ کامیاب معالج کہلاتے ہیں اور امراض کے علاج میں بڑھ چڑھ کر شفا کے دعوے کرتے ہیں اور جب وقت آتا ہے تو بغلیں جھانکتے ہیں۔

فرنگی طب کی اندھی تقلید نے ملک میں ایسا گروہ پیدا کر دیا ہے جو نہ حکیم ہے اور نہ طبیب مگر فن طب کے لئے بے حد بدنامی کا باعث بنا ہوا ہے ایسا گروہ کبھی ہومیو پیتھک ادویات کا سہارا لیتا ہے اور کبھی طب یونانی کی سندات خریدتا ہے اور اپنی دوا فروشی جاری رکھتا ہے۔ ایسے ہی لوگ ہیں جنہوں نے مسئلہ غذا کی اہمیت کو ختم کر دیا ہے۔ اوّل تو اس قسم کے معالج خواص الاغذیہ ضرورت اغذیہ اور طریق استعمال اغذیہ سے واقف نہیں ہوتے۔ دوسرے فرنگی طب کی تقلید میں ہر غذا کھانے کی اجازت دیتے ہیں یا زیادہ سے زیادہ یہ کہہ دیتے ہیں کہ غذا ثقیل نہیں ہونی چاہئے۔ شوربا پھلکا اچھی غذا ہے۔ ہاں کھچڑی بھی کھا سکتے ہیں۔ اگر دل کرتا ہے تو دودھ پی لیں، چائے بھی نقصان نہیں دے گی۔ خیر پھل کا تو کوئی نقصان نہیں ہے۔ البتہ مٹھائی بہت کم کھائیں۔ ہاں بادی چیز اور کھٹا و تیل کے نزدیک نہ جائیں۔ اگر برف کا شوق کرتے ہیں تو ذرا استعمال کر لیں، وغیرہ وغیرہ۔

ان معالج حضرات سے کوئی پوچھے کہ ثقیل اور لطیف غذا کا کیا فرق ہے۔ کون کون سی اغذیہ ثقیل ہیں اور کون کون سی زود ہضم

وغیرہ۔ ایک ہی مریض کو گرم اغذیہ بھی اور سرد اغذیہ بھی، روٹی بھی چاول، برف اور پھل بھی اور چائے بھی۔ آخر غذا شے کیا ہے؟ تندرست اور مریض کی غذا میں کچھ نہ کچھ تو فرق ہونا چاہئے۔ اگر مریض کوئی فرق نہیں کرنا چاہتا تو پھر وہ مریض نہیں ہے۔ اگر معالج فرق نہیں جانتا تو معالج نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اچھے اور برے معالج کا اندازہ غذا اور پرہیز بتانے پر چل جاتا ہے۔ جو معالج روزانہ استعمال کی اشیاء مثلاً نمک، مرچ، ہلدی، گرم مصالحہ، گوشت، سبزیاں، دالیں، غلے، دودھ، چائے اور ان سے بنی ہوئی اشیاء، پھل، میوہ جات اور پان، تمباکو وغیرہ وغیرہ کے اثرات سے پوری طرح آگاہ نہیں ہے وہ علاج میں ان کو کیسے استعمال کر سکتا ہے۔ اگر اتفاقاً ایک اچھی دوا بھی تجویز کر دی تو غذا کی خرابی سے بجائے آرام ہونے کے مریض کو نقصان ہو جانے کا اندیشہ غالب ہے۔

غذا کے متعلق جاننا چاہئے کہ مریض کے لئے نہ کوئی لطیف غذا اور زود ہضم غذا ہے اور نہ کوئی ثقیل اور دیر ہضم نہ کوئی غذا مقوی ہے اور نہ غیر مقوی۔ اسی طرح نہ کوئی غذا مولد خون اور نہ ہی پیدائش خون کو روکنے والی ہے بلکہ اصل غذا وہ ہے جس کی مریض کے جسم کو ضرورت ہے۔ وہی غذا اس کے لئے زود ہضم و مقوی اور مولد خون ہوگی۔ ضرورت غذا پر مریض کے اعضاء کے افعال کی خرابی اور خون کے کیمیاوی نقص سے پتہ چلتا ہے۔ اگر مریض کے لئے صحیح غذا تجویز کر دی جائے تو ان شاء اللہ تعالیٰ مریض کو بغیر دوا آرام ہو جائے گا۔ جسم انسان پر پچاس فیصدی غذا کا اثر ہے۔ دوا کا اثر صرف پچیس فیصدی ہے اور پچیس فیصدی مریض کے ماحول کو درست اور مزاج کو مطمئن رکھنا ہے تاکہ قوت مدبرہ بدن بیدار رہے اور مریض کی طبیعت صحت کی طرف دوڑتی رہے۔

مریض کی غذا تجویز کرنے کے لئے ہمیشہ تین باتوں کا خیال رکھنا ہے: (۱) خمیر غذا (۲) ضرورت غذا اور (۳) مناسب غذا۔

خمیر غذا کی صورت یہ ہوتی ہے کہ مریض کے شکم میں جو غذا موجود ہے اس میں خمیر پیدا ہو چکا ہے۔ اکثر یہی خمیر فساد خون تک پہنچ چکا ہوتا ہے بلکہ بعض اوقات زہر کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ مثلاً ہم روزانہ زندگی میں دیکھتے ہیں کہ آج کا تازہ دودھ کل باسی ہو جاتا ہے۔ دوسرے روز اس میں کھٹاس پیدا ہو جاتا ہے۔ تیسرے روز اس میں تعفن پیدا ہو جاتا ہے۔ چوتھے روز اس میں کیڑے ظاہر ہو جاتے ہیں اور پانچویں روز وہ اس قدر خراب ہو جاتے ہیں گویا زہر کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ بس تقریباً یہی حالت پیٹ کے اندر غذا میں خمیر ہونے سے پیدا ہو جاتی ہے۔ ایسی صورت میں جب تک پیٹ کا خمیر ختم نہ ہو علاج میں صحت کی کیا اُمید ہو سکتی ہے اور ادویہ و اغذیہ کیسے مفید ہو سکتی ہیں۔ اگر غذا دی گئی تو اس کا نتیجہ ایسا ہو گا جیسے متعفن دودھ میں عمدہ دودھ ملا کر اس کو ضائع کر دیا جائے اور پھر اس سے اچھے اثرات کی اُمید رکھی جائے۔ اسی طرح خمیرہ آٹا کے ساتھ جب بھی دوسرا آٹا ملا کر گوندھا جائے گا یقیناً وہ بھی خمیر ہو جائے گا۔ جب تک خمیر کو ختم نہیں کیا جائے گا۔ بالکل یہی صورت پیٹ میں غذا کھانے کے بعد پیدا ہو جاتی ہے۔ اس طرح اس خمیر میں نہ صرف ہر قسم کی غذا خراب ہو جاتی ہے بلکہ ادویات بھی ضائع ہو جاتی ہیں۔ مریض گھبرا جاتا ہے اور سمجھتا ہے کہ علاج اور ادویات سے اس کو نقصان اور خطرہ پیدا ہوا ہے اور معالج حیران ہوتا ہے کہ ایسی اکسیر تریاق اور بے خطا و یقینی مجرب نسخہ استعمال کرنے سے ایسے خطرناک حالات کیوں پیدا ہو گئے ہیں۔ یقیناً نسخہ مفید نہیں ہے بلکہ اس میں یہ خرابیاں ہیں لیکن اصل بات سے وہ واقف نہیں ہوتا کہ مریض کے پیٹ میں جو خمیر تھا اس میں تیزی پیدا ہو گئی ہے جس سے یہ خطرات پیدا ہو گئے ہیں۔

اسی خمیر سے پیٹ میں تیزابیت پیدا ہوتی ہے جس کو ایسڈیٹی کہتے ہیں۔ یہی جب خون میں شامل ہوتی ہے تو مختلف مقامات خصوصاً گردوں اور غشائے مخاطی پر اثر انداز ہو کر بہت سے خوفناک امراض پیدا کرتی ہے۔ بہر حال خمیر میں جوں جوں شدت پیدا ہوتی چلی جاتی ہے، خون میں زہر پیدا ہو جاتا ہے یہاں تک کہ ہلاکت تک پہنچا دیتا ہے۔ اس لئے علاج، غذا اور دوا استعمال کرنے سے قبل خمیر غذا کو ختم کر لینا نہایت ضروری ہے۔

ضرورت غذا

ضرورت غذا میں مریض کو غذا کھانے کی صحیح خواہش ہے جس کی بہترین علامت بھوک ہے۔ گویا بھوک کے بغیر غذا کھانے کی صحیح خواہش نہیں ہے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ کھانے کا وقت ہے اور کھانے کی خواہش پیدا ہو گئی ہے یا کھانے کی شکل دیکھی ہے۔ اس کی رنگ برنگی صورت و خوشبو اور انواع و اقسام دیکھ کر دل میں شوق لذت پیدا ہو گیا یا ڈیوٹی پر جاتے ہوئے خیال آیا کہ کھانا کھا لیا جائے۔ پھر گرم گرم کھانا نہیں ملے گا یا کسی دوست اور عزیز نے مجبور کر دیا اور بغیر ضرورت کے کھانا کھا لیا، وغیرہ وغیرہ۔ ان تمام حالات میں ضرورت غذا نہیں تھی۔ ضرورت غذا صحیح خواہش غذا ہے جس کو بھوک کہتے ہیں۔ بھوک بالکل وہی صورت ہے جو روزہ کھولنے سے تھوڑی دیر پہلے محسوس ہوتی ہے جس کی علامات یہ ہیں: بدن گرم ہو جاتا ہے خاص طور پر چہرہ کان کی لو تک گرم ہو جاتا ہے۔ دل میں مسرت و فرحت اور لذت کا احساس ہوتا ہے۔ اس کے برعکس جب بھوک میں جسم ٹھنڈا ہو جائے یا دل ڈوبنا شروع ہو جائے تو یہ بھوک نہیں ہے بلکہ مرض ہے۔ اس کا علاج ہونا چاہئے اس کا فوری علاج شہد پینا یا شہد کا شربت پینا، ہلکی چائے پینا یا کوئی حسب خواہش پھل کھا لینا ہے۔ غذا خصوصاً نشاستہ دار غذا کے قریب تک نہیں جانا چاہئے ایسا کرنا گویا خطرناک امراض کو دعوت دینا ہے۔

سال میں ایک مہینہ بھر بھوک کے احساس کی تربیت دی جاتی ہے مگر عید کے دوسرے روز ہم بالکل بھوک کا خیال تک بھول جاتے ہیں۔ روزوں میں مہینہ بھر کے ثواب کا تصور تو رکھتے ہیں، لیکن ایک مہینہ میں جو ہم کو تقریباً سولہ گھنٹے کی بھوک اور پیاس کا حقیقی تجربہ ہوتا ہے اس کو یقیناً بھلا دیتے ہیں، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وقت بے وقت اور جگہ بے جگہ کھا پی کر امراض مول لے لیتے ہیں۔ افسوس تو یہ ہے کہ ہم خود ہی قوانین فطرت کی مخالفت کرتے ہیں اور بغیر ضرورت کھاتے ہیں اور جب قوانین فطرت کی بغاوت کے بعد بیماری کی شکل میں ہم کو سزا ملتی ہے تو روتے ہیں، واویلا کرتے ہیں اور پریشان ہوتے ہیں۔ جن لوگوں کی توندیں بڑھ گئی ہیں، کیا یہ یقین کیا جا سکتا ہے ایسے لوگ غذا ضرورت کے مطابق کھاتے ہیں؟ کیا یہ لوگ مریض نہیں ہیں؟ خداوند کریم لالچ کی بھوک سے محفوظ رکھے۔

استعمال غذا

غذا کے استعمال میں کسی خاص علم کی ضرورت نہیں ہے۔ جیسا کہ فرنگی طب نے اپنے تجارتی مقصد کے تحت چکر چلا دیا ہے کہ غذا میں اتنی پروٹین (اجزاء لحمیہ) اس قدر کاربوہائیڈریٹ (اجزاء ونشاستہ) اس مقدار میں فیٹس (روغنی اجزاء) ہوں اور اس میں حیاتین کا ہونا ضروری ہے، جس کے لئے خاص طور پر کچی سبزیاں کھائی جائیں وغیرہ وغیرہ۔ جب ایک آدمی اس میں پھنس جاتا ہے کہ بازار میں وٹامن اور دیگر اغذیہ کی گولیاں بھی فروخت ہو رہی ہیں۔ میں نے اس کے بارے میں ایک الگ مضمون لکھا ہے۔ امریکہ والوں سے آلو کے سلسلہ میں بحث چل نکلی تھی۔ خداوند کریم کی مہربانی سے ان کا منہ بند کر دیا ہے۔ ان کو چیلنج کیا ہے کہ تمام امریکہ میں کوئی بھی غذا کے سلسلہ میں انتہائی قابل ہو مقابلہ پر لایا جائے ہم تسلی و تشفی کے لئے تیار ہیں۔

غذا کے استعمال میں صرف یہ باتیں یاد رکھیں۔ (۱) شدید بھوک ہو، جس کی علامات لکھ دی ہیں اور اس کا ایک جذبہ یہ بھی ظاہر ہو کہ وہ کتنا ہی کھا جائے گا۔ ذرا جس چیز کو دل چاہے کھائے، یعنی ذائقہ اور کیفیت (گرم و سرد، تر و خشک) اگر غذا حسب ذائقہ اور کیفیت ہو تو

بہتر ہے ورنہ غذا میں مقوی اور قیمتی غذا کا تصور ضروری نہیں ہے۔ (۲) غذا ہمیشہ اس وقت کھائی جائے جب زیادہ کھانے کا تصور ہو مگر خوب کھانے کے بعد کچھ حصہ بھوک باقی ہو تو غذا کو چھوڑ دیں تا کہ غذا پیٹ میں پھول کر تمام معدہ کو قابو میں نہ کر لے اور معدہ اپنی حرکات کو چھوڑ بیٹھے اور غذا معدہ میں کچی رہ جائے یا قے اور اسہال کی صورت پیدا ہو کر ہیضہ نہ ہو جائے۔ گویا غذا زیادہ سے زیادہ کھانے کے بعد کچھ حصہ بھوک کا ابھی باقی ہو تو غذا سے ہاتھ کھینچ لینا چاہئے۔ ہمیشہ یہ خیال رکھیں تھوڑا کھانا گناہ ہے اور پیٹ بھر کے کھانا بھی عذاب ہے۔ غذا کھانے کی صورت، ان کے درمیان ہونی چاہئے۔ البتہ یہ معالج کا کام ہے کہ وہ بتلائے کہ کسی مرض میں کیا غذا ہونی چاہئے چونکہ جگر کے لئے غذا الگ ہونی چاہئے اور دماغ کی ضروریات جدا ہیں۔ اسی طرح دِل کے لئے جن چیزوں کی ضرورت ہے وہ الگ ہیں۔ غرض ہر معالج کا فرض ہے کہ اعضاء رئیسہ کی مناسبت سے مریض کے لئے غذا تجویز کرے تا کہ غذا بھی دوا کے لئے معاون بن جائے۔

غذائی علاج میں فاقہ کی اہمیت

غذائی علاج کی اہمیت کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ انسانی اور حیوانی جسم میں خون صرف غذا ہی سے پیدا ہوتا ہے اور دُنیا کی کوئی دوا اور زہر ہرگز ہرگز خون یا کوئی اور خلط نہیں بن سکتا۔ دُنیا کا ہر طریق علاج بلکہ ماڈرن میڈیکل سائنس بھی اس امر کو تسلیم کرتی ہے کہ خون صرف غذائی اجزاء سے پیدا ہوتا ہے۔ دوا اور زہر صرف جسم کے اعضاء میں تحریک و تسکین اور تحلیل کا باعث ہوتے ہیں۔

جاننا چاہئے کہ غذائی علاج کی بنیاد فاقہ پر رکھی جاتی ہے کیونکہ جب تک بھوک بیدار نہ ہو اس وقت تک غذائی علاج اثر انداز نہیں ہوتا۔ بھوک بیدار کرنے کے لئے ہی غذا کو اس وقت تک روک دیا جاتا ہے یا اس قدر لطیف اغذیہ کا استعمال کرایا جاتا ہے جو انتہائی زود ہضم ہوں یا ایسی غذا کا استعمال کرایا جاتا ہے جس میں اغذیہ کے ساتھ ادویہ بھی شریک ہوں جن کو دوائے غذائی یا غذائے دوائی کہتے ہیں۔ ان میں فرق یہ ہے کہ دوائے غذائی میں دوا زیادہ غذا کم ہوتی ہے اور غذائے دوائی میں غذا زیادہ ہوتی ہے۔ ان صورتوں اور تدابیر سے مقصد شدید قسم کی بھوک کا پیدا کرنا ہے۔ شدید بھوک پیدا ہونا اعادہ شباب کا بھی راز ہے۔

روزہ ایک مذہبی عبادت اور بھرت ہے جو تقریباً ہر مذہب میں کسی نہ کسی رنگ میں پایا جاتا ہے۔ اس کی خوبیوں کا اندازہ وہی لوگ کر سکتے ہیں جو اس کی حقیقت سے واقف ہیں۔ اس کو فاقہ کہنا صحیح نہیں ہے بلکہ ایک مقصد کا حصول ہے۔ یہ روزہ ہی کا کمال ہے کہ اس سے انسان کی خوابیدہ جسمانی اور روحانی قوتیں بیدار ہو جاتی ہیں۔ اسلامی روزہ بارہ، چودہ اور سولہ اٹھارہ (یورپ) گھنٹے کا ہوتا ہے۔ اس میں خوبی یہ بھی ہے کہ جب تک کھائی ہوئی غذا پوری طرح ہضم ہو کر خون نہ بن جائے اس وقت تک روزہ نہیں کھولا جاتا اور اسی طرح ایک ماہ مسلسل عمل کیا جاتا ہے جس سے نہ صرف جسم کا تمام میل ڈھل جاتا ہے بلکہ طاقتور خون پیدا ہو جاتا ہے۔ اس سے بے شمار امراض دور ہو کر جوانی و قوت اور حسن کو چار چاند لگ جاتے ہیں۔ سچ کہا گیا ہے کہ الصوم قائم شباب۔

فاقہ سے جب بھوک لگتی ہے تو مندرجہ ذیل تین صورتیں پیدا ہو جاتی ہیں۔

1. فاسد رطوبات و گندے مادے اور خمیر و تعفن ختم ہو جاتے ہیں۔
2. اعضائے رئیسہ و جسم اور روح و ذہن کی قوتیں بیدار ہوتی ہیں۔
3. صفرا کی پیدائش ہو کر حرارت غریزی کو تقویت حاصل ہوتی ہے۔

اگر انسان روزانہ بارہ، چودہ اور سولہ اور اٹھارہ گھنٹے تک غذا کو نہ روک سکے تو کم از کم شدید بھوک تک انتظار ضروری ہے۔

یاد رکھیں کہ تندرست انسان میں صحیح بھوک چھ گھنٹوں سے پہلے نہیں لگ سکتی۔ اگر لگ جائے تو کم از کم چھ گھنٹوں تک نہیں کھانا چاہئے۔ یہی صحت وقوت اور جوانی کا راز ہے اور یہی فاقہ کی برکتیں اور غذائی علاج میں اس کی حقیقت ہے۔

ناخالص اغذیہ اور بے انتہا گرانی

صحت اور غذا کا چولی دامن کا ساتھ ہے لیکن صحت کے لئے نہ صرف خالص غذا کی ضرورت ہے بلکہ عوام کی دسترس سے بعید بھی نہ ہونی چاہئے مگر آج کل غذا کا مسئلہ اس قدر اہم ہوگیا ہے کہ عوام سے لے کر امراء تک اس کے حل کرنے کے لئے بے حد بے چین ہیں اور جہاں تک غرباء کا تعلق ہے اس کا اکثر طبقہ فقراء اور بھکاری کی شکل میں تبدیل ہوتا جا رہا ہے یا خرابی اور تنگی غذا کی وجہ سے انتہائی خراب صحت کا شکار ہو رہا ہے۔ اسی صورت میں ایک طرف ملک میں بے اطمینانی، قوم میں کمزوری اور دوسری طرف عوام میں جرم کی زیادتی کے ساتھ ساتھ بغاوت کے عناصر کو تقویت ملتی ہے۔

جہاں تک تجارت کا تعلق ہے کوئی شک نہیں کہ وہ ملک میں حکومت کے اثر سے بالکل آزاد ہونی چاہئے اور قوم کا ہر فرد اپنی طاقت اور ضرورت کے مطابق جائز طور پر اپنا کاروبار کر سکے مگر حکومت کے فرائض میں یہ امر ضرور شامل ہوتا ہے کہ کم از کم ایسی تجارت جس پر عوام کی ضروریات زندگی کا بہت حد تک انحصار ہے اس کی کڑی نگرانی کرے مثلاً اہم غذائی اشیاء معمولی قسم کا کپڑا اور اہم قسم کی ضروریات زندگی وغیرہ۔ اگر حکومت کو یورپ و امریکہ کی طرح ملک وقوم کا معیار زندگی بلند کرنے کا خیال ہے تو اس خیال میں شاید کامیابی کبھی نہ ہو بلکہ بے حد برائیوں کے شکار ہونے کے خدشات زیادہ ہیں، کیونکہ یورپ اور امریکہ بلکہ وہ تمام ممالک جنہوں نے معیار زندگی بلند کرنے کی کوشش کی ہے، وہ تمام کے تمام اخلاقی برائیوں میں گرفتار ہوگئے ہیں۔ ان لوگوں کو پھر ان برائیوں کو دور کرنے کے ذرائع سوچنے پڑتے ہیں۔

بیکار طبقہ

اس حقیقت کو کبھی نظر انداز نہیں کرنا چاہئے۔ ملک میں ہمیشہ ایک طبقہ ایسا بھی ضرور پایا جاتا ہے جو ملازمت اور کاروبار سے نکما اور بیکار رہتا ہے لیکن ان کو بھی اپنی ضروریات زندگی پوری کرنی ہیں۔ جو لوگ ملازم اور باروزگار ہیں ان کی آمدنیاں تو ضرور ایک مقررہ معیار کے مطابق چل رہی ہوتی ہیں لیکن جو لوگ نکمے اور بیکار ہیں وہ مجبور ہیں کہ ذیل کی دو حالتوں میں سے کسی ایک میں پھنس جائیں:

① اگر کمزور دِل ہیں تو بھکاری اور فقیر بن جاتے ہیں جس کے ساتھ ہی وہ اپنے ضمیر اور قومی وقار کو ختم کر دیتے ہیں۔

② اگر وہ مضبوط دِل ہیں تو جرم اور بغاوت پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔

ایسے لوگ اپنی قوم اور حکومت کو اپنا دُشمن خیال کرتے ہیں۔ اسی لئے یورپ اور امریکہ اور دیگر ایسے ممالک میں حکومتوں کی طرف سے ٹریڈ یونینیں بنا کر ایسے انتظام کرنے پڑے ہیں کہ نکمے اور بیکار لوگوں کو بھی اس وقت تک تنخواہیں دی جائیں جب تک ان لوگوں کو نکما اور بیکار رہنا پڑے، مگر پھر بھی ایسے لوگ ملک اور قوم کے معیار زندگی پر پورا نہ اُترنے کی صورت میں عجیب وغریب قسم کی بداخلاقیاں کرتے ہیں۔

یورپ اور امریکہ کے اخلاق کا صحیح نقشہ ان کے اخبار ورسائل اور فلمیں ہیں جن میں ان ممالک کی تہذیب وتمدن اور معیار زندگی

کا پتہ چلتا ہے، لیکن جہاں تک اخلاق کا تعلق ہے وہ صرف عبادت تک محدود ہے یا اس کا معیار مقرر کر دیا گیا ہے لیکن جہاں تک عمل کا تعلق ہے اس میں بالکل فقدان ہے اور اس کے مقابلے میں جرم اور بغاوت کے عناصر غالب ہیں۔ چاہئے تو یہ تھا کہ وہ ممالک اگر متحد ہیں تو وہاں پر جرم نہ ہونے کے برابر ہوتے اور پولیس کا عملہ بہت ہی کم ہوتا مگر اس کے برعکس وہاں پر ایسے جرم اور بغاوتی تحریکیں عمل میں آتی ہیں کہ ان کو معلوم کر کے ہم لوگ ششدر رہ جاتے ہیں۔

باوجود اس امر کے یہ حقیقت ہے کہ یورپ اور امریکہ کی حکومتیں اپنے فرائض کو مشرقی ممالک سے نہ صرف زیادہ سمجھتی ہیں، بلکہ ان پر عمل بھی کرتی ہیں، یعنی ہر حکومت کے فرائض میں یہ داخل ہے کہ وہ عوام کی (۱) غذا (۲) کپڑا (۳) رہائش (۴) ملازمت (۵) تعلیم اور (۶) طبی ضروریات کو پورا کرے۔ مغربی ممالک پوری کوشش سے اس پر عمل کرنے کی کوشش کرتے ہیں مگر پھر بھی وہ اپنے عوام کو معیار زندگی پر قائم نہیں کر سکے اور مشرقی ممالک میں جہاں ان فرائض کا پورے طور پر تصور بھی نہیں کیا گیا، ان ممالک میں معیار زندگی کا بلند کرنا جوئے شیر لانے کے برابر ہیں۔ اس پر طرہ یہ ہے کہ مشرقی ممالک میں تعلیم کی اوسط نہ ہونے کے برابر ہے اور جو کچھ ہے بھی اس میں زیادہ تر وہ تعلیم ہے جو ہمارے ملک اور قوم کے کلچر سے بالکل ہی مختلف ہے یہ ایسا تصادم ہے کہ اس کا علاج بھی حکومت کے پاس نہیں ہے۔

معیار زندگی

ان حقائق کو کبھی نظر انداز نہیں کرنا چاہئے کہ معیار زندگی بڑھانا اور بات ہے اور نکمے اور بے کار عوام کی ضروریات زندگی کو پورا کرنا اور شے ہے۔ معیار زندگی اشیاء کو گراں اور عوام کی دسترس سے دور کر دینے سے نہیں بڑھا کرتا بلکہ اپنے ملک اور قوم کے کلچر کی تعلیم کو زیادہ سے زیادہ عوام تک پہنچانے سے ہوا کرتا ہے۔ ہمارے ملک اور قوم میں تعلیم اور کلچر کا یہ حال ہے کہ ہم میں دونوں چیزیں یورپ اور امریکہ کی پائی جاتی ہے مگر نتیجہ ہم مشرقی ذہن کے مطابق دیکھنا چاہتے ہیں۔

اس وقت ہمارے سامنے حکومت کا اوّلین فرض ہے کہ ملک بھر میں غذا کا مسئلہ حل ہونا چاہئے یعنی عوام بہت آسانی کے ساتھ صحیح قسم کی غذا کو حاصل کر سکیں اور اس کی دسترس سے دور نہ ہو۔ دوسرے الفاظ میں غذا نہ گراں ہو نہ غیر خالص ہو۔ کم از کم بنیادی غذا کے حصول میں یہ خوبیاں ضرور پائی جائیں جن میں خصوصاً گندم، سبزیاں اور روغنیات وغیرہ بالکل بنیادی اشیاء ہیں۔ ان کو کبھی عوام کی دسترس سے دور نہیں رہنا چاہئے۔ دوسرے نمبر پر گوشت اور شکر ہے اور تیسرے نمبر پر چائے، کافی، دیگر مشروبات اور کیک، پیسٹری، بسکٹ، مٹھائیاں اور دیگر مقوی اشیاء کا درجہ ہے، لیکن ملک میں پہلی صورت یہ ہے کہ غلہ دشوار ہے اور سبزیاں اور روغنیات کے بھاؤ آسمان تک پہنچ گئے ہیں۔ جہاں تک دوسری صورت کا تعلق ہے خالص دودھ، گھی شہروں میں نایاب ہے۔ دیہاتوں میں وہی لوگ دودھ پیتے ہیں جن کے ہاں اپنی گائے بھینسیں ہیں۔ گوشت اور شکر عوام خرید ہی نہیں سکتے اور تیسری صورت کا ذکر ہی بے سود ہے وہ فقط امرا کے لئے مخصوص ہے۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر یہ گرانی اور خالص اشیاء کے دستیاب نہ ہونے کا سبب کیا ہے؟ کیا اس میں حکومت قصوروار ہے؟ یا کوئی تیسرا ہاتھ کام کر رہا ہے؟

گرانی کی صورتیں

ملک میں گرانی کی اکثر تین صورتیں ،ہوا کرتی ہیں۔

(۱) **قدرتی قحط:** بارش کی کمی یا وقت پر نہ ہونے سے غذائی اشیاء کی پیدائش ضرورت سے بہت کم ہو۔

(۲) **حادثاتی قحط:** سیلاب،زلزلہ،ذخیروں میں آگ لگ جانا اور جنگ۔

(۳) **مصنوعی قحط:** گراں فروشی کے لئے ذخیرہ اندوزی جسے آج کل بلیک مارکیٹ کہتے ہیں۔ملک کے سستے ذخیرہ کو غیر ملک میں گراں فروش کرنا جسے آج کل سمگلنگ کہتے ہیں۔

جہاں تک پہلی دو صورتیں ہیں وہ اکثر دُنیا میں پائی جاتی رہی ہیں۔ تاریخ ان پر روشنی ڈالتی ہے۔لیکن تیسرے قسم کا قحط صرف امریکہ کی پیداوار ہے۔اس نے دُنیا کو یہ سبق دیا ہے کہ عوام کا معیار بلند کیا جائے۔اس مقصد کے لئے اس کی تعلیم ہے کہ شے ہمیشہ گراں فروخت کی جائے اور جب تک کوئی شے گراں قیمت پر نہ بکے مت بیچو۔دوسرے الفاظ میں مصنوعی قحط پیدا کیا جائے یعنی ذخیرہ اندوزی کی جائے،وغیرہ وغیرہ۔

حکومت قصوروار نہیں

جہاں تک حکومت کا تعلق ہے،وہ بالکل قصوروار نہیں۔البتہ مارشل لاء حکومت سے پہلے کی تمام حکومتیں قصوروار تھیں اور وہ اس بلیک مارکیٹ اور سمگلنگ میں شریک رہی ہیں۔ یہ حقائق ڈھکے چھپے نہیں ہیں۔ مارشل لاء حکومت نے بلیک مارکیٹ، ذخیرہ اندوزی اور سمگلنگ کی برائی دور کرنے کے لئے انتہائی جدوجہد کی ہے اور کر رہی ہے۔اس نے مجرموں کو قرار واقعی سزائیں دی ہیں اور روز بروز ان کا حلقہ تنگ کرتی جارہی ہیں۔سزا دینے میں کسی کا لحاظ نہیں کیا۔ یہاں تک کہ بڑے بڑے لیڈروں،سرمایہ داروں،وزیروں اور افسروں تک کو نہیں چھوڑا،امید ہے کہ بہت جلد یہ وبا ملک سے ختم ہو جائے گی۔

ایک ضروری اقدام

اس سلسلہ میں ایک اہم اقدام کا ذکر کرنا بے حد ضروری ہے۔وہ غذا پر کنٹرول ہے کیونکہ تجربہ نے بتایا ہے کہ جس شے سے کنٹرول ہٹا دیا گیا وہ قابو سے باہر ہوگئی اور وہ دنوں میں گراں ہوگی۔اور وہ قابو بھی کی گئی تو اس کا بھاؤ ہمیشہ زیادہ ہی مقرر کیا گیا اور ملک اور قوم کو روز بروز مصیبت میں جکڑتی چلی گئی۔جس سے نکلنے کی صورت قطعاً نظر نہیں آتی،البتہ کنٹرول میں اتنی تبدیلی ضرور کی جائے کہ دکانوں پر کنٹرول کرنے کے بجائے منڈی پر کنٹرول کیا جائے۔ جیسا کہ جنوری 1960ء کے پرچہ میں ہم نے برتھ کنٹرول کے متعلق لکھا ہے۔''برتھ کنٹرول سے مرد پاگل اور عورتوں کو ٹی بی ہو جاتا ہے۔اس سے بہتر ہے غلہ منڈیوں میں جائے''۔ چونکہ حکومت کو پورا علم ہوتا ہے کہ ملک کے ہر کھیت کی پیداوار کیا ہے۔اس لئے اگر حکومت چاہے تو وہ تمام پیداوار منڈی میں منگوا لے اور اسے کنٹرول کے اُصولوں پر ملک میں تقسیم کرے اور یہی عملہ بجائے بازار کے منڈی میں تعین کردے۔اس سے فوراً ذخیرہ اندوزی اور بلیک مارکیٹ ختم ہو جائے گی۔اجناس کی گرانی بالکل ختم ہو جائے گی۔یاد رہے کہ بڑے بڑے زمیندار اپنی دولت کی وجہ سے اپنی اجناس کو منڈی میں بھیجنے پر مجبور نہیں ہوتے،اس مقام پر حکومت کو انتہائی سختی کی ضرورت ہے۔اسی طرح ضروریات زندگی کی اجناس نہ صرف ارزاں ہو جائیں گی بلکہ وہ عوام کو خالص بھی ملنے لگیں گی،لیکن جب تک حکومت منڈیوں پر

کنٹرول نہ کرے بازار کا کنٹرول ختم نہ کرے، ورنہ ملک خصوصاً شہروں میں ایک مصیبت سی پیدا ہو جائے گی جس کی تازہ مثال چائے کی قیمتوں کو کنٹرول سے آزاد کرنا ہے۔ ذخیرہ اندوزی اور گراں فروشی واقعی ایک عذاب ہے۔ اس سے معیار زندگی بلند ہونے کی بجائے ملک میں بغاوت اور جرم کے جراثیم ترقی پکڑتے ہیں۔

غذا میں غلہ کے اجناس کے بعد دوسرے درجہ پر روغنیات ہیں۔ ان کی جسم میں ایسی ہی ضرورت ہے جیسے مشینوں میں پٹرول کے بعد موبل آئل کی ضرورت ہے۔ اگر موبل آئل پرزوں کو تر (لبریکیٹ) رکھتا ہے اور رگڑ کھانے اور جلنے سے بچاتا ہے۔ یہی صورت جسم انسان میں روغنیات کی بھی ہے مگر جسم انسان میں ان کا ایک کام یہ بھی ہے کہ وہ جسم میں حرارت بھی پیدا کرتے رہیں تاکہ جسم ایک طرف سردی سے محفوظ رہے اور دوسری طرف جسم میں سوزش اور امراض پیدا نہ ہوں۔

روغن دو قسم کے ہوتے ہیں۔ **اول**: نباتی جنہیں ہم تیل کہتے ہیں جیسے سرسوں، زیتون اور بنولہ وغیرہ اور بعض دوسرے میوہ جات سے بھی نکالے جاتے ہیں جیسے روغن ناریل، روغن کنجد، روغن بادام وغیرہ۔ **دوسرے**: حیوانی جو گھی اور چربی کہلاتے ہیں۔ گھی عام طور پر مکھن اور کریم سے تیار ہوتا ہے اور چربی گوشت سے جدا کی جاتی ہے۔ مفید ہونے کی صورت میں میوہ جات کے روغن سبزیوں کے روغنیات سے زیادہ انسانی جسم کے قریب ہیں اور چربی مکھن اور گھی میوہ جات کے روغنیات سے بھی انسانی جسم کے زیادہ قریب ہیں۔ ان کے زیادہ قریب ہونے سے مراد یہ ہے کہ وہ جلد اور زیادہ سے زیادہ جزو بدن بن جاتے ہیں۔ اس حیثیت سے اعضاء اور خون کے لئے بے حد مقوی اور مفید ہیں۔ **ایک عام انسان بھی خوب جانتا ہے کہ تیل کے کھانے سے جہاں گلے میں خراش نزلہ زکام ہو جاتا ہے وہاں پر گھی کے کھانے سے انسان ان امراض سے محفوظ رہتا ہے۔** سوائے چند مخصوص علاقوں اور اغذیہ کے جہاں پر تیل فطرتاً مفید ہے یعنی ایسے علاقے جہاں پر رطوبت زیادہ ہوتی ہے یا سال بھر تک خوب سردی رہتی ہے وہاں پر گھی اور مکھن کی بجائے تیل زیادہ مفید ہے۔ رطوبتی علاقے اکثر سمندر کے کنارے ہوتے ہیں یا ایسے علاقے جہاں بہت کثرت سے ہوتی ہے۔ ایسے علاقے اکثر پہاڑوں کی وادیاں یا پہاڑ ہوتے ہیں۔ جاننا چاہئے کہ گرم علاقوں میں ہمیشہ مکھن اور گھی مفید ہوتے ہیں اور تیل اکثر تکلیف کا باعث ہوتے ہیں اور مختلف اقسام کے خوفناک امراض پیدا کرتے ہیں۔

بناسپتی گھی

دراصل گھی نہیں ہے اور نہ ہی حیوانی روغن ہے بلکہ نباتی تیلوں کو مصنوعی اور بناوٹی طور پر گھی کی شکل دے دی گئی ہے۔ یہ عام طور پر کسی تیل کے ساتھ سوڈا کاسٹک یا کوئی دیگر قوی الکائن (کھار) ملا کر تیار کیا جاتا ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے صابن بنایا جاتا ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ صابن کا قوام سخت ہوتا ہے اور بناسپتی کا قوام نرم مثل گھی کے رکھا جاتا ہے۔ دراصل ہر بناسپتی گھی نرم قسم کا صابن ہے۔

افعال واثرات بناسپتی:

بناسپتی گھی افعال واثرات کے لحاظ سے نہ تو مکھن اور گھی کے اثرات رکھتا ہے کہ اس میں حیوانی اثرات خصوصاً حیوانی گندھک کا کوئی اثر نہیں ہوتا جو صحت کے قیام اور جسمانی سوزش کو دور کرنے کے لئے از حد ضروری ہے بالکل اس قسم کے اثرات جو شہد میں پائے جاتے ہیں جس کے لئے قرآن حکیم نے فرمایا ہے: ﴿ فِيهِ شِفَاءٌ لِلنَّاسِ ﴾ ''اس میں لوگوں کے لئے شفا ہے''۔ اور نہ ہی ان میں تیلوں کے تیزابات کا اثر اور نہ گندھک کے افعال باقی رہتے ہیں۔ گویا جو طاقت خالص تیل میں ہوتی ہے، بناسپتی گھی میں بالکل ختم ہو جاتی ہے، اس کے علاوہ اس

میں الکلی (کھار) کی زیادتی کی وجہ سے انتہائی اعصابی سوزش پیدا ہوجاتی ہے جس سے جسم میں رطوبات کی زیادتی، نزلہ اور بلغم کی پیدائش، پیشاب کی کثرت کے ساتھ ساتھ پیشاب میں شکر کا بڑھ جانا۔ جب پیشاب کی رطوبات اور بلغم میں زیادتی پیدا ہوجائے تو حرارت کم ہونا شروع ہوجاتی ہے۔ دوسری طرف اس میں گندھک کی مقدار بالکل نہیں پائی جاتی جو صحت انسانی کے لئے ضروری حرارت پیدا کرتی ہے۔ نتیجہ میں اس کے کھانے والے کی صحت خراب ہونا شروع ہوجاتی ہے۔

تجربہ اور نقصان

جن لوگوں نے بناسپتی گھی کبھی نہیں کھایا جب وہ کھانا شروع کرتے ہیں چاہے وہ سالن کی شکل ہو چاہے مٹھائی کی صورت تو اوّل اوّل منہ میں پانی آنا شروع ہوجاتا ہے۔ پھر جب جلد گلے میں جلن اور منہ میں گرمی محسوس ہوتی ہے۔ تھوڑے دنوں کے بعد نزلہ اور گلے میں ریشہ گرنا شروع ہوجاتا ہے۔ پھر سینہ اور معدہ میں ہلکی ہلکی جلن شروع ہوجاتی ہے۔ مریض معالج کے چکر شروع کر دیتا ہے مگر مرض گھٹتا نہیں بلکہ روز روز بڑھتا ہے۔ اس کے بعد پیشاب میں زیادتی، نفخ شکم، البتہ پاخانے میں قبض بہت کم ہوتا ہے۔ نتیجہ ضعف جگر و گردے اور دل ڈوبنا شروع ہوجاتا ہے۔ آخر مریض کی موت (ہارٹ فیل) سے ہوجاتی ہے۔ سب سے بڑی خرابی بناسپتی گھی کے استعمال سے یہ شروع ہوتی ہے کہ مردوں میں منی کی پیدائش میں خرابی، جریان اور ضعف باہ شروع ہوجاتا ہے اور اکثر پیدائش اولاد کی طاقت نطفہ میں نہیں رہتی اور عورتوں میں بہت جلد ماہواری میں خرابی اور خون میں کمی کے ساتھ ساتھ سیلان کی شدت پیدا ہوتی ہے۔ اوّل تو ایسے میاں بیوی کی اولاد نہیں ہوتی یا بہت کم ہوتی ہے اور جب ہوتی ہے تو اکثر لڑکیاں ہوتی ہیں۔ اس کے نقصانات اس قدر زیادہ ہیں کہ اس پر دلائل کے ساتھ تفصیلی بحث کی ضرورت ہے۔

اقتصادی اور معاشرتی نقصان

بناسپتی گھی کے طبی نقصان کے ساتھ ساتھ بے حد اقتصادی اور معاشرتی نقصان بھی پائے جاتے ہیں۔ اوّل ملک کی دولت کا ایک حصہ بناسپتی گھی تیار کرنے والے سیٹھوں کی تجوریوں میں چلا جاتا ہے۔ دوسرے ملک بھر کا بنولہ اور دیگر بیج جو گائے بھینسوں کے پیٹوں میں جانا چاہئے تھا مشینوں کی شکم پری ہوتی ہے جس سے اصل مکھن گھی کی بجائے بناسپتی گھی تیار ہوتا رہتا ہے۔ تیسرے جب گائے بھینسوں کی مقوی غذا ختم ہوگی تو ان میں افزائش نسل میں قدرتاً کمی واقع ہوجاتی ہے جن کے خراب نتائج دور تک پہنچ جاتے ہیں۔

انتہائی خرابی

سب سے بڑی خرابی بناسپتی گھی میں یہ پیدا ہوگئی ہے کہ وہ اصل گھی کے قائم مقام یا اصل گھی میں ملاوٹ کے ساتھ فروخت کیا جاتا ہے۔ آج کل اس کثرت سے بک رہا ہے کہ بازار میں بالکل خالص گھی نظر نہیں آتا۔ پر لطف بات یہ ہے کہ خالص بناسپتی گھی بھی مشکل سے دستیاب ہوتا ہے۔ البتہ ناخالص گھی جس قدر ضرورت ہو مل سکتا ہے۔ گرانی کا یہ حال ہے کہ اصلی گھی کے نام پر ساڑھے سات روپے سیر بکتا ہے۔ بناسپتی گھی کو اصل گھی بنانے کا نسخہ جو سب سے اچھا خیال کیا جاتا ہے، بناسپتی گھی دودھ میں جوش دے کر دہی کی صورت میں جما لیتے ہیں پھر اس کو ہم وزن بناسپتی گھی ملا کر خالص گھی بنا لیتے ہیں۔ کوئی پہچان نہیں سکتا۔ اس چربی میں گائے، بھینس، سور اور اژدھا تک کی چربی شامل کر لی جاتی ہے۔ غرض بناسپتی گھی کا بیوپار آج کل خوب گرم ہے۔ بارہا حکومت کے سامنے یہ مسئلہ پیدا ہوا ہے کہ بناسپتی گھی کو رنگ دیا جائے لیکن سرمایہ دار سیٹھوں کی کوشش سے یہ تجویز بھی ہمیشہ ناکام رہی ہے۔

خالص دودھ

جہاں تک دودھ کا تعلق ہے اس کا بازار سے دستیاب ہونا تقریباً ناممکن ہے۔ اس کے برعکس دودھ بچہ اور مریض لازم وملزوم کہے جاسکتے ہیں، لیکن ظالم قسم کے لوگوں نے ناجائز کمائی کی خاطر زیادہ سے زیادہ جس قدر ہو سکا ناخالص دودھ فروخت کرنے کی کوشش کی ہے۔ دودھ میں پانی ڈالنا یا پانی میں دودھ ڈالنا تو معمولی بات ہے۔ اصل شے تو یہ ہے کہ دودھ سے کریم (بالائی) نکال لی جاتی ہے اور باقی دودھ جس کو انگریزی میں اسپلیٹا کہتے ہیں خالص دودھ کی جگہ فروخت کیا جاتا ہے لیکن یہ کہنا پڑتا ہے کہ دودھ کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس میں زیادہ سے زیادہ مقدار میں چکنائی ہو جو دودھ کے ساتھ بآسانی ہضم ہو جاتی ہے۔ یہاں تک کہ بچہ بھی ہضم کر لیتا ہے اور ساتھ ہی اس دودھ کی چکنائی سے دودھ کے پنیر کے نقصانات دور ہو جاتے ہیں۔ کریم نکلے دودھ میں جہاں روغنی اجزاء نہیں ہوتے وہاں پر اس کا پنیر بھی پورے طور پر ہضم نہیں ہوتا اور نفخ، تبخیر اور ریاح بنتا ہے جس کے بعد معدہ میں ترشی اور تیزابیت بڑھنے لگتی ہے اور پھر جسم اکثر امراض کا مسکن بن کر رہ جاتا ہے۔

معاشرہ پر سب سے بڑا ظلم یہ ہے کہ مصنوعی اور ناخالص شے بھی اصل اور خالص شے کے بھاؤ بکتی ہے۔ گویا نقصان کے ساتھ ساتھ صحت بھی خراب کر لی جاتی ہے۔ اگر مصنوعی اور خالص شے کو اس کے صحیح نام سے پیش کر دیا جائے تو خریدار کی مرضی ہے کہ وہ خریدے یا نہ خریدے اور وہ مالی اور جانی نقصان سے بچ جائے۔ خاص طور پر مریض شخص تو یقیناً ایسی تکلیف دہ اشیاء سے دور رہیں گے۔

حکومت کا اقدام اور مارشل لاء

حکومت کو اس خرابی کا بھی نہ صرف پورا علم ہے، بلکہ پورا احساس بھی ہے۔ حکومت کی گزشتہ سال کی جو کوشش تھی اس کا اثر ایسے معاشرہ کش لوگوں پر کم پڑا ہے اس لئے اس نے مجبور ہو کر ان ظالم ملاوٹی کاروبار کرنے والوں کو ایک بار پھر شدید طور پر متنبہ کیا ہے۔ اعلان میں کہا گیا ہے کہ آئندہ ملاوٹ کرنے والوں سے کوئی رعایت نہیں برتی جائے گی۔ کیونکہ ایسے لوگ معاشرہ کش اور ظالم ہیں ان پر بھی رحم نہیں ہونا چاہئے۔ اس لئے مارشل لاء کے ضابطے کے تحت اس جرم کی سزا چودہ سال قید بامشقت رکھی گئی ہے۔

مارشل لاء حکومت کے اس اعلان سے ہمیں بے حد مسرت ہوئی ہے۔ اُمید ہے عوام بھی اس اعلان کا خیر مقدم کریں گے۔ کیونکہ ملاوٹ کرنے والوں سے ہر شخص دُکھی ہے۔ اس لئے ان کے ساتھ کسی کو ہمدردی نہیں ہے۔ یہ لوگ دراصل قتل انسانیت کے مجرم ہیں، یقیناً ان کو زیادہ سے زیادہ سزائیں ملنی چاہئیں۔

سزا

جہاں تک سزا کا تعلق ہے وہ صرف بازار کے اس دکان دار کو نہیں ملنی چاہئے جو ملاوٹی اغذیہ فروخت کرتا ہے بلکہ اس کے ساتھ اس مرکز کو بھی قابو میں کر لینا چاہئے جہاں سے دکاندار وہ شے لا کر فروخت کر رہا ہے اور مرکز کے مالکوں کو اس دکاندار سے دس گنا زیادہ سزا دینے کی ضرورت ہے تا کہ آئندہ ان کو اور اسی طرح کے دیگر مرکزوں کو عبرت ہو۔ جب تک ایسے ملاوٹی مرکز اور انسانیت کش ادارے ختم نہیں کر دیئے جائیں گے، یہ گرانی اور ناخالص اشیاء کی فروخت ختم نہیں ہو سکے گی۔ اس سلسلہ میں عوام کا بھی فرض ہے کہ جہاں پر ملاوٹی اشیاء کا مرکز یا فروخت دیکھیں فوراً اس کی اطلاع حکومت کو پہنچائیں تا کہ جلد سے جلد یہ لعنت ختم کر دی جائے۔

صابر ملتانی

غذائی علاج کے اُصول

① علاج کے متعلق اہم بات یہ ہے کہ علاج غذا سے کیا جائے یا دوا یا پھر کسی اور تدبیر کو مدنظر رکھا جائے۔ اس وقت تک علاج ممکن ہے جب تک خون کے اجزا اچاہے وہ اخلاط کو مدنظر رکھ کر مکمل کئے جائیں یا سائنس کے نظریہ کے مطابق جسم کے عناصر نہ صرف پورے ہوں گے بلکہ درست صورت میں ہوں۔ کیونکہ یہ حقیقت مسلمہ ہے کہ علاج صرف خون سے ہوتا ہے اور خون غذا سے بنتا ہے جبکہ دوا اور دیگر اشیاء تو صرف خون میں کیفیات پیدا کر کے نکل جاتی ہیں۔

② خون پیدا کرنے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ خون میں جو خلط یا عنصر کم ہو اس کو پورا کرنے کے لئے انہی اغذیہ کا استعمال کیا جائے جن میں وہ خلط اور عنصر پایا جائے اور صحت کے لئے بھی یہی طریقہ علاج ہے، بلکہ جوانی اور طاقت کے لیے بھی یہی طریق کامیاب ہے۔

③ خون پیدا کرنے کے لئے اغذیہ استعمال کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ پہلے پیٹ کا خمیر ختم کر لیا جائے۔ کیونکہ خمیر کا خاصہ ہے کہ جب وہ کسی غذا سے ملتا ہے اس کا خمیرہ کر دیتا ہے۔ اس طرح غذا بجائے خون بننے کے ضائع ہو جاتی ہے۔

④ خمیر ختم کرنے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ بھوک پیدا کی جائے بلکہ شدید بھوک پیدا کر دی جائے۔ اور شدید بھوک کی حالت میں تین صورتیں پیدا ہوتی ہیں:

- ❶ معدہ غذا کو ہضم کرنے کے لئے نہ صرف خالی ہوتا ہے بلکہ آئندہ ہضم کے لئے تیار ہوتا ہے۔
- ❷ شدید بھوک میں غدد جاذبہ جسم کی فضول رطوبات کو جذب اور صاف کر کے پھر خون میں شامل کر دیتی ہیں۔
- ❸ شدید بھوک میں جگر، صفراء اور حرارت پیدا کرنا شروع کر دیتا ہے جس سے خون گرم ہو کر تمام جسم گرم ہو جاتا ہے، کھانے کی لذت کا احساس ہوتا ہے۔ بس یہی خمیر کے ختم ہونے کی علامت ہے۔

⑤ شدید بھوک پیدا کرنے کے لئے مریض کو تاکید کریں کہ غذا وقت پر اور شدید بھوک پر کھائے، یعنی جب غذا کا مقررہ وقت ہو جائے تو اس وقت شدید بھوک کا ہونا ضروری ہے۔ اگر بھوک نہ ہو تو آئندہ وقت پر چھوڑ دیں۔ اگر تھوڑی بھوک ہو تو اس کو پھل، چائے، شہد کا شربت یا سکنجبین دے سکتے ہیں۔ یہ اس کی تسلی کے لئے بہت کافی ہے۔

⑥ تندرست انسان میں کم از کم چھ گھنٹے وقت ہونا چاہئے۔ لیکن مریض کے لئے وقت بڑھایا جا سکتا ہے اور شدید بھوک بہترین وقت ہے، لیکن اگر چھ گھنٹے سے پہلے شدید بھوک لگے تو سمجھ لیں کہ مریض میں کمزوری کا احساس ہو رہا ہے۔ ایسے مریض کی غذا میں مکھن اور گھی کا اضافہ کریں اور غذا کے وقت زیادہ سے زیادہ غذا دیں۔ یاد رکھیں کہ معدہ میں غذا تین گھنٹے میں مکمل طور پر ہضم ہوتی ہے۔ پھر چھوٹی

آنتوں میں ہضم کے لئے چار گھنٹے لیتی ہے۔ اس کے بعد بڑی آنتوں میں غذا ہضم ہونے کے لئے پورے پانچ گھنٹے لگ جاتے ہیں۔ اس طرح تندرست انسان میں مکمل بارہ گھنٹے لگ جاتے ہیں۔ مگر مریضوں میں زیادہ وقت خرچ ہو جاتا ہے، بعض وقت مریضوں میں کئی کئی دِنوں تک معدہ اور آنتوں میں متعفن اور خمیر بن کر پڑی رہتی ہے۔ اس لئے تعفن اور خمیر کا ختم کرنا نہایت ضروری ہے۔ یہ بھی یاد رکھیں کہ روزہ کم از کم بارہ گھنٹے کا ہوتا ہے۔ بعض وقت چودہ اور سولہ گھنٹے کا بھی ہوتا ہے تاکہ جب تک غذا ہضم ہو کر خون نہ بن جائے روزہ نہیں کھولنا چاہئے یہی روزہ کی خوبی کا اسرار اور راز ہے اس لئے جب روزہ نہ ہو تو روزہ کے نصف وقت غذا لینی چاہئے جو کم از کم چھ سات گھنٹے بنتے ہیں جو غذا کے لئے ضروری وقفہ ہے۔

⑦ شدید بھوک پر جسم ہلکا و گرم ہو کر اس میں لذت و مسرت کے جذبات پیدا ہو جاتے ہیں۔ نہ دِل گھٹتا ہے اور نہ ہی بے چینی ہوتی ہے۔ جب پیٹ بوجھل ہو، اس میں ریاح اور رطوبت اور بے چینی ہو غذا نہیں کھانی چاہئے۔ ایسے لوگوں کو بھی دیکھا ہے کہ پیٹ میں درد ہو رہا ہے اور پیٹ پھولا ہوا ہے مگر وہ غذا کھا رہے ہیں ایسا کرنا دانتوں سے قبر بنانا ہے۔ یاد رکھیں جب تک تکلیف رفع نہ ہو غذا نہ دیں، البتہ اگر کمزوری کا شدید احساس ہو تو قہوہ، پھلوں کا جوس اور رقیق شوربا دے سکتے ہیں۔ ان کے علاوہ ضرورت کے مطابق سبزیوں کا شوربہ، انڈوں کی سفیدی، میٹھی یا نمکین، سکنجبین، شہد کا شربت، انڈوں کی سفیدی اور شہد، صرف ہلکا نمکین پانی بھی دے سکتے ہیں۔ قہوہ میں لیموں نچوڑ کر دینا بھی بے حد مقوی شے ہے۔

⑧ غذا ہمیشہ تازہ ہونا چاہئے بلکہ اس میں اس کی تازگی کی خوشبو ہونی چاہئے اس کو قرآن حکیم نے طیب غذا کہا ہے۔ جس غذا میں بو یا ہیک ہو ایسی غذائیں ہرگز نہیں کھانا چاہئیں۔ کیونکہ یہ پیٹ میں جا کر فوراً خمیر یا زہر میں تبدیل ہو کر باعث مرض اور نقصان دہ ہوتی ہیں۔

⑨ غذا طیب (خوشبودار) ہونے کے ساتھ حلال بھی ہونی چاہئے۔ یعنی جن اغذیہ کو اسلام نے حلال لکھا ہے جن میں مردہ جانوروں، خون، سؤر کا گوشت، خدا تعالیٰ کے سوا کسی کے نام پر دی گئی غذا یا بغیر تکبیر کے مردہ جانور اور رشوت وغیرہ۔ یہ اغذیہ خون میں فساد و تعفن اور خمیر پیدا کر دیتے ہیں جن کا نتیجہ خوفناک امراض میں ظاہر ہوتا ہے۔

⑩ غذا میں شراب اور دیگر منشیات کا اثر نہیں ہونا چاہئے۔ شراب غذا میں بہت جلد خمیر پیدا کر دیتی ہے جس سے غذا میں تعفن پیدا ہو کر جسم میں فساد اور نقصان کا باعث ہوتا ہے۔ دیگر منشیات قلب و عضلات کے افعال کو کمزور کر دیتے ہیں جن سے غذا کا ہضم خراب ہو جاتا ہے پھر رفتہ رفتہ جسم میں اس کا زہر پیدا ہوتا ہے۔ جس سے ذہن بگڑ جاتا ہے۔

ترتیب غذا بانظریہ مفرد اعضاء

علاج بالغذا کی حقیقت و ماہیت پر ہم تفصیل سے لکھ چکے ہیں۔ اس میں یقینی کامیابی کے لئے مفرد اعضاء (انسجہ) کی، تشریح و منافع۔ اغذیہ کے افعال و اثرات اور نظریہ مفرد اعضاء کی تفصیل وغیرہ اس انداز میں لکھ دی ہیں کہ ایک پڑھا لکھا سمجھدار شخص اس کو پورے طور پر سمجھ کر فائدہ حاصل کر سکتا ہے۔ اب ذیل میں ہم نے ہر مفرد عضو (نسیج) کے تحت اغذیہ کو اس طرح ترتیب دے دیا ہے کہ ایک نگاہ سے فوراً مخصوص اغذیہ سامنے آ جائیں اور علاج میں زیادہ آسانیاں پیدا ہو جائیں یہ مفرد اغذیہ ہیں اور مرکب اغذیہ ان کے تحت سمجھی جا سکتی ہیں۔ اسی طرح اغذیہ کیفیاتی درجات اور ان کے محرکات اور ملین مسہل کا بھی اندازہ لگایا جا سکتا ہے چونکہ تفصیل طوالت کا باعث ہے۔ فی الحال چھوڑ دی

گئی ہے۔

جاننا چاہئے کہ ہر مفرد عضو (نسیج) دو کیفیات رکھتا ہے۔ اس لئے ہر کیفیت کو الگ الگ بیان کر دیا گیا ہے۔ تاکہ یہ مشکل بھی دور ہو جائے چونکہ دوران خون کا دور دِل سے شروع ہوتا ہے۔ اس لئے ہم بھی عضلات سے شروع کرتے ہیں۔ پھر غدی اور آخر میں اعصابی بیان کی ہیں۔ تین مفرد اعضاء (انسجہ) کی چھ صورتیں پیدا ہوتی ہیں۔ آپ ان چھ صورتوں کو جسم کے چھ حصوں کی تقسیم و چھ ذائقوں اور چھ نفسیاتی اثرات سے بھی تطبیق دے سکتے ہیں۔ چونکہ قارورے کے رنگوں کی بھی چھ صورتیں پیدا ہوتی ہیں۔ اس لئے تشخیص میں بہت آسانی پیدا ہو جاتی ہے۔ غور کرنا شرط ہے۔

غذائے دِل

دِل کی بناوٹ عضلاتی ہے اور اس کا صحیح مزاج اس وقت پیدا ہوتا ہے جب خون کا مزاج گرم تر ہوتا ہے لیکن مرض کی حالت میں کبھی اس کے مزاج تری و سردی اور کبھی خشکی و گرمی پیدا ہو جاتی ہے۔

① عضلاتی اعصابی اغذیہ (سرد خشک)

جب دل کے مزاج کے ساتھ خشکی پیدا ہو جائے تو اس وقت اس کا تعلق اعصاب کے ساتھ ہوتا ہے یہ صورت عضلاتی اعصابی ہوتی ہے۔ کیفیت، خشک سرد اور خلط سودا کی پیدائش بڑھ جاتی ہے اور جب جسم میں اعصابی عضلاتی حالت ہو اور مزاج میں سردی تری ہو تو یہ حالت پیدا کرنا پڑتی ہے جس کے لئے ذیل کی اغذیہ دینا چاہئیں۔

حیوانی اغذیہ: بھینس کا گوشت، مچھلی، سری پائے، دہی، زیادہ ترش لسی۔

میوہ جات: بناریل، مونگ پھلی، کھاجا۔

پھل: سیب، جامن، فالسہ، لیچی، مالٹا، رس بھری، آڑو ترش، اناناس، بیر، سنگترہ، آلوچہ۔

اناج اور دالیں: مکی، جوار، باجرہ اور لوبیا۔

سبزیاں: آلو، مٹر، گوبھی، بینگن، املی اور ہر ترشی شامل ہے۔

② عضلاتی غدی (خشک گرم)

جب دِل کے مزاج میں خشکی کے ساتھ گرمی ہو جائے تو اس وقت اس کا تعلق جگر کے ساتھ ہوتا ہے۔ یہ صورت عضلاتی غدی ہوتی ہے۔ کیفیت خشک گرم اور مزاج میں صفراء کی پیدائش شروع ہو جاتی ہے۔ اس حالت کے لئے ذیل کی اغذیہ دینی چاہئیں۔

حیوانی اغذیہ: ہرن کا گوشت، کبوتر کا گوشت اور گائے کا گوشت۔

میوہ جات: پستہ، اخروٹ۔

پھل: کھجور خشک، کشمش، منقی، انجیر، آڑو شیریں۔

سبزیاں: پالک، کریلے، ٹماٹر، کچنار، سرسوں کا ساگ اور پیاز۔

غذائے جگر

جگر کی بناوٹ غدی ہے۔ قشری نسیج کا بنا ہوا ہے اس کا مزاج گرم خشک ہے اور اس کی تحریک سے غذا کی حالت بڑھ جاتی ہے۔ اس کی بھی دو صورتیں ہیں۔

③ غدی عضلاتی (گرم خشک)

جب جگر کے مزاج میں خشکی کے ساتھ گرمی کی تیزی ہو جاتی ہے تو اس وقت صفراء کی زیادتی ہو جاتی ہے چونکہ عضلات (دل) کے ساتھ تعلق ہوتا ہے اس لئے صفراء کی پیدائش کے ساتھ اس کا اخراج بند ہوتا ہے۔ یہ صورت غدی عضلاتی کہلاتی ہے۔ کیفیت گرم خشک، رنگت میں زردی سرخی پیدا ہو جاتی ہے۔ جب جسم میں عضلاتی غدی حالت ہو تو یہ حالت پیدا کی جاتی ہے۔ ذیل کی اغذیہ دینا چاہئیں۔

حیواناتی اغذیہ: بکری کا گوشت، مرغی کا گوشت اور انڈے، تیتر کا گوشت۔

میوہ جات: چلغوزہ۔

پھل: آم شیریں، کھجور اور شیریں خوبانی، آلو بالو، شہتوت۔

اناج دالیں: چنے۔

سبزیاں: میتھی کا ساگ، ادرک، سرخ مرچ، لہسن اور پیاز بطور سبزی۔

④ غدی اعصابی (گرم تر)

جب جگر کے مزاج میں گرمی کے ساتھ تری ہو جاتی ہے۔ تو اس وقت صفراء کے ساتھ اس میں رقت پیدا ہو جاتی ہے چونکہ اس کا تعلق دماغ سے ہوتا ہے۔ اس لئے صفراء کی پیدائش کے ساتھ اس کا اخراج بھی شروع ہو جاتا ہے۔ اس صورت کا نام غدی اعصابی ہے۔ کیفیت گرم خشک رنگت میں خالص زردی آ جاتی ہے۔ جب جسم میں غدی عضلاتی حالت ہو تو یہ صورت پیدا ہو جاتی ہے۔ اس کے لئے ذیل کی اغذیہ دینا چاہئیں۔

حیواناتی اغذیہ: تیتر، بٹیر، مرغابی کا گوشت۔ بطخ کا گوشت اور انڈے بکری کا دودھ۔

میوہ جات: بادام۔

پھل: انگور تازہ شیریں خربوزہ، مٹھا۔

اناج اور دالیں: گیہوں، مونگ۔

سبزیاں: ٹینڈے، بھنڈی۔

غذائے دماغ

دماغ کی بناوٹ اعصابی ہے۔ عصبی نسیج کا بنا ہوا ہے۔ اس کا مزاج تر ہے۔ اس میں تحریک ہونے سے جسم میں رطوبت اور بلغم کی پیدائش بڑھ جاتی ہے۔ اس کی بھی دو صورتیں ہیں۔

⑤ اعصابی غدی (تر گرم)

جب دماغ و اعصاب میں تری کے ساتھ گرمی ہوتی ہے تو جسم میں رطوبت و بلغم کی پیدائش بڑھ جاتی ہے۔ چونکہ اس کا تعلق جگر کے ساتھ ہوتا ہے اس لئے اس میں حرارت شریک ہوتی ہے اور بلغم کا اخراج بند ہوتا ہے۔ اس صورت کا نام اعصابی غدی ہے۔ کیفیت تر گرم۔ رنگت سفیدی زردی مائل ہو جاتی ہے جب جسم میں غدی اعصابی حالت ہو تو اس وقت یہ صورت اور مزاج پیدا کیا جاتا ہے۔ اغذیہ درج ذیل ہیں۔

حیواناتی اغذیہ: گائے کا دودھ، کوئی گوشت نہیں، البتہ ضرورت کے وقت مچھلی دی جا سکتی ہے۔ کوئی میوہ نہیں ہے۔ البتہ مغزیات دیئے جاسکتے ہیں۔

پھل: ناشپاتی، کیلا شیریں، آلو بخارا، امرود زرد رنگ۔

اناج اور دالیں: ماش کی دال، سا گودانہ۔

سبزیاں: مولی، گاجر، کدو، توری، اروی، حلوہ کدو۔

⑥ اعصابی عضلاتی (تر سرد)

جب دماغ و اعصاب میں تری کے ساتھ سردی ہوتی ہے تو جسم میں رطوبات و بلغم کی پیدائش کے بڑھ جانے کے بعد اس کا اخراج بھی شروع ہو جاتا ہے۔ چونکہ دماغ (اعصاب) کا تعلق دِل عضلات کے ساتھ ہو جاتا ہے۔ اس صورت کا نام اعصابی عضلاتی ہے۔ کیفیت سرد تر رنگت سفید سرخی مائل ہوتی ہے۔ جب جسم میں اعصابی غدی حالت ہو تو اس وقت اس صورت اور حالت کو پیدا کرنا پڑتا ہے۔ اغذیہ درج ذیل ہیں۔

حیواناتی اغذیہ: گوشت نہیں۔ البتہ مچھلی اور سری پائے اور دماغ بغیر نمک مرچ دے سکتے ہیں۔ بھینس کا دودھ، گدھی کا دودھ۔ انڈے کی سفیدی۔

میوہ جات: میں مغزیات کا شیرہ دیا جاسکتا ہے۔

اناج اور دالیں: چاول۔

سبزیاں: کھیرا، ککڑی، شلغم، چقندر۔

نوٹ: میرے سامنے جو اغذیہ تھیں ان کا انتخاب کر دیا گیا ہے۔ اگر کوئی رہ گئی ہو تو نظریہ مفرد اعضاء اور مزاج کے تحت یا تعلق اور مشابہت سے استعمال کر سکتے ہیں۔

مرکب غذائیں

مرکب غذائیں انہیں مفرد اغذیہ سے تیار ہوتی ہیں۔ لیکن مرکب کرنے میں اس اصول کو مدنظر رکھنا ضروری ہے کہ وہ حیوانی اغذیہ ہوں یا پھل و میوہ جات ہوں یا اناج اور دالیں اور سبزیاں ہوں وہ کسی ایک ہی صورت سے لی جائیں یا زیادہ سے زیادہ ایک ہی مفرد عضوی دونوں صورتوں کو اکٹھا کیا جا سکتا ہے۔ ایک عضوی اغذیہ کو دوسرے عضوی اغذیہ کے ساتھ اکٹھا کرنا درست نہیں ہے۔ اس طرح اغذیہ کی کیفیات اور مزہ بدل جاتے ہیں۔ اس طرح ان کے یقینی فوائد اور خواص سے انسان محروم ہو جاتا ہے۔

صحت اور مرض دونوں حالتوں میں یہی اصول مدنظر رکھنا ضروری ہے۔ البتہ غذا کو صبح و دوپہر اور رات میں تین حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ تینوں اوقات میں ایک ہی مفرد یا مرکب غذا دی جا سکتی ہے یا کسی وقت حیوانی غذا، کسی وقت پھل و میوہ جات اور کسی وقت اناج و دالیں اور سبزیاں دے سکتے ہیں اور یہی بہتر طریقہ ہے۔

غذا کیسے پکائی جائے

جو غذا بھی پکائی جائے خوب گلائی جائے یہاں تک کہ وہ ہاتھ لگانے سے ٹوٹ جائے، یعنی آٹے کی مانند ہو جائے۔ وٹامن کے جل جانے کا خیال رکھنا درست نہیں۔ کیونکہ جو غذا گل کر لطیف نہیں بنتی وہ جسم میں جلد ہضم ہو کر جزو بدن نہیں بنتی۔ دوسرے معدہ و اعضاء اغذیہ کو اسے ہضم کرنے کے لئے زیادہ محنت کرنی پڑتی ہے اور روز روز کی محنت ان کو بیمار اور کمزور کر دیتی ہیں۔ یاد رکھیں جو غذا ہضم نہیں ہوتی وہ خون نہیں بنتی اور خمیر بن کر فساد اور تعفن کا باعث بنتی ہے۔ جہاں تک حیاتین کا تعلق ہے وہ پھلوں اور میوہ جات اور دودھ انڈوں سے بہت زیادہ حاصل ہو جاتے ہیں۔ اگر کسی غذا کے حیاتین (وٹامن) ضرور حاصل ہی کرنا ہوں تو اس غذا کا جوشاندہ اور خیساندہ تیار کر کے حاصل کئے جا سکتے ہیں۔ تجربات شاہد ہیں۔

لطیف اور کثیف اغذیہ

غذا میں لطافت اور کثافت کا انتخاب بھوک کی شدت کے تحت کرنا چاہئے۔ اگر بھوک میں شدت ہو تو تحریک کے مطابق جیسی اغذیہ مریض یا کسی تندرست شخص کو پسند ہوں لے سکتے ہیں۔ لیکن اگر بھوک بند ہو یا مریض میں سوزش وورم اور درد بخار وغیرہ ہو تو غذا اتنی لطیف ہو کہ مریض یا تندرست کی بھوک بھڑک اُٹھے۔ جیسے قہوہ، شہد کا نیم گرم شربت، لطیف و رقیق شوربہ، پھل یا پھولوں کے رس، چائے دودھ والی یا چائے مکھن والی یا چائے گھی والی، چنے کا شوربہ، سبزیوں کا شوربہ، گوشت کا شوربہ، انڈوں کا شوربہ، نیم گرم پانی ہلکے نمک کا نیم گرم پانی، مچھلی کا شوربہ، سری پائے کا شوربہ، دال کا شوربہ، میوہ جات کے شیراجات، حریرہ جات، وغیرہ۔

کھانے میں لذت

جس کھانے میں لذت نہ ہو، اس کو کھانا نہیں چاہئے۔ کیونکہ جو کھانا پسند نہیں ہوتا، طبیعت اس کو ہضم نہیں کرتی۔

تھکن اور کھانا

تھکن کی حالت میں کھانا نہیں چاہئے۔ کیونکہ تھکن کی حالت میں دوران خون باقاعدہ نہیں ہوتا۔ اس وقت بہتر یہی ہے کہ آرام کیا جائے۔ جب دِل بشاش ہو اس وقت کھانا کھانا بہتر ہے۔

علاج بالغذا

① جوغذا ہضم نہیں ہوئی وہ جسم پر بوجھ ہے۔ مزید غذا کھا کر اس بوجھ میں اضافہ نہیں کرنا چاہئے۔ اس وقت تک ہر قسم کی غذا خصوصاً نباتاتی اغذیہ روک دینا چاہئیں جب تک جسم میں ہلکا پن نہ ہو۔ یادرکھیں جو غذا کھائی جاتی ہے، اگر وہ ہضم ہوجائے تو خون بن جاتی ہے۔ اگر ہضم نہ ہو تو خمیر بن جاتی ہے۔ اس کا تعفن و تیزابیت اور زہر بوجھ کا باعث مرض بن جاتا ہے۔

② علاج کے دوران میں علامات کو رفع کرنے کی کوشش نہ کریں۔ کیونکہ اکثر انہی علامات کے تحت قوت مدبرہ بدن جو صحت کی طرف جا رہی ہوتی ہے اس کی مدد کرنا چاہئے۔ جلد شفا حاصل ہوتی ہے۔ لیکن اگر علامات شدید ہوں تو ان کا دفع کرنا افضل ہے مگر مسکن عضو کو تحریک دینا ضروری ہے۔

③ علاج کے دوران میں سوزش و درد اور ورم و بخار کی صورت میں ان کو رفع کرنے کی صورت میں مریض کمزور ہوجاتا ہے۔ اس طرح مریض کا مقابلہ ختم ہوجاتا ہے۔ کیونکہ درد اس امر کی علامت ہے کہ جائے درد میں خون کی کمی ہے اور طبیعت اس کو اس طرف کھینچنے کی کوشش کررہی ہے۔ سوزش و ورم میں خون اس طرف زیادہ جارہا ہے۔ بخار حرارت غریبہ کا نام ہے، جو جسم کی حفاظت کے لئے تعفن اور دورانِ خون کی بے قاعدگی سے پیدا ہوگئی ہے یہ سب خود بخود امراض کی فطری طور پر رفع کرنا، قوت کا بحال رکھنا اور مقابلہ کرنے کی صورتیں ہیں۔ جب مرض رفع ہوجائے گا تو یہ سب علامات خود بخود رفع ہوجائیں گی ان کو فوراً ختم کرکے موت کو دعوت نہ دیں۔ فرنگی طب میں یہی سب سے بڑی غلطی ہے۔

④ علاج کے دوران بغیر شدید بھوک اور بغیر صحیح وقت کے غذا نہ دینا چاہئے۔ لیکن اگر ضعف پیدا ہوگیا ہے تو بغیر بھوک اور بغیر وقت غذا دینا ضروری ہے۔ جب ضعف دور ہوجائے۔ پھر غذا کو قابو کرلینا چاہئے لیکن ضعف کی حالت میں بھی مرض سے مناسب اور صحیح غذا دینی چاہئے۔

⑤ تشخیص مرض کے لئے علامات کو اکٹھا کرکے سب کا ایک ہی سبب تلاش کریں پھر مرض کی ماہیت اور حقیقت ذہن نشین کرلیں۔

⑥ علاج بالغذا کی صورت میں ستہ ضروریہ کے ساتھ مریض کے مزاج و عادات اور ماحول بھی ضرور مدنظر رکھنا چاہئے۔ اگر ایسا نہ کیا جائے تو مریض کی طبیعت مفید سے مفید غذا کو بھی قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتی، بلکہ نفرت کرتی ہے۔

⑦ اگر معدہ اور طبیعت غذا کا بوجھ قبول نہ کریں، محلول غذا تھوڑی تھوڑی مقدار میں دیں۔ جیسے شہد کا شربت، پھلوں کا رس، انڈوں کی سفیدی، گوشت یا سبزیوں کا ہلکا شوربا یا صرف نمک کا پانی استعمال کرنا مفید ہوتا ہے۔

⑧ غذائی علاج سے فوراً شفا حاصل ہوتی ہے۔ اگر تسلی بخش آرام حاصل نہ ہو تو پھر اپنی تشخیص مرض اور تجویز غذا پر غور کریں۔ ممکن ہے کہیں غلطی ہوگئی ہو۔ یادرکھیں کہ بغیر تسلی بخش تشخیص، مرض اور تجویز غذا کے ہرگز علاج شروع نہ کریں۔

⑨ علاج کے لئے اغذیہ پاک وصاف اور خالص و تازہ ہونا چاہئے۔ غذا کا باسی پن اس کو خراب کردیتا ہے۔

⑩ جب تک کوئی مریض علاج کے لئے شدت سے خواہشمند نہ ہو اس وقت تک اس کے لئے تشخیص مرض اور تجویز دوا نہ کریں۔ بعض معالج خواہ مخواہ امراء اور روٴسا پر اثر ڈالنے یا تعلقات پیدا کرنے کے لئے ایسا کرتے ہیں۔ اس سے علم و فن طب کو نقصان پہنچتا ہے۔ بلکہ غرباء اور عوام کا علاج بھی ان کے شدید اصرار کے بغیر نہ کریں کیونکہ غیر ضرورت کوئی علاج کا پابند نہیں ہوتا۔ جو غیر مفید ہے۔

⑪ حکمت ودانائی، اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے۔کوئی تجارت اور دکانداری نہیں ہے۔حکیم کو کبھی لالچ کے تحت علاج نہیں کرنا چاہئے۔اگر معالج ان زیورات سے آراستہ نہ ہو تو وہ کندہ ناتراش ہے۔بعض مریض مرنا قبول کر لیتے ہیں مگر ایسے معالج کے پاس تک جانا پسند نہیں کرتے۔

⑫ معالج کے اخلاق اور عادات میں عظمت ہونی چاہئے۔تقویٰ وتوکل، صبر وقناعت اور خدمت وعزت کرنا اس کا زیور ہے۔

⑬ معالج کے اخلاق اور عادات کی عظمت کے ساتھ اس کی صحت بھی اچھی ہونی چاہئے۔اس کی خراب صحت کا مریض پر اچھا اثر نہیں پڑتا۔

⑭ جب غذا سے مریض صحت کی طرف لوٹ آئے تو ضرورت کے مطابق مفید ومقوی ادویات کا استعمال کیا جا سکتا ہے۔جن سے اعضاء کے افعال میں زیادہ سے زیادہ تقویت پیدا کر کے ان کے خون میں طاقت پیدا کی جا سکتی ہے۔

⑮ یاد رکھیں ادویات خون کے اجزا نہیں ہیں۔ان سے صرف اعضاء کے افعال میں تیزی وتسکین اور تقویت پیدا کی جاتی ہے۔مکمل علاج صرف غذا سے ہی ہوتا ہے۔

خواص الاشیاء

حقیقت افعال واثرات اشیاء

ادویہ جو جسم پر اثر انداز ہوتی ہیں اور یہ ادویہ بیرونی طور پر استعمال کی جائیں یا اندرونی طور پر کھلائی جائیں یا کسی اور طریق پر داخل کی جائیں اس کا مقصد اس حقیقت کو جاننا ہوتا ہے کہ یہ ادویہ جسم میں اپنا کیا فعل وتغیر اور استحلہ ظاہر کرتی ہیں۔ یا ان کے استعمال سے جسم کے اعضاء کے افعال میں کیا کمی یا بیشی یا ضعف یا طاقت ہوتی ہے۔ اس علم وحقیقت کا ایک یہ مقصد بھی ہے کہ ان ادویہ کے اثرات وافعال کسی ایک عضو میں کیا ہیں اور تمام جسم میں کیا تغیر اور استحلہ ظاہر ہوتا ہے۔ بس یہی ادویات کے افعال واثرات کا حقیقی مقصد ہے۔

غلط فہمی

اکثر عوام میں اثرات وافعال ادویہ کا یہ مقصد لیا جاتا ہے کہ ان کے خواص وفوائد کیا ہیں یعنی وہ کن امراض وعلامات کے لئے مفید ہیں۔ اس لئے اکثر کتب خواص الادویہ میں اسی طرح لکھے ہیں کہ وہ کن کن امراض اور علامات میں مفید ہیں۔ بلکہ بعض عظیم حکماء اور اطباء نے یہاں تک لکھ دیا ہے کہ فلاں دوا فلاں مرض کے لئے بالخاصہ مفید ہے۔ اسی طرح بعض ادویہ تو بعض امراض اور علامات کے لئے اکسیر اور تریاق لکھ دیا ہے لیکن یاد رکھیں کہ اثرات وافعال ادویہ کا یہ مقصد نہیں ہے اور یہ طریق غلط ہے بلکہ ان کا مقصد اوّل یہ ہے کہ ان کے استعمال سے جسم اور اعضاء میں کیا کیا اثرات وافعال اور تغیرات ظاہر ہوتے ہیں۔ جن کے تحت ایک قابل معالج ان امراض اور علامات کو اعتدال پر لانے کے لئے استعمال کرتا ہے۔ البتہ مخصوص علامات اعضاء اور حالات جسم کے لئے بعض ادویات کو ان کا علاج کہا جاسکتا ہے لیکن ہر مفرد یا مرکب دوا کو کسی مرض وعلامات کے لئے مفید لکھنا غلط فہمی ہے کیونکہ ہر مرض وعلامت ہمیشہ کسی ایک ہی خلط اور کیفیت کے تحت نہیں ہوتی بلکہ ہر دوا اپنے کیمیاوی اور مشینی اثرات کے زیر اثر مفید ہوتی ہے۔ اس لئے خواص اور علم الادویہ میں ان کے اثرات وافعال اور تغیرات کیمیاوی اور مشینی طور پر حاصل کئے جاتے ہیں۔ یہی صحیح علم وفن ادویہ ہے۔

طریق اثرات وافعال ادویہ

جاننا چاہئے کہ اثرات وافعال ادویہ حاصل کرنے کے لئے تین صورتیں ہیں۔ **اوّل**: ادویہ کے وہ اثرات وافعال اور تغیرات جو اعضائے جسم خصوصاً مفرد اعضاء پر ظاہر ہوتے ہیں۔ یہ دوا کے مشینی (Mechanical) اثرات وافعال اور تغیرات ہیں۔ **دوم**: ادویہ کے اثرات وافعال اور تغیرات جو اخلاط وکیفیت میں پیدا ہو جائیں۔ یہ دوا کے کیمیاوی اثرات افعال اور تغیرات جو اخلاط وکیفیات میں پیدا ہو جائیں۔ یہ دوا کے کیمیاوی اثرات افعال اور تغیرات جو کل جسم پر بیک وقت ظاہر ہوتے ہیں۔ **سوم**: یہ دوا کے طبعی (فزیکل) افعال واثرات اور تغیرات ہیں۔ ان تینوں صورتوں سے ہم امراض وعلامات کو دور کرنے کے لئے مفید حالات پیدا کر سکتے ہیں۔ یہ ایسا طریق کار ہے جس سے معالج ہر مفرد اور مرکب دوا پر پورے طور پر دسترس حاصل کر سکتا ہے۔ ہم بھی خواص الادویہ کو بالکل انہی صورتوں میں پیش کریں گے۔ اس طرح

حاصل کردہ ادویہ کے خواص میں تبدیلی پیدا نہیں ہوسکتی۔ اس طرح ہر معالج صحیح طریق پر نسخہ نویسی اور ترتیب ادویہ کے بعد مرکبات اور مجربات تیار کرسکتا ہے۔

اثرات وافعال بالا عضاء

جاننا چاہئے کہ جب کوئی غذا یا دوا یا شے استعمال کی جاتی ہے تو اس کا اثر کسی نہ کسی عضو پر ہوتا ہے۔ اس کے بعد وہ جذب ہو کر خون میں شامل ہو جاتی ہے۔ ظاہر میں تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ غذا و دوا اور شے منہ میں اثر کرنے کے بعد معدہ میں اثر انداز ہوتی ہے لیکن یہ بہت بڑی غلط فہمی ہے کیونکہ معدہ کو ایک مفرد عضو خیال کیا جاتا ہے۔ حقیقت میں معدہ مفرد عضو نہیں ہے بلکہ ایک مرکب عضو ہے اور وہ کئی مفرد اعضاء سے مرکب ہے۔ یعنی اس میں اعصاب بھی ہیں۔ اس میں عضلات بھی پائے جاتے ہیں اور اس میں غشائے مخاطی اور غدد بھی شامل ہیں۔ جب بھی کوئی غذا و دوا اور شے کھائی جاتی ہے تو وہ انہی مفرد اعضاء میں سے کسی ایک پر اثر انداز ہوتی ہے۔ تمام مفرد اعضاء پر بیک وقت اثر انداز نہیں ہوتی۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ جس مفرد عضو پر دوا اثر انداز ہوتی ہے اسی مفرد عضو کی علامات ظاہر ہوتی ہیں۔ مثلاً جب کوئی غذا و دوا اور شے اعصاب پر اثر انداز ہوتی ہے تو معدہ اور باقی جسم میں اعصاب کی علامات نمودار ہو جاتی ہیں یعنی فوراً ہی منہ و معدہ اور دیگر اعضاء بلکہ تمام جسم میں رطوبات اور بلغم کی پیدائش شروع ہو جاتی ہے۔ اسی طرح جب وہ عضلات پر اثر انداز ہوتی ہیں تو منہ و معدہ اور باقی جسم میں عضلات کی علامات ظاہر ہونا شروع ہو جاتی ہیں یعنی فوراً ہی منہ و معدہ اور دیگر اعضاء بلکہ تمام جسم میں حرارت اور سوزش کے اثرات شروع ہو جاتے ہیں۔ اس طرح افعال واثرات کی ابتداء ہوتی ہے۔

جب دوا معدہ سے جذب ہو کر خون میں پہنچتی ہے تو وہ خون کے دوران کے ساتھ ساتھ انہی مفرد اعضاء پر عمل کرتی چلی جاتی ہے۔ پھر آخر میں اس کا اثر تمام جسم پر ایک خاص حالت اور علامات کے ساتھ ظاہر ہوتا ہے اور آخر میں انہی مفرد اعضاء کے خاص مخرج سے باہر خارج ہو جاتی ہے۔ اس طرح ان کے پورے اثرات افعال اور تغیرات نمودار ہو جاتے ہیں۔

مفرد اعضاء

جاننا چاہئے کہ جسم انسانی اعضاء سے مرکب ہے اور تمام اعضاء مفرد اعضاء سے مرکب ہیں۔ مفرد اعضاء میں اعصاب، عضلات، غدود و غشا، ہڈی و کری اور وتر و رباط شامل ہیں۔ آج ماڈرن میڈیکل سائنس نے بھی ثابت کر دیا ہے کہ واقعی یہ سب مفرد اعضاء ہیں۔ وہ ان مفرد اعضاء کو ٹشوز (انسجہ) کا نام دیتی ہے اور یہ ٹشوز (انسجہ) سیلز (خلیات) سے مرکب ہیں۔ ہر سیل (خلیہ) ایک حیوانی ذرہ ہے اور اس میں زندگی کے تمام لوازمات پائے جاتے ہیں۔ ان کی مرکب ساخت و بافت سے انسجہ (ٹشوز) تیار ہوتے ہیں۔

ماڈرن میڈیکل سائنس نے ثابت کیا ہے کہ یہ ٹشوز چار اقسام کے ہوتے ہیں جن میں تین حیاتی ہیں اور وہ اعضائے رئیسہ تیار کرتے ہیں:

① نروس ٹشوز (اعصابی انسجہ) جن کا مرکز دماغ ہے۔

② مسکولر ٹشوز (عضلاتی انسجہ) جن کا مرکز دل ہے۔

③ اپی تھیلیل ٹشوز (غشائی اور غدی انسجہ) جن کا مرکز جگر ہے۔

④ کنکٹو ٹشوز (الحاقی انسجہ) ان سے انسان کا بنیادی ڈھانچہ تیار ہوتا ہے جس میں ہڈی و کری اور رباط وتر اور تمام جسم کی بھرتی تیار ہوتی ہے۔

ہم نے یہ حقیقت ثابت کر دی ہے کہ یہ ٹشوز (انسجہ) اخلاط کے ابتدائی اعضاء کی صورت ہیں۔ ان میں اور اخلاط میں کوئی فرق نہیں ہے۔ ہر غذا و دوا اور شے کا اثر پہلے انہی پر ہوتا ہے۔ پھر اخلاط میں شامل ہو جاتا ہے اور پھر تمام جسم پر ظاہر ہوتا ہے۔

مفرد اعضاء دراصل مجسم اخلاط ہیں

یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ مفرد اعضاء کی پیدائش اخلاط کے معا بعد ترکیب پانے سے ہوتی ہے۔ ان میں اور اخلاط میں صرف اسی قدر فرق ہے کہ مفرد اعضاء مجسم ہیں اور اخلاط محلول ہیں۔ گویا مفرد اعضاء دراصل مجسم اخلاط ہیں۔ طب یونانی اخلاط کو چار تسلیم کرتی ہے اور ہر ایک کی دو کیفیات ہیں۔ دو کیفیات کے ماتحت ہے۔ گویا اخلاط و مفرد اعضاء ایک ہی کیفیات اور ایک ہی مزاج کے تحت غذا سے پیدا ہوتے اور عمل کرتے ہیں۔

مفرد اعضاء چار ہیں

فرنگی طب اور ماڈرن میڈیکل سائنس تسلیم کرتی ہے کہ مفرد اعضاء (ٹشوز) چار اقسام کے ہوتے ہیں اور طب یونانی بھی چار اخلاط تسلیم کرتی ہے اور کیفیات و مزاج بھی چار اقسام کے مفرد اعضاء (ٹشوز) کی پیدائش ہوتی ہے۔ اگر چاروں اخلاط فرنگی طب کے صرف ایک (خون) ہی ہوتا تو اس سے چار اقسام کے مفرد اعضاء (ٹشوز) نہ بنتے صرف ایک ہی قسم کے مفرد اعضاء (ٹشوز) پیدا ہوتے ہیں۔ فرنگی طب ہمیشہ اپنی تحقیقات سے اپنی غلطیوں کا شکار ہو جاتی ہے۔ حقیقت کی تلاش کا اس کے پاس کوئی معیار نہیں ہے۔

دوا کا اثر اور مفرد اعضاء

جب بھی کوئی دوا غذا اور شے کھائی جاتی ہے یا کسی طریق پر جسم انسان میں داخل کی جاتی ہے تو وہ کسی نہ کسی مفرد عضو کو ہی متاثر کرتی ہے۔ اس کے بعد اخلاط میں شریک ہوتی ہے۔ پھر اس کے اثرات و افعال تمام جسم پر نمایاں ہوتے ہیں۔ چونکہ مفرد اعضاء (ٹشوز) چار اقسام کے ہیں جو چار مختلف اخلاط سے پیدا ہوتے ہیں۔ ان کے چار مختلف مزاج اور چار کیفیات ہیں۔ اس لئے جس مزاج و کیفیت کی دوا ہوتی ہے اسی مفرد عضو کو متاثر کر کے وہی کیمیاوی اثرات اخلاط میں پیدا کر دیتی ہے۔ پھر وہی افعال تمام جسم پر نمایاں ہوتے ہیں اور یہی سلسلہ ایک خاص وقت تک قائم رہتا ہے۔

اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ ہر دوا غذا اور شے کے بعد جسم پر کسی خاص خلط کا غلبہ اور مزاج و کیفیت کا اثر نمایاں رہتا ہے۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو یہی اثر کیمیاوی طور پر اخلاط میں پایا جائے گا۔ اور یہی افعال کسی ایک مفرد عضو میں سر سے پاؤں تک پائے جائیں گے۔ ثابت ہوا کہ چونکہ مفرد اعضاء (ٹشوز) چار ہیں۔ اس لئے ہر دوا و غذا اور شے کے اثرات بھی چار ہی اقسام کے ہیں۔ البتہ جیسی قوت و شدت کی ضرورت ہوگی اسی قوت و شدت کا اظہار ہوگا لیکن یہ یاد رکھیں کہ ایک وقت میں صرف ایک خلط کا غلبہ ہوگا اور ایک ہی مفرد عضو میں تحریک ہوگی۔ البتہ جب تحریک کسی دوسرے مفرد عضو میں بدل جائے یا پیدا کر دی جائے تو اخلاط میں بھی کیمیاوی طور پر اسی قسم کی تبدیلی پیدا ہو جائے اور جسم پر بھی وہی افعال ظاہر ہوتے جائیں گے۔ اس طرح مفرد اعضاء کی تحریک اور اخلاط میں تبدیلی کے اثرات و افعال نمایاں طور پر نظر آتے ہیں لیکن یہ کبھی نہیں ہوگا بلکہ دونوں مفرد اعضاء یا دو اخلاط کا بیک وقت اثر ہو یا جسم میں بیک وقت دو مزاج ہوں البتہ دو کیفیات ضرور پائی جاتی ہیں اور یہ بھی یاد رکھیں کہ مزاج و اخلاط اور مفرد اعضاء میں تبدیلی ہمیشہ کیفیات کے ذریعے ہی پیدا ہوا کرتی ہے۔ کیونکہ انہی کیفیات کا اثر مزاج و اخلاط اور اعضاء پر یکساں کام کرتا ہے۔

مفرد اعضاء کا پھیلاؤ

مفرد اعضاء (ٹشوز) چاروں ہی سر سے پاؤں تک اس طرح پھیلے ہوئے ہیں کہ ان کی بافتیں وساختیں اور ریشے ایک دوسرے میں مل کر مرکب اعضاء بن گئے ہیں۔ جیسے مختلف اقسام اور رنگوں کے دھاگے مل کر ایک خاص قسم کا کپڑا بنا دیتے ہیں۔ انہی مرکب اعضاء سے جسم انسان بنا ہوا ہے۔ جس کے ہر مقام پر کوئی نہ کوئی مفرد عضو ضرور ہے۔ البتہ کسی حصہ میں کسی ایک مفرد عضو (ٹشوز) کا غلبہ پایا جاتا ہے اور کسی دوسرے حصہ میں کسی دوسرے مفرد عضو کا غلبہ ہوتا ہے۔

یہی صورتحال چاروں مفرد اعضاء کی ہے جہاں جہاں پر ان چاروں مفرد اعضاء کے مرکب ہیں۔ وہاں پر خالص انہی انسجہ (ٹشوز) سے اعضاء بن گئے ہیں جیسے دِل و دماغ اور جگر و طحال وغیرہ البتہ ان کے گرداگرد دیگر مفرد اعضاء (ٹشوز) کے ریشوں کی بافتیں اور ساختیں ضروری پائی جاتی ہیں تاکہ ان کا آپس میں تعلق قائم رہے جن سے ایک دوسرے کے اندر تحریکات و دوران خون اور رطوبات کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ جیسے کسی مشین کے پرزے ایک دوسرے میں فٹ ہو کر ایک دوسرے کو چلاتے رہتے ہیں اور ان میں تیل و پٹرول اور بجلی کا اثر قائم رہتا ہے۔

ان حقائق سے ثابت ہوا کہ تمام جسم کے مرکب اعضاء سر سے لے کر پاؤں تک ان ہی چاروں مفرد اعضاء سے بنے ہوئے ہیں۔ البتہ کسی مقام پر ایک مفرد عضو کا غلبہ ہے تو دوسرے مقام پر دوسرے عضو کا غلبہ ہے۔ جس مقام پر جس مفرد عضو کا غلبہ زیادہ ہے وہاں پر اس کا اثر زیادہ نمایاں ہے۔ مثلاً سر اور اس کے گردونواح میں اعصاب و دماغ کا غلبہ ہے۔ اس لئے وہاں انسجہ اعصابی (نروس ٹشوز) کا غلبہ ہے۔ اسی طرح سینہ میں عضلات و دِل کا غلبہ ہے۔ اس لئے وہاں پر انسجہ عضلاتی (مسکولر ٹشوز) کا غلبہ ہے۔ بالکل اسی طرح جوف شکم میں غدد و جگر کا غلبہ ہے اس لئے وہاں پر انسجہ غشائے مخاطی (اپی تھیلیل ٹشوز) کا غلبہ ہے۔ اس لئے اثرات وافعال ادویہ واغذیہ اور اشیاء میں مرکب اعضاء کے بجائے مفرد اعضاء کو مدنظر رکھنا ضروری ہے البتہ ان کے بعد مرکب اعضاء اور تمام جسم پر ان کے اثرات وافعال دیکھے جاسکتے ہیں۔

دماغ ونخاع اور اعصاب پر ادویہ کے اثرات

جب ہم کسی دوا و غذا اور زہر و شے کے اثرات وافعال دماغ ونخاع اور اعصاب پر معلوم ومحسوس کرنا چاہتے ہیں تو اس وقت ہمارے سامنے مکمل دماغ ونخاع نہیں ہونا چاہئے بلکہ صرف وہی حصہ ہونا چاہئے جو عصبی ہے یعنی عصبی مادہ سے بنا ہے اور اسی مادہ کی ڈوریاں دماغ سے نکل کر نخاع کے ذریعے تمام جسم میں پھیل گئی ہیں۔ جن کو ہم اعصاب (نروز) کا نام دیتے ہیں اور مفرد اعضاء کی صورت میں ان کو انسجہ اعصابی کہتے ہیں۔

یاد رکھیں کہ دماغ ونخاع کے افعال وتحریکات میں ان کے دونوں پردے شریک نہیں ہیں۔ پہلا پردہ غدی ومخاطی ہے جس کا تعلق غدد اور جگر کے ساتھ ہے جو انسجہ مخاطی (اپی تھیلیل ٹشوز) کا بنا ہوا ہے۔ دوسرا پردہ عضلاتی ہے جس کا تعلق دِل کے ساتھ ہے جو انسجہ عضلاتی (مسکولر ٹشوز) کا بنا ہوا ہے۔ کوئی عصبی غذا و دوا اور زہر و شے جب بھی اثر انداز ہوگی تو صرف دماغ ونخاع کے عصبی حصے پر ہوگی۔ اس کے اثر دونوں پردوں پر نہیں ہوں گے یاد رکھیں کہ اعصاب اپنے مرکز دماغ سے لے کر نخاع کے ذریعے تمام جسم میں پھیلے ہوئے ہیں اور وہ سب متاثر ہوتے ہیں۔

فرنگی طب کی غلطی

فرنگی طب نے جہاں دماغ ونخاع پردوا وغذا اورزہر وشے کے اثرات وافعال بیان کئے ہیں۔اس نے تمام دماغ ونخاع کوشامل کرلیا ہے جو بالکل غلط ہے۔دماغ ونخاع کے اوپر دونوں پردوں کے اعصاب سے کوئی مشابہت نہیں ہے۔البتہ تعلق ضرور ہے کہ وہ اعصابی تحریکات سے متاثر ضرور ہوتے ہیں۔

طب قدیم کا کمال

طب قدیم جب دماغ واعصاب کا ذکر کرتی ہے تو وہ ان کا مزاج سردتر بیان کرتی ہے اوراس کی غذا بلغم بیان کرتی ہے اور یہ بھی بیان کرتی ہے کہ ان میں جب تحریک ہوتی ہے تو جسم میں سردی وتری اور بلغم بڑھ جاتی ہے۔اس طرح وہ دماغ ونخاع کے صرف اس حصے کا ذکر کرتی ہے جو اعصابی مادہ سے بنا ہوا ہے جس کو نروس ٹشوز (انسجہ اعصابی) کہتے ہیں۔یہی طب قدیم کا کمال ہے۔

دماغ واعصاب کے افعال

اعصاب مرکز دماغ ہے جو تین اعضائے رئیسہ میں سے ایک ہے اور اعصاب تمام جسم میں پھیلے ہوئے ہیں۔اس لئے جب ہم اعصاب کا ذکر کرتے ہیں تو اس میں دماغ بھی شریک ہوتا ہے۔پس جاننا چاہئے کہ اعصاب پر جو اغذیہ وادویہ اور اشیاء اثر انداز ہوتی ہیں اس کی تین صورتیں ہیں:

① اعصاب میں تحریک پیدا کر کے ان کے افعال میں تیزی پیدا کردیں۔
② اعصاب میں تسکین پیدا کر کے ان کے افعال میں سستی پیدا کردیں۔
③ اعصاب پرگرمی کی زیادتی سے ان کے افعال میں ضعف پیدا کردیں۔

تحریک کی نوصورتیں ہیں: (۱) محرک (۲) لذت (۳) بے چینی (۴) حبس (۵) قبض (۶) خارش (۷) جوش خون (۸) درد اور (۹) سوزش۔ان کی اور تسکین ضعف وغیرہ اصطلاحات کی تشریح ہم پہلے ہی تفصیل کے ساتھ بیان کر چکے ہیں۔ان کو پھر پڑھیں اور ذہن نشین کرلیں۔

فرنگی طب کی غلطی

فرنگی طب اور ماڈرن سائنس نے اعصاب کی دو اقسام بیان کی ہیں۔قسم اوّل اعصاب حس،قسم دوم اعصاب حرکت۔

یادرکھیں کہ اعصاب صرف حس کے لئے اعضاء ہیں ان میں حرکت نہیں ہوتی البتہ ان کا تعلق عضلات کے ساتھ ضرور ہوتا ہے جو حرکت کے اعضاء ہیں۔جب اعصاب میں کوئی حس اثر انداز ہوتی ہے تو ضرورت کے مطابق عضلات میں حرکت پیدا کردیتے ہیں۔یادرکھیں کہ حرکت کے اعضاء صرف عضلات ہیں جن سے جسم کی حرکات صادر ہوتی ہیں۔ان میں کھانا پینا، دیکھنا سننا، لکھنا پڑھنا اور چلنا پھرنا وغیرہ شامل ہیں۔لیکن احساس کرنا، چکھنا اور سونگھنا وغیرہ اعصاب کی تحریکات ہیں۔اس لئے دماغ ساکن ہے اور اعصاب کا مرکز ہے اور دل حرکت میں ہے اور عضلات کا مرکز ہے۔یادرکھیں کہ حرکت صرف عضلات میں ہوتی ہے۔اس لئے اعصاب کو حرکتی سمجھنا غلطی ہے۔

ایک اور غلطی

فرنگی طب اور ماڈرن سائنس اعصاب کے امراض میں دو ہی صورتیں تسلیم کرتی ہیں۔ایک اعصاب میں تیزی اور دوسرے

اعصاب میں سستی۔ اس لئے جب اعصاب میں تیزی ہوتی ہے تو اس کو سست کرنے کی کوشش کرتے ہیں جس کے لئے وہ مسکن اور مخدر ادویات مثلاً کافور، افیون، بھنگ، لفاح، اجوائن خراسانی، بیش، کوکین، مارفیا، کلورل ہائیڈریٹ اور برومائیڈ وغیرہ استعمال کرتے ہیں اور جب اعصاب میں سستی ہوتی ہے تو ان میں تیزی پیدا کر دیتے ہیں اور اس مقصد کے لئے کچلہ، دارچینی، لونگ اور بالچھڑ و ہینگ وغیرہ استعمال کرتے ہیں۔

جہاں تک اعصاب کی سستی میں تیزی پیدا کرنے کا تعلق ہے۔ یہ تو قابل قبول ہوسکتا ہے۔ اگر چہ اس مقصد کے لئے ان کے ہاں کوئی فطری قانون نہیں ہے لیکن جہاں تک اعصاب کی تیزی میں سستی پیدا کرنے کا تعلق ہے۔ یہ اصول بالکل غلط ہے اور کسی قانون کے تحت نہیں آتا۔ ہم چیلنج کے ساتھ کہتے ہیں کہ فرنگی طب ماڈرن میڈیکل سائنس اس علاج میں بالکل اندھی ہے اور بالکل عطائیانہ علاج کرتی ہے۔ یہ ان کی بے علمی و جہالت اور غلطی کا اظہار ہے۔

جاننا چاہئے کہ اعصاب میں تیزی ہوتی ہے تو ان میں سوزش کی صورت ہوتی ہے چاہے وہ کسی قدر کم ہو یعنی درد کے بجائے صرف لذت کی زیادتی یا بے چینی یا خارش ہی کیوں نہ ہو۔ اس کا علاج تسکین وتخدیر نہیں ہے بلکہ اس میں تحلیل پیدا کرنی چاہئے جو ظاہر ہے کہ گرم یا گرم تر یا گرم خشک ادویات سے ہوسکتی ہے اور ہر قسم کے مسکنات اور اکثر مخدرات سرد تر اور سرد خشک ہوتے ہیں۔

یاد رکھیں کہ سرد ادویہ و اغذیہ سے جسم میں بلغم اور رطوبت پیدا ہوتی ہے۔ ان سے عارضی سکون تو ہوسکتا ہے مگر سوزش میں تحلیل پیدا نہیں ہوسکتی۔ یہی وجہ ہے کہ فرنگی طب اور ماڈرن سائنس میں سوزش اور درد کا علاج عارضی ہوتا ہے اور دائمی نہیں ہوتا۔ وہ ہمیشہ اس علاج میں ناکام ہوتے ہیں۔

طب قدیم کا کمال یہ ہے کہ وہ گرم مزاج کا علاج سردی سے اور سرد مزاج کا علاج سوداوی ادویہ سے کرتی ہے۔ یاد رکھیں کہ تسکین اور تحلیل دو مختلف صورتیں ہیں۔ تسکین ہمیشہ سرد و بلغمی رطوبت پیدا کرنے والی ادویات سے مختلف ہوتی ہے اور ہمیشہ گرم امراض میں پیدا ہوتی ہے اور تحلیل ہمیشہ گرم ادویہ سے ہوتی ہے اور **تحلیل ہی سے ہمیشہ تحریک و درد اور سوزش و ورم بلکہ ہر قسم کے بخار کا علاج کرنا چاہئے۔** ہرگز نہ بھولیں کہ سائنس ہی کا مسئلہ ہے کہ سردی ہر جسم میں سکیڑ پیدا کرتی ہے اور گرمی ہر جسم میں پھیلاؤ پیدا کر دیتی ہے۔ اس لئے **معالج کے سامنے تین صورتیں ہونی چاہئیں، تسکین و تحریک اور تحلیل۔ جن کا عمل اس طرح ہوتا ہے کہ جب اعصاب میں تسکین ہو تو ان میں تحریک پیدا کریں اور جب ان میں تحریک ہو تو ان میں تحلیل پیدا کریں اور جب ان میں تحلیل ہو تو ان میں تسکین پیدا کریں اور یہی صحیح طریق علاج ہے** قدرت نے فطری طور پر ایسی ہی اغذیہ و ادویہ اور اشیاء پیدا کی ہیں اس طرح منٹوں میں علاج ہوتا ہے۔

قلب پر ادویہ کے اثرات

جب ہم کسی دوا و اغذیہ اور زہر و شے کے اثرات و افعال دل پر محسوس و معلوم اور مشاہدہ و تجربہ کرنا چاہتے ہیں تو اس وقت ہمارے سامنے صرف دل کا وہ لوتھڑا ہونا چاہئے جو گوشت کا بنا ہوا ہے۔ وہ عضلاتی انسجہ (مسکولر ٹشوز) سے اس کی بافت و ساخت اور بناوٹ ہوتی ہے۔ یہی عضلات (گوشت) جو تمام جسم کی ہڈیوں پر چڑھے ہوئے ہیں اور انہی سے جسم کی خوبصورتی قائم ہوتی ہے یہ عضلات تمام جسم کے اعضاء کی ساخت میں شریک ہیں۔ جن میں پھیپھڑے اور معدہ خاص طور پر شامل ہیں۔ بعض اعضاء پر اس کے پردے چڑھے ہوئے ہیں جن کو حجاب کہتے ہیں۔

یاد رکھیں کہ دل کے افعال و تحریکات میں اس کے دونوں پردے شریک نہیں ہیں۔ **پہلا پردہ غدی مخاطی ہے، جس کا تعلق جگر**

(غدد) کے ساتھ ہے جو انسجہ مخاطی (اپی تھیلیل ٹشوز) کا بنا ہوا ہے جس کا ذکر ہم دماغ و اعصاب کے تحت کر چکے ہیں۔کوئی دوا و غذا اور زہر و شے جب دِل پر اثر انداز ہوگی تو اس کا اثر صرف عضلات پر ہوگا۔مخاطی و عصبی دونوں پردوں میں نہیں ہوگی۔البتہ دِل کی حرکات میں کمی بیشی سے دورانِ خون کا اثر ان پر ضرور ہوتا ہے لیکن وہ اثر دِل کی حرکات میں کمی بیشی سے دوران خون کا اثر ان پر ضرور ہوتا ہے لیکن وہ اثر دِل کے افعال و اثرات سے مختلف ہوتا ہے جو اثر دِل پر ہوتا ہے وہ صرف دِل تک محدود نہیں رہتا بلکہ تمام جسم کے عضلات پر کم و بیش ہوتا ہے۔

فرنگی طب کی غلطی

فرنگی طب نے جہاں دِل پر کسی دوا و غذا اور زہر و شے کے اثرات بیان کئے ہیں، اس نے دِل اور اس کے دونوں پردوں کو بھی شامل کیا ہے بلکہ اس کی کواڑیوں کو بھی شامل کیا ہے جن کی بناوٹ خالص عضلاتی نہیں ہے۔ان پردوں اور کواڑیوں کو دِل کے اپنے فعل میں شریک کرنا غلط ہے کیونکہ دونوں پردے جدا قسم کے انسجہ سے بنے ہوئے ہیں۔

طب قدیم کا کمال

طب قدیم جب دِل کا ذکر بیان کرتی ہے تو اس کو مفرد عضلات ہی میں شریک کرتی ہے اور اس کا مزاج گرم تر بیان کرتی ہے اور یہی عضلات کی صحیح غذا بیان کرتی ہے۔جب دِل (عضلات) میں تحریک ہوتی ہے تو اس کے فعل میں تیزی کے ساتھ ساتھ تمام جسم میں دوران خون کی تیزی ہو جاتی ہے۔اس طرح دِل کے صرف اسی حصہ کا ذکر ہوتا ہے جو انسجہ عضلاتی (مسکولر ٹشوز) کا بنا ہوا ہوتا ہے۔

دِل کے افعال و اثرات

دِل مرکز عضلات ہے جو تین اعضائے رئیسہ میں سے ایک ہے۔یہی عضلات تمام جسم میں پھیلے ہوئے ہیں۔اس لئے جب عضلات کا ذکر کرتے ہیں تو ان میں دِل ضرور شریک ہوتا ہے اور دِل کا ذکر کرتے ہیں تو اس میں عضلات ضرور شریک ہوتے ہیں۔جب کوئی دوا و غذا اور زہر و شے دِل اور عضلات پر اثر انداز ہوگی تو اس کی تین ہی صورتیں ہوں گی۔

① تحریک جس سے ان میں تیزی ہوگی۔
② تسکین جس سے ان میں سکون ہوگا۔
③ تحلیل جس سے ان میں ضعف پیدا ہوگا۔

جاننا چاہئے کہ جسم میں ہر قسم کی حرکات صرف عضلات سے عمل میں آتی ہیں۔اگرچہ اس کی ذاتی تحریکات کے علاوہ دماغ و اعصاب کی طرف سے ان کو تحریکات ملتی رہتی ہیں۔بہر حال ہر قسم کی حرکت جسم میں عضلات ہی انجام دیتے ہیں۔جیسے کھانا پینا، دیکھنا سننا، لکھنا پڑھنا، چلنا پھرنا، بلکہ غور و فکر اور یاد کرنا وغیرہ۔نیز ہر قسم کا احساس و ادراک کرنا چکھنا اور سونگھنا وغیرہ اعصاب کی تحریکات ہیں اس لئے دماغ ساکن ہے اور اعصاب کے افعال احساس و ادراک کا مرکز ہیں اور دِل متحرک ہے اور عضلات کی حرکات کا مرکز ہے۔یاد رہے کہ جس طرح دِل کی حرکات کا اثر عضلات پر پڑتا ہے اسی طرح عضلات کی حرکات کا اثر دِل پر بھی پڑتا ہے۔

فرنگی طب کی ایک اور غلطی

فرنگی طب اور ماڈرن سائنس میں سرے سے عضلاتی امراض کا ذکر ہی نہیں ہے۔عضلاتی امراض کو دُنیا میں پہلی بار ہم پیش کر رہے

ہیں اور ایک قانون و قاعدہ اور نظام کے تحت پیش کر رہے ہیں۔ طب قدیم نے ان کو اخلاط کے تحت بیان کیا ہے۔ جہاں تک امراض قلب کا تعلق ہے فرنگی طب نے اس کی دو صورتیں بیان کی ہیں۔ **اوّل قلب کے فعل میں تیزی جس سے قلب میں انقباض بڑھ جاتا ہے۔ دوسرے قلب کے فعل میں سستی پیدا ہو جاتی ہے جس سے قلب پھیل جاتا ہے** جب قلب کے فعل میں تیزی ہوتی ہے تو اس کو سست کرنے کے لئے مسکن اور مخدر ادویات مثلاً ڈیجی ٹیلس لفاح، بیش اور کافور وغیرہ دیتے ہیں۔ جب قلب کے فعل میں سستی ہوتی ہے تو اس میں تیزی پیدا کرنے کے لئے مقوی اور محرک ادویات مثلاً سپرٹ امونیا ایرومیٹک، کچلہ وسنکھیا، دارچینی اور دیگر مرکبات دیتے ہیں۔

جہاں تک قلب کے فعل میں سستی کا تعلق ہے اس میں تیزی تو مقویات و محرکات کے ساتھ پیدا کی جا سکتی ہے لیکن اس کے لئے بھی اس کے پاس کوئی قانون اور نظام نہیں ہے۔ پھر بھی قابل قبول ہے لیکن جہاں تک قلب کے فعل میں تیزی کو سست کرنے کا تعلق ہے اس میں مسکنات و مخدرات کا استعمال کرنا غلط ہے۔ یہ کسی قانون اور نظم کے تحت نہیں ہے۔ یہ عطائیانہ طریق علاج ہے۔ اس سے ان کی بے علمی و جہالت اور غلطی کا پتہ چلتا ہے۔

جاننا چاہئے کہ جب قلب کے فعل میں تیزی ہوتی ہے تو اس میں انقباض ہوتا ہے۔ انقباض سردی سے ہوتا ہے۔ سائنس کا مسئلہ ہے کہ ہر چیز سردی سے سکڑتی ہے اور گرمی سے پھیلتی ہے۔ پھر ہر انقباض میں سوزش پیدا ہو جاتی ہے چاہے وہ جس قدر کم کیوں نہ ہو یعنی درد کی بجائے اس میں صرف بے چینی ہو۔ اس کا علاج تسکین و تخدیر سے کرنا غلطی ہے کیونکہ وہ اکثر بارد ہوتی ہے جن سے نہ انقباض کم ہو سکتا ہے اور نہ ہی سوزش ختم ہو سکتی ہے۔ اس انقباض اور سوزش کا علاج تحلیل سے ہو سکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ محلل ادویات گرم تر یا گرم خشک ہوتی ہیں جس کا نتیجہ ہارٹ فیل کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فرنگی طب میں ہارٹ فیل کے بہت کیس ہوتے ہیں بلکہ ہارٹ فیل ہونا بھی فرنگی طب کی پیدائش ہے۔ قلب کی تیزی اور انقباض کا صحیح علاج ہم سوزش اعصاب میں بیان کر چکے ہیں۔ بالکل اسی اصول پر کیا جائے۔

جہاں تک مقویات و مفرحات کا تعلق ہے یہ صورتیں بھی فرنگی طب میں نہیں پائی جاتیں بلکہ ان کے ہاں ان کا تصور بھی نہیں ہے۔ طب قدیم میں ان مقاصد کے لئے ذیل کی ادویہ استعمال کی جاتی ہیں۔ مروارید، مشک، عنبر، زعفران، جدوار اور بید مشک وغیرہ اور مرکبات میں خمیرہ جات اور یاقوتیاں قابل ذکر ہیں۔

جگر پر ادویات کے اثرات

اعضائے رئیسہ میں جگر بھی برابر کا شریک ہے لیکن اس کے افعال دل و دماغ سے زیادہ پیچیدہ ہیں۔ دماغ صرف احساسات و ادراکات اور اعصاب کا مرکز ہے۔ دل صرف حرکات و دوران خون اور عضلات کا مرکز ہے۔ جگر نہ صرف غذا کو ہضم کر کے اخلاط میں تبدیل کر کے خون بناتا ہے بلکہ صفراء کو خون سے جدا کر کے آنتوں میں گراتا ہے اور مٹھاس کو جسم میں ہضم کراتا ہے۔

جگر ایک غدود ہے اور جسم کے تمام چھوٹے بڑے غدد کا مرکز ہے۔ جس طرح دماغ اعصاب کا مرکز ہے اور دل عضلات کا مرکز ہے۔ یعنی اس کے افعال اسی کے تحت جسم کے تمام نالی دار غدود کام کرتے ہیں۔ اگرچہ غیر نالی دار غدود بھی اس کے ماتحت ہیں لیکن غیر نالی دار غدود کے افعال نالی دار غدود کے بالکل برعکس ہیں یا ان کے افعال کے بعد مشینی طور پر عمل کرتے ہیں یعنی جب نالی دار غدد اپنی رطوبات کا اخراج کرتے ہیں تو غیر نالی دار غدد ان کو جذب کرتے ہیں۔ سب سے بڑا غیر نالی دار غدہ طحال ہے اس لئے طب قدیم میں اس کو اعضائے رئیسہ کے بعد اعضائے شریفہ میں شمار کیا جاتا ہے اور چوتھی خلط سودا کی اصلاح و تعمیر کا تعلق اس کے ساتھ قائم کر دیا ہے۔

جب ہم کسی دوا و غذا اور زہر کے اثرات و افعال جگر اور غدد پر معلوم و محسوس کرنا چاہتے ہیں تو اس وقت ہمارے سامنے مکمل جگر نہیں ہونا چاہئے بلکہ صرف وہی حصہ ہونا چاہئے جو اس کا غدی حصہ کہلاتا ہے یعنی جو قشری مادہ سے بنا ہوا ہے اور اسی مادہ سے بنے ہوئے غدد تمام جسم میں پھیلے ہوئے ہیں۔ جن کو ہم غشاء کا نام بھی دیتے ہیں اور مفرد اعضاء کی صورت میں ان کو انسجہ قشری (اپی تھیلیل ٹشوز) کہتے ہیں۔

یاد رکھیں کہ جگر کے افعال اور اعمال میں اس کے دونوں حصے شریک نہیں ہیں جو اس کے مادے سے نہیں بنے ہوئے۔ پہلا پردہ اعصابی یا حصہ اعصابی ہے جس کا تعلق دماغ سے ہے۔ دوسرا پردہ عضلاتی ہے جس کا تعلق دل کے ساتھ ہے۔ جو انسجہ عضلاتی (مسکولر ٹشوز) کا بنا ہوا ہے۔ البتہ خاص جگر و غدود میں دوسرے دو حصے اپنے احساسات و تحریکات ضرور کرتے رہتے ہیں جب کوئی دوا و غذا یا زہر یا شے خاص جگر و غدی حصہ پر اثر انداز ہوتی ہے تو اس کا اثر اعصابی و عضلاتی حصہ پر نہیں ہوتا لیکن جس طرح عصبی و عضلاتی احساسات و تحریکات کا جگر و غدد پر اثر ہوتا ہے اسی طرح جگری و غدی افعال و اعمال کا اثر بھی اعصاب و عضلات (دل و دماغ) پر پڑتا ہے۔

ان حقائق سے ثابت ہوا کہ جو ادویات سیدھی جگر پر اثر کرتی ہیں وہ اعصاب و عضلات پر سیدھی اثر انداز نہیں ہوتیں۔ اس لئے جگر کے افعال و ذاتی افعال و اعمال میں نقص ہے یا اس کے اعصاب اور عضلات میں خرابی ہے۔ یہی صحیح طریق علاج ہے۔

فرنگی طب کی غلطی

فرنگی طب نے جہاں جگر پر دوا و غذا اور زہر اور شے کے اثرات و افعال بیان کئے ہیں وہاں اس نے ایک طرف تمام جگر کو شریک کیا ہے جس میں اس کے ساتھ اس سے متعلق اعصاب و عضلات شامل ہیں۔ جن کی حقیقت میں جگر کے ذاتی افعال سے کوئی مشابہت نہیں ہے۔ دوسرا اس نے جسم کے تمام غدد کے افعال کو جگر کے افعال سے جدا کر دیا ہے۔ یہ دونوں باتیں بالکل غلط ہیں۔

یاد رکھیں کہ جگر سے متعلق اعصاب اور عضلات دونوں اپنے اپنے مرکز دماغ اور دل کے تحت کام کرتے ہیں اور تمام جسم کے غدد جگر کے ماتحت اپنے افعال و اعمال انجام دیتے ہیں، جیسے اعصاب دماغ کے تحت اور عضلات دل کے تحت اپنے افعال و احوال انجام دیتے ہیں۔

طب قدیم کا کمال

طب قدیم جب جگر کا ذکر کرتی ہے تو وہ اس کا مزاج گرم خشک بیان کرتی ہے اور اس کی غذا صفراء بیان کرتی ہے اور یہ بھی بیان کرتی ہے کہ اس میں جب تحریک ہوتی ہے تو جسم میں گرمی خشکی اور صفرا بڑھ جاتے ہیں۔ اس طرح وہ جگر کے صرف اس حصے کا ذکر کرتی ہے جو غدی و غشائی مادہ (اپی تھیلیل ٹشوز) سے بنا ہوا ہے۔ یہی طب قدیم کا کمال ہے۔

جگر کے افعال

جگر کے اعمال کتنے ہی پیچیدہ کیوں نہ ہوں تاہم اس کے افعال کی تین صورتیں ہیں تمام اغذیہ و ادویہ اور زہر و اشیاء یہی تینوں صورتیں پیدا کرتی ہیں۔

① جگر میں تحریک پیدا کر کے اس کے فعل میں تیزی پیدا کر دے۔
② جگر میں تسکین پیدا کر کے اس کے فعل میں سستی پیدا کر دے۔

④ جگر میں گرمی کی زیادتی سے اس کے فعل میں ضعف پیدا ہو جائے۔

تحریک کی جتنی صورتیں ہیں ہم اعصاب پر دوا کے اثرات میں بیان کر چکے ہیں۔

فرنگی طب کی غلطی

فرنگی طب اور ماڈرن سائنس جگر کے امراض میں دو ہی صورتیں تسلیم کرتی ہیں۔ایک جگر کے فعل میں تیزی جس سے جسم میں صفراء بڑھ جاتا ہے۔دوسرے جگر کے فعل میں سستی۔اس سے جسم میں ریاح اور جگر میں بلغم بڑھ جاتی ہے۔اس لئے جب جگر میں تیزی ہو جاتی ہے تو اس کو سست کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔وہ مسکن اور مخدر ادویات مثلاً لفاح،اجوائن خراسانی،بیش،کوکین،مارفیا،افیون،بھنگ،کافور،برومائیڈ اور کلورل ہائیڈریٹ وغیرہ استعمال کرتے ہیں۔یہ صورتیں پتہ کی تکلیف میں کرتے ہیں۔جب اعصاب میں سستی ہوتی ہے تو ان میں تیزی پیدا کرتے ہیں۔اس مقصد کے لئے گندھک،نمک،نوشادر،بادیان،اجوائن اور پودینہ وغیرہ استعمال کرتے ہیں۔

جہاں تک جگر کی سستی میں تیزی پیدا کرنے کا تعلق ہے یہ تو قابل قبول ہو سکتا ہے،اگرچہ اس مقصد کے لئے ان کے ہاں کوئی بھی قانون نہیں ہے۔لیکن جہاں تک جگر کی تیزی میں سستی پیدا کرنے کا تعلق ہے یہ طریقہ بالکل غلط ہے۔ہم چیلنج کے ساتھ کہتے ہیں کہ فرنگی طب اس علاج میں بالکل اندھی ہے اور بالکل عطائیانہ علاج کرتی ہے۔یہ ان کی علمی و عملی جہالت اور غلطی کا اظہار ہے۔

جاننا چاہئے کہ جب جگر و غدد میں تیزی ہوتی ہے تو ان میں سوزش کی صورت پیدا ہو جاتی ہے چاہے وہ کسی قدر کم کیوں نہ ہو۔اس کا علاج تسکین اور تخدیر نہیں ہے بلکہ اس میں تحلیل پیدا کرنی چاہئے جو ظاہر ہے کہ گرم تر ادویات سے ہو سکتی ہے اور ہر قسم کے مسکنات اور اکثر مخدرات سرد تر اور سرد خشک ہوتے ہیں جن سے جسم میں بلغم اور رطوبت پیدا ہوتی ہے اور عارضی سکون پیدا ہوتا ہے۔

مصالحہ جات

نمک کے افعال واثرات

کون شخص ہے جو نمک کو روزانہ کئی کئی مرتبہ اور مزے لے لے کر استعمال نہیں کرتا۔ وہ شعوری طور پر استعمال کرتا ہے اور غیر شعوری طور پر بھی استعمال کرتا ہے۔ مختلف چیزوں اور مختلف حالتوں میں استعمال کرتا ہے۔ صحت اور مرض دونوں حالتوں میں استعمال کرتا ہے اور نمک کے اس کثرت سے استعمال میں ڈاکٹر کے مشورے کا محتاج بھی نہیں۔ مگر حیرت یہ ہے کہ بہت کم ایسے لوگ ہیں جو اس کے فوائد سے واقف ہوں گے اور شاید دس ہزار میں ایک بھی ایسا مشکل سے نکلے جو اس کے صحیح استعمال سے واقف ہو۔

اگر کسی اچھے پڑھے لکھے فاضل اور گریجوایٹ سے نمک کے استعمال کے متعلق سوال کیا جائے تو وہ نمک کے زیادہ سے زیادہ دو چار خواص بیان کر دے گا۔ یورپ کی معلومات دوہرا دے گا۔ مگر اس کے استعمال سے ایسے ہی ناواقف ہے جیسے بے علم انسان علم کے صحیح استعمال سے ناواقف ہو۔ اگر اس کلام میں مبالغہ ہو تو آپ تجربہ کر سکتے ہیں کہ یورپی معلومات جن میں دعویٰ کیا گیا ہے کہ سائنس کے تحت حاصل کی گئی ہیں لیکن اس کا کیا علاج ہے کہ وہ صرف ایک رُخ پر چلتی ہے ہمہ اثر نہیں ہیں جن کو (All Round) کہا جاتا ہے۔ یورپی خواص الاشیاء بالاعضاء نہیں ہیں۔ اگر کسی ایک عضو کا ذکر کیا ہے تو باقی اعضاء سے سلسلہ نہیں جوڑا۔ پھر اس میں مزاج اور اخلاط کو قطعاً نظر انداز کر دیا گیا۔

عام طور پر ہانڈی دِن میں دو تین بار پکتی ہے۔ روٹی میں نمک پڑتا ہے۔ اس کے علاوہ چاول چٹنیاں اور کھانے پینے کی چیزوں میں نمک ڈالا جاتا ہے۔ اس کے متعلق ان کے سمجھنے کا معیار صرف ذائقہ ہے۔ وہ تجربہ کی بناپر زیادہ سے زیادہ یہ کہہ دیں گے کہ نمک کی زیادتی مجھے نقصان دیتی ہے۔ مگر اتنا جاننا تو انسانی جبلت ہے اور ان پڑھ بھی یہی چیز کہہ سکتا ہے۔ اس میں فضیلت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اگر ان کو اس کے صحیح استعمال کا علم ہے تو وہ اسی طرح فرمائیں کہ چونکہ اس کا اثر خون اور دوران خون پر اس طرح پڑتا ہے کہ فلاں عضو کمزور ہوتا ہے اور فلاں عضو کو نقصان دیتا ہے۔ اس کے استعمال فلاں فلاں سکریشن کرتے ہیں۔ اس لئے اس کا استعمال وہ نہیں کرتے۔ اسی وجہ سے ان کو نقصان دیتا ہے۔ یہ میں نے صرف اس لئے لکھا ہے کہ میرا سینکڑوں بار کا تجربہ ہے اور میں چاہتا ہوں کہ نمک جیسی روزانہ استعمال کی چیز ہے۔ ہر فرد وبشر کو پوری واقفیت ہونی چاہئے کیونکہ روزانہ اکثر امراض اس کے غلط استعمال سے پیدا ہوتے ہیں اور رفع بھی کئے جاسکتے ہیں جس چیز کے استعمال کی زندگی اور کائنات میں زیادہ ضرورت ہوتی ہے اس کو قدرت زیادہ پیدا کرتی ہے۔ جیسے آگ، ہوا اور پانی کے بعد لکڑی، چونا اور نمک ہیں۔ نمک کی کثرت کا یہ حال ہے کہ جماداتی نمک کے علاوہ جو کانوں میں پیدا ہوتا ہے، سمندر کے پانی میں نمک کثرت سے پایا جاتا ہے۔ پھر سبزیوں میں نمک پھلوں اور پتوں میں نمک، یہاں تک کہ گوشت اور دودھ میں بھی نمک پایا جاتا ہے۔ ماڈرن سائنس میں نمک ہر اس شے کو کہتے ہیں جو الکلی (کھار) اور ایسڈ (تیزاب) کا مرکب ہو جن کی تعداد

بیشمار ہے جو قدرتی طور پر بھی پائے جاتے ہیں۔کانوں میں بھی پائے جاتے ہیں اور مصنوعی طور پر بھی بنائے جاتے ہیں۔چونکہ نمک موالید ثلاثہ میں پائے جاتے ہیں۔انسانی غذا کا جزو ہیں اور روزانہ غذا میں استعمال ہوتے ہیں جو انسانی خون میں اس کی غذا کے طور پر استعمال ہوتے ہیں مثلاً سوڈیم، پوٹاشیم، کیلشیم، فیرم اور سلفر وغیرہ جو بارہ چودہ کی تعداد میں مرکب صورت میں پائے جاتے ہیں لیکن ہمارا مقصد یہاں پر صرف کھانے کے نمک کے استعمال کے متعلق بیان کرنا ہے۔جس کی ہمیں ہر گھڑی ضرورت ہے اور جو صحت کے لئے انتہائی ضروری ہے۔

جاننا چاہئے کہ قدرت نے دُنیا میں دو ہی قسم کی چیزیں بنائی ہیں۔ایک کھاری اور دوسری تیزابی۔نمک ان دونوں کے مرکب کا نام ہے۔اس قسم کے کئی نمک ہیں جو مختلف تیزابوں اور کھاروں سے بنتے ہیں۔جیسے سوڈیم سلفیٹ، میگنیشیم سلفیٹ اور امونیم کلورائیڈ وغیرہ چونکہ دھاتیں تمام کی تمام کھاری اثر رکھتی ہیں۔اس لئے سونا، چاندی، تانبا، لوہا اور جست وغیرہ کے بھی نمک بنتے ہیں مگر اکثر قدرتی طور پر بھی پائے جاتے ہیں اور کانوں سے بکثرت نکالے جاتے ہیں جن کے الگ الگ فوائد ہیں، لیکن ہر ایک نمک خواص اور فوائد کے لحاظ سے باہم مناسبت رکھتا ہے جیسے ہر قسم کی کھاری اور تیزابی اشیاء باہم مناسبت رکھتی ہیں۔فوائد کے لحاظ سے صرف یہ لکھ دینا کہ نمک کے کھانے سے دو چار امراض یا تکالیف رفع ہو جاتی ہیں یا یہ بے حد ہاضم اور ریاح شکن ہے۔اس کے برعکس ایسے اطبا بھی ہیں جنہوں نے نمک کے خواص پر جو کتب لکھی ہیں ان میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ نمک سر سے پیر تک تمام امراض کا واحد علاج ہے۔یعنی ان کے استعمال سے جسم میں کم وبیش حرارت پیدا ہوتی ہے اور ان کا اثر جسم کے غدد اور غشائے مخاطی پر ہوتا ہے۔یہی صحیح نہیں ہے بلکہ یہ جاننا چاہئے کہ اس کی ضرورت کیوں ہے؟ خون پر کیمیاوی طور پر اس کا کیا اثر ہے۔یہ اعضاء پر کیسے اثر انداز ہوتا ہے۔نمک کے افعال اور فوائد میں چونکہ طوالت مفید ہوگی۔اس لئے مختصر یوں سمجھ لیں کہ نمک کی ضرورت اس وقت پیش آتی ہے جبکہ جسم میں رطوبات کی کمی اور خشکی ہو جائے اور خاص طور پر جب پیاس زیادہ لگے۔کیونکہ پیاس ہی ایک ایسی علامت ہے جو یہ بتاتی ہے کہ ہمارے اعضاء میں خون کی رطوبت (لمف) کی کمی ہے۔نمک کا یہ خاصہ ہے کہ وہ خون سے لمف کو جدا کر کے اعضاء میں گراتا ہے اور نمک کے استعمال سے پیاس اس لئے زیادہ لگتی ہے کہ وہ پانی کو جذب کرتا ہے۔چونکہ اس کا اخراج زیادہ تر پیشاب اور پسینہ کے راستہ سے ہوتا ہے۔اس لئے اس کا اثر تمام جسم کے غدد (گلینڈ) خصوصاً گردوں اور جگر پر زیادہ ہے اس لئے اس کے استعمال سے غدد گردوں اور جگر میں تحریک ہو کر پسینہ، پیشاب اور صفراء کی پیدائش اور اخراج ہوتا ہے جس سے اسہال بھی آ جاتے ہیں۔نمک کے کثرت استعمال سے جسم میں چونے اور فولاد کی کمی ہو جاتی ہے۔خون رقیق ہو جاتا ہے۔دوران خون اور دِل سست پڑ جاتا ہے البتہ جب خون کے گاڑھے پن سے دِل بیٹھ رہا ہو اور دوران خون رُک رہا ہو جیسے عام طور پر ہیضہ کے مریض میں پایا جاتا ہے تو اس وقت نمک کا استعمال دوران خون کو جاری اور دِل کو حرکت میں کر دیتا ہے۔اس کے کثرت استعمال سے چہرہ بے رونق، بال سفید اور بڑھاپا جلد آ جاتا ہے۔سینے اور پیٹ میں پانی پڑ جاتا ہے البتہ جن لوگوں کے گلے پڑے رہتے ہیں ہمیشہ گرمی کی شکایت کرتے ہیں، نزلہ زکام بند میں مبتلا رہتے ہیں، دمہ اور کھانسی خشک اکثر ان کو تنگ کرتی ہے۔پیاس زیادہ، پیشاب میں جلن ہو ان کے لئے نمک کا زیادہ استعمال ضروری ہے۔یورک ایسڈ کے امراض جو عام طور پر زیادہ تنگ کرتے ہیں۔جیسے سینہ کی جلن، دردسر، نزلہ زکام گلے اور جوڑ میں نقرسی درد، گردوں میں درد، زحیر وغیرہ کے لئے اکسیر کا حکم رکھتا ہے۔نمک کے غرارے، گلے، دانت اور مسوڑھوں کی ہر تکلیف میں از حد مفید ہے۔

خوراک اور استعمال

نمک خوردنی شب و روز کھانے پینے کی چیزوں میں بقدر ضرورت ذائقہ کے لئے استعمال ہوتا ہے اس میں مقدار کا کوئی تعین نہیں کیا جاتا اور کیا بھی نہیں جانا چاہئے۔ بقدر ضرورت استعمال کرنا مفید ہے۔ البتہ جب اس کو بطور دوا استعمال کرنا ہو تو چار رتی سے چار ماشہ تک مفرد یا مرکب صورت میں استعمال کریں۔ مفرد صورت کے استعمال کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ پانی یا کسی اور محلول شے میں حل کر کے استعمال کریں اور نصف گھنٹے کے بعد بلکہ ہر پندرہ منٹ بعد بھی استعمال کر سکتے ہیں۔ کھانے کے علاوہ یہ بیرونی طور پر بھی استعمال کیا جاتا ہے چونکہ اس میں ایک قسم کی تریاقی کیفیت پائی جاتی ہے۔ اس لئے زہریلے اجزاء اور جراثیم کو فنا کر دیتا ہے محلل ہونے کی وجہ سے محلل اورام اور دافع سوزش ہے۔ اس لئے بیرونی طور پر اس کو تنہا یا کسی دوا میں ملا کر استعمال کرنے سے نئے پرانے اورام زخم اور داد وغیرہ اور نقرسی جوڑوں پر تنہا پانی میں یا کسی دوا کے عرق یا دوا کے ہمراہ لیپ کرلیں اکسیر ہے۔ اندرونی اور بیرونی استعمال کے علاوہ آنکھ ناک اور کان میں ادویات کے ہمراہ ڈال سکتے ہیں۔ دانتوں اور مسوڑھوں پر مل سکتے ہیں۔ غرارے کر سکتے ہیں چونکہ اس کے استعمال سے غشائے مخاطی میں تحریک ہوتی ہے اور اس سے رطوبات کا ترشح شروع ہو جاتا ہے۔ اس لئے بند نزلہ، زکام، کان کے زخم اور آنکھوں کی خشکی اور کمزوری میں تریاق کا کام کرتا ہے۔ ناک کے لئے بطور نسوار تنہا یا نوشادر میں ملا کر استعمال کریں۔ آنکھ کے لئے سرمہ کے ساتھ استعمال کریں۔ کان میں استعمال کرنے کے لئے پانی میں گھول کر کسی روغن میں جلالیں۔ زیتون کا روغن بہتر ہے۔ اگر پسینہ لانا ہو تو سرکہ میں گھول کر پئیں یا سرکہ میں جلا کر سفوف بنالیں۔ پھلوں کے رس کے ہمراہ اچھالیں۔ **چونکہ اس کے استعمال سے رطوبت اور حرارت پیدا ہوتی ہے اس لئے استسقاء میں اس کا استعمال مضر ہے۔**

سرخ مرچ کے افعال و اثرات

ہر شخص خوب جانتا ہے کہ مرچ کے زیادہ استعمال سے تکلیف ہو جاتی ہے۔ پھر بھی وہ زیادہ نہ سہی کم ضرور استعمال کرتا ہے۔ اگر لال مرچ کے استعمال سے گھبرا جاتا ہے تو سیاہ مرچ کا استعمال شروع کر دیتا ہے مگر جب اس سے بھی تکلیف کم نہیں ہوتی تو گھبرا اٹھتا ہے کیونکہ اس کے استعمال کی زیادتی سے منہ، سینہ، پیٹ اور پیشاب میں جلن، مقعد میں سوزش اور بواسیر، ناک، منہ، سینے، پیٹ، پیشاب اور پاخانے سے خون آنا شروع ہو جاتا ہے۔ یورک ایسڈ کے امراض پیدا ہو جاتے ہیں۔ دِل گھبراتا ہے۔ خشکی اور گرمی بڑھ جاتی ہے لیکن وہ اس کے استعمال پر مجبور ہے۔ اس کو بچپن سے وہ استعمال کرتا آیا ہے اس کے رشتہ دار اور دوست ماں باپ، بھائی، بہن، ہمسائے اور عزیز سب روزانہ بلکہ دِن رات استعمال کرتے ہیں۔ ہانڈی میں مرچ، چٹنی اور اچار میں مرچ بلکہ بعض قسم کے چاولوں میں مرچ اور بعض قسم کی روٹی میں بھی مرچ ڈالی جاتی ہے۔ سبزی پکائیں یا دال، گوشت پکائیں یا مچھلی مگر مرچ کے بغیر ان چیزوں کو تیار نہیں کر سکتے۔

جب انسان گھر سے بازار کی طرف آتا ہے تو وہاں بھی ہر شے مرچ میں تیار دیکھتا ہے۔ سیخ کباب ہوں یا شامی کباب، انڈے ہوں یا بیسن کے پکوڑے سب میں مرچ۔ جب حلوائی کی دکان کی طرف رجوع کرتا ہے تو ہر مٹھائی کے علاوہ باقی تمام چیزوں کو نمک مرچ میں تیار دیکھ کر حیران رہ جاتا ہے۔

اگر دو چار روز مرچ کو چھوڑ بھی دے اور میٹھا، پھیکا، نمکین اور ترشہ کھانے لگے تو دو تین دِن میں نہ صرف اس کی طبیعت ان چیزوں سے بھر جاتی ہے بلکہ بھوک مر جاتی ہے۔ ہاضمہ خراب، پیٹ پھولا پھولا، منہ میں پانی، بدن سرد، دِل بیٹھنا شروع ہو جاتا ہے،

کمزوری معلوم ہوتی ہے، کام کرنے کو دِل نہیں کرتا، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مرچ کا استعمال ترک کرنے کے ساتھ کسی نے جسم سے تمام طاقت باہر نکال لی ہے۔ آخر مرچ میں کیا خوبی ہے کہ اس کے کم وبیش استعمال پر ہر عورت مرد، بچہ، جوان اور بوڑھا مجبور ہے اور بعض شہروں میں اس کے نقصان کے باوجود بعض لوگ اس کو کثرت سے استعمال کرتے ہیں۔ آخر دُنیا اس کے استعمال پر کیوں مجبور ہے۔ بعض لوگ کہہ سکتے ہیں کہ فلاں ملک میں فلاں شخص مرچ بالکل استعمال نہیں کرتا۔

جاننا چاہئے کہ جس ملک میں مرچ استعمال نہیں ہوتی یا کوئی شخص مرچ استعمال نہیں کرتا تو وہ ضرور اس کے بدل میں کوئی دوسری چیز اسی فائدہ کو حاصل کرنے کے لئے استعمال کرتا ہے۔ مثلاً ادرک، رائی، پودینہ، پیاز، دارچینی، لونگ، تیزپات، لہسن وغیرہ استعمال کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ مگر مرچ ان سب سے مزیدار اور طاقتور ہے۔ سرخ مرچ کم وبیش آٹھ قسم کی ہوتی ہے۔ اپنے حجم کے لحاظ سے چھوٹے سیب سے لے کر چلغوزہ تک کی ہوتی ہے۔ اکثر چھوٹی مرچ بہت تیز اور بڑی مرچ کم تیز ہوتی ہے۔ شملہ کی مرچ بڑی اور کم تیزی ہوتی ہے۔ اکثر سبزی کی جگہ استعمال ہوتی ہے۔ چھوٹی مرچ اپنی تیزی کے لئے بہت مشہور ہے۔ سیاہ مرچ بھی شکل کے لحاظ سے تین قسم کی ہوتی ہے۔ مثلاً گول مرچ، بھوری مرچ اور دراز مرچ۔ ان کے علاوہ لوگ لونگ، دارچینی اور زیرہ وغیرہ بھی استعمال کرتے ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ سرخ مرچ کے فوائد ان سب سے بہت حد تک تیز ہیں۔ البتہ ادرک اس کا مقابلہ کرسکتی ہے۔ مگر تیزی میں اس سے پھر بھی بہت کم ہے۔

مرچ کے استعمال کو سمجھنے کے لئے اوّل غذا کے ہضم کو سمجھنا ضروری ہے جو غذا معدے میں جاتی ہے وہ دانتوں میں پس کر اور لعاب دہن سے تر ہو کر جاتی ہے۔ یہ دونوں چیزیں ہاضمہ میں معاون ہیں۔ پھر معدہ کے اندر اس میں رطوبت معدی شامل ہوتی ہے۔ اسی طرح معدے سے جب آنتوں میں جاتی ہے تو وہاں پر جگر سے صفرا، لبلبہ سے خاص قسم کی رطوبات اور آنتوں کی اپنی رطوبات اس میں شامل ہو کر اس کو ہضم کرتے ہیں۔ منہ سے لے کر آنتوں تک جس قدر بھی رطوبات غذا کے ہضم میں شریک ہوتی ہیں وہ تمام غدود (گلینڈ) سے نہیں بلکہ وہاں کی غشائے مخاطی (میوکس ممبرین) سے تراوش پاتی ہیں جو اپنے اندر تیزابی کیفیات رکھتی ہیں اور ذائقہ ان کا ترش ہوتا ہے۔ اگر یہ رطوبات نہ گریں تو غذا کبھی بھی ہضم نہ ہو۔

جاننا چاہئے کہ مرچ اور اسی قسم کی دیگر چیزوں کے استعمال سے خون کا دوران اعضائے غذائیہ خاص طور پر منہ، معدہ، آنتیں، جگر، لبلبہ اور طحال کی طرف تیز ہو جاتا ہے اور وہاں سے غشائے مخاطی کے ذریعے مختلف رطوبات ترشح پا کر مختلف صورتوں میں غذا کے ہضم میں مدد معاون ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ جسم کے دوران خون کو تیز کرتی ہے۔ اس میں گرمی پیدا کرتی ہے۔ جرم کش ہے۔

خون کے اندر بہت سے زہروں کو فنا کر دیتی ہے اور دوران خون کو جسم میں تقسیم کرتی ہے، فضلات کو پسینہ کے راستے خارج کرتی ہے۔ از حد مقوی قلب، محرک، دافع، ریاح اور بھوک لگاتی ہے۔ ہیضہ جیسے موذی مرض کا اکسیر علاج ہے۔ ہیضہ کی کوئی بھی حالت ہو ضرور فائدہ ہوتا ہے۔ اگر ابتدائی حالت ہو تو زہر کو فنا کرتی ہے۔ دوسرا درجہ ہو تو قے اور اسہال بند کرتی ہے۔ اگر تیسرا درجہ ہو تو بدن کو گرم کر کے طاقت دیتی ہے۔ چونکہ مصفی خون ہے اس لئے خراب سے خراب اور زہریلے خون کو بھی چند دنوں میں صاف کر دیتی ہے۔ بشرطیکہ خون کی خرابی کا سبب جسم میں تیزابیت اور حرارت کی کمی ہو اور کھاری پن بڑھ گیا ہو۔ دوسرے معنوں میں جسم میں صفراء کی کمی اور بلغم کی زیادتی ہوگئی ہو۔ یہ ہر قسم کے بلغم کو چھانٹتی ہے اور منہ بلکہ جسم کے حصہ سے رطوبات کا اخراج روک دیتی ہے۔ انتہائی زیادتی کی صورت میں مقامات رطوبت میں سے خون لانا شروع کر دیتی ہے۔ اس کے کثرت استعمال سے نکسیر، سوزش چشم، منہ میں زخم، خون تھوکنا، خونی پیشاب، خونی پیچش، بواسیر اور عورتوں کو کثرت حیض کا مرض شروع ہو جاتا ہے۔ خون میں تیزی، جوش خون، ہائی بلڈ پریشر اس کے کثرت استعمال سے پیدا

ہو جاتا ہے۔اس کا ایک حیرت انگیز فائدہ یہ ہے کہ تر دمہ کے لئے مفید ہے لیکن اس کا اعتدال از حد ضروری ہے۔

اس کے افعال و خواص سمجھنے کے لئے اس کے قبیل کی ادویہ کا ذکر نہایت اہم ہے۔سرخ مرچ زنجبیل کے قبیلے سے ہے۔اس قبیل کی دیگر ادویہ پیاز، تخم پیاز، حنظل، دارچینی، پودینہ، عاقر قرحا، لونگ، جائفل، رائی، تیزپات، فلفل سیاہ، پیلا مولی، اجوائن، بادیان، سوئے، زیرہ اور دھنیا وغیرہ شامل ہیں۔ان میں سب سے زیادہ تیز جمال گوٹہ ہے۔ان کا مزاج گرم خشک ہے اور یہ صفرا پیدا کرتی ہیں۔سوائے مولی اور دھنیا کے باقی جگر کے لئے محرک ہیں۔ان میں فرق مراتب اس طرح سمجھ لیں کہ **جو ادویہ اپنے اندر قبض اور حبس کی تاثیر زیادہ رکھتی ہیں وہ حرارت کم اور ریاح زیادہ پیدا کرتی ہیں۔جیسے پیاز اور حنظل وغیرہ۔جن میں حرارت زیادہ ہو وہ ارواح صالح پیدا کرتی ہیں۔جیسے جائفل اور لونگ وغیرہ اور ان میں جو ادویہ ادرار کی طاقت رکھتی ہیں وہ حرارت کی پیدائش کے ساتھ حرارت کا اخراج کرتی ہیں، جیسے زیرہ سیاہ اور بادیان وغیرہ اور جن ادویہ میں تیزابیت زیادہ ہے وہ سوزش پیدا کرتی ہیں جیسے سرخ مرچ اور رائی وغیرہ۔** اللہ تعالیٰ کی اس فیاضی کو نظر انداز نہیں کرنا چاہئے گویا ان میں قابض بھی ہیں اور مسہل بھی، مقوی بھی ہیں اور محرک بھی، مدر بھی ہیں اور حابس بھی، خراش بھی ہیں اور دافع سوزش بھی، حرارت کو پیدا کرنے والی اور حرارت کا اخراج کرنے والی بھی ہیں، گرم بھی ہیں اور سرد بھی جیسے دھنیا اور مولی وغیرہ۔

اس طرق کا نام ہے خواص الاشیاء کا جاننا۔جو اطباء خواص الاشیاء کو اس طرح جانتے ہیں ان کے لئے ہر دوا اکسیر اور مجرب بن جاتی ہے۔ہم نے ہر دوا کو اس انداز سے بیان کیا ہے کہ صحیح معنوں میں اس کے خواص ذہن نشین ہو جائیں۔

مرچ کے مرکبات

حسب ضرورت مزاج، درجات اور اعضاء کے مطابق جس قدر چاہیں مرکبات تیار کر سکتے ہیں۔چونکہ ہر طبیب مرکبات ترتیب دینے کی اہلیت نہیں رکھتا اس لئے چند ضروری مرکبات درج ذیل ہیں:

(۱) اکسیر ہیضہ: سرخ مرچ اور رائی دونوں ہم وزن پیس کر گولیاں تیار کر لیں۔ہر دس پندرہ منٹ کے بعد ایک گولی گرم پانی سے کھلا دیں۔تین چار خوراکوں میں آرام آجائے گا۔

(۲) تریاق دمہ بلغمی: سرخ مرچ، شحم حنظل ہم وزن گولیاں بقدر نخود بنالیں۔ایک ایک گولی ہر تین چار گھنٹے بعد کھلائیں۔

نوٹ: اوپر کی دونوں ادویات بے حد مقوی عضلات مولد صفرا اور منقی دل بھی ہیں۔بے حد ہاضم، دافع ریاح شکم و امعاء اور مصفی خون ہیں۔پہلی دوا ملین اور دوسری مسہل اور مدر حیض بھی ہے۔

(۳) مقوی بدن اور مؤلد خون: مرچ سرخ ایک حصہ منقی سات حصے گولیاں بقدر جنگلی بیر بنالیں۔دن میں ایک ایک گولی چار بار چبا کر کھالیا کریں۔چند دنوں میں حیرت انگیز طاقت محسوس ہوگی۔

(۴) روغن سرخ مرچ: جس طریقے سے چاہیں نکال لیں مندرجہ بالا امراض میں بے حد مفید ہے۔

(۵) اکسیر مصفی: سرخ مرچ اور شنگرف ہم وزن منقی میں گولیاں بنالیں۔بہترین مصفی خون ہونے کے علاوہ ہر قسم کی آتشک کے لئے اکسیر ہے۔جذام تک کے لئے مفید ہے۔پرانے زخموں کو چند دنوں میں اچھا کر دیتی ہے۔

(۶) مقوی باہ: سم الفار ایک حصہ، سرخ مرچ بارہ حصے، رائی بارہ حصے، گولیاں بقدر نخود تیار کریں۔ایک ایک گولی دن میں تین مرتبہ

استعمال کریں۔ بے حد مقوی باہ، ہاضم، مقوی بدن، دمہ رطب اور اکثر پرانے امراض جیسے وجع المفاصل کے لئے بے حد مفید ہے۔

کیمیاوی اثرات:

کیمیاوی طور پر اس میں سلفر کے اجزاء پائے جاتے ہیں۔ اس لئے اس میں پارہ شنگرف، نیلا تھوتھا، سنکھیا، بارہ سنگھا اور سنکھ آسانی سے کشتہ ہو جاتے ہیں۔

ہلدی کے افعال واثرات

ایک مشہور کہاوت ہے کہ چوہے کو ملی ہلدی کی گانٹھ وہ بن گیا پنساری۔ اس کہاوت میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ پنساری کی دکان میں اہم شے صرف ہلدی ہی ہے، کیوں نہ ہو۔ غذا، دوا اور صنعت وحرفت تینوں قسم کی ضروریات پوری کرتی ہے۔ اسی طرح ایک دوسری کہاوت ہے کہ ہلدی لگے نہ پھٹکڑی اور رنگ آئے چوکھا۔ گویا ہماری روزانہ زندگی میں ہلدی ہی ایک واحد شے ہے جو رنگنے کے کام آتی ہے۔ مثلاً ہانڈی میں مفید ہونے کے ساتھ ساتھ اس کو خوش رنگ بھی بنا دیتی ہے۔ اسی طرح کپڑے وغیرہ رنگنا ایک معمولی بات معلوم ہوتی ہے۔ خاص طور پر گرمیوں میں جب آشوب چشم کی تکلیف ہوتی ہے تو ہلدی میں کپڑا رنگ کر سر پر ڈال لیتے ہیں تا کہ دھوپ کی تپش سے آنکھوں کو سکون پہنچے اور ضرورت کے مطابق اسی کپڑے سے آنکھ بھی پونچھ لی جائے۔ اسی طرح ابٹن کو اس سے رنگتے ہیں۔ خاص طور پر شادی بیاہ کے موقع پر دولہا اور دولہن دونوں کو اس سے تیار شدہ ابٹن مل کر نہلاتے ہیں۔ اس سے ایک تو جلد خوبصورت ہو جاتی ہے۔ دوسرے رنگت میں ہلکا پیلا پن پیدا ہو کر حسن کو دوبالا کر دیتا ہے۔ گویا روزانہ زندگی میں بھی اس کی اہمیت مسلمہ ہے۔ لیکن افسوس اس کی اہمیت سے صرف عوام ہی نہیں بلکہ اکثر اطباء بھی بے خبر ہیں اور اس کو ایک ایسی دوا خیال کرتے ہیں جو صرف غذا میں استعمال کی جا سکتی ہے یا اس سے رنگنے کا کام لیا جا سکتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اکثر لوگ ہلدی کے متعلق اتنا ہی جانتے ہیں کہ اس کو ہانڈی یا چاولوں کو رنگ دینے کے لئے ڈالتے ہیں لیکن آج کل اس کا استعمال بھی کم ہو رہا ہے۔ صرف سرخ مرچ سے ہی کام نکال لیا جاتا ہے، البتہ خاندانی رؤسا کے ہاں اس کی جگہ زعفران استعمال ہوتا ہے جو رنگ کے ساتھ خوشبو اور تقویت بھی دیتا ہے۔ اس کے علاوہ دکھتی آنکھ کی حفاظت کے لئے کپڑا رنگنے اور عورتوں کے ابٹن میں استعمال ہوتی تھی مگر جب سے رنگ دار چشموں اور کریموں کا رواج ہو گیا ہے ہلدی کا یہ استعمال بھی ختم ہوتا جاتا ہے لیکن مغرب پرست لڑکیوں کو اس امر کا بالکل علم نہیں کہ ہلدی کے ابٹن کا مقابلہ کوئی کریم یا پاؤڈر نہیں کر سکتا کیونکہ اچھی سے اچھی کریم اور عمدہ سے عمدہ پاؤڈر جتنی بھی احتیاط سے لگائیں چند دنوں میں چہرہ بگاڑ کر رکھ دیتے ہیں۔ مگر اس کے مقابلے میں ہلدی کا ابٹن نہ صرف منہ کو صاف کرتا ہے بلکہ منہ کے داغ چھائیاں، دانے دور کرنے کے ساتھ ساتھ چہرے کو ایک ہلکے زعفرانی رنگ میں رنگ دیتا ہے اور پھر طرہ یہ ہے کہ اس میں بالکل نقصان کا احتمال نہیں ہے۔ یہ اس لئے کہ ہر کریم اور پوڈر اس وقت تک مکمل نہیں ہوتا جب تک اس میں کیلشیم کا کوئی جز نہ ڈالا جائے جو چہرے کے مسامات بند کر کے مواد کے اخراج کو روک دیتا ہے۔ ہلدی میں سلفر کا جز ہوتا ہے جو سوزش کو رفع کرنے، خون کو صاف کرنے اور جلد کو نرم کرنے کی اپنے اندر زبردست طاقت رکھتی ہے۔ خاص بات یہ ہے کہ سلفر جلدی امراض کے لئے اکسیر تسلیم کی گئی ہے۔

ہانڈی کے استعمال میں اس کو زبردست اہمیت حاصل ہے اور حقیقت یہ ہے کہ ہانڈی میں گھی کے بعد ایک ہی چیز ہے جو ہانڈی کی

اصلاح کرتی ہے وہ ہلدی ہے یعنی اگر ہانڈی میں تمام چیزیں مثلاً گوشت، بریاں، والیں، لہسن، پیاز، نمک مرچ اور دیگر گرم مصالے اور پھر آگ کی گرمی تمام کی تمام پیٹ میں سوزش اور جلن پیدا کرنے والی ہیں مگر گھی اور ہلدی ایسی چیزیں ہیں جو اس سوزش اور جلن کو رفع کرتی ہیں اور جن لوگوں کے ہاں ہانڈی میں گھی اور مکھن کے بجائے تیل پڑتا ہے اس ہانڈی کی حدت اور گرمی کا اندازہ کچھ وہی لوگ لگا سکتے ہیں جنہوں نے پہلے کبھی تیل کی ہانڈی نہ کھائی ہو۔ اگر تیل کی ہانڈی میں بھی ہلدی کافی ڈال دی جائے تو اس کا ضرر بھی بہت کم ہو جاتا ہے۔

ہلدی کے استعمال کو سمجھنے کے لئے اپنے جسم کے پھوڑے، یا سوجن کا تصور کریں جو کبھی آپ کو ہوئی ہو۔ اس کی تکلیف از حد بے چین کر دیتی ہے۔ اس بے چینی میں کافور کے تیل سے بھی اس قدر ٹھنڈک حاصل نہیں ہوتی جس قدر گرم پانی کی ٹکور سے ہوتی ہے اور ان کا یقینی علاج برف کے پانی کی ٹکور نہیں بلکہ گرم پانی کی ٹکور ہے۔ یہ صرف اس لئے کہ کوئی بھی سوزش خالص حرارت یا رطوبت یا روغنیت کے بغیر رفع نہیں ہوتی۔ خالص حرارت گندھک میں ہے باقی دو چیزیں گرم پانی اور گھی ہیں۔ جب بھی جسم میں کہیں پھوڑے ورم یا سوزش ہو تو اس قسم کے علاج کے سوا دُنیا بھر میں اور کوئی علاج مفید نہیں ہے۔ ہلدی میں گندھک کی ایک خاص مقدار اور طاقت ہے۔ اس اصول کے مطابق جب بھی جسم کے اندر یا باہر کہیں بھی پھوڑے، پھنسیاں، دانے، ورم، سوزش اور جلن ہو تو ہلدی کا اندرونی اور بیرونی استعمال ہی فوراً تکلیف کو رفع کرنا شروع کر دیتا ہے۔ جب سے گندھک کے خواص سائنٹفک تسلیم کئے گئے ہیں ہلدی کے اثرات بھی گندھک کے اثر کی وجہ سے مصدقہ ہو گئے ہیں۔ پھر ہلدی میں یہ خوبی ہے کہ اس کو غذا کے ہمراہ استعمال کر سکتے ہیں مگر گندھک کو بغیر دوا کے استعمال نہیں کر سکتے۔ سر سے لے کر پاؤں تک ہر قسم کی سوزش میں اکسیر کا کام کرتی ہے مثلاً سوزشی نزلہ زکام، جلن، پیشاب کا زیادہ آنا، جگر آنتوں اور مقعد کی جلن اور سوزش اس کے استعمال سے فوراً دور ہو جاتی ہے۔ جن لوگوں کو اس قسم کی کوئی تکلیف ہو وہ ہلدی کا استعمال زیادہ کریں اور اس کو گندھک کا ایک اچھا بدل خیال کریں۔ از حد مصفی خون بھی ہے اس لئے اس کو ہانڈی کے علاوہ روغن میں ملا کر یا جلا کر، پلٹس بنا کر، پانی میں گھول کر، لیپ بنا کر، مرہم بنا کر اور خشک پانی یا دودھ کے ہمراہ استعمال کر سکتے ہیں۔ لیکن صحت کی حالت میں بغیر ضرورت استعمال نہیں کریں کیونکہ اس کے کثرت استعمال سے جسم میں کمزوری، ضعف قلب، صفراء کی زیادتی، بھوک کی کمی اور جسم ڈھیلا اور نرم ہو جاتا ہے۔

ہلدی کے استعمال میں اس امر کو ہمیشہ مدنظر رکھیں کہ یہ اپنے اندر گندھک کے خواص رکھتی ہے مگر اس میں اور گندھک میں جو فرق ہے وہ یہ ہے کہ گندھک حابس ہے، ہلدی حابس نہیں ہے۔ گویا نباتاتی گندھک ہے۔ جسم میں حرارت پیدا کرتی ہے اور ہر قسم کی اندرونی اور بیرونی سوزش کے لئے اکسیر ہے۔ اس میں تیزابیت نام کو نہیں ہے بلکہ خود دافع تیزابیت ہے۔ جسم میں سے ترشی کو ختم کرنے کے لئے اوّل نمبر کی دوا ہے۔ جسم کے اندر سے سوزاکی مادہ جس کو سائیکوسس کہنا چاہئے اس سے دور ہو جاتا ہے۔ اس قبیل کی دیگر ادویہ جو اس کے ہمراہ یا اس کی مدد کے لئے استعمال کی جاسکتی ہیں۔ ان میں ملٹھی، روغن زیتون، گھی، شہد، بادیان، نیم، بکائین اور ریسونت وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

ہلدی کے مرکبات

ویسے تو ہلدی کے بے شمار مرکبات ہیں لیکن مندرجہ ذیل مرکبات اپنی افادیت کے اعتبار سے خاص اہمیت رکھتے ہیں:

(۱) **سفوف ہلدی:** ہلدی ایک چھٹانک، ملٹھی ایک چھٹانک، بادیان ایک چھٹانک، سفوف تیار کر لیں۔ خوراک ایک ماشہ سے تین ماشہ، افعال و اثرات غدی اعصابی ہیں۔ خواص پرانا نزلہ زکام اور کھانسی بخار، پرانی بدہضمی پیٹ و امعاء کے ہضم، محرقہ بخار، ترشی معدہ اور ترشی

ڈکار، پرانی پیچش، سوزاک پرانا اور نیا، پیٹ وامعاء اور مثانہ کے زخم وغیرہ بیرونی طور پر زخم پر چھڑک سکتے ہیں۔ باریک سرمہ بنا کر آنکھوں میں لگا سکتے ہیں بطور نسوار ناک میں لے سکتے ہیں۔

(۲) حب ھلدی: ہلدی ایک حصہ، صابن دیسی عمدہ ایک حصہ دونوں کو کوٹ کر گولیاں بنالیں۔ خوراک ایک گولی سے تین گولی تک۔ افعال و اثرات غدی ملین ہیں۔ اسی طرح شہد میں بھی گولیاں بنا سکتے ہیں مگر اثر میں کچھ کمی ہوگی۔ خواص مندرجہ بالا امراض کے علاوہ اثرات میں تیزی رکھتا ہے۔

(۳) دوائے ھلدی ملین: ہلدی اور خمیرہ بنفشہ دونوں ہم وزن ملالیں۔ اسی طرح شہد میں بھی تیار کر سکتے ہیں، لیکن اثر میں زیادہ تیزی نہیں ہوگی۔ خوراک دو ماشہ سے چھ ماشہ تک۔ غدی ملین حار خواص مندرجہ بالا امراض میں زیادہ ملین اور اثرات میں زیادہ تیز ہوگی۔

(۴) روغن ھلدی: سفوف ہلدی ایک چھٹانک، پانی آدھ سیر، روغن زیتون ایک چھٹانک۔ تینوں کو آگ پر رکھ کر پکائیں۔ جب پانی جل جائے تو روغن چھان لیں۔ خوراک ایک ماشہ سے تین ماشہ تک اندرونی بیرونی طور پر استعمال کریں۔ غدی ملین شدید ہے۔

(۵) اکسیر ھلدی: ہلدی تین حصے، ریٹھہ ایک حصہ۔ گولیاں بقدر نخود بنائیں۔ خوراک ایک گولی سے تین گولی تک افعال و اثرات محرک اعصابی حار۔ خواص و اثرات مندرجہ بالا امراض میں اکسیر ہے۔

(۶) تریاق اصفر: ہلدی سفوف نو حصے اور شیر عشرہ تازہ ایک حصہ۔ دونوں کو اس قدر رگڑیں کہ گولیاں بقدر دانہ مونگ بن جائیں۔ خوراک ایک گولی سے تین گولی تک۔ محرک اعصابی، حار شدید۔

خواص و اثرات: مندرجہ بالا امراض کے علاوہ جسم کے کسی حصہ سے خون آتا ہو فوراً چند خوراکیں بند کر دیتی ہیں۔ پھیپھڑوں اور ہر قسم کے اندرونی زخموں کے لئے مفید ہے۔ تپ دق کے لئے شرطیہ دوا ہے۔ ہم چیلنج کرتے ہیں کہ اس سے بہتر نسخہ دق کے لئے پیش کرنا ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ یہ ہمارا بیس سال کا تجربہ ہے۔

(۷) سرمہ ھلدی: ہلدی سفوف اور سرمہ سیاہ ہم وزن ملا کر باریک سرمہ بنالیں۔

خواص و اثرات: سوزاکی مریض کی آنکھ اور آنکھ کے سوزشی امراض میں بے مثل سرمہ ہے۔ یہ خوراکی طور پر بھی دیا جا سکتا ہے۔

خوراک: دو چاول سے دورتی تک۔

افعال و اثرات: محرک اعصابی حار۔

نوٹ: ہلدی ترشی کے خراب زہریلے اثرات کو دور کرنے کے لئے ایک خاص دوا ہے اور اس کے ساتھ ہی جسم میں صحیح قسم کی حرارت پیدا کرتی ہے۔

ادرک

عربی میں زنجبیل (رطب) زنجبیل حابس کو سونٹھ کہتے ہیں۔ یہ ایک قسم کی مشہور جڑیں ہیں۔ یہ پاکستان اور ہندوستان کے علاوہ دیگر ممالک میں بھی پائی جاتی ہیں۔

رنگت اور ذائقہ: اس کی رنگت زرد مٹیالی (خاکستری) ہوتی ہے اور ذائقہ چرپرا ہوتا ہے۔

افعال و اثرات: غدی اعصابی، غدد میں تحریک، عضلات میں تحلیل اور اعصاب میں تسکین، کیمیاوی طور پر خون میں صفرا اور حرارت پیدا

ہوتی ہے۔

خواص: محرک اور مقوی جگر اور گردے، محلل غذا اور سوزش عضلات مسکن اعصاب و دماغ، مولد صفرا، مخرج صفرا، مقوی باہ، مولد حرارت غریزی، مہبالی، مشتہی، محلل اورام کاسر ریاح، مدر حار، قاتل کرم اور دافع تعفن اور مقوی جسم ہے۔

فوائد: اس کا رنگ اجوائن کے رنگ کے ساتھ ملتا جلتا ہے اور خواص بھی تقریباً اس کے ساتھ ملتے ہیں مگر اس میں ایک رطوبت فضلیہ ہوتی ہے جس سے اس میں حس ٹوٹ جاتا ہے جو اجوائن میں پایا جاتا ہے۔ یہ صفرا کو پیدا کرتی ہے اور خارج بھی کرتی ہے۔ اجوائن کی طرح اس کا فرق دیگر چرپری ادویات کے ساتھ بھی کر لینا چاہئے۔

میری رائے میں اس کا مزاج تمام چرپری دواؤں کے مقابلے میں مختلف ہے یعنی ایک طرف عضلاتی غدی چرپری ادویہ جن میں سرخ مرچ اور جمال گوٹہ تک شریک ہیں۔ دوسری طرف غدی اعصابی ادویہ جن میں سیاہ مرچ اور زیرہ سیاہ تک شریک ہیں جو اوّل الذکر کے مقابلے میں بہت لطیف ہیں۔

قرآن کریم میں اس کے متعلق آیا ہے: ﴿ كَانَ مِزَاجُهَا زَنجَبِيلًا ﴾ جنت کے ایک چشمے کا ذکر آتا ہے جس کا مزاج اور میلان زنجبیلی ہوگا۔ گویا اس میں ایک قسم کا چرپرا پن ہوگا اور دیگر ہر قسم کی چرپری ادویہ بھی اس کے تحت آ جاتی ہیں جن میں خاص طور پر سرخ مرچ، پیاز، لہسن، دارچینی، لونگ، ہری مرچ، ٹماٹر، مرچ سیاہ، زیرہ سیاہ، زیرہ سفید اور دھنیا خشک وغیرہ یہ سب ادویہ مزاجوں کی کمی بیشی کے ساتھ چرپرے ذائقے میں شریک ہیں۔

استعمال: جسم انسان میں جہاں تک حرارت کی پیدائش کا تعلق جگر کے ساتھ ہے اور حرارت ہی جسم میں ہضم و تحلیل غذا اور صحت و نشو و ارتقاء کا کام کرتی ہے اس لئے جو ادویہ جسم میں حرارت پیدا کرتی ہیں۔ ان میں ادرک اوّل نمبر پر معتدل پیدائش حرارت دوا ہے۔ اس سے جگر اور غدد کے افعال تیز ہو جاتے ہیں۔ حرارت کی پیدائش بڑھ جاتی ہے۔ عضلات کی سوزش ختم ہو کر اس میں گرمی پیدا ہونا شروع ہو جاتی ہے۔ دِل پوری طاقت سے کام کرتا ہے۔ اعصاب میں تقویت آنا شروع ہو جاتی ہے جس کے ساتھ دماغ میں ذہن اور حافظہ بڑھ جاتا ہے۔

ادرک چونکہ محرک غدد ہے اور وہاں پر انقباض پیدا کرتا ہے جس سے اس میں تیزی آنا شروع ہو جاتی ہے اور طاقت بڑھنا شروع ہو جاتی ہے اسی وجہ سے مقوی و مبہی ہے۔

غلط فہمی: بعض اطباء نے لکھا ہے کہ چونکہ ادرک میں رطوبت فضلیہ ہوتی ہے اس لئے یہ کسی حد تک ریاح بھی پیدا کرتی ہے۔ یہ خیال بالکل غلط ہے جو دوا یا غذا حرارت یا صفرا پیدا کرتی ہے وہ ریاح ہرگز پیدا نہیں کر سکتی۔ چاہے اس میں کتنی بھی رطوبت فضلیہ کیوں نہ پائی جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہر وہ دوا جو کسی عضو کے لئے موزوں ہے جب اس میں تحریک پیدا کرتی ہے تو وہ تحریک انقباض کے بغیر نہیں ہو سکتی۔ وہ انقباض سے پیدا ہوتا ہے۔ اس دوا کے ذمہ لگایا جاتا ہے۔

یاد رکھیں کہ ادرک بہت ہی زبردست کاسر ریاح ہے۔ دافع ترشی ہے اور ملین ہے۔ اسی وجہ سے ریاح شکم، درد شکم اور درد سینہ میں بے حد مفید ہے۔ اس مقصد کے لئے بیرونی طور پر تیل میں ملا کر یا بغیر تیل کے خشک ادرک کا مقام درد پر مالش کرنے سے آرام ہو جاتا ہے چونکہ ادرک محرک غدد ہے اس لئے ادرار بول اور اخراج پتھری کے لئے بے حد مفید ہے چونکہ دافع ترشی ہے اس لئے نقرس میں بھی بے حد مفید ہے۔ اس کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ اس کے استعمال سے جسم میں رفتہ رفتہ حرارت اس قدر بڑھ جاتی ہے کہ آنکھوں میں طاقت پیدا ہو جاتی ہے اور بینائی بڑھ جاتی ہے۔

اجوائن دیسی

عربی میں کمون ملوکی، فارسی میں نانخواہ، سنسکرت میں یوانکا، انگریزی میں بشپلی ویڈ کہتے ہیں۔ اس کا پودا چار فٹ کے قریب اونچا ہوتا ہے۔ پتے چھوٹے، بو کدار، پھول سفید اور چوڑے ہوتے ہیں جن میں چھتوں کی شکل کے خوشے لگتے ہیں۔ جب یہ خوشے پک جاتے ہیں تو انہیں کوٹ کر اجوائن نکال لی جاتی ہے۔ اجوائن کے دانے چھوٹے چھوٹے ہوتے ہیں۔

مقام پیدائش: پاک و ہند، ایران اور مصر میں پیدا ہوتی ہے۔

رنگت اور ذائقہ: رنگ زردی مائل بھورا، ذائقہ چرپرا۔

مزاج: گرم خشک تیسرے درجہ میں۔

افعال و اثرات: غدی عضلاتی یعنی غدد میں تحریک، عضلات میں تحلیل اور اعصاب میں تسکین کیمیاوی طور پر خون میں صفرا اور حرارت پیدا کرتی ہے۔ مقوی روح و حواس اور محرک نفس ہے۔

خواص: مسمن جگر، محلل قلب، مسکن دماغ، مجفف، مفتح سدد، جالی، مشتہی، کاسر ریاح، مدر حار، قاتل اور مخرج کرم، دافع تشنج اور تعفن، مسکن الم وسوزش اور تریاق سموم، زیادہ مقدار میں ملین۔

فوائد: درد شکم اور ریاح کے لئے بے حد مفید دوا ہے۔ برودت جگر اور کلیہ کے لئے یقینی دوا ہے اور جسم کے ہر قسم کے سدے کھولتا ہے۔ عام طور پر سدوں کے متعلق یہ تصور ہے کہ آنتوں میں سدے ہوتے ہیں لیکن سدوں کی حقیقت سے طبی دنیا اور فرنگی طب ناواقف ہیں۔

جاننا چاہئے کہ جب غدد میں تسکین ہوتی ہے تو وہاں پر بلغم اور رطوبت غلیظ ہو کر اخراج بند ہو جاتا ہے جس سے ان اعضا میں مواد رک کر سدے بن جاتے ہیں۔ یہی صورتیں شریانوں کے غدد میں بھی پیدا ہو کر اس میں سدے پیدا ہو جاتے ہیں جس سے امراض قلب پیدا ہو جاتے ہیں اور گردوں کے سدوں کی صورت میں خون کا دباؤ (بلڈ پریشر) بڑھ جاتا ہے۔ اجوائن ان ہر قسم کے سدوں کو کھولتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ریاح و پتھری اور صلابت جگر و طحال اور گردوں کو دور کرتی ہے۔ محلل عضلات ہے، پسینہ لاتی ہے، ہر قسم کے بخار دور کر دیتی ہے اور اس سے جلد کے دانے اور خارش دور ہو جاتی ہے۔ جسم کو گرم کرتی ہے۔ جب جلد کے قریب سدے بن کر وہاں پر خون منجمد ہو کر بہق و برص پیدا ہو جاتے ہیں ان کے لئے بے حد مفید ہے۔ معدہ و امعاء کے غدد اور جگر و گردوں سے رطوبات کا اخراج کر کے بھوک بڑھا دیتی ہے اور ان کے لئے مسکن اور مجفف بھی ہے اور محلل اورام بھی ہے۔ کثرت استعمال سے ضعف قلب ہو جاتا ہے۔ محلل عضلات ہے۔ دودھ اور منی کی پیدائش کو کم کر دیتی ہے۔ غدی محرک ہونے کی وجہ سے ادرار بول حارہ اور مدر حیض ہے۔ سردی کے عسر البول میں بے حد مفید ہے چونکہ غدد کے فعل میں تیزی پیدا کر کے صفراء کی پیدائش بڑھاتی ہے اس لئے دافع تعفن اور قاتل کرم ہے۔ تشنجی امراض خصوصاً تشنجی کھانسی کے لئے مفید ہے۔ اس کے اندر ایک قسم کا روغن ہوتا ہے جو انتہائی مسکن اعصاب ہے۔ یہ افیون کے مضر اور زہریلے اثرات کو بہت جلد دور کر دیتی ہے۔ بیرونی طور پر اس کا تیل یا اجوائن کا لیپ، درد، سوزش، زنبور اور عقرب گزیدہ کے لئے سکون پیدا کر دیتا ہے اور زخموں کے تعفن کو روک دیتا ہے۔ اس سے ایک قسم کا ست بنایا جاتا ہے جو اکثر یورپ و امریکہ سے آتا ہے۔ اس کو کسی روغن میں ملا کر تیل بنا لیا جاتا ہے لیکن اس کے لئے روغن غدی عضلاتی ہوتا ہے۔ اسی قسم کے روغنوں کا نام امرت دھارا اور آب حیات رکھ دیا گیا ہے۔ یاد رکھیں کہ اجوائن دیسی ایک بھروسہ کی دوا ہے۔

املی

عربی اور فارسی میں تمر ہندی، بنگالی میں املی، سندھی میں گدامڑی اور انگریزی میں ٹمے رنڈس انڈیکا کہتے ہیں۔املی کا درخت بہت بڑا اور سدا بہار ہوتا ہے۔اس کا چھلکا سیاہ اور کھردرا ہوتا ہے۔ پتیاں سرس کی پتیوں کی طرح ٹہنی پر آمنے سامنے لگتی ہیں اور ایک ڈنڈی پر دس سے پندرہ جوڑے تک پتیوں کے لگتے ہیں۔اس کے پھول گرمیوں میں نکلتے ہیں اس کی پھلیاں تین سے چھ انچ تک لمبی اور ابتدا میں کیکر کی پھلیوں کے مشابہ ہوتی ہیں پکنے کے بعد بادامی رنگ کی ہو جاتی ہے۔پھلی کا چھلکا پتلا اور سخت ہوتا ہے۔ ہر پھلی کے اندر چار سے بارہ تک بیج ہوتے ہیں۔ان بیجوں کے چاروں طرف ترش اور رس دار گودا ہوتا ہے۔یہی گودا زیادہ تر ادویات میں مستعمل ہوتا ہے۔اس کے علاوہ اس کے تخم بھی ادویہ میں استعمال ہوتا ہے۔املی دوا اور غذا میں کثرت سے استعمال کی جاتی ہے۔اکثر شربتوں اور لیمن وغیرہ کی بوتلوں میں اس کا ست استعمال ہوتا ہے جس کو ٹاٹرک ایسڈ کہتے ہیں۔اس کے تخم میں قلیل مقدار میں ایک روغن بھی پایا جاتا ہے۔

مقام پیدائش: سلیمان بن حسان نے کہا ہے کہ املی یمن، ہندوستان اور سوڈان میں بھی پیدا ہوتی ہے۔ بصرہ میں بھی پائی جاتی ہے۔ پاکستان میں بھی کہیں کہیں پیدا ہوتی ہے، لیکن پنجاب کی آب وہوا اس کے موافق نہیں۔

رنگت اور ذائقہ: رنگت سرخ سیاہی مائل اور خام حالت میں سبز ہوتی ہے۔اس کے تخم بھی سیاہی مائل سرخ ہوتے ہیں۔ذائقہ ترش ہوتا ہے۔

مزاج: سرد درجہ اوّل اور خشک درجہ دوم میں ہوتا ہے۔مقدار خوراک دو تولہ سے پانچ تولہ تک۔

افعال و اثرات: عضلاتی اعصابی یعنی عضلاتی محرک۔اعصابی محلل اور غدی مسکن ہے۔خون میں کیمیاوی طور پر ترشی پیدا ہو جاتی ہے اور اخلاط میں طبعی اور خالص سودا کی پیدائش بڑھ جاتی ہے۔تخم املی کے بھی یہی اثرات ہیں۔

خواص: مولد سودا، دافع قے، مسہل بلغم، مقوی قلب اور معدہ وامعاء، مغلظ بلغم، مقوی خون ودافع بخار بلغمی اور دافع پیاس ہے۔

فوائد: ترشی جسم وخون کا ایک اہم اور مؤثر جزو ہے بلکہ زندگی اور کائنات کا ایک لازمی عنصر ہے۔گویا اس کے بغیر نہ صرف جسم وخون بلکہ زندگی اور کائنات نامکمل ہیں۔جاننا چاہئے کہ اس کائنات اور زندگی میں جس قدر بھی اشیا ہیں چاہے وہ مادہ شکل میں غذا و دوا اور زہر ہوں یا محلول اور ہوا کی صورت میں پائی جائیں۔ وہ سب تین حالتوں، تین ذائقوں اور تین رنگوں میں پائی جاتی ہیں۔ یہ تین حالتیں (۱) کھار (۲) ترشی (۳) نمک ہیں۔نمک بھی دراصل کھار اور ترشی کا مرکب ہے اور ترشی بھی کھار میں خمیر کے بعد پیدا ہوتی ہے۔کھار کا رنگ سفید آسمانی، ترشی کا رنگ سرخ اور نمک کا رنگ زرد تحقیق کیا گیا ہے۔**یعنی جب خون میں کھاری پن زیادہ ہو تو قارورہ سفیدی مائل ہوتا ہے۔ جب ترشی زیادہ ہو تو سرخ ہوتا ہے اور جب خون میں نمک کے اثرات زیادہ ہوں تو قارورہ کا رنگ زرد ہوتا ہے۔**

ترشی دو قسم کی ہوتی ہے اوّل سرد خشک جیسے املی، انار ترش اور سرکہ وغیرہ جن کو ہم عضلاتی اعصابی کہتے ہیں۔دوم مزاج گرم خشک جیسے کوئی اچار انگور اور تیزاب گندھک وغیرہ جن کو عضلاتی غدی کہتے ہیں۔ترشی کے موثر جز کو ماڈرن میڈیکل سائنس میں وٹامن سی کہتے ہیں لیکن ہم نے اس کے جن دو اقسام کی تحقیق کی ہے وہ اس تحقیقات اور ان کے افعال واثرات کے فرق سے بے خبر ہے۔

جاننا چاہئے کہ ترشی کے افعال واثرات میں بڑی غلط فہمیاں ہیں۔ ہر طبی کتب نے یہ غلطیاں کی ہیں اور یہاں تک کہ جناب حکیم کبیر الدین نے علم الادویہ نفیسی کے ترجمہ میں بھی یہ غلطی کی ہے کہ املی مسہل صفرا ہے۔ جو کسی طرح بھی صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ جب طب کا یہ

قانون ہے کہ ترشی کا مزاج سرد خشک ہے اور سرد خشک اشیاء سودا پیدا کرتی ہیں اور سودا کبھی بھی صفرا کا مسہل نہیں ہوسکتا۔ بلغم کا مسہل تو ہوسکتا ہے کیونکہ غلیظ ہوکر ہی سودا بنتا ہے۔ اگر ہم ترشی کا مزاج گرم خشک بھی قرار دیں جیسا کہ ہم نے تحقیق کیا ہے تو بھی گرم خشک مزاج مولد صفرا ہوتا ہے مسہل صفرا نہیں بن سکتا۔ اس لئے اس غلط فہمی کو ضرور مدنظر رکھیں جو صدیوں سے طبی کتب میں چلی آتی ہیں اس لئے **املی مولد سودا، مغلظ بلغم اور مسہل بلغم ہے۔**

دوسری غلط فہمی املی کے متعلق یہ ہے کہ اس کو مفرح تسلیم کیا گیا ہے۔ کیفیت مفرح کے متعلق ہم بار ہا لکھ چکے ہیں کہ جب تک کوئی دوا یا غذا دِل اور عضلات میں تسکین پیدا نہ کرے اس وقت تک وہ مفرح نہیں بن سکتی۔ املی محرک عضلات اور قلب ہے اور ترشی کے مسلسل استعمال سے قلب اور عضلات میں سوزش پیدا ہوکر گھبراہٹ اور بے چینی پیدا ہوجاتی ہے۔ اس لئے املی کو مفرح کہنا غلط ہے۔

تیسری غلط فہمی یہ ہے کہ اس کو صفراوی بخاروں کے لئے مفید لکھا گیا ہے۔ جب یہ سودا کی پیدائش بڑھاتی ہے اور بلغم کا اخراج اور اس کو غلیظ کرتی ہے تو صفراوی بخاروں کے لئے کیسے مفید ہوسکتی ہے۔ البتہ بلغمی بخاروں کے لئے ضرور مفید ثابت ہوتی ہے۔

چوتھی غلط فہمی یہ ہے کہ املی پیاس کو تسکین دیتی ہے۔ یہ اس لئے کہ اس کو قاطع صفرا تسلیم کیا گیا ہے لیکن یہ حقیقت ہم لکھ چکے ہیں کہ املی کا قاطع اور مخرج صفراء سے کوئی تعلق نہیں ہے **جہاں تک پیاس کا تعلق ہے وہ بھی کبھی صفرا سے نہیں ہوتی بلکہ بلغم کی تیزی (اعصابی عضلاتی) سے لگتی ہے۔ دوسرے الفاظ میں جب جسم میں کھاری پن بڑھ جاتا ہے تو پیاس میں شدت پیدا ہوجاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ برف کے استعمال سے پیاس بڑھ جاتی ہے۔** اس کا علاج سوزش اعصاب کو ختم کرنا ہے جو ترشی (طبعی سودا) سے ختم ہوجاتی ہے جس کو ہم عضلاتی اعصابی کہتے ہیں جو ترشی اور املی کا مزاج ہے۔ اس سے دوران خون اعصاب و دماغ میں تیز ہوجاتا ہے۔ جہاں پر تحلیل ہوکر سوزش اعصاب ختم ہوجاتی ہے اور پیاس بجھ جاتی ہے۔ یہی پیاس کا راز اور علاج ہے۔ عضلاتی محرک ہونے کی وجہ سے مقوی معدہ اور مخرج بلغم ہے۔

اسی طرح یہ امر بھی ذہن نشین کرلیں کہ قے بھی جسم میں کھاری اثرات بڑھ جانے کی وجہ سے آتی ہے۔ اس کا باعث بھی بلغم کا بڑھ جانا ہے جس کو ہم اعصابی عضلاتی تحریک کہتے ہیں۔ اس کا علاج بھی ترشی کے استعمال سے کیا جاسکتا ہے۔ اس لئے املی قے میں مفید ہے۔

تخم املی کے افعال واثرات اور مزاج بھی وہی ہیں جو املی کے ہیں۔ یعنی عضلاتی اعصابی لیکن ترشی نہ ہونے کی وجہ سے وہ اپنے فوائد میں بہت کمزور ہیں۔ البتہ سوختہ کرنے سے ان میں کچھ قوت پیدا ہوجاتی ہے۔ ان کو زیادہ تر جسم میں قبض اور حبس کے لئے استعمال کرتے ہیں۔

الائچی

عربی میں قاقلہ، فارسی میں ہیل بوا، بنگالی میں ایلاج اور انگریزی میں کارڈمم کہتے ہیں۔ ایک درخت کے پھل ہیں۔ یہ تقریباً ہر علاقہ میں مشہور دوا ہے جو دوا کے علاوہ کثرت سے غذا اور پان میں استعمال کی جاتی ہے بلکہ گرم مصالحہ کا ایک لازمی جزو قرار دیا گیا ہے۔

اقسام: الائچی دو اقسام کی ہوتی ہے۔ ایک قسم چھوٹی الائچی کہلاتی ہے جس کے اوپر کا پوست سفید سبزی مائل اور اس کے اندر سیاہی مائل چھوٹے چھوٹے تخم بھرے ہوتے ہیں جن کا مزہ کسی قدر تلخ وتیز اور خوشبو مرغوب قسم کی ہوتی ہے۔

دوسری قسم کی بڑی الائچی کہلاتی ہے۔اس کا بیرونی پوست سرخ سیاہی مائل ہوتا ہے۔اس کے اندر تخم بھی سیاہی مائل ہوتے ہیں اور مزہ بھی کسی قدر تلخ وتیز اور خوشبو مرغوب ہوتی ہے۔

مقام پیدائش: مالابار، مدورا، میسور، گورک، ٹراونکور (جنوبی ہند)، لنکا، دارجلنگ اور جنوبی نیپال کے علاقے الائچی کی پیدائش کے لئے خاص طور پر مشہور ہیں۔

رنگت اور ذائقہ: چھوٹی الائچی کے چھلکے کا رنگ سفید سبزی مائل اور تخم قدرے سیاہی مائل ہوتے ہیں۔ذائقہ تلخ وتیز اور ٹھنڈا خوشبودار ہوتا ہے۔بڑی الائچی کے چھلکے کا رنگ سرخ سیاہی مائل ہوتا ہے۔ذائقہ تلخ وتیز اور کم خوشبو رکھتی ہے۔

افعال و اثرات: چھوٹی الائچی اعصابی غدی یعنی اعصابی محرک، غدی محلل اور عضلاتی مسکن ہے۔خون میں کیمیاوی طور پر کھاری پن کے ساتھ اس میں رقت اور لطافت پیدا کرتی ہے۔بڑی الائچی اعصابی عضلاتی یعنی اعصابی محرک، غدی محلل اور عضلاتی مسکن ہے۔خون میں شدید قسم کا کھاری پن پیدا کرتی ہے جس سے اس میں شدید رقت اور لطافت پیدا کرتی ہے۔

مزاج: چھوٹی الائچی تو تیسرے درجے میں تر اور گرم پہلے درجے میں بڑی الائچی تر تیسرے درجے میں تر اور سرد پہلے درجے میں پائی جاتی ہے۔یونانی کتب میں چھوٹی الائچی کو گرم دوسرے درجے میں اور خشک بھی دوسرے درجے میں لکھا ہے اور بڑی الائچی کو گرم پہلے درجے میں اور خشک تیسرے درجے میں لکھا ہے لیکن دونوں مزاج غلط ہیں۔

جاننا چاہئے کہ جس دوا میں کھاری پن زیادہ ہو اور ترشی بالکل نہ ہو تو وہ ہمیشہ تر ہوتی ہے۔ جب تری زیادہ ہو تو گرمی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔دوسری دلیل یہ ہے کہ جس دوا کے کھانے سے جسم میں صفرا پیدا نہ ہو اور سودا میں کمی یا خشکی پیدا نہ ہو تو وہ کبھی بھی گرم وخشک نہیں ہوسکتی۔چھوٹی بڑی الائچی کو جس قدر دل چاہے کھالیں مگر ان سے نہ صفرا پیدا ہوگا اور نہ ہی جسم گرم ہوگا بلکہ جسم ٹھنڈا اور پانی پانی ہوجائے گا بلکہ کافور کے افعال واثرات ظاہر ہوتے جائیں گے۔یہی وجہ ہے کہ اکثر یونانی کتب میں کافور کو گرم اور بعض میں معتدل لکھا ہے اور بہت کم میں سرد لکھا گیا ہے۔مزاج میں گرمی وسردی اور تری وخشکی کے ساتھ کھاروترشی اور نمکین ذائقوں کو بھی ضرور مدنظر رکھنا چاہئے۔اس سے مزاج کے تعین میں یقینی صورت پیدا ہوجاتی ہے۔

مقدار خوراک: چھوٹی الائچی نصف ماشہ سے ایک ماشہ تک اور بڑی الائچی ایک ماشہ سے تین ماشے تک۔

خواص: مدرر طوبات، مطیب، لطف، دافع ریاح، ہاضم، مفرح، دافع حرارت وبخار اور مقوی۔

غلط فھمی: طب میں اکثر ادویہ کے خواص سمجھنے میں بہت سی غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں۔اس کی وجہ یہ ہے کہ طب کی اصطلاحات کو صحیح طور پر ذہن نشین نہیں کرایا گیا۔یہی غلط فہمی الائچی کے متعلق بھی ہے۔اس کو ہاضم ومفرح اور مقوی لکھا گیا ہے۔مگر اس کے استعمال میں اکثر غلطیاں کی جاتی ہیں۔اس لئے ہم نے اپنی اکثر کتب میں ان طبی اصطلاحات کی تشریح لکھی ہے۔

ھاضم: عام طور پر یہ غلط فہمی پائی جاتی ہے کہ کتب علم الادویہ میں جن ادویہ کو ہاضم لکھا گیا ہے وہ ہر حیثیت سے بالخاصہ ہاضم ہیں۔ایسا ہرگز نہیں ہے۔کیونکہ ہر دوا کا اپنا ایک مزاج ہے اور اس کے مخصوص افعال ہیں۔وہ اپنے افعال ومزاج کے مطابق اعضاء اور خون پر اثر انداز ہوتے ہیں مثلاً گرم امراض کے لئے سرد ادویہ اور تر کے لئے خشک ادویات ہی مفید ہوسکتی ہیں۔اسی طرح ہاضمے کی خرابی کا تعلق جن اعضاء سے ہے ان کا درست کرنا صحیح علاج ہے۔یہ نہیں ہے کہ کوئی ہاضم چورن جس میں بہتر ادویہ کو نمک سے لے کر ترشی اور کھار تک جمع کرلیا گیا ہو استعمال کرلینے سے ہاضمہ درست ہو، ہاضمہ کا تعلق منہ سے مقعد کی نالی تک ہے۔اس میں معدہ وامعاء جگر وطحال اور لبلبہ وغیرہ شریک ہیں۔ہاضمہ کی ادویات

تجویز کرنے میں مزاج کے ساتھ ہر عضو کی رعایت ضروری ہے۔ پھر کبھی بھی کوئی نسخہ ناکام نہیں ہوتا۔

اس سے بھی اہم بات یہ ہے کہ فرنگی طب کی بے اصولی اور فرنگی ڈاکٹروں کے عطائیانہ علاج نے ہاضم اور مقوی معدہ ادویات کو بغیر مزاج اور اعضاء کو مدنظر رکھے دُنیا بھر میں غلط ادویہ کا ایک سیلاب پھیلا دیا ہے جو بے حد مضر اور ہر روز نئے امراض اور موت کا باعث بن رہا ہے۔ ان میں ٹی بی اور ہارٹ فیلور کو خاص دخل ہے۔ صرف اتنا لکھ دینا کہ فلاں دوا ہاضم ہے اور معدے کے لئے مفید ہے کافی نہیں ہے۔ جبکہ ہاضم کا تعلق صرف معدہ سے ہی نہیں ہے اور معدہ خود مرکب عضو ہے۔ اس میں اعصاب بھی ہیں اور غدد و عضلات بھی ہیں۔ ان سب کے افعال جدا جدا ہیں۔ اس لئے ہضم کی خرابی کی صورتیں بھی مختلف ہیں۔ جب تک ان کو مدنظر نہ رکھا جائے ہاضمہ درست نہیں ہوسکتا۔ فرنگی طب اس علم سے بالکل واقف نہیں ہے۔

مفرح اور مقوی: جب طبی کتب میں مفرح ادویہ اور اغذیہ پر نظر پڑتی ہے جو مفرح قلب کے لئے استعمال کی جاتی ہیں، یہ صحیح ہے کہ مفرح قلب کے لئے ہونی چاہئیں لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ طبی کتب میں اور اطباء کے معمول میں بھی مفرح قلب ادویہ کو مقوی قلب کی صورت دیئے جاتے ہیں یعنی قلب کے فعل میں تیزی پیدا کرنا مقصود ہوتا ہے۔ یہ غلط ہے کیونکہ ہر مفرح دوا اور غذا ہمیشہ مقوی دماغ اور اعصابی ہوتی ہے۔ جس سے قلب کی طرف سے دوران خون اور حدت کم ہو جاتی ہے اور وہاں پر تسکین پیدا ہو جاتی ہے یا اعتدال پیدا ہو کر تقویت پیدا کر دیتی ہے۔ اس لئے کسی مفرح قلب شے کو مقوی قلب سمجھ کر استعمال نہیں کرنا چاہئے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض لوگ تقویت قلب کی خاطر زیادہ سے زیادہ مفرح قلب اشیاء استعمال کرتے ہیں۔ لیکن اس سے فائدہ کی بجائے نقصان زیادہ ہوتا ہے۔

فوائد: الائچی چونکہ محرک اعصاب اور مولد رطوبت ہے اس لئے اس کا ہاضم ہونا اعصابی تحریک اور کمی رطوبات کے تحت ہے اور جن مریضوں کے جسم میں رطوبات کی زیادتی ہوگی تو الائچی کے استعمال سے ان کے ہاضمہ میں زیادہ خرابی ہو جائے گی۔ اسی طرح جن کے جسم میں رطوبات کی زیادتی ہوگی ان کو الائچی کے استعمال سے نہ کوئی فرحت معلوم ہوگی اور نہ ہی مسرت ہوگی بلکہ دِل زیادہ سے زیادہ گھٹتا رہے گا اور پریشانی بڑھ جائے گی۔ دوسرے معنوں میں جن کے جسم میں تیزابیت کی زیادتی ہو ان کو الائچی مفید ہے۔ لیکن جن کے جسم میں کھار کی زیادتی ہو ان کو الائچی کے استعمال سے تکلیف ہوتی ہے۔ انہی اثرات کے تحت یہ مفرح و ہاضم اور دافع خشونت و بودہن ہے۔ اس کے منہ میں رکھتے ہی لعابی غدد فوراً رطوبت پیدا کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ دردشکم اور سوزش معدہ کے لئے بے حد مفید ہے۔ جگر اور گردوں کے ادرار کے لئے اکسیر ہے۔ دافع بخار ہے۔ اس کو مقوی ادویات میں استعمال کرنا مفید نہیں ہے۔

نمکیات خون و جسم

ترشی (ایسڈیٹی)

شاید ہی کوئی ایسا مرض ہو جس میں حکیم اور ڈاکٹر صاحبان ترشی اور کھٹاس کا کھانا بند نہ کر دیتے ہوں، لیکن حیرت کا مقام ہے کہ ترشی سے بڑھ کر دل کو تحریک دینے والی کوئی شے نہیں ہے۔ ترشی کے اس محرک (سٹیمولنٹ) اثر کے مقابلے میں کسی یاقوتی خمیر اور جواہر مہرہ وغیرہ کو پیش نہیں کیا جا سکتا لیکن معالج صاحبان ہیں کہ ضعف قلب میں بھی ترشی کھانی روک دیتے ہیں۔ اس سے بھی زیادہ پرلطف بات یہ ہے کہ بلغمی کھانسی اور بلغمی دمہ میں خاص طور پر جبکہ بلغم غلیظ اور کثیف ہو گیا ہو ترشی سے بہتر کوئی شے نہیں ہو سکتی مگر یہاں پر بھی معالج صاحبان ترشی کے استعمال سے ڈرتے ہیں۔ حیرت تو اس امر پر ہے کہ خواص المفردات میں تقریباً ہر ترش، دوا اور غذا کے تحت لکھا ہے کہ مخرج بلغم ہے۔ اس سے بھی بڑھ کر عجیب بات یہ ہے کہ مخرج بلغم کھانسی کے لئے جو مرکبات تیار کئے جاتے ہیں۔ ان کو چٹنیاں کہتے ہیں۔ ان کا ترش ہونا یقینی اثر ہے مگر پھر بھی عام ترش اشیاء سے منع کیا جاتا ہے۔

ایک لطیفہ ہے کہ اگر کسی گاتے ہوئے گویئے کو لیموں، سنگترہ یا انار کی شکل میں ترشی دکھا دی جائے تو وہ گاتے ہوئے رُک جائے گا۔ یہ اس لئے کہ منہ میں پانی آ جاتا ہے۔ شاید اسی وجہ سے دانت کھٹے کرنا محاورہ ہے کیونکہ جن کے دانتوں میں کھٹاس ہو گی وہ منہ میں پانی کی وجہ سے بول نہ سکے گا۔ گویا ترشی ایک ایسی شدید محرک شے ہے جس کے دیکھنے سے بھی جسم سے رطوبات کا اخراج شروع ہو جاتا ہے۔ اس کے استعمال سے کس قدر تیز اثرات ہوں گے۔

ترشی کے استعمال سے رطوبات کا اخراج کہاں سے ہوتا ہے؟ جاننا چاہئے کہ عضلات (مسلمہ) جسم کی بناوٹ اسپنج نما ہے اور اس میں رطوبت (لکویڈ) اور ہوا ایک تناسب سے بھری رہتی ہے۔ جب جسم میں ترشی کی زیادتی ہوتی ہے تو اس سے ایک طرف جسم میں ریاح (کاربن) کی زیادتی ہوتی چلی جاتی ہے تو دوسری طرف اس سے عضلات میں انقباض پیدا ہوتا جاتا ہے جس سے رطوبات کا اخراج شروع ہو جاتا ہے اور اس کی انتہائی زیادتی باخبر عضلات میں سوزش (اریٹیشن) پیدا کر دیتی ہے۔ گویا ترشی کی زیادتی سے عضلات اور اس کا مرکز دل اور عضلات کی قسم کے دیگر اعضاء جن میں پھیپھڑے خاص طور پر شریک ہیں ان سب میں سکیڑ پیدا ہو جاتا ہے۔

مزاج و خواص: چونکہ ترشی کا مزاج سرد خشک ہے اس لئے اس سے جسم میں ریاح اور برودت کی زیادتی کے ساتھ ساتھ حرارت اور رطوبات کی کمی واقع ہو جاتی ہے جس کے نتیجہ میں سوداویت کی زیادتی اور خون میں غلظت پیدا ہو جاتی ہے۔

کیمیاوی اثرات: ترشی کے استعمال سے غلیظ بلغم لطیف ہو کر اخراج پانا شروع کر دیتی ہے، گویا مقطع اور مضعف بلغم ہے۔ اس کے علاوہ قابض اور مجفف ہے۔ جسم میں بہت جلد نفوذ کر جاتی ہے۔ ہاضم مشتہی مقوی معدہ قاطع صفرا وحدت خون مفرح اور جالی ہے۔ کف کا ناش کر کے وات پیدا کرتی ہے۔ پت کو جگر سے لے کر اعصاب میں داخل کر دیتی ہے۔ پیٹ خاص طور پر آنتوں میں دیوار کو بھر دیتی ہے۔ اسی طرح دل اور

پھیپھڑوں میں وا یومقام کر لیتی ہے۔

استعمال: بلغم کی زیادتی اور بلغمی امراض میں مفید ہے۔ جسم کا ڈھیلا ہو جانا۔ دِل کا پھیل جانا دموی بخار خاص طور پر موسمی بخاروں میں مفید ہے۔ پرانے زخم و پرانی خارش، داد چنبل جسم کے سفید و سیاہ داغ پر لگانے سے بے حد مفید ہے۔ قے دمتلی اور ہیضہ کی ابتدائی حالت کے لئے بھروسہ کی دوا ہے۔

اقسام ترشی

جاننا چاہئے کہ ترشی صرف نباتی صورت میں پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ جماداتی اور حیوانی صورت میں نہیں پائی جاتی۔ البتہ مصنوعی طور پر جماداتی اشیاء سے ملا کر بنائی جاتی ہے۔ اس لئے اس کی دو اقسام ہیں: (۱) اصلی ترشی جس میں املی، آلو بخارا، انگور، انار، سنگترہ، مالٹا، آلو چہ، لیموں، جامن، فالسہ، ٹماٹر اور دیگر ترش سبزیاں اور میوہ جات وغیرہ ترشی کے اثرات کی وجہ سے مشینی طور پر تمام پھلوں اور سبزیوں کے ایک ہی اثرات ہیں لیکن کیمیاوی طور پر تمام پھلوں اور سبزیوں کے ایک ہی اثرات ہیں لیکن کیمیاوی طور پر ان کے اثرات میں بہت کچھ فرق پایا جاتا ہے۔ بعض میں چونے کے اثرات پائے جاتے ہیں۔ بعض مفرح ہیں، بعض مقوی، بعض حابس ہونے کی وجہ سے قابض اور بعض ملین ہونے کی وجہ سے ملین اثرات بھی رکھتے ہیں۔

دوسری قسم مصنوعی ترشی کی ہے۔ اس کی بھی دو صورتیں ہیں۔ اوّل انہی پھلوں اور سبزیوں کو سڑا کر بنائی جاتی ہے جیسے سرکہ، دوسرے جماداتی اشیاء سے تیار کی جاتی ہے۔ یہ عام طور پر بہت تیز ہوتی ہے۔ ان کو تیزاب (ایسڈ) کہتے ہیں لیکن ان کو ترشی کی مناسبت سے ترشہ کہنا زیادہ بہتر ہے۔

سرکہ یا اس کی دیگر ترشیاں ست املی، ست لیموں وغیرہ عام طور پر نباتات سے بنتی ہیں اور وہ سب نباتاتی اور نامیاتی ہیں۔ اس لئے ان کو عضوی ترشی (آرگینک ایسڈ) کہتے ہیں اور دیگر جماداتی ترشہ کو غیر عضوی ترشہ (اَن آرگینک ایسڈ) کہتے ہیں جن میں تیزاب گندھک، تیزاب نمک، تیزاب شورہ وغیرہ دیگر تیزابات بھی پائے جاتے ہیں جو سائنس کی دُنیا میں مستعمل ہیں۔ جسے ترشہ نوریں (فاسفورک ایسڈ) اور ترشہ لبن (لیکٹک ایسڈ) وغیرہ۔ یہ تمام ترشے اپنی ترشی کی وجہ سے مشینی طور پر باہم مشترک ہیں لیکن کیمیاوی طور پر اپنی دیگر دوا کی وجہ سے اپنے اندر جدا جدا خواص رکھتے ہیں۔

ان کے خواص جاننے سے قبل اس امر کو سمجھنا بھی ضروری ہے کہ ترشہ کیسے تیار ہوتا ہے تاکہ اس کے اثرات اور خواص جاننے میں سہولت پیدا ہو۔ جاننا چاہئے کہ اکثر اقسام کے ترشے تیار کرنے سے قبل تخمیر کا عمل ہونا ضروری ہے۔ عمل تخمیر کیا ہے؟

تخمیر یعنی خمیر اٹھنا (فرمن ٹیشن) ایک کیمیاوی عمل ہے جو اکثر عضوی (آرگینک) اشیاء میں عام طور پر جراثیم کے ذریعے ظہور پذیر ہوتا ہے۔ کسی چیز میں خمیر اٹھانے کے لئے جو چیز ملائی جاتی ہے اس کو خمیر (ییسٹ) کہتے ہیں۔ خمیر حقیقت میں وہ جراثیم (جرمز) ہوتے ہیں جن میں خمیر اٹھانے کی قوت ہوتی ہے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ خمیر ملائے بغیر عمل تخمیر ہونے لگتا ہے۔ اس کی یا تو یہ وجہ ہوتی ہے کہ جراثیم ہوا میں سے اس چیز کے اندر گر پڑتے ہیں یا اس چیز میں پہلے سے موجود ہوتے ہیں۔ انگور کے رس میں ایک خمیر ہوتا ہے۔ اس لئے انگور کی شراب وائن یا سرکہ بنانے کے لئے اس میں مزید خمیر ملانے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ جب کسی چیز میں عمل تخمیر شروع ہوتا ہے تو عموماً وہ چیز گرم ہو جاتی ہے اور اس میں گرم ابخرے اٹھنے لگتے ہیں۔

عمل تخمیر کی مختلف اقسام ہیں۔ سب سے زیادہ عام قسم ہے جس سے الکوحل (جوہر شراب) اور کاربن ڈائی آکسائیڈ (دخاں مکرر نسیمی) پیدا ہوتے ہیں۔ دوسری قسم وہ ہے جس سے بعض خمیر کے عمل سے تیزابات بنتے ہیں۔

خمیر کی اہمیت

خمیر کے عمل کو زندگی اور کائنات میں بے حد اہمیت حاصل ہے۔ یہ عمل زندگی اور کائنات کا ایک جزو ہے۔ اگر خدانخواستہ عمل تخمیر ختم ہو جائے تو فوراً یہ زندگی اور کائنات بھی ختم ہو جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ زندگی اور کائنات اس عمل تخمیر یا دوسرے معنوں میں ترشی اور ترشہ پر قائم ہے۔ یعنی ترشی سے عمل تخمیر قائم رہتا ہے اور عمل تخمیر سے ترشی یا ترشہ (تیزاب) پیدا ہوتا رہتا ہے۔

زندگی کے بعد دوسرے درجہ پر نشو و نما اور ارتقاء ہے۔ یہ حیوانات و نباتات بلکہ جمادات میں بھی بغیر ترشی اور خمیر کے ممکن نہیں ہے۔ جس جسم میں ترشی اور عمل تخمیر کا کیمیاوی عمل ختم ہو جاتا ہے، وہاں نشو و نما اور ارتقا رک جاتا ہے۔ کمزور حیوانات و انسان اور درخت و پودے جو رطوبات کی زیادتی سے سڑنے لگتے ہیں ان میں نشو و نما اور ارتقا ختم ہو کر اور تخریب شروع ہو جاتی ہے۔ پھر قدرت بقا اصلح کے اصول پر کسی اور کی زندگی کے لئے ان حیوانات و نباتات اور جمادات کو غذا بنانا شروع کر دیتی ہے۔

زندگی، نشو و نما اور ارتقاء کے بعد تیسرا مقام طاقت ہے اور یہ طاقت صرف ترشی اور ترشہ سے قائم ہے۔ دُنیا میں کوئی ایسی طاقت کی دوا یا غذا نہیں ہے جس میں بالواسطہ یا بلاواسطہ ترشی یا ترشہ نہ پایا جاتا ہو۔ جن میں ترشی یا عمل تخمیر نہیں پایا جاتا وہ چیزیں ترشی کو کم کر کے اعتدال پر لانے والی یا بالکل ختم کر دینے والی ہیں۔ جیسے نمکیات اور کھاری۔ یہ دونوں قسم کی چیزیں طاقت کو اعتدال پر لانے والی یا طاقت کو کمزور کرنے والی ہیں۔ گویا زندگی و نشو و نما اور ارتقاء و طاقت کا تعلق قدرت کی طرف سے فطری طور پر خمیر کے ذمے لگا دیا گیا ہے۔

لیکن اس کی زیادتی پھر زندگی میں تکلیف اور نقصان کا باعث ہے مثلاً جسم کے جس حصہ میں ترشی کی زیادتی ہو جائے وہاں پر اوّل تحریک اور تیزی شروع ہو جاتی ہے۔ پھر وہاں پر انقباض کی صورت پیدا ہو کر رطوبت خشک ہو جاتی ہے۔ پھر وہاں پر سوزش اور جلن کی حالت قائم ہو جاتی ہے لیکن یہ سوزش جلن حرارت کی زیادتی کی وجہ سے نہیں ہوتی بلکہ سردی کی وجہ سے ہوتی ہے۔ جیسے پانی برف بن کر جب جم جاتا ہے تو جلن اور سوزش پیدا کرتا ہے۔ البتہ یہ کیفیت اس لئے عمل میں آتی ہے کہ وہاں پر حرارت کی ضرورت ہے اور طبیعت اس کو طلب کر رہی ہے۔ کوئی ترشی گرم نہیں ہے جب تک اس کو گرم اغذیہ یا ادویہ میں نہ ملایا جائے۔ جیسے تیزاب گندھک جو ترشی اور گندھک کا مرکب ہے لیکن وہ بھی جسم کو جلا تو سکتا ہے جو سوزش کا عمل ہے لیکن جسم کو گرم نہیں کر سکتا۔ گویا کوئی ترشی چاہے اعتدال سے زیادہ بھی ہو جائے جسم کو گرم نہیں کر سکتی۔ البتہ اس کا فعل سوزش اور جلن اس امر کی طرف دلالت ہے کہ وہاں پر حرارت کی ضرورت ہے۔

جاننا چاہیے جسم میں جہاں کہیں بھی سوزش اور جلن پائی جاتی ہے وہ گرمی کی زیادتی کی علامت نہیں ہے۔ البتہ ترشی اور ترشہ کی زیادتی کی علامت کہی جا سکتی ہے۔ مثلاً خشک نزلہ زکام اور کھانسی کی جلن، پیٹ اور دل کی جلن، جسم پر گرمی کے دانے، پیشاب اور پاخانے میں جلن اور سوزش وغیرہ بلکہ پیاس تک۔ یہ سب حرارت کی علامات نہیں ہیں بلکہ حرارت کی طلب کی علامات ہیں۔ ان سب کے علاج میں کبھی دافع حرارت اور شربت وغیرہ استعمال نہ کریں بلکہ گرمی پہنچائیں اور گرم تر ادویات یا گرم پانی استعمال کرائیں۔

اسی طرح جس حصہ جسم میں تخمیر کی زیادتی ہو جائے گی وہاں پر فساد اور سوزش اور حرارت کی زیادتی ہو جائے گی لیکن یہ حرارت غریبہ ہو گی، جس سے عام طور پر بخار چڑھ جاتا ہے۔ یہ حرارت غریبہ دراصل حرارت غریزیہ کی کمی ہے اور وہاں پر اس کمی کو پورا کرنا چاہیے، نہ کہ دافع بخار یا معرق یا مدر ادویات سے قوت مدبرہ بدن اور اعضاء متعلقہ کو کمزور اور ناکام کر دینا چاہیے۔ علاج میں اس قسم کی غلطیاں عام طور پر فرنگی

طب میں ہوتی ہیں۔ یا وہ لوگ کرتے ہیں جو فرنگی ادویات اور مرکبات استعمال کرتے ہیں۔ مریض مرض اور اعضاء کا مزاج اور کیفیات کو نہیں دیکھتے۔ یہ اطباء بلکہ عوام کا فرض ہے کہ انگریزی ادویات سے پرہیز برتیں۔ وہ صرف علامات کی ادویات ہوتی ہیں۔ امراض اور بدن کی ادویات نہیں ہوتیں۔ مندرجہ بالا امور سے ثابت ہوا کہ ترشی اور ترشہ جہاں انسان کے لئے زندگی، نشوونما اور ارتقاء اور قوت کے لئے ضروری ہے، وہاں اس کی زیادتی باعث مرض اور تکلیف بھی ہے۔

ترشی اور ترشہ کے ان خواص وافعال اور اثرات ومنافع کے طب اور آیورویدک میں بے شمار مرکب ہیں۔ جیسے شربت، مربے، اچار، چٹنیاں، شیرہ جات، سرکہ جات، کانجی، سکنجبین اور خشک مفرد صورت میں کشمش، منقی، اعلیٰ آلو بخارا، انار دانہ، امچور، املی، آملہ، خوبانی، زرشک، اشق، سرسوں، رائی، تخم پیاز، گڑ، گلاب، کلونجی وغیرہ۔ سینکڑوں مرکبات اور مفردات ہیں جو استعمال ہوتے ہیں۔ جن کا فرنگی طب میں نہ ذکر ہے اور نہ ایسے بے ضرر علاج کا اس کے پاس جواب ہے۔ ان مرکبات کی تفصیل اس قدر طویل ہے کہ ان پر ایک جدا کتاب لکھنے کی ضرورت ہے۔ ترشہ میں بھی بہت سے اقسام کے تیزابات استعمال ہوتے ہیں جن میں تیزاب گندھک، تیزاب نمک، تیزاب سرکہ اور تیزاب شورہ خاص طور پر روزانہ کے استعمال میں مستعمل ہیں۔ ان کے علاوہ سائنس نے چند خاص قسم کے تیزابات کا بھی اضافہ کیا ہے، جن میں ترشی کم ہے مگر وہ دافع نقص اور دیگر امراض میں بھی استعمال ہوتے ہیں۔ جیسے بورک ایسڈ (ترشہ سہاگہ)، کاربالک ایسڈ (ترشہ شفالی)، بنزوک ایسڈ (ترشہ لوبانی)، ٹے نک ایسڈ (ترشہ مازو) وغیرہ۔ ترشہ کے طور پر استعمال نہیں ہوتے لیکن افعال کے لحاظ سے اس امر کا خیال رکھیں کہ جن اعضاء پر ترشی یا ترشہ کا اثر ہے ان کا بھی انہی اعضاء پر اثر ہے۔ اگرچہ کیمیاوی افعال میں ضرور اختلاف پایا جاتا ہے۔

سنکھیا کو بھی سائنس ایسڈ میں شریک کرتی ہے اور اس کا نام اسی لئے آرسینک ایسڈ رکھا گیا ہے۔ دراصل ایسڈ نہیں ہے یہ این ہائیڈرائیڈ قسم کے مرکبات میں شریک ہے۔ مگر عضوی اور مشینی افعال کی صورت میں یہ بھی ترشی اور ترشہ میں شریک ہے۔

ترشہ کے کیمیاوی اثرات

تیزاب خود ایک کیمیاوی مرکب یا کیمیاوی اشیاء میں کیمیاوی تبدیلی ہے اور بغیر کاربن کے تیار نہیں ہوتا اور کاربن کیمیاوی ترشی ہے۔ ان تیزابات میں خواص ہیں کہ ان میں ہر قسم کی دھاتیں حل ہو جاتی ہیں۔ دھاتوں کو حل کرنے کے بعد اس محلول کو اگر خشک کر لیا جائے تو اکثر وہ دھاتیں پانی، تیل، گلیسرین، سپرٹ اور الکوحل وغیرہ میں حل کر کے اندرونی وبیرونی طور پر استعمال کی جا سکتی ہیں۔ جو لوگ کیمیاگری کا شوق رکھتے ہیں، ان کو بھی یاد رکھنا چاہئے کہ بغیر تیزاب کے کیمیا تیار نہیں ہو سکتی کیونکہ تیزاب ہی خواص ہے اور بغیر اس کے ترشی کے رنگ پیدا نہیں ہو سکتا۔ ھٰذا شی ظاھر شفق فی السماء. ان شاءاللہ تعالیٰ بہت جلد کیمیا کے اسرار ورموز پر لکھا جائے گا جو بے حد مفید اور دلچسپ ہوگا۔

کھار (الکلی)

''اونچی دکان اور پھیکے پکوان'' اُردو زبان کی ایک عام ضرب المثل ہے۔ جس میں نفسیاتی طور پر پھیکے پن کی کم مائیگی کا اظہار کیا گیا ہے۔ پنجابی زبان میں بھی کہتے ہیں ''پھیکے خربوزے متراں دی ارواح'' یہاں بھی پھیکے پن کی کمتری کو بیان کیا جاتا ہے۔ ہمارے ذائقوں میں

پھیکا بھی ایک ذائقہ ہے جس کو ہم کوئی اہمیت نہیں دیتے۔ اس سے ایک مراد تو یہ ہے کہ اس میں شیرینی اور دیگر مصالحہ جات میں کمی کی وجہ سے ذائقہ میں خرابی ہے اور دوسرا مقصد یہ ہے۔ مصالحہ جات کی اس میں ذائقہ اور طاقت کی کمی ہے۔ یہاں تک اس ذائقہ کو فضول خیال کیا گیا ہے۔ تلخ ذائقہ کے مقابلے میں بھی اس کو کوئی اہمیت نہیں دی گئی کیونکہ تلخ ذائقہ کو بھی مقوی جسم اور مصفی خون خیال کیا جاتا ہے۔ ضعف اور مرض کی حالت میں اکثر تلخ ادویہ اس نظریہ کے مطابق استعمال کی جاتی ہیں۔

اسی طرح ''رنگ پھیکا پڑنا'' بھی ایک محاورہ ہے۔ اس میں رنگ کی اہمیت اور اس کے حسن وخوبی کی نفی کی گئی ہے۔ یہی نفی اگر انسانی چیز کو دیکھ کر کی جائے تو یہ اس کی صحت کی کمزوری یا شرمندگی پر دلالت کرتا ہے۔ دونوں صورتوں میں انسانی کمزوری اور کم مائیگی کو ظاہر کرتا ہے۔ غور کا مقام ہے کہ ہمارے بزرگوں نے صرف ضرب الامثال اور محاورات میں ہی روزانہ زندگی کی حکمت وفلسفہ اور حقائق بیان کر دیئے ہیں۔

پھیکا ذائقہ دراصل کھاری پن ہے جو ترشی کے بالمقابل ہے۔ گزشتہ پرچے میں ترشی کے مضمون میں ہم لکھ چکے ہیں کہ ترشی طاقت ہے تو اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ پھیکا ذائقہ یا کھاری پن جسم میں کمزوری اور خون کے جوش میں کمی پیدا کرتا ہے۔ بالکل رنگوں میں بھی یہ صورت ہوتی ہے کہ ترشی رنگوں کو پیدا کر دیتی ہے اور ان میں مضبوطی کا باعث ہوتی ہے اور اس کے مقابلے میں کھاری پن نہ صرف رنگوں کو خراب کر دیتا ہے بلکہ رنگوں کو صاف کر دیتا ہے۔ جیسے سوڈا، پوٹاس، بلیچنگ پاؤڈر وغیرہ۔ لطف یہ ہے کہ آخری دونوں چیزیں رنگ کٹ کے نام سے مشہور ہیں۔ یہ بات تو ہر پڑھا لکھا انسان جانتا ہے کہ ہر قسم کا صابن کھار، سوڈا اور پوٹاس کو تیل میں ملانے سے تیار ہوتا ہے۔ جو انسان اپنے جسم اور کپڑوں کو دھونے کے لئے استعمال کرتا ہے۔ اس سے نہ صرف میل کٹ جاتا ہے بلکہ ہر قسم کی چیچک دور ہو جاتی ہے۔

ان حقائق سے ثابت ہے کہ ہر قسم کی کھاریں ترشی کی مخالف جسم کو کمزور، خون کو پتلا، روغنیات کو ختم کرنے والی اور رنگوں کو اڑانے والی ہیں۔ اب اس کی روشنی میں اس ضرب المثل پر غور کریں کہ ''اونچی دکان اور پھیکے پکوان'' یعنی ایسے پکوان میں نہ ذائقہ، نہ گھی، نہ مصالحے اور نہ ہی خوش رنگ ہوں۔ یہی صورت پھیکے خربوزوں کی بیان کی گئی ہے کہ ان میں شیرینی ولذت اور خوش رنگی مفقود ہے۔ گویا پھیکی رطوبت ہی رطوبت ہے جو کثرت پیشاب لا کر کمزوری کا باعث بنے گی۔ ممکن ہے ہیضہ کا باعث ہو جائیں، وغیرہ وغیرہ۔

کھار اور ترش کا فرق

کھاری اشیاء کا ذائقہ پھیکا مگر تیز کی صورت میں کسیلا اور کچھ کڑوا ہو جاتا ہے۔ تیزابات کا ذائقہ ہمیشہ ترش رہتا ہے۔ کھاری اشیاء کو چھونے سے صابن سا محسوس ہوتا ہے۔ البتہ ان کی کاسٹک صورت کو چھونا تکلیف کا باعث ہے۔ تیزابات کو نہیں چھو سکتے، وہ شدید کھاری ہیں۔ (۳) کھاری اشیاء آکسیجن اور ہائیڈروجن دونوں گیس ہوتی ہیں۔ تمام تیزابات میں ہائیڈروجن کا ہونا ضروری ہے۔ (۴) کھاری اشیاء میں سرخ لٹمس نیلا ہو جاتا ہے۔ مگر تیزاب نیلے لٹمس کو سرخ کر دیتا ہے۔ (۵) کھاری اشیاء جب ہلدی سے ملتی ہیں تو اس کو بھورا کر دیتی ہیں لیکن ترشی تیزابات کا ہلدی پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔

ایک تجربہ

تین امتحانی نلیاں لیں۔ ان میں سے ایک میں سجی، دوسری میں چونا اور تیسری میں کاسٹک پوٹاس ڈالیں۔ اب ان میں دو قطرے

سرخ حل شدہ لٹمس کے ڈالیں۔ فوراً سب میں سرخ لٹمس نیلے ہو جائیں گے۔ اس تجربہ سے ثابت ہو جائے گا کہ جو اشیاء ہلدی کو بھورا اور سرخ لٹمس کو نیلا کر دیں وہ سب کھاری ہیں۔ گویا ان میں ترشی بالکل نہیں ہے۔ البتہ بعض اشیاء ایسی بھی ہیں جن میں نہ نیلا لٹمس سرخ ہوتا ہے اور نہ سرخ لٹمس نیلے رنگ میں بدلتا ہے۔ یہ صورت نمکیات سالٹس کے محلول میں ہوتی ہے۔ جیسے کھانے کا نمک اس کو نیوٹرل (متعادل) کہتے ہیں۔ اس کا بیان ہم نمک کے افعال و اثرات میں کر چکے ہیں۔

کھاری اشیاء میں سجی، جوکھار، نوشادر، چونا، سہاگہ سفید، قلمی شورہ قابل ذکر ہیں۔ انگریزی ادویات میں سوڈا پوٹاش، میگنیشیا اہمیت رکھتی ہیں۔ ان میں پوٹاش تو بالکل وہی چیز ہے جس سے ہمارے کھاری نمک تیار ہوتے ہیں۔ یعنی کسی چیز کی راکھ لے کر اس کو ایک دن رات کسی لوہے یا تانبے کے برتن میں بھگو رکھے اور دن میں تین چار مرتبہ خوب اچھی طرح ہلاتے رہیں پھر پانی کو نتھار کر آگ پر رکھ کر خشک کر لے۔ بس اس کو اس کی پوٹاش کھار کہتے ہیں۔ یہ ایک انگریزی لغت ہے جو دو کلمات سے مرکب ہے۔ اوّل پاٹ بمعنی ظرف - بادیہ - اور دوسرے ایش بمعنی رکھ۔ بس اس کے معنی ہوئے راکھ بادیہ۔ کیمسٹری میں اس کو دھاتوں میں شمار کرتے ہیں۔ زیادہ مصنوعی طور پر بناتے ہیں۔ اس طرح سوڈیم اور میگنیشیم کو بھی دھاتوں میں شمار کرتے ہیں۔

افعال و اثرات کے لحاظ سے یہ سب کھاروں (الکلیز) میں شمار ہوتے ہیں۔ فرق یہ ہے کہ بعض کھاریں جسم اور خون پر تیز اور شدید اثر کرتی ہیں اور بعض کا اثر خفیف ہوتا ہے۔ پوٹاش اور نوشادر کا اثر سوڈیم اور میگنیشیم سے بہت تیز اور شدید ہے اور چونے کے اثرات سب سے کم ہیں۔ اسی طرح سنگ جراح اور دیگر پتھر اور جواہرات وغیرہ مثلاً سنگ مرمر، سنگ یشب، سنگ سرماہی عقیق اور مرجان وغیرہ۔ یہ سب کھاری اثرات رکھتے ہیں۔ اسی طرح ہر قسم کی دھاتیں، سونا چاندی، تانبا لوہا، جست قلعی اور شیشہ، سونا مکھی، روپا مکھی، سرمہ، وغیرہ وغیرہ۔

کیمسٹری میں یہ دھاتیں اکثر تیزابات میں حل کی جاتی ہیں لیکن آیورویدک اور طب میں ان کو کشتہ کیا جاتا ہے اور کوشش کی جاتی ہے جن اشیاء کے ساتھ ملا کر ان کو کشتہ کیا جاتا ہے ان میں بھی ترشی نہ پائی جائے کیونکہ تیزابی کشتے وہ کام نہیں کرتے جو بغیر ترشی کے کشتے اثرات پیدا کرتے ہیں۔ ترش اشیاء اور تیزابات میں کئے ہوئے کشتے اوّل تو جزو بدن کم ہو جاتے ہیں، دوسرا جسم میں جا کر سوزش کا باعث ہوتے ہیں۔ سب سے بڑا کام کشتہ جات میں یہ ہے کہ جاذب رطوبات اور مقوی اعضاء جسم اور خون ہوتے ہیں۔

نباتی ادویات میں جو تیز کھاری کا کام دیتی ہیں، آک، تھوہر ہر قسم، کنیر ہر قسم، برگد، پیپل، جنگلی انجیر، تلسی، گھیکوار، اٹ سٹ، دودھی بوٹی، تلخ توری وغیرہ ہیں اور انہی میں اکثر کشتہ جات کئے جاتے ہیں۔ ان کے علاوہ اور بھی بہت سی بوٹیاں ہیں جن کی تفصیل بہت طویل ہے۔ روزانہ استعمال کی یہ ادویات کھاری اثرات رکھتی ہیں۔ اسپغول، ریحان، بہیدانہ، بید، تال مکھانہ، خرفہ خطمی، خبازی، کشنیز، سپستان، سمندر جھاگ، سنگھاڑہ، سورنجان، صندل، کاہو، کاسنی، کافور، کنول گٹہ، کہربا، گاؤزبان، گل ارمنی، مہندی گیرو، موصلی، نارجیل دریائی، نیم، شاہترہ، چرائتہ، منڈی وغیرہ۔ روزانہ اغذیہ میں غلے ہر قسم خاص طور پر جو، جوار، مکی، چاول، باجرہ، ساگودانہ اور نشاستہ وغیرہ۔ دالوں میں مونگ، ماش، لوبیا وغیرہ۔ پھلوں میں امرود، کیلا، گنا، خربوزہ وغیرہ۔ سبزیوں میں کھیرا، ککڑی، توری، کدو، پیٹھا، شلغم، گاجر، مولی اور چقندر وغیرہ۔

افعال و اثرات

تمام کھاری اشیاء کے افعال و اثرات مجموعی طور پر تقریباً ایک ہی قسم کے ہوتے ہیں۔ البتہ کیمیاوی طور پر بعض اجزاء کی کمی بیشی ہوتی ہے جیسے کسی میں فولادی اجزاء زیادہ ہیں تو کسی میں گندھک کے اجزاء پائے جاتے ہیں۔ اسی طرح کسی میں شدت اور کسی میں خفت پائی جاتی

ہے۔ان سب کے اثرات مجموعی طور پر درج ذیل ہیں۔

جاننا چاہئے کہ ہر قسم کی کھاری اشیاء دافع ترشی ہیں اور چونکہ ایسی عام طور پر سرد تر و سرد خشک اور گرم تر ہوتی ہیں اس لئے جسم سے حرارت کا اخراج بذریعہ رطوبت کرتی ہیں۔جسم میں بلغم کی مقدار یا سردی کو بڑھا دیتی ہیں۔ بہت کم ایسی ادویات ہیں جو گرم خشک ہیں اور ان میں بھی خشکی زیادہ گرمی کم پائی جائے گی۔

کیمیاوی اثرات

بیرونی طور پر جب بھی کھاری اشیاء لگائی جائیں تو وہ فوراً وہاں رطوبت کا ترشہ شروع کر دیتی ہیں۔اگر یہ اشیاء کلوی بھی ہوں تو بھی رطوبت کا ترشہ بند نہیں ہوگا کیونکہ ان کا اثر اعصاب کے فعل میں تیزی پیدا کرتا ہے جس سے جسم کے غدد رطوبات کا ترشہ شروع کر دیتے ہیں۔

اندرونی طور پر جب ان اشیاء کا استعمال کیا جاتا ہے تو وہاں پر رطوبت کی پیدائش بڑھ جاتی ہے۔یہی وجہ ہے کہ جب اس قسم کی اشیاء خصوصاً پھل، سبزیاں جیسے امرود، کھیرا اور ککڑی استعمال کی جاتی ہیں تو اکثر ہیضہ ہو جاتا ہے۔اس کی صرف یہی وجہ ہے کہ جسم خصوصاً معدہ اور امعاء میں رطوبات بہت زیادہ پیدا ہو جاتی ہیں اور طبیعت اس غیر طبعی مواد کو قے اور اسہال سے خارج کرنا شروع کر دیتی ہے چونکہ دوران خون اعصاب و دماغ کی طرف ہوتا ہے۔اس لئے دِل اور عضلات کی طرف سکون پیدا ہو جاتا ہے اور جگر و گردہ اور دیگر عضو جسم میں تحلیل شروع ہو جاتی ہے۔

خون میں ہیموگلوبین (سرخی) اور رطوبات کی مقدار میں کمی واقع ہونا شروع ہو جاتی ہے۔خون گاڑھا ہو جاتا ہے، اگرچہ اس قسم کی اشیاء کا اثر خون میں سے جلد ختم ہو جاتا ہے لیکن اگر شدید اسباب ہوں یا ادویات زہریلی قسم کی ہوں یا وبائی ہیضہ شدت اختیار کر جائے تو اکثر موت واقع ہو جاتی ہے۔یہ بھی ذہن نشین کر لیں کہ وبائی ہیضے میں بھی ہمارے اردگرد کی فضا کھاری ہو جاتی ہے۔کھانے پینے کا کوئی زیادہ اثر نہیں ہوتا۔البتہ ان دنوں میں جو لوگ کھاری اشیا کا استعمال کرتے ہیں جیسے چاول اور دالیں وغیرہ تو فوراً ہیضے کا شکار ہو جاتے ہیں۔

دِل

چونکہ جسم میں رطوبت کی زیادتی ہو جاتی ہے، اس لئے عضلات اور خاص طور پر دِل میں سکون واقع ہونا شروع ہو جاتا ہے۔گویا کھاری اشیاء عضلاتی ریشوں کو سست کرنا شروع کر دیتی ہے۔ یہاں تک کہ دِل سکڑنے سے رہ جاتا ہے اور تشنج شروع ہو کر آخر موت واقع ہو جاتی ہے۔

جگر اور گردے

کھاری اشیاء کے استعمال سے جگر اور گردوں کی طرف خون کی مقدار بہت زیادہ ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے ان میں تحلیل شروع ہو جاتی ہے۔صفراء اور قارورہ کے اخراج میں زیادتی ہو جاتی ہے۔گویا جسم میں حرارت اور رطوبت دونوں کم ہونا شروع ہو جاتی ہیں۔گویا انہی اشیاء سے اپنی گرمی کو خرچ کر سکتا ہے۔

تنفس

چونکہ رطوبات اور اخراج کی کمی اور قلب و عضلات ریشوں میں سستی واقع ہو جاتی ہے۔اس لئے پھیپھڑوں کے افعال میں بھی سستی

اور رطوبت کی زیادتی سے تنفس میں سستی واقع ہو جاتی ہے۔ پوٹاس کے اثرات سودا سے تیز ہوتے ہیں۔

فوائد

ان ادویات کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ جب جسم میں تیزابیت یا صفراء کی زیادتی یا ان کی زیادتی سے امراض پیدا ہو جائیں تو ان کا اکسیر کا حکم رکھتا ہے۔ جیسے نزلہ، زکام، کھانسی، بخار جو ترشی یا صفراء کی زیادتی سے ہوں۔ اسی طرح جسم کے حصہ سے خون کا آنا، پیچش، بندش پیشاب، معدہ کی جلن، نقرس، سوزاک، بواسیر، پتھری وغیرہ۔

مرکبات

مفرد اشیاء کے علاوہ ان کے مرکبات بھی استعمال کئے جاتے ہیں۔ جن مرکبات میں شیر عشر، کنیر، بورکس، نشادر، بجی، سرمہ، فولاد، قلعی اور سیسہ اکسیر کا حکم رکھتے ہیں۔

گندھک کے اثرات اور افعال

گندھک کا سنہری رنگ دیکھ کر اہل فن کا ذہن فوراً سونے کی طرف جاتا ہے اور جب گندھک آگ پر پگھل کر تیز سرخی مائل رنگ اختیار کر لیتی ہے۔ محوسی کا دِل تڑپ تڑپ جاتا ہے اور دِل میں کہتے ہیں، کاش اس کو آگ نہ لگے اور یہ یونہی محلول صورت میں رہے یا تیل کی صورت اختیار کر لے یا کسی ایسے تیل میں حل ہو جائے جو آگ سے نہ جلے تو فوراً یہ گندھک یا اس کا محلول اور نئے دھات کو رنگ کر سونا بنا دے اور علم وفن، زندگی و معاشرہ اور ملک و مذہب کی خدمت کر سکیں لیکن اکثر اپنی یہ تمنا لے کر دُنیا سے رخصت ہو گئے۔

مگر ان ہزاروں سالوں میں لاکھوں انسانوں نے سونا بنانے کے لئے تجربات کئے ہیں اور اپنی زندگیاں اور بے حساب دولت بے دریغ پھونک دی ہے۔ کوئی شک نہیں ان میں سے اکثر کو سونا بنانے میں کامیابی نہیں ہوئی۔ تاہم وہ اپنے تجربات اور مشاہدات کا ایک ایسا خزانہ چھوڑ گئے ہیں جو کسی طرح بھی سونا اور کیمیا سے کم نہیں ہے۔ انہوں نے جو اکسیرات اور رسائن تیار کی ہیں کوئی شک نہیں کہ وہ نہ صرف جسم انسان کے امراض کو صابن کی طرح دھو دیتی ہیں بلکہ انسانی جسم کو کندن بنا دیتی ہے۔ اکسیرات اور رسائن کے کمالات دیکھ دیکھ کر انسان حیران ہو جاتا ہے۔

سب سے پہلے یہ امر ذہن نشین کر لیں کہ دُنیا بھر میں جس قدر اکسیرات اور رسائن تیار ہوتی ہیں، ان میں بالواسطہ یا بلاواسطہ گندھک یا ذات خود یا حرارت کی صورت میں ضرور شامل ہوتی ہے۔ گویا گندھک کے بغیر کوئی شخص کوئی اکسیر اور رسائن تیار نہیں کر سکتا۔

دوسری بات یہ ذہن نشین کر لیں کہ جسم میں انسان کی 99 فیصد امراض گندھک اور اس کی صورت سے دور ہوتے ہیں۔ گویا یہ خداوند کریم کی ایک ایسی نعمت ہے جس کے اس دُنیا میں داخل ہونے سے کہا جا سکتا ہے کہ لکل داء دواء جو اہل فن اس کے کمالات سے پورے طور پر واقف ہیں۔ وہ اس کو ہر رنگ میں استعمال کر سکتے ہیں اور اس سے ہر قسم کی اکسیر اور رسائن تیار کر سکتے ہیں۔

ہم اپنے ذاتی تجربات کی بنا پر یہاں تک کہہ سکتے ہیں جس طرح گندھک انسانی جسم کی 99 فیصد امراض کو نہ صرف دور کر سکتی ہے بلکہ کندن بنا سکتی ہے اسی طرح اس میں یہ خوبی بھی پائی جاتی ہے کہ یہ ناقص دھاتوں کو مکمل اور نئے دھاتوں کو اعلیٰ دھاتوں میں تبدیلی کرنے کی 99 فیصدی طاقت رکھتی ہے۔ اگر اس میں یہ قوت نہ ہوتی تو اس سے کبھی بھی اکسیرات اور رسائن تیار نہ ہو سکتے اور نہ ہی جسم انسانی کے 99 فیصدی امراض رفع ہو سکتے۔ گندھک اگرچہ خود ادنیٰ دھاتوں کو اعلیٰ دھاتوں میں اور خام دھاتوں کو مکمل دھاتوں میں

تبدیل نہیں کرسکتی تاہم دوسری دھاتوں کو اس قابل ضرور بنادیتی ہے کہ وہ دیگر دھاتوں میں تغیر پیدا کردے۔ اس کی یہ طاقت بھی کیمیا ہے اور سونا بنانے سے کم نہیں ہے۔ چونکہ یہاں یہ ہمارا مقصد گندھک کے اثرات وافعال پر بحث کرنا ہے اور اس کی طاقت کا اظہار کرنا ہے۔ اس لئے کیمیا کا کچھ حوالہ دیا گیا ہے۔ کیمیا اور اکسیر پر ہم بہت جلد مضامین کا ایک سلسلہ شروع کریں گے اور اس کو اس حد تک علمی اور فنی مقام تک پہنچادیں گے کہ دُنیا کے سامنے نہ صرف انگریزی ادویات بے حقیقت بن کررہ جائیں گی بلکہ ہر شخص کیمیا کے مبادیات اور صحیح فن سے واقف ہوجائے گا۔

گندھک کی ماہیت : گندھک کی پیدائش تو اجزائے خاکی سے ہے مگر بہ سبب شدت حرارت معدن کے پختہ ہوکر زرد رنگ کی ہوجاتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ گندھک کی اصل بھی پتھر ہے۔ مگر معدن میں مختلف مقامات پر جیسے جیسے حرارت کے مختلف اثرات پڑتے ہیں۔ ویسے ہی اس میں تغیر پیدا ہوجاتا ہے۔ اس تغیر کے نتیجہ سے آہستہ آہستہ ان پتھروں کی بے شمار صورتیں پیدا ہوجاتی ہے۔ اسی طرح پتھر بھی ایک عرصہ بعید اور مدت مدید کے بعد معدن کی حرارت میں گندھک میں تبدیل ہوجاتا ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ تمام دھاتیں بھی معدن میں پتھر سے بنی ہوئی ہیں تو کوئی مغالطہ نہ ہوگا کیونکہ حکماء نے تسلیم کیا ہے کہ ہر دھات کی اصل گندھک اور پارہ ہیں اور پھر دھاتوں کی تمام صورتیں معدن میں حرارت اور برودت کے مختلف اثرات اور تغیرات ہیں۔ اس لئے گندھک کے متعلق کہا جاتا ہے کہ عام طور پر ان معدن میں پائی جاتی ہے جہاں پر قریب آتش فشاں پہاڑ ہوں مثلاً سسلی وغیرہ کے علاقے میں قدرتی طور پر بہت گندھک کہتے ہیں لیکن قدرتی گندھک شاذ ونادر ہی خالص ہوتی ہے۔ عموماً اس میں مٹی اور معدن کی دیگر کدورتیں ملی ہوتی ہیں۔ مختلف حالت میں یہ زیادہ تر سیسہ، جست، لوہا اور تانبے کے ہمراہ ملی ہوئی نکلتی ہے۔ پھر صاف کرنے کے بعد اس کو بازار میں لاتے ہیں۔

دیگر اشیاء جن میں گندھک پائی جاتی ہے: ہڑتال، شنگرف، پارہ، شیر زقوم، زہرہ حیوان و مچھلی، انڈوں کی زردی، پیاز، لہسن، ہلدی، رائی، اجوائن، حنظل، آیوڈم، ریوند چینی، ریوند عصارہ، ریوند خطائی، بادیان، شہد، گھیکوار، روغن زیتون، گھی اور سرمہ وغیرہ۔

اقسام : کہتے ہیں کہ گندھک چھ قسم کی ہوتی ہے۔ ہلکی زرد، گہری زرد، سبز، سفید، سیاہ اور سرخ۔ آخر ذکر کو کبریت احمر کہتے ہیں۔ اس کو اکسیر میں شمار کرتے ہیں اور جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ نایاب ہے اور جس کے متعلق یہ شعر کہا گیا ہے ؎

نہ گو گرد سرخی و لعل سفید
کہ جوئندہ از تو شود نا امید

بعض لوگ کہتے ہیں گندھک جزائر مالدیپ میں بہت ملتی ہے۔ اس کی رنگت سرخ بھی ہوتی ہے اور وہ آگ پر قائم بھی رہتی ہے۔ تاہم اکسیر کے عمل سے خالی ہے۔

حقیقت : میرے خیال میں گندھک صرف زرد رنگ کی ہوتی ہے جو بازار میں ملتی ہے۔ البتہ اگر وہ زیادہ صاف نہ ہو اور اس میں چونے کے اجزاء زیادہ ملے ہوں تو اس کو ہلکی زرد رنگ کی گندھک کہہ دیں۔ سرخ اور سفید رنگ کی گندھک صرف مصنوعی ہوتی ہے۔ قدرتی رنگ میں نہیں پائی جاتی۔ البتہ سرخ رنگ کی گندھک شنگرف کو کہا جاسکتا ہے۔ اسی طرح گندھک جو کیمیاوی طور پر بے رنگ کرلی جاتی ہے وہ سفید کہلاتی ہے۔ اسی طرح سیاہ رنگ کی گندھک سرمے کو کہا گیا ہوگا۔ باقی رہا اس کا قائم النار ہونا۔ یہ ناممکن ہے۔ البتہ گندھک کو کسی دھات میں اگر جذب کردیا جائے جیسا کہ گندھک اور پارہ یا سیسہ اور گندھک کا مرکب بنایا جاتا ہے۔ اسی طرح لوہا اور تانبے کے مرکب گندھک کے ساتھ تیار کئے جاسکتے ہیں۔ ان میں کسی کو قائم النار کیا جاسکتا ہے اور پھر اس کو اکسیر کے کام لایا جاسکتا ہے۔ کبریت احمر کے

متعلق یہ بھی کہا گیا ہے: ''حسنین کبریت احمر عمر ضائع کردہ است''۔

طبعی خواص: یہ ایک خوبصورت اور زرد رنگ کی معدنی اوراپدھات ہے۔ ذائقہ بے مزہ اور بے بو ہے۔ پانی میں ناقابل حل ہے۔ کہتے ہیں کاربن بائی سلفائیڈ اور روغن تارپین میں حل ہوجاتی ہے۔ آخرالذکر میں حل کرنے کی کوشش کی گئی مگر حل نہیں ہوئی۔ بعض دوستوں نے بتایا کہ ٹنکچر بن زوئنک میں حل ہوجاتی ہے۔ مگر تجربہ کا موقعہ نہیں ملا۔ البتہ بعض دھاتوں میں ملائی جاسکتی ہے اور کسی قدر بعض روغنیات میں بھی حل ہو جاتی ہے۔ اگر اس کو کڑاہی میں ڈال کر آگ پر رکھا جائے تو اوّل پگھل کر زرد رنگ کا سیال بن جائے گی۔ تیز آگ پر اس سیال کا رنگ زرد گہرا سرخ ہوجاتا ہے۔ اس میں سے بھورے رنگت کے بخارات نکلنے لگتے ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس میں شعلہ پیدا ہوگیا ہے۔ اگر اس کا دھواں تنفس کی راہ اندر چلا جائے تو فوراً کھانسی شروع ہوجاتی ہے۔ اس کے دھوئیں کے سامنے اگر گلاب کا پھول کیا جائے تو اس کا رنگ دور ہو جائے گا اور سفید رنگت میں تبدیل ہوجائے گا۔

کیمیاوی خواص: احتراق پذیر ہے، شعلہ ہے۔ دھاتوں میں مل جاتی ہے۔ ان کو رنگ دیتی ہے اور اپنی زیادتی میں دھاتوں کو فنا بھی کردیتی ہے۔ پارہ کے ساتھ مل کر سیاہ رنگ کی کجلی یعنی پاؤڈر کی صورت اختیار کرلیتی ہے۔ آگ پر پگھلا کر اگر پانی میں ڈال دیں تو نرم ہوجاتی ہے۔ اس وقت اس کو جو شکل چاہئے دے دیں۔ اگر کجلی بنا کر پکایا جائے تو شنگرف کی طرح سرخ ہوجاتی ہے نمک وغیرہ میں کھرل کرکے بار بار ترش پانی سے دھوئیں تو سفید ہوجاتی ہے۔ نمک جیسی ہلکی دھاتوں میں ملا کر بھی بعض لوگ اس کو قائم النار کرلیتے ہیں اور پھر اکسیر کا کام لیتے ہیں۔

کہتے ہیں کہ جب یہ سفید ہوجاتی ہے تو پھر دھاتوں کو نہ سیاہ کرتی ہے اور نہ کھاتی ہے۔ کیونکہ اس طرح اس کے اندر جو کچھ تیزابی مادہ ہوتا ہے دور ہوجاتا ہے اور یہ بھی کہتے ہیں کہ اس کا تیل چاندی اور تانبے کو رنگ دیتا ہے اور شنگرف کو قائم النار کردیتا ہے۔ اس کا تیل نکالنے کے بہت سے نسخے ہیں۔ ان میں عام طور پر نوشادر، سجی، کھار، سہاگہ، کافور، پارہ، نیلاتھوتھا، سنکھیا وغیرہ استعمال کرتے ہیں۔

طبعی خواص: اس کا مزاج تیسرے درجے میں گرم خشک ہے لیکن یہ یاد رکھیں کہ اس میں جس قدر چونا زیادہ ہوگا اسی قدر خشک زیادہ اور گرم کم ہوگی اور جس قدر یہ صاف ہوگی اسی قدر زیادہ گرم اور سفید ہوگی۔ بہت اچھی ملین، معدی، ایسی خون کی خرابی میں جس میں حرارت کی کمی ہو فوراً خون کو صاف کرتی ہے۔ مولد حرارت، دافع ریاح شکم و سوزش عضلات ہے۔ اس وجہ سے محلل اورام اور مسکن اوجاع ہے۔ اکثر اقسام جراثیم کے لئے قاتل ہے۔ اگر اس کو مکمل طور پر چونا سے صاف کرلیا جائے تو ہر قسم کے خون آنے کو روکتی ہے۔ اسی لئے بواسیر اور شقاق المقعد کے لئے مفید ہے۔ خشک کھانسی دمہ اور پرانے بخاروں میں یقینی دوا ہے۔ درحقیقت یہ دوا دافع سموم اور سدہ کے لئے بڑے دعوے کے ساتھ استعمال کی جاسکتی ہے۔ بیرونی طور پر خارش، زخم، داد اور چنبل کے مفید ترین دواؤں میں شمار ہوتی ہے۔

گندھک کے مختلف نام: کسی دوا کے جس قدر زیادہ نام رکھے جاتے ہیں وہ سب اس کی خوبیوں پر دلالت کرتے ہیں کیونکہ جو شخص بھی کسی دوا میں سب سے زیادہ خوبی دیکھتا ہے، اس کو اسی نام سے پکارتا ہے۔ چونکہ گندھک کے بھی بہت سے نام ہیں۔ وہ سب اس کی خوبیوں پر دلالت کرتے ہیں۔ اگر ان کی توضیح کی جائے تو بہت زیادہ دلچسپی کا باعث ہوگی مگر مضمون کی طوالت کے خیال سے نظر انداز کرتے ہیں، صرف ناموں پر اکتفا کرتے ہیں جیسے گوگرد، کبریت، حردوس، اصل حار، عقرب، ہرتقون، روش زاد، عروسک، سندروس، حضر، اصغرحضر رومی، مدیخ اصلی، روغن داغ، پاروتی وغیرہ۔

گندھک کے نقصانات: فوائد کے مقابلہ میں اس کے نقصان برائے نام ہیں۔ اس کے نقصان اس وقت ظاہر ہوتے ہیں جب اس کو

اچھی طرح سے صاف نہ کیا جائے یا بغیر ضرورت استعمال کیا جائے یا غلط استعمال کیا جائے۔ اسی طرح مقدار خوراک سے زیادہ استعمال کرانے سے بھی اس سے تکلیف ہو جاتی ہے۔ اس کے نقصانات میں عام طور پر ضعف قلب اور خاص طور پر قلب کے غشاء میں سوزش، زحیر، بعض اوقات خونی پیچش، گردے اور جگر سکڑ جاتے ہیں۔ خون کا دباؤ بڑھ جاتا ہے۔ چڑے کی غشاء مخاطی سے لے کر آنتوں تک سب سوزش نازک ہو جاتی ہے جس سے نزلہ اور کھانسی کی شکایت پیدا ہو جاتی ہے۔ خصیئے بھی سکڑنے شروع ہو جاتے ہیں۔ بھوک بند ہو جاتی ہے۔ ہر وقت طبیعت میں وحشت رہنے لگتی ہے جسم میں صفراء زیادہ پیدا ہونے شروع ہو جاتا ہے اور غصہ بڑھ جاتا ہے۔ رنگت زرد ہونا شروع ہو جاتی ہے۔ آخر میں بخار بھی شروع ہو جاتا ہے جو پسینہ آ کر اُتر جاتا ہے۔ جسم پر دانے نکل آتے ہیں۔ جسم میں چونا کم ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ خون میں رقت پیدا ہو جاتی ہے۔ طبیعت کمزور کمزور لگتی ہے۔ جسم میں استقلال ختم ہو جاتا ہے۔ آخر میں ضعف عضلات پیدا ہو کر فالج کی صورت پیدا ہو جاتی ہے۔

کیمیاوی اعمال: گندھک کیمیاوی اعمال کا ایک اہم جزو ہے۔ گویا اس کے بغیر کوئی کیمیاوی عمل تکمیل پذیر نہیں ہو سکتا۔ کیمیاوی اعمال صنعت و حرفت کے علاوہ گندھک اور اس سے متعلقہ ادویہ اکسیر و رسائن اور کشتہ جات تیار کرنے میں ایک اہم عمل انجام دیتی ہیں مثلاً پارہ کے ساتھ ملانے سے فوراً اس کا جسم راکھ ہو جاتا ہے۔ اس طرح سنکھیا اور دوسری دھاتوں میں مل کر ان کے اثرات و افعال میں تغیر پیدا کر دیتی ہے۔ ہر قسم کے تیزابی اور غیر تیزابی یعنی کھاری شے اور دھات کا کشتہ گندھک اور اس کے متعلقہ ادویات میں ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ تانبے کا کشتہ اس میں ہو جاتا ہے۔ حجریات کے کشتہ جات اس میں بے حد آسانی سے ہو سکتے ہیں۔

دیگر اعمال مثلاً اس کو صاف کرنا، اس کو سفید کرنا، اس کو سرخ کرنا، اس کو قائم کرنا، اس کو تیل کرنا، اس کو عامل بنانا، اس کا تیزاب تیار کرنا، اس کا جوہر اڑانا، اس کا محلول بنانا وغیرہ۔ اکثر معروف کتب میں درج ہیں۔ ان کا ذکر یہاں اس لئے نہیں کیا گیا کہ باعث طوالت ہوگا۔ بہت جلد کیمیا کا سلسلہ شروع کرنے والے ہیں۔ اس کی مبادیات بیان کرنے کے بعد ان تمام کی صحیح صورتیں اور تراکیب ذہن نشین کرائیں گے تاکہ اس علم سے پوری واقفیت ہو جائے اور آئندہ غلط اور صحیح اکسیر اور رسائن کا امتیاز ہو سکے۔ اب ذیل میں چند اہم نسخے لکھ دیتے ہیں تاکہ ممبران ان سے مستفیض ہو سکیں۔

① **اکسیر کبریت:** گندھک ۷ حصہ پارہ ایک حصہ۔

ترکیب: دونوں کو نصف گھنٹہ کھرل کر کے رکھ دیں اور تین یوم تک پڑا رہنے دیں۔ بس تیار ہے۔ (غدی حار) جسم میں ہر قسم کی سوزش مثلاً نیا پرانا نزلہ کھانسی، قے معدہ، سوزش اسہال، جگر اور گردہ میں سوزش، پرانا سوزاک، آتشک اور ہر قسم کے اندرونی اور بیرونی زخم، خشک استعمال کریں یا کسی تیل اور گھی وغیرہ میں ملا کر استعمال کریں۔ اس دوا کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ جس کسی دوا میں ملا دیں گے اس کا اثر بیس گنا زیادہ ہو جائے گا۔ گویا ایک قسم کا امرت دھارا ہے جسم میں بے پناہ حرارت پیدا کرتی ہے اور مصفی خون ہے۔ **مقدارِ خوراک:** ایک رتی سے ۳ ماشے تک ہمراہ پانی یا مناسب بدرقہ۔

② **تریاق غدد:** گندھک ۳ تولے، گل عشر ۳ تولے، سہاگہ سفید ۳ تولے۔

ترکیب: سفوف بنالیں۔ خوراک ایک رتی سے ۴ رتی تک ہمراہ آب نیم گرم۔

اثرات و افعال: (غدی اعصابی) ہلکا ملین۔ پرانی پیچش، پرانی کھانسی و نزلہ، دمہ کلوی، پرانا بخار مثلاً ملیریا وغیرہ میں بے حد مفید ہے۔ اگر اس کو ذرا سمجھ کر استعمال کیا جائے، دق الامعاء اور محرقہ میں بھی ایک کامیاب دوا ہے۔ گردہ مثانہ، خصیوں وغیرہ کی سوزش اور پیشاب و پاخانے

میں جلن کے لئے دعویٰ کی دوا ہے۔

③ **گندھک** - ہلیلہ سیاہ سوختہ ہم وزن (ملیّن حار)۔

ترکیب : ہلیلہ سیاہ کو اوّل گھی لگا کر آگ پر سوختہ کر لیں پھر گندھک کا سفوف ملا لیں۔ **مقدارِ خوراک**: ایک ماشہ سے 6 ماشے تک۔

اثرات و افعال : (غدی عضلاتی) ایک بہت اچھا بلغمی ملیّن ہے۔ ہر قسم کے بلغمی نزلہ و زکام، کھانسی دمہ اور بخاروں میں مفید ہے۔ معدہ اور امعاء کو تقویت دیتا ہے۔ بھوک لگاتا ہے، بے حد مقوی قلب ہے، بچوں کے لئے خاص طور پر مفید ہے۔ ان کی خوراک نصف یا چوتھائی ہونی چاہیے۔ یہ تمام نسخے صندوقچہ کے ہیں، ہر وقت مطب میں تیار رہنا چاہئیں۔

چونا ۔ کیلشیمؐ

کائنات اور زندگی کا سب سے بڑا جز چونا ہے۔ اگر اس جز کو کائنات اور زندگی سے نکال دیا جائے تو یہ دونوں چیزیں ہی بیکار ہو جائیں۔ کائنات اور زندگی، آگ، ہوا، پانی اور مٹی جیسے ارکان سے مل کر بنی ہیں تو تسلیم کرنا پڑے گا کہ چونا صاف شدہ مٹی ہے جو صدیوں دریاؤں کی روانی سے ڈھل کر ہزاروں سال سمندر کی گہرائیوں میں صاف ہوتی جمتی اور سخت ہوتی رہی پھر پتھر بن کر پہاڑوں کی صورت میں دُنیا پر نمودار ہوئی۔ اس طرح صدیوں کی اصلاح وارتقاء کے بعد یہ ایک نیا جسم اور نیا قالب اختیار کر کے دُنیا اور دنیا کے لئے ایک نئے انداز میں مفید اور کار آمد ثابت ہوئی۔

اگر ماڈرن سائنس کی نگاہ سے دیکھا جائے تو یہ مٹی اپنے اندر 80-90 کے قریب عناصر (ایلیمنٹ) رکھتی ہے، لیکن اگر ان سب کا کیمیاوی تجزیہ کیا جائے تو جہاں تک مادہ کی تین حالتوں (ٹھوس، مائع اور گیس) کا تعلق ہے تو ٹھوس صورت میں وہ سارے عناصر میں نہ صرف شریک ہے بلکہ اس ٹھوس مادے کے اثرات مائع اور گیس میں بھی پائے جاتے ہیں۔ اس طرح اگر موالید ثلاثہ (جمادات، نباتات اور حیوانات) کا بھی کیمیاوی تجزیہ کیا جائے تو ان سب میں مٹی اور اس کے عناصر کسی نہ کسی رنگ میں پائے جائیں گے۔ اس کی صاف اور منزہ حالت کو ہی پتھر کہا جاتا ہے۔

پرانے علم کیمیا میں ہر چیز یہاں تک کہ دھاتوں کی پیدائش کے اصل کو بھی پتھر سے تسلیم کیا گیا۔ انہوں نے پتھر سے لے کر گندھک وسیماب اور چاندی سونے تک سب کو پتھر کی اصلاحی اور ارتقائی صورت میں تسلیم کیا ہے جو کانوں میں صدیوں تک پڑے رہنے اور سورج کی تپش وحرارت، بارش کے پانی کے مختلف تغیرات وتخمیر اور مختلف گیسوں کی تبدیلی اور سڑاند کے بعد اپنی قسم قسم کی خوبصورت اور حسین شکلوں میں نمودار ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ یہی پتھر کبھی شدت حرارت سے لطافت اختیار کر کے بھک سے اڑ جانے والا مادہ بن جاتا ہے جو نباتی (پتھر کا کوئلہ) کے ساتھ مل کر جلتا ہے اور دھاتوں کے ساتھ مل کر لاوا بنا دیتا ہے اور اکثر آتش فشاں کی شکل میں آتش بار بن جاتا ہے۔ جب پہاڑ آتش فشانی کرتے ہیں اور لاوا اُگلتے ہیں، زمین میں زلزلے آتے ہیں جن سے نقصان بھی ہوتے ہیں اور فائدے بھی ظاہر ہوتے ہیں۔ کبھی یہی پتھر مختلف کیمیاوی تبدیلیوں کے بعد ایسی لطافت اختیار کر لیتے ہیں کہ اس سے ہیرے، جواہرات اور لعل بدخشانی پیدا ہو جاتے ہیں گویا یہی مٹی، پانی و ہوا اور آگ کی طاقتوں سے صاف ومنزہ ہو کر پتھر سے ایک طرف جمادات میں لعل اور سونا بنتا ہے۔ دوسری طرف نباتات میں کھجور اور انگور کے روپ اختیار کرتی ہے تو تیسری طرف حیوانی زندگی کی شکل میں نظر آتی ہے۔ حیوان ناطق میں اس کی موجودگی نہ صرف خون اور ہڈیوں میں نمایاں ہے بلکہ گوشت کی ہر بوٹی اور اس کے ہر ذرے میں نظر آتی ہے۔ ام الکتاب میں

جو یہ کہا گیا ہے کہ انسان سنی ہوئی مٹی سے پیدا کیا گیا ہے۔ یہی وہ سنی ہوئی مٹی ہے جو صدیوں کی محنت کے بعد صاف و منزہ ہو کر پتھر کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔

پتھر جب جل جاتا ہے یا جلایا جاتا ہے تو اس کو چونا کہتے ہیں۔ چونا ایک سفید ٹھوس لو ہے جو کھڑیا یا چونے کے پتھر کو جلانے سے بنتا ہے۔ یہ دونوں چیزیں سائنس میں کیلشیم کاربونیٹ کہلاتی ہیں۔ انہی پر کچھ منحصر نہیں ہے۔ بلکہ ہر کیلشیم کاربونیٹ سو حصوں سے چونا کے ۵۶ حصے (وزن کے اعتبار سے) پیدا ہوتے ہیں اور کاربن ڈائی آکسائیڈ کے ۴۴ حصے خارج ہوتے ہیں۔ اگر سو من پتھر کو پتھر کے کوئلے کے ساتھ ملا کر بھٹی میں آگ دی جائے تو ۵۶ من چونا تیار ہوتا ہے۔ اس طرح تیار کئے ہوئے چونا کو ان بجھا چونا کہتے ہیں۔ جب ان بجھے چونے پر پانی ڈالا جائے تو پانی کے ساتھ ترکیب کھا جاتا ہے اور اس کیمیاوی امتزاج کے دوران میں اس قدر حرارت پیدا ہوتی ہے کہ بھاپ خارج ہونے لگتی ہے۔ ان بجھے چونے پر پانی ڈالنے کے عمل کو چونا کا بجھانا کہتے ہیں۔ ان بجھے چونے کے ۵۶ حصے پانی کے ٹھیک ۱۸ حصے سے (وزناً) آمیز ہو کر بجھے ہوئے چونے کا خشک سفوف تیار کرتے ہیں۔ بجھا ہوا چونا پانی میں کسی قدر قابل حل ہے اور اس کے محلول کو چونے کا پانی کہتے ہیں۔ چونے کا محلول کھاری ہوتا ہے اور سرخ لٹمس کو نیلا کر دیتا ہے۔

اقسام چونا

چونا تین قسم کا ہوتا ہے: (۱) جماداتی چونا (۲) نباتاتی چونا (۳) حیوانی چونا۔

ہم اوپر لکھ چکے ہیں، چونا زندگی اور کائنات کا سب سے بڑا جز ہے۔ اس لئے موالید ثلاثہ کے ہر جسم میں پایا جاتا ہے۔ البتہ جب ہم موالید ثلاثہ کو ٹھوس مائع اور گیس میں تقسیم کرتے ہیں تو یہ چونا ٹھوس میں تو سب سے بڑا جز ہوتا ہے لیکن مائع اور گیس میں کہیں پایا جاتا ہے اور کہیں نہیں پایا جاتا۔ پانی یا دیگر چیزوں میں خالص تو برائے نام حل ہوتا ہے البتہ دیگر اشیاء کے ساتھ مل کر کیمیاوی طور پر حل ہو جاتا ہے۔ گیس کی صورت میں عام طور پر کاربن کی شکل میں پایا جاتا ہے۔ یہ امر ذہن نشین رکھیں کہ کاربن کی تخلیق بغیر تخمیر کے عمل میں نہیں آتی۔ گویا ہر قسم کا پتھر، کنکر اور چونا کی پیدائش مٹی یا دیگر شے کی تخمیر کے بعد عمل میں آتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پتھر، کنکر، سنگ مرمر اور دیگر قسم کے حجریات اور گھونگے، سیپ اور انڈوں کے خول وغیرہ کو فرنگی سائنس میں کیلشیم کاربونیٹ۔ ایک کیمیاوی مرکب ہے جو دو کیمیاوی مرکبوں کیلشیم اوکسائیڈ اور کاربن ڈائی اوکسائیڈ کے امتزاج سے بنا ہے یا یوں کہتے کہ کیلشیم کاربونیٹ تین عناصر کیلشیم، کاربن اور آکسیجن پر مشتمل ہوتا ہے، ان کا عنصری تناسب اس طرح ہے کہ کیلشیم ایک حصہ، کاربن ایک حصہ اور آکسیجن تین حصے۔

جب کیلشیم کاربونیٹ (پتھر وغیرہ) کی شکل کو خوب گرم کیا جاتا ہے تو کاربن ڈائی اوکسائیڈ خارج ہو جاتی ہے اور باقی چونا رہ جاتا ہے۔ اسی طرح جب کیلشیم کاربونیٹ پر کوئی تیزاب عمل کرتا ہے تو اس کی تحلیل ہو جاتی ہے اور کاربن ڈائی اوکسائیڈ چھوڑ دیتا ہے۔

اوّل قسم - جماداتی : ہر قسم کا پتھر، کنکر، سنگ مرمر، سنگ جراح، ابرق، سنگ یشب، حجر الیہود، زہر مہرہ، سنگ سرماہی، شادنہ۔ جواہرات میں الماس جس کو ہیرا کہتے ہیں، یاقوت، پکھراج، یاقوت زرد، نیلم یاقوت کبود، زمرد یا پنا، مرجان یا مونگا، عقیق، فیروزہ، لاجورد۔

دوم - نباتاتی : اکثر ادویہ اور اغذیہ میں کیلشیم کے اثرات نمایاں طور پر پائے جاتے ہیں۔ جیسے آلو، گوبھی، شکر قندی، سیم، اکثر نباتاتی دودھ، پتھر کا کوئلہ۔

سوم - حیوانی : سیپ، موتی، گھونگھا، کوڑی، انڈوں کے چھلکے، بارہ سنگا، ہڑتال، اکثر حیوانی دودھ۔

افعال : ان بجھا اپنی تیزی کی وجہ سے محمر، محرک، مجلا، مقرح، محرق، محلل، منضج اورام محلق شعر۔

بجھا ہوا چونا اپنی تیزی ختم کر دیتا ہے اور اس میں مندرجہ بالا تمام خواص میں بے حد کمی واقع ہو جاتی ہے۔ اکثر اہل فن بجھے ہوئے چونے کے خواص کو ادھ بجھے چونا کے خواص سے بالکل مختلف لکھتے ہیں۔ یہ بات بالکل غلط ہے۔ یہ صرف اس کی تیزی کی کمی بیشی کا فرق ہے جو صرف بیرونی طور پر محسوس کیا جا سکتا ہے لیکن جہاں تک اس کے کیمیاوی یا خوردنی افعال کا تعلق ہے اس میں ذرہ برابر فرق نہیں پایا جاتا۔ اس کی صورت بالکل ایسی ہے جیسے زہریلی ادویات، ثقیل اثرات و افعال کی وجہ سے بے ضرر ہو جاتی ہے ورنہ افعال میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔ جاننا چاہئے کہ زہر جن اعضاء پر کثیر مقدار یا تیز صورت میں اثر کرتا ہے ثقیل صورت میں بھی انہی اعضاء پر اثر انداز ہوتا ہے۔ صرف اعضاء کا احساس اس کی کثرت اور قلت کا اظہار کرتا ہے اور اس طرح کیمیاوی طور پر بھی جسم کے افعال میں کوئی فرق نہیں ہو سکتا۔ گویا چونے کے بجھ جانے کی صورت میں اس کے اندر ایک قسم کی کیمیاوی طور پر تقلیل واقع ہو جاتی ہے۔

مزاج: اس کا مزاج عام طور پر ان بجھ کی صورت میں گرم خشک چوتھے درجے میں لکھا گیا ہے اور بجھے ہوئے چونے کی صورت میں بھی اس کا مزاج گرم خشک ہی قرار پایا ہے۔ اگرچہ درجات کے تحت درجہ دو درجہ کم ہی تسلیم کیا گیا ہے۔ یہ نہیں ہے کہ بجھے ہوئے چونے کے افعال و اثرات میں خفت اور شدت کے سوا کوئی فرق نہیں ہے۔ اس کا تجربہ پان کھانے والے اکثر کرتے رہتے ہیں۔

نوٹ: چونا کی خشکی تو تسلیم شدہ حقیقت ہے لیکن جہاں تک اس کی گرمی کا تعلق ہے وہ غور طلب معاملہ ہے۔ کیونکہ اگر گرمی کے معنی اس کی تیزی ہے، جو اس کی کھاریت (الکلائن) کی تیزی (کاسٹک) کی وجہ سے ہے تو یہ بات بے شک سمجھ میں آتی ہے اور اگر اس کی گرمی کی وجہ سے صفرا کی پیدائش ہے تو یہ بات قابل تسلیم نہیں ہے کیونکہ کوئی جس قدر بھی چاہے چونا استعمال کرلے جسم میں صفرا پیدا نہیں ہوتا بلکہ صفراء کا اخراج ہوتا ہے۔ مسلسل استعمال سے چند دنوں میں صفرا ختم ہو جاتا ہے۔ اس لئے اس کو اس معنی میں گرم تصور کرنا چاہئے کہ یہ جسم میں صفرا پیدا کرتا ہے۔

اثرات: (اعصابی عضلاتی) چونے کے استعمال سے جسم میں نہ صرف تیزابیت کم ہو جاتی ہے بلکہ صفراء بھی ختم ہو جاتا ہے۔ خون گاڑھا ہو جاتا ہے مگر اس کا دباؤ کم ہو جاتا ہے۔ درجہ حرارت گر جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کو حابس خون اور مسکن کہتے ہیں۔ اس میں ایک ایسی خوبی ہے جو بہت کم اشیاء میں پائی جاتی ہے۔ یعنی ایک طرف یہ مشینی طور پر اپنے کھاری پن سے خون کے جوش اور ترشی کو کم کرتا ہے اور دوسری طرف کیمیاوی طور پر خون کو گاڑھا کرتا ہے اور جسم میں حابس اور قابض اثرات پیدا کرتا ہے۔ اس طرح ایک طرف یہ خون کو گاڑھا کر کے اس میں طاقت کا باعث ہوتا ہے تو دوسری طرف جگر کی سوزش سے جسم پر جو علامات خصوصاً پھوڑے پھنسیاں اور گرمی دانے نکلتے ہیں ان کو دور کرتا ہے۔ اس کے اسی اثر کی وجہ سے جسم کے جل جانے کے لئے اس کو تیل میں ملا کر استعمال کرتے ہیں۔ جہاں پر مرہم حیات کا کام کرتا ہے۔ فوراً جسم کو برف کی طرح ٹھنڈا کرنے کے ساتھ ساتھ زخموں کو بھی بھرنا شروع کر دیتا ہے۔

معدہ و امعاء کی ترشی ختم کرنے کے ساتھ ساتھ ان عضلات کو مضبوط کرنا شروع کر دیتا ہے۔ عضلات کے ڈھیلے پن کے لئے اکسیر دوا ہے، گویا معدہ و امعاء میں تقویت آ جاتی ہے۔ بھوک بڑھ جاتی ہے۔ خون بننا شروع ہو جاتا ہے۔ معدہ و امعاء کے لئے اس حد تک مقوی ہے کہ ہیضے تک میں ایک اعتماد کی دوا ہے۔ اس کے استعمال سے معدہ اور امعاء میں ایک ہلکی سی قبض بھی پیدا ہو جاتی ہے۔ اگر صفراء کی زیادتی سے جسم میں کہیں سے اندرونی یا بیرونی طور پر خون آتا ہو تو اس کا استعمال فوری طور پر خون کو روک دیتا ہے۔ جگر اور گردوں پر اس کا اثر محلل پڑتا ہے۔ ان میں اگر اورام ہوں یا ان میں سوزش ہو یا زخم ہوں تو اس کے استعمال سے فوراً دور ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔ ان کے علاوہ جسم کے ہر غدد پر تقریباً ان کا یہی اثر ہوتا ہے۔ اس لئے شقاق حلمہ، شقاق مقعد خفیفہ وغیرہ پر جسم کے تمام وہ اعضاء جن میں

چونے کے اجزاء پائے جاتے ہیں ان کے لئے اکثر مفید ثابت ہوتا ہے۔ مثلاً ہڈیاں، دانت، عضلات اور لچکیلے ریشے وغیرہ اور خاص طور پر جب خون کے گاڑھے پن میں کمی واقع ہو جائے۔ ضعف عضلات میں ایک دعویٰ کی دوا ہے۔ یہ ضعف چاہے شریانوں میں ہو چاہے وریدوں میں، بواسیر خونی، پنڈلیوں کی رگوں کا پھول جانا، غدود کی سختی چاہے وہ پتھر کی سختی اختیار کر گئی ہو۔ اس کے استعمال سے رفع ہو جاتی ہے۔ اسی طرح رحم کی کمزوری یا خصیۃ الرحم کا سکڑ جانا اور سوزش اور ان کی وجہ سے ماہواری کی خرابی میں بھی ایک مفید دوا ہے۔ یعنی حیض کی زیادتی کو اعتدال پر لے آتا ہے۔

کمزور انسانوں، خصوصاً عورتوں اور بچوں کے لئے مفید دوا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ گرائپ واٹر کی صورت میں اس کو استعمال کیا جاتا ہے جو صرف ہلکے چونے کا پانی ہوتا ہے۔ اس لئے دودھ پیتے بچوں کے اسہال اور قے میں ایک مفید دوا ہے۔ اس کے علاوہ کمزوری خون اور کھانسی میں بھی جو عضلاتی اور پھیپھڑوں میں کمزور اور بلغم کی زیادتی سے ہو، مفید ہے۔ اسی طرح بچوں کی کمزور ہڈیوں اور مرض کساح میں بھی مفید ہے۔ عورتوں کی ماہواری کو درست کرنے کے ساتھ ساتھ سیلان کو بھی روکتا ہے اور طاقت دیتا ہے۔ پرانے بخاروں، پسینہ کی زیادتی، اندرونی و بیرونی زخم، جلد پر خونی نشان یا جلد کی نزاکت وغیرہ کے لئے بے حد مفید دوا ہے۔

بیرونی جلد کے ساتھ ساتھ اندرونی جلد یعنی غشاء مخاطی پر بھی اس کا غیر معمولی اثر پڑتا ہے اور اس کی سوزش رفع ہونا شروع ہو جاتی ہے اور اس کا تشنج رفع ہو جاتا ہے۔ مختصر یہ ہے کہ چونا مقوی خون و عضلات اور عظم ہے جس کے ساتھ غدد اور غشائے مخاطی کے اورام اور سوزش کے لئے بے حد مفید ہے بلکہ بہت کم ادویات اس کا مقابلہ کر سکتی ہیں۔

اس کے نباتی اور حیوانی اقسام میں جماداتی چونے کی نسبت حرارت زیادہ ہے مگر طاقت کے مدنظر دھاتوں کے کشتے زیادہ اثر رکھتے ہیں۔ دِل تو یہ چاہتا ہے کہ مندرجہ بالا تمام چونے کے اقسام اور اس کے متعلق ادویہ اور اغذیہ کا تفصیل سے ذکر کیا جائے لیکن طوالت کے خوف سے صرف اصولوں پر اکتفا کر دیا گیا ہے۔ چند مجربات درج ذیل ہیں۔

خمیرہ مفرح و مقوی قلب

کشتہ سیپ ۱۰ ماشے، روغن صندل ۱۰ بوند، خمیرہ گاؤزبان سادہ ۲۰ تولے۔

ترکیب: اوّل کشتہ میں روغن ڈال کر نصف گھنٹہ کھرل کریں۔ پھر خمیرہ میں خوب اچھی طرح حل کر لیں۔

خوراک: ۳ ماشے سے ۶ ماشے تک۔

افعال و اثرات: (اعصابی عضلاتی) مفرح و مقوی قلب، سوزش معدہ و امعاء مزمن، سینے اور دِل کی جلن، حرکت بول، سوزش مقعد، پرانے اور نئے اسہال، سوزشی نزلہ، کمی اور کمزوری خون، دُبلا پن، جسم کا ڈھیلا ہونا مفید ہے۔

کلس رماسی

کشتہ عقیق ۶ ماشے، کشتہ رصاص ۲ ماشے، دونوں کو باہم ملا لیں، بس تیار ہے۔

خوراک: ایک رتی سے ایک ماشہ تک۔

پھل اور میوہ جات

آم

تعارف : عربی میں انج، فارسی میں آنج، انگریزی میں مینگو کہتے ہیں۔ایک مشہور اور عام پھل ہے جو پاک و ہند میں کثرت سے پایا جاتا ہے۔اس کے درخت کو باغوں کی صورت میں لگایا جاتا ہے۔اس کے باعث بہت طویل وعریض ہوتے ہیں۔

دراصل آم نہ صرف من بھاتا پھل ہے بلکہ ملک کی بہت بڑی دولت ہے۔آم اور ان کے مرکبات دیگر ممالک کو بھی بھیجے جاتے ہیں۔آم کی دو بڑی اقسام ہیں: (۱) دیسی (۲) قلمی۔پھر ان کی بے شمار اقسام ہیں۔قلمی بہت پسند کیا جاتا ہے۔قلمی میں ذیل کی قسمیں پائی جاتی ہیں: لنگڑا، دسہری، سفیدہ، انور رٹول اور سہارن پوری وغیرہ۔یہ سب بے حد شیریں اور لذیذ ہوتے ہیں۔

آم موسم گرما کا امرت پھل ہے۔اس کا شیریں رس واقعی آب حیات ہے۔اپنی طاقت اور غذائی اجزاء کی وجہ سے یقیناً تمام پھلوں کا بادشاہ ہے۔لیکن اپنے علاقے میں اس کثرت سے پیدا ہوتا ہے کہ غریب سے غریب بھی پیٹ بھر کر کھالیتا ہے۔بلکہ بعض مقامات پر خودرو ہی پیدا ہوجاتا ہے۔ایسے آم کو رانی آم کہتے ہیں۔اس کا ذائقہ دل پسند ہوتا ہے۔لطف کی بات ہے کہ ہر ذائقہ کا آم مل جاتا ہے۔نیز میٹھا، معتدل میٹھا، ہلکا میٹھا، تیز میٹھا، ساتھ ہلکی ترشی کھٹ میٹھا، انتہائی ترش اور ان سب کے بین بین بھی ذائقے مل جاتے ہیں۔عام طور پر پختہ پھل میٹھا اور خام ترش ہوتا ہے۔

درخت آم : آم کا درخت بہت بڑا ہوتا ہے اور سدا بہار درخت ہے۔تمام سال سرسبز رہتا ہے۔اس کے پھل کے علاوہ اس درخت کے تمام اجزاء ادویہ میں مستعمل ہیں۔آم کی چھال، پھل و گٹھلی اور گوند وغیرہ سب اپنی اپنی جگہ مفید ہیں۔

رنگ اور ذائقہ : پختہ زرد سفیدی یا سرخی مائل شیریں یا شیریں ترشی مائل، بعض سبز لیکن اندر سے زرد سفیدی یا سرخی مائل۔خام سبز رنگ اور ترش تیزی لئے ہوئے پھول و گوند اور گٹھلی سفیدی مائل بھوری سیاہی مائل اور پتے ہوتے ہیں۔

مزاج : پختہ آم شریں گرم وتر دوسرے درجے میں خام آم ترش، خشک سرد، پھول، گوند، پتے، چھال ترگرم اور گٹھلی سرد خشک ہوتی ہے۔

مقدار خوراک : بقدر ضرورت پیٹ بھرلیں۔باقی اجزا ایک ماشہ سے ایک تولہ تک۔

افعال و اثرات : پختہ شیریں آم غدی اعصابی مقوی ہے یعنی غدی محرک، عضلاتی اور اعصابی مسکن۔خام ترش آم عضلاتی، اعصابی، پھول گوند، پتے اور چھال اعصابی غدی اور گٹھلی عضلاتی اعصابی۔کیمیاوی طور پر خون میں حرارت کی پیدائش اور خون میں رقت پیدا ہوجاتی ہے۔

خواص : مقوی گردے وجگر اور غدد، مؤلد حرارت در طوبات، مسمن بدن، ہاضم، ملین، مقوی باہ، خام مقوی معدہ وقلب اور مسکن اعصاب۔ تمام طبی کتب میں خام وترش آم کا مزاج سرد خشک لکھا ہے لیکن ہم نے اس کا مزاج گرم خشک (عضلاتی غدی) لکھا ہے۔ہم نے املی کے خواص

میں لکھا تھا کہ ترشی دو قسم کی ہوتی ہے: (۱) سرد ترشی جیسے املی کی ترشی ہوتی ہے۔ (۲) گرم ترشی جیسے اچار اور کشمش کی ترشی وغیرہ۔ آم کی ترشی بھی گرم ترشی ہوتی ہے۔ دلیل یہ ہے کہ ہر گرم شے کی ترشی اپنے اندر حرارت رکھتی ہے۔ اگر اس میں حرارت نہ ہو تو اس شے میں حرارت پیدا نہیں ہو سکتی۔ یہی صورت ایسے میٹھے آم کی بھی ہے جس میں ترشی بھی پائی جاتی ہے۔ یقیناً اس کا مزاج گرم خشک (غدی عضلاتی) ہوتا ہے۔ ایسے آم کھانے سے خون کی بجائے جسم میں صفرا پیدا ہوتا ہے۔ لہٰذا پختہ آم کو گرم تر خیال کر لینا صحیح نہیں ہے۔

بعض کتب میں خام و ترش آم کو لُو کے دور کرنے کے لئے نہایت مفید لکھا ہے۔ واقعی مفید ہے۔ جس کے دو طریقے بیان کئے ہیں:

① خام آم چھیل کر قاشیں بنا کر پانی میں بھگو دیں۔ جب پانی میں ترشی پیدا ہو جائے تو اس کو میٹھا کر کے پلائیں۔

② خام آم کو گرم خاکستر میں دبا دیں۔ جب وہ پختہ ہو کر نرم ہو جائے تو اس کو نچوڑ کر میٹھا ملا کر لُو زدہ مریض کو پلائیں بہت جلد آرام آ جاتا ہے۔ جب تیز دھوپ میں گرمی کی شدت سے غش آ جائے جسے انگریزی میں سن سٹروک کہتے ہیں، اس کے لئے بہت مفید ہے۔

غلط فہمی:

خام آم کا رس جس کو گرم خاکستر میں پختہ کر کے نکالا گیا ہو ضربِ شمسی (سن سٹروک) کے لئے یقیناً مفید ہے۔ لیکن اس مقصد کے لئے ضروری نہیں کہ آم کی ترشی ہی ہو۔ کوئی بھی گرم ترشی ہو یقیناً مفید ہے۔ جیسے منقّیٰ کو پانی میں پیس کر گرم کریں۔ پھر تازہ کر کے پلا دیں۔ آم کی تخصیص اس لئے ہے کہ لُو سخت گرم موسم میں لگتی ہے اور اس موسم میں آموں کی کثرت ہوتی ہے۔ آسانی سے مل جاتے ہیں اور ان کا رس بھی نکل آتا ہے۔ بہرحال گرم ترشی کے خواص میں سے ایک تحقیقات لکھ دی ہے تاکہ ضرورت کے وقت اس سے کام لیا جا سکے اور اس کے اثرات و افعال کا پورا علم ہو جائے۔ یاد رکھیں کہ سرد ترشی مسکنِ جگر و غدد ہے۔ مگر گرم ترشی کا اثر ان میں حرارت پیدا کر دیتا ہے۔

پختہ شیریں آم میں کافی مقدار میں گندھک اور مٹھاس پیدا ہو جاتی ہے جس کا اخراج گردوں کے ذریعے ہوتا ہے۔ اگر زیادہ آم کھا لئے جائیں تو بعض اوقات پیشاب میں جلن پیدا ہو جاتی ہے۔ اس کا علاج یہ ہے کہ دودھ کی لسی پی جائے لیکن یہ ضروری نہیں کہ جب آم کھائے جائیں تو لسی پی جائے۔ جب تک پیشاب میں جلن نہ ہو لسی ہرگز استعمال نہ کریں۔ اس طرح آم سے جو غذائیت اور طاقت پیدا ہونا ہوتی ہے وہ ضائع ہو جاتی ہے۔ آم کھا کر چائے بھی پی جا سکتی ہے جس سے کوئی نقصان نہیں ہوتا۔

آم کے پھول و پتے اور گوند و چھال وغیرہ گلے سے لے کر آنتوں کے غدد کی سوزش تک میں مفید ہیں۔ جوشاندہ اور سفوف وغیرہ کی صورت میں دے سکتے ہیں۔ زحیر اور ورم امعاء کے لئے تسلی بخش دوا ہے۔ آم چونکہ موسم گرما کا پھل ہے اس کا دوسرے موسم میں ملنا بے حد مشکل ہے۔ اس لئے اطباء نے چند مرکبات تیار کر لئے ہیں جو بوقت ضرورت کام دیتے ہیں۔ امرس و امچور اور اچار و مربہ وغیرہ اور آج کل آم کی میٹھی چٹنی، مینگو سکویش وغیرہ روزانہ کے استعمال کی چیزیں ہیں جو ہر موسم میں مل جاتی ہیں اس کی ہڈی کو آگ میں جلا کر اس کی گری نکال کر سفوف بنا لیں، مقوی معدہ امعاء اور ان کی کمزوری سے جو اسہال آتے ہیں، ان کے لئے بے حد مفید ہے۔

امرود

ایک مشہور پھل ہے۔ پختہ شیریں، ترشی مائل، لذیذ و خوش ذائقہ ہوتا ہے۔ اس کثرت سے استعمال ہوتا ہے کہ تقریباً ہر موسم میں مل جاتا ہے۔ عوام اس کے قتلوں پر نمک، مرچ اور لیموں نچوڑ کر کھانا بہت پسند کرتے ہیں۔ چاٹ کا ایک جزو خیال کیا جاتا ہے۔

مقام پیدائش: پاکستان اور ہندوستان کا امرود اپنی لذت اور اپنے ذائقہ کی وجہ سے دُنیا بھر میں مشہور ہے۔

اقسام: امرود دو قسم کا ہوتا ہے۔ایک سفید زردی اور دوسرا سفید سرخی مائل اور کچا امرود سبز رنگ کا ہوتا ہے۔

لذت اور ذائقہ: پختہ زرد سفیدی مائل اور سفید سرخی مائل، شیریں اور خوش ذائقہ۔خام سبز کسیلا اور پھیلا ہوتا ہے۔

مزاج: امرود زرد سفیدی مائل تر دوسرے درجے میں اور گرم پہلے درجے میں۔سفیدی سرخی مائل تر دوسرے درجے میں سرد پہلے درجے میں۔خام سرد خشک پہلے درجے میں ہوتا ہے۔

مقدار خوراک: نیم پاؤ سے نیم سیر تک کھا سکتے ہیں۔

افعال و اثرات: زرد سفیدی مائل اعصابی غدی یعنی اعصابی محرک غدی محلل اور عضلاتی مسکن ہے۔خون میں کیمیاوی طور پر کھاری پن پیدا کرتا ہے۔سفید سرخی مائل اعصابی عضلاتی یعنی اعصابی محرک وغدی محلل اور عضلاتی مسکن ہے۔کیمیاوی طور پر کھاری پن کے ساتھ کچھ ترشی بھی پیدا کرتا ہے۔غذائے دوائی ہے۔

خواص: مفرح، پختہ ملین، خام قابض ہاضم، مولد رطوبات وبلغم محرک ومقوی دماغ اور اعصاب۔

فوائد: کسی شے کی جتنی اقسام اور حالتیں ہوں، اس کے خواص وفوائد اور افعال میں بھی ضروری فرق ہوتا ہے۔یہی صورتیں امرود میں بھی پائی جاتی ہیں۔زرد سفیدی مائل اعصابی غدی ہوتا ہے۔جس سے رطوبات اور بلغم کی پیدائش کے ساتھ ساتھ حرارت کی پیدائش کچھ نہ کچھ ہوتی رہتی ہے یا دوسرے لفظوں میں حرارت ہی کی وجہ سے اعصاب میں تیزی ہوتی ہے۔سفید سرخی مائل اعصابی عضلاتی ہے، جس سے رطوبات اور بلغم کی پیدائش میں اس قدر شدت ہوتی ہے کہ اس سے غلظت اور ترشی پیدا ہو جاتی ہے۔دوسرے لفظوں میں حرارت کی پیدائش ختم ہو جاتی ہے۔جہاں تک خام اور امرود کا تعلق ہے وہ عضلاتی اعصابی ہے۔اس میں سرد غلظت اور ترشی بہت زیادہ ہوتی ہے۔اس لئے وہ قابض ہوتا ہے۔اس کے مقابلہ میں پختہ امرود ملین ہوتا ہے۔

ملین و ہاضم: کسی شے کا ملین وہاضم ہونا اس شے کی اپنی خصوصیت نہیں ہوتی بلکہ اس کے اپنے اثر وافعال کی کسی مفرد اعضاء پر شدت ہوتی ہے۔کبھی اس شے کے افعال واثرات میں شدت اور مقدار کی زیادتی ہوتی ہے اور کبھی عضو میں کمزوری ہوتی ہے۔اس کا اثر کبھی اعصاب پر ہوتا ہے اور کبھی عضلات وغدد پر ہوتا ہے۔جس مفرد عضو کے افعال واثرات میں شدت وتیزی ہوگی اسی کے عمل سے ہاضم اور ملین کی صورت پیدا ہوگی۔یہ کبھی نہیں ہوگا کہ ہمیشہ ہر قسم کی اشیاء کسی ایک ہی مفرد عضو پر اثر انداز ہو کر ہاضم اور ملین کا باعث ہوں۔یا تینوں مفرد عضو پر ایک جیسا عمل ہو کر ہاضم اور ملین کی صورت پیدا ہو جائے۔اس میں ہر مرض اور علامت کے لئے مختلف اقسام کے ہاضم وملین اور مسہل اشیاء واغذیہ اور ادویہ پائی جاتی ہیں۔

عمل کا فرق: ہر مفرد عضو کے افعال دو قسم کے ہوتے ہیں۔اس کی وجہ یہ ہے کہ عضو میں دو کیفیات ہوتی ہیں یعنی اس کا مزاج گرم تر ہوگا یا گرم خشک سرد تر ہوگا یا سرد خشک یا اس طرح سمجھ لیں کہ اس کا پہلا عمل مشینی ہوتا ہے اور دوسرا کیمیاوی ہوتا ہے۔اس لئے اشیاء اغذیہ اور ادویہ میں بھی دو ہی کیفیات ہوتی ہیں اور ان کے افعال واثرات میں بھی یہی مشینی اور کیمیاوی اثرات پائے جاتے ہیں۔

اعصاب میں دو مزاج پائے جاتے ہیں۔کبھی ان میں گرمی تری ہوتی ہے اور کبھی سردی تری، کبھی تری گرمی اور کبھی تری سردی کیونکہ اعصاب کی فطرت میں رطوبات اور بلغم پیدا کرنا ہے۔یہ اس لئے کہ اس کی غذا میں بلغم کے اجزاء شریک ہوتے ہیں۔جب اعصاب میں تری گرمی ہوتی ہے تو رطوبات کی پیدائش ہوتی ہے اور اس کا اخراج بند ہوتا ہے یعنی خون سے جدا ہو کر جسم میں اکٹھی ہوتی ہیں اور جب تری سردی ہوتی ہے تو رطوبات کی پیدائش کے ساتھ ساتھ اس کا اخراج بھی جاری رہتا ہے بالکل اس طرح جیسے غدد (جگر) میں گرمی خشکی ہوتی ہے تو صفراء

کی پیدائش کے ساتھ اس کا اخراج بند ہوتا ہے اور اس کی گرمی تری میں صفراء کی پیدائش کے ساتھ ساتھ اخراج بھی ہوتا ہے۔ یہی صورتیں عضلات (دل) کے مزاج میں بھی پائی جاتی ہیں۔

ایسی صورتیں مرض ہیضہ میں صاف نظر آتی ہیں یعنی کبھی قے اور اسہال کے ساتھ رطوبات کا اخراج ہوتا ہے اور کبھی نہیں ہوتا۔ اس کو بند ہیضہ کہتے ہیں جو بہت خطرناک ہوتا ہے۔ اس میں جسم سن ہو کر موت واقع ہوتی جاتی ہے۔

یاد رکھیں کہ اعصابی اغذیہ کے کثرت استعمال سے اکثر ہیضہ ہو جاتا ہے۔ ان میں امرود بھی شریک ہے اور اعصابی اغذیہ کے ساتھ پانی پی لینے سے بھی ہیضہ کا خطرہ ہوتا ہے۔ اس لئے امرود کے بعد پانی پینا منع ہے۔

امرود مفرح پھل ہے مگر مفرح کی صورت میں وہی ہے جو ہم الائچی کے خواص میں لکھ چکے ہیں۔ جن لوگوں میں رطوبت و بلغم کی کمی ہو ان کے لئے بے حد مفید اور جن کے جسم میں صفراء کی زیادتی ہو ان کے لئے نعمت ہے۔ ایسے لوگوں کے لئے مقوی دماغ اور اعصاب ہے۔ جگر اور گردوں کی سوزش کے لئے یقینی دوا ہے۔ امرود شیریں بہت عمدہ ملین ہے مگر نزلہ وزکام، کثرت بول اور دل کے ڈوبنے میں زیادتی کر دیتا ہے۔ ترشی کے ہمراہ اس کا استعمال نقصان کو کم کر دیتا ہے۔

آڑو

ایک مشہور پھل ہے جس کو عربی میں شفتالو کہتے ہیں۔ اس کی دو اقسام ہوتی ہیں۔ ایک گول لمبوترا انڈے کی مانند اور دوسرا گول ٹکی دار۔

رنگت اور ذائقہ : ترش رنگت میں سبز سرخی مائل، شیریں سبز زردی مائل، مزاج تر اور سرد جبکہ شیریں تر اور گرم۔

افعال و اثرات : محرک اعصاب، محلل غدد و مسکن عضلات کیمیاوی طور پر جسم میں خون پیدا کرتا ہے جس میں رطوبت فضلیہ شامل ہوتا ہے۔ مقوی اور مولد خون، نفاخ، اس کے پتوں کا رس قاتل کرم شکم ہے۔

استعمال : آڑو کو پھل کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ میٹھا آڑو ایک لذیذ پھل ہے۔ اس میں غذائیت بہت ہوتی ہے جس سے جسم میں رطوبات کی کثرت اور خون کی پیدائش بڑھ جاتی ہے۔ بھوک بڑھاتا ہے۔ دل میں فرحت پیدا کرتا ہے لیکن زیادہ استعمال کرنے سے نفاخ ہے اور پیٹ میں بے چینی کرتا ہے اور بعض اوقات اسہال لگ جاتے ہیں اور شدید قسم کی بدہضمی ہو جاتی ہے۔

اخروٹ

تعارف : عربی میں جوز، فارسی میں گردگان اور چہار مغز کہتے ہیں۔ ایک قسم کا خشک پھل (میوہ) اور چھلکا دونوں گول ہوتے ہیں۔ اس کی ایک قسم کاغذی اخروٹ ہوتی ہے جس کا چھلکا ہاتھ کے دبانے سے ٹوٹ جاتا ہے۔ اخروٹ دوائے غذائی ہے۔ مغز میں ایک قسم کا فراری روغن ہوتا ہے جس میں بے حد تیزی ہوتی ہے۔ اس لئے جب زیادہ کھایا جائے تو منہ وزبان اور گلے میں سوزش ہو جاتی ہے۔

رنگ اور ذائقہ : چھلکا خام حالت میں سبز اور پختہ ہونے پر خاکی ہو جاتا ہے۔ مغز سفید خاکی مائل ہوتا ہے۔ مغز چرب، خشک گرم، بہت لذیذ ہوتا ہے۔ مزاج گرم دوسرے درجے میں اور خشک پہلے درجے میں۔ بعض اس کے روغن کی وجہ سے گرم تر بھی لکھتے ہیں یاد رکھیں کہ گرم تر شے سے منہ وزبان اور گلے میں سوزش نہیں ہو سکتی۔ اس لئے یہ گرم خشک ہے۔

افعال و اثرات : غدی عضلاتی یعنی غدد میں تحریک۔ عضلات میں تحلیل اور اعصاب میں تسکین، کیمیاوی طور پر خون میں صفراء اور حرارت پیدا کر کے حرارت غریزی کی مدد کرتا ہے یعنی حار غریزی ہے۔ یعنی ایسی شے جو حرارت غریزی کی مدد کرے۔ اس لئے **محافظ جوانی اور اعادہ شباب میں مفید ہے۔**

خواص : مقوی خواص ظاہری و باطنی اور روح و نفس، مولد حرارت صالح، مشتی و مبہی، ملین و مقوی معدہ و امعاء اور گردہ و مثانہ، محلل اور جالی، ایک بے حد لذیذ میوہ ہے، مولد شیر و منی اور محرک باہ، مخرج حیض اور مقوی رحم۔

خصوصی تاکید : اخروٹ دوائے غذائی ہے اور اس میں روغنیت شامل ہے۔ اس لئے اس میں حرارت پیدا کرنے کے لئے دو اثرات ہیں۔ اوّل یہ خود غدد میں تحریک دے کر حرارت پیدا کرتا ہے دوسرے اس کے غذائی اجزاء حرارت میں تبدیل ہو جاتے ہیں جو نشوونما کا باعث بنتی ہے۔

فوائد : ضعف گردہ و مثانہ اور جگر کو دور کر کے جسم میں حرارت اور قوت پیدا کرتا ہے۔ اس کا اثر دِل و دماغ پر خاص طور پر محسوس ہوتا ہے۔ بعض حکماء ادویہ و اغذیہ کو جسم میں مشابہت کی وجہ سے ان کے بالخاصہ افعال و اثرات کو انہی ایک مناسبت سے بیان کرتے ہیں۔ ان کا خیال ہے چونکہ اخروٹ خصوصاً اس کے مغز کی شکل بالکل دماغ کے ساتھ ملتی ہے۔ اس لئے یہ خصوصیت کے ساتھ مقوی دماغ ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ غدی تحریک کی وجہ سے اور حار غریزی ہونے کی وجہ سے دماغ کے غدی پردے (غشائے مخاطی) میں تحریک دینے سے دماغ اور اعصاب کے لئے بے حد مقوی بن جاتی ہے۔ اس لئے معدہ و امعاء میں مشتہی و مبہی اور ملین اثر کرتا ہے۔ گردوں کو تقویت دینے کی وجہ سے ضعف باہ کے لئے خاص شے ہے۔ اسی طرح اس کا مولد منی ہونا بھی تقویت باہ کے لئے مفید ہے۔

اپنے انہی اثرات کی وجہ سے **عورتوں کے لئے بھی اخروٹ خاص شے ہے۔ جسم میں خون پیدا کرتا ہے اور خون کو تقویت دیتا ہے۔ پستانوں میں تناؤ پیدا کر کے ان میں خوبصورتی پیدا کرتا ہے۔ ماہواری کو باقاعدہ کرتا ہے۔ سیلان الرحم کو ختم کر دیتا ہے۔ عورتوں میں ایک نئی زندگی اور جوانی پیدا کرتا ہے۔ خاص بات یہ ہے کہ عورت کے فرج میں تنگی اور رحم میں تقویت پیدا کر دیتا ہے۔**

مرد اور عورت دونوں کے خواص ظاہری اور باطنی میں تیزی اور روح و نفس میں نئی زندگی پیدا کرتا ہے۔ **سردیوں میں اس کا غذا کے بعد استعمال صحت و قیام جوانی کے لئے بے حد مفید ہے۔**

❁❁❁

اناج و سبزیاں

ارد

ایک مشہور اناج ہے، جس کی دال بنا کر کھاتے ہیں۔ اس کو ہندی میں ماش کہتے ہیں۔

رنگت اور ذائقہ : رنگت کے لحاظ سے یہ دو قسم کا ہوتا ہے۔ سبز اور سیاہ لیکن چھلکا اُتر جانے کے بعد ہلکا زرد سفیدی مائل یا بالکل سفید ہوتا ہے۔ ذائقہ شیریں ہے۔ مزاج سبز تر گرم جبکہ سیاہ تر سرد۔

افعال و اثرات : سبز رنگ اعصابی غدی اور سیاہ رنگ اعصابی عضلاتی یعنی اعصابی محرک، غدی محلل اور عضلاتی مسکن، کیمیاوی طور پر خون میں بلغم اور رطوبت پیدا کرتا ہے۔ مولد بلغم اور رطوبات مسمن بدن، دیر ہضم، مدر بول، نفاخ مولد و مغلظ اور مقوی اور ساتھ ہی مولد شیر بھی ہے۔

استعمال : عام طور پر اس کو پکا کر غذا کی صورت میں روٹی اور نان کے ساتھ کھاتے ہیں لیکن تقویت و موٹاپا اور مولد خون رطوبات کی خاطر اس کا حلوہ بنا کر استعمال کرتے ہیں جو مفید ہونے کے ساتھ ساتھ زود ہضم بھی ہو جاتا ہے اور **عورتوں میں دودھ کی کثرت کو بڑھانے کے لئے دودھ میں ماش کی کھیر بنا کر استعمال کراتے ہیں** لیکن یاد رکھیں کہ جن لوگوں میں رطوبات اور بلغم کی زیادتی ہو اس کے استعمال سے ان کو اکثر نفخ ہو کر پیٹ میں درد ہو جاتا ہے۔ حلوہ کی صورت میں بھی اس کی مقدار خوراک چھٹانک بھر سے زیادہ نہیں ہونی چاہئے۔ اگر زیادہ بھی استعمال کر رہے ہوں تو نفخ کی صورت میں مقدار خوراک کم کر دیں۔

ارہر/موٹھ

ایک مشہور اناج ہے جس کو عربی میں وجع مشاغر، اور فارسی میں شاخل کہتے ہیں۔ اس کو دال کے طور پر پکا کر کھاتے ہیں۔

افعال و اثرات : عضلاتی اعصابی یعنی عضلات میں تحریک اعصاب میں تحلیل اور غدد میں تسکین پیدا کرتی ہے۔ کیمیاوی طور پر سوداویت کو بڑھاتی ہے۔ خون کو گاڑھا کرتی ہے مقوی عضلات، قابض اور دافع زہر ہے، مقوی اعصاب و دماغ ہے۔

فوائد : حار اور قابض ہونے کی وجہ سے معدہ اور امعاء کو تقویت دیتی ہے اور قبض پیدا کرتی ہے۔ دستوں کے لئے مفید ہے۔ خون میں سے رطوبات کو خشک کرتی ہے اور بھوک بڑھاتی ہے۔

ارہر زیادہ تر بطور غذا مستعمل ہے۔ اس کی دال پکا کر کھاتے ہیں۔ اس سے غذائیت کم حاصل ہوتی ہے۔ دیر میں ہضم ہوتی ہے۔ نفخ اور تبخیر پیدا کرتی ہے۔ بعض اطباء ارہر کی پتیوں کا پانی نچوڑ کر چیچک کے آبلوں پر لگاتے ہیں اور افیون کے زہر کو دفع کرنے کے لئے پلاتے ہیں۔ بعض لوگ اس کو پانی میں پیس کر دو مرتبہ بالخورہ پر ضماد کرتے ہیں اور دوسرے روز بالخورہ کو کھجا کر سرسوں کا تیل لگا کر دھوپ میں بیٹھتے ہیں۔ اس طرح دو تین مرتبہ کے عمل سے بالخورہ زائل ہو جاتا ہے اور بالکل نئے سرے سے بال نکل آتے ہیں۔

بعض اطباء برگ ارہر کو برگ نیم کے ہمراہ پیس کر اور چھان کر مرض بواسیر کے لئے بے حد مفید بتاتے ہیں۔

اروی

عربی میں اس کو تلقاش اور ہندی میں گھیاں کہتے ہیں۔ایک قسم کی جڑیں ہیں جو ترکاری کے طور پر استعمال کی جاتی ہیں۔بعض لوگ اس کو گوشت کے ساتھ کھاتے ہیں۔

رنگت اور ذائقہ: اس کا رنگ بھورا ہوتا ہے۔چھیلنے کے بعد نیچے سے سفید نکلتا ہے۔ذائقہ پھیکا ہوتا ہے۔پکانے کے بعد لیس دار ہو جاتا ہے۔اگر اس کو بھون کر کھایا جائے تو گلے میں سخت چبھن پیدا کر دیتا ہے۔جس کی وجہ سے آواز بھاری ہو جاتی ہے۔اور بعض اوقات بند بھی ہو جاتی ہے۔

افعال و اثرات: اعصابی عضلاتی، یعنی اعصاب میں تحریک پیدا کرتا ہے۔غدود میں تحلیل اور عضلات میں تسکین پیدا کرتا ہے۔کیمیاوی طور پر انتہائی طور پر بلغم اور رطوبت پیدا کرتا ہے۔مولد اور مغلظ رطوبات اور مخرج رطوبات، مخرج بول اور دیگر رطوبات جسم فربہی، جسم دافع صفراء وحرارت دافع سوزش جگر و کلیہ، مفرح قلب اور دافع جلن قلب ہے۔مزاج سرد تر۔

خواص: چونکہ شدید قسم کا اعصابی محرک ہے، جس سے تمام جسم میں سے رطوبات کا اخراج بڑھ جاتا ہے، اس لئے سوزش غدد و جگر کے امراض میں انتہائی مفید ہے۔مثلاً پیشاب کی جلن، پیچش، سوزش مثانہ، گرمی مثانہ، سوزشی نزلہ و زکام، سوزش سینہ اور معدہ وغیرہ، مقوی باہ، مغلظ منی، دافع ضعف گردہ، کھانسی، بواسیر، مقوی معدہ، بدن کو فربہ کرتی ہے، **بلغم اور دودھ پیدا کرتی ہے**، دافع خراش امعاء، خشونت سینہ و زخرہ، معدل معدہ اور مدر بول ہے۔

⑧

تحقیقات علم الادویہ

فہرست عنوانات

معنون

اپنی اس علمی تحقیق وفنی انکشاف اور طبی تجدید وسائنسی تدقیق کو جو احیائے طب اور بقائے علم وفن کے لئے کی گئی ہے اپنے صاحب علم اور اہل فن دوست جناب حکیم مولوی غلام علی صاحب مخدوم مقام چک نمبر 13 ولانیاں والا ڈاک خانہ چک نمبر 13 ساڑو والا تحصیل چنیوٹ ضلع جھنگ جو تحریک تجدید طب کے زبردست حامی ہیں، ان کے نام نامی اسم گرامی سے معنون کرتا ہوں۔ آپ تحقیقات اور تدقیقات کا اس قدر ذوق سلیم اور شوق عظیم رکھتے ہیں کہ خود کئی بار لاہور تشریف لائے اور نظریہ مفرد اعضاء کے تحت علم العلاج کو سمجھا اور فنی پیاس بجھا کر بہت خوش ہوئے۔

آپ خاموش مگر غیر معمولی عالم دین اور فاضل فن ہیں۔ اسلام اور انسانیت کی خدمت کرنا ان کی زندگی کے زبردست مقاصد ہیں۔ ان کے ساتھ میری ملاقات جناب قاضی سلطان احمد صاحب قاضی محلہ چنیوٹ میں ہوئی۔ ایک رسمی تعارف تھا۔ پھر کئی سالوں کے بعد میری کتب سے ان کا تعارف ہوا جس کے بعد وہ میرے دلی دوست بن گئے۔ میرے دِل میں ان کے علم وفن کی بے حد عزت ہے، وہ صحیح معنوں میں حق پرست اور دوست نواز ہیں۔ ایسے دوست اللہ تعالیٰ کا انعام ہیں۔

صابر ملتانی
15 اکتوبر 1967ء

پیش لفظ

علم خواص الاشیاء خداوند علیم وحکیم کا انسانیت پر ایک انعام عظیم ہے۔ پیدائش آدم علیہ السلام سے لے کر اس وقت تک اس علم سے انسان میں انسانیت اور آدمی میں آدمیت آئی اور یہ دُنیا ارضی جنت میں تبدیل ہوتی جا رہی ہے۔ یہ سب کچھ علم خواص الاشیاء کی برکت ہے۔ اس سے ضروریات کا حاصل اور آرام حاصل ہوا اور کائنات کی تسخیر اور اس پر دسترس کی صورتیں پیدا ہوگئیں۔ جو انسان اپنے توہمات سے اس کائنات کی عظیم مخلوقات اور ان کے بت پوجا کرتا تھا آج ان پر حکومت کرتا ہے۔ زمین پر فراٹے بھرتا ہے، پانی پر قبضہ کرتا ہے اور ہوا میں اُڑتا ہے۔ ہزاروں میل سے آواز سن سکتا ہے، بلکہ واقعات دیکھ سکتا ہے۔ اس نے چاند اور زہرہ تک اپنے خلائی جہاز بھیج دیئے ہیں اور خلا میں انسانوں نے کامیاب پرواز کی ہے۔ امید ہے بہت جلد ستاروں تک پہنچ جائے گا۔ علم خواص الاشیاء کے بغیر یہ کامیابیاں ناممکن ہیں۔

علم خواص الاشیاء میں آج کل اس قدر وسعت ہوگئی ہے کہ اس کے بے شمار شعبے بن گئے ہیں۔ ان کا اندازہ اس طرح لگایا جا سکتا ہے کہ دُنیا میں جس قدر علوم وفنون ہیں ان کے اپنے خواص الاشیاء قائم ہیں۔ اس کا ایک شعبہ علم خواص الادویہ اور اغذیہ ہے جس کا تعلق علم العلاج اور علم صحت کے ساتھ ہے جو علم وفن طب سے متعلق ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ علم خواص الاشیاء کی ابتداء علم خواص الادویہ سے ہوئی ہے۔ یہ سلسلہ ہزاروں سالوں سے چلا آتا ہے۔ لیکن اس کو علمی وفنی صورت یونانی تہذیب وتمدن کے دور عروج میں دی گئی۔ اس کے لئے معیار مقرر کئے گئے، مشاہدات اور تجربات کئے گئے اور ان کو کتابی شکل دی گئی۔ طب یونانی میں خواص الادویہ اور اغذیہ معلوم کرنے کے لئے ان کی کیفیات اور مزاج مقرر کئے گئے اور پھر اسی قسم کا تحقیقاتی اور عملی کام کیا گیا۔ جب اسلامی دور آیا تو اس کے سامنے یونانی اور آیورویدک دونوں کے علمی اور تحقیقاتی کام تھے۔ انہوں نے اس میں بہت زیادہ وسعت دے دی۔ اخلاط کے مزاج کے ساتھ مختلف اعضائے جسم کے مزاج مقرر کر کے اخلاط کو اعضاء کے ساتھ تطبیق دے دی گئی اور سب سے بڑا کام یہ کیا کہ امراض کو اعضاء کے افعال کے تحت قائم کیا اور علامات کو امراض کے تحت کر دیا۔ یہ ایک بہت بڑا کارنامہ تھا جس سے خواص الادویہ اور اغذیہ میں یقینی صورت پیدا ہوگئی۔ اس کے بعد فرنگی طب کا دور شروع ہوا، اس کو سائنسی دور کہتے ہیں۔ اس میں ہر دوا، غذا اور زہر کا تجربہ کیا گیا۔ ساتھ ہی ساتھ خون اور اس کے اجزاء اور رطوبات کا تجزیہ کیا گیا۔ دوا اور غذا کے اثرات کو خون اور اس کے اجزاء ورطوبات سے تطبیق دی گئی پھر خون کا امراض وعلامات کے ساتھ تعلق جوڑا گیا۔ لیکن اسلامی دور میں جو تحقیقاتی کارنامے کئے گئے تھے ان سے آگے جانے کی بجائے ان کو نظر انداز کر دیا گیا اور جس حقیقت کے قریب اسلامی دور میں خواص الادویہ اور اغذیہ پہنچا تھا فرنگی طب اس کو نہ سمجھ سکی اور راستہ سے بھٹک گئی۔ یعنی اخلاط کو اعضاء سے

تطبیق نہ دے سکی۔ جس کے نتیجہ میں امراض و علامات کا تعلق اعضاء کے بجائے خون اور اس کے اجزاء و رطوبات سے قائم کر دیا گیا۔ اس طرح خواص الادویہ اور اغذیہ کا یقینی اور بے خطا اثر ختم ہو گیا اور ظنی اور عطایانہ صورتیں پیدا ہو گئیں۔ علم و فن طب پھر غلط علمی اور غیر یقینی ہو گیا۔

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ فرنگی طب نے اعضائے جسمانی کا تجزیہ ٹشوز (انسجہ) تک کیا۔ چونکہ وہ امراض کو اعضاء کے ماتحت نہیں کر سکے۔ اس لئے انہوں نے امراض کی بنیاد ٹشوز پر نہ رکھی۔ یہ ٹشوز ہی انسانی جسم کے بنیادی اعضاء یا ابتدائی اکائی ہیں۔ سب سے پہلے ان ہی پر ادویہ و اغذیہ اور زہروں کے اثرات ہوتے ہیں۔ پھر ان سے مرکب اعضاء کے افعال میں عمل شروع ہوتا ہے۔ جس سے امراض یا ان کی شفا کی صورتیں پیدا ہوتی ہیں اور جب سے جراثیم تھوری کا ظہور ہوا ہے خواص الادویہ و اغذیہ اور زہروں کے اثرات کی بنیاد ان پر رکھ دی گئی ہے اور اس امر کو نظر انداز کر دیا گیا ہے کہ جسم میں جراثیم کی پیدائش اور ہلاکت ادویہ اور زہروں کے تحت نہیں ہے بلکہ اعضاء اور ان کی طاقت (امیونٹی) کے ماتحت ہے۔ نتیجتاً ہر روز نئی ادویات اور مجربات کی تلاش ہے مگر شفا الامراض دور ہوتی چلی گئی ہے اور جب تک فرنگی طب اعضاء کے افعال خصوصاً مفرد اعضاء (ٹشوز) کے تحت امراض کو تطبیق نہ دے قوت شفا (کیور کمانڈ) حاصل نہیں ہو سکتی۔ یہی وجہ ہے فرنگی طب میڈیکل سائنس ہونے کے باوجود ناکام ہے اور ذہین طبقہ ان سے علاج کرانے کی بجائے طب قدیم سے علاج کراتا ہے۔ اسی کمال نے اس کو آج تک زندہ رکھا ہوا ہے۔

ہومیوپیتھی اگرچہ مختصر طریق علاج ہے لیکن اس کے خواص الادویہ میں بے انتہا وسعت ہے۔ اس میں امراض کے لئے بالضد اثرات و فوائد حاصل نہیں کئے جاتے بلکہ تندرست انسانوں کو ادویہ کھلا کر علامات حاصل کی جاتی ہیں۔ ہر قسم کے مشینی و کیمیائی اور کیفیاتی و نفسیاتی اثرات حاصل کئے جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ چھوٹی چھوٹی علامات مثلاً دن رات اور روشنی و اندھیرے کی علامات میں کیا فرق ہے۔ حرکت و سکون اور نیند و بیداری کی حالت میں کیا فرق ظاہر ہوتا ہے۔ چونکہ ان کی علامات بھی مرکب اعضاء کے تحت پائی جاتی ہیں اس لئے ایک ایک علامت کے لئے متعدد ادویات کو مدنظر رکھنا پڑتا ہے۔ اگر یہ علامات مفرد اعضاء کے تحت ترتیب پا جائیں تو یقینی اور بے خطا علاج دنیا کے سامنے آجاتا۔ بہرحال ہومیوپیتھی طریق علاج میں کم از کم پچاس فیصدی یقینی اور بے خطا علاج ہے اور غلط دوا دینے میں اکثر نقصان نہیں ہوتا۔ اس لئے ایلوپیتھی سے بدرجہا بہتر علاج ہے۔

ان حقائق کی روشنی میں ہم نے علم الادویہ پر تقریباً بیس پچیس سال تک تحقیقات کی اور اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ

① ادویہ کے خواص اعضاء خصوصاً مفرد اعضاء کے تحت کرنے چاہئیں۔
② مفرد اعضاء کے ردِعمل سے جو اثرات پیدا ہوتے ہیں ان کو حاصل کیا جائے۔
③ اخلاط اور خون میں جو کیمیائی تبدیلیاں پیدا ہوں ان کو حاصل کیا جائے۔
④ اخلاط اور خون کی کیمیائی تبدیلیوں سے جو اثرات پیدا ہوتے ہیں ان کو بھی حاصل کیا جائے۔

یہ اوّلین اثرات کی تصدیق کرتے ہیں۔ کیفیاتی اور نفسیاتی افعال و اثرات کو الگ الگ بیان کیا جائے۔ ان کے علاوہ مختلف ماحول میں جو افعال و اثرات میں فرق پیدا ہو جاتا ہے اس کو مدنظر رکھنا بھی ضروری ہے۔ اس کتاب میں خواص الاشیاء کی تحقیقات کے عمومی اصول اور کلی قوانین کو پیش کیا گیا ہے تاکہ:

① معالجین میں صحیح، یقینی، بے خطا افعال واثرات اور خواص ادویہ واغذیہ حاصل کرنے کا جذبہ پیدا ہو جائے۔

② نسخہ نویسی میں غلطیاں نہ ہوں۔

③ مجربات اور مرکبات کے غلط اور صحیح ہونے کا علم حاصل ہو جائے۔

④ فرنگی طب کے غلط خواص الادویہ سے اجتناب برتا جائے جس سے قابل ترین معالج پیدا ہو کر علم وفن اور ملک وقوم کی خدمت کر سکتے ہیں۔

خواص الاشیاء میں جگہ جگہ امثال کے لئے ادویہ اور اغذیہ لکھ دی گئی ہیں اور آخر میں تمام مشہور ادویہ اور اغذیہ کی تحریکات کو مفرد اعضاء کے مطابق پیش کر دیا ہے تاکہ جو لوگ نظریہ مفرد اعضاء سے واقف ہیں وہ پورے طور پر مستفید ہو سکیں۔ یہ تحقیقات الادویہ کا حصہ کلیات ہے۔ دُعا فرمائیں اللہ علیم وحکیم اس کے تکمیل کرنے کی طاقت عطا فرمائے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے میرا یہ کام علم وفن طب میں ایک زبردست انقلاب ہے۔

خادم فن

صابر ملتانی

مُقدّمہ
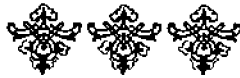
شرف انسانی

یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ انسان اشرف المخلوقات ہے۔ اس کا شرف اور فضیلت ملائکہ اور جنات سے بھی اعلیٰ ہے۔ یہ شرف اور فضیلت کیا ہے؟ اور اس کا کمال کیا ہے؟ اس کا جواب قرآن حکیم دیتا ہے۔ جب ملائکہ کو حکم ہوا کہ اللہ تعالیٰ آدم علیہ السلام کی تخلیق کرنا چاہتا ہے اور اس کو زمین پر اپنا خلیفہ مقرر کرے گا تو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے عرض کی:

﴿ قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَ يَسْفِكُ الدِّمَآءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَ نُقَدِّسُ لَكَ ﴾

''کیا آپ ایسی شخصیت کو تخلیق دینا چاہتے ہیں جو زمین میں فساد کرے گی اور اس میں خون بہائے گی اور ہم آپ کی ہمیشہ تعریف کرتے ہیں اور آپ کی پاکی بیان کرتے ہیں''۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ قَالَ اِنِّيْٓ اَعْلَمُ مَالَا تَعْلَمُوْنَ ۝ ﴾

''جو میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے''۔

اللہ تعالیٰ نے صرف یہ جواب ہی نہیں دیا بلکہ دلیل کے طور پر عملی تجربہ بھی کرا دیا تا کہ ان کی پوری تسلی ہو جائے:

﴿ وَ عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ فَقَالَ اَنْۢبِئُوْنِيْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ ﴾

''آدم کو کل ناموں کا علم دیا اور ملائکہ کے سامنے پیش کیا گیا اور دریافت فرمایا کہ اگر تم سچے ہو تو ان کے نام بتاؤ''۔

ملائکہ نے جواب دیا:

﴿ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ۝ ﴾

''آپ کی ذات پاک ہے ہم کو اتنا ہی علم ہے جو آپ نے دیا ہے آپ ہی علم والے اور حکمت والے ہیں''۔

جب آدم علیہ السلام کو کہا گیا کہ وہ ان کو نام بتائیں۔ جب انہوں نے یہ نام بتا دیئے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کیا میں نے نہیں کہا تھا کہ آسمان اور زمین کی تمام پوشیدہ باتوں کو جانتا ہوں اور وہ بھی جانتا ہوں جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو اور جو کچھ تم چھپاتے ہو۔ اس تجربہ کے بعد آدم علیہ السلام کی فوقیت کو قائم رکھنے کے لئے ایک اور مشاہدہ پیش کیا گیا:

﴿ وَ اِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ وَ كَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ۝ ﴾

''جب ملائکہ کو حکم دیا گیا کہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کرو، انہوں نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے (جو جنات میں سے تھا) انکار کر دیا اور تکبر کیا اور وہ نہ ماننے والوں میں سے تھا''۔

اس امتحان و تجربہ اور مشاہدہ میں کامیاب ہونے کے بعد آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اے آدم علیہ السلام! آپ اور آپ کی بیوی جنت میں قیام کریں اور وہاں جس قدر اور جہاں سے چاہیں کھائیں مگر ﴿ وَ لَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ ﴾ اس درخت کے قریب مت جانا ظلمت میں گرفتار ہو جاؤ گے''۔

ان حقائق سے مندرجہ ذیل نتائج اخذ ہوتے ہیں:

① آدم علیہ السلام کو خلافت زمین کے لئے تخلیق کیا گیا۔

② فرشتوں نے اعتراض کیا اور اس کی خرابیاں بیان کیں۔

③ آدم علیہ السلام کو آسمانوں اور زمین کی تمام اشیاء کے ناموں کا علم دیا گیا۔

④ فرشتوں کے سامنے مقابلہ کامیاب کیا گیا۔

⑤ فرشتوں کو کہا گیا کہ آدم علیہ السلام کے متعلق جو کچھ وہ ظاہر کرتے ہیں اللہ تعالیٰ وہ سب کچھ جانتا ہے یعنی وہ فساد کرے گا اور خون بہائے گا اور جو کچھ وہ چھپاتے ہیں یعنی وہ آسمانوں اور زمین کی تمام اشیاء کے ناموں کا علم رکھتا ہے۔

⑥ فرشتوں سے سجدہ کرا کے عملی طور پر اس کا شرف اور فضیلت تسلیم کرائی گئی۔

⑦ ابلیس کو بھی سجدہ کے لئے کہا گیا مگر تکبر کی وجہ سے وہ اپنی بے عزتی برداشت نہ کر سکا اور انکار کر دیا۔

⑧ آدم علیہ السلام کو جنت میں قیام کے لئے کہا گیا اور وہاں کی تمام اشیاء جن کے ناموں کا ان کو علم تھا کھانے کو کہا گیا مگر ایک خاص درخت کے قریب جانے سے منع کیا گیا تا کہ اس سے ان پر ظلمت کا اثر نہ ہو جائے۔

ان حقائق سے ثابت ہوتا ہے کہ انسان کی جبلت میں نہ صرف علم الاشیاء ودیعت کر دیا گیا ہے بلکہ زمین سے لے کر آسمانوں تک اس علم میں اس کی دسترس قائم ہے۔ جہاں تک وہ اس علم الاشیاء سے آگاہ ہوتا جائے گا اس کا مقام اور درجہ بلند ہوتا جائے گا۔ قرآن حکیم اور دیگر مذہبی کتب میں انسان کو کائنات اور زندگی کے مختلف شعبوں کا علم دیا گیا ہے اور ان کی حکمت ظاہر کی گئی ہے۔ اگر بنظر غور دیکھا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ دُنیا میں جب سے کتب لکھنے کا سلسلہ شروع ہوا ہے ان میں صرف علم الاشیاء پر ہی لکھا گیا ہے۔ یہ علم انسان کی زندگی کے مختلف شعبوں سے متعلق ہو یا اس کی جبلت اور جذبات کے متعلق ہو یا دُنیا اور کائنات کے متعلق ہو اس کا تعلق انسان کی ذات سے وابستہ ہے، بلکہ اس کائنات میں بحر و بر اور ہوا میں جو کچھ ہے سب انسان کے لئے مسخر کر دیا گیا ہے۔

اس تسخیر کائنات کا مقصد یہ ہے کہ جو کچھ بھی اس کائنات میں ہے انسان اگر چاہے تو وہ تعلیم و مشاہدہ اور قیاس و تجربہ سے وہ سب کچھ حاصل کر سکتا ہے۔ کائنات پر غلبہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے جب کائنات کے متعلق پورا علم ہو۔ یہ علم دو صورتوں سے حاصل ہو سکتا ہے۔ اوّل نبیوں کی خبروں اور پیغمبروں کے پیغام پر پورا عبور حاصل کیا جائے۔ دوسرے انسانی علم و حکمت اور مشاہدہ و تجربہ کی تعلیم اور نتائج پر مکمل دسترس حاصل کی جائے۔ اس کے بغیر زندگی اور کائنات کی تسخیر ممکن نہیں ہو سکتی۔

جاننا چاہئے کہ نبی ﷺ کی طرف علم و حکمت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ودیعت کیا ہوتا ہے، مگر انسانی علم و حکمت اس کی تعلیمات و مشاہدات اور تجربات ہوتے ہیں۔ البتہ انسانی علم و حکمت میں انبیاء کے علم و حکمت کا بہت کچھ دخل ہوتا ہے۔ جوں جوں انسان علم الاشیاء پر عبور اور دسترس حاصل کرتا جاتا ہے اس کے مقام اور زندگی میں بلندی اور کمال پیدا ہوتا جاتا ہے۔ یہی شرف انسانی ہے۔

علم الاشیاء اور فن علاج

زندگی اور دُنیا کے ہر شعبہ میں جو رونق نظر آتی ہے اس کی زیادہ تر اہمیت علم الاشیاء پر ہے۔ لیکن علم العلاج میں اس کو غیر معمولی اہمیت حاصل ہے۔ اس کی اہمیت کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ علم العلاج کی بنیاد علم الاشیاء پر قائم ہے۔ اگر کوئی انسان علم الاشیاء سے واقف نہ ہو تو وہ علم العلاج میں نہ صرف بے بہرہ ہے بلکہ کسی مرض کے لئے نہ کوئی تدبیر و حکمت عملی کر سکتا ہے اور نہ ہی غذا اور دوا تجویز کر سکتا ہے۔ طرہ امتیاز یہ ہے کہ وہ نہ حکیم کہلا سکتا ہے اور نہ ہی طبیب (ڈاکٹر) ہونے کا دعویٰ کر سکتا ہے اس لئے علم الاشیاء کو حکمت اور طب کے تمام علوم وفنون میں فضیلت حاصل ہے۔ اس لئے اس کا حصول علم وفن طب میں اوّلیت رکھتا ہے۔ طب علمی وطب عملی، امور طبیہ وعلم امراض، اسباب وعلامات علم العلاج وعلم الحفظان صحت، غذا دوا اور زہر بلکہ کوئی شے بھی جو ان سب کا جاننا علم الاشیاء میں شامل ہے۔ چونکہ علم العلاج میں علم الادویہ کو انتہائی اہمیت حاصل ہے اس لئے اس کتاب میں بھی اکثر بحث علم الادویہ سے متعلق ہے لیکن حقیقت میں اس تحقیقات کا دائرہ علم الاشیاء تک پھیلا ہوا ہے۔

تاریخ علم الاشیاء

محققین علم تاریخ نے علم العلاج کی ابتداء کا جہاں تک کھوج نکالا ہے وہ اس سے زیادہ نہیں ہے کہ مقدس فن کی ابتدا پجاریوں اور پادریوں سے شروع ہوتی ہے۔ کیونکہ ان لوگوں کے متعلق یہ روایت مشہور ہے کہ یہ بزرگ ہستیاں ہیں، قدرت کی طرف سے اس مشکل فن کو سمجھنے اور استعمال کرنے کے لئے مقرر کی گئی ہیں لیکن فلسفہ تاریخ کے ماہر جانتے ہیں کہ پیدائش انسانی کے ساتھ ساتھ امراض و علاج دُنیا میں نمودار ہوئے۔ کیونکہ یہ ناممکن ہے کہ انسان نہایت قدیم ترین دور میں کیفیت و تاثرات دنیا سے محفوظ رہا ہو اور یہ تاثرات جب نظام جسم انسانی میں خلل پیدا کر دیں تو انہی کا نام امراض ہے۔ باقی رہا ان کا علاج یہ اس دور میں جس نوعیت کا بھی ہوگا، بہر حال وہ علاج ہی تھا۔

قدیم حجری دور میں جہاں تک انسانی معلومات نے تحقیقات کی ہے کہ وہ غاروں میں رہتے تھے، پتھر کے آلات استعمال کرتے تھے، پتھروں سے شکار کرتے اور انہیں پتھروں کے برتنوں میں ہی کھاتے پیتے تھے۔ آہستہ آہستہ وہ لوگ غاروں سے نکل کر درختوں پر رہنے لگے اور اپنے جسم کو سردی کی ٹھنڈک اور گرمی کی تیزی سے بچانے کے لئے درختوں کے پتوں سے اپنا جسم ڈھانپنے لگے۔ ان کا جسم جو سردی اور گرمی کا عادی تھا اب برودت اور حرارت سے متاثر ہونے لگا۔ مگر اس خلل جسم کو انہوں نے بدروحوں کا دخل تصور کیا جس کو وہ اپنی عاجزی اور گڑگڑاہٹ سے رفع کرتے تھے۔ لیکن اس عاجزی اور گڑگڑاہٹ کو کسی اعلیٰ طاقت مثلاً سورج و چاند اور ستارے آگ و ہوا اور پانی، خوفناک جانور اور زہریلے حشرات الارض کے سامنے سجدوں اور پوجا کی شکل میں پیش کرتے۔ اگرچہ قدیم انسان اس تاثرات اور کیفیات کی حقیقت سے واقف نہ تھا لیکن ان کی طاقت سے اس کا بچنا مشکل تھا۔ اس لئے ان کو مافوق الانسان سمجھ کر ان کی پوجا کرنا اور سجدہ بجالانا وہ اپنا فرض خیال کرتا تھا اور یہی اس کے لئے ایک طریقہ علاج تھا۔ آج بھی جب کہ ہمارے سامنے خداوند لاشریک کا تصور ہے ہم بھی اپنے جذبات کو انہیں پوجا پاٹ اور سجدوں سے اظہار کرتے ہیں۔ گویا یہ جذبات فطری اور انسانی جبلت میں شامل ہیں۔

کیا عقل سلیم ان چیزوں سے انکار کر سکتی ہے کہ وہ لوگ شکار کے گوشت کی گرمی اور تیزی اور پھلوں کی سردی اور تسکین اور دیگر اشیاء کے اثرات و کیفیات سے آگاہ نہ ہوں گے۔ جب کسی کا بچہ سردی میں بخار کی شدت سے بے چین ہوگا تو کیا ان کے والدین نے کسی

جانور کی تازہ تازہ گرم کھال پہنا کر اس کی تکلیف اور بے چینی کا مداوا نہ کیا ہوگا۔ یا گرمیوں میں انسان نے اپنے آگ کی طرح جلتے ہوئے جسم کو سکون خاطر پانی کے تالاب میں دھکیل نہ دیا ہوگا۔ اسی طرح کسی دردناک اور متورم عضو کو آگ یا دھوپ سے جلا کر تسکین نہ دی ہوگی۔ غرض ان لوگوں نے اپنے متاثر جسم یا دوسرے الفاظ میں امراض کو مختلف صورتوں میں رفع کرنے کی جدوجہد اور کوشش نہیں کی ہوگی۔ یہی عمل ان کا علاج تھا۔ یہیں سے ہم نے صرف تاثرات علم الاشیاء بلکہ علم العلاج کی ابتدا کرتے ہیں۔

مندرجہ بالا ادراکات نہ صرف قرین قیاس ہیں بلکہ عین انسانی فطرت کے مطابق ہیں۔ ان سے انکار کرنا انسان کے اشرف المخلوقات ہونے سے انکار کرنا ہے۔ خالق مطلق نے انسان کو تکمیل کے بعد ﴿ لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِيْ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ ۝ ﴾ کی سند عطا کی۔ پھر کیسے ممکن ہوسکتا ہے کہ مالک کون و مکان کی بہترین تخلیق اپنے گرد و پیش کو سمجھنے کی کوشش نہ کرے یا اپنی بلیات کو رفع کرنے کی کوشش نہ کرے جب کہ آج بھی ہم دیکھتے ہیں کہ ہر انسان ہر خوفناک اور دہشت ناک منظر سے بھاگنے کے لئے ہر لحہ غیر شعوری طور پر مجبور ہے اور ہر دُکھ اور مصیبت کے رفع کرنے کے لئے ہر گھڑی بے قرار و بے چین ہے۔ اس کے برعکس لذت اور لطف کی طرف ہمہ تن سعی اور کوشش کرتا رہتا ہے۔ بلکہ مسرت و انبساط کو حاصل کرنے کے لئے ہر قیمت خرچ کرنے کو تیار ہے۔ بچہ پیدا ہوتے ہی ماں کی چھاتیوں کو تلاش کرتا ہے۔ نوجوان اپنی زندگی کی تسکین حسن و محبت میں محسوس کرتا ہے۔ ایک شباب رفتہ اور پس خوردہ انسان اپنی عاقبت سلامت روی میں پاتا ہے۔ انسان پر ہی منحصر نہیں ہے بلکہ اس قسم کے شعور حیوانات میں بھی پائے جاتے ہیں۔ مثلاً بلی، کتے کی شکل تو کیا آواز سن کر ہی بھاگ جاتی ہے اور چوہے کے لئے بلی کی ''میاؤں'' پیغام اجل سے کم نہیں ہے۔

یہ تھا حیات انسانی کی جدوجہد کا اوّلین دور۔ اس کے بعد دوسرا دور پجاریوں اور پادریوں کے علاجات کا زمانہ ہے۔ پجاری اور پادری مذہبی پیشوا کہلاتے تھے، لیکن اگر حقیقت کا انکشاف کیا جائے اور واقعات کا تجزیہ کیا جائے تو پس منظر دیکھنے سے اصلیت واضح ہوجاتی ہے کہ اس ابتدائی زمانے میں پجاریوں اور پادریوں کی ہستی بھی اس لئے وجود میں آئی کہ ان کو عوام کی تکلیف و درد کا درماں خیال کیا گیا۔ جس کے بعد انہوں نے عوام پر مصائب کے رفع کے لئے مافوق الانسان طاقتوں کا تخیل ان کے ذہن میں پیدا کر دیا اور اسی طرح ہر دُکھ اور ضرورت کے لئے الگ الگ مافوق الاسباب ہستیوں کو ایک ایک معبود تسلیم کیا گیا۔ جس سے ان کی پوجا شروع ہوگئی۔

یہ تھا انسان کا اوّلین خدائی تخیل۔ اس کے مدت مدید اور عرصہ بعد کے بہترین مدبرین زمانہ اور مصلحین وقت نے بے شمار طاقتوں اور معبودوں کے بوجھ کو کم کرنے کے لئے اللہ وحدہٗ لاشریک کا تخیل پیش کیا۔ پھر بعد کے حقیقت شناسوں اور فطرت انسانی کے علمبرداروں نے درس دیا اور ذہن نشین کرایا کہ کائنات کی یہ تمام طاقتیں جن کو مافوق الانسان اور معبود خیال کیا جاتا ہے، اصل میں انسان ہی کے لئے بنائے گئے ہیں اور اس کے خدمت گزار ہیں۔

ان تمام ادوار میں خصوصاً نہایت قدیم دور میں علم العلاج اس سے زیادہ ترقی نہیں کرسکتا تھا کہ علم خواص الاشیا کی طرف قدم بڑھنا شروع ہوگیا، اگرچہ وہ صرف کیفیات تک محدود رہا۔ یعنی سورج اور آگ میں گرمی ہے، پانی اور زمین میں ٹھنڈک ہے۔ اسی طرح گوشت گرم اور مقوی ہے اور پھل ٹھنڈے اور تسکین دیتے ہیں، وغیرہ وغیرہ۔ آج بھی عوام تو رہے ایک طرف اچھے اچھے شہری بھی اشیاء کے خواص بیان کرتے ہوئے گرم و سرد اور خشک و تر سے زیادہ اور کچھ نہیں جانتے۔ ان کے علاوہ اور کچھ نہیں سمجھ سکتے۔ ان کا یہ علم بھی سنا سنایا اور اکثر غلط ہوتا ہے۔

زمانہ قدیم میں علاجات کی اہمیت اس سے زیادہ کچھ نہ تھی کہ کسی نے جو کچھ بتا دیا کر لیا گیا یا کسی چیز کا اتفاقاً علم ہوگیا یا زیادہ

سے زیادہ خوابوں سے کچھ آگاہی مل گئی، اس کو علاج کا مداوا بنالیا، وغیرہ وغیرہ۔ انہی معلومات کی پجاری یا تو خود حفاظت کرتے یا ان کو کھدوا کر بتوں کے گلے میں یا مندروں کے اندر کہیں محفوظ رکھتے تھے جو ضرورت کے وقت کام میں لائے جاتے تھے۔ ہزاروں سالوں تک یہ سلسلہ چلتا رہا۔ نئی نئی معلومات عدم سے وجود میں آتی رہیں۔ لیکن یہ سب کچھ خواص الاشیاء سے آگے نہ بڑھا اور وہ بھی اٹکل پچو اور بے اصولا تھا۔ بہرحال ہم اس کو بھی ایک خاص نوعیت کا علاج ہی کہہ سکتے ہیں یہ بھی ایک دور تھا جس نے آنے والے زمانے کے لئے قابل قدر مواد بہم پہنچایا۔

اس دور کے بعد جو دور شروع ہوا، اس کو ہم علمی و عملی اور سائنٹفک دور کہیں گے۔ کیونکہ اس دور میں علم خواص الاشیاء یعنی علم الادویہ اور علم الاغذیہ کو بہت حد تک با قاعدہ اور اصول کے تحت کیا گیا۔ یعنی ادویات کی کیفیات کا تعین کیا گیا اور ہر مرض کے لئے جدا جدا ادویہ مقرر کی گئیں۔ تاریخ اس حقیقت سے تو خاموش ہے کہ اس حقیقت پسندی کی ابتداء کیونکر ہوئی۔ البتہ اس دور میں ہمیں ایک ایسی ہستی نظر آتی ہے جس نے اس فن کی ترقی اور اصلاح میں بے حد سعی کی اس کو ہم صحیح معنوں میں فن کا مصلح، موجد اور بانی طب کہیں گے۔ یہ شخص قبل مسیح پیدا ہوا اور حکیم ''بقراط (Hippocrates)'' کے نام سے شہرت اصل کی۔ شاید اس لئے تاریخ دان اس کے سر پر سہرا رکھتے ہیں کہ یہی پہلا شخص ہے جس نے فن طب کو علمی و فنی اور با قاعدہ صورت دی اور کتابوں میں بند کیا۔ یہ شخص یونان کا رہنے والا تھا۔ اس دور میں کیفیات ادویات کے ساتھ ساتھ امراض کو اخلاط کی کمی بیشی اور خرابی کے ساتھ تطبیق دے دیا گیا۔ پتہ چلتا ہے کہ بقراط علم الادویہ سے خوب واقف تھا اور وہ ان کے بالمثل خواص سے بھی فوائد حاصل کر لیتا تھا۔

اس کے بعد ایک زبردست دور شروع ہوا جب یونان میں علم و فن کا زبردست چرچا ہوا اور اس کی خاک سے قابل قدر اور مایہ ناز طبیب پیدا ہوئے۔ جنہوں نے شاندار کارنامے انجام دیئے اس فن کی عمارت کو بقراط کی بنیادوں پر لیکن بہت حد تک ترقی کے ساتھ مکمل کرنے کی کوشش کی گئی۔

اس دور میں ''حکیم جالینوس'' امام طب شمار کئے جاتے ہیں۔ اس دور میں علم الادویہ کے مزاج مقرر کئے گئے۔ ان کے درجات مقرر کئے گئے۔ اخلاط کے ساتھ ان کو تطبیق دے دی گئی۔ یہ سب اتنے بڑے کارنامے ہیں جو رہتی دُنیا تک یادگار رہیں گے۔ شاید اسی لئے اسلامی دور میں بھی اس علم و فن کا نام نہیں بدلا۔ اب تک اس کو طب یونانی کہتے ہیں۔ حقیقت میں یہ کوئی چھوٹا سا کام نہیں ہے کہ ادویہ کو اخلاط کے ساتھ تطبیق دے دی جائے۔ آج بھی ان کے اصول بہت حد تک صحیح ہیں اور اکثر ادویہ کے خواص ہم کو وہی معلوم ہوتے ہیں جو ہزاروں سال قبل مقرر کئے گئے تھے۔

اس دور کے بعد اسلامی دور میں طب یونانی کی عمارت کو تکمیل تک پہنچا کر اس پر رنگ و روغن کیا گیا۔ یعنی خواص الاشیاء میں ترمیم و تنسیخ کی گئی۔ بعض ادویات کے مزاجوں اور درجات پر بحثیں کی گئیں۔ علم الادویہ میں جو جدتیں ہوئیں وہ قابل قدر اور شاندار ہیں، یعنی ہر دوا اور غذا کے افعال و اثرات اور خواص کی پوری پوری تحقیق، ان کی شناخت بلکہ تصاویر تیار کی گئیں۔ دستیاب ہونے کے مقام، موسم، حفاظت کے اصول، ان کی تیاری کے طریقے، نسخہ نویسی، مرکبات، مجربات، اکسیرات اور زہروں کے تریاقات پر بڑی بڑی طویل کتب لکھی گئیں۔ بلکہ ایک ایک دوا پر جدا جدا کتب لکھی گئیں۔ مفردات کے علاوہ مرکبات اور دوا سازی پر بھی جدا جدا کتب لکھی گئیں۔ بے شمار قرابادینیں آج بھی ان کی تحقیقات پر شاہد ہیں۔ لطف کی بات یہ ہے کہ ان کے مقرر کئے ہوئے خواص اور اصول آج بھی ہمیں فائدہ پہنچا رہے ہیں۔ بے شک آج کچھ نظریات بدل چکے ہیں، لیکن جن قوانین اور اصولوں پر انہوں نے ان کو قائم کیا ہے انہوں نے اس کو انتہائی

کمال تک پہنچا دیا تھا۔اس دور میں شیخ الرئیس بوعلی سینا اور حکیم رازی کو امامت کا درجہ حاصل ہے۔

یونانی اور اسلامی دور میں زہروں سے بہت حد تک اجتناب برتا گیا لیکن ہند میں آیورویدک نے دِل کھول کر اس کی داد دی۔ آیورویدک کا علم الادویہ یونانی علم الادویہ سے زیادہ بہتر اور زیادہ کامیاب ہے۔اس میں ادویہ کے خواص پر زیادہ چھان بین کی گئی ہے۔لیکن افسوس اس کا علم الادویہ تتوں، پرکرتیوں اور دوشوں سے آگے نہیں بڑھا۔یعنی انہوں نے تمام آیورویدک میں ادویات اور اعضاء کے تعلق کو کہیں بیان نہیں کیا۔ یہ تو انہوں نے ضرور بتلا دیا کہ دوش کہاں پیدا ہوتے ہیں، کس کس عضو میں چلے جاتے ہیں۔اسی طرح یہ بھی بیان کر دیا کہ وایو کا اثر دخل کہاں کہاں ہے۔ پت کا چنچل پن کیا رنگ لاتا ہے اور کف کے اثرات کیا ہیں، وغیرہ وغیرہ۔مگر افسوس ہے کہ ادویات کو امراض سے تطبیق دینے کی کوشش اور ادویات کو بالاعضاء بالکل بیان نہیں کیا گیا ہے۔اس لئے ان کے خواص الاشیاء میں کسی حد تک کیمیائی اثرات تو نظر آتے ہیں، مشینی اثرات کا کہیں پتہ نہیں چلتا۔اس لئے بالفعل اثرات نہ ہونے سے علم الادویہ محدود ہوگیا ہے اور بعد کے زمانے میں بھی صاحب علم، اہل فن اور باکمال ہستیوں نے نہ اس ضرورت کو سمجھا اور نہ اس کی اصلاح کی۔اس وجہ سے اس کا ارتقا علم وفن ختم ہوگیا۔یہی وجہ ہے کہ ان کی جدید کتب میں طب یونانی اور فرنگی طب کے خواص الادویہ نظر آتے ہیں۔یاد رکھیں جب کوئی علم وفن اپنے اصول وقوانین چھوڑ کر دیگر علوم وفن کے اصول و قوانین قبول کر لیتا ہے تو اس کا اپنا فن برباد اور فنا ہو جاتا ہے۔یہی انتہا ہے جس سے فلاح اور ارتقا ختم ہو جاتا ہے۔

ہمیں اس امر سے انکار نہیں ہے کہ ویدک، یونانی اور اسلامی ادوار میں علم الادویہ پر زبردست کام کیا گیا۔ ہزاروں ادویات شامل کی گئیں۔بڑے بڑے اصول مقرر کئے گئے۔اگر ان ادوار میں یہ کوششیں نہ ہوتیں تو آج فن اس بلندی پر نہ ہوتا۔جو کچھ انہوں نے کیا وہ تمام جان جوکھوں میں ڈال کر کیا۔شب و روز کی محنت سے نہ صرف فن علم الادویہ بلکہ اس کے کئی شعبوں کو تکمیل تک پہنچایا۔مگر افسوس کہ بعد میں آنے والی نسلوں نے نہ تو اس سے کماحقہ استفادہ کیا اور نہ آئندہ تحقیق وتدقیق کا سلسلہ قائم رکھا۔جس سے یہ روز بروز تنزل کی طرف چلا گیا۔

یہ قانون قدرت ہے کہ جب کوئی قوم اصول تمدن و معاشرت اور قانون سیاست و زندگی چھوڑ دیتی ہے اور اپنا وقت بجائے جدوجہد کے آرام کوشی اور عیش پرستی میں صرف کرتی ہے تو وہ قوم روز بروز نکبت کی کھائیوں میں گر پڑتی ہے۔یہاں تک کہ تحت الثریٰ تک پہنچ جاتی ہے۔اس وقت کوئی دوسری قوم اس کی کمزوریوں سے فائدہ اٹھا کر اس کو اپنا غلام بنا لیتی ہے۔پھر غلام قوم کا اپنا نہ علم رہتا ہے نہ فن بلکہ آہستہ آہستہ اس کی یہ ذہنیت بن جاتی ہے کہ اپنے حقائق چھوڑ کر حاکم قوم کے لٹریچر، آرٹ اور سیاست کو صحیح اور بہترین شے تصور کرنا شروع کر دیتی ہے۔

مشرقی اقوام کی کمزوریوں اور ناچاکیوں سے ناجائز فوائد حاصل کر کے مغربی اقوام نے ان پر قبضہ کر لیا اور مشرق کا کوئی ایسا ملک نہیں تھا جس پر ان کا بالواسطہ یا بلاواسطہ قبضہ نہ ہوگیا ہو۔ساتھ ہی انہوں نے مشرق کی دولت اور خزانوں کے ساتھ ساتھ مشرقی علوم وفنون کے خزانے خالی کر دیئے اور جو کچھ باقی بچا اس کو جلا کر خاک کر دیا اور ساتھ ہی ان تمام ممالک میں اپنی تجارتی منڈیاں قائم کر دیں۔ان کی حکومت کی وسعت کا یہ عالم تھا اس میں سورج کبھی غروب نہیں ہوتا تھا۔لیکن ان کے ظلم واستبداد نے ان کی حکومت کی جڑیں کھوکھلی کر دیں اور ساتھ ہی مشرقی اقوام بیدار ہوگئیں اور مسلسل جدوجہد اور کوشش سے تمام مشرق کو مغرب سے خالی کرا لیا مگر ابھی تک مغربی ذہن مشرق میں کارفرما ہے۔اُمید ہے بہت جلد یہ ذہن بھی ختم ہو جائے گا۔

مغرب نے جس قوت سے اقوام مشرق کو قابو کر رکھا ہے اس کا نام سائنس رکھا ہے۔سائنس کو ایک خوفناک دیو کی شکل میں پیش کیا

ہے۔لیکن حقیقت میں سائنس کوئی خوفناک شے نہیں ہے، بلکہ تجرباتی اور مشاہداتی علم کا نام ہے۔ یہ کوئی بری شے نہیں ہے لیکن مغرب کا یہ ظلم ہے کہ صرف اپنی بات کو سائنس کہتا ہے اور دُنیا بھر کی کسی حقیقت اور قانون فطرت کو تسلیم کرنا تو کیا وہ سننا بھی گوارا نہیں کرتا۔لیکن وہ دن بھی ان شاءاللہ جلد آئے گا کہ وہ مسلمہ حقائق اور فطری قوانین کے سامنے سر جھکا دے گا۔طوالت کی وجہ سے واقعات کو نظر انداز کر دیا ہے۔

مغرب نے جو سائنس پیش کی ہے ہم اس کی قدر کرتے ہیں، یہ ایک معیاری علم وفن ہے،اس سے ہم کسی شے اور عمل کے حسن وقبح کو پرکھ اور سمجھ سکتے ہیں اور اسی کی مدد سے ہم فرنگی طب کے صحیح اور غلط ہونے کا اندازہ کر سکتے ہیں۔ہم نے اس کی روشنی میں فرنگی طب کا مطالعہ کیا ہے لیکن افسوس اس کی اپنی سائنس ہی اس کو غیر اصولی اور غیر علمی ثابت کرتی ہے اس لئے ہم نے اس پر ایک کتاب ''فرنگی طب غیر علمی اور غلط ہے'' لکھی ہے، چونکہ یہاں بحث تحقیقات ادویہ پر ہے اس لئے فرنگی علم الادویہ کی تحقیقات پیش کی جاتی ہیں۔

فرنگی طب یا سائنس نے آیورویدک اور طب یونانی کی تحقیقات کے خلاف یہ ثابت کیا ہے کہ تت اور ارکان پانچ یا چار نہیں ہیں بلکہ تقریباً ایک سو دس ہیں اور ہر عنصر (Element) مرکب نہیں ہے۔ادویہ کا چار اخلاط کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ چار اخلاط میں صرف خون ہی ایک ایسا خلط ہے جو بارہ چودہ عناصر سے مرکب ہے۔کسی دوا کا مزاج تسلیم نہیں کیا۔ بلکہ ان کی گرمی سردی سے انکار کر دیا اور ادویہ کے خواص بالخاصہ تسلیم کئے گئے۔البتہ ادویات کے اثرات کو اعضاء پر تسلیم کیا گیا۔مگر امراض کی تحقیقات میں جب سے جراثیم کی تحقیقات ہوئی ہے اس وقت سے جراثیم کش ادویات کی تلاش اور ریسرچ میں دن رات ایک کر کے بے شمار جراثیم کش ادویہ تلاش کر لی گئیں۔ ہر دوا کا تجزیہ اور تحلیل کی گئی۔موثر اجزا کو الگ کر کے ان کی خصوصیات جدا جدا بیان کی گئیں۔ادویات کے الکلائڈ تیار کئے گئے۔ ایک ایک دوا کو پھاڑ کر دس دس بلکہ بیس بیس الکلائڈ نکالے گئے۔ ہر ایک کے علیحدہ علیحدہ فوائد بیان کئے گئے۔ پھر ان کو ملا کر عجیب وغریب کیمیائی مرکبات تیار کئے گئے۔غرض خواص الاشیاء میں انتہا تک کام کیا گیا۔ جہاں تک رفع امراض کا تعلق ہے خاطر خواہ نتائج نہ حاصل ہوئے بلکہ نئے امراض پیدا ہو گئے۔

ایلوپیتھی (علاج بالضد) کے برعکس یورپ ہی کے ایک ڈاکٹر نے جس کا نام کرسچن فریڈرک سیموئیل ہانیمن (1755-1842) تھا ہومیوپیتھی (علاج بالمثل) کا قانون پیش کیا۔اس نے تحقیق کیا کہ ادویہ جو علاج بالضد کے قانون پر دی جاتی ہیں ان میں خرابیاں ہیں:

(۱) اگر کسی کو صحیح دوا بھی دے دی جائے تو ضروری نہیں کہ مرض رفع کر دے، لیکن اس کے مقابلے میں اس دوا کے نقصانات جو دیگر اعضاء پر ہیں وہ اس کے فائدے سے بہت زیادہ ہیں۔اگر دوا صحیح نہیں تو پھر مریض پر انتہائی ظلم ہے۔

(۲) دوا کی مقدار جس قدر زیادہ ہوگی اسی قدر زیادہ مریض کی زندگی کو اجیرن بنا کر موت کی طرف دھکیل دے گی۔

(۳) آج تک جو خواص الادویہ معلوم کئے گئے ہیں وہ مریضوں پر تجربات کئے گئے ہیں اور تندرست لوگوں کو کھلا کر ان کے اثرات کو نوٹ نہیں کیا گیا۔

(۴) جسم انسان کے چند غیر طبعی افعال کو روکنے کی کوشش کی گئی ہے لیکن چھوٹی اور نہایت ضروری علامات کو نہ دیکھا اور نہ سمجھا گیا اور نہ ہی ان کو رفع کرنے کی کوشش کی گئی، وغیرہ وغیرہ۔

ڈاکٹر ہانیمن نے اپنے ہزاروں تجربات کے بعد ثابت کیا کہ ادویات کو بالضد کی بجائے بالمثل مگر قلیل مقدار میں استعمال کرنا چاہئے وہ اس طرح کہ تندرست انسان میں کوئی دوا جو علامات رونما کر دے، اگر کسی مریض میں وہ علامات پائی جائیں تو وہی دوا اصول کے ساتھ اس مریض کو دی جائے۔ ایک تو مرض یقینی طور پر رفع ہوگا۔ دوسرے ہمیشہ کے لئے مرض دور ہوگا۔تیسرے مریض کے اندر کوئی نیا

مرض پیدا نہ ہوگا۔ چوتھے اگر دوا غلطی سے صحیح نہ بھی دی گئی ہو تو نقصان کا اندیشہ نہیں۔ اس پر طرہ یہ کہ ادویات کی مقدار قلیل اور ذائقہ شیریں ہو، ہر شخص بلکہ بچے اور عورتیں بھی بغیر حیل وحجت کھانے کو تیار ہوں، وغیرہ وغیرہ۔

یہ تھا ایک زبردست انقلاب جو علم الادویہ میں پیدا کیا گیا اور تقریباً ہر دوا کے خواص اسی طرح تندرست انسانوں پر تجربہ کر کے معلوم کیے گئے۔ ہزاروں جانیں تلف ہوئیں لیکن دُنیا میں خاص الادویہ کا ایک نیا نظام قائم کر دیا گیا جس سے روزانہ ہزاروں لوگوں کو شفا ہونے لگی۔ اب تک یہ سلسلہ جاری ہے، کوئی شک نہیں کہ خواص الادویہ کا یہ قانون قابل قدر ہے، لیکن اس میں یہ دقت ہے کہ ہر دوا کی تمام خصوصاً چھوٹی چھوٹی علامات کا ذہن میں حاضر رکھنا ضروری ہے اور سب سے مشکل امر یہ ہے کہ ایک ایک علامت بے شمار ادویہ میں پائی جاتی ہے جس سے دوا تجویز کرنے میں سخت پریشانی ہوتی ہے۔ بہرحال یہ علم الادویہ ایلوپیتھی سے بدرجہا بہتر اور مفید ہے۔

الکوحل اور شوگر*

خواص الادویہ کے متعلق استاد الاطباء حکیم احمد الدین موجد طب جدید شاہدرہ نے ایک خاص نظریہ پیش کیا، اگرچہ وہ جدید تو نہیں ہے لیکن وہ ایک قانون کی حیثیت ضرور رکھتا ہے اور ایک حقیقت کا اظہار ہے، جس کا اختصار یہ ہے کہ دُنیا کے تمام طریق علاج وامراض کی حقیقت بیان کرنے میں مختلف نظریات رکھتے ہیں، مگر آخر کار ان کا تعلق اعضاء کی خرابی کے ساتھ جوڑ دیتے ہیں۔ اور تسلیم کرتے ہیں کہ جب تک اعضاء کے افعال میں کمی بیشی واقع نہ ہو تو امراض کی صورت پیدا نہیں ہوتی تو پھر خواص الاشیاء کے اثرات کو دوشوں اور اخلاط کی خرابی یا جراثیم کی پیدائش اور روح کے بیمار ہونے میں کیوں تلاش کیا جائے۔ کیا بہتر نہیں ہے کہ خواص الاشیاء کا تعلق سیدھا اعضاء کے ساتھ قائم کر دیا جائے۔ کیونکہ ہر دوا کسی نہ کسی عضو پر اثر انداز ہوتی ہے اور اس کے فعل میں افراط وتفریط یا تقویت اور تسکین پیدا کر دیتی ہے۔ اس طرح دوا کے صحیح اور یقینی خواص حاصل ہو سکتے ہیں۔

جہاں تک خواص الاشیاء کا تعلق بالاعضاء ہے واقعی قابل تعریف ہے، مگر انہوں نے نمونے کے طور پر کوئی عملی کام پیش نہیں کیا۔ انہوں نے اپنی زندگی میں کم وبیش چالیس ادویہ کے خواص تحریر کیے ہیں جو شائع ہو چکے ہیں۔ لیکن ان کی صورت آیورویدک اور یونانی طب، ایلوپیتھی اور ہومیوپیتھی کے بالکل مطابق ہے۔ انہوں نے کہیں بھی یہ نہیں لکھا کہ فلاں دوا کے استعمال سے فلاں عضو کے فعل میں کمی بیشی ہوتی ہے اس لئے فلاں مرض کے لئے مفید ہے۔ البتہ انہوں نے زہروں کو بے تکلفی سے استعمال کی دعوت دی ہے جو طب یونانی میں گناہ کے مترادف ہے۔ مثلاً سم الفار، بیش اور اذرقی جیسے خوفناک اور تیز ونقصان رساں زہروں کو بغیر مدبر کیے برتنے کا مشورہ دیا ہے اور تاکید ہے کہ مدبر کرنا نہ صرف توہم میں داخل ہے بلکہ ان کے اثرات کو کم اور ضائع کرنا ہے۔ اگرچہ یہ سب کچھ سائنس کی دُنیا میں پہلے موجود تھا لیکن خواص الاشیاء کے اثرات کو اعضاء کے افعال کے تحت حاصل کرنا فن میں ایک انقلاب کی دعوت تھی۔ یہ انقلاب صرف ایک اشارہ تھا، اس میں نہ تفصیلات تھیں اور نہ ہی کوئی کام کا نمونہ تھا۔ طرہ یہ ہے کہ اس میں جو خوبیاں اور نقصان تھا اس کا کہیں ذکر نہیں تھا۔ بہرحال یہ اشارہ ایک سنگ میل ہے جہاں پر غور وفکر کی کئی راہیں مل سکتی ہیں۔ جہاں تک نظریہ افعال الاعضاء کے تحت خواص الاشیاء لینے کا تعلق ہے اس میں کئی اشکال اور خرابیاں ہیں جن میں سے تین بہت ہی اہم ہیں:

---

* الکوحل اور شوگر آف ملک کے کم از کم مقدار میں استعمال کرنے سے کئی امراض خبیثہ جنم لیتے ہیں اور یہ دونوں ہومیوپیتھی کے جزو اعظم ہیں، اس لئے ہومیوپیتھی ایک اصلاح طلب طریق علاج ہے۔ [ایڈیٹر]

① اعضاء کے افعال کے علاوہ جس میں خون بھی شامل ہے جو ایک مرکب محلول ہے جس پر ہر غذا اور دوا کا اثر ضرور پڑتا ہے جس سے اس میں کیمیائی تبدیلی بھی ضرور پیدا ہو جاتی ہے اس طرح خون کے سارے مرکب اور خاص طور پر دوشوں، اخلاط اور اس میں روح (وائٹل فورس) کارفرما ہے، کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ جب کسی کیفیت و مزاج اور دوش و خلط کی دوا یا غذا استعمال کرتے ہیں تو خون میں ان کا نمایاں اثر پڑتا ہے تو لازم آتا ہے کہ اعضاء کے مشینی افعال کے ساتھ خون کے کیمیائی اثرات کا جاننا بھی نہایت ضروری ہے جن کے بغیر خواص الاشیاء مکمل نہیں ہو سکتے۔

② جہاں تک اعضاء کا تعلق ہے، اعضاء دو قسم کے ہیں۔ ایک مفرد اعضاء جیسے اعصاب و عضلات اور غدود وغیرہ۔ نظریہ افعال الاعضاء کے تحت خواص الاشیاء مرکب اعضاء کے تحت لئے گئے ہیں نظریہ افعال الاعضاء کے تحت خواص الاشیاء میں مفرد اعضاء کا کہیں ذکر تک نہیں ہے اس لئے اس نظریہ سے مکمل خواص الاشیاء حاصل کرنا نہ صرف مشکل ہے بلکہ ناممکن ہے۔

③ خواص الاشیاء میں افعال کے صرف دو خیال بیان کئے ہیں۔ اوّل افراط یعنی عضو کے فعل میں تیزی جو تحریک سے پیدا ہوتی ہے۔ دوسرے تفریط یعنی عضو کے فعل میں کمی جو اس کے سکون سے پیدا ہوتی ہے، لیکن ان کے علاوہ ہر عضو کا ایک فعل اور بھی ہے جس کو ضعف کہتے ہیں، تسکین اور ضعف میں یہ فرق ہے کہ تسکین سردی سے پیدا ہوتی ہے اور ضعف گرمی سے پیدا ہوتا ہے یوں عضو کی جسم میں تحلیل قائم ہو جاتی ہے۔ تحلیل کا ذکر فرنگی طب میں بھی نہیں ہے۔

ان تمام مباحث کا اختصار یہ ہے کہ آیورویدک اور طب یونانی میں خواص کیفیات اور مزاج کے تحت لئے گئے ہیں اور ایلوپیتھی اور ہومیوپیتھی میں خواص الاشیاء مشینی اور کیمیائی دونوں صورتوں سے حاصل کئے جاتے ہیں، فرق یہ ہے کہ ایلوپیتھی میں بالضد لئے گئے ہیں اور ہومیوپیتھی میں بالمثل حاصل کئے گئے ہیں۔ لیکن دونوں میں مفرد اعضاء کی بجائے مرکب اعضاء کو مدنظر رکھا گیا ہے۔ اس طرح صحیح اور حقیقی خواص الاشیاء حاصل نہیں ہو سکتے اور علاج بھی یقینی اور بے خطا نہیں ہو سکتا۔ اس لئے اس وقت تک خواص الاشیاء غیر یقینی اور نامکمل ہے اور علاج الامراض ظنی بن کر رہ گیا ہے۔

جاننا چاہئے عرصہ تیس سالوں تک خواص الاشیاء پر تحقیقات کرنے کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ صحیح اور یقینی و بے خطا خواص الاشیاء اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتے جب تک ان کے اثرات مفرد اعضاء کے تحت حاصل نہ کئے جائیں اور ان ہی مفرد اعضاء کے عمل و ردعمل کے کیمیائی اثرات کو خون کے اندر مطالعہ نہ کیا جائے۔ ساتھ ہی خون کے کیمیائی اثرات کا اعضا کے ساتھ تعلق نہ جوڑ دیا جائے اس طرح فعلی (مشینی) سے خلطی (کیمیائی) اثرات کا پتہ چلتا ہے۔ پھر خلطی سے فعلی اثرات کا پتہ چلتا ہے اور دونوں قسم کے اثرات سے ایک ہی قسم کے نتائج حاصل ہوتے ہیں۔ اس تسلسل کو سمجھنے کے بعد صحیح یقینی اور بے خطا خواص الاشیاء حاصل ہو سکتے ہیں۔ اس طرح حاصل کئے ہوئے افعال و اثرات خواص و فوائد سے علاج میں ظنی صورتیں ختم ہو جاتی ہیں۔ اس طرح فن علاج پر زبردست دسترس پیدا ہو جاتی ہے۔ صحیح مرکبات اور یقینی و بے خطا مجربات وجود میں آ سکتے ہیں۔ اس طرح کے خواص الاشیاء کا علم و فن طب میں ایک زبردست انقلاب ہے۔ یہ انقلاب نظریہ مفرد اعضاء کے تحت ہی کیا جا سکتا ہے۔ نظریہ مفرد اعضاء اللہ تعالیٰ کا ایک عظیم انعام ہے۔ ہم نے اسی کے تحت خواص الادویہ اور اغذیہ بیان کئے ہیں۔

صابر ملتانی

15 اکتوبر 1967ء

تحقیقات علم الادویہ

علم العلاج اور فن معالجات میں علم الادویہ کو جو اہمیت حاصل ہے اس کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ اس علم کے بغیر علاج ومعالجہ بیکار ہو کر رہ جاتا ہے۔ گویا یہ ایک بہت بڑا رکن ہے۔ اگر اس عمارت کا یہ رُکن نہ رہے تو یہ عمارت قائم نہیں رہ سکتی۔ حقیقت یہ ہے کہ علاج ومعالجہ کی تاریخ اور ابتداء علم الادویہ ہی سے شروع ہوتی ہے۔ جوں جوں تہذیب وتمدن اور ثقافت میں نشو وارتقا ہوتا رہا، علم الادویہ کے ساتھ ساتھ علم العلاج اور اس کی دیگر شاخیں علم وفن کی صورتیں اختیار کرتی گئی ہیں۔ گویا علم الادویہ کی حیثیت علاج ومعالجہ میں اُم العلوم طب کی ہے۔ ان حقائق سے ثابت ہوتا ہے کہ جو لوگ علم العلاج اور فن معالجہ میں کمال حاصل کرنا چاہیں ان کے لئے لازم ہے کہ علم الادویہ کے کلیات وجزئیات اور اثرات وافعال پر مکمل دسترس حاصل کریں۔

علم الادویہ جس کی تاریخ ہزاروں سالوں میں پھیلی ہوئی ہے، اب اس میں اس قدر وسعت ہوگئی ہے کہ وہ سہولت تفہیم کے لئے کئی حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے، جن میں سے مندرجہ ذیل قابل ذکر ہیں۔

(۱) **معرفت الادویہ:** جس میں ادویات کی پہچان، مقام پیدائش ودستیابی اور موسم کا مطالعہ شامل ہے۔

(۲) **حفاظت الادویہ:** ادویہ کے مؤثر اجزا کا حاصل کرنا، خشک کرنا، ان کو محفوظ رکھنا، تازہ ادویہ کے رُب اور روغن تیار کرنا اور ادویہ کی تاثیر کی مدت مقرر کرنا۔

(۳) **کلیات الادویہ:** ادویات کے اثرات وافعال کے اصول اور قوانین کلیہ کا تعین کرنا، ان کی اصطلاحات کا وضع کرنا، کلیات و اصطلاحات کے تحت تقسیم کرنا۔

(۴) **خواص و فوائد:** ادویات کے فعلی وکیمیائی اور بالخاصہ خواص وفوائد، ادویہ کے امزجہ کیفیات اور درجات، امراض جن میں ادویات مفید ہیں۔

(۵) **تعین ادویات:** ایسے اصول جن کے تحت ادویات کا اعضاء وامراض اور علامات کے ساتھ تعین کرنا اور نسخہ نویسی۔

(۶) **ادویہ سازی:** اس میں عرق وشربت، سفوف وحبوب، اطریفل ومعجون، لعوق، یاقوتی، جوارش وخمیرہ، اچار وچٹنی، روغن وعطر، جوہر وست، کشتہ وسوختہ اور تیزابات دیگر کیمیائی اعمال وغیرہ۔

تحقیقات علم الادویہ میں ہم نہ صرف ان تمام شعبہ جات کو مدنظر رکھیں گے بلکہ ان کے ساتھ طب قدیم کے علم الادویہ کو پورے طور پر ذہن نشین کرانے کے ساتھ ساتھ فرنگی طب کی غلطیاں، خرابیاں اور گمراہیاں بھی بیان کرتے جائیں گے۔ چونکہ اس تقسیم اور شعبہ جات میں اہم حصہ کلیات الادویہ کا ہے۔ اس لئے اوّل اس پر اپنی تحقیقات پیش کی جاتی ہے۔

کلیات الادویہ

علمی حقائق میں کلیات کو بے حد اہمیت حاصل ہے۔ کیونکہ ان کے تحت ایسے قوانین و قاعدے اور اصول ترتیب پاجاتے ہیں جن کا استخراج واستنباط اور قیاس سے ہزاروں جزئیات نہ صرف ذہن نشین ہوتے ہیں بلکہ استعمال ادویہ اور نسخہ نویسی میں بے حد آسانیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔کلیات ادویہ میں سب سے اہم صورت ان کی تاثیرات و کیفیات اور امزجہ و درجات الادویہ کا جاننا ہے۔ان کے تعین کے بعد ہی ادویات کے افعال وخواص پر یقین کیا جاسکتا ہے۔ جو لوگ علم کلیات الادویہ سے واقف نہیں ہوتے وہ کتب میں سے تاثیرات و افعال، خواص وفوائد اور کیفیات اور امزجہ کے متعلق معلومات کر سکتے ہیں اور سمجھ بھی سکتے ہیں لیکن تعین ادویات اور نسخہ نویسی میں ان کو مکمل دسترس حاصل نہیں ہوسکتی، کیونکہ اس علم سے جو تربیت ''حکم اور حدث'' کی پیدا ہوتی ہے وہ صرف جان لینے سے پیدا نہیں ہوتی بلکہ وہ علم وفن میں کلیات و جزئیات کے جاننے کے بعد ہی حاصل ہوسکتی ہے۔

جاننا چاہئے کہ علم وفن طب کو حکمت اور اطباء کو حکماء کے نام صرف اس لئے دیئے جاتے ہیں کہ اس علم وفن میں غور وخوض اور سوچ و فکر بہت زیادہ ہے اور جب تک اطباء میں غور وفکر کا ملکہ پیدا نہ ہو وہ حکیم کہلانے کا مستحق نہیں ہوسکتا۔حکیم کو ہر قدم اور ہر لحہ غور وفکر کر کے کلیات سے جزئیات اور جزئیات سے کلیات قائم کرنے پڑتے ہیں۔اسی طرح ہر تصور کی تصدیق کرنی پڑتی ہے۔ جو لوگ یہ خیال کریں کہ جو دوا یا نسخہ یا مقدار وخوراک لکھ دیئے گئے ہیں ان کو بغیر غور وفکر کے استعمال کر لیا جائے، یہ صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ مریض کے مزاج وعمر، ماحول و مقام، موسم، آب و ہوا اور مرض کی شدت وخفت کے لحاظ سے دوا اور مقدار میں کمی بیشی اور طریق استعمال میں اختلاف کرنا لازمی ہے۔ اسی طرح نسخہ نویسی اور تجویز ادویات کے وقت بھی ہزاروں ادویات میں سے کسی ایک یا چند پر صحیح طور پر حکم لگانا ہی حکمت ہے۔علم کلیات الادویہ سے ہی یہ حکم وحدث اور کمال پیدا ہوتا ہے۔

ادویات کے اثرات وافعال

خالق زندگی اور کائنات نے اس دُنیا میں اس قدر اشیاء پیدا کی ہیں کہ ان کا شمار بالکل ناممکن ہے۔ہم نے ان کو موالید ثلاثہ (جمادات، نباتات اور حیوانات) کی قید میں بند کر دیا ہے۔لیکن پھر ان کی اس قدر اقسام ہیں کہ ان کا قلم بند کرنا انتہائی مشکل ہے۔لیکن حکیم مطلق نے انسان کو ایسی قوت اور قدرت عطا فرمائی ہے کہ وہ نہ صرف ان تمام کے خواص وفوائد معلوم کر لیتا ہے بلکہ ایسے اصول وقوانین اور کلیات تیار کر لیے ہیں جن کی مدد سے موالید ثلاثہ کی بے شمار تقسیم در تقسیم اقسام کو بھی جان لیتا ہے اور ان کے خواص وفوائد پر پورے طور پر حاوی ہو جاتا ہے۔

انسان کی زبردست قوتیں

انسان کے اندر قدرت نے جو غیر معمولی قوتیں رکھی ہیں، جہاں تک میرا مطالعہ اور معلومات ہیں، میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ ان قوتوں کے متعلق ابھی تک انسان کو پورا علم نہیں ہے کہ یہ قوتیں کیا ہیں اور کیسے پیدا ہوتی ہیں اور ان میں کون کون سے اعضاء کام کرتے ہیں۔ بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ انسان کا تصور ان کے متعلق بہت حد تک غلط ہے، جہاں تک ماڈرن سائنس کا تعلق ہے وہ تو ان کی حقیقت سے بالکل بے خبر ہے۔

احساس وادراک اور قیاس

انسان کی زبردست قوتوں میں سے احساس وادراک اور قیاس تین خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ احساس اور ادراک کو ایک ہی معنوں میں استعمال کیا گیا ہے، بلکہ بعض لوگ تو قیاس کو بھی انہی کے ساتھ استعمال کر لیتے ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان میں بہت زیادہ فرق ہے۔ بلکہ اس قدر فرق ہے جیسے زمین وآسمان میں فرق ہے۔ گویا ایک دوسرے سے بالکل جدا معنی دیتے ہیں۔ اس امر میں کوئی شک نہیں ہے کہ زبان میں معنی کا تعین انسان کا ذاتی کیا ہوا ہے لیکن جو ماہر لسانیات ہیں وہ خوب جانتے ہیں کہ ہر معنی کے بیان اور تعین میں مناسبت اور سلسلہ کا تعلق ضرور ہوتا ہے اور جب کبھی اس سلسلہ کی کڑیاں ملائی جاتی ہیں تو حقیقت معلوم کر کے بے حد حیرت ہوتی ہے۔

سچ تو یہ ہے کہ الفاظ کے ہیر پھیر (صَرف) میں بڑی قوت ہے۔ جب کسی لفظ کا مادہ نکال کر اسی کی کئی ممکن صورتیں بنائی جاتی ہیں تو ہر صورت اپنے اندر ایک جدا قوت رکھتی ہے۔ الفاظ میں اس طرح کے ہیر پھیر تو تقریباً ہر بڑی زبان میں پائے جاتے ہیں لیکن عربی زبان میں یہ خزانہ بہت زیادہ ہے۔ دِل تو یہ چاہتا تھا کہ الفاظ کے ہیر پھیر اور طاقت پر کچھ روشنی ڈالی جاتی، لیکن طوالت کے مدنظر اس کو نظر انداز کرتے ہیں اور ذیل میں احساس وادراک اور قیاس کی قوتوں کو بیان کیا جاتا ہے۔

احساس وادراک اور قیاس کا فرق

بادی النظر میں تینوں الفاظ کے معنی علم اور جاننا ہے، لیکن حقیقت میں ان کا تعلق دماغ اور اعصاب کے ساتھ ہے لیکن ایسا نہیں ہے، بلکہ علم وحکمت اور جاننے پہچاننے میں جس قدر تعلق دماغ واعصاب کا ہے اسی قدر تعلق دِل وجگر کا بھی ہے۔ کیونکہ تحقیقات سے پتہ چلتا ہے کہ **جاننے کا تعلق اگر دماغ کے ساتھ ہے تو سمجھنے کا تعلق دِل کے ساتھ ہے اور فائدہ اُٹھانے کا تعلق جگر کے ساتھ ہے۔** یہ سارے اسرار و رموز احساس وادراک اور قیاس میں پنہاں ہیں جن کا ہم تفصیل سے ذکر کریں گے تاکہ انسان حقیقت اشیا سے پورے طور پر آگاہ ہو جائے جس سے وہ دُنیائے علم وحکمت اور مذہب کی خدمت کر کے اس میں انقلاب پیدا کر سکتا ہے۔

احساس کی حقیقت

احساس سے ایسا علم حاصل ہوتا ہے جو ہمیں حواس خمسہ ظاہری سے پہنچتا ہے، یعنی دیکھنا، سننا، چکھنا، سونگھنا اور چھونا۔ جو حواس خمسہ ظاہری ہیں ان سے جو معلومات اور علم حاصل ہوتا ہے وہ سب ہمارے احساسات ہیں۔ ہمارے تجربات ومشاہدات اور کتب کے پڑھنے سے جو علوم حاصل ہوتے ہیں یہ سب احساس کے ذریعہ حاصل ہوتے ہیں۔ اگرچہ ان میں ایسے علوم کی شمولیت بھی ہوتی ہے جو ہم اور ادراکات سے حاصل کر چکے ہیں لیکن فی الوقت تجربہ ومشاہدہ اور پڑھنا احساس میں شامل ہوتا ہے۔ مثلاً قرآن حکیم اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور وحی کے ذریعہ نازل ہوا ہے اور حدیث شریف کلام الٰہی کی حکمت کا اظہار اور الہام ہے۔ لیکن ایسی کتب جن میں زندگی کے تجربات اور مشاہدات کا ذکر ہو، آیات اور حدیث بھی لکھی ہوں تو ان کو پڑھنا بھی ہمارے احساس کے تحت ہوگا۔ گویا ہماری تہذیب وتمدن، علم وحکمت اور تجربات ومشاہدات اور اخلاق وسیاست سب کچھ مذہبی رنگ میں رنگے گئے ہیں اور یہی ہماری ثقافت اور کلچر ہیں۔ لیکن یہ یاد رہے کہ وحی، الہام، وجدان اور لدنی علوم بذاتِ خود کبھی احساس کے ذریعے حاصل نہیں ہو سکتے۔ ان کو صرف ادراک ہی کہا جا سکتا ہے۔

ادراک کی حقیقت

ادراک سے ایسا علم حاصل ہوتا ہے جو حواس خمسہ باطنی سے حاصل ہوتا ہے (جس کی تفصیل آگے آئے گی) اسے نطق اور نفس

ناطقہ بھی کہتے ہیں۔اسی کو مجازاً روح انسانی کہا جاتا ہے۔دراصل ترقی یافتہ صورت بھی نفس مطلق ہی انسان میں نفس ناطقہ کہلاتی ہے اور ادراک نفس ناطقہ کی دو قوتوں میں ایک قوت ہے۔دوسری کو قوت تحریک کہتے ہیں۔نفس ناطقہ ایک جوہر بسیط ہے جس کی حکومت انسان کے تمام قویٰ اور اعضائے جسمانیہ پر ہے۔وہ مُدرک عالم ہے اس لئے عرض نہیں ہے کیونکہ کسی عرض کا دوسرے عرض کے ساتھ قیام ایک ایسا امر ہے کہ عقل سلیم اسے تسلیم کرنے سے قاصر ہے۔وہ مدرک کلیات ہے،اس لئے اس کو جسم یا جسمانی نہیں کہا جاسکتا کیونکہ کلی اگر کسی جسم میں قائم ہو تو پھر اس کی کلیت قائم نہیں رہتی اور وہ محدود ہو جاتا ہے۔

انسان کو ایک ایسی خاصیت حاصل ہے جو دیگر موجودات کو حاصل نہیں ہے۔اس کو نطق کہتے ہیں اس لئے وہ ناطق (بولنے والا) کہلاتا ہے۔ناطق سے مراد نطق بالفعل نہیں ہے کیونکہ جو آدمی گونگا ہوگا اس میں نطق بالفعل نہ ہوگا۔ بلکہ نطق سے مراد ادراک علم و معقولات اور قوت تمیز ہے جس سے جسم انسان میں بالواسطہ قویٰ اور آلات تصرف اور تدبیر عمل میں آتی رہتی ہے لیکن ہم اس کو اپنے کسی احساس سے محسوس نہیں کر سکتے یہی نفس ناطقہ ہے جس سے انسان کو فضیلت اور شرف حاصل ہے اور اسی لئے اس کو اشرف المخلوقات کہتے ہیں۔یہی فضیلت اور شرف جب اپنے کمال پر ہوتا ہے تو مقام نبوت اور جب ختم نبوت ہوتی ہے تو حسن و جمال اور حکمت و عقل اپنے انتہا پر ہوتی ہے۔ یہی ادراک ہے جو ادنیٰ شخصیت سے لے کر ختم نبوت تک اپنے اپنے مقام پر نور و معرفت اور عقل و حکمت کو سمجھتا ہے،علم و عقل دونوں مختلف چیزیں ہیں۔کسی شخص میں عقل زیادہ ہوتی ہے،کسی میں علم زیادہ ہوتا ہے۔ ہر شخص میں دونوں کا توازن بالکل مشکل ہے۔صرف نبوت اور خصوصاً ختم نبوت میں علم و عقل کا نہ صرف کمال ہوتا ہے بلکہ انتہائی توازن بھی ہوتا ہے۔بس اس حقیقت کو لازم کر لیں کہ جو علم ادراک سے حاصل ہوتا ہے،وہ کسی احساس سے نہیں ہوسکتا۔اس لئے صرف تجربہ و مشاہدہ اور عقل کی علم و حکمت میں کوئی حقیقت نہیں ہے۔علم و حکمت کے حصول کا بہت بڑا ذریعہ ادراک اور نبوت ہیں جن سے وجدان،الہام،وحی اور علم لدنی حاصل ہوتا ہے۔

قیاس کی حقیقت

قیاس سے ایسا علم حاصل ہوتا ہے جو احساس و ادراک کی روشنی میں اندازہ لگایا جائے یا گمان کیا جائے۔ یہ علم ایک قسم کی اٹکل اور اندازہ ہوتا ہے۔اس کی پوری پوری مطابقت (Accuracy) حاصل نہیں ہوتی۔لیکن یہ بھی ایک اندازہ علم ہے جس سے ایک چیز کو دوسری چیز کے مقابل کر کے اندازہ لگا کر ان میں برابری پیدا کی جاتی ہے۔دراصل فکر اسی علم سے پیدا ہوتا ہے اور عقل اسی سے جلا پاتی ہے۔اسی علم کی روشنی میں ہم حکم لگاتے ہیں اور فیصلے کرتے ہیں، یہ ایک ایسا علم ہے جس کے لئے انبیاء نے اپنے لئے دُعائیں کی ہیں،رب ھب لی حکما و علما۔ دراصل حکمت اور عدالت کی بنیاد اسی علم پر ہے۔چونکہ دونوں کا شرف و فضیلت مسلمہ ہے اس لئے علم قیاس کی اہمیت واضح ہے۔

اسلام میں قیاس کو بے حد اہمیت حاصل ہے۔ مذہبی حیثیت سے کسی مسئلہ کے بارہ میں جب کتاب و سنت اور اجماع امت میں کوئی فیصلہ نہ ملے تو فقہاء اپنی عقل اور رائے کو کام میں لا کر بقید شرائط مخصوص جو حل معلوم کریں اسے قیاس کہتے ہیں۔دُنیاوی حکومتوں کے قوانین بھی اسی قیاس پر بنتے ہیں اور عدالتوں کے فیصلے بھی اسی پر ہوتے ہیں۔علم طب میں امراض کی تشخیص و تجویز اور ادویات کے افعال و اثرات اس کے مطابق متعین اور مقرر کئے جاتے ہیں۔فلسفہ کی یہ جان ہے۔منطق میں ہر تصور کی تصدیق اسی سے عمل میں آتی ہے۔گویا احساس و ادراک اگر منبع علم ہیں تو قیاس مخزن حکمت ہے۔

قیاس دراصل حجت (دلیل) کی ایک قسم ہے جو علم منطق میں اقسام در اقسام تقسیم ہو جاتا ہے جن کا ذکر یہاں غیر ضروری ہے۔ احساس و ادراک کی بالفعل تشریح درج ذیل ہے۔

احساس وادراک اور قیاس کی بالفعل تشریح

روح انسانی

روح کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس کو ہم آنکھوں سے دیکھ اور ہاتھوں سے چھو سکیں، یا اس کو کسی دیگر حس سے معلوم کرسکیں بلکہ جس طرح آفتاب ومہتاب کو ان کی روشنی سے پہچانا جاتا ہے یا دھویں کو دیکھ کر جان لیا جاتا ہے کہ وہاں آگ روشن ہے یا پرندوں کو اُڑتے دیکھ کر اندازہ لگالیا جاتا ہے کہ اس جگہ پانی ضرور ہوگا۔ اسی طرح روح کا علم بھی اس کے مظاہر اور آثار کے ذریعہ سے حاصل ہوتا ہے۔

جب انسانی روح ادراک اور نطق سے کام لیتی ہے تو اس کو نفس ناطقہ کہتے ہیں اور جب تزکیہ واصلاح نفس جسم کی طرف راغب ہوتی ہے تو اس کو قوت مدبرہ کہتے ہیں اور اپنے کمال وارتقا کی طرف رجوع کرتی ہے تو اس کو جوہر مجرد کہتے ہیں جس کا تعلق روح کل سے ہوتا ہے۔ جس کو فلاسفہ عقل فعال بھی کہتے ہیں۔ جب کمال ارتقا حاصل ہوتا ہے تو یہ مقام خلافت الٰہیہ کا ہے جہاں انسان کا مرتبہ ملائکہ سے بھی افضل ہوتا ہے۔ یہ مقام احسن التقویم ہے اور اس طرف توجہ نہیں ہے تو پھر مقام اسفل السافلین ہے۔ یہی روح امر ربی ہے جس کا ذکر ہم نے تحقیقات اعادہ شباب میں کیا ہے، اسی کو مذہبی روح کہتے ہیں (روح کی تشریح اور تفصیل طوالت کی وجہ سے چھوڑ دی گئی ہے)۔

روح طبی

علم وفن طب میں جس روح سے بحث کی جاتی ہے اس کو طبی روح کہتے ہیں طب میں روح ان لطیف بخارات کو کہتے ہیں جو اخلاط کے لطیف حصہ سے پیدا ہوں، جیسے اعضا اخلاط کے کثیف حصہ سے بنتے ہیں۔ طبی روح کا علم بھی اس کے مظاہر اور آثار کے ذریعہ سے حاصل ہوتا ہے۔ یہ اظہار انسانی نفس اپنے جذبات کے ذریعہ کرتا ہے۔ جس کے ذرائع قویٰ انسانی ہیں جو تین ہیں، اس لئے روح طبی جب اپنے افعال انجام دیتی ہے تو اس کی تین صورتیں پیدا ہوجاتی ہیں۔

① روح حیوانی جس کا مقام قلب ہے۔
② روح طبعی جس کا مقام جگر ہے۔
③ روح نفسانی جس کا مقام دماغ ہے۔

انسانی نفس کے جذبات کا اظہار روح طبعی کے حرکت کی دلیل ہے۔

فرنگی طب روح کے علم سے بے خبر ہے

فرنگی طب اور سائنس میں کسی قسم کی روح کا تصور نہیں ہے۔ ان کے ہاں روح کے لئے دو لفظ ہیں- اوّل سول (Soul) یہ جوہر کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ دوسرے اسپرٹ (Spirit) جوست کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ ان دونوں سے مذہبی روح یا طبی روح کسی کا اظہار نہیں ہوتا۔ نطق وادراک اور جوہر مجرد کے مظاہر اور آثار تو کہیں دور دور بھی معلوم نہیں ہوتے۔ البتہ وائٹل فورس ایک ایسا

تصور ہے جو قوت مدبرہ کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔

جہاں تک روح طبعی اور اس کی اقسام کا تعلق ہے، وہ اس کے قائل نہیں ہیں، اور نہ ہی اس امر کے قائل ہیں کہ یہ ارواح جسم انسان میں کچھ افعال انجام دیتی ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس انکار کے برعکس وہ گیسز (Gases-لطیف بخارات) کے قائل ہیں اور یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ یہ لطیف بخارات خون میں بھی پائے جاتے ہیں جو وہاں پر اہم مقاصد انجام دیتے ہیں۔ ان امور سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ تصور طب قدیم سے ان تک پہنچا ہے، ان کا اظہار مختلف قویٰ کی صورتوں میں کیا جاتا ہے۔ جن کے بالمقابل نام یہ ہیں:

① قوت طبعی، جو قوت جسم میں غذا اور نشوونما کا کام انجام دیتی ہے اس کو نیچرل فورس (Natural Force) کہتے ہیں۔ اس کا مقام جگر ہے۔

② قوت نفسانی، جو قوت جسم میں احساسات اور تحریکات کا باعث ہوتی ہے، اس کو مینٹل فورس (Mental Force) کہتے ہیں۔

③ قوت حیوانی، وہ قوت ہے جو جسم میں حرکات وافعال قائم رکھتی ہے، اسے انیمل فورس (Animal Force) کہتے ہیں۔

البتہ یہ جان لینا ضروری ہے کہ دراصل یہ تینوں قوتیں ایک ہی قوت کے تین مظہر ہیں۔ لیکن مقام اور افعال کی مناسبت سے ان کی تقسیم کر دی گئی ہے، کیونکہ قدرت نے ہر عضو کے افعال میں اس کی ایک جبلت (Institinct) پیدا کر دی ہے جس پر وہ قائم اور رواں ہے۔

نفس انسانی

نفس ایک ایسی قوت ہے جو روح اور جسم کے تعلق کو قائم رکھتی ہے جس کا حاصل خون ہے۔ نفس کی تیزی اور سستی سے جذبات میں جو افراط وتفریط پیدا ہوتی ہے یہ اثرات خون میں نہیں ہیں، یہ اثرات ان اعضاء کے افعال ہیں جن میں قوت نفس خون کی وساطت سے تحریک پیدا کرتی ہے۔ نفس کے احساس سے وہاں کے عضو میں تحریک پیدا ہوتی ہے تو قوت مدبرہ وہاں پر خون کو زیادہ یا کم کر دیتی ہے جس سے وہاں کے اعضاء کے افعال پر اثر پڑتا ہے۔ پھر ان کے افعال کی کمی بیشی کے ساتھ جذبات میں تیزی یا سستی واقع ہو جاتی ہے۔ جاننا چاہئے کہ نفس جب کسی مناسب یا مخالف شے کا ادراک اور احساس کرتا ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ مناسب کو حاصل کرنا اور مخالف سے بچنا چاہتا ہے تو اس وقت اپنی نفسانی قوتوں کو حرکت میں لاتا ہے اور یہ مسلمہ امر ہے کہ نفسانی قوتیں ارواح کے تابع ہیں جن کا حامل خون ہے۔ گویا ارواح خون کی حرکت کے بغیر اور خون نفسانی قوتوں کے بغیر عمل نہیں کر سکتا۔ اسی عمل کا نام نفسانی حرکت وسکون ہے۔

یہ ایک بہت بڑی غلط فہمی ہے کہ نفس کا حرکت وسکون تسلیم کیا جاتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ نفس میں حرکت وسکون کبھی پیدا نہیں ہوتا کیونکہ نفس اپنا مقام نہیں بدلتا، ایسا مجازاً کہا جاتا ہے۔ جذبات کا اظہار تو اعضاء کے افعال میں افراط وتفریط سے ہوتا ہے اور ہر عضو کے ساتھ چند جذبات مخصوص ہیں۔ البتہ نفس کے انفعالات اور تاثرات خون اور روح میں ضرور حرکت پیدا کر دیتے ہیں۔ بالفاظ دیگر یہ انفعالات اور تاثرات دراصل باعث حرکت ہیں۔ کیونکہ بدنی حرکت وسکون کا دارومدار خواہشات اور جذبات نفسانیہ پر ہے۔ مثلاً شوق کے وقت طلب کی حرکت اور نفرت کے وقت فرار کی صورت، غصے کے وقت مقابلے کی حالت اور اسی طرح خوف کے وقت چہرے کا سفید ہو جانا اور جوش کے وقت چہرے کا سرخ ہو جانا یہ کچھ خون اور روح کے زیر اثر ہے۔ اس کے برعکس نفسیاتی سکون کی ضرورت اس لئے ہے کہ روح اور خون کو نسبتاً آرام حاصل ہو تاکہ وہ زیادہ تحلیل نہ ہو۔

نفس کے مظاہر اور تاثرات کا اندازہ اس ہوا وہوس اور خواہش وجذبہ سے کیا جا سکتا ہے جو کسی عضو میں تحریک کی شدت سے پیدا

ہوتا ہے۔ ان کا روکنا ان اعضاء میں سکون کا نام نہیں ہے بلکہ ان کی تحریکات کو سکون کے عضو میں منتقل کرنا ہے۔ یہ سب کچھ ارواح کے قویٰ میں تحریک دینے سے عمل میں آتا ہے۔

قویٰ کی تعریف

قویٰ نفس ناطقہ کی ان تحریکات کو کہتے ہیں جن سے طبی روح کے افعال صادر ہوں۔ ان کی تین اقسام ہیں:

① قوت طبعی

② قوت حیوانی

③ قوت نفسانی

ان سب کی تعریفیں گزر چکی ہیں۔ چونکہ ہم نے احساس و ادراک اور قیاس کی تشریح بالفعل بیان کرنی ہے۔ اس لئے ہم یہاں صرف قوت نفسانی کی تشریح اور افعال بیان کریں گے۔ قوت طبعی اور قوت حیوانی کی تشریح اور افعال اس مقام پر بیان کریں گے جہاں پر اس کی ضرورت لازم ہوگی تاکہ سمجھنے میں سہولت رہے۔

قوتِ نفسانی

قوت نفسانی ایک ایسی قوت ہے جو جسم انسان میں احساس، ادراک اور قیاس سے علم و معلومات حاصل کرتی ہے اور ضرورت کے وقت حرکت کے لئے تحریک کرتی ہے اور اس کی ضرورت اس لئے ہے کہ حیوان اور انسان مضر چیزوں سے فرار حاصل کر سکیں اور نفع بخش چیزوں کے قریب آسکیں۔ یہ ظاہر ہے کہ ان تحریکات کے لئے مفید و مضر باتوں کا احساس و ادراک اور قیاس ضروری ہے اس لئے اس کی اقسام بھی دو ہیں۔ اول قوت مدرکہ (ادراک کرنے والی قوت)، دوم محرکہ (تحریک دینے والی قوت) قوت مدرکہ کی دو قسمیں ہیں:۔

① مدرکہ ظاہر

② مدرکہ باطنی

اقسام مدرکہ ظاہری

قوت مدرکہ ظاہر پانچ ہیں۔ ان کو حواس خمسہ ظاہری (Five Senses) بھی کہتے ہی۔ ان کا کام یہ ہے کہ یہ باہر کی معلومات دماغ کی اندرونی قوتوں تک پہنچاتے ہیں۔ یہ حواس ظاہری حسب ذیل ہیں: ① قوت باصرہ (دیکھنے کی طاقت ② قوت سامعہ (سننے کی قوت) ③ قوت شامہ (سونگھنے کی قوت) ④ قوت ذائقہ (چکھنے کی قوت) ⑤ قوت لامسہ (چھونے کی قوت)۔

اقسام مدرکہ باطنی

قوت مدرکہ باطنی بھی پانچ ہیں جن کو حواس خمسہ باطنی بھی کہتے ہیں۔ ایسی قوت ہے جو ایسے تاثرات کا ادراک کرتی ہے جن کو حواس خمسہ ظاہر محسوس نہیں کر سکتے۔ البتہ وہ حواس خمسہ ظاہری کے احساسات کو محفوظ رکھتی ہے تاکہ بوقت ضرورت ان کو ذہن کے سامنے پیش کر سکے۔ یہ خواس خمسہ باطنی حسب ذیل ہیں۔

(۱) **حس مشترک:** وہ قوت باطنی ہے جو حواس خمسہ ظاہری کی احساس کی ہوئی چیزوں کو ضرورت کے وقت دوبارہ بغیر ان کی موجودگی کے محسوس کرتی ہے اور تصور کرتی ہے۔ اس کا مقام مقدم دماغ کا پہلا (اگلا) حصہ ہے۔

(۲) **قوت خیال:** وہ قوت ہے جو حس مشترک کے خزانے کا کام کرتی ہے یعنی اس کے تمام احساسات خزانہ خیال میں محفوظ رہتے ہیں۔

(۳) **قوت متصرفہ:** جس کو متخیلہ اور مفکرہ بھی کہتے ہیں۔ ایسی قوت ہے کہ اگر وہ حس مشترک کے احساسات کا اظہار کرے تو اس کو متخیلہ کہتے ہیں اور اگر قوت واہمہ کے ادراکات کا اظہار کرے تو اس کو قوت مفکرہ کہتے ہیں۔ اس کا مقام دماغ کا درمیانی حصہ ہے۔

(۴) **قوت واھمہ:** وہ قوت ہے جو ان معانی کا ادراک کرتی ہے جن کو حواس خمسہ ظاہری ادراک نہیں کر سکتے۔ مثلاً کسی لفظ کے معنی کا جاننا جیسے اللہ تعالیٰ کے معنی خدائے بزرگ و برتر یا کسی شخص کے متعلق یہ گمان کہ فلاں دوست ہے یا دشمن۔ ان کا مقام مؤخر دماغ کا مقدم حصہ ہے۔

(۵) **قوت حافظہ:** وہ قوت ہے جو وہم کے ادراکات کرتی ہے، اس کا مقام مؤخر دماغ کا مؤثر حصہ ہے۔

احساسات کی بالفعل تشریح

جو کہ ہمارے احساسات وحواس خمسہ ظاہری محسوس کرتے ہیں وہ خزانہ خیال میں محفوظ رہتے ہیں اور ضرورت کے وقت حس مشترک ذہن کے سامنے پیش کرتی رہتی ہے لیکن خزانہ خیال میں صرف ہمارے مشاہدات ہی نہیں رہتے بلکہ ہمارے تجربات تصدیقات اور قیاسات بھی محفوظ رہتے ہیں۔

تجربات

جاننا چاہئے کہ مشاہدات تو ہماری مفرد معلومات ہیں۔ یعنی ہر مشاہدہ کسی نہ کسی حواس ظاہری سے دماغ میں پہنچتا ہے۔ بعض بیک وقت ایک شے سے کئی مشاہدات بھی ذہن میں پہنچ جاتے ہیں۔ جیسے گلاب کے پھول کی خوشنما رنگت، خوشبو، پتوں کی رگڑ کی خاص آواز، اس کی نرمی اور ذائقہ مگر یہ سب مفرد معلومات ہیں۔ لیکن جب ہم مختلف اقسام کے رنگوں اور خوشنمائیوں اور خوبصورتیوں کا امتزاج کرتے ہیں اسی طرح مختلف ذائقوں، خوشبوؤں اور نرمی و سختی کو ترتیب دیتے ہیں یا ان سب کے اثرات انسانی جسم یا حیوانات و نباتات اور جمادات پر دیکھتے ہیں تو وہ مرکب معلومات ہیں جن کو ہم تجربات کہتے ہیں۔ گویا تجربات ہماری ایک ہی قسم یا مختلف اقسام کی حسی معلومات ہیں جو ترکیب و ترتیب اور عمل میں لانے سے نتائج پیدا ہوتے ہیں۔ اسی طرح تجربات در تجربات معلومات حاصل ہوتی ہیں۔ یعنی ہمارے ایک تجربہ سے ایک خاص قسم کے نتائج حاصل ہوئے۔ یہی سلسلہ تجربات در تجربات زندگی میں جاری رہتا ہے اور علم وحکمت میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ جس قسم کی انسانی معلومات ہوتی ہیں ویسے ہی نتائج اخذ ہوتے ہیں۔

بعض دفعہ ان تجربات میں ہمارے ملی و قومی اور روایاتی اثرات بھی شریک ہو جاتے ہیں۔ ایسے تجربات ہماری تہذیب و تمدن کہلاتے ہیں اور جب ہمارے تجربات میں مذہبی، اخلاقی اور ملی اثرات شامل ہوتے ہی تو ان تجربات کو ہم ثقافت (کلچر- Culture) کہتے ہیں۔

علم طب میں تجربات کا تعلق اشیاء اور بدن انسان سے ہے، اس لئے ہمارے تجربات کا مقصد ادویات کو بدن انسان کے اندر یا باہر استعمال کر کے ان کے نتائج حاصل کرنا ہے۔ بعض وقت اشیاء کی تیزی اور زہریلے پن کی وجہ سے ہم ان کے اوّل تجربات حیوانات پر بھی کر لیتے ہیں۔ خاص طور پر ایسے حیوانات جن کے مزاج انسانی مزاج سے زیادہ قریب ہیں لیکن مقصد انسانی جسم کے لئے نتائج حاصل

کرنا ہے بعض دفعہ اشیاء کو اشیاء میں شامل کر کے بھی تجربات حاصل کرتے ہیں۔ مقصد یہ ہوتا ہے، اس شے کی کیفیات ونفسیاتی اثرات اور مزاج اور افعال الاعضاء کے فوائد وخواص حاصل کیے جائیں۔ ان تجربات میں اشیاء کی صورت نوعیہ کو خاص طور پر مدنظر رکھا جاتا ہے۔ کیونکہ اس کے نتیجے میں اس دوا کے بالخاصہ اثرات وافعال کا علم ہوتا ہے۔

شرائط تجربہ

تجربات کے لئے تین اصولوں کو مدنظر رکھنا ضروری ہے:

(۱) تجربہ کرنے والے علم وفن طب کو جاننے کے ساتھ ساتھ جسم انسان کی تشریح اور منافع الاعضاء کو جاننے والا ہو۔ علم کیمیائی اور طبیعات سے واقف ہوتا کہ تجربات کے نتائج کو سمجھ سکے۔

(۲) تجربات جسم انسان پر کیے جائیں یا ایسے جانوروں پر کیے جائیں جن کا مزاج جسم انسان کے قریب تر ہو۔

(۳) تجربات، مشاہدات اور معلومات میں اعضاء کے افعال کے ساتھ ساتھ خون کے کیمیائی تغیرات کو بھی حاصل کرنا چاہئے۔

حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ اشیاء پر تجربات کرنا چاہیں اور وہ اگر معالج نہ ہوں یا جسم انسان کی ماہیت اور منافع الاعضاء سے بے خبر ہوں۔ اسی طرح وہ علم کیمیا اور طبیعات سے واقف نہ ہوں تو ایسے لوگوں کے تجربات اپنے اندر کوئی اہمیت نہیں رکھتے۔ کیونکہ تجربات کی صورت میں ایک معالج کے ذہن میں ہی تجزیات کے لئے تصورات پیدا ہو سکتے ہیں جن کی تصدیقات کے لئے وہ علم تشریح الابدان اور علم منافع الاعضاء کو قیاسی طور پر سامنے رکھتا ہے۔ پھر علم کیمیا اور طبیعات کے دلائل کے ساتھ تصدیقات حاصل کرتا ہے۔ کبھی جزئیات نکالتا ہے، کبھی کلیات بناتا ہے، کبھی استنباط کرتا ہے اور کبھی استخراج کرتا ہے۔ لیکن اگر اس کے اندر یہ خوبیاں نہ ہوں گی تو اس کے تجربات کو سمجھنا اور حکم لگانا بے معنی ہوگا۔

چونکہ ادویات واغذیہ اور دیگر اقسام کی ادویات کا تعلق جسم انسان کے ساتھ ہوتا ہے یا اسی کے لئے تجربات مخصوص ہوتے ہیں۔ اس لئے تجربات بدن انسان پر ہی کرنے چاہئیں تاکہ مطابق اثرات وافعال کا علم حاصل ہو۔

اگر ادویات زہریلی یا خطرناک ہوں یا ان کا ذائقہ وبو دیگر محسوسات تکلیف دہ اور قابل نفرت ہوں تو تجربات انسان کی بجائے حیوانات پر کرنے چاہئیں۔ لیکن تجربات کے لئے ایسے حیوانات منتخب کیے جائیں جن کا مزاج انسانی مزاج کے قریب ہو یعنی انسانی مزاج اعتدال کے قریب ہے اور باقی مخلوقات کا مزاج انسان کے مقابلہ میں اعتدال سے بعید ہے۔ انسان سے قریب مزاج بندر، بن مانس اور لنگور کا ہے۔ لیکن اگر ان کے علاوہ کسی دیگر حیوان پر تجربات مطلوب ہوں تو اوّل ان کے مزاج کا تعین کر لینا چاہئے تاکہ کیفیات اور اخلاط کی کمی بیشی کا صحیح اندازہ ہو سکے۔

انسان یا جن حیوانات پر تجربے کیے جائیں وہ صحت مند ہوں، ان کی عمروں کو مدنظر رکھیں، کیونکہ بچپن میں رطوبت زیادہ ہوتی ہے۔ جوانی میں حرارت بکثرت پائی جاتی ہے اور بڑھاپے میں دونوں چیزوں کا فقدان ہوتا ہے۔ ان کی غذا اور ماحول کا مناسب ہونا بھی انتہائی لازم ہے کیونکہ جہاں بھی کیفیات اور مزاج میں مخالفت پیدا ہوگی، تجربات میں فرق پیدا ہو جائے گا۔

تجربات کے آسان طریقے

انسان پر تجربات کرنا تو حکومت کے لئے بھی مشکل ہے کیونکہ تجربات کے لئے قیمتاً انسان حاصل کرنا انتہائی مشکل ہے۔ پھر ایک

ایک تجربہ کے لئے کئی کئی انسانوں کی ضرورت ہے۔ جب تک انسان میں فن پر قربان ہونے کا جذبہ پیدا نہ ہوا ایسے تجربات انتہائی مشکل ہیں۔ حیوانوں پر تجربات کرنے کے لئے بھی حکومت کی امداد کے بغیر کچھ نہیں ہوسکتا۔ البتہ ایک آسان طریقہ ایسا ہے جس سے سہولت کے بغیر قیمتی تجربات ہوسکتے ہیں۔ لیکن یہ تجربات عام معالج نہیں کر سکتے بلکہ فاضل معالج ہی کر سکتے ہیں۔ کیونکہ وہی اس کے اہل ہیں۔

تجربات کا بالفعل عمل

جس دوا کا تجربہ کرنا مطلوب ہو اس کا مفرد ہونا ضروری ہے بلکہ مفرد دوا جن عناصر یا اجزا سے مرکب ہو ان کا جاننا بھی ضروری ہے۔ اگر کوئی دوا مرکب ہو تو لازم ہے کہ اس مرکب میں جو مفرد ادویات ہیں ان کے وہ پورے طور پر تجربہ شدہ ہوں یعنی ان کے افعال و اثرات اور خواص وفوائد کا پورا پورا علم ہو تا کہ مرکب دوا کے تجربات میں راہنمائی کریں۔ ان کو ذیل کے اصولوں پر تجربات کریں۔

اوّل تجربے کے لئے مطلوبہ مفرد دوا کے افعال واثرات اور خواص وفوائد کو دو تین مستند طبی کتب سے مطالعہ کر کے ان کے مزاج و کیفیات اور اخلاط کو سمجھنے کے بعد ان کو بالاعضاء تعین کرنا چاہیے۔

دوسرے اپنے تعین کرنے کے بعد افعال واثرات اور خواص وفوائد کو آیورویدک، ایلوپیتھی اور ہومیو پیتھی کے ساتھ تطبیق دینے کی کوشش کریں۔ جہاں جہاں اختلاف پائیں ان کو نوٹ کریں اور اختلاف کی وجہ معلوم کریں۔

تیسرے یہ معلوم کریں کہ طب یونانی کے علاوہ دیگر طریق علاج میں یہ دوا کن کن امراض وعلاج میں استعمال کی گئی ہے؟ اور کن کن مقداروں میں دی گئی ہے؟ اور جن امراض وعلامات میں دی گئی ہے ان کا تعلق اس عضو یا ان اعضا کے ساتھ جن کے لئے ہم نے تعین کیا ہے اور مختلف مقداروں میں یا کم از کم اور زیادہ سے زیادہ مقداروں میں استعمال کرنے سے کیا فرق بیان کئے گئے ہیں؟۔ مثلاً ہم نے ایک دوا کی کیفیات ومزاج اور اخلاط کا تعین کرنے کے بعد اس کے اثرات دماغ واعصاب پر متعین کئے ہیں یعنی اس سے اعصاب کے فعل میں تیزی پیدا ہو جاتی ہے۔ مختلف مقداروں میں ان کے افعال واثرات میں کمی بیشی پیدا ہو جاتی ہے۔ ساتھ ہی اس امر پر غور کریں کہ دماغ واعصاب کے بعد اس کا اثر دِل پر پڑتا ہے یا جگر پر اور وہ اثر کس قسم کا ہے؟ نظریہ مفرد اعضاء کے تحت اس طرح غور کریں کہ اگر کوئی دوا محرک اعصابی ہے تو وہ اعصابی غدی ہے، یا اعصابی عضلاتی ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ جو ادویات اعصابی ہیں وہ یقیناً غدی محلل اور عضلاتی مسکن ہوں گی۔

چوتھے اس تعین کے بعد اس دوا کا سفوف تیار کرلیں۔ اگر تلخ ہو تو گولیاں تیار کرلیں اور قابل حل ہو تو اس کا محلول بھی تیار کر لیں۔ پھر اس کا استعمال اس انداز میں کریں کہ دُنیا میں کوئی انسان ایسا نہیں ہے جس کے کسی نہ کسی عضو رئیس کی طرف دوران خون تیز نہ ہو اس لیے پہلے دوا کو قلیل مقدار میں اسی تحریک کے لئے دیں جو اس میں پائی جاتی ہے۔ مثلاً دوا میں اعصابی تحریکات پائی جاتی ہیں تو اسی قسم کے تندرست انسان کو دیں۔ پھر اس حد تک بڑھا کر دیں کہ اس کے لئے تکلیف کا باعث نہ ہو۔ جب یقین ہو جائے کہ واقعی اس سے تندرست انسان کے عصبی افعال میں تیزی پیدا ہوگئی ہے تو پھر کسی ایسے مریض کو قلیل مقدار سے لے کر اس حد تک استعمال کرائیں کہ اس کی تکلیف میں اضافہ نہ ہو، اس کے مرض اور علامات میں بھی حسب منشا اضافہ ہونے پر یقین ہو جائے گا کہ واقعی دوا کے افعال واثرات صحیح ہیں۔ بعض دفعہ قلیل مقدار میں دوا دینے سے طبیعت مدبرہ بدن مرض کو رفع کر دیتی ہے۔ ایسے میں آرام آ جانے پر پھر زیادہ سے زیادہ مقدار دوا دے کر اثرات اور افعال کو مرتب کرلیں۔

محرک اعصاب دوا اس قسم کے مریض کے تحریک پر استعمال کرانے کے بعد پھر ایسے ہی تندرست اور مریض انسان پر استعمال

کرائیں جس کے اعصاب میں تسکین سادہ ہو۔ پھر ایسے مریض پر جس کے اعصاب میں تسکین متعفنہ ہو، افعال واثرات نوٹ کر لیں۔ مقدار خوراک کا فرق بھی دیکھ لیں۔ لیکن اس طرح مریض کا مرض رفع ہوجاتا ہے۔ ایسی صورت میں دوا جاری رکھیں اور مقدار زیادہ سے زیادہ بڑھادیں، لیکن اس حدتک کہ قابل برداشت ہو۔ پھر دوا کے افعال واثرات کا مطالعہ کریں صحیح افعال واثرات مرتب ہوجائیں گے۔ مریض کا شفایاب ہونا سب سے بڑا ثبوت ہے۔

ان تجربات میں بیک وقت ایک دو انسان نہیں ہونے چاہئیں بلکہ کوشش کرنی چاہئے کہ متعدد انسان زیر تجربہ ہوں۔ تاکہ ان افعال واثرات کے ساتھ ساتھ خواص وفوائد بھی مرتب کرسکیں۔ مثلاً اس اعصابی دوا کا سر سے لے کر پاؤں تک کے اعصاب میں کن کن پر زیادہ اور شدید اثر پڑتا ہے اور کہ کن پر اثر پایا جاتا ہے۔ یہی اس کی بالخاصہ صورت ہوگی اور اسی حصہ جسم کے اعصاب کے لئے وہ دوا مخصوص کردی جائے گی۔ اگرچہ ضرورت کے وقت ہم اس سے دیگر اعضاء کے اعصاب میں بھی تیزی پیدا کرسکتے ہیں مگر وہ خاص عضو زیادہ متاثر ہوگا۔ ایسے تجربات بے حد احتیاط سے کئے جاتے ہیں۔

اسی طرح دوا کے افعال واثرات بیرونی طور پر بھی حاصل کرنے چاہئیں۔ مثلاً تندرست مقام پر دوا کا سفوف ملیں یا اس کا خیساندہ اور جوشاندہ ڈالیں۔ تیل میں ملا کر مالش کریں۔ اسی طرح مریض مقام مثلاً درد، ورم اور سوزش وزخم پر اس کے اثرات وافعال حاصل کریں۔ جو دوا آنکھ، کان اور ناک کے لئے بھی اثرات رکھتی ہو تو وہاں پر بھی استعمال کریں اور نتائج کو نوٹ کرتے جائیں۔ اس طرح کے تجربات جن ادویات پر کئے جاتے ہیں تو اس سے یقینی بے خطا خواص وفوائد حاصل ہوجاتے ہیں۔

اس امر میں کوئی شک نہیں کہ بعض انسان نازک مزاج ہوتے ہیں اور بعض سخت طبع اور بعض جنگلی قسم کے انسان جن کے مزاج کی شدت حیوانات سے بھی زیادہ ہوتی ہے۔ اسی طرح بچوں کے مزاج میں تری گرمی کا (اعصابی غدی) غلبہ ہوتا ہے۔ جوانوں میں گرمی خشکی کا مزاج (غدی عضلاتی) غالب ہوتا ہے۔ اسی طرح بوڑھوں میں سردی خشکی (عضلاتی اعصابی) کا مزاج غالب ہوتا ہے اور عورتیں مردوں سے زیادہ نازک ہوتی ہیں اور ان کا مزاج زیادہ تر غدی رہتا ہے، چاہے غدی اعصابی ہو یا غدی عضلاتی۔ اعصابی بہت کم ہوتا ہے اور عضلاتی بالکل نہیں ہوتا۔ اس لئے ہر ایک پر ادویات کے تجربات کرتے ہوئے دوا کی مقدار اور خوراک کو ضرور مدنظر رکھنا چاہئے اس طرح غلطی نہیں پیدا ہوتی اور نتائج صحیح حاصل ہوتے ہیں۔

تجربات میں کیمیائی اثرات

مندرجہ بالا تجربات مشینی اور فعلی ہیں لیکن ہر دوا و غذا اور شے کا ایک اثر کیمیائی بھی ہوتا ہے۔ اگرچہ کیمیائی اثرات بھی مشینی و فعلی اور اعضائی ہوتے ہیں، لیکن جب تک کیمیائی اثرات خون میں غالب نہ ہوں تو کسی عضو میں فعلی اثرات کیسے مرتب کرسکتے ہیں۔ بس ہر دوا و غذا اور شے جو اپنے اثرات خون میں شامل کرتی ہے جیسے اجزاء وعناصر اور ارکان خون ہیں۔ پس یہی کیمیائی اثرات ہیں۔ مثلاً کبھی خون میں کسی دوا، غذا اور شے سے صفرا وحدت بڑھ جاتی ہے۔ کبھی خون کی زیادتی وجوش پیدا ہوجاتا ہے۔ کبھی بلغم ورطوبت اور رقت بڑھ جاتی ہے، کبھی خون میں سوداو غلظیت اور ریاح کی زیادتی ہوجاتی ہے۔ کبھی کھاری پن اور کبھی ترشی زیادہ ہوجاتی ہے۔ فعلی اور کیمیائی اثرات کا فرق یہ ہے کہ فعلی اثر وقتی ہوتا ہے اور کیمیائی اثر دائمی اور مستقل ہوتا ہے مرض اور شفا اس وقت تک مستقل نہیں ہوتے جب تک کیمیائی اثرات غالب نہ ہوجائیں۔ کیمیائی اثرات کے بعد ہی بالخاصہ اثرات پیدا ہوتے ہیں۔

کیفیاتی اور نفسیاتی تجربات

ادویہ واغذیہ اور اشیاء کے تجربات میں جسم کے فعلی و کیمیائی اثرات ہی کافی نہیں ہیں بلکہ کیفیاتی اور نفسیاتی خواص اور فوائد کا جاننا اور سمجھنا بھی ضروری ہے۔ ایک طرف ایسے خواص اور فوائد انسانی مزاج و جذبات اور فطرت کا اظہار کرتے ہیں دوسری طرف تشخیص امراض میں راہنمائی کا کام دیتے ہیں۔ مثلاً بعض ادویات و اغذیہ اور اشیاء کے استعمال میں انسان گرمی و سردی اور تری و خشکی کا اظہار کرتا ہے۔ لیکن ظاہرہ طور پر جسم پر ایسی کوئی کیفیت نہیں پائی جاتی۔ گویا جسم کے اندر مریض ضرور محسوس کرتا ہے۔ اسی طرح اس کے برعکس بعض دفعہ انسان ظاہری طور پر ان کیفیات کی تکلیفات کا انکار کرتا ہے لیکن ظاہری جسم میں وہ کیفیات شدت سے پائی جاتی ہیں۔ گویا اندرونی جسم میں مریض کو ایسی کوئی تکلیف نہیں ہے۔ اسی طرح کبھی بھوک پیاس شدید ہو جاتی ہے اور کبھی بند ہو جاتی ہے کبھی بھوک پیاس ہوتی ہے مگر کھایا پیا نہیں جاتا کبھی کھایا پیا جاتا ہے مگر فوراً قے ہو جاتی ہے۔ کبھی کھانے پینے کے نام سے جی متلاتا ہے۔ کبھی بھوک ہوتی ہے پیاس نہیں ہوتی، کبھی پیاس ہوتی ہے بھوک نہیں ہوتی، وغیرہ وغیرہ۔

اسی طرح کبھی مریض تازہ ہوا، ٹھنڈے پانی اور کھلی فضا کی طلب کرتا ہے اور اکثر اپنا منہ خاص طور پر سوتے میں کھلا رکھتا ہے۔ کبھی ٹھنڈی ہوا اور پانی سے گھبراتا ہے اور اپنے کو کمرے میں بند کر لینا پسند کرتا ہے۔ کبھی گھنٹوں خاموش بیٹھا رہتا ہے یا ایک ہی حالت میں پڑا رہتا ہے۔ کسی عضو کو حرکت دینا پسند نہیں کرتا۔ کبھی بے چین نظر آتا ہے کسی پہلو قرار نہیں آتا۔ اٹھتا ہے، بیٹھتا ہے، کبھی گھنٹوں چلتا ہے یا بیٹھے اور لیٹے ہوئے اپنے کسی نہ کسی عضو کو حرکت دیتا ہے۔

ایسی صورتیں مریضوں کے جذبات میں تبدیلی نمایاں نظر آتی ہیں۔ مثلاً بعض میں غم و غصہ کی زیادتی ہوتی ہے اور بعض خوف و ندامت کا زیادہ اظہار کرتا ہے۔ بعض میں لذت و مسرت کی طرف رغبت پائی جاتی ہے۔ اسی طرح بعض جنسی جذبے کا بے حد اظہار کرتے ہیں اور بعض میں ان تمام جذبات میں بے حد کمی پائی جاتی ہے بلکہ اس حد تک کمی ہوتی ہے کہ ان کو اخلاقی قدروں کے مطابق نامناسب (ابنارمل-Abnormal) انسان کہتے ہیں۔ اسی طرح جذبات سے جو اخلاقی قدریں پیدا ہوتی ہیں ان میں افراط و تفریط کا پایا جانا یا انسانی جبلت (انسٹنکٹ-Instinct) میں کمی بیشی کا پایا جانا اسی طرح جبلت کا صحیح جذبات و فطرت کے مطابق تربیت کا پانا یا نہ پانا وغیرہ وغیرہ بلکہ انسانی اخلاق کے حسن و قبح کو اغذیہ و ادویات اور اعضاء کے مطابق سمجھنا ایک اہم موضوع اور اطباء کے لئے نہایت ضروری مضمون ہے۔

فطرت کے مطابق تربیت کا پانا یا نہ پانا وغیرہ وغیرہ بلکہ انسانی اخلاق کے حسن و قبح کو اغذیہ و ادویات اور اعضاء کے مطابق سمجھنا ایک اہم موضوع اور اطباء کے لئے نہایت ضروری مضمون ہے۔

بعض سونے کے رسیا ہوتے ہیں اور بعض سونا پسند نہیں کرتے۔ نیند کا زیادہ آنا اور نہ آنا اور چیز ہے۔ اس کا پسند کرنا اور ناپسند کرنا الگ بات ہے۔ اوّل چیز مرض پر دلالت ہے اور دوسری چیز انسانی جذبات کا اظہار کرتی ہے۔ بعض لوگ یا مریض نمکین اور چرپرہ ذائقہ پسند کرتے ہیں، بعض شیریں اور پھیکے ذائقہ کی طلب رکھتے ہیں اور بعض ترشی اور تلخی کے خوگر ہوتے ہیں۔ اسی طرح بعض لوگ خشک اشیاء کی خواہش رکھتے ہیں۔ بعض گھی، دودھ اور دیگر روغنی اشیاء کے بغیر ہر شے سے دور رہنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اسی طرح بعض لوگ یا مریض یا جن پر اغذیہ اور ادویہ کے تجربات کئے جاتے ہیں ان کو قبض کشا اور ملین صورت پسند ہوتی ہے اور بعض قابض اور خشک صورت کو اپنے لئے مفید اور باعث طاقت خیال کرتے ہیں۔ اسی طرح بعضوں میں وحشی جذبات کی طلب ہوتی ہے اور بعض تہذیب و تمدن اور شائستگی و اعتدال

کی زندگی کو انسانیت خیال کرتے ہیں۔ غرض انسانی زندگی میں ہر قسم کی کیفیات و جذبات اور فطرت پائی جاتی ہے۔ یہی صورتیں امراض کی حالت میں بھی مریضوں میں نظر آتی ہیں اور اغذیہ اور ادویہ کے استعمال میں بھی پائی جاتی ہیں۔

یہ کیفیات و جذبات اور فطرت انسانی کیا ہیں؟ یہ سب کچھ انسانی جبلت کے صحت مند اور غیر صحت مند جذبات اور غیر صحیح فطرت کی تربیت ہے۔ اسی طرح انسان انتہائی بلند اخلاق اور شرافت وفضیلت کا نمونہ بن کر فرشتوں پر بھی افضلیت حاصل کر لیتا ہے۔ اس کے برعکس جھوٹا، فریبی، بددیانت، بے شرم، چور، ڈاکو، ظالم، ستمگر، قاتل، خونخوار، عیاش اور شرابی بن کر شیطان سے بھی کہیں آگے بڑھ جاتا ہے۔

جب ہم دیکھتے ہیں کہ انسان کے جذبات و اخلاق میں یہ حسن و قبح نمایاں طور پر پایا جاتا ہے تو اس کا مقصد یہ ہے کہ یہ سب کچھ انسان کے اندر پایا جاتا ہے۔ یہ سب کچھ کیسے پیدا ہو جاتا ہے؟ اس کا صحیح جواب یہ ہے کہ انسان کے جسم میں عضوی و کیمیائی تبدیلیاں پیدا ہوتی ہیں جو انسان کو ایسا بنا دیتی ہیں۔ دوسری طرف ہم یہ دیکھتے ہیں کہ بعض اقسام کی اغذیہ اور ادویہ خاص طور پر منشی اشیاء جسم میں فعلی اور کیمیائی طور پر بھی ایسی تبدیلیاں پیدا کر دیتی ہیں۔ اگر ہم ادویات و اغذیہ کے ان افعال و اثرات اور خواص وفوائد کو خاص طور پر مدنظر رکھیں تو ہم انسانی جذبات اور اخلاق کو بھی بدل سکتے ہیں۔ بالکل اسی طرح جیسے امراض کو صحت میں بدلا جا سکتا ہے۔

اس موضوع پر جہاں تک میں نے مطالعہ کیا ہے یورپ و امریکہ میں بھی کوئی خاص لٹریچر نہیں پایا جاتا۔ نہ ان کی میڈیکل سائنس میں اور نہ ہی ان کی نفسیات (سائیکالوجی - Psychology) میں کوئی قابل اعتماد کتاب پائی جاتی ہے۔ جہاں تک عضوی نفسیات (سائیکالوجی-Physio Psychology) کا تعلق ہے، یورپ و امریکہ میں اس موضوع پر ایک بھی قابل ذکر کتاب نہیں ہے۔ اکثر بے ہنگم کتب پائی جاتی ہیں۔ جیسے مجربات کی کتب لکھی جاتی ہیں یعنی مرض کے لئے فلاں مجرب نسخہ لیکن یہ پتہ نہیں ہے کہ وہ مرض کیسے پیدا ہوتا ہے، رجوع جسم میں کس طرف جاتا ہے اور لکھنے والے اکثر بے اصولے اور عطائی ہیں جو نفسیات کے نہ ماہر ہیں اور نہ ان کو بالاعضاء تطبیق دے سکتے ہیں۔ ان کو یہ علم نہیں ہے کہ مائنڈ (Mind) کا تعلق کس عضو کے ساتھ ہے۔ کوئی دل کے ساتھ کہتا ہے کوئی دماغ کے ساتھ لکھتا ہے۔ مائنڈ کو تو وہ کچھ لکھ دیتے ہیں لیکن سب کانشس (Sub Conscious) اور ان کانشس (Unconscious) کا تعلق کن اعضاء کے ساتھ ہے، وہ بالکل نہیں جانتے۔ بلکہ ان میں ابھی یہ خیال بھی پیدا نہیں ہوا ہے، سب سے بڑی کمی جو یورپ و امریکہ اور روس و چین کی میڈیکل سائنس میں پائی جاتی ہے وہ ہے علاج میں نظریہ مفرد اعضاء سمپل آرگن تھیوری (Theory Simple Organ)۔ یہی کمی ان کی نفسیات کے نامکمل ہونے کا باعث ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ نفسیات کے مختلف اعمال کو کسی عضو سے منطبق نہیں کر سکتے جو ہماری تحقیقات کے بغیر ممکن نہیں۔

البتہ قرآن حکیم نے جو نفس امارہ، نفس لوامہ اور نفس مطمئنہ پر روشنی ڈالی ہے اس میں ہمارے لئے بہت سی رہنمائی ہے۔ بلکہ قرآن جب خود کو انسانوں کے سامنے پیش کرتا ہے اور مومن و مسلم ہونے کی دعوت دیتا ہے تو بالکل ابتدا میں کہتا ہے کہ:

﴿ الٓمٓ ○ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ○ ﴾

''اس کتاب (کی خوبیوں) میں کوئی شک نہیں ہے لیکن اس کی ہدایت صرف متقی افراد کے لئے ہے''۔

یعنی ایک خاص معیار کے انسان ہی اس سے مستفید ہو سکتے ہیں۔ گویا ایسے انسان جن کی جبلت صالح ہے یا جن کی جبلت کی تربیت جذبات اور فطرت کی صحت مند قدروں پر ہوئی ہے۔ اس کے بعد صالح جبلت کی چند قدریں بیان کی گئی ہیں۔ پھر تمام قرآن حکیم اس جبلت کو صحت

مند جذبات اور صالح فطرت کی قدروں پر تربیت کرنے کے طریقے بیان کرتا ہے اور جب انسانی فطرت کا ذکر کرتا ہے تو کہتا ہے کہ:

﴿ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا ﴾

''اللہ تعالیٰ کی فطرت یہ ہے کہ جس پر انسان کو پیدا کیا ہے''۔

یعنی ہر انسان اپنے ساتھ ایک خاص فطرت لے کر آیا ہے۔ میں جب نفسیات پر لکھوں گا تو ان حقائق پر بھی روشنی ڈالوں گا۔

تصدیقات

تجربات میں تصدیقات کو بے حد اہمیت حاصل ہے۔ جب تک ہم کسی تجربہ اور قیاس بلکہ ادراک واحساس کی تصدیق نہ کریں اس وقت تک وہ ایک تصور ہے یا غیر مصدقہ عمل ہے۔ تصدیقات کو ذہن نشین کرنے کے لئے اوّل علم کی حقیقت اور ماہیت سے واقف ہونا ضروری ہے۔ علم کی بحث تو بہت طویل ہے اچھے اچھے پڑھے لکھے لوگ اس سے ناواقف ہیں۔ اس کو صحیح طور پر نہ سمجھنے ہی سے اکثر آپس میں اختلاف پیدا ہوتے ہیں۔ ہم بہت مختصر اس کو بیان کریں گے تا کہ اس کی روشنی میں صحیح علم وفن اور ان کی حکمت حاصل ہو سکے۔

علم کی حقیقت

علم کے معنی ہیں جاننا، لیکن منطقی اصطلاح میں کسی شے کی شبیہ اور نقش جو قوئی ذہنیہ یا خود نفس ناطقہ پر حاصل ہوتا ہے اسے معلوم کہتے ہیں اور اس کے حصول سے ذہن میں جو کیفیت احساس اور ادراک پیدا ہوتا ہے اس کو علم کہتے ہیں۔ گویا صرف جاننا اس وقت تک نہیں ہوسکتا جب تک ذہن کو اس کا حصول نہ ہو جائے یعنی اس پر ذہن کی ملکیت حاصل نہ ہو۔ شبیہ کو نقش بیرونی بھی کہتے ہیں جن کو حواس خمسہ باطنی ادراک کرتے ہیں جیسے کسی نے نمک کا نام لیا اور ذہن میں اس کی صورت آ گئی۔ یہ نمک کا علم ہے۔

علم کی اقسام

علم کی تین صورتیں ہیں: ① تصور ② تصدیق ③ حکمت۔

پہلی دونوں صورتوں کا تعلق منطق سے ہے اور تیسری صورت کا تعلق فلسفہ سے ہے، منطق اور فلسفہ کے تمام مباحث ان ہی کے گرد گھومتے ہیں۔

تصور کی تعریف

زندگی وکائنات اور مابعد طبیعات کی شبہات ونقوش کی صورتیں اور معلومات انسانی ذہن اور نفس ناطقہ میں پیدا ہونے کے بعد تصور کہلاتی ہیں۔ یعنی ایسا علم جس میں صرف ایک تصویر اور صورت ذہن میں جگہ حاصل کرے، جیسے نمک کا نام لینے سے اس کا تصور ذہن میں اُبھر آئے اور بس۔ اس کا تعلق ان امور سے نہ ہو کہ نمک کیا ہے؟ اس کا تعلق کس کے ساتھ ہے۔ اس کی ماہیت کیا ہے؟ عام طور پر حواس خمسہ ظاہری کی معلومات کو ہی تصور کہتے ہیں۔ لیکن جاننا چاہئے کہ حواس خمسہ باطنی کی معلومات بھی بعض قسم کی تشبیہات اور نقوش پیدا کر دیتی ہیں، جن کو ظاہری دُنیا سے کوئی تعلق نہیں ہوتا جیسے جن، دیو، بھوت پریت، چڑیل وپری اور حور وفرشتہ وغیرہ۔

تصدیق کی تعریف

ایسا علم جو ہر تصور کو کسی یقین میں بدل دے۔ یعنی فلاں شے، فلاں شے ہے۔ یا فلاں شے نہیں ہے۔ جیسے نمک کے تصور کے بعد

اس امر کا یقین ہو جائے کہ نمک خوردنی شے ہے۔

حکمت کی تعریف

زندگی و کائنات، نفس و آفاق اور موجودات و مابعد طبیعات کے حالات واقعیہ، اقدار ماہیت اور حقیقت اصلیہ کا بقدر طاقت انسانی جاننا اور علم حاصل کرنا۔ چونکہ یہ معقول علم ہے اس کو فلسفہ بھی کہتے ہیں۔ پھر ان کی دو دو صورتیں ہیں۔ تصور اور تصدیق کی دو دو صورتیں نظری اور بدیہی کہلاتی ہے۔ مگر حکمت کی دو صورتیں نظری اور عملی کہی جاتی ہیں اس کا ذکر ہم اس کے اپنے مقام پر کریں گے۔ ذیل میں تصور و تصدیق بدیہی پر روشنی ڈالتے ہیں۔ تاکہ ان کے ذہن نشین کرنے میں آسانیاں پیدا ہو جائیں۔

تصور بدیہی

بدیہی کے معنی صاف اور واضح کے ہیں۔ یعنی ظاہرہ جس کے ثبوت کی ضرورت نہ ہو اور وہ سمجھ میں آ جائے۔ یعنی کسی شے کا ایسا علم جس کی تعریف بیان کرنے کی ضرورت نہ ہو اور بغیر تعریف کے سمجھ آ جائے۔ جیسے آگ، ہوا، پانی اور تری و خشکی گرمی و سردی وغیرہ کے نام سنتے ہی یہ چیزیں سمجھ میں آ جاتی ہیں۔ لیکن اس امر سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ایسی چیزیں یا تو ہماری زندگی اور ماحول کا جزو ہوتی ہیں یا ہمیں شب و روز زندگی میں ان سے اس قدر تعلق پیدا ہو جاتا ہے کہ ان سے مناسبت پیدا ہو جاتی ہے لیکن یہ مناسبت بھی ایک مدت میں جا کر تربیت پاتی ہے۔

جاننا چاہیے کہ جن جن علوم و فنون میں یہ مناسبت پیدا ہوتی جاتی ہے وہ بدیہی ہوتے جاتے ہیں۔ مثلاً طبیب کے سامنے ارکان و اخلاط اور مزاج و کیفیات کا نام لینا بدیہات میں شامل ہے جب کہ غیر طبیب کے لئے ان کی اوّل تعریف لازم ہوگی، وغیرہ۔ تصور بدیہی کے مقابلے میں تصور نظری ہے جس کا جاننا صرف اس کے علم کی حد تک ہو اور بغیر تعریف کئے سمجھ نہ آئے، جیسے دیو، جن بھوت پریت، فرشتہ، حور اور پری وغیرہ جن کو ہم صرف ادراک کر سکتے ہیں۔

تصدیق بدیہی

ایسا واضح علم جسکے لئے دلیل بیان کرنے کی ضرورت نہ ہو، جیسے دو، چار کا نصف ہے اور ایک عدد چار کا چوتھائی ہے۔ تصدیق بدیہی بھی مشاہدات و تجربات کے بعد ہی واضح ہوتی ہے۔

البتہ بعض مشاہدات و تجربات اور حقائق زندگی و ماحول میں اس کثرت سے عمل میں آتے ہیں کہ ہمیں ان کی تصدیق کرنے کی چنداں ضرورت نہیں رہتی، جیسے پانی بہتا ہے، دھواں اُڑتا ہے۔ بارش میں بادلوں کا ہونا ازبس ضروری ہے اس کے برعکس تصدیق نظری ہے۔ یعنی ایسی تصدیق جس کے لئے تصدیق لانا لازمی ہے۔ کیا جن و پریاں موجود ہیں؟ کیا زندگی اور کائنات بنانے والا ہے اور اس میں تصرف کرنے والی کوئی ہستی ہے؟ وغیرہ وغیرہ۔

تصور و تصدیق اور علم کی بالفعل صورتیں

دو یا زیادہ تصورات کو آپس میں ملا کر کسی نامعلوم تصور کو حاصل کرتے ہیں، جیسے حیوان اور ناطق دو تصور ہیں۔ جب دونوں کو ملایا گیا تو ''حیوان ناطق'' بن گیا۔ جس کے معنی انسان ہیں۔ گویا دو تصوروں سے انسان کا علم ہو گیا جو ان دونوں تصوروں میں نامعلوم تھا۔ جن

دونوں معلوم تصوروں سے ایک نامعلوم تصور کا علم ہو گیا ہو اس کو تعریف یا معروف کہتے ہیں۔ مثلاً اس کو آسانی سے اس طرح سمجھا جاسکتا ہے کہ اگر کوئی شخص سوال کرتا ہے کہ فرشتہ کیا چیز ہے۔ البتہ وہ جسم وزندگی یا لطیف ونورانی اور فرمانبرداری کے تصورات کا علم رکھتا ہے۔ بس جب ان تمام تصورات کو ملا کر پیش کر دیا جائے گا کہ فرشتہ ایک ایسا لطیف ونورانی جسم جو زندگی رکھتا ہے اور جو کبھی خدا تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کرتا تو ان نامعلوم تصورات کے ذریعہ ایک معلوم تصور حاصل ہو گیا اور فرشتہ کا مفہوم معلوم ہو گیا۔

اسی طرح دو یا زیادہ تصدیق کو ملا کر کسی نامعلوم تصدیقات کو معلوم کرتے ہیں۔ جیسے انسان جاندار ہے اور ہر جاندار جسم والا ہے۔ دونوں تصدیقات کو ملایا جائے تو معلوم ہوا کہ انسان جسم والا ہے۔ ان دونوں معلوم تصدیقات سے نامعلوم تصدیق حاصل کرنے کو دلیل اور حجت کہتے ہیں۔

اسی طرح دو یا زیادہ علموں کو ملا کر کسی نامعلوم کے معلوم کرنے کو فکر ونظر کہتے ہیں۔ کبھی ان تصورات وتصدیقات اور علوم کو ملانے سے غلطی بھی ہو جاتی ہے۔ ایسی غلطی کی اصلاح جس علم سے ہوتی ہے اس کو منطق کہتے ہیں۔ پس علم منطق وہ علم ہے جس سے کسی شے کی تعریف اور دلیل بنانے میں خطا ہونے سے حفاظت ہو اور اس علم کا مقصد فکر وغور کا صحیح کرنا ہے۔

احساس وادراک اور قیاس وتجربات کی بالفعل تشریح

تصدیقات کی بالفعل تشریح

گذشتہ صفحات میں یہ بیان کر دیا گیا ہے کہ تجربات اور قیاسات میں تصدیقات کو بے حد اہمیت حاصل ہے بلکہ ہر احساس اور ادراک کی بھی جب تک تصدیق نہ کریں اس وقت تک وہ ایک تصور ہے یا غیر مصدقہ علم ہے اور علم کے متعلق بھی پورے طور پر واضح کر چکے ہیں کہ وہ احساس ہو گا (حواس خمسہ ظاہری سے حاصل شدہ) یعنی علم کی ہر شبیہ یا نقش جو ہمارا احساس ہو گا یا ادراک ہو گا اور جب تک اس کی معرفت یا تصدیق نہ ہو گی تو وہ ایک تصور کہلائے گا۔

یہ تصورات اگر احساسات ہیں تو حس مشترک کے خزانہ خیال میں محفوظ ہیں اور اگر معلومات ادراکی ہیں تو حافظہ میں محفوظ ہیں اور جب احساس اور ادراک کی تصدیق بھی ہو جائے تو بھی اساسی تصدیقات خیال میں ہی قائم رہیں گی اور ادراکی تصدیقات حافظہ میں محفوظ رہیں گی۔

جاننا چاہئے کہ ہر قسم کے علم کی بالفعل صورت یہ ہوتی ہے کہ جب نفس ناطقہ اور ذہن کسی علم یا غیر مصدقہ تصور کی تصدیق کرنا چاہتا ہے تو وہ احساسی تصورات کو تخیل کی صورت حواس خمسہ ظاہری کے خزانہ خیال سے قوت فیصلہ (عقل) کے سامنے پیش کر دیتا ہے۔ اسی طرح ادراکی صورت کو فکر کی صورت میں حواس خمسہ باطنی کے خانہ حافظہ سے قوت فیصلہ (عقل) کے سامنے پیش کر دیتا ہے۔ پھر فیصلہ اور تصدیق طلب کرتا ہے۔

قدرت نے قوت فیصلہ (عقل) کا مقام خیال اور حافظہ کے درمیان بنایا ہے تاکہ تصدیقات کی صورت میں وہ اپنی ضرورت کے مطابق معلومات دونوں طرف سے حاصل کرے۔ یعنی خیالات کی تصدیقات اکثر خیالات سے ہی ہو جاتی ہیں اور جب وہاں پر کوئی بدیہی

تصور یا بدیہی تصدیق معلوم نہیں ہوتی تو پھر ذہن اور نفس ناطقہ حافظہ کی طرف رجوع کرتا ہے اور اس خزانہ سے اپنی تصدیق کرتا ہے۔ یہی عمل فکر پر بھی وارد ہوتا ہے۔ یعنی اگر فکر اپنے دیگر افکار سے تصدیق کر لیتا ہے لیکن جب اس خزانہ سے تصدیق نہیں ہوتی تو پھر خیال کے خزانہ سے تصدیق حاصل کرتا ہے یہ سلسلہ ہر گھڑی جاری ہے اور ہر ثانیہ نفس ناطقہ اور ذہن اپنے تخیلات اور تفکرات میں مطابقت وموافقت کی ایڈجسٹمنٹ (Adjustment) کرتا رہتا ہے۔ بالکل یہی صورت ہمارے تجربات اور قیاسات کی بھی ہے کیونکہ وہ بھی ہمارے علم کی صورتیں ہیں ان کی تصدیقات بھی بالکل اسی صورت پر قائم رہتی ہیں جس کے بعد وہ ایک یقینی علم بن جاتے ہیں۔

تجربات کے متعلق ایک غلط فہمی

تجربات کے متعلق بعض لوگوں کو یہ غلط فہمی ہے کہ ان کا تعلق سائنس کی دُنیا سے ہے۔ اس لئے ان کو بہت کچھ اہمیت حاصل ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ تجربات یقیناً مشاہدات پر مشتمل ہیں لیکن اس امر کو بھی ذہن نشین رکھیں کہ تجربات اور مشاہدات بھی اس وقت تک بے معنی ہیں جب تک خزانہ خیال یا حافظہ میں پہلے کی تصدیقات ان کی تصدیق نہ کریں گویا ہمارا ہر تجربہ اور مشاہدہ دلیل وحقیقت کے بغیر بے معنی شے ہے۔ یعنی فلسفہ اور منطق کا محتاج ہے۔ دوسرے لفظوں میں یوں سمجھ لیں کہ سائنس کی ہر شاخ فلسفہ اور منطق کے بغیر بے معنی ہے۔ کیونکہ اس کی حدود فلسفہ اور منطق کے ساتھ پیوستہ ہیں۔

عقل

عقل کیا ہے؟ دراصل بذاتِ خود عقل کوئی شے نہیں ہے وہ صرف ایک قوت ہے جو احساسات اور ادراکات سے حاصل شدہ علم پر فیصلہ دیتی ہے۔ جس قدر علم معرفت وتصدیقات اور حقیقت پر مبنی ہوگا۔ اسی قدر عقل کے فیصلوں کی اہمیت ہوگی اور صحیح فیصلے وہی ہو سکتے ہیں جو قانون فطرت وسنت الٰہیہ اور عادات خداوندی کے مطابق ہوں گے۔

غلط قسم کا علم اوّل غلط قسم کے احساسات اور غلط قسم کے ادراکات سے ہوتا ہے یعنی ان کو صحیح احساسات اور صحیح ادراکات سے حاصل نہیں کیا جائے۔ ان میں حواس خمسہ ظاہر اور حواس خمسہ باطن کی خرابی بھی شامل ہے۔ دوسرے حاصل شدہ قوانین فطرت کے مطابق نہ ہو۔ مثلاً ہم دور سے دھواں دیکھیں اور یہ اندازہ نہ لگا سکیں کہ یہ دھواں آگ کا ہے یہ پانی کے بخارات ہیں یا بغیر چھوئے اندازہ نہ کر سکیں کہ کوئی سفید محلول دودھ ہے یا لسی یا کوئی اور شے، وغیرہ وغیرہ۔

اس لئے غلط قسم کے علم سے عقل یقیناً غلط فیصلے دے گی۔ قوت عقل کتنی بھی اعلیٰ وارفع اور باکمال کیوں نہ ہو لیکن وہ اپنے فیصلوں میں اپنے علم پر مجبور ہے اس لئے صرف عقل پر یقین کر لینا حقیقت نہیں ہے بلکہ عقل کے ساتھ اس کے علم کو بھی سامنے رکھنا بے حد ضروری ہے۔

جاننا چاہئے کہ احساسات کا خزانہ خیال ہے اور تخیل ہی اپنی تصدیق کے لئے عقل کے سامنے پیش ہوتا ہے اور اگر تخیل حقیقت پر مبنی نہ ہو اور اس میں افراط وتفریط پیدا ہو جائے تو اس کی ہر بات مبالغہ یا جہل ہوگی۔ اس کی دلیل میں بے شمار شعرا کا کلام پیش کیا جا سکتا ہے۔ کلام کی خوبی اپنی جگہ پر ہے لیکن مبالغہ اور جہل سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ شعرا کو نبوت سے الگ سمجھا گیا ہے، کیونکہ شعرا کا کلام بھی دِل پر اثر کرتا ہے۔

اسی طرح ادراکات کا خزانہ حافظہ ہے جس کے علم کو قوت مفکرہ عقل کے سامنے تصدیق کے لئے پیش کرتی ہے۔ اگر قوت مفکرہ

میں افراط وتفریط پیدا ہو جائے تو جنون اور تو ہم کہہ دیتے ہیں۔ اس کی دلیل مجنون کی گفتگو سے دی جاسکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مجنون کو بھی نبوت سے جدا سمجھا گیا ہے کیونکہ بعض باتیں مجنون کی بھی سچی ہوتی ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ قوت مفکرہ اپنے ادراک سے ایسے علم کو حاصل کرتی ہے جس کو حواس خمسہ ظاہری احساس نہیں کر سکتے۔ اگر قوت مفکرہ اپنے اعتدال پر ہے تو عام انسانوں میں وجدان کی دولت نصیب ہوتی ہے۔ خاص انسانوں کو الہامی قوت حاصل ہوتی ہے اور کمال انسانی یعنی نبوت میں وحی نازل ہوتی ہے۔ الہام اور وحی کی بحث طویل ہے لیکن اس قدر ذہن نشین کر لیں کہ انسان ایک حیوان ناطق ہے۔ یعنی وہ اپنی حیوانیت کی وجہ سے حیوان کے ساتھ مشترک ہے لیکن نفس ناطقہ کی وجہ سے اس کو حیوان پر امتیاز حاصل ہے۔ اسی طرح اولیاء اللہ وامام وقت اور نبی عام انسانوں سے مشترک ہیں لیکن وہ کشف والہام اور وحی کی وجہ سے عام انسانوں سے ممتاز ہیں۔

اس لئے ہمارے علم کا بہت بڑا خزانہ خاص اور کامل انسانیت یعنی اولیائے اللہ وامام وقت اور نبوت کا مرہون منت ہے۔ ہمارے تجربات اور مشاہدات ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے، البتہ ہمارے تجربات ومشاہدات اور قیاسات ان کے علم ومعرفت کے بعد ہی صحیح نتائج پیدا کر سکتے ہیں۔

عقل وقیاس اور تجربات ومشاہدات کی بالفعل تشریح

عقل کے فیصلے غلط بھی ہو سکتے ہیں

ہم یہ لکھ چکے ہیں کہ عقل بذاتِ خود کوئی شے نہیں ہے وہ صرف ایک قوت فیصلہ ہے اور اس کے فیصلے اس کے تجربات ومشاہدات اور معلومات پر منحصر ہوتے ہیں۔ اگر تجربات ومشاہدات اور معلومات درست ہوں تو فیصلے بھی درست ہوں گے ورنہ نتائج غلط برآمد ہوں گے۔ ہر شخص اپنے عقل مند ہونے کا دعویٰ کرتا ہے اور اس کے عقل مند ہونے سے انکار بھی نہیں کیا جاسکتا۔ مگر کسی علم وعمل میں اس کے فیصلے اس وقت تک صحیح نہیں ہو سکتے جب تک وہ شخص اس علم وفن اور عمل میں صحیح تجربات ومشاہدات اور معلومات نہ رکھتا ہو۔ مثلاً ایک ماہر قانون جو علم وفن طب سے بالکل ناواقف ہو اگر وہ اپنی عقل پر بھروسہ کر کے اس امر کا دعویٰ کرے کہ اس کے فیصلے علم وفن طب میں صحیح ہوں گے، بالکل غلط ہے۔ ایسا شخص یقیناً عقل کی حقیقت سے واقف نہیں ہے، یہی صورت مذہبی عالم، عالم سیاست، ادیب وفن کار اور دیگر ہر قسم کے اہل علم اور صاحب فن کا تصور کریں بلکہ بادشاہ وقت اور وزیر صاحب تدبیر بھی کیوں نہ ہوں اس کے فیصلے پر یقین نہیں کیا جاسکتا۔ جب تک وہ لوگ علم وفن طب سے صحیح معنوں میں واقف نہ ہوں۔ یہ مسلمہ حقیقت ہے جس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔

عقل کے غلط فیصلوں کی اصلاح

چونکہ عقل کے فیصلے ان تجربات ومشاہدات اور معلومات وماحول کے تحت ہوتے ہیں جو ان کے پیش ہوتے ہیں اگر وہ صحیح ہیں تو فیصلے درست ہوں گے اور اگر وہ غیر صحیح ہوں گے تو فیصلے غیر درست ہوں گے۔ عقل کے ان صحیح وغیر صحیح فیصلوں کے متعلق مولانا نذیر احمد صاحب دہلوی نے اپنی کتاب ''مبادی الحکمت'' میں لکھا ہے۔ ان سے عقل پر بہت اچھی روشنی پڑتی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''اب غور کرو کہ یہ خیالات جو انسان کے ذہن میں پیدا ہوتے ہیں از قسم تصور ہوں یا از قسم تصدیق، سب تو بدیہی نہیں ہیں کہ بے غور وفکر انسان سمجھ لیا کرے۔ کیا سینکڑوں ہزاروں باتیں ایسی نہیں ہیں کہ انسان کی عقل ان میں کام نہیں کرتی۔ مثلاً

کلیس، طلسم، شعبدے، کیمیا، بجلی، روشنی، جنات، فرشتے، آسمان اور ہوا، وغیرہ وغیرہ۔ ہزاروں چیزیں ایسی ہیں کہ ہم ان کو تصور کرنے سے عاجز ہیں۔ یہی آسمان جس کو ہم ہر روز دیکھتے رہتے ہیں، نہیں معلوم کیا چیز ہے۔ اور یہی ہوا جس پر ہماری حیات کا انحصار ہے کون جانے کیا شے ہے۔ سوچ بچار بہت کچھ کیا گیا ہے مگر آدمی کو خود اپنی روح کا تصور صاف طور پر نہ ہو سکا۔ یہ تو تصورات کا حال ہے۔ تصدیقات میں عقل انسانی اس سے زیادہ عاجز ہے۔ دیکھیں زمین گول ہے یا آفتاب کے گرد گھومتی ہے۔ دُنیا بے ثبات ہے قیامت کا آنا برحق ہے اس قسم کی ہزاروں باتیں ہیں کہ بڑے سے بڑا عاقل اس پر برسوں غور کرے اور پھر بھی شاید بے دلیل اس کو اطمینان کلی حاصل نہ ہو۔

ایک طرف تو اشکال اس درجے کا ہے۔ دوسری طرف بہت سی باتیں ایسی بدیہی ہیں کہ ہر کوئی جانتا اور سمجھتا ہے، جیسے آدمی، گھوڑا، گائے، بکری، سردی، گرمی کہ ان کا تصور بے تامل ہر ایک کو ہو سکتا ہے۔ یا یہ کہ آفتاب منبع نور ہے اور جتنے عدد جفت ہوتے ہیں ان کے دو برابر حصے ہو سکتے ہیں۔ اس طرح کی تصدیقات کا اذعان محتاج غور و تامل نہیں ہے۔ جس تصور اور تصدیق میں غور اور تامل درکار نہ ہو وہ بدیہی ہے اور جو محتاج فکر ہو وہ نظری ہے۔

جب ثابت ہوا کہ بہت باتوں کے سمجھنے میں انسان کو غور و فکر کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ تو اب دیکھنا چاہئے کہ غور و فکر کے بعد بھی انسان ہر ایک بات کو ٹھیک ٹھیک سمجھ سکتا ہے یا نہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ بعض مرتبہ غور بھی کرتے ہیں، فکر بھی کرتے ہیں، پھر بھی رائے انسان غلط رہتی ہے اور اسی وجہ سے عقلا کی رائے میں اختلاف واقع ہے۔ کوئی کہتا ہے زمین گردش میں ہے، کوئی قائل ہے کہ زمین ٹھہری ہوئی ہے آفتاب گھومتا ہے۔ کوئی مانتا ہے کہ دُنیا کو ایک دِن بالکل فنا ہو جانا ہے۔ کوئی معتقد ہے کہ نہیں، اسی طرح چلی آئی ہے اور اسی طرح ابدالاباد تک چلی جائے گی۔ جب عقلا کا یہ حال ہے تو رہے بدحال عوام، پس غور فکر پر کیا بھروسہ رہا۔ کوئی تدبیر کرنی چاہئے کہ غلطی فکر کا انسداد ہو سکے۔ اس کے لئے علم منطق ایجاد ہوا ہے اور ان میں ایسے قواعد منضبط کئے گئے ہیں کہ غور و فکر میں اگر ان قواعد کی رعایت و پابندی ہو تو رائے انسانی غلطی سے محفوظ رہے۔ پس عقل کی اصلاح فکر کی تصحیح اس علم کا مقصود اصلی ہے اور بڑا عمدہ مقصود ہے۔ انسان کو مخلوقات عالم پر وجہ شرف اور بزرگی یہی عقل ہے اور جو چیز اس جوہر شریف کی اصلاح کرے گی گویا وہ انسان کو انسانیت سکھاتی ہے''۔

اس اقتباس سے صحیح طور پر اندازہ ہو سکتا ہے کہ عقل پر اس وقت تک اعتماد نہیں کیا جا سکتا، جب تک یہ یقین نہ ہو جائے کہ اس کے فیصلے کسی اصول و قاعدے اور قانون کے تحت کئے گئے ہیں۔ اگر یونہی ہر شخص جو چاہے کہہ دے وہ ہرگز قابل اعتماد نہیں ہے۔

عقل محتاج

عقل اپنی جگہ پر کس قدر بلند طاقتور اور باکمال ہو، پھر بھی علم و معرفت اور بدیہات و تصدیقات کی محتاج اور پابند ہے اور انہی قواعد اور قوانین کے تحت وہ اپنے فیصلے دینے کا حق رکھتی ہے ورنہ اس کی کوئی وقعت و حیثیت تسلیم نہیں کی جا سکتی بلکہ ان کے بغیر تو ہمات کا مجموعہ ہے عقل کے فیصلوں کے لئے ذیل کی صورتیں ضرور لازم ہیں:

(۱) صحیح معلومات جو بدیہی تصورات اور معرفت کی صورت رکھتی ہیں۔
(۲) صحیح تجربات و مشاہدات جو بدیہی تصدیقات اور قوانین فطرت کا درجہ رکھتے ہوں۔
(۳) ماحول جس میں مقام و زبان کی پوری کیفیت پائی جائے۔

علم طب کی ابتدا اور علم خواص الاشیاء

علم طب کی ابتداء تو سحر و جادوگری سے سمجھی جاتی ہے۔ بدیں وجہ طب کے معنی جادوگری اور سحر کے ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ علم طب کی ابتداء علم خواص الاشیاء سے ہوئی ہے کیونکہ انسانی زندگی کے ابتدائی دور میں صرف خواص الاشیاء کو ہی سحر و طلسم اور جادوگری تصور کیا گیا اور بعد کے زمانوں میں جب جہالت کے پردے اُٹھتے گئے اور علم کی روشنی پھیلتی گئی تو علم خواص الاشیاء ایک حقیقت بن گیا اور اسی سے علم الادویہ اور علم الاغذیہ کی ابتداء ہوئی۔ پھر خواص الاشیاء معلوم کرنے کے لئے قوانین و قاعدے مرتب کئے گئے۔ جس کے ساتھ ساتھ عقل و قیاس و تجربات مشاہدات کی حقیقتیں بھی سامنے آنے لگیں۔ تاکہ انسانی معلومات و معرفت اور تحقیقات و تدقیقات اصولی اور کلی قوانین اور قاعدے کے تحت قائم کر دیئے جائیں تاکہ خواص الاشیاء کے اصول میں غلط فہمی اور غیر یقینی نتائج سے نقصان نہ اٹھانا پڑے اور انسان یقینی بے خطا علم سے مستفید ہوتا رہے۔ یہ سب گزشتہ ہزاروں سالوں کی علم و فن تجربات، مشاہدات تحقیقات و تدقیقات اور غور و فکر کا نتیجہ ہے۔ اس لئے ہم نے علم الادویہ شروع کرنے سے پہلے اس امر کو ضروری سمجھا ہے کہ اوّل ان قوانین اور قواعد پر بحث کر لی جائے جن سے یقینی اور بے خطا خواص الاشیاء حاصل ہوتا ہے تاکہ ہر اہل علم اور صاحب فن ان علوم و فنون سے مستفید ہو کر خود بھی خواص الاشیاء پر معلومات اور تحقیقات حاصل کر سکے۔ علم و فن کسی کی میراث نہیں ہے۔ جیسے ہم نے متقدمین اور متاخرین کے علمی و فنی خزانہ سے اپنی تحقیقات و تدقیقات اور غور و فکر کے نتائج پیش کئے ہیں اسی طرح آنے والوں کا بھی حق ہے کہ وہ ہمارے خزانے سے مستفید ہو کر دُنیائے طب میں اپنی جدوجہد اور سعی کو پیش کرتے رہیں۔ جن سے انسانیت ہمیشہ مستفید ہوتی رہے۔ یہی انسانیت کی خدمت ہے۔

مشاہدات میں بھی غلطیاں ہو سکتی ہیں

جس طرح عقل کے فیصلے غلط ہو سکتے ہیں، بالکل اسی طرح ہمارے مشاہدات میں بھی غلطیاں ہو سکتی ہیں۔ جب مشاہدات صحیح نہ ہوں تو پھر عقل کے فیصلوں کا غلط ہونا تو بہت ہی یقینی بات ہو سکتی ہے اس لئے مشاہدات پر کلی طور پر یقین کر لینا صحیح نہیں یا کم از کم جب تک ان کی شرائط پوری نہ کر دی جائیں۔

جاننا چاہئے کہ ہمارے مشاہدات حواس خمسہ ظاہر کے محتاج ہیں۔ مثلاً اگر کسی کے منہ کا ذائقہ تلخ ہو، وہ اگر میٹھا بھی چکھے گا تو اس کا ذائقہ تلخی لئے ہوگا۔ اسی طرح صفرا زدہ انسان کو ہر چیز زرد ہی نظر آئے گی۔ کان کی ذرا سی سوزش بھی اچھے بھلے شیریں نغموں کو سننا برداشت نہیں کرے گی۔ نزلہ کا مریض بھی صحیح خوشبو کا احساس نہیں کر سکتا۔ نرمی اور سختی کا احساس ہر ذہن کی تربیت پر منحصر ہے۔

حواس خمسہ کے علاوہ مشاہدات کی تصدیق کے لئے خاص قسم کے علم و تجربات اور اسباب و ماحول کا جاننا اور سمجھنا بھی نہایت ضروری ہے۔ کیونکہ مختلف قسم کے علم و تجربات اور اسباب و ماحول کے تحت مشاہدات میں زمین و آسمان کا فرق پیدا ہو جاتا ہے۔ جس طرح کسی شے کی بے علمی اور ناتجربہ کاری غلط نتائج پیدا کر دیتی ہے۔ اسی طرح بدلے ہوئے اسباب اور ماحول بھی مشاہدات بدل کر رکھ دیتے ہیں۔ مثلاً کیفیات و مادہ اور صورت کے بدل جانے سے مشاہدات کے اثرات و افعال اور شکلیں بدل جاتے ہیں۔ اس لئے مشاہدات کو ہمیشہ اپنے علم و تجربات اور اسباب و ماحول کے تحت قلم بند کرنا چاہئے، تاکہ نتائج صحیح پیدا ہوں۔

مشاہدات کے یہی اختلافات ہیں جن کی وجہ سے مختلف اشخاص و ممالک اور علوم و فنون میں جدا جدا نتائج مرتب ہوتے ہیں۔ مثلاً پھلوں کو دیکھیں ان کے متعلق مختلف ممالک و اقوام اور علوم و فنون میں مختلف مشاہدات پائے جاتے ہیں۔ مثلاً کھجور و سیب اور نارنجی وغیرہ

مختلف ممالک میں اکثر اپنی شکل وصورت بلکہ اثرات وافعال میں بھی بدلے ہوئے ہوتے ہیں۔ یہی حال مختلف اقسام کی اغذیہ اور ادویہ میں نمایاں نظر آتے ہیں۔ مشاہدات کے متعلق مولانا ڈپٹی ڈاکٹر نذیر احمد صاحب کی معلومات ملاحظہ فرمائیں۔ کتاب ''مبادی الحکمت'' میں لکھتے ہیں:

مشاہدات یعنی وہ معلومات جو انسان اپنے حواس کے ذریعے سے حاصل کرتا ہے، بدیہی (یقینی) ہیں اور کسی دوسرے ثبوت کی محتاج نہیں۔ مثلاً پیتل کا برتن سامنے رکھا ہو اور ہم کہیں کہ یہ پیتل زرد ہے۔ یا لو چل رہی ہے اور ہم کہیں کہ ہوا گرم ہے تو یہ باتیں بدیہی ہیں اور اگر کوئی ان کا ثبوت چاہے تو یہ خود اپنا ثبوت ہیں اور ہمیشہ جملہ استدلال بعد تفتیش وکاوش کے اسی طرح کی باتوں پر آ کر ٹھہر جاتے ہیں۔ کیونکہ جب کسی مقدمہ بدیہی پر پہنچے تو استدلال منقطع ہوا۔ لیکن غور کر کے دیکھا تو بعض مرتبہ بدیہات میں بھی غلطی واقعہ ہو جاتی ہے۔ موجودات کو ہمارے ساتھ تعلق ہوتا ہے اور اس تعلق سے ایک کیفیت ہمارے ذہن پر طاری ہوتی ہے۔ اسی کیفیت کو تصور اور اسی کو علم کہتے ہیں۔ بعض چیزیں آنکھ کے سامنے آنے سے ہمارے ساتھ تعلق پیدا کرتی ہیں۔ بعض مرتبہ ہم ان کو چھوتے اور ٹٹولتے ہیں بعض دفعہ ان کو منہ میں رکھ کر مزا لیتے ہیں۔ یہ سب اقسام ہیں، اس تعلق کے جو ہم موجودات کے ساتھ پیدا کرتے ہیں۔ از بسکہ ہر ایک چیز سے کچھ نہ کچھ کیفیت ضرور ہم پر طاری ہوتی ہے۔ تو حقیقت میں ہمارا علم اس چیز کے وجود کا تابع ہے یا یہ کہ وجود اشیاء سبب ہے ہمارے علم کا اور چونکہ معلول سے علت کو پہچاننا ہمارا دستور ہے۔ ہم کو ایسا خیال پیدا ہوتا ہے کہ کسی چیز کو جو کیفیت ہمارے ذہن میں ہے وہ واقع بھی ہے۔ ورنہ ہمارے ذہن نے کہاں سے اخذ کی۔ بعض حکماء کا یہ مقولہ تھا کہ اشکال ہندسی یعنی سطح، خطہ، نقطہ، دائرہ جیسے کتاب اقلیدس میں مذکور ہے، فی الواقع موجود ہیں۔ مقلد فیثا غورث نے دیکھا کہ آگ کی ماہیت کچھ سمجھ میں نہیں آئی۔ سوچنے سے اتنا البتہ معلوم ہوتا ہے کہ آگ کچھ بڑی عظمت کی چیز ہے اور ہمارے ذہنوں میں اس کی وقعت کا ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ فی الواقع اس کو کائنات عالم میں بڑی عظمت حاصل ہے۔ اس واسطے ان لوگوں نے کرہ آتشی کا وجود تسلیم کر لیا اور یوں سمجھے کہ آسمان بہ اعتبار تفاوت ترکیب آتشی منتظم ہیں۔ اس غلطی نے اس حد پر بس نہیں کی اور آگے پاؤں پھیلایا، یہاں تک کہ گویا ذہنی کیفیتوں کو وجود اشیاء کا سبب ٹھہرالیا اور جس کے تصور سے عاجز ہوئے تو یہ سمجھا کہ واقع میں اس کا وجود نہیں۔ مسمریزم اور فری میسن کے وجود میں بہتیروں کا کلام ہے۔ سبب کیا ان کی سمجھ میں نہیں آتا اور کہتے ہیں اگر کچھ بات ہوتی تو ہم بھی تو سمجھتے۔

لقمان حکیم (دانا مرد) وجود خدا پر یہ دلیل لایا کرتا تھا بھلا سب چیزیں تو مادے سے بنی ہیں، مادہ کیونکر بنا۔ ایسا تو ممکن نہیں کہ خود اس نے اپنے تئیں بنا لیا ہو اس سے ظاہر ہے کہ مادہ کا کوئی خالق ہے اور ضروری ہے کہ وہ بڑا دانشمند بھی ہو۔ ورنہ جو عقل سے خالی ہو وہ آدمی جیسی دانشمند مخلوق کو کیونکر پیدا کر سکتا ہے اور قرین قیاس نہیں کہ دُنیا بہ ایں عمدگی خود بخود ہو گئی ہو۔ اس تمام تر دلیل کا ماحصل یہی ہے کہ جو کچھ ہماری سمجھ میں نہیں آتا وہ واقعہ میں نہیں ہے۔

زمین کے سکون پر متقدمین حکماء کو یہ استدلال تھا کہ زمین وسط میں جو ہے اور سب طرف سے اس کا بعد یکساں ہے۔ ایسی حالت میں کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی کہ زمین کو کسی سمت میں حرکت ہو تو کیوں ہو۔ اس تمام بیان سے حاصل یہ ہے کہ دُنیا میں ہر چیز کے واسطے ایک سبب کا ہونا اور واقعات کی ہم رنگی ضروری ہے۔ ان دونوں باتوں نے انسان کی طبیعت کو ایسا کر رکھا ہے کہ جب کوئی واقعہ اس کے روبرو پیش آئے فوراً اس کو سبب کی جستجو ہو۔ اور چند واقعات مماثل دیکھ کر وہ کلیات کی طرف ترقی کرے۔ مثلاً گردش زمین پر ہم استدلال کریں کہ زمین کا سایہ جس کی وجہ سے چاند گہنایا جاتا ہوا نظر آتا ہے، چاند پر گول پڑتا ہے اور جس چیز کا سایہ گول ہو، وہ خود بھی گول ہوتی ہے۔ نتیجہ یہ

ہے کہ زمین گول ہے۔اس میں صغریٰ (نتیجہ) تو ہمارے مشاہدے کا ہے رہا کبریٰ وہ بھی ہے تو نتیجہ مشاہدہ مگر تعمیم لئے ہوئے۔ کیونکہ ہم نے گول سائے کی چیزیں بہت دیکھی ہوں گی، سو دو سو یا ہزار دو ہزار، تاہم حکم کلی صادر کرنا محض مشاہدہ پر نہیں ہے بلکہ ایک دوسری دلیل پر مبنی ہے۔ وہ کیا ہے؟ واقعات کی ہمرنگی اس طور پر کہ لاکھ گولی توپ کے گولے، امرود، انار وغیرہ کے سائے کو ہم نے دیکھا اور گول پایا۔ باقاعدہ دلیل آ ئی۔ ہم نے گول سایہ دیکھ کر اصل چیز کے گول ہونے پر استدلال کیا۔ ابھی تک ہمارا حکم انہیں افراد میں محصور ہے جو ہم نے دیکھیں۔ اب ہمارے ذہن نے آگے ترقی کی کہ اتنی مثالوں میں جو سائے کی گولائی کو اصل کی گولائی کا تابع پاتے ہیں تو ہمرنگی واقعات مقتضی ہے کہ اور مثالیں جو ہماری نظر سے نہیں گزریں ان میں بھی یہی قاعدہ جاری ہو، جب ہمارے ذہن نے یہ تعمیم پیدا کر لی تو بعد کو اگر کوئی چیز ان کے سامنے آ جائے تو وہی حکم عام جاری کر دینے میں ہم کو تامل نہیں ہوتا۔

البتہ صرف اتنی بات درکار ہوتی ہے کہ نئی چیز اسی قسم کی ہو جن کو دیکھ کر ہم نے عام رائے پیدا کی تھی۔ مثلاً زید، عمر، بکر، خالد، ولید وغیرہ بہت سے آدمی ہم نے دیکھ کر یہ عام رائے قائم کی کہ کل آدمی مرنے والے ہیں اور فرض کریں کہ کسی نئے جزیرے میں ہمارا گزر ہو اور وہاں ایک آدمی اجنبی محض کو دیکھیں۔ کبھی ہم کو اس کے فانی ہونے کی نسبت شک واقع نہ ہوگا۔ تعمیم پیدا کرتے وقت ہم چیزوں کی ذاتوں سے قطع نظر کر کے ایک ایسی صفت انتخاب کر لیتے ہیں جو دیکھی ہوئی تمام چیزوں میں یکساں پائی جائے جیسے زمین کی مثال میں گولائی کہ چھوٹے چھوٹے کرے سے لے کر بڑے سے بڑے کرے تک جو ہم نے دیکھے ممکن ہے مادہ اور حجم اور رنگ وزن وغیرہ خصائص میں مختلف رہے ہوں۔ مثلاً لاکھ کی سبز گولی، مکھن کی سفید گولی، توپ کا سیاہ گولا۔ گولائی کی صفت سب میں یکساں پائی جاتی ہے۔

ہم اسی صفت کو سبب حکم قرار دے کر جہاں سبب پاتے ہیں، فوراً وہی حکم لگا لیتے ہیں۔ آدمیوں کی مثال میں افراد انسان قد و قامت، صورت و شکل، رنگ و روغن، مذہب و علم اور وطن کے اعتبار سے مختلف ہو سکتے ہیں۔ مگر انسانیت صفت سب میں برابر پائی جاتی ہے جس کی وجہ سے ہم فنا کا حکم لگاتے ہیں۔ پھر جس میں انسانیت پائی جھٹ سے فنا کا حکم لگا دیا۔

تفتیش اسباب میں انسان اتنا بے چین ہے کہ ہر چیز اور ہر واقع کا کچھ نہ کچھ سبب اپنے ذہن میں قرار دے ہی لیتا ہے اور اس کی بے چینی اس کو تامل صحیح نہیں کرنے دیتی۔ بلکہ جب کسی تاویل سے گو وہ کیسی ہی خفیف و بارد ہو ایک مرتبہ اس نے اپنے دل کو سمجھا لیا اس پر ہمیشہ کے لئے قانع رہنا چاہتا ہے۔ اور ہرگز پسند نہیں کرتا کہ اس میں شک ڈال کر حیرت میں رہے۔ شفق، توس قزح، رعد، کہکشاں، شہاب، زلزلہ، کسوف، خسوف، وبا وغیرہ ہر واقعہ کا ایک ایک سبب معقول ہے۔ لیکن اس کو بہت تھوڑے آدمی جانتے ہیں اور جو نہیں جانتے یہ مت سمجھو کہ وہ ان واقعات کو کسی سبب کی طرف منسوب نہیں کرتے۔ نہیں ان لوگوں نے بھی اسباب قرار دے رکھے ہیں اور ہم سب سے زیادہ ان کو اپنی سمجھ پر وثوق ہے۔ بھلا کسی جاہل کو سمجھا دو کہ رعد وہ آواز ہے جو گرمی کے ایک بادل سے زور کے ساتھ دوسرے بادل میں جانے سے پیدا ہوتی ہے اور بجلی اس گرمی کی روشنی ہے، وہ یہی کہے جائے گا کہ بھلا تم آسمان پر جا کر دیکھ آئے ہو، جو باتیں بناتے ہو، ہم تو بزرگوں سے یہی سنتے رہے ہیں کہ رعد فرشتہ ہے اور وہ بادلوں میں زجر کرتا ہے اور اس کی آواز زمین پر ہم کو سنائی دیتی ہے اور بجلی تو رعد کا کوڑا ہے جس سے وہ بادلوں کو ہانکتا ہے۔

مولوی مہدی نے ایک مقام پر یہ بھی لکھا ہے کہ بعض لوگوں کے معتقدات میں شفق امام حسین رضی اللہ عنہ کا خون ہے۔ انسان کی طبیعت کے اس خاصے نے کہ وہ ہر چیز کا کچھ نہ کچھ سبب ٹھہرا لیتا ہے یہاں تک ترقی کی کہ اسباب ضعیف تو درکنار ایک ادنیٰ خلق سبب ماننے لگے ہیں۔

یہ شمار کہ سیارے سات ہیں اس سے اخذ کیا گیا تھا کہ ہفتے میں سات دِن ہیں اور فلزات بھی سات قسم کے ہوتے ہیں۔شیعوں کے نزدیک پانچ کا عدد بہت سعد ہے کیونکہ حواس پانچ ہیں۔آل عباس پانچ ہیں۔آدمی کے ایک ہاتھ کی انگلیاں پانچ ہیں۔ہر کمالے را زوالے۔کیونکہ چاند کمال کو پہنچ کر ضرور گھٹنے لگتا ہے،اسی طرح کے خیالات سے دنوں کو سعد و نحس بنا رکھا ہے۔

کمتر کوئی چیز سعادت و نحوست سے بچی ہے۔فن قیافہ،فن تعبیر خواب،فال و شگون،نہیں معلوم کتنی مزخرفات باتوں کی بنا اسی پر ہے کہ ہر چیز کے واسطے کچھ سبب ہونا چاہئے۔سبھوں کی فہمید میں تو حضرت انسان یہ کچھ ذی شعور ہیں۔بایں ہمہ آپ تازگی پسند بھی ہیں۔ہمیشہ عجیب واقعات سننے اور دریافت کرنے سے اس کو مسرت ہوتی ہے،اور ان روایتوں کو نہایت شوق سے سنتے ہیں جن میں غیر معمولی اور حیرت انگیز مضمون ہوں۔دیوار قہقہہ،سد سکندر،چاہ بابل،عنقا،زہرہ،سیمرغ کے بارے میں جو باتیں مشہور ہیں ہم سب آباعن جد تسلیم کرتے چلے آئے ہیں اور کسی نے کان تک نہیں ہلایا۔گو انگریزوں نے لنکا میں عملداری تک کر لی مگر کمتر یہ تسلیم کریں گے کہ وہی لنکا ہے۔زعفران کا خندہ آور ہونا جو سنتے آئے ہیں،گو اس کی تفصیل بھی سمجھاؤ۔مگر کم بخت مانتے نہیں بلکہ تازگی پسندی نے یہاں تک پاؤں پھیلائے ہیں کہ ہم عجیب باتوں کو جلد یقین کر لیتے ہیں۔ابھی چند روز ہوئے مشہور ہوا کہ اودھ میں کسی فقیر کی دُعا سے آن واحد میں قدرتی پل بن گیا ہے اور اس پل کے نیچے جو بیمار نہاتا ہے اچھا ہو جاتا ہے۔سینکڑوں بیوقوف اسی خبر کے اعتماد پر دوڑے گئے۔نہ پل ملا نہ فقیر۔جھک مار کر لوٹ آئے۔

بڑے شہروں میں ہر روز ایک نہ ایک نئی گپ اڑا کرتی ہے۔یہ کیا ہے ہم لوگوں کے ڈھل مل یقین ہونے کے مشغلہ پسندوں کو قابو ملتا ہے۔سبب پیدا کرنے سے آدمی کا اصل مطلب یہ ہوتا ہے کہ احکام کلی استنباط کرے۔اسی واسطے ہر رنگ دیکھنے کے بعد بالطبع اس بات کی طرف مائل ہوتا ہے کہ ان میں سے کوئی کام نکالے۔یہ شوق اور میلان طبیعت اس کو ان مثالوں کی طرف بخوبی متوجہ نہیں ہونے دیتا۔جو قاعدہ ہم رنگی سے الگ اور اسی وجہ سے تعمیم میں خلل انداز ہیں،چونکہ حقیقت میں اس کو ان کی طرف توجہ صحیح نہیں ہوتی اس کا حافظہ بھی ان کو اچھی طرح گرفت نہیں کرتا اور اکثر ایسی مثالیں آدمی جلد بھول جاتا ہے۔نجومی اکثر تصرف کر کے واقعات آئندہ کی نسبت پیش گوئیاں کیا کرتے ہیں اور از بسکہ ان کے مقولات نرے اٹکل کے تکے ہوا کرتے ہیں۔دیوانے کی بڑ طرح اتفاق سے دس باتوں میں چار پانچ سچ بھی ہو جاتی ہیں۔

اب ہماری سادہ لوحیوں کا فریب بھی دیکھئے۔جن باتوں میں نجومی غلط گو ٹھہرا،ان پر تو ہم خیال نہیں کرتے بلکہ اگر ہم کو کوئی غلطی پر متنبہ بھی کرے تو ہم اس کی تاویلیں کرتے ہیں۔شاید اتفاقاً حساب میں بھول ہو گئی ہو۔اور ہم یاد کیا رکھتے ہیں،صرف وہ مثالیں جن میں اتفاق سے نجومی کا تصرف ٹھیک نکل آیا ہے۔اور گو نجومی کے کذب و افترا کی مثالیں زیادہ بھی ہوں مگر پھر بھی ہم اس کو راست گو اور سیف زبان جانتے ہیں۔اسی طرح طبیب کے ہاتھ سے چاہے جتنے بیمار مرے ہوں کوئی یاد نہیں رکھتا۔کہتے ہیں کہ مرد کی بائیں اور عورت کی دائیں آنکھ پھڑکے تو رنج پہنچے۔کسی کام کی ابتداء میں چھینک ہو،تو ناکام ہو۔دم دار ستارہ نمودار ہو تو وبا یا گرانی غلہ یا خونریزی ہو۔اسی طرح ہزاروں باتیں ہیں جن کو ہمارے ملک کے بہت سے آدمی مانتے ہیں۔اتفاقات نادرہ کو معمولات فرض کر لیا ہے اور اس کے خلاف کی مثالوں پر نظر نہیں کرتے۔اصل وجہ کیا ہے۔یہی کہ ایک تو سہارا غیب دانی کا ہے جس کا آدمی شروع سے آرزومند ہے۔اگر اس سے قطع نظر کر لے تو پھر مستقبلات میں رائے زنی کہاں سے ہو۔اسی قبیل کی غلطی کا ضمیمہ ہے۔واقعات کو چند افراد میں منحصر سمجھنا اس کے پیرائے میں اکثر مغالطہ واقع ہوا کرتا ہے۔

ابطال تدبیر کے لئے جبریہ فرقے کے لوگ یہ دلیل لایا کرتے ہیں کہ کوئی کام ہو تدبیر لاحاصل ہے۔ کیونکہ وہ حال سے خالی نہیں۔ یا وہ کام شدنی ہے یا ناشدنی۔ اگر شدنی ہے تو کوشش فضول اور اگر ناشدنی ہے تاہم عبث۔ اس صورت میں کام میں شدنی اور ناشدنی دوشقوں میں منحصر کرنا غلط ہے۔ ایک شق اور بھی ہے شدنی سعی یا ناشدنی بوجہ غفلت۔ اس مسئلے کے متعلق ایک بڑی ہنسی کی مثال ہے۔ وہ یہ کہ پراٹاگورس نامی ایک حکیم بڑا مغالطہ باز ہوگزرا ہے۔ یواتھلس نامی ایک شخص نے اس کا تلمذ اختیار کیا۔ استاد شاگرد میں زرکثیر کا معاہدہ ہوا۔ آدھا یواتھلس نے نقد دے دیا اور نصف باقی ماندہ کی نسبت یہ شرط قرار پائی کہ جب یواتھلس پہلے مباحثے میں غالب آئے تو باقی ماندہ آدھا روپیہ ادا کر دے۔ چندے پراٹاگورس اپنے شاگرد یواتھلس کو تعلیم کرتا رہا۔ مگر یواتھلس کے بعد چندے بے توجہی شروع کی۔ جب پراٹاگورس نے دیکھا کہ باقی کا روپیہ اسی سے جایا چاہتا تھا تو پراٹاگورس نے یواتھلس پر عدالت میں نصف باقی ماندہ کے دلاپانے کی نالش کردی۔ مقدمہ روبکار ہوا تو پراٹاگورس یواتھلس کی طرف مخاطب ہوکر بولا کہ اے لڑکے سن روپیہ تو ہر صورت سے میں تجھ سے بھر ہی لوں گا۔ کیونکہ اگر میں جیتا تو حکم حاکم مرگ مفاجات تجھ کو چار و ناچار دینا ہی پڑے گا اور اگر بالفرض تو جیتا تو بھی میرا الو کہیں نہیں گیا۔ مجھے تجھ سے شرط ہو چکی ہے کہ جب تو پہلا مباحثہ جیتے تو نصف باقی ماندہ مجھ کو ادا کرے۔

یواتھلس نے جواب دیا کہ شاگرد بھی آفت ہے۔ استاد جاؤ جفت ہو یا طاق جیت میری ہے۔ کیونکہ اگر حاکم نے میرا دعویٰ ڈگری کیا تو حضرت ڈگری جاری کرا کے کھڑے کھڑے گنوالوں گا۔ اور اگر ہار بھی گیا تو بھی کوڑی دوال نہیں۔ مجھ سے آپ سے شرط ہو چکی ہے کہ میں پہلا معرکہ جیتوں تو دوں، نہ کہ ہاروں تو دوں۔ تعمیم کی غلطی احتمالات میں بھی بکثرت واقعہ ہوا کرتی ہے۔ اور مجوزہ مقدمہ بیشتر اس میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

ملک فرانس میں ایک مقدمہ ہوا تھا جس کی روداد یہ تھی کہ ایک بوڑھی عورت کسی گلی میں دکانداری کرتی تھی اور اسی دکان میں رہتی تھی۔ ایک لڑکا شاگرد کے طور پر دکان پر بٹھا لیا تھا۔ گھر اس لڑکے کا دکان کے متصل تھا۔ مگر بڑھیا کی دکان میں آنے کا راستہ نہ تھا۔ گھر کا دروازہ گلی میں تھا۔ یہ لڑکا دکان میں تو بیٹھتا ہی تھا، دکان کی کنجی بھی اس کے پاس رہتی تھی۔ ایک دن دیکھتے کیا ہیں کہ بڑھیا کی دوکان کا قفل ندارد، دروازہ کھلا ہوا ہے اور اندر بڑھیا مری پڑی ہے۔ گلا کٹا ہوا ہے۔ ایک ہاتھ کی مٹھی میں بال اور دوسرے میں ایک گلوبند اور لاش کے پاس ایک خون آلود کٹار بھی زمین پر پڑا ہے۔ گلوبند اور کٹار دونوں چیزیں شناخت کرائی گئیں۔ اسی لڑکے کی تھیں۔ بال بھی اسی کے بالوں کے ہمرنگ، بے چارے لڑکے پر ان قرائن سے خون ثابت ہوگیا۔ پھانسی پائی۔ ایک مدت بعد بڑھیا کا اصل قاتل جب قریب المرگ ہوا تو دستور کے مطابق پادری صاحب نے اس کو استغفار و توبہ کی تعلیم کی، تب اس نے اقرار کیا کہ فلاں بڑھیا جو دکان میں مری ہوئی پڑی ملی تھی اس کو میں نے مارا تھا۔ مجھ سے اور اس کے شاگرد سے بہت ربط ضبط تھا۔ اس کا گلوبند اور کٹار اتفاق سے میرے پاس ہی تھا۔ کنجی کا خاکہ موم میں اتارا۔ اسی طرح کی دوسری کنجی بنوالی۔ بال البتہ اس لڑکے کے تھے۔ میں اس کے سر پر کنگھی کرتا اور جو بال ٹوٹتے ان کو جمع کرتا جاتا۔ یوں میں نے اپنا خون اس بے چارے کے سر تھوپا۔

دیکھئے! جج کی رائے نے احتمالات پر وثوق کر کے ایک ناکردہ گناہ کی جان لے لی۔ احتمالات کی وقعت کا اندازہ صحیح دریافت کر لینا بڑا مشکل کام ہے۔

ایک شخص کو تپ محرقہ تھی۔ سرسام کے آثار نمودار تھے۔ اور یہ بھی خوف تھا کہ یرقان قبل السابع ہونے والی ہے۔ اس تردد میں ایک طبیب حاذق بلائے گئے، انہوں نے مریض کا حال دیکھ کر تیمارداروں کی تشفی کی کہ گھبراؤ مت، تپ محرقہ شدید ہے، مگر ابھی تک یرقان کا ہونا

اور نہ ہونا دونوں پہلو برابر ہیں۔ یہ سن کر ایک تیماردار بیتاب ہو کر بولا کیوں حکیم صاحب! اگر خدانخواستہ یرقان ہو گیا تو کیا ہو گا۔ حکیم صاحب نے کہا یرقان کا مہلک ہونا یقینی نہیں۔ میرا تجربہ تو یہ ہے کہ سو میں سے پچاس اگر مر جاتے ہیں تو پچاس بچ بھی جاتے ہیں۔

حکیم صاحب نسخہ لکھ کر چلے گئے۔ تیمارداروں کو وہی خلجان رہا کہ دیکھئے کیا ہوتا ہے۔ مگر حاضرین میں ایک شخص ایسا بھی تھا جس نے احتمالات کی بحث کو فن جبر و مقالے میں پڑھا تھا، اس نے کہا: سنو صاحب! کچھ اضطراب مت کرو۔ عقلی قاعدے کی رو سے تلف کا احتمال ایک چوتھائی ہے۔

ہمہ رنگی واقعات عالم، جس پر ہم گفتگو کر رہے ہیں، اسی کی ایک فرد یہ بھی ہے کہ کل افراد انسان کے حواس ایک طرح کے ہیں اور کسی چیز یا کسی واقعے سے جو اثر ہم پر ہوتا ہے وہی دوسرے آدمیوں پر بھی ضرور ہوتا ہو گا۔ مثلاً پھول کو ہم لال کہتے ہیں۔ دوسرے آدمیوں کو بھی لال دیکھیں گے۔ فلاقند ہمارے ذائقے میں میٹھا ہے تو دوسرے آدمیوں کو بھی میٹھا لگتا ہے یا اس کے برعکس اگر کوئی آدمی کسی چیز کو چکھ کر کڑوی بیان کرے تو ہم کو اس طرح مان لینا چاہئے کہ گویا خود ہم نے چکھی ہے۔ ہم نے برف کے سمندر نہیں دیکھے۔ ہم سویز کی نہر میں خود نہیں گئے۔ لیکن ہم کو برف کے سمندر اور سویز کی نہر کے ہونے کا ایسا ہی یقین ہے کہ جیسے اپنی آنکھوں سے دیکھنے سے ہوتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم دوسروں کی معلومات سے بے زحمت مستفید ہوتے ہیں۔ علم تاریخ کی بنا اسی قاعدے پر ہے۔ مگر جب کہ ہم کو اپنے حاصل کئے ہوئے معلومات میں وقوع غلطی کا احتمال ہے تو دوسروں کی معلومات میں یہ احتمال اور بھی زیادہ ہے۔ کیونکہ علاوہ ان غلطیوں کے جو معلومات کے حاصل کرنے میں ہر انسان سے واقع ہوا کرتی ہیں۔ دوسروں کی معلومات کا ہم تک پہنچنا بھی شائبہ غلطی سے کمتر خالی ہوتا ہے۔ ممکن ہے کہ صاحب معلومات اپنا مافی الضمیر کے ادا کرنے میں قاصر ہوں یا ہم ان کے بیان سے اخذ مطلب کرنے میں خطا کریں اور جب کہ ہم میں اور اصل صاحب معلومات میں اور وسائط ہوں تو احتمال غلطی چندر چند ہے۔ اس مسئلے کے متعلق ایک اور بھی غلطی ہے جو سب سے زیادہ منکرہ ہے۔ وہ یہ ہے کہ دلیل جو ثبوت دعویٰ میں پیش کی جائے خود اس کا ثبوت مختصر ہو۔ ثبوت دعویٰ پر اسی کو دور کہتے ہیں۔ مثلاً علم تاریخ کی کسی کتاب کی صحت میں گفتگو ہو اور کوئی شخص صحت کتاب پر یہ دلیل لائے کہ اس میں فلاں فلاں واقعات لکھے ہوئے ہیں۔ حالانکہ وہ واقعات خود مخل کلام ہوں اور سوائے کتاب متنازعہ فیہ کے اور کہیں سے اس کا ثبوت ہم نہ پہنچتا ہو تو اس صورت میں واقعات کی دلیل کتاب ہے اور صحت کتاب کی دلیل واقعات یا مثلاً کوئی مقلد اپنے نبی ﷺ کی نبوت کو کتاب سے ثابت کرے۔

افلاطون وجود مجرد کو اسی طرح ثابت کرتا تھا کہ انصاف و عقل دو چیزیں ہیں اور دونوں مجرد یعنی غیر مادی ہیں۔ اس صورت میں افلاطون کو مغالطہ ہوا تھا۔ انصاف اور عقل دو چیزیں ہیں۔ اس میں افلاطون نے چیز سے مراد جوہر لیا۔ جو اپنی ذات سے قائم ہو، نہ عرض جس کا وجود تابع دوسرے کے وجود کا ہو۔ جیسے رنگ کہ کوئی سے جداگانہ نہیں ہے، بلکہ ایک کیفیت ہے جو کپڑے یا لکڑی وغیرہ کو عارض ہوتی ہے۔ پس حقیقت میں وہ دور سے استدلال کرتا ہے۔

قیاس میں بھی غلطیاں ہو سکتی ہیں

ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ مشاہدات و تجربات اور عقل کے فیصلے بھی بعض معلومات، حالات اور وقت و ماحول میں غلط ثابت ہو سکتے۔ ان کے صحیح نتائج کے لئے چند شرائط اور قوانین مقرر ہیں۔ بالکل انہی کی طرح قیاس کے فیصلوں میں بھی غلطیاں ہو سکتی ہیں۔ اور اس کے صحیح نتائج اخذ کرنے کے لئے بھی چند شرائط اور کچھ قوانین مقرر ہیں جن کے بغیر صحیح قیاس نہیں ہو سکتا اور نہ ہی اس کے نتائج صحیح ہوں

گے۔ اس حقیقت سے انکار نہیں ہے، قیاس بھی مشاہدات و تجربات اور عقل کی طرح تحقیقات میں ایک اہم حقیقت بلکہ ایک غیر معمولی طاقت ہے جہاں پر مشاہدات و تجربات کام نہیں کر سکتے وہاں پر قیاس کی طاقت کام کرتی ہے۔ اور حقیقت کو پیش کرتی ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ مشاہدات اور تجربات دونوں قیاس کے تحت کام کرتے ہیں اور اس کے بغیر دونوں بے معنی ہو کر رہ جاتے ہیں۔ دراصل قیاس ہی ایک بڑی طاقت ہے۔

قیاس کی تعریف

ایسا قول ہے جس کی ترکیب ایسے قضیوں سے ہو جب وہ مان لئے جائیں تو ایک اور قضیہ بھی ماننا پڑتا ہے اور یہ قضیہ جس کا ماننا ضروری ہے، نتیجہ قیاس کہلاتا ہے۔ جیسے ہر انسان جاندار ہے اور ہر جاندار جسم ہے۔ یہ دو قضیے ہیں۔ ان کو اگر مان لو تو ان کے ماننے سے تم کو یہ بھی ماننا پڑے گا کہ ہر انسان جسم ہے اس میں یہ دو قضیے تو قیاس کہلاتے ہیں۔ تیسرا قضیہ جس کا ماننا لازم ہے، نتیجہ کہلاتا ہے۔ اس طرح سمجھ لیں کہ جب دو قضیے ترتیب دیئے جائیں کہ ان کو مان لینے سے ایک دوسرے قضیے کا مان لینا لازم آ جائے تو ان کی ہیئت مجموعی کو قیاس کہتے ہیں اور اس دوسرے قضیہ کو نتیجہ کہتے ہیں۔

حقیقت قیاس

قیاس اصل میں حجت (دلیل) کی ایک صورت ہے۔ اس کی دو دیگر صورتیں استقرار اور تمثیل ہیں جن کا ذکر مناسب جگہ پر کیا جائے گا۔ قیاس کو سمجھنے کے لئے حجت کو ذہن نشین کر لینے سے بہت آسانی ہو جاتی ہے۔

حجت کی تعریف

دو یا زیادہ تصدیقات (جانی ہوئیں) کو ترتیب دے کر جب کوئی نہ جانی ہوئی بات معلوم کریں تو ان جانی ہوئی تصدیقات کو حجت اور دلیل کہتے ہیں۔ یعنی ان کے مجموعہ کو۔ مثلاً تم کو علم ہے کہ انسان جاندار شے ہے اور یہ بھی جانتے ہیں کہ ہر جاندار شے جسم والی ہے تو ان دونوں باتوں کو جاننے سے تم یہ جان گئے کہ انسان جسم والا ہے۔

قیاس اور حجت کی تعریف سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ دونوں میں کتنا فرق ہے۔ یعنی قیاس میں دو قضیے ماننے کے بعد ایک تیسرا قضیہ بھی ماننا پڑتا ہے۔ اور حجت میں دو تصدیقات ترتیب دے کر ایک نامعلوم بات معلوم کی جاتی ہے۔ قضیہ اور تصدیق میں کوئی فرق نہیں ہے۔ کیونکہ قضیہ ایک مرکب الفاظ (کلام) کو کہتے ہیں۔ جس کو کہنے والے کو سچا یا جھوٹا کہہ سکیں۔ جیسے کوئی شخص کھڑا ہے اور یہی صورت تصدیق کی بھی ہے جیسا کہ اس کی تعریف دو اقسام میں ہم بیان کر چکے ہیں۔ البتہ تصدیق اپنے معنی و ضرورت اور مقام پر قائم ہے۔

قیاس کی اقسام

قیاس کی دو قسمیں ہیں۔ اوّل قیاس استثنائی (شرط لیکن)، دوسرے اقترانی (شرط لیکن نہ ہو)۔ جاننا چاہئے کہ پھر ہر قیاس کی ایک صورت ہے اور ایک مادہ ہے۔ بہ اعتبار مادہ کے قیاس کی پانچ اقسام ہیں: (۱) قیاس برہانی (۲) متاجدی (۳) قیاس خطابی (۴) قیاس شعری (۵) قیاس سفسطی۔ پھر قیاس برہانی کے تحت اس کی چھ قسمیں ہیں: (۱) اولیات (۲) فطریات (۳) حدثیات

(۴) مشاہدات (۵) تجربات (۶) متواترات۔

ان تمام اقسام وصورتوں اور مادوں کی تشریح بوقت ضرورت اپنے مقام پر کریں گے۔ یہاں صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ حکما نے مشاہدات وتجربات اور عقل وفطرت کو بھی قیاس کے تحت مقید کر دیا ہے۔ گویا یہ تمام بحث جو عقل وقیاس اور تجربات ومشاہدات کے تحت کی گئی ہے درحقیقت یہ سب قیاس کے متعلق ہیں۔ ان سب کی بحث بہت طویل ہے۔ البتہ ضرورت کے مطابق اپنے مقام پر ان کا ذکر کر دیا جائے گا۔ اس وقت یہی مفید اور لازم ہے۔

قیاس کی اہمیت

قیاس کی اہمیت کا اندازہ اس امر سے لگالیں کہ دُنیا میں ہر قسم کی تحقیقات میں اس کی ضرورت لازم ہے اور خاص طور پر تحقیقات الاشیاء میں اس کا درجہ بہت بلند ہے کیونکہ خواص الاشیاء ہمیشہ ہماری سابقہ معلومات کے تحت کسی موجودہ دوا کے ظاہری حالات اور صورتوں کے مطابق اندازہ لگانے سے ہی ہماری عقل اس امر کی طرف رہنمائی کرتی ہے کہ اس دوا میں بھی اس قسم کے افعال واثرات پائے جانے چاہئیں۔ پھر اس کے بعد اس کے مطابق تجربات کرتے ہیں اور تجربات کے وقت اس کی عملی صورت میں یہی وہ افعال واثرات اور خواص صحیح ثابت ہوں یا ان میں کمی بیشی ثابت اور ظاہر ہو جائے۔ بہر حال قیاس ہی ایک ایسی طاقت ہے جس نے تجربات اور معلومات کی طرف رہبری کی ہے۔

علامہ نفیس کی تشریح

قیاس کی اہمیت کو سمجھنے کے لئے علامہ نفیس کی یہ تشریح قابل تعریف ہے کہ ''قیاس کے معنی یہ ہیں کہ دوا کی ظاہری حالت سے اس کے مخفی حالات پر استدلال پیش کیا جائے''۔

اس امر کے جواب میں کہ کون سی چیز انسان کو دوا کے تجربات کے لئے مائل کیا کرتی ہے، فرماتے ہیں کہ ''کسی دوا کے متعلق کوئی قیاس رہبری کرتا ہے اور انسان اس قیاس کی رہبری کی تصدیق کے لئے تجربہ کے ذریعے اس کی آزمائش کر لیتا ہے۔ مثلاً کسی دوا کے متعلق کسی وجہ سے یہ قیاس وخیال قائم کیا گیا ہے کہ یہ دوا گرم ہے۔ اس خیال کی تصدیق کے لئے جب تجربہ کیا گیا تو واقعی وہ دوا قیاس کے مطابق گرم ہوئی''۔ اشیاء کے افعال واثرات اور مزاج و دیگر خواص انسانی علم میں کیونکر آئے اس کے متعلق شیخ الرئیس اور دیگر متقدمین کی تصریحات یہ ہیں کہ ''اس قسم کی ساری باتیں محض قیاس اور تجربہ کی رہبری سے انسان کے ذخیرہ معلومات میں جمع ہوتی ہیں''۔

تجربات کے متعلق فرنگی طب کی غلط فہمی

فرنگی طب اپنی موجودہ علمی تحقیقات (ماڈرن میڈیکل سائنس) کے پیش نظر اس پر امر پر فخر کرتی ہے کہ وہ تجرباتی ہے اور اس کے مقابلے میں قدیم علوم غیر تجرباتی ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ فرنگی طب کی ماڈرن سائنس کو تجربات کے حقیقت اور افعال کا علم نہیں ہے اور افسوس کہ ہمارے اطباء نے بھی سائنس کے جادو میں تجربات کی حقیقت کا صحیح علم نہیں ہے اور انہوں نے بھی سائنس کے جادو میں تجربات کی حقیقت اور افعال کو بھلا دیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ تجربات بلکہ مشاہدات وغیرہ دیگر تجرباتی صورتیں سب قیاس کی اقسام دراقسام میں شریک ہیں اور ان کے نتائج بغیر قیاس کے تعین اور حاصل نہیں ہو سکتے۔ گویا قیاس کے بغیر ہمارا ہر تجربہ نامعقول ہے۔

علامہ نفیس تجربہ کی تعریف میں لکھتے ہیں کہ ''کسی دوا کو بدن میں پہنچا کر اس کے اثرات کا امتحان کیا جائے''۔ یاد رکھیں کہ تجربات کا یہ امتحان بغیر قیاس کے متعین کئے افعال اور اثرات کے بغیر ناممکن ہے۔ کیونکہ جن مقاصد کے لئے تجربات حاصل کرتے ہیں ان کے لئے مقدار، خوراک و ماحول اور وقت و استحالہ کا تعین ضروری ہوتا ہے۔

قیاس کا عمل بالفعل

علامہ نفیس نے قیاس کے معنی اس طرح بتائے ہیں کہ ''قیاس دوا کے ظاہر حالات سے اس کے مخفی حالات پر استدلال کرتا ہے''۔

اسی طرح شیخ الرئیس نے القانون میں وضاحت کی ہے کہ ''گاہے قیاس کے قوانین و اصول ادویہ کے ان افعال و تاثرات سے اخذ کئے جاتے ہیں جو ہمیں پہلے سے معلوم ہیں۔ جن سے ہمیں بطریق استدلال و قیاس ادویہ کے نامعلوم تاثرات کے لئے نمایاں رہبری حاصل ہو جاتی ہے''۔

ان دونوں بیانوں کا مقصد یہ ہے کہ کسی دوا کی بعض خصوصیات اور صفات ہمیں معلوم ہیں۔ لیکن مکمل افعال و اثرات کا ہمیں علم نہیں ہے۔ بس اسی علم کو حاصل کرنے کے لئے قیاس ہماری مدد کرتا ہے۔ اس طرح ہم سمجھ سکتے ہیں کہ ہمارے سابقہ تجربات و مشاہدات اور معلومات کی دوا کے ظاہری حالات میں اس کے افعال و اثرات کی طرف عقلی راہ نمائی کرتے ہیں۔ پھر تجربات کی روشنی میں یہ استدلال عقلی خواہ قیاس کے مطابق ثابت ہوں یا ان میں کچھ کمی بیشی ظاہر ہو۔ اس صورت سے یہ نتیجہ نکلا کہ قیاس کی ہی روشنی میں تجربات مکمل ہو سکتے ہیں۔ گویا قیاس کو تجربات پر فوقیت حاصل ہے۔ یعنی اگر ہمارے پاس قیاسی علم نہیں ہے تو ہم تجربات کرنے کی طاقت نہیں رکھتے اور اس حیثیت سے بھی قیاس کو تجربات پر افضلیت حاصل ہے کہ بغیر قیاس کے ہم کسی غذا و دوا اور شے کو تجربہ نہیں کر سکتے۔ ممکن ہے کہ وہ ایک مہلک زہر ہو اور اس کا قرب ہی باعث موت بن سکتا ہے۔

قیاس کی تجربہ پر اہمیت

علامہ نفیس تجربہ کی اہمیت کا اظہار کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''تجربہ سے دوا کی تاثیر کا یقین حاصل ہو جاتا ہے اور قیاس سے یہ یقین حاصل نہیں ہوتا۔ اور قیاس میں اکثر غلطیاں بھی ہو جایا کرتی ہیں''۔ ماڈرن سائنس بھی تجربات اور قیاس کی یہی تعریف کرتی ہے۔ مگر اس تعریف سے قیاس کی اہمیت و افضلیت اور اوّلیت میں کوئی فرق نہیں آتا کیونکہ بغیر قیاس کے تجربات بے معنی ہیں اور تجربات کو زیادہ سے زیادہ قیاس میں عقلی فیصلہ کا مقام دیا جا سکتا ہے یعنی جب قیاس معلومات اور استدلال میں تجربات کی علامات پر عقل فیصلہ کرتی ہے بس وہی تجربہ بن جاتا ہے۔ لیکن اگر تجربات کے سامنے غلط قیاس رکھے جائیں تو تجربات یقیناً غلط ہوں گے۔ اس سے ثابت ہے کہ تجربات تصدیقات بدیہی ہیں۔ مقصد یہ ہوا کہ قیاس کی بنیاد بھی دراصل سابقہ تجربات پر ہوا کرتی ہیں جو آئندہ نئے تجربات کے لئے راہنما بن جاتے ہیں اور یہی عمل نہ صرف تحقیقات بلکہ تہذیب و تمدن اور ثقافت کے لئے جاری رہتا ہے۔

ترتیب قیاسی مقدمات

جب ہم کسی نئی دوا کے افعال و اثرات معلوم کرنا چاہتے ہیں تو تین صورتیں ہمارے ذہن میں پیدا ہوتی ہیں:

① ہمارے سابقہ تجربات و مشاہدات اور معلومات۔

② کسی نئی شے کی خصوصیات اور صفات کو ہمارے گزشتہ تجربات و مشاہدات اور معلومات سے تطابق اور ہم آہنگی کا پیدا ہونا۔

④ حقیقت کو جاننے کے لئے تجربات کا فیصلہ حاصل کرنا۔

گویا تحقیقات کی حقیقت یہ ہے کہ ہم قیاس سے تجربات کی طرف آتے ہیں اور پھر انہی تجربات پر مزید قیاس کر کے تجربات سے حقیقت تک پہنچ جاتے ہیں۔ دراصل تحقیقات کا یہی مقصد ہوا کرتا ہے۔ ان تحقیقات میں اس امر کو ضرور مدنظر رکھیں کہ انسان کے سابقہ تجربات ومشاہدات اور معلومات جس قدر وسیع ہوں گے اور ساتھ ہی حکم وحدث کی جس قدر طاقت زیادہ ہوگی اسی قدر نتائج اس کے مرتب ہوں گے اور تجربات بھی قابل اعتماد حاصل ہو سکتے ہیں۔ اس لئے تحقیقات و تجربات قابل اعتماد حاصل ہو سکتے ہیں۔ اس لئے تحقیقات و تجربات اور تصدیقات کے لئے صرف علماء اور حکماء کو ہی مقام حاصل ہے۔ اسی لئے علامہ نفیس نے لکھا ہے: ''تجربہ کا طریقہ اور عمل طبیب اور غیر طبیب دونوں کے لئے عام ہیں۔ برخلاف ازیں قیاس کا طریقہ صرف فاضل اطباء کے لئے مخصوص ہے''۔

قیاس کے مبادیات

قیاس میں جن پر استدلال سے بحث کی جاتی ہے وہ مبادیات درج ذیل ہیں جو موالید ثلاثہ کی کسی شے میں پائے جا سکتے ہیں۔ یہ زیادہ سے زیادہ پانچ ہیں:

① قوام ② استحالہ ③ رنگ ④ بو ⑤ مزہ۔ ان کے علاوہ وہم، ادراک، وجدان اور دینی معلومات کے ذریعے بھی قیاس و معلومات کا ایک سلسلہ جاری ہے۔

معیار استدلال

قیاس میں جن مبادیات سے استدلال کیا جاتا ہے اس کا معیار طب قدیم میں کیفیات میں مقرر کیا گیا ہے جس سے مزاج و اخلاط اور درجات مقرر کر دیئے گئے ہیں۔ مثلاً طب قدیم میں ہر سرد شے جہاں جسم میں سردی تری کی کیفیات پیدا کرتی ہے وہاں پر یہ مولد بلغم بھی ہے۔ پھر جسم پر اس کا خاص قسم کا اثر ہے۔ اسی طرح جب کوئی شے جسم میں سردی خشکی پیدا کرتی ہے تو یہ بھی خاص قسم کا مزاج ہے جس کے ساتھ جسم میں سودا پیدا ہوتا ہے۔ ایسے ہی گرم تر اشیاء سے خون اور گرم خشک اشیاء سے صفرا پیدا ہوتا ہے۔ اس کے بعد ان کے معتدل اور ایک سے لے کر چار تک درجات ہیں۔ کسی شے میں سردی زیادہ اور تری کم ہوتی ہے۔ کسی میں سردی کم اور خشکی زیادہ ہوتی ہے۔ یہی صورتیں گرم اشیاء میں بھی پائی جاتی ہیں۔ انہی کیفیات، مزاج اور اخلاط سے یہی ادویات ایک طرف محرک اور مسکن اور محلل و قاتل وغیرہ افعال واثرات جسم میں پیدا کر دیتی ہیں تو دوسری طرف ملین و مسہل اور حابس و قابض وغیرہ کی صورتیں ظاہر ہو جاتی ہیں۔

گویا بنیادی قیاس میں معیار استدلال کیفیات و مزاج اور اخلاط مقرر کیا گیا ہے۔ مثلاً چرپرہ مزاج جسم میں گرمی خشکی اور اخلاط میں صفرا پیدا کرتا ہے۔ پھر طب قدیم میں صفرا کے خواص واثرات مقرر ہیں جو جسم انسان پر فعلی و کیمیائی طور پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ یہی صورت پیلے رنگ میں بھی ہے۔

بالخاصہ اثرات

طب قدیم میں باوجود کیفیات ومزاج اور اخلاط کے افعال واثرات کے ایک صورت اثرات بالخاصہ کی بھی ہے۔ مثلاً ایک ہی کیفیات ومزاج اور اخلاط کی بعض اشیاء اپنے اندر اپنے مختلف اثرات بالخاصہ رکھتی ہیں۔ یہ صرف اس لئے ہوتا ہے کہ ان کے کیفیات و مزاج اور اخلاط کے توازن میں فرق ہوتا ہے جس کی دلیل ان کے قوام واستحالہ اور رنگ و بو میں نمایاں تبدیلی پائی جاتی ہے۔ لیکن اس

کے معنی یہ نہیں ہوتے کہ بالخاصہ اثرات وافعال سے کیفیات ومزاج اوراخلاط کے تعین سے جواثرات وافعال جسم میں پیدااور ظاہر ہوتے ہیں وہ بدل جاتے ہیں۔ ایسا ہرگز نہیں ہے۔ اس لئے صرف بالخاصہ اثرات وافعال جاننا کافی نہیں ہے، وہ کوئی معیار نہیں ہے، اس سے جسم کا علاج یقینی طور پر نہیں ہوسکتا۔ یقینی علاج کے لئے بالخاصہ اثرات وافعال کے ساتھ شے کی کیفیت ومزاج اوراخلاط کا جاننا بے حد ضروری ہے۔

فرنگی طب کی غلط فہمی

فرنگی طب کی سب سے بڑی غلط فہمی یہ ہے کہ ان کے ہاں اشیاء کی کیفیات ومزاج اوراخلاط کی کوئی صورت نہیں۔ جس کے نتیجہ میں ان کے پاس کسی غذا، دوااور نشے کا کوئی معیار نہیں ہے۔ ان کے اثرات وافعال صرف بالخاصہ پائے جاتے ہیں۔ چونکہ ایک ہی قسم کے بالخاصہ اثرات وافعال مختلف مزاج کی ادویات میں پائے جاتے ہیں جن سے ایک طرف یقینی علاج نہیں کیا جاسکتا، دوسری طرف بالخاصہ صورتوں کے درجات مقرر نہیں کئے جاسکتے۔ مثلاً سوڈا بائی کارب، بادیان اورزنجبیل تینوں بالخاصہ دافع ریاح ہیں۔ مگر کیفیات ومزاج اور اخلاط میں ان کے اندر غیر معمولی فرق پایا جاتا ہے۔

فرنگی طب اپنے علاج میں اس وقت تک کامیاب نہیں ہوسکتی جب تک وہ اپنے خواص الاشیاء میں کیفیات ومزاج اوراخلاط کو شامل نہ کرے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی بالخاصہ تجربہ شدہ ادویات ہر پانچ دس سال بعد بدل جاتی ہیں۔ کیونکہ مزید تجربوں کے بعد وہ پہلی ادویات چھوڑ دیتے ہیں۔ اگر ان کے علم الادویہ میں ہر دوا کی کیفیات ومزاج اوراخلاط شامل ہوں تو پھر ان کے مزید تجربات کے بعد بھی پہلی ادویات شامل علاج رہیں اوراپنے اپنے مقام پر وہ استعمال کی جاتی ہیں۔ ان میں بالخاصہ مزاج کے ساتھ یہ خرابی بھی پیدا ہوگئی ہے کہ ادویات افعال واثرات صرف قتل جراثیم تک محدود ہوتی جارہی ہیں، ان کے علاج میں ناکامی کا یہی سب سے بڑا راز ہے۔

قیاس کی مبادیات پر تحقیقات

قیاس کے جن مبادیات پر تحقیقات اور بحث کی جاتی ہے ان کے متعلق ہم لکھ چکے ہیں کہ وہ پانچ ہیں:

① قوام ② استحالہ ③ رنگ ④ بو ⑤ مزہ۔

یہ پانچ مبادیات تو دوا کی ظاہر داری پر دلالت کرتی ہیں۔ ان کے علاوہ تین استدلال اور بھی ہیں جو کسی نئی دوا کی تحقیقات میں بے حد مدد ومعاون ہوتے ہیں:

① وہم ووجدان ② ادراک ودینی معلومات ③ مشاہدہ وعمل۔

یہ تین استدلال ہمیں قیاس کے مبادیات کو یقین کے ساتھ تحقیقات کی طرف لاتے ہیں یا ان میں یقین پیدا کردیتے ہیں۔ مثلاً رنگت پر ہی اگر غور کریں تو ہر صاحب علم اوراہل فن جانتا ہے کہ **فطری رنگ صرف تین ہیں: نیلا، پیلا اور سرخ۔** مگر دنیا کی کسی شے میں یہ تینوں رنگ اپنی خالص صورت میں نہیں پائے جاتے ہیں۔ ہر ایک اپنی کمی بیشی کے لحاظ سے کسی دوسرے رنگ کے ساتھ تعلق رکھتا ہے جیسے کہیں بھی گرمی یا سردی بغیر تری یا خشکی کے نہیں پائی جاتی۔ اسی طرح کبھی بھی یہ خالص حالت میں نہیں پائے جائیں گے کہ ہم نیلا پیلا اور سرخ کے لئے کوئی حد مقرر کرلیں۔ اس لئے ان تینوں بنیادی رنگوں سے بے شمار رنگ پیدا ہوگئے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ جب بھی کوئی رنگ ہمارے سامنے آئے گا تو ہم کو اس کی طرف یہ قیاس کرنا پڑے گا کہ اس میں نیلا پیلا اور سرخ

رنگ کس مقدار میں پائے جاتے ہیں اور پھر ان کی ترکیب ثانی سے جو صورتیں اور اثرات پیدا ہو جاتے ہیں، وہ کیا ہیں۔ مثلاً سبز رنگ جو نیلے اور پیلے کا مرکب ہے۔ اسی طرح نارنجی اور ارغوانی رنگوں پر بھی غور کرنا پڑے گا۔ اور پھر ان کے اثرات و افعال کا تعین عمل میں لایا جائے گا۔ اسی طرح باقی قیاس کے مبادیات پر بھی غور کیا جا سکتا ہے۔ اس کی تفصیل درج ذیل ہے۔

قوام

قوام کے معنی ہیں کسی شے کے لطیف و بسیط اجزاء کا باہمی تعلق اور مضبوطی کا ہونا۔ یعنی اس کے اجزاء کی آپس میں اکٹھے رہنے کی صورت کیا ہے۔ اس کے لئے حکماء نے تین صورتیں بیان کی ہیں:

① تبخیری (گیس) ② سیال، مائع (لیکوئیڈ) ③ جامد، ٹھوس (سالڈ)۔

پھر ان تینوں کے اپنے بین بین کئی صورتیں ہیں۔ مثلاً کسی تبخیر شے کا تعلق کس قدر سیال شے کے ساتھ ہے یا کس قدر تعلق جامد شے کے ساتھ ہے۔ اسی طرح سیال اور جامد کے تعلقات سے جو صورتیں پیدا ہوتی ہیں ان کی شکلیں بن جاتی ہیں۔ اگر ہم خالص تبخیر (جیسے پانی کے بخارات کا اٹھنا) اور خالص پانی (جو دیگر تمام اجزاء سے پاک ہو)، اسی طرح خالص جامد جیسے مٹی (جو دیگر تمام عناصر سے پاک ہو) جو عام طور پر عناصر کی ترکیب ثانی ہوتے ہیں، کے مزاج و خواص اور افعال و اثرات کو سمجھیں تو پھر ان کی ترکیب اولیٰ (ابتدائی ترکیب) اور ترکیب ثانی (ثانوی مرکبات) کو بھی سمجھ سکتے ہیں۔ اس طرح ہم قوام کی ہر شکل کے خواص و فوائد اور اثرات و افعال کو اچھی طرح ذہن نشین کر سکتے ہیں۔

لزوجیت و دہنیت اور وزن

قوام میں تبخیر و سیال و جامد اشیاء کی صورتوں میں کمی بیشی سے جہاں پر ان کے وزن میں فرق پایا جاتا ہے، وہاں ان میں لزوجیت (لیسدار) اور دہنیت (روغن) بھی پیدا ہو جاتا ہے۔ گویا وزن و لزوجیت اور دہنیت قوام کی مختلف شکلیں ہیں۔ جب ہم خالص وزن و لزوجیت اور دہنیت کے بھی مزاج و خواص اور افعال و اثرات مقرر کریں گے تو لامحالہ ہمارے سامنے قیاس کے مبادیات پہلی صورت کی ایک عملی زبان بن جائے گی۔ یعنی جہاں کہیں بھی ہم قوام کی مختلف صورتیں دیکھیں گے، وہاں پر اس کے مادی اثرات و افعال اور مزاج و خواص کی نفی کرنے کے بعد ہمارے سامنے قوام کی ہر صورت کے افعال و اثرات اور مزاج و خواص ہاتھ باندھے نظر آئیں گے اور ہم کو تحقیقات الاشیاء میں بے حد آسانیاں پیدا ہو جائیں گی۔ یہ سب کچھ قیاس کی برکتیں ہیں۔

مدارج قوام کی تحقیقات

قوام کے مختلف مدارج کی صورتوں کو سامنے رکھتے ہوئے حکماء نے ان کے لئے چند اصطلاحات مقرر کی ہیں۔ ہم ان کی تشریح و توضیح بیان کر کے ان کے افعال و اثرات اور مزاج و خواص بالمفرد اعضاء بیان کرتے ہیں تاکہ تحقیقات الاشیاء خصوصاً فوائد الادویہ سمجھنے میں سہولتیں پیدا ہو جائیں۔

قوام میں لطافت و کثافت اور غیر محلل

قوام کے لحاظ سے ہر شے تین حصوں میں تقسیم ہو سکتی ہے۔ (اوّل) لطافت۔ ایسی شے جو کسی محلول یا جسم انسان میں داخل کر دی

جائے اور اس سے متاثر ہونے کے فوراً بعد اپنا جسم چھوڑے اور باریک باریک اجزاء میں تقسیم ہو کر اس محلول میں حل ہونا شروع ہو جائے۔ اس لطافت کی وجہ اس کی حرارت ہے جو اپنی حدت سے فوراً منتشر کر دیتی ہے لیکن لطافت کا مفہوم اس طرح ذہن نشین نہیں ہوتا کیونکہ لطافت اور تحلیل میں کوئی قریب کی مناسبت نہیں ہے۔

لطافت کا صحیح تصور ہمیشہ کسی شے کی نزاکت اور خالص پن پر کیا جاتا ہے۔ نزاکت سے بھی مراد یہ ہے کہ وہ شے اپنی لطافت کی وجہ سے کثیف اور غیر اجزاء کو برداشت نہیں کر سکتی۔ اس لئے کسی شے سے فوراً متاثر ہو کر ذرّہ ذرّہ اور پاش پاش ہو جاتی ہے یا الگ الگ ہو کر کسی شے میں جذب ہو جاتی ہے۔

جاننا چاہئے کہ اس کائنات اور زندگی کی ہر شے کی لطافت حرارت سے ہوتی ہے۔ جو شے بھی جس قدر حرارت سے دور ہوتی چلی جاتی ہے، اتنا ہی وہ کثیف ہوتی چلی جاتی ہے۔ چار ارکان میں ہم نے جو حرارت کو انتہائی لطیف سمجھ لیا ہے جو صرف رگڑ سے پیدا ہو جاتی ہے، جس کی شدت آگ پیدا کر دیتی ہے، اس کا مزاج ہم نے گرم خشک تسلیم کیا ہے۔ یعنی ایسی حرارت جس میں رطوبت کا شائبہ تک نہیں ہے۔ گویا یہ کیفیات کا اوّلین رکن ہے۔ پھر جس کسی رکن میں حرارت کا جزو جس حد تک داخل ہوگا اس میں لطافت پائی جائے گی اور رکن خالص کہلائے گا۔ کیونکہ حرارت اپنی شدت سے کثافت کو دھو دیتی ہے اور اس کو لطیف و نازک اور خالص بنا دیتی ہے۔

تبخیر کا خالص پن

تبخیر (گیس) ہوا کی صورت میں ایک خالص رکن اس وقت پیدا ہو سکتا ہے جب پانی سے پیدا کی جائے اور اس کا خالص پن بھی اس وقت تک رہ سکتا ہے جب تک اس میں گرمی کا اثر باقی ہے۔ سرد ہونے پر اس میں غیر لطیف اور ناخالص ہوا شامل ہو کر اس کو اپنی طاقت کے مطابق کثیف کر دیتی ہے۔ خالص پانی کے بخارات لطافت کی ایک بہترین مثال ہے۔ انہی بخارات یا ہوا کا اخراج گرم تر ہے۔ ہر قسم کی ہوا کو ہم گرم تر نہیں کہہ سکتے۔ جب ہوا میں گرمی ختم ہو جاتی ہے تو اس میں برودت کے ساتھ ساتھ کثافت بھی پیدا ہونا شروع ہو جاتی ہے تو اس وقت ہوا پانی کی صورت میں قطرے بن کر ٹپک پڑتی ہے جس کو ہم شبنم، بارش اور اولوں (ژالہ) کا نام دیتے ہیں۔

سیال کا خالص پن

خالص سیال وہی ہو سکتا ہے جب خالص پانی کی تبخیر سے حاصل کر کے پھر اس کو گرم کیا جائے یا خالص ابلتے ہوئے پانی کے وہ قطرے جو شبنم کی طرح دیگچی کے ڈھکنے پر رک جاتے ہیں۔ جب اس قسم کے حاصل کئے ہوئے پانی کا درجہ حرارت اعتدال پر آتا ہے تو اس کو ہم خالص پانی کہتے ہیں۔ اس کا مزاج سرد تر ہے، جوں جوں اس میں سردی بڑھتی جاتی ہے اس میں دیگر عناصر بذریعہ ہوا شامل ہو کر اس کو ناخالص کر دیتے ہیں۔ گویا حرارت کا اعتدال پانی کے لطیف ہونے کی بہت حد تک ضمانت ہو سکتا ہے۔

جامد کا خالص پن

جب خالص پانی ایک عرصہ تک بوتل میں پڑا رہے تو اس کے نیچے کوئی شے بیٹھی ہوئی نظر آئے گی۔ یہ پانی کی بالکل ایسی ہی ثقالت اور کثافت ہے، جیسے ہوا میں سردی لگنے سے پانی کی شکل نمودار ہو جاتی ہے۔ یہی جامد کا خالص پن اور مٹی کی لطافت ہے۔ اس کا مزاج ہم سرد خشک رکھتے ہیں۔

لطافت کے افعال واثرات

ہر لطیف شے میں اپنی مناسبت سے حرارت ہوگی۔اس کی حرارت کی وجہ سے اس شے میں ذیل کے خواص پیدا ہو جاتے ہیں:

① ہلکا پن ② خالص پن ③ جلد قابل حل۔

جب کوئی لطیف شے تحقیقات میں ہمارے سامنے آئے گی تو اس کے ساتھ ہی یہ تصورات بھی پیدا ہوں گے اور جب ہم کسی شے میں لطافت پیدا کریں گے تو اس کے ساتھ ہی تصورات ہمارے ذہن میں ہوتے ہیں۔

لطافت کے مدارج

مدارج کے لحاظ سے اگر لطافت کو دیکھا جائے تو ہر تبخیری وسیال اور جامد شے میں ایک بنیادی صورت کے ساتھ جیسا کہ ہم ان تین صورتوں میں بیان کر چکے ہیں ہر صورت میں حرارت کی کمی کے ساتھ ساتھ ان میں لطافت کی کمی پیدا ہو جائے گی۔ جیسا کہ ہم لکھ چکے ہیں لطافت ہمیشہ حرارت کی دلیل ہے۔بس یہی صورتیں ہر تبخیری وسیال اور جامد میں غور سے دیکھیں اور ان کا مزاج مقرر کر دیں۔ اطباء قدیم نے انتہائی لطافت آگ میں پیش کی ہے۔ کیونکہ وہ رگڑ سے پیدا ہو جاتی ہے اور اس کے درمیان کوئی مادہ نہیں ہوتا۔ بس آگ انتہائی لطیف رکن ہے اور اس کی مناسبت سے حرارت انتہائی لطیف شے ہوئی۔ اسی تعلق سے جن اشیاء میں لطافت زیادہ ہوگی اس کو حار کا درجہ دیا جائے۔یہی لطافت کی صحیح تشریح ہے۔

مثال

جب لطافت کے مدارج کو مدنظر رکھتے ہوئے ہم کسی شے کا قوام یا وزن دیکھیں گے تو اس کی تبخیر وسیال اور جامد تینوں صورتیں ہمارے سامنے ہوں گی۔یعنی تبخیری میں اس کے بخارات کس قسم کے ہیں، سیال میں انتہائی رقیق ہے یا لعابی ونیم سیال ہے۔اسی طرح جامد میں انتہائی سخت ہے یا اس کے اجزاء آسانی سے جدا جدا ہو جاتے ہیں۔

اسی طرح وزن کے لحاظ سے بھی جب ہم ایک دوا کا رنگ و بو اور مزا دیکھنے کے بعد جب وزن دیکھیں گے، اگر یہ معلوم ہوا کہ جو قوام و وزن قیاس کے مطابق نہیں ہے تو پھر اس کی لطافت ہی اس قیاس کے لئے ایک راہ نمائی کا باعث بن جاتی ہے۔

کثافت

دوسری کثافت کا تصور لطافت کے بالکل برعکس ہے۔یعنی ایسی شے جو کسی محلول یا جسم انسانی میں داخل کر دی جائے، تو اس سے متاثر ہونے کے فوراً بعد اپنا جسم نہ چھوڑے اور نہ ہی اپنے اجزاء کو چھوڑ کر محلول یا جسم میں حل ہونا شروع ہو جائے۔ گویا اس کی حرارت میں اس قدر کمی ہے کہ وہ اس کو جلد تحلیل نہیں کر سکی۔ گویا کثیف شے بطی التاثیر ہے اور لطیف شے سریع التاثیر ہے اور مناسبت سے سریع الہضم غذاؤں کو غذائے لطیف اور دیر ہضم غذاؤں کو غذائے کثیف کہتے ہیں۔اسی طرح جو اشیاء فضاء میں فوراً تحلیل ہو جاتی ہیں وہ لطیف ہیں جیسے عطر اور دیگر بوئیں وغیرہ اور جو اشیاء فضاء میں تحلیل نہیں ہو سکتیں وہ کثیف ہیں، جیسے تیل وغیرہ۔ یا ایک کثافت کے معنی غلیظ شے ہیں جو لطافت رقیق کے مقابلے میں ہوتی ہے یا ایک کثیف (بوجھل) شے کا لطیف (ہلکی) سے اندازہ کر سکتے ہیں گویا ہر فوراً تحلیل ہونے والی اور اثر کرنے والی رقیق شے لطیف ہوگی اور اس کے برعکس جو شے فوراً تحلیل نہ ہو اور نہ ہی فوراً اثر کرے بلکہ ثقیل ہو وہ کثیف شے ہوگی۔ اس طرح کسی شے کے قوام کو سمجھا جا سکتا ہے۔

اسی طرح دوا کی لطافت اور کثافت کو کسی شے پر لگا کر بھی سمجھا جا سکتا ہے۔ مثلاً وہ اس میں فوراً نفوذ کر جائے یا جسم پر لگا کر یا مالش کر کے بھی اس کے اثرات کو معلوم کیا جا سکتا ہے۔ لطیف شے نہ صرف جسم میں فوراً جذب ہو جاتی ہے بلکہ اس مقام کو گرم کر دیتی ہے اور وہاں پر دورانِ خون تیز ہو جاتا ہے۔ لیکن اس کے مقابلے میں کثیف اشیاء میں یہ اثرات نہیں پائے جاتے۔ بلکہ بعض کثیف اشیاء جسم پر نہ اثر کرتی ہیں، نہ کیفیت پیدا کرتی ہیں۔ باقی رہے ان کے خواص، تو ان کے متعلق قیاس سے معلوم کرتے ہیں کہ ان کا اثر اعصاب پر ہے یا عضلات و غدد پر ہوتا ہے۔

معتدل

(تیسرے) ایسی اشیاء قوام کے لحاظ سے تو لطیف یا کثیف ہوتی ہیں لیکن جب وہ کسی محلول یا دیگر شے یا جسم میں داخل ہوتی ہیں تو اپنے خاص اثرات کے تحت اس کو فوراً متاثر کر دیتی ہیں اور پھر اس کا ایک معتدل قوام بنا دیتی ہیں۔ جیسے جب ترش یا کھاری اشیاء ملتی ہیں تو اوّل ان میں ایک جوش پیدا ہوتا ہے۔ پھر وہ دونوں یک جان ہو جاتی ہیں۔ دوسری مثال جب کوئی ایک شے دوسری شے کے ساتھ ملے تو اس کو آگ لگا دے، جیسے سمندر جھاگ پر اگر لیموں نچوڑ دیا جائے تو اس جگہ آگ سی لگ جاتی ہے۔

تیسری مثال: جب دو ایسی اشیاء آپس میں ملیں تو وہ ایک دوسری کو تحلیل کر کے محلول بنا دیں۔ جیسے نیلا تھوتھا کو سوڈیم فاسفیٹ یا اس طرح کے کسی مرکب سے ملا کر رگڑا جائے تو دونوں باہم محلول ہو جائیں۔

چوتھی مثال: جب کسی بدبودار یا متعفن شے پر کوئی شے ڈالی جائے تو اس کی بدبو اور تعفن فوراً دور ہو جائے، وغیرہ وغیرہ۔

قوام کے مدارج

انہی لطیف و کثیف اور معتدل اشیاء میں مختلف مدارج پائے جاتے ہیں۔ جن کی وجہ سے ہمیں مختلف صورت و شکل کی اشیاء نظر آتی ہیں۔ جیسے: (۱) جامد (۲) نیم جامد (۳) لیسدار (۴) بھربھری (۵) لعابدار (۶) روغنی (۷) بہنے والی، وغیرہ۔

(۱) جامد: ایسی شے جس کے اجزا باہم اکٹھے ہوں اور وہ سیال کی طرح بہنے والی نہ ہو۔ اس میں پتھر اور دھات سے لے کر موم اور گوند تک سب شمار ہوتے ہیں۔ ان میں ہر شے لطافت، کثافت اور معتدل اثرات کی وجہ سے ان کے وزن میں ہلکا اور بھاری پن پیدا ہو جاتا ہے جو ان کے مزاج پر دلالت کرتے ہیں۔

(۲) نیم جامد: ایسی اشیاء جن کے اجزا باہم اکٹھے ہوں مگر آسانی سے الگ ہو سکیں۔ جیسے سلاجیت اور رب وغیرہ۔

(۳) لیسدار: ایسی اشیاء جن کے اجزا آپس میں ایسے ملے ہوئے ہوں جن کو اگر جدا کیا جائے تو وہ پھیل جائیں اور باہم آپس میں جڑے رہیں۔ جیسے گندہ بیروزہ اور شہد وغیرہ جن کو لزج کہتے ہیں۔

(۴) بھربھری: ایسی اشیاء جن کے اجزاء آپس میں اس طرح جڑے ہوں کہ اگر ان پر ذرا سا دباؤ ڈالا جائے تو وہ چھوٹے چھوٹے اجزاء میں ریزہ ریزہ ہو جائے۔ جیسے سقمونیا اور مصبر وغیرہ۔ ان کو ہش کہتے ہیں۔

(۵) لعابدار: ایسی اشیاء جن کے اجزاء باہم ایسے ملے ہوئے ہوں کہ جب ان کو پانی میں ڈالا جائے تو وہ آپس میں جدا ہو کر پانی میں مل جائیں اور اس میں لعاب پیدا کر دیں۔ جیسے گوند اور خطمی وغیرہ۔

(۶) روغنی: ایسی اشیاء جن کے اجزاء آپس میں ایسے ملیں کہ ان میں دہنیت پیدا کر دیں۔ ایسی اشیاء چربی سے لے کر بہنے والے تیلوں

تک پائی جاتی ہیں۔

(۷) **بہنے والی**: ایسی اشیاء جن کے اجزاء باہم ملے ہوئے تو ہوں مگر جامد نہ ہوں اور آسانی سے الگ ہو جائیں اور پھر آسانی سے مل بھی سکیں اور وہ ہر شکل قبول کر لیں۔ جیسے پانی اور دیگر بہنے والی اشیاء۔

اشیاء میں وزن کی کمی بیشی

تحقیقات و تجربات سے یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ جن اشیاء میں حرارت کی زیادتی پائی جاتی ہے ان میں گندھک اور فاسفورس کے اجزاء زیادہ پائے جاتے ہیں۔ ایسی اشیاء وزن میں ہلکی ہوتی ہیں۔ ان کے مقابلے میں جن اشیاء میں مٹی اور چونے کے اجزا زیادہ شامل ہوں ان میں حرارت کی کمی ہوتی ہے۔ اس لئے ان میں وزن زیادہ پایا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پتھریلی اور معدنی اشیاء زیادہ وزنی ہوتی ہیں۔ جیسے سونا، چاندی، پارہ، تانبا، لوہا، سکہ، جست، قلعی، شنگرف، ہڑتال، سم الفار، پتھر کا کوئلہ، دیگر ہر قسم کے حجریات اور جواہرات جن کے اندر بھی چونا زیادہ ہے وہ تمام وزنی ہیں۔ یہاں تک کہ معدنی سیال اشیاء بھی وزنی ہوتی ہیں۔ البتہ جن میں گندھک زیادہ شامل ہوتی ہے وہ ہلکی ہو جاتی ہیں۔

استحالہ

قوام کے بعد خواص الاشیاء کی تحقیق کے لئے دوسری راہ نما حقیقت استحالہ ہے۔ اس کا استدلال بھی قوام کی طرح بے حد حقیقت افزا ہے اور ہمیں بہت حد تک حقیقت کے قریب کر دیتا ہے۔ افسوس کہ جب فن میں نشو و ارتقا رک جاتی ہے اور انحطاط اور گمراہی پیدا ہو جاتی ہے تو صاحب علم و اہل فن کی اکثریت علم و فن میں تحقیق و ترقی چھوڑ کر مجربات کی تلاش اور مجربات فروشی اپنا کمال زندگی سمجھ لیتے ہیں۔

تعریف استحالہ

کسی شے کا ایک حالت سے دوسری حالت میں تبدیل ہونا کیمیا کی اصطلاح میں دو یا دو سے زائد اشیاء کو جب آپس میں ترتیب دیا جائے یا ملایا جائے تو ایک نئی صورت اختیار کر کے اور ایک مختلف شے پیدا ہو جائے جس کا تعلق مناسبت ظاہر میں اپنی پہلی صورت میں قائم نہ رہے، بلکہ حقیقی تبدیلی ہو جاتی ہے۔ کسی شے کے استحالہ سے مراد بھی یہی ہے کہ گرمی و روشنی، ہوا اور پانی یا دو یا زائد چیزوں کو ملانے اور رگڑنے سے اس شے کی ظاہری و باطنی حالت میں تبدیلیاں واقع ہو جائیں۔

ظاہری و حقیقی تبدیلی

کسی شے کی ظاہری تبدیلی کا مقصد یہ ہے کہ اس کے قوام و مزہ اور رنگ و بو میں تبدیلی پیدا ہو جائے۔ لیکن وہ شے اپنی حقیقت پر قائم رہے۔ اسی طرح کسی شے کی حقیقی تبدیلی کا مقصد یہ ہے کہ اس شے کی ماہیت اور عناصر میں تبدیلی پیدا ہو جائے، اس کو ذہن نشین رکھیں۔ قوام و مزہ اور رنگ و بو میں تبدیلی سے ضروری نہیں کہ اس شے کی ماہیت اور عناصر بھی بدل گئے ہیں۔ البتہ اگر یہ چاروں صفات تبدیل ہونے کے ساتھ کسی دوسری شے میں مماثلت پیدا کر لیں تو اس کی ماہیت اور عناصر میں تبدیلی ممکن ہو سکتی ہے لیکن اگر ان چاروں میں سے ایک صفت بھی کم ہو تو ماہیت و عناصر میں مکمل تبدیلی پیدا نہیں ہوتی۔ البتہ وہ شے بن سکتی ہے۔ اس لئے کسی شے کی ماہیت کو ذہن نشین

کرنے کے لئے اس کے عناصر جاننا انتہائی اہم ہے اور ان کی تبدیلی ہی اصل تبدیلی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پیتل باوجود ظاہری رنگ وقوام کے سونا نہیں بن سکتا اور پارہ قوام کی کمی کی وجہ سے چاندی نہیں کہلاتی۔ سونے اور پارہ میں قوام و وزن میں انیس بیس کی کمی سے پارہ سونا نہیں بن سکا۔ یہی صورتیں دیگر اشیاء میں پائی جاتی ہیں۔

عناصر و ماہیت

کیمیا کی اس حقیقت کو کبھی نظر انداز نہیں کرنا چاہئے کہ کسی شے کے عناصر ہی کی ترتیب سے اس کی ماہیت و کیفیت اور جسم بنتا ہے۔ ظاہر طور پر کیفیت و جسم بھی بدلے جاسکتے ہیں لیکن عناصر کی مکمل تبدیلی کے بغیر ماہیت بالکل نہیں بدل سکتی۔ کسی شے کے خواص بالخاصہ کا تعلق اسی ماہیت کے ساتھ ہے۔ ماہیت کے جسم و کیفیت میں قوام و مزہ اور رنگ و بو کی تبدیلیوں سے اس کے بعض اثرات وافعال میں تبدیلی پیدا ہوسکتی ہے مگر ماہیت کے خواص بالخاصہ قائم رہتے ہیں۔

استحالہ پر استدلال

کسی شے کی تبدیلی ظاہری صورت میں جامد و محلول اور بخارات یا اس شے کے جل اُٹھنے کی صورت میں ہوتی ہے یا اس کے برعکس بخارات و محلول اور جامد کی شکل میں ہوگی۔ اوّل صورت کی تبدیلی بغیر حرارت کے ممکن نہیں ہے چاہے وہ حرارت آگ و دھوپ کی ہو یا بجلی یا کسی شے کے اثر کا نتیجہ ہو۔ ہر حال میں حرارت لازمی ہے۔ دوسری صورت میں حرارت کی نفی اور کمی ضروری ہے۔ اس حقیقت سے یہ استدلال بے معنی ہے کہ ہر استحالہ کے لئے حرارت ضروری ہے جو ہر شے کے استحالہ میں حسب ضرورت پائی جائے گی۔ اس طرح کے استحالہ کو تحلیل کہتے ہیں۔

قیاس استحالہ

تحلیل کے استدلال کو سمجھ لینے کے بعد استحالہ کے قیاس کو اس طرح ذہن نشین کریں کہ استحالہ میں صرف تحلیل نہیں ہے بلکہ قوام و مزہ اور رنگ و بو بلکہ دوا کی ماہیت میں کلی یا جزوی طور پر تبدیلی ضرور واقع ہوگی۔ یہ تبدیلی بھی حرارت یا عدم حرارت یا اس کی کمی بیشی کے ساتھ ہوگی۔ مگر اس میں یہ امر لازم ہے کہ اس کے عناصر میں ضرور کمی بیشی پائی جائے گی اور اسی کی مناسبت سے ہم ان اشیاء کو جن میں آگ اور حرارت کا عنصر زیادہ ہوگا۔ وہ اس پر استدلال کرے گا اور یہی صورت عناصر کی بھی ہوگی۔ اسی قیاس کے زیر اثر جب تجربہ کیا جائے گا تو ان اشیاء میں حرارت کے اثرات زیادہ نمایاں ہوں گے۔ یا وہ جلد تحلیل و تبدیل ہو جائے گی یا جلد بھڑک اُٹھے گی جیسے کہ گندھک اور تیل وغیرہ اور جلد تحلیل ہو جاتی ہیں جیسے نمکیات اور شکر کے اقسام وغیرہ۔

اس قیاس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ کون سی شے اپنے اندر حرارت کی زیادتی رکھنے سے جلد اور شدت سے بھڑک اٹھتی ہے یا تحلیل ہوسکتی ہے اور کونسی شے کی حرارت سے جلنے یا تحلیل ہونے میں دیر اور سستی سے عمل میں آتی ہے۔ اسی حرارت کی زیادتی کو یا کمی یا عدم حرارت کو جسم انسان کے اندر بھی اسی تناسب سے سمجھا جاسکتا ہے۔ اس تناسب کو سمجھنے کے بعد مختلف اشیاء کے اثرات کے اندازے مقرر کئے جاسکتے ہیں۔ استحالہ کے ساتھ ہی جب اشیاء کی مقدار اور حجم، لطافت و کثافت اور تخلخل و تکاثف کو بھی مدنظر رکھا جائے اور قوام و مزہ اور رنگ و بو بھی نظر انداز نہ کیا جائے تو حرارت عناصر اور ماہیت شے کی صحیح صورت کا بہت اچھی طرح تعین کیا جاسکتا ہے۔

حرارت غریزی اور استحالہ حرارت

اس امر سے انکار نہیں ہے کہ حرارت غریزی عام حرارت سے ایک مختلف قسم کی حرارت ہے لیکن اس حقیقت سے بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ حرارت عمومی ہر حیثیت سے حرارت غریزی میں تیزی اور معاون کا باعث بن جاتی ہے اور اگر یہ کہا جائے کہ حرارت عمومی کا یہ تعاون حرارت غریزی میں استحالہ کی صورت میں اضافہ کا باعث ہو سکتا ہے تو یہ عمل تحویل کچھ سمجھ میں آتا ہے۔ اگر حرارت کو رطوبت کا مظہر تسلیم کر لیا جائے تو پھر یہ لازماً ماننا پڑے گا کہ وہ اپنے عمل اور تعاون میں مشترک ہو سکتے ہیں۔ اسی طرح حرارت غریزی کی پورے طور پر مدد کی جا سکتی ہے اور انسان ڈکشنری میں داخل ہونے کے لئے اپنے لئے ایک راستہ پا سکتا ہے اور کثافتوں کو دور کر سکتا ہے۔

استحالہ اور کیمیا

استحالہ کا کمال یہ ہے کہ ہر شے کے متعلق یہ پورا علم ہونا چاہئے کہ دو یا دو سے زائد اشیاء کو آپس میں ترتیب دیا جائے یا ملایا جائے ان میں ایسی تبدیلی پیدا ہو کہ وہ ایک نئی صورت اختیار کر لیں اور ایک نئی شے پیدا ہو جائے جس کا تعلق اور مناسبت ظاہر میں پہلی صورت سے قائم نہ رہے بلکہ حقیقت میں تبدیلی واقع ہو جائے۔ یعنی ان کے عناصر اور ماہیت میں بھی تبدیلی واقع ہو جائے۔ جیسے ادنیٰ دھات سے اعلیٰ دھات کا بنانا اور کشتہ جات میں کسی ایک شے کے اثرات کو دوسری میں منتقل کرنا۔ اشیاء کے بخارات اڑا کر ان کی جوہروں میں تبدیلی کی جا سکتی ہے۔ درحقیقت کسی شے کے استحالہ سے مراد بھی یہی ہے کہ گرمی و روشنی، ہوا و پانی یا دو یا دو سے زائد اشیاء کو ملانے اور رگڑنے سے کسی شے کی ظاہری اور باطنی ماہیت و سالت اور صورت میں تبدیلیاں واقع ہو جائیں۔

رنگت سے قیاس

تحقیقات علم الادویہ میں قیاس کے لئے تیسری صورت رنگ ہے۔ یعنی اگر کوئی نامعلوم الخواص دوا سامنے لائی جائے جس کی مخصوص رنگت کو دیکھ کر قیاس کیا جائے کہ اس کا مخصوص رنگ فلاں معلوم الخواص دوا کی رنگت سے ملتا جلتا ہے شاید اس کے خواص بھی اسی معلوم الخواص دوا کے مطابق ہوں۔

طب قدیم میں قیاس رنگت

طب قدیم میں رنگ سے استدلال پیش کرنا تمام قیاسات میں کمزور تصور کیا جاتا ہے۔ اس سلسلے میں قرشی فرماتے ہیں: ''قیاس سے دوا کی قوتیں اور ان کی تاثیرات چند طریق پر معلوم ہوتی ہیں۔ ان تمام باتوں میں سے سب سے زیادہ اور کمزور قیاس وہ ہے جو دوا کی رنگت سے کیا جاتا ہے''۔ اس پر ملا نفیس صاحب فرماتے ہیں: ''کیونکہ ہر ایک میں مختلف اور متضاد افعال و آثار کی دوائیں پائی جاتی ہیں۔ مثلاً چونا، فلفل سفید، خربق سفید (سفید کنکی) یہ سب چیزیں باوجود سفید ہونے کے گرم ہیں۔ اسی طرح کافور، صندل سفید، سفیدہ، یہ سب چیزیں سفید ہونے کے ساتھ سرد ہیں۔ فلفل کی دونوں قسمیں گرم ہیں مگر ایک کا رنگ سیاہ ہے اور دوسری کا سفید۔ اور صندل کی دونوں قسمیں سرد ہیں مگر ایک کا رنگ سیاہ ہے اور دوسرے کا رنگ سفید۔ رنگت کے قیاس کے ضعف کی دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ آنکھوں میں صرف اجسام کی بیرونی اور غالب رنگتیں معلوم ہو سکتی ہیں۔ اندرونی چھپی ہوئی رنگتوں تک اس کی رسائی ہی نہیں ہوتی۔

فرنگی طب میں قیاس رنگت

فرنگی طب میں اوّل تو قیاس کو دخل ہی نہیں ہے۔ وہاں صرف تجربات پر یقین کیا جاتا ہے اور ان تجربات کے تحت جو انسان پر حالت صحت یا حالت مرض میں کئے جاتے ہیں، تین باتیں مدنظر رکھی جاتی ہیں: ① ادویہ کا اعضاء کے افعال پر اثر ② ادویات سے خون کے کیمیائی عناصر میں کمی بیشی ③ ادویہ سے دافع جراثیم اور دافع زہر اثرات۔ لیکن وہ رنگت کو اپنے تجربات میں داخل نہیں کرتی۔ مگر اس امر کو ذہن نشین کر لینا چاہئے کہ طب قدیم صرف قیاس کو یقین درجہ نہیں دیتی۔ البتہ قیاس کو تجربات کی بنیاد اور اساس ضرور بناتی ہے اور یقین اس وقت کرتی ہے جب وہ دوا تجربات پر صحیح اُترتی ہے۔

مزاج اور رنگت

طب قدیم میں رنگت سے مزاج کا تعین کیا جا سکتا ہے۔ یہی اس کا قیاس ہے۔ پھر اس کے تحت اس دوا کے جسم انسانی میں افعال و اثرات اور خواص وفوائد بالا اعضاء اور بالا خلاط معلوم کئے جاتے ہیں۔ جیسے علامہ قرشی لکھتے ہیں: ''لیکن دوا کی رنگت سے اس کے آثار پر استدلال لانے کی صورت یہ ہے کہ سردی سے جسم رطب (تر ی) سفید ہو جاتا ہے اور خشک جسم سیاہ ہو جاتا ہے''۔

اس پر علامہ نفیس فرماتے ہیں ''جسم رطب کے سفید ہونے کی صورت یہ ہے کہ سردی سے اس کے اجزاء کثیف ہو کر اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ جس سے اس کے درمیان کشائش، رخنے اور فضائیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ یہ ہوا سے بھر جاتی ہیں۔ کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ جب کسی جسم کے اجزاء سکڑیں گے تو یقیناً یہ جز دوسرے جز سے الگ ہو جانے پر مجبور ہو گا اور جس جز سے سکڑ کر الگ ہو گا اس کے درمیان رخنہ ضرور پیدا ہو گا۔ اس طرح ان اجزاء کے درمیان رخنہ ضرور پیدا ہو گا۔ اس طرح ان اجزاء کے درمیان سطحیں بکثرت حاصل ہو جائیں گی اور جو روشنی ان اجزاء میں داخل ہو گی اس کا عکس ایک سے دوسرے پر ضرور پڑے گا جیسا کہ برف اور شبنم میں دیکھا جاتا ہے اور خشک جسم کو سیاہ کرنے کی صورت یہ ہے کہ سردی سے اس کے اجزا سمٹ کر سکڑتے ہیں اور ان کی فضاؤں میں جو ہوا اور روشنی ہوتی ہے وہ سکڑنے کی وجہ سے خارج ہو جاتی ہیں۔ جیسا کہ درخت کے پتوں اور کاشت وغیرہ میں ہو جاتا ہے۔

گرمی کا فعل اس بارے میں بالکل برعکس ہے۔ یعنی وہ جسم رطب کو سیاہ کر دیتی ہے اور جسم یابس کو سفید۔ اس کی صورت اس طرح بیان کی گئی ہے کہ حرارت سے جسم رطب کے تر اور شفاف اجزا اڑ جاتے ہیں جن میں روشنی سیدھی یا ترچھی نفوذ کر سکتی ہے اور جس سے جسم میں سفیدی پیدا ہو سکتی ہے۔ جب یہ اجزاء اڑ جاتے ہیں تو صرف کثیف اجزائے ارضیہ باقی رہ جاتے ہیں جن میں روشنی نفوذ نہیں کر سکتی۔ اس لئے یہ جسم سیاہ ہو جاتا ہے۔ لیکن جب خشک جسم پر حرارت اثر کرتی ہے تو رطوبت کے زائل ہو جانے کی وجہ سے اس کے اجزا ٹوٹ جاتے ہیں اور ان کے درمیان فضائیں اور کشائشیں پیدا ہو جاتی ہیں جن کے اندر ہوا سما جاتی ہے اور ہوا کی وجہ سے ان میں روشنی نفوذ کرنے لگتی ہے جس کا عکس ایک جز سے دوسرے جز پر پڑتا ہے اور جسم میں سفیدی پیدا ہو جاتی ہے''۔

جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس کی حقیقت سے انکار نہیں۔ غور کرنے پر اس میں بہت سے اسرار و رموز حاصل ہوتے ہیں۔ لیکن یہ سب کچھ صرف سفید اور سیاہ رنگ کے متعلق بیان کیا گیا ہے اور صرف سردی، گرمی اور تری و خشکی کے کیفیاتی اثرات لکھے گئے ہیں اور مرکب مزاجوں کو بیان نہیں کیا گیا۔ یہ بھی جاننا چاہئے کہ سفیدی اور سیاہی کے درمیان اور بھی بہت سے رنگ ہیں جو مرکب مزاجوں سے پیدا ہوتے ہیں۔

رنگوں کی زبان

جاننا چاہئے کہ رنگوں کی ایک اپنی زبان ہے جب تک اس پر عبور نہ ہو تو اس وقت تک ان کو دیکھ کر کسی دوا، غذا اور شے پر نہ کوئی حکم لگایا جا سکتا ہے اور نہ ہی ان کے افعال و اثرات اور خواص و فوائد کے متعلق قیاس کیا جا سکتا ہے۔ رنگوں کی زبان بھی بے حد دلچسپ ہے، ایک طرف تو کسی دوا و غذا کی طرف قیاس کیا جاتا ہے، دوسری طرف مریض کے جسم و شکل اور بول و براز کی رنگت کو دیکھ کر اس کی تشخیص آسانی کے ساتھ کی جا سکتی ہے۔ اس زبان کو جاننا ہر حکیم کے لئے از حد ضروری ہے۔

اصل رنگ تین ہیں

ویسے ہمیں بے شمار رنگ نظر آتے ہیں اور ہر شے مختلف رنگوں سے رنگین نظر آتی ہے۔ انسان حیران ہوتا ہے کہ قدرت نے اس کائنات اور زندگی کو فطرت کے کیسے کیسے رنگوں سے رنگا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ کل رنگ صرف تین ہیں اور باقی یہ ہزاروں رنگ جو نظر آتے ہیں انہی تین رنگوں کی جمع، تفریق، ضرب اور تقسیم ہیں۔ یہ تین رنگ نیلا، پیلا اور سرخ ہیں۔

تین رنگوں کے امتزاج سے سات رنگ

جب ان تین رنگوں کو اس طرح ساتھ ساتھ رکھا جائے کہ اگر ان میں روشنی ڈالی جائے تو ان کی شعائیں ایک دوسرے رنگ پر پڑیں تو ان میں اور رنگ پیدا ہو جائیں گے اور وہ تعداد میں سات معلوم ہوں گے۔ اس کا تجربہ منشور شیشہ سے بھی کیا جا سکتا ہے۔ جب منشور شیشہ کو دھوپ کے سامنے کیا جائے تو اس کے سرے پر سات رنگ ساتھ ساتھ نظر آئیں گے۔

اسی طرح تجربہ، بارش کے بعد آسمان پر دیکھنے سے کیا جا سکتا ہے جہاں قوس قزح اپنے سات ملے ہوئے رنگوں میں نظر آئے گی۔ اسی طرح ایک قطرہ پانی کو احتیاط سے سورج کی شعاعوں کے سامنے کیا جائے تو وہاں بھی سات رنگ آسانی سے دیکھے جا سکتے ہیں جو بنفشی، سرخ، نارنجی، پیلا، سبز، نیلا اور آسمانی ہیں۔

سفید اور سیاہ رنگ

سفید رنگ کوئی نہیں ہے بلکہ انہی سات رنگوں کے صحیح تناسب سے پیدا ہو جاتا ہے۔ گویا سات رنگوں کا امتزاجی مجموعہ ہے یا یوں سمجھ لیں کہ ساتوں رنگ ایک انداز کے ساتھ اس سفید رنگ سے پیدا ہوئے۔ اگر سفید رنگ کو نور کہا جائے تو تسلیم کرنا پڑے گا کہ یہ سات رنگ اس نور واحدانیت کی شعاعوں کا سایہ ہیں۔ لیبارٹری میں بھی یہ تجربات کئے گئے ہیں۔ یعنی اگر متناسب سات رنگوں کے شیشوں کو آگے پیچھے رکھ کر روشنی ڈالی جائے تو دوسری طرف دیوار پر سفید رنگ نظر آتا ہے اور اگر ایک شیشہ بھی نکال دیا جائے تو پھر دیوار پر سفید کی بجائے کوئی اور رنگ ہوگا۔ سیاہ رنگ بھی سات رنگوں کا مجموعہ ہے لیکن اس میں کوئی انداز اور تناسب نہ ہونے کی وجہ سے وہ سیاہ ہو گیا ہے، حقیقت یہ ہے کہ سفید اور سیاہ دونوں رنگ صحیح معنوں میں حق و باطل پر دلالت کرتے ہیں۔

رنگوں کے اثرات

سفیدی جو نور کا رنگ ہے سات رنگوں کا مجموعہ ہے۔ جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے اس کے بعد جو رنگ ہم کو نظر آتا ہے وہ آسمانی رنگ ہے۔ آسمانی وسعتوں کے ساتھ اس کی کثرت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ اس کی اہمیت کا صحیح اندازہ وہی لوگ کر سکتے ہیں جنہوں نے کبھی

سمندری سفر کیا ہو۔ جہاں اوپر آسمان اور نیچے پانی میں ہر طرف یہی رنگ نظر آتا ہے۔ اسی طرح اگر گرتی ہوئی بارش کی طرف دیکھا جائے تو اس کا رنگ بھی آسمانی ہی نظر آتا ہے۔

آسمانی رنگ کی حقیقت

دراصل آسمان کا رنگ آسمانی نہیں بلکہ اس کی وسعت نے اس کا یہ رنگ پیدا کر دیا ہے۔ دوسرے زمین سے جو ابخرات و دھواں اور دیگر گرد و غبار آسمان کی طرف چڑھتے ہیں وہ سفیدی یا سایہ بن جاتے ہیں اور اس میں یہ آسمانی رنگ پیدا ہو جاتا ہے جیسے سمندر کا رنگ ہے۔ جن لوگوں کو سمندر دیکھنے کا تجربہ ہوا ہے وہ اس کا صحیح اندازہ لگا سکتے ہیں۔ یعنی جب سمندر کی طرف دیکھا جائے تو اس کا رنگ نیلا آسمانی نظر آتا ہے لیکن جب اس کے پانی کو ہاتھ یا کسی برتن میں بھرا جائے تو بالکل سفید نظر آتا ہے۔ اس سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ سمندر کے پانی کا اصل رنگ یہ نہیں ہے بلکہ یہ اس کی وسعت کا رنگ ہے۔ اصل میں سطحی نگاہ کے لئے یہ ایک خوبصورت دھوکا ہے۔ یہی قیاس آسمان کی وسعتوں پر بھی کیا جا سکتا ہے۔ آسمان کو قرآن حکیم نے دخان لکھا ہے۔ دھوئیں کا رنگ بھی آسمانی ہے۔ گویا یہ گرد و غبار اور دھواں وابخرات ہی ہیں جو آسمان کی طرح نظر آتے ہیں اور بادلوں کے آنے جانے اور کمی بیشی کے باعث بارش کے ہونے اور نہ ہونے سے اس کا پورا اندازہ ہوتا رہتا ہے۔

آسمان کیا ہے؟

آسمان کے اس دخانی تصور کے بعد اگر اس پر غور کیا جائے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک ایثر ہے۔ یعنی ایسا غیر جامد سیاہی مائل مادہ جس میں انتہائی نورانی لطافت اور بے تکلف حرکت ہے جو اس دُنیا کے ہر جسم سے بے تکلف گزر جاتا ہے۔ جیسے قرآن حکیم میں فرمایا گیا:

﴿ اَوْ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ فِيْهِ ظُلُمٰتٌ وَّ رَعْدٌ وَّ بَرْقٌ ﴾

''یا بارش جو آسمان سے ہوتی ہے جس میں سیاہی (کڑک اور بجلی) ہے''۔

ایثر (ایتھر) کی لطافت کا اندازہ ایکس ریز کی لطافت سے لگالیں کہ ایثر کی شعائیں اس کی شعاعوں سے بھی لطیف ہوتی ہی۔ ایثر میں ذاتی حرکت اس کے نورانی (برقی) اثرات کی وجہ سے ہے۔ جیسے سمندر کے پانی میں اس کی ذاتی حرکت اس کے نورانی (برقی) اثرات کی وجہ سے ہے۔ اب سائنس نے ثابت کر دیا ہے کہ پانی جو ہائیڈروجن اور آکسیجن کا مرکب ہے اس میں زبردست برقی قوت ہے اور ہائیڈروجن بم اسی سے بنا ہے۔ اگر ان حقائق کو مدنظر رکھا جائے اور قرآن حکیم کی اس حقیقت پر غور کیا جائے کہ عرش پانی پر ہے تو بہت سے لطیف حقائق ذہن پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ ہم نے یہ سب کچھ اس لئے بیان کیا ہے کہ یہ بات سمجھ لی جائے کہ پانی کا ہر قطرہ اپنے اندر کس قدر قوت رکھتا ہے اور آئندہ اس میں کیا غیر معمولی تغیرات ہوتے ہیں۔

آسمانی رنگ کے اثرات

کیفیت و مزاج اور ذائقہ میں معتدل پانی کے متعلق طب قدیم نے اس کو سرد تر اور بے ذائقہ کہا ہے اور تقریباً یہی اثرات ماڈرن سائنس بھی تسلیم کرتی ہے۔ جہاں تک مزاجاً سرد تر ہونے کا تعلق ہے اس کا وہ اظہار الکلی (کھار) سے کرتی ہے یعنی اس میں تیزابیت (Acidity) نہیں ہے۔ یہاں پر یہ حقیقت ذہن نشین کر لیں کہ کھار کی یہ خاصیت ہے کہ اندرونی اور بیرونی طور پر جب اس کا کسی قسم کا جسم پر اثر ہوتا ہے وہاں پر رطوبت و تری پیدا کر دیتی ہے اور رطوبت و تری کا خاصہ ہے کہ وہ سردی میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ کھار کی دوسری بڑی

خاصیت یہ ہے کہ وہ ترشی اور تیزابیت کو معتدل اور تحلیل کرتی ہے۔ انگریزی میں اس کو نیوٹرل کہتے ہیں۔ کھار کا تیسرا اثر اعصاب کو تحریک دینا ہے۔ جس کے ساتھ غدد میں تحلیل اور عضلات میں سکون پیدا ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ اسی نظریہ کے تحت تپ دق وسل (ٹی بی) کا وہ اکسیر نسخہ تیار کیا گیا ہے جس میں شدید کھار ''آک'' کو شامل کیا گیا ہے۔

پانی اور کھار

دریاؤں اور بڑی نہروں کے کنارے عام طور پر زمین شور ہوتی ہے، یا شور مادہ زیادہ پایا جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب پانی زمین کو اندر کی طرف سے یا باہر کی طرف سے اثر کرتا ہے تو اس مٹی میں خمیر پیدا ہو کر یہ شور پیدا ہو جاتا ہے، یہ شور مٹی یا اس سے تیار کیا ہوا شورہ قلمی اپنے اندر کھاری شدہ اثرات رکھتے ہیں۔ ظاہر میں تو ان کا رنگ سفید معلوم ہوتا ہے لیکن اگر بغور دیکھا جائے تو سفیدی میں ہلکی آسمانی جھلک پائی جاتی ہے۔ یہی آسمانی جھلک پانی کی گہرائی میں نظر آتی ہے اور اس کو سفیدی سے جدا کرتی ہے۔ لیکن شدید قسم کی کھاروں کا رنگ گہرا آسمانی یا سیاہی مائل ہوتا ہے۔ جیسے کھار بجی وغیرہ۔ ان حقائق سے ثابت ہوا کہ کھار یا کھارے اور آسمانی رنگ کی ادویات رطوبت اور تری پیدا کرتی ہیں اور رطوبت کی زیادتی سردی میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ مثلاً ہر قسم کی راکھ (پوٹاس)، شورہ قلمی اور سہاگہ وغیرہ۔

آسمانی رنگ میں وسعت

آسمانی رنگ کو اگر وسعت دے دی جائے تو یہ نیلے اور سیاہ رنگ تک چلا جاتا ہے۔ لیکن اس نیلے اور سیاہ رنگ میں ہر صورت سفیدی نمایاں ہوگی اور اپنے افعال واثرات کے لئے وہ انہی خواص اور فوائد پر دلالت کرے گا۔ گویا آسمانی و نیلا اور سیاہی مائل رنگ، سکون کی طرف دلالت کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جو لوگ ان رنگوں کے کپڑے یا چشمے استعمال کرتے ہیں وہ سکون کے طلب گار ہیں۔ یہاں یہ حقیقت ذہن نشین کر لیں جو لوگ ہر وقت اور ہر روز ہر گھڑی اپنے ماحول میں یہ رنگ استعمال کرتے ہیں جیسے کمرے میں یہی رنگ و روغن اسی رنگ کے پردے اور میچنگ کے لئے بستر کی چادریں، تکیہ کے غلاف اور میز پوش اور قالین وغیرہ تو تھوڑے عرصہ میں ان کے جسم اور مزاج میں رطوبت اور برودت پیدا ہو جاتی ہے۔ ان کے ہاضمے خراب، زکام کی عادت اور پیشاب میں زیادتی شروع ہو جاتی ہے۔ اور تھوڑے عرصہ کے بعد ان پر ملیریا جیسا اثر پیدا ہو جاتا ہے۔ ایسے لوگوں میں اگر یہ علامات پیدا ہو جائیں تو فوراً اس رنگ کو اس کے اگلے رنگ میں تبدیل کر لینا چاہئے۔

رنگوں میں نشو و ارتقاء

رنگ دراصل تین ہیں، جیسا کہ لکھا جا چکا ہے۔ لیکن میری تحقیق یہ ہے کہ یہ تینوں رنگ الگ الگ ابتدائی رنگ نہیں ہیں، بلکہ تینوں نشو و ارتقاء سے پیدا ہوئے ہیں۔ جیسا کہ آسمانی رنگ پانی میں گہرائی یا ہلکے خمیر سے پیدا ہوتا ہے۔ اسی طرح جب آسمانی اور نیلے رنگ میں خمیر پیدا ہوتا ہے اور اس میں کچھ تیزی اور ترشی بڑھتی ہے اور رنگ میں نیلا رنگ سرخی مائل ہونا شروع ہو جاتا ہے جیسے جامن رنگ، کاسنی رنگ، ارغوانی رنگ، فاختائی رنگ اور نسواری رنگ وغیرہ۔ اس رنگ کو کھار اور ترشی میں معتدل سمجھا جا سکتا ہے۔ البتہ اس رنگ میں نیلاہٹ اور سرخی جو بھی زائد ہو تو اس کو زیادتی سمجھنی چاہئے تاکہ اشیاء کے مزاج اور درجے قائم کرنے میں سہولت پیدا ہو جائے اس کے تقریباً معتدل رنگ کو ارغوانی کہا جاتا ہے۔ اس کے اثرات وافعال میں رطوبات میں جو ترشی پیدا ہو جاتی ہے، وہ اس میں خشکی پیدا کرنا شروع کر دیتی ہے۔ گویا کھار پن میں معتدل پن پیدا ہونے کے ساتھ اس میں خشکی پیدا ہو جاتی ہے۔ اس طرح اس کا اثر اعصابی تحریک سے بدل کر

عضلاتی تحریک کی طرف آ جاتا ہے، البتہ رطوبت کی پیدائش ختم نہیں ہوتی جو اس کے نیلے پن کا اثر اور خاصہ ہے۔ اس طرح جسم میں سردی تری کے مزاج کی بجائے سردی خشکی پیدا ہو جاتی ہے۔ یعنی مشینی و فعلی طور پر عضلات میں تحریک اور مادہ میں جلد خشکی پیدا ہونی شروع ہو جاتی ہے اور کیمیائی طور پر جسم میں رطوبت بھی رہتی ہے اور کچھ کچھ اس کی پیدائش بھی رہتی ہے۔

سرخ رنگ کی حقیقت

تین مستقل رنگوں میں دوسرا رنگ سرخ ہے جو نیلے رنگ کی ترقی یافتہ صورت ہے جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ نیلا رنگ دراصل سفید رنگ، جو نور کا رنگ ہے (حقیقت میں سفیدی کو رنگ کہنا مناسب نہیں ہے یہ صرف مجازاً کہا جاتا ہے۔ نور ہر رنگ سے آزاد ہے۔) اس کی منفی صورت ہے۔ یعنی جب نیلے رنگ کی کسی شے میں خمیر پیدا ہوتا ہے تو اس میں سرخی پیدا ہو جاتی ہے۔ جس کی ابتدائی تبدیلی ارغوانی و کاسنی اور فاختائی رنگ ہیں۔

جس طرح نور ظاہرہ ہر رنگ سے خالی ہے، اسی طرح وہ ہر قسم کے ذائقے اور بو سے خالی ہے۔ ہم لکھ چکے ہیں کہ نیلے رنگ کا مزاج سرد تر ہے اور ذائقے میں کھاری ہے۔ جب اس رنگ کی کسی شئے میں خمیر پیدا ہوتا ہے تو اس میں ترشی پیدا ہو جاتی ہے اور اس کی رنگت نیلے پن سے سرخی میں تبدیل ہو جاتی ہے۔

یہ امر یاد رکھیں کہ ہمیشہ خمیر سے ترشی پیدا ہو جاتی ہے اور خمیر بغیر حرارت کے کبھی پیدا نہیں ہو سکتا۔ یہ حرارت کبھی باہر سے اثر کرتی ہے اور کبھی اس شے کے اندر ہی سے فساد یا تعفن پیدا ہو جاتا ہے جو حرارت کا کام کرتا ہے۔

سرخ رنگ کی وسعت

آسمانی اور نیلے رنگ کے بعد زندگی اور کائنات ہر طرح کسی شکل و صورت میں کمی بیشی کے ساتھ اصل حالت میں یا مرکب صورت میں سرخ رنگ نظر آتا ہے۔ قوس قزح کا تو یہ جز ہے لیکن شفق کی سرخی صبح و شام آسمان کو ڈھانپ لیتی ہے۔ پودوں اور درختوں کی لکڑی میں سرخی کے ساتھ ان کے پھولوں میں سرخی۔ مختلف علاقوں میں جہاں پر ایک خاص انداز کی آب و ہوا ہوتی ہے وہاں کی زمین اور مٹی سرخ رنگ قبول کر لیتی ہے۔ بعض علاقوں کے انسان شکلاً سرخ رنگ کے ہیں اور سرخ کہلاتے ہیں جیسے ریڈ انڈین جو امریکہ کے اصلی اور قدیم باشندے ہیں۔ اسی طرح کیڑے مکوڑوں اور سانپ بچھوؤں سے لے کر حیوانات و درندوں اور چرندوں و پرندوں میں سرخ رنگ نمایاں نظر آتا ہے اور ان سب میں مزاجاً مماثلت پائی جاتی ہے۔ یعنی ان کے مزاج میں بڑی تیزی، ترشی، حیوانیت اور وحشت کا غلبہ ہوتا ہے۔ مثلاً چیل سے لے کر شاہباز تک، سرخ چیونٹیوں سے لے کر سرخ سانپ اور بچھو تک۔ اسی طرح لومڑ سے لے کر بھیڑیے اور سرخ ریچھ تک اپنے اندر ایک خاص خصلت رکھتے ہیں۔ یہی صورت ہمیں سبزیوں، اناجوں اور پھلوں پھولوں میں نظر آتی ہے۔ مثلاً سبزیوں میں ٹماٹر، چقندر، اناجوں میں مکی اور سرخ گندم، پھلوں میں کھجور و مالٹا اور سرخ انار، پھولوں میں گلاب، گل انار وغیرہ اپنے اندر حسن و خوبصورتی کے ساتھ تیزی و ترشی رکھتے ہیں۔ اسی مناسبت کو سامنے رکھیں اور دیکھیں کہ سرخ رنگ کے آم اور خربوزے کبھی میٹھے نہیں ہوتے، ترش ہوتے ہیں۔ کھجور بھی سرخ رنگ کی خشک اور پھیکی ہوتی ہے۔

جن لوگوں کو ان باتوں میں غور و فکر کا شوق ہے وہ ہر شے کا ذرا ذرا فرق سمجھ لیتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ہر شے خود بولتی ہے کہ اس میں فلاں خواص اور فوائد ہیں۔ البتہ ان کی زبان سمجھنا شرط ہے۔

سرخی کیا ہے؟

اگر کسی سرخ رنگ کی شے کا تجزیہ کیا جائے تو اس میں ترشی، تیزی، خشکی وقوت کی کیفیات اثرات اور افعال پائے جائیں گے اور جن اشیاء میں سرخی پائی جاتی ہے عناصر کے لحاظ سے ان میں فولاد زیادہ پایا جاتا ہے اور فولاد حقیقت میں مٹی کی ترقی یافتہ صورت ہے جو پتھر یا چونے سے ترقی کر کے مناسب حرارت اور مدت کے بعد لوہے کی شکل اختیار کر گیا ہے۔ انسانی ہڈیوں میں جو گودا ہوتا ہے اس کا فعل بھی یہ ہے کہ وہ انسان کی ضرورت کے لئے فولاد تیار کرتا رہتا ہے جو خون میں شامل ہو کر اس کو سرخی بخشتا ہے۔

عنصری شکل میں یہی سرخی محلول کی صورت اختیار کر لیتی ہے تو ہمیں خون کی شکل میں نظر آتی ہے جو کم وبیش دُنیا کے ہر جاندار کے نہ صرف بدن میں دوڑتا ہے بلکہ اس کی غذا بنتا ہے یعنی ایک طرف یہ سرخ رنگ فولاد کی عنصری قوت میں جمادات اور نباتات میں پایا جاتا ہے، دوسری طرف حیوانی زندگی میں اسرارِ حیات بن جاتا ہے۔ سرخ شے کی اہمیت کو اس طرح سمجھ لیں کہ نور نے اگر کائنات کو آسمانی رنگ دیا ہے تو زندگی کو سرخ رنگ سے حیات بخشی ہے۔ گویا قوت کے ساتھ زندگی سرخ رنگ پر قائم کی گئی ہے۔

خون کا جب تجزیہ کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ اس میں جب اچھی حالت ہوتی ہے تو کثرت سے سرخ ذرّات کے ساتھ اس میں ریاح (گیسز) اور حرارت (ہیٹ) پائی جاتی ہے۔ ان گیسز میں ایک گیس آکسیجن (نسیم) بھی ہوتی ہے جس کے افعال واثرات میں حرارت کو دخل زیادہ ہے۔ خون میں اس سرخ مادے کی خاصیت یہ ہے کہ پھیپھڑوں کے کے ذریعے اس کو جذب کرتی رہتی ہے جو جسم کی تعمیر میں خرچ ہوتی ہے اور اس کے خرچ ہونے یا جل جانے کے بعد جسم میں کاربن (دخان) کی پیدائش بڑھ جاتی ہے۔ گویا آکسیجن وکاربن اور سرخی کا آپس میں گہرا تعلق ہے اور ہر جگہ یہ تینوں چیزیں دیگر عناصر کے ساتھ اکٹھی نظر آتی ہیں۔ چونکہ ہوا زندگی کا ایک انتہائی اہم جز ہے۔ اس لیے یہ تینوں چیزیں اس میں کثرت سے نظر آتی ہیں۔ بلکہ ماڈرن سائنس کے ماہرین نے صاف ہوا کو سرخ رنگ سے ظاہر کیا ہے۔ گویا پانی کو قدرت نے اگر نیلے رنگ کی علامت بخشی ہے تو ہوا کو سرخ رنگ کی علامت دے دی ہے۔ اگرچہ ہوا کا دائرہ پانی سے زیادہ وسیع ہے اور پانی کی پیدائش کو ہوا کے بعد تسلیم کیا گیا ہے لیکن سرخ رنگ کی پیدائش نیلے رنگ سے عمل میں آتی ہے۔

جس طرح کسی مقام کی حرارت کے ایک خاص تناسب سے وہاں کی مٹی سرخ ہو جاتی ہے، اسی طرح جب مٹی کی اینٹوں کو آگ کے ایک خاص تناسب سے پکایا جائے تو اس کا رنگ بھی سرخ ہو جاتا ہے، اگر اینٹ زیادہ پختہ ہو جائے تو اس میں زردی یا سیاہی اور بعض دفعہ چمک بھی پیدا ہو جاتی ہے۔ اسی چمک نے انسان کو اینٹ سے شیشہ بنانے کی طرف راہبری کی ہے۔ ان امور اور حقائق سے ثابت ہوا کہ نیلے رنگ کے بعد زیادہ سرخ رنگ پایا جاتا ہے۔

سرخ رنگ کے اثرات

سرخ زمین کے رہنے والے انسانوں کے مزاج میں جس طرح سرخ رنگ کے اثرات غالب ہوتے ہیں اسی طرح جن اعضاء کی غذا خون کی سرخی ہے، ان کے مزاج اور بناوٹ میں سرخی غالب ہے۔ جیسے قلب اور عضلات (گوشت) کا رنگ سرخ ہے۔ جو قومیں گوشت کھاتی ہیں ان پر اس کا زبردست اثر ہوتا ہے۔ اس لئے مسلسل گوشت کھانے کی مناہی آئی ہے۔ البتہ گوشت کو سید الطعام کہا گیا ہے۔ اس لئے اسلام میں حرام گوشت کے کھانے سے انسان کو منع کیا گیا ہے کیونکہ اس میں خمیر اور تعفن پیدا ہو چکا ہوتا ہے اور وہ باعث فساد ہے۔ کثرت سے گوشت کھانے سے جسم میں تیزابیت بڑھ جاتی ہے، گردے سکڑ جاتے ہیں، خون کا دباؤ بڑھ جاتا ہے، فالج ہو جاتا ہے، دیگر

رنگوں کی طرح سرخ رنگ بھی اندرونی اور بیرونی دونوں صورتوں میں زندگی پر اثر انداز ہوتا ہے۔ سرخ رنگ کے دیکھنے سے مسرت ولذت اور قوت وجذبہ میں شدت پیدا ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خوشی کے لئے سرخ رنگ مقرر کیا گیا ہے۔ دلہنوں کے رخساروں اور ہونٹوں کو سرخی سے سجایا جاتا ہے۔ ہاتھوں پر مہندی لگائی جاتی ہے۔ سرخ جوڑا پہنایا جاتا ہے۔ اس سے جہاں ایک طرف مسرت اور جذبہ میں شدت کا اظہار ہے وہاں دوسری طرف دلہا اور دلہن کی لذت وقوت میں بیداری ہے۔

یہ بات یادرکھیں کہ جولوگ سرخ رنگ دِل سے زیادہ پسند کرتے یا استعمال کرتے ہیں ان میں جہاں لذت ومسرت کا جذبہ شدید ہوتا ہے وہاں پر ان میں قوت وخواہشات کی طلب زیادہ ہوتی ہے۔ اگر اس میں ضرورت سے زیادہ زیادتی پیدا ہو جائے تو اس رنگ کی طلب ختم ہو جاتی ہے۔ یہ جذبات تشخیص میں نمایاں مدد کرتے ہیں۔

گوشت کے بعد انسان جس سرخ رنگ کی شے کو زیادہ کھاتا ہے وہ مرچیں ہیں جن میں سرخی کی تمام خصوصیات پورے جوبن کے ساتھ پائی جاتی ہیں۔ عرب ممالک میں مرچوں کے مقابل کھجوریں یا اس سے بنے ہوئے کھانے کھائے جاتے ہیں جو مرچوں کی نسبت زیادہ مقوی ہوتے ہیں۔ یہی حال ان ادویات کا ہے جن کا رنگ سرخ ہے اور جن کی فہرست بہت طویل ہے۔

زرد رنگ کی حقیقت

نیلے اور سرخ رنگوں کی حقیقت ہم بیان کر چکے ہیں۔ تیسرا رنگ زرد ہے۔ جس طرح سرخ رنگ کو ہم ثابت کر چکے ہیں کہ وہ نیلے رنگ کی ترقی یافتہ صورت ہے بالکل اسی طرح زرد رنگ بھی سرخ رنگ کی ترقی یافتہ صورت ہے۔ گویا زرد رنگ دراصل سرخ رنگ سے بالکل ایسے ہی پیدا ہوتا ہے جیسے سرخ رنگ کائنات میں نیلے رنگ سے پیدا ہوتا ہے۔ جب یہ تینوں دو دو رنگ دو دو کی صورت میں ملتے ہیں تو سات رنگ بن جاتے ہیں۔ جن کے باہم حقیقی اتصال سے پھر سفید رنگ پیدا ہو جاتا ہے جو نور کا رنگ ہے۔

جس طرح نیلے رنگ میں خمیر پیدا ہو کر سرخ رنگ بن جاتا ہے بالکل اسی طرح جب سرخ رنگ میں خمیر پیدا ہوتا ہے تو اس میں سرخی ختم ہونا شروع ہو جاتی ہے اور زرد رنگ نمودار ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ ہم لکھ چکے ہیں کہ **نیلے رنگ کا مزاج سردتر اور ذائقہ کھاری ہے، اور سرخ رنگ کا مزاج سردخشک اور ذائقہ ترش ہوتا ہے۔ اور زرد رنگ کا مزاج گرم خشک ہے اور ذائقہ خام حالت میں تلخ اور پختگی میں شیریں ہوتا ہے۔**

یادرکھیں کہ ایک رنگ جب دوسرے میں تبدیل ہوتا ہے تو اس میں پہلے خمیر پیدا ہوتا ہے۔ یہ بغیر حرارت کے کبھی پیدا نہیں ہوتا۔ کبھی بیرونی حرارت اثر کرتی ہے اور کبھی اندرونی مواد میں ہی فساد وتعفن پیدا ہو کر حرارت پیدا ہو جاتی ہے اور رنگت میں تبدیلی پیدا ہونا شروع ہو جاتی ہے۔

زرد رنگ کی وسعت

کائنات میں نیلا رنگ بہت زیادہ پایا جاتا ہے کیونکہ پانی کا رنگ نیلا ہے اور یہی زمین وآسمان میں پھیلا ہوا ہے۔ چونکہ دُنیا میں پانی کی وسعت زیادہ ہے اور یہی اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے اس لئے نیلے رنگ کی کثرت ہے۔ نیلے رنگ کے بعد سرخ رنگ کی کثرت ہے جو اُفق کی سرخی اور قوس قزح کے بعد سورج کی حدت سے موالید ثلاثہ میں نظر آتا ہے۔ خاص طور پر پھلوں، پھولوں اور درخت پودوں میں زیادہ نظر آتا ہے۔ چونکہ سرخ رنگ زندگی کا اہم جزو ہے، اس لئے انسان، حیوان، چرند اور پرند کے خون کا رنگ بھی سرخ بنایا گیا ہے۔ اس

لئے سرخ رنگ طاقت اور خوشی کی علامت قرار دیا گیا ہے۔ اس لئے ہوا کا رنگ سرخ تسلیم کیا گیا ہے۔ یہی خون میں سرخی قائم رکھتی ہے زرد رنگ کائنات میں نیلے اور سرخ رنگ سے بہت کم ہے۔ زرد رنگ زیادہ تر اس وقت نظر آتا ہے جب سورج شفق سے باہر اُفق پر جھانکتا ہے یا کسی جگہ پر آگ کے شعلے بلند ہو رہے ہوں۔ یہی آگ ہم گھروں میں بھی دیکھتے ہیں، ہم اس کی حرارت وحدت اور سوزش سے خوب واقف ہیں۔ اسی رنگ کی مناسبت سے ہم جب کسی زرد شے کو دیکھتے ہیں تو اس میں یہی حرارت وحدت اور سوزش کا تصور فوراً ذہن میں پیدا ہوتا ہے۔ مثلاً تخم سرخ مرچ، ادرک اور ہلدی وغیرہ۔

اسی طرح بعض اقسام کی مٹی کو زرد دیکھتے ہیں جیسے پیلی مٹی یا گاچنی مٹی کہتے ہیں۔ جس زمین پر مٹی پیدا ہوتی ہے یقیناً وہاں پر سخت گرمی ہوتی ہے۔ اسی لئے ایسے ملک میں بھی جہاں کے باشندے زرد رنگ کے ہوتے ہیں، جیسے چین کے لوگ اور ان سے کم عرب کے لوگ۔ پاکستان میں ملتان، بہاولپور اور ڈیرہ غازی خان، ڈیرہ اسماعیل خان تک اکثریت زرد رنگ کے لوگوں کی ہے۔ درختوں کے خشک ہونے کے بعد ان میں زردی پیدا ہو جاتی ہے۔ لکڑی جس قدر زیادہ خشک ہوتی ہے اسی قدر تیزی سے جلتی ہے۔ یہ حرارت کی علامت ہے۔ گرم درختوں کے پھول زرد رنگ کے ہوتے ہیں، جیسے آم اور کھجور اور جب کسی درخت کے پھل پختہ ہو جاتے ہیں تو وہ زرد رنگ قبول کر لیتے ہیں۔ جیسے کھجور، انگور، آم، امرود، انار، ناگ پوری سنگترہ، سیب اور کیلا وغیرہ۔

ان پھلوں کے خام اور پختہ میں خواص کے مطابق وہی فرق ہے جو ان کے رنگ میں ہے۔ جو تربوز اور خربوزہ باہر سے مناسب زرد ہو وہ شیریں ہوا کرتا ہے۔ اسی طرح جانوروں میں بھیڑ بکری سے لے کر گائے اور بھینس کے گھی اور چربی کو دیکھ لیں، مزاج کا نمایاں اثر ہوتا ہے۔ پرندوں میں مرغیوں کے رنگ سے لے کر تیتر اور بٹیر تک اور ان کے انڈوں کی زردی خاص طور پر حرارت پر دلالت کرتی ہے۔ درندوں میں چیتا، شیر اور بھورا ریچھ اپنے اندر حرارت اور حدت کی انتہا رکھتے ہیں۔ یہی اثر کم و بیش موالید ثلاثہ خصوصاً انسان میں پایا جاتا ہے۔ جب انسان کے خون کا تجزیہ کیا جاتا ہے تو اس میں صفرا زردی اور بائل کا ایک خاص تناسب ہوتا ہے۔ اور اسی کو حرارت اور حدت پر خون کا مزاج قائم ہے۔ جب اس میں کمی بیشی پیدا ہوتی ہے تو امراض پیدا ہو جاتے ہیں۔

صفرا کا تعلق جگر کے ساتھ ہے۔ جگر ہی اس کو تیار کرتا ہے اور خون سے جدا کر کے خارج کرتا رہتا ہے۔ صفرا کا مزاج طب یونانی میں گرم خشک تسلیم کیا گیا ہے، آیورویدک اس کو ''پت'' کہتے ہیں جو سخت چنچل کہا جاتا ہے۔ دونوں طریق علاج طب یونانی اور آیورویدک کے ساتھ ماڈرن سائنس بھی تسلیم کرتی ہے کہ صفرا کی زیادتی خون میں رقت پیدا کرتی ہے۔ آنتوں میں گر کر وہاں دافع تعفن اور قبض رفع کرتا ہے اور بعض گرم اعضاء کی غذا ہے۔ گویا یہ سب کچھ زردی کے کارنامے ہیں جس طرح سفید اور نیلا رنگ دماغ اور اعصاب کے ساتھ مخصوص ہے اور ہوا کے ساتھ گہرا تعلق آگ کے ساتھ ہے۔ جس طرح آگ و ہوا اور پانی کے اعتدال کے ساتھ فضا میں لطافت رہتی ہے اسی طرح جسم انسان میں آگ و ہوا اور پانی کے اعتدال پر رہنے سے صحت قائم رہتی ہے۔ دوسرے معنوں میں اعضاء اپنے افعال صحیح طور پر انجام دیتے ہیں۔ اس طرح ثابت ہو گیا کہ صحت کو قائم رکھنے کے لئے انسان کے مزاج یا اس کے اعضاء کے افعال کو اعتدال پر رکھنا نہایت ضروری ہے۔

زردی کیا ہے؟

اگر کسی زرد رنگ کی شے کا تجزیہ کیا جائے تو اس میں گندھک کی خصوصیت پائی جاتی ہے۔ گندھک ایک ایسی شے ہے جس کی نشوو ارتقاء مٹی اور پتھر سے کانوں کے اندر ہوتی ہے۔ تحقیق سے پتہ چلتا ہے کہ گندھک مٹی اور پتھر کی انتہائی ترقی یافتہ صورت ہے۔ اس کے

بعد ان کی ترقی ختم ہو جاتی ہے اور وہ پھر دھاتوں کے بنانے میں مدد کرتی ہے۔ اسی طرح سونا بھی دھاتوں میں انتہائی ترقی یافتہ صورت شمار کیا جاتا ہے۔ اس لئے باقی دھاتیں جو روزمرہ استعمال کی جاتی ہیں سونے سے کم قیمت، کم مفید اور کم مضبوط خیال کی جاتی ہیں۔ فوائد کے لحاظ سے سونا تو انسانی جسم کے لئے انتہائی طاقتور چیز تسلیم کیا گیا ہے اس کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس کو زنگ نہیں لگتا اور اس کی باریک سے باریک تار بن جاتی ہے۔ سونے کے علاوہ گندھک کے اجزاء ہڑتال، شنگرف اور پارے میں پائے جاتے ہیں۔ زرد رنگ کا سنکھیا بھی اگر دستیاب ہو سکے تو اس میں بھی گندھک کے اثرات داخل ہیں۔ ماڈرن کیمسٹری نے بھی زرد رنگ کے چند مفرد اجزاء وعناصر اور الکلائیڈ تحقیقات کئے ہیں۔ جن میں آیوڈم، آرسنک آیوڈائیڈ، آیوڈم اور آیوڈوفارم خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ آج کل فرنگی طب میں گندھک سے تیار شدہ ادویہ کا رواج بڑھ گیا ہے جس کو سلفاڈرگز کہتے ہیں۔ لیکن ان کا یہ اندھا دھند استعمال کرتے ہیں ان کی حقیقت اور مرکبات کے اثرات وافعال اور خواص وفوائد سے پورے طور پر واقف نہیں ہیں۔ ان سے روزانہ ہزاروں موتیں واقع ہو رہی ہیں۔ یہ انتہائی مہلک اور خطرناک مرکبات ہیں۔ تحریک تجدید طب کا کوئی ممبر اس کو ہاتھ لگانے کی جرأت نہ کرے، یہ سب زہر ہیں ان میں سوائے نقصان کے کوئی شفا نہیں ہے۔

زرد رنگ کے اثرات

سرخ رنگ اگر جسم میں طاقت اور جذبات پیدا کرتا ہے تو زرد رنگ اس میں تیزی پیدا کر دیتا ہے۔ لیکن یہ تیزی اس وقت تک قائم رہتی ہے جب تک زرد رنگ کی مقدار سرخ رنگ کی مقدار سے کم ہو۔ اگر زرد رنگ کی مقدار بڑھتی جائے گی تو طاقت اور جذبات میں کمی ہوتی جائے گی اور جسم میں حرارت اور حدت کی زیادتی سے تحلیل کا عمل شروع ہو جائے گا۔ گویا زرد رنگ جسم اور فضا میں اپنی حرارت اور حدت سے تحلیل پیدا کرتا ہے۔ خاص طور پر اس تحلیل کا اثر عضلات وقلب اور ریاحی وخاکی مادوں پر اثر انداز ہوتا ہے اس لئے زرد رنگ کی ادویات واغذیہ ایسی صورت میں استعمال کی جاتی ہیں جب جسم میں ریاحی وخاکی مادے زیادہ ہوں یا سوزش وورم کی صورت ہو۔ جو سب تحلیل ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔ خون میں جب صفرا (بائل) بڑھ جاتا ہے تو ضعف قلب وجسم پیدا ہو جاتا ہے اور موت ہارٹ فیل سے واقع ہوتی ہے۔

زرد رنگ چونکہ قوت وجذبات اور سوزش وتیز حرکات کو کم کرنے والا ہے، اس لئے خدا پرست اور صوفی لوگ اس رنگ کے کپڑے اکثر استعمال کرتے ہیں تا کہ ان کے جذبات اور خواہشات فنا ہو جائیں۔ وارثی صوفی اور بدھ مت کا تو یہ ایک خاص لباس ہے۔ لیکن مسلمانوں بالخصوص ترکوں نے دین ودُنیا کو اعتدال پر رکھنے کے لئے سبز رنگ کو اپنا رنگ تسلیم کیا ہے کیونکہ سبز رنگ مجموعہ ہے زرد اور نیلے رنگ کا۔ یہ درست ہے لیکن ہم کسی رنگ کو مذہب اور عقیدے کی علامت تو بنا سکتے ہیں مگر انفرادی طور پر کسی رنگ کو مستقل طور پر استعمال نہیں کر سکتے۔ کیونکہ اس طرح جسم پر نقصان دہ اثرات پیدا ہوتے ہیں۔

بُو سے قیاس

تحقیقات علم الادویہ میں قیاس کے لئے چوتھی صورت بو (رائحہ) ہے، یعنی اگر کوئی نامعلوم الخواص دوا سامنے لائی جائے جس کی مخصوص بو محسوس کر کے اس کی خاص قسم کی بو کا تعین کیا جا سکے یا اس کی مخصوص بو کسی معلوم الخواص دوا کی بو سے ملتی جلتی ہونے کی وجہ سے باقی

تمام قیاسات کے ساتھ اس دوا کے اثرات مقرر کرنے میں سہولت ہو۔اس سے تجربات دوا میں نقصان نہیں ہوتا۔

شیخ الرئیس بوعلی سینا فرماتے ہیں کہ دوا کی ''بو'' سے بھی ادویات کے آثار پر استدلال پیش کیا جاتا ہے اور یہ استدلال بمقابلہ رنگت کے زیادہ قوی ہے۔

اس کی تشریح علامہ نفیس اس طرح کرتے ہیں کہ ''بو اس وقت محسوس ہوتی ہے جب کہ بودار جسم کے لطیف اجزا سے بخارات اُٹھ کر قوت شامہ تک پہنچتے ہیں اور اس کے کثیف اجزا ابخارات کی شکل میں تبدیل ہوتے ہیں اور نہ اوپر چڑھتے ہیں''۔

غرض بو میں چونکہ دوا کا جز کچھ نہ کچھ ضرور حس تک پہنچتا ہے۔اس لئے بمقابلہ رنگ کے زیادہ قوی دلیل یہ ہو سکتی ہے، کیونکہ رنگت کے ادراک میں رنگ دار جسم کا کوئی حصہ قوت باصرہ تک نہیں پہنچتا ہے اور چونکہ بودار جسم کے سارے اجزا حس تک نہیں پہنچتے اس لئے بمقابلہ مزے کے ضعف دلیل ہے۔کیونکہ مزہ چکھنے کی صورت میں دوا کے ہر قسم کے اجزاء زبان تک پہنچتے ہیں۔یہ بات یاد رہے کہ ''بو'' میں خوشبو اور بدبو دونوں شریک ہیں۔

بُو کی تعریف

شیخ الرئیس بوعلی سینا بُو کی تعریف اس طرح کرتے ہیں ''تیز بو حرارت کی دلیل ہے اور بھینی بھینی بو جو نفس اور روح کے لئے تسکین بخش ہوتی ہے، برودت کی علامت ہے۔اسی طرح بو کا نہ ہونا بھی سردی ہی کی علامت سمجھی جاتی ہے''۔

اس کی تشریح علامہ نفیس اس طرح کرتے ہیں'' کیونکہ بو کا ادراک احساس بھاپ کی مانند لطیف جوہر کی وجہ سے معلوم ہوتا ہے جو بدبودار جسم سے اڑ کر قوت شامہ تک پہنچتا ہے، اسی وجہ سے اس بودار جسم کے اندر بالعموم حرارت ضرور ہوتی ہے جو لطیف اجزا کو بھاپ یا دھواں بنا کر اڑاتی رہتی ہے''۔

غرض حرارت بھی بالعموم بو کے پھیلنے کا باعث ہوا کرتی ہے، چنانچہ جب کسی چیز کی بو کمزور ہو جاتی ہے تو اس کے ملنے، بھاپ اور دھواں بنانے یعنی گرمی پہنچانے سے بو تیز ہو جاتی ہے۔جیسے لوبان جب آگ پر ڈالا جائے تو اس کی بو بہت تیزی سے پھیلتی ہے۔اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اکثر بو سونگھانے والی اور ناک تک پہنچانے والی شے حرارت ہی ہوا کرتی ہے۔

بُو کا اثر

اطبائے قدیم لکھتے ہیں کہ بو کا ادراک اوزا حساس اس بھاپ کے مانند لطیف جوہر کی وجہ سے ہوا کرتا ہے جو بودار جسم سے اڑ کر قوت شامہ تک پہنچتا ہے، اسی وجہ سے اس بودار جسم کے اندر بالعموم حرارت ضرور ہوتی ہے۔اسی وجہ سے اطبائے قدیم نے قیاسات رائحہ میں جو لکھا ہے اکثر مقامات پر صادق آتا ہے کہ تیز بو کی دوائیں عموماً بدن انسان کے لئے مضحن (باعث حرارت) ہوا کرتی ہیں۔مثلاً ہینگ، لہسن، زعفران، عنبر، مشک، جند بید ستر، لونگ، دارچینی، زنجبیل، سنبل الطیب، پودینہ، ریحان، اجوائن اور زیرہ، وغیرہ وغیرہ۔

علامہ نفیس لکھتے ہیں کہ بودار اجزاء کے اڑنے کے لئے کم و بیش حرارت کی ضرورت ہوا کرتی ہے خواہ یہ حرارت ہوا کی ہو یا دھوپ کی یا سورج کی۔چنانچہ جب کسی چیز کی بو کمزور ہوتی ہے تو اس کے ملنے، بھاپ اور دھواں بنانے یعنی گرمی پہنچانے سے بو تیز ہو جاتی ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اکثر بو کے سونگھانے والی اور ناک تک پہنچانے والی شے حرارت ہی ہوا کرتی ہے۔

اس سے ظاہر ہے کہ جب بودار جسم گرم ہوگا تو لازمی طور پر حرارت بودار جسم کے گرم اور لطیف اجزا بنا کر اڑانے کی موجب

ہوگی۔ لہٰذا اس کی بو نہایت تیز اور تکلیف دہ ثابت ہوگی۔ ایسی بو اس امر کی دلیل ہوگی کہ یہ کسی گرم اور لطیف مادہ کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ اس جسم کے سارے اجزاء گرم ہوں۔ بلکہ ممکن ہے کہ اس کا دوسرا جز سرد اور بے بو ہو مگر ایسا شاذ و نادر ہی ہوتا ہے، کیونکہ اگر اس میں کوئی جز نہایت سرد ہو تو وہ گرم جز کی بو کو اپنی سردی سے جما دے اور اس کی حدت اور تیزی قائم رہنے دے۔

اسی طرح جب بودار جسم سرد ہوگا تو اس سے جو اجزاء اٹھیں گے وہ مرطوب تازگی بخش اور مسکن نفس ہوں گے۔ اسی لئے بھینی بھینی بو سرد مادہ پر دلالت کرے گی، لیکن باوجود اس کے یہ بھی ممکن ہے کہ بودار جسم کے سارے اجزاء وہی نہ ہوں۔ مگر ایسا کم ہی ہوتا ہے کیونکہ گرمی کے آثار بالعموم سردی کے آثار پر غالب آ جاتے ہیں۔ اس لئے گرم جز بھی اسی کے تابع ہوگا اور اس کے اثر سے وہ تیز ہو جائے گی۔

اسی طرح مرکب اجسام میں بو کا نہ ہونا برودت اور گرمی کے نہ ہونے کی دلیل ہے، کیونکہ حرارت کے نہ ہونے کی وجہ سے جسم کے اجزا بخارات بن کر اُٹھ ہی نہیں سکتے یا اگر کچھ اجزا بخارات بن کر صعود بھی کریں گے تو وہ قلت کے باعث اس ہوا میں جو ناک تک پہنچتی ہے اس قسم کی بو کا احساس ہو۔ کیونکہ سردی سے اجسام کے اندر تکاثف پیدا ہوتا ہے۔ جس سے اس کے اجزاء منتشر اور پراگندہ ہونے سے رُک جاتے ہیں۔

لیکن یہ بیان محض ان ہی ادویہ میں صحیح اُتر سکتا ہے جو مرکب القویٰ ہوں۔ اس کے بعض اجزا لطیف اور بعض کثیف ہوں اور یہ میں پہلے بتا چکا ہوں کہ اکثر ادویہ مفرد طبیعہ جو اپنی قدرتی حالت پر ہوں، مثلاً نباتات کے پھل، پھول، پتے، جڑیں وغیرہ اور اکثر حیوانی ادویہ اسی قسم کی مرکب القویٰ ہوا کرتی ہیں۔

لیکن بعض دوائیں اس قسم کی بھی ہوا کرتی ہیں جو نباتات، حیوانات یا جمادات سے حاصل کی جاتی ہیں یا وہ معادن سے حاصل کی جاتی ہیں۔ مگر وہ دو قسم کے اجزائے مرکب نہیں ہیں یا محض لطیف اجزاء کا مجموعہ ہیں۔ جن کے سارے اجزاء صعود کرنے اور بخارات کی شکل میں تبدیل ہونے کے لائق ہیں۔ مثلاً کافور اور شراب کا جوہر خالص بہت سے لطیف روغن یا وہ محض کثیف اجزاء کا مجموعہ ہیں جن سے قطعاً بخارات نہیں اُڑتے یا بہت کم اُڑتے ہیں مثلاً سنکھیا وغیرہ۔

چونکہ سنکھیا بے بو ہونے کے باوجود سخت مسخن اور حار ہے اور کافور تیز بودار ہونے کے باوجود اکثر اطبا بارد تسلیم کرتے ہیں۔ اسی طرح مختلف بو کی دوائیں مختلف خواص کی حامل ہیں۔ اس لئے بو کا قیاس دیگر قیاسات کی طرح قانون کلی نہیں بن سکتا جیسا کہ قدما نے تصریح کی ہے۔

سید محمد حسین صاحب علوی مخزن الادویہ میں لکھتے ہیں ''چونکہ اکثر کثیف اور سخت چیزیں، غایت، صلابت اور کثافت کی وجہ سے اس قابل نہیں ہوتی ہیں کہ ان سے اجزا صغیرہ اور بخارات لطیفہ جدا ہو کر صعود کریں اور قوت شامہ تک پہنچیں۔ مثلاً وہ پتھر جو عمارات میں کام آتے ہیں اور یاقوت، ہیرا اور زمرد وغیرہ۔ اس لئے ایسی چیزوں میں ''بو'' سے استدلال کرنے کے اصول مسدود یا مفقود ہیں''۔

بُو کی حقیقت

یہ قیمتی اقتباسات طب یونانی کا کمال ہیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ''بو'' کو خواص الادویہ میں ایک زبردست اہمیت حاصل ہے۔ ''بو'' کے لئے لطافت و حرارت اور ہوا کا ہونا ضروری ہے۔ جن اشیاء میں لطافت کے ساتھ حرارت زیادہ ہے ان کی بو میں تیزی اور

شدت ہے اور جن اشیاء میں لطافت کے ساتھ سردی ہے ان میں بھینی بھینی اور تسکین بخش بو ہوتی ہے۔ یہ جو ہر لطافت جس قدر زیادہ ہوگا اسی قدر ہوا کی حرارت میں زیادہ تحلیل ہو کر بو پھیلائے گا، لیکن جن اشیاء میں ثقالت اور کثافت زیادہ ہوتی ہے وہ ہوا کی حرارت میں جلد تحلیل نہیں ہوسکتیں اور بو نہیں پھیلا نہیں سکتی۔

ان حقائق سے ہمیں بہت کچھ روشنی ملتی ہے، لیکن اس سے ہم نہ تو پورے طور پر کیفیات و مزاج کے متعلق اندازہ لگا سکتے ہیں اور نہ ہی اثرات وافعال پر روشنی ڈال سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ اس امر کا اندازہ لگانا تو اور بھی مشکل ہے کہ خوشبو اور بدبو میں کیا فرق ہے اور ان کے جدا جدا اثرات وافعال کیا ہیں۔ اس کے علاوہ ہم روزانہ زندگی میں دیکھتے ہیں کہ بعض بوئیں دافع تعفن ہیں اور بعض تعفن پیدا کرتی ہیں۔ ان باتوں کا علم واقعی علم الاشیاء میں زبردست اضافہ ہے۔

بُو اور ہوا

کوئی بو اس وقت تک قوت شامہ تک نہیں پہنچ سکتی جب تک وہ ہوا میں تحلیل نہ ہو۔ اور پھر ہوا ہی اس کو قوت شامہ تک پہنچا دیتی ہے اور یہ حقیقت ہے کہ کوئی شے اس وقت تک تحلیل ہو کر کسی جسم میں شریک نہیں ہوتی جب تک اس میں حرارت اثر نہ کرے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ یہ حرارت اس شے میں ہوتی ہے جس میں بو ہوتی ہے یا ہوا کے اندر پائی جاتی ہے۔

جہاں تک بودار اشیاء کا تعلق ہے، ان میں ہر کیفیت اور مزاج کی اشیاء پائی جاتی ہیں۔ گرم و سرد اور تر و خشک کے علاوہ لطیف اور کثیف ہر قسم کی اشیاء پائی جاتی ہیں۔ البتہ ہوا کا ایک ہی مزاج ہے جو ہمارے قانون طب نے مقرر کر دیا ہے، وہ ہے گرم تر اور اسی کو ہم معتدل مزاج ہونا کہتے ہیں اور اسی مزاج میں قوت تحلیل کرتی ہے۔

ماڈرن سائنس نے ہوا کو مرکب عنصر کہا ہے اور تسلیم کیا ہے کہ مختلف گیسوں سے مرکب ہے جن میں آکسیجن، ہائیڈروجن، کاربن ڈائی آکسائیڈ اور نائٹروجن کی مقدار غالب ہے اور ان کی مقدار میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے۔ اس کے مقابلے میں طب قدیم بھی گرم تر مزاج اس ہوا کو تسلیم کرتی ہے جو خالص ہو۔ کیونکہ موجودہ ہوا جو ہمارے گرد پھیلی ہوئی ہے یہ کئی چیزوں سے مرکب ہے۔ خالص ہوا کی مثال اس ہوا سے دی جاسکتی ہے جو آگ یا دھوپ کی زیادتی تسلیم کی گئی ہے۔ بہرحال خالص ہوا میں حرارت کا عنصر غالب ہوتا ہے۔ حرارت کا غلبہ اس حقیقت کا ثبوت ہے۔ وہ جن اشیاء سے ملتی ہے ان میں تحلیل پیدا کرتی ہے۔ حرارت کی زیادتی تحلیل میں شدت ہے۔ اس کے مقابلے میں حرارت کی کمی باعث سکون اور تفریح ہے۔ گویا ہر شے اور ماحول کی بو کا ہوا میں پیدا ہونا ہے اور اس کے اثرات ہی بو کے خواص اور افعال ہوتے ہیں۔

بُو کے متعلق قانون فطرت

یہ قانون فطرت ہے کہ قدرت کسی مواد کو کسی ایک جگہ قائم نہیں رکھتی۔ کیونکہ ہر قسم کا مادہ گردش میں رہتا ہے کیونکہ مادہ اگر کسی ایک جگہ پڑا رہے تو اکٹھا ہوتا رہے تو مواد بن جاتا ہے یا زہر میں تبدیل ہو جاتا ہے یا اس کی کثرت باعث نقصان زندگی ہوتی ہے۔ اس میں حسن و قبح ہر قسم کے مادے شامل ہوتے ہیں۔ اس لئے قدرت ہر مادے کو نہ صرف گردش میں رکھتی ہے بلکہ دیگر مواد میں جمع تفریق کرتی رہتی ہے تا کہ وہ مادے پاک و صاف ہوتے رہیں۔ اسی قانون کے تحت بو ہوا میں تحلیل ہو کر جمع تفریق اور شریک و جدا ہوتی رہتی ہے۔ یہی قانون بو کو قوت شامہ تک پہنچاتا ہے۔

لطیف وکثیف میں تحلیل

اس حقیقت سے انکار نہیں ہے کہ لطیف اشیاء میں تحلیل کثیف اشیاء کی نسبت بہت جلد ہوتی ہے کیونکہ لطیف اشیاء وہ ہیں جو بہت جلد حرارت قبول کر لیتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ کثیف قسم کی اشیاء میں اگر بو ہو بھی تو جب تک ان میں لطافت پیدا نہ کی جائے ان کی بو نہ کبھی پیدا ہوتی ہے اور نہ پھیلتی ہے۔ مثلاً حنا، دھنیا اور فلفل سیاہ وغیرہ۔ یہاں پر کثافت سے مراد کسی مادے یا شے کا جامد ہونا ہے، اس کے مقابلے میں لطافت کے اجزا کا بہت جلد منتشر ہو جانا ہے۔

لطافت کیا ہے؟

لطافت کے متعلق قوام کے قیاس میں ہم پوری طرح بیان کر چکے ہیں اور اس حقیقت کو ثابت کر چکے ہیں کہ لطافت ہمیشہ حرارت سے پیدا ہوتی ہے۔ لیکن پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ سرد اشیاء میں بھی بو ہوتی ہے، وہاں پر حرارت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ لطافت ہمیشہ گرم تر اور تر گرم شے میں پائی جاتی ہے، کیونکہ لطافت کے معنی یہ ہیں کہ اس کی اشیاء کا بہت جلد منتشر ہو جانا اور اس کے مقابلے میں یہی شے کثافت میں نہیں پائی جاتی۔ یعنی ہر کثیف شے گرم خشک ہوگی یا سرد خشک۔ گویا لطافت اور کثافت میں بڑا فرق تری اور خشکی ہے گرمی اور سردی نہیں ہے۔ البتہ یہ کیفیت اس میں شریک ضرور ہوتی ہیں۔

گویا اس حقیقت کو اس طرح ضرور سمجھنا پڑے گا کہ ہر لطیف شے میں رطوبت کے ساتھ حرارت بھی ضروری ہے، چاہے وہ انتہائی قلیل ہو، اور ہر کثیف شے میں یبوست کے ساتھ سردی کا اثر قائم ہے چاہے جس قدر اقل ہے۔ ویسے بھی قانون مزاج میں یہ حقیقت مسلمہ ہے کہ ہر شے چار عناصر سے اور چار کیفیات سے مرکب ہے۔ اس کے لئے یہ حقیقت واضح ہوگئی ہے کہ ہر لطیف شے میں تری کا عنصر غالب اور خشکی کا عنصر مغلوب ہوتا ہے۔ اس میں گرمی اور سردی ان کی مناسبت سے ہوتی ہے اور لطافت کے چار حصے تری میں ایک حصہ حرارت بھی تسلیم کی جاسکتی ہے۔ بہرحال تری اور حرارت قائم ہیں۔ اسی طرح کثافت کے چار حصے خشکی میں ایک حصہ سردی بھی تسلیم کی جاسکتی ہے۔ گویا سردی قائم ہے۔ بہرحال یہ حقیقت ثابت ہوگی کہ لطافت اور کثافت کا باہمی فرق گرمی سردی پر نہیں ہے بلکہ تری اور خشکی پر ہے۔

یہاں پر ایک حقیقت کو بھی ذہن نشین رکھیں کہ خشکی حرارت سے رفع ہوتی ہے، وہ نہ سردی سے رفع ہوتی ہے اور نہ تری سے دور ہوتی ہے۔ اس طرح لطافت کا مسئلہ حل ہو جاتا ہے۔ جس مناسبت سے لطافت زیادہ ہے اسی مناسبت سے بو زیادہ اثر انداز ہوتی ہے۔

تیز اور بھینی بو

یہ حقیقت واضح کی جا چکی ہے کہ تیز بو لطافت میں حرارت کی زیادتی سے اور بھینی بو لطافت میں حرارت کی کمی سے پیدا ہوتی ہے۔ تیز بو سے مراد دِل کے فعل میں تیزی پیدا کرنا ہے اور بھینی بو ایسی بو کو کہتے ہیں جو دِل میں تفریح اور تسکین پیدا کرے۔ بعض لوگ بھینی بھینی بو کو مقوی قلب خیال کرتے ہیں۔ یہ بات ہرگز نہیں ہے۔ تفریح ہمیشہ تسکین کا باعث ہوتی ہے اور تسکین میں دِل اور خون کے فعل میں سستی پیدا ہو جاتی ہے۔ تسکین دِل مولد بلغم اور رطوبت ہے، اسی مناسبت سے دیگر اعضاء پر اثرات وافعال ظاہر ہوتے ہیں۔

خوشبو اور بدبو کا فرق

ظاہر میں خوشبو اور بدبو میں کوئی فرق نظر نہیں آتا، کیونکہ دونوں صورتیں گرم اشیاء میں پائی جاتی ہیں اور سرد قسم کی اشیاء میں بھی

محسوس ہوتی ہیں۔ظاہرہ تو یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ قدرت کی مشیت ہے کہ جس شے میں چاہے خوشبو پیدا کر دے اور جس شے میں چاہے بدبو پیدا ہو جائے مگر حقیقت یہ ہے کہ قدرت کے ہر فعل اور عمل میں ایک طریق کار (پروسس) ضرور ہے،اسی طریق کار کو سمجھنے کا نام ہی تحقیقاتی علم (سائنس) ہے۔یہی طریق کار اور تحقیقاتی علم ہی قدرت کے کرشمے اور فطرت کے اسرار و رموز کی نقاب کشائی کرتا ہے،اس سے اگر غور کیا جائے تو خوشبو اور بدبو کی حقیقت کے راز کا پتہ چلتا ہے۔

جاننا چاہئے کہ بدبو ہمیشہ تعفن کی پیداوار ہے۔تعفن ہمیشہ خمیر سے پیدا ہوتا ہے،خمیر گرم اور سرد دونوں قسم کی اشیاء میں پیدا ہو سکتا ہے،لیکن یہ بات یاد رکھیں کہ خمیر جس شے میں پیدا ہوگا اس میں ترشی کم اور کھار زیادہ ہوتی ہے۔کبھی خالص ترشی اور خالص کھار میں خمیر پیدا نہیں ہو سکتا۔جب ترشی حرارت کی مدد سے کھار میں اثر کرتی ہے تو تعفن پیدا ہو جاتا ہے،اس سے بدبو پیدا ہو جاتی ہے اور جن اشیاء میں خمیر پیدا نہیں ہوتا ان میں خوشبو قائم رہتی ہے،خوشبو ہی طیب اور صالح شے ہے۔اس کے مقابلے میں بدبو نجس اور خباثت ہے۔اس لئے اسلام نے ہر حلال شے میں طیب کی تاکید لگا دی ہے۔اگر حلال شے طیب نہیں ہے تو وہ نجس ہے،کیونکہ نجس شے میں خمیر پیدا ہو چکا ہے۔یہ نجس شے جسم کے اندر تعفن و خمیر اور فساد پیدا کر دیتی ہے جس سے جسم میں خوفناک امراض پیدا ہوتے ہیں۔اسلام نے ہر اس شے کو حلال کہا ہے جس پر اللہ تعالیٰ کا نام لیا جائے اور وہ طیب ہو اور یہی شے جسم انسانی کے لئے مفید ہے۔

بُو کے افعال و اثرات

جس شے کی بو شدید ہو،وہ دِل کے فعل کو تیز کر دیتی ہے اور جس شے کی بو میں حدت ہو،وہ دِل کے فعل میں تحلیل پیدا کرتی ہے اور جس شے کی بو میں ہلکی ہلکی بو ہو وہ دِل میں سکون پیدا کرتی ہے۔انہیں افعال اور اثرات کے تحت باقی اعضائے رئیسہ پر غور و فکر کر لیں،نتائج صحیح آئیں گے،یہ ہماری تحقیقات نظریہ مفرد اعضاء کا کمال ہے۔

مزہ سے قیاس

تحقیقات علم الادویہ میں قیاس کے لئے پانچویں اور آخری صورت مزہ ہے،اس کو آیورویدک میں رَس اور انگریزی میں ٹیسٹ کہتے ہیں۔تاثیر ادویہ میں قیاس کے استدلال میں مزے کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے۔یعنی اگر نا معلوم خواص کی کوئی دوائی سامنے لگائی جائے جس کے مخصوص مزہ کو محسوس کر کے اس کے خاص قسم کے مزے کا تعین کر کے اس دوا یا شے کے اثرات و افعال کے مقرر کرنے میں سہولت حاصل ہوتی ہے تاکہ تجربات میں نقصان کا خطرہ نہ رہے۔اس قیاس کے استدلال میں مزہ کو باقی چار قیاسات استحالہ و قوام اور رنگ و بو میں غلبہ حاصل ہے۔

طب یونانی میں مزہ کی اہمیت

شیخ الرئیس بوعلی سینا لکھتے ہیں کہ آثار ادویہ کے لئے بو سے زیادہ دلیل مزہ ہے۔اس سے قبل بوعلی سینا بو کو باقی قیاسات پر افضل ثابت کر چکے ہیں۔اس پر علامہ نفیس لکھتے ہیں:''کیونکہ مزہ دار جسم کے سارے اجزاء کا اثر قوت ذائقہ تک پہنچتا ہے اس لئے قوت ذائقہ سے تقریباً اس کے سارے اجزا کا احساس ہوتا ہے''۔

بوعلی سینا لکھتے ہیں: چیزوں کے مزے دو وجوہ سے مختلف ہوا کرتے ہیں۔

(۱) مادہ کی وجہ سے جس کے اندر بو ہوتی ہے اور جو بو کا حامل ہے۔

(۲) فاعل یعنی مؤثر کی وجہ سے جو بو کو پیدا کرتا ہے اور بو کو پیدا کرنے والا ہی مزاج ہے جو اس مادہ کے اندر ہوتا ہے۔ چنانچہ مادہ گاہے کثیف، گاہے لطیف اور گاہے اوسط درجے کا ہوتا ہے، اسی طرح فاعل اور مؤثر کبھی حرارت ہوتی ہے اور کبھی برودت اور کبھی اعتدال۔

جس جسم کا مادہ کثیف اور فاعل حرارت ہو وہ مزہ میں کڑوا ہوگا○ جس کا مادہ کثیف اور فاعل برودت ہو وہ کسیلا اور کھٹا ہوگا ○ جس کا مادہ کثیف اور فاعل حرارت و برودت کے درمیان ہو وہ شیریں ہوگا۔ ○ جس جسم کا مادہ لطیف اور فاعل حرارت ہو وہ حریف (چرپرا) ○ جس کا مادہ لطیف اور فاعل برودت ہو وہ ترش ہوگا۔ ○ جس کا مادہ لطیف اور فاعل حرارت و برودت کے درمیان ہو وہ چکنا (چربی دار) ہوگا○ جس کا مادہ کثافت ولطافت کے درمیان ہو اور فاعل حرارت ہو وہ نمکین ہوگا اور اگر اسی قسم کا مادہ ہو اور فاعل برودت ہو، وہ قابض ہوگا۔ اور اگر اسی قسم کا مادہ ہو اور فاعل حرارت و برودت کے درمیان معتدل کیفیت ہو وہ پھیکا ہوگا۔

علامہ نفیس لکھتے ہیں: تمام مزوں کے درجات کیفیت بالکل مساوی نہیں ہیں بلکہ گرم مزوں میں سب سے زیادہ حرارت حریف (چرپری) کے اندر ہوتی ہے۔ اس کے بعد کڑوے میں اور اس کے بعد نمکین میں۔ چرپری شے کے اندر کڑوی شے ہے، زیادہ حرارت ہونے کی دلیل یہ ہے کہ وہ بمقابلہ تلخ کے قوت تحلیل و تقطیع اور جلا زیادہ رکھتی ہے اور تحلیل چونکہ حرارت کے افعال میں سے ہے اس لئے تحلیل کی زیادتی حرارت ہی کی زیادتی کی وجہ سے ہوسکتی ہے۔ رہی تقطیع اور جلا، یہ اگرچہ کبھی برودت کی وجہ سے ہوتی ہے جیسا کہ ہم ترشی میں پاتے ہیں لیکن جب تقطیع و جلا حرارت کی وجہ سے ہوتی ہے تو زیادہ قوی اور شدید ہوتی ہے۔

○ کڑوی چیز کے اندر نمکین سے زیادہ حرارت ہونے کی پہلی دلیل یہ ہے کہ نمکین شے کی حرارت، ماہیت کی وجہ سے ٹوٹ جاتی ہے، یہی وجہ ہے کہ جب جلے ہوئے اجزائے ارضیہ کسی پھیلی ہوئی چیز میں شامل ہوجاتے ہیں تو ملوحت (نمکینیت) پیدا ہوجاتی ہے، اور دوسری دلیل یہ ہے کہ جب غلبہ حرارت کے باعث نمکین چیز کی مائیت الگ ہوجاتی ہے تو وہ کڑوی بن جاتی ہے، اور تیسری دلیل یہ ہے کہ نمکین شے کے اندر اگر کسی قدر تلخی ہوتی ہے تو وہ اسی تناسب سے زیادہ گرم ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے نمک تلخ معمولی نمک سے زیادہ گرم ہوتا ہے۔

ٹھنڈے مزوں میں سب سے زیادہ سرد کسیلا ہوتا ہے، اس کے بعد قابض، اس کے بعد ترش۔ ○ دلیل یہ ہے کہ بعض میوہ جات ابتداء میں کسیلے ہوتے ہیں، کیونکہ اس وقت ان کی برودت شدید ہوتی ہے، اس کے بعد آفتاب کی تپش سے جب اس میں ہوایت پیدا ہو جاتی ہے اور ان کی برودت کم ہوجاتی ہے تو یہ ترش ہوجاتے ہیں اور درمیان میں وہ قابض رہتے ہیں۔

جو مزے گرمی اور سردی کے درمیان ہیں ان میں شیریں حرارت کی طرف زیادہ میلان رکھتا ہے۔ اس کے بعد چکنا اور سب سے معتدل پھیکا ہے۔ ○ دلیل یہ ہے کہ شیریں سے زبان کی منجمد رطوبتیں بمقابلہ چکھنے کے زیادہ بہتی ہیں۔ اسی وجہ سے شیریں زیادہ مرغوب خاطر ہے۔ جس طرح سرد مزاج کے بدن پر اگر گرم پانی ڈالا جاتا ہے تو اسے دوسرے لوگوں کی نسبت زیادہ لطف حاصل ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں دسومت یعنی چکناہٹ سے ہوائیت کی کثرت پیدا ہوتی ہے اور ہوا بمقابلہ آگ کے بہت کم گرم ہے، خشک مزوں میں سب سے زیادہ خشکی تلخی کے اندر ہوتی ہے اس کے بعد چرپری میں اس کے بعد کسیلے ہیں۔

○ دلیل یہ ہے کہ تلخ کے اندر اجزائے ارضیہ زیادہ ہوتے ہیں اور چرپری کے اندر اجزائے ناریہ اور یہ ظاہر ہے کہ خاک بمقابلہ

آگ کے زیادہ خشک ہے۔علاوہ ازیں اگر تلخ میں نسبتاً رطوبت زیادہ ہوتی ہے تو وہ عفونت کے لئے بھی نسبتاً زیادہ آمادہ ہوتا ہے اور اس میں کسی جاندار (کیڑے مکوڑے) کا پیدا ہو جانا بھی ممکن ہے اور یہ اس قابل بھی ہوتا ہے کہ کسی جاندار کی غذا میں صرف ہو۔لیکن ایسا نہیں ہوتا ہے، نہایت کڑوی چیزیں نہ جلد متعفن ہوتی ہیں اور نہ ہی ان میں کیڑے مکوڑے پیدا ہوتے ہیں، بلکہ زیادہ کڑواہٹ جاندار کے لئے مہلک ثابت ہوتی ہے اور نہ زیادہ کڑوی شے کسی حیوان کی غذا میں صرف ہوتی ہے اور کسیلے مزے کے اندر ایک قسم کی منجمد رطوبت ضرور ہوتی ہے جو اجزائے ارضیہ کی خشکی کو توڑے ○ تر مزوں میں سب سے زیادہ رطوبت پھیکے میں ہوتی ہے۔ کیونکہ اس کے جوہر میں پانی کی کثرت ہوتی ہے۔اس کے بعد شیریں اور اس کے بعد چکنا۔

شیریں کے اندر بمقابلہ چکنے کے رطوبت زیادہ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ ○ چکنے میں اجزائے ہوائیہ اور اجزائے ارضیہ مخلوط ہوتے ہیں اور اجزائے ارضیہ کی وجہ سے رطوبت کم ہو جاتی ہے اور وہ مزے جو رطوبت و یبوست کے درمیان معتدل ہیں، ان میں سب سے کم یبوست ترش کے اندر ہوتی ہے۔ کیونکہ ترش کے جوہر میں پانی کی مقدار زیادہ ہوتی ہے اور اس سے زیادہ خشکی قابض کے اندر ہوتی ہے، کیونکہ اس میں اجزائے ارضیہ بکثرت ہوتے ہیں اور سب سے زیادہ خشکی نمکین کے اندر ہوتی ہے اس لئے کہ اس میں اجزائے ارضیہ میں تخفیف (خشکی پیدا کرنے) کی قوت بہت زیادہ ہوتی ہے، اسی وجہ سے اس کی مائیت (پانی) بدل کر ارضیت کی شکل قبول کر لیتی ہے۔

علامہ نفیس نے جس قابلیت اور دلائل کے ساتھ شیخ الرئیس بوعلی سینا کے حقائق کی تشریح کی ہے وہ قابل تعریف ہے۔ یہ حقیقت میں طب یونانی کا کمال ہے، اس علم کا مقابلہ فرنگی طب نہیں کر سکتی۔فرنگی طب میں نہ کیفیات و مزاج کا ذکر ہے اور نہ ہی کیمیائی صورتوں میں لطافت و کثافت کو مدنظر رکھا جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ طب یونانی اپنے اندر جو فلسفہ اور استدلال کی قوت رکھتی ہے وہ فرنگی طب کے تجربات و مشاہدات میں نہیں ہے۔

آیورویدک میں مزہ کی حقیقت

آیورویدک میں مزہ کو رس کہتے ہیں۔آیورویدک میں کل چھ رس تسلیم کئے گئے ہیں۔اس کے مقابلہ میں طب یونانی میں نو مزے تسلیم کئے گئے ہیں۔لیکن آیورویدک میں ادویات کے اندر کل 63 قسم کے رس لکھے ہیں اور رس میں یہ تسلیم کیا گیا ہے کہ کسی دوا میں صرف ایک رس ہوتا ہے کسی دوا میں دو رس (مزے) کسی میں تین رس ہوتے ہیں۔ چھ رس (مزے) درج ذیل ہیں:

① مُدھر (میٹھا) - جیسے بالائی، دودھ گاؤ اور شہد ② اِمل (ترش) - جیسے لیموں، امچور، اناردانہ، اِملی

③ لُون (نمکین) - جیسے سانبھر نمک، کھاری نمک ④ تکت (کڑوا) - جیسے نیم، پت پاپڑہ

⑤ کٹو (چرپرہ) - جیسے مرچ، سونٹھ ⑥ کشائے (کسیلا) - کنول، بڑ

اس کے بعد اس نے دو دو رس گنوائے ہیں جیسے مدھر امل (میٹھا ترش) وغیرہ۔اس کے بعد تین تین رس (مزے) گنوائے ہیں جیسے مدھر، امل لون، میٹھا، ترش اور نمکین وغیرہ۔ پھر اس کے اثرات و افعال اور اوصاف دوشوں کے مطابق گنوائے ہیں۔اوّل طوالت کی وجہ سے اور دوسرے ان کے قوانین کے مطابق اس قدر اغلاط ہیں کہ سردردی کے باوجود قارئین کو کوئی فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا۔

مزے کے متعلق آیورویدک میں غلط فہمی

آیورویدک نے جو چھ رس (مزے) تسلیم کئے ہیں ان کے متعلق ان کی کیا بنیاد ہے۔انہوں نے چھ مزے کیوں تسلیم کئے ہیں۔نو

یا بارہ کیوں تسلیم نہیں کیے۔ اگر ان کے رسوں کی بنیاد دوش ہو اور ہر دوش کے لئے انہوں نے دو دو رس مانے ہوں تو چھ رس ہو سکتے ہیں۔ لیکن ان کی کتابوں میں اس امر کا کہیں ذکر نہیں ہے بلکہ ''شرت'' ادھیائے بیالیس میں رس کے عام اوصاف میں لکھا ہے میٹھا، کھٹا اور کھاری رس وات کو دور کرتے ہیں۔ میٹھا، کڑوا، کسیلا، دفع پت ہیں اور چرپرا کسیلا کڑوا اور رس کف کو ناس کرتے ہیں۔ یہاں پر ایک ایک دوش تین رس پر اثر کرتے ہیں اور اس میں بھی غلط فہمیاں ہیں جیسے کھٹا رس وات کو دور کرتا ہے، یہ بالکل غلط ہے بلکہ کھٹا اس وات پیدا کرتی ہے، اسی مٹھاس کو لکھا ہے کہ دفع پت ہے حالانکہ وہ پت پیدا کرتا ہے۔ جہاں تک دوشوں کی پرکرتیوں (مزاجوں) کا تعلق ہے ہر دوش کے لئے پرکرتیاں مقرر ہیں۔ مثلاً وات گرم بھی ہوتی ہے اور سرد بھی۔ اسی طرح پت خشک بھی ہوتا ہے اور تر بھی ہوتا ہے اور اسی طرح کف گرم بھی ہوتا ہے اور سرد بھی۔ پھر ایک دوش کا اثر تین رسوں (مزوں) پر کیسے ہو سکتا ہے۔ ہم تین رسوں کا اکٹھا ہونا مشکل خیال کرتے ہیں مگر ویدوں نے ایسے امراض اور بخاروں کا ذکر کیا ہے جن میں تین دوشوں کو اکٹھا کیا گیا ہے جو بالکل غلط ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے۔

اگر رسوں کی بنیاد آیورویدک کے ارکان پر سمجھی جائے تو وہ پانچ ہیں:

① آکاش ② اگنی ③ وایو ④ جل اور ⑤ پرتھوی (مٹی)۔

اس طرح رس دس بنتے ہیں، مگر انہوں نے چھ تسلیم کئے ہیں ثابت ہوا ہے کہ آیورویدک کے یہ رس (مزے) تجربے اور مشاہدے پر رکھے گئے ہیں جو صحیح ہیں لیکن ان کے دو دو کے مرکب تو ہو سکتے ہیں مگر تین کے مرکب درست نہیں ہیں۔

مزے کے متعلق ہماری تحقیقات

جسم انسان میں اعضائے رئیسہ صرف تین ہیں جن کو دل، دماغ اور جگر کا نام دیتے ہیں۔ چونکہ ہر عضو رئیس میں چار کیفیات میں سے دو کیفیات ضرور ہیں۔ اس لئے ہر ایک کے لئے ایسی صورتوں کے لئے دو مزے ضروری ہیں۔ جیسے:

① اگر کوئی دوا اعصاب پر اثر انداز ہو کر گرمی کا اثر پیدا کر دے تو اس کا اثر جگر پر بھی ہے (اعصابی غدی) تو اس کا مزاج تر گرم ہوگا اور مزہ میٹھا ہوتا ہے۔

② اگر کوئی دوا اعصاب پر اثر انداز ہو کر سردی پیدا کر دے تو اس کا اثر قلب پر بھی ہوگا (اعصابی عضلاتی) تو اس کا مزاج سرد تر ہوگا اور مزہ کسیلا ہوگا۔

③ اگر کوئی دوا قلب پر اثر انداز ہو کر سردی پیدا کر دے تو اس کا اثر اعصاب پر ہوگا (عضلاتی اعصابی) تو اس کا مزاج سرد خشک ہوگا اور مزہ ترش ہوگا۔

④ اگر کوئی دوا قلب پر اثر انداز ہو کر گرمی پیدا کر دے تو اس کا اثر جگر پر بھی ہوگا (عضلاتی غدی) تو اس کا مزاج گرم خشک ہوگا۔ (خشکی گرمی سے زیادہ) تو اس کا مزہ کڑوا ہوگا۔

⑤ اگر کوئی دوا جگر پر اثر انداز ہو کر اپنی خشکی کو قائم رکھے تو اس کا اثر قلب پر بھی ہوگا (غدی عضلاتی) تو اس کا مزاج گرم خشک ہوگا اور مزہ چرپرہ ہوگا۔

⑥ اگر کوئی دوا جگر پر اثر انداز ہو کر رطوبت کا اثر پیدا کر دے تو اس کا اثر اعصاب پر بھی ہوگا (غدی اعصابی)، تو اس کا مزاج گرم تر ہوگا اور ذائقہ نمکین ہوگا۔

حقیقت کا اظہار

عموماً ہر دوا میں زیادہ تر نمایاں طور پر ایک مزے کا احساس ہوتا ہے یا زیادہ سے زیادہ دو مزوں کا احساس ہوگا۔ جس میں ایک احساس کم ہوگا۔ یہی اس دوا کا قیاس ہے۔ اس سے اس کا مزاج و اخلاط اور اثرات و افعال پر رجوع کیا جاتا ہے۔ لطف کی بات یہ ہے کہ فرنگی طب میں ادویات کے اثرات و افعال میں مناسبت قطعاً نہیں پائی جاتی۔ یہی وجہ ہے کہ ہر چند سالوں کے بعد ان کی ادویات کے اثرات و افعال حسب منشا کام نہیں کرتے اور ادویات نظر انداز ہو جاتی ہیں۔ مزوں کے مختصر خواص و فوائد:

(۱) **میٹھا**: مفرح۔ تسکین دیتا ہے، رطوبت بڑھاتا ہے، پیشاب زیادہ لاتا ہے، رفتہ رفتہ حرارت جسم کو ختم کر دیتا ہے۔ صفرا کو کم کرنے میں بے حد مفید ہے۔

(۲) **کسیلا**: جسم میں ٹھنڈک پیدا کرتا ہے، رطوبت بڑھاتا ہے، شدید مدر بول ہے۔ ایک دم حرارت جسم کو ختم کر دیتا ہے۔ گرمی اور بخار کو کم کرنے میں بے حد مفید ہے۔

(۳) **ترش**: مفرح و مقوی قلب ہے۔ رطوبات جسم کو خشک کرتا ہے۔ قابض ہے۔ مقوی جسم ہے۔ خون پیدا کرتا ہے۔ گرمی کے ساتھ رطوبات کو بھی خشک کر دیتا ہے۔ فوری ہاضم ہے۔

(۴) **کڑوا**: مقوی قلب اور مصفی خون ہے۔ رطوبت کو خشک کر کے تقویت پیدا کرتا ہے۔ اکثر قابض ہے، پیشاب کو بھی روکتا ہے، خون کو صاف کرنے کے ساتھ ساتھ خون پیدا بھی کرتا ہے۔

(۵) **چرپرہ**: انتہائی گرم۔ ملین و مسہل، مقوی جگر، جسم میں صفرا پیدا کرتا ہے۔ جسم کے ہر قسم کے زہروں کو ختم کرتا ہے۔ انتہائی ہاضم ہے۔

(۶) **نمکین**: گرمی کے ساتھ رطوبات پیدا کرتی ہے۔ لذیذ ہے، ملین اور مسہل اثر رکھتا ہے۔ ریاح کا اخراج کرتا ہے۔ ریاحی دردوں کے لئے اکسیر ہے۔

قیاس سے تجربات کی طرف

قیاس کے جن مبادیات پر بحث کی گئی ہے وہ پانچ ہیں: قوام، استحالہ، رنگ، بو، ذائقہ۔

دراصل قیاس کو عملی مشاہدہ کہنا چاہیے۔ انہی عملی مشاہدات یا قیاس حالات سے انسان یا محقق تجربات اور تحقیقات کی خاردار وادی میں قدم رکھتا ہے، جہاں پر تجربات کی خوفناک مشکلات بھی ہیں اور حسب منشا مقاصد کے نتائج حاصل ہونے کے بعد سکون قلب اور راحت دماغ بھی ہے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ قیاس یا عملی مشاہدات کے حالات انسان کو خطرناک تجربات سے بہت حد تک محفوظ رکھتے ہیں۔ اس کو ذہن نشین کر لیں کہ جب تک قیاس تقریباً یقین کے مقام تک نہ پہنچے اس وقت تک تجربات کی خاردار وادی میں قدم رکھنا خطرات کا مول لینا ہے۔

خواص الاشیاء کی تحقیقات کے لئے تجربات کرنے کے لئے قیاس سے پہلے یقین کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔ ان کے متعلق ہم لکھ چکے ہیں کہ وہ تین ہیں: ○ دینی معلومات یا ان کے تحت حالات ○ گزشتہ تجربات و مشاہدات ○ وہم و وجدان۔ ان کی روشنی میں بہت حد تک خطرات ختم ہو جاتے ہیں یا کم ہو جاتے ہیں جن کی تفصیل تو بہت طویل ہے، لیکن مختصر یہ ہے۔

① دینی معلومات اور ان کے تحت اور حالات انتہائی یقینی صورتیں ہیں، کیونکہ یہ وحی، الہامات اور کشف ہوتے ہیں ان کی سچائی میں

بال برابر فرق نہیں ہوتا۔ آیورویدک اور طب کا اکثر حصہ انہی پر مشتمل ہے۔ مثلاً قرآن حکیم اور حدیث شریف میں جن اشیاء کے افعال واثرات اور خواص وفوائد بیان کئے گئے ہیں وہ سب بالکل یقینی ہیں۔ قرآن حکیم نے فرمایا ہے کہ:

﴿ لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ﴾ ''اللہ تعالیٰ کی تخلیق میں کوئی تبدیلی نہیں ہے''۔

یعنی دس ہزار سال پہلے جس شے کو جو افعال واثرات اور خواص وفوائد تھے آج بھی وہی ہیں۔ مگر ہم ان سے پوری طرح واقف نہیں ہیں۔

(۲) گزشتہ تجربات ومشاہدات بھی اپنے اندر یقینی صورتیں رکھتے ہیں۔ کیونکہ ان سے ان کی بہت حد تک حقیقت کا علم ہو جاتا ہے۔

(۳) وہم ووجدان عقل کی کرشمہ سازیاں ہیں جو احساسات اور حالات اور تجربات مشاہدات کے تحت کام کرتے ہیں۔ عقل کے فیصلے ہمیشہ تحت الشعور کے ذریعے ہوتے ہیں اور ان سب صورتوں کا وہم ووجدان کو علم ہوتا ہے۔ احساسات وادراکات اور تجربات ومشاہدات اگر صحیح ہیں تو وہم ووجدان کے تحت عقل کے فیصلے درست ہو جاتے ہیں۔

قیاس سے تجربات کی عملی صورت

کسی شے کے تجربات کی عملی صورت اگر یقینیات میں سے کوئی علم سامنے نہیں ہے تو قیاسات کے مبادیات کو سامنے رکھ کر ایک ایک مشاہدہ کو عملی صورت میں لائیں اور ان کے نتائج لکھتے جائیں اور ان پر غور کریں اور ان کو تطبیق دیں اور جہاں اشیاء کی بو لینے اور ذائقہ چکھنے کا تعلق ہے اس میں جلدی نہ کریں۔ کیونکہ یہ دونوں تجربات اگرچہ بہت حد تک یقینی ہوتے ہیں لیکن دونوں خطرناک بھی ہوتے ہیں۔ مجھے کئی بار خود زندگی کے خطرات سے دوچار ہونا پڑا اور تکالیف برداشت کیں۔ اس لئے احتیاط بہت ضروری خیال کرنی چاہئے اور قیاسات پر خوب غور کر لینا چاہئے، کیونکہ قیاسات کی بنیاد بھی اکثر کسی نہ کسی تجربہ پر ہوتی ہے۔ اس لئے علامہ نفیس کا قول ہے کہ تجربات کا طریقہ اور عمل طبیب اور غیر طبیب دونوں کے لئے عام ہے۔ برخلاف ازیں قیاس کا طریقہ صرف فاضل اطباء کے لئے مخصوص ہے۔

جاننا چاہئے کہ تجربات میں ہمارے سامنے دو قسم کی اشیاء آتی ہیں۔ ایک وہ جن کے قیاسات سے ہماری تسلی ہو چکی ہے اور ہم ان کو کسی قانون اور قاعدے کے تحت ترتیب دے لیتے ہیں اور بے خطر ان کے تجربات میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ لیکن بعض ادویات ایسی ہوتی ہیں جن کے قیاسات سے ہماری پوری تسلی نہیں ہوتی۔ ان کو ہم کسی قانون اور قاعدے کے تحت ترتیب دے سکتے ہیں اور نہ ہی ان پر تجربات کر سکتے ہیں۔ انہی دونوں صورتوں کے متعلق علامہ نفیس لکھتے ہیں، تجربہ سے دوا کے دونوں قسم کے اثرات معلوم ہو سکتے ہیں۔

(۱) خواہ وہ اثر کسی خاص کیفیت کی وجہ سے ہو۔

(۲) خواہ وہ عجیب وغریب اثر صورت نوعیہ کی وجہ سے ہو۔

اس کے برخلاف قیاس سے وہی پہلی قسم کے اثرات معلوم ہو سکتے ہیں جن کی کیفیت عمل میں بتائی جا سکتی ہے۔ اس کے بعد علامہ نفیس شرائط تجربہ کی تشریح کرتے ہیں جو شیخ الرئیس بوعلی سینا نے لکھی ہیں۔ وہ سات ہیں۔

تجرباتِ اشیاء کے لئے پہلی شرط

اوّل تجربہ انسان پر کیا جائے۔ اس شرط کی پابندی کی ضرورت دو وجوہ سے علامہ نفیس نے کی ہے:

(۱) انسانی مزاج دوسرے حیوانات کے مزاج سے یقیناً اختلاف رکھتا ہے۔ اس لئے ممکن ہے کہ کوئی انسانی مزاج کے لئے گرم ہو اور

دوسروں کے لئے سرد یا انسانی مزاج میں کوئی مخصوص اثر پیدا کرتی ہے اور حیوانی مزاج میں اس کے متضاد پیدا کرتی ہو۔

(۲) ممکن ہے کہ کسی حیوان کے بدن میں اسی دوا سے متاثر ہونے یا نہ ہونے کی خاصیت ہو اور یہ خاصیت انسانی مزاج میں نہ ہو مثلاً ایک پرندہ اپنی خاصیت سے شوکران کھاتا ہے اور نہیں مرتا (شوکران ایک مخدر زہر ہے)۔

بیان کیا جاتا ہے کہ بادام کا ایک دانہ یا خرے کا ایک دانہ گھوڑے کے لئے سخت مسخن ہے۔ اس قلیل مقدار سے اتنے بڑے جانور کے بدن میں بکثرت پسینہ آتا ہے۔ اسی طرح انسان کے فضلات (بول و براز وغیرہ) جو انسان کے لئے زہر کا درجہ رکھتے ہیں۔ مگر دوسرے جانوروں کے لئے من بھاتا کھانا ہے۔ اسی طرح بکریاں سمی نباتات (مثلاً آک) کو خوب کھاتی ہیں۔ مور سانپ کو کھا جاتا ہے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ ممکن ہے ان دونوں باتوں میں انسانی افراد بھی ایک دوسرے سے اختلاف رکھتے ہوں؟ پھر انسان پر تجربہ کیسے یقینی ہو سکتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ انسانی افراد چونکہ ایک نوع ہونے کی وجہ سے باہم اتحاد رکھتے ہیں اس لئے ان کے حالات زیادہ تر ایک دوسرے کے مشابہ ہوا کرتے ہیں۔ اگر یہاں کچھ مخالفت ہوتی بھی ہے تو وہ زیادہ نہیں ہوتی۔ برعکس اس کے انسانی افراد اور دیگر حیوانات کے افراد کے درمیان نہایت درجہ اختلاف ہوا کرتا ہے۔

لیکن بہرحال یہ صحیح اور درست ہے کہ بعض افراد میں بعض سمیات تک مہلک اثر ظاہر نہیں کرتیں اور بعض افراد میں معمولی دوا بھی نہایت مہلک اور قوی اثر ظاہر کرتی ہے۔ غرض انسانی افراد میں بھی بعض مرتبہ اختلاف عظیم ظاہر ہوتا ہے، لیکن چونکہ ایسا اختلاف شاذ و نادر ہوتا ہے اس لئے اس کو خصوصیت مزاجیہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

تجربات اشیاء کے لئے دوسری شرط

شیخ الرئیس لکھتے ہیں کہ دوا طبعی اور اصلی حالت میں ہو۔ تمام بیرونی عوارض اور عارضی کیفیات سے خالی ہونی چاہئے۔ اس پر علامہ ابن نفیس لکھتے ہیں کہ عارضی کیفیات سے مراد وہ کیفیات ہیں جو دوا کی طبیعت سے نہ پیدا ہوئی ہوں بلکہ وہ یا کسی خارجی اثر سے پیدا ہوئی ہیں۔ مثلاً کوئی شے آگ سے گرم یا برف سے سرد ہو گئی ہو یا وہ عارضی کیفیت اندرونی طور پر کسی اور وجہ سے پیدا ہو گئی ہو۔ مثلاً کوئی دوا متعفن ہو گئی ہو یا یہ کہ مفردات رکھے رکھے بگڑ گئے ہوں، چنانچہ وہ افیون گرمی پیدا کر سکتی ہے اور عروق کو پھیلا سکتی ہے جو آگ پر گرم کر لی گئی ہو۔ اسی طرح وہ افیون اپنے ذاتی فعل کے خلاف عروق کو سکیڑ سکتی ہے اور ٹھنڈ پہنچا سکتی ہے جو برف سے ٹھنڈی کر لی گئی ہو، اسی طرح عفونت جیسی دیگر کیفیت دوا کی اصلی طبیعت کو بدل کر دوسری طبیعت اور دوسرے خواص پیدا کر دیتے ہیں۔

تجربات اشیاء کے لئے تیسری شرط

شیخ الرئیس لکھتے ہیں کہ دوا کو متضاد اور مختلف امراض میں استعمال کیا جائے۔ اس پر علامہ ابن نفیس تحریر کرتے ہیں جس سے کسی مرض میں نفع ظاہر ہو اور کسی میں نقصان۔ اس سے معلوم ہو جائے گا کہ دوا کی کیفیت اس مرض کی کیفیت کے مانند ہے جس میں نقصان ظاہر ہوا ہے اور اس مرض سے مختلف ہے جس میں نفع محسوس ہوا ہے۔ یہ شرط اس وقت کے لئے ہے جب کہ تجربہ مرض میں کیا جائے۔

اگر کوئی شخص یہ اعتراض پیش کرے کہ دوا کا نفع اور نقصان متضاد امراض میں جس طرح بالذات ہونا ممکن ہے اسی طرح بالعرض ہونا بھی ممکن ہے۔ پھر دوا کی کیفیت کا یقین کیونکر ہو سکتا ہے۔ اس سوال کا جواب اس طرح دیا گیا ہے کہ یہ اگرچہ ممکن الواقع ہے لیکن یہ ذرا بعید ہے کیونکہ نفع اور نقصان علی العموم دوا کے ذاتی اثر سے ہی ہوا کرتا ہے۔ لیکن جب تجربہ صحت کی حالت میں کیا جائے تو اس وقت دوا کی

کیفیت اس طرح معلوم ہوسکتی ہے کہ ایک مزاج میں وہ مفید ثابت ہو اور اس کے مخالف مزاج میں مضر اگر چہ اسے متضاد امراض میں تجربہ نہ کیا جائے۔

اسی طرح دوا کی تمام خصوصیات کو معلوم کرنے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ دوا کو مختلف مقدار، مختلف عمروں اور مختلف موسموں میں اور مختلف طریقوں سے استعمال کیا جائے اور جو آثار ظاہر ہوں ان کو قلم بند کیا جائے۔ کیونکہ یہ ممکن ہے کہ مثلاً ایک دوا تھوڑی مقدار میں کچھ اثر کرے اور بڑی مقدار میں کچھ اور، اسی طرح مختلف ادویہ کے ساتھ ملنے سے دوا کی تاثیر گاہے تیز ہو جاتی ہے اور گاہے سست اور گاہے اصلی اثر باطل ہو جاتا ہے۔ اس قسم کی باتیں اس وقت معلوم ہوسکتی ہیں جب کہ دوا کو مختلف طور پر استعمال کر کے آزمایا جائے۔

تجربات اشیاء کے لئے چوتھی شرط

جناب شیخ الرئیس لکھتے ہیں دو دوائیں بسیط اور مفرد امراض میں استعمال کی جائیں۔ اس کی وضاحت علامہ ابن نفیس اس طرح کرتے ہیں یہ شرط بھی اسی قوت کے لئے ہے کہ جب تجربہ مرض کی حالت میں کیا جائے۔ یہ شرط اس لئے ضروری ہے کہ جب مرض مرکب ہوتا ہے تو اس میں متضاد کیفیات سے نفع حاصل ہوتا ہے جب اس میں کوئی دوا استعمال کی جائے گی اور اس میں نفع اور نقصان حاصل ہوگا تو اس سے اس دوا کی کسی کیفیت کا علم نہ ہو سکے گا۔

تجربات اشیاء کے لئے پانچویں شرط

شیخ الرئیس لکھتے ہیں جس قوت کا وہ مرض ہو اور جس قدر وہ درجہ اعتدال سے دور ہو، اسی قوت کی دوا بلحاظ درجہ کیفیت اور وزن کے استعمال کرنی چاہئیں۔ علامہ ابن نفیس اس پر تشریح کرتے ہیں، کیونکہ گاہے دوا کی کیفیت مرض کی کیفیت سے اگرچہ مخالف ہوتی ہے مگر وہ محض اس وجہ سے ضرر رساں ہوتی ہے کہ اس کی قوت مرض کی شدت سے زیادہ ہوتی ہے کیونکہ کسی کیفیت کی غیر معمولی زیادتی بھی حیات و صحت کے لئے منافی ہوتی ہے۔ اسی طرح اگر دوا کی قوت مرض کی قوت سے کم ہوتی ہے تو گاہے اس کا اثر ظاہر نہیں ہوتا اور اس لئے اس کی کیفیت کا علم نہیں ہوسکتا ہے۔

اسی طرح ہدایت کی جاتی ہے کہ مجہول الماہیت ادویہ کے تجربات میں سخت احتیاط کی ضرورت ہے۔ پہلے بہت ہی تھوڑی مقدار میں دوا استعمال کر کے آثار کا مطالعہ کیا جائے، اس کے بعد بتدریج ترقی کی جائے۔

تجربات اشیاء کے لئے چھٹی شرط

شیخ الرئیس لکھتے ہیں اس کا اثر ابتداً ظاہر ہو۔ علامہ ابن نفیس اس کی شرح یوں کرتے ہیں کیونکہ دواؤں کی اصلی قوتوں کے آثار علی العموم اس وقت ظاہر ہو جاتے ہیں جب کہ وہ حرارت غریزیہ سے متاثر ہوتی ہیں۔ اگر ان سے ابتداء میں کوئی اثر ظاہر نہ ہو یا پہلے ایک اثر ظاہر ہو اور اس کے بعد دوسرا اثر اس کے برعکس نمودار ہو تو اس وقت علی العموم یہی ہوتا ہے کہ بعد کا اثر عارضی ہوتا ہے۔ خصوصاً اس وقت جب کہ بعد کا اثر اس وقت ظاہر ہو جب دوا بدن سے خارج ہو چکی ہو اس لئے یہ تو نہایت بعید از عقل بات ہے کہ دوا کا اثر اس وقت تو ظاہر نہ ہو جب کہ دوا بدن کے اندر موجود ہو اور اس کے اجزاء اعضاء سے ملاقی ہوں اور جب وہ بدن سے خارج ہو جائے تو اس کا اثر ظاہر ہو اور یہ اثر ذاتی ہو۔

رہا یہ امر کہ ہم نے اس میں "علی العموم" کی قید لگائی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ بعض اجسام کا ذاتی اثر ان کے عارضی اثر کے بعد

ظاہر ہوا کرتا ہے اور ایسا اس وقت ہوتا ہے جب کہ کوئی عارضی قوت ان کی اصلی قوت پر غالب آجاتی ہے۔ مثلاً گرم پانی سے گرمی پیدا ہوتی ہے۔ اس کے بعد جب عارضی اثر دور ہو جاتا ہے تو اس سے ٹھنڈک پہنچتی ہے۔

علاوہ ازیں ''علی العموم'' کی قید اس لئے بھی ضروری ہے کہ بعض دوائیں دو یا زیادہ جوہروں سے مرکب ہوتی ہیں اور یہ جوہر مختلف اوقات میں کام کرتے ہیں اس لئے یہ دونوں اثرات خواہ متضاد ہوں اور آگے پیچھے ظاہر ہوں اصلی اور ذاتی ہی ہوں گے۔ ریوند چینی میں ایک جوہر مسہل ہے جو پہلے عمل کرتا ہے اور ایک جوہر قابض ہے جو بعض کو آنتوں میں قبض پیدا کرتا ہے۔

نوٹ: دوا کا پہلا اثر مشینی ہوتا ہے اور دوسرا کیمیائی، جیسے ریوند چینی اعصابی غدی ہے۔ اعصاب میں شدید تحریک سے اسہال ہو جاتے ہیں پھر رطوبت کی زیادتی سے عضلات میں سکون پیدا ہو کر قبض ہو جاتی ہے۔

تجربات اشیاء کے لئے ساتویں شرط

شیخ الرئیس لکھتے ہیں کہ دوا کی تاثیر دائمی یا اکثری ہو۔ علامہ ابن نفیس اپنے خیالات یوں لکھتے ہیں جو دوا دائمی اور اکثری نہ ہو وہ علی العموم اتفاقی ہوا کرتی ہے۔ اصلی اور طبعی نہیں ہوتی۔ کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ جو اثرات کسی دوا کی طبیعت سے پیدا ہوتے ہیں وہ اس سے الگ نہیں ہو سکتے۔

چونکہ ادویہ مجہول التاثیر کے تجربہ اور امتحان میں خطرات بہت زیادہ ہیں جیسا کہ ابوالطب بقراط نے اشارہ کیا ہے۔ کیونکہ بسا اوقات ذرا سی غفلت و کوتاہی سے محض تجربہ و آزمائش میں انسان کی قیمتی جانیں ضائع ہو جاتی ہیں۔ ممکن ہے کہ وہ مجہول دوا شدید زہر ہو جس کی ذرا سی مقدار ہلاکت بن جائے۔

تجربات الادویہ کا طریق کار

حکیم بقراط نے لکھا ہے کہ بعض اوقات ذرا سی غفلت اور کوتاہی سے محض تجربہ و آزمائش میں انسان کی قیمتی جان ضائع ہو جاتی ہے۔ ممکن ہے وہ مجہول دوا شدید زہر ہو اور چونکہ مجہول التاثیر ادویہ کے تجربہ و امتحان میں بہت زیادہ خطرات ہیں جس کی ذرا سی مقدار موجب ہلاکت بن سکتی ہے۔

اس لئے اطبائے قدیم نے تجربات کے لئے چند شرائط مقرر کر دی ہیں:

① جس دوا کے اثرات کی آزمائش کرنے کا ارادہ ہو اس کے کھلانے سے پہلے یہ غور اور احتیاط سے دیکھ لیں کہ اس کی بو، مزہ اور رنگ کیا ہے۔ اگر اس کی بو اور مزا ناگوار و مکروہ ہو تو سمجھنا چاہئے کہ وہ مضرت سے خالی نہیں ہے۔ ایسی دوا کو سخت احتیاط سے استعمال کرنے کی ضرورت ہے۔

اسی طرح کسی چیز کے استعمال کے بعد طبیعت میں کراہت اور نفرت پیدا ہو تو سمجھنا چاہئے کہ وہ خطرناک اور مضر اجزا سے خالی نہیں ہے۔ بے پروائی کے ساتھ استعمال کرنے سے قبل تجربہ کے ابتدائی مراحل طے کرنے کی ضرورت ہے۔

بعض دوائیں ایسی قوی العمل بھی ہیں کہ وہ ذرا سی مقدار میں چکھنے اور سونگھنے سے باعث موت ہوتی ہیں۔ اس لئے حقیقی احتیاط یہ ہے کہ مجہول ادویہ کے چکھنے اور سونگھنے کی بھی جرات نہ کی جائے۔ بلکہ حیوانات پر تجربات کئے جائیں جیسا کہ ذیل میں بتایا

گیا ہے۔

② مجہول ادویہ کے تجربات پہلے حیوانات پر کئے جائیں۔علی الخصوص ایسے حیوانات پر جن کے مزاج انسانی مزاج کے قریب تر ہیں۔ مثلاً بندروغیرہ اور جواثرات ظاہر ہوں ان کا بغور مطالعہ کریں۔اثنائے تجربات میں ان جانوروں کو اپنی نگرانی میں رکھیں اور کھانے پینے کی پوری پوری پابندی کا بندوبست کیا جائے، جب بار بار کی آزمائش کے بعد کوئی اثر متعین ہوجائے تو انسان میں اس مقصد کے لئے بمقدار قلیل استعمال کی جرات کریں پھر بتدریج اس مقدار کو بڑھا کر دیکھا جائے لیکن ہر حالت میں عزم واحتیاط کا دامن ہاتھ سے چھوٹنے نہ پائے۔

③ حیوانات پر تجربہ کرنے کے بعد جب انسان پر تجربہ کرنے کا وقت آئے تو ابتدائی تجربہ کے لئے ایسے آدمی کا انتخاب کریں جو قوی، توانا، فربہ اور کچھ عمر رسیدہ ہو۔بچوں، بوڑھوں اور کمزوروں پر پہلے ہرگز نئی چیز کا تجربہ نہ کیا جائے، ان میں تحمل کی قوت کم ہوتی ہے۔مبادا وہ دوا سمی ہو جس کے مضرات ایسے لوگوں کے لئے ناقابل برداشت ثابت ہوں۔اس کے بعد دوسرے متعدد لوگوں میں اس کے اثرات دیکھے جائیں۔اس طرح دوا کا مزاج، درجہ، تاثیر خواص اور مقدار خوراک کا تعین ہوا کرتا ہے۔

معلوم اثرات سے راہنمائی

شیخ الرئیس لکھتے ہیں گا ہے قیاس کے قوانین واصول ادویات کے ان افعال تاثرات سے اخذ کئے جاتے ہیں جو ہمیں پہلے سے معلوم ہیں۔جس سے ہمیں بطریق استدلال وقیاس ادویہ کی نامعلوم تاثیرات کے لئے نمایاں رہبری حاصل ہوجاتی ہے۔جیسے:

① ایک دوا کی مالش جلد پر کی گئی تو اس سے تھوڑی دیر کے بعد جلد کی رگیں کشادہ ہوگئیں۔اس مقام کی حرارت بڑھ گئی اور دوران خون تیز ہوگیا۔لیکن اس دوا کے متعلق ہمیں یہ پتہ نہیں ہے کہ یہ عضو کی لاغری کو دور کرتا ہے، محرک باہ ہے یا محلل اورام ہے۔اب ہمیں قیاس واستدلال سے کام لینے کی ضرورت ہے۔چونکہ ہمارے علم میں پہلے سے چند ایسی دوائیں ہیں جو جلد کی رگوں کو کشادہ کرتی ہیں اور جب اعضاء متعلقہ فعل پر ان کی مالش کی جاتی ہے تو وہ تحریک باہ کی موجب بنتی ہیں۔ورم پر لگانے سے ورم کو تحلیل کرتی ہے اور لاغر عضو کی مالش سے اس میں فربہی لاتی ہے اس لئے ہم قیاس کرسکتے ہیں کہ زیر غور دوا بھی شاید (بلکہ گمان غالب ہے) مسمن عضو، محرک باہ اور محلل اورام ہو۔

② دوسری مثال یہ ہے کہ کسی دوا کے متعلق ہمیں اس قدر معلوم ہے کہ وہ زبان اور منہ کی غشائے مخاطی میں قبض پیدا کرتی ہے۔مگر یہ معلوم نہیں ہے کہ وہ نکسیر کے خون کو بند کرتی ہے یا نہیں اور سیلان الرحم میں مفید ہے یا نہیں۔ایسی حالت میں دوسری قابض ادویات پر قیاس کر کے یہ حکم لگا سکتے ہیں کہ چونکہ یہ دوا غشا مخاطی پر قبض کا اثر رکھتی ہے اس لئے ثابت ہوتا ہے کہ اس کے اندر قابض جزو ضرر موجود ہے تو قوی قیاس یہ ہے کہ اس کا قابض جزو عروق کو سکیڑ کر نکسیر کے خون کو روک دے اور اندام نہانی کی غشائے مخاطی پر قوت قابض سے اثر کر کے سیلان اور رطوبت میں کمی کردے۔جیسا کہ دوسری قابض دوائیں عمل کیا کرتی ہیں۔

③ تیسری مثال یہ ہے کہ ایک دوا کا اثر ہمیں یہ معلوم ہے کہ سڑے ہوئے گوشت کی بوٹی پر جب اس کو ڈالا جاتا ہے تو اس کا تعفن رُک جاتا ہے، اسی طرح اگالدان میں بلغم گندا ہوجاتا ہے تو اگالدان میں ڈالنے سے سڑاند کم ہوجاتی ہے اور گندی نالیوں میں

جب ڈالا جاتا ہے تو نالی میں تعفن کم ہو جاتا ہے، لیکن اس دوا کا اثر معلوم نہیں ہے کہ بدن کے گندے زخموں پر اس کا کیا اثر ہے سر اور کپڑوں کی جوں، جسم کی جوں، لیکھ اور دوسرے چھوٹے چھوٹے جانداروں پر کیا کیا عمل ہوتا ہے یا اس دوا کے استعمال سے گندے زخموں کی عفونت بھی زائل ہو جاتی ہے یا نہیں اور چھوٹے چھوٹے حیوانی نباتاتی جاندار اس سے تباہ و برباد ہوتے ہیں یا نہیں۔ اس دوا کے مذکورہ بالا فعل سے (نالی وا گالدان اور بوئی وغیرہ کے ازالہ عفونت سے) ہم یہ قیاس کر سکتے ہیں جو شاید تجربہ سے بھی صحیح اُترے کہ یہ دوا ان چھوٹے جانوروں کو بھی تباہ کرتی ہوگی اور اس کے استعمال سے بدن کے گندے زخم کی عفونت زائل ہو جاتی ہوگی۔

یہ صرف تین ہیں، اس قسم کی بے شمار مثالیں دی جا سکتی ہیں جو معلوم اثرات سے قیاس کر کے تجربات کئے جا سکتے ہیں جس سے ہم یقین کے درجہ پر پہنچ سکتے ہیں۔

مرکبات میں مغالطہ

یہ یاد رکھیں کہ مفرد ادویات و اغذیہ اور زہروں کے قیاس میں جو قوام، استحالہ، رنگ، بو اور مزا سے افعال و اثرات اور خواص کئے جاتے ہیں اس میں کسی صورت میں بھی مغالطہ ہونا ممکن نہیں ہے مگر مرکب ادویات میں یہ مغالطہ ہونا یقینی امر ہے۔ کیونکہ مرکبات میں ادویات کا قوام، استحالہ، رنگ، بو اور مزہ اس طرح ہرگز ترکیب و ترتیب نہیں پاتا جس طرح مفرد ادویات میں یہ صورتیں پیدا ہو جاتی ہیں۔

اسی طرح مزاج ثانی کے مرکبات اور ادویہ مرکب القویٰ میں خواہ وہ طبعی ہوں یا صناعی اکثر مغالطہ ہوتا ہے۔ جس کی مثال دودھ و شہد اور شربت وغیرہ میں کسی دیگر غذا یا دوا یا زہر کا شامل کر دینا یا دو یا دو سے زیادہ اغذیہ و ادویہ اور زہروں کو اگر آپس میں ملا دیا جائے تو ان کے اثرات کو قیاس کے مبادیات سے سمجھنا بہت مشکل ہے کیوں کہ ان کا قوام، استحالہ، رنگ، بو اور مزہ کبھی بھی فطرت کے مطابق تیار نہیں ہو سکتا۔ البتہ مفردات کو سمجھ کر مرکبات تیار کرنا ممکن ہے اور یہ ترکیب و ترتیب پر اور مرکبات کو سمجھا جا سکتا ہے اسی طرح کشتہ جات، روغنیات اور ست و جواہرات اور اسی طرح الکلائیڈ (تجزیہ شدہ ادویات) جیسی ادویات یا ان کے مرکبات کے افعال و اثرات اور خواص کو قیاس کے مبادیات سے سمجھنا نہایت مشکل ہے۔ البتہ اگر کسی مرکب دوا کا تجزیہ کر لیا جائے تو اس مرکب دوا کے افعال و اثرات اور خواص کو مدنظر رکھتے ہوئے اسی قسم کے دیگر مرکبات پر قیاس کیا جا سکتا ہے اور ان کے تجربات سے خاطر خواہ فوائد حاصل کئے جا سکتے ہیں۔

ان حقائق سے ان امور کو ذہن نشین کر لینا چاہئے کہ قیاس ہمیشہ مفرد اغذیہ و ادویہ اور زہروں پر کیا جا سکتا ہے اور انہیں کے تجربات بھی کئے جا سکتے ہیں۔ مرکب ادویات کے افعال و اثرات اور خواص معلوم کرنے کے لئے پہلے ان کا تجزیہ کر کے مفردات میں تقسیم کر لینا چاہئے اور پھر ان کے افعال و اثرات اور خواص کے تحت مرکبات کے متعلق قیاس و تعین کیا جا سکتا ہے۔

جسم پر تاثیرات ادویہ

جسم انسان یا حیوان پر جو اغذیہ و ادویہ اور زہر استعمال ہوتے ہیں وہ اپنا اثر رکھتے ہیں۔ اغذیہ، ادویہ اور زہروں کے یہ تاثرات و افعال حالت صحت میں بھی معلوم ہوتے ہیں اور حالت مرض میں بھی ان کا پتہ چلتا ہے۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اشیاء کے اثرات و افعال معلوم کرنے کے لئے ان کا استعمال کسی مرض میں ہزاروں ادویات اور سینکڑوں مجربات درج ہیں۔ لیکن معالج ان کو باری باری کسی مریض پر

تجربہ کرتا ہے مگر ناکام ہوکر حیران ہو جاتا ہے۔ کیونکہ مرض کی علامت اپنی حالت پر قائم ہے لیکن وہ اس امر پر غور نہیں کرتا کہ ان تمام اغذیہ و ادویہ اور زہروں میں شکلاً اور عملاً جو فرق ہے اس کے باوجود وہ سب دافع ریاح کیوں مفید ہیں۔ عام مشہور ادویہ جو معدہ کے ریاح میں مفید ہیں ان میں سے تین پر غور کریں۔ مثلاً (۱) بادیان (۲) زنجبیل (۳) ہینگ۔ تینوں ریاح معدہ کے لئے نہ صرف مفید ہیں بلکہ اکسیر ہیں لیکن چونکہ معالج اس کے مقام و اسباب مرض سے واقف نہیں ہوتا اس لئے وہ اکثر ناکام رہتا ہے لیکن حقیقت میں ان کے مفید بلکہ اکسیر و تریاق ہونے میں کوئی شک نہیں ہے چونکہ معالج دوا اور اسباب مرض سے واقف نہیں ہے اس لئے ہمیشہ مجربات کی طلب کرتا رہتا ہے بلکہ اس کو جوع المجربات کا مرض ہو جاتا ہے۔ ان حقائق سے ثابت ہے کہ امراض کی حالت میں اشیاء کے اثرات و افعال لینا مفید تو ہیں لیکن یقینی نہیں ہوتے ان کو اکسیر و تریاق کہنا بالکل غلط ہے۔

تندرست پر تاثیر الادویہ

فرنگی طب اور ماڈرن سائنس نے اغذیہ و ادویہ اور زہروں کے اثرات و افعال لینے کے لئے ایک جدید طریقہ اختراع کیا ہے کہ اشیاء کو تندرست جانوروں پر استعمال کر کے ان کے افعال و اثرات حاصل کئے جائیں۔ اس مقصد کے لئے انہوں نے ادنیٰ حیوانات جن میں مینڈک، خرگوش، چوہے، بلیاں، کتوں اور بندروں پر اپنے تجربات کئے۔ بلکہ گھوڑوں اور گدھوں کو بھی اپنے تجربات میں شامل کر لیا ہے۔ اگرچہ یہ اصول تجربات قانون کے مطابق تو درست ہیں لیکن ان کو بالکل انسانی جسم کے مطابق نہیں کہا جا سکتا۔ البتہ ان تجربات سے جسم کے مختلف اعضاء کے افعال اور خون کے کیمیائی اثرات کی حقیقت پر صحیح تجربات اور معلومات حاصل کی گئیں اور علمی و فنی دُنیا میں ایک بہت بڑا اضافہ ہوا اور اشیاء کے بعض اثرات یقینی ہیں اور اس سے خواص و فوائد ادویہ میں بہت اضافہ ہوا ہے۔

فرنگی طب میں اثرات الادویہ میں خرابیاں

فرنگی طب اور ماڈرن سائنس نے تندرستوں پر اغذیہ اور زہروں کے تجربات کر کے ایک جدید راستہ تو ضرور پیدا کیا اور اس سے بہت حد تک مفید نتائج بھی حاصل ہوئے ہیں، مگر اس طرح حاصل کئے ہوئے اثرات و افعال بھی یقینی اور بے خطا نہیں بن سکے۔ ان میں چار قسم کی خرابیاں پائی جاتی ہیں:

① تندرستوں پر حاصل شدہ اثرات مرکب اعضاء کے ماتحت ہیں۔ مفرد اعضاء (ٹشوز) کے تحت بالکل حاصل نہیں کئے گئے اس لئے اعضاء پر یہ اثرات درست تو ہیں مگر یقینی نہیں ہیں، کیونکہ ہر سبب کے بعد نتیجہ بدل جاتا ہے۔

② اگر کہیں ایک مفرد عضو کا ذکر ہے بھی تو وہ اثرات و افعال صرف اسی ایک تک محدود ہیں، دیگر مفرد اعضاء پر ان کے اثرات نہیں ملتے کہ بیک وقت ایک دوا کے اثرات و افعال کا تمام مفرد اعضاء پر علم ہو سکے اور اس طرح اشیاء کے اثرات و افعال کا مختلف مفرد اعضاء سے تعلق کا علم ہو سکے اور مختلف مفرد اعضاء کا باہمی تعلق کا پورا پورا پتہ چل سکے۔ اس طرح امراض کی حالت میں بھی ان کا تعلق قائم رہتا ہے۔

③ یہ اثرات و افعال مرکب اعضاء کے افعال و تیزی اور سستی اور دفع تعفن و قاتل جراثیم تک محدود ہیں، ان کا جسم انسان کے مشینی اور کیمیائی اعتدال سے کوئی تعلق نہیں ہے اس لئے امراض کے علاج میں اس قسم کے اثرات و افعال بہت حد تک ناکام اور غیر یقینی

ہیں،ان کا اثر دفع علامات تک ہوتا ہے جو عارضی ہوتا ہے۔

(۴) ان اثرات وافعال اور خواص اغذیہ وادویہ اور زہروں کا امراض کے ساتھ تطبیق نہیں دیا گیا،اسی لئے نتائج غیر یقینی ہیں۔

ان حقائق سے پتہ چلتا ہے کہ یہ خوفناک قسم کی خرابیاں ہیں اور یہی وجہ ہے کہ فرنگی طب اور ماڈرن سائنس کی مرض وعلامات کے لئے یقینی اور بے خطا مجربات پیش نہیں کرسکی اور ہر پانچ دس سال کے بعد ان کی اکسیر وتریاق قسم کی ادویہ اور مجربات غلط ثابت ہوجاتے ہیں اور نئی ادویات ومجربات نکل آتے ہیں۔ حیرت کی بات تو یہ ہے کہ جب وہ اپنے تجربات میں یہ معلوم کرلیتے ہیں کہ فلاں دوا کسی عضو کے افعال کو تیز وسست کردیتی ہے یا وہاں کا تعفن اور جراثیم فنا کردیتی ہے تو پھر وہ جب کسی مرض یا علامت میں استعمال کی جاتی ہے تو اس کا اثر یقینی اور بے خطا کیوں نہیں ہوتا۔یہی اس کی خوفناک خرابیاں ہیں۔

ہومیوپیتھی کے اثر الادویہ

ہومیوپیتھی (علاج بالمثل) میں تندرست انسانوں پر اثرات وافعال حاصل کیے جاتے ہیں۔ان سے جو علامات پیدا ہوتی ہیں، یہی علامات جب کسی مریض میں پائی جاتی ہیں،اور جب انہی علامات کی دوا کو تقلیل کے ساتھ استعمال کردینے سے وہ علامات کم وبیش دور ہوجاتی ہیں اور یہی علاج بالمثل ہے۔

بالمثل خواص الادویہ کے متعلق کہا جاتا ہے اس طریق پر حاصل کیے ہوئے اثرات افعال ہی یقینی شفا ہیں،لیکن حقیقت یہ ہے کہ حقیقی شفا کا تصور ایک خوش فہمی سے زیادہ نہیں ہے۔ کیونکہ کہنہ وپیچیدہ امراض تو رہے ایک طرف زندگی کے روزانہ امراض کے لئے بھی ان کے ہاں یقینی شفا نہیں ہے، کیونکہ بالمثل ادویہ میں مندرجہ ذیل خرابیاں پائی جاتی ہیں۔

(۱) بالمثل خواص الادویہ سے جو علامات حاصل کی جاتی ہیں وہ بے ربط اور بے ترتیب ہوتی ہیں، کیونکہ ربط وترتیب تو کسی مفرد عضو کے ماتحت ہوسکتا ہے یا کسی مرض کے تحت کیا جاسکتا ہے اور وہاں دونوں تصورات نہیں ہیں۔

(۲) بالمثل خواص الادویہ کی علامات چونکہ مرکب اعضاء کے تحت حاصل کی جاتی ہیں اس لئے ان سے یہ اندازہ نہیں لگایا جاسکتا ہے کہ اس عضو میں جو تکلیف ہے وہ اس کے اعصاب میں ہے یا عضلات وغدد میں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس تفریق کو سمجھنے کے لےء ہومیوپیتھی میں سفلس،سورا اور سائیکوسس کا تصور پیدا کیا گیا ہے،مگر اس کو نظر انداز کردیا گیا ہے۔

(۳) ہومیوخواص الادویہ سے علاج صرف رفع علامات تک ہے کیونکہ ان میں نہ مفرد اعضاء (ٹشوز) کے افعال واعمال کا پتہ چلتا ہے اور نہ ہی ان میں امراض کا تعین ہے۔ حقیقت امراض (پیتھالوجی) کا ذکر ہی بے سود ہے۔

(۴) انسانی خون ہمیشہ غذا سے بنتا ہے، دوا سے نہیں بنتا۔اس لئے خون میں جو غذائی تغیرات ہوتے ہیں ان کیمیائی صورتوں کا کہیں ذکر نہیں ہے، کیونکہ ہومیوپیتھی میں علم الغذا سرے سے نہیں ہے۔

ان حقائق سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ہومیوخواص الادویہ میں کیسی کیسی خوفناک خرابیاں پائی جاتی ہیں۔

ہومیوخواص الادویہ میں غلط فہمی

ہومیوپیتھ معالج اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ حقیقی شفا (کیور کمانڈ) صرف بالمثل خواص الادویہ میں حاصل ہوسکتی ہے۔ یہ خیال

بالکل غلط ہے اور تجربات سے ظاہر ہے کہ ادویات کے بالضد اثرات وافعال بھی حقیقی شفا بخش ہو سکتے ہیں جس کا سب سے بڑا ثبوت آیورویدک، طب یونانی اور فرنگی طب کے خواص الادویہ ہیں جن کے ساتھ صدیوں سے امراض کا علاج کیا جا رہا ہے اور بہت حد تک کامیاب ہے اور اگر ان کے قوانین خواص الادویہ پر علاج کیا جائے تو یقینی شفا حاصل ہوتی ہے۔

یہ بات ہمیشہ ذہن نشین رکھیں کہ شفا ادویہ کے استعمال سے نہیں ہوتی بلکہ ان قوانین پر ہوتی ہے جن کے تحت افعال واثرات حاصل کئے جاتے ہیں۔ اسی طرح علاج بالغذا، علاج بالفاقہ، علاج طب روحانی، علاج بالموسیقی، علاج نفسیاتی تجزیہ (سائیکوتھراپی)، کروموپیتھی (رنگوں سے علاج)، اسٹروپیتھی (مالش اور حالہ مرض) بلکہ جھاڑ پھونک اور تعویذ گنڈے وغیرہ سب کے اثرات وافعال بالضد حاصل کئے جاتے ہیں اور اکثر شفا بخش ہیں۔

جہاں تک ادویہ کے اثرات وافعال کا تعلق ہے، ہومیوپیتھ خوب جانتے ہیں کہ جن ادویات کو وہ بالمثل قلیل مقدار میں دیتے ہیں وہ وہی ادویات ہیں جن کو مسلسل استعمال کر کے انہوں نے یقینی علامات تندرست انسان پر حاصل کی ہیں ان کو ان علامات پر یقین ہے کہ وہ صحیح ہیں۔ اسی لئے وہ ان کی بالمثل قلیل مقدار دوائیں استعمال کر کے شفا حاصل کرتے ہیں۔ اگر ان کو ان ادویات کے صحیح ہونے کا یقین نہ ہو تو پھر وہ حقیقی شفا کا کیسے یقین کر سکتے ہیں۔ یہی علامات ہیں جن کو پیدا کرنے کے لئے علاج بالضد میں ادویات استعمال کی جاتی ہیں اور جب وہی علامات حسب منشا پیدا ہو جاتی ہیں تو وہ علامات خود بخود رفع ہو جاتی ہیں، جن کے خلاف وہ بالضد پیدا کی گئی ہیں۔ یہی علاج بالضد ہے جو ہزاروں سالوں سے رائج اور کامیاب ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ بالمثل علاج کا معالج انہی علامات کے مطابق ادویات قلیل مقدار میں استعمال کر کے وقتی طور پر ان علامات میں اضافہ کر دیتا ہے تاکہ قوت مدبرہ بدن ان کے مقابلے میں تیز ہو کر وقتی اضافہ کے ختم ہو جانے کے بعد ان مستقل علامات پر قابو پالے اور شفا حاصل ہو جائے اور بالضد علاج کا معالج ان علامات کے خلاف اعضا اور خون میں ایسے افعال واثرات پیدا کر دیتا ہے کہ وہ پہلی علامات پر غالب آ جاتی ہیں۔

جہاں تک علامات کا تعلق ہے، وہ ایک ہی قسم کی ہوتی ہیں، ان میں کوئی فرق نہیں ہو سکتا۔ جہاں تک شفا کا تعلق ہے، دونوں صورتوں میں یقینی ہے۔ یہ ہومیوپیتھی کی غلط فہمی ہے کہ بالمثل علاج میں یقینی شفا اور بالضد میں شفا نہیں ہے، بلکہ دیگر امراض کو پیدا کر دیتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ جس طرح ہومیوپیتھک انہی علامات کو عارضی طور پیدا کر دیتے ہیں، اسی طرح علاج بالضد کے معالج انہی علامات کے خلاف عارضی علامات پیدا کر دیتے ہیں۔ بہرحال نئی پیدا کردہ علامات عارضی ہوتی ہیں ان کے پیدا ہونے کے ساتھ ہی مرض کی علامات ختم ہو جاتی ہیں اور صحت قائم ہو جاتی ہے۔

علاج کی کامیابی صحیح دوا پر ہے

علاج بالضد یا علاج بالمثل میں اس وقت تک کامیابی نصیب نہیں ہوتی جب تک علامات کے مطابق صحیح دوا تجویز نہ کی جائے۔ ہر معالج اپنے قانون کے تحت مرض کی تشخیص کرتا ہے اور دوا تجویز کرتا ہے اور شفا اسی قانون کے تحت ہوتی ہے۔

مثلاً آیورویدک میں پیدائش مرض اور تجویز دوا دوشوں اور پرکرتیوں پر قائم ہے۔ جب جسم انسان میں ان کے اندر کمی بیشی یا خرابی پیدا ہو جاتی ہے یا وہ اپنا مقام بدل لیتے ہیں تو مرض و علامات پیدا ہو جاتی ہیں۔ بس انہی میں تدبیر وغذا اور دوا سے اعتدال پیدا کرنا

یقینی علاج ہے۔

طب یونانی میں پیدائش مرض اور تجویز دوا، کیفیات و مزاج اور اخلاط پر قائم ہے۔ جب جسم میں ان کے اندر کمی بیشی اور خرابی پیدا ہو جاتی ہے تو امراض و علامات پیدا ہو جاتے ہیں۔ انہی میں تدبیر و غذا اور دوا سے اعتدال یقینی علاج ہے۔

فرنگی طب (ڈاکٹری) میں پیدائش مرض اور تجویز دوا انسان کے کیمیائی اجزائے خون (آرگینک ایلی منٹس) پر رکھی گئی ہے کہ جب ان میں کمی یا خرابی واقع ہو جاتی ہے تو مرض کی علامات پیدا ہو جاتی ہیں۔ چونکہ اس کا موجد ''شسلر'' ہومیوپیتھی طریق علاج کا حامی تھا۔ اس لئے اس نے تشخیص اور تجویز دوا میں اس نظریہ کو مدنظر رکھنے کی بجائے ہومیو نظریہ تقلیل دوا کو اپنا لیا۔ جو اس نظریہ کے مطابق بالکل غلط تھا۔ یعنی اس کو یہ چاہیے تھا کہ جو اجزائے خون کم یا خراب ہیں انہی ادویات کو زیادہ سے زیادہ استعمال کر کے اس کی کمی اور خرابی کو پورا اور درست کرتا۔ لیکن اس نے برعکس اس کے خون کے کیمیائی بارہ چودہ اجزاء کی ہومیوپیتھی علامات لکھ کر ان کا علاج تقلیل ادویہ سے شروع کر دیا۔ اس طرح یہ ایک محدود ہومیوپیتھک علاج بن کر رہ گیا۔ اس کے علاوہ اس میں مرض کا تصور اور غذا کی اہمیت کا کہیں ذکر نہیں ہے۔ اس کو طریق علاج کہنا بنی نوع انسان پر ظلم ہے۔ اس میں علم و فن طب کا کوئی بھی شعبہ مکمل یا غیر مکمل نہیں پایا جاتا۔ ہومیوپیتھی، بایوکیمک اور دیگر اس قسم کے علاج کو عطایانہ حیثیت سے زیادہ اہمیت نہیں ہے۔ جیسے ہائیڈروپیتھی، الیکٹروپیتھی، اسٹروپیتھی، پٹنگ، فزیوپیتھی، علاج طب روحانی، علاج بالامالہ، علاج بالموسیقی اور تعویز و گنڈہ اور جھاڑ پھونک وغیرہ علاج کی شکل میں پائے جاتے ہیں۔ یہ سب علاج بالضد ہیں۔

صحیح خواص الاشیاء

ان حقائق کو سمجھ لینے کے بعد اب صحیح خواص الاشیاء کو ذہن نشین کر لیں۔ جو اغذیہ و ادویہ اور زہر جسم انسان میں داخل ہوتے ہیں بلکہ کیفیاتی اور نفسیاتی اثرات جو انسان پر وارد ہوتے ہیں۔ ان کا اوّلین اثر انسان کے اعضائے مفرد (ٹشوز) پر ہوتا ہے اور ان میں تحریک و تسکین اور تحلیل کی صورتیں پیدا کر دیتے ہیں۔ اس کے بعد خون میں شامل ہو جاتے ہیں۔ ان میں سے جو غذائی اجزاء (آرگینک ایلی منٹ) ہوتے ہیں۔ وہ خون کا جز نہیں بنتے۔ جسم انسان ان سے متاثر ہو کر ان کو خارج کرنے کی کوشش کرتا ہے اور وہ خارج کرنے کے قابل نہیں ہوتا تو اس کا شدید اثر مرض یا موت کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ ان غیر غذائی اجزاء کی جو علامات ظاہر ہوتی ہیں ان کا تعلق ان مفرد اعضاء (ٹشوز) سے قائم رہتا ہے۔ جب کبھی غذائی اجزاء جسم میں ضرورت سے زیادہ چلے جائیں اور جز و خون نہ ہو سکیں تو وہ بھی غیر طبعی علامات پیدا کر دیتے ہیں اور کبھی غیر ضروری اجزاء میں فساد و تعفن پیدا ہو کر غیر طبعی کرنا چاہیئے، جیسا کہ علاج بالضد میں قانون ہے، اسی طرح یہ بھی صحیح نہیں ہے کہ اشیاء کے صحیح اثرات و افعال صرف تندرست انسان پر تجربہ کر کے معلوم کیے جا سکتے ہیں۔ پھر ان اثرات و افعال کو ان کے بالضد امراض میں استعمال کیا جا سکتا ہے یا ان اثرات و افعال کے مطابق علامات دیکھ کر قلیل مقدار میں ادویات استعمال کی جا سکتی ہیں۔ جیسا کہ علاج بالمثل (ہومیوپیتھی) میں قانون ہے۔ سو جاننا چاہیئے کہ اغذیہ و ادویہ اور زہروں کے اثرات و افعال حالت صحت اور حالت مرض دونوں صورتوں میں لئے جا سکتے ہیں اور دونوں صورتوں میں مفید ہو سکتے ہیں۔

مرض کی حالت میں تاثیر الادویہ

یہ حقیقت ہے کہ مرض کی حالت میں جن اشیاء کے اثرات و افعال حاصل کئے جاتے ہیں وہ مفید تر ضرور ہوتے ہیں لیکن یقینی نہیں

ہوتے کیونکہ تقریباً ہر مرض اور علامت کے اسباب و ماحول مختلف ہوتے ہیں اس لئے کہا نہیں جا سکتا کہ کس سبب کے تحت وہ مرض و علامت تھی اور اس دوا نے فائدہ ظاہر کیا ہے یہی وجہ ہے کہ اس قسم کے جو افعال و اثرات تقریباً ہر مرض کے لئے بیسیوں نہیں بلکہ سینکڑوں بھرے پڑے ہیں بلکہ بعض قابل حکماء اور ماہرین اطباء نے ان امراض و علامات کے اسباب و ماحول بھی لکھ دیئے ہیں۔ تاہم ان سے یقینی فوائد اور صحت حاصل نہیں کی جا سکتی۔ یہی وجہ ہے کہ ہزاروں سالوں سے لے کر آج تک جب کہ ماڈرن سائنس کا دور ہے اغذیہ وادویہ اور زہروں کے مزید اثرات و افعال کی ضرورت کا احساس پایا جاتا ہے اور ہر طرف یقینی اور بے خطا مجربات کی طلب شدت سے محسوس کی جا رہی ہے۔ لیکن طلب اور ضرورت پوری نہیں ہوتی اور عوام کیا معالج بھی پریشان ہیں۔

مثلاً ایک عام مرض اکثر روزانہ دیکھا جاتا ہے، وہ ہے معدہ کی خرابی اور ان بے شمار علامات کو اگر فی الحال چھوڑ کر صرف اس کی ایک علامت کو سامنے رکھیں، مثلاً پیٹ میں ریاح کا زیادہ ہو جانا تو اس کو دور کرنے کے لئے کتب طبیہ میں علامات پیدا ہو جاتی ہیں۔ یہ غذائی اور غیر غذائی اجزا کبھی خالص ہوتے ہیں اور کبھی باہم ملے ہوتے ہیں لیکن وہ اپنی مقدار کے مطابق اسی نسبت سے اثر انداز ہوتے ہیں۔ ان سب کی نتیجہ کے طور پر دو صورتیں بن جاتی ہیں۔ ایک اثر اعضائے مفرد (ٹشوز) پر جس کو مشینی یا اوّلین اثر (فرسٹ ایکشن) کہتے ہیں۔ دوسرا اثر خون میں ہوتا ہے جس کو کیمیائی یا ثانوی اثر (سیکنڈری ایکشن) کہتے ہیں۔ جب کیمیائی اثر خون میں غالب آ جاتا ہے تو پھر یہ خود مشینی اثرات شروع کر دیتا ہے۔ بس اسی طرح علامات پیدا اور ختم ہوتی رہتی ہیں۔ علاج میں انہی کیمیائی اثرات کو چاہے ان کو اخلاط و کیفیات کہہ لیں یا خون کے کیمیائی اجزاء، انہی کو اعتدال پر قائم رکھنا ہے۔ بس اسی کا نام صحت ہے۔

جسم پر اثرات اشیاء

جسم پر اغذیہ وادویہ اور زہروں وغیرہ اشیاء کے اثرات کا جب ذکر کیا جاتا ہے تو اس سے مراد ہمیشہ یہ سمجھنا چاہئے کہ یہ وہ اثرات ہیں جو حالت صحت میں ان کے استعمال سے پیدا ہو سکتے ہیں، ان کو اثرات و افعال اشیاء کہا جاتا ہے۔ انگریزی میں اس کو فزیالوجیکل ایکشن (Physiological Action) کہتے ہیں۔

اثرات اشیاء میں ایک بہت بڑی غلط فہمی

عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ آیورویدک اور طب یونانی میں جو اثرات و افعال اغذیہ وادویہ اور زہروں کے بیان کئے گئے ہیں وہ امراض علامات کے بالمقابل ان کو رفع کرنے کے لئے لکھی گئی ہیں، لیکن یہ بالکل غلط ہے بلکہ ایک بہت بڑی غلط فہمی ہے اور اس لئے اکثر معالجین کو علاج میں ناکامیاں ہوتی ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ آیورویدک اور طب یونانی میں جو اثرات و افعال اغذیہ وادویہ اور زہروں کے بیان کئے گئے ہیں وہ دوشوں و پرکرتی اور اخلاط و کیفیات اور اعضاء کے افعال کو مد نظر رکھ کر لکھے گئے ہیں۔ کیونکہ امراض و علامات بھی انہی مبادیات اور قوانین کے تحت بیان کئے گئے ہیں۔ اس لئے علاج میں بھی امراض و علامات کو جب تک انہی مبادیات اور قوانین کے تحت تطبیق نہ دیا جائے گا تو شفاء اور صحت کی صورت نظر نہ آئے گی۔ اس لئے علاج میں کسی غذا و دوا اور زہر کو کسی مرض و علامات کے ساتھ مخصوص نہیں کرنا چاہئے کہ فلاں مرض یا

فلاں علامت کے لئے فلاں دوا مفید ہے۔ ایسا خیال کرنے والے فن علاج سے دور کا تعلق رکھنے والے بھی نہیں۔

ہر شے کے دو اثرات

جو لوگ اغذیہ وادویہ اور زہروں کو امراض وعلامات کے لئے مخصوص کر دیتے ہیں وہ اپنی غلط فہمی سے ان کی ایک ہی خصوصیت اور فائدہ سمجھتے ہیں۔ لیکن ایسا خیال کرنا نہ صرف غلط ہے بلکہ فن علاج پر ظلم ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہر شے کے دو قسم کے اثرات وافعال ہیں جن میں سے ایک عضوی فعل ہے اور دوسرا کیمیائی اثر ہوتا ہے۔

عضوی افعال

جب کسی غذا ودوا اور زہر کو استعمال کیا جاتا ہے تو اس کا پہلا فعل ان کے مطابق کسی عضو پر ہوتا ہے۔ اس کو عضوی یا مشینی فعل کہا جاتا ہے جس کو انگریزی میں پرائمری ایکشن (Primary Action)، فرسٹ ایکشن (First Action) کہتے ہیں۔ جیسے رائی کو اگر استعمال کیا جائے تو اس سے قے آجائے گی یا جی متلائے گا۔ یہ اس کا پہلا فعل ہے جو معدہ کے عضلات پر ہوتا ہے۔ یہ اس کا عضوی یا مشینی یعنی پہلا فعل ہے۔

کیمیائی اثرات

جب کسی شے کا جسم میں استحالہ ہو جاتا ہے تو وہ جسم میں جذب ہو کر خون میں شامل ہو جاتی ہے اور وہاں پر ایک کیمیائی صورت پیدا کر دیتی ہے جس کو ہم اخلاط کہتے ہیں۔ مثلاً رائی جس کا اوپر عضوی فعل قے بیان کیا گیا ہے جب وہ خون میں شامل ہوگی تو کیفیاتی طور پر اس کا مزاج گرم خشک ہوگا اور اس سے خلط صفراوی کی پیدائش ہوگی۔ آیورویدک کے قانون کے مطابق وہ خون میں پت پیدا کر دے گی۔ جس کا مقام دماغ واعصاب، سینہ وجگر اور آنتیں ومثانہ ہوں گے۔ اس کو دوا کا کیمیائی اثر کہتے ہیں۔ انگریزی میں سیکنڈری ایکشن کہتے ہیں۔ یہی آیورویدک اور طب یونانی کے دوش اور اخلاط ہیں۔

فرنگی طب کی غلطی

باوجود اس کے کہ فرنگی طب غذا ودوا اور زہر کے دو اثرات تسلیم کرتی ہے، لیکن وہ علاج میں ان افعال واثرات کو نظر انداز کر کے نہ صرف امراض وعلامات کے ساتھ ان کو تطبیق دینے کی کوشش کرتی ہے بلکہ جراثیم کش اور دافع تعفن صورتوں کو دور کرنے کو زیادہ اہمیت دیتی ہے اور جس غذا ودوا اور زہر میں یہ صورتیں اس کو معلوم نہیں ہوتیں، وہاں ادویات کے مخدر دمسکن اور محرک اثرات کو قائم کر دیتی ہے۔ چونکہ اس کے علم العلاج میں کوئی ایسا تصور نہیں ہے جہاں پر کیمیائی طور پر کوئی مرکب تیار ہو جو امراض وعلامات کو دور کرنے کے لئے استعمال کیا جا سکے، جیسے دوش اور اخلاط ہیں۔ یہی ان کے علاج میں سب سے بڑی خرابی اور کمی ہے۔ آیورویدک اور طب یونانی میں کس مرض وعلامات یا جراثیم اور تعفن کے لئے کسی خاص دوا کی ضرورت نہیں ہے بلکہ ضرورت کے مطابق وات، پت، کف اور خون، بلغم، صفرا اور سودا کی کمی بیشی سے یہ اثرات حاصل کر لیتے ہیں اور فرنگی طب سے زیادہ کامیاب ہیں۔ اس لئے ہم فرنگی طب کو نہ صرف غلط بلکہ غیر علمی کہتے ہیں۔ اگر کوئی فرنگی ڈاکٹر فرنگی طب کو سائنٹفک اور اصولی ثابت کر دے تو ہم ان کو ہر وقت اور ہر جگہ پر چیلنج کرتے ہیں اور حکومت کے لئے بھی اس حقیقت غور کرنا ضروری ہے۔

مرض اور صحت کا اصل مخزن خون ہے

شیخ الرئیس بوعلی سینا کا قول ہے کہ ''بدن کے ہر ایک حصہ اور ہر ایک عضو میں طبعاً ایک قوت غریزیہ ہوتی ہے، جس سے اس عضو کے تغذیہ کا کام پورا ہوتا ہے''۔

جاننا چاہئے کہ یہ قوت غریزیہ انسانی نطفہ میں روز اوّل سے شامل ہوتی ہے جس کو خون سے تقویت ملتی رہتی ہے۔ جیسے دیئے کی بتی کو تیل ملتا رہتا ہے اور شعلہ (روح) قائم رہتی ہے۔ جب تیل میں خرابی واقع ہوتی ہے تو شعلہ میں نقص واقع ہو جاتا ہے۔ بالکل اسی طرح جب خون میں خرابی واقع ہوتی ہے تو قوت غریزیہ میں بھی نقص واقع ہو جاتا ہے گویا صحت اور مرض کا دارومدار خون پر ہے جس سے جسم غذا حاصل کرتا ہے۔ گویا جسم کا اصل غذائی خون ہے اور خون صرف اغذیہ سے کیمیائی طور پر بنتا ہے اور ادویہ سے ہرگز نہیں بنتا۔ البتہ ادویہ اس کی معاون ہوتی ہیں۔

یہ حقیقت ہے کہ غذا، پانی اور ہوا جو جسم کے اندر داخل ہوتے ہیں ان میں جب استحالہ ہوتا ہے تو خون پیدا ہوتا ہے اور خون اخلاط سے مرکب ہے۔

اخلاط کے اندر جو مواد پیدا ہوتے ہیں، غذا، ماحول اور آب وہوا کے تغیرات سے خون کے اندر اخلاط کے مختلف مدارج قائم ہوتے رہتے ہیں اور ان سے انواع واقسام کے صالح اور فاسد مواد پیدا ہوتے رہتے ہیں جن سے صحت اور مرض کی صورتیں ظاہر ہوتی رہتی ہے۔ چونکہ خون کا دارومدار ماکول ومشروب اور ہوا وماحول کے افعال واثرات اور استحالہ پر ہے۔ انہی استحالات اور تغیرات کے مراحل کو ہضم کہتے ہیں۔ یہ ہضم جسم میں مختلف مقامات پر ہوتا ہے اور انہی اعضا کے ناموں سے مشہور ہے۔ مثال کے طور پر ① ہضم معدی ② ہضم امعوی ③ ہضم کبدی ④ ہضم عروقی اور ⑤ ہضم عضوی۔ ان سب کی تفصیل تو طویل ہے مگر یہ ذہن نشین کر لیں کہ ہضم عضوی میں وہی اعضاء ہیں جن کو ہم مفرد عضو (نسیج) کہتے ہیں۔ انہی افعال واثرات اور ہضم سے گزر کر خون بنتا ہے اور خون سے جسم کا تغذیہ، تصفیہ اور نشو وارتقاء ہوتا ہے اور فضلہ ہر مقام سے جدا جدا خارج ہوتا ہے۔

ان حقائق سے ثابت ہے کہ جسم کے ہر عضو کے ہر حصہ میں قوت غریزیہ کی صورت میں خون کے کیمیائی اجزاء (اخلاط) جزو بدن ہوتے رہتے ہیں، جب اخلاط میں کمی بیشی یا ان کے مقام میں تبدیلی پیدا ہوتی ہے تو قوت غریزیہ میں خرابی واقع ہو جاتی ہے۔ جس سے معدہ کا اخراج رُک جاتا ہے اور فساد پیدا ہو جاتا ہے۔ بس اسی کا نام مرض ہے۔ بس اغذیہ وادویہ اور زہروں کے افعال واثرات انہی امراض وعلامات کی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں۔ ان کی تفصیل ہی کو علم الادویہ کہا جاتا ہے۔

اشیاء کی اقسام

جو اشیاء اس دُنیا میں خالق نے پیدا کی ہیں وہ تین اقسام کی ہیں: ① جمادات ② نباتات ③ حیوانات۔ اس لئے ان کو حکما موالید ثلاثہ کہتے ہیں۔ اطباء نے ان کی تین صورتیں اس طرح بیان کی ہیں: اوّل غذا، دوم دوا، سوم زہر۔ ان کے افعال واثرات کے متعلق لکھا ہے کہ غذا مطلق خالص غذا کو کہتے ہیں، وہ جب بدن میں وارد ہوتی ہے تو بدن سے متاثر ہو کر متغیر ہو جاتی ہے لیکن بدن میں کوئی تغیر نہیں پیدا کرتی بلکہ خود جزو بدن ہو کر بدن کے مشابہ ہو جاتی ہے۔ مثلاً روٹی، گوشت اور دودھ وغیرہ۔

○ دوائے مطلق خالص دوا کو کہتے ہیں جو بدن سے متاثر ہو کر بدن میں تغیر پیدا کر دے اور آخر کار جزو بدن ہوئے بغیر بدن سے خارج ہو جائے۔ مثلاً ترشی اور کھار وغیرہ۔

○ سم مطلق، خالص زہر جو خود تو بدن سے متغیر و متاثر ہو لیکن بدن میں اپنا اثر و تغیر پیدا کر کے فساد کا باعث ہو۔ مثلاً سنکھیا اور سانپ وغیرہ کے زہر وغیرہ۔

چونکہ غذا و دوا اور زہر آپس میں ملی جلی حالت میں بھی پائے جاتے ہیں اس لئے ان کے اشتراک سے تین صورتیں اور بھی پیدا ہو جاتی ہیں۔ دو صورتیں تو غذا اور دوا کے اشتراک سے پیدا ہوتی ہیں: ① غذائے دوائی ② دوائے غذائی۔ ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ پہلی صورت میں غذا زیادہ ہوتی ہے اور دوسری صورت میں دوا زیادہ ہوتی ہے۔ اسی طرح تیسری صورت میں دوا اور زہر کا اشتراک ہے۔ یعنی دوائے سمی۔ جس میں زہر کم اور دوا زیادہ ہوتی ہے اس طرح کل چھ صورتیں بن جاتی ہیں: ① غذائے مطلق ② دوائے مطلق ③ سم مطلق ④ غذائے دوائی ⑤ دوائے غذائی ⑥ دوائے سمی۔

گویا ان چھ صورتوں کے علاوہ اور کوئی ایسی صورت کسی شے کی نہیں ہے جو جسم انسان میں داخل ہو سکے۔ یہ دراصل تین ہی صورتیں ہیں، ان کی چھ صورتیں صرف اس لئے بنالی گئی ہیں تاکہ غذا و دوا اور زہروں کے حدود مقرر کر لئے جائیں۔ ان میں ذہن نشین کرنے والی بات یہ ہے کہ جو غذائیں خون بنتی ہیں اور جزو خون اور بدن بنتی ہیں وہ دوائیں اعضائے جسم کو متاثر کرتی ہیں۔ خون میں شریک ہوتی ہیں، لیکن نہ خون کا جزو بنتی ہیں اور نہ ہی جسم کا جزو بنتی ہیں۔ زہر جسم کو انتہائی متاثر کرتے ہیں اور خون و جسم میں فساد و خمیر اور تعفن پیدا کر دیتے ہیں۔ ان حقائق کا ذہن نشین رکھنا نہایت اہم ہے۔

افعال و اثرات اشیاء اور ہماری تحقیقات

اللہ حکیم نے دُنیا میں جس قدر اشیاء پیدا کی ہیں، خواص کے لحاظ سے ان میں تین صورتیں پائی جاتی ہیں۔ اوّل کھاری صورت جس کو انگریزی میں الکلی (Alkali) کہتے ہیں۔ الکلی بھی دراصل عربی لفظ ہے جو فرنگی طب نے عربی طب سے لیا ہے۔ دوسرے تیزابی صورت جس کو انگریزی میں ایسڈ (Acid) اور عربی میں حموضت کہتے ہیں، تیسرے نمکین صورت، جس کو انگریزی میں سالٹ (Salt) اور عربی میں ملاحت کہتے ہیں۔ دراصل یہ تیسری صورت پہلی دونوں صورتوں کی مرکب ہے، کیونکہ ہر نمک، کھار اور تیزاب کا مرکب ہوتا ہے۔ ہم جب بھی کسی نمک کا تجزیہ کریں ان میں دونوں چیزیں پائی جاتی ہیں یا ہم اگر کھار اور تیزاب کو جب بھی ملائیں تو نمک بن جاتا ہے۔ گویا کائنات میں خواص کے لحاظ سے زندگی کی ابتدائی یہ تین صورتیں پائی جاتی ہیں۔ اوّل کھار دوسرے تیزابیت تیسرے نمکیت۔ یہ تینوں صورتیں کیفیات کے تحت عدم سے وجود میں آئی ہیں جن کی تفصیل یہ ہے کہ کھار رطوبت کی پیداوار ہے اور جب اس کو استعمال کیا جاتا ہے تو جسم میں رطوبات اور سردی پیدا کرتی ہے۔ تیزابیت خشکی کی پیداوار ہے اور جب بھی اس کو استعمال کیا جاتا ہے تو جسم میں خشکی اور ریاح پیدا کرتی ہے۔ نمکیت حرارت کی پیداوار ہے اور جب بھی اس کو استعمال کیا جاتا ہے تو جسم میں حرارت اور رطوبت پیدا ہوتی ہے، چونکہ یہ ان کی واحد کیفیت ہے اور واحد کیفیت کبھی پائی نہیں جاتی اس لئے جب ان کے تعلق کو بیان کیا جاتا ہے تو سردتر، سردخشک، گرم تر اور گرم خشک صورتیں بن جاتی ہیں۔

کھاری پن، ترشی اور نمکیت میں ارتقائی صورتیں

معمولی قسم کے کھاری پن و تیزابیت اور نمک وغیرہ ہماری غذاؤں میں پائے جاتے ہیں اور ہم روزانہ استعمال کرتے ہیں۔ خاص

طور پر مٹھائیوں، پھلوں اور روٹی، سالن، ترکاری وغیرہ میں اچھی اچھی ذائقہ دار چیزیں لذت ولطف لے لے کر کھاتے ہیں، لیکن اکثر لوگ ان کے افعال واثرات کے عمل وردِ عمل کو نہیں مانتے۔ یہی خواص ان کے ادویات وزہروں میں بھی پائے جاتے ہیں۔ کھاریت وتیزابیت اور نمکییت کی ذائقہ کے لحاظ سے دو حالتیں پائی جاتی ہیں۔

① کھاریت میں اگر سردی غالب رہے تو اس کا ذائقہ پھیکا رہے گا، اگر اس میں حرارت غالب آجائے تو اس کا ذائقہ میٹھا ہو جائے گا۔

② تیزابیت میں اگر سردی غالب ہو تو اس کا ذائقہ ترش ہوگا اور اگر اس میں حرارت غالب آجائے تو ذائقہ کڑوا ہو جائے گا۔

③ اگر نمکییت میں خشکی غالب رہے تو اس کا ذائقہ چرپرا ہوگا اور اگر اس میں رطوبت کی زیادتی ہو تو اس کا ذائقہ نمکین رہے گا۔

معمولی ذائقوں یا خوش ذائقوں کی صورت میں تو ہم ان کو بے تکلف کھا لیتے ہیں، لیکن جب ان میں شدت پیدا ہو جائے یا ان میں نشوو ارتقاء کی صورتیں پیدا ہو جائیں تو یہ بالفعل اور بالقوئی دونوں صورتوں میں نقصان رساں اور زہر بن جاتے ہیں۔ جیسے کھاروں میں سوڈا کاوی (جلا دینے والا) پوٹاس کاوی وغیرہ۔ ترشی میں تیزاب گندھک اور تیزاب سرکہ۔ اسی طرح نمکییت میں نیلا تھوتھا اور زنگار، اسی طرح موالید ثلاثہ (جمادات، نباتات اور حیوانات) میں یہی تینوں صورتیں پائی جاتی ہیں۔

کھاری پن تیزابیت اور نمکییت کی بالمفرد اعضاء تطبیق ہے

ہم نے اپنی تحقیق سے کھاری پن وترشی اور نمکییت کو بالمفرد اعضاء اس طرح تطبیق دے دی ہے کہ ان کے افعال واثرات معلوم کرنے میں بے حد آسانیاں اور ان کے خواص کا یاد رکھنا بہت سہل ہو گیا ہے۔

① ہر قسم کا کھاری پن دماغ واعصاب پر اثر انداز ہوتا ہے اور تحریک دیتا ہے جس سے رطوبت پیدا ہوتی ہے۔ گویا جب بھی دماغ و اعصاب کو تحریک ہوگی تو وہ کھاری صورت سے ظاہر ہوگی اور نتیجہ میں رطوبت پیدا ہوگی۔

② ہر قسم کی ترشی دِل وعضلات پر اثر انداز ہوتی ہے اور تحریک دیتی ہے جس سے خشکی اور ریاح پیدا ہوتی ہے۔ گویا جب دِل وعضلات پر تحریک ہوگی تو وہ ترشی سے ہوگی اور نتیجہ میں ترشی اور ریاح پیدا ہوگی۔

③ ہر قسم کی نمکییت جگر وغدد پر اثر انداز ہوگی اور تحریک دے گی جس سے حرارت پیدا ہوتی ہے۔ گویا جب بھی جگر وغدد کو تحریک ہوگی اور نتیجہ میں حرارت پیدا ہوگی۔ یہ افعال واثرات یقینی اور بے خطا ہیں، کیونکہ یہ قانون فطرت کے مطابق ہیں۔ ان کی مرکب صورتیں اس طرح ہوں گی۔

1. اعصابی عضلاتی - مزاج سرد تر، ذائقہ پھیکا۔
2. اعصابی غدی - مزاج تر گرم، ذائقہ میٹھا۔
3. عضلاتی اعصابی - مزاج سرد خشک، ذائقہ ترش۔
4. عضلاتی غدی - مزاج خشک گرم، ذائقہ کڑوا۔
5. غدی عضلاتی - مزج گرم خشک، ذائقہ چرپرا۔
6. غدی اعصابی - مزاج گرم تر، ذائقہ نمکین۔

ان یقینی اور بے خطا افعال واثرات کی حقیقت سے فرنگی طب آگاہ نہیں ہے۔

افعال واثرات ادویہ بالاعضاء

انسان اور ہر جاندار بلکہ حیوانات اور وحشی درندوں کا خون بھی صرف غذا سے پیدا ہوتا ہے اور اسی خون سے ہی ان کے اعضاء بنتے ہیں۔ کسی دوا یا زہر سے نہ خون کا کوئی جز بنتا ہے اور نہ ہی جسم کا کوئی عضو بنتا ہے۔ تمام حکماء واطباء متقدمین اور متاخرین اس حقیقت کی تصدیق کرتے ہیں اور دُنیا کی کوئی سائنس اس حقیقت سے انکار نہیں کرسکتی۔ دوسرے یہ بھی مسلمہ حقیقت ہے کہ ہر زندگی کا دارو مدار صرف صحیح اور مکمل خون پر قائم ہے۔ اس میں بھی کسی دوا اور زہر کو دخل نہیں ہے۔

تیسرے یہ حقیقت بھی مسلمہ ہے کہ ہر جسم کی نشوو ارتقاء اور تقویت صرف خون پر قائم ہے، جب ان حقائق سے ثابت ہے کہ زندگی وقوت اور نشوو ارتقاء صرف خون پر قائم ہے۔ اور خون غذا سے پیدا ہوتا ہے، تو پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ انسانی صحت کا دارو مدار غذا کی بجائے دوا پر رکھا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ آیورویدک اور طب یونانی میں نہ صرف علاج کی ابتداء میں بے حد غذائی علاج کی تاکید ہے بلکہ دوائی علاج میں بھی پرہیز اور خاص قسم کی اغذیہ کے لئے مجبور کیا گیا ہے اور کسی قسم کے علاج میں اگر پرہیز اور خاص قسم کی غذا کو نظر انداز کر دیا جائے تو یقیناً علاج ناکام ہو جاتا ہے۔ یہی قانون فطرت ہے۔

آیورویدک اور طب یونانی میں جسم انسان اور خون کا تجزیہ اخلاط کے ذریعے کیا گیا ہے اور ثابت کیا گیا ہے کہ اخلاط غذا سے تیار ہوتے ہیں، مختلف قسم کی اغذیہ مختلف اقسام کے دوش اور اخلاط پیدا کرتی ہیں۔ جب غذا میں کوئی خاص قسم کے اجزاء کم وبیش یا خراب ہو جاتے ہیں یا ان کا مقام بدل جاتا ہے تو امراض پیدا ہو جاتے ہیں۔ جب ان دوشوں اور اخلاط کو درست کیا جاتا ہے تو امراض رفع ہو جاتے ہیں۔

فرنگی طب (ایلوپیتھی) اور ماڈرن میڈیکل سائنس نے بھی خون کا تجزیہ کیا ہے۔ اس نے ثابت کیا ہے کہ چودہ پندرہ ایلی منٹ (عناصر) کا مرکب ہے اور یہ بھی ثابت کیا ہے کہ ان ایلی منٹ میں سے اگر کسی ایک میں کمی یا خرابی واقع ہو جائے تو خون خراب ہو جاتا ہے، جس سے مرض پیدا ہو جاتا ہے۔

اسی نظریہ پر ڈاکٹر شسلر نے بایوکیمک (کیمیائے زندگی) کی بنیاد رکھی تھی، مگر ہومیوپیتھی کی پیروی میں یہ ایک مفید نظریہ جس کو علاج بالغذا کا ایک چوتھائی حصہ کہنا چاہئے تھا، بالکل ختم ہو گیا اور اس کے حقیقی فوائد سے طبی دُنیا محروم ہو گئی۔ جس کا پھر زندہ کرنا بہت مشکل ہے۔

جب تک جراثیم کا انکشاف نہ ہوا تھا، فرنگی طب کے علاج کی بنیاد خون کے عناصر کی کمی بیشی پر تھی اور جب سے جراثیم کو امراض کا سبب قرار دیا گیا ہے اس وقت سے یہ نظریہ برابر ختم ہو رہا ہے اور اب تک جن امراض کے جراثیم معلوم نہیں ہو سکے ان کا علاج پرانے ڈگر خون کے کیمیائی اجزاء کی کمی بیشی اور خرابی پر کیا جا رہا ہے یا اعضائے جسم اور تمام جسمانی کمزوری کو مدنظر رکھا جاتا ہے جو بالکل ان کے نظریہ کے خلاف ہے۔ جہاں تک جراثیم کا تعلق ہے وہ خون کا جز نہیں ہیں۔ ان کا اثر صرف اعضاء پر ہوتا ہے اس لئے اوّل جراثیم اور ان کے زہروں کا اثر خون میں شامل نہیں ہوتا۔ اگر کچھ شامل ہوتا ہے تو طبیعت مدبرہ بدن فطری طور پر ان کو خارج کرنے کی کوشش کرتی رہتی ہے اور جب غالب آ جاتی ہے تو ان کو خارج کر دیتی ہے۔ تجربات نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ اگر اعضاء میں قوت مدافعت مکمل ہو اور خون میں قوت مدبرہ بدن طاقتور ہو کر جراثیم اور ان کے زہر نہ جسم اور خون پر اثر انداز ہو سکتے ہیں اور نہ ہی امراض پیدا ہو سکتے ہیں۔ ان

حقائق سے ثابت ہوا کہ مکمل اور مقوی خون اور صحیح وتندرست اعضاء کی صورت میں جراثیم اوران کا زہر نہ جسم اور خون میں اثر انداز ہو سکتے ہیں اور نہ ہی امراض پیدا ہو سکتے ہیں۔ ان حقائق سے ثابت ہوا کہ مکمل خون اور صحیح وتندرست اعضاء کی صورتیں جراثیم اوران کا زہر ہمیشہ بے اثر ہو جاتا ہے۔

نتیجہ یہ ہوا کہ صحت وتندرستی کے لئے خون کے اجزاء کا مکمل ہونا از حد ضروری ہے۔ یہی زندگی وصحت اور تقویت کا راز ہے جو صرف غذا سے حاصل ہوتا ہے۔

فرنگی طب اور ماڈرن سائنس نے تحقیق کیا ہے کہ انسانی غذا میں پانی کے ساتھ چار اجزاء کا ہونا نہایت ضروری ہے۔ پروٹین (اجزائے لحمیہ)، فیٹس (اجزائے روغنیہ)، کاربوہائیڈریٹس (نشاستہ، شکر)، سالٹس (نمکیات) اوران کے ساتھ چند وٹامن (حیاتین) بھی تسلیم کئے گئے ہیں جن کو اغذیہ کے خاص ضروری اجزاء سمجھا گیا ہے اور یہ بھی تحقیق کیا گیا ہے کہ ان اجزائے اغذیہ اور وٹامن کی اگر جسم اور خون میں کمی اور خرابی واقع ہو جائے تو امراض اور تکلیف دہ علامات پیدا ہو جاتی ہیں، پھر تجربات نے یہ بھی ثابت کر دیا ہے کہ جب یہی اجزاء اور وٹامن ایسے مریضوں کو استعمال کرائے گئے جن میں ان کی کمی اور خرابی تھی تو ان کے امراض اور تکلیف دہ علامات رفع ہو گئیں۔ ان تحقیقات اور تجربات سے بھی غذا کی اہمیت واضح ہے مگر فرنگی طب (ایلوپیتھی) جراثیم کی تھیوری میں ایسے پھنسی کہ اس نے ہر مرض کا علاج جراثیم کشی ہی قرار دیا اور غذائی اجزاء میں وٹامن حفظان صحت اور تقویت جسم تک میں بے تکلف استعمال کیا جا رہا ہے بلکہ علاج بھی انہی سے کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔

حفظان صحت میں جہاں غذا کو انتہائی اہمیت حاصل ہے، وہاں فرنگی طب میں حفظان صحت میں بھی ہر مرض سے بچنے کے لئے ٹیکے تیار کر لئے گئے ہیں۔ پہلے صرف چیچک کا ٹیکہ ہوا کرتا تھا۔ اب تپ دق وسل اور ہیضہ ودیگر امراض کے لئے ایسے ٹیکے ایجاد کر لئے گئے ہیں جو ان امراض سے حفاظت کے لئے استعمال کئے جاتے ہیں۔ اس طرح غذا کی اہمیت ختم کر دی گئی ہے۔ جب حفظان صحت کے لئے غذا کی اہمیت فرنگی طب اور ماڈرن سائنس نے ختم کر دی ہے تو پھر علاج بالغذا کا تو وہ تصور بھی نہیں کر سکتے، لیکن غذا کی اہمیت ہر انسان کے دل میں قائم ہے، کیونکہ روزانہ تجربات ومشاہدات سے یقین کامل ہو گیا ہے کہ جہاں بھی غذا میں بے اعتدالی اور خرابی واقع ہوئی فوراً تکلیف ہو جاتی ہے اور جب تک غذا کی وہ خرابی دور نہ ہو تو وہ تکلیف رفع نہیں ہوتی۔ یہ سب خون کی اہمیت کے راز ہیں۔

جہاں تک ادویہ اور زہروں کے استعمال کا تعلق ہے ان کا اثر صرف اعضائے جسم پر ہوتا ہے، جن سے ان کے افعال میں کمی بیشی اور تحلیل ضرور بڑھ جاتی ہے جس سے اعضاء کی رطوبات زیادتی کے ساتھ خون میں شامل ہونا شروع ہو جاتی ہیں اور جو ادویات یا زہر خون میں شریک ہوتے ہیں وہ خون کا جزو نہیں بنتے اور اگر جسم میں طاقت ہو تو وہ ان کو فوراً خارج کر دیتا ہے۔ گویا ادویات اور زہروں کا اثر جسم میں صرف اعضاء کے افعال کی وجہ سے ہوتا ہے اور جب دوا یا زہر کا اثر ختم ہو جاتا ہے تو افعال بھی اپنی حالت پر لوٹ آتے ہیں۔ گویا ان کا اثر اعضاء اور جسم پر بالکل عارضی ہوتا ہے۔ جسم پر مستقل اثر صرف خون کے کیمیائی اجزاء کا ہوتا ہے جو خون میں پیدا ہوتے ہیں۔ خون غذا سے پیدا ہوتا ہے، یہی مکمل اور مستقل علاج ہے۔

دوا، زہر اور غذا میں فرق بالاعضاء

یہ حقیقت تو ہم پیش کر چکے ہیں کہ خون کی پیدائش اور تکمیل صرف غذا سے ہوتی ہے اور ادویات وزہر خون کا جزو نہیں ہیں نیز یہ بھی ہم ذہن نشین کرا چکے ہیں کہ ادویات اور زہروں کا اثر صرف انسانی اعضاء تک محدود رہتا ہے۔ البتہ اعضاء کے افعال میں کمی بیشی

اور تحلیل سے جو رطوبات تیار ہوتی رہتی ہیں، وہ خون میں شامل ہوتی رہتی ہیں۔ بس یہیں سے ادویات اور زہروں کے افعال و اثرات شروع ہوتے ہیں۔

جاننا چاہئے کہ جو اغذیہ ہم روزانہ استعمال کرتے ہیں ان سے ہمارا خون تیار ہوتا ہے، اس میں کیفیات و اخلاط اور خون کے کیمیائی اجزاء ایک اعتدال کی حد تک تیار ہوتے رہتے ہیں اور ان کے اعضائے جسم پر اثر بھی ایک اعتدال کی حد تک ہوتا رہتا ہے، بشرطیکہ جسم کے اندر غذا میں کوئی فساد و تعفن یا غیر معمولی خمیر پیدا نہ ہو جائے کیونکہ ان صورتوں میں اغذیہ اپنی نوعی صورتوں سے منحرف ہو کر دواؤں اور زہروں کی شکل اختیار کرتی ہیں اور اس طرح جسم و خون کی کیفیات و اخلاط اور کیمیائی اجزاء کا اعتدال قائم نہیں رہ سکتا لیکن ان کی یہ بے اعتدالی بھی انہی تین حالتوں تک محدود ہوگی جن کا ہم نے ذکر کیا ہے یعنی جسم میں کھاری پن بڑھ جائے گا یا ترشی بڑھ جائے گی یا حرارت کی شدت ہو جائے گی اور انہی سے جسم میں امراض و علامات اور تکالیف کی صورتیں پیدا ہو جائیں گی۔

یہی صورتیں ادویات اور زہروں کے افعال و اثرات میں ہم دیکھتے ہیں۔ یعنی اول افعال اعضاء میں شدت پیدا ہو جاتی ہے اور پھر ان کی رطوبات دوا اور زہروں کی طاقت کے مطابق پیدا ہو کر خون میں شامل ہوتی رہتی ہیں اور جو ادویات اور زہر زیادہ شدید قسم کے ہوتے ہیں وہ اعضائے جسم میں سوزش پیدا کر دیتے ہیں اور جب تک سوزش قائم رہتی ہے وہ اعضا اپنے افعال میں تیزی کی وجہ سے وہ رطوبات تیار کرتے ہیں بس اس طرح ادویات اور زہر اپنے افعال و اثرات قائم رکھتے ہیں۔

چونکہ ہر دوا اور زہر اپنے اندر چار کیفیات اور چار اخلاط رکھتی ہے یا ان کا اثر مفرد اعضاء پر ہوتا ہے اس لئے ان کی رطوبت کی پیدائش بڑھ کر خون میں شریک ہوتی رہتی ہے۔ خون میں یہ رطوبات یا خون کے کیمیائی اجزاء صرف غذا ہی سے تیار ہوتے ہیں۔ جب خون کی رطوبت یا کیمیاوی جز بڑھ جاتا ہے تو وہ مشینی طور پر کسی مفرد عضو کو تحریک دے دیتا ہے جس سے اس مفرد عضو کا کل نظام عمل میں آ جاتا ہے۔ اس کے غیر معمولی فعل سے جسم میں اس مفرد عضو کی علامات شروع ہو جاتی ہیں جن میں سوزش درد اور حرارت خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ اس طرح دوا اور زہر اپنا اثر کرتے ہیں۔ دوا، زہر اور غذا کا فرق قائم رہتا ہے۔

غرض زندگی بھر جسم کے اعضا اور خون کی کیمیائی رطوبات بدن کے اندر تغیر و تبدل و تحلیل و استحالہ اور خون و فساد کا ایک وسیع سلسلہ ہر حصہ میں جاری رہتا ہے، جن سے کئی قسم کے اچھے برے مرکبات تیار ہوتے رہتے ہیں۔ انہی تغیرات و استحالات کے نتیجہ میں تغذیہ بدن، تصفیہ جسم، تولید حرارت و رطوبات اور پیدائش قوت حاصل ہوتے رہتے ہیں۔ یہ سب کچھ ہماری ان اغذیہ کا ہی نتیجہ ہیں جو ہم روزانہ کھاتے ہیں جن میں دودھ، گوشت، پھل، میوہ جات، روٹی، چاول، سبزیاں اور دالیں وغیرہ ہیں۔

یاد رکھیں ادویات سے نہ خون بنتا ہے اور نہ ہی جسم تیار ہوتا ہے۔ ادویات صرف اعضاء کے افعال کو تیز کرتی ہیں، اس لئے غذائی علاج اور تجربات میں غذائے دوائی اور دوائے غذائی سے علاج کرنا خالص ادویات اور زہروں سے علاج کرنے سے زیادہ بہتر اور افضل ہے۔

افعال و اثرات اشیاء

اب تک اغذیہ و ادویہ اور زہروں کی عمومی ماہیت و حقیقت اور افعال و اثرات کا ذکر کیا ہے۔ اب ذیل میں انفرادی طور پر ہر غذا و دوا اور زہر کی ماہیت و حقیقت اور افعال و اثرات کا ذکر کریں گے تاکہ ان کے نوعی و جنسی اور خصوصی اثرات کا علم حاصل ہو جائے اور

مجربات ونسخہ نویسی اوران کے مفرد استعمال سے پورے پورے فوائد حاصل ہوسکیں۔

یادرکھیں جب ان کوانفرادی طور پر سمجھانہیں جاسکتا توان کے مرکبات سے بھی مستفید نہیں ہواجاسکتا۔ اغذیہ وادویہ اور زہروں کی ماہیت وحقیقت اور افعال واثرات جاننے سے قبل نہایت ضروری ہے کہ ان اصطلاحات کوسمجھ لیا جائے جن کی زبان میں یہ سب کچھ بیان کرنا ہے۔ ان کے بغیران کا پورے طور پر ذہن نشین کرنا بہت مشکل ہے۔

جہاں تک ان اصطلاحات کا تعلق ہے، اوّل تو ان کو سمجھانے کی کوشش نہیں کی گئی اور جہاں پر سمجھایا گیا ہے وہاں پران کے صرف معنی بیان کردیئے گئے ہیں۔ ان کوطبی اورفنی طور پر ذہن نشین نہیں کرایا گیا خصوصاً اغذیہ وادویہ اور زہروں کا جب جسم پر اثر ہوتا ہے تو وہاں پر تشریحی اورفعلی طور پر کیا تبدیلیاں پیدا ہوتی ہیں۔ یعنی اعضاء کے افعال اور دورانِ خون میں کیا تغیر وتبدل پیدا ہوتا ہے۔ جب تک اصطلاحات کوطبی اورفنی طریق پر ذہن نشین نہ کرلیا جائے، اس وقت تک علم وفن طب کو ذہن نشین کرنا مشکل ہوتا ہے۔ ہرفن کی اصطلاحات گویا اس کی الف ب ہوا کرتی ہیں۔

محرک

ایسی غذا ودوا اور زہر جس کے استعمال سے جسم کے کسی خاص عضو میں حرکت اور تیزی پیدا ہو۔ جس عضو میں حرکت اور تیزی پیدا ہوتی ہے وہاں پر سکیڑ پیدا ہوجاتا ہے۔ وہاں کی رطوبات کم ہونا شروع ہوجاتی ہیں اور وہاں پر رفتہ رفتہ گرمی بڑھنا شروع ہوجاتی ہے۔ یہی تحریک جب شدت اختیار کرلیتی ہے تو اس عضو میں سوزش ہوجاتی ہے لیکن تحریک سے سوزش تک اس کوذیل کے حالات سے گزرنا پڑتا ہے:

① لذت ② بے چینی ③ حبس ④ قبض ⑤ خارش ⑥ جوش خون اور ⑦ درد۔

تشریح

① **لذت**: چونکہ متحرک عضو کے مقام پر دورانِ خون بڑھتا ہے تو ابتدائی صورت میں لذت پیدا ہوتی ہے، جیسے گدگدی کرنے سے لذت پیدا ہوتی ہے، یہی لذت اور لطف کی حقیقت ہے۔

② **بے چینی**: جب لذت میں شدت پیدا ہوجائے تو وہاں پر لطف کی بجائے بے چینی بڑھ جاتی ہے۔

③ **حبس**: حبس اس حالت کو کہتے ہیں جہاں پر رطوبات کی پیدائش بند ہوجائے اور خشکی بڑھنا شروع ہوجائے۔

④ **قبض**: قبض اس حالت کو کہتے ہیں جہاں پر رطوبات کا اخراج رُک جائے۔

⑤ **خارش**: جب بے چینی کے بعد حبس وقبض پیدا ہوجاتا ہے وہاں پر خارش شروع ہوجاتی ہے۔

⑥ **جوش خون**: خارش میں جب شدت پیدا ہوجاتی ہے تو وہاں پر جوش خون پیدا ہوجاتا ہے۔

⑦ **درد**: جب جوش خون پیدا ہوجاتا ہے تو اس کے دباؤ سے عضو کی وسعت میں درد پیدا ہوجاتا ہے۔

اس کے بعد سوزش پیدا ہوتی ہے گویا سوزش ان سب کے مجموعہ کا نام ہے۔ سوزش کے معنی جلن کے ہیں۔ چونکہ سوزش کی حالت میں اس مقام عضو پر خون شدت سے آنا شروع ہوجاتا ہے، اس لئے وہاں پر جوخون کی تیزی سے حرارت پیدا ہوجاتی ہے اور حبس اور قبض بھی شدت اختیار کرلیتے ہیں اس لئے وہاں پر جلن پیدا ہوجاتی ہے۔ گویا سوزش میں ظاہری طور پر حرارت وسرخی اور درد لازم ہیں۔ جب سوزش میں شدت پیدا ہوتی ہے تو وہاں کثرت خون اور رطوبت سے ابھار پیدا ہوجاتا ہے جس کو ورم (التہاب) کہتے ہیں۔

محرک اشیاء کے متعلق یہ بات یاد رکھیں کہ ہر غذا و دوا اور زہر جب استعمال کیا جاتا ہے تو تمام جسم پر یکساں اثر نہیں کرتا بلکہ اس کا اثر کسی خاص مفرد عضو پر ہوگا۔ البتہ اس کے دیگر قسم کے اثرات مثلاً تسکین اور تحلیل کا اثر دیگر اعضاء پر ہوگا۔ بس انہی افعال و اثرات کو سمجھنے کا نام خواص الاشیاء ہے۔

تسکین

اصطلاحات میں چونکہ زیادہ تر لغوی معنوں کو مدنظر رکھا گیا ہے اس لئے تسکین کے لئے بھی اسی امر کو کافی سمجھ کر اس کے معنی بیان کر دیئے ہیں، یعنی سکون پیدا کرنے والی اغذیہ و ادویہ اور زہر لکھ دیئے گئے ہیں، جیسے مسکن اعصاب و دماغ، مسکن قلب و مسکن جگر اور اسی طرح مسکن معدہ بلکہ مسکن الم اور مسکن حرارت بھی لکھ دیا ہے۔ گویا اشیاء ان اعضاء کے افعال کو تسکین دینے والی ہیں۔ وہی مسکن ہیں۔ اسی طرح درد اور حرارت کو بھی کم کرنے والی ہیں، اشیاء بھی ان کے تحت بیان کر دی گئی ہیں۔

اس مقصد کے لئے عام طور پر جو اشیاء استعمال کی جاتی ہیں ان میں مبردات و مسکنات اور مخدرات ہوتی ہیں جو اکثر سرد تر اور سرد خشک ہوتی ہیں۔ ایسی اشیاء بلغم اور سودا پیدا کرنے والی ادویہ و اغذیہ اور زہر ہوتے ہیں۔

یہاں پر پھر یہ امر ذہن نشین کر لیں کہ جب سردی تری میں تیزی پیدا ہوتی ہے تو وہ تری خشکی میں تبدیل ہو جاتی ہے، کیونکہ سردی ہر شے کو سکیڑتی ہے۔ اس کے مقابلے میں گرمی ہر شے کو پھیلاتی ہے۔

فنی حیثیت سے تسکین کی صورت یہ ہے کہ جسم انسان میں جس مقام پر مسکن اشیاء استعمال کی جائیں گی وہاں پر رطوبت اور بلغم کی زیادتی ہو جائے گی۔ وہاں پر رطوبات کا ترشح (سکریشن) خون میں عروق شعریہ کے راستے ان کے سروں پر جو غدود ہوتے ہیں ان میں سے ہوتا ہے۔ یہ تمام جسم پر خصوصاً مقام لذت و بے چینی اور خارش و سوزش پر شروع ہو جاتا ہے۔ یہی ترشح ایک طرف اس مقام پر سکون بخشتا ہے اور دوسری طرف دوران خون میں تسکین پیدا کرنا شروع کر دیتا ہے۔ جس قدر زیادہ سوزش ہوتی ہے، اسی قدر ترشح زیادہ ہوتا ہے۔

اس ترشح کی بہترین مثال جسم پر کہیں شہد کی مکھی کا ڈنگ مارنا ہے۔ جوں جوں اس مقام پر رطوبات بڑھتی جاتی ہیں ڈنگ کی جلن اور درد کم ہوتا جاتا ہے، جسم میں بعض مقام ایسے بھی ہیں جہاں پر گوشت کی کمی ہوتی ہے جیسے سر اور ہاتھ پاؤں وغیرہ۔ جب ان مقامات پر ڈنگ لگتا ہے تو وہاں پر بہت درد اور جلن ہوتی ہے، کیونکہ ان مقامات پر بہت زیادہ رطوبت اکٹھی نہیں ہو سکتی۔ گویا جسم انسان میں یہی رطوبت جو خون سے اخراج پاتی ہے، تسکین کا باعث ہوتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جسم انسان میں ہم جہاں بھی تسکین دینا چاہتے ہیں وہاں پر اس رطوبت کو بڑھا دیتے ہیں۔

راز کی بات

پیاس بھی اسی رطوبت سے بجھتی ہے۔ ہم پیاس بجھانے کے لئے پانی، شربت اور برف وغیرہ استعمال کرتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ پیاس بجھا رہے ہیں، لیکن یہ غلط ہے، اس سے پیاس نہیں بجھتی بلکہ ان سے پیٹ میں وہ رطوبت پیدا ہوتی ہے جس سے پیاس بجھتی ہے۔ دلیل یہ ہے کہ مرض عطاش یا ہیضہ میں پیاس نہیں بجھتی بلکہ زیادہ ہوتی ہے۔ اگر پیاس نہ بجھے تو مریض موت کے منہ میں چلا جاتا ہے۔ مرض کی شدت بھی سوزش کی شدت کی وجہ سے ہوتی ہے اور کبھی خون میں کیمیائی طور پر وہ اجزاء نہیں ہوتے جو ترشح ہو کر سکون کا باعث ہوں۔ پاخانہ، پیشاب اور نزلہ و زکام کی جلن کا بھی یہی راز ہے۔ اسی طرح جسم میں جن مقامات پر تھوک پیدا ہوتا ہے اس میں یہی رطوبت

ہوتی ہے جو وہاں سوزش کے کم کرنے کے لئے پیدا ہوگئی ہے۔ چونکہ اس صورت کا تعلق غدد سے ہے اس لئے ان تمام امراض وجگر اور گردوں میں خرابی پیدا ہو جاتی ہے۔ جب جسم میں کسی مقام پر تسکین کی صورت بڑھ جائے تو وہاں تہیج اور سوجن کی صورت پیدا ہو جاتی ہے اور یہ بھی اپنی جگہ مرض کی ایک شدید علامت ہے جس کا علاج عضلات کو تحریک دینا ہے۔

یہاں پر یہ امر ذہن نشین کرنا ہے کہ تسکین کے لئے مبردات ومسکنات اور مخدرات اور مولد بلغم اشیاء استعمال کی جاتی ہیں، جو سب کی سب محرک اعصاب ہیں اور اعصاب کو تحریک دینے ہی سے تسکین پیدا ہوتی ہے۔ جب اعصاب کو تحریک نہ ہو، نہ ہی رطوبت وبلغم پیدا ہوتی ہے اور نہ ہی تسکین ہوتی ہے۔

فرنگی طب کی غلط فہمی

فرنگی طب کے علم الادویہ (میٹیریا میڈیکا) میں محرک اعصاب ودماغ اشیاء میں ایسی ادویہ بھی درج ہیں جو تقویت پیدا کرتی ہیں۔ جیسے کچلہ، قہوہ اور شراب وغیرہ ہیں۔

لیکن جاننا چاہئے کہ یہ اشیاء محرک اعصاب اور دماغ نہیں ہیں بلکہ قلب اور عضلات ہیں۔ دلیل یہ ہے کہ ان کے استعمال سے دِل اور عضلات کی حرکت تیز ہو کر دورانِ خون تیز ہو جاتا ہے اور جسم میں رطوبت وبلغم ختم ہو کر قوت اور طاقت پیدا ہو جاتی ہے یہ اس کی غلط فہمی ہے۔ اس امر میں کوئی شک نہیں کہ اعصابی ودماغی گرم اشیاء بھی ہوتی ہیں، جیسے نوشادر، اپی کاک، ہینگ وغیرہ۔ مگر ایسی اشیاء سے بھی جسم میں رطوبات اور بلغم کا اخراج ہوتا ہے اور قلب وعضلات میں تیزی پیدا نہیں ہوتی بلکہ سستی پیدا ہوتی ہے اور ساتھ ہی جوش خون بھی کم ہو جاتا ہے اور ان سے بھی سوزش اور درد میں تسکین ہوتی ہے۔ فرنگی طب کا میٹیریا میڈیکا (علم الادویہ) ان اقسام کی اغلاط سے بھرا پڑا ہے۔

اب ذیل میں چند اور اصطلاحات کو ذہن نشین کرلیں جن کا تعلق تسکین سے ہے۔

رادع

ان اشیاء کو کہا گیا ہے جو مواد کو لوٹانے والی ہیں۔ ان کے متعلق زیادہ سے زیادہ یہ تصور دیا گیا ہے کہ یہ اشیاء قابض ہوتی ہیں جو اپنی قوت قابضہ سے عروق کو سکیڑ کر تنگ کر دیتی ہیں جس سے مواد کا نفوذ دشوار ہو جاتا ہے۔ اس لئے ہر قسم کی قابض بلکہ حابس اشیاء کو رادع کہا گیا ہے۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ ایسی اشیاء قابض نہیں بلکہ حابس ہوتی ہیں جو سرد خشک ہوتی ہے۔ ان ادویات کے تین افعال ہوتے ہیں۔ اوّل وہ تسکین کا باعث ہوتی ہیں یعنی رطوبات اور بلغم کا خون سے اخراج قائم رکھتی ہیں، جس سے خون کا جوش اور تیزی کم ہو جاتی ہے، جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے۔ دوسرے ان کی انتہائی برودت سے اس مقام پر تسکین ہوتی ہے اور تیسرے جو رطوبات وہاں پر گرتی ہیں ان کو وہاں پر اپنی حابس قوت سے جذب کر کے پھر خون میں شامل کر دیتی ہے۔ اس رطوبتی مواد کو سرد کر کے واپس کرنے ہی کی وجہ سے ان اشیاء کو رادع کہتے ہیں۔ مفرد اعضاء کے تحت ہم ان کے اثرات کو عضلاتی اعصابی (خشک سرد) کہتے ہیں۔ اس طرح ان کے افعال آسانی کے ساتھ سمجھ میں آسکتے ہیں۔

تحلیل

یہ ایک ایسی اصطلاح ہے جس کو لغوی ومعنوی اور مجازی طور پر تو ضرور کسی حد تک سمجھا گیا ہے مگر جہاں تک اس کی ایک طبی فنی

اصطلاح ہونے کا تعلق ہے اس کو بالکل نہیں سمجھا گیا اور نہ ہی سمجھایا گیا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ فنی حیثیت سے جس قدر اہمیت اور ضرورت اس اصطلاح کو سمجھنے کی ہونی چاہئے تھی اس قدر اس سے دوری اختیار کی گئی ہے۔

ظاہر میں لغوی معنوں کی حیثیت سے چونکہ بہت آسان معلوم ہوتا ہے اس لئے شاید اس اصطلاح کو فنی حیثیت سے نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ لیکن علم العلاج میں یہ ایک ایسی اصطلاح ہے کہ 50 فیصدی علاج کا دارومدار صرف اس کو سمجھ لینے پر قائم ہے۔ کسی غذا و دوا کے متعلق صرف یہ کہہ دینا کہ وہ محلل ہے، یہ کافی نہیں ہے، بلکہ یہ جاننا از حد ضروری ہے کہ اس جسم میں اس غذا و دوا و زہر کا اثر کس انداز میں ہوتا ہے جس سے وہاں پر تحلیل واقع ہوتی ہے۔ جہاں تک تحلیل کے استعمال کا تعلق ہے، اس کو صرف اورام کے لئے مخصوص کر دیا گیا ہے۔ اوّل تو اس کے عمل و انداز کا علم نہیں ہے۔ دوسرے باقی جسم پر اس کا کیا اثر ہوتا ہے۔ تیسرے سب سے بڑی بات یہ ہے کہ دیگر کون کون سی اصطلاحات ہیں جو اس کے تحت کام کرتی ہیں جن کا جاننا از حد ضروری ہے تاکہ تحلیل کے اثرات کے ساتھ ان کے افعال کا بھی علم ہو جائے۔

لغات کبیر میں جو طبی اصطلاحات میں بے نظیر سمجھی جاتی ہے اس تحلیل یا تحلل کے متعلق لکھا ہے ''مواد کا پوشیدہ طور پر خارج ہو جانا۔ مثلاً بدن سے بخارات بن کر نکل جانا یا ورم کا آہستہ آہستہ کم ہو جانا''۔

اس تشریح سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ایک عام آدمی تو کیا ایک صاحب علم اور اہل فن بھی کیا سمجھ سکتا ہے۔ مواد کا پوشیدہ طور پر خارج ہونا کیا معنی رکھتا ہے۔ پھر بدن سے بخارات بن کر نکل جانا کیسے ہوسکتا ہے اور ورم کے آہستہ آہستہ کم ہو جانے کی صورت کیا ہوگی۔ ایسی تشریحات نے فن کو ختم کیا ہے۔ کسی اصطلاح کی تشریحات اپنے اندر بہت اہمیت رکھتی ہے۔ پھر مختلف علوم وفنون میں یہ تشریحات بدل جاتی ہیں اور ان کی مخصوص تشریح کے بغیر وہ علوم وفن ذہن نشین نہیں ہوسکتے۔ صرف اصطلاح کے معنی بیان کر دینا کافی نہیں ہوسکتے۔

تحلیل کے معنوں کے لحاظ سے ''فیروز اللغات فارسی'' بیان کرتی ہے کہ ① اجزا کا کھول دینا ② حل کرنا ③ کہیں اترنا ④ اتارنا ⑤ گلا کر کسی شے کو فنا کرنا ⑥ نیچا کر دینا ⑦ حلال کرنا ⑧ طلاق والی عورت سے اس لئے نکاح کرنا کہ وہ اپنے پہلے خاوند پر حلال ہو جائے ⑨ علم معمہ کی اصطلاح میں کسی لفظ کے دو یا زیادہ حصے کر کے ہر حصے سے ایک معنی لینا اور بعض جگہ کسی کو اپنے معنوں ہی پر قائم رکھنا۔ فیروز اللغات سے اس کی دونوں صورتیں سامنے آ جاتی ہیں، لفظ کے معنی بھی اور مختلف علوم وفنون میں مختلف معنی بھی سامنے آ جاتے ہیں۔ بہر حال تحلیل کے معنی حل کرنا اور گلا کر کسی شے کو فنا کرنا بہت حد تک تحلیل کو ذہن نشین کر دیتے ہیں۔

ایک مغالطہ

طبی اور فنی حیثیت سے تحلیل کے معنی حل کرنا اور گلا کر کسی شئے کو فنا کر کے بھی اگر ذہن نشین کر لئے جائیں تو پھر یہ مغالطہ پیدا ہوتا ہے، ان افعال والی اشیاء و اغذیہ اور ادویہ ضرور گرم ہونی چاہئیں۔ لیکن ایسی اشیاء و اغذیہ اور ادویہ جو سرد بلکہ انتہائی سرد بھی ہیں جیسے کافور، کاسنی اور مولی وغیرہ کو بھی محلل لکھا ہے جب کہ دوسری طرف انتہائی گرم اشیاء و اغذیہ اور ادویہ بھی مرقوم ہیں جیسے آک، ارنڈ اور مکو وغیرہ۔ گویا مختلف ادویہ کے ساتھ مختلف امزجہ درجات کی ادویہ بھی محلل ہوسکتی ہیں۔ بس یہی وہ حقائق ہیں جن کا سمجھنا اور سمجھانا بے حد ضروری ہے، اس کو سمجھ لینے کے بعد علاج میں بے حد آسانیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔

تحلیل کی حقیقت

ظاہری طور پر ہم دیکھتے ہیں کہ کوئی شے کسی شے میں حل ہو جائے تو اس کو تحلیل ہونا کہتے ہیں۔ تحلیل ہونے والی شے کسی محلول میں حل ہو جائے یا خشک شے میں حل ہو جائے۔ گویا وہ اپنا جسم چھوڑ کر دوسرے جسم میں شامل ہو جائے یا تبدیل ہو جائے۔ اسی طرح اس کی

ایک صورت یہ ہے کہ کسی شے کو برتن میں رکھ کر آگ پر رکھا جائے اور وہ گل کر محلول بن جائے جیسے گڑ، گندھک اور دھاتیں وغیرہ یا دو اور دو سے زیادہ اشیاء کو ملا کر آگ پر رکھیں اور وہ تحلیل ہو کر ایک جسم بن جائے۔ جیسے نوشادر، نیلا تھوتھا، تانبا اور ٹین وغیرہ۔ یہ سب کیمیائی تحلیل کی صلاحیتیں ہیں۔ اسی طرح اندرونی طور پر جب کوئی غذا یا شے کھائی جاتی ہے تو وہ معدہ کی رطوبت یا حرارت سے تحلیل ہو کر آش جو کی طرح سفید محلول میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ اسی طرح آنتوں میں یہی محلول تحلیل ہو کر ایک اور صورت اختیار کر لیتا ہے۔ پھر یہی محلول جگر میں اس کی حرارت سے تحلیل ہو کر خون بن جاتا ہے۔ پھر یہی خون جہاں جسم میں غذا اور طاقت کا بدل یا تحلیل بنتا ہے وہاں پر یہی جسم کے مواد اور سوزش وغیرہ کو تحلیل بھی کرتا ہے۔ اسی طرح ضرورت کے وقت عروق شعریہ کے سروں پر موجود غدد میں تحلیل کر کے رطوبات کا ترشح کرتا ہے، یہ تحلیل بھی خود خون کی حرارت سے ہوتی ہے، یہ سب بھی کیمیائی تحلیل کی صورتیں ہیں۔ ان مسلمہ حقائق سے ثابت ہوتا ہے کہ تحلیل کے لئے حرارت اور خون کی گرمی ضروری ہے۔

ہمارا روزانہ کا یہ بھی مشاہدہ ہے کہ جب جسم میں بیرونی گرمی یا اندرونی حرارت بڑھ جاتی ہے تو پسینہ آ جاتا ہے اور اگر اس کی شدت ہو جائے تو دِل گھبرانے لگتا ہے اور پسینہ میں شدت ہو جاتی ہے۔ یہ بھی ایک قسم کی تحلیل ہے۔ ○ اگر اس گرمی اور حرارت کا اثر گردوں پر اثر انداز ہو جائے تو پیشاب میں زیادتی ہو جاتی ہے ○ اگر جگر متاثر ہو جائے تو اسہال شروع ہو جاتے ہیں۔ یہ بھی تحلیل کی صورتیں ہیں۔ ○ اگر دماغ متاثر ہو تو نزلہ زکام اور جسم میں جس قدر بھی رطوبات کا اخراج ہوتا ہے جن میں جریان و احتلام اور سرعت انزال و سیلان خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ گویا یہ سب تحلیل کی صورتیں ہیں جو مختلف مقامات پر مختلف اعضاء میں ہوتی ہیں۔

ان حقائق سے ثابت ہو گیا کہ تحلیل کے لئے جسم میں خون کی حرارت اور بیرونی گرمی کی ضرورت پائی جاتی ہے جس سے انسانی مشین چلتی ہے اور جب یہی حرارت اور گرمی بہت زیادہ کسی مقام پر بڑھ جائے تو نقصان بھی کرتی ہے۔ یعنی وہاں پر تحلیل کرتی ہے۔

روزانہ زندگی میں حرارت و گرمی سے جسم میں جو تحلیل پیدا ہوتی ہے یا خود گرمی کم ہو جاتی ہے تو دونوں کی کمی سے جسم میں طاقت کی کمی محسوس ہوتی ہے اور ان کا بدل غذا اور بیرونی گرمی سے پورا کرتے ہیں۔ اگر اس طرح گرمی اور طاقت پوری نہیں ہوتی تو ادویات کا استعمال بھی کرتے ہیں جن میں گرم مصالحے خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ گویا **تحلیل کے لئے حرارت اور گرمی ضروری شے ہے۔ اس کے بغیر تحلیل نہ صرف مشکل ہے بلکہ ناممکن بھی ہے۔** پھر طبی کتب میں سرد اشیاء کو کیوں محلل لکھا ہوا ہے اس کا جواب دورانِ خون ہے۔ یعنی تحلیل تو اسی مقام پر ہوگی جہاں پر خون کی حرارت یا بیرونی گرمی زیادہ ہوگی۔ جس مقام پر دونوں چیزیں نہیں ہیں، وہاں پر حرارت کے بجائے برودت ہوگی اور تحلیل کی بجائے تسکین ہوگی۔

جاننا چاہئے کہ جو اغذیہ و اشیاء اور ادویہ و زہر جسم انسان میں داخل ہوتے ہیں وہ سب اگر گرم بھی ہوں تو بھی ان سب کے افعال و اثرات صرف ایک ہی عضو پر نہیں ہوتے بلکہ مختلف اعضاء پر ہوتے ہیں۔ اسی طرح سرد اغذیہ و اشیاء اور ادویہ و زہروں کے اثرات بھی جسم کے مختلف اعضاء پر ہوا کرتے ہیں۔ اس صورت میں گرم یا سرد شے کا اثر و فعل جس عضو پر ہوگا وہاں پر تحریک ہوگی اور خون اس تحریک کی طرف جائے گا۔ اس طرح جس مقام پر خون اکٹھا ہو جائے گا وہاں پر تحلیل واقع ہوگی۔ مثلاً اگر تحریک دماغ و اعصاب میں ہے تو جگر و گردوں اور غشاء میں خون کی زیادتی ہوگی اور وہاں پر تحلیل ہوگی۔ اسی طرح اگر تحریک جگر و گردوں اور غشاء میں ہوگی تو تحلیل قلب و عضلات میں ہوگی۔ اسی طرح اگر تحریک قلب و عضلات میں ہوگی تو خون کی زیادتی دماغ و اعصاب کی طرف ہوگی اور وہیں تحلیل ہوگی۔ یہ وہ راز ہے جو نظریہ مفرد اعضاء نے حل کیا ہے۔

مقوی

یہ ایک ایسی اصطلاح ہے جس کو علم الادویہ میں بہت کثرت سے استعمال کیا گیا ہے۔ مقوی شے کا مفہوم کیا ہے اور اس کا عمل جسم میں کیسے پیدا ہوتا ہے۔ طبی کتب میں ان کو ذہن نشین کرایا گیا۔ یہ ظاہر ہے کہ ہر مقوی شے اپنی طاقت کے باعث تقویت دے گی۔ لیکن اس امر کا کہیں ذکر نہیں ہے کہ کسی قسم کی شے باعث تقویت ہوگی۔

ہم دیکھتے ہیں کہ طبی کتب میں ہر مزاج و کیفیات اور ہر درجے میں مقوی اشیاء کثرت سے پائی جاتی ہیں۔ بعض اشیاء میں تخصیص بھی کر دی گئی ہے کہ وہ دل یا دماغ یا جگر یا کسی اور عضو کے لئے مقوی ہیں۔ ان میں بعض ایسی بھی ہیں جو تمام جسم کے لئے مقوی لکھی گئی ہیں اور بعض ایسی بھی ہیں جو اعضائے جسم کے لئے مقوی لکھ دی گئی ہیں۔ گویا تینوں اس شے سے تقویت حاصل کرتے ہیں۔ اس مقام سے بھی بڑھ کر جو اشیاء مقوی ارواح لکھی گئی ہیں۔ ان کو پڑھ کر اور بھی حیرت ہوتی ہے اور ارواح بھی تین اقسام کی ہیں۔ ان کا تعلق بھی کسی نہ کسی عضو رئیس کے ساتھ ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک ہی شے تمام ارواح کے لئے مقوی ہو سکتی ہے۔

جسم و اعضائے رئیسہ سے آگے بڑھیں تو ہمیں عجیب عجیب قسم کی مقوی اشیاء نظر آتی ہیں اور حیرت ہوتی ہے کہ حکمائے متقدمین اور متاخرین سے لے کر آج تک جس میں آیورویدک، فرنگی طب اور دیگر چھوٹی بڑی طبیں شریک ہیں ان میں مقوی شش و مقوی معدہ، مقوی امعاء، مقوی مثانہ اور مقوی باہ وغیرہ اشیاء، اغذیہ، ادویہ اور زہر نظر آتی ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ ان اعضاء کے لئے کوئی بھی ایسی غذا، دوا، زہر اور شے نہیں ہے جو ان کے لئے مقوی ہو۔ کیونکہ اعضائے مفرد نہیں بلکہ مرکب ہیں اور ان کی ترکیب اور بناوٹ میں اعصاب و عضلات اور غدد شریک ہیں۔ ظاہر ہے کہ کسی مرکب عضو کی کمزوری میں کسی ایک عضو میں ہی کمزوری ہوگی۔ اسی مفرد عضو کی تقویت کے لئے مقوی دوا کی ضرورت ہے۔ اگر بغیر تخصیص کے کوئی مقوی دوا استعمال کر دی گئی تو ظاہر ہے کہ وہ اسی مفرد عضو کے لئے باعث تقویت ہو جو پہلے ہی تیزی اور شدت سے کام کر رہا ہو تو ظاہر ہے کہ اس میں اور بھی تیزی اور شدت پیدا ہو جائے گی۔ ظاہر ہے کہ اس مفرد عضو کی تیزی کی وجہ سے جس مفرد عضو کے فعل میں سستی اور سکون ہوگا وہاں پر اور بھی مزید سستی اور سکون پیدا ہو جائے گا۔ نتیجہ میں اس مرکب عضو میں بجائے تقویت کے مزید کمزوری اور تفریط پیدا ہو جائے گی۔ اس کو اس طرح سمجھا جا سکتا ہے کہ مرکب اعضاء کے کسی ایک مرکب عضو کی کمزوری کا باعث گرم کیفیت یا گرم خلط کی وجہ سے کمزوری ہے مگر وہاں پر تقویت کے لئے سرد کیفیت یا سرد خلط کی دوا مقوی خیال کرتے ہوئے دے دی گئی ہے تو یقینی امر یہ ہوگا کہ وہاں تقویت کے بجائے کمزوری ہوگی۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ہر مقوی غذا، دوا، زہر اور شے کے مزاج اور اخلاط کتاب میں بیان ہیں جن کا علاج اور نسخہ نویسی میں خیال رکھنا از حد ضروری ہے۔ صرف مقوی ہونا کافی نہیں ہے۔ لیکن دیکھا یہ جاتا ہے کہ مقوی کا ہونا کافی سمجھ لیا جاتا ہے۔ بلکہ بالخاصہ کو بھی بغیر مناسب اور صحیح کیفیت خلط کے استعمال کرنا نقصان ہے۔

اسی طرح یہ بھی ذہن نشین رکھیں کہ کوئی غذا، دوا، زہر اور شے کسی بھی مرکب عضو کے لئے تقویت کا باعث نہیں ہو سکتی۔ یقیناً وہ اس مرکب عضو کے مفرد عضو، عصب و عضلہ اور غدود کے لئے ہی مفید ہوگی۔ یہ اب حکماء، معالج اور صاحب علم و اہل فن کا فرض ہے کہ وہ مقویات کو بالمفرد اعضاء کی تشخیص کے بعد یا بالکیفیات یا بالاخلاط (گرم، سرد، تر اور خشک۔ خون، صفرا، سودا اور بلغم) کی تخصیص کے ساتھ

استعمال کرائیں، ورنہ کوئی مقوی دوا، غذا، زہر اور شے مقوی نہ ہوگی بلکہ نقصان رساں ہوگی۔

مقوی کے غلط استعمال کی ایک صورت اور سمجھ لیں تاکہ مقویات کے فوائد کی بجائے نقصان نہ برداشت کرنا پڑے۔ مثلاً: دودھ ایک مقوی غذا ہے مگر جن کے جسم میں نزلہ، رطوبت اور سکون قلب ہو یعنی جن کے اعصاب و دماغ میں تیزی اور بلغم میں زیادتی ہو ان کو نقصان دیتا ہے اور کمزوری پیدا کرتا ہے۔ ○ گوشت ایک مقوی غذا ہے مگر جن کے جسم میں ترشی و تیزی ہو اور جگر میں سکون ہو یعنی عضلات قلب میں تیزی اور ریاح کی زیادتی ہو تو ان کو نقصان دے گا اور کمزوری کرے گا۔ ○ گھی ایک مقوی دوائے غذائی ہے لیکن جن کے جسم میں حرارت و بے چینی ہو اور اعصاب میں سکون ہو یعنی جگر و غدد میں تیزی ہو اور صفرا کی زیادتی ہو تو نقصان دے گا اور کمزور کردے گا، وغیرہ وغیرہ۔

یاد رکھیں! جس طرح مرض کی تشخیص کے بغیر علاج ناممکن ہے بالکل اسی طرح صحیح مقویات کی تجویز کے بغیر صحت بہت مشکل ہے۔

مقوی کی حقیقت

جب جسم میں کوئی مقوی غذا و دوا اور زہر و شے استعمال کی جاتی ہے تو وہ جسم کے اس مخصوص مفرد عضو میں ہلکی ہلکی تحریک پیدا کرتی ہے جس سے وہاں پر انقباض پیدا ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ جس سے اس عضو میں یہ استعداد ہوتی ہے کہ وہ خون میں سے اپنی ضرورت کے اجزا اور غذا جذب کرنا شروع کر دیتا ہے جس سے اس کے جسم میں نمو اور تقویت پیدا ہونا شروع ہو جاتی ہے۔ مقویت کی خصوصیات میں خاص خوبی یہ ہے کہ وہ اس قدر ہلکے ہلکے عمل کرے کہ وہ خون میں سے اپنے مفید مطلب اجزاء اور غذا جذب کرنا شروع کر دے اور اس سے عمل اور تحریک میں تیزی پیدا ہوگی تو تقویت کا مقصد حاصل نہیں ہوگا۔ بلکہ وہ تحریک بن جائے گا جو مفید ہونے کی بجائے مضر ہوگا۔

مقویات و محرکات کا فرق

مقویات کا عمل اس قدر ہلکا اور لطیف ہوتا ہے کہ عضو رفتہ رفتہ خون کو جذب کرتا ہے اور اس کے برعکس تحریک وہاں پر اس قدر شدت و تیزی اور سوزش پیدا کر دیتی ہے کہ خون وہاں پر خود جانا شروع ہو جاتا ہے جس سے وہاں پر خون کی زیادتی ہو کر تحلیل شروع ہو جاتی ہے۔

مقویات کی زیادتی

جو لوگ طاقت کو جلد حاصل کرنے کے لئے مقویات کو زیادہ سے زیادہ مقدار میں استعمال کرنا شروع کر دیتے ہیں وہ غلط فہمی میں مبتلا ہوتے ہیں، کیونکہ مقویات ضرورت اور اندازہ سے زیادہ استعمال کی جائیں تو بجائے مقویات کے محرکات بن جاتی ہیں اور تحلیل پیدا کر کے ضعف کا باعث ہوتی ہیں۔

فرنگی طب کی غلط فہمی

فرنگی طب میں مقویات کے استعمال میں یہ غلط فہمی پائی جاتی ہے کہ وہ جب مقویات مثلاً کیلشیم (چونا)، فیرم (فولاد)، فاسفیٹس (فاسفورس) استعمال کراتے ہیں تو وہ زیادہ سے زیادہ استعمال کراتے ہیں تو ان کی زیادتی کے نقصان کو مدنظر نہیں رکھتے اور ان کے مقوی و محرک افعال کے فرق کا تو ان کو علم ہی نہیں ہے۔

ایک مثال اس طرح سمجھ لیں کہ کسی مریض کو چونا وفولاد یا کوئی اور مقوی شے استعمال کرائیں لیکن جب تک وہ شے جسم میں جذب نہ ہو تو وہ تقویت کیسے دے گی۔ جذب اسی صورت میں ہو سکتی ہے کہ وہاں کے اعضاء میں ہلکے اور لطیف عمل سے جذب کرنے کی استعداد پیدا کی جائے ورنہ اس شے کی زیادتی کبھی مفید نتائج پیدا نہیں کر سکتی۔ جو فرنگی ڈاکٹر دن رات مریضوں کو کیلشیم اور فولاد استعمال کراتے ہیں کبھی انہوں نے یہ بھی غور کیا ہے کہ ہماری روزانہ غذا میں کس قدر چونا اور فولاد شامل ہوتا ہے مگر اعضاء کا ضعف ان کو جذب نہیں کر سکتا جیسے ایک بچہ بڑے آدمی کی غذا ہضم نہیں کر سکتا۔ مقویات کی زیادتی کے بجائے مقویات کے جذب کی استعداد پیدا کرنا صحیح علاج ہے۔

تقویت اور تحلیل میں فرق

ہم اوپر لکھ چکے ہیں کہ مقویات کی زیادتی جسم میں تحریک بن جاتی ہے جس سے وہاں پر زیادہ سے زیادہ اجتماع ہو جاتا ہے اور وہاں پر خون کی گرمی سے تحلیل شروع ہو جاتی ہے۔

یاد رکھیں کہ مقویات طاقت دیتی ہیں اور محرکات سے تحلیل کا خطرہ ہے جس کے بعد ضعف پیدا ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ بعض معالج یہ شکایت کرتے ہیں کہ مریض کو جس قدر طاقت کی غذا دیتا ہوں وہ کمزور ہوتا چلا جاتا ہے۔ ذہن نشین کر لیں کہ اگر مقویات کی زیادتی سے طاقت پیدا ہوتی تو امیر، رئیس اور نواب زادے کبھی کمزور نہ ہوتے اور ان کو کبھی ضعف اور ہارٹ فیل نہ ہوتا۔ یاد رکھیں کہ مقویات کی زیادتی تحلیل اور ضعف پیدا کر دیتی ہے اور انہیں سے ہارٹ فیل ہوتا ہے۔

مقویات، ایک دوسرا زاویہ نگاہ

مقویات کے لئے عام طور پر یہی خیال اور تصور کیا جاتا ہے کہ وہ اس مخصوص عضو اور خلط میں تیزی اور زیادتی پیدا کرتی ہے لیکن جب کسی عضو اور خلط میں زیادتی پائی جائے تو یقیناً ایسی مقویات جو ان کے افعال و مواد میں کمی یا اعتدال پیدا کر دیں وہ بھی ان کے لئے مقوی بن سکتی ہیں۔ مثالیں درج ذیل ہیں۔

مقوی اعضائے رئیسہ

ایسی ادویہ اور اغذیہ جو اعضائے رئیسہ (دل، دماغ اور جگر) کے لئے مقوی ہیں۔ جیسے زعفران، مشک، عنبر، مروارید، زمرد، زہر مہرہ، گاؤزبان اور گاجر وغیرہ ان کو اطباء نے مقوی اعضائے رئیسہ لکھا ہے لیکن بعض نے اس خیال کو صحیح نہ سمجھتے ہوئے ساتھ یہ لکھ دیا ہے کہ اگر بنظر تحقیق دیکھا جائے تو ان ادویہ کی زیادہ خصوصیت ایک ایک عضو کے ساتھ ہے جس سے دوسرے عضو بھی متاثر ہوتے ہیں۔ لیکن یہ سب کچھ بالکل حقیقت کے خلاف ہے۔ کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ **زعفران مقوی جگر، مشک مقوی دماغ اور عنبر مقوی قلب** ہے۔ اسی طرح مروارید، زمرد اور زہر مہرہ وغیرہ تمام مقوی قلب ہیں۔ یہ دماغ اور جگر کے لئے مقوی نہیں ہیں۔ اسی طرح گاجر اور گاؤزبان مقوی دماغ ہیں، یہ مقوی قلب نہیں ہیں۔ جیسا کہ روزانہ اطباء ان کو مقوی قلب استعمال کرتے ہیں۔ البتہ ان کو مفرح قلب کے بطور دے سکتے ہیں جس کی صورت صرف یہ ہو سکتی ہے کہ جگر میں تیزی اور خون میں صفراء کی زیادتی ہو جس سے قلب میں تحلیل اور ضعف پیدا ہو رہا ہو تو اس وقت گاؤزبان اور گاجر، جو مقوی دماغ و اعصاب ہیں دوران خون کو دل سے کھینچ کر نہ صرف دماغ کی طرف کر دیتے ہیں بلکہ صفراء کو بے حد کم کر

دیتے ہیں جس سے مفرح قلب کی صورت پیدا ہو جاتی ہے۔
ان حقائق سے ثابت ہوا کہ کسی عضو کے فعل میں کمی پیدا کر کے اس میں اعتدال پیدا کرنے سے بھی مقوی صورت پیدا ہو جاتی ہے۔

مقوی اور مفرح کا فرق

جب طبی کتب میں مفرح ادویہ واغذیہ پر نظر پڑتی ہے تو وہ ادویہ نظر آتی ہیں جو مفرح قلب کے لئے استعمال کی جاتی ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ مفرح قلب کے لئے ادویہ ہونی چاہئیں۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ طبی کتب میں اور اطباء کے معمول میں بھی مفرح مقوی قلب کی صورت میں دیئے جاتے ہیں۔ یعنی قلب کے فعل میں تیزی پیدا کرنا مقصود ہوتا ہے۔ یہ غلط ہے کہ ہر مفرح مقوی دماغ اور اعصاب ہوتا ہے جس سے قلب کی طرف دوران خون اور حدت کم ہو جاتی ہے اور وہاں پر سکون پیدا ہو جاتا ہے یا اعتدال پیدا ہو کر تقویت پیدا کر دیتا ہے۔ اس لئے کسی مفرح قلب شے کو مقوی قلب سمجھ کر استعمال نہیں کرنا چاہئے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض لوگ تقویت کی خاطر زیادہ سے زیادہ مفرح قلب اشیاء استعمال کرتے ہیں، لیکن اس میں فائدہ کی بجائے نقصان ہوتا ہے۔

اس حقیقت سے یہ امر ذہن نشین کر لیں کہ دل و دماغ اور جگر تینوں کے لئے مقوی ادویہ اور اغذیہ جدا جدا ہیں۔ کوئی ایک دوا و غذا تینوں اعضائے رئیسہ کے لئے کبھی مقوی نہیں ہو سکتی۔ پھر مختلف ادویہ اور اغذیہ کو بیک وقت مقوی اعضائے رئیسہ سمجھتے ہوئے ایک نسخہ میں بھر دینا نہ صرف علم و فن طب سے ناواقفی بلکہ ظلم ہے۔

مقویات باہ

ایسی ادویہ اور اغذیہ جو قوت باہ کو طاقت دیتی ہیں ان کے متعلق بھی بہت حد تک یہ اندازہ کر لیا گیا ہے کہ یہ تمام کی تمام بالذات مقوی باہ ہیں اور جن کو بالعرض بھی مقوی باہ خیال کیا جاتا ہے ان میں بھی یہ یقین پایا جاتا ہے کہ بہر حال وہ مقوی باہ ضرور ہیں۔ لیکن یہ خیال اور نظریہ بھی غلط ہے اور حقیقت یہ ہے کہ کوئی بھی دوا و غذا بغیر ضرورت کے مقوی باہ نہیں ہے۔

جاننا چاہئے کہ قوت باہ کوئی ایسا فعل نہیں ہے جو کسی ایک مفرد عضو کے افعال افراط و تفریط اور قوت سے پیدا ہو بلکہ تمام اعضائے رئیسہ کے صحیح افعال کا نتیجہ ہے۔ اگر ذرا اور وسعت دیں تو پتہ چلے گا کہ جسم کے ہر عضو و ہر نظام اور ہر کیمیائی رطوبت جن میں خون اور منی دونوں شامل ہیں کا نتیجہ ہے۔ پھر ایسی صورت میں کوئی ایک دوا یا مختلف ادویات و اغذیہ بغیر ضرورت کے کیسے مفید ہو سکتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر معالج قوت باہ کی ادویات اور اغذیہ کے زیادہ طلب گار ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس مرض کے علاج میں ناکام ہیں۔ اس میں فن علاج کا قصور نہیں ہے بلکہ فن سے لاعلمی ہے۔ ذیل کے امثال پر غور کریں:

1. ستاور، جائفل اور سنبل (بالچھڑ) تینوں مقوی باہ ادویات میں شریک ہیں۔ تینوں عضلاتی غدی (خشک گرم) یعنی خشک زیادہ گرم کم ہیں۔ یہ تینوں عضوی اور کیمیائی طور پر محرک قلب اور مقوی جگر ہیں۔ ضعف باہ اگر سکون قلب اور ضعف جگر کی وجہ سے ہے تو انتہائی مفید ہے۔
2. خولنجاں، سرخ مرچ اور رائی تینوں ادویات مقوی باہ ہیں۔ تینوں غدی عضلاتی (گرم خشک) ہیں یعنی گرم زیادہ اور خشک کم ہیں۔ یہ تینوں عضوی اور کیمیائی طور پر محرک جگر اور مقوی قلب ہیں۔ ضعف باہ اگر سکون قلب اور ضعف جگر کی وجہ سے ہو تو تریاق کا حکم رکھتی ہیں۔

(۳) زنجبیل، فلفل دراز اور فلفل اسود تینوں مقوی باہ ادویہ میں شریک ہیں۔ تینوں غدی اعصابی (گرم خشک) ہیں یعنی گرم زیادہ تر کم ہیں۔ یہ تینوں عضوی اور کیمیائی طور پر محرک جگر اور مقوی اعصاب ہیں۔ ضعف باہ اگر سکون جگر اور ضعف اعصاب کی وجہ سے ہو تو بے حد مفید ہیں۔

(۴) بھنگ، کنیر اور نک چھکنی یہ تینوں بھی مقوی باہ ادویات میں شریک ہیں، تینوں اعصابی غدی (تر گرم) ہیں۔ یعنی ان میں رطوبت پیدا کرنے کی قوت زیادہ اور حرارت برائے نام پیدا ہوتی ہے۔ اصولاً ایسی ادویات ضعف باہ پیدا کرتی ہیں۔ کیونکہ ہر دوا جو اعصاب میں تحریک یا شدت پیدا کرے وہ ضعف باہ پیدا کرتی ہے، مگر طبی کتب میں اس قبیل سے بھی بہت سی ادویہ مقوی باہ درج ہیں۔ ظاہر تو ان کو مقوی باہ کہنا صحیح نہیں۔ البتہ جب اعصاب میں سکون اور جگر میں ضعف ہو تو ضرور مفید ہو سکتی ہیں۔ لیکن جو لوگ اس راز و رموز سے واقف نہیں ہیں وہ ہمیشہ نقصان اٹھائیں گے۔

(۵) کنجد، خارخشک اور گوند۔ یہ تینوں بھی مقوی باہ ادویات میں شریک ہیں، تینوں اعصابی عضلاتی (تر سرد) ہیں۔ یعنی رطوبت کی زیادتی کے ساتھ سردی۔ جس میں حرارت اور خشکی کا نام و نشان نہیں ہے۔ اصولاً ایسی ادویات کا مقوی باہ ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ البتہ ضعف باہ ضرور پیدا کر سکتی ہیں مگر حیرت ہے کہ یہ ادویات سرعت انزال یا زیادہ سے زیادہ جریان میں استعمال ہو سکتی ہیں۔ اگر اسی حیثیت سے مقوی باہ استعمال کی گئی ہیں تو اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ایک مبتدی ان ادویات کو کس طرح مقوی باہ کے بطور استعمال کر سکتا ہے۔

(۶) فولاد، اسپند اور قہوہ یہ تینوں بھی مقوی ادویات میں شریک ہیں تینوں عضلاتی اعصابی (خشک سرد) ہیں۔ یعنی سردی کی شدت سے رطوبات خشک ہو گئی ہیں۔ گویا ان میں سردی کی شدت ہے۔ البتہ حکماء نے انتہائی خشکی سردی میں حرارت کی ابتداء کی ہے۔ بہر حال خشک سرد مزاج میں اگر گرمی نہ ہو تو بھی خشکی کی شدت ہوتی ہے جو بلغم کی رطوبت خشک کر دیتی ہے جس سے حرارت پیدا ہوتی ہے جیسے گیلی لکڑی میں رطوبت خشک ہو جائے تو آگ بھڑک اُٹھتی ہے۔ ایسی ادویات قوت باہ کے بجائے جریان کے لئے زیادہ مفید ہیں۔ اگر ضعف باہ کا سبب جریان ہو تو ان کے مفید ہونے میں کوئی شک نہیں ورنہ ایسی ادویات کے استعمال سے قوت باہ میں خاطر خواہ فوائد حاصل نہیں ہوتے۔

یہ ہیں مقوی باہ ادویات کے اسرار و رموز جو ہم نے مختصر طور پر بیان کئے ہیں۔ جن میں صرف تین تین ادویات مثال کے طور پر بیان کر دی ہیں، ورنہ مقوی باہ ادویات کے علاوہ زہر بھی شریک ہیں۔ جیسے سنکھیا، پارہ اور بلادر وغیرہ جو مختلف تحریک میں دیئے چاہئیں۔ مگر ہم کو اکثر ایک ہی نسخے میں نظر آتے ہیں۔ اسی طرح اغذیہ میں بھی آم، اخروٹ، بادام، بیضہ مرغ، چنا، خرما، گاجر، مغز پستہ، مغز چلغوزہ اور دیگر مغزیات وغیرہ یہ سب مقوی باہ اغذیہ میں شریک ہیں لیکن سب کے مختلف مقام ہیں۔ لیکن افسوس ان کے استعمال میں کوئی امتیاز نہیں کیا جاتا۔ یہ مثال کے طور پر پیش کئے گئے ہیں۔ ورنہ طبی کتب مقوی دماغ، مقوی قلب، مقوی جگر، مقوی طحال، مقوی خون، مقوی بصر، مقوی دنداں، مقوی معدہ و امعا اور مقوی مثانہ وغیرہ سے بھری پڑی ہیں۔ یہ ایک ایسا خس و خاشاک ہے جب تک اس کو دور نہ کیا جائے طب یونانی کی صحیح صورت کا نظر آنا مشکل ہے۔

جناب حکیم قاضی نور احمد صاحب جو ہمارے پرانے محب اور تقریباً پینتیس، چالیس سالوں کے ساتھی ہیں، گزشتہ دنوں ملنے کے لئے تشریف لائے اور فرمانے لگے کہ آپ نے اصطلاحات طبیہ کی تشریحات جس مفید و مؤثر انداز میں کی ہیں گزشتہ ہزاروں سالوں کی

کتب میں کہیں نظر نہیں آئیں۔ان کو پڑھ کر دل بہت خوش ہوگیا ہے اور بہت ساری غلط فہمیاں دور ہوگئی ہیں۔اسی طرح دیگر اصطلاحات کی تشریحات کردی جائیں تو علم وفن طب بہت آسان ہو جائے گا۔کیونکہ علم وفن طب کو اصطلاحات کے بغیر ذہن نشین کرنا نہ صرف مشکل ہے بلکہ ناممکن بھی ہے۔ساتھ ہی انہوں نے کہا کہ مقوی کی طرح اکسیر اور تریاق کے بارے میں بھی حکما اور اطباء میں بہت سی غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں۔ان کی تشریح بھی انتہائی ضروری ہے۔میں نے جواب دیا کہ ان کو کتاب ''تحقیقات فارما کوپیا'' میں بیان کردیا گیا ہے۔انہوں نے فرمایا کہ وہ اشارات ہیں تشریح کی ضرورت ہے۔میں نے جواباً کہا کہ مکمل تشریح جو امثال کے ساتھ دی جائے باعث طوالت ہوگی البتہ بعض پہلوؤں پر روشنی ڈال دی جائے گی۔سو اکسیر اور تریاق کی حقیقت درج ذیل ہے۔

اکسیر اور تریاق

علم وفن طب میں صحیح تشخیص کے بعد صحیح تجویز کسی طرح ''اکسیر اور تریاق'' سے کم نہیں ہیں۔لیکن پھر بھی اکسیر اور تریاق کا ایک مقام ہے۔اگر ان کی صحیح تجویز ہو تو نہ صرف مرض دور ہو جاتا ہے بلکہ ان سے اعضاء کی پرانی سوزش اور خون کے کیمیائی زہر فوراً ختم ہو جاتے ہیں۔

فرنگی طب میں اکسیرات وتریاقات کا وہ تصور نہیں ہے جو طب قدیم میں پایا جاتا ہے۔فرنگی طب میں اکسیرات وتریاقات کا ذکر ضرور ہے وہ ان کو الگزر اور اینٹی ڈوٹ کا نام دیتے ہیں لیکن ان سے ان کی مراد صرف بہترین دوا اور دفع زہر دوا یا زیادہ سے زیادہ دافع جراثیم (اینٹی سپٹک) دوا کے ہیں۔مگر ان کے حقیقی خواص سے بے علمی ہے۔

اکسیر دوا کے اثرات

اکسیر دوا کا مفہوم یہ نہیں ہے کہ فوری اور وقتی طور پر کسی مرض کو روک دیا جائے۔جیسے افیون و بھنگ اور دیگر مخدرات ومنشیات کے استعمال سے فوری اور وقتی طور پر درد جلن اور بے چینی کو ختم کردیا جاتا ہے یا محرکات کے استعمال سے دورانِ خون کو تیز کردیا جاتا ہے۔جس طرح فرنگی طب میں دن رات انجکشنوں میں ایسی ادویات کا استعمال کیا جارہا ہے۔طبی دنیا پورے طور پر اس امر سے واقف ہوگئی ہے کہ فوری اور وقتی علاج بھی حقیقی علاج ثابت نہیں ہوگا بلکہ ایسے علاج کے بعد جب ردِّ عمل شروع ہوتا ہے تو پہلے کی نسبت نہ صرف مرض زیادہ ہو جاتا ہے بلکہ ضعف جسم بھی واقع ہو جاتا ہے۔

علامہ علاؤ الدین قرشی لکھتے ہیں کبھی دوا بطی النفوذ ہوتی ہے اس لئے اس کے ساتھ ایسی دوا ملانے کی ضرورت ہوتی ہے جو اس کو سریع النفوذ بنادے جس کی دو صورتیں ہیں۔

① کسی دوسری دوا کی آمیزش سے اس کی قوت نفوذ عام طور پر بڑھ جائے جس میں کسی عضو کی تخصیص نہ ہو۔مثلاً کسی غلیظ القوام اور بطی النفوذ چیز کے ساتھ کسی لطیف اور مغلظ چیز کا ملادینا۔

② کسی دوسری دوا کی وجہ سے کسی خاص عضو کی طرف اس کی قوت نفوذ تیز ہو جائے یا کسی خاص عضو کی طرف اس کا میلان بڑھ جائے۔مثلاً مدر ادویہ کے ساتھ ذراریح وتیلنی مکھی کا شامل کرنا وغیرہ۔جاننا چاہئے کہ ادویہ کا جسم میں نفوذ کرانا ایک اہم امر ہے۔لیکن اکسیر دوا کے لئے صرف اس قدر کافی نہیں ہے۔

اکسیر دوا کا صحیح مفہوم

اکسیر دوا کو کیمیائے حیات کہا جائے تو زیادہ بہتر ہے۔ آیورویدک میں اس کو رسائن کہتے ہیں جس کے معنی ایسی دوا کے ہیں جس سے جوانی واپس لوٹ آئے یا اس میں ایسی قوت ہو جو کسی دھات کو صاف کر کے فوراً سونے میں تبدیل کر دے۔ ایسی طاقت کی دوا جسم کے تمام سوزشی اور مُحِر امراض کو جسم سے دور کر دیتی ہے بس ایسی دوا اکسیر ہو سکتی ہے۔ اکسیر دوا میں تین خوبیاں لازمی ہونا چاہئیں:

① برقی اثر ② جاذب اثر ③ دائمی اثر۔

جاننا چاہئے کہ برقی اثر کی صورت یہ ہے کہ وہ اپنے اثر میں نہ صرف برق رفتار ہو بلکہ جسم میں برقی رو پیدا کر دے تاکہ خلیات میں دور تک پہنچ جائے۔ جاذب اثر کا مقصد یہ ہے کہ دوا استعمال کرنے کے فوراً بعد جسم میں خود بخود جذب ہو کر جسم کے خلیات تک پہنچ جائے اور ساتھ ہی فوراً خون اور رطوبات کو اپنی طرف جذب کرنے کی کوشش کرتا رہے۔ دائمی اثر سے مراد یہ ہے کہ استعمال کے بعد اس کا اثر فوری طور پر ختم نہ ہو جائے بلکہ کافی مدت تک اس کا اثر جسم میں جاری رہے۔ اکسیر دوا کا صحیح استعمال یہ ہے کہ پرانی و پیچیدہ امراض اور مُحِر و مسترخی اعضاء کے درست کرنے میں استعمال کرنی چاہئیں ان سے نہ صرف خلیات و انسجہ اور اعضاء کے افعال صحیح ہونا شروع ہو جاتے ہیں، بلکہ خون میں کیمیائی طور پر صحت مند اثر پیدا ہو جاتا ہے۔ اکسیرات کی یہ وہ خوبی ہے جو فرنگی طب میں نہیں پائی جاتی۔ جو غذا و دوا اور زہر کا فرق سمجھتے ہیں، وہ اکسیری دوا کا صحیح اندازہ کر سکتے ہیں۔

دوائے تریاق

شیخ الرئیس لکھتے ہیں کہ یہ واضح رہے کہ تریاق جیسی بعض مفید دواؤں کے کچھ آثار و افعال ان کے مفردات (اجزاء) کے لحاظ سے ہوتے ہیں اور کچھ آثار و اعمال ان کی صورت نوعیہ کی وجہ سے ہوتے ہیں جو (مرکب میں ترتیب و آمیزش کے بعد پیدا ہو جاتے ہیں) اسی صورت نوعیہ کے حصول کے لئے ایک مدت تک تریاق کے اجزا کو خمیر کیا جاتا ہے تاکہ اس جدید مزاج کی وجہ سے تریاق کے اجزا میں سے آثار وقوی کھنچ کر آ جائیں جو بعض اوقات مفردات کے آثار سے بڑھ کر ہوتے ہیں۔ اس لئے ان لوگوں کی بات پر کان نہیں دھرنا چاہیے جو اسی طرح کہتے ہیں کہ تریاق یہ کام سنبل کی وجہ سے کرتا ہے اور یہ کام مُر کی وجہ سے انجام دیتا ہے۔ بلکہ صداقت یہ ہے کہ اس کے عمل کی صورت وہی ہے جو اوپر بیان کی گئی ہے۔ یعنی وہ اپنے جدید مزاج کی وجہ سے عمل کرتا ہے۔ تریاق میں تاثیرات کے لحاظ سے اصل و عمود و ستون تریاق کی صورت نوعیہ ہے جو ترکیب کے بعد اتفاقاً پیدا ہو گئی ہے اور تجربہ سے شاندار اور مفید ثابت ہوتی ہے۔ اس کے آثار کیوں ہیں اور اس کی صورت نوعیہ کو ان کے افعال سے کیا مناسبت ہے۔ واضح طور پر اس کا بتانا اور سمجھنا ہمارے لئے مشکل ہے۔

شیخ الرئیس نے جو یہ لکھا ہے کہ تریاق ''سنبل اور مُر'' یا کسی خاص دوا کا نام نہیں ہے۔ یہ بالکل صحیح ہے لیکن یہ بھی صحیح نہیں ہے کہ ہر تریاق میں ایک خاص قسم کے جدید مزاج سے عمل کرتا ہے اور یہ صورت نوعیہ اتفاق سے پیدا ہو جاتی ہے اور آخر میں اس کی حقیقت سے لاعلمی کا اظہار کر دیا ہے۔ لطف یہ ہے کہ ان کی دونوں باتیں ایک دوسرے کے مخالف ہیں۔

تریاق

تریاق سے حقیقی مراد ایسی دوا و غذا اور زہر ہے جس کے استعمال سے اس کے مخالف مقابل زہر و مزاج اور مخصوص اثرات باطل اور ختم ہو جائیں جیسے ترشی کا اثر کھار سے زائل ہو جاتا ہے اور اسی طرح اس کے برعکس ہوتا ہے یا افیون کا اثر کچلہ سے باطل ہو جاتا ہے اور اسی طرح اس کے برعکس عمل ہوتا ہے اسی طرح دیگر زہروں کے متعلق ہے۔

جب ایک مزاج دوسرے مزاج کو توڑتا ہے۔ تو یہ بھی تریاق کی صورت نوعیہ میں شامل ہے۔ ان کے علاوہ کسی زہر کے لئے تریاق تیار بھی کیا جاسکتا ہے۔ یہ اس کی خاص صورت نوعیہ ہوتی ہے جیسا کہ شیخ الرئیس نے لکھا ہے۔ مگر ہر دوا کے لئے یہ شرط ضروری نہیں ہے۔

تریاق کا استعمال

تریاق کے استعمال میں ہمیشہ احتیاط کرنی چاہئے۔ ہر خوراک کے بعد جسم کا اچھی طرح معائنہ کرنا چاہئے۔ کیونکہ یک لخت ایک مزاج ختم ہو جانے سے ضعف واقع ہو جاتا ہے اور کبھی ایک زہر ختم ہو کر دوسرا زہر پیدا ہو جاتا ہے۔ بعض دفعہ تریاق سے فوراً موت واقع ہو جانے کا خطرہ لاحق ہو جاتا ہے۔ فرنگی طب میں جو انجکشن خاص طور پر پنسلین کے انجکشن دیئے جاتے ہیں ان سے شب و روز جو اموات ہو رہی ہیں اس کی بھی بالکل یہی وجہ ہے کہ مرض کی قوت ختم ہو جانے کے بعد انسانی قوت بھی ختم ہو جاتی ہے۔

تیز اور سوزشی ادویہ

زہر اور سمی ادویات کی طرح تیز اور سوزش پیدا کرنے والی ادویات بھی ہوتی ہیں۔ ایسی ادویات زہر و سمیات تو نہیں ہوتیں مگر ایسی ادویات اندرونی اور بیرونی طور پر استعمال کریں تو وہ جسم میں جلن پیدا کر دیتی ہیں یا جسم کو جلا دیتی ہیں یا جسم کو کھا جاتی ہیں۔ مگر ایسی ادویہ کی اصطلاحات کو بالکل سمجھانے کی کوشش نہیں کی گئی۔ صرف ان اصطلاحات کے معنی لکھ دیئے گئے ہیں۔ حیرت یہ ہے کہ اصطلاح کے تحت مختلف مزاج اور کیمیائی ادویات لکھ دی گئی ہیں۔ طالب علم بے چارہ تو کیا ان میں تمیز کرے گا جدید اطباء بھی ان کو نہیں سمجھ سکتے پھر وہ بھلا ان میں ہم آہنگی کیسے کر سکتے ہیں۔ مثلاً ① اکال ② جالی ③ حالق ④ مبشرات ⑤ حکاک ⑥ قاشر ⑦ کاوی ⑧ لازع ⑨ محمر ⑩ مخشن ⑪ معطش ⑫ مقرح ⑬ منفط، وغیرہ وغیرہ۔

ان تمام اصطلاحات میں اکثر کے افعال و اثرات ایک ہی قسم کے ہیں۔ البتہ ان میں بعض اصطلاحات اپنی قوت کی شدت اور بعض قوت کی کمی کے لئے بولی جاتی ہیں۔ لیکن حیرت کی بات یہ ہے کہ ان تمام اصطلاحات کے ذیل میں ایسی مختلف ادویات استعمال کی گئی ہیں جو مزاج و اخلاط اور اعضاء پر اثر انداز ہونے کے اعتبار سے باہم کوئی تعلق نہیں رکھتیں۔ اس لئے طالب علم اصولی اور قانونی طور پر ان کے سمجھنے میں اکثر پریشان رہتا ہے۔ اب ذرا ان پر غور کریں، ہم ان کو اس انداز میں بیان کریں گے کہ ان کے افعال و اثرات ان کی قوت کا بھی اندازہ ہو سکے۔ اس طرح ان کا فرق بھی سمجھا جاسکتا ہے۔

محمر (سرخ کر دینے والی دوا)

ایسی ادویات جب ان کو جسم پر لگایا جائے تو جسم کے اس حصہ میں خون کی آمد کو بڑھا دیں۔ جس سے جلد یا جسم کی رنگت سرخ ہو جاتی ہے۔ ان ادویات کے افعال واثرات میں یہ یقین کر لیا گیا ہے کہ وہاں کے عروق پھیل جاتے ہیں اور وہاں پر خون زیادہ آنے لگتا ہے۔ اس مقصد کے لئے بہت سی ادویات ہیں لیکن چند بطور نمونہ درج ذیل ہیں: (۱) کافور، مولی اور تھوہر۔ (۲) سرکہ، خردل، پیاز اور لونگ۔ (۳) پودینہ، لہسن، بیروزہ اور جمال گوٹہ۔

ہم نے ان تینوں نمبروں میں تین اقسام کی ادویات سرد مزاج وبلغم پیدا کرنے والی اور کم قوت والی ادویات سے لے کر گرم مزاج وصفراء پیدا کرنے والی ادویات اور انتہائی شدید قوت والی ادویات لکھ دی ہیں تا کہ ان کے افعال واثرات آسانی سے ذہن نشین ہو سکیں۔ غور کرنے والی بات یہ ہے کہ نمبر (۱) میں سرد اور گرم تر کی ادویات درج ہیں۔ لیکن ان سب کے استعمال سے جسم میں رطوبت کثرت سے پیدا ہوتی ہے۔ ان کو اعصابی کہتے ہیں۔ غور کریں کہ کافور اور مولی وتھوہر ظاہر میں کس قدر مختلف ادویہ ہیں۔ لیکن تمام محرک اعصاب ہیں، خیر یہ تو سب اعصابی ہیں۔ ان کے اثرات وافعال ایک ہی قسم کے ہو سکتے ہیں، لیکن جب ہم نمبر (۲) کی ادویات کو دیکھتے ہیں جس میں سرکہ وخردل اور پیاز ولونگ شامل ہیں، یہ تمام رطوبات کو خشک کرنے والی ہیں۔ ان میں خشک اور گرم دونوں قسم کی ادویات شامل ہیں۔ ان کے استعمال سے بھی جلد سرخ ہو جاتی ہے لیکن نمبر (۲) کی تمام ادویات اعصابی نہیں ہیں بلکہ عضلاتی ہیں۔ یعنی ان کے اثرات سے دل اور عضلات کے افعال تیز ہو جاتے ہیں۔

یاد رکھیں جو ادویات عضلات کے افعال کو تیز کر دیں وہ اعصاب میں تحلیل پیدا کر دیتی ہیں۔ خیر ان کے اثرات وافعال بھی تسلیم کر لیتے ہیں کہ ان کے اعصاب میں دورانِ خون زیادہ ہو جاتا ہے۔ لیکن اب نمبر (۳) پر غور کریں، اس میں پودینہ، لہسن، بیروزہ وجمالگوٹہ شامل ہیں۔ اس میں بھی کم طاقت سے انتہائی طاقت والی ادویات ہیں۔ لیکن مزاج میں گرمی اور صفرا پیدا کرنے والی ہیں۔ ان سب کا اثر جگر (غدد) پر ہوتا ہے۔ جب ادویات جگر (غدد) پر اثر انداز ہوتی ہیں تو اعصاب میں سکون ہوتا ہے، یعنی وہاں پر دورانِ خون کم ہو جاتا ہے۔

ان حقائق پر غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ ہماری اصطلاحات کو پورے طور پر سمجھنے کی کوشش نہیں کی ہے بلکہ دوا کے ظاہر اثرات کو سامنے رکھ کر ان کے ظاہر افعال لکھ دیئے گئے ہیں۔ جب طالب علم ان متضاد ومختلف مزاج واخلاط اور اعضاء وکیمیائی اثرات والی ادویات کو دیکھتا ہے اور ان کو ایک ہی اصطلاح کے تحت سمجھنے کی کوشش کرتا ہے تو یقیناً حیران ہوتا ہے ایسے ہی مقام ہیں جہاں سے حقیقی علم ذہن نشین نہیں ہوتا اور طالب علم شکوک کی دنیا میں گرفتار ہوتا چلا جاتا ہے یہاں تک کہ وہ علم وفن کو حقیقی اور یقینی نہیں بلکہ ظنی خیال کرتا ہے۔

محمر کے صحیح اثرات وافعال

ہر وہ دوا ''محمر'' ہے جب جسم پر لگائی جائے تو وہ دورانِ خون کو اس طرف تیز کر دے۔ اس کی تین صورتیں ہیں:

(۱) اعصاب میں تحریک یا سوزش پیدا ہو جائے۔ جس سے غدد اور شریانیں پھیل جاتی ہیں وہاں دوران خون کی تیزی ہو جاتی ہے، مگر جلد ہی وہاں پر ردِ عمل شروع ہو جاتا ہے۔ اور وہاں رطوبات وبلغم اور ماہیت کا ترشح شروع ہو جاتا ہے تا کہ وہاں پر اجتماع خون ہو

کر ورم نہ پیدا ہو جائے۔ایسے محمرات میں وہ تمام ادویات شریک ہیں جو نمبر (۱) کے قبیل کی ہو سکتی ہیں۔

(۲) عضلات میں تحریک یا سوزش پیدا ہو جائے جس سے ان کے انقباض سے قلب میں تحریک ہو کر دوران خون تیز ہو کر عضلات خصوصاً ان عضلات کی طرف تیز ہو جاتا ہے جہاں پر تحریک و سوزش پیدا کی گئی ہے۔ایسے محمرات میں وہ تمام ادویات شریک ہیں جو نمبر (۲) کے قبیل کی ہو سکتی ہیں۔یاد رکھیں ایسی ادویات نمبر (۱) اعصابی سے زیادہ تیز اور دیر پا ہوتی ہیں اور ان کا اثر زیادہ ہوتا ہے۔کیونکہ وہاں پر رطوبات اور بلغم اور ماہیت ختم ہو جاتی ہے اور ردِ عمل بہت دیر سے ہوتا ہے۔

(۳) غدد میں تحریک اور سوزش ہوتی ہے، جس سے شریانوں میں سکیڑ پیدا ہو کر وہاں سے اخراج رطوبات مشکل یا بند ہو جاتا ہے اور وہاں پر خون کا اجتماع ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ایسے ''محمرات'' میں وہ تمام ادویات شریک ہیں جو اس قبیل کی ہو سکتی ہیں۔ بلکہ بعض صورتوں میں ورم بن جانے کا خطرہ ہو جاتا ہے۔ایسی ادویات انتہائی گرم خشک ہوتی ہیں۔اور صفراء پیدا کرتی ہیں۔ان حقائق پر غور کریں اور پھر اس قسم کی دیگر اصطلاحات کو ذہن نشین کریں۔

لازع (سوزش پیدا کرنے والی دوا)

وہ مخصوص ادویہ جو جسم پر سوزش پیدا کرتی ہیں۔ یہ ادویات اپنی خفت و شدت کی وجہ سے کئی قسم کی ہو سکتی ہیں۔ایسی ادویہ محمر (سرخ کرنے والی)، مبثر (دانے اور پھنسیاں پیدا کرنے والی)، منفط (آبلہ ڈالنے والی)، مخشن (سطح کو کھردری کرنے والی)، قاشر (چھلکے اتارنے والی) اور حکاک (خارش پیدا کرنے والی)۔ یہ سب اصطلاحات ادویہ کی کمی بیشی کی مختلف صورتیں ہیں، اس طرح انتہائی شدید ادویات میں کاوی (جلا دینے والی)، مقرح (زخم پیدا کرنے والی)، اکال (ایسی دوا جو عضو کو کھا جائے)، حالق (بال مونڈنے والی)، جالی (مواد کا اخراج کر کے مسامات بدن کو صاف کرنے والی دوا)۔

ان تمام اصطلاحات کی ادویہ کو اگر ہم باہم ملا کر دیکھیں تو تقریباً ایک ہی قسم کی ادویات نظر آئیں گی۔البتہ ان کی تینوں صورتیں ہر اصطلاح میں نظر آتی ہیں۔

اگر ہم ہر اصطلاح کی تشریح ''محمر'' اصطلاح کی طرح کرتے تو کم از کم دس گنا زیادہ طوالت کی ضرورت پیدا ہو جاتی۔ بہر حال صاحب علم اور ماہر فن ذرا غور کریں تو تمام اصطلاحات کے حقائق ذہن نشین ہو جاتے ہیں۔

اصطلاح ''مقوی'' کے متعلق ہم بہت کچھ لکھ چکے ہیں۔اس کے متعلق بہت سی غلط فہمیاں دور کر چکے ہیں۔صاحب علم اور اہل فن حضرات نے اس تشریح اصطلاحات کو بہت پسند کیا ہے۔چونکہ صحیح تشخیص کے بعد علاج کا دارومدار صحیح تجویز پر منحصر ہے اس لئے تجویز غذا ہو یا دوا یا کوئی تدبیر ہو اس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتی جب تک طبی اصطلاحات کو پورے طور پر ذہن نشین نہ کر لیا جائے۔

''مقویات'' کے تحت ہم مقوی اعضائے رئیسہ اور مقوی باہ کے متعلق تشریح کر چکے ہیں۔''مقویات'' کے تحت ایک اصطلاح ''مقوی خون'' بھی ہے، اس کے متعلق جو کچھ طبی کتب میں لکھا ہے یا جو کچھ اطباء کا معمول ہے۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ''مقوی'' کی طرح ''مقوی خون'' کے متعلق بھی غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں۔جن کی تشریح درج ذیل ہے۔

مقوی خون (خون کو مقوی بنانے والی دوا)

ایسی شے جو خون کے ان اجزاء کو پورا کرے جن کی خون میں ضرورت ہے، لیکن عام طور پر سمجھا یہ جاتا ہے کہ ایسے اجزاء کا خون میں شامل کرنا جن سے خون میں قوت اور سرخی پیدا ہو جائے جیسے فولاد یا فولادی اجزاء والی ادویہ اور اغذیہ وغیرہ لیکن ایسا خیال کرنا غلط ہے۔

خون کا پیدا کرنا

سب سے پہلے ذہن نشین کرنے والی بات یہ ہے کہ خون ہمیشہ غذا سے بنتا ہے، کبھی کسی دوا سے پیدا نہیں ہوتا سوائے ان اشیاء کے جن میں اغذیہ کے اجزاء ہیں جن کو ہم ادویہ کے طور پر استعمال کرتے ہیں، جیسے فولاد چونا اور ان کے مرکبات وغیرہ۔

اگر خون ادویہ سے تیار ہو سکتا تو فرنگی طب اور ماڈرن سائنس اس کو ضرور تیار کر لیتی، اور ضرورت مند مریض کے لئے انسانی خون اکٹھا نہ کرتی بلکہ غذا کا مسئلہ ہی حل ہو جاتا ہے اور انسان ایسی گولیاں کھا لیتا ہے جن سے خون پیدا ہو یا ضرورت کے مطابق ادویہ سے تیار شدہ خون پی لیا جاتا یا بذریعہ پچکاری جسم میں شامل کر لیا جاتا۔

یاد رکھیں تا حال کوئی طبی سائنس اس امر پر کامیاب نہیں ہو سکی کہ غذا کے اجزا کے بغیر ادویہ سے خون تیار کر سکے اور لطف کی بات یہ ہے کہ وہ خون کو غذائی اجزاء سے بھی جسم کے باہر تیار نہیں کر سکی۔ یہ ابھی تک قدرت کا راز ہے۔

خون کی پیدائش

خون ہمیشہ جسم میں تیار ہوتا ہے۔ جسم انسانی ہو یا حیوانی، نباتات میں بھی ایک قسم کا دوران جاری ہے، لیکن اس کو خون سے کوئی مناسبت نہیں ہے۔ جسم انسان میں قدرت کی طرف سے چند نظام قائم ہیں۔ جیسے نظام غذائیہ، نظام ہوائیہ، نظام دمویہ اور نظام بولیہ وغیرہ ہیں۔ ظاہر میں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جسم میں خون کے متعلق نظام دمویہ (دوران خون) ذمہ دار ہے، لیکن ایسا نہیں ہے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ جسم کے تقریباً تمام نظام خون کی پیدائش میں حصہ دار ہیں، البتہ خون کے تیار ہونے کی ابتداء نظام غذائیہ (انہضام) سے شروع ہوتی ہے۔

نظام غذائیہ منہ سے لے کر مقعد تک پھیلا ہوا ہے۔ اس میں منہ سے معدہ تک نالی، معدہ و امعاء جگر و طحال اور لبلبہ شریک ہیں۔ جو غذا منہ میں کھائی جاتی ہے وہ پس جانے کے بعد نگل کر نالی کے ذریعہ معدہ میں چلی جاتی ہے۔ جہاں پر تحلیل ہو کر ہضم ہونا شروع ہو جاتی ہے۔ غذا کی لطافت و کثافت کے مطابق وہاں ایک گھنٹے سے تین گھنٹے تک تندرست انسان میں خرچ ہوتے ہیں۔ پھر وہ ایک محلول بن جاتی ہے، جس کا رنگ سفید اور قوام آش جو کی مثل ہوتا ہے جس کو کیلوس کہتے ہیں۔ یہاں سے ایک حصہ غدد جاذبہ کے ذریعے قلب میں پہنچ جاتا ہے، باقی آنتوں میں اُتر جاتا ہے۔ آنتیں دو قسم کی ہیں، اوپر چھوٹی اور نیچے بڑی۔ ان چھوٹی آنتوں میں تقریباً چار گھنٹے تک تندرست غذا تحلیل ہوتی رہتی ہے۔ وہاں پر جو محلول تیار ہوتا ہے اس کو "کیموس" کہتے ہیں۔ اس کے لطیف اجزاء جگر کی طرف چلے جاتے ہیں جہاں پر وہ جا کر خون کی شکل اختیار کر لیتا ہے اور باقی کثیف حصہ بڑی آنتوں میں اُتر جاتا ہے، جہاں پر وہ پھر تحلیل ہو کر رفتہ رفتہ عروق ماساریقا کے ذریعے جگر کی طرف کھنچتا رہتا ہے۔ یہ عمل تندرست انسان میں کم و بیش چار پانچ گھنٹے تک جاری رہتے ہیں۔ اس کا مقصد یہ ہوا کہ انسان میں

کم وبیش بارہ گھنٹے غذا کے ہضم پر صرف ہوتے ہیں۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ جب تک غذا کھا کر خون نہ بن جائے اس وقت تک دوسری غذا نہ کھانی چاہئے۔ کیونکہ اگر اس دوران میں غذا کھائی جائے گی تو یقینی امر ہے کہ طبیعت انسانی اپنے پہلے ہضم کو چھوڑ کر دوسرے ہضم کی طرف متوجہ ہوگی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ پہلی غذا خام رہ جائے گی۔ جو نہ صرف باعث بدہضمی ہوگی بلکہ زہر بن کر باعث مرض اور نقصان دہ ہوگی۔ اسی لئے روزہ بارہ، چودہ اور سولہ گھنٹے کا ہوتا ہے، تاکہ کھائی ہوئی غذا خون کی شکل اختیار کرے۔ یہی خون پیدا ہونے کا راز ہے۔

پیدائش خون کے معاون

جب ہم کوئی شے کھاتے ہیں تو چبانے کے ساتھ ساتھ اس میں منہ کی رطوبات (لعاب دہن) شامل ہوتا ہے، جو ایک طرف اس کو نرم کرتا ہے اور دوسری طرف اس شے کو ہضم کرنا شروع کر دیتا ہے۔ اس لئے ہر غذا کے ساتھ جس قدر بھی ''لعاب دہن'' شریک ہوگا، وہ غذا جلد ہضم ہوگی۔ اسی طرح جب غذا معدہ میں جاتی ہے تو رطوبت معدی اس میں شریک ہو کر اس کو نرم اور ہضم کر کے محلول بنا دیتی ہے۔ اس ہضم میں غیر روغنی اجزاء ہضم ہو جاتے ہیں اور جو غذا آنتوں میں اُتر جاتی ہے، چونکہ ان میں روغنی اجزاء ہوتے ہیں، اس لئے اس میں جگر سے صفرا اور لبلبہ سے اس کی رطوبت آ کر اس میں شامل ہوتے ہیں جس سے روغنی غذا وہاں نرم اور ہضم ہوتی ہے۔ یہ تمام رطوبات قدرتی ہاضم ہیں۔ ان قدرتی ہاضمین کی تشریح یہ ہے۔

(۱) **لعاب دهن:** اعصابی قوت سے پیدا ہوتا ہے۔ اپنی صورت میں اس کے اندر کھاری اثرات ہوتے ہیں، مزاج بلغمی ہوتا ہے۔

(۲) **رطوبت معدی:** عضلاتی قوت سے پیدا ہوتی ہے۔ اپنی صورت میں اس کے اندر تیزابی اثرات ہوتے ہیں۔ مزاج سوداوی ہوتا ہے۔

(۳) **رطوبت جگر** اور **رطوبت لبلبه:** غدی قوت سے پیدا ہوتے ہیں۔ اپنی صورت میں ان کے اندر دافع تیزابی اثرات ہوتے ہیں۔ مزاج صفراوی ہوتا ہے۔ یہ جہاں اپنے مقام پر غذا ہضم کرتے ہیں، وہاں پر غذا کا مزاج ضرورت کے مطابق تبدیل کرتے رہتے ہیں۔

غلط فہمی

جو معالج خصوصاً فرنگی ڈاکٹر یہ خیال کرتے ہیں کہ فولاد یا اس کے مرکبات اسی طرح سنکھیا یا کچلہ اور اس کے مرکبات مقوی خون ہیں۔ یہ بالکل غلط ہے، کیونکہ یہ تینوں اشیاء عضلاتی ہیں۔ معدہ کو تیز اور تقویت دیتی ہیں۔ لیکن نہ اعصاب میں طاقت دے کر بلغم پیدا کرتی ہیں اور نہ غدد میں تقویت دے کر صفرا پیدا کرتی ہیں۔ بلکہ قاطع بلغم اور صفرا ہیں۔ اس لئے کسی ایسی دوا کو مقوی خون ہرگز نہیں سمجھنا چاہئے جو بغیر تشخیص اور ضرورت کے استعمال کر دی جائے۔ اگر ایسا کیا گیا تو بجائے مقوی خون ہونے کے ضعف خون کا باعث ہوگا۔ یعنی اعضائے غذائیہ کا جو حصہ کمزور ہوگا جب تک اس کو تقویت نہیں دی جائے گی اس وقت تک مقوی خون پیدا نہیں ہوگا۔ یہی صورت ہر قسم کی غذا کے لئے بھی لازم ہے۔

مولد خون

بالکل اسی طرح کی غلط فہمی مولد خون ادویہ اور اغذیہ کے متعلق بھی پائی جاتی ہے۔ یاد رکھیں کوئی غذا اور دوا جس کی جسم انسان کو ضرورت نہیں ہے، کبھی مولد خون نہیں ہو سکتی، بلکہ فساد خون کا باعث ہوتی ہے۔ اس لئے بغیر ضرورت مقوی و مولد خون اغذیہ اور ادویہ نہیں کھانی چاہئیں۔ ان کے استعمال سے اکثر نقصان ہو جاتا ہے۔

مدر بول

پیشاب جاری کرنے والی دوا، مدر بول اشیاء اس وقت استعمال کی جاتی ہیں جب پیشاب میں کمی واقع ہو یا پیشاب میں جلن محسوس ہو یا پیشاب بند ہو جائے۔ یہ صورتیں امراض کی حالت میں پیدا ہوتی ہیں۔ پیشاب حقیقت میں بدن کا فضلہ ہے۔ بالکل اسی طرح جس طرح پاخانہ اور پسینہ بدن کے فضلے ہیں، اس کا بین ثبوت یہی ہے کہ جب پیشاب بند ہو جاتا ہے تو نہ صرف فضلات اعضا میں رُک کر جسم میں سرایت کر جاتے ہیں جس سے جسم میں خطرناک امراض پیدا ہو جاتے ہیں، جن میں ہلاکت تک نوبت بھی پہنچ سکتی ہے۔ بلکہ اعضائے جسم میں بے چینی اور درد بھی پیدا ہو جاتا ہے۔ جب بندش بول سے زہریلی علامات پیدا ہوتی ہیں تو اس حالت کو تسمم بولی کہتے ہیں۔

شیخ الرئیس لکھتے ہیں، پہلے ہضم کا فضلہ جو معدہ میں ہوتا ہے آنتوں کی راہ (بشکل براز) خارج ہوتا ہے اور دوسرے ہضم کا فضلہ جو جگر میں ہوتا ہے اس کا بیشتر حصہ پیشاب میں چلا جاتا ہے۔

جدید تحقیقات میں پیشاب کے اندر جو مادہ زیادہ تر ہوتا ہے اس کو مادہ بولیہ کہتے ہیں، جس کی بڑی مقدار جگر کے اعمال ہضم و استحالہ کے نتیجہ میں جگر کے اندر ہی بنتا ہے اس لئے اس کو جگر کا فضلہ کہا جائے تو بے جا نہیں ہے۔ بہر حال یہ مادہ جگر وغیرہ میں بن کر عروق میں چلا جاتا ہے۔ جہاں موجودہ شکل میں خون کے ساتھ ملا ہوا پایا جاتا ہے۔ علی الخصوص جب کہ گردے خراب ہوں اور خون سے اس مادہ کو پیشاب کے ساتھ اچھی طرح خارج نہ کر سکتے ہوں، تو اس کی مقدار خون میں اور دیگر رطوبات بدن میں بڑھ جاتی ہے۔ گوشت کھانے سے یہ مادہ زیادہ اور سبزی کھانے سے کم ہو جاتا ہے۔ اسی طرح شدت ریاضت کے وقت اور بخاروں میں اس کی مقدار بڑھ جاتی ہے۔ اس مادہ بولیہ کے علاوہ دیگر مواد بھی صحت کی حالت میں بدن سے اخراج پاتے ہیں جیسے بلغم اور ترشی وغیرہ، لیکن مرض کی حالت میں اس پیشاب میں ریگ وشکر اور خون و پیپ ہوتی ہے تو مدر بول دوائیں استعمال کی جاتی ہیں۔

فرنگی طب کی غلط فہمی

فرنگی طب میں یہ یقین کر لیا گیا ہے کہ ہر قسم کی الکلی (کھار) مدر بول ہے اور عام طور پر یہ یقین ہو گیا ہے کہ ہر بارد شے مدر بول ہے لیکن بعض امراض میں ہم دیکھتے ہیں کہ نہ ہی کھاری اشیا سے پیشاب آتا ہے اور نہ ہی سرد اشیا سے پیشاب اخراج پاتا ہے بلکہ بعض وقت ایسی اشیا سے بالکل بند ہو جاتا ہے اور اس غلط فہمی سے موت بھی واقع ہو سکتی ہے۔

مدر بول ادویہ

کتب طبیہ میں جب مدر بول ادویہ کی فہرست دیکھی جاتی ہے تو اس میں سرد وگرم خشک وتر بلکہ کھاری اور ترشی ہر قسم کی ادویہ پائی جاتی ہیں۔ اس لئے صرف کھاری اور سرد قسم کی ادویہ کو مدر بول سمجھ لینا صحیح فن نہیں ہے، بلکہ مدر بول کے متعلق غلط فہمی اور لاعلمی ہے۔ البتہ اگر طب یونانی کے قوانین مزاج اور اخلاط کے مطابق مریض کے لئے نسخہ تجویز کیا جائے تو صحیح نتائج نکل سکتے ہیں۔

مدر بول کی صحیح صورت

مدر بول ادویات کے صحیح استعمال کو سمجھنے کے لئے ایک اہم بات یہ ہے کہ مدر بول کے نظام کو سمجھنا بے حد ضروری ہے جس کی صورت یہ ہے کہ جسم مں جب خون تیار ہو جاتا ہے تو وہ جسم کی غذا کے ساتھ ساتھ جسم کے مختلف اعضاء میں صاف بھی ہوتی ہے جس کی

صورت یہ ہے کہ خون دِل کی طرف سے باہر جسم میں دھکیلا جاتا ہے، جب گردوں میں پہنچتا ہے تو وہاں پر صاف ہوتا ہے۔ پھر گردوں سے باہر اخراج پاتا ہے، گویا اس کی تین صورتیں ہیں۔ اوّل دِل سے گردوں کی طرف دھکیلا جاتا ہے۔ دوسرے گردوں میں صاف ہوتا ہے۔ تیسرے باہر اخراج پاتا ہے۔

یاد رکھیں کہ اوّل صورت میں قلب (عضلات) کے فعل میں تیزی ہوتی ہے۔ دوسری صورت میں گردوں (غدد) کے فعل میں تیزی ہوتی ہے۔ تیسری صورت میں دماغ (اعصاب) میں تیزی ہوتی ہے یا یہ امر ذہن نشین کرلیں کہ جب پیشاب میں کوئی خرابی ہوتی ہے یا پیشاب کے جس قدر امراض ہیں ان میں یہی تین صورتیں ضرور پائی جائیں گی۔ یعنی عضلات وغدد اور اعصاب کے افعال میں سے کسی ایک کا فعل تیز ہوگا۔ لیکن اس کے مقابلے میں دوسرے کا فعل سست اور تیسرے کا فعل کمزور ہوگا۔ بس اسی حقیقت کا جاننا ہی مدر بول کا راز ہے۔

نظام بولیہ کے امراض

نظام بولیہ کے سمجھ لینے کے بعد اس کے امراض بھی ذہن نشین کرلیں تاکہ تشخیص اور علاج میں کسی قسم کی دقت پیدا نہ ہو۔ جاننا چاہئے کہ نظام بولیہ کے بنیادی امراض صرف تین ہیں۔ ① پیشاب کا کثرت سے آنا ② پیشاب کا کمی کے ساتھ یا جلن کے ساتھ آنا۔ ③ پیشاب کا بند ہونا۔

یاد رکھیں پیشاب کے تمام امراض انہی تینوں بنیادی امر طبی کے تحت ہوتے ہیں، جن کی صورت یہ ہوگی: ① پیشاب کا کثرت سے آنا اعصاب کے تحت ② پیشاب کا کمی اور جلن کے ساتھ آنا غدد کے تحت ③ پیشاب کا بند ہوجانا عضلات کے تحت ہوتا ہے۔

اس کو اس طرح بھی سمجھ لیں کہ پیشاب کی پیدائش عضلات کے تحت، پیشاب کی صفائی غدد کے تحت اور اخراج اعصاب کے تحت ہوتا ہے۔ بعض وقت ایسا ہوتا ہے کہ پیشاب کی پیدائش رُک جاتی ہے، بعض وقت اس میں کمی و جلن پیدا ہوجاتی ہے اور بعض وقت اخراج اس قدر بڑھ جاتا ہے کہ پیشاب ہی ختم ہوجاتا ہے اور اس کو بند بول کہہ دیا جاتا ہے۔ لیکن حقیقت میں پیشاب کی پیدائش ہی کم یا رُک جاتی ہے۔ اس کا علاج پیشاب خارج کرنے والی دوائیں نہیں ہیں بلکہ پیشاب کو پیدا کرنے والی ادویہ ہونا چاہئے۔ یہی مقام ہے جہاں غلطی کرنے سے مدر بول کا صحیح تصور ذہن نشین نہیں ہوتا۔

پیدائش بول

تسکین عضلات وضعف غدد اور تحریک اعصاب کی صورت میں دورانِ خون سست ہوجاتا ہے، گردوں میں خون کا زور کم ہوجاتا ہے۔ اور ان کی شریانوں میں امتلاء اور تناؤ گھٹ جاتا ہے۔ ایسے موقع پر جو مدر بول ادویات دی جاتی ہیں وہ محرک عضلات (قلب) ہوتی ہیں۔ جیسے ① دارچینی ② ابہل ③ حرمل ④ ایلوا ⑤ پیاز ⑥ انجیر ⑦ چائے اور ⑧ زعفران وغیرہ۔

صفائی بول

''تحریک عضلات، تسکین غدد، تحلیل اعصاب'' کی صورت میں مواد بولیہ گردوں میں کم چھنتے ہیں اور ایسی صورت میں گردوں اور مثانہ میں ایک پتھری وغیرہ بننی شروع ہوجاتی ہے۔ ایسے موقع پر جو مدر بول ادویہ دی جاتی ہیں، وہ یہ ہیں: ① افسنتین ② اکلیل الملک ③ ایرسا ④ بادیان ⑤ بیروزہ ⑥ ریوند عصارہ ⑦ پودینہ ⑧ تیلنی مکھی ⑨ زنجبیل اور ⑩ نوشادر، وغیرہ۔

اخراج بول

تحلیل عضلات، تحریک غدد، تسکین اعصاب کی صورت میں دورانِ خون غدد کی طرف زیادہ ہوتا ہے اور اعصاب میں سکون کی وجہ سے پیشاب کا اخراج بہت کم ہو جاتا ہے اور بعض وقت بالکل بند ہو جاتا ہے۔ جلن بھی اس صورت میں ہوتی ہے، ایسے موقعہ پر جو ادویہ دی جاتی ہیں وہ یہ ہیں: ① انار ② بادام شیریں ③ تخم خیارین ④ تخم مولی ⑤ تخم خربوزہ ⑥ تخم کدو ⑦ کاسنی ⑧ جوکھار ⑨ حجر الیہود ⑩ ریوند چینی ⑪ قلمی شورہ ⑫ کباب چینی، وغیرہ۔

مسہلات

ایسی ادویات ہیں جو سہولت کے ساتھ اسہال لائیں۔ مسہلات کے ذریعے ناقص اخلاط اور مواد کو جسم سے خارج کرنا۔ اس کی دو قسمیں ہیں:

① بذریعہ ادویہ مشروبہ یعنی کھانے پینے کی ادویہ اور اغذیہ سے اسہال لانا۔

② بذریعہ حقنہ جس کو احتقان اور عمل ظاہر بھی کہتے ہیں۔

قویٰ مفردہ

حکیم مطلق نے جسم انسان کو اس انداز پر بنایا ہے کہ طبیعت مدبرہ بدن ضرورت کے وقت مناسب راستوں سے فضلات کو ہمیشہ خارج کرتی رہتی ہے، لیکن بعض وقت اس کے سامنے ایسی رکاوٹیں پیدا ہو جاتی ہیں کہ وہ اپنے محبوس فضلات کو کلی یا جزوی طور پر خارج نہیں کر سکتی۔ ان رکاوٹوں میں ہمارے مفرد اعمال کا دخل ہے جو قوت مدبرہ بدن کے تحت خودکار (آٹومیٹک) عمل کرتے ہیں۔ یہ خودکار اعمال جسم انسانی کے مفرد قویٰ کے تحت کام کرتے ہیں۔ وہ مفرد قوتیں مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) **قوت ماسکہ**: ایسی قوت جو جسم میں غذا کو اس وقت تک روکے رکھتی ہے جب تک وہ صحیح طور پر ہضم نہ ہو جائے۔

(۲) **قوت ہاضمہ**: ایسی قوت جو جسم میں غذا کو اس وقت تک تحلیل کرتی رہتی ہے جب تک اس کا خلاصہ جسم میں جذب نہ ہو جائے۔

(۳) **قوت جاذبہ**: ایسی قوت جو تحلیل شدہ غذا کو اس وقت تک جذب کرتی رہتی ہے جب تک اس میں غذا کا خلاصہ اور جوہر موجود ہے تاکہ فضلات میں غذائی اجزا دفع نہ ہو جائیں۔

(۴) **قوت دافع**: ایسی قوت جو فضلات اور غیر نافع اغذیہ کی ضرورت کے وقت خارج کر دیتی ہے۔ یاد رکھیں کہ مفرد قویٰ کیفیات اور اخلاط کے ماتحت کام کرتی ہیں۔

بعض وقت اسباب ستہ کے تحت ایسی صورتیں پیدا ہوتی ہیں کہ جسم کی کیفیات اور اخلاط اعتدال پر نہیں رہ سکتے تو ان کے قویٰ مفردہ کے اعمال میں بھی فرق پیدا ہو جاتا ہے۔ مثلاً قوت ماسکہ میں تیزی پیدا ہو جاتی ہے۔ وہ غذا کو اوّل تو تحلیل ہی ہونے نہیں دیتی اور کچھ تحلیل ہو جائے تو بھی پورے طور پر وہ غذا کو نہیں چھوڑتی۔ اسی طرح قوت ہاضمہ میں ضعف پیدا ہو جاتا ہے کہ وہ غذا کو پورے طور پر تحلیل وہضم نہیں کر سکتی یا غذا کی مقدار اس قدر زیادہ ہوتی ہے کہ وہ پورے طور پر اس کو تحلیل وہضم نہیں کر سکتی۔ ایسے ہی قوت جاذبہ اس قدر تیز ہو جاتی ہے کہ وہ خلاصہ اور جوہر غذا کو جذب کر لینے کے بعد بھی فضلات کو نہیں چھوڑتی یا کبھی قوت دافع اس قدر کمزور ہو جاتی ہے کہ فضلات کو خارج نہیں کر سکتی۔

بہرحال یہی صورتیں ہیں جن کی وجہ سے قبض کی صورتیں واقع ہوتی ہیں اور جس کے لئے مسہلات کی ضرورت پیش آتی ہے۔

طب یونانی کا کمال

طب یونانی کا کمال یہ ہے کہ اس میں ہر مرض کا علاج مریض کے مزاج کے مطابق ہوتا ہے اس لئے مسہلات بھی مزاج کے مطابق استعمال ہوتے ہیں۔ یہ ہرگز نہیں کہ ایک ہی قسم کا مسہل ہر مزاج میں استعمال کیا جائے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ مسہلات کو صرف اس لئے اہمیت ہے کہ مزاج کے مطابق فضلات کو جلد اور شدت کے ساتھ خارج کیا جائے ورنہ بغیر مسہلات بھی صرف کیفیات اور اخلاط کی تبدیلی کے تحت اعضائے جسم کے افعال کو بدل کر مواد و فضلات کو رفتہ رفتہ بھی خارج کیا جا سکتا ہے۔ بعض اطبا جو اس امر کی کوشش کرتے ہیں کہ ایک ہی قسم کے مسہل سے ہر مزاج کا علاج کیا جائے ایسے اطباء بے حد غلط فہمی کا شکار ہیں، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ان کو حکیم کہنا ہی غلط ہے۔ ایسے معالج علاماتی معالج ہیں۔ علم وفن سے ان کا دور کا تعلق بھی نہیں ہے۔

فرنگی طب کا غلط طریق کار

طب فرنگی، طب کے صحیح استعمال اور فوائد سے بالکل لاعلم ہے اور اس کا جاہلانہ اور عطائیانہ طور پر استعمال کرتی ہے اور جب سے اس نے ہر دوا کے اندر جراثیم کش اثرات کو تلاش کرنا شروع کیا ہے ادویہ کے حقیقی خواص اور افعال سے دور ہوگئی ہے۔ فرنگی طب میں مسہل ادویہ کا صرف ایک ہی مقصد ہے کہ مریض کو انتہائی قبض میں اسہال ہو جائیں چاہے کسی دوا سے یہ مقصد حاصل ہو جائے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہر مزاج کے لئے علیحدہ علیحدہ مسہل ہیں۔ اگر فرنگی طب یہ اعتراض کرے کہ وہ مزاج تسلیم نہیں کرتے تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہر عضو کے لئے جدا جدا مسہل ہیں، بلکہ ہر مرض کے لئے الگ الگ مسہل ہیں۔ اگر کسی مرض میں غلط استعمال کر لیا جائے تو بجائے شفاء حاصل ہونے کے مرض زیادہ ہو جاتا ہے۔ مثلاً کسی مریض کو قبض ہے اور ساتھ ہی ضعف قلب ہے لیکن فرنگی طب کے پاس کوئی ایسا مسہل نہیں ہے جو مقوی قلب ہو۔ اسی طرح ان کے پاس دماغ اور جگر کے لئے کوئی مسہل نہیں ہے بلکہ کسی عضو کے لیے مقوی مسہل نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس کو کسی مرض کے مخصوص مسہل کا علم ہی نہیں ہے۔

اسی طرح کبھی قبض کے ساتھ پیشاب بھی بند ہوتا ہے، اس مقصد کے خاص مسہل ہیں اور کبھی قبض کے ساتھ پیشاب کی کثرت ہوتی ہے، اس مقصد کے لئے الگ قسم کے مسہل ہیں۔ اسی طرح دیگر مختلف علامات کے لئے جدا جدا مسہل ہیں۔ قابل غور بات یہ ہے کہ فرنگی طب میں جو مسہل ترتیب دیئے گئے ہیں ان میں مختلف اور متضاد ادویہ شامل ہیں۔ مثلاً کیلومل میں جلابہ ملا دیتے ہیں۔ سقمونیا میں مصبر ملا ہوتا ہے۔ فرنگی طب کی روزانہ قبض کشا ادویہ میں اکثر میگنیشیا اور کسٹر آئل استعمال ہوتا ہے اور اکثر یہ دیکھا گیا ہے کہ ان دونوں کو بھی غلط مقامات پر استعمال کر جاتے ہیں، جس کا نتیجہ اکثر نقصان رساں ظاہر ہوتا ہے۔ بخار ایک اہم علامت ہے جو کسی نہ کسی عضو کی سوزش و ورم اور وہاں پر مواد کے متعفن ہونے سے پیدا ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ اگر قبض ہو تو ایسا مسہل ہونا چاہئے کہ وہ سوزش و ورم کو دور کرنے کے بعد تعفن بھی دور کرے لیکن ہم فرنگی طب میں دیکھتے ہیں کہ بخار کی دوا جدا ہے، ورم کی دوا الگ ہے اور مسہل علیحدہ استعمال ہو رہا ہے۔ یہ ہے فرنگی طب کے خواص ادویہ کا علم اور علاج میں غلط طریق کار اور اس کی خرابیاں۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ وہ ایک مرض کو روکنے کے لئے ایک دوا جانتی ہے۔ وہ کسی دوا کے پورے جسم میں افعال و اثرات اور خصوصاً مخصوص اعضاء پر ادویہ کے خواص و فوائد سے پورے طور پر واقف نہیں ہے اور جب سے اس نے جراثیمی امراض کے لئے ادویہ کی تلاش شروع کی ہے وہ اسی میں غرق ہو کر رہ گئی ہے اور اس کا علم وفن طب برباد اور مقید ہو کر رہ گیا ہے۔ جگہ کی قلت کی وجہ سے ہم نے بے حد اختصار کے ساتھ لکھا ہے۔ اگر ہم فرنگی طب اور مسہل کے استعمال پر تفصیل سے لکھیں تو پوری کتاب لکھی جا سکتی ہے۔

اطباء کی مسہلات کے متعلق غلط فہمی

حکیم گیلانی فرماتے ہیں: ’’جب محض آنتوں کے اوران کے گردونواح کے مواد خارج کیے جاتے ہیں تو اطباء اس کوتلئین کہتے ہیں۔ جب عروق سے اور دور کے اعضاء سے مواد خارج کئے جاتے ہیں تو اسے اصطلاح اطباء میں اسہال کہتے ہیں اور گاہے بلاتخصیص و تعین دونوں کو اسہال کہتے ہیں‘‘۔

بعض نے مسہلات کو تین صورتوں میں تقسیم کر دیا ہے:

① ضعیف مسہلات جن کو ملینات کہتے ہیں ② عام مسہلات ③ مسہلات قویہ۔

جب ان کی ادویات پر نگاہ جاتی ہے تو افسوس ہوتا ہے کہ ان میں بلا کسی مزاج و کیفیت کے ادویہ درج ہوتی ہیں۔ ایک معالج حیران ہوتا ہے کہ کس دوا کا استعمال کرے اور کس کو استعمال نہ کرے۔ مثلاً ملینات میں دیکھتے ہیں جہاں اسپغول، آلو بخارا، گاؤزبان اور گنے کا رس جیسی سرد تر (اعصابی عضلاتی) ادویات پائی جاتی ہیں وہاں بادام، بنفشہ اور ترنجبین اور شیرخشت گرم تر (غدی اعصابی) شہد، گندھک اور روغن انجیر گرم تر (غدی اعصابی) کچلہ و کٹکی اور کشمش و انجیر خشک گرم (عضلاتی غدی) اور کلونجی و املی ارکرنجوہ و گل سرخ سرد خشک (عضلاتی اعصابی) ادویہ نظر آتی ہیں۔

عام مسہلات میں مختلف اخلاط کی ادویہ کے ساتھ سناکی، تربد، روغن بید، انجیر، مصبر، ہلیلہ، گل سرخ اور تمر ہندی عام نظر آتی ہیں۔ ظاہر ہے یہ تمام ادویہ مزاج اور کیفیات کے لحاظ سے مختلف ہیں اسی طرح مسہلات قویہ میں جلاپا، جمالگوٹہ، عصارہ ریوند، سقمونیا، حب نیل، تخم حنظل اور تربد وغیرہ مختلف کیفیات و مزاج میں مختلف اخلاط کے لئے ہیں اور مختلف اعضاء پر اثرانداز ہوتے ہیں۔ یہ تینوں صورتیں علم و فن طب کے خلاف ہیں۔

غلط فہمی کی وجہ

اس غلط فہمی کی وجہ یہ ہے کہ اطباء کا ایک گروہ کا نظریہ یہ ہے کہ مسہل دوا میں کسی خاص مادہ کو جذب کرنے کی خاصیت اور کشش نہیں ہوتی بلکہ ہر ایک مسہل دوا پہلے بدن کی رقیق اخلاط کو خارج کیا کرتی ہے اس کے بعد بالترتیب غلیظ کو اور اس کے بعد غلیظ تر کو خارج کرتی ہے۔ اس نظریہ کے تحت حکیم ارزاقی فرماتے ہیں کہ ’’ایسی کوئی دوا نہیں ہے جو سوائے ایک خلط کے اخلاط ثلاثہ میں سے دوسری بالترتیب خلط کو باہر نہ نکالے اور یہ ادویہ صفرا، بلغم یا سوداوغیرہ کے اخراج کے لئے مخصوص ہیں اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ ادویہ اس خلط کو زیادہ نکالتی ہیں‘‘۔

اس نظریہ کے خلاف جالینوس کا نظریہ یہ ہے کہ ’’ہر ایک مسہل دوا اسی خلط کو جذب کیا کرتی ہے جس سے اس دوا کی مشابہت و مشکلات ہوتی ہے یعنی دوا مسہل اپنے مشابہ اور اپنے ہم جنس خلط کو مشابہ اور ہم جنس ہونے کی وجہ سے جذب کیا کرتی ہے‘‘۔ یہی قانون طب ہے۔

شیخ الرئیس کا نظریہ ہے (اور یہی صحیح بھی ہے، اس میں جالینوس کے نظریہ کی مکمل تشریح ہے): ’’دوائے مسہل اپنی مخصوص خاصیت اور مخصوص کشش سے کسی خاص خلط کو آنتوں کی طرف جذب کرتی ہے۔ یعنی یہ دوائی مسہل اپنے مخصوص قوت تاثیر سے معدہ اور آنتوں کو غشائے مخاطی کے مخصوص اجزاء میں تحریک پیدا کر دیتی ہے جس سے غشائے مذکورہ کے یہ اجزا مخصوص اخلاط کو خارج کرنے کا کام شروع کر

دیتے ہیں، خواہ وہ غلیظ قوام کے لحاظ سے رقیق ہو یا غلیظ''۔
اور ایک مقام پر سختی کے ساتھ شیخ الرئیس نے لکھا ہے کہ ''بعض لوگوں کا یہ قول قطعاً بے بنیاد ہے کہ دوائے مسہل پہلے بدن کے رقیق ترین موادوں کے جذب کیا کرتی ہے، اور اس کے بعد بالترتیب غلیظ اور غلیظ تر کو''۔

غلط فہمی کا ازالہ

جو بھی دوائے مسہل جس خلط کو بھی دستوں کی شکل میں خارج کرتی ہے اس کو اپنی مخصوص قوت جاذبہ کی وجہ سے جذب کر کے خارج کیا کرتی ہے یعنی یہ قوتِ جاذب خصوصیت کے ساتھ محض خلط غلیظ کو جذب کر لیتی ہے اور خلط رقیق کو بدن کے اندر چھوڑ دیتی ہے۔ چنانچہ جو دوائیں ''مسہل سودا'' کہلاتی ہیں ان کا عمل اسی قسم کا ہوا کرتا ہے۔ شیخ الرئیس اطبائے قدیم کے مسہلات کے مطابق شیخ کے کلام کا ماحاصل یہ ہوا کہ بعض مسہل دواؤں کو بلغم سے اور بعض کو مائیت سے اور بعض کو صفرا وغیرہ سے خصوصیت ہوتی ہے، یعنی وہ دوائیں انہی اخلاط کو جذب کر کے خارج کرتی ہیں۔ مثلاً سقمونیا صفرا کو، افتیمون سودا کو اور تربد بلغم کو، بورق (کھاری) اور ملاح (نمکین) مسہلہ ماہیت کو دستوں کی راہ خارج کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر خلط کے علیحدہ علیحدہ مسہل ہیں: ① مسہل بلغم ② مسہل صفرا ③ مسہل سودا۔
اگرچہ خیال صحیح معلوم ہوتا ہے کہ ہر مسہل دوا پہلے رقیق ترین موادوں کو جذب کر کے خارج کیا کرتی ہے تو یہ صورت کبھی بھی ممکن نہ ہوتی کہ بدن کے اندر خلط رقیق باقی رہے اور اس سے پہلے غلیظ خلط خارج ہو جائے۔

مسہل کی حقیقت

آنتوں کے افعال کو اس قدر تیز کر دیا جائے کہ اس کے ناقص اخلاط اور مواد جسم سے سہولت کے ساتھ خارج ہو جائیں۔ جاننا چاہئے کہ آنتیں مرکب عضو ہیں۔ ان کی بناوٹ میں اعصاب بھی ہیں جن کا تعلق دماغ کے ساتھ ہے۔ عضلات بھی ہیں جن کا مرکز قلب ہے غدد و غشائے مخاطی بھی ہیں جن کا سلسلہ جگر کے ساتھ ہے۔ جب آنتوں کا فعل تیز ہوتا ہے تو بیک وقت تینوں کے افعال تیز نہیں ہوتے بلکہ کسی ایک مفرد عضو کا فعل تیز ہوتا ہے۔ جس مفرد عضو کا فعل تیز ہوتا ہے اسی کے زیر اثر اسہال آتے ہیں۔ اگر اعصاب کے فعل میں تیزی ہوتی ہے تو رقیق اور بلغمی اسہال ہوتے ہیں۔ اگر عضلات میں تحریک ہوتی ہے تو صفراوی اسہال ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔ ہر مفرد عضو کو تیز کرنے کے لئے مختلف اقسام کی ادویہ ہوتی ہیں۔ جس قسم کی دوا دیں گے اسی قسم کے اسہال آئیں گے لیکن یہ فن علاج کے خلاف ہے۔
جاننا چاہئے کہ مفرد اعضاء (اعصاب وعضلات اور غدد) کے افعال مفرد قویٰ (ماسکہ، ہاضمہ، جاذبہ اور دافع) کے تحت ہیں۔ جب قوت ماسکہ میں شدت ہوتی ہے جو خون کی سرخی سے پیدا ہوتی ہے تو عضلات کے فعل میں تیزی ہو جاتی ہے۔ جب قوت ہاضمہ کے فعل میں شدت ہوتی ہے جو صفرا سے ہوتی ہے تو غدد اور غشائے مخاطی کے افعال میں تیزی پیدا ہو جاتی ہے۔ جب قوت جاذبہ کے فعل میں شدت ہوتی ہے جو سودا سے پیدا ہوتی ہے تو غدد و جاذب کے افعال میں تیزی پیدا ہوتی ہے اور جب قوت دافع کے فعل میں شدت ہوتی ہے جو بلغم سے پیدا ہوتی ہے تو اعصاب کے افعال میں تیزی آ جاتی ہے۔ گویا مفرد اعضاء و مفرد قویٰ اور اخلاط لازم و ملزوم ہیں اور خود کام کرتے ہیں۔
اس حقیقت کا ذہن نشین کر لینا بھی از حد ضروری ہے کہ اگر اعصاب کے افعال یا قوت دافع یا بلغم کی زیادتی ہو تو اسہال رقیق و سفید اور پانی کی طرح آئیں گے۔ اگر غدد کے افعال یا قوت ہاضمہ یا صفرا کی زیادتی ہو گی تو اسہال سیاہی سرخی مائل و غلیظ اور سدے خارج

ہوں گے۔ گاہے اسہال کے ساتھ اسی تحریک میں آتا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پاخانہ آجانے کے بعد بھی قبض ہے۔

یہ ہے مسہل کی حقیقت جس سے فرنگی طب، بالکل بے علم ہیں۔ ہر قسم کے مسہل وملین کے مجربات ہماری کتاب ''تحقیقات فارماکوپیا'' میں دیکھیں۔ وہ مجربات بے خطا اور یقینی ہیں۔

حقیقت افعال واثرات ادویہ

ادویہ جو جسم پر اثر انداز ہوتی ہیں یہ ادویہ بیرونی طور پر استعمال کی جائیں یا اندرون طور پر کھائی جائیں یا کسی اور طریق پر داخل کی جائیں اس کا مقصد اس حقیقت کو جاننا ہوتا ہے کہ یہ ادویہ جسم میں اپنا کیا فعل وتغیر اور استحالہ ظاہر کرتی ہیں یا ان کے استعمال سے جسم کے اعضاء کے افعال میں کیا کمی یا بیشی یا ضعف یا طاقت ظاہر ہوتی ہے۔ اس علم وحقیقت کا ایک یہ مقصد بھی ہے کہ ان ادویہ کے اثرات وافعال کسی ایک عضو میں کیا ہیں اور تمام جسم میں کیا تغیر اور استحالہ ظاہر ہوتا ہے۔ بس ادویات کے افعال واثرات جاننے کا حقیقی مقصد یہ ہے۔

غلط فہمی

اکثر عوام میں اثرات وافعال کا یہ مقصد لیا جاتا ہے کہ ان کے خواص وفوائد کیا ہیں، یعنی وہ کن کن امراض اور علامات کے لئے مفید ہیں۔ اس لئے اکثر کتب خواص الادویہ میں اسی طرح لکھتے ہیں کہ وہ کن کن امراض اور علامات میں مفید ہیں، بلکہ بعض عظیم حکماء اور اطباء نے یہاں تک لکھ دیا ہے کہ فلاں دوا فلاں مرض کے لئے بالخاصہ مفید ہے۔ اسی طرح بعض ادویہ کو بعض امراض اور علامات کے لئے اکسیر اور تریاق لکھ دیا ہے۔

لیکن یاد رکھیں کہ اثرات وافعال ادویہ کا یہ مقصد نہیں ہے اور یہ طریق غلط ہے بلکہ ان کا مقصد اوّل یہ ہے کہ ان کے استعمال سے جسم اور اعضاء میں کیا کیا اثرات وافعال اور تغیرات ظاہر ہوتے ہیں جن کے تحت ایک قابل معالج ان کو امراض اور علامات کو اعتدال پر لانے کے لئے استعمال کرتا ہے۔ البتہ مخصوص علامات اعضاء اور حالات جسم کے لئے بعض ادویات کو ان کا علاج کہا جاسکتا ہے لیکن ہر مفرد یا مرکب دوا کو کسی مرض وعلامات کے لئے مفید لکھنا غلط فہمی ہے کیونکہ ہر مرض وعلامت ہمیشہ کسی ایک ہی خلط اور کیفیت کے تحت نہیں ہوتی۔ بلکہ ہر دوا اپنے کیمیائی اور مشینی اثرات کے زیر اثر مفید ہوتی ہے، اس لئے خواص وعلم الادویہ میں ان کے اثرات وافعال اور تغیرات کیمیائی اور مشینی طور پر حاصل کئے جاتے ہیں۔ یہی صحیح علم وفن ادویہ ہے۔

طریق اثرات وافعال ادویہ

جاننا چاہئے کہ اثرات وافعال ادویہ حاصل کرنے کے لئے تین صورتیں ہیں۔

① ادویہ کے اثرات وافعال اور تغیرات جو اعضائے جسم خصوصاً مفرد اعضاء پر ظاہر ہوتے ہیں۔ یہ دوا کے مشینی (مکینیکل) اثرات وافعال اور تغیرات ہیں۔

② ادویہ کے وہ اثرات وافعال اور تغیرات جو اخلاط وکیفیات میں پیدا ہو جائیں۔ یہ دوا کے کیمیائی (کیمیکل) اثرات وافعال اور تغیرات ہیں۔

③ ادویہ کے وہ اثرات وافعال اور تغیرات جو کل جسم پر بیک وقت ظاہر ہوتے ہیں۔ یہ دوا کے طبی (فزیکل) افعال واثرات اور تغیرات ہیں۔

ان تینوں صورتوں سے ہم امراض وعلامات کو دور کرنے کے لئے مفید حالات پیدا کر سکتے ہیں۔ یہ ایسا طریق کار ہے کہ جس سے معالج ہر مفرد اور مرکب دوا پر پورے طور پر دسترس حاصل کر سکتا ہے۔ ہم بھی خواص الادویہ کو بالکل انہی صورتوں میں پیش کریں گے۔ اس طرح کے حاصل کردہ ادویہ کے خواص میں تبدیلی پیدا نہیں ہوسکتی۔ اس طرح ہر معالج صحیح طریق پر نسخہ نویسی اور ترتیب ادویہ کے بعد مرکبات اور مجربات تیار کر سکتا ہے۔

اثرات وافعال بالاعضاء

جاننا چاہئے کہ جب کوئی غذا یا دوا استعمال کی جاتی ہے تو اس کا اثر کسی نہ کسی عضو پر ہوتا ہے۔ اس کے بعد وہ جذب ہو کر خون میں شامل ہو جاتی ہے۔ ظاہر میں تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ غذا و دوا اور شے منہ میں اثر کرنے کے بعد معدہ میں اثر انداز ہوتی ہے۔ لیکن یہ بہت بڑی غلط فہمی ہے کیونکہ معدہ کو ایک مفرد عضو خیال کیا جاتا ہے۔ حقیقت میں معدہ مفرد عضو نہیں ہے بلکہ ایک مرکب عضو ہے اور وہ کئی مفرد اعضاء سے مرکب ہے یعنی اس میں اعصاب بھی ہیں۔ اس میں عضلات بھی پائے جاتے ہیں اور اس میں غشائے مخاطی اور غدد بھی شامل ہیں۔ جب بھی کوئی غذا و دوا اور شے کھائی جاتی ہے تو وہ انہی مفرد اعضاء میں سے کسی ایک پر اثر انداز ہوتی ہے۔ تمام مفرد اعضاء پر بیک وقت اثر انداز نہیں ہوتی۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ جس مفرد عضو پر دوا اثر انداز ہوتی ہے۔ اسی مفرد عضو کی علامات ظاہر ہوتی ہیں بلکہ سر سے پاؤں تک اسی مفرد عضو کی علامات ظاہر ہوتی ہیں۔ مثلاً جب کوئی غذا و دوا اور شے اعصاب پر اثر انداز ہوتی ہے تو معدہ اور باقی جسم میں اعصاب کی علامات نمودار ہو جاتی ہیں۔ یعنی فوراً ہی منہ و معدہ اور دیگر اعضاء بلکہ تمام جسم میں رطوبات اور بلغم کی پیدائش شروع ہو جاتی ہے۔ اسی طرح جب وہ عضلات پر اثر انداز وتی ہے تو منہ و معدہ اور باقی جسم میں عضلات کی علامات ظاہر ہونا شروع ہو جاتی ہیں یعنی فوراً ہی منہ و معدہ اور دیگر اعضائے جسم میں خشکی اور ریاح کی پیدائش شروع ہو جاتی ہے۔ بالکل اسی طرح جب وہ غشائے مخاطی اور غدد پر اثر انداز ہوتی ہے تو منہ و معدہ اور دیگر اعضاء بلکہ تمام جسم میں حرارت اور سوزش کے اثرات شروع ہو جاتے ہیں۔ اس طرح افعال واثرات کی ابتدا ہوتی ہے۔

جب دوا معدہ سے جذب ہو کر خون میں پہنچتی ہے تو وہ خون کے دوران کے ساتھ ساتھ انہی مفرد اعضاء پر عمل کرتی ہے۔ پھر آخر میں اس کا اثر تمام جسم پر ایک خاص حالت اور علامات کے ساتھ ظاہر ہوتا ہے اور آخر میں انہی مفرد اعضاء کے خاص مخرج سے باہر خارج ہو جاتی ہے۔ اس طرح ان کے پورے اثرات وافعال اور تغیرات نمودار ہو جاتے ہیں۔

مفرد اعضاء

جاننا چاہئے کہ جسم انسانی اعضاء سے مرکب ہے اور تمام اعضاء مفرد اعضاء سے مرکب ہیں۔ مفرد اعضاء میں اعصاب، عضلات اور غدد وغشا، ہڈی وکری اور وتر ورباط شامل ہیں۔ آج ماڈرن میڈیکل سائنس نے بھی ثابت کر دیا ہے کہ واقعی یہ سب مفرد اعضاء ہیں۔ وہ ان مفرد اعضاء کو ٹشوز (انسجہ) کا نام دیتی ہے اور یہ ٹشوز سیلز (خلیات) سے مرکب ہیں۔ ہر سیل (خلیہ) ایک حیوانی ذرہ ہے اور اس میں زندگی کے تمام لوازمات پائے جاتے ہیں۔ ان کی مرکب ساخت وبافت سے یہ ٹشوز تیار ہوتے ہیں۔

ماڈرن میڈیکل سائنس نے ثابت کیا ہے کہ ٹشوز چار اقسام کے ہوتے ہیں جن میں تین حیاتی ہیں اور وہ اعضاء رئیسہ تیار کرتے ہیں:

① نروز ٹشوز (اعصابی انسجہ) جن کا مرکز دماغ ہے۔

② اپی تھیلیل ٹشوز (غشائی اور غدی انسجہ) جن کا مرکز جگر ہے۔

(۳) مسکولرٹشوز (عضلاتی انسجہ) جن کا مرکز دِل ہے۔

(۴) کنکٹوٹشوز (الحاقی انسجہ) ان سے انسان کا بنیادی ڈھانچہ تیار ہوتا ہے جس میں ہڈی وکری اور رباط و وتر اور تمام جسم کی بھرتی تیار ہوتی ہے۔

ہم نے بار بار یہ حقیقت ثابت کر دی ہے کہ یہ ٹشوز اخلاط کے ابتدائی اعضاء کی صورت ہے۔ ان میں اور اخلاط میں کوئی فرق نہیں ہے۔ ہر غذا و دوا اور شے کا اثر پہلے انہی پر ہوتا ہے۔ پھر اخلاط میں شامل ہو جاتا ہے اور پھر تمام جسم پر ظاہر ہوتا ہے۔

ادویہ کے افعال واثرات

مفرد اعضاء دراصل مجسم اخلاط ہیں

یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ مفرد اعضاء کی پیدائش اخلاط کے معا بعد ترکیب پانے سے ہوتی ہے۔ ان میں اور اخلاط میں صرف اس قدر فرق ہے کہ مفرد اعضاء مجسم ہیں اور اخلاط محلول ہیں۔ گویا مفرد اعضاء دراصل مجسم اخلاط ہیں۔ طب یونانی اخلاط کو چار تسلیم کرتی ہے اور ہر ایک کی دو کیفیات ہیں۔ بالکل اسی طرح تمام مفرد اعضاء بھی انہی چار اخلاط کے ماتحت ہیں اور ہر مفرد عضو دو عدد کیفیات کے ماتحت ہے۔ گویا اخلاط و مفرد اعضاء ایک ہی کیفیات اور ایک ہی مزاج کے تحت غذا سے پیدا ہوتے اور عمل کرتے ہیں۔

مفرد اعضاء چار ہیں

فرنگی طب اور ماڈرن میڈیکل سائنس تسلیم کرتی ہے کہ مفرد اعضاء (ٹشوز) چار اقسام کے ہوتے ہیں اور طب یونانی بھی چار اخلاط تسلیم کرتی ہے اور کیفیات و مزاج بھی چار چار تسلیم کرتی ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ واقعی اخلاط چار ہیں۔ اس لئے ان سے چار اقسام کے مفرد اعضاء کی پیدائش ہوتی ہے۔ اگر چاروں اخلاط فرنگی طب کی طرح ایک خون ہی ہوتے تو اس سے چار اقسام کے اعضاء (ٹشوز) نہ بنتے، صرف ایک ہی قسم کے مفرد اعضاء (ٹشوز) ہوتے۔ فرنگی طب ہمیشہ اپنی تحقیقات سے اپنی غلطیوں کا شکار ہو جاتی ہے۔ حقیقت کی تلاش کا اس کے پاس کوئی معیار نہیں ہے۔

دوا کا اثر اور مفرد اعضاء

جب بھی کوئی دوا و غذا اور شے کھائی جاتی ہے یا کسی طریق پر جسم انسان میں داخل کی جاتی ہے تو وہ کسی نہ کسی مفرد عضو کو ہی متاثر کرتی ہے۔ اس کے بعد اخلاط میں شریک ہوتی ہے تو پھر اس کے اثرات وافعال تمام جسم پر نمایاں ہوتے ہیں۔ چونکہ مفرد اعضاء چار اقسام کے ہیں جو چار مختلف اخلاط سے پیدا ہوتے ہیں۔ ان کے چار مختلف مزاج اور چار ہی کیفیات ہوتے ہیں۔ اس لئے جس مزاج و کیفیت کی دوا ہوتی ہے، اسی مفرد عضو کو متاثر کر کے وہی کیمیائی اثرات اخلاط میں پیدا کر دیتی ہے۔ پھر وہی افعال تمام جسم پر نمایاں ہوتے ہیں اور یہی سلسلہ ایک خاص وقت تک قائم رہتا ہے۔

اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ ہر دوا و غذا اور شے کے بعد جسم پر کسی خاص خلط کا غلبہ اور مزاج و کیفیت کا اثر نمایاں ہوتا ہے۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو یہی اثر کیمیائی طور پر اخلاط میں پایا جائے گا اور یہی افعال کسی ایک مفرد عضو میں سے سر سے پاؤں تک پائے جائیں گے۔ ثابت ہوا کہ مفرد اعضاء چار ہیں۔ اس لئے ہر دوا و غذا اور شے کے اثرات بھی چار ہی اقسام کے ہیں۔ البتہ جیسی قوت و شدت

کا اظہار ہوگا۔لیکن یہ یادرکھیں کہ ایک وقت میں صرف ایک خلط کا غلبہ ہوگا اور ایک مفرد عضو میں تحریک ہوگی۔البتہ جب تحریک کسی دوسرے مفرد عضو میں بدل جائے یا پیدا کر دی جائے تو اخلاط میں بھی کیمیائی طور پر اسی قسم کی تبدیلی پیدا ہو جائے گی اور جسم پر بھی وہی افعال ظاہر ہوتے جائیں گے۔اس طرح مفرد اعضاء کی تحریک اور اخلاط میں تبدیلی کے اثرات و افعال نمایاں طور پر نظر آتے ہیں۔لیکن یہ کبھی نہیں ہوگا کہ دونوں مفرد اعضاء یا دو اخلاط کا بیک وقت اثر ہو یا جسم میں بیک وقت دو مزاج ہوں۔البتہ دو کیفیات ضرور پائی جاتی ہیں اور یہ بھی یادرکھیں کہ مزاج و اخلاط اور مفرد اعضاء میں تبدیلی ہمیشہ کیفیات کے ذریعے ہی پیدا ہوا کرتی ہے۔کیونکہ انہیں کیفیات کا اثر مزاج و اخلاط اور اعضاء پر یکساں کام کرتا ہے۔

مفرد اعضاء کا پھیلاؤ

مفرد اعضاء چاروں ہی سر سے پاؤں تک اس طرح پھیلے ہوئے ہیں کہ ان کی باقی بافتیں، ساختیں اور ریشے ایک دوسرے سے مل کر مرکب اعضاء بن گئے ہیں، جیسے مختلف اقسام اور رنگوں کے دھاگے مل کر ایک خاص قسم کا کپڑا بنا دیتے ہیں۔انہی مرکب اعضاء سے جسم انسانی بنا ہوا ہے جس کے ہر عضو کا غلبہ پایا جاتا ہے اور کسی دوسرے حصہ میں کسی دوسرے مفرد عضو کا غلبہ ہوتا ہے۔

یہی صورت چاروں مفرد اعضاء کی ہے۔جہاں جہاں پر ان چاروں مفرد اعضاء کے مرکز ہیں وہاں پر خالص انہی ٹشوز سے اعضاء بن گئے ہیں جیسے دِل و دماغ اور جگر و طحال وغیرہ۔

البتہ ان کے اندر اور گرداگرد مفرد اعضاء (ٹشوز) کے ریشوں کی بافتیں اور ساختیں ضرور پائی جاتی ہیں۔تاکہ ان کا آپس میں تعلق قائم رہے جن سے ایک دوسرے کے اندر تحریکات و دوران خون اور رطوبات کا سلسلہ جاری رہتا ہے جیسے کسی مشین کے پرزے ایک دوسرے میں فٹ ہو کر ایک دوسرے کو چلاتے رہتے ہیں اور ان میں تیل، پٹرول اور بجلی کا اثر قائم رہتا ہے۔

ان حقائق سے ثابت ہوا کہ تمام جسم کے مرکب اعضاء سر سے لے کر پاؤں تک ان ہی چاروں مفرد اعضاء سے بنے ہوئے ہیں۔البتہ کسی مقام پر ایک مفرد عضو کا غلبہ ہے تو دوسرے مقام پر کسی اور کا اثر زیادہ نمایاں ہے۔مثلاً سر اور اس کے گرد و نواح میں اعصاب و دماغ کا غلبہ ہے اس لئے وہاں انسجہ اعصابی (نروز ٹشوز) کا غلبہ ہے۔اسی طرح سینہ میں عضلات و دِل کا غلبہ ہے اس لئے وہاں پر انسجہ عضلاتی (مسکولر ٹشوز) کا غلبہ ہے۔بالکل اسی طرح جوف شکم میں غدد جگر کا غلبہ ہے اس لئے وہاں پر انسجہ غشائے مخاطی (اپی تھیلیل ٹشوز) کا غلبہ ہے۔

اس لئے اثرات و افعال ادویہ و اغذیہ اور اشیاء میں مرکب اعضاء کی بجائے مفرد اعضاء کو مدنظر رکھنا ضروری ہے۔البتہ ان کے بعد مرکب اعضاء اور تمام جسم پر ان کے اثرات و افعال دیکھے جاسکتے ہیں۔

دماغ و نخاع اور اعصاب پر ادویہ کے اثرات

جب ہم کسی دوا و غذا اور زہر و شے کے اثرات و افعال دماغ و نخاع اور اعصاب پر معلوم و محسوس کرنا چاہتے ہیں تو اس وقت ہمارے سامنے مکمل دماغ و نخاع نہیں ہونا چاہئے بلکہ صرف وہی حصہ ہونا چاہئے جو عصبی ہے۔یعنی عصبی مادہ سے بنا ہے اور اسی مادہ کی ڈوریاں دماغ سے نکل کر نخاع کے ذریعے تمام جسم میں پھیل گئی ہیں جن کو ہم اعصاب (نروز) کا نام دیتے ہیں اور مفرد اعضاء کی صورت میں ان کو انسجہ اعصابی (نروز ٹشوز) کہتے ہیں۔

یادرکھیں کہ دماغ و نخاع کے افعال و تحریکات میں ان کے دونوں پردے شریک نہیں ہیں۔پہلا پردہ غدی و مخاطی ہے جس کا تعلق

غدد اور جگر کے ساتھ ہے جو انسجہ مخاطی (اپی تھیلیل ٹشوز) کا بنا ہوا ہے۔ دوسرا پردہ عضلاتی ہے جس کا تعلق دِل کے ساتھ ہے جو انسجہ عضلاتی (مسکولر ٹشوز) کا بنا ہوا ہے۔ کوئی عصبی دوا و غذا اور زہر و شے جب بھی اثر انداز ہوگی تو صرف دماغ و نخاع کے عصبی حصے پر ہوگی۔ اس کا اثر دونوں پردوں پر نہیں ہوگا۔

یاد رکھیں کہ اعصاب اپنے مرکز دماغ سے لے کر نخاع کے ذریعے تمام جسم میں پاؤں تک پھیلے ہوئے ہیں اور وہ سب کم و بیش متاثر ہوتے ہیں۔

فرنگی طب کی غلطی

فرنگی طب نے جہاں دماغ و نخاع پر دوا و غذا اور زہر و شے کے اثرات و افعال بیان کئے ہیں۔ اس نے تمام دماغ و نخاع کو شامل کیا ہے جو بالکل غلط ہے۔ دماغ و نخاع کے اوپر دونوں پردوں کے اعصاب سے کوئی مشابہت نہیں ہے۔ البتہ تعلق ضرور ہے کہ وہ اعصابی تحریکات سے متاثر ہوتے ہیں۔

طب قدیم کا کمال

طب قدیم جب دماغ و اعصاب کا ذکر کرتی ہے تو وہ ان کا مزاج سرد تر بیان کرتی ہے اور ان کی غذا بلغم بیان کرتی ہے اور یہ بھی بیان کرتی ہے کہ ان میں جب تحریک ہوتی ہے تو جسم میں سردی و تری اور بلغم بڑھ جاتے ہیں۔ اس طرح وہ دماغ و نخاع کے صرف اس حصے کا ذکر کرتی ہے جو اعصابی مادہ سے بنا ہوا ہے جس کو انسجہ اعصابی (نروز ٹشوز) کہتے ہیں۔ یہی طب قدیم کا کمال ہے۔

دماغ و اعصاب کے افعال

دماغ مرکز اعصاب ہے جو تین اعضائے رئیسہ میں سے ایک ہے اور اعصاب تمام جسم میں پھیلے ہوئے ہیں۔ اس لئے جب ہم اعصاب کا ذکر کرتے ہیں تو اس میں دماغ بھی شریک ہوتا ہے۔ پس جاننا چاہئے کہ اعصاب پر جو اغذیہ و ادویہ اور اشیاء اثر انداز ہوتی ہیں اس کی تین صورتیں ہیں: ① اعصاب میں تحریک پیدا کر کے ان کے افعال میں تیزی پیدا کر دیں۔ ② اعصاب میں تسکین پیدا کر کے ان کے افعال میں سستی پیدا کر دیں۔ ③ اعصاب پر گرمی کی زیادتی سے ان کے افعال میں ضعف پیدا کر دیں۔

تحریک کی نو صورتیں ہیں: (۱) محرک (۲) لذت (۳) بے چینی (۴) حبس (۵) قبض (۶) خارش (۷) جوش خون (۸) درد اور (۹) سوزش۔ ان کی اور تسکین و ضعف وغیرہ اصطلاحات کی تشریح ہم پہلے ہی تفصیل کے ساتھ بیان کر چکے ہیں۔ ان کو پھر پڑھیں اور ذہن میں حاضر کر لیں۔

فرنگی طب کی غلطی:

فرنگی طب اور ماڈرن سائنس نے اعصاب کی دو اقسام بیان کی ہیں۔ قسم اوّل اعصاب حس، قسم دوم اعصاب حرکت۔ یاد رکھیں کہ اعصاب صرف حس کے لئے اعضاء ہیں ان میں حرکت نہیں ہوتی البتہ ان کا تعلق عضلات کے ساتھ ضرور ہوتا ہے جو حرکت کے اعضاء ہیں۔ جب اعصاب میں کوئی حس اثر انداز ہوتی ہے تو ضرورت کے مطابق عضلات میں حرکت پیدا کر دیتے ہیں۔

یاد رکھیں کہ حرکت کے اعضاء صرف عضلات ہیں جن سے جسم کی حرکات صادر ہوتی ہیں۔ ان میں کھانا پینا، دیکھنا سننا، لکھنا پڑھنا اور چلنا پھرنا وغیرہ شامل ہیں۔ لیکن احساس کرنا، چکھنا اور سونگھنا وغیرہ اعصاب کی تحریکات ہیں۔ اس لئے دماغ ساکن ہے اور اعصاب کا مرکز ہے

اور دل حرکت میں ہے اور عضلات کا مرکز ہے۔ یاد رکھیں کہ حرکت صرف عضلات میں ہوتی ہے۔ اس لئے اعصاب کو حرکی سمجھنا غلطی ہے۔

ایک اور غلطی

فرنگی طب اور ماڈرن سائنس اعصاب کے امراض میں دو ہی صورتیں تسلیم کرتی ہیں۔ ایک اعصاب میں تیزی اور دوسرے اعصاب میں سستی۔ اس لئے جب اعصاب میں تیزی ہوتی ہے تو اس کو سست کرنے کی کوشش کرتے ہیں جس کے لئے وہ مسکن اور مخدر ادویات مثلاً کافور، افیون، بھنگ، لفاح، اجوائن خراسانی، بیش، کوکین، مارفیا، کلورل ہائیڈریٹ اور برومائیڈ وغیرہ استعمال کرتے ہیں اور جب اعصاب میں سستی ہوتی ہے تو ان میں تیزی پیدا کر دیتے ہیں اور اس مقصد کے لئے کچلہ، دارچینی، لونگ اور بالچھڑ وہینگ وغیرہ استعمال کرتے ہیں۔

جہاں تک اعصاب کی سستی میں تیزی پیدا کرنے کا تعلق ہے۔ یہ تو قابل قبول ہوسکتا ہے۔ اگرچہ اس مقصد کے لئے ان کے ہاں کوئی فطری قانون نہیں ہے لیکن جہاں تک اعصاب کی تیزی میں سستی پیدا کرنے کا تعلق ہے۔ یہ اصول بالکل غلط ہے اور کسی قانون کے تحت نہیں آتا۔ ہم چیلنج کے ساتھ کہتے ہیں کہ فرنگی طب ماڈرن میڈیکل سائنس اس علاج میں بالکل اندھی ہے اور بالکل عطائیانہ علاج کرتی ہے۔ یہ ان کی بے علمی و جہالت اور غلطی کا اظہار ہے۔

جاننا چاہئے کہ اعصاب میں تیزی ہوتی ہے تو ان میں سوزش کی صورت ہوتی ہے چاہے وہ کسی قدر کم ہو یعنی درد کی بجائے صرف لذت کی زیادتی یا بے چینی یا خارش ہی کیوں نہ ہو۔ اس کا علاج تسکین و تخدیر نہیں ہے بلکہ اس میں تحلیل پیدا کرنی چاہئے جو ظاہر ہے کہ گرم یا گرم تر یا گرم خشک ادویات سے ہوسکتی ہے اور ہر قسم کے مسکنات اور اکثر مخدرات سرد تر اور سرد خشک ہوتے ہیں۔

یاد رکھیں کہ سرد ادویہ و اغذیہ سے جسم میں بلغم اور رطوبت پیدا ہوتی ہے۔ ان سے عارضی سکون تو ہوسکتا ہے مگر سوزش میں تحلیل پیدا نہیں ہوسکتی۔ یہی وجہ ہے کہ فرنگی طب اور ماڈرن سائنس میں سوزش اور درد کا علاج عارضی ہوتا ہے اور دائمی نہیں ہوتا۔ وہ ہمیشہ اس علاج میں ناکام ہوتے ہیں۔

طب قدیم کا کمال یہ ہے کہ وہ گرم مزاج کا علاج سردی سے اور سرد مزاج کا علاج سوداوی ادویہ سے کرتی ہے۔ یاد رکھیں کہ تسکین اور تحلیل دو مختلف صورتیں ہیں۔ تسکین ہمیشہ سرد و بلغمی رطوبت پیدا کرنے والی ادویات سے مختلف ہوتی ہے اور ہمیشہ گرم امراض میں پیدا ہوتی ہے اور تحلیل ہمیشہ گرم ادویہ سے ہوتی ہے اور تحلیل ہی سے ہمیشہ تحریک و درد اور سوزش و ورم بلکہ ہر قسم کے بخار کا علاج کرنا چاہئے۔

ہرگز نہ بھولیں کہ سائنس ہی کا مسئلہ ہے کہ سردی ہر جسم میں سکیڑ پیدا کرتی ہے اور گرمی ہر جسم میں پھیلاؤ پیدا کر دیتی ہے۔ اس لئے معالج کے سامنے تین صورتیں ہونی چاہئیں، تسکین و تحریک اور تحلیل۔ جن کا عمل اس طرح ہوتا ہے کہ جب اعصاب میں تسکین ہو تو ان میں تحریک پیدا کریں اور جب ان میں تحریک ہو تو ان میں تحلیل پیدا کریں اور جب ان میں تحلیل ہو تو ان میں تسکین پیدا کریں اور یہی صحیح طریق علاج ہے قدرت نے فطری طور پر ایسی ہی اغذیہ و ادویہ اور اشیاء پیدا کی ہیں اس طرح منٹوں میں علاج ہوتا ہے۔ اور انجکشن سے پہلے شفا ہوتی ہے۔

قلب پر ادویہ کے اثرات

جب ہم کسی دوا و اغذیہ اور زہر وشے کے اثرات و افعال دِل پر محسوس و معلوم اور مشاہدہ و تجربہ کرنا چاہتے ہیں تو اس وقت ہمارے سامنے صرف دِل کا وہ لوتھڑا ہونا چاہئے جو گوشت کا بنا ہوا ہے۔ عضلاتی انسجہ (مسکولر ٹشوز) سے اس کی بافت و ساخت اور بناوٹ ہوتی ہے۔ یہی عضلات (گوشت) جو تمام جسم کی ہڈیوں پر چڑھے ہوئے ہیں اور انہی سے جسم کی خوبصورتی قائم ہوتی ہے یہ عضلات تمام جسم کے اعضاء کی ساخت میں شریک ہیں۔ جن میں پھیپھڑے اور معدہ خاص طور پر شامل ہیں۔ بعض اعضاء پر اس کے پردے چڑھے ہوئے ہیں جن کو حجاب کہتے ہیں۔

یاد رکھیں کہ دِل کے افعال و تحریکات میں اس کے دونوں پردے شریک نہیں ہیں۔ پہلا پردہ غدی مخاطی ہے، جس کا تعلق جگر (غدد) کے ساتھ ہے جو انسجہ مخاطی (اپی تھیلیل ٹشوز) کا بنا ہوا ہے جس کا ذکر ہم دماغ و اعصاب کے تحت کر چکے ہیں۔ کوئی دوا و غذا اور زہر وشے جب دِل پر اثر انداز ہوگی تو اس کا اثر صرف عضلات پر ہوگا۔ مخاطی و عصبی دونوں پردوں میں نہیں ہوگی۔ البتہ دِل کی حرکات میں کمی بیشی سے دورانِ خون کا اثر ان پر ضرور ہوتا ہے لیکن وہ اثر دِل کے افعال و اثرات سے مختلف ہوتا ہے جو اثر دِل پر ہوتا ہے وہ صرف دِل تک محدود نہیں رہتا بلکہ تمام جسم کے عضلات پر کم و بیش ہوتا ہے۔

فرنگی طب کی غلطی

فرنگی طب نے جہاں دِل پر کسی دوا و غذا اور زہر وشے کے اثرات بیان کئے ہیں، اس نے دِل اور اس کے دونوں پردوں کو بھی شامل کیا ہے بلکہ اس کی کواڑیوں کو بھی شامل کیا ہے جن کی بناوٹ خالص عضلاتی نہیں ہے۔ ان پردوں اور کواڑیوں کو دِل کے اپنے فعل میں شریک کرنا غلط ہے کیونکہ دونوں پردے جدا قسم کے انسجہ سے بنے ہوئے ہیں۔

طب قدیم کا کمال

طب قدیم جب دِل کا ذکر بیان کرتی ہے تو اس کو مفرد عضلات ہی میں شریک کرتی ہے اور اس کا مزاج گرم تر بیان کرتی ہے اور یہی عضلات کی صحیح غذا بیان کرتی ہے۔ جب دِل (عضلات) میں تحریک ہوتی ہے تو اس کے فعل میں تیزی کے ساتھ ساتھ تمام جسم میں دوران خون کی تیزی ہو جاتی ہے۔ اس طرح دِل کے صرف اسی حصہ کا ذکر ہوتا ہے جو انسجہ عضلاتی (مسکولر ٹشوز) سے بنا ہوتا ہے۔

دِل کے افعال و اثرات

دِل مرکز عضلات ہے جو تین اعضائے رئیسہ میں سے ایک ہے۔ یہی عضلات تمام جسم میں پھیلے ہوئے ہیں۔ اس لئے جب عضلات کا ذکر کرتے ہیں تو ان میں دِل ضرور شریک ہوتا ہے اور دِل کا ذکر کرتے ہیں تو اس میں عضلات ضرور شریک ہوتے ہیں۔ جب کوئی دوا و غذا اور زہر وشے دِل اور عضلات پر اثر انداز ہوگی تو اس کی تین ہی صورتیں ہوں گی۔

① تحریک جس سے ان میں تیزی ہوگی۔
② تسکین جس سے ان میں سکون ہوگا۔
③ تحلیل جس سے ان میں ضعف پیدا ہوگا۔

جاننا چاہئے کہ جسم میں ہر قسم کی حرکات صرف عضلات سے عمل میں آتی ہیں۔ اگرچہ اس کی ذاتی تحریکات کے علاوہ دماغ و اعصاب کی طرف سے ان کو تحریکات ملتی رہتی ہیں۔ بہرحال ہر قسم کی حرکت جسم میں عضلات ہی انجام دیتے ہیں۔ جیسے کھانا پینا، دیکھنا سننا، لکھنا پڑھنا، چلنا پھرنا، بلکہ غور و فکر اور یاد کرنا وغیرہ۔ نیز ہر قسم کا احساس و ادراک کرنا چکھنا اور سونگھنا وغیرہ اعصاب کی تحریکات ہیں اس لئے دماغ ساکن ہے اور اعصاب کے افعال احساس و ادراک کا مرکز ہیں اور دل متحرک ہے اور عضلات کی حرکات کا مرکز ہے۔

یاد رکھیں کہ جس طرح دل کی حرکات کا اثر عضلات پر پڑتا ہے اسی طرح عضلات کی حرکات کا اثر دل پر بھی پڑتا ہے۔

فرنگی طب کی ایک اور غلطی

فرنگی طب اور ماڈرن سائنس میں سرے سے عضلاتی امراض کا ذکر ہی نہیں ہے۔ عضلاتی امراض کو دُنیا میں پہلی بار ہم پیش کر رہے ہیں اور ایک قانون و قاعدہ اور نظام کے تحت پیش کر رہے ہیں۔ طب قدیم نے ان کو اخلاط کے تحت بیان کیا ہے۔ جہاں تک امراض قلب کا تعلق ہے فرنگی طب نے اس کی دو صورتیں بیان کی ہیں۔ اوّل قلب کے فعل میں تیزی جس سے قلب میں انقباض بڑھ جاتا ہے۔ دوسرے قلب کے فعل میں سستی پیدا ہو جاتی ہے جس سے قلب پھیل جاتا ہے جب قلب کے فعل میں تیزی ہوتی ہے تو اس کو سست کرنے کے لئے مسکن اور مخدر ادویات مثلاً ڈیجی ٹیلس، لفاح اور کافور وغیرہ دیتے ہیں۔ جب قلب کے فعل میں سستی ہوتی ہے تو اس میں تیزی پیدا کرنے کے لئے مقوی اور محرک ادویات مثلاً سپرٹ امونیا ایرومیٹک، کچلہ، دھتورا، دارچینی اور دیگر مرکبات وغیرہ دیتے ہیں۔

جہاں تک قلب کے فعل میں سستی کا تعلق ہے اس میں تیزی تو مقویات و محرکات کے ساتھ پیدا کی جاسکتی ہے لیکن اس کے لئے بھی اس کے پاس کوئی قانون اور نظام نہیں ہے۔ پھر بھی قابل قبول ہے لیکن جہاں تک قلب کے فعل میں تیزی کو سست کرنے کا تعلق ہے اس میں مسکنات و مخدرات کا استعمال کرنا غلط ہے۔ یہ کسی قانون اور نظم کے تحت نہیں ہے۔ یہ عطائیانہ طریق علاج ہے۔ اس سے ان کی بے علمی و جہالت اور غلطی کا پتہ چلتا ہے۔

جاننا چاہئے کہ جب قلب کے فعل میں تیزی ہوتی ہے تو اس میں انقباض ہوتا ہے۔ انقباض سردی سے ہوتا ہے۔ سائنس کا مسئلہ ہے کہ ہر چیز سردی سے سکڑتی ہے اور گرمی سے پھیلتی ہے۔ پھر ہر انقباض میں سوزش پیدا ہو جاتی ہے چاہے وہ جس قدر کم کیوں نہ ہو یعنی درد کی بجائے اس میں صرف بے چینی ہو۔ اس کا علاج تسکین و تخدیر سے کرنا غلطی ہے کیونکہ وہ اکثر بارد ہوتی ہے جن سے نہ انقباض کم ہوسکتا ہے اور نہ ہی سوزش ختم ہوسکتی ہے۔ اس انقباض اور سوزش کا علاج تحلیل سے ہوسکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ محلل ادویات گرم تر یا گرم خشک ہوتی ہیں جس کا نتیجہ ہارٹ فیل کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فرنگی طب میں ہارٹ فیل کے بہت کیس ہوتے ہیں بلکہ ہارٹ فیل ہونا بھی فرنگی طب کی پیدائش ہے۔ قلب کی تیزی اور انقباض کا صحیح علاج ہم سوزش اعصاب میں بیان کر چکے ہیں۔ بالکل اسی اصول پر کیا جائے۔

جہاں تک مقویات و مفرحات کا تعلق ہے یہ صورتیں بھی فرنگی طب میں نہیں پائی جاتیں بلکہ ان کے ہاں ان کا تصور بھی نہیں ہے۔ طب قدیم میں ان مقاصد کے لئے ذیل کی ادویہ استعمال کرتے ہیں:

مروارید، مشک، عنبر، زعفران، جدوار، زہر مہرہ، جواہرات، ابریشم، گاؤزبان، کشنیز، قرنفل، الائچی، گل سرخ، بید مشک اور صندل وغیرہ۔ اور مرکبات میں خمیرہ جات اور یاقوتیاں خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

جگر پر ادویات کے اثرات

اعضائے رئیسہ میں جگر بھی برابر کا شریک ہے لیکن اس کے افعال دِل و دماغ سے زیادہ پیچیدہ ہیں۔ دماغ صرف احساسات و اَدراکات اور اعصاب کا مرکز ہے۔ دِل صرف حرکات و دوران خون اور عضلات کا مرکز ہے۔ جگر نہ صرف غذا کو ہضم کر کے اخلاط میں تبدیل کر کے خون بناتا ہے بلکہ صفراء کو خون سے جدا کر کے آنتوں میں گراتا ہے اور مٹھاس کو جسم میں ہضم کراتا ہے۔

جگر ایک غدود ہے اور جسم کے تمام چھوٹے بڑے غدد کا مرکز ہے۔ جس طرح دماغ اعصاب کا مرکز ہے اور دِل عضلات کا مرکز ہے۔ اسی کے تحت جسم کے تمام نالی دار غدود کام کرتے ہیں۔ اگرچہ غیر نالی دار غدود بھی اس کے ماتحت ہیں لیکن غیر نالی دار غدود کے افعال نالی دار غدود کے بالکل برعکس ہیں یا ان کے افعال کے بعد مشینی طور پر عمل کرتے ہیں یعنی جب نالی دار غدد اپنی رطوبات کا اخراج کرتے ہیں تو غیر نالی دار غدد ان کو جذب کرتے ہیں۔ سب سے بڑا غیر نالی دار غدہ طحال ہے اس لئے طب قدیم میں اس کو اعضائے رئیسہ کے بعد اعضائے شریفہ میں شمار کیا جاتا ہے اور چوتھی خلط سودا کی اصلاح و تعمیر کا تعلق اس کے ساتھ قائم کر دیا ہے۔

جب ہم کسی دوا و غذا اور زہر کے اثرات و افعال جگر اور غدد پر معلوم و محسوس کرنا چاہتے ہیں تو اس وقت ہمارے سامنے مکمل جگر نہیں ہونا چاہئے بلکہ صرف وہی حصہ ہونا چاہئے جو اس کا غدی حصہ کہلاتا ہے یعنی جو قشری مادہ سے بنا ہوا ہے اور اسی مادہ سے بنے ہوئے غدد تمام جسم میں پھیلے ہوئے ہیں۔ جن کو ہم غشاء کا نام بھی دیتے ہیں اور مفرد اعضاء کی صورت میں ان کو انسجہ قشری (اپی تھیلیل ٹشوز) کہتے ہیں۔

یاد رکھیں کہ جگر کے افعال اور اعمال میں اس کے دونوں حصے شریک نہیں ہیں جو اس کے مادے سے نہیں بنے ہوئے۔ پہلا پردہ اعصابی یا حصہ اعصابی ہے جس کا تعلق دماغ سے ہے۔ دوسرا پردہ عضلاتی ہے جس کا تعلق دِل کے ساتھ ہے۔ جو انسجہ عضلاتی (مسکولر ٹشوز) کا بنا ہوا ہے۔ البتہ خاص جگر و غدود میں دوسرے دو حصے اپنے احساسات و تحریکات ضرور کرتے رہتے ہیں جب کوئی دوا و غذا یا زہر یا شے خاص جگر و غدی حصہ پر اثر انداز ہوتی ہے تو اس کا اثر اعصابی و عضلاتی حصہ پر نہیں ہوتا لیکن جس طرح عصبی و عضلاتی احساسات و تحریکات کا جگر و غدد پر اثر ہوتا ہے اسی طرح جگری و غدی افعال و اعمال کا اثر بھی اعصاب و عضلات (دِل و دماغ) پر پڑتا ہے۔

ان حقائق سے ثابت ہوا کہ جو ادویات سیدھی جگر پر اثر کرتی ہیں وہ اعصاب و عضلات پر سیدھی اثر انداز نہیں ہوتیں۔ اس لئے جگر کے افعال و ذاتی افعال و اعمال میں نقص ہے یا اس کے اعصاب اور عضلات میں خرابی ہے۔ یہی صحیح طریق علاج ہے۔

فرنگی طب کی غلطی

فرنگی طب نے جہاں جگر پر دوا و غذا اور زہر اور شے کے اثرات و افعال بیان کئے ہیں وہاں اس نے ایک طرف تمام جگر کو شریک کیا ہے جس میں اس کے ساتھ اس سے متعلق اعصاب و عضلات شامل ہیں۔ جن کی حقیقت میں جگر کے ذاتی افعال سے کوئی مشابہت نہیں ہے۔ دوسرا اس نے جسم کے تمام غدد کے افعال کو جگر کے افعال سے جدا کر دیا ہے۔ یہ دونوں باتیں بالکل غلط ہیں۔

یاد رکھیں کہ جگر سے متعلق اعصاب اور عضلات دونوں اپنے اپنے مرکز دماغ اور دِل کے تحت کام کرتے ہیں اور تمام جسم کے غدد جگر کے ماتحت اپنے افعال و اعمال انجام دیتے ہیں، جیسے اعصاب دماغ کے تحت اور عضلات دِل کے تحت اپنے افعال و احوال انجام

دیتے ہیں۔

طب قدیم کا کمال

طب قدیم جب جگر کا ذکر کرتی ہے تو وہ اس کا مزاج گرم خشک بیان کرتی ہے اور اس کی غذا صفراء بیان کرتی ہے اور یہ بھی بیان کرتی ہے کہ اس میں جب تحریک ہوتی ہے تو جسم میں گرمی خشکی اور صفرا بڑھ جاتے ہیں۔ اس طرح وہ جگر کے صرف اس حصے کا ذکر کرتی ہے جو غدی وغشائی مادہ (اپی تھیلیل ٹشوز) سے بنا ہوا ہے۔ یہی طب قدیم کا کمال ہے۔

جگر کے افعال

جگر کے اعمال کتنے ہی پیچیدہ کیوں نہ ہوں تاہم اس کے افعال کی تین صورتیں ہیں تمام اغذیہ وادویہ اور زہر واشیاء یہی تینوں صورتیں پیدا کرتی ہیں:

① جگر میں تحریک پیدا کر کے اس کے فعل میں تیزی پیدا کر دے۔
② جگر میں تسکین پیدا کر کے اس کے فعل میں سستی پیدا کر دے۔
③ جگر میں گرمی کی زیادتی سے اس کے فعل میں ضعف پیدا ہو جائے۔

تحریک کی جتنی صورتیں ہیں ہم اعصاب پر دوا کے اثرات میں بیان کر چکے ہیں۔

فرنگی طب کی غلطی

فرنگی طب اور ماڈرن سائنس جگر کے امراض میں دو ہی صورتیں تسلیم کرتی ہیں۔ ایک جگر کے فعل میں تیزی جس سے جسم میں صفراء بڑھ جاتا ہے۔ دوسرے جگر کے فعل میں سستی۔ اس سے جسم میں ریاح اور جگر میں بلغم بڑھ جاتی ہے۔ اس لئے جب جگر میں تیزی ہو جاتی ہے تو اس کو سست کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ وہ مسکن اور مخدر ادویات مثلاً لفاح، اجوائن خراسانی، بیش، کوکین، مارفیا، افیون، بھنگ، کافور، برومائیڈ اور کلورل ہائیڈریٹ وغیرہ استعمال کرتے ہیں۔ یہ صورتیں پتہ کی تکلیف میں سستی پیدا کرتے ہیں۔ جب اعصاب میں سستی ہوتی ہے تو ان میں تیزی پیدا کرتے ہیں۔ اس مقصد کے لئے گندھک، نمک، نوشادر، بادیان، اجوائن اور پودینہ وغیرہ استعمال کرتے ہیں۔

جہاں تک جگر کی سستی میں تیزی پیدا کرنے کا تعلق ہے یہ تو قابل قبول ہو سکتا ہے، اگرچہ اس مقصد کے لئے ان کے ہاں کوئی بھی قانون نہیں ہے۔ لیکن جہاں تک جگر کی تیزی میں سستی پیدا کرنے کا تعلق ہے یہ طریقہ بالکل غلط ہے۔ ہم چیلنج کے ساتھ کہتے ہیں کہ فرنگی طب اس علاج میں بالکل اندھی ہے اور بالکل عطائیانہ علاج کرتی ہے۔ یہ ان کی علمی وعملی جہالت اور غلطی کا اظہار ہے۔

جاننا چاہئے کہ جب جگر وغدد میں تیزی ہوتی ہے تو ان میں سوزش کی صورت پیدا ہو جاتی ہے چاہے وہ کسی قدر کم کیوں نہ ہو۔ اس کا علاج تسکین اور تخدیر نہیں ہے بلکہ اس میں تحلیل پیدا کرنی چاہئے جو ظاہر ہے کہ گرم تر ادویات سے ہو سکتی ہے اور ہر قسم کے مسکنات اور اکثر مخدرات سرد تر اور سرد خشک ہوتے ہیں جن سے جسم میں بلغم اور رطوبت پیدا ہوتی ہے۔ ان میں عارضی سکون تو ہو سکتا ہے مگر سوزش میں تحلیل پیدا نہیں ہو سکتی۔ یہی وجہ ہے کہ وہ یرقان اور درد پتہ کے علاج میں ناکام ہے اور درد پتہ کے علاج میں ان کے پاس سوائے آپریشن کے اور کوئی علاج نہیں ہے بلکہ ورم اعور اور دیگر اورام میں بھی صرف آپریشن سے علاج کیا جاتا ہے۔ کمال یہ ہے کہ جب جگر میں ضعف پیدا

ہوتا ہے تو اس کا علاج بھی ان کے ہاں بالکل نہیں ہے۔

طب قدیم کا کمال ہے کہ وہ گرم مزاج کا علاج سرد اور سرد مزاج کا علاج سوداوی ادویہ سے کرتی ہے۔ یاد رکھیں تسکین اور تحلیل دو مختلف صورتیں ہیں۔ تسکین ہمیشہ سرد و بلغمی اور رطوبت پیدا کرنے والی ادویہ سے ہوتی ہے اور تحلیل ہمیشہ گرم ادویہ سے ہوتی ہے اور تحلیل ہی سے ہمیشہ تحریک و درد اور سوزش و ورم بلکہ ہر قسم کے پرانے بخار کا بھی علاج ہو سکتا ہے۔

ہر شے کے دو اثرات

جو اشیاء کھائی جاتی ہیں یا بیرونی طور پر اثر انداز ہوتی ہیں وہ تین قسم کی ہوتی ہیں: ① غذا ② دوا ③ زہر یا زیادہ سے زیادہ ان کے مرکبات کی تین اور اقسام بن جاتی ہیں: ① غذائے دوائی ② دوائے غذائی ③ دوائے زہر۔ بس ان کے سوا اور کوئی شے دُنیا میں نہیں ہے جو مادی طور پر استعمال کی جاتی ہے تو اس کا پہلا اثر بالفعل ہوتا ہے۔ یعنی جسم کے کسی عضو پر مشینی طور پر ہوتا ہے جس سے عضو کے فعل میں افراط و تفریط اور تحلیل کی صورت پیدا ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد دوسرا اثر شروع ہو جاتا ہے جس کو بالقوی اثر کہتے ہیں یعنی جسم کے خون میں کیمیائی طور پر ہوتا ہے اور خون بڑھتا جاتا ہے۔

یہ امر ذہن نشین کر لیں کہ ہر شے کے دو اثرات ہوتے ہیں، اوّل اثر بالفعل جو عضو پر ہوتا ہے اور دوسرا اثر بالقوی جو خون پر ہوتا ہے۔ اثر اوّل (فرسٹ ایکشن) جب ہوتا ہے تو ان مخصوص مفرد اعضاء (ٹشوز) کے افعال میں عمل شروع ہو جاتا ہے جس کے بعد وہ مفرد اعضاء (ٹشوز) اپنے افعال کو عمل کی صورت دیتے ہیں جس سے ان کے اثرات پیدا ہو کر خون میں شریک ہونا شروع ہو جاتے ہیں اور یہ اخلاط کی صورت میں اپنے اثرات کے تحت ① خون ② صفرا ③ بلغم ④ سودا کی صورت میں یا ٹشوز کے عناصر کی صورت میں اپنے اثرات کے تحت چودہ عناصر جن میں کیلشیم (چونا)، فیرم (فولاد)، سلفر (گندھک)، سوڈیم (تیز کھار) اور پوٹاشیم (نرم کھار) وغیرہ کی صورت میں پائے جاتے ہیں۔ اس کے بعد اثر ثانوی (سیکنڈری ایکشن) شروع ہوتا ہے۔ اس عمل سے خون میں کیمیائی طور پر جو اخلاط یا عناصر شامل ہو جاتے ہیں وہی خون کے دوران کے ساتھ جسم میں اپنا اثر شروع کر دیتے ہیں۔ کسی شے کا یہی اثر ثانی یا کیمیائی عمل ہی انسان کا مزاج بن جاتا ہے۔ یہی مزاج یا خون کا کیمیائی مرکب جب حد اعتدال سے بڑھ جاتا ہے تو جسم میں غیر معمولی علامات پیدا کر دیتا ہے۔ یہی علامات جس مفرد عضو کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں بس یہی مرض بن جاتا ہے۔ پھر جب ان علامات اور مرض کو رفع کرنا ہوتا ہے تو پھر اس مزاج یا کیمیائی مرکب کو پیدا کرنا پڑتا ہے جس کی علامات یا اخلاط یا کیمیائی عناصر خون میں کم ہوں یا دوسرے الفاظ میں جس مفرد عضو کے فعل میں کمی ہو اس کو تیز کر دینا چاہئے۔

یہ امر یاد رکھیں کہ کسی عضو کے فعل کو وقتی طور پر تیز یا سست یا تحلیل کر دینے سے مرض ہرگز نہیں جاتا بلکہ وہ عارضی طور پر رُک جاتا ہے۔ یہ غلط طریق علاج ہے اس سے جسم کی قوت مقابلہ کمزور ہو جاتی ہے جیسے محرکات و مخدرات کا استعمال کرنا وغیرہ۔ اصل علاج صرف یہی ہے کہ خون میں وہ خلط یا کیمیائی مرکب پیدا کیا جائے یعنی کسی شے کا اثر ثانی پیدا کر دیا جائے۔

یاد رکھیں یہ اثر ثانی فوراً یا یک بارگی پیدا نہیں ہوتا بلکہ اس فعل کے مسلسل عمل سے رفتہ رفتہ اس کے اخلاط یا کیمیائی مرکب تیار ہو کر جسم میں شامل ہوتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ خون میں اس کا اثر بڑھ جاتا ہے اور جسم پر غالب آ جاتا ہے اور مرض رفع ہو جاتا ہے۔

کیفیات اثرات

دُنیا بھر میں ہر غذا، ہر دوا اور ہر ز ہر بلکہ ہر شے کے دو کیفیاتی اثرات ہوتے ہیں۔ یعنی وہ گرم تر ہوگی یا گرم خشک ہوگی اور اسی طرح وہ سردتر یا سرد خشک ہوگی۔ ایسا ہر گز نہیں ہوتا کہ کوئی شے صرف گرم یا صرف سرد ہو یا صرف تر یا صرف خشک ہو۔ ہر شے کی دو کیفیات کا تحقیق کرنا طب قدیم کا بہت بڑا کمال ہے۔ اس کا مقصد صرف یہ ہے کہ ہر شے کی جانب کیفیات بیان کی جاتی ہیں تو اس طرح اس سے دونوں افعال و اثرات بیان کرنا مقصود ہوتے ہیں، یعنی پہلی کیفیت کا اثر عضو کے افعال پر ہوتا ہے اور بالفعل کہلاتا ہے اور دوسری کیفیت کا اثر خون میں ہوتا ہے اور بالقویٰ کہلاتا ہے۔ مثلاً کوئی شے اگر گرم خشک ہے تو پہلی کیفیت کے اثر سے جگر پر اثر ہوگا اور دوسری کیفیت کے اثر سے خون میں خشکی بڑھتی جائے گی۔ اسی طرح اگر کوئی شے گرم تر ہوگی تو جگر کے فعل میں تیزی کے ساتھ خون کی رطوبت بڑھنی شروع ہو جائے گی۔ لیکن اگر کوئی شے خشک گرم ہوگی یا تر گرم ہوگی تو ان کے اثرات ان کے مطابق ہوں گے۔ بالکل یہی صورتیں سرد خشک و سردتر اور خشک سرد و تر سرد کی ہوتی ہیں۔ اسی طرح اگر ماحول یا نفسیاتی اثرات میں یہ کیفیات پائی جائیں گی تو فوراً ان کے اثرات بالفعل اور بالقویٰ (مشینی و کیمیائی) طور پر شروع ہو جائیں گے۔ مثلاً سرد و تر ماحول یا خوف کے تحت اعصاب میں سردی اور خون میں تری بڑھنا شروع ہو جائے گی، وغیرہ وغیرہ۔

یہ اثرات دورانِ خون کی وجہ سے بڑھتے اور گھٹتے رہتے ہیں۔ مثلاً جب جسم میں تری کا اثر بڑھتا ہے تو رطوبات کی زیادتی سے خون کا دباؤ کم ہو جاتا ہے اور اسی طرح جب خشکی کا اثر بڑھتا ہے تو رطوبات کی کمی کی وجہ سے خون کا دباؤ زیادہ ہو جاتا ہے اور جب رطوبات کی کمی سے سوزش پیدا ہو جاتی ہے تو خون کے دباؤ میں اور بھی شدت پیدا ہو جاتی ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ وہاں پر حرارت پیدا ہو جائے اور سوزش ختم ہو جائے اور دورانِ خون میں جو رکاوٹ پیدا ہوگئی ہے وہ جاری ہو جائے اور اس کا دوران اعتدال کے ساتھ ہو۔ بس یہی جسم کا نظام ہے۔

اعضاء پر کیفیات کے اثرات

انہی کیفیات کے اثرات جب اعضاء پر عمل کرنا شروع کر دیتے ہیں تو وہ اپنے افعال ان کے مطابق شروع کر دیتے ہیں۔ مثلاً جب جگر پر گرم خشک کیفیات کا اثر پڑتا ہے تو اس میں حرارت کے ساتھ یبوست بھی پیدا ہو جاتی ہے جس کے نتیجہ میں حرارت تو پیدا ہوتی ہے مگر چونکہ اخراج نہیں پاتی اس لئے خون میں بالقویٰ (کیمیائی طور پر) جمع ہوتی رہتی ہے۔ اسی طرح جب گرم تر کیفیت کا اثر ہوتا ہے تو اس میں حرارت کے ساتھ رطوبت بھی پیدا ہونا شروع ہو جاتی ہے جس کے نتیجہ کے طور پر جسم میں حرارت تو پیدا ہوتی ہے مگر اس کا اخراج بھی ساتھ ساتھ ہوتا رہتا ہے۔

ہم نے اعضاء کے ان کیفیاتی اثرات کو اس طرح بیان کیا ہے کہ ان کے مشینی اور کیمیائی (بالفعل اور بالقویٰ) اثرات بھی ظاہر ہوتے ہیں اور ان کا تعلق بھی قائم رہے اور یہی ان کی فطری صورتیں بھی ہیں۔ **قلب**: دِل کے فعل میں جب تیزی پیدا ہوتی ہے تو وہ جسم کی رطوبات کو جذب و خشک کرنا شروع کر دیتا ہے جس سے جسم میں روح کو طاقت ملتی ہے۔ **دماغ**: جب دماغ کے فعل میں تیزی پیدا ہوتی ہے تو جسم میں رطوبات کی پیدائش بڑھ جاتی ہے۔ جس سے جسم میں سکون بڑھنا شروع ہو جاتا ہے۔ **کبد**: جب جگر کے فعل میں تیزی شروع ہوتی ہے تو جسم میں حرارت کی پیدائش بڑھنا شروع ہو جاتی ہے جس سے جسم میں انبساط پیدا ہونا شروع ہو جاتا ہے۔

چونکہ ہر شے دو کیفیات رکھتی ہے، اس لئے ان کے اثرات بیک وقت دو اعضاء پر ہوتے ہیں۔ مثلاً گرم خشک شے کی کیفیات کا اثر ایک طرف جگر پر ہوتا ہے اور دوسری طرف دِل پر پڑتا ہے۔ ان میں جو کیفیت زیادہ ہوتی ہے اس کا اثر بالفعل ہوتا ہے اور جو کم ہوتی ہے اس کا اثر بالقوی ہوتا ہے۔ اسی طرح تر شے کی کیفیات کا اثر ایک طرف جگر پر اور دوسری طرف دماغ پر پڑتا ہے۔ اسی طرح سرد خشک شے کی کیفیات کا اثر ایک طرف دِل پر ہوگا اور دوسری طرف دماغ پر ہوگا۔ اس طرح اس کی کل چھ صورتیں بن جاتی ہیں، یعنی ہر عضو رئیس کی دو دو صورتیں ہیں: (۱) دِل و دماغ کا تعلق اور دِل و جگر کا تعلق (۲) دماغ و دل کا تعلق اور دماغ و جگر کا تعلق (۳) جگر و دماغ کا تعلق اور جگر و دل کا تعلق۔ اس طرح ہر شے کے بالفعل و بالقوی اثرات و افعال یقینی بے خطا اور آسان ہو جاتے ہیں اور علاج میں بھی سہولت رہتی ہے۔

چونکہ دماغ اعصاب کا مرکز ہے، دل عضلات کا مرکز ہے اور جگر غدد کا مرکز ہے، اس لئے ہم نے مرکز کی بجائے اعصاب و عضلات اور غدد کو ان کا قائم مقام بنایا ہے اور ان کی چھ صورتیں بنادی ہیں۔ تاکہ خواص الاشیاء کے سمجھنے میں سہولت اور علاج میں آسانی ہو۔

دماغ کا تعلق (۱) اعصابی عضلاتی (۲) اعصابی غدی۔ **دِل کا تعلق** (۳) عضلاتی اعصابی (۴) عضلاتی غدی۔

جگر کا تعلق (۵) غدی اعصابی (۶) غدی عضلاتی۔ بس ہر شے کے یہی چھ اثرات ہو سکتے ہیں۔ ان مفرد اعضاء کے باہر اور جسم پر نہ کوئی اثر ہے اور نہ کوئی فعل ہوتا ہے۔ یہ ہیں ہماری جدید تحقیقات جن سے فرنگی طب لاعلم ہے۔ اس لئے اس کا علم اور فن غیر سائنسی اور غلط ہے۔

مادہ کی ماہیت

اس دُنیا میں جو شے بھی نظر آتی ہے یا محسوس ہوتی ہے وہ حقیقت میں ایک مادہ ہے۔ عناصر سے لے کر موالید ثلاثہ تک سب مادہ ہی کی مختلف صورتیں ہیں۔ ان میں جو فرق معلوم ہوتا ہے وہ اس کی صورت نوعیہ ہے یعنی مادہ ایک جسم ہے جو اپنی مختلف کیفیات و مزاج اور صورت نوعیہ سے ایک جدا شے بن گیا ہے۔ گویا ہر شے تین جوہروں سے مرکب ہے: (۱) جسم (۲) کیفیات (۳) صورت نوعیہ۔

جب تینوں جوہر آپس میں ملتے ہیں تو شے بن جاتی ہے۔ جسم کو جوہر اس لئے کہا گیا ہے کہ مادہ جب تک جسم کی صورت اختیار نہ کرے وہ مادہ اولیٰ یا ہیولہ ہے۔ جسم بذاتِ خود کوئی شے نہیں ہے، جب وہ مادہ کی صورت بنتا ہے تو جسم بن جاتا ہے۔ اس لئے جسم کی حقیقت جوہری ہو سکتی ہے۔ اس حقیقت سے ثابت ہوا کہ مادہ تین جوہروں سے مرکب ہے اور یہی تینوں جوہر ہر شے میں پائے جاتے ہیں۔

مادہ کے افعال و اثرات

جب کوئی شے بدن میں استعمال کی جاتی ہے، اگر اس شے کا مادہ جسم سے اثر قبول کرے یعنی اس کا جسم بدن میں صرف ہو جائے اور وہ اعضاء کی شکل میں تبدیل ہو جائے تو اس کو طبی اصطلاح میں غذا کہتے ہیں۔ جو شے بدن میں اپنی کیفیت کی وجہ سے اثر کرتی ہے یعنی بدن میں اس کا اثر اس کی سردی یا گرمی یا کیفیت تری یا خشکی کی وجہ سے ہوتا ہے غذا کی طرح اس کا جسم بدن میں صرف نہیں ہوتا بلکہ بدن میں صرف گرمی یا سردی وغیرہ پیدا کر کے بدن سے پیشاب و پاخانہ اور پسینہ و دخان وغیرہ کی راہ خارج ہو جاتی ہے۔ اس کو طبی اصطلاح میں دوا کہتے ہیں۔ جو شے بدن میں اپنی صورت نوعیہ اثر کرے یعنی اس کا اثر نہ مادی جسم کی وجہ سے ہو اور نہ ہی کیفیت کی وجہ سے ہو، بلکہ اس کا اثر اس کی

ذاتی حقیقت سے ہو۔اس کو طبی اصطلاح میں ذوالخاصہ کہتے ہیں۔اس کی تشریح لغات کبیر میں اس طرح بیان کی گئی ہے:

''دوا جو ہمارے بدن میں جاتی ہے فقط اس کی کیفیت یعنی گرمی سردی وغیرہ کا اثر ہوتا ہے۔مثلاً سیاہ مرچیں۔جس طرح غذا ہمارے بدن میں جا کر بدن کی پرورش کرتی ہے اور وہ خون اور اخلاط بن کر بدن کے اعضاء بن جاتی ہے اس طرح دوا ہمارے بدن کی پرورش نہیں کرتی اور نہ وہ گوشت و پوست بن سکتی ہے بلکہ اس سے محض گرمی یا سردی وغیرہ پیدا ہو جاتی ہے اور پھر وہ خود اور اس کا جسم و مادہ بدن سے پیشاب پاخانہ وغیرہ کے ساتھ نکل جاتا ہے۔

غرض یہ کہ غذا کا جسم بدن میں رہ جاتا ہے اور اعضاء کی شکل میں تبدیل ہو جاتا ہے مگر دوا کا جسم بدن میں نہیں رہتا اور نہ اعضاء کی شکل میں تبدیل ہو جاتا ہے۔اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ دوا کا اثر کیفیت کی وجہ سے ہوتا ہے، مادہ اور جسم کی وجہ سے نہیں ہوتا، اور غذا کا اثر مادہ کی وجہ سے ہوتا ہے کیفیت کی وجہ سے نہیں ہوتا یعنی غذا سے محض بدن کی پرورش ہوتی ہے اور اس سے گرمی سردی نہیں پیدا ہوتی۔ غذا و دوا کے علاوہ ایک اور قسم کی چیز ہوتی ہے جس کا اثر نہ کیفیت کی وجہ سے ہوتا ہے اور نہ مادہ و جسم کی وجہ سے ہوتا ہے۔مثلاً سانپ اور بچھو کے کاٹنے سے بدن میں جو اثر ہوتا ہے اس سے انسان ہلاک ہو جاتا ہے۔یہ اثر نہ کیفیت (گرمی و سردی وغیرہ) کی وجہ سے ہو سکتا ہے اور نہ مادہ اور جسم سے ہو سکتا ہے، کیونکہ یہ دونوں زہریلے جانوروں کا اثر اگر گرمی یا سردی کی وجہ سے مان لیا جائے تو چاہئے کہ آگ اور پانی کی وجہ سے بھی یہی اثر ہو۔ کیونکہ آگ سے زیادہ کوئی چیز گرم نہیں اور پانی سے زیادہ کوئی شے سرد نہیں بلکہ ان زہریلے جانوروں کی نسبت آگ اور پانی سے زیادہ اثر ہونا چاہئے۔ کیونکہ ان میں گرمی و سردی ان دونوں جانوروں سے زیادہ ہوتی ہے۔اس لئے جانوروں کے اثرات کو نہ دوا کا اثر کہہ سکتے ہیں اور نہ غذا کا۔ کیونکہ غذا تو کسی صورت سے زہر ہو ہی نہیں سکتی۔اس وجہ سے ماننا پڑتا ہے کہ کیفیت اور مادہ کے علاوہ کوئی تیسری چیز بھی ہے جو اثر کرتی ہے۔وہ وہی صورت نوعیہ جس سے ہر چیز کی ماہیت بنتی ہے جس کی وجہ سے ہم سانپ کو سانپ اور بچھو کو بچھو کہتے ہیں اور سمجھتے ہیں اور اس قسم کی چیز کو جسم کا اثر کیفیت اور مادہ سے نہیں ہوتا ہے بلکہ اس کی خاص ماہیت اور صورت نوعیہ سے ہوتا ہے، اسی کو ذوالخاصہ کہتے ہیں۔

یہ تعریفیں خالص دوا، خالص غذا اور خالص ذوالخاصہ کی تھیں۔مگر بعض چیزوں میں دوائیت اور غذائیت دونوں ہوتی ہیں، یعنی ان کا اثر کیفیت اور مادہ دونوں سے ہوتا ہے۔مثلاً بدن میں گرمی یا سردی بھی پیدا ہوتی ہے اور بدن کی غذا بن کر پرورش بدنی میں بھی صرف ہوتی ہے۔جیسے مغز بادام، اس سے گرمی بھی پیدا ہوتی ہے اور خون بھی بنتا ہے اور بعض چیزوں میں دوائیت، غذائیت اور خاصیت تینوں ہوتی ہیں یعنی ان تینوں قسم کے اثرات ظاہر ہوتے ہیں، جیسے شراب کہ اس سے گرمی بھی پیدا ہوتی ہے، خون بھی بنتا ہے اور اس کی خاصیت سے تفریح وخوشی پیدا ہوتی ہے۔اس طرح بعض چیزوں میں دوائیت اور خاصیت، اور بعض چیزوں میں غذائیت اور خاصیت ہوتی ہے۔اس وقت ان کے نام انہیں لفظوں کو ملا کر رکھتے ہیں۔مثلاً غذائے دوائی اسے کہتے ہیں جس میں غذائیت اور دوائیت دونوں ہوں۔دوا ذوالخاصہ اسے کہتے ہیں جس میں دوائیت اور خاصیت دونوں ہوں۔اور غذا ذوالخاصہ وہ ہے جس میں غذائیت اور خاصیت دونوں ہوں اور غذائے دوائی ذوالخاصہ وہ ہے جس میں غذائیت، دوائیت اور خاصیت تینوں ہوں۔

یاد رکھیں کہ غذائے دوائی اور دوائے غذائی میں کچھ زیادہ فرق نہیں ہے۔فرق صرف اس قدر ہے کہ اگر غذائیت زیادہ ہوتی ہے تو غذائے دوائی کہتے ہیں اور اگر دوائیت زیادہ ہو تو دوائے غذائی کہتے ہیں۔

اعتراضات

اس تشریح پر چند اعتراضات پیدا ہوتے ہیں۔

① کیا غذا میں صرف جسمی مادہ ہوتا ہے، اس میں کیفیت اور خاصیت نہیں ہوتی؟

② کیا دوا میں صرف کیفیت ہوتی ہے، اس میں جسمی مادہ اور خاصیت نہیں ہوتی؟

③ کیا صورت نوعیہ میں صرف خاصیت ہوتی ہے، اس میں جسمی مادہ اور کیفیت نہیں ہوتی؟

تجربہ اور مشاہدہ سے ظاہر ہے کہ ہر غذا میں کیفیت اور خاصیت دونوں پائے جاتے ہیں۔ بلکہ ہر غذا کا ایک مزاج ہے اور اس کی ایک خاص طبیعت ہوتی ہے۔ اسی طرح دوا میں جسمی مادہ بھی ہے اور خاصیت بھی ہے۔ یہی صورت بالخاصہ کی بھی ہے کہ اس میں جسمی مادہ اور کیفیت دونوں پائے جاتے ہیں۔ پھر ان کا ایک دوسرے میں انکار کیوں کیا گیا ہے۔

اعتراضات کے جوابات

طب قدیم میں یہی تسلیم کیا گیا ہے کہ غذا اپنے جسمی مادہ سے اثر کرتی ہے۔ دوا اپنی کیفیات سے اثر کرتی ہے اور صورت نوعیہ اپنی خاصیت سے اثر کرتی ہے۔ ان پر یہ اعتراض درست ہے کہ غذا، دوا اور صورت نوعیہ خصوصاً زہر تمام کے تمام جسم و کیفیات اور خاصیت رکھتے ہیں۔ مگر ان کا اثر صرف ان کی ایک صورت میں ہوتا ہے اور باقی دو صورتیں اثر نہیں کرتیں یا بے اثر رہتی ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہر جسمی مادہ کے ساتھ جب کیفیات اور خاصیت شریک ہیں تو پھر ان کا اثر ہونا بھی یقینی ہے۔ اگر ذرا سا غور سے کام لیا جائے تو یہ مسئلہ آسانی سے سمجھ میں آ سکتا ہے۔ یہ کوئی فرق نہیں ہے صرف ذہن نشین کرانے کے لئے جدا جدا بیان کیا گیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ سہولت تفہیم کے لئے پہلے یہ تقسیم کر دی گئی ہے کہ غذا اپنے جسمی مادی حصہ سے اثر انداز ہوتی ہے۔ دوا اپنی کیفیات سے اثر کرتی ہے اور صورت نوعیہ کا اثر بالخاصہ ہوتا ہے۔ لیکن اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ غذا میں جسمی مادہ کے سوا کیفیات اور خاصیت نہیں ہوتے اور دوا میں جسمی مادہ اور خاصیت نہیں پائے جاتے۔ اسی طرح صورت نوعیہ میں جسمی مادہ اور کیفیات نہیں ہوتے ہیں، لیکن ان کے اثرات ان کی ابتدائی تقسیم کے مطابق ہوتے ہیں جن کی تفصیل درج ذیل ہے۔

جسمی مادہ

جسمی مادہ تو ہر غذا، دوا اور زہر کا لازمی جزو ہے کیونکہ کوئی مادہ جسم کے بغیر تو ظاہر ہی نہیں ہو سکتا۔ لیکن انسان کی غذا سے مراد وہ اجزاء ہیں جو انسانی خون کا جزو ہیں۔ جن اشیاء میں کلی طور پر یا جزوی طور پر یہ اجزاء پائے جاتے ہیں۔ وہی اس کے لئے غذا ہے اور یہی اس کا جسمی مادہ ہے۔ دیگر حیوانات و درندے اور چرند و پرند بہت سی ایسی اشیاء کھا جاتے ہیں جو انسان غذا کے طور پر نہیں کھا سکتا۔

مثلاً بکری آک اور دیگر زہریلی جڑی بوٹیاں کھا جاتی ہے لیکن انسان کے لئے وہ غذائی صورت میں نقصان رساں ہیں۔ گدھا ہر گندگی کھا جاتا ہے مگر گوشت نہیں کھاتا۔ شیر گوشت کھاتا ہے، خون پیتا ہے مگر گھاس وغیرہ نہیں کھاتا۔ یہی صورتیں چرند پرند میں ظاہر ہیں۔ یعنی ہر ایک وہی غذا کھاتا ہے جو اس کے خون بلکہ جسم کا جزو بنتی ہے۔ یہی قانون فطرت ہے اس لئے اسلام میں حرام و حلال اور نجس پر بحث کی گئی ہے۔

کیفیات

جسمی مادہ کی طرح کیفیات بھی ہر غذا، دوا اور زہر کا جزو ہیں کیونکہ کوئی شے بھی فطری طور پر بغیر کیفیات کے نہیں بنائی گئی۔ لیکن جو اشیاء ہمارے خون میں جسمی مادہ کی طرح جذب نہ ہوں اور خارج ہو جائیں۔ البتہ خون میں تحلیل ہو کر اپنے کیفیاتی اثرات چھوڑ جائیں ہم ان کو دوا کا نام دیتے ہیں۔ بعض اشیاء ایسی بھی ہیں جن میں غذا اور دوا دونوں شریک ہوتے ہیں۔ جو اجزاء غالب ہوتے ہیں وہ نام مقدم ہوتا ہے یعنی غذائے دوائی یا دوائے غذائی۔

بالخاصہ

جسمی مادہ اور کیفیات کی طرح صورت نوعیہ بھی ہر غذا و دوا اور زہر کا جزو ہے۔ اگر صورت نوعیہ نہ ہو تو ایک شے کا دوسری شے سے امتیاز مشکل ہو جائے۔ ہر صورت نوعیہ میں جسمی مادہ اور کیفیات اس انداز میں ترتیب پاتا ہے کہ وہ ایک جدا شے بن جاتی ہے۔ کسی شے میں جسمی مادہ زیادہ اور کیفیات کا اثر بہت کم ہوتا ہے، کسی شے میں کیفیات کی شدت اور جسمی مادہ کی کمی ہوتی ہے۔ کسی شے کی کیفیات میں گرمی یا سردی کی شدت اور کسی شے کی کیفیات میں تری یا خشکی کی تیزی پائی جاتی ہے۔

بہر حال موالید ثلاثہ میں ہر شے ایک الگ صورت نوعیہ رکھتی ہے اس لئے اس میں ذاتی خواص و فوائد اور افعال و اثرات پائے جاتے ہیں۔ لیکن کوئی صورت نوعیہ جسمی مادہ اور کیفیات سے خالی نہیں ہونی چاہئے۔ وہ جسم انسان کے لئے زہر ثابت ہو یا تریاق کی خاصیت رکھتی ہو۔

غلط فہمی

شاید بعض طالب علموں کو یہ غلط فہمی ہو کہ صورت نوعیہ کا تعلق صرف زہروں سے ہے یا زیادہ سے زیادہ اکسیرات و تریاقات کے ساتھ پایا جاتا ہے۔ ایسا نہیں ہے بلکہ ہر غذا اور ہر دوا بھی ہر زہر کی طرح اپنی ایک الگ صورت نوعیہ رکھتی ہے۔

مثلاً دودھ، گوشت، پھل پھول، اناج اور سبزیاں وغیرہ ان میں سے ہر ایک میں جسمی مادہ و کیفیات اور صورت نوعیہ شامل ہیں بلکہ مختلف اقسام کے دودھ، گوشت، پھل پھول، اناج اور سبزیاں وغیرہ اپنی مختلف صورت نوعیہ رکھتی ہیں اور اس لئے ان سب کے خواص و فوائد اور افعال و اثرات جدا جدا پائے جاتے ہیں۔ یہی مختلف جسم و حجم، رنگ و بو، سختی و نرمی اور تیزی و جلن مل کر صورت نوعیہ بن جاتی ہے۔

چونکہ غذا کے اثرات و افعال کو ہم اس کے جسمی مادہ سے اور دوا کو اس کی کیفیات سے تمیز کرتے ہیں لیکن زہر چونکہ کسی قسم کی تمیز سے پہلے ہی ہلاکت کا باعث ہوتا ہے اس لئے اس کا اثر بالخاصہ تسلیم کر لیا گیا ہے۔ اب تو سال ہا سال کے تجربات کے بعد اکثر زہروں کا علم ہو گیا ہے کہ وہ جسم میں کیا اور کس طرح بلکہ کس نوعیت کا اثر کرتے ہیں۔ اس لئے ان کا علاج معلوم کر لیا گیا ہے۔ جو اشیاء جن زہروں کو بے اثر کر دیتی ہیں ان کو ان زہروں کا تریاق کہتے ہیں اور اکثر تریاق زہروں کی طرح بالخاصہ ہوتے ہیں، ان میں جسمی مادہ اور کیفیات تو ہوتے ہیں اور اثر بھی کرتے ہیں لیکن خاصیت کا اثر اس قدر غالب ہوتا ہے کہ ان کو بالخاصہ ہی کہا جاتا ہے۔

حقیقت اشیاء

گزشتہ صفحات میں حقیقت اشیاء پر جو تحقیقات پیش کی گئی ہیں ان کا تعلق علم الاغذیہ و علم الادویہ اور علم الزہر کے قوانین و قواعد اور اصول و کلیات کے ساتھ تھا تاکہ کسی مفرد و مرکب شے کے افعال و اثرات اور خواص و فوائد معلوم کرنے سے قبل ان کے متعلق اصولی اور کلی

طور پر ان کے قوانین وافعال اور قواعد وضوابط اور اعمال کا علم ہو جائے۔

اگر چہ اس میں بھی بعض امور رہ گئے ہیں جس کی ایک وجہ یہ ہے کہ کتاب کی طوالت ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ اکثر دوست حقیقت الاشیاء کے لئے بے چین ہیں۔ اور حقیقت بھی یہ ہے کہ مفردات ومرکبات اور مجربات کے افعال واثرات اور خواص وفوائد پر جس یقینی اور بے خطا انداز میں روشنی ڈالی گئی ہے۔ دوست چاہتے ہیں کہ جلد سے جلد حقیقت الاشیاء سے بھی وہ واقف ہو جائیں۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ نظریہ مفرد اعضاء کے تحت کوئی ایسی کتاب نہیں ہے جو دوستوں کی ترتیب نسخہ اور مجربات میں راہ نمائی کر سکے۔ مسلمہ حقیقت بھی یہ ہے کہ بغیر حقیقت الاشیاء کے علم کے کوئی علاج بھی کرنا بالکل ناممکن ہے۔

تحریک تجدید طب جو تقریباً دس سال قبل شروع کی گئی تھی اس میں ہمارے کوشش یہ رہی ہے کہ علم وفن طب کے ہر شعبہ پر لکھا جائے خاص طور پر ① قوانین طب ② علم الامراض ③ علم العلاج ④ تشریح منافع الاعضاء ⑤ علم الادویہ۔

خاص طور پر فرنگی طب کے غیر علمی اور غیر سائنسی اصولوں پر پوری قوت سے لکھا ہے۔ اس سلسلہ میں اس وقت تک چودہ کتب شائع ہو چکی ہیں، زیر نظر علم الادویہ پر ہے۔ یہ بفضل تعالیٰ پندرھویں کتاب ہے اس میں جن جن امور کی ضرورت ہے شامل کر دیئے گئے ہیں۔ ان شاء اللہ یہ کتاب بھی دیگر کتب کی طرح چیلنج اور بے نظیر کتاب ہوگی اور صدیوں تک طبی دُنیا کی راہ نمائی کرتی رہے گی۔

ترتیب حقیقت اشیاء

قوانین وقواعد اور اصول وکلیات کے بعد اب افعال واثرات اور خواص وفوائد اغذی وادویہ اور زہروں وغیرہ کی ترتیب درج ذیل ہے۔

تعارف اشیاء

اس عنوان کے تحت اس کا مشہور نام اور دیگر ضروری نام شکل وصورت اور رنگ وذائقہ ساتھ ہی مقام پیدائش اور وہ ضروری حصے جو علاج میں استعمال کئے جاتے ہیں۔

افعال

غذا، دواء اور زہر کے استعمال کے وہ اعمال جو مفرد اعضاء میں ظاہر ہوتے ہیں یعنی جو شے بھی جسم انسان کے لئے اندرونی یا بیرونی طور پر استعمال کرائی جائے گی، وہ یقیناً پہلے کسی نہ کسی مفرد عضو پر اپنا فعل کرے گی۔ اس کے بعد وہ خون میں جذب ہو کر اپنا اثر کرے گی۔ ہر شے کا یہی عمل عضوی عمل یا مشینی فعل ہے جسے ہم نے اس شے کے افعال کا نام دیا ہے۔ ہومیوپیتھی میں اس کو پرائمری ایکشن (عمل اول) کہا گیا ہے۔ یہ عمل اس وقت تک جاری رہتا ہے جب تک اس شے کا اثر خون میں سرایت نہ کر جائے۔ بعض اشیاء ایسی شدید اور مخرش ہوتی ہیں یا کوئی شے مسلسل استعمال کی جائے تو اس کا اثر مسلسل خون میں شامل ہوتا رہتا ہے، یہاں تک کہ جسم پر غالب آ جاتا ہے اور اس کی علامات پیدا ہو جاتی ہیں۔

اثرات

غذا دوا اور زہر کے استعمال سے جب وہ خون میں جذب ہو جائیں تو پھر جو علامات ظاہر ہوں وہ ان ادویہ کے اثرات ہیں۔ یہ

اس شے کا کیمیائی عمل ہے۔اس کو ہومیو پیتھی میں اس کا سیکنڈری ایکشن (عمل ثانی) کہتے ہیں۔

غلط فہمی

فرنگی طب میں کسی دوا کے دو ایکشن (عمل) نہیں ہیں۔صرف ہومیو پیتھی نے ہر شے کے دو عمل ظاہر کیے ہیں،لیکن انہوں نے بھی اس کی ایسی تشریح نہیں کی جیسی ہم نے کی ہے یعنی کسی شے کے افعال (مشینی اعمال) اور اثرات (کیمیائی اعمال) یکے بعد دیگرے پیدا ہوتے ہیں۔

ردِّ عمل

ہر شے کا ایک عمل اور بھی ہے جس کے متعلق فرنگی طب خاموش ہے اور ہومیو پیتھی غلط فہمی میں مبتلا ہے۔یہ ہے کسی شے کے عمل کا ردِّ عمل،یعنی کسی مقام پر اگر سوزش ہو تو طبیعت مدبرہ بدن وہاں پر رطوبات یا خون کا اجتماع کر دیتی ہے۔یہ عمل صرف مشینی ہوتا ہے اور اس کا اثر صرف مفرد اعضاء تک ہوتا ہے۔ہومیو پیتھی غلطی سے اس کو سیکنڈری ایکشن کہتی ہے۔لیکن ردِّ عمل ہرگز سیکنڈری ایکشن نہیں ہے۔سیکنڈری ایکشن صرف کیمیائی اثرات ہوتے ہیں،اس ردِّ عمل کی دو صورتیں ہیں سوزش کے بعد تسکین یا تحلیل ان کو ہم نے افعال کے مشینی عمل کے بیان میں واضح کر دیا ہے۔

خواص

کسی شے کے وہ افعال و اثرات جو اس شے کے ساتھ مخصوص ہیں یہ اس کی صورت نوعیہ کی وجہ سے اس کے بالخاصہ اثرات ہوتے ہیں اور یہ خواص کسی دیگر شے میں نہیں پائے جاتے۔یہی اس شے کے حقیقی فوائد ہیں۔

فوائد

جن امراض اور علامات میں کسی شے کے شفائی اثرات ظاہر ہوتے ہیں وہ اس کے فوائد ہیں۔

مزاج

کسی شے کے کیفیاتی اثرات۔یہ اثرات بھی کیمیائی ہوتے ہیں اور اخلاط کے تغیرات اور کمی بیشی کو ظاہر کرتے ہیں۔

مضرات

ہر شے کا فعل و اثر ہوتا ہے جس سے خواص و فوائد پیدا ہوتے ہیں۔مضرات کا کوئی تصور پیدا نہیں ہوتا۔لیکن اگر وہ شے مقدار سے زیادہ استعمال کر دی جائے تو ضرور ہو سکتا ہے۔مضرات کا اثر مقدار خوراک سے ہو سکتا ہے،لیکن اس شے میں مضرات کا تصور کرنا صحیح نہیں ہے۔

مصلح

جس طرح کسی شے کے مضرات کا تصور غلط ہے،اسی طرح مصلحات کا تصور بھی ختم ہو جاتا ہے،البتہ کسی شے میں اگر شدت ہو اور اس کا تنہا استعمال کرنا تکلیف دہ اور خطرناک ہو تو اسے کسی دیگر شے میں ملا کر استعمال کر لیا جاتا ہے۔اس کو مصلح کہہ سکتے ہیں لیکن کلی طور پر مصلح کا تصور کہیں نظر نہیں آتا اور نہ اس کی ضرورت ہے۔

بدل

یہ قانون فطرت ہے کہ دُنیا میں ہم جنس ایک دوسرے کے متبادل نہیں ہو سکتے ۔البتہ ایک نوع، ایک ذائقہ، ایک رنگ اور ایک خواص وفوائد کی اشیاء ہوسکتی ہیں۔ مثلاً زنجبیل کا ذائقہ چرپرا ہوتا ہے، یہی ذائقہ سرخ مرچ، دراز مرچ، سیاہ مرچ، رائی، خولنجاں، پیاز، زیرہ سیاہ وسفید، دارچینی اور لونگ وغیرہ میں پایا جاتا ہے۔ان کے افعال واثرات اور خواص وفوائد میں جو فرق ہے، اسے ہر اہل فن جانتا ہے مگر ان کو ایک دوسرے کا بدل بھی کہہ سکتے ہیں۔

انہیں عنوانات کے تحت ہم افعال واثرات اور خواص وفوائد اشیاء بیان کریں گے۔ دُعا فرمائیں بلکہ دُعاؤں میں یاد رکھیں کہ اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے کہ تمام کتاب حقیقت الاشیاء مکمل ہو جائے ۔یہ ایک عظیم انقلاب ہے۔

مفرد ادویہ کے مزاج مفرد اعضاء کے تحت

اعصابی غدی (تر گرم)

الف ☆ آک، اننگن، ابریشم، اسفنج، اسگندھ، الائچی خورد، املتاس۔ ب ☆ بھنڈی، بادام، بادرنجبویہ، باؤ بڑنگ، بہمن سرخ و سفید۔ پ ☆ پتھر پھوڑی، پستہ، پیٹھا۔ ت ☆ تالمکھانہ، ترنجبین، توت سفید، تودری سرخ و سفید۔ ث ☆ ثعلب مصری۔ ج ☆ جوانسہ، جاؤشیر۔ چ ☆ چربی، چمبا، چولائی، چھوٹی چندن۔ ح ☆ حب قلقل، حلوہ کدو۔ خ ☆ خربوزہ کے بیج، خطمی۔ د ☆ دودھ بکری، دودھ عورت، دودھ گائے، دھنیا۔ ر ☆ راب، رب السوس، روغن ارنڈ، روغن بادام، ریٹھا، ریوند چینی، ریوند خطائی۔ ز ☆ زیرہ سفید و سیاہ۔ س ☆ ستاور، سقمونیا، سمندر سوکھ، سنگ یہود، سنبھالو، سونف، سنبھل۔ ش ☆ شریفہ، شیرخشت، شیشم۔ ف ☆ فرنجمشک۔ ک ☆ کنوچہ، کہربا، کدو، کدو تلخ، کیلا شیریں، کنول۔ گ ☆ گاجر، گل ٹیسو (کیسو)، گل داؤدی، گل سیوتی، گندنا، گل دھاوا، گوکھرو، گنا۔ ل ☆ لاجونتی، لوبان۔ م ☆ مکھن، ملٹھی، موصلی، مولی، موم، مشکدانہ۔ ن ☆ ناخونہ، ناشپاتی، ناگ کیسر۔

غدی اعصابی (گرم تر)

الف ☆ آم پختہ شیریں، ادرک، اڑوسہ، اناس، اسطخودوس، اگر، انیسوں، افتیمون، اشنان۔ ب ☆ بانسہ، بارآورد، بادام شیریں، بوزیدان، بکن، بورہ ارمنی، بسکھپرا۔ پ ☆ پالک، پپلا مول، پپلا۔ ت ☆ تخم کنوث۔ ج ☆ جل نیم، جنگلی گاجر، جل پیپل۔ چ ☆ چرچٹہ۔ ح ☆ حب قرطم، حب القلت۔ خ ☆ خربوزہ۔ ر ☆ رسونت، رودنتی، روغن ناریل، روغن زیتون۔ ز ☆ زنجبیل، زرد چوب۔ س ☆ سنا مکی، سورنجان شیریں و تلخ، سریش، سویا اور تخم۔ ش ☆ شہد۔ ف ☆ فلفل دراز، فندق۔ ک ☆ کسوندی، کوٹھ (قسط)، کلتھی، کھجور، کینولا آئل، کالی مرچ۔ گ ☆ گلو، گیندے کے پھول، گیہوں (گندم)، گھی۔ ل ☆ لانا بوٹی، لفت۔ م ☆ مرچ سیاہ، مکھاں (فلفل دراز)، مکو، ممیراں، مکڑی کا جالا، ملح (نمک)، مارچوبہ۔ ن ☆ ناریل، نوشادر، عنکبوت۔ ہ ☆ ہارسنگھار، ہڑتال ورقیہ۔

اعصابی عضلاتی (سرد تر)

الف ☆ اجوائن خراسانی، اروی، اسپغول، اسرب۔ ب ☆ برہمی بوٹی، بوٹی فرید، بیدمشک، بہیدانہ۔ پ ☆ پاکر، پوئی، پھٹ۔ ت ☆ تخم بالنگو، تربوز، تربوز کے بیج، توری گھیا۔ ٹ ☆ ٹینڈے۔ ج ☆ جوار، جوکھار، جو۔ چ ☆ چاول، چقندر، چنبیلی۔ خ ☆ خبازی۔ د ☆ دودھ بھینس، دودھ گدھی۔ ر ☆ رانگ، روغن چنبیلی۔ س ☆ ساگودانہ، سپستان، سردا۔ ش ☆ شکر تیغال، شکر سفید۔ ص ☆ صندل سفید۔ ق ☆ قلمی شورہ۔ ک ☆ کانسی، کافور، کاہو، کالادانہ، کائی، کتیرا گوند، ککھیرا، کلفہ (قرفہ)۔ گ ☆ گاؤزبان، گل سرخ، گنا، گل قند، گل گڑھل، گوشت خرگوش، گوشت بھیڑ۔ ل ☆ لونیا ساگ۔ م ☆ مونگی، مصری، مکن۔ ن ☆ نشاستہ، نیلوفر۔

عضلاتی اعصابی (سرد خشک)

الف ☆ آڑو، آلو، آلوبخارا، آلوچہ، آم خام، آملہ، آہن (لوہا)، ابرک، اٹمیں، اربر، اسپند (حرمل)، اقاقیا (عصارہ کیکر)، الماس، املی اور تخم، انار ترش۔ **ب** ☆ باجرہ، بارتنگ (تخم)، ببول (کیکر)، برگد، بسد، بلوط، بہوچھلی، بلیلہ، بیل گری، بیر۔ **پ** ☆ پوست خشخاش، پھیلی، پھٹکڑی۔ **ت** ☆ تج، تخم سوئے، ترنج، تمباکو۔ **ج** ☆ جامن، جست، جلاپا۔ **چ** ☆ چائے، چونا، چھیا گوند، چرس۔ **ح** ☆ حجر الیہود۔ **خ** ☆ خبث الحدید، خس، خشخاش۔ **د** ☆ دم الاخوین، دار ہلد، دھتورہ۔ **ر** ☆ رمان، روغن السی۔ **ز** ☆ زرشک، زمرد، زاج ابیض، زخم حیات، زہر مہرہ۔ **س** ☆ سپاری، سرو، سروالی، سفیدہ، سم الفار (سنکھیا)، سنگھاڑہ، سیب۔ **ش** ☆ شکر قند، شاہ تخ۔ **ط** ☆ طباشیر۔ **ع** ☆ عصارہ بھنگ، عاج، صدف۔ **ف** ☆ فالسہ، فراش، فرائی سلفاس۔ **ک** ☆ کتھ، کنول، کچنال، کرنجوہ، کائی پھل رائتہ، کرونده، کانگنی۔ **گ** ☆ گوبھی، گیرو، گل دھاوا، گل مختوم، گل ملتانی۔ **ل** ☆ لوبیا، لودھ پٹھانی، لوہا، لوکاٹ، لیموں۔ **م** ☆ مازو، مے سبز، مائیں، مجیٹھ، مرجان، مردار سنگ، مکئی، مہندی۔ **ہ** ☆ ہیرا کسیس۔ **ی** ☆ یاقوت۔

عضلاتی غدی (خشک گرم)

الف ☆ اکمل، اذراقی، انجیر، اندرائن، انڈا اور چھلکا، اریسا، ایلوا (مصبر)۔ **ب** ☆ بسفائج، برہم ڈنڈی، بادیان خطائی، بیر بہوٹی، بیخ کنیر، بنفشہ، بالچھڑ۔ **پ** ☆ پیاز، پوکر مول، پت پاپڑا (شاہترہ)۔ **ج** ☆ جاوتری، جائفل، جنطیانہ۔ **چ** ☆ چرائتہ، چنا، چاکسو، چکور۔ **ح** ☆ حب بلسان، حب الرشاد، حلتیت (ہینگ)۔ **خ** ☆ خاکسی (خوب کلاں)، خراطین۔ **د** ☆ دار چکنا، دار چینی۔ **ر** ☆ رس کپور۔ **ز** ☆ زراوند طویل، زراوند مدحرج، زوفا۔ **س** ☆ سندھور، سلاجیت، سنبل الطیب، سمندر پھل۔ **ش** ☆ شاخ گوزن، شراب، شاہترہ، شنگرف۔ **ع** ☆ عنبر، عود صلیب، عشبہ، عناب۔ **غ** ☆ غاریقون۔ **ک** ☆ کبوتر، کریلا، کنیر۔ **م** ☆ مال کنگنی، مغز حوالہ، مین پھل۔ **ن** ☆ نک چھکنی، نیم۔

غدی عضلاتی (گرم خشک)

الف ☆ اجوائن دیسی، اذخر، اخروٹ، اشق، اسارون، اجمود۔ **ب** ☆ بیر، بچھو، برنا، بندال ڈوڈہ، بھنگرہ۔ **پ** ☆ پلاس پاپڑا، پودینہ۔ **ت** ☆ تگر، تیزپات، تیلنی مکھی۔ **ج** ☆ جگنو، جمال گوٹہ، جزپان۔ **ح** ☆ حسن یوسف، حب الخضم۔ **خ** ☆ خوبانی، خولنجان، خردل (رائی)۔ **د** ☆ دادمردن، دیودار، درمنہ۔ **ر** ☆ رائی، روغن تارپین، روغن جمال گوٹہ۔ **ز** ☆ زرنباد، زعفران۔ **س** ☆ سانپ اور زہر، سرسوں، سداب، سونا، سونا مکھی، سنگدانہ۔ **ص** ☆ صنوبر۔ **ع** ☆ عاقرقرحا، عود بلسان۔ **غ** ☆ غافث۔ **ف** ☆ فلفل احمر۔ **ق** ☆ قرطم۔ **ک** ☆ کالی زیری، کباب چینی، کتائی خوردہ، کچور، کگرونده، کوٹ۔ **گ** ☆ گندھک، گوشت بیر، چڑیا، تیتر۔ **ل** ☆ لونگ، لوکری۔ **م** ☆ مرچ سرخ، مصطگی رومی، میتھی، ماہودانہ، مارجرین۔

۹

تحقیقات خواص المفردات

فہرست عنوانات

تحقیقات خواص المفردات

آک

نام (اُردو) مدار، آکون، آکھ (عربی) عشر، (فارسی) فوک، زہرناک، (تلیگو) مندرامو، (سنسکرت) مدار، (سندھی) آک، (بنگالی) آکنڈہ، (گجراتی) آکڈو، (انگریزی) SWALLOW WORT، کیلوٹراپس (CALOTROPIS)۔

تعارف : ایک مشہور عام پودا ہے۔ قدعموماً ایک سے دوگز تک ہوتا ہے۔ پتے چوڑے اور موٹے برگد کے پتوں کی مانند ہوتے ہیں۔ ہر پتے کے دو حصے ہوتے ہیں۔ درمیان سیون سے شریانوں کی طرح نصف حصے کے باہر کی طرف سفیدی مائل لکیریں جاتی ہیں۔ یہی لکیریں پتے کے لئے غذا پہنچاتی ہیں۔ ٹہنی یا پتے کو توڑنے سے بالکل سفید رنگ کا دودھ نکلتا ہے۔ دودھ کچھ دیر پڑا رہے تو جم جاتا ہے۔ بعد میں دہی کی طرح اس میں سے پانی علیحدہ ہوجاتا ہے۔ آک کے ہر حصے کی نسبت ٹہنیوں اور کونپلوں میں دودھ زیادہ نکلتا ہے گچھوں کی مانند پھول ٹہنیوں کے سروں پر نکلتے ہیں۔ ہر پھول پتی دار ہوتا ہے۔ پھول کے درمیان میں لونگ کے سر کی مانند ایک ابھار پیدا ہوتا ہے۔ جسے آک کا لونگ یا قرنفل مدار کہتے ہیں۔

آک کی ٹہنیوں پر اس کا ایک پھل لگتا ہے جو بالکل آم کی شکل کا ہوتا ہے خشک ہونے پر جب پھٹتا ہے تو اس کے اندر سے سنبل کی روئی کی مانند روئی نکلتی ہے۔ اسی میں اس کے تخم ہوتے ہیں جو اننگن کے بیجوں جیسے ہوتے ہیں ان کی رنگت سیاہ ہوتی ہے بعض آک کے پودوں پر ایک قسم کی رطوبت نکلتی ہے جسے صمغ عشر یا سکر العشر کہتے ہیں۔

مزاج : تر گرم، اعصابی غدی۔

مصلح : ہر قسم کی ترش اشیاء۔

مقام پیدائش : دُنیا کے ہر حصہ میں خودرو پیدا ہوتا ہے لیکن زیادہ تر ہندوستان، پاکستان، جزیرہ لنکا، افغانستان، ایران سے لے کر افریقہ تک کے علاقوں میں پیدا ہوتا ہے۔

مقدار خوراک : دودھ نصف قطرہ سے ایک قطرہ تک۔ جڑ 2 سے 5 رتی تک۔ پھول ایک سے 2 رتی تک۔

افعال و اثرات : دودھ لازع، اکال، پتے کا پانی محمر (جلد کو سرخ کرنے والا) ملین۔ مولد رطوبات اور مخرج صفرا و حرارت معرق۔ محلل اور مسکن درد والم ہے۔

خواص و فوائد : دودھ اکال اور مقرح ہونے کی وجہ سے داد، خارش، گنج اور بواسیری مسوں پر لگانے سے شفا دیتا ہے۔ درد دانت کو تسکین دیتا ہے۔ پیٹ کے کیڑوں کو مارتا ہے۔ خصوصاً کدو کیڑوں کو، پتوں کا پانی ایک حصہ تیل سرسوں یا میٹھا تیل تین حصے میں جلا کر وجع

المفاصل درد کمر اور ہر قسم کے صفراوی دردوں کے لئے نافع ہے۔ حتیٰ کہ درد جگر کے لئے بھی اعلیٰ درجہ کی دوا ہے۔ مقام درد پر روئی تر کر کے رکھنی چاہئے۔ آک کے خصوصی خواص میں تین اثرات کو خصوصی اہمیت حاصل ہے: (۱) محلل (۲) دافع درد (۳) مولد رطوبات۔

محلل اثر کی صورت میں ہر قسم کے اورام، خصوصاً غدی اورام میں اکسیر کا کام کرتا ہے۔ اس کے علاوہ جسم کی سختی کو دور کرتا ہے اور ہر قسم کی گرہیں کھولتا ہے۔ اگر جگر، گردے اور دیگر غدد سکڑ گئے ہوں تو ان کے لئے بے حد مفید ہے جسم میں کسی قسم کی رکاوٹ ہو تو اس کو تحلیل کر کے دور کر دیتا ہے۔ مثلاً یرقان میں جگر کی رکاوٹ اور پتہ کی پتھری۔ اسی طرح پتھری اور نفخ کلیہ میں گردوں میں رکاوٹ کو فوراً تحلیل طاقت سے دور کرنا شروع کر دیتا ہے۔ اسی طرح امعاء میں خشکی اور سوزش کو دور کرنے میں لاثانی ہے اس کے استعمال سے فوراً ہر قسم کی پیچش میں پہلے ہی روز افاقہ ہو جاتا ہے۔ جس قدر بھی جریان خون ہو پہلے ہی روز رُک جاتا ہے۔ غرض یہ کہ اپنے اندر زبردست محلل اثر رکھتا ہے درد کو رفع کرنے میں اس کے اندر اعجاز ہے۔ اس کے عمل کرنے کا طریقہ تخدیر نہیں ہے بلکہ تسکین ہے۔ جاننا چاہئے کہ تخدیر اور تسکین کے ظاہر اثرات تو ہر شخص جانتا ہے۔ لیکن جسم انسان میں تخدیر اور تسکین کیسے پیدا ہوتی ہے اس سے شاید دس ہزار میں سے ایک اہل فن اور حکیم بمشکل واقف ہو۔ ان شاء اللہ تعالیٰ ہم بہت جلد اس پر روشنی ڈالیں گے۔

جیسا کہ اوپر لکھا جا چکا ہے، جب کبھی بھی آک کے تیل کی جسم پر مالش کی جاتی ہے یا آک کے دودھ میں روئی کا پھایہ تر کر کے کرم خوردہ دانت میں رکھا جائے تو فوراً درد میں کمی شروع ہو جاتی ہے۔ جب اس سے درد ایک دفعہ رُک جاتا ہے تو پھر دوبارہ نہیں ہوتا۔ اسی طرح جب اندرونی دردوں، معدہ و امعاء کا درد، پتہ، کلیہ کی پتھری کا درد، پیچش کا درد، نقرس، درد شقیقہ وغیرہ میں اس کا استعمال بعض اوقات تریاق ثابت ہوتا ہے۔ بھڑ اور سانپ کے کاٹے ہوئے مقام پر لگانے سے درد کم ہونے کے ساتھ ساتھ زہر کو بھی ختم کر دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سانپ کے کاٹے ہوئے شخص کو اندرونی اور بیرونی طور پر زہریلے اثرات کو دور کرنے کے لئے استعمال کرایا جاتا ہے۔ بلکہ کہا جاتا ہے کہ جونہی کسی کو سانپ کاٹے وہ ڈسے ہوئے مقام پر آک کا دودھ لگائے اور اس کی کونپلوں کو کھانا شروع کر دے، جب جی متلانے لگے یا قے آنے لگے تو کھانا بند کر دے۔ جونہی آک کا اثر ظاہر ہوگا، سانپ کے زہر کا اثر ختم ہو چکا ہوگا۔

آک رطوبت کے لئے ایک مایہ ناز دوا ہے۔ جب بھی اس کو اندرونی یا بیرونی طور پر استعمال کیا جاتا ہے فوراً رطوبات کا ترشح شروع ہو جاتا ہے۔ منہ میں تھوک کی پیدائش بڑھ جاتی ہے۔ معدہ میں اعصابی نظام تیز ہو کر رطوبات معدہ بڑھنا شروع ہو جاتی ہے۔ حتیٰ کہ بعض وقت طبیعت اس کو قے کے ذریعے خارج کرتی ہے۔ اسی طرح امعاء میں رطوبات کی زیادتی سے اسہال شروع ہو جاتے ہیں چونکہ جسم کے ہر حصہ میں رطوبات بڑھنا شروع ہو جاتے ہیں۔ اس لئے تحجر مفاصل جن میں رطوبات خشک ہو چکی ہوتی ہیں اس کے استعمال سے بہت جلد شفا حاصل ہو جاتی ہے۔ اسی طرح ہاتھ پاؤں کا پھٹنا، بھگندر اور پرانے زخم تک مندمل ہو جاتے ہیں۔

آک مولد رطوبات ہونے کی وجہ سے خشک دمہ اور خشک کھانسی کے لئے خصوصیت سے مفید ہے۔ خشک دمہ میں رطوبت کی کمی کی وجہ سے پھیپھڑوں میں سوزش پیدا ہو جاتی ہے۔ اس کے استعمال سے فوراً بلغم اور رطوبات کا ترشح شروع ہو جاتا ہے۔ جس سے فائدہ ہونا یقینی ہے۔

آک میں ایک زبردست اسرار: آک کا سب سے بڑا اسرار یہ ہے کہ یہ دوا دائمی قبض کے لئے نہایت اکسیر اور شرطیہ ہے۔ اس کی اس خوبی اور کمال میں کوئی دوا اس کے مقابلے میں نہیں رکھی جا سکتی۔ کیونکہ ایک طرف تو اس سے قبض رفع ہوتی ہے تو دوسری طرف اس میں یہ وصف ہے کہ اس سے پیچش پیدا نہیں ہوتی۔ اس کی اس صفت کی وجہ سے یہ دوا بواسیر کے لئے تریاق کا حکم رکھتی ہے۔ اکثر قابل اطباء

اور اہل فن اس کو بواسیر کے لئے تریاق کا مقام دیتے ہیں۔ اکثر قابل اطباء اور اہل فن اس کو بواسیر اور تپ دق جیسی ہٹیلی امراض میں استعمال کر کے فائدہ اٹھاتے ہیں اور سینکڑوں روپے ماہوار پیدا کرتے ہیں۔ بعض اہل فن نے اس کے مختلف نام رکھ لئے ہیں جو اس کی کسی نہ کسی صفت کا اظہار کرتے ہیں۔ جس قدر بھی عوام کو اس دوا سے روشناس کرایا جائے اسی قدر ہمارے ملک سے ٹی بی، دمہ، بواسیر اور پائی پیچش جیسے عسر العلاج امراض ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائیں۔

افعال بالاعضاء : آک کو اندرونی طور پر استعمال کریں یا بیرونی طور پر اس کے استعمال سے دماغ و اعصاب میں تحریک پیدا ہوتی ہے جوں جوں اس کا اثر بڑھتا ہے، تحریک شدید ہوتی جاتی ہے۔ اعصاب پر اس کا محرک اثر اس لئے ہے کہ یہ ایک شدید کھار ہے اور تمام کھاریں یہی اثر رکھتی ہیں۔

جب اس کا محرک اثر ہوتا ہے تو دوران خون اعصاب کی طرف بڑھ جاتا ہے۔ اثرات کی تیزی کے ساتھ جسم پر سرخی بڑھ جاتی ہے اس کا دوسرا ثبوت یہ ہے کہ وہ جگہ گرم ہونا شروع ہو جاتی ہے اور پھر خون کے اجتماع کی صورت پیدا ہو جاتی ہے حتیٰ کہ اس مقام پر پھنسیاں اور بالآخر وہاں پر ورم کی صورت پیدا ہو جاتی ہے۔ لیکن اس کے برعکس گوشت کی مچھلیوں یعنی عضلات کے غلاؤں اور ساختوں میں رطوبات لمف کا ترشح شروع ہو جاتا ہے۔ پھر رفتہ رفتہ ان میں رطوبات کی اس قدر زیادتی شروع ہو جاتی ہے کہ وہ پھولنا شروع ہو جاتے ہیں۔ جس کے نتیجہ میں وہاں سکون کی حالت اور برودت پیدا ہو جاتی ہے۔ دل کی رفتار سست اور جسم کی حرارت کم ہونا شروع ہو جاتی ہے۔ البتہ جگر و غدد میں دورانِ خون کی اس قدر تیزی شروع ہو جاتی ہے کہ وہاں پر گرمی کی شدت سے تحلیل شروع ہو جاتی ہے اور وہ پھیل کر بڑھ جاتے ہیں حتیٰ کہ جسم کے تمام نالی دار غدد طاقتور ہو کر مخرج سے رطوبات کا اخراج شروع کر دیتے ہیں۔ مثلاً نزلہ، تھوک، زکام، ریشہ، بلغم، قارورہ اور سیلان وغیرہ۔ البتہ جسم کے کسی حصہ سے خون آتا ہو تو وہ فوراً رک جاتا ہے۔

انہی افعال و اثرات کے تحت ہم نے آک سے سل و دق کا تریاق تیار کیا ہے اور دعویٰ کے ساتھ پیش کیا ہے کہ اگر اس نسخہ سے کسی تپ دق کے مریض کو حسب ہدایت استعمال کرنے سے آرام نہ آئے تو ہم سو روپیہ فی مریض پیش کریں گے۔

تریاق تپ دق

ھو الشافی : شیر عشر ایک حصہ، ہلدی خالص پندرہ حصے۔

ترکیب تیاری : ہلدی کو مثل میدہ باریک کر کے آک کا دودھ شامل کر دیں۔ نصف گھنٹہ رگڑائی کریں۔ بس دوا تیار ہے۔

مقدار خوراک : ایک رتی سے آٹھ رتی تک حسب ضرورت دن میں چار بار۔ قبض کی صورت میں آہستہ آہستہ دوا کی مقدار آٹھ رتی تک کر سکتے ہیں پیچش ہو تو ایک دو رتی تک کافی ہے۔ دوا ہمیشہ نیم گرم پانی سے استعمال کریں۔

یادداشت : آک کے تمام اجزاء خصوصاً دودھ انتہائی سوزش ناک ہے۔ اسی وجہ سے اطباء اور اہل فن نے اس میں تیزابی کیفیت اور گرمی کو تسلیم کیا ہے۔ مگر اس میں نہ گرمی ہے اور نہ اس کی سوزش ناکی میں تیزابیت پائی جاتی ہے اور نہ ہی اس کے استعمال سے جسم میں صفرا پیدا ہوتا ہے۔ بلکہ اس کی سوزش ناکی اپنے اندر کھاری اثرات رکھتی ہے، جو قاطع تیزابیت اور دافع صفراء ہے۔ اس کے متعلق تیزابیت کا خیال کرنا بہت بڑی غلطی ہے۔

جاننا چاہئے کہ تیزابیت کی سوزش ناکی جسم میں انقباض اور ورم پیدا کر کے سخت اور گرہیں باندھ دیتی ہے۔ مگر کھاری پن کی سوزش

جسم میں انبساط اور تحلیل کر کے جسم کے اندر جہاں بھی کہیں گرہ پڑ گئی ہو اس کو دور کر دیتی ہے۔ جسم نرم ہو جاتا ہے۔ ہر قسم کی سختی دور ہو جاتی ہے۔ اس کا یہ اثر زندہ اجسام اور نباتات بلکہ جمادات پر بھی ہوتا ہے۔ اس کی سختی نرمی میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آک چاہے کتنی سخت قسم کی زمین میں پیدا ہو، کچھ عرصہ بعد اس کے نیچے والی زمین نرم اور شوریلی سی ہو جاتی ہے۔

بعض اطباء نے اس کی سوزش ناکی کو دیکھتے ہوئے اس کا مزاج گرم خشک تسلیم کیا ہے لیکن یہ بات نہیں ہے۔ بلکہ اس میں کھاری اور الکلی کے اثرات ہیں جو مخرج صفراء وحرارت کو جسم میں بڑھایا کرتی ہیں نہ کہ خارج کرتی ہیں۔ اس لئے آک مخرج صفراء وحرارت ہونے کی وجہ سے تر گرم اعصابی غدی ہے۔

یادداشت : آک مخرش، محمر اور اماس ہونے کے باوجود زہر نہیں ہے۔ کیونکہ اس کے استعمال سے موت واقع نہیں ہوتی نہ ہی اسے قتل کرنے کے لئے کھلایا جاتا ہے۔ چونکہ اس کے استعمال سے قے اور دست شروع ہو جاتے ہیں، اس لئے اگر کوئی غلطی سے زیادہ استعمال کر بھی لے تو کوئی ترش پھل کھلا دو فوراً اس کا اثر زائل ہو جائے گا اور سوزش دور ہونا شروع ہو جائے گی۔

انجیر

تعارف : ایک مشہور پھل ہے جس کو عربی میں تین اور انگریزی میں فگ کہتے ہیں۔ شکل وصورت میں گولر سے مشابہت رکھتا ہے علم الادویہ میں کئی اقسام بیان کی گئی ہیں۔ بعض (جمیز) کو بھی انجیر ہی کی قسم کہتے ہیں۔ لیکن زیادہ تر اس کی دو قسمیں مشہور ہیں۔ ایک انجیر باغی اور دوسری انجیر دشتی۔ باغی انجیر کو غذا کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ اور جنگلی انجیر جس کو پگوڑی بھی کہتے ہیں دوا کے طور پر استعمال ہوتی ہے جس میں اس کا دودھ زیادہ مستعمل ہے۔ لیکن انجیر دشتی بھی غذا کے طور پر استعمال کی جاتی ہے۔ انجیر کے درخت کی بلندی چھ فٹ سے 9 فٹ تک ہوتی ہے۔ انجیر دشتی کو ہندی میں کٹومری کہتے ہیں۔

مقام پیدائش : برصغیر پاک وہند کے علاوہ عرب، ایران اور افریقہ میں اس کی پیدائش ہوتی ہے۔ کابل میں خصوصی طور پر اس کی باقاعدہ کاشت ہوتی ہے۔ یہ کھانے میں شیریں لیکن اس میں قدرے ہیک ہوتی ہے۔ اس کی ایک چھوٹی قسم ہے جو شام میں پائی جاتی ہے، اس کا پھل فندق کے برابر ہوتا ہے، اس کا چھلکا باریک اور ذائقہ شیریں ہوتا ہے۔

رنگ و ذائقہ : سرخ زردی مائل، جنگلی سیاہی مائل، ذائقہ شیریں جس میں ایک خاص قسم کی تیزی اور ہیک پائی جاتی ہے مگر لذیذ ہوتی ہے۔ بطور پھل مستعمل ہے اور غذائے دوائی ہے۔

مزاج : گرم درجہ اوّل ہے اور خشک درجہ دوم میں ہے۔ بعض نے اس کو گرم تر لکھا۔ جس میں حکیم محمد کبیر الدین دہلوی بھی شریک ہیں۔ حیرت ہے کہ جو شئی مولد ریاح، مغلظ بلغم اور معتدل سودا ہو جس کے ساتھ ارضی مادہ کو کثرت ہو وہ تر کیسے ہوسکتی ہے بلکہ اس میں مائیت کی زیادتی تسلیم کی جاتی ہے۔

افعال و اثرات : عضلاتی غدی ملین یعنی محرک عضلات، محلل اعصاب اور مسکن غدد ہے۔ کیمیاوی طور پر مولد ریاح وخون، مغلظ بلغم اور معدل سودا ہے۔ اس میں ارضی مادہ (کلس) کی کثرت ہے۔

خواص : مولد ریاح وخون، محرک عضلات، ملین، منضج ومنفث بلغم اور معدل معدہ، انجیر دشتی اپنے افعال میں شدید ہوتی ہے۔ یہ مسہل قوی، جالی اور اکال ہے۔

فوائد : غذائے دوائی ہونے کی وجہ سے اس میں غذائی اجزاء زیادہ ہیں۔ چونکہ محرک عضلاتی غدی (خشک گرم) ہے اس لئے معدہ وامعاء میں تحریک دے کر ملین اور مسہل کا باعث ہوتی ہے۔ دِل و پھیپھڑوں میں تیزی پیدا کر کے دماغ اعصاب پر مقوی اثر کرتی ہے۔ جگر و گردوں اور غدد کی طرف رطوبات کو بھیج کر وہاں پر تسکین وتلیین کا باعث بنتی ہے۔ چونکہ اپنے ارضی مادہ (کلس) کی زیادتی کی وجہ سے مولد ریاح وخون ہے۔ اس لئے بلغم کو خشک کرتی ہے۔ اور سودا میں حرارت پیدا کر کے اس کو خون میں تبدیل کر دیتی ہے۔ گویا سفید ذرّات خون کو سرخ ذرّات خون میں تبدیل کر دیتی ہے۔

کثیر ارضی غذا کی وجہ سے جاذب رطوبات ہے اور محرک عضلات ہونے کی وجہ سے سریع الہضم مولد ریاح ہونے کی وجہ سے خشکی کی طرف مائل ہے تمام پھلوں سے زیادہ غذائیت بخش پھل ہے۔ البتہ کھجور کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ پختہ اور شیریں انجیر بے ضرر ہوتی ہے۔ جس قدر اس میں گودا زیادہ ہوتا ہے اسی قدر موٹا اور سرخ کر دیتا ہے۔ مولد ومحرک خون ہونے کی وجہ سے پسینہ لاتا ہے اور رنگت کو نکھارتا ہے۔

بلغم کو تحلیل واخراج کر کے بلغمی کھانسی میں بے حد مفید ہے بلکہ بلغمی دمہ کو دور کرتا ہے۔ جگر وگردوں اور غدد میں اپنی تسکین سے وہاں کی خشکی اور سوزش کو دور کر کے وہاں کے سدے کھولتا ہے۔ وہاں پاور ادرار پیدا کرتا ہے۔ لیکن پیشاب کی کثرت کو روکتا ہے۔ عضلات میں تیزی کی وجہ سے مقوی طحال ہے جو بلغم کو جذب کر کے خون میں تبدیل کر دیتی ہے۔ اسی وجہ سے دافع بخار اور بلغم ہے اور جن بخاروں میں مواد اندر رہ جاتا ہے جیسے چیچک، خسرہ اور محرقہ، ان کے مواد کو جلد کی طرف خارج کر دیتی ہے اور دِل کی قوت کو پوری طرح قائم رکھتی ہے۔

بیرونی طور پر انجیر کا دودھ لگانا داد اور چنبل کے لئے بے حد مفید ہے۔ اس کے پتوں کا رس جسم پر لگانے سے جسم کے داغ دھبے اور چھائیاں دور ہو جاتی ہیں۔ اس کا لیپ پھوڑے پھنسی کو پکا کر پھاڑ دیتا ہے۔ اس کی لکڑی کی راکھ ہر قسم کے زخم کو بھر دیتی ہے۔ خصوصاً دیوانے کتے کے کاٹے زخم کو بھر دیتی ہے۔ دشتی انجیر کا دودھ گنج کے لئے مفید ہے۔

انجیر کا ذکر قرآن میں بھی آیا ہے بلکہ ایک سورت کا نام تین ہے۔ جس کی ابتداء ہی تین سے ہوتی ہے: ﴿ وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ ○ وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ ○ وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ ﴾ ان چاروں کی قسم کھا کر کہا گیا ہے کہ ﴿ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ ﴾ انسان کی پیدائش انتہائی عمدہ بناوٹ سے کی گئی ہے، گویا انسان کی تکمیل میں ان صورتوں ومقامات اور محال کا حصہ ہے جس کی تفصیل وتفسیر بے حد طویل ہے۔ اس لئے نظر انداز کر دی گئی ہے۔ البتہ جو اثرات ومزاج تین (انجیر) کے ہیں اس کے بالکل برعکس زیتون کے ہیں۔ یعنی اگر انجیر کے استعمال سے اندرونی اور بیرونی طور پر کوئی نقصان پیدا ہو جائے تو وہ زیتون کے استعمال سے رفع ہو جاتا ہے۔ تجربہ شاہد ہے۔

ابریشم

تعارف : ابریشم ایک کیڑے کا گھر ہے جو شہتوت کے درخت پر پرورش پاتا ہے۔ وہ اس گھر کو اپنے لعاب سے بناتا ہے۔ اس گھر کو کویہ کہتے ہیں۔ اس کے اوپر باریک تار لپٹا ہوتا ہے۔ یہی ریشم ہے اور اسی سے ریشم کا کپڑا بنتا ہے۔ یہی کویہ دوا کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ جب اس کو قینچی سے کترتے ہیں تو ابریشم مقرض کہلاتا ہے۔

رنگ و ذائقہ : زرد سفیدی مائل اور مزہ پھیکا۔

افعال و اثرات : اعصابی غدی یعنی اعصاب میں تحریک، غدد میں تحلیل اور عضلات میں تسکین دیتا ہے۔ اپنے کیمیاوی اثرات سے خون میں رطوبت اور حرارت کو بڑھا دیتا ہے۔

مزاج : گرم تر پہلے درجے میں اکثر کتب میں گرم خشک پہلے درجے میں لکھا ہے۔ جو شے دافع صفراء اور مفرح ہو وہ گرم خشک نہیں ہو سکتی۔

خواص : محرک دماغ و اعصاب، دافع سوزش جگر و کلیہ اور امعاء مفرح قلب، مخرج صفراء اور بول، مقوی ارواح ہے۔

فوائد : ضعف دماغ و اعصاب میں مفید ہے۔ جگر و گردوں کو صاف کرتی ہے سینہ اور امعاء کی سوزش کو دور کر کے پیچش اور کھانسی کو دور کرتا ہے۔ نزلہ کی جلن کو دور کرتا ہے۔ دِل کی گرمی کو دور کرتا ہے۔ دِل میں مسرت و انبساط پیدا کرتا ہے، روح کی بے چینی میں تسکین پیدا کرتا ہے، بلغم کو لطیف کرتا ہے، ریشم کا کپڑا پہننے سے خارش دور ہوتی ہے اور جوئیں پیدا نہیں ہوتیں۔ جلا ہوا ریشم خون بند کرتا ہے، زخم بھرتا ہے، بطور سرمہ آنکھ کی خارش دور کرتا ہے۔

ابرک

تعارف : عربی میں طلق، ہندی میں بھوڈل۔ ایک چمکدار معدنی شے ہے جو ورق کی صورت میں پائی جاتی ہے۔ آسانی سے ٹوٹ کر چمکدار ذروں میں بکھر جاتی ہے۔

رنگ و ذائقہ : دو قسم کا ہوتا ہے۔ سفید اور سیاہی مائل دونوں کا ذائقہ بے مزہ ہوتا ہے۔

مزاج : خشک سرد دوسرے درجے میں اکثر کتب میں سرد خشک لکھا ہے چونکہ خشکی غالب ہے اس لئے خشک سرد ہے۔

افعال و اثرات : عضلاتی اعصابی یعنی عضلات میں تحریک، اعصاب میں تحلیل اور غدد میں تسکین اپنے کیمیاوی اثرات کی وجہ سے خون کی رطوبات کو خشک کر دیتا ہے اور اس میں برودت کا اثر بڑھ جاتا ہے۔ ابرک سیاہ میں سفید کی نسبت قوت زیادہ ہے۔

خواص : مقوی قلب بارد، دافع سوزش اعصاب و دماغ، مسکن جگر اور مقوی کلیہ، دافع صفراء، دافع حرارت، حابس، قابض اور ممسک ہے۔

فوائد : ضعف قلب اور عضلات کے لئے مفید ہے۔ دماغ اور اعصاب کی سوزش اور جلن کو دور کرتا ہے۔ جگر کی گرمی کو دور کر کے اس کو تسکین دیتا ہے، معدہ کو طاقت دے کر بھوک کو بڑھاتا ہے اور طاقت دیتا ہے۔ امعاء میں تقویت دے کر اسہال کو روکتا ہے۔ مثانہ کی سوزش کو دور کر کے منی کے اخراج کو روک کر امساک پیدا کرتا ہے۔ ذیابیطس میں مفید ہے۔ نزلہ و زکام اور کھانسی و دمہ بلغمی ہوں ان میں مفید ہے۔ سیلان خون جسم میں کسی جگہ سے ہو، روکتا ہے۔ سیلان رطوبات کو روکتا ہے۔ اندرونی و بیرونی زخموں کو بھرتا ہے۔ چونکہ دافع حرارت و حابس ہے۔ اس لئے ہر قسم کے بخاروں یہاں تک کہ سل و دق میں بھی مفید ہے۔ بلغمی سرسام میں مفید ہے۔ اس کے مسلسل استعمال سے جذام، آتشک اور برص میں فائدہ ہوتا ہے۔ مثانہ اور گردوں کو صاف کرتا ہے۔

استعمال : ابرک ہمیشہ کشتہ کی صورت میں استعمال ہوتا ہے۔ البتہ بیرونی طور پر اس کو بغیر کشتہ استعمال کر سکتے ہیں۔ چونکہ اس میں کیمیاوی طور پر سنکھیا اور پارہ دونوں کے اجزاء کو تسلیم کیا گیا ہے۔ اس لئے اس کو اکسیر میں شمار کیا جاتا ہے۔ بلغمی بخاروں میں تریاق تسلیم کیا گیا ہے۔ جریان اور سرعت انزال کے لئے انتہائی مفید مانا گیا ہے۔

کشتہ ابرک : ابرک کو کشتہ کرنے میں اس امر کو مدنظر رکھنا پڑتا ہے کہ اس میں سے سنکھیا اور پارہ کے اجزاء ضائع نہ ہو جائیں۔ چونکہ

دونوں ارواح میں شامل ہیں اس لئے حرارت دینے پر ضائع ہو جاتے ہیں۔

اس کا بہترین کشتہ آب گھیکوار میں تیار ہوتا ہے۔ایک چھٹانک ابرک کو پانچ چھٹانک آب گھیکوار میں کھرل کر کے قرص بنالیں اور خشک کر کے گلی کوزہ میں بند کر کے آٹھ دس سیر لکڑیوں کی آگ دے دیں۔بہترین کشتہ تیار ہوتا ہے۔

مقدار خوراک : ایک رتی سے چار رتی تک تازہ یا نیم گرم پانی سے استعمال کرائیں۔غذا بھی اسی کے مطابق دیں۔

ابہل

تعارف : ابہل کو عربی میں حب العرعر، فارسی میں تخم ربل اور ہندی میں ہو بیر کہتے ہیں۔ یہ سرد کوہی کی قسم کا ایک بڑا درخت ہوتا ہے، جو خاردار ہوتا ہے۔اس درخت کا پھل مثل فالسہ یا جنگلی بیر کے برابر ہوتا ہے۔اس کی دو اقسام ہیں۔ایک قسم مثل سرو بلند اور اس کے پتے بھی مثل سرو کے ہوتے ہیں۔دوسری قسم کا درخت قد میں چھوٹا ہوتا ہے اور اس کے پتے مثل جھاؤ کے ہوتے ہیں۔پھل کے اندر متعدد تخم پوشیدہ ہوتے ہیں۔دوا میں پھل استعمال ہوتا ہے۔

رنگ اور ذائقہ : اس کا رنگ ابتدا میں سرخی مائل سیاہ ہوتا ہے اور پختہ ہو جانے کے بعد اس کا رنگ بالکل سیاہ ہو جاتا ہے۔ذائقہ تلخ ہوتا ہے۔

مزاج : خشک گرم دوسرے درجہ میں کتب طبیہ میں گرم خشک لکھا ہے۔جس شے میں ریاحی اجزاء اور خشکی غالب ہو وہ خشک گرم ہوتی ہے۔

افعال و اثرات : عضلاتی غدی، یعنی محرک عضلات، محلل اعصاب اور مسکن غدد ہے۔کیمیاوی اثرات کی وجہ سے خون کے اندر خشکی کے ساتھ حرارت پیدا کرتا ہے۔

خواص : محرک قلب حار، دافع اورام دماغ و اعصاب، مقوی جگر و کلیہ اور معدہ و امعاء ہے۔قوی محلل، مجفف، جالی، مفتح، قابض، کاسر ریاح، کثرت بول، مدر حیض اور دافع بلغم ہے۔

فوائد : قلب کی برودت کو دور کرتا ہے۔اس کے فعل میں تیزی پیدا کرتا ہے۔محلل ہونے کی وجہ سے دماغ و اعصاب کے اورام کو دور کرتا ہے۔اس لئے فالج اور استرخائے عضلات میں مفید ہے۔تنگی نفس کو دور کرتا ہے۔مفتح ہونے کی وجہ سے دافع ریاح ہے۔ضعف معدہ و امعاء اور جگر و کلیہ میں مفید ہے۔

چونکہ یہ رحم کے عضلات میں تحریک پیدا کرتا ہے اس لئے مدر حیض ہے۔لیکن اس کے مسلسل استعمال سے حمل ضائع ہو جاتا ہے اور پیشاب میں خون آنے لگتا ہے۔

چونکہ اس کا استعمال بلغم اور جسم کی دوسری رطوبات کو روک دیتا ہے، اس لئے یہ جسم کے اندر تیزی پیدا کر کے کرم ہائے شکم کو مارتا ہے اور خارج کر دیتا ہے۔

اس کو بیرونی طور پر بھی استعمال کیا جاتا ہے۔اس کا ضماد یا اس کا روغن طلاء بھی اپنے اندر محلل اثرات رکھتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ یہ جالی ہونے کے باعث جلد کی سیاہی اور داغ دھبوں کو دور کر دیتا ہے۔اس کا روغن اپنے اثرات کے لحاظ سے بیس گنا طاقتور ہوتا ہے۔

سجی

تعارف: عربی زبان میں قلی، فارسی میں اشخار اور انگریزی میں برلا یا کروڈ کاربونیٹ آف پوٹاس کہتے ہیں۔ ایک تیز قسم کی کھار ہے جو بعض بوٹیوں کو جلا کر بنائی جاتی ہے۔ یہ دو قسم کی ہوتی ہے: (۱) لوٹا سجی (۲) سجی کھار۔

عام طور پر اوّل قسم ادویہ میں اور دوسری قسم صنعت میں استعمال ہوتی ہے۔

رنگ و ذائقہ: اعصابی غدی شدید۔ یعنی اعصاب میں شدید تحریک، غدد میں تحلیل اور عضلات میں تسکین۔ کیمیاوی طور پر خون میں شدید کھاری پن پیدا کر دیتا ہے، جس سے جسم میں رطوبات بڑھ جاتی ہیں۔

مزاج: اطباء نے اس کو چوتھے درجے میں گرم اور چوتھے درجے میں خشک لکھا ہے۔ حیرت کا مقام یہ ہے کہ یہ کھار شدید قسم کی اعصابی محرک ہے، جس سے جسم میں رطوبات اور بلغم کی پیدائش بڑھ جاتی ہے۔ اور صفراء بننا بند ہو جاتا ہے۔ حرارت اور صفراء کے مسلسل اخراج سے موت بھی واقع ہو سکتی ہے۔ اگر اس کے جالی اور اکال ہونے کی وجہ سے اس کو گرم خشک کہا گیا ہے تو صحیح نہیں ہے۔ اکال اور جالی تو تیزاب بھی ہیں لیکن وہ سب گرم خشک نہیں ہیں۔ اس کے استعمال سے جگر اور غدد میں تحلیل کے ساتھ ضعف پیدا ہو جاتا ہے اور دل کے فعل میں سستی اور حجم میں اضافہ ہو جاتا ہے۔

خواص: دماغ و اعصاب کے لئے محرک شدید، بلکہ شدید جالی اور اکال۔ مولد بلغم و رطوبات، دافع سوزش جگر اور غدد۔ قاطع اور مخرج صفراء، قلب اور عضلات میں سکون پیدا کر کے جسم میں ضعف پیدا کرتا ہے زیادہ مقدار میں جسم سن ہو جاتا ہے۔ شدید مدر بول، مولد لعاب دہن، دافع حرارت جسم دافع ورم جگر اور طحال اور تہیج بدن وغیرہ۔

فوائد: چونکہ اعصاب و دماغ کے لئے محرک ہے اس لئے جب ان میں سکون اور بلغم کا غلبہ ہو تو ان میں تیزی پیدا ہو کر بلغم اور رطوبات کا اخراج کرتی ہے۔ جگر و غدد میں تحلیل کرنے سے جگر و طحال اور گردوں و غدد کی سوزش اور اورام میں یقینی دوا ہے قلب و عضلات میں خشکی ہو۔ قلب سکڑ گیا ہو یا جسم دُبلا ہو گیا ہو تو یہ ایک کامیاب دوا ہے۔ جسم میں تیزابیت بڑھ گئی ہو یا خون میں دباؤ بڑھ گیا ہو یا جسم میں تناؤ پیدا ہو گیا ہو تو یہ دوا فوری طور پر اپنا اثر دکھاتی ہے، انہی اثرات کی وجہ سے سوزاک، بندش بول اور جگر و گردوں کی پتھری کے لئے بے حد مفید ہے۔ اسی حیثیت سے ہاضم اور مقوی معدہ ہے۔ بندش نزلہ و زکام، خشک کھانسی و دمہ اور ذات الجنب کے لئے مفید ہے۔ زیادہ مقدار میں مدر کے ساتھ مسہل بھی ہے اور نقرس کے لئے بے حد مفید ہے۔

کھار کو زیادہ مقدار میں کھانے سے منہ اور حلق میں جلن اور گرمی محسوس ہوتی ہے۔ حلق کی جھلی متورم ہو کر سرخ ہو جاتی ہے اس کے ساتھ ہی معدہ اور امعاء میں درد شروع ہو کر قے اور اسہال شروع ہو جاتے ہیں۔ بالکل ہیضہ والی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔

بیرونی طور پر مسوں کو گرانے کے لئے طلاء کرتے ہیں برص و بہق اور خارش اور گنج پر لگاتے ہیں، بلکہ بعض گندے اور زہریلے زخموں پر لیپ کر کے ان کو سہلا دیتے ہیں۔ سرمہ میں ملا کر آنکھ کے اکثر سوزشی امراض کے لئے مفید ہے۔

جوکھار

تعارف: ہندی میں جوکھار بنگالی میں یوکھشار اور انگریزی میں کاربونیٹ آف پوٹاش (تنجیر مصفا) کہتے ہیں جو عام طور پر جو کے پودوں

کوجلا کران کی راکھ سے تیار کرتے ہیں۔اس کا طریق یہ ہے کہ جو کے سبز پودوں کو کاٹ کر سکھا لیتے ہیں۔ پھر جلا کر راکھ کو کسی برتن میں ڈال کر پانی سے بھر کر اچھی طرح مل لیتے ہیں۔ پھر دو دِن تک رہنے دیتے ہیں پھر پانی کو نتھار کر لوہے کی کڑھائی میں ڈال کر خشک کر لیتے ہیں۔ بس یہی جوکھار ہے۔

مقدار خوراک: دورتی سے ایک ماشہ تک اس کے افعال واثرات اور خواص بالکل وہی ہیں جو بجی کھار کے ہیں۔البتہ اس کے اندر تیزی کم ہوتی ہے۔

سہاگہ

تعارف: عربی میں زبدالبورق، فارسی میں تنکار، بنگالی میں سوہاگہ اور انگریزی میں بوریکس کہتے ہیں۔ یہ بھی ایک شدید قسم کی کھار ہے۔ جس کا رنگ سفید ہوتا ہے۔اس کی ڈلیاں آسانی سے ٹوٹ جاتی ہیں۔ یہ معدنی اور مصنوعی دو قسم کا ہوتا ہے۔معدنی سہاگہ تبت و نیپال سے آتا ہے اور مصنوعی نمک بجی اور بورہ ارمنی سے تیار کیا جاتا ہے۔معدنی سہاگہ جب تبت و نیپال سے آتا ہے تو چھوٹی چھوٹی چوکور قلموں کی صورت میں ہوتا ہے۔ جسے کچا سہاگہ کہتے ہیں۔ جب یہ پک جاتا ہے تو بڑے بڑے ڈلے بن جاتے ہیں۔

بیان کیا جاتا ہے کہ تبت اور نیپال کی جھیلوں سے یہ حاصل کیا جاتا ہے یہ جھیلیں بہت بڑی بڑی ہیں۔ایسی ایک جھیل کا گھیر بیس (20) میل سے کم نہ ہوگا۔ وہاں پر ایسی جھیلوں کا ایک سلسلہ موجود ہے،ان کی تہہ میں نمکین چشمے اُبلتے ہیں۔جن کے پانی میں نمک کے ساتھ سہاگہ بھی ملا ہوتا ہے جو جھیل کے کنارے جم جاتا ہے جہاں سے مقامی تاجر جمع کر کے خام حالت میں منڈیوں میں لاتے ہیں۔ جہاں اس کو صاف کیا جاتا ہے۔

رنگ و ذائقہ: سہاگہ کی شکل بظاہر سفید نمک یا سفید پھٹکڑی سے ملتی ہے اور ذائقہ پھیکا کھاری ہوتا ہے۔ یہ آگ پر رکھنے سے پھٹکڑی کی طرح پھیل کر کھیل ہو جاتا ہے اور کھلا رکھنے سے ہوا کے اثر سے گھل جاتا ہے۔ معدنی سہاگہ کو آگ پر رکھیں تو اس میں سے پانی نہیں نکلتا۔مگر مصنوعی کو آگ پر رکھیں تو پانی بہتا ہے فرنگی طب میں جو ایسڈ بورک استعمال ہوتا ہے وہ سہاگہ ہی سے تیار ہوتا ہے۔ آنکھ کی سوزش اور ورم کو دور کرنے کے لئے اسی کی ٹکور کرتے ہیں اور اس کو بطور سرمہ بھی استعمال کرتے ہیں۔

مقدار خوراک: دورتی سے ایک ماشہ تک اس کے افعال واثرات اور خواص وفوائد بھی بالکل دیگر کھاروں کی طرح ہیں البتہ اس میں بجی کھار سے زیادہ حرارت پائی جاتی ہے۔مگر تیزی میں اس سے بہت کم ہوتا ہے۔

کھار اور نمک میں فرق: ہر قسم کی کھار اعصابی غدی ہوتی ہے، مگر ہر قسم کا نمک اپنے افعال واثرات میں غدی اعصابی ہوتا ہے۔ لیکن مختلف قسموں کی کھاروں اور نمکوں میں اپنے افعال واثرات بوجہ ان کی کمی بیشی ہوتی ہے۔

ایک سوال کا جواب: تھوڑا عرصہ گزرا ایک نوجوان حکیم اندازاً پچیس تیس سال عمر ہوگی۔ غالباً ضلع لائل پور (فیصل آباد) کا رہنے والا تھا۔ ملنے کے لئے آیا۔ان کے ساتھ ایک اور دوست بھی تھا۔انہوں نے مختلف سوالات کیے جن کے جوابات ان کو دے دیئے گئے۔ ان کے سوالات میں ایک سوال یہ تھا کہ نمک کیسے تیار کرتے ہیں۔ میں نے اس کو معروف طریقہ بیان کر دیا،اس نے فوراً کہا یہ طریقہ تو کھار بنانے کا ہے، مجھے نمک بنانے کا طریقہ درکار ہے۔ مجھے اس کے سوال پر کچھ حیرت ہوئی اور اس کی بات میں سمجھ نہیں سکا۔ میں نے اس کو کہا کہ اس سوال کا جواب پھر کسی وقت لے لینا۔ اس نوجوان سے پھر ملاقات نہیں ہوئی۔اس کا جواب درج ذیل ہے۔

کھار کا معروف طریقہ ہم نے اس کے بیان میں درج کر دیا ہے جب کسی شے کا نمک بنانا ہو تو پہلے اس کی کھار تیار کر لیں۔ پھر جس قسم کا نمک بنانا ہو اس قسم کے تیزاب یا ترشی میں اس کھار کو حل کر کے اس کو آگ پر خشک کر لیں۔ بس نمک تیار ہو جائے گا۔
یاد رکھیں کہ نمک کسی کھار اور ترشی کے مرکب سے تیار ہوتا ہے، مثلاً جب سوڈا کاسٹک کو ہائیڈروکلورک ایسڈ (ترشہ نمک) میں حل کرتے ہیں تو اس سے کھانے کا نمک بن جاتا ہے۔

افتیمون

تعارف: اکاس بیل اور امربیل کہتے ہیں ایک طفیلی بوٹی ہے، جس کی نہ جڑ ہوتی ہے اور نہ پتے ہوتے ہیں اس کی شکل زرد رنگ کے دھاگوں کی سی ہوتی ہے۔ جس کی شاخیں بعض درختوں پر پھیلی ہوتی ہیں۔ اس کے بیجوں کو تخم کشوث کہتے ہیں۔ جس درخت پر ڈال دی جائے چند دنوں میں اس پر بے حد پھیل جاتی ہے۔ اور اس کو رفتہ رفتہ فنا کرنا شروع کر دیتی ہے۔ یہ دو قسم کی ہوتی ہے۔ ایک ہندی اور دوسری ولائتی کہلاتی ہے۔ افتیمون ولائتی اپنی شکل میں ہندی سے زیادہ باریک ہوتی ہے مگر اثر میں اس کی نسبت زیادہ قوی ہوتی ہے اس کے تخم بھی دوا کے طور پر مستعمل ہیں شکل وصورت میں تخم ترب کے مشابہ ہوتے ہیں۔

رنگت اور ذائقہ: رنگت زرد شوخ ذائقہ تلخ اس میں خاص قسم کی بو ہوتی ہے۔ تخم رنگت میں زرد سرخی مائل۔

افعال و اثرات: غدی اعصابی (مسہل) یعنی غدد میں تحریک، عضلات میں تحلیل اور اعصاب میں تسکین۔ کیمیاوی طور پر خون میں صفرا کو بڑھا دیتی ہے اور اس کا اخراج بھی شروع کر دیتی ہے۔ جسم میں حرارت کی پیدائش بڑھ جاتی ہے۔ مزاج گرم تر گرمی تین حصے اور تری ایک حصہ ہوتی ہے۔ کیمیاوی طور پر ایک شدید کھار ہے اس میں گندھک کے آثار پائے جاتے ہیں۔

خاص بات: افتیمون اور اس کے تخموں کو مسہل سودا کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ یاد رکھیں سودا کے لئے وہی شے مفید ہو سکتی ہے جو جسم میں صفراء پیدا کرے۔ ہم اس حقیقت پر روشنی ڈال چکے ہیں۔ سودا کا ارتقائی مقام صفرا ہے۔ سودا کا علاج صفرا پیدا کرنا ہے یعنی عضلاتی تحریک کا علاج غدی تحریک ہے۔

خواص: محرک جگر (غدد) اور غشائے مخاطی۔ مولد صفراء ملین و مسہل سودا۔ محلل ومخرج سودا جالی وقاتل کرم، مدر حیض و منقی رحم، ملطف اور کاسر ریاح، مسکن اعصاب ہے۔

فوائد: دماغی امراض اکثر سودا کے بگڑ جانے سے ہوتی ہیں۔ یعنی کبھی سودا میں زیادہ گاڑھا پن پیدا ہو جاتا ہے۔ اور کبھی متعفن ہو کر جل جاتا ہے۔ اس لئے سودا کی اصلاح وہی دوا کر سکتی ہے، جو بالخاصہ صفراء کو پیدا کر کے اس کا اخراج بھی کرے۔ اس مقصد کے لئے جو ادویہ پائی جاتی ہیں ان میں افتیمون ایک خاص دوا تسلیم کی گئی ہے۔ یہ صفراء کی پیدائش کے ساتھ ساتھ مسہل بھی ہے۔ جسم میں صفراء اور حرارت کی پیدائش کو بڑھانے کے لئے جگر وغدد اور غشائے مخاطی کو محرک شدید کی ضرورت رہتی ہے۔ جو یہ دوا بہت خوبی سے انجام دیتی ہے۔ پھر ساتھ ساتھ، اعصاب اور دردوں میں تسکین دیتی ہے۔ عضلات کی تیزی کو فوراً ختم کر دیتی ہے۔ جس سے درد، دائمی نزلہ، درد گلو، درد دانت وغیرہ عضلاتی فالج ولقوہ اور تشنج ونقرس کے لئے بہت مفید ہے۔ عضلاتی دانے پھوڑے اور سوزش و اورام کے لئے ایک یقینی دوا دماغی خصوصاً سوداوی امراض کی ضروری دوا ہے۔ اسی وجہ سے معدہ وجگر اور طحال و یرقان کے لئے اچھی دوا ہے۔ اس کے علاوہ مرگی و مالیخولیا اور خون میں سیاہی پیدا ہو جائے تو یہ ایک مفید دوا ہے۔

بیرونی طور پر پھوڑے پھنسیوں اور دردوں پر باریک کر کے آگ پر پکا کر استعمال کرنا بے حد مفید ہے۔ اسی طرح اس کا بھپارہ بھی مفید ہے۔ تلوں کے تیل میں جلا کر لگانے سے بھی بہت اچھا اثر کرتی ہے۔

مقدار خوراک: 7 ماشہ سے 14 ماشہ تک۔

افسنطین۔

تعارف: فارسی میں شیہ اور انگریزی میں ''آرٹی میسیا میری ٹیما'' کہتے ہیں۔ اس کے اندر ایک خاص جوہر ہوتا ہے جس کو 'سنٹونین' کہتے ہیں۔ اطباء اس کا عصارہ بھی استعمال کرتے ہیں۔ یہ ایک بوٹی ہے جس کے تنا سے بہت سی شاخیں نکل کر پھیل جاتی ہیں۔ ان میں شاخوں کی کثرت پتوں سے پر ہوتی ہیں اس کا پھول بتھوے کے پھول کی مانند ہوتا ہے۔ اس کے عین درمیان میں ایک قسم کی زردی ہوتی ہے۔ بالآخر چھوٹے چھوٹے گول دانے ہوجاتے ہیں جن میں باریک بیج بھرے ہوتے ہیں۔

مقام پیدائش: کوہ ہمالیہ پر چار ہزار فٹ کی بلندی سے بارہ ہزار فٹ کی بلندی تک پایا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ کشمیر، شمالی علاقہ جات بلوچستان، چترال اور افغانستان میں یہ پودا کوہ ہمالیہ پر زیادہ کثرت سے پیدا ہوتا ہے، پتوں اور شاخوں پر ملائم سفید رواں ہوتا ہے۔

افعال و اثرات: عضلاتی غدی یعنی عضلات میں تحریک حار غدد میں تسکین اور اعصاب میں تحلیل، کیمیاوی طور پر خون میں ترشی حار پیدا ہوتی ہے۔ جس سے صفراء کی پیدائش شروع ہوجاتی ہے۔ اور اس میں تیزی ہوجاتی ہے۔

خواص: مقوی معدہ و امعاء اور قلب و عضلات مولد حرارت و خون محلل اعصاب و دماغ کثرت بول اور مدر حیض دافع بخار۔ خصوصاً عفونتی بخار، قاتل کرم وغیرہ۔

افسنطین اپنے مزاج کے لحاظ سے ایک خاص قسم کی مقوی دوا ہے۔ اس کے اثرات و افعال بہت حد تک کچلہ سے ملتے جلتے ہیں۔ تقویت معدہ و امعاء اور قلت عضلات کے لئے ایک دوا خصوصاً مزمن امراض میں دعوے کی دوا ہے۔ اس کے استعمال سے رفتہ رفتہ تقویت اور حرارت جسم میں بڑھنا شروع ہوجاتی ہے۔ بلغم خشک ہونا شروع ہوجاتی ہے، اور ریاح کا اخراج ہونے لگتا ہے ساتھ ساتھ جگر و طحال اور گردوں و غدد میں تقویت و حرارت بڑھنے لگتی ہے دماغ اور اعصاب سے سوزش اور جلن دور ہوجاتی ہے۔ اس دوا میں یہ خوبیاں شاید اس لئے ہیں کہ اس میں شدید قسم کی تلخی کی کے ساتھ انتہائی قبض پائی جاتی ہے۔ یہی دونوں خوبیاں کچلہ میں پائی جاتی ہیں۔ انہی افعال و اثرات کے تحت دائمی دردسر، دل کے دردوں، رعشہ، فالج، لقوہ اور استرخا کے لئے بے حد مفید ہے اس کے مسلسل استعمال سے جب تقویت عضلات پیدا ہو جاتی ہے تو بواسیر کے لئے بھی مفید ثابت ہوتی ہے۔ اس کا بھپارہ عصبی دردوں کے لئے مفید ہے۔

فرنگی طب میں افسنطین کے ٹنکچر ڈائی اوکسائیڈ کیم اور سپرٹ کی شکل میں استعمال ہوتے ہیں۔ تجزیہ کے مطابق اس میں جوہری کافور اور رال کے خاص اجزاء پائے جاتے ہیں۔ افسنطین کے یہ مرکبات مقوی معدہ و مدر حیض اور پرانے بخاروں کے لئے استعمال کئے جاتے ہیں۔ فرنگی طب میں اس کا ایک جوہر (الکائیڈ) تیار کیا گیا ہے جس کو سنٹونین (SANTONINE) کہتے ہیں۔ اس دوا کو فرنگی ڈاکٹر رات کو کھلا کر صبح کو کسٹر آئل کا جلاب دیتے ہیں۔ جس سے پیٹ کے کیڑے مرجاتے ہیں۔ لیکن یہ اثر وقتی ہوتا ہے۔ کچھ عرصہ بعد پھر کیڑے پیدا ہوجاتے ہیں۔ اور چونکہ سنٹونین میں زہریلے اثرات ہوتے ہیں اس لئے اس سے دور رہنا ہی بہتر ہے۔ اس کی جگہ افسنطین کے مسلسل استعمال سے کرم شکم نہ صرف مرجاتے ہیں بلکہ ان کی پیدائش ہمیشہ کے لئے ختم ہوجاتی ہے اور ساتھ ساتھ جسم میں طاقت اور خون

پیدا ہو جاتا ہے۔ یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ تقویت جسم اور مولد حرارت وخون کے لئے افسنطین ایک خاص دوا ہے۔ اس کے مرکبات شربت وعرق اور سفوف وحبوب کی شکل میں استعمال کئے جاسکتے ہیں۔

مقدار خوراک : 2 ماشہ سے پانچ ماشہ تک۔

افیون

تعارف : عربی میں لبن الخشخاش، فارسی میں شیر کوکنار، انگریزی میں اوپیم (OPIUM) کہتے ہیں۔ عام طور پر پوست کے نام سے مشہور بوٹی کا رس ہے۔

پوست (کوکنار) کا پودا پانچ فٹ تک اونچا ہوتا ہے۔ ایک مشہور اور معروف پودا ہے۔ یہ پودا پاکستان کے تقریباً ہر حصے میں پایا جاتا ہے یہ خودرو نہیں بلکہ کاشت کیا جاتا ہے۔ اس پودے کو انگریزی میں وائٹ پپی کہتے ہیں۔ یہ پودا پہلے پہل ایشیائے کوچک میں پیدا ہوتا تھا۔ مگر اب دُنیا کے اکثر حصوں میں ملتا ہے۔ خاص طور پر ہندوستان، ایران، یونان، چین اور مصر و یورپ میں بکثرت ہوتا ہے۔

اس کے ثمر کو کوکنار، پوست اور ڈوڈا کہتے ہیں۔ جو شکل میں بیضوی دو تین انچ قطر میں ہوتا ہے۔ اوپر کنگر دار ٹوپی نیچے گردن ہوتی ہے کوکنار کے اندر نازک و باریک دیواریں ہوتی ہیں۔ ان خانوں میں باریک اور سفید بیج ہوتے ہیں جن کو خشخاش کہتے ہیں۔ کوکنار میں تو شدید نشہ ہوتا ہے مگر دانوں میں برائے نام نشہ ہوتا ہے۔

اس پھل (کوکنار) کو جب وہ خام حالت میں ہوتا ہے، تو اس میں شام کے وقت شگاف لگا دیتے ہیں۔ جن سے دودھ کے رنگ کا رس نکلتا ہے جو دوسری صبح تک جم جاتا ہے۔ اس کو کھرچ کر اکٹھا کر لیتے ہیں پھر اس کو خشک کر لیتے ہیں یہی خام افیون ہے اور قابل استعمال ہے۔

رنگت و ذائقہ : افیون ہلکی سرخی مائل سیاہ ڈوڈا سفید خاکستری مائل۔ پھول لال اور سفید رنگ خوش نما ہوتے ہیں خشخاش کا رنگ سفید بھورا اور سیاہ ہوتا ہے۔ افیون کا ذائقہ تلخ کوکنار کا ذائقہ کسیلا اور خشخاش کا مزہ قدرے شیریں ہوتا ہے۔

افعال و اثرات : عضلاتی اعصابی شدید زہر یعنی عضلات میں شدید تحریک، غدد میں تسکین اور اعصاب میں تحلیل، کیمیاوی طور پر خون میں کھاری پن بڑھ جاتا ہے۔ اور جسم میں رطوبات اور بلغم میں زیادتی ہو جاتی ہے۔ بلغم غلیظ ہو جاتی ہے۔

مزاج : چوتھے درجے میں سرد اور چوتھے درجے میں خشک۔

خاص افعال و اثرات : ایک ہی قسم کے افعال و اثرات اور مزاج کی بہت سی ادویہ واغذیہ اور اشیاء ہوتی ہیں مگر ہر ایک میں اپنی مخصوص شکل و رنگت اور بو و ذائقہ واغذیہ اور اشیاء ہوتی ہیں مگر ہر ایک میں اپنی مخصوص شکل و رنگت اور بو و ذائقہ کی وجہ سے انہیں افعال و اثرات اور مزاج میں بہت نمایاں فرق پایا جاتا ہے۔

یاد رکھیں کہ یہ فرق افعال و اثرات اور مزاج میں تو نہیں ہوتا۔ البتہ ان میں کمی بیشی اور تقویت میں پایا جاتا ہے، بعض ادویہ اپنے افعال و اثرات میں اس قدر تیز اور شدید ہوتی ہیں کہ وہ فوراً تمام جسم میں سرایت کر کے خون میں پہنچ جاتی ہیں اور ان کے افعال و اثرات اس قدر جلد متاثر کرتے ہیں کہ انسان پر غیر معمولی تاثر ہوتا ہے اور اکثر نتیجہ موت ہوتا ہے۔ ایسی ادویہ کو زہر کہتے ہیں۔ ایسی زہریلی ادویہ جماداتی و نباتاتی اور حیوانی وغیرہ ہر قسم کی ہو سکتی ہیں۔ اور جو دوا اتنی ہی تیزی اور شدت سے زہر کے افعال و اثرات کو باطل اور رفع کر دے

اس دوا کو تریاق کہتے ہیں۔

یہ حقیقت ذہن نشین کر لیں کہ جو مرکبات زہروں سے تیار کئے جاتے ہیں۔ ان کو اکسیر کہتے ہیں۔ لیکن یاد رکھیں کہ اگر اکسیر ادویات کو بے پروائی سے استعمال کیا جائے، تو پھر اس کے زہریلے اثرات نقصان پیدا کر دیتے ہیں۔ جیسے روزانہ زندگی میں فرنگی زہریلی ادویات نقصان دہ ثابت ہو رہی ہیں۔

خواص : مسکن ومخدر اور شدید منوم، مغلظ رطوبات، قابض، حابس الدم، دافع اسقاط حمل، دافع سوزش، قاطع صفراء، دافع خشونت و مسمن بدن، سوزش جگر و گردہ اور مثانہ مسکن اوجاع اور سوزش امعاء دافع حمیات مزمن۔

افیون ایک عمومی مسکن ومخدر اور شدید منوم ہے۔ ہر قسم کے دردوں اور سوزش اورام کی تکلیف میں استعمال کی جاتی ہے بلکہ شدید حالت میں یہاں تک کوشش کی جاتی ہے کہ مریض کو نیند آ جائے۔ اور جب بھی تکلیف کے ساتھ بیدار ہو تو اس کو افیون کھلا کر پھر سلا دیا جاتا ہے۔ یہ گناہ صرف عوام ہی نہیں کرتے بلکہ فرنگی ڈاکٹروں میں مارفیا کا بھی استعمال ہے۔

یاد رکھیں کہ یہ طریقہ علاج نہ صرف غلط ہے بلکہ عطایانہ ہے۔ ایسا ہرگز نہیں کرنا چاہئے بلکہ علامات اور تحریک کے مطابق علاج کرنا چاہئے۔ نہیں تو مریض ضائع ہو جائے گا یا خراب ہو کر قابو سے باہر ہو جائے گا۔ جو معالج کے لئے باعث بدنامی ہے۔

یاد رکھیں کہ درد اور سوزش کا علاج تسکین وتخدیر (شدید تسکین) ہوتا ہے یا تحلیل سے ہو سکتا ہے اور یہ بھی ذہن نشین کر لیں کہ تسکین وتخدیر میں جسم خصوصاً مقام تکلیف میں رطوبات کا اضافہ ہو کر وہاں تسکین وتخدیر کی صورت پیدا ہوتی ہے، لیکن تحلیل کی صورت میں وہاں پر بذاتِ خود دورانِ خون تیز ہو جاتا ہے۔ جس سے وہاں پر تحلیل ہوتی ہے۔ نتیجہ تسکین وتخدیر اور نوم رطوبات وبلغم اور سردی وتفریط قلب سے پیدا ہوتے ہیں اور تحلیل و بیداری خشکی وگرمی اور صفراء افراط قلب سے پیدا ہوتے ہیں۔ اس قانون کے تحت ہی افیون تسکین وتخدیر اور تنویم پیدا کر کے درد وسوزش دور کرتی ہے۔

افیون اور اس کے اجزاء اور مرکبات سے جسم میں رطوبات وبلغم کی پیدائش نہ صرف شدت سے بڑھ جاتی ہے۔ بلکہ فوراً گاڑھی ہو کر جم جاتی ہے۔ اس کے عمل سے اس قدر تبرید پیدا ہو جاتی ہے کہ عضلات، اعصاب کے افعال میں تسکین وتخدیر اور تنویم وقبض شدید کا غلبہ پیدا ہو جاتا ہے۔

افیون شدید قسم کی حبس الدم اور قاطع صفرا ہے۔ ہم کئی بار اپنی کتب و رسائل میں لکھ چکے ہیں کہ جب جسم میں رطوبات وبلغم کی زیادتی ہوتی ہے۔ تو خون کا اخراج جسم سے بند ہو گا۔ اور جب کسی حصہ جسم یا مخرج سے رطوبات کا اخراج ہو گا تو یقیناً وہاں سے خون کا اخراج ہو گا۔ اخراج اور بندش خون کا یہ قانون یاد رکھ لیں۔ افیون بندش خون کے لئے اکسیر ہے یہ حقیقی طور پر قابض اور حابس نہیں ہے۔ لیکن اس کا یہ عمل کثرت برودت اور یبوست سے ہوتا ہے۔

چونکہ افیون کے اثرات سے رطوبات کی زیادتی وخون کی بندش اور درد وسوزش میں تسکین پیدا ہو جاتی ہے۔ اس لئے اسقاط حمل میں نہایت مفید ہے۔ اسی طرح خونی پیچش میں بھی تریاق کا حکم رکھتی ہے اسی اصول کے تحت بول الدم اور نکسیر میں اکسیر کا حکم رکھتی ہے اور اسی طرح ناک ومنہ اور پھیپھڑوں میں کسی جگہ سے خون آتا ہو تو فوری طور پر رُک جاتا ہے چونکہ مسکن گردہ جگر اور مثانہ ہے اس لئے ان کے درد وسوزش اور اورام میں یقینی دوا ہے۔

حمیات مزمن (پرانے بخار) جو مزمن سوزش سے پیدا ہوتے ہیں، جس سے جسم میں ہلکا ہلکا بخار یا حرارت رہتی ہے۔ اس مقصد

کے لئے افیون ایک تسلی بخش دوا ہے، لیکن یادرکھیں کہ اس کے استعمال میں احتیاط ضروری ہے۔

کوکنار

تعارف: کوکنار ڈوڈہ میں افعال واثرات افیون کے بالکل مطابق ہیں۔ لیکن اس سے بہت کم ہیں۔ البتہ اگر کوکنار کا ست تیار کرلیا جائے تو وہ بہت حد تک افیون کے قائم مقام بن جاتا ہے۔ جس کا طریقہ یہ ہے کہ حسب ضرورت کوکنار کو چار گنا پانی میں بھگو رکھیں صبح آگ پر جوش دیں۔ جب پانی نصف رہ جائے تو اس کو محفوظ کر کے رکھ لیں پھر انہی کوکنار کو چار گنا پانی میں بھگو رکھیں اور صبح حسب دستور نصف پانی خشک کرلیں اس طرح تین بار کریں۔ تینوں پانی اکٹھے کر کے آگ پر خشک کرلیں بس یہی ست کوکنار ہے۔

مقدار خوراک: ایک چاول سے چار چاول تک مناسب بدرقہ کے ساتھ استعمال کر سکتے ہیں۔

خشخاش

خشخاش کے اندر بھی افیون کے افعال واثرات پائے جاتے ہیں۔ لیکن بے حد کم ہیں۔ اس کی زیادہ مقدار سے وہی اثرات و افعال رونما ہو جاتے ہیں۔ بہرحال محفوظ اثرات ہیں اس میں شدت پیدا کرنے کے لئے اس کا خمیرہ بنالیتے ہیں۔ جو معروف ہے۔

مقدار خوراک: ایک ماشہ سے چھ ماشہ تک دے سکتے ہیں۔

استعمال: طب میں افیون، کوکنار اور خشخاش کے جس قدر مرکبات ہیں ان کے نقصان کو روکنے کی کوشش کی گئی ہے۔ جو بہت حد تک کامیاب ہے۔ لیکن بہتر یہ ہے کہ اس کی تحریک کے مطابق ادویہ اور اغذیہ ہونی چاہئیں اور مقدار خوراک کم سے کم ہونی چاہئے۔ بے شک فائدہ کم ہو یا دیر میں ہو، مگر نقصان کسی صورت نہ ہونا چاہئے اور اس کا استعمال مسلسل بھی نہیں ہونا چاہئے تاکہ مریض عادی نہ ہو جائے۔ دو چار دن کے بعد روک دینا ضروری ہے۔

اقاقیا

تعارف: عربی میں اقاقیا، فارسی میں عصارہ ببول انگریزی میں ایکسٹرکٹ آف اکیشیا کہتے ہیں۔ ایک قسم کا عصارہ ہے جو درخت کیکر یا کیکر کی قسم کے درخت کی پھلیوں، پھولوں اور پتوں سے تیار کیا جاتا ہے۔ اور پھر اس کو خشک کرلیا جاتا ہے۔

کہتے ہیں کہ مصر میں ایک خاردار درخت ہے جس کا نام شبط یا سبط مشہور ہے جس کے پھل کو قرظ کہتے ہیں۔ اس کا یا اس کے پتوں کا رب تیار کر لیتے ہیں۔ اس کو اقاقیا کہتے ہیں۔ یہ درخت کیکر کی قسم کا ہوتا ہے۔ دونوں کے اثرات تقریباً ایک ہی جیسے ہوتے ہیں، جو خشک شکل میں بازار میں فروخت ہوتا ہے۔

اقاقیا بنانے کا طریقہ: پوست کیکر تازہ پانچ دس سیر لے کر چھوٹے چھوٹے ٹکڑے بنالیں یا باریک کوٹ لیں یا پھول یا پھلیاں لے لیں۔ کوٹ کر پانی میں بھگو دیں۔ ایک شب روز کے بعد آگ پر اس قدر پکائیں کہ پانی نصف رہ جائے۔ پھر چھان کر پانی خشک کرلیں۔ جب قوام شہد کی طرح غلیظ ہو جائے تو سانچوں میں بھرلیں، بس تیار ہے۔ لیکن یادرکھیں کہ اقاقیا کو آہنی برتنوں میں تیار نہیں کرنا چاہئے بلکہ مٹی کے برتنوں میں تیار کرنا چاہئے۔ سائنسی تحقیقات میں کیکر کی چھال میں ایسا جوہر ثابت کیا گیا ہے جو مازو کی طرح سخت قابض اور حابس

ہوتا ہے۔اس کو اقاقیا کا بدل مانا جاتا ہے۔

رنگت و ذائقہ : اقاقیا سیاہ و سرخی مائل، پھلیاں زرد و سفیدی مائل، پھول تیز زرد، ذائقہ بدمزہ تلخی مائل، گوند پھیکا سفید سرخی مائل درخت کیکر سیاہ سرخی مائل، ذائقہ پھیکا ہوتا ہے مقام پیدائش مصر و عرب اور برصغیر پاک و ہند۔

افعال و اثرات : عضلاتی اعصابی یعنی عضلاتی محرک، غدد میں تسکین اور اعصاب میں تحلیل، کیمیاوی طور پر خون میں کھاری پن کے ساتھ گاڑھا پن اور سوداویت کی پیدائش بڑھ جاتی ہے جاذب اور حابس رطوبات ہے۔

مزاج : سرد خشک دوسرے درجہ میں۔

مقدار خوراک : ایک ماشہ سے ڈیڑھ ماشہ تک۔

خواص : جاذب رطوبات و حابس خون، مجفف، رادع، قابض، دافع سوزش و اورام، قاطع حرارت اور صفرا ہے۔

فوائد : رادع ادویات کے متعلق ہم لکھ چکے ہیں کہ ان میں سردی اور شدید کھار کی وجہ سے رطوبت کا اخراج جاری رہتا ہے اور خشکی کی وجہ سے رطوبات جذب بھی ہوتی رہتی ہیں۔یہ بھی انہی ادویہ میں سے ایک رادع دوا ہے۔اس کے استعمال سے منہ کے دانے و زخم، آنکھوں کی سوزش سوزشی اور خونی اسہال بلکہ جسم کے ہر عضو کے خون کو اندرونی اور بیرونی طور پر روکتا ہے اور رطوبات کو جذب کرتا ہے۔اسی طرح سوزش مثانہ اور سیلان میں بھی مفید ہے۔آنتوں کی رطوبات کو جذب کر کے خروج مقعد کے لئے بے حد مفید ہے۔اسی اصول پر عضو سوختہ کے لئے تسکین کا باعث ہے۔اس میں جو سیاہی پائی جاتی ہے وہ بالوں کو سیاہ کرنے کے لئے بھی استعمال کی جاتی ہے۔ایسی دواؤں کے اثرات میں یہ خوبی ہے کہ ان سے رفتہ رفتہ پرانی اور نئی سوزش اور اورام ختم ہو جاتے ہیں۔انگلیوں کے سروں پر جو ورم اور سوجن ہو جاتی ہے جس میں شدت سے درد ہوتا ہے، ان پر اس کا لیپ کو مضبوط کرتا ہے۔یاد رکھیں کہ پرانے اسہال کے لئے ایک یقینی دوا ہے۔بے خطا قابض اور حابس ہے اور اس لئے پرانے زخموں کے لئے بے حد مفید ہے۔

اگر

تعارف : عربی میں عود غرقی، فارسی میں عود ہندی، سندھی میں عود ہندی، سنسکرت میں اگر کاٹھی، ہندی میں اگر اور انگریزی میں اکھولیریا گالوچا اور ایگل ڈوبھی کہتے ہیں۔

شناخت : ایک لمبا چوڑا درخت ہوتا ہے جس کی شاخیں لمبی اور پھیلی ہوئی ہوتی ہیں۔اس کی چھوٹی شاخیں بہت ملائم ہوتی ہیں جیسے ریشم اس کی چھال پتلی، مضبوط اور ہموار ہوتی ہے۔اندر کی چھال جب صاف کی جاتی ہے، تو سفید چمڑہ کی طرح مضبوط ہوتی ہے اسی وجہ سے آسام کے قدیم فرماں روا اس پر کتابیں اور دستاویزات لکھا کرتے تھے۔اس درخت کے پتے ساڑھے تین انچ تک لمبے اور چمکدار ہوتے ہیں اس کے پھل امرود جیسے نرم ہوتے ہیں جو دو انچ تک لمبے اور چمکدار ہوتے ہیں جو باہر کی طرف سے مخملی اور اندر کی طرف سے گھنے بالوں والے ہوتے ہیں یہ ایک پھولدار سدا بہار درخت ہے یہ لمبائی میں ساٹھ سے سو فٹ تک اونچا ہوتا ہے اس درخت کی لکڑی سفید نرم اور ہموار ہوتی ہے جب تازہ کاٹی جاتی ہے تو اس میں سے خوشبو آتی ہے پرانے درختوں کی اندرونی ساخت میں ایک سیاہ رنگ کی بے ڈھنگی سی لکڑی ہوتی ہے جس میں سے بہتر وہ ہے جس میں کئی گڑھے ہوں اور پانی میں ڈوب جائے اس کو عود غرقی کہتے ہیں۔

مقام پیدائش : عود کا درخت ہمالیہ کے مشرقی علاقوں میں خاص طور پر بھوٹان و آسام اور سلہٹ کی پہاڑیوں میں پایا جاتا ہے۔

سلہٹ کا عود بہترین خیال کیا جاتا ہے جو سیاہ رنگ کا ہوتا ہے اور ہلکے رنگ والی لکڑی سے زیادہ قیمتی ہوتا ہے۔ یہ سخت وزنی اور چکنا ہوتا ہے۔ آگ پر دیر تک قائم رہتا ہے۔ یہ نیلگوں اور سفیدی سے پاک ہوتا ہے۔

رنگت اور ذائقہ : درخت کی لکڑی سیاہ اور بھوری پھل سیاہ اور پھول سفید درخت کے ہر جز میں خوشبو، ذائقہ تلخ تیز۔

افعال و اثرات : غدی اعصابی مقوی، غدی تحریک عضلاتی تحلیل اور اعصاب میں تسکین کیمیاوی طور پر خون میں حرارت اور طبعی صفراء پیدا ہوتا ہے۔ جو ترشی اور تیزابیت کا تریاق ہے۔

مزاج : دوسرے درجے میں گرم اور دوسرے درجہ میں خشک۔

خواص : مقوی غدد وجگر، مولد حرارت وصفراء قابض، ملطف، مفتح اور مطیب دہن۔

فوائد : چونکہ محرک غدد وجگر اور مولد حرارت اور صفراء ہے اس لئے اعضائے رئیسہ کے لئے مقوی ہے۔ اوّل یہ بات ذہن نشین کر لیں کہ جب غدد وجگر میں اعتدال کے ساتھ تحریک ہوتی ہے تو اعتدال کے ساتھ حرارت پیدا ہوتی ہے۔ جو باعث تقویت ہوتی ہے۔

دوسری بات یہ سمجھ لیں کہ جب کسی ایک مفرد عضو میں تقویت پیدا ہوتی ہے۔ تو اسی نسبت سے دیگر مفرد اعضاء میں بھی رفتہ رفتہ تقویت ہی پیدا ہوتی ہے اور خاص طور پر غدی تقویت میں جو حرارت پیدا ہوتی ہے، وہ دیگر مفرد اعضاء کی نسبت نہ صرف زیادہ تقویت کا باعث ہوتی ہے، بلکہ دافع زہر، مقوی خون اور معاون جوانی ہوتی ہے۔ بلکہ اعادہ شباب کا باعث ہے۔

اگر میں چونکہ لطیف اور مطیب اثر ہے اس لئے لطیف ہونے سے جسم میں بہت جلد سرایت کر جاتا ہے۔ اور حرارت و لطافت اور مطیب ہونے کی وجہ سے بے حد مقوی اعضائے رئیسہ ثابت ہوتا ہے۔ تمام مفرد اعضاء میں تقویت کی وجہ سے معدہ و امعاء اور شش ومثانہ کو قوت دیتا ہے۔ اور انہی اثرات کی وجہ سے مفتح ہے اور مجرا کے سدے کھولتا ہے اور جسم کی اندرونی اور بیرونی عفونت کو رفع کرتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کا چبانا منہ کی بو کو دور کر کے خوشبو پیدا کر دیتا ہے۔ اس کو منجن میں بھی شامل کر لیا جاتا ہے جس سے دانتوں اور مسوڑھوں کو تقویت پہنچتی ہے۔ ماخورہ میں بھی مفید ہے۔ اپنی حرارت وتقویت اور لطافت کی وجہ سے پرانے نقرس، عرق النساء اور فالج میں ایک یقینی دوا ہے۔ چونکہ ہر مقوی شے کا رجوع انقباض کی طرف ہوتا ہے اس لئے مزمن ضعف معدہ اور امعاء اور اعصاب میں تقویت دیتا ہے۔

اگر کی لکڑی سے ایک قسم کا روغن بھی نکلتا ہے۔ اس کا استعمال بھی دوا کے طور پر کیا جاتا ہے۔ اس کی لکڑی کی بو سے مکھی مچھر وغیرہ دور بھاگتے ہیں۔ لکڑی کا سفوف بدن پر ملنے سے جوئیں مرجاتی ہیں۔ کمروں میں چھڑ کنے سے جوئیں کھٹل اور پسو وغیرہ دور جاتے ہیں اس درخت میں سے گوند بھی نکلتی ہے جو خوشبودار ہوتی ہے۔ اس کے اندر بھی اسی قسم کے اثرات پائے جاتے ہیں، البتہ اس میں تقویت اور تفریح کی قوت زیادہ ہے۔ اس کو عام طور پر مفرح حارہ میں شمار کیا جاتا ہے۔

سوزش عضلات اور ترشی کے امراض وعلامات وغیرہ اس لئے سوزش معدہ و امعاء اور شش ومثانہ میں بے خطا علاج ہے۔ شدید پیاس، جی متلانا، پیچش، کھانسی اور احتلام میں اعتماد کی دوا ہے۔ انہی اثرات کے تحت رعشہ اور اعصابی بارد امراض میں مفید ہے۔ ان امراض میں اس کا مشہور ومعروف مرکب جوارش عود استعمال کیا جاتا ہے جوارش کا تعلق جگر (غدد) کے ساتھ ہوتا ہے۔

ریاح کا اخراج اور روح میں لطافت ہمیشہ صالح صفراء اور حرارت سے پیدا ہوتی ہے۔ جس سے قلب میں فرحت پیدا ہوتی ہے۔ اگر ایسی ہی ادویات میں سے ایک دوا ہے۔

عورت کے پیٹ میں بچے کی نشوونما اور تربیت کے لئے حرارت کی بہت زیادہ ضرورت ہوتی ہے اس لئے عورت کا تعلق زیادہ تر غدی تحریک سے ہوتا ہے جو ادویہ رحم میں تقویت کا باعث ہوتی ہیں ان میں اگر کو خاص مقام حاصل ہے، اس لئے یہ محافظ حمل اور حاملہ کے لئے مفید ترین دوا ہے۔ ایسی چند ادویہ کا ذہن میں رکھنا اچھے معالج کے لئے ضروری ہے۔

الائچی

تعارف : عربی میں قاقلہ، فارسی میں ہیل بوا، بنگالی میں ایلاچ اور انگریزی میں کارڈے مم کہتے ہیں۔ ایک درخت کے پھل ہیں۔ تقریباً ہر علاقہ میں مشہور دوا ہے جو دوا کے علاوہ اکثریت سے غذا اور پان میں استعمال کی جاتی ہے۔ بلکہ گرم مصالحہ کا ایک جزو قرار دے دیا گیا ہے۔

اقسام : الائچی دو اقسام کی ہوتی ہے۔ ایک قسم چھوٹی الائچی کہلاتی ہے جس کے اوپر کا پوست سفیدی مائل اور اس کے اندر سیاہی مائل چھوٹے چھوٹے تخم بھرے ہوتے ہیں۔ جن کا مزہ کسی قدر تلخ نہ تیز اور خوشبو مرغوب قسم کی ہوتی ہے۔

دوسری قسم بڑی الائچی کہلاتی ہے اس کا بیرونی پوست سرخ سیاہی مائل ہوتا ہے۔ اس کے اندر کے تخم بھی سیاہی مائل ہوتے ہیں۔ ان کا مزہ بھی کسی قدر تلخ و تیز اور خوشبو مرغوب ہوتی ہے۔

مقام پیدائش : مالا بار اندورا، میسور، کورگ، ٹراونکور (جنوبی ہند) اور لنکا، دارجلنگ اور جنوبی نیپال کے علاقے الائچی کی پیدائش کے لئے خاص طور پر مشہور ہیں۔

رنگت اور ذائقہ : چھوٹی الائچی کے چھلکے کا رنگ سفید سبزی مائل اور تخم قدرے سیاہی مائل ہوتا ہے۔ ذائقہ تلخ و تیز اور ٹھنڈا خوشبودار ہوتا ہے۔ بڑی الائچی کے چھلکے کا رنگ سرخ سیاہی مائل ہوتا ہے، ذائقہ تلخ و تیز اور کم خوشبو رکھتی ہے۔

افعال و اثرات : چھوٹی الائچی اعصابی غدی یعنی اعصابی محرک غدی۔ محلل اور عضلاتی مسکن ہے۔ خون میں کیمیاوی طور پر کھاری پن کے ساتھ اس میں رقت اور لطافت پیدا کرتی ہے۔ بڑی الائچی اعصابی عضلاتی یعنی اعصابی محرک غدی محلل اور عضلاتی مسکن ہے۔ خون میں شدید رقت اور لطافت پیدا کر دیتی ہے۔

مزاج : چھوٹی الائچی تر تیسرے درجے میں، اور گرم پہلے درجے میں پائی جاتی ہے۔ یونانی کتب میں چھوٹی الائچی کو گرم دوسرے درجے میں اور خشک بھی دوسرے درجے میں لکھا ہے اور بڑی الائچی کو گرم پہلے درجے میں اور خشک تیسرے درجے میں لکھا ہے۔ لیکن دونوں مزاج غلط ہیں کیونکہ ان کی کوئی دلیل نہیں ہے۔

جاننا چاہئے کہ جب دوا میں کھاری پن زیادہ ہو اور ترشی بالکل نہ ہو تو وہ ہمیشہ تر ہوتی ہے۔ جب تری زیادہ ہو تو گرمی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ جس دوا کے کھانے سے جسم میں صفرا پیدا نہ ہو اور سودا میں کمی یا خشکی پیدا نہ ہو تو وہ کبھی بھی گرم و خشک نہیں ہو سکتی۔ چھوٹی بڑی الائچی کو جس قدر دل چاہے کھالیں مگر ان سے نہ صفرا پیدا ہوگا اور نہ ہی جسم گرم ہوگا بلکہ جسم ٹھنڈا اور پانی پانی ہو جائے گا بلکہ کافور کے افعال و اثرات ظاہر ہوتے جائیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر یونانی کتب میں کافور کو گرم اور بعض میں معتدل لکھا ہے اور بہت کم میں سرد لکھا گیا ہے۔ مزاج میں گرمی و سردی اور تری و خشکی کے ساتھ کھار و ترشی اور نمکین ذائقوں کو بھی ضرور مدنظر رکھنا چاہئے۔ اس سے مزاج کے تعین میں یقینی صورت پیدا ہو جاتی ہے۔

مقدار خوراک: چھوٹی الائچی نصف ماشہ سے ایک ماشہ تک اور بڑی الائچی ایک ماشہ سے تین ماشے تک۔

خواص: مدرر طوبات، مطیب، ملطف، دافع ریاح، ہاضم، مفرح، دافع حرارت و بخار اور مقوی۔

غلط فھمی: طب میں اکثر ادویہ کے خواص سمجھنے میں بہت سی غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ طب کی اصطلاحات کو صحیح طور پر ذہن نشین نہیں کرایا گیا۔ یہی غلط فہمی الائچی کے متعلق بھی ہے۔ اس کو ہاضم ومفرح اور مقوی لکھا گیا ہے۔ مگر اس کے استعمال میں اکثر غلطیاں کی جاتی ہیں۔ اس لئے ہم نے اپنی اکثر کتب میں ان طبی اصطلاحات کی تشریح لکھی ہے۔

ھاضم: عام طور پر یہ غلط فہمی پائی جاتی ہے کہ کتب علم الادویہ میں جن ادویہ کو ہاضم لکھا گیا ہے وہ ہر حیثیت سے بالخاصہ ہاضم ہیں۔ ایسا ہرگز نہیں ہے۔ کیونکہ ہر دوا کا اپنا ایک مزاج ہے اور اس کے مخصوص افعال ہیں۔ وہ اپنے افعال ومزاج کے مطابق اعضاء اور خون پر اثر انداز ہوتے ہیں مثلاً گرم امراض کے لئے سرد ادویہ اور تر کے لئے خشک ادویات ہی مفید ہوسکتی ہیں۔ اسی طرح ہاضمے کی خرابی کا تعلق جن اعضاء سے ہے ان کا درست کرنا صحیح علاج ہے۔ یہ نہیں ہے کہ کوئی ہاضم چورن جس میں بہتر ادویہ کو نمک سے لے کر ترشی اور کھار تک جمع کر لیا گیا ہو استعمال کر لینے سے ہاضمہ درست ہو، ہاضمہ کا تعلق منہ سے مقعد کی نالی تک ہے۔ اس میں معدہ وامعاء جگر وطحال اور لبلبہ وغیرہ شریک ہیں۔ ہاضمہ کی ادویات تجویز کرنے میں مزاج کے ساتھ ہر عضو کی رعایت ضروری ہے۔ پھر کبھی بھی کوئی نسخہ نا کام نہیں ہوتا۔

اس سے بھی اہم بات یہ ہے کہ فرنگی طب کی بے اصولی اور فرنگی ڈاکٹروں کے عطائیانہ علاج نے ہاضم اور مقوی معدہ ادویات کو بغیر مزاج اور اعضاء کو مدنظر رکھے دُنیا بھر میں غلط ادویہ کا ایک سیلاب پھیلا دیا ہے جو بے حد مضر اور ہر روز نئے امراض اور موت کا باعث بن رہا ہے۔ ان میں ٹی بی اور ہارٹ فیلور کو خاص دخل ہے۔ صرف اتنا لکھ دینا کہ فلاں دوا ہاضم ہے اور معدے کے لئے مفید ہے کافی نہیں ہے۔ جبکہ ہاضم کا تعلق صرف معدہ سے نہیں ہے اور معدہ خود مرکب عضو ہے۔ اس میں اعصاب بھی ہیں اور غدد وعضلات بھی ہیں۔ ان سب کے افعال جدا جدا ہیں۔ اس لئے ہضم کی خرابی کی صورتیں بھی مختلف ہیں۔ جب تک ان کو مدنظر نہ رکھا جائے ہاضمہ درست نہیں ہوسکتا۔ فرنگی طب اس علم سے بالکل واقف نہیں ہے۔

مفرح اور مقوی: جب طبی کتب میں مفرح ادویہ اور اغذیہ پر نظر پڑتی ہے جو مفرح قلب کے لئے استعمال کی جاتی ہیں، یہ صحیح ہے کہ مفرح قلب کے لئے ادویہ ہونی چاہئیں لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ طبی کتب میں اور اطباء کے معمول میں بھی مفرح قلب ادویہ کو مقوی قلب کی صورت دیئے جاتے ہیں یعنی قلب کے فعل میں تیزی پیدا کرنا مقصود ہوتا ہے۔ یہ غلط ہے کیونکہ ہر مفرح دوا اور غذا ہمیشہ مقوی دماغ اور اعصابی ہوتی ہے۔ جس سے قلب کی طرف سے دوران خون اور حدت کم ہوجاتی ہے اور وہاں پر تسکین پیدا ہوجاتی ہے یا اعتدال پیدا ہو کر تقویت پیدا کر دیتی ہے۔ اس لئے کسی مفرح قلب شے کو مقوی قلب سمجھ کر استعمال نہیں کرنا چاہئے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض لوگ تقویت قلب کی خاطر زیادہ سے زیادہ مفرح قلب اشیاء استعمال کرتے ہیں۔ لیکن اس سے فائدہ کی بجائے نقصان زیادہ ہوتا ہے۔

فوائد: الائچی چونکہ محرک اعصاب اور مولد رطوبت ہے اس لئے اس کا ہاضم ہونا اعصابی تحریک اور کمی رطوبات کے تحت ہے اور جن مریضوں کے جسم میں رطوبات کی زیادتی ہوگی تو الائچی کے استعمال سے ان کے ہاضمہ میں زیادہ خرابی ہوجائے گی۔ اسی طرح جن کے جسم میں رطوبات کی زیادتی ہوگی ان کو الائچی کے استعمال سے نہ کوئی فرحت معلوم ہوگی اور نہ ہی مسرت ہوگی بلکہ دل زیادہ سے زیادہ گھٹتا رہے گا اور پریشانی بڑھ جائے گی۔ دوسرے معنوں میں جن کے جسم میں تیزابیت کی زیادتی ہو ان کو الائچی مفید ہے۔ لیکن جن کے جسم میں کھار کی زیادتی ہو ان کو الائچی کے استعمال سے تکلیف ہوتی ہے۔ انہی اثرات کے تحت یہ مفرح وہاضم اور دافع خشونت وبو دہن ہے۔ اس کے منہ میں

رکھتے ہی لعابی غدد فوراً رطوبت پیدا کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ درد شکم اور سوزش معدہ کے لئے بے حد مفید ہے۔ جگر اور گردوں کے لئے اکسیر ہے۔ دافع بخار ہے۔ اس کو مقوی ادویات میں استعمال کرنا مفید نہیں ہے۔

السی

تعارف : عربی میں بزرالکتان، فارسی میں تخم کتان، بنگالی میں تیسی، سنسکرت میں بدگنذ ھا اور انگریزی میں لینڈ کہتے ہیں۔ ایک پودے کے تخم ہیں، جو ایک گز تک بلند ہوتا ہے۔ اس کا تنا، شاخیں اور پتے باریک ہوتے ہیں۔ پھل غلاف نخود کے برابر تخموں سے بھرا ہوتا ہے۔ یہ تخم چھوٹے چھوٹے چمکدار، چپٹے بیضوی اور قدرے لمبے نوکدار ہوتے ہیں۔ یہی تخم اور ان سے نکالا ہوا روغن دوا کے طور پر استعمال ہوتے ہیں۔

مقام پیدائش : پاک و ہند، مصر، روس، ہالینڈ اور انگلستان۔

رنگت اور ذائقہ : تخم سرخ سیاہی مائل اور پھول لاجوردی، روغن السی زردی مائل اور ذائقہ پھیکا۔

مقدار خوراک : پانچ ماشے سے ایک تولہ تک۔

افعال و اثرات : عضلاتی اعصابی یعنی عضلاتی محرک اعصابی محلل اور غدی مسکن کیمیاوی طور پر خون میں ترشی اور گاڑھا پن پیدا ہوتا ہے۔

مزاج : خشک دوسرے درجے میں اور سرد پہلے درجے میں ہوتی ہے اور روغن خشک تیسرے درجے میں اور گرم پہلے درجے میں ہوتا ہے۔

خواص : نفاخ، منضج بلغم، محلل اورام، مسکن اوجاع، مخرج بلغم، مقوی مولد ریاح اور ملین ہے۔

فوائد : محلل اورام، ملین اعضاء، منضج اخلاط اور مسکن اوجاع ہونے کی وجہ سے تقریباً تمام طبی کتب میں السی کو گرم تر اور بعض نے گرم خشک لکھا ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ نہ السی گرم ہے، اور نہ ہی تر ہے۔ تر لکھنے کی وجہ ایک یہ بھی ذہن میں آتی ہے کہ چونکہ السی میں سے ایک قسم کا روغن بھی نکلتا ہے اس کی تری کی وجہ سے اس کو تر لکھ دیا ہے، لیکن ایسا نہیں ہے، بلکہ بہت سے روغن سرد بھی ہیں اور خشک بھی ہیں جیسے کافور ایک قسم کا روغن ہے۔ وہ سرد بھی ہے اور خشک بھی ہے۔

جاننا چاہئے کہ جو شے محلل و ملین اور منضج اور مسکن ہو اس کا گرم ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ یہ افعال صرف خون اور دیگر اخلاط کے ہیں۔ کسی شے کے نہیں ہیں۔ اشیا و ادویہ اور اغذیہ کا کام یہ ہے کہ وہ خون پر ان کے افعال و اثرات اور خواص ظاہر ہو جاتے ہیں۔ یعنی جس مقام پر خون اکٹھا ہو جائے وہاں پر محلل، منضج کی صورت پیدا ہو جاتی ہے جس مقام پر صفرا اکٹھا ہو جائے وہاں پر سوزش اور اکال کی سی حالت قائم ہو جاتی ہے۔ جس مقام پر بلغم اکٹھی ہو جائے وہاں ملین و مسکن کے اثرات و افعال میں گرم سرد کی کوئی قید نہیں بلکہ ہر مزاج میں یہ صورت ظاہر ہو سکتی ہے کیونکہ ہر مزاج کی اشیاء ادویہ اور اغذیہ مختلف اعضاء پر اثر انداز ہوتی ہیں۔ اور اخلاط کو مختلف اعضاء کی طرف تقسیم کر دیتی ہیں۔ اس تحقیق سے مفرد اعضاء اور انسجہ اور ٹشوز کا مسئلہ حل ہو گیا ہے۔

جاننا چاہئے کہ جو شے دوا اور غذا جس کسی عضو پر اثر انداز ہوتی ہے وہاں پر تحریک پیدا کر دیتی ہے۔ اس تحریک کے بعد کے عضو میں تحلیل ہوتا ہے۔ اور اس کے بعد کے عضو میں تسکین ہوتی ہے۔ یہی صورت السی کی بھی ہے۔ یہ عضلات میں تحریک یعنی نفخ و ریاح اور خشکی کی حالت پیدا کر دیتی ہے جس سے وہاں پر خشکی اور تیزی پیدا ہو جاتی ہے۔ اور اعصاب میں تحلیل ہو جاتی ہے۔ یعنی وہاں پر محلل و منضج کی

صورت قائم ہو جاتی ہے۔ یعنی وہاں پر خون اکٹھا ہو کر وہاں کی سوزش اور درد کو ختم کر دیتا ہے۔ اور وہاں کے مواد پختہ ہو کر اعتدال پر آ جاتے ہیں اور جگر وگردوں اور غدد میں بلغم اکٹھا ہو جاتا ہے جس سے وہاں تحلیل اور گرمی کے اثرات اور خواص ظاہر ہوتے ہیں۔ اس تحریک کی دیگر اشیاء وادویہ اور اغذیہ کے بھی یہی افعال واثرات اور خواص ہوتے ہیں۔

یاد رکھیں کہ السی اور ایسی تحریک کی دیگر ادویہ مثلاً نارجیل وغیرہ کے استعمال سے اعصابی سوزش و درد اور پھوڑے پھنسیاں دور ہوتی ہیں۔ اگر عضلاتی وغدی صورتیں ہیں تو مفید نہیں ہے۔ بعض معالج السی کی پلٹس کو تیز کرنے کے لئے اس پر رائی کا سفوف چھڑک دیتے ہیں، رائی کی تحریک بھی عضلاتی ہے مگر اس میں کچھ حدت ہے اس لئے اس کی تحریک عضلاتی غدی بن جاتی ہے۔

یہ بات پھر ذہن نشین کر لیں کہ عضلاتی تحریک میں رطوبات اور بلغم خشک ہو جاتی ہے، اور مواد پختہ ہو کر باہر اخراج پاتا ہے اسی طرح کبھی سرکہ میں ملا کر جسم پر پھیرا کرتے ہیں۔ سرکہ کی بھی یہی تحریک ہے۔ اس مرکب کے طلا کرنے سے چھائیں دار بثور بغلیہ دور ہو جاتے ہیں۔

اندرونی طور پر بھی یہی اثرات وافعال اور خواص پائے جاتے ہیں۔ اس کے استعمال سے رطوبت اور بلغم خشک اور گاڑھا ہو کر باہر نکلنا شروع ہو جاتا ہے۔ بلغمی کھانسی، بلغمی دمہ اور گلے کی اعصابی سوزش میں بے حد مفید ہے۔ شہد میں اس کا جوشاندہ بھی دیا جا سکتا ہے۔

روغن السی سے بہت زیادہ تیز ہے اور اثرات میں شدید ہے۔ اکثر بیرونی طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ اعصابی جلدی امراض میں مفید ہے۔ اسی مقصد کے لئے مرہموں میں استعمال کیا جاتا ہے۔ روغن السی اور چونے کے ہم وزن پانی میں مرہم تیار کر کے جلے ہوئے مقام پر لگانا بے حد مفید ہے فوراً درد و سوزش ختم ہو جاتی ہے اور زخم خشک ہو جاتے ہیں۔

امرود

تعارف : ایک مشہور پھل ہے۔ پختہ شیریں، ترشی مائل، لذیذ وخوش ذائقہ ہوتا ہے۔ اس کثرت سے پیدا اور استعمال ہوتا ہے کہ تقریباً ہر موسم میں مل جاتا ہے۔ عوام اس کے قتلوں پر نمک، مرچ اور لیموں نچوڑ کر کھانا بہت پسند کرتے ہیں۔ چاٹ کا ایک جزو خیال کیا جاتا ہے۔

مقام پیدائش : پاکستان اور ہندوستان کا امرود اپنی لذت اور اپنے ذائقہ کی وجہ سے دُنیا بھر میں مشہور ہے۔

اقسام : امرود دو قسم کا ہوتا ہے۔ ایک سفید زردی مائل اور دوسرا سفید سرخی مائل جبکہ کچا امرود سبز رنگ کا ہوتا ہے۔

لذت اور ذائقہ : پختہ زرد سفیدی مائل اور سفید سرخی مائل خام سبز پختہ شیریں اور خوش ذائقہ۔ خام کسیلا اور پھیکا ہوتا ہے۔

مزاج : امرود زرد سفیدی مائل تر دوسرے درجے میں اور گرم پہلے درجے میں۔ سفیدی سرخی مائل تر دوسرے درجے میں سرد پہلے درجے میں۔ خام سرد خشک پہلے درجے میں ہوتا ہے۔

مقدار خوراک : نیم پاؤ سے نیم سیر تک کھا سکتے ہیں۔

افعال و اثرات : زرد سفیدی مائل اعصابی غدی یعنی اعصابی محرک غدی محلل اور عضلاتی مسکن ہے۔ خون میں کیمیاوی طور پر کھاری پن پیدا کرتا ہے۔ سفید سرخی مائل اعصابی عضلاتی یعنی اعصابی محرک وعضلاتی محلل اور غدی مسکن ہے۔ کیمیاوی طور پر کھاری پن کے ساتھ کچھ ترشی بھی پیدا کرتا ہے۔ غذائے دوائی ہے۔

خواص : مفرح، پختہ ملین، خام قابض ہاضم، مولد رطوبات وبلغم محرک ومقوی دماغ اور اعصاب۔

فوائد : کسی شے کی جتنی اقسام اور حالتیں ہوں، اس کے خواص وفوائد اور افعال میں بھی ضروری فرق ہوتا ہے۔ یہی صورتیں امرود میں بھی پائی جاتی ہیں۔ زرد سفیدی مائل اعصابی غدی ہوتا ہے۔ جس سے رطوبات اور بلغم کی پیدائش کے ساتھ ساتھ حرارت کی پیدائش کچھ نہ کچھ ہوتی رہتی ہے یا دوسرے لفظوں میں حرارت ہی کی وجہ سے اعصاب میں تیزی ہوتی ہے۔ سفید سرخی مائل اعصابی عضلاتی ہے، جس سے رطوبات اور بلغم کی پیدائش میں اس قدر شدت ہوتی ہے کہ اس سے غلظت اور ترشی پیدا ہو جاتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں حرارت کی پیدائش ختم ہو جاتی ہے۔ جہاں تک خام امرود کا تعلق ہے وہ عضلاتی اعصابی ہے۔ اس میں سردی غلظت اور ترشی بہت زیادہ ہوتی ہے۔ اس لئے وہ قابض ہوتا ہے۔ اس کے مقابلہ میں پختہ امرود ملین ہوتا ہے۔

ملین و ہاضم : کسی شے کا ملین و ہاضم ہونا اس شے کی اپنی خصوصیت نہیں ہوتی بلکہ اس کے اپنے اثر وافعال کی کسی مفرد اعضاء پر شدت ہوتی ہے۔ کبھی اس شے کے افعال واثرات میں شدت اور مقدار کی زیادتی ہوتی ہے اور کبھی عضو میں کمزوری ہوتی ہے۔ اس کا اثر کبھی اعصاب پر ہوتا ہے اور کبھی عضلات وغدد پر ہوتا ہے۔ جس مفرد عضو کے افعال واثرات میں شدت وتیزی ہوگی اسی کے عمل سے ہاضم اور ملین کی صورت پیدا ہوگی۔ یہ کبھی نہیں ہوگا کہ ہمیشہ ہر قسم کی اشیاء کسی ایک ہی مفرد عضو پر اثر انداز ہو کر ہاضم اور ملین کا باعث ہوں۔ یا تینوں مفرد عضو پر ایک جیسا عمل ہو کر ہاضم اور ملین کی صورت پیدا ہو جائے۔ اس میں ہر مرض اور علامت کے لئے مختلف اقسام کے ہاضم وملین اور مسہل اشیاء واغذیہ اور ادویہ پائی جاتی ہیں۔

عمل کا فرق : ہر مفرد عضو کے افعال دو قسم کے ہوتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عضو میں دو کیفیات ہوتی ہیں یعنی اس کا مزاج گرم تر ہوگا یا گرم خشک سرد تر ہوگا یا سرد خشک یا اس طرح سمجھ لیں کہ اس کا پہلا عمل مشینی ہوتا ہے اور دوسرا کیمیاوی ہوتا ہے۔ اس لئے اشیاء اغذیہ اور ادویہ میں بھی دو ہی کیفیات ہوتی ہیں اور ان کے افعال واثرات میں بھی یہی مشینی اور کیمیاوی اثرات پائے جاتے ہیں۔

اعصاب میں دو مزاج پائے جاتے ہیں۔ کبھی ان میں گرمی تری ہوتی ہے اور کبھی سردی تری، کبھی تری گرمی اور کبھی تری سردی کیونکہ اعصاب کی فطرت میں رطوبات اور بلغم پیدا کرنا ہے۔ یہ اس لئے کہ اس کی غذا میں بلغم کے اجزاء شریک ہوتے ہیں۔ جب اعصاب میں تری گرمی ہوتی ہے تو رطوبات کی پیدائش ہوتی ہے اور اس کا اخراج بند ہوتا ہے یعنی خون سے جدا ہو کر جسم میں اکٹھی ہوتی ہیں اور جب تری سردی ہوتی ہے تو رطوبات کی پیدائش کے ساتھ ساتھ اس کا اخراج بھی جاری رہتا ہے بالکل اس طرح جیسے غدد (جگر) میں گرمی خشکی ہوتی ہے تو صفراء کی پیدائش کے ساتھ اس کا اخراج بند ہوتا ہے اور اس کی گرمی تری میں صفراء کی پیدائش کے ساتھ ساتھ اخراج بھی ہوتا ہے۔ یہی صورتیں عضلات (دل) کے مزاج میں بھی پائی جاتی ہیں۔

ایسی صورتیں مرض ہیضہ میں صاف نظر آتی ہیں یعنی کبھی قے اور اسہال کے ساتھ رطوبات کا اخراج ہوتا ہے اور کبھی نہیں ہوتا۔ اس کو بند ہیضہ کہتے ہیں جو بہت خطرناک ہوتا ہے۔ اس میں جسم سن ہو کر موت واقع ہو جاتی ہے۔

یاد رکھیں کہ اعصابی اغذیہ کے کثرت استعمال سے اکثر ہیضہ ہو جاتا ہے۔ ان میں امرود بھی شریک ہے اسی طرح اعصابی اغذیہ کے ساتھ پانی پی لینے سے بھی ہیضہ کا خطرہ ہوتا ہے۔ اس لئے امرود کے بعد پانی پینا منع ہے۔

امرود مفرح پھل ہے مگر مفرح کی صورت وہی ہے جو ہم الائچی کے خواص میں لکھ چکے ہیں۔ جن لوگوں میں رطوبت وبلغم کی کمی ہو ان کے لئے بے حد مفید اور جن کے جسم میں صفراء کی زیادتی ہو ان کے لئے نعمت ہے۔ ایسے لوگوں کے لئے مقوی دماغ اور اعصاب ہے۔ جگر اور گردوں کی سوزش کے لئے یقینی دوا ہے۔ امرود شیریں بہت عمدہ ملین ہے مگر نزلہ وزکام، کثرت بول اور دل کے ڈوبنے میں

زیادتی کر دیتا ہے۔ترشی کے ہمراہ اس کا استعمال نقصان کو کم کر دیتا ہے۔

املتاس

تعارف : عربی فارسی میں خیار شنبر ،فارسی میں جنار خیر ، بنگالی میں سونالو اور انگریزی میں کیشیا کہتے ہیں۔املتاس ایک بلند درخت ہے جس کا تنا زیادہ بڑا نہیں ہوتا چھوٹی شاخیں فٹ ڈیڑھ لمبی جن پر چار آٹھ جوڑوں تک پتے لگے ہوتے ہیں جو شکل میں جامن کے پتوں سے ملتے جلتے ہیں۔یہ پتے ماہ پھاگن میں گر جاتے ہیں۔اور چیت و بیساکھ میں نئے نکل آتے ہیں۔ساتھ ہی پانچ پانچ پنکھڑی والے سنہری زرد پھولوں کا عموماً ہاتھ بھر لمبا خوشہ نکلتا ہے۔کبھی کبھی یہ پھول خزاں کے موسم میں دوبارہ بھی نکل آتے ہیں۔یہ پھول سنہری رنگ کے ہوتے ہیں ان پھولوں کی بہار ایسی خوشنما ہوتی ہے کہ درخت دور سے نہایت خوبصورت زرپوش معلوم ہوتا ہے۔اس لئے اس کو سنسکرت میں ہیم پشت سدو رنگ سورنا نگ ،سورن بھوشن ،راج ورکھس کے خوشنما پھولوں کی بدولت ہی یہ نام رکھے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔

ان پھولوں میں سے پہلے چھوٹی چھوٹی سبز رنگ کی پھلیاں نکلتی ہیں، جو رفتہ رفتہ ڈیڑھ دو فٹ لمبی ہو جاتی ہیں پختہ ہو جانے پر ان پھلیوں کا رنگ بھورا سیاہ ہو جاتا ہے۔یہ پھلیاں ایک انچ قطر کی نوکدار اور دونوں طرف جوڑ کے مقامات پر سیدھے پہلو میں دو صاف لکیریں ہوتی ہیں اور اندر آڑے پہلو میں بہت سے خانے ہوتے ہیں۔ہر ایک خانے میں صاف اور چپٹا بیضوی بھورے رنگ کا سرخی مائل بیج سرس کا سا ہوتا ہے۔ان خانوں کی دیواروں کے اردگرد سرخی مائل سیاہ رنگ کا گودا لپٹا ہوتا ہے لزوجت دار اور بومتلی آور، یہی گودا اس میں سب سے کار آمد چیز ہے اس کے پھلوں سے گلقند بھی بنائی جاتی ہے۔اس کی چھال سے سرخ رنگ نکلتا ہے۔جب پھلیاں پک جاتی ہیں تو اس کے اندر کے پردے پیسہ کے برابر ہو جاتے ہیں جس کا وزن اور حجم آج کل کی اٹھنی کے برابر ہوتا ہے جو دراصل مغز املتاس ہوتا ہے۔مغز فلوس خیار شنبر کہلاتا ہے مغز و گودا پھول کے علاوہ بیرونی چھلکا جو پوست املتاس کہلاتا ہے دوا کے طور پر مستعمل ہے۔املتاس کا چھلکا خشک ہو کر سخت ہو جاتا ہے۔درخت کی لکڑی بھی بڑی سخت ہوتی ہے، جو رنگت میں سرخ ہوتی ہے۔لیکن کاٹنے پر سیاہ ہو جاتی ہے اس کی نرم شاخیں ریشم کی طرح ملائم ہوتی ہیں اور پھول زرد رنگ کے بڑے بڑے اور خوشبودار ہوتے ہیں۔جو گچھوں کی شکل میں لٹکے ہوتے ہیں۔

مقام پیدائش : پاک و ہند میں اکثر مقامات پر پایا جاتا ہے۔لاہور انجینئرنگ یونیورسٹی میں بہت زیادہ ہے۔اکثر سرد مقامات پر پانی کے کنارے پایا جاتا ہے۔میدانی علاقہ سے لے کر کوہ ہمالیہ میں تین ہزار فٹ کی بلندی تک پیدا ہوتا ہے۔پنجاب اور یوپی میں بعض لوگ اپنے باغات میں خوبصورتی کے لئے لگاتے ہیں۔اگر اس کو تجارتی بنیادوں پر لگایا جائے تو بے حد مفید تجارت ہے۔

رنگت اور ذائقہ : درخت کی لکڑی سیاہ سرخی مائل، پھلیاں بھی سیاہ سرخی مائل، اندرونی ٹکیاں اور گودا سیاہ، پھول سنہری۔

ذائقہ : گودا اور ٹکیاں شیریں بدمزہ اور بوناگوار۔

مقدار خوراک : پھلیاں ایک تولہ سے پانچ تولے تک پھول و چھال اور شاخیں و پوست زیادہ مقدار میں بھی دے سکتے ہیں۔

مزاج : گرم تر، اکثر نے اس کو اوّل درجے میں گرم تر اور بعض نے معتدل لکھا ہے۔یاد رکھیں کہ اکثر گرم تر مزاج میں اختلاف رہا ہے۔حقیقت یہ ہے کہ گرم پہلے درجے میں اور تر بھی پہلے درجے میں، لیکن گرمی کی نسبت تری زیادہ ہے۔

افعال و اثرات : اعصابی غدی ملین، یعنی اعصابی محرک۔غدی محلل اور عضلاتی مسکن۔کیمیاوی طور پر خون میں کھاری پن اور رقت پیدا ہوتی ہے۔

خواص : مقوی ومدر اور ملین۔ محلل کبد وگردے اور غدد، مسکن قلب ودافع حرارت اور جوش خون ہے۔اس کے علاوہ مخرج صفراء بھی ہے۔

فوائد : گرم تر ادویہ اور اغذیہ ودیگر اشیاء سے جگر وگردے اور دیگر غدد وغشائے مخاطی کی سوزش وورم اور درد میں مفید ہوتی ہیں، ایسے امراض وعلامات جن کا تعلق ان غدد وغشائے مخاطی سے ہوتا ہے۔ان میں املتاس یقینی دوا ہے خاص طور پر ورم وسوزش اور درد اغشاء میں گلے سے لے کر امعاء اور مثانہ تک خصوصی دوا ہے۔ یرقان اور درد جگر جب کہ صفراء کا اخراج بند ہوتا ہے۔ یہ یقینی دوا ہے۔ نقرس ایک مشکل مرض ہے اس کی صورت بھی یرقان اور درد جگر کی صورت ہی ہے۔اس لئے اس میں بھی املتاس بے خطا دوا ہے۔اس سے ایسے اسہال آتے ہیں جس میں بلغم کے ساتھ صفراء بھی خارج ہوتا ہے۔ یہ ایسا لطیف ملین ہے جو حاملہ عورتوں کو بھی دیا جا سکتا ہے۔بعض اطباء نے اس کو مناسب ادویہ کے ساتھ ہر خلط کا مسہل لکھا ہے جو کہ بالکل غلط ہے۔ یہ خالص صفراء کا اخراج ہی کرتا ہے۔

بعض اطباء نے اس کو وجع المفاصل کے لئے مفید لکھا ہے یہ غلط ہے کیونکہ وجع المفاصل اور نقرس دونوں مختلف امراض ہیں۔اسی طرح بعض اطباء نے اس کو احتباس حیض کے لئے مفید لکھا ہے۔ یہ بھی غلط ہے۔ بلکہ عسر حیض کے لئے مفید ہے۔بعض نے اخراج جنین اخراج مشیمہ اور ولادت کو آسان کرنے کے لئے مفید لکھا ہے۔ یاد رکھیں کہ ادرار حیض کی صورت نہیں ہے، بلکہ عسر حیض کی صورت میں اخراج جنین واخراج مشیمہ اور ولادت میں آسانی پیدا کی جاسکتی ہے ان ہی مقاصد کے لئے اس کے پھولوں کی گلقند اور خام پھلیوں کا مربہ بھی استعمال کیا جاسکتا ہے۔

اس کے پوست کے بھی یہی خواص ہیں۔البتہ اس میں رطوبت کی کچھ کمی پائی جاتی ہے۔اس لئے یہ اپنے اثرات میں کچھ تیز ہے، انہی مقاصد کے لئے بیرونی طور پر بھی استعمال کیا جاسکتا ہے۔

املتاس کا رب بھی تیار کیا جاتا ہے اور رب املتاس کے نام سے بکتا ہے۔ یاد رکھیں، اصل السوس اس کا بہترین بدل ہے۔

املی

تعارف : عربی اور فارسی میں تمر ہندی، بنگالی میں املی، سندھی میں گدامڑی اور انگریزی میں ٹمے رنڈس انڈیکا کہتے ہیں۔املی کا درخت بہت بڑا اور سدا بہار ہوتا ہے۔اس کا چھلکا سیاہ اور کھردرا ہوتا ہے۔ پتیاں سرس کی پتیوں کی طرح ٹہنی پر آمنے سامنے لگتی ہیں اور ایک ڈنڈی پر دس سے پندرہ جوڑے تک پتیوں کے لگتے ہیں۔اس کے پھول گرمیوں میں نکلتے ہیں اس کی پھلیاں تین سے چھ انچ تک لمبی اور ابتدا میں کیکر کی پھلیوں کے مشابہ ہوتی ہیں پکنے کے بعد بادامی رنگ کی ہو جاتی ہے۔پھلی کا چھلکا پتلا اور سخت ہوتا ہے۔ ہر پھلی کے اندر چار سے بارہ تک بیج ہوتے ہیں۔ان بیجوں کے چاروں طرف ترش اور رس دار گودا ہوتا ہے۔ یہی گودا زیادہ تر ادویات میں مستعمل ہوتا ہے۔اس کے علاوہ اس کے تخم بھی ادویہ میں استعمال ہوتے ہیں۔ املی دوا اور غذا میں کثرت سے استعمال کی جاتی ہے۔ اکثر شربتوں اور لیمن وغیرہ کی بوتلوں میں اس کا ست استعمال ہوتا ہے جس کو ٹاٹرک ایسڈ کہتے ہیں۔اس کے تخم میں قلیل مقدار میں ایک روغن بھی پایا جاتا ہے۔

مقام پیدائش: سلیمان بن حسان نے کہا ہے کہ املی یمن، ہندوستان اور سوڈان میں بھی پیدا ہوتی ہے۔ بصرہ میں بھی پائی جاتی ہے۔ پاکستان میں بھی کہیں کہیں پیدا ہوتی ہے، لیکن پنجاب کی آب وہوا اس کے موافق نہیں۔

رنگت اور ذائقہ : رنگت سرخ سیاہی مائل اور خام حالت میں سبز ہوتی ہے۔اس کے تخم بھی سیاہ مائل سرخ ہوتے ہیں۔ ذائقہ ترش ہوتا ہے۔

مزاج: سرد درجہ اوّل اور خشک درجہ دوم میں ہوتا ہے۔

مقدار خوراک: دو تولہ سے پانچ تولہ تک۔

افعال و اثرات: عضلاتی اعصابی یعنی عضلاتی محرک۔ اعصابی محلل اور غدی مسکن ہے۔ خون میں کیمیاوی طور پر ترشی پیدا ہو جاتی ہے اور اخلاط میں طبعی اور خالص سودا کی پیدائش بڑھ جاتی ہے۔ تخم املی کے بھی یہی اثرات ہیں۔

خواص: مولد سودا، دافع قے، مسہل بلغم، مقوی قلب اور معدہ و امعاء، مغلظ بلغم، مقوی خون و دافع بخار بلغمی اور دافع پیاس ہے۔

فوائد: ترشی جسم و خون کا ایک اہم اور مؤثر جزو ہے بلکہ زندگی اور کائنات کا ایک لازمی عنصر ہے۔ گویا اس کے بغیر نہ صرف جسم و خون بلکہ زندگی اور کائنات نامکمل ہیں۔ جاننا چاہئے کہ اس کائنات اور زندگی میں جس قدر بھی اشیا ہیں چاہے وہ مادہ شکل میں غذا دوا اور زہر ہوں یا محلول اور ہوا کی صورت میں پائی جائیں۔ وہ سب تین حالتوں، تین ذائقوں اور تین رنگوں میں پائی جاتی ہیں۔ یہ تین حالتیں (۱) کھار (۲) ترشی (۳) نمک ہیں۔ نمک بھی دراصل کھار اور ترشی کا مرکب ہے اور ترشی بھی کھار میں خمیر کے بعد پیدا ہوتی ہے۔ کھار کا رنگ سفید آسمانی، ترشی کا رنگ سرخ اور نمک کا رنگ زرد تحقیق کیا گیا ہے۔ **یعنی جب خون میں کھاری پن زیادہ ہو تو قارورہ سفیدی مائل ہوتا ہے۔ جب ترشی زیادہ ہو تو سرخ ہوتا ہے اور جب خون میں نمک کے اثرات زیادہ ہوں تو قارورہ کا رنگ زرد ہوتا ہے۔**

ترشی دو قسم کی ہوتی ہے اوّل سرد خشک جیسے املی، انار ترشی اور سرکہ وغیرہ جن کو ہم عضلاتی اعصابی کہتے ہیں۔ دوم مزاج خشک گرم جیسے اچار انگور اور تیزاب گندھک وغیرہ جن کو عضلاتی غدی کہتے ہیں۔ ترشی کے موثر جز کو ماڈرن میڈیکل سائنس میں وٹامن سی کہتے ہیں لیکن ہم نے اس کی جن دو اقسام کی تحقیق کی ہے وہ اس تحقیقات اور ان کے افعال و اثرات کے فرق سے بے خبر ہے۔

جاننا چاہئے کہ ترشی کے افعال و اثرات میں بڑی غلط فہمیاں ہیں۔ ہر طبی کتب نے یہ غلطیاں کی ہیں اور یہاں تک کہ جناب حکیم کبیر الدین نے علم الادویہ نفیسی کے ترجمہ میں بھی یہ غلطی کی ہے کہ ''املی مسہل صفرا ہے''۔

جو کسی طرح بھی صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ جب طب کا یہ قانون ہے کہ ترشی کا مزاج سرد خشک ہے اور سرد خشک اشیاء سودا پیدا کرتی ہیں اور سودا کبھی بھی صفرا کا مسہل نہیں ہو سکتا۔ بلغم کا مسہل تو ہو سکتا ہے کیونکہ غلیظ ہو کر ہی سودا بنتا ہے۔ اگر ہم ترشی کا مزاج گرم خشک بھی قرار دیں جیسا کہ ہم نے تحقیق کیا ہے تو بھی گرم خشک مزاج مولد صفرا ہوتا ہے مسہل صفرا نہیں بن سکتا۔ اس لئے اس غلط فہمی کو ضرور مدنظر رکھیں جو صدیوں سے طبی کتب میں چلی آتی ہیں اس لئے املی مولد سودا، مغلظ بلغم اور مسہل بلغم ہے۔

دوسری غلط فہمی املی کے متعلق یہ ہے کہ اس کو مفرح تسلیم کیا گیا ہے۔ کیفیت مفرح کے متعلق ہم بارہا لکھ چکے ہیں کہ جب تک کوئی دوا یا غذا دِل اور عضلات میں تسکین پیدا نہ کرے اس وقت تک وہ مفرح نہیں بن سکتی۔ املی محرک عضلات اور قلب ہے اور ترشی کے مسلسل استعمال سے قلب اور عضلات میں سوزش پیدا ہو کر گھبراہٹ اور بے چینی پیدا ہو جاتی ہے۔ اس لئے املی کو مفرح کہنا غلط ہے۔

تیسری غلط فہمی یہ ہے کہ اس کو صفراوی بخاروں کے لئے مفید لکھا گیا ہے۔ جب یہ سودا کی پیدائش بڑھاتی ہے اور بلغم کا اخراج اور اس کو غلیظ کرتی ہے تو صفراوی بخاروں کے لئے کیسے مفید ہو سکتی ہے۔ البتہ بلغمی بخاروں کے لئے ضرور مفید ثابت ہوتی ہے۔

چوتھی غلط فہمی یہ ہے کہ املی پیاس کو تسکین دیتی ہے۔ یہ اس لئے کہ اس کو قاطع صفرا تسلیم کیا گیا ہے لیکن یہ حقیقت ہم لکھ چکے ہیں کہ املی کا قاطع اور مخرج صفراء سے کوئی تعلق نہیں ہے **جہاں تک پیاس کا تعلق ہے وہ بھی کبھی صفرا سے نہیں ہوتی بلکہ بلغم کی تیزی (اعصابی عضلاتی) سے لگتی ہے۔ دوسرے الفاظ میں جب جسم میں کھاری پن بڑھ جاتا ہے تو پیاس میں شدت پیدا ہو جاتی ہے۔** یہی وجہ ہے کہ

برف کے استعمال سے پیاس بڑھ جاتی ہے۔اس کا علاج سوزش اعصاب کوختم کرنا ہے جوترشی (طبعی سودا) سے ختم ہو جاتی ہے جس کوہم عضلاتی اعصابی کہتے ہیں جوترشی اور املی کا مزاج ہے۔اس سے دوران خون اعصاب و دماغ میں تیز ہو جاتا ہے۔ جہاں پر تحلیل ہو کر سوزش اعصاب ختم ہو جاتی ہے اور پیاس بجھ جاتی ہے۔ یہی پیاس کا راز اور علاج ہے۔عضلاتی محرک ہونے کی وجہ سے مقوی معدہ اور مخرج بلغم ہے۔

اسی طرح یہ امر بھی ذہن نشین کرلیں کہ قے بھی جسم میں کھاری اثرات بڑھ جانے کی وجہ سے آتی ہے۔اس کا باعث بھی بلغم کا بڑھ جانا ہے جس کو ہم اعصابی عضلاتی تحریک کہتے ہیں۔اس کا علاج بھی ترشی کے استعمال سے کیا جاسکتا ہے۔اس لئے املی قے میں مفید ہے۔

تخم املی کے افعال واثرات اور مزاج بھی وہی ہیں جو املی کے ہیں۔یعنی عضلاتی اعصابی لیکن ترشی نہ ہونے کی وجہ سے وہ اپنے فوائد میں بہت کمزور ہیں۔البتہ سوختہ کرنے سے ان میں کچھ قوت پیدا ہو جاتی ہے۔ان کو زیادہ تر جسم میں قبض اور حبس کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ان میں غذائیت بھی پائی جاتی ہے۔

آم

تعارف : عربی میں انبج، فارسی میں آنبہ، انگریزی میں مینگو کہتے ہیں۔ایک مشہور اور عام پھل ہے جو پاک و ہند میں کثرت سے پایا جاتا ہے۔اس کے درخت کو باغوں کی صورت میں لگایا جاتا ہے۔اس کے باغ بہت طویل وعریض ہوتے ہیں۔

دراصل آم نہ صرف من بھاتا پھل ہے بلکہ ملک کی بہت بڑی دولت ہے۔آم اور ان کے مرکبات دیگر ممالک کو بھی بھیجے جاتے ہیں۔آم کی دو بڑی اقسام ہیں: (۱) دیسی (۲) قلمی۔ پھر ان کی بے شمار اقسام ہیں۔قلمی بہت پسند کیا جاتا ہے۔قلمی میں ذیل کی قسمیں پائی جاتی ہیں: لنگڑا، دسہری، سفیدہ، انور رٹول اور سہارن پوری وغیرہ۔ یہ سب بے حد شیریں اور لذیذ ہوتے ہیں۔

آم موسم گرما کا امرت پھل ہے۔اس کا شیریں رس واقعی آبِ حیات ہے۔ اپنی طاقت اور غذائی اجزاء کی وجہ سے یقیناً تمام پھلوں کا بادشاہ ہے۔اپنے علاقے میں اس کثرت سے پیدا ہوتا ہے کہ غریب سے غریب بھی پیٹ بھر کر کھالیتا ہے۔ بلکہ بعض مقامات پر خود رو ہی پیدا ہو جاتا ہے۔ایسے آم کو رانی آم کہتے ہیں۔اس کا ذائقہ دِل پسند ہوتا ہے۔لطف کی بات ہے کہ ہر ذائقہ کا آم مل جاتا ہے۔ نیز میٹھا، معتدل میٹھا، ہلکا میٹھا، تیز میٹھا ساتھ ہلکی ترشی یعنی کھٹ میٹھا، انتہائی ترش اور ان سب کے بین بین بھی ذائقے مل جاتے ہیں۔ عام طور پر پختہ پھل میٹھا اور خام ترش ہوتا ہے۔

درخت آم : آم کا درخت بہت بڑا ہوتا ہے اور سدا بہار درخت ہے۔تمام سال سرسبز رہتا ہے۔اس کے پھل کے علاوہ اس درخت کے تمام اجزاء ادویہ میں مستعمل ہیں۔آم کی چھال، پھل و گٹھلی اور گوند وغیرہ سب اپنی اپنی جگہ مفید ہیں۔

رنگ اور ذائقہ : پختہ زرد سفیدی یا سرخی مائل شیریں یا شیریں ترشی مائل، بعض سبز لیکن اندر سے زرد سفیدی یا سرخی مائل۔ خام سبز رنگ اور ترش تیزی لئے ہوئے پھول و گوند اور گٹھلی سفیدی مائل بھوری سیاہی مائل اور پتے ہوتے ہیں۔

مزاج : پختہ آم شیریں گرم وتر دوسرے درجے میں خام آم ترش گرم سرد اور گٹھلی سرد خشک ہوتی ہے۔

مقدار خوراک : بقدر ضرورت پیٹ بھرلیں۔باقی اجزا ایک ماشہ سے ایک تولہ تک۔

افعال و اثرات : پختہ شیریں آم غدی اعصابی مقوی ہے یعنی غدی محرک، اعصابی محلل اور عضلاتی مسکن۔ خام ترش آم عضلاتی، اعصابی، پھول گوند، پتے اور چھال اعصابی غدی اور گٹھلی عضلاتی اعصابی۔ کیمیاوی طور پر خون میں حرارت کی پیدائش اور خون میں رقت پیدا ہو جاتی ہے۔

خواص : مقوی گردے و جگر اور غدد، مولد حرارت و رطوبات مسمن بدن، ہاضم، ملین، مقوی باہ، خام مقوی معدہ قلب اور مسکن اعصاب۔ تمام طبی کتب میں خام و ترش آم کا مزاج سرد خشک لکھا ہے لیکن ہم نے اس کا مزاج گرم خشک (غدی عضلاتی) لکھا ہے۔ ہم نے املی کے خواص میں لکھا تھا کہ ترشی دو قسم کی ہوتی ہے: (۱) سرد ترشی جیسے املی کی ترشی ہوتی ہے۔ (۲) گرم ترش جیسے اچار اور کشمش کی ترشی وغیرہ۔ آم کی ترشی بھی گرم ہوتی ہے۔ دلیل یہ ہے کہ ہر گرم شے کی ترشی اپنے اندر حرارت رکھتی ہے۔ اگر اس میں حرارت نہ ہو تو اس شے میں حرارت پیدا نہیں ہو سکتی۔ یہی صورت ایسے میٹھے آم کی بھی ہے جس میں ترشی بھی پائی جاتی ہے۔ یقیناً اس کا مزاج گرم خشک (غدی عضلاتی) ہوتا ہے۔ ایسے آم کھانے سے خون کی بجائے جسم میں صفرا پیدا ہوتا ہے۔ ہر پختہ آم کو گرم تر خیال کر لینا صحیح نہیں ہے۔۔

بعض کتب میں خام و ترش آم کو لُو کے دور کرنے کے لئے نہایت مفید لکھا ہے۔ واقعی مفید ہے۔ جس کے دو طریقے بیان کئے ہیں:

1. خام آم چھیل کر قاشیں بنا کر پانی میں بھگو دیں۔ جب پانی میں ترشی پیدا ہو جائے تو اس کو میٹھا کر کے پلائیں۔
2. خام آم کو گرم خاکستر میں دبا دیں۔ جب وہ پختہ ہو کر نرم ہو جائے تو اس کو نچوڑ کر میٹھا ملا کر لُو زدہ مریض کو پلائیں بہت جلد آرام آ جاتا ہے۔ جب تیز دھوپ میں گرمی کی شدت سے غش آ جائے جسے انگریزی میں سن سٹروک کہتے ہیں، اس کے لئے بہت مفید ہے۔

غلط فهمی : خام آم کا رس جس کو گرم خاکستر میں پختہ کر کے نکالا گیا ہو ضرب شمسی (سن سٹروک) کے لئے یقیناً مفید ہے۔ لیکن اس مقصد کے لئے ضروری نہیں کہ آم کی ترشی ہی ہو۔ کوئی بھی گرم ترشی ہو یقیناً مفید ہے۔ جیسے منقیٰ کو پانی میں پیس کر گرم کریں۔ پھر ٹھنڈا کر کے پلا دیں۔ آم کی تخصیص اس لئے ہے کہ لُو سخت گرم موسم میں لگتی ہے اور اس موسم میں آموں کی کثرت ہوتی ہے۔ آسانی سے مل جاتے ہیں اور ان کا رس بھی نکل آتا ہے۔ بہر حال گرم ترشی کے خواص میں سے ایک تحقیقات لکھ دی ہے تاکہ ضرورت کے وقت اس سے کام لیا جا سکے اور اس کے اثرات و افعال کا پورا علم ہو جائے۔ یاد رکھیں کہ سرد ترشی مسکنِ جگر و غدد ہے۔ مگر گرم ترشی کا اثر ان میں حرارت پیدا کر دیتا ہے۔

پختہ شیریں آم میں کافی مقدار میں گندھک اور مٹھاس پیدا ہو جاتی ہے جس کا اخراج گردوں کے ذریعے ہوتا ہے۔ اگر زیادہ آم کھا لئے جائیں تو بعض اوقات پیشاب میں جلن پیدا ہو جاتی ہے۔ اس کا علاج یہ ہے کہ دودھ کی لسی پی جائے لیکن یہ ضروری نہیں کہ جب آم کھائے جائیں تو لسی پی جائے۔ جب تک پیشاب میں جلن نہ ہو لسی ہرگز استعمال نہ کریں۔ اس طرح آم سے جو غذائیت اور طاقت پیدا ہونا ہوتی ہے وہ ضائع ہو جاتی ہے۔ آم کھا کر چائے بھی پی جا سکتی ہے جس سے کوئی نقصان نہیں ہوتا۔

آم کے پھول و پتے اور گوند و چھال وغیرہ گلے سے لے کر آنتوں کے غدد کی سوزش تک میں مفید ہیں۔ جوشاندہ اور سفوف وغیرہ کی صورت میں دے سکتے ہیں۔ زحیر اور ورم امعاء کے لئے تسلی بخش دوا ہے۔ آم چونکہ موسم گرما کا پھل ہے اس کا دوسرے موسم میں ملنا بے حد مشکل ہے۔ اس لئے اطباء نے چند مرکبات تیار کر لئے ہیں جو بوقت ضرورت کام دیتے ہیں۔ امرس وا مچور اور اچار و مربہ وغیرہ اور آج کل آم کی میٹھی چٹنی، مینگو سکوائش وغیرہ روزانہ کے استعمال کی چیزیں ہیں جو ہر موسم میں مل جاتی ہیں۔ آم کو آگ میں جلا کر اس کی گری نکال کر سفوف بنا لیں، مقوی معدہ امعاء اور ان کی کمزوری سے جو سہال آتے ہیں، ان کے لئے بے حد مفید ہے۔

انار

تعارف : عربی میں رمان، فارسی میں انار، سندھی میں داڑھو، بنگالی میں واڑم یا ڈالم اور انگریزی میں پومی گرنیٹ کہتے ہیں۔ایک مشہور پھل ہے۔اس کا پودا پانچ چھ فٹ تک بلند ہوتا ہے اس کی ٹہنیاں اس قدر نازک ہوتی ہیں کہ وہ اس کے پھل کا بوجھ برداشت نہیں کر سکتیں اور اکثر ٹوٹ جاتی ہیں یا جھک جاتی ہیں۔اکثر باغات میں لگایا جاتا ہے۔ضروری پھلوں میں شمار ہوتا ہے۔

ذائقہ کے لحاظ سے یہ تین قسم کا ہوتا ہے۔شیریں ترش اور کھٹ مٹھا تینوں استعمال ہوتے ہیں اور بطور دوا انار کا چھلکا، انار دانہ، کلی انار اور انار کی چھال بھی استعمال ہوتی ہے۔دوا کے طور پر تازہ انار اور اس کے رس کے علاوہ شربت انار اور رب انار بھی استعمال کیا جاتا ہے۔وزن کے لحاظ سے نصف پاؤ سے نصف سیر تک ہوتا ہے۔

مقام پیدائش : انار گرم موسم کا پھل ہے اور گرم علاقے میں پیدا ہوتا ہے۔پاک و ہند میں اکثر مقامات پر پایا جاتا ہے۔دیگر گرم علاقوں میں بھی پایا جاتا ہے۔بلکہ عالمی پھل ہے قرآن حکیم میں انار کا ذکر ہے۔

رنگت اور ذائقہ : انار کا چھلکا بھورا زردی مائل، گل انار سرخ، تازہ دانے سفید گلابی اور سرخ شوخ ہوتے ہیں۔ذائقہ چھلکا، چھال اور گل انار پھیکا تلخی مائل، تازہ دانے شیریں، ترش اور کھٹ میٹھے۔تین ذائقوں میں پایا جاتا ہے اور جن دانوں میں رس بھرا ہوا اور دانے نرم ہوں وہ بہترین انار کہلاتا ہے۔

مزاج : انار شیریں تر دوسرے درجے پر ہے۔اور گرم پہلے درجہ میں انار ترش سرد دوسرے میں تر اور پہلے درجہ میں خشک ہوتا ہے۔

مقدار خوراک : آب انار نصف پاؤ سے نصف کلو تک چھلکا و چھال اور گل انار 6 ماشہ سے ایک تولہ تک۔

افعال و اثرات : انار شیریں اعصابی غدی مقوی یعنی اعصابی محرک، غدی محلل اور عضلاتی مسکن۔اسی طرح انار ترش عضلاتی اعصابی، کھٹ میٹھا اعصابی ہے۔کیمیاوی طور پر خون میں کھاری پن پیدا کرتا ہے اور اخلاط میں طبعی اور خاص بلغم کی پیدائش بڑھ جاتی ہے۔

خواص : انار شیریں مفرح قلب، مقوی اعصاب، دافع سوزش جگر و گردے، مدر بول اور مخرج صفرا، بندش خون بواسیر، بول الدم، قے الدم، نکسیر و زحیر خونی ہے، دافع حمیات غدد خصوصاً تپ دق میں بے حد مفید ہے۔انار ترش مقوی معدہ و امعاء اور قلب دافع سوزش جگر اور گردے، مدر بول، چھال و چھلکا اور گل انار مقوی معدہ و امعا، دافع کرم امعاء اور اسہال مزمن قابض مقوی دوا ہیں۔

فوائد : قرآن حکیم میں انار کو جنت کا پھل کہا گیا ہے اگرچہ ہمارے دنیاوی انار کو جنت کے انار سے کوئی مناسبت نہیں ہے۔تاہم ایک مشابہت ضرور ہے۔قرآن حکیم نے جن اشیاء کو بیان کیا ہے ان کے خواص و فوائد اور افعال و اثرات کا ضرور پتہ چلتا ہے۔

سورہ رحمٰن میں انار کے متعلق اس طرح ذکر ہے: ﴿ فِيهِمَا فَاكِهَةٌ وَ نَخْلٌ وَ رُمَّانٌ ﴾ ۔

اس آیت کریمہ میں رمان کو پھل لکھا ہے، پہلے نخل کا ذکر ہے، بعد میں رُمان کا ذکر ہے۔اگر ہم غور کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ پہلے نخل کا موسم آتا ہے اور پھر رُمان کا موسم آتا ہے۔اسی طرح اگر غور کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ اگر نخل کے کثرت استعمال سے جو خراب اور تکلیف دہ علامات جسم انسان میں پیدا ہوتی ہیں یعنی سوزش بول، ذحیر خونی، گھبراہٹ قلب وغیرہ اگر ان علامات کے لئے رُمّان کو استعمال کیا جائے تو ان کو یقینی آرام کی صورت پیدا ہو جائے گی۔گویا نخل اور رمان کو پہلے اور بعد میں استعمال کر کے دونوں کے خواص و فوائد کو بیان کر دیا ہے۔پھر دونوں کو نعمت کہا ہے۔ویسے بھی اس دُنیا میں ہر شے نعمت ہے اور ساتھ ہی انس وجن دونوں کو تاکیداً کہا ہے کہ:

﴿ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴾ ''تم اللہ تعالیٰ کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے''۔

ان خواص وفوائد سے زیادہ بہتر انار کے افعال واثرات کیا ہوسکتے ہیں۔ یہاں یہ امر بھی ذہن نشین کر لیں کہ انار کے تمام اجزاء اپنے افعال واثرات میں بہت حد تک ایک ہی قسم کے ہوتے ہیں۔البتہ بنیادی تحریکات کو مدنظر رکھنا ضروری ہے۔

انجبار

تعارف: ایک درخت کی جڑیں ہوتی ہیں۔جو ملک شام میں ہوتا ہے۔یہ درخت تقریباً قدآور ہوتا ہے۔شاخیں باریک ہوتی ہیں۔جڑیں کھردری اور بے ڈھنگی ہوتی ہیں۔جب اس کے پھول گر جاتے ہیں تو اس پر چھوٹے چھوٹے غلاف نمودار ہوتے ہیں،جن میں باریک تخم بھرے ہوتے ہیں۔علاج میں عام طور پر اس کی جڑیں یا اس کا چھلکا استعمال ہوتا ہے۔

رنگت اور ذائقہ: جڑ سرخ سیاہی مائل اور پھول بھی سرخ ہوتے ہیں۔ذائقہ پھیکا کسیلا ہوتا ہے۔

مزاج: پہلے درجے میں خشک سرد ہوتا ہے،بعض نے دوسرے درجے میں لکھا ہے۔

مقدار خوراک: چھ ماشے۔

افعال و استعمال: عضلاتی اعصابی مقوی یعنی عضلاتی محرک،اعصابی محلل اور غدی مسکن ہے۔کیمیاوی طور پر بلغم میں گاڑھا پن پیدا کرتا ہے۔اور اخلاط میں سودا کی مقدار بڑھ جاتی ہے۔

خواص: قابض،مغلظ رطوبات،مقوی معدہ اور رطوبات،بندش خون،دافع جوش خون،مسکن صفراء اور حرارت۔

فوائد: عام طور پر اطباء اور حکماء نے اس کے فوائد متضاد لکھے ہیں۔معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اس کی نہ تحقیق کی ہے اور نہ ہی سمجھنے کی کوشش کی ہے۔اکثر سوداوی ادویہ اور اغذیہ کا یہی حال ہے۔

حکیم محمد کبیر الدین صاحب اپنی کتاب علم الادویہ نفیسی کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:''اسہال دموی،بول الدم،بول امعاء اور نفث الدم کثرت حیض اور ہر ایک عضو کے سیلان خون کو روکنے کے لئے بکثرت استعمال ہے پرانے دستوں کے لئے بھی مستعمل ہے خواہ خونی ہوں،خواہ غیر خونی۔جراحیات سے سیلان خون کو روکنے کے لئے بطور ذرور بھی استعمال کی جاتی ہے۔

یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ جو دوا یا غذا جب کسی عضو سے خون کی آمد کو بند کر دے گی جس سے خون کا دباؤ کم ہو جاتا ہے یہ ناممکن ہے کہ ایک ہی دوا بندش خون بھی کرے اور حابس بھی ہو یہ تو ہوسکتا ہے کہ اپنی شدت سردی سے رطوبات کو گاڑھا کرے اور ان کا اخراج بند کر دے۔

اسی طرح اسہال اور زحیر دو مختلف امراض ہیں دونوں کبھی اکٹھی نہیں ہوسکتیں،بلکہ اسہال لانا زحیر کا علاج ہے۔کیونکہ اسہال ہمیشہ سردی سے اور سوزش اعصاب سے آتے ہیں۔اور زحیر یعنی پیچش گرمی اور سوزش جگر سے ہوتی ہے۔اس لئے کوئی ایک دوا دونوں کے لئے مفید نہیں ہوسکتی۔

یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ خون ہمیشہ زحیر میں آتا ہے،اسہال میں نہیں آسکتا،اس لئے زحیر خونی تو ہوسکتی ہے،مگر اسہال دموی کبھی نہیں ہوسکتے۔

انجبار کو افعال میں حابس خون اور قابض لکھا ہے۔جاننا چاہئے کہ حبس ہمیشہ رطوبات میں ہوتا ہے اور خون میں نہیں ہوسکتا ہے۔

یاد رکھیں کہ جس عضو سے خون آ رہا ہو وہاں اگر جس رطوبات کر دیا جائے تو خون کے آنے میں شدت ہو جائے گی۔ اسی طرح قبض میں رطوبت اور مواد تو رُک سکتے ہیں مگر خون نہیں رُک سکتا۔ بلکہ قبض کی صورت میں زیادہ آتا ہے۔ بہر حال کسی دوا کے متضاد فوائد تسلیم کرنا علاج میں مشکل پیدا کر دیتے ہیں۔

جاننا چاہئے کہ جوادویہ واغذیہ خشک اور سرد ہوتی ہیں وہ جسم میں سودا پیدا کرتی ہیں۔ جو اپنی انتہائی سردی کی وجہ سے بلغم کو غلیظ کر دیتا ہے۔ جس سے ایک طرف تو رطوبات جم جاتی ہیں اور دوسری طرف وہ خون کو وہاں سے واپس کر دیتی ہیں جس کو رادع کہتے ہیں۔ اس طرح دونوں عمل بیک وقت ہو جاتے ہیں۔

یہ بات بھی ذہن سے نکال دیں کہ سودا وہ خلط ہے جو جل چکی ہے۔ ہرگز نہیں، بلکہ سودا میں سردی کی شدت ہے۔ جس کو ابھی تک گرمی کا کوئی اثر نہیں ملا ہے۔

یاد رکھیں کہ جلی ہوئی خلط رطوبات کو غلیظ نہیں کر سکتی کیونکہ جوادویہ اور اغذیہ جل چکی ہیں ان کے اجزا منتشر ہو جاتے ہیں۔ متحد نہیں رہ سکتے لہٰذا وہ رطوبات کو کیسے غلیظ کر سکتے ہیں اور خون کی تیزی کو کیسے روک سکتے ہیں۔

انجبار مقوی عضلات ہے اور اندرونی اور بیرونی طور پر اپنی سردی خشکی کی وجہ سے تقویت کا باعث ہوتی ہے۔ رطوبات کو غلیظ کر کے خون میں تیزی کو روکتی ہے۔ اس کا اثر تمام جسم پر پڑتا ہے۔ خون کسی حصہ جسم سے آ رہا ہو رُک جاتا ہے۔ یہ خون ناک و منہ، سینہ و پیٹ اور پیشاب و پاخانہ کہیں سے بھی آ رہا ہو، رُک جاتا ہے۔ کھلانے کے علاوہ اگر بیرونی طور پر بھی استعمال کیا جائے تو بھی خون بند کر دیتا ہے۔ اگر عضلات ڈھیلے بھی گئے ہوں تو بھی اس کا لیپ مفید ہوتا ہے۔

چونکہ مقوی شے قابض ہوتی ہے۔ اس لئے اندرونی اور بیرونی طور پر عضلات میں تقویت کا باعث ہوتی ہے۔ عضلات معدہ و امعاء کے تو قے اور اسہال بند ہو جاتے ہیں اور دیگر عضلات میں بھی تقویت اور انقباض پیدا ہو جاتا ہے۔ میٹھے تیل میں ملا کر اس کی مالش بھی عضلات میں تقویت دیتی ہے۔ علم و فن طب میں یہ کثیر المنافع دوا خیال کی جاتی ہے۔ اس لئے کثیر الاستعمال ہے۔

اندرجو

تعارف : عربی میں لسان العصافیر، فارسی میں زبان ٹیلی چیری سیڈ کہتے ہیں۔ اندرجو کڑا نامی درخت کے بیج ہیں جو اس کی پھلیوں سے نکلتے ہیں، جو شکل میں لمبوترے ہوتے ہیں۔ پھلیاں گول فٹ ڈیڑھ فٹ لمبی ہوتی ہیں۔ ان کے ایک سرے پر روئین کا گچھا سا ہوتا ہے۔ پھلی کو ڈالی سے توڑنے پر دودھ نکل آتا ہے۔ اس کا درخت بیس سے تیس فٹ تک اونچا ہوتا ہے۔ اس کا تنا سیدھا اور موٹائی میں تین چار فٹ کے قریب ہوتا ہے۔ اس کی چھال دبیز ہلکی اور کڑوی ہوتی ہے۔ اس کے پرانے پتے ماگھ میں گر پڑتے ہیں۔ چیت بیساکھ میں نئے نکل آتے ہیں اس میں چیت سے جیٹھ تک پھول آتے ہیں، اور برسات میں پھلیاں نکلتی ہیں جو پھاگن میں خشک ہو جاتی ہیں۔ پھول سفید رنگ کے چمبیلی کے ہم شکل ہوتے ہیں۔ مگر ان میں خوشبو نہیں ہوتی اس کی چھال کو کڑا چھال یا کڑا اسک اور انگریزی میں کرچی بارک (Kurchi Bark) کہتے ہیں۔ فرنگی طب نے اس میں سے ایک کھار (الکائڈ) برآمد کی ہے۔ جس کا نام نونی سین ہے۔

اقسام : ذائقہ کے لحاظ سے اندرجو کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تلخ اور دوسری شیریں صرف تلخ کے مقابلہ میں کہا جاتا ہے ورنہ پھیکی ہوتی ہے درخت کالا کڑا کے تخم اندرجو تلخ کہلاتے ہیں۔ اس کی پھلیوں کا رنگ سیاہ ہوتا ہے اور سفید کڑا کے تخم شیریں ہوتے ہیں۔ اس کی پھلیاں سبز

رنگ کی ہوتی ہیں۔

پیدائش: ہندوستان کے خشک جنگلوں اور ہمالیہ کے گرم حصوں میں عام طور پر پائے جاتے ہیں۔ ان کے خاص مقامات ریاست جموں و یوپی وسطی ہنداور راجپوتانہ کے گرم وخشک مقامات پر چار ہزار فٹ کی بلندی تک ملتے ہیں۔ لاہور شہر کے لارنس گارڈن (جناح باغ) میں بھی اس کے چند درخت ہیں۔ **انگریزی دواساز کمپنیوں کا تیار شدہ سیاہ رب لیکوڈا ایکسٹرکٹ آف کرچی بازار میں دستیاب ہے۔**

رنگت و ذائقہ: اندر جو کی ایک قسم تلخ اور دوسری شیریں کہلاتی ہے۔ چھال بھوری سیاہی مائل پھول سفید چمبیلی کی مانند، دودھ سفید۔ اس کا شیریں ذائقہ دراصل پھیکا ہوتا ہے۔ جو تلخ کے مقابلے میں شیریں کہلاتا ہے۔

مزاج: اندر جو تلخ گرم خشک درجہ اوّل۔

مقدار خوراک: دو رتی سے ایک ماشہ تک۔ اندر جو شریں تر گرم درجہ دوم۔

مقدار خوراک: ایک ماشہ سے تین ماشہ تک۔

افعال و اثرات: اندر جو شیریں اعصابی غدی، یعنی محرک اعصاب محلل غدد اور مسکن عضلات۔ اندر جو تلخ اور اس کی چھال اپنے اثرات میں اندر جو شیریں سے بہت زیادہ شدید ہیں۔ کیمیاوی طور پر صفراء کی پیدائش اور اس کے اخراج کو جاری رکھتی ہیں۔ جس سے صفراوی زہر خارج ہو کر اس میں اعتدال پیدا ہو جاتا ہے، اور جگر کی سوزش رفع ہو جاتی ہے شدید گرم کھار ہے۔

خواص: مولد مخرج صفراء دافع سوزش غدد، مدر بول، بندش حیض، خون، بول و براز اور پیچش خونی و بواسیر، دافع ریاح، جگر و گردوں اور مثانے کی پتھری کو توڑ کر خارج کرتا ہے۔ پیٹ کے کیڑوں کو مارتا ہے۔

فوائد: اندر جو ہندی دوا ہے ویدک کتب میں اس کا ذکر تفصیل سے ہے۔ اگر اس کا نام اندر دیوتا کے نام پر ہے تو وہ بارش کا دیوتا ہے۔ بارش اگر چہ کھار کے قریب ہے مگر اندر جو میں جس حرارت کا اثر ہے، وہ بارش کے پانی میں نہیں ہے البتہ لفظ ''جو'' جو دراصل ریو ہے جس کے معنی مہا (بڑے) کے ہیں۔ ممکن ہے پانی کی گرمی کو ظاہر کرتا ہے۔ بہر حال اندر جو میں اس دوا کے افعال و اثرات پائے جاتے ہیں۔ لیکن ویدوں نے اس کے افعال و اثرات لکھنے میں غلطیاں کی ہیں۔ سب سے بڑی غلطی یہ کی ہے کہ اس کی وات، پت، کف تینوں دوشوں کا ناش کرنے والا لکھا ہے۔ قابل غور بات یہ ہے کہ جب ہر غذا اور دوا کسی نہ کسی ایک دوش کو رفع کرتی ہے تو یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ تمام دوش کو ناش کر دے۔ پھر پیدا کیا کرتی ہے۔ جیسے طب میں کہا جائے کہ فلاں دوا اور غذا تمام اخلاط کو ختم کر دیتی ہے۔ دراصل حقیقت یہ ہے کہ جو اغذیہ اور ادویہ صفرا کی پیدائش اور اس کے اخراج میں اعتدال پیدا کرتی ہیں۔ آیورویدک میں ان کے متعلق ایسا ہی لکھا گیا ہے۔

یاد رکھیں کہ جن بوٹیوں میں دودھ نکلتا ہے۔ اور ان میں کھار پائی جاتی ہے۔ ان میں یہی خوبیاں پائی جاتی ہیں۔ جیسے آک اور تھوہر وغیرہ ایسی بوٹیاں ہی کشتہ بنانے اور اکسیر تیار کرنے کے کام آتی ہیں۔ ایسی ادویہ پرانی اور پیچیدہ امراض میں اعتماد کے ساتھ استعمال کی جاسکتی ہیں۔

اندر جو میں بھی یہ خوبیاں ہیں، اس کے استعمال سے غدد کی سوزش رفع ہو جاتی ہے۔ معدہ و امعاء اور جگر و گردوں کے مزمن امراض خصوصاً پرانی اور خونی پیچش ہمیشہ کے لئے دور ہو جاتے ہیں۔ ان کے علاوہ پرانے بخار خصوصاً دق و سل اور سرطان میں بھی اعتماد کی دوا ہے۔

ایسی ادویہ کے دور کے خواص قریب قریب شہد گھی اور زیتون سے ملتے ہیں۔ یہ اشیا جگر و گردوں کے زہر کو دور کرتی ہیں۔

انڈا

تعارف : عربی میں بیضہ ماکیاں، فارسی میں تخم مرغ اور انگریزی میں ایگ (Egg) کہتے ہیں۔ انڈا سے مراد مرغی کا انڈا ہے۔ اس کے علاوہ بطخ اور دیگر پرندے بھی انڈے دیتے ہیں۔ ان کے خواص ان جانوروں کے خواص کے مطابق ہوتے ہیں۔ مختلف قسم کی مرغیاں مسلسل انڈے دیتی ہیں۔ ایک بار سات یوم سے لے کر دس یوم تک انڈے دیتی ہیں باقی وقت کڑک میں گزارتی ہیں۔ بعض مرغیاں مسلسل انڈے دیتی ہیں۔ کڑک میں وقت نہیں گزارتیں ایسی مرغیاں ولائتی کہلاتی ہیں۔

یادداشت : انڈا ایک مقوی، صالح اور خالص غذا ہے۔ یہ دوا نہیں ہے۔ اس میں اجزائے لحمیہ پوری مقدار اور پوری حرارت میں پائے جاتے ہیں۔ لہٰذا اس کو اجزائے لحمیہ (پروٹین) کا بہترین مرکب سمجھا جاتا ہے۔ بکرے کے گوشت میں حرارت اس سے کم ہوتی ہے۔ گائے کے گوشت میں بکرے کے گوشت سے بھی حرارت کم ہوتی ہے اس کے برعکس اڑنے والے پرندوں کے گوشت اور انڈے میں مرغابی کے گوشت اور انڈے میں بھی زیادہ حرارت ہوتی ہے۔ جیسے تیتر، بٹیر، تلیر اور چڑیا وغیرہ۔ لیکن پانی کے پرندے کے گوشت اور انڈے کی گرمی مرغی کے گوشت اور انڈے کی گرمی سے کم ہوتی ہے جیسے بطخ، مرغابی اور دیگر پرندے وغیرہ۔

رنگت و ذائقہ : انڈے کے اندر دو جز پائے جاتے ہیں ایک کا مصلح گھی خالص ہے۔ بندش بول اور بندش طمث کرتا ہے۔

فوائد : یہ ایک غلط فہمی چلی آتی ہے کہ انڈے کی سفیدی میں تسکین کی قوت ہے اور زردی میں تسکین کی قوت نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس کے بیرونی استعمال میں انڈے کی سفیدی کی نسبت دافع سوزش قوت زیادہ اور دوسری غلط فہمی یہ چلی آتی ہے کہ سفیدی سرد تر اور زردی گرم تر ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ سفیدی اور زردی دونوں میں گندھک کے اثرات پائے جاتے ہیں اور وہ خشک ہے اس لئے دونوں میں خشکی پائی جاتی ہے اور اس وجہ سے انڈے میں خشکی زیادہ ہے، کیونکہ انڈا مولد صفراء ہے اور خون میں حدت پیدا کرتا ہے۔

انڈا ایک بہترین قسم کی مقوی غذا ہے۔ خاص طور پر دائمی نزلہ وزکام، دائمی ریشہ اور ذیابیطس کے لئے بے حد مفید ہے۔ اعصابی بخاروں اور اعصابی اسہال میں بھی بے حد مفید ہے۔ اس کے استعمال سے دِل میں بے حد طاقت پیدا ہوتی ہے۔ اور خون میں حرارت بڑھنا شروع ہو جاتی ہے۔ اس کے کثرت استعمال سے دماغ کی طرف خون کا دباؤ شدید ہو جاتا ہے، اور وہاں سے نزلہ اور ریشہ خشک ہو جاتے ہیں۔ اس کے استعمال سے جسم میں بہت جلد گوشت پیدا ہونا شروع ہو جاتا ہے لیکن اس کے کثرت استعمال سے بواسیر ہو جانے کا خدشہ بڑھ جاتا ہے۔ بڑھاپے کے لئے بے حد مفید ہے، جوانوں میں ضرورت کے مطابق استعمال کرائیں ورنہ احتلام میں شدت پیدا ہو جاتی ہے۔

یادداشت : موجودہ سائنس نے انڈے اور خاص طور پر اس کی زردی کو خشک کر کے دوا کے طور پر استعمال کیا گیا ہے۔

عام طور پر غذا میں تقویت کے لئے اس کا حلوہ استعمال کیا جاتا ہے لیکن کمزور مریضوں کے لئے نیم برشت انڈے کا استعمال زیادہ مفید ہے۔ سوزش معدہ و امعاء کی صورت میں اس کو شہد میں ملا کر نیم گرم کر کے استعمال کرنا بہت مفید ہے۔

انڈے کا چھلکا : اس میں کیلشیم فاسفیٹ بہت بڑی مقدار میں پایا جاتا ہے۔ اس کا کشتہ اعلیٰ درجے کا عضلاتی مقوی ہے جو دائمی نزلہ وزکام، ریشہ، دمہ، ضعف قلب، کثرت بول اور ذیابیطس میں بے حد مفید ہے۔ اس کے علاوہ دافع جریان اور مقوی باہ بھی ہے۔

مقدار خوراک : ایک رتی سے چار رتی تک ہے اسے چائے کے ساتھ استعمال کرنا چاہئے، پانی کے ساتھ بھی دے سکتے ہیں نیم برشت

انڈے میں اس کا استعمال بے حد مفید ہے بلکہ معجزہ نما اثرات ظاہر ہوتے ہیں اس طریق پر اس کا استعمال مندرجہ بالا امراض میں نہایت ہی مفید ہے بلکہ ان امراض میں تریاق کا کام کرتا ہے۔

انزروت

تعارف: عربی میں انزروت، فارسی میں انجدک کہتے ہیں۔ اس کا مشہور نام ماس خورہ ہے یہ ایک نباتاتی گوند ہے۔ اس کے درخت کو عربی میں سائلہ کہتے ہیں۔ یہ ایک خاردار درخت ہے۔ یہ زیادہ ترکرمان اور فارس سے آتا ہے۔

رنگت اور ذائقہ: اس کا رنگ سرخ، زردی مائل اور ذائقہ ہلکا تلخ ہوتا ہے۔

مزاج: خشک تیسرے درجے میں گرم دوسرے درجے میں۔

مقدار خوراک: نصف ماشہ سے ایک ماشہ تک۔

افعال و اثرات: عضلاتی غدی ملین یعنی عضلات میں تحریک غدد میں تسکین اور اعصاب میں تحلیل۔ کیمیاوی طور پر خون میں صفرا اور گرمی خشکی پیدا کرتی ہے۔

خواص: محرک قلب، مولد صفرا، ملین و کاسر ریاح، مجفف، قروح، حابس و دافع بلغم ورطوبات اور محلل اورام ہے۔

فوائد: انزروت کو عام طور پر آنکھ، کان، ناک اور جسم کے زخموں کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ اندرونی طور پر کھانے سے بھی اتنا ہی مفید ہے جتنا کہ بیرونی طور پر استعمال کرنے میں مفید ہے۔ اس کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ ایک طرف تو بلغم اور رطوبت کی پیدائش کو روکتا ہے اور دوسری طرف بلغم اور رطوبت کو پاخانے کے راستے خارج کرتا ہے۔ اور خون میں کیمیاوی طور پر ایسی لزوجیت پیدا کرتا ہے جس سے اندر کے پرانے زخم بھرنا شروع ہو جاتے ہیں اور اس کے ساتھ اس کی یہ خوبی بھی ہے کہ جس جگہ ورم ہو وہاں پر دوران خون کو تیز کر کے حدت پیدا کر دیتا ہے اور ورموں کو تحلیل کر دیتا ہے۔ خصوصاً جوڑوں کے اورام اور عرق النساء کے لیے مفید ہے کیونکہ یہ محرک عضلات کے زخموں کو دور کرنے میں بے حد مفید ہے۔ اس سلسلہ میں دانتوں کا ماس خورہ پیٹ درد اور گلے کا کینسر (سرطان) قابل ذکر ہیں۔ اس کے لیے خاص بات یہ ہے کہ چونکہ یہ ایک قسم کی گوند ہے۔ اس لیے جس دوا میں شامل کی جاتی ہے اس کی گولی بہت سہولت سے بن جاتی ہے۔ یہ مایہ ناز یقینی مؤثر دوا ہے اس لیے اس کا استعمال خصوصاً سرموں میں اور کان اور ناک کے زخموں اور مسوڑھوں کے متعفن زخم کے لیے بے حد مفید ہے۔ اور اندرونی طور پر بھی اس کا استعمال ہر قسم کے عضلاتی زخموں میں جب کہ ان میں پیپ پڑ گئی ہو بے حد مفید ہے۔

انگور

تعارف: عربی میں عنب بنگالی میں واکھ اور انگریزی میں گریپ کہتے ہیں۔ یہ ایک مشہور میوہ ہے جو تمام دنیا میں پایا جاتا ہے۔ اس میں وزن کے لحاظ سے بھی دو اقسام ہیں ایک چھوٹا اور ایک بڑا۔ جب ان کو خشک کر لیا جاتا ہے تو چھوٹے کو کشمش اور بڑے کو مویز (منقیٰ) کہتے ہیں۔ خشک ہونے پر یہ کئی سال تک خراب نہیں ہوتا۔

مقام پیدائش: یہ عام طور پر علاقہ سرحد، بلوچستان کشمیر قندھار اور افغانستان میں پیدا ہوتا ہے چمن کا انگور اپنی خصوصیت کے لحاظ سے خوش رنگ شیریں اور لذیذ ہوتا ہے۔

رنگت اور ذائقہ : رنگت اور ذائقہ کے لحاظ سے تین اقسام زرد سبز اور سیاہ، ذائقہ میں شیریں کم میٹھا اور ترش ہوتے ہیں خام انگور سبز سخت اور انتہائی ترش ہوتا ہے۔ کشمش اور منقیٰ کا رنگ عام طور پر نسواری اور پیلا ہوتا ہے۔ اور ذائقہ انگور کی قسم کے مطابق ہوتا ہے۔

مزاج : تازہ شیر گرم اور تر خام سرد خشک، کشمش اور منقیٰ خشک گرم یعنی گرم ایک حصہ اور خشک دو حصے۔

مقدار خوراک : حسب ضرورت۔

افعال و اثرات : تازہ شیریں غدی، خام عضلاتی، اعصابی خشک، عضلاتی، غدی، کیمیاوی طور پر جسم میں حرارت اور صفراء پیدا کرتا ہے۔ مجموعی طور پر عضلات میں تحریک، غدد میں تسکین اور اعصاب میں تحلیل پیدا کرتا ہے (عضلاتی اعصابی)۔

خواص : مقوی قلب، ملین مولد حرارت، مولد خون صالح، مشتہی مبہی اور جسم میں فربہ پن پیدا کرتا ہے۔ ایک انتہائی مقوی غذائی دوا ہے۔

فوائد : انگور ایک قابل اعتماد غذائی دوا ہے۔ اس کے استعمال سے دِل میں انتہائی تحریک اعصاب میں تقویت اور غدد میں حرارت پیدا ہوتی ہے۔ مسلسل استعمال سے دائمی قبض کا خاتمہ یقینی ہے۔ کشمش اور منقیٰ کے استعمال سے یہی اثرات زیادہ طاقت سے پیدا ہوتے ہیں کشمش اور منقیٰ کا ایک فائدہ یہ ہے کہ اگر بخار جسم کے اندر ہو تو ان کے استعمال سے بخار باہر آ جاتا ہے اس سے جو شراب تیار کی جاتی ہے، وہ دُنیا بھر میں بہترین قسم کی شراب شمار ہوتی ہے۔ اور وہ اثرات کے لحاظ سے بھی وہی عمل رکھتی ہے، جو کشمش اور منقیٰ کا ہے۔

نوٹ : اسلام میں شراب حرام ہے اور خصوصیت کے ساتھ انگور کی شراب کو حرام قرار دیا گیا ہے۔ کیونکہ شراب کے مسلسل استعمال سے خون میں کیمیاوی طور پر ایک ایسا زہر پیدا ہو جاتا ہے، جس سے گوشت میں خمیر پیدا ہو جاتا ہے اور وہ پھول جاتا ہے۔ ایسی صورت میں شراب کے استعمال سے جسم میں گرمی پیدا ہونا ختم ہو جاتی ہے۔ دل کی حرکت بالکل کمزور ہو جاتی ہے اور رفتہ رفتہ انسان مرجاتا ہے۔

بہر حال انگور، کشمش اور منقیٰ مقویات میں شمار ہوتے ہیں۔ ان کی طاقت کا اثر ہمیشہ کے لئے قائم رہتا ہے۔ ان کے استعمال سے نہ ہی جسم میں زہر پیدا ہوتا ہے اور نہ ہی گوشت میں فساد پیدا ہوتا ہے۔ اور نہ ہی خون میں تعفن پیدا ہوتا ہے۔ یہ ایک ایسی خوراک ہے جو ہر موسم میں دِل کی تحریک، دماغ کی تقویت اور جگر کی حرارت کے لئے استعمال کی جاسکتی ہے۔ اس کا ہر گھر میں ہونا ضروری ہے۔

اس کا سرکہ بھی تیار کیا جاتا ہے، جو تمام سرکوں سے بہتر شمار ہوتا ہے جس کے اثرات خام انگور کے مطابق ہیں۔ یعنی عضلاتی اعصابی اور غذا کے ساتھ سرکہ استعمال کرنا دِل کی تقویت کے لئے مفید ہے۔ یاد رکھیں کہ سرکہ میں غذائیت نہیں ہوتی صرف دوائیت ہی ہوتی ہے۔ اس کا ہر گھر میں ہونا ضروری ہے۔ سکون قلب کے لئے مفید ہے۔

انناس

تعارف : ایک مشہور پھل ہے۔ جس کو بنگالی میں انارس اور انگریزی میں پائن ایپل کہتے ہیں، اس کا پودا کیوڑے سے مشابہ ہوتا ہے، اسی کی مانند پتے ہوتے ہیں، پتوں کے درمیان میں شاخیں نکلتی ہیں اور ان پر پھل نکلتے ہیں۔ جن کو انناس کہتے ہیں۔ اس کا چھلکا موٹا ہوتا ہے جس پر ابھار درابھار بنے ہوتے ہیں۔ اس چھلکے کو اُتارنے کے بعد اندر زرد رنگ کا گودا ہوتا ہے جو کھایا جاتا ہے۔

رنگت اور ذائقہ : انناس باہر سے سرخ سبزی مائل اور اندر سے زرد رنگ کا ہوتا ہے۔ ذائقہ شیریں، ترشی مائل خام ترش ہوتا ہے۔ اس کا مقام پیدائش ہندوستان اور مشرق بعید ہے۔

مزاج : گرم پہلے درجہ میں تر دوسرے درجہ میں اور خام سرد خشک ہوتا ہے۔

خوراک : آدھ پاؤ سے نصف سیر تک لے سکتے ہیں۔

افعال و اثرات : پختہ غدی اعصابی، غدی محرک وعضلاتی محلل اور اعصابی مسکن، خام غدی عضلاتی ہوتا ہے۔ کیمیاوی طور خون میں صفراء پیدا کرتا ہے۔

خواص : محرک جگر و گردہ، مقوی قلب، مولد صفرا اور بول، مسکن اعصاب، مدر حیض اور مسقط جنین، ملین، قاطع سودا اور مخرج بلغم و ریگ اور پتھری، معرق، مفرح اور ایک لذیذ غذائی دوا ہے۔

فوائد : جناب حکیم کبیرالدین صاحب نے اپنی کتاب الادویہ (مخزن المفردات) میں اناس کا مزاج سرد تر دوسرے درجے میں لکھا ہے، اور افعال میں مسکن صفراء لکھا ہے۔ لیکن ساتھ ہی مدر بول وحیض گردہ ومثانہ سے سنگ اور ریگ کو خارج کرنے میں مستعمل ہے۔ بعض کتب میں اس کو مخرج جنین لکھا ہے۔

حیرت کا مقام ہے کہ جو دوا مدر حیض اور مخرج جنین ہو وہ کیسے سرد تر اور مسکن صفراء ہو سکتی ہے۔ دُنیا بھر میں کوئی بھی ایسی سرد تر دوا نہیں ہے جو مدر حیض اور مسقط حمل ہو یہ بہت بڑی غلط فہمی ہے۔

جہاں تک اس کے مفرح اور مقوی قلب ہونے کا تعلق ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اناس بڑی اعلیٰ قسم کی قاطع سودا دوا ہے جس سے قلب میں تقویت پیدا ہونے کے ساتھ ساتھ جگر و گردوں اور غدد میں تری اور حرارت پیدا ہو جاتی ہے۔ اپنی اس صفت میں واحد پھل ہے۔ موسم گرما میں اس کا شربت بھی تیار کیا جاتا ہے جو اپنے خواص کے لحاظ سے مخصوص مقام رکھتا ہے۔ اس کا مربہ بھی تیار کیا جاتا ہے جو بند ڈبوں میں بازار میں عام ملتا ہے اور ہر موسم میں قابل استعمال ہے۔

انیسوں

تعارف : عربی میں کمون، فارسی میں بادیان رومی، بنگالی میں موری اور انگریزی میں اینی سائی کہتے ہیں۔ اس کے گول لمبوترے اور بیضوی شکل کے تخم ہوتے ہیں جو بادیان سے قدرے چھوٹے ہوتے ہیں، یہ نہایت ہی قدیم یونانی ادویہ میں سے ایک دوا ہے، یہ ایک مشہور ترین قسم کی دوا ہے اور اس کا پودا بادیان کی طرح کا ہوتا ہے۔

رنگت اور ذائقہ : اس کی رنگت زرد سبزی مائل ہوتی ہے، اور ذائقہ خوش گوار، قدرے تلخ اور تیز ہوتا ہے۔

مزاج : گرم دوسرے درجے میں اور تر پہلے درجے میں۔

مقدار خوراک : 3 سے 6 ماشہ تک۔

افعال و اثرات : غدی اعصابی، یعنی غدی محرک، عضلاتی محلل اور اعصابی مسکن کیمیاوی طور پر صفراء اور حرارت پیدا کرتی ہے۔ جس سے خون کے اندر تیزی پیدا ہو جاتی ہے۔

خواص : محرک جگر و گردہ، مولد صفراء اور کاسر ریاح۔ قاطع سودا و مخرج بلغم۔ مدر بول وحیض، معرق، سنگ و ریگ گردہ اور مثانہ کو خارج کرتا ہے۔ اس کے علاوہ مسقط حمل ہے۔

فوائد : بہت کم ایسی ادویات ہیں جو خالص صفرا پیدا کریں اور اس طرح صفرا اور حرارت پیدا ہو کر جسم کے خوفناک امراض کو دور کر دے ان میں سے ایک انیسوں بھی کامیاب دوا ہے جب جگر و گردے ٹھنڈے ہو جائیں۔ معدہ میں ریاح و ترشی کی زیادتی ہو، عضلاتی سوزش سے

درد ہو تو یہ ایک کامیاب دوا ہے سوداوی امراض میں یقینی اور بے خطا دوا ہے پرانی کھانسی و دمہ اور بلغمی انجماد خون کے لئے مفید ترین دوا ہے۔ بندش بول وحیض کے لئے روزانہ استعمال ہونے والی دوا ہے ریاحی دردوں کے لئے فوری اثر کرنے والی دوا ہے۔ پیچش ومروڑ میں بے حد مفید ہے۔ اس میں سے روغن بھی نکالا جاتا ہے۔ جو مندرجہ بالا امراض میں اندرونی اور بیرونی طور پر تریاق کا کام کرتا ہے۔ اس دوا اوراس کے مرکبات کا ہر مطب میں تو کیا بلکہ ہر گھر میں ہونا نہایت ضروری ہے۔

یاد رکھیں کہ چرپری ادویات میں سونٹھ وفلفل سیاہ اور فلفل دراز کے پائے کی دوا ہے۔ اس کے استعمال سے فوراً صفراء اور حرارت کی پیدائش شروع ہو جاتی ہے۔ جس سے جسم خصوصاً عضلات میں سوزش واورام اور بخاروں کے لئے اعتماد کی دوا ہے۔

اجمود

تعارف : عربی بزرالکرفس اور فارسی میں کرفس کہتے ہیں۔ اجوائن کی ایک قسم میں شمار کرتے ہیں کیونکہ اس کا ذائقہ اور بواس کے مشابہ ہوتی ہے۔ مگر اجمود کا بیج اجوائن دیسی سے کسی قدر موٹا ہوتا ہے، بعض اجمود کو ماہیتاً کرفس سے ایک جداگانہ دوا خیال کرتے ہیں۔ کیونکہ اجمود کا دانہ اجوائن دیسی کے دانے سے دو چند موٹا ہوتا ہے اور کرفس کا دانہ اجمود سے چار گنا باریک ہوتا ہے۔ اور ان ہر سہ اجناس کی ظاہری رنگت بھی مختلف ہوتی ہے۔ البتہ جنسی لحاظ سے اس کو اجوائن دیسی اور کرفس کی ایک ہی قسم خیال کیا جاتا ہے۔ اس لئے اطباء جملہ افعال واثرات میں اجوائن دیسی کے مشابہ خیال کرتے ہیں اور چہار اجوائن میں اس کو شریک کرتے ہیں۔

اجمود کے پودے بھی اجوائن کی طرح ہوتے ہیں اور پاک وہند میں ہر جگہ کاشت کئے جاتے ہیں۔ کسان انہیں کھیتوں میں بوتے ہیں۔ خصوصاً پنجاب کے پہاڑوں اور مغربی گھاٹ پر بکثرت پیدا ہوتا ہے۔ اس کی کاشت بھی اجوائن کی طرح ہوتی ہے۔ اجوائن کی طرح اس کی شاخوں پر بھی بڑے بڑے چھتے لگتے ہیں جن میں اس کا بیج ہوتا ہے۔

رنگت اور ذائقہ : اجمود کا رنگ سبزی مائل ہونے کے باعث اجوائن کے دانوں سے بآسانی پہچانے جاتے ہیں۔ ذائقہ چرپرہ، تلخی مائل ہوتا ہے۔ تیزی اور خوشبو میں اجوائن سے کم تند ہوتی ہے۔ مزاج گرم خشک دوسرے درجے میں۔

افعال و اثرات : غدی عضلاتی یعنی غدد میں تحریک، عضلات میں تحلیل اور اعصاب میں تسکین کیمیاوی طور پر خون میں صفرا اور حرارت پیدا ہوتی ہے۔

خواص : مسمن ومجفف جگر، مسکن دماغ واعصاب، جالی، مشتہی، کاسر ریاح، مدر حار، قاتل کرم اور دافع تعفن۔

فوائد : ضعف جگر وگردے اور معدہ وامعا کے لئے بے حد مفید ہے۔ جو دو یہ مسہلہ امعاء میں سوزش پیدا کر دیتی ہیں ان کے لئے اجمود مفید ہے۔ جگر اور گردوں سے پتھری کا اخراج کرتی ہے اور ان میں تحریک پیدا کرتی ہے۔ عضلات میں تحلیل پیدا کر کے پسینہ لاتی ہے، بخاروں میں مفید ہے۔ جسم کو گرم کر کے حرارت غریزی کو بڑھاتی ہے بندش حیض اور سردی سے بند شدہ بول کو جاری کرتی ہے۔ صفراء کی پیدائش سے دافع تعفن اور قاتل کرم ہے۔ بدہضمی و نفخ اور قے واسہال کے لئے بھروسہ کی دوا ہے۔ نقرس اور ہیضے کے لئے یقینی دوا ہے۔ آنکھوں کے سرد امراض میں مفید ہے درد جسم و درد پہلو جو سردی کی وجہ سے ہوں ان کے لئے اس کا استعمال مفید ہے اسی طرح ہچکی اور پتی اچھلنے میں مفید ہے۔

اخروٹ

تعارف : عربی میں جوز، فارسی میں گردگان کہتے ہیں ایک قسم کا خشک پھل ومیوہ ہے جس کا مغز بہت نرم ہوتا ہے مگر اس کا چھلکا بہت سخت ہوتا ہے۔ مغز اور چھلکا دونوں گول ہوتے ہیں اس کی ایک قسم کا غذی اخروٹ کی ہوتی ہے جس کا چھلکا ہاتھ سے دبانے پر ٹوٹ جاتا ہے اخروٹ دوائے غذائی ہے۔ مغز میں ایک قسم کا فراری روغن ہوتا ہے جس میں بے حد تیزی ہوتی ہے اس لئے جب کچھ زیادہ کھایا جائے تو منہ وزبان اور گلے میں سوزش ہو جاتی ہے۔

رنگت اور ذائقه : چھلکا خام حالت میں سبز اور پختہ ہونے پر خاکستری ہو جاتا ہے، مغز سفید خاکی مائل ہوتا ہے۔ مغز چرب خشک مگر بہت لذیذ ہوتا ہے۔ مزاج گرم دوسرے درجے میں اور خشک پہلے درجے میں۔ بعض ان کے روغن کی وجہ سے گرم تر بھی لکھتے ہیں۔ یاد رکھیں کہ گرم تر شے سے منہ وزبان اور گلے میں سوزش نہیں ہو سکتی۔ اس لئے یہ گرم خشک ہے۔

افعال و اثرات : غدی عضلاتی یعنی غدد میں تحریک۔ عضلات میں تحلیل اور اعصاب میں تسکین، کیمیاوی طور پر خون میں صفراء اور حرارت پیدا کر کے حرارت غریزی کی مدد کرتا ہے یعنی حار غریزی ہے یعنی ایسی شے جو حرارت غریزی کی مدد کرے۔ اس لئے محافظ جوانی اور اعادہ شباب میں مفید ہے۔

خواص : مقوی خواص ظاہری و باطنی اور روح ونفس، مولد حرارت صالح، مشتی ومبہی، ملین ومقوی معدہ وامعاء اور گردہ ومثانہ، محلل اور جالی، ایک بے حد لذیذ میوہ ہے، مولد شیر ومنی اور محرک باہ، مخرج حیض اور مقوی رحم ہے۔

خصوصی تاکید : اخروٹ دوائے غذائی ہے اور اس میں روغنیت شامل ہے۔ اس لئے اس میں حرارت پیدا کرنے کے لئے دو اثرات ہیں۔ اوّل یہ خود غدد میں تحریک دے کر حرارت پیدا کرتا ہے دوسرے اس کے غذائی اجزاء حرارت میں تبدیل ہو جاتے ہیں جو نشوونما کا باعث بنتی ہے۔

فوائد : ضعف گردہ ومثانہ اور جگر کو دور کر کے جسم میں حرارت اور قوت پیدا کرتا ہے۔ اس کا اثر دل ودماغ پر خاص طور پر محسوس ہوتا ہے۔ بعض حکماء ادویہ واغذیہ کو جسم میں مشابہت کی وجہ سے ان کے بالخاصہ افعال واثرات کو انہی ایک مناسبت سے بیان کرتے ہیں۔ ان کا خیال ہے چونکہ اخروٹ خصوصاً اس کے مغز کی شکل بالکل دماغ کے ساتھ ملتی ہے۔ اس لئے یہ خصوصیت کے ساتھ مقوی دماغ ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ غدی تحریک کی وجہ سے اور حار غریزی ہونے کی وجہ سے دماغ کے غدی پردے (غشائے مخاطی) میں تحریک دینے سے دماغ اور اعصاب کے لئے بے حد مقوی بن جاتی ہے۔ اس لئے معدہ وامعاء میں مشتی ومبہی اور ملین اثر کرتا ہے۔ گردوں کو تقویت دینے کی وجہ سے ضعف باہ کے لئے خاص شے ہے۔ اس کا مولد منی ہونا بھی تقویت باہ کے لئے مفید ہے۔

اپنے انہی اثرات کی وجہ سے عورتوں کے لئے بھی اخروٹ خاص شے ہے۔ جسم میں خون پیدا کرتا ہے اور خون کو تقویت دیتا ہے۔ پستانوں میں تناؤ پیدا کر کے ان میں خوبصورتی پیدا کرتا ہے۔ ماہواری کو باقاعدہ کرتا ہے۔ سیلان الرحم کو ختم کر دیتا ہے۔ عورتوں میں ایک نئی زندگی اور جوانی پیدا کرتا ہے۔ خاص بات یہ ہے کہ عورت کی فرج میں تنگی اور تقویت پیدا کر دیتا ہے۔

مرد اور عورت دونوں کے خواص ظاہری اور باطنی میں تیزی اور روح ونفس میں نئی زندگی پیدا کرتا ہے۔ سردیوں میں اس کا غذا کے بعد استعمال صحت وقیام جوانی کے لئے بے حد مفید ہے۔

اجوائن خراسانی

تعارف : عربی میں مین بج اور تخموں کو بزرالبنج اور سیکراں بھی کہتے ہیں چونکہ خراساں کی پیداوار ہے اور وہاں سے آتی ہے اس لئے خراسانی کہلاتی ہے۔ لیکن کشمیر سے گڑھال تک کے پہاڑی علاقہ میں کافی مقدار میں پیدا ہوتی ہے یہ پودا کشمیر کے علاقہ میں اردگرد بنجر زمین پر پانچ ہزار سے نو ہزار کی بلندی پر عام ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ دیگر مقامات پر بھی اس کی کاشت کی جاتی ہے۔ پودے پر روئیں، پتے بیضوی شکل پانچ انچ کے قریب لمبے ہوتے ہیں۔ اس کا پودا اور پتے بھی اجوائن دیسی کے مشابہ ہوتے ہیں۔ اور اسی کی مانند اس کی شاخوں پر بھی چھتے سے لگتے ہیں۔ جب وہ چھتے پک جاتے ہیں تو مقامی باشندے ان کو کوٹ کر دانے نکال لیتے ہیں۔ جو دیسی اجوائن سے کچھ بڑے ہوتے ہیں۔ پھولوں کی رنگت کے لحاظ سے اجوائن خراسانی تین قسم کی ہوتی ہے، (۱) سفید (۲) سرخ (۳) سیاہ۔

عام طور پر سفید پھولوں والی زیادہ استعمال ہوتی ہے۔ بعض سرخ کو بھی استعمال کرتے ہیں۔ لیکن سیاہ کو زیادہ سمی اور قاتل ہونے کی وجہ سے ممنوع قرار دے دیا گیا ہے۔ لیکن حقیقت ہے کہ تینوں اقسام کی اجوائن خراسانی سمی اثر ہی رکھتی ہے۔ اس کا استعمال انتہائی ضرورت اور شدید امراض ہی میں کرنا چاہئے، اور کچھ آرام کے بعد استعمال ترک کر دینا چاہئے۔

یاد رکھیں کہ ہر قسم کی زہریلی ادویات سے دور رہیں۔ جب تک دیگر ادویہ سے علاج ہو سکتا ہے، زہریلی ادویہ کو کبھی استعمال نہ کریں۔ یہ بھی یاد رکھیں کہ مخدرات اور منشیات کے فوائد عارضی اور نقصان بہت زیادہ ہوتا ہے۔

اجوائن خراسانی کی ماہیت میں اطباء کو عموماً اختلاف ہے۔ اس اختلاف کی بنا اس کے ناموں ہی سے شروع ہوتی ہے۔ چنانچہ عربی محاورہ میں اُردو کا گاف جیم سے بدل جاتا ہے اس لئے بزرالبنج سے تخم بھنگ مراد ہو سکتی ہے علم ادویہ کے تحقیقاتی مشاہدات سے بلحاظ خواص واثرات تخم بھنگ اور اجوائین خراسانی آپس میں ملتی جلتی دوائیں ہیں۔ لیکن ماہیت میں ایک دوسرے سے جدا۔ اس اسمی اختلاف پر محققین علم الادویہ نے کئی ایک صورتوں میں اختلاف کیا ہے اور تاریخی واقعات بھی اس اختلاف کے شاہد ہیں۔ لہٰذا کہا جاتا ہے کہ یہ دونوں دوائیں ابتداء سے مشکوک رہی ہیں بہر کیف اس الجھن سے نکلنے کے لئے اور علم الادویہ کی صحیح ترجمانی کی غرض سے اجوائن خراسانی کو خراسانی کہنا درست ہوگا لہٰذا ہم بزرالبنج خراسانی کہتے ہیں۔

رنگ و ذائقہ : سفید وسیاہ اور سرخ، مزہ تیز اور تلخ ہوتا ہے۔

افعال و اثرات : اعصابی عضلاتی شدید یعنی اعصاب میں تحریک، غدد میں تحلیل اور عضلات میں تسکین دیتی ہے اور کیمیاوی اثرات کی وجہ سے خون میں حرارت اور رطوبت کی کمی واقع ہونا شروع ہو جاتی ہے۔

مزاج : سرد تر، تیسرے درجے میں۔

خواص : اوّل محرک دماغ واعصاب، دافع سوزش جگر وکلیہ اور غدد امعاء ومثانہ، دافع صفراء اور مسکن قلب ہے اور بعد میں جب رطوبت جسم پر کثرت سے ترشح پا جاتی ہیں تو مسکن ومخدر اور مقوی اثر کرتی ہے۔ انتہائی حابس ومجفف اور رادع مواد ہے۔

فوائد : ہر قسم کے اندرونی اور بیرونی دردوں میں تسکین دیتی ہے۔ شدید قسم کی سوزش جگر وکلیجہ اور غدد اور اورام میں انتہائی مفید ہے۔ اس لئے سوزش نزلہ زکام، درد سر اور کھانسی، درد سینہ شدید کے لئے مفید ہے۔ درد امعاء خصوصاً پیچش اور زحیر خونی کے لئے از حد مفید ہے۔ اسی طرح نقرس اور عرق النساء کے لئے اندرونی اور بیرونی طور پر بطور مالش مفید ہے۔ اس کا روغن مالش کے علاوہ درد کان اور درد دانت میں

ایک کامیاب دوا ہے مخدر اور مسکن اثر کی وجہ سے سرعت انزال کے لئے استعمال کر سکتے ہیں۔ ایک اچھی ممسک دوا ہے گردوں اور مثانہ میں جب سنگ اورام کی وجہ سے شدید درد ہو تو یہ ایک بھروسہ کی دوا ہے۔

مقدار خوراک: ایک رتی سے چار رتی تک اور مرکبات میں چار رتی سے ایک ماشہ تک استعمال ہو سکتی ہے۔

اجوائن خراسانی کو کثیر مقدار میں استعمال کرنے یا عرصہ تک متواتر کھاتے رہنے سے اس کے مضر اثرات ظاہر ہونا شروع ہو جاتے ہیں جن میں سدر ودوار، خناق دردسر، جنون و مالیخولیا، سبات واختلاط عقل اور ثقل سماعت وضعف بصر پیدا ہو جاتا ہے۔ اعضاء مسترخی ہو جاتے ہیں۔ بدن سرد اور رنگت زرد ہو جاتی ہے۔ مریض گفتگو کرنے پر قادر نہیں رہتا۔ اگر بہت جلد علاج کی صورت نہ کی جائے تو تھوڑے عرصہ میں ہلاک ہو جاتا ہے، ایسی صورت پیش آئے تو شہد آبِ گرم میں یا گھی دودھ پلا کر بار بار قے کرائیں۔ جب معدہ صاف ہو جائے تو عضلاتی غدی ملین یا مسہل دیں۔ اگر انتہائی کمزوری ہو جائے تو عضلاتی غدی مقوی استعمال کرائیں۔ ابتدائی حالت میں عضلاتی اعصابی ملین یا مسہل مفید ہو سکتے ہیں۔ اس کی ابتداء خراب علامات میں منہ سے جھاگ کا آنا زبان کا متورم ہو جانا، آنکھوں کی سرخی، سانس کی تنگی اور نشہ کی حالت وغیرہ لاحق ہوا کرتی ہے۔

زہر خوردہ مریض کی دوا کے لئے بکری کا نیم گرم دودھ شہد سے میٹھا کر کے دیں۔ شوربہ گوشت نیم گرم استعمال کرائیں۔ یاد رکھیں کہ مریض کو اس وقت تک نیند نہ کرنے دیں جب تک اس کی صحت کا پورا پورا یقین نہ ہو جائے۔ پھر خیال رکھیں کہ منشیات بغیر انتہائی ضرورت کے دینا منع ہے۔

اندرائن

تعارف: عربی حنظل، فارسی میں خربوزہ تلخ، اُردو میں تمہ، بنگالی میں اندرائن اور انگریزی میں کالوسنتھ کہتے ہیں۔ یہ خودرو جنگلی بیل ہے۔ جس کے پتے خربوزہ کی بیل کی طرح ہوتے ہیں۔ اس کا پھل بھی بالکل خربوزہ کی شکل وصورت کا ہوتا ہے۔ لیکن اس سے بہت چھوٹا اندازاً سیب کے برابر ہوتا ہے اور بھی کئی جنگلی پھل اس شکل وصورت کے ہوتے ہیں مگر اس کی شناخت یہ ہے کہ یہ گیند کی طرح بالکل گول ہوتا ہے البتہ جب خشک ہو جاتا ہے تو پچک جاتا ہے۔ تازہ حالت میں گودا چھلکے سے بڑی مشکل سے جدا ہوتا ہے جو رس سے بھرپور ہوتا ہے۔ اکثر یہی شحم دوا میں مستعمل ہے۔ بعض اطباء اور وید اس کے تخم بھی بعض امراض میں استعمال کرتے ہیں۔ اس کے چھلکے کو استعمال نہیں کرتے لیکن ہماری تحقیقات یہ ہے کہ اس کے تمام اجزاء چھلکا شحم اور تخم وغیرہ ایک ہی قسم کے اثرات رکھتے ہیں اس کے استعمال کا طریقہ یہ ہے کہ خشک حالت میں تمام پھل کو کوٹ کر سفوف بنا لینا چاہئے اور دوا کے طور پر استعمال کرنا چاہئے تازہ صورت میں اس کا رس وتخم اور چھلکے استعمال کئے جا سکتے ہیں اس کا رب تیار کرنے میں اس کے چھلکے کو بھی رگڑ لینا چاہئے اور دوا کے طور پر استعمال کرنا چاہئے۔ بلکہ رس نچوڑ لینے کے بعد کچھ بچ جائے اس کو بھی خشک کر لینا چاہئے۔ اس میں بھی بہت کچھ اس کا اثر ہوتا ہے۔ اس کا کوئی جزو بھی ضائع نہیں کرنا چاہئے۔

پیدائش: پاکستان میں اس کی باقاعدہ کاشت نہیں ہوتی اس کی خودرو بیلیں اکثر جنگلوں اور ریگستانوں میں اس کثرت سے پائی جاتی ہیں کہ میلوں اس کے پھل پھیلے ہوتے ہیں۔ پاکستان کے شمال مغربی ووسطی اور جنوبی علاقوں میں بکثرت پایا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ پنجاب و سندھ اور ساحل کارمنڈل میں بھی پایا جاتا ہے۔ اس کا پھل موسم سرما میں پکتا ہے اور ماہ دسمبر اور جنوری میں تازہ پھل بازار میں آ جاتا ہے جو

بہت کم عرصہ رہتا ہے۔ عام طور پر خشک حالت میں سارا سال بازار میں مل سکتا ہے۔ بیرونی ملک سے تجارت کی صورت میں اس کا گودا (شحم) یا رب فروخت ہوتا ہے اور ادویہ میں یہی مستعمل ہے۔

رنگت اور ذائقہ: تازہ پھل زرد رنگ کا ہوتا ہے جس میں سبز رنگ کی چوڑی چوڑی خربوزہ کی طرح دھاریاں ہوتی ہیں۔ خشک ہونے پر اس کا رنگ زرد سرخی مائل ہو جاتا ہے۔ تخم سرخ زردی مائل ہوتے ہیں، پھول زرد ہوتے ہیں، اس کے تمام اجزاء کا ذائقہ سخت تلخ ہوتا ہے اور بہت عرصہ تک اس کی تلخی دور نہیں ہوتی۔ تلخی تکلیف دہ ہے۔

مزاج: عام طور پر اس کا مزاج گرم خشک، تیسرے یا چوتھے درجے میں گرم اور دوسرے درجے میں خشک لکھا ہے۔ یہ بالکل غلط ہے۔ کیونکہ اگر گرم زیادہ اور خشک کم ہو تو گرم خشک نہیں بن سکتا۔ بلکہ گرم تر ہونا چاہئے، لیکن اس میں خشکی اس کی گرمی سے بہت زیادہ ہے اس کا مزاج بھی مسلمہ طور پر خشک گرم ہے اس لئے گرم دوسرے درجے میں اور خشک تیسرے درجے میں ہے۔ اگر ایسا تسلیم نہ کیا جائے تو مولد صفراء نہیں بن سکتا۔

مقدار خوراک: تازہ ایک ماشہ سے تین ماشہ تک اور خشک دو رتی سے ایک ماشہ تک۔

افعال و اثرات: عضلاتی غدی مسہل ہے یعنی عضلاتی محرک۔ اعصابی محلل اور غدی مسکن ہے۔ کیمیاوی طور پر ترشی بڑھا کر اس کو صفراء میں تبدیل کرتا رہتا ہے۔

خواص: محرک و مقوی قلب وعضلات۔ محلل اعصاب، جاذب رطوبات، مخرج بلغم وسودا، مسہل بلغم وسودا، مولد حرارت، دافع نزلہ و زکام اور بخار باردہ، طمث، مخرج جنین اور دافع کثرت بول۔

اس کی طاقت کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ کچلہ کے مقابلے کی مقوی ومحرک قلب وعضلات دوا ہے ہے لیکن کچلہ ایک زہر قاتل ہے۔ مگر اندرائن میں زہریلی علامات کا کوئی خطرہ نہیں ہے۔ چونکہ یہ جاذب رطوبات اور مخرج ومسہل بلغم اور سودا ہے، اس لئے جسم میں خشکی پیدا ہو جاتی ہے اور گاہے کثرت استعمال سے پیچش ہو جاتی ہے اور جس کا علاج مکھن کا استعمال ہوتا ہے۔ اگر تقلیل کی صورت میں استعمال کیا جائے تو بے حد مقوی قلب ہے اس کا مقابلہ عنبر اور دیگر اسی قبیل کی ادویہ سے کیا جا سکتا ہے۔ گویا قلب کی تقویت کے لئے بڑے اعتماد کی دوا ہے۔ بلغمی اور سوداوی امراض مثلاً مرگی، رعشہ، فالج، لقوہ، وجع المفاصل اور عرق النساء کے لئے یقینی دوا ہے۔ گویا مطب کے لئے ایک ضروری اور انتہائی سستی دوا ہے۔ فرنگی طب اس کے استعمال سے پورے طور پر واقف نہیں ہے، اس کو اندرونی طور پر بھی بطور فرزجہ استعمال کیا جا سکتا ہے، اس کے استعمال میں اس امر کا خیال رکھیں کہ یہ دواء خالص استعمال نہ کریں بلکہ کسی ہم قبیل دوا کے ساتھ استعمال کرائیں۔ کیونکہ اندر سوزش ہونے کا خطرہ ہوتا ہے۔ تجدید طب کے فارما کوپیا اور مجربات میں عضلاتی غدی مسہل میں شریک ہے۔

اتیس

تعارف: ہندی میں اس کا نام پتیس اور سنسکرت میں اس کو اتی رشا کہتے ہیں۔ انگریزی میں ایکونائٹ ہیر فائیلم کہا جاتا ہے۔ ایک بوٹی کی جڑ ہے جو ہمالیہ کی سات ہزار سے پندرہ ہزار فٹ کی بلندی پر بکثرت پائی جاتی ہے اور گگابل اور امرناتھ واقع کشمیر میں عام طور پر پائی جاتی ہے۔ اس کی ڈنڈی سیدھی پتوں والی ایک انچ سے 12 انچ تک لمبی ہوتی ہے۔ اس کے نیچے سے اوپر تک شاخیں پوٹی ہوتی ہیں، پتے دو سے چار انچ چوڑے بیضوی شکل کے اور گول ہوتے ہیں، پھولوں کے گچھوں میں کافی پھول ہوتے ہیں اور پودے بے ترتیبی سے لگے ہوتے ہیں، یہ پھول

تقریباً ایک انچ لمبے ہوتے ہیں، ان کا رنگ روشن نیلا یا سبز نیلگوں ہوتا ہے اور ان میں اودے اور ارغوانی رنگ کی دھاریاں پڑی ہوتی ہیں۔ پھلیاں پانچ انچ لمبی ہوتی ہیں اور نیچے کی طرف کو جھکی ہوتی ہیں۔ اس کی شکل مخروطی بقدر جدوار ہوتی ہے اور بیش سے مشابہت رکھتی ہے۔ اس لئے اس کو انگریزی میں ایکونائٹ کہتے ہیں، لیکن اس میں زہر بالکل نہیں ہوتا گویا بغیر زہر کے میٹھا زہر ہے۔

رنگ و ذائقہ : جڑیں باہر سے خاکی اور اندر سے سفید رنگ کی ہوتی ہیں۔ اس کا ذائقہ نہایت تلخ ہوتا ہے۔

مزاج : خشک دوسرے درجے میں، سرد پہلے درجے میں ہوتا ہے۔

افعال و اثرات : عضلاتی اعصابی یعنی عضلاتی تحریک اعصاب میں تحلیل اور غدد میں تسکین کیمیائی اثرات کی وجہ سے رطوبات کو خشک کرتا ہے۔

خواص : انتہائی قابض و ممسک اور مقوی اور مقوی عضلاتی بارد۔ دافع سوزش اعصاب و دماغ اور مقوی اعصاب، دافع رطوبت، مخرج بلغم، قاتل کرم وغیرہ۔

فوائد : ضعف معدہ اور امعاء اور پرانے اسہالوں میں مفید ہے۔ نوبتی بخاروں میں بے حد مفید ہے اور اکثر کونین سے زیادہ مفید ثابت ہوتا ہے۔ بلغمی کھانسی میں اکثر فائدہ مند ثابت ہوتا ہے۔ آنتوں سے کرم نکالتا ہے اکثر زہروں کا تریاق ہے بے حد خشک ہونے کی وجہ سے مقوی باہ اور ممسک ہے۔ ایک قسم کا تلخ مقوی ہے اور امراض کے بعد کی کمزوری میں مقوی ثابت ہوا ہے۔ چونکہ عضلاتی محرک ہے اس لئے نزف الدم کے لئے بھی مفید ہے۔ خصوصاً بچوں کے لئے زیادہ مؤثر ہوتا ہے۔

مقدار خوراک : ایک ماشہ اور جوشاندہ میں تین ماشہ سے پانچ ماشہ تک دیں۔

اٹنگن

تعارف : دوا میں تخم مستعمل ہیں۔ ایک بوٹی کے تخم ہیں، جو مغز تخم کشنیز سے مشابہ ہیں۔ درخت چھوٹا اور چار پتوں والا ہوتا ہے۔ پتوں میں کلی اور اس میں دو عدد بیج ہوتے ہیں۔

رنگ اور ذائقہ : رنگ خاکی اور ذائقہ میٹھا اور بدمزہ ہوتا ہے۔

مزاج : تر گرم اوّل درجے میں ہوتا ہے۔

افعال و اثرات : اعصابی غدی یعنی اعصابی محرک، غدد محلل اور عضلاتی مسکن۔ کیمیائی اثرات کی وجہ سے رطوبات کو جذب کر کے اخراج کرتے ہیں۔ اُن میں ایک قسم کی اسفنجی کیفیت پائی جاتی ہے، یعنی جب ان پر پانی چھڑکا جاتا ہے تو فوراً ابھار پکڑ جاتے ہیں۔ گویا رطوبات کا جذب کرنا اس کا خاصہ ہے۔

خواص : مقوی اعصاب، دافع سوزش غدد، مقوی باہ، مغلظ منی، جاذب رطوبات۔

فوائد : چونکہ جاذب رطوبات ہے اس لئے سرعت انزال اور سیلان الرحم میں مفید اور مغلظ منی ہے۔ ہلکا محرک اعصاب ہونے کی وجہ سے مقوی باہ اور سوزش غدد میں بے حد مفید ہے اس لئے ممسک ہے۔ چونکہ غدد میں تسکین دیتا ہے اس لئے گردوں کی سوزش اور پیشاب کی جلن میں مفید ہے۔

مقدار خوراک : تین ماشہ سے پانچ ماشہ تک۔

اجوائن دیسی

تعارف: عربی میں کمون ملوکی، فارسی میں نانخواہ، سنسکرت میں یوانکا، انگریزی میں بشپلی ویڈ کہتے ہیں۔ اس کا پودا چار فٹ کے قریب اونچا ہوتا ہے۔ پتے چھوٹے، نوکدار، پھول سفید اور چھوٹے ہوتے ہیں جن میں چھتوں کی شکل کے خوشے لگتے ہیں۔ جب یہ خوشے پک جاتے ہیں تو انہیں کوٹ کر اجوائن نکال لی جاتی ہے۔ اجوائن کے دانے چھوٹے چھوٹے ہوتے ہیں۔

مقام پیدائش: پاک و ہند، ایران اور مصر میں پیدا ہوتی ہے۔

رنگت اور ذائقہ: رنگ زردی مائل بھورا، ذائقہ چرپرا۔

مزاج: گرم خشک تیسرے درجہ میں۔

افعال و اثرات: غدی عضلاتی یعنی غدد میں تحریک، عضلات میں تحلیل اور اعصاب میں تسکین۔ کیمیاوی طور پر خون میں صفرا اور حرارت پیدا ہوتی ہے۔ مقوی روح وحواس اور محرک نفس ہے۔

خواص: مسمن جگر، محلل قلب، مسکن دماغ، مجفف، مفتح سدہ، جالی، مشتہی، کاسر ریاح، مدر حار، قاتل اور مخرج کرم، دافع تشنج اور تعفن مسکن الم وسوزش اور تریاق سموم، زیادہ مقدار میں ملین ہے۔

فوائد: درد شکم اور ریاح کے لئے بے حد مفید دوا ہے۔ برودت جگر اور کلیہ کے لئے یقینی دوا ہے اور جسم کے ہر قسم کے سدے کھولتا ہے۔ عام طور پر سدوں کے متعلق یہ تصور ہے کہ آنتوں میں سدے ہوتے ہیں لیکن سدوں کی حقیقت سے طبی دُنیا اور فرنگی طب ناواقف ہیں۔

جاننا چاہئے کہ جب غدد میں تسکین ہوتی ہے تو وہاں پر بلغم اور رطوبت غلیظ ہو کر اخراج بند ہو جاتا ہے جس سے ان اعضا میں مواد رک کر سدے بن جاتے ہیں۔ یہی صورتیں شریانوں کے غدد میں بھی پیدا ہو کر اس میں سدے پیدا ہو جاتے ہیں جس سے امراض قلب پیدا ہو جاتے ہیں اور گردوں کے سدوں کی صورت میں خون کا دباؤ (بلڈ پریشر) بڑھ جاتا ہے۔ اجوائن ان ہر قسم کے سدوں کو کھولتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ریاح و پتھری اور صلابت جگر وطحال اور گردوں کو دور کرتی ہے۔ محلل عضلات ہے، پسینہ لاتی ہے، ہر قسم کے بخار دور کر دیتی ہے اور اس سے جلد کے دانے اور خارش دور ہو جاتی ہے۔ جسم کو گرم کرتی ہے۔ جب جلد کے قریب سدے بن کر وہاں پر خون منجمد ہو کر بہق وبرص پیدا ہو جائیں تو ان کے لئے بے حد مفید ہے۔ معدہ وامعاء کے غدد اور جگر و گردوں سے رطوبات کا اخراج کر کے بھوک بڑھا دیتی ہے اور ان کے لئے مسخن اور مجفف بھی ہے اور محلل اورام بھی ہے۔ کثرت استعمال سے ضعف قلب ہو جاتا ہے۔ محلل عضلات ہے۔ دودھ اور منی کی پیدائش کو کم کر دیتی ہے۔ غدی محرک ہونے کی وجہ سے ادرار بول حارہ اور مدر حیض ہے۔ سردی کے عسر البول میں بے حد مفید ہے چونکہ غدد کے فعل میں تیزی پیدا کر کے صفراء کی پیدائش بڑھاتی ہے اس لئے دافع تعفن اور قاتل کرم ہے۔ تشنجی امراض خصوصاً تشنجی کھانسی کے لئے مفید ہے۔ اس کے اندر ایک قسم کا روغن ہوتا ہے جو انتہائی مسکن اعصاب ہے۔ یہ افیون کے مضر اور زہریلے اثرات کو بہت جلد دور کر دیتی ہے۔ بیرونی طور پر اس کا تیل یا اجوائن کا لیپ، درد، سوزش، زنبور اور عقرب گزیدہ کے لئے سکون پیدا کر دیتا ہے اور زخموں کے تعفن کو روک دیتا ہے۔ اس سے ایک قسم کا ست بنایا جاتا ہے جو اکثر یورپ وامریکہ سے آتا ہے۔ اس کو کسی روغن میں ملا کر تیل بنا لیا جاتا ہے لیکن اس کا روغن غدی عضلاتی ہوتا ہے۔ اسی قسم کے روغنوں کا نام امرت دھارا اور آب حیات رکھ دیا گیا ہے۔ یاد رکھیں کہ اجوائن دیسی ایک بھروسہ کی دوا ہے۔

اذخر

تعارف : یہ ایک پتلی شاخوں والا پودا ہے، اس کی جڑ موٹی ہوتی ہے، پتے سرخی مائل، خوشبو تیز، پھول بکثرت آتے ہیں۔ رنگ سفید اس کی جڑ سخت ہوتی ہے۔ یہ درخت آس کے بالکل مشابہ ہوتا ہے اور اس کی خوشبو قدرے گلاب کی خوشبو سے مشابہ ہوتی ہے۔ عمدہ اذخر وہ ہے جو حجاز میں پیدا ہوتا ہے اس کو اذخر مکی کہتے ہیں۔ فائدہ پھول اور جڑ میں زیادہ ہوتا ہے۔ وطن افریقہ و ہند، مکہ کا عمدہ ہوتا ہے۔

رنگت اور ذائقہ : پودے کا رنگ سفید، پتے سرخی زردی مائل، پھول قرمزی ارغوانی رنگ کے ہوتے ہیں۔ ذائقہ تیز مائل بہ تلخی، مزاج گرم خشک دوسرے درجے میں۔

افعال و اثرات : عضلاتی غدی یعنی عضلات میں تحریک غدد میں تسکین اور اعصاب میں تحلیل کیمیائی طور پر جسم میں صفرا پیدا کرتا ہے، اور حرارت بھی پیدا کرتا ہے۔

خواص : محرک معدہ اور قلب، مسکن غدد مدر بول وحیض، منضج اخلاط غلیظ سرد، محلل اورام کا سر ریاح۔ مقوی معدہ اور قابض۔

فوائد : اذخر تحریک وتقویت عضلات کے لئے ایک کامیاب دوا ہے۔ اس کے استعمال سے عضلات معدہ میں خاص طور پر تقویت پیدا ہوتی ہے۔ انقباض بڑھتا ہے، ریاح کا اخراج ہوتا ہے۔ مواد گردے جگر اور غدد کی طرف گرتا ہے، خون کا دوران عضلات کی طرف بڑھ کر ان میں تیزی پیدا کر دیتا ہے۔ اس سے بھوک بڑھ جاتی ہے۔ سدوں کا اخراج ہوتا ہے، جسم میں طاقت پیدا ہونا شروع ہو جاتی ہے۔ اس کے ساتھ یہ پتھری کو توڑتی ہے اور طمث کا اخراج کرتی ہے۔ بیرونی طور پر اس کا تیل استعمال کیا جاتا ہے۔ جو دردوں کو فائدہ بخشتا ہے۔

اروی

تعارف : عربی میں اس کو تلقاش اور ہندی میں گھیاں کہتے ہیں۔ ایک قسم کی جڑیں ہیں جو ترکاری کے طور پر استعمال کی جاتی ہیں۔ بعض لوگ اس کو گوشت کے ساتھ پکاتے ہیں۔

رنگت اور ذائقہ : اس کا رنگ بھورا ہوتا ہے۔ چھیلنے کے بعد نیچے سے سفید نکلتا ہے۔ ذائقہ پھیکا ہوتا ہے۔ پکانے کے بعد لیس دار ہو جاتا ہے۔ اگر اس کو بھون کر کھایا جائے تو گلے میں سخت چبھن پیدا کر دیتا ہے۔ جس کی وجہ سے آواز بھاری ہو جاتی ہے۔ اور بعض اوقات بند بھی ہو جاتی ہے۔

افعال و اثرات : اعصابی عضلاتی، یعنی اعصاب میں تحریک پیدا کرتا ہے۔ غدد میں تحلیل اور عضلات میں تسکین پیدا کرتا ہے۔ کیمیاوی طور پر انتہائی طور پر بلغم اور رطوبت پیدا کرتا ہے۔ مولد اور مغلظ رطوبات اور مخرج رطوبات، مخرج بول اور دیگر رطوبات جسم فربہی، جسم دافع صفراء وحرارت دافع سوزش جگر وکلیہ، مفرح قلب اور دافع جلن قلب ہے۔ مزاج سرد تر۔

خواص : چونکہ شدید قسم کا اعصابی محرک ہے، جس سے تمام جسم میں سے رطوبات کا اخراج بڑھ جاتا ہے، اس لئے سوزش غدد و جگر کے امراض میں انتہائی مفید ہے۔ مثلاً پیشاب کی جلن، پیچش، سوزش، مثانہ، گرمی مثانہ، سوزشی نزلہ و زکام، سوزش سینہ اور معدہ وغیرہ، مقوی باہ، مغلظ منی، دافع ضعف گردہ، کھانسی، بواسیر، مقوی معدہ، بدن کو فربہ کرتی ہے، بلغم اور دودھ پیدا کرتی ہے۔ دافع خراش امعاء، خشونت سینہ و زخرہ، مضعف معدہ اور مدر بول۔

ارہر

تعارف : ایک مشہور اناج ہے جس کو عربی میں وجع مشاغل اور فارسی میں مشاغل کہتے ہیں۔ اس کو دال کے طور پر پکا کر کھاتے ہیں۔
افعال و اثرات : عضلاتی اعصابی، یعنی عضلات میں تحریک، اعصاب میں تحلیل اور غدد میں تسکین پیدا کرتی ہے۔ کیمیاوی طور پر سوداویت کو بڑھاتی ہے، خون کو گاڑھا کرتی ہے، مقوی عضلات، قابض اور دافع زہر ہے۔ مقوی اعصاب و دماغ ہے۔
فوائد : حار اور قابض ہونے کی وجہ سے معدہ اور امعاء کو تقویت دیتی ہے اور قبض پیدا کرتی ہے۔ دستوں کے لئے مفید ہے۔ خون میں رطوبات کو خشک کرتی ہے اور بھوک بڑھاتی ہے۔
ارہر زیادہ تر بطور غذا مستعمل ہے، اس کی دال پکا کر کھاتے ہیں۔ اس سے غذائیت کم حاصل ہوتی ہے، دیر میں ہضم ہوتی ہے، نفخ اور تبخیر پیدا کرتی ہے۔ بعض اطباء ارہر کی پتیوں کا پانی نچوڑ کر چیچک کے آبلوں پر لگاتے ہیں اور افیون کے زہر کو دفع کرنے کے لئے پلاتے ہیں۔ بعض لوگ اس کو پانی میں پیس کر دو مرتبہ بالخورہ پر ضماد کرتے ہیں اور دوسرے روز بالخورہ کو کھجا کر سرسوں کا تیل لگا کر دھوپ میں بیٹھتے ہیں۔ اس طرح دو تین مرتبہ کے عمل سے بالخورہ زائل ہو جاتا ہے اور بالکل نئے سرے سے بال نکل آتے ہیں۔
بعض اطباء برگ ارہر کو برگ نیم کے ہمراہ پیس کر اور چھان کر مرض بواسیر کے لئے بے حد مفید بتاتے ہیں۔

ارد

تعارف : ایک مشہور اناج ہے جس کی دال بنا کر کھاتے ہیں، اس کو ہندی میں ماش کہتے ہیں۔
رنگت اور ذائقہ : رنگت کے لحاظ سے یہ دو قسم کا ہوتا ہے، سبز اور سیاہ۔ لیکن چھلکا اُتر جانے کے بعد ہلکا زرد اور سفیدی مائل یا بالکل سفید ہوتا ہے۔ ذائقہ شیریں ہے مزاج سبز تر گرم اور سیاہ تر سرد۔
افعال و اثرات : سبز رنگ اعصابی غدی اور سیاہ رنگ کا اعصابی عضلاتی یعنی اعصابی محرک، غدی محلل اور عضلاتی مسکن کیمیاوی طور پر خون میں بلغم اور رطوبات مسمن بدن، دیر ہضم، مدر بول، نفاخ مولد و مغلظ اور مقوی اور ساتھ ہی مولد شیر بھی۔
استعمال : عام طور پر اس کو پکا کر غذا کی صورت میں روٹی اور نان کے ساتھ کھاتے ہیں۔ لیکن تقویت و موٹاپا اور مولد خون رطوبات کی خاطر اس کا حلوہ بنا کر استعمال کرتے ہیں جو مفید ہونے کے ساتھ ساتھ زود ہضم بھی ہو جاتا ہے اور عورتوں میں دودھ کی کثرت کو بڑھانے کے لئے دودھ میں ماش کی کھیر بنا کر استعمال کراتے ہیں۔
لیکن یاد رکھیں کہ جن لوگوں میں رطوبات اور بلغم کی زیادتی ہو اس کے استعمال سے ان کو اکثر نفخ ہو کر پیٹ میں درد ہو جاتا ہے۔ حلوہ کی صورت میں بھی اس کی مقدار خوراک چھٹانک بھر سے زیادہ نہیں ہونی چاہئے۔ اگر زیادہ بھی استعمال کر رہے ہوں تو نفخ کی صورت میں مقدار کم کر دیں۔

آڑو

ایک مشہور پھل ہے جس کو عربی میں شفتالو کہتے ہیں۔ اس کی دو اقسام ہوتی ہیں۔ ایک گول لمبوترا انڈے کی مانند اور دوسرا گول ٹکی دار۔

رنگت اور ذائقہ : ترش، رنگت میں سبز سرخی مائل، شیریں، سبز زردی مائل، مزاج تر اور سرد اور شیریں تر اور گرم۔

افعال و اثرات : محرک اعصاب، محلل غدد و مسکن عضلات کیمیاوی طور پر جسم میں خون پیدا کرتا ہے جس میں رطوبت فضیلہ شامل ہوتا ہے۔ مقوی اور مولد خون، نفاخ، اس کے پتوں کا رس قاتل کرم شکم ہے۔

استعمال : آڑو کو پھل کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ میٹھا آڑو ایک لذیذ پھل ہے۔ اس میں غذائیت بہت ہوتی ہے جس سے جسم میں رطوبات کی کثرت اور خون کی پیدائش بڑھ جاتی ہے۔ بھوک بڑھاتا ہے۔ دِل میں فرحت پیدا کرتا ہے لیکن زیادہ استعمال کرنے سے نفاخ ہے اور پیٹ میں بے چینی کرتا ہے اور بعض اوقات اسہال لگ جاتے ہیں اور شدید قسم کی بدہضمی ہو جاتی ہے۔

ارنڈ

تعارف : فارسی میں بیدانجیر، عربی میں فروع اور ہندی میں ارنڈ کہتے ہیں۔ اس کا درخت ایک بڑے قد کا پودا ہوتا ہے جس میں پنجے کی شکل کے پنجے سے بڑے بڑے پتے ہوتے ہیں، عام طور پر باغات اور گھروں میں لگائے جاتے ہیں۔ برصغیر پاک و ہند میں کثرت سے پایا جاتا ہے۔ اس کا پھل ارنڈ دوا کے طور پر مستعمل ہے اور اس کا روغن بھی نکالا جاتا ہے۔ جس کو روغن ارنڈی اور انگریزی میں کسٹر آئل کہتے ہیں۔

رنگت اور ذائقہ : رنگت بھوری زردی مائل، پینے پر سبز، خشک ہونے پر زرد، ذائقہ کسیلا پھیکا اور روغن سنہری زردی مائل۔ البتہ آج کل کیمیاوی طور پر رنگ سفید کر دیا جاتا ہے۔

روغن اور تخم کے اثرات و افعال میں صرف اس قدر فرق ہے کہ روغن میں تحلیل کے اثرات تخم سے زیادہ ہیں اور روغن ملین اور بے ضرر ہے، لیکن تخم مسہل اور غدد میں سوزش پیدا کرتا ہے۔

مزاج : تخم گرم تیسرے درجے میں اور تر پہلے درجے میں۔ روغن گرم دوسرے درجہ میں اور تر تیسرے درجے میں۔

افعال و اثرات : محرک غدد، محلل عضلات، مسکن اعصاب، کیمیائی طور پر صفراء اور حرارت پیدا کرتا ہے اور صفراء کا اخراج بھی کرتا ہے۔

خواص : ملین جگر و غدد، مولد حرارت اور صفراء دافع ریاح اور بلغم محلل اور مسکن اورام اور اوجاع، دافع صلابت، تخم مسہل قوی اور روغن ملین، مخرج کرم شکم، تریاق سانپ اور مدر حار۔ یہی اثرات بہت کم مقدار میں پتوں اور کونپلوں میں بھی پائے جاتے ہیں۔

استعمال : دائمی قبض اور نزلہ میں بے حد مفید ہے اور جب عضلات میں سوزش سے فالج لقوہ اور رعشہ کھانسی اور دمہ ہو جائے تو اس کا استعمال بے حد مفید ہے۔ اس کے علاوہ درد شکم، پیٹ میں پانی اور جوڑوں کے درد وغیرہ کے لئے بے حد مفید ہے، جسم کی سختی اور تناؤ کو کم کرنے کے ساتھ ساتھ پٹھوں کے درد کو بھی دور کر دیتا ہے۔ جسم میں کسی جگہ بھی عضلات میں ورم یا پھوڑے ہوں ان کو تحلیل کرتا ہے اور ان کے درد کو روکتا ہے۔ بیرونی طور پر بھی اس کا یہی اثر ہے اور یہ جلا دیتا ہے۔ چہرے کی رنگت کو نکھارتا ہے اس کے علاوہ حلق اور پیٹ کے عضلات کے اورام پر بہت مفید اثر کرتا ہے۔ اس کی قلیل مقدار کا مسلسل استعمال پیٹ کے پھوڑے اور کینسر کے لئے ایک شافی علاج ہے۔

سانپ کے زہر کو دور کرنے کے لئے اس کی کونپلوں اور پتوں کو پیس کر پلانا اکسیر ہے۔ مطب میں یہ ایک معرکے کی دوا ہے۔ کسی بھی مطب کو اس سے خالی نہیں رہنا چاہئے۔ اس کا روغن بطور مالش بے حد مفید ہے۔ اس کا روغن دیگر تیلوں میں ملا کر سر پر ملنے سے بال

مضبوط اور لمبے ہوتے ہیں اور کثرت استعمال سے بال بہت خوش رنگ ہو جاتے ہیں۔

ادرک

تعارف: عربی میں زنجبیل (رطب) زنجبیل حابس کو سونٹھ کہتے ہیں۔ یہ ایک قسم کی مشہور جڑیں ہیں۔ یہ پاکستان اور ہندوستان کے علاوہ دیگر ممالک میں بھی پائی جاتی ہیں۔

رنگت اور ذائقہ: اس کی رنگت زرد مٹیالی (خاکستری) ہوتی ہے اور ذائقہ چرپرا ہوتا ہے۔

افعال و اثرات: غدی اعصابی، غدد میں تحریک، عضلات میں تحلیل اور اعصاب میں تسکین، کیمیاوی طور پر خون میں صفرا اور حرارت پیدا ہوتی ہے۔

خواص: محرک اور مقوی جگر اور گردے، محلل غذا اور سوزش عضلات مسکن اعصاب و دماغ، مولد صفرا، مخرج صفرا، مقوی باہ، مولد حرارت غریزی، مشتہی، محلل اورام کاسر ریاح، مدر حار، قاتل کرم اور دافع تعفن اور مقوی جسم ہے۔

فوائد: اس کا رنگ اجوائن کے رنگ کے ساتھ ملتا جلتا ہے اور خواص بھی تقریباً اس کے ساتھ ملتے ہیں مگر اس میں ایک رطوبت فضلیہ ہوتی ہے جس سے اس میں حبس ٹوٹ جاتا ہے جو اجوائن میں پایا جاتا ہے۔ یہ صفرا کو پیدا کرتی ہے اور خارج بھی کرتی ہے۔ اجوائن کی طرح اس کا فرق دیگر چرپری ادویات کے ساتھ بھی کر لینا چاہئے۔

میری رائے میں اس کا مزاج تمام چرپری دواؤں کے مقابلے میں مختلف ہے یعنی ایک طرف عضلاتی غدی عضلاتی چرپری ادویہ جن میں سرخ مرچ اور جمال گوٹہ تک شریک ہیں۔ دوسری طرف غدی اعصابی ادویہ جن میں سیاہ مرچ اور زیرہ سیاہ تک شریک ہیں جو اوّل الذکر کے مقابلے میں بہت لطیف ہیں۔

قرآن کریم میں اس کے متعلق آیا ہے: ﴿ كَانَ مِزَاجُهَا زَنجَبِيلًا ﴾ جنت کے ایک چشمے کا ذکر آتا ہے جس کا مزاج اور میلان زنجبیلی ہوگا۔ گویا اس میں ایک قسم کا چرپراپن ہوگا اور دیگر ہر قسم کی چرپری ادویہ بھی اس کے تحت آجاتی ہیں جن میں خاص طور پر سرخ مرچ، پیاز، لہسن، دارچینی، لونگ، ہری مرچ، ٹماٹر، مرچ سیاہ، زیرہ سیاہ، زیرہ سفید اور دھنیا خشک وغیرہ یہ سب ادویہ مزاجوں کی کمی بیشی کے ساتھ چرپرے ذائقے میں شریک ہیں۔

استعمال: جسم انسان میں جہاں تک حرارت کی پیدائش کا تعلق جگر کے ساتھ ہے اور حرارت ہی جسم میں ہضم و تحلیل غذا اور صحت و نشوو ارتقاء کا کام کرتی ہے اس لئے جو ادویہ جسم میں حرارت پیدا کرتی ہیں۔ ان میں ادرک اوّل نمبر پر معتدل پیدائش حرارت دوا ہے۔ اس سے جگر اور غدد کے افعال تیز ہو جاتے ہیں۔ حرارت کی پیدائش بڑھ جاتی ہے۔ عضلات کی سوزش ختم ہو کر ان میں گرمی پیدا ہونا شروع ہو جاتی ہے۔ دِل پوری طاقت سے کام کرتا ہے۔ اعصاب میں تقویت آنا شروع ہو جاتی ہے جس کے ساتھ ذہن اور حافظہ بڑھ جاتا ہے۔

ادرک چونکہ محرک غدد ہے اور وہاں پر انقباض پیدا کرتا ہے جس سے اس میں تیزی آنا شروع ہو جاتی ہے اور طاقت بڑھنا شروع ہو جاتی ہے اسی وجہ سے مقوی وسہی ہے۔

غلط فہمی: بعض اطباء نے لکھا ہے کہ چونکہ ادرک میں رطوبت فضلیہ ہوتی ہے اس لئے یہ کسی حد تک ریاح بھی پیدا کرتی ہے۔

دراصل یہ خیال بالکل غلط ہے جو دوا یا غذا حرارت یا صفرا پیدا کرتی ہے۔ وہ ریاح ہرگز پیدا نہیں کر سکتی۔ چاہے اس میں کتنی بھی رطوبت فضلیہ کیوں نہ پائی جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہر وہ دوا جو کسی عضو کے لئے موزوں ہے جب اس میں تحریک پیدا کرتی ہے تو وہ تحریک انقباض کے بغیر نہیں ہو سکتی۔ وہ انقباض پیدا ہونا اس دوا کے ذمہ لگایا جاتا ہے۔

یاد رکھیں کہ ادرک بہت ہی زبردست کاسر ریاح ہے۔ دافع ترشی ہے اور ملین ہے۔ اسی وجہ سے ریاح شکم، درد شکم اور درد سینہ میں بے حد مفید ہے۔ اس مقصد کے لئے بیرونی طور پر تیل میں ملا کر یا بغیر تیل کے خشک ادرک کو مقام درد پر مالش کرنے سے آرام ہو جاتا ہے چونکہ ادرک محرک غدد ہے اس لئے ادرار بول اور اخراج پتھری کے لئے بے حد مفید ہے دافع ترشی ہے اس لئے نقرس میں بھی بے حد مفید ہے۔ اس کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ اس کے استعمال سے جسم میں رفتہ رفتہ حرارت اس قدر بڑھ جاتی ہے کہ آنکھوں میں طاقت پیدا ہو جاتی ہے اور بینائی بڑھ جاتی ہے۔

اسارون

تعارف : عرب میں "تگر" کہتے ہیں، ایک بوٹی ہے جس کے پتے عشق پیچا کے پتوں سے مشابہ ہوتے ہیں۔ فرق صرف اسی قدر ہے کہ اس کے پتے زیادہ چھوٹے اور نہایت گول ہوتے ہیں، اس کا پھول نیلے رنگ کا پتوں کے بیچ میں اس کی جڑ کے پاس ہوتا ہے۔ اس کے بیج بکثرت ہوتے ہیں۔ اس کی جڑیں باریک گرہ دار اور خوشبودار ہوتی اور بے قاعدہ ہوتی ہیں، یہ افریقہ اور یورپ سے آتی ہیں اور یہی جڑیں دوا کے طور پر استعمال ہوتی ہیں۔

رنگت اور ذائقہ : جڑوں کا رنگ مائل بہ زردی یا کسی کا رنگ بھورا ہوتا ہے۔ پھول نیلے رنگ کے ہوتے ہیں۔ ذائقہ چبانے پر کسی قدر تلخ ہوتا ہے۔

مقدار خوراک : 2 سے 5 ماشہ تک۔

مزاج : گرم تیسرے درجے میں اور خشک دوسرے درجہ میں اور بعض اس کی خشکی بھی تیسرے درجے میں خیال کرتے ہیں۔

افعال و اثرات : غدی اعصابی یعنی غدد میں تحریک عضلات میں تحلیل اور اعصاب میں تسکین کیمیاوی طور پر جسم میں صفراء پیدا ہوتا ہے۔

استعمال : مولد اور مخرج صفراء، محلل عضلات، مفتح سدہ، مقوی دماغ اور اعصاب، مدر بول حارہ اور حیض محرک کلیہ و جگر اور طحال۔

چونکہ مفرد اعضاء کو مدنظر رکھتے ہوئے خواص الاشیاء بیان کئے گئے، اس لئے کتب میں اکثر غلطیاں ہیں۔ مثلاً گرم دوا کو مقوی بھی اور محلل بھی لکھا ہے اور جہاں کہیں مقوی لکھا ہے وہاں پر مقوی اعصاب ہی کو مدنظر رکھا ہے۔ اسی طرح صرع ولقوہ، استرخا، خدر اور نسیان میں بغیر کسی عضو رئیس کو مدنظر رکھتے ہوئے مفید لکھ دیا گیا ہے۔ اس طرح کے خواص کبھی طالب علم کے لئے مفید نہیں ہو سکتے۔

جاننا چاہئے کہ چونکہ یہ دوا محرک جگر اور غدد ہے اس لئے قلب اور عضلاتی سوزش اور دردوں کے لئے مفید ہے۔ بلکہ زخموں کو دور کر دیتی ہے۔ اس لئے معدہ کی سوزش و زخم، ورم اور درد میں بے حد مفید ہے، یعنی اپنی گرمی سے اس کی سختی کو تحلیل کر دیتی ہے۔ اسی طرح جسم میں جہاں جہاں پر عضلات میں دباؤ اور سوزش ہوتی ہے اس کو دور کر دیتی ہے جو فالج عضلات کی تحریک سے ہو اس کے لئے مفید ہے۔ چونکہ محرک جگر اور غدد ہے لہٰذا سکون جگر و کلیہ اور غدد میں تحریک پیدا کر کے ان میں تیزی پیدا کر دیتا ہے جس سے عظم طحال، عرق النساء اور وجع الورک میں مفید ہے۔ اسی صورت میں مدر بول اور حیض بھی ہے۔ اکثر کتب میں اس کو ورم جگر کے لئے مفید لکھا ہے، ورم کے لئے مفید

نہیں ہے، بلکہ اس کو زیادہ کر دیتا ہے۔ ہمیشہ کسی مقام کے ورم اور عظم میں فرق معلوم کرنا چاہئے۔ چونکہ مسکن دماغ اور اعصاب ہے اس لئے وہاں کی سوزش دور کر کے تقویت کا باعث ہوتی ہے۔

جگر وغدد سے اس کا تعلق اعصاب کے ساتھ ہے اس لئے مفتح جگر ہے یعنی صفراء پیدا کر کے اس کا اخراج بھی کرتی ہے اس لئے جسم کی نالیوں کے عضلاتی حصوں کے سکیڑ کو پھیلا دیتی ہے اور اس کے راستے کھل جاتے ہیں اور اس طرح دورانِ خون میں باقاعدگی اور دیگر مواد کے اخراج میں سہولت پیدا ہو جاتی ہے۔ اس لئے مرگی جیسے امراض میں بھی مفید ثابت ہوتی ہے۔

اڑوسہ

تعارف : عربی میں خستہ السعال اود فارسی میں بانسہ کہتے ہیں۔ اس کی جھاڑی چار پانچ فٹ بلند ہوتی ہے۔ پتے پانچ چھ انچ لمبے اور اڑھائی تین انچ چوڑے ہوتے ہیں۔ اس کی شاخیں بہت سی ہوتی ہیں جو زیادہ تر جڑ سے آگے کو پھیلتی ہیں۔ پتے آم کے پتے جیسے، لیکن نرم ونازک ہوتے ہیں اور ان کا ذائقہ تلخ ہوتا ہے۔ بہت سے پھول ایک ساتھ اکٹھے ہو کر گچھوں کی شکل میں لٹکتے ہیں۔ پھول کے نیچے کے ٹوٹنی دار حصے میں ہلکی نفیس شیرینی بنی ہوتی ہے جو ذائقہ میں شہد کی مانند ہوتی ہے۔ مکھیاں زیادہ تر اسی کو چوستی ہیں۔ جڑ کھٹیلی اور مضبوط ہوتی ہے، پھل جنگلی گولر کی مانند لیکن اس سے چھوٹا ہوتا ہے اس کے دو حصے ہوتے ہیں۔ ہر ایک حصے میں ارہر کی دال کے برابر لیکن اس سے باریک تخم نکلتے ہیں۔

اڑوسہ پاک و ہند میں تقریباً ہر جگہ ملتا ہے۔ خصوصاً دامن کوہ میں اس کی جھاڑیاں بکثرت ہوتی ہیں۔ بھارتی پنجاب میں ضلع کانگڑہ کے گرم پہاڑی علاقے، بھارتی مقبوضہ ریاست جموں، راولپنڈی اور پنجہ صاحب کے گردونواح میں بکثرت ملتا ہے۔ دہلی کے گردونواح اور اندرا گاندھی انٹرنیشنل ایئرپورٹ میں اس کی بہت سی جھاڑیاں ہیں۔

اقسام : اڑوسہ اپنے پھولوں کے رنگ کی وجہ سے دو قسم کا ہوتا ہے ایک قسم کے پھول سفید رنگ کے ہوتے ہیں وہ سفید اڑوسہ اور جس قسم کے پھول پیلے رنگ کے ہوتے ہیں وہ پیلا اڑوسہ کہلاتا ہے۔

رنگ اور ذائقہ : پتے سبز رنگ کے، پھول سفید یا زرد رنگ کے اور ذائقہ شیریں لیکن تلخی لئے ہوئے۔

مزاج : گرم تر دوسرے درجے میں۔

افعال و اثرات : غدی اعصابی یعنی غدود میں تحریک اعصاب میں تسکین اور عضلات میں تحلیل۔

مقدار خوراک : ایک ماشہ سے تین ماشہ تک، سفوف کی صورت میں پانچ ماشہ تک جوشاندہ کی صورت میں۔

خواص : مولد اور مخرج صفرا، دافع سودا اور مخرج غلیظ بلغم، قاتل کرم اور حابس دم اور اور مصفی خون، دافع حرارت اور تنگی تنفس میں مفید ہے۔

فوائد : نزلہ وزکام، کھانسی دمہ اور دق وسل کے لئے ایک مایہ ناز اور یقینی دوا ہے۔ یہ امر پھر ذہن نشین کر لیں کہ دق وسل سوزش غدد اور غشائے مخاطی ہے۔ اگر سینہ کی غشائے مخاطی میں سوزش ہو تو دق وسل پھیپھڑوں کا کہلاتا ہے اور اگر آنتوں کی غدد میں سوزش ہو تو آنتوں کا دق وسل کہلاتا ہے۔ اسی طرح باقی تمام جسم کے غدد اور غشائے مخاطی میں جہاں جہاں سوزش اختیار کر جائے تو یہ اس عضو کا دق وسل ہوگا۔ جو دوائیں دق وسل یا ان کی علامات میں مفید ہیں وہ غدود اور غشائے مخاطی کے غدد کی دوا ہے۔ اس کے علاوہ جو امراض جگر، گردے اور آنتوں کی سوزش یا باقی جسم میں غشائے مخاطی کی صورت میں پیدا ہوتے ہیں، ان کے لئے یہ دعویٰ کی دوا ہے۔ اس لئے ہر قسم کے نزلہ وزکام

اور کھانسی، دق وسل اور دماغی امراض میں بے حد مفید ہے۔

بعض لوگ اس کو کالی کھانسی میں بھی استعمال کرتے ہیں۔ لیکن کالی کھانسی میں یہ اس صورت میں مفید ہوتی ہے کہ اس کو جلا کر اس کی راکھ بنائی جائے اور راکھ انجیر کے شربت کے ساتھ چٹائی جائے۔

پیلا بانسہ جو کانٹے دار جھاڑی کی شکل میں ہوتا ہے۔ زیادہ تر بمبئی، مدراس، آسام اور سلہٹ میں پایا جاتا ہے۔ کوہ ہمالیہ کی ترائی اور کوہ مری میں پیدا ہوتا ہے، اس کے پتے بھی عام بانسہ کی طرح ہوتے ہیں۔ لیکن زیادہ نوک دار ہوتے ہیں۔ زرد پھول کی وجہ سے اس میں حرارت زیادہ ہوتی ہے اور مفید بھی زیادہ ہوتا ہے اور قبض کی صورت میں یہ سفید بانسے سے زیادہ مفید ہے۔ بعض جگہ نیلے اور سرخ رنگ کا بھی اڑوسہ پایا جاتا ہے۔ ان دونوں میں حدت کم ہے لہٰذا اپنے اثرات میں سفید سے بہت کمزور ہے۔ سرخ مفید نہیں ہے۔ البتہ کالی کھانسی میں اس کا فائدہ نظر آتا ہے۔

مرکبات : ضرورت کے مطابق اس کے کئی مرکبات بنائے جا سکتے ہیں مثلاً عرق، شربت، نمک، گلقند اور سفوف کر کے بھی استعمال کرایا جا سکتا ہے پراچین آیورویدک گرنتھوں میں بانسہ کا گھی اور لوک بانسہ بنانے کا ذکر آتا ہے اس کا استعمال مفید ہوتا ہے۔ اس لئے اس کا نسخہ درج ذیل ہے۔

نسخہ : بانسہ کے پتوں کا رس چار سیر، کھانڈ ایک سیر، فلفل دراز ایک پاؤ، گھی پانچ سیر، ان سب کو دھیمی دھیمی آگ پر پکائیں، حتیٰ کہ شہد کی طرح قوام گاڑھا ہو جائے۔ پھر اس کو اُتار کر ٹھنڈا کر لیں اور اس میں ایک سیر خالص شہد ملا دیں۔

مقدار خوراک : چھ ماشے سے ڈیڑھ تولہ تک، دق وسوزش پہلو غشائے مخاطی کی کھانسی، خون کا آنا، پھیپھڑوں سے خون کا آنا اور دمہ میں بے حد مفید ہے۔ یہ نسخہ بھو پرکاش جونت کا ہے۔

بیرونی طور پر زخموں کی خارش اور آنکھ کی دکھن کے لئے بے حد مفید ہے۔ یہاں تک کہ پیلے رنگ کا بانسہ ناسور کے لئے بھی مفید ہے۔ اس کے جوشاندہ سے زخموں اور آنکھوں کو دھونا بے حد مفید ہے اور سخت قسم کے پھوڑوں اور ناسور کے لئے اس کا پلٹس باندھنا یقینی علاج ہے۔

آس

تعارف : اس کو موڑے بھی کہتے ہیں۔ یہ ایک لمبا سا درخت ہوتا ہے۔ جو عموماً گرم ممالک میں پایا جاتا ہے اور ہر موسم میں سرسبز رہتا ہے۔ اس کے پھل اور پتے بطور دوا مستعمل ہیں اس کے پھل سیاہ مرچ سے کسی قدر بڑے ہوتے ہیں۔ اس میں آٹھ دس چکنے تخم ہوتے ہیں اور یہی تخم حب الآس کے نام سے مشہور ہیں اور پتوں کو ورق آس یا برگ مراہ کہتے ہیں۔

رنگت اور ذائقہ : پھول سفید اور خوشبودار ہوتے ہیں اور پھول پکنے کے بعد کھٹے ہو جاتے ہیں۔

مزاج : خشک سرد۔

افعال و اثرات : عضلاتی اعصابی یعنی عضلات میں تحریک، غدود میں تسکین، اعصاب میں تحلیل، کیمیاوی طور پر جسم میں بلغم غلیظ پیدا کرتا ہے۔

خواص : مقوی قلب وحشش اور عضلات۔ مقوی معدہ اور امعاء قابض اور حابس۔ حابس خون و پسینہ مسکن حرارت مجفف اور مقوی بال۔

فوائد : چونکہ محرک عضلات ہے اس لئے دِل کے دبلے اور اس کے بڑھ جانے میں نہایت مفید ہے اور اس طرح معدے اور آنتوں کی کمزوری میں جبکہ غذا کھانے سے ہضم نہ ہو یا کھانے کے ساتھ ہی اسہال آ جائیں یہ دوا بے حد مفید ہے۔ جب بلغم کے دباؤ سے کوئی شریان پھٹ جائے اور خون آ جائے تو اس کے استعمال سے وہ دباؤ دور ہو جاتا ہے جو اعصاب میں تیزی سے اگر ان میں درد یا سر میں درد ہو تو اس کے اندرونی و بیرونی دونوں استعمال سے فائدہ پہنچ جاتا ہے۔ اگر جسم میں رطوبات کی کثرت سے بغلوں اور اسی قسم کے دیگر مقامات پر رطوبت کی زیادتی ہو تو اس کے اندرونی بیرونی استعمال سے دور ہو جاتی ہے۔ ہر قسم کے اسہال و پسینہ اور ہر قسم کے سیلان کو بند کرتا ہے۔ یعنی اس سے جسم میں جو رطوبت غلیظ پیدا ہو جاتی ہیں یہ ان کو جذب کرتا ہے۔ اس کے پتوں کی راکھ کھانسی خصوصاً بلغمی کھانسی میں بے حد مفید ہے۔ بیرونی طور پر رطوبات کو جذب کرتا ہے۔ اسی وجہ سے بالوں کے لئے مفید ہے۔ ان کو سیاہ رکھنے اور بڑھانے میں بہت مدد کرتا ہے بالوں کو سیاہ کرنے کے لئے اس کو خضابوں میں شامل کرتے ہیں۔ اس کا مشہور مرکب شربت حب الآس ہے۔ تقویت قلب و معدہ اور اسہال کے ساتھ ساتھ خون آنے کو بھی روکتا ہے۔

اسپغول

تعارف : اس کو عربی میں بزرقطون اور فارسی میں اسفیوش کہتے ہیں یہ ایک چھوٹا سا پودا ہوتا ہے جو تقریباً ایک ہاتھ اونچا ہوتا ہے اس کے پتے چڑیا کی زبان کی مانند ہوتے ہیں اور بارتنگ کے پتوں سے مشابہ ہوتے ہیں اس بوٹی کے چھوٹے چھوٹے تخم ہوتے ہیں جن کی شکل کشتی نما ہوتی ہے۔ اس کے چھلکوں کو سبوس اسپغول کہتے ہیں۔

رنگت اور ذائقہ : یہ دو قسم کا ہوتا ہے۔ ایک سفید سرخی مائل اور دوسرا کچھ سرخی مائل ہوتا ہے۔ ذائقہ پھیکا ہوتا ہے۔

مزاج : سرد تر دوسرے درجہ میں۔

افعال و اثرات : اعصابی عضلاتی یعنی اعصاب میں تحریک غدد میں تحلیل اور عضلات میں تسکین کیمیاوی طور پر جسم میں سرد رطوبت پیدا کرتا ہے۔

خواص : محرک اعصاب، مؤلد بلغم، مسکن معدہ و امعاء، دافع حرارت، دافع صفراء، مدر بول اور ملین۔

فوائد : چونکہ رطوبات بارد کثرت سے پیدا کرتا ہے اور حرارت کو انتہائی طور پر خارج کرتا ہے اس لئے دِل کی گھبراہٹ، سوزش معدہ، سوزش امعاء کے لئے بہت مفید ہے۔ اس کے استعمال سے گردوں اور آنتوں کے زخم بہت جلد اچھے ہو جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ اگر گردوں اور آنتوں سے خون اور پیپ بھی آتی ہو تو بہت تھوڑے عرصہ میں یہ تکلیف رفع ہو جاتی ہے جن لوگوں کو گرمی کی زیادتی سے خشکی کے ساتھ قبض ہو تو ان کے لئے ایک اچھا ملین ہے۔ لیکن جب اس کے استعمال سے بھوک بند ہونا شروع ہو جائے تو اس کا استعمال بند کر دینا چاہئے۔ البتہ غدی بخاروں میں پیاس کی شدت کو کم کرنے کے لئے اس کا لعاب نکال کر پلانا مفید ہے۔ بعض لوگ اس کو بیرونی طور پر اورام کے دردوں کو دور کرنے کے لئے استعمال کراتے ہیں۔

لیکن یہ بات ہمیشہ یاد رکھیں کہ اس کا استعمال غدی اورام اور غشائے مخاطی کی سوزش کے لئے ہی مفید ثابت ہو سکتا ہے اور وہ بھی ابتدائی صورت میں رادع مقصد کے لئے خاص طور پر حمرہ، نملہ اور جمرہ وغیرہ کی تحلیل اور تسکین کے لئے ضماد مفید ہو سکتا ہے۔ چونکہ یہ غشائے مخاطی کی سوزش کو رفع کرتا ہے۔ اس لئے اس کی سوزش سے جو کھانسی ہو اس کے لئے مفید ہے۔ اس کے علاوہ سوزشی نزلہ و زکام اور

حلق کے لئے بھی مفید ہے۔

نوٹ : عام طور پر سبوس اسپغول بازار میں فروخت ہوتا ہے اور وہی استعمال کیا جاتا ہے۔ اس میں اکثریت ملاوٹ ہوتی ہے۔ اس مقصد کے لئے چاول کے چھلکے بھون کر ملا دیئے جاتے ہیں۔ اس لئے اس کو بازار سے احتیاط سے خریدنا چاہئے۔

سبوس اسپغول کے بنانے کا طریقہ یہ ہے کہ اسپغول بیس تولے لے لیں اس پر تھوڑا سا پانی چھڑک کر اسے نمناک کر لیں۔ نصف گھنٹہ کے بعد ہاون دستہ سے زدوکوب کریں نیم کوب ہونے پر نکال لیں اور چھنکا لگا کر الگ کر لیں یہ حاصل شدہ سبوس اسپغول ہے۔

تاکید : اسپغول کوفتہ زہر کی تاثیر رکھتا ہے۔ اسی خیال سے اس کو کوٹ کر استعمال کرنا منع قرار دیا گیا ہے۔

خوراک : تین ماشے سے نو ماشے تک۔

اسپند

تعارف : عربی میں حرمل اور فارسی میں اسپند کہتے ہیں چونکہ یہ دوا عرب ہی سے یورپ پہنچی ہے اس لئے اس کو انگریزی میں بے گانم ہرمالہ کہتے ہیں اور اس کے جو تین کیمیائی اجزاء (الکلائڈ) ہیں ان کے نام بھی حرمل کی مناسبت سے رکھے گئے ہیں: (۱) ہرمالین (۲) ہرمین (۳) ہرمالول کہے جاتے ہیں۔ طب میں اس کے تخم بطور دوا مستعمل ہیں۔ یہ بوٹی جھاڑی کی شکل میں نصف گز سے ایک گز ہوتی ہے۔ یہ بوٹی تقریباً تمام پاک و ہند میں خودرو پیدا ہوتی ہے۔ اس کی کاشت نہیں کی جاتی۔ ایک بے حد مفید بوٹی ہے۔ بلکہ اکسیر کا حکم رکھتی ہے۔ البتہ جب سے یہ تحقیق ہوئی ہے اس سے سرخ رنگ تیار ہوتا ہے اس کی طرف کچھ توجہ کی جا رہی ہے۔ یہ بوٹی دو قسم کی ہوتی ہے اس کا پھول چنبیلی کے پھول کی مانند ہوتا ہے۔ جس کا رنگ بھی سفید ہوتا ہے اور خوشبو تیز ہوتی ہے، دوسری قسم کے پتے گول ہوتے ہیں، تخم اسپند دانہ رائی کے برابر ہوتے ہیں۔

رنگت اور ذائقہ : پھول سفید اور خوشبودار ہوتے ہیں۔ تخم سیاہ سرخی مائل اور ذائقہ تلخی مائل ہوتا ہے۔

افعال و اثرات : عضلاتی اعصابی (شدید) عضلات میں شدید تحریک، غدد میں تسکین اور اعصاب میں تحلیل پیدا کرتی ہے، کیمیاوی طور پر خون میں کھاری پن اور غلاظت پیدا کرتا ہے اور بلغم و رطوبت کو خشک کرتا ہے مزاج خشک سرد۔

خواص : مقوی قلب و محرک عضلات اور منفث و مخرج بلغم و رطوبات، مولد سودا اور ریاح، قاتل کرم، خون میں جوش۔

فوائد : چونکہ شدید محرک عضلات ہے اس لئے ان میں سکیڑ پیدا کر کے رطوبات کو خارج کرتا ہے جس سے عضلات کے فعل میں تیزی اور قلب میں تقویت پیدا ہو جاتی ہے اسی لئے دل کے پھول جانے میں اکسیر ہے۔ بلغمی دمہ کا یقینی علاج ہے اس لئے بلغمی کھانسی کے لئے بھی فوری اثر انداز ہوتا ہے چونکہ مسکن غدد ہے اس لئے سوزش جگر اور گردوں میں بھروسے کی دوا ہے۔ جگر اور گردوں کے زخموں اور پھوڑوں کے لئے بے حد مفید ہے۔ جب سوزش جگر سے پاخانے آتے ہیں۔ یا گردوں کی سوزش سے بار بار پیشاب آتا ہے۔ تو یہ دوا تریاق کا کام کرتی ہے۔ آنتوں کی رطوبات خشک کر کے کیڑوں کو فنا کرتا ہے۔

چونکہ محلل اعصاب ہے اس لئے سوزش اعصاب اور دماغ سے جو امراض پیدا ہوتے ہیں ان میں بے حد مفید ہے۔ مثلاً آتشک، فالج و لقوہ، نسیان اور دردسر وغیرہ۔ چونکہ اس کے استعمال سے اعصاب و دماغ میں گرمی پیدا ہو جاتی ہے، اس لئے بعض نے اس کو قوت باہ کے لئے استعمال کیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ چونکہ بلغم اور رطوبت ختم ہو جاتی ہے اور عضلات میں تیزی پیدا ہو جاتی ہے اس لئے قوت باہ اور

امساک کے لئے بے حد مفید ہے جسم کی کمزوری میں بھی بے حد مفید ہے چونکہ حرمل انتہائی طور پر رطوبات کو خشک کرتا ہے اور آئندہ رطوبات کی پیدائش کو بھی روکتا ہے، اس لئے جسم میں رطوبات اور بلغم کی زیادتی یا اس میں تعفن سے جو امراض وعلامات پیدا ہو جائیں ان میں بے حد مفید ہے۔ جیسے نزلہ زکام، بلغمی کھانسی، بخار اور خصوصاً ملیریا میں یقینی دوا ہے۔ کیمیاوی طور پر ایک شدید قسم کی دافع تعفن دوا ہے۔ یہاں تک کہ اس کا دھواں بھی دافع تعفن ہے اس کے کھانے سے پیٹ کے کیڑے مر جاتے ہیں اس کے علاوہ جسم میں تعفن سے کہیں بھی کیڑے اور جراثیم پیدا ہو جائیں ان کے لئے از حد مفید ہے۔

یہ حقیقت ہم بار بار لکھ چکے ہیں کہ جسم میں اگر رطوبات کی زیادتی ہو تو خون کے دوران میں سستی پیدا ہو جاتی ہے۔ اور اس کے اخراج میں رکاوٹ پیدا ہو جاتی ہے، جب جسم میں رطوبات خشک ہو جائیں تو دورانِ خون میں تیزی اور اس کے اپنے مخرج میں اخراج بڑھ جاتا ہے اس لئے اس دوا کے استعمال سے ادرار حیض شروع ہو جاتا ہے اگر اس کا استعمال کچھ عرصہ جاری رہے تو پیشاب میں خون آنے لگتا ہے، خون کا دباؤ بڑھ جاتا ہے، پھیپھڑوں سے خون آنا شروع ہو جاتا ہے، نکسیر پھوٹ جاتی ہے۔ سر میں شدید درد ہو جاتا ہے۔

ایک غلط فھمی : بعض کتب میں حرمل کا نام کالا دانہ لکھا ہوا ہے۔ جاننا چاہئے کہ دونوں الگ الگ دوائیں ہیں۔ تخم حرمل سیاہ رنگ کے سرخی مائل رائی کے برابر دانے ہوتے ہیں، لیکن کالا دانہ کو تخم عشق پیچاں کہتے ہیں یہ سیاہ سفیدی مائل مرچ سے کچھ بڑے ہوتے ہیں، یہ گول نہیں ہوتے بلکہ اس کے کئی پہلو ہوتے ہیں۔ اور کوٹنے میں بے حد سخت ہوتے ہیں اور ایک شدید قسم کا مسہل ہیں۔

دوسری غلط فھمی : اس کی انتہائی خشکی کی وجہ سے اکثر طبی کتب میں اس کو گرم خشک رکھا ہے لیکن جاننا چاہئے کہ شدید خشکی سردی پر دلالت کرتی ہے کیونکہ ہر شے سردی سے سکڑتی ہے اور گرمی سے پھیلتی ہے۔ اس میں جو تلخی ہے بعض نے اس کو بھی گرمی کی دلیل سمجھا ہے لیکن کسی دوا میں معمولی تلخی بھی گرمی پر دلالت نہیں کرتی۔ یاد رکھیں کہ تلخی ہمیشہ ترشی کی شدت کے بعد پیدا ہوتی ہے حرمل کے خشک سرد ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اس میں شدید قسم کی کھار ہوتی ہے۔ جس کا زیادہ اثر سردی کے ساتھ ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ حرمل میں ایک بہترین قسم کا نباتی فولاد ہے اس لئے حرمل مشینی طور پر مقوی قلب وشش اور معدہ عضلات ہے اور کیمیائی طور پر خون میں غفلت پیدا کر دیتا ہے اس لئے حرمل ذیابیطس کی ایک یقینی اور بے خطا دوا ہے۔ یہ مفرد اور مرکب دونوں صورتوں میں استعمال ہو سکتا ہے۔ ہلیلہ سیاہ اور دیگر عضلاتی اعصابی ادویہ کے ساتھ ضرورت کے مطابق مرکب بنائے جا سکتے ہیں۔

مقدار خوراک : 2 رتی سے ایک ماشہ تک ہمراہ آبِ تازہ یا قہوہ کے ہمراہ استعمال کرائیں۔

اشق

تعارف : کاند، ایک قسم کا گوند ہے جو ایک خاص درخت سے حاصل کیا جاتا ہے۔ یہ درخت پنجاب اور ایران میں پایا جاتا ہے۔ اس کو فارسی میں اوشہ کہتے ہیں۔ اس کو عربی میں اراق اور الذہب بھی کہتے ہیں۔ اس درخت سے ایک قسم کی رطوبت نکل کر جم جاتی ہے، یہی اشق ہے۔ اس کے دانے گول افیون کے مانند ہوتے ہیں یا مختلف قد کی ڈلیاں ہوتی ہیں۔ ان کو پانی میں حل کرنے سے دودھ کی مانند سفید شیرہ بن جاتا ہے۔

رنگت اور ذائقه : رنگت زردی مائل، مزہ تلخ اور بو ہلکی خاص قسم کی ہوتی ہے۔

افعال و اثرات : غدی عضلاتی (ملین) یعنی غدد میں تحریک عضلات میں تحلیل اور اعصاب میں تسکین کیمیاوی طور پر خون میں صفراء

پیدا کرتا ہے جسم میں حرارت کی پیدائش بڑھا دیتا ہے مزاج گرم خشک گرمی زیادہ اور خشکی کم تسلیم کی گئی ہے، بعض لوگ خشکی ایک درجے کی بعض دو درجے کی تسلیم کرتے ہیں۔ یاد رکھیں کہ جب گرمی زیادہ ہوتی ہے تو خشکی کا کم ہونا لازمی ہے۔ اگر خشکی زیادہ ہو تو گرمی کم ہو جاتی ہے۔ کیونکہ ہر شے سردی سے سکڑتی ہے اور گرمی سے پھیلتی ہے۔ اس لئے ہر خشک شے میں سردی شامل ہوتی ہے۔

خاص بات : ایک خاص بات یہ ہے کہ صفراء کیمیاوی طور پر کھارا ہے لیکن گرم کھار بھی ہے صفراء یا گرم کھار ہی ایک ایسی شے ہے جو تیزابیت یا سودا کو ختم کر دیتا ہے اور سوزش کو رفع کر دیتا ہے۔

خواص : محرک و مقوی جگر و غدد اور غشائے مخاطی، مولد صفراء ملین و مسہل محلل و مفتح، منفث و مخرج بلغم، جالی اور قاتل کرم، مدر حیض اور منقی رحم، جگر و گردے اور مثانہ کی پتھریوں کو ریزہ ریزہ کرتا ہے بواسیر کے مسوں کے لئے محلل و مفتح ہے۔

فوائد : محرک و مقوی جگر و غدد اور غشائے مخاطی ہونے کی وجہ سے ان کی تسکین کے لئے بہترین دوا ہے۔ مولد صفراء ہونے کی وجہ سے ملین و مسہل اور دائمی قبض کے لئے یقینی دوا ہے۔ انہی اثرات کی وجہ سے بلغم کو اکھیڑتا ہے اور خارج کرتا ہے اور اندرونی و بیرونی طور پر اعضاء میں جلا پیدا کرتا ہے۔ صفراء کی زیادتی اور امعاء کے کونے سے پیٹ اور آنتوں کے کیڑوں کو مارتا ہے۔ چونکہ صفراء اور حرارت کی پیدائش بڑھ جاتی ہے اور اس کا اخراج بند ہو جاتا ہے۔ جس کے نتیجہ میں حیض کا اخراج بلکہ جسم کے جن حصوں میں بلغم کی زیادتی ہو وہاں خون کا اخراج شروع ہو سکتا ہے۔ شدید محلل اور مفتح ہونے کی وجہ سے جگر اور گردے اور مثانے کی پتھری کو ریزہ ریزہ کر دیتا ہے۔ انہی اثرات سے اندرونی و بیرونی گندے زخموں کو صاف کر کے وہاں پر خون لا کر گوشت پیدا کرتا ہے۔

چونکہ جگر و غدد میں تیزی اور صفراء کی زیادتی سے عضلاتی فالج ولقوہ اور تشنج و نقرس میں بے حد مفید ہے۔ اسی وجہ سے صلابت طحال اور جگر بلکہ جسم کو ہر قسم کے غدد جو پھول گئے ہوں ان کے لئے یہ بے حد مفید ہے۔ انہی اثرات کی وجہ سے عرق النساء میں بھی یقینی دوا ہے اور پرانی کھانسی اور دمہ و تنگی تنفس کے لئے دعوے کی دوا ہے اور مرگی کو بہت جلد رفع کر دیتا ہے۔

بیرونی درد و کلف اور بہق پر مالش کرنے سے مفید ہے اور بواسیر کے مسوں کے مواد کو خارج کر کے ان میں تحلیل پیدا کرتا ہے انہی اثرات کے تحت خنازیر کو اندرونی اور بیرونی طور پر محلل اور زخموں کو بھر دیتا ہے۔

اشنان

تعارف : عربی میں غاسون، ویدک میں کٹول کہتے ہیں۔ عام طور پر لانا بوٹی کے نام سے مشہور ہے۔ اس کی دو قسمیں ہیں۔ ایک قسم کی باریک باریک شاخوں کے ساتھ چھوٹے چھوٹے پتے ہوتے ہیں۔ دوسری قسم میں صرف باریک باریک شاخیں ہوتی ہیں، پتے نہیں ہوتے شاخیں ہی پتوں کا کام کرتی ہیں۔ یہ بوٹی کی صورت میں بہت ہی کم استعمال ہوتی ہے۔ البتہ اس کو جلا کر اس کی کھار بنائی جاتی ہے۔ جس کو سجی کھار کہتے ہیں، جو عام طور پر اسی نام سے بازار میں بکتی ہے۔ غریب لوگ اور دیہاتی اس سے کپڑے دھوتے تھے۔ صابن بنانے والے اس سے صابن بھی تیار کرتے تھے، اس کو انگریزی میں کروڈ کاربونیٹ آف سوڈا کہتے ہیں۔ اسی سے کاسٹک سوڈا جو عام طور پر صابن، فینائل اور بیرونی طور پر لگانے کی ادویہ میں استعمال ہوتا ہے آج کل جو بناسپتی گھی تیار ہوتا ہے وہ اس کے بغیر تیار نہیں ہوتا۔ اسی لئے **بناسپتی کا استعمال جسم میں کھار پیدا کر دیتا ہے۔** اس کا ایک مرکب سوڈا بائی کارب ہے جس کو میٹھا سوڈا کہتے ہیں، جو روزانہ غذا میں خمیر اٹھانے یا ہاضمہ کے لئے دوا کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ شور مٹی جو پانی کے کنارے پائی جاتی ہے اور شورہ بھی ایک خاص قسم کی کھاریں

ہیں۔ لیکن یہ معدنی کھاریں ہیں اور سجی نباتاتی کھار ہے اور زیادہ شدید اثرات رکھتی ہے۔ علاوہ ازیں یہ کئی پودوں کی راکھ سے بھی تیار کی جاتی ہے۔ جیسے جال کا درخت جس پر پہلو میدہ لگتا ہے۔ کریر کا پودا جس پر ڈیلے لگتے ہیں جن کا اچار بنایا جاتا ہے۔ دونوں جنگلی پودے ہوتے ہیں۔ لانا و جال اور کریر کو اونٹ بہت شوق سے کھاتے ہیں عام طور پر تین قسم کی کھاریں ہوتی ہیں: (۱) جوکھار (۲) سجی کھار (۳) سہاگہ۔ ان تینوں کے مجموعہ کو ویدک اصلاح میں ''کھشار تریئی'' اور دو پہلی کو ملایا جائے تو کھشار دویہی کہتے ہیں۔ آیورویدک میں کھار کو کھشار کہتے ہیں۔ لفظ کھشار کا مصدر کھشرن ہے جس کے معنی مقطر کرنے کے ہیں۔ چونکہ سب کھشار عمل تقطیر سے تیار ہوتے ہیں، اس لئے ان کو کھشار کہتے ہیں۔

جس چیز کو کھار بنانا ہوا سے جلا کر راکھ کو پانی میں خوب مل مل کر گھول لیا جاتا ہے۔ پھر کچھ عرصہ کے لئے نتھرنے کے لئے رکھ دیا جاتا ہے۔ جب مواد نیچے بیٹھ جاتا ہے تو اوپر سے پانی کو الگ کر دیا جاتا ہے۔ پھر موٹے کپڑے میں چھان کر لوہے کی کڑھائی میں آگ پر رکھ دیا جاتا ہے جب پانی خشک ہو جاتا ہے تو کڑاہی میں سفید سفید قلمیں رہ جاتی ہیں۔ بس یہی کھار ہے۔

سجی دو قسم کی ہوتی ہے: (۱) سجی کھار (۲) لوٹا سجی۔ ان دونوں کی بناوٹ رپورٹ پنجاب پراڈکشن میں یوں بیان کی گئی ہے کہ پودوں کو جاڑوں میں کاٹ کر سکھا لیا جاتا ہے۔ پھر نیم دائرے کی شکل کا ایک گڑھا جس کا محیط چھ فٹ اور گہرائی تین فٹ ہوتی ہے کھود کر اس کی تہہ میں ایک یا زیادہ گڑھے جن کے اوپر کی طرف چھوٹے چھوٹے سوراخ نکالے ہوتے ہیں۔ دبا دیئے جاتے ہیں۔ اور سوراخوں کو ڈھانپ دیا جاتا ہے۔ اس کے بعد وہ خشک پودے تھوڑے سے لے کر اس گڑھے میں ڈال کر جلائے جاتے ہیں۔ پھر رفتہ رفتہ مزید پودے ڈالے جاتے ہیں تاکہ آگ مسلسل جلتی رہے حتیٰ کہ گڑھا بھر جائے۔ اس اثناء میں ان پودوں سے ایک مائع چیز نکلنے لگتی ہے اور جونہی اس کے نکلنے کا اندازہ ہوتا ہے گڑھوں کے سوراخ ننگے کر دیئے جاتے ہیں اور وہ مائع چیز سوراخوں کے ذریعے گڑھوں کے اندر جانے لگ جاتی ہے جب وہ سب کی سب گڑھوں میں چلی جاتی ہے تو راکھ کو ایک لکڑی سے ہلا دیا جاتا ہے اور اوپر مٹی ڈال دی جاتی ہے، آگ کے ٹھنڈا ہو جانے پر جو چیزیں گڑھوں میں پائی جاتی ہیں یہی لوٹا سجی کہلاتی ہے۔ کیونکہ لوٹوں (برتنوں) میں سے پائی گئی ہے۔ سجی کی یہی بہترین قسم ہے۔ اس کا رنگ سفید یا گلابی سا ہوتا ہے۔ ذائقہ نمکین اور شکل اسفنج نما سوراخ دار پتھر کی سی ہوتی ہے۔ لوٹا سجی الگ کر لینے کے بعد جو راکھ گڑھے میں رہ جاتی ہے اس کو اکٹھا کر کے مٹکوں میں نصف کے برابر بھر دیں پھر پانی سے بھر کر اس راکھ کو اچھی طرح کھول لیں۔ پھر جب راکھ نیچے بیٹھ جائے تو پانی نتھار لیں اس پانی کو لوہے کے کڑاہوں میں ڈال کر خشک کر لیں۔ یہی سجی کھار ہے ان اعمال میں لوٹا سجی اور سجی کھار کا فرق سمجھ لیں۔ دراصل دونوں ایک ہی چیز ہیں۔ لیکن لوٹا سجی اپنے عمل کو اثرات کے تحت سجی کھار سے بہت زیادہ طاقت رکھتی ہے۔ کھاریں کئی قسم کی تیار کی جا سکتی ہیں جن میں بعض اپنے اندر کیمیاوی افعال و اثرات رکھتی ہیں جن میں مولی کھار، خربوزے کے پھولوں کی کھار اور آک کی کھار وغیرہ وغیرہ لیکن علم الادویہ میں زیادہ تر جو کھاریں مستعمل ہیں وہ تین ہیں: (۱) جوکھار (۲) سجی (۳) سہاگہ۔ کھار کی طبی دُنیا میں بڑی اہمیت حاصل ہے ادویہ علم کی ایک تہائی کی مالک ہے۔

اسگندھ

تعارف : اس کو آکسن اور اسگند بھی کہتے ہیں۔ یہ بوٹی ہے آیورویدک کی خاص دوا ہے۔ جس کو رسائن (اکسیر) کا درجہ دیا گیا ہے جس کو آشوگندھا کہتے ہیں۔ آشوگندھا دو لفظوں کا مرکب ہے۔ آشو کے معنی گھوڑا اور گندھا کے معنی تیز چلنے والا یا تیزی پیدا کرنے والا ہے۔

مطلب یہ سمجھا جاتا ہے کہ جب اس کا اثر خون میں پیدا ہو جاتا ہے تو جسم میں گھوڑے جیسی طاقت پیدا کر دیتی ہے۔اس لئے اس کو گجراتی میں اسگندھ کہتے ہیں۔انگریزی میں اس کو ونٹر چیری کہتے ہیں۔چیری ایک انگریزی پودا ہوتا ہے۔جس کا پھل رس بھری کے ہم شکل اور ہم رنگ ہوتا ہے۔انگریزی محققین الادویہ نے اس سے دوقسم کے جوہر برآمد کئے ہیں۔

مقام پیدائش : یہ بوٹی پاک و ہند کے گرم خشک علاقوں میں پائی جاتی ہے اس کے علاوہ ریاست بیکانیر کے علاقہ ناگور میں اس کی پیداوار بکثرت ہے اس علاقہ کی اسگندھ طبی نقطہ نگاہ سے نہایت بڑھیا اور اعلیٰ درجہ کی تسلیم کی جاتی ہے۔اس لئے عمدہ قسم کو اسگندھ ناگوری کہتے ہیں۔دوسری قسم کو رکنی کہتے ہیں۔اگر چہ وہ کسی علاقہ کی بھی ہو، یہ بلوچستان مالوہ،اوسط وسطی فارت،خصوصاً دہلی اس کے علاوہ سری لنکا اور کئی دیگر علاقوں میں بھی ملتی ہے۔لیکن علاقہ ناگور کی اسگندھ کے مقابلے میں اس کا کوئی ثانی نہیں ہے۔اس لئے ناگور کی اسگندھ طبی دُنیا میں خاص شہرت رکھتی ہے اور اسی کا استعمال کیا جاتا ہے۔

شناخت : اسگندھ کا پودا سیدھا اور سطح زمین سے تقریباً دوفٹ سے پانچ فٹ تک اونچا ہوتا ہے۔اس کی شاخیں گول ہوتی ہیں اور ان پر باریک باریک روئیں دکھائی دیتے ہیں۔اس کے پتے تقریباً تین چار انچ تک لمبے اور دو تین انچ چوڑے ہوتے ہیں۔یہ پتے سرے پر آ کر یک لخت نوک دار ہو جاتے ہیں۔بظاہر صاف اور چمکدار معلوم ہوتے ہیں، لیکن غور سے دیکھنے سے ان پر بھی باریک چمک دار روئیں نظر آتے ہیں۔یہ پتے موٹے اور ان کی رگیں شفاف ہوتی ہیں اس کی جڑ لمبی اور مخروطی شکل کی ہوتی ہے اس کی جڑ کی موٹائی کم از کم پنسل کی گولائی کے برابر ہوتی ہے۔اس کے پھول چھوٹے چھوٹے زردی مائل سبز رنگ کے ہوتے ہیں۔اس کے بیج مٹر کے دانے کی طرح ایک انچ سے تین انچ قطر میں گول ہوتے ہیں جب دانہ پک جاتا ہے تو زرد سبزی مائل ہو جاتا ہے اس کا دانہ گول اور تقریباً چوتھائی انچ قطر میں ہوتا ہے جو صاف گول اور چپکے ہوتے ہیں، ظاہرہ رس بھری کے پھل کے برابر ہوتے ہیں۔یہ بوٹی باغوں کھیتوں اور جنگلوں میں خودرو پیدا ہوتی ہے۔علاج میں زیادہ تر اس کی جڑ استعمال ہوتی ہے۔

رنگت اور ذائقہ : رنگت پھول وپھل زرد سبزی مائل اور جڑ سفید بھوری زردی مائل ہوتی ہے اس کا ذائقہ کسی قدر تلخی مائل ہوتا ہے۔

افعال و اثرات : اعصابی غدی یعنی اعصاب میں تحریک غدد میں تحلیل اور عضلات میں تسکین پیدا ہوتی ہے۔کیمیائی طور پر کھاری پن۔ لیکن بلغم اور رطوبت میں رقت پیدا کرتا ہے۔مزاج گرم تیسرے درجے میں کہا جاتا ہے کہ اس میں رطوبت فضیلہ ہوتی ہے۔حقیقت یہ ہے کہ یہ اس کی ذاتی تری ہے۔

فرنگی ڈاکٹروں کی غلط فھمی : کھاری (الکلی) اشیاء دوقسم کی ہوتی ہیں۔اوّل سرد کھاری جیسے اعصابی عضلاتی اور عضلاتی اعصابی دوسرے گرم کھاری جیسے اعصابی غدی اور غدی اعصابی۔فرنگی ڈاکٹروں میں ایک غلط فہمی پائی جاتی ہے کہ وہ تیزابیت کا علاج کھاری پن سے کرتے ہیں۔یہ قانون سائنس کی رو سے بالکل غلط ہے۔کیونکہ ارتقائی قانون کے تحت کھاری پن کا علاج ترشی ہے ترشی کا علاج صفراء ہے جو بذاتِ خود کھار ہے مگر اس میں حرارت بھی شریک ہے۔اس لئے یاد رکھیں کہ اعصابی تحریک کا علاج عضلاتی تحریک اور عضلاتی تحریک کا علاج غدی تحریک ہے۔یہ اسگندھ بوٹی بھی ایک گرم کھار ہے۔اسی طرح ہر غدی اعصابی اور اعصابی غدی اشیاء جن میں حرارت ہے سب گرم قسم کی کھاریں ہیں۔

خواص : مولد رطوبات وشیر اور منی، مقوی جسم، محلل، سوزش جگر ورحم اور کثرت طمث اور ممسک، مسکن، مدر، دافع سوزش گردہ ومثانہ۔

فوائد : ایک قابل اعتماد مولد رطوبات وشیر اور منی ہے۔جس کی وجہ سے جسم میں تغذیہ غذا جزو بدن ہو کر جسم میں تقویت پیدا ہونا شروع ہو

جاتی ہے اس وجہ سے اس کو ایک اعلیٰ درجہ کی ٹانک اور جسم کی عام کمزوری کے لئے ایک نعمت تسلیم کیا گیا ہے۔ اس کا استعمال کمزور اور دُبلے پتلے، نحیف و ناتواں اشخاص کے لئے نہایت قوت بخش اور تروتازگی بخشنے والی رسائن ہے اس کے استعمال سے جہاں بچوں میں موٹاپا اور قوت پیدا ہو جاتی ہے۔ وہاں عورتوں میں دودھ کی پیدائش بڑھ جاتی ہے اور مردوں میں منی کی پیدائش میں زیادتی اور گاڑھا پن پیدا ہو جاتا ہے۔ اگر پیشاب میں سوزش اور پاخانہ میں جلن ہو تو وہاں پر فوراً تسکین پیدا ہو جاتی ہے۔ یہاں تک کہ اگر پیچش کی صورت میں بھی پیدا ہو گئی ہو بہت جلد آرام کی صورت ظاہر ہو جاتی ہے، یہی وجہ ہے کہ گردہ اور مثانہ کی سوزش کو دور کر کے سرعت انزال میں مفید ہے۔ چونکہ مولد منی اور دافع سوزش گردہ و مثانہ ہے۔ اس حیثیت سے کچھ ممسک بھی ہے لیکن بعض مصنفین نے اس کو جریان و احتلام اور قوت باہ کے لئے بھی مفید لکھا ہے۔ یہ بالکل صحیح نہیں ہے، بلکہ اس کے لئے نہ صرف غیر یقینی دوا ہے بلکہ نقصان رساں ہے۔ یاد رکھیں کہ **دوا کے استعمال میں اس کے مقام کو ضرور مدنظر رکھنا چاہئے۔ ورنہ حسب منشا فوائد حاصل نہیں ہوں گے۔**

چونکہ محلل غدد ہے اس لئے جگر اور گردوں کے علاوہ عورتوں کے پستانوں اور خصیۃ الرحم کی سوزش کے لئے بھروسہ کی دوا ہے۔ اس کے استعمال سے پرانی سے پرانی سوزش اور درد غدد رفع ہو جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ جوڑوں کے درد کو بھی رفع کر دیتا ہے۔ اسی وجہ سے مدر بول اور حیض بھی ہے۔ اگرچہ مدر بول ہے لیکن مغلظ منی ہونے کی وجہ سے ممسک اور مسکن قلب اور عضلات ہے۔ اس حیثیت سے تپ دق اور سل میں بھی مفید ہے۔

بعض ویدوں نے اس کے استعمال میں نہ صرف بے حد مبالغہ سے کام لیا ہے۔ بلکہ بہت حد تک غلط افعال و اثرات تک بیان کر دیتے ہیں اور اس کو ایک قسم کی رسائن میں شریک کر لیا ہے۔ یاد رکھیں کہ رسائن (اکسیر) کا مقام بہت بلند ہے۔ ہم اپنی کتب میں اکسیر پر لکھ چکے ہیں اس لئے رسائن کے مقام کو ہمیشہ ذہن میں رکھیں ہم ایک مثال پیش کرتے ہیں آیورویدک کے مہرشی بھاؤ مشر نے اپنی تصنیف بھاؤ پرکاش میں اس کے طبی خواص بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اسگندھ کا ذائقہ تلخ، ممسک، مبہی قاطع بادی و بلغم، نیند آور اور نہایت عمدگی سے انسان کی عام کمزوری کو سطح اعتدال پر لانے کی ضامن ہے۔

یاد رکھیں بلغمی دوا نیند آور تو ہو سکتی ہے مگر مبہی اور قاطع بادی نہیں ہو سکتی طرہ یہ ہے کہ قاطع بادی کبھی بھی مبہی نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ بادی کا باہ کے ساتھ خاص تعلق ہے۔ اس لئے کوئی مؤلد بلغم و نیند آور اور مخدر دوائی قوت باہ پیدا نہیں کر سکتی البتہ حدت کو دور کر کے اس کا اثر محسوس ہو سکتا ہے۔

اسگندھ کے مقوی جسم ہونے کی ایک وجہ یہ ہے کہ اس میں دوائیت کے علاوہ کچھ غذائیت بھی ہے۔ اس میں نشاستہ کے ساتھ کسی قدر اجزائے لحمیہ بھی پائے جاتے ہیں جس کی وجہ سے اس کے مسلسل استعمال سے جسم میں تقویت پیدا ہو جاتی ہے اور تھوڑے عرصہ میں انسان یہ محسوس کرتا ہے کہ جسم میں تقویت کے ساتھ افزائش بھی ہو گئی ہے جس کے ساتھ جنسی دباؤ کم ہو گیا ہے جو ایسی صورت میں مفید ہے اس کی وجہ سے اس کے مسلسل استعمال سے جسم میں جو ترشی کی زیادتی ہوتی ہے وہ اعتدال پر آ جاتی ہے اس دوا کی اس خوبی کی وجہ سے یہ عورت کے لئے بے حد مفید ہے۔ اس کے استعمال سے خصیۃ الرحم کی سوزش دور ہو کر ماہواری باقاعدہ ہو جاتی ہے بہت جلد حمل قرار پا جاتا ہے اور جن عورتوں میں بچے کمزور پیدا ہوتے ہیں یا ضائع ہو جاتے ہیں ان کو حمل کے دوران استعمال کرنے سے بچے بہت تندرست پیدا ہوتے ہیں بلکہ اگر کمزور اور سوکھے بچوں کو استعمال کرائیں تو موٹے تازے ہو جاتے ہیں۔

ترکیب تیاری: اسگندھ ناگوری باریک پیس کر شہد کے شربت کے ساتھ یا سفوف ہم وزن چینی ملا کر پانی کے ساتھ استعمال کرائیں اور

اگر ضروری خیال کریں تو ہم افعال و اثرات ادویہ ستاور، ست گلو، زیرہ سفید اور ملٹھی وغیرہ کا ملانا بے حد مفید ہے۔

اسرب

تعارف : عربی میں رصاص اسود اور ہندی میں سیسہ کہتے ہیں۔ ایک مشہور ملائم دھات ہے۔

رنگت اور ذائقہ : رنگت سفید نیل گوں مائل ہوتی ہے، اور ذائقہ پھیکا ہوتا ہے۔

افعال و اثرات : اعصابی عضلاتی یعنی اعصاب میں تحریک غدد میں تحلیل اور عضلات میں تسکین پیدا ہو جاتی ہے، کیمیاوی طور پر کھاری پن، غلظت اور بلغم و رطوبت پیدا کرتا ہے۔ مزاج تو خشک ہے چونکہ اندرونی طور پر ہمیشہ کشتہ کی صورت میں استعمال کیا جاتا ہے۔ اس لئے اس صورت میں افعال و اثرات کی صورت میں عضلاتی اعصابی بن جاتی ہے اور مزاج میں خشکی تری پیدا ہو جاتی ہے۔

خواص : حابس خون، قابض رطوبات، مجفف مغلظ اور ممسک، دافع سوزش غدد، تقطیر بول، کثرت طمث۔

فوائد : سیسہ اور اس کے مرکبات کا ظاہری طور پر تندرست جلد پر کچھ اثر معلوم نہیں ہوتا۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ اس کا بھی تندرست جلد پر ایسا ہی اثر پڑتا ہے کہ جیسا زخم اور مجروح سطح پر لگانے سے ہوتا ہے۔ جب یہ لگایا جاتا ہے تو وہاں پر جو رطوبت بہتی ہے وہ گاڑھی ہو کر جم جاتی ہے جس سے وہاں کی چھوٹی چھوٹی عروق سکڑ جاتی ہیں سائنس کا مسئلہ ہے کہ ہر شے سردی سے سکڑتی ہے۔ گویا جہاں پر سیسہ اور اس کے مرکبات لگائے جائیں وہاں پر سردی کی شدت زیادہ ہو جانے سے رطوبات پیدا ہو کر اس میں سکیڑ واقع ہو جاتا ہے۔ ان وجوہات کے باعث یہ مرکبات نہایت قابض ہوتے ہیں اور سوزش و جلن دور ہو جاتی ہے اور درد بھی کم ہو جاتا ہے۔ اس لئے نہایت تسکین کا اثر رکھتے ہیں حقائق کے باعث یہ حابس الدم ہے۔

بندش خون کا راز : یہاں یہ حقیقت پھر ذہن نشین کر لیں جو پہلے بھی کئی بار تحریر کر چکے ہیں کہ جہاں پر خون بہتا ہو وہاں پر رطوبت بالکل نہیں ہوتی اور جہاں رطوبت ہو وہاں پر خون بند ہو جاتا ہے یہی بندش خون کا راز ہے حقیقت یہ ہے کہ رطوبت کا اخراج شدت سے ہوتا ہے۔ مگر سردی کی زیادتی سے وہاں پر سکیڑ پیدا ہو کر رطوبات جم جاتی ہیں۔ یہ بات بھی یاد رکھیں کہ تقریباً تمام عضلاتی اعصابی ادویہ اور اغذیہ کا اثر کم و بیش یہی ہوتا ہے۔ یعنی رطوبات پیدا ہوتی ہیں مگر جم جاتی ہیں اس لئے اندرونی طور پر جب چوٹ لگتی ہے یعنی اس چوٹ سے باہر خون نہیں بہتا اور اندر ہی اکٹھا ہونا شروع ہو جاتا ہے اس مقصد کے لئے دودھ پھٹکڑی ملا کر لاتے ہیں جس سے اندر کا خون بہنا شروع ہو جاتا ہے۔ اسی اصول پر ہر عضو کے خون کا اخراج بند ہو جاتا ہے۔ خون منہ سے آتا ہو یا مقعد سے اسی طرح پیشاب سے اخراج پاتا ہو یا رحم سے کسی قسم کا خون خارج ہوتا ہو تو وہ بند ہو جاتا ہے۔

کشتہ اسرب کو جریان کے بند کرنے کے ساتھ ساتھ جریان منی احتلام اور سرعت ورقت منی کے لئے بھی استعمال کرتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس کے استعمال سے رطوبات کا اخراج بند نہیں ہوتا بلکہ ان میں غلظت پیدا ہو جاتی ہے، اسی طرح رطوبات خشک ہو جاتی ہیں۔ لیکن یاد رکھیں کہ رطوبات کا اخراج بند نہیں ہوتا جب دواؤں کا اثر کم ہو جاتا ہے تو رطوبات کا اخراج پھر سے شروع ہو جاتا ہے اس لئے ان علامات کا یہ یقینی علاج نہیں ہے۔

بیرونی طور پر سوزشناک زخموں پر سیسہ سوختہ کے مرکبات تسکین اور رطوبت کو خشک کرنے کے لئے مرہموں میں استعمال کرتے ہیں۔ اس کے مشہور سیاہ مرہم سیندور سے تیار ہوتا جو زخم بھرنے کے لئے واقعی مفید ہے۔

مرکبات اسرب

(۱) سفیدہ : عربی میں اسفیداج، فارسی میں سفید آب، سفید رنگ کا نرم اور وزنی سفوف ہوتا ہے عام طور پر سیسہ کو ملا کر بنایا جاتا ہے۔ سفید قلعی سے بھی تیار کیا جاتا ہے۔ جس کو سفیدہ کاشغری یا سفیدہ کہتے ہیں۔

(۲) سیندور : عربی میں اسرنج کہتے ہیں۔ سرخ زردی مائل وزنی سفوف ہے۔ یہ بھی قلعی اور سیسہ دونوں سے تیار کیا جاتا ہے یہ وہی چیز ہے جس سے اکثر ہندو اور عورتیں مانگ بھرتی ہیں۔

(۳) سنگ بصری : عربی میں حجر الکحل کہتے ہیں فارسی میں سنگ سرمہ تو تیائے کرمانی، تو تیائے سفالک۔ ہندی میں کھریا کہتے ہیں خاکستری رنگ کے ٹکڑے ہیں جو سیسہ کی کان کے خاک اور سنگ ریزوں سے سیسہ اور تانبا جدا کرتے وقت بھٹی کے دودکش میں جم جانے سے بن جاتا ہے۔

(۴) مردار سنگ : مردار سنگ زردی مائل وزنی ڈلیاں ہوتی ہیں جو سیسہ سے تیار کی جاتی ہے۔

خواص و فوائد : سیسہ کے تمام مرکبات کے خواص و فوائد تقریباً وہی ہیں جو سیسہ کے کشتہ میں پائے جاتے ہیں۔ البتہ ان میں صرف یہ فرق ہے کہ ان کے افعال و اثرات میں کمی پائی جاتی ہے۔ ان تمام مرکبات کو سوائے کشتہ کے بیرونی طور پر مرہم اور سرمہ کی صورت میں استعمال کرتے ہیں۔ فرنگی طب میں ان کے کئی مرکبات مستعمل ہیں جو بیرونی اور اندرونی دونوں صورتوں میں استعمال ہوتے ہیں۔

فرنگی طب کے مرکبات سیسہ : فرنگی طب میں سیسہ کو لیڈ کہتے ہیں اس کا نام پلم بم بھی کہتے ہیں اس کے مرکبات مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) اوکسائیڈ آف لیڈ : جس کو طب میں مردار سنگ کہتے ہیں، سیسہ کو ہوا میں جوش دے کر تیار کیا جاتا ہے۔ پانی میں حل نہیں ہوتا نائٹرک ایسڈ اور ایسی ٹک ایسڈ میں حل ہو جاتا ہے۔ اس کو ذیل کے پلاسٹروں میں ملایا جاتا ہے: (۱) لیڈ یسٹر (۲) میلاسٹرم فرائی (۳) کیل بینائی (۴) ہائیڈرار جرائی (۵) پلمبائی آیوڈائیڈ ریزائی وغیرہ۔

(۲) ایسی ٹیٹ آف لیڈ : سیسہ کو تیزاب میں گلا کر خشک کر کے قلمیں بنا لیتے ہیں۔ سفید چمکدار ٹکڑے کھلا رکھنے سے ان کا پانی کسی قدر اڑ جاتا ہے، ذائقہ شیریں 25 فیصد پانی میں دس حصہ حل ہو جاتا ہے۔ خوراک ایک گرین سے چار گرین تک۔ اس مرکب سے گولیاں، سفوف، محلول اور مرہم تیار کرتے ہیں۔

(۳) کاربونیٹ آف لیڈ : اس کو طب میں سفیدہ کاشغری کہتے ہیں اس کو تیزاب سرکہ اور تیزاب کاربونک میں ملا کر مرہم میں استعمال کیا جاتا ہے۔

(۴) نائٹریٹ آف لیڈ : تیزاب شورہ میں حل کر کے خشک کر لیا جاتا ہے، بیرنگ ہشت پہلو قلمیں، ذائقہ شیریں، پانی میں حل ہو جاتا ہے۔

(۵) آئیوڈائیڈ آف لیڈ : تیزاب شورہ اور آیوڈائیڈ آف پوٹاشیم کے ساتھ تیار کیا جاتا ہے جو سرخی مائل زرد رنگ کا سفوف یا چمکتے ہوئے چھلکے ہوتے ہیں۔ ان سے مرہم تیار کی جاتی ہے۔

فرنگی طب کی غلط فہمی : فرنگی طب یہ تسلیم کرتی ہے کہ لیڈ کے اثرات و افعال اپنے اندر کاسٹک (جلانے والے-کاوی) رکھتے ہیں۔ یہ ان کی غلط فہمی ہے کیونکہ ان کے استعمال سے رطوبات میں خشکی اور عروق میں سکیڑ پیدا ہوتا ہے لیکن ساتھ ہی تسکین کا اثر قائم رہتا ہے جو کاسٹک کا اثر نہیں ہے بلکہ رطوبات کا تسلسل قائم رہتا ہے۔

اسفنج

تعارف: عربی میں ابر مردہ، سحاب البحر کہتے ہیں ایک خانہ دار اور متخلل نباتات ہے جو سمندر کے اندر اور سمندر کے کنارے پتھروں کے درمیان پیدا ہوتا ہے۔اس کے خانے سمندری کیڑے مکوڑوں کے گھر ہوتے ہیں یہ عام طور پر جھاڑیوں کی صورت میں پائی جاتی ہے۔ان کو ٹکڑوں کی شکل میں کاٹ لیا جاتا ہے۔ یہ ٹکڑے بے حد نرم اور ملائم ہوتے ہیں۔ دبانے سے اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ جب ان خشک ٹکڑوں کو پانی میں ڈالا جائے تو پانی جذب کر لیتے ہیں اور جب نچوڑا جائے تو پانی نکل جاتا ہے۔اس لئے بچے اس سے اپنی سلیٹیں صاف کرتے ہیں نہانے میں بدن صاف کرنے کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے۔اس کے ٹکڑے ایک ایک فٹ تک بازار میں بکتے ہیں۔

رنگت اور ذائقہ: رنگت زرد سفیدی مائل، ذائقہ پھیکا کچھ تیزی لئے ہوئے۔

افعال و اثرات: اعصابی غدی (شدید) یعنی اعصاب میں تحریک، غدد میں تحلیل اور عضلات میں تسکین کیمیاوی طور پر خون میں کھاری پن اور رطوبت پیدا کرتا ہے جسم میں بلغم اور رطوبات کی پیدائش بڑھا دیتا ہے، مزاج تر گرم یعنی اس میں تری گرمی سے زیادہ ہے۔کتب طبیہ میں اس کو گرم خشک لکھا ہے جو کہ غلط ہے جو شے جسم میں رطوبت اور بلغم پیدا کرے وہ کبھی بھی خشک نہیں ہوتی۔ جب اس کو استعمال کے لئے ملایا جاتا ہے تو اس کے اثرات میں مزید تیزی پیدا ہو جاتی ہے۔

فوائد: محرک اعصاب و دماغ، مولد رطوبات و بلغم، محلل جگر و گردے اور غدد، حابس خون اور جالی، مدر بول، مخرج پتھری اور ریگ وغیرہ۔

فوائد: چونکہ محرک اعصاب شدید ہے اس لئے جسم میں رطوبت اور بلغم کی پیدائش بڑھ جاتی ہے جس سے خون کا بہنا یا آنا بند ہو جاتا ہے۔خون کسی زخم سے بہتا ہو یا جسم کے کسی حصہ سے آتا ہو۔تازہ چوٹ سے بہتا ہو یا ناک ومنہ یا پیشاب یا پاخانے سے بہتا ہو فوراً بند ہو جاتا ہے۔صرف یہی نہیں بلکہ اندرونی زخم اور بعض قسم کے اورام بھی درست ہو جاتے ہیں۔خاص طور پر غدی اورام کے لئے تریاق ہے۔

نکسیر کی صورت میں اس کی دو تین بار نسوار دینے سے ناک سے خون آنا بند ہو جاتا ہے پھر دن میں ایک دو بار روزانہ دینے سے ہمیشہ کے لئے بند ہو جاتی ہے۔اسی طرح نئے پرانے خصوصاً خشک زخموں پر دھول دینے سے زخم اچھے ہونا شروع ہو جاتے ہیں اور آنکھوں میں سوزش ہو تو ہم وزن سرکہ میں ملا کر استعمال کرائیں۔

چونکہ غدد میں تحلیل پیدا ہو جاتی ہے اس لئے جگر و گردوں اور غدد کی سوزش اور اورام میں بے حد مفید ہے یہاں تک کہ تپ دق اور سل کے لئے بھی بھروسے کی دوا ہے۔مسکن عضلات ہونے کی وجہ سے عضلات میں کھچاؤ، پھیپھڑوں میں خشکی اور پرانی کھانسی میں ایک کامیاب دوا ہے، پیشاب میں رکاوٹ ہو یا پتھری ہو تو اس کے مسلسل استعمال سے وہ رفتہ رفتہ ریزہ ریزہ ہو کر خارج ہو جاتی ہے۔

استعمال: اس کے استعمال کے تین طریقے ہیں۔

① اسفنج کا ایک بڑا سا ٹکڑا لے کر کسی کھلے برتن میں رکھ کر جلا لیں۔ یہاں تک کہ وہ راکھ ہو جائے بس تیار ہے یہی راکھ اندرونی اور بیرونی طور پر استعمال کرائیں۔

مقدار خوراک: ایک رتی سے چار رتی تک۔اگر شدید ضرورت ہو تو ایک ماشہ بھی ہمراہ آب تازہ یا نیم گرم استعمال کرا سکتے ہیں۔

② اسفنج کے باریک باریک ذرے کر کے کسی مٹی کے برتن میں ڈال کر آگ پر رکھ کر سوختہ کر لیں جب خشک ہو جائے تو باریک پیس لیں بس تیار ہے بیرونی اور اندرونی دونوں طریقوں پر استعمال کریں۔اس میں پہلی راکھ کی نسبت بہت زیادہ تیزی ہے۔

(۴) اوّل راکھ تیار کرلیں۔ پھر کسی مٹی کے لوٹے یا ہانڈی میں ایک چوتھائی تک بھرلیں۔ پھر صاف پانی سے منہ تک بھر دیں اور خوب ہلائیں پھر حفاظت سے رکھ دیں۔ سونے تک دو تین بار ہلا دیں۔ صبح کو آرام سے اس پانی کو نتھار لیں اور نیچے کی تلچھٹ پھینک دیں۔ پھر اس پانی کو آگ پر رکھ کر خشک کر دیں۔ یہ ایک کھار تیار ہو جائے گی۔ یہ کھار انتہائی شدت اور حرارت رکھتی ہے۔

مقدار خوراک: ایک چاول سے نصف رتی اور زیادہ سے زیادہ ایک رتی تک استعمال کرا سکتے ہیں اس میں تحلیل کی بہت زبردست طاقت ہے۔

ٹنکچر آیوڈین کا بہترین بدل: کھار اسفنج نصف چھٹانک، سجی کھار نصف چھٹانک، ہلدی ایک چھٹانک، پانی تین پاؤ۔ تینوں ادویہ کو پانی میں ملالیں اور خوب ہلالیں دو تین روز پڑا رہنے دیں البتہ دن میں ایک بار ہلا دیں، پھر نتھار کر بوتل میں ڈال دیں، بس تیار ہے ٹنکچر آیوڈین کا جہاں جہاں استعمال ہے وہاں پر لگائیں اس کے علاوہ اندرونی طور پر بھی بے حد مفید ہے۔

مقدار خوراک: پانچ سے پندرہ قطرے۔

راز: کی بات مندرجہ بالا مرکب سرطان (کینسر) کے لئے بہت مفید ہے، یہی دوا طاعون کے لئے بھی مفید ہے۔

مالش دافع ورم: کھار اسفنج تین ماشہ، ست پودینہ ایک ماشہ، روغن بیدانجیر تین چھٹانک، موم ایک چھٹانک، اوّل روغن اور موم کو آگ پر گرم کر کے ملالیں پھر نیچے اُتار کر کھار اسفنج اور ست پودینہ ملالیں۔ غدی اورام اور جوڑوں کے دردوں میں مفید ہے اور وہ جوڑ جو پتھرا گئے ہوں ان پر مسلسل مالش کرنے سے بہت جلد نرم اور درست ہو جاتے ہیں اسی طرح یہ **مالش گلہڑ کے لئے بھی مفید ہے۔**

آیوڈین: آیوڈین فرنگی طب وڈاکٹری کی ایک دوا ہے۔ جو اسفنج اور سمندر کی جڑی بوٹیوں کی راکھ سے تیار کی جاتی ہے جس سے پوٹاشیم آیوڈائڈ اور ٹنکچر آیوڈین وغیرہ مرکب تیار کئے جاتے ہیں۔ یہ خالص صورت میں سے قلموں کی صورت میں ہوتا ہے۔ جن سے خاص قسم کی بو آتی ہے۔ رنگت سیاہ بینگنی مائل ہوتی ہے اور جب اس کو آگ پر رکھا جاتا ہے تو اس میں سے بینگنی رنگ کا دھواں نکلتا ہے۔ یہ پانی کے 700 حصہ میں ایک حصہ حل ہوتا ہے۔ ریکٹی فائڈ سپرٹ کے 12 حصے میں ایک حصہ ایتھر کے چار حصے میں ایک حصہ حل ہو جاتا ہے۔ گلیسرین میں کسی قدر کم حل ہوتا ہے۔ آیوڈائڈ آف پوٹاشیم یا کلورائیڈ آف پوٹاشیم کے عرق میں بہت آسانی سے حل ہو جاتا ہے۔ آیوڈین اور اس کے جس قدر بھی مرکبات فرنگی طب میں مستعمل ہیں: (۱) پوٹاشیم آیوڈائیڈ (۲) ٹنکچر آیوڈین (۳) لیفٹ آف آیوڈائیڈ (۴) لائیکوار آیوڈائیڈ (۵) انگونم آیوڈائیڈ وغیرہ تمام کے وہی خواص اور افعال واثرات ہیں واسفنج کے متعلق ہم بیان کر چکے ہیں۔

ایلوا

تعارف: عربی میں مصبر اور فارسی میں بھی مصبر کہتے ہیں۔ عام طور پر مصبر کے نام سے مشہور ہے بنگال میں بھی مصبر کہتے ہیں انگریزی میں ایلوز کہتے ہیں اور اس کے ست کو الائن کہتے ہیں۔

یہ ایک قسم کا عصارہ ہے جو گھیکوار (کوار گندل) سے حاصل کیا جاتا ہے یہ دو قسم کا مشہور ہے۔ ایک مصبر سقوطری دوسرا مصبر بریدی ہوتا ہے، اوّل اطباء کا پسندیدہ ہے ان اقسام کی وجہ یہ ہے کہ پہلے زمانے میں مصبر باہر سے درآمد کیا جاتا تھا۔ جو مصبر سقوطر سے آتا تھا اس کو مصبر سقوطری کہتے ہیں۔ سقوطر ترکی کا ایک علاقہ ہے جو مصبر عزب الہند سے آتا تھا۔ اس کو مصبر بریدین کہتے تھے۔ اس میں ایک تیز قسم کی ہیک ہوتی ہے۔ اس لئے اس کو پسند نہیں کیا جاتا۔

مقام پیدائش: پاکستان کے اکثر علاقوں میں پایا جاتا ہے۔ اکثر لوگ اپنے گھروں میں لگا لیتے ہیں۔ یہ بارہ مہینے لگی رہتی ہے اور

بڑھتی رہتی ہے۔ جزیرہ سقوطری جزیرہ عزب الہند اسی سینا کاٹھیاوار میسور اور زنجی بار کے علاقوں میں کثرت سے پیدا ہوتا ہے۔

رنگت اور ذائقہ : گہرے سیاہ رنگ کی شیشہ کی طرح چمکدار ڈلیاں ہوتی ہیں۔ سفوف ہونے پر زرد رنگ کی جھلک دیتا ہے۔ جو مصبر وزنی ہوتا ہے وہ خالص ہوتا ہے۔ جو ہلکا ہو وہ خالص نہیں ہوتا اس میں سے ست نکال لیا گیا ہوتا ہے اور اس کا اثر تقریباً ختم ہو جاتا ہے۔

ذائقہ : بے حد تلخ اور جی متلانے والا ہے۔

مزاج : خشک تیسرے درجے میں اور گرم دوسرے درجے میں ہوتا ہے۔

مقدار خوراک : ایک رتی سے ایک ماشہ تک۔

افعال و اثرات : عضلاتی غدی مسہل یعنی عضلات میں تحریک غدد میں تسکین اور اعصاب میں تحلیل پیدا کرتا ہے۔ کیمیاوی طور پر خون میں ریاح اور صفراء میں خشکی پیدا ہوتی ہے۔ اور بلغم کو غلیظ کرتا ہے اور اس کو ریاح میں تبدیل کرتا ہے اور سوداوی امراض پیدا کرتا ہے۔

خواص : محرک قلب، مخرش و منقبض عضلات، مجفف و حابس، مخرج بلغم، دافع درد، مسکن سوزش جگر و غدد، مدر حیض منقی رحم، مسہل بلغم، دافع کرم شکم، دافع حمیات بلغمی و سوداوی اور مجفف رحم وغیرہ۔

فوائد : بعض کتب میں مصبر کو مرکب قوئی لکھا ہے۔ یہ بات بالکل غلط ہے، کسی ایک دوا میں کبھی بھی دو تین قوتیں نہیں ہوتیں بلکہ صرف ایک قوت ہوتی ہے۔

یاد رکھیں کہ ہر دوا کسی ایک خلط کو پیدا کرتی ہے کبھی دو خلطوں کو پیدا نہیں کرتی۔ جو دوا بلغم یا سودا پیدا کرتی ہے وہ کبھی بھی صفراء یا خون پیدا نہیں کر سکتی، بلکہ سرد کیفیت پیدا کرنے والی دوا گرم کیفیت پیدا نہیں کر سکتی۔ اسی طرح اس کے برعکس ذہن نشین کریں اور جو دوا دماغ کو تحریک دیتی ہے وہ دماغ و جگر کو تحریک نہیں دیتی۔ یہی صورت جگر کو تحریک دینے والی دوا کی ہے۔ بہر حال یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ کوئی دوا مرکب القوئی نہیں ہوتی۔ یہ سراسر غلط فہمی ہے۔

بعض کتب میں مصبر کو محلل ریاح اور سوداوی امراض میں مفید لکھا گیا ہے۔ دونوں باتیں غلط ہیں۔ **مصبر رطوبات جسم کو ریاح میں تبدیل کرتا ہے اور بلغم کو خشک کر کے سودا میں تبدیل کرتا ہے۔ اس سے جسم میں انقباض پیدا ہوتا ہے۔ یہ بواسیر اور دیگر سوداوی امراض پیدا کرتا ہے کیونکہ مصبر جسم میں ریاح اور خشکی پیدا کرتا ہے۔**

اپنے ان خواص کی شدت کی وجہ سے مصبر مقوی مسہل ہے بلکہ دائمی قبض کے لئے ایک یقینی دوا ہے۔ یہ اس وجہ سے ہے کہ معدہ و امعاء اور دیگر جسم کے عضلات میں انقباض پیدا کرتا ہے۔ اسی وجہ سے اس کو مقوی معدہ اور قاتل کرم لکھا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رحم کی رطوبت و بلغم کو خشک کر کے حیض لاتا ہے۔ اندرونی اور بیرونی زخموں کو خشک کرتا ہے چونکہ محلل اعصاب ہے۔ اس لئے دماغ اور اعصاب کی سوزش و اورام کے امراض میں بے حد مفید ہے۔ اس لئے یہ درد سر دوران سر، نزلہ و زکام، درد جسم، درد کان اور وجع المفاصل اور دیگر بلغمی امراض میں بے حد مفید ہے۔

جن مریضوں کو جسم کے کسی حصہ سے خون آتا ہو۔ ان کو مصبر یا اس کا کوئی مرکب نہیں دینا چاہئے اسی طرح جن عورتوں کو حمل ہو ان کو بھی مصبر نہیں دینا چاہئے کیونکہ اس کے دینے سے فوراً حمل گر جاتا ہے۔

اسی طرح جن مریضوں کو بواسیر ہو یا کوئی سوداوی مرض ہو ان کو بھی مصبر بالکل نہیں دینا چاہئے، البتہ جسم کے کسی مقام یا زخم سے رطوبات بہتی ہوں یا بلغم کا اخراج ہوتا ہو تو یہ مصبر ایک یقینی اور بے خطا دوا ہے۔ جن زخموں میں کیڑے پڑ گئے ہوں وہاں پر اس کو خشک لگا دینا ہی زخموں کو پاک و صاف کر دیتا ہے اور ان کو بہت جلد بھر دیتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مصبر مطب کے لئے ایک یقینی دوا ہے۔

مجربات خصوصی

یہ وہ مجربات ہیں جو استاد صاحب ماہنامہ رجسٹریشن فرنٹ میں شائع کرنا چاہتے تھے مگر شائع نہیں ہو سکے

اطریفل مقوی (عضلاتی اعصابی)

ھو الشافی: بلادر 5 تولہ، ہلیلہ زرد 10 تولہ، ہلیلہ 10 تولہ، آملہ 10 تولہ، ہلیلہ سیاہ بریاں 10 تولہ، اسطخودوس 10 تولہ، ہڑجلا بہ 10 تولہ، کشتہ فولاد ایک تولہ، چینی 1/2 2 سیر، شہد 1/2 سیر۔

ترکیب تیاری: تمام ادویات کو باریک پیس کر چینی اور شہد کا قوام بنائیں اور ادویات ملا لیں۔ بس اطریفل تیار ہے۔ اگر اسے کم از کم ایک ماہ زمین میں دفن کر دیا جائے تو اس کے اثرات کئی گنا بڑھ جاتا ہے۔

مقدار خوراک: 6 ماشہ سے 9 ماشہ تک دن میں تین بار ہمراہ پانی یا قہوہ۔

افعال و اثرات: عضلاتی اعصابی ہیں، عضلات کو کیمیاوی طور پر تحریک دیتا ہے۔ جب قلب و عضلات رطوبت (بلغم) کی کثرت سے پھول جاتے ہیں تو اس کے استعمال سے ان میں نچوڑ کی صورت پیدا ہو جاتی ہے۔ آئندہ کے لئے بلغم کی پیدائش بند ہو جاتی ہے۔ اس لئے یہ مرکب بلغم و عصبی امراض کے لئے خاص چیز ہے، دردِ سر خواہ کتنا ہی پرانا ہو اس کے کھانے سے فوراً آرام آ جاتا ہے۔ دماغ کو فضلات سے صاف کرنے میں اس سے بہتر کوئی دوا نہیں ہے۔ بے حد مقوی قلب ہے۔ نزلہ زکام، دمہ بلغمی، جریان منی، سیلان الرحم اور قبض وغیرہ کے لئے بے حد مفید ہے، ہر اعصابی علامت میں تریاقی اثرات رکھتا ہے۔ سیلان الرحم کی وجہ سے حمل نہ ہونے کی صورت میں معین حمل ہے۔

صابرین (غدی عضلاتی مقوی)

ھو الشافی: رائی 10 تولہ، زعفران ایک تولہ، شنگرف رومی ایک تولہ، کشتہ طلاء 3 ماشہ۔

ترکیب تیاری: باریک پیس کر حب نخودی تیار کر لیں۔

مقدار خوراک: ایک تا دو گولی دن میں چار بار ہمراہ پانی یا چائے۔ دودھ بھی پی سکتے ہیں۔

افعال و اثرات: غدی عضلاتی مقوی ہیں۔ بے حد حرارت غریزی پیدا کرتی ہے۔ کھاتے ہی جسم طاقت محسوس کرنے لگتا ہے بھوک نہ لگنا، سنگرہنی، بدہضمی کے دست اور تبخیر معدہ کے لئے بے حد مفید ہے۔ اگر قبض ہو تو غدی عضلاتی مسہل ساتھ دیا جائے۔

حب بواسیر

ھوالشافی : پارہ ایک تولہ، گندھک آملہ سار 8 تولہ، چھلکا ریٹھہ 4 تولہ، سالٹ (میگنیشیا) 8 تولہ، شیر عشر ایک تولہ۔
ترکیب تیاری : پہلے پارہ اور گندھک کی کجلی تیار کریں۔ پھر باقی ادویات باریک پیس کر کجلی میں ملالیں۔ باریک کر کے نخودی گولیاں بنالیں۔
مقدار خوراک : ایک سے دو گولی تک دن میں چار بار ہمراہ پانی یا دودھ۔
افعال و اثرات : اعصابی غدی ہیں، خونی بواسیر کے لئے اعلیٰ درجہ کی دوا ہے۔ پہلی خوراک سے ہی خون بند ہو جاتا ہے بلکہ جسم کے کسی حصہ سے بھی خون آ رہا ہو اس کے کھاتے ہی بند ہو جاتا ہے۔ اعلیٰ درجہ کی مصفی خون ہے، پھوڑے پھنسی اور داد و چنبل کے لئے اس سے بہتر کوئی دوا نہیں ہے۔ اس کو اندرونی اور بیرونی طور پر استعمال کرا سکتے ہیں۔

اپریشن مرہم

ھوالشافی : جمال گوٹہ 5 تولہ، صابن سن لائٹ سالم ٹکی، سندھور 5 تولہ، کاربالک ایسڈ 3 تولہ، تیل میٹھا 10 تولہ۔
ترکیب تیاری : پہلے جمال گوٹہ کو نہایت باریک پیس لیں۔ پھر صابن کو باریک کاٹ لیں اور دوسری ادویات ملا کر مرہم تیار کریں۔
طریقہ استعمال : ایسے ہی مقام ماؤف پر لگا دیں۔ کپڑا پر بھی لگایا جا سکتا ہے۔
افعال و اثرات : غدی عضلاتی محرک ہے۔ اسے ایسی جگہ استعمال کیا جاتا ہے جہاں داد چنبل، خارش، پھوڑے (گرڑھ قسم کے) ناسور، بھگندر، گھمبیر، ناسور چشم وغیرہ پر استعمال کریں۔ ان شاء اللہ فوری اثر ہے۔ اس کے لگاتے ہی مدت تک نہ پکنے والا پھوڑا چند گھنٹوں میں پک جاتا ہے۔ سرطان (کینسر) قسم کے پھوڑے بھی ٹھیک ہو جاتے ہیں، مردانہ امراض میں بطور طلاء استعمال کر سکتے ہیں۔ اس کے استعمال سے کجی اور ضعف باہ ٹھیک ہو جاتا ہے۔

صابر جنم گھٹی

ھوالشافی : گل سرخ 5 تولہ، گل بنفشہ 5 تولہ، املتاس 5 تولہ، سنا مکی 2 تولہ، چینی ایک سیر، شہد ایک پاؤ۔
ترکیب تیاری : تمام ادویات کو ایک سیر پانی میں بھگو دیں۔ صبح جوش دیں، پن چھان کر چینی یا شہد ملا کر شربت کے قوام پر لے آئیں۔
مقدار خوراک : 2 ماشہ سے 9 ماشہ تک دن میں چار بار۔
افعال و اثرات : اعصابی غدی ہے۔ بچوں کے اکثر امراض میں بے حد مفید ہے۔ قبض، اپھارہ، نزلہ زکام، کھانسی، بدہضمی، دق اطفال اور بھوک نہ لگنا وغیرہ علامات میں بے حد مفید ہے۔

سفید موتیا

ھوالشافی : انزروت 2 تولہ، سرمہ سیاہ 2 تولہ، نیلا تھوتھا ایک تولہ۔
ترکیب تیاری : نہایت باریک پیس کر سرمہ کی طرح بنالیں۔

مقدار خوراک: سلائی سے آنکھوں میں لگائیں۔

افعال و اثرات: عضلاتی غدی ہے۔ آنکھوں کی تمام اعصابی علامات کے لئے بے حد مفید ہے۔ آنکھوں سے پانی بہنا، سفید موتیا کی وجہ سے نظر کی کمزوری کے لئے اعلیٰ درجہ کی دوا ہے، آہستہ آہستہ موتیا صاف ہو جاتا ہے۔

سرمہ برائے ضعف بصر

ھوالشافی: پارہ ایک تولہ، کشتہ تانبہ ایک تولہ، جست ایک تولہ، آب لیموں 1/2 1 پاؤ۔

ترکیب تیاری: تمام چیزوں کو ملا کر چینی کے پیالہ میں ڈال کر دھوپ میں رکھیں۔ جب پانی خشک ہو جائے تو باریک پیس کر سرمہ بنا لیں۔ اس مرکب کا ایک تولہ اور سرمہ سفید ایک تولہ ملا کر سرمہ بنا لیں بس تیار ہے۔

افعال و اثرات: عضلاتی غدی ہے۔ آنکھوں کی اعصابی علامات میں فوری اثر ہے۔ موتیا بند کو بہت جلد صاف کرتی ہے۔ نظر کی کمزوری کے لئے بے حد مفید ہے۔ اس کے چند روزہ استعمال سے نظر تیز ہو جاتی ہے۔ متواتر استعمال سے اندھے مریض بھی ٹھیک ہو جاتے ہیں۔ نزول الماء تو چند دن کے استعمال سے بالکل ٹھیک ہو جاتا ہے۔

نوٹ: اس دوا کو ماہر نظریہ مفرد اعضاء اندرونی طور پر بھی استعمال کر کے معجزانہ اثرات حاصل کر سکتے ہیں۔ جریان اور سیلان وغیرہ چند خوراکوں سے بند ہو جاتا ہے، بے حد مقوی باہ اور ممسک ہے۔

معین حمل

ھوالشافی: برادہ دندان فیل ایک تولہ، ریش برگد ایک تولہ، تخم شونگی ایک تولہ۔

ترکیب تیاری: باریک پیس کر سفوف بنا لیں۔

مقدار خوراک: ایک ماشہ سے ڈیڑھ ماشہ تک دن میں چار بار۔

افعال و اثرات: عضلاتی اعصابی ہے۔ جن عورتوں کو رطوبات کی کثرت کی وجہ سے حمل نہیں ہوتا ان کے لئے بے حد مفید ہے۔ اگر اس کے ساتھ رحم میں کوئی خشک رکھا جائے تو کبھی ناکامی نہیں ہوتی۔ کم از کم دو ہفتے استعمال کرائیں۔ ماہواری شروع ہوتے ہی کھلانا شروع کریں اور ماہواری کے ایک ہفتہ بعد بھی کھلاتے رہیں۔ ان شاء اللہ نتائج حسب منشا نکلتے ہیں۔ اگر اس کے ساتھ عضلاتی اعصابی شافہ بھی استعمال کیا جائے تو فوری اثر ہے۔

دوائے پاگل پن

ھوالشافی: چھوٹی چندن 2 تولہ، صندل سفید ایک تولہ، کشنیز خشک ایک تولہ، مرچ سیاہ ایک تولہ۔

ترکیب تیاری: باریک پیس کر سفوف تیار کریں۔

مقدار خوراک: 4 رتی تا ایک ماشہ دن میں چار بار ہمراہ پانی۔

افعال و اثرات: اعصابی عضلاتی ہے۔ خون کے دباؤ سے جو پاگل پن ہوتا ہے، اس کے لئے بے حد مفید ہے۔ اگر قبض ہو تو اعصابی

غدی یا اعصابی عضلاتی مسہل ضرور دیں۔ بلڈ پریشر اور چھپاکی کے لئے فوری اثر ہے۔ نیند نہ آنا پریشان کرنے والے خواب آنے کے لئے بے حد مفید ہے۔

عضلاتی غدی دردرتیح

ھوالشافی : اسگندھ ایک تولہ، سرنجاں شیریں ایک تولہ، ریوند عصارہ ایک تولہ، نوشادر ایک تولہ، سقمونیا ایک تولہ۔

ترکیب تیاری : سب کو باریک پیس کر سفوف تیار کریں۔

مقدار خوراک : 4 رتی تا ایک ماشہ دن میں چار بار ہمراہ پانی۔

افعال و اثرات : اعصابی غدی ہے۔ یعنی اعصاب میں تحریک غدد میں تحلیل اور عضلات میں تسکین پیدا کرتی ہے۔ نقرس اور عرق النساء کے لئے بے حد مفید ہے۔ چند خوراکوں سے ہی تیزابی مادہ خارج ہوکر درد کو آرام آ جاتا ہے بلکہ ترشی سے جو امراض و علامات پیدا ہوتی ہیں وہ بھی رفع ہو جاتی ہیں جن میں نزلہ، خشک کھانسی، خشک دمہ، استسقاء ہر قسم میں تریاقی اثرات رکھتی ہے۔ ایک بے ضرر اعصابی مسہل ہے۔

عضلاتی اعصابی اکسیر

ھو الشافی : کشتہ فولاد بیس تولہ، بھلانوہ دو تولہ، سم الفار چھ ماشے۔

ترکیب تیاری : باریک پیس کر نخود کی گولیاں بنائیں۔

مقدار خوراک : ایک تا 2 گولی ہمراہ پانی۔

افعال و اثرات : عضلاتی اعصابی ہے یعنی عضلات میں تحریک، غدد میں تسکین اور اعصاب میں تحلیل پیدا کرتی ہے۔ ہر قسم کی اعصابی علامات کو ختم کرنے کے لئے فوری اثر ہے۔ ان اعصابی امراض و علامات میں بے حد مفید ہے۔ مثلاً زکام، ریشہ، دمہ بلغمی، سلسل بول، سیلان الرحم، جریان، ضعف باہ، چھینکیں آنا۔ جسم سے معمول سے زیادہ رطوبات کے اخراج کے لئے بے حد مفید ہے۔ کمی خون ہر اعصابی علامت میں فوری اثر ہے۔

برائے درد اُل

ھو الشافی : نیلا تھوتھا ایک تولہ، نوشادر ٹھیکری ایک تولہ، جمال گوٹہ ایک تولہ، گندھک آملہ سار ایک تولہ۔

ترکیب تیاری : سب ادویات کا باریک سفوف تیار کریں۔

طریقہ استعمال : درد والی کنپٹی پر بلیڈ سے پچھنے لگائیں، جن سے دوا جلد از جلد جذب ہو سکے۔

افعال و اثرات : غدی عضلاتی محرک ہے۔ درد اُل چونکہ خطرناک درد ہے جو سر کے کسی جانب ہو سکتا ہے۔ یہ درد اتنا شدید ہوتا ہے کہ مریض مارے درد کے بے چین ہو جاتا ہے۔ درد کی وجہ سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ آنکھ کا ڈیلا باہر نکل رہا ہے۔ آنکھ میں شدت درد کی وجہ سے کثرت سے پانی بہتا ہے۔ جس سے اکثر آنکھ کی روشنی ختم ہو جاتی ہے۔ مریض نابینا ہو جاتا ہے، سب سے افسوسناک بات یہ ہے کہ اگر

درد سے ضائع شدہ آنکھ کا اپریشن بھی نہیں ہو سکتا۔ خداوند کریم نے اس دوا کو وہ طاقت بخشی ہے کہ اس کے لگاتے ہی درد فوراً غائب ہو جاتا ہے۔ روتا ہوا مریض ہنسی خوشی گھر چلا جاتا ہے۔ اس طرح آنکھ ضائع ہونے سے بچ جاتی ہے۔ یہ دوا پرانے دردِ سر، نزول الماء، درد ال، درد عصابہ، درد شقیقہ وغیرہ میں بے حد مفید ہے۔

دردِ سر

ھو الشافی : ان بجھا چونا ایک ماشہ، شہد ایک ماشہ۔

ترکیب تیاری : چونا باریک پیس کر شہد میں ملا دیں بس تیار ہے۔

طریقہ استعمال : اس کے لئے پچھنے لگانے کی ضرورت نہیں ہے۔ صرف درد والی کنپٹی پر ٹیڈی پیسہ (آج کل کے ایک روپیہ) جتنی جگہ پر لگا دیں۔ لگاتے ہی درد غائب ہو جاتا ہے۔ دردِ سر، درد ال، نزول الماء، عصابہ اور شقیقہ وغیرہ میں فوری اثر ہے۔ افعال واثرات مندرجہ بالا ہیں۔

نوٹ : وقتی طور پر تیار کی جاتی ہے۔ اگر اس کو تیار کر کے رکھا جائے تو اثر ختم ہو جاتا ہے اور مرکب پتھر کی طرح سخت ہو جاتا ہے۔

سیلان روک

ھو الشافی : کاتھی سیپاری ایک تولہ، اقاقیہ ایک تولہ (اگر تازہ کیکر سے حاصل کریں تو بہتر ہے)، کمرکس ایک تولہ، مازو ایک تولہ، گل نار ایک تولہ، پھٹکڑی بریاں ایک تولہ۔

ترکیب تیاری : سب ادویات کو باریک پیس لیں بس تیار ہے۔

مقدار خوراک : 4 رتی تا ایک ماشہ۔

افعال و اثرات : عضلاتی اعصابی (خشک سرد) ہے اس لئے اندرونی و بیرونی رطوبات کو خشک کرنے کے لئے اعلیٰ درجہ کی دوا ہے۔ رطوبتی امراض جریان اور سیلان الرحم (لیکوریا) کے لئے خصوصیت سے مفید ہے۔ سیلان الرحم والی عورت اگر اس دواء کو 2 ماشہ کی پوٹلی بنا کر اندامِ نہانی میں رکھے تو چند دنوں میں سیلان کو روک دیتی ہے۔ اس طرح بوڑھی عورت کی جسمانی حالت مثل باکرہ یعنی کنواری لڑکی کی طرح ہو جاتی ہے۔ یہ دوا ایسی عورتوں کے لئے معین حمل ہے جنہیں سیلان کی کثرت ہو۔

حب دق الاطفال

ھو الشافی : کشتہ صدف مروارید ایک تولہ، زہر مہرہ خطائی ایک تولہ، نارجیل دریائی ایک تولہ، طباشیر اعلیٰ ایک تولہ، دانہ الائچی خورد ایک تولہ، پوست ہلیلہ زرد ایک تولہ، سفوف کلیجی بکرا 6 تولہ۔

ترکیب تیاری : سوائے سفوف کلیجی کے باقی تمام ادویات کو نہایت باریک پیس کر حب نخودی بنالیں۔

سفوف کلیجی بنانے کا طریقہ : تازہ کلیجی لے کر چاقو سے باریک ٹکڑے کاٹ لیں۔ پھر توے پر رکھ کر نیچے ہلکی آگ جلائیں۔ آگ تیز نہ ہو۔ تھوڑی دیر میں کلیجی کا پانی خشک ہو جائے گا۔ آگ سے اُتار کر ٹھنڈا ہونے پر باریک پیس لیں اور نسخہ میں شامل کرلیں۔

مقدار خوراک : ایک گولی تا 2 گولی دِن میں چار بار ہمراہ عرق چہار۔

افعال و اثرات : عضلاتی اعصابی ہے۔ بچوں کے ہرے پیلے دست، قے، دق الاطفال (سوکڑا)، ام الصبیان جو بچے سوکھ کر کانٹا ہو چکے ہوں اس کے استعمال سے چند دِن میں ہی خوب موٹے تازے ہو جاتے ہیں۔ بچوں کے علاوہ جوان اور بوڑھے بھی استعمال کر سکتے ہیں۔ اعصابی تحریک کی تمام علامات کے لئے اعلیٰ درجہ کی دوا ہے۔ بچوں کو کسی مناسب عرق میں حل کر کے استعمال کرائیں۔

حب خاص مقوی

ھو الشافی : ہلیلہ سیاہ بریاں 9 تولہ، کچلہ سفوف ایک تولہ۔

ترکیب تیاری : دونوں ادویات کو باریک پیس کر نخودی گولیاں بنالیں۔

مقدار خوراک : ایک گولی تا 2 گولی دِن میں چار بار ہمراہ پانی یا قہوہ۔

افعال و اثرات : عضلاتی اعصابی ہے۔ اعصابی تحریک کی تمام رطوبات کو فوراً بند کر دیتی ہے۔ اس لئے سلسل بول، ذیابیطس، جریان منی، سیلان الرحم میں بے حد مفید ہے۔ اعصابی تحریک سے دِل ڈوبنے کے لئے فوری اثر ہے۔ اعلیٰ درجہ کی مقوی قلب ہے۔ چند دِن میں ہی خون دور ہو کر چہرہ سرخ ہو جاتا ہے۔

مفرح شاہی

ھو الشافی : مربہ آملہ 10 تولہ، مربہ سیب 5 تولہ، کشنیز خشک 2 تولہ، الائچی خورد 2 تولہ، صندل سفید 2 تولہ، گل سرخ 2 تولہ، زرشک شیریں 5 تولہ، چینی یا شہد سہ چند وزن ادویہ۔

ترکیب تیاری : مربہ کی گٹھلی نکال دیں۔ باقی تمام ادویہ کو باریک پیس کر چینی یا شہد کے شیرہ میں ملا دیں۔ بس تیار ہے۔

مقدار خوراک : 6 ماشہ تا 9 ماشہ ہمراہ پانی۔

افعال و اثرات : اعصابی غدی ہے۔ جب غدی تحریک سے ضعف قلب کی شکایت ہو تو اس کے لئے آب حیات ثابت ہوتی ہے۔ کھاتے ہی صفراء کو بلغم میں تبدیل کرتی ہے۔ خشکی سے نیند نہ آنا، ضعف قلب، گھبراہٹ اور بے چینی وغیرہ عوارضات کے لئے بے حد مفید ہے۔ کھاتے ہی اثر شروع ہو جاتا ہے۔ تبخیر معدہ، خفقان قلب اور مالیخولیا کے لئے اعلیٰ درجہ کی دوا ہے۔

غدی طلاء

ھو الشافی : مغز جمال گوٹہ ایک تولہ، ست اجوائن 6 ماشہ، ویزلین 20 تولہ۔

ترکیب تیاری : پہلے مغز جمال گوٹہ کو اتنا رگڑیں کہ تیل کی طرح ہو جائے۔ پھر ست اجوائن ڈال کر رگڑیں جب دونوں حل ہو جائیں تو ویزلین ملا کر خوب کھرل کریں تا کہ تمام دوائیں اچھی طرح حل ہو جائیں بس تیار ہے۔

طریقہ استعمال : مقام ماؤف پر ہلکی ہلکی مالش کریں۔

افعال و اثرات : غدی عضلاتی ہے۔ اس کے استعمال سے کجی، احتلام، جلق، اغلام بازی، شہوت کا بالکل پیدا نہ ہونا یا ہو کر فوراً ختم ہو

جانا، عضوی سکیڑ میں بے حد مفید ہے۔ اس کے علاوہ تمام دردوں، عضلاتی تحریک کی دردوں کے علاوہ داد، چنبل، خارش، پھوڑے، پھنسی، پرانے زخم وغیرہ اس سے فوراً دور ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔

معجون مقوی

ھو الشافی : قرنفل 2 تولہ، جائفل 2 تولہ، دارچینی 2 تولہ، جلوتری ایک تولہ، رائی 2 تولہ، زعفران 6 ماشے، خولنجاں 2 تولہ، زنجبیل 5 تولہ، چینی یا شہد سہ چند۔

ترکیب تیاری : سب ادویات کو باریک کر کے چینی یا شہد کے قوام میں ملا دیں، بس تیار ہے۔

مقدار خوراک : 6 ماشہ تا 9 ماشہ دن میں چار بار ہمراہ پانی یا قہوہ دیں۔

مزاج : خشک گرم (عضلاتی غدی) ہے۔

افعال و اثرات : عضلاتی غدی مقوی ہے۔ اعصابی تحریک کی تمام علامات مثلاً سلسل بول، ذیابیطس، نزلہ زکام، بلغمی کھانسی، دمہ، نمونیا، اعصابی درد سر مزمن، درد معدہ و امعاء، سنگرہنی، پرانے دست، تبخیر معدہ، جسم کا اکثر سرد رہنا، ضعف باہ، جریان منی، عورتوں کے سیلان الرحم، عضلات میں بوجہ تسکین سستی، دماغ میں غنودگی کے لئے بے حد مفید ہے۔ قے اور متلی وغیرہ علامات میں فوری اثر ہے۔ صرف ایک خوراک ہی مریض کے لئے باعث تقویت ثابت ہوگی۔

ورم رحم

ھو الشافی : ہلدی ایک تولہ، ملٹھی ایک تولہ، بادیاں ایک تولہ، ریوند خطائی 3 تولہ۔

ترکیب تیاری : تمام ادویات کا نہایت باریک سفوف تیار کریں۔

مقدار خوراک : ایک ماشہ تا 1-1/2 ماشہ دن میں چار بار ہمراہ پانی۔

مزاج : غدی اعصابی (گرم تر) ہے۔

افعال و اثرات : غدی اعصابی ہے۔ پرانی پیچش، ورم رحم خواہ نیا ہو یا پرانا، پیٹ میں ریاح، درد، بے چینی، کھٹی ڈکاریں، بار بار پاخانہ کی حاجت، رحم کا ٹل جانا یا ورم رحم کی وجہ سے حمل کا نہ ہونا کے لئے اعلیٰ درجہ کی دوا ہے۔

شافہ برائے ورم رحم

ھو الشافی : ہلدی ایک تولہ، ریوند خطائی ایک تولہ، گھی دیسی ایک تولہ۔

ترکیب تیاری : ہلدی اور ریوند خطائی کو باریک کر کے گھی میں ملا لیں۔

طریقہ استعمال : نیم گرم روئی کے پھاہہ سے اندام نہانی میں رکھیں۔

مزاج : تر گرم (اعصابی غدی)۔

افعال و اثرات : میں اعصابی غدی ہے۔ ورم رحم، درد رحم، خشکی رحم (جس کی وجہ سے حمل نہ ہوتا ہو) کے لئے بے حد مفید ہے۔ خارش

رحم میں فوراً تسکین دیتا ہے۔ اندام نہانی کی سوزش، بواسیر، کثرت طمث میں بھروسہ کی دوا ہے، متواتر استعمال سے غدی تحریک کی وجہ سے رحم کی تکالیف ختم ہو جاتی ہیں۔ اس لئے معین حمل ہے۔

شافہ معین حمل (عضلاتی اعصابی)

ھو الشافی: پھٹکڑی بریاں ایک تولہ، عصارہ کیکر 2 تولہ (جو کیکر کے درخت میں سے سیاہ رنگ کا مادہ نکلتا ہے)۔

ترکیب تیاری: دونوں کو باریک پیس کر محفوظ کر لیں۔

طریقۂ استعمال: ماہواری سے فارغ ہو کر ململ کی پوٹلی بنا کر اندام نہانی میں رکھوائیں۔ تین دن استعمال کرنے کے بعد ہم بستری کریں۔

افعال و اثرات: عضلاتی اعصابی ہے۔ سیلان الرحم، ضعف رحم، رحم کا ٹل جانا وغیرہ اعصابی علامات میں اکسیر ہے۔ فوری اثر ہے۔ پہلے دن ہی اندام نہانی میں ایسا سکیڑ پیدا کرتا ہے کہ بوڑھی عورت کو باکرہ کی طرح کر دیتا ہے۔ اگر اعصابی تحریک کی رطوبات کی وجہ سے حمل نہ ہوتا ہو تو اس کے چند دن کے استعمال سے ان شاء اللہ حمل ہو جاتا ہے۔ اعلیٰ درجہ کا معین حمل ہے۔

نوٹ: ان عورتوں کے لئے زیادہ مفید ہے جن کی تحریک اعصابی ہے۔

غدی اعصابی ہاضم

ھو الشافی: زیرہ سفید ایک تولہ، برگ سداب ایک تولہ، سنڈھ ایک تولہ، مرچ سیاہ 6 ماشہ، نوشادر ٹھیکری ایک تولہ، پودینہ ایک تولہ، سوڈا میٹھا 2 تولہ، نمک 3 تولہ، ست پودینہ 1/2-1 ماشہ۔

ترکیب تیاری: سب ادویات کا باریک سفوف بنا لیں۔ بس تیار ہے۔

مقدار خوراک: 4 رتی تا ایک ماشہ دن میں چار بار ہمراہ پانی۔

افعال و اثرات: غدی اعصابی ہے۔ صفراء کو پیدا کر کے اس کا اخراج بھی کرتا ہے۔ تبخیر معدہ، ریاح، ترش ڈکاریں، بدہضمی، دائمی قبض، درد پیٹ، ہوا کا گولا، بھوک نہ لگنا، خارش، بدہضمی کے دست، احتلام مزمن، پرانی پیچش جگر و معدہ کے لئے آب حیات ہے۔ چند دن میں تمام عضلات ٹھیک ہو کر صحت بحال ہو جاتی ہے۔ کھایا پیا فوراً ہضم ہو جاتا ہے، عضلاتی تحریک کی تمام علامات کے لئے بے حد مفید ہے۔

کھانسی شربت

ھو الشافی: ملٹھی 10 تولہ، عناب 10 تولہ، کاکڑا سنگی 10 تولہ، خولنجاں 10 تولہ، کلونجی 10 تولہ، خوب کلاں 10 تولہ، پوست خشخاش 15 تولہ، چینی 6 سیر۔

ترکیب تیاری: چینی کے علاوہ تمام ادویہ کو اتنے پانی میں بھگو دیں کہ پانی میں ڈوب جائیں۔ 12 گھنٹے کے بعد دو تین جوش دے کر پن لیں۔ پھر پانی میں چینی ملا کر شربت کا قوام تیار کر لیں، بس کھانسی بند شربت تیار ہے۔

مقدار خوراک: چائے کا ایک چمچہ دن میں تین بار۔

افعال و اثرات : عضلاتی اعصابی ہے۔ زکام، سوزشی کھانسی جس میں سفید لیس دار ریشہ نکلتا ہو اور خسرہ، چیچک، تورکی اور مبارکی وغیرہ کی کھانسی میں بے حد مفید ہے۔ دستوں کو بھی بند کرتا ہے۔ بلغم کو گاڑھا کر کے خارج کرتا ہے، نیند آور ہے۔

نوٹ : ان تمام دواؤں کا عرق کشید کر سکتے ہیں۔ عرق کا وزن 8 بوتل تک ہو۔ عرق ایک بوتل میں ایک سیر چینی ملا کر شربت بنائیں۔

حب ڈبہ اطفال

ھو الشافی : مغز جمال گوٹہ 6 ماشہ، رائی 4 تولہ، نیلا تھوتھا 3 ماشہ۔

ترکیب تیاری : سب ادویات کو باریک کر کے دانہ مونگ کے برابر گولیاں بنائیں۔

مقدار خوراک : ایک گولی تا 2 گولی گرم پانی میں حل کر کے پلائیں۔ پلاتے ہی قے آ جائے گی۔ اگر قے نہ آئے تو جلاب آ جائے گا۔

افعال و اثرات : غدی عضلاتی ہیں۔ بچوں کے ڈبہ یعنی نمونیہ کے لئے بہترین چیز ہے، پہلی ہی خوراک سے بچہ تندرست ہو جاتا ہے۔ اسے گرم پانی میں پلاتے ہی قے آ کر تمام بلغم خارج ہو جاتی ہے۔ روتا ہوا بچہ کھیلنے لگ جاتا ہے۔ اگر قے نہ آئے تو جلاب آ کر بلغم خارج ہو جاتی ہے۔ اگر قے یا جلاب نہ آئیں تو دوسری خوراک ایک گھنٹہ بعد ہمراہ قہوہ یا نیم گرم پانی دیں۔ اگر پھر بھی قے نہ آئے تو بچے کا بچنا مشکل ہوتا ہے۔ بچوں کے نمونیا میں جتنا فائدہ قے یا جلاب سے ہوتا ہے کسی دوا سے نہیں ہوتا۔

حب مفید النساء

ھو الشافی : ست ایلوا ایک تولہ، مرکی ایک تولہ، رائی ایک تولہ، زعفران 2 ماشے، کشتہ فولاد ایک تولہ، ہینگ ایک تولہ، حنظل ایک تولہ۔

ترکیب تیاری : سب ادویات کو نہایت باریک پیس کر نخودی گولیاں بنائیں۔

مقدار خوراک : ایک گولی دن میں چار بار ہمراہ پانی یا قہوہ۔ اگر پیٹ میں درد یا مروڑ ہو تو گولیاں کم کر دیں۔ قہوہ یا چائے میں گھی یا مکھن ملا کر پلائیں۔ جب درد وغیرہ ٹھیک ہو جائے تو پھر شروع کر دیں۔

مزاج : خشک گرم (عضلاتی غدی)۔

افعال و اثرات : عضلاتی غدی ہے۔ عورتوں کے امراض رحم میں مندرجہ ذیل علامات میں خصوصیت سے مفید ہے۔ کمی حیض، بے قاعدگی، عسر طمث، حیض کا تکلیف سے آنا اور اختناق الرحم میں بے حد مفید ہے۔ اس کے علاوہ قبض ضعف قلب، درد سر اعصابی، اعصابی دردیں، کمی خون، ایام ماہواری سے پہلے کمر میں درد، بانجھ پن، حمل نہ ہونا اور لیکوریا وغیرہ میں بھروسہ کی دوا ہے۔ اس کو مسلسل کم از کم دو ماہ تک استعمال کرایا جائے تو تمام تکالیف رفع ہو کر صحت بحال ہو جاتی ہے۔

نوٹ : اگر اس کے ساتھ شربت مفید النساء دیا جائے تو بہت جلد آرام آ جاتا ہے۔

اعصابی طلاء

ھو الشافی : کافور ایک تولہ، کچلی 5 تولہ، ویزلین 6 تولہ۔

ترکیب تیاری : پہلے کافور کو نہایت باریک پیس لیں، پھر کچلی اور کافور کو خوب رگڑیں۔ جب اچھی طرح مل جائیں تو ویزلین ملا دیں۔

بس تیار ہے۔

طریقۂ استعمال : معروف طریقہ پر قضیب پر دن میں ایک بار اچھی طرح مالش کریں۔

افعال و اثرات : اعصابی ہے۔اس طلاء کی ضرورت اس وقت پڑتی ہے جب ذکاوت حس سرعت انزال، عضلاتی کجی اور دُبلا پن پیدا ہو گیا ہو۔متواتر کئی دِن تک استعمال کریں۔ یہ طلاء ایسے مریض کو دیا جاتا ہے جس کا قارورہ زردی مائل ہو اور جلن کے ساتھ آئے۔

عضلاتی طلاء

ھو الشافی : لونگ ایک تولہ، بیر بہوٹی ایک تولہ، نیلا تھوتھا 9 ماشے، روغن سم الفار 6 ماشے، ویزلین 20 تولہ۔

ترکیب تیاری : پہلے لونگ، نیلا تھوتھا اور بیر بہوٹی کو ملا کر سرمہ کی طرح نہایت باریک رگڑ لیں۔ پھر روغن سم الفار اور ویزلین ملا کر کم از کم چار گھنٹے خوب رگڑائی کرائیں۔بس طلاء تیار ہے۔

طریقۂ استعمال : معروف طریقہ پر عضو مخصوص پر مالش کریں۔

افعال و اثرات : عضلاتی غدی ہے۔عضلات میں تحریک اور تقویت پیدا کرنے کے لئے بے حد مفید ہے۔شہوت کی کمی کو دور کرتا ہے۔لگاتے ہی انتشار پیدا ہو جاتا ہے۔جریان، ضعف باہ اور نامردی میں کامیاب دوا ہے۔

روغن سم الفار بنانے کی ترکیب

حسب ضرورت سنکھیا لیں اتنا ہی میٹھا سوڈا ملا کر اتنے پانی میں ڈال کر پکائیں کہ ڈوب جائے۔ جونہی پانی خشک ہو گا سنکھیا تیل میں تبدیل ہو جائے گا۔

تعارف

چودھویں صدی کے بعد علمی و تحقیقی جمود کو توڑنے والی عظیم شخصیت حضرت دوست محمد صابر ملتانیؒ کی ہے جنہوں نے نہ صرف تجدید فن طب میں ایک نیا نظام ایجاد کیا بلکہ انسان سے متعلق اور وابستہ تمام امور جو نظام کائنات سے ذرہ و زمان تک اور ذرہ و مکان سے نظام آفاق تک کے حقائق کو انتہائی آسان انداز میں دریافت کرتے ہیں۔ علم حکمت و فن طب صدیوں سے اپنی تجدید و ارتقاء اور کمال کے لیے کسی مسیحا وقت کا شدت سے منتظر تھا۔ یورپ اور روس میں طب قدیم پر مظالم علمی و عملی طور جا بجا تھے جس کی وجہ سے طب قدیم اپنی بربادی اور تباہی پر نوحہ کناں تھی۔ چودھویں صدی کے بعد عالم عرب سے لے کر برصغیر تک اور یورپ سے روس اور برطانوی راج تک جو علمی تحقیقات ہمیں ملتی ہیں ان میں یہ واضح ہے کہ ان ضمیر فروش تاجروں اور تنگ نظر سائنسدانوں نے علم طب کے مبادیات اور قوانین و کلیات کو اپنے حرص و ہوس کی بھینٹ چڑھا دیا تھا۔ حکماء و اطباء اسلاف کی صدیوں کی محنت شاقہ سے کی جانے والی تحقیقات اور فطری مسلمہ حقائق کو مٹی میں رولا جا رہا تھا۔ جب اطباء و حکماء فرنگی طب سے مرعوب ہوتے جا رہے تھے اور فن طب کے نظریات اور تحقیقات کی فرنگی طب کے مطابق کرنے کے درپے تھے اور ایسا کرنے کو وہ فرنگی حصار میں بند تھے حکماء و اطباء تجدید طب و احیائے فن کا نام دے رہے تھے اور ان کی یہ خود غرضی فن طب کو انتہائی نقصان پہنچا رہی تھی یوں لگتا ہے کہ جب فن طب کا بس جنازہ اٹھنے والا تھا تو ان حالات میں فن طب میں تجدید و احیائے فن وقت کی اہم ضرورت بن چکی تھی۔ اس وقت اللہ نے حضرت دوست محمد صابر ملتانیؒ جیسے مرد جلیل کو فن طب اور احیائے علم کا مسیحا بنا کر پیدا کیا۔ جو حکیم انقلابؒ کے لقب سے مشہور و معروف تھے۔ قادر مطلق نے فن طب پر تجدید اور اس کے احیائے کے لیے حکیم انقلابؒ کو کمال و عروج فن عطا کیا۔ جس پر حکیم انقلابؒ نے علوم و فنون و حکمت کی تجدید اور احیاء کی بنیاد قوانین فطرت کے عین مطابق رکھی اور حکیم انقلابؒ نے اس اصول کو ایک قانون کی صورت میں طبی دنیا میں پیش کیا۔

یہ نظریہ قانون فطرت کا ایک ایسا اصول ہے جو مادہ (Matter) اور جوہر (Essence) سے اخذ کیا گیا ہے۔ یعنی مادہ دراصل جوہر سے پیدا ہوتا ہے۔ اور اس طرح جوہر اور مادہ اپنے افعال و اثرات کی حیثیت میں ایک ہی خواص و فوائد رکھتے ہیں۔ جیسے جوہر سے مادہ اور پھر مادہ کی مختلف صورتیں و کیفیات اور ان صورتوں و کیفیات سے ارکان کا وجود پھر ارکان سے اخلاط، پھر اخلاط سے اجسام کثیفہ و لطیفہ کی ترتیب اور پھر مفرد اعضاء کا بننا بنیادی حقیقت ہے۔ یعنی جب جوہر کوئی جسم اختیار کر لیتا ہے تو مادہ بن جاتا ہے اور جب مادہ کی تخصیص ہوتی ہے تو وہ ارکان بن جاتا ہے۔ جب ارکان تحلیل ہوتے ہیں تو اخلاط پیدا ہوتے ہیں اور جب اخلاط مجسم ہوتے ہیں تو مفرد اعضاء بن جاتے ہیں۔ انہی مفرد اعضاء پر حکیم انقلابؒ نے علم و فن طب کی بنیاد رکھی۔ ان میں خاص ترتیب، توازن، فعل و انفعال اور منظم ہم آہنگی اعتدال کی صورت ہو تو حالت جسم صحت کی حالت میں اور درست کام کرتے ہیں اور جب اعتدال نہ رہے تو مرض کی پیدائش ہوتی ہے۔ یہی قانون مفرد اعضاء (Simple Organopathy) تجدید طب و احیائے فن کا دور رواں ہے اور جدید طبی دنیا کے لئے ایک چیلنج بھی ہے۔

قانون مفرد اعضاء ایک فطری سائنس ہے جو جدید میڈیکل سائنس سے کئی سو سال آگے ہے اور اس کے جوازات اور دلائل بھی دیتی ہے۔ حضرت دوست محمد صابر ملتانیؒ نے جو تحقیقات چالیس سال کی عرق ریزی سے کی اور انتہائی ایمانداری سے عوام الناس کے سامنے پیش کیں ان کی مثال ہمیں اپنے شعبے میں کم ہی ملتی ہے۔ کلیات تحقیقات صابر ملتانیؒ دن رات کی انتھک محنت اور خون جگر سے لکھے گئے نظریات و تحقیقات کا ذخیرہ ہے۔ "کلیات تحقیقات صابر ملتانیؒ" میں حکیم دوست محمد صابر ملتانیؒ کی تمام طبع شدہ کاوشوں کو یکجا کر کے نہایت خوبصورت انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ ادارہ مطبوعات سلیمانی کی یہ کاوش یقیناً قابل صد تحسین ہے۔

حکیم محمد ثناء اللہ جلالپوری

ادارہ مطبوعات سلیمانی

042-37232788 فون
042-37361408 E-mail: idarasulemani@yahoo.com
www.sulemani.com.pk

Saber Multani's

Principles & Practice of Medicine (SimpleOrganoPathy)

کلیاتِ تحقیقات صابر ملتانیؒ

جلد دوم

ارسطوِ زماں، ابنِ سینا، وقت محقق و مُجدّد طب، حُجة الحق،
اُستاذ الحکماء و اطبّاء، ابو الشفاء، حکیم انقلاب المعالج

حضرت دوست محمد صابر ملتانیؒ

Saber Multani's

Principles & Practice of Medicine (SimpleOrganoPathy)

کلیاتِ تحقیقات صابر ملتانیؒ

جلد دوم

ادارہ مطبوعات سلیمانی

رحمان مارکیٹ غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور • فون: 042-37232788
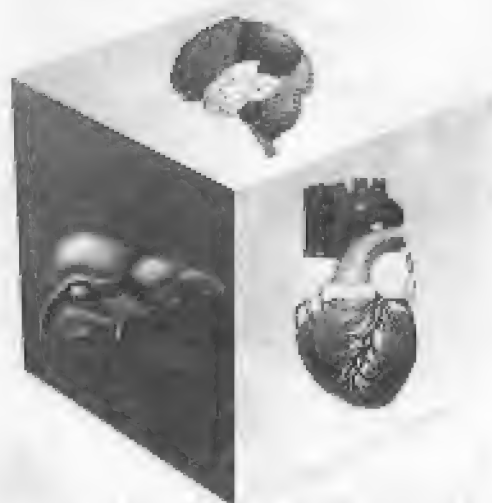
042-37361408 E-mail: sulemani@gmail.com

www.sulemani.com.pk, facebook.com/sulemani5

کتاب کا نام — کلیات تحقیقات صابر ملتانی رحمۃ اللہ علیہ (جلد دوم)

مصنف و مؤلف — حکیم دوست محمد صابر ملتانی رحمۃ اللہ علیہ

ناشر — حکیم عروہ وحید سلیمانی

مطبع — آر۔ آر۔ پرنٹرز

طبع اول — مارچ ۲۰۱۲ء

طبع دوم — اکتوبر ۲۰۱۵ء

تعداد — ۱۰۰۰

قیمت — ۱۲۵۰/- روپے

دستیابی

ادارہ مطبوعات سلیمانی

[illegible] • فون 042-37232788
042-37361408 E-mail: idarasulemani@yahoo.com
www.sulemani.com.pk

ترتیب کتب صابر ملتانیؒ

جلد اوّل

جلد دوم

حکیم انقلاب دوست محمد صابر ملتانی

کی تمام کتب الگ الگ بھی دستیاب ہیں۔

حکیم محمد یٰسین دنیا پوری اور نظریہ مفرد

اعضاء پر دیگر کتب کے علاوہ ہمہ قسم طبی،

ہومیو وایلوپیتھی کتب کے لیے رابطہ کریں۔

۱۰

تحقیقات فارماکوپیا

فہرست عنوانات

پیش لفظ

فارماکوپیا کی اہمیت کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ اس کے قوانین اور مجربات کے بغیر علاج کرنا علم وفن طب کے بالکل خلاف ہے، بلکہ اس کو جرم سمجھنا چاہئے۔ اس کے قوانین میں اس امر کو ذہن نشین کرایا جاتا ہے کہ مجربات کو امراض کے ساتھ کس طرح مطابق اور موافق کیا جاتا ہے اور خاص طور پر کسی دوا کا کس شکل اور مقدار میں استعمال ہونا ضروری ہے، گویا فارماکوپیا فن علاج کی جان ہے۔

فارماکوپیا فرنگی طب (ماڈرن میڈیکل سائنس) کا لفظ ہے۔ بلکہ اس کے علم الادویہ کی ایک نہایت ضروری شاخ ہے، لیکن افسوس ناک بلکہ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ فرنگی فارماکوپیا میں مجربات کو امراض کے مطابق (ایکارڈ) اور موافق (کوپ) کرنے کے کوئی قوانین نہیں قائم کئے گئے۔ صرف اس امر کو سامنے رکھا گیا ہے کہ کون کون سے مجربات کن کن امراض کے لئے مفید ہیں۔ زیادہ تر بعض مجربات کو بعض اقسام کے جراثیم کے لئے مفید لکھا گیا ہے، لیکن اس امر کا کہیں ذکر نہیں کیا گیا کہ یہ مجربات مفید کیوں ہیں اور اپنا جرم کش اثر کیسے کرتے ہیں کیونکہ ادویات جو جسم انسان میں وارد ہوتی ہے وہ سیدھی (ڈائرکٹ) اس مرض کو نہ رفع کرسکتی ہیں اور نہ ہی جراثیم کو اس طرح فنا کرسکتی ہیں جس طرح جسم انسانی کے باہر کسی امتحانی نالی (ٹیسٹ ٹیوب) میں جاکر ان کو فنا کردیتی ہے۔

دوا جب جسم انسان میں وارد ہوتی ہے تو خون میں شامل ہونے سے قبل (اوّل) وہ کسی نہ کسی عضو پر اثر انداز ہوکر اس میں افراط و تفریط اور ضعف کی صورت پیدا کرتی ہے۔ (دوسرے) جسم کی اندرونی کیمیاوی رطوبات (سکریشن) میں تغیر پیدا کرتی ہے۔ (تیسرے) جسم انسانی کو کوئی نہ کوئی کیفیت اور مزاج عطا کرتی ہے۔ پھر دوا کے افعال واثرات جسم میں ظاہر ہوتے ہیں۔ لیکن فرنگی طب ان علمی قوانین (سائنٹفک لاز) سے بالکل خالی ہے، گویا وہ ایک عطایانہ طریق علاج ہے۔ یعنی فلاں مرض کے لئے فلاں دوائی مجرب خیال کرلی گئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس طرح کا جو علاج کیا جاتا ہے تو سو میں سے ننانویں فیصد ناکام بلکہ نقصان رساں ہوتا ہے اور آج کل تو اور بھی ظلم ہو رہا ہے کہ یورپ کی کمپنیوں سے نئی تیار شدہ ادویات کی فہرستیں آجاتی ہیں۔ ڈاکٹران ادویات کو بغیر ذاتی تجربات کے استعمال کرکے اس نقصان کا باعث ہوتے ہیں۔ پرلطف بات یہ ہے کہ وہ ہر نئی دوا کا طریق استعمال بھی نہیں جانتے اور اپنی بے علمیوں سے مریضوں کے لئے نقصان کا باعث بنتے ہیں۔

نفسیاتی طور پر اس امر کو ذہن نشین کرلیں کہ جب تک کسی مجربات دوا کی ایک خاص مقدار کو زمانہ مرض وعلامات واعضاء کے افعال کے ساتھ تطبیق دینے کا علم نہ ہو اس وقت تک بہترین اور یقینی مجربات کے بھی صحت بخش اور صحیح اثرات نمایاں نہیں ہوسکتے۔ جب تک کسی مجرب دوا کا کم ازکم چند بار خود استعمال نہ کیا جائے اس پر کوئی معالج حاوی نہیں ہوسکتا۔ یہی وجہ ہے کہ اطباء تحصیل علم وفن طب کے بعد کئی سالوں تک استادوں کی زیرنگرانی مجربات کا استعمال ذہن نشین کرتے ہیں۔ حقیقت ہے کہ اس عمل تجربات کے بغیر مجربات پر حاوی

ہونا مشکل ہے۔

طب یونانی میں علم الادویہ کی اس شاخ کو قرابادین کہتے ہیں۔ اس کو علم العلاج میں بے حد اہمیت حاصل ہے۔ انہی مجربات کو قانونی طور پر علاج میں استعمال کیا جاتا ہے۔ فرنگی فارما کوپیا اس کا نہ صرف معنوی ترجمہ ہے بلکہ اس کی نقل ہے جواب تک بگڑ چکی ہے۔ مگر طب یونانی میں صدیوں سے زیر نظر اور دستورالعمل ہے۔ البتہ جب فرنگی طبیہ کالج قائم ہوئے ہیں ان میں فرنگی طبی تعلیم کے ساتھ ساتھ فرنگی ادویات اور فرنگی فارما کوپیا زیر استعمال آ گیا ہے۔ اس وقت سے علاج میں مجربات کو طب یونانی کے قوانین اور قرابادینی اصولوں کو نظر انداز کر کے صرف مجربات کو امراض و علامات کے ساتھ استعمال کر دیا جاتا ہے اور شب و روز اس کو تیزی سے اپنایا جا رہا ہے۔

فرنگی مجربات کی ابتداء دلی، علی گڑھ اور لکھنو طبیہ کالجوں سے ہوئی ہے اور پنجاب میں فرنگی شفاء الملک حکیم محمد حسن قرشی نے پھیلایا ہے اور فرنگی حکیم علی احمد نیر واسطی نے اس کو وبائی صورت میں پھیلا دیا ہے۔ اس برائی کو پھیلانے میں مجربات فروشی کو بے حد دخل ہے۔ جس کی ابتداء بھی فرنگی شفاء الملک حکیم محمد حسن قرشی نے کی ہے، انہوں نے طبی فارما کوپیا کے نام سے دو موٹی موٹی جلدوں میں ایک کتاب لکھی ہے۔ جس میں غلط ملط مجربات کو اکٹھا کر دیا گیا ہے۔ اس میں کوئی قانون و قاعدہ اور اصول نہ بیان کیا ہے اور نہ مدنظر رکھا ہے اور فرنگی طب کی نقل اور پیروی میں مجربات کی شکل اور اثرات کو تباہ کر کے رکھ دیا ہے۔ ہر نسخہ میں متضاد اور مختلف ادویات کو اکٹھا کر دیا ہے۔ خالص فرنگی اور دوا آتشہ نسخے لکھ کر اپنی کورذوقی کا ثبوت دیا ہے۔ اس میں مبالغہ ہو تو ہم چیلنج کرتے ہیں کہ وہ کسی ایک نسخہ کو طب یونانی کے اصول پر صحیح ثابت کر کے دکھائیں۔ ہم ان کو فی نسخہ مبلغ ایک سو روپیہ گن کر دینے کو تیار ہیں۔ انہوں نے اپنی اس کتاب طبی فارما کوپیا سے جو گمراہی پیدا کی ہے، وہ اس قدر علم و فن طب کے لئے نقصان رساں ہے کہ خدا جانے کتنی مدت میں اس کا اثر دور ہوگا۔ یہی صورت ان کے مجربات کی تمام کتابوں میں ہے اور سب سے بڑا ظلم اپنی کتاب علاج ''جامع الحکمت'' سے کیا ہے۔ کوئی نسخہ صحیح نہیں ہے اور فرنگی نسخہ جات لکھ کر فن طب کو فنا کر دیا ہے۔ حیرت یہ ہے کہ کسی انگریزی دوا کی کیفیت اور مزاج سے واقف نہیں اور نہ ہی اُن کو اپنانے کا کوئی قانون لکھا ہے۔ لطف کی بات یہ ہے کہ اس تقلیدی عمل (اندھی پیروی) کا نام تجدید طب اور احیاء فن رکھا ہے اور تو کچھ نہیں البتہ اُن کا حسن کرشمہ ساز ہے۔ ہم ان شاء اللہ تعالیٰ اُن کی ایک ایک کتاب بلکہ ایک ایک نسخہ کا اپریشن کر کے اس گمراہی کو بہت جلد دور کریں گے۔ اس کتاب سے آخر میں ان سے طبی فارما کوپیا کے مقدمے پر جو تنقید مدا وامیں کی تھی درج کر دی ہے۔

فرنگی شفاء الملک حکیم محمد حسن قرشی کی اس گمراہ کن مجربات فروشی کے بعد یہ وبا تمام پاک و ہند میں پھیل گئی اور ہر طرف فارما کوپیا شائع ہونے لگا اور ہر ادارے میں مجربات فروشی شروع ہو گئی اور ایسے ایسے نسخہ جات لکھے گئے کہ توبہ ہی بھلی۔ نہ کسی کا سر قائم اور نہ پاؤں صحیح۔ بس فن مجربات اور قرابادین کو بچوں کا کھیل بنا کر رکھ دیا۔ آخر نتیجہ یہ ہوا کہ مجربات کی ضرورت کا مسئلہ تو حل نہ ہوا، البتہ انگریزی ادویات اور فرنگی مجربات کا استعمال بکثرت شروع ہو گیا اور اب دیہاتوں تک یہ وبا پھیل گئی ہے۔

اس فنی برائی کو مدنظر رکھتے ہوئے ہم نے یہ خاص نمبر ''تحقیقات فارما کوپیا'' شائع کر رہے ہیں، اس کا نام بھی قرابادین کے بجائے فارما کوپیا لکھا ہے تا کہ نام کی مناسبت سے اس برائی کو جلد دور کیا جا سکے، اس خدمت فن میں ہم کہاں تک کامیاب ہیں، اس کا اندازہ قارئین خوب لگا سکتے ہیں۔

ایک خاص بات سے آگاہ کر دوں کہ تقریباً عرصہ بیس سال قبل جب ماہنامہ خادم الحکمت کی ادارت میرے پاس تھی، فارما کوپیا خاص نمبر شائع کرنے کا اعلان کیا تھا۔ اس وقت میرے ساتھیوں میں جناب حکیم سید فضل حسین صاحب رام داس، جناب حکیم فتح محمد

صاحب مرحوم-لاہور اور جناب حکیم غلام محمد صاحب مرحوم-راولپنڈی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ میرے ارد گرد جمع تھے۔ انہوں نے اس خیال کو بے حد پسند کیا۔ اسی مقصد کے تحت جناب حکیم غلام محمد صاحب نے ایک مضمون فارما کو پیا پر لکھ کر مجھے بھیج دیا۔ وہ جنگ عظیم کا زمانہ تھا۔ کاغذ کی قلت کی وجہ سے رسالہ بند کرنا پڑ گیا اور فارما کو پیا شائع نہ ہو سکا۔ اب وہی مضمون یادگار اور تبرک کے طور پر اس خاص نمبر میں بطور مقدمہ کتاب درج کر دیا ہے۔ تقریباً بیس سال پرانا مضمون ہے، ہم نے کوئی تبدیلی نہیں کی ہے، تاکہ ان کا فکر یادگار کے طور پر قائم رہے۔ لطف کی بات یہ ہے کہ حکیم صاحب موصوف اپنی زندگی کے آخیر دنوں تک مجھے ملنے کے لئے راولپنڈی سے یہاں تشریف لاتے رہتے، نظریہ مفرد اعضاء کی تحقیق سے بہت خوش تھے، پھولے نہ سماتے تھے، اس کی باریکیوں کو سمجھنے کے لئے کئی روز لاہور میں قیام کرتے تھے۔ اپنی جماعت کا بڑا کارنامہ خیال کرتے تھے۔ خداوند کریم ان کو مغفرت کرے بڑے آزاد مرد تھے۔

یہ خاص نمبر دسمبر اور جنوری کا پرچہ ہے جو خریداروں کو مفت دیا جا رہا ہے۔ آئندہ ماہ فروری سے باقاعدہ ہر ماہ کا پرچہ شائع ہو گا۔ جس میں گزشتہ سال کے تمام مضامین شروع کر دیئے جائیں گے تاکہ ان کی تکمیل ہو جائے اور وہ کتابی صورت میں شائع کئے جائیں۔ یہی تحریک تجدید طب کا کورس بنے گا اور دوست شدت سے طلب کر رہے ہیں۔ ''تحقیقات فارما کو پیا'' بھی ایک اہم ضرورت تھی۔ فرنگی طب کے مجربات کو ختم کرنے کے لئے لازمی اقدام تھا۔

خداوند کریم کا ہزار ہزار شکر ہے کہ اہل فن اور صاحب علم کے سامنے یہ تحفہ پیش کر دیا گیا ہے۔ وما توفیقی الا باللہ

صابر ملتانی
4 جنوری 1963ء

فارماکوپیا

مقدمہ

رئیس الاطباء حکیم غلام محمد - راولپنڈی

کسی ملک کا فارماکوپیا دراصل ان ادویہ پر مشتمل ہوتا ہے جو اس ملک میں عام طور پر مستعمل ہوں اور جنہیں سرکاری طور پر مستند سمجھ لیا گیا ہو۔ پھر ان دواؤں کی مختلف صورتیں اور ان کے کارآمد مرکبات تک کی ترکیبیں وغیرہ بھی ایک خاص معیار کے مطابق ہوں۔

فارماکوپیا میں ادویہ کی وصلیت، مثبت، کیمیائی نوعیت، اجزائے مؤثر وغیرہ، خصوصیت سے درج ہوتے ہیں۔ اور ان کی جانچ پڑتال کے قواعد اس لئے بتائے جاتے ہیں کہ اگر کوئی دوا مقررہ معیار پر نہ ہو تو اس کی مناسب تحقیق کرلی جائے اور شخص متعلقہ سے بازپرس ہوسکے۔

بعض لوگ یہ سمجھتے ہوں گے کہ جو دوا کسی فارماکوپیا میں درج ہو جائے وہ ضرور اعلیٰ پایہ کی ہوگی۔ لیکن یہ بھی ایک عام غلط فہمی ہے، جس کا ازالہ ہم کردیتے ہیں۔ بعض ملکوں نے اپنے اپنے فارماکوپیا بنا رکھے ہیں اور ان میں بعض ایسی ایسی دوائیں بھی درج ہیں جن کی قدر و قیمت معمولی یا کچھ بھی نہیں۔ ایسے فارماکوپیا کا مقصد یہ نہیں ہوتا کہ کارآمد یا نکمی ادویات میں تمیز کرے، بلکہ یہ ہوتا ہے کہ کوئی ضرورت مند شخص کوئی دوا بازار سے خریدنا چاہے تو اس کو اصلی چیز دی جائے، اور اس کے مرکبات بھی مقررہ اصولوں کے مطابق بنے ہوں۔ سرکاری فارماکوپیا بنانے والے گویا اس امر کو ملحوظ رکھتے ہیں کہ بازار میں عام مانگ کس چیز کی ہے اور ملکی معالج اسے کس حد تک استعمال کرتے ہیں۔ انہیں اس بات سے چنداں واسطہ نہیں ہوتا کہ آیا وہ دوا کامل ہے بھی یا نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ فارماکوپیا خواص ادویہ یا ان کے استعمالات پر کوئی بحث نہیں کرتا۔ مثال کے طور پر ہم دو چیزوں کا ذکر کرتے ہیں، ایک امریکن دوا وچ ہیزل (Witch Hazal) اور دوسری پختہ اینٹ کے سفوف کو لیتے ہیں۔ پہلی نباتی شے ہے اور دوسری معدنی۔ پہلی قیمتی چیز ہے اور دوسری مفت کی۔ ان دونوں کی تاثیر یکساں ہے۔ مگر لوگ سفوف خشت کے بجائے وچ ہیزل کو ترجیح دیں گے۔ اس لئے فارماکوپیا مجبور ہے کہ وہ وچ ہیزل کا تذکرہ کرے اور سفوف خشت کو نظرانداز کردے۔

کسی ملک یا قوم کا فارماکوپیا اس لئے تجویز کیا جاتا ہے کہ معالجین کے کسی خاص طبقہ اور کسی خاص مدت کے لئے کارآمد ہوسکے۔ مختلف ممالک نے اپنی ملکی ضروریات کے مطابق فارماکوپیا بنا رکھے ہیں اور ایک ملک کا فارماکوپیا دوسرے ملک کے فارماکوپیا سے بہت مختلف ہوتا ہے، خیر اس اختلاف سے تو چارہ کار نہیں، ایک ہی ملک کے فارماکوپیا کے مختلف ایڈیشن آپس میں مختلف ہو جاتے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ ایک زمانہ میں ایک دوا کا بول بالا تھا دوسرے وقت میں وہ معالجین کی نظروں سے گرگئی۔ اس لئے فارماکوپیا کو بھی ترک کرنی پڑی۔

زمانہ قدیم اور دورِ حاضرہ کے فارماکوپیا میں تو زمین و آسمان کا فرق ہے۔ اگر ہم برٹش فارماکوپیا کو ہی سامنے رکھیں اور مثال کے طور پر میٹھا تیلیا (بیش) کو لیں جو زمانہ قدیم سے برطانوی معالجین کے زیر استعمال ہے تو ہمیں پرانے برطانوی فارماکوپیا میں جہاں

میٹھا تیلیہ کے سفوف کا استعمال نظر آئے گا وہاں زمانہ حاضرہ کے برٹش فارماکوپیا میں اس کی جگہ نفیس ٹنکچر اور وہ بھی اجزائے موثرہ کے اعتبار سے خاص درجے کا ملے گا۔ پرانے زمانہ میں ٹنکچر کا وجود ہی نہ تھا، اس لئے فارماکوپیا نے اس کے سفوف کی اجازت دی۔ لیکن دواسازی کے فن کی ترقی کے ساتھ فارماکوپیا کی نئی طبع نے ٹنکچر کا استعمال اور اس کی ترکیب وغیرہ بھی بتادی اور جن دواؤں کے مرکبات اپنے اجزائے مؤثرہ کے اعتبار سے کسی خاص معیار پر لانے ضروری نہ سمجھے، ان کے اجزائے مؤثرہ یعنی الکلائیڈ نکال کر دواءً استعمال کر لئے گئے۔ ایسی دواؤں میں کچلہ، دھتورہ اور سنکونا وغیرہ کا نام خصوصیت سے لیا جاسکتا ہے۔

زمانہ حال کے ڈاکٹری فارماکوپیا دراصل کسوٹی یعنی محکم کا کام دیتے ہیں۔ ان میں دواؤں کے معیار قائم کر دیئے جاتے ہیں اور انہیں کی بناپر ادویہ پر سرکاری جانچ پڑتال ہوتی رہتی ہے جو دوا مفرد ہو یا مرکب، اس معیار پر پوری نہ اترے وہ خلافِ قانون سمجھی جاتی ہے اور لائق مواخذہ بھی۔

تقریباً تمام مہذب ملکوں میں قومی فارماکوپیا کی تجویز و تشکیل یا تو حکومت کی طرف سے کی جاتی ہے یا حکومت اس غرض سے کوئی با اختیار مجلس قائم کر دیتی ہے۔ ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں یہ کام قومی سمجھا جاتا ہے۔ قوم جو فارماکوپیا تجویز کر دیتی ہے حکومت اسے تسلیم کر لیتی ہے۔ برطانیہ میں فارماکوپیا کا کام جنرل میڈیکل کونسل کے اختیار میں ہے جس نے اسے فارماکوپیا کمیٹی کے سپرد کر رکھا ہے۔ دنیا کے بڑے بڑے ملکوں میں فارماکوپیا کی تیاری کا کیا انتظام ہے۔ اس کی مختصر سی کیفیت ملک وار حسبِ ذیل ہے۔

بلجیئم: فارماکوپیا حکومت خود شائع کرتی ہے۔ فارماکوپیا کے کمیشن میں 9 ممبر ہیں، جو تین سال تک کام کرتے ہیں۔ یہ کمیشن مستقل حیثیت کا ہے۔ قانوناً ہر تین سال کے بعد نیا ضمیمہ چھپنا چاہئے۔ کمیشن میں چھ دواساز اور تین ڈاکٹر آف میڈیسن یعنی ایم ڈی ہیں۔

چین: 1929ء میں وزیر صحت عامہ نے چار ممبروں کی ایک کمیٹی بنائی تھی، تاکہ چینی فارماکوپیا کا اوّلین مسودہ تجویز کرے۔ ملک میں بے حد شورش بپا رہی۔ بایں ہمہ بورڈ آف ہیلتھ نے اپنے جلسے منعقدہ فروری 1930ء میں اس مسودے کو منظور کر لیا۔

زیکو سلاویکیہ: اس ملک کے فارماکوپیا میں چار حصے ہیں:

① کیمسٹری ② خواص الادویہ ③ عمل دواسازی ④ مصلات اور جراثیمی ادویہ۔

یہاں کی کمیٹی میں 42 ممبر ہیں جن میں 2 دواساز، 4 کیمسٹری کے پروفیسر، 4 باٹنی کے پروفیسر، 10 میڈیسن کے پروفیسر، 2 صنعت و حرفت کے پروفیسر، وٹینری ہائی سکول کا پروفیسر اور 2 بیرسٹر۔

اس ملک کا اوّلین فارماکوپیا حال ہی میں شائع ہوا ہے۔

فرانس: گورنمنٹ خود فارماکوپیا شائع کرتی ہے اور وہ ایک کمیٹی سے مرتب کراتی ہے۔ 1908ء میں جس کمیٹی نے فرانسیسی فارماکوپیا بنانا تھا اس میں سولہ ممبر جن میں سے دس دواساز تھے۔ 1926ء میں فارماکوپیا کی کمیٹی کے لئے ایک مستقل لیبارٹری قائم کی گئی۔ اس سے پہلے ممبروں کی اپنی نجی کی لیبارٹریوں میں تحقیق و تدقیق کا کام ہوا کرتا تھا۔ فارماکوپیا کے نئے ایڈیشن بے قاعدگی سے اشاعت پذیر ہوتے رہتے ہیں۔ 1908ء سے اب تک چار ضمیمے شائع ہو چکے ہیں۔

جرمنی: یہاں امپریل بورڈ آف ہیلتھ اور امپریل ہیلتھ سینٹ کی کمیٹی مل کر فارماکوپیا مرتب کرتے ہیں۔ ہر قسم کی تحقیق و تدقیق امپریل بورڈ آف ہیلتھ کی لیبارٹری میں ہوتی ہے۔ یہ کام مسلسل جاری رہتا ہے، اس لئے عموماً ہر پندرہ برس کے بعد نئی چھپ جاتی ہے۔ چھٹی یعنی آخری طبع 1926ء میں مکمل ہوئی تھی۔

اطالیہ: گورنمنٹ ایک کمیشن مقرر کرتی ہے جو فارماکوپیا کی ترمیم کر دیتا ہے۔ کمیشن میں 4 معالج، 4 عملی دواساز، 1 ونٹریزی سرجن، دو عالم نباتات، 3 ماہر خواص الادویہ، ایک افعال الاعضاء کا عالم اور سات ایسے کیمسٹ شریک ہوتے ہیں جو شاہی یونیورسٹیوں کے شعبہ ہائے فارماسیوٹیکل کیمسٹری سے چنے جاتے ہیں۔ تحقیق کا کام مسلسل نہیں ہوتا، لیکن تجویز ہو رہی ہے کہ کمیشن کو مستقل حیثیت دے دی جائے۔ قانون ہے کہ پانچ سال کے بعد فارماکوپیا کی نظر ثانی ہوتی رہے۔ آخری طبع 1929ء میں مکمل ہوئی تھی۔

پرتگال: فارماکوپیا 1876ء میں شائع ہوا تھا جو شاہی حکمنامہ مورخہ 15 نومبر 1871ء کی رو سے ایک کمیشن نے مرتب کیا تھا۔ اس میں 3 معالج، 6 دواساز اور 2 کیمسٹ شریک تھے۔

سوئیٹزر لینڈ: فارماکوپیا کے کمیشن میں ذیل کے ارکان شامل ہیں: 3 پروفیسر دواسازی کی کیمسٹری جاننے والے، 01 پروفیسر خواص الادویہ کا ماہر، 3 معالج جن میں ایک فوجی دواساز بھی شامل ہے۔ کمیشن مستقل نہیں اور نہ مقررہ وقت کے بعد فارماکوپیا کی طباعت کا کوئی قانون ہے۔ حسب ضرورت ترمیم ہوتی رہتی ہے۔ آخری یعنی چوتھی طبع 1907ء میں مکمل ہوئی تھی۔

ترکی: 1926ء میں وزیر حفظِ صحت کے ماتحت ایک خاص مجلس مقرر ہوئی تھی جس میں پندرہ ممبر تھے، جنہوں نے ترکی فارماکوپیا مرتب کیا تھا۔ سرکاری میزانیہ میں ہر ممبر کے لئے ایک مالی معاوضہ مقرر کر دیا جاتا ہے۔ کمیٹی کا فرض ہے کہ پانچویں سال ضروری ترمیم کرتی رہے اور ضمیمے بھی شائع کرے۔ یہ فارماکوپیا اوائل 1929ء میں نافذ ہوا تھا۔

ریاست ہائے متحدہ امریکہ: فارماکوپیا کی ترمیم 51 ممبروں کی ایک کمیٹی کے سپرد ہے۔ طباعت اور نشر و اشاعت کا کاروبار بورڈ آف ٹرسٹیز کے متعلق ہے، گورنمنٹ اس فارماکوپیا کو تسلیم کر لیتی ہے۔ نظر ثانی کی کمیٹی میں 15 معالج، 2 علاج مصلی جاننے والے، 4 خواص الادویہ کے عالم، 11 عملی دواساز، 15 فارمیسیوٹیکل کیمسٹ اور 4 ماہرین علم نباتات شامل ہوتے ہیں۔ تحقیق و تدقیق کا کام تقریباً مسلسل جاری رہتا ہے اور ہر دس برس کے بعد عموماً فارماکوپیا کی ترمیم ہو جاتی ہے۔

برطانیہ: برٹش فارماکوپیا کے پرانے ایڈیشن میڈیکل پریکٹیشنروں کی ایک کمیٹی جو جنرل میڈیکل کونسل کی طرف سے مقرر کی جاتی تھی مرتب کرتی رہی ہے۔ قانون کی رو سے جنرل میڈیکل کونسل کو بھی فارماکوپیا کی ترتیب و اشاعت کا اختیار حاصل ہے۔ فارماکوپیا کی کمیٹی نے کئی چھوٹی چھوٹی کمیٹیاں قائم کر رکھی ہیں۔ جو دواسازی اور دوسرے شعبوں کے متعلق ہیں۔ ان کمیٹیوں میں اعلیٰ درجے کے ماہر مقرر کئے جاتے ہیں، تحقیق و تدقیق کا کام مسلسل نہیں۔ برٹش فارماکوپیا کی آخری طبع 1914ء میں شائع ہوئی تھی، لیکن ان دنوں پھر ترمیم کی تجویز ہے اور اس بارے میں دوائی تحقیق 1921ء سے مسلسل جاری ہے۔

1925ء میں جنرل میڈیکل کونسل کی فارماکوپیا کمیٹی نے سفارش کی تھی کہ برٹش فارماکوپیا کی ترمیم کا انتظام کرنا چاہئے، چنانچہ 23 فروری 1926ء کو ایک مشاورتی مجلس بلائی گئی جس میں برطانیہ کے بڑے بڑے معالج، دواساز اور اہل فن شامل تھے۔ کمیٹی نے ہر قسم کی شہادتوں کو مدنظر رکھ کر ذیل کی سفارشیں قلمبند کی ہیں:

① برٹش فارماکوپیا کی تیاری اور اشاعت کے متعلق جو قانون چلا آتا ہے، اس میں ترمیم کی ضرورت نہیں۔

② جنرل میڈیکل کونسل کو چاہیے کہ فارماکوپیا کا ایک کمیشن فوراً مقرر کر دے۔ اس سلسلے میں ایک انتخاب کنندہ مجلس بھی ہو جس میں 4 ممبر جنرل میڈیکل کونسل کی طرف سے، 3 ممبر برطانیہ، آئرلینڈ اور شمالی آئرلینڈ کی فارماسیوٹیکل سوسائٹیوں کی طرف سے اور 2 ممبر میڈیکل ریسرچ کونسل کی طرف سے نامزد کئے جائیں۔

(۳) فارما کوپیا کے کمیشن میں منتخب ماہرین شامل ہوں۔ ان کی تعداد معدود نہ ہو، وقتاً فوقتاً عارض یا مستقل ممبر بھی لے لئے جائیں جن میں ہندوستان اور برطانوی نوآبادیوں کے نمائندے بھی شامل ہوں۔

(۴) کمیشن کو مستقل حیثیت دے دی جائے اور اس کا دفتر اور عملہ علیحدہ مقرر کردیا جائے۔

(۵) فارما کوپیا کا مسودہ طباعت سے پہلے جنرل میڈیکل کونسل میں بغرض منظوری پیش کیا جائے۔

(۶) آئندہ دس برس کے بعد فارما کوپیا کی ترمیم کردی جائے اور نئی طبع شائع ہو۔ ضمیمے اس سے پہلے بھی حسب ضرورت شائع ہوتے رہیں۔ فارما کوپیا میں عمدہ معیار کی دوائیں درج کی جائیں جو قلمرو برطانیہ میں عام طور پر مروج و مستعمل ہیں۔

(۷) قلمرو کے جس حصے میں کسی خاص مقامی دوا کے استعمال کو جائز ٹھہرانا ہو یا کوئی ایسی متبادل دوا تجویز کرنی ہو جو برٹش فارما کوپیا میں درج نہیں تو وہاں کی مقامی حکومتیں مقامی ضمیمے شائع کرسکتی ہیں۔

(۸) نوآبادیوں اور ہندوستان کی حکومتوں سے درخواست کی جائے کہ وہ اپنی اپنی کمیٹیاں الگ بنائیں جو فارما کوپیا کمیشن کے ساتھ مل کر کام کریں اور ترتیب میں مدد ہوں۔

(۹) تاوقتیکہ برٹش فارما کوپیا کی آئندہ ایڈیشن سے مالی منافع نہ ہو، فارما کوپیا کمیشن کا کام چلانے کے لئے جنرل میڈیکل کونسل سرمایہ بہم پہنچائے۔

مذکورہ بالا سفارشوں کی بنا پر ہندوستان میں ایک امدادی کمیٹی 28 فروری 1929ء کو بنائی گئی تا کہ وہ برٹش فارما کوپیا کی ترمیم یا نظر ثانی میں مدد ہو، اُس میں حسب ذیل اشخاص منتخب ہوں گے:

الف : ڈائریکٹر جنرل انڈین میڈیکل سروسز - چیئرمین

ب : لیفٹیننٹ کرنل ازاین چوپڑہ ایم ڈی، انڈین میڈیکل سروس - پروفیسر

ج : ریورنڈ فادر جے ایف کے ایس ایف ایل ایس ایم، ایس سی آئی (پیرس)

ایس جے آفیسر انچارج فارما کالوجیل لیبارٹری ہفسکائن انسٹی ٹیوٹ پارل بمبئی

د : اسسٹنٹ ڈائریکٹر جنرل انڈین میڈیکل سروس (سٹورز) بطور سیکرٹری

یورپ اور ایشیاء کے دوسرے موجودہ فارما کوپیا میں ذیل کے فارما کوپیا کا بھی مختصر ذکر کیا جاسکتا ہے:

ڈنمارک طبع ہفتم 1907ء	ہالینڈ طبع پنجم 1926	ہنگری طبع سوم 1909ء	جاپان طبع چہارم 1931ء
ناروے طبع چہارم 1913ء	روس طبع ہفتم 1929ء	ہسپانیہ طبع ہشتم 1930ء	سویڈن طبع دہم 1925ء

اس سے معلوم ہوسکتا ہے کہ فارما کوپیا کی ترتیب محض اداراتی کام نہیں بلکہ دنیائے طب کے اعلیٰ ماہرین کی جانکاہوں اور دماغ سوزیوں اور طبی تحقیق و تدقیق کی آئینہ دار ہوتی ہیں جس کے ذریعہ سے فن معالجہ کے اوّلین حربے یعنی ادویہ کو خاص معیار پر لایا جاتا ہے۔

جب آپ نے فارما کوپیا کی غرض و غائت کو اچھی طرح معلوم کرلیا اور دیگر مہذب ممالک کے فارما کوپیا کے مختصر حالات بھی مطالعہ کرلئے تو اب آپ اپنے ملک ہندوستان کی طرف بھی ایک نگاہ دوڑائیں کہ وہ ملک جو طب یونانی اور آیورویدک کا گہوارہ ہے، جس نے تمام دیگر ممالک کو تہذیب سکھائی، آج اس کی یہ حالت ہے کہ اس کا کوئی دیسی فارما کوپیا نہیں، اگرچہ آل انڈیا آیورویدک اینڈ یونانی طبی کانفرنس نے اس ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے اپنے اجلاس میں متعدد بار قراردادیں پاس کیں، مختلف طبی رسالوں میں اس کی ضرورت

پر مضامین لکھے گئے، لیکن صدا بصحرا ہو کر رہ گئے اور سب سے پہلے حضرت استاذ الاطباء حکیم احمد دین مرحوم و مغفور نے 1915ء میں اس کو عملی جامہ پہناتے ہوئے طبی دُنیا میں دس عدد مجرب نسخہ جات مدینۃ الاطباء میں شائع کر کے آل انڈیا انجمن خادم الحکمت شاہدرہ لاہور کی طرف سے پیش کئے۔ ان نسخوں نے وہ قبولیت عامہ حاصل کی کہ انجمن کو 1924ء میں دوبارہ فارما کوپیا مرتب کرنے کی ضرورت لاحق ہوئی۔ لہذا دوسرا فارما کوپیا جو 25 نسخوں پر مشتمل تھا، بنام طبی رہنما شائع کیا۔ بعد ازاں 1928ء میں ایک ضمیمہ شائع کیا گیا جس میں انجمن کے 40 مجربات (نسخہ جات) تھے۔ گویا کل 65 نسخہ جات کا فارما کوپیا مرتب کیا گیا۔ لیکن سات سال کے معتبر عرصہ میں جن اصلاحی امور کی ضرورت داعی ہے، اس کے مطابق ترمیم و تنسیخ کر کے 1935ء میں ایک نیا مستند فارما کوپیا طب جدید مشرقی مشتمل بر چالیس نسخہ جات شائع کیا گیا۔ جس کا نام طبی اربعین رکھا گیا۔ اس میں ایسے جامع التاثیر نسخہ جات منتخب کئے گئے ہیں جو عام طور پر ہونے والی تمام امراض کے لئے کفایت کر سکیں۔ فارما کوپیا مذکور کے ساتھ ہی ایک فہرست امراض اور ان کے متوازی ادویہ کے نام لکھے گئے ہیں۔ جس سے معالجین بہت فوائد حاصل کر سکتے ہیں۔

حضرت استاذ الاطباء مرحوم کی وفات حسرت آیات کے بعد اب محترم حکیم دوست محمد صاحب صابر نے جس جسارت، جرأت اور قربانی سے کام لیتے ہوئے رسالہ خادم الحکمت بابت ماہ جولائی سن رواں میں فارما کوپیا طب جدید کا اعلان کیا ہے، درحقیقت انہوں نے عملی رنگ میں خود کو خادمِ حکمت ثابت کر دیا ہے۔ ان کی جدت پسند طبع سے توقع ہے کہ فارما کوپیا زیر طبع واقعی جامع الصفات ہوگا اور حرز جان بنانے کے لائق ہوگا۔

حضرات! اگرچہ ہم صابر صاحب موصوف کی قربانیوں کی طرف ایک نظر ڈالیں کہ اس قحط الرجال زمانہ میں جب کاغذ کی گرانی نے بڑے بڑے صاحب ثروت کے حوصلے پست کر رکھے ہیں، صابر صاحب نے ساتھ ہی یہ اعلان کر دیا ہے کہ فارما کوپیا کی کوئی قیمت نہیں لی جائے گی اور خریداران رسالہ کو مفت روانہ کیا جائے گا۔ اس صورت میں کیا ہم پر یہ واجب نہیں کہ ان کی کسی دوسرے رنگ میں مالی مدد کر سکیں۔ میرے خیال میں ہر رکن انجمن اور خریدار رسالہ کم از کم دو دو نئے خریدار بہم پہنچائیں۔ اور جناب صابر صاحب اور ادارہ خادم الحکمت کی حوصلہ افزائی کریں۔

وَمَا عَلَیْنَا اِلَّا الْبَلَاغ

شیخ غلام محمد۔ راولپنڈی

تحقیقات فارماکوپیا

فارماکوپیا (Pharmacopeia) انگریزی زبان کا لفظ ہے، جس کے معنی عام طور پر قرابادین یا مجرب مفردات ومرکبات برائے دستور العلاج کے لئے جاتے ہیں۔ لیکن اس کے حقیقی معنی یہ ہیں کہ مجرب مفردات ومرکبات کا ایسا دستور العمل جو حکومت وقت یا مسلمہ طبی جماعت یا طبی ادارہ کی طرف سے برائے عمومی علاج معالجہ شائع کیا جائے اس میں اس امر کا افہام وتفہیم لازمی ہوتا ہے کہ اس کے بہترین اور ہر طرح قابل اعتماد مجرب مفردات ومرکبات تسلیم کئے گئے ہوں۔ اور ہر معالج ان کو بے خطر ویقینی بے خطا فائدے کے زیر اثر استعمال کر سکتا ہو۔

فارماکوپیا کے معنی یہ ہرگز نہیں ہیں کہ جو شخص بھی چاہے اپنی رائے کے مطابق جس قسم کے نسخے اس کو پسند ہوں یا میسر آئیں اُس کو اکٹھا کر کے شائع کر دے اور ان کا نام فارماکوپیا رکھ دے۔ اس قسم کا فعل فن وقوم اور ملک کے ساتھ ایک خطرناک مذاق ہے۔ کسی ملک میں بھی ایسا مذاق نہیں کھیلا جا سکتا ہے، کیونکہ اس میں دوسرے کی زندگی سے کھیلنے کے ساتھ ساتھ انسانی کیریکٹر کی ذمہ داری کا سوال پیدا ہو جاتا ہے۔ لیکن ہمارے ملک میں جہاں طبی منشور تقریباً مردہ ہو چکا ہے وہاں ایسے انسانیت سوز ڈرامے کھیلے جاتے ہیں اور غیر ذمہ دارانہ حرکات عمل میں آتی ہیں صرف لالچ زر اور طمع شہرت کی خاطر بلکہ دوسروں کو بیوقوف سمجھ کر لوٹنے کے لئے ایسے کھیل کھیلے جاتے ہیں۔ جس نسخے کے پیچھے کوئی تاریخ نہ ہو اس کو استعمال کرنا لعنت ہے۔ تفصیل درج ذیل ہے۔

فارماکوپیا کی تعریف

(۱) میڈیکل ڈکشنری میں اس کی تعریف یوں کی گئی ہے:

Pharmacopeia : A book Containing a description of products used in medicine with detail of how these should be prepared, identified and compound prescription, and of the doses in which they may be administered to patients. The authorities work on this subject used in these island is the British pharmacopeia which is periodically revised and brought-up-to-date by a committee of the general medical council.

"**فارماکوپیا**: ایک ایسی کتاب ہے جو ان چیزوں کو بیان کرتی ہے جو علم العلاج میں استعمال ہوتی ہیں۔ جن کے ساتھ یہ تفصیل بھی ہوتی ہے کہ وہ کیسے تیار ہونی چاہئیں۔ ان کی پہچان اور ان کو نسخے میں کیسے ملانا چاہئے۔ ان کی مقدار خوراک جن مریضوں کو کھلایا جا سکتا ہے۔ ذمہ دارانہ کام جو اس مقصد کے لئے ان جزیروں میں ہوتا ہے وہ برٹش فارماکوپیا ہے۔ جس پر مقررہ معیار میں جنرل میڈیکل کونسل کی کمیٹی کی طرف سے نظر ثانی کر کے زمانے کے مطابق ترتیب دیا جاتا ہے"۔

(۲) جنرل ڈکشنری میں اس کی تعریف یوں لکھی ہے:

Pharmacopeia : The authorised book of farmulae for the preparation of medicines published by the general council of medical education and registration of United Kingdom. Each country publishes a similar book.

''**فارماکوپیا**: ایک ایسی ذمہ دار کتاب ہے جس میں دستور العلاج کے لئے ادویات کی تیاری کا طریق کار ہو جو سلطنت متحدہ (برطانیہ) کی جنرل کونسل آف میڈیکل ایجوکیشن اینڈ رجسٹریشن کی طرف سے شائع ہوتی ہے اور ہر ملک ایسی کتاب شائع کرتا ہے''۔

ان تعریفوں کی تشریح یہ ہے کہ فارماکوپیا ایسی کتاب ہے جس میں:

① دستور العلاج کے لئے مجرب مفردات ومرکبات ہوں۔
② ان مفرد ومرکب ادویات کی پہچان۔
③ ان کے ملانے کا طریق کار۔
④ ان کی مقدار خوراک۔
⑤ اس کی ترکیب وترتیب اور تجربات ومشاہدات کے لئے ایک مستند طبی کمیٹی کا ہونا۔
⑥ حکومت یا مستند ادارہ کی سرپرستی۔
⑦ زمانہ کے مطابق اس پر نظر ثانی کا قائم رکھنا۔

فارماکوپیا کے لئے اہم شرط

مندرجہ بالا سات شرائط میں سے تین شرائط نہایت اہم ہیں:

① فارماکوپیا کے لئے مفردات اور مرکبات کا ہونا۔
② فارماکوپیا کے مجربات کی تصدیق ویادداشت اور تجربہ ومشاہدہ کے لئے ایک مستند ماہرین اور اہل علم کی جماعت ہونی چاہئے یا مجرب مفردات اور مرکبات کی ایک مستند تاریخ ہونی چاہئے۔ جس میں اس کے تجربات ومشاہدات اور تصدیقات ویادداشت کی تفصیل درج ہو۔
③ فارماکوپیا کی سرپرستی اور تصدیق حکومت یا طبی جماعت یا ادارہ کی طرف سے ہونی چاہئے جو زمانہ کی ضرورت کے مطابق اس کی نظر ثانی کر کے اس کو شائع کرتے رہیں۔

ان تین شرائط میں اوّلین شرط نہایت اہم ہے۔ کیونکہ اگر اوّلین شرط ہی پوری نہ ہو تو باقی شرائط بے معنی ہو کر رہ جاتی ہیں۔ گویا فارماکوپیا بغیر مجربات کے ختم ہو کر رہ جاتا ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ مجربات اگر مفردات ہوں یا مرکبات جو بھی دستور العلاج کے لئے تصدیق کئے جائیں وہ کس قانون وقاعدے اور اصول ونظریہ کے مطابق ہونے چاہئیں۔ دیگر الفاظ میں یوں سمجھ لیں کہ ان کو تجربہ ومشاہدہ کرنے کے لئے کن قوانین وقواعد اور نظریات واصولوں کو مدنظر رکھنا چاہئے۔

معیارِ مجربات

مجربات کو حاصل کرنے کے لئے مفردات پر تجربات و مشاہدات کئے جائیں یا مرکبات کی جانچ و پڑتال کی جائے لازم ہے کہ ان مقاصد کے لئے کوئی نہ کوئی معیار ضرور سامنے رکھنا پڑے گا۔ یہ معیار کسی قانون و نظریے کی صورت رکھتا ہوگا۔ یا کسی قاعدے یا اصول کو مقرر کرنا پڑے گا۔ تاکہ ادویات کے نتائج باقاعدہ یادداشت کی صورت میں محفوظ رکھے جائیں۔ تاکہ علمی و یقینی حیثیت سے ان نتائج کے متعلق کچھ کہا جاسکے، اگر کوئی معیار نہیں ہے تو پھر ان کی حیثیت علمی اور یقینی نہیں ہوگی۔

مجربات کا غلط معیار

عام طور پر عوام میں مجربات کا ایک غلط معیار قائم ہے۔ یعنی کوئی دوا و غذا اور شے اگر کسی مرض میں استعمال کرا دینے کے بعد وہ مرض یا علامت رفع ہو جائے تو اس دوا و غذا اور شے کو مجرب خیال کر لیا جاتا ہے، لیکن حقیقت میں یہ ایک غلط معیار ہے۔ کیونکہ اس میں کوئی علمی و یقینی (سائنٹفک) صورت قائم نہیں ہے اور کہا نہیں جاسکتا کہ وہ مرض اور علامت کیوں اور کیسے رفع ہوئی۔

البتہ اگر ایسے مشاہدات سامنے آئیں تو ان ادویہ و اغذیہ اور اشیاء کو پھر مزید انہی امراض و علامات اور تندرست انسانوں پر تجربات کرنے چاہیں اور ان کی مختلف صورتوں میں نتائج کو یادداشت کے طور پر محفوظ کر لینا چاہئے۔ ممکن ہے کہ ان سے قیمتی فوائد اور نتائج حاصل ہوسکیں۔

مجربات کا علمی معیار

ہزاروں سالوں کی طبی تاریخ پر جن کی نظر ہے وہ جانتے ہیں کہ حکماء اور اطباء نے مجربات ہمیشہ انہی ادویہ و اغذا اور اشیاء کو کہا ہے جو اصولی اور قانونی طور پر بھی صحیح ہوتے ہیں۔ یعنی کیفیات و مزاج اور اخلاط کے مطابق درست ہوتے ہیں۔ یہی صورت آیورویدک اور ہومیوپیتھی اور فرنگی طب (ڈاکٹری) کی بھی ہے، آیورویدک میں وات و پت اور کف کو مدنظر رکھا جاتا ہے۔ ہومیوپیتھی میں ادویات کی تندرستی میں علامات حاصل کی جاتی ہیں۔ امراض کی حالت میں انہی علامات کے مطابق ادویات استعمال کرا دی جاتی ہیں۔ فرنگی طب (ڈاکٹری) میں جراثیم اور عناصر جسم کی کمی بیشی کو معیار بنایا جاتا ہے، اب دیکھنا یہ ہے کہ ان تمام طریقہ ہائے علاج میں حقیقت کے زیادہ قریب کونسا طریقہ ہے جو بالکل مطابق امراض مجربات پیش کرتا ہے۔

مجربات کی امراض سے مطابقت

مجربات کا کمال یہ ہے کہ وہ امراض کے ساتھ بالکل مطابقت رکھتے ہوں۔ جس قدر صحیح مطابقت ہوگی، اسی قدر جلد از جلد مرض رفع ہوگا اور مریض کی تکلیف دور ہوگی۔ لیکن صرف اس قدر بیان کر دینا کافی نہیں ہے کہ فلاں دوا و غذا اور شے فلاں مرض کے لئے مجرب اور یقینی مفید ہے۔ کیونکہ اہل علم و صاحبِ فن اطباء و حکماء خوب جانتے ہیں کہ کسی شے کے متعلق کہہ دینا کافی نہیں ہے۔ بلکہ جب تک مجربات اپنے معیار پر پورے نہ اتریں ان کو مجربات نہیں کہا جاسکتا۔ اس لئے مجربات کا صحیح معیار اور مطابقت کا جاننا از حد ضروری ہے۔

مجربات کا صحیح معیار اور مطابقت

امراض کی علامات کے ساتھ اُن کے اسباب کو بھی مدِنظر رکھنا ضروری ہے، یہ بھی دو قسم کے ہیں۔

اوّل-اسبابِ صحت: جن کو اسبابِ ستہ ضروریہ بھی کہتے ہیں۔

دوسرا-اسباب مرضہ: جن کی تفاصیل مبادیاتِ طب میں ملاحظہ فرمائیں۔ان کے علاوہ عمر، موسم، ملک اور عادات کو بھی مدنظر رکھنا پڑتا ہے۔ جو دواء وغذا و شے ان تمام صورتوں اور حالات کو پیش نظر رکھتے ہوئے مفید ثابت ہوں، بس وہی مجربات میں شامل ہوں گی۔ ورنہ ان کا استعمال کرنا مریض پر ظلم کرنا ہے۔

مجربات اور امراض میں مطابقت کی اہمیت

مطابقت کی اہمیت کا اندازہ اس طرح لگایا جاسکتا ہے کہ مرض کا نقشہ ذہن میں پیدا ہونے کے ساتھ ہی اس کے رفع کرنے والی دوا و غذاء اور شے کا تصور فوراً ذہن میں پیدا ہو جائے۔ مثلاً جب کوئی انسان کسی رسّی یا دھاگے کی گرہ باندھتا ہے تو اس گرہ کو کھولنے کا بھی اس کو علم ہوتا ہے۔گرہ کا کھولنا ہی اس گرہ باندھنے کی مطابقت ہے۔ دوسری صورت کیمیائی اعمال سے پیش کی جاسکتی ہے، جیسے آگ کا جلانا ایک عمل ہے تو اس آگ کا بجھانا اس کا ردّعمل ہے۔اس کا بجھانا پانی سے بھی ہوسکتا ہے اور مٹی سے بھی ہوسکتا ہے۔آگ بعض دفعہ پانی اور مٹی سے نہیں بجھتی تو اس کو کسی اور شے سے بجھانا پڑتا ہے، جو شے بھی اس آگ کو فوراً بجھادے وہی اس کا ردّعمل ہے۔اسی طرح سردی ہر شے کو بخ کر کے سکیڑ دیتی ہے۔اور پھر گرمی سے اس کا ردّعمل ہے۔یعنی وہ سکیڑ ختم ہو جاتا ہے یا سردی سے کوئی جاندار ٹھٹھر جاتا ہے تو اس کو گرمی پہنچا کر گرم کیا جاتا ہے۔ یہ گرمی اندرونی طور پر بھی پہنچائی جاتی ہے اور بیرونی طور پر بھی دی جاسکتی ہے۔اسی طرح ہر رطب و یابس کا بھی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ بعض بعض کے لئے ردّعمل ہیں۔

ان اعمال سے آگے بڑھیں تو ہم روزانہ زندگی میں دیکھتے ہیں، ہماری اغذیہ میں بعض کو ہم گرم کہتے ہیں اور بعض کو سرد۔ کیونکہ گرم اشیاء کھانے سے جہاں ہمارا جسم گرم ہو جاتا ہے وہاں سرد اشیاء کھانے سے جسم میں سردی کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔اسی طرح ہر رطب و یابس اپنا اثر رکھتا ہے۔

اور ذرا آگے بڑھیں تو ہم جانتے ہیں بعض اغذیہ اور اشیاء کے کھانے سے کبھی اسہال کی صورت ہو جاتی ہے کبھی قبض ہو جاتا ہے۔ بعض اغذیہ اور اشیاء سے پیشاب زیادہ آتا ہے، کبھی کم اور کبھی بند ہو جاتا ہے اور کبھی پیشاب میں جلن پیدا ہو جاتی ہے۔اسی طرح بعض اغذیہ اور اشیاء سے پسینہ آجاتا ہے اور کبھی قے ہو جاتی ہے۔غرض یہ روزانہ زندگی کے تجربات ہیں جو اکثر ہر شخص کو ہوتے ہیں۔

ان سے اگر آگے بڑھیں تو اطباء اور حکماء کے تجربات ہیں۔ یہ تجربات اغذیہ اور ادویہ اور دیگر ہر قسم کی اشیاء میں کئے جاتے ہیں۔مثلاً اس کے استعمال سے جسم انسانی پر جو کیفیات و حالات اور صورتیں پیدا ہوتی ہیں یعنی جسم و اعضاء کے افعال و اعمال میں کمی بیشی اور منہ کے ذائقے میں تبدیلی وغیرہ اسی طرح نفسیاتی اثرات کو مزید مدِنظر رکھا جاتا ہے۔ انہی کیفیات و حالات اور صورتوں میں جسم و اعضاء کے افعال و اعمال میں جو غیر طبی صورتیں اختیار کر لیتے ہیں ان کو امراض کا نام دے دیا جاتا ہے۔اسی طرح کسی مرض کی حالت میں کسی غذا، دوا اور شے کے استعمال سے اگر وہ رفع ہو جائے تو اس کو دوا کہہ دیتے ہیں، اگرچہ وہ صحت دینے والی شے غذا ہی کیوں نہ ہو۔ان ہی اقسام کے تجربات نے علم الامراض اور علم الادویہ پیدا کر دیا جو نہ اب دُنیا کے لئے مفید ہے، بلکہ انتہائی ضروری ہے۔

اطباء اور حکماء کے ان تجربات و مشاہدات میں سے زیادہ اہمیت ان کو ملی جو زیادہ سے زیادہ امراض و ادویات میں مطابقت رکھتے ہیں۔عوام و اشخاص اور اطباء و حکماء کے مشاہدات و تجربات میں یہی فرق ہے کہ اوّل الذکر کے تجربات و مشاہدات اور تصدیقات و یادداشت

ثانی الذکر کے مقابلے میں نہ علمی واصولی ہیں اور نہ قانون وقاعدے کے مطابق، اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اطباء وحکماء کے تجربات و مشاہدات اور تصدیقات و یادداشت میں ایک بڑی وسعت وتواتر اور تاریخی شہادت پائی جاتی ہے، اس لئے ان کا علم وفن تحقیقاتی اور افاداتی ہے، یہی صورت قابل اعتماد ہے۔

دوا کی تعریف

دوا ایک ایسا لفظ ہے جو موجوداتِ عالم میں ہر جاندار اور غیر جاندار پر عائد ہوتا ہے، ان اشیاء کو دُنیا یا مخلوقاتِ عالم کو طبی اصطلاح میں موالید ثلاثہ کہتے ہیں۔ اشیاء کی اس جماعت بندی سے جن سے اُن کو سمجھنے کے لئے کئی صورتوں سے آسانی ہوتی ہے:

اوّل- اُن کے خواص واثرات اور اجزاء کے تعین کی صورتیں سامنے آجاتی ہیں۔

دوسرے- نظریۂ ارتقاء کے تحت ان کی درجہ بندی ہوجاتی ہے۔

تیسرے- اعتدالِ حقیقی یا مزاج انسانی کے قریب کے افعال وفوائد کا علم ہوتا ہے۔ یہ موالید ثلاثہ تین صورتوں میں اس طرح تقسیم ہیں: (۱) معدنیات (۲) نباتات (۳) حیوانات۔

البتہ فوائد کے لحاظ سے ہم سب کو ادویات کہتے ہیں۔ دراصل علم ادویہ سے مراد وہی علم ہے جس کے ذریعہ اطباء وحکماء نے ادویات کے افعال وکیفیات اور اخلاط مؤثرہ کی تصدیق کی ہے۔ یعنی جس میں انسان کے اعضاء کے مشینی اعمال اور خون کے کیمیاوی اثرات کی تشریح اور توضیح ہے۔ حکماء یونان اور اسلام کو یہ فخر حاصل ہے کہ انہوں نے علم الادویہ میں تحقیقات اور تدقیقات کرنے میں اپنی عمریں گزار دی ہیں۔ انہوں نے ہزاروں کتب لکھیں جو آج بھی موجود اور شاہد ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ فرنگی طب میں آج جو علم الادویہ نظر آتا ہے وہ حکماء اسلام کا مرہونِ منت ہے اور نوے فیصد انہی کی تحقیقات اور تدقیقات ہمیں اُن کی کتب میں نظر آتی ہیں۔

موالید ثلاثہ کی تقسیم بالعلاج

حکما و اطبا نے موالید ثلاثہ کو افعال واثرات اور خواص کے تحت تین صورتوں میں تقسیم کردیا ہے: (۱) غذا (۲) دوا (۳) زہر۔

چونکہ مطلق غذا و مطلق دوا اور مطلق زہر کے علاوہ ایسی صورتیں بھی پائی جاتی ہیں جو ایک دوسرے سے مرکب ہوتی ہیں۔ اس لئے ان کی کل چھ صورتیں بن جاتی ہیں: (۱) مطلق غذا (۲) غذائے دوا (۳) دوا غذائی (۴) مطلق دوا (۵) دوائے زہر (۶) مطلق زہر۔ جن کی مختصر تشریح درج ذیل ہے۔

(۱) مطلق غذا: غذائے مطلق وہ شے ہے کہ جب بدن میں وارد ہوتی ہے تو بدن سے متاثر ہوکر متغیر ہوجاتی ہے۔ لیکن بدن میں کوئی تغیر پیدا نہیں کرتی۔ بلکہ خود جزوِ بدن ہوکر بدن کے مشابہ ہوجاتی ہے۔ مثلاً روٹی، گوشت اور دودھ۔

(۲) دوائے مطلق: وہ شے ہے جو بدن سے متاثر ہوکر بدن میں تغیر پیدا کرنے اور آخر کار جزوِ بدن ہوئے بغیر بدن سے خارج ہوجائے۔

(۳) سم مطلق: وہ شے جو خود تو بدن سے متغیر ومتاثر نہ ہو، لیکن بدن میں اپنا اثر وتغیر پیدا کر کے فساد کا باعث ہو۔ مثلاً سنکھیا اور سانپ وغیرہ زہر ہیں۔

(۴) غذائے دوائی: غذائے دوائی سے مراد وہ شے ہے جو بدن سے متاثر ہوکر متغیر ہوجائے اور اس کے بعد بدن کو متاثر ومتغیر کردے اور اس کا کچھ حصہ جزوِ بدن ہو اور زیادہ حصہ جزوِ بدن بنے یا کم حصہ جزوِ بدن بنے بغیر جسم سے خارج ہوجائے۔ جیسے پھل وغیرہ۔

(۵) دوائے غذائی: اس سے مراد وہ شے ہے جو بدن سے متاثر ہوکر متغیر ہوجائے اور اس کے بعد بدن کو متاثر ومتغیر کردے اور اس کا

کچھ حصہ جزوِ بدن ہو اور زیادہ حصہ جزوِ بدن بنے بغیر جسم سے خارج ہو جائے۔ جیسے میوہ جات اور گھی وغیرہ۔

(۶) **دوائے سمی:** وہ ہے جو بدن سے کم متاثر ہو اور بدن کو زیادہ متغیر کرے اور نقصان پہنچائے۔

ماکول ومشروب کے اثر کرنے کی صورتیں

کھانے پینے کی اشیاء کے اثر کرنے کی صورتیں یہ ہیں:

اگر کوئی شے فقط مادے سے اثر انداز ہو تو اُسے غذا کہتے ہیں۔ اگر وہ صرف کیفیت سے اثر کرے تو دوا ہے، اگر اس کا اثر مادے اور کیفیت دونوں کے لحاظ سے ہو تو اگر مادہ زیادہ ہے تو غذائے دوائی اور اگر کیفیت زیادہ ہے تو دوائے غذائی کہتے ہیں۔ اگر کوئی شے صرف اپنی صورت نوعیت سے اثر کرے تو اسے ذوالخاصہ کہتے ہیں جس کی دو صورتیں ہیں، اوّل ذوالخاصہ موافق (تریاق) اور دوسرے ذوالخاصہ مخالفہ ہو جیسے زہر، اگر مادہ اور صورت نوعیہ سے اثر کرے تو غذائے ذوالخاصہ اور اگر کیفیت اور صورت نوعیہ سے اثر کرے تو اس کو دوا ذوالخاصہ کہتے ہیں۔

غذا ودواء اور ذوالخاصہ کے اثر کی حقیقت

دُنیا کی اشیاء کو غذا ودواء اور ذوالخاصہ کی صورت میں تقسیم کر کے ان کے افعال واثرات اس طرح سمجھانے کی کوشش کی ہے کہ امراض اور علامات کے وقت ان کے مطابق اور موافق مزاج اور ضرورت استعمال کر سکے، اسی کا نام فارماکوپیا ''قرابادین'' ہے۔ اس لئے ہم اس حقیقت کو تحقیق کے ساتھ پیش کر رہے ہیں۔ بس یاد رکھیں! مطابق ضرورت اور موافق مزاج اشیاء کا استعمال کرنا ہی اس فن کا کمال ہے۔

غذا کی حقیقت

غذا کی جمع اغذیہ ہے۔ ہر شخص روزانہ کھاتا ہے اور اس کو خوب سمجھتا ہے اور طبی اصطلاح میں اس کی تعریف اس طرح کی جاتی ہے کہ غذا وہ شے ہے جو بدن میں اپنے مادہ کی وجہ سے اثر کرتی ہے۔ یعنی دوا کی طرح اس کا اثر اس طرح نہیں ہوتا کہ وہ بدن کو گرم یا سرد کرے بلکہ اس کا مادہ اور جسم انسانی بدن میں خون بن کر صرف ہو جاتا ہے اور اعضاء بن جاتا ہے۔ برخلاف ازیں دوا میں اس کا جسم انسانی بدن میں صرف نہیں ہوتا ہے۔ بدن میں صرف اس کی کیفیت یعنی گرمی اور سردی پیدا ہوتی ہے۔ اس کے بعد اس دوا کا جسم سے برائے پیشاب و پاخانہ اور سانس و پسینہ کا اخراج ہو جاتا ہے۔ اغذیہ کی تقسیم درج ذیل ہے تاکہ اس کے افعال واثرات آسانی سے ذہن نشین ہو سکیں۔

اغذیہ کے اقسام

اغذیہ کے دو اقسام ہیں: (۱) لطیف اغذیہ (۲) کثیف اغذیہ۔

لطیف اغذیہ: ایسی ہلکی اغذیہ جن سے رقیق خون پیدا ہو جیسے آبِ انار۔

کثیف اغذیہ: ایسی بوجھل اغذیہ جن سے غلیظ اور گاڑھا خون پیدا ہو۔ جیسے گائے کا گوشت اور بینگن وغیرہ۔

پھر ہر ایک کی دو صورتیں ہیں: (۱) صالح الکیموس (۲) فاسد الکیموس۔ اور پھر ہر ایک کی دو صورتیں ہیں، ایک کثیر الغذا دوسری قلیل الغذا۔ تعریف درج ذیل ہے۔

(۱) **صالح الکیموس:** ایسی اغذیہ جس سے جسم کے لئے بہترین خلط پیدا ہو جیسے بھیڑ کا گوشت اُبلا ہوا انڈا وغیرہ۔

(۲) فاسد الکیموس: ایسی اغذیہ جس سے ایسی غلیظ خلط پیدا ہو جو بدن کے لئے زیادہ مفید نہ ہو۔ نمکین سوکھی مچھلی اور مولی وغیرہ۔ کیموس کے معنی یونانی میں خلط کے ہیں۔

(۳) کثیر الغذاء: ایسی اغذیہ جن کا اکثر حصہ خون بن جائے، جیسے نیم برشت انڈے کی زردی۔

(۴) قلیل الغذاء: ایسی اغذیہ جن کا قلیل حصہ خون بن سکے جیسے پالک کا ساگ۔

غذائے لطیف وصالح الکیموس اور کثیر الغذا کی مثال زردی بیضہ نیم برشت اور ماء اللحم (یخنی) ہے۔

غذائے کثیف وفاسد الکیموس اور قلیل الغذاء کی مثال خشک گوشت، بینگن مسور اور باقلا ہیں۔

ادویہ کی حقیقت

ادویہ کی تعریف یہ کی گئی ہے کہ اُن کے استعمال سے کیفیات یعنی گرمی وسردی، تری وخشکی پیدا ہو۔ جیسے فلفل سیاہ وغیرہ اگرچہ غذا کے ساتھ کھائی جاتی ہیں، لیکن دراصل وہ ایک دوا ہے۔ افعال واثرات کے زیر اثر ادویات کی تقسیم درج ذیل ہے۔

ادویہ کی اقسام

ادویہ کی دو اقسام ہیں: (۱) لطیف ادویہ (۲) کثیف ادویہ۔

لطیف ادویہ: وہ ادویہ جن کے اجزاء جسم میں داخل ہونے کے بعد بہت جلد الگ ہو جائیں اور فوراً جسم میں جذب ہو جائیں۔

کثیف ادویہ: ایسی ادویہ جن کے اجزاء جسم میں داخل ہونے کے بعد جدا جدا نہ ہوں اور جسم میں فوراً جذب نہ ہوں۔ پھر ساتھ ہی ادویات کے درجے مقرر کئے گئے ہیں تاکہ ضرورت اور مزاج کے ساتھ پوری پوری مطابقت اور موافقت پیدا ہو سکے۔

درجات ادویہ:

جو ادویہ بھی استعمال کی جاتی ہیں وہ جسم انسان میں ایک ہی جیسی کیفیات پیدا نہیں کرتیں۔ ان میں سے بعض زیادہ گرم وسرد اور تر وخشک ہوتی ہیں اور بعض کم ہوتی ہیں۔ جن کی تفصیل درج ذیل ہے۔

دوائے معتدل: ایسی دوا جو جسم میں پہنچ کر کوئی زائد کیفیت پیدا نہ کرے، یعنی اس کی کیفیت جسم انسانی کے مزاج سے نہ بڑھے۔

دوائے درجہ اوّل: ایسی دوا جس کی گرمی یا سردی کا اثر بدن میں اس قدر تھوڑا ہو کہ وہ محسوس نہ ہو سکے۔

دوائے درجہ دوم: ایسی دوا جس کی گرمی یا سردی کا اثر بدن میں محسوس ہو مگر مضرت نہ پہنچا سکے۔

دوائے درجہ سوم: ایسی دوا جس کی گرمی یا سردی کا اثر بدن میں یہاں تک ہو کہ وہ مضر ہو، مگر مہلک نہ ہو۔

دوائے درجہ چہارم: ایسی دوا جس کی گرمی یا سردی کا اثر بدن میں اس حد تک ہو کہ وہ مہلک ثابت ہو۔

ذوالخاصہ

اشیاء کی اس صورت کا سمجھنا نہایت اہم ہے، کیونکہ مختلف مزاج اور ہم مزاج ادویہ کو صرف اسی ایک صورت ہی سے سمجھا جا سکتا ہے۔ جاننا چاہئے کہ ذوالخاصہ کا اثر نہ مادہ وجسم اور نہ کیفیات کی وجہ سے ہوتا ہے بلکہ یہ اثر اس کی حقیقت کے ساتھ مخصوص ہے، اس کو دوا کی صورت نوعیہ کہتے ہیں۔ ہر دوا اپنی الگ ایک صورت نوعیہ رکھتی ہے جیسے سانپ اور بچھو کے کاٹنے سے بدن میں جو اثر ہوتا ہے اور انسان

ہلاک ہو جاتا ہے یہ اثر نہ کیفیت (گرمی، سردی اور تری و خشکی) کی وجہ سے ہوتا ہے اور نہ مادہ اور جسم سے ہو سکتا ہے۔ کیونکہ ان دونوں زہریلے جانوروں کا اثر اگر گرمی یا سردی کی وجہ سے مان لیا جائے تو چاہئے کہ آگ اور پانی کی وجہ سے بھی یہی اثر پیدا ہو جائے۔ کیونکہ آگ سے زیادہ کوئی چیز گرم نہیں ہے اور پانی سے زیادہ کوئی شے سرد نہیں ہے۔ بلکہ ان زہریلے جانوروں کی نسبت آگ اور پانی سے زیادہ اثر ہونا چاہئے۔ کیونکہ ان میں گرمی و سردی ان دونوں جانوروں سے زیادہ ہوتی ہے۔ اس لئے جانوروں کے اثر کو نہ دوا کا اثر کہہ سکتے ہیں اور نہ غذا کے افعال۔ کیونکہ غذا تو کسی صورت سے زہر ہو ہی نہیں سکتی، اسی وجہ سے ماننا پڑتا ہے کہ کیفیت اور مادہ کے علاوہ کوئی تیسری چیز بھی ہے جو اثر کرتی ہے، یہ وہی صورت نوعیہ ہے جس سے ہر چیز کی ماہیت بنتی ہے۔ جس کی وجہ سے ہم سانپ کو سانپ اور بچھو کو بچھو کہتے اور سمجھتے ہیں اور اس قسم کی چیزوں کو جن کا اثر کیفیت اور مادے سے نہیں ہوتا ہے بلکہ اس کی خاص ماہیت اور صورتِ نوعیہ کی وجہ سے ہوتا ہے، ذوالخاصہ کہتے ہیں۔

یہ تعریفیں غذائے مطلق، دوائے مطلق اور ذوالخاصہ مطلق کی ہیں۔ مگر بعض چیزوں میں دوائیت و غذائیت دونوں ہوتی ہیں۔ یعنی اُن کا اثر کیفیات اور مادہ دونوں سے ہوتا ہے۔ مثلاً بدن میں گرمی و سردی بھی پیدا کرتی ہے اور بدن کی غذا بن کر پرورش بدنی میں صرف ہوتی ہیں۔ جیسے مغز بادام کہ اس سے گرمی بھی پیدا ہوتی ہے اور خون بھی بنتا ہے۔ بعض چیزوں میں دوائیت، غذائیت اور خاصیت تینوں ہوتی ہیں، یعنی ان سے تینوں قسم کے اثرات ظاہر ہوتے ہیں۔ جیسے شراب کہ اس سے گرمی بھی پیدا ہوتی ہے، خون بھی بنتا ہے اور اس کی خاصیت سے تفریح اور خوشی بھی پیدا ہوتی ہے، اس طرح بعض چیزوں میں دوائیت اور خاصیت اور بعض چیزوں میں غذائیت اور خاصیت ہوتی ہے۔ اس وقت ان کے نام دوائے ذوالخاصہ اور غذائے ذوالخاصہ ہوں گے۔ اسی طرح اگر تینوں چیزیں اکٹھی پائی جائیں تو غذائے دوائی ذوالخاصہ نام ہوگا۔ البتہ ان میں جو شے اپنی مقدار میں زیادہ ہوگی اس کا نام مقدم رکھا جاتا ہے۔

غذا و دوا اور ذوالخاصہ کے اعمال کا فرق

غذا کا فعل و اثر دراصل فاعلی اور موثرہ نہیں ہے بلکہ مفعولی اور متاثرہ ہے۔ یعنی مشینی اثر نہیں ہوتا بلکہ کیمیائی اثر ہوتا ہے۔ چونکہ اس سے بدن میں تغذیہ و تنقیہ اور افزائش و بدل ما یتحلل ہوتا ہے۔ اس کو غذا کا اثر ہی کہنا چاہئے۔ غذا اور دوا کے اثرات کے فرق پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ غذا کیفیت سے خالی ہوتی ہے اور یہ اپنے مادہ ہی سے اثر کرتی ہے۔ حالانکہ گوشت اور روٹی وغیرہ سے خون پیدا ہوتا ہے اور یہ حقیقت ہے کہ اس کا مزاج گرم تو ہے اسی طرح دیگر اقسام کی اغذیہ بھی اپنا مزاج رکھتی ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ غذا جو خون میں تبدیل ہو جاتی ہے تو اس کی صورت نوعیہ قائم نہیں رہتی اور دوا سے جو کیفیت پیدا ہوتی ہے اس میں دوا کی صورت نوعیہ قائم رہتی ہے۔ جس سے اس کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ دوا کے کیفیاتی اثرات اور غذا کے مادی اثرات کے فرق کو سمجھنے کے لئے دوائے معتدل کے اثرات کو ذہن نشین کر لینے سے پوری طرح کیفیت اور مادہ کے اثرات کو سمجھا جا سکتا ہے کہ دوائے معتدل جب جزوِ بدن ہو کر بدن کی حرارتِ غریزی سے متاثر ہوتی ہے اور اجزاء کی قوتِ ہاضمہ سے اس کے اجزاء جزو بدن ہو جاتے ہیں تو بدن انسان میں ایک ایسی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے جو مزاجِ انسانی سے کسی طرح خارج نہیں ہوتی۔ اس لئے اس سے بدن میں کوئی ایسا اثر پیدا نہیں ہوتا جو اعتدال سے خارج معلوم ہو۔ اس لئے اس کو دوا معتدل کہتے ہیں۔

دوائے معتدل کے معنی یہ نہیں ہیں کہ اس کی کیفیات اپنے مزاج میں برابر برابر ہوں گی، ایسا تصور علم طب و حکمت کیا دنیا کی کسی

سائنس میں نہیں پایا جاتا۔ ہر دوائے معتدل اپنے اندر جو کیفیات رکھتی ہے، ان میں کمی بیشی ضرور ہوتی ہے۔ مگر مزاج انسانی کے قریب ہوتی ہے اور اس سے بڑھتی بھی نہیں ہے۔ یہی اثر غذا اور مادے کے اثرات میں پایا جاتا ہے۔ یعنی اس میں بھی کیفیات موجود ہیں۔ لیکن ان کے اثرات دوا کی طرح مزاج انسانی سے خارج نہیں ہیں۔ ثابت ہوا کہ ہر غذا اور مادہ میں کیفیات موجود ہیں۔ اس لئے ان کے مزاج لکھے جاتے ہیں اور انسانوں کو بھی ضرورت کے وقت اُن کے مزاج کے مطابق ادویات استعمال کرائی جاتی ہیں۔ ایسا ہرگز نہیں ہے کہ ہر مرض میں ہر قسم کی ادویات استعمال کرادی جائیں اور وہ نقصان رساں نہ ہوں۔

ہم انسان کو جس قدر بھی غذا کھلا دیں اس کی کیفیات انسانی مزاج سے بہت ہی کم و بیش تغیر پذیر ہوتی ہیں، بس یہی غذا و دوا کا فرق ہے۔ لیکن ہم کسی غذا کو مسلسل استعمال کرائیں تو اس کا نمایاں مزاج انسانی میں تغیر پیدا ہو جاتا ہے۔ جس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ اول خالص اور مطلق غذا مثلاً گوشت روٹی اور دودھ وغیرہ بہت کم پائی جاتی ہے، اکثر اغذیہ اپنے اندر دوائی اثرات رکھتی ہیں اور جو خالص اور مطلق اغذیہ ہیں جب ان کا تجربہ کیا جاتا ہے تو اس کے دوائیہ اثرات نمایاں پائے جاتے ہیں۔ مثلاً دودھ ایک لطیف غذا ہے۔ لیکن اس میں روغن و پنیر اور مٹھاس و پانی شامل ہیں۔ جن کے ذاتی اثرات ہیں لیکن وہ سب مرکب قویٰ ہونے کی وجہ سے اپنے اثرات میں نمایاں نہیں ہوتے، بہر حال اثر ضرور رکھتے ہیں، اس لئے ہر غذا ہر دوا کی طرح اپنی ایک صورت نوعیہ رکھتی ہے اور اس کا اپنا ایک جدا اثر ہے جو اس کا ذوالخاصہ ہے۔ اس لئے علاج میں ادویہ کے ساتھ اغذیہ کے مزاج کو بھی مدِ نظر رکھنا پڑتا ہے۔ اگرچہ ان کا اثر ادویہ سے فوقیت حاصل نہیں کرسکتا ہے۔ بعض کم فہم فرنگی اطباء نے کیفیت اغذیہ کا مسئلہ اس طرح حل کرنے کی کوشش کی ہے کہ اس کی ایک جدید قسم کی تعریف کرتی ہے کہ ادویہ، بدن کے اندر ایک نئی کیفیت پیدا کرتی ہیں، یعنی بدن کی کیفیت مرضیہ کو زائل کر کے صحت پیدا کر دیتی ہیں، اسی کا نام انہوں نے ''حصولِ شفا'' رکھا ہے۔ اس نئی تعریف سے وہ دوا کی کیفیت اور غذا کے مادی اثرات سے مناقشات پیدا ہوتے ہیں، جن کو ہم نے حل کر دیا ہے۔ اپنا دامن پاک کرنا چاہتے ہیں۔ وہ لوگ یاد رکھیں کہ اس طرح فن ترقی نہیں کرسکتا بلکہ ذلیل ہو جاتا ہے۔ فرنگی طب کی پیروی کرنے کی بجائے اپنے فن کو اس کی اپنی قدروں وقاعدوں اور اصول وقوانین پر بھنا چاہئے، اسی میں فن کی ترقی ہے۔

اغذیہ و ادویہ اور ذوالخاصہ کے اثرات

جس طرح اغذیہ اور ادویہ معتدل کو جس قدر بھی زیادہ استعمال کرایا جائے وہ اپنے اثرات اور حدود وافعال سے آگے بڑھتی نہیں، اسی طرح چاروں درجہ کی ادویات اپنے اپنے درجات سے بڑھ کر سمی ادویات میں تبدیل نہیں ہوسکتیں۔ مثلاً چوتھے درجے کی ادویات بیشک دوائے سمی کہلاتی ہیں لیکن سم مطلق نہیں کہلاتیں۔ ان کا فرق ان کے اعمال اور اثرات سے ظاہر ہے۔ یعنی دوائے سمی کا عمل واثر ہمیشہ کیفیات سے صادر ہوتا ہے اور سم مطلق کا عمل واثر اس کی صورت نوعیہ یعنی بالخاصہ ہوتا ہے۔ اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ سم مطلق میں کیفیات نہیں پائی جاتیں۔ لیکن ان کی صورتِ نوعیہ کا اثر اس قدر شدید ہے کہ کیفیات کے اثرات کے اظہار کے بغیر وہ اپنے ہی اعمال واثرات اپنے افعال انجام دیتی ہیں۔ مثلاً جمالگوٹہ چوتھے درجے کی دوا ہے وہ اس کو دوائے سمی کہتے ہیں لیکن وہ سم مطلق نہیں ہے۔ کیونکہ جمالگوٹہ کا اثر اس وقت تک جسم پر نہیں ہوتا جب تک وہ جسم میں اپنی کیفیت سے شدت نہ پیدا کر دے۔ لیکن اس کے مقابلے میں سنکھیا سم مطلق ہے۔ جب یہ اپنی زہریلی مقدار میں استعمال کیا جائے تو فوراً موت واقع ہو جاتی ہے۔ لیکن جہاں تک اس کی کیفیت کا تعلق ہے، اس کی صورت جمالگوٹہ کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں ہوتی۔ بلکہ تجربہ نے یہ بتایا ہے کہ سنکھیا کے زہر سے جسم میں شدید سوزش تو ضرور پیدا ہو جاتی ہے لیکن جہاں تک

حرارت کا تعلق ہے جسم میں پہلے سے بھی کم ہو جاتی ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ جب سنکھیا کو اپنی مقدار خوراک میں استعمال کرایا جائے تو جسم سرد ہو جاتا ہے اور بخار اُتر جاتا ہے۔ ہر شخص تجربہ کر سکتا ہے۔ یہی صورتیں کافور اور افیون میں دیکھی جاسکتی ہیں۔

نتیجۂ اثراتِ اشیاء

اس تحقیقات سے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ یہ اپنے مادہ کی وجہ سے جسم سے متغیر و متاثر ہو کر جب خون میں کیمیاوی طور پر مل جاتی ہیں تو خون سے اُن کے اثرات و افعال کا اظہار ہوتا ہے اور ادویہ اپنی مخصوص کیفیات کی وجہ سے جسم سے متاثر تو ضرور ہوتی ہیں، لیکن متغیر ہوئے بغیر مشینی طور پر اعضاء انسانی پر اثر انداز ہو کر ان میں افعال و اعمال میں تیزی پیدا کر دیتی ہیں جن سے جسم میں مشینی طور پر اور خون میں کیمیاوی طور پر غیر معمولی اثرات رونما ہو جاتے ہیں اور ادویہ جب تک جسم سے اخراج نہیں پاتیں، اس وقت تک اثر جاری رہتا ہے۔ سمیات (زہر) اپنی صورت نوعیہ سے بالخاصہ طور پر جسم سے بالکل متاثر نہیں ہوتیں بلکہ ان اعضاء میں ایسا غیر معمولی طور پر تغیر پیدا کر دیتی ہیں کہ موت واقع ہو جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے بعض زہر آناً فاناً موت کا باعث ہو جاتے ہیں۔

اثراتِ اشیاء کی اقسام:

اس طرح ہم کو اشیاء کے تین قسم کے اثرات تسلیم کرنے پڑیں گے:

اوّل: وہ اشیاء جن کا اثر خون میں شامل ہونے کے بعد ہوگا، جیسے اغذیہ وغیرہ۔

دوسرے: ایسی اشیاء جن کا اثر پہلے اعضائے جسم پر ہوتا ہے، اس کے بعد اُن کا اثر خون میں شامل ہو جاتا ہے، جیسے ادویہ وغیرہ۔

تیسرے: ایسی اشیاء جن کا اثر صرف اعضاء تک ہی محدود رہتا ہے اور پھر فوراً موت موقع ہو جاتی ہے، جیسے زہر وغیرہ۔ یہ الگ بات ہے کہ ہم زہروں کو تجربات کے بعد اُن کی غیر سمی خوراکوں میں استعمال کر کے فائدہ اٹھا لیں۔ البتہ ان کی شرکت سمیات ہی میں ہوگی۔

اثرات بالفعل اور بالقویٰ

یہ تینوں صورتیں دراصل دو حالتوں میں تقسیم ہو سکتی ہیں۔

(۱) **عضوی اثرات**: جن کو مشینی اثرات بھی کہتے ہیں، ان کو حکماء نے اثراتِ بالفعل لکھا ہے۔ یعنی اعضاء کے ساتھ مس ہونے پر ہی دوا کے اثرات شروع ہو جاتے ہیں۔

(۲) **خلطی اثرات**: جن کو کیمیاوی اثرات بھی کہتے ہیں، ان کو حکماء نے اثرات بالقویٰ لکھا ہے، یعنی خون میں اشیاء کے شریک ہونے پر اپنے اثرات ظاہر کرتی ہیں۔ ان کو تاثر اولیٰ (بالفعل) اور تاثیر ثانی (بالقویٰ) بھی کہہ سکتے ہیں۔ انہیں صورتوں کو ہومیوپیتھی میں ایکشن اینڈ ری ایکشن (عمل ردِ عمل کہتے ہیں)۔ قرآنِ حکیم نے اس کے لئے ''دین لما'' ایک لفظ استعمال کر دیا ہے۔ جس کے معنی جزاء و سزا یعنی عمل و ردِ عمل کے ہیں جس کی تفصیل طویل ہے۔ زندگی بخیر پھر کسی موقعہ پر معہ تمثیلات لکھوں گا۔ جن سے طب قرآن پر روشنی پڑتی ہے۔

ادویات کے اثرات بالاعضاء

ان حقائق سے ثابت ہوا کہ ہر شے جو جسم انسانی میں داخل ہوتی ہے یا اس پر اثر انداز ہوتی ہے وہ کم و بیش اجزائے جسم پر پہلے ضرور اثر انداز ہوتی ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ اغذیہ کے اثرات عادت یا برداشت کی وجہ سے اکثر غیر محسوس ہوتے ہیں (کیونکہ غیر عادی

غیر برداشت اغذیہ کا ضرور عضوی اثر محسوس ہوتا ہے)۔اسی طرح ادویہ معتدلہ کے اثرات بھی تقریباً غیر محسوس ہوتے ہیں، یعنی اغذیہ اور ادویہ معتدلہ کے کھانے اور ہضم ہونے تک تقریباً اور اکثر غیر محسوس رہتے ہیں۔ متغیر و استحالہ اور ہضم و جزو بدن ہونے پر ان کے اثرات کا اظہار ہوتا ہے لیکن تیز اور شدید اشیاء ادویہ اور زہر اپنا اثر استعمال کے ساتھ ہی اعضائے جسم پر ظاہر کرنا شروع کر دیتی ہیں۔ جہاں پر بھی اثر ہوتا ہے اس کا اظہار طبیعت جسم انسانی اس کے غیر معمولی اثرات کے مقابلے سے ظاہر کرتی ہے یعنی اُن کے استعمال سے وہاں پر افراط و تفریط یا ضعف و تحلیل واقع ہو جاتا ہے، یہ تیزی و سوزش تسکین و تخدیر، بخار، ورم و ضعف تحلیل یا دیگر قسم کے اثرات وغیرہ وغیرہ۔ طبیعتِ جسم کا احساس افعال اثراتِ ادویہ ہے یا ادویہ کے اعمال اثرات کا مقابلہ ہے۔ ادویہ کے استعمال کا کمال یہ ہے کہ جسم کے جس عضو کے لئے دوا استعمال کی جائے وہ دوا اسی عضو پر اثر انداز ہو کر اپنے افعال و اعمال کا اظہار کرے۔ یہی معالج کا افعال و خواص اور اثراتِ ادویہ کا کمال جاننا ہے، اسی میں ادویہ کی مقدار خوراک کا بھی راز ہے۔ اور اسی میں شفاء کے اسرار و رموز بھی پنہاں ہیں۔ ہومیو پیتھی ادویہ میں انداز تقلیل کے تحت قلیل در قلیل ادویہ استعمال کرنا بھی ادویات کے اثرات و افعال اور مقابلے کے خواص اعضاء تک پہنچانا ہے۔

تجویز ادویہ اور اغذیہ

چونکہ اعضاء جسم کے افعال کیفیات و مزاج اور اخلاط کے تحت قائم ہیں، اس لئے جب جسم کے اعضاء کی کیفیات و مزاج اور اخلاط اپنے اعتدال پر قائم نہیں رہتے اُن کا اثر اندرونی طور پر ہو یا بیرونی طور پر تو اس وقت اُن کے افعال بگڑ جاتے ہیں۔ بس اسی حالت کا نام مرض ہے جو ادویہ اور اغذیہ جسم کے غیر معتدل اجزاء کی کیفیات و مزاج اور اخلاط کو درست کر کے اُن کے افعال کو اعتدال پر قائم کر دیں گے بس مرض رفع ہو جائے گا۔ بس اسی عمل کا نام فن علاج ہے۔

مجربات کی حقیقت

مرض اور علاج کی تعریف کے بعد مجربات کا سمجھنا کچھ مشکل نہیں ہے۔ یعنی جو مفرد یا مرکب دوا انسانی جسم کی غیر طبعی حالت کو دور کر دے اور بار بار تجربات و مشاہدات کے بعد اس کا نتیجہ سو فیصدی درست نکلے بس وہی مجرب دوا ہے۔ البتہ معالج کے لئے یہ امر لازم آتا ہے کہ وہ مجرب دوا جسم انسان کے مرض و علامات اور مزاج کے ساتھ مطابقت و موافقت قائم کر سکے۔ جو شخص ایسا کرنے کی قابلیت رکھتا ہے بس وہی معالج ہے۔ اس امر کو ذہن نشین کر لیں کہ سوائے معالج کے ہر شخص امراض کے لئے مجربات تجویز نہیں کر سکتا۔ کیونکہ معالج کے لئے لازم ہوتا ہے کہ انسانی جسم کی حقیقت و تشریح افعال و رموز، امراض و مزاج اور علامات و اسباب سے پورے طور پر آگاہ رہے۔ ایک ناواقف علم و فن شخص کے لئے مشکل ہے کہ وہ معالج کے فرائض ادا کرتے ہوئے امراض کے لئے کوئی مجرب نسخہ استعمال کر سکے۔ یہی وجہ ہے کہ معمولی قسم کے شُد بدھ رکھنے والے دوا فروش یا دوا ساز یا غلط فہمی سے اپنے آپ کو معالج سمجھنے والے استاذانِ فن اور امامِ طب کے مجربات سے بھی مستفید نہیں ہو سکتے۔ ہمیشہ یہی شکایت کرتے سنا ہے کہ فلاں نسخہ بھی استعمال کیا تھا مگر مفید نہیں اور فلاں اکسیر اور فلاں تریاق یونہی بے معنی ہیں۔ حقیقت یہ ہوتی ہے کہ ان کو نہ تریاق کے معنی آتے ہیں اور نہ ہی اکسیر کا علم ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے جوع المجربات کا مرض آج کل بڑھا ہوا ہے۔ ایسے ہی لوگ ہیں جو اپنے طریق علاج کے مجربات چھوڑ کر کبھی فرنگی طب کے مجربات استعمال کرتے ہیں اور کبھی ہومیو پیتھی کا سہارا لیتے ہیں۔ لیکن سچ تو یہ ہے کہ ایسے غیر معالج (کیونکہ ان کو معالج کہنا غلط ہے) ہمیشہ ناکام رہے ہیں۔

مجربات کے صحیح استعمال کا راز

یہ تو حقیقت ہے کہ مجربات اسی صورت میں یقینی بے خطا مفید ہو سکتے ہیں جب اُن کو صحیح مقام پر استعمال کیا جائے، یہ ہم لکھ چکے ہیں کہ مجربات کو معالج ہی صحیح طریق پر استعمال کر سکتا ہے، وہ علم طب اور فن علاج سے واقف ہوتا ہے کیونکہ مرض و مزاج اور علامات و اسباب کے ساتھ مجربات کے افعال و اثرات اور خواص اس کے تحت شعور حاضر ہوتے ہیں اس لئے حالات کے مطابق معالج کا حدث اور ذہن سرعت فوراً موافق مجرب دوا، غذا اور تدبیر تجویز کر دیتے ہیں۔ جس کا نتیجہ یقینی بے خطا شفا ہوتی ہے۔

مجربات میں سے کوئی نسخہ تجویز کرنے سے قبل ذیل کی صورت کو مدِ نظر رکھنا ضروری ہے، یعنی اُن کے مجربات کے ساتھ مطابقت ہونا ضروری ہے: ① مرض کی ماہیت ② مرض کا مزاج ③ علامات ④ اسباب ⑤ کیفیت اخلاط یعنی خون کی کیمیاوی صورت ⑥ مریض کی عمر و عادات ⑦ علاقہ اور موسم ⑧ مریض کی غذائی زندگی ⑨ نفسیاتی اثرات ⑩ کسی دوا یا نشے کا عادی ہونا۔

زہروں کے استعمال سے دور رہیں

ان دس احکام کو مدنظر رکھتے ہوئے ایسی مجرب دوا تجویز کریں جو ان سب پر حاوی ہو۔ اوّل کوشش کریں کہ کسی غذا کے استعمال یا ترک سے یہ تمام صورتیں اس میں پوری ہو جائیں یا بعض اغذیہ میں تبدیلی سے یہ مقصد حاصل ہو جائے، اگر ایسا نہ ہو تو کسی مفرد مجرب دوا سے فائدہ حاصل کریں۔ اگر ایسا بھی ممکن نہ ہو تو مجرب مرکب دوا سے علاج کریں۔ اس میں یہ بھی کوشش ہو کہ دوائیں دو تین حد پانچ چھ سے زائد نہ ہوں اور سب سے زیادہ اس امر کو مدِ نظر رکھیں کہ ادویہ میں سمیات، مخدرات اور کشتہ جات سے دور رہیں، ان کا استعمال انتہائی اشد ضرورت کے وقت کریں۔ جب کوئی دوسری دوا اور غذا ان صورتوں پر حاوی نہ ہو، کیونکہ ان کے استعمال میں بعض سخت قسم کی پابندیاں بھی ہیں، مثلاً سمیات کو دوا کی صورت میں صرف ماہر فن ہی تیار کر سکتا ہے۔ مخدرات کے ساتھ دودھ کی ایک بڑی مقدار لازم ہے اور کشتہ جات کے ساتھ گھی اور مکھن کا استعمال بے حد ضروری ہے بلکہ ان ہی اشیاء کے ساتھ استعمال کرانا لازمی قرار دیا گیا ہے اور سب سے ضروری بات یہ ہے کہ ان شدید اور زہریلی ادویات کی خوراک زیادہ لمبے عرصے کے بعد دینی چاہئے اور ہر خوراک کا اثر دیکھنے کے بعد دوسری خوراک استعمال کرنے کی اجازت ہے کیونکہ مضر علامات کے بعد ان کا استعمال کرنا نقصان کا باعث ہوتا ہے۔ مثلاً بیش ایک زہر ہلاہل ہے، عام طور پر بخار اتارنے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ اس کی تین چار بلکہ بعض وقت ایک ہی خوراک سے بخار اُتر جاتا ہے، اس لئے اوّل اس کا استعمال ناجائز ہے، کیونکہ سینکڑوں دیگر ادویات اس کے قائم مقام استعمال کی جا سکتی ہیں۔ یہ امر بھی یاد رکھیں کہ کوئی بھی دوا ایسی نہیں ہوتی جو کسی واحد علامت کے لئے استعمال کی جا سکے جب تک کوئی مفرد یا مرکب دوا مندرجہ بالا دس احکام کو پورا نہ کرے اس کا استعمال بالکل ناجائز ہے۔

آیورویدک میں مجربات کا استعمال

آیورویدک میں امراض کی بنیاد دوش و پرکرتی اور افعالِ جسم پر رکھی گئی ہے۔ وات پات اور کف یہ تین دوش (اخلاط صالح) ہیں وہ جب تک پرکرتی (مزاج) کے مطابق بنے رہتے ہیں۔ جسم کے افعال کو صحیح قائم رکھتے ہیں، اور جب خراب ہو جاتے ہیں، جسم میں امراض پیدا ہو جاتے ہیں جس کی تین صورتیں ہیں:

① ان دوشوں کی پرکرتی خراب ہو جاتی ہے۔

② دوشوں میں مقدار کے لحاظ سے کمی بیشی واقع ہو جاتی ہے۔

③ دوش اپنے مقام بدل جاتے ہیں۔

مثلاً پت کا مقام جگر ہے لیکن وہاں پر کف یا وات کی زیادتی ہو جائے۔ اسی طرح کف کا مقام دماغ ہے، وہاں برودت یا پت کی زیادتی ہو جائے، اسی طرح وات کا مقام قلب ہے وہاں کف یا پت کی زیادتی ہو جائے، ان کا نتیجہ مرض ہوتا ہے۔

پت (صفرا) جس کو گرم کہتے ہیں وات (ریاح) جس کا مزاج خشک ہے اور کف جس کو (تر) کہا جاتا ہے یہ کسی حالت میں مفرد نہیں پائے جاتے ہمیشہ مرکب صورت میں رہتے ہیں اگر ان میں سے کوئی ایک کم ہو جاتا ہے تو دوسرا بڑھ جاتا ہے کبھی دو زیادہ ہو جاتے ہیں اور تیسرا کم ہو جاتا ہے۔ اسی طرح یہ اپنے مزاج قائم کرتے ہیں۔ مثلاً پت وات، گرم خشک اور پت کف گرم تر وغیرہ وغیرہ۔

علاج کی صورت میں وات پت اور کف کی پرکرتی درست کی جاتی ہے یا اُن کی کمی بیشی پوری کی جاتی ہے یا ان کو اپنے مقام پر قائم کیا جاتا ہے۔ جس کے ساتھ ہی جسم کے افعال درست ہو جاتے ہیں، مگر آج کل کے وید دوشوں کے اعمال سے پورے طور پر واقف نہیں ہیں۔ وہ صرف امراض کے نام کو سنتے ہیں جسم کے افعال کی خرابی کے مطابق نام لئے گئے ہیں اور ان کے متعلق تیار شدہ ادویات دے دیتے ہیں اور فن کو بدنام کرتے ہیں۔

جاننا چاہیئے کہ آیورویدک ایک باقاعدہ اور اصولی طریق علاج ہے جو منظم طور پر قوانین کے ماتحت کام کرتا ہے اس میں تمام امراض اور علامات اور اسباب دوشوں کے ماتحت قائم کر دیئے گئے ہیں اور انہی کے ساتھ اُن کو سمجھا اور علاج کیا جا سکتا ہے، مثلاً دردِ سر کوئی مرض نہیں ہے۔ جب تک دردِ سر کفی وغیرہ نہ کہا جائے گویا افعالِ جسم کے بگاڑ کو دوشوں کے ساتھ ہی سمجھا جا سکتا ہے اور یہی اس کا کمال ہے۔

ہومیوپیتھی میں مجربات کا استعمال

ہومیوپیتھک میں علامات کے تحت علاج کیا جاتا ہے۔ جہاں تک اس کی علامات کا تعلق ہے وہ باقاعدہ (سسٹومیٹک) وعلمی (سائنٹفک) اور قوانین (لاز) کے تحت حاصل کی جاتی ہیں۔ یعنی تندرست انسان کو ادویات زیادہ سے زیادہ مقدار میں دے کر جو علامات پیدا ہوتی ہیں مریض میں جب ایسی علامات پائی جاتی ہیں تو انہیں ادویات کو قلیل مقدار میں دیا جاتا ہے۔

ان علامات میں کیفیاتی ونفسیاتی صورتیں...... ماضی یا سابقہ حالات...... حرکت وسکون کے اعمال...... مقام واوقات...... عمر وعادات...... شدت وضعف وغیر وغیرہ، تمام باتوں کو مدنظر رکھا جاتا ہے۔ اس طرح مریض کے تمام حالات سامنے آ جاتے ہیں اور علاج میں یقینی بے خطا صورتیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ ہومیوپیتھک کی ہر مفرد دوا علامات کے تحت ایک مجرب دوا ہے اور یہی اس کا کمال ہے۔

جو لوگ صحیح معنوں میں ہومیوپیتھک نہیں ہیں انہوں نے علامات کو نظر انداز کر کے امراض کے تحت علاج کرنا شروع کر دیا ہے بلکہ آج کل کی ہومیوپیتھی کتب میں بھی یہ صورتیں نظر آتی ہیں۔ مثلاً بخاروں کے نام مقرر کر دیتے ہیں، جیسے ٹی بی، ٹائیفائیڈ اور ملیریا وغیرہ اور ان کے تحت ادویات لکھ دی ہیں، یہ صورتیں ہومیوپیتھک قانون کے خلاف ہیں۔ بخار کی حرارت ایک علامت ہے، اس کے ساتھ باقی علامات لے کر علاج کیا جا سکتا ہے، اسی طرح نزلہ، کھانسی، دمہ، نمونیہ، پلورسی، قبض، بواسیر، استسقاء، ذیابیطس، جریان، احتلام اور ضعف باہ، فالج اور ضعفِ دل و دماغ وغیرہ دیگر اعضاء جسم کے ضعف وغیرہ امراض وعلامات کو قائم کر کے ان کے نیچے ادویات لکھ دی ہیں۔ یہ سب کچھ اصول ہومیوپیتھی کے بالکل منافی ہیں۔ اسی طرح ہومیوپیتھی میں جسم انسان کی تمام علامات کو سفلس وسورا اور سائیکوسس میں تقسیم کر دیا گیا ہے مگر ہومیوپیتھ علامات لیتے وقت ان کو بالکل مدِنظر نہیں رکھتے۔ بلکہ ملی جلی علامات لے کر علاج کرتے ہیں۔ جس میں ہمیشہ غلطیاں واقع ہوتی ہیں۔ علامات لینے میں ایکشن کی علامات کو ری ایکشن میں ملا دیا جاتا ہے جو سخت غلطی ہے۔ یہ سب تفصیل طلب ہیں۔

فرنگی طب (ڈاکٹری) بے اُصولا اور عطائیانہ طریق علاج ہے

فارما کوپیا کی حقیقت

فارما کوپیا (Pharmacopeia) کا تعلق فارمیسی (Pharmacy) سے ہے جس کے معنی ہیں ادویات کو قابل استعمال بنانا۔ یعنی ادویات آپس میں کس طور سے ملائی جاتی ہیں اور ان کے مرکبات کیسے تیار کئے جاتے ہیں۔ فارمیسی دراصل میٹریا میڈیکا کا ایک صیغہ ہے۔ میٹریا میڈیکا کا ایک صیغہ میٹریا میڈیکا خاص (Materic Medica Proper) ہے۔ اس کا فارمیسی کی نسبت سے ایک نام فارمے کوگ ناسی (Pharmecognosy) بھی کہتے ہیں۔ علم الادویہ کے اس صیغہ سے مراد اس کے منابع (Kingdom) اور ان کے طریقہ پیدائش اور طبعی و کیمیاوی خاصیتوں کے متعلق ہے۔

اسی طرح میٹریا میڈیکا کا ایک صیغہ فارمے کولوجی (Pharmacology) ہے جس سے مراد یہ ہے کہ مختلف ادویات کا اثر جسم پر بحالت صحت و بحالت بیماری کا بیان کرنا ہے۔ اس کی دو شاخیں ہیں:

① فارمے کوڈائی نے مکس (Pharmacodyamces) ہے۔ یہ وہ قسم ہے کہ جس میں مختلف ادویات کی تھوڑی خوراک کا اثر جسم پر بحالت صحت پڑتا ہے، بیان کیا جاتا ہے۔

② ٹوک سی کولوجی (Toccicology) میں ادویات کی زہریلی خوراکوں کی تاثیریں بیان کی جاتی ہیں۔

ان تمام اصطلاحات کے بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ فارما کوپیا کے مطابق اور مناسبت کے نام بیان کر دیئے جائیں تاکہ اس کے اعمال اور وسعت کا پورا علم ذہن میں بیٹھ جائے، اس کے صحیح معنے یہ ہیں کہ ایسے مجربات جو امراض کے لئے یقینی اثرات وخواص رکھتے ہوں، ان کے بنانے اور استعمال کرنے کی ترکیب بیان کی گئی ہو۔

فرنگی طب میں افعال واثرات

ادویات کی ماہیت وخاصیت اور افعال واثرات۔ فرنگی طب میں دو صورتیں ہیں:

(ا) **ریشنل (Rational)**: اس میں بیماری کی ماہیت اور دوا کی خاصیت پورے طور پر معلوم ہو، یعنی ایسی مطابقت ہو کہ فلاں دوا فلاں بیماری میں فائدہ مند ہے۔ جیسے مائٹرل (Mitral) بیماری میں ڈیجی ٹیلس (Digilalis) کا استعمال ہے۔

(۲) **ایمپیریکل (Empirical)**: جب کہ ہمیں یہ معلوم نہیں ہوتا کہ فلاں دوائی فلاں بیماری میں کیوں فائدہ کرتی ہے مگر صرف یہی جانتے ہیں کہ فائدہ ضروری ہو جاتا ہے جیسے آتشک کی بیماری میں پارے کا استعمال۔

ان کے علاوہ جنرل تھیراپوٹیکس (General Therapeutics) میں ادویات کے علاوہ ان وسائل کا ذکر ہوتا ہے جو بیماری کے علاج میں استعمال کئے جاتے ہیں۔ مثلاً غذا، آب وہوا اور افعال وسکون وغیرہ، اور ہر ایک دوا کے دو اثرات تسلیم کئے گئے ہیں:

(۱) **پرائمری ایکشن (Primary Action)**: کسی دوا کا وہ اثر جو اس دوا کے جسم میں پہنچتے ہی پیدا ہو جائے اور اس دوا کے اجزاء میں کوئی تبدیلی واقع نہ ہوئی ہو مثلاً سلفیٹ آف زنک کے معدے میں پہنچتے ہی قے آنے لگ جاتی ہے۔ یہ اس دوا کا پرائمری (ابتدائی) ایکشن ہے۔اس کے لئے ہم نے مکینیکل ایکشن (مشینی اثرات) کی اصطلاح استعمال کی ہے۔

(۲) **سیکنڈری ایکشن (Secondry Action)**: دوا کا وہ اثر ہوتا ہے جو اس وقت پیدا ہوتا ہے جب کہ وہ جسم کے اندر پہنچ کر مختلف مرکبات میں تبدیل ہو جاتا ہے۔یعنی تحلیل ہو کر خون میں شامل ہو جائے اور پھر اس کا اثر جسم پر ہو۔ یہ اس کا سیکنڈری ایکشن (ثانوی اثر) ہے۔جس کو ہم نے کیمیکل ایکشن (کیمیاوی اثرات) لکھا ہے۔گویا عمل اور ردِ عمل کی صورتیں ہیں۔

فرنگی طب کے فار ما کو پیا کی امراض سے مطابقت

فرنگی طب میں فار ما کو پیا کے مجربات کو امراض سے مطابقت کے لئے تین باتوں کو مدنظر رکھا جاتا ہے۔

① امراض کے نام جو ماہیت امراض کے بعد متعین کئے جاتے ہیں۔

② انواع جراثومہ امراض جو تحقیقات کے بعد تخصیص کئے جاتے ہیں۔

③ عناصر جسم کی کمی بیشی سے امراض کا تعین کیا جاتا ہے۔

ان صورتوں کو یورن (قارورہ)، باؤل (پاخانہ)، سپوٹم (بلغم) اور بلڈ (خون) وغیرہ کے علاوہ چہرہ وچشم اور زبان وجسم کی تفتیش کے بعد تشخیص امراض کیا جاتا ہے، پھر اس کے لئے مقررہ مجرب نسخہ تجویز کیا جاتا ہے۔

فرنگی طب کے متعلق زبردست غلطی

فرنگی طب کے متعلق یہ ایک بہت بڑی غلط فہمی پائی جاتی ہے کہ دُنیا میں یہ ایک سائنٹفک (علمی) طریق علاج ہے، اس لئے اس کی تشخیص وتجویز بھی سائنٹفک ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ دُنیا کی کوئی طب سائنٹفک اور یقینی طریقہ علاج نہیں ہوسکتی۔ بلکہ تمام طریقہ ہائے علاج ظنی اور اندازاً کئے جاتے ہیں جن کا تعلق انسان کے کمال علم اور ذوقِ عقل کے ساتھ ہے جو حدث اور حکم سے عمل میں آتا ہے۔ ہر قدیم وجدید دور میں علم کے حصول کی دو صورتیں بیان کی جاتی رہی ہیں:

(۱) سائنٹفک (تجرباتی اور مشاہداتی) یعنی ایسا علم جس کو احساس وجذبہ اور ادراک وجدان سے سمجھا جاتا ہے۔ جیسے فلسفہ ومنطق، ادب وشاعری اور مصوری وسنگ تراشی وغیرہ یا دونوں کو اس طرح سمجھیں کہ سائنس کا تعلق مادی اشیاء اور جسم کے ساتھ ہے اور آرٹ کا تعلق نفسیاتی قدروں کے ساتھ ہے۔

بعض علوم ایسے ہیں جن کا تعلق دونوں کے ساتھ ہے یعنی اس کی ابتداء تو سائنسی (تجربات ومشاہداتی) علوم سے ہوتی ہے، لیکن اس کا اختتام ذوق اور فکر کے ساتھ ہوتا ہے۔ مثلاً علم العلاج میں امراض اور ادویات پر تو تحقیق مادی انداز میں ہوسکتی ہے، کیونکہ دونوں کا تعلق جسم اور مادہ سے ہے۔لیکن جب ان کو آپس میں تطبیق دیتے ہیں تو وہاں پر علمی معلومات کا کمال ودلیل اور ذوق فکر کی ضرورت ہوتی ہے اس لئے ہر ایسے علم کو ظنی اور اندازاً کہا جاتا ہے۔علم العلاج بھی اس میں شریک ہے۔

بہترین علم علاج

دُنیا کے تمام قدیم وجدید علم العلاج ظن اور انداز سے تعلق رکھتے ہیں جیسے کہ اوپر تشریح اور تفصیل بیان کی ہے اس علم وفن طب کو

جادوگری کہتے ہیں اور جادوگری کوئی ایسا علم نہیں ہے جس کا تعلق ناپ تول اور اعداد و شمار سے ہے۔ البتہ اس علم میں جس حد تک سائنس (تجربات و مشاہدات) سے ہے اس حد تک وہ یقینی اور بے خطا ہے اور جہاں پر اس کا تعلق ذوقی اور فکری قدروں سے ہے وہاں تک وہ ظنی ہے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ تمام دُنیا کے طریق علاجوں میں کونسا طریق علاج حقیقت اور سائنس کے قریب ہے، اور ہم ابتداء میں یہ ثابت کر چکے ہیں کہ جب تک موالید ثلاثہ (جمادات و نباتات و حیوانات) کی کسی شے کے افعال و اثرات کا علم کیفیات و مزاج کے تحت نہ ہو اس وقت تک ہم اس کے قریب نہیں پہنچ سکتے ہیں۔ ہم ایک مثال سے اس کو آسانی سے واضح کرتے ہیں۔ مثلاً انسانی جسم یا اس کے کسی عضو میں اگر کیفیاتی طور پر یا وقتی طور پر کمی بیشی واقع ہو جائے تو اس سے اس کے افعال و اعمال میں فوری طور پر کوئی تغیر پیدا نہیں ہوتا اور اس جسم اور عضو کے کیفیاتی اثرات مزاج کی صورت اختیار کر لیتے ہیں اس وقت ان کے افعال و اعمال میں افراط و تفریط سے تغیر پیدا ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے، فرنگی طب کیفیاتی نفسیاتی علامات نہیں پائے جاتے بلکہ خرابی افعال اعضاء کو بھی امراض میں اس وقت تک شمار نہیں کیا جاتا جب تک جراثیم و مواد اور عناصر جسم میں کمی بیشی نہ پائی جائے، اس لئے فرنگی سائنسی اور فرنگی طب یقینی بے خطا طریقہ علاج نہیں ہے۔ بلکہ اس کی بنیاد غلط طریق پر قائم ہے اگر اس میں مبالغہ ہو تو ہم چیلنج کرتے ہیں۔

فرنگی طب میں امراض کی تشخیص میں اس قدر پیچیدگیاں ہیں کہ ان کے مدنظر علاج کرنا نہ صرف مشکل ہے بلکہ تقریباً ناممکن ہے۔ مثلاً کسی ایک عضو یا حصہ جسم میں اگر جراثیم یا مواد قائم ہو تو لازمی امر ہے کہ اس کی علامات دیگر اعضاء میں بھی پائی جاتی ہیں۔ لیکن ان کو مدنظر نہیں رکھا جاتا۔ جن سے تشخیص اکثر غلط ہو جاتی ہے۔ اسی طرح ایک ایک مقامِ جسم اور عضو میں کئی کئی قسم کے جراثیم اور مواد پائے جاتے ہیں، جیسے نزلہ زکام میں آٹھ قسم کے جراثیم پائے جاتے ہیں۔ جن کے تحت علاج کرنا مشکل ہے۔

اسی طرح ایک ہی قسم کے جراثیم مختلف اعضاء میں مختلف امراض پیدا کر دیتے ہیں، مثلاً گونو کاکس کا گنوریا کے علاوہ دیگر اعضاء میں امراض کا باعث ہو سکتا ہے۔

اسی طرح بہت سے امراض میں جراثیم نہیں ملتے اور وہ خون کی کیمیاوی کمی بیشی اور خرابی سے پیدا ہوتے ہیں اور یہ سب کچھ تمام جسم یا کسی عضو کے ضعف سے پیدا ہوتا ہے۔ فرنگی طب میں اس کا تصور بھی نہیں۔

قدیم طب میں کمال مجربات

قدیم طبوں میں خاص طور پر آیورویدک اور طب یونانی اور اسلامی طب میں مجربات کی ترتیب وترکیب اور تجزیہ وامتزاج اور امراض ومزاج کے ساتھ ان کی ایسی مطابقت اور موافقت میں وہ کمال اور فطری قوانین اور قاعدے استعمال کئے گئے ہیں کہ ماڈرن میڈیکل سائنس اور فرنگی طب (ڈاکٹری) میں ان کا عشرعشیر بھی نہیں ہے۔ یہ مبالغہ نہیں ہے بلکہ چیلنج ہے اور افسوس سے کہا جاتا ہے کہ فرنگی طب نے کبھی ان کی طرف جھانک کر بھی نہیں دیکھا۔ اس کی وجہ اوّل ان کے حاملین (ڈاکٹروں) کا تعصب ہے، دوسرے وہ لوگ قانونِ قدرت سے بہت دور چلے گئے ہیں۔ انہوں نے سائنس (تجربہ ومشاہدہ) کو صرف علم سمجھ لیا ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ صرف سائنس اس وقت تک علم نہیں ہوتا، جب تک اس میں منطق (لاجک) اور فلسفہ (فلاسفی) کا شمول نہ ہو۔ کیونکہ کوئی چھوٹے سے چھوٹا تجربہ اور مشاہدہ منطق اور فلسفہ کے بغیر نہیں ذہن نشین کیا جاسکتا۔ منطق (دلائل) اور فلسفہ (حقیقت کی تلاش) کے لئے ایک ذہن ہوتا ہے۔ جو عقل کے تحت غور و فکر کرتا ہے، یہ ضروری نہیں ہے کہ غور وفکر اور عقل انہی کی کام کرتی ہے جو منطق اور فلسفہ کے ماہر ہوتے ہیں۔ بلکہ ہر ذہین انسان غور وفکر کرتا ہے اور عقل سے کام لیتا ہے۔ لیکن اگر ذہین انسان منطق اور فلسفہ کے اصولوں سے واقف ہوں، تو وہ اپنے ذہن سے صحیح طور پر کام لے سکتے ہیں۔ بلکہ اسی طرح جیسے ہر شخص مادری زبان بے تکلف بول سکتا ہے، لیکن وہ اگر صرف ونحو اور شعر وادب سے واقف ہوگا تو زبان کے صحیح استعمال کو بھی خود سمجھ سکے گا اور ایسے ہی شخص کو صحیح معنوں میں زبان دان کہا جاسکتا ہے۔

یہی کمال قدیم طبوں کے تجربات ومشاہدات میں پایا جاتا ہے، جو ماڈرن میڈیکل سائنس اور طب فرنگی میں بالکل نہیں پایا جاتا۔ انہی تجربات ومشاہدات اور دلائل وحقیقت شناسی کے تحت اس کے قوانین وقاعدے اور نظریات واصول تیار کئے ہیں جو بالکل قانونِ فطرت اور طریق قدرت کے مطابق ہیں۔ مجربات کا لفظ بھی تجربات سے تعلق رکھتا ہے۔ اس لئے قدیم طبوں کے مجربات بھی غور وفکر اور عقل کے تحت فطرت وقدرت کے مطابق وموافق ہیں۔ اس لئے اپنے اندر وہ کمال رکھتے ہیں جو ماڈرن میڈیکل سائنس اور فرنگی طب (ڈاکٹری) میں نہیں پائے جاتے۔

قدیم طب میں مجربات کی تقسیم:

قدیم طبوں می مجربات کو تین صورتوں میں تقسیم کردیا گیا ہے: (۱) غذائی مجربات (۲) مفرداتی مجربات (۳) مرکباتی مجربات۔ جن کی تفصیل درج ذیل ہے۔

غذائی مجربات: قدیم طبوں میں غذائی مجربات ایک ایسا کمال ہے جو مادون سائنس اور فرنگی طب میں قطعاً پایا نہیں جاتا۔ یہ ایک ایسا طریق علاج ہے جس پر نہ کوئی پابندی لگائی جاسکتی ہے اور نہ حکومت روک سکتی ہے۔

جاننا چاہئے کہ غذائی مجربات کی تین صورتیں ہیں:

(۱) غذا کے استعمال کو روک دینا۔

(۲) غذا کی نوعیت کو بدل دینا۔

(۳) غذا کے خاص اجزاء کا استعمال کرانا۔

اگر کوئی معالج یا غیر معالج بھی ان حقائق کو ذہن نشین کر لے تو اس کے علاجات معجزات بن جاتے ہیں۔

(1) غذا کے متعلق یہ حقیقت ہے کہ وہ قوت کی دوست بھی ہے اور اس کی دشمن بھی ہے۔ یعنی صحت کی حالت درست طریق پر صحیح غذا ہے تو قوت پیدا کرتی ہے اس لئے دوست ہے اور اگر مرض کی حالت بے طریقے غلط اصولوں پر کھائی جائے تو وہ ایک بہت بڑا دشمن ہے۔ غذا جسم اور زندگی کے لئے لازمی ہے۔ کیونکہ یہ جسم کے لئے بدل ما یتحلل ہے۔ لیکن جب جسم میں مادہ متعفن اور خمیر ہے تو دوا اس کی مددگار بن جاتی ہے جس سے مادہ متعفن اور خمیر میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ جس سے روز بروز اس کے زہر میں زیادتی ہوتی رہتی ہے اور جسم پر دباؤ اس کا بڑھتا جاتا ہے۔ یہ متعفن مادہ اور خمیر جسم کے لئے نہ صرف غیر مفید اور غیر ضروری ہے بلکہ نقصان رساں ہے، اس لئے نہ صرف اس کا اخراج ضروری ہے بلکہ اس میں اضافہ کرنا بے حد غلطی ہے اس لئے اس صورت میں غذا کا بند کرنا بے حد ضروری ہے، بلکہ اس وقت تک بند رکھنی چاہئے جب تک کم از کم پیٹ کا تعفن اور خمیر ختم ہو جائے۔ اس صورت میں ایک بہت بڑی بے چینی رہتی ہے کہ بعض لوگ کھانے کے بے حد عادی ہوتے ہیں۔ اور بعض بھوک برداشت نہیں کر سکتے۔ اس مقصد کے لئے مریض کو شہد یا شہد کا نیم گرم شربت یا سبزیوں یا گوشت کا شوربہ یا قہوہ (بغیر دودھ کے چائے) یا دودھ کا پانی دیتے رہنا چاہئے۔ اس طرح کھانے کی عادت اور بھوک کی بے چینی کم ہو جاتی ہے۔ جب غذا کا اضافہ رُک جاتا ہے۔ تو اعضاء پر سے بوجھ کم ہو جاتا ہے، وہ اپنا فعل صحیح طور کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ اس کے بعد طبیعت مدبرہ بدن اعضاء کے افراط و تفریط سے خون کا دباؤ درست ہو جاتا ہے۔ اور بہت جلد مرض میں افاقہ شروع ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد دواء کی ضرورت بھی ہو تو تھوڑی سی دوا سے فوراً آرام ہو جاتا ہے۔

(2) اس صورت میں غذا کی نوعیت بدل دی جاتی ہے۔ یعنی غذا کی کیفیت و غذائیت اور مقدار و طریق استعمال بدل دینا چاہئے۔ اس صورت میں غذا کو امراض و علامات کے مطابق اس طرح ترتیب دینا چاہئے کہ وہ کیفیت اور ضرورت کے مطابق بالکل بالضد ہونی چاہئے۔ اور غذائیت و مقدار اور طریق استعمال بھی ان کیفیات اور ضروریات کے لئے مفید اور معاون ہونا چاہئے۔ جس سے ایک طرف سست اعضاء بیدار ہو جاتے ہیں اور خون میں مناسب کیفیات اور ضروری اخلاط میں اصلاح شروع ہو جاتی ہے۔ اعضاء میں افراط و تفریط ہو کر دورانِ خون درست ہو کر امراض کا زور کم ہو جاتا ہے پھر رفتہ رفتہ صحت ہو جاتی ہے۔

(3) غذا میں خاص اجزاء کے استعمال کی صورت میں غذا کے ان مخصوص اجزاء کو ہی استعمال کیا جائے جن کی جسم میں کمی پائی جاتی ہو۔ مثلاً ماءالجبن دودھ پانی یا مکھن اور گھی یا صرف پنیر اور دہی وغیرہ مسلسل استعمال کرائی جائیں۔ اسی طرح گوشت کا شوربا یا یخنی، یا بھنا ہوا گوشت یا کباب، اور ایسے ہی سبزیوں کا شوربا، بھنی ہوئی سبزیاں۔ اسی اصول پر دالیں بھی استعمال کرائی جاسکتی ہیں۔ خاص طور پر حلوے اور فرنی بھی استعمال کی جاسکتی ہے۔ مگر ایک ہی قسم کی غذا دینی چاہئے۔ یا کم از کم ان کے ہمراہ روٹی چاول اور ڈبل روٹی، دلیا وغیرہ بالکل نہیں ہونے چاہئیں۔ ایسی غذا سے ایک طرف خاص قسم کی کیفیات اور غذائیت پیدا ہونا شروع ہو جاتی ہے۔ دوسری طرف سست اعضاء بیدار ہو کر اپنے افعال کے افراط و تفریط میں اعتدال پیدا کر لیتے ہیں اور صحت حاصل ہو جاتی ہے۔

اس قسم کے علاج پر وہ غذا استعمال کی جاسکتی ہے جو ہم روزانہ زندگی میں کھاتے ہیں۔ اگرچہ اس میں اکثر غذائے دواء یا دوائے غذائی بلکہ بعض خالص ادویات ہیں۔ جیسے گرم مصالحہ جات جو ہانڈی میں استعمال کئے جاتے ہیں، یا ادرک وٹماٹر اور سبز وخشک دھنیا اور پودینہ وغیرہ بھی شامل ہیں۔ ہماری روزانہ اغذیہ یہ ہیں: (۱) ہر قسم کے دودھ یعنی بکری سے لے کر بھینس تک۔ (۲) ہر قسم کے گوشت جس میں پرندے مچھلی اور انڈے بھی شریک ہیں۔ ہر قسم کے پھل و میوہ جات اور ہر قسم کی سبزیاں و دالیں اور اناج۔ اسی طرح ہر قسم کی مٹھائیاں و مربے اور حریرہ جات شامل ہیں۔ مشروبات میں شربت، شیرے، لیمن، سوڈا اور چائے وغیرہ سے کام لیا جاسکتا ہے۔

ہمارے تجربات میں اس طرح ہر قسم کے مریض اچھے کئے جاسکتے ہیں۔ معمولی امراض نزلہ زکام اور کھانسی بخار تو چند دنوں سے زیادہ عرصہ نہیں رہتے۔ ہم نے مشکل ترین امراض مثلاً دق وسل، فالج ولقوہ اور ذیابیطس اور ضعفِ باہ وغیرہ جیسے عسر العلاج امراض کا علاج بڑی کامیابی سے کیا ہے۔ غور وتدبر اور عقل سے کام لے کر ہر شخص جو خواص اغذیہ سے واقف ہو بڑی آسانی سے ان تجربات سے فوائد حاصل کرسکتا ہے۔ فرنگی طب کے مقابلے میں غذائی مجربات کو استعمال کر کے بے حد کامیابی حاصل کی جاسکتی ہے۔

طب قدیم میں مسئلہ غذا میں سب سے اہم بات یہ ہے کہ علاج کے دوران میں سب سے پہلے غذا کے بوجھ کو جسم اور اعضاء سے دور کرنا پڑتا ہے۔ اس کی تین صورتیں ہیں، اوّل غیر منہضم غذا کے اجزاء کو جو خمیر کی صورت اختیار کر گیا ہے اس کو جسم سے ختم کرنا ہے کیونکہ جب بھی مریض کو کوئی غذا دی جائے گی تو وہ یقیناً خمیر میں شریک ہو کر باطل ہو جاتی ہے۔ اس لئے اوّل جسم میں سے خمیر کے بوجھ کو ختم کرنا ضروری ہے۔ دوسرے غیر ضروری غذا کا دینا یعنی ایسی غذا جس کا اس مرض کے رفع کرنے سے کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ اس سے مرض کا بڑھ جانا یقینی ہے ایسی غذا کو روکنا نہایت ضروری ہے ورنہ مفید دوا بھی غیر مفید ہو جاتی ہے۔ تیسرے مفید دوا کا استعمال غذا کے مطابق ہونا چاہئے، جو معالج ان حقائق کو مدِ نظر رکھیں گے ان کے مریضوں کے لئے یقیناً بے خطا شفا ہے، یہ صرف طبِ قدیم کا کمال ہے۔ فرنگی طب اس سے خالی ہے۔

علاج بالمفردات

علاج بالغذاء سے جب طبیعت قابو میں نہ آئے اور اعضاء کے افعال درست نہ ہوں خاص طور پر مزاج جسم اور اخلاط کا توازن قائم نہ ہو سکے تو غذاء کی بجائے ادویات سے علاج کرنا لازمی ہو جاتا ہے، کیونکہ جسم اور خون میں جس قدر زیادہ مقدار میں تیزی سے کیفیات پیدا ہوتی ہیں اور اعضاء کے افعال میں شدت پیدا ہوتی ہے اس قدر صرف غذاؔ سے پیدا ہونا مشکل ہے۔ لیکن علاج بالدوا کے ساتھ علاج بالغذا کے اصول بھی مدِ نظر رکھے جائیں تو بہت جلد کامیابی ہو جاتی ہے۔

علاج بالدواء میں یہ حقیقت مسلمہ ہے کہ علاج بالمفرد ادویات زیادہ افضل اور احسن ہے۔ مفرد دوا کے علاج سے مقصد یہ ہے کہ کسی مرض اور اس کی تمام علامات صرف ایک ہی دوا سے دور کرنے کی کوشش کی جائے یعنی صورت مرض اور اس کی تمام علامات وہ کیمیاوی ہوں یا مشینی اور خاص طور پر جسم کے زہریلے مواد صرف ایک ہی دوا کے استعمال سے دور ہو جائیں۔

بے شمار ایسی ادویات ہیں جو تنہا اپنے اندر شفائی بلکہ اکسیری اور تریاقی اثرات رکھتی ہیں۔ ایک ایک مرض کے لئے متعدد شفائی اثر رکھنے والی اکسیر تریاقی ادویات پائی جاتی ہیں۔ لیکن ان سے وہی معالج پورے طور پر مستفید ہو سکتے ہیں جن کو علم المفردات پر غیر معمولی عبور ہوتا ہے۔ ایک خاص بات یہ ہے کہ مفرد ادویات سے جہاں پر فوائد یقینی ہوتے ہیں، وہاں پر اس کے غلط استعمال سے کوئی خاص نقصان عمل میں نہیں آتا۔ اس لئے کوشش یہ ہونی چاہئے کہ علاج بالمفردات کو مقدم رکھا جانا افضل واحسن ہے۔

قدیم طب کا کمال اور مفردات کا تجزیہ

قدیم طبوں کے قانون کے مطابق ہر مفرد دوا چار ارکان اور کیفیات سے مرکب ہوتی ہے ان کے علاوہ ہر دوا میں ارکان (طیف) یعنی ایسا مادہ جو کسی رکن کے اجتماع یا دیگر اراکین سے مل کر مادہ اور جسم کی صورت اختیار کر لے اس کو عناصر ہی کہنا بہتر ہے۔ جس کو انگریزی میں ایلیمنٹ (Element) کہتے ہیں۔ اس سے ہم ماڈرن سائنس کے بہت قریب ہو جاتے ہیں۔ ارکان اور عناصر کا یہی فرق ہم نے اپنی کتاب مبادیات میں لکھا ہے۔ یہاں اس کے بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ ارکان کو عناصر سے الگ خیال کیا جائے۔ یہی عناصر یعنی ارکان کا طیف یا اس کا مجتمع مادہ وغیرہ ارکان وکیفیات سے الگ اجزاء ہیں۔ بس حکماء واطباء نے ان عناصر کو ادویات سے جُدا کیا ہے، یہ بھی قدیم طبوں کا کمال ہے۔

قدیم طبوں کے کمال فن کی صورت یہ ہے کہ ان عناصری اجزاء کو جو ادویات میں پائے جاتے ہیں جُدا کر کے علاج میں استعمال کیا ہے۔ گویا مفرد در مفرد صورت پیدا کر لی ہے اور اس طرح ضرورت کے مطابق اجزاء مؤثرہ اور جوہر خاص استعمال کر کے فن طب قدیم میں کمالات کی صورتیں پیدا کی ہیں جو فرنگی طب میں بالکل نہیں پائی جاتیں۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ کمال فن پیدا ہی نہیں کر سکتا۔ کیونکہ کیفیاتی اور مزاجی افعال واثرات اور عناصر سے وہ بالکل واقف نہیں ہے۔

مفردات کے تجزیہ کا استعمال

مفرد ادویات کے عناصر مؤثر انفعال کے راز کا انکشاف جو ہم نے کیا ہے۔ یہ دلائل سے ثابت کیا ہے۔ ان جوہر مؤثرہ کو طب قدیم میں کئی طریق سے حاصل کر کے استعمال کیا جاتا ہے۔ مثلاً بعض ادویات کو پانی میں بھگو کر حاصل کیا جاتا ہے، جس کو خیساندہ کہتے ہیں، بعض کو پانی میں جوش دے کر جدا کیا جاتا ہے، اس کو جوشاندہ کہتے ہیں، اسی طرح ادویات کے لعابات و گوند اور دیگر اجزاء مؤثرہ سے فائدہ اٹھایا جاتا ہے۔ اسی طرح بعض ادویات اجزاء مؤثرہ اور جواہر کو عرقیات کی صورت میں الگ کیا جاتا ہے۔ اسی طرح ادویات کے نمک، روح اور عطریات جدا کئے جاتے ہیں۔ اور بعض ادویات کا کانجی سرکہ اور تیزاب بنانا اور پھر ان میں دیگر ادویات کے اجزاء جذب کرنا۔ اسی طرح ادویات کے روغنیات کو جدا کر کے ادویات کے طور پر استعمال کرنا۔ بعض اشیاء سے ان کا مٹھاس الگ کر کے کھانڈ بنا کر اور پھر کھانڈ میں شربت بنانا۔ بعض ادویات کو پانی میں گھوٹ کے اس کے شیرہ جات بنانا۔ بعض ادویات میں سے شراب کشید کرنا، بعض اشیاء میں سے موم ولاکھ اور کاہی تیار کی جاتی ہے۔

مفردات کے تجزیے کی تقسیم

مفرد ادویات کو تجزیہ کر کے کم از کم ذیل کے مرکبات تیار کئے گئے ہیں۔

(۱) **لبنیات** (دودھ): حیوانات میں گائے بھینس، بکری و بھیڑ اور گدھی و گھوڑی کے دودھ کے علاوہ، عورت کا دودھ بھی ادویات میں استعمال ہوتا ہے، ان کے علاوہ نباتات کے دودھ بھی استعمال کئے جاتے ہیں۔ مثلاً افیون، فرفیون، ہینگ، طباشیر، شیر خشت، آک کا دودھ، تھوہر کا دودھ، انجیر کا دودھ اور عشق پیچاں کا دودھ وغیرہ اکثر امراض میں اکسیر اور تریاق کا اثر رکھتے ہیں۔

(۲) **گوند اور رال**: گوندیں پانی میں حل ہو جاتی ہیں۔ مثلاً گوند کیکر، رال بھی ایک قسم کا گوند ہے جو شراب میں حل ہوتی ہے۔ پانی میں حل نہیں ہوتی بعض گوند تیل میں حل ہوتے ہیں، جیسے لوبان وغیرہ۔

(۳) **نشاستہ**: نباتات کا ایک بڑا جز و نشاستہ ہے جو اکثر ان کی شاخوں جڑوں اور بیجوں میں پایا جاتا ہے۔ مثلاً ریشہ خطمی، ملٹھی، گلو، نیم، بڑ کی جڑ، ساگودانہ، جو، گندم اور کیکر کی پھلیاں وغیرہ۔

(۴) **روغن**: حیوانی مکھن اور گھی کے علاوہ نباتی روغن جو مغز اور تخم سے نکالے جاتے ہیں۔ روغن بادام، روغن نارجیل، تیلوں کا تیل، رائی کا تیل، روغن بیدانجیر اور ان کے علاوہ روغن بیضہ جات اور بے شمار اقسام کے لطیف اور اُڑ جانے والے روغن شریک ہیں۔ جیسے صندل، زیتون اور یوکلپٹس وغیرہ۔

(۵) **ترشی**: بعض ادویات میں ترش اجزاء شامل ہیں۔ جن کو جدا کر کے مفید اثر حاصل کئے جا سکتے ہیں۔ مثلاً املی، آلو بخارہ، انار، لیموں، رائی، آم اور انگور خام، زرشک، فالسہ، سنگترہ اور خوبانی وغیرہ۔

(۶) **کھاری**: بعض ادویات میں شدید قسم کی کھاریں پائی جاتی ہیں جو کھار اور سجی وغیرہ۔ ان کو انگریزی میں پوٹاش (Potas) یعنی راکھ سے تیار شدہ۔ جس کا عام طریقہ یہ ہے کہ کسی نباتات کی راکھ کو پانی میں گھول لیا جاتا ہے پھر پانی کا زلال لے کر آگ پر خشک کر لیا جاتا ہے۔ بعض لوگ اس کو غلطی سے نمک کہتے ہیں۔ یہ دراصل نمک نہیں ہیں، ان کو کھار (الکلی) ہی کہنا چاہئے۔

(۷) **نمک**: نمک ترشی اور کھار کا مرکب ہوتا ہے۔ یہ قدرتی بھی پائے جاتے ہیں، لیکن مصنوعی طور پر بھی بناتے جاتے ہیں، نمک خوردنی اور نوشادر وغیرہ ان میں شریک ہیں۔

(۸) **کاجل**: بعض ادویات کو جلا کر ان کا دھواں اکٹھا کیا جاتا ہے پھر اس کو ادویات میں استعمال کیا جاتا ہے۔

(۹) **عصارہ**: نباتات اور میوہ جات کے نچوڑے ہوئے پانی کو عصارہ کہتے ہیں۔ پھر اس کو آگ یا دھوپ میں خشک کر لیا جاتا ہے۔ جیسے عصارہ ریوند، رسوت (عصارہ دار ہلد)، اقاقیا (عصارہ کیکر) وغیرہ۔

(۱۰) **رُب**: نباتات کے پھل اور پھول و پتے اور شاخیں اور جڑ وغیرہ یا تمام پودا کا رس نکال کر جوشاندہ بنا کر آنچ پر گاڑھا کر لیا جاتا ہے۔ رب اور عصارہ میں یہ فرق ہے کہ رب میں نباتات کا گاڑھا مواد بھی شامل کر لیا جاتا ہے۔ لیکن عصارہ میں صرف لطیف اجزاء شامل کئے جاتے ہیں۔

(۱۱) **احراق**: بعض اشیاء کو اس قدر جلایا جاتا ہے کہ وہ پیسنے کے قابل ہو جاتی ہیں اور پھر دوا میں استعمال کیا جاتا ہے۔ جیسے اسفنج۔

(۱۲) **ست**: ادویات کے ست مختلف کیمیاوی طریق پر حاصل کئے جاتے ہیں۔ ان کی ترکیب روغنوں کے ساتھ ملتی ہے۔ جیسے ست پودینہ، ست اجوائن وغیرہ۔

(۱۳) **بریان**: بعض ادویات کو بھون لیا جاتا ہے۔ جیسے پھٹکڑی، بادیان وغیرہ۔

(۱۴) **کُشتہ**: اس کو عمل تکلیس بھی کہتے ہیں یعنی بعض ادویات کو کسی برتن یا دوا میں بند کر کے اس طرح جلایا جاتا ہے کہ اس کا چونا بن جائے۔ عام طور پر حجریات اور دھاتوں کے کشتہ جات بنائے جاتے ہیں۔

(۱۵) **جوہر**: ادویات کسی مٹی کے برتن میں رکھ کر اس کے اوپر بھی ویسا ہی برتن رکھ کر ان کے منہ ملا کر خوب گیلی مٹی سے بند کر کے آگ پر رکھ کر اوپر کے برتن کو گیلے کپڑے سے ٹھنڈا رکھ کر جوہر اڑا لیا جاتا ہے۔ مثلاً ست لوبان، ست بہروزہ، ست سلاجیت۔

(۱۶) **ماء الاشیاء**: بعض اشیاء کے پانی حاصل کر لئے جاتے ہیں اور دواء کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ جیسے ماءالجبن، ماءالشعیر۔

(۱۷) **ماء اللحم**: یخنی وغیرہ۔

مفرد دواء اور اس کے جواہر کا فرق

عام طور پر یہ ایک غلطی پائی جاتی ہے کہ دواء کا جو خلاصہ، دست یا جوہر نکالا جاتا ہے وہ اس دواء کا مؤثرہ مادہ ہوتا ہے، ایسا ہرگز نہیں ہے۔ بلکہ دوا کی یہ مختلف صورتیں اس کے مختلف عناصر کا اظہار کرتی ہیں۔ ان کو کل دواء مؤثرہ مادہ خیال نہیں کرنا چاہئے، کیونکہ ان کے اکثر اثرات و انعال میں نمایاں فرق پایا جاتا ہے، کسی دوا کے خلاصہ کے اثرات اس کے ست اور جوہر سے بہت حد تک جدا ہوتے ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ ان کے بنیادی اثرات بہت حد تک ملتے جلتے ہیں۔ لیکن فعلی اور کیمیاوی انعال و اثرات میں بہت کچھ اختلاف پیدا ہو جاتا ہے۔

مثلاً دوا کے کسی جز میں حموضت نمایاں ہو جاتا ہے کسی جز میں کھار کا اثر غالب رہتا ہے۔ اسی طرح کسی چیز میں چونا یا فولاد کا اثر زیادہ ہوتا ہے۔ اسی طرح ان اجزاء میں گرمی و سردی اور خشکی و رطوبت کی زیادتی ہو جاتی ہے اور بعض میں دخانی اثر بڑھ جاتا ہے۔ جیسے دودھ کی مثال ہماری روزانہ زندگی میں ہمارے سامنے پائی جاتی ہے۔ یعنی معالج کبھی دہی کا استعمال کرتا ہے، کبھی دہی کا پانی مفید سمجھتا ہے، اسی طرح کبھی مکھن کبھی گھی اور کبھی دودھ کا پانی استعمال کرانا پڑتا ہے۔ یہی صورت پنیر کی بھی ہے۔ اسی طرح دودھ کا سفوف بھی ایک علیحدہ جزو ہے۔ اس کو خالص دودھ نہیں کہنا چاہئے۔ کیونکہ اس کے خشک کرنے سے پانی کے ساتھ اس کے بہت سے نمک بخارات کے ساتھ اُڑ جاتے ہیں اور بہت حد تک انتہائی قسم کا خشک مواد بن کر رہ جاتا ہے۔ یورپ اور امریکہ سے جو خشک دودھ آتا ہے اس کو خالص دودھ نہ سمجھ

لینا چاہئے۔ اس میں روغنی اجزاء اور ہاضم نمکیات کی کمی ہو جاتی ہے اور اس میں چونا اپنی مناسبت سے بڑھ جاتا ہے۔ اس لئے اس کے استعمال سے جسم میں بدہضمی اور خشکی پیدا ہو جاتی ہے۔ چھوٹے بچوں کو تو بہت نقصان دیتا ہے اس لئے اس کو بچوں سے دور رکھنا چاہئے۔ البتہ جن مریضوں میں کیلشیم (چونا) کی کمی ہو تو اس کو استعمال کر سکتے ہیں۔

ادویہ اور ان کے اجزاء کا استعمال:

مفرد ادویات تو جس صورت میں چاہیں استعمال کر سکتے ہیں، یعنی سفوف، محلول اور حبوب جس شکل میں چاہیں استعمال کر سکتے ہیں۔ لیکن مفرد دوا کے اجزاء کو جن صورتوں میں جدا کیا گیا ہے ان کو انہی صورتوں میں استعمال کرائیں۔ ان کو اگر کسی اور صورت میں استعمال کیا تو ان کے افعال واثر بدل جائیں گے۔ ان کے استعمال میں اس فرق کو بھی مدِنظر رکھیں مفرد دوا میں اس کے کئی مؤثر جوہر اس کے دیگر عناصر اور مواد کے اس طرح جذب اور شامل ہوتے ہیں کہ ان کے افعال واثرات میں تیزی پیدا نہیں ہوتی۔ اور نقصان کا خطرہ نہیں رہتا۔ کیونکہ ان کے مصلح اثرات بھی ساتھ ہی ہوتے ہیں۔ لیکن مؤثرہ جز اور جوہر ہر ایک اپنی جگہ تیز ہوتا ہے ان کے غلط استعمال سے نقصان ہو جانے کا خدشہ ہے۔ علاج بالمفردات کا قدیم طبوں میں یہ شعبہ بھی اپنے اندر کمالات فن رکھتا ہے۔ جس کا عشرعشیر بھی فرنگی طب میں نہیں پایا جاتا ہے۔ یہ قدیم طبوں کی فوقیت ہے۔

علاج بالمرکبات

مرکبات کی تعریف

موالید ثلاثہ یعنی جمادات و نباتات اور حیوانات جو قدرتی و طبعی اور فطرتی طور پر پائے جاتے ہیں۔ ان میں دوا سازی سے کوئی تغیر پیدا نہیں ہوتا۔ ان کو اصطلاحاً مفرد ادویات کہا جاتا ہے۔ اس قدرتی شکل، طبعی صورت اور فطرتی حالت میں جو مفردات پائے جاتے ہیں ان کو جب آپس میں ملایا جاتا ہے اس کو مرکب کہتے ہیں۔ یہ مرکب دو مفرد ادویات اور دو سے زیادہ ادویات کے بھی ہو سکتے ہیں۔

یہ ہم علاج بالمفردات میں واضح کر چکے ہیں کہ یہ قدرتی و طبعی اور فطری ادویات کو ہم اصطلاحاً مفرد کہتے ہیں دراصل وہ بھی کیفیات وارکان اور عناصر سے مرکب ہے۔ لیکن ہم ان کو مفردات کے کیمیاوی اجزاء اور مؤثرہ جواہر کہتے ہیں اور دونوں اقسام کے یعنی مفردات اور ان کے اجزاء کو ہم علاج الامراض میں استعمال کرتے ہیں۔

مرکبات کی تقسیم

مرکبات دو قسم کے ہوتے ہیں۔

اوّل - مرکب سادہ: جس کو آمیزہ بھی کہتے ہیں۔ دو یا زیادہ ادویہ کو بغیر کسی استحالہ کے ملایا جائے تو آمیزہ بنتا ہے، جسے انگریزی میں مکسچر (Mixture) کہتے ہیں۔ آمیزہ کے لئے ضروری ہے کہ اس کے اجزاء کسی نہ کسی طریق سے جدا کئے جا سکیں۔

دوم - مرکبات کیمیاویہ: جس کو امتزاج کہتے ہیں۔ دو یا زیادہ ادویات کی ایسی ملاوٹ جس میں استحالہ سے اس طرح ایک جان کر دیا جائے پھر ان اجزاء کو الگ نہ کیا جا سکے۔ جس کو انگریزی میں کمپاؤنڈ (Compound) کہتے ہیں۔ یعنی ایسے مرکبات جن کو ملانے کے لئے آگ یا کھرل یا کسی حرارت یا متضاد ادویات کے اثر و متاثر ہونے سے آپس میں استحالہ کھا کر مرکب ہو جائیں اور پھر جدا نہ ہو سکیں۔

طبِ قدیم کے مرکبات

طب قدیم میں دونوں قسم کے مرکبات تیار کئے جاتے ہیں۔ یعنی: ① سادہ مرکبات جیسے سفوف و حبوب اور چٹنیاں ولعوق وغیرہ۔

② کیمیاوی مرکبات جیسے عرق و شربت اور معجون و خمیرہ وغیرہ۔

طب قدیم کے مجربات

اس حقیقت کو ذہن نشین کر لیں، مجربات انہی کو کہا جاتا ہے جو بار بار تجربات و مشاہدات اور دلیل وعقل کے مطابق ہوں۔ بعض فرنگی طب کے غلط قسم کے دلدادہ جن کو طب قدیم کے کمالات کا علم نہیں، وہ طب یونانی کے مجربات کو بے معنی اور لایعنی کہتے ہیں، اور کہتے ہیں طب قدیم وحشی و جنگلی اور غیر علمی (ان سائنٹفک) ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ جس طرح طب قدیم کے فنی کمالات کا علم نہیں رکھتے ان کو ماڈرن میڈیکل سائنس اور فرنگی طب (ڈاکٹری) کے نقائص اور برائیوں سے بھی واقف نہیں ہیں۔ طب قدیم میں ایسے ایسے مجربات پائے

جاتے ہیں کہ جن کا جواب آج بھی فرنگی طب اور ماڈرن میڈیکل سائنس کے پاس نہیں ہے۔

طبِ قدیم کے مجربات کے فنی کمالات

طبِ قدیم نے ایک طرف امراض و علامات اور افعال اعضاء و خون کو کیفیات و مزاج اور اخلاط کے تحت تقسیم کر دیا ہے، دوسری طرف مفردات و مرکبات کے اثرات و افعال اور خواص و فوائد کو انہی کے مطابق تقسیم کر دیا ہے تا کہ ان کی مطابقت اور موافقت میں آسانی پیدا ہو جائے اور ایک تھوڑے سے علم والے بھی ان سے فوائد حاصل کر سکیں۔ اس کے علاوہ طب قدیم میں طویل تجربات کے بعد ایسے مجربات بھی تیار کر لئے گئے ہیں یا ایسی مجرباتی اصطلاحات بنالی گئی ہیں جن کا تعلق اعضاء کے ساتھ مخصوص کر لیا گیا ہے۔ ان مجرباتی اصطلاحات کا جب نام لیا جاتا ہے تو ان سے مراد مخصوص اعضاء کے امراض فوراً خیال کر لئے جاتے ہیں۔ یہ مجرباتی اصطلاحات بھی طب قدیم کے فنی کمالات میں داخل ہیں۔ جو معالج ان پر عبور رکھتے ہیں ان کو نہ صرف اپنے فن میں کمال حاصل ہے بلکہ ان کے مطب انتہائی کامیاب ہیں۔ تفصیل درج ذیل ہے۔

(۱) **اطریفل:** یہ مرکب دماغی اور عصبی امراض کے لئے مخصوص ہے۔ بلغمی امراض میں زیادہ مفید ہے۔ دماغ کو فضلات سے صاف کرنے میں اس سے بہتر کوئی دوا نہیں ہے۔ نظریہ مفرد اعصاب کے تحت اس کے اثرات (عضلاتی اعصابی) ہیں۔ یہ اتری پھل، ہندی لفظ ہے جس کے معنی تین پھل کے ہیں جس کو تر پھلا (ہرڑ، بھیڑہ، آملہ) کہتے ہیں۔ اطریفل اس سے معرب ہے۔ اس کے جزو اعظم (ہلیلہ، بلیلہ، آملہ) ہیں۔ ضرورت کے مطابق اس میں انہی خواص یا اُن سے ملتے جلتے خواص کی ادویات شامل کر لی جاتی ہیں اور انہی کی مناسبت سے ان کا نام رکھا جاتا ہے۔ جیسے اطریفل کشنیز۔

(۲) **انقرویا:** یہ مرکب بھی دماغی اور عصبی امراض کے لئے مخصوص ہے، بلغمی امراض کو دور کرنے کے لئے خاص چیز ہے۔ اطریفل سے بہت زیادہ طاقتور ہے۔ (عضلاتی، اعصابی شدید) اس کا جزو اعظم انقرویا (بھلانوا) ہے۔

(۳) **ایارج:** دماغی و اعصابی امراض خصوصاً سوداوی امراض کے لئے مخصوص ہے۔ اس کا جزو اعظم مصبّر ہے۔ یونانی لفظ ہے جس کے معنی خدا کی دعا کے ہیں۔ ایک خاص مسہل کا نام ہے۔ (عضلاتی غدی ملین) ایارج فیقرا بھی ایک مسہل کا نام ہے جس کے معنی تلخ دوا کے ہیں (عضلاتی غدی مسہل)۔

(۴) **برشعشاء:** یہ مرکب دماغی اور اعصابی شدید سوزش میں انتہائی مفید ہے۔ اس کا جزو اعظم (افیون) ہے، اس کے معنی فوری آرام دینے والی دوا کے ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ اس کا اثر فوری ہوتا ہے اس لئے انتہائی ضرورت کے وقت استعمال کرنا چاہئے۔

(۵) **برود:** یہ مرکب انتہائی کھرل شدہ دوا جو آنکھوں کی جلن کے لئے مخصوص ہے اور سرمے کے طور پر استعمال ہوتا ہے اس میں انتہائی ٹھنڈک کی وجہ سے اس کا نام (برود) ہے (اعصابی، عضلاتی شدید)۔

(۶) **تریاق:** ایک ایسا مرکب جو زہروں کو کیمیاوی طور پر ختم کر دے۔ یہ لفظ اصل میں یونانی لفظ تریوق سے نکلا ہے۔ تریوق ڈسنے والے جانوروں کو کہتے ہیں۔ مثلاً سانپ، بچھو وغیرہ۔ اس دوا کو تریاق اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں سانپ کا گوشت ڈالا جاتا ہے۔ بعض لوگوں نے اس کی وجہ یہ بتائی ہے کہ اس میں ریق اطیات (سانپ کا لعاب) زمین پر پڑتا ہے اس لئے اس کو تریاق کہتے ہیں۔ اُن کے خیال میں تریاق کا لفظ ریق سے نکلا ہے اور بعض نے اس کو خارجی بتلایا ہے۔ اب عام طور پر ہر قسم کے زہر مضاد دوا کو تریاق کہتے ہیں۔ ہر زہر کا ایک جدا تریاق ہوتا ہے۔ طب یونانی میں بہت سے تریاق مستعمل ہیں۔ مثلاً تریاق اربعہ، تریاق افاعی، تریاق اکید، تریاق عثمانیہ اور تریاق

فاروقی، تریاق وبائی وغیرہ۔

(۷) **جوارش**: یہ مرکب اعضاء غذائیہ سے مخصوص ہے۔ فارسی لفظ گوارش کا معرب ہے۔ جس کے معنی ''ہاضم غذا'' کے ہیں۔ یہ عام طور خوش ذائقہ اور خوشبودار ہوتی ہے۔ (غدی، عضلاتی مقوی یا غدی اعصابی مقوی) اس کی متعدد اقسام ہیں۔

(۸) **جواهر مهره**: یہ مرکب دِل ودماغ کی تقویت کے لئے مخصوص ہے، اس کے اجزائے اعظم جواہرات ہیں (عضلاتی، اعصابی مقوی)۔

(۹) **حب**: کے معنی دانے اور تخم کے ہیں، مگر طبی اصطلاح میں اس گولی کو کہتے ہیں جو دوا سے بنائی جاتی ہے۔ اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ دوا منہ کے اندر اثر کیئے بغیر پیٹ میں اُتر جائے اور کافی دیر تک پیٹ میں پڑی رہے اور اثر کرتی رہے۔ اکثر تلخ ادویات کو گولیوں کی صورت میں استعمال کیا جاتا ہے (عضلاتی اعصابی یا عضلاتی غدی)۔

(۱۰) **حلوہ**: یہ ایک ایسا مرکب ہے جس میں گھی اور میوہ جات کثرت سے پڑتے ہیں، اس کا فائدہ جسم کو موٹا کرنا اور اعصاب کو تقویت دینا ہے۔ حلوہ عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی مٹھاس ہیں۔ (اعصابی، غدی مقوی)۔ طب میں بے شمار اقسام کے حلوے استعمال ہوتے ہیں۔ سوہن حلوہ اس کا ایک خاص مرکب ہے۔

(۱۱) **خمیرہ**: یہ مرکب مفرح اور مقوی قلب کے لئے مخصوص ہے۔ اس کا مقصد دوا میں خمیر پیدا کرنا ہے، جو قوام میں ادویات ملانے کے بعد لکڑی کے ڈنڈے سے گھوٹنے سے پیدا ہو جاتا ہے اور اس کا رنگ سفید ہو جاتا ہے۔ (عضلاتی، اعصابی، مقوی) اس کے بھی بے شمار مرکب ہیں۔ بعض خمیرہ جات میں کستوری، عنبر، جواہرات، چاندی اور سونے کے اجزاء اور اوراق بھی شامل کئے جاتے ہیں۔

(۱۲) **دوالمسک**: یہ مرکب بھی مفرح اور مقوی ہے، اس کا جزوِ اعظم کستوری ہے (اعصابی عضلاتی)۔ اس کی بھی بے شمار اقسام ہیں۔ ,اور بعض مرکبات میں جواہرات وغیرہ بھی شامل کر لئے جاتے ہیں۔

(۱۳) **سفوف**: یہ مرکب ہندی لفظ چورن کے معنوں میں آتا ہے۔ یہ امراض معدہ کے لئے مخصوص ہے۔ سفوف جس قدر موٹا رکھا جاتا ہے اسی قدر زیادہ دیر تک معدہ میں رہتا ہے۔ (غدی عضلاتی یا غدی اعصابی)۔ اس کی بھی بے شمار اقسام ہیں۔

(۱۴) **سکنجبین**: یہ مرکب مفرح اور مقوی معدہ کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ اس کا جزو اعظم سرکہ ہے، اس کو شہد یا قند سفید ملا کر قوام بنا لیتے ہیں۔ کبھی اس میں دیگر ادویات بھی شامل کر لیتے ہیں۔ (اعصابی عضلاتی)۔ سرکہ کے علاوہ لیموں اور دیگر ترش پھلوں کے رس سے بھی سکنجبین بنالی جاتی ہے۔ بہت سی اقسام ہیں۔

(۱۵) **سنون**: یہ مرکب دانتوں کے لئے مخصوص ہے۔ مقوی اور محرک ہر قسم کے تیار ہوتے ہیں۔

(۱۶) **شربت**: قند سفید یا شہد وغیرہ سے مرکب تیار کر لیا جاتا ہے۔ پانی میں مٹھاس شامل کر کے سادہ طور پر آگ پر قوام کر کے شربت بنا لیا جاتا ہے اس کا عام طور پر مقصد جسم کی حرارت کو کم کرنا یا پانی زیادہ مقدار میں جسم کے اندر پہنچانا۔ عام طور پر جگر کے امراض میں استعمال ہوتا ہے (اعصابی، عضلاتی) بے شمار اقسام ہیں۔

(۱۷) **شیاف**: گولی کی طرح دوا گوندھ کر بیرونی استعمال یا زخم کے اندر رکھنے کے لئے مرکب تیار کی جاتی ہے۔ گولیوں سے امتیاز کی خاطر ان کو بتی کی شکل یا مخروطی شکل یا چپٹی شکل کی ٹکیہ تیار کر لی جاتی ہے تاکہ سمجھا جائے کہ کھانے کی دوا نہیں ہے۔ عام طور پر آنکھ کے امراض کے لئے خصوصاً آشوبِ چشم کے لئے تیار کئے جاتے ہیں جو پانی میں بھگو کر آنکھ میں پھیر لئے جاتے ہیں۔ زخم یا ناسور وغیرہ کے لئے جو کے برابر کی شکل سے لے کر انگلی تک بنائے جاتے ہیں انگلی کی شکل کے قبض رفع کرنے کی خاطر مقعد میں بھی رکھ دیئے جاتے ہیں جو فوری

ضرورت کے لئے صابن سے بھی تراش لئے جاتے ہیں۔ جو دوا بتی بنا کر یا پوٹلی کی صورت میں یا روئی اور کپڑے کو تر کر کے ناک، کان، مقعد اور عورتوں کی اندام نہانی میں رکھی جاتی ہے، اس کو بھی شیافہ کہتے ہیں۔ اس کی بے شمار اقسام ہیں۔

(۱۸) **شموم**: ایسی ادویہ جو سونگھائی جائے، عام طور پر تیز بو والی ادویات ہوتی ہیں، یہ شیشی میں بند ہوتی ہیں، یہ محلول و سفوف اور ڈلیاں تینوں صورتوں میں ہو سکتی ہیں۔ عام طور پر (اعصابی عضلاتی) یا (اعصابی غدی) ہوتی ہیں۔

(۱۹) **ضماد**: ایسا مرکب جو بیرون جسم پر لگایا جائے اس کا قوام گاڑھا ہوتا ہے جو لیپ کر دیا جاتا ہے۔ لیپ کئی اقسام کے ہیں۔ عام طور پر ماتھے کے لئے مخصوص ہے۔ لیکن تمام جسم پر لگایا جا سکتا ہے۔ مسکن و مخدر اور محرک تینوں صورتوں میں تیار کیا جاتا ہے۔

(۲۰) **طلاء**: ایسا روغنی مرکب جو رقیق ہو۔ اعضاء جسم پر لگایا جائے اس کے فوائد بھی ضماد کی طرح ہیں۔ لیکن کم و بیش ملایا جاتا ہے۔ اب طلاء کو عضوِ مخصوص کی مالش کے لئے مخصوص کر دیا گیا ہے۔ ضمادات کی طرح اس کی بھی اقسام ہیں۔

(۲۱) **غرغرہ**: ایسا مرکب ہے جو سیال ہو اور اس کو منہ میں ڈال کر صرف پھیرا جائے پیا نہ جائے۔ یہ حلق کے لئے مخصوص ہے۔

(۲۲) **فتیلہ**: روئی یا اون کی بتی دوائی مرکب میں ملا کر کان ناک زخم مقعد یا رحم میں رکھی جاتی ہے۔

(۲۳) **فرجہ**: ایسا مرکب جو فتیلہ کی طرح کسی شگاف میں رکھا جائے، اندام نہانی کے لئے مخصوص ہے۔ عام طور پر کسی کپڑے کی چھوٹی سی پوٹلی بنا کر دھاگے سے باندھ کر رحم کے اندر رکھی جاتی ہے اور پھر دھاگہ سے باہر کھینچ جاتی ہے۔

(۲۴) **قرص**: ایسی خوش ذائقہ دوا کا مرکب جو چوسا جائے (ٹکیہ) لیکن اب یہ گولیوں کی طرح اندرونی طور پر استعمال بھی کرائی جاتی ہیں اور دونوں کا آپس میں فرق نہیں رہ گیا۔ ان دونوں میں یہ فرق ضرور ہونا چاہیے کہ قرص خوش ذائقہ بلکہ خوشبودار ہو اور وہ چوس کر یا چبا کر کھائی جائے کونین کی طرح تلخ نہیں ہونی چاہئیں۔ اس کا یہ فائدہ بھی ہے کہ ٹکیاں زیادہ سے زیادہ اور بڑی سے بڑی بھی کھائی جا سکتی ہیں۔ اس کو انگریزی میں لوزنجز کہتے ہیں۔ بے شمار اقسام ہیں۔

(۲۵) **قیر وطی**: ایسا مرکب جو سینے پر مالش کرنے کے لئے تیار کیا جاتا ہے اس کا جزوِ اعظم موم ہوتی ہے۔ اس کا قوام روغن سے غلیظ ہوتا ہے۔ عام طور پر مزاجاً گرم ہوتی ہے (غدی اعصابی)۔

(۲۶) **قطور**: ایسی سیال دوا جو کان، ناک یا کسی سوراخ میں ٹپکائی جائے۔

(۲۷) **کحل**: ایسا مرکب جو آنکھ میں سرمہ کی طرح لگایا جائے اس کا اکثر جزو سرمہ سیاہ یا سرمہ سفید ہوتے ہیں۔

(۲۸) **کاجل**: یہ بھی ایسا مرکب ہے جو آنکھ میں لگایا جاتا ہے مگر سرمہ کی طرح خشک سفوف نہیں ہوتا۔ بلکہ موم کی طرح قوام ہوتا ہے۔ اس کا جزوِ اعظم جمع کیا ہوا دھواں ہوتا ہے جو کسی روغن میں ضرورت کے مطابق ملا کر کاجل بنا لیا جاتا ہے۔ اس کی سیاہی سرمے کی سیاہی سے زیادہ ہوتی ہے۔

(۲۹) **کماد**: دواؤں کا ایک مرکب جسے پوٹلی میں بند کر کے اور گرم کر کے خشک یا تر عضو پر ٹکور کرتے ہیں۔

(۳۰) **گلقند**: ایک ایسا مرکب ہے جو کسی پھول اور قند سے تیار کیا جاتا ہے۔ عام طور پر گلاب اور قند سے تیار کیا جاتا ہے۔ کبھی کبھی قند کی بجائے شہد بھی استعمال ہوتا ہے۔ گلقند عام طور پر ملین طور پر استعمال ہوتا ہے۔ (اعصابی عضلاتی) یا (اعصابی غدی)۔

(۳۱) **لبوب**: ایسا مرکب ہے مغزیات اس کا جزوِ اعظم ہوتے ہیں۔ لبوب کے معنی ہیں مغز۔ اس کا استعمال زیادہ تر گردوں، مادہ منویہ اور دیگر عضو کی تقویت کے لئے استعمال کیا جاتا ہے (غدی اعصابی)۔

(۳۲) **لخلخہ**: رقیق خوشبودار ادویات کا ایسا مرکب جو کسی کھلے منہ کی بوتل یا تازہ مٹی کے برتن میں ڈال کر سونگھائی جائے۔

(۳۳) **لعوق**: ایک ایسا مرکب ہے جو لیسدار چٹنی کی شکل میں تیار ہوتا ہے جو عام طور پر گلے اور سینے کے امراض میں استعمال ہوتا ہے۔ اس چٹنی میں کسی قدر مٹھاس بھی ہوتی ہے۔ (عضلاتی اعصابی) یا (عضلاتی غدی)۔

(۳۴) **مرہم**: ایک ایسا مرکب ہے جو روغن یا موم یا چربی یا کسی لیسدار شے میں تیار کیا جاتا ہے، جو پھوڑے، پھنسی اور ورم و زخم کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ اس کا استعمال صرف بیرونی ہوتا ہے۔

(۳۵) **معجون**: ایک ایسا مرکب ہے جس میں پسی ہوئی ادویات کو قند اور شہد کے قوام میں نیم جامد تیار کیا جاتا ہے جو اکثر اعصاب کی تقویت کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ (عضلاتی، غدی، مقوی)۔

(۳۶) **مفرح**: ایسا ایک مرکب ہے جو فرحت سرور اور خوشی بخشنے والا ہوتا ہے، ایسے یا شراب میں تیار کئے جاتے ہیں یا ان میں شراب کا کیف و سرور پیدا کیا جاتا ہے۔ انتہائی مقوی اعصاب اور محرکِ قلب ہوتا ہے۔ (عضلاتی غدی، مقوی)۔

(۳۷) **نوشدارو**: ایک ایسا مرکب ہے جو تقویت معدہ و ہضم اور قبض کے لئے مخصوص ہے بعض نے اس کو انوشدارو لکھا ہے۔ فارسی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ''دوائے ہضم'' یا ''عطیہ الٰہی'' کے ہیں۔ بعض اطباء نے لفظ نوش ہلیلہ بلیلہ آملہ خبث الحدید اور شہد کی مناسبت سے سمجھتے ہیں۔ چونکہ اس میں یہ پانچ اجزاء لازمی ہیں اس لئے بعض اس کو پنج نوش بھی کہتے ہیں۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ اس میں آملہ جزوِ اعظم ہے اور یہ بالکل معجون کی طرح تیار ہوتی ہے۔ اس کو حکیم شریف خان کے نام سے موسوم کرتے ہیں (عضلاتی، اعصابی، مقوی)۔

(۳۸) **نطول**: ایسا ادویات کا مرکب جو گرم یا سرد پانی میں تیار کیا جاتا ہے جو کسی عضو پر فاصلے سے ڈالا جاتا ہے۔ جس کا مقصد ایک قسم کی ٹکور ہے۔

(۳۹) **نفوخ**: ادویات کا ایک ایسا مرکب ہے جس میں ادویات کو میدہ کی طرح سفوف کر لیا جاتا ہے اور پھر ضرورت کے مطابق خشک ناک، حلق اور کسی زخم میں نلکی یا کسی آر سے پھونکا جاتا ہے۔

(۴۰) **یاقوتی**: ایک ایسا مرکب ہے جو تقویتِ ارواح و اعضاء کے لئے استعمال کیا جاتا ہے، جس کو دواء لمسک اور مفرح کی طرح تیار کیا جاتا ہے جس کے اجزاء میں جواہرات و کستوری اور عنبر کے ساتھ سونے چاندی کے اجزاء بھی شریک کئے جاتے ہیں۔ اس میں یاقوت جزوِ اعظم ہوتا ہے (عضلاتی، اعصابی)۔

ان مجرب مرکبات کے علاوہ اور بھی چند مرکبات ہیں جن کو طوالت کے لئے نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ یہ سب طب قدیم کا قیمتی خزانہ اور کمالِ فن ہے۔ ہم نے ان کے نسخہ جات کو نہیں لکھا۔ اگر ہم کم از کم ایک ایک کے دس مرکبات بھی منتخب کر کے لکھتے تو ان کی تعداد چار سو بن جاتی۔ ہم ان شاء اللہ بہت جلد کتاب المرکبات میں اُن کو تفصیل کے ساتھ لکھیں گے، تاکہ ان کے افعال و اثرات اور خواص و فوائد پورے طور پر ذہن نشین ہوسکیں۔

ہم نے طبِ قدیم کے تمام مرکبات کو نظریہ مفرد اعضاء کے تحت بیان کر دیا ہے تاکہ جو لوگ نظریہ مفرد اعضاء کے حامل ہیں وہ ان سے آسانی کے ساتھ پورے طور پر مستفید ہوسکیں۔ اور اس طرح تمام طب قدیم رفتہ رفتہ نظریہ مفرد اعضاء کے تحت ڈھل (ڈیولپ) جائے۔ اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ہماری اس تحقیقات تجدید سے وہی لوگ فائدہ حاصل کر سکیں گے جو نظریہ مفرد اعضاء کو ذہن نشین کر لیں گے اور ہمارے مجربات سے صحیح معنوں میں فائدہ اٹھائیں گے۔

علاج بالمفرد اعضاء

تعریف نظریہ مفرد اعضاء

نظریہ مفرد اعضاء ایک ایسی تحقیق ہے جس سے ثابت کیا گیا ہے کہ امراض کی پیدائش مفرد اعضاء گوشت، پٹھے، غدد میں ہوتی ہے اوراس کے بعد مرکب اعضاء کے افعال میں افراط وتفریط اور ضعف سے پیدا ہوتے ہیں اور علاج میں بھی مرکب اعضاء کی بجائے مفرد اعضاء کو مدنظر رکھنا چاہئے، کیونکہ ان کے تمام مرکب اعضاء مفرد اعضاء کی بافتوں اور انسجہ (بنیادوں) سے مل کر بنتے ہیں۔

یہ علمی نظریہ ایک ایسا فلسفہ ہے جس سے جسم انسان کو مفرد اعضاء کے تحت تقسیم کر دیا گیا ہے کہ اعضائے رئیسہ دل، دماغ، جگر مفرد اعضاء ہیں جو عضلات، اعصاب اور غدد کے مراکز ہیں۔ جن کی بناوٹ جدا جدا اقسام کے انسجہ (ٹشوز) سے بنی ہوئی ہے اور ہر نسیج بے شمار زندہ حیوانی ذرّات (سیلز) سے مرکب ہے۔ حیوانی ذرّہ انسانی جسم کی اوّلین بنیاد (فرسٹ یونٹ) ہے۔ ہر حیوانی ذرّہ اپنے اندر حرارت وقوت اور رطوبت (ہیٹ، فورس اور انرجی) رکھتا ہے۔ جس کے اعتدال کا نام صحت ہے۔ جب اس حیوانی ذرّہ (خلیہ) کے افعال میں افراط وتفریط یا ضعف واقع ہوتا ہے تو اس کی اخلاط کی حرارت وقوت اور رطوبت میں اعتدال قائم نہیں رہتا۔ پس اس کا نام مرض ہے۔ اس حیوانی ذرّہ کا اثر نسیج پر پڑتا ہے۔ اس کے بعد مفرد اعضاء کے تعلق سے اعصاب وغدد اور عضلات وغیرہ کے مطابق گزرتا ہوا اپنے متعلقہ عضو رئیس میں ظاہر ہوتا ہے اور ان میں افراط وتفریط اور ضعف کی شکل میں امراض وعلامات پیدا ہوتی ہیں۔ علاج کی صورت میں انہی مفرد اعضاء کے افعال درست کر دینے سے ایک حیوانی ذرّہ سے لے کر عضو رئیس تک کے افعال درست ہو جاتے ہیں، بس یہی ''نظریہ مفرد اعضاء'' ہے۔

نظریہ مفرد اعضاء کی تحقیق کا مقصد

نظریہ مفرد اعضاء کی ضرورت اور تحقیق کا مقصد یہ تھا کہ طب قدیم کی کیفیات مزاج اور اخلاط کو مفرد اعضاء سے تطبیق دے دی جائے۔ تاکہ ایک طرف ان کی اہمیت واضح ہو جائے اور دوسری طرف یہ حقیقت سامنے آ جائے کوئی طریق علاج جس میں کیفیات ومزاج اور اخلاط کو مدنظر نہیں رکھا جاتا وہ نہ صرف غلط ہے بلکہ وہ غیر علمی طریق علاج ہے اور اس میں یقینی شفا نہیں اور وہ عطایانہ طریق علاج ہے جیسے فرنگی طب ہے۔ جس میں کیفیات ومزاج اور اخلاط کو کوئی اہمیت حاصل نہیں ہے۔ اس لئے اس کی تشخیص وتجویز میں مطابقت اور موافقت پیدا نہیں ہوسکتی۔ انہیں مقاصد کے تحت ''نظریہ مفرد اعضاء'' کی بنیاد احیائے فن اور تجدید طب پر رکھی گئی ہے۔ موجودہ فرنگی دور میں فرنگی طب کی تقلید میں کیفیات ومزاج اور اخلاط کو چھوڑ کر صرف امراض وعلامات کے نام پر ان کے علاج کرنے شروع کر دیئے گئے ہیں جو نہ صرف طب قدیم کے قانونِ علاج کے خلاف ہے بلکہ بالکل غلط اور عطایانہ صورت اختیار کر گیا ہے۔

ہم نے نظریہ مفرد اعضاء کے ساتھ کیفیات ومزاج اور اخلاط کو تطبیق دے کر ثابت کر دیا ہے کہ اعضاء کے افعال کیفیات ومزاج و

اخلاط کے اثرات کے بغیر عمل میں نہیں آ سکتے۔اس لئے ان کے اثرات کو مدنظر رکھنا ضروری ہے، تا کہ اعضاء کے افعال کو درست رکھا جا سکے۔اگر اثرات کو مدِ نظر نہ رکھا جائے تو پھر لازم ہے کہ مفرد اعضاء کے مطابق ادویہ اور اغذیہ اور تدابیر کو عمل میں لانا نہایت ضروری ہے۔ گویا مفرد اعضاء کے افعال بالکل کیفیات ومزاج اور اخلاط کے اثرات کے مطابق ہیں۔

اس تحقیق وتطبیق سے افعال مفرد اعضاء اور کیفیات ومزاج اور اخلاط سے ایک طرف ان کی اہمیت سامنے آ گئی ہے اور طب قدیم میں زندگی پیدا ہوگئی ہے اور دوسری طرف اعضاء کے افعال کے علاج میں ضرورت سامنے آ گئی ہے۔اس طرح تجدید طب کا سلسلہ قائم کر دیا ہے اور نظریہ مفرد اعضاء کو قدیم طبوں کے لئے تجدید واحیاء کے لئے معیار اور کسوٹی مقرر کیا گیا ہے اور ساتھ ہی علم الادویہ میں بھی اسی صورت کو ثابت کیا گیا ہے۔وہ بھی صرف انہی مفرد اعضاء پر اثر کرتی ہیں جن سے امراض وعلامات رفع ہو جاتی ہیں۔پوری طرح صحت صحیح ہو جاتی ہے۔کیونکہ ہماری تحقیق ہے کہ کوئی دوا کبھی بھی مفرد اعضاء کی بجائے سیدھی امراض وعلامات پر اثر انداز نہیں ہو سکتی۔

تشریح نظریہ مفرد اعضاء

نظریہ مفرد اعضاء بالکل نیا نظریہ ہے۔تاریخ طب میں اس کا کہیں اشارہ تک نہیں پایا جاتا۔اس نظریہ پر پیدائش امراض اور صحت کی بنیاد رکھی گئی ہے۔اس نظریہ سے قبل بالواسطہ یا بلاواسطہ پیدائش امراض کو مرکب اعضاء کی خرابی کو کہا جاتا رہا ہے۔مثلاً معدہ و امعاء، شش ومعدہ، آنکھ ومنہ، کان وناک بلکہ اعضائے مخصوصہ تک کے امراض کو ان اعضاء کے افعال کی خرابی سمجھا جاتا ہے۔یعنی معدہ کی خرابی کو اس کی مکمل خرابی مانا گیا ہے۔جیسے سوزش معدہ، درد معدہ، ورم معدہ، ضعف معدہ اور بدہضمی پورے معدہ کی خرابی بیان کی جاتی ہے۔لیکن حقیقت میں ایسا نہیں ہے۔کیونکہ معدہ ایک مرکب عضو ہے اور اس میں عضلات واعصاب اور غدد وغیرہ ہر قسم کے اعضاء پائے جاتے ہیں اور جب مرض ہوتا ہے تو وہ تمام اعضاء جو مفرد ہیں بیک وقت گرفتار مرض نہیں ہوتے بلکہ کوئی مفرد عضو مریض ہوتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ معدہ میں مختلف اقسام کے امراض پیدا ہوتے ہیں۔

جب معدہ کے مفرد اعضاء میں سے کوئی گرفتار مرض ہوتا ہے۔مثلاً معدہ کے اعصاب مرض میں مبتلا ہوتے ہیں تو اس کی دیگر علامات بھی اعصاب میں ہوں گی اور ان کا اثر دماغ تک جائے گا۔اسی طرح اگر اس کے عضلات مرض میں مبتلا ہوں گے تو جسم کے باقی عضلات میں بھی یہی علامات پائی جائیں۔اور اس کا اثر قلب تک چلا جاتا ہے۔یہی صورت اس کے غدد کے مرض کی صورت میں پائی جاتی ہے۔یعنی دیگر غدد کے ساتھ جگر اور گردوں کو بھی متاثر کرتے ہیں یا بالکل معدہ کے مفرد اعضاء، اعصاب وغدد وعضلات کے برعکس اگر دل و دماغ اور جگر وگردہ میں امراض پیدا ہو جائیں تو معدہ وامعاء اور شش ومثانہ بلکہ آنکھ، منہ ناک اور کان میں بھی علامات ایسی ہی پائی جائیں گی۔اس لئے پیدائش امراض اور شفاء امراض کے لئے مرکب عضو کی بجائے مفرد عضو کو مدنظر رکھنے سے یقینی تشخیص اور بے خطا علاج کی صورتیں پیدا ہو جاتی ہیں۔

اس طرح ایک طرف کسی عضو کی خرابی کا علم ہوتا ہے تو دوسری طرف اس کے صحیح مزاج کا علم ہو جاتا ہے کیونکہ ہر مفرد اعضاء کسی نہ کسی کیفیت ومزاج بلکہ اخلاط کے اجزاء کے متعلق ہے۔یعنی **دماغ واعصاب کا مرکز سرد تر ہے ان میں تحریک سے جسم میں سردی تری اور بلغم بڑھ جاتی ہے**، اسی طرح **جگر وغدد کا مزاج گرم خشک ہے اس کی تحریک سے جسم میں گرمی خشکی اور صفرا بڑھ جاتے ہیں** یہ صورت قلبی عضلات کی ہے اور مفرد اعضاء کے برعکس اگر جسم میں کسی کیفیت یا مزاج اور اخلاط کی زیادتی ہو جائے تو ان کے متعلق مفرد اعضاء پر اثر انداز ہو کر ان میں تیزی کی علامات پیدا ہو جائیں گی۔اسی طرح دونوں صورتیں نہ صرف سامنے آ جاتی ہیں۔بلکہ علاج میں بھی آسانیاں پیدا ہو جاتی

ہیں، ایک خاص بات ذہن نشین کر لیں کہ مفرد اعضاء کی جو ترتیب اوپر بیان کی گئی ہے اور ان میں جو تحریکات پیدا ہوتی ہیں وہ ایک سے دوسرے مفرد اعضا میں تبدیل ہوتی رہی ہیں اور کی جاسکتی ہیں۔ اس طرح سے امراض پیدا ہوتے ہیں اور اسی طرح ہی ان تحریکات کو بدل کر ان کو شفا اور صحت کی طرف لایا جاسکتا ہے۔

نظریہ مفرد اعضاء کی عملی تشریح

اس اجمال کی تفصیل تو ہم پھر بیان کریں گے، یہاں صرف مختصر سی تشریح بیان کر دیتے ہیں جس سے ایک ہلکا سا خاکہ قارئین کے ذہن نشین ہو جائے اور اہل فن اس نظریئے سے مستفید ہو سکیں۔ انشاء اللہ ہم اس کی تمام تفصیلات اس رسالہ میں بیان کرتے رہیں گے۔
جاننا چاہئے کہ انسان تین چیزوں سے مرکب ہے: (1) جسم-باڈی (2) نفس-وائٹل فورس (3) روح-سول۔

نفس اور روح کا ذکر تو پھر کریں گے یہاں اوّل جسم کو بیان کرنا ضروری ہے۔

جسم انسان تین چیزوں سے مرکب ہے: (1) بنیادی اعضاء- بیسک آرگن (2) حیاتی اعضاء- لائف آرگن (3) خون- بلڈ۔
ان کی مختصر تفصیل درج ذیل ہے۔

(۱) **بنیادی اعضاء**: ایسے اعضاء جن سے جسم انسانی کا ڈھانچہ بنتا ہے تین اعضاء پر محیط ہیں:

(1) ہڈیاں- بونز (2) رباط- لگے منٹس (3) اوتار- ٹنڈنز۔

(۲) **حیاتی اعضاء**: ایسے اعضاء جن سے انسانی زندگی اور بقا قائم ہے۔ یہ بھی تین ہیں: (1) اعصاب (نروز) جن کا مرکز دماغ (برین) ہے۔ (2) غدد (گلینڈز) جن کا مرکز جگر (لیور) ہے۔ (3) اس طرح عضلات (مسلز) جن کا مرکز قلب (ہارٹ) ہے۔ گویا دِل، دماغ اور جگر جو اعضائے رئیسہ ہیں وہی انسان کے حیاتی اعضاء ہیں۔

(۳) **خون**: سرخ رنگ کا ایک ایسا مرکب ہے جس میں لطیف بخارات (گیسز)، حرارت (ہیٹ)، رطوبت (لیکوئڈ) پائے جاتے ہیں۔ یہ ہوا، حرارت اور پانی سے تیار ہوتا ہے۔ دوسرے معنوں میں صفراء، سوداء اور بلغم کا حامل ہے۔ جس کی تفصیل آئندہ بیان کی جائے گی۔

اسی مختصر سی تشریح کے بعد جاننا چاہئے کہ قدرت نے ضرورت کے مطابق جسم میں اس کی ترتیب ایسی رکھی ہے کہ اعصاب باہر کی طرف ہیں اور ہر قسم کے احساسات ان کے ذمہ ہیں، اعصاب کے اندر کی طرف غدد ہیں جو ہر قسم کی غذا جسم کو مہیا کرتے ہیں۔ غدد سے اندر کی طرف عضلات ہیں ہر قسم کی حرکات ان کے متعلق ہیں۔ یہی تینوں جسم میں ہر قسم کے احساسات، اغذیہ اور حرکات کے طبعی افعال انجام دیتے ہیں۔

غیر طبعی افعال

حیاتی اعضاء کے غیر طبعی افعال صرف تین ہیں:

① ان میں سے کسی عضو کے فعل میں تیزی آجائے گی۔ یہ صورت ریاح کی زیادتی سے پیدا ہوگی۔
② ان سے کسی فعل کے عضو میں سستی آجائے۔ یہ صورت رطوبت یا بلغم کی زیادتی سے پیدا ہوگی۔
③ ان میں سے کسی عضو میں ضعف پیدا ہو جائے یہ حرارت کی زیادتی سے پیدا ہوگا۔

یادرکھیں چوتھا کوئی غیر طبعی فعل واقع ہی نہیں ہوتا۔ اعضائے مفرد کا باہمی تعلق جاننا بہت ضروری ہے۔ کیونکہ علاج میں ہم ان ہی کی معاونت سے تشخیص، تجویز اور علامات کو رفع کرنے میں مدد حاصل کرتے۔ ان کی ترتیب میں اوپر یہ بیان کیا گیا ہے کہ اعصاب جسم کے بیرونی طرف یا اوپر کی طرف ہیں اور ان کے نیچے یا بعد میں غدد کو رکھا گیا ہے اور جہاں پر غدد نہیں پائے جاتے وہاں ان کے قائم مقام غشائے مخاطی بنا دی گئی ہیں، اوران کے نیچے یا بعد میں عضلات رکھے گئے ہیں اور جسم میں ہمیشہ یہ ترتیب قائم رہتی ہے۔

افعال کے لحاظ سے بھی ہر عضو میں صرف تین ہی افعال پائے جاتے ہیں۔

① عضو کے فعل میں تیزی پیدا ہو جائے تو ہم اس فعل کو تحریک کہتے ہیں۔

② عضو کے فعل میں سستی نمودار ہو جائے تو ہم اس کو تسکین کا نام دیتے ہیں۔

③ عضو کے فعل میں ضعف واقع ہو جائے اس کو تحلیل کی صورت قرار دیتے ہیں۔

حقیقت بھی یہی ہے کہ ہر عضو میں ظاہرہ دو ہی صورتیں ہیں۔ اوّل تیزی اور دوسرے سستی، لیکن سستی دو قسم کی ہوتی ہے۔ اوّل سستی سردی یا بلغم کی زیادتی سے اور دوسرے سستی حرارت کی زیادتی سے ہوتی ہے۔ اس لیے اوّل الذکر کا نام تسکین رکھا جا سکتا ہے اور ثانی الذکر کی سستی کو تحلیل ہی کہنا بہتر ہے کیونکہ حرارت اور گرمی کی زیادتی سے ضعف پیدا ہوتا ہے اور یہ بھی ایک قسم کی سستی ہے لیکن چونکہ ضعف حرارت اور گرمی کی زیادتی سے پیدا ہوتا ہے اور اس میں جسم یا عضو گھلتا ہے اور یہ صورت مرض کی حالت میں آخر تک قائم رہتی ہے بلکہ صحت کی بحالی میں بھی ایک ہلکے قسم کی تحلیل جاری رہتی ہے۔ اس لیے انسان بچپن سے جوانی اور جوانی سے بڑھاپے سے موت کی آغوش میں چلا جاتا ہے۔ اس لیے اس حالت کا نام تحلیل بہت مناسب ہے۔

ساتھ ہی اس امر کو بھی ذہن نشین کر لیں کہ یہ تینوں صورتیں یا علامات تینوں اعضا اعصاب، غدود، عضلات میں کسی ایک حالت میں ضرور پائی جائیں گی۔ البتہ ایک دوسرے میں بدلتی رہتی ہیں اور اسی غیر طبعی تبدیلی ہی سے مختلف امراض پیدا ہوتے ہیں اور انہی کی طبعی تبدیلی سے صحت حاصل ہو جاتی ہے۔ اعضا کے اندر تبدیلیوں کو ذیل کے نقشہ سے آسانی کے ساتھ سمجھا جا سکتا ہے۔

نام اعضاء	اعصاب	غدد	عضلات	نتیجہ
ا۔تحریک اعصاب	تحریک	تحلیل	تسکین	جسم میں رطوبات کی زیادتی
۲۔تحریک غدد	تسکین	تحریک	تحلیل	جسم میں حرارت کی زیادتی
۳۔تحریک عضلات	تحلیل	تسکین	تحریک	جسم میں ریاح کی زیادتی

گویا ہر عضو میں یہ تینوں حالتیں یا علامات فرداً فرداً ضرور پائی جائیں گی۔ یعنی:

- اگر اعصاب میں تحریک ہے تو غدد میں تحلیل اور عضلات میں تسکین ہوگی، نتیجتاً جسم میں رطوبات (بلغم یا کف) کی زیادتی ہوگی۔
- اگر غدد میں تحریک ہے تو عضلات میں تحلیل اور اعصاب میں تسکین ہوگی، نتیجتاً جسم میں حرارت (صفرا یا پت) کی زیادتی ہوگی۔
- اگر عضلات میں تحریک ہے تو اعصاب میں تحلیل اور غدد میں تسکین ہوگی، نتیجتاً جسم میں ریاح (سوداویت-وات) کی زیادتی ہوگی۔

یہ تمام جسم اور اس کے افعال کی اصولی (سسٹومیٹک) تقسیم ہے۔ اس سے تشخیص اور علاج واقعی آسان ہو جاتا ہے۔ گویا اس طریقے کو سمجھنے کے بعد علم طب نہیں رہتا بلکہ یقینی طریق علاج بن جاتا ہے۔

نزلہ کی مثال بانظریہ مفرد اعضاء

نزلہ ایک علامت ہے جو کسی مرض پر دلالت کرتا ہے۔ اس کو کسی صورت میں بھی مرض کہنا صحیح نہیں ہے اور اس کو ابوالامراض کہنا تو انتہائی غلط فہمی ہے کیونکہ نزلہ مواد یا رطوبت کا گرنا ہے اور یہ علامات کسی کی عضو تحریک کی طرف دلالت ہے۔ اس عضو کے افعال کی خرابی ہی کو مرض کہا جا سکتا ہے۔ البتہ عضو کے افعال کی خرابی کی جس قدر صورتیں ہو سکتی ہیں وہ تمام امراض میں شریک ہوں گی۔

مواد یا رطوبات کا طریق اخراج

رطوبات (لمف) یا مواد (میٹریا سکریشن) کا اخراج ہمیشہ خون میں سے ہوتا ہے۔ اس کو پوری طرح سمجھنے کے لیے پورے طور پر دورانِ خون کو ذہن نشین کر لینا چاہیے۔ یعنی دِل سے صاف شدہ خون بڑی شریان اور طی سے چھوٹی شریانوں میں سے عروق شعریہ ہی کے ذریعے غدد اور غشائے مخاطی میں جسم کی خلاؤں پر ترشح پاتا ہے۔ یہ ترشح کبھی زیادہ ہوتا ہے، کبھی کم، کبھی گرم ہوتا ہے کبھی سرد، کبھی رقیق ہوتا ہے اور کبھی غلیظ اور کبھی سفید ہوتا ہے اور کبھی زرد، وغیرہ وغیرہ۔ اس سے ثابت ہوا کہ نزلہ یا ترشح (سکریشن) کا اخراج ہمیشہ ایک ہی صورت میں نہیں ہوتا اس میں مختلف صورتیں کیفیتیں اور رنگ پائے جاتے ہیں۔ گویا نزلہ جو ایک علامت ہے وہ بھی اپنے اندر کئی انداز رکھتا ہے۔ اس لیے اس کو ابوالعلامات کہتے ہیں۔

نزلہ کے تین انداز

1. نزلہ پانی کی طرح بے تکلیف رقیق بہتا ہے۔ عام طور پر اس کا رنگ سفید اور کیفیت سرد ہوتی ہے۔ اس کو عام طور پر زکام کا نام دیتے ہیں۔
2. نزلہ لیسدار جو ذرا کوشش اور تکلیف سے خارج ہوتا ہے۔ عام طور پر اس کا رنگ زرد اور کیفیت گرم ہوتی ہے۔ اس کو نزلہ حار کہتے ہیں۔
3. نزلہ بند ہو تو انتہائی کوشش اور تکلیف سے بھی اخراج کا نام نہیں لیتا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے بالکل جم گیا ہو اور گاڑھا ہو گیا ہو۔ عام طور پر رنگ میلا یا سرخی سیاہی مائل اور کبھی کبھی زور لگانے سے خون آنے لگ جاتا ہے۔ اس کو بند نزلہ کہا جاتا ہے۔

نزلہ کی تشخیص

1. اگر نزلہ پانی کی طرح بے تکلف رقیق بہ رہا ہے تو یہ اعصابی (دماغی) نزلہ ہے۔ یعنی اعصاب کی تیزی سے ہے۔ اس کا رنگ سفید اور کیفیت سرد ہوگی۔ اس میں قارورہ کا رنگ بھی سفید ہوگا۔
2. اگر نزلہ لیسدار ہو جو ذرا کوشش و تکلیف اور جلن سے خارج ہو رہا ہو تو یہ غدی (کبدی) نزلہ ہے یعنی جگر کے فعل میں تیزی ہے۔ اس کا رنگ عام طور پر زردی مائل اور کیفیت گرم اور تیز ہوگی۔ اس میں قارورہ کا رنگ زرد یا زرد سرخی مائل ہوگا۔ گویا یہ نزلہ حار ہے۔
3. اگر نزلہ بند ہو اور انتہائی کوشش اور تکلیف سے بھی خارج ہونے کا نام نہ لے، ایسا معلوم ہو کہ جیسے بالکل جم گیا ہے اور گاڑھا ہو گیا ہے تو یہ نزلہ عضلات (قلبی) ہوگا، یعنی اس میں عضلات کے فعل میں تیزی ہے۔ اس کا رنگ عام طور پر میلا یا سرخی سیاہی مائل اور کبھی کبھی زیادہ زور لگانے سے خون بھی آجاتا ہے۔

اوّل صورت میں جسم میں رطوبات سرد (بلغم) کی زیادتی ہوگی۔ دوسری صورت میں صفراوی (گرمی خشکی) کی زیادتی ہوگی۔ تیسری صورت میں سوداویت (سردی خشکی) اور ریاح کی زیادتی ہوگی اور انہی اخلاط و کیفیات کی تمام علامات پائی جائیں گی۔

گویا نزلہ کی یہی تینوں صورتیں ہیں۔ ان کو اسی مقام پر ذہن نشین کر لینا چاہیے۔ چوتھی صورت کوئی نہ ہوگی۔ البتہ ان تینوں صورتوں میں کمی بیشی اور انتہائی شدت ہوسکتی ہے۔ انتہائی شدت کی صورت میں انہی اعضاء کے اندر درد یا سوزش یا ورم پیدا ہو جائے گا۔ انہی شدید علامات کے ساتھ بخار، ہضم کی خرابی، کبھی قے، کبھی اسہال، کبھی پیچش، کبھی قبض ہمراہ ہوں گے، لیکن یہ تمام علامات انہی اعضاء کی مناسبت سے ہوں گی۔ اسی طرح کبھی معدہ وہ امعاء اور سینہ کے انہی اعضاء میں کمی بیشی اور شدت کی وجہ سے بھی ان کی خاص علامات کے ساتھ ساتھ نزلہ کی بھی علامات پائی جائیں گی۔ جن کا اوپر ذکر کیا گیا ہے۔

نزلہ کے معنی میں وسعت

نزلہ کے معنی گرنا ہے۔ اگر اس کے معنی کو ذرا وسعت دے کر اس کے مفہوم کو پھیلا دیا جائے اور جسم انسان کی تمام رطوبات اور مواد کو نزلہ کہہ دیا جائے تو ان سب کی بھی اسی نزلہ کی طرح تین ہی صورتیں ہوسکتی ہیں اور ان کے علاوہ چوتھی صورت نظر نہیں آئے گی۔ مثلاً اگر پیشاب پر غور کریں تو اس کی بھی تین صورتیں ہی ہوں گی:

① اعصاب میں تیزی ہوگی تو پیشاب زیادہ اور بغیر تکلیف کے آئے گا۔
② اگر غدد میں تیزی ہوگی تو پیشاب جلن کے ساتھ قطرہ قطرہ آئے گا۔
③ اگر عضلات میں تیزی ہوگی تو پیشاب بند ہوگا یا بہت کم آئے گا۔

یہی صورتیں پاخانہ پر بھی وارد ہوں گی یعنی:

① اعصابی صورت میں اسہال۔
② غدی صورت میں پیچش
③ عضلاتی صورت میں قبض

اسی طرح لعاب دہن، آنکھ، کان اور پسینہ وغیرہ ہر قسم کی رطوبات پر غور کر لیں۔ البتہ خون کی صورت رطوبات سے مختلف ہے یعنی:

① اعصاب کی تیزی میں جب رطوبات کی زیادتی ہوتی ہے تو خون کبھی نہیں آتا۔
② جب غدد میں تیزی ہوتی ہے تو خون تکلیف سے تھوڑا تھوڑا آتا ہے۔
③ لیکن جب عضلات کے فعل میں تیزی ہوتی ہے تو شریانیں پھٹ جاتی ہیں اور بے حد کثرت سے خون آتا ہے۔

اس سے ثابت ہوگیا کہ جب خون آتا ہے تو رطوبات کا اخراج بند ہو جاتا ہے اور اگر رطوبات کا اخراج زیادہ کر دیا جائے تو خون کی آمد بند ہو جائے گی۔

نظریہ مفرد اعضاء کے جاننے کے بعد اگر ایک طرف تشخیص آسان ہوگئی ہے تو دوسری طرف امراض اور علامات کا تعین ہوگیا ہے۔ اب ایسا نہیں ہوگا کہ آئے دِن نئے نئے امراض اور علامات فرنگی طب تحقیق کرتی رہے اور اپنی تحقیقات کا دوسروں پر رُعب ڈالتی رہے بلکہ ایسے امراض اور علامات جو بے معنی صورت رکھتے ہوں وہ ختم کر دیئے جائیں گے۔ جیسے وٹامنی امراض، غذائی امراض اور موسمی امراض، وغیرہ وغیرہ۔ بس ایسے امراض اور علامات کا تعلق کسی نہ کسی عضو سے جوڑنا پڑے گا اور انہی کے افعال کی خرابی کو امراض کہنا پڑے گا۔ گویا

کیمیاوی اور دموی تغیرات کو بھی اعضاء کے تحت لانا پڑے گا۔ دموی اور کیمیاوی تغیرات بھی اپنے اندر حقیقت رکھتے ہیں لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ جسم میں خون کی پیدائش اور اس کی کمی بیشی انسان کے کسی نہ کسی عضو کے ساتھ متعلق ہے۔ اس لیے جسم انسان میں دموی اور کیمیاوی تبدیلیاں بھی اعضائے جسم کے تحت آ جاتی ہیں۔ اس امر میں کوئی شک نہیں ہے کہ جسم میں ایک بڑی مقدار میں زہریلی ادویات اور اغذیہ سے موت واقع ہو جاتی ہے۔ لیکن ایسے کیمیاوی تغیرات بھی اس وقت تک پیدا نہیں ہوتے جب تک جسم کا کوئی عضو بالکل باطل نہ ہو جائے۔

دیگر اہم علامات

نزلہ کی طرح دیگر علامات بھی چند اہم علامات میں تقسیم ہو جاتی ہیں۔ اگر ان علامات کو ذہن نشین کر لیا جائے تو نزلہ کی طرح جن مفرد اعضاء سے اس کا تعلق ہوگا ان کے ساتھ ہی وہ ایک مرض کی شکل اختیار کر لیں گے ورنہ تنہا ان علامات کو امراض کا نام نہیں دیا جا سکتا۔

وہ اہم علامات درج ذیل ہیں؛ ① سوزش ② ورم ③ بخار ④ ضعف۔

مختصر تشریح درج ذیل ہے:

سوزش: سوزش ایک ایسی جلن ہے جو کیفیاتی ونفسیاتی اور مادی تحریکات سے جسم کے کسی عضو مفرد میں پیدا ہو جائے۔ سوزش میں سرخی اور درد وحرارت لازم ہوتی ہیں۔ تحریک سے سوزش تک بھی چند منزلیں ہیں؛ ① لذت ② بے چینی ③ خارش۔ کبھی طبیعت انہی علامات میں سے کسی ایک پر رُک جاتی ہے اور کبھی گزر کر سوزش بن جاتی ہے۔ سوزش پر مکمل مضمون ماہنامہ ''رجسٹریشن فرنٹ'' میں شائع ہو چکا ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ اورام کا بیان ختم ہو جانے پر اکٹھا کتابی صورت میں شائع ہو جائے گا۔

ورم: ورم کی علامت سوزش کے بعد پیدا ہوتی ہے۔ اس میں سوزش کی علامات کے ساتھ سوجن بھی ہوتی ہے اور جب سوجن زیادہ ہو جائے یا شدت اختیار کر لے تو حرارت بخار میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ جسم کے پھوڑے اور پھنسیاں اور دانے وغیرہ بھی اورام میں شریک ہیں۔

بخار: بخار ایک ایسی اور غیر معمولی حرارت ہے جس کو حرارت غریبہ (بیرونی) بھی کہتے ہیں جو خون کے ذریعہ قلب سے تمام بدن میں پھیل جاتی ہے جس سے بدن کے اعضاء میں تحلیل اور ان افعال میں نقصان واقع ہوتا ہے۔ غصہ اور تھکان کی معمولی گرمی بخار کی حد سے باہر ہے کیونکہ اس سے کوئی غیر معمولی تبدیلی بدن انسان میں لاحق نہیں ہوتی۔ اس کو عربی میں حمیٰ (جمع حمیات) فارسی میں تپ کہتے ہیں۔ بخار پر ہماری کتاب ''تحقیقات حمیات'' کے نام سے شائع ہو چکی ہے۔

ضعف: جسم کی ایک ایسی حالت کا نام ہے جس میں گرمی کی زیادتی سے کسی مفرد عضو میں تحلیل پیدا ہو جائے۔ ضعف کے مقابلہ میں طاقت کا تصور کیا جا سکتا ہے۔ ضعف کو سمجھنے کے لیے ہماری کتاب ''تحقیقات اعادہ شباب'' کا مطالعہ کریں۔ ان اہم علامات کو جسم کے ساتھ سر سے لے کر پاؤں تک جس کسی عضو کے ساتھ پائیں گے وہ مرض کہلائے گا۔

مفرد اعضاء کا باہمی تعلق

مفرد اعضاء کا باہمی تعلق بھی ہے۔ اسی تعلق سے تحریکات ایک عضو سے دوسرے عضو کی طرف منتقل ہوتی ہیں مثلاً جب غدد میں تحریک ہے تو اس امر کو ضرور جاننا پڑے گا کہ اس تحریک کا تعلق عضلات کے ساتھ ہے یا اعصاب کے ساتھ ہے، کیونکہ اس تحریک کا تعلق کسی نہ کسی دوسرے عضو کے ساتھ ہونا ضروری ہے، کیونکہ مزاجاً بھی کبھی کوئی کیفیت ایک نہیں ہوتی جیسے گرمی یا سردی کبھی تنہا نہیں پائی جائیں گی۔

وہ ہمیشہ گرمی تری یا گرمی خشکی ہوگی۔ اسی طرح سردی تری یا سردی خشکی ہوگی۔ یہی صورت اعضاء میں بھی قائم ہے یعنی غدی عضلاتی (گرم خشک) یا غدی اعصابی (گرم تر)، وغیرہ وغیرہ۔

البتہ اس امر کو ذہن نشین کر لیں کہ اوّل تحریک عضوی (مشینی) ہوگی اور دوسری تحریک کیمیاوی (خلطی) طور پر ہوگی۔ جب کسی مفرد عضو میں تحریک ہوگی تو اس کا تعلق جس دوسرے مفرد عضو سے ہوگا، اس کی کیمیاوی صورت خون میں ہوگی۔ مثلاً غدی عضلاتی تحریک ہے تو اخلاط میں خشکی پائی جائے گی۔ جب غدی اعصابی تحریک ہوگی تو خون میں تری پائی جائے گی۔

مفرد اعضاء کے تعلق کی چھ صورتیں ہیں

مفرد اعضاء صرف تین ہیں لیکن اگر ان کا آپس میں تعلق ظاہر کیا جائے تو کل چھ صورتیں بن جاتی ہیں:

① اعصابی غدی ② اعصابی عضلاتی ③ عضلاتی اعصابی ④ عضلاتی غدی ⑤ غدی عضلاتی اور ⑥ غدی اعصابی۔

یاد رکھیں کہ جو لفظ اوّل ہوگا وہ عضوی تحریک ہے اور جو لفظ بعد میں ہوگا وہ کیمیاوی تحریک کہلاتا ہے، چونکہ کیمیاوی تحریک ہی صحت کی طرف جاتی ہے اس لیے ہر عضوی تحریک کے بعد اس سے جو کیمیاوی اثرات پیدا ہوں انہی کو بڑھانا چاہیے، بس اسی میں شفا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہومیو پیتھک میں بھی ری ایکشن کی علامات کو بڑھایا جاتا ہے۔ اس مقصد کے لیے بلکہ اقل مقدار میں بھی دوا نہ صرف مفید ہو جاتی ہے بلکہ اکثر اکسیر اور تریاق کا کام دے دیتی ہے۔

فارماکوپیا بانظریہ مفرد اعضاء

اعصابی مجربات

اس کی دو صورتیں ہیں: ① اعصابی غدی ② اعصابی عضلاتی۔

(۱) **محرک اعصابی غدی:** سہاگہ، ملٹھی ہر ایک سات تولہ سفوف کریں۔

مقدارِ خوراک: ایک ماشہ سے چھ ماشہ تک حسب ضرورت دیں۔

(۲) **شدید محرک اعصابی غدی:** ''محرک اعصابی غدی'' میں آک کا دودھ نصف تولہ اضافہ کر دیں۔

مقدارِ خوراک: 1/2 رتی تا 1/2 ماشہ دیں۔

(۳) **ملین اعصابی غدی:** ''شدید محرک، اعصابی غدی'' میں ریوند چینی 4 تولہ کا اضافہ کر دیں۔

مقدارِ خوراک: ایک رتی تا ایک ماشہ حسب ضرورت۔

(۴) **مسهل اعصابی غدی:** نسخہ نمبر 3 میں سقمونیا 5 تولہ اضافہ کر دیں۔

مقدارِ خوراک: 2 رتی تا 7 ماشہ حسب ضرورت۔

(۵) **محرک اعصابی عضلاتی:** شورہ قلمی 3 تولہ، تخم کاسنی 5 تولہ سفوف بنالیں۔

مقدارِ خوراک: ایک ماشہ تا 3 ماشہ تک دیں۔

(۶) **محرک شدید اعصابی عضلاتی:** نمبر 5 یعنی محرک اعصابی عضلاتی میں جوکھار وزن 2 تولہ شامل کریں۔

مقدارِ خوراک: ایک تا 3 ماشہ حسب ضرورت۔

(۷) **ملین اعصابی عضلاتی:** نمبر 6 یعنی محرک شدید اعصابی عضلاتی میں گل سرخ 8 تولہ شامل کریں۔

مقدارِ خوراک: ایک تا 3 ماشہ حسب ضرورت۔

(۸) **مسهل اعصابی عضلاتی:** نمبر 7 میں کالا دانہ بیس تولہ شامل کریں۔

مقدارِ خوراک: ایک تا 3 ماشہ حسب ضرورت دیں۔

(۹) **محرک عضلاتی اعصابی:** کرنجوہ آملہ ہر ایک 5 تولہ سفوف بنائیں۔

مقدارِ خوراک: ایک تا 3 ماشہ حسب ضرورت دیں۔

(۱۰) **محرک شدید اعصابی:** نمبر 9 میں پھٹکڑی سوختہ 10 تولہ شامل کریں۔

مقدارِ خوراک: 4 رتی تا 2 ماشہ۔

(۱۱) **ملین عضلاتی اعصابی:** نمبر 10 میں ہلیلہ سیاہ سوختہ 20 تولہ شامل کریں۔

مقدارِ خوراک: ایک ماشہ سے 4 ماشہ۔

(۱۲) **مسهل عضلاتی اعصابی:** نمبر 11 میں جلاپہ 20 تولہ ملالیں۔

مقدارِ خوراک: ایک ماشہ سے 3 ماشہ۔

(۱۳) **محرک عضلاتی غدی:** لونگ ایک تولہ، دارچینی 3 تولہ کو سفوف بنالیں۔

مقدارِ خوراک: 4 رتی تا ایک ماشہ۔

(۱۴) **محرک شدید عضلاتی غدی:** نسخہ نمبر 13 میں یعنی محرک عضلاتی غدی میں جاوتری دو تولہ ملالیں۔

مقدارِ خوراک: 4 رتی سے ایک ماشہ۔

(۱۵) **ملین عضلاتی غدی:** نسخہ نمبر 14 یعنی محرک شدید عضلاتی غدی میں مصبر چھ تولہ شامل کریں۔

مقدارِ خوراک: 4 رتی سے ایک ماشہ۔

(۱۶) **مسهل عضلاتی غدی:** نسخہ نمبر 15 یعنی ملین عضلاتی غدی میں حنظل 4 تولہ شامل کریں۔

مقدارِ خوراک: 4 رتی تا ایک ماشہ۔

(۱۷) **محرک غدی عضلاتی:** اجوائن دیسی، تیزپات ہر ایک 4 تولہ سفوف کر کے ملالیں۔

مقدارِ خوراک: ایک ماشہ سے چھ ماشہ۔

(۱۸) **محرک شدید غدی عضلاتی:** نمبر 17 میں 4 تولہ رائی شامل کرلیں۔

مقدارِ خوراک: ایک ماشہ سے 3 ماشہ۔

(۱۹) **ملین غدی عضلاتی:** نمبر 18 میں 12 تولے گندھک شامل کرلیں۔

مقدارِ خوراک: نصف ماشہ سے دو ماشہ۔

(۲۰) **مسهل غدی عضلاتی:** نمبر 19 میں ایک تولہ جمال گوٹہ شامل کرلیں۔

مقدارِ خوراک: ایک رتی سے 4 رتی۔

(۲۱) **محرک غدی اعصابی:** زنجبیل 5 تولہ، نوشادر 2 تولہ کو ملالیں۔

مقدارِ خوراک: 2 رتی تا دو ماشہ تک دیں۔

(۲۲) **تحریک شدید غدی اعصابی:** نمبر 21 میں مرچ سیاہ ایک تولہ شامل کرلیں۔

مقدارِ خوراک: 2 رتی سے دو ماشہ تک دیں۔

(۲۳) **ملین غدی اعصابی:** نمبر 22 میں 8 تولہ سنا کی ملالیں۔

مقدارِ خوراک: 3 رتی سے 3 ماشہ تک دیں۔

(۲۴) **مسہل غدی اعصابی:** نسخہ نمبر 23 میں ریوند عصارہ ایک تولہ شامل کرلیں۔

مقدارِ خوراک: ایک رتی تا دو ماشہ۔

مقویات

(۱) **عضلاتی اعصابی (اطریفل):** پوست ہلیلہ زرد، پوست ہلیلہ کابلی، پوست ہلیلہ سیاہ، بسفائج، اسطوخودوس، کشمش، مویز منقیٰ ہر ایک دو تولہ، کشتہ فولاد ایک تولہ۔

ترکیب: تمام ادویہ کا سفوف کر کے ملالیں۔ پھر روغن بادام دس تولہ میں ایک سیر چینی کا قوام تیار کر کے اس میں شامل کرلیں۔

مقدارِ خوراک: 6 ماشہ تا ایک تولہ صبح و شام پانی یا مناسب بدرقہ کے ساتھ استعمال کرائیں۔

(۲) **عضلاتی غدی (معجون):** کچلہ (صاف شدہ سفوف) ایک تولہ، جائفل جاتری، قرنفل، دارچینی، خولنجاں، بالچھڑ، افسنتین، ہر ایک ایک تولہ۔

ترکیب: تمام ادویات کو سفوف کر کے تین پاؤ شہد کا قوام تیار کر کے اس میں ملا کر معجون تیار کرلیں۔

مقدارِ خوراک: ایک ماشہ سے 3 ماشہ۔

(۳) **غدی عضلاتی (جوارش):** مربہ آملہ خشک دس تولہ، زنجبیل، پودینہ، اجوائن دیسی، فلفل سیاہ، مصطگی، فلفل دراز، عقرقرحا، بادیان، زیرہ سیاہ، ہر ایک اڑھائی تولہ زعفران 9 ماشہ۔

ترکیب: مربہ آملہ کو باریک کوٹ کر حلوہ بنالیں پھر تمام ادویات کا سفوف بنا کر اس میں ملالیں۔ تمام کے وزن سے دوگنی چینی (قند سفید) اور ادویات کے وزن کے برابر شہد خالص سے قوام تیار کر کے ادویات کو اس میں ملالیں۔

مقدارِ خوراک: چھ ماشہ سے ایک تولہ۔

(۴) **غدی اعصابی (لبوب):** مغز چلغوزہ، پستہ، مغز اخروٹ، فندق، کنجد مقشر، مغز تخم خربوزہ، مغز تخم خیارین، مغز تخم پنبہ دانہ، ثعلب مصری، بادام شیریں، تخم گزر، تخم پیاز ہر ایک دو تولہ۔

ترکیب: تمام ادویات کا سفوف کر کے تین گنا شہد کا قوام بنا کر لبوب تیار کرلیں۔

مقدارِ خوراک: 6 ماشے سے 9 ماشے تک صبح شام۔

(۵) **اعصابی غدی (حلوہ)**: میدہ گندم، تخم کدو مقشر، تخم تربوز مقشر، گوند کیکر، ہر ایک دو چھٹانک، گھی خالص گائے 4 چھٹانک، دودھ خالص گائے دو سیر۔

ترکیب: اوّل میدہ گندم کو گھی میں آہستہ آہستہ ہلکی آگ پر بھونیں۔ جب وہ سرخ ہو جائے تو اس کو رکھ دیں۔ پھر تخم کدو مقشر اور تخم تربوز مقشر کو باریک کر کے تھوڑا تھوڑا ڈال کر کوٹیں اور سب کو یکجا کر لیں اور پھر بھونے ہوئے میدے میں ڈال کر آگ پر رکھ دیں۔ جب دودھ خشک ہو جائے تو لکڑی کی آگ نکال کر صرف کوئلوں کی آگ پر رکھ کر آہستہ آہستہ ہلائیں اور یہاں تک پکائیں کہ اس کا پانی بالکل اُڑ جائے اور اس میں لیس پیدا ہو جائے۔ بس تیار ہے۔ البتہ اس امر کا خیال رہے کہ گھی اس میں کافی نظر آتا ہو۔ اگر کم معلوم ہو تو چھٹانک دو چھٹانک گھی اور گرم کر کے ڈال دیں۔ یہ یاد رہے کہ جس قدر دودھ کا پانی خشک ہوگا اور گھی زیادہ ہوگا، اتنا ہی زیادہ دیر تک رکھا جا سکتا ہے۔

مقدارِ خوراک: ایک چھٹانک صبح اور شام۔

(۶) **اعصابی عضلاتی (خمیرہ)**: گاؤزبان، ابریشم، کشنیز، ہر ایک دس تولہ ملا کر برادہ صندل سفید 5 تولہ، الائچی خورد 1 تولہ، عرق گلاب 2 سیر، آبِ انار ترش نصف سیر، قند سفید 2 سیر۔

ترکیب: اوّل گاؤزبان، ابریشم، کشنیز، صندل کو عرق گلاب میں بھگو کر ایک رات رکھیں۔ صبح آگ پر رکھیں۔ جب ایک چوتھائی پانی باقی رہ جائے تو اس کو چھان لیں۔ پھر اس میں آبِ انار شیریں ملا کر اور قند سفید ڈال کر آگ پر رکھ کر خمیرے کا قوام بنا لیں، پھر اس کو اس قدر گھوٹیں کہ سفید ہو جائے۔

مقدارِ خوراک: 5 ماشے سے 9 ماشے۔

مجربات بانظریہ مفرد اعضاء

نظریہ مفرد اعضاء کے تحت جو مجربات دیئے گئے ہیں ان میں چار درجے مقرر کر دیئے گئے ہیں۔ ہر درجہ کا نام دینے کی بجائے ان کے نام رکھ دیئے ہیں: ① محرک ② محرک شدید ③ ملین ④ مسہل۔

اس سے دوا کے استعمال کا صحیح اندازہ ہو سکتا ہے۔ ان کی مختصر تشریح درج ذیل ہے۔

محرک اور شدید

ایسی دوا سے مراد ہے جو کسی عضو کو تیز کر دے یہ تیزی اس عضو کے فعل میں انقباض پیدا کر دینے سے ہوتی ہے، جس کی صورت ایک خام قسم کی ریح (گیس) ہوتی ہے۔ اس کی شدید صورت دوا کی زیادہ تیزی ہے۔

ملین و مسہل

ہم نے ملین اور مسہل کو صرف نرم پاخانہ لانے اور تیز پاخانہ لانے کے معنی میں استعمال نہیں کیا، بلکہ ان سے یہ مقصد بھی ہے کہ یہ دونوں اپنے اندر محرک اور محرک شدید کے افعال زیادہ طاقت کے رکھتے ہیں۔ کیونکہ اگر محرک اور محرک شدید بھی زیادہ سے زیادہ اپنی خوراک میں استعمال کر دیں تو پاخانہ اور اسہال ان سے بھی ہو سکتے ہیں۔ اسی طرح اگر ملین اور مسہل قلیل مقدار میں دیئے جائیں تو ان سے محرک اور محرک شدید بلکہ مقوی اثرات بھی حاصل کیے جاتے ہیں۔

مجربات میں اس بات کو خاص طور پر مدنظر رکھا گیا ہے کہ ان کی تیاری میں ان کی ترتیب اسی طرح رکھی گئی ہے کہ ان کی آپس میں مناسبت قائم رہے۔ تاکہ ایک طرف ان کے اثرات قائم رہیں تو دوسری طرف ان کی تیاری میں مشکل پیش نہ آئے اور خاص بات یہ ہے کہ نسخہ جات یاد رکھنے میں مشکل پیش نہ آئے۔ ان کے استعمال میں ہمیشہ کوشش رکھیں کہ محرکات یعنی ہلکی ہلکی ادویات سے شروع کریں اور ضرورت کے مطابق مسہلات (شدید ترین) ادویات پر ختم کر دینا چاہئے کہ طبیعت کے ساتھ ساتھ چل سکیں۔

مقوی، اکسیر اور تریاق

کچھ مقوی و اکسیر اور تریاق نسخہ جات علیحدہ دے دیئے ہیں تا کہ ضرورت کے وقت ان سے کام لیا جا سکے۔ چونکہ یہ اپنے اندر بالخاصہ تاثیر رکھتے ہیں، جن کی مختصر تشریح درج ذیل ہے۔

مقوی

ایسی غذا یا دوا جو کسی عضو یا خون میں طاقت مہیا کر دے۔ ایسی دوا عضو کے مزاج اور ساخت کو درست کرتی ہے۔ ایسی ادویات عام طور پر قابض ہوتی ہیں اور ان میں خوبی ہوتی ہے کہ ہلکے ہلکے خون یا رطوبت کو اعضاء کی طرف جذب کراتی ہے۔

اکسیر

اس کو کیمیائے حیات کہتے ہیں۔ آیورویدک میں اس کو رسائن کہتے ہیں، ایسی دوا جس سے جوانی واپس آ جائے۔ اس میں تین خوبیاں لازماً پائی جاتی ہیں: (۱) دائمی اثر (۲) جاذب (۳) برقی اثر۔

دائمی اثر سے مراد یہ ہے کہ استعمال کے بعد اس کا اثر فوراً ختم نہ ہو جائے بلکہ کافی عرصہ تک اس کا اثر جسم میں جاری رہے۔ جو لوگ غذا، دوا اور زہر کے فرق کو سمجھتے ہیں وہ دائمی اثر کا صحیح اندازہ لگا سکتے ہیں۔ جاذب کا مقصد یہ ہے کہ دوا استعمال کے بعد فوراً جسم میں جذب ہو جائے اور خون و رطوبات کو اپنی طرف جذب کرنے کے ساتھ ساتھ جزو بدن بنائے۔ برقی اثر کی صورت یہ ہے کہ وہ اپنے اثرات سے جسم میں برقی رو جاری کر دے اور اپنے اثر میں برق رفتار ہو تا کہ خلیات میں دور تک پہنچ سکے۔ اگر کسی دوا میں تینوں خوبیاں نہ ہوں بلکہ صرف ایک یا دو پائی جائیں تو اس میں باقی پیدا کرنی چاہئے پھر دوا اکسیر کہلانے کی مستحق ہے۔ ورنہ یونہی کسی دوا کا نام اکسیر رکھ دینا فن نہیں جہالت کہا جائے گا۔

تریاق

تریاق سے مراد ایسی دوا ہے جس کے استعمال سے مخصوص زہر یا مخصوص اثرات باطل اور ختم ہو جائیں۔ جیسے ترشی کا اثر کھار سے ٹوٹ جاتا ہے۔ یا افیون کا اثر کچلہ سے باطل ہو جاتا ہے۔ اسی طرح ادویات اور زہر کے متعلق، وغیرہ وغیرہ۔

اکسیرات

(۱) **عضلاتی غدی اکسیر:** شنگرف رومی ایک حصہ، مرکی تین حصہ، دونوں کو مسلسل ایک گھنٹہ کھرل کریں۔

مقدارِ خوراک: ایک رتی تا ایک ماشہ تک حسب ضرورت۔

(۲) **غدی عضلاتی اکسیر:** پارہ ایک تولہ، گندھک سات تولہ۔ دونوں کو کم از کم ایک گھنٹہ کھرل کریں۔

مقدارِ خوراک: ایک رتی سے ایک ماشہ تک حسب ضرورت۔

(۳) **غدی اعصابی اکسیر:** ہڑتال ایک تولہ، زنجبیل 4 تولہ، فلفل سیاہ 3 تولہ۔ تین گھنٹہ کھرل کریں۔

مقدارِ خوراک: ایک رتی تا ایک ماشہ تک حسب ضرورت۔

(۴) **اعصابی غدی اکسیر:** حجر الیہود، کہربا، نوشادر، الائچی خورد، ہر ایک چھ ماشہ، سفید قند دو تولہ۔ تھوڑی تھوڑی قند سفید ڈال کر کم از کم ایک گھنٹہ کھرل کریں۔

مقدارِ خوراک: ایک ماشہ سے تین ماشہ تک، سردیوں میں شہد میں ملا کر چٹائیں، گرمیوں میں شربت کے ہمراہ۔

(۵) **اعصابی عضلاتی اکسیر:** کشتہ قلعی، طباشیر، الائچی کلاں، تینوں ایک ایک تولہ اور ورق چاندی 3 ماشہ ڈالتے جائیں اور کھرل کرتے جائیں، یہاں تک کہ تمام ورق ختم ہو جائیں۔

مقدارِ خوراک: 4 رتی سے ایک ماشہ تک۔ ضرورت کے مطابق پانی، مکھن یا گلقند کے ساتھ دیں۔

(۶) **عضلاتی اعصابی اکسیر:** سم الفار ایک ماشہ، کشتہ چاندی دو تولہ۔ دونوں کو ملا کر کم از کم دو گھنٹے کھرل کریں۔

مقدارِ خوراک: ایک چاول تا ایک رتی تک۔

تریاقات

(۱) **عضلاتی غدی تریاق:** اجوائن دیسی حسب ضرورت لے کر بغیر پسے ایک چینی کے برتن میں ڈال لو، پھر اس میں تیزاب گندھک اتنا ڈالیں کہ اجوائن بمشکل تر ہو سکے۔ پھر اس کو محفوظ مقام پر پندرہ بیس یوم تک رکھ دیں۔ جب اس کا دانہ نرم ہو گیا ہو تو بہتر اگر دانہ سخت ہو تو کچھ روز اور رہنے دیں۔ پھر کھرل میں ڈال کر یا اسی برتن میں آدھا گھنٹہ کھرل کر لیں۔ بس تیار ہے۔ گولیاں بنا لیں یا اسی طرح استعمال کرائیں۔

مقدارِ خوراک: دو رتی سے ایک ماشہ تک ہمراہ آبِ نیم گرم دیں۔

(۲) **غدی عضلاتی تریاق:** مرچ سرخ ایک چھٹانک، رائی دو چھٹانک، باریک پیس کر گولیاں بقدر نخود بنائیں۔

مقدارِ خوراک: ایک گولی سے چار گولیوں تک ہمراہ آبِ نیم گرم استعمال کرائیں۔

(۳) **غدی اعصابی تریاق:** نیلا تھوتھا، جمالگوٹہ اور شیر مدار، ہر ایک ایک تولہ رائی پندرہ تولے سہاگہ سات تولے۔

ترکیب: اوّل نیلا تھوتھا اور جمالگوٹہ کو ملا کر پیس لیں پھر شیر مدار ڈال کر ایک گھنٹہ تک کھرل کریں، اس کے بعد سہاگہ ملائیں اور آخر میں رائی کا سفوف ملا لیں۔

مقدارِ خوراک: دو چاول سے ایک ماشہ تک ہمراہ آبِ نیم گرم۔

(۴) **اعصابی غدی تریاق:** شیر مدار ایک حصہ، ہلدی سرخی مائل پندرہ حصے، دونوں کو ملا کر صرف دس منٹ تک کھرل کریں۔

مقدارِ خوراک: دو چاول سے ایک ماشہ تک ہمراہ آبِ نیم گرم۔

(۵) **اعصابی عضلاتی تریاق:** افیون ایک ماشہ، لوبان کوڑیا ایک تولہ، قند سفید ایک تولہ، سفوف تیار کر لیں۔

مقدارِ خوراک: نصف رتی سے ایک ماشہ تک ہمراہ آبِ تازہ استعمال کرائیں۔

(۶) **عضلاتی اعصابی تریاق:** سرمہ سیاہ ایک تولہ، ریٹھے کا چھلکا نو تولے۔

ترکیب: اوّل ریٹھے کے چھلکے کا سفوف کریں۔ پھر سرمہ سیاہ کھرل میں ڈال کر تھوڑا تھوڑا سفوف ڈالتے جائیں اور کھرل کرتے جائیں۔ یہاں تک کہ تمام سفوف ختم ہو جائے۔

مقدارِ خوراک: ایک رتی سے ایک ماشہ ہمراہ آب تازہ یا نیم گرم۔

نوٹ: تریاقات کے متعلق ہمیشہ یہ بات مدِ نظر رکھیں کہ وقفہ دوا صبح شام یا تین چار گھنٹے یا گھنٹہ دو گھنٹے کا نہیں رکھنا چاہئے بلکہ پندرہ بیس منٹ حد نصف گھنٹہ کے بعد مریض پر اس کا اثر دیکھیں۔ اگر مریض صحت کی طرف آ رہا ہے تو جس قدر مناسب خیال کریں وقفہ بڑھا دیں۔ لیکن اگر مریض کو تکلیف ہو تو دوسری اور تیسری خوراک بھی کم وقفہ پر دیں۔ ایسی ادویات عموماً مریض کو موت کے منہ سے نکالنے والی ہوتی ہیں۔ مثلاً ہیضہ کا مریض ہے، اس کو اگر پندرہ بیس منٹ کے بعد دوا کا وقفہ نہیں ہوگا تو وہ تین یا چار گھنٹے بعد کیسے زندہ رہ سکتا ہے۔ اسی طرح دیگر خوفناک امراض یا شدید تکلیف میں بھی یہی عمل کریں۔

نوٹ۔۲ : نظریہ مفرد اعضاء فارما کوپیا کی ادویات جو استعمال کی گئی ہیں ان کو ضرورت کے مطابق یونانی مرکبات کی شکل میں بھی تبدیل کیا جاسکتا ہے۔ جن کا نمونہ مقویات میں دیا گیا ہے۔ اسی طرح اکسیرات اور تریاقات کو بھی مناسب صورتیں دی جاسکتی ہیں۔

روغنیات اور ارواح

لطیف ادویات

اندرونی استعمال کی ادویات کی طرح بعض وقت شدتِ مرض کے لئے بیرونی طور پر بھی ادویات استعمال کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اگر بیرونی طور پر ان ادویات کو صحیح طور پر مسلسل استعمال کیا جائے تو وہ ہمیشہ کے لئے درست ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اس طرح ادویات کا اثر اعصاب، غدد اور عضلات پر ہوتا ہے اور ان کے افعال میں کمی بیشی اور ضعف پیدا ہو جاتا ہے۔ کیونکہ ادویات اپنے مختلف کیفیات و مزاج رکھتی ہیں اور جذب ہو کر اخلاط میں کیمیاوی طور پر افاضہ کرسکتی ہیں۔

اس مقصد کے لئے ہر مفرد عضو کے مطابق روغنیات کا ذکر کیا جاتا ہے۔ ان کو بیرونی طور پر طلا و لیپ اور مالش کی طرح استعمال کیا جاسکتا ہے اور ضرورت کے وقت انہی سے مراہم تیار کی جاسکتی ہیں یا انہی روغنیات میں ان کے مطابق ادویات شامل کر کے یا آگ پر حل کر کے استعمال کی جاسکتی ہیں، ان روغنیات اور ارواح کو اندرونی طور پر اپنی مقررہ مقدار سے دیا جاسکتا ہے۔

ان کے علاوہ انہی مفرد اعضاء کے مطابق لطیف ادویات کا بھی ذکر کیا جاتا ہے، جن میں لطافت و تیزی اور زود اثری کی خاص اہمیت حاصل ہے، اس لئے ان ادویات کو ارواح کا نام دیا ہوا ہے (روح کی جمع)۔ لیکن حقیقت میں ان کو ارواح کہنا صحیح نہیں۔ لیکن اس نام کے علاوہ اور کوئی نام یا اصطلاحِ فن میں نہیں ہے۔

(۱) **عضلاتی غدی روغن اور روح:** روغن تلخ۔ اس تحریک کی روح روغن دارچینی، ان دونوں کو تنہا بھی استعمال کر سکتے ہیں۔ چودہ اور ایک کی نسبت سے ملا کر استعمال کیا جاسکتا ہے۔

(۲) **غدی عضلاتی روغن اور روح:** روغن تارپین روح کے طور پر، روغن قرنفل۔ ان کے مرکب کی نسبت چودہ حصے میں ایک حصہ

سے ملائیں۔

(۳) غدی اعصابی روغن اور روح: روغن بیدانجیر روح کے طور پرست اجوائن۔ مرکب چوبیس حصے میں ایک حصہ ملائیں۔

(۴) اعصابی غدی روغن اور روح: روغن کدو، روح کے طور پرست پودینہ۔ مرکب نو حصے میں ایک حصہ ملالیں۔

(۵) اعصابی عضلاتی روغن و روح: روغن بادام، روح کے طور پر کافور۔ مرکب نو حصے میں ایک حصہ۔

(۶) عضلاتی اعصابی روغن و روح: روغن کنجد، روح کے طور پر روغن صندل۔ مرکب سات حصے میں ایک حصہ ملالیں۔

نوٹ: یہ چند روغنیات اور ارواح لکھ دیئے گئے ہیں اور اس طرح اور بھی بہت ہو سکتے ہیں۔

کحل، کاجل

آنکھ میں لگانے والی دوائیں

(۱) عضلاتی غدی کاجل: سادہ دھواں جو کڑوے تیل سے تیار کیا گیا ہو، جمع شدہ نو حصے، نیلا تھوتھا ایک حصہ، روغن تلخ میں کاجل بنالیں۔

(۲) غدی عضلاتی کحل: مامیراں چینی، مغز تخم نیم دو گھنٹے کھرل کریں۔

(۳) غدی اعصابی کحل: فلفل سیاہ ایک حصہ، نوشادر 2 حصہ، ہلدی 7 حصے، عرق بادیان میں کھرل کریں۔ وزن عرق بادیان ایک پاؤ۔

(۴) اعصابی غدی کحل: سمندر جھاگ، سہاگہ، ہم وزن دونوں کو ایک گھنٹہ کھرل کر کے سرمہ بنالیں۔

(۵) اعصابی عضلاتی کحل: سرمہ سیاہ، شورہ قلمی ہم وزن ایک گھنٹہ کھرل کر کے سرمہ تیار کرلیں۔

(۶) عضلاتی اعصابی کحل: سرمہ سیاہ، پھٹکڑی بریاں، ہم وزن لے کر سرمہ بنالیں۔

نوٹ: ان کے علاوہ اور بھی آنکھ میں لگانے والی دوائیں تیار ہو سکتی ہیں، اور ناک، کان اور گلے، دانت کے بھی جدا جدا نسخے تیار کیے جا سکتے ہیں۔ جن کا ذکر ہم علم الادویہ میں کریں گے۔ باوجود ان کے موجودہ فارما کوپیا اپنی جگہ مکمل ہے۔ اس سے ہر قسم کے امراض کا مکمل علاج ہو سکتا ہے۔ البتہ غور و فکر لازمی ہے۔ یہ جو کچھ ہم نے پیش کیا ہے انشاء اللہ دُنیا کا کوئی ملک کوئی طب اور کوئی سائنس ایسا مکمل اور اصولی علم و فن طب پیش نہیں کر سکتی ہے۔

(۱۱)

تحقیقات المجربات

فہرست عنوانات

پیش لفظ

خداوند حکیم اور ہادی برحق کا ہزار ہزار شکر ہے کہ جس نے انسان کی راہ نمائی کے لیے فرمادیا ہے کہ صراط المستقیم اختیار کرو جس سے نعمتوں کے انعام حاصل ہوتے ہیں۔ اور یہ صراط المستقیم کوئی علم وعقل اور تجربات ومشاہدات کا کمال نہیں ہے، بلکہ صراط المستقیم حقیقت میں صراط اللہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے نور بنایا ہے جس سے وہ اپنے بندوں کی ہدایت کرتے ہیں، جس کو وہ چاہتے ہیں ﴿ ولکن جعلنہ نورا ھدی من تشاء من عبادنا ﴾ علم وعقل اور تجربات ومشاہدات بھی ایک مقام رکھتے ہیں۔ مگر جہاں پر ان کا کمال ختم ہوتا ہے وہاں پر نور نبوت اور کتاب اللہ کا مقام شروع ہوتا ہے جس کا کمال انسانی ادراک سے بہت دور ہے۔ علم وعقل اور تجربات ومشاہدات پر نور نبوت اور کتاب اللہ کا پرتو ضرور پڑتا ہے، مگر ﴿ ھدی للمتقین ﴾ (یعنی ہدایت صرف انہی لوگوں کو حاصل ہوتی ہے جو خداوند کریم کا خوف رکھتے ہوئے پرہیز گار اور صالح جبلت ہیں)۔ اس طرح اللہ تعالیٰ اپنے حکم سے ان کے دلوں کی رہنمائی کرتے ہیں۔ یہ رہنمائی زندگی وکائنات اور مابعد طبیعات کا علم وعمل اور ان کا ردّعمل (جزا وسزا) کی صورت میں حاصل ہوتی ہے، جس کے ایمان وعقائد اور معاملات یا یقین و نظریات اور تعلقات جس مقام پر ہوتے ہیں ان کو اسی قدر کمال حاصل ہوتا ہے۔

ایمان وعقائد اور معاملات ہی دراصل انسان کے لیے ہدایات ہیں جن کو انسان اپنی عقل وعلم کے مطابق حاصل کرتا رہتا ہے۔ یہی زندگی وکائنات اور مابعد طبیعات میں اس کی راہ نمائی کرتے ہیں۔ لیکن عمل وردّعمل اور ان کے نتائج میں جب نشوو ارتقاء اور فلاح و سلامتی نہیں پاتا تو ان کو چھوڑ دیتا ہے یا نفسیاتی طور پر ان کو اس وقت تک نظر انداز کر دیتا ہے جب تک اس کے ذہن میں کوئی نیا یقین ونظریہ اور تعلق پیدا نہ ہوجائے۔

اس حقیقت کے تحت انسان ہر وقت ایسی راہنمائی کی تلاش میں رہتا ہے جو اس کو اس کی زندگی وکائنات بلکہ مابعد طبیعات کے لیے ایک صحیح دستور العمل، کامیاب ہدایت، مسلمہ حقیقت، فلاحی اصول اور تجربہ شدہ قوانین ہوں تاکہ رواں دواں وہ اپنا مقام حاصل کر لے اور کہیں بھی ناکامی کا منہ نہ دیکھنا پڑے۔ بس اس قسم کی ہدایت اور راہ نمائی کے لیے ہر انسان غیر شعوری طور پر کوشاں ہے، لیکن جب اس کو اپنے ایمان وعقائد اور معاملات میں حسب منشا کامیابی اور فلاح معلوم نہیں ہوتی تو پھر چھوڑ کر بیٹھ رہتا ہے۔ زیادہ سے زیادہ چند بار کوشش کرتا ہے، کیونکہ وہ روزانہ دیکھتا ہے کہ اس کے سامنے ہر شعبہ زندگی میں ایسے انسان ہیں جو کامیاب وکامران اور عزت کی زندگی گزار رہے ہیں۔ لیکن جب اس کی ہر کوشش ناکام ہوتی ہے تو پھر وہ اپنی قسمت کی شکایت کر کے اپنی ہر قسم کی جدوجہد اور سعی چھوڑ دیتا ہے۔ پھر نامرادی سے ذلت کی طرف گر پڑتا ہے۔ دراصل بدقسمتی اسی وقت شروع ہوتی ہے جب وہ حقیقت کی تلاش چھوڑ دیتا ہے۔ یہی مقدر ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ انسان ہر خواص کے پیچھے دوڑتا ہے، مگر اپنی ضرورت کا احساس نہیں کرتا۔ ضرورت کا احساس ہی اس کو حقیقت کی طرف لے جاتا ہے جس کے لیے وہ کوئی اصول بناتا ہے یا کسی قانون کی پیروی کرتا ہے۔ یہ اصول اور قانون کی پیروی ہی اس کی

جدوجہد اور سعی کا مرکز ہوتے ہیں۔ یہیں سے زندگی کی کامیابی کی ابتداء ہوتی ہے۔ زندگی کے ہر شعبہ میں کچھ ایسے اصول اور قوانین ہوتے ہیں جن کی پیروی لازمی ہوتی ہے۔ ان کے بغیر حقیقت اور کامیابی تک پہنچنا مشکل ہے۔ جن اصول اور قوانین کی پیروی کرنی پڑتی ہے وہ تجربہ شدہ مشاہدات اور مسلمہ حقائق ہوتے ہیں۔ یہی وہ معیار ہیں جن پر زندگی رواں دواں چلتی ہے۔ انہی کو اختیار کر لینے سے کامیابی و کامرانی قدم چومتی ہے۔

مشاہدات و تجربات اور حقائق کے مفید ہونے میں کوئی کلام نہیں ہے، لیکن ان سے استفادہ اسی وقت حاصل کیا جا سکتا ہے جب یہ علم ہو کہ وہ مشاہدات و تجربات اور تحقیقات کس قاعدہ و نظام اور اصول و قانون کے تحت کام کرتے ہیں ورنہ ہزاروں مشاہدات و مجربات اور عقائد و اقوام ہمارے گرداگرد بکھرے پڑے ہیں یا ہزاروں سالوں سے سینہ بہ سینہ راز و اسرار اور رموز چلے آتے ہیں یا یہ مسلمہ حقائق احسن اخلاق اور مذہبی تعلیم ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں کتب میں انسان کے اردگرد پھیلی پڑی ہیں۔ ہمارے لیے بے کار ہیں۔

یہی صورت علم العلاج میں ان مشاہدات و مجربات کی ہے جن کے اصول ترتیب ادویہ اور قانون استعمال سے ایک معالج پورے طور پر واقف ہوتے ہیں۔ یہ ہے اس کا علم حقیقت مجربات اور اصول ترتیب ادویہ، جو علم الادویہ اور علم العلاج کے تحت تکمیل کو پہنچتا ہے۔ جو معالج علم وفن طب کے اصول و حقائق اور قوانین سے واقف نہیں ہیں مگر ان کے پاس بے شمار مجربات ہیں۔ وہ یقیناً مجربات کے فوائد بلکہ استعمال میں ناکام ہیں، ان کی مثال بالکل اس سکہ کی ہے جو ملک میں رائج نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علم العلاج کے ابتدائی دور سے اب تک ہر طریق علاج میں مجربات کی شدید طلب رہی ہے اور کثرت سے کتب لکھی گئی ہیں۔ مگر تا حال طلب مجربات ختم نہیں ہوئی بلکہ یہ ایک مرض کی صورت اختیار کر گیا ہے جس کو ہم ''جوع المجربات'' کہتے ہیں۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہزاروں سالوں سے مجربات پر جو لاکھوں کتب لکھی گئی ہیں، کیا وہ غلط ہیں یا زمانہ کے مطابق ان میں فوائد نہیں رہے؟ یا ان میں ہر مرض کے مجربات نہیں پائے جاتے؟ حقیقت یہ ہے کہ ان لاکھوں مجربات میں سے خصوصاً وہ مجربات جو عظیم حکماء اور باکمال اطباء نے ترتیب دیئے ہیں جیسے شیخ الرئیس اور حکیم رازی وغیرہ، سو فیصدی صحیح، یقینی اور بے خطا ہیں اور ان میں سر سے لے کر پاؤں تک ہر چھوٹے بڑے مرض اور علامت کے لیے ایک نہیں سینکڑوں مجربات پائے جاتے ہیں، مگر ان کے اصول ترتیب اور قانون استعمال سے واقف ہونا ضروری ہے۔

مجربات دو قسم کے ہوتے ہیں، اوّل مفرد مجربات جن میں مفرد اغذیہ و ادویہ اور اشیاء کو استعمال کیا جاتا ہے۔ دوسرے مرکب مجربات جن میں دو یا دو سے زائد اغذیہ و ادویہ اور اشیاء کو مرکب کر کے استعمال کیا جاتا ہے۔ آج بھی ان میں یہی افعال و اثرات اور خواص و فوائد پائے جاتے ہیں۔ ان میں ذرا بھی کمی نہیں آئی۔ البتہ بعد کے برسوں میں اضافے ضرور ہوئے ہیں۔ عجیب بات یہ ہے کہ جو لوگ طب قدیم کو فرسودہ و نامکمل اور موجودہ دور کے لیے ناکافی خیال کرتے ہیں، کیا وہ ان مفرد مجربات کو غیر مفید اور غیر مؤثر ثابت کر سکتے ہیں یا کوئی ایسا مرض ہے جس کے علاج میں ان مفرد مجربات کو استعمال نہ کیا گیا ہو۔ البتہ اعتراض کرنے والے علم وفن طب سے واقف نہیں ہیں بلکہ اندھے اور متعصب ہیں۔ لطف کی بات یہ ہے کہ فرنگی طب میں مفردات کے افعال و اثرات اور خواص و فوائد اکثر بدلتے رہتے ہیں۔

مفرد مجربات میں مثلاً چونا و گندھک اور شورہ قلمی کے جو افعال و اثرات اور خواص و فوائد ہزاروں سال پہلے تھے، آج بھی وہی ہیں۔ ان میں اضافہ ضرور ہوا ہے، کمی نہیں ہوئی۔ البتہ ان کے مرکبات کے اصول و قوانین اور فوائد و نظم کا ذہن نشین کرنا ضروری ہے۔ یعنی اگر چونا گندھک ملا دی جائے یا اگر چونہ میں شورہ ملا دیا جائے تو چونا کے افعال و اثرات اور خواص و فوائد کیا ہوں گے، وغیرہ وغیرہ۔

اسی طرح گندھک کے خواص وفوائد میں کیا فرق پیدا ہو جاتا ہے، وغیرہ وغیرہ۔ اسی طرح کے اہم اصول وقوانین اور قواعد سے مجربات کی حقیقت کو سمجھا اور فوائد حاصل کئے جاسکتے ہیں۔ تاکہ ہر معالج مجربات کو دیکھ کر خود اندازہ لگالے کہ وہ کہاں تک صحیح ہے اور وہ کس کس مرض اور علامت کے لیے مفید ہے۔ اور ان میں کمی بیشی کرنے سے کیا کیا صورتیں پیدا ہو جاتی ہیں، وغیرہ وغیرہ۔ اسی لیے ہی مجربات کے اس اہم علم وفن کو ذہن نشین کرانے کے لیے یہ کتاب لکھی گئی ہے۔

اس کتاب کے لکھنے کا خیال اس طرح پیدا ہوا کہ اکثر دوستوں، ممبران اور خریداران ماہنامہ ''رجسٹریشن فرنٹ'' نے لکھا کہ گزشتہ آٹھ سالوں میں جو مجربات شائع ہوتے رہے ہیں ان کو یکجا کر کے خاص نمبر شائع کر دیا جائے تاکہ تحریک تجدید طب کے معالجین کے لیے علاج میں معاون ثابت ہوں۔ اس خیال پر کچھ عرصہ غور کیا گیا، آخر میں اس نتیجے پر پہنچا کہ مجربات کو اکٹھا کر کے شائع کر دینا کوئی بڑی مشکل نہیں ہے۔ یقیناً اس سے معالجین کو فوائد بھی حاصل ہوں گے، لیکن ظاہری طور پر طبی دُنیا میں ہزاروں مجربات کی کتب میں ایک اور مجربات کی کتاب کا اضافہ ہو جائے گا، بہتر یہ ہوگا کہ اس مجربات کی کتاب کو کسی بہترین مقصد کے لیے استعمال کیا جائے، سو اس خیال کے ساتھ ہی ذہن میں یہ صورت پیدا ہوئی کہ بہتر ہوگا کہ مجربات کے ساتھ ساتھ مجربات کے علم وفن کو پیش کر دیا جائے تاکہ معالج اصول وقواعد اور قانون مجربات کو سمجھ سکیں اور ساتھ ہی ساتھ مجربات کی تشریح بھی کر دی جائے تاکہ وہ اس علم وفن کی روشنی میں ہر قسم کے مجربات کی حقیقت کو سمجھ سکیں۔ اس طرح یہ کتاب اپنی اہمیت کی وجہ سے منفرد ہوگی۔ کیونکہ آج تک علم وفن مجربات پر کوئی کتاب نہیں لکھی گئی۔ اسی خصوصیت سے اس کا نام تحقیقات المجربات رکھا گیا ہے۔

تحقیقات المجربات کو چار عنوانوں کے تحت لکھا گیا ہے: (۱) مجربات کی حقیقت (۲) ترتیب مجربات (۳) مجربات بالمفرد اعضاء مع تشریح (۴) مجربات بالمفرد اعضاء۔ جن کے ساتھ ساتھ ایک علمی مقدمہ بھی شامل ہے۔ باقی مجربات جو ہماری دیگر کتب میں درج ہیں، ان کو شامل نہیں کیا گیا۔ اور نہ ہی تحقیقات طبی فارماکوپیا کے مجربات اس میں شریک ہیں، ان کو انہی کتب میں دیکھیں۔ یہ اس لیے کیا گیا ہے کہ مجربات کی ترتیب قائم رہے۔ کیونکہ وہی ان کا مقام ہے۔ امید ہے یہ کتاب نہ صرف پسند کی جائے گی بلکہ طبی دُنیا میں ایک سنگ میل کا کام دے گی اور جو لوگ بھی غور سے اس کتاب کا مطالعہ کریں گے ان کے سامنے مجربات کی دُنیا روشن ہو جائے گی جس کے ساتھ ہی طبی دُنیا میں ان کا ایک مقام پیدا ہو جائے گا۔ اس طرح نظریہ مفرد اعضاء کے تحت طبی دُنیا میں انقلاب آجائے گا۔ اس طرح فرنگی طب کی برتری ختم ہو جائے گی اور طب قدیم کا بول بالا ہوگا۔ تحریک تجدید طب سے یہی ہمارا مقصد ہے۔

یہ خاص نمبر بھی خریداروں کو ان کے سالانہ چندہ میں دیا جا رہا ہے۔ اس کے بعد ماہنامہ رجسٹریشن فرنٹ ان کو سال بھر باقاعدہ ملتا رہے گا۔ ہر مضمون جس محنت سے لکھا جاتا ہے، اہل علم وصاحب فن جانتے ہیں۔ ہر کتاب جس کے ساتھ چیلنج ہو اس پر اس قدر محنت ہوتی ہے کہ اس کا اندازہ لگانا بہت مشکل ہے۔ پھر ایک محدود وقت میں لکھنا، پھر کاتب سے لکھوانا اور چھپوانا، سب مشکل امور ہیں۔ ان میں دیر بھی ہو جاتی ہے۔ بہرحال خداوند کریم کا ہزار ہزار شکر ہے کہ اس نے اس قابل کیا کہ تمام طبی دُنیا کے سامنے ایک قابل قدر کتاب پیش کر دی گئی ہے۔ یہ اسی کا کرم اور عزت افزائی ہے۔

المعالج صابر ملتانی

مؤرخہ 15 اکتوبر 1966ء

مُقدّمۃ

مجربات کی اہمیت

کسی شے کی اہمیت کا اندازہ اس کی تخلیق اور فعل سے لگایا جاسکتا ہے۔ مجربات کی ضرورت تخلیق اور اہمیت فعل کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ کسی مرض میں بھی کوئی ایسی غذا و دوا اور شے دینے کی جرأت نہیں کی جاسکتی جو پہلے اس مرض میں تجربہ نہ کی گئی ہو۔ بلکہ بار بار کے مشاہدات میں اس کے تجربات یقینی طور پر صحیح اور بے خطا ثابت ہوئے ہوں۔ کیونکہ فطری طور پر انسانی ذہن اپنے جذبہ رحم وانس کے تحت یہ کبھی گوارا نہیں کرتا کہ انسانی زندگی سے کھیلا جائے اور نقصان کا باعث بن جائے۔ اگر حقیقت کی نگاہ سے دیکھا جائے تو کوئی انسان کوئی بھی فعل یقینی و بے خطا انجام نہیں دے سکتا۔ جو پہلے اس کا تجربہ اور مشاہدہ نہ ہو۔ ان حقائق سے ثابت ہوا کہ مجربات کا استعمال ایک فطری اور انسانی جذبہ ہے۔ چونکہ ایک شخص دُنیا بھر کی اغذیہ وادویہ اور اشیاء کو پورے طور پر اپنے تجربات ومشاہدات میں نہیں لاسکتا۔ اور پھر ہر شخص اہل علم اور صاحب فن خصوصاً حکیم وفلاسفر نہیں ہوتا۔ اس لیے اپنی زندگی کی ضروریات اور رہنمائی کے لئے تجربات زندگی اور مجربات اشیاء وادویہ اور اغذیہ کا طلب گار رہتا ہے۔ اسی لیے وہ اپنے بزرگوں کی زندگی کو بتوں کی صورت میں اور کائنات کی ہر شے سے مستفید ہونے اور اس سے تعلق پیدا کرنے کے لیے فطری طور پر ان کی پوجا کرتا ہے اور جب اس کا ذہن ترقی کرتا ہے اور شعور بلند ہوتا ہے تو وہ خداوند کریم اور قادر مطلق کی پرستش کرتا ہے۔ اسی جذبہ کے تحت وہ اللہ تعالیٰ کے فرستادہ رسولوں، پیغمبروں اور نبیوں کی راہنمائی قبول کرتا ہے۔ تاکہ زیادہ سے زیادہ یقینی اور بے خطا زندگی گزارنے کے مجربات حاصل ہو جائیں۔ پس جو لوگ بھی مجربات پر صحیح طور پر دسترس حاصل کر لیتے ہیں، وہی لوگ زندگی میں کامیابی حاصل کر لیتے ہیں۔

مجربات کیا ہیں؟

ابتدائے آفرینش سے لے کر اس وقت تک بے شمار تجربات زندگی اور مجربات اشیاء سینہ بہ سینہ اور کتب کی صورت میں چلے آتے ہیں۔ بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ اس وقت تک جس قدر کتب لکھی گئی ہیں، چاہے وہ کسی بھی شعبہ زندگی میں لکھی گئی ہوں وہ سب زندگی کے تجربات اور مجربات اشیاء ہی ہیں۔ گویا انسان کی فطرت ہے کہ وہ جب کوئی شے دیکھتا ہے یا اس کے متعلق سنتا ہے تو وہ اس کی حقیقت و خواص جاننا چاہتا ہے، اور اس طرح جب وہ کسی عمل کو دیکھتا ہے یا سنتا ہے تو اس کے اثرات وافعال کو معلوم کرنا چاہتا ہے تاکہ وہ اپنی زندگی میں آنے والی ہر شے کی حقیقت وخواص اور ہر عمل کے اثرات وافعال سے آگاہ ہو جائے۔ بس یہی مجربات ہیں جن سے انسان زندگی بھر مستفید ہوتا رہتا ہے۔

کس قدر عجیب وغریب بات ہے کہ یہ تجربات زندگی اور مجربات اشیاء انسان کے گرداگرد اس کثرت سے بکھرے پڑے ہیں کہ

ان کو زندگی بھر سمیٹنا تو رہا ایک طرف اگر چننا بھی چاہے تو نہیں چن سکتا۔ ہزاروں برسوں میں ہر شعبہ زندگی میں اس قدر کتب لکھی گئی ہیں کہ ان کا شمار بھی مشکل معلوم ہوتا ہے۔ حیرت کی بات ہے کہ اوّل تو عوام اس پر توجہ ہی کم دیتے ہیں اور اگر مجبوراً ضرورت کے تحت اس طرف رجوع کرتے بھی ہیں تو ان کے پاس کوئی معیار نہیں ہے کہ کس تجربہ زندگی اور مجرب شے کو اختیار کریں اور کس کو چھوڑ دیں۔ کیونکہ ان کے پاس وہی ایسا معیار نہیں ہے جس کو قبول کر کے وہ یہ بیش بہا خزانہ اکٹھا کر لیں یا قیمتی موتی ہی چن لیں۔ اور ان سے زندگی بھر خود بھی مستفید ہوں اور دوسروں کو بھی مستفید کریں۔ سچ کہا گیا ہے: قدر زر زرگر بداند وقدر جوہر جوہری۔

معیار مجربات

اس حقیقت کا جاننا بھی بے حد اہمیت رکھتا ہے کہ ان تجربات زندگی اور مجربات اشیاء کا معیار کیا ہوتا ہے، تاکہ صحیح اور مفید تجربات زندگی اور مجربات اشیاء سے ہم صحیح طور پر مستفید ہو کر اپنی زندگی کو کامیاب بنا سکیں۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کامیاب زندگی کیا ہے۔ کامیاب زندگی کے متعلق یہ حقیقت ذہن نشین کر لینا چاہئے کہ اس میں نشوو ارتقاء ہو اور راستہ میں آنے والی مشکلات اور رکاوٹوں کو دور کیا جا سکے۔ ان حقائق سے ثابت ہوا کہ اگر ہم کو معیار کامیابی کا علم ہو تو تجربات زندگی اور مجربات اشیاء سے مستفید ہو کر زندگی کو کامیاب بنا سکتے ہیں۔

معیار کامیابی کیا ہے؟

جاننا چاہئے کہ معیار کامیابی کی ضرورت کامیاب زندگی کے لیے ہے اور زندگی کا تعلق جسم انسان سے ہے، جسم انسان کا مادی و عقلی اور روحانی نشوو ارتقاء ہی اس کی کامیابی ہے۔ جسم انسان کے راستہ میں سے مشکلات و رکاوٹیں دور کرنا ہی اس کی نشوو ارتقاء کو کامیاب بنانا ہے۔ ان حقائق سے ثابت ہو گیا کہ معیار کامیابی کو سمجھنے کے لیے اوّل انسان کو سمجھنا چاہئے۔ انسانی زندگی کو جاننے کے لیے اس کی جسمانی و مادی زندگی سامنے ہو یا عقلی و روحانی زندگی پیش نظر ہو۔ بہر حال ہماری نگاہ جسم انسان پر سب سے پہلے پڑتی ہے، اور یہی اس کی ابتداء ہے۔

حقیقت انسان

جاننا چاہئے کہ ظاہر میں انسان گوشت پوست اور ہڈی و عروق کی ایک شخصیت ہے جس کے جسم میں سرخ رنگ کا خون دوڑتا ہے۔ یہ خون اس میں حرکت و زندگی، شعور و جذبات، شوق و رفع اور خیر و شر کی تمیز پیدا کرتا ہے۔ انسان کا یہ جسم اور شخصیت یقیناً کسی اصول کے تحت بنا ہے اور کسی نظام کے تحت جاری و ساری ہے اور یہ اصول اور نظام بھی کسی قانون پر رواں دواں ہے۔ اس حقیقت سے کسی کو انکار نہیں ہے۔ انسان تمام کائنات کا مرکز اور اشرف المخلوقات ہے۔ سچ کہا گیا ہے: **من عرف نفسه فقد عرف ربه** ۔

جاننا چاہئے کہ انسان کو حتی الامکان جسمانی و عقلی اور روحانی طور پر سمجھنے کے لیے اس کی بناوٹ و افعال اور تاثرات کو ذہن نشین کرنا ضروری ہے، جس قدر ہم اس کو سمجھتے جاتے ہیں، اسی قدر اس کی ترقی و کامیابی اور نشوو ارتقاء کا علم ہوتا چلا جاتا ہے۔ اسی اصول و نظام پر ہم اس کی ان مشکلات اور رکاوٹوں کو بھی سمجھ سکتے ہیں۔ جو زندگی کے راستہ میں حائل ہو جاتی ہیں۔ انہی اصولی تجربات اور مشاہدات زندگی کا نام سائنس ہے۔

انسان اور فطرت

ہزاروں سالوں کے تجربات و مشاہدات زندگی سے یہ ثابت ہو گیا ہے کہ اس کائنات میں ہر شے کی تخلیق و باہمی تعلق اور زندگی و

افعال کسی قانون کے ساتھ کارفرما ہیں۔ گویا انسانی زندگی کی ہر شکل وعمل بغیر نظام کے نہیں ہے۔ بلکہ موالید ثلاثہ میں مٹی وپتھر اور دھاتیں، پھول وپھل اور درخت وپودے اور چرند اور وحشی جانور سب کے افعال واثرات کسی نہ کسی اصول ونظام کے تحت کام کر رہے ہیں اور یہ اصول ونظام اپنے اندر ایک خاص قانون رکھتے ہیں، اس یقین کے بعد کہ اس کائنات کی ہر شے وتخلیق یا ان کا باہمی تعلق اور زندگی کے افعال اور خاص قانون کے تحت چل رہے ہیں تو پھر تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ کائنات میں یہی اس کی فطرت ہے جو ایک خاص قانون کے ساتھ اپنا عمل کر رہی ہے۔ اسی کو ہم قانون فطرت کہتے ہیں۔ اس کا سمجھ لینا ہی مقام خودی ہے۔

ان حقائق سے ثابت ہوگیا کہ اگر ہم انسان کو جسمانی وعقلی اور روحانی طور پر سمجھنا چاہیں تو لازم ہے کہ ہم انسانی فطرت کو سمجھیں جس پر وہ بنایا گیا ہے۔ قرآن حکیم نے چودہ سو سال پہلے کہہ دیا کہ **فطرۃ اللّٰہ الیہ فطر الناس علیھم** (اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی فطرت وہ ہے جس پر انسان کو پیدا کیا گیا ہے)۔ اب ہم پر آسان ہو جاتا ہے کہ انسان کو جسمانی وعقلی اور روحانی کسی بھی حیثیت سے سمجھنا چاہیں تو اوّل اس کے اس نظام زندگی کو جانیں جو باقاعدگی کے ساتھ قانون فطرت پر چل رہا ہے۔ پھر ہم سہولت کے ساتھ انسانی ترقی وکامیابی اور نشو وارتقاء کو سمجھ کر اس کی مشکلات ورکاوٹوں کو دور کر سکیں گے، چاہے یہ مشکلات اور رکاوٹیں کسی بھی نظام زندگی میں ہوں۔ ہم انشاء اللہ ضرور کامیاب ہوں گے۔

صحت کی مشکلات

انسان زندگی میں جس کی صحت کا قائم رکھنا اہم مشکلات میں شامل ہے، جس کو ہم مرض کا نام دیتے ہیں، جس کے متعلق کہا گیا ہے کہ تنگ دستی اگر نہ ہو غالب، تندرستی ہزار نعمت ہے۔ مرض ایک ایسی مشکل ہے جس کا تجربہ ہر مرد وعورت اور بچے بوڑھے کو ہوتا ہے، کیونکہ اس کا سلسلہ پیدائش سے موت تک چلتا ہے، اس کو رفع کرنے کے لیے علم وفن طب قائم کیا گیا ہے۔ ہزاروں سالوں سے امراض کو دور کرنے کے لیے علم العلاج اور علم خواص الاشیاء اغذیہ وادویہ چلا آتا ہے، تاکہ امراض اور مشکلات صحت کو دور کیا جائے۔ یہ علم وفن طب نہ صرف سینہ بہ سینہ چلا آتا ہے، بلکہ اس پر لاکھوں کروڑوں کتب نہ صرف ہر زمانہ میں لکھی گئی ہیں بلکہ ہر ملک میں ہر طریق علاج میں لکھی گئی ہیں۔ آج کل جس کو سائنسی دور کہتے ہیں اس میں نہ صرف بے شمار کتب لکھی گئی ہیں بلکہ گزشتہ علم وفن طب پر جو کچھ لکھا گیا ہے، اس پر تحقیق وتدقیق کی گئی ہے تاکہ امراض اور مشکلات صحت کا مقابلہ کیا جاسکے۔

مجربات زندگی

انسان اپنی زندگی میں جو کچھ بھی کرتا رہا ہے وہ اس کا روزانہ کا عمل ہو یا بار بار کا مشاہدہ یا حوادث زندگی وغیرہ، یہ سب اس کے تجربات زندگی ہیں۔ انہی کو مجربات زندگی کہتے ہیں۔ جس طرح یہ مجربات زندگی انسان کے ہر شعبہ حیات میں پائے جاتے ہیں۔ اسی طرح علم العلاج اور علم الادویہ میں بھی پائے جاتے ہیں۔ جن کو مجربات علاج یا مجربات الادویہ کہتے ہیں جو امراض اور مشکلات صحت کے لیے خزانہ ہیں۔ حقیقت میں علم العلاج کی بنیاد اسی خزانہ پر ہے۔

مجربات کے خزانے

ہزاروں سالوں سے انسان نے معالج یا غیر معالج کی حیثیت سے جو مجربات اکٹھے کیے ہیں، وہ سینہ بہ سینہ یا کتب کی صورت میں لاکھوں کروڑوں کی صورت میں ہمارے گرداگرد پھیلے پڑے ہیں اور یہ علم العلاج کی جان ہیں۔ طبی دُنیا میں جو علاجات ہو رہے ہیں وہ

انہی پر یقین اور فخر کے ساتھ کئے جاتے ہیں۔ صرف یہی نہیں بلکہ گزشتہ زمانہ قدیم ہو یا موجودہ سائنسی دوران میں جو علاج کئے گئے ہیں یا ہو رہے ہیں یہ سب انہی مجربات کے مرہون منت ہیں، اگر ہم تھوڑی دیر کے لیے یہ فرض کرلیں کہ مجربات ختم ہو گئے ہیں تو یقیناً کہا جا سکتا ہے کہ انسان علمی اور سائنسی علاج سے نہ صرف محروم ہو جائے بلکہ زمانہ جہالت میں پہنچ جائے اور علاج کی دُنیا ہمارے سامنے اندھیر ہو جائے۔ ان حقائق سے ثابت ہوا کہ مجربات اپنے اندر زبردست اہمیت رکھتے ہیں۔

حقیقت مجربات

مجربات کے عظیم خزانے جو ہزاروں سالوں سے اب تک ہمارے گرد پھیلے ہوئے ہیں، لیکن پھر بھی مجربات کی طلب باقی ہے بلکہ پہلے سے بہت زیادہ ہے۔ بلکہ اس سلسلہ میں کسی معالج سے بات کی جائے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کو مرض جوع المجربات ہو گیا ہے۔ صرف آیورویدک اور طب یونانی کے معالجین پر ہی منحصر نہیں، فرنگی طب اور ہومیوپیتھی میں بھی یہ بیماری شدت سے ہے۔ فرنگی طب میں تلاش مجربات کے ثبوت میں ان کی نت نئی نئی پیٹنٹ ادویات بازاروں میں آتی رہتی ہیں اور جب آتی ہیں تو یہ کہا جاتا ہے کہ یہ نئی دوا فلاں مرض کے لیے اکسیر وتریاق اور یقینی بے خطا دوا ہے۔ کیونکہ ماڈرن میڈیکل سائنس کی تحقیقات کا نچوڑ ہے اور ہزاروں قابل ترین ڈاکٹروں کی تصدیق ہے۔ مگر تھوڑے عرصہ بعد وہی دوا ناکام ثابت ہو جاتی ہے۔ اس میں کیڑے پڑ جاتے ہیں اور نئی دوا، نئے دعوؤں کے ساتھ بازار میں آجاتی ہے۔ اس کا نام ریسرچ رکھا گیا ہے، جو ماڈرن میڈیکل سائنس کے نام سے ہو رہی ہے۔ آنکھوں سے اندھی، نام نین سکھ۔

فرنگی ڈاکٹروں کی پیٹنٹ ادویہ تو رہیں ایک طرف، ان کی روزانہ استعمال کی عام ادویہ جن کو ''ڈرگس'' کہتے ہیں، جیسے سوڈا و پوٹاس، کیلشیم و فیرم اور سلفر و سالٹ وغیرہ کے افعال واثرات کا بھی یقینی علم نہیں ہے اور نہ وہ ان کو کسی مرض میں یقینی طور پر استعمال کر سکتے ہیں۔ اس لیے ہر روز اکسیر وتریاق کے مجربات کی تلاش ہے۔ معلوم یہ ہوتا ہے کہ یا تو ان کا افعال واثرات ادویہ واغذیہ واشیاء لینے کا طریق کار غلط ہے۔ یا تشخیص الامراض والعلامات ہی صحیح نہیں جس سے وہ دونوں کو تطبیق دے سکیں اور مرض رفع ہو جائے۔ اس لیے مجربات کی تلاش جاری ہے۔

ہومیوپیتھی میں علاج علامات کے تحت ہوتا ہے۔ ان کے ہاں مرض کا تصور نہیں ہے۔ لیکن اکثر ان کے رسالوں اور کتب میں لکھا ہوتا ہے کہ فلاں بیماری کے لیے فلاں دوا فلاں طاقت کی بہت مفید ہے۔ اور اکثر یہ تلاش رہتی ہے کہ خاص خاص امراض خصوصاً پیچیدہ اور عسر العلاج امراض میں کون سی ادویہ یقینی اثر رکھتی ہیں۔ تقریباً تمام ہومیوپیتھ رسالوں میں امراض کے نام لکھ کر ان کے تحت مجرب ادویہ لکھ کر ان کے اشتہار دیئے جاتے ہیں، تاکہ عوام منگوا کر استعمال کریں اور خود گھر میں علاج کرلیں۔ یہاں پر وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ ہومیوپیتھی میں امراض تسلیم نہیں کئے جاتے بلکہ علامات کے تحت علاج کیا جاتا ہے۔ ایک عام انسان اپنے گھر میں علامات کو کیسے قابو کر سکتا ہے۔ اس سے بھی عجیب بات یہ ہے کہ ہمارے بہترین دوست ہومیوڈاکٹر جناب محمد اسماعیل صاحب نامی حیدرآباد نے سانپ کاٹے کی ایک ہومیوپیتھک دوا ایجاد کی ہے جس کی تعریف ہمیشہ ان کے رسالے میں شائع ہوتی رہتی ہے۔ ہمیں پڑھ کر حیرت ہوتی ہے کہ وہ ایک اچھے قسم کے ہومیوپیتھ ہیں لیکن اس قسم کے اشتہار شائع کراتے ہیں جو ان کے طریق علاج کے بنیادی فلسفہ کے خلاف ہے۔ ہمیں دوا کے مجرب بلکہ مجرب المجرب اور بے خطا ہونے سے انکار نہیں ہے بلکہ صرف یہ ظاہر کرنا ہے کہ مجربات کی تلاش وطلب سے کس قدر فائدہ اٹھایا جاتا ہے۔ یہاں پر ایمان اور عقیدے سب دھرے رہ جاتے ہیں۔

البتہ عوام کی معلومات کے لیے یہاں پر یہ لکھ دینا ضروری ہے کہ ہر قسم کے سانپ کاٹے کا ایک ہی علاج نہیں ہو سکتا، بلکہ مختلف قسم کے سانپ ہوتے ہیں اور ان کے زہر بھی مختلف اقسام کے ہوتے ہیں۔ ان کی علامات بھی مختلف قسم کی ہوتی ہیں۔ پھر ایک قسم کی دوا ہر قسم کے سانپ کے زہر اور علامات کو کیسے دور کر سکتی ہے، اسی لیے ماڈرن سائنس اس وقت تک کوئی ایسی دوا یا ٹیکہ ایجاد نہیں کر سکی جو ہر قسم کے سانپ کے زہر کا تریاق ثابت ہو سکے۔ بہر حال مجربات کی تلاش ہے۔

یہ حقیقت مسلمہ ہے کہ آیورویدک اور طب یونانی میں مجربات و مرکبات اور مفردات کے افعال و اثرات ایک قانون کے تحت حاصل کئے جاتے ہیں اور اسی طرح امراض و علامات کی تشخیص بھی بالکل اسی قانون کے تحت ہے۔ جس قانون کے تحت مجربات و مرکبات اور مفردات کے افعال و اثرات حاصل کئے جاتے ہیں۔ یہ قانون کیفیات و مزاج اور اخلاط کا ہے۔ اسی کے مطابق امراض و علامات انہی کیفیات و مزاج اور اخلاط کے افعال و اثرات رکھنے والی مفردات و مرکبات اور مجربات سے تطبیق دے کر علاج کیا جاتا ہے اور یقینی شفا حاصل کی جاتی ہے۔ اور جو ادویہ و اغذیہ اور اشیاء اس قانون کے تحت نہیں ہوتے وہ بالکل مفید نہیں چاہے وہ کتنے بھی دعوؤں کے مجربات کیوں نہ ہوں اس نمبر میں ہم انہیں قوانین کو بیان کریں گے جن کے تحت مجربات کو یہ سمجھا جا سکے کہ کیا واقعی وہ مجربات میں شامل ہیں اور کن امراض کے لیے مفید ہیں۔ جب تک مجربات کی صحیح شناخت نہ ہو اس وقت تک مجربات کو استعمال نہیں کیا جا سکتا۔ اور اگر بغیر صحیح شناخت کے مجربات کا استعمال کیا گیا تو اوّل نقصان ہونے کا خطرہ ہے۔ اگر نقصان نہ بھی ہوا تو اس کا مفید ہونا یقینی نہیں ہے۔ اسی ضرورت کے تحت ہم تحقیقات المجربات نمبر پیش کر رہے ہیں۔

مجربات اور بنیادی قوانین

عام طور پر یہ غلط فہمی پائی جاتی ہے کہ مجربات کے لیے بنیادی قوانین کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ بالخاصہ خاص خاص امراض کے لیے مفید بلکہ اکسیر و تریاق اور یقینی شفاء کا حکم رکھتے ہیں۔ ایسا خیال نہ صرف غلط ہے بلکہ بے بنیاد ہے۔ یاد رکھیں امراض کے لیے بالخاصہ مجربات چاہے وہ مرکبات ہوں یا مفردات انہیں کو کہتے ہیں جن کے اصول شفاء کا بنیادی قوانین کے مطابق علم نہیں ہوتا۔ جن کو انگریزی میں ''ریشنل'' ادویات کہتے ہیں۔ ان کو اصولی ادویات ''امپیریل'' سے جدا سمجھا جاتا ہے۔ جیسے فرنگی طب میں پارے کو آتشک کا یقینی علاج سمجھا جاتا ہے، اس سے کیوں فائدہ ہوتا ہے، اس کا فرنگی طب کو بالکل علم نہیں ہے۔ اس طرح فرنگی طب نے بہت سے امراض میں مجربات پیش کیے ہیں جن کے قوانین شفا سے وہ بالکل واقف نہیں ہے۔ اس سے علم العلاج میں بہت سی غلط فہمیاں پیدا ہو گئی ہیں۔

فرنگی طب کی غلط فہمی

فرنگی طب میں خواص الادویہ کہیں جراثیم کے تحت حاصل کئے جاتے ہیں، کہیں فزیکلی بالاعضاء افعال دیکھے جاتے ہیں اور کہیں کیمیکلی خون کے اجزاء (ایلیمنٹ) کی کمی بیشی کو مدنظر رکھا جاتا ہے۔ اس لیے کوئی واحد بنیادی قانون استعمال نہیں کیا گیا۔ یہی صورتیں تحقیقات ماہیت امراض میں بھی سامنے رکھی جاتی ہیں۔ نتیجہ ظاہر ہے ادویہ اور امراض کی تطبیق بہت مشکل ہو جاتی ہے۔ بلکہ ان کی ایک صورت وٹامنی بھی ہے۔

فرنگی طب چونکہ کیفیات و مزاج اور اخلاط کو تسلیم نہیں کرتی اس لیے اس کے مجربات نے اور بھی غلط فہمیاں پیدا کر دی ہیں، اس لیے متلاشی مجربات اور سہل پسند معالجوں نے طلب مجربات کے لیے فرنگی طب کے مجربات کی طرف یلغار کر دی۔ اس گناہ میں عوام اور

عطائی قسم کے اطباء ہی شریک نہیں ہیں بلکہ بڑے بڑے جگادری قسم کے اطباء بھی ملوث ہیں۔ بلکہ اس وقت ملک بھر میں ہی نہیں دُنیا بھر کے معالجین کی یہ حالت ہے کہ وہ فرنگی مجربات ہی سے علاج معالجہ کر رہے ہیں کیونکہ ان میں کیفیات ومزاج اور اخلاط کی بندشیں نہیں ہیں۔ وہاں پر واحد مرض کا واحد علاج رائج ہے اور معالج کی ذہنی جدوجہد جو تطبیق مرض ودوا اور غذا میں کی جاتی ہے، وہ ختم ہوگئی ہے۔ اس لیے روز بروز فرنگی طب کو اپنایا جا رہا ہے۔

بعض اطباء اس میں یہ توجیہہ پیش کرتے ہیں کہ فرنگی طب ماڈرن میڈیکل سائنس ہے، اس کے مجربات یقینی اور تحقیق شدہ ہیں۔ ان سے مستفید ہونا چاہئے۔ ایک گروہ اطباء کا یہ کہتا ہے کہ طب یونانی قدیم طریقہ علاج ہے۔ اس کی احیاء اور تجدید اسی طرح ہوسکتی ہے کہ اس میں فرنگی طب اور ماڈرن سائنس کی تحقیق شدہ معلومات امراض یعنی مجربات اور مفید آلات کو ضرور داخل کر لینا چاہئے ورنہ طب قدیم ختم ہو جائے گی۔ ایک تیسرا گروہ یہ تصور پیش کرتا ہے کہ یہ سائنس کا زمانہ ہے اور دُنیا سائنس پسند ہے۔ اس لیے ماڈرن میڈیکل سائنس کو طب قدیم میں جذب کر کے اس کو ماڈرن بنانا ضروری ہے۔ ورنہ اس کو رفتہ رفتہ نظرانداز کر کے ختم کر دیا جائے گا۔ گویا اب ایک ایسا وقت آ گیا ہے کہ عوام اور اطباء فرنگی طب کی فوقیت کو تسلیم کر کے اس کے طریق علاج اور ادویات احسن اور مفید خیال کرتے ہیں اور اس کے مقابلے میں طب قدیم کو کوئی مقام نہیں دیتے۔ یہی وجہ ہے کہ حکومت بھی طب قدیم کو اس کا مقام نہیں دیتی جس کا ثبوت طبی رجسٹریشن قانون میں دُنیا کے سامنے آ گیا ہے۔

طب قدیم میں انقلاب

آیورویدک اور طب یونانی کے متعلق بنیادی طور پر یہ فیصلہ کر لینا چاہئے کہ:

① کیا وہ غلط طریقہ علاج ہے؟

② کیا اس کی بنیاد قانون پر قائم ہے یا وہ عطایانہ (ریشنل) طریقہ علاج ہے؟

③ میڈیکل سائنس اور ماڈرن سائنس نے فن علاج کی جو خدمت کی ہے وہ اس قدر علمی اور سائنسی ہے کہ ان کے مقابلے میں طب قدیم ایک وحشیانہ طریقہ علاج ہے؟

ان سوالات کا فیصلہ کن جواب یہ ہے کہ:

① آج تک دُنیا بھر کی کوئی سائنس طب قدیم کو غلط طریقہ علاج ثابت نہیں کر سکی۔ بلکہ یورپ وامریکہ میں تاحال قدیم طریقہ علاج کسی نہ کسی رنگ میں قائم ہے۔ ملک چین میں موجودہ سائنسی کمالات کے باوجود طب قدیم کو حکومت کی سرپرستی اسی طرح حاصل ہے، جس طرح فرنگی طب حکومت کی سرپرستی میں کام کر رہی ہے۔

② طب قدیم کو مفید اور کامیاب طریق علاج تسلیم کرنا اس کی قوت شفاء پر نہیں ہے بلکہ اس کے قوانین (Laws) پر قائم ہے اور قوت شفا دوسرے نمبر پر ہے۔ وہ بھی اس میں دیگر طریق علاج سے بہت زیادہ ہے۔ گویا طب قدیم علمی وسائنسی طریقہ علاج بھی ہے اور اس میں انتہائی قوت شفا بھی پائی جاتی ہے۔

③ ان حقائق سے ثابت ہوتا ہے کہ طب قدیم اس وقت تک فرنگی طب سے بہت زیادہ خدمات نہ صرف انجام دے رہی ہے بلکہ اکثر امراض کا علاج جو فرنگی طب (ماڈرن میڈیکل سائنس) پیش نہیں کر سکی۔ ان کا کامیاب علاج طب قدیم میں موجود ہے جس کو اکثر

یورپ وامریکہ اور چین کے چوٹی کے ڈاکٹروں نے تسلیم کیا ہے۔

ان حقائق کو تسلیم کرنے کے بعد ایک اہل نظر اور صاحب علم کے ذہن میں فوراً یہ حقیقت آ جاتی ہے کہ اگر طب قدیم بالکل علمی سائنسی اور قانونی طریق علاج ہے اور فرنگی طب بھی اپنے آپ کو سائنسی اور تحقیقی علاج کہتی ہے تو پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ دونوں ایک دوسرے کے مخالف بھی ہوں اور صحیح طریقہ ہائے علاج بھی ہیں۔ کیونکہ زندگی و کائنات کے انتظام کے لیے ایک قانون مقرر ہے جس کو قانون فطرت کہتے ہیں، دونوں ایک ہی قانون پر کیسے صحیح کہہ سکتے ہیں۔ یہ حقیقت بالکل مسلمہ ہے۔ اس کے لیے ہم نے ثابت کیا ہے کہ طب قدیم بالکل صحیح ،فطرت کے مطابق اور علمی و سائنسی طریق علاج ہے اور اس کے مقابلے میں فرنگی طب غیر صحیح ، غیر فطری اور غیر سائنسی بلکہ عطایانہ علاج ہے۔ اس کے لیے دیکھیں ہماری کتاب ''فرنگی طب غیر علمی اور غلط ہے''۔ جس کے مبلغ دس ہزار روپے کا چیلنج اس شخص کے لیے جو اس کو صحیح ثابت کرے۔ انشاء اللہ تعالیٰ کوئی یہ چیلنج قبول نہیں کرے گا۔ اور نہ کسی کو اس کے قبول کرنے کی جرأت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تمام دُنیا پر ہمیں فوقیت عطا فرمائی ہے۔

احیائے فن اور تجدید طب

قانون فطرت ہے کہ جب دُنیا میں سچائی و صدق اور حقیقت پر خواہش و کذب اور نفس پرستی کے غبار و پردے اور خس و خاشاک پڑ جاتے ہیں، اور دُنیا کی اکثریت گمراہی اور اندھیرے میں سرگرداں و پریشاں اور صحیح راہ سے دور چلی جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے سے اس سچائی و صدق اور حقیقت کو دُنیا میں روشن کر دیتے ہیں، تا کہ اہل نظر، صاحب علم اور ماہر فن ہدایت اور روشنی سے منور ہو کر اصل راہ اختیار کر لیں۔

بالکل اسی قانون کے تحت اللہ تعالیٰ نے ہم سے یہی کام لیا ہے۔ اور یہ کام ہم سے ایک معالج کی حیثیت سے لیا ہے جس کا مقام ایک حکیم سے زیادہ نہیں ہے اور نعوذ باللہ اس میں کسی مسیح اور مہدی کا تصور تک نہیں اور نبوت تو بالکل ختم ہو چکی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قانون فطرت کو بالکل واضح کر دیا ہے جس پر زندگی اور کائنات رواں دواں ہے کیونکہ اس کے بعد کوئی بھی قانون فطرت نہیں ہو سکتا۔ اس لیے ختم نبوت لازم آتا ہے۔

ہماری خدمات صرف احیائے فن اور تجدید طب تک محدود ہیں۔ ہم نے ثابت کیا ہے کہ طب قدیم نہ صرف بالکل صحیح اور قانون فطرت کے مطابق علاج ہے بلکہ دُنیا کا کوئی بھی طریقہ علاج جو قانون فطرت کے مطابق نہیں ہے، وہ غلط ہے۔ اس مقصد کے لیے ہم عرصہ نو سالوں سے دُنیا کے سامنے اپنی تحقیقات پیش کر رہے ہیں۔

نظریہ مفرد اعضاء

کسی فن کو اس وقت تک زندہ نہیں کیا جا سکتا جب تک اس میں تجدید نہ کی جائے۔ تجدید کے معنی ہیں قدیم علم و فن کو نیا مقام (ری وائی وَل) دینا۔ پھر یاد رکھیں تجدید کے معنی کسی نئے علم و فن کا پیدا کرنا نہیں ہے بلکہ قدیم علم و فن کی سچائی و صداقت اور حقیقت کو روشن اور نیا کرنا ہے۔ سو ہم نے بھی فن کو زندہ کرنے کے لیے طب میں تجدید کی ہے، کوئی نئی طب نہیں پیش کی جس کو طب جدید کہا جائے۔ تجدید طب اور طب جدید دو مختلف صورتیں ہیں۔ ہم احیائے فن اور تجدید طب کے داعی ہیں۔ طب جدید کو غلط سمجھتے ہیں۔

یاد رکھیں کہ کسی فن کے احیاء اور تجدید کے لیے اس وقت تک کوئی صورت پیدا نہیں ہو سکتی جب تک فطرت کا کوئی ایسا قانون و کلیہ

اور اصول و قاعدہ پیش نہ کر دیا جائے۔ جس کی بنیادوں پر اس میں احیاء اور تجدید کی جا سکے اور اس قانون وکلیہ اور اصول و قاعدہ کو فطرت کے مطابق ثابت کرنے کے لیے تجربہ و مشاہدہ پیش کیا جائے یا کسی علمی اور سائنسی قانون وکلیہ اور اصول و قاعدہ کو سامنے رکھ کر فطرت کے مطابق کر دیا جائے۔ بس یہی اس کی نظری (عملی) صورت ہوگی۔ ہم نے بھی اسی طرح کا ایک نظریہ پیش کیا ہے جس کا نام نظریہ مفرد اعضاء رکھا ہے۔

نظریہ مفرد اعضاء کی تشریح

یہ حقیقت مسلمہ ہے کہ جسم کی مشین چند اعضاء کے پرزوں سے مرکب ہے جو مفرد اعضاء سے مرکب ہیں۔ یہ مفرد اعضاء اخلاط سے بنتے ہیں اور اخلاط اس غذا سے پیدا ہوتے ہیں جو ہم روزانہ کھاتے ہیں۔ یہ روزانہ کھانے والی اغذیہ اپنے اندر چند مخصوص کیمیاوی کیفیات اور مزاج رکھتی ہیں۔

ماڈرن سائنس اور میڈیکل سائنس بھی یہ تسلیم کرتی ہے کہ جسم کی مشین جن اعضاء کے پرزوں سے مرکب ہے وہ تمام ٹشوز (انسجہ) سے مرکب ہیں اور ہر نسیج ہزاروں خلیات (حیوانی ذرّوں) سے مرکب ہے جن کو سیلز کہتے ہیں۔ ہر سیل (حیوانی ذرّہ) اپنے اندر ایک جدا زندگی رکھتا ہے، یعنی سانس و غذا لیتا ہے۔ اپنے فضلات خارج کرتا ہے۔ پھر اپنے جیسے خلیات (سیلز) پیدا کرتا ہے۔ انہی سے ٹشوز (انسجہ) مرکب ہیں۔ یہ انسجہ (ٹشوز) چار قسم کے ہوتے ہیں، ان میں سے تین اعضائے رئیسہ (دِل و دماغ و جگر) بنتے ہیں جن کو (۱) عضلی نسیج (۲) عصبی نسیج (۳) غدی نسیج کہتے ہیں اور (۴) الحاقی نسیج کی بنیادیں تیار ہوتی ہیں۔ یہ تمام انسجہ خون سے بنتے ہیں جو ایک کیمیاوی مرکب ہے اور یہ بھی مسلمہ حقیقت ہے کہ خون غذا سے بنتا ہے۔

جاننا چاہیے کہ طب قدیم تسلیم کرتی ہے کہ جسم چار اخلاط سے مرکب ہے اور ماڈرن سائنس یہ تسلیم کرتی ہے کہ جسم چار ٹشوز قسم کے اعضاء سے مرکب ہے اور ہر ٹشو اپنا ایک مختلف مزاج اور کیفیت رکھتا ہے۔ یعنی ہر ایک کا مزاج ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہے جیسے طب یونانی کے اخلاط ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ لیکن اگر ان چاروں خلطوں اور چار انسجہ (ٹشوز) کو تطبیق دیا جائے تو وہ ایک ہی معلوم ہوتے ہیں۔

① خلط بلغم سے نسیج اعصابی بنتا ہے اور یہی اس کی غذا اور جزو بدن ہے۔
② خلط خون (سرخی) سے نسیج عضلاتی بنتا ہے اور یہی اس کی غذا اور جزو بدن ہے۔
③ خلط صفراء سے نسیج غدی بنتا ہے اور یہی اس کی غذا اور جزو بدن ہے۔
④ خلط سودا سے نسیج الحاقی بنتا ہے اور یہی اس کی غذا اور جزو بدن ہے۔ گویا اخلاط اور انسجہ لازم و ملزوم ہیں۔

یہ وہ حقائق ہیں جن سے کوئی سائنس انکار نہیں کر سکتی، جب ان حقائق پر مسلسل سالہا سال غور و فکر کیا گیا تو ان میں سے بے شمار حقائق کے چشمے ابلنے لگے ہیں جن سے بحرِ ذخار اور بے پائندہ کنار پیدا ہو گیا۔ یہی وہ مقام اور موڑ (ٹرن) تھا جس سے احیائے فن اور تجدید طب کی راہیں پیدا ہوئیں۔

نظریہ مفرد اعضاء کی عملی صورت

طب قدیم میں صحت کا قیام اعتدال اخلاط و امزاج اور کیفیات پر ہے۔ یہ اعتدال قائم نہیں رہتا تو مرض پیدا ہو جاتا ہے۔ پھر

مرض کا علاج یہ ہے کہ ان میں اعتدال قائم کر دیا جائے۔ مرض کی صورت یہ ہوتی ہے کہ جب اخلاط و مزاج اور کیفیات کا اعتدال بگڑتا ہے تو اس کا اوّلین اثر اعضاء پر پڑتا ہے۔ کیونکہ انہی سے پہلے اعضاء ہی بنتے ہیں جیسا کہ شیخ الرئیس بوعلی سینا نے لکھا ہے: **اجسام متولدہ من اول مزاج الاخلاط کما ان الاخلاط اجسام متولدۃ من اوّل مزاج الارکان......** اور یہی (اعضاء) اجسام ہیں جو اخلاط کی ابتدائی ترکیب سے پیدا ہوتے ہیں۔ جیسا کہ اخلاط جیسے اجسام ارکان کی ابتدائی ترتیب سے پیدا ہوتے ہیں۔ شیخ الرئیس نے نہ صرف اعضاء کی پیدائش کی ابتدائی صورت بیان کر دی ہے بلکہ مثال بھی دے دی ہے کہ جیسے ارکان سے اخلاط پیدا ہوتے ہیں ساتھ ہی یہ بھی واضح کر دیا ہے کہ اخلاط ہمیشہ ارکان سے پیدا ہوتے ہیں۔ اس میں خوبی اور کمال یہ ہے کہ ارکان و اخلاط اور اعضاء کا ایک مسلسل تعلق پیدا کر دیا ہے۔ ان تینوں کو ایسا جوڑ دیا ہے کہ وہ تینوں نہ صرف ایک دوسرے کے بعد ہیں بلکہ ایک ہی سے معلوم ہوتے ہیں۔ البتہ ان میں ارتقائی صورت قائم ہے۔ یعنی اوّل ارکان پھر اخلاط اور آخر میں اعضاء ہیں۔ انہی اعضاء کے افعال کے بگڑنے کو امراض قرار دیا گیا ہے۔ چاہے ان کا بگڑنا سادہ (کیفیاتی) ہو یا مادی (اخلاطی) ہو۔ بس یہیں سے احیائے فن اور تجدید طب کا مقام پیدا کیا گیا ہے۔

نظریہ مفرد اعضاء کا نکتہ عروج

جب یہ حقیقت مسلمہ ہے کہ اخلاط سے اعضاء بنتے ہیں، دوسرے اعضاء یقیناً اخلاط کی ارتقائی صورت ہیں۔ تیسرے اعضاء ہی کے بگاڑ کو مرض قرار دیا جاتا ہے۔ یعنی جب تک اعضاء کے افعال میں افراط و تفریط اور خرابی واقع نہ ہو اس وقت تک اس کو مریض نہیں کہہ سکتے۔ پھر اگر اخلاط کے بجائے اعضاء کو قیام صحت اور سبب مرض قرار دیا جائے تو ہم اخلاط کے چکر سے نکل کر اعضاء پر پہنچ جاتے ہیں۔ جس سے نہ صرف تشخیص میں آسانیاں اور علاج میں سہولتیں پیدا ہوتی ہیں بلکہ احیائے فن اور تجدید طب کی صورتیں بھی پیدا ہو جاتی ہیں اور ہم ماڈرن سائنس کے بالمقابل خم ٹھونک کر کھڑے ہو سکتے ہیں۔ اس سے ایک طرف طب قدیم کا کمال ظاہر ہو جاتا ہے اور دوسری طرف ماڈرن میڈیکل سائنس کی غلط صورتیں اور تحقیقات کو نمایاں کر کے دُنیائے طب میں اپنا نام و کام بلند کر سکتے ہیں۔

جاننا چاہئے کہ اخلاط پہلے ہوں یا اعضاء کو اوّل تسلیم کر لیا جائے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ یعنی چالیس سیر کا من تسلیم کر لیا جائے یا ایک من کے چالیس سیر مان لیے جائیں، بات تو ایک ہے، لیکن حساب میں سہولت من کو تسلیم کرنے سے ہی ہو سکتی ہے۔ کیونکہ من میں چالیس سیر ایک جگہ اکٹھے ہوتے ہیں اور اس کا قابو رکھنا آسان ہے۔

ایک بات اور قابل غور ہے کہ جن اخلاط سے جو اعضاء بنتے ہیں، اگر انہیں اعضاء کے افعال میں تیزی پیدا کر دی جائے تو جسم میں وہی اخلاط کثرت سے بننے لگتے ہیں۔ مثلاً اگر جگر کے فعل میں تیزی پیدا کر دی جائے تو جسم میں صفراء کی مقدار بڑھ جاتی ہے۔ یہی صورت دیگر اعضاء کے افعال میں تیزی پیدا کرنے سے پیدا ہو جاتی ہے۔ گویا اعضاء کا تسلیم کرنا ایک ایسا نقطہ کمال ہے کہ ایک طرف ہم اپنی مرضی کے اخلاط و مزاج اور کیفیات پیدا کر سکتے ہیں اور دوسری طرف ان کے افعال کے اعتدال سے صحت کو قائم رکھ سکتے ہیں اور امراض دور کر سکتے ہیں اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ مفرد اعضاء (ٹشوز) کو بنیادی صحت و مرض تسلیم کر کے سائنسی دُنیا سے اپنی برتری تسلیم کرا سکتے ہیں، کیونکہ وہ اخلاط سے تو انکار کر سکتے ہیں، مگر مفرد اعضاء (ٹشوز) کی ہستی سے ہرگز ہرگز انکار نہیں کر سکتے۔ جب کہ ہم نے مفرد اعضاء کے ساتھ اخلاط و مزاج اور کیفیات کو تطبیق دے دیا ہے اس طرح ماڈرن میڈیکل سائنس ان کی حقیقت سے بھی انکار نہیں کر سکتی۔ بس یہ نظریہ مفرد اعضاء کی حقیقت ہے جس کے ذریعے احیائے فن اور تجدید طب کی صورتیں پیدا کی گئی ہیں۔

یہ امر بھی ذہن نشین کر لیں کہ جو اشیاء ہم کھاتے ہیں وہ تین قسم کی ہوتی ہیں: (1) غذا (2) دوا (3) زہر۔
جب ان میں سے کوئی ایک بھی کھائی جاتی ہے تو ان کا پہلا اثر بالفعل ہوتا ہے۔ یعنی مشینی طور پر کسی عضو کے فعل میں افراط وتفریط یا تحلیل ہوتی ہے۔ اس کے بعد ان کے دوسرے اثرات بالقوئ ہوتے ہیں۔ یعنی کیمیاوی طور پر خون اور جسم میں ظاہر ہوتے ہیں۔ اس لیے بھی ہم کو اخلاط کے بجائے اعضاء کو مقدم رکھنا بے حد ضروری ہے۔

نظریہ مفرد اعضاء کا اہم مقصد

ماڈرن سائنس اور میڈیکل سائنس جو آج کل تمام دُنیا میں رائج ہیں انہوں نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ طب نہ صرف قدیم ہے بلکہ موجودہ دور میں زمانے کا ساتھ نہیں دے سکتی اور اس قابل نہیں ہے کہ اس کو قائم رکھا جائے، انہی اثرات کے تحت نظریہ مفرد اعضاء کو پیش کیا گیا ہے۔ جس کا مقصد یہ ثابت کرنا ہے کہ طب قدیم اور آیورویدک نہ صرف صحیح طریقہ ہائے علاج ہیں بلکہ قانون فطرت کے عین مطابق ہیں۔ اس طرح اس سے نہ صرف احیائے فن اور تجدید کی صورت پیدا کی گئی ہے بلکہ ثابت کیا گیا ہے کہ ماڈرن میڈیکل سائنس بالکل غیر علمی اور غلط ہے۔ جس کے ساتھ تمام دُنیا کو چیلنج کیا گیا ہے کہ وہ ثابت کرے کہ ماڈرن میڈیکل سائنس علمی اور صحیح ہے۔ اس چیلنج کے ساتھ مبلغ دس ہزار روپے کی پیشکش کی ہے۔ جو بھی اس کو صحیح اور سائنٹفک ثابت کرے ہم اس کی خدمت میں پیش کر دیں گے۔ روپیہ بینک میں جمع کرا دیا گیا ہے۔ کتاب کو شائع کئے ایک سال گزر گیا ہے۔ مگر کسی کو سامنے آنے کی جرأت نہیں ہوئی۔ انشاء اللہ تعالیٰ کسی کو مقابلے کی ہمت نہ ہوگی۔ کیونکہ نظریہ مفرد اعضاء بالکل قانون فطرت کے مطابق ہے اور اسی نظریہ پر ہم نے تمام طب کی تدوین کی ہے۔ اس وقت تک ہم اس نظریہ کے تحت تیرہ کتب پیش کر چکے ہیں اور یہ چودھویں پیش کر رہے ہیں۔ جس میں اسی نظریہ مفرد اعضاء کے تحت تحقیقات المجربات پیش کر رہے ہیں۔

تحقیقات المجربات ایسی کتاب ہے جو طبی دُنیا میں آج تک پیش نہیں کی گئی۔ جس کے تحت ہم نے یہ ثابت کیا ہے کہ (1) حقیقت مجربات (2) ترتیب مجربات اور (3) معیار مجربات کیا ہیں۔ ان سے ہم نہ صرف ان مجربات کو پرکھ سکتے ہیں، جو ہزاروں سالوں سے ہمارے گرد پھیلے ہوئے ہیں، بلکہ آئندہ بھی ضرورت کے مطابق صحیح معیاری مجربات ترتیب دے سکتے ہیں۔

تحقیقات المجربات

علاج میں مجربات کی ضرورت

شیخ الرئیس بوعلی سینا لکھتے ہیں، یاد رہے کہ تجربہ شدہ دواء یعنی دوائے مجرب غیر تجربہ شدہ اور غیر آزمودہ دوا سے بہتر ہے اور کسی ایک غرض کے لیے کم از کم ادویہ کا نسخہ کثیری الادویہ سے بہتر ہے۔[قانون]

شیخ الرئیس نے یہاں علاج کے لیے دوا کے استعمال میں دو قانون بیان کئے ہیں، اوّل دوائے مجرب، دوسرے کم از کم ادویہ کا نسخہ۔ اوّل قانون میں لازم قرار دے دیا ہے کہ علاج میں صرف دوائے مجرب ہی کا استعمال ہونا چاہئے، کیونکہ دوائے مجرب کے بغیر ہم کو یقین ہی نہیں ہوسکتا کہ کسی مرض میں فلاں دوا مفید ہے یا غیر مفید یا نقصان رساں ہے۔ گویا علاج میں دوا کی اوّلین شرط یہ ہے کہ مجرب ہو ورنہ وہ علاج یقینی اور بے خطا نہیں ہوگا بلکہ عطایانہ اور غیر علمی ہوگا۔ اس علاج بالمجربات کو ہی سائنٹفک علاج کہا جاتا ہے۔ یاد رکھیں کہ مجربات کا صحیح استعمال بھی صرف قابل معالج ہی کرسکتا ہے۔

دوسرے قانون میں تاکید کی گئی ہے کہ نسخہ کم از کم ادویہ کا ہونا چاہیے۔ اس قانون سے ان کی مراد یہ ہے کہ بغیر سوچے سمجھے اور ضرورت کے کسی دوا کو نسخہ میں شریک نہیں کر لینا چاہئے۔ کیونکہ ایک دوا دوسری دوا سے ملتی ہے تو ان کے افعال و اثرات بدلنے شروع ہو جاتے ہیں۔ پھر ایک ماہر معالج اور اہل فن بھی مشکل سے اندازہ لگا سکتا ہے کہ مرکب کے افعال و اثرات اور مزاج کیا پیدا ہو گئے ہیں۔ کیونکہ نسخہ نویسی بھی ایک فن ہے اور ہر کسی کا کام نہیں ہے۔

دوائے مجرب

سوال پیدا ہوتا ہے کہ دوائے مجرب کیا ہے؟ اس کا سیدھا سادھا سا جواب یہ ہے کہ جس دوا و غذا یا شے کے استعمال سے کوئی مرض یا علامت رفع ہو جائے اور بار بار کا تجربہ اور مشاہدہ یہ ثابت کر دے کہ اس دواء سے فلاں مرض یا علامت رفع ہو جاتی ہے۔ لیکن اس میں یہ اعتراض پیدا ہوتا ہے کہ اس دوا و غذا اور شے نے واقعی مرض و علامت کو ختم کر دیا ہے۔ یا وقتی طور پر اس میں سکون پیدا کر دیا ہے۔ جیسے منشیات اور مخدرات کے استعمال سے اکثر ہوتا ہے یا اس مرض و علامت کو دبا دیا جاتا ہے جیسے مقئی، مسہلات مدرات اور پسینہ آور ادویات سے اکثر دیکھا جاتا ہے۔ اگر دوا و غذا اور شے کے اثرات صرف اسی حد تک ہیں تو ہم اس کو مجرب دوا نہیں کہہ سکتے۔ یہ تو صرف ایک وقتی سکون یا مرض و علامت کا دبا دینا ہے۔ جیسا کہ فرنگی طب اور علاج مثل میں علامات کو روکا اور رفع کیا جاتا ہے۔ مثلاً فرنگی طب میں اگر کسی مریض کو درد سر بلکہ اکثر قسم کے دردوں میں اسپرین یا اس کے مختلف مرکبات یا مخدرات و منشیات یا ان کے مرکبات جیسے مارفیا وغیرہ کو مجربات کے نام پر استعمال کئے جاتے ہیں یا جسم میں کسی جگہ پر جراثیم کا علم ہو ان کو بعض ان کی قاتل جراثیم ادویات سے فنا کر دینا وغیرہ مرض و علامات کو فوری طور پر ختم کر سکتے ہیں۔ مثلاً نزلہ، زکام اور ٹی بی و بخار وغیرہ کے لیے قاتل جراثیم (اینٹی سپٹک) ادویات اور انجکشنوں سے ان کے جراثیم کو فنا کر دیتے ہیں

اور ظاہری طور پر مرض و علامات رفع بھی ہو جاتے ہیں۔ لیکن کیا یہ ان کا حقیقی علاج ہے؟ نہیں! ہرگز نہیں! بلکہ بار بار ایسا علاج کرنے سے بھی اس مرض کا علاج نہیں ہوتا۔ اور چند گھنٹوں یا چند دِنوں کے بعد نہ صرف وہی مرض حاضر ہو جاتا ہے بلکہ اپنی مکمل علامات اور جراثیم کے ساتھ مریض پر قبضہ کر لیتا ہے۔ تو کیا اس دوا کو مجرب دوا کا نام دے سکتے ہیں؟؟؟

یہی صورت علاج بالمثل (ہومیوپیتھی) کی بھی ہے کہ جب کسی علامت کی بالمثل دوا استعمال کر دی جاتی ہے اور اس کا انتخاب بالکل صحیح بھی ہو اور وہ علامات رفع بھی ہو جائیں تو کیا وہ علامات بالکل رفع ہو گئی ہے اور پھر کبھی پیدا نہیں ہوئی؟ نہیں! ایسا ہرگز نہیں! بلکہ بار بار کے مہینوں استعمال کے بعد بھی علامات پھر پیدا ہو جاتی ہیں۔ اور حاد علامات تو کچھ عرصہ کے لیے رفع بھی ہو جاتی ہیں، لیکن مزمن علامات تو رفع بھی نہیں ہوتیں اور مہینوں علاج کے بعد بھی اپنی جگہ پر قائم رہتی ہیں۔ ان حقائق سے ثابت ہوا کہ علامات کا رفع کرنا کوئی علاج نہیں ہے اور جو دوا و غذا اور شے ان کو رفع کریں یا ظاہری طور پر روک دیں یا ان میں کمی پیدا کر دیں ہم ان کو دوائے مجرب کا نام نہیں دے سکتے، آج کل معالج اور عوام اسی چکر میں گرفتار ہیں کہ علامات کو فوراً روک دیا جائے اور اسی کا نام علاج رکھتے ہیں۔ یہ بہت بڑی گمراہی ہے اور افسوس ہے کہ حکومت اور حکام بھی اس میں مبتلا ہیں اور اسی کو صحیح علاج خیال کرتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ملک میں ٹی-بی، شوگر اور ہارٹ فیل ہونا وغیرہ کے امراض اور علامات کثرت سے پیدا ہو رہے ہیں۔ کیونکہ معمولی معمولی امراض و علامات کے وقتی اور ظاہری علاج سے سکون پیدا کر کے مزمن اور پیچیدہ امراض پیدا کر دیتے ہیں۔ اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ اوّل عوام اور معالج سہولت پسند ہو گئے ہیں۔ دوسرے مرض کی ماہیت کی طرف توجہ نہیں کی جاتی۔ بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ صحیح مرض کا تصور ہی ان کے ذہن میں نہیں ہوتا۔ اس طرح فن علاج تجارت (بزنس) بن کر رہ گیا ہے۔

دوائے مجرب اور مرض

دوائے مجرب صرف وہی ہو سکتی ہے جو مرض و اسباب کے ساتھ ان کی علامات کو بھی دور کر دے۔ مرض ہمیشہ اس حالت کا نام ہے جب جسم کے کسی بنیادی (مفرد) عضو کے فعل میں خرابی پیدا ہو جائے۔ یعنی اس کے فعل میں تین حالتوں میں سے کوئی ایک حالت پائی جائے۔ اوّل عضو کے فعل میں تیزی پیدا ہو جائے جس کو افراطِ فعل کہتے ہیں۔ دوسرے عضو کے فعل میں سستی پیدا ہو جائے جس کو تفریطِ فعل کہتے ہیں۔ تیسرے عضو کے جسم میں ضعف واقع ہو جائے اس کو تحلیل عضو کہتے ہیں۔ چوتھی کوئی صورت نہیں ہے۔

اسباب ہمیشہ اس حالت کا نام ہے جب خون میں کیمیاوی طور پر کوئی تغیر پیدا ہو جائے، اس کی بھی تین صورتیں ہیں، یعنی اسباب تین اقسام کے ہیں:

(۱) **اسباب بادیہ**: ایسے اسباب جن کا تعلق کیفیاتی اور نفسیاتی اثرات سے ہوتا ہے۔ یعنی ظاہری طور پر جو جسم پر اثر کریں۔ کیفیات میں گرمی و سردی اور تری و خشکی داخل ہیں۔ نفسیاتی اثرات میں مسرت و غم، غصہ و ندامت اور لذت و خوف شریک ہیں۔

(۲) **اسباب سابق**: ایسے اسباب جن کا تعلق ماکولات و مشروبات (جو اشیاء کھائی پی جا سکتی ہیں) سابق سے مراد وہ اشیاء ہیں جو جسم میں کیمیاوی طور پر پہلے سے اثر کر چکی ہیں۔

(۳) **اسباب فاعلہ**: ایسے اسباب جن کے اثر کے بعد جسم میں مرض کی صورت نمودار ہو۔ یعنی جسم کے کسی عضو میں خرابی پیدا ہو جائے۔ پھر یاد رکھیں مرض ہمیشہ عضو کی خرابی کو کہا جائے گا۔

جہاں تک اسباب فاعلہ کا تعلق ہے، یہ کوئی الگ سبب نہیں ہے، بلکہ اسباب بادیہ اور اسباب سابقہ میں سے جو بھی اس وقت کسی عضو کے فعل میں خرابی پیدا کر دے وہی سبب فاعلہ بن جاتا ہے۔ جیسے کیفیاتی ونفسیاتی طور پر یا مادی طور پر کسی عضو میں سادہ یا مادے کے ساتھ اس کے جسم میں تغیر پیدا ہو جائے۔ بہرحال ہم مرض اسی حالت کو ہی کہیں گے جب کہ کسی فعل میں خرابی (افراط وتفریط اور تحلیل) واقع ہو جائے۔

علامات وہ نشان و دلائل اور صورتیں ہیں جو ہم کو اس عضو کی طرف راہ نمائی کرتی ہیں جیسے کسی مقام پر درد یا سوزش اور بخار وضعف وغیرہ محسوس ہوں۔ یاد رکھیں کہ مرض و اسباب کے رفع ہو جانے پر علامات تو ضرور دور ہو جاتی ہیں۔ لیکن کسی علامت کے رفع کر دینے سے اس کا مرض اور سبب دور نہیں ہوتے۔ اس لیے دوائے مجرب وہی ہو سکتی ہے جو مرض و اسباب کے ساتھ علامات کو بھی رفع کر دے۔

دوائے مجرب کی تجویز

علاج میں دوائے مجرب کو تجویز کرنے کے لیے ہمیں اوّل تمام علامات کو اکٹھا کرنا پڑتا ہے۔ پھر یہ دیکھنا پڑتا ہے کہ یہ تمام علامات کسی عضو کی خرابی سے پیدا ہو رہی ہیں اور اس کی خرابی کے لیے کون سا سبب کام کرتا ہے۔ بس ادویہ مفرد و مرکبہ میں سے جو بھی ان کے مطابق ہوں گی بس وہی دوا مجرب کہی جا سکتی ہے۔ صرف یہی نہیں کہ درد سر میں فوری طور پر اس کو رفع کرنے کے لیے کوئی دوا دے دی جائے یا سوزش سینہ کو دور کرنے کے لیے کوئی دوا یا غذا دے دی جائے۔ پہلی صورت کے علاج کو ہم اصولی (سائنٹفک) اور دوسری صورت کو ہم غیر اصولی (ان سائنٹفک) کہتے ہیں۔ ہمارا جہاد چونکہ غیر اصولی علاج (ان سائنٹفک) کے خلاف ہے۔ اس لیے ہمارے سامنے فرنگی طب اور ہومیوپیتھی کے علاماتی علاج ہیں۔ جب تک ان دونوں علاجوں کی باقاعدہ اصلاح اور درستی نہ کی جائے۔ یہ دونوں طریقہ ہائے علاج نقصان رساں ہیں۔ ان سے دور رہنا بہتر ہے۔

ان کے مقابلے میں آیورویدک اور طب یونانی میں پرکرتی و دوش اور کیفیات و اخلاط کو مدنظر رکھ کر اعضاء کے افعال کی خرابیوں کو دیکھا جاتا ہے۔ پھر اعضاء کی انہی خرابیوں کو انہی کے مطابق ادویہ و اغذیہ اور اشیاء استعمال کر کے علاج کیا جاتا ہے جن سے نہ صرف اعضاء کے افعال درست ہو جاتے ہیں بلکہ اسباب اور علامات بھی رفع ہو جاتی ہیں بس ایسے ہی طریقہ ہائے علاج اصولی (سائنٹفک) کہلانے کے مستحق ہو سکتے ہیں۔

امراض اور مفرد اعضاء

یہ حقیقت مسلمہ ہے کہ مرض صرف عضو کے فعل میں خرابی اور بگاڑ کا نام ہے۔ نہ کسی علامت کا نام مرض ہو سکتا ہے جیسے ہومیوپیتھی تسلیم کرتی ہے اور نہ ہی کسی سبب کو مرض کہا جا سکتا ہے چاہے وہ جراثیم ہی کیوں نہ ہوں۔ جیسے کہ فرنگی طب تسلیم کرتی ہے۔ اگر صرف علامات یا سبب کو مرض تسلیم کر لیا جائے تو یقینی طور پر کسی مرض کا صحیح علاج نہ صرف مشکل ہے بلکہ ناممکن ہے۔ اس لیے شیخ الرئیس بوعلی سینا نے مرض کی یہ تعریف کی ہے "مرض بدن کی اس حالت کا نام ہے جب اعضائے بدن اور مجاری (راستے) اپنے افعال صحیح طور پر انجام نہ دیں"۔ یہ جسم کا کوئی ایک عضو یا تمام اعضاء کے افعال بگڑ جائیں یا ان میں خرابی واقع ہو جائے۔ طب قدیم میں صرف کیفیات اور اخلاط کی کمی بیشی کا نام نہیں بلکہ جب تک کیفیات اور اخلاط کی خرابی اور کمی بیشی سے اعضاء کے افعال نہ بگڑیں اس وقت تک اس حالت کو مرض نہیں کہتے۔ اسی لیے امراض کی تقسیم بالا عضاء ہے جیسے سر و چہرے کے امراض، سینہ و پیٹ کے امراض اور دماغ و دل اور جگر کے امراض وغیرہ۔ البتہ ان تمام امراض میں کیفیات و اخلاط کی کمی بیشی کو ضرور دیکھا جاتا ہے۔

یادرکھیں کہ طب قدیم میں امراض کی تقسیم بالکیفیات اور بالاخلاط نہیں ہے یعنی گرمی کے امراض وسردی کے امراض، تری کے امراض، خشکی کے امراض اوراسی طرح خون کے امراض، صفراء کے امراض، بلغم کے امراض، سودا کے امراض، وغیرہ وغیرہ۔

اگر تقسیم امراض کیفیات اور اخلاط کے تحت ہوتی تو امراض صرف آٹھ ہوتے یا ان کے درجات شدت کی صورت میں جو چار درجے تقسیم کئے گئے ہیں کل امراض صرف بتیس ہوسکتے ہیں۔ جسم میں اس قدر امراض جو بالاعضاء پائے جاتے ہیں سب ختم ہوجاتے۔ مگر ایسا نہیں ہے صحیح تقسیم امراض صرف بالاعضاء ہی ہوسکتی ہے۔

ان حقائق سے ثابت ہوا کہ امراض کی پیدائش صرف اعضاء کا بگڑنا ہے۔ کیونکہ (۱) جسم انسان اعضاء سے مرکب ہے۔ (۲) اعضاء اخلاط سے بنتے ہیں۔ (۳) اعضاء اخلاط کی ارتقائی صورت ہیں۔ (۴) اخلاط غذا سے بنتے ہیں۔ اس لیے اعضاء کے افعال کے بگاڑ اور خرابی کو بھی مرض کہا جاسکتا ہے اور یہ طب قدیم تسلیم کرتی ہے۔

کیفیات واخلاط اوراعضاء

یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ کیفیات اپنے مادہ کے ساتھ اخلاط کی صورت اختیار کرلیتے ہیں اور اخلاط پختہ ہوکر اعضاء کی شکل میں تبدیل ہوجاتے ہیں۔ گویا اعضاء دراصل خام حالت میں اخلاط ہیں اور اخلاط کی خام صورت کیفیات اور مادہ ہیں۔ مقصد یہ ہوا کہ اعضاء واخلاط اور مادہ وکیفیات لازم وملزوم ہیں۔ دوسرے معنوں میں یوں سمجھ لیں کہ اعضاء اپنی پختہ شکل میں اخلاط اور کیفیات کا مجموعہ ہیں۔ اور یہ سلسلہ جسم میں غذا کھانے کے بعد مسلسل قائم ہے۔ اور ہر وقت اعضائے جسم کے اخلاط اور کیفیات سے متعلق ومتاثر اور ترتیب وتکمیل پارہے ہیں۔ یہ تجربہ ومشاہدہ ہے کہ اخلاط میں جو خلط وکیفیت زیادہ ہوگی۔ اسی عضو میں تیزی پیدا ہوجائے گی۔ اس کے برعکس جس عضو میں تیزی ہوگی اسی کے متعلق خلط جسم میں زیادہ ہوگی۔ ان حقائق سے ثابت ہوگیا کہ واقعی اعضاء اور اخلاط وکیفیات لازم وملزوم ہیں اور ہم اگر اخلاط کی پیدائش میں اضافہ کردیں تو اعضاء میں تیزی پیدا ہوجاتی ہے اور اگر اعضاء کے افعال میں تیزی پیدا کردیں تو اخلاط میں زیادتی پیدا ہوجاتی ہے۔ یہی ان کا لازم وملزوم ہونا ہی تجدید طب کی بنیاد ہے۔

اخلاط اور مفرد اعضاء

اخلاط سے جو اعضاء پہلے بنتے ہیں وہ مفرد ہوتے ہیں اور پھر مرکب صورت اختیار کرتے ہیں۔ مفرد اعضاء میں ہڈی، رباط، اوتار، گوشت اور پٹھے شمار ہوتے ہیں۔ اور ماڈرن میڈیکل سائنس نے مفرد اعضاء کو تسلیم کیا ہے۔ ان کو وہ ٹشوز کا نام دیتے ہیں اور یہ ٹشوز جن کو ہم انسجہ کا نام دیتے ہیں خلیات (سیلز) سے مرکب ہیں۔ ماڈرن میڈیکل سائنس نے یہ ٹشوز (انسجہ) چار اقسام کے بیان کئے ہیں: (۱) کنکٹو ٹشو (نسیج الحاقی) جن سے ہڈیاں ورباط اور اوتار جسم کا بنیادی ڈھانچہ بنتا ہے۔ (۲) مسکولر ٹشو (نسیج عضلی) جن سے جسم کا گوشت بنتا ہے۔ (۳) نروٹشو (نسیج عصبی) جس سے جسم کے اعصاب بنتے ہیں۔ (۴) اپی تھیلیل ٹشو (نسیج غدی) جس سے جسم کے غدد وو غشائے مخاطی بنتے ہیں۔

اگر طب قدیم اور ماڈرن سائنس کے مفرد اعضاء کو دیکھا جائے تو ان میں کوئی فرق نہیں ہے۔ صرف اعضاء واخلاط کی ایک درمیانی کڑی انسجہ (ٹشوز) کو بیان کیا گیا ہے۔ کڑی بھی احسن طریق پر بیان کردی جاتی۔ طب قدیم کا کمال ہے کہ ہزاروں سال قبل وہ سب کچھ بیان کردیا ہے جو سائنس بیان کررہی ہے اور سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ اس نے ثابت کیا ہے کہ مختلف اخلاط سے اعضاء بنتے ہیں۔

کیفیات اور مفرد اعضاء

کیفیات جو اخلاط کی طرح صرف چار ہیں اور ہماری زبان میں گرم و سرد اور تر و خشک کے نام سے مشہور ہیں، کبھی مفرد صورت میں نہیں پائے جاتے، ہمیشہ مرکب صورتوں میں کارفرما ہیں۔ یعنی گرم تر و گرم خشک اور سرد تر و سرد خشک۔ ان کی ان مرکب صورتوں ہی میں اخلاط کی صورتیں بنتی ہیں اور یہی ان کے مزاج کہلاتے ہیں۔ یعنی خون میں گرم تر کیفیات پائی جاتی ہیں۔ یہی اس کا مزاج ہے۔ اسی طرح بلغم کا مزاج سرد تر، صفراء کا مزاج گرم خشک اور سودا کا مزاج سرد خشک تسلیم کیا گیا ہے۔

جب ہم یہ تسلیم کر چکے ہیں کہ اخلاط اور مفرد اعضاء ایک مادہ کی دو صورتیں ہیں، فرق صرف یہ ہے کہ اعضاء میں اخلاط کے مقابلے میں پختگی اور جماؤ پایا جاتا ہے۔ اس لیے جہاں تک کیفیات کا تعلق ہے وہ دونوں میں ایک ہی پائے جاتے ہیں۔ جن کی تفصیل یہ ہے:

① الحاقی نسیج (کنکٹو ٹشو) ان سے ہڈی، رباط اوتار و جسم کا ڈھانچہ بنتا ہے۔ یہ خلط سودا کی پیداوار ہیں۔ اس کی کیفیت و مزاج سرد خشک ہے۔

② عضلی نسیج (مسکولر ٹشو) ان سے گوشت بنتا ہے۔ یہ خلط خون کی پیداوار ہے، اس کی کیفیات و مزاج گرم تر ہے۔

③ غدی نسیج (اپی تھیلیل ٹشو) ان سے جسم کے غدد اور غشائے مخاطی بنتے ہیں۔ یہ خلط صفراء کی پیداوار ہیں۔ اس کی کیفیات و مزاج گرم خشک ہے۔

④ عصبی نسیج (نروٹشو) ان سے تمام جسم کے اعصاب بنتے ہیں۔ یہ خلط بلغم کی پیداوار ہے۔ اس کی کیفیات و مزاج سرد تر ہے۔ اس تطبیق سے مفرد اعضاء کی اہمیت اور بھی بڑھ جاتی ہے۔

ان حقائق سے ثابت ہو گیا کہ کیفیات جس طرح اخلاط میں اثر کرتے ہیں، بالکل اسی طرح مفرد اعضاء میں بھی اثر انداز ہوتے ہیں۔ گویا ہر مفرد عضو میں بھی دو دو کیفیات ہی پائی جاتی ہیں اور ہر وقت دو ہی کام کرتی ہیں۔

ایک راز کی بات

ہر خلط اور ہر مفرد عضو میں دو کیفیات پائی جاتی ہیں، اور اثر انداز ہوتی ہیں۔ لیکن ان میں سے ایک کیفیت کسی دوسری خلط اور کسی دوسرے عضو میں بھی پائی جاتی ہے۔ مثلاً گرم کیفیت ایک طرف خون اور قلب میں پائی جاتی ہے تو دوسری طرف صفراء اور جگر میں پائی جاتی ہے۔ اسی طرح سرد کیفیت ایک طرف بلغم اور دماغ میں پائی جاتی ہے تو دوسری طرف سودا اور طحال میں پائی جاتی ہے۔ یہ صورتیں تر اور خشک کیفیات میں بھی پائی جاتی ہیں۔ ان میں راز کی بات یہ کہ جب ہم کسی ایک خلط یا عضو کو تحریک دیتے ہیں تو اس کی یہ دونوں کیفیات دوسری خلط یا عضو میں بھی اثر انداز ہوتی ہیں۔ اس طرح ان کا آپس میں تعلق پیدا ہو جاتا ہے اور نتیجہ کے طور پر وہ خلط اسی طرف منتقل ہونا شروع ہو جاتی ہے۔ مثلاً بلغم اور اعصاب میں تری پائی جاتی ہے۔ اسی طرح خون اور قلب میں بھی تری پائی جاتی ہے۔ جب جسم میں تری بڑھتی ہے تو بلغم اعصاب اور خون و قلب دونوں طرف تری بڑھتی ہے۔ نتیجہ کے طور پر تری بہت زیادہ بڑھ جاتی ہے اور وہ خون اور قلب کی گرمی کو بھی کم کر دیتی ہے۔ کیونکہ ہمیشہ تری ہی سے گرمی کم ہوتی ہے۔ اسی طرح جب جسم میں گرمی بڑھتی ہے تو ایک طرف خون و قلب میں گرمی بڑھتی ہے تو دوسری طرف صفراء اور جگر میں گرمی بڑھتی ہے۔ نتیجہ کے طور پر گرمی زیادہ ہو جاتی ہے جو صفراء کی خشکی کو کم کر دیتی ہے، کیونکہ گرمی ہی خشکی کو توڑتی ہے۔ اسی طرح جب جسم میں خشکی پیدا ہوتی ہے تو ایک طرف صفراء و جگر میں خشکی بڑھتی ہے تو دوسری طرف سودا و طحال میں خشکی

بڑھ جاتی ہے۔نتیجہ کے طور پر خشکی زیادہ بڑھ جاتی ہے، جب بلغم و اعصاب میں سردی بڑھ جاتی ہے تو دوسری طرف سوداوطحال میں سردی بڑھ جاتی ہے۔نتیجہ کے طور پر سردی زیادہ ہوجاتی ہے جو بلغم کی تری کو خشک کر دیتی ہے۔گویا اس طرح کیفیات کا ایک چکر اخلاط اور اعضاء میں چلتا رہتا ہے۔دوائے مجرب وہی ہو سکتی ہے جو کیفیات کے اثرات کے تحت استعمال کی جائے۔جن کا صحیح اور سیدھا اثر اخلاط اور اعضاء پر پڑتا ہے۔بس دوائے مجرب کا یہی ایک راز ہے۔

مفرد اعضاء اور دورانِ خون

مفرد اعضاء دو قسم کے ہیں۔ایک بنیادی جن میں نسیج الحاقی (کنکٹو ٹشو) جن میں ہڈی و کری اور رباط و اوتار شامل ہیں۔یہ سب جسم کا ڈھانچہ بناتے ہیں۔دوسرے حیاتی اعضاء جن میں تین قسم کے انسجہ شامل ہیں: ① **عضلی نسیج** (مسکولر ٹشو) ② غدی نسیج (اپی تھیلیل ٹشو) ③ عصبی نسیج (نروٹشو)۔ان سے تمام جسم کا گوشت (جن کا مرکز دِل) غدی و غشائے مخاطی (جن کا مرکز جگر) اور اعصاب (جن کا مرکز دماغ) ہیں۔یہی دِل، جگر اور دماغ ہی وہ اعضاء ہیں جن کو ہم اعضائے رئیسہ کہتے ہیں۔یاد رکھیں کہ زندگی تو نسیج الحاقی میں بھی پائی جاتی ہے، کیونکہ یہ بھی خلیات (حیوانی ذرات) سے بنتے ہیں جو زندہ اور حیات ہوتے ہیں۔مگر اوّل تو ادنیٰ قسم کے خلیات اور انسجہ کہلاتے ہیں۔ جیسے طب یونانی میں سودا کا مقام ہے، دوسرے ان سے جو اعضاء بنتے ہیں ان میں حرکت حیات نہیں ہے اور نہ ہی اعضائے رئیسہ میں ان کا دخل ہے۔اور ان کا تعلق زیادہ تر جسم کے بنیادی اعضاء تک ہے۔اس لیے اس کا نام بنیادی اعضاء رکھا گیا ہے اور باقی تینوں مفرد اعضاء کو حیاتی اعضاء کا نام دیا گیا ہے۔کیونکہ ان ہی کی مدد سے غذا خون بنتی ہے اور جسم میں گردش کر کے جسم کا جزو بنتی رہتی ہے۔

خون معدہ میں تیار ہو یا جگر میں، وہ اوّل قلب میں جاتا ہے، پھر وہاں سے پھیپھڑوں کے ذریعے صاف ہو کر اپنے اندر نسیم (آکسیجن) لیتے ہوئے شریانوں کے راستے جسم کی غذا کے لیے روانہ ہوتا ہے۔پھر شریانوں کے سروں پر جو غدود لگے ہوتے ہیں ان سے جسم پر خون کی رطوبات لطیفہ چھڑک دیتا ہے جو عضلات اور اعصاب کی غذا بنتی ہیں۔پھر جو غذا فاضل بچ جاتی ہے وہ غدد جاذبہ جو طحال کے تحت کام کرتے ہیں کے ذریعے پھر قلب میں صاف ہونے کے لیے چلی جاتی ہے۔یہی سلسلہ زندگی بھر قائم رہتا ہے۔اس دورانِ خون میں جس مقام اور عضو میں رکاوٹ پیدا ہوتی ہے اسی جگہ پر مرض پیدا ہو جاتا ہے۔بس اس رکاوٹ اور مرض کو دور کرنا ہی علاج ہے۔

علاج میں مفرد اعضاء کی ترتیب

دورانِ خون سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ایک خاص سمت کو جاتا ہے اور ایک خاص سمت سے آتا ہے۔یعنی دِل (عضلات) سے جگر (غدد) کی طرف۔پھر جگر (غدد) سے دماغ (اعصاب) کی طرف آتا ہے اور پھر دماغ (اعصاب) سے دِل (عضلات) کی طرف چلا جاتا ہے۔اس لیے علاج میں دورانِ خون کا چکر اسی طرح قائم رہنا چاہیے۔کیونکہ دورانِ خون کا صحیح حالت میں رہنا ہی صحت کا معیار ہے۔ اس دورانِ خون کو اُلٹا نہیں چلا سکتے۔اس میں ایک خاص بات یہ بھی ہے کہ دورانِ خون جن راستوں پر چلتا ہے وہاں پر اپنا صاف خون جو اس نے نسیم (آکسیجن) کی مدد سے حاصل کیا ہے چھوڑتا جاتا ہے، اور راستہ میں دیگر اعضاء کی رطوبات اور فضلات بھی اپنے ہمراہ لے کر دیگر اعضاء تک پہنچاتا ہے اس لیے علاج میں دورانِ خون کے چکر کو بہر حال قائم اور جاری رکھنا انتہائی لازم ہے۔اس لیے دوائے مجرب وہ ہو سکتی ہے جو اس دورانِ خون کے مطابق ترتیب دی جائے۔مثلاً جب دِل خون کو دھکیلتا ہے تو اس وقت اس میں ریاح صالح (روح طبی) کی زیادتی ہوتی ہے۔جب جگر (غدد) میں پہنچتا ہے وہاں پر حرارت کی زیادتی ہو جاتی ہے۔جب دماغ (اعصاب) پر گرتا ہے، وہاں پر رطوبات بڑھ جاتی ہیں۔پھر جب غدد جاذبہ (طحال) کے ذریعے واپس دِل میں جاتا ہے تو پھر اس میں ریاح (ترشی) بڑھ چکی ہوتی ہے۔

یہی دوائے مجرب کا راز ہے۔ جو لوگ اس دوران خون کے قانون کے خلاف علاج کریں گے تو وہ علاج کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا اور نہ ہی ایسی دوا مجرب ہو سکتی ہے۔

ترتیب مفرد اعضاء

چونکہ قدرت نے زندگی و طاقت اور صحت کا دارومدار دورانِ خون پر رکھا ہے۔ اس لیے اس کی حفاظت کے لیے خاص نظام اور ترتیب قائم کی گئی ہے۔ دِل خون کا مرکز ہے اور عضلات کا بنا ہوا ہے سینہ میں بائیں طرف پسلی کے اندر محفوظ ہے اور عضلات ہی کی مدد سے خون کو تمام جسم میں دھکیلتا ہے۔ دِل کے اوپر ایک پردہ ہوتا ہے جو نسیج غدی ومخاطی (اپی تھیلیل ٹشوز) کا بنا ہوا ہے، اس طرح دِل کا تعلق جگر اور دماغ کے ساتھ قائم رہتا ہے۔ یعنی جگر سے اس کو غذا رطوبت کی صورت میں ملتی ہے اور اعصاب کے ذریعے دماغ کے احساسات اور احکام ملتے رہتے ہیں۔ جگر اور دماغ کو چھوڑ کر تمام جسم میں عضلات وغدد اور اعصاب کی یہی صورت ہے۔ یعنی اندر کی طرف عضلات، ان کے اوپر غدد یا غشائے مخاطی اور سب سے اوپر اعصاب۔ چونکہ اعصاب احساس کا ذریعہ ہیں، اس لیے وہ باہر کی طرف رکھے گئے ہیں۔ اس طرح اعصاب کے احساس کے تحت تمام جسم کو غدد سے غذا ملتی ہے۔ دورانِ خون کے چکر کے ساتھ ساتھ ان عضلات وغدد اور اعصاب کے افعال اور اعمال جاری رہتے ہیں۔ جن اعضاء کے افعال میں نقص واقع ہو جاتا ہے اسی مقام پر خون کے دوران میں نقص واقع ہو جاتا ہے، بس اسی جگہ مرض پیدا ہو جاتا ہے جس کا علاج اس عضو کو درست کرنا ہے تاکہ خون کا دوران باقاعدہ ہو جائے۔ یاد رکھیں کہ وہی دوائے مجرب ہو سکتی ہے جو اس عضو کے فعل کو درست کر کے خون کے دوران کو اپنے راستہ پر ہی جاری کر دے۔ گویا دوا کی ترتیب میں عضو کی درستی کے ساتھ خون کا دوران بھی صحیح رہنا چاہیے۔ یہی دوائے مجرب کا راز ہے۔

مفرد اعضاء کے افعال

انسجہ الحاقی چونکہ بنیادی اعضاء بناتے ہیں، اس لیے ان اعضاء کے افعال حیاتی اعضاء کے تحت ہیں جو تین ہیں: (۱) اعصاب، جن کا مرکز دماغ ہے اور اعصابی انسجہ سے بنتے ہیں۔ جسم میں ہر قسم کے احساسات جو حواس خمسہ ظاہری وحواس خمسہ باطنی کے ذریعے حاصل ہوتے ہیں وہ انہی میں پیدا ہوتے ہیں۔ یہی احساسات قلب (عضلات) جگر (غدد) کے ذریعے تمام جسم میں افعال واعمال کے احکام صادر کرتے ہیں۔

یاد رکھیں کہ اعصاب بذاتِ خود حرکت نہیں کرتے، وہ صرف اپنے احساسات کے ذریعے حرکت کا حکم دیتے ہیں۔ جن اعصاب کو حرکتی اعصاب کہا گیا ہے، اس کا مطلب فقط یہ ہے کہ حرکت کے لیے اپنی تحریکات دوسرے اعضاء تک پہنچاتے ہیں۔ یاد رکھیں کہ اعصاب احساس اور تحریک سے زیادہ کوئی کام نہیں کرتے۔ یہاں تک کہ دماغ میں بھی ان کا اس سے زیادہ کام نہیں ہے۔ عضلات جن کا مرکز قلب ہے اور عضلاتی انسجہ سے بنا ہوا ہے جسم میں ہر قسم کی حرکات جو اعصاب کی طرف سے حاصل ہوتی ہیں، عمل کرتا ہے۔ مثلاً دیکھنا، سننا، چکھنا، سونگھنا اور محسوس کرنا وغیرہ کو سمجھ کر ان پر عمل کرنا۔ اسی طرح حواس خمسہ باطنی کے احساسات کو سمجھنا۔ یہاں تک کہ الہام وکشف اور وحی کے احکامات کو بھی قلب ہی سمجھتا ہے۔ دماغ کو صرف احساس ہوتا ہے اور شرح صدر صرف قلب کو ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ کسی علم وحکم اور تذکرہ بات کے یاد کرنے کا کام بھی قلب کے ذریعے ہوتا ہے۔ یاد رکھیں کہ جسم میں جس قدر حرکات عمل میں آتی ہیں، چاہے وہ چلنا پھرنا اور جسم و ہاتھوں کو حرکت دینا ہو یا کھانا و پینا اور بولنا وغیرہ ہوں ان سب کا تعلق جسم کے عضلات کے ساتھ ہے۔

(۳) غدد جن کا مرکز جگر ہے غدی مخاطی انسجہ سے بنتے ہیں جسم میں ہر قسم کی غذا غدد اور غشائے مخاطی کے ذریعے ملتی ہے۔ جسم کے ہر عضو کو جس قسم کی غذا درکار ہوتی ہے، اس جگہ کے غدد اپنی بناوٹ سے اس قسم کی غذا کو تیار اور پختہ کر کے اس عضو کو دیتے ہیں۔ مثلاً جگر میں صفراء تیار ہوتا ہے، گردے پیشاب بناتے ہیں، عورت کے سینے میں دودھ بنتا ہے اور مرد کے خصیوں میں منی تیار ہوتی ہے وغیرہ وغیرہ۔ ہر غدد اپنی خاص قسم کی رطوبات (سکریشن) تیار کرتا ہے۔ جن مقاموں میں غدد نہیں ہیں، وہاں غشائے مخاطی ہوتی ہیں اور وہ وہاں پر ضرورت کے مطابق رطوبات کا ترشح کرتے ہیں۔ گویا جسم میں کسی مقام پر جس قدر رطوبات ہوتی ہیں وہ غدد اور غشائے مخاطی کے تحت پیدا ہوتی ہیں۔ گویا منہ کے لعاب اور ناک کے نزلہ زکام سے لے کر پیشاب و پاخانہ اور پسینہ تک جہاں پر بھی رطوبت نظر آتی ہے وہ سب غدد اور غشائے مخاطی کی پیدا کردہ ہیں۔

اب مختصر طور سے اس طرح سمجھ لیں کہ ہر قسم کے احساسات اعصاب کے ذریعے پیدا ہوتے ہیں۔ ہر قسم کی حرکات عضلات کے ذریعے عمل میں آتی ہیں اور ہر قسم کی رطوبت کا اخراج غدد اور غشائے مخاطی سے ہوتا ہے۔ جاننا چاہیے کہ مفرد اعضاء کے افعال صحت کی حالت میں اعتدال پر رہتے ہیں اور جب ان کے افعال میں کمی بیشی اور خرابی واقع ہوتی ہے تو اس کو مرض کا نام دیتے ہیں۔ مثلاً اعصاب کے افعال میں جب کچھ زیادتی ہوتی ہے تو جسم میں لذت کا احساس ہوتا ہے۔ جب کچھ زیادہ تیزی پیدا ہوتی ہے تو خارش کی صورت بن جاتی ہے اور جب بہت زیادہ تیزی ہو جاتی ہے تو درد ہونے لگتا ہے۔ ساتھ بلغم کی زیادتی ہوتی ہے۔ یہ سب اعصاب میں تیزی کی علامات ہیں۔ جب اعصاب کے فعل میں کمی واقع ہوتی ہے تو جسم کے احساسات میں کمی واقع ہو جاتی ہے۔ یہ کمی حواس خمسہ ظاہری میں ہو یا حواس خمسہ باطنی میں ہو ہر جگہ محسوس اور ادراک ہوتی ہے۔ کمی احساسات کے بعد سنسناہٹ اور سن ہو جانے کی صورتیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ ساتھ بلغم کی کمی ہوتی ہے۔ اعصاب کے فعل میں کمی کی علامات ہیں۔ اسی طرح جب عضلات کے افعال میں زیادتی ہوتی ہے تو ان کی حرکات میں تیزی ہو جاتی ہے۔ مثلاً ہاتھ پاؤں کی حرکات میں تیزی ہو جائے۔ زیادہ بولنا، باتیں کرنا۔ دل اور دوران خون میں تیزی پیدا ہو جائے۔ جسم میں ریاح کا زیادہ بڑھ جانا۔ یہاں تک کہ بخار ہو جائے۔ ہر قسم کی گھبراہٹ عضلات کی تیزی سے ہوتی ہے، جب عضلات کے فعل میں کمی ہوتی ہے تو ہر قسم کی حرکات میں کمی یا سستی ختم ہو جاتی ہے۔ یہ عضلات میں کمی بیشی کی علامات ہیں جب غدد اور غشائے مخاطی کے افعال میں تیزی ہو جاتی ہے تو جسم میں جلن وچبھن اور سوزش بڑھ جاتی ہے۔ خصوصاً گلے وسینہ اور پیشاب و پاخانہ میں نمایاں ہوتی ہے۔ صفراء کی جسم میں بہت زیادتی ہو جاتی ہے۔ جب غدد اور غشائے مخاطی کے فعل میں کمی ہوتی ہے تو جسم میں سردی اور ٹھنڈک کا احساس بڑھ جاتا ہے۔ یہ غدد کی کمی بیشی کی علامات ہیں۔ مختصر یہ ہے کہ دماغ اور اعصاب میں تیزی سے تمام جسم میں رطوبات وبلغم کا غلبہ ہوتا ہے اور احساسات میں شدت پیدا ہو جاتی ہے۔ قلب اور عضلات میں تیزی سے تمام جسم میں ریاح کا غلبہ ہوتا ہے اور حرکات میں شدت پیدا ہو جاتی ہے۔ اسی طرح جب جگر اور غدد میں تیزی ہو جاتی ہے تو تمام جسم میں صفراء کا غلبہ ہوتا ہے، جس سے جلن اور سوزش میں شدت ہو جاتی ہے اور جب ان کے افعال میں کمی پیدا ہوتی ہے تو علامات تیزی کے برعکس ظاہر ہوتی ہیں۔

مفرد اعضاء کے افعال میں اعتدال

مفرد اعضاء کے افعال میں جب کمی بیشی اور خرابی پیدا ہوتی ہے تو اس کا نام مرض ہے اور جب ان کے افعال میں اعتدال پیدا کیا جائے تو اس کا نام علاج ہے۔ جاننا چاہئے کہ صحت فطرت ہے اور مرض فطرت نہیں ہے۔ یعنی جب اعضاء کے فطری افعال اور دوران خون میں غیر فطری رکاوٹ یا مرض پیدا ہوتا ہے، تو اس کا علاج خود فطرت ہی کرتی ہے۔ یعنی کسی ایک مفرد عضو کی کمی بیشی اور خرابی اور دوران خون

کی رکاوٹ سے مرض پیدا ہو جاتا ہے تو فطرت کے قانون کے مطابق وہ دورانِ خون کے مطابق اس عضو کے بعد جو عضو ہے اس کے فعل کو تیز کر دیتی ہے جس سے جسم میں وہ خلا پیدا ہونا شروع ہو جاتا ہے یا وہ صورت پیدا ہو جاتی ہے جس سے پہلے عضو کا فعل اعتدال پر آ جاتا ہے۔ مثلاً عضلات کے فعل میں تیزی ہوتی ہے تو جسم کے حرکات اور ریاح بڑھ جاتے ہیں تو حرکات کی تیزی اور ریاح کی کثرت سے خون میں تیزابیت بڑھ جاتی ہے۔ یہی تیزابیت جگر اور غدد کے افعال کو تیز کرنا شروع کر دیتی ہے۔ رفتہ رفتہ صفراء پیدا ہونا اور بڑھنا شروع ہو جاتا ہے جس کی زیادتی سے فطری طور پر حرکات عضلات اور ریاح کی زیادتی کو کم کرنا شروع کر دیتا ہے۔ ریاح کے اخراج کے ساتھ قبض کشائی بھی ہونا شروع ہو جاتی ہے۔ یہی فطری علاج ہے۔ اس فطری طریق علاج میں قانون فطرت کے مطابق ایک مدت درکار ہوتی ہے۔ اگر معالج غذا کو روک کر اس کا بوجھ اعضاء پر سے کم کر دے اور ضرورت کے مطابق غذا دے یا اس کے فعل میں تیزی پیدا کر دے یا آئندہ عضو کے فعل کو جاری کر دے جو ادویات سے ہو سکتا ہے تو اس کا صحیح اور جلد آرام کی صورت پیدا ہو جائے گی۔ مثلاً جسم میں اگر کوئی پھوڑا نمودار ہو تو قانون فطرت کے مطابق وہ رفتہ رفتہ چند دِنوں میں پختہ ہو کر خود بخود پھٹ جائے گا۔ لیکن مریض کو چندروز مسلسل دُکھ اٹھانا پڑے گا۔ لیکن سمجھدار معالج اس پھوڑے پر پلٹس باندھ کر صرف ایک روز یا چند گھنٹوں میں پکا کر پھاڑ دیتا ہے اور جلد ہی پھوڑے کی تکلیف رفع ہو جاتی ہے۔ بس غذا اور دوا کا یہی صحیح طریق کار ہے۔ ایسی غذا اور دوا مجرب ہو سکتی ہے۔ اسی طرح جب جسم میں جگر اور غدد کے افعال میں تیزی ہو کر صفراء کے امراض پیدا ہوں گے تو ان کا علاج اعصاب کے فعل کو تیز کر دینا ہے۔ کیونکہ دورانِ خون اسی طرف چلتا ہے۔ اس سے جسم میں بلغم اور رطوبات بڑھ جائیں گی جو صفراوی امراض کو دور کریں گی۔ بس یہی صفراوی امراض کا صحیح اور فطری طریق علاج ہے۔ بالکل اسی طرح جب جسم میں اعصاب کی تیزی سے بلغم اور رطوبات کے امراض بڑھ جاتے ہیں تو فطرت رفتہ رفتہ عضلات کے فعل کو تیز کر دیتی ہے جس سے آہستہ آہستہ بلغم اور رطوبات خشک ہو جاتی ہیں۔ یہی فطرت کا طریق علاج اور یہی قانون علاج ہے۔

دوائے مجرب کا عمل

کوئی دوا اس وقت ہی مجرب ہو سکتی ہے جب وہ انہی مفرد اعضاء کے افعال کو تیز کرے جن کے اخلاط کی خون میں ضرورت ہے تاکہ خون کا دوران جاری رہے۔ خون کے دوران میں اسی وقت رکاوٹ پیدا ہوتی ہے جب خون میں اخلاط کی کمی بیشی یا خرابی واقع ہو جاتی ہے۔ یہ صورت اس وقت پیدا ہوتی ہے جب کوئی مفرد عضو اپنے فعل میں سست اور خراب ہو۔ جب اس مفرد عضو کے فعل کو تیز کر دیا جائے گا تو وہ خلط پیدا ہو کر خون میں شامل ہو جائے گی۔ اور دورانِ خون جاری ہو جائے گا۔ بس جب بھی دوائے مجرب اپنا عمل کرے گی تو بالکل اسی قانون فطرت کے مطابق اور ضرورت کے مطابق مفرد عضو کو تیز کر کے ضرورت کے مطابق خلط کو پیدا کر کے خون میں شامل کر دے گی تو خون اپنے راستہ پر دوران شروع کر دے گا۔

یاد رکھیں! علاج میں خون کے دوران کا اپنے رستہ پر جاری رہنا نہایت اہم ہے۔ اس لیے مفرد اعضاء کے افعال اور اخلاط کا اعتدال نہایت اہم اور لازمی ہے جو دوا انہیں قوانین کے مطابق ہو بس وہی مجرب کہلانے کی مستحق ہے۔ بس یہی دوائے مجرب کی حقیقت ہے جو صرف مفرد اعضاء کے افعال کے علم اور معرفت سے معلوم اور حاصل ہو سکتی ہے۔

ترتیب نسخہ

شیخ الرئیس بوعلی سینا نے دوائے مجرب کے استعمال کی تاکید کے بعد دوسری بات میں یہ تاکید کی ہے کہ ”کسی ایک غرض کے لیے کم

ادویہ کا نسخہ کثیر ادویہ کے نسخہ سے بہتر ہے''۔ بلکہ ایک دوسری جگہ امراض مرکبہ کے متعلق بھی یہی تاکید کی ہے اور لکھتے ہیں کہ ''ہر مرض کے علاج میں خصوصاً امراض مرکبہ کے علاج میں ہمیں ہمیشہ اس مقصد میں کامیابی نہیں ہوتی کہ مرض کا علاج دوا مفرد سے کریں۔ اگر اس میں ہمیں کامیابی ہو جائے تو ہرگز دوائے مفرد پر دوائے مرکب کو ترجیح نہ دیں''۔ ان تاکیدوں سے صاف ظاہر ہے کہ امراض کے علاج میں کامیابی کا راز مفرد ادویہ یا کم سے کم ادویہ کا نسخہ ہونا چاہیے۔

علاج بالمفرد ادویہ میں کامیابی کا راز

مفرد ادویہ سے علاج میں یقینی کامیابی کے راز میں ذیل کی صورتیں داخل ہیں:

اوّل- مفرد ادویہ کے افعال و اثرات اور فوائد و خواص ہزاروں برسوں سے مجرب و محقق چلے آتے ہیں۔ اطباء نے دورانِ تعلیم اپنے استادوں کے تجربات و مشاہدات کے تحت ان پر دسترس حاصل کر لی ہوتی ہے۔ وہ ان کو بے دھڑک ان کے صحیح مقام و مرض میں استعمال کر سکتے ہیں۔

دوم- ایک ہی قسم کے افعال و اثرات اور فوائد و خواص ایک ہی طاقت میں دو ادویہ ہرگز ہرگز نہیں پائی جاتیں اور نہ ہی فطرۃً ہو سکتی ہیں۔ البتہ کمی بیشی کے ساتھ ان کی ملتی جلتی اجناس میں ضرور پائی جاتی ہیں، جو ضرورت کے وقت ایک دوسری جگہ استعمال کی جا سکتی ہیں۔ اگر ان کو ملا لیا جائے تو وہ طاقت میں ضرور بڑھ جائیں گی، مگر وہ ایک ہی دوا کہلائیں گی۔ مثلاً چرپرے ذائقہ میں سرخ مرچ کے ساتھ سیاہ مرچ یا ادرک یا پیاز شامل کر لیں یا دارچینی میں لونگ یا رائی کا اضافہ کر لیں تو ان کی طاقت میں اضافہ ہو جائے گا۔ مگر اصولاً ایک ہی ذائقہ اور ایک ہی خلط اور ایک ہی مفرد عضو کے فعل میں اضافہ ہوگا۔ اور دورانِ خون میں ایک صورت قائم رہے گی۔ لیکن اگر مرچ میں نمک شامل کر لیں تو نمکین ذائقہ ایک دوسرا ذائقہ ہے اس سے مرچ کے افعال و اثرات اور خواص و فوائد میں تبدیلی پیدا ہو جائے گی۔ اور یہی تبدیلی خلط اور مفرد عضو کے فعل میں بھی ظاہر ہوگی اور ساتھ ہی دورانِ خون کی صورت بھی بدل جائے گی۔ اس طرح ایسا نسخہ مرکب صورت اختیار کر لے گا۔

سوم- جب دو یا دو سے زیادہ ادویہ ملائی جاتی ہیں تب معالج پر لازم آتا ہے کہ وہ ان مرکبات کے افعال و اثرات اور خواص و فوائد سے نہ صرف پورے طور پر آگاہ ہو بلکہ مریض کو دینے سے پہلے ان کے متعلق تجربات و مشاہدات کر چکا ہو۔ ورنہ یقینی بات یہ ہے کہ مریض کو آرام کے بجائے نقصان ممکن ہے۔ اس لیے ہم نے اپنی کتاب ''تحقیقات فارماکوپیا'' میں جو نسخہ جات لکھے ہیں ان میں طاقت کے مطابق ایک ایک دوا کا اضافہ کیا ہے، تاکہ نسخہ نویسی میں یہ ترتیب یا اسی قسم کی ترتیب قائم رہے اور مریض یقینی، بے خطا شفاء اور صحت حاصل کر لے۔ یہی قانونِ فطرت ہے۔

چھارم- جب دو یا دو سے زائد ادویہ ملائی جائیں تو ان کا جو مرکب بنے گا وہ ان تین صورتوں سے خالی نہ ہوگا (۱) مفید مرکب (۲) غیر مفید مرکب (۳) خلط مرکب۔ مفید مرکب کی صورت تو یہ ہوگی کہ ایک ہی ذائقہ، ایک ہی خلط اور ایک ہی عضوی تحریک کی صورتیں پیدا ہوں گی۔ غیر مفید مرکب کی یہ صورت ہوگی کہ اس میں ایک ذائقہ، ایک خلط اور ایک عضوی تحریک کے ساتھ دوسرے ذائقہ، دوسرے خلط اور دوسرے عضوی تحریک کے اثرات ان میں شریک ہو جائیں گے۔ مثلاً چرپری ادویات جیسے سرخ مرچ، جو ذائقہ، خلط اور تحریک عضو میں پیدا کرے گی، جب اس میں نمک ملا دیا جائے گا اس طرح اس مرکب میں ایک طرف سرخ مرچ کے اثرات میں تبدیلی آ جائے گی اور

دوسری طرح کے افعال تغیر پیدا ہو جائیں گے۔ ظاہر میں یہ ایک عام مرکب ہے، ہم سالن ترکاری میں روزانہ استعمال کرتے ہیں۔ لیکن اس مرکب کے راز کو صرف ماہر نسخہ نویس ہی سمجھ سکتا ہے۔ بہر حال یہ مرکب بھی مفید ہو سکتا ہے کیونکہ دونوں ادویہ کا تعلق قریب کا ہے۔ یعنی سرخ مرچ غدی عضلاتی ہے اور نمک غدی اعصابی ہے۔ دونوں مولد صفراء ہیں۔ سرخ مرچ صفراء پیدا کر کے اس کا اخراج بند کر دیتی ہے لیکن نمک صفراء پیدا کرنے کے بعد اس کا اخراج بھی کرتا ہے۔ اس مرکب میں ادویہ کے اثرات افعال میں فرق ضرور پیدا ہو گیا ہے، مگر مرکب میں کوئی خرابی واقع نہیں ہوئی کیونکہ کبھی ایسے مرکب سے مفید کام لیا جا سکتا ہے۔

خلط مرکب کی صورت یہ ہوگی کہ چرپرے ذائقہ میں شیریں یا کھاری ذائقہ ملا دیا جائے۔ شیریں ذائقہ اعصابی غدی گرم تر اور مؤلد خون ہے۔ کھاری ذائقہ اعصابی عضلاتی ہے، سرد تر ہے اور مؤلد بلغم ہے۔ اس مرکب میں ہر ذائقہ ایک دوسرے سے مختلف ہے۔ مختلف مفرد اعضاء میں تحریک پیدا کرتے ہیں اور مختلف اخلاط پیدا کرتے ہیں جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ ایک دوا دوسری دوا کے اثر کو باطل کر دے گی۔ اور مرکب غیر مفید اور غلط ہو جائے گا۔

عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ بعض لوگ ایسے ہاضم چورن بناتے ہیں جن میں چرپری ادویہ مثلاً سیاہ مرچ اور ادرک کے ساتھ نمک اور چینی بھی ملا دیتے ہیں جو اصولاً غلط ہے۔ کیونکہ چرپری ادویہ میں ترشی ہوتی ہے اور نمک ترشی و کھار کا مرکب ہے اور چینی کھار ہے۔ یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ ترشی اور کھار دونوں ایک دوسرے کے خلاف ہیں اور ان کے اثرات اور افعال کو توڑنے والے ہیں۔ پس ایسے مرکب غلط ہوتے ہیں۔ البتہ ماہر علم الادویہ ایسے مرکبات سے بھی بعض کام لے لیتے ہیں۔ لیکن نسخہ نویسی اور ترتیب مجربات میں ان مرکبات کو غلط ہی کہا جائے گا۔ ان سے اجتناب ہی لازم ہے۔

پنجم- نسخہ کی جان کوئی ایک مفرد دوا ہوتی ہے، باقی ادویہ اس کی معاون اور مددگار رہوتی ہیں۔ ان حقائق سے ثابت ہوا کہ مفرد ادویہ صحیح مجربات ہیں اور یہ ہی علاج کا حقیقی راز ہیں۔

ترکیب نسخہ

ترتیب نسخہ فن علاج کا کمال ہے۔ کوئی بھی معالج ترتیب نسخہ میں اس وقت تک دسترس حاصل نہیں کر سکتا جب تک علم و فن طب میں تکمیل نہ کر چکا ہو۔ ترتیب نسخہ کے لیے صرف اسی قدر کافی نہیں ہے کہ کسی مرض یا علامت کے لیے چند یا بہت ہی ادویات کو جمع کر لیا جائے اور اس کو نسخہ سمجھ لیا جائے۔ اور وہ اس حقیقت سے واقف نہیں ہوتے کہ ہر دو یا چند مطابق ادویہ یا مخالف ادویہ سے ان کا کون سا نیا مزاج پیدا ہو جاتا ہے۔ یا وہ کسی عضو کے لیے مفید ہونے کے بجائے مضر ہو جاتی ہیں۔ بعض لوگوں کے متعلق سنا ہے کہ وہ فخریہ بیان کرتے ہیں وہ صد دوا چورن اور نصف صد دوا چورن وغیرہ تیار کرتے ہیں اور ان سے ہر مرض کا کامیابی سے علاج کرتے ہیں۔ گویا انہوں نے امرت دھارا یا آبِ حیات تیار کر رکھے ہوئے ہیں۔

یاد رکھیں کہ امرت دھارا اور آبِ حیات بھی سوائے ایک آدھ مرض سے زیادہ کے لیے مفید نہیں ہیں۔ کیا بیک وقت ایک دوا چاروں اخلاط یا چاروں کیفیات یا چاروں مزاج یا ہر عضو کے لیے محرک و مسکن اور مقوی و محلل ہو سکتی ہے۔ جو لوگ ایسا کرتے ہیں، وہ ظالم ہیں، انسانی جانوں سے کھیلتے ہیں۔ ہم ان کو معالج نہیں کہہ سکتے بلکہ وہ عطائی ہیں۔ کیونکہ ان کو نہ علم الادویہ پر عبور ہے اور نہ ہی فن علاج کی تعلیم ہے۔

تکمیل علم وفن طب

ترکیب نسخہ میں اول شرط علم وفن طب میں تکمیل ہے جس میں کم از کم چار علوم کا جاننا ضروری ہے:

(۱) قوانین طب (۲) تشریح الابدان ومنافع الاعضاء (۳) علم الادویہ اور (۴) علم العلاج۔

جب ان علوم میں تکمیل ہو جاتی ہے تو خود بخود ترتیب نسخہ کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ پھر رفتہ رفتہ تجربات اور مشاہدات سے فن ترتیب نسخہ میں دسترس پیدا ہو جاتی ہے۔ ہم بھی انہیں لوگوں سے مخاطب ہیں جو تکمیل فن کر چکے ہیں اور وہی اس فن کے اہل ہیں۔

جاننا چاہیے کہ مندرجہ بالا چاروں علوم کی فن طب میں انتہائی اہمیت ہے، ان کی تکمیل سے ترتیب نسخہ میں ملکہ پیدا ہو جاتا ہے:

① قوانین طب میں کلیات خصوصاً امور طبیہ خاص طور پر ذہن میں ہونے چاہئیں۔

② تشریح الابدان میں عضو کی ماہیت مقام اور حدود واربعہ اور دیگر عضو سے تعلق کا پورا علم ہونا چاہیے۔ منافع الاعضاء میں اعضاء کے افعال کا مکمل طریق کار، اس کے افعال میں کمی بیشی اور خرابی کی صورتیں اور علامات کو پورے طور پر ذہن نشین رکھنا۔ خاص طور پر ان کے افعال سے اخلاط اور کیفیات کی پیدائش پر جو اثر پڑتا ہے اس کو خوب سمجھنا چاہیے اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ ان اعضاء کے افعال کے باہمی تعلق کا جاننا بے حد ضروری ہے۔ مثلاً قلب کے فعل میں تیزی ہے۔ گویا دوران خون کی اس طرف تیزی ہے۔ اس وقت چونکہ جگر اور دماغ کی طرف دوران خون کی تیزی نہیں ہے تو اس وقت ان کے افعال کی کیا صورتیں ہیں۔ منافع الاعضاء کی یہ وہ صورتیں ہیں جن سے فرنگی طب اور ماڈرن سائنس بھی تا حال ناواقف ہے۔ اگر کوئی فرنگی ڈاکٹر جانتا ہے تو ہم اس کو چیلنج کرتے ہیں کہ وہ ہمارے حقائق کو اپنی کسی کتاب میں پیش کریں۔ انہی حقائق کو نہ جاننے سے ان کا فن غیر سائنسی ہے۔

③ علم الادویہ کی اہمیت ترکیب نسخہ سب سے زیادہ واضح ہے کہ نسخہ کا اصل تعلق علم الادویہ سے ہی ہے اور فطری طور پر علم وفن طب کی ابتداء عمل خواص اور فوائد اشیاء سے ہوئی تھی۔ باقی علوم اس کی روشنی میں تحقیق اور تدقیق ہوتے چلے گئے۔ علم الادویہ میں اول تمام مفرد اغذیہ وادویہ کی حقیقت، افعال واثرات، خواص وفوائد، مزاج واخلاط، مصلح وبدل اور خاص طور پر اعضاء کے افعال میں کمی و بیشی اور خرابی کے اثرات کا ذہن نشین کرنا بے حد ضروری ہے۔ اسی طرح مرکب افعال واثرات کا جاننا لازم ہے۔ کسی نئی دوا کو نسخہ میں بغیر تجربہ اور مشاہدہ کے شامل نہ کریں، جس کسی دوا یا غذا پر شبہ پیدا ہو جائے تو اس کو نسخہ میں ہرگز شامل نہ کریں۔ ورنہ ایک صحیح و مفید اور یقینی وبے خطا نسخہ بگڑ جائے گا اور اس سے غیر معمولی نقصان ہونے کا خطرہ ہے۔ یاد رکھیں علم وفن طب ظنی نہیں ہے بلکہ یقینی اور سائنسی ہے۔ دو اور دو چار ہوتے ہیں۔

④ علم العلاج کو مکمل طریق سے جاننے کے بعد ہی ادویہ واغذیہ اور اشیاء کا صحیح استعمال ہو سکتا ہے۔ اگر علم العلاج سے مکمل واقفیت نہ ہو تو ترکیب نسخہ قطعاً صحیح نہیں ہو سکتا۔ اس لیے علم العلاج میں حقیقت وماہیت مرض، نام وتعریف مرض، اسباب وعلامات اور خاص طور پر اعضاء کے افعال میں مرض کی ابتداء سے انتہاء تک کی صورتیں اور حالات کا ذہن نشین کرنا بے حد ضروری ہے۔ تاکہ زمانہ مرض سے فوراً علاج پر قابو پایا جا سکے۔ مرض کا درجہ جاننا بھی بے حد ضروری ہے۔ کم از کم اس قدر علم وفن طب کو سمجھ لینے کے بعد ہی ایک معالج صحیح ومفید اور یقینی وبے خطا نسخہ لکھ سکتا ہے۔

اصول ترکیب نسخہ

علاج الامراض میں نسخہ نویسی انتہائی اہمیت رکھتی ہے، گویا علاج کی جان ہے۔ اس لیے ترکیب نسخہ کے وقت ذہن کو پورے طور

پر حاضر رکھنا چاہیے تا کہ مریض کا مکمل طور پر معائنہ کر سکے اور صحیح تشخیص کے بعد یقینی اور بے خطا تحریر کیا جا سکے۔ یاد رکھیں کہ نسخہ نویسی نصف شفا ہے۔

تشخیص کے لیے مریض جب مطب میں آئے تو اس کو چند منٹ آرام کرنے دیں، تا کہ اس کے دوران خون کی تیزی کم ہو جائے اور اس کو کچھ سکون معلوم ہو۔ پھر اس کا معائنہ شروع کر دیں۔ اوّل اس کی نبض دیکھیں اور اگر مریض اپنا قارورہ لایا ہو تو وہ بھی دیکھ لیں اور جو مریض خود مطب میں نہ آیا ہو تو اس مریض کا قارورہ دیکھے بغیر نسخہ نہ لکھیں۔ نبض اور قارورہ دیکھ کر یہ معلوم کریں کہ کون سا مفرد عضو مشینی طور پر متاثر ہے اور کس خلط میں کیمیاوی طور پر خرابی ہے۔ پھر دونوں کو آپس میں تطبیق دیں۔ یعنی اس مفرد عضو کی خرابی سے خون میں جس خلط کا اضافہ ہونا چاہیے کیا وہ پائی جاتی ہے۔ جب اس کا یقین ہو جائے تو پھر علامات جسم کی طرف رجوع کریں۔ اس کی دو صورتیں ہیں۔

(اوّل) ہر مفرد عضو کی تیزی اور خلط کی زیادتی کی علامات اور مقام ذہن میں ہونے چاہئیں۔ ان کو دیکھ کر آپس میں ملا لیں۔ ان علامات اور مقام کے ذہن میں محفوظ رہنے سے یہ فائدہ ہوتا ہے کہ نبض اور قارورہ دیکھنے کے بعد جب مریض کو کسی عضو کی خرابی اور خلط کی زیادتی کے ساتھ ان کی دیگر علامات بتائی جاتی ہیں تو مریض اور ان کے لواحقین معالج کی حذاقت پر عش عش کر اٹھتے ہیں۔ ایسا معالج مریض اور ان کے لواحقین کو نہ بولنے دیتا ہے اور نہ مرض بیان کرنے دیتا ہے۔ بلکہ اس کی قابلیت کا ان پر بہت گہرا اثر پڑتا ہے۔ ساتھ ہی نفسیاتی طور پر مریض اپنے آپ کو تندرست خیال کرنا شروع کر دیتا ہے۔ اور یہ افضل صورت ہے۔

(دوسرے) مریض کے جسم کی علامات کا معائنہ کریں یعنی چہرہ و زبان اور دیگر اعضاء کی علامات کا معائنہ کر کے ان کو مفرد عضو کی تیزی اور خلط کی خرابی سے تطبیق دیں۔ جب تینوں ایک ہی صورت میں نظر آئیں تو پھر مریض کو اس کی بیماری سمجھا کر ترکیب نسخہ میں مشغول ہو جائیں۔ اس دوران میں اگر مریض کچھ بیان کرنے کی کوشش کرے تو سنتے رہیں تا کہ اس کے جذبات کی تسکین ہو جائے اور بعض وقت اس کے لطیف جذبات کا علم ہو جاتا ہے جس سے علاج میں آسانیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ مثلاً ایک مریض کے غدد (جگر) میں تیزی ہے اس کے جسم میں خلط صفراء کی زیادتی ہے اور غدی تحریک اور صفراء کی علامات سر سے لے کر پاؤں تک نمایاں ہیں۔ ان کے علاوہ جذباتی طور پر ایسے مریض کی طبیعت میں غصہ کے جذبات بہت زیادہ ہوتے ہیں اور وہ جلد جلد مشتعل ہو جاتا ہے۔ رنگ کی طرح جذبات بھی تشخیص میں شامل ہیں۔

تجویز دواء اور غذا

قانون فطرت کی اس حقیقت کو ذہن نشین رکھیں۔ تشخیص مرض کے بعد ذہن میں اوّل کسی ایک دوا یا غذا کا تصور پیدا ہوتا ہے۔ پھر اس کے ساتھ ہی اس قبیل کی ادویات ذہن میں آنا شروع ہوتی ہیں۔ پھر ان کے مرکبات کی صورتیں ابھرتی ہیں۔ جس قدر علم اور فن میں وسعت ہوتی ہے اسی قدر یہ خزانہ ذہن کے سامنے اُبھرتا چلا جاتا ہے۔ گویا کوئی چشمہ ہے جو جوش مارتا چلا جاتا ہے۔ اس کے بعد ذہن ان کے طریق استعمال پر غور کرتا ہے۔ بس یہیں پر ترکیب نسخہ کی صورتیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ یہ صورتیں تین قسم کی ہوتی ہیں: (۱) معاون ادویہ (۲) مصلح ادویہ (۳) محافظ ادویہ۔ تفصیلات درج ذیل ہیں۔

(۱) معاون ادویہ

ترکیب نسخہ میں جب کوئی دوا سامنے آتی ہے تو فوراً ذہن مرض کی طاقت کے مطابق اندازہ لگاتا ہے کہ کیا یہ دوا اس مرض کا مقابلہ کرنے کی طاقت رکھتی ہے۔ اگر ذہن یہ سمجھ لے کہ وہ دوا طاقت میں کم ہے تو ذہن فوراً اس قبیلہ کی دیگر ادویات کو ذہن کے سامنے پیش کر

دیتا ہے لیکن ان تمام ادویات سے فرداً فرداً مقصد حاصل نہ ہوتا ہو تو ذہن فوراً کسی ایک سے زیادہ مفید دوا کو سامنے رکھ کر ایک یا ایک سے زائد ایسی دوائیں ملالی جاتی ہیں۔ لیکن یہ ادویات اکثر اسی قبیلہ کی ہوتی ہیں۔ بہت کم دوسرے قبیلہ کی ہوتی ہیں، لیکن اس میں بھی مزاج کی ایک کیفیت ضرور شامل ہوتی ہے۔ مثلاً جسم میں صفراء کی کمی ہے، اس مقصد کے لیے جگر (غدد) کے فعل کو تیز کیا جاتا ہے۔ اس غرض کی گرم خشک ادویہ استعمال کی جاتی ہیں جن کا ذائقہ عام طور پر چرپرہ ہوتا ہے۔ جیسے زنجبیل اور اجوائن دیسی وغیرہ۔ لیکن زنجبیل صفراء کی پیدائش کے ساتھ ساتھ صفراء کا اخراج بھی کرتی ہے۔ ہمیں ایسی دواء چاہیے کہ وہ صفراء کی پیدائش کے بعد اس کو جسم میں محفوظ بھی رکھے جیسے اجوائن، لیکن اگر ساتھ ہی ملین یا مسہل کام بھی لینا ہو تو پھر اجوائن کافی نہیں ہے۔ ان اغراض کے لیے اس قبیلہ کی دیگر ادویات کو شامل کرتے ہیں۔ جیسے انزروت، گندھک اور جمال گوٹہ وغیرہ۔ ان میں سے جو بھی زیادہ مناسب خیال کریں گے اس کی مقدار خوراک کے مطابق اجوائن میں شامل کر لیں گے۔ یہ تینوں ادویات اپنے اثرات میں ایک دوسرے سے تیز ہیں۔ لیکن اگر ہم اس میں اور شدت پیدا کر کے اس کو زود اثر بنانا چاہیں تو ہم اس میں مقدار خوراک کے مطابق پارہ شامل کر لیں گے۔ اس طرح یہ دوا اکسیر صفت بن جائے گی۔ لیکن اس کا استعمال بھی انتہائی شدید مرض میں ہونا چاہیے۔ پھر یاد رکھیں یہ تمام ادویات ایک ہی قبیلہ کی ہونی چاہئیں جو ایک ہی مفرد عضو میں تحریک دے کر ایک خاص خلط پیدا کر سکیں۔ ورنہ ایسی دوا مفید ہونے کے بجائے اثرات میں کمزور یا بے اثر ہو جائے گی۔ مثلاً ان میں سے کسی دوا کے ساتھ مولد بلغم دوا جو اعصاب کو تحریک دیتی ہیں، جیسے شورہ قلمی، سہاگہ وغیرہ۔ یہ سب قاطع صفراء ہیں۔ البتہ اگر ان ادویہ کو کم کرنا ہو یا کسی دیگر قسم کے اثرات پیدا کرنے ہوں تو استعمال کیے جاسکتے ہیں۔

ایک قبیلہ کی ادویات ایک مزاج، ایک خلط پیدا کرنے والی ہوتی ہیں۔ لیکن اگر ایک مزاج میں ادویات کی کمی ہو تو اس نسخہ میں جو دوا شریک کریں۔ اس کی کوئی ایک کیفیت ضرور مثلی ہو۔ مثلاً گرم خشک دوا میں جو دوا دیگر قبیلہ کی شامل کرنا چاہیے تو گرم تر (خون غدی اعصابی) ہونی چاہیے۔ زیادہ سے زیادہ خشک سرد انتہائی مجبوری کی حالت میں شامل کی جاسکتی ہے۔ اس طرح اوّل دوا کی کسی کیفیت کو شدید کہا جا سکتا ہے۔ لیکن اگر مختلف امزجہ اور کیفیات کی ادویات شامل کر لی گئیں تو ترکیب ادویہ قائم نہیں رہے گی جو اصول فن اور قانون فطرت کے خلاف ہے۔

بالکل اسی طرح جب غدی اعصابی تحریک میں صفرا کی پیدائش کے ساتھ صفراء کی اخراج کی صورت بھی ہوتی ہے تو زنجبیل اور فلفل سیاہ وغیرہ جیسی ادویات استعمال کی جاتی ہیں۔ یہ بھی کم و بیش چرپری ہوتی ہیں۔ لیکن یہ حابس نہیں ہوتیں، یہ ایک لطیف فرق ہے جس کو مدنظر رکھنے سے بہت مشکل اور پیچیدہ امراض دور ہو جاتے ہیں۔ اس قبیل کی دیگر ادویہ فلفل دراز، زیرہ، سناء مکی، ریوند عصارہ اور نمک خوردنی وغیرہ وغیرہ ہیں۔

اس لطیف فرق کو اس طرح سمجھیں کہ غدی عضلاتی تحریک میں یرقان ہو جاتا ہے اور غدی اعصابی تحریک میں یرقان دور ہو جاتا ہے۔ دوسرے اوّل صورت میں جسم سے خون آسکتا ہے اور دوسری صورت میں بند ہو سکتا ہے۔ جو معالج مرکبات میں جوارش اور لبوب کا فرق سمجھ سکتے ہیں، وہ غدی عضلاتی اور غدی اعصابی میں فرق کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔

اس فرق کو سمجھنے کے لیے آیورویدک کے دو نسخے پیش کرتا ہوں: (۱) پارہ اور گندھک ہم وزن اس قدر کھرل کریں کہ انتہائی سیاہ ہو جائے۔ اس کو ویدک میں رس (اکسیر) کہتے ہیں۔ یہ کجلی کے نام سے مشہور ہے۔ یہ نسخہ غدی عضلاتی ہے۔ (۲) زنجبیل، فلفل سیاہ، فلفل دراز، ہم وزن ادویہ کو باریک کر کے سفوف کر لیں اس کو ویدک میں ترکٹہ کہتے ہیں۔ دونوں نسخے اپنی اپنی جگہ کامیاب یقینی اور بے خطا ہیں۔

صحیح استعمال کرنے والا ہی ان سے فوائد حاصل کر سکتا ہے۔

اسی طرح اعصابی غدی اور اعصابی عضلاتی تحریکوں کا فرق ہے۔ دونوں میں رطوبات پیدا ہوتی ہیں۔ ایک صورت میں رطوبت گرم ہوتی ہے، اس کو ہم خون کا نام دیتے ہیں۔ کیونکہ جسم میں ترشح کے وقت اس کے لیے غذا کی یہی صورت ہوتی ہے اور وہ جگر میں پختہ ہو کر صفراء سے صاف ہو کر غدد کے ذریعے جسم پر مترشح ہوتا ہے۔ جب جسم پر مترشح ہوتی ہے اس وقت شبنم کی طرح مصفیٰ اور لطیف ہوتی ہے اس کا رنگ ہلکا سرخ اور مزہ شیریں ہوتا ہے۔ یہ اصل خون ہوتا ہے جب یہ تمام اخلاط کے ساتھ جسم میں شریک ہوتا ہے اس وقت اس کے صحیح خواص اور حالت کا اندازہ لگانا بہت مشکل ہے۔

یاد رکھیں! جب تک اس کے ذائقہ میں مٹھاس پیدا نہ ہو اس وقت تک اس کا مترشح ہونا مشکل ہے۔ اب موجودہ سائنس نے بھی تسلیم کر لیا ہے کہ خون میں جب مٹھاس پیدا ہو جاتی ہے تو ذیابیطس (ادرار) شروع ہو جاتا ہے جو ادویہ اس رطوبت کو گراتی ہیں ان میں شہد اور دیگر ہر قسم کی میٹھی اشیاء ملٹھی کے ساتھ گرم قسم کی کھاریں شامل ہیں۔ جیسے سقمونیا، سہاگہ اور عشر وغیرہ ہیں۔ دوسری صورت میں سرد قسم کی رطوبت ہوتی ہے جس کو ہم بلغم کا نام دیتے ہیں۔ کیونکہ اس میں حرارت نہیں ہوتی۔ مگر یہ بھی صاف شدہ اصلی اور پختہ بلغم ہوتی ہے۔ اس بلغم اور خام بلغم میں بہت بڑا فرق ہے۔ خام بلغم معدہ اور امعاء میں غذا کے تحلیل ہونے کے بعد بنتی ہے جس میں ہر قسم کے مادے اور اخلاط خام حالت میں شامل ہوتے ہیں جو پختہ ہو کر پہلے سرخ رنگ اختیار کرتی ہے پھر اس میں سے صفراء جدا ہوتا ہے، پھر خون کی سرخی ختم ہو جاتی ہے اور صرف سفید اور شفاف بے ذائقہ رطوبت رہ جاتی ہے۔ یہی اصلی بلغم ہے جس کے خواص و حالت کا احساس جسم کے اخلاط میں لگانا انتہائی مشکل ہے۔ اس کے اخراج کے لئے سرد قسم کی کھاری دوائیں مثلاً شورہ قلمی، جوکھار، کاسنی، گل سرخ اور کالا دانہ (عشق پیچہ) وغیرہ ہیں۔

ایک خاص بات یہاں پر یاد رکھیں کہ جس طرح جگر کے (غدد) دو فعل ہیں، اوّل صفراء کو اخلاط سے جدا کر کے پتہ میں اکٹھا کرنا اور دوسرے پتہ سے آنتوں کی طرف خارج کرنا۔ بالکل اسی طرح اعصاب کے بھی دو فعل ہیں۔ اوّل رطوبات کو اعضاء پر گرانا اور دوسرے اس کا باہر اخراج کرنا۔ یہ دونوں کام صفراء کی طرح خود کار ہوتے ہیں۔ یعنی اعصابی غدی صورت میں گرم (رطوبات خون) اعضاء پر گرتا ہے اور جسم کی غذا بنتا ہے۔ اعصابی غدی صورت میں جو رطوبات باقی رہ جاتی ہیں ان میں سرخی اور حرارت ختم ہو جاتی ہے، وہ بلغم کی صورت اختیار کرتی ہیں۔ اس کو طبیعت جسم سے باہر خارج کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ گویا پہلی صورت میں اعضاء پر رطوبات اکٹھی ہوتی ہیں اور دوسری صورت میں باہر خارج ہوتی ہیں۔ بالکل صفراء کی طرح جگر کے دونوں فعلوں میں جہاں بھی اعصاب کے دوران افعال میں رکاوٹ واقع ہوگی اسی مقام پر مرض قائم ہو جائے گی۔ دونوں صورتوں کی جدا جدا ادویات ہیں، جیسا کہ اوپر لکھا جا چکا ہے۔

بالکل اسی طرح عضلات کی دو تحریکیں ہیں۔ ایک عضلاتی اعصابی (سرد خشک) اور دوسرے عضلاتی غدی (خشک گرم) ہے۔ دونوں تحریکیں رطوبات خشک کرتی ہیں اور ان میں خمیر پیدا کر کے ان کو تیزابیت اور ریاح میں تبدیل کرنا شروع کر دیتی ہیں۔ جب پہلی تحریک ہوتی ہے تو اس وقت غدد جاذبہ جو طحال کے تحت کام کرتے ہیں وہ تمام اس رطوبت کو جو بلغم کی صورت میں جسم سے خارج ہو جانے کے بعد باقی بچ گئی ہے جذب کر لیتے ہیں۔ اور دوسری تحریک میں یہ غدد جاذبہ کیمیاوی طور پر اس رطوبت کو جسم میں شامل کر دیتے ہیں۔ بالکل اسی طرح جیسے جگر اپنے ایک فعل میں خون سے صفرا جدا کرتا ہے اور دوسرے فعل میں اس صفراء کو آنتوں میں خارج کر دیتا ہے۔ یہی رطوبت جو کیمیاوی طور پر غدد جاذبہ (طحال) اکٹھی ہوتی ہے۔ پھر وہاں سے اخراج پاتی ہے۔ یہی خالص سودا ہے۔ یہ ذائقہ میں ترش، قوام میں گاڑھا اور رنگت میں سیاہی مائل ہوتا ہے۔ نہ اس میں خون کی سرخی ہوتی ہے اور نہ اس میں بلغم کی لطافت اور سفیدی ہوتی ہے۔ کیمیاوی

طور پر اس میں فیرم اور پوٹاشیم ختم ہو جاتے ہیں اور کیلشیم کے اجزاء پیدا ہو جاتے ہیں جس میں شامل ہو کر یہ اخلاط کو غلیظ، دل کو تیز اور عضلات میں انقباض پیدا کر دیتا ہے۔ عضلاتی اعصابی تحریک میں ترش اور خشک قسم کی ادویہ کام کرتی ہیں۔ ہر قسم کی ترشی خصوصاً سرد قسم کی ترشی جیسے پھلوں کی ترشی اور سرکہ وغیرہ ہیں۔ ان کی مدد کے لیے املی، آلو بخارا، آملہ، پھٹکڑی، ہلیلہ اور بلیلہ وغیرہ شامل کئے جا سکتے ہیں۔ عام طور پر جسم میں بلغم کا اخراج بڑھ جاتا ہے تو ایسی ادویات دی جاسکتی ہیں۔ اس مقصد کے لیے صدیوں سے ایک یقینی اور بے خطا مرکب استعمال کیا جاتا ہے جس کا نام اطریفل ہے۔ یہ دراصل آیورویدک کا مرکب ہے جس کا نام ترپھلہ ہے جس میں تین ادویہ ہلیلہ، بلیلہ، آملہ ہیں اور تینوں ہم وزن ہیں۔ اس مرکب کے نام کو معرب کر کے اطریفل بنالیا گیا ہے۔

یہ مرکب دماغی امراض میں دیا جاتا ہے اور اس وقت جب جسم میں بلغم کی زیادتی ہوتی ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ بلغم کی زیادتی اعصابی تحریک اور سوزش سے پیدا ہوتی ہے۔ مگر یاد رکھیں کہ اطریفل عضلات (قلب) کو تحریک دیتا ہے، جس کے نتیجہ میں اعصاب میں تحلیل ہو کر وہاں کی تحریک اور سوزش ختم ہو جاتی ہے۔ اس نسخہ میں ہلیلہ ملین، بلیلہ محرک اور آملہ مقوی عضلات ہے۔ تینوں عضلات میں اس قدر تحریک اور انقباض پیدا کرتے ہیں جس سے ان میں نچوڑ کی صورت پیدا ہو جاتی ہے۔

اطریفل نام کے طب قدیم میں کئی مرکب جیسے اطریفل زمانی اور اطریفل کشنیز وغیرہ۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان میں سے اکثر میں اطریفل کے مقصد کو ختم کر دیا گیا ہے۔ اطریفل میں ہر وہ دوا تو ملائی جاسکتی ہے جو سرد خشک اور حابس ہو مگر ایسی دوائیں جو تر اور مدر ہوں شامل کر لینا اطریفل کی رُوح کو ختم کر دیتا ہے جیسے گاؤزبان اور کشنیز وغیرہ۔ اسی اطریفل میں ہر قسم کے مسہلات اور ملینات شامل کر دیئے جاتے ہیں جو حابس اور سرد نہیں ہوتے جیسے سقمونیا اور تربد وغیرہ۔ بلکہ اس میں کھانڈ اور بعض لوگ شہد بھی شامل کر لیتے ہیں۔ یہ غلط ہے۔ ہاں کھانڈ کو ذائقہ کی خاطر برداشت کیا جاسکتا ہے۔ لیکن گرم تر ادویات سے اطریفل کا مقصد ختم ہو جاتا ہے۔ اگر اس میں گرم خشک ادویہ شامل کی جائیں تو بھی اطریفل کے خواص وفوائد اور افعال واثرات بدل جائیں گے۔ کیونکہ پھر تحریک عضلاتی غدی بن جاتی ہے جو عضلاتی اعصابی سے بالکل جدا تحریک ہے۔

عضلاتی اعصابی تحریک جسم کی تمام بچی ہوئی رطوبت کو ٹال (غدد جاذبہ) میں جمع کر دیتی ہے تو عضلاتی غدی تحریک اس کو غدد جاذبہ (طحال) سے خارج کر کے پھر خون میں شامل کرتی ہے۔ اس وقت ترشی میں اس قدر شدت پیدا ہو جاتی ہے کہ اس میں ہلکی سی تلخی پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ اثر تیزاب گندھک میں صاف نظر آتا ہے۔ یاد رکھیں کہ سرکہ سرد خشک قسم کی ترشی ہے تو اس کے مقابل میں تیزاب گندھک گرم خشک قسم کی ترشی ہے۔ ان دونوں ترشیوں کے فرق سے دونوں تحریکوں کے فرق کا علم ہو جاتا ہے۔

عضلاتی غدی تحریک کے ساتھ ہی جسم میں حرارت کی پیدائش شروع ہو جاتی ہے اور رفتہ رفتہ ترشی حرارت میں تبدیل ہونی شروع ہو جاتی ہے۔ یاد رکھیں! ترشی ہمیشہ بلغم (کھار) میں خمیر پیدا ہو جانے سے بنتی ہے اور خمیر کا نتیجہ ریاح کی پیدائش ہے۔ خمیر و ترشی اور ریاح تینوں انقباض پیدا کرتے ہیں۔ صفراء اور بلغم کی طرح عضلاتی تحریک بھی دو کام کرتی ہے۔ پہلی تحریک (عضلاتی اعصابی) میں ریاح کی پیدائش ہو کر اکٹھی ہوتی رہتی ہے تو دوسری تحریک (عضلاتی غدی) میں ریاح کی پیدائش کے ساتھ ساتھ اس کا اخراج بھی شروع ہو جاتا ہے۔ یہی تحریک ہے جو جسم میں انتہائی طاقت پیدا کرتی ہے۔ خصوصاً جنسی طاقت پیدا کرنا اسی عضلاتی تحریک کا کارنامہ ہے۔ یہ تحریک اعتدال پر رہتی ہے تو انسان کی ہر قسم کی طاقت بحال رہتی ہے۔ اس تحریک کی محرک دوا رائی ہے۔ اس تحریک کی مقوی ادویات دار چینی و لونگ اور جائفل وغیرہ ہیں۔ اس تحریک کی دیگر ادویہ سرخ مرچ، پارہ، مصبر اور حنظل ترتیب وار طاقت میں ایک دوسری سے زیادہ ہیں۔

معجون اسی تحریک کے لیے تیار کی جاتی ہے۔ معجون ازراقی اسی کے لیے خاص مرکب ہے۔

یہی تحریک جب کمال پر پہنچ جاتی ہے تو ترشی حرارت کی زیادتی سے صفراء میں تبدیل ہوتی ہے اور اس کا ذائقہ تلخ ہو جاتا ہے۔ اس وقت پھر وہی تحریک غدی عضلاتی شروع ہو جاتی ہے جس کا ہم ابتداء میں ذکر کر چکے ہیں اور یہی ترابیت (ایسڈیٹی) کی زیادتی کا صحیح علاج ہے۔

فرنگی طب کی غلطی

فرنگی طب ترشی (ایسڈیٹی) کا علاج کھار (الکلی) سے کرتی ہے، اور یہ غلط ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ وقتی طور پر کھار سے ترشی کا اثر معدل (نیوٹرل) ہو جاتا ہے، لیکن اس طرح ترشی کی پیدائش ختم نہیں ہوتی بلکہ اس کی پیدائش اور بڑھ جاتی ہے۔ اس ترشی کا صحیح علاج یہ ہے جسم میں صفراء پیدا کیا جائے جو اس کی پیدائش کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دیتا ہے اور دورانِ خون کے صحیح چکر کا تقاضا بھی یہی ہے۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ صفراء (بائل) خود زبردست کھار (الکلی) ہے۔ اور قدرتی طور پر ملین، مسہل اور دافع خمیر (فرمن ٹیشن)، ترشی (ایسڈیٹی) اور ریاح (گیس) ہے۔ یہی وہ علم ہے جو طب قدیم نے ہم کو دیا ہے اور فرنگی طب اور ماڈرن میڈیکل سائنس اس سے بے خبر ہے۔ ان کی کتب اس علم سے خالی ہیں۔

(۲) مصلح ادویہ

علم الادویہ میں مصلح ادویہ کا عام طور پر یہ مفہوم لیا جاتا ہے کہ ہر دوا میں بنیادی طور پر کچھ نہ کچھ کوئی نقص یا مضر اثر ضرور ہوتا ہے، اس لیے اس کا مصلح لازمی ہے۔ لیکن حقیقت یہ نہیں ہے کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ ہر دوا کسی ایک مزاج اور خلط کو پیدا کرتی ہے اور کسی ایک مفرد عضو کو تحریک دیتی ہے۔ یہ نہیں ہے کہ کوئی دوا ایک سے زائد مزاج اور خلط پیدا کرے یا ایک سے زائد مفرد اعضاء کو تحریک دے۔ جب ایسا نہیں ہے تو پھر یہ مفہوم بھی غلط ہے کہ ہر دوا میں بنیادی طور پر کوئی نقص یا مضر اثر پایا جاتا ہے۔ مثلاً ہر چرپری دوا گرم خشک مزاج اور صفرا پیدا کرتی ہے۔ جگر (غدد) کو تحریک دیتی ہے۔ یہ ناممکن ہے کہ وہ بلغم یا سودا پیدا کر دے۔ اسی طرح ہر کھاری دوا بلغم پیدا کرتی ہے۔ اعصاب کو تحریک دیتی ہے اور ترش دوا سودا پیدا کرتی ہے اور عضلات (قلب) کو تحریک دیتی ہے۔ یہ ناممکن ہے کہ کھاری اور ترش ادویہ صفراء پیدا کریں۔ البتہ اگر دونوں کو ملا لیا جائے تو نمک بن جائے گا اور نمک ضرور صفراء پیدا کرتا ہے۔ ان حقائق سے ثابت ہوتا ہے کہ بنیادی طور پر کسی دوا میں نقص یا مضر اثر نہیں ہوتا۔ کیونکہ قدرت نے فطری طور پر ہر دوا کا ایک ہی مزاج رکھا ہے۔ وہ ایک خلط پیدا کرتی ہے۔

مصلح دوا کا حقیقی مقصد یہ ہے کہ کسی دوا کو قابل استعمال بنایا جائے۔ یہی اس کی اصلاح اور درستی ہے۔ یہ مقصد ہرگز نہیں ہے کہ اس کی اصلاح کے لیے کسی اور دوا کا استعمال لازمی اور ضروری ہے جس طرح اکثر دوا میں ہم دیکھتے ہیں کہ ان میں گوند کیکر، گوند کتیرا یا کھانڈ یا شہد وغیرہ شامل کر لیے جاتے ہیں یا ہر دوا کا مدبر کرنا لازمی ہے البتہ مدبر کرنے کے یہ معنی لیے جائیں کہ دوا کو قابل استعمال بنایا جائے تو بالکل صحیح ہے۔ مثلاً بادیان روزانہ استعمال کی دوا ہے۔ اس کو صرف چبا کر بھی استعمال کیا جا سکتا ہے اور سفوف بنا کر بھی کھایا جا سکتا ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ چبانے سے اس میں منہ کا لعاب کثرت سے شامل ہوگا اور سفوف کھانے سے اس کا زیادہ اثر معدہ میں ہوگا۔ کبھی بادیان میں کھانڈ ملا کر اس کے اثرات وافعال کو کم کر دیتے ہیں اور کبھی شہد ملا کر اس میں حدت بڑھا دیتے ہیں اور کبھی گوند ملا کر اس کی سوزش

کم کر دیتے ہیں۔ کبھی بریاں کر کے اس میں قبض پیدا کر دیتے ہیں۔ کبھی اس میں نمک شامل کر کے اس کے افعال واثرات میں تیزی پیدا کر دیتے ہیں۔

اسی طرح کبھی اس کو گولیوں کی شکل میں استعمال کرتے ہیں تاکہ کافی دیر تک اس کا اثر قائم رہے۔ کبھی خیساندہ بنا کر اس کے خاص اجزاء کو حاصل کیا جاتا ہے اور کبھی کسی تیزاب کے اثر سے اس کے روغنی اجزاء جدا کر کے ان کو استعمال کیا جاتا ہے۔ بہرحال کسی دوا کو قابل استعمال بنانا ہی اس کی اصلاح اور مدبر کرنا ہے۔

کسی دوا کا استعمال ضروری ہوتا ہے۔ لیکن اس میں ضرورت کے مطابق کمی بیشی پائی جاتی ہے یا ذائقہ کی خرابی ہوتی ہے یا پیٹ میں بے چینی پیدا کر دیتی ہے تو اس کے ساتھ کوئی دوسری دوا ملا کر اس کی اصلاح کر دی جاتی ہے۔ کبھی اس دوا میں تیزی ہوتی ہے تو اس میں کوئی دیگر سادہ دوا ملا کر اس کی تیزی کو کم کر دیا جاتا ہے۔ مثلاً خالص تیزابات یا شدید قسم کی کھاریں جن کے استعمال سے جسم کے جل جانے اور سوزشناک ہونے کا خطرہ ہوتا ہے۔ ان میں پانی یا کھانڈ یا شہد یا گوند کا اضافہ کر دیا جاتا ہے۔ یا اسی دوا کے زیادہ شدید اجزاء کو غیر شدید اجزاء کے ساتھ ملا کر بھی استعمال کیا جاسکتا ہے۔ مثلاً آک کے دودھ یا اس کے پھولوں کی تیزی کو آک کے پتوں میں ملا کر کمزور بھی کیا جا سکتا ہے، وغیرہ وغیرہ۔

کبھی کسی دوا کے استعمال سے ہاضمہ کی خرابی ہو جانے کا خطرہ ہو یا دِل پر نقصان کا اثر ہو یا قبض ہونا ممکن ہو یا شدید اسہال کا خطرہ ہو تو اس میں حسب ضرورت دوائیں شامل کر کے اس کی اصلاح کر لی جاتی ہے۔ بہرحال یہ امر ہمیشہ زیر نظر رہتا ہے کہ اصل دوا کے ضروری اثرات میں کمی بیشی اور خرابی واقع نہ ہو جائے اور جو مزاج اور خلط ہم پیدا کرنا چاہتے ہیں یا جس مفرد عضو کو تحریک دینا چاہتے ہیں اس میں نقص واقع نہ ہو جائے۔

بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ ہم بلا واسطہ کسی دور کے عضو پر دوا کا اثر ڈالنا چاہتے ہیں۔ مثلاً دِل یا دماغ کو متاثر کرنا چاہتے ہیں۔ اوّل تو جب دوا معدہ میں جائے گی وہ وہاں کے عضلات یا اعصاب کو متاثر ضرور کرے گی۔ معدہ میں بھی عضلات واعصاب ہیں۔ لیکن یہ دوا کا بالواسطہ اثر ہے اور بلا واسطہ اثر کی صورت یہ ہوتی ہے کہ کوئی عضلاتی دوا انتہائی قلیل مقدار میں یا انتہائی لطیف کیفیات میں کھائی جائے تو معدہ کے عضلات اس کا کچھ احساس نہیں کرتے۔ کیونکہ معدہ پر تیز وتند اشیاء کا اس قدر اثر ہوتا ہے کہ وہ کم مقدار اور لطیف اشیاء کا کچھ زیادہ احساس نہیں کرتا۔ جیسے تیز مرچ کھانے والے کو کھانے میں ہلکی مرچ ڈال دی جائے تو وہ خیال کرتا ہے کہ کھانے میں مرچیں نہیں ہیں۔ بس اس طرح کم مقدار اور لطیف کیفیات والی ادویہ معدہ پر اثر کئے بغیر گزر جاتی ہیں اور خون میں جذب ہو کر لطیف عضلات یا دِل پر اثر انداز ہوتی ہیں۔ یہی صورت دماغ واعصاب اور جگر وغدد کی بھی ہے۔

یاد رکھیں کہ معدہ کے مفرد اعضاء میں لطافت دِل ودماغ اور جگر کی نسبت بہت کم ہے۔ اس لیے ان پر اثر انداز ہونے والی ادویہ میں لطافت ونفاست اور خوشبو ہونی چاہیے۔ یہ قانون ہے کہ جسم میں جس مقام پر بھی دوا کا احساس ہوگا اسی مقام پر ہی طبیعت مدبرہ بدن مقابلہ کے لیے وہیں خون روانہ کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض تیز ادویہ کو لطیف ادویات میں ملا کر استعمال کرتے ہیں۔ یا مکھن ومنقیٰ اور گھی وحلوہ یا کسی مناسب بدرقہ کے ساتھ استعمال کرتے ہیں۔ **ہومیوپیتھی میں ادویات کی کم طاقت (لو پوٹنسی) تیز طاقت (ہائی پوٹنسی) کا بالکل یہی مقصد ہے۔ یعنی اگر مرض دِل دماغ اور جگر میں ہے تو تیز طاقت کی ادویہ دی جاتی ہیں اور وہ تیز طاقت (ہائی پوٹنسی) اس کو کہتے ہیں جس میں دوا انتہائی قلیل مقدار میں ہوتی ہے۔ یہ راز ہومیوپیتھ جانیں یا نہ جانیں لیکن اس کی حقیقت یہی ہے۔**

اسی طرح فرنگی ڈاکٹر یہ حقیقت جانیں یا نہ جانیں، لیکن ان کے انجکشنوں میں بھی تین اقسام پائے جاتے ہیں: ① درون جلد (ہائی پوڈرمک) ② درون عضلات (انٹرامسکولر) ③ درون اعصاب (انٹرنروس) اس طرح مخصوص مفرد عضو تک دوا پہنچائی جاتی ہے۔ یہاں بھی دوا کی لطافت اور کثافت کا اصول کام کرتا ہے۔

لطافت اور کثافت کے قانون کے تحت ادویہ میں جس قدر لطافت ہوگی اسی قدر وہ اعضائے رئیسہ کے قریب ہوں گے اور ادویہ میں خوشبو، خوش رنگ اور خوش ذائقہ ادویات شامل کی جاتی ہیں۔ اس کا مقصد اعضائے رئیسہ تک ادویہ کا پہنچانا ہے۔ اس طرح بدبو و بدرنگ اور بدذائقہ ادویہ کی اصلاح بھی ہو جاتی ہے۔ قیمتی ادویہ جیسے کستوری وغیرہ، سونا و چاندی اور جواہرات و کشتہ جات وغیرہ اسی قانون کے تحت استعمال کی جاتی ہیں۔ ان ادویہ کا صرف نفسیاتی اثر نہیں ہے بلکہ ان کے مخصوص اثرات بھی ہیں۔

اسی قانون کے تحت جو ادویہ معدہ کے لیے استعمال کی جائیں ان میں مقدار و کثافت اور شدت میں زیادتی ہونی چاہیے۔ امعاء کے لیے جو ادویہ استعمال کی جائیں ان میں اس بات کا خیال رکھیں کہ وہ معدہ پر اثر انداز نہ ہو۔ یہ بات یاد رکھیں مسہلات کی اصلاح کے لیے جو ادویہ استعمال کی جاتی ہیں۔ ان کا مقصد یہی ہوتا ہے کہ مسہلات معدہ میں اثر کے بغیر نیچے اتر جائیں۔ مثلاً اطریفل میں اجوائن خراسانی کا ملانا یا تربد اور سقمونیا میں زنجبیل کا شامل کرنا بالکل اسی مقصد کے لیے ہوتا ہے۔ لیکن اگر ان ادویہ کو شامل نہ بھی کیا جائے مگر صرف اس امر کو مدنظر رکھا جائے کہ دوا مقدار میں کم ہو یا اس کا اثر معدہ اور امعاء پر نہ ہو تو یقیناً اس کا اثر دِل و دماغ اور جگر پر یا ان کے قریب کے اعضاء پر ہوگا۔ اعضائے رئیسہ کے علاج میں یہی قانون کام کرتا ہے۔

ترتیب نسخہ میں ادویہ کی مقدار خوراک پر خاص طور پر دھیان دینا چاہیے۔ کیونکہ مقدار کی کمی بیشی سے ادویات کے اثرات میں فرق پیدا ہو جاتا ہے۔ مثلاً ایک دوا مسہل ہے لیکن اس کا مسہل ہونا ایک خاص مقدار خوراک میں ہوگا۔ اگر مقدار خوراک میں کمی بیشی ہو جائے گی تو اس کے مسہل میں ضرور فرق آ جائے گا۔ جیسے جمالگوٹہ جو ایک چرپری دوا ہے اور صفراوی مسہل ہے اس کا اثر جگر پر ہوتا ہے۔ اس کی مقدار خوراک ایک رتی ہے اور وہ بھی اس صورت میں کہ اس کا معدہ پر زیادہ اثر نہ ہو۔ لیکن جب اس کو دو چاول کی مقدار میں دیا جائے تو یہی دوا بجائے مسہل کے ملین بن جائے گی۔ اور ایک چاول کی مقدار میں دیا جائے تو بجائے ملین کے محرک شدید بن جائے گی۔ ان سے صرف جسم میں جلن تو ہوگی مگر پاخانہ نہیں آئے گا۔ اسی طرح اس کی مقدار نصف چاول کر دی جائے تو اس کا اثر محرک ہوگا۔ اس میں جلن بھی ختم ہو جائے گا۔ البتہ یہ ایک انتہائی ہاضم اور دافع ریاح بن جائے گی۔ اسی طرح اگر اس کی مقدار چوتھائی چاول کر دی جائے تو یہ ایک انتہائی مقوی دوا کی صورت اختیار کرے گی۔ یہی دوا بجائے صفراوی اور جگری اسہال لانے کے جگر اور صفراوی اسہال بند کر دے گی۔ اور اگر اس کے ساتھ دیگر قابض ادویات بھی شامل ہو جائیں تو اس کی قوت قابضہ اور بھی شدید ہو جائے گی۔ اس کا راز صرف یہی ہے کہ کسی کمی بیشی سے دوا کا اثر مفرد عضو کے مختلف مقامات پر پڑتا ہے۔

ادویات کے ہومیوپیتھک اثرات بھی دوا کے اسی قانون کے تحت کام کرتے ہیں، ورنہ ہومیوپیتھک میں بالمثل ادویہ کا استعمال کچھ معنی نہیں رکھتا۔ علاج بالمثل میں جب کوئی دوا استعمال کی جاتی ہے تو مقصد جسم سے خاص علامات کو رفع کرنا ہوتا ہے۔ دوا بیشک بالمثل اثر کرتی ہے تو کوئی ہومیوپیتھ اوّل کسی دوا کو پوری مقدار میں استعمال کرائیں۔ جب اس کی پوری علامات پیدا ہو جائیں تو پھر اسی دوا کی قلیل مقدار دے کر اس دوا کی علامات کو دور کر کے دکھائیں۔ اس دوا سے نہ دور کر سکیں تو کسی دوا کی قلیل مقدار سے کر کے دکھا دیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے علاج میں زہر خوردہ کا کوئی علاج نہیں ہے۔ اس سے بھی بڑی بات یہ ہے کہ ہومیوپیتھی میں کسی قسم کے مسہلات کا ذکر نہیں ہے۔

بہر حال یہاں پر بھی دوا کی مقدارِ خوراک کا ذہن نشین کرانا ہے جو ترتیب نسخہ کی جان ہے۔

اسی طرح جمالگوٹہ کو زیادہ مقدار میں دے دیں یا کسی ایسی دوا میں شریک نہ کریں جو اس کو معدہ سے گزار دے تو یہ معدہ کے غدد میں شدید تحریک اور سوزش پیدا کر دے گی۔ جس کا نتیجہ اسہال کے بجائے قبض ہو جاتا ہے۔ ہر معالج کے تجربہ میں اکثر یہ بات آئی ہوگی کہ بعض وقت مسہلات خصوصاً تیز مسہلات دینے سے اسہال نہیں ہوتے اور معالج کے لیے حیرانی کا باعث ہوتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایسے مسہلات معدہ میں شدید سوزش پیدا کر دیتے ہیں۔ یا ایسے مریضوں کے معدہ میں پہلے ہی سے عضلاتی سوزش ہوتی ہے۔ یاد رکھیں جن لوگوں کو دائمی قبض ہوتی ہے وہ یہی معدہ کی شدید سوزش ہوا کرتی ہے۔ اس طرح دوا کی زیادتی بھی باعث نقصان بن جاتی ہے۔

بعض وقت ایک مقصد حاصل کرنے کے لیے تین چار مختلف اعضاء پر اثر کرنے والی ادویہ کو ملا دیا جاتا ہے۔ جیسے مسہل کو شدید کرنے کے لیے سقمونیا کے ساتھ جمالگوٹہ اور مصبر شامل کر دیا جائے۔ ظاہر میں تین عدد شدید مسہل مل گئے ہیں مگر نتیجہ میں ان کے افعال ایک دوسرے سے متاثر ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ سقمونیا اعصاب میں تحریک شدید دیتا ہے۔ جمالگوٹہ غدد کی تحریک شدید کرتے ہیں اور اگر ان کے مرکب سے اسہال آ بھی جائیں تو ہم اس کو کس عضو کے علاج میں استعمال کریں گے ایسے نسخے اصولی نہیں ہوتے بلکہ عطایانہ کہلاتے ہیں۔ ایسے مجربات سے دور رہنا چاہیے۔ اکثر باعث نقصان ہوتے ہیں۔

بعض اوقات فوری اثر کے لیے ادویات کو زود اثر بنایا جاتا ہے۔ اس مقصد کے لیے نسخہ میں ایسی ادویہ شامل کر دی جاتی ہیں، جیسے عضلاتی ادویہ میں ترشی اور تلخی شامل کر دینا۔ غدی ادویہ میں نمکین اور چرپری اشیاء کا ملا دینا۔ اسی طرح اعصابی ادویہ میں شیرینی اور کھاری ذائقہ کا اضافہ کر دیا جاتا ہے۔ اس طرح ادویہ تیزی سے اثر انداز ہوتی ہیں۔

اسی طرح بعض ادویات کو اکسیر صفت بنانے کے لیے ادویہ کے خواص اور ضرورت کے مطابق ان کے مؤثر اجزاء جدا کر لیے جاتے ہیں۔ جیسے کسی دوا کے روغنی اجزاء یا خشک اجزاء یا نمکیات کو جدا کر لیا جاتا ہے۔ بنیادی طور پر یہ حقیقت ذہن نشین رکھیں کہ ہر مفرد دوا اپنے اندر مرکب کیفیات کے ساتھ مرکب مادے بھی رکھتی ہے۔ ہم ظاہر میں اس کو واحد دوا ہونے کی وجہ سے مفرد کہتے ہیں ورنہ ہر مفرد دوا کیمیاوی طور پر ایک مرکب ہے۔ یہی صورت اغذیہ میں بھی پائی جاتی ہے۔ گویا ہر مفرد دوا و غذا اور شے کیمیاوی طور پر مرکب ہے۔ ان تمام مفرد اشیاء میں کیفیات کے تحت ان میں مختلف مادوں کی کمی بیشی ہوتی ہے۔ کسی میں تری زیادہ اور خشکی کم۔ ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں اس شے کے اندر روغنی اجزاء زیادہ ہوں گے۔ اگر تری کم اور خشکی زیادہ ہوگی تو ظاہر ہے اس میں روغنی اجزاء کم ہوں گے یا بالکل نہیں ہوں گے۔ یہی صورت کسی شے میں گرمی اور سردی کی کمی بیشی میں ہوگی۔ پھر یہ اجزاء بھی کیفیات اور مادوں سے مرکب ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس شے کے جس جز کی ہم کو ضرورت ہوگی ہم اگر اس کو جدا کر کے استعمال کریں گے تو اس جز کے اثرات تمام دوا کے مقابلے میں زیادہ شدید، زیادہ مؤثر بلکہ اکسیر صفت ہوں گے۔ مثلاً دودھ ظاہر میں مفرد شے ہے لیکن جب اس کا تجزیہ کیا جائے تو اس میں کئی اجزاء جدا ہوتے ہیں۔ اس میں روغنی ہے اور لحمی اجزاء بھی ہیں۔ اس میں شیریں اجزاء کے ساتھ کسی قدر نمکین اجزاء بھی ہیں اور پانی ان کے علاوہ ہے۔ دودھ کا مزاج تر گرم ہے۔ گھی کا مزاج گرم تر ہے۔ یعنی دودھ سے زیادہ گرم بھی ہے اور تر بھی ہے۔ ساتھ ہی دودھ کا روغن حیوانی روغن ہے۔ گھی خود مرکب ہے، اس میں گندھک کا جزو شامل ہے۔ جو دافع سوزش ہے اور گھی گویا محلول گندھک، حیوانی گندھک ہے۔ اس میں خاص بات یہ ہے کہ حیوانی روغن اور بھی ہیں۔ مثلاً موٹی چربی، پتلی چربی، دُنبے کی چربی، ہڈی کی نلیوں کا روغن، مگر ان سب میں گندھک کے اجزاء کم اور چونے کے اجزا زیادہ ہوتے ہیں۔

یادرکھیں! نباتی روغنوں میں سوائے روغن زیتون کے باقی روغنوں میں تیزابیت زیادہ ہوتی ہے۔ یہی حیوانی اور نباتی روغنوں کا فرق بھی ہے یعنی جس قدر جس روغن میں گندھک کے اجزاء زیادہ ہیں ارتقائی حیثیت سے وہ افضل ہے۔ لیکن علاج میں جس روغن کی ضرورت ہوگی وہی استعمال ہوگا۔

اسی طرح دودھ کے باقی اجزاء ہیں۔ وہ اپنے اندر خاص قسم کی خوبیاں رکھتے ہیں۔ پھر ہر جانور کا دودھ ایک خاص خوبی کا مالک ہے۔ بکری کے روغن میں گائے کے روغن سے زیادہ گندھک ہے اور گائے کے روغن میں بھینس کے روغن سے زیادہ گندھک ہے۔ کسی شے کے خاص اور ضروری اجزاء شدید مؤثر اور فوری نفوذ ہونے کی وجہ سے اکسیر صفت بن جاتے ہیں۔

اسی طرح بعض ادویہ اپنے اندر تریاقی قوت رکھتی ہیں۔ یعنی وہ خاص قسم کے زہروں کو فنا کر دیتی ہیں۔ جیسے کھار کے اثرات کو ترشی اور ترشی کے اثر کو گندھک فنا کر دیتی ہے۔ بالکل اسی طرح بعض ادویہ بعض جانداروں اور بعض کیڑوں پر فوری اثر کر کے ان کو فنا کر دیتی ہیں اور ان کے زہریلے اثرات کو بھی فنا کر دیتی ہیں۔ جیسے کچلہ کتے کے لیے زہر ہے۔ سنکھیا چوہے کے لیے زہر ہے، اس لیے اس کو سم الفار کہتے ہیں۔ سیماب جوؤں اور دیگر قسم کے کیڑوں (جراثیم) کو فنا کر دیتا ہے۔ طب یونانی کے تریاق انہیں مقاصد کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔

یادرکھیں کہ اکسیری اور تریاقی اوصاف بذات خود مفرد ادویہ میں بھی پائے جاسکتے ہیں۔ لیکن ادویہ کے مرکب کرنے یا ان کے تجزیہ کرنے سے بھی پیدا ہو جاتے ہیں۔ **مرکب کی مثال یہ ہے کہ گندھک اور پارہ دونوں اعلیٰ پائے اور عمدہ صفات کی ادویہ ہیں اور دونوں فن علاج کی جان ہیں۔** ان دونوں کے افعال و اثرات اور خواص و فوائد میں الگ الگ کتب لکھی جاسکتی ہیں۔ لیکن جب دونوں کو ملا کر مرکب تیار کیا جاتا ہے تو اس مرکب میں ایسے اوصاف پیدا ہو جاتے ہیں جو ان دونوں ادویہ میں فرداً فرداً نہیں پائے جاتے۔ اس میں قوت و حرارت کا ایک ایسا امتزاج پیدا ہو جاتا ہے کہ اس کے عمل کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے۔ اس مرکب میں اس قسم کی قوت نفوذ ہوتی ہے کہ اگر جلد پر یونہی مل دیا جائے تو جسم میں اثر کر جاتا ہے۔ پھر انہیں اثرات کی دیگر ادویہ کے ساتھ اگر اس مرکب کو ملا دیا جائے تو ان میں بھی تعجب انگیز اثرات پیدا ہو جاتے ہیں۔ مثلاً یہ حقیقت مسلمہ ہے کہ جمالگوٹہ صحیح طریقہ سے تیار کیا ہوا ایک بہت عمدہ غدی (صفراوی) مسہل ہے۔ لیکن جب اس میں گندھک یا پارہ کا کوئی مرکب شامل کر دیا جائے تو اثرات میں پچاس گنا اضافہ ہو جاتا ہے۔ گندھک اور پارہ کے مرکبات کئی قسم کے تیار کیے جاتے ہیں۔ ان دونوں کو سادہ طریق پر ملا کر کم از کم ایک گھنٹہ کھرل کر لیا جائے۔ بس تیار ہے۔ اس کو کجلی کہتے ہیں۔ (۲) دونوں کو ملا کر خاص طریق پر آگ میں پکایا جاتا ہے۔ اس کو شنگرف کہتے ہیں۔ (۳) پارہ کو گندھک کے تیزاب میں پکا کر سخت کر لیا جاتا ہے اس کا نام پارہ کا جوہر رکھ دیا گیا ہے ان کے علاوہ ان کے ملانے کے اور طریقے بھی ہیں اور ہو سکتے ہیں۔ اس کے تمام مرکبات اپنے اندر عجیب و غریب کرشمے رکھتے ہیں۔ فاضل حکماء اور اہل فن نے جو مرکبات تیار کیے ہیں ان کا ذہن میں رہنا بھی ضروری ہے۔ انہی مرکبات میں اطریفل، خمیرہ، معجون، شربت، جوارش اور حلوہ وغیرہ شامل ہیں۔

انہی ادویات کے تجزیہ کے بعد ان میں بھی اکسیری اور تریاقی اوصاف پیدا ہو جاتے ہیں۔ جیسا کہ ہم نے دودھ کا تجزیہ کر کے اس کی مختلف صورتیں پیش کی ہیں۔ اسی طرح ادویات کے نمکیات و روغنیات اور شربت و عرقیات تیار کیے جاتے ہیں جن کے خاص خاص اثرات و افعال انتہائی حیرت انگیز حالت پیدا کر دیتے ہیں۔ انہی تجزیہ اور ترکیب دوا میں کشتہ بھی ایک زبردست طاقت ہے، ایسے تجزیات و ترکیبات اور مرکبات اپنے اندر ایسی زبردست قوت رکھتے ہیں کہ اصل دوا میں اس قوت کا عشر عشیر بھی نہیں پایا جاتا۔ علم خواص الاشیاء کے

ساتھ ساتھ دواسازی اور ان کے خاص خاص مرکبات کا علم ہونا بھی ترکیب نسخہ کے لیے نہایت اہم ہے۔

(۴) محافظ ادویہ

بعض ادویہ کے بعض اجزاء کو تازہ ہی استعمال کیا جاتا ہے، جیسے جوشاندہ وخیساندہ اور شیرہ وغیرہ۔ بعض ادویہ یا ان کے خاص اجزاء کو محفوظ کرنا پڑتا ہے، تاکہ جب ان کا موسم نہ ہو ان سے فائدہ اٹھایا جائے اس کے لیے ان کو بعض اشیاء سے محفوظ کیا جاتا ہے۔ جیسے چینی کے ساتھ شربت، گلقند، مربہ اور خمیرہ وغیرہ۔

اسی طرح بعض ادویات کو شہد سے محفوظ کیا جاتا ہے جیسے معجون، جوارش اور خاص قسم کی حبوب وغیرہ۔ اسی طرح بعض ادویات کی حفاظت کے لیے نمک، ترشی اور کھار وغیرہ بھی مفید ہو سکتی ہیں۔ لیکن یہ خیال رہے کہ حفاظت کرنے والی ادویہ معاون ہونی چاہئیں، مضر نہ ہونی چاہئیں۔

ادویہ کو محفوظ کرنے کا مقصد یہ ہے کہ ان کو فساد وتعفن اور خمیر سے بچایا جائے۔ یاد رکھیں کہ فساد وتعفن اور خمیر ہمیشہ رطوبت ونشاستہ دار اور لحمی اجزاء میں پیدا ہوتا ہے۔ شہد، چینی، نمک اور خالص ترشی جیسے سرکہ وتیزاب اور خالص کھاروں جیسے سہاگہ اور شورہ قلمی وغیرہ میں فساد وتعفن اور خمیر وغیرہ پیدا نہیں ہوتا لیکن اگر رطوبتی ونشاستہ دار اور لحمی اجزاء میں ترشی کے اجزاء ہوں تو ان میں فوراً فساد وتعفن اور خمیر شروع ہو جاتا ہے۔ اسی طرح بعض ادویہ کا تجزیہ کر کے ان کو محفوظ کیا جاتا ہے۔ جیسے کسی دوا کا روغن جدا کر لینا اور کھار بنا لینا وغیرہ۔ کسی نسخہ کو محفوظ کرنے میں ان باتوں کا خیال کرنا ضروری ہے۔

ترکیب ادویہ کا کمال

نسخہ نویسی میں ترکیب ادویہ کا کمال یہ ہے کہ ان ادویہ کا جو مزاج پیدا ہو وہ اسی مفرد عضو کو تحریک دے جو خلط پیدا کرتی ہے۔ جس کے نتیجہ میں صرف پانچ منٹ کے اندر مریض کی طبیعت صحت کے لیے لوٹ جاتی ہے۔ سب کچھ اسی صورت میں ہو سکتا ہے جب مریض کی تمام علامات کو جمع کر کے اس کے اس مفرد عضو کے افعال کے ساتھ تطبیق دے دیا جائے۔ جو بیمار ہے اور اس میں مریض کی عمر، پیشہ، عادات اور موسم بھی شریک ہوتے ہیں۔

ترکیب ادویہ میں غلط فہمی

ترکیب ادویہ میں سب سے بڑی خرابی اور غلط فہمی یہ ہے کہ بغیر مزاج وخلط اور مفرد عضو کو مدنظر رکھے کسی مرض یا علامت کی چند ادویہ کو اکٹھا کر دیا جائے اور بعض لوگ اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ ہر مزاج اور ہر خلط کی چند ادویہ کو اکٹھا کر کے پھر ان کا مزاج نکال لیا جائے۔ اس طرح کا مرکب بھی مجرب ومفید ہو سکتا ہے۔ لیکن نظریہ اور اصول بالکل غلط ہے۔ کیونکہ یہ قانون فطرت کے خلاف ہے۔

یاد رکھیں ترکیب ادویہ میں کیمیاوی طور پر اخلاط کے مزاج اور مفرد عضو کی خرابی کو مدنظر رکھنا از حد ضروری ہے اور یہ سب کچھ دورانِ خون کے مطابق عمل میں آتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ترکیب ادویہ صاحب علم اور اہل فن کا کام ہے اور یہی اس کے اسرار ورموز ہیں۔

تحقیقات المجربات اور اصطلاحات

اب تک اغذیہ وادویہ اور زہروں کی عمومی ماہیت وحقیقت اور افعال واثرات کا ذکر کیا ہے۔ اب ذیل میں انفرادی طور پر ہر غذا و دوا اور زہر کی ماہیت وحقیقت اور افعال واثرات کا ذکر کریں گے۔ تاکہ ان کے نوعی وجنسی اور خصوصی اثرات کا علم حاصل ہو جائے اور مجربات ونسخہ نویسی اور ان کے مفرد استعمال سے پورے پورے فوائد حاصل ہوسکیں۔

یاد رکھیں جب ان کو کوئی انفرادی طور پر سمجھ نہیں سکتا تو ان کے مرکبات سے بھی مستفید نہیں ہوسکتا۔ اغذیہ وادویہ اور زہروں کی ماہیت وحقیقت اور افعال واثرات جاننے سے قبل نہایت ضروری ہے کہ ان اصطلاحات کو سمجھ لیا جائے جن کی زبان میں یہ سب کچھ بیان کرنا ہے ان کے بغیر ان کا پورے طور پر ذہن نشین کرنا بہت مشکل اور دشوار ہے۔

جہاں تک ان اصطلاحات کا تعلق ہے، اوّل تو ان کو سمجھانے کی کوشش نہیں کی گئی اور جہاں پر سمجھایا گیا ہے وہاں پر ان کے صرف معنی بیان کر دیئے گئے ہیں۔ ان کو طبی اور فنی طور پر ذہن نشین نہیں کرایا گیا۔ خصوصاً اغذیہ وادویہ اور زہروں کا جب جسم پر اثر ہوتا ہے تو وہاں پر تشریحی اور فعلی طور پر کیا تبدیلیاں پیدا ہوتی ہیں۔ یعنی اعضاء کے افعال اور دورانِ خون میں کیا تغیر وتبدل پیدا ہو جاتا ہے۔ جب تک اصطلاحات کو طبی اور فنی طریق پر ذہن نشین نہ کر لیا جائے اس وقت تک علم وفن طب کو ذہن نشین کرنا مشکل ہوتا ہے۔ ہر فن کی اصطلاحات گویا اس فن کی الف بے ہوا کرتی ہے۔

محرک

ایسی غذا و دوا اور زہر جس کے استعمال سے جسم کے کسی خاص عضو میں حرکت اور تیزی پیدا ہو۔ جس عضو میں حرکت اور تیزی پیدا ہوتی ہے وہاں پر سکیڑ پیدا ہو جاتا ہے۔ وہاں کی رطوبات کم ہونا شروع ہو جاتی ہیں اور وہاں پر رفتہ رفتہ گرمی بڑھنی شروع ہو جاتی ہے۔ یہی تحریک جب شدت اختیار کرتی ہے تو اس عضو میں سوزش ہو جاتی ہے لیکن تحریک سے سوزش تک اس کو ذیل کے حالات سے گزرنا پڑتا ہے:

① لذت ② بے چینی ③ حبس ④ قبض ⑤ خارش ⑥ جوش خون اور ⑦ درد۔ جن کی تشریح یہ ہے:

① **لذت:** چونکہ متحرک عضو کے مقام پر دورانِ خون بڑھتا ہے تو ابتدائی صورت میں لذت پیدا ہوتی ہے، جیسے گدگدی کرنے سے لذت پیدا ہوتی ہے۔ یہ لذت اور لطف کی حقیقت ہے۔

② **بے چینی:** جب لذت میں شدت پیدا ہو جائے تو وہاں پر لطف کے بجائے بے چینی بڑھ جاتی ہے۔

③ **حبس:** حبس اس حالت کو کہتے ہیں جہاں پر رطوبات کی پیدائش بند ہو جائے اور خشکی بڑھنا شروع ہو جائے۔

④ **قبض:** قبض اس حالت کو کہتے ہیں جہاں پر رطوبات کا اخراج رُک جائے۔

⑤ **خارش:** جب بے چینی کے بعد حبس وقبض پیدا ہو جاتا ہے وہاں پر خارش شروع ہو جاتی ہے۔

⑥ **جوشِ خون:** خارش میں جب شدت پیدا ہو جاتی ہے تو وہاں پر جوشِ خون پیدا ہو جاتا ہے۔

⑦ **درد:** جب جوشِ خون پیدا ہو جاتا ہے تو اس کے دباؤ سے عضو کی وسعت میں درد پیدا ہو جاتا ہے۔

اس کے بعد سوزش پیدا ہوتی ہے گویا سوزش ان سب کے مجموعہ کا نام ہے۔ سوزش کے معنی جلن کے ہیں۔ چونکہ سوزش کی حالت میں اس مقام عضو پر خون شدت سے آنا شروع ہو جاتا ہے۔ اس لئے وہاں پر جو خون کی تیزی سے حرارت پیدا ہو جاتی ہے اور حبس اور قبض بھی شدت اختیار کر لیتے ہیں اس لئے وہاں پر جلن پیدا ہو جاتی ہے۔ گویا سوزش میں ظاہری طور پر حرارت و سرخی اور درد لازم ہیں۔ جب سوزش میں شدت پیدا ہوتی ہے تو وہاں کثرتِ خون اور رطوبت سے ابھار پیدا ہو جاتا ہے جس کو ورم (التہاب) کہتے ہیں۔ سوزش اور ورم کی ماہیت اور حقیقت کو ہم نے ماہنامہ ''رجسٹریشن فرنٹ'' میں تفصیل سے بیان کیا ہے۔

محرک اشیاء کے متعلق یہ بات یاد رکھیں کہ ہر غذا و دوا اور زہر جب استعمال کیا جاتا ہے تو تمام جسم پر یکساں اثر نہیں کرتا بلکہ اس کا اثر کسی خاص مفرد عضو (نسیج) پر ہوگا۔ البتہ اس کے دیگر قسم کے اثرات مثلاً تسکین اور تحلیل کا اثر دیگر اعضاء پر ہوگا۔ بس انہی افعال و اثرات کو سمجھنے کا نام خواص الاشیاء ہے۔

تسکین

اصطلاحات میں چونکہ زیادہ تر لغوی معنوں کو مدنظر رکھا گیا ہے اس لئے تسکین کے لئے بھی اسی امر کو کافی سمجھ کر اس کے معنی بیان کر دیئے ہیں، یعنی سکون پیدا کرنے والی اغذیہ وادویہ اور زہر لکھ دیئے گئے ہیں، جیسے مسکن اعصاب و دماغ مسکن قلب و مسکن جگر اور اسی طرح مسکن معدہ بلکہ مسکن الم اور مسکن حرارت بھی لکھ دیا ہے۔ گویا اشیاء ان اعضاء کے افعال کو تسکین دینے والی ہیں۔ وہی مسکن ہیں۔ اسی طرح درد اور حرارت کو بھی کم کرنے والی ہیں، اشیاء بھی ان کے تحت بیان کر دی گئی ہیں۔

اس مقصد کے لئے عام طور پر جو اشیاء استعمال کی جاتی ہیں ان میں مبردات و مسکنات اور مخدرات ہوتی ہیں جو اکثر سرد تر اور سرد خشک ہوتی ہیں۔ ایسی اشیاء بلغم اور سودا پیدا کرنے والی ادویہ و اغذیہ اور زہر ہوتے ہیں۔ یہاں پر پھر یہ امر ذہن نشین کر لیں کہ جب سردی تری میں تیزی پیدا ہوتی ہے تو وہ تری خشکی میں تبدیل ہو جاتی ہے، کیونکہ سردی ہر شے کو سکیڑتی ہے۔ اس کے مقابلے میں گرمی ہر شے کو پھیلاتی ہے۔

فنی حیثیت سے تسکین کی صورت یہ ہے کہ جسم انسان میں جس مقام پر مسکن اشیاء استعمال کی جائیں گی وہاں پر رطوبت اور بلغم کی زیادتی ہو جائے گی۔ وہاں پر رطوبات کا ترشح (سکریشن) خون میں عروق شعریہ کے راستے ان کے سروں پر جو غدود ہوتے ہیں ان میں سے ہوتا ہے۔ یہ تمام جسم پر خصوصاً مقام لذت و بے چینی اور خارش و سوزش پر شروع ہو جاتا ہے۔ یہی ترشح ایک طرف اس مقام پر سکون بخشتا ہے اور دوسری طرف دورانِ خون میں تسکین پیدا کرنا شروع کر دیتا ہے۔ جس قدر زیادہ سوزش ہوتی ہے، اسی قدر ترشح زیادہ ہوتا ہے۔ اس ترشح کی بہترین مثال جسم پر کہیں شہد کی مکھی کا ڈنگ مارنا ہے۔ جوں جوں اس مقام پر رطوبات بڑھتی جاتی ہیں ڈنگ کی جلن اور درد کم ہوتا جاتا ہے، جسم میں بعض مقام ایسے بھی ہیں جہاں پر گوشت کی کمی ہوتی ہے جیسے سر اور ہاتھ پاؤں وغیرہ۔ جب ان مقامات پر ڈنگ لگتا ہے تو وہاں پر بہت درد اور جلن ہوتی ہے، کیونکہ ان مقامات پر بہت زیادہ رطوبت اکٹھی نہیں ہوسکتی۔ گویا جسم انسان میں یہی رطوبت جو خون سے اخراج پاتی ہے، تسکین کا باعث ہوتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جسم انسان میں ہم جہاں بھی تسکین دینا چاہتے ہیں وہاں پر اس رطوبت کو بڑھا دیتے ہیں۔

راز کی بات

پیاس بھی اسی رطوبت سے بجھتی ہے۔ ہم پیاس بجھانے کے لئے پانی، شربت اور برف وغیرہ استعمال کرتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ پیاس بجھا رہے ہیں، لیکن یہ غلط ہے، اس سے پیاس نہیں بجھتی بلکہ ان سے پیٹ میں یہ رطوبت پیدا ہوتی ہے جس سے پیاس بجھتی ہے۔ دلیل یہ ہے کہ مرض عطاش یا ہیضہ میں پیاس نہیں بجھتی بلکہ زیادہ ہوتی ہے۔ اگر پیاس نہ بجھے تو مریض موت کے منہ میں چلا جاتا ہے۔ مرض کی شدت بھی سوزش کی شدت کی وجہ سے ہوتی ہے اور کبھی خون میں کیمیائی طور پر وہ اجزاء نہیں ہوتے جو ترشح ہو کر سکون کا باعث ہوں۔ پاخانہ، پیشاب اور نزلہ وزکام کی جلن کا بھی یہی راز ہے۔ اسی طرح جسم میں جن مقامات پر تہیج پیدا ہوتا ہے اس میں بھی رطوبت ہوتی ہے جو وہاں سوزش کے کم کرنے کے لئے پیدا ہوگئی ہے۔ چونکہ اس صورت کا تعلق غدد سے ہے اس لئے ان تمام امراض میں جگر اور گردوں میں خرابی پیدا ہو جاتی ہے۔ جب جسم میں کسی مقام پر تسکین کی صورت بڑھ جائے تو وہاں تہیج اور سوجن کی صورت پیدا ہو جاتی ہے اور یہ بھی اپنی جگہ مرض کی ایک شدید علامت ہے جس کا علاج عضلات کو تحریک دینا ہے۔

یہاں پر یہ امر ذہن نشین کرنا ہے کہ تسکین کے لئے مبردات ومسکنات اور مخدرات اور مولد بلغم اشیاء استعمال کی جاتی ہیں، جو سب کی سب محرک اعصاب ہیں اور اعصاب کو تحریک دینے ہی سے تسکین پیدا ہوتی ہے۔ جب اعصاب کو تحریک نہ ہو، نہ ہی رطوبت وبلغم پیدا ہوتی ہے اور نہ ہی تسکین ہوتی ہے۔

فرنگی طب کی غلط فہمی

فرنگی طب کے علم الادویہ (میٹیر یا میڈیکا) میں محرک اعصاب ودماغ اشیاء میں ایسی ادویہ بھی درج ہیں جو تقویت پیدا کرتی ہیں۔ جیسے کچلہ، قہوہ اور شراب وغیرہ ہیں۔ لیکن جاننا چاہئے کہ یہ اشیاء محرک اعصاب اور دماغ نہیں ہیں بلکہ محرک قلب اور عضلات ہیں۔ دلیل یہ ہے کہ ان کے استعمال سے دل اور عضلات کی حرکت تیز ہو کر دورانِ خون تیز ہو جاتا ہے اور جسم میں رطوبت وبلغم ختم ہو کر قوت اور طاقت پیدا ہو جاتی ہے یہ اس کی غلط فہمی ہے۔ اس امر میں کوئی شک نہیں کہ اعصابی ودماغی گرم اشیاء بھی ہوتی ہیں، جیسے نوشادر، اپی کاک، ہینگ وغیرہ۔ مگر ایسی اشیاء سے بھی جسم میں رطوبات اور بلغم کا اخراج ہوتا ہے اور قلب وعضلات میں تیزی پیدا نہیں ہوتی بلکہ سستی پیدا ہوتی ہے اور ساتھ ہی جوش خون بھی کم ہو جاتا ہے اور ان سے بھی سوزش اور درد میں تسکین ہوتی ہے۔ فرنگی طب کا میٹیر یا میڈیکا (علم الادویہ) ان اقسام کی اغلاط سے بھرا پڑا ہے۔ اب ذیل میں چند اور اصطلاحات کو ذہن نشین کرلیں جن کا تعلق تسکین سے ہے۔

رادع

ان اشیاء کو کہا گیا ہے جو مواد کو لوٹانے والی ہیں۔ ان کے متعلق زیادہ سے زیادہ یہ تصور دیا گیا ہے کہ یہ اشیاء قابض ہوتی ہیں جو اپنی قوت قابضہ سے عروق کو سکیڑ کر تنگ کر دیتی ہے جس سے مواد کا نفوذ دشوار ہو جاتا ہے۔ اس لئے ہر قسم کی قابض بلکہ حابس اشیاء کو رادع کہا گیا ہے۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ ایسی اشیاء قابض نہیں بلکہ حابس ہوتی ہیں جو سرد خشک ہوتی ہے۔ ان ادویات کے تین افعال ہوتے ہیں۔ اوّل وہ تسکین کا باعث ہوتی ہیں یعنی رطوبات اور بلغم کا خون سے اخراج قائم رکھتی ہیں، جس سے خون کا جوش اور تیزی کم ہو جاتی ہے، جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے۔ دوسرے ان کی انتہائی برودت سے اس مقام پر تسکین ہوتی ہے اور تیسرے جو رطوبات وہاں پر گرتی ہیں ان کو وہاں

پر اپنی حابس قوت سے جذب کر کے پھر خون میں شامل کر دیتی ہے۔ اس رطوبتی مواد کو سرد کر کے واپس کرنے ہی کی وجہ سے ان اشیاء کو رادع کہتے ہیں۔ مفرد اعضاء کے تحت ہم ان کے اثرات کو عضلاتی اعصابی (خشک سرد) کہتے ہیں۔ اس طرح ان کے افعال آسانی کے ساتھ سمجھ میں آسکتے ہیں۔

تحلیل

یہ ایک ایسی اصطلاح ہے جس کو لغوی ومعنوی اور مجازی طور پر تو ضرور کسی حد تک سمجھا گیا ہے مگر جہاں تک اس کی ایک طبی فنی اصطلاح ہونے کا تعلق ہے اس کو بالکل نہیں سمجھا گیا اور نہ ہی سمجھایا گیا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ فنی حیثیت سے جس قدر اہمیت اور ضرورت اس اصطلاح کو سمجھنے کی ہونی چاہئے تھی اس قدر اس سے دوری اختیار کی گئی ہے۔

ظاہر میں لغوی معنوں کی حیثیت سے چونکہ بہت آسان معلوم ہوتا ہے اس لئے شاید اس اصطلاح کو فنی حیثیت سے نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ لیکن علم العلاج میں یہ ایک ایسی اصطلاح ہے کہ 50 فیصدی علاج کا دارومدار صرف اس کو سمجھ لینے پر قائم ہے۔ پھر کسی غذا و دوا کے متعلق یہ کہہ دینا کہ وہ محلل ہے، یہ کافی نہیں ہے، بلکہ یہ جاننا از حد ضروری ہے کہ اس جسم میں اس غذا و دوا اور زہر کا اثر کس انداز میں ہوتا ہے جس سے وہاں پر تحلیل واقع ہوتی ہے۔ جہاں تک تحلیل کے استعمال کا تعلق ہے، اس کو صرف اورام کے لئے مخصوص کر دیا گیا ہے۔ اوّل تو اس کے عمل و انداز کا علم نہیں ہے۔ دوسرے باقی جسم پر اس کا کیا اثر ہوتا ہے۔ تیسرے سب سے بڑی بات یہ ہے کہ دیگر کون کون سی اصطلاحات ہیں جو اس کے تحت کام کرتی ہیں جن کا جاننا از حد ضروری ہے تا کہ تحلیل کے اثرات کے ساتھ ان کے افعال کا بھی علم ہو جائے۔

لغات کبیر میں جو طبی اصطلاحات میں بے نظیر سمجھی جاتی ہے اس تحلیل یا تحلل کے متعلق لکھا ہے ''مواد کا پوشیدہ طور پر خارج ہو جانا۔ مثلاً بدن سے بخارات بن کر نکل جانا یا ورم کا آہستہ آہستہ کم ہو جانا''۔ اس تشریح سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ایک عوامی تو کیا ایک صاحب علم اور اہل فن بھی کیا سمجھ سکتا ہے۔ مواد کا پوشیدہ طور پر خارج ہونا کیا معنی رکھتا ہے۔ پھر بدن سے بخارات بن کر نکل جانا کیسے ہو سکتا ہے اور ورم کے آہستہ آہستہ کم ہو جانے کی صورت کیا ہوگی۔ ایسی تشریحات نے فن کو ختم کیا ہے۔ کسی اصطلاح کی تشریحات اپنے اندر بہت اہمیت رکھتی ہے۔ پھر مختلف علوم وفنون میں یہ تشریحات بدل جاتی ہیں اور ان کی مخصوص تشریح کے بغیر وہ علوم وفن ذہن نشین نہیں ہو سکتے۔ صرف اصطلاح کے معنی بیان کر دینا کافی نہیں ہو سکتے۔

تحلیل کے معنوں کے لحاظ سے ''فیروز اللغات'' فارسی بیان کرتی ہے کہ ''(ع) ① اجزا کا کھول دینا ② حل کرنا ③ کہیں اترنا ④ اتارنا ⑤ گلا کر کسی شے کو فنا کرنا ⑥ نیچا کر دینا ⑦ حلال کرنا ⑧ طلاق والی عورت سے اس لئے نکاح کرنا کہ وہ اپنے پہلے خاوند پر حلال ہو جائے ⑨ علم معمہ کی اصطلاح میں کسی لفظ کے دو یا زیادہ حصے کر کے ہر حصے سے ایک معنی لینا اور بعض جگہ کسی کو اپنے معنوں ہی پر قائم رکھنا''۔ فیروز اللغات سے اس کی دونوں صورتیں سامنے آجاتی ہیں، لفظ کے معنی بھی اور مختلف علوم وفنون میں مختلف معنی بھی سامنے آجاتے ہیں۔ بہر حال تحلیل کے معنی حل کرنا اور گلا کر کسی شے کو فنا کرنا بہت حد تک تحلیل کو ذہن نشین کر دیتے ہیں۔

ایک مغالطہ

طبی اور فنی حیثیت سے تحلیل کے معنی حل کرنا اور گلا کر کسی شئے کو فنا کر کے بھی اگر ذہن نشین کر لئے جائیں تو پھر یہ مغالطہ پیدا ہوتا

ہے، ان افعال والی اشیاء واغذیہ اور ادویہ ضرور گرم ہونی چاہئیں۔ لیکن ایسی اشیاء واغذیہ اور ادویہ جو سرد بلکہ انتہائی سرد بھی ہیں جیسے کافور، کاسنی اور مولی وغیرہ کو بھی محلل لکھا ہے جب کہ دوسری طرف انتہائی گرم اشیاء واغذیہ اور ادویہ بھی مرقوم ہیں جیسے آک، ارنڈ اور مکو وغیرہ۔ گویا مختلف ادویہ کے ساتھ مختلف امزجہ درجات کی ادویہ بھی محلل ہوسکتی ہیں۔ بس یہی وہ حقائق ہیں جن کا سمجھنا اور سمجھانا بے حد ضروری ہے، اس کو سمجھ لینے کے بعد علاج میں بے حد آسانیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔

تحلیل کی حقیقت

ظاہری طور پر ہم دیکھتے ہیں کہ کوئی شے کسی شے میں حل ہو جائے تو اس کو تحلیل ہونا کہتے ہیں۔ تحلیل ہونے والی شے کسی محلول میں حل ہو جائے یا خشک شے میں حل ہو جائے۔ گویا وہ اپنا جسم چھوڑ کر دوسرے جسم میں شامل ہو جائے یا تبدیل ہو جائے۔ اسی طرح اس کی ایک صورت یہ ہے کہ کسی شے کو برتن میں رکھ کر آگ پر رکھا جائے اور وہ گل کر محلول بن جائے جیسے گڑ، گندھک اور دھاتیں وغیرہ یا دو اور دو سے زیادہ اشیاء کو ملا کر آگ پر رکھیں اور وہ تحلیل ہو کر ایک جسم بن جائے۔ جیسے نوشادر، نیلا تھوتھا، تانبا اور ٹین وغیرہ۔ یہ سب کیمیائی تحلیل کی صلاحیتیں ہیں۔ اسی طرح اندرونی طور پر جب کوئی غذا یا شے کھائی جاتی ہے تو وہ معدہ کی رطوبت یا حرارت سے تحلیل ہو کر آش جو کی طرح سفید محلول میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ اسی طرح آنتوں میں یہی محلول تحلیل ہو کر ایک اور صورت اختیار کر لیتا ہے۔ پھر یہی محلول جگر میں اس کی حرارت سے تحلیل ہو کر خون بن جاتا ہے۔ پھر یہی خون جہاں جسم میں غذا اور طاقت کا بدل بنتا ہے وہاں پر یہی جسم کے مواد اور سوزش وغیرہ کو تحلیل بھی کرتا ہے۔ اسی طرح ضرورت کے وقت عروق شعریہ کے سروں پر غدود ہیں ان میں تحلیل کر کے رطوبات کا ترشح کرتا ہے، یہ تحلیل بھی خود خون کی حرارت سے ہوتی ہے، یہ سب بھی کیمیائی تحلیل کی صورتیں ہیں۔ ان مسلمہ حقائق سے ثابت ہوتا ہے کہ تحلیل کے لئے حرارت اور خون کی گرمی ضروری ہے۔

ہمارا روزانہ کا یہ بھی مشاہدہ ہے کہ جب جسم میں بیرونی گرمی یا اندرونی حرارت بڑھ جاتی ہے تو پسینہ آ جاتا ہے اور اگر اس کی شدت ہو جائے تو دِل گھبرانے لگتا ہے اور پسینہ میں شدت ہو جاتی ہے۔ یہ بھی ایک قسم کی تحلیل ہے۔ اسی طرح اگر اس گرمی اور حرارت کا اثر گردوں پر اثر انداز ہو جائے تو پیشاب میں زیادتی ہو جاتی ہے اور اگر جگر متاثر ہو جائے تو اسہال شروع ہو جاتے ہیں۔ یہ بھی تحلیل کی صورتیں ہیں۔ اسی طرح اگر دماغ متاثر ہو تو نزلہ زکام اور جسم میں جس قدر بھی رطوبات کا اخراج ہوتا ہے جن میں جریان واحتلام اور سرعت انزال وسیلان خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ گویا یہ سب تحلیل کی صورتیں ہیں جو مختلف مقامات پر مختلف اعضاء میں ہوتی ہیں۔ ان حقائق سے ثابت ہو گیا کہ تحلیل کے لئے جسم میں خون کی حرارت اور بیرونی گرمی کی ضرورت پائی جاتی ہے جس سے انسانی مشین چلتی ہے اور جب یہی حرارت اور گرمی بہت زیادہ کسی مقام پر بڑھ جائے تو نقصان بھی کرتی ہے۔ یعنی وہاں پر تحلیل کرتی ہے۔

روزانہ زندگی میں حرارت وگرمی سے جسم میں جو تحلیل پیدا ہوتی ہے یا خود گرمی کم ہو جاتی ہے تو دونوں کی کمی سے جسم میں طاقت کی کمی محسوس ہوتی ہے اور ان کا بدل غذا اور بیرونی گرمی سے پورا کرتے ہیں۔ اگر اس طرح گرمی اور طاقت پوری نہیں ہوتی تو ادویات کا استعمال بھی کرتے ہیں جن میں گرم مصالحے خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ گویا تحلیل کے لئے حرارت اور گرمی ضروری شے ہے۔ اس کے بغیر تحلیل نہ صرف مشکل ہے بلکہ ناممکن بھی ہے۔ پھر طبی کتب میں سرد اشیاء کو کیوں محلل لکھا ہوا ہے اس کا جواب دورانِ خون ہے۔ یعنی تحلیل تو

اسی مقام پر ہوگی جہاں پر خون کی حرارت یا بیرونی گرمی زیادہ ہوگی۔ جس مقام پر دونوں چیزیں نہیں ہیں، وہاں پر حرارت کے بجائے برودت ہوگی اور تحلیل کی بجائے تسکین ہوگی۔

جاننا چاہئے کہ جو اغذیہ و اشیاء اور ادویہ و زہر جسم انسان میں داخل ہوتے ہیں وہ سب اگر گرم بھی ہوں تو بھی ان سب کے افعال واثرات صرف ایک ہی عضو پر نہیں ہوتے بلکہ مختلف اعضاء پر ہوتے ہیں۔ اسی طرح سرد اغذیہ و اشیاء اور ادویہ و زہروں کے اثرات بھی جسم کے مختلف اعضاء پر ہوا کرتے ہیں۔ اس صورت میں گرم یا سرد شے کا اثر و فعل جس عضو پر ہوگا وہاں پر تحریک ہوگی اور خون اس تحریک کی طرف جائے گا۔ اس طرح جس مقام پر خون اکٹھا ہو جائے گا وہاں پر تحلیل واقع ہوگی۔ مثلاً اگر تحریک دماغ و اعصاب میں ہے تو جگر و گردوں اور غشاء میں خون کی زیادتی ہوگی اور وہاں پر تحلیل ہوگی۔ اسی طرح اگر تحریک جگر و گردوں اور غشاء میں ہوگی تو تحلیل قلب و عضلات میں ہوگی۔ اسی طرح اگر تحریک قلب و عضلات میں ہوگی تو خون کی زیادتی دماغ و اعصاب کی طرف ہوگی اور وہیں تحلیل ہوگی۔ یہ وہ راز ہے جو نظریہ مفرد اعضاء نے حل کیا ہے۔

مقوی

یہ ایک ایسی اصطلاح ہے جس کو علم الادویہ میں بہت کثرت سے استعمال کیا گیا ہے۔ مقوی شے کا مفہوم کیا ہے اور اس کا عمل جسم میں کیسے پیدا ہوتا ہے۔ طبی کتب میں ان کو ذہن نشین کرایا گیا۔ یہ تو ظاہر ہے کہ ہر مقوی شے اپنی طاقت سے باعث تقویت ہوگی۔ لیکن اس امر کا کہیں ذکر نہیں ہے کہ کسی قسم کی شے باعث تقویت ہوگی۔

ہم دیکھتے ہیں کہ طبی کتب میں ہر مزاج و کیفیات اور ہر درجے میں مقوی اشیاء کثرت سے پائی جاتی ہیں۔ بعض اشیاء میں تخصیص بھی کر دی گئی ہے کہ وہ دل یا دماغ یا جگر یا کسی اور عضو کے لئے مقوی ہیں۔ ان میں بعض ایسی بھی ہیں جو تمام جسم کے لئے مقوی لکھی گئی ہیں اور بعض ایسی بھی ہیں جو اعضائے جسم کے لئے مقوی لکھ دی گئی ہیں۔ گویا تینوں اس شے سے تقویت حاصل کرتے ہیں۔ اس مقام سے بھی بڑھ کر جو اشیاء مقوی ارواح لکھی گئی ہیں۔ ان کو پڑھ کر اور بھی حیرت ہوتی ہے اور ارواح بھی تین اقسام کی ہیں۔ ان کا تعلق بھی کسی نہ کسی عضو رئیس کے ساتھ ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک ہی شے تمام ارواح کے لئے مقوی ہو سکتی ہے۔

جسم و اعضائے رئیسہ سے آگے بڑھیں تو ہمیں عجیب عجیب قسم کی مقوی اشیاء نظر آتی ہیں اور حیرت ہوتی ہے کہ حکمائے متقدمین اور متاخرین سے لے کر آج تک جس میں آیورویدک، فرنگی طب اور دیگر چھوٹی بڑی طبیں شریک ہیں ان میں مقوی شش و مقوی معدہ، مقوی امعاء، مقوی مثانہ اور مقوی باہ وغیرہ اشیاء، اغذیہ، ادویہ اور زہر نظر آتی ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ ان اعضاء کے لئے کوئی بھی ایسی غذا، دوا، زہر اور شے نہیں ہے جو ان کے لئے مقوی ہو۔ کیونکہ اعضاء مفرد نہیں بلکہ مرکب ہیں اور ان کی ترکیب اور بناوٹ میں اعصاب و عضلات اور غدد شریک ہیں۔ ظاہر ہے کہ کسی مرکب عضو کی کمزوری میں کسی ایک عضو میں ہی کمزوری ہوگی۔ اسی مفرد عضو کی تقویت کے لئے مقوی دوا کی ضرورت ہے۔ اگر بغیر تخصیص کے کوئی مقوی دوا استعمال کر دی گئی تو ظاہر ہے کہ وہ اسی مفرد عضو کے لئے باعث تقویت ہو جو پہلے ہی تیزی اور شدت سے کام کر رہا ہو تو ظاہر ہے کہ اس میں اور بھی تیزی اور شدت پیدا ہو جائے گی۔ ظاہر ہے کہ اس مفرد عضو کی تیزی کی وجہ سے جس مفرد عضو کے فعل میں سستی اور سکون ہوگا

وہاں پر اور بھی مزید سستی اور سکون پیدا ہو جائے گا۔ نتیجہ میں اس مرکب عضو میں بجائے تقویت کے مزید کمزوری اور تفریط پیدا ہو جائے گی۔ اس کو اس طرح سمجھا جا سکتا ہے کہ مرکب اعضاء کے کسی ایک مرکب عضو کی کمزوری کا باعث گرم کیفیت یا گرم خلط کی وجہ سے کمزوری ہے مگر وہاں پر تقویت کے لئے سرد کیفیت یا سرد خلط کی دوا مقوی خیال کرتے ہوئے دے دی گئی ہے تو یقینی امر یہ ہوگا کہ وہاں تقویت کے بجائے کمزوری ہوگی۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ہر مقوی غذا، دوا، زہر اور شے کے مزاج اور اخلاط کتب میں بیان ہیں جن کا علاج اور نسخہ نویسی میں خیال رکھنا از حد ضروری ہے۔ صرف مقوی ہونا کافی نہیں ہے۔ لیکن دیکھنے میں یہ آیا ہے کہ مقوی کا ہونا کافی سمجھ لیا جاتا ہے۔ بلکہ بالخاصہ کو بھی بغیر مناسب اور صحیح کیفیت خلط کے استعمال کرنا نقصان ہے۔

اسی طرح یہ بھی ذہن نشین رکھیں کہ کوئی غذا، دوا، زہر اور شے کسی بھی مرکب عضو کے لئے تقویت کا باعث نہیں ہو سکتی۔ یقیناً وہ اس مرکب عضو کے مفرد عضو عصب و عضلہ اور غدود کے لئے ہی مفید ہوگی۔ یہ اب حکماء، معالج اور صاحب علم و اہل فن کا فرض ہے کہ وہ مقویات کو بالمفرد اعضاء کی تشخیص کے بعد یا بالکیفیات یا بالا خلاط (گرم، سرد، تر اور خشک۔ خون، صفرا، سودا اور بلغم) کی تخصیص کے ساتھ استعمال کرائیں، ورنہ کوئی مقوی دوا، غذا، زہر اور شے مقوی نہ ہوگی بلکہ نقصان رساں ہوگی۔

مقوی کے غلط استعمال کی ایک صورت اور سمجھ لیں تاکہ مقویات کے فوائد کی بجائے نقصان نہ برداشت کرنا پڑے۔ مثلاً دودھ ایک مقوی غذا ہے مگر جن کے جسم میں نزلہ، رطوبت اور سکون قلب ہو یعنی جن کے اعصاب و دماغ میں تیزی اور بلغم میں زیادتی ہو ان کو نقصان دیتا ہے اور کمزوری پیدا کرتا ہے۔ اسی طرح گوشت ایک مقوی غذا ہے مگر جن کے جسم میں ترشی و تیزی ہو اور جگر میں سکون ہو یعنی عضلات قلب میں تیزی اور ریاح کی زیادتی ہو تو ان کو نقصان دے گا اور کمزوری کرے گا۔ بالکل اسی طرح گھی ایک مقوی دوائے غذائی ہے لیکن جن کے جسم میں حرارت و بے چینی ہو اور اعصاب میں سکون ہو یعنی جگر و غدد میں تیزی ہو اور صفرا کی زیادتی ہو تو نقصان دے گا اور کمزور کردے گا، وغیرہ وغیرہ۔ یاد رکھیں! جس طرح مرض کی تشخیص کے بغیر علاج ناممکن ہے بالکل اسی طرح صحیح مقویات کی تجویز کے بغیر صحت بہت مشکل ہے۔

مقوی کی حقیقت

جب جسم میں کوئی مقوی غذا و دوا اور زہر و شے استعمال کی جاتی ہے تو وہ جسم کے اس مخصوص مفرد عضو میں ہلکی ہلکی تحریک پیدا کرتی ہے جس سے وہاں پر انقباض پیدا ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ جس سے اس عضو میں یہ استعداد پیدا ہوتی ہے کہ وہ خون میں سے اپنی ضرورت کے اجزا اور غذا جذب کرنا شروع کر دیتا ہے جس سے اس کے جسم میں نمو اور تقویت پیدا ہونا شروع ہو جاتی ہے۔ مقویات کی خصوصیات میں خاص خوبی یہ ہے کہ وہ اس قدر ہلکے ہلکے عمل کرے وہ خون میں سے اپنے اجزاء اور غذا جذب کرنا شروع کر دے اور اس کے عمل اور تحریک میں تیزی پیدا ہوگی تو تقویت کا مقصد حاصل نہیں ہوگا۔ بلکہ وہ تحریک بن جائے گا جو مفید ہونے کی بجائے مضر ہوگا۔

مقویات و محرکات کا فرق

مقویات کا عمل اس قدر ہلکا اور لطیف ہوتا ہے کہ عضو رفتہ رفتہ خون کو جذب کرتا ہے اور اس کے برعکس تحریک وہاں پر اس قدر شدت و تیزی اور سوزش پیدا کر دیتی ہے کہ خون وہاں پر خود جانا شروع ہو جاتا ہے جس سے وہاں پر خون کی زیادتی ہو کر تحلیل شروع ہو جاتی ہے۔

مقویات کی زیادتی

جو لوگ طاقت کو جلد حاصل کرنے کے لئے مقویات کو زیادہ سے زیادہ مقدار میں استعمال کرنا شروع کر دیتے ہیں وہ غلط فہمی میں مبتلا ہوتے ہیں، کیونکہ مقویات ضرورت اور اندازہ سے زیادہ استعمال کی جائیں تو بجائے مقویات کے محرکات بن جاتی ہیں اور تحلیل پیدا کر کے ضعف کا باعث ہوتی ہیں۔

فرنگی طب کی غلط فہمی

فرنگی طب میں مقویات کے استعمال میں یہ غلط فہمی پائی جاتی ہے کہ وہ جب مقویات مثلاً کیلشیم (چونا)، فیرم (فولاد)، فاسفیٹس (فاسفورس) استعمال کراتے ہیں تو وہ زیادہ سے زیادہ استعمال کرتے ہیں تو ان کی زیادتی کے نقصان کو مدنظر نہیں رکھتے اور ان کے مقوی و محرک افعال کے فرق کا تو ان کو علم ہی نہیں ہے۔ ایک مثال اس طرح سمجھ لیں کہ کسی مریض کو چونا و فولاد یا کوئی اور مقوی شے استعمال کرائیں لیکن جب تک وہ شے جسم میں جذب نہ ہو تو وہ تقویت کیسے دے گی۔ جذب اسی صورت میں ہوسکتی ہے کہ وہاں کے اعضاء میں ہلکے اور لطیف عمل سے جذب کرنے کی استعداد پیدا کی جائے ورنہ اس شے کی زیادتی کبھی مفید نتائج پیدا نہیں کرسکتی۔ جو فرنگی ڈاکٹر دِن رات مریضوں کو کیلشیم اور فولاد استعمال کراتے ہیں کبھی انہوں نے یہ بھی غور کیا ہے کہ ہماری روزانہ غذا میں کس قدر چونا اور فولاد شامل ہوتا ہے مگر اعضاء کا ضعف ان کو جذب نہیں کرسکتا جیسے ایک بچہ بڑے آدمی کی غذا ہضم نہیں کرسکتا۔ مقویات کی زیادتی کے بجائے مقویات کے جذبات کی استعداد پیدا کرنا صحیح علاج ہے۔

تقویت اور تحلیل میں فرق

ہم اوپر لکھ چکے ہیں کہ مقویات کی زیادتی جسم میں تحریک بن جاتی ہے جس سے وہاں پر زیادہ سے زیادہ اجتماع ہو جاتا ہے اور وہاں پر خون کی گرمی سے تحلیل شروع ہو جاتی ہے۔ یاد رکھیں کہ مقویات طاقت دیتی ہیں اور محرکات سے تحلیل کا خطرہ ہے جس کے بعد ضعف پیدا ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ بعض معالج یہ شکایت کرتے ہیں کہ مریض کو جس قدر طاقت کی غذا دیتا ہے وہ کمزور ہوتا جاتا ہے۔ ذہن نشین کر لیں کہ اگر مقویات کی زیادتی سے طاقت پیدا ہوتی تو امیر، رئیس اور نواب زادے کبھی کمزور نہ ہوتے اور ان کو کبھی ضعف اور ہارٹ فیل نہ ہوتا۔ یاد رکھیں کہ مقویات کی زیادتی تحلیل اور ضعف پیدا کر دیتی ہے اور انہیں سے ہارٹ فیل ہوتا ہے۔

مقویات اور ایک دوسرا زاویہ نگاہ

مقویات کے لئے عام طور پر یہی خیال اور تصور کیا جاتا ہے کہ وہ اس مخصوص عضو اور خلط میں تیزی اور زیادتی پیدا کرتی ہے لیکن جب کسی عضو اور خلط میں زیادتی پائی جائے تو یقیناً ایسی مقویات جو ان کے افعال و مواد میں کمی یا اعتدال پیدا کر دیں وہ بھی ان کے لئے مقوی بن سکتی ہیں۔ مثالیں درج ذیل ہیں۔

مقوی اعضائے رئیسہ

ایسی ادویہ اور اغذیہ جو اعضائے رئیسہ (دِل، دماغ اور جگر تینوں کے لئے بیک وقت مقوی ہیں) کے لئے مقوی ہیں۔ جیسے زعفران، مشک، عنبر، مروارید، زمرد، زہر مہرہ، گاؤزبان اور گاجر وغیرہ ان کو اطباء نے مقوی اعضائے رئیسہ لکھا ہے لیکن بعض نے اس خیال کو

صحیح نہ سمجھتے ہوئے ساتھ یہ لکھ دیا ہے کہ اگر بنظرِ تحقیق دیکھا جائے تو ان ادویہ کی زیادہ خصوصیت ایک ایک عضو کے ساتھ ہے جس سے بالعرض دوسرے عضو بھی متاثر ہوتے ہیں۔ لیکن یہ سب کچھ بالکل حقیقت کے خلاف ہے۔ کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ زعفران مقوی جگر، مشک مقوی دماغ اور عنبر مقوی قلب ہے۔ اسی طرح مروارید، زمرد اور زہر مہرہ وغیرہ تمام مقوی قلب ہیں۔ یہ دماغ اور جگر کے لئے مقوی نہیں ہیں۔ اسی طرح گاجر اور گاؤزبان مقوی دماغ ہیں، یہ مقوی قلب نہیں ہیں۔ جیسا کہ روزانہ اطباء ان کو مقوی قلب استعمال کرتے ہیں۔ البتہ ان کو مفرح قلب دے سکتے ہیں جس کی صورت صرف یہ ہو سکتی ہے کہ جگر میں تیزی اور خون میں صفراء کی زیادتی ہو جس سے قلب میں تحلیل اور ضعف پیدا ہو رہا ہو تو اس وقت گاؤزبان اور گاجر، جو مقوی دماغ و اعصاب ہیں دوران خون کو دل سے کھینچ کر نہ صرف دماغ کی طرف کر دیتے ہیں بلکہ صفراء کو بے حد کم کر دیتے ہیں جس سے مفرح قلب کی صورت پیدا ہو جاتی ہے۔

ان حقائق سے ثابت ہوا کہ کسی عضو کے فعل میں کمی پیدا کر کے اس میں اعتدال پیدا کرنے سے بھی مقوی صورت پیدا ہو جاتی ہے۔

مقوی و مفرح کا فرق

جب طبی کتب میں مفرح ادویہ و اغذیہ پر نظر پڑتی ہے جو مفرح قلب کے لئے استعمال کی جاتی ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ مفرح قلب کے لئے ہونی چاہئیں۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ طبی کتب میں اور اطباء کے معمول میں بھی مفرح مقوی قلب کی صورت میں دیئے جاتے ہیں۔ یعنی قلب کے فعل میں تیزی پیدا کرنا مقصود ہوتا ہے۔ یہ غلط ہے کہ ہر مفرح مقوی دماغ اور اعصاب ہوتا ہے جس سے قلب کی طرف دوران خون اور حدت کم ہو جاتی ہے اور وہاں پر سکون پیدا ہو جاتا ہے یا اعتدال پیدا ہو کر تقویت پیدا کر دیتا ہے۔ اس لئے کسی مفرح قلب شے کو مقوی قلب سمجھ کر استعمال نہیں کرنا چاہئے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض لوگ تقویت کی خاطر زیادہ سے زیادہ مفرح قلب اشیاء استعمال کرتے ہیں، لیکن اس میں فائدہ کی بجائے نقصان ہوتا ہے۔

اس حقیقت سے یہ امر ذہن نشین کر لیں کہ دِل و دماغ اور جگر تینوں کے لئے مقوی ادویہ اور اغذیہ جدا جدا ہیں۔ کوئی ایک دوا و غذا تینوں اعضائے رئیسہ کے لئے کبھی مقوی نہیں ہو سکتیں۔ پھر مختلف ادویہ اور اغذیہ کو بیک وقت مقوی اعضائے رئیسہ سمجھتے ہوئے ایک نسخہ میں بھر دینا نہ صرف علم و فن طب سے ناواقفی بلکہ ظلم ہے۔

مقویات باہ

ایسی ادویہ اور اغذیہ جو قوت باہ کو طاقت دیتی ہیں ان کے متعلق بھی بہت حد تک یہ اندازہ کر لیا گیا ہے کہ یہ تمام کی تمام بالذات مقوی باہ ہیں اور جن کو بالعرض بھی مقوی باہ خیال کیا جاتا ہے ان میں بھی یہ یقین پایا جاتا ہے کہ بہر حال وہ مقوی باہ ضرور ہیں۔ لیکن یہ خیال اور نظریہ بھی غلط ہے اور حقیقت یہ ہے کہ کوئی بھی دوا و غذا بغیر ضرورت کے مقوی باہ نہیں ہے۔

جاننا چاہیئے کہ قوت باہ کوئی ایسا فعل نہیں ہے جو کسی ایک مفرد عضو کے افعال افراط و تفریط اور قوت سے پیدا ہو بلکہ تمام اعضائے رئیسہ کے صحیح افعال کا نتیجہ ہے۔ اگر ذرا اور وسعت دیں تو پتہ چلے گا کہ جسم کے ہر عضو و ہر نظام اور ہر کیمیائی رطوبت جن میں خون اور منی دونوں شامل ہیں کا نتیجہ ہے۔ پھر ایسی صورت میں کوئی ایک دوا یا مختلف ادویات و اغذیہ بغیر ضرورت کے کیسے مفید ہو سکتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر معالج قوت باہ کی ادویات اور اغذیہ کے زیادہ طلب گار ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس مرض کے علاج میں ناکام ہیں۔ اس میں فن علاج کا قصور نہیں ہے بلکہ فن سے لاعلمی ہے۔ ذیل کی امثال پر غور کریں:

① ستاور، جائفل اور سنبل الطیب (بالچھڑ) تینوں مقوی باہ ادویات میں شریک ہیں۔ تینوں عضلاتی غدی (خشک گرم) یعنی خشک زیادہ گرم کم ہیں۔ یہ تینوں عضوی اور کیمیائی طور پر محرک قلب اور مقوی جگر ہیں۔ ضعف باہ اگر سکون قلب اور ضعف جگر کی وجہ سے ہے تو انتہائی مفید ہے۔

② خولنجاں، سرخ مرچ اور رائی تینوں ادویات مقوی باہ ہیں۔ تینوں غدی عضلاتی (گرم خشک) ہیں یعنی گرم زیادہ اور خشک کم ہیں۔ یہ تینوں عضوی اور کیمیائی طور پر محرک جگر اور مقوی قلب ہیں۔ ضعف باہ اگر سکون قلب اور ضعف جگر کی وجہ سے ہو تو تریاق کا حکم رکھتی ہیں۔

③ زنجبیل، فلفل دراز اور فلفل تینوں مقوی باہ ادویہ میں شریک ہیں۔ تینوں غدی اعصابی (گرم تر) ہیں یعنی گرم زیادہ تر کم ہیں۔ یہ تینوں عضوی اور کیمیائی طور پر محرک جگر اور مقوی اعصاب ہیں۔ ضعف باہ اگر سکون جگر اور ضعف اعصاب کی وجہ سے ہو تو بے حد مفید ہیں۔

④ بھنگ، کنیر اور نک چھکنی یہ تینوں بھی مقوی باہ ادویات میں شریک ہیں، تینوں اعصابی غدی (تر گرم) ہیں۔ یعنی ان میں رطوبت پیدا کرنے کی قوت زیادہ اور حرارت برائے نام پیدا ہوتی ہے۔ اصولاً ایسی ادویات ضعف باہ پیدا کرتی ہیں۔ کیونکہ ہر دوا جو اعصاب میں تحریک یا شدت پیدا کرے وہ ضعف باہ پیدا کرتی ہے، مگر طبی کتب میں اس قبیل سے بھی بہت سی ادویہ مقوی باہ درج ہیں۔ ظاہر تو ان کو مقوی باہ کہنا صحیح نہیں۔ البتہ جب اعصاب میں سکون اور جگر میں ضعف ہو تو ضرور مفید ہو سکتی ہیں۔ لیکن جو لوگ اس راز و رموز سے واقف نہیں ہیں وہ ہمیشہ نقصان اٹھائیں گے۔

⑤ کنجد، خار خشک اور گوند۔ یہ تینوں بھی مقوی باہ ادویات میں شریک ہیں، تینوں اعصابی عضلاتی (تر سرد) ہیں۔ یعنی رطوبت کی زیادتی کے ساتھ سردی۔ جس میں حرارت اور خشکی کا نام ونشان نہیں ہے۔ اصولاً ایسی ادویات کا مقوی باہ ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ البتہ ضعف باہ ضرور پیدا کرسکتی ہیں مگر حیرت ہے کہ یہ ادویات سرعت انزال یا زیادہ سے زیادہ جریان میں استعمال ہو سکتی ہیں۔ اگر اسی حیثیت سے مقوی باہ استعمال کی گئی ہیں تو اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ایک مبتدی ان ادویات کو کس طرح مقوی باہ استعمال کرسکتا ہے۔

⑥ فولاد، اسپند اور قہوہ یہ تینوں بھی مقوی ادویات میں شریک ہیں۔ تینوں عضلاتی اعصابی (خشک سرد) ہیں۔ یعنی سردی کی شدت سے رطوبات خشک ہوگئی ہیں۔ گویا ان میں سردی کی شدت ہے۔ البتہ حکماء نے انتہائی خشکی سردی میں حرارت کی ابتداء کی ہے۔ بہر حال خشک سرد مزاج میں اگر گرمی نہ ہو تو بھی خشکی کی شدت ہوتی ہے جو بلغم کی رطوبت خشک کر دیتی ہے جس سے حرارت بیدار ہوتی ہے جیسے گیلی لکڑی میں رطوبت خشک ہو جائے تو آگ بھڑک اُٹھتی ہے۔ ایسی ادویات باہ کے بجائے جریان کے لئے زیادہ مفید ہیں۔ اگر ضعف باہ کا سبب جریان ہو تو ان کے مفید ہونے میں کوئی شک نہیں ورنہ ایسی ادویات کے استعمال سے قوت باہ میں خاطر خواہ فوائد حاصل نہیں ہوتے۔

یہ ہیں مقوی باہ ادویات کے اسرار و رموز، جو ہم نے مختصر طور پر بیان کئے ہیں۔ جن میں صرف تین تین ادویات مثال کے طور پر بیان کر دی ہیں، ورنہ مقوی باہ ادویات کے علاوہ زہر بھی شریک ہیں۔ جیسے کچلا، سنکھیا، پارہ اور بلادر وغیرہ جو مختلف تحریک میں دینے چاہئیں۔ مگر ہم کو اکثر ایک ہی نسخے میں نظر آتے ہیں۔ اسی طرح اغذیہ میں بھی آم، اخروٹ، بادام، بیضہ مرغ، چنا، خرما، گاجر، مغز پستہ، مغز

چلغوزہ اور دیگر مغزیات وغیرہ یہ سب مقوی باہ اغذیہ میں شریک ہیں لیکن سب کے مختلف مقام ہیں۔ لیکن افسوس ان کے استعمال میں کوئی امتیاز نہیں کیا جاتا۔ یہ مثال کے طور پر پیش کیئے گئے ہیں۔ ورنہ طبی کتب مقوی دماغ، مقوی قلب، مقوی جگر، مقوی طحال، مقوی خون، مقوی بصر، مقوی دنداں، مقوی معدہ وامعا اور مقوی مثانہ وغیرہ سے بھری پڑی ہیں۔ یہ ایک ایسا خس وخاشاک ہے جب تک اس کو دور نہ کیا جائے طب یونانی کی صحیح صورت کا نظر آنا مشکل ہے۔

جناب حکیم قاضی نور احمد صاحب جو ہمارے پرانے محب اور تقریباً پینتیس، چالیس سالوں کے ساتھی ہیں، گزشتہ دنوں ملنے کے لئے تشریف لائے اور فرمانے لگے کہ آپ نے اصطلاحات طبیہ کی تشریحات جن مفید وموثر انداز میں کی ہیں گزشتہ ہزاروں سالوں کی کتب میں کہیں نظر نہیں آئیں۔ ان کو پڑھ کر دل بہت خوش ہو گیا ہے اور بہت ساری غلط فہمیاں دور ہو گئی ہیں۔ اسی طرح دیگر اصطلاحات کی تشریحات کر دی جائیں تو علم وفن طب بہت آسان ہو جائے گا۔ کیونکہ علم وفن طب کو اصطلاحات کے بغیر ذہن نشین کرنا نہ صرف مشکل ہے بلکہ ناممکن بھی ہے۔ ساتھ ہی انہوں نے کہا کہ ''مقوی'' کی طرح ''اکسیر'' اور ''تریاق'' کے بارے میں بھی حکما اور اطباء میں بہت سی غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں۔ ان کی تشریح بھی انتہائی ضروری ہے۔ میں نے جواب دیا کہ ان کو کتاب ''تحقیقات فارماکوپیا'' میں بیان کر دیا گیا ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ وہ اشارات ہیں تشریح کی ضرورت ہے۔ میں نے جواباً کہا کہ مکمل تشریح جو امثال کے ساتھ دی جائے بے حد باعث طوالت ہوں گی البتہ بعض پہلوؤں پر روشنی ڈال دی جائے گی۔ سو ''اکسیر'' اور ''تریاق'' کی حقیقت درج ذیل ہے۔

اکسیر اور تریاق

علم وفن طب میں صحیح تشخیص کے بعد صحیح تجویز کسی طرح ''اکسیر اور تریاق'' سے کم نہیں ہیں۔ لیکن پھر بھی ''اکسیر اور تریاق'' کا ایک مقام ہے۔ اگر ان کی صحیح تجویز ہو تو نہ صرف مرض دور ہو جاتا ہے بلکہ ان سے اعضاء کی پرانی سوزش اور خون کے کیمیائی زہر فوراً ختم ہو جاتے ہیں۔ فرنگی طب میں ''اکسیرات وتریاقات'' کا وہ تصور نہیں ہے جو طب قدیم میں پایا جاتا ہے۔ فرنگی طب میں اکسیرات و تریاقات کا ذکر ضرور ہے۔ وہ ان کو ''الکزر'' اور ''اینٹی ڈوٹ'' کا نام دیتے ہیں لیکن ان سے ان کی مراد صرف بہترین دوا اور دافع زہر دوا یا زیادہ سے زیادہ دافع جراثیم (اینٹی سپٹک) دوا کے ہیں۔ مگر ان کے حقیقی خواص سے بے علمی ہے۔

اکسیر دوا کے اثرات

اکسیر دوا کا مفہوم یہ نہیں ہے کہ فوری اور وقتی طور پر کسی مرض کو روک دیا جائے۔ جیسے افیون و بھنگ اور دیگر مخدرات ومنشیات کے استعمال سے فوری اور وقتی طور پر درد جلن اور بے چینی کو ختم کر دیا جاتا ہے یا محرکات کے استعمال سے دورانِ خون کو تیز کر دیا جاتا ہے جس طرح فرنگی طب میں دِن رات انجکشنوں میں ایسی ادویات کا استعمال کیا جا رہا ہے۔ طبی دُنیا پورے طور پر اس امر سے واقف ہو گئی ہے کہ فوری اور وقتی علاج بھی حقیقی علاج ثابت نہیں ہوگا بلکہ ایسے علاج کے بعد جب ردِّ عمل شروع ہوتا ہے تو پہلے کی نسبت نہ صرف مرض زیادہ ہو جاتا ہے بلکہ ضعف جسم بھی واقع ہو جاتا ہے۔

علامہ علاؤالدین قرشی لکھتے ہیں کبھی دوا بطی النفوذ ہوتی ہے اس لئے اس کے ساتھ ایسی دوا ملانے کی ضرورت ہوتی ہے جو اس کو سریع النفوذ بنا دے جس کی دو صورتیں ہیں۔

① کسی دوسری دوا کی آمیزش سے اس کی قوت نفوذ عام طور پر بڑھ جائے جس میں کسی عضو کی تخصیص نہ ہو۔ مثلاً کسی غلیظ القوام اور بطی النفوذ چیز کے ساتھ کسی لطیف اور مغلظ چیز کا ملا دینا۔

② کسی دوسری دوا کی وجہ سے کسی خاص عضو کی طرف اس کی قوت نفوذ تیز ہو جائے یا کسی خاص عضو کی طرف اس کا میلان بڑھ جائے۔ مثلاً مدر ادویہ کے ساتھ ذراریح و تیلنی مکھی کا شامل کرنا وغیرہ جاننا چاہئے کہ ادویہ کا جسم میں نفوذ کرانا ایک اہم امر ہے۔ لیکن اکسیر دوا کے لئے صرف اس قدر کافی نہیں ہے۔

اکسیر دوا کا صحیح مفہوم

اکسیر دوا کو کیمیائے حیات کہا جائے تو زیادہ بہتر ہے۔ آیورویدک میں اس کو رسائن کہتے ہیں جس کے معنی ایسی دوا کے ہیں جس سے جوانی واپس لوٹ آئے یا اس میں ایسی قوت ہو جو کسی دھات کو صاف کر کے فوراً سونے میں تبدیل کر دے۔ ایسی طاقت کی دوا جسم کے تمام سوزشی اور مجرم امراض کو جسم سے دور کر دیتی ہے بس ایسی دوا اکسیر ہو سکتی ہے۔ اکسیر دوا میں تین خوبیاں لازمی ہونا چاہئیں: ① برقی اثر ② جاذب اثر ③ دائمی اثر۔

جاننا چاہئے کہ برقی اثر کی صورت یہ ہے کہ وہ اپنے اثر میں نہ صرف برق رفتار ہو بلکہ جسم میں برقی رو پیدا کر دے تاکہ خلیات میں دور تک پہنچ جائے۔ جاذب اثر کا مقصد یہ ہے کہ دوا استعمال کرنے کے فوراً بعد جسم میں خود بخود جذب ہو کر جسم کے خلیات تک پہنچ جائے اور ساتھ ہی فوراً خون اور رطوبات کو اپنی طرف جذب کرنے کی کوشش کرتا رہے۔ دائمی اثر سے مراد یہ ہے کہ استعمال کے بعد اس کا اثر فوری طور پر ختم نہ ہو جائے بلکہ کافی مدت تک اس کا اثر جسم میں جاری رہے۔ اکسیر دوا کا صحیح استعمال یہ ہے کہ پرانی و پیچیدہ امراض اور مجرم و مسترخی اعضاء کے درست کرنے میں استعمال کرنی چاہئیں ان سے نہ صرف خلیات و انسجہ اور اعضاء کے افعال صحیح ہونا شروع ہو جاتے ہیں، بلکہ خون میں کیمیائی طور پر صحت مند اثر پیدا ہو جاتا ہے۔ اکسیرات کی یہ وہ خوبی ہے جو فرنگی طب میں نہیں پائی جاتی۔ جو غذا و دوا اور زہر کا فرق سمجھتے ہیں، وہ اکسیری دوا کا صحیح اندازہ کر سکتے ہیں۔

دوائے تریاق

شیخ الرئیس لکھتے ہیں کہ ''یہ واضح رہے کہ تریاق جیسی بعض مفید دواؤں کے کچھ آثار وافعال ان کے مفردات (اجزاء) کے لحاظ سے ہوتے ہیں اور کچھ آثار و اعمال ان کی صورت نوعیہ کی وجہ سے ہوتے ہیں جو (مرکب میں ترتیب و آمیزش کے بعد پیدا ہو جاتے ہیں) اسی صورت نوعیہ کے حصول کے لئے ایک مدت تک تریاق کے اجزا کو خمیر کیا جاتا ہے تاکہ اس جدید مزاج کی وجہ سے تریاق کے اجزا میں سے آثار وقوی کھینچ کر آ جائیں جو بعض اوقات مفردات کے آثار سے بڑھ کر ہوتے ہیں۔ اس لئے ان لوگوں کی بات پر کان نہیں دھرنا چاہیے جو اس طرح کہا کرتے ہیں کہ تریاق یہ کام سنبل کی وجہ سے کرتا ہے اور یہ کام (مرکی) کی وجہ سے انجام دیتا ہے۔ بلکہ صداقت یہ ہے کہ اس کے عمل کی صورت وہی ہے جو اوپر بیان کی گئی ہے۔ یعنی وہ اپنے جدید مزاج کی وجہ سے عمل کرتا ہے۔ تریاق میں تاثیرات کے لحاظ سے اصل وعمود اور ستون تریاق کی صورت نوعیہ ہے جو ترکیب کے بعد اتفاقاً پیدا ہو گئی ہے اور تجربہ سے شاندار اور مفید ثابت ہوتی ہے۔ اس کے آثار کیوں ہیں اور اس کی صورت نوعیہ کو ان کے افعال سے کیا مناسبت ہے۔ واضح طور پر اس کا بتانا اور سمجھنا ہمارے لئے مشکل ہے۔

شیخ الرئیس نے جو یہ لکھا ہے کہ تریاق ''سنبل اور مر'' یا کسی خاص دوا کا نام نہیں ہے۔ یہ بالکل صحیح ہے لیکن یہ بھی صحیح نہیں ہے کہ ہر تریاق میں ایک خاص قسم کے جدید مزاج سے عمل کرتا ہے اور یہ صورت نوعیہ اتفاق سے پیدا ہو جاتی ہے اور آخر میں اس کی حقیقت سے لاعلمی کا اظہار کر دیا ہے۔ لطف یہ ہے کہ ان کی دونوں باتیں ایک دوسرے کے مخالف ہیں۔

تریاق کی حقیقت

تریاق سے حقیقی مراد ایسی دوا و غذا اور زہر ہے جس کے استعمال سے اس کے مخالف مقابل زہر و مزاج اور مخصوص اثرات باطل اور ختم ہو جائیں جیسے ترشی کا اثر کھار سے باطل ہو جاتا ہے اور اسی طرح اس کے برعکس ہوتا ہے یا افیون کا اثر کچلہ سے باطل ہو جاتا ہے اور اسی طرح اس کے برعکس عمل ہوتا ہے اسی طرح دیگر زہروں کے متعلق ہے۔

جب ایک مزاج دوسرے مزاج کو توڑتا ہے۔ تو یہ بھی تریاق کی صورت نوعیہ میں شامل ہے۔ ان کے علاوہ کسی زہر کے لئے تریاق تیار بھی کیا جا سکتا ہے۔ یہ اس کی خاص صورت نوعیہ ہوتی ہے جیسا کہ شیخ الرئیس نے لکھا ہے۔ مگر ہر دوا کے لئے یہ شرط ضروری نہیں ہے۔

تریاق کا استعمال

تریاق کے استعمال میں ہمیشہ احتیاط کرنی چاہئے۔ ہر خوراک کے بعد جسم کا اچھی طرح معائنہ کرنا چاہئے۔ کیونکہ یک لخت ایک مزاج ختم ہو جانے سے ضعف واقع ہو جاتا ہے اور کبھی ایک زہر ختم ہو کر دوسرا زہر پیدا ہو جاتا ہے۔ بعض دفعہ تریاق سے فوراً موت واقع ہو جانے کا خطرہ لاحق ہو جاتا ہے۔ فرنگی طب میں جو انجکشن خاص طور پر پنسلین کے انجکشن دیئے جاتے ہیں ان سے شب و روز جو اموات واقع ہو رہی ہیں اس کی بھی بالکل یہی وجہ ہے کہ مرض کی قوت ختم ہو جانے کے بعد انسانی قوت بھی ختم ہو جاتی ہے۔

تیز اور سوزشی ادویہ

زہر اور سمی ادویات کی طرح تیز اور سوزش پیدا کرنے والی ادویات بھی ہوتی ہیں۔ ایسی ادویات زہر و سمیات تو نہیں ہوتیں مگر ایسی ادویات اندرونی اور بیرونی طور پر استعمال کریں تو وہ جسم میں جلن پیدا کر دیتی ہیں یا جسم کو جلا دیتی ہیں یا جسم کو کھا جاتی ہیں۔ مگر ایسی ادویہ کی اصطلاحات کو بالکل سمجھانے کی کوشش نہیں کی گئی۔ صرف ان اصطلاحات کے معنی لکھ دیئے گئے ہیں۔ حیرت یہ ہے کہ اصطلاح کے تحت مختلف مزاج اور کیمیائی ادویات لکھ دی گئی ہیں۔ طالب علم بے چارہ تو کیا ان میں تمیز کرے گا جدید اطباء بھی ان کو نہیں سمجھ سکتے پھر وہ بھلا ان میں ہم آہنگی کیسے کر سکتے ہیں۔ مثلاً ① اکال ② جالی ③ حالق ④ مبشرات ⑤ حکاک ⑥ قاشر ⑦ کاوی ⑧ لاذع ⑨ محمر ⑩ مخشن ⑪ معطش ⑫ مقرح ⑬ منفط، وغیرہ وغیرہ۔

ان تمام اصطلاحات میں اکثر کے افعال و اثرات ایک ہی قسم کے ہیں۔ البتہ ان میں بعض اصطلاحات اپنی قوت کی شدت اور بعض قوت کی کمی کے لئے بولی جاتی ہیں۔ لیکن حیرت کی بات یہ ہے کہ ان تمام اصطلاحات کے ذیل میں ایسی مختلف ادویات استعمال کی گئی ہیں جو مزاج و اخلاط اور اعضاء پر اثر انداز ہونے کے اعتبار سے باہم کوئی تعلق نہیں رکھتیں۔ اس لئے طالب علم اصولی اور قانونی طور پر ان کے سمجھنے میں اکثر پریشان رہتا ہے۔ اب ذرا ان پر غور کریں، ہم ان کو اس انداز میں بیان کریں گے کہ ان کے افعال و اثرات ان کی قوت کا

بھی اندازہ ہوسکے۔اس طرح ان کا فرق بھی سمجھا جاسکتا ہے۔

محمر نمبر۹

(سرخ کردینے والی دوا) وہ ادویات جب ان کو جسم پر لگایا جائے اور جس جگہ لگایا جائے وہاں پر خون کی آمد کو بڑھا دیں۔جس سے جلد یا جسم کی رنگت سرخ ہوجاتی ہے۔ادویات کے افعال واثرات میں یہ یقین کرلیا گیا ہے کہ وہاں کے عروق پھیل جاتے ہیں اور وہاں پر خون زیادہ آنے لگتا ہے۔اس مقصد کے لئے بہت سی ادویات ہیں لیکن چند بطور نمونہ درج ذیل ہیں: ① کافور، ہینگ، مولی اور تھوہر۔ ② سرکہ، خردل، پیاز اور لونگ۔ ③ پودینہ، لہسن، بیروزہ اور جمال گوٹہ۔

ہم نے ان تینوں نمبروں میں تین اقسام کی ادویات سرد مزاج وبلغم پیدا کرنے والی اور کم قوت والی ادویات سے لے کر گرم مزاج وصفراء پیدا کرنے والی ادویات اور انتہائی شدید قوت والی ادویات لکھ دی ہیں تا کہ ان کے افعال واثرات آسانی سے ذہن نشین ہوسکیں۔ غور کرنے والی بات یہ ہے کہ

① میں سرد اور گرم دونوں قسم کی ادویات درج ہیں۔لیکن ان سب کے استعمال سے جسم میں رطوبت کثرت سے پیدا ہوتی ہے۔ان کو اعصابی کہتے ہیں۔غور کریں کہ کافورو ہینگ اور مولی وتھوہر ظاہر میں کس قدر مختلف ادویہ ہیں۔لیکن تمام محرک اعصاب ہیں، خیر یہ تو سب اعصابی ہیں۔ان کے اثرات وافعال ایک ہی قسم کے ہوسکتے ہیں، لیکن جب ہم نمبر (۲) کی ادویات کو دیکھتے ہیں جس میں سرکہ وخردل اور پیاز ولونگ شامل ہیں، یہ تمام رطوبات کو خشک کرنے والی ہیں۔ان میں سرد اور گرم دونوں قسم کی ادویات شامل ہیں۔ان کے استعمال سے بھی جلد سرخ ہوجاتی ہے۔لیکن

② کی تمام ادویات اعصابی نہیں ہیں بلکہ عضلاتی ہیں۔یعنی ان کے اثرات سے دل اور عضلات کے افعال تیز ہوجاتے ہیں۔یاد رکھیں جو ادویات عضلات کے افعال کو تیز کردیں وہ اعصاب میں تحلیل پیدا کردیتی ہیں۔خیر ان کے اثرات وافعال بھی تسلیم کر لیتے ہیں کہ ان کے اعصاب میں دورانِ خون زیادہ ہوجاتا ہے۔لیکن اب

③ پر غور کریں، اس میں پودینہ، لہسن اور بیروزہ وجمالگوٹہ شامل ہیں۔اس میں بھی کم طاقت سے انتہائی طاقت والی ادویات ہیں۔ لیکن مزاج میں گرمی اور صفرا پیدا کرنے والی ہیں۔ان سب کا اثر جگر (غدد) پر ہوتا ہے۔جب ادویات جگر (غدد) پر اثر انداز ہوتی ہیں تو اعصاب میں سکون ہوتا ہے، یعنی وہاں پر دورانِ خون کم ہوجاتا ہے۔

ان حقائق پر غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ ہماری اصطلاحات کو پورے طور پر سمجھنے کی کوشش نہیں کی ہے بلکہ دوا کے ظاہر اثرات کو سامنے رکھ کر ان کے ظاہر افعال لکھ دیئے گئے ہیں۔جب طالب علم ان متضاد ومختلف مزاج واخلاط اور اعضاء وکیمیائی اثرات والی ادویات کو دیکھتا ہے اور ان کو ایک ہی اصطلاح کے تحت سمجھنے کی کوشش کرتا ہے تو یقیناً حیران ہوتا ہے ایسے ہی مقام ہیں جہاں سے حقیقی علم ذہن نشین نہیں ہوتا اور طالب علم شکوک کی دنیا میں گرفتار ہوتا چلا جاتا ہے یہاں تک کہ وہ علم وفن کو حقیقی اور یقینی نہیں بلکہ ظنی خیال کرتا ہے۔

محمر کے صحیح اثرات وافعال

ہر وہ دوا جو ''محمر'' ہے جب جسم پر لگائی جائے تو وہ دورانِ خون کو اس طرف تیز کردے۔اس کی تین صورتیں ہیں:

① اعصاب میں تحریک یا سوزش پیدا ہوجائے۔جس سے غدد اور شریانیں پھیل جاتی ہیں وہاں دوران خون کی تیزی ہوجاتی ہے، مگر

جلد ہی وہاں پر ردّعمل شروع ہو جاتا ہے۔ اور وہاں رطوبات و بلغم اور ماہیت کا ترشح شروع ہو جاتا ہے تاکہ وہاں پر اجتماع خون ہو کر ورم نہ پیدا ہو جائے۔ ایسے محمرات میں وہ تمام ادویات شریک ہیں جو نمبر (۱) کے قبیل کی ہو سکتی ہیں۔

(۲) عضلات میں تحریک یا سوزش پیدا ہو جائے جس سے ان کے انقباض سے قلب میں تحریک ہو کر دوران خون تیز ہو کر عضلات خصوصاً ان عضلات کی طرف تیز ہو جاتا ہے جہاں پر تحریک و سوزش پیدا کی گئی ہے۔ ایسے محمرات میں وہ تمام ادویات شریک ہیں جو نمبر (۲) کے قبیل کی ہو سکتی ہیں۔ یاد رکھیں ایسی ادویات نمبر (۱) (اعصابی) سے زیادہ تیز اور دیرپا ہوتی ہیں اور ان کا اثر زیادہ ہوتا ہے۔ کیونکہ وہاں پر رطوبات اور بلغم اور ماہیت ختم ہو جاتی ہے اور ردّعمل بہت دیر سے ہوتا ہے۔

(۳) غدد میں تحریک اور سوزش ہوتی ہے، جس سے شریانوں میں سکیڑ پیدا ہو کر وہاں سے اخراج رطوبات مشکل یا بند ہو جاتا ہے اور وہاں پر خون کا اجتماع ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ ایسے ''محمرات'' میں وہ تمام ادویات شریک ہیں جو اس قبیل کی ہو سکتی ہیں۔ بلکہ بعض صورتوں میں ورم بن جانے کا خطرہ ہو جاتا ہے۔ ایسی ادویات انتہائی گرم خشک ہوتی ہیں۔ اور صفراء پیدا کرتی ہیں۔ ان حقائق پر غور کریں اور پھر اس قسم کی دیگر اصطلاحات کو ذہن نشین کریں۔

لازع نمبر ۸

سوزش پیدا کرنے والی دوا۔ وہ مخصوص ادویہ جو جسم پر سوزش پیدا کرتی ہیں۔ یہ ادویات اپنی خفت و شدت کی وجہ سے کئی قسم کی ہو سکتی ہیں۔ ایسی ادویہ محمر (سرخ کرنے والی)، مبثر (دانے اور پھنسیاں پیدا کرنے والی ادویہ)، منفط (آبلہ ڈالنے والی دوا)، مخشن (سطح کو کھردری کرنے والی دوا)، قاشر (چھلکے اتارنے والی دوا) اور حکاک (خارش پیدا کرنے والی دوا)۔

یہ سب اصطلاحات ادویہ کی کمی بیشی کی مختلف صورتیں ہیں، اس طرح انتہائی شدید ادویات میں کاوی (جلا دینے والی دوا)، مقرح (زخم پیدا کرنے والی دوا)، اکال (ایسی دوا جو عضو کو کھا جائے)، حالق (بال مونڈنے والی دوا)، جالی (مواد کا اخراج کر کے مسامات بدن کو صاف کرنے والی دوا)۔

ان تمام اصطلاحات کی ادویہ کو اگر ہم باہم ملا کر دیکھیں تو تقریباً ایک ہی قسم کی ادویات نظر آئیں گی۔ البتہ ان کی تینوں صورتیں ہر اصطلاح میں نظر آتی ہیں۔ اگر ہم ہر اصطلاح کی تشریح ''محمر'' اصطلاح کی طرح کرتے تو کم از کم دس گنا زیادہ طوالت کی ضرورت پیدا ہو جاتی۔ بہر حال صاحب علم اور ماہر فن ذرا غور کریں تو تمام اصطلاحات کے حقائق ذہن نشین ہو جاتے ہیں۔

اصطلاح ''مقوی'' کے متعلق ہم بہت کچھ لکھ چکے ہیں۔ اس کے متعلق بہت سی غلط فہمیاں دور کر چکے ہیں۔ صاحب علم اور اہل فن حضرات نے اس تشریح اصطلاحات کو بہت پسند کیا ہے۔ چونکہ صحیح تشخیص کے بعد علاج کا دارومدار صحیح تجویز پر منحصر ہے اس لئے تجویز غذا ہو یا دوا یا کوئی تدبیر ہو اس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتی جب تک طبی اصطلاحات کو پورے طور پر ذہن نشین نہ کر لیا جائے۔ ''مقویات'' کے تحت ہم نے مقوی اعضائے رئیسہ اور مقوی باہ کے متعلق تشریح کر چکے ہیں۔ ''مقویات'' کے تحت ایک اصطلاح ''مقوی خون'' بھی ہے، اس کے متعلق جو کچھ طبی کتب میں لکھا ہے یا جو کچھ اطباء کا معمول ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ''مقوی'' کی طرح ''مقوی خون'' کے متعلق بھی غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں۔ جن کی تشریح درج ذیل ہے:

مقوی خون

(خون کو مقوی بنانے والی دوا) ایسی شے جو خون کے ان اجزاء کو پورا کرے جن کی خون میں ضرورت ہے، لیکن عام طور پر سمجھا یہ جاتا ہے کہ ایسے اجزاء کا خون میں شامل کرنا جن سے خون میں قوت اور سرخی پیدا ہو جائے جیسے فولاد یا فولادی اجزاء والی ادویہ اور اغذیہ وغیرہ لیکن ایسا خیال کرنا غلط ہے۔

خون کا پیدا کرنا

سب سے پہلے ذہن نشین کرنے والی بات یہ ہے کہ خون ہمیشہ غذا سے بنتا ہے، کبھی کسی دوا سے پیدا نہیں ہوتا سوائے ان اشیاء کے جن میں اغذیہ کے اجزاء ہیں جن کو ہم ادویہ کے طور پر استعمال کرتے ہیں، جیسے فولاد چونا اور ان کے مرکبات وغیرہ۔ اگر خون ادویہ سے تیار ہو سکتا تو فرنگی طب اور ماڈرن سائنس اس کو ضرور تیار کر لیتی، اور ضرورت مند مریض کے لئے انسانی خون اکٹھا نہ کرتی بلکہ غذا کا مسئلہ ہی حل ہو جاتا ہے اور انسان ایسی گولیاں کھا لیتا ہے جن سے خون پیدا ہو یا ضرورت کے مطابق ادویہ سے تیار شدہ خون پی لیا جاتا یا بذریعہ پچکاری جسم میں شامل کر لیا جاتا۔

یاد رکھیں! تاحال کوئی طبی سائنس اس امر پر کامیاب نہیں ہو سکی کہ غذا کے اجزا کے بغیر ادویہ سے خون تیار کر سکے اور لطف کی بات یہ ہے کہ وہ خون کو غذائی اجزاء سے بھی جسم کے باہر تیار نہیں کر سکی۔ یہ ابھی تک قدرت کا راز ہے۔

خون کی پیدائش

خون ہمیشہ جسم میں تیار ہوتا ہے۔ جسم انسانی ہو یا حیوانی، نباتات میں بھی ایک قسم کا دوران جاری ہے، لیکن اس کو خون سے کوئی مناسبت نہیں ہے۔ جسم انسان میں قدرت کی طرف سے چند نظام قائم ہیں۔ جیسے نظام غذائیہ، نظام ہوائیہ، نظام دمویہ اور نظام بولیہ وغیرہ ہیں۔ ظاہر میں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جسم میں خون کے متعلق نظام دمویہ (دوران خون) ذمہ دار ہے، لیکن ایسا نہیں ہے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ جسم کے تقریباً تمام نظام خون کی پیدائش میں حصہ دار ہیں، البتہ خون کے تیار ہونے کی ابتداء نظام غذائیہ (انہضام) سے شروع ہوتی ہے۔

نظام غذائیہ منہ سے لے کر مقعد تک پھیلا ہوا ہے۔ اس میں منہ سے معدہ تک نالی، معدہ وامعاء جگر وطحال اور لبلبہ شریک ہیں۔ جو غذا منہ میں کھائی جاتی ہے وہ پس جانے کے بعد نگل کر نالی کے ذریعہ معدہ میں چلی جاتی ہے۔ جہاں پر تحلیل ہو کر ہضم ہونا شروع ہو جاتی ہے۔ غذا کی لطافت وکثافت کے مطابق وہاں ایک گھنٹے سے تین گھنٹے تک تندرست انسان میں خرچ ہوتے ہیں۔ پھر وہ ایک محلول بن جاتی ہے، جس کا رنگ سفید اور قوام آش جو کی مثل ہوتا ہے جس کو کیلوس کہتے ہیں۔ یہاں سے ایک حصہ غدد جاذبہ کے ذریعے قلب میں پہنچ جاتا ہے، باقی آنتوں میں اُتر جاتا ہے۔ آنتیں دو قسم کی ہیں، اوپر چھوٹی اور نیچے بڑی۔ ان چھوٹی آنتوں میں تقریباً چار گھنٹے تک تندرست غذا تحلیل ہوتی رہتی ہے۔ وہاں پر جو محلول تیار ہوتا ہے اس کو ''کیموس'' کہتے ہیں۔ اس کے لطیف اجزاء جگر کی طرف چلے جاتے ہیں جہاں پر وہ جا کر خون کی شکل اختیار کر لیتا ہے اور باقی کثیف حصہ بڑی آنتوں میں اُتر جاتا ہے، جہاں پر وہ پھر تحلیل ہو کر رفتہ رفتہ عروق ماساریقا کے ذریعے جگر کی طرف کھنچتا رہتا ہے۔ یہ عمل یہاں پر تندرست انسان میں کم وبیش چار پانچ گھنٹے تک جاری رہتے ہیں۔ اس کا مقصد یہ ہوا کہ

انسان میں کم وبیش بارہ گھنٹے غذا کے ہضم پر صرف ہوتے ہیں۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ جب تک غذا کھا کر خون نہ بن جائے اس وقت تک دوسری غذا نہ کھانی چاہئے۔ کیونکہ اگر اس دوران میں غذا کھائی جائے گی تو یقینی امر ہے کہ طبیعت انسانی اپنے پہلے ہضم کو چھوڑ کر دوسرے ہضم کی طرف متوجہ ہوگی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ پہلی غذا خام رہ جائے گی۔ جو نہ صرف باعث بدہضمی ہوگی بلکہ زہر بن کر باعث مرض اور نقصان دہ ہوگی۔ اسی لئے اسلامی روزہ بارہ، چودہ اور سولہ گھنٹے کا ہوتا ہے، تاکہ کھائی ہوئی غذا خون کی شکل اختیار کرے۔ یہی خون پیدا ہونے کا راز ہے۔

پیدائش خون کے معاون

جب ہم کوئی شے کھاتے ہیں تو چبانے کے ساتھ ساتھ اس میں منہ کی رطوبات (لعاب دہن) شامل ہوتا ہے، جو ایک طرف اس کو نرم کرتا ہے اور دوسری طرف اس شے کو ہضم کرنا شروع کر دیتا ہے۔ اس لئے ہر غذا کے ساتھ جس قدر بھی ''لعاب دہن'' شریک ہوگا، وہ غذا جلد ہضم ہوگی۔ اسی طرح جب غذا معدہ میں جاتی ہے تو رطوبت معدی اس میں شریک ہو کر اس کو نرم اور ہضم کر کے محلول بنا دیتی ہے۔ اس ہضم میں غیر روغنی اجزاء ہضم ہو جاتے ہیں اور جو غذا آنتوں میں اُتر جاتی ہے، ان میں روغنی اجزاء ہوتے ہیں، لہٰذا جگر سے صفرا اور لبلبہ سے اس کی رطوبت آ کر اس غذا میں شامل ہوتے ہیں جس سے روغنی غذا وہاں نرم اور ہضم ہوتی ہے۔ یہ تمام رطوبات قدرتی ہاضم ہیں۔ ان قدرتی ہاضمین کی تشریح یہ ہے۔

1. لعاب دہن اعصابی قوت سے پیدا ہوتا ہے۔ اپنی صورت میں اس کے اندر کھاری اثرات ہوتے ہیں، مزاج بلغمی ہوتا ہے۔
2. رطوبت معدی عضلاتی قوت سے پیدا ہوتی ہے۔ اپنی صورت میں اس کے اندر تیزابی اثرات ہوتے ہیں۔ مزاج سوداوی ہوتا ہے۔
3. رطوبت جگر اور رطوبت لبلبہ غدی قوت سے پیدا ہوتے ہیں۔ اپنی صورت میں ان کے اندر دافع تیزابی اثرات ہوتے ہیں۔ مزاج صفراوی ہوتا ہے۔ یہ جہاں اپنے مقام پر غذا ہضم کرتے ہیں، وہاں پر غذا کا مزاج ضرورت کے مطابق تبدیل کرتے رہتے ہیں۔

غلط فہمی

جو معالج خصوصاً فرنگی ڈاکٹر یہ خیال کرتے ہیں کہ فولاد یا اس کے مرکبات اسی طرح سنکھیا یا اس کے مرکبات مقوی خون ہیں۔ یہ بالکل غلط ہے، کیونکہ یہ تینوں اشیاء عضلاتی ہیں۔ معدہ کو تیز کرتی اور تقویت دیتی ہیں۔ لیکن نہ اعصاب میں طاقت دے کر بلغم پیدا کرتی ہیں اور نہ غدد میں تقویت دے کر صفرا پیدا کرتی ہیں۔ بلکہ قاطع بلغم اور صفرا ہیں۔ اس لئے کسی ایسی دوا کو مقوی خون ہرگز نہیں سمجھنا چاہئے جو بغیر تشخیص اور ضرورت کے استعمال کر دی جائے۔ اگر ایسا کیا گیا تو بجائے مقوی خون ہونے کے ضعف خون کا باعث ہوگا۔ یعنی اعضائے غذائیہ کا جو حصہ کمزور ہوگا جب تک اس کو تقویت نہیں دی جائے گی اس وقت تک مقوی خون پیدا نہیں ہوگا۔ یہی صورت ہر قسم کی غذا کے لئے بھی لازم ہے۔

مولد خون

بالکل اسی طرح کی غلط فہمی مولد خون ادویہ اور اغذیہ کے متعلق بھی پائی جاتی ہے۔ یاد رکھیں کوئی غذا اور دوا جس کی جسم انسان کو ضرورت نہیں ہے، کبھی مولد خون نہیں ہوسکتی، بلکہ فساد خون کا باعث ہوتی ہے۔ اس لئے بغیر ضرورت مقوی و مولد خون اغذیہ اور ادویہ نہیں کھانی چاہئیں۔ ان کے استعمال سے اکثر نقصان ہوتا ہے۔

مدر بول

پیشاب جاری کرنے والی دوا۔ مدر بول اشیاء اس وقت استعمال کی جاتی ہیں جب پیشاب میں کمی واقع ہو یا پیشاب میں جلن محسوس ہو یا پیشاب بند ہو جائے۔ یہ صورتیں امراض کی حالت میں پیدا ہوتی ہیں۔ پیشاب حقیقت میں بدن کا فضلہ ہے۔ بالکل اسی طرح جس طرح پاخانہ اور پسینہ بدن کے فضلے ہیں، اس کا بین ثبوت یہی ہے کہ جب پیشاب بند ہو جاتا ہے تو نہ صرف فضلات اعضا میں رُک کر جسم میں سرایت کر جاتے ہیں جس سے جسم میں خطرناک امراض پیدا ہو جاتے ہیں، جن میں ہلاکت کی نوبت بھی پہنچ سکتی ہے۔ بلکہ اعضائے جسم میں بے چینی اور درد بھی پیدا ہو جاتا ہے۔ جب بندش بول سے زہریلی علامات پیدا ہوتی ہیں تو اس حالت کو تسمم بولی کہتے ہیں۔

شیخ الرئیس لکھتے ہیں، پہلے ہضم کا فضلہ جو معدہ میں ہوتا ہے آنتوں کی راہ (بشکل براز) خارج ہوتا ہے اور دوسرے ہضم کا فضلہ جو جگر میں ہوتا ہے اس کا بیشتر حصہ پیشاب میں چلا جاتا ہے۔

جدید تحقیقات میں پیشاب کے اندر جو مادہ زیادہ تر ہوتا ہے اس کو مادہ بولیہ کہتے ہیں، جس کی بڑی مقدار جگر کے اعمال ہضم و استحالہ کے نتیجہ میں جگر کے اندر ہی بنتا ہے اس لئے اس کو جگر کا فضلہ کہا جائے تو بے جا نہیں ہے۔ بہر حال یہ مادہ جگر وغیرہ میں بن کر عروق میں چلا جاتا ہے۔ جہاں موجودہ شکل میں خون کے ساتھ ملا ہوا پایا جاتا ہے۔ بالخصوص جب کہ گردے خراب ہوں اور خون سے اس مادہ کو پیشاب کے ساتھ اچھی طرح خارج نہ کر سکتے ہوں، تو اس کی مقدار خون میں اور دیگر رطوبات بدن میں بڑھ جاتی ہے۔ گوشت کھانے سے یہ مادہ زیادہ اور سبزی کھانے سے کم ہو جاتا ہے۔ اسی طرح شدت ریاضت کے وقت اور بخاروں میں اس کی مقدار بڑھ جاتی ہے۔ اس مادہ بولیہ کے علاوہ دیگر مواد بھی صحت کی حالت میں بدن سے اخراج پاتے ہیں جیسے بلغم اور ترشی وغیرہ، لیکن مرض کی حالت میں اس پیشاب میں ریگ وشکر اور خون و پیپ ہوتی ہے تو مدر بول دوائیں استعمال کی جاتی ہیں۔

فرنگی طب کی غلط فہمی

فرنگی طب میں یہ یقین کر لیا گیا ہے کہ ہر قسم کی الکلی (کھار) مدر بول ہے اور عام طور پر یہ یقین ہو گیا ہے کہ ہر بارد شے مدر بول ہے لیکن بعض امراض میں ہم دیکھتے ہیں کہ نہ ہی کھاری اشیاء سے پیشاب آتا ہے اور نہ ہی سرد اشیاء سے پیشاب اخراج پاتا ہے بلکہ بعض وقت ایسی اشیاء سے بالکل بند ہو جاتا ہے اور اس غلط فہمی سے موت بھی واقع ہو سکتی ہے۔

مدر بول ادویہ

کتب طبیہ میں جب مدر بول ادویہ کی فہرست دیکھی جاتی ہے تو اس میں سرد و گرم خشک و تر بلکہ کھاری اور ترشی ہر قسم کی ادویہ پائی جاتی ہیں۔ اس لئے صرف کھاری اور سرد قسم کی ادویہ کو مدر بول سمجھ لینا صحیح فن نہیں ہے، بلکہ مدر بول کے متعلق غلط فہمی اور لاعلمی ہے۔ البتہ اگر طب یونانی کے قوانین مزاج اور اخلاط کے مطابق مریض کے لئے نسخہ تجویز کیا جائے تو صحیح نتائج نکل سکتے ہیں۔

مدر بول کی صحیح صورت

مدر بول ادویات کے صحیح استعمال کو سمجھنے کے لئے ایک اہم بات یہ ہے کہ مدر بول کے نظام کو سمجھنا بے حد ضروری ہے جس کی صورت یہ ہے کہ جسم میں جب خون تیار ہو جاتا ہے تو وہ جسم کی غذا کے ساتھ ساتھ جسم کے مختلف اعضاء میں صاف بھی ہوتا ہے جس کی

صورت یہ ہے کہ خون دِل کی طرف سے باہر جسم میں دھکیلا جاتا ہے، جب گردوں میں پہنچتا ہے تو وہاں پر صاف ہوتا ہے۔ پھر گردوں سے باہر اخراج پاتا ہے، گویا اس کی تین صورتیں ہیں۔ اوّل دِل سے گردوں کی طرف دھکیلا جاتا ہے۔ دوسرے گردوں میں صاف ہوتا ہے۔ تیسرے باہر اخراج پاتا ہے۔

یاد رکھیں کہ اوّل صورت میں قلب (عضلات) کے فعل میں تیزی ہوتی ہے۔ دوسری صورت میں گردوں (غدد) کے فعل میں تیزی ہوتی ہے۔ تیسری صورت میں دماغ (اعصاب) میں تیزی ہوتی ہے یا یہ امر ذہن نشین کر لیں کہ جب پیشاب میں کوئی خرابی ہوتی ہے یا پیشاب کے جس قدر امراض ہیں ان میں یہی تین صورتیں ضرور پائی جائیں گی۔ یعنی عضلات وغدد اور اعصاب کے افعال میں سے کسی ایک کا فعل تیز ہوگا۔ لیکن اس کے مقابلے میں دوسرے کا فعل ست اور تیسرے کا فعل کمزور ہوگا۔ بس اسی حقیقت کا جاننا ہی مدر بول کا راز ہے۔

نظام بولیہ کے امراض

نظام بولیہ کے سمجھ لینے کے بعد اس کے امراض بھی ذہن نشین کر لیں تاکہ تشخیص اور علاج میں کسی قسم کی دقت پیدا نہ ہو۔ جاننا چاہئے کہ نظام بولیہ کے بنیادی امراض صرف تین ہیں۔ ① پیشاب کا کثرت سے آنا ② پیشاب کا کمی کے ساتھ یا جلن کے ساتھ آنا۔ ③ پیشاب کا بند ہونا۔ یاد رکھیں پیشاب کے تمام امراض انہیں تینوں بنیادی امر طبی کے تحت ہوتے ہیں، جن کی صورت یہ ہوگی: ① پیشاب کا کثرت سے آنا اعصاب کے تحت ② پیشاب کا کمی اور جلن کے ساتھ آنا غدد کے تحت ③ پیشاب کا بند ہو جانا عضلات کے تحت ہوتا ہے۔ اس کو اس طرح بھی سمجھ لیں کہ پیشاب کی پیدائش عضلات کے تحت، پیشاب کی صفائی غدد کے تحت اور اخراج اعصاب کے تحت ہوتا ہے۔ بعض وقت ایسا ہوتا ہے کہ پیشاب کی پیدائش رُک جاتی ہے، بعض وقت اس میں کمی وجلن پیدا ہو جاتی ہے اور بعض وقت اخراج اس قدر بڑھ جاتا ہے کہ پیشاب ہی ختم ہو جاتا ہے اور اس کو بند بول کہہ دیا جاتا ہے۔ لیکن حقیقت میں پیشاب کی پیدائش ہی کم یا رُک جاتی ہے۔ اس کا علاج پیشاب خارج کرنے والی دوائیں نہیں ہیں بلکہ پیشاب کو پیدا کرنے والی ادویہ ہونا چاہئے۔ یہی مقام ہے جہاں غلطی کرنے سے مدر بول کا صحیح تصور ذہن نشین نہیں ہوتا۔

پیدائش بول

تسکین عضلات وضعف غدد اور تحریک اعصاب کی صورت میں دورانِ خون ست ہو جاتا ہے، گردوں میں خون کا زور کم ہو جاتا ہے۔ اور ان کی شریانوں میں امتلا اور تناؤ گھٹ جاتا ہے۔ ایسے موقع پر جو مدر بول ادویات دی جاتی ہیں وہ محرک عضلات (قلب) ہوتی ہیں۔ جیسے ① دارچینی ② ابہل ③ حرمل ④ ایلوا ⑤ پیاز ⑥ انجیر ⑦ چائے اور ⑧ زعفران وغیرہ۔

صفائی بول

''تحریک عضلات، تسکین غدد، تحلیل اعصاب'' کی صورت میں مواد بولیہ گردوں میں کم چھنتے ہیں اور ایسی صورت میں گردوں اور مثانہ میں ایک پتھری وغیرہ بنی شروع ہو جاتی ہے۔ ایسے موقع پر جو مدر بول ادویہ دی جاتی ہیں، وہ یہ ہیں: ① افسنتین ② اکلیل الملک ③ ایرسا ④ بادیان ⑤ بیروزہ ⑥ ریوند عصارہ ⑦ پودینہ ⑧ تیلنی مکھی ⑨ زنجبیل اور ⑩ نوشادر، وغیرہ۔

اخراج بول

تحلیل عضلات، تحریک غدد، تسکین اعصاب کی صورت میں دورانِ خون غدد کی طرف زیادہ ہوتا ہے اور اعصاب میں سکون کی وجہ سے پیشاب کا اخراج بہت کم ہو جاتا ہے اور بعض وقت بالکل بند ہو جاتا ہے۔ جلن بھی اس صورت میں ہوتی ہے، ایسے موقعہ پر جو ادویہ دی جاتی ہیں وہ یہ ہیں: ① انار ② بادام شیریں ③ تخم خیارین ④ تخم مولی ⑤ تخم خربوزہ ⑥ تخم کدو ⑦ کاسنی ⑧ جوکھار ⑨ حجر الیہود ⑩ ریوند چینی ⑪ قلمی شورہ ⑫ کباب چینی، وغیرہ۔

مسہلات

ایسی ادویات جو سہولت کے ساتھ اسہال لائیں۔ مسہلات کے ذریعے ناقص اخلاط اور مواد کو جسم سے خارج کرنا۔ اس کی دو قسمیں ہیں:

① بذریعہ ادویہ مشروبہ یعنی پینے کی ادویہ اور اغذیہ سے اسہال لانا۔

② بذریعہ حقنہ جس کو احتقان اور عمل طاہر بھی کہتے ہیں۔

قویٰ مفردہ

حکیمِ مطلق نے جسم انسان کو اس انداز پر بنایا ہے کہ طبیعت مدبرہ بدن ضرورت کے وقت مناسب راستوں سے فضلات کو ہمیشہ خارج کرتی رہتی ہے، لیکن بعض وقت اس کے سامنے ایسی رکاوٹیں پیدا ہو جاتی ہیں کہ وہ اپنے محسوس فضلات کو کلی یا جزوی طور پر خارج نہیں کر سکتی۔ ان رکاوٹوں میں ہمارے مفرد اعمال کا دخل ہے جو قوت مدبرہ بدن کے تحت خود کار (آٹومیٹک) عمل کرتے ہیں۔ یہ خود کار اعمال جسم انسان کے مفرد قویٰ کے تحت کام کرتے ہیں۔ وہ مفرد قوتیں یہ ہیں۔

(۱) **قوت ماسکہ**: ایسی قوت جو جسم میں غذا کو اس وقت تک روکے رکھتی ہے جب تک وہ صحیح طور پر ہضم نہ ہو جائے۔

(۲) **قوت ہاضمہ**: ایسی قوت جو جسم میں غذا کو اس وقت تک تحلیل کرتی رہتی ہے جب تک اس کا خلاصہ جسم میں جذب نہ ہو جائے۔

(۳) **قوت جاذبہ**: ایسی قوت جو تحلیل شدہ غذا کو اس وقت تک جذب کرتی رہتی ہے جب تک اس میں غذا کا خلاصہ اور جوہر موجود ہے تاکہ فضلات میں غذائی اجزا دفع نہ ہو جائیں۔

(۴) **قوت دافعہ**: ایسی قوت جو فضلات اور غیر نافع اغذیہ کی ضرورت کے وقت خارج کر دیتی ہے۔ یاد رکھیں کہ مفرد قویٰ کیفیات اور اخلاط کے ماتحت کام کرتی ہیں۔

بعض وقت اسباب ستہ کے تحت ایسی صورتیں پیدا ہوتی ہیں کہ جسم کے کیفیات اور اخلاط اعتدال پر نہیں رہ سکتے تو ان کے قویٰ مفردہ کے اعمال میں بھی فرق پیدا ہو جاتا ہے۔ مثلاً قوت ماسکہ میں تیزی پیدا ہو جاتی ہے۔ وہ غذا کو اوّل تو تحلیل ہی ہونے نہیں دیتی اور کچھ تحلیل ہو جائے تو بھی پورے طور پر وہ غذا کو نہیں چھوڑتی۔ اسی طرح قوت ہاضمہ میں ضعف پیدا ہو جاتا ہے کہ وہ غذا کو پورے طور پر تحلیل و ہضم نہیں کر سکتی یا غذا کی مقدار اس قدر زیادہ ہوتی ہے کہ وہ پورے طور پر اس کو تحلیل و ہضم نہیں کر سکتی۔ ایسے ہی قوت جاذبہ اس قدر تیز ہو جاتی ہے کہ وہ خلاصہ اور جوہر غذا کو جذب کر لینے کے بعد بھی فضلات کو نہیں چھوڑتی یا کبھی قوت دافعہ اس قدر کمزور ہو جاتی ہے کہ فضلات کو خارج نہیں کر سکتی۔ بہر حال یہی صورتیں ہیں جن کی وجہ سے قبض کی صورتیں واقع ہوتی ہیں اور جس کے لئے مسہلات کی ضرورت پیدا ہوتی ہے۔

طب یونانی کا کمال

طب یونانی کا کمال یہ ہے کہ اس میں ہر مرض کا علاج مریض کے مزاج کے مطابق ہوتا ہے اس لئے مسہلات بھی مزاج کے مطابق استعمال ہوتے ہیں۔ یہ ہرگز نہیں کہ ایک ہی قسم کا مسہل ہر مزاج میں استعمال کیا جائے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ مسہلات کو صرف اس لئے اہمیت ہے کہ مزاج کے مطابق فضلات کو جلد اور شدت کے ساتھ خارج کیا جائے ورنہ بغیر مسہلات بھی صرف کیفیات اور اخلاط کی تبدیلی کے تحت اعضائے جسم کے افعال کو بدل کر مواد و فضلات کو رفتہ رفتہ بھی خارج کیا جا سکتا ہے۔ بعض اطبا جو اس امر کی کوشش کرتے ہیں کہ ایک ہی قسم کے مسہل سے ہر مزاج کا علاج کیا جائے ایسے اطباء بے حد غلط فہمی کا شکار ہیں، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ان کو حکیم کہنا ہی غلط ہے۔ ایسے معالج علامتی معالج ہیں۔ علم وفن سے ان کا دور کا تعلق بھی نہیں ہے۔

فرنگی طب کا غلط طریق کار

فرنگی طب کے صحیح استعمال اور فوائد سے بالکل لاعلم ہے اور اس کا جاہلانہ اور عطائیانہ طور پر استعمال کرتی ہے اور جب سے اس نے ہر دوا کے اندر جراثیم کش اثرات کو تلاش کرنا شروع کیا ہے ادویہ کے حقیقی خواص اور افعال سے دور ہوگئی ہے۔ فرنگی طب میں مسہل ادویہ کا صرف ایک ہی مقصد ہے کہ مریض کو انتہائی قبض میں اسہال ہو جائیں چاہے کسی دوا سے یہ مقصد حاصل ہو جائے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہر مزاج کے لئے علیحدہ علیحدہ مسہل ہیں۔ اگر فرنگی طب یہ اعتراض کرے کہ وہ مزاج تسلیم نہیں کرتے تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہر عضو کے لئے جدا جدا مسہل ہیں، بلکہ ہر مرض کے لئے الگ الگ مسہل ہیں۔ اگر کسی مرض میں غلط استعمال کر لیا جائے تو بجائے شفاء حاصل ہونے کے مرض زیادہ ہو جاتا ہے۔ مثلاً کسی مریض کو قبض ہے اور ساتھ ہی ضعف قلب ہے لیکن فرنگی طب کے پاس کوئی ایسا مسہل نہیں ہے جو مقوی قلب ہو۔ اسی طرح ان کے پاس دماغ اور جگر کے لئے کوئی مسہل نہیں ہے بلکہ کسی عضو کے لیے مقوی مسہل نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس کو کسی مرض کے مخصوص مسہل کا علم ہی نہیں ہے۔

اسی طرح کبھی قبض کے ساتھ پیشاب بھی بند ہوتا ہے، اس مقصد کے خاص مسہل ہیں اور کبھی قبض کے ساتھ پیشاب کی کثرت ہوتی ہے، اس مقصد کے لئے الگ قسم کے مسہل ہیں۔ اسی طرح دیگر مختلف علامات کے لئے جدا جدا مسہل ہیں۔ قابل غور بات یہ ہے کہ فرنگی طب میں جو مسہلات ترتیب دیئے گئے ہیں ان میں مختلف اور متضاد ادویہ شامل ہیں۔ مثلاً کیلومل میں جلابہ ملا دیتے ہیں۔ سقمونیا میں مصبر ملا ہوتا ہے۔ فرنگی طب کی روزانہ قبض کشا ادویہ میں اکثر میگنیشیا اور کسٹر آئل استعمال ہوتا ہے اور اکثر یہ دیکھا گیا ہے کہ ان دونوں کو بھی غلط مقامات پر استعمال کر جاتے ہیں، جس کا نتیجہ اکثر نقصان رساں ظاہر ہوتا ہے۔ بخار ایک اہم علامت ہے جو کسی نہ کسی عضو کی سوزش و ورم اور وہاں پر مواد کے متعفن ہونے سے پیدا ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ اگر قبض ہو تو ایسا مسہل ہونا چاہئے کہ وہ سوزش و ورم کو دور کرنے کے بعد تعفن بھی دور کرے لیکن ہم فرنگی طب میں دیکھتے ہیں کہ بخار کی دوا جدا ہے، ورم کی دوا الگ ہے اور مسہل علیحدہ استعمال ہو رہا ہے۔ یہ ہے فرنگی طب کے خواص ادویہ کا علم اور علاج میں غلط طریق کار کی خرابیاں اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ وہاں ایک مرض کو روکنے کے لئے ایک دوا دی جاتی ہے۔ وہ کسی دوا کے پورے جسم میں افعال و اثرات اور خصوصاً مخصوص اعضاء پر ادویہ کے خواص و فوائد سے پورے طور پر واقف نہیں ہے اور جب سے اس نے جراثیمی امراض کے لئے ادویہ کی تلاش شروع کی ہے وہ اسی میں غرق ہو کر رہ گئی ہے اور اس کا علم وفن طب برباد اور مقید ہو کر رہ گیا ہے۔ جگہ کی قلت کی وجہ سے ہم نے بے حد اختصار کے ساتھ لکھا ہے۔ اگر ہم فرنگی طب اور مسہل کے استعمال پر تفصیل سے لکھیں تو پوری کتاب لکھی جا سکتی ہے۔

اطباء کی مسہلات کے متعلق غلط فہمی

حکیم گیلانی فرماتے ہیں: ''جب محض آنتوں کے اوران کے گردونواح کے مواد خارج کیے جاتے ہیں تو اسے اصطلاح اطباء میں تلئین کہتے ہیں۔ جب عروق سے اور دور کے اعضاء سے مواد خارج کئے جاتے ہیں تو اسے اصطلاح اطباء میں اسہال کہتے ہیں اور گاہے بلا تخصیص وتعین دونوں کو اسہال کہتے ہیں''۔

بعض نے مسہلات کو تین صورتوں میں تقسیم کردیا ہے: (۱) ضعف مسہلات جن کو ملینات کہتے ہیں (۲) عام مسہلات (۳) مسہلات قویہ۔ جب ان کی ادویات پر نگاہ جاتی ہے تو افسوس ہوتا ہے کہ ان میں بلا کسی مزاج وکیفیت کے ادویہ درج ہوتی ہیں۔ ایک معالج حیران ہوتا ہے کہ کس دوا کا استعمال کرے اور کس کو استعمال نہ کرے۔ مثلاً ملینات میں دیکھتے ہیں جہاں اسپغول، آلو بخارا، گاؤزبان اور گنے کا رس جیسی سردتر (اعصابی عضلاتی) ادویات پائی جاتی ہیں وہاں بادام، بنفشہ اور ترنجبین اور شیر خشت گرم تر (اعصابی غدی) ومغز املتاس، شہد، گندھک اور روغن انجیر گرم تر (غدی اعصابی) کچلہ وکٹکی اور کشمش وانجیر گرم خشک (عضلاتی غدی) اور کلونجی واملی اور کرنجوہ وگل سرخ سرد خشک (عضلاتی اعصابی) ادویہ نظر آتی ہیں۔ (۲) عام مسہلات میں مختلف اخلاط کی ادویہ کے ساتھ سناء مکی، تربد، روغن بیدانجیر، مصبر، ہلیلہ، گل سرخ اور تمر ہندی عام نظر آتی ہیں۔ ظاہر ہے یہ تمام ادویہ مزاج اور کیفیات کے لحاظ سے مختلف ہیں اسی طرح مسہلات قویہ میں جلاپا جمالگوٹہ، عصارہ ریوند، سقمونیا، حب نیل، تخم حنظل اور تربد وغیرہ مختلف کیفیات ومزاج میں مختلف اخلاط کے لئے ہیں اور مختلف اعضاء پر اثرانداز ہوتے ہیں۔ یہ تینوں صورتیں علم وفن طب کے خلاف ہیں۔

غلط فہمی کی وجہ

اس غلط فہمی کی وجہ یہ ہے کہ اطباء کا ایک مکتبہ فکر کا نظریہ ہے کہ مسہل دوا میں کسی خاص مادہ کو جذب کرنے کی خاصیت اور کشش نہیں ہوتی بلکہ ہر ایک مسہل دوا پہلے بدن سے رقیق اخلاط کو خارج کیا کرتی ہے اس کے بعد بالترتیب غلیظ کو اور اس کے بعد غلیظ تر کو خارج کرتی ہے۔ اس نظریہ کے تحت حکیم ارزانی فرماتے ہیں کہ ''ایسی کوئی دوا نہیں ہے جو سوائے ایک خلط کے اخلاط ثلاثہ میں سے دوسری بالترتیب خلط کو باہر نہ نکالے اور یہ ادویہ صفرا، بلغم یا سوداوغیرہ کے اخراج کے لئے مخصوص ہیں اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ ادویہ اس خلط کو زیادہ نکالتی ہیں''۔

اس نظریہ کے خلاف جالینوس کا نظریہ ہے کہ ''ہر ایک مسہل دوا اسی خلط کو جذب کیا کرتی ہے جس سے اس دوا کی مشابہت ومشکلات ہوتی ہے یعنی دوا مسہل اپنے مشابہ اور اپنے ہم جنس خلط کو مشابہ اور ہم جنس ہونے کی وجہ سے جذب کیا کرتی ہے''۔ یہی قانون طب ہے۔

شیخ الرئیس کا نظریہ ہے (اور یہی صحیح بھی ہے، اس میں جالینوس کے نظریہ کی مکمل تشریح ہے): ''دوائے مسہل اپنی مخصوص خاصیت اور مخصوص کشش سے کسی خاص خلط کو آنتوں کی طرف جذب کرتی ہے۔ یعنی یہ دوائی مسہل اپنے مخصوص قوت تاثیر سے معدہ اور آنتوں کو غشائے مخاطی کے مخصوص اجزاء میں تحریک پیدا کردیتی ہے جس سے غشائے مخاطی کے مخصوص اجزاء میں تحریک پیدا کردیتی ہے جس سے غشائے مذکورہ کے یہ اجزاء مخصوص اخلاط کو خارج کرنے کا کام شروع کردیتے ہیں، خواہ وہ غلیظ قوام کے لحاظ سے رقیق ہو یا غلیظ''۔ اور ایک مقام پر سختی کے ساتھ شیخ الرئیس نے لکھا ہے کہ ''بعض لوگوں کا یہ قول قطعاً بے بنیاد ہے کہ دوائے مسہل پہلے بدن کے رقیق ترین موادوں کو جذب کیا کرتی ہے، اور اس کے بعد بالترتیب غلیظ اور غلیظ تر کو''۔

غلط فہمی کا ازالہ

جو بھی دوائے مسہل جس خلط کو بھی دستوں کی شکل میں خارج کرتی ہے اس کو اپنے مخصوص قوت جاذبہ کی وجہ سے جذب کر کے خارج کیا کرتی ہے یعنی یہ قوت جاذب خصوصیت کے ساتھ محض خلط غلیظ کو جذب کر لیتی ہے اور خلط رقیق کو بدن کے اندر چھوڑ دیتی ہے۔ چنانچہ جو دوائیں ''مسہل سودا'' کہلاتی ہیں ان کا عمل اسی قسم کا ہوا کرتا ہے۔ [شیخ الرئیس]

اطبائے قدیم کے مسہلات کے مطابق شیخ کے کلام کا ماحاصل یہ ہوا کہ بعض مسہل دواؤں کو بلغم سے اور بعض کو مائیت سے اور بعض کو صفرا وغیرہ سے خصوصیت ہوتی ہے، یعنی وہ دوائیں انہی اخلاط کو جذب کر کے خارج کرتی ہیں۔ مثلاً سقمونیا صفرا کو، افتیمون سودا کو اور تربد بلغم کو، بورق (کھاری) اور ملاح (نمکین) مسہلہ ماہیت کو دستوں کی راہ خارج کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر خلط کے علیحدہ علیحدہ مسہل ہیں: ① مسہل بلغم ② مسہل صفرا ③ مسہل سودا۔ اگرچہ خیال صحیح معلوم ہوتا ہے کہ ہر مسہل دوا پہلے رقیق ترین موادوں کو جذب کر کے خارج کیا کرتی ہے تو یہ صورت کبھی بھی ممکن نہ ہوتی کہ بدن کے اندر رقیق خلط باقی رہے اور اس سے پہلے غلیظ خلط خارج ہو جائے۔

مسہل کی حقیقت

آنتوں کے افعال کو اس قدر تیز کر دیا جائے کہ اس کے ناقص اخلاط اور مواد جسم سے سہولت کے ساتھ خارج ہو جائیں۔ جاننا چاہئے کہ آنتیں مرکب عضو ہیں۔ ان کی بناوٹ میں اعصاب بھی ہیں جن کا تعلق دماغ کے ساتھ ہے۔ عضلات بھی ہیں جن کا مرکز قلب ہے غدد و غشائے مخاطی بھی ہیں جن کا سلسلہ جگر کے ساتھ ہے۔ جب آنتوں کا فعل تیز ہوتا ہے تو بیک وقت تینوں کے افعال تیز نہیں ہوتے بلکہ کسی ایک مفرد عضو کا فعل تیز ہوتا ہے۔ جس مفرد عضو کا فعل تیز ہوتا ہے اسی کے زیر اثر اسہال آتے ہیں۔ اگر اعصاب کے فعل میں تیزی ہوتی ہے تو رقیق اور بلغمی اسہال ہوتے ہیں۔ اگر عضلات میں تحریک ہوتی ہے تو صفراوی اسہال ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔ ہر مفرد عضو کو تیز کرنے کے لئے مختلف اقسام کی ادویہ ہوتی ہیں۔ جس قسم کی دوا دیں گے اسی قسم کے اسہال آئیں گے لیکن یہ فن علاج کے خلاف ہے۔

جاننا چاہئے کہ مفرد اعضاء (اعصاب وعضلات اور غدد) کے افعال مفرد قوئی (ماسکہ، ہاضمہ، جاذبہ اور دافع) کے تحت ہیں۔ جب قوت ماسکہ میں شدت ہوتی ہے جو خون کی سرخی سے پیدا ہوتی ہے تو عضلات کے فعل میں تیزی ہو جاتی ہے۔ جب قوت ہاضمہ کے فعل میں شدت ہوتی ہے جو صفرا سے ہوتی ہے تو غدد اور غشائے مخاطی کے افعال میں تیزی پیدا ہو جاتی ہے۔ جب قوت جاذبہ کے فعل میں شدت ہوتی ہے جو سودا سے پیدا ہوتی ہے تو غدد جاذبہ کے افعال میں تیزی پیدا ہوتی ہے اور جب قوت دافع کے فعل میں شدت ہوتی ہے جو بلغم سے پیدا ہوتی ہے تو اعصاب کے افعال میں تیزی آ جاتی ہے۔ گویا مفرد اعضاء و مفرد قوئی اور اخلاط لازم و ملزوم ہیں اور خود کام کرتے ہیں۔

اس حقیقت کا ذہن نشین کر لینا بھی از حد ضروری ہے کہ اگر اعصاب کے افعال یا قوت دافع یا بلغم کی زیادتی ہو گی تو اسہال رقیق و سفید اور پانی کی طرح آئیں گے۔ اگر غدد کے افعال یا قوت ہاضمہ یا صفرا کی زیادتی ہو گی تو اسہال سیاہی سرخی مائل و غلیظ اور سدے خارج ہوں گے۔ گاہے اسہال کے ساتھ اسی تحریک میں آتا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پاخانہ آ جانے کے بعد بھی قبض ہے۔

یہ ہے مسہل کی حقیقت جس سے فرنگی طب، بالکل بے علم ہے۔ ہر قسم کے مسہل وملین کے مجربات ہماری کتاب ''تحقیقات فارما کو پیا'' میں دیکھیں۔ وہ مجربات بے خطا اور یقینی ہیں۔

مجربات بالمفرد اعضاء مع تشریح

مجربات بخار

تشریح: بعض دفعہ مریض آ کر شکایت کرتا ہے کہ ہلکی ہلکی حرارت رہتی ہے۔ اور بے حد علاج کیا مگر حرارت ختم نہیں ہوتی۔ مریض یہ بھی بتلاتا ہے کہ تقریباً تمام اچھے اچھے اور قابل حکیموں، ویدوں اور ڈاکٹروں کا علاج کر لیا گیا ہے اور حرارت کو کم کرنے والی ہر مشہور اور قیمتی دوا استعمال کر لی گئی ہے لیکن حرارت نہیں جاتی اور ضرور وقت مقررہ پر یا کچھ پہلے پیچھے ضرور ہو جاتی ہے اور جب ہوتی ہے تو سخت پریشانی ہوتی ہے اور کم ہو جانے پر کمزوری ہو جاتی ہے۔

اس ہلکی حرارت کو کم کرنے کے لیے عام طور پر ٹھنڈے عرق و شربت مثل گاؤزبان، صندل وغیرہ بطور مبردات استعمال کیے جاتے ہیں۔ اس کے بعد مسکنات اور مخدرات تک استعمال کر دیئے جاتے ہیں۔ مریض ضرور کمزور ہو جاتا ہے مگر حرارت کم نہیں ہوتی بلکہ زیادہ ہو جاتی ہے۔ ہاضمہ خراب ہو جاتا ہے اور نفخ بڑھ جاتا ہے اور گھبراہٹ زیادہ ہو جاتی ہے۔

فرنگی ڈاکٹر صاحبان فیور مکسچر دے دے کر مریض کی رہی سہی طاقت کو بھی ضائع کرتے رہتے ہیں۔ جب اس سے آرام نہیں ہوتا تو کونین پر طبع آزمائی کرتے ہیں، کبھی یہ خیال کرتے ہوئے کہ جسم میں کمزوری اور خون کی کمی کی وجہ سے حرارت بڑھ گئی ہے مقویات اور مولد خون ادویات کا استعمال شروع کر دیتے ہیں۔ جب ان کا نتیجہ بھی حسب دِل خواہ نہیں نکلتا تو شدید معرقات اور مدرات اور مسہل سے اندرونی زہر کو خارج کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ زہر تو اندر سے کیا نکلتا، البتہ مریض کی طاقتیں ضرور نکل جاتی ہیں۔ آخر میں خون کا امتحان کرایا جاتا ہے، یورین ٹیسٹ کیا جاتا ہے، اور بلغم کا معائنہ کرایا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ پاخانے تک کا تجزیہ کر کے معلوم کیا جاتا ہے کہ کون کون سے جراثیم اندر یہ طوفان لا رہے ہیں۔ جن سے خفیف حرارت ختم نہیں ہوتی۔ اوّل تو ٹی بی (دق و سل) کا فیصلہ دے دیا جاتا ہے، نہیں تو پنسلین اینٹی بائیوٹک ادویات اور سلفا گروپ جیسی ادویات کی بمبارمنٹ کر دی جاتی ہے۔ اگر کہیں کوئی دوا مناسب بیٹھ گئی تو حرارت کم ہونا شروع ہو گئی۔ ورنہ ایسی زہریلی ادویات کے استعمال کے بعد مریض ہی ختم ہو جاتا ہے۔ کیونکہ فرنگی طب کی یہ زہریلی ادویات جہاں مخالف جراثیم اور زہریلے مواد کو فنا کر دیتی ہیں، وہاں موافق جراثیم اور مفید مواد کو بھی تباہ کر دیتی ہیں۔ اب یورپ اور امریکہ سے خود ان ادویات کی مخالفت میں شدید آوازیں اُٹھ رہی ہیں۔

ہم معالجین خصوصاً اطباء کو سخت تاکید کے ساتھ مشورہ دیں گے کہ فرنگی ادویات بالکل استعمال نہ کریں۔ سخت مصیبت میں گرفتار ہو جائیں گے۔ اگر آپ اپنی دیسی ادویات میں ناکام ہیں تو ہماری خدمات مفت حاصل کریں اور نہیں تو کم از کم ہومیوپیتھی کی ادویات ضرورت کے وقت استعمال کر لیا کریں۔ ان میں اس قدر شدید نقصان نہیں ہے۔ وہ بھی زہر ہیں لیکن اس قدر مقدار میں نہیں کہ فنا ہی کر دیں

اور موت کے گھاٹ اُتار دیں۔

ہمیں فرنگی طب کے خلاف تعصب نہیں ہے اور نہ مفید فن کی مخالفت مقصود ہے۔ مقصد غلط اور نقصان رساں علاج سے روکنا ہے۔ جو لوگ ہماری اس تحریر کو مبالغہ یا ہماری فرنگی علاج سے ناواقفیت کی وجہ سے خیال کریں، ہم ان کو چیلنج کرتے ہیں کہ وہ جب چاہیں، جس طرح چاہیں، ان پر تبادلہ خیال اور بحث ومناظرہ کر سکتے ہیں۔ ہم انشاء اللہ ہر جلسہ اور سٹیج بلکہ عدالت کے کٹہرے میں ثابت کرنے کو تیار ہیں کہ فرنگی ادویات خوفناک قسم کے زہر ہیں، بلکہ فرنگی طریقہ علاج بالکل غلط اور غیر علمی (ان سائنٹفک) ہے، اس کے قریب جانا زہریلے سانپ کے قریب جانے سے کم نہیں ہے۔

ہلکی حرارت رہتی ہو یا شدید بخار چڑھ جائے، یہ سب کچھ قانون حرارت کے تحت آتا ہے جو جسم انسان میں پیدا ہوتی رہتی ہے اور اخراج پاتی رہتی ہے جس کی تفصیل وتشریح ہم بخار کے بیان میں تحریر کریں گے۔ یہاں پر ہم صرف اس غلط فہمی کو دور کر دینا چاہتے ہیں کہ جو لوگ حرارت کم کرنے کے لیے مبردات ومسکنات اور مخدرات استعمال کرتے ہیں یا فیور مکسچر ومعرقات اور مدرات ومسہلات استعمال کرتے ہیں یا فرنگی ادویات سے خصوصاً پنسلین، اینٹی بائیوٹک اور سلفا گروپ استعمال کرتے ہیں، وہ دراصل حرارت کے قانون پیدائش واخراج اور اعتدال سے پورے طور پر آگاہ نہیں ہیں۔

ہلکی حرارت کی پیدائش کے اسباب میں ایک سبب سوزش بھی ہے جو مختلف اعضاء میں ہو کر مختلف قسم کی علامات پیدا کر دیتی ہے۔ لیکن یاد رکھنا چاہیے کہ یہ سوزش صرف تین قسم کی ہوتی ہے جس کی تفصیل سوزش کے بیان میں ماہیت امراض اور تقسیم امراض کے تحت بیان کریں گے۔ یہ تین قسم کی سوزش اعضائے رئیسہ کے تحت صرف اعصاب وغدد اور عضلات میں پیدا ہوتی ہے اور ہر قسم کی سوزش کی علامات چونکہ جدا جدا ہوتی ہیں، اس لیے ہر قسم کی سوزش دوسری قسم سے بالکل مختلف ہوتی ہے۔ جب سوزش مزمن ہو جائے تو اس کے نتیجہ میں ہلکی حرارت قائم رہتی ہے۔ ذیل میں تینوں اقسام کی سوزشوں کے لیے تین نسخے لکھے جا رہے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک نسخہ بے خطا یقینی مجرب ہے۔ مگر دوا کے مقام وضرورت اور غذا کا خیال رکھنا بے حد ضروری ہے۔ غذا کے سلسلہ میں پیٹ کا خمیر ختم کرنا اور موافق ومناسب غذا استعمال کرانی نہایت ضروری ہے۔ تاکہ ہر مریض صحت یاب ہو جائے اور کہیں بھی ناکامی کا منہ نہ دیکھنا پڑے۔

عضلاتی سوزش سے ہلکی حرارت

اس کی علامات میں قارورہ سرخ یا سرخی مائل زرد، پیٹ میں ریاح کی زیادتی، اکثر قبض، ذائقہ ترش اور جسم میں خشکی کی زیادتی وغیرہ۔

نسخہ: نمک خوردنی ۲ حصے، اجوائن تین حصے، گندھک ڈنڈا تین حصے۔

ترکیب: تینوں ادویہ کو میدے کی طرح باریک سفوف تیار کرلیں۔ بس تیار ہے۔

خوراک: ایک رتی سے تین ماشے تک۔ قبض کی حالت میں مقدار دوا زیادہ کی جاسکتی ہے۔ دِن میں تین چار بار یا زیادہ خوراکیں استعمال کرا سکتے ہیں۔

غدی سوزش سے ہلکی حرارت

اس کی علامات میں قارورہ زرد یا سفیدی مائل، جسم میں حرارت اور صفراء کی زیادتی، اکثر پیٹ میں مروڑ اور پیچ سے پاخانہ ہونا۔ ذائقہ میں تلخی اور جسم پھولا ہوا وغیرہ۔ عام طور پر غذا کھانے کے بعد حرارت بڑھ جاتی ہے۔

نسخہ: سہاگہ دو حصے، ست ملٹھی تین حصے، گندھک تین حصے۔

ترکیب: باریک سفوف تیار کرلیں۔

خوراک: ایک رتی سے ایک ماشہ تک دِن میں تین چار بار۔زیادہ خوراکیں بھی لے سکتے ہیں۔

اعصابی سوزش سے ہلکی حرارت

اس کی علامات میں قارورہ سفید یا نیلاہٹ لیے ہوئے، جسم میں بلغم کی زیادتی، اکثر اسہال۔دوسرا ذائقہ کھاری، اور جسم ابھرا ہوا یا موٹاپا وغیرہ۔

نسخہ: آملہ دو حصے، ہلیلہ سیاہ تین حصے، گندھک تین حصے۔

ترکیب: آملہ صاف شدہ وزن کریں، یعنی اس میں گٹھلی نہیں ہونی چاہیے، الگ سفوف کرلیں۔ہلیلہ سیاہ کو گھی میں چرب کر کے توے پر سوختہ کرلیں پھر سفوف تیار کرلیں۔گندھک ڈنڈا لیں اور میدے کی طرح باریک سفوف کرلیں، پھر تینوں کو ملالیں۔بس تیار ہے۔

خوراک: ایک رتی سے دو ماشہ تک حسب ضرورت دِن میں تین چار بار زیادہ بار استعمال کرائیں۔

نوٹ: تینوں نسخے تازہ پانی یا مناسب بدرقہ کے ساتھ استعمال کرائیں۔جو لوگ نظریہ مفرد اعضاء سے واقف ہیں وہ ان نسخوں کو بے شمار امراض و علامات اور مقامات پر استعمال کراسکتے ہیں۔ہمارے یہ نسخے عام قسم کے نسخے نہیں ہیں، بلکہ ایک قانون کے تحت تیار کئے جاتے ہیں۔ان نسخوں کو نظریہ بالا اعضاء کا سلفا گروپ سمجھ لیں۔انشاء اللہ تعالیٰ فرنگی طب ان کا مقابلہ نہ کرسکے گی، اور یہ ہر قسم کے زہریلے اثرات سے خالی اور بے حد مفید ہیں۔

مجرباتِ قبض

تشریح: قبض ایک ایسی علامت ہے جو اکثر امراض میں پائی جاتی ہے۔اکثر معالج، خاص طور پر فرنگی ڈاکٹر، اس کو ام الامراض کہتے ہیں۔اس کو مرض کہنا غلط ہے۔فرنگی ڈاکٹر اس کی حقیقت سے واقف نہیں ہیں۔بہرحال علامت قبض ایک اکثر پیدا ہونے والی علامت ہے۔جس طرح اس کی ماہیت سے فرنگی ڈاکٹر واقف نہیں ہیں۔اسی طرح اس کے علاج میں بھی غلطیاں کرتے ہیں۔مثلاً:

① ہر مزاج کے لیے جدا قسم کی قبض کشا دوا ہونی چاہیے جیسے کہ طب یونانی میں دستور ہے۔یعنی دموی مزاج، بلغمی مزاج، صفراوی مزاج اور سوداوی مزاج کے لیے الگ الگ دوائیں ہیں جو ان کے مزاج کی مناسبت سے دی جاتی ہے۔

② ہر عضو کی مناسبت سے قبض کے لیے علیحدہ علیحدہ دوائیں ہونی چاہئیں۔ایک ہی دوا ہر قسم کے عضو کی خرابی کو رفع نہیں کرسکتی۔

③ ہر مرض کے لیے ایک الگ قسم کی دوا ہونی چاہیے جو اس مرض کے رفع کرنے کے ساتھ ساتھ قبض بھی رفع کرلے۔

فرنگی طب میں ہر مزاج و ہر عضو کی خرابی اور ہر مرض میں اگر قبض کو رفع کرنا ہوتا ہے تو کوئی تخصیص نہیں کی جاتی۔کوئی قابض کشا دوا دے دی جاتی ہے۔مقصد یہ ہوتا ہے کہ اجابتیں ہوجائیں۔اگر ہمارے بیان میں مبالغہ ہو تو کسی ہسپتال یا ایسے فرنگی ڈاکٹر کے دواخانے میں چلے جائیں اور دیکھ لیں کہ ہر مزاج، ہر عضو کی خرابی اور ہر مرض میں بغیر سوچے سمجھے میگنیشیا سالٹ، لگزیٹو پلز، پرگیٹو پلز، فروٹ سالٹ، کسٹر آئل اور دیگر پیٹنٹ قبض کشا ادویات دی جاتی ہیں۔ان کے ہاں عطائیوں کی طرح یہ تصور کام کرتا ہے کہ پاخانے آجائیں اور پیٹ صاف ہوجائے۔اور یہ تصور بالکل نہیں ہے کہ اس قبض کشا دوا کا مزاج، عضو اور مرض کے ساتھ کیا تعلق ہے۔اس قدر عظیم غلطیاں کرنے کے بعد جو نقصانات ہوتے ہیں ان کی پرواہ نہیں کی جاتی اور پھر ان کے علاج کو سائنٹفک کہا جاتا ہے، جس کو علمی وفنی اور سائنٹفک کہنا گناہ ہے۔

افسوس تو حکماء واطباء اور خاص طور پر انگریزی تعلیم یافتہ طبقہ پر ہے جو باوجود علم وعقل رکھنے کے فرنگی طب کے غلط اور غیر علمی (ان سائنٹفک) طریق علاج کو قبول کرتے ہیں۔ اگر ہمارا مقام علمی نہ ہو اور ہماری تحقیقات سائنسی نہ ہو تو ہم فرنگی ڈاکٹروں کو چیلنج کرتے ہیں، ان کو ہماری تحقیقات قبول کرنی پڑے گی اور اپنے غلط اصول چھوڑ دینے پڑیں گے۔ ہمیں پورا یقین ہے کہ بہت جلد ان کو اپنے غلط طریق علاج کا یقین ہو جائے گا۔

ذیل میں ہم عضو کی مناسبت سے تین قبض کشا نسخے لکھتے ہیں اور ہر مرض کی مناسبت سے بھی لکھے جاسکتے ہیں۔ جیسے طب یونانی میں مزاج کی مناسبت سے نسخے لکھے ہوئے ہیں۔ قبض کو رفع کرنے کے لیے دو قسم کی صورتیں مدنظر رکھی جاتی ہیں: ① ملینات، یعنی ہلکی قبض کشا ادویات جن سے معدہ اور امعاء میں نرمی پیدا ہو جائے اور طبیعت پر غیر معمولی بوجھ بھی نہ پڑے۔ ② مسہلات یعنی تیز قبض کشا ادویات جن سے معدہ اور امعاء میں بہت تیزی پیدا ہو جائے۔ ان سے طبیعت پر غیر معمولی کمزوری پیدا ہوتی ہے۔ لیکن یاد رہے کہ قبض کشائی کی کوئی بھی صورت ہو اس میں مزاج، عضو کی خرابی اور مرض کو ضرور مدنظر رکھنا چاہیے۔ یہ نسخے اعضاء کی مناسبت سے جو امراض پیدا ہوتے ہیں ان میں کمی بیشی بھی کی جاسکتی ہے۔ لیکن ایسا بہت کم ہوتا ہے۔

عضلاتی قبض

عضلاتی قبض اکثر شدید ہوتی ہے اور یہی قبض دائمی بھی ہوتی ہے۔ اس قسم کی قبض میں ریاح اور نفخ شکم کی زیادتی جس کا سبب سوزش عضلات خصوصاً عضلات معدہ اور امعاء ہوتا ہے اور ایسے مریض کا قارورہ سرخ یا زردی مائل سرخ ہوتا ہے۔ جس میں بے حد خشکی ہوتی ہے، عام طور پر مریض دبلا ہوتا ہے۔

نسخہ: سناء مکی، تیزپات۔ دونوں ہم وزن سفوف کرلیں۔

خوراک: 2 رتی سے 2 ماشہ تک ہمراہ آب تازہ یا مناسب بدرقہ دیں۔ اس دوا کا نام ہوگا غدی ملین، کیونکہ غدد کو تحریک دے کر قبض کشائی کرے گی۔

غدی قبض

غدی قبض اکثر شدید کبھی نہیں ہوتی۔ بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پاخانہ کھل کر نہیں آتا۔ بلکہ بعض وقت دن میں دو تین اجابتیں بھی ہو جاتی ہیں۔ مگر تسلی نہیں ہوتی۔ پیٹ میں سدّا یا رکاوٹ محسوس ہوتی رہتی ہے اور یہ صورت شدت اختیار کرلیتی ہے تو مروڑ اور پیچ بھی پڑتا ہے۔ جسم میں حرارت زیادہ محسوس ہوتی ہے۔ ہاتھ پاؤں جلتے ہیں۔ اس کا سبب سوزش جگر ہوتا ہے۔ قارورہ زرد یا زرد سرخی مائل ہوتا ہے۔

نسخہ: سہاگہ دو حصے، ملٹھی (سفوف) تین حصے، گل بنفشہ تین حصے۔

ترکیب: سفوف تیار کرلیں۔

خوراک: خوراک ایک ماشہ سے تین ماشہ تک دن میں دو تین یا چار بار دیں۔ اس دوا کا نام غدی اعصابی ملین ہوگا۔ کیونکہ یہ اعصاب کو تحریک دے کر قبض کشائی کرتی ہے۔

اعصابی قبض

اعصابی قبض اصولاً تو ہونی نہیں چاہیے، مگر جب جسم میں بلغم بڑھ جاتی ہے اور اس کے نتیجہ میں حرارت اور ریاح کی کمی واقع ہو

جاتی ہے اس لیے ان کا اضافہ کرنا ہی قبض کو دور کر دیتا ہے۔ جسم میں نزلہ اور ریشہ بڑھ جاتا ہے۔ اکثر دردسر کی شکایت رہتی ہے۔ قارورہ کا رنگ سفید یا سفیدی مائل سرخ ہوتا ہے۔ کبھی سفیدی کے ساتھ ہلکی زردی بھی ہوتی ہے۔

نسخہ: ہلیلہ سیاہ، کالا دانہ۔ دونوں ہم وزن سفوف تیار کر لیں۔

خوراک: ایک رتی سے ایک ماشہ تک دن میں دو تین یا چار بار دیں۔ اس نسخہ کا نام عضلاتی ملین ہوگا۔ کیونکہ عضلات کو تحریک دے کر قبض کشائی کرتا ہے۔

مجربات ھضم

ہاضم ادویات

عام طور پر یہ غلط فہمی پائی جاتی ہے کہ کتب علم الادویہ میں جن ادویات کو ہاضم لکھا گیا ہے وہ ہر حیثیت سے بالخاصہ ہاضم ہیں، ایسا ہرگز نہیں ہے۔ کیونکہ ہر دوا کا اپنا ایک مزاج ہے اور اس کے مخصوص افعال ہیں۔ وہ اپنے مزاج اور افعال کے مطابق اعضاء اور خون پر اثر انداز ہو کر مفید ثابت ہوتی ہیں۔ مثلاً گرم امراض کے لیے سرد ادویات اور تر امراض کے لیے خشک ادویات ہی مفید ہو سکتی ہیں۔ اسی طرح ہاضمہ کی خرابی کا تعلق جن اعضاء سے ہے ان کا درست کرنا صحیح علاج ہے۔ یہ نہیں ہے کہ کوئی ہاضم چورن جس میں بہتر ادویات نمک سے لے ترشی اور کھار تک شامل کر لیا گیا ہو استعمال کر لینے سے ہاضمہ درست ہو جائے گا۔ ہاضمہ کا تعلق منہ سے مقعد کی نالی تک ہے۔ اس میں معدہ، امعاء جگر، طحال اور لبلبہ شریک ہیں۔ ہاضمہ کی ادویات تجویز کرنے میں مزاج کے ساتھ ہر ایک عضو کی رعایت ضروری ہے۔ پھر کبھی بھی کوئی نسخہ ناکام نہیں ہوگا۔

اس سے بھی اہم بات یہ ہے کہ فرنگی طب کی بے اصولی اور فرنگی ڈاکٹروں کے عطایانہ علاج نے ہاضم اور مقوی معدہ ادویات کا ایک سیلاب پھیلا دیا ہے جو بے حد مضر اور روز نئے امراض اور موت کا باعث بن رہا ہے۔ اس میں ٹی بی اور ہارٹ فیلور کو خاص دخل ہے۔ صرف اتنا لکھ دینا کہ فلاں دوا معدہ کے لیے مفید ہے، کافی نہیں ہے۔ جب ہاضمہ کا تعلق صرف معدہ سے نہیں ہے اور پھر معدہ خود مرکب عضو ہے اس میں اعصاب بھی ہیں، غدد بھی اور عضلات بھی۔ ان سب کے افعال جدا جدا ہیں۔ اس لیے ہاضمہ کی خرابی کی صورتیں بھی مختلف ہیں۔ جب تک ان کو مدنظر نہ رکھا جائے۔ ہاضمہ درست نہیں ہو سکتا۔ مگر فرنگی طب اس علم سے ناواقف ہے۔ اگر کوئی فرنگی ڈاکٹر جانتا ہے تو ہم چیلنج کرتے ہیں۔ ذیل میں انہی اعضاء کے تحت چند ابتدائی ہاضم ادویات لکھتے ہیں اس میں اضافہ کیا جا سکتا اور ان کو تیز بھی کیا جا سکتا ہے۔ بہر حال ترتیب یہی رہے گی۔ اس طرح ان میں خون کے کیمیاوی اثرات کو مدنظر رکھ کر بھی اضافہ کیا جا سکتا ہے۔

ہاضم غدی

اس قسم کی خرابی ہضم کا باعث غدد اور اس کے مرکز جگر میں سکون ہوتا ہے۔ اس کی علامات میں ریاح کی زیادتی اور ترش ڈکار اور عام طور پر قبض رہتی ہے۔ قارورہ کا رنگ سرخ۔

نسخہ: نوشادر ایک حصہ، نمک خوردنی تین حصے، ماس خورہ چار حصے۔

ترکیب: باریک سفوف تیار کر لیں۔

خوراک: ایک رتی سے ایک ماشہ تک دِن میں تین چار بار دیں۔ اگر قبض ہو تو تین ماشہ تک بھی دے سکتے ہیں۔

ہاضم عضلاتی

اس قسم کی خرابی کا باعث عضلات اور اس کے مرکز دِل میں سکون ہوتا ہے۔ اس کی علامات میں منہ سے پانی آنا اور کھاری ڈکار اور اکثر قبض نہیں ہوتی۔ قارورہ کا رنگ سفید۔

نسخہ: انار دانہ تین حصے، رائی تین حصے، تخم پیاز دو حصے۔ سفوف کر لیں۔

خوراک: چار رتی سے دو ماشہ تک دِن میں تین یا چار بار ہمراہ آبِ نیم گرم دیں۔

ہاضم اعصابی

اس قسم کی خرابی کا باعث اعصاب میں سکون ہوتا ہے، اس کی علامات میں جلن اور چرپرے ڈکار آتے ہیں۔ اکثر پیٹ میں مروڑ اُٹھتا ہے۔ قارورہ کا رنگ زرد۔

نسخہ: سجی کھار دو حصے، سہاگہ دو حصے، الائچی کلاں چار حصے۔ سفوف بنا لیں۔

خوراک: ایک رتی سے ایک ماشہ تک دِن میں تین چار بار ہمراہ آب تازہ دیں۔

مجربات مسہلات

مسہلات علاج کا ایک لازمی جز ہیں۔ ان کے بغیر علاج مکمل نہیں ہو سکتے۔ مگر مسہلات کے استعمال میں اس قدر غلطیاں کی جاتی ہیں جن کا اندازہ لگانا بہت مشکل ہے۔ ہر معالج بغیر سوچے سمجھے خاص طور پر فرنگی ڈاکٹر جو بھی مسہل کی دوا سامنے آئی ہر مرض مین اٹھا کر دے دی۔ مسہلات کے لیے بازار میں پیٹنٹ گولیاں، ٹکیاں مختلف کمپنیوں کی بکتی ہیں، بغیر تکلف استعمال کرا دی جاتی ہین۔ کوئی سالٹ استعمال کراتا ہے، کوئی کسٹر آئل دے دیتا ہے۔ اسی طرح دیسی ادویات میں گلقند، بلیلہ اور خیار شنبر کو دِن رات برتا جا رہا ہے مگر اس امر کو مدنظر نہیں رکھا جاتا کہ کن اعضاء، علامات اور امراض کے لیے مفید ہیں۔

مسہلات کے استعمال میں یہ امر لازم ہے کہ ادویات نہ صرف مزاج و کیفیات کے مطابق ہوں بلکہ ہر عضو اور ہر مرض کے مطابق ہوں۔ کیونکہ قدرت نے تقریباً ہر مرض و ہر علامت اور ہر عضو کا ایک جدا مسہل بنایا ہے۔ اس لیے کسی مسہل کا غیر جگہ استعمال کرنا نہ صرف غیر مناسب ہے بلکہ باعث نقصان ہوتا ہے۔

مسہلات کے لیے جو مفرد ادویات اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمائی ہیں وہ کم از کم ایک سو کے قریب ہیں اور اگر ان کے مرکبات دیکھے جائیں جو کئی ہزار بن جاتے ہیں ایک طرف ہزاروں مرکبات اور مجربات برائے مسہل استعمال کیے جانے چاہئیں اور دوسری طرف صرف ایک دوا کو ہر مرض و علامت میں استعمال کیا جاتا ہے۔ یہ فن سے لاعلمی ہے۔ فرنگی ڈاکٹر ان اصولوں اور قوانین سے واقف نہیں ہیں۔ اگر وہ جانتے ہوں تو میں ان کو چیلنج کرتا ہوں۔ صرف مسہل کے استعمال میں بے حسی کا اظہار کرتے ہیں۔ اس سے اندازہ لگا لیں کہ وہ دیگر امراض کے علاج میں کس قدر غلطیاں کرتے ہیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ رفتہ رفتہ ان کی ہر غلطی دُنیا کے سامنے پیش کروں گا اور چیلنج کے ساتھ پیش کروں گا۔

اس وقت تک بیسیوں بار فرنگی ڈاکٹروں کو چیلنج کر چکا ہوں، مگر اللہ تعالیٰ کی کریمی سے کسی کو مقابلے پر آنے کی جرأت نہیں ہوئی۔

مگر افسوس معالجین کے لیے ہے کہ وہ حقیقت کو جانتے ہوئے بھی فرنگی علاج اور ادویات کو استعمال کرتے ہیں۔ اگر وہ میرے گرد جمع ہو جائیں تو ایک قلیل عرصہ میں فرنگی طریق علاج کو یہاں سے بلکہ دُنیا بھر سے ختم کیا جا سکتا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ حقیقت چھپ نہیں سکتی۔ جلد وہ دِن آئے گا، جب دُنیائے طب اس نظریہ مفرد اعضاء سے مستفید ہو گی اور ہر چھوٹی بڑی مرض وعلامت کا آسانی سے علاج ہو سکے گا۔

مسہلات کے استعمال میں اوّل بالاعضاء ترتیب دینا چاہیے۔ اس کے بعد امراض وعلامات اور مزاج اور کیفیات کو سامنے رکھنا چاہیے۔ اس طرح سے اس مسہل سے نہ صرف تسلی بخش اسہال آ جاتے ہیں بلکہ امراض اور علامات بھی ختم ہو جاتی ہیں۔ ذیل میں اعضاء رئیسہ کے بعد تین مجربات تحریر کیے جاتے ہیں۔ جو اکسیر اور تریاق کا کام کرتے ہیں۔ صاحب فہم ہر مرض وعلامت اور ہر عضو کے لیے ان سے مستفید ہو سکتے ہیں۔

اعصابی مسہل

اعصابی مسہل کی اس وقت ضرورت ہے جب اعصاب میں سکون ہو۔ جگر کے فعل میں تیزی، صفراء کی زیادتی، پیشاب میں زردی کبھی جلن، کبھی مروڑ سے پاخانہ یا مروڑ سے درد، یرقان، استسقاء، حمی وبائیہ کبدی وغیرہ۔ ذات الجنب، نزلہ حارہ، پتھری، درد گردہ، ریح الکلیہ، دق وسل امعائی وغیرہ۔

نسخہ: عصارہ ریوند ایک حصہ، سہاگہ سات حصہ، ملٹھی سفوف آٹھ حصہ۔

ترکیب: سب کو ملا کر سفوف بنائیں۔ بس تیار ہے۔ گولیاں بقدر نخود بنا سکتے ہیں۔

خوراک: ایک رتی سے ایک ماشہ تک دِن میں تین چار بار دیں۔

غذا: ہر قسم کے مسہل کے بعد اس کے مطابق غذا ہونی چاہیے۔ اس لیے اعصابی مسہل کے لیے مسہل کے بعد دودھ، چاول، سبزیوں میں کدو، شلجم، مولی، گاجر، توری بھنڈی وغیرہ کی ترکاری اور محلول اغذیہ زیادہ مفید ہیں۔ تقویت کے لیے گوشت سبزی یا حریرہ بادام یا چار مغز بھی استعمال کر سکتے ہیں۔

غدی مسہل

غدی مسہل کی اس وقت ضرورت ہوتی ہے جب غدد یا جگر یا گردہ میں سکون ہو۔ ان کے افعال میں کمی ہو جاتی ہے۔ دِل کے فعل میں تیزی ہو جاتی ہے۔ جسم میں حموضت بڑھ جاتی ہے۔ ریاح کی کثرت، تبخیر، عموماً معدہ وامعاء میں سوزش ہاضمہ کی خرابی اور کمزوری، پیشاب میں سرخی، دِل کی گھبراہٹ، مثانہ میں تیزی اور احتلام کی شکایت۔

نسخہ: حب الملوک ایک حصہ،، رائی بارہ حصہ، گندھک بارہ حصے۔

ترکیب: اوّل حب الملوک کو گندھک کے ساتھ یک جان کریں، پھر اس میں رائی شامل کر لیں۔ بس تیار ہے۔

نوٹ: حب الملوک کو مدبر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ یونہی چھیل کر شامل کر لیں۔ بس تیار ہے۔

خوراک: دو چاول سے چار رتی تک دِن میں تین چار بار دے سکتے ہیں، اس کی گولیاں بھی بقدر نخود بنا سکتے ہیں۔ نصف حب سے دو حب تک دِن میں تین چار بار دے سکتے ہیں۔

غذا: غذا میں دلیہ، گلا ہوا گوشت، شوربا، پالک، میتھی، ٹینڈے وغیرہ۔

نوٹ: غذا کے لیے یہ تاکید ہے کہ اسہال آ جانے کے بعد لیں۔ کیونکہ پہلے غذا لینے سے اکثر غذا کا فعل باطل ہو جاتا ہے۔ اگر بھوک شدید

ہوتو پھر کوئی سیال غذا لینی چاہیے۔ مثلاً گوشت یا سبزی یا گوشت کا شوربہ پی سکتے ہیں۔

عضلاتی مسہل

عضلاتی مسہل کی اس وقت ضرورت پیدا ہوتی ہے جب عضلات میں سکون ہوتا ہے قلب کے فعل میں بہت سستی ہوتی ہے۔ بلغم کی زیادتی، مزمن صورتوں میں جریان کی شدت، خون کا دباؤ بہت کم۔ بھوک اکثر بند ہوتی ہے۔

نسخہ: حنظل، مصبر، دونوں ہم وزن سفوف کر کے ملالیں۔ پھر گولیاں بقدر نخود تیار کر لیں۔ بس تیار ہے۔

خوراک: ایک حب سے تین حب تک ہمراہ آب تازہ یا نیم گرم، یا چائے کے ساتھ دن میں تین چار بار دیں۔

غذا: غذا میں روٹی، ڈبل روٹی، گوشت خاص طور پر بھنا ہوا گوشت، دال مونگ، آلو، بینگن، گوبھی، ٹماٹر وغیرہ استعمال کر سکتے ہیں۔

نوٹ: تین صورتوں کے تین یقینی بے خطا مجرب نسخے لکھ دیئے ہیں۔ انہی اصولوں پر اور بھی نسخے تجویز و تجربہ کئے جا سکتے ہیں۔ ان نسخوں میں بھی کمی بیشی کی جا سکتی ہے اور اس کے علاوہ مختلف امراض اور مزاج کی مناسبت سے ان نسخوں میں خوشبودار اور اس کے علاوہ مختلف امراض اور مزاج کی مناسبت سے ان نسخوں میں خوشبودار اور قیمتی ادویات بھی شامل کی جا سکتی ہیں۔ مثلاً مشک، عنبر اور زعفران، سونے چاندی کے اوراق وغیرہ۔ اسی طرح مختلف خمیرے اور یاقوتیاں جو مزاج اور امراض کے مناسب ہوں وہ بھی شامل کی جا سکتی ہیں۔ اسی طرح مزمن امراض کے لیے پارہ، شنگرف، ہڑتال وغیرہ کا بھی اضافہ کیا جا سکتا ہے۔ ان کے علاوہ مناسب عرق و شربت، رب اور مربہ جات اور دیگر بدرقہ جات بھی استعمال ہو سکتے ہیں۔ گویا یہ تین بنیادی مسہل ہیں جو اعضاء رئیسہ کے مطابق تجویز اور تجربہ کئے گئے ہیں اور ضرورت کے مطابق تغیر و تبدیل ہو سکتا ہے۔

نوٹ نمبر ۲: یہ بات ہمیشہ یاد رکھیں کہ حکیم عقلمند اور ذہین انسان ہوتا ہے وہ صرف دوا فروش ہی نہیں ہے بلکہ وہ اپنی عقل اور ذہانت سے کام لے کر مرض و مزاج اور اعضاء کی کمی بیشی کو سمجھتا ہے اور ضرورت کے مطابق کمی بیشی اور تغیر و تبدل کر سکتا ہے۔ وہ بغیر غور و فکر کے کوئی دوا استعمال نہیں کرتا۔ بلکہ اپنی ذہانت اور فہم و فراست کو بروئے کار لا کر مریض کے لیے رحمت و شفقت کی راہیں پیدا کر دیتا ہے۔

مجربات کھانسی

تشریح: کھانسی مرض نہیں ہے بلکہ ایک علامت ہے۔ قصبۃ الریہ (ہوا کی نالی) سے پیدا شدہ آواز ہے جو اعضائے صدر کی غیر طبعی حرکات سے پیدا ہوتی ہے۔ جس سے پھیپھڑوں، اس کے پردوں اور دیگر اعضائے صدر کی بے چینی، تکلیف اور اذیت رفع کرنے کے لیے وقوع میں آتی ہے۔ کھانسی کی حرکت بالکل ایسا فعل ہے جیسے معدہ کے لیے ہچکی اور دماغ کے لیے چھینک ہے۔

اسباب

اس کے تین قسم کے اسباب ہوتے ہیں: ① کیفیاتی و نفسیاتی ② مادی و سوزشی ③ شرکی و ارضی۔

غلط فہمی

عام طور پر یہ کوشش کی جاتی ہے کہ کوئی ایسی دوا تیار ہو جائے جو ہر قسم کی کھانسی میں مفید ہو۔ ایسی کوشش عام طور پر دوا فروش اور غیر معالج کرتے ہیں۔ یہ سبق فرنگی طب سے لیا گیا ہے۔ کیونکہ فرنگی کمپنیاں ہر علامت کو مرض بنا کر پیش کرتی ہیں اور اس کے لیے اپنی بے

معنی دوا کا پروپیگنڈا کرتی رہتی ہیں، حیرت اس بات کی ہے کہ فرنگی میڈیکل کونسل ایسی ادویات کو کیسے پاس کر دیتی ہے۔ فرنگی میڈیکل کونسل کی گزشتہ پچاس سال کی تاریخ اٹھا کر دیکھ لیں کہ اس نے ایک مرض کے لیے سینکڑوں نہیں ہزاروں ادویات پاس کی ہیں۔ لیکن ان کا حشر کیا ہوا۔ عرصہ دس سال کے اندر ان کا نام ونشان نہ رہا اور اس مرض کی نئی ادویات مارکیٹ میں آ گئیں۔ اس کی وجہ اس کے سوا کیا ہو سکتی ہے کہ وہ ادویات ناکام تھیں اور تجارتی زاویہ نگاہ سے نئی ادویات مارکیٹ میں بھیجنی پڑیں۔

اپنا مقصد حاصل کرنے کے لیے فرنگی تجارتی میڈیکل کمپنیاں ہر قسم کے زہر اور منشیات کے استعمال سے گریز نہیں کرتیں۔ افیون، مارفیا، بھنگ اور دھتورہ جیسے خوفناک منشیات کو بے دھڑک استعمال کیا جا رہا ہے، جن کا نتیجہ ظاہر ہے کہ جسم انسان میں سلو پوائزننگ (رفتہ رفتہ زہر کا اکٹھا ہونا) سے بالآخر موت یا ہارٹ فیلور کی صورت پیدا ہو جاتی ہے۔ ان کی دیکھا دیکھی ہمارے ناعاقبت اندیش اطباء و وید اور ہومیو پیتھ بھی فوری فائدہ کی خاطر فرنگی ادویات کا استعمال بغیر کیفیاتی و مادی اور شرکی صورتوں کو سمجھے، شروع کر دیتے ہیں۔

اس وقت تک مارکیٹ میں کھانسی کے لیے سینکڑوں ادویات بک رہی ہیں، لیکن سب کی عطایانہ صورت ہے۔ یعنی کھانسی کے لیے اکسیر بتائی جاتی ہیں۔ ہم چیلنج کرتے ہیں کہ اگر ان میں سے ایک بھی دوا ہر قسم کی کھانسی کے لیے مفید ہو تو ہم ہر ایسی دوا کی اطلاع کے لیے مبلغ پانچ صد روپیہ پیش کرتے ہیں۔ سب سے بڑی بات یہ کہ فرنگی ڈاکٹر بالمفرد اعضاء امراض کی ماہیت اور خواص الادویہ سے بالکل واقف نہیں ہیں۔

کھانسی کی اقسام

کھانسی کی بالمفرد اعضاء امراض کی تین صورتیں ہیں: ① اعصابی کھانسی ② غدی کھانسی ③ عضلاتی کھانسی۔ علامات اور مجربات درج ذیل ہیں۔ ان تینوں اقسام کے اسباب کا مدنظر رکھنا ضروری ہے۔

اعصابی کھانسی

اس کھانسی میں اعصاب متاثر ہوتے ہیں جس سے جسم میں بلغم کی زیادتی، عام طور پر سفید رقیق بلغم پیدا ہوتا ہے۔ جس کا اخراج بڑی دقت سے ہوتا ہے۔ جسم اکثر ٹھنڈا، اکثر زکام کی صورت، قارورہ سفید اور زیادہ پاخانہ غیر منہضم۔ کھانسی کی زیادتی میں دل ڈوبتا ہے۔ بار بار کھانسی سے سر میں درد یا چوٹ پیدا ہوتی ہے اور اکثر قے ہو جاتی ہے۔ اگر یہ مزمن صورت اختیار کر جائے تو کالی کھانسی بن جاتی ہے۔

نسخہ: تخم پیاز، دار چینی، کاکڑا سنگی، تینوں ادویات ہم وزن لے کر سفوف کر کے ملا لیں۔ بس تیار ہیں۔

خوراک: ایک ماشہ سے تین ماشہ تک دن میں تین چار بار ہمراہ آبِ نیم گرم دیں۔

غدی کھانسی

اس کھانسی کا تعلق پھیپھڑوں کے غشائے مخاطی سے ہوتا ہے اور غدد کے افعال میں خرابی ہوتی ہے۔ چہرہ و قارورہ میں زردی، بلغم گاڑھا رقیق و ملا جلا گلے میں سوزش زیادہ کبھی جی متلاتا ہے کبھی مروڑ کی صورت ہو جاتی ہے۔ بعض وقت پیشاب میں جلن ہوتی ہے۔ زیادتی کی صورت میں ضعف قلب پیدا ہو جاتا ہے۔

نسخہ: بادام مقشر 9 حصے، ست ملٹھی ایک حصہ، گوند کیکر تین حصے سفوف بنالیں۔بس تیار ہے۔
خوراک: ایک ماشہ سے تین ماشہ تک ہمراہ آب تازہ یا مناسب بدرقہ استعمال کرائیں۔

عضلاتی کھانسی

اس کھانسی کا تعلق پھیپھڑوں کے ساتھ ہے۔اس میں چہرہ اور قارورہ میں سرخی، خشکی اور قبض کی زیادتی، ریاح شکم کا بکثرت ہونا، دِل کا گھبرانا، نبض کا تیز چلنا ہے، حرارت ہو جانا، بلغم کا غلیظ ہونا اور اس کا آسانی سے اخراج نہ پانا وغیرہ۔
نسخہ: گل بانسہ آٹھ حصے (اگر میسر نہ ہوں تو برگ بانسہ)، گل بنفشہ پانچ حصے، بادیان تین حصے، سفوف بنالیں۔بس تیار ہے۔
خوراک: ایک ماشہ سے تین ماشہ تک ہمراہ آب تازہ دِن میں تین بار دیں۔

مجربات دمہ

تشریح: دمہ کوئی مرض نہیں ہے بلکہ یہ سانس کی تنگی کی علامت ہے جس سے سانس پھولتا ہے، یعنی مریض جلد جلد سانس لیتا ہے۔یہ بالکل ایسی علامت ہے جیسے تیز چلنے، دوڑنے اور اوپر چڑھنے پر اکثر عارضی طور پر پیدا ہوتی ہے جو ہوا کی نالی اعضاء کی غیر طبعی حرکات اور صورت سے پیدا ہوتی ہے، جس میں کبھی نیم (آکسیجن) کی کمی اور دخان (کاربن ڈائی آکسائیڈ) کی زیادتی یا کبھی نسیم کی زیادتی اور دخان کی کمی کی وجہ سے پیدا ہو جاتی ہے۔

غلط فہمی

ایک طرف تو عوام میں یہ غلط فہمی ہے کہ دمہ کا کوئی علاج نہیں اور وہ دم (موت کے آخری سانس) کے ساتھ جاتا ہے اور دوسری طرف عطائی معالجین میں یہ جذبہ پایا جاتا ہے کہ کوئی ایسی اکسیر یا تریاق تیار ہو جائے جو ہر قسم کے دمہ کے لیے شرطیہ اور بے خطا دوا ہو۔ سب سے بڑے عطائی فرنگی ڈاکٹر ہیں جو اپنی دکانداری چمکانے اور بزنس کو فروغ دینے کے لیے دمہ کے علاج کے لیے سینکڑوں دوائیں تیار کر کے امریکہ اور یورپ سے ہمارے ملک روانہ کرتے رہتے ہیں۔ان میں سے ایک بھی مفید ثابت نہیں ہوئی۔ ہر دو تین سال بعد یورپ کے کسی نہ کسی ملک سے یا امریکہ کے کسی نہ کسی حصہ سے کوئی نہ کوئی نئی دوا تیار ہو کر یہاں پہنچ جاتی ہے۔مریض شوق سے خریدتے ہیں، مگر مرض دمہ میں بال برابر فرق نہیں آتا۔شفا تو بہت دور کی بات ہے۔البتہ مرض کا دورہ روکنے کے لیے چند مخدرات مخصوص کیے ہوئے ہیں، جن سے وقتی طور پر دورہ رُک جاتا ہے۔آہستہ آہستہ مریض ان مخدرات کا عادی ہو جاتا ہے۔اوّل ان کی مقدار زیادہ کرتا رہتا ہے، بعد میں ان کے زہریلے اثرات سے موت کے منہ میں چلا جاتا ہے۔

کیا کوئی فرنگی ڈاکٹر دعویٰ کرسکتا ہے کہ ان کی طب میں کوئی ایسی دوا ہے جو ہر قسم کے دمہ کے لیے یقینی ہو یا کسی خاص قسم کے دمہ کے لیے مفید ہو۔ہم چیلنج کرتے ہیں کہ ان کو دمہ کی حقیقت کا صحیح علم بھی نہیں ہے۔پھر بھلا وہ علاج میں کیسے کامیاب ہو سکتے ہیں۔لطف کی بات یہ ہے کہ نزلہ وزکام کھانسی اور نمونیہ وغیرہ کے جراثیم تو ان کو نظر آتے ہیں لیکن دمہ (استھما) کے جراثیم ان کو نظر نہیں آتے کہ ان کو فنا کر کے ان کا علاج کرلیں۔فرنگی کے تجارتی ہتھکنڈے (بزنس ٹیکٹس) ایسے ہیں کہ عوام متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔کسی کمپنی کی طرف سے پریس میں بیان شائع ہو جاتا ہے کہ فلاں ملک میں ایک ڈاکٹر صاحب نے دمہ کے لیے ایک دوا ایجاد کرلی ہے یا ایک نئی بوٹی پر تجربات کیے

ہیں یا فلاں دوا کے جوہر سے ایک اکسیر بنائی ہے جو بہت مفید ثابت ہوئی ہے اور بے شمار مریضوں پر تجربہ کیا گیا ہے۔ بہت سے پرانے مریضوں کو آرام ہو گیا ہے۔ پھر چند دنوں کے بعد ہی دوا بازار میں آجاتی ہے۔ لیکن نتیجہ صفر سے آگے نہیں بڑھتا۔

دمہ کی اقسام

دمہ کی تین قسمیں ہیں: ① نزلی دمہ ② قلبی دمہ ③ کلوی دمہ۔

نظریہ بالمفرد اعضاء کے تحت ان تینوں صورتوں کے عصبی دمہ، عضلاتی دمہ اور غدی دمہ بھی کہہ سکتے ہیں۔ ہر قسم کے دمہ کی صورتیں ان کے تحت آجاتی ہیں۔ ہوا کی نالی، اعضائے صدر، معدہ و امعاء، جگر و طحال کی سوزش و اورام اور بثور و قروح سے بھی تنگی تنفس اور دمہ کی صورتیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ اسی طرح ریحی و استرخا اور تشنجی کو ان ہی کے تحت غور کرنا چاہیے۔ البتہ حاد و مزمن میں علاج کی رعایت رکھنی ضروری ہے۔ مجربات درج ذیل ہیں۔

اکسیر دمہ اعصابی

اس قسم کے دمہ میں نزلی دمہ، بلغمی دمہ اور استرخائی دمہ بھی شریک ہیں۔ مریض کے اعضائے صدر پر رطوبت کی زیادتی ہوتی ہے۔ اعضاء ڈھیلے ہو جاتے ہیں۔ بلغم کا اخراج مشکل ہو جاتا ہے، کوشش کے بعد بھی نہیں خارج ہوتی۔ اکثر قے ہو جاتی ہے۔ قارورہ سفید اور پاخانہ غیر منہضم ہوتا ہے۔

نسخہ: کشتہ نیلا طوطیہ دو حصے، کشتہ سنکھیا ایک حصہ، دونوں کشتے کسی شے میں کئے ہوئے ہوں۔ سفوف جنگلی پیاز پانچ حصے۔

ترکیب: جنگلی پیاز سکھا کر سفوف بنالیں۔ اس میں دونوں کشتے ملا کر نصف گھنٹہ تک کھرل کریں۔ بس تیار ہے۔

خوراک: ایک رتی سے ایک ماشہ تک دن میں دو تین بار منقیٰ میں ڈال کر دیں۔ غذا اور پرہیز مناسب کرائیں۔

اکسیر دمہ غدی

اس دمہ میں غشائے مخاطی، جگر اور گردوں کے افعال میں خرابی ہوتی ہے۔ بلغم زردی مائل رقیق و غلیظ ملا جلا۔ اکثر چہرے اور قارورے میں زردی، کبھی جی متلاتا ہے، کبھی مروڑ کی صورت ہو جاتی ہے، بعض اوقات پیشاب میں جلن اور ضعف قلب کی مریض شکایت کرتا ہے۔

نسخہ: کشتہ چاندی تین حصے (کسی شے میں کیا ہوا ہو)، سرمہ سیاہ ایک حصہ، ریٹھا چار حصے۔

ترکیب: ریٹھا دھوپ میں خشک کر کے سفوف بنالیں اس میں کشتہ چاندی اور سرمہ سیاہ ملالیں۔ پھر نصف گھنٹہ تک کھرل کریں۔ بس تیار ہے۔

خوراک: ایک رتی سے ایک ماشہ مکھن میں ڈال کر دیں۔ غذا اور پرہیز مناسب کرائیں۔

اکسیر دمہ عضلاتی

ریحی دمہ، تشنجی دمہ اور معدی دمہ بھی اس میں شریک ہیں۔ اس میں ریاح شکم، قبض کی زیادتی، خشکی چہرہ اور قارورہ، دل کا گھبرانا، نبض تیز، بلغم کی کمی، حرارت کا بڑھ جانا۔

نسخہ: کشتہ شنگرف دو حصے، کشتہ بارہ سنگا دو حصے (ہر دو کشتے کسی شے میں کئے گئے ہوں)، رائی چار حصے۔

ترکیب: اول رائی کا سفوف تیار کرلیں۔ پھر کشتہ جات اس میں ملا کر نصف گھنٹہ تک کھرل کرلیں۔ بس تیار ہے۔

خوراک: ایک رتی سے ایک ماشہ تک آب نیم گرم یا چائے کے ساتھ دیں۔ غذا و پرہیز مناسب کریں۔

مجربات طمث

تشریح

جسم انسان میں کسی جگہ سے بھی خون یا رطوبات کا اخراج ہو تو یہ دونوں صورتیں ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ جب خون کا اخراج ہوگا تو رطوبات بند ہوں گی اور جسم میں پوری طرح سے خشکی ہوگی اور جب رطوبات کا اخراج ہوگا تو خون کا اخراج بند ہوگا اور جسم میں رطوبات کی کثرت ہوگی۔ اس اصول اور کلیہ کو سمجھ لینے کے بعد ہر قسم کے خون کے اخراج اور رطوبات کی زیادتی کا اخراج آسانی سے سمجھا اور روکا جاسکتا ہے۔

نظریہ مفرد اعضاء کے تحت جب جسم انسانی میں کسی جگہ سے خون کا اخراج ہوتا ہے تو اس وقت عضلاتی تحریک یا سوزش ہوتی ہے۔ چونکہ عضلاتی تحریک کی دو صورتیں ہیں، ایک عضلاتی اعصابی اور دوسرے عضلاتی غدی ہیں۔ اوّل صورت میں خون کا اخراج سر سے لے کر معدہ تک کے اعضاء تک زیادہ رہتا ہے۔ دوسری صورت میں جگر سے لے کر قارورہ و مقعد اور رحم تک زیادہ ہوتا ہے۔ رطوبات کا اخراج یا زیادتی ہوتی ہے تو اعصابی تحریک یا سوزش ہوتی ہے۔ چونکہ اعصابی تحریک کی بھی دو صورتیں ہیں۔ اس لیے جب اعصابی عضلاتی تحریک ہوتی ہے تو رطوبات کا اخراج سر سے پیٹ تک زیادہ رہتا ہے اور جب اعصابی غدی تحریک ہوتی ہے تو رطوبات کا اخراج گردوں سے نیچے قارورہ، مقعد اور رحم سے ہوتا ہے۔

ان دو صورتوں یعنی خون کی کثرت اور بندش کے علاوہ ایک تیسری صورت بھی ہے۔ اس صورت میں خون تنگی اور تکلیف سے آتا ہے۔ یعنی آنے کے ساتھ درد کی شدت بھی ہوتی ہے۔ اس صورت میں غدد کے اندر تحریک یا شدت ہوتی ہے، اس کی بھی دو صورتیں ہیں، اوّل غدی عضلاتی، اس میں خون زیادہ آتا ہے اور درد کم ہوتا ہے۔ دوسری صورت غدی اعصابی، اس میں خون کم اخراج پاتا ہے، لیکن درد زیادہ ہوتا ہے۔

ان حقائق کو سامنے رکھتے ہوئے عورتوں کو ماہواری کے خون کی کمی بیشی، نفاس میں افراط و تفریط اور سیلان الرحم کی زیادتی وغیرہ میں وہی صورتیں ہیں جو اوپر بیان کی گئی ہیں۔ یعنی (۱) کثرت طمث (ماہواری زیادتی) عضلاتی تحریک ہے۔ (۲) احتباس طمث (ماہواری کی بندش) اعصابی تحریک ہے۔ (۳) عسر طمث (ماہواری کی تنگی) غدی تحریک ہے۔ البتہ یہ نکتہ یاد رکھیں کہ قدرت نے عورتوں کی اس طرح تخلیق کی ہے کہ ان کو مکمل عضلاتی تحریک بھی نہیں ہوتی بلکہ ان کا سب کچھ غدی تحریک تک ہی ختم ہو جاتا ہے اور برائے نام عضلاتی تحریک ہوتی ہے۔ اس لیے نظریہ مفرد اعضاء کے تحت ان کی صورتیں اس طرح ہوں گی: (۱) کثرت طمث، غدی عضلاتی تحریک۔ (۲) احتباس طمث، اعصابی غدی تحریک۔ (۳) عسرت طمث، غدی اعصابی تحریک۔ ان کا علاج ان تحریکات کو عضلات سے غدد کی طرف، غدد سے اعصاب کی طرف اور اعصاب سے عضلات کی طرف الٹ دینے سے ہوسکتا ہے۔ مجربات درج ذیل ہیں۔

کثرت طمث

(علاج غدی اعصابی) یہ امر ذہن نشین کرلیں کہ اکثر معالجین خصوصاً فرنگی ڈاکٹر اخراج خون کو روکنے کے لیے اکثر حابسات اور

قابضات کا استعمال کرتے ہیں، جیسے کیلشیم اور فیرم کے مرکبات (چونا اور فولاد وغیرہ)۔ بعض اوقات ان سے عارضی فائدہ ہو بھی جاتا ہے، لیکن نتیجہ نقصان ہوتا ہے۔ بعض کم علم اور جاہل اطباء اس مرض کو گرمی کی زیادتی خیال کرتے ہوئے سرد خشک یا سرو تر ادویات استعمال کراتے ہیں۔ یہ بھی غلط ہے۔

جاننا چاہیے کہ کثرت طمث ہمیشہ خشکی یا سوزش سے ہوتا ہے۔ یہ خشکی اور سوزش گرمی کی زیادتی سے ہی کیوں نہ ہو، لیکن بہرحال گرمی کی کمی ہوتی ہے۔ کیونکہ گرمی ہی کم ہے کہ جس سے خشکی اور سوزش کی تحریک ہوتی ہے۔ یہ بھی یاد رکھیں کہ یہی خشکی اور سوزش ہی اکثر ورم میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔ اس کے لیے کثرت طمث کا علاج محللات سے کیا جانا چاہیے۔ نسخہ درج ذیل ہے۔

نسخہ: زیرہ سیاہ 2 تولہ، بادیان 3 تولہ، گندھک 3 تولہ، سفوف بنالیں۔

خوراک: ایک ماشہ سے چار ماشہ تک دن میں چار بار ہمراہ گرم پانی دیں۔

تنگی حیض عسرت طمث

(علاج اعصابی غدی) اس کے علاج میں عام طور پر یہ غلطی کی جاتی ہے کہ ایسی ادویات استعمال کی جاتی ہیں جو حیض زیادہ لانے کے لیے دی جاتی ہیں۔ یہ دراصل سوزش خصیۃ الرحم، خصوصاً سوزش غدد ہوا کرتی ہے، اس کا علاج سوزش غدد کا دور کرنا ہے۔ جب یہ سوزش دور ہو جاتی ہے تو آئندہ طمث میں باقاعدگی پیدا ہو جاتی ہے اور جو معالج حیض آور دوا دیتے ہیں ان سے اکثر اس مرض میں شدت ہو جاتی ہے اور مدتوں یہ مرض لگا رہتا ہے۔ بلکہ اختناق الرحم ہسٹیریا شروع ہو جاتا ہے۔ نسخہ درج ذیل ہے۔

نسخہ: سمندر جھاگ 4 تولہ، زیرہ سفید 3 تولہ، الائچی خورد ایک تولہ۔ سفوف بنالیں۔

خوراک: ایک ماشہ سے 4 ماشہ تک ہمراہ آب نیم گرم دیں۔

رکاوٹ احتباس طمث

(علاج غدی عضلاتی) اس تکلیف کے علاج پر اکثر یہ غلطی کی جاتی ہے کہ مدرات حیض کا استعمال کیا جاتا ہے۔ اس میں مدرات حارہ بھی ہوتے ہیں اور مدرات باردہ بھی ہوتے ہیں۔ یہاں پر مدرات کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کیونکہ خون کا دباؤ اس وقت بڑھ سکتا ہے جب جسم میں رطوبات کی بندش ہو، جیسا کہ ہم ابتداء میں لکھ چکے ہیں۔ تحقیقات علم الادویہ کے بیان میں ہم انشاء اللہ تعالیٰ تفصیل سے ان اغلاط پر روشنی ڈالیں گے جو طب میں بھری پڑی ہیں اور بڑے بڑے جگادری حکماء اور اطباء نے بھی مکھی پر مکھی ماری ہے۔ نسخہ درج ذیل ہے۔

نسخہ: ابہل 4 تولہ، رائی 2 تولہ، مرکی 2 تولہ۔ سفوف کرلیں۔

خوراک: 4 رتی سے ایک ماشہ تک دن میں تین چار بار دیں۔

نوٹ: ان تمام علاجات میں غذا بھی حسب ضرورت رکھیں۔ جیسی کہ کتاب ''تحقیقات حمیات'' میں بیان کی گئی ہے۔

مجربات سیلان الرحم

تشریح

گزشتہ صفحات میں جو تشریح مجربات طمث میں پیش کی گئی ہے اور اس میں رطوبات کے اخراج کی حقیقت پر جو روشنی ڈالی گئی ہے اس کو ایک بار پھر ذہن میں رکھ لیں۔ اس کے علاوہ کتاب ''تحقیقات نزلہ وزکام'' میں نظریہ مفرد اعضاء کے تحت نزلہ وزکام کی حقیقت کو پھر سے ذہن میں تازہ کر لیا جائے تو سیلان الرحم کو سمجھنے میں بہت آسانی ہوگی۔ اسی طرح جریان وسرعت انزال کے نسخے بھی دیکھ لیں۔

سیلان الرحم کو عسر العلاج و پیچیدہ اور مشکل شفاء امراض میں شمار کیا جاتا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ کوئی مشکل مرض نہیں ہے۔ البتہ اس کو سمجھا نہیں گیا۔ فرنگی طب تو اس حقیقت سے بھی واقف نہیں ہے۔ اس لیے اس کے طریق علاج میں سیلان الرحم کو شفا بخش علاج ہی نہیں ہے۔ جس طرح فرنگی طب میں جریان وسرعت انزال اور احتلام کی نہ صحیح تشخیص ہے اور نہ ہی تسلی بخش علاج ہے۔ اگر ہم مبالغہ سے کام لے رہے ہیں تو ہر فرنگی ڈاکٹر ہمارا چیلنج قبول کر سکتا ہے۔ ہم ثابت کرنے کے لیے تیار ہیں کہ طب یونانی میں ان سب امراض کی صحیح تشخیص اور تسلی بخش علاج ہے۔ لیکن شرط یہ ہے کہ اگر تشخیص اور علاج بالکل بنیادی اصولوں پر کئے جائیں تو صرف مجربات کو شفا بخش علاج نہ سمجھ لیا جائے۔ یعنی ہر مریضہ کے مزاج اور کیفیات کے مطابق تشخیص کی جائے اور اس کے مطابق ہی علاج تجویز کیا جائے۔

عام طور پر طب میں بھی مجرباتی علاج کیا جارہا ہے، یہی وجہ ہے کہ روز بروز اس کی قوت شفا کم ہوتی جارہی ہے اور فرنگی طب جو خود سراپا مجرباتی علاج ہے طب یونانی کو عطائیت کا طعنہ دیتی ہے۔ مغربی تعلیم یافتہ پہلے ہی سے آنکھوں کے اندھے ہیں جو نہ فرنگی طب کو جانتے ہیں اور نا ہی طب یونانی کی حقیقت سے واقف ہیں۔ وہ مغرب پرستی کے تحت فرنگی طب کو (نعوذ باللہ) کتب سماوی سے بھی زیادہ خیال کرتے ہیں۔

معالج طب یونانی سیلان الرحم کا جو تصور کرتا ہے تو وہ یہ سمجھتا ہے کہ رطوبات کی زیادتی ہے اس لیے فوراً خشک ادویات اور اغذیہ تجویز کر دیتا ہے جو عام طور پر سرد ہی ہوتی ہیں۔ جس کا اکثر نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مرض پہلے سے بھی زیادہ ہو جاتا ہے اور شدت اختیار کر لیتا ہے اور معالج حیران ہوتا ہے کہ باوجود انتہائی خشک ادویات کے استعمال سے مرض زیادہ ہو گیا ہے۔ بعض مجرباتی معالج مقوی ادویات مثلاً فولاد اور دیگر اقسام کے کشتہ جات یا ازراقی قسم کی مقوی ادویات دیتے ہیں، ان کو کبھی کبھی کامیابی بھی ہو جاتی ہے۔ اگر یقین نہ ہو تو مجربات کی کتب اٹھا کر دیکھ لیں، سیلان الرحم کے لیے جو نسخے لکھے ہوئے ہوں گے ان میں یہی دو صورتیں ہوں گی۔

اسرار ورموز

سیلان الرحم کے علاج میں جو اسرار ورموز کام کرتے ہیں وہ رحم یا خصیۃ الرحم کی سوزش ہے جس کی طرف نہ فرنگی ڈاکٹر نظر رکھتے ہیں اور نہ مجرباتی معالج پرواہ کرتے ہیں۔ اس سوزش سے رحم کے اندر کمی بیشی کے ساتھ لذع ودغدغہ اور خارش کی علامات پائی جاتی ہیں جن سے سیلان رطوبات اور سیلان منی ہوتا ہے، دونوں قسم کا سیلان دراصل سیلان الرحم ہی کہلاتا ہے۔

فرق سیلان منی اور سیلان رطوبات

اکثر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ سیلان الرحم دراصل عورتوں میں سیلان منی ہے، جیسے مردوں میں سیلان منی ہوتا ہے جس کو جریان کہتے ہیں۔ اس میں شک نہیں ہے کہ یہ بھی سیلان کی ایک صورت ہے اور بہت اہم صورت ہے لیکن یہ صورت بہت کم واقع ہوتی ہے کیونکہ اس کے ساتھ خواہش جماع شدید ہوتی ہے یا جذبات لذت حد اعتدال سے بڑھا ہوا ہوتا ہے۔ طبیعت منی کو تیار کر کے سیلان کی صورت میں خارج کرنا شروع کر دیتی ہے۔

خیال رکھیں کہ منی سفید رنگ یا ہلکا زردی مائل سفید رنگ، قوام میں گاڑھا پن اور بے حد متعفن ہوتی ہے۔ بلکہ ایک خاص قسم کی مہک ہوتی ہے۔ سیلان رطوبت دراصل سوزش رحم یا سوزش خصیۃ الرحم ہے جس میں خواہش جماع اور لذت کو کوئی دخل نہیں ہے۔ البتہ سوزش کی علامات میں رطوبت کے ساتھ خارش، بے چینی اور تناؤ ضرور پایا جاتا ہے۔ رطوبات رنگ دار، رقیق اور متعفن ہوتی ہیں۔

نظریہ مفرد اعضاء کے مطابق سیلان الرحم کی دو اقسام ہیں: (۱) اعصابی (۲) غدی۔ اعصابی قسم کی پھر دو صورتیں ہیں: ایک صورت تر ی سردی کی اور دوسری تری گرمی کی ہے۔ ان کو نظریہ مفرد اعضاء کے تحت اس طرح بیان کرتے ہیں کہ اعصابی عضلاتی اور اعصابی غدی، علی الترتیب دوسری قسم کی بھی صورتیں ہیں۔ ایک صورت گرم تر اور دوسری گرم خشک ہے۔ نظریہ مفرد اعضاء کے تحت اس طرح بیان ہوں گی۔ غدی اعصابی اور غدی عضلاتی علی الترتیب ہوں گی۔

عضلاتی صورت اور علامات حمل

اس مرض میں عضلاتی صورت نہیں ہو سکتی، کیونکہ عضلاتی صورت میں رطوبات کا اخراج بالکل بند ہوتا ہے اور ایک وجہ یہ بھی ہے کہ عورتوں میں عضلاتی مزاج ہوا ہی نہیں کرتا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے عورتوں میں وجدان کی قوت پیدا ہی نہیں کی۔ عرصہ پندرہ سال سے کسی عورت کی نبض اور قارورہ عضلاتی نہیں دیکھا اور اگر کسی عورت میں کسی حد تک یہ صورت نظر بھی آئی ہے تو اس کے مزاج میں جسمانی اور ذہنی طور پر مردانہ پن پیدا ہو چکا ہوتا ہے۔ البتہ اگر کسی نوجوان عورت میں نبض اور قارورہ عضلات کی طرف زیادہ مائل دیکھیں تو اس پر حمل کا حکم لگا دیں۔ اگر عضلات میں انتہائی شدت ہو تو لڑکے کی خوشخبری دے دیں اور اگر حمل میں نبض اور قارورہ اعصاب کی طرف مائل ہو تو یقیناً لڑکی پیدا ہو گی۔ یہ ایسے اسرار و رموز ہیں جو صرف نظریہ مفرد اعضاء ہی سے سمجھ میں آ سکتے ہیں۔ فرنگی طب اور ماڈرن سائنس ان کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتی۔ انشاء اللہ ہم ایسے اسرار و رموز پیش کر دیں گے کہ فرنگی طب اور ماڈرن سائنس تو کیا ہزاروں سالوں کی طبی دُنیا ان اسرار و رموز اور حقائق سے بے خبر ہے۔

علاج سیلان الرحم

جہاں تک سیلان منی کا تعلق ہے اس کے ساتھ اکثر اختناق الرحم کی صورت بھی پائی جاتی ہے، اس لیے اس کے علاج کے لیے اختناق الرحم کو مدنظر رکھیں جس کا 99 فیصدی علاج عقد ہے۔ اگر فوری طور پر ممکن نہ ہو تو سیلان رطوبات کے تحت اس کا علاج کریں۔ اس سے سیلان منی اور خواہش جماع ختم ہو جائے گی۔

سیلان رطوبات کی چار صورتیں بیان کی گئی ہیں، دو اعصابی یعنی ایک گرم اعصابی (اعصابی غدی)، دوسری سرد اعصابی (اعصابی عضلاتی) دو غدی۔ یعنی ایک غدی تری (غدی اعصابی) اور دوسری غدی خشک (غدی عضلاتی)۔ آخر صورت چونکہ خشکی کی ہوتی ہے، اس

لیے یہ سیلان میں شریک نہیں ہے بلکہ اکثر ورم کی صورت پیدا ہو جاتی ہے۔ البتہ اس میں اعصاب رحم پر تسکین (رطوبت) ہوتی ہے۔ جہاں تک دوسری اور تیسری صورت کا تعلق ہے، اس میں دوسری صورت میں سوزش اعصاب ہوگی اور رطوبت کے ساتھ جلن بھی ہوگی۔ اور تیسری صورت میں رطوبت کے ساتھ جلن نہیں ہوگی۔ البتہ قارورہ میں جلن ہوسکتی ہے۔ اور صورت میں سیلان الرحم نہیں ہوگا البتہ رطوبات کی جسم میں کثرت ہوگی، جیسے زکام کی صورت میں پائی جاتی ہے۔ جس کا اثر رحم تک بھی پہنچ جاتا ہے۔ علاج میں وہی قانون ہے کہ ہر تحریک کو آگے کی طرف بدل دیا جائے۔ جیسے کیفیات کو بدل دیا جاتا ہے۔

سیلان الرحم غدی

اس میں صرف ایک ہی صورت ہے یعنی غدی اعصابی جس کا علاج اعصابی غدی ہے۔ رطوبات زردی مائل سفید، قارورہ زرد، اکثر جلد کی علامات پائی جاتی ہیں۔ نسخہ درج ذیل ہے۔

نسخہ: کہربا تین حصے، رال تین حصے، گوند کیکر دو حصے۔ سفوف تیار کرلیں۔

خوراک: ایک ماشہ تک ہمراہ آب تازہ، دن میں تین چار بار دیں۔

سیلان الرحم اعصابی

اس کی دو صورتیں ہیں۔ ایک اعصابی غدی، اس کی علامات رطوبات سفید زردی مائل متعفن، قارورہ بھی سفید زردی مائل۔ رحم میں جلن اور لیس کی زیادتی کی علامات پائی جاتی ہیں۔ علاج اعصابی عضلاتی ہے۔ نسخہ درج ذیل ہے۔

نسخہ: اسگندھ 4 حصے، زیرہ سفید 2 حصے، کشنیز 2 حصے، چینی ہم وزن۔

خوراک: ایک ماشہ سے تین ماشہ تک دن میں تین چار بار دیں۔

دوسری صورت اعصابی عضلاتی کی ہوتی ہے۔ اس کی علامات میں رطوبت سفید بکثرت، کبھی میلا پن، قارورہ سفید بہت زیادہ، عام طور پر زکام اور ریشہ، اکثر موٹی عورتیں ایسے سیلان میں مبتلا ہوتی ہیں۔ نسخہ درج ذیل ہے۔

نسخہ: مائیں، مازو، سپاری، کشتہ مرجان، چاروں ہم وزن۔

ترکیب: سب ادویہ کو باہم ملا کر سفوف کرلیں۔

خوراک: ایک ماشہ سے چار ماشہ تک دن میں تین چار بار دیں۔

مجربات اختناق الرحم

تشریح

گزشتہ دو شماروں میں اخراج خون اور اخراج رطوبت کے متعلق جو حقیقت اور فلسفہ ذہن نشین کرایا گیا ہے اس کو سمجھتے ہوئے اس حقیقت اور راز کو بھی ذہن نشین کرلیں کہ جب تک رطوبات کا انزال اور اخراج نہیں ہوتا، جوش ولذت اور خون کا دباؤ قائم رہتا ہے۔ بلکہ نفخ کی صورت بھی ظاہر ہو جاتی ہے۔ اور جب انزال واخراج رطوبات ہو جاتا ہے تو جوش ولذت اور خون ونفخ کا دباؤ بھی ختم ہو جاتا ہے۔

جاننا چاہیے کہ ذکاوت یا احساسات کی تیزی دراصل لذت کی تیزی کا دوسرا نام ہے۔ یہی لذت بڑھ کر کبھی خارش اور درد کی

صورت بھی اختیار کر لیتی ہے۔ ذکاوت دراصل ایک قسم کی سنسناہٹ ہے جو اکثر موقعوں پر جسم میں دوڑتی ہے جو مختلف جذبات کی تیزی اور شدت میں آسانی سے محسوس اور تجربہ کی جاتی ہے۔

یہ ذکاوت دراصل انزال و اخراج رطوبات کی ایک فطری کوشش ہے جو جسم انسانی میں مادی و نفسیاتی اثرات کے تحت عمل میں آتی ہے۔ جب مادی و نفسیاتی اثرات مسلسل اسباب بن جائیں تو ذکاوت ولذت کا سلسلہ تقریباً جاری رہتا ہے۔ البتہ ان میں فرق یہ ہوتا ہے کہ اگر یہ اثرات وتحریکات دماغ سے معدہ تک رہیں تو دل میں مسرت وخوشی اور لطف کا باعث ہوتے ہیں اور اگر یہ اثرات وتحریکات معدہ سے نیچے اعضائے مخصوصہ بلکہ پاؤں تک اپنا عمل کریں تو جسم میں جنسی لذت اور شہوت پیدا ہوتی ہے۔ لیکن یہ دونوں تحریکیں اور اثرات آپس میں بدلتی بھی رہتی ہیں اور بعض وقت اس قدر جلد جلد بدلتی ہیں کہ اچھا ذہین انسان بھی اندازہ نہیں لگا سکتا، بلکہ سمجھ ہی نہیں سکتا۔ مثلاً ایک خوبصورت اور خوشبودار پھول دیکھ کر بے حد مسرت، خوشی اور لطف آ جاتا ہے، لیکن اس کے دوسرے تصورات محبت ولذت اور شہوت میں بھی تیزی پیدا کر دیتے ہیں۔

فرنگی طب کی غلطی

فرنگی طب ذکاوت ولذت اور شہوت کی ان تحریکات کو **-اوّل-** اعصابی نروز (Nerves) نروس (Nervous) کہتے ہیں۔ اور **-دوسرے-** ان تحریکات کو اعصاب کا ضعف کہتے ہیں، جس کو انگریزی میں نیورستھنیا (Neurasthenia) کہتے ہیں۔ جس کے معنی ضعف اعصاب کے لیے جاتے ہیں۔ اگر اس کے معنی (Conveying Impulses Of Motions Sesation) یعنی جذباتی تحریکات اور تاثرات تو بھی اس کے معنی نزاکت، اعصاب کی صورت پیدا ہوتی ہے۔ اگر ان تحریکات کو نیورلجیا (Neuralgia) یعنی اعصابی وقفہ کی درد سمجھیں تو فرنگی طب اس کو طاقت کے معنی میں نہیں لیتی۔ یہ دونوں صورتیں غلط ہیں۔

جاننا چاہیے کہ ذکاوت ولذت اور شہوانی تحریکات کا تعلق غدد کے ساتھ ہے، جب غدد کے افعال میں تیزی ہوتی ہے تو جگر و گردوں کے ساتھ ساتھ دیگر نالی دار و بغیر نالی دار غدد میں تحریکات پیدا ہو جاتی ہیں۔ انہی غدد میں خصے اور خصیۃ الرحم ولبلبہ اور پستان بھی شریک ہیں۔ گویا خون کے پیدا ہونے کے ساتھ ساتھ اعضاء مقوی خون اور جنسی اعضاء میں تحریک ہو جاتی ہے۔ ان تحریکات کی تیزی اور شدت سے اعصاب میں ضعف پیدا نہیں ہوتا۔ البتہ طبیعت مدبرہ بدن وہاں سکون کے لیے رطوبات کا ترشہ ضرور کرتی ہے، کیونکہ غدد میں دباؤ اور اخراج وانزال ورطوبات بند ہوتا ہے۔

ان تحریکات میں غدد کی چار صورتیں ہیں: دو صورتیں شدید (اوّل) غدی عضلاتی (دوسرے) غدی اعصابی۔ دو صورتیں ہلکی ہیں: (۱) عضلاتی غدی (۲) اعصابی غدی۔ ان دو صورتوں میں (۱) عضلاتی غدی عورتوں میں نہیں پائی جاتی، اکثر مردوں میں پائی جاتی ہے۔ جس مرد میں پائی جاتی ہے، احتلام پر دلالت کرتی ہے۔ (۲) اعصابی غدی میں سنسناہٹ (Sansation) بہت حد تک ختم ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر مردوں میں پائی جائے تو جریان اور عورتوں میں پائی جائے تو سیلان۔ البتہ ان تحریکات میں بھی کمی بیشی ذکاوت ولذت اور شہوت کے اثرات کام کرتے ہیں۔ کیونکہ جب تک غدی اثرات باقی ہیں، یہ تحریکات قائم رہتی ہیں۔

اختناق الرحم

اختناق الرحم میں اوّل دو صورتیں کام کرتی ہیں جو شدید ہیں۔ ان میں بھی غدی عضلاتی تحریک زیادہ تیز ہے۔ اس کا مرکز عورتوں میں خصیۃ الرحم ہوتا ہے۔ اس تحریک سے خون ریاح کا دباؤ بڑھ جاتا ہے اور انزال واخراج رطوبت رُک جاتا ہے۔ جس سے ذکاوت و

لذت اور شہوت میں تیزی پیدا ہو جاتی ہے اور بعض اوقات اس قدر شدت ہو جاتی ہے کہ مریضہ مغلوب ذکاوت ولذت اور شہوت ہو جاتی ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ کوئی مریضہ ظاہر میں ذکاوت ولذت اور شہوت کی حقیقت اور اسرار سے واقف نہیں ہوتی۔ وہ اس کو مرض خصوصاً دورہ کا مرض خیال کرتی ہے کیونکہ اس کے جسم خصوصاً رحم میں جو سنسناہٹ یا تیزی کا احساس ہوتا ہے اس کو وہ ماہواری کی خرابی اور درد خیال کرتی ہے۔ لذت وشہوت کا تصور کرنا بھی اس کی حیا اور نسوانیت گوارا نہیں کرسکتی۔ عورتوں پر ہی کیا منحصر ہے جو مرد بھی اس مرض میں گرفتار ہو کر مغلوب الشہوت ہو جاتے ہیں وہ بھی اس کو مرض ہی تصور کرتے ہیں۔ اپنی لذت وشہوت کی زیادتی کا احساس تک نہیں کرسکتے۔ البتہ اس مرض میں پیشاب کے ساتھ جو منی اخراج پاتی ہے اس کو سبب مرض اور کمزوری قرار دے لیتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ مرض کی اصل حقیقت سے نہ عورت واقف ہوتی ہے اور نہ مرد آگاہ ہوتا ہے۔ یہ ہیں ہماری تحقیقات۔ کیا فرنگی طب یا اور کوئی میڈیکل سائنس اس قسم کی تحقیقات پیش کرسکتی ہے؟؟؟

اسباب امراض

یہ مرض زیادہ تر ان لڑکیوں میں بالغ ہونے کے بعد ظاہر ہوتا ہے جن کو کھانے پینے کی بے فکری ہو اور تعلیم یا کام کاج کی کوئی فکر نہ ہو، وہ اس صورت میں جبکہ جوش جوانی اپنے پورے جوبن پر ہو، کیونکہ ان دنوں خون کی زیادتی کے ساتھ ساتھ اعضاء کے افعال بھی تیز ہو جاتے ہیں اور غدی عضلاتی تحریک سے طبیعت میں اس قدر نزاکت پیدا ہو جاتی ہے کہ اگر ذرا سا بھی کوئی غیر معمولی واقعہ یا صدمہ پہنچ جائے تو مزاج بگڑ جاتا ہے۔ کوئی غیر معمولی غم وغصہ دہشت ناک خبر یا عشق ومحبت کی داستانیں سن لیں یا تجربہ میں آ جائیں یا ناول وافسانہ اور فلم میں ایسا غیر معمولی واقعہ پیش آ جائے جو برداشت نہ ہو سکے اور ایسا معلوم ہو کہ ذاتی واقعہ ہے۔ لذائذ کی کثرت، جلق اور غیر فطری حرکات اور انتہائی مشکلات اکثر نقصان رساں ہوتی ہیں۔

ناواقف اور بھولی بھالی لڑکیوں اور امراض رحم ماہواری کی خرابی، کثرت مطالعہ، دماغ سوزی، غور وفکر، کمی وخرابی خون اور اغذا کا توازن بگڑ جانا بہت جلد بچیوں کو ہسٹیریا جیسے خوفناک مرض میں مبتلا کر دیتا ہے۔ بعض وقت شرم وحیا کی وجہ سے ناواقف اور بھولی بھالی لڑکیاں گیلے کپڑوں کا استعمال کر لیتی ہیں یا خاص دنوں میں سرد پانی کا استعمال یا نہانا یا غیر معمولی حرکات کر لینا وغیرہ سے کبھی کبھی عشق ومحبت کے واقعات دیکھنا یا قصے کہانیاں پڑھنا بھی اس مرض میں مبتلا کر دیتا ہے۔

علامات مرض

اس مرض کا نام اختناق الرحم اس لیے ہے کہ اس کا تعلق رحم کے ساتھ ہے اور اس میں اخراج ونزول رطوبت میں اعتدال قائم نہیں رہتا اور وہاں گھٹن معلوم ہوتی ہے۔ انگریزی میں اس کو ہسٹیریا بھی اسی لیے کہتے ہیں کہ اس کے معنی رحم کے ہیں اور اس میں سب سے بڑی علامت یہ ہے کہ قوت ارادی کمزور ہو جاتی ہے اور مریضہ کا اپنی طبیعت پر قابو نہیں رہتا۔ بغیر بھوک کے غذا کھانا بدہضمی اور نفخ کی زیادتی عام طور پر پیٹ میں ہوا کا گولا سا معلوم ہوتا ہے جو دورے کے وقت بڑھ کر تمام پیٹ کو گھیر لیتا ہے۔ پھر اوپر چڑھتا ہے اور گلے کے پاس آ کر پھنس جاتا ہے، اس وقت مریضہ بے ہوش ہو کر آرام سے چارپائی پر گر جاتی ہے۔

جن دنوں دوروں کا زور ہو، ان دنوں مریضہ زیادہ باتیں کرتی ہے۔ جلد جلد غم وغصہ میں گرفتار ہو جاتی ہے۔ اکثر لڑکیاں عشقیہ باتیں کرتی ہیں۔ بعض کو مذہبی جنون اور دینی جوش پیدا ہو جاتا ہے۔ پاکی طہارت، نماز وخیرات کی طرف وقت بے وقت ضرورت سے زیادہ مشغول رہتی ہیں۔ غیر معمولی آوازیں سنتی ہیں اور عجیب وغریب روشنیاں دیکھتی ہیں۔ ایسے خواب دیکھتی ہیں جو ظاہر نیکی اور مذہبی محبت پر

دلالت کرتے ہیں لیکن ایک واقف علم خواب اور ماہر تعبیر خوب جانتا ہے کہ یہ جنسی اشارے ہیں۔ خاص طور پر مسجد کے مینار دیکھنا یا پیر وفقیر اور اولیائے اللہ سے ملاقات کرنا وغیرہ۔ اسی طرح اکثر خواب میں دیکھنا کہ سانپ و چوہا، بھینسا و بیل، شیر و ریچھ پیچھے دوڑ رہے ہیں اور کھانا چاہتے ہیں۔ کبھی دیکھنا کہ کوئی خوفناک آدمی مار مار کر ہلکان کر رہا ہے یا بدمعاش اور لفنگے پیچھا کر رہے ہیں، وغیرہ وغیرہ۔ شادی شدہ عورتیں دورہ کے بعد بہت ننگی اور بے حیائی کی باتیں کرتی ہیں اور مردوں پر ناشائستہ الزام لگاتی ہیں اور ان کو بدنام کرتی ہیں۔ ان کی دوسری شادی کے خوف میں ہر وقت پریشان رہتی ہیں۔ دورہ شروع ہونے سے قبل عجیب قسم کی باتیں اور حرکات کرتی ہیں۔ کبھی ہنستی ہیں، کبھی روتی ہیں، کبھی گاتی ہیں اور کبھی عشقیہ اشعار پڑھتی ہیں۔ بہر حال ان کا ذہنی توازن بگڑ جاتا ہے۔ سانس میں تیزی، سر بوجھل یا درد یا چکر، رنگ زرد اور کمزوری اور تھکاوٹ کی زیادتی بس ایک دم اس کی طبیعت غیر ہو جاتی ہے اور دورہ شروع ہو جاتا ہے۔ مرگی کا مریض یک دم گر جاتا ہے اور خطرناک مقام پر بھی گر پڑتا ہے اور منہ سے جھاگ آتی ہے۔ لیکن ہسٹیریا کی مریضہ گرنے میں بھی غیر شعوری طور پر ہوشیار رہتی ہے، بلکہ دورہ میں نیم شعور بیدار رہتا ہے۔ جب وہ ہوش میں آتی ہے تو گرنے سے لے کر بے ہوشی تک کے واقعات بیان کر دیتی ہے۔

علاج مرض

چونکہ اوعیہ منی میں خون کا دباؤ بڑھ چکا ہوتا ہے اور طبیعت اس کو منی میں تبدیل کرنا چاہتی ہے، لیکن تحریکات نامکمل ہوتی ہیں اس لیے دورہ پڑ جاتا ہے، اس کا صحیح علاج تو شادی ہے، لیکن شریف گھرانوں میں ایسا فوری ہونا بہت مشکل ہے اس کا علاج ہی کرنا بہتر ہے۔ دورہ کی حالت میں ہاتھ پاؤں کو ملیں اور کنیر کی نسوار دیں۔ دورہ ختم ہونے پر کوئی غدی اعصابی دوا ضرورت کے مطابق دیں۔ ذیل کا نسخہ تمام علامات میں یقینی بے خطا مجرب ہے۔

نسخہ: فلفل دراز ایک حصہ، ایرسا تین حصے، مرکی چار حصے۔

ترکیب: گولیاں بقدر نخود تیار کریں۔

خوراک: ایک گولی سے چار گولی تک دن میں تین چار بار دیں۔

غذا: حلوا اور دلیا گھی میں تر بتر دیں۔ شوربا میں تیسرا حصہ گھی ڈال کر پلائیں۔ روٹی کی بجائے گھی میں تر بتر چوری ملیدہ، لیکن بغیر شدید بھوک کے کچھ نہ دیں۔ دودھ گھی پلانا بھی انتہائی بھوک میں مفید ہے۔

مجربات ذکاوت حس

تشریح

گزشتہ شمارہ میں مجربات اختناق الرحم کے تحت جو اسرار و رموز اور حقائق بیان کئے گئے ہیں، ان کو دوبارہ غور سے پڑھیں۔ پھر ہماری اس تحقیق اور انکشاف کو بھی ذہن نشین کر لیں کہ تبخیر نہ کوئی مرض ہے اور نہ علامت ہے۔ یہ ایک واہمہ، تخیل اور تصور ہے۔ جو ان معالجین کی طرف سے دیا گیا ہے جن کو علم منافع الاعضاء سے ناواقفیت ہے۔ تبخیر کے معنی ہیں بخارات کا اوپر کی طرف چڑھنا یا ان کا پیدا ہونا۔ بخارات ایسی ہوا (گیسز) ہیں جو لطیف حرارت سے پانی یا دیگر اشیاء سے جدا ہوتی ہیں۔ جن کو ریاح (ریح) بھی کہتے ہیں۔ یعنی مواد کے خمیر ہو جانے کے بعد ریاح اور گیسز پیدا ہوتی ہیں۔

ریاح اور گیسز جب پیٹ میں اکٹھی ہوتی ہیں تو پیٹ پھول جاتا ہے، اس کو نفخ کہتے ہیں۔ لیکن یہ ریاح صرف پیٹ تک محدود

ہوتی ہیں، دل و دماغ تک صعود نہیں کر سکتیں۔ کیونکہ معدہ سے دل و دماغ تک کوئی راستہ نہیں جاتا، اسی طرح کے ریاح اور گیسز جو دل و دماغ، جگر و طحال، شش و سینہ اور کلیہ و مثانہ میں پیدا ہوتی ہیں۔ وہ سب اپنے مقام تک محدود رہتی ہیں۔ البتہ اپنے مخارج سے اخراج پاتی ہیں۔ لیکن غیر مقام تک نہیں پہنچتیں۔ مثلاً معدہ کی ریاح و گیسز دل و دماغ اور جگر کی طرف صعود نہیں کر سکتیں۔ البتہ غذا کے ساتھ جزو بدن بن کر خون میں ضرور مل جاتی ہیں۔ یہ جو کہا جاتا ہے کہ ریاح و گیسز اور تبخیر دل و دماغ اور سینہ کی طرف چڑھتی ہیں قطعاً غلط ہے نہ کوئی راستہ اور نہ ہی کوئی چڑھنے کی صورت ہے۔

البتہ سمجھنے والی بات یہ ہے کہ جب معدہ و امعاء، جگر و طحال، کلیہ و مثانہ، شش و سینہ اور دل و دماغ کے ذاتی ریاح اور گیسز ان میں حد سے زائد ہو کر وہاں پر تکلیف کا باعث ہوتے ہیں تو ان کا دباؤ دیگر اعضائے متعلقہ پر بھی پڑتا ہے۔ مثلاً قبض سے دردِ سر ہونے کی صورت میں امعاء کا تناؤ دردِ سر پیدا کر دیتا ہے۔ یہ تناؤ اعصاب و غدد اور عضلات پر اثر انداز ہونے سے پڑتا ہے۔

جاننا چاہیے کہ جسم کے بعض اعضاء مرکب ہیں، یعنی ان میں اعصاب و غدد اور عضلات پائے جاتے ہیں۔ جب ان میں ریاح و گیسز یا رطوبت و حرارت کی زیادتی ہوتی ہے تو ان کا اثر اور تیزی مرکب اعضاء کے جس مفرد عضو پر اثر انداز ہوتی ہے اسی مناسبت سے جسم کے دیگر اعضاء پر تحریکات منعکس (Reflect) ہوتی ہیں۔ مثلاً مرکب عضو کے عصبی حصہ میں تحریک یا سوزش ہوگی تو جسم کے باقی اعصاب اور دماغ بھی کم و بیش متاثر ہوں گے۔ اسی طرح اگر مفرد اعضاء میں ریاح و گیسز یا رطوبت و حرارت ہوگی تو انہی کے دیگر متعلقہ اعضاء میں بھی ان کی تحریکات اور اثرات پائے جائیں گے۔ مثلاً صرف کسی عصب یا غدد یا عضلہ میں تحریک ہو تو اس کا اثر بھی دیگر اعصاب و دماغ یا دیگر غدد و جگر اور دیگر عضلات و قلب تک ضرور پہنچے گا۔ یہ سلسلہ غیر شعوری طور پر جاری رہتا ہے اور اس طرح علامات پیدا ہوتی ہیں۔ جب یہ علامات پیدا ہوتی ہیں، اگر ان پر غور کیا جائے تو وہ اعضائے رئیسہ میں ضرور کسی کے ساتھ متعلق پائی جائیں گی۔ ان کے مطالعہ سے ہی امراض صحیح طور پر سمجھ میں آ سکتے ہیں۔

فرنگی طب کی غلطی

فرنگی طب صرف ایسی تحریکات کا منعکس (Reflection) تسلیم کرتی ہے جو اعصاب میں رونما ہوتی ہیں اور باقی مفرد اعضاء کی تحریکات منعکسہ سے وہ بے علم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ہسٹیریا (اختناق الرحم) کو عصبی امراض میں شامل کرتی ہے جو قطعاً غلط ہے۔ حقیقتاً وہ غدی امراض میں شامل ہے، جیسا کہ ہم گزشتہ مضمون (اختناق الرحم) میں تفصیل سے تحریر کر چکے ہیں۔

ذکاوت حس

ذکاوت حس دراصل احساسات کی تیزی ہے جو غدد میں پیدا ہوتی ہے۔ حقیقتاً لذت کی شدت کا دوسرا نام ہے۔ یہی لذت بڑھ کر کبھی خارش اور کبھی درد کی صورت بھی اختیار کر لیتی ہے۔ ذکاوت کا احساس تو سنسناہٹ سے ہوتا ہے جو اکثر موقعوں پر جسم میں دوڑتی ہے۔ جو مختلف جذبات کی تیزی اور شدت میں آسانی سے محسوس اور تجربہ کی جاتی ہے۔

یہ ذکاوت اور سنسناہٹ اس امر کی دلالت کرتی ہے کہ رطوبات غدد میں رُکے ہوئے ہیں اور وہ اخراج و نزول چاہتے ہیں۔ گویا یہ ایک فطری کوشش ہے جو جسم میں مادی و نفسیاتی اثرات کے تحت عمل میں آتی ہے۔ اگر تحریکات شدید ہو جائیں یا سوزش کی صورت پیدا ہو جائے تو ذکاوت و لذت اور شہوت کا سلسلہ جاری رہتا ہے، جس سے عجیب و غریب امراض پیدا ہو جاتے ہیں۔ مثلاً توہمات کی شدت اور

ہاضمہ کی خرابی، ڈکار اور ریاح کی کثرت، کبھی قبض اور کبھی اسہال، دائمی دردسر، اعضاء میں کبھی تیزی اور کبھی ان کا سو جانا وغیرہ اور جب یہ شدت اختیار کرلیں تو اختناق الرحم مغلوب الغضب، مغلوب لذت وشہوت، فساد ذہن، غیر معمولی عقل کا اظہار۔ حد ہے کہ جھوٹی نبوت و خدائی کا دعویٰ بھی کرلیا جاتا ہے۔

اسباب

غذا اور جنسی خیالات وتحریکات کی بے اعتدالی اور بے راہ روی، اوائل عمر کی لڑکیوں میں ماہواری کی خرابی، لڑکوں میں جلق کی عادت، موروثی امراض کلیہ وکبد، خرابی ہضم اور نقرس وغیرہ۔ خاندانی دماغی فساد یا جنون، بڑی عمر میں غور وفکر کی زیادتی یا غم وغصہ کی شدت، تہذیب وتمدن کی بلندی اور عیاشی سے اعصاب میں نزاکت اور ذہن میں نفاست کا پیدا ہو جانا یا ایسے ماں باپ کی اولاد ہونا جو منشی ومخدر اشیاء کا کثرت سے استعمال کرتے ہیں خاص طور پر شراب وتمبا کو اور چائے وکافی وغیرہ۔ ان کے برعکس دودھ گھی سے نفرت ہو جانا۔ خشک اغذیہ خصوصاً خشک گوشت اور کباب وغیرہ کو بے حد پسند کرنا وغیرہ۔ امراض کی صورت میں جگر وگردہ اور جنسی اعضاء کی خرابی عورتوں میں خرابی طمث اور سیلان۔ مردوں میں احتلام وسرعت انزال کا پایا جانا۔

علامات خصوصی

چونکہ اس مرض میں غدد کے اندر تیزی ہوتی ہے اس لیے اعصاب میں سکون ہوتا ہے اور عضلات کی طرف خون کا دباؤ ہوتا ہے اس لیے اکثر طبیعت میں جوش اور بے چینی رہتی ہے۔ پیٹ میں نفخ اور عورتوں میں باؤ گولا پایا جاتا ہے اور ہروقت ہاضمے کی خرابی کے ساتھ ہی کوئی ایسا مرض ہو جو مریض بیان نہ کرتا ہو، اور اکثر بڑھا چڑھا کر بیان کرتا ہے۔ خاص طور پر عورتیں بہت جھوٹ یا مبالغہ سے کام لیتی ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایسے مریض اور مریضہ وہمی ہو گئے ہیں۔ لطف کی بات ہے کہ ایک گھنٹہ کے اندر اندر متضاد امراض بیان کردیئے جاتے ہیں۔ مثلاً کبھی مقام سست یا سن ہے تھوڑی دیر میں وہاں درد اور تیزی بیان کی جاتی ہے۔ ابھی بدن سرد اور تھوڑی دیر میں بخار کا اظہار کیا جاتا ہے اور جب بدن کو ہاتھ لگائیں تو بخار ہوتا ہے اور نہ سردی ہوتی ہے۔ بیمار کی ظاہرہ صحت بہت اچھی ہوتی ہے گھر میں نہ صرف سب سے زیادہ کھاتا ہے۔ خصوصاً عورتیں ہروقت کھاتی رہتی ہیں۔ جنسی لذت کا بھوت ہروقت سر چڑھا رہتا ہے۔

مریض اور مریضہ جب اپنی حقیقت بیان کرتے ہیں تو چہرہ ست اور طبیعت اور بھی مضمحل بنا لیتے ہیں، لیکن ان کا مزاج چڑ چڑا اور خود پسند ہوتا ہے۔ مریض اپنے آپ کو مافوق انسان اور باقی دُنیا کو اپنے سے بہت گھٹیا خیال کرتے ہیں، بلکہ بعض تو اپنے معالج کی سادہ زندگی پر ترس کھاتے ہیں، لیکن جب پیسے دینے کا وقت آتا ہے تو بے حد سبکی محسوس کرتے اور گھبراتے ہیں۔ اپنی توہین اور بے عزتی برداشت نہیں کرسکتے۔ اگر کوئی معالج ان کی شان میں گستاخی کردے تو علاج نہیں کراتے۔ احساس کمتری کا شکار ہوتے ہیں اور ہمیشہ اپنے کو افضل و اشرف اور اعلیٰ ظاہر کرتے ہیں۔ کام کاج اور پڑھائی میں دِل نہیں لگتا۔ محنت سے گھبراتے ہیں، لذت کی باتوں، عشقیہ افسانوں، ناچ و گانے اور فلموں میں اکثر وقت صرف کردیتے ہیں۔ ہروقت ذہنی تکان چڑھی رہتی ہے جس کے ساتھ موت کا خوف رہتا ہے۔ جنسی کمزوری کی شکایت کرتے ہیں۔ منی اور سیلان کی زیادتی پر بے چینی کا اظہار کرتے رہتے ہیں۔ سب سے بڑا دُکھ ان کو جوانی کے ختم ہونے کا ہوتا ہے۔ ہروقت جوان بنے رہنے کی کوشش کرتے ہیں۔ بہترین لباس اور میک اپ ضروری خیال کرتے ہیں۔ بوڑھے مرد اور بوڑھی عورتیں شوخ چمکدار اور سرخ رنگ کے کپڑے پسند کرتے ہیں ان پر یہ مثال صادق آتی ہے "بوڑھی گھوڑی لال لگام" چونکہ ہروقت امراض میں گرفتار رہتے ہیں اس لیے خوفناک امراض مثلاً قرحہ وسرطان معدہ، دق وسل، ہیضہ، ذیابیطس، فالج اور لقوہ سے بہت گھبراتے ہیں۔

علاج

ظاہرہ یہ مشکل اور پیچیدہ مرض ہے، لیکن اس کا علاج بہت آسان ہے۔ البتہ ذرا عقل اور برداشت سے کام لیا جائے، یعنی مریض خصوصاً مریضہ کی داستان طویل بہت دلچسپی سے سنی جائے۔ درمیان میں انتہائی ہمدردی کا اظہار کیا جائے۔ آخر میں کہا جائے کہ گھر والے سب ظالم ہیں اور آپ کے دُکھ سے واقف نہیں ہیں اور وہ اس کو وہم خیال کرتے ہیں۔ آپ کی غذا کا خیال نہیں رکھتے، وغیرہ وغیرہ۔ اوّل غذا میں گھی کی تاکید کریں کہ غذا کم اور گھی زیادہ کھایا جائے۔ کیونکہ یہ غدی اعصابی تحریک ہوتی ہے، اس لیے اعصابی غدی دوا تجویز کر دیں۔ ذیل کا نسخہ ہر حالت میں تریاق ہے۔

نسخہ: اثمد ایک حصہ، گل کنیر سفید دس حصے، ریٹھا پانچ حصے۔ گولیاں بقدر نخود بنائیں۔

خوراک: ایک سے چار گولیاں دن میں تین چار بار دیں۔

مجربات لبن

تشریح

گزشتہ صفحات میں اخراج خون وسیلان رطوبات اور اختناق الرحم ذکاوت حس کے متعلق جو تحقیقات اور فلسفہ ذہن نشین کرایا گیا ہے ان کو ایک بار پھر غور سے پڑھیں۔ پھر اس حقیقت کو بھی ذہن نشین کر لیں کہ عورتوں میں دودھ کی کثرت وقلت میں وہی اسباب واثرات کام کرتے ہیں جو سیلان رطوبت اور ذکاوت حس میں کام کرتے ہیں۔ البتہ یہ دیکھا گیا ہے کہ ایسی مائیں دودھ کی کثرت کی اکثر شکایت کرتی ہیں جن کو اپنے بچوں سے غیر معمولی محبت ہوتی ہے۔ ایسی محبت کو اگرچہ صحیح معنوں میں محبت نہیں کہا جا سکتا بلکہ دیوانگی کہنا بہتر ہے۔ ایسی عورتیں حقیقتاً بچوں کی صحیح معنوں میں خیر اندیش نہیں ہوتیں۔ ان کی محبت بچوں کو غذا کھلانا اور ان کو ہر جسمانی تکلیف سے بچانا ہوتا ہے، چاہے بار بار کے دودھ پلانے اور غذا کھلانے سے بچہ بیمار ہو جائے۔ جسمانی تکلیف سے اس حد تک بچاتی ہیں کہ بچہ بے علم اور جاہل رہ جائے مگر وہ استاد کو گھر میں بھی بچہ کو دینا پسند نہیں کرتیں اور اپنے جنون کی یہ حالت ہوتی ہے کہ جب وہ غصہ میں آتی ہیں تو بچے کو مار مار کر ادھ موا کر دیتی ہیں اور پھر پاس بیٹھ کر روتی ہیں اور حقیقت کو سمجھائے بھی نہیں سمجھتیں۔

یہ حقیقت ہے کہ جب بھی ان کا بچہ روتا ہے، دودھ کثرت سے بہنے لگتا ہے۔ گویا دودھ کا سیلان اور اخراج ماں کی جبلت ہے جو انسان کی طرح حیوانات میں بھی پائی جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب گائے بھینس اور بھیڑ بکری کا دودھ دوہتے ہیں تو اس کے بچے کو سامنے کھڑا کر دیتے ہیں یا چند گھونٹ اس کو پہلے دودھ پلا دیتے ہیں اور جن جانوروں کے بچے مر جاتے ہیں ان کے دودھ اکثر کم ہو جاتے ہیں۔ مگر ذکی الحس ماؤں کا دودھ اس وقت تک رہتا ہے جب تک وہ بچہ کے غم میں مبتلا رہتی ہے۔

بعض دفعہ ایسا بھی دیکھا گیا ہے کہ بچہ کی ماں کے مر جانے کے بعد بچے کو اس کی بوڑھی نانی یا دادی نے اپنے سینے پر ڈال لیا ہے تو چند دنوں کے بعد اس کو بھی دودھ جاری ہو گیا ہے۔ ایک بار یہ بھی سنا گیا تھا کہ بچے کی ماں کے مر جانے پر باپ نے بچے کو اپنے سینہ پر ڈال لیا ہے اور ماں کی طرح دودھ پلاتا ہے۔ یہ سب کچھ شدت محبت سے ہوتا ہے جو جنون کی حد تک پہنچ گئی ہو یا ذکاوت حس سے ہی عمل میں آ سکتا ہے۔

اس تصویر کا دوسرا پہلو آج کل کی عورتیں ہیں جو فیشن پرستی کی وجہ سے بچوں کو اس لیے دودھ نہیں پلاتیں کہ (۱) وہ کمزور جائیں گی

اور جوانی جلد ڈھل جائے گی۔ (۲) ان کے پستان بڑے ہو جائیں گے اور بدنما لگیں گے۔

ملازمت کے خیال سے دودھ روک دیتی ہیں کہ ان کو زیادہ وقت گھر سے باہر رہنا پڑتا ہے۔ اس میں سکول کی استانیاں، کالج کی پروفیسر، دفتر کی کلرک، لیڈی ڈاکٹر اور نرسیں خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ لیکن ان سے بھی زیادہ خوفناک طبقہ ان عورتوں کا ہے جو مزدور، فوجی ملازم (چاہے وہ میدانی، سمندری یا ہوائی فوج میں شریک ہوں)، رقاصائیں، ایکٹرسیں، ورزش کرنے والیاں، خاص طور پر سکول اور کالج کی فزیکل انسٹرکٹر، تیراک اور گرلز گائیڈ وغیرہ۔ کیونکہ ایسی عورتوں کے عضلات (مسلز) سخت ہو جاتے ہیں جن سے ان میں انقباض پیدا ہو کر ضعف اعصاب پیدا ہو جاتا ہے۔ نتیجہ کے طور پر احساس ہمدردی، جذبہ محبت اور ذکاوت حس میں بے حد کمی واقع ہو جاتی ہے۔

ابتدائی زندگی میں تو یہ جذبہ اور احساس کم نہیں ہوتا بلکہ خود اختیار کیا جاتا ہے۔ مگر رفتہ رفتہ سب کچھ ختم ہو جاتا ہے۔ اسی طرح کی ایک غلط رسم زمانہ قدیم سے بھی سے امراء کے طبقہ میں پائی جاتی ہے کہ وہ اپنے بچوں کو دودھ ماں کی بجائے نوکرانی سے پلواتے ہیں۔ جس کی وجہ سے ایک طرف دودھ کے رک جانے سے ماں کی صحت خراب ہو جاتی ہے۔ دوسری طرف بچہ ایسی عورت کا دودھ پیتا ہے جس کے خون و اعضاء کی بیماریوں کے علاوہ اس کے کردار کی خرابی بھی بچے کی زندگی میں بے شمار خرابیاں پیدا کر دیتی ہے۔ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ امراء کے طبقہ میں جو نزاکت و نفاست، تہذیب و تمدن اور ثقافت و اخلاق کی قدریں پائی جاتی ہیں، وہ نوکرانی میں کہاں پائی جاتی ہیں۔ البتہ ان امراء کے خاندانوں کے لیے جائز ہے جو اپنی نوکرانیوں اور کمین سے شادی کر لیتے ہیں۔

عورتوں میں صحیح دودھ کی پیدائش کا تصور یہ ہے کہ بچہ کی پیدائش سے لے کے دو سال تک بچے کی ضرورت کے مطابق اس کو دودھ میسر ہو۔ ابتداء میں بچہ کو دو دو گھنٹہ بعد دودھ دینا چاہیے۔ پھر یہ وقفہ بڑھا کر چار چار گھنٹے کر دینا چاہیے۔ اگر بچے کی ضرورت پوری نہ ہو تو اس کی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے دودھ کو غذا اور ادویہ سے بڑھانے کی کوشش کرنی چاہیے اور اگر ان دو سالوں کے دوران میں کسی وقت بھی دودھ ضرورت سے زیادہ ہو تو اس کو اعتدال پر لازم کوشش کرنی چاہیے، ورنہ اس کی زیادتی اکثر امراض پیدا کر دیتی ہے جس میں ورم ثدی قابل ذکر ہے۔

ابتدائی دو سالوں میں جب دودھ کی کمی ظاہر ہوتی ہے تو ساتھ ہی ساتھ گائے بھینس اور بکری کا دودھ بڑھا دیا جاتا ہے۔ یا آج کل کی فیشن ایبل عورتیں فرنگی ڈاکٹروں کے کہنے پر ڈبوں کا دودھ لگا دیتی ہیں۔ یہ دونوں صورتیں نقصان دہ ہیں۔ اس سے نہ صرف بچے کی صحت خراب ہو جاتی ہے بلکہ بچپن ہی سے اعضاء اور ہضم خراب ہو جاتے ہیں۔ اور بچہ ساری زندگی دائم المریض رہتا ہے۔ ایسے بچے اکثر چھوٹی عمر یا جوانی میں مر جاتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ڈبے کے دودھ ہی سے دق و سل، ضعف قلب اور دماغ جیسے خوفناک امراض پیدا ہوتے ہیں جو بچے صرف ماں کا دودھ دو سال تک پیتے ہیں وہ نہ صرف تندرست رہتے ہیں بلکہ لمبی عمر پاتے ہیں۔

بعض عورتیں اپنے دودھ کے ساتھ گائے، بھینس اور بکری کا دودھ یا مکھن، بالائی اور حلوہ مٹھائی لگا دیتی ہیں، تاکہ رفتہ رفتہ بچہ ان اغذیہ کا عادی ہو جائے اور جلد دودھ چھوڑ دے۔ دو سال تک ایسا کرنا بچے کے لیے نقصان رساں ہے۔ دودھ دو سال پلانا ضروری ہے، البتہ جب دودھ چھڑانے کا وقت قریب ہو تو اوّل بکری کا دودھ اور پھر گائے بھینس کا دودھ علی الترتیب پلائیں۔ کچھ عرصہ بعد دلیا چاول کی عادت ڈالیں۔ گاہے حلوہ اور مٹھائی بھی دیں۔ لیکن روزانہ ثقیل اشیاء نہ دیں۔ ایک وقت روٹی کی عادت ڈالیں اور جوانی تک صرف ایک وقت روٹی دیں۔ دوسرے وقت چاول دلیا اور دودھ وغیرہ دیتے رہیں۔

دودھ اور حیض کا ایسا گہرا تعلق ہے کہ بعض عورتوں کو جہاں حیض بند ہوا (حمل کی وجہ سے یا بلا حمل) وہاں پستانوں میں دودھ کی پیدائش شروع ہوگئی۔ بعض وقت اس کے دباؤ سے درد شروع ہو جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دونوں صورتوں کا تعلق غدی اعصابی اور اعصابی غدی سے ہے۔ اسی طرح لڑکیوں کو ابتدائے جوانی میں سینے کی گلٹیوں میں درد اور کبھی کبھی سفید پانی رستا ہے۔ اس کی وجہ جسم میں لذت ومحبت کی بیداری ہے۔

دودھ میں کمی بیشی کا سبب، غذا کی کمی بیشی اور فاقہ کشی، خوش خوراکی، خون کی کمی بیشی اور جسمانی کمزوری اور غریبی بھی ہوتا ہے۔ بعض دائمی طویل اور خوفناک امراض خصوصاً قلبی (عضلاتی) امراض میں دودھ کم اور دائمی نزلہ وزکام اور دماغی وعصبی امراض میں دودھ بڑھ جاتا ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ اعصاب کی تیزی سے دودھ بڑھ جاتا ہے اور عضلات کی تحریک اور خشکی سے دودھ بند ہو جاتا ہے، اور غدد کی تیزی سے دودھ میں کمی واقع ہو جاتی ہے۔ جن کے مجربات درج ذیل ہیں۔

نسخہ برائے کثرتِ لبن

نسخہ: تخم ترب دو چھٹانک، بادیاں چھ چھٹانک۔ سفوف تیار کرلیں۔

خوراک: 3 ماشہ سے 6 ماشہ تک، ہمراہ دودھ صبح وشام دیں۔

غذا: غذا میں زیادہ تر دودھ چاول، حریرہ بادام، حلوہ اور فرنی وغیرہ دیں۔

نسخہ برائے قلت اللبن

نسخہ: تخم میتھی سات چھٹانک اور رائی ایک چھٹانک سفوف کرلیں۔

خوراک: ایک ماشہ سے 4 ماشہ تک۔

غذا: غذا میں اچار اور چٹنی وغیرہ کا اضافہ کر دیں۔ اگر دودھ کی بہت زیادہ کثرت ہو تو دوا کا پتلا پتلا لیپ کر دیا کریں۔ دودھ گھی اور گوشت بند کر دیں۔

مجربات بانجھ پن

تشریح

بانجھ پن نہ کوئی مرض ہے اور نہ کوئی علامت ہے۔ یہ ایک ایسی حالت کا نام ہے جس میں میاں بیوی میں سے کوئی ایک یا دونوں اس قابل نہ ہوں کہ ان کے ہاں اولاد پیدا ہو سکے۔ ایسی حالت کا نام غلط طور پر مرض رکھ دیا گیا ہے۔ بہرحال یہ بھی ایک قسم کی تکلیف ہے۔

اسباب

بانجھ پن میں عورت مرد کی تمام جنسی امراض وعلامات اور جسمی امراض علامات بھی باعث بن جاتی ہیں۔ خاص طور پر: (1) مرد، عورت کی منی کے قوام ومزاج اور استعداد وقابلیت میں خرابی پیدا ہو جائے۔ (2) منی پیدائش کی استعداد اور قابلیت ختم یا کم ہو جائے۔ (3) عورت کے رحم کا ضعف جس میں قوت ماسکہ اور جاذبہ ختم ہو جائے یا کم ہو جائے۔ (4) مردوں میں یہ استعداد اور قابلیت ختم یا کم ہو

جائے جس سے منی کو رحم تک پہنچایا جاسکے۔ (5) نفسیاتی امراض جن میں غم وغصہ اور خوف وندامت کی شدت پائی جائے۔ (6) عورت کے جسم خاص طور پر رحم میں انتہائی سختی وخشکی کا ہونا۔ (7) عورتوں کا سخت قسم کی حرکات اور ورزش کرنا۔ گھوڑ سواری یا تیراکی۔ بعض اوقات کثرت سے جھولا جھولنا اور رقص کرنا بھی اس کا باعث بن جاتے ہیں۔

غلط فہمی

ایک سبب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ مرد عورت کا ایک ساتھ انزال نہ ہونے سے بھی اولاد نہیں ہوسکتی۔ اسی طرح ایک سبب یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ قرار نطفہ سے پہلے اُٹھ کھڑے ہونا وغیرہ۔

مرد کا انزال تو ضروری عمل ہے، کیونکہ اس سے منی رحم میں پہنچتی ہے، لیکن عورتوں کے انزال کا خیال کرنا ایک زبردست غلط فہمی ہے۔ کیونکہ قرار حمل سے عورتوں کے انزال کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس لیے کہ عورتوں کے نطفہ کا تعلق اس کے حیض کے ساتھ ہے، اس کی منی کے ساتھ نہیں ہے۔ دلیل یہ ہے کہ جن عورتوں کے حیض بند ہوجاتے ہیں ان کو بھی انزال ہوتا ہے۔ مگر حمل قرار نہیں پاتا۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ جن عورتوں کے ساتھ زبردستی کی جاتی ہے، اس میں عورت کا انزال تو رہا ایک طرف ان کی خوشی ومرضی اور خواہش بھی شامل نہیں ہوتی۔ بلکہ ان جذبات کے برعکس غم وغصہ اور ندامت کے جذبات کام کررہے ہوتے ہیں۔ لیکن عورت اگر بالغ اور تندرست ہو تو حمل ضرور ہوجاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر حمل ماہواری سے فراغت کے پہلے ہفتے میں قرار پاتے ہیں۔

دوسرے سبب کی غلط فہمی کے متعلق یہ سمجھ لیں کہ حمل کبھی بھی اس وقت قرار نہیں پاتا بلکہ چوبیس گھنٹوں سے لے کر ایک ہفتہ تک میں قرار پاتا ہے۔ بعض دفعہ زیادہ وقت میں بھی حمل قرار پاتا ہے۔ کیونکہ مرد کی منی عورتوں کے جسم میں ہفتہ عشرہ اور کبھی کبھی دو ہفتہ تک بھی پائی گئی ہے۔ اس لیے سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ قرار نطفہ سے قبل اُٹھ کھڑے ہونا بھی کوئی سبب ہوسکتا ہے۔

اسی طرح مواصلت میں جلد یا بدیر انزال ہونا قرار حمل میں کوئی رکاوٹ کا باعث نہیں بن سکتا ہے۔ شرط منی کا صرف عورت کے جسم میں داخل ہونا ہے۔ دلیل یہ ہے کہ فرنگی سائنس نے حرامی بچوں کی جو تجارت شروع کی ہے وہ اسی اصول پر قائم ہے، یعنی فرنگی سائنس دان اپنے ملک کے لوگوں کی منی کو شیشے کی ٹیوبوں میں بند کرکے دوسرے ملکوں کو بھیجتے ہیں جو یہاں آ کر عورتوں کے رحم میں پچکاریوں کے ذریعے داخل کروی جاتی ہے جس سے اکثر حمل قرار پاجاتا ہے اور کہا یہ جاتا ہے کہ یہ دوا ہے اور علاج ہے۔ بعض شریف ڈاکٹر اور نرسیں اکثر اس حقیقت کا اظہار عورتوں سے کر بھی دیتی ہیں لیکن غرض مند عورتیں اپنے خاوندوں سے چھپاتی ہیں۔ اس لیے بانجھ پن کے علاج میں خاوندوں کو تسلی کرلینی چاہیے کہ رحم میں فرنگی نطفے تو نہیں ڈالے جاتے۔ ایک یہ اسلامی شریعت کی رو سے ناجائز ہے اور دوسرے فرنگی حرامی بچوں کی اپنے ملک اور قوم میں کثرت ہوجائے گی۔ اس طرح ملک اور قوم میں فرنگی حرامی خون کے گندے اجزاء پرورش پائیں گے۔ حکومت کو چاہیے کہ پاکستان میں ان حرامی بچوں کی تجارت ختم کردے۔

اسی طرح بانجھ پن میں مردوں کی ضعف باہ کی کمزوری بھی رکاوٹ کا باعث نہیں ہوسکتی۔ یعنی کوئی مرد مہینوں مواصلت کی طرف راغب نہیں ہوتا۔ لیکن جب ہوتا ہے تو اس کو انتشار بھی کم ہوتا ہے۔ مگر منی کا انزال بھی ہوتا ہے، چاہے مکمل نہ ہو۔ البتہ منی کا عورت کے جسم کے اندر انزال ہونا ضروری ہے۔ بس حمل ضرور ہوجائے گا۔

علامات

بانجھ پن کے لیے کوئی خاص علامات مقرر نہیں کی جاسکتیں۔ کیونکہ عورت ومرد کی ہر جنسی مرض بلکہ جسمانی امراض جو سبب بن سکتی

ہیں ان میں مبتلا لوگوں میں بھی اولاد اکثر دیکھی جاتی ہے۔ مثلاً خرابی طمث، سوزش رحم، ورم رحم اور سیلان رحم وغیرہ امراض میں عورتوں کے بچے پائے گئے ہیں۔ اسی طرح ضعف باہ، جریان، سرعت انزال، احتلام اور جلق واغلام بازی کے مریضوں میں بھی ان کی اولاد دیکھی گئی ہے۔ بلکہ بعض حالتوں میں انتہائی کثرت سے ہوتی ہے۔ اسی طرح ہر نشہ کرنے والے کی بھی اولاد دیکھی گئی ہے۔ البتہ مرد اگر اپنی منی کو عورت کے جسم میں داخل نہ کرسکے یا عورت میں ماہواری بالکل ختم ہو جائے، اگر یہ دونوں نقص نہیں ہیں تو پھر ہر عمر میں اولاد ہو سکتی ہے۔ یہاں تک کہ مردوں میں اسی، نوے سال کی عمر میں بھی اولاد دیکھی گئی ہے۔

ایک خاص علامت، اس کے متعلق البتہ ضروری کہی جاسکتی ہے کہ مرد کو منی کا ایک خاص قوام و مزاج اور استعداد و قابلیت ہے جو ہلکے خمیر کے بعد پیدا ہوتی ہے۔ اس صورت میں جو منی اخراج پاتی ہے اس میں ایک خاص قسم کی بو ہوتی ہے، بالکل جیسے کستوری کے بعد معلوم ہوتی ہے۔ اس کا قوام کچھ غلیظ، لیسدار اور رنگت سفید زردی مائل جیسے موتیا کے پھول کا رنگ ہوتا ہے۔ انہی اوصاف کی منی میں کرم منی پائے جاتے ہیں جس مادہ منویہ میں یہ صفات نہ پائی جائیں، یقیناً اس میں کرم منی نہیں پائے جاتے۔ ان کے اولاد نہیں ہوگی چاہے ظاہراً صحت کیسی اچھی ہو اور مرض بھی کوئی نہ پایا جائے۔ ان حقائق کو مدنظر رکھتے ہوئے یہی کہا جاسکتا ہے کہ جو اعضاء مادہ منویہ تیار کرتے ہیں ان کو مدنظر رکھا جائے، اس سے بانجھ پن کے علاج میں یقیناً کامیابی ہوسکتی ہے بشرطیکہ وہ منی اس عورت کے جسم میں داخل ہو جائے جس کو ماہواری باقاعدگی سے آتی ہو۔ عورتوں کی منی کا قوام مردوں سے رقیق، کم لیسدار اور سفید ہوتا ہے۔ جس میں بیضے پائے جاتے ہیں جو خصیۃ الرحم سے نکل کر قاذفین کے ذریعہ رحم میں پہنچ جاتے ہیں جہاں پر ان کی کرم منی سے ملاقات ہو جاتی ہے اور حمل قرار پا جاتا ہے۔

معائنہ منی

مرد اور عورت کی منی کے متعلق یہ تشفی کرنا کہ کون سی قابل حمل ہے، اس کا غور سے معائنہ کرنا چاہیے یا خوردبین کے نیچے امتحان کرا لینا چاہیے اس مقصد کے لیے لایعنی امتحان شکوک میں ڈال دیتے ہیں۔ مثلاً مرد اور عورت کی منی کو پانی میں ڈال کر امتحان کرنا کہ کون سی تیرتی ہے اور کون سی ڈوبتی ہے۔ ڈوبنے والی کو اچھا کہہ دینا درست نہیں ہے۔ منی میں دیگر آلائشیں مل کر بھی اس کو بوجھل بنا دیتی ہیں۔ اسی طرح مرد اور عورت کے پیشاب میں گندم وجو اور باقلا کے دانے بو دینا اور جس کے دانے اگ جائیں اس کی منی کو درست خیال کر لینا صحیح نہیں ہے۔

حمل کاذب

چونکہ بانجھ پن میں عورتیں حمل کے لیے بے قرار ہوتی ہیں، اس لیے ماہواری کے بعد ایک نئی اُمید لگا لیتی ہیں۔ اکثر ایسی عورتوں میں ماہواری کی خرابی پائی جاتی ہے۔ اس لیے بعض اوقات کئی کئی ماہ ماہواری نہیں ہوتی جس پر ان کو حمل کا یقین ہو جاتا ہے۔ اکثر پستان پھول جاتے ہیں اور بعض اوقات دودھ بھی نمودار ہو جاتا ہے۔ بعض اوقات دردزہ لاحق ہو کر گوشت کا ایک ٹکڑا سا خارج ہو جاتا ہے۔ اسی طرح کبھی کثرت سے رطوبت کا بھی اخراج ہوتا ہے۔ کبھی یہی مادے متعفن ہو کر نفس حیوانی کو بھی قبول کر لیتے ہیں۔ چنانچہ بعض عورتیں بچھوے سانپ اور عجیب الخلق سی چیزیں جنتی ہیں۔

صادق وکاذب حمل کا فرق

صادق وکاذب حمل کا فرق واضح کرنا نہایت اہم بات ہے لیکن جو لوگ تحریک تجدید طب کے ممبر ہیں اور نظریہ مفرد اعضاء سے پورے طور پر واقف ہیں ان کے لیے یہ مشکل نہیں ہے۔ جاننا چاہیے کہ جب عورتوں کو حمل ہوتا ہے تو ان میں عضلاتی تحریک بڑھنا شروع ہو

جاتی ہے جو غدی عضلاتی ہوتی ہے۔ حاملہ عورتوں کی نبض اور قارورہ وغیرہ روز بروز عضلاتی ہوتے جاتے ہیں۔ مثلاً جی متلانا، قے آنا، بھوک بند ہو جانا، پیشاب اور پاخانہ پر دباؤ وغیرہ۔ یہ عرصہ آٹھ ماہ تک رہتا ہے۔ پھر اس کی تحریک بدل کر غدی اعصابی ہونے لگتی ہے اور ایسے ہی امراض لاحق ہوتے ہیں۔ مثلاً رقت، کمی خون، قبض، پیشاب کی بندش کے بجائے بار بار پاخانہ اور پیشاب کا دباؤ پڑنا، کبھی کبھی پیچش ہو جانا وغیرہ۔ خاص قسم کے امراض ہیں جو حمل کاذب میں نہیں پائے جاتے۔ کاذب حمل کی علامات پیٹ میں رسولی کی علامت سے ملتی جلتی ہیں اور نفخ اور قرار بڑھ جاتا ہے۔

علاج اور نسخہ: خولنجاں تین حصے، دارفلفل تین حصے، زنجبیل دو حصے۔ سفوف بنالیں۔

خوراک: چار رتی سے ایک ماشہ تک آب تازہ سے دن میں تین چار بار دیں۔ اس سے کاذب حمل کے اثرات بھی ختم ہو جاتے ہیں۔

مجربات اٹھرا

تشریح

بانجھ پن کی طرح اٹھرا نہ کوئی مرض ہے اور نہ ہی کوئی علامت ہے، البتہ ایک ایسی حالت کا نام ہے جو ایسے مرد وعورت میں پائی جاتی ہے جن کی اولاد پیدائش سے لے کر آٹھ سال تک مر جاتی ہے اس حالت کا اس وقت تک علم نہیں ہوتا جب تک دو چار بچے اس عمر کے اندر نہ مر جائیں۔ اس حالت کا پتہ چل جانے کے بعد عورت کو پریشانی اور غم ہوتا ہے، کیونکہ عورتوں کو یقین ہے کہ اس مرض کا علاج ادویات سے نہیں ہوسکتا۔ اس کا تعلق جنات کے ساتھ ہے یا کسی ایسی عورت کے سائے کا اثر ہوتا ہے جس پر جنات یا ایسے امراض کا اثر ہو۔ اسی طرح بھوت پریت اور تعویذ گنڈوں کا اثر بھی خیال کیا جاتا ہے۔ ساتھ ہی اس امر کا تصور تو کبھی نہیں ہوسکتا کہ اس حالت کے ذمہ دار مرد بھی ہوسکتے ہیں۔

میں نے کافی عرصہ اس حالت پر تحقیق کی ہے۔ اس حالت کا احساس عوام خاص طور پر دیہاتی عورتوں میں پایا جاتا ہے۔ پڑھے لکھے طبقہ میں اس کو جہالت اور بے علمی کہا جاتا ہے، لیکن یہ وہی مرد اور عورتیں کہتی ہیں جن کے خاندان میں یہ حالتیں نہیں پائی جاتیں۔ لیکن جن خاندانوں میں یہ حالت پائی جاتی ہے ان میں معمولی تعلیم یافتہ کیا بی اے اور ایم اے تک تعلیم یافتہ بلکہ پروفیسر اور پرنسپل قسم کی عورتوں کو بھی غم زدہ اور پریشان اور عوام ودیہات اور جاہل وبے علم عورتوں کے نہ صرف ہم خیال پایا ہے بلکہ انہی کی طرح تعویذ گنڈے، جادو ٹونے، جھاڑ پھونک اور دم درود کراتے دیکھا ہے۔ صرف انتہائی تعلیم یافتہ عورتوں پر ہی منحصر نہیں بلکہ ان کے انتہائی پڑھے لکھے انگلینڈ ریٹرنڈ مردوں کو بھی اسی چکر میں گرفتار دیکھا ہے۔ جب ان کے دوسرے پڑھے لکھے دوست ان کا مزاق اڑاتے ہیں اور ان کو زن مرید کہتے ہیں تو وہ بہت پریشان رہتے ہیں۔ کیونکہ فرنگی ڈاکٹروں کے پاس اس حالت کا علاج نہیں ہے اور نہ ہی جراثیم پائے جاتے ہیں اور دوسری طرف اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ یہ خاص حالت میں بعض گھروں میں پائی جاتی ہے۔ فرنگی طب میں تو ہسٹیریا کا یقینی علاج نہیں ہے، بھلا ان کے پاس اس حالت کا کیا علاج ہوسکتا ہے۔

میں نے طبی کتب میں اس حالت کا ذکر نہیں دیکھا۔ بلکہ کسی مرض کی علامات کے طور پر بھی اس کا ذکر نہیں کیا گیا۔ فرنگی میڈیکل سائنس بھی اس حالت کے بیان سے بالکل خالی ہے۔ عورتوں کے جس قدر امراض طبی کتب میں پائے جاتے ہیں ان میں خرابی طمث، سیلان الرحم، رحم کا پھٹنا، رحم کی خراش، ناسور رحم، رحم کا باہر آجانا، ورم رحم، سرطان رحم، اختناق الرحم، رحم کی پھنسیاں اور رحم کا پھولنا وغیرہ میں

کوئی ایسی علامت نہیں پائی جاتی جس میں اٹھرا کا ذکر ہو اور اگر ان امراض میں کسی مرض کی مریضہ کو اولاد ہو تو اس میں بھی یہ حالت نہیں دیکھی گئی۔ اس سے ثابت ہوا کہ اٹھرا کی حالت ان امراض سے کوئی جدا صورت ہے جو عورتوں میں پائی جاتی ہے۔

علامات

ایسی عورتوں کا جب بار بار بغور مطالعہ کیا گیا تو ان میں خاص اقسام کی علامات پائی گئیں۔ مثلاً پیشاب میں جلن، تنگی، ہاتھ پاؤں کا جلنا، نلوں میں ایسی جلن جیسے وہاں پر زخم ہوں۔ اکثر قبض اور خشکی، پیٹ پر رحم کے گرداگرد جیسے کسی نے پٹی باندھ کر جکڑ دیا ہو۔ بعض کو خارش و پھنسیاں اور پھوڑے۔ منہ میں دانے، گلے میں زخم، دائمی نزلہ، آنکھوں میں دائمی جلن، بعضوں کے پیٹ میں بادِ گولہ، اختناق الرحم کے دورے، طبیعت میں غصہ، تیزی اور کسی کی بات برداشت نہ ہونا، اکثر ہر شخص اور گھر بھر سے ناراض رہنا یہاں تک کہ کسی بچے سے بھی پیار مشکل سے آتا ہے۔

بچے جو پیدا ہوتے اکثر ظاہرہ تندرست پیدا ہوتے ہیں۔ پھر رفتہ رفتہ سوکھنے لگتے ہیں۔ بعض پیدائش کے وقت سے ہی مریض ہوتے ہیں۔ جسم پر زخم و دانے اور پھنسیاں خاص طور پر پیروں کے اردگرد جلدی بگاڑ، بعض بچوں میں سوزاک کی علامات بھی دیکھی گئی ہیں۔ ایک عورت کے بچے جب پیدا ہوتے تھے تو آنکھوں سے اندھے ہوتے تھے جس کی صورت یہ ہوتی تھی کہ آنکھوں میں بالکل سیاہی پھیلی ہوئی ہوتی تھی۔ بعض بچے پیدائش کے وقت تندرست ہوتے۔ مگر تین دن کے اندر ان کی آنکھوں میں سیاہی پھیل جاتی ہے اور وہ اندھے ہو کر مر جاتے ہیں۔ میں نے جب اس عورت کا علاج کیا تو اس کا مرض دور ہو گیا اور اللہ تعالیٰ کی کریمی سے بچے تندرست پیدا ہونا شروع ہو گئے اور زندہ بھی رہتے تھے۔ بعض بچے تو ایسے گلے سڑے ہوتے تھے جیسے گندھا ہوا آٹا اور اس میں سے سخت بو آتی تھی۔ غرض انتہائی خرابی خون کے مریض بچے بھی پائے گئے ہیں۔

ان عورتوں کے خاوندوں سے علیحدگی میں جب استفسار کئے گئے تو پتہ چلا کہ بعض عورتوں میں مواصلت کے وقت ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کا جسم کسی جلتی ہوئی بھٹی میں ڈال دیا گیا ہے۔ بعض دفعہ عضو مخصوص پر دانے نکل آتے ہیں اور جلن دائمی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ عورتوں کے جسم میں رطوبت کی کمی یا بالکل خشک ہونے کی شکایت، ایسی عورتیں گویا انتہائی گرمی اور سردی کا مجموعہ ہوتی ہیں۔ یہ ضروری نہیں کہ ہر عورت میں سب علامات پائی جائیں۔ کسی میں کچھ کسی میں کچھ علامات پائی جاتی ہیں۔ لیکن جب ان میں غور کیا جائے گا تو تمام ملتی جلتی پائی جائیں گی۔

میری تحقیقات

اس حالت کے متعلق میری تحقیقات یہ ہیں کہ اٹھرا کا مرض ان خاندانوں میں پایا جاتا ہے جن میں مرض سوزاک کا اثر ہوتا ہے یا سوزاک کی مادہ پایا جاتا ہے یا سوزاک کی عوارضات پائے جاتے ہیں۔ یہ اثر باپ کی طرف سے اولاد میں منتقل ہوتا ہے، بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ اوّل بیوی پر اثر انداز ہوتا ہے اور اس میں سوزاک یا ایسے دیگر عوارضات پیدا ہو جاتے ہیں جس کے ساتھ ہی اس پر اٹھراہ کا مرض پیدا ہو جاتا ہے۔ ایسے میاں بیوی کی اولاد اوّل تو تندرست پیدا نہیں ہوتی اور اگر تندرست پیدا ہوتی ہے تو جلد مر جاتی ہے۔ اگر کوئی انتہائی جدوجہد سے بچ جاتی ہے تو آئندہ نسلوں میں اٹھرا کا مرض لازم ہو جاتا ہے۔ گویا اٹھراہ ایک ایسی صورت ہے جو سوزاک کی مادہ سے پیدا ہوتی ہے۔

خاص نکتہ

عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ اٹھراہ میں عورتوں کے اندر خرابی پائی جاتی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ عورتوں میں یہ خرابی مردوں کی طرف سے آتی ہے۔ اس لیے ایسے مریض کے علاج میں لازمی امر ہے کہ ان کے مردوں کا معائنہ بھی کر لینا چاہیے اور ساتھ ہی یہ فیصلہ کر لینا چاہیے کہ اٹھراہ کی حالت مرد یا اس کے خاندان کی طرف سے تو نہیں آئی۔ اس صورت میں عورتوں کے ساتھ مردوں کا علاج بھی ضروری ہے۔

علاج

اٹھراہ کا علاج سوزاک کے اصولوں پر کرنا چاہیے۔ ہم سوزاک کا علاج امراض مخصوصہ میں بیان کریں گے۔ البتہ یہاں پر یہ سمجھ لیں کہ یہ غدی مرض ہے اس کا علاج اعصابی ہے۔ ذیل کا نسخہ ہر قسم کے اٹھراہ میں یقینی بے خطا ہے، اس کو مسلسل استعمال کرنا چاہیے۔ یعنی حمل ہو جانے کے بعد بھی دوا جاری رکھنی چاہیے۔ یہاں تک کہ بچہ پیدا ہونے کے بعد بھی جب تک بچہ دودھ پیئے دوا جاری رکھنی چاہیے۔ بس ایک بچہ تندرستی میں ایک سال گزار دے تو پھر دوسرے بچوں کے لیے یہ دوا ضروری نہیں ہے۔

نسخہ: سرمہ سیاہ، ریٹھا، دونوں ہم وزن۔ گولیاں بقدر مونگ تیار کر لیں۔

خوراک: ایک گولی صبح و شام بعد از غذا ہمراہ ایک گلاس دودھ کھلائیں۔

غذا: غذا میں دودھ گھی اور گوشت سبزی کا استعمال زیادہ رکھیں۔ روٹی چاول برائے نام۔ البتہ گھی سے تر بتر حلوہ یا دلیا زیادہ مفید ہے۔ لیکن اگر شدید بھوک نہ ہو تو صرف پھل دودھ اور چائے کا استعمال زیادہ مفید ہوتا ہے۔

مجربات استقرار حمل

بانجھ پن اور استقرار حمل کا فرق

استقرار حمل بھی بانجھ پن اور اٹھرا کی طرح نہ کوئی مرض ہے اور نہ ہی کوئی علامت ہے۔ بلکہ ایک ایسی حالت کا نام ہے کہ جس سے رحم میں اس قدر استعداد پیدا کر دی جائے کہ وہ جلد حمل قبول کر لے یا دوسرے معنوں میں اس کے اندر اس قدر قوت پیدا ہو جائے کہ وہ اپنے افعال بالکل صحیح طریق پر انجام دینے لگے۔

استقرار حمل کے لیے جو لوگ مجربات و مرکبات اور مفرد ادویات اندرونی یا بیرونی طریق پر استعمال کرتے ہیں ان کو یہ غلط فہمی ہو جاتی ہے کہ بس صرف اسی دوا سے فوراً حمل ہو جائے گا۔ اور اس امر کو بالکل نظر انداز کر دیتے ہیں کہ مریضہ کے رحم میں جو خرابیاں پائی جاتی ہیں جن سے اس کا ادرار طمث (ماہواری) باقاعدہ نہیں ہے اس کو بھی درست کر لیا جائے۔ البتہ اکثر ایسا بھی دیکھا گیا ہے کہ صرف استقرار حمل کے مجربات سے عورتوں کے امراض بھی رفع ہو گئے اور استقرار حمل بھی ہو گیا۔ گویا دوا نے رحم میں اس قدر طاقت پہنچا دی کہ وہ اپنے اندر کے امراض کو رفع کرنے پر قادر ہو گیا ہے۔ لیکن اگر کبھی ایسا نہ ہو اور حمل میں تاخیر ہو تو پھر مفرد اعضاء و مزاج اور کیفیات کو مدنظر رکھتے ہوئے رحم کے دیگر امراض کا علاج اوّل کرنا چاہیے اور بعد میں استقرار حمل کے لیے ادویات استعمال کرانی چاہئیں۔ بالکل اسی طرح جیسے بخاروں اور دیگر امراض میں شفا کے بعد تقویت کے لیے مولد خون اور مقوی ادویات استعمال کرائی جاتی ہیں اور مرض کے دوران میں تقویت کی ادویات اس لیے روک دی جاتی ہیں کہ ان سے امراض اور علامات میں شدت پیدا ہوتی ہے۔

جاننا چاہیے کہ رحم کی مثال ایک کھیت کی ہے جس کی زمین میں پانی کے ساتھ ساتھ ایک خاص قسم کی تیاری ہوتی ہے۔ کھیت کی زمین میں جس قدر تیاری اور مناسبت ہوگی اسی قدر اس میں بیج کے استحکام وسعت اور عمدگی سے پیداوار ظاہر ہوگی۔ یہ ظاہر ہے کہ ہر زمین کھیت نہیں ہوتی بلکہ کھیت کے لیے زمین تیار کی جاتی ہے۔ کوئی چٹان وسڑک اور پامال راہ کبھی کھیت نہیں بن سکتے۔ البتہ کبھی کبھی کیچڑ میں روئیدگی کا مزاج پیدا ہو جاتا ہے۔ لیکن چٹیل زمین بیج کو موقع ہی نہیں دیتی کہ اس کا تعلق زمین کے اس حصے سے قائم ہو جائے جو خداوند کریم نے فلاح کے لیے مقرر کیا ہے۔ اس کے برعکس مانع حمل ادویات رحم میں وہی صورت پیدا کر دیتی ہے جو چٹیل اور خشک زمین کو ہو جاتی ہے جس میں زندگی اور نمو کے اثرات ختم ہو جاتے ہیں۔ یاد رکھیں کہ مانع حمل ادویات کا استعمال نہ صرف عورت کی زندگی اور نمو کو بہت جلد ختم کر دیتا ہے۔ بلکہ اس کی آئندہ نسلیں بھی ہمیشہ کے لیے ختم ہو جاتی ہے۔ اس کو کبھی اولاد نہیں ہوتی اور اگر کسی جدوجہد سے ہو بھی جائے تو زندہ نہیں رہ سکتی۔ اور وہ زندہ بھی رہے تو اولاد کے قابل نہیں ہوگی۔ اسی طرح عورتیں اسقاط حمل کرا دیتی ہیں ان کے حمل کو پھر استقرار نصیب نہیں ہوتا یعنی اوّل حمل نہیں ہوتا اور اگر ہو جائے تو فوراً گر جاتا ہے۔ یہ سلسلہ عمر بھر قائم رہتا ہے جس کو بہت مشکل سے آرام قیام ہوتا ہے۔ گویا فطرت کی تعزیریں بہت سخت ہیں۔ قانون قدرت ایک منٹ کے لیے بھی رعایت نہیں کرتا۔ جو لوگ کسی بھی رنگ میں صحت پر ظلم کرتے ہیں یا کھانے پینے میں بے اعتدالی کرتے ہیں، وہ قانون فطرت کے ردّ عمل کی سزائیں بھگتتے پھرتے ہیں۔ یہ اہم نکتہ ذہن نشین کر لیں کہ ہر **مرد کی صحت کا معیار اس کی قوت باہ کا صحیح ہونا ہے اور عورت کی صحت کا معیار اس کی ماہواری کا باقاعدہ ہونا ہے۔ گویا جنسی اعضاء مرکز صحت و زندگی اور نمود و فلاح ہے۔ جیسے درخت کی جڑ ہوتی ہے۔ جس انسان کا مرکز زندگی یا جڑ ختم ہو جائے اس کا سب کچھ ختم ہو جاتا ہے۔** یہ بات بھی سمجھ لیں کہ بانجھ پن اور استقرار حمل میں یہ فرق ہے کہ بانجھ پن کسی زنانہ مردانہ مرض کی وجہ سے ہوتا ہے اور استقرار حمل صرف ضعف رحم کو مدنظر رکھتے ہوئے مقوی رحم ادویہ استعمال کرائی جاتی ہیں تاکہ رحم میں تقویت پیدا ہو جائے۔ دراصل یہ تقویت رحم میں حرارت پیدا کرنے سے ہوتی ہے۔ اس مقصد کے لیے مقوی غدی عضلاتی دوا مفید ہو سکتی ہے۔ ذیل کی دوا بے حد مفید ہے۔

نسخہ: شنگرف ایک تولہ، جائفل 3 تولے، پتہ مگرمچھ 4 تولے، شنگرف اور جائفل کو کھرل کریں۔ پھر پتہ مگرمچھ ملا کر ایک گھنٹہ کھرل کر کے گولیاں مقدار نخود بنالیں۔

خوراک: ایک گولی صبح شام ہمراہ آب تازہ۔ تین روز تک رات کو ایک گولی اندر رکھوادیں۔ پھر صرف کھانے کی دوا دیتے رہیں۔

غذا: صبح حلوہ، دوپہر کو صرف دودھ یا پھل اور رات کو ہر قسم کی غذا کھا سکتے ہیں۔

مجربات بالمفرد اعضاء

طلاء مقوی باہ

نسخہ: روغن رائی ایک چھٹانک، بیر بہوٹی ایک تولہ، لونگ ایک تولہ۔

ترکیب: اوّل لونگ باریک کریں۔ پھر اس میں بیر بہوٹی ڈال کر خوب یک جان کر لیں۔ پھر اس میں تھوڑا تھوڑا روغن رائی ڈالتے جائیں اور کھرل کرتے جائیں، یہاں تک کہ وہ سب یک جان ہو جائیں۔ پھر سب کچھ ایک شیشی میں ڈال کر اس کا منہ بند کر دیں۔ یہ شیشی ایک دیگچی میں رکھ کر اس قدر پانی ڈالیں کہ شیشی کا منہ نہ ڈوبے۔ پھر دیگچی کو نرم آگ پر رکھ دیں۔ کم از کم تین گھنٹے ہلکی آگ پر پکنے دیں۔ پھر جب پانی ٹھنڈا ہو جائے تو وہ روغن کسی دوسری شیشی میں نتھار لیں بس تیار ہے۔ حسب معمول استعمال کریں۔

سفوف مقوی باہ اور جسم

نسخہ: دارچینی دو چھٹانک، رائی ایک چھٹانک، لونگ ایک چھٹانک کو سفوف کرلیں۔

خوراک: نصف ماشہ ہمراہ شیر نیم گرم دِن میں تین بار، صبح، سہ پہر اور بوقت خواب استعمال کریں اور خداوند کریم کی قدرت کا نظارہ دیکھیں۔

نوٹ: جن لوگوں کو قبض شدید ہو وہ اوّل کچھ روز اپنی قبض کا علاج کریں، جس کے لیے بہتر صورت یہ ہے کہ چھ ماشہ روغن بادام پاؤ بھر دودھ میں ملالیں اور ایسی دو تین خوراکیں چند روز تک استعمال کریں اس سے دائمی قبض رفع ہو جائے گی۔

دوائے کالی کھانسی

مرچ سرخ کسی مٹی کی پیالی میں رکھ کر جلالیں۔ پھر چھ ماشہ لے کر ایک تولہ شہد میں ڈال کر دِن میں تین دفعہ بقدر تین ماشہ چٹائیں۔

دوائے یرقان

نسخہ: ریوند عصارہ ایک حصہ، پھٹکڑی تین حصہ۔ دونوں کو باریک پیس کر سفوف کرلیں۔

خوراک: ایک رتی سے ایک ماشہ تک دِن میں چار بار دیں۔

تریاق کزاز و تشنج

نسخہ: جائفل ایک تولہ، جلوتری ایک تولہ، فلفل دراز 2 تولہ، عقرقرحا ایک تولہ، سنبل الطیب 2 تولہ، حلتیت 3 تولہ، عرق لہسن 10 تولہ۔

خوراک: ڈیڑھ سے دو ماشہ تک ہمراہ نیم گرم پانی یا چائے سے استعمال کریں۔

افعال و اثرات: (غدی عضلاتی) ہر قسم کے کزاز و تشنج میں تریاق کا حکم رکھتا ہے۔ دورہ فوراً رُک جاتا ہے۔ اس کے علاوہ اختناق الرحم، مرگی، ڈبہ اطفال میں بھی بے حد مفید ہے اور بہت جلد اس کے دورے رُک جاتے ہیں۔

محرک دماغ وملین

نسخہ: بادام مقشر چار چھٹانک، بادیان مقشر ڈیڑھ چھٹانک، فلفل سیاہ آدھ چھٹانک، ربّ سوس دو چھٹانک۔

ترکیب: اوّل بادام اور ربّ سوس کو ملالیں۔ پھر اس میں فلفل اور بادیاں مقشر ملا کر سفوف بنالیں۔

خوراک: 3 ماشہ سے ایک ایک تولہ ہمراہ آب نیم گرم یا دودھ یا شہد شیریں کردہ استعمال کرائیں۔

افعال و اثرات: (غدی ملین) سوزشی نزلہ زکام اور کھانسی، تقطیر و سوزش بول، پیچش، پیٹ میں سدے، جسم کی خشکی، جسم کا دُبلا پن، ثقل سماعت اور ضعف بصارت بوجہ خشکی اور گرمی، سرعت انزال اور جریان۔ خون کے دباؤ میں زیادتی اور پرانی بدہضمی میں بے حد مفید ہے۔ اس دوا کے استعمال سے ریاح الامعاء تبخیر اور زخم امعاء بہت جلد رفع ہو جاتے ہیں۔

محرک دماغ واعصاب (قابض)

نسخہ: کشنیز چار تولے، زیرہ سفید 2 تولہ، تخم خشخاش 2 تولہ، تخم کدو 4 تولہ۔

خوراک: 3 ماشہ سے ایک تولہ تک ہمراہ آب تازہ یا چائے نیم گرم استعمال کریں۔

افعال و اثرات: (اعصابی غدی) مندرجہ بالا تمام امراض و علامات میں بے حد مفید ہے۔ بشرطیکہ مریض کو قبض بالکل نہ ہو۔ بلکہ اس کو دو تین اجابتیں روز آتی ہوں۔ مندرجہ بالا امراض کے علاوہ سوزاک اور نیند نہ آنے میں بے حد مفید ہے۔ جن مریضوں کو بے وجہ بھوک لگتی

ہو اور ہر وقت کھانے کا خیال لگا رہتا ہو، بعض ایسے مریضوں اور بچوں کو اسہال بھی لگے رہتے ہیں ان کے لیے یہ دوا اکسیر کا کام کرتی ہے۔ بھوک بند ہو جاتی ہے اور اسہال رُک جاتے ہیں۔ صحت قابل تعریف ہو جاتی ہے۔ اسی طرح عطاش کے لیے بھی مفید ہے۔

نوٹ: مندرجہ بالا دونوں نسخے ایسے ہیں جن کا جواب فرنگی طب میں نہیں ہے۔ ہماری اکثر یہ کوشش ہوگی کہ ایسے نسخے لکھیں جن کا جواب فرنگی طب میں نہ ہو، آئندہ ساتھ ساتھ اشارے کرتے رہیں گے۔

حب عرق النساء

نسخہ: اسپند ایک تولہ، سورنجاں شیریں ایک تولہ، ست مصبر ایک تولہ۔

ترکیب: کوٹ پیس کر ملا لیں اور گولیاں بقدر نخود تیار کر لیں (غدی عضلاتی)۔

خوراک: ایک گولی ہر دو گھنٹے بعد دیں۔ جب درد رُک جائے یا پاخانے شروع ہو جائیں تو ہر چار گھنٹے بعد دیں۔ اگر درد کی شدت ہو تو دو تین یا چار گولیاں اکٹھی بھی ہمراہ آب گرم دے سکتے ہیں۔

افعال و اثرات: عرق النساء کے علاوہ کولہوں کا درد، نقرس اور ترشی کے لیے بے حد مفید ہے۔ عورتوں کی ماہواری کو باقاعدہ کرنے میں ایک یقینی دوا ہے جو نزلہ مزمن ہو اس کے لیے ایک بہت اچھی دوا ہے۔ ایک بے ضرر مسہل ہے۔ دائمی قبض، ریاح شکم اور تبخیر کے لیے بے خطا دوا ہے۔

ترکیب ست مصبر: ایک چھٹانک مصبر لے کر باریک کر لیں اس کو کسی قلعی کیے برتن میں ڈال کر اس میں تین چھٹانک پانی ڈال کر خوب ہلا لیں۔ چوبیس گھنٹے پڑا رہنے دیں۔ البتہ گاہے گاہے ہلا دیا کریں۔ چوبیس گھنٹے کے بعد مقطر کر لیں۔ پھر قلعی دار برتن میں ڈال کر نرم آگ پر خشک کر لیں۔ بس تیار ہے۔

حب عظم الطحال

نسخہ: سم الفار ایک حصہ، ہیرا کسیس تازہ آٹھ حصے، ست مصبر سولہ حصے۔

ترکیب: اوّل سم الفار اور ہرا کسیس کو کھرل میں ڈال کر کم از کم ایک گھنٹہ تک کھرل کریں۔ پھر ست مصبر ملا کر یک جان کر لیں۔ پھر پانی کی مدد سے گولیاں بقدر نخود تیار کر لیں (عضلاتی غدی)۔

خوراک: ایک ایک گولی ہر چار گھنٹے کے بعد دیں۔ اگر تین روز مسلسل دینے کے بعد قبض باقی رہے تو خوراک دو، دو گولیاں کر دیں اور جب قبض دور ہو جائے تو پھر ایک ایک گولی شروع کر دیں۔

افعال و اثرات: پرانے سے پرانے عظم الطحال کے لیے ایک مفید ترین دوا ہے، اس کے علاوہ جسم میں صاف اور مقوی خون پیدا ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ بھوک بڑھ جاتی ہے، رنگ صاف ہو جاتا ہے، قبض کشا ہے، جن عورتوں کی ماہواری اس لیے خراب ہو کہ ان کے جسم میں خون کی کمی ہے ان کے لیے بے حد مفید ہے۔ اس سے رفتہ رفتہ نہ صرف ماہواری شروع ہو جاتی ہے بلکہ باقاعدہ ہو جاتی ہے۔ جو عورتیں ماہواری کی خرابی کی وجہ سے اولاد سے محروم ہوں ان کو ان گولیوں کے استعمال سے تین چار ماہ کے اندر حمل قرار پا جاتا ہے۔

پرہیز: اس دوا کے دوران مٹھائی، چاول، گھی اور دودھ کا استعمال بند رکھیں۔

غذا: غذا میں دلیا، ڈبل روٹی، ہر قسم کے گوشت کا شوربا، چائے کا استعمال مفید ہے۔ البتہ ترش پھل استعمال کرائے جا سکتے ہیں۔

حب مقوی بدن مولد خون

نسخہ: سم الفار ایک ماشہ، کشتہ فولاد 8 ماشے، رائی 1/4۔4 ماشے۔

ترکیب: اوّل سم الفار کو پیس لیں۔ پھر اس میں تھوڑا تھوڑا کشتہ فولاد شامل کرتے جائیں اور کھرل کرتے جائیں۔ اسی طرح ایک گھنٹہ کھرل کریں۔ پھر اس میں رائی شامل کر کے گولیاں بقدر نخود تیار کر لیں (عضلاتی غدی مقوی)۔

خوراک: ایک گولی صبح ایک گولی شام ہمراہ آب تازہ۔

اثرات و افعال: کمیٔ خون اور نقاہت جسم کے لیے بے حد مفید ہے۔ تھوڑے دنوں میں کافی خون پیدا ہو جاتا ہے اور جسم میں طاقت آ جاتی ہے۔ رنگ سرخ ہو جاتا ہے، بھوک خوب لگتی ہے، قوت باہ اور جریان کے لیے بھی مفید ہے۔ بدہضمی، عظم الطحال مزمن اور ضعف کبد کے لیے بھی بہت کامیاب ہے۔

فرنی دافع سوزش

نسخہ: ساگودانہ ایک تولہ، اسپغول 6 ماشہ، تخم ریحان 6 ماشہ، انڈا ایک عدد، دودھ نیم سیر۔

ترکیب: پہلی تینوں اشیاء کو پاؤ بھر پانی میں گھول کر آگ پر رکھ دیں جب ساگودانہ گل جائے تو اس میں سفید انڈا ڈال کر خوب پھینٹ لیں۔ پھر دودھ گرم کر کے اس میں ملا دیں۔ حسب ضرورت چینی شامل کر لیں۔ بس تیار ہے (اعصابی عضلاتی)۔

افعال و اثرات: معدہ وامعاء اور مثانہ کی سوزش کے لیے غذائی دوا ہے۔ جب پیٹ میں سوزش اور جلن پائی جائے اور ترش ڈکار آئیں یا امعاء کی سوزش سے اسہال ہوں، جن میں جلن پائی جائے یا سوزاک یا بغیر سوزاک کے پیشاب جل کر آئے۔ جب منی اخراج پائے تو جلن معلوم ہو یا جریان کی شدت ہو تو اس غذائی دوا کا استعمال بے حد مفید ہے۔ اسی طرح سرعت انزال مذی اور ودی کی کثرت کو روک دیتی ہے۔ جب غدد میں حدت ہو، خون کا دباؤ بڑھ گیا ہو۔ ہاتھ پاؤں کی ہتھیلیاں جلتی ہوں تو اس کا استعمال تسکین کا باعث ہوگا۔

خوراک: دن میں دو تین بار دیں۔ معمولی تکلیف میں صرف صبح ناشتہ میں اس کا استعمال کافی ہوگا۔ بہتر ہوگا کہ ضرورت کے مطابق تازہ بنالیں۔

برفی دافع سوزش

نسخہ: کھویا ایک پاؤ، بادام شیریں مقشر ایک پاؤ، تخم کدو نیم پاؤ، خشخاش نیم پاؤ، الائچی خورد چھ ماشہ، ورق نقرہ حسب ضرورت۔ پانی نیم پاؤ۔

ترکیب: کھانڈ میں پانی ڈال کر آگ پر رکھ دیں جب پانی اُبلنے لگے تو اس میں کھویا ڈال دیں، پھر یہاں تک آگ پر رکھیں کہ برفی کا قوام پک جائے۔ آگ سے اُتار کر اس میں بادام تخم کدو اور خشخاش صاف کر کے باریک شدہ ڈال دیں۔ پھر کسی کھلے برتن میں ڈال کر ورق لگا کر برفی کو کاٹ لیں۔

خوراک: 6 ماشہ سے 2 تولہ تک دن میں تین چار بار استعمال کرائیں۔

افعال و اثرات: مندرجہ بالا برفی دافع سوزش کے علاوہ مقوی اثر بھی رکھتی ہے، نزلہ مزمن اور پرانی سوزشی کھانسی کے لیے بے حد مفید ہے۔ ہلکا ملین بھی ہے جسم کی خشکی کو دور کرنے کے ساتھ ساتھ مقوی دماغ بھی ہے۔ دماغی محنت کرنے والوں کے لیے ایک عمدہ مٹھائی ہے (اعصابی عضلاتی مقوی)۔

کوکونٹ مقوی دماغ و اعصاب

نسخہ: نارجیل پاؤ، پستہ پاؤ، کھانڈ پاؤ، ورق نقرہ حسب ضرورت، پانی نیم پاؤ۔

ترکیب: اوّل نارجیل کو باریک مولی کنڈا کرلیں۔ پھر پستہ کو چاقو سے باریک کرلیں، دونوں کو ملا کر رکھ دیں۔ پھر کھانڈ میں پانی ڈال کر آگ پر رکھیں۔ جب قوام تیار ہوجائے تو اُتار کر نارجیل اور پستہ ڈال دیں۔ پھر کسی کھلے برتن میں پھیلا کر ورق نقرہ لگا کر ٹکڑیاں کاٹ لیں۔

افعال و اثرات: (عضلاتی محرک اعصابی مقوی) دماغ و اعصاب کی تقویت کے علاوہ جریان اور ضعف باہ کے لیے بھی مفید ہے۔ عورتوں کے سیلان رحم کے لیے مفید ہے۔ بے حد لذیذ اور مقوی مٹھائی ہے۔ چند دِن کے اندر جسم میں غیر معمولی قوت پیدا ہو جاتی ہے۔ دماغی کام کرنے والوں کے لیے بے حد مفید ہے۔

خوراک: تولہ سے پانچ تولہ تک دِن میں تین بار دیں۔

مقوی معدہ کبدی

نسخہ: جاوتری ایک تولہ، دارچینی 4 تولہ، تیزپات 5 تولہ۔ سفوف تیار کرلیں۔

خوراک: ایک ماشہ سے تین ماشہ تک دِن میں تین چار بار ہمراہ آب تازہ دیں۔

افعال و اثرات: مقوی معدہ و امعاء اور قلب، محرک جگر اور قابض نفخ شکم اور گڑگڑاہٹ، مولد خون اور مقوی بدن (عضلاتی غدی)۔ اس دوا کے استعمال سے رفتہ رفتہ معدہ اور امعاء میں زبردست قوت پیدا ہو جاتی ہے، جگر گرم ہو جاتا ہے اور بھوک بڑھ جاتی ہے۔ پرانے اسہال یا وہ پاخانے جو کھانا کھانے کے بعد آتے ہوں، رفتہ رفتہ رُک جاتے ہیں۔ پرانے نزلے میں بے حد مفید ہے، تیزابیت دور ہونا شروع ہو جاتی ہے۔ نیا خون پیدا ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ آہستہ آہستہ جسم میں طاقت و توانائی آ جاتی ہے اور ساتھ ہی کمزوری دور ہو کر جسم کا دُبلا پن ختم ہو جاتا ہے اور رنگت میں سرخی نمودار ہو جاتی ہے۔

تریاق معدہ و امعاء

نسخہ: گندھک 2 تولہ، اجوائن 4 تولہ، پودینہ 2 تولہ۔ سفوف بنالیں۔

خوراک: ایک ماشہ سے تین ماشہ تک ضرورت کے وقت ہر نصف گھنٹہ بعد ہمراہ آب نیم گرم۔ جب درد یا قے رفع ہو جائے تو ہر تین گھنٹے بعد استعمال کرائیں۔

افعال و اثرات: درد معدہ و امعاء، قے و اسہال، معدہ و امعاء میں بے چینی و سوزش و ورم وغیرہ۔ یورک ایسڈ کی زیادتی، ریاح شکم، باؤ گولہ (غدی عضلاتی)۔

معدہ و امعاء کے اس درد و بے چینی کو مفید ہے جس میں ریاح اور یورک ایسڈ کی زیادتی ہو۔ مصفی خون و دافع نزلہ و زکام سوزشی و ریاحی ہے۔ جسم کے پھوڑے پھنسیاں دور ہو جاتی ہیں۔ خارش میں بے حد مفید ہے۔ مریض کو کھلایا بھی جائے اور تین ماشہ فی تولہ گھی میں ڈال کر مالش بھی کرلینی چاہیے۔ اسی طرح دانت کے درد اور ماسخورہ میں اس دوا کے نمکین گرم پانی سے غرارے کرنے سے تسکین ہو جاتی ہے۔

غذا: غذا میں اس امر کا خیال رکھیں کہ مریض کو روٹی، نان اور چپاتی بند کردیں زیادہ تر ترکاری جس میں گھی بعد میں ڈال دیا گیا ہو چمچہ سے

کھلائیں اور بھوک سخت لگے تو اس ترکاری سے پیٹ بھریں۔ ترکاری میں ہر قسم کی سبزی، گوشت اور دالیں استعمال کی جاسکتی ہیں۔ اگر بھوک صرف ترکاری سے نہ اُترے تو اس کے بعد ساتھ ہی دودھ، چائے اور لسّی و دہی سے پیٹ بھر سکتے ہیں۔ نیز مٹھائی اور پھل سے بھی پیٹ بھرا جاسکتا ہے۔ اگر مریض بہت اصرار کرے تو اس کو دلیا، چاول اور ڈبل روٹی دے سکتے ہیں۔

چٹنی مقوی قلب اور مولدخون

نسخہ: ٹماٹر 4 سیر، کشمش نیم سیر، ادرک نیم پاؤ، سرکہ ایک سیر، گڑ 2 سیر، نمک مرچ حسب ضرورت۔

ترکیب: اوّل ٹماٹر کو کاٹ کر کسی مٹی کی ہانڈی میں آگ پر پکائیں۔ جب تمام ٹماٹر گل کر یک جان ہو جائیں تو اس کو چھان کر رکھ لیں۔ پھر دوسری مٹی کی ہانڈی میں سرکہ اور گڑ ملا کر آگ پر رکھ دیں۔ جب گڑ سرکہ میں بالکل حل ہو جائے تو اس کو چھان کر ٹماٹر کے پانی میں ملا لیں۔ پھر اس میں ادرک کو چھیل کر باریک کتریں بنا کے ڈال دیں کشمش کو دھو لیں اور نمک مرچ حسب ضرورت تینوں کو شامل کر کے ہانڈی کو پھر آگ پر چڑھا دیں۔ جب معمولی گاڑھا ہو جائے تو اُتار لیں۔ بس تیار ہے۔

خوراک: ایک تولہ سے ایک چھٹانک تک کھانے کے ہمراہ۔ روٹی سے کھائیں یا ناشتہ کریں۔ توس پر لگا کر کھائیں۔

احتیاط: جب ٹماٹروں کو پکائیں یا بعد میں گاڑھا کریں تو آگ نرم ہونی چاہیے اور ہانڈی کو ہلاتے رہیں تاکہ ٹماٹر ہانڈی کی تہہ میں بیٹھ کر جل نہ جائیں۔

افعال و اثرات: (عضلاتی غدی) قلب و جگر کو قوت دیتی ہے اور بے حد خون پیدا کرتی ہے۔ سینہ اور دماغ کی رطوبتوں کو چھانٹتی ہے۔ بھوک لگاتی اور قوت ہاضمہ تیز کرتی ہے۔ ہلکی ملین ہے۔ گندے ریاح کو تحلیل کرتی اور اسہال کہنہ اور کثرت بول میں بھی ازبس مفید اور لذیذ غذا ہے۔ خاص طور پر ایسے موقع پر جب کہ غذا کھاتے ہی فوراً پاخانے کا احساس ہو۔ تھوڑے ہی دِنوں میں رنگ سرخ ہو جاتا ہے۔ تیز گرمی کے موسم میں جب قدرت ترش پھل پیدا کرتی ہے یا جب بارش کا موسم ہو یا ہیضے کی وبا یا موسم ہو تو بے حد مفید ہے۔ جی متلانے اور بار بار قے آنے میں بھی بے حد مفید ہے۔ جب دل ڈوبے تو اس کی ایک، دو یا تین چمچہ بھر مقدار فوراً دِل کو تیز اور گرم کر دیتی ہے یہ ایک لذیذ اور خوش ذائقہ غذائی دوا ہے۔

چٹنی مقوی جگر اور مولدخون

نسخہ: امبی - کیری (خام آم) 2 سیر، کشمش نیم پاؤ، سرکہ ایک سیر، ادرک نیم پاؤ۔ گڑ ½2 سیر، نمک مرچ ضرورت کے مطابق۔

ترکیب: حسب سابق تیار کر لیں۔ خوراک اور استعمال بھی حسب سابق رکھیں۔

افعال خواص: (غدی عضلاتی) قلب کی نسبت جگر کو زیادہ قوت دیتی ہے۔ حرارت زیادہ پیدا کرتی ہے۔ اور اس سے بھی جسم میں بے حد خون پیدا ہوتا ہے اور ساتھ ہی بے حد مبہی اور مشتہی ہے۔ ملین اور متعفن ریاح کا اخراج کرتی ہے اور جسم سے ہر قسم کی بلغم کا اخراج کرتی ہے اور اس کی پیدائش کو روکتی ہے باقی افعال و اثرات میں سابقہ چٹنی کے مطابق ہے۔ یہ بھی ایک لذیذ اور خوش ذائقہ غذائی دوا ہے اور دونوں چٹنیوں کا استعمال موٹاپے کو چھانٹتا ہے۔

چٹنی مقوی اعصاب اور مولدخون

نسخہ: مربہ آم ایک پاؤ، مربہ زنجبیل ایک پاؤ، کشمش ایک پاؤ، گرم مصالحہ حسب ضرورت۔

ترکیب: دونوں مربہ جات اور کشمش کو دھو کر کونڈی ڈنڈے میں خوب باریک کریں۔ اس میں حسب ضرورت گرم مصالحہ ملا لیں۔ بس تیار ہے۔ اس چٹنی کی یہ خوبی ہے کہ فوراً تیار ہو جاتی ہے۔ اس میں سرکہ اور نمک شریک نہیں ہیں۔ خوراک اور استعمال حسب سابق ہے۔

افعال و خواص: (عضلاتی غدی) مندرجہ بالا دونوں چٹنیوں کے خواص اس میں موجود ہیں لیکن یہ دِل و جگر کے ساتھ ساتھ اعصاب کے لیے بھی تقویت کا باعث ہے۔ تھوڑے ہی عرصہ میں جسم میں نشو و نما اور توانائی کا دور شروع ہو جاتا ہے، ساتھ یہ بھی ایک خوش ذائقہ ہے۔

مقوی طحال اور مولد خون

نسخہ: کشتہ فولاد ایک تولہ، افسنتین 3 تولے، رائی بارہ تولے۔

ترکیب: اوّل کشتہ اور افسنتین کو باہم ملا لیں۔ پھر رائی کا سفوف ملا لیں۔ بس تیار ہے۔

خوراک: ایک ماشہ سے دو ماشہ تک ہمراہ لسی یا سکنجبین دِن میں تین چار بار دیں (عضلاتی اعصابی)۔

عظم طحال اور ضعف کی صورت میں جسم میں تیزابیت بہت کم ہو جاتی ہے اور خون میں سرخی کی بجائے رطوبات بہت بڑھ جاتی ہیں۔ کمی خون اور خرابی خون کی علامت پیدا ہو جاتی ہیں۔ جسم پھول جاتا ہے اور خون کی پیدائش تقریباً رُک جاتی ہے اس صورت میں سب سے بڑا نقصان جو ہوتا ہے وہ عضلات کا پھول جانا ہے جس کے ساتھ قلب بھی پھولنا شروع ہو جاتا ہے۔ اس علاج میں سب سے بڑی خرابی یہ کی جاتی ہے کہ اس میں ایسے مسہلات دیئے جاتے ہیں جو قوت اور ادرار بھی رکھتے ہیں۔ جیسے ریوند، گل سرخ اور انگریزی ادویات میں میگنیشیا وغیرہ۔ اس قسم کے علاج سے مرض بڑھتا ہے، گھٹتا نہیں ہے۔ اوّل تو مسہلات ہونے نہیں چاہئیں۔ اگر ضرورت کا احساس ہو تو ایسے مسہلات حابس اور قابض ہونے چاہئیں جیسے ہلیلہ جات اور مصبر وغیرہ۔

غذا: غذا میں اوّل روٹی نہیں ہونی چاہیے۔ اگر روٹی کی خواہش زیادہ ہو تو روٹی خمیری ہونی چاہیے۔ پھل ترش ہونے چاہیں اور اس مرض میں بینگن، آلو اور ٹماٹر بھی مفید ہیں۔ لسی، دہی اور ڈبل روٹی کا استعمال بھی اچھا رہتا ہے۔

تریاق سوزاک

نسخہ: لوبان کوڑیا، اجوائن دیسی۔ دونوں ہم وزن سفوف کر لیں۔

غذا: گوشت، سبزی کا سالن جس میں نیم پاؤ گھی ڈالا ہوا چھچہ کے ساتھ کھائیں۔ روٹی، دلیا، چاول اور ڈبل روٹی اس وقت تک بند رکھیں جب تک زخم نہ بھر جائیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ پہلے ہی روز کے استعمال سے جلن دور ہو جائے گی۔ قرحہ کے لیے کم از کم ایک ماہ تک علاج جاری رکھیں۔

مصفی خون بواسیر

نسخہ: گندھک 4 تولہ، فلفل سیاہ 4 تولہ، گل نیم 6 تولے، رسونت 6 تولہ، گھی 4 تولہ۔

ترکیب: اوّل گندھک کو گھی کے ساتھ ملا کر گرم کریں۔ جب یک جان ہو جائے اتار لیں۔ سرد ہونے پر پھر گرم کریں۔ اسی طرح تین بار کریں۔ پھر اس میں فلفل سیاہ اور گل نیم ملائیں۔ اس کے بعد رسونت کو تھوڑے سے پانی میں ڈال کر رکھیں۔ جب وہ نرم اور گاڑھی ہو جائے تو ملا کر بقدر نخود گولیاں بنالیں۔

خوراک: ایک گولی سے چار گولی تک دِن میں تین چار بار ہمراہ آب تازہ یا گرمیوں میں شربت شہد اور سردیوں میں نیم گرم پانی یا چائے

سے استعمال کریں۔ بیرونی طور پر ایک حصہ دوا تین حصے گرم گھی میں ملا کر مالش کریں۔

افعال و اثرات: (غدی اعصابی) ہر قسم کی بواسیر اور ایسے خون کی خرابی میں جب جسم میں صفرا اور حدت کی زیادتی، پیشاب میں جلن و سوزش یا کم آئے، جسم پر خارش، چھوٹی چھوٹی پھنسیاں، پرانی پیچش، عضو مخصوص کی خارش، خونی پیچش، سردیوں میں ہاتھ پاؤں کا پھوٹ جانا۔ پرانے زخم وغیرہ پر لگائیں اور دوا کے طور پر کھلائیں۔ قبض نہ ہونے دیں۔

غذا اور پرہیز: تیل ترشی اور بادی اشیاء سے پرہیز کریں۔ غذا میں زیادہ گھی استعمال کریں۔ سالن روٹی سے تین گنا زیادہ دیں۔ پھلوں میں انگور مفید ہے۔

دوائے ضیق النفس بلغمی

نسخہ: تخم میتھی 4 تولہ، رائی 2 تولہ، کلونجی 2 تولہ، کاکڑہ سنگھی 8 تولہ۔

ترکیب: سفوف تیار کرلیں۔

خوراک: صبح و شام تین ماشے ہمراہ آب تازہ۔

افعال و اثرات: (عضلاتی غدی) محرک شش، ہاضم، مخرج بلغم، حابس، بلغمی زکام و کھانسی میں مفید ہے۔ کالی کھانسی کے لیے بھی یقینی دوا ہے بلغمی اسہال اور بلغم کی زیادتی سے ہاضے کی خرابی، فم معدہ کے درد اور کھاری ڈکاروں میں مفید ہے۔ مشتہی و مہی اور بلغم کا اخراج کرتی ہے۔

اکسیر سرعت انزال

نسخہ: سقمونیا ایک حصہ، زیرہ سفید سات حصے، دونوں الگ الگ باریک کر کے سفوف کرلیں۔

خوراک: 2 رتی سے ایک ماشہ تک دِن میں تین چار بار دیں۔ اگر دِل چاہے تو حب بقدر نخود تیار کرلیں۔

مقدار خوراک: 2 سے 4 گولی تک ہمراہ تازہ پانی۔

افعال و اثرات: (اعصابی غدی) ملین، مدر، دافع سوزش گردہ مثانہ اور امعا، دافع ریاح، دافع حرارت، کثرت طمث، دافع صفرا، دائمی قبض، بندش بول، سوزش بول، سرعت انزال، ریاح کی زیادتی، زحیر سادہ اور خونی، زیادتی حرارت و صفرا میں بے حد مفید ہے۔ اس کے علاوہ خونی بواسیر، تبخیر اور خرابی ہضم میں مفید ہے۔

اکسیر جریان

نسخہ: ہلیلہ سیاہ ایک حصہ، ستاور تین حصے، روغن زرد حسب ضرورت۔

ترکیب: اوّل ہلیلہ سیاہ کو روغن زرد میں بریاں کرلیں پھر دونوں ادویات کو باریک کر کے باہم ملالیں۔

خوراک: ایک ماشہ سے 3 ماشہ تک ہمراہ آب نیم گرم چائے استعمال کریں۔

افعال و اثرات: (عضلاتی اعصابی) مقوی دماغ و اعصاب اور محرک قلب، حابس رطوبات، محرک معدہ و امعا، مقوی مثانہ، دافع بلغم، قبض، ضعف معدہ و امعا، دماغ، اعصاب، دل ڈوبنا، رطوبات کی زیادتی، جریان منی، کمی خون، انتشار کی کمی، بندش بھوک اور جسمانی کمزوری کے لیے حد مفید ہے۔

مقوی قلب وخون

نسخہ: ہیراکسیس ایک تولہ، دارچینی 3 تولے اور بالچھڑ 4 تولے۔

نوٹ: ہیراکسیس ایک نمک ہے جو فولاد اور تیزاب گندھک سے مل کر بنتا ہے۔

ترکیب: ہیراکسیس تازہ لیں، پرانی نہ ہو، تازہ سے مقصد سبز رنگ پتھر کی طرح سخت۔ شیشے کی طرح چمکدار ہو۔ پرانی کا رنگ سفید ہوکر آٹے کی طرح نرم ہو جاتی ہے۔ اوّل ہیراکسیس کو باریک کریں۔ پھر دارچینی اور بالچھڑ کو الگ الگ باریک کر کے ملالیں۔

خوراک: ایک رتی سے ایک ماشہ تک۔

افعال و اثرات: مقوی قلب ومقوی معدہ وامعاء۔ مقوی مولدخون، قابض وحابس، دافع بلغم، بندش نزلہ اور بول، مقوی دماغ و اعصاب، ضعف قلب ومعدہ وامعاء، کمی اشتہا، اسہال مزمن کمی اور رقت خون، زیادتی رطوبات، عظم قلب، زیادتی بلغم نزلہ مزمن اور دردسر، بدہضمی، زیادتی بول، جریان بسبب خرابی ہضم وکمی خون، ریاح بلغمی، دائمی دردسر، تنگی تنفس بلغمی وغیرہ۔

مقوی جگر ومولدخون

نسخہ: ہیراکسیس ایک تولہ، زنجبیل 5 تولے، نوشادر 2 تولہ۔

ترکیب: تمام ادویات علیحدہ علیحدہ باریک کر کے اوّل ہیراکسیس اور نوشادر ملائیں۔ پھر زنجبیل شامل کرلیں۔ بس تیار ہے۔

نوٹ: نوشادر ٹھیکری دار ہو۔ ٹکیاں اور ڈنڈا غیر خالص ہوتے ہیں۔

خوراک: ایک رتی سے ایک ماشہ ہمراہ آب تازہ۔

افعال و اثرات: مقوی جگر ومولدخون ہاضم وملین۔ دافع ریاح وبلغم اور رطوبات۔ مقوی خون اور مولد حرارت (غدی عضلاتی)۔

استعمال: ضعف جگر وعظم کبد، عظم طحال، کمی خون اور کمزوری خون، خرابی ہضم وزیادتی ریاح، بوجہ ضعف جگر وطحال، بلغم اور رطوبات بوجہ سکون جگر، بھُس، امراض کے بعد کی کمزوری، کمی بھوک، تنگی تنفس بوجہ کمی حرارت اور زیادتی ریاح ودائمی قبض۔

مقوی دماغ وخون

نسخہ: ہیراکسیس ایک تولہ، مرچ سیاہ 3 تولے، ریوند خطائی 4 تولے۔

ترکیب: تمام ادویات کو باریک کر کے پہلے ہیراکسیس اور ریوند خطائی ملائیں۔ پھر مرچ سیاہ ملائیں۔

خوراک: ایک رتی سے ایک ماشہ تک ہمراہ آب تازہ۔

افعال و اثرات: محرک ومقوی اعصاب ودماغ اور خون، مخرج رطوبات غیر صالحہ، ہاضم وملین، دافع ریاح، مولد صالح رطوبات (غدی اعصابی)۔

استعمال: سکون اعصاب ودماغ بسبب زیادتی بلغمی رطوبات، کمی خون، یرقان، استسقاء مائی الصدر، مائی الراس، عظم راس، توند کا بڑھ جانا، قبض، زیادتی ورطوبات سے بدن کا سو جانا اور سن ہو جانا، ضعف حرکات جسم واعضاء وغیرہ۔

نوٹ: مقوی ادویات کے ہمراہ غذا ہمیشہ قلیل مگر مقوی ہونی چاہیے۔ مثلاً چپاتی کے ساتھ گوشت، گھی اور دودھ وغیرہ۔

ذیابیطس دماغی

دراصل یہی حقیقی ذیابیطس ہے۔اس میں عام طور پر قارورہ سفید آتا ہے اور مریض اپنے اندر بے حد کمزوری محسوس کرتا ہے اور اسی میں کار نبل نکل آتا ہے۔

نسخہ: کیچوے (وہ کیڑے جو مچھلی پکڑنے کے کام آتے ہیں)، حرمل۔ دونوں ہم وزن سفوف بنالیں۔

خوراک: 4 رتی دِن میں چار بار ہمراہ اُبلے ہوئے انڈے کی زردی کے دیں۔

ترکیب و استعمال: زندہ کیچوے نکال کر کسی برتن میں ڈال کر صاف پانی ڈال دیں۔ایک دو گھنٹے بعد ان کو دھو کر محفوظ جگہ پر رکھ کر خشک کر لیں۔ پھر سفوف بنالیں اس کے بعد دوا تیار کر لیں۔ مسلسل استعمال کرائیں، انشاءاللہ تعالیٰ بہت جلد آرام ہوگا۔اگر تکلیف زیادہ ہو تو اوّل کچھ روز بجائے زردی بیضہ مرغ کے خمیرہ کو کنار کے ہمراہ دیں۔ جب پیشاب کی زیادتی کم ہو جائے تو پھر زردی بیضہ مرغ کے ہمراہ استعمال کریں۔ان شاءاللہ پرانے سے پرانا ذیابیطس بھی دور ہو جائے گا۔

ذیابیطس کبدی

دراصل یہ ذیابیطس نہیں ہے بلکہ سوزش کلیہ ہے، اس میں پیشاب کا رنگ زرد ہوتا ہے اور وہ جل کر آتا ہے۔

نسخہ: کشتہ سیپ، کشتہ بیضہ مرغ، دونوں ہم وزن ملالیں بس تیار ہے۔

خوراک: 2 رتی سے ایک ماشہ تک ہمراہ شربت شہد دِن میں تین چار بار دیں۔قبض کا خیال رکھیں۔ اگر قبض ہو تو پہلے گلقند یا اسپغول چند روز استعمال کرائیں۔اس کے بعد یہ نسخہ استعمال کرائیں۔ اگر دورانِ استعمال پھر قبض ہو جائے تو دوا روک کر قبض کشائی کر لیا کریں۔انشاء اللہ تعالیٰ بہت جلد پیشاب کی جلن دور ہو جائے گی اور رفتہ رفتہ پیشاب کی زیادتی دور ہو جائے گی۔

ذیابیطس معدی

ذیابیطس کی یہ قسم بھی حقیقی نہیں ہے۔ بلکہ اس کو سلس البول کہنا چاہیے۔اس میں تبخیر بڑھ جاتی ہے اور جگر اور گردہ میں سکون واقع ہو جاتا ہے، مریض کے شکم میں ریاح کی زیادتی اور قارورہ سرخ رنگ کا ہوتا ہے۔

نسخہ: خولنجاں ایک پاؤ لے کے ان کی شہد میں معجون تیار کر لیں۔بس تیار ہے۔

خوراک: ایک ماشہ سے چھ ماشہ تک ہمراہ قہوہ دِن میں تین چار بار دیں۔

طلاء

نوٹ: آیورویدک، طب یونانی، فرنگی طب اور دیگر طریقہ ہائے علاج میں ان کی ابتداء سے آج تک بے شمار نسخہ جات بطور طلاء لکھے گئے ہیں اور ہم نے اپنی تیس سالہ طبی زندگی میں ان میں سے بے شمار دیکھے اور تجربات بھی کیے۔مگر شاذ و نادر ہی کوئی اصولی نسخہ نظر سے گزرا۔ کیونکہ شائد ہی کبھی کسی نسخہ میں کسی خاص علامت کی تخصیص کی گئی ہو۔ اکثر یہی لکھا دیکھا ہے کہ تیر بہدف، اکسیر، انتہائی مقوی باہ اور ہر قسم کے ضعف باہ اور کجی کے لیے مفید ہے۔ حیرت کی بات تو یہ ہے کہ عضو تناسل مردانہ صرف کسی ایک مفرد سے بنا ہوا نہیں ہے بلکہ اس میں

اعصاب کے علاوہ عضلات اور غدد بھی ہیں۔ کبھی ایسا نہیں ہوتا کہ اس کے تینوں اعضاء بیک وقت خراب ہو جائیں۔ ہمیشہ خرابی ان میں سے کسی ایک میں پیدا ہوتی ہے اور باقی اپنی حالت پر صحیح ہوتے ہیں بلکہ ان میں کوئی عضو ایسا بھی ہوتا ہے جس میں ضرورت سے زیادہ تیزی ہو۔ عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ جن لوگوں کی کجی ہوتی ہے ان کو ذکاوت اور حس کی زیادتی ہوتی ہے۔ اسی طرح بعض لوگوں کو شہوت نہیں آتی مگر ان کا عضو مخصوص دیکھنے میں بہت لمبا اور موٹا ہوتا ہے۔ اور جن مریضوں کے عضو مخصوص سکڑ کر چھوٹے ہو گئے اور دیر سے شہوت آتی ہے مگر ان میں استقامت اور انزال دیر تک قائم رہتا ہے۔

غرض یہ تینوں صورتیں کبھی ایک مریض میں بیک وقت نہیں پائی گئیں۔ اس لیے علاج میں بھی ایک ہی قسم کا طلاء کیسے مفید ہو سکتا ہے۔ ایسے طلا اکثر نقصان کرتے ہیں۔ کیونکہ ہر حالت کے لیے مفید تو نہیں ہوتے اس لیے تکلیف کا باعث بن جاتے ہیں۔ ایسے نسخے وہی لوگ تجویز کرتے ہیں جو ضعف باہ کی حقیقت سے واقف نہیں ہوتے۔ جیسے ہم نے کسی گزشتہ پرچے میں لکھا تھا کہ جریان واحتلام وسرعت انزال ایک ہی قسم کے امراض نہیں ہیں اس لیے ان کے لیے ایک ہی نسخہ کبھی مفید نہیں ہو سکتا بالکل اسی طرح ضعف باہ بھی ایک ہی قسم کا مرض نہیں ہے۔ اس کے کھانے کے لیے دوا اور لگانے کے لیے ایک ہی قسم کا طلاء نہیں ہونا چاہیے۔ ذیل میں ہر مفرد عضو کی خرابی کے مطابق طلا لکھا جاتا ہے۔ اس سے زیادہ تر وہی لوگ مستفید ہوں گے جو نظریہ مفرد اعضاء سے واقف ہیں کیونکہ وہی ان کو اچھی طرح سمجھ اور استعمال کر سکیں گے۔ البتہ ہماری کوشش سے دوسرے معالجین اور عوام بھی مستفید ہو سکیں۔

طلائے عضلاتی

ایسا طلا جو عضلات میں تحریک اور تقویت پیدا کرے۔ ایسے مریض کی علامت یہ ہوتی ہیں کہ عضو تناسل لمبائی اور موٹائی میں کافی زیادہ ہوتا ہے مگر شہوت نہیں آتی یا بہت کم آتی ہے جو اکثر قائم نہیں رہتی ایسے مریض کا قارورہ اکثر سفید ہوتا ہے اور ان کے عضلات میں سکون ہوتا ہے۔

نسخہ: روغن بیضہ مرغ طوطیائی آٹھ حصے، روغن دارچینی چار حصے، روغن قرنفل چار حصے، بیر بہوٹی آٹھ حصے۔

ترکیب: اوّل روغن بیضہ مرغ طوطیائی تیار کریں۔ حسب ضرورت انڈے لے کر ان کی زردیاں جدا کرلیں۔ پھر ایک ماشہ فی زردی نیلا تھوتھا شامل کر کے پھینٹ لیں۔ پھر توے پر ڈال کر پکائیں اور اس قدر جلائیں کہ روغن تیار ہو جائے۔ اس کے بعد اس روغن میں باقی دونوں روغن ملالیں۔ پھر کھرل میں روغن ڈال کر اس میں ایک ایک بیر بہوٹی ڈال کر کھرل کریں اور یک جان بنالیں۔ بس تیار ہے۔

استعمال: معروف طریقہ پر چند بوند روغن کی جسم مخصوص پر ڈالیں اور آہستہ آہستہ مالش کریں۔ حشفہ اور نیچے نالی پر نہ لگائیں اور نہ مالش کریں۔ دن بھر میں ایک دو بار اگر ضرورت خیال کریں تو سہ بار روزانہ بھی کر سکتے ہیں۔ مالش کے بعد اوپر ہلکی سی پٹی باندھ لیں۔ کسی پتے وغیرہ کے باندھنے کی ضرورت نہیں ہے۔

تاکید: پچھلے صفحہ میں جو نوٹ دیا گیا ہے اس کی روشنی میں ذیل کے نسخہ جات کو سمجھیں۔

غدی طلا

غدی طلاء کی اس وقت ضرورت پیدا ہوتی ہے جب شہوت کی کمی اور احتلام یا شہوت کا بالکل پیدا نہ ہونا اور عضو میں سکیڑ معلوم ہو۔ ایسے مریض کا قارورہ اکثر سرخ ہوتا ہے۔

نسخہ: روغن جمالگوٹہ خودساختہ ایک حصہ۔ روغن اجوائن تین حصے، روغن خردل چار حصے، سب کو ملا کر دس منٹ کھرل کریں۔ بس تیار ہے۔

ترکیب استعمال: معروف طریق پر دو تین بوند یا حسب ضرورت جسم پر اس کا لیپ کریں۔ زیادہ لگانے اور مالش کی ضرورت نہیں۔ دوا بہت تیز ہے۔ جب برداشت ہونے لگے تو زیادہ بھی لگائی جا سکتی ہے۔

اعصابی طلاء

اس طلاء کی ضرورت اس وقت پیدا ہوتی ہے۔ جب ذکاوت حس، سرعت انزال، عضو کی کجی اور دُبلا پن پیدا ہو گیا ہو، اور مریض کا قارورہ اکثر زرد ہوتا ہے۔

نسخہ: روغن الائچی تین حصے، کافور ایک حصہ، روغن صندل خالص چار حصے، کچلی ہم وزن۔

ترکیب: اوّل دونوں روغنوں کو ملالیں۔ پر ان میں کافور کھرل کرلیں، جب یک جان ہو جائے تو کچلی کو تھوڑا تھوڑا ڈال کر اس میں کھرل کریں۔ صرف ایک گھنٹہ کھرل کرنے کے بعد چھوڑ دیں۔ بس تیار ہے۔

استعمال: معروف طریق پر قضیب پر دِن میں ایک دو بار روزانہ مالش کریں۔ اس کے مسلسل استعمال سے کجی، لاغری، کمزوری اور دُبلا پن دور ہو جائے گا، ساتھ ہی باقی علامات بھی دور ہو جائیں گی۔

متفرقات

اطریفل مقوی دماغ اور دافع جریان

نسخہ: مربہ ہلیلہ ایک سیر، مربہ آملہ ایک سیر، ہلیلہ ایک پاؤ، بہمن سرخ 1/2 1 پاؤ، بہمن سفید 1/2 1 پاؤ، چینی 2 سیر، پانی ایک سیر۔

ترکیب: اوّل مربہ جات کو صاف کریں، پھر کوٹ کر باریک کرلیں، پھر خشک ادویات کا سفوف کرلیں، پھر چینی اور پانی کا قوام تیار کر کے اس کو آگ پر سے اُتارلیں۔ اس میں اوّل مربہ جات ڈال کر ملالیں۔ پھر اس میں خشک ادویات کا سفوف ملالیں۔

خوراک: ایک تولہ سے تین تولہ تک دِن میں دو بار ہمراہ شیرہ استعمال کریں۔

غذا: ہر علاج میں غذا کا تعین بھی دوا کی طرح ہونا چاہیے۔ مقوی دماغ و اعصاب اور جریان کے مریضوں کو نمک مرچ اور محرکات کا استعمال بہت ہی کم کرنا چاہیے۔ غذا میں سبزی، ترکاری، دالیں اور دودھ زیادہ دیں (اعصابی عضلاتی)۔

افعال و اثرات: دائمی نزلہ وزکام، بلغم کی زیادتی، ضعف دماغ اور اعصاب کے لیے بے حد مفید ہے۔ خفقان قلب میں بھی ایک یقینی دوا ہے۔ مادہ منویہ میں طاقت پیدا ہوتی ہے۔ جریان رفتہ رفتہ رُک جاتا ہے۔ پرانے اسہال جو ضعف معدہ اور امعاء کی وجہ سے ہوں ان میں ایک مفید دوا ہے۔ اس دوا کے مستقل استعمال سے قدرتی طور پر امساک ہونا شروع ہو جاتا ہے۔

مقوی جسم اور دافع جریان مٹھائی

نسخہ: ستاور ایک پاؤ، موصلی سفید ایک پاؤ، آرد سنگھاڑا 1/2 سیر، دودھ ایک سیر، چینی آدھ سیر، گھی ایک سیر۔

ترکیب: اوّل ادویات کا سفوف تیار کرلیں۔ پھر دودھ کا کھویا بنائیں۔ جب کھویا گاڑھا ہونے لگے تو اس میں سفوف شامل کرلیں۔ جب تمام ادویات یک جان ہو جائیں تو اس کے چھوٹے چھوٹے لڈو بنالیں۔ پھر آگ پر گھی چڑھادیں۔ جب گھی خوب گرم ہو جائے تو

اس میں وہ لڈو تل لیں جب سرخ ہو جائیں تو نکال کر چینی کے قوام میں ڈالتے جائیں۔قوام جس قدر گاڑھا ہوگا۔مٹھائی اسی قدر زیادہ دیر رہ سکے گی۔

خوراک: ایک سے تین لڈو تک صبح،شام دودھ سے دیں(اعصابی غدی)۔

افعال و اثرات: ایسی ادویات زیادہ زود اثر اور مفید ہوتی ہیں جو لذیذ اور غذائی صورت میں دی جائیں۔ان کا ایک فائدہ یہ ہوتا ہے کہ مریض پر ادویات کی بے چینی اور ذائقہ کی خرابی کا اثر تقریباً نہیں ہوتا۔ایسی ادویات عام طور پر میکانکی اثرات کی بجائے زیادہ ترشیمی اثرات کرتی ہیں۔یہ غذائی دوا بھی انہی میں سے ہے اس دوا کے استعمال سے جسم میں رطوبات اور خون کی زیادتی اور تقویت پیدا ہوتی ہے اور ان میں رفتہ رفتہ کھارا پن ہونا شروع ہو جاتا ہے،جس سے جسم مضبوط ہوتا ہے،پھر پھولتا ہے۔منی میں غلاظت اور جریان میں مفید اثرات پیدا ہوتے ہیں۔طالب علموں اور دماغی کام کرنے والوں اور دبلے پتلے لوگوں کے لیے ایک اچھا ناشتہ ہے۔دق اور سل(ٹی-بی) کے مریضوں کے لیے بھی ایک اچھی غذا ہے۔

حلوہ مقوی اعصاب و مولد رطوبات

نسخہ: سفوف ثعلب مصری ایک تولہ،بادام مقشر 2½ تولے،الائچی ایک ماشہ،روغن زرد(خالص) 2½ تولہ،چینی 2½ تولہ۔

ترکیب: پہلے سفوف ثعلب کو گھی میں بھون لیں۔پھر حسب ضرورت پانی اور چینی ڈال کر حلوہ تیار کرلیں۔جب حلوہ تیار ہونے پر آئے تو بادام اور الائچی ڈال کر اُتارلیں۔بس تیار ہے۔

خوراک: یہ ایک خوراک دِن میں ایک بار صبح یا دو بار صبح و شام استعمال کریں۔تازہ تیار کرلیں(اعصابی غدی)۔

افعال و اثرات: بے حد مقوی اعصاب و مولد رطوبات صالحہ ہے۔دُبلاپن دور کرتا ہے۔دماغ کو تقویت دیتا ہے۔ہلکا ملین ہے۔قوت باہ اور سرعت انزال کے بے حد مفید ہے۔طالب علموں کے لیے بہت مفید ہے،اس سے جذبات میں اشتعال نہیں ہوتا۔نزلہ و زکام اور خشک کھانسی میں بہت اچھی غذائی دوا ہے۔

معجون مقوی و ممسک

نسخہ: مغز تخم کدو تین چھٹانک،مغز بادام مقشر 3 چھٹانک،مغز فندق 2 چھٹانک،خشخاش 2 چھٹانک،شہد ہم وزن،چینی دوچند،ورق نقرہ 6 ماشہ،دانہ الائچی 6 ماشہ،طباشیر 4 تولہ۔

ترکیب: اوّل طباشیر اور الائچی کو باریک کریں۔پھر اس میں ایک ایک ورق کھرل کریں۔اس کے بعد تمام مغزیات کو باریک کرلیں۔پھر شہد اور چینی کا حسب معروف قوام تیار کر کے اُتارلیں۔اوّل اس میں مغزیات کا سفوف ڈال کر ملائیں۔پھر الائچی و شیرہ اور ورق نقرہ سفوف ڈال کر خوب ملالیں۔بس تیار ہے۔

خوراک: ایک تولہ سے تین تولہ تک صبح و شام ہمراہ دودھ نیم گرم،بوقت ضرورت تین تولے استعمال کرسکتے ہیں(اعصابی غدی)۔

افعال و اثرات: مقوی اعصاب و دماغ اور مولد رطوبات کے ساتھ ساتھ مقوی خون اور ممسک بھی ہے۔پرانی سوزشی کھانسی اور نزلہ۔سوزش معدہ اور گردہ و مثانہ کے لیے بے حد مفید اور سرعت انزال کے لیے شاندار غیر منشی دوا ہے۔ترشی اور خون کے دباؤ کے لیے ایک یقینی دوا ہے۔نفخ کلیہ و جگر۔پیشاب میں سوزش سوزاک کی جلن کے لیے ایک اچھی دوا ہے۔ترشی اور سوزش معدہ سے شکم میں جو ریاح پیدا

ہوتے ہیں ان کے لیے مفید ہے۔ ایسا ذیابیطس جو جگر اور کلیہ کی سوزش سے ہو یہ دوا مفید ہے۔ اسی طرح سوزشی سلسل بول کے لیے بھی بے حد مفید ہے۔ دائمی دردِ سر اور سوزشِ دماغ میں ایک یقینی دوا ہے۔ حافظہ اور حواس کو تیز اور بدن کو موٹا کرتی ہے۔

تریاق مرگی

نسخہ: آبِ توری تلخ تین پاؤ، روغن کدو ایک پاؤ۔

ترکیب: دونوں کو ملا کر آگ پر رکھیں۔ آگ نرم ہونی چاہیے۔ آگ اس قدر نرم ہو کہ پانی کے ساتھ روغن نہ جل جائے اور پانی خشک ہو جائے۔

خوراک: کھانے کے لیے پانچ بوند سے پندرہ بوند تک حسبِ ضرورت شہد میں ملا کر چٹا دیا کریں۔ یہ عمل دن میں تین چار مرتبہ کریں اور دو، دو بوند ناک میں ٹپکائیں۔ اور پیٹ اور پنڈلیوں پر اس کی صبح و شام مالش کریں۔ اور اس مالش کے بعد ناک میں ٹپکائیں (اعصابی غدی شدید)۔

غذا: بھوک کے وقت چھٹانک بھر گھی دودھ میں ڈال کر پلا دیا کریں دودھ جس قدر بھی مریض چاہے اسے پلا دیں۔ اگر بھوک زیادہ محسوس کرے یا مریض نمکین اور مصالحہ دار کھانا چاہے تو کدو گوشت یا کدو بغیر گوشت کے، شوربا جس میں تیسرا حصہ گھی ہو پلا دیں۔ کدو کی کاشیں کھا سکتے ہیں، مگر گوشت کی بوٹی نہ کھلائیں۔

نوٹ: جب تک مریض کا جسم فربہ نہ ہوگا۔ اس وقت تک مریض کو مرگی سے آرام نہ ہوگا۔ اگر مریض کو قبض کی شکایت ہو تو دوا کی خوراک جس قدر چاہیں زیادہ کر دیں۔ اگر اس کو اسہال آئیں یا جی متلائے تو دوا کی مقدار جس قدر چاہے کم کر دیں دورہ کی حالت میں یہی روغن ناک میں ٹپکائیں اور پیٹ اور پنڈلیوں پر مالش کریں۔

اکسیر دردِ دنداں

نسخہ: لونگ ایک چھٹانک، اجوائن دیسی 3 چھٹانک، نوشادر 2 چھٹانک، نمک خوردنی 2 چھٹانک۔

ترکیب: باریک سفوف کرلیں اور بوقتِ ضرورت دانتوں پر ملیں۔

نوٹ: (۱) اگر درد دائمی ہو یا اکثر ہو جاتا ہو تو ایک ایک ماشہ صبح و شام ہمراہ پانی نیم گرم کھلائیں۔ کچھ عرصہ کھلانے سے ہمیشہ کے لیے آرام ہو جائے گا۔ مگر دانتوں پر بھی باقاعدہ ملتے رہیں۔

(۲) عام طور پر ایسا ہوتا ہے کہ جب کسی مریض کو کھانے کی دوا نہیں دی جاتی تو اس کو کھانے پینے میں پرہیز نہیں بتایا جاتا۔ یہ ایک غلط اصول ہے۔

یہ ہمیشہ یاد رکھیں کہ مریض کی غذا ہمیشہ لطیف اور زود ہضم ہونی چاہیے۔ خاص طور پر جب مریض اعضائے غذائیہ کی خرابی میں مبتلا ہو تو جہاں تک ہو سکے غذا بالکل بند کر دیں۔ جب مریض شدید بھوک کی شکایت کرے تو لطیف نیم گرم غذا دیں۔ اگر مریض کو غذا پر نگرانی نہیں کریں گے تو حسبِ منشا آرام نہیں ہوگا۔

تریاق گوشت خورہ

نسخہ: اسفنج سوختہ 3 تولے، سیپ سوختہ 6 تولے، مرکی 3 تولے، فلفل گرد ایک تولہ گندھک 3 تولے۔

ترکیب: اوّل مرکی اور گندھک کو ملالیں۔ پھر اس میں فلفل گرد، اسفنج سوختہ اور سیپ سوختہ ملا کر منجن بنالیں۔ سفوف مثل غبار ہونا چاہیے۔

خوراک: حسب ضرورت دِن میں دوتین بار لگائیں اور کچھ عرصہ ٹھہر کر گرم پانی سے منہ صاف کرلیں۔ یہی دوا بقدر چار، چار رتی صبح وشام ہمراہ چائے استعمال کریں۔ اگر چائے کو دِل نہ چاہے تو نیم گرم دودھ سے استعمال کرائیں (غدی اعصابی)۔

غذا: مریض کی غذا روک دیں۔ جب شدید بھوک لگے تو حلوہ جس میں بے حد گھی ڈالا گیا ہو، گوشت سبزی یا بغیر گوشت کے سبزی سالن جس میں بہت زیادہ گھی پڑا ہوا ہو بغیر روٹی چاول کے کھلائیں۔ جس قدر گھی زیادہ دیں گے اسی قدر جلد مرض کو افاقہ ہوگا۔ جاننا چاہیے کہ گھی قدرتی طور پر دافع تعفن ہے۔ اس میں ہر قسم کے جراثیم فنا ہوجاتے ہیں۔ ملک میں جب سے اصلی گھی ختم ہوا ہے سوزشی امراض خصوصاً سل اور دق (ٹی-بی) کا زور ہوگیا ہے۔ جاننا چاہیے کہ گوشت خورہ بھی ایک قسم کا ٹی بی ہے۔

دوائے ضیق النفس کلوی

نسخہ: نمک تمباکو 4 تولے، نمک مدار 2 تولے، گندھک 4 تولے، نمک سیاہ 5 تولہ، فلفل سیاہ ایک تولہ۔

ترکیب: معروف طریق پر تمباکو کی ان لکڑیوں کا نمک نکال لیں جو تمباکو کے پتے حاصل کرنے کے بعد ضائع کردی جاتی ہیں۔ اگر وہ لکڑیاں میسر نہ آئیں تو خشک تمباکو کا نمک تیار کرلیں۔ مدار کا نمک اس کے تمام درخت کا تیار کریں۔ پھر ان دونوں کو ملا کر ان میں باقی ادویہ باریک کرکے ملالیں۔ بس تیار ہے۔

خوراک: 2 رتی سے ماشہ تک، قے لانی ہو تو 2 ماشہ دے سکتے ہیں۔

نوٹ: مریض ضیق النفس (کلوی) کو عام طور پر قبض نہیں ہوتی اور قارورہ عام طور پر زرد یا زردی مائل سفید ہوتا ہے۔ اس میں سرخی نہیں ہوتی۔ اگر مریض کو قبض ہو تو پہلے ملین دوا یا ہلکے مسہلات سے قبض کشائی کریں۔ اگر غدی ملین یا غدی مسہل دیا جائے تو زیادہ بہتر ہوگا (ممبران ان نسخوں سے واقف ہیں)۔ اس کے بعد جب قارورہ زرد ہوجائے تو دوا استعمال کرائیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ فوراً فائدہ ہوگا۔

حب نقرس وعرق النساء

نسخہ: جلاپا 3 تولے، سورنجاں شیریں 3 تولے، سقمونیا 2 تولے۔

ترکیب: اوّل جلاپا اور سورنجاں کو باریک پیس کر ملالیں پھر اس میں سقمونیہ پیس کر ملالیں۔

خوراک: چار رتی سے تین ماشہ تک دِن میں تین چار بار دے سکتے ہیں۔

افعال و اثرات: نقرس اور عرق النساء کے لیے بے حد مفید ہے۔ اس کے علاوہ معدہ کی تیزابیت کے لیے لاثانی دوا ہے۔ اس کے استعمال سے چند روز کے اندر نہ صرف معدہ کی ترشی ختم ہوجائے گی بلکہ ترشی سے جو امراض پیدا ہوچکے ہیں وہ تمام رفع ہوجائیں گے جن میں نزلہ زکام اور کھانسی خشک معدہ وامعاء کے ریاح اور سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ ایک بے ضرر مسہل ہے۔ اس میں پیچش وغیرہ نہیں ہوتی۔ اور پانی کی طرح رقیق اسہال ہوجاتے ہیں۔ فروٹ سالٹ وغیرہ اس کا مقابلہ نہیں کرسکتے۔ نقرس اور عرق النساء کے لیے فرنگی طب میں کوئی یقینی دوا نہیں ہے (اعصابی غدی)۔

حب وجع المفاصل

نسخہ: حنظل 2 تولے، مصبر 2 تولے، زنجبیل 5 تولے، نوشادر ایک تولہ۔

ترکیب: حنظل کو پیس کر باریک کرلیں۔ پھر اس میں نوشادر ایک روز تک رکھ چھوڑیں۔ پھر اس میں زنجبیل اور مصبر ملا کر گھیکوار کے رس

میں گولیاں بقدر نخود بنالیں۔ بارش کے موسم میں گولیاں درست نہیں بنتیں۔

خوراک: ایک سے تین گولیاں تک بیک وقت ہمراہ آب نیم گرم یا چائے دِن میں تین چار بار استعمال کرائیں۔

افعال و اثرات: (عضلاتی غدی) وجع المفاصل کے لیے بہترین دوا ہے۔ اس کے علاوہ دائمی قبض، قلب، طمث، نزلہ زکام اعصابی اور دماغی بلکہ دمہ اور کھانسی کے لیے بھی بے حد مفید ہے۔ اس سے تمام سینے اور جسم کا بلغم باہر نکل جاتا ہے۔ بھوک بڑھ جاتی ہے۔ جب بلغم کی زیادتی سے دِل گھٹتا ہو تو اس دوا کی ایک گولی دِل کو فوراً طاقت بخشتی ہے۔ جب پیٹ میں اکثر تکلیف ہو تو اس دوا کے چند روزہ استعمال سے دور ہو جاتا ہے۔ بلغم کا بہترین مسہل اور مقوی دماغ ہے۔ فرنگی طب کی گولیاں جو ''ویجی ٹیبل پلز'' کے نام سے مشہور ہیں، اس دوا کا مقابلہ نہیں کرسکتیں۔

شورہ کبریتی

نسخہ: گندھک، شورہ قلمی سوختہ، دونوں ہم وزن۔

خوراک: ایک ماشہ سے 3 ماشہ تک۔

افعال و اثرات: (اعصابی غدی) ہر قسم کی بواسیر، سوزاک، سوزش جگر، پرانی پیچش، نزلہ زکام اور کھانسی حار اور امعائی بخار وغیرہ۔ بیرونی طور پر پرانے اور سوزشی زخموں کے لیے مفید ہے۔ خشک یا کسی روغن میں ملا کر استعمال کریں۔

ترکیب شورہ: شورہ قلمی حسب ضرورت لے کر کڑاہی میں ڈالیں۔ جب وہ پگھل جائے تو اس میں فلفل سیاہ چٹکی بھر کر ڈال دیں۔ اس میں آگ لگ جائے گی اور شورہ جل جائے گا۔ اگر پوری طرح نہ جل پائے تو دوبارہ اور سہ بارہ بھی فلفل سیاہ ڈالیں۔ فلفل سیاہ جس قدر زیادہ ہوگی اسی قدر شورہ اچھا تیار ہوگا۔ جب جل جائے تو کسی لکڑی کے تختہ پر اُلٹ دیں۔ ٹھنڈا ہو جانے پر کوٹ پیس کر سفوف تیار کرلیں۔ شیشی میں بھرلیں۔ بس تیار ہے۔

تریاق تبخیر

نسخہ: شنگرف ایک تولہ، جائفل ایک تولہ، قرنفل 2 تولہ، دارچینی ایک تولہ، عاقرقرحا ایک تولہ، فلفل دراز 2 تولہ، زنجبیل 2 تولہ۔

ترکیب: اوّل شنگرف اور دارچینی کو باریک کر کے ملالیں۔ بعد میں باقی ادویات کو باریک کر کے کم از کم ایک گھنٹہ کھرل کریں۔ بس تیار ہے۔

خوراک: 2 رتی سے ایک ماشہ تک ہمراہ شہد یا مناسب بدرقہ کے ساتھ استعمال کرائیں۔ دِن میں تین چار بار کافی ہے۔

افعال و اثرات: (عضلاتی غدی) تبخیر مزمن ہو یا شدید تریاق کا حکم رکھتی ہے۔ اس کے ساتھ ہی تبخیر کی شدت سے پیدا ہونے والے امراض مثلاً فالج، لقوہ، نقرس، ضعف باہ، پرانا احتلام، سرعت انزال مزمن، کمزوری بدن، بدہضمی، نفخ شکم اور امعاء اور سلسل بول وغیرہ، عورتوں میں ماہواری کی کمی بے قاعدگی، سیلان رحم مزمن، موٹاپا اور پیٹ کا بڑھ جانا وغیرہ۔

نوٹ: اگر قبض ہو تو عضلاتی غدی مسہل سے رفع کریں۔ غذا میں نشاستہ والی اغذیہ سے پرہیز کریں۔

احتباس طمث

نسخہ: ابہل ایک تولہ، حنظل ایک تولہ، رائی 2 تولے، سنبل الطیب 4 تولے۔

ترکیب: کوٹ پیس اور چھان کر سفوف بنالیں۔

خوراک: نصف ماشہ سے تین ماشہ تک دِن میں تین چار بار۔

افعال و اثرات: احتباس طمث، عسر طمث، سیلان مزمن، دائمی قبض، ریاح شکم، پیٹ میں گولے اور خاص طور پر اختناق الرحم کے لیے مفید ہے۔ اگر اس دوا کو مسلسل چار ماہ استعمال کیا جائے تو رحم کی پوری طرح صفائی ہو جاتی ہے اور عورتوں کا عقر پن ختم ہو جاتا ہے۔ اگر خشکی محسوس ہو تو گھی کا استعمال غذا میں زیادہ کر دیں۔ دوا بے حد مفید ہے، لیکن اس کو غلط استعمال نہ کریں۔

روغن اوجاع

نسخہ: روغن کنجد 1/2 پاؤ، رتن جوت 1/2 پاؤ، کافور 1/4 1 تولہ۔

ترکیب: اوّل روغن کنجد میں رتن جوت جوکوب کر کے جلا لیں۔ پھر روغن کو نتھار کر اس میں کافور ڈال کر حل کر لیں۔ بس تیار ہے۔

افعال و اثرات: (غدی حار) ہر قسم کے جوڑوں کے دردوں میں بے حد مفید ہے۔ اگر کسی کی ہڈی ٹوٹ گئی ہو، اس کو جوڑ کر مضبوطی سے باندھ لیں۔ پھر اس روغن سے پٹی کو تر کر دیں۔ اور تین چار روز تک تر رکھیں پھر کھول کر دیکھیں، اگر جڑ گئی ہو تو پھر روزانہ اس تیل کے ساتھ ہلکے ہلکے مالش کریں۔ انشاء اللہ چند ہفتوں میں ہڈی مضبوط ہو جائے گی۔ اور اگر ہڈی جڑی نہ ہو تو پھر پٹی باندھ کر اس کو تیل سے تر کر دیں، اور پھر تین چار روز کے بعد کھولیں اور مالش کرتے رہیں۔ ہر مالش کے بعد پٹی باندھ دیں۔ اس تیل کے معجزانہ اثر سے بڑے بڑے ڈاکٹر حیران ہو جاتے ہیں۔

واقعہ: میری لڑکی کوٹھے سے گر پڑی تھی، دونوں ٹانگیں ٹوٹ گئی تھیں۔ مشن ہاسپٹل ملتان میں تین ماہ زیر علاج رہی۔ ملٹری اور شہر کے بڑے بڑے ڈاکٹروں نے کوشش کی مگر ہڈیاں ٹھیک نہ جڑیں۔ ان کا پلستر بھی بے سود ہوا۔ آخر اس معمولی تیل سے اللہ تعالیٰ نے اس کو شفا بخشی۔ آج بارہ سال ہو گئے ہیں پھر اس کو کبھی چلنے پھرنے میں کوئی تکلیف نہیں ہوئی۔

تریاق گردہ

نسخہ: نوشادر ایک تولہ، سہاگہ ایک تولہ، بچ ایک تولہ، شورہ قلمی 3 تولہ، الائچی کلاں 3 تولہ، تخم بکائین 2 تولہ، تخم نیم 2 تولے، سنگ یہود 3 تولے۔

ترکیب: پہلے اوّلین چار ادویہ کو کوٹ پیس کر سفوف کر لیں۔ پھر اس میں سنگ یہود کم از کم ایک گھنٹہ کھرل کریں۔ پھر باقی ادویہ کو کوٹ پیس کر اور باریک کر کے اس میں ملا دیں۔

خوراک: ایک ماشہ سے تین ماشہ تک ہمراہ شربت شہد نیم گرم استعمال کرائیں۔ اگر قبض ہو تو غدی اعصابی مسہل کے کسی مرکب سے اس کو رفع کریں اور پھر ادویات کا استعمال جاری رکھیں۔ مگر قبض نہ ہونے دیں۔

غذا: غذا میں مشروبات جن میں گھی ضرورت سے زیادہ ہو، استعمال کرائیں، جیسا کہ چائے، دودھ، شوربا وغیرہ۔ جہاں تک ہو سکے روٹی، ڈبل روٹی اور چاول وغیرہ بند رکھیں۔ اگر مریض بھوک کی شدت محسوس کرے تو مٹھائی یا تر بتر حلوہ کھلائیں۔

افعال و اثرات: درد گردہ و مثانہ، پتھری، سوزاک، بندش بول، سوزش اور تقطیر بول کے لیے تریاق کا حکم رکھتی ہے۔

خضاب

آملہ حسب ضرورت لے کر خوب باریک کر کے کپڑ چھان کر لیں۔ بوقت ضرورت عرق لیموں میں حل کر کے بطور مہندی وسمہ لیپ کر لیں۔ اوّل ہفتہ میں تین بار لگانے سے بال اصلی سیاہی پر آ جائیں گے۔ اس کے بعد خواہ ہفتہ میں ایک بار استعمال کریں۔

مرہم بواسیر

نسخہ: سونف، افطیمون، مشک، کافور، مازو بلا سوراخ، کتھہ سفید، مردہ سنگ، ہم وزن لے کر ملا لیں۔ اور مکھن سو بار پانی میں دھو کر بقدر ضرورت شامل کر لیں۔ دو تین دِن میں آرام ہو جائے گا۔

پچکاری سوزاک کے لیے

رال، سفیدہ اور پھٹکڑی بریاں ہم وزن سب کو قدرے پانی میں حل کر کے پچکاری کرنے سے سوزاک کو کلی آرام ہو جاتا ہے۔

ہیضہ کے لیے

نسخہ: نمک خوردنی ایک تولہ، گل عشر ایک تولہ، کالی مرچ ایک تولہ، افیون 3 ماشے، سب کو لے کر کوٹ لیں۔ اور جب گولی بننے کے قابل ہو تو ایک رتی کی ایک گولی تیار کریں۔ ہمراہ آب ادرک ایک گولی استعمال کریں۔ جب تک آرام نہ ہو تب تک ہر پندرہ منٹ کے بعد ایک گولی دیتے جائیں۔ آرام ہو جائے گا۔

سوکھا

نسخہ: پوست آملہ 10 تولے، دہی 40 تولے۔

ترکیب: اوّل دہی کو کسی کپڑے میں باندھ کر لٹکا دیں۔ جب سب پانی الگ ہو جائے تو پوست آملہ رگڑ کر سفوف تیار کر کے اس میں دہی کا پانی ملا کر کھرل کریں۔ پھر دہی میں ملا کر گولی بقدر دانہ نخود تیار کر لیں۔ بچے کو ایک گولی ہمراہ دودھ (والدہ) یا پانی میں حل کر کے دے دیں۔ جوان کو ایک گولی سے لے کر 8 گولی تک دے سکتے ہیں۔

آتشک

نسخہ: حنظل 2 تولے، ہلیلہ سیاہ ایک تولہ، نیلا تھوتھا بریاں 3 ماشے زرد کوڑی کی راکھ (جلا کر) 4 تولے۔

ترکیب: سب ادویہ کو ملا کر خوب باریک سفوف تیار کر لیں اور چالیس عدد لیموں کے رس میں حسب حالات مندرجہ بالا سفوف حل کر کے چنے کے برابر گولیاں تیار کر کے سایہ میں خشک کریں۔

استعمال: ایک گولی ہمراہ عرق پت پاپڑا یا عرق گلاب یا باسی پانی سے ایک ماہ استعمال کریں۔ پھر آتشک کبھی نہ ہو گا۔

نوٹ: پرہیز کریں یا نہ کریں، مگر کمزور مریض کو صرف ایک گولی یا دو گولی سے زیادہ روزانہ مت دیں۔

مقوی بدن

گاجر صاف کر کے وزن اس کا چار سیر ہو تو چار سیر دودھ کڑاہی میں ڈال کر نرم آنچ پر رکھ دو۔ جس وقت گاجر گل جائے اور بطور ماوا (کھویا) ہو جائے تو پھر اس میں روغن زرد خالص 4 پاؤ، کھانڈ دیسی ایک سیر، تخم گاجر ½1 پاؤ، زعفران دودھ میں 5 ماشے حل کر کے کھانڈ کی چاشنی

میں ملالیں۔ جب سب یک جان ہو جائیں تو کسی روغنی برتن میں رکھ لیں۔ حسب طاقت 2 تولے سے 6 تولے تک استعمال کر سکتے ہیں۔

چیچک کے داغ دور ہوں

پرانی ہڈی لے کر پانی میں رگڑ کر داغوں پر لگائیں۔ دِن میں تین بار لگانے سے دو ایک ہفتہ میں آرام بلکہ درست ہو جائیں گے۔

جریان کے لیے

تلوں کے پھول ایک تولہ بطور سردائی گھوٹ لو اور اس میں شکر ملا کر پئیں۔ چند روز کے استعمال سے دھانت بند ہو جائے گی۔

کالے بال کا نسخہ

روغن ناریل اور ارنڈ کا تیل، دونوں ملا کر سر پر لگا دیں۔ رات دِن مسلسل بالوں پر لگا رہنے دیں۔ بال سیاہ ہو جائیں گے۔

باری کا بخار

نسخہ: کرنجوہ، پھٹکڑی بریاں سفید ایک تولہ، ہلیلہ بریاں ایک تولہ، نوشادر، ایک تولہ۔

ترکیب: سب کو خوب کوٹ کر باریک کر کے لیموں کے رس میں کھرل کر کے دانہ نخود کے برابر گولیاں بنالیں۔

خوراک: ایک گولی بخار آنے سے پہلے ہمراہ پانی استعمال کریں۔

دیگر: پھٹکڑی (بریاں) کر کے چھوڑیں۔ بخار ہونے سے پہلے یا ذرا تھم جانے پر اگر قبض ہو تو عرق پودینہ کے ہمراہ تقریباً دو ماشہ کھلا دیں۔ بخار کو آرام ہو۔ اگر قبض نہ ہو تو شربت بنفشہ یا حسب مزاج دیا جائے، آرام ہوگا۔

سدا جوانی کا نسخہ

نسخہ: ناریل مقشر، چھوہارہ، کشمش، دیسی کھانڈ، مغز اخروٹ برابر لے کے سفوف کر کے رکھ چھوڑیں۔ ایک تولہ ہمراہ شیر گائے بوقت صبح استعمال کرنے سے تندرستی قائم رہتی ہے۔

بواسیر کے لیے

نسخہ: سہاگہ 3 تولے، ریوند عصارہ ایک تولہ، رب مولی 8 تولے میں کھرل کر کے گولیاں نخود کے برابر بنا کر استعمال کریں۔

دیگر: سمندر سوکھ 6 ماشے کھانڈ میں ملا کر صبح کے وقت باسی پانی کے ساتھ کھانے سے بواسیر کو آرام ہوگا۔

انگریزی مجربات اور مرکبات

عوام اور خاص طور پر ایسے اطباء میں (جو فن طب کی بلندیوں سے واقف نہیں ہیں بلکہ یوں کہنا چاہیے ایسے دوا فروش اور عطائی جو رفتہ رفتہ اپنے آپ کو طبیب بلکہ حکیم سمجھنے لگ گئے ہیں) ایسا خیال عام ہو رہا ہے کہ انگریزی مجربات و مرکبات اور دیگر ادویات خاص طور پر انجکشن کی شکل میں بے حد مفید زود اثر اور اکسیر و تریاق کا اثر رکھتی ہیں۔ یہ خیال اس قدر حقیقت سے دور ہے جس قدر کہ ان ادویات کا مفید اور زود اثر ہونا۔ اس مسلمہ حقیقت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ دُنیا کی کوئی دوا اس وقت تک اپنے مفید اور صحت مند اثرات پیدا نہیں کر سکتی جب تک وہ صحیح ضرورت اور مرض کے لیے استعمال نہ کی جائے۔ بغیر ضرورت اور غلط مرض کے لیے کوئی اگر سونا چاندی، عنبر اور کستوری بھی استعمال کرے کبھی صحت بخش اور مفید اثر نہیں کرے گی بلکہ سخت نقصان رساں ہوگی۔ البتہ ایک قسم کی ایسی ادویات ضرور ہیں جو ہر حالت میں مرض کی تکلیف کو روکتی ہیں اور اس پر اثر انداز ہوتی ہیں۔ وہ ہیں مخدر اور نشہ آور دوائیں۔ جیسے افیون اور اس کے مرکبات، جیسے مارفیا، کوکین، بھنگ، دھتورہ، اجوائن خراسانی اور شراب وغیرہ اور ان کے دیگر مرکبات جو فرنگی طب (ڈاکٹری) میں شب و روز اس کثرت سے استعمال ہوتے ہیں کہ عوام اس کا اندازہ بھی نہیں لگا سکتے۔

روزانہ کے امراض میں نزلہ زکام ہو یا کھانسی بخار، پیٹ درد ہو یا سر درد، شاید ہی ڈاکٹروں کا کوئی نسخہ ہو جس میں مخدرات اور مسکنات استعمال نہ کیے جاتے ہوں۔ روزانہ استعمال کی دوا ٹنکچر کمفر کمپونڈ، کلورین اور کمفر ڈین تینوں مارفیا کے مرکبات ہیں اور یہ ہر شخص کو بغیر تخصیص کے انگریزی دوا فروش سے مل جاتی ہے اور ان سے مرض وقتی طور پر فوراً رک جاتا ہے۔ لوگ ان کو جادو اثر کہتے ہیں اور مارفیا کے ٹیکے اور بھی زیادہ جادو اثر اور تیزی سے مریض کو بے حس کر کے نیند اور نشے میں مبتلا کر دیتے ہیں۔ اکثر مریض سو جاتا ہے تو یہی کہتا ہے کہ مریض کو آرام پہنچ گیا ہے اور وہ سکھ کی نیند سو رہا ہے۔ لیکن نشہ اُتر جانے کے بعد مریض کو پھر وہی حالت ہو جاتی ہے۔ اس طرح مریضوں کو اکثر نیند آور ادویات روزانہ استعمال کرائی جاتی ہیں جن میں بروما ئیڈ کلورل ہائیڈریٹ اور ہائیو سائمس اور ان کے مرکبات استعمال کرائے جاتے ہیں، جو چند دنوں میں مریضوں کی صحت اور بھی خراب کر کے ان کو موت کے گھاٹ اُتار دیتے ہیں۔ دمہ کا دورہ ہو یا کھانسی وغیرہ تو فوراً بیلا ڈونا اور دھتورہ اور اس کے مرکبات استعمال کر دیئے جاتے ہیں۔ بلکہ دھتورے کے سگریٹ بھی تیار ملتے ہیں جن سے وقتی طور پر دورہ روک دیا جاتا ہے۔

مخدر و نشی اور مسکنات سے علاج کرنا کوئی مشکل کام نہیں ہے۔ اس لیے ہمارے دوا فروش اور عطائی بھی انگریزی ادویات کو دھڑا دھڑ استعمال کر رہے ہیں، لیکن جہاں تک مریض کے صحیح علاج کا تعلق ہے، انگریزی طریق علاج بہت مشکل بات ہے۔ اور ہر ڈاکٹر کا کام نہیں ہے۔ بلکہ عطائی اور دوا فروش بلکہ کمپوڈر کی کیا مجال ہے کہ صحیح علاج کر سکے۔ یعنی جب تک خون و بلغم اور پیشاب و پاخانہ کا باقاعدہ معائنہ کر کے خون کے کیمیاوی اثرات اور جراثیم کا صحیح تعین نہ کیا جائے اس وقت تک یہ علاج ممکن نہیں اور اس طرح کا صحیح علاج کرنے کے بعد بھی شفا و صحت یقینی شے نہیں۔ یورپ اور امریکہ کے بڑے بڑے ڈاکٹر اور میڈیکل کالجوں کے پروفیسر اپنے طریق علاج ادویات کی شفا بخشی پر متعین نہیں۔ اس لیے شب و روز نئے نئے طریق علاج اور یقینی ادویات کی تلاش میں لگے رہتے ہیں۔ لیکن ہمارے ہاں کے گھٹیا ڈاکٹر اور کمپوڈر، عطائی اور دوا فروش شرطیہ علاج کرتے ہیں اور بڑے بڑے دعوے باندھتے ہیں۔ یہ دعوے صرف نشی ادویات اور مخدرات کے

زور پر کئے جاتے ہیں۔ اکثر ایسے عطائی (کوئیک) قسم کے ڈاکٹروں، کمپوڈروں، دوافروشوں اور عطاروں کے نسخے دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے، اس میں سو فیصدی منشیات و مخدرات پائی جاتی ہیں۔ مثلاً ایک ہی نسخہ میں مارفیا، کوکین، کینیبس انڈیکا، ہائیوسائمس، بردمائیڈ اور کلورل ہائیڈریٹ وغیرہ یا کوئی ایک منشی دوا اس قدر زیادہ مقدار میں استعمال کر دی جاتی ہے کہ صرف ایک خوراک پی لینے سے مریض کے ہوش و حواس درست نہیں رہتے یا سو جاتا ہے یا گرتا پڑتا ہے۔ وہ اپنے مرض سے غافل ہو جاتا ہے۔ مگر عطائی صاحب فخر کرتے ہیں کہ دیکھا، ہماری دوا کی کرامت ایک ہی خوراک سے مرض کافور ہو گیا۔

یہ حقیقت ہے کہ منشی اور مخدر ادویہ کی معمولی خوراک بھی دے دی جائے تو مرض رُک جاتا ہے۔ کجا اس قدر بڑی اور شدید خوراکیں تو مرض کے ساتھ مریض کو بھی ختم کر دیتی ہیں۔ یقین جانئے کہ مارفین کی بڑی مقدار کے انجکشن نے بے شمار مریضوں کو اتنی فرصت نہیں دی کہ وصیت کر سکیں۔ اس قسم کی شفا بخشی سے کون انکار کر سکتا ہے۔ لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا اس طریق علاج کا نام صحیح علاج ہے یا بیمار کو رفتہ رفتہ ختم کر دینا ہے۔

بالکل انگریزی علاج اور ادویات کی دیکھا دیکھی بعض اطباء جو اپنے فن پر پوری طرح حاوی نہیں ہیں۔ اگر حاوی بھی ہیں تو طلب زر کی خاطر اپنے مجربات اور مرکبات میں منشی اور مخدر ادویات کا بکثرت استعمال شروع کر دیا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ اس طرح اس کی پریکٹس چمک اٹھی ہے، مگر کیا یہ صحیح فن ہے؟ یا اس کو فن طب کی خدمت کہا جا سکتا ہے؟ کتنا بڑا ظلم ہے کہ ہر دوا میں افیون، بھنگ، دھتورہ، اجوائن خراسانی پھر ان مجربات اور مرکبات کے نام کیسے خوبصورت رکھتے ہیں فلک شیر، حب شفاء، برشعشاء اور حب نشاط وغیرہ۔

ایسے زر پرست اطباء میں سے جنہوں نے منشیات اور مخدرات کا کثرت سے استعمال کیا ہے، ان میں شفاء الملک حکیم محمد حسن قرشی پیش پیش ہیں۔ جب کسی صاحب کو میرے بیان میں مبالغہ معلوم ہو وہ ان کی کتب جن میں مجربات فروشی کی تلقین کی گئی ہے اٹھا کر دیکھ لیں۔ ایک نہیں متعدد کتب مجربات فروشی پر لکھی گئی ہیں جن میں صرف طبی مخدرات و منشیات کا استعمال نہیں کیا گیا بلکہ انگریزی منشی و مخدر ادویات کو بھی کثرت سے استعمال کیا گیا ہے۔

جو لوگ فن طب میں بڑا بننا اور لیڈر بننا چاہیں اور وہی فن طب کے شعور یا غیر شعور کو تباہ کرنے لگیں تو پھر کہنا پڑے گا کہ **کفر چوں از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی**۔ یہ لوگ جس طرح بھی عوام اور اطباء کے سامنے نمونے بنیں گے یا ان کو ایسا کرنے کی تلقین کریں گے، عوام اطباء استادان فن تو ہوتے نہیں، وہ بالکل ویسا بلکہ زیادہ سے زیادہ اس پر عمل کریں گے۔

کیا حکیم قرشی صاحب یہ ثابت کر سکتے ہیں کہ انہوں نے مجربات فروشی نہیں کی اور اپنی کتب اور رسالہ میں انگریزی ادویہ کے استعمال کی تلقین نہیں کی؟ کیا انہوں نے اپنی کتب میں منشیات اور مخدرات سے تیار ہونے والے نسخہ جات کو لکھ کر عوام اور اطباء کو نہیں اکسایا؟ اگر یہ سب کچھ صحیح ہے، اور درحقیقت صحیح ہے، ہم ان کے متعلق چیلنج کرتے ہیں تو پھر فرمائیں وہ لیڈر ہونے اور فن میں اصلاح و تجدید کا دعویٰ کیسے کر سکتے ہیں؟؟؟

حقیقت یہ ہے کہ شفاء الملک حکیم محمد حسن قرشی صدر رجسٹریشن بورڈ جیسے ہی لوگ ہیں جنہوں نے فن کو تباہ کیا ہے نہ طب کا علم نہ ڈاکٹری سے واقفیت، طلب زر اور شہرت کی خاطر مجربات فروشی اور انگریزی ادویہ کے استعمال کی تلقین کی گئی ہے اور ظاہر کیا گیا ہے کہ انگریزی مجربات کا طب میں کوئی جواب نہیں ہے، عوام اور اطباء نے دن رات یہی سلسلہ شروع کر دیا اور عام لوگوں تک میں انگریزی ادویات رواج پا گئیں اور فن برباد ہو گیا۔

کتب اور رسائل

محقق ومصنف: حکیم انقلاب المعالج صابر ملتانی (داعی تحریک تجدید طب رجسٹرڈ پاکسان)

ہماری کتب اور رسائل اپنے اندر تین خوبیاں رکھتے ہیں:

اوّل: یہ کتب اور رسائل تجدید طب و احیائے فن اور اصلاح علم و علاج ادویہ کے لیے لکھی گئی ہیں، ان کا مقصد تجارت نہیں ہے بلکہ ایک مقصد کی تکمیل ہے۔

دوم: یہ کتب اور رسائل تحقیقات میں جو علم وفن طب اور علاج معالجہ کی حیثیت پر مبنی ہیں، ان میں تنقید وتبصرہ کے بعد ان امور پر روشنی ڈالی گئی ہے، جن سے علم طب فنا ہو رہا تھا اور ان حقائق کو پیش کیا گیا ہے جن سے علم وفن میں تجدید اور اصلاح کی صورتیں پیدا ہو سکتی ہیں۔

سوم: ان کتب و رسائل میں فرنگی طب کے غلط نظریات اور گمراہ کن اصول علاج کو پیش کیا گیا ہے اور ثابت کیا گیا ہے کہ فرنگی طریقہ علاج نہ صرف غلط ہے بلکہ یہ اصول ونظریات گمراہ کن ہیں۔ گویا ہماری تحقیقات طبی دُنیا میں انقلاب ہیں جو تیزی سے پھیل رہا ہے۔

ان تینوں خوبیوں کے ساتھ ہم نے ہر کتاب و رسالہ کے ہمراہ ایک چیلنج بھی پیش کیا ہے کہ اگر ان کتب و رسائل میں گزشتہ ہزاروں برس سے، جب فن علاج کی ابتداء ہوئی تھی اس وقت سے لے کر آج تک، جب ماڈرن سائنس کا دور ہے، کسی ملک اور کسی زبان میں پیش کئے گئے ہوں تو ہم چیلنج کی رقم پیش کر دیں گے اور یہ چیلنج دس ہزار تک ہے۔ فہرست درج ذیل ہے۔

(۱) مبادیات طب: زرو جواہر میں تولنے والی کتاب ہے، گزشتہ سات سالوں میں فن طب کو ذہن نشین کرانے کے لیے ایسی کوئی کتاب کسی طریق علاج میں لکھی گئی ہو تو ثابت کرنے والے کو ہم پانچ سو روپیہ انعام دیں گے۔ اس کتاب کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ مبادیات طب کے ذہن نشین کرانے کے ساتھ ایلوپیتھی کے ان حملوں کا منہ توڑ جواب دیا ہے جو انہوں نے طب یونانی پر کئے ہیں۔ اس کتاب کے بعد طب یونانی کو سمجھنے کے لیے کسی اور کتاب کی ضرورت نہیں ہوگی۔

(۲) تحقیقات تپدق و سل: یہ دوسرا ایڈیشن ہے، اس میں دق اور سل پر ایسی تحقیقات پیش کی گئی ہیں، جن سے فرنگی طب ناواقف ہے اور ساتھ ہی اس کا صحیح علاج پیش کیا گیا ہے جو صرف ایک ٹیکے میں تیار ہوتا ہے۔ ساتھ شرط ہے کہ اگر اس نسخہ سے آرام نہ ہو تو مبلغ ایک سو روپیہ پیش کرتے ہیں۔

(۳) تحقیقات نزلہ و زکام: نزلہ وزکام پر یہ بے نظیر اور علمی تحقیقات ہے جس سے دُنیائے طب ناواقف ہے اور فرنگی طریقہ علاج کو غلط ثابت کیا گیا ہے، جس کے ساتھ نزلہ وزکام کی حقیقت اس کی تاریخ وسعت تشخیص و تقسیم اور علاج وادویات کو عام فہم انداز میں سمجھایا گیا ہے۔

(۴) **تحقیقات نزلہ و زکام وبائی:** فرنگی طب کو ناز ہے کہ اس نے وبائی امراض کو صحیح طریقہ پر سمجھا ہے، لیکن ہم نے اس بے نظیر تحقیقات میں نہ صرف دعویٰ کیا ہے کہ فرنگی طب وبائی امراض سے ناواقف ہے بلکہ صحیح طور پر وبائی امراض کی حقیقت پر روشنی ڈالی ہے۔ ساتھ ہی نزلہ وزکام وبائی کی حقیقت اس کی تاریخی وسعت تشخیص و تقسیم وعلاج ادویہ کو عام فہم انداز میں ذہن نشین کرایا ہے۔

(۵) **تحقیقات اعادہ شباب:** بے نظیر تحقیقات اور علمی معلومات جس میں اعادہ شباب کی اہمیت و حقیقت اس کی تاریخی وسعت اس وقت تک کے تمام فرنگی طب اور ماڈرن سائنس پر تبصرہ و تنقید اور فرنگی غلط فہمی اور گمراہی کو واضح کیا گیا ہے۔ ساتھ ہی اعادہ شباب کے مطابق علاج اور ادویات پیش کی گئی ہیں۔

(۶) **تپدق اور خوراک:** اس رسالہ میں غذا برائے تپدق وسل پر بحث کی گئی ہے۔ اپنی تحقیقات اور علمی معلومات سے ثابت کیا گیا ہے کہ فرنگی علم الغذا ناقص وغلط ہے، اس میں امریکہ کو چیلنج کیا گیا ہے کہ اس کا علم غذا ہم سے بہتر ہو تو ثابت کرنے پر پانچ ہزار روپیہ پیش کر دیا جائے گا۔ امریکہ اب تک اس کا جواب نہیں دے سکا۔

(۷) **تحقیقات حمیات (بخار):** یہ طبی دُنیا میں انقلاب اور فرنگی طب کو زبردست چیلنج ہے، ایسی بے نظیر تحقیقات اور علمی کتاب ہے جس کا جواب ماڈرن سائنس پیش نہیں کر سکتی۔ جس میں فرنگی طب کے تمام نظریات اور اصولوں کو غلط اور گمراہ کن ثابت کرنے کے بعد بخاروں کی صحیح اہمیت و ماہیت و تقسیم اور علاج وادویات پر ایسی محققانہ اور مدلل روشنی ڈالی گئی ہے کہ ان سے طبی دُنیا بے خبر ہے۔

(۸) **ملیریا کوئی بخار نہیں:** طبی دُنیا میں تہلکہ...... فرنگی طب کو چیلنج...... ایسی بے نظیر علمی کتاب جس کا جواب فرنگی طب اور ماڈرن سائنس پیش نہیں کر سکتی۔ جس میں ثابت کیا گیا ہے کہ ملیریا کوئی بخار نہیں ہے اور نہ ہی کونین موسمی اور وبائی بخاروں کا علاج ہے۔ یہ صرف فرنگی طب کا تجارتی پروپیگنڈا اور سامراجیت کو قائم رکھنا مقصود ہے۔ اس کتاب میں انتہائی تحقیقات کے ساتھ حقائق و تاریخ اور تنقید و تبصرہ کیا ہے۔ جس کے ساتھ ہمارا چیلنج بھی شریک ہے۔

(۹) **جنگ رجسٹریشن:** طبی دُنیا میں انقلاب۔ اس کتاب میں فرنگی طب (ڈاکٹری) اور فرنگی ذہن کو چیلنج کیا گیا ہے۔ طبی رجسٹریشن کا صحیح اور آخری حل اور طریق جنگ، حکومت کی طرف سے سرپرستی کا تنظیمی طریق کار، طبی رجسٹریشن کی مختصر تاریخ۔ طبی رجسٹرین کے خوف و ہراس کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ اور اندھی، طبی سیاست اور غلط قیادت کی صحیح نشان دہی کو بڑے دعویٰ اور جرأت کے ساتھ خاص انداز سے پیش کیا گیا ہے۔

(۱۰) **تحقیقات فارماکوپیا:** ایک ایسی بے نظیر تحقیقاتی اور علمی کتاب جس کا جواب سائنسی دُنیا پیش نہیں کر سکتی۔ گویا طبی دُنیا میں یہ ایک بہت بڑا انقلاب ہے۔ دراصل یہ کتاب فرنگی طب کو زبردست چیلنج ہے۔ اس میں فارماکوپیا پر تحقیقات پیش کی گئی ہیں، جس میں ثابت کیا گیا ہے کہ طب قدیم میں فارماکوپیا صحیح اور فطری قوانین کے مطابق ہے جس کو نظریہ مفرد اعضاء کے مطابق پیش کیا گیا ہے۔ اس کے برعکس فرنگی فارماکوپیا غلط اور قوانین فطرت کے مطابق نہیں ہے۔ اس کتاب میں جو مجربات پیش کئے گئے ہیں ان کا مقابلہ فرنگی طب نہیں کر سکتی۔ اس میں تجدید طب پاکستان کا راز ہے۔

(۱۱) **تحقیقات الامراض والعلامات اور مختصر علاج:** یہ ایک ایسی بے نظیر تحقیقاتی اور علمی کتاب ہے جس کا جواب سائنسی دُنیا پیش نہیں کر سکتی۔ یہ طبی دُنیا میں ایک بہت بڑا انقلاب ہے اور فرنگی طب کو زبردست چیلنج ہے۔ جس میں ثابت کیا گیا ہے کہ فرنگی تحقیقات اسباب وعلامات اور امراض بالکل غلط ہیں۔ ان کی مدد سے نہ صحیح تشخیص ہو سکتی ہے اور نہ درست علاج ہو سکتا ہے۔ خاص طور پر

پیدائش امراض کے لیے نظریہ جراثیم بالکل غلط اور بے بنیاد ہے۔

(۱۲) **تحقیقات علاج بالغذا:** علم الغذا کی بنیادوں پر مفرد اعضاء (ٹشوز) کے تحت دُنیائے طب میں یہ ایک ایسی اوّلین تحقیقاتی کتاب ہے جس کا جواب ماڈرن سائنس پیش نہیں کر سکتی۔ یہ کتاب فرنگی طب کے لیے ایک زبردست چیلنج ہے۔

(۱۲) **فرنگی طب غیر علمی اور غلط ہے:** فرنگی طب کا غلبہ اور اثر جو دُنیا میں پھیل گیا ہے اور یہ یقین کر لیا گیا ہے کہ وہ سائنسی (علمی) طریق علاج ہے اور اس کے مقابلہ میں طب قدیم کے متعلق یقین کر لیا گیا ہے کہ وہ غیر سائنسی (غیر علمی) طریق علاج ہے، اور یہ زمانہ کا ساتھ نہیں دے سکتا۔ یہ بے نظیر تحقیقاتی اور علمی کتاب اس غلط یقین کا جواب ہے۔ گویا طبی دُنیا میں یہ ایک بہت بڑا انقلاب ہے۔ دراصل یہ کتاب فرنگی طب اور ماڈرن سائنس کے لیے ایک زبردست چیلنج ہے۔ ہماری اس کتاب کو غلط ثابت کرنے والے کے لیے ہم نے دس ہزار روپے کی پیش کش کی ہے۔

١٢

تحقیقات وعلاج جنسی امراض

فہرست عنوانات

معنون

اپنی اس علمی تحقیق کو اپنے عزیز ساتھی جناب حکیم سید صادق حسین شاہ صاحب چک نمبر۴۵۲ گ ب (رح) کے نام موسوم کرتا ہوں۔ آپ نظریہ مفرد اعضاء کو سمجھنے اور اس کے تحت معالجہ پر عبور حاصل کرنے کے لیے اکثر لاہور آتے رہے۔ آپ تحریک تجدید طب کے ابتدائی ساتھیوں میں سے ہیں۔ انہوں نے علاقہ کے صاحب علم اور اہل فن اطباء کو اپنے حلقہ تجدید طب میں شریک کرلیا ہے۔ بلکہ گرد ونواح کے حکماء اور معالجین کو بھی اس نظریہ سے پورے طور پر آگاہ کر دیا ہے۔ آپ عوام میں اس طریق علاج کی خوبیاں اور خصوصیات پیش کر کے اس کا شوق پیدا کرتے رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے علم وفن میں برکت بخشے۔

مخلص

صابر ملتانی

15/اکتوبر 1969ء

اٹھارھواں چیلنج جو خاص اہمیت رکھتا ہے

اس سے قبل ہم ہر چیلنج کے ساتھ ہزاروں روپے کا انعام پیش کرتے تھے۔ وہ سلسلہ ختم کر کے ایک نیا چیلنج شروع کر رہے ہیں۔ وہ یہ ہے کہ علوم وفنون میں حقیقت و ماہیت جنسی امراض کو ذہن نشین کرانے اور نظریہ مفرد اعضاء (ٹشوز) کے تحت عام فہم تحقیقاتی انداز میں ایسی کوئی کتاب پیش کی گئی ہو یا اس سے بہتر یا اس کے برابر کوئی اور نظریہ واصول اور قانون ہو سکتا ہے تو یہ ثابت کرنے پر ہم اپنا کام ختم کر دیں گے اور ان کی تحقیق وتجدید اور احیاء و اصلاح علم وفن اپنا یقین وعمل بنا لیں گے۔ انشاء اللہ میرے ساتھی وممبران اور ساری جماعت شریک ہوگی۔ اگر ایسی کوئی صورت نہیں ہے تو فوراً اس تحریک میں شریک ہو کر خود بھی فائدہ اٹھائیں اور ملک وقوم اور فن کی خدمت بھی کریں۔ اسی میں عظمت ہے۔

مخلص

صابر ملتانی

15/اکتوبر 1969ء

پیش لفظ

قانون حیات

خداوند کریم نے یہ کائنات پیدا کر کے اس میں زندگی پیدا کر دی ہے۔ اور اس زندگی کو قانون کے تحت کر دیا ہے۔ زندگی کے جس قدر بھی شعبے ہیں وہ تمام قوانین کے تحت عمل کرتے ہیں۔ ان میں پیدائش زندگی سے لے کر اختتام زندگی تک جن میں بھوک پر ضرورت کے مطابق کھانا پینا، گرمی سردی اور اخلاقی تہذیب کے مطابق لباس پہننا، بارش وطوفان اور دیگر خطرات کے تحت مکان میں رہنا، بیماری میں علاج کرانا، کائنات اور زندگی کو سمجھنے وترقی وکمال حاصل کرنے اور خالق کائنات وزندگی کو ذہن نشین کرنے کے لیے علم وحکمت حاصل کرنا اور اس زندگی کی ضروریات پوری کرنے کے لیے جدوجہد کام دھندا کرنا وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ جو لوگ اپنے اعمال کو صالح طریق پر قانون حیات کے تحت رکھتے ہیں، وہ نہ صرف خوش گوار زندگی گزارتے ہیں بلکہ زندگی کا کمال حاصل کرتے ہیں۔ ایسے لوگ ہی دنیا میں باکمال شمار ہوتے ہیں۔

قانون پیدائش

قوانین حیات کا پہلا قانون پیدائش زندگی ہے۔ یہ ایک انتہائی اہم قانون ہے۔ اسی قانون کے تحت جمادات ونباتات اور حیوانات کی زندگیاں نمودار ہوئی ہیں اور اس قانون زندگی کا کمال انسانی زندگی ہے۔ جس کو اشرف المخلوقات کہا گیا ہے۔ قرآن حکیم نے اس حقیقت کی تائید کی ہے: ﴿ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ ﴾۔ مگر اکثریت ایسے لوگوں کی ہے جو طریق اور عمل پیدائش کی طرف کبھی غور نہیں کرتے۔ قانون پیدائش کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ صحیح پیدائش اور اس کی صالح تربیت کے بعد زندگی اپنا وقت عمدہ طریق پر نہ صرف گزار سکتی ہے بلکہ اپنے کمال تک پہنچ سکتی ہے اور جو زندگیاں اپنے کمال تک نہیں پہنچ پاتیں، وہ قانون پیدائش اور تربیت صالح سے ناواقف ہوتی ہیں۔ جاننا چاہیے کہ اگر قانون حیات بقائے حیات ہے تو قانون پیدائش نسل سے ہے۔

قانون بقائے نسل

قانون پیدائش نسل میں ایک صورت بقائے نسل بھی ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ دنیا میں جس قدر مخلوق پیدا کی گئی ہے، اس کی بقاء اور تسلسل قائم رہے۔ اس لیے نباتات وحیوانات اور انسان میں توالد وتناسل کا سلسلہ قائم کیا گیا ہے۔ یہ سلسلہ جمادات وادنیٰ نباتات اور ادنیٰ حیوانات میں صرف اسی مادہ میں رکھ دیا گیا ہے جس سے اس میں نشوونما ہو کر توالد وتناسل اور بقا وتسلسل کی صورتیں قائم رہتی ہیں۔ لیکن اعلیٰ نباتات، اعلیٰ حیوانات اور انسان میں یہ سلسلہ مذکر ومؤنث کے باہم ارتباط واتحاد اور اجتماع سے عمل میں آتا ہے۔ اس لیے دونوں میں ایک قسم کی کشش اور شوق پیدا کر دیا گیا ہے جس سے ان میں ایک طرف اپنی ذات میں طلب اور دوسری طرف مقابل ذات میں کھچاؤ کے اثرات پیدا کر دیئے گئے ہیں، تاکہ ضرورت کے مطابق مذکر ومؤنث کا باہم ملاپ اور شرکت ہو سکے، جس کے نتیجہ میں توالد وتناسل اور بقاء وتسلسل کی صورت قائم رہتی ہے۔ اس طرح قانون بقائے نسل کام کرتا رہتا ہے۔

قانون توالد وتناسل

جمادات ونباتات اور حیوانات کا قانون توالد وتناسل ان کے احساس اور شعور کے ماتحت ہے۔ یہاں شعور کے معنی نفسیاتی اصطلاح ''غیر شعور'' ہے۔ اسی احساس وغیر شعور کے تحت مقررہ وقت ومقرر اصول اور مفرد قانون کے تحت توالد وتناسل قائم رہتا ہے، جس سے قانون حیات اور بقائے نسل قائم رہتا ہے۔ لیکن انسان میں چونکہ غیر شعور اور احساس کے تحت الشعور وشعور، نطق وضمیر، ادراک ووجدان اور افہام و تفہیم پائے جاتے ہیں اس لئے اس پر معاشرہ ومعاشیات اور ثقافت واخلاق کی پابندیاں عائد ہوتی ہیں۔ یہ پابندیاں تین صورتوں میں قائم رہتی ہیں: (۱) مذہبی پابندیاں جن کے خلاف کرنے سے گناہ عائد ہوجاتا ہے۔ (۲) حکومت کی پابندیاں جن کے خلاف کرنے سے جرم وسزا کا مستحق ہوجاتا ہے۔ (۳) معاشرہ کی پابندیاں جن کے خلاف کرنے سے اخلاق کی خلاف ورزی ہوتی ہے۔ اس طرح قوم وملک میں معاشرہ ومعاشیات اور ثقافت اخلاق کی قدریں بگڑ جاتی ہیں۔ اس لیے مذہب وحکومت اور معاشرہ نے ایمان وقانون اور اخلاق کی اقدار مقرر کر رکھی ہیں، جن کے بغیر انسان توالد وتناسل کی زندگی نہیں گزار سکتا۔ ان پابندیوں کے خلاف توالد وتناسل کا سلسلہ قائم رکھنے والوں کو گناہگار، مجرم اور ذلیل خیال کیا جاتا ہے۔ اسی لیے مجرد انسان کو معاشرہ میں اچھی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا۔ ان میں جنسی ناقابل اور جنسی باغی دونوں شامل ہیں جن کی وجوہات ہیں: (۱) مجرد لوگ قابل اعتبار نہیں سمجھے جاتے۔ (۲) مجرد لوگوں میں صحیح انسانیت اور ذہنیت کا فقدان تصور کیا جاتا ہے۔ (۳) آئندہ اس کی نسل قائم نہیں رہتی۔ (۴) اس کی دولت اور آمدنی اس کی ذات کے سوائے دوسروں پر خرچ نہیں ہوتی۔ گویا وہ معاشرہ کے لئے بے سود انسان ہے۔ (۵) سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اگر انسان صحیح جنسی زندگی اختیار نہ کرے تو اس کا جسمانی وذہنی اور روحانی نشو و ارتقاء مکمل نہیں ہوتا جس سے وہ جسمانی طور پر نہ غیر معمولی انسان بن سکتا ہے اور ذہنی طور پر غیر معمولی حساس آدمی بن سکتا ہے اور نہ ہی روحانی طور پر غیر معمولی خودشناس بشر بن سکتا ہے۔ اس لیے اسلام نے افراط وتفریط دونوں صورتوں میں پابندی لگا دی ہے۔

اسلام نے انسان میں متاہل اور ازدواجی زندگی کے لئے ذوق وشوق پیدا کیا ہے تاکہ انسان کی ضرورت وقیام صحت کے ساتھ ساتھ توالد وتناسل قائم رہے۔ اس سلسلہ میں قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ:

﴿ زین للناس حب الشهوات من النساء والبنين ﴾

''مردوں کو عورتوں اور اولاد کی محبت سے زینت ہے''۔

پھر عقد کے لئے پسند کو ضروری قرار دیتے ہوئے تعداد کی پابندی لگا دی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ فانكحوا ما طاب لكم من النساء مثنى و ثلث و ربع فان خفتم الا تعدلوا فواحدة ﴾

''پس عورتوں میں سے نکاح کرو جس کو تم پسند کرو۔ دو دو، دو- تین، تین اور چار، چار۔ اگر خوف ہو کہ تم عدل نہیں کر سکو گے تو ایک ہی کرو''۔

اس سلسلہ میں حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ:

« تناكحوا تناسلوا فانی اباهی بكم يوم القيامة ».

''نکاح کرو اور اولاد پیدا کرو، میں تمہیں افزائش نسل سے قیامت کے دن اور امتوں پر فخر کروں گا''۔

منشائے الٰہی اور ہدایت نبوی میں جنسی ضرورت کے لئے ایک سے چار تک کی وسعت دی گئی ہے، بلکہ بے حساب باندیوں کی بھی اجازت ہے۔ لیکن اس تعاون میں نیکی اور خوف خدا کو مدنظر رکھنا ضروری ہے۔ گناہ اور حد سے بڑھ جانے کو منع کیا ہے۔ اس وسعت کا مقصد

یہ ہے کہ انسانی تخم اپنے صحیح اور جائز مقام پر گرے اور جگہ جگہ ناجائز حرامی بچے پیدا نہ کیے جائیں۔ اگر ایسا کرنے والے کے لیے سخت گناہ کے ساتھ اس دنیا میں بھی خوفناک سزائیں مقرر کر دی گئی ہیں، یعنی مجرم اگر غیر شادی شدہ ہے تو اس کو کوڑے لگائے جائیں اور اگر شادی شدہ ہے تو اس کو سنگسار کر دیا جائے تاکہ معاشرہ میں گندے عناصر کو ختم کر دیا جائے۔ کیونکہ حرامی بچے نفسیاتی اور وراثتی اثرات کے تحت جنسی بھوک کے مریض ہوتے ہیں اور ان کی وجہ سے آئندہ یہ مرض وبائی جراثیم کی طرح بڑھتا اور پھیلتا ہے جو معاشرہ کے لیے تباہی کا باعث بنتا ہے۔

مکمل انسان

دنیا میں شاید ہی کوئی ایسا مذہب، حکومت اور معاشرہ ہو جس نے جنسی ضرورت پر پابندی نہ لگائی ہو۔ ان پابندیوں کا مقصد ایک طرف انفرادی طور پر شخص کی جسمانی و ذہنی اور روحانی زندگی میں تقویت پیدا ہوتی ہے تو دوسری طرف معاشرہ میں تعمیر پیدا ہوتی ہے۔ جس معاشرہ میں جنسی فعل کو ضرورت کے بجائے خواہش کے تحت پورا کیا جائے چاہے وہ جائز صورت میں بھی ہو تو امراض کا باعث ہوتا ہے اور وہ لوگ جو عورت کے تعاون کے بغیر جنسی خواہشات کو پورا کرتے ہیں جیسے جلق و اغلام اور دیگر ذرائع حیوانی وغیرہ، ایسے لوگ رفتہ رفتہ مقام انسانیت سے گر جاتے ہیں اور معاشرہ کے لیے تباہی کا باعث بنتے ہیں۔ انہی اثرات کے تحت یہ کتاب لکھی گئی ہے، جن لوگوں میں جنسی امراض اور خرابیاں پیدا ہوگئی ہوں، صحیح علاج و معالجہ ہی سے ان کو پھر مقام انسانیت پر قائم کیا جا سکتا ہے۔ دوسرے جو انسان جنسی فعل کو ضرورت کے مطابق انجام دیں گے، وہ جسمانی و ذہنی اور روحانی طور پر مکمل انسان بن کر معاشرہ کے لیے مفید طاقتور بن سکتے ہیں اور آئندہ ان کی اولاد بھی صحت مند پیدا ہوگی۔ یہ سب کچھ نظریہ مفرد اعضاء کے تحت پیش کیا گیا ہے جو دنیا میں اپنے نظریہ کی پہلی کتاب ہے۔

خادمِ فن

صابر ملتانی

14 / اکتوبر 1969ء

مُقدّمہ

اللہ پاک نے اس کائنات کو تخلیق دے کر بے شمار مخلوق اس میں پیدا کر دی ہے۔ اس کا شمار وہ خود جانتا ہے یا اس کا نبی ﷺ حساب کر سکتا ہے۔ البتہ اس تمام مخلوق میں انسان کو باکمال اور مرکزی ہستی بنا کر احسن التقویم کا خطاب عطا کیا گیا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ یہ شرط لگا دی ہے کہ اگر وہ اپنے ایمان اور عمل صالح پر قائم نہیں تو وہ ذلت کی کھائیوں میں گر جاتا ہے۔ اس لیے یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ انسان اشرف المخلوقات اور افضل الحیات ہے۔

انسان کا شرف وفضیلت جو تمام دیگر مخلوق جمادات ونباتات اور حیوانات کے مقابلے میں پایا جاتا ہے، وہ اس کا نطق وضمیر، عقل و شعور، ادراک و وجدان اور افہام وتفہیم ہیں جن سے وہ اپنے ایمان اور عمل صالح کو سمجھتا ہے اور اپنا مقام قائم رکھتا ہے جو انسان اپنے شرف و فضیلت کو نہیں سمجھتا، اس کا ایمان اور عمل صالح قائم نہیں رہ سکتا۔ یعنی جو انسان نطق وضمیر، عقل وشعور، ادراک و وجدان اور افہام وتفہیم سے خالی ہے وہ دیگر مخلوقات سے افضل واشرف نہیں ہے، اس کو پتھر وجھاڑی اور درندہ تصور کیا جاسکتا ہے جو شکل وصورت میں انسان ہے، لیکن انسانی سیرت واوصاف اور خوبیوں سے خالی ہے۔ یہ فوقیت انسان میں دیگر مخلوقات کے مقابلے میں پائی جاتی ہے۔ اگر انسان اپنے حقیقی مقام پر قائم ہو تو کہا جاسکتا ہے کہ وہ اپنی صحیح جبلت پر پیدا ہوا ہے۔ اگر انسان اپنے حقیقی مقام پر قائم ہو تو کہا جاسکتا ہے کہ وہ اپنی صحیح جبلت پر پیدا ہوا ہے جو اس کا صحیح ابتدائی مقام ہے۔

صحیح جبلت انسانی

موالید ثلاثہ (جمادات ونباتات اور حیوانات) میں سے ہر ایک میں ان کی جدا جدا جبلت پائی جاتی ہے۔ یہ ان کی بنیادی فطرت ہوتی ہے جس پر وہ پیدا ہوتے ہیں اور زندگی کم وبیش اس پر گزار دیتے ہیں۔ گویا یہی بنیادی فطرت ان کی زندگی سے فنا تک بنیادی قانون ہوتے ہیں۔ جیسے جمادات اپنے مقام پر پھیلتے اور پھلتے ہیں۔ لیکن اگر ان کو اپنے مقام سے جدا کر دیں تو ان کی ترقی کا سلسلہ ختم ہو جاتا ہے۔ اسی طرح پہاڑ اور کان کے اندر اس کے مواد میں نشو وارتقاء اور تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں، جو باہر ممکن نہیں ہیں۔ پانی اپنے اندر برودت رکھتا ہے اور ہمیشہ ڈھلوان کی طرف بہتا ہے ہر درخت اور بوٹی کے پھل کے پھول اور لکڑی کا کوئی بھی ذائقہ ورنگ اور خوشبو ہو وہ اسی زمین و پانی اور ہوا میں پیدا ہوتا ہے اور زندگی گزارتا ہے مگر اپنی جبلت اور بنیادی فطرت کے تحت اپنی خصوصیات قائم رکھتا ہے۔ یہی حالت جانوروں اور درندوں میں قائم ہے۔ ہماری روزانہ زندگی میں چوہا بلی کی میاؤں سن کر اپنی بل کی طرف دوڑتا ہے اور بلی کتے کی آواز سن کر بے چین اور پریشان ہو جاتی ہے اور بھاگ کھڑی ہوتی ہے، وغیرہ وغیرہ۔

یہی صورت انسانی جبلت کی بھی ہے۔ جب انسان صحیح جبلت پر پیدا ہوتا ہے تو اس میں منطق وضمیر عقل وشعور، ادراک و وجدان اور افہام وتفہیم کی قوتیں لازماً ہوتی ہیں اور اپنے اپنے وقت پر کام شروع کر دیتی ہیں۔ انہی قویٰ سے انسانی جبلت کا اظہار ہوتا ہے۔ یعنی ایک صالح جبلت انسان جب عقل وشعور میں آتا ہے تو اس زندگی اور کائنات کے منطق احساس وشعور کے بعد اس کا ادراک و وجدان یہ افہام و تفہیم کرتا ہے کہ

① غیب میں کوئی ایسی ہستی ضرور ہے جو اس کائنات اور زندگی کا خالق اور مالک ہے۔
② اس کے دل میں اس ہستی کا خوف ہوتا ہے، اس ہستی کو خوش کرنے کے لیے اس کی عبادت کرتا ہے۔
③ اس کے لئے خرچ کرتا ہے، قربانی کرتا ہے۔
④ اس کے ساتھ تعلق پیدا کرنے کے لیے اس کی طرف سے آئی ہوئی معلومات کو تسلیم کرتا ہے۔
⑤ ان معلومات سے اس کو یقین ہو جاتا ہے کہ مرنے کے بعد اپنے اعمال نیک و بد کا حساب دینا ہوگا، جس کے لیے جزا وسزا مقرر ہے۔

یہی لوگ ہیں جو صحیح ہدایت پر قائم ہیں، اور ان کی زندگی صحیح بنیادوں پر قائم ہوتی ہے، ایسے لوگوں کا اپنے ربّ العزت پر مکمل ایمان ہوتا ہے۔

انسان کی اس صحیح جبلت کو تقویٰ بھی کہا جا سکتا ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ خداوند کریم کا خوف رکھتے ہوئے اس کی مرضی کے خلاف یقین اور عمل سے پرہیز کرنا اور ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی خوشی و رضا اور فرمانبرداری کو مدنظر رکھنا۔ یہ ہے انسان کا صحیح مقام جس سے وہ دیگر مخلوقات ثلاثہ سے اشرف و افضل اور برتر خیال کیا جاتا ہے۔

علم وحکمت

مخلوقات ثلاثہ سے برتری حاصل کرنے کے بعد انسان کی منزل ختم نہیں ہوتی بلکہ یہ اس کی اوّلین منزل ہے۔ اس کے بعد اس کو زندگی اور کائنات کا علم حاصل کرنا اور اس کی حکمت کو ذہن نشین کرنا ہوتا ہے۔ جب وہ علم وحکمت میں کمال حاصل کر لیتا ہے تو اس کو جنات اور ملائکہ پر فوقیت اور تقدم حاصل ہو جاتا ہے۔ اسی علم وحکمت کے کمال اور تقدس پر بعض انسانوں کو بعضوں پر برتری حاصل ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے نبیوں کو انسانوں پر شرف و برتری حاصل ہے۔ چونکہ نبیوں کا علم وحکمت اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی ہوتا ہے اکتسابی نہیں ہوتا۔ اس لیے انسان جدوجہد اور کوشش سے بھی وہ مقام حاصل نہیں کر سکتا۔ جیسے موالید ثلاثہ ایک دوسرے کا مقام یا انسان کا مقام حاصل نہیں کر سکتے۔ مسئلہ ارتقاء سے ہی اس مقام کو سمجھا جا سکتا ہے۔

قوت انسانی

ان ارتقائی اور برتری کے مقامات کے بعد انسان کی کامیابی اور ترقی کا ایک مقام اور بھی ہے۔ وہ اس کی قوت کی برتری اور فوقیت ہے جس سے نہ صرف وہ غیر معمولی انسان بن جاتا ہے، بلکہ معاشرہ میں قابل عزت بھی شمار ہونے لگتا ہے۔

جاننا چاہیے کہ انسان کے اندر تین قسم کی قوتیں پائی جاتی ہیں:
① قوت طبعی جس کا تعلق انسان کے جگر (غدد) کے ساتھ ہوتا ہے۔
② قوت نفسانی جس کا تعلق دماغ (اعصاب) کے ساتھ ہے۔
③ قوت حیوانی جس کا تعلق انسان کے عضلات کے ساتھ ہے۔

چونکہ ان قوتوں کا تعلق جسم و ذہن اور روح کے ساتھ ہے، اس لئے ان کو جسمانی قوت، ذہنی قوت اور روحانی قوت کا نام بھی دیتے ہیں۔ جن لوگوں میں جو قوت زیادہ ہوتی ہے، اس کا اس سے اظہار ہوتا ہے۔ جیسے پہلوان و ذہین اور عارف اپنی اپنی جگہ سب طاقتور ہیں، لیکن جب تینوں قوتیں مل کر کام کرتی ہیں تو ایک اور قوت پیدا ہوتی ہے، جس کو جنسی قوت کہتے ہیں۔ اس کا تعلق بھی انسان کے ساتھ لازم وملزوم

ہے۔ یہی وہ قوت ہے جس سے ایک انسان مرد کہلاتا ہے اور معاشرہ میں عزت پاتا ہے۔ اگر کسی انسان میں قوت مردمی نہ ہو تو اس کو نہ صرف نامرد کہتے ہیں بلکہ معاشرہ میں اس کی عزت کا کوئی مقام نہیں۔ ایسا شخص بے شک پہلوان و ذہین اور عارف ہی کیوں نہ ہو لیکن معاشرہ اس کی نامردی کی وجہ سے اس کو کبھی عزت بخش نگاہوں سے نہیں دیکھے گا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ نامرد انسان جس میں جنسی قوت کا فقدان ہو اس میں غیر معمولی خوبیاں ہرگز پیدا نہیں ہوسکتیں۔ نہ ہی پہلوان بن سکتا ہے، نہ ہی ایک ذہین (جینیس) اور نہ ہی صحیح معنوں میں عارف بن سکتا ہے۔ کیونکہ جنسی قوت جن قویٰ سے مل کر بنتی ہے وہ قویٰ کمزور ہوں تو پھر انسان کے جسم و ذہن اور روح میں کیسے ترقی پیدا ہوسکتی ہے۔

بعض لوگ یہ اعتراض کر سکتے ہیں کہ انسان کی قوتوں میں سے ایک یا دو قوتیں کمزور ہوسکتی ہیں، تینوں بیک وقت کمزور نہیں ہوسکتیں۔ یہ بات درست ہے۔ مگر جنسی قوت کی پیدائش بذات خود ایک طاقت ہے جس کا اثر جسم و ذہن اور روح پر ایسا پڑتا ہے کہ اس سے انسانی طاقتیں اُبھرتی ہیں۔ یہ جنسی قوت جب مرد میں نمودار ہوتی ہے تو ظاہرہ جسم میں اس کی داڑھی اور مونچھیں نکل آتی ہیں اور اندرونی طور پر اعضائے تناسل میں غیر معمولی تبدیلیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ ساتھ ہی جسم میں منی وجنسی لذت اور جنسی ضرورت کا احساس پیدا ہو جاتا ہے۔ ایسی تبدیلیاں ایک عورت میں بھی ظاہر ہوتی ہیں۔ یعنی اس کی ظاہری تبدیلی میں سینہ اُبھر آتا ہے اور اعضائے تناسل میں غیر معمولی تبدیلیوں کے ساتھ جنسی لذت اور جنسی ضرورت کا احساس ظاہر ہو جاتا ہے۔ جن میں جنسی قوت کا اظہار نہیں ہوتا، ان میں یہ تبدیلیاں بھی ظاہر نہیں ہوتیں۔ جیسے ہیجڑے وغیرہ۔ اس لیے ان میں غیر معمولی جسمانی و ذہنی اور روحانی قوت کیسے پیدا ہوسکتی ہے۔

سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ان کی اولاد نہیں ہوتی اور وہ اولاد کے تحفہ سے محروم رہتے ہیں۔ ان امور سے ثابت ہوا کہ جنسی قوت ہی ایسی قوت ہے جو تمام دیگر خوبیوں سے افضل ہے بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ انسان کے اندر جسمانی و ذہنی اور روحانی قوتیں جنسی قوت کی مرہون منت ہیں اور یہ حقیقت ہے کہ جن لوگوں میں جتنی زیادہ غیر معمولی قوتیں ظاہر ہوں گی ان کے جنسی جذبات میں اسی قدر شدت ہوگی۔

یہ بھی حقیقت ہے کہ جس انسان میں اخلاق کا کمال ہے اس میں جنسی جذبہ بھی پورے عروج پر ہوتا ہے اور جب اس کی جنسی قوت ضائع یا خراب ہونا شروع ہو جاتی ہے، اس کے اخلاق میں کمزوری کے ساتھ ساتھ اس کا شرف اور کمال کم ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ اور اس خرابی کا اثر اس کی اولاد تک منتقل ہو جاتا ہے۔ اس میں ضعف کے ساتھ جسمانی و ذہنی اور روحانی کمزوریاں پائی جاتی ہیں۔

جنسی قوت

انسان میں جنسی قوت اور جنسی جذبات کا سلسلہ اس وقت شروع ہوتا ہے جب منی بننے کی ابتدا ہوتی ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ خون سے اس کے تناسلی اعضاء بنتے ہیں۔ خون کے متعلق طب کا قانون یہ ہے کہ وہ چار اخلاط سے مرکب ہے جو خون، صفراء، بلغم اور سودا کہلاتے ہیں۔ آیورویدک میں بھی تین دوش: وات، پت، کف اور ایک رکت (خون) تسلیم کرتے ہیں اور ماڈرن میڈیکل سائنس خون کو ایک ہی شے تسلیم کرتی ہے۔ البتہ یہ تصدیق کرتی ہے کہ خون کوئی بارہ چودہ عناصر کا مرکب ہے اور جسم کے جو مختلف اعضاء ہیں وہ سب انہی اجزا سے غذا حاصل کرتے ہیں۔ جسم کے تمام اعضاء کل چار اقسام کے انسجہ (ٹشوز) سے مرکب ہیں۔ جو انسجہ اعضائی، انسجہ عضلاتی، انسجہ قشری اور انسجہ الحاقی کہلاتے ہیں۔ گویا یہ بارہ اقسام کے عناصر صرف چار اقسام کے انسجہ (ٹشوز) کی غذا بنتے ہیں۔ طب بھی یہی حقیقت تسلیم کرتی ہے کہ چونکہ خلاط چار اقسام کے ہوتے ہیں اس لیے اعضائے انسانی کے اقسام بھی چار ہوتے ہیں اور مرکب اعضاء مفرد اعضاء سے بنتے ہیں جو نساب، گوشت، غشاء وغدد اور ہڈی وکری اور رباط واوتار کہلاتے ہیں۔

مفرد اعضاء

ہم نے بیس سالہ تحقیق میں یہ ثابت کیا ہے کہ اخلاط جب مجسم ہوتے ہیں تو وہ مفرد اعضاء بن جاتے ہیں۔ جن کو فرنگی طب ٹشوز (انسجہ) کہتی ہے، جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مفرد اعضاء کل چار ہیں۔ اور دوسری طرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ خون ایک خلط نہیں ہے بلکہ چار اخلاط ہیں اور فرنگی طب کے نظریہ ایک غلط ثابت کر دیا گیا ہے جس سے یہ حقیقت ظاہر ہوگئی ہے کہ فرنگی طب جس بنیاد پر قائم ہے وہ بنیاد ہی غلط ہے۔

مفرد اعضاء جو بنیادی اعضاء ہیں اور جن کو انسجہ (ٹشوز) کہتے ہیں، کل چار ہیں۔ گویا تمام جسم انہی چار مفرد اعضاء سے بنا ہوا ہے جس سے ایک مفرد عضو (نسیج) سے بنیاد جسم بنتی ہے جس میں ہڈی وکری اور رباط اوتار بنتے ہیں۔ اس کو بنیادی اعضاء کہتے ہیں جس میں ظاہری طور پر ذاتی حرکت نہیں ہوتی۔ دوسرے مفرد عضو (نسیج) سے دماغ و اعضاء بنتے ہیں۔ تیسرے سے دِل وعضلات بنتے ہیں اور چوتھے سے جگر وغدد بنتے ہیں۔ یہ تینوں مفرد اعضاء (انسجہ) حیاتی کہلاتے ہیں۔ انہی کی باقاعدہ حرکت پر زندگی وطاقت اور صحت قائم ہے۔ جب ان کے افعال میں نقص وخرابی واقع ہو جاتی ہے یعنی افراط وتفریط یا ضعف واقع ہو جاتا ہے تو اس حالت کو مرض اور ضعف کہتے ہیں۔

زندگی کی پیدائش

ہر مفرد عضو کا ٹشو اپنی جگہ زندہ ہے بلکہ اس کا ہر ذرّہ زندہ ہے اور وہ اپنی ذات میں قوت پیدا کر رہا ہے (جیسے لاکھوں بیٹریوں کا پلانٹ عمل کر رہا ہو)۔ لیکن جب تک ان تینوں مفرد اعضاء کا باہم تعلق پیدا نہ ہو، انسانی زندگی ظاہر نہیں ہوسکتی۔ جب تک ان کا باہم تعلق رہتا ہے، انسان زندہ رہتا ہے لیکن جب یہ تعلق ٹوٹ جاتا ہے تو موت واقع ہو جاتی ہے۔ لیکن یہ مفرد عضو کچھ مدت تک زندہ رہتے ہیں، پھر چونکہ ان کو غذا میسر نہیں آتی اس لئے وہ رفتہ رفتہ مر جاتے ہیں۔ گویا زندگی ان مفرد اعضاء ٹشوز (انسجہ) کے باہمی تعلق کا نام ہے۔ اسی زندگی ہی سے قوت پیدا ہوتی ہے جو صحت کو قائم رکھتی ہے، بالکل بجلی (الیکٹرسٹی) کی طرح ہے کہ اس کے مثبت ومنفی قطب جب آپس میں ملتے ہیں تو بجلی اور اس کی قوت پیدا ہوتی ہے، اگر ان کو جدا کر دو تو باوجود اس کے کہ ان میں رو دوڑ رہی ہے، مگر وہ تنہا بجلی پیدا نہیں کر سکتے۔ اسی طرح انسان میں بھی بجلی کے اصولوں پر زندگی وقوت اور صحت پیدا ہوتی ہے۔

قوت وتقسیم کار

جب تینوں مفرد اعضاء (ٹشوز) کے ملاپ سے زندگی پیدا ہوتی ہے اور اس سے قوت پیدا ہونا شروع ہو جاتی ہے، تو وہ قوت مختلف مرکب اعضاء میں اپنا عمل شروع کرتی ہے اور ان کو تحریک دے کر ان کے مقررہ افعال کو جاری کر دیتی ہے۔ مثلاً دل کا حرکت کرنا، سانس کا جاری ہونا، دیکھنا وسننا اور کھانا پینا وغیرہ۔ لیکن یاد رکھیں کہ ان کے افعال میں جو قوت کام کر رہی ہے وہ کوئی ایک تنہا قوت نہیں ہے بلکہ وہ ان تینوں مفرد اعضاء (ٹشوز) کی مرکب قوت ہوتی ہے جو اپنے اپنے مفرد عضو کے تعلق سے وہاں پہنچتی ہے اور ضرورت کے وقت عمل کرتی ہے۔

قوت کے متعلق غلط فہمی

عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ دل کا حرکت کرنا، سانس کا چلنا، دیکھنا وسننا اور کھانا پینا وغیرہ مفرد اعمال ہیں اور کسی ایک عضو کے ساتھ ان کا تعلق ہے۔ لیکن ایسا ہرگز نہیں ہے۔ بلکہ ہر عمل جو جسم میں ہو رہا ہے وہ ایک نظام کے تحت عمل میں آ رہا ہے جس میں تینوں مفرد

اعضاء شریک ہیں۔ مثلاً معدہ جس کو صرف ایک عضو سمجھا جاتا ہے اور اس کے فعل کی تیزی اور سستی کو اس کے امراض خیال کیا جاتا ہے۔ نہیں! ایسا ہرگز نہیں ہے۔ معدہ بھی تینوں مفرد اعضاء کے ساتھ مرکب ہے، اس میں اعصاب و عضلات اور غدد تینوں مفرد اعضاء ایک نظام کی صورت میں کام کر رہے ہیں۔ معدہ کی خرابی کبھی اعصاب کے افعال سے پیدا ہوتی ہے اور کبھی عضلات کے افعال سے نقص واقع ہو جاتا ہے اور کبھی غدد کے افعال میں بے قاعدگی ہو جاتی ہے۔ اس لیے علاج میں بھی جو مفرد عضو خراب ہو اس کا علاج کرنا چاہئے۔ صرف ہاضم ادویہ و مقویات معدہ اور مسہل وملین وغیرہ کے استعمال سے معدہ درست نہیں ہو سکتا۔ یہی صورت باقی مرکب اعضاء کی بھی ہے، بلکہ مفرد اعضاء جو ظاہرہ طور پر خود مختار ہیں اور اپنی ذاتی قوت وحرکت سے کام انجام دے رہے ہیں، جیسے دل و دماغ اور جگر بھی اس نظام کے بغیر نہ قوت وحرکت پیدا کر سکتے ہیں اور نہ ہی اپنے افعال جاری رکھ سکتے ہیں۔ ان کے اوپر بھی دو پردے دیگر مفرد اعضاء (ٹشوز) کے لگے ہوتے ہیں۔ یعنی دماغ پر دل و جگر کے پردے، دل پر دماغ و جگر کے پردے، تاکہ ان کا تعلق قائم رہے اور زندگی وقوت پیدا ہوتی رہے۔ یہی صورت جنسی قوت اور جنسی جذبات کی بھی ہے۔

جنسی قوت

جنسی جذبات منی کی پیدائش کے بعد ظاہر ہوتے ہیں۔ منی جنسی اعضاء کے افعال کا نتیجہ ہے اور جنسی افعال اس وقت کام کرتے ہیں جب جنسی قوت پیدا ہوتی ہے۔ جنسی قوت اس وقت پیدا ہوتی ہے جب اعضائے تناسلی کے تینوں مفرد اعضاء (انسجہ۔ٹشوز) مل کر اکٹھے اپنا کام شروع کرتے ہیں۔ اسی کا نام مردی ہے۔ اگر ان میں سے ایک بھی اپنا فعل انجام نہ دے تو یقیناً نامردی شمار ہوگا۔ اگر کوئی مفرد عضو کمزور ہو گا تو ضعف مردی میں شمار ہوگا۔ یہ مفرد اعضاء اعصابی انسجہ، غدی انسجہ اور عضلاتی انسجہ ہیں۔

جنسی نظام

چونکہ انسانی جذبات غیر شعوری تحریکات ہیں، اس لیے جنسی جذبات بھی غیر شعوری تحریک سے پیدا ہوتے ہیں۔ جذبہ لذت اعصابی غدی تحریک ہے، جس سے اعصاب خصوصاً جنسی اعصاب کے فعل میں تیزی پیدا ہو جاتی ہے جس کے ساتھ ہی غدد خصوصاً خصیوں میں دوران خون تیز ہو جاتا ہے اور عضلات خصوصاً جنسی عضلات پر دباؤ اور تناؤ بڑھتا ہے اور بھرتا جاتا ہے۔ حالت انتشار پیدا ہو جاتی ہے جس سے خصیوں میں منی کی پیدائش شروع ہو جاتی ہے اور منی کے دباؤ سے انزال (اخراج منی) کی ضرورت کا احساس ہوتا ہے۔

یاد رکھیں کہ جس مفرد عضو کا فعل تیز ہوگا اس کا عمل شدید ہوگا۔ یعنی اگر اعصاب میں تیزی ہوگی تو لذت اور جذبات میں شدت ہوگی۔ اگر غدد میں تیزی ہوگی تو منی کی پیدائش اور اس کے دباؤ میں شدت ہوگی۔ اور اگر عضلات میں تیزی ہوگی تو انتشار اور قوت میں شدت ہوگی۔ بس اس طرح جنسی نظام مکمل ہو کر جنسی جذبات وافعال تکمیل پاتے ہیں۔

انہی قوانین اور اصولوں و نظریات کے تحت یہ کتاب لکھی گئی ہے۔ یہ بالکل علمی اور سائنسی تحقیقات ہے جس کا جواب موجودہ سائنسی دنیا اور ماڈرن میڈیکل سائنس ہرگز پیش نہیں کر سکتی۔ یہ اللہ پاک کا خاص فضل وکرم ہے جس نے مجھے یہ عظیم کارنامہ انجام دینے کی توفیق عطا فرمائی۔

خادم
صابر ملتانی

15/اکتوبر 1969ء

جنسی قوت

جنسی ملاپ میں جو کیف وسرور اور لطف وشوق کی طرف سے ودیعت کیا گیا ہے وہ انسان کی زندگی کا مقصد کمال ہے۔ مگر یہ مقصد کمال بغیر شاندار صحت اور غیر معمولی جسمانی قوت، خصوصاً جنسی قوت کی شکل ہے۔ اس حقیقت سے بھی انکار نہیں ہے کہ جنسی قوت شاندار صحت اور غیر معمولی جسمانی قوت کا نتیجہ ہے۔ گویا جنسی قوت کوئی واحد قوت ہے جو انسان کسی واحد ومرکب غذا و دوا اور عمل سے حاصل کر سکتا ہے۔ صرف شاندار صحت اور غیر معمولی قوت جسمانی ہی ضروری نہیں بلکہ جوانی بھی ضروری ہے۔ کیونکہ نابالغ بچوں میں جنسی قوت اپنے عروج پر نہیں ہوتی اور بڑھاپے میں اعضائے جسم اور خون میں جنسی قوت کے افعال واثرات بہت حد تک ختم ہو جاتے ہیں۔

ان اُمور سے ثابت ہوتا ہے کہ شاندار صحت جو غیر معمولی قوت جسمانی کا نتیجہ ہے اور جوانی دو اہم حقائق ہیں جن پر جنسی قوت قائم ہے۔ البتہ ان دونوں کے ساتھ ایک تیسری حقیقت بھی ضروری ہے جو اس جنسی قوت کو ابھارتی ہے اور وہ حسن وخوبصورتی اور جنسی کشش ہے۔ اگر حسب منشا حسن وخوبصورتی اور جنسی کشش نہ ہو تو جنسی قوت اس طرف متوجہ نہیں ہوتی۔ پس یہی تینوں حقائق جنسی ملاپ میں لازمی اور اہم ہیں۔

قدرت نے جنسی ملاپ میں جو کیف وسرور اور لطف وشوق کا جذبہ رکھا ہے، اس کی شدت کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام کے ذہن میں یہ جذبات پیدا نہیں ہوئے اس وقت تک ان کے کوئی اولاد پیدا نہیں ہوئی۔ یہ جذبات اماں حوا علیہا السلام کے حسن وخوبصورتی اور جنسی کشش سے پیدا ہوئے یا ابلیس کی تحریک نے کام کیا ہو یا اس شجر ممنوعہ کے قریب جانے سے ظاہر ہوئے ہوں، بہرحال یہ حقائق ہیں جن سے ان میں جنسی ملاپ کے لیے کیف وسرور اور لطف وشوق پیدا ہوا اور نتیجہ اولاد کی صورت میں بلکہ اس دنیا کی صورت میں ظاہر ہوا اور آج تک یہ سلسلہ جاری ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام کے قصہ سے ہمارے سامنے تین حقیقتیں کھلتی ہیں: (۱) ابلیسی تحریکات (۲) تقرب شجر ممنوعہ (۳) جنسی کشش۔

اس لیے جنسی قوت کو ذہن نشین کرنے کے لیے ان تینوں حقیقتوں کو سامنے رکھنا بھی ضروری امر ہے۔

ابلیسی تحریکات کو اگر ہم جنسی تحریکات کا کمال کہہ دیں جو شیطانی صورت میں کام کرتا ہے جیسا کہ حضرت سید نبی کریم رحمۃ اللعالمین ﷺ نے فرمایا ہے کہ شیطان ہر انسان کے خون میں گردش کرتا ہے اور میں نے اپنے شیطان پر قابو پا لیا ہے۔ جہاں تک تقرب شجر ممنوعہ کا تعلق ہے، اس میں ایسی اغذیہ اور ادویہ ہو سکتی ہیں جو شدت تحریکات جنسی کا سبب ہو سکتی ہیں۔

جنسی کشش کے متعلق یہ سمجھ لیں کہ کہا جاتا ہے کہ اس دنیا میں تین قسم کی کشش پائی جاتی ہے۔ یعنی زر، زن اور زمین۔ لیکن ہم کہتے ہیں زر وزمین کی کشش صرف زن کے لیے ہے۔ کیونکہ یہ دولت یہ قصر وکاخ بلند صرف حصول لطف اندوزی زن کے سوا کچھ نہیں ہے۔ یہ حور وقصور کا مثالی وغیر فانی حسن، قیصر وکسریٰ کی کیف پرور خواب گاہیں اور کاخ بلند وقصر وسیع میں سبزہ وچمن اور چشمے وآب رواں میں حسن وعشق اور شوق ومحبت کی چھیڑ چھاڑ صرف جنس لطیف کے سیمیں بدن اور حسن صبیح کے لیے ہیں۔

اگر اس دنیا سے عورت کا تصور ختم کر دیا جائے تو پھر اس دنیا کی جنت یقیناً جنت خارزار بن کر رہ جائے اور اس کے ساتھ ہی زر اور

زمین کا لالچ جو صرف عورت کے لیے ہے، ختم ہو جائے۔ پھر انسان کو کیا ضرورت پڑی ہے کہ ان کے حاصل کرنے کے لیے جدوجہد کرے۔ پھر یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ یہ سب کچھ صرف جنسی ملاپ کی مسرت وانبساط بلکہ ایک تبسم سے زیادہ قیمت نہیں رکھتی اور اسی دنیا پر قائم ہے۔ لیکن انسان ہے کہ جوانی سے بڑھاپے تک اس کیف وسرور اور لطف وشوق کو حاصل کرنے کے لیے مسلسل جدوجہد اور سعی وہلاکت قبول کرتا ہے۔ مگر اس کی تسکین نہیں ہوتی۔ اگر مرنے کے بعد فردوس بریں میں جنس لطیف اور حسن مرمریں کا یقین نہ ہو تو یقیناً اس بے رونق جنت تجری من تحت الانہار کا شوق ہی ختم ہو جائے۔

جہاں انسان کے شوق حسن اور جنسی کشش کا جذبہ اس قدر شدید ہونا لازمی امر ہے اس میں اسی لئے قدرت نے فطری جنسی قوت بے انتہا دی ہے۔ اسلام کی تعلیم سے پتہ چلتا ہے کہ پورے تندرست انسان میں بیک وقت چار عورتوں کے رکھنے کی قوت ہے۔ بلکہ اگر ضرورت پڑے تو بے حساب باندیاں بھی رکھ سکتا ہے۔ لیکن حالت یہ ہے کہ ہر طرف سے یہ پکار نظر آتی ہے کہ مردانہ قوت کے لیے غیر معمولی قوت کا کوئی چلتا ہوا نسخہ چاہئے جو ہر حالت وصورت میں اکسیر وتریاق اور تیر بہدف ہو جس سے نہ صرف جناتی قوت پیدا ہو جائے بلکہ فرنگی شاعر کیٹس (Keats) کے بقول اس کی جب موت واقع ہو تو اس کا سر اس کی شوخ محبوبہ کے سیمیں سینہ پر رکھا ہوا ہو اور اس کے سانس کے اتار چڑھاؤ کے ساتھ اس پر بے خودی وارد ہو جائے جس کے ساتھ اس کا سانس برابر ہو جائے۔ خدا جانے اس کی موت کیسے واقع ہوئی لیکن وہ ابتدائے جوانی میں برداشت حسن نہ کر کے اس حسن اور پرکشش دنیا کو چھوڑ کر چل بسا۔ البتہ انسانی نفسیات کو پورے طور پر بیان کر گیا ہے۔

جہاں تک کثرت ازواج کا تعلق ہے یہ تو کہا جا سکتا ہے کہ ہر ملک وقوم اور مذہب میں باوجود حدود مقرر کے بادشاہوں اور شہنشاہوں کے پاس لاتعداد عورتیں رہی ہیں۔ یہ سوال الگ ہے کہ وہ سب پر قادر رہے یا نہ رہے۔ بہرحال انسانی شدت جذبہ کی دلیل اور کشش حسن کا ثبوت ضرور ملتا ہے۔ البتہ اس قدر ثبوت ضرور ملتا ہے کہ حکمائے دوراں اور اطباء زمان نے ان کا ساتھ ضرور دیا اور ان کے لیے ایسے غیر معمولی نسخے تیار کئے اور ایسی عجیب وغریب رسائن تیار کی گئی جن کو کایا کلپ کا نام دیا جا سکتا ہے، جن کے نشانات آج بھی ان کی یاد تازہ کرتے ہیں۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ آج کل اس قدر ترقی یافتہ میڈیکل سائنس ان اکسیرات ورسائن اور کایا کلپ اور معجزہ نما مرکبات کو تیار کرنے میں کیوں ناکام ہے؟ کیا ہم ان نادرات اور عجائبات کو پھر حاصل کر سکتے ہیں؟ کیا حقائق صحیح بھی ہیں؟ ان سوالات کے جوابات تو ہم ضرور دیں گے لیکن یہاں پر یہ تسلیم کرنا لازمی ہے کہ فرنگی میڈیکل سائنس جنسی قوت کے لیے غیر معمولی مجربات پیش کرنے میں عاجز ہے۔ بلکہ جنسی امراض کے علاج میں بالکل ناکام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج بھی ان امراض کے علاج کے لیے قدیم طریق علاج یا زیادہ سے زیادہ ہومیوپیتھک طریق علاج کی طرف رجوع کیا جاتا ہے اور یہ حقیقت ہے کہ ان طریق ہائے علاج نے انسان کو کسی دور میں بھی محروم نہیں کیا ہے، بلکہ ضرورت سے زیادہ کامیاب رہے ہیں۔

جنسی جذبہ اور شوق

جنسی قوت کا جذبہ اور شوق جس قدر ایک انسان میں پایا جاتا ہے اس کا اندازہ لگانا نہ صرف مشکل ہے بلکہ ناممکن ہے۔ ایک عام انسان کی حیوانی قوتیں بے قابو رہیں تو ایک طرف بڑے بڑے زاہد، شب بیدار، صوفی، پرہیزگار اور متقی، پیٹ خالی والوں کی جنسی قوت کے جذبہ اور شوق کا اندازہ لگانا بھی کوئی آسان کام نہیں ہے۔ لیکن دیکھنا یہ ہے کہ یہ جنسی قوت کا جذبہ اور شوق جس قدر انسان میں پایا جاتا ہے کیا

اسی قدر قوت بھی پائی جاتی ہے۔ اگر ایسا نہیں ہے یا جنسی جذبے اور شوق کو جنسی قوت کے تحت نہیں رکھا جاتا تو اس کا لازمی نتیجہ نہ صرف قوت جسمانی کی بربادی ہے بلکہ صحت انسانی کی بھی تباہی ہے۔ جنسی قوت اور جنسی جذبہ دونوں جدا جدا صورتیں ہیں۔ دونوں کا الگ الگ اندازہ لگانا چاہیے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ جنسی جذبے اور شوق جنسی قوت کے تحت رکھنا چاہیے۔ لیکن عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ جنسی جذبے اور شوق کو جنسی قوت کے تحت نہیں رکھا جاتا اور جنسی قوت کو بالکل اس طرح برباد کر دیا جاتا ہے جیسے ایک عیاش اور اوباش اپنے باپ کی دولت کو دونوں ہاتھوں سے اڑا دیتا ہے۔ جنسی جذبے اور شوق کی تیزی کا اندازہ اس لذت پسند انسان سے لگالیں جس کا پیٹ اس قدر بھرا ہوا ہو کہ اس میں نوالہ کے لیے بھی جگہ نہ ہو بلکہ جی متلا رہا ہو، لیکن کھانوں کے رنگ و بو اور ذائقوں پر بے چین ہو۔ جب ایسا انسان کھائے گا تو اس کا لازمی نتیجہ بدہضمی اور ہیضہ ہوگا۔ ممکن ہے کہ اس سے موت واقع ہو جائے۔ اس طرح لذیذ کھانے زہر بن جاتے ہیں۔

یہی صورتیں جنسی جذبہ اور شوق کی تیزی سے اس وقت پیدا ہوتی ہیں جب ان کو جنسی قوت کے تحت نہیں رکھا جاتا۔ فطری طور پر بھی قدرت نے جنسی جذبہ اور شوق جیسی قوت سے بہت زیادہ پیدا کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ جذبہ اور شوق جوانی سے قبل بچپن میں پیدا ہو جاتا ہے اور جوانی کے بعد بڑھاپے تک چلا جاتا ہے اور ''بڑے میاں یہ سمجھتے ہیں کہ ابھی تو میں جوان ہوں'' اور اسی نوے سال کے پیر خستہ حال کو بھی یہ کہتے سنا ہے کہ بھائی! ابھی تو میں جوان ہوں۔ اگر فقدان قوت جسمانی سے کہیں اس کو یہ یقین ہو چکا ہے کہ واقعی وہ بوڑھا ہو چکا ہے تو کم از کم اپنی باتوں میں اس امر کا اظہار تو ضرور کر دیتا ہے کہ بھائی کیا ہوا کہ میں بوڑھا ہو گیا ہوں، لیکن میرا دِل تو جوان ہے۔ یہ اظہار کیا ہے؟ یہ اسی جذبہ اور شوق کی بے چینی ہے جو قبر میں جانے تک قائم رہتی ہے اور نادان انسان یہی سمجھتا رہتا ہے کہ اس میں اس قدر جنسی قوت ہے کہ وہ دوشیزہ کے ساتھ لطف و سرور کی زندگی گزار سکتا ہے۔

اگر جنسی جذبہ اور شوق کی بے اعتدالیوں کے کرشمے اور اظہار کے نمونے دیکھنے ہوں تو شعراء خصوصاً بوڑھے شعراء میں دیکھیں۔ ان کی عقل و فکر اور زبان دانی کا چاہے ملک و قوم پر کتنا ہی گہرا اور شدید اثر کیوں نہ ہو، لیکن جہاں اپنے جذبات کا اظہار کریں گے تو یقیناً کہیں گے کہ ''ابھی تو میں جوان ہوں''۔ لطف لینا ہو تو جس شاعر کا یہ مصرعہ ہے وہ زندہ ہیں ان سے مل کر دیکھ لیں۔ کئی بار جلسوں میں ان کو یہی مصرعہ پڑھتے سنا ہے جس کے ساتھ ہی ساتھ وہ اکڑ کر اپنی جوانی کا اظہار بھی کر دیتے ہیں۔ اس قسم کے جذبات کیا ہیں؟ صرف جنسی جذبہ اور شوق کا اظہار ہیں۔ اس حقیقت سے اندازہ لگالیں کہ کثرت انسانوں کی ایسی ہے کہ وہ جنسی جذبہ اور شوق کا اندازہ نہیں لگا سکتے اور نہ ہی اس کو جنسی قوت کے تحت رکھ سکتے ہیں۔ جس کے نتیجہ میں جنسی قوت تو رہی ایک طرف جسمانی قوت بھی برباد کر بیٹھتے ہیں۔

ان حقائق سے جنسی جذبہ اور شوق کی تیزی کا اندازہ عوام اور خواص میں آسانی سے لگایا جا سکتا ہے۔ اس کا اظہار کرنے والے زیادہ تر بوڑھے اور دائمی بیمار ہوتے ہیں جن کے بدن پر گوشت نہیں ہوتا۔ نہ جسم میں خون ہوتا ہے۔ پٹھے کمزور ہیں یا دل کے افعال خراب ہو چکے ہیں اور زیادہ تر وہ لوگ ہیں جن کی بھوک ختم ہو گئی ہے اور غذا ہضم نہیں ہوتی۔ مگر جنسی جذبہ اور شوق کا یہ حال ہے کہ ہر گھڑی مقوی باہ دوا اور غذا کی رٹ لگی ہوئی ہے۔ جس کسی سے ملتے ہیں اسی طلب کے لیے مجسم سوال بن گئے ہیں۔ اگر کسی سمجھ دار معالج سے ملنے کا اتفاق ہوتا ہے تو وہ ان کو سمجھاتا ہے کہ بھائی قوت باہ کوئی قوت نہیں جو کسی دوا یا غذا کے استعمال کرانے سے پیدا ہو جائے۔ بلکہ وہ تو ایک قوت ہے جو تمام جسم کے اعضاء کے صحیح طور پر عمل کرنے سے پیدا ہوتی ہے۔ جیسے ریل کا انجن جو سٹیم سے چلتا ہے۔ ظاہراً تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہینڈل (دستی) ہلانے سے چل پڑتا ہے۔ مگر اس کا ڈرائیور خوب جانتا ہے کہ اس کی سٹیم آگ پر پانی ابلنے یا تیل کے جلنے سے پیدا ہوتی ہے جس کے ساتھ یہ بھی شرط ہے کہ انجن کے تمام پرزے صحیح حالت میں ہوں اور اپنی جگہ پر صحیح کام کر رہے ہوں۔ اس کے بعد ہی ہینڈل ہلانے سے سٹیم وہاں سے گزر کر

انجن چلاتی ہے۔لیکن مریض صرف یہی کہتا ہے کہ اس کو پہلے ایسی دوا دے دی جائے جو اس کی قوت باہ میں تیزی اور امساک میں شدت پیدا کر دے اور پھر میں اس کے باقی اعضاء کی درستی اور تقویت کے لیے کوشش کرتا رہوں گا، وغیرہ وغیرہ۔

ان حقائق سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ عوام کے ذہن میں جنسی قوت کے متعلق کیسے کیسے تصورات و معلومات اور توہمات پائے جاتے ہیں اور انہی کے تحت وہ قوت باہ، سرعت انزال اور جریان و احتلام اور دیگر جنسی امراض کے متعلق مجربات طلب کرتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ ہزاروں سال گزر جانے کے بعد آج تک جنسی قوت اور دو چار جنسی امراض کے لیے بے خطا مجربات تیار نہیں ہو سکے۔طب قدیم تو پھر بھی انسانی ضرورتیں پوری کر دیتی ہے۔لیکن فرنگی طب ایسی ناکام و نامراد ہے کہ اپنی نااہلی کی وجہ سے عاجز اور درماندہ نظر آتی ہے۔

عوام کے توہمات اور غلط تصورات سے بڑھ کر پڑھے لکھے خصوصاً انگریزی تعلیم یافتہ لوگ ہیں جو اس غلط فہمی میں گرفتار ہیں کہ انگریزی پڑھ لینے کے بعد وہ ہر قسم کے علوم و فنون کے فاضل اور کامل بن گئے ہیں۔لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ لوگ طب قدیم تو کیا فرنگی طب کا بھی علم نہیں رکھتے۔ بلکہ وہ یہ بھی نہیں جانتے کہ کس وقت غذا کھانی چاہیے اور مختلف حالات میں کس قسم کی اغذیہ کھانی چاہئیں۔ان کو بھلا جنسی قوت و جذبہ اور شوق کا کیا علم ہوگا۔ان لوگوں کو جنسی معلومات عوامی فرنگی جنسی لٹریچر سے زیادہ نہیں ہوتیں۔اور وہ لوگ بھی بری طرح بے معنی توہمات اور غلط تصورات میں گرفتار ہوتے ہیں۔یہی حال ان اینگلو یونانی اطباء کا ہے، جنہوں نے انگریزی تعلیم کے بعد اینگلو یونانی طبیہ کالجوں میں تعلیم حاصل کی ہے۔پھر انھوں نے عوامی فرنگی جنسی قسم کے لٹریچر کو اُردو زبان میں منتقل کر کے لکھا ہے، جس سے ملک اور قوم میں غلط عقائد و گمراہ کن خیالات کے ساتھ بری قسم کی بے راہ روی پیدا ہوگئی ہے۔ایسے لوگ خود جنسی قوت سے مطمئن نہیں ہیں۔ وہ بھلا عوام کی راہنمائی کیا کریں گے۔جس کا نتیجہ ظاہر ہے کہ ملک میں صحیح جنسی قوت کی تعلیم حاصل ہونے کے بجائے جنسی جذبہ اور شوق اس قدر بڑھ رہا ہے کہ ہر طرف جنسی بھوک کا دیو وحشت ناک شکل میں ہر راہ گزر مرد و عورت کو گھور رہا ہے۔ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ ابھی اس حسن و خوبصورتی کے مجسمہ کو دبوچ لے گا۔حقیقت یہ ہے کہ آج کل زندگی کی راہوں میں گزرنا مشکل ہو گیا ہے۔

جنسی قوت

جنسی قوت و تکمیل اور جذبہ و شوق کی تشریح بہت مشکل امر ہے۔ ذرا بھی تفصیل سے کام لیا جائے تو اس میں عریانی اور ننگا پن پیدا ہو جاتا ہے جو اخلاقاً بری بات ہے۔حقیقت یہ ہے کہ یہ قوت ہر مرد و عورت میں پائی جاتی ہے۔اس کے جذبہ و شوق کے ساتھ تکمیل بھی ہر انسان بلکہ ولی اللہ کو بھی کرنا پڑتی ہے۔اس دنیا میں یہی ایک قوت ہے جس کے لطف اور فرحت کے لئے وہ زندہ ہے۔جیسا کہ ابتدائی مضمون میں ذکر کر دیا گیا ہے۔اسی قوت کی خرابی اور کمزوری اکثر پیدا ہوتی رہتی ہے جس کا ذہن نشین کرانا ضروری اور اہم ہے۔لیکن اس کا بیان نہایت احسن طریقہ سے ہونا چاہیے۔کیونکہ اس قوت کی تسکین اور زندگی کی تکمیل کے لئے اقتصادی، معاشی اور معاشرتی قدریں بھی ضروری ہیں اور سب علم اخلاق اور مذہب کی روشنی اور انوار کے تحت ہونا چاہئے۔اگر ایسا نہ کیا گیا تو حاصل زندگی، یہی جنسی ضرورت رہ جائے گی۔خصوصاً بچوں و نوجوانوں میں تو اس قوت کو اس انداز میں پیش کرنا چاہئے کہ اگر اس قوت کو بلاضرورت کے استعمال کیا گیا تو لطف و شوق اور ضرورت کے وقت یہ ساتھ نہیں دے گی اور ایسی قوت سے وہ محروم ہو جائیں گے جس کے طفیل دنیا کی یہ زندگی گزاری جا سکتی ہے۔اور اسی طرح عمر رفتہ لوگوں کو تاکید کر دینی چاہیے کہ جنسی جذبہ و شوق اور جوانی کی رنگینیوں اور وارداتوں کو سامنے نہ رکھیں۔کیونکہ بڑھاپا کمزوری کا ساتھ نہیں دے سکتا۔اگرچہ اس عمر میں گزشتہ تجربات و واقعات اور عشق و محبت کی داستانوں نے ذہن کو زرخیز بنا دیا ہوتا ہے۔ بلکہ جوانوں کو بھی اعتدال کی تعلیم دینی چاہئے۔جن کے لیے یہ کتاب لکھی جا رہی ہے۔ یہی بچے و جوان اور بوڑھے صحیح معنوں میں قوم ہوتے ہیں۔ بچے جدید اور صحیح

معنوں میں قومی تکمیل کر رہے ہوتے ہیں۔ جوانوں پر قوموں کے قیام کا بوجھ ہوتا ہے اور بوڑھوں کے ہاتھ میں قوم کی باگ ڈور ہوتی ہے۔ اگر یہ تمام جنسی قوت کی بے راہ روی میں گرفتار ہو گئے تو قوم نہ کمال کو پہنچے گی اور نہ اپنی ذمہ داریوں کو نبھا سکے گی۔ جس سے نہ صرف آزادی و معاشرت کی حفاظت مشکل ہو جاتی ہے بلکہ اقتصادی اور معاشی ترقی بھی رُک جاتی ہے۔ اس لئے جنسی جذبہ و شوق اور قوت کا بیان اس انداز میں ہونا چاہیے کہ اس کی اہمیت و ضرورت اور علاج و تکمیل کا ذکر تو ہو جائے۔ مگر اس میں عریانی و ننگا پن اور بے راہ روی پیدا نہ ہونے پائے۔

قرآن میں جنسی الفاظ

قرآن حکیم میں جنسی جذبہ اور شوق کے لئے بھی الفاظ کا استعمال کیا گیا ہے۔ مگر اس میں انتہائی احتیاط سے کام لیا گیا ہے۔ مثلاً **رفث الی نسائکم** (رغبت کرنا اپنی بیویوں کی طرف)، **باشروھن** (عورتوں سے ملنا)، **عاشروھن بالمعروف** (مقررہ طریق پر بیویوں سے ملنا)۔ بعض جگہ تشریح و افعال الاعضاء کے بیان میں ذرا زیادہ تشریح اور تمنا کا لفظ بھی استعمال کیا گیا ہے۔ لیکن ہر جگہ تہذیب و تمدن اور ثقافت کو مدنظر رکھا گیا ہے۔ کہیں بھی بے راہ روی سے کام نہیں لیا گیا ہے اور نہ ہی عورت و مستور کا دامن چاک کر کے عریانی کی جھلک ظاہر کی گئی ہے۔ پھر بھی کوئی ماں باپ اپنی نوجوان اولاد کو یہ مقام خود نہ پڑھا سکتا ہے اور نہ پوری تشریح کر سکتا ہے۔ اس کی وجہ نعوذ باللہ ان مقامات میں کوئی برائی بیان نہیں کی گئی۔ بلکہ ان اذکار میں توجہ اور دھیان یقیناً جنسی اعضاء و قویٰ اور جذبات و لطائف کی طرف چلا جاتا ہے۔ اس جنسی تذکرہ کو الفاظ میں بند کرنا بے حد مشکل ہے۔ خود جنسی الفاظ چاہے وہ اعضاء و قویٰ کے متعلق ہوں یا جذبہ اور شوق کا اظہار کریں۔ بہرحال توجہ اور تخیل کی دنیا پر پابندی نہیں لگائی جا سکتی۔ اس لئے قرآن حکیم نے ایسے الفاظ کو استعمال کیا ہے جو زیادہ مہذب اور با اخلاق ہیں جس کے ساتھ علمی و فنی حیثیت سے وہ نہ صرف جنسیات پر دلالت کرتے ہیں، بلکہ ان کی تشریح اور تفسیر کے اندر بے شمار اسرار و رموز بھی بند ہیں جو کہ اپنے مقام پر بتایا جائے گا۔ جس کے نتیجہ میں صحیح اور حقیقی جنسی تعلیم و فن حاصل ہو سکتا ہے۔

جنسی جذبات کی ضرورت اور تکمیل

جنسی جذبات کی ضرورت تو ہر تندرست مرد و عورت میں لازماً پائی جاتی ہے اور اس کی صحیح یا غلط طور پر تکمیل بھی ہوتی رہتی ہے۔ لیکن اس کی ضرورت کا احساس اس طرح کریں جیسے انسان پانی کی پیاس میں کرتا ہے۔ یعنی پیاس کم و بیش ضرور لگتی ہے۔ مگر کبھی بھی بغیر ضرورت کے پانی نہیں پیا گیا۔ اول تو بغیر ضرورت کوئی پیتا ہی نہیں، اگر پی بھی لے تو یقیناً نقصان دیتا ہے۔ جی متلاتا ہے اور طبیعت خراب ہو جاتی ہے۔ یہی ضرورت دیگر ضروریات زندگی کے متعلق بھی ہے۔ اگر ان کو بغیر ضرورت کے استعمال کیا جائے تو نقصان دے جاتے ہیں۔

یہ تو ہے پانی اور ضروریات زندگی کا حال جو ہم تکمیل بدن کے لیے اپنے جسم میں لے جاتے ہیں جن سے ہمارا خون بنتا اور پیدا ہوتا ہے۔ وہ بغیر ضرورت نہ صرف اندر جذب نہیں ہوتیں بلکہ صحت بگاڑ دیتی ہیں۔ اب اس شے کا اندازہ لگائیں جو جسم کے اندر سے خارج ہو اور وہ بھی اس خون کا جوہر (رس) ہو جس پر نہ صرف انسانی زندگی کا دارومدار ہے بلکہ جسم انسان اسی سے بنتا ہے اور صاف ہوتا رہتا ہے۔ یہ وہ جوہر ہے جس کو منی یا سیمن (Semen) کا نام دیا گیا ہے۔ بغیر ضرورت و وقت اور مقام کے اس کا اخراج کرنا خود جان بوجھ کر کمزوری و بیماری اور موت کو دعوت دینا ہے اور وہ لوگ انتہائی غلط فہمی میں مبتلا ہیں جو اپنی ضرورت پوری کرنے کے لیے وقتی طور پر اغذیہ و ادویہ اور جذبات انگیز اشیاء کا سہارا لیتے ہیں۔ یعنی ننگے و عریاں مناظر و تصاویر دیکھتے ہیں۔ عریاں اور بے حیائی سے بھرپور کہانیاں سنتے ہیں۔ عریاں اور ننگی عورتوں میں اپنا وقت گزارتے ہیں۔ کم عمر اور دوشیزہ لڑکیوں کو اپنے قبضہ میں رکھتے ہیں اور مقصد برآری کے لیے بکثرت شراب استعمال کرتے ہیں۔

بعض امراء کے متعلق تو یہاں تک سنا گیا ہے کہ ان کے لیے روزانہ ایک دوشیزہ اور شراب کی بوتل ہونی چاہئے، اور ایسے نوابی قسم کے امراء تو اکثر پائے جاتے ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ کم از کم ہر مہینے ایک دوشیزہ ہونی چاہیے اور یہ کیا بات کہ ہر سال کے سال کیلنڈر نہ بدلا جائے۔ یہ باتیں صرف اس لیے کی جاتی ہیں کہ جنسی جذبہ وشوق اور قوت کو بہلایا جائے۔ لیکن اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہ اعضاء جو تحریک جذبہ وشوق پیدا کرتے ہیں جن سے منی بنتی ہے وہ کمزور ہو جاتے ہیں اور تحریک شباب رفتہ رفتہ ختم ہو جاتی ہے۔ پھر انہی کمزور اعضاء کا اثر دیگر اعضائے جسم اور خون پر پڑتا ہے جس سے اوّل شباب ختم ہو جاتا ہے۔ پھر صحت تباہ ہو جاتی ہے اور آخر انسان قبل از وقت موت کے کنارے پر پہنچ جاتا ہے۔

جنسی قوت کا صحیح استعمال

جنسی قوت کا استعمال ایک نہایت ہی اہم مسئلہ ہے۔ لیکن اس کے لیے آج تک کوئی فیصلہ کن بات نہیں کہی گئی۔ طب قدیم نے اس سلسلہ میں کسی قسم کے قوانین اور قاعدے بیان نہیں کئے۔ موجودہ دور کا سب سے بڑا فلاسفر مسٹر فرائڈ شروع سے لے کر آخر تک پڑھ جایئے وہاں جنسی جذبہ اور شوق بیداری اور اس کے تحت انسانی اخلاق و کردار اور رجحان کا غلط و صحیح کچھ نہ کچھ تو پتہ چلتا ہے۔ مگر اس کی تکمیل و تفہیم اور تسکین کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ اس سے زیادہ تو پاک و ہند کے مشہور ادیب میرا جی نے جنسی تکمیل و تفہیم اور تسکین کے لیے لکھ دیا ہے۔ اگرچہ ہم اس تین گولوں اور صابن کی ٹکیہ کے قائل نہیں بلکہ اس کے معاشرہ و اخلاق اور قوم و نسل کے لیے سخت مضر خیال کرتے ہیں۔ لیکن اس امر سے انکار نہیں کرتے کہ بھرپور اور نسل کشی کی عمر میں جنسی رجحان کی تکمیل و تفہیم اور تسکین ہونی چاہیے اور اس کا صحیح ذریعہ نکاح اور عقد شرعیہ ہی ہوسکتا ہے۔ اس لئے حضرت رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ نکاح میری سنت ہے جو اس سے اعراض کرے وہ مجھ سے نہیں ہے۔

اس امر سے ثابت ہے کہ جنسی قوت و جذبہ کی تکمیل و تفہیم اور تسکین انسانیت و آدمیت اور بشریت کے لیے نہایت ضروری ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں ہمیں یہ دعا سکھائی ہے کہ میرے ربّ مجھے بیویوں اور اولاد سے آنکھوں کی ٹھنڈک بخش دے اور مجھے متقیوں کا امام بنا دے۔ گویا بیوی اور بچے کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک ہی سے ایک شخص متقیوں کا امام بن سکتا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ مسرت اور نیکی دونوں باتیں بغیر جنسی قوت و جذبہ کو صحیح طور پر تکمیل و تفہیم اور تسکین کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتیں۔

جو لوگ یہ طاقت نہیں رکھتے یعنی وہ اپنے بیوی بچوں کے اخراجات برداشت نہیں کر سکتے یا ان کو ایسے مواقع میسر نہیں ہیں کہ کوئی عورت بصورت بیوی حاصل ہو جائے یا حسب منشا بیوی مل سکے۔ یعنی ایسی عورت جو ذہنی طور پر بہت قریب ہو تو اس شخص کے لیے اسلام کا حکم ہے کہ وہ مسلسل روزے رکھے، لیکن اس کا یہ حل نہیں ہے جو فرنگی نے اپنے قانون میں بنا رکھا ہے کہ قحبہ خانے، چکلے اور ہیرا منڈیاں کھول دی جائیں۔ جہاں پر ہر کس و ناکس جا کر اپنے جنسی جذبہ اور شوق کی تکمیل اور تسکین کرے۔ لیکن یاد رکھیں! اس طریق پر نہ جنسی جذبہ کی تکمیل ہوتی ہے اور نہ شوق کی تسکین ہوتی ہے۔ یہ ایک بہت طویل بحث ہے جس کو کسی اور وقت شروع کریں گے۔ البتہ یہ یاد رکھیں کہ منی کی پیدائش و اخراج جس ماحول میں ہونا چاہیے وہ ایسے مقامات پر ناممکن ہے اور اس طرح بغیر نکاح کے رشتہ سے بھی مشکل ہے۔

اس مسئلہ کو حل کرنے کے لیے مختلف حکما اور فلاسفروں نے بہت سے نظریات پیش کئے ہیں۔ انہی نظریات میں میرا جی کا بھی ایک غلط قسم کا نظریہ ہے۔ اسلام نے بھی اس کے حل کرنے کے لئے چار نکاح، لاتعداد باندیاں اور فوری طلاق اور نکاح میں آسانیاں پیدا کی ہیں۔ لیکن یہ سب سہولتیں مردوں کے لیے ہیں۔ البتہ عورتوں کے لیے یہ ہے کہ خلع اور طلاق کے چار ماہ بعد دوسرا نکاح کر سکتی ہیں۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ مرد کو فوری ضرورت پیدا ہو کر نقصان کا باعث بن سکتا ہے۔ لیکن عورت کو کم از کم چار ماہ سے قبل کوئی نقصان اور تکلیف پیدا نہیں ہو

سکتیں۔ جن کی نگاہ جنسی قوت وجذبہ اور شوق کی حقیقی تکمیل وتفہیم اور تسکین پر ہے، وہی ان مسائل کو سمجھ سکتے ہیں۔

طب یونانی میں مزاج واخلاط اور کیفیات کی کمی بیشی اور عمر وطاقت اور ماحول کو جنسی قوت کے استعمال میں خاص طور پر مدنظر رکھا جاتا ہے۔ اسی طرح آیورویدک نے دوش ورکت عمر و ماحول اور جسمانی اور روحانی قوت کے مطابق جنسی قوت کے استعمال کی اجازت دی ہے۔ مثلاً طب یونانی میں تاکید ہے کہ گرم خشک مزاج کے انسان روزانہ اپنے جنسی جذبہ کی تسکین کر سکتے ہیں۔ گرم تر مزاج والے دو روز بعد۔ سرد خشک مزاج والے چار روز بعد اور سرد مزاج والے پورے ایک ہفتے بعد اس قابل ہوتے ہیں کہ ان میں جنسی جذبہ میں پوری قوت پیدا ہو۔ بعض حکماء نے اپنے حکیمانہ انداز اور دانشوری کو سامنے رکھتے ہوئے انہیں جنسی جذبہ سے دور رکھنے کی کوشش کی ہے۔ انہوں نے گرم خشک مزاج والوں کے لیے ایک ہفتہ میں ایک بار، گرم تر مزاج والوں کے لیے دو ہفتے کا وقفہ، اور سرد خشک مزاج والوں کے لیے تین ہفتے، اور سرد تر مزاج والوں کو تاکید کی ہے کہ کم از کم ایک ماہ سے پہلے ان کے اندر جنسی جذبہ میں تحریک دینے کی قوت پیدا نہیں ہو سکتی۔ اگر ان کو زیادہ وقت بھی صرف کرنا پڑے تو بہتر ہے۔

آیورویدک نے اوّل جنسی جذبہ کی تسکین اور تکمیل کو روکنے کی کوشش کی ہے۔ اور اس کو باکمال کہا ہے جو ساری عمر یہ قوت اور جذبہ رکھتے ہوئے بھی اس کی تکمیل اور تسکین نہ کرے اور ''جتی ستی'' رہے ایسے سادھوں کو بڑی عزت وقدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ ایسے مرد اور عورتیں اپنی زندگیاں دیوی دیوتاؤں کی خدمت میں گزار دیتے ہیں۔ اور ان کو دیوداس اور دیوداسیاں کہتے ہیں۔ لیکن اگر کسی کے لیے ایسا کرنا ناممکن ہو تو زیادہ سے زیادہ بڑی عمر میں نکاح کرنا چاہیے۔ ویدوں کی تعلیم سے یہ عمر چالیس اور ساٹھ سال کے درمیان معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ اوّل عمر تعلیم کے لیے دوسری عمر روحانی قوت بڑھانے کے لیے تیسری عمر سیر وسیاحت کے لیے اور چوتھی عمر گرہستی زندگی کے لیے ہر عمر کو بیس سال رکھا جائے تو ساٹھ سال کی عمر میں گرہستی زندگی کی ابتداء ہونی چاہئے اور اس وقت تک جنسی قوت و جذبہ کی تکمیل وتسکین نہیں کرنی چاہئے۔ کیونکہ آیورویدک اصولوں کے مطابق ویرج کی جس قدر حفاظت کی جائے اسی قدر عمر اور عقل بڑھتی ہے۔

ان تمام تعلیمات میں حقائق تو ہیں لیکن افراط وتفریط زیادہ ہے۔ دوسرے معنوں میں فطری قوانین نہیں ہیں جن سے انسان افراط و تفریط اور نقصانات سے بچ جائے اور زیادہ سے زیادہ خوشگوار زندگی گزار سکے۔ ذیل میں چند حقائق لکھے جاتے ہیں جن سے قوانین فطرت کو مد نظر رکھا گیا ہے۔

(۱) انسانی زندگی کی تکمیل چونکہ ۲۱ سے ۲۵ سال تک ہوتی ہے، اس لیے نکاح ہمیشہ ۲۱ سے ۲۵ سال تک حسب طاقت وضرورت اور ماحول ہونا چاہئے۔ یہ صرف مردوں کے لیے ہے۔ عورتوں کے لیے ماہواری شروع ہونے کے بعد تین سال تک حد چھ سال تک نکاح کر دینا چاہیے۔ ماہواری اس بات کی شہادت ہے کہ بچے کی پیدائش ہو سکتی ہے۔

یاد رکھیں کہ جن عورتوں کی بہت دیر کے بعد شادی کی جاتی ہے ان کے عضلات میں سختی پیدا ہو کر نسوانیت ختم ہو جاتی ہے۔ ایسی عورتیں نہ زنانہ زندگی کے قابل ہوتی ہیں اور نہ ان میں شرم وحیا قائم رہتا ہے۔ کیونکہ ان میں مردانہ اوصاف پیدا ہو جاتے ہیں۔ ایسی عورتیں اکثر بادِ گولہ اور اختناق الرحم (ہسٹریا) کی مریض رہتی ہیں۔

(۲) نکاح وعقد اور شادی کے بعد ابتدائی چند روز گزارنے کے بعد کیونکہ ابتدائی دنوں میں چند در چند وجوہات سے اعتدال قائم رکھنا مشکل ہے۔ ہمیشہ مرد وعورت کو الگ بستروں پر سونا چاہیے اور جنسی جذبہ اور قوت کی شدت کا جب احساس ہو جو اکثر مرد کی طرف سے ہوتا ہے اس کی تکمیل وتسکین کر لینی چاہیے۔ اگر شدت روز معلوم ہو یا جتنی بار شب وروز میں معلوم ہو مگر بیوی کے پاس جا کر اس میں شدت اور

تیزی پیدا نہ کرے بلکہ فطرتاً اس جذبہ وقوت میں شدت اور تیزی بھڑک اٹھے اگر یہ صورت دو چار روز یا چار ہفتوں تک پیدا نہ ہو تو غذا اور دوا سے نہ بھڑکائے، وہ غیر فطری صورت ہوگی۔ اگر ضرورت محسوس ہو تو علاج کرایا جائے۔

جنسی قوت کا تصرف

اس امر میں کوئی شک نہیں کہ جنسی قوت جو انسان میں پیدا ہوتی ہے یہ واقعی خرچ کرنے کے لیے ہے اور اس کی حیثیت سے تو اس کا خرچ کرنا نہایت ضروری ہے کہ اگر اس کو خرچ نہ کیا گیا تو نہ صرف اس کے مفید اثرات سے محروم رہیں گے بلکہ یہ بے حد نقصان رساں ثابت ہوگی۔ اس قوت کا مفید ہونا ان معنوں میں ہے کہ (۱) اسی پر آئندہ نسل انسانی کا دارومدار ہے۔ (۲) جسم انسان سے ایک خاص قسم کے فضلات کا اخراج ہو کر ان کی جگہ اعلیٰ درجہ کا مقوی بدن مادہ جسم کو ملتا ہے بلکہ اس طرح جیسے ہر سانس کے ساتھ اندر سے ایک ہوا خارج ہوتی ہے، اس کی جگہ باہر سے ایک ہوا داخل ہوتی ہے۔ ظاہری صورت میں دونوں ہوائیں گیسیں ہیں، لیکن دونوں میں بیّن فرق ہونے والی ہوا نسیم (آکسیجن) کہلاتی ہے۔ اگر تھوڑی مدت وہ ہوا خارج نہ ہو اور نسیم جسم میں داخل نہ ہو تو جسم کو جو تکلیف یا کمزوری پیدا ہوتی ہے اس کا اندازہ ہر شخص اپنی طاقت کے مطابق لگا سکتا ہے۔ یہی صورت اس مفید مواد کی ہے جو جسم انسان سے پیدا ہو کر خون میں شامل ہوتا رہتا ہے اور تمام جسم کو غذا اور تقویت کا کام دیتا ہے۔

اس امر کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے کہ مادہ منویہ صرف اس وقت پیدا ہوتا ہے جب انسان جنسی قوت کو خرچ کرتا ہے۔ انسان کے اندر جس قدر بھی جنسی جذبہ اور قوت موجود ہو وہ اس وقت تک نامکمل اور غیر مفید ہے جب تک اس کو خرچ نہ کیا جائے۔ کیونکہ اس کے خرچ کرنے پر ہی مادہ منویہ پیدا ہوگا اور اس کے ساتھ اسی قسم کے دیگر مواد بھی پیدا ہوتے ہیں جن سے نہ صرف ان مادوں کو پیدا کرنے والے اعضاء کو قوت اور غذا ملتی ہے بلکہ انہی مادوں کا ایک حصہ خون میں شامل ہو کر اس میں تقویت اور توازن قائم رکھتا ہے۔ ہر شخص خود اندازہ لگا سکتا ہے کہ جب تک جنسی قوت عمل میں نہ آئے مادہ منویہ اور اسی قسم کے جوہر کیسے پیدا ہوں اور جب پیدا نہ ہوں گے تو خون میں کیسے شریک ہوں گے۔ اور ان کے شریک نہ ہونے سے جو فقدان قوت اور قوام خون میں ہوگا تو ظاہر ہے کہ انسان ایک مفید قوت سے محروم رہے گا۔ یہی قوت جس قدر زائد پیدا ہوگی انسان ذہنی اور روحانی طور پر اتنا ہی بلند مقام حاصل کرے گا۔ اس کی لطافت کا اندازہ صرف وہی لگا سکتا ہے جو ایک عقل مند اور بیوقوف کے متعلق لگا سکتا ہے۔

ہم نے ایک ایسی قوت اور مسئلہ کا ذکر کیا ہے جس کی طرف حکماء اور علماء فلسفہ اور سائنسدانوں نے ذکر تک نہیں کیا اور ہر ایک نے جنسی قوت خرچ کرنے سے انتہائی طور پر روکا ہے اور اس کو قابو میں رکھنا ہی اس قوت سے فوائد حاصل کرنا ہے۔ اسلام کا اگر بغور مطالعہ کیا جائے تو قرآن حکیم اور حدیث شریف میں جنسی قوت روکنے کی کہیں تاکید نہیں کی گئی اور نہ کہا گیا ہے کہ اس جنسی قوت اور جذبہ کو روکا جائے، کیونکہ اس سے انسان کے اندر مفید اثرات اور طاقت پیدا ہوتی ہے بلکہ اس کے برعکس یہ کہا گیا ہے کہ جو نکاح نہ کرے گا اس کا آپ ﷺ سے کوئی تعلق نہیں ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اللہ تعالیٰ کے قریب قابل عزت وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے اور پرہیزگاروں میں امامت اسی وقت حاصل ہو سکتی ہے جب انسان کی آنکھیں اپنی بیوی بچوں سے ٹھنڈی ہوں۔

البتہ اسلام یہ نہیں چاہتا کہ ناجائز بیویاں اور اولادیں پیدا کی جائیں اور جگہ جگہ اپنے نطفہ کو بکھیر کر غیر تحقیق اولادیں پیدا کی جائیں۔ اگر ضرورت شدید ہے، یعنی قوت و جذبہ غیر معمولی ہے یا موجودہ بیویاں مریض ہیں تو چار بیویوں تک کی اجازت ہے۔ اگر جذبات میں ایمانداری اور شوق میں تقویٰ ہے تو لاتعداد باندیاں بھی حاضر ہیں۔ بے دھڑک جنسی قوت کو استعمال کر سکتا ہے۔ لیکن خواہشات نفسانی اگر

نہ ہوں اور ضرورت فطری اور رضائے الٰہی مدنظر ہو تو پھر جنسی قوت کا عمل میں لانا قانون خداوندی ہے۔

اسلام کے جنسی نظام میں ایک طرف اجازت میں اس قدر وسعت اور دوسری طرف ناجائز ذرائع سے بچنے کی اس قدر تاکید اور دردناک موت کی سزا کو مدنظر رکھیں اور پھر اس مسئلہ کی طرف غور کریں کہ جنسی قوت کے صحیح خرچ میں بجائے کمزوری کے ایک خاص قسم کی قوت پیدا ہوتی ہے جس سے عقل و روح، علم و روح، علم و حکمت اور تقویٰ و ایمان میں بلندی اور ارتقاء پیدا ہوتا ہے۔

جنسی قوت کا بے ضرورت استعمال

جنسی قوت کے مقوی اور مفید ہونے کے ساتھ ساتھ اس امر کو مدنظر رکھیں کہ بے ضرورت اور بے اصولا تصرف بھی انتہائی ضعف اور مضر ہے۔ اس کی مثال صفراء (بائل Bile) سے دی جاسکتی ہے کہ صفراء ایک انتہائی مفید حرارت اور طاقت ہے، اس سے ایک طرف جسم انسان میں مقوی اور مرغن اغذیہ ہضم ہوتی ہیں اور دوسری طرف یہ جسم کو سوزش سے محفوظ رکھتا ہے۔ جب اس کی پیدائش کم ہو تو جسم امراض کا گھر بن جاتا ہے اور روز بروز خون کی کمی اور دبلا پن پیدا ہوتا ہے۔ بعض لوگ صفراء کے نام سے اس قدر گھبراتے ہیں کہ اوّل تو ایسی اغذیہ سے بھاگتے ہیں جو صفراء پیدا کرتی ہے، اگر اس کو کھانے کا اتفاق بھی ہوتا ہے تو فوراً دافع صفراء اور حرارت اغذیہ مثلاً لسی، شربت کا استعمال کر لیتے ہیں۔ ایسے لوگ مستقل طور پر تبخیر معدہ میں مبتلا رہتے ہیں۔ لیکن جن لوگوں میں صفراء ضرورت سے زیادہ بڑھ جائے یا اس کا اخراج رُک جائے تو پھر جسم میں ضعف و تحلیل شروع ہو جاتی ہے۔ یہی صورت جنسی قوت کی پیدائش میں زیادتی اور اخراج پر واقع ہوتی ہے۔

جاننا چاہئے کہ نسیم اور صفراء دونوں جسم میں حرارت پیدا کرتے ہیں، دونوں زندگی اور قوت ہیں۔ اسی طرح زندگی جنسی قوت کے صحیح خرچ کرنے پر پیدا ہوتی ہے۔ یہ بات بھی ذہن نشین کر لیں کہ جب جسم کی قوت و حرارت اور زندگی میں تحریک پیدا ہوتی ہے تو اس وقت لطف و لذت اور فرحت کا پیدا ہونا ضروری ہے اور جب تک یہ صورتیں قائم رہیں صحت اور طاقت میں ترقی ہے۔ لیکن جب قوت و حرارت اور زندگی میں تفریح کی بے وجہ کوشش بڑھا دی جائے تو غیر معمولی ضعف و تحلیل پیدا ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ یہ ضعف زیادہ تر اعضائے رئیسہ دل و دماغ اور جگر میں پیدا ہوتا ہے جس کا نتیجہ خوفناک امراض مثلاً فالج و حذر اور ہارٹ فیلور و نروس بریک ڈاؤن ہیں گویا جو قوت و حرارت کی فرحت باعث حیات و تقویت اور لطف و لذت ہے وہی اپنی غیر معمولی اور مصنوعی زیادتی کے باعث تحلیل و ضعف اور مرض و موت کی دعوت بن جاتی ہے۔ ان حقائق سے ہمیں سمجھ آتی ہے کہ ہمارے مذہبی رہنما اور ہادی کیوں خالی پیٹ رہتے ہیں اور معمولی قسم کی اغذیہ بھی قلیل مقدار میں کھاتے تھے۔ وہ مصنوعی قسم کی جنسی قوت و جذبہ اور لذت سے دور رہتے تھے۔ جس سے صحیح قسم کے جنسی افعال و اعمال کو رضائے الٰہی کے تحت انجام دیتے تھے۔

جنسی قوت کے قیام و تصرف اور اس کے نتائج کی حقیقت پر جس اندازِ بیان سے قرآن حکیم روشنی ڈالتا ہے، دنیا کی کوئی طبی و غیر طبی کتاب اور قانون نہیں ڈالتا۔ اگر دنیا کی کوئی سائنس اور قانون اس کے برابر تو کیا اس کے عشرعشیر بھی بیان کر دے تو ہم چیلنج کرتے ہیں۔ اس سے بہتر کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ یہی قرآن حکیم کی عظمت اور کمال کا راز ہے۔ اس میں زندگی اور کائنات کے دیگر تمام قوانین کے حقائق کے ساتھ جنسی قوت کی اصلیت و استفادہ اور راز و رموز کے قوانین میں قطعاً خلل واقع نہیں ہوتا اور نہ الجھن پڑتی ہے۔

قرآن حکیم بیان کرتا ہے کہ ازواجاً لتسکنوا (جوڑے بنائے گئے تاکہ ان کی طرف سے تسکین حاصل ہو) تسکین کے متعلق ہم اپنی کتب اور رسائل میں بار بار وضاحت کر چکے ہیں، جس کو ممبران تحریک تجدید طب خوب سمجھتے ہیں۔ یہ وہی تسکین ہے جس کو ہم تحریک و تحلیل اور تسکین اپنے نظریہ مفرد اعضاء کے افعال میں لکھتے ہیں۔ گویا تسکین اعضاء کے افعال کی وہ علامت ہے جو تحلیل کے بالمقابل آتی ہے۔ تحلیل

اگر گرمی وحرارت کی شدت کے بعد پیدا ہوتی ہے تو لازمی امر ہے کہ تسکین اس گرمی وحرارت کی شدت کے بجھ جانے کے بعد پیدا ہوگی۔ گرمی وحرارت کو بجھانا رطوبت کا کام ہے۔ یعنی گرمی وحرارت اگر آگ سے پیدا ہوتی ہے تو یقینی امر ہے کہ رطوبت وبلغم پانی کی پیدائش ہیں۔ گویا جہاں پر بھی تسکین پیدا ہوگی، وہاں رطوبت اور بلغم پیدا ہو جائے گی اور تحلیل ختم ہو جائے گی۔ **گویا جوڑے اس لئے بنائے گئے ہیں کہ جسم انسان میں جو تحلیل جاری ہے جو جوانی سے بڑھاپے کی طرف لے جارہی ہے، اسے ختم کیا جائے۔ یا کم سے کم کر دیا جائے۔**

اس تشریح سے اندازہ لگالیں کہ قرآن حکیم نے انسانی زندگی وجوانی اور صحت کے قیام کو کس انداز سے نہ صرف بیان کیا ہے بلکہ اس کا حل واضح کر دیا ہے۔ یہ اس امر کا ثبوت ہے بلکہ اس حدیث شریف کی حقیقت ہے جس میں یہ کہا گیا ہے کہ نکاح سنت ہے اور جو اس سنت پر عمل نہیں کرے گا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ گویا انسان میں جوانی کے بعد اعتدال نکاح ہی سے قائم رہتا ہے۔

تحلیل کو سمجھنے کی ایک صورت تو موم بتی کا جلنا اور موم کا پگھلنا ہے۔ اسی طرح انسان کا کوئی ایک عضو اندرونی حرارت سے پگھلتا ہے۔ دوسرے برف کا دھوپ میں پگھلنا ہے۔ اسی طرح انسانی جسم پر تحلیل واقعہ ہوتی ہے۔ جیسے عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ جن مردوں اور عورتوں کو عقد ونکاح کی حد تک شادی کرنے کا اتفاق نہیں ہوتا ان کے جسم میں بعض دیگر امراض کے ساتھ چہرے پر ایک قسم کا خمیرا اُبھر آتا ہے۔ ایسے لوگوں کو اگر شادی کا اتفاق نہ ہو تو اول تو وہ بہت جلد مر جاتے ہیں اور اگر زندہ بچ رہیں تو دائمی امراض اور دیگر عجیب وغریب قسم کی تکالیف میں گرفتار رہتے ہیں۔

ایک طرف تو جسم انسان میں دائمی تحلیل ہے جس کو روکنے کے لیے فطرت نے جنسی جذبہ پیدا کیا ہے تاکہ اس کے جائز استعمال کے ساتھ ساتھ جسم میں تسکین پیدا ہو کر اعتدال قائم رہ سکے۔ لیکن جہاں جنسی جذبہ کے جائز استعمال سے تسکین پیدا ہو کر جسم میں اعتدال قائم رہتا ہے، وہاں جنسی جذبہ میں اس وقت لذت پیدا کر دی ہے کہ اس کا شعور ونیم شعور اور غیر شعوری احساس اس قدر شدید ہوتا ہے کہ ہر نوجوان بلکہ بوڑھا بھی کسی قسم کے نقصان کو سمجھے بغیر اس لذت اور لطف کو حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اس کے لیے طاقتور اغذیہ اور ادویہ سے گزر کر لطف ولذت کے نظاروں کے بعد مشینی پیٹیوں کے استعمال کرنے میں نہ فرق رکھتا ہے اور نہ اپنی اس کمزوری پر شرماتا ہے۔ پس موت کی حد تک لذت چاہتا ہے۔

لیکن قرآن حکیم نے جہاں اس جنسی جذبہ کی تکمیل کے لیے حسب ضرورت چار شادیوں اور بے شمار باندیوں کی اجازت دی ہے، تاکہ معاشرہ میں نقصان اور خرابی پیدا ہوئے بغیر انسان پورے طور پر جنسی جذبہ میں تسکین پیدا کر لے وہاں ایسی شرائط بھی مقرر کر دی ہیں کہ وہ اعتدال سے تجاوز نہ کر سکے اور تحلیل کی حرارت جس میں نشو وارتقاء اور ربوبیت کی قوت بھی شریک ہے انتہائی تسکین سے ختم ہو کر زبوں کی حالت پیدا نہ کر دے جس میں جسم سوکھ وسکڑ کر خشک ہو جاتا ہے۔

جاننا چاہیے کہ بھوک دو قسم کی پائی جاتی ہے: ایک پیٹ کی بھوک اور دوسری جنسی بھوک۔ یہ حقیقت ہے کہ پیٹ کی بھوک عام ہے اور ہر گھڑی لوگ اس کے چنگل میں گرفتار ہیں۔ مگر جنسی بھوک ایک خاص بھوک ہے جو خاص وقت اور ماحول میں پیدا ہوتی ہے۔ جو دعا بھوک ہے اس کے لیے قرآن پاک میں بیان ہے:

﴿ کلوا وشربوا ولا تسرفوا ان اللہ لا یحب المسرفین﴾

''بے تکلف آزادانہ طور پر کھاؤ پیو (مگر مقررہ) حد سے مت بڑھو۔ تاکیداً اللہ تعالیٰ حد سے بڑھنے والوں کو دوست نہیں رکھتے''۔

تو خاص بھوک میں کب اجازت ہے جس کا نقصان جوہر انسانی کے ضائع ہونے سے واضح ہے اور مشاہدہ ہے کہ پیٹ کی تسکین

کے لیے کچھ نہ کچھ جسم میں داخل کرنا پڑتا ہے اور جنسی بھوک کو تسکین دینے کے لیے جسم سے جوہر خون خارج کرنا پڑتا ہے۔ پھر حد سے بڑھنے والے کے لیے کتنی بڑی سزا ہے کہ اللہ تعالیٰ دوست نہیں رکھتے جب وہی دوست نہیں رہا تو پالن ہار کون ہے۔

قرآن اپنے متعلق فرماتا ہے: ﴿ ذلك الكتاب لا ريب فى هدى اللمتقين ﴾ یہ ایسی کتاب ہے کسی قسم کا شک اس میں نہیں ہے۔ زندگی اور کائنات کا ہر صغیر و کبیر اور خشک وتر قانون اس میں پایا جاتا ہے لیکن اس کی ہدایت صرف متقین کے لیے ہے۔ قرآن حکیم پھر بیان کرتا ہے کہ انسان متقی کیسے بنتا ہے: ﴿ كتب عليكم الصيام كما كتب على الذين من قبلكم لعلكم تتقون ﴾ یعنی روزے تم پر فرض ہیں جیسے تم سے پہلوں پر فرض تھے، تا کہ متقی بن جاؤ۔ روزہ کم وبیش پندرہ سولہ گھنٹے کا ہوتا ہے۔ یعنی اتنے عرصہ تک اللہ کی مرضی کے لیے کھانا پینا بند رکھتا ہے۔ گویا روزے میں اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق پیٹ کی بھوک اور دیگر جنسی خواہشات سے دور رہنا ہوتا ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ روزہ اللہ تعالیٰ کی مرضی اور پرہیزگاری کی تربیت کرتا ہے۔ اس طرح ایک شخص متقی بنتا ہے اور جب قرآن حکیم یہ کہتا ہے کہ اگر تم ﴿ ان اكرمكم عندالله اتقاكم ﴾ یعنی تم میں اللہ کے نزدیک زیادہ قابل عزت وہ ہے جو زیادہ متقی ہے۔ خیال کریں کہ ایسے شخص کا پیٹ کی بھوک اور جنسی بھوک پر کتنا قبضہ ہوگا اور جب ایک مومن یہ دعا مانگتا ہے کہ ﴿ رب جعلنا للمتقين امام ﴾ یعنی اے رب ہمیں متقیوں کا امام بنا دے۔ اس کے متعلق کیا خیال ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور فرمانبرداری کے ساتھ پیٹ کی بھوک اور جنسی بھوک پر کتنا قابو رکھتا ہوگا۔ ایسے شخص کا تصور وہی کر سکتا ہے جو خود روزہ دار ہے۔

ایک طرف قرآن حکیم اس قدر اجازت دیتا ہے کہ انسان جنسی جذبہ کی تسکین کے لیے چار عورتوں سے عقد اور بے شمار باندھیوں سے مستفید ہوسکتا ہے، تاکہ اس کے جنسی جذبہ میں تسکین کے لیے زیادہ سے زیادہ سہولتیں ملیں بلکہ حاصل ہوں اور اور دوسری طرف تقویٰ و پرہیزگاری اور فرمانبرداری کی ایسی سخت اور بڑی بندشیں ہیں کہ خواہشات نفسانی کی تکمیل کا کہیں دخل نظر نہیں آتا۔ بلکہ شدید بھوک اور ضرورت کے لیے بھی اس کی اجازت نہیں ہے۔ جس کے لیے حکم فرما دیا ہے کہ کوئی شخص اپنی حلال کمائی سے شدید بھوک کے وقت ایک گھنٹہ بلکہ ایک منٹ قبل بھی روزہ نہیں کھول سکتا۔ اسی طرح روزہ کی حالت میں شدید ضرورت پر بھی جنسی جذبہ کی تکمیل نہیں ہوسکتی۔ فرمان اور وقت کا بھی انتظار ہے۔ اسلام جنسی جذبہ کی اجازت بھی پوری حد تک دیتا ہے اور ان پر قدرے بندش اور پابندی بھی نہایت شدید لگاتا ہے۔ کسی شے کی اجازت دینا اور بات ہے۔ اور اس کا استعمال اور عمل میں لانا اور بات ہے۔ صرف اجازت سے نہ تو جائز فائدہ اٹھانا چاہئے اور نہ ہی گھبرانا چاہئے۔ البتہ اعتدال قائم رکھنا انتہائی ضروری ہے جو بغیر تقویٰ کے ممکن نہیں ہے جب کہ قرآن حکیم کی تاکید ہے یعنی اپنے رب کا خوف جو لوگ رکھتے ہیں اور اپنے نفس کی خواہشات سے روکتے ہیں ان کا مقام جنت ہے۔ اس تاکید کے تحت جس قدر دل چاہے جنسی جذبہ کی تسکین کی جاسکتی ہے۔

جنسی بھوک کی تکمیل کے لیے جذبہ میں شدت شرط ہے تاکہ انتشار اور اخراج مکمل طور پر ہو سکے جیسے پیٹ کی بھوک میں شدت اشتہا کا ہونا لازم ہے، ورنہ غذا جسم میں جا کر باعث فساد ہوگی بلکہ جو تکلیف اور امراض کا باعث ہوگی۔ اغلب ہے کہ موت کا باعث بن جائے۔ جنسی بھوک میں شدت جذبہ اور پیٹ کی بھوک میں اشتہا شدید سے مراد انتہائی ضرورت ہے۔ صرف نفسانی خواہش نہیں ہے کیونکہ نفسانی خواہش سے نہ جنسی جذبہ میں شدت ہوگی اور نہ پیٹ میں بھوک کی شدت ہوگی اور دونوں خواہشات مصنوعی طور پر لطف ولذت اور غذا سے پیدا کی جاتی ہیں۔ گویا اعضائے جسمانی میں نہ ضرورت کا احساس ہے اور نہ تکمیل بھوک کی ضرورت ہے۔ نتیجہ ظاہر ہے کہ غیر ضروری جذبہ واشتہا پیدا کر کے اس کو پورا کرنا اعضائے انسانی کے لیے بے حد نقصان رساں اور کمزوری کا باعث ہوگا اور اگر یہ عمل کچھ عرصہ قائم رہا تو اس کا

نتیجہ دائمی امراض ہوں گے جو انسان کی موت کو دعوت دیتے ہیں۔ اس لیے خواہشات کی بجائے ضرورت کو مدنظر رکھنا انتہائی لازم ہے، تا کہ انسان اپنی لمبی زندگی کو صحت اور خوشحالی سے گزار سکے۔ یہی اعتدال ہے۔

جنسی بھوک کی شدت کے لیے تین امور انتہائی ضروری ہیں: اول صحت ہر اعتبار سے درست ہے۔ دوم پیٹ کی بھوک میں شدت۔ سوم مقابل جنس کا دل پسند ہونا خصوصاً مردوں کے لیے انتہائی ضروری ہے۔

اول جہاں تک صحت کے ہر اعتبار سے درست ہونے کا تعلق ہے اس میں صحت مندی کے ساتھ جنسی قوت اور جذبہ کی شدت کا اپنے پورے عروج پر ہونا ضروری ہے۔

دوسرے پیٹ کی بھوک کی شدت کا جہاں تک تعلق ہے یہ امر بھی عام صحت میں داخل ہے۔ یہاں اس کی طرف اشارہ اس لیے ہے کہ اشتہا پیٹ کی شدت جنسی جذبہ میں یقیناً شدت، پیدا کر دیتی ہے۔ جن لوگوں میں مدت تک پیٹ کی اشتہا میں شدت پیدا نہیں ہوتی ان میں جنسی امراض پیدا ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے غریب طبقہ میں اولاد زیادہ ہوتی ہے۔ کیونکہ ان کی غذا بھی ان کی اکثر جسمانی ضرورت پوری نہیں کرتی اور اکثر ان کو پیٹ کی اشتہا تنگ کرتی رہتی ہے۔

سوم مقابل جنس کے دل پسند ہونے کا جہاں تک تعلق ہے، خصوصاً مردوں کے لئے، اس کا اندازہ اس امر سے لگالیں کہ کوئی مرد جب تک جنسی جذبہ کی شدت سے بالکل ہی مغلوب نہ ہو جائے کبھی بھی انتہائی بدصورت و بڑھیا اور غیر دل پسند عورت کے قریب نہیں جائے گا۔ کیونکہ اس کے لیے اس میں لطف ولذت اور کشش کی صورت نہیں ہے۔ اس لیے وہ اس کے جنسی جذبہ میں انتہائی قوت وصحت کے باوجود شدت پیدا نہیں کر سکتیں۔ یہی وجہ ہے کہ بعض مرد باوجود ہر اعتبار سے صحت مند ہونے کے اس قسم کی عورتوں کے لیے اپنے اندر کوئی جنسی قوت اور جذبہ نہیں پاتے اور اپنے آپ کو جنسی طور پر کمزور یا ناکارہ خیال کر لیتے ہیں۔ ایسے اتفاق کے بعد وہ ہر عورت کے مقابلے میں ایسا یقین کرتے ہوئے اپنے آپ کو جنسی قوت کی خرابی کا مریض خیال کر لیتے ہیں۔

اس غیر دل پسند کی ایک صورت یہ بھی پیدا ہو جاتی ہے کہ شادی سے قبل ظاہری شکل وصورت میں لڑکی اور لڑکے میں کشش ہوتی ہے لیکن شادی کے بعد ذہنی طور پر کوئی مناسبت نہیں ہوتی اور دونوں میں سے کسی ایک کو نفرت پیدا ہوتی ہے۔ اس کا نتیجہ دو تہذیبوں کا تصادم ہے، چاہے وہ اعلیٰ طبقہ کی تہذیبیں ہوں یا ان کا تعلق مختلف اقوام اور ممالک سے ہو، ہر حال میں اختلاف کی صورت پیدا ہو جاتی ہے۔ اس سے بھی زیادہ خوفناک صورت یہ ہوتی ہے کہ بعض مرد کی معاشی ومعاشرتی تہذیبی وتمدنی علمی وفنی اور سیاسی وعمرانی زندگی میں درجہ بدرجہ ترقی ہو جاتی ہے یا تنزلی ہو جاتی ہے، پہلی صورت میں مرد پریشان ہوتا ہے اور دوسری صورت میں عورت مشکل میں پڑ جاتی ہے۔ اس سے زیادہ دردناک صورت یہ پیدا ہو جاتی ہے کہ شادی کے بعد مرد یا عورت کسی خوفناک جسمانی مرض میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ مثلاً جذام و آتشک، ماس خورہ اور سل ودق وغیرہ۔ ایسی صورت میں دونوں میں جنسی جذبہ کی تسکین کی بجائے ایک دوسرے سے جدا ہونے کی کوشش پیدا ہو جاتی ہے۔ یعنی روح ونفس پر خوف کی صورت میں غالب ہو جائے تو جنسی جذبہ ختم ہو جاتا ہے۔

جناب منٹو نے ایک اسی قسم کا افسانہ لکھا ہے کہ ایک لڑکے نے ایک لڑکی کو گھر کی کھڑکی سے دیکھا۔ محبت بڑھ گئی۔ راز و نیاز خط و کتابت سے ہوتے رہے۔ اسی طرح فیصلہ کر کے کسی دوسرے شہر میں بھاگ گئے۔ جب وہ دونوں کسی تسکین کی جگہ مل کر بیٹھے اور جب منہ ایک دوسرے کے قریب ہوئے تو لڑکے پر ایک خوفناک تعفن کے بھبھوکے کا حملہ ہوا۔ یہ بدبو کا بھبھوکا لڑکی کے منہ سے نکلا تھا جو ماس خورہ کی شدید علامت ہے۔ اس کے بعد لڑکے نے اس سے کوئی بات نہیں کی بلکہ اس کو وہیں چھوڑ کر اپنے گھر واپس بھاگ گیا اور لڑکی دیکھتی رہ گئی۔

ایسی صورت میں جنسی جذبہ کی تسکین کا سوال ہی پیدا نہیں۔ گویا جنسی جذبہ میں دل پسندی انتہائی اہم شے ہے۔ لیکن اسلام ایسے ظلم کی اجازت بھی نہیں دیتا کہ غیر دل پسند کی اصلاح نہ کی جائے اور اسے فوراً چھوڑ دیا جائے۔ بلکہ اس کا فرض ہے کہ حتی المقدور اس کی خدمت کرے اور اگر مرد کو دوسری بیوی کی ضرورت ہو تو کر لے اور پہلی کی نگرانی بھی اپنے ذمہ سمجھے۔ اگر وہ اس کی نگرانی میں رہنا پسند کرے۔ اس اہم مسئلہ کو قرآن حکیم نے اس طرح بیان کیا ہے: ﴿ فانکحوا ما طاب لکم من النساء مثنٰی و ثلث و ربع ﴾ پس نکاح ان عورتوں سے کرو جو تم کو دل پسند ہوں، (ضرورت کے مطابق) دو دو، تین تین اور چار چار بھی رکھ سکتے ہو۔

چار نکاح پر وہی لوگ اعتراض کرتے ہیں جو قرآن حکیم کی نکاحی بندشوں کو نظر انداز کرنا نہیں جانتے۔ جب انسان کے عدل اور اس کی ضرورت کا سوال سامنے آتا ہے تو ایک بیوی کے صحیح حقوق ادا کرنا ہر آدمی کا کام نہیں ہے۔ اس میں سب سے بڑی بات قوانین خداوندی کے خوف و جرأت اور استقامت کی ضرورت ہے۔

یہاں ایک اہم نکتہ ذہن نشین ہونا چاہیے کہ جہاں تک بشری ضروریات کا تعلق ہے، وہاں پر عورت اور مرد کے حقوق برابر ہیں۔ لیکن جہاں تک تنظیمی معاملات کا تعلق ہے مرد کو عورت پر فوقیت حاصل ہے ﴿ الرجال قوامون علی النساء ﴾ ''مرد عورتوں پر ناظم ہیں''۔ مرد کی طاقت عورتوں سے چار گنا ہے۔ شہادت کے لیے جہاں پر ایک مرد کافی ہے وہاں دو عورتوں کا ہونا لازم ہے۔ وہ اپنی عورتوں کا نان ونفقہ اور مہر ادا کرتا ہے۔ یہ ملکیت کی علامت ہے۔ اولاد ہمیشہ مرد کی تسلیم ہوتی ہے۔ عورت میں قوت مفعولہ اور مرد میں فاعلہ ہوتی ہے۔ مرد جب چاہے طلاق دے دے اور دوسرا نکاح کر لے، مگر عورت طلاق نہیں دے سکتی خلع کر سکتی ہے۔ پھر دوسرا نکاح بھی چار ماہ سے قبل نہیں کر سکتی۔ مرد کی جائیداد سے عورت نصف کی مالک نہیں ہے بلکہ اسے آٹھواں حصہ ملتا ہے۔ عورت پر مرد کی فرمانبرداری اور اس کے مال کی حفاظت لازم ہے۔ عورت پر شرعی طور پر مرد کی نسبت سے پابندیاں ہیں۔ تنہا حج پر نہیں جا سکتی۔ اذان نہیں دے سکتی۔

ان حقائق سے ثابت ہوتا ہے کہ مرد کا مقام عورت سے بہر حال جدا ہے۔ کیونکہ دونوں کی تخلیق بالکل مختلف ہے۔ اس لیے جنسی تعلقات اور ضروریات میں ان امور کو مدنظر رکھنا انتہائی اہم ہے۔

زندگی کے لازمی اسباب

ہر زندگی کے لیے وہ انسانی ہو یا حیوانی اس میں اسباب زندگی لازمی ہیں جن میں: (۱) ہوا اور روشنی (۲) کھانا پینا (۳) حرکت و سکون جسمانی (۴) خواہشات نفسانی (۵) نیند اور بیداری (۶) استفراغ و احتباس ضروری امور ہیں۔ یہ ایسے قوانین اور صورتیں ہیں جن سے زندگی کا تعلق کائنات سے بھی پیدا ہو گیا ہے۔ انہی کو اسباب زندگی کہا جاتا ہے۔ طبی اصطلاح میں ان کو اسباب ستہ ضرور کہتے ہیں۔ ان میں جب کمی بیشی واقعہ ہوتی ہے تو اس کی وجہ سے بدن انسانی میں جو حالت پیدا ہوتی ہے اس کو مرض کا نام دیا جاتا ہے۔

یہ چھ اسباب ضرور یہ دراصل عملی حیثیت میں تین صورتیں اختیار کر لیتے ہیں: اوّل جسم کے لیے غذائیت مہیا کرنا جیسے ہوا اور روشنی اور ماکولات (مشروبات) ہیں۔ دوسرے جسم میں غذائیت کو ہضم کر کے جزو بدن بناتے ہیں، جیسے نیند اور بیداری۔ تیسرے جسم کے اندر غذائیت ایک مقررہ وقت تک قائم رکھتے ہیں، تاکہ جزو بدن بن جائے اور جب ان کی ضرورت نہ ہو تو اس کو خارج کر دے۔ ان کو احتباس اور استفراغ کہتے ہیں۔

غذائیت زندگی

غذائیت میں ہوا اور روشنی کے ساتھ ہر قسم کی وہ اشیاء شامل ہیں جو کھانے پینے میں استعمال ہو سکتی ہیں۔ جن میں ادویہ اور زہر بھی شامل ہیں۔ ان کے متعلق یہ امور ذہن نشین کر لیں کہ وہ سب جسم میں صرف غذائیت نہیں کرتیں بلکہ جسم بھی بناتی ہیں اور جسم کو متاثر بھی کرتی ہیں اور اس کے ساتھ بدل ماتحلل کی تکمیل بھی ہوتی ہے۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ غذا حرارت غریزی اور رطوبت غریزی کی مدد کرتی ہے۔

ان حقائق سے ثابت ہوا کہ غذائیت کی ضرورت ذیل کی صورتوں میں لازم ہے: ① غذائیت سے اخلاط خصوصاً خون پیدا ہوتا ہے۔ ② غذائیت سے کیفیات بنتی ہیں۔ ③ غذائیت سے جسم کی تعمیر ہوتی ہے۔ ④ جو کچھ جسم انسانی میں کسی حیثیت میں خرچ ہوتا ہے وہ پھر مکمل ہوتا ہے۔ ⑤ غذائیت سے حرارت غریزی کو مدد ملتی ہے۔ ⑥ غذائیت سے رطوبت غریزی قائم رہتی ہے۔ غذا کی ضرورت کی ایک دلیل یہ ہے کہ جس طرح تیل چراغ کی بتی میں خرچ ہوتا ہے اور جلتا ہے اسی طرح انسان اور حیوان کے بدن کی حرارت اور رطوبت بھی خرچ ہوتی ہے۔ بالکل چراغ کے تیل اور بتی کی طرح جب وہ دونوں خرچ ہو جائیں تو وہ بجھ کر رہ جاتا ہے۔ اسی طرح حرارت اور رطوبت کے فنا ہو جانے سے انسانی زندگی کا چراغ بھی گل ہو جاتا ہے۔ پس حرارت اور رطوبت انسانی جو انتہائی ضروری اور لابدی اشیاء ہیں ان کا بدل اور معاوضہ ہونا لازمی امر ہے تاکہ حرارت غریزی اور رطوبت غریزی فوراً جل کر فنا نہ ہو جائیں۔ اس لیے غذائیت ایک انتہائی ضروری اور لابدی شے ہے۔ اس لیے اس کی طلب اور تقاضا ایک ضروری اور غیر شعوری حالت ہے۔

انسان کے جسم کی حرارت غریزی اور رطوبت غریزی کی مثالیں چراغ کی بتی اور تیل کی سی ہیں جو چراغ کے جلنے کو قائم رکھتے ہیں۔ کبھی بتی جل جانے سے چراغ بجھ جاتا ہے اور کبھی تیل خرچ ہو جانے سے دیا گل ہو جاتا ہے۔ یہی صورت جسم انسان میں پائی جاتی ہے حرارت غریزی اور رطوبت غریزی کی حفاظت کی جائے تو نہ صرف انسان اپنی طبعی عمر کو پہنچتا ہے بلکہ امراض سے بھی محفوظ رہتا ہے اور اس کے قویٰ اور طاقتیں قائم رہتی ہیں۔

اس حقیقت سے اکثر انسان ناواقف ہیں کہ حرارت کیسے پیدا ہوتی ہے اور رطوبت کیسے قائم رہتی ہے۔ عام طور پر یہی ذہن نشین کر لیا گیا ہے کہ جو غذا بے وقت کھائی جائے اور وہ ضرور خون اور طاقت بن جاتی ہے۔ زیادہ سے زیادہ گرم یا مرغن اغذیہ کھا لینا کافی ہیں۔ لیکن ایسی باتیں حقیقت سے بہت دور ہیں۔ اگر اتنا سمجھ لینا کافی ہوتا تو ہر آدمی انتہائی صحت مند ہوتا اور ان میں کوئی مریض نظر نہ آتا۔ بلکہ اگر غور سے دیکھا جائے تو امیروں میں مریض زیادہ ہوتے ہیں اور بھوکے فقیروں میں غریبوں میں تو مریض خصوصاً پیچیدہ امراض کے مریض مشکل سے نظر آتے ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ صرف غذا کا کھا لینا ہی صحت اور طاقت کے لیے کافی نہیں بلکہ اس کے لیے کچھ اصول بھی مقرر ہیں تاکہ وہ غذا جسم میں جا کر مناسب طور پر حرارت اور رطوبت کی صورت و شکل اختیار کرے اور خرچ ہو۔ ایسا نہ ہو کہ بجائے مفید و معاون اثرات کے مضر اور غیر معاون ثابت ہو کر مرض یا فنا کا باعث بن جائے۔ یہی صحیح غذا کے استعمال اور غذائیت سے مفید اثرات حاصل کرنے کا راز ہے۔

طاقت غذا میں ہے

جاننا چاہئے کہ انسانی جسم میں طاقت خصوصاً مردانہ کے کمال کا پیدا کرنا صرف مقوی اور اکسیر ادویات پر منحصر نہیں ہے۔ کیونکہ صرف

ادویات تو ہمارے جسم کے اعضاء کے افعال میں تحریک وتقویت اور تیزی پیدا کرسکتی ہیں، لیکن وہ جسم میں بذات خود خون وگوشت اور چربی نہیں بن سکتیں۔ کیونکہ یہ کام اغذیہ کا ہے۔ پس جب تک صحیح اغذیہ کے استعمال کو اصولی طور پر مدنظر نہ رکھا جائے تو اکسیر سے اکسیر مقوی ادویہ بے سود ثابت ہوتی ہیں۔ اگر ان کے مفید اثرات ظاہر بھی ہوں تو غلط اغذیہ سے بہت جلد ان کے اثرات ضائع ہو جاتے ہیں۔

حصول قوت میں اغذیہ کی اہمیت کا اندازہ اس امر سے لگائیں کہ حکماء اور اطباء نے تقویت کے لیے جو ادویات تجویز کی ہیں ان میں عام طور پر اغذیہ کو زیادہ سے زیادہ شامل کیا ہے۔ مثلاً حلوہ جات وحریرہ جات اور مربہ جات وخمیرہ وغیرہ۔ ان سے بھی زیادہ تیز قسم کی اغذیہ کو ادویہ میں تبدیل کرنے کی صورت میں ماء اللحم دوآتشہ اور قسم قسم کی شرابیں شامل کر لی گئی ہیں اور کسی جگہ بھی اغذیہ کے اثرات کو نظرانداز نہیں کیا گیا۔ یہی فن طب قدیم کا کمال ہے۔

ہم روزانہ زندگی میں بھی جو پلاؤ، زردہ اور متنجن وفرنی وغیرہ چاول کی شکل میں استعمال کرتے ہیں، یہ سب کچھ اغذیہ کی ادویات سے ترتیب دے کر ان میں تقویت پیدا کی گئی ہے۔ اسی طرح سوجی کی بنی ہوئی سویاں، ڈبل روٹی، حلوہ حریرہ اور پراٹھے یہ سب کچھ طاقت کو مدنظر رکھ کر اطباء اور حکماء نے ترتیب دیئے ہیں۔ البتہ ان کے صحیح مقام استعمال کو جاننے اور مدنظر رکھنے کی ضرورت ہے۔ فرنگی طب میں یہ خزانے اور کمال کہاں ہیں۔ وہاں طاقت کی ادویہ میں اغذیہ کا تصور تک نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج تک ہمارے ملک میں طاقت کے لیے فرنگی ادویات کا تصور تک نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے ملک میں طاقت کے لیے فرنگی ادویات کی طرف رجوع ہی نہیں کیا گیا۔ بلکہ ان کی ادویات کو خشک سمجھ کر نقصان رساں سمجھا جاتا ہے۔ کیونکہ فرنگی طب کی اکثر ادویات تیزابیت اور زہر ہوتی ہیں۔ اس سے انسانی اعضائے رئیسہ کو غذائیت کے بجائے نقصان پہنچتا ہے اور اکثر ضعف ونقاہت اور کمی خون کے امراض پیدا ہو جاتے ہیں اور انسان ہمیشہ کے لیے مریض بن کر رہ جاتا ہے۔

غذا سے طاقت کی پیدائش

صرف غذا لینے سے طاقت پیدا نہیں ہوتی۔ بلکہ حقیقی طاقت اس وقت پیدا ہوتی ہے جب غذا کھا لینے کے بعد صالح اور مقوی خون بن جائے۔ صالح اور مقوی خون میں حرارت اور رطوبت ہوتی ہے جو حرارت غریزی اور رطوبت کی مدد کرتی ہے۔ حرارت غریزی اور رطوبت غریزی کا صحیح تصور و پیدائش، افعال واثرات اور خواص وفوائد کچھ وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں جنہوں نے قرآن حکیم میں مختلف مقامات پر ربوبیت اور رحمت کی حقیقت واہمیت افعال واثرات اور خواص کو ذہن نشین کرنے کی کوشش کی ہے تاکہ انسان میں یہ شوق وجذبہ پیدا ہو اکہ وہ بھی ایک ربانی شخصیت بن جائے۔ بہرحال یہ اگر کسی کے لیے سہل کام نہیں ہے تو کم ازکم اس قدر ہی سمجھ لے کہ صحت اور طاقت کا دارومدار صالح اور مقوی خون پر ہے اور اس خون سے بدن انسان کو ہر قسم کی غذائیت اور قوت مل سکتی ہے اور ہماری غذا میں وہ تمام اجزا شامل ہوتے ہیں جن سے صحت مند اور صالح خون پیدا ہوسکتا ہے جو انسان میں غیر معمولی طاقت پیدا کردے بلکہ وہ طاقت اس کو شیر کے مقابلے میں کھڑا کرسکتی ہے۔ اس کے مقابل میں ہم پہلوان کو دیکھ سکتے ہیں جو کبھی کوئی دوا کھا کر پہلوان نہیں بنتے بلکہ صرف غذا کھا کر ہی پہلوان بنتے ہیں۔ البتہ اس کو اس بات کا علم ہوتا ہے کہ وہ کیسی غذا کھائیں اور اس کو کس طرح ہضم کریں۔

غذا اور طاقت

یہ حقیقت ذہن نشین کرلیں کہ دُنیا میں کوئی غذا بلکہ کوئی دوا ایسی نہیں ہے جو انسان کو بلاوجہ اور بلاضرورت طاقت بخشے۔ مثلاً:

دودھ ایک مسلمہ طور پر مقوی غذا سمجھی جاتی ہے لیکن جس کے جسم میں ریشہ اور بلغم اور رطوبات کی زیادتی ہو اس کے لیے سخت مضر ہے۔ گویا جن لوگوں کے اعصاب میں تحریک اور تیزی و سوزش ہو وہ اگر دودھ کو طاقت کے لئے استعمال کریں گے تو ان کا مرض روز بروز بڑھتا جائے گا اور وہ طاقتور ہونے کی بجائے کمزور ہوتے جائیں گے۔ اسی طرح مقوی اور مشہور غذا گوشت ہے۔ ہر مزاج کے لوگ اس سے طاقت حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں لیکن ایک فاضل حکیم جانتا ہے کہ گوشت کا ایک خاص مزاج ہے جس کسی کا وہ مزاج نہ ہو اس کے لئے وہ مفید ہونے کی بجائے مضر ہے۔ مثلاً: لوگوں کے جسم میں جوش خون یا خون کا دباؤ (ہائی بلڈ پریشر) بڑھا ہوا ہو۔ ان کو اگر گوشت خصوصاً بھنا ہوا گوشت کھلایا جائے تو ان کو الٹا کر مارے گا۔ گویا جن لوگوں کے گردوں میں سوزش ہو اس میں گوشت کا استعمال بجائے طاقت دینے کے سخت نقصان دہ ثابت ہوتا ہے۔ تیسری مقوی اور مشہور غذا گھی ہے جو اس قدر ضروری ہے کہ تقریباً ہر قسم کی غذا تیار کرنے میں استعمال ہوتی ہے لیکن جن لوگوں کو ضعف جگر ہو وہ اگر گھی کا استعمال کریں گے تو ان کے ہاتھ پاؤں بلکہ تمام جسم پھول جائے گا اور سانس کی تنگی پیدا ہو جائے گی اور ایسا انسان بہت جلد مر جاتا ہے۔

یہی صورتیں ادویات میں بھی پائی جاتی ہیں۔ دُنیا میں کوئی ایسی دوا مفرد یا مرکب نہیں ہے جس کو بلاوجہ اور بلاضرورت استعمال کریں اور وہ طاقت پیدا کرے۔ یہی وجہ ہے کہ آج جبکہ فن علاج کو دُنیا میں پیدا ہوئے ہزاروں سال گزر چکے ہیں کوئی حاذق اور فاضل حکیم بلاوجہ اور بغیر ضرورت کسی ایک دوا یا غذا کو عام طور پر مقوی (جنرل ٹانک) قرار نہیں دے سکتا، لیکن فرنگی ڈاکٹر اور ان کے دیکھا دیکھی اطباء بھی عام مقوی (جنرل ٹانک) یا خاص مقوی (سپیشل ٹانک) کے نام سے فروخت کر رہے ہیں۔ یورپ کی پیٹنٹ مقوی ادویات نہ صرف ہمارے ملک کے کروڑوں روپوں کو برباد کر رہی ہیں بلکہ بہت ہی خطرناک امراض پیدا کر رہی ہیں جن کا استعمال فوراً بند کر دینا چاہئے۔ ہمارے ملک میں ٹی بی (تپ دق وسل)، ذائبیٹیز (ذیابیطس) اور جوش خون (ہائی بلڈ پریشر) وغیرہ امراض اس قدر بڑھ گئے ہیں کہ سرکاری اعداد و شمار کے مطابق لاکھوں افراد ہر سال ان میں گرفتار ہو جاتے ہیں اور مر جاتے ہیں لیکن کوئی فرنگی ڈاکٹر حکومت کو ان مقوی پیٹنٹ ادویات سے روکنے کا مشورہ نہیں دیتا۔ اس طرح دولت کے ساتھ ساتھ قوم اور ملک کا نقصان ہو رہا ہے۔

غذا کھانے کا صحیح طریقہ

میں نے تقریباً سالہا سال کے طبی مطالعہ اور تجربات میں کوئی ایسی کتاب نہیں دیکھی جو صحیح اور عوامی طریق پر انسان کو غذا کھانے کے اصول بتائے۔ اس میں طب یونانی کے ساتھ ویدک کتب اور فرنگی طب کے ساتھ ماڈرن میڈیکل سائنس کی وٹامن تھیوری تک شریک ہیں لیکن قرآن حکیم ہی ایک ایسی کتاب ہے جو صحیح اور عوامی طریق پر غذا کھانے کا انسان کو صحیح طریقہ بتاتی ہے۔ میں یہ بات اپنے مذہب، ایمان اور عقیدہ کی بنا پر نہیں کہتا بلکہ علم وفن اور سائنس کو مدنظر رکھ کر کہتا ہوں جس کو میری اس بات میں مبالغہ معلوم ہو اس کو چیلنج ہے کہ قرآن حکیم کے سیدھے سادے اور یقینی طریق غذا کے استعمال کو دُنیا کی کسی طبی یا سائنسی کتاب سے نکال کر دکھا دے۔ میں اس شخص کی عظمت کو تسلیم کر لوں گا۔ ایک بات میں یہاں اور بیان کر دوں کہ میں نے گزشتہ تیس سالوں میں کسی اسلامی قانون کو اس وقت تک تسلیم نہیں کیا جب تک اس کی حکمت و سائنس اور نفسیات کے قانون کو پرکھ نہیں لیا۔ البتہ بعض مقامات پر دُنیا کی حکمت و سائنس اور نفسیات کے اُصول غلط ہو جاتے ہیں لیکن قرآن حکیم کے قوانین اور سنت النبی ﷺ میں کوئی فرق نہیں آتا۔ حقیقت ہی قانون ہے۔

قرآن حکیم فرماتا ہے: ﴿كُلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا﴾ ''کھاؤ پیو مگر بغیر ضرورت کے صرف نہ کرو''۔ کتنی سادگی سے تین باتیں کہہ دی ہیں اور اس میں کھانے پینے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے جس قدر جس کا دِل چاہے کھائے پئے کوئی کمی بیشی کی مقدار مقرر نہیں کی گئی۔ زیادہ

کھانے والے بھی ہوتے ہیں اور کم کھانے والے بھی۔ ہر ایک کو کلی اجازت ہے، مگر تاکید ہے کہ بغیر ضرورت کے کھانا پینا منع ہے۔ اس ضرورت کا اندازہ کون لائے۔ اس کے لئے پیٹ کی طلب ہمارے سامنے ہے۔ یعنی وہ جو کچھ مانگ رہا ہے وہ اس کی ضرورت ہے۔ اس کو بھوک ہے یا جو کچھ کھایا پیا جا رہا ہے وہ صرف ایک خواہش کے تحت کھایا جا رہا ہے۔ اگر بھوک پیاس کے بغیر صرف خواہش اور لذت کے لئے کھایا پیا جا رہا ہے تو پھر یہ اسراف ہے۔ اس کو قرآن منع کرتا ہے۔ بھوک اور پیاس کا اندازہ کون لگائے، اس کا آسانی سے اندازہ روزوں سے لگایا جا سکتا ہے کہ بھوک اور پیاس کیا ہوتی ہے اور اس وقت کتنا کھایا پیا جا سکتا ہے۔ گویا صحیح بھوک اور پیاس کے انداز کے مطابق بھوک ہے اور کھایا پیا جا سکتا ہے تو کھاؤ ورنہ اس سے کم بھوک اور مقدار میں کھاؤ پیو گے تو یہ خواہش اور لذت ہوگی ضرورت نہیں۔

مقدار غذا کا اندازہ

مقدار غذا جو ایک وقت کھانی چاہئے اور شدید بھوک پر بھوک کا اندازہ چاہے وہ تیسرے روز ہی کیوں نہ لگے پیٹ بھرنے سے کر سکتا ہے۔ مثلاً شدید بھوک میں انسان اپنے علاقہ و مقام اور معمول کے مطابق تین عدد روٹیاں یا چپاتیاں یا تھالیاں بھر کر غذا کھا سکتا ہے تو پھر انسان کو لازم ہے کہ جب تک اس قدر کھانے کی ضرورت نہ ہو غذا کو ہاتھ نہ لگائے۔ جو لوگ کم غذا کھاتے ہیں ان کے پیٹ میں پہلے ہی غذا پڑی ہوئی خمیر بن رہی ہوتی ہے۔ اس لئے وہ تھوڑی غذا کھاتے ہیں اور وہ بھی پیٹ میں اس غذا سے مل کر خمیر بن جاتی ہے۔ اس طرح خمیر کے ساتھ تبخیر کا سلسلہ جاری رہتا ہے جو بڑھ کر زہر کی صورت اختیار کر لیتا ہے جس کا نتیجہ مرض اور ضعف کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔

بلاضرورت غذا ضعف پیدا کرتی ہے

عام طور پر اس قول و فعل اور بات و عمل پر سو فیصد یقین پایا جاتا ہے کہ ضرورت و بلاضرورت غذا کھالی جائے تو وہ جسم انسان کے اندر جا کر یقیناً طاقت پیدا کرے گی اور خون بنائے گی۔ اسی یقین کے ساتھ کمزوری اور مرض کی حالت میں بھی یہی کوشش کی جاتی ہے اور مریض کو مقوی غذا دی جاتی ہے لیکن یہ نظریہ اور یقین حقیقت میں غلط ہے کیونکہ بلاضرورت غذا ہمیشہ ضعف اور مرض پیدا کرتی ہے۔ جو لوگ صحت اور طاقت کے متلاشی ہیں ان کو بلاضرورت کھانا تو رہا ایک طرف اس کو ہاتھ لگانے اور دیکھنے سے بھی دور رہنا چاہیے کیونکہ ہر غذا کے چھونے اور دیکھنے سے بھی جسم میں لطف و لذت پیدا ہوتی ہے۔ اس کا بھی جسم پر اثر ہوتا ہے جیسے ترشی کو دیکھ کر منہ میں پانی آ جاتا ہے۔

ہضم غذا

جو غذا ہم کھاتے ہیں اس کا ہضم منہ سے شروع ہو جاتا ہے۔ لعاب دہن اور منہ اور دانتوں کی حرکات و دباؤ اس کی شکل و کیفیت کو بدل کر اس کو ہضم کرنے کی ابتدا شروع کر دیتے ہیں۔ جب غذا معدہ میں اُتر جاتی ہے تو اُس میں ضرورت کے مطابق رطوبت معدی اپنا اثر کر کے اس کو ایک خاص قسم کا کیمیاوی محلول بنا دیتی ہے اور اس کا اکثر حصہ ہضم ہو کر خون میں شامل ہو جاتا ہے اور باقی غذا چھوٹی آنتوں میں اُتر جاتی ہے۔ معدہ کے فعل و عمل میں تقریباً تین گھنٹے خرچ ہوتے ہیں۔ چھوٹی آنتوں میں پھر اس کی رطوبات اور لبلبہ کی رطوبات اور جگر کا صفرا باری باری اور وقتاً فوقتاً شریک ہو کر اس میں ہضم ہونے کی قوت پیدا کرتے ہیں۔ اس عمل و فعل میں تقریباً چار گھنٹے صرف ہوتے ہیں۔ پھر یہ غذا بڑی آنتوں میں اُتر جاتی ہے جہاں اس کے ہضم میں تقریباً چار پانچ گھنٹے صرف ہو جاتے ہیں۔ پھر کہیں جا کر غذا پورے طور پر جگر کے

ذریعے پختہ ہوکر خون میں شریک ہوتی ہے اور خون بنتی ہے۔ لیکن حقیقی معنوں میں غذا پورے طور پر ہضم نہیں ہوتی۔

ظاہر میں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ غذا ہضم ہوگئی ہے کیونکہ وہ خون بن جاتی ہے لیکن طب قدیم میں صحیح معنوں میں غذا اس وقت تک ہضم نہیں ہوتی جب تک وہ خون سے جدا ہوکر جسم پر مترشح ہو اور پھر طبیعت اس کو جذب کر کے جزو بدن بنا دے۔ غذا کو خون بننے تک اگر گیارہ گھنٹے صرف ہوتے ہیں تو جزو بدن ہونے تک تین چار گھنٹے اور خرچ ہو جاتے ہیں۔

غذا کا درمیانی وقفہ

بظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب تک ایک وقت کی کھائی ہوئی غذا خون بن کر جزو بدن نہ ہو اس وقت تک دوسری غذا نہیں کھانی چاہئے کیونکہ جو غذا ہضم ہو رہی ہے اس کی طرف پورے جسم و روح اور خون و رطوبت کی توجہ ہے۔ جب بھی اس ہضم کے دوران میں غذا کھائی جائے گی تو جو توجہ اوّل غذا کی طرف ہے وہ یقیناً نئی غذا کی طرف لگ جائے گی۔ اس طرح اوّل غذا پوری طرح ہضم ہونے سے رہ جائے گی اور جہاں پر رہ گئی ہے وہاں پڑی رہنے سے متعفن ہو جائے گی اور یہ تعفن باعث امراض ہوگا اور یقیناً طاقت دینے کی بجائے ضعف پیدا کرے گی۔ اگر طبیعت دوسری غذا کی طرف متوجہ نہیں ہوگی تو یقیناً وہ بغیر ہضم ہوئے پڑی رہے گی اور متعفن ہو جائے گی۔ اب اصولاً اور فطرتاً پندرہ سولہ گھنٹے اس پر عمل کرنا انتہائی مشکل ہے۔ اس لئے اطباء اور حکماء نے اس وقت کو زیادہ اہمیت دی ہے جس وقت ہضم میں تیزی اور طبیعت کی توجہ زیادہ ہو یہ صورت اس وقت تک قائم رہتی ہے جب تک غذا چھوٹی آنتوں سے بڑی آنتوں میں نہ اُتر جائے۔ اس عرصہ میں تقریباً پانچ سات گھنٹے لگ جاتے ہیں۔ دوسرے معنوں میں اس طرح سمجھ لیں کہ جب تک غذا کے ہضم میں خون کی مختلف رطوبات شامل ہوتی رہتی ہیں اس وقت تک دوسری غذا نہیں کھانی چاہئے کیونکہ اس طرح وہ رطوبات جو ہضم غذا میں شامل ہوتی ہیں رُک جاتی ہیں اور اس طرح وہ خراب اور نامکمل رہ جاتی ہے۔ گویا چھ سات گھنٹے وقفہ ہر غذا کے درمیان لازمی اور یقینی امر ہے ورنہ صحت کا قائم رہنا ناممکن ہے۔

روزہ اور وقفہ غذا

اسلام میں روزہ فرض ہے۔ ہر سال پورے ایک ماہ کے روزے ہر بالغ اور صحیح الدماغ انسان پر فرض ہیں۔ ہر روزہ صبح سورج نکلنے سے تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ پہلے شروع ہوتا ہے اور سورج غروب ہونے کے ساتھ ختم ہو جاتا ہے۔ اس حساب سے روزے کا وقفہ تیرہ چودہ گھنٹے سے پندرہ سولہ گھنٹے بن جاتا ہے۔ اس وقفہ پر اگر غور کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ ہر سال میں ایک ماہ کے روزے رکھنا ہضم غذا کے مکمل نظام کو چلانا اور قائم کرنا ہے۔ اس طرح سارے جسم کی مکمل صفائی ہو جاتی ہے اور خون کیمیاوی طور پر مکمل ہو جاتا ہے اور تمام اعضاء کے افعال اور انسجہ درست ہو جاتے ہیں۔

روزہ اور کنٹرول غذا

روزے میں سب سے زیادہ اہمیت یہ ہے کہ وقت مقررہ کے بعد نہ روزہ رکھا جا سکتا ہے اور نہ وقت مقررہ سے پہلے کھولا جا سکتا ہے۔ گویا روزہ رکھ لینے کے بعد ہر قسم کا کھانا پینا بالکل بند بلکہ کھانے پینے کی چیزوں کو دیکھنا بھی اچھا خیال نہیں کیا جاتا۔ اس لئے دوسروں کو تاکید ہے کہ روزہ دار کے سامنے کھانا اور پینا نہیں چاہئے۔ گویا ماہ رمضان میں غذا پورے طور پر کنٹرول ہو جاتا ہے البتہ مسافر اور مریض کو غذا کی اجازت ہے اور ان کو تاکید ہے کہ وہ اپنے روزوں کی گنتی سکون اور صحت کے زمانے میں پوری کر سکتے ہیں۔

اگر اس حقیقت کو سامنے رکھا جائے کہ قرآن حکیم کا نزول ماہ رمضان میں ہوا تو تسلیم کرنا پڑے گا کہ اسلام کی ابتداء کنٹرول غذا سے

ہوتی ہے اور جو لوگ کنٹرول غذا کرتے ہیں ان کو متقی اور پرہیز گار کہتے ہیں قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''روزے تم پر فرض ہیں جیسے پہلے لوگوں پر فرض تھے تاکہ تم متقی اور پرہیز گار بن جاؤ''۔ جو لوگ جائز اور اپنی حلال کی کمائی اللہ تعالیٰ کی مرضی (کنٹرول) کے بغیر نہیں کھاتے وہ دوسروں کی دولت کی طرف کیسے آنکھ اُٹھا کر دیکھ سکتے ہیں۔ بس یہی تقویٰ اور پرہیز گاری ہے۔

اس تقویٰ اور پرہیز گاری اور اطاعت و رضائے الٰہی کو مدنظر رکھیں اور اس طرح غور کریں کہ ﴿ إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ بلاضرورت خرچ کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔ اللہ تعالیٰ جو تمام طاقتوں کا خالق ہے۔ جس سے ان کی محبت نہ رہے گی تو پھر اس کو طاقت کیسے حاصل ہو سکتی ہے۔ اس لئے غذا میں ضرورت کا احساس اور تصور انتہائی ضروری بات ہے اور عین حقیقت و فطرت ہے۔ باقی رہا غذا کا توازن یعنی کس قسم کی غذا کھانی چاہئے۔ اس کے لئے مزاج و ماحول اور قوت کو مدنظر رکھنا پڑتا ہے۔ یہ سب کچھ بالاعضائی تسلی بخش طریق پر عمل میں آسکتا ہے جس کی تحقیقات علم بالغذا میں بیان کی جاچکی ہے۔

اس حقیقت کو ضرور مدنظر رکھیں کہ کسی قسم کی غذا ہو اس لئے انتہائی ضروری ہے کہ وہ حلال اور طیب ہو جیسے قرآن حکیم میں لکھا ہوا ہے: ﴿ كُلُوا حَلَالًا طَيِّبًا ﴾ حلال سے مراد ہے جس شے پر اللہ تعالیٰ کا نام لیا گیا ہو یا اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق حاصل کی گئی ہو۔ طیب سے مراد ہے کہ اس شے میں نہ صرف خوشبو ہو بلکہ اس میں تازگی بھی ہو۔ یہاں پر یہ مقام قابل غور ہے کہ طیب شے کو حلال کے ساتھ بیان کیا گیا ہے یعنی اگر وہ شے طیب نہیں ہے تو یقیناً نجس ہے جس کا درجہ حرام کے بالکل قریب ہے۔

لازمی اسباب

زندگی کے لازمی اسباب جن کو اسباب ستہ ضروریہ کہا جاتا ان کی عملی حیثیت تین ہیں جیسا کہ لکھا گیا ہے اس کی اوّل صورت جسم کے لئے غذا حاصل کرنا ہے جیسے ہوا، روشنی اور ماکولات و مشروبات وغیرہ۔ ان کا بیان ہو چکا ہے۔ ان کی دوسری عملی صورت جسم میں غذا کو ہضم کر کے جزو بدن بنانے کے لوازم زندگی ہیں۔ یہ اسباب ضروری ہضم غذا میں اس لئے لازمی ہیں کہ اگر حرکت و سکون جسمانی، حرکت و سکون نفسانی اور نیند و بیداری اعتدال پر نہ رہیں تو نہ صرف ہضم غذا میں فرق پڑ جاتا ہے بلکہ صحت میں بھی خرابی پیدا ہو جاتی ہے۔

حرکت و سکون جسمانی اور ہضم غذا

حرکت ایک ایسی صفت کا نام ہے جس سے کوئی جسم یا شے کسی خاص وضع (قیام یا سکون) سے فعل میں آئے۔ درحقیقت اس دنیا میں سکون مطلق کا وجود نہیں ہے، البتہ جب اس کا ذکر کیا جاتا ہے تو اس سے مراد حرکت و سکون نسبتی ہوتا ہے، یعنی جب کوئی جسم بلحاظ دوسرے جسم کے کسی خاص وضع یا حالت میں فعل میں آجاتا ہے تو اس کو حرکت کہتے ہیں۔ بہر حال یہ نسبتی حرکت و سکون اپنے اندر خواص و اثرات رکھتے ہیں۔ جب کوئی جسم حرکت میں آتا ہے تو اس کے ساتھ ہی جسم کا خون حرکت میں آتا ہے اور جسم کے جس حصے کی طرف سے حرکت کی ابتدا ہوتی ہے اس طرف روانہ ہوتا ہے۔ پھر طبیعت اس کو تمام جسم میں پھیلا دیتی ہے۔ اس طرح خون کی تیزی اور شدت بدن کو گرم کر دیتی ہے۔ اس لئے کہا جاتا ہے کہ حرکت جسم میں گرمی پیدا کرتی ہے اور اس کی زیادتی جسم کو تحلیل کر دیتی ہے۔ اس کے مقابلے میں سکون سردی پیدا کرتا ہے۔ اس سے خون کی حرکت میں سستی اور رطوبات میں زیادتی ہو جاتی ہے گویا نسبتاً ہر حرکت، ہر سکون کے مقابلہ میں گرمی و خشکی اور تیزی کا باعث ہوا کرتی ہے۔ اس کے ساتھ ہی خون جسم کے جس حصہ میں پہنچتا ہے، وہاں پر اپنی حرارت سے وہاں کے اعضا میں تیزی اور گرمی پیدا کر کے وہاں کی غذا کو ہضم کرتا ہے اور مواد کو تحلیل کر کے خارج کرتا ہے اور اپنی تیزی سے وہاں کی رطوبات خشک کر دیتا ہے۔

حرکت کا تعلق عضلات سے ہے

اس امر کو بھی ذہن نشین کر لیں کہ جسم انسان میں ہر قسم کے احساسات اعصاب کے ذمہ ہیں جن کا مرکز دماغ ہے اور ہر قسم کی حرکات جو جسم میں پیدا ہوتی ہیں ان کا تعلق عضلات سے ہے جن کا مرض قلب ہے۔ اسی طرح جسم کو جو غذا ملتی ہے اس کا تعلق غدد سے ہے جن کا مرکز جگر ہے، یہی جسم کے اعضائے رئیسہ ہیں۔ جب جسم میں یا اس کے کسی عضو میں حرکت ہوتی ہے تو اس کے ساتھ ہی قلب کے فعل میں تیزی آ جاتی ہے۔ اس کے فعل میں تیزی کے ساتھ ہی وہ جسم کے خون کو جسم میں تیزی کے ساتھ روانہ کرنا شروع کر دیتا ہے، جس کے ساتھ ہی جسم میں حرارت بڑھنا شروع ہو جاتی ہے، جس کے نتیجہ میں ریاح کا اخراج شروع ہو جاتا ہے اور جہاں جہاں پر غیر ضروری رطوبات اور مواد جمع ہوتے ہیں، طبیعت ان کو تحلیل کرنا شروع کر دیتی ہے۔ اس کے ساتھ ہی دوران خون کی تیزی کے ساتھ اس کا دباؤ غدد کی طرف بڑھ جاتا ہے اور وہ جسم کو زیادہ سے زیادہ غذا حرارت کی صورت میں دینا شروع کر دیتے ہیں، جو اس میں شریک ہوتی ہے۔ ساتھ ہی بھوک بڑھ جاتی ہے اور غذا زیادہ سے زیادہ ہضم ہوتی ہے جس کا لازمی نتیجہ خون کی زیادتی و صفائی اور طاقت میں ظاہر ہوتا ہے۔

ان حقائق سے ثابت ہوا کہ حرکت جسم میں حرارت و خون اور قوت و صفائی پیدا کرتی ہے۔ اس کے برعکس سکون سے جسم میں سردی اور کمی خون اور کمی قوت اور زیادتی مواد کا پیدا ہونا لازمی امر ہے۔ بس یہی دونوں صورتوں کا بین فرق ہے۔

حرکت اور حرارت عزیزی

جاننا چاہئے کہ بدن انسان کا یہ کام ہے کہ جو چیز بدن انسان میں از قسم اغذیہ اشربہ وغیرہ خارج سے اور رطوبت و مواد اور اخلاط وغیرہ داخل بدن سے کسی بے محل جگہ یا غیر طبعی حالت سے کسی عضو بدن میں وارد ہوں اس میں حرارت عزیزی اپنا فعل کرتی رہتی ہے چونکہ اس دوام فعل اور محنت سے حرارت غریزی میں ضعف پیدا ہو جانا یقینی امر ہے اور ضعف و کسل وغیرہ افعال کے لاحق ہونے سے اس کے فضلات کی تحلیل سے عاجز و مجبور ہوتی ہے۔ اس وجہ سے تھوڑا تھوڑا مواد اور فضلہ جمع ہو کر کافی مقدار میں حرارت غریزی کو مغلوب کر دیتا ہے۔ اس لئے حرکات کی طلب ضروری ہو جاتی ہے تاکہ اس سے ایک دوسری گرمی پیدا ہو اور اس کی مدد سے طبیعت مواد اور فضلات کو تحلیل کر دے۔ اگرچہ مواد اور فضلات قے و اسہال اور پسینہ کے ذریعہ سے بھی خارج ہو سکتے ہیں مگر ان طریقوں سے ان کا اخراج ضعف جسم کا باعث ہوتا ہے۔ دوسری طرف متعلقہ اعضا میں قوت اخراج کو فطری طور پر کمزور کر دیتا ہے اور یہ مسلسل عمل ہمیشہ کے لئے انسان کو ہلاکت کے قریب کر دیتا ہے اس لئے اس کا علاج حرکات جسم کو متوازن کرنا لازمی امر ہے۔ یہی حرکات کا احتیاج ہے گویا حرکت جسم حرارت غریزی کے لئے بہترین مددگار ہے جو محافظ صحت و قوت ہے۔

تحریک قدرت کا فطری قانون

خداوند حکیم کی حکمتوں میں سے ایک حکمت یہ بھی ہے کہ ضرورت بدن انسان کے لئے ایک تحریک پیدا کی گئی ہے، مثلاً غذا کے لئے بھوک، پانی کے لئے پیاس، نیند کے لئے اونگھ، چونکہ انسانی طبیعت کا اعتدال پر قائم رہنا مشکل ہے اس لئے تحریک میں اکثر کمی و بیشی ہوتی رہتی ہے، اس سے ماکولات و مشروبات اور آرام میں بے اعتدالی پیدا ہو جاتی ہے۔ بس انہی ضروریات کو قائم رکھنے کے لئے یہ تحریکات پیدا کی گئی ہیں۔ پس یہ محرکات فطری طور پر قدرت کی طرف سے پیدا نہ کئے جاتے تو لازمی امر تھا کہ انسان اپنی مطلوبہ ضروریات مذکورہ سے غافل ہو جاتا جس کا نتیجہ لازمی طور پر یہ ہوتا کہ بدن انسان میں خلل واقع ہو جاتا۔ اس سے ہلاکت تک کی نوبت پہنچ سکتی تھی۔ اس لئے جب انسان کی

ان تحریکات میں خلل واقع ہو جائے تو اس کو صحت کی خرابی سمجھنا چاہیئے اور ان تحریکات کو اعتدال پر لانے کی کوشش کرنی چاہئے جس سے نہ صرف صحت قائم رہتی ہے بلکہ طاقت بھی پیدا ہوتی ہے۔

حرکات کی فطری صورت

ضروریات زندگی خصوصاً ماکولات ومشروبات کے لئے انسان میں جو احتیاج پیدا کی گئی ہے اس کے لئے انسان کو لازمی طور پر بھاگ دوڑ اور جدوجہد کرنی پڑتی ہے۔ بس یہی کوشش اس میں فطری طور پر اس کی تحریکات کو بیدار رکھتی ہے، لیکن افراد کو اپنی ضروریات زندگی کے لئے یہ جدوجہد اور کوشش نہیں کرنا پڑی۔ بہر حال ان تحریکات کو تیز کرنے کے لئے حرکات کا کرنا لازمی امر ہے۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے حکماء نے ریاضت اور ورزش کی مختلف صورتیں پیدا کی ہیں تا کہ انسان اپنی تحریکات اور صحت کو قائم رکھ سکیں جو زندگی کے لئے لازم ہیں۔

ریاضت کی حقیقت

ریاضت انسان کے لئے ایک اختیاری حرکت کا نام ہے۔ جیسے ورزش و دوڑ، کھیل کود، سیر وگھوڑ سواری، کشتی لڑنا اور کشتی چلانا۔ اسی طرح ہاتھ پاؤں کی مختلف پے درپے حرکات سے ریاضت کی صورتیں پیدا کی جاتی ہیں۔ اگرچہ عوام وخواص بلکہ ورزش ماسٹر بھی اس علم سے واقف نہیں ہیں کہ مختلف اقسام کی ورزش اور ریاضت سے کس قسم کے اعضاء متاثر ہوتے ہیں، کس عضو کی تقویت کے لئے کس قسم کی ورزش اور ریاضت ضروری ہے۔ کیونکہ لوگ افعال الاعضاء اور تشریح انسانی سے واقف نہیں ہوتے۔ بہر حال عمومی طور پر ریاضت اور ورزش بے حد مفید عمل ہے۔ اگر ورزش یا ریاضت کے متعلق یہ پتہ چل جائے کہ کس قسم کے کھیل ہمارے جسم پر خاص طور پر اعصاب و دماغ، عضلات وقلب اور جگر وگردوں پر اثر انداز ہو سکتے ہیں تو ایسی ریاضت اور ورزش بہت مفید ہوتی ہے۔

حرکت وسکون نفسانی

نفس کی ایسی حرکت جو ضرورت کے وقت کبھی جسم کے اندر اور کبھی جسم کے باہر ظاہر ہو جس کے ساتھ حرارت جسم بھی کبھی اندر کی طرف چلی جاتی ہے اور کبھی باہر کی طرف ظاہر ہوتی ہے۔ اس کو حرکت وسکون نفسانی کہتے ہیں۔ نفس سے مراد نفس انسان ہے۔ جس کو نفس ناطقہ کہتے ہیں جس کا تعلق اور ربط انسان کے قلب سے ہے جو اپنے معانی جزئیہ اور مفہومات کو بذریعہ مختلف قوتوں کے ادراک کرتا ہے۔ پھر اس کی تین صورتیں ہیں: (۱) امارہ- غیر شعور۔ (۲) لوامہ- نیم شعور۔ اور (۳) مطمعنہ- شعور۔

ان کی تفصیل طویل ہے صرف اشارات درج کئے جاتے ہیں۔

حرکت وسکون نفسانی کی ضرورت

یہ محال عقلی ہے کہ کوئی نفس انسانی اس عالم میں فکر زندگی اور آخرت یا ضرورت معاش ومعاشرت یا محبت اولاد یا وصل حبیب یا لطف ولذت سے رغبت یا موذی کا خوف دُکھ یا دُشمن سے خطرہ ونفرت وغیرہ، کیفیات وعوارض کے حصول و دفع کی غرض سے باعث حرکت بدن ہوتے ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ اگر عوارض مذکورہ کا عارض ہونا ضروری ہے تو ان کے ردِعمل سے متاثر ہونا بھی یقینی امر ہے۔ اس سے روح قلب کو تحریک کرے گا اور قلب کی تحریک کے ساتھ خون میں گردش شروع ہو جائے گی جس سے وہ خون شعوری یا غیر شعوری طور پر اپنا شوق اور دفاع

پورا کرے گا۔ پس جو عوارض یا کیفیات اس کے لئے نافع اور بہتر ہوں گے ان کا وہ طالب ہوگا اور ان کا وہ شوق کرے گا اور جو اس کے لئے مضر اور تکلیف کا باعث ہوں۔ اس سے وہ بھاگے گا اور ان کو دفع کرتا رہے گا۔ بس انسان کی ان طلب وفرار اور شوق و دفع حرکات ہی سے ہو سکتی ہے بس انہی کیفیات وعوارض کے ردِّعمل کا نام حرکت وسکون نفسانی ہے۔

نفس بذاتِ خود متحرک نہیں ہے

کہا تو یہ جاتا ہے کہ حرکت وسکون نفسانی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ نفس بذاتِ خود متحرک نہیں ہے بلکہ حرکت قویٰ کو ہی لاحق ہوتی ہے جو بذریعہ ارواح حرکۂ ظہور میں آتے ہیں۔ اس لئے قویٰ متحرک ہیں اور ارواح محرک ہیں۔ ان اعمال سے جن جذبات کا اظہار ہوتا ہے انہی کو ہی حرکت وسکون نفسانی کہتے ہیں مگر یہ امر بھی یہاں ذہن نشین کر لیں کہ روح سے ہماری مراد روح طبی ہے جس کا حامل خون ہے۔ کوئی حرکت بھی بذاتِ خود نہیں ہوتی بلکہ حسب ضرورت اور ارادہ نفس ناطقہ سے ہوتی ہے جس طرح کوئی مشین خود بخود متحرک نہیں ہوتی جب تک کہ اس کو حرکت دینے والا کوئی نہ ہو، اس لئے یہاں حرکت وسکون کا لفظ مجازاً ہی استعمال کیا جاتا ہے۔

نفس میں حرکت وسکون کی صورتیں

نفس ضرورت کے وقت کبھی جسم کے اندر کبھی جسم کے باہر حرکت کرتا ہے جس کے ساتھ خون اور اس کی حرارت بھی کبھی اندر کی طرف چلی جاتی ہے اور کبھی باہر کی طرف نمایاں طور پر ظاہر ہوتی ہے۔ پھر اس کی تین صورتیں ہیں: ① حرکت کا دفعتاً اور یک لخت اندر یا باہر کی طرف جانا۔ ② آہستہ آہستہ اندر یا باہر کی طرف جانا۔ ③ نفس کا بیک وقت کبھی اندر اور کبھی باہر حرکت کرنا۔

یہ بات یاد رکھیں کہ نفس جس طرف حرکت کرتا ہے وہاں پر دوران خون تیز ہو کر حرارت پیدا کرتا ہے جہاں سے حرکت کر کے جاتا ہے وہاں پر دوران خون کی کمی ہو کر سردی پیدا ہو جاتی ہے۔

یہ امر پھر ذہن نشین کر لیں کہ حرکت وسکون نفسانی دراصل نفس کی حرکت وسکون نہیں ہے کیونکہ نفس اپنا مفاد نہیں بدلتا۔ ایسا صرف مجازاً کہا جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ نفس کے تاثرات اور انفعالات (ردِّعمل) روح طبعی اور خون میں حرکت پیدا کر دیتے ہیں۔ باالفاظ دیگر یہ تاثرات اور انفعالات صالح اور فطرت کے مطابق ہوں تو حامل قوت وصحت اور باعث نشو وارتقائے جسم ہوتے ہیں۔ انہی کو اسلام لفظ دین سے تعبیر کرتا ہے۔

یہ حرکت سکون نفسانی بدن کے لئے ویسی ہی ضروری ہے جیسی حرکت سکون بدن کیونکہ بدنی حرکات کا دارومدار ہوا و ہوس اور خواہشات وجذبات نفسانیہ پر ہے جیسے شوق کے وقت طلب کی حرکت، نفرت کے وقت بیزاری کی صورت، غصے کے وقت چہرے کا سرخ ہو جانا، یہ سب کچھ روح اور خون کے زیر اثر ہوتے ہیں اور اس کے برعکس نفسانی سکون کی ضرورت اس لئے ہے کہ روح اور خون کو نسبتاً آرام حاصل ہو کہ ان میں کمی واقع نہ ہو اور جسم کو تحلیل ہونے سے بچایا جائے۔

جاننا چاہئے کہ نفس جب کسی مناسب یا مخالف شے کا ادارک حاصل کرتا ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ مناسب کو حاصل کرنا اور مخالف سے بچنا چاہتا ہے۔ اس وقت وہ اپنی نفسانی قوتوں کو حرکت میں لاتا ہے اگر اس حرکت وسکون میں تسلسل قائم رہے تو باعث مرض و ضعف اور رفتہ رفتہ باعث موت ہے اور بعض اوقات ان کی یکبارگی شدت دفعتاً زندگی ختم کر دیتی ہے۔ جیسے غم مرگ اور شادیٔ مرگ کی صورتیں ظاہر ہوتی ہیں۔ انسان کے انہی تاثرات اور انفعالات اور خواہشات وجذبات کا مطالعہ اور نتائج سے جو صورتیں پیدا ہوتی ہیں اس کو

علم نفسیات کہتے ہیں۔

نفسانی جذبات کی حقیقت

نفسانی جذبات کو سمجھانے کے لئے اور انتہائی سہولت کی خاطر جس کا ذکر قدیم و جدید بلکہ ماڈرن نفسیات میں بھی نہیں ہے ہم نے ان کو نظریہ مفرد اعضاء کے تحت اعضائے رئیسہ کے مطابق تین حصوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ ہر مفرد عضو (نسیج) کے لئے دو جذبے مخصوص کر دیئے ہیں۔ ان جذبوں میں ایک عضو انبساط سے پیدا ہوتا ہے اور دوسرا انقباض ہے۔ ان کی ترتیب درج ذیل ہیں:

(۱) دِل: عضلات میں انبساط سے مسرت پیدا ہوتی ہے اور انقباض سے غم حاصل ہوتا ہے۔

(۲) دماغ: اعصاب میں انبساط سے لذت پیدا ہوتی ہے اور انقباض سے خوف حاصل ہوتا ہے۔

(۳) جگر: غدد میں انبساط سے ندامت محسوس ہوتی ہے اور انقباض سے غصہ حاصل ہوتا ہے۔

لیکن یہ جاننا بھی انتہائی ضروری ہے کہ جب دِل، دماغ اور جگر (عضلات، اعصاب اور غدد) کے کسی ایک نسیج (ٹشو) میں کسی خاص قسم کی تحریک ہوگی تو باقی دو اعضاء میں بھی کوئی نہ کوئی حالت ضرور پائی جائے گی۔ مثلاً اگر اعصاب میں تحریک ہوگی تو یہ ضروری بات ہے کہ غدد میں تحلیل اور دِل میں تسکین ہوگی۔ گویا اس امر کا لحاظ رکھنا ضروری ہے کہ جب کسی جذبہ کے تحت کسی عضو کا مطالعہ مقصود ہو تو باقی اعضاء کو نظر انداز نہ کیا جائے۔ اس طرح تمام جسم کی حقیقت سامنے آجاتی ہے۔ یہ وہ علم نفسیات ہے جس کے علم سے ماڈرن سائنس اور جدید علم نفسیات بھی بے خبر ہے۔

نفسیاتی اثرات

جسم انسانی پر نفسیاتی اثرات اور انفعالات کی تین مقابل صورتوں کے کل چھ جذبات ہیں:

① مسرت ② غم ③ لذت ④ خوف ⑤ غصہ ⑥ شرمندگی۔

یہ چھ بنیادی جذبات ہیں۔ ان کے تحت ہی باقی دیگر جذبات پائے جاتے ہیں۔ ان کی مختصر تفصیل درج ذیل ہے:

① مسرت میں نفس بغرض حصول شے مرغوب قلب شے خارج بدن کی طرف رفتہ رفتہ متحرک ہوتی ہے۔ بشرطیکہ بے انتہا خوشی کی کیفیت نہ ہو ورنہ یکدم متحرک ہوگی۔ خوشی کی حالت میں چہرہ سرخ ہو جائے گا۔

② غم میں نفس موذی پر قادر نہ ہونے کی وجہ سے رفتہ رفتہ داخل بدن یعنی دِل کی طرف حرکت کرتی ہے اور چہرے کا رنگ زرد ہو جاتا ہے۔

③ لذت کی حالت میں بغرض قیام مرغوب شے اور لطیف نفیس رفتہ رفتہ کبھی اندر اور کبھی باہر کی طرف حرکت کرتا ہے۔

④ خوف نفس موذی کے مقابلے میں نا اُمید ہو کر یکبارگی داخل جسم رجوع کرتا ہے۔ کمی خوف میں یہ عمل رفتہ رفتہ ہوتا ہے اور چہرہ سفید ہو جاتا ہے۔

احتباس واستفراغ

اسباب ستہ ضروریہ کی جو تین صورتیں ہیں یعنی (اوّل) جسم کے لئے غذائیت مہیا کرنا جیسے ہوا اور روشنی اور ماکولات ومشروبات۔ (دوسرے) جسم میں غذائیت کو ہضم کر کے جز و بدن بنانا ہے، جیسے نیند و بیداری اور حرکت وسکون جسمانی و حرکت وسکون نفسانی۔ (تیسرے) جسم کے اندر غذائیت ایک مقررہ وقت تک رکے رہنا ہے تاکہ ہضم ہو کر جز و بدن بن جائے اور جب ان کی ضرورت نہ ہو تو فضلات کی

صورت میں خارج کر دینا۔ ان کو احتباس و استفراغ کہتے ہیں۔

استفراغ کے معنی ہیں مواد اور فضلات کا اخراج پانا اور طبی اصطلاح میں لفظ استفراغ سے ان چیزوں کا بدن سے خارج کرنا مراد ہے تاکہ اگر وہ چیزیں باقی رہ جائیں تو بدن میں طرح طرح کے فساد پیدا ہو کر افعال انسانی سلیم طور سے صادر نہ ہوں۔ اس کے برعکس احتباس کے معنی ہیں۔ غذائی اجزاء اور فضلات کا جسم میں رُکنا اور بوقت ضرورت اخراج نہ پانا دراصل یہ ایک دوسرے فعل کی ضد کا اظہار ہے ورنہ دونوں میں سے کسی ایک لفظ کا ہونا ہی کافی ہے کیونکہ حکیم مطلق نے طبیعت کو بدن کا منتظم مقرر کر کے اس کو تدبیر کا کام سونپ دیا ہے، لہٰذا جب حسب طاقت وہ مناسب راستوں سے فضلات مذکورہ کے دفع پر ہمیشہ سرگرم رہتی ہے لیکن بعض اوقات ایسی رکاوٹیں پیش آ جاتی ہیں کہ اس کے دفع فضلات اور مواد میں کمی بیشی واقع ہو جاتی ہے گویا استفراغ اور احتباس کا اعتدال صحت ہے اور ان میں کمی بیشی کا ہونا مرض میں داخل ہے۔

فضلات کی حقیقت

فضلات دراصل اضافی لفظ ہے۔ حقیقت میں اس کائنات اور زندگی میں فضلات کوئی شے نہیں ہیں۔ جس مواد کی کسی جسم کے لیے ضرورت نہیں ہوتی تو وہ اس کے لیے فضلات بن جاتے ہیں۔ اکثر ایسا ہی ہوتا ہے کہ جسم کے اندر غیر ضروری غذائی اجزا یا مفید مواد کو جب طبیعت قبول نہیں کرتی یا طبیعت کو جن کی ضرورت نہیں ہوتی وہ سب فضلات میں شامل ہیں۔ فضلات سے مراد فاضل شے ہے یعنی جو چیز زائد یا فالتو ہو۔

جو غذا کھائی جاتی ہے تندرستی کی حالت میں جسم کا ایک خاص حصہ جذب کر کے جزو بدن بنا دیتا ہے اور باقی کو فضلات کی شکل میں خارج کر دیتا ہے لیکن اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ فضلات میں جسم انسان کے لیے غذائیت باقی نہیں رہتی بلکہ حقیقت یہ ہے کہ جس قدر اچھی صحت ہوتی ہے اور اعضا مضبوط ہوتے ہیں اسی قدر زیادہ غذائی اجزاء جذب اور جود و بدن بنتے ہیں اور فضلات کم خارج ہوتے ہیں یا بعض اعضاء میں اس قدر تیزی ہوتی ہے کہ وہ غذا کو پورے طور پر ہضم کیے بغیر خارج کر دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جن مریضوں کے اعضاء میں افراط و تفریط اور ضعف ہوتا ہے وہ جتنی بھی زیادہ سے زیادہ غذا کھائیں ان کے اندر طاقت اور خون کی مقدار میں زیادتی نہیں ہوتی۔ سوال غذا کی قلت اور کثرت اور اعلیٰ وادنیٰ کا نہیں ہے بلکہ اعلیٰ درجہ کی صحت اور مضبوط اعضا کا ہے۔ جس سے خود بخود زیادہ غذا ہضم ہوتی ہے اور جزو بدن بنتی ہے جس کا نتیجہ خون کی کثرت اور طاقت کی زیادتی ہوتی ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ بدن کے وجود اور اس کی طاقت کا دارومدار غذا پر ہے کیونکہ خون کی تعمیر اور تکمیل صرف غذا پر ہوتی ہے دوا سے نہیں ہوتی کیونکہ دوا جزو بدن نہیں ہوتی اور نہ ہی خون کا جزو ہے۔ صرف اعضائے جسم میں تحریک اور شدت کا باعث ہوتی ہے۔ جس سے اعضائے جسم اپنے مفید اجزاء خون میں شامل کر کے اس کی تعمیر اور تکمیل کرتے ہیں لیکن غذا کوئی بھی ایسی نہیں ہے جو ساری کی ساری جزو بدن بن جائے اور اس کا فضلہ نہ بنے۔ پھر اگر یہ فضلہ باقی رہے اور اس کا اخراج نہ ہو تو بدن میں فاسد مادے اکٹھے ہو جاتے ہیں اس مواد کو فضلات کی صورت میں خارج ہونا چاہئے تاکہ اس کی جگہ نیا مواد بنے یا مواد سے اس راہ گزر مجاری کو غذائیت اور تقویت حاصل ہو۔ اس لیے استفراغ کی انتہائی ضرورت ہے اور احتباس کی ضرورت اس لیے ہے کہ غذا کچھ عرصہ جسم میں رہے تاکہ اس کا جوہر طبیعت حاصل کر لے۔

استفراغ اور احتباس کا اعتدال صحت اور طاقت کے لیے نہایت ضروری اور مفید ہے۔ استفراغ کی زیادتی بدن میں خشکی پیدا کرتی ہے۔ احتباس کی زیادتی جسم میں فضلات کی زیادتی کی وجہ سے اس کو بوجھل بنا دیتی ہے جس سے اکثر سدے اور تعفن پیدا ہوتا ہے۔

استفراغ کی صورتیں

جسم انسان سے استفراغ کی مندرجہ ذیل تین صورتیں ہیں: ① طبعی فضلات ② غیر طبعی فضلات ③ مفید فضلات۔

طبعی فضلات وہ ہیں جو ہمارے مجاری اور اعضاء سے طبعی طور پر ضرورت کے مطابق خارج ہوتے ہیں جیسے نزلہ، زکام، کان کا میل، آنکھ کے آنسو، لعاب دہن، بلغم، بول، براز، حیض اور منی وغیرہ۔ ان کے اخراج ایک طرف مجاری اور اعضاء جہاں سے وہ گزرتے ہیں ان کو نرم رکھتے ہیں۔ دوسرے وہاں کی سوزش وغیرہ کو دور کرتے ہیں۔ اگر ان کے اخراج میں کمی بیشی واقع ہو جائے تو باعث امراض ہوتے ہیں۔ جب ان میں کمی واقع ہوتی ہے تو ذیل کی صورتوں میں کوئی صورت اختیار کی جاتی ہے:

① مسہلات: بذریعہ دست آور ادویات ناقص اخلاط مواد اور متعفن فضلات کا انسان کے بدن سے خارج کرنا۔ اس کی دو اقسام ہیں؛ اوّل بذریعہ ادویہ مشروبہ یعنی کھانے پینے کی ادویہ۔ دوسرے بذریعہ حقنہ اور عمل احتقان (بذریعہ) پچکاری۔

② مدرات: پیشاب آور ادویات اور آلات وغیرہ کے ذریعے مواد اور فضلات کا اخراج۔

③ تصریحات: بذریعہ پسینہ، حمام یا بھپارہ اور دیگر اعمال سے براہ مسامات بدن سے ردی اخلاط و مواد اور فضلات کا خارج کرنا۔

④ مقیات: قے آور ادویات یا دیگر اعمال کے ذریعے مواد اور فضلات کا خارج ہونا۔

⑤ حجامت: شگاف رگ، پچھنے اور فصد وغیرہ کے ذریعے اخلاط وردی مواد اور فضلات بدن کا انسان کے بدن سے خارج کرنا وغیرہ۔

⑥ انزال: جماع کے ذریعے غیر مفید اخلاط وردی مواد اور فضلات کا بدن سے خارج کرنا وغیرہ۔

غیر طبعی فضلات ایسے ناقص مواد ہیں جو خون سے پیدا ہو جاتے ہیں جن سے خون کا مزاج اور اخلاط یا اس کے عناصر میں کمی بیشی واقع ہو جاتی ہے یا خون رگوں کے اندر یا باہر متعفن ہو جاتا ہے۔ جب ایسے غیر طبعی فضلات رُک جاتے ہیں تو ان کے اخراج کی صورت بھی مندرجہ بالا طریق پر کی جاتی ہے، البتہ ضرورت کے مطابق ادویات بھی استعمال کی جاسکتی ہیں۔

مفید فضلات دراصل یہ فضلات نہیں ہوتے۔ چونکہ جسم سے اخراج پاتے ہیں یا ان کو اخراج پانا چاہیے۔ اس لیے ان کو فضلات کہہ دیا گیا ہے۔ مثلاً جسم میں غیر معمولی کیفیاتی ونفسیاتی اور مادی تحریکات ہو کر مفید رطوبات وخون اور منی کا اخراج پانا جس میں مذی اور ودی بھی شریک ہیں رطوبات کی صورت میں لعاب دہن، آنسو، مذی اور ودی ہیں۔ خون کی صورت میں نفث الدم، قے الدم، نکسیر، خونی زحیر اور بواسیر وغیرہ ہیں۔ منی کی صورت میں جریان واحتلام اور سرعت انزال ہیں۔ کبھی مفید رطوبات وخون اور منی کے اخراج کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ طبیعت کا رجحان اس طرف زیادہ ہو۔ ان چیزوں کی پیدائش بڑھے۔ اس مقصد کے لیے کیفیاتی ونفسیاتی اور مادی تحریکات لطف ولذت اور صحیح و بصر نوازی کے ساتھ ساتھ جذبہ شوق ومحبت کے بھڑکانے سے بھی پیدا کی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ اطباء اور حکماء نے اس کی آخری حد جماع رکھی ہے اور یہی ضرورت عقد اور نکاح ہے۔ استفراغ واحتباس میں یہ اہم مقام ہے۔ اس لیے ہم نے ستہ ضروریہ کا باب قائم کیا ہے۔ جنسی امراض میں عام طور پر یہ سمجھ لیا گیا ہے کہ صرف مجربات ومرکبات کافی ہو سکتے ہیں۔ کوئی شک نہیں کہ مجربات کا علاج بہت بڑا مقام رکھتا ہے، لیکن جب تک اسباب ستہ ضروریہ سامنے نہ ہوں خصوصاً استفراغ واحتباس کی اہمیت کو مدنظر نہ رکھا جائے جنسی امراض کا علاج کیسے ممکن ہو سکتا ہے۔ اگر صرف مجربات تک ہی ممکن ہوتا تو ہر قسم کے مجربات کی کتب اس قدر کثرت ہے کہ مزید مجربات کی ضرورت نہیں ہے۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ طبی دُنیا میں جنسی مجربات کی آج پہلے سے بھی زیادہ طلب ہے۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ مرض کی تشخیص اور صحیح دوا کی تجویز کی آج بھی ضرورت باقی ہے اور وہ لوگ بہت بڑی غلطی پر ہیں جو بغیر تشخیص کے اور بغیر صحیح تجویز کے صرف جنسی مجربات طلب کرتے ہیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ

ہم جنسی امراض کی حقیقت اور ان کے لیے صحیح دوا اور غذا کے اصول اور مجربات پیش کریں گے۔ جس سے ایک معالج کو پوری پوری کامیابی حاصل کرنے میں مدد ملے گی۔

اخراجِ منی میں افراط وتفریط

استفراغ اور احتباس کے بیان میں ہم نے ثابت کیا ہے کہ صحت کے لیے جہاں جسم کے ہر قسم کے فضلات اور مواد کا اخراج اعتدال کے ساتھ ضروری ہے وہاں اخراج منی میں بھی اعتدال از حد ضروری ہے۔ اگر اس اخراج میں افراط وتفریط پیدا ہو جائے تو صحت خراب ہو جاتی ہے، بلکہ بعض اوقات خوفناک امراض پیدا ہو جاتے ہیں۔

اخراج منی کی فطری صورت

اخراج منی کی فطری صورت جائز وحلال اور معروف طریقہ پر جماع ہے۔ جائز صورت عورت کی مرضی، حلال سے مراد نکاح یعنی عقد کرنا اور معاشرہ میں اعلان کرنا ہے اور معروف سے مراد صحیح طریق قربت اور مواصلت ہے۔ اگر فطری صورتیں قائم نہ رہیں تو نفسیاتی طور پر ذہن وروح اور قوت پر برے اثرات پیدا ہوتے ہیں۔ دماغ ودل اور جگر متاثر ہوتا ہے۔ جس کے لازمی نتیجہ کے طور پر جسم متاثر ہوگا اور مختلف قسم کے اثرات پیدا ہوں گے۔ جب انسان غیر فطری حرکات کرتا ہے تو فوراً نفسیاتی طور پر روح وذہن اور قوت متاثر ہوگی۔

فطری اخراج منی کے فوائد

یونانی اطباء منی کو چوتھے ہضم کا فضلہ کہتے ہیں۔ اگر یہ فضلہ ایک مدت تک اخراج نہ پائے تو بہت فساد کا باعث ہوتا ہے۔ اس لیے فطری طور پر اس کا اخراج موجب صحت روح ونفس اور جسم ہے۔ ساتھ ہی جسم میں ہلکا پن اور بھوک میں شدت پیدا ہو جاتی ہے۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ عشق ومحبت میں گرفتار نہیں ہوتا۔ اس طرح معاشرہ بے شمار خرابیوں سے بچ جاتا ہے۔ **جمہور اطباء کا اس پر اتفاق ہے کہ فطری اخراج منی سے شباب قائم اور درازی عمر نصیب ہوتی ہے۔** ماڈرن سائنس کی تحقیقات نے بھی ثابت کر دیا ہے کہ غیر شادی شدہ لوگ شادی شدہ لوگوں سے جلد بوڑھے ہو جاتے ہیں اور اگر ایک سے زیادہ شادی کرنے والوں کے اعداد وشمار حاصل کیے جائیں تو یقیناً ان کا شباب اور عمر دونوں طویل ہوں گے۔ کیونکہ فطری اخراج منی میں جو لطف ولذت دماغ اور سرور وفرحت دل کو پہنچتی ہے وہ دنیا کی کسی شے سے نہیں پہنچ سکتی۔ اسی کے حصول کے لیے لوگ محنت کرتے ہیں اور دولت کماتے ہیں جس سے وہ اس دنیا میں جنت نما باغ ومحلات قائم کر کے اس سے دماغ میں لطف ولذت اور دل میں سرور وفرحت حاصل کرتے ہیں لیکن اگر اس فطری اخراج منی میں افراط وتفریط پیدا ہو جائے تو دونوں صورتوں میں نقصان اور امراض پیدا ہو جاتے ہیں۔

منی میں رکاوٹ کی خرابیاں

آیورویدک میں منی کے اخراج کو کبھی بھی اچھا نہیں سمجھا گیا۔ وید صاحبان اور یوگی اس کے اخراج کی کمی کی اجازت بھی نہیں دیتے۔ کیونکہ وہ اس کو ضروری خیال نہیں کرتے۔ ان کا خیال ہے کہ منی دوبارہ جسم میں خرچ ہو جاتی ہے۔ لیکن ایسا خیال کرنا غلط ہے۔ کیونکہ منی جب فضلہ کی صورت اختیار کر لے تو وہ کبھی جزو بدن نہیں بن سکتی۔

یاد رہے کہ فضلہ کبھی بھی جزو بدن نہیں بن سکتا۔ باوجودیکہ وید، یوگی اور مادھو، رشی منی کے اخراج کی اجازت نہیں دیتے لیکن مادھو رشی

لکھتے ہیں کہ منی کے زور کو روکنے سے مثانہ میں سوجن، مقعد اور چالوؤں میں درد ہوتا ہے۔ پیشاب تکلیف سے آتا ہے اور ساتھ ہی جریان منی اور اسی قسم کے بے شمار امراض پیدا ہو جاتے ہیں۔ لیکن بعض ویدوں نے تشریح کی ہے کہ ماد ھورشی منی کے زور کو روکنا کچھ اور مانتے ہیں۔ فرض کریں کہ ایک شخص مواصلت کر رہا ہے اور انزال ہوتے ہی اس کو روک لیتا ہے یا رات کو احتلام ہوتے ہوئے منی روک لیتا ہے اور اس طرح امراض کا باعث بنتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ منی کے اخراج کو روکنے سے چاہے وہ کسی مقام اور اخراج پر روکی جائے، یقینی امر ہے کہ خوفناک امراض پیدا ہوں گے۔ اس سے مردوں میں پاگل پن اور عورتوں میں سوزش اور ورم رحم کے ساتھ تپ دق اور سل پیدا ہو جاتا ہے۔ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ منی غذا کا عطر اور جسم کا جوہر ہے۔ اس میں تمام اعضائے جسم کا اثر ہوتا ہے۔ کیونکہ اس سے آئندہ نسل کا قیام عمل میں آتا ہے اور خلقت قائم رہتی ہے۔ اس لیے جو لوگ جوش شہوت کے وقت جو قدرتی بات ہے اخراج کو روکتے ہیں وہ طرح طرح کے امراض میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ اس میں ایک قسم کا تعفن پیدا ہو جاتا ہے جس کے اثرات دل و دماغ اور جگر کو نقصان پہنچاتے ہیں۔ جن سے درد، ضعف بصارت، خفقان، کم بھوک، مالیخولیا، بے خوابی، اختناق الرحم اور ذیابیطس جیسے خوفناک امراض پیدا ہو جاتے ہیں۔

مجرد زندگی

آج کل یورپ و امریکہ میں مردوں اور عورتوں میں مجرد زندگی کا رجحان بڑھ رہا ہے۔ اس کا سبب عورتوں میں خود مختارانہ زندگی ہے۔ کیونکہ عورتیں گھریلو زندگی سے نکل کر کاروباری زندگی میں داخل ہو گئی ہیں۔ بلکہ حکومت کے اعلیٰ عہدوں، ممبران اسمبلی و پارلیمنٹ اور وزارت تک کے عہدوں پر پہنچ گئی ہیں۔ ان کی آمدنی اس حد تک معقول ہے کہ ان کو ضروریات زندگی میں مردوں کی محتاجی نہیں رہی۔ اس لیے ان میں مجرد زندگی کی بیماری پھیل رہی ہے۔ انہی عورتوں کے مقابلے میں مردوں میں مجرد رہنے کا مرض اس لیے زور پکڑ رہا ہے کہ وہ اس قسم کی مادر پدر اور مذہب و معاشرے سے آزاد اور خود مختار عورتوں سے تنگ ہیں اور ان کی قید اور سختی میں رہنا پسند نہیں کرتے۔ اس لیے مجرد زندگی کی تحریک تیزی سے چل رہی ہے۔ اب تو یورپ و امریکہ میں مجرد لوگوں کے کلب اور سوسائٹیاں بن رہی ہیں۔

اس مجرد زندگی کے نتیجہ میں آزادانہ طور پر بدکاری پھیل رہی ہے اور یہ بدکاری عوامی زندگی سے زیادہ کاروباری زندگی میں پھیل رہی ہے جہاں پر عورت مجبور اور پابند ہے۔ شہرت و ترقی اور دولت بلکہ ہر نفع بخش کام کی خاطر ہر قسم کے جذبات سے گزر جاتی ہے۔ وہ اس میں کامیاب ہو یا نہ ہو لیکن حرامی بچوں کی کثرت ہو رہی ہے۔ جس کا اس قدر بوجھ پیدا ہو گیا ہے کہ حکومت کو نئی وزارت قائم کرنا پڑی ہے۔ لیکن حکومت نے نہ مجرد زندگی پر پابندی عائد کی ہے اور نہ ہی عورتوں کو کاروباری زندگی سے دور رکھنے کی کوشش کی ہے۔ جس سے بے راہ روی اور حرامی بچوں کے مسائل حل ہوتے نظر نہیں آتے۔ اس سے ایک نئی تہذیب پیدا ہو رہی ہے جس سے اخلاقی قدریں بدل گئی ہیں اور شرافت اور خودداری کو جہالت اور وحشت کہا جا رہا ہے۔

تعجب ہے کہ قانون قدرت کے معیار کو تسلیم کر کے بھی بعض ممالک کی حکومتیں مجرد کو خلاف فطرت نہیں سمجھتیں اور مجرد زندگی کو مقابل زندگی سے اعلیٰ اور قابل تعریف خیال کرتی ہیں۔ مگر یہ نہ صرف فحش غلطی ہے بلکہ قانون فطرت کے بھی خلاف ہے جس کے متعلق مندرجہ ذیل دلائل دیے جا سکتے ہیں۔

① عورت اور مرد کے اعضائے تناسل کا ایک دوسرے کے لیے موزوں و مناسب اور مطابق ہونا۔ گویا وہ ایک دوسرے کے لیے بنائے

گئے ہیں۔ جن کے تعلق سے کچھ نتیجہ حاصل ہونا لازمی ہے۔

② فرانس کے نامی طبیب ڈاکٹر برٹن نے نقشہ ہائے اموات سے یہ بات ثابت کر دی ہے کہ متاہل فی ہزار فی سال دس سے بھی کم مرتے ہیں اور مجرد سولہ سے انیس تک مرتے ہیں۔ گویا دگنا فرق ہے۔

③ حال ہی کی نئی تحقیقات سے ثابت ہوتا ہے کہ بیس سے پچیس برسوں تک کے مجرد مرد مقابلوں سے دو چند مرتے ہیں اور پچیس سے ساٹھ سال کے تین گنا۔

④ عورتوں پر بھی دوامی تجرد برا اثر کرتا ہے۔ ۷۳ فیصد متاہل عورتیں ۵۳ سال کی عمر تک پہنچتی ہیں۔ گویا مجرد عورتیں صرف ۴۵ سال کی عمر تک پہنچتی ہیں۔

⑤ مجرد زندگی میں لازمی صورت یہ سامنے آتی ہے کہ انسانی نسل رفتہ رفتہ منقطع ہو جائے گی۔

⑥ اگر آزادانہ مواصلت سے اولاد ہو بھی گئی تو وہ حرامی بچے، بدکردار، بداخلاق اور غیر تربیت یافتہ ہوں گے۔ جس معاشرہ میں ایسے افراد کثرت سے پیدا ہو جائیں، اس کی خوبی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

غیر فطری اخراج منی کے نقصانات

منی کے غیر فطری اخراج کو آیورویدک کتب میں دیگر صورتوں کے علاوہ کثرت مجامعت ہی خیال کیا جاتا ہے۔ رشی اور وید کثرت مجامعت کو کمزوری کا سب سے بڑا سبب بتاتے ہیں۔ کتب آیورویدک میں منی کے جائز اور ناجائز اخراج کو سختی سے روکا گیا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ رشی ومنی اور جوگی دیوگی وغیرہ ساری عمر جماع نہیں کرتے۔ وہ نکلنے والی منی کو اپنے جسم میں خرچ کیا کرتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ دماغی وجسمانی محنت سے منی خرچ ہوتی ہے۔ اس لیے ایک ویدک رسالہ ''قواعد مباشرت'' کی رائے لفظ بہ لفظ درج ذیل ہے، اس طرح منی کے اخراج کی افراط وتفریط سے اعتدال ذہن نشین ہو سکتا ہے:

''سچ یہ کہ اپنی عورت سے صحبت کر کے اولاد پیدا کرنا ہمارا فرض ہے۔ مگر یہ بات دل میں نقش کر لینی چاہیے کہ کثرت جماع سے دس بیس نہیں بلکہ سیکڑوں امراض پیدا ہو جاتے ہیں اور آدمی کی زندگی کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ بعض شخص بڑے پرہیزگار ہوتے ہیں، کبھی دوسری عورت کی طرف بدنگاہ سے نہیں دیکھتے۔ کوئی اور خرابی بھی نہیں کرتے۔ مگر جوں ہی شادی ہوتی ہے اور جماع کی کثرت شروع ہو جاتی ہے۔ ان کے خیال میں اپنی عورت سے چاہے کیسے ہی جماع کیا جائے گناہ نہیں ہے۔ میں ایسے اصحاب کو بتانا چاہتا ہوں کہ اپنی صحت کو بگاڑنا، عمر کو گھٹانا، خودکشی کرنے کے برابر ہے اور یہ ایک گناہ عظیم ہے۔ بیمار اور کاہل، کمزور اور ضعیف آدمی کبھی خدا کی یاد نہیں کر سکتا۔ یاد رکھنا چاہیے کہ نظام عصبی کسی طرح بھی کثرت جماع کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ کثرت سے اعضائے تناسل کمزور ہو جاتے ہیں اور انزال خود بخود بغیر ارادہ کے ہونے لگتا ہے۔ جلق زدگی میں جس قدر نقصانات ہیں وہ سب کثرت جماع میں موجود ہیں''۔

ڈاکٹر ایکٹن کا قول ہے کہ کثرت جماع مراکز عصبی میں بار بار خراش (سوزش) پیدا کرتا ہے اور یہ خراش (سوزش) بہت سی نامعلوم بیماریوں کا باعث ہوتی ہے۔ جن کی اب تک کوئی وجہ معلوم نہیں ہوئی۔ کمزور دل انسان کثرت جماع سے مر جاتا ہے۔ ڈاکٹر ایکٹن صاحب کہتے ہیں کہ ہم نے پولیس کی لاشوں پر سرگرم تحقیقات پایا ہے جو فاحشہ عورتوں کے مکانوں سے برآمد ہوئی ہیں۔ کوئی نشان بدسلوکی یا زہر خوانی کا ان کے بدن پر نمایاں نہیں ہوتا۔ موت کا سبب ان حالات میں وہ قوی صدمہ اعصابی ہوتا ہے جو کمزور بدنوں پر غالب آ جاتا ہے۔

ایک وید کا قول ہے کہ ایک ایک قطرہ منی ایسا گوہر بے بہا ہے کہ اس سے روح اور جان پیدا ہوتی ہے۔ پس اس کو برباد کرنا نادانوں

اور حیوانوں کا کام ہے۔غذا جو کھائی جاتی ہے پہلے معدہ میں اس کا رس بنتا ہے۔ پھر اس رس سے خون بنتا ہے۔خون سے گوشت، گوشت سے میدہ، میدہ سے ہڈی، ہڈی سے مجا اور مجا سے پھر منی ساتویں درجہ پر ۲۹ دنوں میں بنتی ہے جو کل غذا کا جوہر ہوتی ہے۔اس کا بے فائدہ ضائع کرنا کسی طرح بھی جائز نہیں ہے۔کثرت جماع سے کمزوری اعصاب،ضعف جسامت، جریان، احتلام، سرعت انزال،درد پشت، دھڑکا، دماغی کمزوری، درد جگر، سخت درجے کی بدہضمی، ذیابیطس، جسم کا دبلا ہونا، اولاد کا نہ ہونا، منی کا مثل پانی کے رقیق ہو جانا، بدصورتی چہرہ، پژمردہ پن، آنکھوں میں بے رونقی، ہر ایک کام سے دل اکتانا، کسی سے بات تک کرنے کو جی نہ چاہنا، آنکھوں سے پانی بہنا، درد سردائمی، نزلہ وزکام، ضعف مثانہ، ضعف معدہ، ضعف گردہ، ضعف جگر، ضعف دل اور کمزوری حافظہ وغیرہ امراض لاحق ہو جاتے ہیں اور آدمی زندہ درگور ہو جاتا ہے۔صاحبان منی قوت ہے۔قوت ہی زندگی ہے۔قوت کی ہی کمی بڑھاپا ہے اور قوت کا ہی ختم ہو جانا موت ہے۔

اخراج منی میں اعتدال

سوال پیدا ہوتا ہے کہ جماع میں اعتدال کے کیا معنی ہیں؟ اور کس قدر مدت کے بعد جماع جائز ہے؟ جالینوس نے ایک جماع سے دوسرے جماع تک چھ ماہ کا عرصہ قرار دیا ہے۔ بوعلی سینا سے ایک شخص نے دریافت کیا کہ جماع کتنی مدت کے بعد کرنا چاہیے۔اس نے جواب دیا ایک سال کے بعد۔اس نے پوچھا جو ایک سال نہ رہ سکے؟ کہا پھر چھ ماہ بعد۔اس شخص نے پھر سوال کیا کہ جو چھ ماہ بھی نہ ٹھہر سکے؟ تو جواب دیا کہ پھر تین ماہ بعد کرے۔ جوان کی ابھی تسلی نہ ہوئی۔ پھر وہی سوال کر دیا۔تب بوعلی سینا نے کہا کہ ماہواری جماع اس کے واسطے جائز ہے۔ جوان کو پھر بھی چین نہ آیا۔ اس نے پھر وہی سوال دہرایا۔جس پر بوعلی سینا نے فرمایا کہ جو اس کے دل میں ہو کرے، مگر قبر کے واسطے کفن بھی تیار رکھے۔اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قوی سے قوی آدمی کے واسطے جماع کے لیے ایک ہفتہ کا عرصہ مقرر کیا جا سکتا ہے۔

ڈاکٹر ایکٹن صاحب کا قول ہے کہ ہفتہ میں ایک بار یا دس دن میں ایک مرتبہ سے زائد جماع نہ کرنا چاہیے۔یہ صرف اچھے جوان اور تندرست آدمی کے لیے ہے۔بعض ویدوں کی رائے ہے کہ تندرست و مضبوط اور تنومند و مضبوط اشخاص ہر چوتھے روز جماع کر سکتے ہیں۔ چنانچہ سشسرت میں لکھا ہے: ’’گرمی کے دنوں میں ہر پندرھویں دن اور باقی مہینوں میں ہر چوتھے روز جماع کر سکتے ہیں‘‘۔مہینوں کی ترتیب میں اس طرح لکھا ہے: بیساکھ، جیٹھ، ہاڑھ میں پندرہ دن سے قبل مباشرت سخت نقصان کا باعث ہے۔کاتک، مگھر، پوہ اور ماگھ میں جب خواہش ہوا کرے۔ بھادوں، اسوج، پھاگن اور چیت میں ہر چوتھے دن مجامعت کرنی چاہیے۔یہ قواعد صرف ان آدمیوں کے لیے ہیں جن کی خواہش نفسانی بہت بڑھی ہوئی ہے۔وہ پورے جوان اور تندرست ہوں۔ دراصل ویدک کی کتابوں میں مہینے میں ایک بار جماع کرنا لکھا ہے اور وہ بھی جب حمل نہ ہو اور جب حمل ہو جائے تو اس وقت سے لے کر بچے کے دودھ چھڑانے تک مباشرت کو ممنوع لکھا ہے۔

لیکن جب جماع کا مقصد تندرستی کو برقرار رکھنا اور خواہشات نفسانی سے دور رہنا ہو تو پھر وقت کا تعین خود کیا جا سکتا ہے۔کیونکہ بعض لوگ دوسرے تیسرے روز ہی جماع کر کے تندرست رہ سکتے ہیں۔لیکن ان کے برعکس بعض لوگ ایک ماہ میں ایک بار جماع کر کے بھی بیمار ہو جاتے ہیں۔اس لیے ان کے لیے دن کا تعین صحیح نہیں ہے، بلکہ اپنی ضرورت مدنظر رکھنا بہت ضروری ہے۔

اعتدال مباشرت کا صحیح اندازہ

(۱) جماع کے لیے جذبات اور طبیعت میں تیزی ہو۔ (۲) جماع کے لیے انتشار میں ذرا دیر نہ لگے۔ (۳) جماع کے بعد روح میں فرحت پیدا ہو۔ بدن میں چستی اور ہلکا پن محسوس ہو۔ (۴) جماع کے بعد دل و دماغ میں کام کرنے کا میلان پایا جائے۔ (۵) تھوڑی دیر

بعد ہی اعضائے تناسل اپنے اعتدال پر آ جائیں۔ (۹) جماع کی ضرورت سے اختتام تک انتہائی لذت اور خوشی حاصل ہونی چاہئے۔

جماع ایک قسم کی ایسی ضرورت ہے جس کے ساتھ صحت کا قیام لازم ہے۔ اس کو جنسی بھوک نہیں کہنا چاہئے۔ کیونکہ بھوک میں خواہشات پنہاں ہوتی ہیں۔ لیکن صحیح جماع ایک صادق ضرورت ہے۔ اس میں عورت کے پاس جا کر لذت ولطف حاصل کرنے یا چشنے کیلئے اور بوس وکنار سے انتشار کی ضرورت پوری نہیں ہوتی، سب کچھ خود بخود ہو جاتا ہے۔

فطری اخراج منی کے لیے عمر

یہ حقیقت تو ثابت ہوگئی ہے کہ منی ضرور قابل اخراج شے ہے اور اس کا خارج کرنا منشائے قدرت کے مطابق ہے اور اس کے لیے جو شرائط پیش کی گئی ہیں وہ بیان کر دی گئی ہیں۔ لیکن شرائط کے ساتھ عمر کا تعین بھی ضروری ہے۔ کیونکہ اگر جماع کی شرائط قبل از عمر پوری ہو جائیں تو وہ بھی مفید ہونے کی بجائے مضر ثابت ہوں گی۔

یاد رکھیں دوامی تجرد کی تائید میں اور متاہل لوگوں کی تردید میں جو جماع کے نقصانات پیش کئے گئے ہیں وہ کثرت جماع کے نقصانات ہیں۔ فطرت کے مطابق مباشرت میں سراسر فائدہ ہے۔ سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ نوع انسانی کی پیدائش جو قدرت کی سب سے بڑی غرض ہے اس میں ذرا بھی فرق نہیں آئے گا۔ یہاں یہ بھی حقیقت ذہن نشین کرلیں کہ اعمال نیک اور مقصد قدرت میں کبھی مخالفت نہیں ہو سکتی اور وہ فعل کبھی نیک عمل نہیں کہلا سکتا جو مقصد قدرت کے خلاف ہو۔ البتہ فعل میں کمی بیشی نیک اعمال اور نیک منشائے قدرت کے ضرور خلاف ہو سکتی ہے۔ مثلاً اگر اسی کلیہ کو لے کر ہم فرض کر لیں کہ تمام دنیا تجرد کی پابند ہوگئی ہے اور انسان اس نیک عمل پر کمر بستہ ہو گیا ہے، کیا ایسا زمانہ مبارک ہوگا۔ ہرگز نہیں۔ ظاہر ہے کہ انسانی نسل منقطع ہو جائے گی۔ اگر کوئی مذہب اس کو اپنے فرائض میں داخل کرلے تو ایک منٹ کے لیے بھی ہم اس کو خدا کی طرف سے قانون تسلیم نہیں کر سکتے۔ پس اس کلیہ سے یہ حقیقت ثابت ہوگئی ہے کہ دوامی تجرد یقیناً منشائے قدرت کے خلاف ہے اور نوع انسان کے لیے بے حد مضر ہے۔

نکاح کا تعین

جس طرح ہم کسی ایسے نیک عمل کو تسلیم کرنے کے خلاف ہیں جو منشائے قدرت اور قانون فطرت کے خلاف ہو، اسی طرح ہم کسی سائنسی تحقیق کے بھی خلاف ہیں جو ان کے خلاف ہے۔ یہی ہماری تحقیقات کی بنیاد ہے۔ ماڈرن میڈیکل سائنس کے تقریباً ہر مسئلے میں ڈاکٹروں کی رائے اکثر مختلف ہوتی ہے۔ حد بلوغ کا مسئلہ بھی صرف منشائے قدرت اور قانون فطرت ہی سے حل ہو سکتا ہے۔ فرنگی ڈاکٹر ہر اس تحقیق پر سو فی صد یقین کر لیتے ہیں جو ان کے ماحول اور موسم میں کی گئی ہو اور مختلف ممالک و ماحول اور موسموں میں جو اختلافات امور طبعی پائے جاتے ہیں ان کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ اس لیے تحقیقات میں ان باتوں کو مدنظر رکھنا ضروری ہے۔

جاننا چاہئے کہ جب تک انسان ایک خاص عمر تک نہیں پہنچ جاتا مجامعت اور احتلام میں منی خارج نہیں ہوتی اور اعضائے تناسل خون کی منی نہیں بنا سکتے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ قدرت کا منشاء یہی ہے کہ ابھی خون کے جزو بدن ہونے اور اعضائے جوارح کے پرورش پانے کی ضرورت ہے اور یہ ایک ایسی ضرورت ہے کہ اس کا کام قدرت نے اپنے ہاتھ میں رکھا ہے، انسان کی رائے پر نہیں چھوڑا۔ یہ بھی ایک قانون فطرت ہے۔

اسی طرح اس قانون فطرت کا ایک پہلو یہ ہے کہ انسان میں ایک عمر ایسی بھی آتی ہے کہ جب اس کی جسمانی نشوونما رک جاتی ہے

جو عام طور پر اکیس سال سے پچیس سال تک ہوتی ہے اور بعض میں کچھ بڑھ بھی جاتی ہے اور کبھی زیادہ بھی ہو جاتی ہے۔ اس کی وجہ ملک و موسم اور ماحول کے اثرات ہوتے ہیں۔

اسی طرح ایک تیسرا قانون بھی ہے کہ انسان کے دانتوں کی تکمیل خصوصاً عقل داڑھ کا نکلنا بھی ضروری جزو ہے اور اس کو تکمیل نمو کا ایک منشار کھا گیا ہے۔ جو عام طور پر پچیس تیس سال تک ہے۔ لیکن بعض لوگوں میں یہ داڑھ اور بعض میں بہت دیر کے بعد نکلتی ہے۔ یہاں تک کہ ستر اسی برس کی عمر میں بھی نکلتی ہے۔ یہ اثرات یقیناً انسانی طاقت کی کمی وبیشی کے اثرات ہیں۔

ایک چوتھے قانون پر غور کریں کہ عورت کے لیے حمل کا زمانہ کم وبیش نو ماہ کا ہے اور دودھ پلانے کا وقت پورے دو سال مقرر ہے۔ اس طرح عورت کو ایک بچہ کے لیے پونے تین سال اور بعض حکماء کے مطابق تین سال۔ لیکن کم از کم اڑھائی سال اس کو ضرور خالی رہنا چاہیے۔ کیونکہ عورتوں اور بچوں کی صحت وطاقت اور خوبصورتی کے لیے یہ نہایت ہی ضروری اور اہم ہے۔

اب اگر نمو کی عمر پر غور کریں تو اکیس سے پچیس سال تک مقرر کی گئی ہے۔ اس کے بعد بھی ہم تین دور کریں تو وہ ساڑھے سات، پندرہ سال اور ساڑھے بائیس سال بنتے ہیں۔ انسانی نشوونما میں یہی تین دور ہیں۔ اگر پہلے دور کے ساڑھے سات برسوں کو تین حصوں پر تقسیم کریں تو وہی ڈھائی سال بنتے ہیں۔ اس طرح کم وبیش اڑھائی اور تین برسوں کے چکر کی گردان پر غور کریں جس میں تین گنا ہونا ایک تکمیل کا زمانہ ہے تو تسلیم کرنا پڑے گا کہ نمو کا زمانہ جو اکیس سال سے پچیس سال تک مقرر کیا گیا ہے درست ہے اور یہی بلوغت کا زمانہ ہے۔ لیکن اگر کسی انسان میں اس زمانے سے قبل یا بعد میں بلوغت کا زمانہ آئے گا تو یقیناً تسلیم کرنا پڑے گا کہ یہ اس ملک و موسم اور ماحول کا اثر ہے۔ ماحول میں عقائد وخیالات اور تعلیم وتربیت بھی شامل ہیں۔

اب عورت اور مرد کے فرق کو سمجھیں اور ذیل کے قوانین اور حقائق پر غور کریں تو حقیقت سامنے آ جائے گی۔ لڑکی کی مدت حمل لڑکے کی مدت حمل سے زیادہ ہوتی ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ لڑکی کے جسم میں کوئی کمی رہ جاتی ہے جس کی تکمیل کے لیے اس کو مزید کچھ عرصہ ماں کے پیٹ میں رہنا پڑتا ہے۔ اس کی تشریح یہ ہے کہ عورت کا مزاج غدی ہے، کیونکہ اس کا تعلق تقریباً ساری زندگی رحم اور خصیۃ الرحم کے ساتھ ہوتا ہے اور اس نے اپنی زندگی میں ایک بڑا عرصہ اپنے رحم میں بچوں کی پرورش کرنا ہوتی ہے اور پرورش کا تعلق خصیۃ الرحم کے ساتھ ہے۔ غدی مزاج جسم میں ہمیشہ حرارت پیدا کرتا ہے۔ یہاں پر یہ غلط فہمی دور کر لیں کہ طاقت کا تصور حرارت میں نہیں ہے بلکہ کثرت حرارت تحلیل اور ضعف کا باعث ہوتی ہے۔ طاقت عضلات وقلب اور ریاح میں تیزی کا نام ہے۔ البتہ ان میں حرارت کی زیادتی ہو تو انتہائی قوت کی صورت پیدا ہو جاتی ہے۔

جاننا چاہیے کہ غدد میں تیزی جس طرح حرارت پیدا کرتی ہے اسی طرح حرارت کی زیادتی غدد میں تیزی پیدا کر دیتی ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ گرم ممالک، گرم موسم اور گرم ماحول میں رہنے والی عورتوں میں نشوو ارتقاء جلد واقع ہو جاتا ہے۔ کیونکہ نشوو ارتقاء اور پرورش حرارت سے ہوتی ہے اور حرارت ربوبیت کا مظہر ہے۔

ان حقائق سے ثابت ہوا کہ عورت کے مزاج میں حرارت وحدت اور گرمی کی زیادتی ہے اور ساتھ ہی وہ دوران حمل میں زیادہ وقت گزار کر مزید اپنے غدد کی تکمیل کر کے حرارت حاصل کرتی ہے۔ ان حقائق سے ثابت ہوتا ہے کہ عورت یقیناً مرد سے بہت پہلے جوان اور بالغ ہو جاتی ہے۔ حرارت کی زیادتی کا اندازہ عورت کے مزاج میں حرارت کی شدت کے علاوہ حمل کے دوران میں تقریباً ایک ماہ زیادہ رہنے سے ہی ہو سکتا ہے۔ اس حرارت کی شدت کے تحت عورت کی نمو اور پرورش کے ہر چکر میں تین گنا کے بجائے دو گنا کرنا چاہیے۔ جس کی صورت یہ

ہوگی کہ ایک مرد اگر نمو کے تین دور میں ساڑھے سات و پندرہ اور ساڑھے بائیس برسوں میں پہنچے گا تو یقیناً عورت دوگنا کے حساب سے پانچ و دس اور پندرہ سالوں میں پہنچ جائے گی اور اس وقت وہ نہ صرف بالغ کہلائے گی، بلکہ بچہ پیدا کرنے کے قابل ہو جائے گی۔ یہی اس کے نکاح کا زمانہ ہوتا ہے۔

ایک اور اندازہ اس سے بھی آسان طریق سے سمجھا جا سکتا ہے کہ لڑکی کو جب ماہواری آئے تو مزید دو برسوں میں اس کا جسم نکاح کے لیے تیار ہو جاتا ہے اور لڑکے کو جب احتلام شروع ہو تو مزید تین سالوں میں وہ نکاح کے قابل ہو جاتا ہے۔ یہ ہیں وہ حقائق جن کا فرنگی طب اور ماڈرن سائنس کو علم نہیں ہے۔

مباشرت کے لیے صحیح وقت

مباشرت ایک اہم فرض ہے جس میں ایک طرف مسرت وانبساط شامل ہے اور دوسری طرف صحت کا نقصان مدنظر ہوتا ہے اور سب سے بڑی اہمیت نسل انسانی کے سلسلہ کو قائم رکھنے کے ساتھ ساتھ اعلیٰ وارفع اور مثالی صحت مند ہونا بھی ضروری مدنظر ہوتا ہے۔ مباشرت کو صحیح مسرت وانبساط اور لذت وشوق میں اس طرح گزار دینا کہ اپنی اور اپنی نسل کی صحت کو تباہ کر دینا کسی طرح ایک باشعور انسان کے لیے اچھا معلوم نہیں ہوتا۔ چونکہ مباشرت کے ساتھ ذاتی لذت اور اپنی اور اپنی نسل کی صحتیں لازم وملزوم ہیں۔ اس لیے یہ ایک اہم فریضہ ہے اس کو صرف لذت وشوق پر قربان کر دینا عقل کے منافی ہے۔ اس لیے اس کے صحیح وقت کا جاننا نہایت ضروری ہے۔

آیورویدک کی کتب میں لکھا ہے کہ رات کے پہلے پہر میں کھانے وغیرہ سے فارغ ہوں۔ سردی زیادہ نہ ہو۔ چاندنی رات میں عمدہ جگہ میں خوبصورت وجوان عورت کے ساتھ اپنی طاقت کے مطابق جماع کرنے میں کچھ مضائقہ نہیں ہے۔ مگر صبح کے وقت جماع کرنا جان کو تلف کرنا ہے اور سرشام بھی جماع کرنا بہتر نہیں ہے۔ آیورویدک میں صبح وشام اور سردی میں روکا ہے اور رات کو کھانے سے فراغت کے بعد چاندنی یا عمدہ جگہ اور خوبصورت عورت کے ساتھ مباشرت کو لازم قرار دیا ہے۔ اس تاکید میں مسرت کے ساتھ اپنی اور اپنی نسل دونوں کی صحت کو مدنظر رکھا گیا ہے۔

طب یونانی میں مندرجہ بالا تاکید کے ساتھ یہ تاکید بھی ہے کہ پیٹ خالی نہ ہو اور پیٹ بھرا ہوا بھی نہ ہو۔ کیونکہ مباشرت کے بعد طبیعت اپنی ضرورت پوری کرنے کے لیے کچھ غذا کو جسم میں نفوذ کرا دیتی ہے جس سے جوڑوں میں درد اور دیگر خوفناک امراض پیدا ہو جاتے ہیں۔ اس لیے بعض بزرگوں کے اقوال یہ ہیں کہ آغاز شب میں مجامعت کرنے میں فالج، لقوہ، نقرس، وجع المفاصل، درد پشت، قولنج، عرق النساء اور ضعف بصر کا اندیشہ رہتا ہے۔ اس لیے انہوں نے جماع کے لیے رات کا آخری وقت تجویز کیا ہے۔ اس تاکید کی وجہ بھی ہے کہ پیٹ میں غیر منہضم غذا ہو تو جماع ہرگز نہیں کرنا چاہیے۔

مباشرت میں احتیاط

مباشرت کے لیے مندرجہ ذیل احتیاطیں انتہائی اہم اور ضروری ہیں:

(۱) خالی پیٹ مباشرت نہ کی جائے، اس سے ضعف پیدا ہوتا ہے۔

(۲) پیٹ بھری کے بعد مباشرت کرنے سے خوفناک امراض پیدا ہوتے ہیں۔

(۳) مرض کی حالت میں مباشرت کرنے سے امراض میں شدت پیدا ہوتی ہے۔

(۴) جسم میں اگر کسی کیفیت کی زیادتی کا شدید احساس ہو تو جماع کرنے میں نامکمل لذت کے ساتھ اعضاء پر برا اثر پڑتا ہے۔

(۵) اسی طرح اگر کسی نفسیاتی اثرات غم وغصہ اور خوف کا شدید اثر ہو تو مباشرت سے دور رہنا چاہئے۔ اس طرح اچانک موت واقع ہونے کا خطرہ ہوتا ہے۔ مکمل تنہائی ہونی چاہیے۔ دوسرے کا خوف ضعف قلب پیدا کرتا ہے۔

(۶) بغیر کسی بیرونی تحریک کے جب تک شہوت کا غلبہ نہ ہو، مباشرت نہیں کرنی چاہیے۔

(۷) اسی طرح جب تک جسم میں فرحت وانبساط اور سرور کی کیفیت نہ پائی جائے مباشرت سے دور رہنا چاہئے۔

(۸) عورت کی مرضی اور خوشی کے بغیر مباشرت کرنا اس پر ظلم ہے۔ بعض لوگ اس امر کی پروا نہیں کرتے کہ عورت حاملہ ومرضعہ اور مریضہ ہے۔ مگر وہ عورت سے مجامعت کرتے ہیں۔ چونکہ عورت کے حمل کے بعد بچے کو دودھ پلانے کے زمانے میں اور بیماری کی حالت میں جماع کی طبعی خواہش نہیں ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ جن مادہ جانوروں کو حمل ہو جاتا ہے وہ کبھی بھی نر جانوروں کے قریب نہیں آتے۔ اگر نر قریب آ جائے تو وہ دور ہو جاتے ہیں۔

(۹) ایام رضاعت (بچے کو دودھ پلانے کا زمانہ) میں مباشرت کرنا تین جانوں کا خطرہ ہے۔ اوّل دودھ پیتے بچے کی جان کا، دوسرے ماں کی صحت کا، تیسرے پیٹ میں دوسرے حمل کی زندگی کا۔ مباشرت سے عورت کا دودھ خراب ہو جاتا ہے۔ جب بچہ وہ دودھ پیتا ہے تو فوراً اس کے معدہ وامعاء میں شدید سوزش ہو جاتی ہے جس سے اس کو قے واسہال اور پیاس شروع ہو جاتی ہے۔ جس کا علاج مشکل ہے۔ اکثر بچے اس حالت میں جانبر نہیں ہو سکتے۔ دوسرا حمل ہو جائے تو پہلے بچے کے لیے ماں کا دودھ زہر کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ ماں کا یہ حال ہوتا ہے کہ ایک بچہ دودھ پر ہے اور دوسرا پیٹ میں ہے۔ نتیجہ کے طور پر اس کی صحت خراب ہو جاتی ہے اور جان خطرے میں پڑ جاتی ہے۔ اگر بچہ دودھ پیتا ہے تو اس کی جان خطرے میں ہوتی ہے اور چھوڑتا ہے تو ساری عمر کے لیے کمزور ہو جاتا ہے۔ اس لیے قرآن حکیم کی تاکید ہے کہ بچے کو مکمل دو سال تک دودھ دینا چاہیے۔ اگر خاوند پرہیز نہیں کر سکتا تو مسلسل روزے رکھے اور اگر ہمت ہے تو اور نکاح کر لے۔ مگر دودھ پلانے کی حالت میں تین جانوں پر ظلم نہ کرے۔ بعض لوگ یہ کوشش کرتے ہیں کہ بچے کے لیے دودھ پلائی رکھ لیتے ہیں۔ یہ بھی کسی حد تک درست ہے مگر بچہ جس عورت کا دودھ پئے گا اس کے اطوار واخلاق اور کردار پر اس کا گہرا اثر ہوگا۔ اب یورپ اس امر کا قائل ہو گیا ہے کہ ماں ہی اپنے بچے کو دودھ پلائے۔

(۱۰) بڑھیا اور بدصورت وبدکردار عورتوں سے بھی مباشرت نہیں کرنی چاہئے۔ کیونکہ جماع میں لذت اور مسرت لازمی فطری جذبات ہیں جو اس صورت میں منی کی تکمیل اور اخراج میں رکاوٹ کا باعث بن کر نقصان دہ ثابت ہوتے ہیں۔ اکثر جنون پیدا ہو جایا کرتا ہے۔

(۱۱) ہمیشہ کنواری لڑکیوں سے مباشرت کرنے سے کثرت انزال کی وجہ سے ضعف اعضائے رئیسہ واقع ہو جاتا ہے۔ اس طرح صحت اور زندگی کے لیے بے پناہ خطرات پیدا ہو جاتے ہیں۔

(۱۲) کثرت مباشرت بغیر اندرونی فطری تحریک کے خود عورتوں کے پاس جا کر شہوت پیدا کرنے سے جماع کرنا سخت نقصان دہ اور خطرناک ہے۔ اس سے ذیابیطس وفالج اور رعشہ وتشنج جیسے امراض پیدا ہو جاتے ہیں۔

جب اپنے اندر شہوت کا غلبہ دیکھے اور کیف سے بھرپور ہو تو اپنی بیوی کو مباشرت کے لیے اطلاع دے۔ اس روز نہا کر عمدہ کپڑے پہنے، خوشبو لگائے، متعفن اور گندی بو والی اغذیہ سے دور رہے۔ خوشی اور محبت کی باتوں سے قریب ہو۔ اگر ضرورت کے مطابق کی جائے تو جسم

ہلکا پھلکا محسوس ہوتا ہے، تھکن دور ہو جاتی ہے، اس کے بعد تسلی بخش نیند آ جاتی ہے، بھوک زیادہ لگتی ہے، دماغی اور جسمانی کام کرنے کو دل چاہتا ہے۔ اگر جماع کے بعد یہ صورتیں پیدا نہ ہوں اور جسم و دماغ میں سستی و کمزوری معلوم ہو تو سمجھ لو کہ مباشرت ضرورت کے مطابق نہیں کی گئی، بلکہ لذت وشوق کے تحت عمل میں آئی ہے۔ یہ صورت انتہائی نقصان رساں ہے۔

مباشرت کے بعد تھوڑی دیر تک لیٹنا اور آرام کرنا ضروری ہے۔ اس طرح دوران خون جلد درست ہو جاتا ہے۔ البتہ جماع کے فوراً بعد بعض لوگ دودھ یا حلوہ کوئی اور مقوی غذا یا دوا کھاتے ہیں تاکہ منی کا جو نقصان ہوا ہے وہ پورا ہو جائے۔ یہ عادت نہ صرف خراب ہے بلکہ نقصان دہ ہے۔ کیونکہ اس صورت دوران خون میں تیزی ہوتی ہے اور وہ اپنے فضلات کا اخراج کر رہا ہوتا ہے۔ اس طرح نہ صرف وہ فضلات رُک جاتے ہیں بلکہ جو کچھ کھایا پیا جاتا ہے وہ باعث نقصان بن جاتا ہے۔ کھانے پینے کے لیے کم از کم ڈیڑھ دو گھنٹے انتظار کرنا چاہیے۔ البتہ عمدہ قسم کا پان کھا سکتے ہیں۔ کھانا پینا غسل کے بغیر نہیں کرنا چاہیے۔ غسل کے بعد دوران خون درست ہو جاتا ہے۔ امساک کے لیے ادویات نہیں کھانی چاہئیں۔ اگر امساک نہ ہو تو پہلے اس کا علاج کرنا چاہیے، پھر جماع کرنا چاہیے۔

نا قابل مباشرت عورتیں

کون کون سی عورتیں نا قابل جماع ہیں۔ رسالہ ''حرز جان'' میں ذیل کے شعر کی تشریح بیان کی گئی ہے ۔

جماع با پنج زن ممنوع باشد نہ گرد و گرد ایشاں مرد ہشیار
یکے آن بازن پیر است دیگر صغیر و حائض و بدشکل و بیمار

زن پیر: جن عورتوں سے اولاد کی اُمید نہ ہو تو ان سے ازواج کرنا نہ صرف فضول ہے بلکہ مضر بھی ہے۔ زن عجوزہ یعنی بوڑھی عورت سے جماع کرنا اوّل تو محض فضول ہے، کیونکہ ثمرہ جماع یعنی اولاد کے پیدا ہونے کی اُمید نہیں ہے۔ عورتوں میں بالعموم قابلیت القاح اسی وقت رہتی ہے جب تک کہ اس کا حیض جاری رہتا ہے۔ پس جس عورت کی میعاد حیض ختم ہو چکی ہے، اس سے ازواج کرنا مناسب نہیں ہے۔

اطباء کا مقولہ ہے کہ عورت پیرانہ سال سے جماع کرنا ضعف باہ پیدا کرتا ہے۔ کیونکہ بوجہ اخراج رطوبت کثیر اعضاء سست اور ڈھیلے پڑ جاتے ہیں۔ اندام نہانی کی لذت مرد کو کم ملتی ہے اور فقدان لذت سے مرد کو خوشی اور ذوق وشوق کم ہو جاتا ہے۔ پھر ضعف باہ عارض ہو جاتا ہے اور یہ بھی کہتے ہیں کہ بہ سبب پیرانہ سالی کے اندام نہانی کے اندر سردی زیادہ ہو جاتی ہے اور یہ سردی دافع جوش شہوت مرد ہوتی ہے۔ یہ بھی لکھا گیا ہے بوجہ کبر سنی کے رحم جذب منی بہت کرتا ہے۔ چنانچہ اس وجہ سے مرد کے چہرہ کی رونق دن بدن کم ہوتی چلی جاتی ہے، اس کے قوائے بدنی مضمحل ہو جاتے ہیں۔ اسی وجہ سے کسی شاعر نے لکھا ہے ۔

صحبت دخترے کہ جان بخشد زہر قاتل بود چوں پیر شود

زن صغیر: اس سے ہماری مراد ان لڑکیوں سے ہے جو اپنے سن بلوغ کو نہیں پہنچتیں۔ جن کی عمر اپنی صحیح عمر کی وجہ سے مرد کی خواہش ابھی پوری نہیں ہوتی۔ جن کے اعضائے تناسل ابھی پوری طرح نشو و نما نہیں پا چکے ہوتے۔ ایسی عورتوں کو زنان مراحقہ کہتے ہیں۔ چونکہ ان کے دلوں میں ابھی جذبات شہوانیہ پیدا نہیں ہوتے۔ وہ مرد کی صحبت سے نفرت کرتی ہیں اور جماع کے وقت مرد سے رغبت سے پیش نہیں آتیں بلکہ بڑی کراہت اور نفرت ظاہر کرتی ہیں۔ چونکہ جماع کے وقت فریق ثانی مرد کے ساتھ رغبت سے پیش نہیں آتا۔ بوس و کنار اور دیگر میل جول میں بہ دل و جان شریک ہونا اس کی خوشی اور محبت کو بڑھاتا ہے اور اس کے ذوق وشوق کو ترقی دیتا ہے اور نفرت و کراہت برعکس اس کے

رنج وملال کا باعث ہوتا ہے۔ بلکہ ضعف باہ کا باعث ہوتا ہے۔ اس لیے زن نابالغ کے ساتھ جماع کرنا بھی سخت ضعف باہ اور بطلان باہ کا موجب ہوتا ہے۔ ایک اور وجہ صغیر لڑکیوں کے ساتھ جماع کے مضر ہونے کی یہ بھی ہے کہ ایسے جماع میں مرد کو غیر معمولی طاقت خرچ کرنا پڑتی ہے جو بجائے خود ایک مضر امر ہے اور نیز اگر حمل قائم ہو جائے تو اولاد جو اس حمل سے پیدا ہوگی لامحالہ بڑی کمزور ہوگی۔

زن حائضہ: جن عورتوں کو حیض آتا ہو یا نفاس، ان کے ساتھ بھی جماع مضر ہے۔ حیض کے ایام میں جماع کرنا زن ومرد ہر دو کے لیے نقصان دہ ہے۔ عورت کو ان دنوں میں جماع کرنے سے درد ہوتا ہے اور ساتھ ہی اعضاء کو نقصان پہنچ جاتا ہے اور لذت وسرور جو جماع کا خاصہ ہے وہ نام کو نہیں پہنچتا۔ اور مرد کی طبیعت میں ایک قسم کی نفرت اور کراہت پیدا ہوتی ہے۔

زن بدصورت: حسن کا فلسفہ دو لفظوں میں بیان ہو سکتا ہے جس کے معنی ہیں دل پسند۔ جو عورت آدمی کو نہایت بدشکل، بدوضع معلوم ہوتی ہے ممکن ہے کہ وہی دوسرے کو نہایت مرغوب اور محبوب نظر آئے۔ لیلے را بچشم مجنوں باید دیدہ۔ جماع کے لئے ضروری ہے کہ فریق ثانی مرغوب ومحبوب ہو۔ کیونکہ عدم رغبت لذت جماع کو پھیکا اور بے مزہ کر دیتی ہے اور ضعف باہ کا باعث ہوتی ہے۔

زن بیمار: جس عورت کے رحم کو کوئی بیماری یا رسولی ہو اور سرطان یا التہاب رحم ہو جس سے کسی قسم کی رطوبت آتی ہو۔ کوئی متعدی بیماری از قسم آتشک سوزاک وغیرہ ہو، بلکہ جسم کے دیگر دردناک امراض ہوں، تو ایسی عورت کے ساتھ جماع کرنا دونوں کے لیے نہایت مضر اور معیوب ہے۔

مندرجہ بالا قسم کی عورتوں کے علاوہ ذیل کی عورتیں بھی روح ونفس اور جسم کے لیے مضر اور قوت باہ کے لیے نقصان دہ ہیں۔

زنان فاحشہ: بازار کی کسبیاں جو جماع کرانے کی تجارت کرتی ہیں، ان سے متعدی امراض کے پیدا ہونے کا ہر قسم کا اندیشہ ہوتا ہے۔ اس لیے ان کی صحبت سے کوسوں دور بھاگنا چاہیے۔ ان کے علاوہ دوسری عورتیں بھی جو اپنے خاوند کے سوا دوسروں کے پاس جاتی ہیں، ان سے بھی مردوں کو جسمانی اور اخلاقی خرابیوں کے پیدا ہونے کا وہی اندیشہ ہے جو رنڈیوں کے ساتھ جماع کرنے سے ہے۔ بلکہ انسانی روح فنا ہو جاتی ہے۔ پس ان کی صحبت سے بھی پرہیز کرنا ضروری ہے۔

زنان باردار: جماع کا اصل مدعا استقرار حمل ہے۔ جب حمل قائم ہو گیا تو پھر انصاف یہ ہے کہ جماع کی حاجت نہ رہے۔ چنانچہ ایام حمل میں عورت کو جماع کی مطلق رغبت نہیں رہتی۔ اس سبب سے ان دنوں میں اس کو جماع کی تکلیف نہ دی جائے تو اچھا ہے۔ بالخصوص ساتویں مہینے کے بعد جماع کرنے سے اسقاط حمل کا اندیشہ ہوتا ہے۔ اس لیے اس وقت جماع سے پرہیز کیا جائے۔

زنان بازماندہ: طب کی کتابوں میں لکھا ہے کہ جو عورتیں ایک عرصہ دراز سے مرد کے پاس نہ گئی ہوں ان سے بھی جماع کرنا اچھا نہیں ہے، کیونکہ ایسی عورت میں مواد منقطعہ اور فضلات جمع ہو گئے ہوتے ہیں جن سے مردوں کو ضرر پہنچنے کا اندیشہ ہوتا ہے۔

زنان حنانہ: وہ عورتیں جو مطلقہ ہوں یا بیوہ مگر ہمیشہ اپنے خاوند کو یاد کرتی ہیں اور اس کے فراق میں بے قرار وسیماب وار تڑپتی ہوں ان سے بھی شادی کرنے میں بے لطفی رہتی ہے۔

زنان خانہ: جو عورتیں اپنے شوہر سے زیادہ مال رکھتی ہوں، ان سے بھی شادی مناسب نہیں۔ کیونکہ وہ ہر وقت اپنے احسانات خاوندوں پر ظاہر کرتی رہتی ہیں اور ان کے عیش کو خراب کرتی رہتی ہیں۔

زنان انانہ: جو عورتیں خاوند کو دیکھ کر بیمار ہو جائیں خواہ یہ بیماری صحیح ہو یا بناوٹی ہو۔ ان کے قریب جا کر درد وکراہ کا دل پر غیر معمولی اثر ہوتا ہے جو صحت وباہ دونوں کے لیے نقصان دہ ہے۔

زنان عقیمہ: زنان عقیمہ سے مراد ایسی عورتیں ہیں جن کو اطباء فہم و تجربہ کار تشخیص کے بعد کامل عقیم ٹھہرا چکے ہیں اور جن سے اولاد کا پیدا ہونا ناممکن ہے جس کا دل و دماغ پر گہرا اثر ہوتا ہے۔

فعل مباشرت کا حقیقی مقصد

ظاہری حقیقت تو یہ ہے کہ فعل مباشرت کا مقصد نسل کا جاری رکھنا ہے۔ لیکن باطنی طور پر اس کے اور بھی فوائد ہیں جن کی طرف حکماء نے اشارے کئے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اس کے باطنی فوائد بھی ظاہری مقصد سے کم اہم نہیں ہیں۔ کیونکہ فعل مباشرت سے اگر ایک طرف جسم کی صحت قائم رہتی ہے تو دوسری طرف نفس انسانی اور روح میں نشوو ارتقاء اور بلندی پیدا ہوتی ہے۔ لیکن یہ مقام اس وقت حاصل ہوتا ہے جب جائز اور ضرورت کے مطابق ہو۔ جائز کا مقصد نکاح ہے اور ضرورت اس حالت کا نام ہے جنسی بھوک میں شدت۔ جب تک یہ دونوں صورتیں پیدا نہ ہوں فعل مباشرت میں لذت تو ہو سکتی ہے مگر اس سے نہ صحت جسم قائم رہ سکتی ہے اور نہ ہی اس سے نفس اور روح میں نشوو ارتقاء اور بلندی پیدا ہوتی ہے۔

نکاح کی اہمیت کا اندازہ اس امر سے لگالیں کہ حضرت رسول کریم ﷺ نے نکاح کو اپنی سنت قرار دیا ہے، جو اس سے روگردانی کرے وہ آپ ﷺ کی اُمت سے نہیں ہے۔ اور قرآن کریم تو بیویوں کو آنکھوں کی ٹھنڈک اور تقویٰ کے لئے بہت اہم قرار دیتا ہے۔ جن لوگوں کی ان حقائق پر نگاہ ہے وہ اسلام کی جنسی تعلیم کے دور رس اثرات اور نتائج سے واقف ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ اسلام نے جنسی تعلیم پر جس قدر روشنی ڈالی ہے اس کا عشر عشیر بھی یورپ و امریکہ اور ماڈرن سائنس کو علم نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ موجودہ دور میں غلط قسم کی آزادی و عریانی اور خواہشات بڑھتی چلی جاتی ہیں۔ مگر حقیقی معنوں میں جنسی بھوک کی تسکین حاصل نہیں ہوتی۔ یہ حقیقت ہے کہ بغیر اسلامی تعلیم کے کبھی جنسی بھوک کو تسکین حاصل نہیں ہوتی۔ یہ کسی مذہب کا احترام مقصود نہیں ہے۔ بلکہ ان حقائق کا اظہار ہے جو اسلام جنسی تعلیم میں پیش کرتا ہے۔ یاد رکھیں جب تک جنسی بھوک کو تسکین نہیں ہوتی نہ ہی صحت قائم رہ سکتی ہے اور نہ ہی نفس و روح میں نشوو ارتقاء اور بلندی پیدا ہو سکتی ہے۔

اسلام میں رہبانیت منع ہے کیونکہ اس سے نہ تو جسم کے تقاضوں کو پورا کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی نفسانی جذبات کی تسکین ہو سکتی ہے اور نہ ہی روح میں وہ فرحت پیدا ہو سکتی ہے جو انسانی زندگی کا کمال ہے۔ بلکہ رہبانیت کے خلاف اسلام میں چار بیویوں اور بے شمار باندیوں کی اجازت ہے لیکن ان کی ضرورت اور ان کا جائز ہونا شرط ہے۔ ضرورت کا اندازہ خواہش کے مقابلہ میں کیا جا سکتا ہے۔ کئی سال گزرے میں نے ایک کتابچہ جنسیات کا نفسیاتی تجزیہ کے نام سے لکھا تھا۔ جس کا اکثر حصہ ایک رسالہ میں شائع ہو بھی گیا تھا۔ بعد میں اس کی کتابت بھی کرادی گئی تھی۔ مگر کثرت کار کی وجہ سے اب تک شائع نہ کیا جا سکا۔ اس میں جنسی ضرورت اور خواہش کو اسلامی تعلیم کے تحت وضاحت سے بیان کیا گیا ہے۔

ان حقائق سے پتہ چلتا ہے کہ مباشرت کا مقصد صرف اولاد پیدا کرنا نہیں ہے۔ اس سے مختلف اعضاء کو کئی فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ صحیح وفطری اور ضرورت کے مطابق جائز مباشرت بدن کی فضول رطوبات کا اخراج کرتی ہے۔ فاسد مادہ کی پیدائش نہیں ہوتی۔ اور اگر فاسد مادہ پیدا ہو چکا ہو تو خارج ہو جاتا ہے۔ خاص طور پر دخانی مواد کو خون سے نکال دیتا ہے۔ اس فاسد مادہ میں شیطانی جذبات کی تیزی ہوتی ہے۔ جس کی وجہ سے ایک اچھے صوفی اور زاہد شب بیدار کی درگت بن جاتی ہے اور عوام نوجوان تو رہے ایک طرف پیر فقیر بھی اپنی زندگی مشکلات میں ڈال دیتا ہے۔ جو مرد اور عورت جوانی میں اپنے وقت پر نکاح نہیں کرتے ان کے اندر خوفناک امراض پیدا ہو جاتے ہیں۔ ہسٹیریا

(اختناق الرحم) خاص طور پر اسی فاسد مادہ کی خرابی سے پیدا ہوتا ہے۔ غیر شادی شدہ مرد و عورتوں کے منہ پر دانے نکل آتے ہیں جن کو جوانی کے دانے کہتے ہیں۔ وہ اسی فاسد مادہ کے خون کے اندر برے اثرات ہوتے ہیں۔ ان سے جہاں جسم میں برے اثرات ظاہر ہوتے ہیں وہاں جذبات میں ہیجان اور روح میں تاریکی غالب آنا شروع ہو جاتی ہے۔ پھر انسان ایسی حرکتیں کر بیٹھتا ہے کہ اخلاقی قدریں افسوس کرتی ہیں۔

مباشرت کو پورا کرنے کے بعد دل و دماغ میں راحت وسکون اور جسم میں چستی، بھوک میں زیادتی، عقل میں تیزی اور طبیعت میں فرحت پیدا ہو جاتی ہے۔ اکثر معمولی امراض اور بعض اوقات خوفناک امراض جیسے ہسٹیریا، سیلان الرحم، سرعت انزال، جریان واحتلام بلکہ بعض اقسام ضعف باہ، جنون، مالیخولیا اور عشق وغیرہ دور ہو جاتے ہیں۔ گویا ضرورت کے مطابق مباشرت انسان کے لئے نہایت ضروری اور بے حد مفید ہے۔ لیکن بغیر ضرورت اس میں نشاط وانبساط اور فرحت وراحت کی بجائے کمزوری وامراض اور پژمردگی وکسل مندی پیدا ہوتی ہے۔ گویا بغیر ضرورت مباشرت انتہائی نقصان دہ ہے۔

دخانی فاسد مادہ

خون روح طبعی کا حامل ہے جو خون ہی سے پیدا ہوتی رہتی ہے۔ خون اگر صالح ہو تو روح طبعی بھی صالح پیدا ہوتی رہتی ہے۔ لیکن جب خون میں نقص وخرابی اور اس کے اجزاء میں کمی بیشی واقع ہو جائے تو روح طبعی میں صحیح وصالح پیدا نہیں ہوتی۔ پھر ظاہر ہے کہ غیر صحت مند اور غیر صالح طبعی روح جسم کے لئے مفید نہیں ہو سکتی۔ جو یقیناً انسان کے لئے نقصان رساں ہے۔

روح اور ریح

حکماء اور اطباء نے اس حقیقت کو تسلیم کیا ہے کہ خون میں دو قسم کے بخارات ہوتے ہیں جن میں ایک کو نسیم اور دوسرے کو دخان کہا گیا ہے۔ ماڈرن سائنس بھی ان کو تسلیم کرتی ہے جس کو آکسیجن (نسیم) اور کاربن (دخان) کہتی ہے۔ ان کے افعال طبعی اور سائنسی کتب میں بھرے پڑے ہیں جن کی تفصیل طویل ہے۔ ان کے نام روح اور ریح بھی ہیں۔ جن سے ان کے افعال واثرات پر اچھی روشنی پڑتی ہے۔ گویا روح خون کے ایسے ابخرات ہیں جن میں دخان کی کمی ہے۔ گویا دخان ایسے ابخرات ہیں جن میں لطافت کی کمی اور ثقالت پائی جاتی ہے۔ ان حقائق سے ثابت ہوا کہ روح میں ریح کے مقابلے میں لطافت ہے اور جس ابخرات میں دخان کی زیادتی یا ارضی مادے ہوتے ہیں ہم ان کو ریح کہتے ہیں۔ اور جوں جوں ریح میں دخانی اور ارضی مادے بڑھتے جاتے ہیں ان میں فساد بڑھتا جاتا ہے۔ بس یہی فساد باعث نقصان ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ خون ہی سے جسم کو غذا ملتی ہے اور ان ابخرات ہی سے (چاہے اس میں روح کی زیادتی ہو یا ریح کی زیادتی) جسم انسان کو تحریک وتقویت حاصل ہوتی ہے۔ جس طرح کہ خون اور روح ہوتی ہے۔ اسی قسم کی جسم میں تحریکات اور تقویت پیدا ہوتی رہی ہے۔ چونکہ جسم میں خون اور روح کی زیادہ ضرورت ہے، اس لئے ان کا صالح اور صحت مند ہونا ضروری ہے۔ بس یہی ذہن نشین کرانا ہمارا مقصد ہے۔

جاننا چاہئے کہ صالح اور صحت مند خون اور روح کی جسم کو ضرورت رہتی ہے اس لئے قدرت نے ان کو عمدہ اور درست رکھنے کے لئے جسم میں مختلف اعضاء بنائے ہیں جن سے خون اور روح پاک اور صاف ہوتے رہتے ہیں۔ ان میں پھیپھڑے وگردے اور امعاء ومسامات خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ انہی میں مردانہ اور زنانہ مخصوص اعضاء بھی شریک ہیں جن کے راستہ سے مادہ منویہ اور حیض اخراج پاتے ہیں۔ جب ان میں نقص واقع ہو جائے یا ان راستوں میں رکاوٹ پیدا کر دی جائے تو خون اور روح میں فساد پیدا ہو جاتا ہے۔

ان حقائق سے ثابت ہوتا ہے کہ مباشرت کا مقصد صرف اولاد پیدا کرنا ہی نہیں ہے بلکہ ان ریاحی و دخانی اور ارضی مادوں کا اخراج بھی ضروری ہے جو اس راستے کے بغیر اخراج نہیں پا سکتے۔ اس کے ثبوت میں ہم پھر وہی مندرجہ بالا امراض پیش کرتے ہیں جو صرف مردانہ اور زنانہ مخصوص اعضاء کی خرابی سے پیدا ہوتے ہیں۔ بس ضرورت کے مطابق اور جائز مباشرت اپنے اندر انتہائی اہمیت رکھتی ہے۔ پرلطف بات یہ ہے کہ بعض شادی شدہ مردوں اور عورتوں میں بھی ایسے امراض دیکھے گئے ہیں جو فعل مباشرت کے فقدان سے پیدا ہوتے ہیں۔ ان کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ شادی کے بعد بھی ان کے مواد فاسد کا پورے طور پر اخراج نہیں ہو سکتا۔ خواہ ان کو جنسی بھوک نہ ہو۔ مگر ان کے اندر ایسے فاسد مادے اور اس کے اثرات سے انکار نہیں کیا جا سکتا جو فعل مباشرت سے مادے اور اس کے اثرات سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ جو فعل مباشرت سے اخراج پاتے ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ بہت سے ایسے مریضوں کی جانیں بچ گئی ہیں جن کے فاسد مواد فعل مباشرت سے اخراج پا گئے ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ دخانی مادے ہی منی کی پیدائش اور اس کے اخراج کا باعث ہوتے ہیں اور اسی مادے کی زیادتی خون اور مخصوص اعضاء میں خرابی اور فساد کا باعث بن جاتی ہے جن سے دل و دماغ پر غیر معمولی اثر پڑتا ہے۔

منی کے فاسد مادے

یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ دوران خون جب خصیوں کی طرف آتا ہے اور اس میں ریاح اور دخانی مادے شریک ہوتے ہیں۔ بلوغت کے بعد منی ہر وقت خصیہ کی نالیوں میں بنتی رہتی ہے جو بذریعہ حبل المنی خزائن منی میں جاتی ہے۔ یہاں سے اگر فوراً اخراج نہ ہو جائے تو آہستہ آہستہ نہایت تھوڑی مقدار میں پیشاب کے ذریعہ خارج ہوتی رہتی ہے یا قضائے حاجت کے وقت پیشاب کے ہمراہ نکل جاتی ہے۔ یا اگر محرکات کا اثر ہو تو احتلام ہو کر نکل جاتی ہے۔ اس کی صورت بالکل ایسی ہے جیسے عورتوں کا خون سینے کی طرف جاتا ہے اور وہ دودھ بنتا رہتا ہے اور اکٹھا ہو کر بہنے لگتا ہے یا بوجھ کا باعث بنتا ہے۔ جیسے یہ ممکن نہیں ہے کہ دودھ پھر خون بن سکے اور جسم میں تقویت کا باعث ہو۔ اسی طرح یہ بھی ناممکن ہے کہ منی بن جانے کے بعد پھر خون میں شریک ہو اور طاقت کا باعث بن جائے۔ جب منی بن چکتی ہے یا اس کے بننے کی تحریک ہو چکتی ہے تو ہر حال میں اس کا اخراج پانا ضروری ہے۔ اس صورت میں یہ جسم کا فضلہ یا ایسا مادہ ہی ہوگا جس کا اخراج ضروری ہے۔ البتہ یہ صورت دیگر ہے کہ اندرونی یا بیرونی تحریکات کی وجہ سے اس کا اخراج ضرورت سے زیادہ بڑھ جائے اور وہ باعث کمزوری اور ضعف ثابت ہو۔ جیسے کثرت دودھ و پسینہ اور بول و براز بھی کمزوری کا باعث ہوتے ہیں۔ اس لئے منی کی پیدائش اور اس کی تحریکات اور اس کے اخراج اور اس کے فاسد مادوں کی پیدائش میں اعتدال رکھنا نہایت ضروری ہی ہے۔ خون کے دخانی مادے ہی پیدائش منی کا باعث بنتے ہیں۔

منی کے متعلق حکماء میں غلط فہمی

بعض حکماء کا خیال ہے کہ منی اگر خارج نہ ہو تو بدن میں جذب ہونے لگتی ہے اور بدن کے نشوونما اور تروتازگی کا باعث ہوتی ہے۔ چنانچہ ڈاکٹر ایکٹن صاحب جو اس گروہ کے پیشوا اور پیش رو ہیں، فرماتے ہیں کہ منی بجز بذریعہ شرائن اوردہ یا عروق جاذبہ کے جذب نہیں ہوتی بلکہ کئی تغیرات کا باعث ہوتا ہے۔ چنانچہ داڑھی مونچھ اور موئے زہار اسی سے پیدا ہوتے ہیں اور حرکات و سکنات اور آواز اسی سے بدل جاتی ہے۔ یہ تغیرات خالی عمر کا ہی نتیجہ نہیں کیونکہ مخنثوں میں ان کا ظہور نہیں ہوتا اور خصی ہونے کے بعد جانور ایسا مضبوط نہیں رہتا جیسے کہ خصی ہونے سے پہلے تھے۔ پس یہ اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ خصی ہونے کے بعد ان میں منی نہیں بنتی اور نہ جذب ہوتی ہے کہ عمدہ طاقت بخشے۔

مگر ایک گروہ حکماء کا ایسا بھی ہے جو منی کے دوبارہ جذب ہونے کا قائل نہیں ہے مثلاً ڈاکٹر بلیک لکھتے ہیں کہ ڈاکٹر ایکٹن کا قول

سخت تعجب انگیز ہے کہ خصی جانوروں میں پہلی سی طاقت نہیں رہتی۔ ان کو معلوم نہیں ہے کہ غیر خصی گھوڑے سے خصی گھوڑے بہت زیادہ کام دیتے ہیں اور زیادہ محنت برداشت کرنے کے قابل ہوتے ہیں۔ البتہ شرارت کرتے ہیں۔ اسی لئے انہیں خصی کر دیتے ہیں اور جو فرق کہ خصی اور غیر خصی میں دیکھا جاتا ہے اس کا سبب منی کا جذب ہونا یا نہ ہونا نہیں ہے بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ خصی کرنے میں نظام عصبی کو جو صدمہ پہنچتا ہے جس کا تعلق میڈولا آبلانگیٹا یعنی راس نخاع سے ہے، اسی کا اثر خصی کی حرکات میں تبدیلی پیدا کرتا ہے۔ بھلا ممکن ہے کہ جو منی خون سے خارج ہو وہ پھر خون میں جذب ہو اور نقصان نہ پہنچائے اور اگر آواز کا مردانہ ہونا داڑھی مونچھ کا نکلنا اور دیگر ایسے اُمور کا پیدا ہونا جذب منی پر منحصر ہے تو خصی ہونے کے بعد بھی یہ چیزیں نہ پائی جاتیں۔ اسی طرح غیر خصی میں ان کے برعکس نہ پایا جاتا۔

ڈاکٹر بیگ فرماتے ہیں کہ جیسے صفراء وغیرہ رطوبات جذب نہیں ہوتیں ویسے ہی منی بھی دوبارہ جذب نہیں ہوتی اور لوگ تو خیال کرتے ہیں کہ رہبان الشہوت لوگوں میں تروتازگی اور تندرستی اس وجہ سے ہوتی ہے کہ وہ جماع سے محترز اور مجتنب رہتے ہیں اور ان کی منی دوبارہ خون میں جذب ہو جاتی ہے۔ سو ان کا یہ خیال درست نہیں ہے۔ اصل حال یہ ہے کہ ایسے شخص کی قوت منی بنانے کی بجائے بدن کو تروتازہ اور تندرست رکھنے میں صرف ہوتی ہے۔

ایک اور ڈاکٹر یک فورڈ ہیں وہ بھی ڈاکٹر بیگ کی رائے سے اتفاق کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ جب منی خزائن منی میں ایک بار جمع ہو جاتی ہے تو سوائے اخراج کے اور کوئی چارہ نہیں اور جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ منی بدن میں دوبارہ جذب ہوتی ہے اور بدن کو تقویت اور روح کو طاقت بخشتی ہے۔ ان کا یہ خیال بالکل غلط ہے۔

ڈاکٹر کانیکر کا قول ہے کہ اس بارے میں اگر منی بننے کے بعد دوبارہ جذب ہوا کرتی تو اوعیہ و مستقر منی سے ہوتی۔ حالانکہ وہاں نشان جذب کا نہیں پایا جاتا اور یہ دلیل کہ جذب نہ ہونے سے امتلا لازم آتا ہے اور نوبت درد تک پہنچتی ہے۔ جذب ہونے کا ثبوت کافی نہیں ہے۔ ممکن ہے کہ بنی ہوئی منی کے مجاری میں چلے جانے یا خون کے خصیوں میں کم پہنچنے سے امتلا نہ ہوتا ہو۔ ان دلائل سے ذیل کے امور ثابت ہوتے ہیں:

(۱) منی ابتدائے بلوغ سے ہر وقت خصیوں میں بنتی رہتی ہے اور وہاں سے گزر کر اوعیہ منی اور مستقر منی میں جمع ہوتی رہتی ہے۔ کیونکہ اگر ایسا نہ ہوتا اور منی فقط تحریکات شہوانیہ کے وقت ہی بنا کرتی تو جماع اور احتلام میں ایسی جلدی انزال نہ ہو جایا کرتا بلکہ جماع کے وقت بڑی دیر اور کشمکش سے انزال ہوا کرتا۔ جیسا کہ کتے میں ہوتا ہے اور یہ معلوم رہے کہ کتوں میں مستقر منی نہیں ہوا کرتی۔

(۲) اس امر کا کوئی ثبوت نہیں کہ منی دوبارہ جذب ہو جاتی ہے۔ وہاں اس کے خارج ہوتے رہنے کے ثبوت نہایت بین اور صریح پائے جاتے ہیں۔

(۳) رہبان الشہوت کا تروتازہ اور تندرست رہنا۔ منی نہ نکلنے پر منحصر نہیں بلکہ اس کا سبب یہ ہے کہ ان کی قوت بجائے منی بنانے کے دوسری طرف خرچ ہوتی ہے یعنی منی کم بنتی ہے اور قوت کا سارا زور بدن کی پرورش پر صرف ہوا کرتا ہے۔

(۴) اگرچہ زور اور بدنی قوت افراز منی پر منحصر نہیں ہے مگر اس میں کچھ شک نہیں کہ عالی حوصلگی اور جراءت مردانہ کا انحصار اعضائے تناسلی کی صحت و چستی سے بہت زیادہ تعلق رکھتا ہے۔ خصی جانوروں میں بدنی قوت اور محنت شاق برداشت کرنے کی قابلیت بہت ہوتی ہوگی۔ مگر ان میں دلیری اور دلاوری بہت کم ہوتی ہے۔ مخنثوں اور ہیجڑوں میں بہادری کبھی نہیں دیکھی گئی۔

اخراج منی کا راستہ

مرد کی منی ان پیچ دار نالیوں میں پیدا ہوتی ہے جن کو انبیب منی (ٹیوبولائی سیمی نیفرائی) کہتے ہیں۔ اس جگہ سے سیدھی نالیوں سے گزرتی ہے۔ پھر منصف خصوصی میں جاتی ہے اور قنات الخارجیہ کی راہ کدہ کلاں میں پہنچتی ہے۔ وہاں سے خصیہ فوقانی کی نالی سے ہوتی ہوئی کرہ دقیق میں آجاتی ہے۔ یہاں سے اوعائے منی میں جاتی ہے اور مذی دودی کو شامل کر کے ساری مسافت احلیل کی طے کر کے باہر خارج ہوجاتی ہے۔

کیا عورتوں کے بھی منی ہوتی ہے

عام خیال یہی ہے کہ عورتوں کی بھی منی ہوتی ہے اور وہ بھی مردوں کی طرح منزل ہوتی ہے۔ اس امر کا فیصلہ کرنے سے پہلے ہم کو یہ دیکھنا چاہیے کہ عورتوں میں کوئی ایسا عضو موجود ہے جس کا کام منی بنانا ہے۔ سو اس کا جواب یہ ہے کہ عورت کے اعضائے تناسلیہ میں کوئی ایسا عضو نہیں ہے۔ اس میں کوئی ساخت ایسی نہیں ہے جو منی کو افراز کرے۔ اس کے سپرد ایک بڑا اہم کام بیضہ کا نکلنا ہے۔ اس مقصد کے لئے مہبل کے اوپر بے شمار باریک باریک غدد ہیں۔ جن سے ایک قسم کی لعابی رطوبت تراوش پاتی ہے اور دوران جماع میں مہبل کو تر رکھتی ہے۔ اگر کوئی اس رطوبت کو منی خیال کرتا ہے تو اس کو اختیار ہے۔ کیونکہ اس میں منی کی کوئی خاصیت نہیں پائی جاتی اور نہ ہی اس کے مشاہدہ سے اور نہ ہی کیمیاوی امتحان سے اس کو منی کہا جاسکتا ہے جس کی تشریح کتب طبیہ میں درج ہے۔

حکماء اور منی کی حقیقت

حکماء نے لکھا ہے کہ غذا کے چار ہضم ہوتے ہیں۔ غذا پہلا ہضم معدہ میں پاتی ہے جیسے ہضم کیلوس کہتے ہیں۔ دوسرا ہضم جگر میں ہوتا ہے جو کبدی کہلاتا ہے۔ تیسرا ہضم عروق میں ہوتا ہے اور اسے ہضم عروقی کہتے ہیں۔ چوتھا ہضم عضوی جو اعضاء میں ہوتا ہے۔

حکیم محمد ارزانی کتاب طب اکبر میں لکھتے ہیں کہ منی ہضم رابع کا فضلہ ہے اور بیان کیا ہے کہ یہ منی ہر وقت ضرورت کے مطابق عروق سے حاصل ہوتی ہے۔ یعنی غذا کے اعضاء میں تقسیم ہوجانے کے بعد اس کا فضلہ یعنی جزو لطیف قابل تغذیہ جو فاضل ہوتا ہے ٹپک کر منی پیدا کرتا ہے اور یہ منی وہ رطوبت غریبہ ہے جو جلد پر منعقد ہو کر صورت اعضاء قبول کرتی ہے اور جملہ اعضاء مثل عضام، غضروف، عصب، وتر، رباط، شریانیں، وریدیں اور غشاء بناتی ہیں اور خمیر مایہ اور جزو اعظم اس کا دماغ سے بذریعہ ان دو کے جو کان کے نیچے سے نخاع کے ساتھ ملی ہوئی اترتی ہیں نازل ہوتا ہے اور عضو رئیس اور غیر رئیس سے شعبے ان رگوں میں آکر مل جاتے ہیں اور یہ سب انثیین میں پہنچتے ہیں۔ وہاں پر خدا کی قدرت وصنعت بالغہ سے یہ انتظام جاری ہے۔ جس وقت انثیین میں پہنچتا ہے ساتھ رنگ محل کے متاثر ہو کر سفید ہوجاتا ہے۔ جیسا کہ پستان میں خون اپنی رنگت چھوڑ کر دودھ بن جاتا ہے۔ اطباء نے اس کو فضلہ لکھا ہے تو اس سے ان کی مراد یہ نہیں ہے کہ منی کوئی شے مثل بول و براز کے واجب الدفع اور بیکار شے ہے۔ بلکہ فضلہ اس اعتبار سے ہے کہ بعد غذائے انثیین حسب رائے شیخ فاضل رہ جاتا ہے اور اس کا جسم کے اندر رہنا اعضائے رئیسہ کو تقویت آنکھ کو روشنی اور دست و پا کو قوت دیتا ہے۔ اگر فضلہ منی شے قابل دفع ہوتا تو اس کے اخراج سے ضعف نہ ہوتا بلکہ اس کا اخراج باعث آسودگی طبع ہوتا۔ بقراط کا قول ہے کہ خمیر مایہ جو دماغ سے نازل ہوتا ہے بوسیلہ ہر دو رگ ہاے پس گوش نخاع میں جاتا ہے اور نخاع سے کلیتین اور پھر وہاں سے انثیین میں اترتا ہے اور عضو رئیس اور غیر رئیس کا منوی مادہ ان ہی کی شاخیں لاکر ان ہی بڑی رگوں میں پہنچاتی ہیں۔ پھر وہ خمیر کے ساتھ مل کر رگ ہائے خصیتین میں آتا ہے اور وہاں پر سفید ہونے کی قابلیت حاصل کر کے نفس خصیہ میں داخل ہوتا

ہے اور بالکل سفید پھر منی بن جاتا ہے۔

ماڈرن سائنس کی تحقیق

اس امر کا کوئی ثبوت نہیں ہے کہ منی تمام اعضاء میں بنتی ہے۔ مثلاً تمام دماغ کو چھان مارو کوئی ساخت اس میں نظر نہیں آئے گی جس سے منی کا بنا ممکن ہو سکے۔ اسی طرح جگر اور دل میں کوئی ساخت دکھائی نہیں دیتی جو منی بنانے کا کام دے سکے۔ متقدمین نے چونکہ نشوونما جنین کے مختلف مدارج کی حقیقت نہیں سمجھی اور جب انہوں نے دیکھا کہ منی سے سارا بدن بنتا ہے تو انہوں نے یہ قیاس لگایا کہ منی ہر عضو سے آتی ہے اور اسی لئے سارے اعضاء بناتی ہے۔ لیکن ایک بات محققین حکماء نے بہت ٹھکانے کی کہی ہے جس کے حق ہونے میں کوئی شبہ نہیں کہ کان کے پیچھے جو غدد ہیں اگر ان کو کاٹ دیا جائے اور ان میں ورم واقع ہو جائے تو خصیہ بھی بیمار ہو جاتا ہے۔ بہرحال خواہ اس میں کیسا ہی تعلق کیوں نہ ہو متقدمین نے مشاہدے پر زور نہیں دیا بلکہ محض قیام لیا ہے۔ انہوں نے لاش کو چیر کر ان دو رگوں کو چیر کر دیکھنے کی تکلیف گوارا نہیں کی جن کے ذریعہ بقول ان کے منی دماغ سے نکل کر خصیوں میں جاتی ہے۔ حقیقت میں معائنہ سے کوئی ایسی رگیں دکھائی نہیں دیتیں اور نہ کل اعضاء میں منی بننے کا کارخانہ ہے۔

ماڈرن سائنس کا جواب

جب یہ حقیقت ہے کہ منی خون سے بنتی ہے اور یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ منی خصیتین میں بنتی ہے تو یہ کیسے سمجھ لیا جائے کہ منی جسم کے تمام اعضاء میں بنتی ہے۔ حکمائے متقدمین اور متاخرین میں سے کسی نے یہ تسلیم نہیں کیا کہ منی خصیوں کی بجائے تمام اعضاء میں بنتی ہے۔ تمام اعضاء سے ان کا مقصد یہ ہے کہ وہ اپنی رطوبات یا اپنے ان اجزاء کو جن کو وہ تیار کرتے ہیں منی شامل کرتے ہیں جو بذریعہ خون شامل ہوتے ہیں۔ اس کے ثبوت میں ایسے اعضاء کو پیش کیا جا سکتا ہے جو کمزور اور مریض ہیں۔ بچے پر بھی ماں باپ کے کمزور اور مریض اعضاء کا اثر ہوتا ہے۔ کیا اس حقیقت سے فرنگی طب یا ماڈرن میڈیکل سائنس انکار کر سکتی ہے۔

جہاں تک ان دو رگوں کا تعلق ہے جو کان کے نیچے سے ملی ہوئی ہیں اور نخاع کے ساتھ ملی ہوئی اترتی ہیں کہ جن میں خمیر مایہ اور جزو اعظم نازل ہوتا ہے۔ جس کو ہضم رابع کا فضلہ کہا گیا ہے۔ اس کا گہرا تعلق خصیوں کے ساتھ ہے اور اس کو ماڈرن سائنس تسلیم کرتی ہے کہ اگر وہاں کی غدد متورم ہو جائیں تو خصیتین بھی متورم ہو جاتے ہیں۔ ہم نے بھی اپنی تحقیقات میں یہ ثابت کیا ہے کہ تمام جسم کے غدد کا باہمی ایسا ہی تعلق ہے اور اس حقیقت سے بھی ماڈرن سائنس انکار نہیں کر سکتی کہ خون کی تکمیل ان رطوبات اور افراز سے ہوتی ہے جو جسم کی مختلف نالی دار غدد سے ترشہ پا کر اس میں شامل ہوتے ہیں۔ جسم کے جس مقام کے یہ غدد کمزور یا مریض ہو جائیں ان کی رطوبات خون میں شریک نہیں ہوتیں یا زیادہ ہوتی ہیں۔ ان کا اثر مرد کی منی کی تکمیل پر پڑتا ہے۔ بس یہی وہ منی کا تصور ہے جو حکماء پیش کرتے ہیں۔

یہاں دو باتیں اور بھی قابل غور ہیں۔ اوّل جسم میں خون کی تکمیل ان افرازات سے ہوتی ہے جو غدد سے ترشح پاتے ہیں۔ تمام جسم کے نالی دار غدد ہی ایسی فیکٹریاں ہیں جن کے اندر کیمیاوی طور پر رطوبات افرازات تیار ہوتے ہیں۔ جب ان میں سے کوئی غدد پوری طرح کام نہیں کرتا اور اس میں رطوبات و افرازات تکمیل پا کر ترشح نہیں پاتے تو خون میں ایک خاص قسم کی کمزوری پیدا ہو جاتی ہے جو مرض کی صورت میں نمودار ہوتی ہے اور جسم کے بڑے بڑے غدد جیسے جگر، گردے ولبلبہ، مذی وخصیے وغیرہ کے افعال سے ظاہر ہوتا ہے۔

دوسری یہ بات یاد رکھیں کہ جب کسی غدد میں کیمیاوی طور پر کوئی رطوبت یا افراز تیار ہوتا ہے تو اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ غدد

جب خون سے رطوبت حاصل کرتا ہے تو وہ پہلے سے اپنے اندر کچھ وقت تک اکٹھا کرتا ہے۔ پھر اس میں خمیر پیدا ہوتا ہے۔ اس کے بعد وہ ایک خاص قسم کے افراز میں تبدیل ہو جاتا ہے جو خون میں گر کر اس کی تکمیل اور تقویت کا باعث ہوتا ہے۔ اسی طرح یہی غدد جب خون سے رطوبت حاصل کرتے ہیں تو انہی رطوبات کو جذب کرتے ہیں جن کو انہوں نے خون سے خارج کرنا ہوتا ہے۔ گویا ایک طرف یہ غدد اپنی رطوبات و افرازات سے خون کی تکمیل اور تقویت کا باعث ہوتے ہیں اور دوسری طرف خون کی صفائی اور اعتدال کو قائم کرتے ہیں۔ خون کی ترکیب و ترتیب اور تربیت کا جو کارخانہ ہے وہ تقریباً انسانی غدد کے تحت کام کرتا ہے۔ انسانی صحت وتقویت اور جذبات وروحانیات کو سمجھنے کے لئے انہی غدد کا مطالعہ نہایت ضروری اور اہم ہے۔

تیسری بات یہ بھی ذہن نشین کر لیں کہ انسانی جسم پر جو رطوبات (طل، شبنم) ترشح پاتی ہیں وہ بھی انہی غدد سے ترشح پاتی ہیں جو شریانوں اور وریدوں کے ملاپ پر لگے ہوئے ہیں اور جو رطوبات تغذیہ اعضائے جسم سے بچ جاتی ہیں وہ غدد جاذبہ کے ذریعہ واپس خون میں شریک ہوتی ہیں۔ گویا غدد کا کام ہے کہ وہ جسم میں تغذیہ وتصفیہ، نشوو ارتقا، تکمیل وتقویت اور صفائی و اعتدال قائم رکھیں۔ اس دقیق تشریح سے غدی کی اہمیت کا پورا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

ایک چوتھی ہماری تحقیق یہ سمجھ لیں کہ قدرت نے جسم انسان کے صرف تین اعضائے رئیسہ بنائے ہیں (دل، دماغ اور جگر) دماغ اعصاب کا مرکز ہے جن کا کام احساسات کرنا ہے۔ دِل عضلات کا مرکز ہے جن کا کام حرکات کرنا ہے۔ جگر غدد کا مرکز ہے جس کا کام تغذیہ وتصفیہ خون وجسم ہے۔ اب ذرا قدرت کی اس ترتیب کو دیکھیں کہ اعصاب جسم میں باہر کی طرف ہیں تاکہ ہر احساس کو سمجھیں۔ عضلات جسم کے اندر کی طرف ہیں تاکہ باعث حرکت ہوں اور غدد دونوں کے درمیان تاکہ تغذیہ وتصفیہ کا باعث بنیں۔ ایک قدم اور آگے دیکھیں کہ جسم کے اعصاب میں جب تیزی ہوتی ہے تو نالی دار غدد کی رطوبات گرتی ہیں۔ جب عضلات میں تیزی ہوتی ہے تو غیر نالی دار افرازات خون میں شامل ہوتے ہیں اور بظاہر جسم میں خشکی ہو جاتی ہے۔ گویا غدد ایک ایسی مشین ہیں کہ جس کے ایک طرف کے پرزے کو دبانے سے رطوبات اندر کی طرف داخل ہونا شروع ہو جاتی ہیں۔ اس تشریح کو سامنے رکھ کر خصیوں کے افعال اور قوت باہ کی حقیقت کو پورے طور پر سمجھا جا سکتا ہے۔

منی کی حقیقت

منی (سیمن) جس کو جوہر حیات، جوہر خون، نطفہ، تخم انسان اور ویرج وغیرہ مختلف نام دیئے ہیں حکماء نے اس کو حرارت غریزی، رطوبت غریزی اور طبی روح کا لطیف مرکب کہا ہے۔ یہ ایک گاڑھی سفید رنگ کی رطوبت ہے جو انزال کے وقت پیشاب کی نالی سے پوری لذت کے بعد خارج ہوتی ہے۔ یہ خصیوں میں تیار ہوتی ہے۔ جب خون خصیوں میں جاتا ہے تو وہاں پر منی کی صورتیں اختیار کرتا رہتا ہے۔ خصیوں کی صورت غدی ہے اور اس کی باریک نالیوں ہی میں تیار ہوتی ہے۔ جیسے پستانوں میں خون دودھ کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ یاد رکھیں کہ صحت کی حالت میں یہ تمام جسم اور خون کا جوہر ہوتا ہے۔

وقت پیدائش منی

انسان کے بالغ ہونے کے بعد منی خصیوں کی باریک باریک نالیوں میں ہر وقت بنتی رہتی ہے۔ لیکن شدید لذت کے وقت اس کی

پیدائش زیادہ ہو جاتی ہے۔ پھر وہاں سے خزائن منی میں جمع ہوتی رہتی ہے۔ انزال کے وقت وہاں سے زیادہ مقدار میں خارج ہو جاتی ہے اور بعض وقت مذی و ودی اور پیشاب کے ساتھ بھی کچھ نہ کچھ خارج ہو جاتی ہے۔ ایسی حالت کو مرض نہیں کہا جاسکتا کیونکہ نوجوانوں میں انسانی جذبات اکثر ماحول سے متاثر ہوتے رہتے ہیں اس کے نتیجہ میں اس کا گاہے بگاہے اخراج پایا جانا عین قانون فطرت کے مطابق ہے۔ جیسے نزلہ زکام گاہے بگاہے گرتا رہتا ہے۔ البتہ اگر یہ مستقل اور مسلسل صورت اختیار کرلے تو اس کو مرض کہا جاسکتا ہے۔

مذی اور ودی و دیگر رطوبتیں

لذت اور شہوت کے وقت منی کے اخراج سے قبل ایک رطوبت خارج ہوتی ہے جس کو مذی کہتے ہیں۔ یہ منی سے ایک جدا رطوبت ہے اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ یہ منی کے راستے کو نرم کر دے اور اس سے منی با آسانی اخراج پا سکے یا اس کی تیزی سے وہاں سوزش پیدا نہ ہو جائے۔ اس کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ اس سے منی کے اخراج کو تحریک ہوتی ہے۔ کیونکہ زیادہ دیر تک منی کا خارج ہونا اس کے مزاج کو خراب کر دیتا ہے اور وہ سرد ہو جاتی ہے جس سے اکثر حمل قرار نہیں پاتا۔ اگر قرار پا جاتا ہے تو نطفہ میں سردی غالب رہتی ہے جس کا اثر بچہ پر پڑتا ہے اور تمام عمر وہ نقصان اٹھاتا ہے۔ **جو لوگ زیادہ امساک کی کوشش کرتے ہیں ان کی اولاد ہمیشہ دماغی اور جسمانی طور پر اکثر ناکارہ ہوتی ہے۔ اس لئے فطری امساک سے زیادہ کوشش نہیں کرنی چاہیے۔ فطری امساک اچھی صحت پر خود بخود قائم رہتا ہے۔**

یاد رکھیں لذت کو بڑھانے کے لئے غیر فطری امساک کی کوشش کی جاتی ہے جس کا نتیجہ خوفناک نکلا کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عیاش لوگوں کی اولاد اکثر ناکارہ ہوا کرتی ہے۔ مذی کے خارج ہونے کی صورت یہ ہوتی ہے کہ شہوت جب شروع ہوتی ہے تو اس سے نائزہ کے اجزاء میں حرکت پیدا ہوتی ہے جس سے انتشار پیدا ہوتا ہے تاکہ جماع کے لئے آمادہ ہو جائے۔ اس حرکت سے وہ گلٹی (غدد) دب جاتی ہے جو گردن مثانہ میں واقع ہوتی ہے اور اس کے دباؤ سے اس کی رطوبت (مذی) بہنے لگتی ہے۔

دوسری رطوبت وہ ہے جو پیشاب سے قبل اس راستہ کو لیسدار کرنے کی غرض سے بہتی ہے، کیونکہ پیشاب کی مقدار زیادہ ہوتی ہے اور وہ زیادہ عرصہ تک گزرتا رہتا ہے۔ نیز اس میں تیزی بھی ہوتی ہے۔ ان وجوہ سے مذکورہ بالا رطوبت کی ضرورت پڑتی ہے تاکہ وہ اپنے لعاب کی وجہ سے پیشاب کی تیزی سے سوزش پیدا نہ ہونے دے۔ ودی کی پیدائش ایک گلٹی (غدہ) سے ہوتی ہے جو گردن مثانہ کے قریب ہوتی ہے اور پیشاب کے خارج ہونے کے وقت دب جاتی ہے جس سے یہ رطوبت بہنے لگتی ہے۔ جب اس کی مقدار زیادہ ہو جاتی ہے تو غلیظ ہو جاتی ہے اور پیشاب کے بعد بھی بہتی ہے۔ بعض لوگ اس کو جریان منی خیال کرتے ہیں جو بالکل غلط ہے۔

منی کی ماہیت

منی ایک گاڑھی سفیدی مائل رطوبت ہے جس میں ایک خاص قسم کی خوشگوار بو ہوتی ہے۔ اگر کپڑے پر لگ کر سوکھ جائے تو کپڑا اکڑ جاتا ہے۔ ظاہرہ دیکھنے میں اس کے دو اجزاء معلوم ہوتے ہیں۔ اوّل ایک رقیق سیال و مثل سفیدی بیضہ (البومن) کے ہوتا ہے۔ دوسرا غلیظ کچھ منجمد سا مادہ ہوتا ہے جیسے انڈے کی زردی کا قوام ہوتا ہے۔ اگر اس کو خوردبین کے نیچے دیکھا جائے تو رقیق سیال میں ذرات حرکت کرتے نظر آتے ہیں۔ ایسے معلوم ہوتا ہے جیسے چھوٹے چھوٹے کیڑے حرکت کر رہے ہیں۔ جس طرح پھیپھڑوں میں چھوٹے چھوٹے کیڑے دوڑتے نظر آتے ہیں۔ ان کو کرم منی (سپرمے ٹوزوا) کہتے ہیں۔ ان کا ایک چپٹا بیضوی شکل کا سر اور ایک نہایت لمبی و پتلی اور مخروطی شکل کی دم معلوم ہوتی ہے۔ چونکہ ان میں تیز حرکت کی طاقت ہوتی ہے اس لئے اسی حرکت کے زور پر دوڑتے ہوئے بیضہ انثیٰ تک پہنچ جاتے ہیں۔ یہ کرم منی

بھی خصیوں میں منی کے ساتھ ہی تیار ہو جاتے ہیں۔ کرم منی تقریباً تمام جانوروں کی منی میں پائے جاتے ہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ قرار حمل کے لئے ان کا ہونا ازحد لازمی امر ہے۔ جن لوگوں میں یہ کرم منی نہیں ہوتے ان کی اولاد نہیں ہوتی۔ اور جن لوگوں میں کرم منی کمزور یا کم ہوتے ہیں اوّل تو ان کی اولاد نہیں ہوتی اور اگر ہوتی ہے تو نہایت کمزور اور بیمار ہوتی ہے۔

یاد رکھیں کہ کمزور کرم منی کی حرکت بھی کمزور ہوتی ہے۔ اندازہ کیا گیا ہے کہ ایک بار میں منی کا اخراج دو تولہ ہوتا ہے اور اس میں تقریباً دو کروڑ کرم منی ہوتے ہیں جو رحم میں دو ہفتوں تک آسانی سے زندہ رہ سکتے ہیں۔ اگر میاں بیوی بالکل تندرست ہوں تو صرف ایک بار کی مواصلت سے ہی حمل قرار پا جاتا ہے۔ جب حمل میں دیر ہوتی ہے تو یقیناً مرد یا عورت میں نقص ہوتا ہے۔

تحقیقات منی

اگرچہ منی کے مطابق کچھ تحقیقات ہو چکی ہیں مگر ابھی تک مکمل تحقیقات نہیں ہو سکی۔ کیونکہ اس کی ماہیت کے متعلق ابھی مکمل اطمینان نہیں ہو سکا۔ یہ حقیقت ہے کہ کیمیاوی اور حیوانی اعمال میں بڑا فرق ہے کیونکہ کیمیاوی امتحان میں عمل حیوانی کی حقیقت منکشف نہیں ہو سکتی۔ کیمیاوی امتحان سے صرف اسی قدر معلوم ہو سکتا ہے کہ اس کے تجزیہ و تحلیل کے بعد اس میں کیا کیا اجزاء پائے جاتے ہیں۔

وہ بیضوی سر اور لمبی لمبی دم والے اجسام جن کو کرم منی کہا جاتا ہے ان کے متعلق ابھی شبہ پایا جاتا ہے کہ آیا ان کو حیوانات ہی سمجھنا چاہیے یا وہ صرف تخم نباتات کی طرح ایک مادی شے ہیں۔ جدید عالمان علم وظائف اعضاء تقریباً سب کے سب اس امر پر متفق نہیں ہیں۔ جو محقق ان کو حیوانات تسلیم نہیں کرتے ان کا خیال ہے کہ اگر ان کو حیوانات تسلیم کر لیا جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ بیضہ بشر گویا خون کے سفید و سرخ ذرّات کو بھی حیوانات تسلیم نہ کر لیا جائے۔

اگر ان کی تیز رفتاری اور ایک دوسرے سے مقابلہ دوڑنا بھاگنا اور باہم ملنے جلنے کو ان کی حیوانی صفت کہا جا سکتا ہے تو پھر خون کے ذرّات کی حرکات دیکھ کر بھی ان کو حیوانی اجسام تسلیم کرنا پڑے گا۔ ہو سکتا ہے کہ یہ حرکات محض خوردبین یا انسانی آنکھ کا دھوکا ہے۔ جیسے بارش و شعلہ جوالا اور فلم کی تیز حرکت آنکھ کے لئے دھوکا ہیں ہماری تحقیق یہ ہے کہ کرم منی درحقیقت حیوانی ذرّات ہیں۔ جو خون کے سرخ ذرّات میں نشوو ارتقاء سے زندگی حاصل کر لیتے ہیں۔ جیسے سرخ ذرّات سفید ذرّات سے بنتے ہیں۔ جہاں تک ذرات کی دوڑ بھاگ اور تیز رفتاری و مقابلہ اور باہم ملنے کا تعلق ہے یہ خون کے دوران حرکت اور اس میں الیکٹرسٹی کی وجہ سے ہے اور اس میں کیمیاوی طور پر کشش قائم ہے۔ اس کا طبعی نتیجہ ہے۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ کرم منی میں ذاتی حرکات پائی جاتی ہیں۔ اس کا تغذیہ اور تخمینہ اور تصفیہ جسم کلی طور پر آزاد ہے۔ ان کے برعکس خون کے ذرّات بغیر گردش خون کے اپنی نشوو ارتقاء قائم نہیں رکھ سکتے۔ ان کے رنگوں میں سفیدی و سرخی اور زردی تبدیلیاں خود ان کی زندگی پر دلالت کرتی ہیں۔

مردانہ امراض میں اصول علاج

مردانہ امراض کا تعلق ظاہر میں اعضائے مخصوصہ مردانہ کے ساتھ ہے۔ اس لئے علاج میں ان کو مدنظر رکھا جاتا ہے۔ لیکن جمہور حکماء نے تمام اعضائے جسم کو مدنظر رکھنے کی تاکید کی ہے جس پر ان کی دلیل یہ ہے کہ چونکہ منی خون سے بنتی ہے اور اعضائے مخصوصہ کا تغذیہ بھی خون سے ہوتا ہے اور خون تمام جسم کی مشترکہ کوشش سے بنتا ہے۔ اس لئے مردانہ امراض کے علاج میں اوّل اعضائے جسم کی صحت اور صالح خون کی پیدائش سے شروع کرنا چاہیے۔ تاکہ صحت مند منی تیار ہو اور اعضائے مخصوصہ مردانہ کو مکمل غذا حاصل ہو۔ گویا قوت مردانہ کا دارومدار

صحت مند منی پر ہے جو صالح خون سے پیدا ہوتی ہے۔ جب صحت مند منی پیدا ہوگی تو لامحالہ اعضائے مخصوصہ مردانہ بھی صالح خون سے تغذیہ حاصل کر کے صحت مند ہوں گے۔

یہ حقیقت مسلمہ ہے کہ منی نہ صرف جوہر خون ہے بلکہ جوہر انسان ہے اس لئے اس کی پیدائش تندرست انسان ہی میں ہوسکتی ہے۔ جہاں انسانی تندرستی میں خرابی واقع ہوگی وہاں پر منی (جوہر انسان) کی پیدائش خراب واقع ہوگی اور اس کے امراض بھی ظاہر ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ اس لئے مردانہ امراض کے علاج میں اوّل صحت کا ہونا ضروری ہے۔

منی کے امراض کی تقسیم

ظاہر میں منی کے دو ہی قسم کے امراض ہیں۔ اوّل پیدائش منی میں خرابی جو صحت جسم کی خرابی پر منحصر ہے۔ دوسرے تصرف منی جس کا تعلق اخراج منی سے ہے۔ عام طور پر امراض مردانہ انہی کو کہا جاتا ہے جن میں تصرف منی میں کمی بیشی واقع ہوتی ہے۔ اگر پیدائش منی کے ساتھ تصرف منی میں اعتدال برتا جائے تو نہ صرف انسان مردانہ امراض سے بچا رہتا ہے بلکہ اس کا جسم بھی صحت مند رہتا ہے۔

جاننا چاہیے کہ انسان اکیس برس سے پچیس برس تک مکمل بالغ ہو جاتا ہے لیکن اس میں زمانہ بلوغت تقریباً سولہ سترہ برس سے شروع ہو جاتا ہے۔ تو جوانی کے زمانے میں جسم کے اندر ایک غیر معمولی جوش وشوق اور لذت ولطف پیدا ہو جاتا ہے۔ اس کے ہر رگ و پٹھے اور گوشت میں احساسات کی شدت ہو جاتی ہے۔ ماحول کی ہر رنگینی اور سریلی آواز اس پر اثر انداز ہوتی ہے۔ گھر کے اندر اور باہر وہ ہر رنگین آواز کو سنتا ہے۔ اس کے اندر تحلیل ہو کر اس کو بہت حد تک بے خود بنا دیا ہوتا ہے۔ وہ بے تحاشا لذت ولطف اور شوق کی طرف لپکتا ہے۔ اس زمانے میں اس کی نگرانی کی بے حد ضرورت ہوتی ہے۔ اور اگر وہ غلط قدم نہ بھی اٹھائے تو پھر بھی ماحول سے ضرور متاثر ہو جاتا ہے۔ اس طرح کچھ نہ کچھ وہ مردانہ امراض کا شکار ہو جاتا ہے۔

ان دنوں نوجوانوں کی ان امراض کی شدت سے کوئی طریقہ بچاؤ کا ہوسکتا ہے تو وہ تقویٰ و پرہیزگاری اور خوف خدا ہے جو تنہائیوں میں بھی اس کی مدد کرسکتا ہے اور اس کے علاوہ ایک متوازن غذا جو اس عمر کے لئے ضروری ہے یعنی اعصابی غدی (تر گرم) گویا ہر غذا میں رطوبت کا درجہ غالب ہو۔ سرد اغذیہ زیادہ نہیں دینی چاہئیں۔ کیونکہ اوّل تو وہ خشکی کی طرف منتقل ہو جاتی ہے۔ دوسرے نشوو ارتقاء میں خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔

جن نوجوانوں میں تقویٰ و پرہیزگاری اور خدا ترسی کی تعلیم نہیں ہوتی ہے اور نہ ہی ان کی اغذیہ کو متوازن بنایا جاتا ہے، ان کے جسم لذت ولطف اور شوق وجذبات سے بہت متاثر ہوتے ہیں۔ ایسے نوجوان تھوڑے سے عرصہ میں قانونی مجرم بن جاتے ہیں۔ اگر ظاہری طور پر قانون سے بچے رہتے ہیں تو اپنی جوانی کو برباد کر لیتے ہیں۔ بس یہی لوگ ہیں جو مردانہ امراض کے زیادہ مریض ہوتے ہیں اور معالجین کو کامیاب علاج کے لئے دولت کا لالچ دے کر اکساتے رہتے ہیں جو دن رات مردانہ امراض اور قوت کے نسخوں کی تلاش کرتے رہتے ہیں۔ حالانکہ ادنیٰ ادنیٰ ادویات جو کوڑیوں کے مول بکتی ہیں انتہائی مفید ومقوی اور تریاق واکسیر کا حکم رکھتی ہیں۔ بلکہ صرف غذا کو صحیح اور متوازن کر دیا جائے تو اس قدر قوت پیدا ہوتی ہے کہ برداشت سے باہر ہو جاتی ہے۔ شرط یہ کہ معالجین حقیقت مرض سے آگاہ ہوں۔ ان حقائق سے ثابت ہوتا ہے کہ مردانہ امراض میں پیدائش منی اور تصرف منی کا خیال رکھنا ضروری ہے۔

منی قوت کا ایک راز ہے

منی جوہر خون انسان جسم انسان میں قوت کا ایک راز ہے۔ جن لوگوں میں منی کی پیدائش بہت زیادہ ہوتی ہے ان کے دِل و دماغ و جان بلکہ جذبات و روح میں بھی بے انتہا قوت ہوتی ہے۔ جاننا چاہیے کہ جو مواد جسم میں جس مقام پر بنتا ہے وہ نہ صرف اس مقام کو قوت دیتا ہے بلکہ جس جگہ سے گزرتا ہے وہاں پر بھی انتہائی قوت کا باعث ہوتا ہے۔ مثلاً ترشی جو طحال میں تیار ہوتی ہے کیمیاوی طور پر جب دل میں شریک ہوتی ہے تو عضلات و معدہ اور دل و پھیپھڑوں کے لئے انتہائی مقوی بلکہ محرک اور اس کی انتہائی سوزش کا باعث ہوتی ہے اور اسی طرح صفراء کی زیادتی خود جگر کے علاوہ جب کیمیاوی طور پر خون میں شریک ہوتی ہے تو وہ جسم کی غدد و گردوں پر اور امعاء و اعصاب میں مقوی و محرک اثر کرتی ہے۔ یہی صورتیں جسم انسان کی دیگر کیمیاوی رطوبات اور مواد کی ہیں جو خون میں شریک ہوتی ہیں یا وہاں سے اخراج پاتی ہیں تو اپنے مقوی اور محرک اثرات جسم میں چھوڑ جاتی ہیں۔ ان میں منہ کا لعاب و معدہ کی رطوبت اور لبلبہ اور امعاء کی رطوبت خاص طور پر غیر نالی دار غدد کی رطوبات اپنے خاص خاص اثرات و افعال اور مقوی و محرک صورتیں پیدا کر دیتی ہیں۔

بالکل اسی طرح منی خصیوں میں تیار ہوتی ہے پھر یہ جوہر خون میں شامل ہو کر خزانہ جنسی میں غشائی قسم کی تھیلیوں میں جمع ہوتا رہتا ہے۔ جہاں یہ خصیوں کو طاقت دیتا ہے اور خصیتین کی تھیلیاں جن مفرد اعضاء کے غشاء میں تیار ہوتی ہیں ان میں تحریک کے بعد ان کے ذریعہ تمام جسم کے ان مفرد اعضاء کو تقویت کا باعث ہوتا ہے اور پھر جب یہ تھیلیاں منی سے بھر جاتی ہیں تو اس کا کچھ حصہ کیمیائی طور پر خون میں ملنا شروع ہو جاتا ہے۔ یہ جوہر تیار تو خون سے ہوتا ہے لیکن جب جوہر کی صورت میں خصیوں کے اندر تیار ہو کر خون پر اثر انداز ہوتا ہے تو پھر بدن پر اثر انداز ہو کر ایک خاص قسم کا غیر معمولی جوش بے خودی کی ملی جلی کیفیات پیدا کر دیتا ہے جس سے انسان کو ناقابل بیان لذت و لطف اور شوق و جذبات کے احساسات میں تحلیل ہوتا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جسم بلکہ عضو میں بجلی دوڑ رہی ہے۔ سولہ سال سے لے کر بیس سال تک اکثر تندرست لوگوں نے ایسا محسوس کیا ہوگا۔ اسی وقت سے جوانی کی ابتدائی ہوتی ہے اور اسی برقائی خون سے اعضاء کی انتہائی تکمیل ہوتی ہے جو بڑھاپے تک جوانی کو قائم رکھتے ہیں۔ مگر جو نوجوان شدید لطف و لذت اور انتہائی شوق و جذبات کے احساسات سے مغلوب ہو کر اس جوہر کو کثرت سے خارج کرتے رہتے ہیں اور طبیعت مدبرہ بدن اس ضرورت کے لئے اس کمی کو پورا کرنے کے لئے خون سے یہ جوہر تیار کر کے تھیلیوں کو پر کرنے کی کوشش کرتی رہتی ہے تاکہ جسم کی ضرورت پوری ہوتی رہے۔

منی کا اخراج زیادہ سے زیادہ جائز اور ناجائز طور سے جاری رہتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ نوجوان کی مکمل نشوو ارتقاء خصوصاً ذہنی اور روحانی قوت اپنی تکمیل کو نہیں پہنچتی جس کا نقصان اس کی ذات و خاندان اور ملک و قوم بلکہ بنی نوع انسان کو پہنچتا ہے۔ یہ بہت بڑا نقصان ہے۔ افسوس اکثر لوگ خصوصاً فرنگی دنیا اس سے واقف نہیں ہے یہ لذت و لطف اور شوق و جذبات کے احساسات اس وقت تک ختم نہیں ہو سکتے جب تک جنسی مسائل کا حل تلاش نہ کیا جائے اور یہ صرف مذہب کی تعلیم سے حاصل ہو سکتا ہے اس میں تقویٰ عمل صالح انتہائی لازم ہیں۔

طب یونانی اصولی طریق علاج ہے

طب یونانی اصولی قوانین کا ایک مجموعہ ہے جس کو انگریزی میں سسٹ میٹک لاز (Systematic Laws) کہتے ہیں، جن میں قانون فطرت نیچرل لاز (Natural Laws) سے ہم آہنگی پیدا کی گئی ہے۔ طب یونانی کی یہ خوبی فرنگی طب تو کیا دنیا کی کسی طب میں بھی نہیں پائی جاتی۔ یہی اس کے مکمل اور کامیاب طریق علاج کی دلیل ہے۔ طب میں جس قدر قوانین ہیں ان کو تین اقسام میں تقسیم کیا گیا ہے۔

قوانین کل: ایسے قوانین جن کا تعلق کائنات اور زندگی کی فطرت کے ساتھ ہے، جیسے اُمور طبیہ وغیرہ جو سات ہیں: (۱) ارکان (۲) مزاج (۳) اخلاط (۴) اعضاء (۵) ارواح (۶) قویٰ (۷) افعال۔

طب کا دعویٰ ہے کہ اگر ان میں سے ایک کو بھی نظرانداز کر دیا جائے تو زندگی قائم نہیں رہتی۔ بہت بڑی حیرت کی بات ہے کہ فرنگی طب میں اوّل تو قوانین کل ہی نہیں ہے۔ دوسرے اُمور طبیہ کا تو بالکل ذکر نہیں ہے۔ ان دونوں باتوں پر جراثیم نے قبضہ کر لیا ہے۔

قوانین عمومی: ایسے قوانین ہیں جن کا تعلق انسانی جسم کی حقیقت اور اس کے افعال کے ساتھ ہے۔ اس سے انسانی صحت و مرض کی اہمیت کا پتہ چلتا ہے۔

قوانین خصوصی: ایسے قوانین ہیں جن کا تعلق انسانی جسم کے کسی ایک عضو کے ساتھ ہے۔ گویا ہر مریض کے علاج میں ایک حکیم کے سامنے تینوں اقسام کے قوانین ہوتے ہیں۔ پھر وہ علاج کی طرف جرأت کرتا ہے۔ مگر فرنگی طب نے علاج بالعلامات کی ایسی عطائیانہ رسم ڈال دی ہے جس سے علم وفن تباہ ہو کر رہ گیا ہے۔

علاج بالعلامات کے معنی یہ ہیں جس علامت کی مریض شکایت کرتا ہے اس کو دور کر دو یعنی سر میں درد ہے تو اسپرو دے دو، جسم میں کہیں سوزش و ورم کا درد ہے تو مارفیا کا انجکشن لگا دو، گویا ہر علامت کے لئے دوا مقرر کر دی ہے۔ اس طرح نہ تو معالج تمام جسم کی عمومی صورت کو مدنظر رکھتا ہے اور نہ ہی خصوصی اعضاء پر غور وفکر کرتا ہے اس کے سامنے تو صرف علامات کا دور کرنا ہے۔ یعنی مرض کو دبا دینا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فرنگی طب سے مریض اچھے نہیں ہوتے اور ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر جاتے ہیں یا غلط اپریشن کر کے ان کو ختم کر دیا جاتا ہے۔

فرنگی طب میں اپریشن (چیر پھاڑ) کو بہت اہمیت دی جاتی ہے۔ لیکن اس سے بڑھ کر خوفناک علاج کوئی نہیں ہے۔ کلوروفارم سے جو اموات واقع ہوتی ہیں ہم ان کا ذکر نہیں کرتے۔ ہم تو یہ کہتے ہیں کہ گلے گردوں کی پتھری اور آنتیں کاٹی جاتی ہیں۔ کیا اس طرح مرض رفع ہو جاتا ہے۔ ہرگز نہیں! وقتی طور پر ضرور چھٹکارا مل جاتا ہے۔ لیکن جسم کے اندر عمومی و کیمیاوی اور خصوصی وعضوی جو صورت پیدا ہو چکی ہوتی ہے وہ اپنی جگہ قائم رہتی ہے۔ وہ گلے کی تکلیف کو قائم رکھتی ہے۔ پتھری پھر پیدا ہو جاتی ہے اور آنتوں میں پھر ورم پیدا ہو جاتا ہے۔ فرنگی ڈاکٹر تمام جسم کے عمومی عناصر کی اہمیت کو نہیں سمجھتا ہے اور مفرد اعضاء (ٹشوز) کے باہمی تعلق سے تو بالکل واقف نہیں ہوتا لیکن اپنی ناکامیوں پر فخر کرتا ہے۔

اس کے ساتھ ہی فرنگی طب نے علاج میں ایک بہت بڑی خرابی پیدا کر دی ہے اس نے ''واحد دواء برائے مخصوص مرض'' (One Medicine For One Disease) کا سلسلہ قائم کر دیا ہے۔ مرض کے لئے تو یہ دواء ہو نہیں سکتی، البتہ کسی علامت کو دبانے کے لئے ہو سکتی ہے۔ جیسے ملیریا کے لئے کونین۔ جب وہ دوا پورے طور پر کام نہیں کرتی اور ناکام ہو جاتی ہے تو اور دوا پیش کر دی جاتی ہے۔ اس کا نام ریسرچ اور ترقی رکھ لیا گیا ہے۔ لیکن وہ اپنی ناکامیوں اور سائنس ریسرچ کی خرابیوں کو بھول جاتے ہیں کہ ہر نئی دوا جس کو یقینی خیال کیا جاتا ہے جب تھوڑی مدت میں ناکام ہو جاتی ہے تو اور کوئی نئی دواء پیش کر دی جاتی ہے۔ ہر دوا بہت بڑی تعریفوں اور اعتماد کے ساتھ پیش کی جاتی ہے۔ مگر تھوڑے عرصہ میں بہت بری طرح ناکام ہو جاتی ہے۔

یہ سب کچھ اس لئے لکھا گیا ہے کہ فرنگی طب کی غیر سائنسی اور عطائیانہ صورتیں طب یونانی کے علاج میں بھی پیدا ہو گئی ہیں اور یہی دونوں صورتیں جن کا ذکر فرنگی طب کی خرابیوں میں کیا گیا ہے۔ یعنی اوّل قوانین طبیہ کو دیکھے بغیر علاج کرنا اور دوسرے کسی مرض یا علامت کے لئے کسی مخصوص دوا کو اکسیر و تریاق اور شفا خیال کر لینا، یہ دونوں صورتیں بالکل غلط ہیں۔ انہی علاج کی صورتوں کو دیکھ کر بجائے فرنگی طب کے

طب یونانی کو عطائی کہا گیا ہے۔

مردانہ امراض میں غلط فہمی

طب یونانی میں فرنگی طب کی نقل میں جو عطائیانہ اور غیر سائنسی علاج کی صورتیں پیدا ہو گئی ہیں وہ مردانہ امراض خصوصاً جنسی امراض میں بہت زیادہ اثر انداز ہیں۔ مثلاً یہ سمجھ لیا گیا ہے کہ جریان و احتلام اور سرعت انزال گرمی اور خون میں تیزی کے امراض ہیں۔ ان میں ٹھنڈی دوائیں استعمال کرائی جاتی ہیں۔ جب مبردات مثلاً شراب نشے وغیرہ سے کام نہیں نکلتا تو مسکنات جیسے سبوس اسپغول اور تخم ریحان جیسی ادویات استعمال کرتے ہیں۔ جب ان سے بھی مقصد پورا نہیں ہوتا تو مخدرات جیسی زہریلی ادویات استعمال کرنے میں بھی کسر نہیں چھوڑتے جیسے بھنگ، اجوائن خراسانی، افیون اور دھتورہ وغیرہ۔ لیکن جب ان تمام مبردات و مسکنات اور مخدرات سے بھی آرام نہیں آتا تو حیران ہوتے ہیں۔ آخر جریان و احتلام اور سرعت انزال کا علاج کیا ہے؟ راز کی بات یہ ہے کہ اگر بغیر اصولی علاج اور ان ادویات اور اغذیہ سے ان امراض کا علاج ہو جاتا تو ان امراض و علامات کے لئے مجربات کی تلاش ختم ہو جاتی۔ لیکن وہ نہیں سمجھتے کہ یہ اصولی علاج نہیں ہے۔

اسی طرح ضعف باہ سردی اور خون میں جوش کی کمی کا مرض سمجھ لیا گیا ہے اور بغیر کسی اصول کے مقوی اغذیہ اور ادویات کا استعمال شروع کر دیتے ہیں۔ جیسے حلوہ جات وحریرہ جات اور بھنے ہوئے گوشت وانڈے وغیرہ۔ جب ان سے طاقت نہیں آتی تو کشتہ جات ومعجونات تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔ پھر جب مریض ان کے کھانے کے بعد اپنے آپ کو اور زیادہ نامرد پاتا ہے تو سنکھیا وکچلہ اور ہڑتال وشنگرف وغیرہ زہروں کو استعمال کرنے کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔ جب اس طرح بھی مقصد حاصل نہیں ہوتا تو سمجھ لیتا ہے کہ اس کے مرض کا علاج ہی نہیں ہے۔ حکماء و اطباء کے پاس چکر لگانا شروع کر دیتا ہے کہ شاید ان کے پاس سے کوئی مجرب نسخہ ہاتھ آ جائے اور اس کی نامردی دور ہو جائے۔ مگر وہاں بھی ناکام رہتا ہے۔

یہی حال ان اطباء اور حکماء کا ہے جو بغیر اصول کے مخصوص مجربات ادویہ سے علاج کرتے ہیں اور اکثر ناکام رہتے ہیں اور ان کے مریض کبھی ایک حکیم اور کبھی دوسرے حکیم کے در کی خاک چھانتے ہیں۔ کیونکہ فرنگی ڈاکٹروں کے پاس اوّل تو مردانہ اور جنسی امراض کا علاج ہی نہیں ہے اور اگر ہے تو عطائیانہ علاج ہے۔ کسی کو آرام آ گیا تو آ گیا ورنہ مریض ہمیشہ ناکام اور نامرد ہی رہتا ہے۔

ان حقائق سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر کہنہ اور پیچیدہ مرض کا یقینی اور بے خطا بلکہ شرطیہ علاج وہی ہے جو اصولی قوانین کے تحت کیا جائے۔ مجربات کی اہمیت مسلمہ ہے مگر وہ بھی اصولی قوانین کے تحت کام کرتے ہیں۔ اس لئے کتب اور قرابادینوں میں جو مجربات ہیں اکثر صحیح بلکہ یقینی اور بے خطا ہیں۔

مردانہ امراض کی تقسیم

شیخ الرئیس حضرت بوعلی سینا فرماتے ہیں کہ ضعف باہ کی دو وجوہ ہیں: (۱) شہوت کا ضعیف ہو جانا۔ (۲) عضو خاص کا ڈھیلا ہو جانا۔ جس کے اسباب و علامات اس طرح بیان کئے ہیں:

❶ ضعف شہوت گاہے اس لئے پیدا ہو جاتا ہے کہ بدن ضعیف اور اس کی غذا کم ہو جاتی ہے۔

علامات: بدن خشک لاغر اور بلحاظ قوت و فعل ضعیف ہو جاتا ہے۔ بدن کا رنگ زرد ہوتا ہے۔ غذا کی کمی ہوتی ہے۔

❷ ضعف شہوت منی کی کمی یا عدم موجودگی سے ہوتا ہے۔

علامات: جب منی خارج ہوتی ہے تو اس کی مقدار قلیل ہوتی ہے۔

۲ اگر کمی منی کی وجہ اعضائے منی کی سردی ہوگی تو اس کی علامت یہ ہے کہ منی جمی ہوئی ہوتی ہے اور بمشکل خارج ہوتی ہے۔

۳ اگر قلت منی کا سبب اعضائے منی کی گرمی ہوگی تو علامت یہ ہے کہ منی غلیظ ہوتی ہے اور با آسانی خارج ہوتی ہے۔

۵ اگر قلت منی کا سبب اعضائے منی کی تری ہو تو علامت یہ ہے کہ منی رقیق ہوتی ہے۔

۶ اگر قلت منی کا سبب دو کیفیتوں کا اکٹھا ہو جانا ہو تو مذکورہ علامات مرکب ہوں گی۔

۷ ضعف شہوت اس وجہ سے ہوتا ہے کہ منی میں سکون ہو جاتا ہے۔اس کی حرکت کم ہو جاتی ہے جس سے قوت شہوانی میں ہیجان اور جوش پیدا ہوتا ہے۔

۸ ضعف شہوت اس وجہ سے پیدا ہوتی ہے کہ اختیاری طور پر یا کسی مجبوری سے جماع چھوڑ دیا جائے تو نفس اسے بھول جاتا ہے اور اعضائے منی اس سے اعراض کر لیتے ہیں اور طبیعت منی پیدا کرنے کا اہتمام چھوڑ دیتی ہے۔جس طرح دودھ چھوڑ دینے والی عورت میں طبیعت دودھ پیدا کرنا چھوڑ دیتی ہے۔

علامات: مریض نے مدت سے اسے ترک کر دیا ہوگا، اور اس کے دماغ میں جماع کا خیال نہ آتا ہوگا۔

۹ ضعف شہوت کی وجہ محض ذاتی رائے ہوتی ہے۔مثلاً زاہد اور مخنث یا اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ مریض کے دل میں یہ بات پہلے سے جمی ہوتی ہے کہ عضو میں انتشار نہیں ہوتا۔خصوصاً اگر کسی موقعہ پر ایسا واقع ہو چکا ہوگا ہے ان فاسد خیالات کی مدد ایک دوسرے وہمی خیال سے ہوتی ہے کہ اس پر جادو کیا گیا ہے اور قوت رجولیت اور جماع کی طاقت جادو سے دور کر دی گئی ہے۔

۱۰ ضعف شہوت ضعف قلب سے ہوتا ہے۔

علامات: تمام بدن کی حرارت کمزور ہو جاتی ہے۔نبض نرم اور ضعیف ہوتی ہے۔

۱۱ ضعف شہوت کی وجہ قلب کی غیر معمولی گرمی ہوتی ہے۔

علامات: خفقان اور پیاس ہوتی ہے۔

۱۲ ضعف شہوت ضعف معدہ اور ضعف جگر سے پیدا ہوتا ہے۔

علامات: بھوک کم لگتی ہے، ہضم خراب ہوتا ہے، معدہ اور جگر میں ضعف کی علامات پائی جاتی ہیں۔

۱۳ ضعف شہوت ضعف دماغ سے پیدا ہوتا ہے۔

علامات: اس خاص قسم میں حواس مکدر و پریشان ہوتے ہیں۔تمام حرکتیں سست ہوتی ہیں۔

۱۴ ضعف شہوت کی وجہ گردوں کا ضعف اور ان کی بیماریاں ہوتی ہیں۔کیونکہ شیخ کی رائے ہے کہ منی کا خمیر دماغ سے حرام مغز کی طرف پھر حرام مغز سے گردوں کی طرف پھر گردوں سے ان رگوں کی طرف پھر ان سے خصیوں کی طرف آتا ہے۔

علامات: گردوں کے ضعف اور ان کی بیماریوں میں لازمی طور پر منی کا مزاج مقید ہوتا ہے۔

۱۵ استرخاء آلہ (عضو مخصوص کا ڈھیلا ہونا) کا باعث بھی ضعف بدن ہوتا ہے۔

علامات: بدن لاغر اور کمزور ہوتا ہے۔

۱۶ عضو کی سستی کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ مریض عرصہ تک جماع سے رک جاتا ہے بقراط کا قول ہے کہ کام کرنا فربہ کرتا ہے اور بیکاری لاغر کر دیتی ہے۔

۱۷ عضو کی سستی کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ اس کے بدن میں ریح کی مقدار کم ہو جاتی ہے۔

علامات: بدن قوی اور اعضاء سالم ہوتے ہیں۔ بدن میں حرارت اور ریاح نہیں ہوتے۔ ریاح انگیز دواؤں یا غذاؤں سے فائدہ ہوتا ہے۔ جماع کے وقت منی بکثرت خارج ہوتی ہے۔ انتشار بالکل زائل ومعدوم نہیں ہوتا۔ اگر عدم ریح عدم حرارت سے ہو تو اس کی علامت یہ ہے کہ انتشار بھوک کے وقت اور غذا سے خالی ہونے کے وقت زیادہ ہو جاتا ہے۔ تیز حرارت کے بعد اور گرم دواؤں کے استعمال کے بعد انتشار قوی ہوتا ہے اور اگر ریح کے نہ ہونے کی وجہ عدم رطوبت ہو تو اس کی علامت یہ ہے کہ انتشار کھانے پینے کے بعد زیادہ ہوتا ہے۔

۱۸ عضو کی سستی کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ عضو کے اعصاب سرد ہو جاتے ہیں اور ان میں فالج پیدا ہو جاتا ہے۔

علامات: منی کی مقدار زیادہ اور قوام رقیق ہوتا ہے اور بغیر انتشار کے با آسانی خارج ہوتی ہے اور سرد پانی میں عضو خاص نہیں سکڑتا عضو خاص کی حس وحرکت کمزور یا بالکل کمزور یا بالکل زائل ہو جاتی ہے۔ نیز بالکل دبلا و لاغر ہو جاتا ہے۔ اگر یہ مرض دیرینہ ہو گیا ہو اور عضو پتلا اور ضعیف ہو گیا ہو تو یہ لاعلاج ہے اور اگر عضو کی حس وحرکت ضعیف نہ ہو اور عضو لاغر و کمزور اور سرد پانی سے سکڑ جاتا ہو تو اس کا وہی علاج ہے جو فالج میں کیا جاتا ہے۔

شیخ الرئیس بوعلی سینا نے ضعف باہ کی دو وجوہ بیان کی ہیں جن کو ہم بیان کر چکے ہیں: (۱) شہوت کا ضعیف ہو جانا۔ یعنی اس کی رغبت کا ضعیف ہو جانا جو جماع کا باعث ہوتی ہے۔ (۲) عضو خاص (نائزہ) کا ڈھیلا ہو جانا۔ یعنی عضو خاص کی ایسی حالت ہونا جس سے عضو جماع کے وقت نہ حرکت کرتا ہے اور نہ اس میں انتشار پیدا ہوتا ہے۔ کیونکہ انتشار اسی وقت پیدا ہوتا ہے جب کہ علیہ مجوفہ (جوف دار یا نالی دار پٹھہ) طول وعرض میں رگوں کی غلیظ ریاح سے اور روح حیوانی سے پھیلتا ہے۔ روح حیوانی اس شہوانی قوت کی وجہ سے جذب ہو کر آتی ہے جو لذت پیدا کرتی ہے۔ پس جو عضو خاص ڈھیلا ہو جاتا ہے وہ نہ تو پھیل سکتا ہے اور نہ اس میں انتشار پیدا ہو سکتا ہے۔ (علامہ نفیس)

شیخ الرئیس کی وجوہ ضعف کی تشریح

پہلی وجہ میں شیخ الرئیس نے شہوت کا ضعیف ہونا بیان کیا ہے جس کو علامہ نفیس نے رغبت کا ضعف کہا ہے۔ شیخ الرئیس اور علامہ نفیس اس وجہ کو منی کی خرابی بھی لکھ سکتے تھے یا خون کے کیمیائی تغیرات بھی کہا جا سکتا ہے۔ یعنی خون کے اخلاط کیفیات اور مزاج میں خرابی کا پیدا ہونا۔ مگر جو کچھ شیخ الرئیس بیان کرنا چاہتے ہیں وہ صرف منی اور خون کی خرابی سے بیان نہیں ہو سکتا۔ شیخ کا مقصد یہ ہے جو غذا ایک انسان کھاتا ہے، اس سے لے کر خون کے بننے تک اور خون سے لے کر منی کے بننے تک بلکہ منی بننے سے لے کر شہوت اور رغبت کے پیدا ہونے تک جو کیمیاوی خلطی اور کیفیاتی وروحانی تغیر پیدا ہوتے ہیں وہ سب شہوت اور رغبت کے ضعف میں شریک ہیں۔

اس حقیقت اور تشریح سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ شیخ الرئیس کس قدر بلند اور گہری نگاہ رکھتے ہیں۔ اسی طرح دوسری وجہ میں عضو خاص کا ڈھیلا ہونا بیان کیا ہے۔ اس میں اعصاب کی خرابی کا ذکر نہیں ہے اور نہ ہی گوشت کے ڈھیلے ہونے کا ذکر کیا گیا ہے۔ بلکہ صرف عضو خاص کا ذکر کیا گیا ہے۔ عضو خاص کوئی مفرد عضو نہیں ہے بلکہ مرکب عضو ہے۔ جس میں اعصاب کے ساتھ عضلات اور غدد بھی شریک ہیں۔ جن کی وجہ سے یہ ایک مرکب عضو بنتا ہے۔

قوت اور جسم انسانی

قوت اور جسم انسانی لازم وملزوم حقیقتیں ہیں۔ بغیر قوت کے جسم کا تصور نہیں ہوسکتا اور بغیر جسم کے قوت کا وجود ایک ناممکن امر ہے۔
جاننا چاہیے کہ قویٰ دوقسم کے ہیں: اوّل مفرد قویٰ جن کا اظہار کسی ایک صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ دوسرے مرکب قویٰ، ایسی صورتیں جن کا اظہار کئی قوتوں کے ملنے سے ظاہر ہوتا ہے۔
مفرد قوتوں کی مثال: قوت طبعی وقوت نفسانی اور قوت حیوانی ہیں۔ جن کا تعلق بالترتیب جگر وغدد، دماغ واعصاب اور قلب و عضلات ہیں۔
مرکب قوتوں کی مثال: قوت مدبرہ بدن جس کی حکومت تمام جسم پر ہے۔ یہ قوت طبعی وقوت نفسانی اور قوت حیوانی سے مرکب ہے۔ اسی کو روح طبعی بھی کہتے ہیں۔ اس کا حاصل خون ہے۔
قوت مدافعت: جس کی حکومت کسی مفرد عضو میں پائی جاتی ہو اس کو قوت مدافعت (امیونٹی) بھی کہتے ہیں۔
اسی طرح تسنیم وتصفیہ خون تغذیہ وتخمیہ جسم اور مولدہ مصورہ تمام قوتیں مرکب ہیں۔ انہی کے تحت نظام ہوایہ، نظام دمویہ، نظام ہاضمہ، نظام بولیہ وغیرہ سب مرکب قویٰ کے تحت کام کرتے ہیں۔ کسی ایک عضو کا فعل نہیں ہے۔ بالکل انہی کی طرح قوت مردانہ بھی مرکب قوتوں کے تحت کام کرتی ہے۔ اس میں کسی واحد قوت یا واحد عضو کا کام نہیں ہے۔ اس لئے اس غلط فہمی کو دور کر دیں کہ کسی ایک عضو کو درست کر دینے سے مردانہ قوت پیدا ہو جائے گی۔ یا کوئی ایک مقوی باہ دوا ہر قسم کی قوت مردانہ کے لئے مفید ہوسکتی ہے۔ بلکہ بقول شیخ الرئیس قوت باہ رغبت شہوت کا نام ہے۔

اعضائے مفردہ اور قوت کا اظہار

جس طرح سے قوتیں دوقسم کی ہیں اسی طرح اعضاء بھی دوقسم کے ہیں۔ اوّل مفرد اعضاء اور دوسرے مرکب اعضاء۔ مفرد اعضاء میں پٹھے گوشت (عضلات)، گلٹیاں (غدود)، ہڈیاں، رباط اور اوتار ہیں۔ انہی کے ملنے سے جسم کے مرکب اعضاء مثلاً دماغ معہ غشاء، قلب معہ غشاء، پھیپھڑے معہ غشاء، معدہ وامعاء اور مثانہ وغیرہ مرکب ہیں۔ اسی طرح مردانہ اعضاء بھی مرکب ہیں۔
جہاں تک ان اعضاء کی قوتوں کا تعلق ہے حقیقت یہ ہے کہ ہر مفرد عضو کے اپنے ذاتی افعال ہیں اور جب یہ افعال صحیح انداز میں کام کرتے ہیں تو یہی ان کی قوتیں ہیں جن کو ہم نے مفرد قویٰ لکھا ہے اور ان مفرد قویٰ سے انسان بنتا ہے۔

مردانہ قوت کے اعضاء

مردانہ قوت کے لئے بھی جسم میں مفرد اور مرکب اعضاء ہیں۔ انہی کے افعال سے مفرد اور مرکب قوتیں پیدا ہوتی ہیں۔ اگر مفرد اعضاء صحیح حالت میں نہ ہوں تو ان کے افعال وقویٰ میں بھی نقص اور خرابی واقع ہو جاتی ہے جس کے نتیجہ میں مرکب اعضاء اور ان کی قوتیں اپنے افعال وقویٰ صحیح طور پر انجام نہیں دیتیں۔ اس طرح مردانہ قوت میں نقص اور خرابی واقع ہو جاتی ہے۔
مردانہ اعضاء کی تشریح میں آج تک جو کچھ بیان کیا گیا ہے ان کی تشریح کا انداز یہ ہے کہ مردانہ مرکب اعضاء کو جدا جدا بیان کیا گیا ہے اور اس کے ہر جزو کی تشریح کی گئی ہے۔ مثلاً قضیب، خصیے اور خصیوں کی نالیاں وغیرہ۔ لیکن ان کے مفرد اعضاء بنا کر کے ان کے تعلق کو

واضح نہیں کیا گیا۔اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ فرنگی طب نے بال کی کھال کھینچی ہے،مگر مفرد اعضاء (ٹشوز) کے باہمی تعلق کو کہیں ظاہر نہیں کیا گیا۔اسی تعلق کی خرابی سے دوران خون میں نقص اور خرابی پیدا ہو جاتی ہے۔جس سے امراض اور علامات پیدا ہوتی ہیں۔اس کا سمجھا ہی امراض وعلامات جسم خصوصاً مردانہ امراض وعلامات کے علاج کا راز ہے۔یہی ہماری تحقیقات ہے جس کا نام نظریہ مفرد اعضاء ہے۔

تشریح قضیب

ظاہر ہے قضیب یا ذکر جس کو مردانہ عضو تناسل بھی کہتے ہیں کو تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے:(۱) حشفہ (۲) درمیانی جسم جو سکڑتا اور پھیلتا رہتا ہے (۳) جڑ جس کے ذریعے وہ انسانی جسم کے ساتھ چسپاں رہتا ہے اور اس کے درمیان سے پیشاب کی نالی گزرتی ہے جس کو مجریٰ البول کہتے ہیں۔

جاننا چاہیے کہ جڑ سے لے کر حشفہ تک تمام عضو جسم اسفنجی ہے۔یعنی خانہ دار ہے اور اسی وجہ سے اسفنج کی طرح پھیل اور سکڑ سکتا ہے جو عضو ضرورت کے مطابق پھیل اور سکڑ سکتا ہے اس میں قوت رغبت صحیح ہوتی ہے۔اسی اسفنجی جسم میں شریانیں، وریدیں اور پٹھے پھیلے ہوتے ہیں۔یہ اسفنجی جسم گوشت ہوتا ہے جس میں اکثریت عضلات کی ہوتی ہے اس کے اوپر اعصاب جس کے نیچے غشائے مخاطی۔اس طرح پیشاب کی نالی اور احلیل کے اندر بھی اعصابی اور مخاطی ریشے پھیلے ہوتے ہیں۔غشائے مخاطی کا تعلق جگر و غدد سے ہوتا ہے اور وہ اپی تھیلیل ٹشو کی بنی ہوتی ہے۔

قضیب کی صحت اور درستی کا دارومدار انہی تینوں اعضاء اعصاب وغدد اور عضلات کی درستی کے ساتھ ہے۔ان کی درستی ہی سے یہ اپنا تعلق دل و دماغ اور جگر سے قائم رکھ سکتے ہیں۔یاد رکھیے کہ انسانی دل و جگر اور دماغ کتنے ہی مضبوط کیوں نہ ہوں اور جسم میں خون کی بے حد زیادتی بھی ہو لیکن اگر عضو مخصوص کے مفرد اعضاء درست نہ ہوں گے تو وہاں پر قوت مردمی کا اظہار نہیں ہو سکتا جن کی تشریح آئندہ آئے گی۔

تشریح خصیتین

خصیتین دو چھوٹی چھوٹی بیضوی اور سفید گلٹیاں ہیں جو عضو مخصوص کے نیچے انڈوں کے برابر ہیں جن میں اجزائے منی گردش کرتے کرتے منی کی شکل اختیار کرتے ہیں۔یہی نالیاں پیچ در پیچ ہو کر خصیوں کی شکل اختیار کر لیتی ہیں۔ان کی تھیلی تو زیادہ تر نسیج الحاقی کی بنی ہوتی ہے اور باقی تین غلاف اعصاب وغدد اور عضلات کے بنے ہوتے ہیں اور ان کے تحت عمل کرتے ہیں۔

تشریح خصیوں کی نالیاں

یہ پہلے لکھا جا چکا ہے کہ خصیے دراصل باریک نالیاں ہیں۔ان کی ابتداء اور انتہاء بھی نالیوں پر ہوتی ہے۔اس کی تین صورتیں ہیں: (۱) قنات المنی (۲) خزائن المنی (۳) قنات اخراج منی۔جن کا باہم ایک دوسرے کے ساتھ تعلق ہے۔

(۱) **قنات المنی**: یہ تعداد میں دو ہوتی ہیں۔ہر ایک نالی قریب دو فٹ کے لمبی ہوتی ہے اور اپنی طرف کے حصہ کے بالائی حصے سے شروع ہو کر اوپر جاتی ہے۔شکم کے کنج ران والے سوراخ کے راستہ سے شکم میں پہنچ کر رودہ مستقیم اور شابہ کے درمیان سے گزرتی ہوئی خزانہ منی میں ختم ہوتی ہے۔

(۲) **خزائن المنی**: یہ منی کی تھیلیاں تعداد میں دو ہوتی ہیں جو مثانہ کی جڑ اور مقعد کے درمیان واقع ہیں اور اخراج سے قبل ان میں منی اکٹھی ہوتی ہے۔ان کی دیواریں بھی تین طبقات سے بنی ہوتی ہیں جن کا تعلق دل و دماغ اور جگر سے ہوتا ہے۔

(۳) **قنات اخراج منی**: یہ دو نالیاں خزانہ ہائے منی سے نکل کر عضو کی جڑ کے قریب غدہ قدامیہ کے قریب باہم مل جاتی ہیں۔ پھر اس میں داخل ہو جاتی ہیں۔ ان کے ذریعے منی خصیوں سے قضیب تک پہنچ جاتی ہے۔

رغبت شہوت

چونکہ شہوت تندرست اور بالغ انسان میں ایک فطری عمل ہے، اس لئے رغبت شہوت بھی ایک فطری جذبہ ہے اور خداوند کریم کا منشائے تخلیق بھی یہی ہے کہ انسانی نسل میں تسلسل قائم رہے اس لئے ان کے دلوں میں جماع کے لیے لذت وسرور اور ذوق وشوق پیدا کر دیا ہے۔ صرف انسان ہی نہیں بلکہ ہر جاندار میں رغبت شہوت کا جذبہ پایا جاتا ہے جس کی تسکین کا ذریعہ جماع اور نتیجہ نسل کا قیام ہے۔

رغبت شہوت کی حقیقت

چونکہ رغبت شہوت ایک فطری جذبہ ہے اور شہوت اس کا فطری عمل ہے جس کی تسکین کا فطری ذریعہ ایک مرد کی ساتھی عورت ہی ہو سکتا ہے۔ اس لئے رغبت شہوت میں عورت کا بہت حد تک دخل شامل ہے۔ چونکہ نسل انسانی کے قیام تسلسل کے لئے صرف مرد کا جذبہ رغبت شہوت ہی کافی نہیں ہے اس لئے رغبت جماع یا شوق اولاد کا جذبہ عورت میں بھی پیدا کر دیا گیا۔ شوق اولاد کے جذبہ کا ذکر اس لئے کیا گیا ہے کہ یہ امر ابھی تک حکماء اور سائنس دانوں میں فیصلہ طلب ہے کہ عورتوں میں رغبت جماع کا جذبہ پایا جاتا ہے یا نہیں۔ ان میں اس جذبہ کے پائے جانے کی دلیل یہ دیتے ہیں کہ اس کو جنسی چھیڑ چھاڑ میں لذت پیدا ہوتی ہے۔ جماع میں سرور کا احساس ہوتا ہے۔ اس کو کسی نہ کسی صورت میں انزال بھی ہوتا ہے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اس کے جسم میں جنسی اعضاء کی تخلیق کی گئی ہے بلکہ اس کے ہر نازک مقام پر جنسی تحریکات کا اثر ہوتا ہے اور سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ مادہ چرندوں پرندوں اور دیگر ہر قسم کے حیوانات بلکہ وحشی درندوں میں بھی یہ جذبہ دیکھا گیا ہے اور ضرورت کے وقت ان کی مادہ ان کے قریب آ جاتی ہے۔ اور جن حکماء اور سائنسدانوں کی رائے یہ ہے کہ عورت میں جذبہ جماع نہیں پایا جاتا بلکہ ان میں گدگدانے والی تحریکات سے لذت وسرور اور ذوق وشوق کو بیدار کر کے یہ جذبہ پیدا کیا جاتا ہے ممکن ہے خواہش اولاد ہی کے لئے اس میں رغبت جماع پیدا ہوتی ہے۔ اس کے لئے وہ یہ دلیل دیتے ہیں کہ عورت میں مرد کی طرح نہ شہوت کے اعضاء اور نہ ہی شہوت پیدا ہوتی ہے۔ اگر عورت کے حواس میں صورت جماع کی شکل پیدا نہ ہو تو شاید کبھی بھی اس میں جذبہ جماع پیدا نہ ہو۔ جس عورت کے ذہن میں اولاد کی پیدائش کی تکالیف اثر انداز ہو جاتی ہیں وہ کبھی بھی جماع کی طرف رغبت نہیں کرتی۔ جب ہر شریف زادی اپنے خاندان کی عزت کے لئے عمر بھر شادی کے بغیر جماع کی طرف راغب نہیں ہو سکتی اور کوئی جنسی تکلیف محسوس نہیں کرتی تو ثابت ہوا کہ عورتوں کو رغبت جماع نہیں ہوتی۔

ایک زبردست دلیل یہ پیش کی جاتی ہے کہ چونکہ عورتوں میں ہر ماہ طمث ہوتا ہے اس لئے اس میں رغبت جماع پیدا نہیں ہو سکتی۔ بہر حال یہ امر تسلیم شدہ ہے کہ مردوں میں شہوت فطری طور پر پیدا ہوتی ہے۔ رغبت شہوت ایک فطری جذبہ ہے۔

تحریکات رغبت شہوت

رغبت شہوت کے لئے جو تحریکات پیدا ہوتی ہیں وہ عام طور پر عورت کے حسن و جمال، زینت و کردار اور نزاکت وشیریں مقال سے پیدا ہوتی ہیں اور اکثر اس کا تصور بھی تحریک کا باعث بن جاتا ہے۔ اس تحریک کی صورت میں ایک خاص قسم کا لطف ولذت پیدا ہوتا ہے۔ پھر

مرد پر ایک کیف و سرور سا طاری ہو جاتا ہے جس کے بعد وہ اپنے جسم میں انتشار محسوس کرتا ہے۔ اس تحریک کے متعلق یہی کہا جاسکتا ہے کہ عورت اور اس کا تصور حواس خمسہ ظاہری اور باطنی دونوں صورتوں پر اثر کرتا ہے اور اثر کرنے کی صورت ایک خاص قسم کی گدگدی اور دغدغہ ہوتا ہے۔ مثلاً (۱) خوبصورت اور زینت و کردار کا اثر بذریعہ بصارت۔ (۲) شیریں مقالی، سبک رفتاری کی آواز، چوڑیوں اور دیگر زیورات کی نغمہ باری بذریعہ سماعت۔ (۳) پھول یا عطر کا اثر بذریعہ شامہ۔ (۴) بدن کسی قسم کی لطیف شئے سے گدگدی کا اثر بذریعہ لامسہ۔ (۵) کسی لذیذ شئے سے خورد و نوش کا اثر بذریعہ ذائقہ ہونا، وغیرہ وغیرہ۔

اسی طرح حواس باطنی میں کوئی پرلطف ولذت کیف و سرور کا پیدا ہو جانا اور اثر عشق جس کا اثر قوت واہمہ پر ہوتا ہے۔ غرضیکہ کسی صورت میں یہ اثر و دغدغہ اور گدگدی دل و دماغ اور جگر تک پہنچ کر رغبت شہوت کا باعث ہوتی ہے۔

صحیح شہوت کا لازمہ

شہوت کے لئے جس قدر اسباب اور اثرات بیان کئے گئے ہیں۔ اس قسم کے اور کئی اثرات ہو سکتے ہیں۔ کوئی شک نہیں کہ یہ سب فطری اثرات ہیں۔ مگر یہ کسی نہ کسی اسباب کے محتاج ہیں۔ گویا اگر یہ اسباب نہ ہوں تو رغبت شہوت میں رکاوٹ پیدا ہو جائے گی۔ اس لئے کہا جاسکتا ہے کہ صحیح شہوت وہی ہو سکتی ہے جو بغیر ظاہری اسباب کے پیدا ہو جائے۔ یہ ایک ہی صورت ہو سکتی ہے کہ جسم میں عمدہ قسم کی منی تیار ہو اور وہ جنسی اعضاء کو اندرونی طور پر تحریک و دغدغہ اور گدگدی کر کے شہوت پیدا کر دے اور یہی بہترین رغبت شہوت ہے۔ عورتوں میں بھی جب اندرونی طور پر کچھ تحریکات پیدا ہوتی ہیں تو ان میں بھی کیف و سرور پیدا ہو کر جذبہ جماع پر اثر انداز ہوتا ہے۔ یہی صورتیں مادہ حیوانات میں بھی اپنا اثر دکھاتی ہیں۔ جب تک ان میں جذبہ جماع پیدا نہیں ہوتا وہ نر کے پاس نہیں جاتی، یہی فطرت کا اعلیٰ مقام ہے۔ اولیائے اللہ اور صوفیائے کرام اور حکماء و فلاسفر اس شدت جذبہ پر بھی قابو پا سکتے ہیں۔

غلط رغبت شہوت

صحیح رغبت شہوت کو ہم دو فطری صورتوں میں لکھ چکے ہیں۔ ایک ظاہری اسباب کے تحت یعنی جو حسن و جمال اور زینت کردار و شیریں گفتار کے تحت پیدا ہو اور دوسری صورت باطنی اثرات یعنی عمدہ قسم کی منی جو کثرت سے پیدا ہو کر جنسی اعضاء میں تحریک و دغدغہ اور گدگدی پیدا کر دے ان کے برعکس غلط صورت رغبت شہوت کی یہ ہے کہ مرد خود عورت کے پاس جا کر چھیڑ چھاڑ اور بوس و کنار سے اپنے اندر رغبت شہوت اور جذبہ جماع بیدار کرے۔ چونکہ جسم میں مکمل جنسی تحریکات نہیں ہوتیں اور اس کے لئے جسم کو سکیڑنا و سمیٹنا اور تیار کرنا پڑتا ہے اس لئے طبیعت قویٰ اور جسم کو مجبور کر کے رغبت شہوت پیدا کر دیتی ہے۔ لیکن یہ صورت اچھی نہیں ہوتی۔ کیونکہ اس طرح جب منی کا اخراج ہوتا ہے اور ساتھ ہی جو حرکات جماع ہوتی ہیں ان سے بے حد کمزوری واقعہ ہو جاتی ہے۔ کیونکہ طبیعت نے جسم کو مجبور کر کے خون کو اکٹھا کیا۔ اس کو منی بنایا اور مجبوراً اخراج کیا۔ نتیجہ ظاہر ہے کہ جسم اور روح دونوں میں شدید ضعف واقع ہوتا ہے۔ اس لئے عقلمند لوگ اس حالت سے دور رہتے ہیں۔ اور صحیح رغبت شہوت کے بغیر عورت سے دور رہتے ہیں۔ اور اگر یہ صحیح رغبت شہوت پیدا نہ ہو تو علاج کراتے ہیں۔ اس طرح صحت میں عمدگی ہوتی ہے۔

مباشرت بذاتِ خود رغبت شہوت ہے

جن لوگوں میں فطری طور پر جب شہوت شدت اختیار کرے تو ان کا فرض ہے کہ اگر بیوی ہو تو ضرور مباشرت کریں۔ اگر بیوی نہ ہو

تو روزے رکھیں۔ ورنہ اس رغبت شہوت کا اثر جسم پر بہت نقصان رساں ہوتا ہے۔ خاص طور پر دل و دماغ اور جگر بہت متاثر ہوتے ہیں۔ دل میں ضعف پیدا ہو جاتا ہے۔ پٹھے سن ہو جاتے ہیں۔ اکثر استسقاء ہو جاتا ہے۔ بصارت وسماعت کمزور ہو جاتی ہے۔ کبھی فالج و دیوانگی اور ذیابیطس اور ہارٹ فیل ہو جاتا ہے۔

یہ بات یاد رکھیں کہ فطری رغبت شہوت اور فطری جذبہ جماع کے ساتھ مباشرت کرنے سے خود بخود قوت باہ اور رغبت شہوت روز بروز بڑھتی ہے اور کمزوری کی بجائے قوت روح وجسم پیدا ہوتی ہے۔

انتشار کی فلاسفی

رغبت شہوت کے بعد انتشار اور خیزش کا عمل شروع ہوتا ہے جو ہمیشہ اس طرح تکمیل پاتا ہے کہ قضیب کے دونوں حصے ماسوائے رباطی اجسام کے یعنی اجسام مجوف القضیب اور جسم اسفنجی نہایت تخلخل اور جوف دار ہیں اور یہ کل تجاویف چھوٹی چھوٹی وریدوں سے بھرے ہوئے ہوتے ہیں اور تجاویف کی دیواروں پر شرائن کی شاخوں کا ایک جال بنا ہوا ہوتا ہے۔ سستی کی حالت میں تجاویف کی لچکدار دیواریں ان عروق کو دبائے رکھتی ہیں اور ان میں زیادہ خون نہیں آنے دیتیں۔ انتشار کے وقت وریدیں اور شرائن خون سے بھر جاتی ہیں اور تجاویف خون سے لبریز ہو جاتی ہیں۔ چونکہ اجسام جوف القضیب کا باہر والا رباط نہایت سخت اور مضبوط ہوتا ہے۔ خون کی رگوں کو زیادہ پھیلنے نہیں دیتا اور خون اندر سے زور کرتا ہے اس وجہ سے آلہ تناسل خوب سخت ہو جاتا ہے۔

یہ امر یاد رکھیں کہ رغبت شہوت کا احساس اعصاب کے ذریعے سے ہوتا ہے جن کا مرکز دماغ ہوتا ہے۔ اس احساس کے ساتھ ہی فعل عکس افعال کے تحت اس مقام کے اعصاب وہاں کے عضلات میں تحریک پیدا کر دیتے ہیں جس کے ساتھ ہی قلب کے فعل میں تیزی پیدا ہو جاتی ہے اور وہ شریانی خون وہاں پر بھیجنا شروع کر دیتا ہے جس کے سروں کو غدود روکے رکھتے ہیں اور دوسری طرف وریدوں پر دباؤ پڑتا ہے اور وہ اپنے خون کو واپس نہیں لے جاسکتیں۔ اس طرح وہاں پر خون کا زبردست دباؤ پڑ جاتا ہے۔ عضو کے دائیں بائیں جو دو عضلے واقع ہیں خیزش اور خون کے دباؤ کے وقت یہ تن جاتے ہیں اور عضو کو دوسری طرف جھکنے سے روکتے ہیں جو عضو کو سیدھا رکھتے ہیں۔ اس کے علاوہ قضیب کی جڑ کو اپنی اپنی طرف سے دباتے ہیں جس سے اس کی نچلی وریدیں بھی دب جاتی ہیں۔ عضو کے درمیان جو نالی ہے جس کے ذریعہ بول اور منی اخراج پاتے ہیں یہ نالی مثانہ سے شروع ہو کر قضیب کے دہانے تک آتی ہے اور اس پر ایک جھلی سی استر ہوتی ہے جو غدی انسجہ کی بنی ہوتی ہے۔ یہ شروع سے آخر تک استر کئے ہوتی ہے اس میں اعصاب کی باریک باریک تاریں بھی ہوتی ہیں جس سے وہ ذکی الحس ہو جاتی ہے۔ حشفہ بھی اسفنجی جسم ہوتا ہے اس میں شریانیں وغدی جھلی اور اعصاب کی تاریں بکثرت ہوتی ہیں جس سے وہ نہایت ذکی الحس ہوتا ہے۔ ضرورت کے وقت خون اور روح کی اس طرف تیزی سے اس کی حس اور بھی زیادہ ہو جاتی ہے اس طرح احلیل پر جو اثر پڑتا ہے وہ نالی کے ذریعہ خزانہ منی تک پہنچ جاتا ہے اور باعث خیزش ہوتا ہے۔

رغبت شہوت اور خیزش کے وقت موثرات ظاہری اور باطنی اعصاب کے ذریعہ وہاں پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ جن میں خوش شکلی، شیریں آوازیں اور جسم کا مس دماغ اور اعصاب میں تحریک پیدا کرتا ہے۔ جس سے مثانہ اور اس کے گرد ونواح میں خون وروح کا دباؤ بڑھ جاتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی شہوانی خیالات بھی جسم پر قابو پا لیتے ہیں۔ دل کی حرکت تیز ہو جاتی ہے۔ اعضائے تناسل میں تناؤ کے ساتھ غیر معمولی حرکات شروع ہو جاتی ہیں جس کے ساتھ ہی یہ اعضاء بڑھنے اور پھیلنے شروع ہو جاتے ہیں۔ جب روح کی یہ تیزی اور خون کی گرمی زیادہ ہو جاتی ہے تو حشفہ زیادہ حس دار ہو جاتا ہے، چونکہ حشفہ کے اعصاب کا تعلق دماغ سے ہے اس لئے حشفہ کی لذت وحشفہ میں تیزی پیدا ہو

جاتی ہے جو دماغ میں پیدا شدہ شہوانی خیالات کو اور بھی اُبھارتے ہیں اور دل پر اثر انداز ہوتے رہتے ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بیشتر خون آنے سے رگیں زیادہ بھر جاتی ہیں اور خانہ دار اجسام کو اور بھی پھیلاتی ہیں جس سے عضو کے دراز اور پھولے ہوئے عضلات کھنچ جاتے ہیں اور قضیب کی جڑوں کے ساتھ وہاں کی وریدوں پر دباؤ ڈالتے ہیں جس سے وریدوں کے راستے بند ہو جاتے ہیں۔ اس طرح عضو مخصوص درازی و سختی اور مضبوطی و تیزی اختیار کر لیتا ہے اور ساتھ ہی ساتھ خون اور روح کی زیادتی سے وہاں پر دباؤ پڑتا ہے۔ کیونکہ ان کی واپسی کا راستہ بند ہو چکا ہوتا ہے اس طرح عضو مخصوص میں پوری خیزش اور تندی قائم ہو جاتی ہے۔ اس کے ساتھ ہی عضو مخصوص کی اوپر والی جھلی کھنچ کر اس کو اپنی طرف کھینچتی ہے اور نچلی طرف جھکنے سے روکتی ہے۔ نچلا عصب عضو مخصوص کو اپنی طرف کھینچتا ہے۔ اسی طرح ہر دو طرف کے عضلات اپنی اپنی طرف کھینچتے ہیں اس سے عضو سیدھا کھڑا ہو کر پوری طرح تن جاتا ہے۔ یہی مکمل خیزش کی فلاسفی ہے۔

انزال منی

مکمل خیزش اور تندی اس وقت تک زائل نہیں ہو سکتی جب تک منی کا اخراج نہ ہو، جس کو انزال منی کہتے ہیں، اور یہ اس طرح ممکن ہو سکتا ہے کہ مباشرت کی حرکات سے حشفہ اور احلیل کی جھلی اور اعصاب میں انتہائی تیزی پیدا ہو جائے۔ اس سے خون کی انتہائی حرارت وہاں پر اکٹھی ہو جاتی ہے، جس کا اثر خزانہ منی تک چلا جاتا ہے۔ اگر خزانہ منی میں منی کی کثرت ہے یا حرارت سے بہت زیادہ گرم ہو گیا ہے تو اس طرح خزانہ منی کے محافظ اعصاب بے بس ہو جاتے ہیں اور منی کا اخراج شروع ہو جاتا ہے۔ چونکہ منی کے ساتھ روح کا اخراج بھی ہوتا ہے اس لئے منی جوش اور جھٹکوں کے ساتھ اخراج پاتی ہے بلکہ بعض دفعہ بے حد تنگی کے ساتھ خارج ہوتی ہے اور مرد اس کی تیزی اور تنگی کے ملے جلے اثرات محسوس کرتا ہے۔ اگر خیزش میں تیزی اور تندی کم ہو تو اخراج میں بھی لذت اور تیزی کم ہوتی ہے۔ اس طرح انزال منی ہو کر انتشار زائل ہو جاتا ہے۔

بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ خزانہ منی میں منی تو کم ہوتی ہے لیکن روح کی زیادتی سے خیزش اور تندی زیادہ ہوتی ہے۔ اس طرح انزال دیر میں ہوتا ہے اور جماع دیر تک قائم رہتا ہے۔ یاد رکھیں کہ امساک کا دارومدار زیادہ تر روح کی زیادتی اور حرارت کی کمی پر ہے۔ خون کی حرارت کے علاوہ مرد کی حرکات سے بھی حرارت پیدا ہوتی ہے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ انتہائی تیزی و تندی کے ساتھ مرد کی کثرت حرکات سے بھی انزال نہیں ہوتا تو اس کی وجہ خزانہ منی کی کمی اور خون میں حرارت کی کمی ہوتی ہے۔ جب انزال جلد ہوتا ہے تو اس کی وجہ منی کی کثرت یا خون میں حرارت کی زیادتی یا مرد کی حرکات میں لذت کی وجہ سے تیزی واقع ہو جاتی ہے۔ ان تمام صورتوں میں روح کی کمی بھی ساتھ ہوتی ہے۔ روح کی زیادتی انتشار و خیزش اور امساک میں بہت مدد و معاون ہوتی ہے۔ گویا قوت اور لذت کا دارومدار روح کی زیادتی اور تیزی پر ہے۔

مردانہ امراض

شیخ الرئیس نے امراض اعضائے نسل مردانہ میں صرف ضعف باہ کو لکھا ہے اور پھر اس کو تقسیم در تقسیم بیان کیا ہے۔ اس نے ایسے امراض کو جو مرد اور عورت میں مشترک ہیں، مردانہ امراض میں شامل کیا ہے۔ پھر ضعف باہ کی دو وجوہ بیان کی ہیں: (۱) شہوت کا ضعیف ہو جانا، یعنی رغبت شہوت میں ضعف واقع ہو جانا جو حقیقت میں جماع کا باعث ہے۔ (۲) عضو خاص (ناعزہ) کا ڈھیلا ہو جانا۔ یعنی عضو خاص کی

ایسی حالت ہونا جس سے یہ عضو جماع کے وقت نہ حرکت کرے اور نہ اس میں انتشار پیدا ہو۔ پھر وجوہ اوّل (ضعف شہوت) کی اٹھارہ سے زائد اقسام بیان کر دیئے۔ اگر ہم ان تمام اسباب کے تحت ضعف شہوت کے متعلق لکھیں تو طوالت کا باعث ہوں گے اور طالب علم بھی ضعف باہ کے علاج میں پورے طور پر قدرت حاصل نہیں کر پاتا۔ کیونکہ وہ ان کے حقائق پر پوری طرح دسترس نہیں کر پاتا۔ اس لئے ہم نے ان تمام اسباب کو صرف دو اسباب میں تقسیم کر دیا ہے: (۱) خون کے امراض۔ (۲) منی کے امراض۔ اگر شیخ الرئیس کی دوسری وجوہ عضو مخصوص کا ڈھیلا ہونا ہو تو کل صرف تین صورتیں بن جاتی ہیں۔

جاننا چاہئے کہ خون کے امراض سے ہماری مراد یہ ہے کہ خون کی پیدائش اور اس کے کیمیائی تغیرات یعنی خون کی کیفیات و مزاج اور اخلاط و ارواح میں خرابی سے ضعف باہ کا پیدا ہونا۔ اسی طرح منی کے امراض سے ہماری مراد یہ ہے کہ منی کے بننے سے لے کر رغبت شہوت پیدا ہونے تک مختلف علامات پیدا ہو کر ضعف باہ پیدا کر دیتی ہیں۔ کیونکہ جو غذا ایک انسان کھاتا ہے اس کے ہضم ہونے سے لے کر خون بننے تک بلکہ منی بننے سے لے کر رغبت جماع اور شہوت پیدا ہونے تک جو خلطی و کیمیاوی اور کیفیاتی و روحانی تغیرات پیدا ہوتے ہیں وہ سب رغبت جماع اور شہوت کے ضعف میں شریک ہیں۔ اس طرح وہ طوالت چند مشہور اسباب و علامات میں باقی رہ جاتی ہے جس پر اگر طالب علم پورے طور پر دسترس حاصل کر لے تو وہ پورے طور پر قدرت حاصل کر لیتا ہے۔ کیونکہ اس کے سامنے صرف تین ہی صورتیں رہ جاتی ہیں: (۱) خون کے امراض کا ضعف باہ پر اثر۔ (۲) منی کے امراض سے ضعف باہ پر اثر۔ (۳) استرخائے عضو مخصوص سے ضعف باہ میں خرابی کا پیدا ہو جانا۔ اس طرح وہ بہت جلد صحیح تشخیص سے علاج کر سکتا ہے۔

۱۔ خون کے امراض سے ضعف باہ پر اثرات

خون کے امراض وہی ہیں جو نظام غذائیہ و نظام ہوائیہ اور نظام دمویہ کے نقائص سے غذا کے ہضم، خون کی پیدائش، اس کی کیفیات و مزاج اور اخلاط و ارواح میں خرابیاں ظاہر ہوتی ہیں۔ ان کا قوت باہ پر بالواسطہ اثر پڑتا ہے۔ ضعف باہ کے علاج میں سب سے پہلے انہی امراض کو دیکھیں۔ ان کو دیکھنے سے یہ تمام اعضاء و نظام اور خون کی پیدائش کیمیاوی تغیرات فوراً سامنے آ جاتے ہیں۔ گویا ضعف باہ کے علاج میں یہ پہلا قدم ہے۔ طوالت کے مدنظر یہاں امراض خون کے علاج کو پیش کرتے ہیں۔ ان کو ہماری دیگر کتب میں دیکھیں۔

۲۔ منی کے امراض سے ضعف باہ پر اثرات

منی کے امراض وہی ہیں جو نظام بولیہ و نظام منویہ اور نظام عصبیہ کے نقائص سے منی کی پیدائش، اس کی کیفیت و مزاج اور ضمیر و روح میں خرابیاں ظاہر ہوتی ہیں۔ ان کا قوت باہ پر بلاواسطہ اثر پڑتا ہے۔ ضعف باہ کے علاج میں ان امراض کو مدنظر رکھنا نہایت ضروری ہے۔ ان کی طرف توجہ دینے سے تمام اعضاء و نظام اور منی کی پیدائش و کیمیائی تغیرات فوراً سامنے آ جاتے ہیں۔ ضعف باہ کے علاج میں یہ دوسرا قدم ہے۔ لیکن طوالت کے خوف سے ہم یہاں پر ان کے علاج کو بھی نظر انداز کرتے ہیں۔ ان کو ہماری دیگر کتب میں دیکھیں۔ البتہ منی کے نقصان سے جو اثر عضو مخصوص کے استرخاء (ڈھیلے پن) پر پڑتا ہے۔ اس کے لئے ایسی ادویات و اغذیہ کا ضرور ذکر کریں گے جن سے اس کی پیدائش میں کثرت ہوتی ہے۔ تاکہ ضعف باہ کے علاج میں کمی باقی نہ رہ جائے۔ جو ہمارا مقصد ہے۔

۳۔ استرخائے عضو مخصوص سے ضعف باہ

مردانہ امراض میں ضعف باہ کی یہ صورت (استرخائے عضو، قضیب کا ڈھیلا ہو جانا) ایک بے حد خوفناک بلکہ دردناک صورت ہے۔

اس کا سبب کچھ ہی کیوں نہ ہو لیکن ایک انسان کے سامنے استرخائے عضو مخصوص ہی ضعف باہ ہے۔ وہ خون اور منی کے امراض کو نہ سمجھتا ہے اور نہ اس کو دیکھنے اور سمجھنے کی ضرورت ہے۔ وہ ضرورت یا خواہش جماع کے وقت محسوس کرتا ہے کہ اس کی انتہائی کوشش کے باوجود اس کو نعوظ (انتشار اور شہوت) نہیں ہوتا۔ بس وہ اسی کو ضعف باہ اور نامردی خیال کرتا ہے اور اس کو ہر ممکن طریقے سے فوراً دور کرنے کو تیار رہتا ہے۔ گویا یہ اس کا سب سے قیمتی سرمایہ ہے۔

نامردی اور ضعف باہ کے جس قدر مریض اس خاص صورت (استرخائے عضو مخصوص) میں پائے جاتے ہیں، اس قدر اور کسی صورت میں نہیں پائے جاتے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عوام سوائے اس صورت کے اور کسی صورت کو نامردی سمجھ ہی نہیں سکتے۔ اور اسی کے لئے بکثرت معالجین کے پاس جاتے ہیں۔

اس سے کم درجہ کی ایک اور صورت کو بھی عوام نامردی (ضعف باہ) خیال کرتے ہیں۔ اس میں خواہش جماع بہت تیز ہوتی ہے۔ کسی قدر انتشار اور شہوت بھی ہوتی ہے۔ لیکن نعوظ (ایستادگی) بہت کمزور ہوتا ہے۔ اور ساتھ ہی دخول سے قبل یا دخول کے ساتھ ہی انزال ہو جاتا ہے۔ یہ صورت اگرچہ نامردی سے کم درجے کی صورت ہے لیکن یہ ممکن ہے کہ اس صورت کے بعد مکمل نامردی ہو جائے۔ اس کم درجہ کی صورت کو ہم اگر نامردی کا ایک مقام تصور کر لیں تو انتشار وانزال کے وقفوں کی کمی بیشی کو نامردی کی کمی بیشی خیال کر سکتے ہیں۔ یہ تمام صورتیں ایک مریض میں بھی مدتوں ایک صورت میں رہتی ہیں اور اکثر جلد ہی مکمل نامردی کی صورت اختیار کر لیتی ہیں۔ ہاں! اگر کبھی اچھا ماحول واچھی غذا اور مسرت نصیب ہو جائے یا کوئی قابل معالج یا صحیح دوا میسر آجائے تو یہ مرض مکمل طور پر دور ہو جاتا ہے اور مریض کامل مرد بن جاتا ہے۔

بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ نعوظ (شہوت) بہت اچھی طرح ہوتا ہے اور انسان خیال کرتا ہے کہ وہ جنسی طور پر صحت مند ہے۔ جماع میں اسے کوئی دقت پیش نہ آئے گی۔ مگر جب ارتکاب کرتا ہے تو کیا دیکھتا ہے کہ دفعتاً قضیب ڈھیلا ہو گیا ہے اور دخول کی نوبت نہیں پہنچی۔ ایسی صورت میں کبھی انزال ہو گیا اور کبھی بغیر انزال کے عضو ڈھیلا ہو جاتا ہے۔ اس کی وجہ ممکن ہے کوئی ذہنی پریشانی یا جذباتی مشکل ہو۔ بہر حال نفسیاتی طور پر شہوت کے بعد اس کا یہ خیال کرنا کہ وہ جنسی طور پر صحت مند ہے اور وہ جماع پر قادر ہو جائے گا۔ حقیقت میں اس کا یہ خیال ضعف باہ کی طرف دلالت کرتا ہے۔ جنسی صحت مندی وہ قوت ہے کہ اس کی شدت نہ ایسا خیال کرنے کی مہلت دیتی ہے اور نہ روکے رکھتی ہے۔ ایک طوفان کی طرح گزر کر تھمتی ہے۔ دراصل یہ صورت بھی کم درجے کی نامردی (ضعف باہ) ہے۔

یہ کم درجے کی نامردی عام طور پر ان لوگوں میں پائی جاتی ہے جو نوجوانی میں کثرتِ جماع، اغلام بازی اور جلق کا شکار رہتے ہیں۔ البتہ ان میں بعض ایسے ادھیڑ عمر اور متوسط عمر کے لوگ بھی شریک ہوتے ہیں جن کا زیادہ وقت علمی، مذہبی اور دماغی محنت میں گزرا ہو اور جنہوں نے جنسی لذت ولطف کی طرف سے طبیعت کو سختی سے روکے رکھا ہو اور ان کے ذہنی رجحانات کم یا بدل گئے ہوں۔ لیکن جب شادی ہو جاتی ہے تو ایسے تلخ نتائج سامنے آجاتے ہیں۔ ایسی حالت میں وہ اپنی زندگی کو ایک غیر علمی، دین سے دور اور ادارہ مزدور سے بہت کم تصور کرتا ہے اور اپنی جوانی خرچ کر کے جو قیمتی سرمایہ حاصل کیا ہے، اس کو فضول خیال کرتا ہے۔ ایسے شخص کی خواہش جماع بہت زیادہ بڑھ جاتی ہے اور وہ جماع کو بے قرار ہوتا ہے۔ مقوی اغذیہ وادویہ اور دیگر تحریکات سے نعوظ حاصل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ مگر اکثر سخت ناکامی ہوتی ہے۔ یہی صورتیں استرخائے عضو مخصوص کی ہیں۔ نامردی اور ضعف باہ میں اسی صورت کو دور کرنا ہی اس کا حقیقی علاج ہے۔

نامردی، عنانت، امپوٹینسی
(IMPOTENCY)
قوت مردمی کی کمزوری، ضعف باہ، سیکسوئل ڈیبلیٹی
(SEXUAL DEBILITY)

ماہیت مرض

نامردی وعنانت اور ضعف باہ تینوں لفظ وسیع معنوں میں استعمال ہوتے ہیں۔ یعنی معمولی قسم کی قوت مردمی کی کمزوری سے لے کر مادرزاد نامردی تک کے تمام درجات اس میں شریک ہیں۔ لیکن اس کے حقیقی مفہوم میں مندرجہ ذیل تین صورتیں شامل ہیں:

(۱) قوت مردمی میں کمزوری جس سے مرد کی مباشرت ومواصلت اور جماع کے لئے کم وبیش قابلیت ختم ہو جائے۔

(۲) خواہش جماع کا کم وبیش کم ہو جانا یا بالکل ہی ختم ہو جانا۔

(۳) قوت تولید کا خراب یا بالکل ختم ہو جانا۔ اس میں مباشرت ومواصلت اور جماع کی قابلیت تو ہوتی ہے مگر اولاد پیدا کرنے کی قابلیت نہیں ہوتی۔ اس صورت کے اسباب کچھ ہی کیوں نہ ہوں اس کو بھی نامردی میں شمار کیا جاتا ہے۔

قوت مردمی کا عقلی اور فطری تصور

اعضائے تناسل کے افعال وقویٰ جن کا مجموعی نام قوت مردمی اور قوت باہ ہے، ایک ایسی قوت ہے جس کا جذبہ ہر انسان میں فطری طور پر پایا جاتا ہے۔ ایک تندرست آدمی میں یہ جذبہ اس قدر شدت اور کثرت سے ہوتا ہے کہ وہ انسانی جبلت معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ عقلاً اس جذبہ میں تین فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ یہ فوائد صرف خواہش نہیں ہیں بلکہ انسان کی اہم ضروریات ہیں۔ جب انسان اس سے محروم ہو جاتا ہے تو اس کی زندگی اجیرن بن جاتی ہیں۔ وہ زندہ تو رہتا ہے اور کچھ نہ کچھ زندگی کے فرائض بھی انجام دے سکتا ہے، لیکن زندگی بے لطف و بے مقصد اور جسم دائمی مریض بن جاتا ہے۔ اس جذبہ کے بغیر اس طرح زندہ رہتا ہے جیسے کوئی زندہ درگور ہو۔ کیونکہ یہ جذبہ ہر انسان کو بے حد عزیز ہے۔ یہاں تک دیکھا گیا ہے کہ اگر کوئی انسان زاہد دراہب بھی بن گیا ہو اور تجرد اور جوگیانہ زندگی اختیار کر لی ہو پھر بھی جب اس کو یقین تو رہا ایک طرف شبہ بھی ہو جائے کہ اس میں قوت مردمی کم یا ختم ہوگئی ہے تو اس کے دل پر بھی بے حد صدمہ ہوتا ہے۔ یہ صدمہ صرف اس لئے ہوتا ہے کہ وہ قوت مباشرت سے محروم ہوگیا ہے۔

قوت مردمی کی تین اہم ضرورتیں

خواہش اور ضرورت دونوں جدا جدا قسم کی طلب ہیں۔ اوّل قسم کی طلب صرف ایسی خواہش ہے کہ جس سے انسان کو ضرورت نہیں ہے۔ اس میں کیا نقصان ہیں یہ ایک طویل بحث ہے۔ دوسری قسم کی طلب صرف ایسی ضرورت ہے جس کے بغیر انسانی زندگی ناممکن یا مشکل ہو جائے۔ کوئی شخص اس قوت کے اظہار سے جس قدر چاہے حجاب کرے لیکن اس کے بغیر وہ مرد تصور نہیں کیا جا سکتا۔ گویا قوت مردمی ایک انتہائی اہم قسم کی ضرورت ہے۔

جاننا چاہئے کہ قوت مردمی کی تین اہم ضرورتیں ہیں: (۱) بقائے نسل (۲) بقائے حیات (۳) بقائے حظ۔ جہاں تک بقائے نسل کا تعلق ہے اس کی اہمیت روز روشن کی طرح ظاہر ہے جن کی اولاد نہیں ہے ان کی درد بھری آہیں بقائے نسل کا سب سے بڑا ثبوت ہیں۔ اس سے بھی زبردست دلیل حضرت آدم علیہ السلام کا جنت میں قوت مردمی کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ زندگی کے لئے جو کھانے پینے کی اشیاء استعمال کی جاتی ہیں، ان کا کچھ حصہ خون بنتا ہے اور باقی فضلہ بن جاتا ہے۔ یہ فضلہ کئی قسم کا ہوتا ہے جو جسم کے مختلف راستوں سے نکلتا ہے۔ ان فضلات کا اخراج ایک خاص وقت میں نہ ہو تو ان میں خمیر و تعفن اور زہر و فساد پیدا ہو جاتا ہے جن سے بقائے حیات اور انسانی زندگی کے خطرے میں پڑ جانے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ جسم انسان کے بعض فضلے پاخانے کے ذریعے اخراج پاتے ہیں۔ بعض فضلات پیشاب کے ذریعے خارج ہوتے ہیں اور بعض فضلات پسینے کے ذریعے نکلتے ہیں۔ اسی طرح بعض فضلات منی کے ذریعے بھی اخراج پاتے ہیں۔ جن سے ایک طرف بقائے نسل کا سلسلہ چلتا ہے اور دوسری طرف جوانی، قوت اور صحت قائم رہتی ہے۔

یاد رکھیں کہ جب تک منی میں خمیر پیدا نہ ہو اس میں کرم منی پیدا نہیں ہوتا اور یہی کرم منی بقائے نسل کا ذمہ دار ہے۔

یہاں پر یہ حقیقت یاد رکھیں کہ جس مقام پر کسی مواد میں خمیر پیدا ہو جائے تو وہ خمیر اس مقام کے لئے مفید نہیں ہوتا۔ البتہ وہ کسی دوسرے مقام کے لئے ضرور مفید ہو سکتا ہے۔ جیسے فضلات جب اپنے راستوں سے خارج ہوتے ہیں تو وہ جن راستوں سے نکلتے ہیں وہاں کی ضرورت غذا اور طاقت کا باعث ہوتے ہیں۔ بلکہ وہاں کے امراض اور زخم تک انہیں سے ختم ہوتے ہیں۔

اسی طرح جب منی میں خمیر پیدا ہو جاتا ہے اور کرم ہائے منی تیار ہو جاتے ہیں۔ اور منی نطفہ کی صورت اختیار کر لیتی ہے تو ایسی منی عورت کے رحم کے لئے تو مفید ہو سکتی ہے جہاں بقائے نسل کا سلسلہ چلتا ہے لیکن وہ منی مرد کے جسم میں فضلہ سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتی۔ اس کا اخراج ہی لازمی ہے۔ ورنہ اس کے متعفن اور زہریلے اثرات جب خون میں شریک ہوتے ہیں تو جوانی و قوت اور صحت کو برباد کر دیتے ہیں۔ اس لئے جوان ہونے کے بعد بوقت اشد ضرورت اعتدال کے ساتھ منی کا اخراج نہایت ضروری ہے تاکہ منی کے فضلات اخراج پا جائیں۔ ان فضلات کے اخراج سے نہ صرف صحت قائم رہتی ہے بلکہ جوانی اور صحت بڑھتی ہے۔ یہی بقائے حیات ہے۔

بقائے نسل اور بقائے حظ بھی انتہائی اہم ہے۔ ایسے نظارے و تصورات و افعال جو لذت و لطف اور انبساط کے جذبات میں تحریک پیدا کر دیں حظ کہلاتے ہیں۔ یعنی جسم میں خوشی و مسرت کی لہر کا پیدا ہونا۔ یہ زندگی کا ایک اہم جزو ہے۔ افسوس اس بات کا ہے کہ حکماء نے اس طرف زیادہ توجہ نہیں دی ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ انسان زندہ بھی صرف حظ کے سہارے سے رہتا ہے۔

ہر شخص روزانہ زندگی میں خوشی اور مسرت کی تلاش میں نہ صرف دوڑ رہا ہے بلکہ بہت بے چین ہے۔ یہ خوشی یا مسرت اس کی اپنی ذات کے لئے ہو یا اس کے بیوی بچوں اور دیگر عزیزوں اور دوستوں کے لئے بہر حال اس میں ایک حظ کی کیفیت ہے۔ یہی خوشی و مسرت اور حظ جب مختلف صورتوں میں زیادتی اختیار کر لیتا ہے تو ہم اس کو لذت و لطف اور فرحت کی کیفیات دائمی طور پر قائم رہیں تاکہ وہ ہمیشہ حظ اٹھاتا رہے۔ ظاہر میں تو حظ زر، زمین اور زن میں دیکھا اور تلاش کیا جاتا ہے بلکہ حاصل کیا جاتا ہے۔ لیکن ان کے علاوہ بھی حظ کی صورتیں لوگوں نے پیدا کر لی ہیں۔ مثلاً فنون لطیفہ جن میں شاعری و ڈرامہ اور مصوری و مجسمہ سازی۔ اسی طرح نغمہ و ساز اور چنگ و رباب، شراب و منشیات کا استعمال۔ طاقت و حکومت کا حصول، دریاؤں، نظاروں اور تفریح گاہوں کی سیر۔ یہاں تک کہ مذہبی رسوم اور عبادات وغیرہ میں بھی حظ پیدا کر لیتے ہیں۔ اس لئے بعض اوقات یہ کہنا مشکل ہو جاتا ہے کہ کسی کا نیک عمل واقعی تقویٰ کے تحت کیا گیا ہے یا حظ کی خاطر اور ذاتی مقصد کے لئے کیا گیا ہے۔ البتہ بہترین قسم کا حظ یہ ہے کہ خدمت خلق میں خوشی و مسرت اور لطف و لذت حاصل کی جائے۔ لیکن اس حظ میں بھی یہ نہیں کہا جا

سکتا کہ اس میں تقویٰ اور خلوص ضروری شریک ہوگا۔ حظ کے حصول کے لئے عقبیٰ بھی داخل ہے۔ جنت وشراب طہورا حور وغلمان، دودھ وشہد کی نہریں اور اللہ تعالیٰ اور رسول کریم ﷺ کا دیدار وملاقات بھی بقائے حظ میں شریک ہیں۔

اسی حظ کے زیر اثر انسان دنیا میں جدوجہد اور سعی وکوشش کرتا ہے۔ ہر قسم کی مشکلات اور خوفناک صورتوں کا مقابلہ کرتا ہے۔ موت سے پنجہ ملاتا ہے۔ پھر زر زمین اور زن حاصل کرتا ہے۔ اس عورت ہی کی خاطر عظیم الشان محلات اور مضبوط قلعے بناتا ہے جن میں باغات لگاتا ہے اور نہریں جاری کرتا ہے۔ اس طرح قوت مردمی میں امساک کی زیادتی لطف ولذت کی کیفیات کو دائمی بنا کر خاص قسم کا حظ حاصل کرتا ہے۔ گویا بقائے حظ ہی زندگی ہے۔

اسباب نامردی

مختصر طور پر نامردی کے صرف تین ہی اسباب سامنے آتے ہیں: (۱) اسباب بادیہ جن میں کیفیاتی اور نفسیاتی صورتیں شامل ہیں۔ (۲) اسباب سابقہ جن میں کیمیاوی اور غذائی صورتیں داخل ہیں۔ (۳) اسباب شرقی جن میں عضوی اور مشینی صورتیں بگڑی ہوئی نظر آتی ہیں۔ حقیقت میں دیکھا جائے تو نامردی کوئی ایسا مرض نہیں جو کسی ایک عضوی خرابی یا کسی ایک کیمیاوی تغیر سے پیدا ہوتا ہے۔ بلکہ جسم کا ہر عضو اور خون کا ہر جزو بگڑ جائے تو قوت باہ پر اثر انداز ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ اگر کسی نئی موٹر کا ایک معمولی سا پرزہ بھی تھوڑا سا ڈھیلا کر دیا جائے تو وہ نہیں چل سکتی۔ اسی طرح انسانی جسم میں بھی ذرا برابر خرابی واقع ہو جائے تو قوت باہ میں خرابی پیدا ہو جاتی ہے۔ اس لئے نامردی کے علاج میں کلی طور پر تمام جسم کو کیمیاوی اور مشینی طور پر سمجھ لینا ضروری ہے۔ تاہم حکماء واطباء اور اہل فن نے ان خاص اسباب کو مدنظر رکھا ہے جن کے اثرات سے نامردی پیدا ہوتی ہے۔ وہ درج ذیل ہیں: (۱) اعضائے مخصوصہ کے ذاتی نقائص (۲) منی کے کیمیاوی امراض (۳) خون کے کیمیاوی امراض (۴) عام جسمانی نقائص کے امراض (۵) نفسیاتی اثرات (۶) تجربہ کے اثرات (۷) فقدان حظ وذوق (۸) پیرانہ سالی (۹) شدید مصروفیات (۱۰) جزوری نامردی وغیرہ۔

اعضائے مخصوص کے ذاتی نقائص

اس کی دو صورتیں ہیں: اوّل خلقی یعنی اعضائے مخصوصہ کے وہ ذاتی نقائص جو پیدائش ہی سے پائے جاتے ہیں۔ دوم عارضی اعضائے مخصوصہ کے وہ امراض جو پیدائشی نہیں بلکہ بعد میں عارض ہو گئے جن کی صورتیں مندرجہ ذیل ہیں۔

قضیب کے خلقی نقائص

قضیب کا ضرورت سے زیادہ چھوٹا یا بڑا ہونا۔ قضیب کے سوراخ کا نہ ہونا۔ قضیب کا نہ ہونا یا دو عدد ہونا۔ قضیب کا خصیوں کے ساتھ جڑا ہوا ہونا۔ نامردی کا یقین ہونا۔ قضیب کے اعصاب کا بے حس ہونا اور قضیب کا کوئی خوفناک مرض ہونا وغیرہ۔

خصیتین کے خلقی نقائص

خصیتین کا نہ ہونا یا بہت ہی چھوٹا ہونا۔ ان میں رسولی کا ہونا یا کسی خوفناک مرض میں ان کا نکال دیا جانا۔ غدد قدامیہ کے امراض اور منی کی شریانوں اور وریدوں کے امراض وغیرہ۔

قضیب کے عارضی نقائص

کجی قضیب، اس کی وجہ کثرت جماع یا کثرت احتلام یا کثرت جلق کا ہونا۔ قضیب کی بے حسی کا احساس۔ جماع سے مطلق پرہیز، نفسیاتی امراض، خوف و ہراس، غم ولذت میں زیادتی، کثرت مشغولیت سے ذہن پر دباؤ پڑنا، نشہ آور اشیاء کا اثر ہونا، عورت سے نفرت ہونا اور قضیب کے امراض وغیرہ۔

خصیتین کے عارضی امراض

خصیتین کے امراض میں قلت منی کے امراض، جریان منی، کثرت احتلام وسرعت انزال، منی کے اخراج میں تکلیف کا ہونا وغیرہ۔

کجی قضیب

قضیب کا زیادہ حصہ دو اسفنجی اجسام سے بنا ہوا ہے اور وہ دونوں حصے اس کے دونوں طرف واقع ہیں۔ اور تیسرا اسفنجی جسم اس کے اوپر کی طرف واقع ہے۔ ان کی ساخت نہایت نازک اور بہت کچھ اسفنج سے مشابہ ہے۔ جب ایک عرصہ تک ان کے اوپر رگڑ کا اثر پہنچتا رہے تو اس کے نسیج (ٹشو) کے ریشے (فائبرس) جو نہایت نازک اور خانہ دار ہوتے ہیں، گھس گھس کر نہایت پتلے ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔ اس طرح اس میں انبساط و انقباض (پھیلنا اور سکڑنا) کی قابلیت نہیں رہتی۔ دوسری طرف کا اسفنجی جسم چونکہ نسبتاً تندرست اور صحیح ہوتا ہے اس لئے وہ بوقت نعوظ (انتشار) پھیلتا ہے۔ جس سے قضیب صحیح حصے کی طرف جھک جاتا ہے۔

اس طرح اگر دونوں طرف کے اجسام اسفنجی میں خلل واقع ہو جائے (نعوظ انتشار) اسی قدر ہوگا جس قدر ساخت تندرست اور صحیح ہوگی اور مقابلہ کرنے سے دونوں طرف کا فرق معلوم ہو سکے گا کہ خم کس طرف ہے۔ اگر دونوں اطراف کے اجسام اسفنجی بالکل ہی خراب ہو جائیں تو نعوظ بالکل نہیں ہوگا۔

ایک غلط فہمی

عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ جس طرف خم واقع ہو جائے اسی طرف سے عضو ماؤف ہے۔ مگر ایسا نہیں ہے۔ یہ ایک غلط فہمی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جس طرف خم واقع ہے وہ خراب نہیں بلکہ تندرست اور صحیح ہوتا ہے۔ کیونکہ اس کی تندرستی اور صحت نے ہی نعوظ قبول کیا ہے اور عضو کو اپنی طرف کھینچ کر اس میں خم یا کجی کی صورت پیدا کر دی ہے۔

کجی کی ایک اور صورت

اسفنجی جسم کے خلیات کی خرابی کے علاوہ کجی کی ایک صورت اور بھی ہے۔ قضیب کے دونوں طرف عضلات (اسفنجی جسم) جو استخوان عانہ سے شروع ہو کر اس کی جڑ میں جا کر لگتے ہیں۔ جب یہ دونوں عضلے اعتدال کے ساتھ کھنچتے ہیں تو قضیب سیدھا کھڑا ہو جاتا ہے۔ جب زیادہ تن جاتے ہیں تو قضیب کو ٹیڑھی جانب کھینچتے ہیں۔ جب ان عضلات میں سے کسی ایک میں تشنج پیدا ہو جاتا ہے تو قضیب حالت نعوظ میں مخالف سمت کو جھک جاتا ہے۔ ان دونوں صورتوں کا فرق کجی کی مختلف حالتوں سے معلوم کیا جا سکتا ہے۔

کجی کے دیگر اسباب

کجی کی صورتیں تو یہی دونوں ہوتی ہیں، لیکن اس کے اسباب اور بھی ہو سکتے ہیں۔

- اوّل صورت جو بیان کردی گئی ہے وہ یہ ہے کہ اسفنجی جسم کے خلیات پر رگڑ کا اثر پڑے اور وہ گھس کر خراب ہو جائیں۔ یہ رگڑ کثرت جماع، جلق اور اغلام بازی یا تنگ اجسام میں قضیب کو سختی سے داخل کرنا وغیرہ۔
- دوسری صورت یہ ہے کہ قضیب کے خلیات میں غدی مادہ جمع ہو کر ان میں کجی پیدا کر دے۔ یہ عارضہ سن کہولت میں ہوا کرتا ہے۔ اس کی ماہیت کے متعلق معالجین میں اختلاف پائے جاتے ہیں۔ بعض ان کا باعث نقرسی مادہ خیال کرتے ہیں بعض اس کو سوزاک کی وجہ خیال کرتے ہیں اور ایک طبقہ اس کو خون کا سدہ خیال کرتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ سوزش غدہ سے یہ تینوں صورتیں پیدا ہو سکتی ہیں۔
- تیسری صورت یہ ہے کہ ان خلیات میں ورم وسوزش اور زخم سے رکاوٹ پیدا ہو جائے اور کجی بن جائے۔
- چوتھی صورت یہ ہے کہ آتشکی یا کوئی دیگر زہریلا مادہ وہاں کے خلیات کو برباد کر دے اور کجی پیدا ہو جائے۔
- پانچویں صورت کوئی خارجی شے جسم میں داخل ہو کر باعث نقص ہو اور کجی کی صورت نمودار ہو جائے۔
- چھٹی صورت یہ بھی ہے کہ قضیب پر کسی ایک طرف رسولی ہو کہ اس میں کجی کی حالت ظاہر کر دے۔
- ساتویں صورت یہ ہے کہ پیشاب کی نالی میں سکڑاؤ پیدا ہو جائے اور راستہ تنگ ہو کر کجی کی حالت بنا دے، وغیرہ وغیرہ۔

فرنگی طب کی غلط فہمی

اعصاب جو قضیب پر حکمرانی کرتے ہیں ان میں جب سوزش یا تشنج واقع ہوتا ہے تو فرنگی طبیب ان تکالیف یا اسی قسم کے دیگر امراض کو کجی قضیب تسلیم کرتے ہیں۔ لیکن یہ بالکل غلط ہے۔ یاد رکھیں جب بھی اعصاب میں سوزش یا تشنج پیدا ہو تو اس سے وہاں رطوبات اور بلغم کی کثرت پیدا ہو جاتی ہے۔ جس سے قضیب طویل ہو کر لٹک جاتا ہے اس سے کجی کو کوئی تعلق نہیں ہے۔

غلط فہمی کی فہمی

اس غلط فہمی کی وجہ یہ ہے کہ قوت باہ کی خرابی کی جس قدر صورتیں پائی جاتی ہیں ان میں اعصاب کا دخل ضرور خیال کیا جاتا ہے۔ لیکن ایسا ہرگز نہیں ہے۔ قوت باہ کی خرابی جس طرح اعصاب کی خرابی ہو سکتی ہے بالکل اسی طرح عضلات اور غدد کی خرابی بھی قوت باہ میں واقع ہو جاتی ہے۔ لیکن جہاں تک قضیب کی کجی کا تعلق ہے وہ زیادہ تر عضلاتی خرابی سے اور کبھی کبھی غدی خرابی سے پیدا ہوتی ہے۔ یہ ہے حقیقت جس کا فرنگی طب کو علم نہیں ہے۔

کثرت مباشرت

قضیب کے نقائص میں سب سے زیادہ اہمیت کجی کو حاصل ہے اور اس کا سب سے اوّلین سبب کثرت مباشرت ہے۔ جہاں تک مباشرت کے اعتدال کا تعلق ہے اس کے لئے کوئی قاعدہ نہیں بنایا جا سکتا۔ جیسے ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ مباشرت کی صورت بالکل بھوک پیاس اور دیگر اضافی ضروریات کی طرح ہے، جو انسانی ضروریات اس کی طاقت ومحنت اور صحت کے تابع ہیں۔ اسی طرح مباشرت بھی ایک ضرورت ہے اور جب تک شدید بھوک و پیاس کی طرح مباشرت کا احساس نہ ہو مباشرت کے قریب نہ جانا چاہیے۔ مختلف حکماء نے مختلف اوقات اور حدود لکھے ہیں۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ بعض اشخاص ہر روز بلاخطر مباشرت و جماع کر سکتے ہیں اور ان کو کوئی تکلیف نہیں ہوتی بلکہ ان کو راحت نصیب ہوتی ہے۔ لیکن بعض ایسے ہیں کہ اگر ہفتے کے بعد بھی مباشرت کریں تو ان کو تکلیف ہوتی ہے۔ بلکہ بعض لوگ دو دو چار

چار ہفتے بعد جماع کریں تو بھی ان کو زحمت اٹھانا پڑتی ہے۔ اس لئے اس مقصد کے لئے کوئی مقررہ وقت اور حد فاضل مقرر کرنا صحیح نہیں ہے۔ اس لئے اس مقصد کے لئے کوئی مقررہ وقت اور حد فاضل مقرر کرنا صحیح نہیں ہے۔ اس لئے مقررہ وقت اور حد فاضل کے بجائے ضرورت کو مدنظر رکھنا ضروری ہے۔

کثرت مباشرت کس کو کہتے ہیں؟

اس حقیقت کو ذہن نشین کرلیں کہ فعل مباشرت کی ابتدا ایک خاص قسم کے سرور اور ایک خاص قسم کی لذت سے شروع ہوتی ہے۔ جس کو ہم نے حظ (مسرت) کے تحت بیان کیا ہے۔ اس سرور ولذت اور حظ کا اندازہ انزال سے قبل اور اس کے دوران لگایا جاسکتا ہے۔ جب انزال مکمل طور پر ختم ہو جاتا ہے تو اس کے ساتھ ہی وقتی طور پر یہ خاص قسم کا سرور اور لذت ختم ہو جاتے ہیں۔

یاد رکھیں کہ جب تک یہ خاص قسم کا سرور اور لذت پیدا نہ ہو مباشرت کا خیال ہی پیدا نہیں ہوتا، بلکہ حسین وجمیل شکلوں، مسرت بخش و بے خود کرنے والے نظاروں اور شاعرانہ نغموں اور مترنم آوازوں کا احساس تک پیدا نہیں ہوتا۔ گویا احساس اور ادراک بھی صحت مند انسان میں پیدا ہوتا ہے۔

مباشرت کے لئے سرور اور لذت کی ابتداء حشفہ سے شروع ہوتی ہے۔ پھر پھیل کر گردونواح میں پھیل جاتی ہے۔ چونکہ سرور ولذت کے ساتھ ہی دوران خون ان اعضاء کی طرف تیز ہو جاتا ہے تو پھر یہ سرور ولذت کی لہر حظ وذوق کے حصول کے تحت اس قدر بڑھ جاتی ہے کہ ریڑھ کے ستون کے اندر دوڑتی ہوئی ہاتھ پاؤں اور ٹانگوں تک میں دورہ کر آتی ہے اور بعض اوقات لطف وسرور اس قدر شدت پیدا کر دیتا ہے کہ انسان درماندہ اور بے قابو ہوتا نظر آتا ہے۔ اگر حصول لذت میں دیر ہو جائے تو ایک مصیبت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اگر حظ ولذت کے حصول کی اُمید تحریک نہ دلائے اور برانگیخت نہ کرے تو صاحب عقل اس طرف کبھی توجہ نہ کریں۔ لیکن صاحب عقل جو اپنے اندر قوت برداشت بھی رکھتے ہیں وہ ہر قدم پر اس حظ ولذت کے برانگیخت پر قابو پالیتے ہیں لیکن جو لوگ یہ طاقت نہیں رکھتے وہ زیادتی کرتے ہیں اور غیر اخلاقی حرکات کر بیٹھتے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ حظ ولذت ایک فطری جذبہ ہے بلکہ انسانی جبلت ہے لیکن اس پر قابو نہ رکھنا اور اس کا غلام بن جانا اخلاق انسانیت اور آدمیت کے بالکل خلاف ہے۔ صاحب عقل وفہم اور اہل علم ہر مقام پر اعتدال قائم رکھتے ہیں۔

نوجوانی اور کثرت مباشرت

جو نوجوان کثرت مباشرت میں مبتلا ہو جاتے ہیں ان کی وجہ ان کے بچپن کے ایسے امراض ہیں جن میں اعصاب میں تشنج وتناؤ اور سوزش وتحریک پیدا ہو جاتی ہے جس سے اعضائے مخصوصہ خصوصاً قضیب میں سرور ولذت اور بے چینی ودباؤ محسوس ہوتا ہے اور اکثر انتشار کی صورت قائم رہتی ہے۔ ان کو ہر وقت اس کی طرف توجہ رہتی ہے اور رفتہ رفتہ مشغول رہ کر وہ اس سے لطف اندوز ہوتا ہے۔ خود لطف لینے کے ساتھ اپنے ہم عمر بچوں کی توجہ بھی اس طرف کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ جب اس کو کچھ ہوش آتا ہے یا اس کے جسم میں منی کی پیدائش شروع ہو جاتی ہے یا اس کو ایسے مواقع مل جاتے ہیں تو وہ کثرت جماع واغلام اور جلق میں مشغول ہو جاتا ہے اور اس حظ کی تلاش یا اپنی بے چینی ودباؤ کو دور کرنے کے لئے سرور ولذت میں مشغول رہتا ہے اور اکثر بہت دور نکل جاتا ہے اور اپنے آپ کو تباہ وبرباد کر لیتا ہے۔

قانون فطرت ہے کہ جسم انسان کے کسی عضو پر بلاضرورت دباؤ ڈالا جائے یا اس سے کوئی ایسا کام لینے کی کوشش کی جائے تو دوران خون اس طرف زیادہ ہو کر وہ عضو یا حصہ جسم اپنا کام شروع کر دیتا ہے۔ چونکہ اس عضو یا حصہ جسم میں پوری نشوونما نہیں ہوتی اور اس سے

زبردستی کام لیا جاتا ہے اس طرح اس کے فعل میں اس قدر قوت خرچ ہوتی ہے کہ وہ عضو یا حصہ جسم کمزور ہو کر سخت ضعیف ہو جاتا ہے اور اکثر وہ عضو بالکل تباہ ہو جاتا ہے۔

بعض بچے بچپن میں زیادہ ذہین ہوتے ہیں، ماں باپ اور دیگر احباب ان کو دیکھ کر بہت خوش ہوتے ہیں اور اس کو دنیا میں زیادہ کامیاب کرنے کے لئے ان کی طاقت سے بڑھ کر ان پر ذہنی کام کا بوجھ ڈال دیا جاتا ہے۔ علم وفن اور ذہنی افعال کا یہ بوجھ ان کے نازک اور نامکمل دماغ پر اس قدر شدید ہوتا ہے جس سے کہ بچہ یا تو پاگل ہو جاتا ہے یا اس پر دل ودماغ کے دورے پڑنے لگتے ہیں۔ جب بھی کسی بچے سے حد سے زیادہ محنت کا کام لیا جائے گا تو اس کے بدن کی نشوونما رک جائے گی۔ وہ کمزور اور دبلا پتلا رہ جائے گا۔ اسی طرح یہ امر بھی یقینی ہے کہ اگر نوجوانی یا قبل از وقت کسی بچے کی خواہش مباشرت میں تحریک پیدا ہو جائے یا اس کو اس قسم کے مواقع میسر آ جائیں تو روز بروز اس کی خواہش سرور ولذت شدید ہوتی جائے گی۔ یہاں تک کہ اس کے آلاتِ تناسل انتہائی کمزور ہو جائیں گے۔ اس طرح بچے کی صحت برباد ہو جاتی ہے۔

بعض کم عقل لوگوں میں یہ نقص ہوتا ہے کہ وہ بچوں سے غلط قسم کا لاڈ پیار کرتے ہیں۔ چھوٹے بچوں کے آلات تناسل کو چھیڑ کر ان کو خوش کرتے ہیں یا ذرا وہ بولنے چالنے لگتا ہے تو اس کی توتلی باتیں سننے کے لئے اس کو کہتے ہیں تمہاری میٹھی چیز کہاں ہے۔ بچہ بار بار پکڑ کر دکھاتا ہے اور خوش ہوتا ہے۔ اس سے ذہن لذت وسرور محسوس کرتا ہے جو رفتہ رفتہ دائمی ہو جاتا ہے۔

اس طرح بعض دایہ بچوں کو پالتی ہیں، جب بچہ رات کو روتا ہے اور چپ نہیں کرتا تو وہ اپنی نادانی سے اس کو چپ کرانے کے لئے اس کے آلات تناسل کو آہستہ آہستہ سہلاتی ہیں۔ جس سے بچے کو لطف وسرور آتا ہے اور وہ چپ ہو جاتا ہے۔ لیکن رفتہ رفتہ اس کو عادت ہو جاتی ہے اور پھر وہ اس لطف وسرور کے بغیر چپ نہیں کرتا جس کا نتیجہ بڑے ہو کر بہت خوفناک ہوا کرتا ہے۔

بچہ جب کچھ بڑا ہوتا ہے اور اس کو یہ صورت میسر نہیں آتی تو وہ اس فعل کو خود کرتا ہے۔ وہ عام طور پر تنہائی میں اپنے آلات تناسل سے کھیلتا ہے۔ وہ اس لذت وسرور میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوتا ہے کہ وہ اپنے آپ پر کس قدر ظلم کر رہا ہے۔ اس طرح زمانہ بلوغ تک برابر کرتا رہتا ہے۔ بلکہ اکثر ساتھیوں اور دوستوں کو اس لذت وسرور میں شامل کر لیتا ہے۔ کبھی اپنے ہاتھوں اور کبھی دوسروں کے ساتھ اپنی تباہی کرتا ہے۔ یہاں تک کہ نہ صرف اپنی طاقت جماع بلکہ خواہش جماع کو بھی ضائع کر لیتا ہے۔ آخر اپنے اعضائے تناسل بھی خراب کر لیتا ہے۔ کیونکہ اعضائے تناسل ابھی نامکمل ہوتے ہیں اور ان سے قبل از وقت غیر معمولی کام لے لیا جاتا ہے۔ اس طرح جہاں ان میں نشوونما ہونی چاہیے تھی وہاں پر ان کی بربادی شروع ہو جاتی ہے۔ اس لئے ماں باپ کا فرض ہے کہ بچے کے دودھ پینے کے زمانے سے لے کر اس کی بلوغت تک اس کی نہ صرف نگرانی کریں بلکہ اگر ایسے واقع اس کو میسر آنے کا خطرہ ہو تو فوراً اس کی خفیہ تحقیق کر لیا کریں۔ اس طرح بچے کی زندگی تباہی سے بچ جاتی ہے اور ساتھ ہی اس حقیقت کو بھی ذہن میں رکھیں کہ جن بچوں میں یہ بدعادت پڑ جاتی ہے ان کے اعضائے رئیسہ اس قدر کمزور ہو جاتے ہیں جس سے ان کی ذہانت ختم ہونا شروع ہو جاتی ہے اور رفتہ رفتہ ان کا دل تعلیم اور کام سے اُچاٹ ہو جاتا ہے اور وہ ناکارہ ہو کر رہ جاتے ہیں۔

اسباب کثرت مباشرت

یہ خیال غلط ہے کہ کثرت مباشرت زیادہ تر وہی لوگ کرتے ہیں جو جاہل ہیں یا شوق عیاشی رکھتے ہیں یا مذہبی زندگی پر نہیں چلتے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ایسے لوگ بھی کثرت مباشرت کرتے ہیں لیکن یاد رکھیں کہ پڑھے لکھے لوگ اس برائی میں زیادہ گرفتار ہیں۔ کیونکہ کثرت مباشرت کے اسباب بچپن کے امراض و بری عادات اور غلط ماحول سے پیدا ہوتے ہیں۔ جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ اگر پیدائش

کے بعد بچوں کے ماحول و عادات اور صحبت کو مدنظر رکھا جائے تو نہ صرف بچے کثرت مباشرت وجلق اور اغلام جیسی خرابیوں سے دور رہیں گے، بلکہ علم وفن اور اخلاق وتہذیب میں اپنا اور اپنے والدین کا نام روشن کریں گے۔

ان اسباب کے علاوہ چند نفسیاتی مہیجات بھی ہیں جو رفتہ رفتہ زندگی کا ایک جز بن جاتے ہیں۔ مثلاً حسن وعشق کی طرف رجوع کرنا۔ عشقیہ افسانے اور کہانیاں پڑھنا یا سننا۔ نغمہ ورقص میں دلچسپی لینا۔ حسین شکلوں اور شیریں آوازوں کو دیکھنا اور سننا، لذیذ ومقوی اور مرغن اغذیہ کا کھانا وغیرہ۔

اس سلسلہ میں حکیم رازی لکھتے ہیں ''جس گھر میں حسین عورت اور لذیذ کھانے پکتے ہیں وہ شخص کثرت جماع سے جلد بوڑھا ہو جائے گا۔ شراب خوری یا دیگر محرکات باہ اشیاء کا استعمال وغیرہ۔ اور سب سے اہم صورت یہ ہے کہ اعصاب وغدد اور عضلات خصوصاً اعضائے تناسل سے تعلق رکھنے والے اعضاء میں خراش یا انقباض پیدا ہو کر خون کو تیز کر دیتے ہیں، جس سے کثرت مباشرت کی صورتیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ اگر ایسی صورت میں مباشرت سے اجتناب کیا جائے تو اعضائے تناسل پر اس قدر دباؤ اور بوجھ پڑتا ہے کہ مباشرت اور اخراج منی کے بغیر چارہ نہیں رہتا۔ ایسی حالت میں نہ انسان کوئی کام کر سکتا ہے اور نہ اس کو سکون حاصل ہو سکتا ہے۔ حیرت ہے کہ حکماء کو اس مشکل میں گرفتار دیکھا ہے''۔

یہ بالکل اسی طرح ہے جیسے گلے میں کوئی لذع کی صورت ہو تو اس کو نگلنے کی خواہش زیادہ ہوتی ہے۔ جب معدہ میں اس نوع کا کوئی خلل ہوتا ہے تو بھوک زیادہ لگتی ہے۔ جب امعاء میں خراش ہو تو بار بار پاخانے کی حاجت ہوتی ہے جب مثانہ کی نالی میں سوزش ہو تو بار بار پیشاب آتا ہے۔ اسی طرح اعضائے تناسل کا بھی یہی قیاس کیا جا سکتا ہے۔ لیکن کسی عضو کے فعل کی زیادتی یا اس کے فعل کی خواہش اس کی قوت اور خواہش پر دلالت نہیں کرتی بلکہ اس کی بیماری کا پیش خیمہ ہے اور اس کے مرض کی علامت ہے۔ اس میں خواہش جماع تو ہوتی ہے لیکن جسم میں طاقت نہیں ہوتی جس سے کام کاج کرنے کی سکت ختم ہوتی ہے۔

کثرت مباشرت کی علامات

جب خواہش کثرت مباشرت پیدا ہو جائے تو کس طرح اندازہ لگانا چاہیے کہ یہ خواہش اصل ہے یا مرض کی صورت ہے۔ ہم پہلے لکھ چکے ہیں صحیح خواہش مباشرت وہ ہے جو کسی مہیج اور لذع کے بغیر پیدا ہو اور وہی مباشرت کا صحیح وقت ہے۔ یہ صورت روز پیدا ہو یا دوسرے تیسرے روز یا ہفتے اور مہینے میں پیدا ہو۔ اس صورت میں مباشرت کے بعد جسم ہلکا ہوگا۔ دماغ میں سکون اور دل میں فرحت ہوگی اور کام کرنے کی صلاحیت بڑھ جاتی ہے اور بھوک بھی زیادہ ہو جاتی ہے۔ اس کے برعکس جب خواہش مباشرت بڑھ جائے اور یہ مرض کی صورت اختیار کر لے تو اس میں مندرجہ بالا تمام اچھی علامات نہیں پائی جائیں گی۔ بلکہ روز بروز جسم ضعیف ہوتا جائے گا۔ دل ودماغ میں راحت وفرحت ختم ہو جائے گی۔ اس سے کام کرنے کی طاقت رفتہ رفتہ ختم ہو جاتی ہے اور مباشرت باعث مصیبت اور زحمت بن جاتی ہے اور اکثر منی کی بجائے خون بھی آنا شروع ہو جاتا ہے۔ بعض دفعہ غش آ جاتا ہے۔ اس کو مرض خیال کرنا بہتر ہے۔

یونانی اطباء کا فیصلہ ہے کہ متواتر تین چار یا حد پانچ بار مباشرت کرنے سے اوعیہ منی کے اندر جس قدر منی جمع ہوتی ہے خارج ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد اگر کوئی مباشرت کرے تو پھر خون صالح جو پرورش بدن کے لئے مخصوص ہے خارج ہونے لگتا ہے۔ چنانچہ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ علاوہ ضعف باہ کے جسم بھی تحلیل ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ پھر رفتہ رفتہ مختلف امراض نمودار ہونے لگتے ہیں جن میں اختلاج قلب، ضعف بصر، دوران سر، سوزش حرام مغز، مراق، صرع، جنون، ذیابیطس، جریان، دق وسل اور فالج وغیرہ شامل ہیں۔ عورتوں میں ورم رحم وسیلان رحم اور

اختناق الرحم پیدا ہو جاتے ہیں۔

ان امراض کی پیدائش کی صورت کچھ اس طرح ہوتی ہے کہ سب سے پہلے دل دھڑکنے لگتا ہے۔ تنفس میں تیزی آ جاتی ہے۔ اعضاء ڈھیلے ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔ جسم سست ہونے کے ساتھ سن ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ آخر کار انسان کسی سخت اور مہلک مرض میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اس طرح وہ جانِ عزیز کو الوداع کہہ کر اس دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے۔ کثرتِ مباشرت تو بہر حال مضر ہے، لیکن جن لوگوں میں گرمی تری کی کمی ہوتی ہے ان کے لئے انتہائی نقصان رساں ہے۔ اسی طرح جن لوگوں کے دل و دماغ اور جگر خصوصاً ضعف معدہ ہو ان کے لئے کثرتِ مباشرت بے حد مضر ہے۔ ایسے لوگ جلد خوفناک امراض کو دعوت دیتے ہیں۔

وید کثرتِ مباشرت کو نہایت نقصان رساں خیال کرتے ہیں۔ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ اولاد جیسی شدید ضرورت کے بغیر مباشرت کرنا ہی نہ چاہیے۔ انسان کو جتی ستی رہنا چاہیے، کیونکہ مباشرت سے زندگی گھٹ جاتی ہے۔ ایسی کمزوری پیدا ہو جاتی ہے کہ اس کا رفع ہونا مشکل ہو جاتا ہے۔ کثرتِ مباشرت سے تپ دق وسل اور کھانسی جیسے خوفناک امراض پیدا ہو جاتے ہیں۔ ضعف ہضم اور پیشاب کی کثرت اور دبلا پن خصوصاً عورتوں میں کثرتِ مباشرت سے پیدا ہوتے ہیں۔

تجربہ کار معالجین کا مشاہدہ ہے کہ کسی بھی مریض کو مباشرت کے قریب نہیں جانا چاہیے۔ اس سے نہ صرف مرض میں زیادتی ہو جاتی ہے بلکہ جسم بھی کمزور ہو جاتا ہے اور مرض خوفناک صورت اختیار کر لیتا ہے۔ خاص طور پر وہ مریض جو ضعف معدہ، ضعف قلب، ضعف دماغ، ضعف جگر، تپ دق وسل، ذیابیطس، ضعف بصر، مرگی جنون، جریان اور ضعف باہ جس میں ضعف انتشار کی شکایت ہو ان میں پہلے ہی حرارت غریزی کم ہو جاتی ہے اور نقصان زیادہ ہوتا ہے۔

ان مریضوں کے علاوہ جو لوگ دماغی محنت کرتے ہیں ان کو بھی کثرتِ مباشرت سے دور رہنا چاہیے۔ کیونکہ اس طرح دماغ اور اعصاب پر غیر معمولی اثر پڑتا ہے اور دماغی و اعصابی امراض خصوصاً جنون و دیوانگی اور پاگل پن پیدا ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح حاملہ اور دودھ پلانے والی عورت کو مباشرت سے دور رہنا چاہیے۔ اس سے بچے کے ساتھ عورت کو بھی بے حد نقصان پہنچتا ہے۔ دورانِ حمل میں خون کے دوران کی باقاعدگی خراب ہو جاتی ہے اور دودھ پلانے والی عورت کا دودھ خراب ہو جاتا ہے اور عورت کمزور اور بچہ مریض ہو جاتا ہے۔ بچے کو کم از کم دو سال تک دودھ پلانا ضروری ہے۔

علاج کثرتِ مباشرت

کثرت جماع سے کسی مریض کو روکنا اس قدر مشکل نہیں ہے لیکن اس کے بعد پیدا ہونے والے نتائج اس کثرت جماع کی عادت سے زیادہ نقصان رساں بن جاتے ہیں جس سے عوام کیا بہت سے اطباء بھی واقف نہیں ہوتے۔ ان کے خیال میں بدعادات کا صرف روک دینا ہی کافی ہوتا ہے اس سے مرض رفع ہو جاتا ہے۔ ایسا ہرگز نہیں ہے۔ اس طرح اکثر جسم کو نقصان پہنچتا ہے۔ بعض صورتوں میں شدید ہو جاتا ہے۔

جاننا چاہیے کہ عادت طبیعت ثانیہ بن جاتی ہے۔ عادت کو فوراً روکنے میں نہ صرف ذہنی طور پر بے چینی ہوتی ہے بلکہ جسمانی طور پر بھی بے قراری ہوتی ہے۔ کیونکہ دورانِ خون اور جسم کا رجحان جس خاص انداز پر چل رہا ہوتا ہے طبیعت اس کو چھوڑنا برداشت نہیں کر سکتی اور تکلیف محسوس کرتی ہے۔ جیسے کسی کا نشہ کرنے کی عادت میں مبتلا ہونا۔ اس لئے طبیعت بدلنے سے قبل عادت کو بدلنا ضروری ہے۔

مریض کی عادت بدلنے کے لئے اس کی روزانہ زندگی و ماحول اور غذا میں فوراً تبدیلی کر دینی چاہیے۔ روزانہ زندگی میں صبح جلد

بیدار ہونا چاہیے، تازہ پانی سے غسل کرنا چاہیے، اپنے عقیدے کے مطابق عبادت ضروری ہے، روزانہ ایک گھنٹہ سیر یا ورزش کرنی چاہیے۔ ماحول کی تبدیلی کے لئے بہتر ہے کہ وہ مقام چند یوم کے لئے چھوڑ دے۔ اگر مجبوری ہے تو کمرہ، مقام، چارپائی اور روزانہ بیٹھنے کی جگہ کو بدل لینا چاہیے۔ دوست بدل دے یا کچھ عرصہ کے لئے ان سے دور رہے۔ عشق و محبت کے افسانے، رقص و سرور کی محفلیں اور مناظر تفریح گاہوں کو بالکل یا کم از کم کچھ عرصہ کے لئے چھوڑ دینا چاہیے۔ غذا کی تبدیلی کے لئے سادہ اور زود ہضم غذا کھانی چاہیے۔ یعنی مرغن غذائیں نہیں کھانا چاہئیں۔ مرغن اغذیہ سے مراد پراٹھا، حلوہ، پلاؤ، زردہ اور بھنا ہوا گوشت و کباب ہیں۔ البتہ دودھ اور مکھن روزانہ روٹی یا ڈبل روٹی سے کھا سکتے ہیں۔ بلکہ دودھ گھی صبح شام پی سکتے ہیں۔

یاد رکھیں کہ جو اغذیہ گھی میں تلی یا پکائی جاتی ہیں وہ دیر سے ہضم ہوتی ہیں۔ غذا کے لئے دو یا تین چیزیں نہایت ضروری ہیں۔ اوّل وقت مقررہ پر کھائی جائے، دوسرے شدید بھوک پر کھائیں۔ اگر وقت مقررہ پر بھوک کی کمی ہو تو وہ وقت چھوڑ دیا جائے اور دوسرے وقت یا تیسرے وقت کھا لیا جائے۔ یہ عادت مفید ہے۔ اس میں کوئی نقصان نہیں ہے۔ اس کو فاقہ نہیں کہتے بلکہ غذا کی ضرورت نہیں ہے۔ فاقہ اس حالت کو کہتے ہیں کہ شدید بھوک لگی ہو اور غذا نہ کھائی جائے۔ یہ صحیح ہے کہ فاقہ میں ضعف پیدا ہوتا ہے۔ البتہ اگر مریض روزے رکھے تو اس کے لئے بہت مفید ہے۔

غذائی علاج

یہ حقیقت ذہن نشین کر لیں کہ زندگی و قوت اور صحت کا مرکز انسان کے اندر خون ہی ہے جو غذا سے پیدا ہوتا ہے، کیونکہ وہ جزو بدن ہوتی ہے۔ خون کبھی کسی دوا سے نہیں بنتا۔ کیونکہ وہ کبھی بھی نہ جزو بدن ہوتی ہے اور نہ خون بنتی ہے۔ البتہ اعضاء کے افعال کو تیز کر کے غذا کو ہضم کر کے خون بنانے میں ضرور مدد کرتی ہے۔ اس لئے قوت اور صحت کے قیام کے لئے غذا کو اہمیت حاصل ہے۔ کیونکہ بغیر غذا کے کوئی دوا کسی صورت میں بھی تقویت اور صحت کو قائم نہیں کر سکتی اور یہی راز صحت اور قوت ہے۔

جب یہ اصول تسلیم ہو گیا کہ مقوی بدن صرف وہی شے ہو سکتی ہے جو مولّد خون ہو اور ساتھ ہی یہ امر بھی تسلیم کر لیا گیا ہے کہ جو شے جزو بدن نہیں وہ کبھی مقوی بدن بھی نہیں ہو سکتی۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب اصل تقویت غذا میں ہے تو پھر دواء کو کیوں تقویت کے لئے استعمال کرتے ہیں؟ اور کیا وجہ ہے کہ ادویہ کے استعمال سے بدن میں طاقت، جسم میں سکت، طبیعت میں شگفتگی، دماغ میں قوت، دل میں ہمت اور جگر میں قوت پیدا ہوتی ہے۔ اس طرح یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ کیوں فولاد کے کھانے سے چہرے پر رونق، خون میں سرخی اور بدن میں طاقت آ جاتی ہے۔ اور کچلہ اور اس کے مرکبات کھانے سے بھوک تیز ہو جاتی ہے۔ کھانا ہضم ہوتا ہے، جسم میں قوت کی شدت محسوس ہونے لگتی ہے۔

جاننا چاہیے کہ جو اشیاء ہم کھاتے ہیں ان کی تین صورتیں ہیں: (۱) غذا (۲) دوا (۳) زہر۔ ان کے مرکبات سے بھی تین صورتیں بنتی ہیں: (۱) غذائے دوائی، جس میں غذا زیادہ اور دوا کم ہوتی ہے۔ (۲) دوائے غذائی، جس میں دواء زیادہ اور غذا کم ہوتی ہے۔ (۳) دوائے زہر، جس میں دواء کے ساتھ زہر کا اثر بھی ہوتا ہے۔

ہزاروں سالوں کے تجربات کے زیر اثر یہ حقیقت تسلیم ہو چکی ہے کہ غذائے مطلق جسم میں تحلیل ہو کر جزو بدن بن جاتی ہے۔ دوائے مطلق جسم میں تحلیل ہو کر جسم کو متاثر کر کے خارج ہو جاتی ہے اور زہر مطلق جسم میں داخل ہو کر اس کو فنا کر دیتا ہے یا اس میں فساد پیدا کر دیتا ہے۔ اس طرح جس کسی دوا میں جس قدر غذا کے اجزاء ہوتے ہیں وہ جزو بدن بن کر خون بن جاتے ہیں اور جس قدر اجزاء دواء کے ہوتے

ہیں وہ جسم کو متاثر کر کے جسم سے باہر خارج ہو جاتے ہیں۔ اس کی مثال بالکل موٹر کی طرح ہے جو پٹرول سے چلے گی تو جس قدر چاہے تیز کر لیں موٹر تیز ہوتی جائے گی۔ جو لوگ اس حقیقت سے واقف نہیں وہ صرف ادویات یا زہروں کو استعمال کر کے قوت اور صحت حاصل کرنا چاہتے ہیں اور جب ناکام ہوتے ہیں تو ان ادویات کو غیر مفید اور ناکام خیال کر لیتے ہیں۔

فرنگی طب کی غلط فہمی

فرنگی طب میں سب سے بڑی غلطی تو یہ ہے کہ وہ علم العلاج اس کو کہتے ہیں کہ کسی علامت کو روک دیا جائے۔ مرض چاہے اپنی جگہ قائم رہے۔ جیسے درد سر میں اسپرین کا کھانا اور پیٹ درد میں مارفیا کا استعمال یا جراثیم کش دوا کا انجکشن دینا وغیرہ۔

دوسری غلطی یہ ہے کہ ان کے علاج میں غذا کو کوئی اہمیت نہیں دی جاتی، کیونکہ وہ صرف کسی علامت کو روکنا علاج سمجھتے ہیں۔ مرض کو دور کرنے کا ان کے ذہن میں تصور نہیں ہے اس لئے فرنگی طب نہ صرف ناکام ہے بلکہ مضر اور نقصان رساں ہے۔ کیونکہ وہ دوا سے زیادہ زہر استعمال کرتے ہیں۔

قوت کا راز

جسم انسان کو جن چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے خداوند کریم نے یہ سب ہمارے خون میں مکمل طور پر شامل کر دی ہیں۔ دوسرے الفاظ میں یوں سمجھ لیں کہ جسم کو زندگی وصحت اور طاقت کے لئے جن اجزاء کی ضرورت ہوتی ہے انہی کے مرکب سے خون کی یہ صورت پیدا ہوتی ہے۔ خون تمام بدن میں دورہ کرتا ہے اور جہاں جہاں سے گزرتا ہے وہاں پر اس حصہ عضو کو غذا مہیا کرتا چلا جاتا ہے۔ جب گوشت پر سے گزرتا ہے تو اس کی غذا پروٹین وغیرہ اس کو دیتا ہے اور جب ہڈی کی طرف جاتا ہے تو اس کو چونے کے اجزاء پرورش کے لئے دیتا ہے۔ اسی طرح جب دل ودماغ اور جگر کی طرف جاتا ہے تو ان کے اجزائے غذا یہ ان کی طرف چھوڑ دیتا ہے۔ یہی صورت اس وقت پیدا ہوتی ہے جب یہ پستانوں اور خصیوں میں سے گزرتا ہے۔ وہاں پر دودھ اور منی کے اجزا بہم پہنچاتا ہے۔ بس اسی پر زندگی وقوت اور صحت قائم ہے۔

جب کسی حصہ جسم کو اس کی غذا حاصل نہیں ہوتی تو وہ حصہ یا عضو کمزور ہونا شروع ہو جاتا ہے یا جس حصہ جسم اور عضو میں خون کی زیادتی ہو جاتی ہے تو وہاں پر مرض پیدا ہو جاتا ہے۔ نتیجہ کے طور پر جسم میں ضعف واقع ہوتا ہے۔ ان حقائق سے ثابت ہوا کہ جسم کے لئے اصل شئے خون ہی ہے اور اسی سے زندگی وصحت اور قوت پیدا کر سکتے ہیں۔ پھر دوا کی اہمیت کیا ہے؟

دواء اور زہر کی اہمیت

حقیقت یہ ہے کہ دواء خالص اور زہر بذاتِ خود کسی طرح بھی زندگی وصحت اور طاقت نہیں دے سکتے۔ مثلاً کچلہ یا جوہر کچلہ جو انتہائی خوفناک قسم کے زہر ہیں وہ کس طرح قوت حیات کو مدد اور اعمال زندگی کو تروتازگی دے سکتے ہیں۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ خداوند کریم نے جو حکیم مطلق اور قادر کلی ہے، ادویہ میں ایسے ایسے خواص رکھ دیئے ہیں جن سے اعضاء کو بڑی مدد ملتی ہے۔ جن کی مدد سے غذا بہت کھائی جاتی ہے اور زیادہ آسانی سے ہضم ہوتی ہے۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اعضائے بدن بہت مستعدی اور آمادگی سے غذا کے اجزاء کو جذب کرتے ہیں اور اپنا جزو بنا لیتے ہیں۔

کچلہ کے عام اثرات

کچلہ ایک خوفناک زہر ہے۔ مگر جب اس کو دوائی کے طور پر استعمال کرایا جاتا ہے تو وہ بھوک کو تیز کرتا ہے۔ اعضائے ہضم کو تقویت دیتا ہے اور خون میں اجزائے پرورش بڑھاتا ہے۔ جسم میں حرارت کو بڑھاتا ہے۔ دل کے فعل میں تیزی جگر میں غذا کی زیادتی اور اعصاب و دماغ میں تقویت پیدا کرتا ہے جس کے ساتھ اعضائے تناسل میں تحریک وشہوت میں جوش اور قوت باہ کو زیادہ کرتا ہے۔

یاد رکھیں کہ یہ اثرات وافعال غذا ہی سے پیدا ہوتے ہیں۔ کچلہ صرف ان خاص اعضائے جسم اور اجزائے خون میں تیزی پیدا کر دیتا ہے۔ جس سے خاص قسم کے اثرات وافعال فوری طور پر ظاہر ہوتے ہیں۔ اگر جسم میں یہ اثرات وافعال پہلے ہی سے موجود ہوں تو ایسی صورت میں کچلہ یا اس قبیل کی ادویہ ضرور نقصان کا باعث بنتی ہیں۔ بعض اوقات زہر کا اثر کر جاتی ہیں۔

روغن جگر ماہی کے عام اثرات

روغن جگر ماہی جس کو انگریزی میں کاڈلیورائل کہتے ہیں، چونا (کیلشیم) کا ایک روغنی مرکب ہے جیسے گھی گندھک (سلفر) کا ایک روغنی مرکب ہے۔ روغن ماہی کے استعمال سے بدن کا وزن زیادہ بڑھ جاتا ہے۔ جسم میں حرارت پیدا ہونا شروع ہو جاتی ہے جس سے جسم فربہ اور بھرنا شروع ہو جاتا ہے۔ جسم میں طاقت و ہمت کا حاصل ہونا اور بدن میں رونق اور تروتازگی اور خون میں طاقت اور زیادتی پیدا ہونے لگتی ہے۔ نتیجہ کے طور پر دل و دماغ اور جگر کو طاقت حاصل ہوتی ہے۔ یاد رکھیں کہ روغن جگر ماہی غذائے دوائی ہے اور کمزوری کے لئے مفید شے ہے۔

فولاد کے عام اثرات

فولاد ظاہر میں دوا معلوم ہوتا ہے لیکن وہ بھی غذائے دوائی ہے۔ کیونکہ فولاد ہمارے خون اور جسم کا اہم ترین جزو ہے۔ بلکہ خون کے اندر جو سرخی ہوتی ہے وہ فولاد ہی سے پیدا ہوتی ہے۔ غذا کی جو تعریف ہم نے بیان کی ہے اس سے وہ غذا معلوم ہوگا۔ کیونکہ وہ جسم کا ایک بڑا ضروری حصہ ہے اور خون کے اندر جو سرخ ذرے پائے جاتے ہیں جن کو حاملین آکسیجن (نسیم) کہتے ہیں ان کی ترکیب کا غالب حصہ فولاد ہے۔ خون کے اندر یہ سرخ ذرّے نہایت ضروری اجزاء ہیں۔ اگر ان کی مقدار طبعی کم ہو جائے یا ان ذرّوں میں فولاد کا حصہ گھٹ جائے تو چہرے کا رنگ زرد، جسم میں کمزوری اور ضعف غالب آ جاتا ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے فولاد ہمارے جسم کے لئے غذا کا کام کرتا ہے۔ اسی لئے فولاد کو نہایت مقوی کہا جاتا ہے۔

یاد رکھیں کہ جماداتی فولاد چونکہ جسم میں بہت ہی قلیل مقدار میں جذب ہوتا ہے اور اس کا اکثر حصہ جسم سے خارج ہو جاتا ہے۔ اس لئے اس کو دوائے غذائی کہنا ہی بہتر ہے۔ البتہ نباتاتی فولاد جو اکثر پھلوں اور سبزیوں میں پایا جاتا ہے اور حیوانی فولاد جو اکثر گوشت اور جگر میں پایا جاتا ہے دونوں غذائے دوائی ہیں۔ باوجود یہ کہ فولاد ہمارے جسم وخون اور غذا کا ضروری جزو ہے۔ لیکن پھر بھی خالص غذا نہیں ہے۔ کیونکہ ہر صورت میں فولاد کا اکثر حصہ خون سے خارج ہو جاتا ہے۔

غذا میں جس قسم کے اجزاء اور مادے ہوں گے خون میں وہی شے زیادہ بنے گی اور جسم پر بھی اس کا اثر زیادہ ہوگا۔ مثلاً گائے بھینس کو بنولے زیادہ کھلائے جائیں گے تو دودھ میں مکھن زیادہ ہوتا ہے۔ اسی طرح بعض غذائیں دودھ زیادہ پیدا کرتی ہیں۔ بالکل یہی صورت ہے کہ بعض اغذیہ خون زیادہ پیدا کرتی ہیں اور بعض اغذیہ منی زیادہ کرتی ہیں۔

ان حقائق کو سامنے رکھتے ہوئے کثرت مباشرت کے مریض کی غذا کو دوا پر مقدم رکھیں۔ جب غذا سے صحت درست ہو جائے اور طبیعت ابھرنے لگے تو ضرورت کے مطابق ادویہ بھی استعمال کی جا سکتی ہیں۔ غذا کے طور پر ایسی اغذیہ دیں جن سے ایسا خون بنے جس میں رطوبت زیادہ اور خون کے دیگر اجزا کم ہوں، جیسے شوربے والا گوشت، مکھن، دودھ، اور دہی جن میں میٹھا زیادہ ڈالنا چاہیے۔ میووں میں بادام اور چہار مغز بھی استعمال کر سکتے ہیں۔ سبزیوں میں ٹماٹر، ساگ کا شوربہ، کدو، ٹنڈا اور گاجر بہت مفید سبزیاں ہیں اور دالوں میں مونگ اور ماش کی دالیں بھی استعمال کرا سکتے ہیں۔ اناج کی صورت میں اگر بھوک زیادہ ہو تو دلیہ اور چاول استعمال کرایا جا سکتا ہے۔ پھلوں میں انار شیریں، آلو بخارہ زیادہ مفید ہے۔

یونانی اطباء کا خیال ہے کہ انتشار پیدا کرنے کے لئے ریح کا ہونا ضروری ہے اور اسی وجہ سے ان کی رائے میں جن غذاؤں میں نفاخی زیادہ ہوگی وہ مد انتشار اور مقوی باہ ہوتی ہیں۔ اس قسم کی غذاؤں میں باقلہ و لوبیہ اور چنے و بینگن وغیرہ شریک ہیں۔ ایسی اغذیہ سے کثرت مباشرت کے مریض کو پرہیز لازم ہے۔

کثرت مباشرت میں دوائی علاج

کثرت مباشرت ایک ایسا مرض ہے کہ اس کے علاج میں خصوصاً ادویہ کے استعمال پر اس وقت تک کوئی مریض راضی نہیں ہوتا جب تک وہ اپنے جسم میں انتہائی کمزوری محسوس نہ کرے یا اس میں کسی خوفناک مرض کی علامات پیدا نہ ہو جائیں۔ مثلاً انتہائی خون کی کمی، جسم میں گوشت و چربی ختم ہو جائیں، اعصاب کا سن ہو جانا، جسم میں رعشہ ابتداء، آنکھوں کا کمزور ہو جانا، بھوک کا بالکل ختم ہو جانا اور مباشرت میں منی کے ساتھ خون کا اخراج پانا۔ کیونکہ مریض کو مباشرت سے جو لذت حاصل ہوتی ہے وہ اس کو چھوڑنا پسند نہیں کرتا۔ خصوصاً وہ اس غلط فہمی میں مبتلا ہوتا ہے کہ کثرت مباشرت کو اگر علاج سے روکا گیا تو وہ نامرد ہو جائے گا۔ لیکن حقیقت بالکل اس کے خلاف ہے۔ کیونکہ کثرت مباشرت کو روکنے سے جہاں اس کی صحت درست ہو جائے گی وہاں پر اس کی قوت باہ پہلے سے بھی بہتر ہو جائے گی۔ اس میں اس کے لئے زندگی و صحت اور قوت و مسرت کا راز۔ جب کسی کثرت مباشرت کے مریض کو اچھے طریق پر علاج کی حقیقت ذہن نشین کرائی جائے تو وہ اپنے علاج پر راضی ہو جاتا ہے۔ ذہن نشین کرانے کی بات یہ ہے کہ اس علاج میں قوت باہ قائم رہے گی بلکہ پہلے سے زیادہ لذت اور لطف آئے گا۔ مگر کثرت کی عادت ختم ہو جائے گی اور بڑھتے ہوئے امراض دور ہو جائیں گے۔ یہی مریض کے لئے مفید ہے۔

غلط ادویہ کا استعمال

عام طور پر یہ مشہور ہے کہ برودات و مسکنات اور مخدرات کے استعمال سے شہوت کو کم کیا جا سکتا ہے۔ جیسے کشنیز و کاسنی، کافور و لفاح اور افیون و بھنگ وغیرہ کو استعمال کیا جاتا ہے اور اس طرح جسم میں تبرید و تسکین اور تخدیر پیدا کر کے بدن کو سست اور سن کر دینے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اوّل یہ صورتیں غلط اور عطائیانہ ہیں، دوسرے یہ قانون علاج کے خلاف ہے۔ کیونکہ ان سے نہ صرف صحت خراب ہو جاتی ہے بلکہ اکثر منشیات کی عادت پڑ جاتی ہے جو زندگی بھر باقی رہتی ہے۔

صحیح طریق علاج

کثرت مباشرت کی مندرجہ ذیل تین صورتیں ہیں:

(۱) معدہ میں سوزش سے عضلات میں انقباض اور تشنجی حالت کا ہونا۔
(۲) جگر وگردوں میں سوزش سے خصیوں میں انقباض اور تشنجی حالت کا قائم ہو جانا۔ گاہے بگاہے پیشاب کی نالی میں سوزش پیدا ہو کر جلن شروع ہو جاتی ہے جیسے سوزاک میں ہوتی ہے۔
(۳) لذت ولطف اور ذوق کی کثرت سے اعصاب ودماغ میں تیزی کا پیدا ہو جانا۔ یہ صورتیں اکثر عشق ومحبت کے شوق یا ایسی صحبتوں میں رہنے یا اس قسم کے قصے اور افسانے پڑھنا یا بے کار سیر وتفریح میں وقت خرچ کرنے سے پیدا ہوتی ہیں جس کے نتیجے میں کثرت مباشرت کی عادت پڑ جاتی ہے۔
علاج کی صورتیں بھی انہی صورتوں اور قوانین کے تحت ہونی چاہئیں۔
○ اوّل صورت میں معدہ کی اصلاح کریں۔ جسم میں حرارت کو پیدا کریں تاکہ سوزش معدہ کے ساتھ عضلات خصوصاً جنسی عضلات کا انقباض اور تشنجی حالت رفع ہو جائے۔ اس مقصد کے لئے مقوی جگر ادویہ استعمال کرائیں۔ ان میں غدی عضلاتی یا غدی اعصابی ادویہ کا استعمال کرائیں۔ ذیل کا نسخہ بھی تریاق کا کام دے گا۔
نسخہ: گندھک چار حصے، نوشادر ایک حصہ اور پودینہ تین حصے۔ سب کو باریک کر کے سفوف بنالیں۔ ایک ماشہ سے دو ماشہ تک دن میں چار بار دیں۔ اگر قبض ہو تو غدی اور اعصابی یا غدی عضلاتی ملینات استعمال کریں۔
○ دوسری صورت میں سوزش جگر وگردوں کو دور کرنے کی کوشش کریں جس سے خصیوں کا انقباض اور ان کی تشنجی حالت ختم ہو جائے گی۔ اس مقصد کے لئے اعصابی غدی یا اعصابی عضلاتی ادویات کا استعمال کرائیں۔ ذیل کا نسخہ اکسیر ہے۔
نسخہ: کشتہ نقرہ ایک حصہ، مربہ گاجر چار حصے، مغز بادام تین حصے، شہد آٹھ حصے۔
ترکیب: بادام رات کو بھگو دیں۔ صبح ان کو پیس لیں۔ مربہ گاجر بھی پیس لیں۔ پہلے شہد میں پسے ہوئے بادام ملالیں پھر مربہ گاجر پسا ہوا ملا لیں۔ آخر میں کشتہ چاندی شامل کرلیں اور چار ماشہ سے ایک تولہ تک صبح وشام ہمراہ دودھ استعمال کرائیں۔ یقینی فائدہ ہوگا۔
○ تیسری صورت دماغی اور اعصابی بے چینی اور لذت کو دور کریں تاکہ ذکاوت حس دور ہو جائے اور رفتہ رفتہ لطف وشوق کی کیفیت ختم ہو جائے۔ اس مقصد کے لئے عضلاتی اعصابی یا عضلاتی غدی ادویہ استعمال کریں۔ ذیل کا نسخہ مقوی اور بے خطا ہے۔
نسخہ: کشتہ فولاد ایک حصہ، ہلیلہ سیاہ سوختہ سات حصے۔ باریک پیس کر ملالیں۔ پھر بقدر نخود گولیاں تیار کرلیں اور ایک تا تین گولیاں روزانہ تین بار دیں۔ اگر قبض ہو تو عضلاتی اعصابی یا عضلاتی غدی ملین استعمال کریں۔ انشاء اللہ مریض کو تسلی بخش فائدہ ہوگا۔ ان ادویات سے کثرت مباشرت ختم ہو جائے گی اور صحت وقوت اور مسرت قائم رہے گی۔

جلق

جلق کسے کہتے ہیں؟

ہاتھ کی حرکت سے منی کا خارج کرنا۔ جسے عربی میں ''استمنا بالید'' کہتے ہیں۔ فارسی میں ''مشت زنی''۔ یہی نام عرف عام میں بھی بولا جاتا ہے۔ ہندی میں ''ہتھ رسی'' اور انگریزی میں ''ماسٹربیشن'' کہتے ہیں۔ یہ فعل عام طور پر ہاتھ کی مٹھی سے کیا جاتا ہے۔ مگر بعض دفعہ چمڑے کی تھیلی یا تکیوں کی مدد سے بھی کیا جاتا ہے۔ یہ بھی سنا ہے کہ فرنگی عیاش ایک قسم کی ربڑ کی لعبت (گڑیا) سے یہ فعل انجام دیتے ہیں۔ جو

اس مقصد کے لئے تیار کی جاتی ہے۔ کہتے ہیں کہ اس کی بعض حرکات عورت کی طرح ہوتی ہیں۔

اس بدعادت کی ابتدا کب ہوئی، یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا۔ البتہ یہ ضرور کہا جا سکتا ہے کہ قدیم زمانے سے اس کا وجود چلا آتا ہے۔ کیونکہ قدیم تصنیفات میں اس کا ذکر ملتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بچپن میں کم وبیش ہر بچہ اپنی بے سمجھی سے اس لذت میں گرفتار ہو جاتا ہے۔ بعض حکماء اور فلاسفر جن کو شادی کے مواقع نصیب نہیں ہوتے۔ ان پر بھی اس بدعادت کا الزام ہے۔ یہی الزام سقراط پر ہے۔ بلکہ کہتے ہیں کہ گناہ سے بچنے کے لئے وہ اس کو احسن خیال کرتے تھے۔ اس الزام کی صداقت کے ظاہرہ کوئی ثبوت نہیں ہیں۔ یہ بالکل ایسی بات ہے جیسے بعض شعراء اور علماء پر شراب خوری کا الزام لگاتے ہیں۔ اس پراپیگنڈہ کا مقصد شاید یہ ہے کہ ان بدعادات کا جواز تلاش کیا جائے یا ان کو بدعادات نہ کہا جائے۔ بہرحال یہ عادات یقیناً بد ہیں اور ہر صورت میں گناہ کی حدود میں داخل ہیں۔ جس فعل سے انسان کو فطری طور پر نقصان پہنچے وہ یقیناً گناہ ہے۔ اس بدعادت سے اس قدر نقصان ہوتا ہے کہ اس سے ایک شخص کی انسانیت اور آدمیت دونوں برباد ہو جاتی ہیں۔

جلق کے نقصانات

جلق کا ظاہرہ نقصان تو قوت باہ خصوصاً اعضائے تناسل اور پیدائش منی پر معلوم ہوتا ہے۔ لیکن باطن میں اس کا اثر تمام جسم انسان خصوصاً اعضائے رئیسہ اور روحانی قدروں خصوصاً اخلاق وکردار پر پڑتا ہے۔ اس عادت سے انسان رفتہ رفتہ اپنی صحت کے ساتھ ساتھ احساس شرف وفضیلت اور عزت برباد کر لیتا ہے۔ ہم اس سے پہلے لکھ چکے ہیں کہ قضیب کی بناوٹ میں (۱) اعصاب (۲) غدد غشائے مخاطی اور (۳) عضلات شریک ہیں۔ ان میں اعصاب باہر کی طرف، اس کے نیچے غدد (غشائے مخاطی) اور سب سے نیچے عضلات جو اسفنجی اجسام ہیں۔ تمام جسم قضیب اسی طرح بنا ہوا ہے۔ البتہ احلیل (پیشاب کی نالی) کے اندر بھی غشائے مخاطی کا استر ہے جو اندرونی جلد کا کام کرتا ہے۔

جب کوئی شخص جلق شروع کرتا ہے تو پہلے اعصاب جو باہر کی طرف ہیں، متاثر ہوتے ہیں۔ اوّل اوّل ان میں لذت ولطف بڑھتا ہے۔ اس صورت میں دورانِ خون کی تیزی اعضائے تناسل خصوصاً قضیب کی طرف زیادہ ہو جاتی ہے۔ وہ شخص لذت کے تحت بار بار جلق کی خواہش کرتا ہے اور اس طرح اپنے مادہ منویہ کو برباد اور اس کی آئندہ پیدائش کو خراب کر لیتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی جسم میں جوش خون، دِل میں تیزی، پیٹ میں ریاح، احتلام کی کثرت اور دماغ واعصاب میں کمزوری شروع ہو جاتی ہے۔ جسم میں رطوبات بڑھ جاتی ہیں اور ہاضمہ خراب اور نزلہ زکام شروع ہو جاتا ہے۔

جب اعضاء کمزور ہو جاتے ہیں تو پھر مرض کا اثر غدد غشائے مخاطی تک پہنچ جاتا ہے۔ پیشاب میں جلن، قطرہ قطرہ آنا، کبھی سوزاک کا ہو جانا، سرعت انزال کا مرض پیدا ہو جاتا ہے۔ یعنی ذرا ذرا سی تحریک پر یونہی بیٹھے بیٹھے اور چلتے چلتے انزال ہو جاتا ہے۔ دِل کمزور، ہاضمہ کی خرابی اور پٹھے (اعصاب) سن ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔ یہاں سے قضیب میں استرخاء (فالج) کی ابتداء شروع ہو جاتی ہے۔ بلکہ اس کا اثر بعض اوقات تمام جسم پر بھی پڑ جاتا ہے۔

جب غدد یا غشائے مخاطی میں سوزش کی انتہا ہو جاتی ہے تو عضلات جو اسفنجی اجسام میں شدید رگڑ سے برباد ہونا شروع ہو جاتے ہیں اور وہاں پر ایک خفیف سے ورم کی صورت پیدا ہو جاتی ہے۔ یہاں تک کہ وہاں کپڑا چھو جائے تو درد ہونے لگتا ہے۔ ساتھ ہی دیگر اعضائے تناسل بھی شدید متاثر ہو جاتے ہیں۔ کم وبیش رطوبت کا اخراج رہتا ہے جو سوزش کی شدت کا نتیجہ ہوتا ہے۔ اس میں حس کے بڑھ جانے سے اس کی وہ رطوبت جو احلیل کو تر رکھتی ہے اور ضرورت کے وقت احلیل کو نرم رکھتی ہے۔ وہ رطوبت بہت زیادہ بہنے لگتی ہے۔ اس رطوبت کا

کثرت سے نکلنا وہی اثر پیدا کرتا ہے جو منی کے نکلنے سے ہوتا ہے اور ایسی صورت پیدا ہو جاتی ہے کہ ذرا سی بھی تحریک ہوئی رطوبت بہنا شروع ہو جاتی ہے۔ اس کے علاوہ یہ رطوبت سوتے وقت زیادہ بہتی ہے اور احلیل کے بیرونی سوراخ پر آ کر جمع ہوتی رہتی ہے۔ ایسے لوگ جب صبح اُٹھ کر پیشاب کرتے ہیں تو حشفہ کے لب باہم جڑے ہوتے ہیں۔ اکثر پیشاب کرنے میں مشکل پیش آتی ہے۔ اس طرح کثرت رگڑ سے عضلات (اسفنجی اجسام) میں شدید خرابی سے کجی (ٹیڑھا پن) پیدا ہو جاتا ہے۔ جس کا علاج ناممن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ بعض نادان لوگ جو علم وفن سے واقف نہیں ہیں یہ خیال کرتے ہیں خاص قسم کے طلاجات لگا دینے سے کجی (ٹیڑھا پن اور قضیب کا دبلا پن) دور ہو سکتی ہے۔ ایسلا خیال کرنا غلط ہے۔ جب اعصاب وغدد اور عضلات میں پھر سے زندگی پیدا نہ ہو مرض کجی رفع نہیں ہو سکتا۔ قضیب کی کجی کا علاج صرف ماہر معالج ہی کر سکتا ہے۔

جاننا چاہئے کہ جلق سے جب اعصاب کو نقصان پہنچتا ہے تو ان کا وہ احساس ختم ہو جاتا ہے جس سے دورانِ خون وہاں آ کر غذا اور قوت پیدا کرتا ہے۔

یاد رکھیں کہ جس مقام پر اعصاب کے نظام میں خلل واقع ہو جاتا ہے۔ وہاں پر دورانِ خون نہیں پہنچتا۔ اس طرح وہ مقام کمزور ہو کر رہ جاتا ہے۔ اسی طرح جب غدی اور غشائے مخاطی کا نظام خراب ہو جاتا ہے، وہاں پر اعضا خون سے غذا جذب نہیں کر سکتے۔

جاننا چاہئے کہ ہر شریان کے اختتام پر غدد ہوتے ہیں۔ جو یہ کام کرتے ہیں، بالکل اسی طرح جب عضلات میں رگڑ سے خرابی پیدا ہو جاتی ہے تو اس کا اسفنجی جسم برباد ہو جاتا ہے۔ جس سے اس میں رطوبت اور ریاح کی مناسب غذا نہیں رہ سکتی۔ جس سے ایک طرف اس کا جسم ختم ہو جاتا ہے، وہ لاغر اور کمزور ہو جاتا ہے۔ دوسری طرف اس میں پھیلنے اور سکڑنے کی قوت ختم ہو جاتی ہے۔ اس طرح رفتہ رفتہ قضیب کی حالت اس قدر خراب ہو جاتی ہے کہ اس میں انتشار اور خیزش کی صورت تقریباً ختم ہو جاتی ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انتہائی جلق سے ایک طرف کجی پیدا ہو جاتی ہے اور دوسری طرف مرد نامرد ہو جاتا ہے۔

جلق کے نقصانات

جلق انتہائی بدعادت ہے۔ اس سے اس قدر شدید نقصان ہوتا ہے کہ شاید ہی کسی بدعادت سے اس قدر شدید نقصان ہوتا ہو۔ یہ نقصان صرف عضوی اور جسمانی ہی نہیں ہوتا بلکہ نفسیاتی اور روحانی بھی ہوتا ہے۔ نفسیاتی طور پر انسانی جذبات میں بے اعتدالی اور کمزوری واقع ہو جاتی ہے۔ روحانی طور پر اخلاقی گراوٹ پیدا ہو جاتی ہے۔ قوت ارادی کمزور اور خودداری ختم ہو جاتی ہے۔ ایسے لوگ زیادہ تر تنہائی پسند ہو جاتے ہیں اور دیگر لوگوں سے آنکھیں ملا کر بات نہیں کر سکتے۔ عام طور پر سست و کاہل ہو جاتے ہیں اور کوئی کام کرنے کو ان کا دل نہیں چاہتا۔ چہرے کا رنگ عام طور پر زرد سیاہی مائل ہو جاتا ہے اور مزاج چڑ چڑا ہو جاتا ہے۔ کسی بات کی برداشت مشکل ہو جاتی ہے۔

(۱) جسمانی طور پر کمزوری، خون کی کمی، ہضم کی خرابی، پیشاب میں نقص، مثانہ میں سوزش پیدا ہو جاتی ہے۔ منی جیسی قیمتی شے یونہی ضائع ہوتی رہتی ہے۔ ہم اپنی قیمتی اشیاء حفاظت سے رکھتے ہیں مگر منی کو، جو زندگی کا جوہر ہے، بے وجہ یا ذرا سی لذت کے لئے ضائع کرتے رہتے ہیں۔ جس سے خوفناک امراض پیدا ہو جاتے ہیں۔

(۲) یہ صحیح ہے کہ جلق اور جماع دونوں میں اخراج منی ہوتا ہے لیکن جلق کی صورت میں جو اخراج ہوتا ہے وہ زیادہ مضر اور نقصان رساں ہوتا ہے۔ کیونکہ جماع ایک طبعی امر ہے اور طبیعت کو اس کی طرف فطری میلان ہوتا ہے۔ اور ساتھ ہی محبوب کی موجودگی اور اس کے حسن

و جمال کو دیکھ کر طبیعت کو تازگی و لطف اور فرحت و انبساط ہوتا ہے جس سے اکثر قوت باہ میں زیادتی ہوتی ہے اور چونکہ مرد اور عورت کے آلاتِ تناسل کے باہم ملنے سے قدرت کی ایک مرضی پوری ہوتی ہے، اس لئے جماع کے بعد قلب کو تقویت، نفس کو لذت اور اعضائے تناسل کو قدرتی طور پر غذائیت حاصل ہوتی ہے اور ان فوائد کے مقابلے میں جلق کی صورت میں خجالت، پشیمانی اور پریشانی حاصل ہوتی ہے۔

(۳) جماع کا صحیح تصور اس وقت پیدا ہوتا ہے جب منی میں پختگی پیدا ہو کر اس کا دباؤ بڑھتا ہے۔ اس وقت اس کا اخراج اکثر باعث تقویت ہوتا ہے۔ لیکن جن کو جلق کی بدعادت ہوتی ہے وہ وقت بے وقت اپنی لذت وعادت اور بے چینی کے مطابق پے در پے جلدی جلدی جلق کے ذریعے منی کا اخراج کرتے رہتے ہیں۔ جس سے جسم کمزور اور خون خراب ہو جاتا ہے۔ گویا اس قدر خون پیدا نہیں ہوتا جس قدر ضائع ہوتا ہے۔

(۴) جلق کی کثرت سے جگر وغدد اور گردوں میں ضعف پیدا ہو جاتا ہے۔ اس لئے پیشاب بار بار آنا شروع ہو جاتا ہے۔

(۵) کثرت جلق سے اعصاب قضیب کی جلد سوزش ناک ہو جاتی ہے۔ اس سبب سے غشائے مخاطی میں ہر وقت خون کی کثرت رہتی ہے لہٰذا وہ ذکی الحس ہو جاتی ہے، جس سے مذی اور دیگر رطوبات اکثر بہتی رہتی ہیں۔ جس کا نتیجہ انتہائی ضعف ہے۔

(۶) اوعیہ منی اور خصیتین میں سوزش پیدا ہو جاتی ہے جس سے سرعت انزال کا مرض ہو جاتا ہے۔

(۷) عضو تناسل میں دورانِ خون کی آمد و رفت بگڑ جاتی ہے جس کا اثر دیگر اعضائے جسم پر بھی پڑتا ہے۔

(۸) قضیب کے اعصاب میں خرابی کے باعث دماغ ونخاع اور نظامِ عصبی بگڑنا شروع ہو جاتا ہے۔

(۹) جلق سے قضیب خمیدہ اور باریک ہو جاتا ہے۔ اس کو کجی کہتے ہیں۔

(۱۰) جلق کی بدعادت سے قضیب کی جڑ باریک ہو جاتی ہے جس سے اس کے انتشار میں فرق آ جاتا ہے۔

(۱۱) انتشار کی کمی اور انزال میں سرعت کے باعث لذت ختم ہو جاتی ہے۔

(۱۲) جلق کے مریض کی قوت باہ اوّل تو ختم ہو جاتی ہے اور اگر کچھ باقی ہوتی بھی ہے تو بھی مریض شادی کے قابل نہیں رہتا۔

جلق زیادہ مضر ہے یا کثرت جماع

جلق اور کثرت جماع دونوں ہی انتہائی مضر ہیں۔ لیکن بعض حکماء و اطباء اور علماء میں اس امر میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ جلق کثرت جماع سے زیادہ مضر ہے یا کہ کثرت جماع جلق سے زیادہ نقصان رساں ہے۔ اس سلسلہ میں مختلف آراء ہیں۔ ایک گروہ کا خیال ہے کہ جلق کثرت جماع سے زیادہ مضر ہے۔ ان کی آراء درج ذیل ہیں.

(۱) جلق کرنے میں بہت سہولت ہوتی ہے اور اسی لئے آدمی اس کو جماع کی نسبت زیادہ بار کرتا ہے۔ وہ اس مقصد کے لئے ہر وقت تیار رہتا ہے۔ اس کو اتنی ضرورت ہے کہ چند منٹ کے لئے خلوت کی جگہ مل جائے۔ بس وہ اپنا کام تمام کر لے گا۔ اور اگر چاہے تو دِن میں کئی بار یہ فعل بدانجام دے سکتا ہے جو جماع کی حیثیت سے نہ صرف مشکل ہے بلکہ ناممکن بھی ہے۔

اس کے برعکس دوسرے گروہ کا یہ خیال ہے کہ جلق اور جماع دونوں صورتوں میں منی کا اخراج ہوتا ہے بلکہ جماع سے منی کا اخراج زیادہ ہوتا ہے۔ اس لئے کثرت جماع جلق سے زیادہ مضر اور نقصان دہ ہے۔

(۲) جلق سے اعصاب میں سوزش اور ذکاوت حس میں تیزی پیدا ہو جاتی ہے اور ہر گھڑی جلق کے لئے طبیعت تیار رہتی ہے یا کر لی جاتی ہے۔ اس کے برعکس کثرت جماع میں ذکاوت حس کم ہوتی جاتی ہے اور اس کے لئے خود تیار ہونے کے ساتھ ساتھ مفعول کی بھی تسلی

کرنی پڑتی ہے۔

اس کے برعکس دوسرے گروہ کا خیال ہے کہ جلق میں منی کا اخراج کم ہوتا ہے اور کسی شرمندی کی ضرورت بھی نہیں ہوتی۔

(۳) جلق غیر فطری صورت ہے۔ اس کے عادی کی نہ صرف صحت اور اخلاق خراب ہو جاتے ہیں بلکہ وہ شادی کے قابل بھی نہیں رہتا۔ اس کے علاوہ وہ اولاد پیدا کرنے کے قابل نہیں رہتا۔ حقیقت یہ ہے کہ اس عادت سے ذہن اس قدر خراب ہو جاتا ہے کہ وہ سوسائٹی میں اٹھنے بیٹھنے کے قابل بھی نہیں رہتا۔ اس کے دِل میں کسی کی محبت اور عزت نہیں پائی جاتی اور وہ رشتہ داروں اور عوام سے عموماً دور رہتا ہے۔

دوسرے گروہ کا خیال ہے کہ پیٹ کی بھوک کی طرح جنسی بھوک بھی اپنے اندر بہت شدت رکھتی ہے۔ جماع ہر جگہ میسر نہیں ہوتا لیکن جنسی بھوک کا جذبہ سکون نہیں لینے دیتا۔ اس لئے بھی جلق مفید ہے اور اس میں نقصان کم ہے۔ خاص طور پر جب ایک انسان تنہائی کے وقت اعتدال کے ساتھ انجام دے۔

اس سلسلے میں دلائل خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہوں لیکن حقیقت یہ ہے کہ جلق انتہائی بد عادت ہے اور اس سے بے شمار نقصانات ہوتے ہیں اور خاص طور پر بچوں پر اس کا بہت برا اثر پڑتا ہے۔ اور ان میں یہ بدعادت ایک دوسرے کو دیکھ کر پڑ جاتی ہے۔ اس لئے والدین پر یہ بات لازم آتی ہے کہ وہ نوخیز بچوں پر نگاہ رکھیں۔ خاص طور پر جب وہ چھپ کر کھیلیں تو ان کو گاہے گاہے خاموشی سے دیکھ لیا کریں۔ اس طرح وہ اس بدعادت سے محفوظ رہتے ہیں۔

جلق اور فطری مردانگی

شخصی فطرت میں تین اہم اوصاف پائے جاتے ہیں: (۱) انسانیت (۲) آدمیت (۳) بشریت۔ جس شخص میں یہ اوصاف نہ پائے جائیں اس کی شخصیت مکمل نہیں ہوتی اور نہ ہی اس میں نشو و ارتقا اور نفسیاتی کمال کی صورتیں قائم رہتی ہیں۔ انسانیت سے دوسروں کے ساتھ انس پیدا ہوتا ہے۔ آدمیت سے تہذیب وتمدن اور ثقافت و کردار کے جذبات کو جلا ہوتی ہے۔ بشریت سے عقل وشجاعت کے قویٰ بلند ہوتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ دوسروں کے لئے اپنی جان تک قربان کر دیتا ہے۔ لیکن جن لوگوں کو جلق کی عادت ہوتی ہے، ان کی شخصی فطرت بالکل برباد ہو جاتی ہے اور یہ اوصاف ختم ہو جاتے ہیں۔

مجھے اچھے پڑھے لکھے بلکہ فاضل لوگوں کو بھی دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے، ان میں جلق کی بدعادت سے یہ اوصاف ختم ہو گئے تھے۔ بلکہ ان میں ان اوصاف کا احساس تک باقی نہ رہا تھا۔ اس کی وجہ فطرت مردانہ کی تباہی ہے۔ یہ فطری اثرات ہیں جن کو فطرت مردانہ کے حامل ہی سمجھ سکتے ہیں۔ جیسے ایک عقل مند کم عقل انسان کو سمجھ سکتا ہے۔

جب جلق کے بداثرات شروع ہوتے ہیں تو ظاہری طور پر جنسی خرابیاں شروع ہو جاتی ہیں۔ یعنی خواہش جماع اور قوت جماع ختم ہو جاتی ہے۔ اوّل خواہش جماع ختم ہوتی ہے اور بعد میں قوت جماع بگڑ جاتی ہے۔ لیکن باطنی طور پر ذہنی اور عقل قویٰ میں بھی ضعف پیدا ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ جس سے تمام جسمانی قوتیں کمزور ہونا شروع ہو جاتی ہیں۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب جلق کرنے والے کے جسمانی قویٰ کمزور ہو جاتے ہیں تو اس کو جلق کی تحریک کس طرح پیدا ہوتی ہے۔

جلق کے لئے تین محرک ہوتے ہیں۔ اوّل بد لوگوں کی صحبت میں رہنے سے جنسی جذبات بھڑکتے ہیں اور ان کی دیکھا دیکھی دوسرے بھی جلق شروع کر دیتے ہیں۔ دوسرے گردوں میں سوزش ہو جانے کی وجہ سے جنسی قوت پر دباؤ بڑھ جاتا ہے، جس کی فوری تسکین بغیر

جلق کے ممکن نہیں ہے۔ تیسرے تصور محبوب اور حسین صورت بھی جلق کی محرک بن جاتی ہیں۔ وہ تصور میں ان سے لطف اندوز ہوتا ہے اور ان خیالی صورتوں کو پیش نظر رکھتا ہے جو اس کی خوشی یا خواہش کا باعث ہوسکتی ہیں۔ لیکن جب یہ خیالی صورتیں ان میں تحریک پیدا نہیں کرسکتیں تو اس تحریک اور لذت کے لئے فحش کتب پڑھتا ہے یا گندی تصویریں دیکھتا ہے۔ لیکن جب رفتہ رفتہ یہ صورتیں بھی تحریک اور لذت پیدا نہیں کر سکتیں تو اس کے ساتھ ہی قوت جماع بھی ختم ہو جاتی ہے۔ اس طرح خواہش جماع اور قوت جماع دونوں ختم ہو جاتی ہیں اور وہ شخص اپنی صحت تباہ کر کے اپنی مردانگی برباد کر لیتا ہے اور حقیقی طور پر نامرد ہو جاتا ہے۔ اس وقت وہ عورتوں سے نفرت کرنے لگ جاتا ہے اور ہمیشہ بچ کر گزرتا ہے۔ یہاں تک کہ ماں اور بہن کی محبت سے بھی دور بھاگتا ہے بلکہ گھر بھر سے دور رہتا ہے۔ اکثر اپنا وقت تنہائی میں گزارتا ہے اور تنہائی اس کو تسکین دیتی ہے۔ ایک واقعہ سنئے:

ایک نوجوان آدمی کا باپ اس کی شادی کرنا چاہتا تھا۔ مگر وہ کسی نہ کسی بہانہ سے ٹال دیتا اور آئندہ وقت پر ملتوی کر دیتا۔ آخر کار اس نے اپنے باپ سے صاف کہہ دیا کہ مجھے جماع کی خواہش بالکل نہیں ہے اور التجا کی کہ آئندہ اسے اس بارے میں کچھ نہ کہا جائے۔ باپ بیٹے کی یہ حالت دیکھ کر نہایت پریشان ہوا اور بڑی مشکل سے اس کو اس امر پر مجبور کیا کہ وہ اپنا علاج کرائے۔ وہ معالج کے پاس بغرض علاج گیا۔ پہلے لڑکے نے درخواست کی کہ باپ دوسرے کمرے میں چلا جائے اور بعد میں صاف اقرار کر لیا کہ وہ کئی سالوں سے جلق کار رہا ہے۔ البتہ کئی دفعہ اس نے نہایت عمدگی سے جماع بھی کیا ہے۔ لیکن جب میں نے اس سارے معاملے پر کامل غور کیا تو اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ جلق میں لطف زیادہ اور تکلیف بہت کم ہے۔ اس کو جماع کی کوئی خواہش نہیں بلکہ وہ چاہتا ہے کہ اسی طریق پر کاربند رہے جس کو اس نے اختیار کر لیا ہے۔ وہ ایسا سادا آدمی تھا کہ اس نے صاف کہہ دیا کہ یہی عمل درآمد اس کے لئے کافی ہے۔

معالج نے بڑی کوشش کی کہ اس کے ذہن میں ان تمام نتائج بد کا اثر بٹھا دے جو اس کی قوت رجولیت اور ذہنی خرابی کا باعث ہو گئے ہیں۔ مگر وہ ایسی بے پروائی سے اس مضمون پر گفتگو کرتا تھا اور اس طرح اس کی تائید کرتا تھا کہ معالج کو خیال پیدا ہوا کہ اس کے دماغ میں جنون کا بھی دخل ہے اور غالباً ایک زمانہ آئے گا کہ یہ جنون اس کو بالکل مغلوب کر لے گا۔ وہ چلا گیا۔ اس کے بعد اس کا ذکر نہیں سنا گیا۔

ایک سال کے بعد معالج کیا دیکھتا ہے کہ ایک بار وہ پھر اس کے پاس آیا۔ اس کے ساتھ ایک نہایت خوبصورت نوجوان لڑکی تھی جس کو اس نے اپنی بیوی بتایا۔ معالج نے اس کو مبارک باد دی۔ اس کے بعد اس نے اپنی بیوی کو ساتھ کے کمرے میں بٹھایا اور پھر معالج کے پاس تسلی سے بیٹھ کر یوں کہنا شروع کیا کہ جب وہ ان سے رخصت ہوا تو گھر جا کر معاملہ ازدواج پر اس نے بہت غور کیا اور آخر کار اس نتیجے پر پہنچا کہ آپ کی رائے درست تھی۔ یہاں تک کہ چند مرتبہ اس نوجوان لیڈی کے پاس گیا جس سے اس کا باپ اس کو بیاہنا چاہتا تھا، لیکن وہ اپنی طبیعت کو ہرگز مائل نہ کر سکا۔ اس کے بعد وہ کئی بار رنڈیوں کے مکان پر گیا لیکن اسے جماع کرنے کی کوشش میں کبھی جرأت نہ ہوئی۔ اس کے دِل میں جماع کی طرف سے سخت نفرت بیٹھ چکی تھی۔ بالخصوص ایسی عورتوں سے جنہوں نے جماع کو ذریعہ معاش بنایا ہوا ہے۔

پھر اس کو خیال آیا کہ کسی ایک عورت کے ساتھ تعلق پیدا کر لینا چاہئے تا کہ اس بات کا امتحان ہو جائے کہ عورت پر قادر بھی ہوسکتا ہے یا بالکل بے کار ہو گیا ہے۔ چنانچہ اس نے ایک عورت کے ساتھ اپنا تعلق قائم کر لیا۔ مگر چونکہ اس کے دِل میں جماع کی خواہش پیدا نہ ہوئی۔ اس نے ایک ہفتہ بعد اس سے تعلق توڑ لیا۔

تھوڑا عرصہ ہوا کہ اس کو سرکس کا تماشا دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ جہاں پر وہ ایک نوجوان عورت پر دفعتہً عاشق ہو گیا جو اس سرکس میں کام کرنے والوں میں شریک تھی۔ وہ گھوڑے کی پشت پر بڑی پھرتی اور دلیری سے سوار ہوتی تھی۔ اس نے اس عورت سے ناجائز تعلق پیدا کرنے

کی خواہش ظاہر کی جس کو اس نے سخت ناراضگی کے ساتھ نامنظور کیا۔ آخر شادی پر رضا مند ہوگئی۔ چنانچہ شادی کے دِن سے اس دِن تک نہایت خوش اور مسرور تھا اور اپنی حالت پر خداوند کریم کا ہزار ہزار شکر ادا کرتا تھا۔

جلق کے خوفناک نتائج

ایک معالج نے ایک مریض کا حال بیان کیا ہے جو تمام عملی طب میں اپنی خصوصیات کے لحاظ سے بے نظیر ہے۔ اس سبب سے ہم اس کو یہاں درج کرتے ہیں۔

موضع لانجی ڈاک کا رہنے والا ایک گذریا تھا جس کا نام گیریل گیلن تھا۔ اس شخص نے پندرہ سال کی عمر میں جلق شروع کیا۔ دِن میں پندرہ پندرہ مرتبہ یہ عمل کرتا رہتا۔ یہاں تک نوبت اس کی آن پہنچی کہ بعض اوقات وہ گھنٹہ گھنٹہ جلق کرتا رہتا جب جا کر کہیں انزال ہوتا۔ کبھی کبھی یہ حالت ہوتی کہ بیچارے کو جلق کرتے کرتے تشنج ہو جاتا۔ تب کہیں جا کر دو چار قطرے منی کے یا خون کے نکلتے۔ گیارہ سال تک تو وہ ہاتھ سے کام لیتا رہا۔ لیکن ۲۶ سال کی عمر میں ہاتھ کو کافی نہ سمجھ کر اس نے کارروائی کی ایک اور ترکیب نکالی اور لکڑی کا ایک چھ انچ لمبا ٹکڑا نائزہ کے اندر داخل کرتا۔ دن میں کئی مرتبہ یہ کام اس کو کرنا پڑتا۔ چودہ سال تک وہ اس ترکیب سے کام لیتا رہا مگر بعد میں نائزہ کا میوکس ممبرین (غشائے مخاطی) ایسا سخت موٹا اور بے حس ہوگیا کہ لکڑی کا ٹکڑا بھی کافی نہ رہا۔

اس تمام عرصہ میں اس کو عورتوں سے سخت نفرت رہی جو ایک عام صفت جلق کرنے والوں میں پائی جاتی ہے۔ آخر اس کی حالت مالیخولیا کی سی ہوگئی۔ وہ اپنے کام کی طرف سے سخت بے پروا ہوگیا اور ہر وقت اسی خیال میں مصروف رہتا کہ شہوت بجھانے کی کوئی نئی ترکیب سوچ کر نکالی جائے۔ جب کئی تجربے کرنے پر اسے کامیابی نہ ہوئی تو وہ تنگ آمد بجنگ آمد پر راضی ہوگیا۔ اور چاقو ہاتھ میں لے کر حشفہ کو نائزہ (نالی) کے سمت میں چیرنا شروع کیا۔ اس خونخوار دست کاری سے درد تو رہا ایک طرف اس کو ایک خوش آئند لذت محسوس ہوئی۔ اس سے اس کو بڑی خوشی ہوئی۔ کیونکہ اس کو اپنی شہوت رانی کا ایک نیا طریقہ دریافت ہوگیا اور اسی تجربہ پر عمل کرتا چلا گیا اور ہمیشہ اس کو وہی لذت حاصل ہوئی۔

جب وہ یہ عمل کوئی ہزار بار کر چکا تو اس کو معلوم ہوا کہ اس نے اپنے قضیب کے مقام اتصال و محل قیام تک تقسیم کر دیا ہے۔ احلیل کے سوراخ سے لے کر قضیب کی آخری جڑ تک اس کو دو ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ اثنائے عمل میں جب کبھی سیلان الدم کی کثرت ہوتی تو ایک پٹی باندھ کر اس کو بند کر دیتا۔ قضیب کے اگرچہ دو ٹکڑے ہو گئے تھے مگر ان میں قوت تحریک الگ الگ موجود تھی۔ مگر ایک ان میں سے دائیں کو جھک جاتا اور دوسرا بائیں کو۔

جب قضیب کٹ کر دو حصوں میں تقسیم ہو چکا تو پھر وہ قدیم طریقہ لذت یابی بند ہوگیا۔ اب وہ کسی اور ترکیب کے معلوم کرنے کی فکر میں ہوا۔ نئے تجربات کئے۔ آخر کار اس نے یہ ترکیب اختیار کی کہ اس نے ایک چھوٹی سی لکڑی بنا کر نائزہ (نالی) کے اس حصہ میں جو بھی اس کے قابو میں آتی تھی داخل کر کے اس کو گھمانا شروع کیا۔ اس طرح اس نے خود ان سوراخوں پر عمل تحریک کرنا شروع کیا جو نالی کے سوراخ ہیں۔ چنانچہ اس ترکیب سے اس کو باآسانی تمام انزال ہو جاتا۔ دس سال تک اس نے اس طرح کارروائی کی۔ آخر کار ایک روز اس نے بے پرواہی سے لکڑی داخل کی کہ اس کی انگلیوں سے پھسل کر مثانہ میں چلی گئی۔ اب اسے نہایت شدت کا درد ہونے لگا۔ بہت کوشش کی مگر وہ نہ نکل سکی۔ جب حبس بول اور سیلان دم سے بہت تنگ ہوا تو ایک سرجن کے پاس بغرض علاج گیا۔ وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ بجائے ایک قضیب ہونے کے دو قضیب ہو رہے ہیں اور دونوں لمبائی میں برابر ہیں۔ آخر اس نے شگاف دے کر لکڑی جو تین ماہ تک

مثانہ میں رہی تھی اور جس پر ایک بڑی تہ اجزائے ارضی کی جمی ہوئی تھی نکالی۔ بڑی محنت سے وہ اس عارضہ سے جان بر ہوا مگر اس کے تین ماہ بعد عارضہ سل جو اس کو عرصہ دراز کی بے اعتدالی کی وجہ سے ہو گیا تھا وہ اس دنیائے مکروہات سے ہمیشہ کے لئے خلاصی پا گیا اور جلق کی بد عادت کا یہ خوفناک انجام ہوا''۔

اس طرح یا اس سے کم و بیش ملتی جلتی مثالیں روزانہ معالجین اور اطباء کو معلوم ہوتی رہتی ہیں۔ بعض ایسے شخص ہیں جو گاہے گاہے میانہ روی کے ساتھ جلق کرتے رہتے ہیں جن کو ظاہری طور پر نمایاں نقصان نہیں پہنچتا۔ اور وہ اس میں کوئی برائی خیال نہیں کرتے۔ لیکن جب بستر عروسی پر جاتے ہیں تو اپنے آپ کو نامرد پاتے ہیں۔ وہ اپنی زندگی کو اجیرن بنا لیتے ہیں اور بیوی کی زندگی کو بھی مشکل میں ڈال دیتے ہیں۔ اس قسم کی عادت ان نوجوانوں میں پائی جاتی ہے جو بڑے مغلوب الشہوت ہوتے ہیں یا ان کی قوت ارادی ایسی کمزور ہوتی ہے اور وہ اس جوش و میلان کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ ایسے لوگ جلق کو معیوب بھی خیال نہیں کرتے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ جلق کے نقصان سے واقف نہیں ہوتے۔ ایسے آدمی جب شادی کرتے ہیں تو ان کو معلوم ہوتا ہے کہ جماع سے ایسا حظ حاصل نہیں ہو سکتا جیسا کہ جلق سے ہوا کرتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ جلق سے عضلات کو نقصان اور خرابی پہنچ جاتی ہے۔ وہ مکمل طور پر اور ضرورت کے وقت شہوت پر قابو نہیں پا سکتے۔ اس لئے مجلوق جماع پر قادر نہیں ہو سکتے۔ جماع میں عورت بالمقابل ہوتی ہے۔ اس وقت مکمل شہوت کی ضرورت ہوتی ہے۔ لیکن قضیب کے عضلات جلق کی وجہ سے برباد ہو چکے ہوتے ہیں۔ ان میں مکمل طور پر خون اور ریح نہیں بھر سکتے جس کے نتیجہ میں ضرورت کے وقت مکمل شہوت نہیں آتی۔ مجلوق عورت کے مقابلے میں شرم سار ہو کر رہ جاتا ہے۔ اس لئے وہ جلق کو ہمیشہ جماع سے بہتر خیال کرتا ہے۔

جلق کرنے میں سہولت ہوتی ہے۔ جب اس کو تحریک ہوتی ہے وہ چند منٹوں کے لئے خلوت میں چلا جاتا ہے اور اپنا کام کر لیتا ہے۔ اگر تحریک ہو تو دن میں کئی بار بھی اس فعل کا مرتکب ہو سکتا ہے۔ لیکن ہر بار جلق میں جس قدر کمزوری ہوتی ہے اس قدر کمزوری کثرت جماع میں بھی نہیں ہوتی۔ جماع میں تمام جسم میں تحریک لذت ہوتی ہے اور دل و دماغ میں فرحت پیدا ہوتی ہے۔ لیکن جلق میں لذت صرف قضیب تک محدود رہتی ہے بلکہ انزال کے بعد ندامت اور اپنی ذات سے نفرت سی ہو جاتی ہے۔ مگر وہ بے معنی تحریک ایسے لوگوں کو کچھ اس طرح مجبور کر دیتی ہے کہ وہ بار بار اس فعل بد کے مرتکب ہوتے رہتے ہیں اور آخر کار دنیا کی ذلیل ترین مخلوق بن جاتے ہیں۔

جو لوگ ہمیشہ جلق کرتے ہیں وہ اس امر سے بالکل واقف نہیں ہوتے کہ وہ ایک ایسا فعل کر رہے ہیں جو آئندہ زندگی میں ان کے لئے صدہا خطرات کا باعث ہوگا۔ وہ نہ صرف جسمانی طور پر ناکارہ ہو جاتے ہیں بلکہ ان کا ذہن اور دیگر جسمانی قوتیں بھی برباد ہو جاتی ہیں۔ وہ زندگی کا مقابلہ جسمانی و روحانی اور ذہنی طور پر بالکل نہیں کر سکتے اور دنیا میں روز بروز ناکام ہوتے چلے جاتے ہیں۔ جب دنیاوی زندگی میں کامیاب نہیں ہو سکتے تو آخرت کی زندگی میں ان کی کامیابی کیسے ممکن ہو سکتی ہے۔

پر لطف بات یہ ہے کہ ان لوگوں کو کسی عزیز و رشتہ دار سے کبھی محبت نہیں ہوتی۔ اکثر تنہا اور خاموش رہتے ہیں۔ مرد تو رہے ایک طرف ان سے اگر کوئی عورت بھی محبت کرے تو وہ بھاگنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ اگر کوئی عورت ان سے بے تکلف ہونے کی کوشش کرے تو اس کو شرافت سے جواب دینے کی بجائے اس سے ڈر کر بھاگ نکلنے کی کوشش کرتے ہیں۔

غرضیکہ مجلوق ایک ایسی عجیب و غریب مخلوق ہے کہ وہ معاشرہ میں رہتی ہے مگر معاشرہ سے الگ رہ کر زندگی گزارتی ہے۔ اس کو نہ معاشرہ سے ہمدردی ہوتی ہے اور نہ ہی وہ معاشرہ سے ہمدردی چاہتی ہے۔ معاشرہ سے ان بے تعلق لوگوں کی زندگی میں صرف ایک ہی لذت ہوتی ہے کہ جلق کر لیا کریں۔ ان کو نہ ماں باپ اور بہن بھائی سے محبت ہوتی ہے نہ ہی انہیں بیوی اور اولاد کا کوئی شوق ہوتا ہے۔ سب سے

بڑی بات یہ ہے کہ کھانے پینے میں بھی ان کو لطف نہیں آتا۔ ان کو زندہ رہنے کے لئے صرف پیٹ بھرنے سے غرض ہوتی ہے۔ ان کو دولت کمانے کی بھی کوئی پروا نہیں ہوتی۔ ان کو تو صرف اس قدر چاہیے کہ زندہ رہنے کے لئے کچھ کھانے پینے اور پہننے کے لئے مل جایا کرے۔ ایک مخلوق کی بس یہی زندگی ہے۔

جلق اور جذبہ لذت

جذبات فطری طور پر نفسیاتی اظہار کا ذریعہ ہیں۔ جن سے انسان اپنے محسوسات اور ادراکات وخواہشات کا اظہار کرتا ہے۔ لیکن ان جذبات کا اعتدال پر ہونا ضروری ہے۔ انہی جذبات کے ذریعے وہ کسی حسین وجمیل اور تسکین دہ شے کا شوق رکھتا ہے اور کسی مکروہ وخوفناک اور تکلیف دہ شے سے نفرت کرتا ہے۔ یہ جذبات اگر اعتدال پر رہیں تو ان سے اچھے اخلاق اور کردار پیدا ہوتے ہیں اور ان سے انسانی نشوو ارتقاء ہوتی ہے اور جب ان میں اعتدال قائم نہیں رہتا اور ان میں افراط وتفریط پیدا ہوتی ہے تو یہی جذبات غلط طور پر تربیت پا جاتے ہیں۔ کبھی ان میں شدت پیدا ہوتی ہے اور کبھی جمود واقع ہو جاتا ہے۔

یاد رکھیں کہ غیر اعتدالی صورتیں انہی فطری جذبات سے ابھرتی ہیں۔ اس لئے جذبات کا اعتدال میں رہنا نہایت ضروری ہے۔ جذبات کا اعتدال صرف مذہب اور اخلاق کے تحت قائم رہ سکتا ہے۔ جہاں یہ دونوں اثرات مفقود ہوں یا ظاہرداری میں پائے جائیں لیکن ان کے حقیقی اثرات جسم ونفس اور روح پر نہ ہوں تو وہاں پر جذبات اپنی پوری شدت سے عمل کرتے ہیں۔

لذت بھی ایک فطری جذبہ ہے جو محسوسات وادراک اور خواہشات کی ضرورت اور طلب کے لئے رکھا گیا ہے۔ لیکن جب اس میں افراط وتفریط پیدا ہوتی ہے تو یہی جذبہ انسان کو ناکارہ بنا دیتا ہے۔ شدت کی صورت میں ہروقت لذت کی تلاش میں سرگرداں رہتا ہے اور گناہ کر لیتا ہے۔ جمود کی صورت میں جدوجہد اور سعی چھوڑ کر دنیا سے کنارہ کش ہو کر اس پر بوجھ بن جاتا ہے۔ شیطان بھی ان پر کامیاب نہیں ہوتا۔ البتہ مذہب اور اخلاق کا صحیح تصور ہی جذبات کو اعتدال پر رکھ سکتا ہے۔ لیکن اگر مذہب اور اخلاق کا صحیح تصور نہ ہو تو مذہب واخلاق کا تعلیم بلکہ ان کی چاردیواری میں بھی جذبات کی بے اعتدالیاں اپنا اثر خوفناک طریقہ پر کر جاتی ہیں۔ ایک ڈاکٹر نے ایک ایسے ہی طالب علم کا ذکر کیا ہے جو ایک مذہبی درس گاہ کا طالب علم تھا۔ مگر لذت کی شدت میں گرفتار ہو کر جلق میں مبتلا ہو گیا۔ آخر اس کا نتیجہ خوفناک صورت میں ظاہر ہوا۔ جو باعث عبرت ہے۔

''ایک طالب علم تھیالوجیکل (مدرسہ علم الٰہیات) میں زیر تعلیم تھا۔ اس نے بارہ برس کی عمر میں جلق شروع کیا اور پندرہ سال کی عمر تک برابر جلق کرتا رہا۔ جب اس کو مضرتوں کا حال معلوم ہوا تو اس نے اسے چھوڑ دینے کا ارادہ کر لیا۔ اس سے قبل وہ روز دومرتبہ جلق کیا کرتا تھا جو اس کی عمر کے آدمی کے لئے بلکہ ہر عمر کے آدمی کے لئے بھی زیادہ تھی۔ لیکن پختہ عزم بالجزم کے بعد اس نے یہاں تک کامیابی حاصل کر لی کہ اس کو گھٹا کر فی ہفتہ ایک مرتبہ تک آ گیا۔ لیکن اس اثناء میں اس کو احتلام ہونا شروع ہو گیا۔ رات میں کئی کئی مرتبہ احتلام ہو جاتا۔ کسی شخص سے اس نے اپنی تکلیف کا حال بیان کیا تو اس نے کہا کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ تم نے دفعتاً جلق کی تعداد گھٹا دی ہے۔ کثرت احتلام جلق سے زیادہ مضر ہے۔ چنانچہ اس نے جلق پھر شروع کر دی اور بعض دفعہ ایک دن میں آٹھ آٹھ مرتبہ کرتا تھا۔ جلق کے وقت وہ اپنے ذہن میں ہمیشہ ایک خوبصورت عورت کی شکل پیش نظر رکھتا تھا۔ ایک نہایت حسین وجمیل عورت جس کے بال زریں آنکھیں سیاہ گویا وہ حسن کی دیوی تھی اور اس سے بڑی محبت سے پیش آتی تھی۔ اٹھارہ سال کی عمر تک اس کی یہی کیفیت رہی۔ اس کے بعد اس نے پھر جلق چھوڑ دینے کا ارادہ کر لیا۔ اور اب کے اس کو بہت کامیابی ہوئی۔ اس نے کالج چھوڑ دیا۔ چونکہ اس کو علم الٰہی کا بہت شوق تھا۔ وہ واعظ بننے کی غرض سے الٰہیات کا مطالعہ

کرنے لگا۔ اس نے علم الٰہی کے مطالعہ میں اپنے آپ کو ایسا محو کر دیا کہ سال بھر تک ایک دفعہ بھی جلق نہ کیا۔ اس عرصہ میں اس کو احتلام بڑی کثرت سے ہوا کرتا تھا۔ کبھی ہفتہ میں چار مرتبہ کبھی روزانہ اور کبھی رات میں چار چار مرتبہ ہو جاتا۔

ان تمام خرابیوں کی وجہ سے وہ نہایت کمزور ہو گیا اور اس کا نظامِ عصبی بہت ضعیف ہو گیا۔ دماغ میں اجتماع خون کی علامات نمودار ہو گئیں۔ نیند دور ہو گئی، سر میں درد رہنے لگا، چہرے کے عضلات متشنج ہو کر کھنچنے لگے، کانوں میں شائیں شائیں کی آوازیں آنے لگیں۔ خیالات کے کسی مضمون پر مجتمع ہونا محال ہو گیا۔ رات کو اس کی حالت سخت تکلیف دہ ہوتی۔ کیونکہ سونے سے وہ ڈرتا تھا۔ رات کے آخری حصے میں جب نیند کا غلبہ ہوتا تو اس وقت بھی اس ڈر سے نہ سوتا کہ مبادا احتلام نہ ہو جائے۔ جب اس کو سخت ناامیدی ہو گئی تو اس نے ایک رات متعدد دفع پے در پے جلق کیا تو اس کو ایک قسم کا قلبی سکون محسوس ہوا جو اور کسی طرح ممکن نہ تھا۔ اس کو یہ سوجھا کہ جلق ہی ایسا فعل ہے جس سے اس کو آرام مل سکتا ہے اور اگر اس کا ضمیر یہ نہ کہتا کہ وہ خلاف فطرت فعل کر رہا ہے اور اگر جلق کرنے کے بعد دوسرے دن اس کو رنج اور پچھتاوا تکلیف نہ دیتا تو وہ اس عادت کو کبھی نہ چھوڑتا۔ جب کبھی وہ جلق کرتا اور جب کبھی اس کو عشقیہ خوابیں رات کو آتیں، ایک خوبصورت پاک اور دیندار عورت جس کے بال زریں اور آنکھیں سیاہ ہوتی تھیں، وہ اس کے سامنے ہوا کرتی تھی اور وہ اس کے ساتھ تصور میں جماع کیا کرتا تھا۔ آخر کار چار سال اسی طرح گزر گئے۔ اس حالت میں اس نے کئی دفعہ پادریوں میں داخل ہونے کا ارادہ ترک کیا۔ مگر اس نے تقرری کا حکم پا کر ایک علاقے کی پادریت کا چارج حاصل کیا۔ لیکن اس کو معلوم ہونے لگا کہ وہ اسی صورت میں جماعت کے کام آ سکتا ہے۔ نیز اپنی صحت قائم رکھ سکتا ہے کہ وہ شادی کرلے۔ لیکن اس نے اپنی زندگی میں کبھی عورت سے جماع نہیں کیا تھا اور اس کو وہ جوش شہوت بھی معلوم نہیں ہوتا تھا جو مضبوط اور قوی الباہ آدمی اس حالت میں محسوس کرتا ہے جب عورت کے ساتھ ان کی صحبت ہوا کرتی ہے۔ تاہم جہاں تک اس کے خیال کی رسائی تھی، اس کو کبھی یہ وہم بھی نہ گزرا کہ وہ شادی کرنے کے قابل نہیں ہے۔ اتفاقاً اس کی جماعت میں ایک نوجوان لیڈی تھی جو اس کے تصور سے بہت مشابہ تھی اور جو اس کو احتلامی خوابوں میں دکھائی دیا کرتی تھی۔ اس نے مصمم ارادہ کر لیا کہ وہ اس سے شادی کی درخواست کرے گا کیونکہ بوجہ اس کی طبیعت کے اور بوجہ مصلحت وقت کے اس سے بہتر اور کوئی صورت نہیں تھی۔ چنانچہ اس نے اس عورت سے شادی کی درخواست کر دی جو منظور ہو گئی۔ مناسب وقت پر شادی بھی ہو گئی۔ شبِ زفاف نیویارک کے ایک ہوٹل میں گزری۔ دوسری صبح کو نوجوان پادری مایوس ہو کر ڈاکٹر کے پاس آیا اور کہا کہ وہ نامرد ہو گیا ہے۔

پہلے پہل ڈاکٹر نے خیال کیا کہ اس کا حال ویسا ہی ہے جیسا ایسے نوجوانوں کا ہوتا ہے جو بہ سبب کثرت خواہش وقلت اعتماد برخود ہوتا ہے۔ مگر یہ حالت چند روز میں دور ہو جایا کرتی ہے۔ لیکن جب مزید تحقیقات سے اس کے گزشتہ حالات وکیفیات معلوم ہوئیں تو یقین ہو گیا کہ اس کی حالت نازک ہے اور قوت باہ کمزور ہو گئی ہے اور نقصان باہ اس کی اپنی زیادتیوں کا نتیجہ ہے جو جلق کی لذت حاصل کرنے میں کی گئی ہے''۔

خداوند کریم اس فعل بد اور غیر معمولی لذت سے محفوظ رکھے۔ یاد رکھیں کہ برائیاں جذبات کے غیر اعتدال سے ہی پیدا ہوتی ہیں، ہمیشہ خواہشات کو ضرورت کے تحت رکھنا ضروری ہے۔

جلق نقصان اعضاء ہے

عام لوگوں کا خیال ہے کہ جلق کے مضر ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس سے نقصان منی بہت ہوتا ہے، اس میں کچھ شک نہیں کہ اس کا بھی کچھ نہ کچھ اثر ضرور ہوتا ہے۔ لیکن نامردی پیدا کرنے میں باصحت اور جرأت اور دوسرے فتور پیدا کرنے میں منی کا اخراج جزو اعظم نہیں ہے۔

یہ خیال بڑی کثرت سے لوگوں میں پایا جاتا ہے کہ منی کے چند قطرے ضائع ہو جائیں تو ایسا ہے جیسے اتنے چھٹانک خون نکال دیا جائے۔ یہ ایک فضول بات ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ منی بہت جلدی نہیں بنتی۔ اگر کوئی شخص تھوڑے عرصہ میں متعدد بار جماع کرے تو زیادہ سے زیادہ تین دفعہ انزال ہوگا۔ اس کے بعد پھر منی خارج نہیں ہوتی۔ ایک مریض جس نے آٹھ گھنٹے میں گیارہ دفعہ جلق کیا اس نے بیان کیا کہ اس عرصہ میں صرف تین بار منی خارج ہوئی۔ باقی مرتبہ تشنجات شہوانیہ خارج ہوتی رہیں جو ہوائی اجزا معلوم ہوتے ہیں۔ گیارھویں دفعہ جلق کر چکا تھا کہ تھوڑی دیر بعد مرگی کا دورہ ہوا اور وہ بالکل نامرد ہو گیا اور پھر شہوت نہیں آئی۔ یہ جلق سے اعضاء کا نقصان ہے۔

ایک نوجوان کا بیان ہے کہ اس نے ایک گھنٹہ کے عرصہ میں نو بار جلق کی۔ پہلے تین بار انزال ہوا۔ چوتھی دفعہ تھوڑی سی رطوبت نکلی۔ اس کے بعد پانچ مرتبہ صرف لذت محسوس ہوئی لیکن کچھ انزال نہ ہوا۔ دوسری صبح اس کو تقطیر البول ہو گیا۔ آخر کار شدید اعصابی تشنج ہو گیا۔ جس سے قضیب بالکل مفلوج ہو گیا۔ یہ اعضاء کی خرابی ہے۔

مندرجہ بالا واقعات سے یہ بخوبی عیاں ہے کہ کثرت جلق کی وجہ سے جو نقصان پہنچتا ہے وہ نقصان منی کی وجہ سے نہیں ہوتا۔ اگر نقصان منی کا خیال کیا جائے تو وہ مذکورہ بالا حالات میں ایک چمچہ سے زائد نہیں نکلی ہوگی۔ دلیل یہ ہے کہ بلوغت سے پہلے جلق کرنے سے کسی قسم کا اخراج منی نہیں ہوتا لیکن تاہم اس زمانے میں جس قدر نقصان جلق سے ہوتا ہے اس قدر کسی اور طرح نہیں ہوتا۔

جلق اور بد صحبت

جلق کی بدعادت بدصحبت ہی سے پڑتی ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ جب تک کوئی یہ فعل بد دیکھے تو یا کوئی اس کو ترغیب نہ دے یہ بدعادت نہیں پڑتی۔ جو بھی اس فعل بد کو شروع کرتا ہے وہ دوسروں سے حاصل کرتا ہے۔ اس لئے صحبت بد سے دور رہنا بے حد ضروری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سکول کے طلباء جو برے بچوں کی صحبت میں رہتے ہیں کثرت سے اس میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ ایک دوسرے کی دیکھا دیکھی یہ عادتیں ان میں رواج پا جاتی ہیں۔ ایک ڈاکٹر کے سامنے ایک طالب علم نے بیان کیا کہ ہماری ساری جماعت جلق لگایا کرتی تھی۔ پہلے بہت بڑے لڑکے جلق کیا کرتے تھے۔ چھوٹے ان کو دیکھ کر ایسا کرنے لگے۔ پھر نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ جماعت کا کوئی لڑکا محفوظ نہ رہ سکا۔

بدصحبتوں میں عشقیہ خیالات، جذبات کو بھڑکانے والی کتب اور عریاں تصاویر کے حملے نوعمر بچوں کے دل و دماغ پر یکے بعد دیگرے ہونے لگتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان کے خیالات قبل از وقت اعضائے تناسل کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔ پھر ادنیٰ سی تحریک پر وہ جلق کے خوگر ہو جاتے ہیں۔

جلق اور کثرت منی

عام طور پر یہ خیال پایا جاتا ہے کہ کثرت منی ہی اخراج کی صورت پیدا کر دیتی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ منی کی کثرت بھی شدید تحریک اور انتشار پیدا کر دیتی ہے۔ لیکن نابالغ بچوں میں منی کا نام و نشان بھی نہیں ہوتا۔ مگر ان کو بھی بدصحبت میں جلق کی بدعادت پڑ جاتی ہے۔ گویا جلق کی ابتدا بدصحبتوں میں لذت کے حصول سے ہوتی ہے اور پھر یہ لذت کسی خاص تصور کے تحت قائم رہتی ہے اور جب بھی وہ تصور ذہن میں آتا ہے لذت کی طلب بے چین کر دیتی ہے اور اس کے حصول کے لئے جلق شروع کر دی جاتی ہے۔

اس امر میں کوئی شبہ نہیں کہ جلق قوت باہ کے غارت ہونے کے لئے جماع کی نسبت زیادہ مضر ہے۔ نہ اس وجہ سے کہ جلق بار بار کیا جاتا ہے بلکہ اس وجہ سے کہ جلق کرنے میں تصور کا اثر بھی ساتھ شامل ہوتا ہے۔ اعصاب طبعی تحریک سے متحرک نہیں ہوتے بلکہ تصور کی رنگینیاں

اس کے اعضائے تناسل کو تحریک دیتی ہیں اور اوعیہ منی کا پُر ہو جانا اس تحریک کا باعث نہیں ہوتا جیسا کہ عام طور پر حالت طبعی میں ہوتا ہے بلکہ تصور کی دلفریبی اصل محرک ہوتی ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے بدشکل اور بڑھاپے کا تصور جنسی تحریک پیدا نہیں کر سکتے۔ یہ گندے تصورات وعشقیہ خیالات اور حصول لذت ہمیشہ بری صحبتوں سے دور رہنا ضروری ہے۔

جلق اور نفرت جماع

جلق سے حس طبعی کی بجائے آلات تناسل میں سوزش اور خراش کی صورت بن جاتی ہے۔ جس سے ایک خاص قسم کی تحریک پیدا ہو جاتی ہے جو اس تحریک سے بالکل مختلف ہوتی ہے جو تحریک جماع کے لئے پیدا ہوتی ہے۔ یہ ایک نوجوان عورت کا ذکر ہے لیکن حالات عورت اور مرد دونوں پر منطبق ہو سکتے ہیں۔

ایک بورڈنگ سکول میں ایک لڑکی پڑھا کرتی تھی جہاں پر وہ جلق کی بدعادت سے روشناس ہو گئی۔ اس نے بغیر کسی پیش بندی اور پس وپیش کے جلق کو اپنا شعار بنالیا۔ پھر ۱۷ سال کی عمر میں اس کی شادی ہو گئی۔ اس کو بہت خوشی تھی کہ آئندہ اس کو اعلیٰ درجہ کی لذتوں سے لطف اندوز ہونے کا موقع ملے گا۔ لیکن آہ! ناامیدی کا ستیاناس ہو کہ شادی سے بجائے خوشی کے اس کو بے حد دکھ اور تکلیف حاصل ہوئی۔ شادی بجائے خوشی کے اس کے لئے درد وغم کا سرچشمہ بن گئی۔ کیونکہ خاوند کی بغل گیریوں سے اس کو کوئی حظ حاصل نہیں ہوتا تھا اور جب کبھی اس کا خاوند ہم بستری کی کوشش کرتا تو وہ تشنج میں مبتلا ہو جاتی اور کتنی دیر تک اس کا یہی حال رہتا۔

حقیقت یہ ہے کہ جلق کی تحریک چونکہ جماع کی تحریک سے مختلف ہوتی ہے اور جلق میں دوسرے کی پابندی نہیں ہوتی۔ جب چاہا اور جتنی بار چاہا اپنی مرضی کے مطابق جلق کر لیا۔ لیکن جماع میں دوسرے کی پابندی اور جنسی تحریکات مرضی کے مطابق نہیں ہوتیں اس لئے جماع سے نفرت ہو جاتی ہے۔ یہ جلق کی وجہ سے بہت بڑا نقصان ہوتا ہے۔ اس سے انسانی زندگی تباہ ہو کر رہ جاتی ہے۔ اس کے علاج میں بڑی کوشش کی ضرورت ہوتی ہے۔

جلق اور مستورات

جلق کی بدعادت صرف مردوں ہی میں نہیں ہوتی بلکہ مردوں سے زیادہ عورتوں میں یہ بدی اپنا گہرا اثر کر لیتی ہے۔ یہ عادت کسی خاص قوم یا ملک تک محدود نہیں ہے بلکہ عالمگیر طور پر اس جنس میں یہ فعل کیا جاتا ہے۔ ہر عمر کی عورتیں اس بدعادت میں مبتلا ہو جاتی ہیں۔ بچپن سے لے کر ادھیڑ عمر تک کی عورتوں کو اس مرض میں مبتلا دیکھا گیا ہے۔ غیر شعوری عمر میں جو بچیاں اس مرض میں مبتلا ہو جاتی ہیں اس کی وجہ اکثر وراثتی امراض خصوصاً آتشک وسوزاک اور خارش وغیرہ ہوتی ہیں یا ان کے والدین میں جنسی جذبات کی شدت ہوتی ہے۔ اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ بچیوں کو پیشاب کے بعد صاف نہیں کیا جاتا جس سے جسم میں سوزش ہو جاتی ہے اور خارش کی صورت بن جاتی ہے۔ اس طرح بچیوں کو بغیر جانگیہ کے مٹی پر کھیلنے کے لئے بٹھا دیا جاتا ہے۔ جسم میں خراب قسم کی مٹی خشکی اور سوزش پیدا کر دیتی ہے۔ نتیجہ میں وہاں پر خارش کرنے کی ضرورت پیدا ہوتی ہے بلکہ بچیوں کو بے چینی سے خارش کرتے دیکھ کر مائیں یا نوکرانیاں خود اپنے ہاتھ سے خارش کرتی ہیں اور اس طرح بچیاں اس لذت کا شکار ہو جاتی ہیں۔

بعض جنسی بھوک میں مبتلا عورتیں لذت کی خاطر جس کو وہ غلطی سے پیار کا نام دے کر بچیوں کے جسم سے کھیلتی ہیں اور پیار میں مبتلا رہتی ہیں، مگر اپنی جہالت سے یہ نہیں سمجھ سکتیں کہ وہ ان کو کس مصیبت میں دھکیل رہی ہیں۔ ایک غریب گھرانے کی بچی کو اسی قسم کی خارش پیدا

ہوگئی جو شدید سوزش کی شکل اختیار کرگئی۔ اس کی عمر دو سال سے زیادہ نہ ہوگی۔ جب اس کو اس تکلیف کا دورہ پڑتا تو وہ دروازہ کی دہلیز پر چلی جاتی اور شدت سے اپنے جسم کو رگڑتی۔ اس کا جسم زخمی ہو جاتا۔ اس کی ماں پاس کھڑی دیکھتی رہتی مگر کچھ نہ کرسکتی۔ معلوم ہوا کہ اس کے والدین میں جنسی بھوک کی شدت غالب تھی۔

نوجوان لڑکیاں شہوانی گفتگو یا شہوانی نظاروں یا اس قسم کی کتابوں اور رسالوں کے پڑھنے یا تصاویر دیکھنے یا اس بدعادت میں مبتلا سہیلیوں کے ساتھ بے تکلف ہونے سے اس بدی میں پھنس جاتی ہیں۔ اکثر نوجوان لڑکیوں کو نوکرانیوں وغیرہ سے بھی اس کی تعلیم مل جاتی ہے۔ ایام حیض ایسا وقت ہے کہ اس قسم کی عادت بد کے واسطے بہت ہی آمادگی طبیعت میں پیدا ہو جاتی ہے بلکہ بسا اوقات طبیعت مجبور ہو جاتی ہے جیسے جسم کی شدید خارش اور سوزش میں رگڑنے پر مجبور ہو جاتی ہے۔

عورتوں میں جلق کی علامات

لڑکیوں اور عورتوں میں جلق کی بدعادت پڑنے کے بعد فوراً ہی ان میں اس کے نتائج علامات کی صورت میں ظاہر ہونے لگتے ہیں۔ سب سے پہلے چہرہ پر آثار نمایاں ہونے لگتے ہیں۔ پہلے رنگ میں زردی پیدا ہونا شروع ہوتی ہے، پھر چہرہ پر ایک قسم کا خمیرا ابھرنے لگتا ہے، آنکھوں کے گرد سیاہی مائل حلقے پیدا ہونے لگتے ہیں، آنکھیں بے رونق اور سست ہو جاتی ہیں۔ لب اور رخساروں کی سرخی ختم ہو جاتی ہے۔ اس طرح چہرے کی خوشگواری بالکل زائل ہو جاتی ہے۔ سب سے بڑی بات یہ ہوتی ہے کہ جرأت اور بے باکی ختم ہو جاتی ہے اور ندامت و شرمندگی اور خوف کے ملے جلے اثرات جسم پر نمایاں ہو جاتے ہیں اور جسم کمزور ہونا شروع ہو جاتا ہے۔

ان علامات کے علاوہ زنانہ اعضاء پر سخت اثر پڑ کر ان میں نقائص پیدا ہو جاتے ہیں۔ ایام حیض میں بے قاعدگی اور ماہیت میں فرق لاحق ہو جاتا ہے۔ بعض اوقات حیض کی رنگت سیاہ ہو جاتی ہے اور اس سے سخت بدبوی آنے لگتی ہے اور ساتھ ہی پشت اور رانوں میں سخت درد ہونے لگتا ہے۔ رحم اور اندام نہانی اور بیرونی حصے میں اکثر ورم معلوم ہوتا ہے۔ بلکہ رحم اپنی جگہ سے نیچے گر کر آگے بڑھ جاتا ہے۔ اس سے اس قدر تکلیف رہتی ہے کہ بعض اوقات مریضہ کے ساتھ قبر تک جاتی ہے۔ ایک خاص قسم کی رطوبت جسے سیلان الرحم (لیکوریا) کہتے ہیں۔ اندرون جسم سے برابر جاری رہتی ہے۔ بعض دفعہ اس کی کثرت کا یہ حال ہوتا ہے کہ اندر کے کپڑے وغیرہ تر ہو کر باہر بہنے لگتی ہے۔ جسم کے جن مقامات پر یہ رطوبت لگ جاتی ہے وہاں پر بھی سوزش و جلن اور خارش ہو جاتی ہے۔ ذہنی اور نفسیاتی طور پر دماغ پریشان رہتا ہے۔ نفسیاتی قوتیں کمزور ہو جاتی ہیں۔ جو عورتیں یا لڑکیاں اس بدعادت میں پھنس جاتی ہیں وہ اپنے شوہروں سے، خواہ کیسے ہی خوبصورت اور جوان ہوں، سخت نفرت کرتی ہیں۔

آخر میں ایک خوفناک مرض پیدا ہو جاتا ہے جس کو ذکاوت شہوانی (نمفومیا) کہتے ہیں۔ اس مرض میں اعضائے جنسی میں حد درجہ کی خواہش پیدا ہو جاتی ہے۔ اس سے اندام نہانی میں سخت تکلیف کا احساس قائم رہتا ہے۔ جب تک اس مرض کا علاج باقاعدگی سے نہ کیا جائے، آرام نہیں آتا۔

حیرت انگیز واقعہ

ایک مشہور ڈاکٹر جو طبی مصنف بھی تھا وہ اپنا تجربہ اور مشاہدہ لکھتا ہے کہ میرے پاس ایک دفعہ کچھ عورتیں آئیں۔ ان سب میں جلق کے اثرات پائے جاتے تھے اور یہ بدعادت ان میں عرصہ سے چلی آتی تھی جس کا خود انہوں نے اپنی زبان سے میرے سامنے اقرار کیا۔ اتفاقاً

ان کو اس مضمون کی ایک کتاب ہاتھ لگ گئی، جس کو دیکھ کر ان کو معلوم ہوا کہ وہ کیسے مہیب اور مصیبت کا سامان اپنے لئے تیار کر رہی تھیں۔ پھر انہوں نے میری طرف رجوع کیا۔ چونکہ میں نے بہت سی عورتیں دیکھی تھیں جو اس بدعادت کی وجہ سے لیکوریا (سیلان الرحم) ریڑھ کا درد، درد اعصاب، درد پشت میں مبتلا تھیں۔ مگر میں نے ان کو بتلایا کہ یہ تمام امراض ان کی ایک ایسی غلطی اور بدعادت کا نتیجہ ہیں جس کو جلق کہتے ہیں۔ یہ سن کر وہ سب دنگ رہ گئیں۔

دلچسپ واقعہ

ایک معروف ڈاکٹر لکھتے ہیں کہ کوئی دو سال گزرے ایک نوجوان عورت عمر تقریباً ۲۲ سال میرے زیر علاج رہی۔ یہ نہایت سخت جنون کے مرض میں مبتلا تھی۔ یہ انتہائی تند مزاج وطیش آور اور قریباً دیوانی تھی۔ یہ کئی ماہ سے اس مرض میں مبتلا تھی۔ جب تک میرے زیر علاج رہی یہ زرد روح تھی خون کا تو اس میں گویا نام تک نہ تھا۔ بھوک بہت ہی کم تھی۔ بسا اوقات کھانا بالکل ہی نہ کھاتی تھی۔ اس کا جسم صرف پوست واستخواں باقی رہ گیا تھا۔ ایک دن میں نے اس کو معمول سے زیادہ برقرار اور صحیح مزاج پایا۔ میں نے موقعہ پا کر اس سے عادت جلق کا تذکرہ چھیڑا اور اس کو جتلا دیا کہ اگر یہ مجلوق ہے تو ہرگز آرام نہ ہوگا جب تک کہ یہ اس بدعادت سے کنارہ نہ کر لے گی۔

اس نے میری بات مان لی اور اقرار کیا کہ واقعی وہ اس عادت میں پھنسی ہوئی ہے اور ساتھ ہی وعدہ کیا کہ آئندہ وہ اس سے حسب ہدایت بالکل احتراز کرے گی اور دو تین ہفتے بعد اس کی حالت سدھر گئی۔ رفتہ رفتہ اس کی صحت اچھی ہوتی گئی۔ اس کا دل اور ذہن اچھا ہوتا گیا اور چند ہفتوں بعد وہ بالکل تندرست ہوگئی۔

اس کا صحت یاب ہونا بالکل ناممکن تھا۔ مگر جلق کی بدعادت کے چھوڑ دینے میں اس کی صحت مندی کا راز مضمر تھا۔

جلق اور عزت نفس

ایک مشہور ومعروف ڈاکٹر لکھتے ہیں کہ جلق جس طرح مردوں میں ہے اس سے بڑھ کر مستورات میں عام ہی نہیں بلکہ عالمگیر بھی ہے۔ لیکن ایسی عورتوں کی صحیح تعداد بتانا ناممکن ہے۔ لیکن سب سے بڑا افسوس یہ ہے کہ اگر مردوں کو دیکھا جائے تو ان میں نوے فیصدی صاف صاف لکھ دیں گے کہ وہ اس مرض جانکاہ میں مبتلا ہیں۔ لیکن مستورات میں دس فیصدی سے بھی ایسی امید کرنا سراسر فضول ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مشرقی ممالک میں ایسے واقعات کا علم اتفاقاً ہوتا ہے۔

مسز گورڈ ایسے لیکچروں میں جو انہوں نے مستورات کے سامنے دیئے ہیں خود اپنی نسبت بیان کرتی ہیں ''کوئی آٹھ سال گزرے کہ میری توجہ اس بدعادت کی طرف ایک طبی کتاب دیکھ کر مبذول ہوئی جس میں میری ہم جنس مبتلا ہو جاتی ہیں۔ یہ پہلا واقعہ تھا کہ مجھ کو معلوم ہوا کہ میری ہم جنسوں میں بھی یہ بدی اس قدر پھیلی ہوئی ہے۔ اس وقت سے مجھ کو متواتر شہادتیں ملتی رہی ہیں کہ یہ بدی نہایت خوفناک حد تک عورتوں میں بھی پھیلی ہوئی ہے۔ اگر یہ بدی صرف غربا میں ہوتی تو اتنا تعجب نہ تھا، مگر افسوس کہ یہ غریبوں سے لے کر ان امیروں اور شریفوں میں بھی بکثرت موجود ہے جو سوسائٹی کا فخر سمجھے جاتے ہیں۔ میں ایک اعلیٰ درجہ کی معزز خاندان کی امیر اور درمیانہ عمر لیڈی کے ایک خط کا خلاصہ پڑھ کر سناتی ہوں جس سے معلوم ہوگیا کہ مستورات میں اس بدی کے کیا اثرات ہوتے ہیں۔

''جب میری عمر سولہ سال کی تھی تو ایک نوکرانی سے مجھ کو اس بدعادت کی تعلیم ملی اور جب تک میری شادی نہ ہوئی میں کوئی دو سال تک اس میں مبتلا رہی۔ اس اثناء میں میری صحت جو پچھلے دو سالوں میں کسی قدر خراب ہوگئی تھی مجھ کو اس کی وجہ معلوم نہ تھی اچھی ہوگئی اور

تندرست وتوانا بچے میرے بطن سے پیدا ہوئے۔کوئی چھ سال گزرے کہ بدقسمتی سے میرے شوہر کو مجبوراً کاروبار کے سلسلہ میں ہندوستان کا سفر کرنا پڑا۔اس کی عدم موجودگی میں پھر میں نے اپنی پچھلی بدی اختیار کر لی اور اس کی واپسی تک اس میں پھنسی رہی۔ چنانچہ اس سے مجھ کو مختلف اقسام کے امراض پیدا ہونے لگے اور اب بے اختیار مجھ کو معلوم ہونے لگا کہ میں غلطی کر رہی تھی۔تاہم مجھ میں اتنی جرأت نہ تھی اور نہ ہی اتنی دلیری کہ اس کو ترک کر دوں اور ڈاکٹر کا مشورہ لوں۔آخر کار میرے شوہر کو میرا عیب معلوم ہو گیا اور مجھ کو مجبور کیا کہ میں اس بدعادت کو چھوڑ دوں''۔ جواب میں اس کو میں نے لکھا کہ ''میری اب یہ حالت ہے کہ میری کمر اور رانوں میں متواتر درد رہتا ہے۔رحم نیچے گر پڑا اور کسی قدر آگے بڑھ گیا ہے۔علاوہ ازیں متواتر ایک قسم کے مادے کا اخراج ہوتا رہتا ہے جو رانوں میں جس مقام پر لگتا ہے وہاں پر ورم ہو جاتا ہے۔ ایام حیض میں بے قاعدگی ہو گئی ہے اور سیاہ رنگ کا غلیظ مادہ خارج ہوتا رہتا ہے جس سے تکلیف ہوتی ہے۔ مجھ کو بواسیر بھی ہے۔شوہر کے ساتھ ہم صحبت ہونا ناممکن ہے مگر تعجب ہے کہ پچھلے دنوں سے میرے دل میں قدرتی طور پر اپنے شوہر کی طرف سے سخت نفرت پیدا ہو گئی ہے جو ایک تندرست نوجوان اور خوبصورت شخص ہے اور جس پر کہ میں اپنی جان دیتی تھی۔ میرے بال جو پہلے میرے سر پر بکثرت تھے اب سفید ہوتے جا رہے ہیں اور جلد جلد گرنے لگے ہیں۔ میرے چہرے پر دانے نکل آئے ہیں اور میرے ہمسائے مجھ پر شراب خوری کا الزام لگاتے ہیں۔مختصر یہ کہ اس قدر بدنصیبی میں مبتلا ہوں کہ بعض اوقات بے اختیار تنگ آ کر میرا دل چاہتا ہے کہ ہمارے باغ کے نیچے جو دریا بہہ رہا ہے اس میں کود پڑوں اور اس طرح اپنی جان دے دوں''۔

جلق اور مستورات

ذیل کے امراض عورتوں کو صرف جلق کی وجہ سے لاحق ہونا ممکن ہیں: حد درجہ کا عصبی مزاج ہونا، حد سے بڑھ کر شرم، اختلاج قلب، آواز کا کم ہونا، طاقت کا زائل ہونا، بدہضمی، دردسر، بے قاعدہ اور بے سبب درد، زرد اور بے خون چہرہ نظر آنا، حلقہ دار آنکھیں، دانتوں کا درد، درد اعصاب، بدن پر گوشت کی کمی۔

علاوہ ان کے بے شمار خفیف تکالیف کا ہونا، جو اس بدی کے شکار کو لاحق ہوتی ہیں۔سخت عصبی امراض، صرع، ہسٹریا (اختناق الرحم)، ورم رحم، رحم کا بے قاعدہ محل وقوع، نفسانی قوئ اور اعضاء کی سستی اور بالآخر قطعی بے کاری۔

پاک وہند میں جب کنواری لڑکیوں کو جن بھوت اور چڑیلوں کا اثر ہوتا ہے اور مختلف صورتیں نظر آتی ہیں تو سمجھ لو کہ یہ مجلوق ہے۔ اس قسم کی لڑکیاں شادی ہو جانے کے بعد بھی ان اثرات کے زیر اثر رہتی ہیں۔اس قسم کی لڑکیوں اور عورتوں کی یہ اکثر عادت ہوتی ہے کہ وہ خوشی وغمی جیسے خاص موقعوں پر بے ہوش ہو جایا کرتی ہیں اور عالم بے ہوشی میں مختلف متبرک یا خوفناک صورتوں کا دیکھنا بیان کرتی ہیں۔ایسی لڑکیوں اور عورتوں کو ذرا ذرا سی بات پر غصہ آ جاتا ہے۔ اگر ان کی مرضی کے مطابق کوئی بات نہ کی جائے تو کئی کئی دنوں تک غصے میں بھری رہتی ہیں اور غصے کی وجہ سے دردسر اور درد شکم میں مبتلا رہتی ہیں۔جس کا اظہار وہ وہاں پر پٹی باندھ کر کرتی ہیں۔ بلکہ اکثر اپنی شدید بے چینی سے بے ہوش ہو جاتی ہیں۔ یا ان کے پیٹ میں ہوا کا گولا بن جاتا ہے۔ پیٹ کا پھول جانا اور بدہضمی تو روزانہ کی بات ہوتی ہے اور ہمیشہ بھوک بند ہونے کی شکایت کرتی رہتی ہیں۔لیکن جب کھانے کا وقت آتا ہے تو سب سے زیادہ کھانا کھاتی ہیں۔ ان میں زیادہ تر لذیذ ومقوی اور مرغن اغذیہ خاص طور پر کھائی جاتی ہیں۔ جن میں حلوہ پوری اور پراٹھا، گھی میں تر بتر، دودھ یا بادام کی کھیر، حریرہ، مغزیات کے لڈو، اسی قسم کی کوئی اور مٹھائی کھائی جاتی ہے۔ساتھ ہی ساتھ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ بیماری اور بھوک نہ ہونے کی وجہ سے زیادہ نہیں کھایا جاتا۔ایسی لڑکیاں اور عورتیں نہ

کسی اور کے گھر رہ سکتی ہیں اور نہ کسی اور کو کھاتا دیکھ سکتی ہیں۔ ہر لڑکی کے فیشن پر اعتراض اور ہر عورت کی شکل کا منہ بناتی ہیں۔ یہ سب کچھ ان کے جنسی جذبات کی شدت کا نتیجہ ہوتا ہے۔ اگر سمجھ دار معالج ذرا ان کی طبیعت کو سمجھ کر علاج کرے تو ان کو بہت جلد آرام آ جاتا ہے۔

اسباب جلق

جلق پر ہم تفصیل سے لکھ چکے ہیں جن میں اس کے اسباب اور نتائج بھی شامل ہیں۔ تاہم اختصار کے ساتھ ان کے اسباب درج ذیل ہیں: (۱) صحبت بد اور فحش خیالات کا پرچار (۲) کثرت شہوت (۳) اولاد کی طرف سے بزرگوں کی غفلت (۴) سنگ مثانہ (۵) سوزش جگر (۶) کرم امعاء (۷) سوزش غلفہ (۸) ریگ گردہ (۹) عصبی فتور وغیرہ۔ اسباب سے جنسی تحریکات کا احساس ہونے لگتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان کے خیالات قبل از وقت اعضائے تناسل کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں اور پھر ادنیٰ سی تحریک پر وہ جلق کے خوگر ہو سکتے ہیں۔

اگر ذرا غور سے دیکھا جائے تو جہالت و ناواقفی ایک بڑا سبب اور اصل سرچشمہ اس بدعادت کے اختیار کرنے کا بن جاتا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ انسانی صحت کو کسی چیز سے اتنا نقصان نہیں پہنچتا جتنا کہ اعضائے تناسل کے علم کو نہ صرف غیر ضروری بلکہ قابل شرم و حیا خیال کیا جاتا ہے۔ انسان کو بدن و روح دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پھر روح کو غالب اور بدن کو مغلوب قرار دے کر اعضائے تناسل کی طرف سے ایسی چشم پوشی اختیار کر لی گئی ہے کہ گویا وہ بدن کا محض بے خبری اور بے پروائی ہم پر نئے نئے حملے کر کے آتی ہے۔

ہم یہ نہیں کہتے کہ بچوں کو اعضائے تناسل کی تشریح اور فزیالوجی پڑھا کر ان کے نقصانات سے آگاہ کر دیا جائے۔ بلکہ والدین کو بقدر ضرورت ان بدعادات کے نقصانات کا علم ہونا چاہئے تاکہ وہ بچوں کی نگرانی کریں۔ ان میں اگر ایسے خطرناک اثرات محسوس کریں تو ان کو معالج کے پاس لے جا کر ان تحریکات کے اسباب معلوم کر کے ان کا بچپن ہی سے باقاعدہ علاج کرا دیں تاکہ وہ جلق اور اس قسم کی دوسری بدعادات سے محفوظ رہ سکیں۔

علامات

اس مرض کے بیمار نہایت ہی پست ہمت اور بزدل ہوتے ہیں۔ چہرہ اداس، طبیعت غمگین، کاروبار سے بے پروا اور مجلس سے گریزاں، رنگ زرد، آنکھوں کے نیچے سیاہ حلقے، نہایت شرمیلا مزاج، ہر وقت آنکھیں نیچے کئے ہوئے، آنکھیں ملا کر بات چیت نہ کرنا۔ ہتھیلیوں اور تلوؤں میں سرد پسینہ، عورتوں کی صحبت سے گریزاں اور اکثر تنہائی پسند ہوتے ہیں۔

علاج بالتدبیر

پہلے اس بدعادت کو رفع کرنے کی کوشش کی جائے۔ اس غرض کے لئے اطباء نے کئی طریقے تجویز کئے ہیں۔ مریض کو اس عادت کا ایک ذہنی احساس ہوتا ہے، اس لئے خیال آنے پر وہ بے اختیار آپے سے باہر ہو جاتا ہے۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ آدمی کیسا ہی سمجھ دار ہو جلق کے نقصانات سے کتنا ہی واقف ہو، خیال آتے ہی بے بس ہو جاتا ہے اور کارروائی شروع کر دیتا ہے۔ اس لئے رفع عادت کے لئے صرف پند و نصائح ہی کافی نہیں ہو سکتے۔

اس بدعادت سے دور رکھنے کے لئے اوّل صورت یہ ہے کہ قضیب پر آبلہ انگیز ادویہ کا ضماد لگا دینا چاہئے، تاکہ درد کی وجہ سے مریض قضیب پر ہاتھ پھیرنے کی جرأت نہ کر سکے۔ دوسرے آبلہ انگیز ادویہ اعصابی ہوتی ہیں اور اعصابی ادویہ رطوبات پیدا کرتی ہیں، جن

سے تناؤ اور شہوت کم ہو جاتی ہیں۔

دوسری صورت یہ ہے کہ ایسا طلاء استعمال کرنا چاہیے جو اعصابی تحریکات بڑھا دیتے ہیں۔ ان کے استعمال سے آبلے تو پیدا نہیں ہوتے، مگر پھر بھی قضیب کی خارجی سطح میں ایسی تیزی پیدا ہو جاتی ہے کہ اس پر ہاتھ کی رگڑ برداشت نہیں ہو سکتی۔ ایسے ضماد اور طلاؤں کے نسخہ جات علاج کے دوران بیان کریں گے۔

یہ بات یاد رکھیں کہ اس بدعادت والے مردوں یا عورتوں اور خاص طور پر نوعمر لڑکوں اور لڑکیوں کو تنہائی میں بیٹھنے کا موقعہ نہ دیا جائے اور رات کو ان کو اکیلا نہ سونے دیا جائے۔ بلکہ ہمیشہ ان کے ساتھ ان کا کوئی بزرگ بھی سوئے۔ وعظ و نصیحت سے ان کے دلوں میں خوف خدا پیدا کیا جائے۔ خاندانی وقار کو بیدار کیا جائے اور اس امر پر زور دیا جائے کہ اس عادت بد سے آئندہ خاندانی نام و نمود کے ساتھ اولاد کا سلسلہ بھی ختم ہو جاتا ہے۔ مریض کو صحت کے تباہ ہو جانے اور آئندہ خطرناک امراض کی پیدائش کا یقین پیدا کیا جائے اس طرح رفتہ رفتہ وہ ذہنی طور پر بھی اس مرض سے دور رہنا قبول کر لیتا ہے۔

جب اس بدعادت کی طرف سے مریض کے دِل میں نفرت پیدا ہو جائے اور دِل سے اپنی اصلاح کی طرف مائل ہو تو پھر اس میں طبعی جنسی قوت پیدا کرنے کی کوشش کی جائے تاکہ اس میں جماع کی رغبت بیدار ہو جائے۔ بعض معالج خصوصاً فرنگی طب کے حاملین قاطع باہ ادویہ استعمال کرا کے جنسی جذبہ کو ختم کر دیتے ہیں۔ جس سے مریض کی جسمانی صحت متاثر ہو کر خراب ہو جاتی ہے۔ مخدرات و مسکنات کا استعمال یقیناً نقصان پیدا کرتا ہے۔

ادویات کے استعمال سے قبل مریض کی روزانہ زندگی باقاعدہ کریں: (۱) صبح جلد اٹھنا (۲) سیر کرنا (۳) روزانہ غسل کرنا (۴) اگر ہلکی ورزش کی عادت ہو جائے تو زیادہ بہتر ہے۔ (۵) عبادت اور مذہبی کتب کے مطالعہ کی عادت ڈالی جائے۔ (۶) غذاء وقت مقرر پر لینا (۷) بھوک شدید نہ ہو تو غذا میں ناغہ کر لینے کی عادت ڈالنا۔ (۸) روزانہ ناشتہ میں مکھن یا دودھ گھی کا استعمال۔ (۹) دوپہر کے کھانے میں پھل اور سبزیوں کا زیادہ استعمال کرنا۔ (۱۰) اناج وغیرہ بہت کم کھانا، تاکہ غذا جلد ہضم ہو جائے۔ (۱۱) رات کے کھانے میں ہلکی اور زود ہضم اغذیہ ہونی چاہئیں۔ (۱۲) کاروبار دل جمعی سے کام کرنا۔ (۱۳) اچھے لوگوں کی مجلس میں بیٹھنا جہاں پر دوسروں کی خدمت خصوصاً ملکی و قومی خدمت کا جذبہ پیدا ہو۔ دوسروں کی خدمت کا جذبہ اعصاب میں زندگی پیدا کرتا ہے۔

حلوہ مقوی اعصاب

نسخہ: مربہ گاجر ایک سیر، کھویا نصف سیر، الائچی خورد ایک تولہ، گھی حسب ضرورت لیں۔

ترکیب: اوّل مربہ گاجر باریک پیس لیں۔ پھر اس میں کھویا ملا لیں۔ پھر اندازاً کچھ گھی دیگچی میں ڈال کر اس میں الائچی خورد پیس کر ڈال دیں اور آگ پر رکھ دیں۔ جب الائچی کچھ سرخ ہو جائے تو اس میں مربہ گاجر اور کھویا ڈال کر ہلکی آنچ پر پکائیں۔ جب مربہ گاجر اور کھویا سرخ ہو جائیں تو اس وقت اس میں اس قدر گھی اور ڈال دیں کہ جس میں حلوہ تر بہ تر ہو جائے۔

مقدار خوراک: ایک چھٹانک صبح و شام ہمراہ نیم گرم دودھ استعمال کریں۔

فوائد: اعصابی عضلاتی مقوی، اعصاب و دماغ کو طاقت دیتا ہے۔ جسم میں صالح رطوبت پیدا کرتا ہے۔ ذکاوت حس کو دور کرتا ہے۔ جگر اور گردوں کی سوزش کو کم کرتا ہے۔ دِل کو فرحت بخشتا ہے۔ رنگت کو صاف اور جسم کو موٹا کرتا ہے۔ جس کو جلق کی بدعادت ہو ان کے

لئے بہت مفید ہے۔

مٹھائی مقوی اعصاب

نسخہ: ناریل ایک سیر، مغز بادام نصف سیر، گوند کیکر نصف سیر، گھی ایک پاؤ، چینی دو سیر، پانی ایک سیر۔

ترکیب: اوّل ایک دیگچی میں گھی ڈال کر آگ پر رکھیں۔ اس میں گوند کیکر ڈال کر چمچہ ہلاتے رہیں۔ یہاں تک کہ گوند پھول جائے۔ ٹھنڈا ہونے پر اس کو پیس لیں۔ ناریل اور بادام کو بھی پیس کر گوند میں ملا لیں۔ پھر چینی میں پانی ڈال کر آگ پر رکھیں۔ جب دو تار کا قوام بن جائے تو آگ پر سے اتار لیں اور فوراً ہی اس میں وہ مرکب ملا کر کسی تھال میں ڈال لیں۔ ٹھنڈا ہونے پر ٹکڑے کاٹ کر رکھ لیں۔

مقدار خوراک: آدھی چھٹانک سے ایک چھٹانک تک نیم گرم دودھ کے ساتھ استعمال کریں۔

فوائد: (اعصابی عضلاتی مقوی) جگر و گردوں اور مثانہ کی سوزش کو کم کرتا ہے۔ نیا خون اور صالح رطوبت پیدا کرتا ہے۔ ضعف قلب کو بے حد مفید ہے۔ ذکاوت حس کو دور کرتا ہے۔ اعصاب و دماغ اور حواس خمسہ خصوصاً آنکھوں کو طاقت بخشتا ہے۔ رنگت کو صاف اور جسم کو موٹا کرتا ہے۔ جن کو جلق کی بدعادت ہو اس کا استعمال اس بدعادت سے دور رکھتا ہے۔

سفوف مقوی اعصاب

نسخہ: زیرہ سفید، کشنیز مقشر، خشخاش، تخم تربوز مقشر، تخم خربوزہ مقشر، خیارین مقشر اور چینی سب چیزیں ہم وزن لے لیں۔

ترکیب: سب کو کوٹ کر سفوف تیار کر لیں۔

مقدار خوراک: ایک تولہ سے تین تولہ تک ہمراہ دودھ نیم گرم استعمال کریں۔

فوائد: (اعصابی عضلاتی مقوی) اس میں بھی مندرجہ بالا خواص پائے جاتے ہیں۔

طلاء آبلہ انگیز

نسخہ: روغن کنیر، روغن ترب ہر دو ایک ایک پاؤ، روغن جمالہ گوٹہ ایک تولہ، موم نصف پاؤ۔

ترکیب: پہلے موم کو کسی برتن میں آگ پر رکھ کر گرم کریں۔ جب موم پگھل جائے تو اس میں باقی روغن ملا لیں۔ بس تیار ہے۔

مقدار استعمال: ضرورت کے مطابق تھوڑا سا لے کر حشفہ اور نیچے کی نالی چھوڑ کر باقی قضیب پر لیپ کر دیں۔ مالش کی ضرورت نہیں۔ روزانہ ایک بار رات کو کافی ہے۔ چند دنوں میں دانے نکل آئیں گے۔ جن سے ایک طرف قضیب کو طاقت آئے گی، کجی دور ہو جائے گی اور جلق کی عادت ختم ہو جائے گی۔

طلاء آبلہ انگیز شدید

نسخہ: شیر عشر، شیر تھوہر دونوں ہم وزن ملا کر مسلسل ایک گھنٹہ کھرل کر لیں۔ بس تیار ہے۔ (اعصابی غدی شدید) فوائد کے لئے بے انتہا مفید ہے۔

مقدار استعمال: ضرورت کے مطابق مندرجہ بالا طریق پر استعمال کریں۔ کجی دوبلا پن اور لمبائی میں کمی ہو گئی ہو تو اس کا استعمال بے حد مفید ہے۔ اس کے استعمال سے قضیب پر آبلے اُبھر آئیں تو دوا لگانا ترک کر دیں۔ یہ آبلے خود بخود رفع ہو جاتے ہیں۔ جلق کی عادت کو

روکنے کے لئے مفید ہے۔ اگر آبلوں کی تکلیف زیادہ ہو اور اس کو روکنا مقصود ہو تو روغن کنجد ایک چھٹانک میں پانچ ماشے ست اجوائن شامل کر کے ان پر دن میں دو تین بار لگائیں۔ آبلے بھی رفع ہو جائیں گے اور طاقت بھی قائم رہتی ہے۔

طلاء مقوی شاہی

نسخہ: عطر گلاب، عطر حنا، عطر مشک، ایک ایک حصہ، روغن صندل (اگر میسوری ہو تو بہتر ہے) پانچ حصے۔

ترکیب: سب کو ملالیں۔ تیار ہے۔

مقدار خوراک: (اعصابی عضلاتی مقوی) ضرورت کے مطابق حشفہ اور نیچے کی نالی چھوڑ کر قضیب پر ہلکے ہلکے مالش کریں۔ اس سے آبلے نہیں نکلتے۔ اس سے کجی وکمزوری اور دُبلا پن دور ہو جاتا ہے۔

اغلام

ضعف مردانہ کا تیسرا سبب اغلام ہے۔ اس سے قبل اس کے دو اسباب یعنی (۱) کثرت مباشرت اور (۲) جلق کے بارے میں ہم بیان کر چکے ہیں۔ یہ بھی جلق کی طرح خوفناک جذباتی مرض ہے۔

اغلام کیا ہے؟

اغلام ایک جنس کے دو افراد کا ایک دوسرے کے ساتھ مباشرت کرنا ہے۔ یعنی مرد کا دوسرے مرد یا عورت کا عورت یا کسی غیر جنس کے ساتھ مباشرت کرنے کو اغلام کہتے ہیں۔ یہ فعل نہ صرف نہایت قبیح ہے بلکہ سخت نقصان دہ عادت ہے جس کا انجام انتہائی خوفناک ہوتا ہے۔ یہ عادت کم وبیش ہر ملک میں اور ہر زمانے میں پائی جاتی رہی ہے۔ اس فعل بد کی تاریخ پر غور کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ یہ فعل قدیم زمانے میں بھی پایا جاتا تھا۔

قرآن حکیم سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت لوط علیہ السلام کی قوم میں یہ فعل انتہائی عروج پر تھا۔ وہ حسین اور نیک طینت عورتوں کی نسبت خوبصورت مردوں اور لڑکوں کو زیادہ پسند کرتے تھے۔ وہ قوم حضرت لوط علیہ السلام کے کہنے سے اس فعل سے باز نہ آئی اور آخر کار تباہ کر دی گئی۔

تاریخ بتاتی ہے کہ اہل روما اپنی تہذیب وتمدن کے عروج کے زمانے میں اس فعل بد میں بری طرح گرفتار تھے۔ بلکہ ہر درجہ اور ہر عمر کے لوگ اس میں مبتلا نظر آتے تھے۔ یہاں تک کہ شہنشاہ فریڈرک اعظم بھی ان لوگوں میں شمار ہوتے ہیں جو بہت بری طرح اس بدعادت میں گرفتار تھے۔

کہا جاتا ہے کہ کسی ہم جنس کی اپنے ہم جنس سے جب محبت ہو جاتی ہے اور وہ بے تکلف ہو جاتے ہیں تو انتہائے لذت وسرور اور مسرت میں اس فعل بد میں گرفتار ہو جاتے ہیں۔ ممکن ہے ایسی صورت بھی عمل میں آ جائے۔ لیکن حقیقت یہ نہیں ہے۔ کیونکہ اکثر بچے وجوان اور بوڑھے بھی اس بدعادت میں مبتلا پائے گئے ہیں۔ اس میں حسن وخوبصورتی کا کوئی دخل نہیں ہے۔ بدصورت بچوں، جوانوں اور بوڑھوں کے ساتھ بھی یہ عادت بد پوری کی جاتی ہے۔ بلکہ حیوانات سے بھی یہ بدعادت پوری کی جاتی ہے جن میں گدھے، گدھیاں اور کتیاں بلیاں شامل ہیں۔ انتہا یہ ہے کہ ربڑ کی بڑی بڑی گڑیاں اس مقصد کے لئے تیار کی جاتی ہیں۔

حقیقت تو یہ ہے کہ یہ فسادِ شہوت کا ایک پہلو اور غلط طریق پر انزال کی ایک صورت ہے جس میں ابتداء میں تو لذت اور فرحت حاصل ہوتی ہے، لیکن پھر عادت اور جذبہ بن جاتا ہے اور اکثر تکلیف ہوتی ہے۔

دورِ حاضر کی فرنگی تہذیب و تمدن میں اس اخلاق کش بدعادت میں بے حد کثرت ہوگئی ہے۔ خاص کر بڑے شہروں میں اس کی انتہائی کثرت ہے۔ اس کے مراکز اکثر سکول، کالج اور جیل خانے و کلب یا ایسے مقامات ہیں۔ جہاں مجرد مرد یا بچے اکٹھے رہتے ہوں۔ یہ بدعادت پڑ جاتی ہے۔ آج کل یورپ اور امریکہ میں اس عادت بد کی انتہائی کثرت ہوگئی ہے جس کا ثبوت برطانیہ کے پارلیمنٹ کا وہ قانون ہے جو حال ہی میں پاس ہوا ہے کہ اغلام کو جرم نہ قرار دیا جائے۔ حالانکہ اس سے قبل دنیا بھر کی تمام حکومتوں نے اس فعل بد کو شدید جرم قرار دے رکھا ہے۔ بلکہ اگر کسی حیوان سے بھی ایسی حرکت کی جائے تو بھی جرم ہے۔ برطانیہ میں اس فعل کو جرم کی حدود سے خارج کر دینے سے ثابت ہوتا ہے کہ اس جرم میں اس کثرت سے ہر طبقہ کے لوگ شریک ہیں کہ اگر ان کو مجرم قرار دیا جائے تو ملک بھر میں فساد کا خطرہ ہے۔ لیکن اس فعل کی آزادی سے انسانی کردار میں جو فساد پیدا ہوگا وہ اس قدر شدید اور خطرناک ہوگا کہ اس کا اندازہ لگانا ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔

خلاف وضع فطری کی بدعادت عورتوں میں بھی پائی جاتی ہے۔ اگرچہ کم ہے لیکن اس کے وجود سے انکار نہیں ہوسکتا۔ اس کی ابتداء ایک عورت کے دوسری کسی عورت یا لڑکی سے جذبہ عشق کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے۔ ایسی عورتیں آپس میں ایک دوسری کے ساتھ نہایت درجہ عاشقانہ محبت رکھتی ہیں۔ ہر قسم کی مالی اور خاندانی قربانی دیتی ہیں۔ ہفتوں ایک دوسرے کے گھروں میں جا کر رہتی ہیں۔ گھر والوں کے منع کرنے کے باوجود باز نہیں آتیں اور اپنی سہیلی سے انتہائی محبت کا اظہار کرتی ہیں۔ یہاں تک کہ ان کو جدا کرنا بے حد مشکل ہو جاتا ہے۔ سکولوں اور کالجوں میں یہ مرض بڑھ رہا ہے۔ بڑی لڑکیاں چھوٹی لڑکیوں سے یا بعض استانیاں اور لیکچرار اپنی شاگرد لڑکیوں سے ایسی محبت کا اظہار کرتی ہیں۔ پرلطف بات یہ ہے کہ جب کسی گھر یا کسی درسگاہ وغیرہ میں ایسی شدید محبت اور عشق کا جذبہ نظر آتا ہے تو دوسری لڑکیاں اور عورتیں ان کو شکوک اور نفرت کی نگاہ سے دیکھتی ہیں۔ ایسے تعلق کو اچھا خیال نہیں کرتیں۔ البتہ ایسی عورتیں اور لڑکیاں مردوں اور لڑکوں سے بہت جھجک محسوس کرتی ہیں اور ان سے اکثر دور رہتی ہیں اور اپنی گفتگو میں ان سے نفرت کا اظہار کرتی ہیں۔ بلکہ اگر ان کی شادی کا ذکر آ جائے تو اوّل تو بہت بے چینی کا اظہار کرتی ہیں اور پھر اس شادی میں خرابیاں ظاہر کر کے کیڑے نکالتی ہیں۔

یونانی دورِ تہذیب و تمدن میں جب نوجوان آپس میں ایسی محبت رکھتے تھے تو وہ اس بات پر فخر کرتے تھے کہ وہ عورتوں کو نہایت نفرت سے دیکھتے ہیں۔ اس طرح جب یونانی دوشیزائیں آپس میں محبت کرتی تھیں تو وہ مردوں سے سخت نفرت کرتی تھیں اور اس بات پر نازاں ہوتی تھیں کہ وہ مرد کی ناز برداریوں کی محتاج نہیں ہیں۔ یہی جذبہ اب ہمارے ہاں اکثر پڑھی لکھی اور ملازمت پیشہ عورتوں میں بھی بڑھتا جا رہا ہے جس کے نتائج یقیناً خطرناک ہوسکتے ہیں۔

ان بدافعال کے برے نتائج کی مثالیں فرانس میں دیکھی جاسکتی ہیں۔ جہاں حسن و عشق اپنی پوری بلندیوں پر نظر آتا ہے، جہاں عریانی اور بے شرمی کو آرٹ اور کلچر کہا جاتا ہے وہاں پر عشق اور محبت کے اظہار پر فخر اور مسرت کا اظہار کیا جاتا ہے۔ وہاں پر اس قسم کے خلاف فطرت عشق کی بڑی بڑی حکایتیں بیان کی جاتی ہیں۔ اس قسم کی اُلفت اور جذبہ رنڈیوں میں اپنے عروج پر پایا جاتا ہے اور اچھے اچھے خاندانوں کو اس بدعادت سے نقصان پہنچ رہا ہے۔ یہ سب کچھ صرف لذت اور فساد کا نتیجہ ہے۔

اغلام کے نقصانات

شہوت انسان میں صحت اور قوت کا اظہار ہے لیکن اس کا غلط استعمال فسادِ شہوت ہے۔ شہوت کے اثرات اور اظہار اور قبل از بلوغت

ہی شروع ہو جاتا ہے تاکہ بچپن ہی سے اس کے جنسی اعضاء اور قوئ ارتقاء اور تکمیل کی منزلیں اس کے جسم کے ساتھ مکمل ہونی شروع ہو جائیں۔ اگر جوانی سے قبل ہی شہوت کا غلط استعمال شروع ہو جائے تو پھر انسان جسمانی و نفسیاتی اور روحانی طور پر ارتقاء اور تکمیل کی منزلیں طے نہیں کر سکتا اور نامکمن انسان رہ جاتا ہے۔ یہ ماں باپ اور سرپرست کا کام ہے کہ وہ بچے کی نگرانی کریں تاکہ بچہ فسادِ شہوت میں گرفتار نہ ہو سکے۔ بلکہ جوانی کی تکمیل کے بعد بھی اگر فسادِ شہوت میں گرفتار ہو جائے تو پھر صحت اور جوانی برباد ہو جاتی ہے۔ اور بڑھاپا جلد آ جاتا ہے۔

فسادِ شہوت میں (۱) کثرت مباشرت (۲) جلق (۳) اغلام قابل ذکر ہیں۔ یہ تینوں بدافعال جس کثرت کے ساتھ ہمارے ملک میں عمل پذیر ہیں ان کا اندازہ جنسی مریضوں کی کثرت سے لگایا جا سکتا ہے۔ فسادِ شہوت سے جس قدر جسمانی و جنسی اور نفسانی اور روحانی نقصان ہوتا ہے اس کا اندازہ مریض بالکل نہیں لگا سکتا۔ یہ اندازہ صرف صاحب علم اور اہل فن ہی لگا سکتا ہے۔ عام طور پر یہی خیال کیا جاتا ہے کہ یہ صرف جنسی نقصان ہے۔ لیکن اس جنسی نقصان کا جو اثر جسم و نفس اور روح پر ظاہر ہوتا ہے اس سے انسان کے اندر کردار اور اخلاق کی قوتوں کا ارتقاء اور تکمیل ختم ہو جاتی ہے۔ یہ صرف اس کی ذات تک محدود نہیں رہتا بلکہ نسل اور ماحول پر بھی اثر انداز ہو جاتا ہے۔ گویا یہ صرف اس کی ذات کا نہیں بلکہ ملک اور قوم کا نقصان ہوتا ہے۔

بادی النظر میں فسادِ شہوت کے نقصان کی تین صورتیں ہوتی ہیں: (۱) قضیب کا نقص (۲) اندرونی اعضائے تناسل کا نقص (۳) اعصاب کا نقص۔ مگر جاننا چاہیے کہ تینوں نقص صرف مقامی حالت تک محدود نہیں رہتے بلکہ ان کے اثرات اعضائے رئیسہ اور اعضائے شریفہ تک پہنچ جاتے ہیں۔ ارتقائے انسانی و نشوونما آدمیت، تکمیل بشریت نہ صرف رُک جاتی ہے بلکہ فنا ہو جاتی ہے۔ جس شخص نے تعلیم میں فضیلت کی تکمیل نہیں کی وہ اس کے شرف کا کیسے اندازہ لگا سکتا ہے۔ اسی طرح جس نے مقام بشریت کو نہیں دیکھا وہ اس کے کمال کو کیسے سمجھ سکتا ہے۔

جاننا چاہیے کہ قضیب کی بناوٹ میں زیادہ تر اسفنجی اجسام ہوتے ہیں جن کا تعلق عضلات اور قلب سے ہوتا ہے۔ وہاں پر جو غشائے مخاطی اور اعصاب پائے جاتے ہیں ان میں انتہائی لطافت کا احساس پایا جاتا ہے۔ خصوصاً حشفہ اور احلیل میں یہ اثرات اپنی انتہاء کو پہنچے ہوتے ہیں۔ ان سب کو شریانوں اور وریدوں سے غذا پہنچتی ہے۔ جس سے وہاں کی نشوونما کا سلسلہ قائم رہتا ہے۔ لیکن اغلام میں اعضاء پر غیر فطری طور پر دباؤ پڑتا ہے۔ اس طرح جو رگڑ لگتی ہے اس سے حشفہ اور احلیل کی جھلی و اعصاب میں خراش اور سوزش پیدا ہو جاتی ہے۔ بار بار ایسا کرنے سے خون کا دوران اس طرف زیادہ ہو جاتا ہے جس سے وہاں کی لطافت اور احساس میں اس قدر شدت آ جاتی ہے کہ دکھن پیدا ہو جاتی ہے جس سے ورم تک کی نوبت پیدا ہو جاتی ہے۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اندرونی جنسی اعضاء کے ساتھ ساتھ دل و دماغ اور جگر بگڑنے شروع ہو جاتے ہیں۔ پھر بجائے جسم و نفس اور روحانی تکمیل کے خوفناک امراض پیدا ہو جاتے ہیں۔

اس کے علاوہ عورت کے ساتھ مباشرت کرنے میں تین خاص صورتیں پیدا ہوتی ہیں۔ اوّل عورت کی اندام نہانی ایک لطیف اور نازک مقام ہے جو عضو مخصوص کے اندازے کے مطابق بنایا گیا ہے اور اس کے لئے مقام راحت ہے۔ دوسرے وہاں پر خاص قسم کی رطوبت پائی جاتی ہے جو قضیب کو رگڑ سے محفوظ رکھتی ہے اور سکون بخشتی ہے۔ تیسرے وہاں پر ایک خاص قسم کی حرارت ہوتی ہے جس کا ایک خاص درجہ ہوتا ہے جو مرد کے صحیح انزال میں مدد کرتی ہے بلکہ اس کے عضو مخصوص میں پسینہ لا کر اس کے اسفنجی مواد کو بھی تحلیل کر دیتی ہے۔ لیکن اس کے برعکس اغلام میں نہ مقام راحت ہے، نہ رطوبت کی غیر موجودگی سے تسکین ملتی ہے اور نہ حرارت سے وہاں پر منی اور مواد کا صحیح اخراج ہوتا ہے۔ ان حقائق سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ مباشرت اور اغلام میں کس قدر فرق ہے اور اس کے ساتھ ساتھ کس قدر فوائد اور نقصان پائے جاتے

ہیں اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ مباشرت سے جسم انسان کا تنقیہ ہوتا ہے اور اغلام میں یہ صورت ہرگز حاصل نہیں ہوسکتی بلکہ خوفناک امراض کے ساتھ اخلاقی تباہی پیدا ہوتی ہے۔

ان کے علاوہ اغلام میں سب سے بڑا نقصان یہ ہوتا ہے کہ اس مقام میں سختی کے ساتھ ساتھ گندے مادے ہوتے ہیں جن سے آتشک اور سوزاک جیسے امراض پیدا ہوجاتے ہیں جس سے اس شخص کی زندگی ہمیشہ کے لئے اجیرن ہوجاتی ہے اور ایسی صورت میں جب کہ ذکاوت حس بڑھ چکی ہو اور دوران خون جنسی اعضاء کی طرف ہو تو نہ صرف وہاں پر امراض کی شدت ہوتی ہے بلکہ وہ قابل علاج بھی نہیں ہوتے۔ اس لیے مشکلات دوگنا ہوجاتی ہیں۔

یہ بھی یاد رکھیں کہ جو لوگ مفعول بنتے ہیں وہ بھی نقصان سے خالی نہیں رہتے۔ اوّل تو ان کے مقعد میں امراض پیدا ہوجاتے ہیں، دوسرے ان کی اپنی مردانہ جنسی قوتیں ختم ہونا شروع ہوجاتی ہیں۔ ان میں زنانہ پن پیدا ہوجاتا ہے اور وہ عورت سے نفرت کرنے لگتے ہیں بلکہ وہ اپنے عضو مخصوص کو کاٹ کر پھینک دیتے ہیں۔

جو لوگ جنسی طور پر عورت میں تبدیل ہونا شروع ہوجاتے ہیں وہ اسی قسم کے مفعول ہوتے ہیں۔ ان کے مقابلے جو عورتیں جنسی طور پر مرد بننا شروع ہوجاتی ہیں وہ وہی عورتیں ہوتی ہیں جو دوسری عورتوں سے جنسی تعلق رکھتی ہیں۔ ان میں مردانہ جنسی اوصاف اُبھر آتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ ایسی عورتیں حقیقی طور پر نہ مرد بن پاتی ہیں اور نہ مکمل طور پر بن سکتی ہیں۔

اغلام کے اسباب

جنسی انتشار ایک فطری جذبہ ہے جس کا ہر تندرست انسان میں پایا جانا ضروری ہے۔ چونکہ اس کا مقصد نسل انسان کو جاری رکھنا ہے۔ اس لئے بچپن ہی سے جب کہ دودھ پینے کا زمانہ ہوتا ہے یہ جذبہ ظاہر ہونے لگتا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس سے بچے کو لذت بھی محسوس ہوتی ہے اور جوں جوں بچہ بڑھتا جاتا ہے اس کے اس جذبہ میں اضافہ کے ساتھ ساتھ اس کی لذت بھی بڑھتی محسوس ہوتی ہے۔ تحقیقات سے یہ حقیقت مسلمہ ہوگئی ہے کہ بچے کا یہ جنسی جذبہ اور لذت بغیر نقصان کے بڑھتے رہیں تو اس سے نہ صرف اس کی جنسی قوت غیر معمولی طور پر بڑھتی ہے بلکہ اس کی ذہنی و روحانی اور جسمانی قوتیں بھی بہت حد تک بڑھ جاتی ہیں۔ اس طرح انسان ذہنی و روحانی اور جسمانی طور پر ایک بلند مقام پالیتا ہے۔

لیکن جب اس جنسی جذبہ کو غلط قسم کی لذت کے حصول سے نقصان پہنچ جاتا ہے تو فطری طور پر اس کی ان تمام قوتوں کو نقصان پہنچ جاتا ہے جس کی صورتیں یہ ہوتی ہیں کہ زمانہ شیر خواری میں اس کے والدین یا دیگر رشتہ دار اور عزیز بے سمجھی میں اس کو پیار سے سلاتے ہیں یا دایہ اپنے آرام کی خاطر بچے کے رونے اور بے چین ہونے پر اس کو سہلانا شروع کردیتی ہے۔ اس طرح بچے کو حصول لذت کی عادت پڑ جاتی ہے۔ اسی طرح جب بچے باہم کھیلتے ہیں تو ایک دوسرے کے جنسی اعضاء کو چھو کر یا چھیڑ کر آپس میں لذت کو بیدار کرتے رہتے ہیں۔ اسی طرح ایک صورت یہ بھی ہوتی ہے کہ چھوٹی عمر کے بچوں کو اکٹھا سلا دیا جاتا ہے تو جس وقت ان میں جنسی انتشار کی کیفیت پیدا ہوتی ہے اور ان کے اعضائے جنسی دوسرے کے بدن پر دباؤ ڈالتے ہیں اس وقت بھی ان کو لذت اور سرور کی صورتیں پیدا ہوتی ہیں اور وہ حظ حاصل کرتے ہیں اور یہی صورتیں دایہ کے ساتھ بچے کے لیٹنے سے پیدا ہوسکتی ہیں جس سے غلط ذہن کی دایہ اس کو کچھ اہمیت نہیں دیتی بلکہ بچے کو اپنی طرف اور بھینچ لیتی ہے جو اس کے حظ میں اضافہ کا باعث ہوتا ہے اور کبھی کبھی مختلف جنسوں کے بچوں کو بے تکلف ملنے، لیٹنے اور کھیلنے کا اتفاق ہوجاتا ہے تو اس

جذبہ کو اور بھی شدت ملتی ہے۔ ایسی صورتوں میں جوان ہونے تک بچے کا جنسی جذبہ اور لذت بڑھتی اور پختہ ہوتی رہتی ہے۔

انہی اثرات کے تحت جب بچہ جوان ہو جاتا ہے تو اس کو جلق و اغلام اور کثرت مباشرت کی عادت پڑ جاتی ہے۔ اس طرح اس کے جنسی جذبہ کو شدید نقصان پہنچ جاتا ہے اور وہ اپنی صحیح اور مکمل نشوونما کھو بیٹھتا ہے۔ بچہ کی پرورش میں جہاں پر اس کی غذا اور صحت اور تعلیم کا خیال رکھا جاتا ہے، وہاں اس کے جنسی جذبہ کی نگرانی کرنا بھی از حد ضروری ہے۔

علامات

جن نوجوان بچوں کے جنسی جذبہ کو نقصان پہنچ چکا ہوتا ہے چاہے وہ لڑکے ہوں یا لڑکیاں تو وہ اکثر بہت شرمیلے ہو جاتے ہیں۔ اکثر خوفزدہ رہتے ہیں۔ جب کبھی جنسی جذبہ کا ذکر آتا ہے تو گھبرا جاتے ہیں۔ اکثر تنہائی پسند ہوتے ہیں۔ بہت کم عام لوگوں میں بیٹھتے ہیں۔ تعلیم اور کام دھندوں میں جی نہیں لگتا۔ ان کی ذہانت اور مسرتیں روز بروز کم ہوتی چلی جاتی ہیں۔ اکثر نشہ میں گرفتار ہو جاتے ہیں۔

گھر کے ڈر سے نشہ سے بچے رہیں تو ناول و افسانوں اور سینما ویڈیو وغیرہ کا نشہ پڑ جاتا ہے۔ گھر میں جب ان کی شادی کا ذکر آتا ہے تو گھبرا جاتے ہیں۔ اکثر صاف انکار کر دیتے ہیں۔ ایسی صورت میں ان پر سختی کرنا ہرگز مفید نہیں ہے۔ ایسا کرنے سے وہ لاعلاج مریض بن جاتے ہیں۔ ان کا صحیح علاج یہ ہے کہ پیار محبت سے ان کے نقصان کو معلوم کر کے صحیح طور پر ان کی اصلاح کرنی چاہیے۔ اور جس مرض میں وہ مبتلا ہیں اس کا علاج کسی قابل معالج سے کرانا چاہیے۔ اس طرح وہ پھر بہت حد تک اپنی کھوئی ہوئی صحت دوبارہ حاصل کر سکتے ہیں۔

علاج

اغلام کا مریض کچھ وہمی سا ہو جاتا ہے۔ معالج کے لئے ضروری ہے کہ اس کے علاج سے قبل اس کو اپنے اعتماد میں لینے کی کوشش کرے اور اس کو یقین دلائے کہ اس کا مرض کوئی خاص نہیں ہے۔ صرف ذہنی بوجھ ہے، صرف سمجھنے کی بات ہے، نہ جسم کی کمزوری ہے اور نہ قوت باہ کی خرابی ہے۔ البتہ اسے اپنی قوت پر یقین نہیں ہے۔ بلاوجہ ایک خوف سا پیدا ہو گیا ہے۔

علاج سے چند دنوں میں یہ اعتماد پیدا ہو جائے گا اور بے معنی خوف دور ہو جائے گا اور تم اس قابل ہو سکو گے اور شادی کر سکو گے۔ معالج کو چاہیے کہ مریض میں شادی کا شوق پیدا کرے۔ ایک حسین وجمیل بیوی کا تصور پیدا کرے۔ اس کی نزاکت و نفاست کی لذت پیدا کرے۔ اس کی محبت و خدمت کے جذبے کو تیز کرے۔ غرض بیوی سے لذت و حظ اور لطف اندوز ہونے کی صورتیں اور نقشے کھینچ دے اور ساتھ ہی کسی ہستی کی زندگی کی عزت و ناموس کے نمونے پیش کرے۔ اس کے ساتھ اولاد کا پیار اور اس سے خاندان کے نام ونشان کی بقاء کا قائم رہنا اور بیوی کے مقابلے میں اغلام کی خرابیوں کو ذہن نشین کرائے۔ اس سے مریض علاج کی طرف دل سے رجوع کر لیتا ہے اور اس طرح علاج میں یقینی کامیابی ہو جاتی ہے۔

ایک غلط فہمی

اغلام کے مریض کے علاج کے مطابق یہ غلط فہمی پائی جاتی ہے کہ اس کو اس عادت سے روکنے کے لئے مسکنات اور مخدرات کا استعمال کرایا جاتا ہے اور فرنگی طریق علاج میں اس کے سوا ان کے پاس اور کوئی علاج ہی نہیں ہے۔ وہ اس مقصد کے لئے برومائیڈ اور اسی قسم کے مرکب جیسے سوڈیم برومائیڈ، امونیم برومائیڈ، پوٹاشیم برومائید اور کیمفر برومائیڈ وغیرہ استعمال کر کے مریض کی قوت مردانہ کو اور بھی کمزور کر دیتے ہیں۔ ایسا کرنے سے مریض کبھی اچھا نہیں ہوتا بلکہ اور بھی بیمار ہو جاتا ہے۔

صحیح علاج

اغلام کا مریض ہمیشہ عضلاتی اعصابی یا عضلاتی غدی ہوتا ہے۔ اکثر ریاح اور تیزابیت کو زیادتی ہوتی ہے۔ اس کا علاج غدی تحریک کو زیادہ سے زیادہ بڑھانا ہے۔ اس طرح عضلات میں تحلیل ہو کر اس کے جسم میں حرارت پیدا ہو جائے گی اور اس کا ذہن اور جذبات اعتدال پر آ جائیں گے اور اس کو اغلام سے نفرت پیدا ہو جائے گی۔ اس کی غذا میں گھی، شہد اور بادام کا زیادہ سے زیادہ اضافہ کر دیں اور ادویات میں غدی اعصابی ادویات کا استعمال شروع کر دیں۔ اگر قبض ہو تو غدی اعصابی ملین یا مسہل دیں۔ ورنہ صرف غدی اعصابی محرک یا شدید کافی ہوتی ہیں۔ ذیل کے نسخے بھی مفید ہیں۔

۱۔ غدی اعصابی تریاق

زنجبیل سات حصے، الائچی خورد ایک حصہ، شہد نیم گرم دونوں کے برابر ملا لیں۔

مقدارِ خوراک: ایک ماشہ سے چار ماشہ تک دن میں تین چار بار دیں۔ غدی اعصابی تحریک کے لئے بے خطا دوا ہے۔

۲۔ غدی اعصابی اکسیر

فلفل سیاہ ایک حصہ، بادیان سات حصے، مغز بادام مقشر آٹھ حصے۔ باریک پیس کر باہم ملا لیں۔

مقدارِ خوراک: چھ ماشے سے ایک تولہ تک دن میں دو تین بار دیں۔ اگر مناسب خیال کریں تو چار بار بھی دے سکتے ہیں۔ بے حد یقینی دواء ہے۔

۳۔ غدی اعصابی طلاء

روغن پودینہ ایک ماشہ، روغن زیتون گیارہ ماشے۔ دونوں کو خوب اچھی طرح ملا لیں۔ معروف طریقہ پر مریض کو استعمال کرائیں۔ اغلام کی عادت چھڑانے کے لئے انتہائی مفید طلا ہے۔

جریان

جریان کے معنی کسی رقیق مواد کا بہنا ہے۔ طبی اصطلاح میں عام طور پر منی کے بلا ارادہ یا بلا ضرورت بہنے کو کہا جاتا ہے۔ اس لئے اس کو جریان منی کہتے ہیں۔ اس کو سیلان منی بھی کہا جاتا ہے۔ انگریزی میں اس کو اسپرمے ٹوریا کہتے ہیں۔ جو دو یونانی الفاظ سے مرکب ہے۔ ایک لفظ سپرم ہے جس کے معنی تخم یا بیج کے ہیں اور دوسرا لفظ ریا ہے جس کا معنی بہنا ہے۔ چونکہ منی جسم انسان میں تخم یا بیج کی حیثیت رکھتی ہے، اس لئے اس کو جریان منی کہتے ہیں۔ عام لوگ اس کو دھانت پڑنا کہتے ہیں۔ چونکہ منی کا عام طور پر اخراج بوقت مباشرت ہوتا ہے جس کو انزال (گرنا) کہتے ہیں۔ مگر جریان کی صورت میں منی بغیر مباشرت، بغیر خواہش، بغیر ارادہ اور اکثر بغیر انتشار کے اخراج پا جاتی ہے بلکہ بہہ جاتی ہے جو اکثر سیلان کی صورت ہوتی ہے۔ اس لئے اس کو جریان منی کہتے ہیں۔ ضعف باہ کی چوتھی قسم جریان منی ہے۔ پیشاب و پاخانے کے وقت پیشاب سے قبل یا پیشاب کے ساتھ یا پیشاب کے بعد جب کوئی سفید مادہ خارج ہوتا ہے اس کو عام طور پر جریان منی کہتے ہیں اس کے علاوہ شہوانی خیالات یا کپڑے کی رگڑ کی صورت میں بھی اکثر جریان کی صورتیں پیدا ہو جاتی ہیں۔

بعض اطباء سرعت انزال اور احتلام کو بھی جریان منی میں شمار کرتے ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ دونوں علامات جریان سے بالکل جدا ہیں۔ سرعت انزال کی علامات اس وقت پیدا ہوتی ہیں جب عمل مباشرت میں بہت جلد انزال ہو جائے۔ یہ حالت انزال ہے، جریان یا سیلان نہیں ہے۔ اس کے علاوہ اس میں عمل و ارادہ اور خواہش کو بھی دخل ہوتا ہے۔ اسی طرح احتلام کی علامت اس حالت میں پیدا ہوتی ہے جب مریض کو حالت خواب میں انزال ہو جائے۔ اس میں اگرچہ لذت اور خواہش نہیں ہوتی مگر یہ بھی صورت انزال ہوتی ہے۔ اس لئے احتلام بھی جریان منی سے ایک مختلف حالت اور علامت ہے۔ ان تینوں کے اسباب اور علامات بھی جدا جدا ہیں۔ جن کی تفصیل آئندہ بیان کی جائے گی۔

جریان منی کی طرح دو رطوبتیں اور بھی اخراج پاتی ہیں۔ عام طور پر ان کا اطلاق بھی جریان منی پر کر دیا جاتا ہے۔ مگر یہ دونوں رطوبتیں دراصل منی سے جدا ہیں۔ اگرچہ ان دونوں کے رنگ بھی سفید ہوتے ہیں مگر دونوں منی سے علیحدہ شمار ہوتی ہیں۔ ان میں ایک رطوبت کا نام مذی ہے اور دوسری رطوبت کو ودی کہتے ہیں۔ مذی ایک ایسی لطیف شے ہے جو لذت کے وقت اخراج پاتی ہے۔ عام طور پر جذبہ مباشرت اور لذت کی صورت میں پیدا ہوتی ہے۔ اس کے اخراج کی حقیقت یہ ہے کہ منی کے اخراج کے وقت اس امر کی ضرورت ہوتی ہے کہ منی کے اخراج کی صورت میں پیشاب کی نالی تر رہے تاکہ منی کی حدت سے پیشاب کی نالی میں رکاوٹ یا سوزش نہ پیدا ہو جائے۔ جس سے نقصان کا خدشہ ہوتا ہے۔ عام لوگ اس کو بھی منی خیال کرتے ہیں اور اس کی زیادتی کو بھی باعث نقصان خیال کرتے ہیں۔ اس کے کثرت اخراج میں کچھ نہ کچھ نقصان تو ہو سکتا ہے لیکن حقیقت میں اس سے کوئی خاص نقصان نہیں ہوتا۔ اس کا اخراج ایک فطری امر ہے، کیونکہ جب تک ایک شخص حالت لذت میں رہے گا، اس وقت تک مذی کا اخراج جاری رہے گا۔ جو لوگ ضرورت کے خلاف زیادہ وقت لذت میں صرف کرتے ہیں، ظاہر ہے اس سے رطوبت کا اخراج زیادہ ہوگا، گویا اس کی زیادتی ہر شخص کے جذبات کی زیادتی اور حصول لذت پر منحصر ہے۔ اسی طرح بعض لوگ حسن و عشق اور لطف و محبت میں گرفتار ہو جاتے ہیں۔ اس طرح غیر شعوری طور پر ان کے جذبات لذت سے بھڑکتے رہتے ہیں جس سے ان میں اس رطوبت کی پیدائش اور اخراج بڑھ جاتا ہے۔ بعض دفعہ کثرت جذبات سے اس کا اخراج بھی غیر معمولی ہوتا ہے۔ جس کے نتائج اکثر خراب ظاہر ہوتے ہیں۔

دوسری رطوبت ودی ہے جو پیشاب کے وقت فطری طور پر اس لئے پیدا ہوتی ہے کہ پیشاب کی نالی کو تر رکھے اور نالی میں پیشاب کی جلن اور تیزابیت کا احساس نہ ہو۔ جب بھی پیشاب میں حدت اور تیزابیت پیدا ہوتی ہے تو اس سے اس رطوبت میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ جس سے جلن اور سوزش دور ہو جاتی ہے۔ بہرحال یہ دونوں رطوبتیں منی سے بالکل جدا ہیں۔

جنسی لذت

لذت بھی ایک جذبہ ہے۔ جس طرح مسرت و غم و غصہ انسانی جذبات ہیں۔ جب انسان میں کوئی جذبہ شدت یا تسلسل اختیار کرتا ہے تو اس کا اثر دل و دماغ اور جگر پر پڑتا ہے۔ اس سے دورانِ خون میں اس طرف تیزی ہو جاتی ہے۔ اگر دورانِ خون میں یک بیک شدت پیدا ہو جائے تو اکثر موت واقع ہو جاتی ہے۔ خوشی و مسرت ایک اچھا جذبہ ہے۔ لیکن اس کی شدت سے بھی موت واقع ہو جاتی ہے۔ جس کو شادی مرگ کہتے ہیں۔ اسی طرح غم مرگ اور خوف مرگ واقع ہو جاتے ہیں لیکن جب کسی جذبہ میں شدت نہ ہو مگر تسلسل ہو تو اس سے اس عضو کی طرف دورانِ خون اکٹھا ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ جس سے وہاں پر خوفناک امراض پیدا ہو جاتے ہیں۔

یہی صورت جذبہ لذت کے حصول میں بھی پیدا ہوتی ہے۔ یہ جذبہ جنسی لذت کے تحت ہو یا کسی اور لذت کے تحت۔ بہرحال دورانِ خون پر ضرور اثر انداز ہوتا ہے۔ اس میں شدت ہو تو اس کا نقصان فوراً ظاہر ہو جاتا ہے اور اگر اس میں تسلسل ہو تو اس کا نقصان رفتہ رفتہ

پیدا ہوتا ہے۔ اور بعض اوقات بہت خوفناک امراض پیدا ہو جاتے ہیں۔ جن میں جریان و سیلان الرحم اور ذیابیطس و خارش قابل ذکر ہیں۔ جب تک جذبہ لذت ختم نہ ہو ایسے امراض سے چھٹکارا پانا مشکل ہو جاتا ہے۔

مرد ہو یا عورت، ان کی خواہشات میں مسرت اور لذت کو بہت دخل ہے۔ وہ شب و روز ان کے حصول میں جدوجہد اور کوشش کرتے رہتے ہیں۔ اس مقصد کے لئے جنسی لذت کے علاوہ کھانے پینے میں لذت، زیور و کپڑے میں لذت، مکان و سجاوٹ میں لذت، پھلوں، پھولوں میں لذت، سیر تماشوں میں لذت، نغمہ و سرود میں لذت، یہاں تک کہ شراب اور رقص میں لذت۔ یہ ہر قسم کی مسرتیں اور لذتیں کبھی کبھار تو برداشت ہو جاتی ہیں لیکن ہمہ وقت مسرت و لذت کے چکر میں پڑے رہنا سخت نقصان رساں ہے۔ اس سے دیگر امراض کے علاوہ ہارٹ فیل ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قدرت فطری طور پر انسان کو غم و غصہ اور خوف و ندامت کے اثرات کا احساس دلاتی رہتی ہے تاکہ مسلسل ایک ہی جذبہ زندگی کے لئے نقصان کا باعث نہ بن جائے۔ یاد رکھیں کہ صرف پرہیزگاری ہی انسان کو ہر جذبہ کی شدت اور تسلسل سے محفوظ کر سکتی ہے۔

بچوں سے لاڈ کرنا بھی ایک خاص قسم کی لذت ہے۔ اس سے بچوں اور ماں باپ بلکہ بہن بھائیوں کو بھی نقصان پہنچتا ہے۔ لاڈ کو غلطی سے پیار سمجھ لیا گیا ہے۔ یہ غلط ہے۔ لاڈ اور پیار میں بہت فرق ہے۔ لاڈ غیر فطری صورت ہے جو صرف بچے کی مرضی کو پورا کرنا ہوتا ہے۔ جو اس کی ایک لذت کے جذبہ کی تکمیل ہے جس سے دورانِ خون ایک خاص جانب دورہ کرتا ہے۔ اور نقصان کا باعث بن جاتا ہے۔ لیکن پیار ایک فطری صورت ہے جس میں اس کے اخلاقی زندگی اور کردار حسنہ کی تکمیل مدنظر ہوتی ہے۔ اس لئے اگر بچہ کوئی ناجائز اور غلط قسم کی ضد کرے تو یہ اس کی لذت ہے۔ اس کا قائم رہنا اس کی صحت اور زندگی کو نقصان پہنچاتا ہے۔ جو ماں باپ اور بہن بھائی اس کی غلط مرضی اور ضد پورا کرتے رہتے ہیں وہ بھی اسی لذت کا شکار ہو جاتے ہیں۔

جریان اور فرنگی ماہرین کی رائے

طب یونانی کا دعویٰ ہے کہ فرنگی طب (ڈاکٹری) و ماہرین جنسی امراض میں ناکام ہیں۔ ہم نظریہ مفرد اعضاء کے تحت اس امر کی تصدیق کرتے ہیں کہ واقعی فرنگی ڈاکٹر جنسی امراض کی نہ حقیقت سے آگاہ ہیں اور نہ ہی اس کے علاج سے صحیح طور پر واقف ہیں۔ جہاں تک ان کے علاج کا تعلق ہے وہ صرف علاماتی ہے۔ یعنی پیدا شدہ علامات کو روکنا ہے نہ کہ اصل امراض کو سمجھنا اور مدنظر رکھنا۔ جہاں تک علامات کو رفع کرنے کا تعلق ہے وہ بھی صرف تسکین و تخدیر کی حد تک ہے جہاں تک امراض و علامات کو رفع کرنے کا تعلق ہے وہ بھی صرف تسکین و تخدیر کی حد تک ہے جو امراض و علامات کی ابتدائی حالت تک تو مفید ہو سکتی ہے لیکن ان کی انتہاء اور شفاء کے لئے اور خاص طور پر سوزش کی حالت میں تحلیل کے بغیر شفاء ناممکن ہے۔ ذیل میں فرنگی ماہرین کی آراء پر غور کریں اور ان کی بےبسی کا اندازہ لگائیں۔

ڈاکٹر کارپینٹر

سیلان منی عصب کے اثر کے تابع ہے اور دل کا شہوت انگیز خیالات کی طرف متوجہ ہونا اس کی زیادتی کا باعث ہے۔

ڈاکٹر جے اے ملٹن

ڈاکٹر کارپینٹر کے مذکورہ بالا قول کی نسبت اعتراض کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مبہم الفاظ لکھ دیئے ہیں جن سے کوئی محدود نتیجہ نہیں نکلتا۔ صرف یہ کہہ دینا کہ سیلان منی عصب کے اثر کے تابع ہے حقیقت مرض پر رہنمائی نہیں کر سکتا۔ اس کے بعد ڈاکٹر ملٹن اس امر کی تشریح

بیان کرتے ہیں کہ کس طرح اخراج رطوبات پر نظام عصبی کا اثر ہوتا ہے اور کہتے ہیں کہ بعض اخراجات دل کے جوش سے بڑھ جاتے ہیں۔ مثلاً پسینہ اور آنسو اور بعض کم ہو جاتے ہیں جیسے یرقان غم کے باعث ہوتا ہے تو پت کا اخراج رُک جاتا ہے یا بدہضمی جو تفکرات کے سبب ہوتی ہے اس میں مقدار اخراج رطوبت کم ہو جاتی ہے۔ لیکن ابھی یہ امر تحقیق طلب ہے کہ دلی و دماغی محبت بھی جگر اور لبلبہ کی رطوبت کو بڑھاتی ہے یا نہیں۔

ڈاکٹر کارپینٹر صاحب کی بحث کا حاصل صرف اس قدر ہے کہ اعصاب کے اثر سے رطوبت بڑھ جاتی ہے مگر یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ اگر عصبی اثر کا نتیجہ صرف اس قدر ہے تو کیا وجہ ہے کہ احتلام میں منی زیادہ خارج ہوتی ہے اور مباشرت میں کم، حالانکہ مباشرت میں طبعی تحریک کی بنیاد ہوتی ہے۔

ڈاکٹر ایک ٹروشو

یہ صاحب لکھتے ہیں کہ ''احتلام سے بہ نسبت مباشرت کے کچھ زیادہ قوت زائل نہیں ہوتی''۔ مگر یہ رائے صاحب ممدوح کی قرین قیاس نہیں۔ یہ بات صدہا آدمیوں کے تجربہ میں آئی ہوئی حقیقت ہے کہ احتلام سے بہت تھکان اور درماندگی ظاہر ہوتی ہے۔ وجہ اس کی صاف اور صحیح ہے کہ مجامعت میں تحریک طبعی ہوتی ہے جو احتلام میں نہیں ہوتی۔

ڈاکٹر گیم جی

یہ صاحب لکھتے ہیں کہ نظام عصبی کے مرکزوں یعنی دماغ ونخاع کا جوہر اصلی کثرت مجامعت وجلق سے خرچ ہو جاتا ہے اور خون جو مجامعت کے وقت ان میں زیادہ پایا جاتا ہے وہ فعل مجامعت کی چستی زیادہ کرتا ہے۔ ان کو غذا دینے میں کچھ مدد نہیں ملتی اور نہ جوہر صرف شدہ کے عوض جوہر جدید بنا کر اس کا خلا پورا کرتا ہے۔ اسی وجہ سے اس کے طبعی اور واجبی فعل میں خلل واقعہ ہوتا ہے۔ یعنی عروق دموی کا فالج ہو جاتا ہے اور نہ کہ سکڑنے کی طاقت زائل ہو جاتی ہے جو جریان کا اصل سبب ہے۔

ڈاکٹر ہمفری

اعضائے تناسل کی ساخت میں کیا کیا تبدیلیاں واقع ہو جاتی ہیں اس کی نسبت ابھی تک کوئی صاف ومشرح بیان نہیں دیکھا گیا۔ مگر جن لوگوں نے اس امر کی طرف توجہ مبذول کی ہے وہ کہتے ہیں ''نائزہ کے پروسٹیٹک حصہ میں نرمی، ملائمت یا ورم کے آثار پائے جاتے ہیں۔ اس کی تصدیق ڈاکٹر کولنگ کی تحریر سے بھی ہوتی ہے کیونکہ انہوں نے بعض شدید مریضوں میں اس حصہ کو ملائم اور بہت زیادہ حد تک نرم پایا ہے۔

ڈاکٹر وسنظا

ان کے نزدیک نائزہ کا متالم ہونا ضروری نہیں۔ یہ ایجاد کیولیٹری اپریٹس کے کنٹرکٹائل عضلات میں اصل خلل واقعہ ہونا تسلیم کرتے ہیں۔

مرض کی تاریخ

عام بیماریوں کی طرح اس مرض کی تاریخ بھی تیرہ وتاریک حالت میں ہے کہ اس کا ٹھیک ٹھیک حال معلوم نہیں ہو سکا کہ کب شروع

ہوئی اور کس طرح شروع ہوئی۔

لیکن جو کچھ حکماء اور فضلاء نے اس کی نسبت کہا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب انسان نے اپنی ابتدائی سادگی کو ترک کر کے آرام پسندی کی زندگی بسر کرنا شروع کی اور محنت و مشقت کو خیر باد کہہ کے شہروں اور مکانوں میں بودوباش اختیار کی تو اس مرض کا ظہور ہوا۔ مگر زمانہ ظہور مرض کا پتہ لگانا نہایت مشکل ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ سے جس کو تقریباً چار ہزار برس کا عرصہ گزرا ہے۔ اس مرض کا پتہ لگتا ہے۔ کیونکہ ان کی شریعت میں مریضان جریان کے لئے احکامات موجود ہیں۔

طب یونانی کی کتابوں میں بقراط کی تصنیفات میں اس مرض کا پتہ چلتا ہے اور بقراط حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے چھ سو برس پیشتر گزرا ہے۔

ڈاکٹری کتابوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ مرض پندرھویں صدی کے آخر تک بڑے بڑے طبیبوں کو بھی بخوبی معلوم نہیں تھا۔ ان لوگوں کی کتابوں میں اس کا ذکر تو موجود ہے مگر قابل اطمینان بیان نہیں ہے۔

ڈاکٹر ہنٹر کے زمانہ تک اس مرض کے بارے حکماء کو سکوت رہا مگر اس وقت ان کی توجہ اس کی طرف زیادہ تر مائل نہ ہوئی۔

ہاں! البتہ ڈاکٹر لیلے منڈ نے اپنا بہت سا قیمتی وقت اس کی تحقیق اور تفتیش میں صرف کیا اور کئی مریضوں کے حالات ان کے اپنے ہاتھوں سے لکھے ہوئے جمع کئے ہیں۔

جریان کے اسباب

مرض جریان کے مندرجہ ذیل اسباب ہیں:

۱۔ **پر خوری و کسلمندی:** مولدات منی اور مقوی اغذیہ کا کھانا۔ ریاضت نہ کرنا اور ترک جماع کرنا۔ بعض اوقات صرف انہی وجوہات سے جریان منی پیدا ہو جاتا ہے۔

۲۔ **قبض:** پاخانہ پھرتے وقت اکثر اوقات زور لگایا جاتا ہے جس سے مستقر منی پر زور پڑتا ہے اور جو منی اس کے اندر جمع ہوتی ہے خارج ہو جاتی ہے۔

۳۔ **خراش مقعد:** جب بواسیر یا کرم صغیر مقعد کے اندر گدگدی کرتے ہیں تو بہ سبب شرکت مستقر منی میں بھی کبھی کبھی دغدغہ ہوتا ہے اور اگر ضعف کمزوری شامل حال ہو تو منی کا سیلان جاری ہو جاتا ہے۔

۴۔ **التہاب مقامی:** اس کی کئی صورتیں ہیں۔ مثلاً سوزش احلیل جس کو انگریزی میں یورتھرائیس کہتے ہیں۔ سوزاک حار ہو یا مزمن، زہریلا ہو یا بغیر زہر کے، سٹرکچر یعنی احلیل کا بند یا تنگ ہو جانا۔ سوزش مثانہ جس کو انگریزی میں سٹسائٹس کہتے ہیں یہ بھی اہم اسباب میں سے ہے۔

۵۔ **حدت بول:** بعض اوقات پیشاب سرخ ہو جاتا ہے یا اس میں تیزابی مادہ غالب آ جاتا ہے اور اس سے سوزش ہوتی ہے تو سوزش کی تحریک سے پیشاب کرتے وقت خصوصاً اگر مستقر منی پہلے سے کمزور اور زود رنج ہو تو منی نکل آتی ہے۔ جن لوگوں کے گردوں سے ریگ نکلا کرتی ہے ان کو یہ مرض اکثر ہو جاتا ہے۔

۶۔ **تنگی احلیل** و امراض مثانہ کے باعث جب تھنا پڑتا ہے تب بھی کبھی کبھی اخراج منی ہو جاتا ہے۔

۷۔ **غلفہ** لمبا ہو تو اس کے نیچے ایک قسم کی سفید میل جمع ہو جاتی ہے۔ اس کی خراش سے دغدغہ ہو کر اخراج منی ہو جایا کرتا ہے۔

۸۔ **تیزابی منی:** بعض دفعہ منی میں کچھ ایسا تغیر واقع ہو جاتا ہے کہ نکلتے وقت سوزش و جلن کرتی ہے اور گرم معلوم ہوتی ہے۔ ایسی حالت

میں منی کی خراش سے اخراج شروع ہو جاتا ہے۔

۹ خیالات فاحشہ: عشق انگیز خیالات اعضائے تناسل کی طرف توجہ مبذول رکھتے ہیں۔ اعضائے تناسل کی طرف دوران خون تیز رہتا ہے اور اعضائے مذکور خیالات کی خدمت گزاری کرتے کرتے ایسے ذکی الحس اور سریع التاثیر ہو جاتے ہیں کہ ادنیٰ سا اشارہ بلکہ بے معنی جنبش کو حکم ضروری سمجھ کر تعمیل کو مستعد ہو جاتے ہیں۔ رفتہ رفتہ نوبت یہاں تک پہنچتی ہے کہ معمولی حالات و خیالات جن کا دوسروں پر چنداں اثر نہیں پڑتا، اس امر میں زیادہ خیال کرنے والوں کو انزال ہو جاتا ہے۔ بلکہ جن واقعات کی موجودگی میں عام لوگوں کے اعضائے تناسل چپ چاپ اور بے حس رہتے ہیں، ان ہی واقعات و حالات سے ان شہوت پرستوں میں انتباہ و انتشار ہو کر انزال تک نوبت پہنچتی ہے۔ مثلاً پاجامہ کی رگڑ سے یا سواری میں زین کے چھو جانے سے یا رات کو سوتے وقت لحاف کی رگڑ سے انتشار یا بغیر انتشار ہی انزال ہو جاتا ہے۔ جو شخص مجامعت یا جلق وغیرہ سے یا خیالات عشقیہ اور فحش سے ہر وقت اپنے اعضائے تناسل کو متاثر رکھتا ہے اور ان سے حد سے زیادہ کام اور ان کی طاقت سے بڑھ کر خدمت لیتا ہے تو اس حد سے زیادہ فرمانبرداری کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اعضائے تناسل بالکل نکمے ہو جاتے ہیں۔ اوعیہ منی بالکل مسترخی ہو جاتے ہیں اور منی کو سنبھالنے کا فعل بجا نہیں لا سکتے۔ قوت ماسکہ ان میں نہیں رہتی۔ جو منی ان میں موجود ہوتی ہے بغیر تحریک کے ہی خارج ہوتی چلی جاتی ہے۔ پس بیان مذکورہ بالا سے صاف ظاہر ہے کہ خیالات عشقیہ کئی طرح سے مضر ہوتے ہیں۔ اوّل اخراج منی کی تحریک کرتے ہیں۔ دوم اعضائے تناسل کو ذکی الحس اور جلد باز کر دیتے ہیں۔ سوم ظروف منی کو مسترخی کر دیتے ہیں۔

۱۰ استرخائے اوعیہ منی: اسباب مذکورہ بالا سے یا کسی اور سبب سے اگر اوعیہ منی کے لحمی ریشوں میں فالج واقعہ ہو تو ان کی قوت ماسکہ نہیں رہتی اور منی باہر نکل آیا کرتی ہے۔ جب یہ معلوم ہو جائے کہ احلیل میں زیادتی حس کی کوئی علامت نہیں اور کوئی عارضہ سبب بھی لذع کا موجود نہیں ہے۔ تب جان لینا چاہیے کہ اوعیہ منی میں استرخا واقعہ ہو گیا ہے۔ صاحب طب اکبر کہتے ہیں کہ ایسی حالت میں منی رقیق ہوتی ہے نعوذ نہیں ہوتا اور برودت کی دوسری علامات موجود ہوتی ہیں۔

۱۱ اعصابی ضعف: بن نسبت دیگر متذکرہ بالا اسباب کے یہ سبب بہت عام ہے۔ مرکز ہائے اعصاب یعنی دماغ و نخاع اور ران کمزور ہو جاتے ہیں۔ اس ضعف کی وجہ عموماً تاریخ و غم، فکر و الم، محنت دماغی یا بدنی کا زیادہ کرنا، رطوبت کا زیادہ اخراج پانا، افعال غیر واجبی یا حرکات متکاسرہ اور متوافہرہ کے باعث اجزائے نو پیدا کا بدل یا تحلیل کا کافی نہ ہونا، ریڑھ کے مقام پر درد، پنڈلیوں میں اینٹھن کا پایا جانا، نیند میں فتور کا آ جانا، حافظہ کا خراب ہو جانا، مزاج کا چڑچڑا ہو جانا اور دماغی فتور کا ظاہر ہونا۔

۱۲ جلق: جلق کا انزال معمولی انزال سے بہت مختلف ہوتا ہے۔ جب مباشرت عورت کے ساتھ کی جاتی ہے تو حشفہ فرج کی ملائم سطح پر رگڑا جاتا ہے۔ کسی قسم کا صدمہ احلیل کو نہیں پہنچتا۔ جلق کے فعل میں ہاتھ کی رگڑ سخت ہوتی ہے۔ رگڑ کا ضرر دور کرنے کے لئے کوئی رطوبت موجود نہیں ہوتی۔ احلیل کی نالی اور دوسری ساختوں کو براہ راست صدمہ پہنچتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ شروع شروع میں احلیل میں تھوڑی تھوڑی خراش معلوم ہونے لگتی ہے۔ بعض مرتبہ پیشاب میں سوزش واقع ہوتی ہے۔ بار بار پیشاب کی حاجت معلوم ہونے لگتی ہے اکثر دہانہ احلیل سرخ ہو جایا کرتا ہے۔ غرضیکہ اس غیر معمولی اور غیر طبعی رگڑ سے احلیل کی سطح مخاطی میں امتلائے دم ہو جاتا ہے اور ایک قسم کی خفیف ورم کی بنیاد پڑ جاتی ہے اور اس کی وجہ سے احلیل و مستقر منی کی حس بہت تیز ہو جاتی ہے اور حس کی اس تیزی کے باعث ادنیٰ تحریک سے منی خارج ہو جاتی ہے۔ جب بار بار اخراج ہونے لگتا ہے تو منی جلد جلد بننے لگتی ہے اور نضج تام نہ ہونے کے باعث فاسد منی مستقر منی میں آتی ہے۔ غیر طبعی شے کا مستقر منی میں موجود ہونا اس کے لحمی ریشوں کو لذع کرتا ہے اور منی کو ٹھہرنے نہیں دیتا۔

بعض اسباب ایسے ہیں کہ ان کو میلان دم کا پیدا کرنے والا نہیں کہہ سکتے لیکن اس میں کچھ شبہ نہیں کہ ان سے مرض مذکورہ کی ترقی ضرور ہوتی ہے۔ مثلاً چائے یا قہوہ کی کثرت یا کثرت شراب وتمباکو کی عادت یا اوندھا سونے اور میلا رہنے کی عادت، دماغی محنت اور ورزش نہ کرنے سے بھی جریان منی کی تکلیف ہو جاتی ہے۔

ہر چند کہ بعض اعصابی بیماریاں مثلاً مرگی، جنون اور مالی خولیا وغیرہ اس عارضہ کے سبب سے پیدا ہوتی ہیں۔ تاہم جن لوگوں کے خاندانوں میں کوئی عصبی مرض بطور موروثی کے موجود ہوتا ہے، ان کو جریان کے بدنتائج میں مبتلا ہونے کا زیادہ اندیشہ ہوتا ہے۔

سب سے زیادہ عام سبب اس مرض کا اعضائے تناسل کا ذکی الحس ہونا ہے۔ بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ سوائے کثرت منی کے دوسرے اسباب کے عمل اسی وقت ہوتا ہے جب کہ اعضائے تناسلی کی حس پہلے سے زیادہ ہوگئی ہو۔ یہ حس کئی طرح زیادہ ذکی ہو جاتی ہے۔ اس کی کئی وجوہات ہیں۔ مثلاً اول کثرت جماع جس سے تمام جسم خصوصاً آلات تناسل ضعیف ہو جاتے ہیں اور منی چونکہ جلدی جلدی بنتی اور خارج ہوتی رہتی ہے تو اس سبب سے خصیتین جن میں منی بنتی ہے اور اوعیہ منی جن میں منی بن کر جمع ہو جاتی ہے اور وہاں سے خارج ہوتی ہے بہت ہی کمزور اور ذکی الحس ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح حرام مغز اور اعصاب پر صدمہ پہنچنے سے اعضائے مذکور کا فعل خراب ہو جاتا ہے۔ پس جملہ نظام عصبی میں جو باہ سے تعلق رکھتے ہیں حساسیت بڑھ جاتی ہے کہ وہ ادنیٰ سے ادنیٰ تحریک سے اس قدر متاثر ہو جاتے ہیں کہ ان سے جس طرح بن پڑے فوراً کار مفوضہ کو سرانجام دیتے ہیں۔ چنانچہ اگر قبض کی وجہ سے ذرا سا بھی دباؤ قناۃ المنی پر پہنچے یا مقعد میں کسی نوع کا خراش یا محض نام کو ہی شہوت انگیز خیالات سے دغدغہ ہو تو منی فوراً خارج ہونے لگتی ہے۔

دوسرا سبب اس ذکاوت حس کا جلق ہے، جس سے نائزہ کی ساخت بگڑ جاتی ہے۔ اس کے اندر ہر وقت امتلائے دم اور خفیف ورم رہتا ہے۔ اس کا منہ سرخ اور کشادہ ہو جاتا ہے۔ پیشاب بار بار آتا ہے۔ منی کی اصلیت بھی خراب ہو جاتی ہے اور چونکہ وہ اپنی اصلیت پر قائم نہیں رہتی اس سبب سے کیاۃ المنی اس کو ایک اجنبی جسم سمجھ کر اور بھی جلدی جلدی خارج کرتے ہیں۔ جلق سے اور کیا کچھ مضر نتائج پیدا ہوتے ہیں۔ اس کی تفصیل اوپر بیان ہو چکی ہے۔

تیسرا سبب اس تیزی کا اغلام ہے۔ اغلام کے علاوہ ان مضار کے جو جلق سے حاصل ہوتے ہیں یا کثرت جماع سے پیدا ہوتے ہیں۔ ایک اور خرابی یہ ہوتی ہے کہ مقعد کے گرد کے عضلاتی ریشے جو مانع دخول ہوتے ہیں ان کے سبب سے حشفہ کو زیادہ صدمہ پہنچتا ہے۔ نائزہ کا منہ کشادہ ہو جاتا ہے اور اس کی ساخت خراب ہو جاتی ہے۔

یونانی طبیبوں نے اس کے چھ اسباب بیان کیے ہیں۔ اوّل کثرت منی بہ سبب کثرت تناول مولدات منی۔ دوم حدت وحراقت منی کہ اس کے لذع کی وجہ سے طبیعت اس کو دفع کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ سوم استرخائے اوعیہ منی بہ سبب برودت ورطوبت کہ جس کی وجہ سے اس کا ماسکہ ضعیف ہو جائے اور منی کو محفوظ کر سکے۔ چہارم تشنج اوعیہ منی۔ پنجم ضعف گردہ یا اس کی چربی کی شدت حرارت وشہوت یا کثرت جماع کی وجہ سے گلنا۔ ششم تصور جماع، استماع سخن جماع۔

ویدک طبابت کے طبیب جریان کے اسباب یوں لکھتے ہیں کہ زیادہ بیٹھنا، بہت سونا، نیا پانی پینا، بکرا بھیڑ، قند سیاہ، بہت شیریں چیزیں، بہت دہی اور بلغم پیدا کرنے والی خلاف طبیعت چیزیں، شراب کا بکثرت پینا وغیرہ۔ اس مرض کو پرمیہہ کہتے ہیں اور تین طرح کے پرمیہہ قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ جریان منی کو شکر پرمیہہ لکھا ہے اور یہ علامت لکھی ہے کہ اگر منی سمیت پیشاب کرے اس کو شکر پرمیہہ کہتے ہیں اور اس کا علاج یوں لکھا ہے کہ دوب، دوریا، بیج ڈایا، سالو کا چھلکا ان کا کاڑھا پئے تو شکر پرمیہہ اور خون کا پرمیہہ جاوے۔

علامات جریان منی اس بگڑی ہوئی حالت کا نام ہے جو کثرت اخراج منی سے لاحق ہوتی ہے یا یوں کہنا چاہئے کہ یہ وہ حالت ہے جس کو کثرت اخراج منی کا نتیجہ خیال کرنا چاہئے۔ پس اس کے علاوہ وہ ہوں گی جو بکثرت اخراج منی کا نتیجہ سمجھی جاسکتی ہیں۔ یہ علامات دو حصوں میں منقسم ہوسکتی ہیں۔اوّل علامات ابتدائی۔ دوم علامات انتہائی۔ابتدائی علامات جو شروع مرض میں پائے جاتے ہیں وہ حسب ذیل ہیں۔

اخراج منی بلا ارادہ

اس میں منی بلا ارادہ خارج ہوتی رہتی ہے۔اس اخراج کی دو اقسام ہوسکتی ہیں۔اوّل بہ اعتبار وقت کے:

- اخراج منی رات کے وقت ہوتا ہے۔
- اخراج منی دِن کے وقت ہوتا ہے۔
- اخراج منی دونوں وقت دِن کو بھی اور رات کو بھی ہوسکتا ہے۔

دوم بہ اعتبار حالات کے۔اس کی تین صورتیں ہوسکتی ہیں۔مثلاً:

- اخراج منی کم وبیش شہوت اور نعوظ کے ساتھ ہوتا ہے یا بلاشہوت۔
- انزال بے خبری کی حالت میں ہوتا ہے یا اس وقت آنکھ کھل جاتی ہے۔
- بعد اخراج منی ضعف وسستی پیدا ہوتی ہے یا راحت وسکون ہوتا ہے۔

قسم اوّل کی تینوں صورتیں

صورت اوّل یہ کہ رات کو اخراج منی بلا ارادہ ہوجاتا ہے۔عموماً رات کے آخری حصے میں جب کہ آدمی نیم خوابی کی حالت میں ہوتا ہے اور چت لیٹا ہوا ہوتا ہے۔اس وقت اخراج منی ہوجاتا ہے۔اس کو انگریزی میں ناکٹرنل امیشن کہتے ہیں اور عربی میں اس کا نام احتلام ہے۔ اب احتلام کے وقفوں میں اور تعداد میں بڑا اختلاف ہے۔بعض آدمیوں کو ہر شب میں یا ہر ہفتے میں یا ہر مہینے میں ایک بار احتلام ہوجاتا ہے۔بعضوں کو ہر شب، ہر ہفتے یا ہر مہینے کئی بار احتلام ہوجایا کرتا ہے۔جیسے جیسے جلدی جلدی احتلام ہوتا ہے ویسے ہی اس کی مضرتیں بھی زیادہ ہوتی ہیں۔

جریان کے اسباب

اکثر وہ حالات جن سے اعضائے تناسل کی طرف توجہ مائل رہے۔جن سے ان اعضاء میں تنبہ وانفاظ زیادہ پایا جائے۔مثلاً کثرت جماع، جلق وغیرہ کا عادی وخوگر ہونا یا عشق انگیز قصوں اور کتابوں کا پڑھنا جس سے ہر وقت اعضائے تناسل متحرک حالت میں رہتے ہیں۔ادنیٰ سی تحریک سے وہ نہایت سخت متاثر ہوجایا کرتے ہیں اور جھٹ منی خارج کرتے ہیں۔عشقیہ خیالات کی وجہ سے رات کو خوابیں بھی عشق انگیز آتی ہیں۔

علامات جریان

جب مباشرت کے بغیر بلاخواہش منی کا اخراج خودبخود ہو تو یہ جریان منی یا سیلان منی کی سب سے بڑی علامت ہے۔اخراج عام طور پر پیشاب وپاخانے اور جذبات کی شدت کے وقت ہوتا ہے۔مگر جب جریان کا مرض بڑھ جاتا ہے اور اعضائے مخصوصہ زیادہ ذکی الحس ہو

جاتے ہیں تو پائجامہ وغیرہ کی رگڑ سے کسی خوبصورت شکل کو دیکھنے یا تصورات سے بھی اخراج کا مرض ہو جاتا ہے۔ جب مرض میں کچھ مدت گزر جاتی ہے تو ذیل کی علامات پیدا ہوتی ہیں:

ضعف ونقاہت کے آثار، مثلاً کمزوری تھکان، دماغی محنت کا نہ ہوسکنا۔ خیالات کا منتشر رہنا، توجہ کا کسی خاص امر پر مرتکز نہ ہونا۔ تھوڑا سا چلنے سے پنڈلیوں میں کمزوری کا پایا جانا۔ صبح بستر سے بیدار نہ ہوسکنا۔ سر کا بوجھل رہنا، نسیان کا لاحق ہو جانا۔

جب ان علامات میں بھی شدت پیدا ہو جاتی ہے تو ذیل کی علامات پیدا ہو جاتی ہیں۔ محنت کا کوئی کام مریض سے نہیں ہوسکتا۔ محنت کسی قسم کی ہو، جسمانی ہو یا دماغی ہو، تھوڑا سا کام کر کے اس کو دم چڑھ جاتا ہے۔ خیالات درست نہیں رہتے۔ اس کے خیالات اکثر پریشان اور غیر منظم ہوتے ہیں۔ حافظہ کمزور اور قوت فیصلہ بے کار ہو جاتی ہے۔ سر میں گاہے درد اور گرانی رہتی ہے۔ کمر و پشت اور پیٹ وسینہ میں اکثر عصبی درد رہتا ہے۔ ہاضمہ خراب، ڈکاریں اور نفخ رہتا ہے۔ نیند نہیں آتی اور اگر آتی ہے تو اس سے نہ راحت معلوم ہوتی ہے اور نہ تھکن اترتی ہے۔ خوابیں ڈراؤنی آتی ہیں۔ رفتہ رفتہ مثانہ میں خراش، مقعد وحشفہ اور احلیل میں جلن معلوم ہوتی ہے۔ ریڑھ پر چیونٹیاں چلتی معلوم ہوتی ہیں۔ رانوں اور جنگاسوں کے عضلات میں درد، پنڈلیوں میں کپکپی رہتی ہے۔ نگاہ اور سماعت میں کمزوری شروع ہو جاتی ہے۔ جلد کا رنگ زرد و سیاہی مائل ہو جاتا ہے۔ انثیین میں ہلکا ہلکا درد ہوتا ہے۔ وقت تنفس، چڑچڑاپن، پاؤں کے تلوؤں میں جلن، عام بدنی لاغری اور کمزوری روز بروز بڑھتی جاتی ہے اور آخر کار قوت باہ برباد ہو جاتی ہے۔ مختصر یہ کہ اس مرض میں جسمانی اور جنسی کمزوری کے علاوہ درد سر دائمی، سر چکرانا، ضعف بصارت، ضعف سماعت، مرگی، جنون، ضعف ہضم، حزن اور دق وسل تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔ یہ ایک خوفناک مرض ہے کہ اس کا علم بعض اوقات مریض کو نہیں ہوتا اور یہ اپنا کام کر جاتا ہے۔

تشخیص مرض

جب کوئی مریض علاج کے لئے آئے اور وہ خود جریان اور جنسی کمزوری کا ذکر نہ کرے لیکن نبض وقارورہ اور چہرے پر اس کے آثار اور علامات ظاہر ہوں تو معالج کو اس مرض کی تشخیص کرنا نہایت ضروری ہے۔ لیکن اکثر مریض خصوصاً نوجوان اس مرض کی حقیقت سے واقف نہیں ہوتے۔ دوسرے بعض مریض واقف ہوتے ہیں لیکن شرم کی وجہ سے بیان نہیں کرتے اور بعض مریضوں نے خود بری عادتوں میں پڑ کر اپنا نقصان کیا ہوتا ہے۔ اس لئے ان میں بیان کرنے کی جرأت نہیں ہوتی۔ یہ صرف معالج کا کام ہے کہ جب بھی وہ کسی ایسے مریض کو دیکھے تو پہلی تشخیص کے بعد مریض کو سمجھا دے کہ وہ کسی برے مرض میں گرفتار ہے۔

بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ مریض کسی اور مرض میں گرفتار ہوتا ہے اور اس کے ساتھ جریان کی علامت بھی پائی جاتی ہے۔ مگر مریض جس مرض میں گرفتار ہوتا ہے وہ اس کی تکلیف سے خلاصی نہیں پاسکتا اور نہ ہی کسی اور علامت یا مرض کی طرف توجہ دے سکتا ہے۔ یہ فرض معالج کا ہے کہ وہ اپنی تشخیص میں اس مرض کو معلوم کرے اور اس امر کا یقین کرلے کہ پہلے جریان کا علاج ضروری ہے یا اس مرض کا جس میں مریض مبتلا ہو چکا ہے۔

صرف ایک مرض

یاد رکھیں کہ کسی مریض کو بیک وقت دو تین یا چار اس سے زیادہ مرض نہیں ہوسکتے۔ ہمیشہ ایک وقت میں ایک ہی مرض ہوتا ہے۔ باقی سب اس کی علامات ہوتی ہیں۔ البتہ بعض اوقات علامات یا کوئی ایک علامت اس قدر شدید ہوتی ہے کہ مریض اور نادان معالج اس کو ہی

مرض تصور کر لیتا ہے۔

اچھی طرح یاد رکھیں کہ تشخیص اسی علم کا نام ہے کہ مرض اور علامات کو جدا جدا کیا جائے تاکہ علاج میں آسانی اور یقینی صورت پیدا ہو جائے۔ اس طرح مرض اور ہر علامات جلد سے جلد رفع ہو جاتی ہے۔

تشخیص کی صورت یہ ہوتی ہے کہ مریض کی تمام علامات کا غور سے مطالعہ کرنے کے بعد مرض کا تعین کر لیا جائے اور پھر یہ یقین کر لیا جائے کہ تمام علامات واقعی اس مرض کی ہیں۔ اس تشخیص کا نتیجہ حیرت انگیز ہوگا یعنی اسی وقت سے مریض کا مرض اور تمام علامات رفع ہونا شروع ہو جائیں گی۔ مرض چاہے بیس سال پرانا ہو، صحیح تشخیص سے لوٹنا شروع ہو جاتا ہے۔ اس سے بھی حیرت انگیز بات یہ ہے کہ دوا تو رہی ایک طرف صحیح غذا کے استعمال سے ہی اسی روز مرض اور تمام علامات کم ہونا شروع ہو جاتی ہیں اور چند لمحوں میں آرام کی صورت پیدا ہو جاتی ہے۔ جو ممبر کبھی دواخانہ تشریف لاتے ہیں، انہوں نے اپنی آنکھوں سے یہ کرشمے اور جادوگری دیکھی ہے۔ اس لئے بعض ممبر معالجین نے یہاں پر ایک ایک دو دو ماہ لگا کر اس فن کو حاصل کیا ہے۔ اس تشخیص میں زیادہ تر معالج کو نظریہ مفرد اعضاء اور اس کے ماتحت نبض و قارورہ اور چہرہ و جسم کی علامات سے تشخیص کی تعلیم دی جاتی ہے۔

بہر حال یہاں پر یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ صحیح تشخیص کے بعد فوراً ہی ہر مرض اور اس کی علامات رفع ہونا شروع ہو جاتی ہیں۔ پھر یاد رکھیں کہ بغیر تشخیص کے صرف مریض کی حقیقت پر علاج کرنا حکمت نہیں عطائیانہ پن ہے، بلکہ گناہ ہے۔

جریان کا اصول علاج

یاد رکھیں کہ اصول علاج کا مقصد یہ ہے کہ ہر مرض کے علاج میں جو چند اصول مقرر کئے گئے ہیں، علاج ان کے تحت کیا جائے۔ کیونکہ بے مقصد دوائیں استعمال کرنا بے معنی ہوتا ہے بلکہ بعض دفعہ صحیح تجویز و نسخہ اور دوائیں بھی مفید ثابت نہیں ہوتیں۔ یہ بھی ذہن میں رکھیں کہ جریان ان امراض میں سے ایک ہے جن میں اکثر معالج ناکام رہتے ہیں۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ اس کو اکثر غلط سمجھا گیا ہے اور اس کے علاج میں بھی اس لئے غلطیاں ہو جاتی ہیں۔ ورنہ جریان کا علاج مشکل نہیں ہے لیکن اصول علاج کو مدنظر رکھنا ضروری ہے۔ جریان کے علاج میں تین اصول ذہن نشین کر لیں: (۱) ذکات حس کا دور کرنا۔ (۳) صحیح غذا دینا۔

ذکات حس کا دور کرنا

ذکاوت حس کے معنی ہیں احساسات میں تیزی۔ یہ اصطلاح خصوصاً جنسی تحریک کے لئے بولی جاتی ہے۔ بعض معالج اور اکثر عوام اس حالت کو جسم میں گرمی کی زیادتی خیال کرتے ہیں۔ لیکن ایسا خیال کرنا صحیح نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جسم میں جس قدر بھی احساسات پیدا ہوتے ہیں ان کا تعلق اعصاب سے ہے اور جسم میں جس قدر بھی حرکات عمل میں آتی ہیں ان کا تعلق عضلات سے ہے اور جسم میں جس قدر رطوبات کا اخراج اور بندش ہے اس کا تعلق غدد کے ساتھ ہے۔ البتہ اس حقیقت کو ذہن نشین کر لیں کہ اعصاب میں جب تحریک پیدا ہوتی ہے تو غدد سے رطوبات کا اخراج شروع ہو جاتا ہے اور جب عضلات میں تحریک ہوتی ہے تو رطوبات کے اخراج میں بندش آ جاتی ہے جس کو ہم نزلہ کے نام سے بیان کر چکے ہیں۔ جو معالج اس حقیقت کو ذہن نشین کر لیں گے وہ ہر قسم کے رطوبات کے اخراج اور بندش کا علاج کر سکتے ہیں۔

ذکاوت حس کے علاج میں غلطی

ذکاوت حس کے متعلق یہ تصور عام ہے کہ گرمی سے زیادہ ہوتی ہے۔ اس لئے اس کا علاج اکثر مبردات و مسکنات اور مخدرات سے کیا جاتا ہے۔ یہ تصور بالکل غلط ہے، کیونکہ مبردات و مسکنات اور ملذذات وغیرہ اعصاب میں تیزی پیدا کر دیتی ہیں اور اس سے رطوبات کے اخراج میں تیزی آ جاتی ہے۔ البتہ دِل اور عضلات کے افعال میں سستی اور تسکین پیدا ہو جاتی ہے جس سے دورانِ خون میں کمی پیدا ہو کر عارضی طور پر علامت میں رکاوٹ پیدا ہو جاتی ہے اور دوا کا اثر دور ہونے پر مرض اور علامت پہلے سے بھی زیادہ شدت اختیار کر لیتی ہے۔

فرنگی طب کی غلط فہمی

فرنگی طب میں بھی ذکاوت حس کے لئے مسکنات اور مخدرات استعمال کرائے جاتے ہیں۔ چونکہ اس میں گرمی سردی کا کوئی تصور نہیں ہے اس لئے وہ مبردات کا استعمال نہیں کرتے۔ البتہ جہاں کہیں سے دورانِ خون کو کم کرنا ہو وہاں پر سرد پانی کی پٹی اور برف تک کا استعمال کر لیتے ہیں۔ جیسے سرسام میں وہ اکثر برف کی ٹوپی استعمال کرتے ہیں۔

ہم پہلے بھی کئی بار لکھ چکے ہیں کہ فرنگی طب میں ہر عضو کے فعل میں دو ہی صورتیں تسلیم کی گئی ہیں۔ ایک کسی علوم کے خلل میں تیزی دوسرے کسی عضو کے فعل میں سستی۔ اوّل صورت کو تحریک اور دوسری صورت کو تسکین کہتے ہیں۔ اوّل صورت کے لئے محرکات اور دوسری صورت کے لئے مسکنات اور مخدرات کا استعمال کرتے ہیں۔ تیسری صورت ان کے ذہن میں نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ تحریک اور سوزش کا علاج نہ مسکنات سے ہوتا ہے اور نہ ہی مخدرات مفید ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ فرنگی طب میں جریان واحتلام اور سرعت انزال کے لئے مدتوں سے برومائیڈ و ہائیوسائمس اور کلورل ہائیڈریٹ وغیرہ استعمال کرائے جاتے ہیں۔ مگر نہ یہ علامات رفع ہوتی ہیں اور نہ ذکاوت حس ختم ہوتی ہے۔

تحریک اور سوزش کا علاج صرف تحلیل ہے

جاننا چاہئے کہ جسم میں جہاں بھی تحریک و تیزی اور سوزش ہو اس کا علاج تحلیل ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے ورم کا علاج کیا جاتا ہے۔ اسی اصول پر ذکاوت حس اور اعصابی تحریک کا علاج تحلیل سے کیا جاتا ہے۔ جہاں پر تحلیل کی جاتی ہے وہاں پر دورانِ خون کو تیز کرنا پڑتا ہے۔ جس سے وہاں کی سوزش رفع ہو جاتی ہے۔ یاد رکھیں کہ محلل ادویہ انتہائی قسم کی خشک یا گرم خشک یا گرم تر ہوں گی۔

ایک راز کی بات

یہ صحیح ہے کہ ذکاوت حس اعصابی تحریک ہے مگر اس اعصابی تحریک کا دباؤ زیادہ تر جنسی اعضاء کے اعصاب پر ہوتا ہے۔ جس سے منی کا اخراج جاری رہتا ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے سر میں دباؤ ہو تو دردِ سر عصبی، ناک پر دباؤ ہو تو زکام، گردوں پر دباؤ ہو تو پیشاب میں زیادتی اور اگر آنتوں کے اعصاب پر دباؤ ہو تو اسہال شروع ہو جاتے ہیں۔ جاننا چاہئے کہ اعصاب تو سر سے پاؤں تک پھیلے ہوئے ہیں۔ تحریک کم و بیش ہر جگہ ہوتی ہے، لیکن تکلیف وہاں زیادہ ہوتی ہے جہاں پر اس کا دباؤ زیادہ ہوتا ہے۔

ماحول کا بدلنا

جریان اکثر انہی لوگوں میں دیکھا گیا ہے جن کا ماحول جنسی تحریکات سے بھرا ہوا ہو۔ اس میں بچہ و جوان، ادھیڑ و بوڑھا، عورت و مرد اور نیک و بد کی تخصیص نہیں ہے۔ یہاں تک کہ مولوی اور پیر کوئی بھی ہو جب جنسی ماحول ہوگا تو اس پر جنسی تحریکات کا ضرور اثر ہوگا۔ اس اثر کو

روکنا انسانی اختیار میں نہیں ہے۔ کیونکہ حسن وخوبصورتی، لذت ولطف اور عشق ومحبت کے اثرات انسانی اعصاب پر اثر انداز ہو کر دِل اور عضلات کے افعال میں تیزی پیدا کر دیتے ہیں جن سے دورانِ خون میں تیزی آ جاتی ہے جو جنسی اعضاء کی طرف دوڑتا ہے جس سے وہاں پر تحریک شروع ہو جاتی ہے۔ اس لئے جن لوگوں کو جریان ہو ان کو جنسی اثرات سے دور رہنا چاہئے۔ خاص طور پر عشقیہ قصے اور داستانیں، رقص وسرود اور عریاں وجنسی تصاویر کا دیکھنا بے حد نقصان دہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سلام نے مرد وعورت کو ایک دوسرے کے حلقے میں شریک ہونے سے روکا ہے۔ لیکن فرنگی تہذیب نے یہ تمیز ختم کر دی ہے۔ جس سے آتشک اور سوزاک جیسے موذی امراض پیدا ہو کر نقصان کا باعث بن رہے ہیں۔ اس لئے جریان کے علاج سے قبل مریض کا ماحول بدلنا ضروری ہے۔

غذا کی صحیح ترتیب

جریان کے مریض میں اوّل تو غذا کی تبدیلی کی ہی نہیں جاتی۔ اگر کچھ کی جاتی ہے تو ٹھنڈی اغذیہ واشربہ پر زور دیا جاتا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ایسی چیزیں نہ صرف مرض کو بڑھا دیتی ہیں بلکہ اکثر بدہضمی کا باعث ہوتی ہیں۔ اس کا طریق کار یہ ہے کہ مریض کو تاکید کریں کہ غذا وقت پر کھائے، غذا کا درمیان وقفہ کم از کم چھ گھنٹے ہو، اگر صبح شام کھائے تو زیادہ بہتر ہے اور اگر اتنے وقفہ کے بعد بھی شدید بھوک نہ ہو تو غذا کو دوسرے وقت پر چھوڑ دے۔ غذا میں صبح مکھن کے ساتھ ڈبل روٹی، دوپہر کو بھوک ہو تو کوئی پھل اور رات کو دلیہ، ڈبل روٹی وغیرہ کسی سالن کے ساتھ دے دیا کریں۔ جس میں گھی زیادہ ہو۔ کیونکہ جسم میں خشکی ہو تو اعصاب کی سوزش میں شدت ہو جاتی ہے۔ گھی ہی ایک ایسی شے ہے جس سے تحریکات وذکاوت بلکہ سوزش تک ختم ہو جاتی ہے۔

علاج جریان بلا ادویہ

جریان کے علاج میں ذکاوت حس کا رفع کرنا ضروری ہے جس سے جوش باہ میں کمی واقع ہو جاتی ہے لیکن یہ کمی عارضی ہوتی ہے بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ کمی نہیں ہوتی اور جوش میں بھی شدت ہوتی ہے۔ اس میں کمی آ جاتی ہے اور جسم میں اعتدال قائم ہو جاتا ہے۔ اس مقصد کے لےء اکثر قاطع باہ اور منی کو خشک کرنے والی ادویات استعمال کی جاتی ہیں۔ یہ اصول تو صحیح ہے لیکن جب ادویات کا استعمال کیا جاتا ہے تو اس اصول کو مدنظر رکھتے ہوئے ایسی غلط ادویات استعمال کر دی جاتی ہیں جو فائدے کے بجائے نقصان کا باعث بن جاتی ہیں۔ یعنی قوت باہ میں تو کمی آ جاتی ہے مگر جریان بڑھ جاتا ہے۔ جیسے کشنیز، کاہو، کاسنی، نیلوفر، صندل، خشخاش، چہار مغز، افیون اور کافور وغیرہ۔ اسی طرح غذاؤں میں کدو، ٹنڈا، توری، شلغم، مولی گاجر وغیرہ کا استعمال جوش باہ کو کم کر دیتا ہے۔ اس مقصد کے لئے ایسی ادویات ہونی چاہئیں جو برودت کے ساتھ اپنے اندر کچھ حبس اور خشکی کی طاقت بھی رکھتی ہوں۔

ایک راز کی بات

جریان منی کے بہت سے اسباب ہیں جیسا کہ گزشتہ صفحات میں تفصیل سے بیان کر دیئے گئے ہیں۔ لیکن اگر صحیح دوا اور غذا کا استعمال کیا جائے تو اسی کے ساتھ ذکاوت حس اور دیگر اسباب خود بخود دور ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ تمام اسباب کا مرکزی اثر اعصاب پر اور جنسی اعصاب میں سوزش کا پیدا ہونا ہوتا ہے اور علاج میں اعصاب کی اس سوزش کو رفع کرنا ہوتا ہے جو ان ادویات اور اغذیہ سے وہاں تحلیل ہو کر رفع ہو جاتی ہے۔ اس مقصد کے لئے مفرد ومرکب ادویات اور مجربات واغذیہ درج ذیل ہیں۔

جریان کے لئے مفرد ادویہ

آملہ، اسپند، اقاقیا، تخم املی سوختہ، پھلی اور گل کیکر، شیر برگد، بوپھلی، بہمن سرخ، بلیلہ، پیپل، پھٹکڑی، چاکسو، سلاجیت، سم الفار، طباشیر، عناب، کتھ، کرنجوہ، کلونجی، مازو، مائیں، ہیراکسیس اور ہلیلہ۔ یہ سب ادویہ عضلاتی اعصابی ہیں۔

جریان کے لئے کشتہ جات

کشتہ فولاد، کشتہ سرب، کشتہ الماس، کشتہ توتیا، کشتہ جست، کشتہ یاقوت، کشتہ خبث الحدید، کشتہ مرجان، کشتہ قلعی اور کشتہ چاندی وغیرہ۔ یہ سب عضلاتی اعصابی کشتہ جات ہیں۔ ان میں صرف طاقت کی کمی بیشی کا فرق ہے۔

جریان کے لئے اغذیہ

آڑو، امرود سرخ، مکی، باجرہ، باقلا، جامن، جوار، سنگھاڑا، سیب، شکر قندی، نارجیل اور چنا۔

جریان کے لئے گرم مفردات

اگر ضرورت ہو تو گرم ادویات بھی جریان کے لئے استعمال ہو سکتی ہیں۔ لیکن ان ادویہ میں خشکی ان کی گرمی سے زیادہ ہونی چاہئے۔ جیسے اذراقی، اسطوخودوس، انڈا، اندرائن، پیاز وتخم پیاز، جاوتری، چنا، خرما، کشتہ خرمہرہ، خولنجاں، دارچینی، مروارید، کندر پھل، عقرقرحا اور لونگ وغیرہ یہ سب عضلاتی غدی ہیں۔

جریان کے لئے مجربات

تحقیقات طبی فارماکوپیا میں جتنے بھی عضلاتی اعصابی اور عضلاتی غدی مرکبات اور مجربات دیئے گئے ہیں وہ سب جریان منی کے لئے یقینی وبے خطا اور تریاق واکسیر ہیں۔ اسی طرح تحقیقات المجربات میں جو نسخے جریان کے لئے لکھے گئے ہیں وہ سب بے حد مفید ہیں۔ ہمارے نسخہ جات ومرکبات اور مجربات کی یہی سب سے بڑی خوبی ہے کہ وہ سو فیصدی صحیح ہیں۔ البتہ مریضوں کو اپنی غذا اور ماحول کو درست رکھنا چاہئے۔ ان کے علاوہ ذیل میں چند مجربات درج کئے جاتے ہیں۔

سفوف جریان

نسخہ: ثعلب مصری ۲ چھٹانک، مغز تخم تمر ہندی سوختہ تین چھٹانک، آزو، سنگھاڑا تین تولے۔

ترکیب: باریک پیس کر ملالیں، بس تیار ہے۔

مقدار خوراک: ایک ماشہ سے تین ماشہ تک دن میں دو تین بار آب تازہ سے لیں۔

حبوب جریان

نسخہ: سم الفار ایک ماشہ، کشتہ فولاد دو تولے اور سلاجیت اصلی نو تولے۔

ترکیب تیاری: اوّل سم الفار کو کھرل میں ڈال کر کھرل کریں۔ پھر اس میں تھوڑا تھوڑا کشتہ فولاد ڈال کر کھرل کریں۔ جب تمام کشتہ ختم ہو جائے تو پھر سلاجیت اسی طرح کھرل کر کے ملالیں اور گولیاں بقدر دانہ نخود بنائیں۔

مقدار خوراک: ایک گولی صبح اور ایک گولی شام فوراً بعد از غذا ہمراہ چائے یا دودھ استعمال کریں۔ جریان کے علاوہ مولد ومقوی خون وجسم ہے۔

مٹھائی جریان

نسخہ: پستہ ایک پاؤ، اخروٹ تین پاؤ، ناریل چار پاؤ اور مربہ سیب آٹھ پاؤ۔

ترکیب تیاری: پہلے تینوں میوہ جات کو باریک کر کے ملالیں، پھر مربہ باریک کر کے ان میں ملالیں۔ بس تیار ہے۔

مقدار خوراک: ایک تولہ سے تین تولہ تک صبح ناشتہ کے ساتھ اور رات کو غذا کے ساتھ کھائیں۔

اکسیر جریان

نسخہ: کشتہ چاندی، کشتہ یاقوت، کشتہ مرجان، ہر ایک ڈیڑھ ڈیڑھ تولہ۔

ترکیب تیاری: سب کو ملا کر کم از کم نصف گھنٹہ کھرل کریں۔ بس تیار ہے۔

مقدار خوراک: ڈیڑھ رتی سے تین رتی تک، منقیٰ میں ڈال کر کھالیں۔ دن میں دو خوراکیں لے سکتے ہیں۔

تریاق جریان

نسخہ: خولنجاں دو تولے، رائی تین تولے، کلونجی تین تولے۔

ترکیب تیاری: تمام ادویات کو باریک کر کے باہم ملالیں۔ بس تیار ہے۔

مقدار خوراک: دو ماشے سے چار ماشے تک صبح وشام ہمراہ دودھ یا چائے استعمال کریں۔ جریان کے علاوہ مقوی خون اور مقوی بدن بھی ہے۔ مردی طاقت کے لئے کامل بھروسے کا نسخہ ہے۔

احتلام

ماہیت احتلام

احتلام عربی لفظ ہے۔ اس کا مادہ حلم ہے، جس کے معنی خواب دیکھنا یا خواب میں جنسی لذت حاصل کرنا ہے۔ چاہے اس کی کوئی بھی صورت ہو۔ اس میں مباشرت و اغلام اور جلق و حظ شدید وغیرہ شامل ہیں۔ عوام میں یہ بدخوابی، خواب میں شیطان آنا یا خواب میں کپڑے خراب ہونا بھی کہتے ہیں۔ انگریزی میں نا کٹرنل ایمیشن کہتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ نیند کی حالت میں جب منی اور اس کے اعضاء کا جسم پر دباؤ کا غلبہ ہوتا ہے تو طبیعت جنسی جذبہ کو پیش کر دیتی ہے۔ جس سے جنسی جذبہ میں اس قدر شدت پیدا ہو جاتی ہے کہ انسان بے قابو ہو جاتا ہے اور اس کا انزال ہو جاتا ہے اور یہ اخراج منی بلا ارادہ ہو جاتا ہے۔ اس وقت انسان عام طور پر چت لیٹا ہوا ہوتا ہے۔ اس لئے احتلام خواب کی حالت میں اخراج منی کو کہتے ہیں۔ لیکن اکثر نیم خوابی کی حالت ہوتی ہے۔

سونے والے شخص نے خواب میں دیکھا ہے کہ وہ اپنی بیوی سے جذبات محبت میں مشغول ہے یا حظ ولذت کے جذبہ شدید میں مبتلا ہے۔ پھر ایسی حالت میں اس کو بے اختیار اور بلا ارادہ انزال ہو جاتا ہے۔ احتلام کے متعلق بعض اطباء اور ڈاکٹروں میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض کی یہ رائے ہے کہ یہ خواب میں انتہائی حظ ولذت اور شدت جذبہ کا نتیجہ ہے۔ لیکن اکثر کی یہ رائے ہے کہ چونکہ اس میں مادہ منی کا نقصان

ہے اس لئے یہ مرض کسی مرض کی علامت میں شریک ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اگر احتلام گاہے گاہے ہو جو مادہ منی کے دباؤ سے ہو جاتا ہے تو کوئی بات نہیں۔ اس کی کثرت ضرورت علامت مرض ہے۔ اسی طرح وقفوں اور تعداد میں بھی اختلاف ہوتا ہے۔ بعض کو ہر شب، ہر ہفتہ یا ہر ماہ میں ایک بار احتلام ہو جاتا ہے۔ تو اس کا نقصان بھی بڑھتا جاتا ہے اور طبیعت پریشان رہنے لگتی ہے۔ اس لئے جب احتلام میں کثرت ہو جائے اور جسم میں ضعف پیدا ہونا شروع ہو جائے جس کے ساتھ پریشانی بھی شریک ہو تو ضرور اس کے علاج اور مداوا کی طرف توجہ کرنی چاہئے۔ ورنہ نقصان کا خطرہ ہے۔

احتلام کی شدید صورت

• رات کے احتلام کی طرح اگر کبھی کبھار دن میں بھی احتلام ہو جائے تو یہ بھی کسی مرض کی علامت میں شامل نہیں بلکہ وقتی طور پر ذہنی یا منی کا جسم پر دباؤ ہے۔ لیکن یہ رات کی طرح دن میں بھی کثرت اختیار کر لے تو یہ ایک خطرناک صورت ہے۔ دن میں احتلام کی صورت دراصل احتلام شبینہ کی ترقی یافتہ صورت کا نام ہے۔ اس کو عربی میں ذرور اور انگریزی میں ابرنلی پولیوشن کہتے ہیں۔

اس کی صورت یہ ہے کہ پہلے رات کو انزال ہونا شروع ہوتا ہے۔ پھر رفتہ رفتہ شدت اختیار کر کے آلاتِ منی پر قبضہ کر لیتا ہے اور وہ آلات ایسے ذکی الحس ہو جاتے ہیں کہ دن بھی ادنیٰ ادنیٰ سے خواب میں تحریک پر احتلام ہو جاتا ہے۔ پھر کباۃ المنی ایسے کمزور ہو جاتے ہیں کہ فوراً اپنے مادہ کو باہر نکال دیتے ہیں۔

احتلام کی خطرناک صورت

جب احتلام کی حالت زیادہ شدت اختیار کر لیتی ہے تو خطرناک صورت پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ احتلام کی تیسری صورت ہے۔ اس میں آلاتِ منی بہت زیادہ ذکی الحس ہو جاتے ہیں اور منی انتہائی طور پر رقیق ہو جاتی ہے۔ اس میں غلظت نہیں رہتی۔ مثل پانی کے ہو جاتی ہے۔ خواہ نعوظ ہو خواہ نہ ہو۔ ذرا سی تحریک سے اخراج پا جاتی ہے۔ اور بعض وقت پاخانہ پھرتے وقت ذرا سا زور لگایا جائے تو منی فوراً باہر آ جاتی ہے۔ کبھی سوزش کے ساتھ اور کبھی بلا سوزش خارج ہو جاتی ہے۔ یہ صورت انتہائی نقصان دہ ہے۔

اگر ایسی حالت میں منی کا کیمیاوی امتحان کیا جائے تو اس میں دانہ ہائے منی کم ہو جاتے ہیں اور حوینات منی بہت کم ہو جاتے ہیں اور اکثر حوینات (کرم منی) کی دم نہیں ہوتی۔ صرف سر ہی نظر آتے ہیں۔ بقیہ دم والے حوینات کا ہونا منی کے خام ہونے پر دال ہے۔ اس لئے اس سے نطفہ قرار نہیں پا سکتا اور بعض اوقات اس میں خون کے نقطے نظر آتے ہیں۔ جب ایک عرصہ تک یہی حالت رہتی ہے تو خصیوں میں سوزش واقع ہو جاتی ہے اور اس کی ساخت خراب ہو جاتی ہے۔

احتلام کے اسباب

امتلائے منی، سوزش و خراش آلاتِ مخصوصہ، فاسد خیالات کا غلبہ، مجرد رہنا، موسیقی و نغمہ اور رقص و سرود میں زیادہ مشغول ہونا۔ جذباتی ناول اور افسانے پڑھنا، اکثر چت یا اوندھا سونا، بھوک کے بغیر کھانا، قبض، بدہضمی، پیٹ میں کیڑے، ان میں بعض اسباب وقتی ہوتے ہیں اور جب وہ ختم ہو جاتے ہیں تو احتلام ختم ہو جاتا ہے۔ اور جب پھر یہ اسباب پیدا ہو جاتے ہیں تو احتلام شروع ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر کوئی عارضی سبب مسلسل رہے تو احتلام دائمی صورت اختیار کر کے باعث مصیبت بن جاتا ہے۔ عارضی اسباب میں شکم سیری، نرم بستروں پر سونا اور سوتے میں مثانہ کا پیشاب سے پر رہنا خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ رات کو دیر سے سونا بھی احتلام کے اسباب میں شامل ہوتا ہے۔ کثرت

مباشرت اور اکثر حظ ولذت کے ماحول میں رہنا۔

علاماتِ احتلام

مذکورہ بالا صورتوں کے علاوہ ضعیف ونقاہت کے آثار مثلاً کمزوری، دماغی محنت کا نہ ہوسکنا، خیالات کا منتشر رہنا، توجہ کا کسی خاص امر پر مجتمع نہ ہونا، تھوڑی دور آنے جانے پر پنڈلیوں کے عضلات میں کمزوری کی علامات کا پایا جانا، صبح کے وقت بستر خواب سے بیدار نہ ہونا، سر کا بوجھل رہنا، نسیان کا لاحق ہو جانا۔ جب یہ علامات زیادہ ترقی کر جاتی ہیں تو انتہائی علامات کے نام سے موسوم ہوسکتی ہیں۔ مثلاً کوئی کام محنت کا مریض سے نہیں ہوسکتا۔ کسی قسم کی محنت ہو، دماغی یا جسمانی، تھوڑا سا کام کرنے پر وہ بے دم ہو کر رہ جاتا ہے۔ سلسلہ خیالات درست نہیں رہتا۔ اس کے خیالات پریشان اور غیر منظم ہوتے ہیں۔ حافظہ کمزور اور قوت فیصلہ بے کار ہو جاتی ہے۔ سر میں گاہے درد اور گاہے گرانی رہتی ہے۔ کمر اور چہرہ وسینہ میں اکثر عصبی درد رہا کرتا ہے۔ کھانا ہضم نہیں ہوتا۔ ڈکاریں آتی ہیں اور نفخ ہو جاتا ہے۔ نیند نہیں آتی اور اگر آتی ہے تو اس سے کوئی راحت معلوم نہیں ہوتی ہے۔ خوابیں متوحش آتی ہیں، پیشاب میں فتور واقع ہو جاتا ہے، مقعد وحشفہ اور احلیل میں جلن معلوم ہوتی ہے، ریڑھ پر چیونٹیاں سی چلتی ہوئی معلوم ہوتی ہیں۔ رانوں اور جنگاسوں کے عضلات میں درد، پنڈلیوں میں درد اور سماعت میں ثقل معلوم ہوتا ہے۔ جلد کا رنگ سیاہی مائل زرد ہو جاتا ہے۔ انثیین میں دھیما دھیما درد ہوتا ہے۔ وقت تنفس، مزاج چڑ چڑا، آلات تناسل کی کمزوری، مریض دن بدن لاغر وکمزور ہوتا چلا جاتا ہے۔ پاؤں کے تلوے جلا کرتے ہیں۔ جن کے نتیجے میں کمزوری، بزدلی، سوزش، ناامیدی، بطلان باہ، ضعف بصارت، ضعف ہضم، دردمعدہ، دردسر۔ کبھی سل، مرگی، نامردی اور جنون تک حالت پہنچ جاتی ہے۔

احتلام بہ نظریہ مفرد اعضاء

احتلام عضلات کی تحریک سے پیدا ہوتا ہے۔ جس طرح جریان اعصابی تحریک سے اور سرعت انزال غدی تحریک سے پیدا ہوتے ہیں۔ اکثر حکماء واطباء اور فرنگی ڈاکٹر احتلام وجریان اور سرعت انزال کو منی کا غیر معمولی اخراج خیال کرتے ہوئے ان تینوں کا علاج ایک ہی طریق اور ایک ہی قسم کی ادویات سے کرتے ہیں۔ جن میں مبردات ومسکنات اور مخدرات شامل ہوتی ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ تینوں مختلف علامات ہیں جو مختلف اعضاء میں تحریک اور سوزش سے پیدا ہوتی ہیں۔ اس لئے ہر ایک کا علاج بالکل ایک دوسرے سے مختلف ہے جیسا کہ ہم نے اس کتاب میں ہر ایک کا الگ الگ علاج لکھا ہے۔

احتلام کی ابتداء معدہ کے عضلات کی تیزی اور تحریک سے شروع ہوتی ہے۔ پھر وہاں سوزش کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ جب اس میں شدت پیدا ہو جاتی ہے تو اس کا اثر دل اور جسم کے دیگر عضلات تک پہنچ جاتا ہے اور انتہائی حالت میں دماغ کے عضلاتی پردے میں سوزش کی صورت پیدا ہو جاتی ہے جس سے تمام جسم میں ذکاوت شدت اختیار کر لیتی ہے اور ذرا سی بھی عضلاتی تحریک جسمانی ہو یا ذہنی، برداشت نہیں کرسکتی۔ جس کا نتیجہ اخراج منی اور احتلام ہوتا ہے۔

اصول علاج

مرض کی شدت اور مریض کی حالت کے مطابق علاج ہونا چاہئے۔ بعض دفعہ مرض کی شدت اور مریض کی بے چینی بے حد پریشانی کا باعث بن جاتی ہے اور بعض دفعہ بہت سے اسباب اکٹھے ہو جاتے ہیں جن کا فوری طور پر رفع کرنا مشکل ہوتا ہے اور بعض دفعہ مختلف اسباب

پیش آ جاتے ہیں۔ان کے علاج میں کسی میں کمی اور کسی میں زیادتی ہو جاتی ہے۔ اکثر ایک سے زیادہ ہی اسباب اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ اگر اسباب مرض میں ایک اکیلا ہی سبب مرض کا باعث ہے تو جلد آرام ہوگا۔ بعض مرتبہ ایک اصلی سبب ہوتا ہے اور کئی اسباب اس کے مدد ومعاون ہو جاتے ہیں اور مرض کو ترقی دیتے ہیں۔ پھر ان اسباب میں سے بعض بہ آسانی رفع ہونے والے ہوتے ہیں۔ بعض کا دور کرنا کچھ دشوار ہو جاتا ہے۔ بعض اسباب ایسے ہوتے ہیں کہ ان کو دور کرنا فقط مریض کے اختیار میں ہوتا ہے۔ اگر وہ خود کو ان سے ہٹانا چاہے تو ہٹا سکتے ہیں۔ ورنہ وہ کسی صورت نہیں ہٹ سکتے اور معالج کی کوئی تدبیر وغذا اور دوا کام نہیں کرسکتی۔ البتہ ایسے موقع پر مریض کو سچی ہمدردی کے ساتھ ذرا ترش روئی اور سختی سے تاکید اًبتاییئے کہ اگر اس نے مرض رفع کرنے کی کوشش نہ کی تو آئندہ ایسی خوفناک صورت حال اور امراض پیدا ہو جائیں گے کہ زندگی عذاب بن جائے گی اور جب تک وہ معالج کی مرضی کے مطابق یقین دلائے اس وقت تک وہ علاج سے انکار کردے۔ یہ علاج کی کامیابی کے لئے اوّلین قدم ہے۔

اس حقیقت کو مدنظر رکھیں کہ اگر امتلائے منی باعث مرض ہے تو باقاعدہ زندگی اور شادی سے جلد آرام ہو جاتا ہے۔ اگر مرض کا سبب عضلاتی سوزش اور خراش ہو تو اس صورت میں علاج سے جلد آرام ہوسکتا ہے۔ لیکن اگر جلق واغلام اور کثرت مجامعت باعث مرض ہو تو آرام ہوسکتا ہے۔ مگر مریض ومعالج دونوں کو کوشش کرنا پڑتی ہے۔

علاج کے لئے مریض کا ماحول فوری طور پر بدل دینا چاہئے۔ لطف ولذت اور حظ کی صورتیں قطعاً بند کردینی چاہئیں۔ عشق ومحبت کے سلسلے روک دینا چاہئیں۔ بلکہ دوستوں کی صحبت خصوصاً جذباتی قسم کے دوستوں سے بالکل دور رہنا چاہئے۔ اخلاقی قدروں کو مدنظر رکھنا چاہئے اور مذہبی تعلیم پر صالح طور پر گامزن ہو جانا ضروری ہے۔ صبح کے وقت جلدی اٹھنا، نہانا، جسمانی اور ذہنی طور پر پاک وصاف رہنا اور اکثر اوقات اپنے کام میں مشغول رہنا چاہئے۔ روزانہ صبح وشام اس قدر ورزش اور محنت کرے کہ تھکن کے بعد آرام اور نیند کے لئے طبیعت مجبور کردے۔ جب آنکھ کھل جائے تو فوراً اُٹھ بیٹھنا چاہئے۔ لیٹے رہنا نقصان کا باعث ہوتا ہے۔ ان کے علاوہ خیالات کی پاکیزگی لازمی جزو ہے۔

غذائی علاج

مریض کو غذا سے اس وقت تک دور رکھنا چاہئے جب تک اس کو شدید بھوک نہ لگے۔ ایسی صورت میں صرف پھل دیتے رہنا چاہئے۔ پھلوں کے جوس بھی دے سکتے ہیں۔ جہاں پر پھل ملنے مشکل ہوں وہاں پر تازہ دودھ پلایا جاسکتا ہے۔ جب بھوک میں شدت ہو تو صبح کی غذا میں مکھن اور دودھ یا چائے، مغز بادام، پیس کر اور مکھن میں ملا کر بھی دے سکتے ہیں۔ اگر بھوک زیادہ ہو تو ڈبل روٹی مکھن یا گھی میں تر بہ تر کھا کر دودھ یا چائے پی سکتے ہیں۔ دلیہ گھی میں تر بہ تر نمکین یا میٹھا کھا کر دودھ یا چائے پی سکتے ہیں۔ دوپہر کو صرف سالن ترکاری اور پھل، اگر بھوک شدید ہو تو روٹی چاول بھی کھا سکتے ہیں۔ رات کو دودھ یا چائے میں مکھن یا گھی ملا کر پلا دیا کریں۔ اگر بھوک زیادہ ہو تو برفی یا دودھ کی کوئی مٹھائی کھلا کر دودھ پلا سکتے ہیں۔ دوپہر اور رات کو بھی پھل دیئے جاسکتے ہیں۔

علاج بالمفرد ادویہ

نمک، بادیان، سنا مکی، زنجبیل، کشنیز، گھی، روغن زیتون، دنبہ کی چکی، گوشت کا شوربا، مچھلی، انگور، تل، اسپغول، تخم کاسنی، تخم کدو شیریں، توری، تخم توری، تخم مولی، نمک مولی، تخم گاجر، ملٹھی، ستاور، خولنجاں، ست گلو، ریوند چینی، فلفل سیاہ، فلفل دراز، ہلدی، دارچینی، گندھک۔

پارہ، ریٹھا، شنگرف، زیرہ سیاہ، زیرہ سفید، اتیس، چرائتہ، ریوند عصارہ، شہد، چینی، دودھ، بالائی، مکھن، انزروت، لفاح اور لہسن وغیرہ وغیرہ۔

علاج بالمرکبات

تحقیقات فارما کوپیا میں جس قدر غدی عضلاتی اور غدی اعصابی مرکبات درج ہیں وہ ضرورت کے مطابق استعمال کئے جا سکتے ہیں۔ یعنی جسم میں حرارت کی کمی ہو تو غدی عضلاتی مرکبات کا استعمال کریں۔ بلکہ اگر ضرورت محسوس ہو تو کچھ غدی اعصابی بھی دے سکتے ہیں۔ تاکہ رطوبت پورے طور پر ختم ہو کر مکمل حرارت پیدا ہو جائے۔

جب جسم میں خشکی کا اثر زیادہ محسوس ہو تو غدی اعصابی کا استعمال کرائیں۔ البتہ ہر صورت میں قبض وادرار اور شدت مرض کا اندازہ کرلیں۔ یعنی اگر قبض ہو تو اس کو بھی ملین یا مسہل غدی عضلاتی دیں اور اگر پیشاب میں خرابی یا جلن وغیرہ ہو تو غدی اعصابی ملین یا مسہل دیں۔ اسی طرح جو نسخے تحقیقات المجربات میں درج ہیں وہ بھی استعمال کئے جا سکتے ہیں۔ سب اپنی جگہ بے حد مفید اور یقینی و بے خطر مجربات ہیں۔ ذیل میں چند خصوصی مجربات درج کئے جاتے ہیں۔ جو ضرورت اور تحریک کے مطابق استعمال کئے جا سکتے ہیں۔

۱۔ سفوف احتلام

ھوالشافی: نمک خوردنی ایک حصہ، سنا کی تین حصے، باریک کر کے سفوف بنالیں۔

مقدارِ خوراک: چار رتی سے ایک ماشہ تک دن میں دو تین یا چار بار استعمال کریں۔ یہ نسخہ غدی اعصابی ملین ہے۔

۲۔ حبوب احتلام

ھوالشافی: تخم مولی دو حصے، ریوند خطائی چار حصے، انزروت دو حصے، باریک کر کے گولیاں بقدر نخود بنالیں۔

مقدارِ خوراک: ایک ایک گولی دن میں تین چار بار ہمراہ آب تازہ دیں۔ غدی اعصابی شدید ہے۔

۳۔ مصالحہ احتلام

ھوالشافی: فلفل سیاہ ڈھائی حصہ، الائچی خورد آدھا حصہ، زیرہ سیاہ 6 حصے سفوف بنالیں۔ بس تیار ہے۔

مقدارِ خوراک: ایک ماشہ سے تین ماشہ تک۔ غدی اعصابی شدید ہے۔

۴۔ تریاق احتلام

ھوالشافی: گندھک اور ریٹھا دونوں ہم وزن باریک پیس کر بقدر نخود حبوب تیار کریں۔

مقدارِ خوراک: ایک ایک گولی دن میں دو تین بار یا چار بار بھی لے سکتے ہیں۔ ایک ایک خوراک میں دو دو گولیاں بھی لے سکتے ہیں۔ یہ غدی اعصابی تریاق ہے۔

۵۔ اکسیر احتلام

ھوالشافی: شنگرف ایک حصہ، نوشادر تین حصے، سہاگہ دو حصے، کشنیز پانچ حصے، ملٹھی پانچ حصے، باریک پیس کر سفوف تیار کرلیں۔

مقدارِ خوراک: ایک ماشہ سے چھ ماشہ تک ہمراہ آب تازہ نیم گرم استعمال کریں۔ یہ نسخہ غدی اعصابی اکسیر ہے۔

۶۔ حلوہ احتلام

ھوالشافی: مغز بادام ایک چھٹانک رات کو بھگو رکھیں۔ صبح کو چھیل کر باریک کر کے چینی ملا لیں۔ پھر کسی برتن میں مناسب گھی ڈال کر گرم کریں۔ جب گھی گرم ہو جائے تو اُتار کر اس میں بادام ڈال کر ملا لیں۔

مقدارِ خوراک: 6 ماشے سے روزانہ صبح ناشتہ کریں۔ یہ نسخہ بھی غدی اعصابی مقوی ہے۔

سرعت انزال

سرعت انزال کی ماہیت

مردانہ قوت میں ضعف کا چوتھا سبب سرعت انزال ہے جو ایک ایسی علامت ہے جس سے مباشرت میں قبل از وقت (طبعی مدت سے قبل) انزال ہو جاتا ہے۔ جاننا چاہئے کہ انزال کی دو صورتیں ہیں: (۱) طبعی انزال (۲) غیر طبعی انزال۔

۱۔ طبعی انزال

مباشرت میں انزال کی طبعی مدت عام طور پر دو تین منٹ سے پانچ منٹ تک ہو سکتی ہے یا زیادہ سے زیادہ دس منٹ تک ہو سکتی ہے۔ چونکہ مباشرت کا اصل مقصد اولاد پیدا کرنا یا زیادہ سے زیادہ صحت کے لئے اخراج منی کرنا ہے۔ اس لئے تندرست انسان کے لئے یہ مدت بہت کافی ہے۔ اس سے زیادہ مدت کے طلب گار لذت اور حظ کے خواہش مند ہیں جس کا تعلق صحیح زندگی سے نہیں ہے۔

۲۔ غیر طبعی انزال

غیر طبعی انزال کی بھی دو حالتیں ہیں:

اوّل صورت: طبعی مدت سے پہلے انزال ہو جائے یعنی مباشرت میں دخول کے ساتھ ہی فوراً منی کا اخراج ہو جائے یا دخول سے پیشتر ہی انزال ہو جائے یا مباشرت کے خیال یا خوبصورت شکل دیکھنے کے ساتھ ہی انزال ہو جائے۔ یہی صورت سرعت انزال میں شمار کی جاتی ہے۔ یہی قابل علاج ہے۔ یہی بڑھ کر ضعف باہ پیدا کر دیتی ہے۔ دوسرے اس علامت سے اکثر اولاد نہیں ہوتی۔ تیسرے اس خرابی سے عورت کی تسلی نہیں ہوتی اور اس کو مرد سے نفرت ہو جاتی ہے۔ جس سے اکثر خانہ خراب یا خانہ برباد ہو جاتا ہے۔

دوسری صورت: طبعی مدت سے بہت دیر بعد انزال ہو۔ یہ صورت کسی مرض کی وجہ سے ہو یا کسی غذا اور دوا کے ساتھ یا الٹی پلٹی حرکات کرنے سے مدت انزال کو طول دے دیا جائے یعنی پندرہ بیس منٹ سے نصف گھنٹہ تک بڑھا لیا جائے تاکہ مباشرت کی لذت سے زیادہ سے زیادہ لطف حاصل کیا جا سکے۔ لیکن یاد رکھیں کہ پہلی صورت کی طرح دوسری صورت بھی سخت نقصان دہ ہے۔ اس سے اوّل اعضائے منویہ میں ضعف، دوسرے مادہ منویہ کی پیدائش میں کمی پیدا ہو جاتی ہے۔ تیسرے عضو مخصوص میں استرخار، چوتھے فالج کا خطرہ پیدا ہو جاتا ہے، اتنی مدت مسلسل حرکات کرنے سے عورت کے رحم میں ورم ہو جاتا ہے، چھٹے جریان خون شروع ہو جاتا ہے۔ آخر عورت کے اعضائے مخصوصہ گوشت اور اعصاب کے بنے ہوتے ہیں وہ کس حد تک چوٹیں برداشت کر سکتے ہیں۔

امساک کی صورتیں

امساک کی بہترین صورت تو یہ ہے کہ انسان تندرست ہو اور اس کی مدت انزال طبعی ہو۔ اگر ایسی صورت نہ ہو تو اپنی صحت کو درست کر کے مدت انزال کو طبعی کر لینا چاہئے۔ جس کے لئے مناسب اغذیہ وادویہ کا استعمال ہونا چاہئے۔ لیکن ہوتا یہ ہے کہ اکثر لوگ افیون، بھنگ اور چرس و دھتورہ وغیرہ استعمال کرتے ہیں۔ جن سے آخر کار قوت مردمی برباد ہو جاتی ہے۔ اس لئے ان اشیاء اور دیگر مخدرات سے دور رہنا ہی بہتر ہے۔ زیادہ امساک اور لذت کی خواہش نہ کریں، بلکہ اپنی ضرورت کو مدنظر رکھیں۔ جو اچھی صحت سے ہی حاصل ہو سکتی ہے۔

یاد رکھیں کہ یہ خیال غلط ہے کہ زیادہ امساک سے عورت کو زیادہ خوشی اور تسلی ہوتی ہے بلکہ اس کے خلاف عورت کو تکلیف ہوتی ہے جس سے وہ مباشرت سے دور ہو بھاگتی ہے اور برا مناتی ہے۔

بعض لوگ امساک کے لئے الٹی پلٹی حرکات بھی کرتے ہیں: (۱) مباشرت کے وقت اپنی توجہ کو دوسری طرف لگانے کی کوشش کرتے ہیں یا حرکات کی گنتی شروع کر دیتے ہیں۔ اس سے ایک طرف اپنی توجہ بدلتے ہیں اور دوسری طرف عورت پر یہ تاثر بٹھاتے ہیں کہ وہ اس قدر قوت کے مالک ہیں۔ (۲) مباشرت کے وقت جب انزال کے قریب پہنچ جاتے ہیں تو اپنی حرکات روک دیتے ہیں یا عضو مخصوص کو باہر نکال کر تسکین حاصل کرتے ہیں۔ پھر حرکت شروع کر دیتے ہیں اور پھر تسکین وغیرہ کی صورت سے امساک کی صورتیں پیدا کرتے ہیں۔ (۳) مباشرت کے وقت اپنے پاؤں سے مقعد پر دباؤ ڈال کر اپنی توجہ بدل کر امساک کی حالت قائم کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ (۴) مباشرت میں ایک بار انزال کے بعد دوبارہ مباشرت سے ایک لمبا عرصہ حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

یاد رکھیں کہ ایسی تمام صورتیں عورتوں خصوصاً دلہنوں (نو واردان چمن) پر ظلم ہے جو مباشرت کی حقیقت کو نہیں جانتیں۔ جس سے وہ رحم کے مشکل اور پیچیدہ امراض میں مبتلا ہو جاتی ہیں۔ جن کا نتیجہ اولاد سے محرومی یا تپ دق و سل کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے اور لذت و حظ کے دیوانے بالآخر مفلوج یا پاگل ہو جاتے ہیں۔ یاد رکھیں کہ زندگی کے ہر عمل میں اعتدال کو قائم رکھنا انتہائی ضروری ہے۔

تشخیص سرعت انزال

سرعت انزال کی تشخیص میں اکثر غلطیاں کی جاتی ہیں۔ یہ غلطیاں صرف عوام تک محدود نہیں ہیں بلکہ اچھے اچھے اطباء سے بھی روزانہ سرزد ہوتی ہیں اور بڑے بڑے حکماء کی کتب میں نظر آتی ہیں۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ جریان واحتلام اور سرعت انزال میں پوری طرح فرق نہیں سمجھا جاتا۔ ان تینوں کے اسباب وعلامات کو آپس میں ملا دیا گیا ہے۔ صرف ایک مثال درج ہے جو ایک مشہور طبی مصنف کی کتاب میں درج ہے۔ سرعت انزال کے اسباب قریباً قریباً وہی ہیں جو جریان منی کے ہیں۔ جریان منی اور سرعت انزال اس حیثیت سے بالکل ملتے جلتے ہیں۔ سرعت انزال جریان منی کی ایک چھوٹی حالت ہے ورنہ جو نقص اعضائے تناسل اور منی کے جریان منی پیدا کرتے ہیں وہی اسباب چھوٹے اور خفیف ہونے کی حالت میں سرعت انزال پیدا کرتے ہیں۔ یہ صرف ایک مثال ہے لیکن اکثر کتب طبیہ میں سے اس قسم کی مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں۔ جہاں تک فرنگی طب کا تعلق ہے وہ اس کی ماہیت واسباب اور علامات وعلاج وغیرہ سے بالکل بے خبر ہے۔

غلط فہمی

سرعت انزال کی ماہیت کو سمجھنے میں غلط فہمی صرف اس لئے پیدا ہوتی ہے کہ اس کو صرف جریان منی یا اخراج منی کی ایسی صورت

خیال کرلیا گیا ہے جس سے سرعت اور تیزی پائی جاتی ہے اور حیرت یہ ہے کہ جریان منی میں تو اخراج مسلسل کے ساتھ ضعف انتشار قائم ہوتا ہے۔ جب کہ سرعت انزال میں انتشار میں شدت پائی جاتی ہے۔ پھر دونوں کو ایک ہی مرض قرار دینا کس قدر غلط فہمی ہے۔ اس لئے دونوں کے اسباب کو مشترک کہنا بہت بڑی غلط فہمی ہے۔ اگر دونوں کی ایک ہی صورت ہوتی تو پھر ان کو جدا جدا امراض کا نام دینا ضروری نہیں تھا۔ سرعت انزال دراصل جریان اور احتلام سے بالکل جدا مرض ہے۔ اس لئے اس کو جدا سمجھنے کی ضرورت ہے لہٰذا اس کے اسباب بھی ان سے مختلف ہیں۔

حقیقت سرعت انزال

اس امر کو ذہن نشین کرلیں کہ تندرست انسان میں انزال کے لئے ایک مناسب وقت ہوتا ہے جو دو منٹ سے لے کر پانچ منٹ تک یا زیادہ سے زیادہ اسی قدر اور وقت ہوسکتا ہے۔ لیکن اگر اس سے کم ہو تو سرعت انزال اور اگر زیادہ بھی ہو تو مرض میں شمار کریں۔ جس کا نتیجہ خوفناک امراض خصوصاً فالج ولقوہ اور دق وسل ہوتے ہیں۔ اس لئے مخدرات اور ممسکات مضر اور نقصان دہ ہیں۔

گزشتہ صفحات میں ہم لکھ چکے ہیں کہ احتلام عضلات میں تیزی اور سوزش سے پیدا ہوتا ہے اور جریان اعصاب میں سوزش اور تیزی سے ظاہر ہوتا ہے۔ اسی طرح سرعت انزال کے متعلق بھی سمجھ لیں کہ وہ گردوں میں سوزش اور تیزی سے عمل میں آتا ہے۔ اس حقیقت سے احتلام وجریان اور سرعت وانزال کی حقیقت اور ان کے فرق کو سمجھا جاسکتا ہے۔ جن کے اسباب وعلامات درج کئے گئے ہیں۔

ایک خاص بات

اکثر لوگ خصوصاً جنسی مریض سرعت انزال کی بہت شکایت کرتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ سرعت انزال اس قدر عام مرض نہیں ہے اور نہ ہی فوری طور پر ہوسکتا ہے۔ چونکہ اس سے جنسی جذبہ میں شدت ہوتی ہے۔ اس لئے اس جذبہ کی تسکین سے شدت کم ہوکر سرعت انزال کم ہوجاتا ہے۔ لیکن جس کثرت سے لوگ اس کے شاکی پائے جاتے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سو فیصدی لوگ اس مرض میں گرفتار ہیں۔ دراصل یہ مرض کی صورت نہیں بلکہ لذت اور حظ کی زیادہ سے زیادہ طلب ہوتی ہے۔ انسانی خصلت کا تقاضا ہے کہ وہ لذت ولطف اور حظ کی طرف کھنچا چلا جاتا ہے۔ اکثر لوگ نہ اس کے مقصد کو سمجھتے ہیں اور نہ ہی اس کی ضرورت کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ بلکہ اپنے جذبہ نفسانی کے تحت اپنے حواس خمسہ کو تسکین دیتے ہوئے لذیذ اغذیہ واشربہ، لطیف نظارے، پرلطف نغمے، حسین رقص اور جنسی حظ کو زندگی سمجھ لیا گیا ہے۔ مگر اس حقیقت سے بالکل بےخبر ہوتے ہیں کہ ان جذبات کی شدت رفتہ رفتہ کسی خاص عضو خصوصاً اعضائے رئیسہ کی طرف خون کو اکٹھا کردیتی ہے جس کا نتیجہ بالکل اسی طرح ہوسکتا ہے جیسے یکبارگی شدت جذبہ کے تحت خون کے اکٹھا ہونے سے عمل میں آتے ہیں جن کو ہم شادی مرگ یا غم مرگ کا نام دیتے ہیں۔ یا خوفناک امراض کی صورت پیدا ہوجاتی ہے۔ جن میں جسم کا سن ہوجانا، ضعف بصر وسماعت اور فالج ولقوہ وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

یہ بھی یاد رکھیں کہ انتہائی خوشی میں اپنے آپ میں نہ رہنا یا قہقہہ مار کر بےقابو ہوکر ہنسنا بھی بعض اوقات نقصان کا باعث بن جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام میں قہقہہ مار کر ہنسنے کو منع کیا گیا ہے اور اس صورت میں وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ ان حقائق کے پیش نظر زیادہ سے زیادہ لذت ولطف اور حظ خصوصاً جنسیاتی جذبات میں زیادتی اور شدید امساک سے دور رہنا چاہئے۔ کیونکہ قدرتی اور اعتدال کا راستہ اور عمل ہی درست ہوسکتا ہے۔

ایک غلط فہمی

اکثر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ جب تک مرد اور عورت کا انزال اکٹھا نہ ہو اس وقت تک اولاد نہیں ہوسکتی۔ اس لئے اگر مرد میں سرعت انزال ہو تو اس کو ضرور اس قدر امساک کی ادویہ کھانی چاہئیں جس قدر اس کو عورت کے انزال میں ضرورت ہوسکتی ہے۔ یہ ایک زبردست غلط فہمی اور حقائق سے لاعلمی ہے۔ امساک اپنی لذت ولطف اور حظ کے لئے نفسیاتی طلب ہے یا زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ سرعت انزال میں عورت تشنہ رہ کر بے قرار ہو جاتی ہے اور اس کی خاموشی بھی شدید احتجاج معلوم ہوتی ہے۔ مگر یہ خیال کرنا کہ اکٹھا انزال نہ ہونے سے اولاد نہیں ہوسکتی یہ سراسر غلط فہمی اور حقائق سے لاعلمی ہے۔ کیونکہ جن صاحب علم اور اہل فن کی نگاہ تشریح الابدان، منافع الاعضاء اور حقائق توالدو تناسل پر ہے وہ خوب جانتے ہیں کہ مرد اور عورت کا اکٹھا انزال ہونا یا نہ ہونا قیام حمل میں کوئی معنی نہیں رکھتا۔ اس کے بغیر بھی اولاد ہو سکتی ہے۔

جاننا چاہئے کہ اوّل تو یہ خیال ہی فطرت نفسانی اور مزاج کے خلاف ہے کہ دونوں ہم نفس اور ہم مزاج ہوں۔ اس لئے تقدم وتاخر لازمی امر ہے۔ دوسری مرد کے عضو مخصوص کی بناوٹ صرف ایک پچکاری کی حیثیت رکھتی ہے کہ اس سے مادہ منویہ کسی قدر لذت و انتشار اور عورت میں لطف وحظ پیدا کرنے کے ساتھ اس کے جسم میں داخل کر دیا جائے۔ پھر جسم میں یہ مادہ منویہ دس سے پندرہ یوم تک اندر رہتا ہے اور کرم منی اپنا سفر جاری رکھتے ہیں۔ جب ان کو اتصال نصیب ہوتا ہے تو حمل قائم ہو جاتا ہے۔ تیسرے عورت کے بیضہ جن کے ساتھ مرد کے کرم حمل قائم کرتے ہیں وہ عورت کے انزال کے ساتھ مشروط نہیں ہیں۔ بلکہ ان کا تعلق عورت کے اس خون کے ساتھ ہے جو اسے ہر ماہ آتا ہے اور اس کے ساتھ اس کے بیضوں کا اخراج ہوتا ہے۔ ہر حیض کے بعد بیضے رحم میں پائے جاتے ہیں اور کرم منی کو قبول کر کے حمل کا باعث بنتے ہیں۔ چوتھے جب مرد عورت پر اس کی مرضی کے بغیر مجرمانہ حملہ کرتا ہے تو اس کا انزال عورت کی مرضی کے بغیر ہوتا ہے۔ مگر اولاد ہو جاتی ہے۔ پانچویں جب عورت پینتالیس اور پچاس سال کی عمر کو پہنچتی ہے تو اس کا سلسلہ حیض بند ہو جاتا ہے۔ اس صورت میں ہزار بار اکٹھا انزال کیا جائے مگر کبھی حمل قرار نہیں پاتا۔ ان حقائق سے ثابت ہوتا ہے کہ پیدائش اولاد کے لئے مرد اور عورت کا اکٹھا انزال ہونا ضروری نہیں ہے۔ اس لئے اس ضرورت کے لئے امساک کی ادویہ کا استعمال غیر ضروری اور نقصان کا باعث ہے۔

سرعت انزال کے اسباب

اکثر طبی کتب میں سرعت انزال کے اسباب قریباً قریباً وہی لکھے ہیں جو جریان منی کے اسباب ہیں۔ گویا جریان منی اور سرعت انزال اس حیثیت سے بالکل ملتے جلتے ہیں۔ بلکہ سرعت انزال کو جریان منی کی ایک چھوٹی حالت قرار دیا ہے۔ یعنی جو نقص اعضائے تناسل اور منی کے جریان پیدا کرتے ہیں وہی اسباب چھوٹے اور خفیف ہونے کی حالت میں سرعت انزال پیدا کرتے ہیں۔ یہ بات بالکل غلط ہے جیسا کہ ہم پہلے کئی بار لکھ چکے ہیں کہ سرعت انزال کا مرض جریان منی سے بالکل جدا مرض ہے۔ اس لئے سرعت انزال کے اسباب بھی اس سے بالکل جدا ہیں۔ سرعت انزال کے اسباب درج ذیل ہیں۔

ا۔ سوزش غدد اور غشائے مخاطی

سوزش غدد میں جگر وگردے اور خصیتین وامعاء کے غدد خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ان حالات میں دورانِ خون مقام سوزش پر دباؤ کی حالت پیدا کر کے سرعت انزال کا بڑا اور قوی سبب بن جاتا ہے۔ اس حالت میں ذکاوت اور انتشار بھی اکثر رہتا ہے اور دورانِ خون میں

تیزی اور دباؤ بڑھ جاتا ہے۔

غشائے مخاطی کی صورت میں سر سے پاؤں تک کسی مقام کے غشائے مخاطی میں سوزش ہوسکتی ہے۔ اس میں احلیل (پیشاب کی نالی) کی سوزش اور سوزاک قابل ذکر ہیں۔ چونکہ غشائے مخاطی کی سوزش بھی ایک قسم کی غدی سوزش ہے اس لئے وہی حالات قائم رہتے ہیں۔ بعض عیاش قسم کے لوگ انتشار میں تیزی پیدا کرنے کے لئے سوزاک پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

راز کی بات

فرنگی طب میں جس حالت کو ہائی بلڈ پریشر (خون کے دباؤ میں شدت) کہا جاتا ہے وہ اور کچھ نہیں ہے صرف جسم کے کسی غدد یا جسم میں کسی جگہ غشائے مخاطی میں سوزش پیدا ہوتی ہے۔ پس وہاں کی سوزش کو معلوم کر کے دفع کرنے کی کوشش کی جائے۔ عام طور پر یہ سوزش اعضائے رئیسہ کی غشائے مخاطی یا گردوں اور خصیتین میں پائی جاتی ہے۔

۲۔ غلبہ خون

غلبہ خون عام طور پر خون کی زیادہ پیدائش سے ہوتا ہے۔ اس کی تین صورتیں ہیں: (۱) جگر کی تقویت (۲) بہترین غذا (۳) اچھا ماحول۔ خوش قسمت ہیں وہ لوگ جن میں یہ تینوں صورتیں اکٹھی پائی جاتی ہیں۔ ان میں سے ایک حالت میں بھی غلبہ پیدا ہو جائے تو سرعت انزال کی صورت قائم ہو جاتی ہے۔

یہ حقیقت مسلمہ ہے کہ جگر کی تقویت سے جسم میں غذا جلد جلد خون بننے لگتی ہے اور اگر اس کے ساتھ بہترین غذا ہو تو خون میں کثرت کے ساتھ تقویت اور بڑھ جائے گی۔ اس کے ساتھ اچھا ماحول میسر آ جائے یعنی گلشن و آسائش زندگی، نغمہ و سرود اور حظ و لذت کا آرام وغیرہ۔ اگرچہ یہ وقتی صورتیں ہیں، تو ان کا تسلسل آخر کار تحلیل قلب پیدا کر کے فوری موت (ہارٹ فیلور) کا باعث بن جاتا ہے۔ بہر حال غلبہ خون بہت ہی کم لوگوں میں ہوتا ہے۔

۳۔ کثرت حرارت وحدت منی

کثرت حرارت کی صورت عام طور پر یہ ہوتی ہے کہ حرارت کی پیدائش زیادہ ہو اور اس کا اخراج یا خرچ کم ہو۔ اس کی تین صورتیں ہیں: (۱) جگر و غدد یا غشائے مخاطی میں سوزش (۲) گرم اشیاء اور اغذیہ کا بالفعل یا بالقوئی استعمال (۳) گرم ماحول۔ ان تمام صورتوں میں جب جسم میں حرارت اور صفراء کی پیدائش بڑھ جاتی ہے اور اس حرارت کا اخراج پورے طور پر نہیں ہوسکتا یا اس کا جسم میں پورے طور پر خرچ نہیں ہو سکتا تو اس سے منی میں بھی حدت بڑھ جاتی ہے۔ اس طرح سرعت انزال کی صورت پیدا ہو جاتی ہے۔ بعض لوگ گرم گرم روٹی سالن کھانے اور گرم گرم دودھ یا چائے پینے کے عادی ہوتے ہیں۔ اس عادت سے بھی اکثر سرعت انزال ہو جاتا ہے۔ گرم علاقے اور گرم ماحول میں جہاں پر بہت زیادہ شدت کی گرمی ہوتی ہے۔ گرمی جسم میں جذب ہو کر سرعت انزال کا باعث بنتی ہے۔ ایسے مکان بھی، جن میں گھٹن اور گرمی کا احساس ہوتا ہے، سرعت انزال کے اسباب میں ان کو بھی شریک کر لینا چاہئے۔ ایسی صورتوں میں مقام اور مکان دونوں پر فضا اور تسکین دہ ہونے چاہئیں۔

اس امر کو ہمیشہ یاد رکھیں کہ کثرت حرارت سے حدت منی پیدا ہو جاتی ہے اور اس سے سرعت انزال پیدا ہو جاتا ہے۔ حدت منی میں صرف حرارت کی پیدائش یا حار اغذیہ یا حار ماحول کے اسباب نہیں ہوتے بلکہ نفسیاتی اور جذباتی اثرات بھی منی میں حدت پیدا کر دیتے ہیں۔

یہ اثرات ظاہرہ صورتوں میں ہوں یا تصور میں پیدا ہو جائیں اس میں عشقیہ قصے و کہانیاں اور ناول شریک ہیں۔ بلکہ نفسیاتی اور جذباتی اثرات اس قدر شدید ہوتے ہیں کہ ان کا اثر فوراً ہو جاتا ہے۔ ان کے مقابلے میں پیدائش حرارت کا اثر دنوں اور مہینوں میں ہوتا ہے۔ اغذیہ میں گوشت و گرم مصالحہ جات اور گرم میوہ جات وغیرہ اور جو لوگ کثرت سے شراب پیتے ہیں وہ بہت جلد اس مرض کا شکار ہو جاتے ہیں۔

سرعت انزال کے اسباب میں حرارت کے اثرات کی ایک خوفناک صورت یہ بھی ہے کہ جو لوگ فاحشہ یا حیض والی عورتوں سے مباشرت کرتے ہیں ان سے بھی جسم میں حرارت اور حدت منی پیدا ہو جاتی ہے۔ کیونکہ فاحشہ عورتوں میں آتشک اور سوزاک کے امراض عام ہوتے ہیں۔ ان سے جسم میں یقیناً حرارت و سوزش پیدا ہوتی ہے۔ بلکہ اکثر وہی امراض پیدا ہو جاتے ہیں۔ یہی صورتیں حیض والی عورتوں سے بھی پیدا ہو جاتی ہیں۔ بلکہ اکثر سوزش ہو کر سوزاک پیدا ہو جاتا ہے۔

ان سب باتوں کے علاوہ سرعت انزال کی ایک اور صورت بھی اکثر پائی جاتی ہے۔ وہ ہے اپنے سے کم عمر عورتوں یا کنواری لڑکیوں سے مباشرت کرنا۔ ان کے جسم میں مرد کی حرارت سے بہت زیادہ حرارت ہوتی ہے۔ جو جسم میں جذب ہو کر منی میں حدت پیدا کر دیتی ہے اور سرعت انزال کا مرض پیدا ہو جاتا ہے۔ ان اسباب کے ساتھ ہی کم عمر عورتوں یا کنواری لڑکیوں کے تصورات بھی حدت منی کا باعث بن جاتے ہیں۔ ظاہر میں یہ باتیں معمول زندگی ہیں لیکن سرعت انزال کے شدید اسباب ہیں۔ ان حقائق سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایک صحیح زندگی کے لئے تزکیہ نفس بھی ایک بے حد ضروری امر ہے۔

تشخیص

صرف مریض کے کہنے پر اس کو سرعت انزال کی دوا دے دینا کوئی زیادہ مفید نہیں ہے، بلکہ مریض کو پورے طور پر سمجھنے کی ضرورت ہوتی ہے اور جس قدر اسباب بیان کئے گئے ہیں ان کو ذہن میں رکھنا لازمی ہوتا ہے۔ تاکہ مریض کا صحیح طریق پر علاج کیا جا سکے۔ بظاہر سرعت انزال معمولی مرض ہے لیکن مندرجہ بالا اسباب کے تحت غور کریں تو یہ ایک خوفناک مرض ہے۔ اس کی شدت سے خوفناک امراض پیدا ہوتے ہیں جن میں فالج، ذیابیطس اور تپ دق وسل قابل ذکر ہیں۔ ضعف قلب اور ہارٹ فیلور بھی انہی صورتوں میں ہو جاتے ہیں۔

علاج سرعت انزال بالا دویہ

ذہن نشین کرانے کے لئے ہم پھر لکھ رہے ہیں کہ سرعت انزال ایک جدا علامت ہے۔ اس کا جریان اور احتلام سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ سرعت انزال غدی تحریک ہے۔ اس میں چونکہ عضلات میں تحلیل پیدا ہوتی ہے اس لئے عضلات میں کمزوری ہو جاتی ہے جس سے منی میں امساک قائم نہیں رہ سکتا۔ امساک خون کے دباؤ سے پیدا ہوتا ہے۔ ریاح صالح سے قائم رہتا ہے۔ جو حرارت کی عضلات کی طرف زیادتی سے تحلیل ہو جاتی ہے۔

یہ امر بھی پھر ذہن نشین رکھیں کہ انزال ایک اضافی حالت ہے جو تندرستی کی حالت میں طبعی صورت پر قائم رہتی ہے۔ اس کا اندازہ دو تین حد پانچ منٹ سے زیادہ نہیں ہوتا اور نہ ہی ہونا چاہئے۔ یہ کمی بیشی صالح ریاح کی کمی بیشی پر منحصر ہے۔ مرض کی حالت میں چند سیکنڈ سے زیادہ نہیں ہوتی۔ یہی اس کی حالت مرض ہے اور اسی کا علاج کیا جاتا ہے۔

چونکہ لذت ولطف اور حظ انسانی شوق اور خواہشات کا کمال ہے۔ اس لئے اکثر انسان ان کی تکمیل کے لئے اور مدمقابل کو اپنی طاقت کی نمائش کے لئے امساک کی تلاش میں سرگرداں رہتے ہیں۔ لیکن وہ یہ نہیں جانتے کہ مرض کی حالت کو رفع کرنے کے لئے ان کی

کوشش جائز ہے لیکن ضرورت سے زیادہ طبعی اور مصنوعی امساک دل و دماغ اور جگر جو اعضائے رئیسہ ہیں، ان کو کمزور کر دیتا ہے۔ اوّل اندازہ سے زیادہ حرکت کرنا پڑتی ہے، دوسرے ممسک ادویہ اپنی خشکی کی وجہ سے مادہ منویہ کو خشک کر دیتی ہیں، تیسرے ممسک ادویہ میں اکثر نشہ آور اجزا شامل ہوتے ہیں۔ ان سب کا نتیجہ خوفناک امراض کا پیدا ہو جاتا ہے۔ البتہ طبعی اور غیر مضر امساک میں کوئی نقصان نہیں۔

ملذذ ادویہ

مباشرت میں لذت ولطف اور حظ کو بڑھانے کے لئے بعض لوگ ملذذ ادویات کا استعمال کرتے ہیں۔ اس حظ نفسانی سے ایک مراد یہ بھی ہوتی ہے کہ عورت بھی اس لذت ولطف اور حظ سے لطف اندوز ہو کر ان سے دلی محبت کرنے لگے۔ لیکن وہ لوگ اس حقیقت سے بالکل واقف نہیں ہوتے کہ ہر ملذذ دوا شدید محرک اور سوزش پیدا کرنے والی ہوتی ہے۔ اس سے دورانِ خون میں تیزی پیدا ہو کر جلد انزال ہو جاتا ہے۔ اور دوسرے اس بات کو بھی ذہن نشین کر لیں کہ جو ادویہ بھی لذت ولطف اور حظ میں اضافہ کریں گی وہ یقیناً جلد انزال کا باعث ہوں گی۔

بعض لوگ ملذذ ادویہ اس لئے استعمال کرتے ہیں کہ عورت کو جلد انزال ہو جائے لیکن وہ اس امر کو بھول جاتے ہیں کہ وہ دوا ان میں بھی سرعت انزال پیدا کر دے گی۔ ان ادویات کے استعمال سے بے حد نقصان ہوتا ہے۔ کیونکہ ملذذ ادویہ سے عورتوں کے رحم اور مردوں کے عضو مخصوص میں سوزش پیدا ہو کر سیلان الرحم اور جریان منی پیدا ہو جاتا ہے۔ مرد وعورت دونوں کو ملذذ ادویات سے پرہیز بہتر ہے۔

راز کی بات

سرعت انزال کے کئی اسباب بیان کئے گئے ہیں لیکن اگر صحیح اغذیہ اور درست ادویہ کو تجویز کر دیا جائے تو تمام اسباب کا مرکزی اثر غدد اور خصوصاً جنسی غدد پر پڑتا ہے۔ جس سے وہاں کے عضلات میں جلد تحلیل ہو جاتی ہے۔ اس لئے علاج میں غدد کی اس سوزش کو رفع کرنا اور حرارت کا اعتدال مقصود ہوتا ہے۔ جو صحیح اغذیہ اور درست ادویہ سے فوراً اعتدال پر آنا شروع ہو جاتی ہیں۔ ایسی ادویہ اور اغذیہ درج ذیل ہیں:

سرعت انزال کے لئے اغذیہ

ہر قسم کا دودھ، مکھن، مرغابی کا گوشت، مچھلی، بادام، چہار مغز، انگور تازہ شیریں، امرود، میٹھا، خربوزہ، ناشپاتی، گھیا، کھیرا، ککڑی، شلغم اور چقندر وغیرہ۔ اس میں غدی اعصابی، اعصابی غدی اور اعصابی عضلاتی ہر قسم کی اغذیہ شامل کی جاسکتی ہیں۔

سرعت انزال کے لئے مفرد ادویہ

اسپغول، بالنگو، گوند ببول اور گوند کیکر، تال مکھانہ، صندل، تخم کاسنی، سمندر سوکھ، کف دریائی، ابریشم، اسگندھ، الائچی خورد، برہم ڈنڈی، برہمی، بھنگ، ترنجبین، تل، ثعلب، کشنیز، رب السوس، ستاور، ریٹھا، زیرہ سفید وسیاہ، سپستان، سرپھوکہ، سونا مکھی، شکر، گاؤزبان، مشک، لوبان، مروڑ پھلی، موم، انزروت، تلسی، شربت، شہد، گھی، لفاح وغیرہ۔

سرعت انزال کے لئے مجربات

تحقیقات طبی فارما کوپیا میں جتنے بھی نسخہ جات غدی اعصابی، اعصابی غدی اور اعصابی عضلاتی دیئے گئے ہیں ضرورت کے مطابق وہ سب مفید اور صحیح ہیں۔ اسی طرح تحقیقات المجربات میں بھی جو نسخے درج ہیں وہ بھی سب یقینی ہیں۔ اور جو نسخے اس تحریک کے نام سے مقوی و اکسیر اور تریاق کے تحت درج ہیں وہ سب بے خطا ہیں۔ ہمارے مجربات و مرکبات اور نسخہ جات سو فیصد صحیح ہیں۔ البتہ مریض کو اپنی غذا و ماحول کو درست رکھنا چاہئے۔

حبوب برائے سرعت انزال

ھوالشافی: انزروت ایک تولہ، لوبان ایک تولہ، کف دریائی 2 تولے، ورق نقرہ 2 ماشے، اوّل انزروت اور لوبان کو باریک کرلیں۔ پھر ان میں ورق کھرل کرلیں۔ اس کے بعد اس میں کف دریائی ملا کر کھرل کریں اور گولیاں بقدر نخود تیار کرلیں۔

مقدارِ خوراک: ایک گولی صبح ایک گولی شام ہمراہ آب تازہ۔

سفوف برائے سرعت انزال

الائچی خورد ایک تولہ، صندل سفید ایک تولہ، اسگندھ ناگوری 3 تولے، گوند کیکر 3 تولے۔ باریک سفوف بنالیں۔

مقدارِ خوراک: ایک ماشہ صبح ایک ماشہ شام۔ اس کو بوقت ضرورت دوگنا استعمال کرسکتے ہیں۔

مٹھائی برائے سرعت انزال

ھوالشافی: مغز بادام 2 چھٹانک، مربہ گزر 4 چھٹانک، مٹھائی پیٹھہ 4 چھٹانک۔ پہلے مربہ اور مٹھائی کو کوٹ لیں۔ پھر اس میں مغز بادام شامل کرلیں۔

مقدارِ خوراک: ایک تولہ صبح ایک تولہ شام ہمراہ آب تازہ۔

اکسیر برائے سرعت انزال

ھوالشافی: کشتہ چاندی، کشتہ سیپ، کشتہ سونا مکھی ہم وزن لے کر ملالیں۔

مقدارِ خوراک: نصف رتی صبح نصف رتی شام۔

تریاق برائے سرعت انزال

ھوالشافی: ریٹھا ایک تولہ، کشنیز 3 تولے، زیرہ سیاہ ایک تولہ، گوند کیکر تین تولے کوٹ کر گولیاں بنالیں۔

مقدارِ خوراک: ایک گولی صبح ایک گولی شام۔

کیمیاوی اور نفسیاتی نامردی اور ضعف باہ

ماہیت مرض میں ہم لکھ چکے ہیں عنانت و نامردی اور ضعف باہ تینوں لفظ وسیع معنوں میں استعمال ہوتے ہیں۔ یعنی معمولی مردی قوت کی کمزوری سے لے کر مادرزاد نامردی تک کے تمام درجات اس میں شریک ہیں۔ لیکن ان کے حقیقی مفہوم میں تین قسم کی صورتیں پیش آتی ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں:

ا۔ مردمی قوت میں کمزوری

جس سے مرد کا مباشرت و مواصلت اور جماع کی قابلیت ختم ہو جانا یا بہت کم ہو جانا اور مناسب اندازہ کے مطابق فعل انجام نہ دے سکنا۔

۲۔ خواہش جماع کا ختم ہو جانا

اس صورت میں وہ جذبات ختم ہو جاتے ہیں یا بہت حد تک کم ہو جاتے ہیں جن سے خواہش جماع پیدا ہوتی ہے۔

۳۔ قوت تولید کا خراب یا ختم ہو جانا

اس صورت میں تولید نسل کی قابلیت ختم ہو جاتی ہے یا بہت کم ہو جاتی ہے۔ اس میں مباشرت و مواصلت اور جماع کی قابلیت تو ہوتی ہے بلکہ بعض حالتوں میں بہت زیادہ ہوتی ہے مگر اولاد پیدا کرنے کی قابلیت نہیں رہتی۔ اس صورت کے اسباب کچھ ہی کیوں نہ ہوں اس کو بھی نامردی میں شمار کرتے ہیں۔

عنانت و نامردی اور ضعف باہ کے اسباب میں ہم: (۱) کثرت مباشرت (۲) جلق (۳) احتلام (۴) جریان اور (۵) سرعت انزال کی حقیقت و ماہیت اور علامات و علاج پر بہت کچھ لکھ چکے ہیں۔ اگرچہ ان میں احتلام و جریان اور سرعت انزال بذاتِ خود امراض ہیں لیکن ضعف باہ کے زبردست اسباب میں شریک ہیں۔ کیونکہ باہ کی خرابی کسی ایک عضو کا نقص نہیں ہے بلکہ جسم کے کسی عضو کی خرابی سے یہ واقع ہو سکتی ہے۔

اعضاء کی خرابی گویا مشینی نقص ہے۔ اگرچہ ہر مشینی نقص میں بھی جسم میں خاص قسم کے کیمیاوی اثرات موجود ہوتے ہیں۔ لیکن ظاہری طور پر مرض کی ابتدا مشینی صورت ہی سے شروع ہوتی ہے۔ اس لئے ان کو مشینی نقص ہی تسلیم کیا گیا ہے۔ بعض ایسی خرابیاں اور اسباب ہیں جن کا تعلق اعضا کی نسبت جسم کے کیمیاوی اثرات سے ہوتا ہے۔ جیسے (۱) منی میں نقص پیدا ہو کر باہ میں بے اعتدالی واقع ہو جائے۔ (۲) خون میں خرابی پیدا ہو کر باہ میں نقص پیدا ہو جائے۔ (۳) ماکولات و مشروبات میں کیمیاوی توازن قائم نہ رہے۔ اس سے جسم میں قوتِ باہ کا توازن ختم ہو جاتا ہے۔ اگرچہ ہم ان پر روشنی ڈال چکے ہیں تاہم ان کا خصوصی علاج لکھنا بہت ضروری معلوم ہوتا ہے۔

مشینی خرابی اور کیمیاوی نقص کے علاوہ نفسیاتی انفعال و اثرات بھی قوت باہ میں نقصان کا باعث بن سکتے ہیں۔ بالکل اسی طرح جیسے شوق و عشق اور لذت و سرور سے قوتِ باہ میں تحریک اور حظ پیدا ہو جاتا ہے۔ ان جذبات میں جو قوت باہ میں نقصان کا باعث بنتے ہیں ان میں خوف و غم اور ندامت و احساس کمتری خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ان کی حقیقت و ماہیت اور علاج پر لکھنا بھی بے حد ضروری ہے۔ تاکہ معالج

مردانہ امراض کے علاج میں الجھن کا شکار نہ ہو جائے۔

منی کے نقص سے ضعفِ باہ

منی کے نقص کی تین صورتیں ہیں: (۱) پیدائش منی میں کمی (۲) قوام منی میں ضعف (۳) مزاج منی میں نقص۔

ان تینوں نقائص کی صورتیں اگرچہ جدا جدا ہیں لیکن ان کا باہم گہرا تعلق ہے۔ اس لئے ان کا ذکر ایک مقام پر ہی مفید ہوسکتا ہے۔

منی میں بذاتِ خود یہ قوت ہے کہ جب اس کی پیدائش بڑھ جاتی ہے تو جسم انسان پر اس کا ایک خاص قسم کا اثر ہوتا ہے۔ کیونکہ قانونِ فطرت نے اپنے نظام کے مطابق اس دُنیا میں بنی نوع انسان کے سلسلہ حیات و بقا کو جاری رکھنے اور قائم رکھنے کے لئے عمل ازدواج میں ایک قسم کا ذوق وتلذذ رکھ دیا ہے۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو پھر یقیناً انسان اس طرف متوجہ نہ ہوتا جس کا نتیجہ یہ نکلتا کہ نظام حیات اور سلسلہ توالد وتناسل ختم ہو جاتا۔

اس ہیجان اور جوش کی وجہ وہ مادہ مولدہ یا مادہ منویہ ہی ہوتا ہے جو انسان کے جسم میں تیار ہوتا رہتا ہے۔ مادہ بدن میں کثیر مقدار میں تیار ہوتا رہتا ہے۔ جس کے ساتھ ہی اس کے اخراج کے لئے سرور اور دغدغہ محسوس ہوتا ہے اور انسان عمل طبعی کا طلب گار ہوتا ہے۔ غور کرنے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ مادہ منویہ بذاتِ خود انسان کے لئے منزل احساس کے ہے۔ اگر منی کی پیدائش میں کمی واقع ہو جائے یا اس کے اخراج میں زیادتی کر دی جائے جو عام طور پر کثرت اخراج منی سے واقع ہوتی ہے تو اس کا لازمی اثر قوت باہ پر پڑے گا اور جو احساس اور دغدغہ باعث تلذذ اور انتشار ہوتا ہے وہ ختم ہو جاتا ہے یا کم ہو جاتا ہے۔ اس کا علاج اسی صورت میں ہوسکتا ہے کہ منی کی پیدائش بڑھانے کی کوشش کی جائے۔ اس مقصد کے لئے اور ادویہ کے علاوہ مریض کو اچھے ماحول میں رکھنا نہایت ضروری ہے۔

علاج بالغذا

منی کا نقص قلت کی وجہ سے ہو تو غذا میں گوشت، انڈے اور دیگر مرغن اشیاء استعمال کرائیں۔ اس کے ساتھ میوے اور حلوے بے حد مفید ہیں۔ عام طور پر ان کی ترتیب اس طرح رکھنی چاہئے کہ صبح کو میوہ جات پیس کر اور گھی میں سرخ کر کے کھائیں۔ ساتھ دودھ یا چائے دے دیں۔ دوپہر کو بھنا ہوا گوشت یا دالیں اور سبزیاں ہوسکتی ہیں۔ لیکن ان کا گھی میں تر بہ تر ہونا ضروری ہے۔ ساتھ پھل بھی دیئے جاسکتے ہیں۔ رات کو دو چار انڈوں کا حلوہ کھلا کر ساتھ دودھ دے دیں۔ اس طرح بہت جلد جسم میں تقویت پیدا ہونا شروع ہو جاتی ہے اور منی کی پیدائش بڑھ جاتی ہے۔

علاج بالمرکبات

اس سلسلہ میں طبی کتب میں بے شمار مجربات درج ہیں جو تقریباً سب ہی مفید ہیں۔ مثلاً لبوبات ومعجونات اور حلوے وغیرہ جن میں حلوہ کنجشک، حلوہ بیضہ مرغ، دوائے ترنجبین، حلوہ آنبہ، معجون انطاکی، معجون سپاری پاک، معجون تال مکھانہ اور حلوہ نخود وغیرہ شامل ہیں۔

علاج بالمفرد ادویہ

بادام، پستہ، چلغوزہ، نارجیل، کنجد، مربہ زنجبیل، تخم گذر، تازہ مچھلی، بہمن سرخ وسفید، ثعلب مصری، تودری سیاہ وسفید، چار مغز اور شہد وغیرہ۔

نوٹ: اس قسم کے علاج میں مزاج اور تحریک کو ضرور مدنظر رکھیں تاکہ علاج معالجہ میں فوری اثر نمودار ہو اور یہی کامیابی ہے۔

نقص قوت تولید

عنانت ونامردی اور ضعف باہ کی ہم نے تین صورتیں پیش کی ہیں۔

❶ **مردمی قوت میں کمزوری:** جس سے مرد کا مباشرت ومواصلت اور جماع کی قابلیت ختم ہو جاتی ہے اور وہ مناسب اندازہ کے مطابق یہ فعل انجام نہیں دے سکتا۔ اگرچہ اس میں خواہش جماع باقی ہوتی ہے بلکہ بعض حالتوں میں شدید ہوتی ہے۔

❷ **خواہش جماع کا ختم ہو جانا:** جس میں وہ جذبات ختم ہو جاتے ہیں یا بہت حد تک کم ہو جاتے ہیں جن سے خواہش جماع پیدا ہوتی ہے۔

❸ **نقص قوت تولید:** اس صورت میں تولید نسل کی قابلیت ختم ہو جاتی ہے یا بہت کم ہو جاتی ہے۔ اس میں مباشرت ومواصلت اور جماع کی قابلیت تو ہوتی ہے بلکہ بعض حالتوں میں بہت زیادہ ہوتی ہے مگر اولاد پیدا کرنے کی قابلیت نہیں رہتی۔ اس صورت کے اسباب کچھ ہی کیوں نہ ہوں اس کو بھی نامردی میں شمار کرتے ہیں۔

گزشتہ صفحات میں ہم نے ''منی کے نقص سے ضعف باہ'' کے عنوان کے تحت کیمیاوی اثرات کی تین صورتیں بیان کی ہیں:

(۱) پیدائش منی میں کمی (۲) قوام میں خرابی (۳) مزاج منی میں نقص۔

ان تینوں کے نقائص کی صورت کم وبیش جدا جدا ہے لیکن ان کا باہم گہرا تعلق ہے۔ اس لئے ان کا ذکر ایک ہی مقام پر کر دیا ہے۔

عنانت ونامردی اور ضعف باہ کی تین صورتوں میں نقص قوت تولید کی خرابی کا علاج منی کے نقص سے ضعف باہ میں شامل ہے۔ لیکن نقص قوت تولید کا عنوان پھر قائم کر دیا گیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ فرنگی طب نے ایک علامت منی میں خرابی کے متعلق تشخیص کی ہے کہ کرم منی کا نہ ہونا یا بہت کم ہونا وغیرہ۔

جاننا چاہئے کہ جب منی اپنے مزاج میں پختہ ہو جاتی ہے تو اس میں کرم خود بخود پیدا ہو جاتے ہیں۔ اس میں کرم منی پیدا کرنے کی جدا کوئی صورت نہیں ہوتی۔ بہر حال سہولت اور مزید معلومات کے لئے جدا عنوان کے تحت ذکر کر دیا گیا ہے۔

نقص قوت تولید کی تین صورتیں ہوتی ہیں: (۱) رطوبات بلغمیہ کی زیادتی سے اس میں پختگی پیدا نہ ہو اور نہ ہی مکمل قوام بنے۔ (۲) جسم میں اس قدر حرارت اور صفرا پیدا ہو جائے جس سے منی کا قوام بگڑ جائے یا کرم منی فنا ہو جائیں۔ (۳) بچپن میں جماع سے مادہ منویہ کو تباہ کر لینا یا عام زندگی میں کثرت مباشرت سے منی میں پختگی اور قوام قائم نہ ہونے دینا۔ ان تینوں صورتوں میں نقص تولید پیدا ہو جاتا ہے۔

یاد رکھیں کہ یہ نقص مردوں کے علاوہ عورتوں میں بھی پایا جاتا ہے۔ ان میں مادہ منویہ کا نقص بھی ہوتا ہے۔ جس طرح مردوں میں کرم منی کا نہ ہونا یا بہت کم ہونا پایا جاتا ہے۔ اسی طرح عورتوں میں بیضہ انثیٰ کا نہ ہونا یا بہت کم ہونا ہوتا ہے۔ اولاد پیدا ہونے کے لئے صورت یہ ہے کہ مردوں اور عورتوں کے اعضائے تناسل درست ہونے کے ساتھ ساتھ ان میں کرم منی اور بیضہ انثیٰ کی بھی کثرت ہو۔ تاکہ ان کے آزادانہ ملاپ سے فوراً حمل قرار پا جائے۔ اس لئے دونوں میں مادہ منویہ کی کثرت ہونی چاہئے۔ اس مقصد کے لئے اغذیہ اور ادویہ درج ذیل ہیں:

❶ مغزیات میں ہر قسم کے میوہ جات خاص طور پر بادام بے حد مفید ہیں۔ ان کو سفوف وحلوہ اور حریرہ وچٹنی کی صورت میں دے سکتے ہیں۔

❷ روغنیات میں ہر قسم کا حیوانی روغن جس میں دُنبے کی چکی، گائے اور بھینس کا روغن (چربی نہیں) روغن موٹا ہوتا ہے اور چربی پتلی ہوتی

ہے۔اس میں مکھن، دودھ اور گھی کی خاص خصوصیت ہوتی ہے۔ بالائی بھی اس مقصد کے لئے مفید ہے۔

۳ پرندوں کا گوشت، ان میں تیتر و بٹیر اور مرغ و مرغابی کا گوشت مفید ہے۔اسی طرح جگر و گردوں کا پکا کر کھانا بھی مفید ہے۔

۴ جوان بکروں کے تازہ خصیئے گھی میں تل کر روٹی یا بغیر روٹی کے کھانا مفید ہے۔

۵ چڑوں کا گوشت اور تیتر کا گوشت بھون کر کھانا مفید ہے۔

۶ خرما تر یا خشک معجون اور حلوہ کی صورتوں میں اپنے اندر یقینی اثرات رکھتا ہے۔

۷ بنولوں کا حریرہ اور حلوہ بھی مفید ہے۔ ماش کی دال اور چنے کی دال کے حلوے بھی اپنے اندر مفید اثرات رکھتے ہیں۔

۸ ناریل کی مٹھائی، خصوصاً گھی میں تلے ہوئے ناریل منی کی تقویت اور اس میں خمیر پیدا کرنے کے لئے خاص طور پر مفید ہے۔

ادویہ میں ذیل کی ادویہ منی کی پیدائش اور تقویت کے لئے مفید ہیں:

۱ درخت ببول (کیکر) کی خام پھلیاں سائے میں خشک کر کے مفرد یا مرکب منی کی پیدائش وتقویت اور تغلظ وتکمیل کے لئے بہترین دواء ہے۔ اگر وقتی طور پر میسر نہ ہو تو کیکر کے پھول وکونپلیں اور گوند بھی استعمال کیا جاسکتا ہے۔ان کے علاوہ اس کی چھال اور کیکر کے کسی جزو میں کیا ہوا قلعی کا کشتہ بھی اپنے اندر مفید اثرات رکھتا ہے۔

۲ مغز تخم تمر ہندی سوختہ چھلکا دور کر کے مفرد یا مرکب اپنے اثرات میں مفید ہے۔

۳ درخت بوہڑ کا پھل سایہ میں خشک کر کے مفرد یا مرکب استعمال کر سکتے ہیں۔ اگر وہ میسر نہ ہوں تو اس کا دودھ، کونپلیں اور چھال بھی مفید ہیں۔اسی طرح درخت پیپل بھی اپنے اندر مفید اثرات رکھتا ہے۔

۴ ثعلب مصری منی کی تقویت اور تکمیل کے لئے ایک مشہور اور مفید دوا ہے۔ مفرد اور مرکب دونوں صورتوں میں استعمال ہو سکتی ہے۔

۵ کمر کس بھی تقویت منی اور پیدائش کے لئے مفید ہے۔

۶ اسگندھ ناگوری اپنے خاص افعال واثرات میں اپنا مقام رکھتی ہے۔ مفرد اور مرکب دونوں صورتوں میں استعمال ہوتی ہے۔

۷ سنگھاڑا خام وپختہ اور تازہ وخشک ہر صورت میں اپنے اندر تقویت رکھتا ہے۔ مفرد اور مرکب دونوں صورتوں میں مفید ہے۔

۸ سلاجیت ایک قسم کا چونا ہے۔ منی کی پیدائش وتغلظ اور تقویت وتکمیل کے لئے ادویات میں شامل ہے۔

یہ چند اہم اغذیہ اور ادویہ لکھ دی گئی ہیں تاکہ فوری طور پر اطباء اور حکما ان سے استفادہ کر سکیں۔ ان کے علاوہ اور بھی بہت سی ادویات ہو سکتی ہیں۔

کجی قضیب

اعوجاج ذکر، قضیب کا ٹیڑھا ہونا۔اس حالت میں عضو مخصوص کسی ایک طرف کو جھک جاتا ہے۔

قضیب کی بناوٹ

یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ انسان کا جسم چار قسم کے مفرد اعضاء (انسجہ-ٹشوز) سے بنا ہوا ہے: (۱) اعصابی انسجہ (۲) عضلاتی انسجہ (۳) قشری انسجہ (۴) الحاقی انسجہ - یہ چاروں انسجہ (ٹشوز) چار مفرد اعضاء کہلاتے ہیں۔ہم یہ حقیقت ثابت کر چکے ہیں کہ جب اخلاط مجسم

ہوتے ہیں تو یہی مفرد اعضاء بنتے ہیں۔ان کی عام طور پر ترتیب یہ ہوتی ہے کہ اعصابی انسجہ باہر کی طرف، قشری انسجہ اندر کی طرف۔عضلاتی انسجہ سب سے اندر ہوتے ہیں اور الحاقی انسجہ سے ان تمام انسجہ کے درمیان بھرتی ہوتی ہے۔جس کا مقصد تمام انسجہ کو آپس میں ملا کر مضبوط کرنا ہے۔ان کے افعال کی صورت یہ ہے کہ اعصاب جسم میں حس اور رطوبت پیدا کرتے ہیں۔عضلات جسم میں حرکت اور خشکی قائم کرتے ہیں۔ غدد وغشا جسم میں حرارت اور روح کی پیدائش کو جاری رکھتے ہیں جو ضرورت کے وقت خون کی نالیوں سے عضلات میں داخل ہوتے ہیں۔

یہی ترکیب و ترتیب اور بناوٹ عضو مخصوص (قضیب) کی بھی ہے۔البتہ یہاں پر اعصاب کی کثرت، عضلات میں نزاکت اور غدد میں بہت تیزی ہوتی ہے۔یہاں پر عضلات کی بناوٹ اس طرح ہوتی ہے کہ قضیب کے دائیں بائیں اور اوپر نیچے کی طرف آپس میں ملے ہوتے ہیں اور ضرورت کے وقت پھیلتے اور سکڑتے رہتے ہیں۔یہ اس لئے کہ عضلات کی بناوٹ اسفنجی نما ہوتی ہے۔جب ان میں روح اور رطوبت بھرتی ہے تو وہ پھیل جاتے ہیں اور جسم تن جاتا ہے۔جب ان کا اخراج ہو جاتا ہے تو وہ سکڑ جاتے ہیں۔

ماہیت انتشار

جب جنسی حظ اندرونی یا بیرونی طور پر پیدا ہوتا ہے یعنی ذہنی یا حسی کسی صورت سے بھی اثر انداز ہوتا ہے تو اوّل اعصاب میں لہر سی دوڑ جاتی ہے۔جس سے عضلات میں تحریک ہوتی ہے اور دِل کا فعل تیز ہو جاتا ہے اور اپنی شرائن کے ذریعے اعضائے مخصوصہ کی طرف خون روانہ کرتا ہے۔جس کے ساتھ روح اور حرارت وہاں پر بڑھ جاتی ہے۔

نظریہ مفرد اعضاء کے تحت جب عضلات میں تحریک پیدا ہوتی ہے تو رطوبات غدد کی طرف روانہ ہو جاتی ہے اور حرارت اعصاب کی طرف جا کر وہاں جو تیز لہر دوڑتی رہتی ہے اس میں تحلیل پیدا کر کے اس کو اعتدال پر لاتی ہے۔مگر عضلات کی تیزی سے چونکہ غدد میں سکون ہوتا ہے۔اس لئے رطوبات کا اخراج بند ہو جاتا ہے۔اس طرح قضیب میں خیزش بڑھتی رہتی ہے۔یعنی اعصاب میں بجلی کی سی لہر دوڑ رہی ہوتی ہے۔عضلات میں تحریک سے خیزش بڑھ رہی ہوتی ہے اور غدد میں رطوبات کا اخراج بند ہو جاتا ہے۔یہی رطوبت جو خصیتین میں اکٹھی ہوتی ہے وہ پختہ ہو کر منی بن جاتی ہے اور عضلات میں تحریک بڑھتی چلی جاتی ہے تو دِل کے فعل میں تیزی آ جاتی ہے جس سے دوران خون کی قضیب کی طرف زیادتی ہوتی ہے اور وہ اپنی لمبائی اور چوڑائی میں بڑھنا اور پھیلنا شروع ہو جاتا ہے۔یہاں تک کہ اپنے اندازے کے مطابق شدید تن جاتا ہے۔اس صورت میں اوپر نیچے اور دائیں بائیں عضلات اپنی اپنی جگہ کھینچ کر قضیب کو انتشار کی حالت میں کھڑا کر دیتے ہیں۔ چونکہ شدت حرارت سے تحریک غدد میں آ جاتی ہے اس سے منی پختہ ہو جاتی ہے۔

کجی کی ماہیت

کثرت رگڑ یا چوٹ یا زخم سے جب قضیب کے انسجہ خصوصاً عضلاتی انسجہ خراب ہو جاتے ہیں یا ان میں فساد پیدا ہو جاتا ہے تو وہاں پر رطوبات وخون اور روح وحرارت کا اجتماع مشکل ہو جاتا ہے اور جس طرف کے عضلات درست ہوتے ہیں اس طرف انتشار کے وقت تیزی جھکاؤ اور ٹیڑھاپن پیدا ہو جاتا ہے جس قدر انسجہ زیادہ خراب ہوں گے اسی قدر کجی زیادہ ہوگی۔

یاد رکھیں کہ اگر احساس میں کمی ہے تو عصبی انسجہ میں بگاڑ ہے۔اگر انتشار میں خرابی ہے تو عضلاتی انسجہ میں نقص ہے۔اگر حرارت و خون اور رطوبت وروح کے جوش میں کمی ہے تو غدی اور غشائی خرابی ہے۔بس یہی کجی کی ماہیت ہے۔بار بار پڑھیں اور ذہن نشین کر لیں۔

کجی کے اسباب

جلق، اغلام، کثرت مباشرت، سوزاک، آتشک، ضرب اور زخم اور اسی قبیل کی دیگر صورتیں ہوتی ہیں۔

کجی کی علامات

قضیب میں دبلا پن اور شہوت کی حالت میں ٹیڑھا پن، جھکاؤ اسی طرف ہوتا ہے جس طرف کھچاؤ ہوتا ہے اور دوسری طرف استرخا اور ڈھیلا پن ہوتا ہے۔ انتشار نامکمل، حرارت میں کمی اور جوش کا فقدان، احلیل سے رطوبات کا اخراج، غرض یہ کہ کجی کے ساتھ نامکمل انتشار اور کمی حظ کی حالتیں پیدا ہو جاتی ہیں۔

اصول علاج

یاد رکھیں کہ سب سے مشکل علاج وہ ہے جب کسی عضو میں تحلیل وضعف پیدا ہو جائے جیسے فالج ولقوہ اور استرخاء یا سل و دق اور ذیابیطس ہیں لیکن تحلیل وضعف سے بڑھ کر وہ امراض ہیں جن میں مفرد اعضاء (انسجہ) کے خلیات برباد ہو جائیں یا مر جائیں۔ انہی امراض میں کجی و سرطان اور فساد خلیات ہیں۔ مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ یہ امراض ناقابل علاج ہیں۔ مندرجہ بالا تمام امراض اور انہی اقسام کے دیگر امراض قابل علاج ہیں۔ البتہ یہ مشکل ترین اور پیچیدہ ترین امراض ہیں اور معالج کی انتہائی توجہ چاہتے ہیں بلکہ مریض اور اس کے لواحقین کو بھی کوشش کرنی چاہئے۔

کجی میں چونکہ مفرد اعضاء (انسجہ) کے خلیات برباد و ضائع اور ختم ہو جاتے ہیں اس لئے وہاں کے مفرد اعضاء کے خلیات کو پھر پیدا اور زندہ کیا جاتا ہے۔ قانون فطرت یہ ہے کہ یہ خلیات پیدا اور زندہ ہو جاتے ہیں۔ جس کی دلیل وہ گوشت ہے جو جسم کے کسی حصہ سے کٹ جاتا ہے یا ضائع ہو جاتا ہے، لیکن وہ پھر پیدا ہو جاتا ہے۔ بہر حال کجی قابل علاج ہے۔

یہ بات بھی ذہن نشین کر لیں کہ نظریہ مفرد اعضاء (انسجہ) کے تحت تشخیص مرض سہل اور علاج مرض آسان ہو گیا ہے۔ ایسے مریض کے علاج میں غور سے اس کی نبض اور قارورہ دیکھیں اور معلوم کریں کہ تحریک کہاں ہے اور جس مفرد عضو میں تحریک ہو اس کے افعال کو دیکھیں کہ وہ کہاں تک صحیح کام کر رہے ہیں۔ اس طرح جہاں تسکین و تحلیل ہو ان کے مفرد اعضاء کے افعال کو مدنظر رکھیں۔ اگر تحریک کے مفرد اعضاء پورے طور پر کام نہ کر رہے ہوں تو اوّل انہی کو تیز کر کے ان کے افعال کو مکمل کریں۔ یعنی اعصاب ہیں تو ان میں تیزی سے رطوبات پیدا ہو جائیں۔ اگر عضلات ہوں تو ان میں تیزی سے دورانِ خون تیز بلکہ بخار پیدا ہو جائے اور اگر غدد میں تیزی ہو تو جسم میں حرارت اور صفراء کی زیادتی ہو جائے اور مفرد عضو تحریک سے لے کر مسہل تک کام کرنا شروع کر دے۔ جب کوئی مفرد عضو اپنے افعال درست کر لے گا تو یقیناً اس کا اثر دیگر مفرد اعضاء پر پڑے گا۔ اگر تحریک اپنے پورے کام انجام دے رہی ہو تو جہاں پر تسکین ہے اس کو تیز کر کے اس میں انتہائی تحریک پیدا کر دیں تاکہ وہ اپنے پورے افعال انجام دے سکے۔ اس طرح دوران خون و حرارت اور روح و رطوبت تمام جسم میں خصوصاً ضرورت کے مقام پر دوڑنے اور پہنچنے لگیں گی۔ اس طرح ایک طرف نیا خون اور کیمیاوی اجزاء بننے شروع ہو جائیں گے، دوسری طرف مفرد اعضاء (انسجہ) کے نئے خلیات بننا شروع ہو جائیں گے۔ لیکن پھر بھی جلدی صحت کا تصور نہ کریں۔ کیونکہ خلیات کی بناوٹ و پیدائش اور زندگی میں اچھا خاصا وقت لگ جاتا ہے۔ بہر حال مستقل مزاجی سے یقیناً آرام آ جاتا ہے۔

غذاء: مریض کو اس کی تحریک کے مطابق غذا دیں۔لیکن وقت کی پابندی اور شدید بھوک کو ضرور مدنظر رکھیں۔بھوک کی شدت سے اتنا ضعف تحلیل یا نقصان نہیں ہوتا جس قدر بغیر بھوک کے کھانے سے ہوتا ہے۔

دواء: علاج میں دوا کی اہمیت ظاہر ہے مگر جب تک مریض کو اچھی خاصی بھوک نہ لگے دوا نہ دینی چاہئے تاکہ خمیر ختم ہو کر خون بننا شروع ہو جائے۔جس مفرد عضو کو تحریک دینی ہو اس تحریک کی ادویہ دیں۔قبض کا خیال رکھیں۔غذا کے لئے تحقیقات علاج بالغذا کو مدنظر رکھیں۔دوا کے طور پر تحقیقات فارماکوپیا اور تحقیقات المجربات میں سے ضرورت کے مطابق دوا تجویز کریں۔

جنسی قوت کے ضعف کے لئے اغذیہ اور ادویہ

جنسی قوت کی کمزوری کسی ایک عضو یا قوت کے تحت نہیں ہے بلکہ اس کے اسباب مختلف اعضاء اور قویٰ میں ہوتے ہیں۔جیسے اعضاء رئیسہ و شریفہ کی کمزوری منی کی پیدائش میں کمی یا اس میں حدت کی کمی۔ضعف بدن، کمی، غذا، مزاج میں گرمی و سردی اور خشکی و تری، مدت دراز تک جماع ترک کرنے میں آلہ تناسل کا ڈھیلا پڑ جانا۔نچلے حصہ میں ریح کا کم پیدا ہونا، جلق اور فالج اور ضعف اعصاب اور وہم وغیرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔لیکن جنسی قوت و جذبات کو جو اغذیہ اور ادویہ تحریک دیتی ہیں وہ غدی عضلاتی اور غدی اعصابی ہوتی ہیں۔اس لئے حکماء، اطباء اور دیگر معالجین نے جو اغذیہ اور ادویہ تحریر کی ہیں ان کی اکثریت غدی عضلاتی اور غدی اعصابی پر مشتمل ہے۔

اغذیہ برائے جنسی قوت

گوشت ہر قسم خصوصاً مرغ و کنجشک اور تیتر و بٹیر، ان کے انڈے بھی ویسے ہی مفید ہیں۔دریائی اور سمندری جانور جیسے مچھلی، مرغابی اور بطخ وغیرہ۔غلوں میں گیہوں، چنا، میوہ جات میں بادام، پپیتا، اخروٹ، چلغوزہ، خوبانی، نارجیل، انجیر اور کشمش، پھلوں میں کھجور اور آم وغیرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔سبزیوں میں میتھی، پیاز، کریلے، ٹماٹر وغیرہ مفید ہیں۔

مفرد ادویہ برائے جنسی قوت

دارچینی، جائفل، جاوتری، عاقر قرحا، زنجبیل، زعفران، عنبر اور کستوری خالص، کشتہ ہیرا، خولنجان۔ان میں بعض ادویہ کے روغن اندرونی اور بیرونی طور پر مفید ہیں اور دیگر روغنوں میں روغن زیتون، گھی اور دُنبے کی چکی اور گائے کی موٹی چربی جس کو روغن کہتے ہیں۔مرغ اور بطخ وغیرہ کی چربیاں خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔دھاتوں میں کشتہ سونا، کشتہ تانبا، کشتہ نیلا تھوتھا، پارہ اور شنگرف اور ان کے مرکبات وغیرہ خاص طور پر مفید ہیں۔

مجربات برائے جنسی قوت

جنسی قوت کے متعلق بے شمار مجربات طبی اور جنسی کتب میں بھرے پڑے ہیں لیکن ان کی اکثریت میں غیر اصولی اور کسی نظریہ کے بغیر ادویہ کو جمع کر دیا گیا ہے اور جو مجربات صحیح ہیں ان کو تلاش کر کے پیش کرنا ایک مشکل امر ہے۔اس لئے یہ کام کسی دوسرے وقت کے لئے رکھ دیا ہے۔اگر موقع ملا تو انشاء اللہ تعالیٰ ایک کتاب تحقیقات المرکبات لکھی جائے گی جس میں سر سے پاؤں تک حکماء و اطباء اور قرابادینوں کے مجربات اکٹھے کر دیئے جائیں گے۔ذیل میں چند ذاتی مجربات درج ہیں جو ضرورت کے مطابق زود اثر و اکسیر اور یقینی و بے خطا ہیں۔

مقوی چھوہارے

موٹے موٹے چھوہارے حسب ضرورت لے لیں۔ ان کو درمیان میں سے چیر کر دو ٹکڑے کر لیں۔ پھر ان میں پستہ باریک کر کے بھر دیں۔ معمولی دھاگے سے باندھ لیں۔ پھر توے پر تھوڑا گھی ڈال کر خوب تل لیں۔ بس تیار ہے۔

مقدارِ خوراک: پانچ سے دس تک صبح ناشتہ میں کھائیں۔ ضرورت محسوس کریں تو رات کو بھی غذا کے بعد لے سکتے ہیں۔ غدی عضلاتی شدید ہیں۔

اکسیر مقوی باہ

کشتہ نیلا تھوتھا ایک ماشہ، کچلا 4 ماشہ، شنگرف 8 ماشہ، رائی 12 ماشہ، سب کو پیس کر ملا لیں اور پھر کم از کم ایک گھنٹہ کھرل کر لیں۔ پھر گولیاں بقدر فلفل سیاہ بنالیں۔

مقدارِ خوراک: ایک ایک گولی دن میں دو تین بار دیں۔ نوجوانوں کے لئے ایک گولی ایک وقت ہی کافی ہے (غدی عضلاتی)۔

تریاق مقوی باہ

لونگ ایک تولہ، تخم پیاز 3 تولے، رائی 4 تولے پیس کر سفوف تیار کر لیں۔ بس تیار ہے۔

مقدارِ خوراک: نصف ماشہ سے ایک ماشہ تک دن میں ایک دو حد تین خوراکیں دیں۔ ضرورت کے مطابق بڑھا سکتے ہیں (عضلاتی غدی شدید)۔

اسرار مقوی باہ

جمال گوٹہ 3 ماشے، کچلہ 9 ماشے، دونوں کو باریک کر کے سفوف بنالیں اور کم از کم نصف گھنٹہ کھرل کر لیں۔ بس تیار ہے۔

مقدارِ خوراک: ایک تنکا سے تین تنکے تک یعنی ایک تنکے کے سرے پر جس قدر بھی آ جائے۔ اگر مقدار زیادہ ہو جائے گی تو اجابتیں شروع ہو جائیں گی۔

اس نسخہ میں یہی ایک اسرار ہے کہ ایک شدید مسہل کو بطور شدید مقوی باہ استعمال کیا گیا ہے۔ اس سفوف کی رائی کے برابر گولیاں بھی بنائی جا سکتی ہیں۔ اس کے استعمال سے اگر اجابتیں شروع ہو جائیں تو پریشان ہونے کی چنداں ضرورت نہیں ہے کیونکہ اجابتیں آنے سے کسی قسم کا نقصان نہیں ہوتا۔ البتہ مریض کے لئے پریشانی ضرور ہوتی ہے۔ اس لئے احتیاط ضروری ہے۔

جنسی قوت اور اقوال حکمائے قدیم

1. جالینوس کہتا ہے کہ کثرت جماع بدن کو کمزور کرتی ہے اور جلد بوڑھا بنا دیتی ہے۔ زیادہ جماع کرنے والے کو لازم ہے کہ فصد بہت کم کھلوائے۔ تکلیف کے کاموں اور حمام پسینہ وغیرہ سے پرہیز کریں۔ بدن کو گرمی اور رطوبت پہنچانے کی تدبیروں میں مصروف رہے۔ کیونکہ جماع بدن کو سرد و خشک اور تحلیل کرتا ہے۔ ان امور کی تلافی کے لئے مقوی غذا اور شراب کا استعمال، نیند بھر کر سونا، بدن کو آسائش دینا، خوشبودار اشیاء اور روغنیات کا استعمال کرنا ضروری ہے۔

۲ جالینوس کہتا ہے کہ جن نوجوانوں میں منی کی زیادتی ہوتی ہے اگر وہ جماع نہ کریں تو ان کے سر بوجھل اور بھوک زائل ہو جاتی ہے۔ میں نے بہت سے ایسے اشخاص کو دیکھا ہے جن میں منی بکثرت تھی اور انہوں نے اپنے آپ کو جماع سے روکے رکھا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے بدن سرد ہو گئے۔ حرکت کرنا مشکل ہو گیا۔ ہاضمہ خراب اور بھوک کم ہو کر مالیخولیا کے عوارض میں مبتلا ہو گئے۔ حتیٰ کہ بلا وجہ رونے کی طرف ان کی طبیعت کا میلان ہو گیا۔

۳ جالینوس لکھتا ہے کہ میں نے ایک ایسے شخص کو دیکھا ہے کہ متواتر ایک سال تک جماع کرنے کے بعد تارک جماع ہو گیا جہاں وہ پہلے خوب بھوک اور خواہش کے ساتھ کھایا کرتا تھا وہاں اس کی بھوک بہت کم ہو گئی۔ بہت کم غذا کھاتا اور اس کو بھی اچھی طرح ہضم کرنے سے قاصر رہتا۔ اگر زیادہ کھالیتا تو فوراً قے ہو جاتی۔ غرض یہ کہ اسے مالیخولیا کے عوارض لاحق ہو گئے۔ اس کے بعد وہ اپنی عادت کے مطابق جمع کی طرف راغب ہوا تو تمام عوارض رفع ہو کر اس کی صحت بحال ہو گئی۔

۴ جالینوس کا قول ہے کہ اگر طاقت کی حالت اچھی ہو تو کثرت جماع سے امراض بلغمیہ کا انسداد ہوتا رہتا ہے۔

۵ جالینوس کہتا ہے کہ جو شخص بکثرت جماع کرتا ہے۔ اس کا بدن حرارت غریزی کے کم ہو جانے سے سرد پڑ جاتا ہے۔ کیونکہ شدت لذت جو لازمہ جماع ہے نہایت سخت محلل ہے۔

۶ شیخ الرئیس لکھتے ہیں کہ جماع مناسب وقت پر کیا جاتا ہے تو نفع مند ثابت ہوتا ہے۔ ذہن کو صاف کرتا ہے، غصہ اور جنون کو تسکین دیتا ہے، خصوصاً عاشق کو معشوق کے ساتھ جماع کرنے سے عشق کا ازالہ ہو جاتا ہے۔

۷ شیخ الرئیس بوعلی سینا لکھتے ہیں کہ اگر عضو خاص کے اعصاب میں برودت کی وجہ سے استرخاء ہو جائے تو عانہ وخصیتین اور عضو خاص پر عاقر قرحا اور روغن چنبیلی ملا کر طلاء کریں۔ فرفیون اور مشک روغن چنبیلی میں حل کر کے ملنا بھی مفید ہے۔ شیر کی چربی تو بہت ہی اچھی چیز ہے۔

۸ شیخ الرئیس بوعلی سینا لکھتے ہیں کہ کثرت جماع کے ستائے ہوئے مریضوں کے معدہ کو قوی اور ہضم کو عمدہ بنانا نہایت ضروری ہے۔ نیز ادویہ مقوی قلب ومسکن چیزیں دی جائیں۔ عام مقویات سے روکا جائے۔

۹ شیخ الرئیس بوعلی سینا لکھتے ہیں کہ شتر اعرابی کے بچے کا پنیر بھی تقویت باہ کے لئے عجیب المنفعت دوا ہے۔ یہ خشک شدہ بقدر نخود لے کر قریباً دس تولے پانی میں گھول کر وقت سے بارہ گھنٹے پہلے پلا دیں۔ اگر شدید نعوظ موجب اذیت ہو تو عضو کو سرد پانی سے دھو ڈالیں۔ پھلوں میں انگور شیریں باہ کے لئے بہت عمدہ ہے۔ اگر تازہ ہو تو خصوصیت کے ساتھ مفید ہے۔ عصافیر (کنجشک) کا گوشت پکا کر کھانا بھی باہ کے لئے مفید ہے۔ اس کو مداومت کے ساتھ کھانا اور ساتھ میں بجائے پانی کے دودھ پینا نعوظ پیدا کرتا ہے۔

۱۰ حکیم رازی لکھتا ہے کہ جماع سے عاجز ہونے کے چار اسباب ہیں: (۱) انتشار کی کمزوری (۲) منی کی کمی (۳) جمود (۴) وہم کا قائم رہنا۔

۱۱ حکیم رازی کہتا ہے کہ اس کبوتر اور چوزہ کا گوشت بہت مفید ہے جو نخود، مغز پنبہ دانہ، لوبیا، مغز تخم قرطم اور باقلا کھلا کر پرورش کیا گیا ہو۔

۱۲ حکیم سویدی کہتا ہے کہ جو شخص نر چڑیا کے کھانے پر مداومت کرے اور جب پیاس لگے تو دودھ پیا کرے اس کی منی کی پیدائش اور جماع میں بے حد ترقی ہو جائے گی۔ اس کا قول ہے کہ گھوڑ سواری کرنا قوت باہ کو بڑھاتا ہے۔

۱۳ حکیم سویدی کہتا ہے کہ گاجروں کا کھانا تقویت باہ کے لئے بہت مفید ہے۔ گاجر کا مربہ بھی بہت مفید ہے۔ خصوصاً جب کہ اس میں

زنجبیل، شکر اور شہد بھی شریک کر لئے گئے ہوں۔ رب زلال نخود بھی نفع بخش چیز ہے۔ ماہی تازہ کو روغن زیتون میں بھون کر پیاز ملا کر کھانا بھی اچھا ہے۔

۱۴ حکیم سویدی لکھتا ہے کہ بکری کا گوشت، پیاز، شکر، شہد اور زعفران ملا کر کھائیں۔ اونٹ کا گوشت بھون کر استعمال کرائیں۔ سمک صیدا پونے دو ماشے کھلائیں اور اوپر سے ایک قدح شراب ابیض یک سالہ پلائیں۔ یہ سب چیزیں ان کے مجربات میں سے ہیں۔

۱۵ ایک حکیم کہتا ہے کہ اگر چنے رات کو بھگو کر صبح کچے کھائے جائیں اور اوپر سے ان کا پانی بھی تھوڑا سا شہد ملا کر پی لیں تو ضعف باہ کے مایوس مریضوں کو قوت باہ عود کر آتی ہے۔

۱۶ بٹیر (ہمانی) کا کھانا بالخاصیت عورتوں کی شہوت کو برانگیختہ کرتا ہے۔

۱۷ سویدی کہتا ہے کہ یہ معجون باہ کو زیادہ کرتی ہے۔ مغز بادام شیریں مقشر، بندق مقشر، نارجیل مقشر، لوز صنوبر مقشر، حب الزلم، حبۃ الخضرا، زنجبیل، دار فلفل ہر ایک ایک جز۔ زعفران ۴/۱ جز۔ مغز تخم خیار دو جز۔ ان سب دواؤں کو باریک کر کے شہد خالص کف گرفتہ میں ملا کر معجون تیار کر لیں۔ مقدار خوراک: سات ماشہ سے ایک تولہ۔

۱۸ ابن نوح کا قول ہے کہ جب غذا کھائی ہو اس وقت پیٹ کا نفخ بشرطیکہ زیادہ نہ ہو نعوظ (تیزی) کا بڑھا دیتا ہے۔ لیکن خلائے معدہ کی حالت میں اس قسم کا نفخ فائدہ نہیں دیتا۔

۱۹ ابوسہل سہیل نحی کہتا ہے کہ جو لوگ کثرت جماع کے باعث ضعف باہ میں مبتلا ہو گئے ہوں انہیں سرد غسل کرنا ماء اللحم۔ شراب ریحانی پلانا اور بیضہ نیم برشت اور کباب کھلانا سود مند ہے۔

۲۰ سہیل النافع ابن ارزق زاری لکھتے ہیں کہ تخم ترب پیس کر تھوڑے شہد میں پکا کر صبح و شام کھانا باہ کو طاقت دیتا ہے۔ حتیٰ کہ ایک سو برس کا شخص بیس سال کے نوجوان کی طرح صحت مند ہو جاتا ہے۔ بشرطیکہ غذا صرف روٹی اور شہد رکھے۔

۲۱ حکیم داؤد انطاکی کہتا ہے کہ ضعف باہ کا سب سے بڑا سبب انسان کا غم والم اور نفسیاتی کدورتوں میں مبتلا ہونا ہے۔

۲۲ حکیم داؤد انطاکی مزید لکھتا ہے کہ تمام اطباء و حکماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ضعف باہ کے مریض کو اس قسم کی دوائیں اور غذائیں دی جائیں جن میں تین اوصاف ہوں۔ پہلے حرارت دوسرے رطوبت تیسرے نفخ ہو۔ اطباء کہتے ہیں کہ سوائے چنوں کے اور کسی مفرد چیز میں یہ تینوں اوصاف ایک ساتھ نہیں پائے جاتے۔

۲۳ اسی طرح شلغم، گوشت، پیاز، زردی بیضہ مرغ، اخروٹ، پستہ بادام اور چہار مغز کا حریرہ، دودھ، شکر اور شہد میں بھی حرارت و رطوبت اور نفخ تینوں اوصاف جمع ہیں۔

۲۴ دودھ کے ساتھ ترنجبین اور خولنجاں کا کھانا بھی مفید ہے۔

(۱۳)

تحقیقات اعادۂ شباب

فہرست عنوانات

معنون

اپنی اس علمی تحقیق وفنی تجدید اور طبی سائنس تدقیق کومخلص عوام خدا پرست اور اپنے محترم عزیز جناب شیخ عبدالخالق صاحب ٹھیکیدار اور رئیس ملتان کے نام نامی اور اسم گرامی سے معنون کرتا ہوں۔ جن کے علمی شوق، فنی ذوق اور حق پرستی کے جذبہ کی وجہ سے تحریک تجدید طب کے ساتھ گہرا تعلق ہے۔

اس کتاب کی تصنیف کا جذبہ دراصل شیخ صاحب کو دیکھ کر پیدا ہوا۔ جناب شیخ صاحب ماشاء اللہ مضبوط ڈیل ڈول کے جوان ہیں، مگر فطرت کی ستم ظریفی سے ان کے بال قبل از وقت سفید ہونا شروع ہو گئے ہیں۔ ان کو اپنے سفید بالوں کا بالکل احساس نہیں تھا، مگر اولاد کی ضرورت کے تحت جب انہوں نے دوسری شادی کی، فطرتاً ان کو سفید بالوں کا احساس ہوا اور انہوں نے مجھے بار بار کہا کہ کیا یہ بال سیاہ نہیں ہو سکتے۔ ان کا یہ جذبہ فطری تھا، کیونکہ ایک تنومند پہلوان صفت نوجوان اور وہ بھی لکھ پتی ہونے کے ساتھ نئی بیوی کے لئے ایسا جذبہ ہونا بھی چاہئے۔ اس لئے یہ کتاب ایسے ہی دولت مند، مضبوط جسم اور نیک دل انسانوں کے لئے لکھی گئی ہے۔ اس کتاب سے مستفید ہونا ان کا ذاتی فرض اور عمل ہے اور آنے والے زمانوں کے لئے طبی و سائنسی تحقیقات میں میری یہ جدوجہد اور سعی ایک سنگ میل کا کام کرے گی اور ہمیشہ اس سے عوام صاحب عقل اور ماہر فن معالج فوائد حاصل کرتے رہیں گے۔

خادم فن

صابر ملتانی

4 جنوری 1961ء

چیلنج سے چڑ

ہماری کتب اور رسائل پر جو چیلنج دیئے گئے ہیں، اس سے بعض دوستوں، اکثر حلقوں اور بہت سے علمی وفنی لوگوں خصوصاً صحافی اور طبی حلقوں میں غلط فہمی، بے چینی کی تشریح کر دی جائے تاکہ آئندہ اس کی حقیقت سے علمی اور فنی طبقہ نہ صرف پورے طور پر واقف ہو جائے بلکہ ایسے مشورے بھی نہ دے کہ اس چیلنج بازی کو ختم کرنا ہی بہتر ہے۔ لیکن اس امر کو نظر انداز نہیں کرنا چاہئے کہ ہر عمل میں کوئی اہم عنصر پنہاں ہوتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ہم خود اس چیلنج بازی سے خوش نہیں ہیں۔ لیکن ہم ایسا کرنے پر مجبور ہیں۔ جس کی وضاحت اور تشریح یہ ہے کہ ہم دُنیا کے سامنے ایک نیا نظریہ پیش کر رہے ہیں۔ بالکل نیا نظریہ یہ ہے جس سے دُنیا کا کوئی صاحب علم اور ماہر فن و طب واقف نہیں ہے۔ ہم اس کو دُنیا میں پیش کر رہے ہیں اور اسی کے تحت علم وفن طب کی تجدید کر رہے ہیں۔ ہماری اس تجدید سے یہ غلط فہمی اور خیال پیدا ہوتا ہے کہ ہماری تحقیق بالکل اسی قسم کی تحقیق ہے جس قسم کی تحقیقات کی بنیاد پر نئی تحقیقات کا سلسلہ قائم ہے۔ ہم دُنیا کو نئے نظریے کے ساتھ نیا ذہن دے رہے ہیں۔ اور اس نظریہ سے یہ مقصد بھی مدنظر ہے کہ فرنگی طب کے فن علاج کے متعلق تمام کے تمام نظریات غلط ہیں، جن کے ثبوت ہم اپنی تحقیقات میں پیش کر رہے ہیں۔

اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں ہے کہ اس وقت فرنگی طب اور سائنس کی تحقیقات دُنیا میں ہر طرف غیر معمولی اثرات سے چھائی ہوئی ہیں اور کسی کے وہم وگمان میں بھی یہ نہیں آسکتا ہے کہ ان میں نہ صرف بے شمار غلط اصول اور نظریات ہیں بلکہ ان کی اکثر بنیادیں غلط قوانین طب اور سائنس پر ہیں اور ہم چاہتے ہیں کہ دُنیا طب وسائنس اور علم وفن کو ان غلط اصول ونظریات سے آگاہ کر دیں تاکہ وہ صحیح راستہ کو سمجھ لیں اور درست طریق سے فوائد حاصل کریں۔

جب دُنیا میں کوئی نیا نظریہ پیش کیا جاتا ہے تو اس کے پیش کرنے والا ایک واحد شخص ہوتا ہے جس کی آواز دُنیا میں ہر طرف فوری طور پر نہیں پہنچ سکتی بلکہ اس کی حیثیت بھاڑ میں ایک چنے سے زیادہ کی نہیں ہوتی۔ بہر حال حامل نظریہ یا مجدد کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ میری آواز میں غیر معمولی اثر ہو، تاکہ دُنیا والے اس طرف توجہ کریں۔ جیسا کہ آج کل پریس کا زمانہ ہے اور ہر طرف علمی فنی اور تحقیقی کتب شائع ہو رہی ہیں۔ ان کی اہمیت اپنی جگہ درست ہے، مگر ان کا مقصد نیا نظریہ پیش کرنا ہوتا ہے۔

ہم نبی نہیں کہ ہم اپنی تحقیق وتجدید اور نظریہ کو معجزہ کہیں یا ولی نہیں جو اس کو کرامت کا نام دیں، ہم صرف ایک حکیم ہیں اور حکمت وفن طب میں تحقیق وتجدید پیش کر رہے ہیں۔ اس لئے اس کو چیلنج کے نام سے پیش کر رہے ہیں۔

اکثر دوستوں، اہل قلم اور صاحب فن نے ہماری تحقیق وتجدید کی تعریف کی ہے اور ایک آدھ نے اس کو اُلٹی سیدھی باتیں بھی لکھی ہیں۔ لیکن ہم دونوں صورتوں میں شکریہ ادا کرتے ہیں۔ لیکن افسوس ہے کہ نہ تو اوّل الذکر اور نہ ہی آخر الذکر اپنی ذمہ داری سے عہدہ برا

ہوئے ہیں۔ دونوں کو چاہیے تھا کہ اوّل میرا نظریہ مفرد اعضاء پیش کرتے اور پھر اس کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے ہماری تحقیق وتجدید اور چیلنج کی تائید اور تنقیص کرتے، فقط تعریف اور حقیقت وسچائی سے انکار کوئی معنی نہیں رکھتا۔ اہل علم وفن جانتے ہیں صابر ملتانی ہمیشہ اپنے کام کسی اُصول وقانون کے تحت کرتے ہیں اور دلائل پیش کرتے ہیں، تاکہ عوام بھی مستفید ہوسکیں۔

ہم اپنی تحقیق وتجدید اور نظریہ کو چیلنج کی صورت میں پیش کر رہے ہیں۔ یہ ایک بہت بڑا دعویٰ ہے۔ ہم پھر اہل علم اور صاحب فن، خاص طور پر صحافی اور طبی حلقوں کو دعوت دیتے ہیں کہ ہمارے چیلنج کو سمجھیں اور ہماری تحقیق وتجدید پر غور وفکر کریں۔ اگر ان میں کچھ حقیقت ہے تو اس کو دُنیا کے سامنے پیش کریں اور اگر وہ سب کچھ بے حقیقت ہے اور صرف اُلٹی سیدھی باتیں ہیں تو عوام کو اس سے دور رکھیں۔

یہ بھی جان لیں کہ ہمارا چیلنج بہت بڑا اور عظیم ہے کہ ہماری تحقیق وتجدید اور نظریہ سے دُنیا میں کوئی واقف نہیں ہے۔ اس میں موجودہ دور کی یورپی، امریکی اور روسی وچینی، ہر قسم کی تحقیقات شامل ہیں۔ ہماری اس وضاحت اور تشریح سمجھ لینے کے بعد ہم اہل علم اور صاحب فن سے اُمید کرتے ہیں کہ وہ حق پرستی کا ثبوت دیں گے۔

صابر ملتانی

پیش لفظ

الحمدللہ رب العالمین، الرحمٰن الرحیم، مالک یوم الدین، و الصلوٰۃ والسلام علی رحمۃ للعالمین۔ امابعد!

جب سے دُنیا عالم وجود میں آئی ہے اس وقت سے نشوو ارتقاء اور تحقیق وتجدید کا سلسلہ قائم ہے۔ نشوو ارتقاء تو قدرت کی طرف سے مکمل ہورہا ہے اور تحقیق و تجدید اشرف المخلوقات کے ذمہ کیا گیا ہے کہ وہ قدرت کے اسرار و رموز کو اس دُنیا میں آشکار کردے اور یہ دونوں عمل قانون فطرت کے مطابق عمل میں آرہے ہیں۔ یعنی ان عوامل کے لئے ایک قدرت کا مقرر کردہ قانون یا راستہ ہے جس کے لئے دین کا لفظ حقیقت کے عین مطابق ہے۔

قدرت کے نشوو ارتقاء اور تحقیق وتجدید کے ادوار و مراحل اور اشیاء و انفعال کا شمار کیا جائے تو پیدائش کائنات سے لے کر زندگی تک اور زندگی سے انسان تک ہے اور پھر انسانی تحقیق وتجدید سے لے کر آج کل لاکھوں منزلیں طے ہوئی ہیں۔ لیکن نشوو ارتقاء اور تحقیق و تجدید کا ہر عمل اور ہر قدم اپنے اندر کوئی نہ کوئی قانون اور اُصول رکھتا ہے۔ پھر یہی قوانین اور اصول اپنے اندر کئی کئی نظریات رکھتے ہیں، جن سے انہی قوانین اور اصولوں میں ارتقاء اور تکمیل پائی جاتی ہے۔ اور جن اہل علم اور صاحب فن کی نگاہ تحقیق وتجدید کی طرف ہوتی ہے، وہ انہی قوانین و اصولوں کو سمجھ کر خاموش بیٹھ نہیں جاتے بلکہ ان پر مزید غور وفکر کرتے ہیں، تاکہ اس منزل کی طرف قدم بڑھائیں جو منزل ان کے دِل و دماغ کی وسعتوں میں پیدا ہوتی ہے۔

اہل علم و صاحب فن اور حکماء و اطباء ذہنی وسعتوں اور منزلوں میں ایک فکر قیام شباب اور اعادہ شباب اور طویل عمری کا بھی ہے، کیونکہ انسان ہوش سنبھالنے کے بعد جب سے اس دُنیا کی زندگی میں عیش ونشاط اور لطف ولذت سے مسرور ہوا ہے، اس کی زندگی اور شباب بہت قیمتی ہوگیا ہے، اب وہ جو چاہتا ہے کہ نہ صرف ہمیشہ کے لئے زندہ رہے بلکہ حسن و شباب کی رنگینیوں سے سرخرو اور بھرپور بنا رہے، اس مقصد کے لئے اس نے اچھی صحت کے قوانین بنائے، امراض کے علاجات تلاش کئے، قیام شباب کے لئے اصول واضح کئے اور طویل عمری کے لئے قوانین کی تلاش کی ہے۔ لیکن انسان کو اپنے مقصد میں پوری کامیابی نہیں ہوئی ہے، مگر انسان اپنی اس کوشش سے دستکش نہیں ہوا۔ کیونکہ اس کی ناکامیاں بھی اپنے اندر بے شمار کامیابیاں رکھتی ہیں۔ صحت کے قوانین و علاج اصول اور زندگی کے دکھوں کے مداوے ایسے اُمور ہیں، جن سے نہ صرف انسان کی زندگی بے حد کامیاب ہے بلکہ بے حد مطمئن ہے۔ یہی اس کی بہت بڑی کامیابیاں ہیں، اس لئے اس مقصد کے لئے اس کا قدم آگے کی طرف بڑھتا رہا ہے۔ اس میدان میں جو بھی لوگ تھک کر بیٹھ گئے ہیں، انہوں نے کہا کہ ؎

ہم نے دُنیا سرائے فانی دیکھی ہر چیز یہاں کی آنی جانی دیکھی
جو آکے نہ جائے وہ بڑھاپا دیکھا جو جاکے نہ آئے وہ جوانی دیکھی

قانون فطرت ہے کہ جب پانی کے بہاؤ میں رکاوٹ پیدا ہوتی ہے تو پانی اور راستے تلاش کرتا ہے۔ یہی فطرت انسانی ذہن

کی بھی ہے کہ جب اس کی تحقیق اور روانی میں رکاوٹ پیدا ہوتی ہے تو وہ بھی نئی راہیں اور جدت اختیار کرتا ہے۔ صرف اس پر بس نہیں ہے بلکہ ہرنئی رکاوٹ کے لئے کبھی پرانے قوانین اور اُصولوں کو دہرا کر ان پر غور وفکر کرتا ہے اور کبھی نئے نظریات ترتیب دیتا ہے، یہاں تک کہ اس کو منزلیں نزدیک نظر آتی ہیں۔

ہمارے ذہن اور وجدان نے بھی ان رکاوٹوں کو کچھ اہمیت نہیں دی۔ اور اپنے رہوار وجدان کو آگے بڑھانے کے لئے ایڑ لگائی۔ اور مسلسل بیس پچیس سال جدوجہد اور کوشش کی، تا کہ مقصد زندگی (شباب) کو حاصل کیا جائے۔ خداوند حکیم کا ہزار ہزار شکر ہے کہ محنت ضائع نہیں گئی اور نظریہ مفرد اعضاء کے تحت مقصد حاصل ہوگیا ہے اور منزل قریب ہوگئی۔ اب اہل علم اور صاحب فن کا فرض ہے کہ اس کی حقیقت پر غور کریں اور اس سے مستفید ہوں۔

قیام شباب و اعادہ شباب اور طویل عمری کے لئے سب سے قدیم سرمایہ اور مفید معلومات آیورویدک میں پائی جاتی ہیں۔ جس میں لکھا ہے کہ کایا کلپ ایک یقینی عمل ہے جس کے ذریعے انسان ہزاروں سال تک زندہ رہ سکتا ہے۔ لیکن اس مقصد کے لئے خاص خاص ادویات کے ساتھ فاضل اور قابل دید اور ایک مناسب ماحول کی ضرورت ہے۔ اس امر میں کوئی شک نہیں ہے کہ ادویات میں ایسی خوبیاں پائی جاتی ہیں اور ان کا استعمال بھی بغیر فاضل اور قابل دید اور مناسب ماحول کے سوا ممکن نہیں ہے۔ لیکن آیورویدک میں بڑھاپے اور ضعف کی حقیقت پر تسلی بخش روشنی نہیں ڈالی گئیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ دوشوں کی خرابی اور فسادِ صحت اور قوت کے نقصان کا باعث ہیں۔ جن کے بعد بڑھاپا آتا ہے، مگر جسم میں کیا کیا تبدیلیاں پیدا ہوتی ہیں۔ جن کو دور کرنے کی کوشش کی جا سکے۔ جہاں تک ادویات کا تعلق ہے، ان کا تعلق کس عضو یا کس قسم کی خرابی سے ہے اور ادویات سے کس قسم کی کمی وخرابی دور ہوسکتی ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ آج کل کے ویدوں میں کوئی بھی ایسا نظر نہیں آتا جو کسی اور کا نہ سہی اپنا ہی کایا کلپ کرے اور نہ ہی کوئی ایسا وید پایا جاتا ہے جس نے ہزاروں سال پہلے اپنا کایا کلپ کیا ہو اور ہم میں آیورویدک کے اس کایا کلپ کا ثبوت پیش کر سکے۔

جہاں تک طب یونانی کا تعلق ہے، وہ اصولی طور پر اعادہ شباب کی قائل نہیں ہے۔ البتہ اس کے قوانین اور اصولوں کے تحت قیام شباب اور طبعی عمر تو ممکن ہے، دائمی زندگی اور شباب ممکن نہیں ہیں۔ کیونکہ ان کا نظریہ ہے کہ انسان کی پیدائش عورت مرد کے مشترکہ نطفے سے ہوتی ہے، جس کی رطوبت اور حرارت سے اس کی زندگی قائم رہتی ہے، ان کو رطوبت غریزی اور حرارت غریزی کہتے ہیں۔ زندگی بھر یہ دونوں چیزیں قائم رہتی ہیں اور جب یہ دونوں ختم ہونے لگتی ہیں تو بڑھاپا آنا شروع ہو جاتا ہے اور ان کے ختم ہونے پر موت واقع ہو جاتی ہے۔ ان کی مثال ایک چراغ سے دی جاتی ہے جس کا تیل رطوبت غریزی ہے اور بتی حرارت غریزی اور ایک وقت آتا ہے تیل و بتی دونوں ختم ہو جاتے ہیں۔ انسانی جسم میں جب رطوبت غریزی اور حرارت غریزی ختم ہو جاتی ہے، چونکہ یہ دونوں پھر پیدا نہیں کی جاسکتیں اس لئے نہ ہی شباب لوٹایا جا سکتا ہے اور نہ ہی عمر میں طوالت کی جاسکتی ہے۔ اس لئے طب یونانی اعادہ شباب اور دائمی زندگی کی قائل نہیں ہے۔

فرنگی طب اور ماڈرن سائنس قیام شباب و اعادہ شباب اور طویل عمری کی قائل ہے۔ وہ انسانی زندگی کی پیدائش کو نطفہ سے تو ضرور تسلیم کرتی ہے مگر رطوبت غریزی اور حرارت غریزی کے متعلق بھی یہ تسلیم کرتی ہے کہ ان کی پیدائش زندگی بھر جاری رہتی ہے۔ ان کا بننا کبھی بھی بند نہیں ہوتا۔ یہ دونوں چیزیں اعضاء جسم ہمیشہ تیار کرتے رہتے ہیں۔ جن میں غدد کو بے حد اہمیت ہے۔ اس لئے اگر غدد صحیح طور پر اپنے افعال جاری رکھیں تو قیام شباب اور طویل عمری ممکن ہے لیکن ان کے نظریئے کے تحت ایک صورت ایسی ہے کہ جس سے غدد

کے افعال بگڑ جاتے ہیں، وہ ہے نظریہ جراثیم۔ یعنی اپنے گرد و نواح میں ایک غیر مرئی مخلوق ایسی ہے جو جسم انسان میں اندر و باہر سے ہمیشہ حملہ کرتی رہتی ہے، جس سے خطرناک اور خوفناک امراض پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ جن سے انسانی صحت کا توازن بگڑ جاتا ہے اور خوفناک امراض پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ جن سے انسانی صحت کا توازن بگڑ جاتا ہے اور غدد اپنی صحیح حالت پر قائم نہیں رہ سکتے اور رطوبت غریزی اور حرارت غریزی کی پیدائش نہ صرف کم ہو جاتی ہے بلکہ خراب ہو جاتی ہے۔ اس وجہ سے صحت اور طاقت، دونوں قائم نہیں رہ سکتیں، پھر بڑھاپا اور موت واقع ہو جاتی ہے۔ غدد کی حالت کو از سر نو درست کرنے کے لئے فرنگی ڈاکٹروں نے غدد میں پیوند اور قلم لگانے کی بھی کوشش کی ہے جس سے ابتداء میں اچھی خاصی کامیابی ہوئی ہے۔ لیکن بہت جلد اس کے نتائج بگڑ گئے ہیں۔ بلکہ بعض حالتوں میں نقصان بہت زیادہ ہو گیا ہے۔ اس لئے یہ صورت بھی کامیاب نہیں ہوئی۔ بعض فرنگی سائنسدانوں نے خون کے اجزاء کو مدنظر رکھ کر ایسے مرکبات تیار کئے ہیں جن سے اعضاء اور خصوصاً غدد اور ذرّات خون کو طاقت دی جا سکے۔ اس طرح بھی اچھے اثرات پیدا ہوئے ہیں، مگر حقیقی کامیابی نصیب نہیں ہوئی ہے۔

لیکن فرنگی طب اور ماڈرن سائنس کی یہ غلط فہمی ہے کہ صرف غدد و ذرّات خون اور خون کے دیگر عناصر قیام صحت اور قوت کے لئے کافی ہیں۔ ان کا تعلق صرف جگر کے ساتھ ہے۔ ان کے علاوہ اعصاب اور عضلات بھی جسم میں اپنے مخصوص افعال انجام دیتے ہیں جن کے مرکز دماغ اور دِل ہیں۔ دوسرے جسم انسان میں رطوبت کون سے اعضاء بناتے ہیں اور کون سے اعضاء ان کو حرارت میں تبدیل کرتے ہیں۔ تیسرے جراثیم امراض پیدا کرنے کے اسباب واصلہ ہیں یا اعضاء جسم کی خرابی امراض پیدا کرنے کے اسباب واصلہ ہو سکتے ہیں۔ نیز اس وقت تک فرنگی طب اور ماڈرن سائنس صحیح معنوں میں اس علم سے واقف نہیں ہے کہ مفرد اعضاء اور امراض کا کیا تعلق ہے اس لئے وہ جسم انسان میں رطوبت وحرارت اور مرض اور جراثیم کے تعلق کا علم نہیں رکھتے۔ ان کے اس علم سے ناواقفیت کی وجہ سے ہم ان کو بار بار چیلنج دیتے ہیں کہ ان کا نظریہ امراض اور اصول علاج غلط ہے۔

آیورویدک و طب یونانی اور فرنگی طب و ماڈرن سائنس کی تحقیقات کو سامنے رکھنے کے بعد جن کا تفصیلی ذکر ہم نے اس کتاب میں کر دیا ہے، ہم نے انسانی جسم کی مشین کا اور گہرا مطالعہ کیا، ہر عضو کے افعال پر نہ صرف گہری نظر ڈالی بلکہ ان کے نتائج کے اثرات کو پرکھا۔ اور سب سے بڑی تحقیق یہ ہے کہ ان کے تعلقات کو خوب اچھی طرح سمجھا ہے۔ اور جہاں پر فرنگی طب اور سائنس کی تحقیقات اور ترقیات ختم ہو گئیں یا انہوں نے اپنا راستہ غلط اختیار کر لیا، وہاں پر ہم نے آگے بڑھنے اور غلط راستے سے دور ہٹنے کی کوشش کی۔ خداوند کریم کا ہزار ہزار شکر ہے کہ اس علیم وحکیم نے ہمیں کہیں مایوس نہیں کیا۔ جہاں پر بھی ہماری تحقیقات رکیں، ہم نے اور صبر واستقامت سے کام لیا اور ہماری منزلیں قریب ہو گئیں۔ اور ہم کو غیر معمولی کامیابی نصیب ہوئی۔

اس امر کے اعتراف میں ہمیں ذرا بھر انکار نہیں ہے کہ اس تحقیق میں قرآن حکیم کی روشنی نے ہماری راہنمائی اور راہبری کی ہے۔ یہ ہمارا یقین ہے کہ قرآن حکیم تمام علوم کا نہ صرف منبع اور سرچشمہ ہے بلکہ ایک نہ ختم ہونے والا خزانہ بھی ہے۔ صرف دیکھنے والی نگاہ چاہیے جو اس پر غور وفکر کر سکے۔ حقیقت یہ کہ قرآن حکیم جس انداز سے زندگی و کائنات اور نفس و آفاق پر روشنی ڈالتا ہے، اس کا ذرا بھر بھی دیگر کتب میں نظر نہیں آتا۔ خاص طور پر رطوبت وحرارت اور ارواح و ہواؤں کی پیدائش، ان کا چلنا اور ایک دوسرے میں بدلنا، اور ان کے افعال و اثرات اور خواص اس تفصیل سے درج ہیں کہ انسان دیکھ کر دنگ رہ جاتا ہے۔ ان کی تفصیلات انشاء اللہ تعالیٰ طبی اور سائنسی تحقیقات ختم کرنے کے بعد بیان کر دی جائیں گی۔ کیونکہ قرآن حکیم میں جو طبی اور سائنسی حقائق بیان کئے گئے ہیں، ان سے دُنیا کا آگاہ

ہونا بھی نہایت ضروری ہے۔ جو کچھ ہم نے اس کتاب میں زندگی و روح اور رطوبت و حرارت کی پیدائش کا ذکر کیا ہے وہ ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ﴾ کی تشریح کا صرف ایک پہلو ہے۔ ورنہ یہ حقائق سات سمندروں کی سیاہی اور دُنیا بھر کے درختوں کے قلم سے بھی بیان نہیں ہو سکتے۔ ہم عاجز بندے ہیں، ہم کو جو علم دیا گیا ہے، وہ تمام جہانوں کے مقابلے میں سوئی کی نوک پر لگنے والے پانی کے ذرہ کے برابر بھی نہیں ہے۔ البتہ جو لوگ ہدایت چاہتے ہیں، ان کو حضور انور و اطہر ﷺ کی تعلیم اور زندگی کے طفیل ہی سے حاصل ہو سکتی ہے۔

اس امر پر وید و اطباء اور حکماء و فرنگی معالج متفق ہیں کہ جب تک جنسی قوت میں شدت رہتی ہے، حسن و شباب قائم رہتا ہے۔ اور جب اس قوت میں کمی آنا شروع ہوتی ہے تو حسن و شباب بھی ختم ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ جنسی قوت میں کمزوری یا خرابی میں تین اہم حقائق بیان کئے جاتے ہیں۔ اوّل حفظانِ صحت میں بے قاعدگی جس میں غذا کو بے حد اہمیت ہے، دوسرے اعضاء جسم کے افعال میں کمی بیشی اور خرابی خاص طور پر جگر کی خرابی۔ تیسرے نفسیاتی طور پر جنسی جذبہ میں خرابی پیدا ہو جائے۔ خاص طور پر خوف اور غم کی فراوانی۔ اگر کم از کم جنسی قوت کو ایک معیار و شباب مقرر کرتے ہوئے ان تینوں حقائق کی ایک اچھے طریق پر نگاہ داشت رکھی جائے تو یقیناً امر ہے شباب اور صحت بہتر طریق پر قائم رہتے ہیں۔

ہم نے اس جنسی قوت کو تین حصوں میں تقسیم کر دیا ہے: رطوبت (انرجی)، حرارت (ہیٹ) اور جوش (فورس)۔ اور پھر ان تینوں قوتوں کو اعضاء رئیسہ کے تحت ترتیب دے دیا ہے۔ **یعنی رطوبت کی زیادتی دماغ و اعصاب کی تیزی سے ہوتی ہے، حرارت کی زیادتی جگر و غدد میں تیزی سے اور جوش کی زیادتی دل و عضلات میں ہوتی ہے۔** جس کسی شخص میں جنسی قوت میں کمزوری واقع ہوتی ہے تو یہ کبھی نہیں ہوتا کہ تینوں قوتوں میں بیک وقت کمزوری اور خرابی ہوگی یا حرارت و جوش میں افراط و تفریط اور نقص پیدا ہو جائے گا۔ اس لئے جس قوت میں کمی اور خرابی ہو، صرف اسی کو درست کرنا چاہیے۔ اس طرح جنسی قوت بالکل درست ہو جائے گی۔ اس لئے ہمیں بیک وقت تینوں اعضائے رئیسہ کو طاقت دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ صرف اسی ایک عضو کو طاقت دینا ہی کافی ہے جس کے ساتھ اس قوت کا تعلق ہے۔

اسی طرح ہم نے حرارت غریزی و رطوبت غریزی اور روح کے متعلق حکماء سے اختلاف کیا ہے اور اس کتاب میں ثابت کیا ہے کہ یہ تینوں حسب ضرورت پیدا کی جا سکتی ہیں اور ان تینوں کا تعلق بھی اعضائے رئیسہ سے مقرر کر دیا تا کہ ان تینوں میں سے جس کو پیدا کرنا مقصود ہو تو اس کے متعلقہ عضو میں تحریک دینے سے پیدا کی جا سکتی ہے۔ جس کسی اہل علم اور صاحب فن کو ہماری اس تحقیق سے اختلاف ہو۔ ہم اس کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ خیالات اور حقائق کو بیان کریں، ہم خوشی سے ان کو اپنے رسالہ میں شائع کریں گے اور ان کا تسلی بخش جواب بھی دیں گے۔

ہم نے اس کتاب کو اپنی تحقیقات سے پورے طور پر مکمل کرنے کی کوشش کی ہے۔ مگر افسوس، وقت کی قلت اور دامن کی تنگی نہ ہوتی تو یقیناً یہ کتاب اس سے چار گنا زیادہ ہوتی۔ زندگی بخیر انشاء اللہ تعالیٰ اس کے دوسرے ایڈیشن میں ہم اس کو اور زیادہ تفصیل سے لکھیں گے۔ جس سے بہت سے اسرار و رموز کی گرہ کشائی ہوگی۔

جن دوستوں نے ہماری دیگر چیلنج کتب کا مطالعہ کیا ہے، جن میں ① مبادیاتِ طب ② تحقیقات تپ دق و سل (ٹی۔بی) ③ تحقیقات نزلہ، زکام اور اس کا یقینی بے خطا علاج ④ تحقیقات نزلہ، زکام وبائی (فلو) قابل ذکر ہیں۔ ان کو ہماری اس کتاب ''تحقیقات اعادہ شباب'' کے پڑھنے کا بہت زیادہ لطف آئے گا۔ اور وہی دوست ہی اس کتاب سے بہت زیادہ مستفید ہوں گے۔ یہ بھی

حقیقت ہے کہ جو لوگ کسی علم و فن کا مطالعہ کریں اور اس کی روح کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ وہ علم و فن رفتہ رفتہ نہ صرف ان کے دماغ میں رچ جائے گا بلکہ فائدہ بخش بھی ثابت ہوگا۔ اور وہی اس سے عوام کی خدمت کر کے عزت حاصل کر سکتے ہیں۔

جو لوگ فن تحقیق اور تجدید کی اہمیت سے واقف ہیں۔ وہ اس کتاب کی اہمیت کو پورے طور پر سمجھ سکتے ہیں۔ کیونکہ ہر تحقیق کے لئے لازم ہے کہ اس کے ثبوت میں مشاہدات و تجربات اور دلائل اور حقائق پیش کئے جائیں۔ اور یہی امور تحقیق کی جان ہوتے ہیں۔ چونکہ ان اُمور میں زیادہ تر اصطلاحات برتی جاتی ہیں اس لئے عوام جو اہل علم اور صاحب فن نہیں ہیں وہ تحقیق و تجدید کی اہمیت کا اندازہ نہیں لگا سکتے۔ البتہ ان کے لئے سب سے بڑی اہمیت انہی معلومات میں پائی جاتی ہے جو دُنیا میں پہلی بار پیش کی جا رہی ہے۔ اس لئے ہمیں اُمید ہے کہ ہماری اس کتاب سے اہل علم اور صاحب فن اور تحقیق و حکماء کے ساتھ عوام بھی مستفید ہوں گے۔ البتہ یہ کوشش کی گئی ہے کہ عوام زیادہ سے زیادہ اس سے استفادہ حاصل کر لیں۔ اس لئے وہ اگر دو تین بار اس کتاب کو غور و فکر سے پڑھیں تو یقیناً وہ بھی اس سے پورے طور پر مستفید ہو سکتے ہیں۔

ایک بات کی طرف ہم خاص طور پر توجہ دلانا چاہتے ہیں کہ اپنی ہر تحقیق میں قدیم و جدید اور یورپ و امریکہ کی تمام سائنسی و طبی تحقیقات کو اپنے سامنے رکھتے ہیں اور اپنی تحقیقات میں اس امر کو مدنظر رکھتے ہیں اور قدیم و جدید خصوصاً فرنگی سائنسی طبی تحقیقات کو پہلے من و عن بیان کر دیتے ہیں۔ پھر اس پر صالح تنقید کرتے ہیں، ان کا حسن و قبح بیان کر دیتے ہیں، پھر آخر میں اپنی تحقیقات کو سائنسی تجربات و مشاہدات اور علمی و فنی دلائل و حقائق کے ساتھ بیان کرتے ہیں تاکہ کسی علمی و فنی ہستی اور محقق کو انگلی رکھنے کا موقعہ نہ مل سکے۔ پھر بھی اگر کسی کو زیادہ وضاحت کی ضرورت ہو تو وہ ہمیں مل کر اپنی تسلی و تشفی کر سکتے ہیں۔

خداوند حکیم کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ انہوں نے ہم سے ایک اہم خدمت لی ہے اور ہم اس قابل ہو سکے ہیں کہ تھوڑے ہی عرصہ میں ایک بہت بڑا حصہ علمی و فنی خدمت کا پیش کر سکے ہیں۔ خاص طور پر اس سال میں ہم یکے بعد دیگرے تین خاص نمبر پیش کر چکے ہیں جو بہت بڑا علمی و فنی خزانہ ہے۔ ہمارا سال اکتوبر سے شروع ہوتا ہے۔ ان ابتدائی چار ماہ میں ہی تین خاص پیش کرنے کے قابل ہو گئے۔ اور ان شاء اللہ تعالیٰ ایک زبردست چیلنج ہوگا۔ جس کا مقابلہ موجودہ طبی اور سائنسی دور میں ناممکن ہے۔ خریداروں کے لیے ہم نے خاص قیمت مقرر کی ہے اور آئندہ اس امر کو ہمیشہ مدنظر رکھیں گے۔ اس خاص نمبر کی قیمت کو ملا کر خریدار سے ہم نے کل چھ روپے لئے ہیں۔ لیکن اس زر تبادلہ میں ہم نے نزلہ زکام نمبر کی قیمت دو روپے، نزلہ زکام وبائی نمبر کی قیمت ڈیڑھ روپیہ، اور اعادہ شباب نمبر مبلغ چار روپے اور آئندہ جو خاص نمبر دیں گے اس کی قیمت ایک روپیہ ہوگی۔ اس طرح ہم خریداروں کو ساڑھے آٹھ روپے کی قیمت ادا کر چکے ہیں اور ابھی سال کے باقی ماہ ان کو رسالہ بھیجا جائے گا۔ جس کی قیمت کا خریدار خود اندازہ لگا سکتے ہیں۔

ہم یہ سب کچھ اس لئے پیش کرنے کے قابل ہو سکے ہیں کہ خداوند کریم کی مہربانی سے ہمارے رسائل و کتب اور تحقیقات کو بے حد مقبولیت حاصل ہو رہی ہے اور رسالہ ''رجسٹریشن فرنٹ'' اپنے پاؤں پر کھڑا ہو گیا ہے۔ جوں جوں اس کی اشاعت بڑھتی جائے گی، ہم ان شاء اللہ تعالیٰ زیادہ سے زیادہ علمی فنی خزانہ یورپ و امریکہ کے مقابل لٹریچر میں پیش کرتے رہیں گے۔ جو واقعی طبی اور سائنسی دُنیا میں انقلاب ہوگا۔

خادم فن

صابر ملتانی

4 جنوری 1961ء

بڑھاپے کا نفسیاتی تجزیہ

کیا خوب مرزا غالب نے کہا ہے:

بزم فراق صحبت شب کی جلی ہوئی ایک شمع رہ گئی ہے، وہ بھی خاموش ہے

بڑھاپا انسانی عمر کا ایک حصہ ہے جس میں اس کے قویٰ مضمحل ہو جاتے ہیں جسم ضعیف ہو جاتا ہے۔ اعضاء اپنے مقررہ افعال پورے طور پر انجام نہیں دے سکتے۔ جسم اکثر دُبلا خمیدہ اور اعضاء میں رعشہ پیدا ہو جاتا ہے۔ چہرے پر جھریاں آنکھیں اندر دھنسی ہوئی اور رنگت میں سیاہی غالب نظر آتی ہے۔ بال سفید، دانت کمزور اور بات کرنے میں الفاظ پورے طور پر ادا نہیں کیے جا سکتے۔ نگاہ انتہائی کمزور اور ثقل سماعت اکثر حالتوں میں دونوں غائب، حافظہ ساتھ نہیں دیتا، ابھی کچھ کہا، ابھی بھول گیا۔ گزشتہ واقعات تقریباً تمام کے تمام صفحہ دماغ سے ڈھل جاتے ہیں۔ بلغم کا وہ زور ہوتا ہے، ایک منٹ نیند نہیں آتی، اور وہ غالب کے مندرجہ بالا شعر کی پوری تفسیر بن جاتا ہے۔

یہ ہے بڑھاپے کی قلمی تصویر کا ایک پہلو۔ اس کے مقابلے میں نو دس سال کا ایک بچہ اُچھلتا ہے، کودتا ہے، دوڑتا ہے اور قلا بازیاں لگاتا ہے۔ اس کا ہر عضو اس کی ہر حرکت کا ساتھ دیتا ہے۔ جوانی کے جوش کا تو اندازہ ہی نہیں کیا جا سکتا۔ جوان ہوا میں پرواز کرتا ہے، سمندر چیرتا ہے، پہاڑ کاٹتا ہے، شیر سے لڑ جاتا ہے اور ہاتھی پر سوار ہوتا ہے۔ یہ سب کچھ کیا ہے، جو بڑھاپے میں نہیں ہے، یہ صرف طاقت ہے۔

بڑھاپے میں پورا جسم قائم ہے، اعضاء سلامت ہیں، روح بھی جسم میں ہے، نفس بھی اپنا کام کر رہا ہے۔ مگر کوئی شے نہیں ہے تو طاقت ہے۔ اس امر سے صاف پتہ چلتا ہے کہ انسان صرف جسم و روح اور نفس کا مرکب ہی نہیں ہے بلکہ طاقت بھی ایک شے ہے، جب تک وہ قائم ہے، انسان افکار و افعال کے ساتھ اس دُنیا پر قابض ہے اور جب طاقت ختم ہو جاتی ہے تو دُنیا اس پر قابض ہو جاتی ہے۔ اور وہ مجبور محض بن جاتا ہے۔

جنسی حرارت

یہ طاقت کیا شے ہے؟ ظاہر میں ہم دیکھتے ہیں کہ ایک بوڑھا انسان کم و بیش کھاتا پیتا ہے، سوتا ہے، جاگتا ہے، چلتا ہے، پھرتا ہے اور باتیں کرتا ہے۔ لیکن اگر اس میں کسی شے کی کمی ہوتی ہے تو جنسی حرارت ہے، جس کی کمی کو وہ نمایاں طور پر محسوس کرتا ہے۔ اور جوں جوں وہ اس میں کمی محسوس کرتا رہتا ہے، اس میں بڑھاپے کے آثار ظاہر ہوتے جاتے ہیں۔ گویا اصل شے جنسی حرارت کا فقدان ہے۔ تحقیقات سے پتہ چلتا ہے کہ جب تک انسان میں جنسی حرارت قائم رہتی ہے وہ اپنے آپ کو بوڑھا نہیں سمجھتا، بلکہ نوجوانوں سے بھی بڑھ کر اپنی طاقت اور جرأت کا ثبوت دیتا ہے۔ اور یہاں تک دیکھا گیا ہے کہ بڑھاپے میں بھی جب جنسی حرارت ساتھ نہیں دیتی، کسی انسان کے سامنے اگر جنسی واقعات اور قصے بیان کیے جائیں یا حسن و عشق کے افسانے اور رومان سنائے جائیں یا مچلتی جوانی اور اندھے شوق کی

داستانیں دہرائی جائیں تو اس کی آنکھوں میں چمک آ جاتی ہے اور چہرے پر روشنی و سرخی، جسم میں تازگی اور رونق کے آثار نظر آتے ہیں۔ گویا ان کا جنسی جذبہ بیدار ہوتا ہوا نظر آتا ہے اور کبھی وہ خود اپنی روئیدادِ حسن وعشق اور واردات محبت بیان کرنے پر آ جائے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس بوڑھے کا دِل ضرور جوان ہے۔ مگر اس بیچارے کے پاس جنسی حرارت کہاں۔ سب کچھ کہہ دینے کے بعد وہ ٹھنڈا سانس بھر کر چپ ہو جاتا ہے، وہ تو بار بار اس جنسی جذبہ کے تاروں کو اپنے گذشتہ احساسات کی ضربات لگاتا ہے مگر وہاں پر کسی نغمہ کا پیدا ہونا تو رہا ایک طرف وہاں پر سرتال اور لے ہی قائم نہیں ہوتے۔ شاید اسی صورت کی ایک شاعر نے کیا تصویر کشی کی ہے ؎

غزل اس نے چھیڑی ہے، مجھے ساز دینا ذرا عمر رفتہ کو آواز دینا

بوڑھا گزشتہ واقعات تو دوہرا سکتا ہے، مگر غزل کے ساتھ ہم آواز نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اس مقصد کے لئے اس کو ساز (صحیح اعضاء) اور عمر رفتہ (حرارت جسم) کی ضرورت ہے۔ جن سے جنسی جذبہ تکمیل پاتا ہے۔ بڑھاپے میں دونوں چیزیں ناکارہ ہو چکی ہیں۔ اور وہ آواز دینا دینا ختم ہو جائے گا۔

جب یہ جنسی حرارت، جذبہ حسن وعشق، رنگین محبت وشوق اور واردات شعریت و رومانویت ختم ہوتی نظر آتی ہیں تو کبھی مرغن اغذیہ اور مقوی ادویات کھاتا ہے۔ کبھی شراب کا سہارا لیتا ہے تو کبھی حسن ونزاکت کی نوخیز کلی کی تلاش میں سرگرداں پھرتا ہے۔ مگر وائے ناکامی کہ بہت جلد ان سہاروں سے بھی نا اُمید ہو جاتا ہے۔ اور دُنیا اور اس کی رنگینیاں اس کے سامنے اندھیرا ہو جاتی ہیں۔ گوشہ نشینی اختیار کرتا ہے مگر وہاں بھی تسکین نہیں آتی پھر بوڑھی جذباتی طوائف کی طرح جس کی طرف کوئی نگاہ بھر کر بھی نہیں دیکھتا، اپنے کو مجرم گردانتا ہے، تاکہ اس کی طرف کوئی نگاہ قہر ہی ڈال دے اور جنسی جذبہ میں تسکین آ جائے۔

یہ جنسی حرارت اور جذبہ حسن وعشق ایک ایسی کیفیت ہے کہ اگر تھوڑی دیر کے لئے اس کو ختم کر دیا جائے تو یہ رنگینیاں وحسن یہ باغات وچمن، یہ مضبوط قلعے اور قصر بلند، یہ شہنشاہیاں اور بادشاہیاں، یہ لیڈریاں اور حکومتیں، یہ علم وفن اور شعر وحکمت سب ختم ہوتے نظر آئیں گے۔ یہ جدوجہد اور سعی تمام جنسی حرارت اور جذبہ حسن وعشق کی تکمیل کے لئے نظر آتے ہیں۔ ہر بڑی کوشش اپنے اندر ایک طوفانی جذبہ رکھتی ہے۔ ہر شہنشاہ و بادشاہ، ہر لیڈر و حاکم، ہر عالم وحکیم، ہر شاعر و ادیب یہاں تک کہ ہر عابد و زاہد کا نفسیاتی تجزیہ کر لیجئے۔ یہی ذوق و شوق جلوہ گر نظر آئے گا۔ ممکن ہے اس کی کوئی شکل بدلی ہوئی ہو مگر حقیقت ہر جگہ نمایاں ہو گی۔ یہی وجہ ہے کہ کہا گیا ہے کہ انسان کے ذہن پر عورت سوار ہے۔

جذبہ محبت کیا ہے

جنسی حرارت اور جذبہ محبت کیا اُمور ہیں؟ جنسی حرارت کے متعلق تو ہم آئندہ صفحات میں تفصیل سے لکھیں گے۔ یہاں پر جذبہ محبت کے متعلق کچھ روشنی ڈالتے ہیں۔ جذبہ محبت انسانی جبلت ہے جس کو ہم شوق اور رومانس کہتے ہیں علم نفسیات میں جبلت کی اصطلاح کا مطلب یہ ہے کہ انسان کے ابتدائی خصائل میں ایک ایسی خصلت ہے جو فطری طور پر اس کو ودیعت کی گئی ہے۔ جس سے اس کے اندر باہم ملنے جلنے، اکٹھا رہنے اور انس کرنے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے انس چونکہ شخصی نوع کا ابتدائی جذبہ ہے اس لئے ہر شخص جو اس جذبہ اُنس سے مرقع اور متصف ہے وہ انسان کہلاتا ہے جس میں یہ جذبہ مفقود ہے، واقعی وہ انسان کہلانے کا مستحق نہیں ہے چونکہ یہ جذبہ انس ہر شخص کی بنیادی جبلت ہے اس لئے ہر ایک میں پائی جانی چاہئے۔ حقیقت یہ کہ یہ جبلت ہر ایک میں ہوتی ہے مگر نفسیاتی طور پر جب اس کی غیر فطرتی تربیت ہوتی ہے تو یہ جذبہ اُنس بہت حد تک دب جاتا ہے۔ ضائع نہیں ہوتا کیونکہ یہ کسی نہ کسی رنگ میں ظاہر ضرور ہوتا ہے دیکھا گیا

ہے کہ ظالم ڈاکو اور زاہد خشک بھی کسی مقام پر اس کا اظہار کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ جب یہ جبلت صحیح فطری طریق پر تربیت پاتی ہے تو یہ جذبہ پھر ملکہ بن جاتا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ غیر شعوری طور پر بھی انسان انس پر مجبور ہوتا ہے اور ہر اس شے کی طرف لپکتا ہے جو اس کے لئے کشش کا باعث ہوتی ہے یا جس کے ساتھ اس کو قلبی مسرت ہوتی ہے۔

اس جذبہ کو سب سے زیادہ جس نے سمجھا ہے وہ صرف اسلام ہے۔ اس نے اس جذبہ جنسی کی تسکین کے لئے پورے سامان کئے ہیں تاکہ انسان اپنے اس جذبہ کی تسکین تو ضرور کرے مگر اس کے ذہن پر عورت سوار نہ ہو۔ اور دوسری طرف معاشرہ میں بے راہ روی پیدا نہ ہو۔ انسان ایک کے بجائے چار شادیاں کر لے۔ اگر طاقت ہے تو جس قدر چاہے باندیاں رکھ لے مگر حرام کاری سے باز رہے اور جگہ جگہ غیر تحقیق نطفہ پھیلا کر اپنی ذمہ داری سے دست کش نہ ہو جائے۔ اور اپنی قیمتی دولت کو غلط مقام پر ضائع نہ کرتا پھرے۔

جنسی جذبہ کی بے راہ روی جہاں ایک طرف غلط معاشرہ پیدا کر دیتی ہے وہاں انسان کی اپنی حرارت جنسی بھی تباہ و برباد ہو جاتی ہے۔ اس کے قویٰ مضمحل ہوتے ہیں، بڑھاپا آتا ہے اور امراض کی کثرت ہو جاتی ہے۔ آج فرنگی تہذیب و تمدن میں ہر طرف یہی کچھ نظر آرہا ہے۔

جذبہ شوق

قدرت کی طرف سے انسان میں جبلی طور پر جو جذبہ محبت و انس رکھا گیا ہے۔ اس کو حکمت اور عقل کے تحت جذبہ شوق کہتے ہیں، یہ ایک قسم کی کشش ہے جو مادہ کی حیثیت سے ایک دوسرے کی طرف کھینچتی ہے۔ یہ جذبہ صرف انسانوں میں نہیں پایا جاتا ہے بلکہ حیوانات و نباتات اور جمادات میں بھی نظر آتا ہے فرق صرف صورت اظہار کا ہے۔ انسان ادراک و وجدان کے تحت کام کرتا ہے تو حیوانات میں احساس و حرکت کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے اور نباتات میں حرارت و نمو کی صورت لئے ہوتا ہے اور جمادات میں کشش و ثقل میں اظہار ہوتا ہے۔ بہر حال یہی کشش کسی نہ کسی رنگ میں موالید ثلاثہ میں کام کرتی نظر آتی ہے اور انسان چونکہ اشرف المخلوقات ہے اور بہت حد تک اپنے ان افعال کا خود مختار ہے جن کی اس میں استعداد رکھی گئی ہے اس لئے اس میں جب یہی کشش کام کرتی ہے تو وہ جذبہ شوق کہلاتی ہے۔ اس کو عام طور پر انس و محبت کے الفاظ میں ظاہر کیا جاتا ہے۔ یہی جذبہ شوق جن اشیاء صورتوں اور افعال کی طرف کھینچتا ہے ان کو خوبصورتی، حسن اور خوش نمائی کہا جاتا ہے۔ چونکہ انسان کا جذبہ شوق فطری طور پر رنگینی کا طالب ہے، اس لئے یہ اس کی جبلت میں داخل ہے۔

جذبہ شوق کی اقسام

جذبہ شوق کی تین صورتیں ہیں:

① جذبہ شوق کا اپنے جز یا کل یا مطلوب و مقصود کی طرف بغیر کسی رکاوٹ کے ملنا۔ اس کو وصل کہتے ہیں اس کا نتیجہ مسرت ہوتی ہے۔

② جذبہ شوق کا اپنے جز یا کل یا مطلوب و مقصود کی بجائے غیر کو دیکھ کر اس سے منقبض ہونا اس کو فرار کہتے ہیں۔ جس کا نتیجہ خوف ہوتا ہے۔

③ یہی جذبات مسرت اگر تسلسل اختیار کر لیں تو محبت، غم اور ندامت میں منتقل ہو جاتے ہیں۔ یہی انسانی زندگی کے جذبات ہیں۔ مسلسل انسانی زندگی میں کام کر رہے ہیں۔ فرنگی طب و ماڈرن سائنس اور سائیکالوجی ان حقائق سے بالکل خالی ہے۔ اس لئے وہ

انسانی زندگی کے جذبات باقاعدگی (سیسٹیمٹک) طریق پر نہیں سمجھ سکی اور نفس کو سمجھنے میں بالکل ناکام ہے۔

زندگی میں نظم و ضبط

جاننا چاہئے کہ انسانی زندگی میں نظم و ضبط ہے۔ اس کے جسم و نفس میں ایک گہرا تعلق ہے اور ان کی ہر حرکت و جذبہ باقاعدگی سے کام کرتے ہیں۔ کہیں بھی بے قاعدگی اور بے راہ روی نہیں ہے، فرنگی سائیکالوجی اور ماڈرن سائنس میں اگر انسانی نفسیات کا ذکر ہے تو بغیر نظم و ضبط کے ہے۔ کسی ایک جذبہ یا جبلت کو لے کر اس کے متعلق اپنے تجربات بیان کر دیئے جاتے ہیں، مگر اس کو انسانی جسم کے تمام اعضاء اور افعال کے ساتھ منطبق نہیں کیا جاتا۔ جس سے وہ جذبہ اور فعل پورے طور پر ذہن نشین نہیں ہوتا۔ بالکل علم و علاج کی طرح جیسے ہر مرض کا علاج تو بتلایا جاتا ہے مگر اس مرض کو جسم انسان کے اعضاء کے ساتھ تطبیق نہیں کیا جاتا ہے۔ اس طرح انسانی امراض اور جذبات قابل فہم نہیں بن سکتے۔ نظم و ضبط کا یہی فقدان ظاہر کرتا ہے کہ فرنگی علوم وفنون غیر علمی اور ان سائنٹفک ہیں۔

جذبہ شوق اور ارتقاء

یہی جذبہ شوق جب کمال کو پہنچ کر اپنے مطلوب و مقصود سے ملاپ ہوتا ہے تو اس کو جنسی تعلق کہتے ہیں اس عمل سے زندگی کی ابتدا ہوتی ہے۔ جمادات میں نشوونما شروع ہو جاتی ہے۔ نباتات میں نمو کے آثار ظاہر ہوتے ہیں، حیوانات میں پیدائش کی صورت نمودار ہوتی ہے۔ جذبہ شوق اس وقت تک اپنے کمال کو نہیں پہنچتا جب تک اس میں کشش و حرارت اپنے عروج پر نہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ جنسی تکمیل کے لئے ایک خاص عمر اور ایک خاص وقت مقرر ہے۔ مثلاً بچوں میں جنسی قوت و حرارت موجود ہوتی ہے۔ مگر نامکمل ہوتی ہے اس لئے ان میں جذبہ شوق اپنے پورے جوش میں نہیں ہوتا۔ لیکن اگر ان کو جذباتی ماحول میں رکھا جائے اور غیر فطری تحریکات دی جائیں تو جذبہ شوق قبل از وقت بیدار ہو جاتا ہے جو اتنا ہی شدید نقصان رساں بھی ہے، کیونکہ اس طرح اس میں اپنے عروج و کمال کا زمانہ نہیں آتا۔ اس کا جسم کمزور رہ جاتا ہے اور قبل از وقت بڑھاپے کے اثرات ظاہر ہو جاتے ہیں اور موت کے پنجوں میں گرفتار ہو جاتا ہے۔ گویا یہ لازم آتا ہے کہ بچہ جب تک اپنے بچپن کی انتہائی منزلیں ختم نہ کر لے اس وقت تک اس کو جذبہ شوق کی تکمیل کے لئے روکنا چاہئے۔ اگرچہ وہ کس قدر بے چین اور بے قرار بھی ہو جائے، اس کی صحیح عمر تقریباً پچیس سال ہے جس کی تفصیل آئندہ آئے گی۔

اسی طرح جذبہ شوق کی ایک بار تسکین یا جنسی ملاپ کے بعد پھر اس میں اس قدر وقفہ ہونا چاہئے کہ جنسی قوت و حرارت افراط و اعتدال سے بڑھ کر فضلات کی صورت اختیار کر لے۔ جس کی علامات ہم آئندہ لکھیں گے۔ اس طرح یہ سلسلہ قائم رہ سکتا ہے۔ پہلی مثال عمر کی ہے اور دوسری مثال وقت کی ہے۔ جن کی صورتیں ہم نباتات اور حیوانات میں روزانہ دیکھتے ہیں۔ یہاں تک کہ جراثیم میں بھی یہی اُصول نظر آتے ہیں۔ یعنی جب تک ایک بیج مکمل نہیں ہوتا، اس وقت تک وہ آگے نہیں پھٹتا۔ اور جب تک کوئی حیوانی بچہ اپنی پوری عمر کو نہ پہنچے اس میں جنسی رجحانات ظاہر نہیں ہوتے۔ اور جوان ہو جانے کے بعد بھی ان کے جنسی رجحانات میں تیزی تک ایک وقت مقرر ہے۔ البتہ بعض نباتات اور حیوانات کے لئے یہ وقت کم رکھا گیا ہے۔ کیونکہ ایسے نباتات و حیوانات عام طور پر غذائی مقصد اور دیگر کیمیاوی ضروریات کے لئے بہت زیادہ درکار ہوتے ہیں۔

بچہ کے مقابلہ میں بوڑھے انسان کے اعضاء بالکل مکمل ہوتے ہیں، جس میں روح اور نفس موجود ہوتا ہے، جذبہ شوق سلامت ہوتا ہے، بلکہ باقی زمانوں سے زیادہ ہوتا ہے۔ مگر جنسی حرارت نہیں ہوتی۔ جو قوت بن کر اعضائے رئیسہ میں گردش کرتی ہے، جس سے وہ

اپنے جذبہ شوق کی تسکین کرتا ہے۔ اس لئے جب جنسی حرارت کمزور ہوتی چلی جاتی ہے تو اعضائے رئیسہ کمزور ہوتے چلے جاتے ہیں۔ بڑھاپا آ جاتا ہے۔ جذبہ شوق کی تسکین جنسی صورت میں مشکل نظر آتی ہے تو پھر اس انسان کا جذبہ شوق اپنی تسکین کے لئے دوسری راہیں تلاش کرتا ہے۔ مثلاً: (۱) سونا، چاندی اور مال اکٹھا کرتا ہے۔ اس کو بار بار دیکھتا ہے، گنتا ہے۔ (۲) اپنے گھر بار ساز وسامان، مال تجارت اپنے مویشی خاص طور پر گھوڑے، گائے بھینس اور بھیڑ بکری وغیرہ یہاں تک کہ کتوں سے پیار کرتا ہے اور ان کے جنسی تعلقات سے لطف اندوز ہوتا ہے۔ جو نیک فطرت ہیں وہ اپنے مذہب اور اخلاقی قدروں کی بلندی سے پیار کرتے ہیں اور اس پر اسی طرح جان دے دیتے ہیں، جیسے جنسی جذبہ کی تسکین سے ہوتا ہے۔ لیکن نفسیاتی طور پر جنسی حرارت ہی کام کر رہی ہوتی ہے۔ تجربہ شاہد ہے کہ بڑھاپے میں پھر جنسی حرارت بیدار ہو جائے تو ان کے یہ دینی اور دنیاوی اعمال رُک جاتے ہیں۔ یہ تجربہ ایک شاہد مرمریں دستیاب کر دینے سے مکمل ہوسکتا ہے۔ (۳) اولاد کی محبت اور ان کے شادی بیاہ سے لطف اندوز ہونا۔ (۴) اپنے زندہ رہنے کی محبت جس سے شب و روز کھانے پینے اور پہننے کے شوق میں زیادتی اور صحت کا غیر معمولی خیال رکھنا۔ بہر حال یہ علامات ہیں ایک بوڑھے شخص کے جذبہ شوق کی تسکین کی جن کی طرف اس کا نفس رجوع کرتا ہے۔ ان علامات میں جس قدر شدت ہے اس قدر زیادتی ہے۔ اس لئے خداوند کریم نے انسانی جذبہ شوق کے لئے دوسرے جہان میں بھی ان کے ساتھ جنت فردوس اور باغات میں نہریں، قیمتی محلات، حور و غلمان مختلف اقسام کے ثمرات و مشروبات خصوصاً شراب طہور کے وعدے کئے ہیں تاکہ انسان اس تسکین کے ساتھ دنیاوی فرائض عین فطرت کے مطابق انجام دے سکے۔ لطف کی بات یہ کہ اگر بوڑھے انسانوں کے جذبہ شوق کی تسکین کی علامات کا غور سے مطالعہ کیا جائے تو عجیب عجیب تعجب خیز باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ بعض لیڈر بن کر قوم کے درد کے لئے دُکھ اٹھاتے ہیں۔ بعض مذہب و اخلاق کے مبلغ بن کر اپنی جان عزیز تک دے دیتے ہیں۔ بعض حکومت کے مشیر بن کر حکومت کو اپنی مرضی پر چلانا چاہتے ہیں۔ بعض چوروں، ڈاکوؤں، بلیک مارکیٹ کرنے والوں اور سمگلروں کے خلیفہ بن جاتے ہیں اسی طرح پیر مغاں بازاری عورتوں کے خیر خواہ بن جاتے ہیں۔ گویا ہر قسم کی برائی کو روکنے اور پیدا کرنے میں انہی بوڑھوں کے جذبہ شوق کا دخل ہوتا ہے، یہ پرانے تجربہ کار ہوتے ہیں، خود تو کچھ زیادہ کرنے کے قابل نہیں ہوتے۔ جوانوں کو اُکسا دیتے ہیں جن سے بغاوتیں ہوتی ہیں، فسادات پیدا ہوتے ہیں، ہاں کبھی کبھی صالح تبدیلیاں اور انقلابات بھی رونما ہو جاتے ہیں۔ بہر حال تعمیری اور تخریبی ذہن اپنا اپنا کام کرتے ہیں۔ یہ بڑھاپے کا نفسیاتی تجزیہ ہے۔ اس سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ انسان میں جسم و روح اور نفس کے علاوہ ایک ایسی قوت بھی ہے جو اس کے نظام زندگی کو چلاتی ہے جس کو حکماء قویٰ کا نام دیتے ہیں جس کا فطری اظہار اس کا جذبہ شوق اور جنسی تحریکات ہیں۔ یہی جذبہ اور تحریکات جسم و روح میں پیدا ہوتی ہیں اور نفس کے تحت کام کرتی ہیں اور اسی نفس سے جسم و روح کا تعلق قائم رہتا ہے۔

نفس کو حکماء نے تین صورتوں میں تقسیم کیا ہے۔ غیر شعور (ان کانشس) تحت شعور (سب کانشس) اور شعور (کانشس) جن کو قرآن علی الترتیب (۱) نفس امارہ (۲) نفس لوامہ (۳) نفس مطمئنہ کہتا ہے جن کی تفصیل طوالت رکھتی ہے۔ البتہ یہاں پر یہ واضح کرنا مقصود ہے کہ یہ تینوں شعور یا نفس آپس میں متعلق ہیں اور ایک دوسرے پر اثر انداز ہوتے ہیں اور چونکہ بعض کام بعض کے ذمہ ہیں اس لئے تینوں ایک دوسرے کے محتاج بھی ہیں۔ یہ تینوں اگر اعتدال پر رہیں تو انسانی زندگی نہ صرف اعتدال پر رہتی ہے بلکہ وہ اپنی طبعی عمر کو پہنچ جاتی ہے اور بڑھاپا باعث مصیبت نہیں بنتا۔ اور اگر یہی تینوں قویٰ میں اعتدال اور نظم قائم نہ رہے تو نہ صرف انسانی صحت بگڑ جاتی ہے بلکہ زندگی کا قوام بگڑ جاتا ہے۔ اس کے بگڑنے سے نہ صرف بڑھاپا جلد آ جاتا ہے بلکہ انسانی اخلاق بگڑ جاتے ہیں ان کا نظم وضبط اور اعتدال ختم ہو جاتا ہے۔ مثلاً نفس امارہ میں شدت پیدا ہو جائے تو خواہشات نفسانی بڑھ جاتی ہیں اور انسان معاشرہ کے لئے مصیبت بن جاتا ہے۔ اگر نفس

لوامہ میں تیزی آ جائے تو انسان برائی اور بداخلاقی سے اس حد تک بچتا ہے کہ معاشرہ اس کو مطعون نہ کر لے لیکن دراصل ایسا انسان اپنی عقل سمجھ اور چالاکی سے معاشرہ سے فوائد حاصل کرتا ہے جس کو انگریزی میں (ایکسپلائی ٹیشن) کہتے ہیں۔ اسی طرح اگر نفس مطمئنہ میں جوش پیدا ہو جائے تو انسان بالکل دُنیا اور خواہشات نفسانی کو ترک کر دیتا ہے جس کے بغیر دُنیاوی زندگی اور ضروریات حیات پوری نہیں کر سکتا۔ اس لئے ان تینوں قویٰ کا نہ صرف اعتدال ضروری ہے بلکہ ان کا صحیح علم بھی ہونا چاہیے۔ تاکہ اس کی اچھی بری علامات کو جان سکے اور ان کی خرابی کی حالت میں ان کو اعتدال پر قائم رکھ سکے۔ بہتر مقام یہ ہے کہ انسان نفس مطمئنہ کا مالک ہو اور بوقت ضرورت نفس امارہ اور لوامہ سے مستفید ہو سکے۔ انسان کی صحت درست، جوانی برقرار، جذبہ شوق سلامت اور جنسی حرارت قائم رہے گی۔ اس لئے قرآن حکیم نے انسان زندگی کے نظم وضبط اور اعتدال کے لئے نفس کا تفصیل سے ذکر کیا ہے یہی صحت اور جوانی کا راز ہے۔ افسوس بہت کم علماء علم الابدان سے واقف ہوتے ہیں۔

قبل از وقت بڑھاپا

آب و دانہ تیرے بیمار کا چھوٹا   خون جگر پی رہا ہے اور غذا کچھ بھی نہیں

بڑھاپا تو تکلیف دہ ہے ہی مگر قبل از وقت بڑھاپا تو نہایت ہی خطرناک ہے کیونکہ اس میں جذبہ شوق کے ساتھ بہت حد تک جنسی حرارت بھی قائم ہوتی ہے۔ انسانی فوٹو اور فریم بگڑ چکا ہوتا ہے۔ بالوں میں سفیدی داخل ہو چکی ہوتی ہے۔ کچھ دانت قائم اور کچھ نزلہ کی نذر ہو چکے ہوتے ہیں۔ آنکھوں پر چشمہ رونق افروز ہو جاتا ہے اور اکثر آلہ ساعت کی فکر دامنگیر رہتی ہے۔ چہرے کی شکنیں پریشان کرتی ہیں اور جلد کی رونق کو کریموں اور روغنیات سے واپس لانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ بہر حال صحت کے قیام کے ساتھ کسی شاہد کے لئے مشہود بنانا پڑتا ہے۔

قبل از وقت بڑھاپے کو روکنے کے ساتھ ساتھ چھپانے کی بے حد کوشش کی جاتی ہے، کبھی خضاب استعمال کئے جاتے ہیں۔ مصنوعی دانت لگوائے جاتے ہیں۔ ٹھاٹھ کا لباس زیب تن کیا جاتا ہے گویا ہر صورت میں اپنے کو جوان بلکہ نوجوان بنانے کی جدوجہد کی جاتی ہے۔ لیکن ہمیشہ انسان ایک مذاق نظر آتا ہے بلکہ بعض حالتوں میں تو کارٹون نظر آتا ہے۔ عورتوں کی صورتیں تو اور بھی عجیب وغریب نظر آتی ہیں بلکہ بعض اوقات تو ترس آنے لگتا ہے۔ وہ ایسی صورت میں تیز رنگ کے بھڑکیلے خصوصاً سرخ لباس پہنتی ہیں۔ ہاتھ پاؤں اور ناخنوں پر مہندی اور سرخی کے ساتھ چہروں کو بھی کریموں اور سرخیوں سے لیپا پوتی کرتی ہیں۔ لباس اکثر تنگ ہوتا ہے اور اس میں سے ان کا اکثر حصہ نظر آتا ہے۔ اس لئے ایسے موقعوں پر ہی کہا جاتا ہے کہ بوڑھی گھوڑی لال لگام دراصل یہ بے حد دردناک منظر ہوتے ہیں۔ جن سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ صحت کی پرواہ نہ کرتے ہوئے جوانی کی نعمت کو بری طرح برباد کیا گیا ہے۔ اب جوانی کی طلب ہے مگر جوں جوں اس کو قریب لانے کی کوشش کی جاتی ہے، وہ دور بھاگتی نظر آتی ہے، لطف کی بات یہ ہے کہ ایسی حالت میں بھی ظاہر داری کی بے حد کوشش کی جاتی ہے۔ مگر جہاں تک اُصولی طور پر صحت کے قیام اور اس کو بہتر بنانے کا تعلق ہے اس سے بے پروائی برتی جاتی ہے۔ مثلاً کھانے پینے میں بے قاعدگی اور زیادتی، غذا کے صحیح توازن سے بے علمی، جذبات میں تیزی، غصہ کی زیادتی، ہر بات میں غم کا پہلو، خواہشات نفسانی میں شدت، صبر سے دوری، خداوند کریم کے خوف سے بیزاری، زندگی کے حرکت وسکون میں زیادتی جس نے حسن و جوانی کی تعریف کر دی اس پر فدا۔ جس نے سچی بات کہہ دی اس سے خدا واسطے کا بیر۔ گویا اپنے حسن کی خرابی اور جوانی کی بربادی کا انتقام لیا جاتا ہے۔ درحقیقت یہ ایک مسلسل عذاب ہوتا ہے جو قانون فطرت سے لاعلمی کا نتیجہ ہوتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ قبل از وقت بڑھاپے میں بھی صحت کا سنبھالنا کچھ مشکل کام نہیں ہے بلکہ اگر کوشش کی جائے تو حقیقی بڑھاپے سے بھی جوانی نکال کر انسان لاسکتا ہے۔ بشرطیکہ جوانی اور بڑھاپے کے فرق کو سمجھ لیا جائے۔ جب انسان حسن وصحت کی حقیقت سمجھ لیتا ہے تو خود بخود بڑھاپے سے جوانی جھانکنا شروع کر دیتی ہے۔ بہت سے بوڑھوں کو دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے جن میں جوانیاں اچھلتی کودتی نظر آتی

ہیں۔ ان کا بیٹھنا اٹھنا، چلنا پھرنا، کام دھندا، اور ہر حرکت و سکون میں جوانوں سے بھی زیادہ ان کی گفتگو میں مٹھاس ان کے انداز اور ادا میں نفاست کوٹ کوٹ کر بھری ہوتی ہے۔ ایسے بڑھاپے دوسروں کے لئے رحمت بن جاتے ہیں۔

جوانی اور بڑھاپے کا فرق

ظاہر صورت میں تو انسان کی جوانی اور بڑھاپے کا نمایاں فرق نظر آتا ہے مگر باطن کے فرق سے بہت کم لوگ جانتے ہیں۔ کیونکہ جوانی بڑھاپے کی طرف اس طرح غیر معلوم طریق پر بڑھتی ہے کہ انسان کو اس کا احساس اس وقت ہوتا ہے جب جوانی بڑھاپے کی حدود میں قدم رکھ چکی ہوتی ہے اور وہ اس حالت تک پہنچ جاتا ہے جیسے کوئی سبز درخت کو کاٹ کر پھینک دے اس درخت کی تازگی رفتہ رفتہ خشکی کی طرف تبدیل ہو رہی ہو۔ لیکن غلط فہمی میں مبتلا لوگ بڑھاپے کی حدود میں پہنچ کر بھی اپنے کو جوان خیال کرتے ہوئے اپنی صحت اور اُصول زندگی سے بے پروائی برتتے ہیں۔ اگر وہ قانون صحت اور اصول زندگی کو فطرت کے مطابق اپنا لیں تو وہ بڑھاپے میں بھی جوانی بلکہ نوجوانی کا لطف حاصل کر سکتے ہیں۔

اگر انسان کی عمر فطرت کے مطابق گزرے تو وہ یقیناً طبعی عمر کے ساتھ اپنے طبعی بڑھاپے کو پہنچ سکتا ہے اور طبعی عمر میں انسان کا بچپن اور جوانی بھی طبعی ہونی چاہئیں ورنہ عمر کے غیر طبعی زمانوں سے گزرنے کے بعد انسان کبھی بھی طبعی عمر کو نہیں پہنچ سکتا۔ جس کی مثال کسی درخت کا بیج ہے یعنی اگر بیج صحیح اور سالم اور تازہ ہے اور اس کو مناسب زمین اور ضرورت کے مطابق آب و ہوا مل گئی ہے اور ساتھ ہی ساتھ اس کی پوری نگہداشت بھی کی گئی ہے تو یقیناً وہ درخت نہ صرف اپنی طبعی عمر کو پہنچے گا بلکہ صحیح قسم کے پھل بھی دے گا۔ اور آئندہ کے لئے بھی اس کا تخم مفید رہے گا۔ لیکن اگر تخم ریزی کے بعد سے درخت کی طبعی عمر تک اس کی نگرانی نہیں کی گئی تو اس سے حسب خواہ اُمیدیں وابستہ نہیں ہوسکتیں۔ یہی صورت حیوانی زندگی کی بھی ہے۔

اس حقیقت سے ثابت ہوا کہ اچھے تخم کے ساتھ دو صورتیں اور بھی ضروری ہیں۔ اوّل تخم کے لئے مناسب جگہ اور آب و ہوا۔ دوسرے ضرورت کے مطابق ماحول اوّل صورت کا نام غذا اور دوسری صورت کا نام نگرانی ہے۔ گویا ہر تخم بغیر مناسب غذا اور ضرورت کے مطابق نگرانی کے پروان نہیں چڑھ سکتا۔ جہاں بھی ان تین صورتوں میں سے کسی ایک میں بھی نقص واقع ہو بس وہ زندگی اوّل قائم ہی نہیں ہوگی اور اگر ہوگی تو وہ ناقص اور غیر طبعی ہوگی۔ یہ صورتیں (۱) تخم (۲) غذا (۳) نگرانی ہیں۔ طولِ عمر کو سمجھنے کے لیے ان تینوں صورتوں کو ذہن نشین کر لیں۔

زندگی کی ابتداء

انسان کی طبعی زندگی کے لئے بھی یہی تین فطری اُصول کام کرتے ہیں۔ کیونکہ اس کی زندگی بھی تخم سے شروع ہوتی ہے جس کو نطفہ کہتے ہیں۔ صحیح نطفہ وہ ہے جب (۱) انسان پوری طرح بالغ ہونے کے بعد شادی کرے۔ (۲) میاں بیوی دونوں کی صحت بہت اچھی ہو۔ (۳) دونوں میں پیار اور محبت قائم ہو۔ جو لوگ ان اُمور کی کوشش نہیں کرتے وہ اپنی اولادوں پر ظلم کرتے ہیں جس کا نتیجہ مریض اولاد کا پیدا کرنا ہے جو نہ طبعی عمر کو پہنچے گی اور ہمیشہ بیمار رہے گی۔

جاننا چاہیے کہ مرد کی منی تخم کا کام کرتی ہے اور عورت کی منی غذا کی صورتیں پیدا کرتی ہے۔ جب نطفہ قرار پاتا ہے گویا مرد کا تخم

اپنی غذا کے ساتھ واصل ہو جاتا ہے اور بڑھنا شروع کر دیتا ہے۔ یہاں تک کہ عورت کی منی کا وہ ذرّہ جو اس سے واصل ہوا تھا ختم ہو جاتا ہے پھر اس کو عورت کے خون سے غذا ملتی ہے۔ تقریباً دس ماہ تک عورت کے رحم میں انسانی تخم کو غذا ملتی ہے اس کے بعد بچہ کی صورت میں عورت کی گود میں اس کے دودھ سے غذا حاصل کرتا ہے جو تقریباً دو سال تک رہنا چاہیے۔ اس کے بعد بچہ باہر کی غذا کھاتا ہے جو زندگی بھر اس کے لئے ضروری ہوتی ہے۔ ان تمام ادوار میں انسانی زندگی کے لئے غذا اور نگرانی بے حد اہمیت رکھتی ہیں۔

تخم و غذا اور نگرانی کی مثال ایک چراغ سے دی جا سکتی ہے اور یہی مثال متقدمین اور متاخرین حکماء اور اطباء نے دی ہے، لیکن اکثر لوگوں نے اس کو نہیں سمجھا۔ اس کو پورے طور پر ذہن نشین کرنے سے جوانی و بڑھاپے اور درازی عمر کا مسئلہ آسانی سے سمجھا جا سکتا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ ہر بات اور مسئلہ بغیر مثال اور دلیل کے دماغ فوراً قبول نہیں کرتا۔ اس لئے حکماء نے علوم اور حکمت کو ذہن نشین کرنے کے لئے جگہ جگہ مثالیں اور دلیلیں پیش کی ہیں بلکہ بعض جگہ حکایات کو بیان کیا گیا ہے۔ زندگی و عمر اور جوانی و بڑھاپے کے اثرات اور منزلوں کو سیدھی راہ دکھانے کے لئے چراغ کی زندگی اور اس کی روشنی دونوں ہدایت راہ اور حیات ہیں۔

چراغ حیات و راہ

چراغ ایک مٹی کا دیا ہو یا کسی دھات کا بنا ہوا ہو یا آج کل کے دور کا بجلی کا بنا ہوا قمقمہ سب چراغ ہی کہلاتے ہیں۔ کوئی بتی اور تیل سے جلتا ہے اور کوئی تار اور بجلی سے روشن ہوتا ہے۔ مقصد سب کا ایک ہی ہے کہ تمام روشنی دیتے ہیں۔ کوئی زیادہ دیتا ہے کوئی کم دیتا ہے، شمع بھی ان ہی میں شریک ہے، مگر اس کو ان میں اس لئے شامل نہیں کیا گیا ہے وہ جب ایک بار بن جاتی ہے اور جلتی ہے تو اس کی کوئی مدد نہیں کی جا سکتی۔ اس کے برعکس دیگر چراغوں میں ضرورت کے وقت تیل اور بجلی کا اضافہ کیا جا سکتا ہے تاکہ روشنی کا سلسلہ قائم رہے۔

جاننا چاہئے کہ انسانی زندگی کا چراغ بھی بتی اور تیل سے روشن ہے۔ یہ بتی ایک عام بتی نہیں بلکہ ایک بجلی کی رو یا لہر ہے جس کو حکماء اور اطباء نے حرارت غریزی کا نام دیا ہے اور تیل ایک خاص قسم کی کیمیاوی رطوبت ہے جس کو رطوبت غریزی کہتے ہیں۔ حرارت غریزی کی مثال اس بیٹری سے دی جا سکتی ہے جو ریل اور موٹر میں رکھی ہوتی ہے، جس میں بجلی محفوظ رہتی ہے اور ضرورت کے وقت اس سے بتیاں روشن کی جاتی ہیں یا اس سے موٹر اور ریل کی بجلی کے انجن کو چلایا جاتا ہے۔ جس کی ترکیب یوں بیان کی جاتی ہے کہ ایک خاص قسم کی دھات میں پانی ملے تیزاب کو بھر دیا جاتا ہے اور اس کے ساتھ بجلی کی مثبت و منفی (پازیٹو اینڈ نیگیٹو) تاریں جوڑ دی جاتی ہیں۔ پھر اس کو "ڈائنمو" سے جوڑ دیا جاتا ہے۔ جب ڈائنمو چلتا ہے اور بجلی پیدا کرتا ہے تو بجلی اس تیزاب ملے پانی میں محفوظ ہوتی رہتی ہے اور ضرورت کے وقت وہی بجلی جلنے کا کام دیتی ہے یہی محفوظ بجلی حرارت غریزی (انسانی زندگی کی بتی) کی صحیح مثال ہے اور رطوبت غریزی کی صحیح مثال وہ تیزاب ملا پانی ہے جس میں بجلی محفوظ رہتی ہے جس طرح چراغ کی بتی بغیر چراغ کے جل نہیں سکتی، اسی طرح بجلی کی رو یا لہر تیزاب ملے پانی کے بغیر نہ قائم رہتی ہے اور نہ چل سکتی ہے۔

انسانی زندگی میں بھی حرارت غریزی جو ایک بجلی کی رو کی حیثیت رکھتی ہے جو رطوبت غریزی میں محفوظ رہتی ہے، وہ بغیر رطوبت غریزی کے نہیں جل سکتی۔

شعلہ یا روح

جاننا چاہیے کہ حرارت غریزی جو رطوبت غریزی میں محفوظ ہے، بالکل اس طرح جیسے کوئی بتی تیل میں ڈال دی جائے اور وہ جلا دی جائے۔ لیکن وہ خود بخود نہیں جل سکتی۔ اسی طرح حرارت غریزی بجلی کی رو (لہر) جس کی مثال بتی کی ہے وہ جلنے کے لئے شعلہ کی محتاج ہے۔ یہ شعلہ روح سے پیدا ہوتا ہے، جس کو انگریزی میں سپارک کہتے ہیں۔ بعض محققین اور حکماء کو مغالطہ ہے کہ روح کو ہوا تصور کرتے ہیں اور اس کو ایک لطیف روح سے مشابہت دیتے ہیں۔ یہ بالکل غلط ہے۔ روح ایک شعلہ (سپارک) ہے، جو بھڑک اُٹھتا ہے۔ لہٰذا اس کو ایسی ہوا سے تشبیہ دی جاسکتی ہے جو بھڑک اُٹھتی ہے۔ چونکہ ہمارے ہاں روح پھونکنا ایک محاورہ ہے، اس عمل کی وجہ سے بھی ایک مغالطہ پڑتا ہے اور روح کو ہوا کی ایک لطیف قسم خیال کیا جاتا ہے۔ اگرچہ روح کی مشرقی اور مغربی تصورات میں بہت کچھ فرق ہے اور لفظ روح کے معنی انگریزی الفاظ سپرٹ مگر سپرٹ (جوہر شراب) اس میں جو بھڑک اٹھنے کی خاصیت ہے۔ اس سے روح کے ایک پہلو کی ضرور وضاحت ہوتی ہے۔ دوسری دلیل مادہ اور جوہر کی ہے۔ اگر ان دونوں کی تقسیم کو جاری رکھا جائے تو آخر میں ان دونوں کا اختتام بھی ایک شعلہ میں ہوگا۔ تیسری دلیل ذرہ ہے جو کہ ایٹم کے بعد ختم ہوتا ہے جو بذاتِ خود شعلہ ہے۔ چوتھی دلیل قدیم آیورویدک سائنس کی ہے جو پانچ عناصر تسلیم کرتی ہے اور ان کی پیدائش اس طرح تسلیم کرتی ہے کہ مٹی (پرتھوی) کی پیدائش پانی (جل) سے اور جل کی پیدائش آ کاش (اشیر) سے ہوئی ہے۔ آگ اگر شعلہ ہے تو تسلیم کرنا پڑے گا کہ اشیر (آ کاش) آگ کا سمندر ہے جو اس کائنات کے اوپر پھیلا ہوا ہے اور آفاق کا سلسلہ اس سے قائم ہے جس کو ہم روح عالم کہتے ہیں۔

نفس و آفاق

اگر نفس اور آفاق کے تعلق کو آپس میں جوڑا جائے تو تسلیم کرنا پڑے گا کہ دونوں آگ کے قبل سے تعلق رکھتے ہیں۔ ہندو علم العقائد میں آتما اور پرماتما کی تعلیم پر اگر غور کیا جائے تو وہ بھی بہت کچھ نفس اور آفاق کے تصورات اور اثرات کی ایک ہندی شکل ہے۔ اس نفس و آفاق اور آتما پرماتما کی توضیح کا مقصد یہ ہے کہ ان سب چیزوں کا آگ سے تعلق اور صرف آگ ہی میں ایک قوت ہے جو زندگی بخشتی ہے، پرورش کرتی ہے، تحلیل کرتی ہے، حرارت بخشتی ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ آگ کی پوجا ہوتی ہے اور فرقہ زرتشت خدا کا تصور آگ سے کرتا ہے۔ اور قرآن حکیم نے جو رب کا لفظ دیا ہے اس میں بھی پرورش و حرارت کے معنی پائے جاتے ہیں۔ ان حقائق سے ثابت ہے کہ روح کو ہوا کہنا بالکل غلط فہمی ہے۔ بلکہ اس کو شعلہ اور سپرٹ کہنا زیادہ مناسب ہے۔ یہی شعلہ انسانی جسم میں حرارت غریزی کو روشن رکھتا ہے یا اس سے حرارت غریزی جلتی ہے اور زندگی قائم رہتی ہے۔ حرارت غریزی ختم ہو جائے یا شعلہ کسی صورت بجھ جائے تو زندگی کو فنا آجاتی ہے۔ گویا حرارت غریزی پیدا نہیں کی جاسکتی۔ اس لئے اس پر زندگی کا قیام ہے۔

حرارت غریزی

حرارت غریزی کے متعلق اگرچہ حکماء متقدمین اور متاخرین میں اختلافات ہیں۔ لیکن وہ سب اس امر پر متفق ہیں کہ حرارت غریزی ایک ایسی حرارت ہے جو قیام نطفہ کے وقت یا مرد اور عورت کے مادہ تولید کے ملنے کے ساتھ پیدا ہوتی ہے اور اسی پر زندگی قائم ہے اور جب وہ ختم ہو جاتی ہے تو موت واقع ہو جاتی ہے۔ اس لئے اس کو حرارت اصلیہ بھی کہتے ہیں۔ ان کے خیال کے مطابق حرارت غریزی بڑھائی نہیں جاسکتی۔

اس کے برعکس فرنگی سائنس اس امر کو تسلیم کرتی ہے کہ حرارت غریزی کوئی حرارت اصلیہ نہیں ہے بلکہ جسم انسان میں پیدا شدہ حرارت کا نام ہے اس کو جس قدر بھی چاہے انسان بڑھا سکتا ہے۔ ان دونوں مقدمات میں جو مغالطہ ہے وہ اس طرح نکالا جا سکتا ہے کہ روح کو شعلہ تسلیم کیا جائے اور حرارت غریزی کو جلنے والا مادہ (بتی)، تو حقیقت اس طرح سامنے آ جاتی ہے کہ شعلہ پھر روشن نہیں کیا جا سکتا اگرچہ حرارت غریزی کو زیادہ سے زیادہ جس قدر بھی بڑھایا جائے۔ اس سے دو مقدمات واضح ہو جاتے ہیں کہ انسان حرارت غریزی کے ساتھ زندہ ہے اور حرارت غریزی بڑھائی جا سکتی ہے۔ اور اگر شعلہ کو روشن رکھا جائے تو اس طرح انسان ایک لمبی عمر تک بھی زندہ رہ سکتا ہے۔ دلیل کے طور پر ہم چند شواہد بھی پیش کر سکتے ہیں۔ مثلاً پیدائش کے بعد تندرست بچہ کا مر جانا یا تندرست نوجوان کا دم گھٹ جانا، یا ڈوب جانا، بلند مقام سے گر کر مر جانا اور بہت خون خارج ہو جانے کے بعد موت کا واقع ہو جانا۔ ان سب حقائق سے صاف ظاہر ہے کہ حرارت غریزی تو جسم میں قائم تھی مگر روح کا شعلہ بجھ گیا ہے۔ اور اسی پر زندگی کا دارومدار ہے۔ قرآن حکیم سے روح کے متعلق علم کچھ اس طرح سے حاصل ہوتا ہے۔ حضرت رسول کریم ﷺ سے روح کے متعلق سوال کیا جاتا ہے، یسئلونک عن الروح (روح کے متعلق وہ لوگ آپ سے پوچھتے ہیں)۔ قل الروح من امر ربی (کہہ دو کہ روح میرے ربّ کا امر ہے)۔ ربّ کو ہم نے شعلہ اور نور سے تشبیہ دی ہے۔ اور امر وہ عمل ہے جو ربّ کی طرف سے صادر ہوتا ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ روح ایک شعلہ، نور اور روشنی ہے جو ضرورت کے وقت ربّ العالمین کے حکم سے اپنا امر پورا کرتی ہے۔ حکماء نے جسم انسان میں ایک طبی روح تسلیم کی ہے۔ جس کو مذہبی روح سے ایک الگ ہستی قرار دیا ہے۔ اس روح طبی کے متعلق اس طرح کہا گیا کہ الروح۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ طبی روح ایک لطیف گیس ہے۔ جو جلتی ہے اور شعلہ قبول کرتی ہے۔ فرنگی سائنس نے اس کو آکسیجن سے تشبیہ دی ہے۔ اس کو حرارت غریزی کہہ لیا جائے یا حرارت غریزی کے مدو معاون کرنے والا مادہ جس نے ایٹم پھٹنے کے بعد حرارت غریزی کو پیدا کر دی۔ اس توضیح سے ہم زندگی کے بہت قریب پہنچ جاتے ہیں یعنی ہم حرارت غریزی (جلنے والی بتی) پیدا کر سکتے ہیں۔ البتہ اس میں شعلہ کی ضرورت باقی رہ جاتی ہے۔ اگر ہم موجودہ دور کے ان سائنسدانوں کے تجربات کی طرف غور کریں کہ انہوں نے بعض چھوٹے چھوٹے جانوروں کو مار دینے کے کئی گھنٹوں بعد زندہ کیا ہے یا ایسے انسانوں کو دوبارہ زندگی بخشی ہے جو ڈوب کر مر گئے تھے یا بجلی کے شاک سے مر گئے تھے یا آکسیجن کے ٹینٹ میں مرنے والوں کو زندہ رکھ کر ان کو موت سے باہر گھسیٹ لیا تو تسلیم کرنا پڑے گا کہ آئندہ بہت جلد انسان اس امر پر قابو پا لے گا کہ وہ روح کا شعلہ پھر روشن کر دے تجربہ صرف یہ کرنا ہے کہ حرارت غریزی کو کس گیس سے روشن کیا جا سکتا ہے۔ اس میں مذہب کے خلاف کوئی بات پیدا نہیں ہوتی وہ بھی امر ربی ہی ہوگا۔ بلکہ یوں خیال کرنا چاہیے کہ خداوند حکیم نے ہمیں خود زندگی کے طریق سے آگاہ کر دیا ہے۔

بڑھاپا اور امراض

اگر اس حقیقت کو تسلیم کر لیا جائے کہ حرارت غریزی زندگی کے لئے ایک بتی ہے تو پھر یہ حقیقت روشن ہو جاتی ہے کہ بڑھاپا اور امراض اس وقت پیدا ہوتے ہیں جب حرارت غریزی کمزور ہو جاتی ہے جس طرح اس کے بجھ جانے کے بعد موت واقع ہو جاتی ہے، جب ہم ثابت کر چکے ہیں کہ حرارت غریزی پیدا کی جا سکتی ہے اور قبل از وقت بڑھاپے کا علاج تو احسن طریق پر کیا جا سکتا ہے۔ قبل از وقت بڑھاپے پر فتح حاصل کرنے کے بعد روح کا شعلہ روشن کرنے سے موت پر بھی فتح پائی جا سکتی ہے۔

اس شعلہ کے سلسلہ میں علامہ اقبال کا شعر ذیل قابل غور ہے۔ جس میں شعلہ کو روح کے متبادل کس خوبصورتی اور معنی افروز صورت میں استعمال کیا گیا ہے ؎

کس قدر بیباک اس خاکداں پیکر میں تھا شعلہ گردوں نورد اک مشت خاکستر میں تھا

اس شعر میں معنی افروز صورت یہ ہے کہ ایک طرف شعلہ کو دِل کے لئے استعارہ کے طور پر استعمال کیا ہے اور دِل مقام روح ہے دوسری طرف اس کو شعلہ گردوں نورد کا نام دیا ہے یعنی آفاق کا جز کہا ہے۔ جس سے نفس اور آفاق کے تعلق کو واضح کر دیا ہے۔ یہی مقصد ہمارا بھی ہے کہ روح ایک شعلہ ہے اور اس کا تعلق آفاق کے ساتھ نفس اور آفاق کا تعلق کس طرح قائم ہے۔ تفصیل کے لئے ہماری کتاب تحقیقات نزلہ زکام وبائی میں مطالعہ کریں۔ اس طرح آفاق ونفس اور روح وحرارت غریزی کے افعال کو سمجھا جا سکتا ہے کہ انسانی زندگی کے تمام افعال ہمیشہ آفاقی ہوتے ہیں اور اس کے اعمال کا فرق صرف شرف وفضیلت اور شعور کے مطابق ہوتا ہے۔ اس کے بعد حرارت غریزی کا تعلق رطوبت غریزی سے کس طرح قائم ہے جو ارضی مادہ ہے جو حرارت غریزی (بتی) کے لئے بطور غذا ہے جو شعلہ روح سے جلتی ہے۔

رطوبت غریزی

حرارت غریزی کی طرح حکماء متقدمین ومتاخرین رطوبت غریزی کو بھی رطوبت اصلیہ کہتے ہیں جو بوقت نطفہ قائم ہوتی ہے اور مدت تک قائم رہتی ہے۔ اس میں کمی بیشی نہیں کی جاسکتی اس لئے جوانی واپس نہیں آ سکتی اور موت کا علاج ممکن نہیں ہے۔ جس کے لئے دلیل یہ دی جاتی ہے کہ انسان کے اعضاء اصلیہ جو رطوبت غریزی یا رطوبت اصلیہ سے تیار ہوتے ہیں، اگر ان میں نقصان واقع ہو جائے تو دوبارہ وہ بن نہیں سکتے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس میں بھی حرارت غریزی کی طرح وہی مغالطہ ہے کیونکہ جب حرارت غریزی کی پیدائش ممکن ہے جو کہ ایک آفاقی شے ہے جیسا کہ ہم پہلے ثابت کر چکے ہیں تو رطوبت غریزی کی پیدائش کیوں ممکن نہیں جو خالص ارضی شے ہے۔ جہاں تک اعضاء اصلیہ کا تعلق ہے وہ صرف ایک بوند سے تمام جسم انسانی کو کیسے تکمیل کر سکتے ہیں۔ جب مادہ تولید مرد اور عورت کامل کا نطفہ قرار پاتا ہے تو وہ تین حصوں میں تقسیم ہو جاتا ہے: (۱) بنیادی اعضاء (۲) حیاتی اعضاء (۳) خون۔ بنیادی اعضاء میں ہڈی ورباط اور اوتار بنتے ہیں۔ اس کی اصل الحاقی مادہ (کنکٹوٹشو) سے ہوتی ہے۔ حیاتی اعضاء سے اعصاب خون کا مرکز دماغ، عضلات جن کا مرکز دِل اور غدود جن کا مرکز جگر ہے۔ دِل ودماغ جگر یہی تینوں اعضاء رئیسہ ہیں جو عضلاتی، اعصابی اور اپی تھیلیل ٹشوز سے تیار ہوتے ہیں۔ جن سے بافتیں (ٹشوز) بننے کے بعد اعضاء تیار ہوتے ہیں۔ خون جو مرکب عناصر اور حامل روح طبی اور حرارت ہے جس سے ہمیشہ بنیادی اور حیاتی اعضاء کو غذا ملتی رہتی ہے۔ جس طرح ہڈی کے ٹوٹ جانے کے بعد اس کے خلیے پھر بڑھ کر آپس میں جڑ جاتے ہیں، بالکل اسی طرح گوشت اور غدد کے خلیے بھی بڑھ کر آپس میں جڑ جاتے ہیں۔ کمی صرف یہ پڑ جاتی ہے کہ ان کے درمیان ایک گرہ سی پڑ جاتی ہے جس سے ان میں فرق آ جاتا ہے اس وجہ سے ان میں بجلی کی رو پورے طور پر گزر نہیں سکتی۔ دوسرے طبیعت جو تمام جسم کی پرورش کی ذمہ داری ہے۔ کسی خاص عضو کی طرف انتہائی طور پر متوجہ نہیں ہوسکتی اس لئے اعضاء کی دوبارہ نشوو ارتقاء ذرا مشکل ہو جاتی ہے۔ ورنہ اعضاء اصلیہ بھی دوبارہ بن جاتے ہیں جن کی مثال دانت ہیں۔ یعنی اگر جسم میں ان کا مادہ کافی مقدار میں ہے تو وہ پھر بھی نکل آتے ہیں۔ ناخن اور بال ہمیشہ بڑھتے رہتے ہیں۔ لیکن جب ان کا مادہ خراب ہو جاتا ہے تو ان میں خرابی واقع ہو جاتی ہے۔ مجھے ایک لڑکی دیکھنے کا اتفاق ہوا، جس کے پاؤں کے تلووں میں انگلی انگلی موٹے کانٹے پیدا ہو جاتے تھے۔ اس بیچاری کا چلنا پھرنا انتہائی مشکل ہو جاتا تھا۔ جب وہ کٹوا دیئے

جاتے تھے تو دوبارہ نکل آتے تھے۔ ان حقائق سے ثابت ہوتا ہے کہ رطوبت غریزی ہمیشہ تیار ہوتی رہتی ہے اور جسم انسان میں خرچ ہوتی رہتی ہے۔ یہ رطوبت غریزی وہی رطوبت اصلیہ نہیں ہے جو نطفہ کے ساتھ قائم ہوئی تھی اور موت تک قائم رہتی ہے۔ البتہ یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ رطوبت غریزی یا رطوبت اصلیہ اس رطوبت کا نام ہے جو چوتھے ہضم کے بعد جسم انسان میں جذب ہو جاتی ہے اور اعضاء بننے یا حرارت غریزی کی غذا بننے کے لئے تیار ہو جاتی ہے اور کم و بیش یہ ہمیشہ تیار ہوتی رہتی ہے۔ اسی رطوبت پر زندگی و جوانی اور صحت و خوبصورتی کا دار و مدار ہے۔ جب اس میں کمی بیشی وخرابی اور فساد واقع ہو جاتا ہے تو مرض و بڑھاپا اور بدصورتی کے اثرات ہو جاتے ہیں۔ بس اس کی صحیح پیدائش اور حفاظت ہی زندگی ہے۔

رطوبت غریزی کی پیدائش

رطوبت غریزی جس کو ہم ثابت کر چکے ہیں کہ یہی رطوبت اصلیہ ہے جو نطفہ کی صورت مادہ تولید میں منتقل ہو جاتی ہے۔ یہی اس کی زبردست دلیل بھی ہے کیونکہ مادہ تولید ہمیشہ رطوبت غریزی سے پیدا ہوتا رہتا ہے جس کو خصیے اور دیگر عناصر تیار کرتے رہتے ہیں۔

رطوبت غریزی چوتھے ہضم کے بعد پیدا ہوتی ہے جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے پہلا ہضم اس وقت ہوتا ہے جب غذا معدہ میں جاتی ہے اور وہ رطوبت معدی کے ملنے سے آش جو کی صورت میں محلول ہو جاتی ہے اس کو کیلوس اور فرنگی طب میں کیموس کہتے ہیں۔ اس کا لطیف حصہ جو زیادہ تر نشاستہ پر مشتمل ہوتا ہے مجریٰ صدر کے ذریعے دِل میں چلا جاتا ہے، اس کا ثقیل حصہ اثنا عشری آنت کے راستے امعاء میں اُتر جاتا ہے۔ جہاں پر دوسرا ہضم شروع ہوتا ہے۔ اس ہضم میں امعائی رطوبات کے علاوہ جگر سے صفراء اور لبلبہ کی رطوبات شامل ہوتی ہیں۔ اس ہضم کا لطیف حصہ جگر میں جذب ہو جاتا ہے جہاں پر تیسرا ہضم شروع ہوتا ہے۔ جگر میں کیموس حرارت سے پکتا ہے اور باقی اخلاط کے ساتھ خون کی سرخ رنگت اختیار کرتا ہے۔ پھر اس کے ذریعے دِل میں پہنچ کر شش کے ذریعے سے صاف ہو کر شریانوں کے ذریعے عروق شعریہ کے راستہ غدد کی وساطت سے جسم پر شبنم کی طرح ترشح پاتا ہے جس کو رطوبت طلیہ (لمف) کہتے ہیں۔ یہ چوتھا ہضم ہے جہاں یہ جذب ہو کر کیسوں (سل) میں چلی جاتی ہے اور یہی رطوبت غریزی یا رطوبت اصلیہ ہے۔ ہم نے ہضم غذا کی اس حالت کو کہا ہے۔ جب غذا کسی حصہ جسم میں تحلیل ہو کر اپنی شکل بدل دے اور قابل جذب بن جائے۔ بعض حکماء اور اطباء نے ہضم اس صورت کو لکھا ہے جب غذا ایک حصہ جسم سے دوسرے حصہ جسم میں جذب ہو جائے یہ مغالطہ ان کو اس لئے پیدا ہوا ہے کہ انہوں نے ہضم میں چار قوتوں کو تسلیم کیا ہے: (۱) جاذبہ (۲) مسکہ (۳) ہاضمہ (۴) دافعہ۔ یعنی ان کے بغیر ہضم نہیں ہوگی وہ مکمل ہضم نہیں کہلا سکتی۔ بہرحال دونوں صورتوں میں کوئی خاص فرق پیدا نہیں ہوتا۔ بہر صورت رطوبت غریزی یا رطوبت اصلیہ اس طرح تیار ہوتی ہے۔

مقام رطوبت غریزی

رطوبت غریزی کا مقام وہ کیسے یا خلیے ہیں جن سے جسم انسان تیار ہوتا ہے جیسا کہ ہم اوپر تشریح کر چکے ہیں۔ یہ کیسے چار قسم کے ہوتے ہیں: (۱) عصبی کیسے (۲) عضلاتی کیسے (۳) غدی کیسے (۴) الحاقی کیسے۔ جن کے آپس میں ملنے سے بافتیں اور ساختیں (ٹشوز) تیار ہوتی ہیں۔ اور انہی چار اقسام کی بافتوں اور ساختوں سے مکمل جسم انسان تیار ہوتا ہے جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ جاننا چاہئے کہ اگر چاروں ہضم درست رہیں گے تو رطوبت غریزی صحیح طور پر تیار ہوگی، جس سے صحت و جوانی اور خوبصورتی قائم رہے گی۔ اور اگر یہ رطوبت غریزی صحیح طور پر تیار نہ ہوئی یعنی اس میں کمی بیشی وخرابی اور فساد پیدا ہو گیا، تو قبل از وقت بڑھاپا اور امراض پیدا ہو جائیں

گے۔ جس ہضم میں خرابی اور فساد واقع ہوا تو مرض اسی مقام پر ہوگا۔ **یعنی اگر پہلے ہضم میں خرابی ہوئی تو امراض نظام غذائیہ میں پیدا ہوں گے جن کا تعلق عضلات سے ہے، اگر خرابی دوسرے ہضم میں ہوئی تو امراض نظام غدی پیدا ہوں گے جن کا مرکز جگر ہے۔ اس نظام کا فضلہ بول ہے۔ اگر خرابی تیسرے ہضم میں پیدا ہوگی تو امراض دمویہ پیدا ہوں گے جن کا تعلق اعصاب کے ساتھ ہے جن کا مرکز دماغ ہے۔ اس کا فضلہ پسینہ ہے۔ اگر خرابی چوتھے ہضم میں ہوگی تو امراض ہوایہ پیدا ہوں گے، جن کا تعلق روح طبعی کے ساتھ ہے، اس کا محرک نفس ہے۔ اس کا فضلہ دخان (کاربانک ایسڈ گیس) ہے۔** انہی فضلات سے ایک طرف جسم انسان کی صفائی ہوتی ہے اور دوسری طرف یہی فضلات جن راستوں سے گزرتے ہیں، وہاں پر تحریک اور تقویت کا باعث ہوتے ہیں۔ مثلاً دخان (کاربانک ایسڈ گیس) قلب وشش جنسی اعضاء اور ذہن میں تحریک اور تیزی پیدا کرتی ہے۔ ان نظاموں کی تفصیل میری کتاب ''مبادیاتِ طب'' میں ملاحظہ کریں۔

خلیہ ایک ایسا حیوانی ذرّہ ہے، جس میں زندگی کے ساتھ تولید کی قوت بھی ہوتی ہے۔ اس میں نظام غذائیہ، نظام تصفیہ اور نظام تسنیم یعنی نظام ہوایہ قائم ہیں۔ اس کو کیسہ (سیل) بھی کہتے ہیں۔ اس کے اندر رطوبت بھری ہوتی ہے جس کو پروٹو پلازم (مادہ حیات) کہتے ہیں۔ جس کو ہم رطوبت غریزی یا رطوبت اصلیہ کہتے ہیں۔ اس کے اندر ایک مرکزی نقطہ ہوتا ہے جس پر اس خلیے کی زندگی کا دار و مدار ہے۔ اس کو (نیوکلیس) مرکز حیات کہتے ہیں۔ اس مرکز حیات میں بھی ایک قسم کی رطوبت ہوتی ہے اور یہ مرکز حیات اور مادہ حیات کے گرداگرد لپٹے ہوتے ہیں۔ ان میں بھی مختلف اقسام کی رطوبت بھری ہوتی ہیں۔ ان تمام رطوبات کے مختلف افعال ہیں جن کی تشریح طوالت کا باعث ہے۔ یہاں پر مقصد بیان یہ ہے کہ ہر خلیہ اپنے اندر رطوبت اور زندگی کا مرکز رکھتا ہے اور تمام جسم انہی کیسوں سے مرکب ہے جن کا آپس میں گہرا تعلق ہے۔ اور یہی کیسہ انسانی زندگی کا ابتدائی یونٹ ہے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ کائنات میں جہاں بھی زندگی پائی جاتی ہے، چاہے وہ حیوانات ہوں یا نباتات، وہاں پر زندگی ایک خلیہ کی صورت میں ہی پائی جاتی ہے۔ یہ خلیے کہیں آزاد اور کہیں آپس میں ملے ہوئے پائے جاتے ہیں۔ ان کی آزاد صورتوں میں امیبا، جراثیم اور کرم منی ہیں۔ ان سب میں زندگی اور قوت تولید کے ساتھ ساتھ نظامہائے غذایہ و تصفیہ اور تسنیم پائے جاتے ہیں۔ ان سب کی تولید تقسیم در تقسیم کے اصولوں پر عمل میں آتی ہے اور اکثر خوشوں اور گچھوں کی شکل میں پائے جاتے ہیں۔

حیات خلیہ

ایک خلیہ میں کئی نظامہائے حیات پائے جاتے ہیں جن کا ذکر اوپر کر دیا گیا ہے مگر ان سب میں اہم نظام زندگی ہے۔ اسی نظام زندگی سے حیات انسانی کا تعلق وابستہ ہے۔ ایک خلیہ کی زندگی بہت مختصر ہے۔ اس کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ تقریباً ہر اڑھائی سال بعد انسانی جسم کے تمام خلیے بالکل بدل جاتے ہیں اور تمام خلیے نئے پیدا ہو جاتے ہیں۔ ہر خلیے کی زندگی میں تین چیزیں نہایت اہم ہیں جن سے ان کی زندگی اور تولید قائم ہے۔ اوّل مرکز حیات (نیوکلیس) دوسرے مادہ حیات (پروٹو پلازم) اور تیسرے تسنیم یعنی روح طبی اس کو آکسیجن کا نام دیا جا سکتا ہے اور یہ تین چیزیں صحیح حالت میں قائم ہیں تو زندگی قائم اور تولید جاری رہتی ہے کیونکہ سائنسی تجربہ سے ظاہر کہ اگر کسی خلیے کو اس طرح کاٹ دیا جائے کہ اس میں مرکز حیات کا کچھ حصہ بھی شامل نہ ہو تو خلیہ کی زندگی ختم ہو جاتی ہے اور اس میں تولید باقی نہیں رہتی۔ دوسری صورت میں اگر مادہ حیات باقی نہ رہے یا وہ زہر آلود ہو جائے تو بھی زندگی فنا ہو جاتی ہے۔ اس صورت میں تسنیم اگر ایک گھڑی بھی نہ پہنچے تو خلیہ مرجھا کر مردہ صورت اختیار کر لیتا ہے۔ بہر حال خلیے کی حیات و قیام انہی تینوں چیزوں پر قائم ہے۔

ظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ مرکزی حیات (نیوکلیس) تقسیم ہو کر نئے خلیے پیدا کرتا ہے مگر نئے خلیات پیدا کرنے میں مادہ حیات

(پرٹوپلازم) اور تسنیم (آکسیجن) کے بے حد اہم کردار ہیں۔ کیونکہ ان ہی دونوں سے ان کے مرکز حیات کو غذا ملتی ہے اور مرکز حیات کی تکمیل اسی مادہ حیات اور تسنیم سے ہوتی ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ مادہ حیات اور تسنیم میں یہ قوت ودیعت کی گئی ہے کہ وہ نئے مرکز حیات پیدا کرتے رہیں۔ تاکہ زندگی قائم اور دائم رہے۔ اگر ہم کسی طرح مادہ حیات کو صحیح حالت میں قائم رکھ سکیں اور تسنیم کا سلسلہ جاری رہے تو زندگی کبھی ختم نہیں ہوسکتی یا کم از کم ایک لمبی زندگی کا قیام ممکن ہے۔

طبی روح، حرارت غریزی اور رطوبت غریزی کی حیات خلیہ سے مطابقت

زندگی کو سمجھ لینے کے بعد اس امر پر غور کریں کہ حرارت غریزی زندگی کے لئے ایک مرکز حیات (نیوکلیس) ہے، مادہ حیات رطوبت غریزی کے قائم مقام ہے اور روح طبی تسنیم کے فعل انجام دیتی ہے۔ یعنی حرارت غریزی اگر زندگی وقوت اور تولید و پرورش قائم رکھتی ہے تو رطوبت غریزی اور روح طبی اس کو نہ صرف تغذیہ بہم پہنچاتے ہیں بلکہ نئی حرارت غریزی بھی پیدا کرتی رہتی ہیں۔ اس حرارت غریزی کی مثال چراغ سے دی گئی ہے۔ اور رطوبت غریزی کی مثال تیل سے دی گئی ہے۔ اور روح طبی کی مثال وہ مادہ ہے جو بھک کر کے جلتا ہے جس کو شعلہ (روح) جلا دیتی ہے۔ شعلہ روح طبی سے ایک جدا شے ہے، ہم اس کو شعلہ مذہبی روح کا نام دیتے ہیں یعنی (امر ربی) اس طرح زندگی قائم ہے۔

حرارت غریزی کی پیدائش

رطوبت غریزی کی پیدائش جیسا کہ ہم لکھ چکے ہیں کہ وہ غذا کا چوتھا ہضم ہے اور ہماری غذا کے ساتھ ساتھ پیدا ہوتی رہتی ہے۔ یہاں پر اس امر کو ذہن نشین کرلیں کہ حرارت غریزی ہمیشہ رطوبت غریزی سے پیدا ہوتی رہتی ہے۔ جس کی تین صورتیں ہیں: (۱) گرم اغذیہ جو کھائی جاتی ہیں ان کی حرارت خون میں محفوظ ہو کر رطوبت غریزی میں پہنچتی رہتی ہے۔ (۲) جسم کے اعضاء خصوصاً عضلات جن کا مرکز قلب ہے وہ اپنے مشینی اثر سے حرارت پیدا کرتے رہتے ہیں اور یہ بھی خون میں محفوظ ہو کر رطوبت غریزی میں پہنچ جاتی ہے۔ (۳) گردش خون کے ساتھ ساتھ جب ذرّات خون حرکت کرتے ہیں تو ان کی رگڑ اور تیز رفتاری سے خون میں حرارت اور بجلی پیدا ہوتی رہتی ہے جو اعصاب کے ذریعے (جن کی مثال بجلی کے تاروں کی طرح ہے)۔ رطوبت غریزی میں جمع ہوتی رہتی ہے۔ اسی طرح اندرونی دیگر کیمیاوی اعمال سے بھی حرارت کی پیدائش عمل میں آتی رہتی ہے۔ ان تمام صورتوں سے جو حرارت پیدا ہوتی ہے وہ جب رطوبت غریزی میں جمع ہوتی رہتی ہے تو وہاں کے کیمیاوی اعمال سے مل کر حرارت غریزی میں منتقل ہو جاتی ہے۔ جیسے موٹر اور ریل گاڑی کی بیٹری میں بجلی محفوظ ہوتی رہتی ہے اور ضرورت کے وقت اس سے انرجی (طاقت) کا کام لیا جاتا ہے۔ یعنی بتیاں جلائی جاتی ہیں پنکھے جلائے جاتے ہیں۔ انجن کو رواں (سٹارٹ) کیا جاتا ہے، انسانی زندگی کی مشین بھی اسی سے رواں دواں ہے۔

ہائیڈروجن بم

یہاں پر یہ امر بھی ذہن نشین کرلیں کہ پانی میں بذاتِ خود آگ پنہاں ہے۔ یعنی جب خالص پانی (ہائیڈروجن) کے ذرّے (ایٹم) کو پھاڑا جاتا ہے تو وہ جل اُٹھتا ہے، بلکہ وہ سخت اشتعال اور شعلہ پیدا کرتا ہے اور جو کچھ بھی اس کے سامنے ہوتا ہے، اس کو جلا دیتا ہے۔ اسی خالص پانی کے ذرّے (ہائیڈروجن ایٹم) سے ہائیڈروجن بم تیار کیا گیا ہے جو ایٹم بم سے کئی گنا زیادہ تیز ہے۔ اس امر سے یہ بات ثابت ہوئی کہ پانی میں حرارت محفوظ رہ سکتی ہے یہ شان خداوندی ہے جس کو عقل تسلیم نہیں کرسکتی۔ کیونکہ پانی اور آگ ایک دوسرے

کے مخالف عنصر ہیں وہ کبھی اکٹھے نہیں رہ سکتے مگر پانی کا تجزیہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ یہ آکسیجن اور ہائیڈروجن کا مرکب ہے آکسیجن کو تو ہم آگ تسلیم کر چکے ہیں۔ یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ نئی بات یہ ہے کہ خالص پانی (ہائیڈروجن) جس میں آکسیجن نہیں ہوتی وہ خود آگ ہے اور جب اس کا ذرّہ پھٹتا ہے تو بھک سے جل کر شعلہ بن جاتا ہے۔

پانی میں آگ اور حرارت کو محفوظ کرنا یہ ایک قدرت کا راز ہے۔ جس کا مقصد یہ ہے کہ حرارت اور آگ کو اپنی تیزی سے روکا جائے۔ نہیں تو آگ ایک دم تمام کائنات بلکہ آفاق تک کو جلا کر راکھ کر دے۔ یہی وجہ ہے کہ ایٹم (ذرّے) کو جلانے کا راز ہزاروں سالوں تک معلوم نہ ہوسکا۔ ورنہ ایٹم کا علم تو یونانی حکیم ومکرتیس نے معلوم کر لیا تھا۔ اور ساتھ ہی یہ علم الیقین بھی تھا کہ اگر ذرّے کو پھاڑ دیا گیا تو اس کے جل اٹھنے سے تمام کائنات جل جائے گی۔ اس کو اس انداز سے پھاڑا جائے کہ اس کی آگ ایک حد تک اثر کرے اور اس کی طاقت پر قابو پا لیا جائے۔ جب یہ راز گذشتہ جنگ میں جرمنی کے آمر مختار ہٹلر کے سائنس دانوں نے معلوم کر لیا اور وہ چاہتا تھا کہ یورپ اور امریکہ کو جلا دے۔ مگر وہ شکست کھا گیا۔ اور اس کے سائنس دانوں نے امریکہ میں جا کر ایٹم بم بنایا۔ جو بدقسمت جاپان کے شہروں ہیروشیما اور ناگاساکی پر گرے اور چھ چھ میل تک ہر قسم کی زندگی جلا کر راکھ کر دی گئی۔ بلکہ زمین تک جھلس گئی اور اس زمین کی مٹی جس جس جگہ پڑی اس کو بھی جھلس دیا اور لاکھوں انسان فنا اور برباد ہو گئے۔

خداوند حکیم کی قدرت کاملہ اور فطرت بالغہ کے ہر ذرّے میں ہزاروں راز اور اسرار موجود ہیں۔ صرف دیکھنے والی آنکھ، جاننے والا دماغ اور سمجھنے والا دِل درکار ہے۔ انسان ان رازوں اور حقائق کو دیکھ کر حیران اور دنگ رہ جاتا ہے اور وہ اپنی عقل کو بھی نامکمل خیال کرتا ہے۔ کیونکہ ہم اپنی عقل سے جو قصے و دلائل، تصورات و تصدیق اور کلیات و جزیات قائم کرتے ہیں۔ نئی تحقیقات میں سب پاش پاش ہو جاتے ہیں اس لئے فوراً اپنی معلومات اور تجربات پر نظر ثانی کرتے ہیں۔ اور نئے سرے سے کلیات و جزیات اور تصورات و تصدیقات اور ان کے دلائل قائم کرتے ہیں۔

اس حقیقت سے ثابت ہوا کہ پانی بذاتِ خود اپنے اندر حرارت کی قوت رکھتا ہے اور اس سے حرارت غریزی تیار ہوتی رہتی ہے۔ دراصل حیات کائنات اور زندگی صرف پانی ہے۔ یہی حقیقت کی تشریح جس کے لیے قرآن حکیم نے فرمایا ہے کہ زندگی کا دارومدار پانی پر ہے۔ اس حقیقت کی تشریح یہ ہے کہ آگ تنہا بغیر کسی دیگر عنصر کے ایک دم جلا دیتی ہے۔ اور مٹی تنہا ایک جسم کی صورت ہے جو بذاتِ خود زندگی نہیں ہے مگر اس میں زندگی قبول کرنے کی استعداد ہے باقی دو ارکان رہ جاتے ہیں ایک ہوا اور دوسرا پانی۔ ہوا میں فوراً بھک سے اڑ جانے کی خصوصیت ہے۔ اگرچہ ہوا میں بھی ایسی گیسیں ملی ہوتی ہیں جو آگ کو بجھاتی ہیں تاہم اس کا وہ حصہ جو زندگی بخش ہے جس کو نسیم (آکسیجن) کہتے ہیں وہ بھک سے جل جاتا ہے۔ یہی ہوا کا بڑا جز ہے جو اپنے اندر آگ سی خصوصیات رکھتا ہے حقیقت یہ کہ اس کی پیدائش آگ سے ہے جس کی حفاظت کے لئے اس میں ہوا کے دیگر اجزا ملا دیئے گئے ہیں۔ دوسرا رُکن پانی (واٹر) ہے۔ جس میں آکسیجن شامل ہے تاکہ آکسیجن کی حفاظت ہوتی رہے اور آگ اور پانی کا تعلق قائم رہے۔ زندگی کے لئے جہاں ہوا کی اہمیت ہے کیونکہ وہ زندگی کو دھکیلتی ہے جس کا صحیح مفہوم انگریزی لفظ (فورس) سے ذہن نشین ہوسکتا ہے۔ وہاں پر پانی کی بھی از حد ضرورت ہے کیونکہ زندگی اس پر قائم ہے اس کا صحیح مفہوم بھی انگریزی لفظ (انرجی) سے ذہن نشین ہوتا ہے۔ فورس اور انرجی دونوں کے معنی قوت ہیں مگر ایک انگریزی دان بھی ان کا صحیح مفہوم نہیں سمجھ سکتا۔ البتہ ایک سائنسدان ان کو پوری طرح سمجھ سکتا ہے۔ ان کا مفہوم اس طرح آسانی سے ذہن نشین کیا جاسکتا ہے کہ ہم انرجی کو ایسی قوت تصور کر لیں جس سے جسم میں غذائیت پہنچتی ہے چاہے اس کی صورت روٹی پانی وکوئلہ لکڑی تیل

گھی اور مٹی کا تیل اور پٹرول کی ہو چاہے حرارت اور بجلی کی ہو جو جسم میں جا کر خرچ ہو اور اس کا کچھ حصہ جزو بدن بنے مگر فورس وہ قوت ہے جو اعضاء میں انقباض اور مضبوطی پیدا کرتی ہے اور اعضاء کو تیار کرتی ہے کہ وہ انرجی کو جذب کر کے جزو بدن بنائیں۔ گویا زندگی کے لئے انرجی ایک اہم شے ہے جو فورس کے ذریعے جسم میں خرچ ہوتی ہے۔ انرجی کی مثال پانی اور فورس کی مثال ہوا سے دی جا سکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنہ میں ربّ کے بعد رحمٰن اور رحیم دیئے گئے ہیں۔

انرجی، فورس، پاور

جاننا چاہیے کہ انرجی اور فورس کے ساتھ انگریزی کا ایک تیسرا لفظ سائنس میں قوت کے لئے استعمال ہوتا ہے، جس کو پاور کہتے ہیں۔ یہ بھی ضروری اور قابلِ فہم ہے۔ یہ لفظ ہمیشہ ایسی قوت کے لئے استعمال ہوتا ہے، جہاں آگ کو بطور طاقت استعمال کیا جاتا ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے کہ نو سو کینڈل پاور وغیرہ۔ ہم ان کے صحیح متبادل الفاظ اس طرح بیان کر سکتے ہیں: **(۱) انرجی کے لئے غذائیت (۲) فورس کے لئے طاقت اور پاور کے لئے قوت وغیرہ۔** دُنیا سائنس میں ان تینوں الفاظ کو بے حد اہمیت حاصل ہے، اس پر کتب لکھی ہوئی ہیں۔ جن پر ہمیں بعض نظریات کے تحت اختلافات بھی ہیں۔ جن کی تفصیل تشریح اور اختلافات زندگی رہی تو بغیر پھر کبھی بیان کر دیئے جائیں گے۔ یہاں پر اس امر کو ذہن نشین کر لیں کہ انرجی سے فورس پیدا ہوتی ہے اور فورس کے نتیجے میں ہیٹ برآمد ہوتی ہے اور ہیٹ پھر انرجی کا کام دیتی ہے۔ اور یہی چکر اس زندگی اور کائنات میں رواں دواں اور جاری ہے یا اس طرح سمجھ لیں کہ ہر ایکشن (عمل) ہیٹ پیدا کر دیتا ہے اور ہیٹ کے بعد انرجی کا ظہور ہوتا ہے اور انرجی فورس میں خرچ ہوتی ہے۔ جس قدر بھی ان قوتوں کے مظاہر کو پھیلاتے جائیں، نئی نئی تحقیقات و تدقیقات اور اسرار و رموز سامنے آتے جائیں گے۔

پانی، ہوا اور آگ

انرجی و فورس اور پاور کی صحیح مثالیں پانی، ہوا اور آگ ہیں۔ یہ فرق صرف لطافت اور ثقالت کا ہے۔ ورنہ افعال و ترتیب اور تبدیلی کے لحاظ سے ان میں کوئی فرق نہیں ہے۔ جس طرح ہم مظاہر قدرت میں دیکھتے ہیں کہ بارش آتی ہے۔ ہوائیں چلتی ہیں اور گرمی پڑتی ہے ان کے بہت کچھ اثرات سے ہم واقف ہیں۔ اگر ان کے افعال و ترتیب اور تبدیلیوں سے آگاہ ہو جائیں۔ تو انسان اعمال کائنات اور زندگی کو بہت حد تک سمجھ سکتا ہے۔ پانی و ہوا اور آگ کی حقیقت و افعال کے ساتھ ان کی باہم ترتیب اور ایک دوسرے میں تبدیل ہونا اور پھر قوت بن جانا اہم مسائل ہیں۔ ان کو ذہن نشین کرنے کے لئے اوّل مادہ کی پیدائش، اس کا ارکان و عناصر سے موالید ثلاثہ میں تبدیل ہونا۔ پھر ان کا لطافت اختیار کر کے اثیر (ایتھر) میں مل جانے تک سارے مظاہر سامنے رہنے چاہئیں۔ یہی اعمال انرجی و فورس اور پاور کی قوت اختیار کر لیتے ہیں۔ گویا پانی کبھی ہوا اور کبھی آگ میں تبدیل ہو جاتا ہے اور کبھی اس کے برعکس ہوتا ہے۔

رطوبت غریزی و حرارت غریزی اور شعلہ

بالکل انرجی اور پاور کی طرح جو پانی و ہوا اور آگ کے مظاہر ہیں رطوبت غریزی و حرارت غریزی اور شعلہ جسم میں پیدا ہوتے ہیں جو زندگی کو قائم رکھتے ہیں۔ یعنی رطوبت غریزی ہی سے حرارت غریزی پیدا ہوتی رہتی ہے جو شعلہ سے چلتی ہے۔ جہاں پر ان کی پیدائش اور افعال میں خرابی واقع ہوتی ہے، امراض پیدا ہو جاتے ہیں۔ جہاں فساد پیدا ہوتا ہے، بڑھاپا نمودار ہو جاتا ہے اور جب ان میں روک پیدا ہو جاتی ہے تو موت واقع ہو جاتی ہے۔

اعصاب وعضلات اور غدد

مولید ثلاثہ خصوصاً انسانی زندگی میں پانی و ہوا اور آگ کے توازن کو ان کے اعضائے حیات اعصاب وعضلات و غدد جن کے مراکز دماغ و دِل اور جگر اعضائے رئیسہ ہیں کنٹرول کرتے ہیں۔ جہاں ایک طرف پانی و ہوا اور آگ کی زیادتی ان کے افعال میں کمی بیشی کر دیتی ہے، وہاں پر ان کے افعال کی کمی بیشی بھی پانی و ہوا اور آگ کی پیدائش میں افراط وتفریط کا باعث بن جاتی ہے۔ یہی افراط و تفریط جسم میں رطوبت غریزی و حرارت غریزی اور شعلہ کے اعمال میں بھی نقص کا سبب بن جاتی ہے۔ گویا جسم میں زندگی کا کنٹرول اعضائے رئیسہ دماغ و دِل اور جگر پر ہے جن کے افعال ان کے متعلقہ اعضاء اعصاب وعضلات اور غدد ہیں، جن کو ہم اعضائے حیات کا نام دیتے ہیں۔

ان پر قابو پالینے سے نہ صرف صحت و جوانی اور خوبصورتی قائم رہتی ہے بلکہ قبل از وقت بڑھاپا اور بہت حد تک بڑھاپا بھی انسان سے دور رہتا ہے اور اگر اس سلسلہ میں مزید تحقیقات کی جائیں تو انسانی زندگی کو کامیاب اور عمر کو طویل کیا جا سکتا ہے۔ ممکن ہے کہ ایسا وقت بھی آ جائے کہ زندگی سوائے حادثات کے ختم ہی نہ ہو سکے۔ اور انسان ہمیشہ کے لئے موت پر فتح پالے۔ اس کائنات میں ایسے عوامل ضرور نظر آتے ہیں جو زندگی کو دائمی قیام یا کم از کم طوالت بخش دیں۔ اگر زندگی کو دائمی قیام مل جائے اور موت صرف حادثات تک محدود ہو جائے تو بھی مذہبی زاویہ نگاہ سے کوئی فرق نہیں پڑ سکتا۔ آخر انسان کا یہ جذبہ ضرور کوئی جبلی صورت رکھتا ہے جس سے انسان دائمی زندگی یا طوالت عمر کا خواہش مند اور طلبگار نظر آتا ہے۔

بڑھاپا اور نزلہ

ان حقائق کو سمجھ لینے کے بعد جسم میں رطوبت غریزی و حرارت غدی اور روح (شعلہ) دراصل پانی و ہوا اور آگ کے لطیف یا کیمیاوی روپ ہیں جو ہر گھڑی پیدا ہوتے رہتے ہیں یا ضرورت کے وقت پیدا کئے جا سکتے ہیں اور ان پر اعصاب وعضلات اور غدد کا کنٹرول ہے جن کے مراکز دماغ و دل اور جگر ہیں۔ ان کے صحیح افعال کو سمجھ لینے کے بعد انسان بہت حد تک بہترین صحت و قیام جوانی اور درازی عمر بلکہ دائمی عمر پر قابو پا سکتا ہے۔ اعضائے رئیسہ (دِل و دماغ اور جگر) کے افعال اور ان کے باہمی تعلقات سے یورپی سائنس اور فرنگی طب پورے طور پر ناواقف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ عزت ہم کو دی ہے کہ ہم دُنیا کے سامنے ایک نئے نظریہ کے تحت اعضاء کے افعال اور ان کے باہمی تعلق پیش کر رہے ہیں۔ جس وقت دُنیا ہمارے اس نئے نظریہ کو سمجھ لے گی اس وقت نہ صرف ہر قسم کے امراض کا علاج بالکل آسان ہو جائے گا۔ بلکہ بڑھاپے اور موت پر بھی قابو پایا جا سکے گا۔

جاننا چاہئے کہ نزلہ ایک ایسی علامت ہے، جس سے رطوبت کا جسم سے اخراج ہوتا ہے جس کی تین صورتیں ہیں: (۱) رطوبات کا جسم میں کیمیاوی طور پر زیادہ ہو کر اخراج پانا۔ (۲) مشینی طور پر رطوبات کا اخراج پانا۔ (۳) رطوبت کا جسم میں جذب نہ ہونا اور اخراج پانا۔ اوّل صورت اعصاب میں خرابی کی ہے دوسری صورت غدد کے افعال میں خرابی کی ہے اور تیسری صورت عضلات کے فعل میں خرابی کی ہے اور یہ خرابیاں ان کے افراط وتفریط سے پیدا ہوتی ہے جس کی تفصیل ہم نے اپنی کتاب تحقیقات نزلہ زکام اور ان کا بے خطا یقینی علاج میں بیان کر چکے ہیں۔

یہاں پر سمجھنے کی حقیقت یہ ہے کہ یہ نزلہ جب پیدا ہو جاتا ہے تو رطوبت غریزی کی پیدائش میں کمی بیشی، اس میں خرابی نقص اور

گا ہے اس میں فساد و تعفن پیدا ہو جاتے ہیں۔ بس یہیں سے بڑھاپے کی ابتدا شروع ہوتی ہے۔ کبھی بڑھاپے کی ابتدا بچپن سے شروع ہو جاتی ہے اور اکثر صحت سے غفلت برتنے پر جوانی میں ہی شروع ہو جاتی ہے اور پھر قبل از وقت بڑھاپا آ جاتا ہے۔ جن لوگوں میں بڑھاپا دیر سے آتا ہے یا طویل عمر پاتے ہیں ان میں دیکھا گیا ہے کہ ان کی رطوبت غریزی اپنی صحیح حالت میں کام کر رہی ہے اور اس میں باقاعدہ کم وبیش حرارت غریزی پیدا ہوتی رہتی ہے اور شعلہ روشن رہتا ہے۔

رطوبت غریزی کا اعتدال

سوال پیدا ہوتا ہے کہ رطوبت غریزی کو کس طرح اعتدال پر قائم رکھا جا سکتا ہے؟ اس کا آسان جواب تو یہ ہے کہ نزلہ زکام سے جسم کو محفوظ رکھا جائے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ اعضائے رئیسہ دماغ و دِل اور جگر کے افعال کو سمجھ کر ان کو اعتدال پر رکھا جائے، تیسرا جواب یہ ہے کہ اپنی زندگی میں اعتدال کو قائم رکھا جائے جس سے ایک طرف اعضائے رئیسہ اعتدال پر قائم رہیں گے اور دوسری طرف نزلہ زکام سے جسم محفوظ رہے گا۔

زندگی کا اعتدال

زندگی کا قیام اور اس کا اعتدال تین اُمور پر قائم ہے: (۱) ضروریاتِ زندگی کا اعتدال (۲) حرکات جسم کا اعتدال اور تیسرے حرکات نفسانی کا اعتدال ہے۔ ضروریات زندگی میں ماکول ومشروبات اور ہوا شامل ہیں۔ حرکات جسم کے اعتدال میں محنت و مشقت میں باقاعدگی جو ضرورت کے مطابق ہوں حرکات نفسانی کا اعتدال جذبات کو توازن اور فطرت کے مطابق رکھنا ہے۔

جاننا چاہئے کہ زندگی میں بے اعتدالی کی ابتدا ہمیشہ کھانے پینے سے شروع ہوتی ہے۔ جس کی تین صورتیں ہیں: (۱) بغیر شدید بھوک کے کھانا۔ (۲) کھانے پینے میں ضرورتاً زندگی کے توازن کو قائم نہ رکھنا۔ (۳) ایسی اشیاء کا کھانا جو ضروریات جسم میں نہیں ہیں۔ بغیر شدید بھوک کے کھانے کی صورت یہ ہے کہ پیٹ میں ابھی غذا غیر منہضم پڑی ہے اور کھا لیا گیا ہے۔ جس میں خرابی یہ وارد ہوتی ہے کہ طبیعت ایک وقت میں ایک ہی غذا کی طرف توجہ دے گی۔ اگر پہلی غذا کی طرف ہی متوجہ رہی تو دوسری غذا منہضم رہ جائے گی بلکہ فاسد ہو جائے گی جس کا اثر خون اور تمام جسم پر پڑے گا۔ توازن غذا کو قائم نہ رکھا گیا تو جسم میں حرارت و رطوبت اور اس کے نمکیات کا اعتدال قائم نہیں رہ سکتا۔ مثلاً غذا میں اجزاء لحمیہ و روغنیہ اور نشاستہ و نمکیات میں کمی بیشی پیدا ہو جائے گی جس سے جسم اور صحت کا توازن خراب ہو کر فساد اور امراض پیدا ہوں گے۔ غیر ضروری اشیاء کا استعمال مثلاً منشیات خصوصاً شراب، حرام اور متعفن اغذیہ، غیر ضروری ادویہ اور زہروں کے استعمال کی عادت ہمیشہ نہ صرف اعضاء کے توازن کو برباد کر دیتی ہے بلکہ خون اور رطوبات جسم میں بھی فساد اور نقصان کا باعث ہوتی ہے اس لئے غذا کا مسئلہ نہایت اہم اور زیادہ غور طلب ہے۔ ہر غذا بلکہ ہر شے جو منہ میں ڈالی جائے بغیر سوچے سمجھے نہ ڈالی جائے۔ یہاں تک کہ پانی کے متعلق بھی جب تک یہ تسلی نہ ہو جائے کہ وہ خالص اور غیر مضر ہے اس وقت تک اس کو پینے کی کوشش نہیں کرنی چاہئے۔ اس پر قرآن حکیم کا حکم ہے کہ ﴿ کلوحلالا طیبًا ﴾ یعنی ہر شے جس کے کھانے کا حکم دیا ہے وہ کھاؤ، مگر اس میں بھی یہ احتیاط ہو کہ وہ شے طیب ہو یعنی اس میں اپنی تازگی کی خوشبو پائی جائے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ناک کو منہ کے ساتھ لگایا ہے، تاکہ کھاتی دفعہ کھانے کی خوشبو اور بدبو ناک کے ذریعہ دماغ کو پہنچ جائے۔ اگر کھانے سے قبل احساس نہ ہو تو کھانے کے بعد ہو جائے کیونکہ منہ کے اعصاب ناک اور دماغ کے بہت قریب ہیں۔ اور کھانے پینے میں انسانی خوشبو اور بدبو کا احساس ضرور کر لیتا ہے۔

زندگی میں بے اعتدالی کی دوسری صورت حرکات جسم میں بے راہ روی ہے۔ یعنی جس کو ضرورت کے مطابق بھی حرکت نہ دینا یا اس قدر کام لینا کہ اس میں تحلیل شروع ہو جائے۔ حرکات جسم کا توازن تھکن سے کیا جاتا ہے۔ یعنی اس قدر محنت نہ کی جائے کہ تھکن پیدا ہو جائے۔ اسی طرح کثرت آرام سے بھی تھکن پیدا ہو جاتی ہے جن کی تفصیل ہم کسی اور جگہ بیان کریں گے۔ جس وقت حرکات جسم کا اعتدال قائم نہیں رہتا تو حرارت اور رطوبات جسم کو پیدائش اور اخراج میں بھی توازن نہیں رہ سکتا۔ ان کی افراط و تفریط صحت اور جوانی کو برباد کر دیتی ہے۔

بالکل یہی صورت حرکات نفسانی کی بھی ہے۔ یعنی بغیر ضرورت جذبات میں تیزی اور اشتعال نمودار ہونا۔ جذبات میں غم و غصہ، خوف و ندامت اور لذت و مسرت خاص طور پر شریک ہیں یا جس جگہ جذبات میں ضرورت کے مطابق کام کرنے کی ضرورت ہو ان سے کام نہ لینا مثلاً اگر ایک مقام پر غصہ کی ضرورت ہے وہاں پر خوف کھا کر بھاگ جانا وغیرہ۔ ان صورتوں میں بھی جسم کی رطوبت اور حرارت کا اعتدال بلکہ اعضاء کے افعال کا اعتدال۔

درازعمری اور قیام جوانی کی حقیقت اور تاریخ

دائمی زندگی کا تصور

درازعمری و قیام جوانی بلکہ دائمی زندگی کا تصور انسان کی جبلت ہے جو اس کے جذبات اس کے غم غصہ اور خوف سے ظاہر ہے کہ وہ ہر تکلیف دہ شے اور نقصان رساں فعل سے بچنا چاہتا ہے۔ اسی طرح اس کی دائمی مسرت اور لذت کا حصول اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ وہ درازی عمر اور قیام جوانی بلکہ حیات ابدی کا خواہش مند ہے۔ جس کے لئے وہ ہمیشہ جدوجہد اور سعی کرتا رہتا ہے۔ جب تہذیب و تمدن میں ارتقا کی صورتیں پیدا ہوئیں اور اس نے علم کی روشنی میں مشاہدات اور تجربات کئے تو اس نے دیکھا کہ زندگی میں اگر حوادثات و ٹکراؤ اور رکاوٹیں پیدا نہ ہوں اور ساتھ ہی ضروریات زندگی اور امن میسر ہو تو یقیناً انسانی عمر طویل اور جوانی قائم رہ سکتی ہے۔ بلکہ مناسب اور طبعی حالات پر قابو پالیا جائے تو انسان دائمی حیات کا مالک بن سکتا ہے۔

مشاہدہ اور تجربہ ظاہر ہے کہ نباتی اور حیوانی زندگی میں دوام پایا جاتا ہے کیونکہ زندگی کی ابتداء جب حیوانی ذرہ سے شروع ہوتی ہے تو وہ اس وقت تک زندہ رہتا ہے جب تک اس پر کوئی حادثہ اور رکاوٹ واقع نہ ہو بلکہ وہ نہ صرف روز بروز بڑھتا ہے اور اپنی مثل پیدا کرتا جاتا ہے۔ اور ایک بار زندگی کا روشن شعلہ کروڑوں زندگیاں پیدا کرنے کے بعد بھی زندہ رہتا ہے اور آگے بڑھتا اور اپنی مثل زندگیاں پیدا کرتا چلا جاتا ہے۔ مثلاً حیوانی زندگی میں امیبا اور جرثومہ ایسی زندگیاں ہیں جو ایک ایک حیوانی ذرّے سے تکمیل پاتی ہیں۔ اور دیکھتے ہیں کہ مناسب حالات اور ضروریات کے میسر آنے پر کروڑوں امیباجات اور جراثیم پیدا ہو جاتے ہیں اور وہ ابتدائی امیبا اور جرثومہ بھی زندہ اور حیات رہتا ہے ساتھ ساتھ ان کی زندگی کے شعلے روز بروز نئی قوت کے ساتھ بھڑکتے رہتے ہیں بالکل یہی صورتیں جسم انسانی کے اندر حیوانی ذرّات میں نظر آتی ہیں، ان حقائق سے ظاہر ہے کہ انسان کو کبھی موت نہیں آنی چاہیے یا بغیر کسی حادثہ اور نقصان کے اس کو موت کا شکار نہیں ہونا چاہیے یا کم از کم اس کو طویل عمری حاصل ہو اور وہ اپنی جوانی کو ہمیشہ کے لئے قائم رکھ سکے اور کبھی بھی بوڑھا نہ ہو گویا بڑھاپا کوئی فطری شے نہیں ہے بلکہ ایک بیماری ہے۔

خدا اور انسان کا تعلق دائمی زندگی کی تحریک ہے

جہاں تک تاریخ اور مذہبی تعلیم کا تعلق ہے۔ انسان خدا یا ایک مافوق الانسان قوت کو کسی نہ کسی رنگ میں تسلیم کرتا آیا ہے۔ خدا اور مافوق الانسان قوت کو ہمیشہ غیب میں تسلیم کیا گیا ہے کسی نے ایک خدا مانا ہے کسی نے دو خدا تسلیم کئے ہیں۔ کسی نے تین خداؤں کو ماننا ضروری سمجھا ہے۔ کسی نے خدا کے ساتھ ایک دو طاقتوں کو قدیم اور لازمی قرار دیا ہے۔ کسی نے بے شمار خدا کا ہونا ظاہر کیا ہے۔ گویا جس طرح انسان کے جذبات کی تسکین ہوئی ہے اسی قدر خدا بناتا گیا ہے۔ لیکن یہ بات خدا کے ہر تصور میں پائی جاتی ہے کہ: (۱) وہ مافوق الانسان ہے اور غیب میں ہے۔ (۲) اس کا خوف اس پر قائم رہا ہے۔ اس لئے اس کی عبادت لازم ہے۔ (۳) اس کی خوشی کرنے کے لئے اس کے لئے قربانی لازم ہے۔ (۴) اس سے تعلق پیدا کرنا چاہیے۔ (۵) زندگی میں یا موت کے بعد اس سے ملاقات ضروری ہے۔ جو ہمارے اعمال کا حساب لے گا۔ یہ سب کچھ انسان کی جبلت میں آج بھی پایا جاتا ہے اور ہزاروں سال پہلے بھی پایا جاتا تھا۔ خداوند کریم کے تعلق اور ملاقات نے انسان کے اندر ان جذبات کو بلند کیا کہ وہ اپنے اندر خدائی طاقتیں پیدا کرے بلکہ بعض انسان خود خدا بن بیٹھے۔ آج اگر انسان خدا نہیں ہیں تو کم از کم خدائی قوتوں کے حامل اپنے کو ضرور سمجھتے ہیں۔ ہر خود مختار بادشاہ شہنشاہ اور بدماغ ڈکٹیٹر اپنے کو خدا سے کم نہیں خیال کرتا۔ یہ حقائق اس امر کا ثبوت ہیں کہ انسان اور خدا میں کچھ تعلق ہے۔

خدا کے مختلف مظاہر

جس کسی نے ایک خدا مانا ہے اس نے زندگی اور کائنات کی مافوق الانسان تمام قوتوں اور مظاہر کو صرف ایک ہی خدا میں تسلیم کیا ہے۔ جس کسی نے دو خدا تسلیم کئے ہیں اس نے نیکی اور بدی کے دو خدا بنا لئے ہیں۔ جس نے تین خدا مانے ہیں اس نے خدا کے ساتھ اس کا بیٹا اور روح القدس کو بھی خدا تسلیم کیا ہے۔ جس نے خدا کے ساتھ اور قوتوں کو بھی قدیم اور دائمی مانا ہے اس نے خدا کے ساتھ روح اور مادہ کو بھی ازلی قرار دیا ہے۔ جس کسی نے بے شمار خدا تسلیم کئے ہیں انہوں نے خدا کے ہر مظہر کو خدا بنا لیا ہے۔ غرض کسی نہ کسی رنگ میں خدا کو ضرور مانا گیا ہے اور جنہوں نے خدا کا انکار کیا ہے ان سے بھی مافوق الانسان قوتوں کا انکار نہیں ہو سکا اور انہوں نے ان قوتوں پر قابو پانے کی کوشش کی ہے۔ بہر حال مافوق الانسان مظاہر سے مفر کسی کو نہیں ہے۔

ان مظاہر کو کسی نے آگ، ہوا اور پانی کی شکل میں پوجا ہے، کسی نے جانوروں درندوں اور حشرات الارض کی ضرورتوں میں اپنی عبادات کا مرکز بنا لیا ہے۔ کسی نے مافوق الانسان قوت کے ہر مظہر کو بت کی شکل دے کر اس کی پرستش شروع کر دی ہے۔ گویا جہاں بھی ایسی قوت نظر آئی اس کو پوجا گیا۔ یہاں تک کہ یہ قوت انسان میں نظر آئی تو اس کے سامنے جھک گیا۔ اور اس کے حکم کو اپنے لئے نجات دائمی زندگی، خدا تک پہنچنے کا راستہ سمجھ لیا۔ یہاں تک کہ اپنی زندگی اس پر قربان کر دی۔ ہمیں تاریخ بتلاتی ہے کہ ہر خود مختار انسان نے ہمیشہ انسانی زندگیوں سے کھیلا ہے۔ آج بھی ہم دیکھتے ہیں کہ لوگ زندہ انسان تو رہے ایک طرف مردہ انسانوں کو بھی خدا کی طرح پوجتے ہیں۔ یہ سب کچھ کیا ہے، یہ وہ حقائق ہیں جو یہ ثابت کرتے ہیں کہ انسان کی جبلت میں خدا کا اثر ہے اور دونوں کا باہمی تعلق ہے۔

خدا کی قوت میں شرکت اور دائمی زندگی کا جذبہ

تاریخ اس بات پر اچھی طرح روشنی ڈالتی ہے کہ جب تک انسان کو ایک خدا کا علم نہیں ہوا وہ خود خدا اور دیوتا بننے کی کوشش کرتا رہا۔ جب اس کو ایک خدا کا علم ہوا تو اس نے اپنے کو خدا کا نائب، خدا کا پیامبر، خدا کا رسول، خدا کے اوصاف سے متصف اور برگزیدہ

ظاہر کیا ہے۔ اور نہیں تو خدا کے واقعی فرستادہ انسانوں کا جائز و ناجائز نائب بننے کی کوشش کی ہے۔ اس طرح اگر معاشرہ کو ایک نظام میں قابو رکھنے کی سعی تھی تو دوسری طرف اپنی انتہائی قوتوں (سپریم پاور) کا اظہار بھی مقصود تھا۔ اور دُنیا میں انسانوں کے اندر جو لڑائیاں اور فساد یا قوموں میں جنگ و جدل کا جو سلسلہ نظر آتا ہے اس انتہائی قوت اور سر بلندی کا اظہار ہے جس کا اگر نفسیاتی تجزیہ کیا جائے تو اس کا تعلق خدائی قدرت سے جا کر مل جاتا ہے۔

جب کبھی قاہر اور ظاہر بادشاہوں اور شہنشاہوں نے دوسری قوموں کو غلام بنالیا۔ تو اس خدائی قوت نے اس کا نیا رُخ اختیار کر لیا وہاں پر جسمانی قوت کے بجائے روحانی قوت کو اپنایا گیا۔ اور روحانی قوت کی برتری کو بڑی قوت سمجھا گیا۔ اس قوت کے مظاہرے سے اپنے نفس کو تسکین دے دی گئی۔ اس روحانی قوت نے عالم و فاضل، فلسفی و حکیم، محقق و مفسر اور اولیاء و امام اور راہب و کاہن پیدا کئے اور لیڈر و بادشاہ کے لفظ نے خلیفہ اور امام کا بھیس اختیار کر لیا۔ مقصد اپنی جگہ قائم رہا کہ انسان اپنے اندر خدائی قوت رکھتا ہے یا اس کا خدا کے ساتھ گہرا تعلق ہے۔

عوام جن میں نہ تو مادی قوت کی برتری تھی اور نہ روحانی طاقت کا اظہار کر سکتے تھے۔ انہوں نے اپنے اس جذبہ کی تسکین کے لئے دوسرے راستے اختیار کئے۔ یعنی خدا کی قوت کو مختلف صورتوں میں پیش کیا تاکہ وہ کسی نہ کسی طرح خدائی قوت میں شریک ہو جائیں۔ مثلاً بعض نے ہمہ از اوست کا مسئلہ اختیار کیا کہ انسان خدا اور ساری کائنات ایک ہی شے ہے یہ سب کچھ اس ایک خدائی قوت کے مظہر ہیں یعنی وحدت فی الکثرت ہے۔ گویا ہر انسان خدا بن بیٹھا۔ اور قوت کو انسانی طاقتوں کے مطابق تقسیم کر لیا۔ دوسرے گروہ نے کثرت فی واحدت کو اپنا لیا۔ یعنی انسان خدا کا ایک جزو ہے چاہے وہ کس قدر ادنیٰ ہی کیوں نہ ہو۔ جب بھی وہ فنا ہوگا خدا سے مل جائے گا۔ جیسے ایک قطرہ سمندر کا جزو ہے اور وہ قطرہ جب سمندر سے مل جاتا تو وہ بھی سمندر بن جاتا ہے۔ اور ایک باخبر گروہ ایسا بھی ہے جو خدا کی قدر مطلق طاقت سے زیادہ آگاہ ہے اس نے ہمہ از اوست کے مسئلہ کو صحیح خیال کیا کہ یہ زندگی اور کائنات ایک قادر مطلق کی تخلیق ہے اور وہی بلا شرکت غیرے اس کا مالک ہے۔ البتہ انسان اس کی بہترین تخلیق ہے اور انسان کا خدا کے ساتھ گہرا تعلق ہے اور خدا انسان کی شاہ رگ سے بھی قریب ہے۔ اور جو لوگ خداوند کریم کے احکامات پر عمل کرتے ہیں وہ خداوند کریم کے قریب اس دُنیا میں ہو جاتے ہیں اور دوسری زندگی میں ان کو خداوند کریم کا دیدار نصیب ہوگا۔ بہر حال اس مسئلہ میں بھی انسان اور خدا کا تعلق واضح ہے اور کسی نہ کسی تعلق سے خدا کی قوت کو اپنانے کی کوشش کی گئی ہے۔

ہندومت اور فلسفہ یونان میں اوتار اور دیوتا کا مقام

ہندومت اور یونانی فلسفہ نے اوتار اور دیوتاؤں کو جنم دیا ہر طاقتور انسان صرف خدا کا مظہر ہی نہیں بلکہ خود مجسم خدا بن کر دُنیا میں ظاہر ہوا۔ ان کا قرب طاقت اور نجات کی صورت تسلیم کیا گیا۔ ویدانت کی تعلیم نے بے حد غلو کیا، آتما اور پرآتما کی اصطلاحات نے معاشرہ میں بے حد خرابیاں پیدا کیں۔ پرآتما کو خدا اور آتما کو خدا کا جزو تسلیم کیا گیا۔ اور مکتی کے لئے لازم قرار دیا گیا کہ آتما پرآتما میں مل جائے۔ اس سے آواگون جیسے مسائل بھی پیدا ہوئے۔ جس نے ثابت کیا کہ ہر ذی روح کا تعلق پرآتما کے ساتھ ہے۔ یونانی فلسفہ میں دیوی دیوتاؤں کی صورت اختیار کر کے اچھا خاصہ علم الاصنام پیدا کر دیا۔ ہندی اور یونانی وبائیں جب زمانہ اسلام میں ملک ایران میں پہنچیں تو مسئلہ تصوف پیدا ہو گیا۔ اس صوفی ازم نے انسانی جذبات کو اس قدر بھڑکایا کہ معاشرہ کو ہند و یونان کی طرح ادنیٰ اور اعلیٰ میں تقسیم کر دیا۔ ہندی ذات پات کی تقسیم کی طرح وہاں بھی پنڈت کی طرح صوفی پوجا جانے لگا۔ اس کو نہ صرف خدا کا مقرب بلکہ خدائی طاقتوں کا

حامل خیال کیا گیا۔ یہاں تک کہ مرنے کے بعد بھی صوفیوں کے مزار پوجے گئے اور آج بھی پوجے جاتے ہیں۔ مختلف مذاہب نے جو معاشرہ کے توازن اور تعاون کی تعلیم دی تھی جن کا مقصد عوام کی سربلندی اور خدمت تھا اس کی بجائے عوام سے اپنی پوجا کرائی گئی۔ جس سے باشعور عوام کے جذبات کو ٹھیس لگی۔ اور قوت کا قوت سے تصادم ہوا۔ یعنی خدائی اور آسمانی قوتوں کے مقابلوں میں عوامی قوتیں پیدا ہوئیں جن ملکوں کی تعلیم میں بادشاہوں کو ظل الٰہی کہا جاتا ہے وہاں پر آج بھی بادشاہیاں قائم ہیں۔ گو انسان کا خدا کے ساتھ گہرا تعلق یا خدائی قوت کا شریک خیال کیا جاتا ہے۔ ان تمام حقائق سے یہ ثابت کرنا مقصود ہے کہ انسان نے ہمیشہ خدا کی ہستی اور قوت کو اپنانے کی کوشش کی ہے تاکہ وہ دائمی زندگی یا کم از کم طویل عمری اور بے پناہ قوت کا مالک بن جائے۔

مذاہب میں آخری دور اسلام کا ہے اس میں خدا اور انسان کو قوتوں اور تعلقات کی بڑی احتیاط سے بیان کیا گیا ہے۔ لیکن یہاں پر بھی نفس پرستوں نے خدا اور انسان دونوں کی قوتوں اور حقائق کو بری طرح غصب کرنے کی کوششیں کی ہیں۔ تعلیم کو غلط سمجھا اور غلط پھیلایا ہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ سطحی نگاہ میں اسلام کا امتیازی کمال نظر نہیں آتا۔ بلکہ بعض مسلمانوں کی زبانی یہ سنا ہے کہ چودہ سو سال کا پرانا مذہب اب نہیں چل سکتا۔ صرف سائنس ہی مذہب ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ وہ لوگ مذہب کے معنی و مقصد اور فوائد سے واقف نہیں ہیں۔ ہمیں کسی مذہب سے بحث نہیں۔ ہمارا مقصد تو یہ بیان کرنا ہے کہ انسان مذہب کی آڑ لے کر بھی اپنے جذبہ دائمی زندگی و قیام جوانی اور خدائی قوتوں کو حاصل کرنے میں جدوجہد اور سعی کرتا رہا۔ گویا انسانی جبلت کے ساتھ انسانی جذبات بھی دائمی زندگی و قیام جوانی اور خدائی قوتوں کے طلب گار ہیں۔

اسلام اور مقام انسانیت

ہمارا مذہب میں کوئی مقام نہیں ہے اور نہ ہی مذہب اسلام کی رو سے ہم خدائی قوتوں اور خدا کے صادق نبیوں و رسولوں اور پیغمبری کی قوتوں میں شریک ہیں۔ ہم ادنیٰ انسان اور عاجز مخلوق ہیں۔ البتہ ہم یہاں پر ان اسلامی حقائق کا ذکر ضرور کرنا چاہتے ہیں جن سے اسلام نے انسان کو دائمی زندگی و قیام جوانی اور حصول قوتوں کی طرف اشارات ہی نہیں بلکہ تفصیلاً بیان کیا ہے اور نفسانی خواہشات کے بندوں نے ان سے غلط فہمی پیدا کر دی ہے، اور انسان کو خداوند کریم کی قوت میں شریک کر دیا ہے۔ ہمارا دعویٰ ہے کہ مادی و روحانی اور ہر قوت کے اعتبار سے خداوند حکیم لاشریک ہیں۔ البتہ انسان کو خداوند قادر مطلق نے اس زندگی اور کائنات میں لامتناہی قوتیں بخشی ہیں۔ وہ اس دُنیا میں خداوند علیم و حکیم کی دی ہوئی قوتوں سے جو چاہے کر سکتا ہے۔ ہزاروں سال تک زندہ رہ سکتا ہے۔ آسمانوں میں پرواز کر سکتا ہے اور دیگر تمام جہاں پر قبضہ کر سکتا ہے اس کی ہر مخلوق سے پورے طور مستفید ہو سکتا ہے۔

قرآن حکیم اس امر پر روشنی ڈالتا ہے کہ خداوند اعلیٰ نے جب انسان کی تخلیق کا ارادہ ظاہر کیا تو ابلیس نے کہا کہ وہ جہانوں میں فساد کرے گا اور خون بہائے گا۔ اس کے جواب میں کہا گیا کہ وہ ہمارا خلیفہ ہوگا یعنی عادات خداوندی کا حامل ہوگا۔ اور تمام مخلوقات سے اشرف ہوگا۔ اس ارادہ کے بعد خداوند خالق نے انسان کا خمیر تیار کیا اور پھر ﴿ **نفخت فیه من روحی** ﴾ اس میں اپنی روح پھونک دی۔ روح کی تشریح ہم گذشتہ صفحات میں کر چکے ہیں یعنی ﴿ **قل روح من امر ربی** ﴾ کہہ دو کہ روح میرے ربّ کا حکم ہے۔ یہاں یہ غلط فہمی نہ رہے کہ روح جو انسان میں پھونکی گئی وہ اللہ تعالیٰ کا ایک جزو ہے بلکہ ربّ جو منبع نور و روشنی اور حرارت و پرورش ہے، اس کا ایک امر اور حکم ہے جس کو ہم نے شعلہ کہا ہے بالکل اس طرح جیسے سورج کی دھوپ و تپش اور حرارت سورج کا حصہ نہیں ہوتی لیکن اس سے خشک

درختوں میں آگ لگ جاتی ہے اور جنگل کے جنگل جل جاتے ہیں۔ دوسری مثال آتشی شیشے کی ہے جس کے ذریعے سورج کی شعاعوں کو ایک مرکز پر اکٹھا کر کے کپڑا اور کاغذ وغیرہ جلا لیا جاتا ہے۔ اور اس آگ کا تعلق سورج سے بالکل نہیں ہوتا۔ یہ ایک امر ربی ہے۔ اسی طرح رگڑ سے شعلہ کا پیدا ہونا اور دو چیزوں کے ملنے سے شعلہ پیدا ہونا ہے امر ربی ہیں یہی خالق مخلوق کا تعلق ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کن (ہو جا) فیکن (پس ہو گیا) یہی امر ربی ہے۔

انسان کو پیدا کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے آدم علیہ السلام کو تمام اسماء کا علم دیا ان میں اسماء افعال بھی شریک ہیں۔ گویا زندگی اور کائنات کی تمام اشیاء اور ان کے افعال کا انسان کو علم بخشا۔ پھر ملائکہ سے سجدہ کرا کے اس کو تمام کائنات میں شرف اور فضیلت بخش دی۔ گویا انسان میں نہ صرف ملکوتی قوتیں سمو دیں بلکہ ان میں ملائکہ کی استقامت بھی پیدا کر دی سب سے بڑا کرم یہ کیا کہ انسان کو نبوت بخشی۔ جو علم و عقل اور حکمت سے بھی انتہائی بلند مقام ہے۔ عقل و حکمت کو مقام نبوت کا شعور تو ہو سکتا ہے مگر اس پر دسترس حاصل نہیں ہو سکتی جیسے ایک کم عقل انسان زیادہ عقلمند انسان کو ادراک تو کر سکتا ہے مگر خود اس عقل تک رسائی نہیں کر سکتا۔ نبوت کی برکت سے فیضان خداوندی وحی اور الہام کی نعمتوں سے انسان مستفید ہوا۔ جس سے انسان کا اس زندگی کے حقائق کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ سے بھی تعلق قائم رہا۔ وحی اور الہام کی بارش سوائے نبیوں کے ممکن نہیں ہے۔ قرآن حکیم کی تعلیم کے مطابق دین (نظام زندگی اور کائنات کے فطری قانون) مکمل ہو چکے ہیں، اب کسی نبوت کی ضرورت نہیں ہے۔

وحی الہام و خواب

وحی و الہام اور خواب ایسے ذرائع ہیں جن سے انسان کا غیب یا مافوق انسان قوتوں سے تعلق قائم رہتا ہے۔ وحی کی صورت یہ کہ غیب کو آنکھوں سے جاگتے میں دیکھنا ہے جیسے عام انسان خواب میں دیکھتے ہیں مگر اس میں بھی یہ فرق ہے کہ صاحب وحی جہاں غیب کو آنکھوں سے دیکھتا ہے وہاں اس کو اللہ تعالیٰ نے تصرف کی طاقتوں پر قدرت بھی بخشی ہوتی ہے وہ جس طرح چاہے ان سے کام لے سکتا ہے مگر خواب میں انسان کو اپنے اعمال پر قدرت نہیں ہوتی۔ صاحب وحی جیسے دیکھتا ہے ویسا ہی اس دُنیا میں ظاہر ہوتا ہے۔ خواب کے دیکھتے ہوئے ضروری نہیں ہے کہ وہ ویسا ہی ظاہر ہو اس کے بالکل برعکس بھی ظاہر ہو سکتا ہے۔ الہام کا تعلق آفاق اور نفس کا تعلق ہے جو قانون فطرت کے مطابق قائم کیا گیا ہے۔ وحی صرف نبوت تک محدود ہے جیسے حکمت صرف عقل تک محدود ہے۔ اس طرح عقل کے لئے ذہن کی صفائی اور علم کی سمجھ ضروری ہے جس طرح ہر شخص صاحب عقل اور اہل حکمت بھی کسی مقام پر بھی نبوت کا ادنیٰ مقام بھی حاصل نہیں کر سکتا۔ اسی طرح ایک نبی کا الہام اور خواب بھی ایک عام انسان یا صاحب عقل اور اہل حکمت شخصیت سے بہت بلند ہوتا ہے۔ جیسا جیسا علم و عقل اور حکمت ہوتی ہے اسی طرح ہی فہمید ہوتی ہے۔ ﴿ فقلنا بعضکم علی بعض ﴾ یہ وہ قوتیں ہیں جو خدا نے نبیوں کو بخشی ہوئی ہیں۔ جب نبیوں سے کوئی مافوق الانسان اعمال ظاہر ہوتے ہیں تو ان کو معجزہ کہا جاتا ہے۔

القا و اشارات اور شگون

وحی و الہام اور خواب کے بعد انسان کو غیب کی طرف سے القا و اشارات بھی ہوتے ہیں۔ اور بعض اشیاء اور افعال سے شگون بھی لیتے ہیں۔ اگرچہ القا و اشارات قابل اعتماد نہیں ہیں، تاہم نیک لوگوں کے القا و اشارات اپنے اندر ضرور ایک اہمیت رکھتے ہیں۔ اسی طرح شگون پر اعتقاد رکھنا درست ہے، البتہ شگون میں صدیوں کے تجربات کبھی کبھی صحیح ہو جاتے ہیں اور کبھی کبھی بالکل غلط بلکہ برعکس ثابت

ہوتے ہیں۔ ان کو زندگی کا جزو بنالینا اپنے کو غلط فہمی میں گرفتار کر لینا ہے۔

معجزہ، کرامت اور جادو

معجزے صرف نبیوں کے لئے مخصوص ہیں۔ ان سے دیگر لوگ عاجز ہیں۔ اسی طرح جو غیر معمولی افعال یا مافوق الانسان اعمال نیک لوگوں سے ظاہر ہوں ان کو کرامت کہتے ہیں۔ اسی طرح بعض لوگ فطرت کی بعض قوتوں پر دسترس حاصل کر کے بعض مافوق الانسان اعمال پر قدرت پا لیتے ہیں۔ اس کو جادو کہتے ہیں۔ ایسے اعمال کا تعلق خداوند تعالیٰ سے نہیں ہوتا۔ ان کو معجزہ اور کرامت بھی نہیں کہا جا سکتا۔ جادو کی مثال سائنس کی کسی نئی ایجاد سے ہوسکتی ہے کہ جب وہ وجود میں آتی ہے تو عوام اوّل یقین نہیں کرتے۔ اور جب یقین آ جاتا ہے تو حیران ہو جاتے ہیں جس قدر بھی اعمال جادو ہیں ایک نہ ایک دِن ان کی حقیقت تجرباتی علم سے آشکار ہو جائے گی۔ بہر حال یہ امر تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ جادو بھی معجزہ اور کرامت کی طرح لوگوں کی نگاہ میں ایک قوت ہے۔ اور اس کو بھی لوگ جاننے اور سیکھنے کے لئے بے چین نظر آتے ہیں۔ جادو پر ہی منحصر نہیں ہے انسان کی فطرت میں ہے کہ وہ اس قدر قوت حاصل کرے کہ اس کو زندگی و کائنات نفس و آفاق اور قوت و جوانی پر قدرت حاصل ہو جائے۔ اس سارے بیان کا مقصد بھی یہ تھا کہ قوت اور غلبہ کے اعمال و افعال دیکھ کر اور معلوم کر کے بھی انسان کے جذبہ حصول قوت میں شدید تحریک پیدا ہوتی ہے اور وہ چاہتا ہے کہ کم از کم وہ اپنی زندگی طویل اور جوانی کو دائمی بنا سکے۔ اس لئے وہ شب روز جدوجہد اور سعی میں بے چین نظر آتا ہے۔

امثال طویل عمری اور جوانی

تیسری حقیقت جس سے انسان کو طویل عمری اور قیام جوانی کا تصور پیدا ہوا وہ طویل عمری جوانی اور قوت کی مثالیں اور نمونے ہیں۔ خاص طور پر گزشتہ زمانے کے قصے اور افسانے جن سے انسان کے جذبات میں بھی تحریک پیدا ہوئی کہ وہ بھی اپنی عمر کو طویل، جوانی کو قائم اور قوت کو زیادہ سے زیادہ حاصل کرے۔ مثلاً یونانی علم الاصنام اور ہندو دیومالا میں دیوی دیوتاؤں کا امر ہونا، ان کی لامتناہی قوت، ان کی حکومت و غلبہ اور ان کی بے اندازہ جنسی قوت اور عیش و نشاط کے واقعات، ان کی ملکیت میں امرت کا ہونا جس کے پینے سے دائمی زندگی اور جوانی قائم رہتی ہے۔ اسی طرح آیورویدک میں کایا کلپ و اعادہ شباب اور جنسی قوت کو حاصل کرنے کے نسخے وغیرہ انسان کو تحریک دیتے ہیں کہ وہ بھی ان جادو اثر اکسیرات سے مستفید ہوں۔

اسلامی تصورات میں فرشتوں کی دائمی زندگی، جنوں کی غیر معمولی طاقت، پیغمبروں کی طویل ترین عمریں، کہا جاتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی عمر تقریباً نو سو سال تھی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اب تک زندہ ہونا وغیرہ، اسی طرح قرآن حکیم میں اصحاب کہف اور ان کے کتے کا تین سو سال تک سوتے رہنا۔ ایسے حقائق ہیں کہ جن کو سوچے بغیر انسان نہیں رہ سکتا۔ ان مافوق الانسان ہستیوں کے علاوہ ہم دیکھتے ہیں کہ نیک اور متقی انسانوں کی زندگیاں طویل اور قابل رشک ہوتی ہیں۔ اسی طرح پہلوانوں کے ڈیل ڈول، خوبصورت بدن اور غیر معمولی قوت بھی انسان کے جذبات کو طویل عمری و جوانی اور قوت کی طرف ابھارتی ہے۔ بعض لوگ جو اپنی صحت و جوانی اور خوبصورتی کا خیال رکھتے ہیں۔ ان کو دیکھ کر بھی ان لوگوں کے جذبات میں تحریک پیدا ہوتی ہے جو ان خوبیوں سے محروم ہوتے ہیں۔

حسن اور حسین نظاروں خصوصاً نوخیز حسین عورتوں کو دیکھ کر انسان کے خفیہ جذبات بیدار ہوتے ہیں اور طویل عمری کے ساتھ جوانی اور قوت کی تمنا کرتا ہے اس دُنیا کی لامتناہی دولت، حکومت اور عیش و نشاط کا حصول بھی انسان کو طویل عمری و جوانی اور قوت قائم رکھنے

پر مجبور کرتا ہے۔ دریاؤں وسمندروں اور پہاڑوں وسبزہ زاروں کے مناظر میں حسین پرند و چرند انسانی زندگی میں رومان وارمان اور شوق و لطف کی کیفیت کو نمایاں کر دیتے ہیں یہ سب کچھ زندگی کے طلب گار ہیں خاص طور پر جب انسان ایک نوخیز اور حسین جوڑے کو جوانی کے نشے میں سرشار گل گشت دیکھتا ہے تو اس کا دِل بھی ایسی حقیقت افروز شعریت کے لئے تڑپ اُٹھتا ہے۔ رنگین وحسین نظاروں کی طرح خوش نوائی اور نغمات دِل نواز بھی ساز زندگی کے مضراب پر زخمہ مارتے ہیں اور اس کو زندگی کی لطافتوں اور لذتوں سے لطف اندوز اور مستفید ہونے کی دعوت دیتے ہیں۔

بعض علاقے ایسے ہیں جن کے رہنے والوں کی عمریں طویل، جوانیاں پرلطف ہوتی ہیں۔ ایسا ایک مقام پاکستان میں بھی ہے، وہ ایک پہاڑی علاقہ ہے (شمالی علاقہ جات)۔

اسی طرح کا ایک مقام اٹلی میں ہے، جس کا نام سیٹورا ہے، جہاں پر ستر سال سے کم عمر لوگوں کو بچہ ہی تصور کیا جاتا ہے۔ سائنس دان اس قصبہ کے لوگوں کی طویل عمری کے راز سے حیران تھے۔ اور اس بات کی ٹوہ میں ایک مدت سے پریشان تھے کہ آخر اس قصبہ میں کونسی ایسی خصوصیت ہے کہ یہاں کے باشندوں کی عمریں بہت زیادہ ہوتی ہیں۔ ایک طویل مدت کی تحقیقات کے بعد انہوں نے یہ راز پا لیا کہ قصبے میں جو چشمے بہتے ہیں ان کے پانی میں ایسی دھاتیں ہوتی ہیں جن سے انسان صحت مند رہتا ہے۔ جلد بوڑھا نہیں ہوتا اور طویل عمر پاتا ہے۔ اسی طرح کا ایک علاقہ امریکہ میں بھی ہے۔

تجربہ اور مشاہدہ سے پتہ چلتا ہے کہ بعض پہاڑی علاقوں خصوصاً جہاں پر قدرتی گرم چشمے ہوں۔ صحت و جوانی اور طویل عمری کے لئے خصوصیت رکھتے ہیں۔ اسی طرح جن علاقوں کے پانی میں فولاد کی زیادتی پائی جائے ان علاقوں کے لوگوں کی عمریں بھی طویل اور جوانی وصحت قائم رہتی ہے۔ میری تحقیقات یہ ہے کہ جن علاقوں میں فولاد اور گندھک کے ملے جلے اثرات پائے جائیں۔ ان علاقوں میں یقیناً اکثر عمریں طویل اور جوانی وصحت عرصہ تک قائم رہتی ہے۔ جیسے بلوچستان کا علاقہ ان خوبیوں کے لئے مشہور ہے۔ وہاں کے لوگ اکثر صحت مند طویل قامت وطویل عمر، جنگ جو اور رومان پسند ہوتے ہیں۔ دوسرے جن علاقوں میں سونا زیادہ ہوتا ہے۔ وہاں بھی یہ تمام خوبیاں پائی جاتی ہیں۔ سونا ایسی دھات ہے جس کو دھاتوں کی گندھک کہنا چاہیے جن علاقوں میں سونا زیادہ نکلتا ہے ان میں عرب زیادہ مشہور ہے۔ وہاں کے لوگوں میں انسانی کمالات کی تمام خوبیاں پائی جاتی ہیں۔

بعض حیوان بھی طویل عمر اور طاقتور ہوتے ہیں۔ جیسے ہاتھی جس کی عمر تین سو سال ہوتی ہے۔ اسی طرح پرندوں میں کوؤں کے متعلق کہا جاتا ہے کہ ان کی عمریں بھی بہت طویل ہوتی ہے۔ یعنی کئی صدیاں زندہ رہتے ہیں۔ ان کی سیاہی بھی فولاد کی زیادتی پر دلالت کرتی ہے۔ غرض ان تمام شواہد و تجربات اور معلومات نے انسان کے جذبات میں تحریکات پیدا کیں کہ وہ طویل عمری، قیام جوانی اور بے پناہ قوت کے راز کو معلوم کرے۔

امراض شفاء

طویل عمری و قیام جوانی اور حصول قوت کی تحریک کا ایک زبردست جذبہ اس وقت بھی پیدا ہوتا ہے جب انسان کو کسی مرض خصوصاً خوفناک اور تکلیف دہ مرض سے نجات مل جاتی ہے۔ شفاء حاصل کر لینے کے بعد وہ قدرتی طور پر غور کرتا ہے کہ اگر وہ اپنی صحت کی نگرانی کرے اور حصولِ قوت میں جدوجہد کرتا رہے تو یقینی امر ہے کہ جس طرح اس خوفناک اور تکلیف دہ مرض سے اس کو شفا مل گئی ہے،

اسی طرح وہ مزید قوت حاصل کر کے اپنی جوانی کو قائم کر سکتا ہے۔ غیر معمولی قوت کے بعد یقیناً وہ اپنی عمر کو بڑھا سکتا ہے اور زندگی کے دن بے انتہا مسرت اور شادمانی سے گزار سکتا ہے۔ یہ حقائق ہیں صرف تصورات نہیں ہیں، بے شمار لوگوں نے میری زیرِ نگرانی اپنی صحت کو کمال تک پہنچایا ہے۔ بے شمار ایسے مریض جو خوفناک امراض میں مبتلا تھے جن میں ٹی۔بی کے مریضوں کی ایک کافی تعداد ہے جنہوں نے صحت اور غذا کے اُصولوں کو سمجھنے کے بعد اپنے اندر غیر معمولی طاقت اور قابلِ رشک صحت حاصل کر لی تھی۔ ان میں سے ایک صاحب ٹی۔بی کے ایسے مریض تھے جن کو ڈاکٹروں نے لاعلاج کر دیا تھا۔ جس وقت انہوں نے صحت اور غذا کے اُصولوں کو اپنایا تو تھوڑے ہی عرصہ بعد ان کی صحت بہتر ہونا شروع ہوگئی، بہت جلد ان کو ٹی۔بی سے نجات مل گئی۔ پھر انہوں نے ورزش شروع کر دی اور ویٹ لفٹنگ (وزن اٹھانا) کی پریکٹس (مشق) شروع کر دی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ چند سالوں میں وہ لاہور کے حلقہ میں وزن اُٹھانے میں بازی لے گیا اور پھر وہ اس مقابلہ کے لئے ولایت گیا، وہاں بھی تیسرے نمبر پر کامیاب ہوا۔ اس شخص نے صحت کا راز پا لیا اور اپنی زندگی کو کامیاب بنا لیا۔ اسی طرح جو لوگ اپنی صحت و جوانی کے قیام اور قوت کے حصول میں شب و روز جدوجہد اور سعی کرتے رہتے ہیں، ان کی بیماری کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اور ایسے لوگ دُنیا میں ہمیشہ خوش و خرم رہتے ہیں۔

اکثر دیکھا گیا ہے کہ پہلوان، باڈی بلڈر، اتھلیٹس (کھیلوں میں حصہ لینے والے)، ورزش کرنے والے تیراک، گھوڑ سوار تقریباً بیمار نہیں ہوتے۔ ایسے لوگوں کی موت اکثر حادثہ سے ہوتی ہیں یا جب یہ لوگ اپنی روزانہ زندگی کے مشاغل چھوڑ دیتے ہیں تو امراض میں گرفتار ہو جاتے ہیں، پھر موت کی آغوش میں پہنچ جاتے ہیں۔

ان حقائق سے ثابت ہے کہ جس طرح انسان امراض سے شفا حاصل کر کے پھر صحت مند اور تندرست ہو جاتا ہے، بلکہ کوشش کے بعد غیر معمولی قوت حاصل کر لیتا ہے تو اگر وہ اپنی جدوجہد اور سعی کو جاری رکھے تو یقیناً بڑھاپے پر بھی فتح حاصل کر سکتا ہے۔ کیونکہ یہ حقیقت ثابت ہو چکی ہے کہ بڑھاپا بھی ایک بیماری ہے جو رفتہ رفتہ جوانی اور قوت کو کھا جاتی ہے۔ اس لئے امراض سے شفاء کے تجربہ کو مدنظر رکھتے ہوئے ہر شخص اس حقیقت کو خوب سمجھتا ہے کہ انسان تندرست ہونے کے بعد اپنے اندر غیر معمولی قوت پیدا کر سکتا ہے اور اپنی جوانی کو ایک بڑی مدت تک قائم رکھ سکتا ہے، بلکہ تمام عمر جوان رہ سکتا ہے اور اپنے کو اگر حادثات سے بچائے رکھے تو وہ ایک طویل عمر تک زندہ رہ سکتا ہے۔

تحقیقات اعادہ شباب اور کایا کلپ اور اس کی تاریخ

یہ حقیقت ہے کہ بڑھاپا ایک تکلیف دہ زندگی ہے اس لئے ہمیشہ ہر زمانے میں اس سے نجات حاصل کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ کون ایسا بوڑھا ہے جو یہ نہیں چاہتا کہ میرا بڑھاپا ختم ہو جائے۔ اور ایک بار پھر جوانی لوٹ آئے۔ بلکہ بڑھاپا یہاں تک تکلیف دہ ہے کہ بوڑھا شخص بڑھاپے پر موت کو ترجیح دیتا ہے۔ اسی طرح شباب ایک ایسی نعمت ہے کہ ہر شخص یہی چاہتا ہے کہ اس کا شباب ہمیشہ قائم رہے اور کم از کم طبعی عمر تک بوڑھا نہ ہو بلکہ طبعی عمر بھی پسند نہیں کرتا، اس کی خواہش ہے کہ زندگی شباب دائمی ہو جائے اگر موت آئے بھی تو بغیر حادثہ کے نہ آ سکے۔ اس کے ساتھ بے انتہا قوت کی خواہش اور ہر قسم کے مرض پر قابو پانے کی تمنا بھی انسان میں شدت سے پائی جاتی ہے۔ یہ سب کچھ صرف قیام شباب کی صورتیں ہیں۔

طبی تاریخ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ جب سے انسان کو دُنیا کا مزا پڑا ہے اور اس کی لذتوں کو محسوس کیا ہے، اس کی ہمیشہ یہ کوشش رہی ہے کہ وہ کسی نہ کسی طرح دُنیا میں نہ صرف زیادہ عمر تک زندہ رہے بلکہ جوان رہ کر یہاں کی لذتوں سے بہرہ اندوز ہوتا رہے۔ ان مقاصد کے حصول کے لئے ماہرین فن طب نے حفظ صحت کے اصول قائم کئے تا کہ زیادہ سے زیادہ عرصہ تک لطف شباب حاصل کیا جا سکے۔ اور اگر بڑھاپا قریب آنا بھی چاہے تو اس کو ہر ممکن طریقے سے جلد آنے سے روکا جا سکے یا صحت کو اس مقام پر رکھا جا سکے کہ بڑھاپا زندگی کے وظائف میں رکاوٹ نہ بن سکے۔

ان مقاصد کے حصول کے لیے تجربات کیے گئے، نظریات قائم کئے گئے، اُصول بنائے گئے، اغذیہ تجویز کی گئیں، نسخے تیار کئے گئے اور مختلف علاج ایجاد کئے گئے۔ اس لیے ہر طریق علاج میں اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے بے شمار تجربات و مشاہدات نظریات و اصول اور علاج و ادویات پائی جاتی ہیں۔ اور بہت سی باتیں یقیناً کامیاب بھی ہیں۔

دائمی زندگی، حسن و شباب اور تندرستی و توانائی ایسی خواہشات ہیں کہ جو ہر شخص کے دِل میں ضرور چٹکیاں لیتی ہیں۔ پھر یہ خواہشات ایسی ہیں جو ہر زمانے میں پائی جاتی رہی ہیں۔ ہزاروں سالوں کی طبی تاریخ اس پر شاہد ہے اور آج کی ماڈرن سائنس میں بھی اس پر تحقیقات جاری ہیں۔ قدیم طبی تاریخ دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ طویل عمری، قیام شباب اور دائمی صحت کے لئے بڑی بڑی کوششیں کی گئی ہیں۔ کسی نے آب حیات کی تلاش کی، کسی نے قوت شباب کے لئے اکسیر بنانے کی کوشش کی، کسی نے جنسی قوت کے حصول کے لئے تریاق تیار کرنے کی جدوجہد کی۔ اگر کوئی صورت حاصل نہ ہوئی تو سونے اور جواہرات کی مضبوطی کو سامنے رکھتے ہوئے ان کا استعمال کیا۔ بعض لوگوں نے یہاں تک جرأت کی ہے کہ خوفناک سانپوں سے ڈسوایا ہے تا کہ ان کا زہر جسم کے اندر کے زہر کو ختم کر دے اور پھر جوانی اور قوت لوٹ آئے۔ اس قسم کے بے شمار تجربات سے طبی تاریخ بھری پڑی ہے، جن کی مختصر تفصیل درج ذیل ہے۔

آیورویدک اور اعادہ شباب

سب سے پرانی طبی تاریخ آیورویدک کی ہے۔ اگرچہ چین کو بھی قدامت کا فخر حاصل ہے، لیکن ابتدائی آیورویدک دور ہندوستان سے چین اور وسط ایشیا تک اور شاستروں میں طویل عمری، قیام جوانی اور اعادہ شباب پر بہت کچھ لکھا گیا ہے۔ بلکہ آیورویدک میں کایا کلپ پر جو کچھ لکھا گیا ہے، اگر اس کو اکٹھا کیا جائے تو ایک ضخیم کتاب تیار ہوتی ہے۔ اگر اس پر باقاعدہ تحقیقات کی جائے تو باقاعدہ ایک بہت بڑا سائنسی ادارہ (کایا کلپ انسٹی ٹیوٹ) بن سکتا ہے۔ اور تحقیقات کئی سالوں میں بھی ختم نہ ہو۔ حقیقت یہ ہے وہ ایک بہت بڑا خزانہ ہے۔ اس کو نظر انداز نہیں کرنا چاہئے۔

کایا کلپ

کایا کلپ کے ظاہرہ معنی ہیں اعادہ شباب لیکن اس کا صحیح مقصد یہ ہے کہ بڑھاپے کو جوانی میں اس طرح بدلنا کہ اس سے طویل عمری کے ساتھ ساتھ جوانی کی تمام قوتیں بھی پھر پیدا ہو جائیں۔ آیورویدک میں کایا کلپ کے ایسے ایسے نسخے درج ہیں، جن کے متعلق لکھا ہے کہ فلاں نسخے سے پانچ سو سال عمر بڑھ جاتی ہے۔ فلاں نسخے سے ہزار سال عمر بڑھ جاتی ہے اور فلاں نسخے سے دس ہزار سال عمر بڑھ جاتی ہے۔ لیکن افسوس سے لکھنا پڑتا ہے ہم نے کوئی ایسا وید نہیں دیکھا نہ سنا بلکہ کتب میں بھی نہیں پڑھا کہ جس کی عمر دس سو سال بھی بڑھ گئی ہو۔ ہمارے ہوش میں پنڈت مدن موہن مالویہ نے جو ہندوستان کے مشہور لیڈر تھے اپنے وید شاستروں کی شہرت کے لئے آپ

نے کایا کلپ کرایا تھا۔ انہوں نے ہندوستان کے بہت سے چوٹی کے ویدوں کو بلوایا تھا۔ جب ان کا کایا کلپ ہو گیا تو اخبار میں پڑھا تھا کہ ان کی صحت بہت اچھی ہو گئی ہے۔ مگر ان کے بال سیاہ ہوئے اور نہ دانت نکلے اور نہ ہی بینائی میں قوت پیدا ہوئی۔ اور پھر چند سالوں کے بعد مر بھی گئے۔ بہرحال ہم پھر بھی کایا کلپ پر یقین رکھتے ہیں۔ ممکن ہے کہ اس دور کے وید صاحبان کایا کلپ سے پوری طرح پر واقف نہ ہوں۔

مسیح الملک جناب حافظ حکیم محمد اجمل خان صاحب کے زمانے میں آل انڈیا آیورویدک اینڈ یونانی طبی کانفرس کا جب چودھواں سالانہ اجلاس دہلی میں منعقد ہوا تھا، اس زمانے میں ڈاکٹر کے ڈی شاستری کی تحریک پر کانفرنس نے ایک تجویز پیش کی کہ "یہ کانفرس قرار دیتی ہے کہ کایا کلپ اور درازی عمر وغیرہ مضامین پر پوری تحقیقات کرنے کے لئے طبی کانفرس کے ماتحت ایک سوسائٹی قائم کی جائے"۔ جناب مسیح الملک بہادر کی تائید اور حاضرین کے اتفاق رائے سے یہ تجویز منظور ہو کر اصحاب ذیل کے ارکان قرار دیئے گئے تھے: (۱) ڈاکٹر کے۔ڈی شرما (۲) مسیح الملک بہادر مرحوم (۳) کویراج ہرنجن داس صاحب معظم (۴) ڈاکٹر حبیب الرحمٰن مرحوم سابق پرنسپل طبیہ کالج دہلی (۵) کویراج جگن ناتھ سین صاحب کلکتہ۔ اس قرارداد کے پاس ہونے اور کانفرس کے ماتحت سوسائٹی قائم ہونے کے بعد پھر اس کا علم نہیں ہو سکا کہ سوسائٹی نے کوئی کام کیا بھی کہ نہیں کیا تھا۔ البتہ ڈاکٹر کے۔ڈی شاستری نے اپنے زوردار لیکچر میں علمی دلائل کے ساتھ یہ ثابت کرنے کی کوشش کی تھی کہ انسان کی عمر بہت طویل ہو سکتی ہے اور وہ بڑھاپے سے نجات پا سکتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کے دعوے کے متعلق یہ تسلیم کیا جا سکتا ہے کہ آیورویدک شاستروں میں ایسی رسائنوں کے مجرب و تیر بہدف نسخہ جات پائے جاتے ہیں۔ جن کے استعمال سے بال ناخن اور دانت گر جاتے ہیں۔ اور ان کی جگہ نئے بال و نئے ناخن اور نئے دانت نکل آتے ہیں۔ بڑھاپا زائل ہو جاتا ہے، شباب عود کر آتا ہے۔ آیورویدک کا دعویٰ ہے کہ کایا کلپ کے بعد انسان سینکڑوں اور ہزاروں سالوں تک زندہ رہ سکتا ہے اور اس پر کسی قسم کے مرض اور زہر بلکہ افلاس تک کا اس پر اثر نہیں ہوتا۔ چنانچہ بھگوان اتری کمار پتر دو سو رسائن کے اوصاف کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں کہ "اے زندگی کے آرزومندو! اس امرت روپی رسائن کی بات سنو جو دیوتاؤں کے لئے بھی مفید ہوتی ہے، اس کا اثر غور و فکر سے بالاتر اور عجیب و غریب ہوتا ہے۔ وہ عمر بڑھاتی، صحت بخشتی اور اوستھا (حالت) کو قائم رکھتی ہے۔ نیند، غنودگی، تھکان، جمائی، سستی اور لاغری کو دور کرتی ہے۔ وات، پت اور کف کو اعتدال پر رکھتی ہے۔ جسم کو مضبوط بناتی ہے، جسم کے ڈھیلے پن کو دور کرتی ہے۔ قوت ہاضمہ کو بڑھاتی ہے۔ آب و تاب رنگ اور آواز کو بہتر بناتی ہے۔ چونا وغیرہ بہت سے رشی اس کی بدولت از سر نو بڑھاپے سے جوانی حاصل کر چکے ہیں اور اس کی بدولت عورتیں ان سے بہت محبت کرتی تھیں اسی سے ان کے جسم مضبوط ہموار اور سڈول ہوتے تھے۔ طاقت، رنگ اور اندریاں حواس خمسہ تر و تازہ رہتی تھیں۔ کبھی ہمت نہیں ہارتے تھے۔ اور سختی کو بآسانی برداشت کر سکتے تھے، وغیرہ"۔

آیورویدک میں طویل عمری کے اصول

"چرک" آیورویدک کی مستند کتاب ہے۔ اس میں طویل عمری، اعادہ شباب اور قیام قوت کے متعلق بہت کچھ لکھا ہے۔ لیکن ہم طوالت کو نظر انداز کرتے ہوئے، اس پر چند اہم اصول لکھتے ہیں تاکہ قارئین ان سے پورے طور پر مستفید ہو سکیں۔ اور اگر شوق ہو تو مزید معلومات اور غور و فکر کر سکیں۔

طویل عمری کے تین ذرائع

(۱) جسم کے تین ''اپ ستھہ'' (۲) تین اصول (۳) تین انتیں (۴) تین روگ (۵) تین روگ مارگ (۶) تین طرح کے وید اور (۷) تین طرح کے اوشدھی ہوتی ہے۔مختصر تفصیل درج ذیل ہے۔

اپ ستھہ کے بھی تین بڑے گھنب ہیں۔سسرت میں جسم کو ''ستھون'' کا نام دیا گیا ہے۔یعنی کف، وات اور پت تین ستونوں والا۔ جب یہ مناسب حالت میں رہتے ہیں تو جسم تندرست رہتا ہے۔لیکن مکانون میں ستونوں کے علاوہ کھنبوں کی بھی ضرورت ہے اس لئے وات، پت اور کف تینوں ٹھیک حالت میں رہ کر جسم کو بہت دنوں تک زندہ رکھتے ہیں، جسم کی طاقت اور خوبصورتی قائم رہتی ہے۔بل بھی تین طرح کا ہوتا ہے: (۱) سہج (۲) کاج (۳) یکتی کرت۔''سہج'' کو ''سبھاوک'' بل بھی کہتے ہیں، جوڑوں اور استھاؤں کے موافق ہوتا ہے۔(۳) ''یکتی کرت'' بل وہ ہے جو خوراک اور ورزش کے مناسب ترتیب سے عمل میں لانے سے بڑھتا ہے، آتین کے معنی کوشش ہے، یہ بھی تین اقسام کی ہوتی ہیں۔محسوسات کال اور کرم کا (۱) اتی یوگ (۲) ایوگ (۳) مانسک۔(۱) جو روگ شریر کے دوشوں (وات، پت اور کف) کے بگڑنے سے پیدا ہوتے ہیں وہ ''لنج'' کہلاتے ہیں۔(۲) جو روگ خوف، زہر وایو، آگ اور چوٹ وغیرہ سے پیدا ہوتے ہیں وہ گنتک کہلاتے ہیں۔(۳) بھیشٹ (دلپسند) چیزوں کے نہ ملنے اور انشت (خلاف خواہش) چیزوں کے ملنے سے جو روگ پیدا ہوتے ہیں انہیں مانسک روگ کہتے ہیں۔''وید'' بھی تین اقسام کے ہوتے ہیں: (۱) بھشک چھند چر۔ایسا شخص جو ویدوں کی طرح ساز و سامان، ادویات اور کتابیں جمع کر کے رکھتا ہے یا ویدوں کی طرح ٹپ ٹاپ بنائے رکھتا ہے، اس کو پرتی روپک یا بھشک چھندوچر کہتے ہیں۔(۲) سدھ سادھت ایسے شخص کو کہتے ہیں جو کرتی، جس اور گیان سے یکت سدھوں کے نام سے وید ہونے کا نام پانے کی کوشش کرے۔ لیکن خود ان سدھوں کی اس میں ایک بھی بات نہ ہو اسے سدھ سادھت کہتے ہیں۔اس کے معنی یہ ہیں کہ دو آدمی آپس میں سازش کر کے ایک ان میں سدھ وید بن جائے اور دوسرا لوگوں میں یہ مشہور کرتا پھرے کہ فلاں وید بڑا کام ہے، اسی طرح اس مصنوعی وید کی دنیا میں عزت اور مان بن جائے۔(۳) وید گن یکیت: ایسے وید کو کہتے ہیں جو دواؤں کے استعمال میں ماہر کامل۔گیان و گیان سے واقف۔سدھ سمپن، صحت بخشنے والا۔زندگی دینے والا اور طاقت بڑھانے والا ہو۔اوشدھیوں کے معنی علاجات کے ہیں اس کے بھی تین اقسام ہیں: (۱) ''دیو ویپا شرے'' ایسی اوشدھی ہے جس میں منتر، اوشدھی دھارن، منی دھارن، منگلا چرن، بلیدان، اپھارہوں، نیم پرائیچیت، اپ واس سوتی واچن، پرنی پات، تیرتھ جاترا وغیرہ کو عمل میں لایا جاتا ہے۔(۲) ''یکتی ویپا شرے'' ایسا اوشدھی ہے جس میں موافق و ناموافق کا وچار کر کے کھانا اور ٹھیک ترکیب سے اوشدھی کا استعمال کرنا ہے۔(۳) ستو وجے ایسی شدھی ہے جس میں مفروشیوں سے من کو روکنا ہے۔

آیورویدک میں طویل عمری کی صورت اس وقت عمل میں آسکتی ہے جب کہ ایک نیک وید پورے طور پر علمی اور عملی حیثیت سے فاضل آیورویدک اور ماہر فن ہو۔صرف ادویات کا استعمال دوسروں کے لئے مفید نہیں ہوسکتا کیونکہ وید مرض اور خرابی جسم کے ندان (سبب) سے واقف ہوتا ہے۔اور وہی ندان کو رفع کرنے کی صحیح کوشش کرسکتا ہے۔آیورویدک میں روگ تین ندان سے پیدا ہوتے ہیں: (۱) ''ساتمیہ اندری ارتھ سینوگ'' یعنی نامطابق اندرے وشیوں کے بھوگ سے۔(۲) ''پرگیا پرادھ'' یعنی بدھی کے دوش سے۔(۳) ''پرنیام'' یعنی وقت سے۔یہی تین اسباب تین اقسام کے روگ پیدا کرتے ہیں جن کا ذکر اوپر کیا گیا ہے۔جن کی مختصر تفصیل درج ذیل ہے شاریرک روگ تین قسم کے ہوتے ہیں: (۱) اگنیہ یعنی پتج (۲) سومیہ یعنی کفج (۳) وائے وے یعنی وائج۔ مانساک روگ دو طرح کے ہوتے ہیں (۱) ''راجس''

جو رجوگن سے پیدا ہوتے ہیں۔ (۲) ''تامس'' جو تموگن سے پیدا ہوتے ہیں۔ (۳) اگنتک کی تفصیل گزر چکی ہے۔

نوٹ: آیورویدک میں مرض کے لئے روگ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ لیکن ویادھی، آمے، گد، آتنگ، یکشما، وکار وغیرہ سب الفاظ ایک ہی معنوں میں استعمال کئے جاتے ہیں۔

اشدھی (علاج) میں ادویات کی تقسیم اس طرح کی گئی ہے۔ ادویات دو قسم کی ہوتی ہیں۔ اول مفید ادویات جن کو بھیشج، دوسرے مہلک ادویات جن کو بھیشج کہتے ہیں۔ پھر ہر ایک کی دو اقسام ہیں۔ بھیشج کے اقسام: (۱) ''اوجس کر'' ایسی ادویات جو تندرست کو طاقت دینے والی ہیں۔ (۲) ''روگ ناشک'' ایسی ادویات جو امراض کو دور کرنے والی ہیں۔

ابھیشج کے اقسام

(۱) ''وادھن'' فوراً ہلاک کر دینے والی ادویات۔ (۲) ''سانو وادھن'' ایسی ادویات جو کچھ دیر کے بعد ہلاک کر دیں۔ ''اوجس کر بھیشج'' ہی ایسی ادویات ہیں جو تندرست اشخاص کے اوج (طاقت) کو بڑھاتی ہیں۔ اور وہی ورشیہ (مقوی باہ) اور رسائن (اکسیر) ہوتی ہیں۔ رسائن کی ایک خوبی یہ ہے کہ یہ ہر قسم کے مرض کو دور کر دینے کے ساتھ ساتھ مقوی باہ بھی ہوتی ہیں۔ اور آیورویدک میں یہ بھی تخصیص کی گئی ہے کہ جو ادویہ ورشیہ ہیں وہی رسائن بھی ہیں۔

رسائن کیا ہیں

رسائن ایسی ادویات کو کہتے ہیں جو امراض کے لئے اکسیر ہوں اور اس کے ساتھ ہی جسم میں توانائی کے ساتھ ساتھ قوت باہ کو یقیناً بہت زیادہ پیدا کر دیں۔ رسائن ادویات ہی کے استعمال سے انسان کو بڑی عمر، جنسی قوت، قوت حافظہ، ذہانت، صحت، لطف جوانی، خوبصورتی، خوش آواز ہونا، جلال، جسم اور اعضائے جسم کی طاقت، واک سدھی (منہ سے جو بات نکلے وہ پوری ہو جائے)، پرنتی (متحمل مزاجی) اور کانتی (چہرے کا نور) حاصل ہوتی ہے۔ چونکہ ان ادویات سے رس رکت وغیرہ ساتوں دھاتوں کا حصول ہوتا ہے اس لئے انہیں رسات کہتے ہیں۔

ورجی کرن

یہ جو تخصیص کر دی گئی ہے کہ ہر رسائن ورشیہ (مقوی باہ) ہوتی ہے اور ہر ورشیہ رسائن ہوتی ہے تو جاننا چاہیے کہ ورجی کرن ایسی رسائن ہے جو ورشیہ (ممسک و مشتہی) کے ساتھ ساتھ مرد کو اولاد پیدا کرنے کے قابل بنا دیتی ہے جو لوگ طویل عمری، قیام شباب اور اعادہ شباب چاہتے ہیں وہ ہمیشہ ورجی کرن ادویات استعمال کرتے رہتے ہیں۔ کیونکہ دھرم، ادویات کی بدولت حاصل ہوتی ہے۔ ان کے کھانے سے فوراً ہی سرور پیدا ہو جاتا ہے۔ گھوڑے کی سی طاقت حاصل ہوتی ہے۔ اور آدمی جماع کرنے سے نہیں گھبراتا۔ ان ادویات کا استعمال مردوں کو عورتوں کا پیارا بنا دیتا ہے اور بڑھاپے میں بھی ویرج کو کم نہیں ہونے دیتا۔

جس طرح ایک بہت بڑا درخت بے شمار ٹہنیوں کے پیدا ہونے سے آراستہ پیراستہ ہو جاتا ہے ویسے ہی ان ادویات کے استعمال والا مرد بہت سی اولاد کے پیدا ہونے سے اچھا معلوم ہوتا ہے۔ یہی ادویات اولاد کی اصلی بنیاد ہیں اور انہی کے استعمال سے آدمی کو نیک نامی، دولت، طاقت اور تر و تازگی حاصل ہوتی ہے۔

ایک قدیم واقعہ

ایک زمانے کی بات ہے کہ سلیم الطبع اور یکیہ کرنے والے رشی گراہمیہ (دیہاتی) ادویات اور اغذیہ کے استعمال سے ایسے دکھی ہوئے کہ اپنے روزمرہ فرائض کی ادائیگی کے بھی قابل نہ رہے۔ تب وہ سوچنے لگے کہ یہ سب بستی میں رہائش رکھنے کا نتیجہ ہے۔ اور اس کا یہی علاج ہے کہ پورب کی رہائش اختیار کی جائے۔ اس لئے وہ ہمالیہ کے اس مقام پر گئے جہاں سے کلیان کاری اور پوتر دریا گنگا کا آغاز ہوتا ہے۔ جہاں پر دیوتا، گندھرب اور کنر رہتے ہیں۔ جہاں قسم قسم کے رتن پائے جاتے ہیں۔ جہاں کا نظارہ نہایت دلکش ہے۔ جہاں برہم رسی، سدھ اور چرن نواس کرتے ہیں جہاں ہر قسم کی جڑی بوٹیاں پائی جاتی ہیں۔ جہاں ہر شخص کا جی رہنے کا طلبگار ہے اور جس کی حفاظت اندر کرتا ہے۔

رشیوں کی اس جماعت میں بھرگو، انگرا، اتری، وشٹ، کشیپ، اگستیہ، ورم دیور اور آست گوتم وغیرہ بہت سے رشی شامل تھے۔ اِندر نے نہایت محبت سے اس جماعت کا استقبال کیا اور کہنے لگا کہ اے برہم کے جاننے والو! اے گیان دھن اور تپودھن کے بھنڈا، برہم رشیو آپ کا آنا مبارک ہو۔ بستیوں کی رہائش سے آپ لوگوں کے چہرے اداس، بے رونق، بے نور، دکھی، اور سکھ سے خالی دکھائی دے رہے ہیں۔ آپ لوگوں نے اپنی نیک دلی کی وجہ سے عوام کی بہتری کے واسطے اپنے اجسام کی کوئی پروا نہ کرتے ہوئے بستیوں کی رہائش اختیار کی تھی۔ لیکن یاد رکھئے کہ بستیوں کی رہائش دکھوں کا منبع ہے۔ آؤ! میں آپ کو آیوروید کا اپدیش سناؤں جسے نہایت مہربانی سے مجھے اشونی کماروں نے سکھایا تھا۔ کیونکہ آیورویدک کے اپدیش کے لئے اس سے اچھا موقع ہاتھ نہ آئے گا۔

اشونی کماروں نے یہ علم پرجاپتی سے حاصل کیا تھا اور پرجاپتی کو برہماجی نے اس کا اپدیش کیا تھا۔ کیونکہ عوام بڑھاپے اور بیماریوں کی وجہ سے کم عمر، دکھی اور گمراہ ہو رہے تھے۔ اسی وجہ سے تپسیا، انضباط حواس، عقل اور تحصیل علم کے ناقابل تھے۔ برہماجی کا مقصد یہ تھا کہ مندرجہ بالا خرابیوں سے عوام کو نجات مل جائے۔ یہ علم بڑا کار ثواب ہے، اس سے عمر ترقی پاتی ہے، بڑھاپا اور بیماریاں دور ہوتی ہیں۔ طاقت پیدا ہوتی ہے اور صحت حاصل ہوتی ہے۔ آیورویدک کا علم امرت کا سا اثر رکھتا ہے۔ اس لئے آپ اسے سن کر یاد رکھیے اور عوام کے فائدے کے لئے اس کی اشاعت کیجئے۔ کیونکہ برہم ہی رشیوں کا معراج ہے۔ وہی رفاقت اور رفاقت ہی رحم ہے۔ آتما پر رحم کرنا ہی اچھا اور ثواب کا کام ہے۔ وہی صورت برہمیہ اور اکھشے کرم (لازوال فعل) ہے اِندر کی ان باتوں کو سن کر رشی لوگ وید کے منتروں سے اس کی تعریف کرنے لگے اس کے بعد اندر نے رشیوں کو آیورویدک کا اپدیش دیا اور فرمایا کہ یہ سب کام عمل میں لانے کے قابل ہیں۔ رسائن بنانے کا یہی سب سے اچھا موسم ہے۔ کیونکہ ہمالہ پربت پر پیدا ہونے والی سب جادو اثر بوٹیاں اس وقت مل سکتی ہیں اور اس وقت تاثیر کے لحاظ سے بالکل مکمل ہیں۔

اس واقعہ سے بہت سی باتیں سامنے آتی ہیں۔ خدا پرستی، مخلوق کی خدمت، دیہاتی اور شہری زندگی، آیورویدک کی خوبی طویل عمری، صحت اور رسائن تیار کرنے کا وقت اور بوٹیوں کی جائے پیدائش اور ان کی تاثیر کا مکمل ہونا وغیرہ۔

چونکہ آیورویدک میں بھیشج (مفید ادویات) کی دو اقسام ہیں۔ اوّل اوجس کر (مقوی اور رسائن) دوسرے روگ ناشک (دفع امراض) چونکہ یہاں پر ہمارا تعلق اوجس کر کے رسائن اور ورشیہ دواجی کر ان ادویات سے ہے اس لئے ہم صرف انہی ادویات کا ذکر کریں گے۔ ادویات کی تفصیل علاج ان کے مقام پر بیان کریں گے۔ [افادات از چرک]

طب یونانی اور وطویل عمری اور قیام شباب

طب قدیم کی تاریخ دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ حکماء وفلاسفر اور اطباء انسانی عمر کو طویل کرنے، جوانی کو قائم رکھنے اور شباب کو واپس لوٹانے میں کس قدر جدوجہد اور سعی کی ہے۔ ان کی یہ تمام کوششیں صرف فن کے لئے محدود تھیں، یا بادشاہ اور شہنشاہ وقت کے لئے زحمتیں برداشت کی گئیں۔ بہرحال ان کی کتب مجربات اور مفید تدابیر سے پتہ چلتا ہے۔ ان کی تمام تر جدوجہد قابل تعریف اور حقیقت کی طرف رہنما تھی۔ متقدمین کے بعد متاخرین نے ان بنیادوں پر عالی شان محل تعمیر کئے ہیں۔ جن سے اس دور میں بھی غیر معمولی روشنیاں نصیب ہوئی ہیں۔

طب قدیم کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ بقراط اور جالینوس سے لے کر حکیم رازی اور ابن سینا تک تمام اس امر پر متفق ہیں کہ نہ تو طویل عمری ممکن ہے اور نہ ہی اعادہ شباب کی کوئی صورت ہوسکتی ہے۔ اور انسانی طبعی موت کو روکنے کی کوشش کرنا ایک جنون سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتا۔ ان کا فیصلہ ہے کہ زندگی کے لیے رطوبت غریزی اور حرارت غریزی کے ساتھ ساتھ حیض کی غذائیت بے حد لازم ہے۔ اور یہ تینوں صورتیں پھر زندگی کے کسی دور میں ممکن نہیں ہیں۔ دوسرے جسم انسان میں جو رطوبت غریزی اور حرارت غریزی قائم ہے ان کی مثال چراغ تیل اور شعلہ کی ہے۔ جن کی روشنی زندگی بھر قائم ہے۔ آخر ایک دن ایسا آتا ہے کہ تیل جل جاتا ہے اور زندگی ختم ہو جاتی ہے۔ اور جوں جوں تیل کم ہوتا چلا جاتا ہے انسانی شباب بھی ختم ہوتا چلا جاتا ہے۔ جو واپس لوٹ کر نہیں آسکتا۔ البتہ موت ضرور آجاتی ہے۔

لیکن اس امر پر تمام فاضل حکماء اور ماہر فن اطباء متفق ہیں کہ حفظ صحت، زندگی کے افعال اور جذبات میں اگر اعتدال برتا جائے تو زندگی اپنی طبعی عمر تک پہنچ سکتی ہے۔ البتہ زندگی کے اعتدال کے علاوہ حکماء اور اطباء نے بعض ایسے اعمال کا ذکر کیا ہے جو اپنی جگہ خاص اہمیت رکھتے ہیں۔ مثلاً حکیم افلاطون کا اعادہ شباب اور درازی عمر کے لئے خم میں بیٹھنا۔ حکماء مصر کے نزدیک استفراغ کو درازی عمر کا بہترین ذریعہ خیال کیا جاتا تھا۔ یونان کے بعض ممتاز اطباء کے نزدیک تازہ ہوا میں سانس لینا، گرم پانی سے غسل کرنا اور ریاضت کر کے جسم کو فضلات سے پاک کرنا بقائے شباب اور درازی عمر کے لئے ضروری ہے۔ اسی طرح بعض اطباء سر کو ٹھنڈا اور پاؤں کو گرم رکھنا قیام صحت اور درازی عمر کے لئے بہترین اور مؤثر تدبیر خیال کرتے ہیں۔ طب قدیم میں جسمانی قوت، جنسی قوت اور قیام شباب کے لئے گردے، کپورے اور کلیجی وغیرہ کا استعمال۔ اسی طرح سری پائے اور دماغ کی یخنی کا استعمال، ماء اللحم پینا، وغیرہ ایسے اعمال ہیں جو ان امور کو ظاہر کرتے ہیں کہ اطباء اور حکماء بھی درازی عمر اور قیام شباب سے غافل نہیں رہے۔ بعض اہل اکسیر کا یہ دعوی ہے کہ اکسیر کے استعمال سے نہ صرف جوانی واپس آتی ہے بلکہ انسان عرصہ تک زندہ رہ سکتا ہے اور جو لوگ اکسیرات اور رسائن سے ناواقف رہے یا ان کو بے حقیقت سمجھا یا، انہوں نے جیسے روحانیت اور علم یوگ کے عاملین نے حبس دوام اور کپالی چڑھانے سے اس مقصد کو حاصل کرنے کی کوشش کی ہے۔

ان طبی اور روحانی اعمال کے علاوہ یہ بھی حقیقت ہے کہ خوشی اور فارغ البالی ایسی چیزیں ہیں کہ جن سے آدمی کی عمر بہت بڑھ جاتی ہے۔ اس کے برخلاف مصائب و آلام نہایت بے دردی سے انسان کی عمر کو گھٹا دیتے ہیں۔ نمایاں پتہ چلتا ہے کہ امارت وتمول کی مسرتیں درازی عمر کا موجب ہیں اور غربت و افلاس کے صدمے اکثر انسانوں کو جوانی بھی پوری نہیں کرنے دیتے بلکہ شباب تک نہیں آتا اور ابتدائے شباب ہی میں جسم و روح کا تعلق ختم ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض خاندانوں میں امارت لازم کر دی گئی ہے۔ اور یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ خاندانوں میں چند پشتوں تک امارت قائم رہی ہے یقیناً ان خاندانوں میں اوسطاً عمر زیادہ ہی نظر آئی ہے اسی طرح اسلام

میں جنت کا تصور۔ ہر قسم کی ضرریات کا میسر ہونا اور حسین ترین عورتوں وحوروں اور دوشیزاؤں کا قرب اس کے ساتھ شرابا طہورا کی مستی کے بیان اپنے اندر جو بھی حقیقت رکھتے ہوں مگر اس دنیا میں عیش ونشاط کی داد پانے والوں نے عملی طور پر سب کر دکھایا ہے لیکن اس حقیقت سے کسی فاضل حکیم اور ماہر طبیب نے بھی انکار نہیں کیا کہ حسین دوشیزاؤں میں قیام شباب اور طویل عمری کا بہترین ذریعہ ہیں۔ شاید اسی لئے اسلام نے چار شادیوں اور بے شمار باندیوں کی اجازت دی ہے۔

جو اطباء اور حکماء طویل عمری کے قائل نہیں ہیں وہ ان سب حقائق کی مخالفت کرتے ہیں۔ اس سلسلہ میں جناب حکیم جلیل احمد صاحب پرنسپل طبیہ کالج کے خیالات ایک مضمون سے پیش کئے جاتے ہیں جو اگرچہ مسلسل بیان کئے گئے ہیں مگر ہم کو ان سے اتفاق نہیں ہے صرف مخالفت نظریات کی وجہ سے نقل کئے جاتے ہیں۔ جن کے جوابات ہمارے آئندہ مضمونوں میں لکھے جائیں گے۔

مسئلہ قیام واعادہ شباب

ظاہر امر ہے کہ جب تک یہ نہ معلوم ہو جائے کہ انسان کا تکون کس طرح اور کن چیزوں سے ہوتا ہے۔ نیز لڑکپن، جوانی اور بڑھاپا وغیرہ حالات کن تغیرات کے ماتحت ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ اس وقت تک قیام شباب یا اعادہ شباب کے متعلق کوئی یقینی رائے قائم نہیں کی جاسکتی۔ اس لئے ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ پہلے ذیل میں ان امور کے متعلق مختصر سا تبصرہ ہدیہ ناظرین کردیں۔

تکون انسان

جمہور اطباء متقدمین کا خیال ہے کہ انسان کی تکون دو چیزوں سے ہوتی ہے: (۱) رطوبت غریزیہ (۲) حرارت غریزیہ۔ رطوبت غریزیہ میں مرد کی منی، عورت کی منی اور خون حیض یہ تینوں چیزیں داخل ہیں۔ ان میں سے مرد کی منی اپنی قوت عاقدہ کے ذریعے اور عورت کی منی اپنی قوت منعقدہ کے ذریعے جوہر جنین کا جزو بنتی ہے اور خون حیض ان اعضاء اصلیہ کی غذا میں صرف ہوتا ہے جو منی سے تیار ہوتے ہیں۔ رہی حرارت غریزیہ۔ وہ ان میں انضاج تغذیہ اور دفع فضلات وغیرہ وظائف انجام دیتی رہتی ہے۔ ان دونوں چیزوں کی اسی اجتماعی حالت پر انسان کی زندگی کا دارومدار ہے۔ چنانچہ جب تک کسی انسان میں یہ دونوں چیزیں مجتمع اور موجود رہتی ہیں۔ اس وقت تک وہ زندہ رہتا ہے اور جب ان میں سے ایک یا دونوں مفقود ہو جاتی ہیں تو وہ مر جاتا ہے۔

لڑکپن جوانی اور بڑھاپے وغیرہ کا سبب

اسی طرح مختلف انسان یعنی لڑکپن، جوانی اور بڑھاپا وغیرہ بھی انہی دونوں چیزوں کے مختلف تغیرات کا نتیجہ ہیں۔ چنانچہ جب تک بدن میں رطوبت غریزیہ اس قدر وافر اور کثیر مقدار میں موجود ہوتی ہے کہ حرارت غریزیہ کی حفاظت کرنے کے علاوہ تغذیہ اغذیہ میں بھی صرف ہو سکے اس وقت تک انسان کا لڑکپن شمار کیا جاتا ہے جسے اصطلاح اطباء میں سن حداثت یا سن نمود کہتے ہیں۔ اس کے بعد جب رطوبت غریزیہ کچھ کم ہو کر اس قدر باقی رہ جاتی ہے کہ حرارت غریزیہ کی حفاظت کے لئے تو کافی ہوتی ہے لیکن تغذیہ اعضاء میں صرف نہیں ہو سکتی تو یہ انسان کی جوانی کا زمانہ ہے۔ جس میں اس کے تمام اعضاء مکمل ہو جاتے ہیں اور قوتیں قوی ہو جاتی ہیں۔ نیز چونکہ رطوبت غریزیہ حفظ حرارت کے لئے کافی ہوتی ہے اس لئے بدن میں حرارت غریزیہ بھی علیٰ کماہا موجود ہوتی ہے۔ جس پر جوانی کا دارومدار ہے اسے اصطلاح اطباء میں سن شباب یا سن وقوف کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ پھر رفتہ رفتہ جب رطوبت غریزیہ اس قدر کم ہو جاتی ہے کہ حرارت غریزیہ کی حفاظت کے لئے کافی نہیں ہو سکتی تو اس وقت علی التدریج حرارت غریزیہ فنا ہونا شروع ہو جاتی ہے۔ جس کی وجہ سے دن

بدن قوتیں کمزور ہونے لگتی ہیں۔ یہ زمانہ انسان کا بڑھاپا کہلاتا ہے۔ اس زمانہ میں جب تک بدن میں رطوبات غریزیہ کا غلبہ نہیں ہوتا۔ اس وقت تک اسے اطباء کے یہاں سن کہولت کہا جاتا ہے اور جب ضعف ہضم کی وجہ سے بدن میں رطوبت غریبہ غالب ہو جاتے ہیں تو اس وقت اسے سن شیوخت کے نام سے نامزد کیا جاتا ہے۔

شباب کی تعریف

اس مختصر تبصرہ سے ہمارے ناظرین بخوبی سمجھ گئے ہوں گے کہ اطبائے متقدمین کے نزدیک رطوبت غریزیہ کی کافی موجودگی کے باعث حرارت غریزیہ کا علیٰ کمالہا موجود رہنا شباب کہلاتا ہے۔ اس اعتبار سے جب تک کسی شخص میں رطوبت غریزیہ کافی اور حرارت غریزیہ علیٰ کمالہا موجود ہوگی۔ اس وقت تک وہ شخص جوان کہلائے گا اور اس کے بعد علی الترتیب زمانہ کہولت یا شیوخت میں داخل ہو جائے گا۔

شباب کا قیام اور اعادہ دونوں ناممکن ہیں

اب ظاہر بات ہے کہ شباب کے قیام اور اعادہ کے متعلق تحقیق کرنے کے لئے ہمیں صرف اس امر کی تحقیق کر لینی چاہیے کہ حرارت غریزیہ کا ہمیشہ علیٰ کمالہا موجود رہنا یا زائل ہو جانے کے بعد اس کا علیٰ کمالہا واپس آ جانا ممکن ہے یا نہیں۔ اس کے بعد قیام و اعادہ شباب کا امکان و عدم امکان خود بخود حل ہو جائے گا۔ چنانچہ اس کے متعلق اطبائے متقدمین کی رائے ہے کہ یہ بالکل ناممکن ہے۔ کیونکہ حرارت کیفیت فاعلہ ہے اور رطوبت کیفیت منفعلہ ہے۔ اس لئے اجتماع کی صورت میں لامحالہ حرارت رطوبت میں فعل کر کے اسے بتدریج متحلل کرنا شروع کر دے گی۔ علاوہ بریں چونکہ مؤثر واحد جب کسی متاثر واحد میں ہمیشگی کے ساتھ اثر کرتا ہے تو اس کی تاثیر بر ان متاثر میں شدید اور قوی تر ہوتی رہتی ہے اس لئے کچھ عرصہ کے بعد جب رطوبت میں بہت زیادہ تحلیل ہو جائے گا۔ تو جس طرح چراغ کی گرمی اپنے مادہ یعنی تیل کو کم کر کے خود بھی ضعیف ہو جاتی ہے۔ اسی طرح حرارت غریزیہ بھی اپنے مادہ یعنی رطوبت غریزیہ کے ضعف کی وجہ سے ضعیف ہو جائے گی۔ جس کے بعد لازمی طور پر ہضم میں ضعف پیدا ہو جائے گا۔ کیونکہ ہضم کا تمام تر دارومدار حرارت غریزی پر ہے۔ اور یہ ظاہر بات ہے کہ ہضم کے ضعیف ہو جانے کی وجہ سے بدل ما یتحلل کی پیدائش کم ہو جائے گی انجام کار تحلل دائمی اور قلت تغذیہ کے باعث چند دنوں کے بعد رطوبت غریزیہ بالکل فنا ہو جائے گی۔

چونکہ حرارت غریزیہ کا قیام رطوبت غریزیہ ہی پر موقوف ہوتا ہے۔ اس لئے اس کے فنا ہونے کے بعد حرارت غریزیہ خود بھی لازمی طور پر بجھ جائے گی۔ چنانچہ اسی انطفاء حرارت غریزیہ کا نام موت طبعی ہے۔ جس کی مدت ہر شخص کے لئے اس کے مزاج اور رویے کے اعتبار سے مختلف ہوتی ہے۔

اس تقریر سے یہ تو اچھی طرح ثابت ہو گیا کہ جب اطبائے متقدمین کے نزدیک حرارت اور رطوبت غریزیہ کا بقاء ممکن نہیں، تو لازمی طور قیام شباب بھی ان کے مذہب کی بنا پر قطعاً ناممکن ہے۔ اب رہ گیا اعادہ شباب۔ سو اس کے متعلق بھی ان کے اقوال سے عدم امکان ہی کا پتہ چلتا ہے۔ کیونکہ حرارت غریزیہ ان کے نزدیک ایک ایسے جوہر سماوی کا نام ہے جو نفس ناطقہ کے فیضان کے وقت بدن پر قابض ہوتا ہے۔ اس کے بعد اس کا فیضان بالکل ناممکن ہے۔ اسی طرح رطوبت غریزیہ بھی ان کے مذہب کے مطابق ایک مرتبہ فنا ہونے کے بعد پھر نہیں پیدا ہو سکتی۔ اس لئے کہ یہ ایک ایسی رطوبت کا نام ہے۔ جس کا نضج اور تخمیر پہلے اوعیہ غذا میں، پھر اوعیہ منی میں پھر رحم میں

اور پھر بدن ولد میں ہوتا ہے۔ اور رطوبت غذائیہ صرف اوعیہ غذا ہی میں نفج پاتی ہے۔ اس لئے یہ اس کے قائم مقام نہیں ہو سکتی۔ اس اعتبار سے ظاہر بات ہے کہ جس شخص کا شباب اس کی حرارت غریزیہ اور رطوبت غریزیہ کے کم ہو جانے کی وجہ سے زائل ہو چکا ہے، وہ ہرگز عود نہیں کر سکتا۔

ایک شبہ کا رد

اس جگہ شاید بعض حضرات کو ڈاکٹر وروناف کے عمل اعادہ شباب کی وجہ سے متقدمین کے اس قول کی صداقت میں ضرور کچھ شبہ ہو رہا ہوگا۔ لیکن میرے خیال میں اس سے متقدمین کی تحقیق پر کوئی نقص وارد نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ڈاکٹر صاحب موصوف کے عمل سے بعض مخصوص قوتوں میں کچھ زیادتی یا برانگیختی پیدا ہو جانا اس امر کی دلیل ہرگز نہیں بن سکتی کہ معمول صحیح معنی میں جوان ہو گیا ہے یعنی اس کی حرارت اور رطوبت غریزی جس قدر فنا ہوئی تھی۔ وہ سب واپس آ گئی۔ اس لئے وہ شخص اپنی حیات طبیعی کے لحاظ سے اپنے زمانہ شباب کے بعد جتنی مدت زندہ رہ سکتا تھا، اب از سرنو جوان ہو کر پھر اتنی ہی مدت زندہ رہ سکتا ہے۔ کیونکہ اس کی بالکل ایسی مثال ہے جیسے کسی شخص کے دانت بڑھاپے کی وجہ سے بوسیدہ اور کمزور ہو گئے ہوں، جس کی وجہ سے وہ ان کے ذریعہ فعل مضغ اچھی طرح انجام نہ دے سکتا ہو۔ اس لئے وہ انہیں نکلوا کر ان کے بجائے مصنوعی دانت لگوائے اور ان کے ذریعہ بوسیدہ دانتوں کی بہ نسبت اچھی طرح چبانے لگے۔ اب آپ خود ہی انصاف فرمائیے کہ کیا اس شخص کو اس کی مخصوص قوت کی زیادتی کے باعث جوان کہا جا سکتا ہے؟ ظاہر بات ہے کہ جس طرح اس شخص کو جوان نہیں کہا جا سکتا، اسی طرح ڈاکٹر صاحب موصوف کے معمول کو بھی جوان نہیں کہا جا سکتا۔ کیونکہ تغیر کی نوعیت کے لحاظ سے دونوں کی ایک صورت ہے۔ صرف اتنا فرق ہے کہ اس شخص میں ایک معمولی ناکارہ عضو نکال کر دوسرا کارآمد عضو لگا دیا گیا ہے۔ جس کی وجہ سے ایک معمولی اور ادنیٰ قوت یعنی قوت مضغ میں زیادتی ہو گئی ہے اور ڈاکٹر صاحب موصوف کے معمولی میں ایک اہم اور رئیس ناکارہ عضو علیحدہ کر کے اس کی جگہ کارآمد عضو رکھ دیا گیا ہے۔ جس کی وجہ سے ایک نہایت اہم اور اعلیٰ قوت یعنی قوت باہ یا اسی قسم کی دیگر مخصوص قوتوں میں اضافہ ہو گیا ہے۔ اس کے علاوہ نوعی لحاظ سے اور کوئی فرق نہیں۔ چنانچہ حرارت غریزیہ اور رطوبت غریزیہ کے واپس نہ آنے میں دونوں مساوی ہیں۔ اس لئے جوان کہلانے کا دونوں میں سے کوئی مستحق نہیں ہے۔

قیام و اعادہ شباب کی کوشش بے سود ہے

غرض یہ بات ہر صورت سے بالکل محقق اور ثابت ہو گئی کہ متقدمین اطباء کے مذہب کے مطابق صحیح معنی میں شباب کے قیام یا اعادہ کے متعلق کوشش کرنا بالکل بے سود اور لاحاصل ہے۔ کیونکہ جب حرارت غریزیہ ہمیشہ علیٰ کمالہا موجود نہیں رہ سکتی تو قیام شباب و اعادہ شباب بھی لامحالہ ناممکن الوقوع ہیں۔ چنانچہ قرشی علیہ الرحمۃ و نفیس بن عوضؒ فرماتے ہیں: والطیب لا یلزمه ابقا الشباب والقوة لانبقامها انما یمکن بلقاء الحرارة الغریزیة علی کمالها و ذلك غیر ممکن ولا ان مبلغ کالشخص الاطول من الحیات فضلا عن ان یمنع الموت۔

مسئلہ حفظ شباب

قیام و اعادہ شباب کا عدم امکان ثابت ہو جانے کے بعد ظاہر بات ہے کہ حافظ صحت کو طبی نقطہ نظر سے اس باب میں صرف اس امر کی کوشش کرنی چاہیے کہ وہ اپنے مزاج اور اپنی قوت کے لحاظ سے جتنی مدت تک جوان رہنے کی استعداد اور قابلیت رکھتا ہے، اتنی مدت

تک جوان رہے۔ اس سے قبل بوڑھا نہ ہو جائے۔ اسے طبی اصطلاح میں حفظ شباب کہتے ہیں۔

چونکہ حفظ شباب کی تمام تدابیر اور جزئی اصول کا بیان اس قدر طویل ہے کہ انہیں بالاستیعاب ذکر کرنے کے لئے ایک مستقل کتاب کی ضرورت ہے۔ اس لئے ہم انہیں نظر انداز کر کے یہاں اس کا صرف ایک سب سے بڑا اصول پیش خدمت کرتے ہیں۔

حفظ شباب کا ایک سب سے بڑا اصول

شباب کی حقیقت اور اس کے زوال کی علت معلوم ہو جانے کے بعد ہر شخص بخوبی سمجھ سکتا ہے کہ حفظ شباب کا سب سے بڑا اصول یہ ہوسکتا ہے کہ رطوبت غریزیہ کو تحلیل زائد اور عفونت سے محفوظ رکھا جائے۔ ہمارے نزدیک اس سلسلہ میں حافظ شباب کو تین امور کی خاص طور پر رعایت رکھنی چاہیے: (۱) تمام اسباب مجففہ مثلاً سہر، غم، غصہ، استفراغ، کثرت جلق، اغلام، کثرت جماع اور دیگر حرکات شدید وغیرہ سے نہایت شدت اور سختی کے ساتھ پرہیز کرے۔ (۲) اسباب ستہ ضروریہ یعنی ہوا، ماکول و مشروب (کھانے پینے کی چیزیں)، حرکت وسکون بدنی، حرکت وسکون نفسانی، نوم و یقظہ (سونا جاگنا) اور استفراغ و احتباس کو اعتدال کے ساتھ استعمال میں لائے۔ کیونکہ جب تک یہ اسباب اعتدال کے ساتھ استعمال کئے جاتے ہیں، اس وقت تک انسان تندرست رہتا ہے۔ اور جب ان کے استعمال میں کوئی بداعتدالی پیدا ہو جاتی ہے تو کوئی نہ کوئی مرض پیدا ہو جاتا ہے۔ جس کی وجہ سے لازمی طور پر حرارت اور رطوبت غریزیہ میں تحلل اور ضعف پیدا ہو جاتا ہے۔ (۳) وقت موسم اور مزاج وغیرہ کو ملحوظ رکھتے ہوئے غذا میں زیادہ تر گرم و تر چیزیں استعمال کرے، تاکہ حرارت غریزیہ اور رطوبت غریزیہ دونوں کو مدد پہنچتی رہے، اس لئے وہ تحلل زاید سے بچی رہیں۔

اصول بالا پر عمل کرنے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ غریزیہ کے تحلل میں کمی ہو جاتی ہے اور بڑھاپا جلد اور شدت کے ساتھ حملہ آور نہیں ہوتا۔ [الحکیم ماہ نومبر ۱۹۳۱ء]

نوٹ: جناب حکیم خلیل احمد صاحب کی ذاتی رائے بھی بہت حد تک اہمیت رکھتی ہے۔ مگر طب یونانی میں طویل عمری اور قیام شباب پر جو کچھ لکھا گیا ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ سب کچھ ممکن ہے۔ ذیل میں حکماء اور اطباء کے خیالات کا مختصر خلاصہ درج ذیل ہے۔

تدابیر سے عمر بڑھانا ایک امکانی حالت ہے

اس تقریر کے عنوان کو دیکھ کر شاید عوام کو حیرت اور تعجب ہوگا کہ عمر کا زیادہ کرنا کیا افعال اختیاری میں سے ہے، یعنی انسان اپنی قدرت و اختیار سے اپنی عمر کو گھٹا بڑھا سکتا ہے، لیکن یہ شبہ ان کو اس وقت تک حیرت کے عالم میں رکھے گا جب تک کہ ان کو وجوہ موت کا تفصیلی علم نہیں ہوگا۔ پس اس تقریر میں ہم اوّلاً وجوہ موت کی تشریح کرتے ہیں اور پھر اجمالاً ان تدبیرات و انتظامات کا اعادہ کرتے ہیں کہ جو عمر کے حصول کے لوازم ضروریہ ہیں اور جس سے تمام کتاب بتفصیل آراستہ و پیراستہ ہے۔ غرضیکہ امور مذکورہ کے جاننے اور عمل کرنے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ انسان قبل از وقت نہیں مرے گا۔ بشرطیکہ کوئی ناگہانی امور باعث موت نہ ہوں۔ مثلاً قتل و غرق وغیرہ امور اتفاقیہ اور اگر امور ناگہانی سے اس کی موت وقوع میں بھی آئے گی تو امور مذکورہ کے عمل کرنے سے مرتے دم تک صحت لحسب العمر قائم رہے گی۔

انسان امکاناً کب تک زندہ رہ سکتا ہے؟

اب رہا یہ امر کہ انسان کس مدت تک زندہ رہ سکتا ہے یعنی اس کی طبعی عمر کس قدر ہے، سو یہ مسئلہ نہایت دقیق ہے، اس لئے کہ

کرہ زمین کی مختلف آب و ہوا اور مختلف معموروں کے آسمان و زمین کے مختلف اوضاع اور آثار اور طبعی مزاج انسانوں کے متعدد اور متخالف حالات اس بات کے متقاضی ہیں کہ ہر ملک کے افراد انسانی بلکہ ہر فرد بشر کی طبعی عمر مختلف ہو مگر تغلیباً یعنی غالب امر و حالات کے لحاظ سے اکثر قطعات زمین میں اور اکثر حالات مزاج طبعی افراد ان کے لحاظ سے ایک سو بیس سال تک انسان زندہ رہ سکتا ہے۔ اس لئے کہ سن نمو یعنی جسم و قوائے بدنی کی ترقی کا زمانہ تیس سال تک اور سن وقوف یعنی ترقی مذکورہ کے بعد کا زمانہ جبکہ بتدریج (آہستہ آہستہ) قوائے بدنی و رطوبت غریزی (اصلی) کا نقصان شروع ہو جاتا ہے۔ ساٹھ سال سن شیوخت یعنی جبکہ نقصان قوائے بدن و رطوبات غریزی کا بہت سرعت اور تیزی کے ساتھ شروع ہو جاتا ہے۔ ساٹھ سال سے آگے ساٹھ سال تک جس کا مجموعہ ایک سو بیس سال ہوا۔

بعض حکماء کی رائے ہے کہ انسان کی عمر طبعی ایک سو چالیس سال تک ہوسکتی ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ نو سو بلکہ ایک ہزار سال انسان زندہ رہ سکتا ہے۔ بعض علماء فلاسفر کا قول ہے کہ انسان امکاناً ہمیشہ زندہ رہ سکتا ہے۔ بشرطیکہ اوضاع فلکی اور آثار ارضی اس زمانہ و مکان کے جہاں وہ رہتا ہے طول عمر مذکورہ کے ہوں۔

انسان کے لئے بہر حال موت ضروری ہے

حق بات یہ ہے کہ انسان کے لئے موت ضروری ہے اور اس کا دوام بقا حکمت کے منافی ہے۔ اس لئے کہ جسم انسانی ایسے عنصروں سے مرتب کیا گیا ہے کہ جو ایک دوسرے کے خلاف اور ہمیشہ بہت زور و شور سے خواہان افتراق (جدائی) کے رہتے ہیں۔ اگر قاسر (جابر) یعنی حرارت غریزی ان چاروں عنصروں کی مواصلت میں اہتمام نہ کرے تو حضرت انسان کا یہ کالبد خاکی جنات کی طرح سے معدوم ہو جائے اور اس حرارت غریزی (اصلی) کا بقا و قوت و ضعف صرف رطوبت غریزی کے بقا و قوت و ضعف پر منحصر ہے۔ کیا معنے رطوبت مذکورہ و حرارت غریزی کا مادہ ہے اور حرارت غریزی چونکہ بدن کی کلیں چلانے کی غرض سے متحرک رہتی ہے، لہٰذا اس کا مادہ یعنی رطوبت غریزیہ آناً فاناً فنا ہوتی رہتی ہے۔ تا اینکہ حرارت مذکورہ کے دوام حرکت سے ایک نہ ایک دن رطوبت غریزی بالکل فنا ہو جائے گی۔ جب یہ رطوبت فنا ہو جائے گی تو یہ حرارت بھی بجھ جائے گی جس طرح سے کہ تیل کے صرف ہو جانے سے چراغ یا لیمپ گل ہو جاتا ہے۔ پس اس حرارت کے بجھ جانے سے ان چاروں مخالفوں (چار عنصر) میں بھی افتراق ہو جائے گا یعنی ہر ایک ان میں اپنے اپنے ٹھکانوں پر پہنچ جائیں گے کیا معنی غالب انسان فنا ہو جائے گا اس لئے کہ اس حرارت کی وجہ سے ان مخالفوں میں باہم ارتباط اور اتفاق تھا۔

انسان کا دوام بقا منافی حکمت ایزدی اس لئے ہے کہ انسان اگر ظالم و شریر ہے تو اس کے دوام شر و ظلم سے عالم دنیا میں آفات و شر برپا رہیں گے اور یہ امر منافی انتظام ہے اور اس لئے بھی دوام بقا انسان کا منافی حکمت الٰہی ہے کہ اگر موت و آخرت نہ ہوتی تو نیک و صالح انسان بدترین انسان ہو جاتے اس لئے کہ ان کو ترک لذات دنیا سے کوئی معاوضہ یا فائدہ حاصل ہونے کی اُمید نہیں تھی۔

کن کن وجوہ سے موت پیدا ہوتی ہے

یہ بات تو ظاہر ہے کہ بدن انسان کا مبداء (سرچشمہ) پیدائش مرد اور عورت کی منی اور حیض کا خون ہے اور یہ دونوں جبکہ مخلوط ہو کر بستہ ہو جاتے ہیں تو ان میں بوجہ جزو ارضی و جزو ناری (مٹی اور آگ کے جزو) سیلان تو نہیں رہتا ہے مگر ڈھیلا ڈھالا ایک مضغہ گوشت کی شکل سے متشکل ہو جاتا ہے اور اس درجہ اس مضغہ گوشت میں صلابت (سختی) بھی نہیں ہوتی ہے جیسے کنکر و پتھر میں سختی ہوتی ہے، اگر ایسی سختی ابتداء سے اس مضغہ گوشت میں ہوتی تو حضرت انسان ایسی جلدی منزل ناگریز (موت) پر پہنچنے کی عجلت نہ کرتے۔ بالحمد چونکہ

ہمارے بدن کی بنا ابتداء ہی سے ضعیف اور سست ہے لہٰذا دو طرح کی آفات کا سامان دواماً لگا رہتا ہے، ایک آفت داخلی دوسری آفت خارجی۔ آفت داخلی سے ان رطوبات کی تحلیل اور فنا مراد ہے کہ جس سے ہمارے جسموں کی پیدائش ہے کہ جو بتدریج (آہستہ آہستہ) زمانہ موت تک فنا ہوتی رہتی ہیں۔ اور آفت خارجی سے وہ آفت مراد ہے کہ جو رطوبات واخلاط کے تعفن وفساد کی وجہ سے عارض ہوتی ہیں اور یہ خارجی آفت گویا بادی النظر میں اس داخلی آفت سے جداگانہ معلوم ہوتی ہے مگر نتیجہ لازمی اس کا بھی تحلیل ہونا انہیں رطوبات کا ہے کہ جو ہمارے جسموں کا مبداء (سرچشمہ) آفرینش ہے، اس لئے کہ جب بوجہ تعفن رطوبات میں فساد ہوگا تو ان میں صلاحیت جزو بدن ہونے کی نہ رہے گی۔ آخرکار وہ خاکستر ہو کر رہ جائے گی۔

اور یہ دونوں آفتیں یعنی رطوبتوں کا تحلیل اور ان کا متعفن ہونا ان آفات سے علاوہ ہیں کہ جو رطوبات بدن کو دیگر وجوہ سے لاحق ہوتی ہیں۔ مثلاً برف کی سردی سے، بادِ صرصر وسموم (لُو) کی گرمی سے یا مختلف اورام وامراض بدن سے لیکن اس مقام پر مابہ البحث (جس سے بحث کی جائے) آفات اوّل الذکر ہیں۔ قصہ مختصر یہی دونوں آفتیں اسباب خارجیہ سے پیدا ہوتی رہتی ہیں۔ کیا معنی یہی معمولی ہوا کہ جو ہر وقت ہمارے بدن سے ملاقات کرتی رہتی ہے ہماری رطوبات بدن کو ہر وقت فنا کرتی رہتی ہے۔ اور یہ ہوا جبکہ اس میں ایسی خرابی پیدا ہو جاتی ہے کہ رطوبات بدن میں عفونت پیدا کرنے لگتی ہے تو یہ عفونت بطور مذکورہ بالا وجہ تحلیل رطوبت بدن ہوتی ہے۔

علیٰ ہذا القیاس رطوبت مذکورہ اسباب باطنی سے بھی فنا ہوتی رہتی ہے یعنی ہمارے بدنوں کی حرارت غریزی (اصلی حرارت) اور دواؤں اور غذاؤں کے اجسام کی حرارت ہر وقت وساعتاً ہماری بدنی رطوبات کو جلاتی رہتی ہے۔

بالجملہ یہ کل اسباب عام اس سے کہ رطوبات کے فنا وتحلیل کرنے والے ہوں یا اس کے خراب اور متعفن کرنے والے ہمارے اور آپ کے بدنوں کو وقتاً فوقتاً خشک کرنے میں اعانت کرتے رہتے ہیں۔ بلکہ ہمارے روزمرہ کے حرکات تحصیل معاش وطلب علم وغیرہ ہمارے رطوبات بدن کو تحلیل کرتے رہتے ہیں۔ آخرکار یہ رطوبات بدنی اسباب مذکورہ سے تحلیل ہوتے ہوتے ایک روز بالکل فنا ہو جائیں گے۔ پس یہ حرارت غریزی (اصلی حرارت) بدن کی بھی بجھ جائے گی جس طرح سے تیل کے فنا ہو جانے سے چراغ یا لیمپ بجھ جاتا ہے۔ اسی طرح سے زندگی کا چراغ بھی بدن کی رطوبات اصلیہ کے فنا ہو جانے کی وجہ سے گل ہو جائے گا، اور یہی وجہ موت طبعی کی ہے۔

اب رہا یہ امر کہ رطوبات بدن کس طرح سے بالکل فنا ہو جاتی ہے، حالانکہ وہ روزمرہ غذا سے پیدا ہوتی ہیں سو اس اجمال کی تفصیل کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے پس اس کی تفصیل سنئے کہ شروع زمانہ سے خلقتاً چونکہ ہم نہایت درجہ ذی رطوبت پیدا کئے گئے ہیں جیسا کہ قبل اس کے مشروحاً بیان ہو چکا ہے پس ضرور ہوا کہ اس رطوبت پر زیادہ حرارت ہمارے بدنوں پر مسلط کی جائے تاکہ حرکات ارادی طلب معاش وتحصیل منافع ودفع ضرر نقصان وغیرہ میں اس رطوبت کے غلبہ کی وجہ سے عصیان اور فتور واقع نہ ہو، چنانچہ بدیں وجہ زیادہ حرارت ہمارے بدن پر مسلط کی گئی۔

اب اس حرارت مسلط کا فعل یعنی رطوبات کا کم کرنا ہر وقت قائم رہے گا، اوّل وآخر العمر (عمر کے آخر تک) حتیٰ کہ یہ حرارت رطوبات بدنیہ کو جب ایک اعتدالی حالت پر قائم کر دے گی تو بدن انسان اعتدال کے قالب میں آ جائے گا اور یہی اعتدالی حالت بدن انسان کے شباب کا عالم ہے۔ پس اس سن میں رطوبات کو تو حرارت مذکورہ نے جلا کر کم کر دیا مگر وہ خود مقدارہ (اپنے مقدار پر) باقی ہے اور اب اعتدالی حالت سے آگے چل کر یعنی عالم شباب سے آگے چل کر بھی رطوبات بدنی کو حرارت بدستور سابق فنا کرتی رہے گی۔ پس بدن میں وقتاً فوقتاً خشکی بڑھتی جائے گی تاآنکہ رطوبات بدن جب بالکل فنا ہو جائیں گی، تب یہ حرارت بھی بجھ جائے گی۔

جب اعتدالی حالت یعنی زمانہ شباب سے آگے چل کر یہ حرارت رطوبت بدنی کو فنا کرتی جائے گی تو جوں جوں رطوبات مذکورہ فنا ہوتی رہیں گی اسی قدر حرارت بھی کمزور ہوتی جائے گی۔ اور جب حرارت کمزور ہوگی تو طبیعت غذا سے معاوضہ کافی ان رطوبات کا کہ جو فنا ہوتی رہتی ہیں پہنچانے پر قادر نہ ہوگی لہٰذا حرارت روز بروز کم ہوتی جائے گی۔ الغرض جب طبیعت بوجہ ضعف حرارت بالکل معاوضہ پہنچانے پر قادر نہ ہوگی اس وقت موت طبعی وقوع میں آئے گی۔

اجمالاً ان تدبیرات کا ذکر کہ جو طول عمر کا باعث ہوسکتی ہیں

آغاز میں نے ان تدبیرات سے کیا ہے کہ جن کے عمل میں لانے سے صحت بدن قائم ہو کر انسان اپنی انتہائی عمر کو پہنچ سکتا ہے یعنی کھانے پینے سونے جاگنے، حرکات وسکنات واستفراغ وغیرہ کی تفصیل مگر اس مقام پر مناسب خیال کیا گیا ہے کہ بغرض مزید بصیرت بالا جمال تدبیرات کا اعادہ کریں۔

خیال رکھنا چاہئے کہ دارومدار تکمیل عمر طبعی کا صحت کی حفاظت سے ہے اور حفظ صحت سات امور کی تعدیل (باقاعدہ استعمال میں لانا) سے ہوتا ہے۔

① مزاج کو بذریعہ ہوا کے ٹھکانے سے رکھنا یعنی روح وحرارت غریزی (حرارت اصلی) بدن کو بحسب الضرورت ہوائے صاف و شفاف سے ٹھنڈک پہنچایا جس کا بیان ہم تشریح وباء کے بیان میں کر چکے ہیں۔
② غذا و پانی کا مناسب طریقہ سے استعمال کرنا جس کے مراتب ہم کتاب میں تعلیمات وتفہیمات میں بیان کر آئے ہیں۔
③ خواب و بیداری کا بالاعتدال (باقاعدہ) عمل میں لانا جس کے قواعد احکام طبعی نینداور بیداری کی بحث میں منضبط ہو چکے ہیں۔
④ اصطلاح وتعدیل حرکات بدنی ونفسانی جس کی توضیح حرکات وسکنات کے بیان میں مرقوم ہوئی ہے۔
⑤ اصلاح لباس کی جس سے حرارت ورطوبت بدنی قائم رہے جس کا بیان ضمناً فصلوں یعنی موسموں کی تدبیرات کی ذیل میں مذکور ہوا ہے۔
⑥ فضلات بدن کو تنقیہ جس کے احکام کی تشریح استفراغ کے بیان میں عمدہ طور سے گزر چکی۔
⑦ ہوا کو کہ جو قلب اور حرارت بہ کو پہنچتی رہتی ہے اشیائے معطر و حاملین روح سے اصلاح کرنا۔
⑧ علاوہ ان کے احکام سفر وغسل وحمام وغیرہ کہ جو قبل اس کے عمدہ طور سے مشرح ہو چکے ہیں بجالانا عمر طبعی کے حصول کے معاون (مددگار) ہیں۔ [القانون]

فرنگی طب اور اعادہ شباب

آیورویدک اور طب یونانی کی طرح فرنگی طب (ایلوپیتھی) نے اعادہ شباب اور قیام شباب کے سلسلہ میں اپنی بساط کے مطابق تحقیقات کی ہیں اور انسانی عمر کو بڑھانے کی جدوجہد کی ہے۔ فرنگی طب کی تحقیقات سننے سے پہلے اس امر کو ذہن نشین کر لیں کہ تحقیقات کا تعلق ہمیشہ تجربات ومشاہدات اور عقلی ونقلی دلائل سے ہوتا ہے۔ ہر شخص و ہر ملک اور ہر طریق علاج و ہر ضرورت کے لئے جدا جدا ہیں، الگ الگ طریق اور جدا جدا دلچسپیاں اور علیحدہ علیحدہ نظریات ہوتے ہیں۔ کبھی بھی فرض نہ کر لیا جائے کہ جو تحقیقات گزشتہ زمانے میں ہو چکی ہیں جدید تحقیقات انہی اصولوں، نظریات اور راہوں (لائنوں) پر جاری ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ اکثر صورتوں میں ایک محقق گزشتہ زمانوں کی تحقیقات کو ضرور سامنے رکھتا ہے مگر یہ اس صورت میں ہوتا ہے کہ جب ایک محقق بغیر اپنے کسی نئے نظریے کے صرف گذشتہ تحقیقات کا

جائزہ لیتا ہو۔ لیکن اگر کوئی محقق اپنی ذاتی رائے یا نظریہ کسی علم وفن کے متعلق رکھتا ہے تو اس کی تحقیقات اس امر کی پابند نہیں ہوتیں کہ اس سے قبل جو تحقیقات ہو چکی ہیں۔ اس کو ان کے آگے کرنا چاہیے بلکہ وہ اپنے نظریات کے تحت تحقیقات کرتا ہے، البتہ ضرورت کے مطابق گزشتہ تحقیقات پر بھی نظر ڈالتا ہے کہ شاید اس کے نظریات کے تحت بھی اس کو کچھ اشارات یا کام کیا ہوا مل جائے۔ حقیقت میں اصل تحقیقات اسی کا نام ہے کہ پہلے کوئی نظریہ قائم کیا جائے یا کم از کم کوئی اصول مقرر کئے جائیں پھر اپنی تحقیقات کا آغاز کیا جائے تاکہ دنیا علم وفن کے سامنے کوئی نئی چیز رکھی جا سکے۔

فرنگی طب (ماڈرن میڈیکل سائنس) کی تحقیقات کے متعلق بھی یہ جان لیں کہ ان کی تحقیقات اعادہ شباب اور قیام کے متعلق جو کچھ بھی ہیں۔ ان کا تعلق آیورویدک اور طب یونانی سے کوئی نہیں ہے۔ فرنگی تحقیقات جدا ہیں ان کے نظریات الگ اور اصول علیحدہ علیحدہ نظریات اور اصولوں کے تحت کی گئی ہیں۔ اس لئے جو صاحب ذوق فرنگی تحقیقات کا مطالعہ کریں وہ اس امر کو ذہن نشین کر لیں کہ ان کی بنیاد نہ آیورویدک اور طب یونانی پر اور نہ ہی فرنگی طب ان سے ترقی یافتہ اور ارتقائی مقام رکھتی ہے۔ یہ قانون اور قاعدہ صرف اعادہ شباب و قیام جوانی تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ علم طب کے ہر شعبہ اور اگر اس خیال کو وسعت دیں تو دنیا کے ہر علم وفن میں فرنگیوں کی تحقیقات اپنا ایک جدا رجحان (ٹرینڈ) رکھتی ہیں۔ اس تاکید کے بعد اب ہم فرنگی طب کی تحقیقات کا مختصر خلاصہ بیان کرتے ہیں جو انہوں نے اعادہ شباب اور طویل عمری کے متعلق کی ہیں۔

فرنگی طب کے نظریات

فرنگی طب نے جن نظریات کے تحت اعادہ شباب و قیام شباب اور طویل عمری کے متعلق تحقیقات کی ہیں وہ چند مختلف ہیں۔ چونکہ فرنگی طب نے امراض کی تحقیقات میں زیادہ تر جراثیم تھوری سے کام لیا ہے اس لئے اس سلسلہ میں بھی ان کا پہلا نظریہ یہ ہے: وقت سے پہلے بڑھاپا اس وقت آتا ہے جب زہریلے جراثیم غذائی سمیت کے ذریعے آنتوں میں داخل ہو کر اپنا فعل انجام دیتے ہیں۔ یہ نظریہ **پروفیسر میچنی کاف** کا ہے دوسرا نظریہ یہ ہے کہ: انسان اس وقت بوڑھا ہو جاتا ہے جب اس کا نظام غذائیہ بے کار ہو جاتا ہے یا وہ پورے طور پر کام نہ کر سکے۔ یہ نظریہ سائنسدانوں کے ایک گروہ کا ہے مگر یہ نظریہ کوئی جدید نہیں ہے طب یونانی بھی اس کو تسلیم کرتی ہے۔ تیسرا نظریہ یہ ہے کہ جس وقت الحاقی نسیج (کنکٹو ٹشوز) بڑھ کر دیگر اقسام کے ٹشوز پر اثر انداز ہوتے ہیں جن سے دیگر ٹشوز میں سختی کے ساتھ ساتھ ان کے افعال اور مجاری میں رکاوٹ پیدا ہو جاتی ہے تو انسان بوڑھا ہونا شروع ہو جاتا ہے یہ نظریہ مارشل اسٹالین کے طبیب خاص **''بوگومول''** کا ہے۔ چوتھا نظریہ یہ ہے کہ: بڑھاپا اس وقت آتا ہے جب انسان کی شریانوں میں صلابت پیدا ہو جاتی ہے جس سے ان میں لچک ختم ہو جاتی ہے اور وہ ناکارہ ہو جاتی ہیں۔ یہ نظریہ انگلستان کے مشہور طبیب **ولیم آسلر** کا ہے۔ پانچواں نظریہ یہ ہے کہ: انسانی خلیات (سلز) کی پیدائش کم ہو جاتی ہے اس لئے بڑھاپا چھا جاتا ہے یہ نظریہ جدید سائنس دانوں کے ایک گروہ کا ہے۔ چھٹا نظریہ یہ ہے کہ جسم انسان میں خون اور سفید ذرات کمزور پڑ جاتے ہیں اس لئے انسان بوڑھا ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ ساتواں نظریہ یہ ہے کہ جس وقت جسم انسان کے غدد بے کار ہونا شروع ہو جاتے ہیں، یہ نظریہ **فرانسیسی سائنسدان چارلس ایڈورڈ براؤن** کا ہے۔ نوواں نظریہ یہ ہے کہ: جب انسانی خصیوں میں ضعف واقع ہوتا ہے تو بڑھاپے کا آثار نظر آنا شروع ہوتے ہیں یہ نظریہ ڈاکٹر تسنیاخ کا ہے۔ اس کی تحقیقات کے مطابق بوڑھے اشخاص کے خصیوں پر عمل تقلیم کرنا چاہیے۔ اس سے اعادہ شباب کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ **ڈاکٹر دروناف پیرس** میں مردوں اور عورتوں پر

بندروں کے خصیے کا پیوند لگاتا تھا جس سے جسم میں از سرنو شباب کی لہر دوڑ جاتی تھیں بعد میں یہ حقیقت سامنے آ گئی کہ نہ صرف اس کا اثر وقتی ہے بلکہ فوراً ہی بعد میں ایسا زوال آتا ہے کہ صحت پہلے سے بھی زیادہ خراب ہو جاتی ہے اور انسان پہلے سے زیادہ بوڑھا ہو جاتا ہے۔

نظریات میں اختلاف

مندرجہ بالا فرنگی طب کے اعادہ شباب و قیام شباب اور طویل عمری کے نظریہ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ ان تحقیقات کا آیورویدک اور یونانی تحقیقات سے کچھ تعلق اور واسطہ نہیں ہے وہ اپنی جگہ جدا اقسام کی تحقیقات ہیں۔ یہاں پر یہ پھر واضح کر دیا جائے کہ آیورویدک کایا کلپ (اعادہ شباب اور طویل عمری) کے متعلق رسائن اور اصول صحت کے لئے تاکید کرتی ہے اور طب یونانی رطوبت غریزی اور حرارت غریزی کی حفاظت کے لئے حفظ صحت کے اصولوں کو معمول بنانے کے لئے زور دیتی ہے۔ بہرحال فرنگی طب و آیورویدک اور طب یونانی کے نظریات، تجربات اور مشاہدات اپنی اپنی جگہ جدا صورتیں رکھتے ہیں۔ اس لئے ان کے ذہن نشین کرنے کے لئے ان کے نظریات کی روشنی میں سمجھنا چاہیے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان میں سے صحیح نظریہ کیا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ قیام شباب اور اعادہ شباب اور طویل عمری کے لئے جو مختلف طریق علاج میں تحقیقات کی گئی ہیں، وہ تمام اپنی اپنی جگہ سب قابل تعریف ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ تحقیقات حقیقت کی طرف راہ نمائی کرتے ہوئے سنگ میل کا کام تو دیتی ہے مگر ان میں سے خود کوئی حقیقت نہیں ہے۔ اس لئے ہم کسی ایک نظریہ کو صحیح کہتے ہوئے قانون کا درجہ نہیں دیتے ویسے ہم حقیقت کی راہ نمائی کو مدنظر رکھتے ہوئے ان امور کو تسلیم کرتے ہیں کہ رسائن میں اس قسم کی طاقت ضرور ہے کہ اگر ان کو صحیح مقام پر استعمال کیا جائے تو یقیناً کایا کلپ ہو سکتا ہے۔ اسی طرح طب یونانی کے نظریہ کو بھی بہت اہمیت ہے کہ اگر واقعی کوئی انسان رطوبت غریزی اور حرارت غریزی کی صحیح طریق پر حفاظت کرے تو واقعی وہ اپنی طبعی عمر کو ضرور پہنچ جائے۔ لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ رسائن کی تیاری اور ان کا استعمال بھی اس قدر دشوار ہے جس قدر طب یونانی کے اصولوں پر رطوبت غریزی اور حرارت غریزی کی صحیح طریق پر حفاظت کرنا مشکل ہے۔ کیونکہ تجربہ یہ بتاتا ہے کہ مسلسل سالوں تک یہ ناممکن ہے کہ کوئی انسان مسلسل صحت کے قوانین کی شب و روز پیروی کرتا جائے۔ پیروی تو بادشاہ اور خدا کی بھی مشکل ہو جاتی ہے پھر بھلا ذاتی اغراض کے لئے قوانین صحت کی پیروی مسلسل شب و روز نفسیاتی طور پر طبیعت کو اکتا دینے والی بات ہے۔ اس لئے ان مقاصد میں کامیابی کے لئے آسان راہیں تلاش کرتا ہے۔ جہاں تک فرنگی طب کے نظریات کا تعلق ہے ان میں اس وقت کامیابی تقریباً ناممکن ہے جب تک پہلے اس مسئلہ کا حل نہ کیا جائے کہ قوت دراصل کیا ہے؟ کیسے پیدا ہوتی ہے؟ کیا اس کو قائم رکھا جا سکتا ہے؟ اس وقت تک فرنگی طب ان سوالات میں سے کسی کا جواب نہیں دیتی۔ البتہ اس کے مختلف نظریات اور اصولوں کے تحت جو تحقیقات کی گئی ہیں علمی و فنی معلومات کی ضرور حامل ہیں۔ جن کی مختصر تفصیل درج ذیل کرنے کے ساتھ ساتھ ہم ان کے افادی اور غیر افادی پہلوؤں پر بھی روشنی ڈالتے جائیں گے۔ تاکہ اہل فن اور صاحب عقل کے علاوہ عوام بھی مستفید ہوتے جائیں۔

فرنگی طب کا پہلا نظریہ

چونکہ فرنگی طب نے امراض کے متعلق تحقیقات کرنے میں جراثیم تھیوری سے کام لیا ہے، اس سلسلہ میں پروفیسر میچنی کاف کا بھی یہی نظریہ ہے کہ بڑھاپا اس وقت آتا ہے جب زہریلے جراثیم غذا کے ذریعے آنتوں میں داخل ہو کر اپنا فعل انجام دیتے ہیں۔ اوّل تو جراثیم تھوری کا یہ نظریہ ہی غلط ہے کہ اس سے امراض پیدا ہوتے ہیں۔ کیونکہ امراض صرف اعضاء کی خرابی سے پیدا ہوتے ہیں جب تک

اعضاء میں قدرت مدافعت (امیونٹی) باقی رہتی ہے وہ جراثیم کو اول اندر داخل نہیں ہونے دیتے اگر داخل ہو بھی جائیں تو وہ فنا کر دیئے جاتے ہیں۔ اس لئے جراثیم کو ہم زہر تو ضرور خیال کرتے ہیں اور امراض کا سبب قرار دیتے ہیں۔ لیکن سبب سابقہ کہتے ہیں سبب واصلہ نہیں کہتے۔ سبب واصلہ صرف اعضاء کو تسلیم کرتے ہیں۔ لیکن اگر یہ نظریہ فرض بھی کر لیں یا جراثیم کے مسلسل حملوں سے اعضاء کی کمزوری کا تصور بھی کر لیں۔ اور بڑھاپے کے نظریے کے صحیح ہونے کے بعد بھی ہم اس سے مستفید کیسے ہو سکتے ہیں؟ اس کی صرف یہی صورت ہوگی کہ ہم زندگی بھر ان جراثیم کو اپنی آنتوں میں جانے سے روکنے کی کوشش کرتے رہیں جو بالکل ناممکن ہے۔ وہی طب یونانی کا مسئلہ حفظ صحت سامنے آ جاتا ہے جس کی طوالت طویل عمر کے لئے بھی عذاب جان بن جاتی ہے حقیقت یہ کہ جراثیم تھوری سے نہ صرف قیام شباب اور طویل عمری کا مسئلہ حل نہیں ہو سکتا بلکہ امراض کی روک تھام بھی نہیں ہو سکتی اور اس نظریہ کے تحت جو علاجات کیے جا رہے ہیں وہ نہ یقینی ہیں اور نہ کامیاب ہیں۔ اس لئے قیام شباب اور طویل عمری میں جراثیم تھیوری کو عمل میں لانا بے معنی صورت ہے۔

دوسرا نظریہ

بعض سائنسدانوں کا نظریہ ہے کہ انسان اس وقت بوڑھا ہوتا ہے جب اس کا نظام غذائیہ بے کار ہو جاتا ہے یا پورے طور پر بگڑ جاتا ہے۔ نظریہ اوّل تو نیا نہیں ہے۔ آیورویدک اور طب یونانی بھی اس کا ذکر کرتی ہے۔ دوسرے یہ نظریہ پہلے نظریے کی سلجھی ہوئی صورت ہے۔ تیسرے طویل عمری میں ایک مقصد اعادہ شباب بھی ہے جو خرابی اعضاء اور خرابی خون کی حفاظت سے مکمل نہیں ہو سکتا ہے۔ اس مقصد کے لئے قیام شباب کے ساتھ اعادہ شباب کی صورت بھی ہونی چاہیے۔

تیسرا نظریہ

ڈاکٹر ''بوٹومول'' جو مارشل سٹالین کے طبیب خاص تھے ان کا نظریہ یہ ہے کہ بڑھاپا اس وقت آتا ہے جب انسان کا الحاقی مادہ (کنکٹو ٹشوز) بڑھ کر دیگر اقسام ٹشوز پر اثر انداز ہو جاتے ہیں۔ جن میں دیگر ٹشوز میں تختی کے ساتھ ساتھ ان کے افعال اور مجاری میں رکاوٹ پیدا ہو جاتی ہے۔ ''راک فیلر بیولاجیکل انسٹیٹیوٹ'' کے مستند اور چوٹی کے نامور ڈاکٹروں اور سائنسدانوں نے بے شمار تجربات کے بعد یہ امر تسلیم کر لیا ہے کہ الحاقی نسیج کنکٹو ٹشوز سوائے حادثات کے اپنی زندگی اور نسل کے قائم رکھتے ہیں۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ نسیج الحاقی کیا ہے اور اس کے افعال کیا ہیں۔

نسیج الحاقی

نسیج مرکب ہے کیسہ جات (سلز) سے۔ کیسہ ایک حیواناتی ذرہ ہے جس کو خلیہ بھی کہتے ہیں۔ جاننا چاہیے کہ کائنات میں جو بھی جاندار مخلوق ہے یہاں تک کہ نباتات بھی ان کی ترکیب جسمی اور بناوٹ بدنی انہی خلیات سے عمل میں آئی ہے۔ ہر حیاتی مخلوق کی بناوٹ دو قسم کی ہوتی ہے اوّل بنیادی خلیات اور دوسری فعلی خلیات۔ بنیادی خلیات واحد خلیاتی ہوتے ہیں یعنی اس میں ایک ہی قسم کے خلیے پائے جاتے ہیں اور یہ ادنیٰ قسم کی مخلوق میں پائے جاتے ہیں اور فعلی خلیات اعلیٰ قسم کی مخلوق میں پائے جاتے ہیں۔ اور اکثر مرکب خلیات پائے جاتے ہیں۔ بنیادی خلیات میں اعصاب اور عضلات نہیں پائے جاتے۔ ان بنیادی خلیات کی بناوٹ لیسدار اور ریشہ دار لحمی مادہ سے ہوتی ہے جو خاکی مادہ کہلاتا ہے۔ اس کی ترکیب میں کاربونیٹ اور فاسفیٹ اوف لائم اور دیگر قسم کے نمکول کے ساتھ جن میں چونے کی خاصیت

ہوتی ہے پایا جاتا ہے۔ یہی مادہ جب اپنے کمال کو پہنچ جاتا ہے تو ہڈی بن جاتا ہے۔ چونکہ یہ مادہ مخلوقات میں بنیاد کا کام دیتا ہے اس وجہ سے اس کو بنیادی خلیہ کہتے ہیں۔

نسیج الحاقی میں اسی قسم کے بنیادی خلیے پائے جاتے ہیں جن کی بناوٹ میں یہی خاکی مادہ ہوتا ہے۔ حیوانات خصوصاً انسان میں یہ الحاقی نسیج دیگر انسجہ کے ساتھ بہت زیادہ مقدار میں پایا جاتا ہے۔ انسان میں بنیادی اعضاء اسی سے بنتے ہیں جن میں ہڈی وکری، رباط اور اوتار اسی سے بنتے ہیں ان کے علاوہ جسمِ انسان کے دیگر اعضاء کی مضبوطی کا کام بھی آتا ہے، اس مادہ کی زیادتی کو اس طرح سمجھا جاسکتا ہے کہ اگر جسم کو کسی ایسے تیزاب میں ڈال دیا جائے جس سے الحاقی مادہ کے سوا باقی تمام انسجہ تحلیل ہو جائیں تو باقی جسم ایک چھلنی کی مانند رہ جائے گا۔

بچپن میں الحاقی مادہ جسم میں بہت کم ہوتا ہے اور اسی وجہ سے نسیج الحاقی میں سختی نہیں پائی جاتی اور بچے کی ہڈیاں اسی لیے نرم ہوتی ہے۔ جوں جوں بچہ جوان ہوتا چلا جاتا ہے، الحاقی نسیج یا خاکی مادہ زیادہ اور سخت ہو جاتا ہے۔ بڑھاپے میں یہ مادہ اس قدر سخت ہو جاتا ہے کہ اس سے ایک طرف اعضاء انسانی لکڑی کی طرح سخت ہو جاتے ہیں جن سے اعضاء کے افعال میں رکاوٹ پیدا ہو جاتی ہے۔ دوسرے اس مادہ کے بڑھ جانے سے مجریٰ وغیرہ میں بھی رکاوٹ پیدا ہو جاتی ہے۔ اس طرح انسان پر بڑھاپا غالب آ جاتا ہے۔

جوانی میں یہ خلیات ہمیشہ نئے خلیات میں تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔ پرانے خلیات تحلیل ہو کر غالب ہو جاتے ہیں اور نئے خلیات ان کی جگہ لے لیتے ہیں۔ چالیس سال کی عمر تک یہ عمل جاری رہتا ہے مگر اس کے بعد خلیات کا انحلال تو جاری رہتا ہے مگر نئے خلیات کی تکوین عمل میں نہیں آتی۔ اور چالیس سال کی عمر تک دماغ تکمیل کو پہنچ جاتا ہے اور اس کے بعد گھٹنا شروع ہو جاتا ہے۔ گویا چالیس سال کی عمر سے انسانی جسم مرنا شروع ہو جاتا ہے۔ کیونکہ ہم اس قوت سے محروم ہو جاتے ہیں جس سے خلیات کی تکوین ہوتی ہے۔ چالیس سال کی عمر کے بعد بھی ہم زندہ رہتے ہیں۔ لیکن ہمارے قویٰ برابر گرتے رہتے ہیں اور فنا ہوتے رہتے ہیں۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ چالیس سال کے بعد بدل ما یتحلل، جسم کو حاصل نہیں ہو سکتا۔

خلیات کی موت اور بڑھاپا

چالیس سال کے بعد ایک طرف الحاقی نسیج یا خاکی مادہ زیادہ سخت ہونا شروع ہو جاتا ہے دوسرے نئے خلیات کی پیدائش بند ہو جاتی ہے۔ تیسرے دماغ کی ترقی رک جاتی ہے۔ اور بڑھاپا ظاہر ہو کر موت کی شکل دکھا دیتا ہے۔ بڑھاپے میں جسم کمزور اور نحیف ہو جاتا ہے۔ یہ خاکی مادہ جو خون میں ملا ہوتا ہے جسم کے خلیات کے منہ میں پھنس کر رہ جاتا ہے اور وہیں جسم بن جاتا ہے۔ چونکہ پھر خلیہ میں خون کا گزر نہیں ہو سکتا اس لئے وہ خلیہ بند ہو جاتا ہے۔ اور چونکہ نیا خلیہ بننا بھی بند ہو چکا ہوتا ہے، تو جسم میں اس مقام پر مردہ خلیات کی علامت بطور جھری کے ظاہر ہو جاتی ہے۔ غرضیکہ اسی طرح رفتہ رفتہ تمام خلیات کے منہ اس خاکی مادہ سے بند ہوتے چلے جاتے ہیں۔ کل جسم پر جھریاں پڑنی شروع ہو جاتی ہیں، اور گوشت پوست لٹک جاتا ہے۔

اس نظریہ سے بڑھاپے کی کچھ حقیقت تو سامنے آتی ہے مگر اس کا علاج فرنگی طب میں اس کے سوا اور کچھ نہیں آتا کہ الحاقی نسیج میں سختی پیدا نہ ہو اور خلیات کی پیدائش جاری رہے۔ لیکن یہ علاج بھی امکان سے باہر ہے۔ دراصل یہ حقیقت ہے کہ فرنگی طب کی تحقیقات خلیات کے سلسلہ میں زیادہ دقیق نہیں ہے۔ جس سے وہ پیدائش خلیات پر کچھ روشنی ڈال سکے۔ اس لئے اس بارے میں اس کی تحقیقات ختم

ہو چکی ہیں۔

اس سلسلے میں ہماری تحقیقات یہ ہیں کہ الحاقی نسیج کے خلیات کی پیدائش موت تک جاری رہتی ہے۔ یہی خلیات بنیادی ہیں۔ البتہ فعلی خلیات کی پیدائش بند ہو جاتی ہے۔ لیکن اگر بدن انسان میں مناسب حرارت رہے تو بھی الحاقی مادہ سے ایک طرف نئے فعلی خلیات پیدا ہوتے رہتے ہیں اور دوسری طرف یہی حرارت الحاقی نسیج کو سخت نہیں ہونے دیتے ہیں یہ حرارت کیسے پیدا ہوتی ہے؟ اور کہاں پیدا ہوتی ہے؟ اس کا ذکر ہم اپنی تحقیقات میں کریں گے۔ ہماری تحقیقات فرنگی طب سے کس قدر زیادہ اور اہم ہیں۔

چوتھا نظریہ

اس نظریہ میں اس امر کو مدنظر رکھا گیا ہے کہ بڑھاپا اس وقت آتا ہے جب انسان کی شریانیں سخت ہو جاتی ہیں اور ان میں صلابت پیدا ہو جاتی ہے۔ جس سے ان میں لچک ختم ہو جاتی ہے۔ خون کا دباؤ بڑھ جاتا ہے اور وہ ناکارہ ہو جاتی ہے۔ یہ نظریہ بھی کوئی نیا نہیں ہے وہی نسیج الحاقی یا خاکی مادہ کی ایک مختلف صورت ہے، شریانوں میں بھی نسیج الحاقی اور خاکی مادہ پایا جاتا ہے۔ جو وہاں پر سختی اور صلابت اختیار کر لیتا ہے۔ البتہ اس تحقیق سے جو نئی چیز علمی دنیا کے سامنے آتی ہے وہ خون کے دباؤ کا بڑھ جانا (ہائی بلڈ پریشر) ہے۔ جو اپنی جگہ ایک خوفناک علامت ہے لیکن اس کا تعلق صرف شریانوں تک محدود نہیں ہے۔ بلکہ جب شریانوں میں سختی اور صلابت پیدا ہوتی ہے تو اس سے قبل عضلات اور غدد کو اپنی گرفت میں کر چکی ہوتی ہے۔ ایسے لوگوں کے اندرونی اعضاء اور نسانج سخت ہو جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ جب بوڑھوں پر جراحی کے زیر عمل ان کے اعضاء خصوصاً جگر اور گردوں پر نشتر چلایا جاتا ہے تو ان میں سے ایسی آواز پیدا ہوتی ہے جیسے لکڑی کو آری سے چیرا جا رہا ہو۔ یہ سب کچھ نسانج میں خاکی مادہ کی کثرت اور سختی کی وجہ سے ہوتا ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ جگر تغذیہ جسم کا ایک انتہائی ضروری جزو ہے۔ اور یہ کئی افعال انجام دیتا ہے جب اس پر الحاقی نسیج یا خاکی مادہ اثر انداز ہو جائے یا لپٹ جائے تو اس کے افعال میں یقیناً خلل واقع ہو جاتا ہے۔ جس کا نتیجہ ظاہر ہے۔ اسی طرح گردے بھی انتہائی ضروری اعضاء ہیں اور ان کے خلیات کا قدرتی فعل یہ ہے کہ وہ مضر و فاسد مادے پیشاب کے ذریعے جسم سے خارج کرتے ہیں لیکن ان کے گرد جب نسیج الحاقی اور خاکی مادہ اثر انداز ہوتا ہے تو پھر گردے اپنے افعال صحیح طور پر انجام نہیں دے سکتے جس کی وجہ سے خون میں تیزابی مادوں کی کثرت ہو جاتی ہے اور بڑھاپا اور بالوں میں سفیدی کا ظہور ہو جاتا ہے۔ نزلہ کی ابتدا بھی یہیں سے ہوتی ہے۔ صرف جگر و گردوں تک محدود نہیں ہے بلکہ دِل و دماغ کے حجاب و مخاط میں بھی جب نسیج الحاقی اور خاکی مادہ اپنا اثر کرتے ہیں تو ان کے افعال میں بھی خرابی واقع ہو جاتی ہے ظاہر طور پر اس کا اثر جب جلد پر پڑتا ہے تو وہ سوکھ کر خشک اور پتلی ہو جاتی ہے۔ اس کے ساتھ ہی عضلات میں دبلا پن ظاہر ہو جاتا ہے بعد میں یہ دبلے عضلات سخت ہو جاتے ہیں۔

اس سختی کو صرف صلابت شرائن تک محدود نہیں خیال کرنا چاہیے بلکہ اندرونی غدد کو خاص طور پر مدنظر رکھنا چاہیے جن سے ہر وقت رطوبات کا ترشح جاری رہتا ہے۔ جب الحاقی نسیج اور خاکی مادہ پھر ان پر اثر انداز ہوتا ہے تو ان کی رطوبات کا ترشح رُک جاتا ہے اور غدد بے کار ہو جاتے ہیں اور اپنے افعال جاری نہیں رکھ سکتے۔ عام طور پر دیکھا گیا ہے بوڑھے لوگ اپنا منہ کھولے رہتے ہیں تاکہ ان کے منہ کی خشکی کم ہوتی رہے، اور حلق تر رہے۔

شرائن و غدد اور عضلات وغیرہ کی صلابت واقعی بڑھاپے کی علامات ہیں۔ ظاہر ہے یہ ماڈرن سائنس کی تحقیقات ہیں، لیکن طب

یونانی کی کتب میں اس صلابت کا ذکر بڑی وضاحت سے پایا جاتا ہے۔ لیکن اگر اس کو صرف فرنگی طب کی تحقیقات ہی تسلیم کر لیا جائے، تو بھی یہ صرف بڑھاپے کی علامت سے زیادہ نہیں ہے جو نسیج الحاقی کو مدنظر رکھ کر بیان کی گئی ہے۔ لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس صلابت شرائن و غدد اور عضلات وغیرہ کا علاج کیا ہے۔ جیسا کہ ہم تیسرے نظریہ کے بارے میں لکھ چکے ہیں کہ فرنگی طب تا حال خلیات کی پیدائش اور ان کے افعال سے پورے طور پر واقف نہیں ہے، اس لئے وہ اس کی حقیقت کو سمجھنے سے قاصر ہے۔

پانچواں نظریہ

اس نظریہ کی بنیاد اس امر پر ہے کہ انسانی خلیات (سلز) کی پیدائش کم ہو جاتی ہے، اس لئے بڑھاپا آنا شروع ہو جاتا ہے۔ یہ نظریہ بھی کوئی جدا حقیقت نہیں ہے۔ کیونکہ اس کا تعلق نسیج الحاقی کے ساتھ ہے۔ بہر حال یہ ایک نظریہ ہے اور اپنے اندر ایک حقیقت رکھتا ہے۔ اس کا سمجھنا بھی قیام شباب و اعادہ شباب اور طویل عمری پر روشنی ڈالتا ہے۔ مگر خلیات کی پیدائش کیسے بڑھائی جا سکتی ہے، فرنگی طب اس حقیقت سے آگاہ نہیں ہے۔ جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں۔

چونکہ ڈاکٹر دروناف کو اعادہ شباب میں کافی اہمیت حاصل ہے، اس سلسلہ میں ان کی رائے بطور ثبوت درج ذیل ہے:

''نسیج اتصالی (الحاقی) دوسرے منسوجات کے لئے ایک سہارا اور ڈھانچہ کے طور پر ہے، تمام اعضاء کے کارکن یعنی فعلی خلیات کے درمیان نسیج اتصالی کے خلیات موجود ہوتے ہیں جو عضو متعلقہ کی صورت اور ڈھانچہ کے قیام میں مد ہوتے ہیں۔ عضلات کے ریشوں اور جگر، گردوں، غدہ ترمسیہ اور خصیتین وغیرہ کے فعلی خلیات بھی نسیج اعصابی کے خلیات سے معرا نہیں ہوتے۔ ہر عضو میں مخاطی خلیات فعلی خلیات ہیں۔ جو عضو متعلقہ کا مخصوص وظیفہ سرانجام دیتے ہیں۔ اس کے درمیان جو نسیج اتصالی پایا جاتا ہے اس کا مقصد مخاطی خلیات کو سہارا دینے کے علاوہ یہ بھی ہے کہ خون کی باریک باریک رگوں سے جو رطوبت رستی ہے اسے اپنے اندر سے گزار کر مخاطی خلیات تک پہنچا دے۔ کیونکہ اس کے بغیر ان فعلی خلیات کا تغذیہ ممکن نہیں ہے''۔

ڈاکٹر دروناف کے اس بیان سے صاف پتہ چلتا ہے کہ نسیج فعلی اور نسیج الحاقی کا باہمی کیا تعلق ہے اور جب وہ ایک مقررہ تناسب سے گھٹ جاتے ہیں تو کیا جسمانی تغیرات ظہور میں آتے ہیں یعنی نسیج اتصالی کے خلیات منسوجات فعلی کا کام انجام دیتے ہیں۔ وہ فعلی خلیات کی نسبت بہت مضبوط ہوتے ہیں۔ اور ہمیشہ بڑھتے رہتے ہیں۔ اس نوع کی پیدائش پر عمر کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ اور ان کے مقابلے میں فعلی خلیات جو اعلیٰ اور ارتقائی درجہ کے مختلف الخواص اور نازک ہوتے ہیں اپنی کارکنی مگر پوری غذا اور آرام نہ ملنے کی وجہ سے تھک کر کمزور ہو جاتی ہیں۔ اور جب معمر ہو جاتی ہیں تو ان میں اپنی مثل پیدا کرنے کی طاقت گھٹ جاتی ہے۔ مگر ان کے مقابلے میں نسیج اتصالی کی قوت قائم رہتی ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کسی عضو میں جوں جوں فعلی خلیات کم ہوتے جاتے ہیں توں توں اتصالی خلیات بڑھتے جاتے ہیں۔ اس وجہ سے جسم اور اعضاء کا توازن بگڑ جاتا ہے۔ صحت برقرار نہیں رہ سکتی جس کے بعد بڑھاپا اور آخر موت واقع ہو جاتی ہے۔

قیام شباب اور طویل عمری کا یہ نظریہ کتنا عقل و فطرت کے مطابق معلوم ہوتا ہے لیکن پروفیسر ریبٹر نے ایک پہلو سے اس کی مخالفت کی ہے۔ اس کی تحقیق یہ ہے کہ جب مخاطی خلیات کی تولید کم ہو جاتی ہے تو یہی خلیات اتصالی خلیات میں تبدیل ہونے لگتے ہیں۔ لیکن ہماری تحقیقات میں پروفیسر ریبٹر کی تحقیقات بھی اس سلسلہ میں اسی طرح غلط ہیں جس طرح باقی فرنگی سائنسدانوں کی تحقیقات

اندھیرے میں ہاتھ پاؤں مارنا ہے۔

قطع نظر ان مباحث کے ان تحقیقات سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ خلیات فعلی کے گھٹنے اور خلیات اتصالی کے بڑھنے سے بڑھاپا آتا ہے۔ اور شباب ختم ہو جاتا ہے۔ اور اگر کسی طرح فعلی خلیات کی تولید بڑھائی جا سکے اور انہیں اتنی تقویت دے دی جائے کہ وہ اتصالی خلیات سے مغلوب نہ ہونے پائیں۔ پس جو شخص قدرت کا یہ راز معلوم کر لے گا وہ یقیناً بڑھاپے پر فتح پا سکتا ہے اور قیام شباب اور اعادہ شباب حاصل کر سکتا ہے۔ لیکن ابھی تک فرنگی محققین کو یہ پتہ نہیں چل سکا کہ جسم انسانی کے اندرونی اعضاء میں کارکن خلیات کی جگہ نسیج اتصالی خلیات کیسے لے لیتے ہیں۔ ان کے لئے ابھی یہ ایک راز ہی ہے۔

چھٹا نظریہ

اسی نظریہ کے تحت یہ تحقیق کی گئی ہے کہ جسم انسان میں خون اور سفید ذرات کمزور پڑ جاتے ہیں اس لئے انسان بوڑھا ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ یہ نظریہ بھی اپنی جگہ ایک حقیقت ہے کیونکہ بڑھاپے میں واقعی انسان کا خون اور سفید ذرات کمزور ہو جاتے ہیں۔ اور حقیقت مسلمہ ہے کہ خون ہی پر زندگی اور طاقت کا دار و مدار ہے اور امراض سے بچاؤ کے لئے خون کی مضبوطی کے ساتھ ساتھ سفید ذرات کا بھی اپنی پوری مقدار میں مضبوط رہنا ضروری ہے۔ جب اُن دونوں میں کمزوری اور ضعف پیدا ہو گیا تو لازمی امر ہے کہ بڑھاپا آ جائے گا اور شباب قائم نہیں رہ سکے گا۔ لیکن یہاں پر یہ حقیقت بھی محل نظر ہے کہ خون اور سفید ذرّات کی کمزوری بذاتِ خود پیدا ہو جاتی ہے یا اعضاء و خلیات اور اغذیہ و ماحول کا نتیجہ ہوتا ہے۔ جہاں تک اس حقیقت کا تعلق ہے وہ یہ ہے کہ غذا کو اعضاء اور خلیات ہی ہضم کر کے خون اور سفید ذرات بناتے ہیں۔ اچھی غذا اور مضبوط اعضاء اور خلیات سے عمدہ خون اور مضبوط ذرّات سفید پیدا ہوتے ہیں۔ گویا خون اور سفید ذرات ثانوی اشیاء ہیں۔ اس لئے اس نظریہ کی کوئی خاص اہمیت نہیں ہے۔ لیکن خون اور سفید ذرات ثانوی اشیاء ہیں۔ اس لئے اس نظریہ کی کوئی خاص اہمیت نہیں ہے۔ لیکن خون اور سفید ذرّات کی کمزوری کا علم بھی بعض تحقیقات پر ضرور روشنی ڈالتا ہے۔

ماڈرن سائنسدانوں اور ڈاکٹروں کی تحقیقات ہے کہ خون میں ایک قسم کے خوردبینی جراثیم پائے جاتے ہیں جن کو فاگوسائٹ (ممد حیات) کہتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ یہ خوردبینی جراثیم انسانی جسم کے محافظ ہیں جو زہریلے اور مہلک جراثیم کو فنا کرنے کا کام انجام دیتے رہتے ہیں۔ جس جسم میں ان ممد حیات جراثیم کی تعداد اور زیادہ ہو، وہی جسم تندرست و صحیح اور مضبوط رہتا ہے۔ جب ان کی تعداد کم ہو جائے تو مہلک جراثیم بڑھ جاتے ہیں تو انسان بیماریوں میں پھنس جاتا ہے اور اپنی صحت خراب کر لیتا ہے۔

ہم یہ پہلے بھی لکھ چکے ہیں کہ یورپ کے محقق ڈاکٹر انسان کے عمر طبعی سے پہلے مر جانے کا باعث مختلف امراض کے کروڑوں جراثیم قرار دیتے ہیں۔ جو ہر وقت انسان کے جسم کو گھن کی طرح کھاتے اور کمزور کرتے رہتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ اگر ان کے مقابلے میں تندرستی کے معاون اور قوت بخش جراثیم کو خاص طور پر تقویت دی جائے تو انسان نہایت طویل عمر حاصل کر سکتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ خون میں صرف جراثیم کو طویل عمر کا باعث خیال کرنا عقلمندی کے منافی ہے، کیونکہ خون کئی ٹھوس و محلول اور مائی مادوں وعناصر اور کیفیات کا مرکب ہے۔ جب تک یہ مرکب صحیح حالت میں قائم نہ رہے اس وقت تک اس میں کوئی موافق اور مخالف جراثیم زندہ بھی نہیں رہ سکتے۔ اس لئے خون کو اگر ممد حیات (فاگوسائٹ) جراثیم سے اہمیت حاصل ہے تو یہ بالکل بے معنی چیز ہے۔ ہمیں اس امر سے انکار نہیں ہے کہ خون میں قوت مدبرہ بدن ہے اور وہ تقویت و تصفیہ جسم کے ساتھ ساتھ ہر مرض کا مقابلہ بھی کرتی ہے۔ مگر اس میں جس

چیز کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے وہ حرارت طبعی ہے اور جب تک حرارت طبعی اپنی اصلی حالت پر قائم رہتی ہے اس وقت تک ہمارا جسم قوی و مضبوط اور توانا و چست رہتا ہے۔ اور خون بھی کافی مقدار میں پیدا ہوتا ہے۔ اور بڑی سرعت کے ساتھ جسم کے ہر حصہ میں حرکت کرتا رہتا ہے۔ لیکن جب چند خاص وجوہ سے اعضاء رئیسہ کے افعال میں کمزوری واقع ہو جاتی ہے خاص طور پر فولاد اور گندھک کے اجزاء اپنی ضروری مقدار سے بہت کم ہو جاتے ہیں تو اس وقت خرابی صحت اور کمزوری واقع ہونے لگتی ہے، جس کا نتیجہ بڑھاپا ہوتا ہے۔

سفید ذرّات خون (وائٹ کارپسلز) کو سائنسدانوں کی اصطلاح میں لیوکوسائیٹس کہتے ہیں جو سرخ ذرّات خون کے ساتھ خون میں شریک رہتے ہیں۔ خوردبین کی مدد سے دیکھا گیا ہے کہ وہ ہر وقت جسم میں اِدھر اُدھر حرکت کرتے رہتے ہیں۔ اور جہاں کسی مہلک جراثیم کا وجود پاتے ہیں یا کسی مضر مادہ کو دیکھتے ہیں۔ تو اپنے اندر سے چھید نکال کر اس جرثومہ کو لپیٹ لیتے ہیں۔ جو فوراً فنا ہو جاتا ہے۔ اس کے علاوہ بعض اوقات اس کے اندر سے ایک خاص قسم کا مادہ بھی خارج ہوتا رہتا ہے جو زہریلے جراثیم کے لئے مضر ہوتا ہے۔ اکثر سائنسدانوں کا خیال ہے کہ ذرّات خون بھی بجائے خود جداگانہ اعضاء کی حیثیت رکھتے ہیں۔

یہ امر مسلمہ ہے کہ جب تک ہم اوسط درجہ کی صحت کی حالت میں رہتے ہیں یہ لیوکوسائیٹس (سفید ذرّات خون) اور فاگوسائیٹس (جراثیم ممد حیات) ان جراثیم کو ہلاک کرتے رہتے ہیں جو جسم میں داخل ہو جاتے ہیں۔ گویا یہ انسانوں کو جراثیم کے خوفناک حملوں سے محفوظ رکھتے ہیں۔ جب ہماری بے اعتدال زندگی یعنی غیر خالص ہوا اور پانی اور خراب غذا کھانے اور بدعادات و منشیات سے ہمارے اعضاء کمزور ہو جاتے ہیں۔ تو ساتھ ہی لیوکوسائیٹس بھی کمزور ہو جاتے ہیں۔ اس صورت میں یہ مہلک جراثیم کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اس سے انسانی صحت خراب ہو جاتی ہے اس طرح انسان کمزور اور جلد بوڑھا ہو جاتا ہے۔ سائنس دان اس قسم کے تجربات میں مصروف ہیں کہ ایسی ادویات اور اغذیہ کا پتہ چل جائے جن کے استعمال سے خون و سفید ذرّات اور ممد حیات جراثیم کو زیادہ سے زیادہ پیدا کیا جا سکے۔ یہ بھی تجربات کئے ہیں کہ نوجوانوں کے خون کو بوڑھوں کے جسم میں داخل کر کے قیام شباب اور اعادہ شباب حاصل کر لیا جائے، مگر اس عمل سے بھی کامیابی نصیب نہیں ہو رہی ہے۔

ساتواں نظریہ

بعض جدید فرنگی سائنسدانوں کا نظریہ ہے کہ جس وقت جسم انسان کے غدد بے کار یا کمزور ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔ ان سے کیمیائی رطوبات (ہامونز) کی تراوش میں کمی واقع ہو جاتی ہے۔ اس وقت انسان بوڑھا ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ اس جدید تحقیقات پر سائنسدانوں کو بہت ناز ہے اور وہ اس غلط فہمی میں گرفتار ہیں کہ انہوں نے قیام شباب اور طاقت کا راز معلوم کر لیا ہے مگر جب ان سے کہا جائے کہ غدد تو بدن کا ایک حصہ ہیں ان کے علاوہ بدن میں دیگر اعضاء بھی ہیں بلکہ خاص طور پر اعضاء رئیسہ دل دماغ جگر جن پر زندگی کا دارومدار ہے۔ کیا ان کے بغیر تنہا غدد جسم میں کچھ مفید ثابت ہو سکتے ہیں۔ پھر جدید تحقیقات نے خلیہ (سیل) سے لے کر خون اور اجزائے خون کو جسم کے لئے مفید قرار دیا ہے اس لئے صرف غدد کو اس قدر اہمیت دینا درست نہیں ہے۔ ہاں! اس حقیقت سے انکار نہیں ہے کہ غدد بھی اپنی جگہ اہم اعضاء ہیں ان کا بھی صحت و طاقت اور حسن و شباب سے تعلق ہے۔ اس اہمیت کا یہ فائدہ ہے کہ دیگر حقائق (Factors) کی طرح ان سے بھی مفید نتائج حاصل ہو سکتے ہیں۔ خاص طور پر وہ غدد جن کا تعلق جنسی قوت کے ساتھ ہے ان کا مطالعہ دلچسپی اور مفید معلومات کا حامل ہے۔

غدد تین قسم کے ہوتے ہیں اوّل ایسے غدد جو رطوبات یا فضلات کو جسم سے باہر خارج کرتے ہیں۔ جیسے جگر خون سے فضلات کو باہر خارج کرتا ہے ایسے غدد کو نالی دار غدد کہتے ہیں دوسرے وہ غدد ہیں جو کیمیاوی طور پر اپنی رطوبات خون میں شامل کر دیتے ہیں۔ جیسے طحال وغیرہ۔ تیسرے وہ غدد ہیں جو اپنی رطوبات کو باہر بھی خارج کرتے ہیں اور کیمیاوی طور پر خون میں بھی شامل کرتے ہیں۔ جن کی بہترین مثال خصیے ہیں۔

ان غدد کو بہت اہمیت دی جاتی ہے جن کی رطوبات خون میں شریک ہوتی ہیں۔ یہ اکثر بے نالی کے غدد ہوتے ہیں۔ ان میں طحال، لبلبہ، کلاہ گردہ، غدہ ترسیہ (تھائی رائڈ گلینڈ) غدہ ترسیہ کا شریک کار (پیرا تھائی رائڈ گلینڈ) غدہ نخامیہ (پیچوٹری گلینڈ) اور خاص طور پر خصیے شریک ہیں۔ ان غدد سے جو رطوبات کیمیاوی طور پر خون میں شریک ہوتی ہیں تو انگریزی میں "ہارمونز" جس کا مفرد ہارمون ہے ان کے متعلق جو تحقیقات ہوئی ہیں۔ ان سے پتہ چلتا ہے کہ صحت اور قوت کو قائم رکھنے میں ان کا بہت دخل ہے۔ لیکن سوائے خصیوں کے کوئی غدد ایسا نہیں ہے جو قیام شباب کی اہمیت اپنے اندر رکھتا ہو۔ اور اس پر بھی یہ یقین نہیں کیا جا سکتا کہ اگر اس کی رطوبت کسی بوڑھے انسان میں شامل کر دی جائے تو وہ از سر نو جوان ہو جائے گا۔ جس طرح دیگر غدد کے متعلق تجربات شاہد ہیں۔ مثلاً: غدہ ترسیہ کی رطوبت بند ہو جاتی ہے۔ تو کزازی تشنجوں سے ہی موت واقع ہو جاتی ہے۔ غدہ نخامیہ کی رطوبت بند ہو جانے سے موت واقع ہو جاتی ہے۔ کلاہ گردہ اپنی رطوبت بند کر دے تو ضعف قلب اور خرابی رنگ کے امراض پیدا ہو جاتے ہیں۔ طحال کی رطوبت اگر خون میں شامل نہ ہو تو خرابی ہضم، ضعف قلب، رنگ میں سیاہی اور مالیخولیا ہو جاتا ہے۔ لبلبہ کی رطوبت کے رُک جانے سے ذیابیطس ہو جاتا ہے خصیے کی رطوبت رُک جانے سے جنسی قوت پر غیر معمولی اثر پڑتا ہے چونکہ خصیوں پر وسیع تجربات کئے گئے ہیں اس لئے ان کو ذرا تفصیل سے بیان کیا جاتا ہے۔

خصیتین کی رطوبت پر تجربات

خصیتین کی رطوبت پر دو طریق پر تجربات کئے گئے ہیں۔ اوّل بچپن یا جوانی میں انسانی یا حیوانی خصیے نکال دیئے گئے ہیں، پھر ان کے اثرات کا مطالعہ کیا گیا ہے۔ عام طور پر جن کے خصیے نہیں ہوتے ان کو زنخا کہتے ہیں۔ لیکن جن کے خصیے نکال دیئے جاتے ہیں ان کو اختہ کرنا کہتے ہیں۔ جب کسی انسان یا حیوان کو اختہ کیا جاتا ہے تو اس میں ظاہری مردانہ علامات پیدا ہی نہیں ہوتیں۔ مثلاً مردوں کی داڑھی اور مونچھیں نہیں نکلتیں۔ بیلوں و مینڈھوں اور بکروں کے سینگ چھوٹے ہوتے ہیں۔ مرغوں کی کلغیاں نہیں نکلتیں۔ اور ان کے باقی جسموں میں بھی کمی نظر آتی ہے۔ یہی اثر گھوڑوں اور کتوں پر بھی نمایاں ہوتا ہے۔ اور سب سے بڑی تبدیلی یہ پیدا ہوتی ہے کہ ان میں تیزی و تندی اور جنگجوئی کے جذبات تقریباً ختم ہو جاتے ہیں بلکہ بزدلی پیدا ہو جاتی ہے۔ مرغوں پر ایک اثر یہ پڑتا ہے کہ وہ بانگ نہیں دیتے۔

مشرقی ممالک میں شاہی خاندان اور اعلیٰ گھرانے میں خواجہ سرا رکھنے کی رسم تھی جن سے پردہ دار گھروں میں کام دھندے لئے جاتے تھے۔ یہ خواجہ سرا وہی لوگ ہوتے تھے جن کو اختہ کر دیا گیا ہوتا تھا۔ ان کی شکل بیشک مردوں کی ہوتی تھی مگر ان میں تمام نسوانی عادات اور نزاکت پیدا ہو جاتی تھی۔ سب سے بڑی تبدیلی یہ پیدا ہو جاتی ہے کہ بال بہت جلد سفید ہو جاتے ہیں۔ عمر عام لوگوں کی نسبت گھٹ جاتی ہے اور بہت جلد موت کا شکار ہو جاتے ہیں۔

ان حقائق سے ثابت کیا جاتا ہے کہ خصیوں کی غیر موجودگی میں یہ سب اثرات ظاہر ہوتے ہیں۔ لیکن ہماری رائے یہ ہے کہ اگر جسم کے کسی بھی غدد کو ناکارہ کر دیا جائے، تو انسان کی نشوونما میں یقیناً خرابی واقع ہو جائے گی اور اس کا بہت کچھ اثر جوانی و جنسی قوت اور

طویل عمر پر پڑے گی۔ چونکہ خصیے ایسے غدد ہیں جن کو اختہ کرنے سے جسم کے اعمال میں سوائے جنسی عمل کی کمی کے کوئی فرق نہیں پڑتا اس لئے انہی کو ختم کر کے مردمی قوت کو ختم کر دیا جاتا ہے اور جسم کی صحیح نشوونما ارتقاء بھی روک دی جاتی ہے۔ اگر جسم کے کسی اور غدد کو اس طرح ضائع کر دیا جائے تو شاید اختہ شخص کی نہ عمر پا سکے اور نہ وہ تندرست رہ سکے۔ اس لئے خصیتین کو قیام شباب اور اعادہ شباب کی اس قدر اہمیت نہیں ہے جس قدر کہ دی جا رہی ہے۔ خصیتین منی کی تکمیل اور اخراج کا آلہ ہیں۔ لیکن ان کی بناوٹ میں خلیات وخون اور دیگر اعضاء خصوصاً اعضائے رئیسہ کا بھی ایک گہرا تعلق ہے یہ صحیح ہے کہ جب ان میں خرابی واقع ہوتی ہے تو مردانہ اوصاف میں کمی واقع ہو جاتی ہے۔ لیکن ان پر قیام شباب و اعادہ شباب اور طویل عمری کے لئے بھروسہ نہیں کیا جا سکتا ہے۔ بعض فرنگی سائنس دانوں نے خصیوں کے خلاصہ جات کو کھلا کر طاقت مردمی اور جنسی قوت کو بیدار کرنے کی کوشش کی ہے لیکن ان کو حسب منشا کامیابی نہیں ہوئی۔

اس حقیقت کو بھی نظر انداز نہیں کرنا چاہیے کہ مردمی طاقت اور جنسی قوت کی خرابی صرف خصیوں کی خرابی سے نہیں ہوتی۔ اکثر عصبی کمزوری اور ضعف قلب سے بھی یہ خرابی واقع ہوتی ہے۔ کیونکہ جب اعصاب میں خرابی ہوگی تو احساس مفقود ہوگا اور جب قلبی ضعف ہوگا تو خون کا دباؤ ختم ہو جائے گا، نتیجہ ظاہر ہے اس لئے تمام اعضاء اپنی اپنی جگہ پر بے حد اہم ہیں اور ہر ایک پر نگاہ رکھنا ضروری ہے۔

آٹھواں نظریہ

یہ نظریہ فرانسیسی سائنسدانوں ”چارلس ایڈورڈ براون“ کا ہے کہ جب انسانی اعضائے تناسلی کا جوہر ختم ہونا شروع ہو جاتا ہے تو بڑھاپا شروع ہو جاتا ہے۔ یہ نظریہ بھی کوئی جدا حقیقت نہیں ہے بلکہ غدد کی خرابی کا ایک حصہ ہے۔ غدد کی خرابی میں تمام غدد کو سامنے رکھا گیا ہے۔ جس میں تناسلی جوہر (منی) کو تیار کرنے والا غدد خصیے بھی شریک ہیں۔ بات صرف یہ ہے کہ ہاتھی اور اندھوں والا معاملہ ہے جس کے سامنے جو شے بوقت تحقیق آ گئی وہ ایک مسئلہ بن کر نظریہ کی صورت اختیار کر گئی۔ اور یہ کوئی نیا نظریہ بھی نہیں ہے۔ آیورویدک اور یونانی طب میں اس پر باحسن طریق پر بحث کی گئی ہے۔

البتہ اس امر سے انکار نہیں ہے، تناسلی جوہر کی کمی بڑھاپے کی علامت ضرور ہے اور کوئی سبب نہیں ہے اور نہ ہی دیگر اعضاء جسم و خلیات اور غدد وخون کی درستی کے بغیر یہ جوہر تیار ہو سکتا ہے کہ وہی مرد پوری طرح صحت مند ہے جس کے جسم میں تناسلی جوہر کافی مقدار میں پایا جاتا ہے۔ جس طرح ماہواری کی باقاعدگی اس امر کا اظہار ہے کہ عورتوں کی صحت اپنے صحیح مقام پر ہے۔

نواں نظریہ

فرنگی طب میں جس قدر قیام شباب اور اعادہ شباب کے نظریات پیش کئے گئے ہیں۔ ان میں صرف یہی ایک نظریہ ہے جس کے حامل نے عملی طور پر کچھ کر کے دکھایا ہے۔ بیشک یہ نظریہ بھی بری طرح ناکام ہوا ہے۔ مگر یہ حقیقت ہے کہ ڈاکٹر درونوف نے متعدد مردوں اور عورتوں پر اپنا عمل جراحی کر کے ان کو بڑھاپے سے شباب کی طرف کھینچا ضرور ہے۔ اگرچہ یہ اعادہ شباب زیادہ عرصہ تک قائم نہ رہا مگر یہ کوشش ضرور قابل داد ہے۔

پیوند خصیہ

ڈاکٹر دروناف ایک مشہور سرجن اور ملک فرانس کا باشندہ ہے اس نے اپنے عمل جراحی سے جو وہ اعادہ شباب کے متعلق کرتا تھا،

دنیا بھر میں بے پناہ شہرت کی وجہ سے ہندوستان بھی اپنے عمل جراحی کے لئے آیا تھا۔ وہاں پر اس نے ایک مارواڑی اور اس کی بیوی پر اپنا عمل جراحی کیا تھا جس کا ابتداء میں بہت اچھا اثر پڑا، مگر بعد میں وہ اثر بہت جلد ختم ہو گیا۔ لیکن اس نے ثابت کر دیا کہ انسان میں کوشش سے اعادہ شباب کیا جا سکتا ہے۔

ڈاکٹر موصوف خصیتین کو بہت اہم غدد قرار دیتا ہے، اس کی وجہ وہ یہ بیان کرتا ہے کہ اس میں دو قسم کی رطوبتیں اخراج پاتی ہیں، ایک رطوبت وہ ہے جو ہر انسان اس کو منی کہتے ہیں جس کا مقصد بقائے نوع ہے اور دوسری رطوبت جو خصیوں کے اندر سے نکلتی ہے وہ خون میں شامل ہو جاتی ہے جو قیام شباب کی ذمہ دار ہے۔ جب خصیتین میں ضعف یا خرابی واقع ہوتی ہے تو دونوں رطوبتوں میں کمی واقع ہو جاتی ہے تو بڑھاپا آنا شروع ہو جاتا ہے۔ اس کی تحقیق ہے کہ اگر خصیوں کے طبعی وظیفہ کو بحال کر دیا جائے تو اعادہ شباب ممکن ہے جو اس نے اپنے عمل جراحی سے کر کے دکھا دیا تھا۔

خصیتین کے طبعی وظیفہ کو بحال کرنے کے لئے اس نے عمل جراحی ایجاد کیا تھا۔ جس میں وہ بندر کے خصیوں کا پیوند انسانی خصیوں پر لگایا کرتا تھا جس میں اس کو ایک حد تک کامیابی ہوئی تھی۔ ابتدائی تجربات اس نے جانوروں پر کئے اور جب ان میں ایک حد تک کامیابی ہوئی تو اس نے انسانوں پر تجربات شروع کر دیئے۔ لیکن اس مقصد کے لئے انسانی نوجوان خصیوں کا فوراً دستیاب ہونا دشوار تھا۔ اس لئے اس نے مجبوراً بندروں کے خصیوں سے کام لینا شروع کر دیا۔ کیونکہ ڈارون کے نظریہ ارتقاء کے مطابق بندر انسان کے بہت قریب ہے۔ اس عمل جراحی میں اس کو ابتداء میں کامیابی ہوئی مگر آخر کار وہ بری طرح ناکام ہوا۔ بہر حال یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ یہ عمل جراحی اعادہ شباب کے علاوہ دنیاء طب میں جراحی کا ایک نادر نمونہ تھا۔

پیوند اعضاء

پیوند لگانا ایک ایسا عمل ہے جس کی افادیت سے عوام تک واقف ہیں اور تاریخ بتلاتی ہے کہ پیوند نباتات کا سلسلہ صدیوں سے چلا آتا ہے۔ اس عمل سے مختلف اقسام پھول و پھل اور میوہ جات ایجاد کئے گئے۔ اسی پیوند کے زیر اثر طب یونانی اور آیورویدک کی عمل جراحی میں بھی بعض امراض اور خوبصورتی کے لئے ہڈیوں، جلد اور بال پیدا کرنے کے لئے پیوند لگائے گئے تھے۔ مگر اعادہ شباب اور قوت کو بحال کرنے کے لئے کبھی بھی دنیائے طب میں کوئی پیوند نہیں لگایا گیا۔ بلکہ نباتات میں بھی اس امر کو کبھی مدنظر نہیں رکھا گیا کہ ان میں اگر پیوند لگایا جائے گا تو وہ درخت یا پودا پھر اپنے شباب کی طرف لوٹ آئے گا۔ یا اس کی عمر بڑھ جائے گی۔ اور نہ ہی ایسے پیوند کے بعد کسی درخت یا پودے میں ایسی صورتیں سامنے آئی ہیں۔ البتہ یہ ضرور دیکھا گیا کہ جس درخت یا پودے کو پیوند لگا ہے اس کے پھل اور پھول کی خاصیت ضرور بدل گئی ہے۔ بلکہ ایک ایک پودے میں کئی کئی پیوند لگا کر اس میں مختلف انواع واقسام کے پھل و پھول حاصل کئے گئے۔

ڈاکٹر درو ناف کے اس عمل سے کہا تو یہ جاتا ہے کہ انسانی نسل میں کوئی فرق نہ پڑتا۔ کیونکہ اس پیوند سے مقصد خصیہ کی اندرونی رطوبت کی پیدائش میں زیادتی مقصود ہے نہ کہ اس کا اثر منی پر مقصود ہے۔ لیکن یہ کیسی بے معنی بات ہے۔ جب منی انسانی خون سے پیدا ہوتی ہے اور خون تمام جسم کی طاقت اور غذا ہے اسی خون سے منی کی پیدائش ہے۔ جب پیوند سے شباب اور طاقت لوٹ سکتی ہے تو کیا جو خون طاقت اور شباب لوٹا سکتا ہے اس کی منی کے اندر اس کا اثر نہیں پڑ سکتا۔ بہر حال اگر یہ غیر انسانی پیوند کا سلسلہ چل نکلتا تو یقیناً انسانی نسل برباد ہو جاتی۔ غیر انسانی تو رہا ایک طرف انسانی پیوند بھی اپنا اثر کئے بغیر نہ رہتا۔ جب حیوانات میں دیکھا گیا ہے کہ ان میں جب

مختلف حیوانات کے پیوند لگائے گئے ہیں تو ان کی خصلتیں بدل گئی ہیں تو کیا انسانوں میں اس طرح تبدیلی عادات اور ہیئت کے اثرات کیسے پیدا نہ ہوتے۔ لیکن قدرت نے اس عمل جراحی یا پیوند کو کامیابی نہ بخشی۔ پیوند سے عادات اور ہیئت کی تبدیلی تو ممکن ہے لیکن اس عمل سے ارتقائی مقاصد کا حاصل کرنا اور اعادہ شباب ناممکن ہے۔

ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ ڈاکٹر دروناف کو اپنے عمل جراحی سے جو کامیابی ابتدا میں ہوئی تھی وہ کیا تھی، اس کی پوری حقیقت تو اپنی تحقیقات میں بیان کریں گے مگر مختصر یہ ہے کہ انسانی صحت اور قوت کا تعلق اعضائے رئیسہ کے ساتھ ہے اور جگر بھی اعضائے رئیسہ کا ایک عضو ہے جو ایک نہ صرف بڑا غدد ہے بلکہ غدد کا مرکز ہے۔ جب کسی غدود کے افعال میں بھی تیزی واقع ہوتی ہے تو اس کا مشینی اور کیمیاوی اثر جگر پر بھی پڑتا ہے اور اس کے افعال میں بھی تیزی آ جاتی ہے۔ یہ مسلمہ امر ہے کہ جگر خون کی پیدائش وتقویت اور محفوظ حرارت کا ایک بڑا مرکز ہے۔ جب خصیوں میں پیوند لگایا جاتا ہے تو ان کے افعال میں تیزی آ جاتی ہے جس کا اثر جگر پر بھی پڑتا ہے۔ نتیجہ ظاہر ہے کہ صحت بہتر ہو جاتی ہے۔ ان فوائد کو آیورویدک میں ادویات اور یوگ سے حاصل کیا اور یونانی طب میں حفظ صحت اور عمدہ اغذیہ و ادویات کے استعمال سے کامیابی حاصل کی ہے۔ بہرحال اس عمل جراحی سے یہ تحقیقات بھی سامنے آ گئی ہے کہ پیوند سے اعضاء کے افعال میں تیزی اور طاقت پیدا کی جاسکتی ہے۔

فرنگی تحقیقات کا نچوڑ

اس امر میں کوئی شک نہیں ہے کہ فرنگی طب اور سائنس میں خدمت فن یا بزنس کو مدنظر رکھتے ہوئے تحقیقات کا سلسلہ جاری ہے۔ جس سے صحیح یا غلط طریق پر بنی نوع انسان کی خدمت ہوتی ہے۔ انہی تحقیقات میں اعادہ شباب کے لئے بھی ایک کوشش کی گئی ہے۔ جس کے لئے ہر زمانے اور ہر ملک میں جدا جدا قسم کے نظریات کے تحت علیحدہ علیحدہ کوششیں کی گئی ہیں۔ اگرچہ ان سے مقصد میں کامیابی نہیں ہوئی تاہم اس سے نئی معلومات اور نئی راہیں جو کھل گئی ہیں یہ تمام تحقیقات بہرحال ایک معالج کے لئے ضرور مفید ہیں، تاکہ وہ فرنگی طب اور سائنس کے صحیح وغلط تجربات ومعلومات اور تحقیقات سے آگاہ ہو جائے اور اپنے لئے کام کرنے میں صحیح راہیں قائم کر لے۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ فرنگی طب وسائنس اور تحقیقات کے تجربات ومعلومات اور تحقیقات میں کوئی بھی اعادہ شباب کے لئے مفید نہیں ہے، لیکن اس امر سے ہمیں انکار نہیں ہے کہ ان کی تحقیقات سے بعض اچھے نتائج حاصل ہوئے ہیں۔

اعادہ شباب اور طویل عمری کی صحیح راہ

قیام شباب واعادہ شباب اور طویل عمری کے لئے جس قدر نظریات پیش کئے گئے ہیں ان میں آیورویدک وطب یونانی اور فرنگی طب اور فرنگی سائنس تقریباً سب ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ ہر ایک نظریہ نے بڑھاپے اور ضعف قوت اور کم عمری کے اسباب پر روشنی ڈالی ہے۔ مگر سوائے آیورویدک اور ڈاکٹر دروناف کے کسی نے قیام شباب اور اعادہ شباب کا نہ دعویٰ کیا ہے اور نہ کر کے دیکھا ہے۔ آیورویدک کے دعویٰ کی تصدیق ہمارے سامنے کوئی نہیں ہے۔ کیونکہ ہمارے زمانہ میں کوئی بھی رشی منی اور راج وید ایسا نہیں ہے، جو یہ دعویٰ کرے کہ اس کی عمر دس ہزار سال نہ سہی تو کم ازکم ایک ہزار سال یا اس کے نصف ہی ہے۔ لطف کی بات یہ ہے کہ ہندوستان کی اوسط عمر یورپ اور دیگر ممالک سے بہتر نہیں ہے۔ اس لئے آیورویدک کا دعویٰ یا تو صرف کتب تک محدود ہے یا اس شان کے ویدراج صدیاں ہوئیں ختم ہو گئے ہیں جو آیورویدک کے فاضل اور حامل تھے۔

جہاں تک ڈاکٹر دروناف کے دعویٰ کا تعلق ہے وہ پہلا شخص ہے جس نے اپنے نظریہ اور دعویٰ کے مطابق ایک تجربہ کر کے دیکھا ہے، اگرچہ اس کو پوری کامیابی نہیں ہوئی، بہرحال طبی دنیا میں ایک پہلا نمونہ ہے اور ایک تحقیق ہے، اس کی داد نہ دینا حق شناسی نہیں ہے۔ یہ صحیح ہے کہ ہم اس نظریہ کو صحیح خیال نہیں کرتے اور ہماری تحقیق کے مطابق اس قسم کی کوئی اس سے بہتر کوشش بھی کامیاب نہیں ہوسکتی۔ جیسا کہ ہماری تحقیقات کا قارئین کو علم ہو جائے گا۔

قوت کی حقیقت

قیام شباب و اعادہ شباب اور طویل عمری سمجھنے کے لئے صحیح تو یہ ہے کہ اس امر کا اظہار کیا جائے کہ قوت کیا شے ہے؟ وہ کس طرح عمل میں آتی ہے؟ کیا انسان اس کی پیدائش پر قادر ہوسکتا ہے؟ آیورویدک نے رسائن کی قوت پر بھروسہ کیا ہے۔ طب یونانی اس حقیقت کو تسلیم کرتی ہے کہ رطوبت غریزی اور حرارت غریزی پیدا نہیں ہوسکتی۔ فرنگی طب کی تحقیقات خون اور اس کے سرخ و سفید ذرات، خلیات و غدد، جراثیم اور جنسی قوت تک محدود ہیں۔ لیکن اس وقت ان میں سے کوئی قیام شباب و اعادہ شباب اور طویل عمر میں کامیابی کا دعویٰ نہیں کرسکتا ہے۔ ہم ذیل میں اوّل قوت کی حقیقت پر روشنی ڈال رہے ہیں اور بعد میں اپنی تحقیقات پیش کریں گے۔

قوت کی حقیقت

سوال پیدا ہوتا ہے کہ قوت کی اصلیت کیا ہے؟ قوت کوئی ایسی شے نہیں ہے جس کو ہم مادی طور پر محسوس کرسکیں۔ اس کا اظہار ہمیشہ کسی طاقت کے فعل سے ہوتا ہے اور ہم زیادہ تر اس کا ادراک کرتے ہیں، البتہ بعض حالتوں میں لمس سے بھی محسوس کر سکتے ہیں۔ یہی قوت جب انسانوں میں پورے عروج پر ہوتی ہے تو ہم ان کو جوان کہتے ہیں۔

مثلاً وہ حسین نہ بھی ہوں بہرحال ان کی جوانی ضرور خوبصورت نظر آتی ہے۔ اسی طرح جب حیوانات بلکہ پودوں میں بھی اس قوت کا اثر ہوتا ہے تو وہ بھی حسین نظر آتے ہیں۔ اس امر میں کوئی کلام نہیں ہے کہ عورت حسن و کشش اور شعریت کا مجسمہ ہے۔ مگر جب اس پر بڑھاپا چھا جاتا ہے یعنی اس میں قوت ختم ہو جاتی ہے تو اس کا حسن و کشش اور شعریت بے معنی ہو کر رہ جاتے ہیں۔ قوت کا کمال یہ ہے کہ جب مرد عورت میں قوت پورے عروج پر ہوتی ہے تو اپنی اولاد پیدا کر سکتے ہیں جو قوت کی عدم موجودگی میں تقریباً ناممکن ہے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ انسان میں جب قوت قائم ہوتی ہے تو اس کے حواس خمسہ ظاہری اور باطنی میں احساسات اور ادراکات کے علاوہ غور و فکر اور عقل و حرکت کا اظہار پورے طور پر ہوتا ہے۔ اور جوں جوں انسان میں قوت کی کمی واقع ہو جاتی ہے۔ اس کے قویٰ کمزور ہو جاتے ہیں۔ اور ایک وقت ایسا آتا ہے کہ وہ حرکت کرنے کے قابل نہیں رہتا۔ آخر جب یہی قوت ختم ہو جاتی ہے تو اس کو موت واقع ہو جاتی ہے۔ جب انسان کی قوت پورے عروج پر ہوتی ہے تو ہم اس کو جوان کہتے ہیں اور جب اس میں ضعف آنا شروع ہوتا ہے تو ہم اس کو بڑھاپا کہتے ہیں۔ جب وہ بالکل ختم ہو جاتی ہے تو ہم اس کو موت کا نام دیتے ہیں۔

ان حقائق سے پتہ چلتا ہے کہ انسانی جسم، قوت اور زندگی سے مرکب ہے۔ جب بچپن سے لے کر موت تک بلکہ موت کے بعد بھی کچھ عرصہ تک قائم رہتا ہے اور زندگی میں بھی موت ظاہری طور پر کچھ کم و بیش نظر نہیں آتی مگر قوت ایک ایسی حقیقت ہے کہ جس میں بچپن سے لے کر موت تک اکثر تغیرات نظر آتے ہیں۔ یہ کمی بیشی عمر و صحت اور غذا کی کمی بیشی سے نمایاں طور پر نظر آتی ہے۔ اور یہ اکثر

دیکھا گیا ہے کہ اچھی صحت اور عمدہ غذا سے غیر معمولی جوان، پہلوان بن جاتے ہیں۔ اور اگر بوڑھے انسانوں کی اچھی صحت اور عمدہ غذا قائم رہے تو وہ بھی جوان معلوم ہوتے ہیں۔ ان حقائق سے ثابت ہوا کہ قوت ضرور کوئی ایسی حقیقت ہے کہ جس میں کمی بیشی کی جاسکتی ہے اور صرف اسی قدر کافی نہیں سمجھا گیا ہے کہ انسان پیدائش کے بعد جیسی بھی صحت گزرے اس کو گزارتا جائے۔ اور وہ اپنی قوت کی ترقی اور کمال کو نظر انداز کر دے۔ جب کہ روزانہ تجربہ اور مشاہدہ سے پتہ چلتا ہے کہ مریض تندرست ہو جاتے ہیں۔ اور کمزور طاقت ور بلکہ پہلوان بن جاتے ہیں، اور ویسے ہی پہلوان جو شیروں سے بھی لڑ جاتے ہیں۔

ان مشاہدات و تجربات اور واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ قوت کوئی ایسی شے ضرور ہے جو بڑھائی اور قائم رکھی جاسکتی ہے تو پھر اس کو کیوں نہ بڑھایا جائے اور قائم رکھا جائے۔ اگر ہم قوت کو بڑھا سکیں اور قائم رکھ سکیں تو یقینی امر ہے، ہم عمر کو طویل اور شباب کو قائم رکھ سکنے میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔ اس حقیقت کے بعد پھر وہی سوال سامنے آتا ہے کہ آخر قوت شے کیا ہے؟

زندگی کے علاوہ جب کائنات پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں پتہ چلتا ہے کہ کائنات میں ہم جن اشیاء کو قوت کہتے ہیں یا جن اشیاء میں قوت نظر آتی ہے وہ آگ، روشنی، نور، برق، حرارت، ہوا کا دباؤ اور پانی کی تیزی ہے اور انہی اشیاء پر یہ کائنات قائم ہے۔ کائنات میں ان اشیاء میں کمی بیشی واقع ہوتی رہتی ہے۔ اگر یہ چیزیں ایک دم ختم نہیں ہو جاتیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ لاکھوں سالوں کی یہ بڑھیا کائنات ابھی جوان ہے اور اس کو سوائے کسی حادثہ کے موت نہیں آئے گی اور حادثہ بھی ایسی صورت میں ہوگا کہ یہ دنیا کسی ایٹم کے جل اٹھنے سے جل جائے یا کوئی ستارہ کسی ستارے سے ٹکرا جائے بلکہ اگر کوئی ستارہ کسی ستارے کے بالکل قریب آ جائے تو بھی کائنات یا وہ ستارہ تباہ ہو جائے گا۔ ان امور سے ثابت ہوتا ہے کہ قدرت نے فطری طور پر کائنات کو چلانے کے لئے جو قوتیں پیدا کی ہیں وہ کم وبیش ہونے کے بعد قدرتی طور پر پیدا بھی ہوتی رہتی ہیں۔ اگر ہم اس کائنات کو جہان اکبر کا نام دے دیں تو زندگی جس قسم کی بھی ہو جو اس جہاں اکبر میں نظر آتی ہے اس کو جہاں اصغر کہا جا سکتا ہے اگر جہان اکبر اپنی قوتوں کو فطری طور پر پیدا کرنے اور قائم رکھنے پر قادر ہے تو یقینی بات ہے کہ جہاں اصغر خصوصاً انسانیت میں بھی یہ قابلیت قدرتی طور پر ہونی چاہیے کہ وہ اپنی قوتوں کی کمی بیشی کو پورا کرتا رہے اور اس کی بھی موت سوائے حادثہ کے واقع نہ ہو اور ہزاروں سالوں تک زندہ رہ سکے۔

بجلی

کائنات میں قوت کے جو مظاہر ہیں ان میں شدت کے لحاظ سے بجلی کو سب پر اہمیت حاصل ہے۔ اس کی گرج و برق رفتاری اور جلا کر فنا کر دینے کی تیزی کا مقابلہ نہیں ہے۔ جس مکان یا درخت پر گرے تو اس کو جلا کر خاک کر دے۔ انسان کی اس کے سامنے کیا مجال ہے۔ مگر خداوند حکیم نے انسان کو وہ علم و عقل اور حکمت عطا کی ہے کہ وہ اپنے دشمنوں کو ضرور قابو کر لیتا ہے۔ شیر و بھیڑیا اور ہاتھی اور ریچھ سے خوفناک درندے اور سانپ و بچھو جیسے حشرات الارض سے انسان نے وہ کام لئے ہیں کہ دیکھ کر عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ اسی طرح جب انسان نے بجلی کی گرج و برق رفتاری اور جلا دینے کی قوت دیکھی تو اس کو بھی ایجاد کر لیا۔ اور اس سے اپنی خدمات حاصل کرنی شروع کر دیں۔ یہی بجلی اب اس کے گھر میں روشنی کرتی ہے، اس کا پنکھا چلاتی ہے، کمروں کو گرم رکھتی ہے، کھانا تیار کرتی ہے۔ دیگر سینکڑوں ہزاروں کاموں کے علاوہ اس کی تفریح کے لئے اس کا ریڈیو بھی چلاتی ہے۔ یہ نہ صرف موجودہ دور کی سب سے بڑی قوت ہے بلکہ ہر زمانے میں یہی قوت سب سے بڑی تسلیم کی جائے گی۔ ایٹم کی قوت بھی جب تک بجلی پیدا نہیں کرے گی وہ بھی بے معنی ہو کر رہ جائے گی۔ گویا دنیا کی

اصلی قوت صرف بجلی ہے۔

بجلی کا سیل

بجلی کو آسانی سے سمجھنے کے لئے ایک بیٹری کا سمجھ لینا زیادہ بہتر ہوگا۔ یہ بیٹری عام طور پر موٹروں، ریلوں اور تار گھروں میں اکثر آسانی سے نظر آتی ہے۔ ویسے بھی بیٹری بنانا کچھ مشکل نہیں ہے۔ وہ آسانی سے بن جاتی ہے۔ ایک چینی یا مٹی کا روغنی لوٹا یا کوئی اور گلاس نما برتن لے لیں اور اس کو نصف تک ایسے محلول (تیزاب گندھک) سے بھر دیں جس میں تیزاب ایک حصہ پانی سات حصے ہو۔ اس کے بعد بجلی کی دو الگ الگ تاروں کو لیں ایک کے ساتھ تانبے کا ٹکڑا اور دوسری کے ساتھ جست کا ٹکڑا باندھ دیں اور پھر دونوں کو الگ الگ اس برتن میں لٹکا دیں۔ بس بجلی تیار ہے۔ اس مجموعہ کا نام الیکٹرک سیل (برقی کیسہ) ہے۔

اس الیکٹرک سیل کی حقیقت یہ ہے کہ جب تانبے اور جست کی سلاخیں (ٹکڑے) تیزاب ملے پانی میں پڑتی ہیں فوراً تیزاب کا اثر سلاخوں پر ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ لیکن ان میں سے ایک پر اثر زیادہ ہوتا ہے اور دوسرے پر کم ہوتا ہے۔ نتیجہ اس کا یہ ہوتا ہے کہ کیمیاوی تبدیلیاں برقی صورت اختیار کر لیتی ہیں۔ اس برقی صورت میں سے خود بخود برقی لہریں پیدا ہو کر سلاخوں کے ذریعے ان تاروں میں پہنچ جاتی ہیں جو ان سلاخوں سے بندھی ہوئی ہیں۔

بجلی کیسے پیدا ہوتی ہے

یہاں پر قابل غور بات یہ ہے کہ سیل میں بجلی کیسے پیدا ہوتی ہے؟ یہی ایک اہم مسئلہ ہے بجلی کا پیدا ہونا ہی قوت کا پیدا ہونا ہے۔ جاننا چاہئے کہ جب دو مختلف دھاتوں کے ٹکڑے تیزاب ملے پانی میں ڈالے جاتے ہیں تو دھات کی سلاخوں پر تیزاب کا کیمیاوی اثر شروع ہو جاتا ہے اور اس تیزابی مرکب میں قدرتی طور پر شوخی پیدا ہو جاتی ہے۔ پھر اس میں لہریں اٹھنا شروع ہو جاتی ہیں۔ یہ لہریں ایک راستہ اختیار کرتی ہیں جس کی ترتیب یہ ہوتی ہے کہ نرم سلاخ کی طرف سے لہر سخت سلاخ کی طرف چلی جاتی ہے۔ اس لئے سخت سلاخ والی تار کو پازیٹو (مثبت) اور نرم سلاخ والی تار کو نیگیٹو (منفی) کہتے ہیں۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ برقی لہر منفی تار کی طرف سے چلتی ہے اور مثبت تار کی طرف جاری رہتی ہے۔ جب دونوں تاروں کو آپس میں ملایا جاتا ہے تو ایک شعلہ پیدا ہوتا ہے۔ یہی بجلی و برق اور قوت ہے اس قوت سے جو کام چاہیں لے لیں۔ اس الیکٹرک سیل میں اس وقت تک بجلی پیدا ہوتی رہے گی جب تک اس میں دھاتوں کی سلاخیں سلامت ہیں یا اس پانی ملے تیزاب میں تیزاب کا اثر ختم نہیں ہو جاتا۔ بجلی کا پیدا ہونا کیمیاوی قدرتی نتیجہ ہے۔ اس قوت کو زیادہ سیل بنا کر ان کو آپس میں ملا کر بہت زیادہ بڑھایا بھی کیا جا سکتا ہے۔ اسی اصول پر خشک بیٹری بھی تیار کی جاتی ہے جو اکثر جیب میں رکھی جاتی ہے۔ مگر اس طریق پر بجلی زیادہ پیدا نہیں کی جا سکتی یعنی سیل کی بجلی محدود اور ہلکی قسم کی ہوتی ہے۔

رگڑ سے بجلی کا پیدا ہونا

دوسرا طریقہ جس سے زیادہ بجلی پیدا ہوتی ہے وہ رگڑ (ایکشن) کے اصول پر پیدا ہوتی ہے۔ یعنی جب دو چیزوں کو رگڑا جائے تو بجلی پیدا ہوتی ہے۔ اس اصول پر ''ڈائمو'' تیار کئے جاتے ہیں جس کی تفصیل طویل ہے۔ مختصر یہ ہے کہ تانبے کی تاروں کو ایک پہیے پر لپیٹ دیتے ہیں اور اس پہیے کو ایک دوسرے پہیے کے اندر اس طرح حرکت دیتے ہیں کہ ان تاروں پر مسلسل رگڑ قائم رہتی ہے جس سے بجلی پیدا ہوتی ہے کہ اس سے کئی شہروں کو روشن کیا جا سکتا ہے بلکہ ہر قسم کی شہری ضروریات پوری ہو سکتی ہیں۔

اس سلسلہ میں یہ امر بھی ذہن نشین کر لیں کہ اس جہان اکبر و جہان اصغر میں حرکت و حرارت اور قوت (ایکشن، ہیٹ اور انرجی) کا قانون جاری اور ساری ہے۔ یعنی جہاں پر حرکت یا رگڑ یا ٹکراؤ پیدا ہوتا ہے وہاں پر بجلی و برق اور روشنی و حرارت پیدا ہو جاتی ہے اور یہی قوت ہے۔ یہ دونوں جہان جن فطری قوانین پر رواں دواں ہیں ان کو قائم رکھنے کے لئے ہر گھڑی مقام پر قدرتی طور پر حرکت و حرارت اور قوت کا نظام چل رہا ہے اور جب تک یہ نظام قائم ہے کائنات اور زندگی ہے۔

نظام شمسی کی قوت

قوت کی پیدائش کے لئے ایک تیسرا نظام بھی قائم ہے جس کو نظام شمسی کہتے ہیں یعنی "نظام کشش و ثقل" یہ وہ نظام ہے جس پر سورج و چاند اور دیگر ستارے زمین کے ساتھ نہ صرف قائم ہیں بلکہ ان میں گردش اور دوری حرکت جاری ہے۔ یہ وہ قوت ہے جس پر نظام شمسی قائم ہے۔ صرف ستاروں تک محدود نہیں ہے بلکہ اس جہان کے ہر ذرّہ میں بھی پائی جاتی ہے۔ ایٹم (ابتدائی ذرّہ) کی تحقیقات نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ اس میں بھی نظام شمسی پورا کا پورا پایا جاتا ہے۔ ایک طرف اس ابتدائی ذرّہ (ایٹم) کا تعلق آپس میں اس جہانوں کے تمام ذرّوں کے ساتھ ہے اور دوسری طرف اس کا تعلق نظام شمسی سے قائم ہے۔ گو سورج و چاند اور دیگر ستاروں کی ہر حرکت جہاں زمین سے مناسبت رکھتی ہے وہاں زمین کے تمام ذرّوں کے ساتھ منسلک ہے۔ انسان جو کروڑوں حیوانی اور غیر حیوانی یعنی حیاتی اور غیر حیاتی ذرّوں کا مجموعہ ہے۔ جس کو جہانِ اصغر کہتے ہیں بدرجہ اولیٰ نظام شمسی سے منسلک ہے اور اپنی قوت کو حاصل کر رہا ہے۔

نظام جہانِ اصغر

یہ کائنات و آفاق اور برہما جن قوانین اور قویٰ کے تحت چل رہا ہے بالکل انہی قوانین اور قویٰ کے تحت جسم انسان، نفس اور من چل رہے ہیں اور اس کو نظام اصغر کہتے ہیں۔ جن کی مختصر تشریح یہ ہے کہ جس طرح جہان اکبر میں بجلی و قوت کی پیدائش کیمیاوی و رگڑ اور کشش ثقل سے ہو رہی ہے اسی طرح جہان اصغر میں بھی یہ نظام قائم ہے اور اس میں ہر گھڑی بجلی اور قوت پیدا ہو رہی ہے: (۱) انسان کا ہر حیوانی ذرّہ ایک الیکٹرک سیل ہے۔ (۲) جسم انسان میں خون گردش حرکت و رگڑ (ایکشن) کے اصولوں پر بجلی و قوت پیدا کر رہا ہے۔ (۳) ہر غیر حیوانی ذرّہ اپنے اندر نظام شمسی رکھتا ہے۔ اور ہر گھڑی غیر شعوری طور پر بجلی اور قوت پیدا کر رہا ہے۔ جب جہان اکبر، جہان اصغر دونوں ایک قانون فطرت و قدرت کے تحت قائم ہیں تو پھر کیا وجہ ہے کہ جہان اکبر تو قائم رہے اور جہان اصغر بغیر حادثہ کے فنا ہو جائے۔ ایسا نہیں ہونا چاہیے۔ اگر اب تک ایسا ہوتا رہا ہے تو اس علم اور حقیقت کے بعد اس کی اور کمزوری کا پتہ چلانا چاہیے کہ جن کی وجہ سے نظام جہان اصغر میں خلل واقع ہو جاتا ہے اور وہ بغیر حادثہ کے صرف قوتوں کی کمی یا خرابی کی وجہ سے فنا ہو جاتا ہے۔ اگر ہم ان حقائق کو جان لیں تو یقینی امر ہے کہ اس جہان اکبر کی طرح جس کے متعلق ہم کو یقین ہے کہ وہ بغیر کسی حادثہ کے فنا نہیں ہوگا۔ یہ جہان اصغر بھی بغیر کسی حادثہ کے فنا نہیں ہو سکتا اور انسانی عمر طویل اور شباب ہمیشہ قائم رہ سکتا ہے۔

مادہ وقوت اور روح

یہ حقیقت ہے کہ قوت جو جہان اکبر اور جہان اصغر میں پیدا ہو رہی ہے وہ بغیر مادہ کے ناممکن ہے جس مقام پر قوت اور بجلی پیدا ہو رہی ہے چاہے وہ کیمیاوی طور پر ہو چاہے حرکت سے پیدا ہو چاہے نظام شمسی اس کا ذریعہ ہو وہاں پر مادہ مقدم ہے اور اس کے علاوہ کسی ایسی قوت کا تصور بھی ضروری ہے جو مادہ اور قوت کے نظام کو قائم رکھ سکے کیونکہ بغیر قوام کے نظام جہان ممکن نہیں ہے اس کا نام ہم روح

رکھتے ہیں گویا جہاں پر بھی قوت کا تسلسل قائم ہے وہاں پر مادہ، قوت اور روح تینوں موجود ہیں۔ ان میں سے اگر ایک بھی نفی کر دیں تو قوی اور بجلی کی پیدائش فوراً ختم ہو جاتی ہے۔ گویا انسان جسم و قوت اور روح کا مرکب ہے۔

جسم ہی سے قوت نکلتی ہے اور اسی کے عمل سے پیدا ہوتی ہے جسم کے ساتھ ہی اس کا اظہار ہے۔ بغیر جسم کے قوت کا کوئی نشان نظر نہیں آتا۔ یہ جسم انسان ہو یا حیوانی اور نباتی ہو یا جماداتی۔ بلکہ مشینی ہو یا کیمیاوی ہر مقام پر جہاں قوت نظر آتی ہے وہاں جسم کا ہونا ضروری ہے۔ اور ہر قوت کے عمل میں ایک ترتیب و نظم اور قانون و اصول کام کرتا ہے۔ جس کے تحت وہ پیدا ہوتی ہے اور عمل کرتی ہے۔ گویا یونہی نہ پیدا ہوتی ہے اور نہ ہی اس کے عمل میں اندھا پن اور بے مقصد پن پایا جاتا ہے۔

اس حقیقت سے ثابت ہوا کہ اس کی ترتیب اور نظم یقیناً کسی قانون اور اصول کے تحت ہے جہاں ترتیب و نظم اور قانون و اصول کام کرتا ہے وہاں لازم ہے کہ اس کا کوئی قوام ہو۔ اس لئے جسم و قوت کے ساتھ ایک تیسرے امر کو بھی تسلیم کرنا پڑتا ہے اور اس کا نام روح ہے۔ گویا جسم سے قوت پیدا ہوتی ہے اور روح اس قوت کے اعمال کی نگرانی کرتی ہے بلکہ جسم میں جو قوت پیدا ہوتی ہے اس کی بھی نگرانی کرتی ہے۔ اس لئے آج تک جسم اور روح صرف دو ہی امور کو مانا گیا ہے اور قوت کا تعلق اور منبع بھی روح کو تسلیم کیا گیا ہے۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ تمام قوتوں کا منبع جسم ہے۔ روح صرف نگران و قوام یا قانون کا حامل ہے جس سے جسم اور قوت کی نظم اور ترتیب قائم رہتی ہے۔ گویا روح ایک امر یا حکم ہے جس کے تحت جسم اور قوتیں اپنا عمل شروع کر دیتی ہیں اور جو کچھ اجسام اور قوتیں کرتی ہیں وہ ان کے ذاتی خواص ہوتے ہیں۔ ارواح ان کو قائم رکھتے ہیں۔ جہاں پر اجسام اور قوتیں اپنے افعال پورے طور پر انجام نہیں دے سکتیں۔ روح ان کو چھوڑ جاتی ہے۔ یا جب روح اجسام اور قوتوں کو چھوڑ دیتی ہے ان کے افعال رُک جاتے ہیں اس کا نام موت ہے۔ ان کی مثالیں بھی بیٹری، ڈائنمو اور نظام شمسی سے پورے طور پر واضح ہیں۔ مثلاً بیٹری جسم ہے اور اس میں سے جو بجلی پیدا ہو رہی ہے وہ قوت ہے۔ لیکن یہ قوت اس وقت تک اپنا اظہار نہیں کر سکتی جب تک بجلی کی مثبت و منفی تاریں آپس میں مل کر شعلہ پیدا نہ کر دیں۔ روح کا پہلا عمل بجلی کی پیدائش کی صورت میں تھا اور وہ پیدا ہو کر ایک قانون کے تحت ترتیب سے چلنی شروع ہو گئی تھی۔ پھر جب دونوں تاروں کو ملایا گیا تو ایک دوسرے حکم کے تحت وہاں شعلہ پیدا ہو گیا اور قوت کا اظہار شروع ہو گیا۔ اور جب شعلہ ختم ہو جاتا ہے قوت ختم ہو جاتی ہے اور جب بیٹری پھوٹ جاتی ہے یا ختم ہو جاتی ہے تو بجلی بھی ختم ہو جاتی ہے اور اسی طرح قوت بھی ختم ہو جاتی ہے۔ گویا قوت کا تعلق ایک طرف جسم کے ساتھ ہے تو دوسری طرف روح کے ساتھ ہے۔ لیکن اس حقیقت کو ضرور ذہن نشین رکھیں کہ قوتیں جسم ہی سے پیدا ہوتی ہیں جو روح کی نگرانی میں اپنے اعمال انجام دیتی ہیں۔ یہی صورت ڈائنمو اور نظام شمسی میں بھی قائم ہے۔ وہاں بھی جسم و قوت اور روح تینوں کام کر رہے ہیں۔

یہاں پر یہ حقیقت بھی ذہن نشین کر لیں کہ اس کائنات میں موالید ثلاثہ کا ہر جز چاہے وہ ذی حیات ہے یا غیر ذی حیات ہے۔ اپنی ایک خاص شکل رکھتا ہے۔ اس کی یہ شکل چند مخصوص عناصر سے ترتیب پاتی ہے گویا ہر شکل ایک دوسرے سے جدا اور الگ ہے۔ قدرت نے ہر شکل اور جسم میں چند خواص پیدا کر دیئے ہیں۔ وہ ان کے تحت اپنے افعال جاری رکھتی ہے۔ یہ اس کے افعال بعض دیگر اجسام کے کبھی موافق ہوتے ہیں اور کبھی مخالف، جس سے کائنات میں ہمیشہ عمل اور ردِّ عمل جاری رہتا ہے۔ یہی عمل ردِّ عمل قوت کا پیدا ہونا اور ختم ہونا ہے۔ اگر عمل کا ردِّ عمل فطرت کے مطابق ہے تو اس میں زندگی اور ارتقاء جیسا کہ بیٹری میں بجلی پیدا ہونے کے بعد جب دو تاروں کو ملایا جاتا ہے تو ان دونوں تاروں کا ملنا عمل ہے اور اس کا ردِّ عمل قوت ہے جس میں زندگی نظر آ ی ہے۔ اسی طرح ارتقاء زندگی

کی منزلیں طے ہوتی ہیں۔

روح ایک امر ناگریز ہے

ان حقائق سے یہ امر ثابت کرنا ہے کہ روح ایک امر ناگریز ہے جو جسم کی قوتوں سے فطرت کے مطابق عمل کرنے سے جاری ہوتا رہتا ہے اور یہی رب العالمین کا امر ہے۔ اگر اجسام اپنی صحیح شکل میں اپنی قوتوں کو پیدا کریں اور وہ قوتیں فطرت کے عمل کے مطابق اپنا عمل جاری رکھیں تو روح نہ صرف عدم سے امر میں حکم خداوندی کے مطابق پیدا ہوتی رہتی ہے بلکہ ارتقاء کی منزلیں بھی طے کرتی ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے اجسام کے خواص ہیں ارواح کے بھی خواص قائم کر دیئے گئے ہیں۔ گویا اجسام اور قوتوں کے اعمال سے ارواح کا ظہور یقینی ہے۔ اور اجسام ختم ہو جائیں گے تو نہ قوتیں پیدا ہوں گی اور نہ ہی روح آمر ہو گی اور موت وارد ہو جائے گی۔ بس اسی عمل و ردّعمل کو قرآن لفظ دین کہتا ہے۔ گویا زندگی اور کائنات کی روح فطرت کے مطابق عمل و ردّعمل پر قائم ہے۔

مادہ اور روح

اگر غور سے دیکھا جائے تو مادہ اور روح کا فرق کثافت اور لطافت کا ہے۔ اور ان کا تعلق ہمیشہ قوتوں سے قائم رہتا ہے۔ مادہ بغیر صورتوں کے نظر نہیں آسکتا۔ اس کی یہ صورتیں عناصر و ارکان کی شکل میں ہوں یا موالید ثلاثہ کے جسم میں پائی جائیں لیکن اپنی اصلی صورت میں نظر نہیں آسکتا۔ مادہ اپنی شکل وصورت میں ایک جسم ضرور ہے مگر وہ ایک ہیولیٰ ہے جس کو مادہ کی ابتدا کہنا چاہیے۔ جب ہیولیٰ کی حقیقت پر غور کیا جائے تو اس کی اصل بھی قوت اور روح پر ختم ہوتی ہے گویا مادہ کے اندر بھی روح کارفرما ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ مادہ روح کی پیداوار ہے اور دونوں میں کثافت اور لطافت کا فرق ہے۔

اس پر یہ اعتراض وارد ہو سکتا ہے کہ روح کی پیدائش پہلے ہوئی اور جسم بعد میں بنائے گئے ہیں۔ یہ اعتراض یہاں پر وارد نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ پہلے ثابت کر چکے ہیں مادہ میں روح پھونکی جاتی ہے یا روح کو امر کیا جاتا ہے۔ یہاں پر یہ حقیقت ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ ہر جسم اپنی ایک روح رکھتا ہے اور یہی روح ارتقائی درجات کی حیثیت سے ادنیٰ اور اعلیٰ درجات رکھتی ہے جس طرح ادنیٰ و اعلیٰ حیثیت سے جمادات و نباتات اور حیوانات و انسانوں میں فرق پایا جاتا ہے۔ اور پھر انسانوں میں ذہنی حیثیت سے درجے پائے جاتے ہیں اور نبوت کا مقام انسانوں میں انتہائی اعلیٰ اور افضل نظر آتا ہے۔ نبوت بھی اب ختم ہو چکی ہے کیونکہ فطرت کا کوئی ایسا قانون باقی نہیں ہے جو اس کائنات میں رائج ہو۔ اور اس کو نبوت نے واضح نہ کیا ہو۔ اس حقیقت کو وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں جن لوگوں کی نگاہ کائنات سے گزر کر آفاق تک جاتی ہے بلکہ آفاق سے بھی پرے جھانکتے ہیں۔ خداوند حکیم و خالق اور قادر مطلق کی کرشمہ سازیاں دیکھتے ہیں۔

جسم خودکار روح ہے

ہم یہ ثابت کر چکے ہیں مادہ روح سے اور جسم مادہ سے بنتا ہے اس لئے ہر ایک جسم وہ ذی حیات ہو یا غیر ذی حیات اپنے اندر ایک روح اور خاص قسم کی زندگی رکھتا ہے۔ یہاں تک کہ ہر ذرّہ زمین اپنے اندر ایک نظام زندگی رکھتا ہے اور ایٹم کی جدید تحقیقات نے بھی اس امر کو ثابت کر دیا ہے کہ ہر ذرّہ اپنے اندر نظام شمسی رکھتا ہے جو بذاتِ خود ایک زندگی ہے۔ اس لئے یہ مسلمہ حقیقت ہوئی کہ ہر جسم اپنے اندر روح رکھتا ہے اور دوسری طرف یہ حقیقت واضح ہو گی کہ ہر جسم حیات اور ظاہری طور پر غیر ذی حیات بے شمار ذرّات کا مجموعہ ہے دونوں حقائق کو اگر ملایا جائے تو نئی حقیقت جو سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ ہر جسم زندگی اور روح رکھنے والے ذرّات کا مجموعہ ہے۔

ذی حیات وغیر ذی حیات اجسام کا فرق

ذی حیات اور غیر ذی حیات اجسام کا یہ فرق ہے کہ غیر ذی حیات اجسام میں جو ذرّات ہیں ان کی زندگی صرف ایک نظام شمسی تک محدود ہے، مگر ذی حیات اجسام میں اس کے علاوہ ایک دوسرا نظام حیوانی ذرّات کا بھی پایا جاتا ہے۔ جن کو خلیات (سیلز) کہتے ہیں، دوسرے معنوں میں وہ بجلی کے چھوٹے چھوٹے سیلز (کیسے) ہیں جو ایک دوسرے کے ساتھ جوڑ دیئے گئے ہیں۔ ان سب میں زندگی ہے وہ سانس لیتے ہیں، غذا جذب کرتے ہیں اور اپنے فضلات کا اخراج کرتے ہیں سب سے اہم بات یہ ہے کہ وہ اپنی مثل پیدا کرتے ہیں۔ جن اجسام کو ذی حیات کہتے ہیں ان میں ایسے ذرّات پائے جاتے ہیں جن میں حیوانی زندگی کے اثرات نظر آتے ہیں اور ان کی زندگی تسنیم وتغذیہ اور تصفیہ وتولد پر قائم ہے۔

خلیات اجسام اور مسئلہ ارتقاء

ادنیٰ قسم کے حیاتی اجسام کی زندگی ایک واحد خلیہ سے شروع ہوتی ہے اور ابتدائی واحد خلیہ میں صرف الحاقی مادہ پایا جاتا ہے۔ اعلیٰ درجات کے خلیات جیسے نباتات وحیوانات اور انسان ہیں ان میں نہ صرف بے شمار خلیات پائے جاتے ہیں بلکہ ان کے اندر اعلیٰ خلیات جن کو فعلی خلیات کہتے ہیں پائے جاتے ہیں۔ جسم انسان جو اس کائنات کی ارتقائی زندگی ہے اس میں چار قسم کے خلیات اپنے ٹشوز بناتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ یہی انسجہ ان کے جدا جدا جسم ہیں جن سے اعضاء جسم تیار ہوتے ہیں گویا جسم انسان کے انسجہ اعضاء حسب ذیل ہیں: (۱) نسیج الحاقی - کنکٹو ٹشوز۔ (۲) نسیج عضلاتی - مسکولر ٹشوز۔ (۳) نسیج قشری - اپی تھیلیل ٹشوز۔ (۴) نسیج اعصابی - نروز ٹشوز۔ ادنیٰ خلیات میں صرف الحاقی نسیج پائے جاتے ہیں اور اعلیٰ خلیات میں ضرورت کے مطابق باقی خلیات کا پایا جانا ضروری ہے۔

انسجہ کی تفصیل

جسم انسان میں جو چار اقسام کے انسجہ پائے جاتے ہیں ان سے بدن کی جو تدوین ہوتی ہے اس کی تفصیل اس طرح ہے:
(۱) مسکولر ٹشوز (عضلاتی انسجہ) سے تمام جسم کا گوشت ومچھلیاں بنتی ہیں۔ بعض جگہ پردے جن کو حجاب کہتے ہیں۔ عضلات کا مرکز دِل ہے۔ (۲) نروز ٹشوز (اعصابی انسجہ) ان سے تمام جسم کے اعصابی اعضاء اور بعض جگہ پر اعصابی پردے بنتے ہیں۔ دماغ ان کا مرکز ہے۔ (۳) اپی تھیلیل ٹشوز (قشری انسجہ) ان سے تمام جسم کے غدد اور غشائے مخاطی کے پردے بنتے ہیں۔ ان کا مرکز جگر ہے۔ بس یہی اعضاء فعلی خلیات سے بنتے ہیں۔ اس لئے ان کو فعلی اعضاء یا اعضائے حیاتی کہتے ہیں۔ کیونکہ ان کے افعال سے ہی زندگی پیدا ہوتی ہے اور قائم رہتی ہے۔ ان میں سے کوئی عضو کمزور ہو جائے یا اس کے فعل میں خرابی واقع ہو تو امراض پیدا ہو جاتے ہیں اور اگر کوئی بالکل ناکارہ ہو جائے تو موت واقع ہو جاتی ہے۔ کنکٹو ٹشوز (الحاقی انسجہ) اس سے بنیادی اعضاء ہڈی ورباط اور اوتار بنتے ہیں۔ جسم میں جس سے اعضاء کو سہارا اور ان میں بھراؤ ہوتا ہے۔ ان اعضاء کو بنیادی اعضاء کہنا چاہئے بلکہ الحاقی خلیات کو بنیادی انسجہ کہنا چاہیے۔ ہماری تحقیقات میں باقی تمام خلیات انہی کی ارتقائی اور ترقی یافتہ صورت ہیں جو ہزاروں صدیوں میں جا کر تکمیل پذیر ہوئے۔ جب کبھی ہم نے نظریہ ارتقاء پر لکھا تو ذرّوں اور دیگر فرنگی تحقیق کی غلطیاں پیش کریں گے۔

ادنیٰ اجسام اور اعلیٰ اجسام تولید کا فرق

فانی اور غیر فانی خلیہ بدن کے خلیات کی مزید تشریح بے حد دلچسپ ہے۔

کائنات میں جو جاندار مخلوق ہے، اس کی ترکیب بدنی خلیات ہی سے عمل میں آتی ہے۔ ذی روح مخلوق کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ اس کے جسم میں صرف ایک ہی خلیہ پایا جائے۔ جیسا کہ بعض خوردبینی حیوانوں میں پایا جاتا ہے۔ جنہیں انگریزی میں پروٹوزا (Protozoa) کہتے ہیں۔ کہلانے کو تو یہ حیوانات میں ضرور داخل ہیں۔ مگر قدرت نے ان کے جسم میں کوئی نظام عصبی یا دموی پیدا نہیں کیا۔ ان کے مقابلے میں ذی روح مخلوق کا اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ بے شمار خلیات مجتمع ہو کے انسانی جسم کو بنا دیں۔

اس اعتبار سے حیوانی جسم کی اکائی خلیہ واحد سمجھنی چاہیے اور وہ اجتماعی صورت میں کسی ادنیٰ یا اعلیٰ حیوان میں اپنی انفرادی زندگی سے خالی نہیں ہوتی اور سب مل کر حیوان یا انسان کی زندگی کا بھی باعث بن جاتی ہے۔

حیوانی خلیہ واحدہ لاکھوں برس سے صفحہ عالم پر موجود ہے اور اجتماعی زندگی میں اس نے کئی طرح کے اوصاف حاصل کر کے حیوانات کو درجہ بدرجہ بڑھایا ہے اور ان کی بے شمار مختلف انواع واقسام پیدا کر دی ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ ہی اس نے اپنی انفرادی زندگی اور خصوصیتوں کو خیر باد نہیں کہا۔ پس لازم ہے کہ ہم ابتدائی خلیہ کا دقیق مطالعہ کریں اور اس کی خصوصیات حیات کو دیکھ کر ان قوانین زیست کا پتہ لگائیں۔ جو اعلیٰ حیوانات میں جاری وساری ہیں۔

خلیہ واحدہ والے حیوانات کی ایک قسم میں وہ حیوانات پائے جاتے ہیں۔ جو نباتی وحیوانی مطبوخ کے تعین کا موجب ہوتے ہیں۔ انہیں انگریزی میں انفیوزوریا (Infuzoria) کہتے ہیں۔ انہیں دقیق آنکھ سے دیکھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ان میں بھی حیوانات کی ضروری صفات موجود ہیں۔ یہ حرکت کرتے ہیں اور حرکت کے اعضاء میں یا تو ایک جھالرسی پائی جاتی ہے، جس کی تاریں ہلتی جلتی رہتی ہیں یا عارضی ہاتھ پاؤں سے برآمد ہو جاتے ہیں۔ یہ اپنی خوراک یا تو نباتاتی ذرّوں سے حاصل کرتے ہیں یا اپنے سے کمزور اور چھوٹے خلیہ واحد کے حیوانات کو کھا جاتے ہیں۔ روشنی اور اندھیرے کا بھی انہیں احساس ہے۔ آلاتی رکاوٹ یا کیمیاوی خراش سے بھی یہ بچنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ ہر وقت اوّلین مادہ حیات پیدا کرتے رہتے ہیں۔ نشوونما پاتے اور تکثیر نوع بھی کرتے ہیں، جس کی بدولت ابتدائے آفرینش سے اب تک ان کی نسل برابر قائم ہے۔ لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان کی نسل کشی کیسے وقوع میں آتی ہے؟

سنئے! خلیہ واحدہ کے حیوانات کی تکثیر نوع نر اور مادہ عناصر کے ملنے سے نہیں ہوتی۔ کیونکہ ان میں کوئی نر و مادہ نہیں ہوتے۔ بلکہ خلیہ کے اندر ہی حیات کی تمام قوتیں جمع ہوتی ہے۔ جب یہ خلیہ کامل نشوونما کو پہنچ جاتا ہے تو پھٹ کے اس سے دو چھوٹے چھوٹے کیسے بن جاتے ہیں۔ جن میں زندہ رہنے اور نشوونما پانے کے تمام لوازم موجود ہوتے ہیں۔ خلیہ کی بڑی تقسیم سے ایک ذرہ تک ضائع نہیں ہوتا نہ مرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انفیوروریا حیوانات میں سے کبھی کوئی مردہ حیوان نہیں دیکھا گیا۔ وہ تقسیم کے ذریعہ سے ہمیشہ ضرب کھاتے اور اپنی نوع کو قائم رکھتے ہیں۔ چنانچہ خلیہ واحدہ والے حیوانات بڑھاپے یا موت سے آشنا ہی نہیں۔ یہ اسی صورت میں ضائع ہوتے ہیں کہ کوئی دشمن انہیں کھا جائے یا انہیں خوراک نہ ملے یا جس مادے میں یہ موجود ہوں، وہاں کوئی سمی مادے پیدا ہو جائیں، وغیرہ وغیرہ۔ ان کے لئے حالات مناسب ہوں تو طبعی موت ان کے نزدیک نہیں آتی۔

خلیہ واحدہ والے حیوانات کی تحقیقات کوئی بہت پرانی نہیں۔ سب سے پہلے بنی ڈکٹ ڈی ساسور (Benedict de Sasure) نے انہیں ۱۷۷۹ء میں دریافت کیا۔ ...... میں اطالیہ کے ایک سائنس دان ہوان زاٹو (Huan Zato) نے اس مسئلہ پر مزید روشنی ڈالی۔ پھر ۱۸۳۸ء میں ارمبرگ (Eremberg) نے اس میں مزید تحقیقات سے قرار دیا کہ انفیوزوریا ذاتی تقسیم سے ضرب کھاتے رہتے ہیں۔ اور یہ خوبی ایسی ہے کہ وہ غیر فانی ہو جاتے ہیں۔ اس کے بعد یکم مئی ۱۹۰۷ء کو ایک محقق وڈرف (Woddruff) نامی نے انفیوزوریا کے

ایک اکیلے خلیہ کو علیحدہ کر کے پالا اور اسے ۱۳ برس تک اپنے پاس رکھا۔ اس دوران میں خلیہ مذکور سے نسلیں بذریعہ تقسیم پیدا ہوئیں اور آئندہ بھی وہ تھمنے کا نام نہ لیتی تھیں۔

پھر پاسچر انسٹیٹیوٹ پیرس کے مشہور و معروف محقق ڈاکٹر میچنی کاف نے ایک اور نوع کے خلیہ واحدہ والے حیوان کو علیحدہ کر کے پالا، جو ۱۹۰۷ء میں اسے پانی میں سے ملا تھا۔ ۱۳ برس میں اس سے ہزار نسلیں بذریعہ تقسیم پیدا ہوئیں۔ جس سے یہ قیاسات درجہ یقین کو پہنچ گئے کہ خلیہ واحدہ والے حیوان بڑھاپے اور موت کو جانتے ہی نہیں کیونکہ ان کی ایک ہی خلیہ میں نمو بدن اور تکثیر نوع کی خوبیاں جمع ہیں جن سے خلیہ ذاتی اور نوعی بقا پر قادر ہے۔

خلیہ واحدہ کی زندگی پر جب ہزاروں، لاکھوں برس یونہی گزر گئے اور انہیں مختلف قسم کی چیزوں پر یا مختلف حالات گرد و پیش میں پرورش پانے کا موقع ملا تو بعض ابتدائی خلیات میں باہدیگر پیوست ہونے اور مل ملا کر ایک نیا حیوانی جسم بنانے کا ملکہ پیدا ہو گیا۔ یہاں تک کہ اس کثیر الخلایا مرکب جسم میں بقائے نفس اور بقائے نوع کی خاطر ضروری اعضاء بھی پیدا ہونے لگے۔ لیکن خلیات کے اس اجتماع نے ابتدائی خلیہ کے لازمی اوصاف زائل نہ کئے اور اس میں بقائے نفس کے ساتھ ساتھ بقائے نوع کی خوبی بھی پیدا ہو گئی۔ مثال کے طور پر ایسے کثیر الخلایا مرکب جسم کا کوئی حصہ ضائع ہو جاتا تو خلیات ذاتی نشو و نما سے اس حصہ کو از سرِ نو پیدا کر دیتیں۔

چنانچہ بعض ادنیٰ کثیر الخلایا اجسام میں یہ خاصیت اب بھی دیکھنے میں آتی ہے کہ ان کے چھوٹے سے جسمانی ٹکڑے سے تمام بدن از سرِ نو مکمل ہو جاتا ہے۔ مثال کے طور پر مونگے کو دیکھو جس کے ایک ذرا سے ٹکڑے سے ہزاروں میل لمبی مونگے کی شاخیں بن جاتی ہیں۔ شیریں پانی کے بعض ادنیٰ سانپوں میں بھی یہی صفت موجود ہے۔ ان کا ذرا ذرا سا قیمہ کر دیں، ایک ایک بوٹی سے از سرِ نو مکمل سانپ پیدا ہو جائے گا قطع نظر ان کے بعض اور ادنیٰ حیوانوں میں جو نچلے طبقے سے بالاتر ہیں اور جن کی شکلیں بھی سانپوں سے مختلف ہو گئی ہیں۔ مثلاً شیریں پانی کے بعض کیڑے، ان میں بھی بدن کے ایک ٹکڑے سے کامل بدن پیدا کرنے کی صلاحیت موجود ہے پھر بعض بحری کیڑوں کی قسمیں بھی اسی طرح سے تکمیل جسمانی پر قادر ہیں یہاں تک کہ کیچوؤں کی بعض قسمیں جو شکم زمین یا حیوانی پیٹ میں پائی جاتی ہیں اور جن کی خلقت ادنیٰ درجے کے حیوانوں سے اعلیٰ ہے۔ ان میں بھی بریدہ جسم کو از سرِ مکمل کرنے کی صلاحیت پائی جاتی ہے۔ حالانکہ ان حشرات کی خلقت ادنیٰ حیوانوں سے اعلیٰ ہے۔ اور ان میں کئی اعضاء کئی حواس، رگوں کا نظام، پیچیدہ قنات ہضمیہ وغیرہ برابر پائی جاتی ہیں۔ اس بنا پر ماننا پڑتا ہے کہ تجدید و تکمیل بدن کی یہ صلاحیت بعض ایسے خلیات میں برابر موجود ہے، جو مکمل حالت سے عود کر جنینی حالت میں چلی جاتی ہیں، اور جسم کو از سرِ نو پیدا کر دیتی ہیں۔

یہ خوبی حیوانات کے نچلے طبقوں میں ضرور پائی جاتی ہے مگر جب ہم بالائی طبقوں کی طرف آتے ہیں تو یہ رفتہ رفتہ زائل ہوتی نظر آتی ہے۔ وہ خلیات جو مرکب جسم کو بناتی ہیں، ایک دفعہ بنا چکنے کے بعد جنینی حالت کی طرف عود نہیں کرتیں اور اس طرح جسم کے ایک حصہ کو لے کر اس سے مکمل جسم پیدا نہیں کر سکتیں۔ خلیات کا یہ وصف ایک دم زائل نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کا زوال تدریجی ہوتا ہے۔ چنانچہ جب خلیات سالم جسم نہیں بنا سکتے۔ تو پہلے بہت چھوٹے حیوانات میں ضائع شدہ عضو کو از سرِ نو پیدا کر دیتی ہیں۔ مثلاً کیکڑوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیں اور اس پر اتنے ہی نئے کیکڑے پیدا ہو جائیں۔ کیڑے مکوڑوں کی ٹانگیں بھی ٹوٹ جائیں تو دوبارہ نکل آتی ہیں۔ اور ریڑھ والے حیوانوں میں چھپکلی یا گرگٹ وغیرہ ایسے جانور ہیں جن کی کٹی ہوئی دم از سرِ نو پیدا ہو جاتی ہے۔ مگر پہلے سے چھوٹی رہتی ہے۔ ان حیوانات سے اعلیٰ طبقے کے جانور یعنی پرندے دودھ پلانے والے حیوان اور انسان مذکورہ بالا وصف سے عاری ہو چکے ہیں اور اپنا ضائع شدہ عضو بھی

ازسرنو پیدا نہیں کر سکتے۔

آخر اس کی وجہ کیا ہے۔ ادنیٰ حیوانوں میں تجدید جسم کی خاصیت کیوں ہے اور اعلیٰ حیوانوں میں کیوں نہیں۔ یہ ایسے سوالات ہیں جو بہت غور وفکر اور دقیق مطالعہ فطرت کے محتاج ہیں۔ بہرنوع جسم انسانی میں اگر یہ خاصیت مفقود ہوگئی ہے تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اس سے بقائے نوع کو کوئی اندیشہ نقصان ہے۔ جسم انسانی کے کسی عضو کا ضائع ہو جانا ایک ذاتی نقصان ہے۔ مگر اس سے انسانی نوع کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔ وجہ یہ ہے کہ قدرت نے اعلیٰ حیوانات اور انسانوں میں بقائے نسل کا اہم فرض محض تناسلی خلیات کے سپرد کر رکھا ہے جو ادنیٰ حیوانات میں نہیں پایا جاتا۔

جب ہم دقیق نگاہوں سے قدرت کے کارخانہ توالد و تناسل کو دیکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ جب خلیات ادنیٰ طبقے سے اعلیٰ طبقے کی طرف تدریجی ترقی کرتے ہیں، تو کثیر الخلاء یا اعلیٰ حیوانات میں پہنچ کر وہ ابتدائی خلیہ واحدہ سے بہت کچھ مختلف ہو جاتی ہیں اور ان میں تجدید وتکمیل بند کا وصف رفتہ رفتہ جاتا رہتا ہے۔ پھر ان میں سے بعض خلیات حالات گرد و پیش کے باعث اور بھی مختلف ہو جاتی ہیں۔ اور ان میں مختلف اعضاء یا اجسام کے بنانے کی صلاحیت آ جاتی ہے۔ اور وہ خاصیت زائل ہو جاتی ہے جو ابتدائی خلیہ واحدہ سے بہت کچھ مختلف ہو جاتی ہیں۔ اور ان میں تجدید وتکمیل بند کا وصف رفتہ رفتہ جاتا رہتا ہے۔ پھر ان میں سے بعض خلیات حالات گرد و پیش کے باعث اور بھی مختلف ہو جاتے ہیں۔ اور ان میں مختلف اعضاء یا اجسام کے بنانے کی صلاحیت آ جاتی ہے۔ اور وہ خاصیت زائل ہو جاتی ہے جو ابتدائی خلیہ واحدہ کے ایام میں تجدید وتکمیل جسم کے بارے میں موجود تھی۔ یہی وجہ ہے کہ جسم انسانی میں مختلف قسم کے خلیات پائے جاتے ہیں اور وہ ایک دوسرے سے بے حد مختلف ہیں۔ کیونکہ انہوں نے کسی نہ کسی خاص عضو کی بناوٹ اور نشوونما کی خدمت اپنے ذمے لے رکھی ہے۔ یہ اختلاف بہت بڑھا ہوا ہے۔ یہاں تک کہ کوئی شخص آسانی سے نہیں کہہ سکتا کہ ابتدائی خلیہ واحدہ اور ترقی یافتہ جسم انسانی کے خلیات کی بنا ایک ہے۔

ابتدائی خلیہ واحدہ ارتقاء کے جن درجوں سے گزرتا ہے اگر انہیں بنظر غور دیکھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ابتدائی خلیہ پر کیا کیا کیفیتیں طاری ہوتی ہیں اور رفتہ رفتہ اس میں کیا کیا صلاحتیں پیدا ہوتی رہتی ہیں۔ یہاں تک کہ اعلیٰ حیوانات میں پہنچ کر اس میں عضلاتی ریشے بنانے، اعصاب پیدا کرنے اور اسی قسم کی دوسری خاص خاص جسمانی بافتیں بنانے کی خاصیت آ جاتی ہے۔ ایسا ترقی یافتہ اعلیٰ خلیہ گو ابتدائی خلیہ سے مختلف ہو جاتا ہے۔ لیکن اس میں تقسیم کے ذریعہ سے ضرب کھانے کی صلاحیت ضرور موجود رہتی ہے۔ اور یہ صلاحیت ضرور اڑ جاتی ہے کہ وہ بار دگر جنینی حالت کی طرف عود نہیں کر سکتا جیسا کہ ادنیٰ حیوانات میں دستور ہے۔

جب کثیر الخلایا حیوانات کی خلیات میں تجدید وتکمیل جسم کی خاصیت نہ رہی تو ضرور تھا کہ حکیم مطلق کی حکمت بالغہ اس کمی کو دوسرے رنگ میں پورا کرے۔ کیونکہ اس کے بغیر بقائے نسل کا وظیفہ محفوظ نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ قدرت نے یہ کام کثیر الخلایا اور اعلیٰ حیوانات میں بعض ایسے خلیات کے سپرد کر دیا جو توالد و تناسل کے لئے مخصوص اور بقائے نوع کے محافظ ہیں۔ اس مرحلہ پر پہنچ کر ہم خلیات کو دو بڑی جماعتوں پر تقسیم کر سکتے ہیں۔ اوّل وہ جن کا کام محض پرورش جسم ہے اور جو ایک انسان یا حیوان کے بقائے نفس کا ذریعہ ہیں۔ دوم وہ جن کا کام محض سلسلہ توالد و تناسل کو قائم رکھنا و بقائے نوع کی حفاظت کرنا ہے۔ پہلی قسم کے جسمانی خلیات کو انگریزی میں کارنری ایل (Coronoreal) یا سوے ٹک (Somatic) کہتے ہیں اور یہ فانی ہیں کیونکہ ان میں یہ صلاحیت برابر موجود ہے کہ ایک ذرا سے خلیہ منوی سے کامل انسان پیدا کر سکیں اور وہ کرتے ہیں۔

پس اس تمام بحث سے معلوم ہوگیا کہ خلیہ زیست کی اکائی ہے۔ خلیہ واحد والے حیوانات میں یہ تنہا پائی جاتی ہے اور غیر فانی ہے۔ کثیر الخلا یا حیوانات اور انسان میں کئی طرح کے خلیات پائے جاتے ہیں۔ جن میں بعض فانی اور بعض غیر فانی ہیں۔ اس کے بعد یہ علمی بحث آسانی سے سمجھ میں آ جائے گی کہ بڑھاپا کیا ہے، کیسے آتا ہے اور کس طرح جا سکتا ہے۔ [الحکیم ماہ نومبر ۱۹۳۱ء]

اعضائے جسم

انہی خلیات سے اعضائے جسم انسانی بنتے ہیں۔ ہم پہلے لکھ چکے ہیں، اعضائے جسم دو قسم کے ہوتے ہیں۔ اوّل بنیادی اعضاء جو نسیج الحاقی سے تیار ہوتے ہیں، دوسرے حیاتی اعضاء جو فعلی انسجہ (اعصابی وعضلاتی اور غدی) سے تیار ہوتے ہیں اور تیسری اہم شے خون ہے۔ جس میں وہ تمام عناصر پائے جاتے ہیں۔ جن سے بنیادی اور حیاتی اعضاء بنتے ہیں۔ گویا انسان بنیادی اعضاء جو حیاتی اعضاء کا مرکب ہے۔ بنیادی اعضاء بنیادی جسم اور ڈھانچہ کا کام دیتے ہیں حیاتی اعضاء میں اعصاب جن کا مرکز دماغ ہے عضلات جن کا مرکز قلب ہے اور غدد جن کا مرکز جگر ہے، ان کے خواص وافعال سے زندگی اور روح پیدا ہوتی ہے۔ گویا اعضاء کے صحیح حالت میں رہنے سے ہی ان میں قوت پیدا ہوتی ہے جس سے روح قائم ہو کر جسم زندگی کی صورت اختیار کرتا ہے۔ اگر ہمارے اعضاء صحیح حالت میں ہوں تو ان سے قوت اور زندگی قائم ہے۔ اگر ہم پیدائش درستی اعضاء اور پیدائش قوت کا مطلب سمجھ لیں تو ہم قیام شباب اور اعادہ شباب پا سکتے ہیں۔ اس کے بعد طویل عمری پر بھی اس قدر قابو پایا جا سکتا ہے کہ بغیر حادثات کے موت واقع نہ ہو۔

درستی اعضاء

یہ بات ہمیشہ ذہن نشین رہے کہ ہر خلیہ ایک زندہ ذرّہ ہے اور اس کو ہوائے لطیف وغذائے لطیف اور اپنے تصفیہ کی اسی طرح ضرورت ہے جیسے زندگی میں انسان کو ہوا اور ماکول ومشروب اور تنقیہ جسم کی ضرورت رہتی ہے ہر خلیہ اپنی صحت کے ساتھ ساتھ قوت پیدا کرتا ہے پھر انہی خلیات سے چونکہ اعضاء بنتے ہیں گویا تمام اعضاء خاص قسم کے خلیات کے یونٹ (اجتماعی صورت) ہیں۔ اس طرح ہر عضو کے لئے ہوا وغذا کی ایک جیسی ضرورت رہتی ہے اور پھر ان میں سے ایک ہی قسم کی قوت ظاہر ہوتی ہے۔ چونکہ ہماری نگاہ اعضاء پر ہوتی ہے اس لئے ہم ان تمام خلیات کے بجائے صرف اس کے یونٹ کا نام عضو رکھ دیتے ہیں۔ اور اس کے خواص وافعال ہمارے سامنے ہوتے ہیں۔ اگر اعضاء کی غذا اور تصفیہ باقاعدگی سے ہوتا رہے تو ان سے صحیح معنوں میں قوت پیدا ہوتی رہتی ہے۔ اور ان کی قوت سے ہی ہم اندازہ لگا سکتے ہیں کہ وہ صحیح حالت میں ہیں۔ جب ان کی پیدائش قوت میں کمی بیشی واقع ہوتی ہے تو ہم یقین کر لیتے ہیں کہ ان کے افعال میں افراط وتفریط پیدا ہوگئی ہے۔ اس کا نام ہم مرض رکھتے ہیں۔ قوت اور افعال کا ایسا چولی دامن کا ساتھ ہے کہ گویا وہ دونوں لازم وملزوم ہیں۔ اگر ہم اعضاء کی قوتوں کو جو ان میں سے پیدا ہوتی ہیں پوری طرح سمجھ لیں تو ہم اعضاء کے افعال کو پوری طرح سمجھ سکتے ہیں۔ اسی طرح ہم اگر اعضاء کے افعال پر پورے طور پر قادر ہو جائیں تو ہم ضرورت کے مطابق قوتیں پیدا کرنے اور صحت کو قائم رکھنے پر قدرت حاصل کر سکتے ہیں۔

افعال اعضاء

اعضاء کے افعال میں صرف حیاتی اعضاء کے افعال ہی کو زیادہ تر سمجھنے کی ضرورت ہے۔ کیونکہ ان کی تکمیل فعلی خلیات سے عمل میں آتی ہے اور وہ یہ ہیں: (۱) اعصاب جن کا مرکز دماغ ہے۔ (۲) عضلات جن کا مرکز دل ہے۔ (۳) غدد جن کا مرکز جگر ہے۔ ان کی مختصر تفصیل درج ذیل ہے۔

قلب

جاننا چاہیے کہ دِل و دماغ وجگر اعضائے رئیسہ ہیں، اور انہی کے تحت عضلات و اعصاب اور غدد ہیں۔ ان جملہ اعضاء میں قلب کی افضلیت مسلمہ ہے کیونکہ وہ جملہ اعضاء میں سے اعلیٰ اور اکمل ہے اعلیٰ و اکمل اور افضل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وہ حرارت غریزی کا منبع ہے۔ جس کی وجہ سے تمام ترنظم ونسق بدن کا ہوتا رہتا ہے۔ اور جس کی وجہ سے بدن کی تمام کلیں چل رہی ہیں۔ وہ روح حیوانی کا معدن ہے جو کہ مدار بقائے زندگانی ہے اور روح یعنی نفس ناطقہ کا پہلے اس سے تعلق ہوتا ہے۔ بعد اس کے ذریعے تمام اعضاء پر روح کا فیضان ہوتا ہے۔ قلب ہی وہ پہلا عضو ہے کہ جو بوقت تعلق حیات سب سے پہلے حرکت کرتا ہے اور بوقت انقطاع حیات جملہ اعضا کے آخر میں اس کی حرکت بند ہوتی ہے۔ اس کی نزاکت کا یہ حال ہے اس میں ہلکا سا زخم یا پھوڑا بھی ہو جائے تو اس کو مشکل سے برداشت کرتا ہے۔ اکثر فوراً ہلاکت ہو جاتی ہے۔ صوفیاء کرام کی نظر میں قلب مظہر تجلیات حقانی اور مقام فیوض ربانی ہے۔ بادی نظر میں یہ سیب کی شکل ایک مشت کے برابر قد وقامت میں معلوم ہوتا ہے مگر لا انتہاء اسرار و لطائف کا گنجینہ ہے۔

دِل کی تشریح کتب طبیہ میں تفصیل سے درج ہے یہاں پر اس کے چند مخصوص اور ضروری افعال کا ذکر کرنا لازمی ہے۔

(۱) دِل کی حرکت ذاتی البتہ اس کا اعصاب اور جگر کے ساتھ گہرا تعلق ہے۔ اس لئے اس پر دو پردے چڑھے ہیں ایک کا تعلق اعصاب سے ہے اور دوسرے کا تعلق جگر سے ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ جب اعصاب وجگر میں کوئی خرابی واقع ہوتی ہے تو دِل بھی متاثر ہوتا ہے۔ اسی طرح جب اس میں خرابی کی وجہ سے اس کے افعال یا جسم میں کوئی نقص وارد ہوتا ہے تو اس کا اثر دماغ اور جگر پر ضرور پڑتا ہے اس طرح بھی اس کی حرکت میں کمی بیشی واقع ہو جاتی ہے۔ اس کے جسم کی خرابی اور افعال میں کمی بیشی سے دوران خون پر گہرا اثر پڑتا ہے۔ گویا اس کی نقل وحرکت اور دیگر اعضاء کے اثرات سے جو حرکت پیدا ہوتی ہے اس سے ایک طرف دوران خون جاری رہتا ہے اور دوسری طرف اس میں قوت پیدا ہوتی رہتی ہے۔

اس تحقیقات سے ثابت ہوا کہ دِل میں حرکت تین صورتوں سے پیدا ہوتی ہے۔ اوّل اس کی ذاتی حرکت ہے جو عضلاتی فعلی خلیات سے پیدا ہوئی ہے جس سے دِل میں انقباض وانبساط پیدا ہوتے تھے۔ چونکہ دِل کی ایک حرکت انقباضی اور انبساطی ہوتی ہے اس میں غدد کو گہرا دخل ہے۔ تیسری حرکت عصبی تحریکات ہیں۔ ان تمام تحریکات سے جسم میں حرارت پیدا ہوتی ہے جس سے جسم میں حرارت کا نظام قائم رہتا ہے۔

(۲) حرکت کے نظام کے بعد قلب کا دوسرا کام یہ ہے کہ اس کی حرکت سے عضلات میں حرکت پیدا ہو جاتی ہے یا عضلات میں حرکت دینے سے دِل کی حرکت بھی بڑھ جاتی ہے۔ اس حرکت کی تیزی سے حرارت پیدا ہوتی ہے۔ گویا حرارت دِل اور عضلات کی وجہ سے ہے۔ جوں جوں حرارت بڑھتی جاتی ہے خون میں جذب ہوتی چلی جاتی ہے۔ پھر وہاں سے جگر میں اکٹھی ہونا شروع ہو جاتی ہے۔

(۳) تیسرا فعل قلب کا دوران خون کو جاری رکھنا ہے۔ خون دِل سے شروع ہو کر شرائین میں پھیل جاتا ہے۔ پھر وہاں عروق شعریہ سے ہوتا ہوا جسم کے اعضاء پر شبنم کی طرح ترشح پاتا ہے جہاں سے اس کو اعضاء جسم جذب کر لیتے ہیں یعنی خلیات جسم میں غذائیت

کے لئے چلا جاتا ہے اور جو بچ جاتا ہے وہ عروق و غدد جاذبہ کے ذریعے پھر وریدوں میں واپس جذب ہو کر دِل کے بائیں بطن میں پہنچ جاتا ہے۔ جہاں سے بائیں اذن سے ہو کر پھیپھڑوں میں صاف ہونے کے لئے چلا جاتا ہے۔ پھر دائیں بطن دائیں اذن سے باہر دھکیل دیا جاتا ہے اور اس طرح دوران خون جاری رہتا ہے۔

قلب اگر تندرست ہے تو اس کی حرکات اور افعال درست رہیں گے جن سے حرارت اور قوت صحیح طریقہ پر پیدا ہوتی رہے گی۔ اور صحت اور شباب قائم رہے گا۔ لیکن جب قلب کی حالت جسمی خراب ہو جائے گی تو اس کی حرکات و افعال میں نقص واقع ہو جائے گا اور حرارت وقوت کی پیدائش میں فرق پیدا ہو جائے گا۔ جس سے رفتہ رفتہ صحت بگڑ جائے گی اور شباب قائم نہیں رہ سکے گا۔

اعتراض

فرنگی طب کو طب یونانی پر اعتراض ہے کہ روح حیوانی کی کوئی حقیقت نہیں ہے اور نہ ہی دِل کی بذاتِ خود کوئی حرکت ہے دِل کی حرکات ہمیشہ اعصاب کے تحت ہوتی ہیں۔ لیکن حیرت کا مقام ہے کہ فرنگی سائنس ایک طرف خلیات فعلی کو تسلیم کرتی ہے اور دوسری طرف ان سے خود انکار کرتی ہے۔ طب یونانی نے ان فعلی خلیات کی مختلف صورتوں کی مختلف قوتوں کے مختلف نام رکھ دیئے ہیں۔ تا کہ قوت میں آسانی ہو جائے مثلاً عضلاتی خلیات کے افعال سے جو قوت پیدا ہوتی ہے اس کا نام روح حیوانی ہے۔ جو قوت اعصابی نسیج کے خلیات کے افعال سے پیدا ہوتی ہے۔ اس کو روح نفسانی کہتے ہیں۔ اسی طرح قشری خلیات کے افعال سے جو قوت پیدا ہوتی ہے اس کو روح طبعی کہتے ہیں۔ ان تینوں ارواح کی قوتوں کو بالترتیب قوت حیوانی وقوت نفسانی اور قوت طبعی کہتے ہیں۔

امیونٹی

فرنگی طب کا اعتراض ایک طرف کم علمی پر مبنی ہے اور دوسری طرف ان کے فقدان تحقیق پر دلالت کرتا ہے۔ ان حقائق سے ثابت ہے کہ قوتیں خود بخود اعضاء میں پیدا ہوتی ہیں جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں۔ ابھی تو فرنگی طب ان اعضاء کے زندہ ذرّات کی ذاتی قوت پر حیران ہے۔ اب جبکہ سائنس یہ ثابت کر رہی ہے کہ غیر ذی حیات ذرّات جسم بھی اپنے اندر قوت رکھتے ہیں اور وہ باقاعدہ پیدا ہو رہی ہے اور وہ قوت اپنے افعال سے جسم میں طاقت دے رہی ہے تو اس کی حیرت کی انتہا نہ رہے گی۔

بہر حال یہ اب مسلمہ حقیقت ہے کہ ہر عضو کی ایک ذاتی حرکت ہے اور اس میں اسی وجہ سے ذاتی قوت پیدا ہوتی ہے۔ یہی قوت اس عضو کی حفاظت بھی کرتی ہے۔ اس کے فعل کو جس سے حفاظت کرتی ہے۔ اس کا نام قوتِ مدافعت ہے۔ انگریزی میں اس کو امیونٹی کہتے ہیں۔ جب یہی قوت مدافعت کمزور ہو جاتی ہے تو افعال اعضاء بھی خراب ہو جاتے ہیں۔ اور انسان زہریلی اشیاء اور کیفیات کا مقابلہ نہیں کر سکتے اور امراض میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ پھر رفتہ رفتہ کمزوری اور بڑھاپا پیدا ہو جاتا ہے۔ اور شباب رخصت ہو جاتا ہے۔

دماغ

اعصابی نسیج بھی فعلی نسیج ہیں اور ان سے اعصاب و دماغ بنتے ہیں جو حیاتی اعضاء میں شامل ہیں۔ اس کی ریاست مسلمہ ہے۔ کیونکہ خمسہ ظاہری اور باطنی کا مبدا (سرچشمہ) اور احساس و ادراک اور حرکات کا منبع ہیں۔ یعنی قوتہائے مذکورہ اسی کے دامن فیض سے وابستہ ہیں۔ اور یہی اعضاء ان قوتوں کے مربی اور سر پرست ہیں۔ لہٰذا اگر ان میں کوئی خرابی واقع ہو جائے تو قوتہائے مذکورہ کا شیرازہ درہم برہم ہو جاتا ہے۔

دماغ کا ایک طرف تعلق قلب وعضلات اور غدی پردے چڑھے ہوئے ہیں جن کو حجاب اور غشاء کہتے ہیں۔ اور یہی صورت اور تعلق حرام مغز، راس نخاع کے ساتھ بھی ہے۔ بلکہ تمام جسم کے اعصاب کا تعلق عضلات اور غدد کے ساتھ ہے دماغ و اعصاب اپنے افعال کے لحاظ سے احساس و ادراک اور نفسانی قوتوں کے اعضاء ہیں اس احساس و ادراک اور نفسانی قوتوں سے عضلات اور غدد میں ایسی تحریکیں ہوتی ہیں جن سے ان کے افعال میں عملی صورت اور کمی وبیشی ضروری ہوتی ہے۔

اعتراض

فرنگی طب اور فرنگی سائنس کی تحقیقات ہے کہ اعصاب دوقسم کے ہیں ایک حسّی اعصاب اور دوسرے حرکتی اعصاب ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ اعصاب میں بالکل حرکت نہیں ہوتی۔ ان کا کام احساس و ادراک اور نفسیاتی قوتیں عضلات اور دیگر غدد کو تحریک ضرور دے دیتی ہیں جن سے ان میں حرکت پیدا ہو جاتی ہے۔ ورنہ اعصاب میں بذاتِ خود حرکت نہیں پائی جاتی۔ کیونکہ اعصاب میں جو بجلی کی رو چلتی ہے مثبت نہیں ہے بلکہ منفی ہے یعنی اس کا ہر احساس و ادراک اور نفسیاتی قوت جسم کے اندر پھیلتی ہے باہر کی طرف نہیں آتی۔ جس وقت فرنگی طب اور فرنگی سائنس ہماری تحقیقات کو سمجھے گی اس کو اپنی غلطی کا احساس ہوگا۔ البتہ اس سے اہل علم اور صاحب فن ضرور مستفید ہو سکتے ہیں۔

جگر

جگر کی تکمیل قشری نسیج سے عمل میں آتی ہے۔قشری نسیج بھی فعلی خلیات سے بنتے ہیں۔ اس کی بھی حقیقت مسلمہ ہے۔ کیونکہ جسم میں غذا کی تکمیل وتحلیل اور تقسیم اس کے بغیر ناممکن ہے۔ اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ خون سرخ بھی اسی جدوجہد سے قائم ہے۔

جگر غدہ ہونے کی حیثیت سے جسم انسان کے دیگر تمام غدد کی نسبت بہت بڑا ہے جس کی تشریح اور افعال کتب میں تشریح سے درج ہیں ہم یہاں اس کے تین افعال اختصار کے ساتھ بیان کرتے ہیں: (۱) خون کی تکمیل تک پہنچانا اور اس کو سرخ رنگنا۔ جب تک کیلوس یا کیموس جگر سے نہ گزرے اس وقت تک نہ وہ پختہ ہوتا ہے اور نہ ہی اس میں سرخی پیدا ہوتی ہے۔ (۲) صفرا بنانا، روغنی، لحمی اور شکری اجزاء کا ہضم کرنا۔ (۳) حرارت جسم کی حفاظت کرنا اور ضرورت کے مطابق اس کو جسم میں تقسیم کرنا ہے۔

یہ سارے افعال اس کے ان خلیات سے انجام پاتے ہیں جن سے وہ بنا ہوا ہے۔ اس کا دل و دماغ سے بہت گہرا تعلق ہے جس کا ثبوت اس جواب وغشاء اور عصبی ریشوں سے ملتا ہے جو اس میں پھیلے ہوئے ہیں دل و دماغ کے افعال کا جگر پر اثر پڑتا ہے اور اس کے افعال کا اثر ان پر پڑتا ہے۔ صحت کے لئے اہم بات یہ ہے کہ جب وہ بگڑتی ہے تو اس کا پہلا اثر جگر پر پڑتا ہے۔ یہ حقیقت دیکھی گئی ہے جن لوگوں کی جوانی دیر تک قائم رہتی ہے یا جن کی عمریں طویل ہوتی ہیں ان کے جگر اچھی حالت میں ہوتے ہیں ان اُمور سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ جگر کے افعال کی ذاتی درستی یا نظریہ غذا کے تحت جگر کو قیام شباب اور طویل عمری میں گہرا تعلق ہے۔

اعضاء کے افعال اور قیام شباب وطویل عمری

یہ حقیقت تو مسلمہ ہے کہ جسم انسان کے اعضاء کے افعال درست ہوں تو صحت و جوانی قائم رہتی ہے۔ جس سے لامحالہ طویل عمری بھی ہوگی۔ اور افعال الاعضاء کی درستی پر منحصر ہے۔ تندرست اعضاء کا دار و مدار خلیات کی درستگی پر مؤقف ہے۔ اور خلیات میں قدرت نے فطری طور پر یہ استعداد پیدا کی ہے کہ ان میں سے قوت کا ظہور ہوتا ہے۔

خلیات کی درستی افعال کا انحصار اور قوت کی پیدائش کا تعلق اس غذا پر ہے جو خلیات کو ملنی چاہیے۔ لیکن خلیات جسم انسان میں کئی قسم کے ہیں۔ اس لئے ہر ایک قسم کے لئے مناسب غذا بدن انسان میں جانی چاہیے اس لئے قدرت نے اس نظام کو قائم رکھنے کے لئے جسم میں ایسی غذا کا انتظام کر دیا ہے جو ہر وقت جسم میں بھری رہتی ہے اور اس سے ہر عضو اپنی غذا حاصل کرتا رہتا ہے وہ خون ہے اعضاء اور خون لازم ملزوم ہیں۔ اعضاء غذا سے اوّل خون بناتے ہیں اور پھر اسی خون سے اپنی غذا حاصل کرتے ہیں۔ اگر اعضاء کے افعال میں خرابی واقع ہو تو خون میں بھی خرابی واقع ہوگی۔ اور پھر وہی خراب خون اعضاء کے خلیات میں نقص پیدا کر دے گا۔ جن سے جسم میں زہریلے اجزاء پیدا ہونا شروع ہو جائیں گے جن سے خلیات کا نہ صرف نظام بگڑ جائے گا بلکہ نئے خلیات کی پیدائش رُک جائے گی جس سے خرابی صحت کے ساتھ ساتھ موت واقع ہو جاتی ہے۔

ہماری تحقیقات قیام شباب اور اعادہ شباب اور طویل عمری

ہماری تحقیقات کو سمجھنے کے لئے ذیل کے مسائل کو ذہن میں رکھیں۔

(۱) قوت کا تعلق اعضاء کے ساتھ ہے۔ ان میں سے خود بخود قوت پیدا ہوتی رہتی ہے جیسے ہر شے اپنے اندر اثرات و افعال رکھتی ہے۔ جب تک اعضاء درست ہیں ان میں سے قوت کا پیدا ہونا ضروری ہے۔

(۲) اعضاء میں اس وقت تک موت واقع نہیں ہوتی جب تک حادثات سے وہ تباہ نہ ہو جائیں یا ان کو غذا میسر نہ آئے۔ کیونکہ خلیات کی زندگی اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ ان کو پیدائش کے بعد اس وقت تک فنا نہیں ہے جب تک ان کو کوئی حادثہ پیش نہ آئے یا غذا نہ رُک جائے۔ اور اس کے علاوہ خلیات مزید اپنے قائم مقام خلیے پیدا کرتے رہتے ہیں۔

(۳) زندگی کا دارومدار رطوبت غریزی اور حرارت غریزی پر ہے۔ یہ ہر گھڑی پیدا ہو رہی ہیں۔ جیسا کہ ہم نے ثابت کیا ہے کہ رطوبت غریزی اور حرارت غریزی کا تعلق صرف منی سے نہیں ہے۔ بلکہ خلیات کے اندر رطوبت غریزی سے ہے۔ ہر گھڑی حرارت غریزی پیدا ہوتی رہتی ہے اور یہ قانون قدرت ہے کہ رطوبت میں تبخیر سے حرارت پیدا ہوتی ہے۔

(۴) زندگی روح سے قائم ہے اور روح ایک شعلہ ہے جو امر ربی ہے۔ یعنی جہاں پر بھی قوت پیدا ہوگی وہاں پر امر ربی لازمی امر ہے۔ جیسے دو اشیاء میں کیمیاوی طور پر ایکشن وری ایکشن (عمل و ردِّ عمل) ہوتا ہے یا بجلی کے دو تاروں کو ملایا جاتا ہے تو شعلہ پیدا ہوتا ہے۔ یہی عمل و ردِّ عمل کا نتیجہ اور شعلہ ان کی روح ہیں۔ لیکن ہر عمل و ردِّ عمل فطرت کے مطابق ہونا چاہیے۔ انسانی زندگی و شعلہ اور روح بھی اس کے فطرت کے مطابق عمل کرنے سے قائم ہے۔

(۵) انسانی زندگی اور روح بجلی کے شعلہ پر قائم ہے جو ہر گھڑی انسانی جسم میں پیدا ہو رہی ہے۔ قدرت نے انسان میں بجلی کی پیدائش کے تین نظام رکھے ہیں تاکہ اس میں بجلی کی رو بغیر حادثہ اور خرابی غذا کے ختم نہ ہو۔ اوّل نظام شمسی دوسرا نظام بجلی حرکت۔ جن کی تفصیل گزر چکی ہے۔

(۶) انسان کائنات میں ارتقاء کا آخری مظہر ہے۔ اس میں چار نظام نسیجی کام کر رہے ہیں جن میں سے تین فعلی نسیج ہیں اور چوتھا تینوں کی غذا بنتا ہے اور جب نسیج فعلی کمزور ہو جاتے ہیں تو وہ نسیج الحاقی کو اپنی غذا نہیں بنا سکتے۔ اس صورت میں خود نسیج الحاقی ان کی جگہ لینا شروع کر دیتا ہے جس سے اوّل صحت بگڑتی ہے۔ پھر شباب ختم ہوتا ہے اور بڑھاپا آتا ہے اور آخر میں موت واقع ہو جاتی ہے۔

(۷) نسیجی قوتیں دو قسم کی ہیں اوّل شمسی اور دوسری کیمیاوی بجلی جو ان کے اندر کی رطوبت میں پیدا ہو رہی ہے۔ تیسری قوت حرکتی بجلی سے جو اعضاء کی حرکت اور دوران خون سے پیدا ہو رہی ہے۔ اور مناسب غذا سے ہر قسم کی قوت میں اضافہ ہو رہا ہے۔

(۸) غذا کا نظام قدرت نے جسم کے اندر خون کی صورت میں اس طرح کا رکھا ہے کہ ہر وقت عضو کو نہ صرف باقاعدہ غذا مل رہی ہے بلکہ اعضاء کے افعال اور کیمیاوی اثرات سے نیا خون بھی تیار ہو رہا ہے اور ہر گھڑی قوت پیدا ہو رہی ہے جہاں تک خوراک کا تعلق ہے طبیعت اپنی بھوک کے احساس سے طلب کرتی ہے اور مناسب خوراک کو پسند کرتی ہے غیر مناسب خوراک جس میں

ادویہ وزہر وغیرہ شامل ہیں نہیں پسند کرتی اور ان کو جزو بدن نہیں بناتی بلکہ ان کو اندر ضائع یا اخراج کی کوشش کرتی ہے۔

(۹) انسانی روح (شعلہ) کا تعلق آفاق سے ہے جہاں سے ہر گھڑی مادہ وعناصر کی پیدائش جاری ہے جو انسان کی غذا اور خوراک بنتا ہے اور پھر یہی روح جسم انسانی میں اُٹھ کر نفس کی طرف لپکتی ہے کل شئ یرجع الی اصلہ کے مصداق نفس و آفاق و روح زندگی اور روح عالم۔ جہان اصغر و جہان اکبر برہم و برہما اور آتما پرماتما کے تعلق کو قائم کرنا چاہتی ہے تاکہ خالق و مالک اور قادر مطلق کو پہچان سکے اور امر (دائمی حیات حاصل کرنا) ہو جائے۔ یہی انسان کی دائمی زندگی ہے۔ ہر مذہب کی رو سے جن لوگوں کا تعلق اپنے خالق و مالک اور قادر مطلق سے ہے وہ آمر ہیں اور ان کو موت نہیں ہے بلکہ حیات دائمی سے مزین ہیں۔

غذا کی اہمیت

مندرجہ بالا جو حقائق پیش کئے گئے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ انسانی زندگی پیدائش کے بعد ہمیشہ ترقی کرتی ہے اور اس کا شباب ہمیشہ قائم رہنا چاہیے اور اس کو سوائے حادثات اور غذا (خون) کی خرابی کے سوا موت نہیں آنی چاہیے۔ حادثات کا مسئلہ تو ایک جدا بات ہے باقی سوال اعضاء کی غذا (خون) کا رہ جاتا ہے کہ یہ کس طرح درست اور صحیح پیدا ہو سکتا ہے اور کس طرح خراب اور زہریلے مادوں اور تغیرات و کیفیات سے بچ سکتا ہے۔ اس کی بھی دو صورتیں ہیں اوّل وہ غذا جو خوراک کی طور پر انسان کھاتا ہے اور دوسری اعضاء کی درستی۔ جہاں تک غذائے خوراک کا تعلق ہے وہ انسانی مذہبی پیشواؤں وحکماء اور اطباء نے ہزاروں سالوں سے تخصیص کر دی ہے کہ فلاں خوراک حرام ونجس اور حلال وطیب ہے یا جسم انسان کے لئے مفید اور مضر ہے۔ اس کے علاوہ انسانی جبلت بھی انہی اشیاء کی طرف مائل ہوتی ہے جو مرغوب وپسندیدہ اور لذیذ اور مقوی ہوتی ہیں۔ البتہ انسان ان کے کھانے میں کبھی زیادتی اور کبھی بغیر ضرورت کھاتا ہے۔ جس سے اس کے اعضاء پر بوجھ پڑتا ہے اور دوسرے جب وہ غذا خوراک اپنے وقت پر ہضم نہیں ہوتی اس میں فساد پیدا ہو جاتا ہے وہی فساد رفتہ رفتہ اعضاء کو خراب اور خون کو زہریلا بنا دیتا ہے۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایسے غذائے خوراک اور موسم وکیفیات کے حادثات انسان کو اکثر پیش آتے رہتے ہیں اور ان کے علاوہ محنت ومشقت اور عیش وآرام کی زیادتی جذباتی اثرات کی شدت ایسی صورتیں جن سے انسان کو مضر نہیں ہے پھر ایسی صورت میں صحت کا برقرار رکھنا مشکل ہے۔ شباب کا قیام اور طویل عمری تو پھر بے حد مشکل بات ہے ایسی صورت میں اعادہ شباب کا تو سوال پیدا ہونا بے حد مشکل ہے۔

نظریہ مفرد اعضاء اور قیام شباب وصحت اور طویل عمری

انسان جو غذا خوراک کے طور پر استعمال کرتا ہے تو اس کا خون بنتا ہے جس کو یونانی حکما اور اطبا چار اخلاط اور چار کیفیات میں تقسیم کرتے ہیں اور ان کے قوانین کے مطابق یہ اخلاط اور کیفیات مختلف اعضا کی غذا بنتے ہیں۔ لیکن فرنگی ڈاکٹر اور سائنس دان اس خون کو چودہ عناصر میں تقسیم کرتے ہیں اور ان کے قانون کے مطابق انہی سے انسانی اعضا کی غذا حاصل ہوتی ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ خون میں تین بڑے اجزاء پائے جاتے ہیں۔ اوّل رطوبت دوسرے حرارت اور تیسرے لطیف ہوائی اجزاء (گیس) اور یہی تینوں اجزا نہ صرف ہمارے اعضائے رئیسہ کی خوراک ہیں بلکہ جب ان میں سے کسی ایک حصہ میں تیزی ہوتی ہے تو اس جز کی پیدائش بڑھ جاتی ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس عضو رئیس سے وہ خاص حصہ مخصوص ہے۔ مثلاً اگر جسم میں رطوبات کی زیادتی ہو تو اعصاب کا فعل تیز ہوتا ہے اور اگر جسم

میں حرارت کی زیادتی ہو تو غدد کا فعل تیز ہوتا ہے اسی طرح اگر جسم میں ہوا کی زیادتی ہو تو قلب کے فعل میں تیزی ہوتی ہے۔ اس کے برعکس ہم دیکھتے ہیں کہ اگر اعصاب کے فعل میں تیزی کر دیں تو حرارت بڑھ جاتی ہے اسی طرح اگر عضلات کے افعال میں تیزی کر دیں تو ہوا جسم میں زیادہ ہو جاتی ہے۔ گویا اعضائے رئیسہ اور رطوبت و حرارت اور ہوا لازم ملزوم ہیں۔ اور یہی تینوں فطری اجزاء ہیں جو کائنات میں بھی بارش و آندھی اور گرمی میں نظر آتے ہیں۔

تسکین و تحریک اور تحلیل

ان اجزاء کی کمی بیشی سے جسم انسان میں چند علامات پیدا ہوتی ہیں جن سے ہم کو ان کی افراط و تفریط کا اندازہ ہوتا ہے۔ مثلاً اگر جسم میں رطوبات (بلغم) کی زیادتی ہو جائے تو جسم میں تسکین پیدا ہو جاتی ہے ویسے بھی جب ہمیں جسم میں سوزش معلوم ہو تو اس کی تسکین کے لئے پانی کا استعمال کرتے ہیں جو رطوبت کی اصل ہے۔ اسی طرح جب جسم میں ہوا کی زیادتی ہو جاتی ہے تو جسم میں تیزی پیدا ہو جاتی ہے، اسی طرح جب جسم میں حرارت کی زیادتی ہوتی ہے تو جسم میں ضعف اور تحلیل شروع ہو جاتا ہے۔ بہرحال جب یہی علامات شدت اختیار کرتی ہیں تو انسانی جسم کو مریض کہا جاتا ہے۔ کبھی ان علامات کی تیزی سے جسم میں درد پیدا ہو جاتا ہے کبھی سوزش کبھی ورم، کبھی بخار اور کبھی ضعف کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے۔ بہرحال اگر ہم ان اعضاء کے افعال و خواص اور اثر کو پوری طرح سمجھ لیں تو ہمارے اندر جو خرابیاں و علامات اور زہریلے اثرات پیدا ہوں ہم ان کو ان اعضاء کے افعال میں افراط و تفریط پیدا کر کے درست کر سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ اگر ہم تندرستی کی حالت میں بھی چاہیں تو ان اعضاء کے افعال میں ضرورت کے وقت تحریک و حرارت سے قوت پیدا کرنے پر قادر ہو سکتے ہیں۔ یہی اغذیہ اور موسمی تغیرات اور کیفیات جو ہمارے اندر امراض و کمزوری اور بڑھاپا پیدا کرتی ہیں اگر ان کے اثرات سے ہم پورے طور پر آگاہ ہوں تو یقیناً ہم ان سے اپنا قیام شباب اور طویل عمری میں مدد حاصل کر سکتے ہیں۔

حرارت و رطوبت اور گیس تینوں قوتیں ہیں جو ہر گھڑی زندگی اور کائنات میں پیدا ہو رہی ہیں۔ ان کی پیدائش میں جہاں ایک دوسرے کی ضرورت ہے اور اثر پڑتا ہے وہاں ایک دوسرے کی کمی بیشی بھی انہی کی وجہ سے اعتدال پر آتی ہے مثلاً جب سخت گرمی پڑتی ہے تو بارش آ جاتی ہے۔ جب بارش سے ہر جگہ جل تھل ہو جاتا ہے تو تیز ہوا چل پڑتی ہے اور پانی خشک ہو جاتا ہے۔ یاد رہے پانی ہمیشہ ہوا سے خشک ہوتا ہے۔ گرمی سے خشک نہیں ہوتا کیونکہ گرمی سے تبخیر بن جاتا ہے اور ٹھہرا ہوا پانی متعفن ہو جاتا ہے۔ جب تیز ہوائیں چلتی ہیں تو پھر گرمی شروع ہو کر ان کو بند کر دیتی ہے۔ یعنی ہوا کی تیزی گرمی ہی سے تحلیل ہو سکتی ہے۔ اسی طرح موسم بدلتے ہیں مثلاً سخت گرمی کے بعد بارش کا موسم (برسات) آتا ہے۔ برسات کے بعد خزاں کی ہوائیں چلتی ہیں۔ اور جب بہار کی ہوائیں چلتی ہیں تو گرمی کا موسم شروع ہو جاتا ہے۔

یہی صورتیں جسم انسان میں بھی پائی جاتی ہیں۔ مثلاً جب جسم میں گرمی کی بے چینی ہوتی ہے تو پانی کی طلب ہوتی ہے اور جسم میں رطوبت کی زیادتی ہوتی ہے تو خود بخود خشک اشیاء کھانے کی ضرورت ہوتی ہے جب جسم میں خشکی ہوتی ہے تو روغنی اشیاء اور گھی وغیرہ کھانے سے رفع ہوتی ہے جو گرم ہوتے ہیں۔ غرض جب گرمی و تری اور خشکی کے بعد پھر گرمی کا سلسلہ جاری رہتا ہے جسم میں گرمی جگر میں تیزی ہونے سے اکٹھی ہوتی ہے۔ جسم میں خشکی قلب میں تیزی سے زیادہ ہوتی ہے جسم میں رطوبت اعصاب میں تیزی سے جمع ہو جاتی ہے۔ یہ روزانہ زندگی کے حقائق ہیں مگر عوام ان کی طرف کوئی توجہ نہیں کرتے۔ یہ کس قدر اہم اور مفید قانون ہیں جو زندگی کے لئے نہ صرف انتہائی

مفید ہیں بلکہ ان حقائق کے بغیر زندگی اپنی صحیح فطری راہوں پر رواں دواں نہیں ہوسکتی ہیں۔

جسم انسان خود ایک برقی سرکٹ ہے

یہ پہلے لکھا جا چکا ہے کہ ہر فرد حیاتی ذرّہ (خلیہ) ایک الیکٹرک سیل (بجلی کا کیسہ) ہے اور ہر غیر ذی حیات ذرّہ نظام شمسی کے قانون پر ایٹم کی طرح بجلی اور قوت پیدا کر رہے ہیں جو اعصاب کے ذریعے جسم میں قوت تحریک اور حرارت پیدا کر رہے ہیں اور دوسری طرف عضلات کی حرکت سے با قانون رگڑ قوت و تحریک اور حرارت پیدا ہوتی رہتی ہے۔ یہ قوت و تحریک اور حرارت پیدا ہو کر جگر میں جمع ہوتی رہتی ہے پھر ضرورت کے وقت یہ قوت و تحریک اور حرارت جسم میں خرچ ہوتی رہتی ہے۔

جسم کو اس بجلی بیٹری کے اصول پر سمجھیں کہ خلیات اور ذرّات اعضاء و جسم میں لاکھوں بیڑیاں ہیں عصبی و عضلاتی دومنفی اور مثبت بجلی کی ڈوریاں بھی ہیں اور خود بجلی بھی پیدا کرتی ہیں۔ اور وہ بجلی قوت و حرارت کی شکل میں خون کے ذریعے جگر میں جمع ہوتی رہتی ہے یہاں پھر خلیات میں تقسیم ہوتی ہے اور اس طرح زندگی و روح اور صحت و شباب قائم رہتا ہے۔ اس طرح ایک چکر قائم رہتا ہے، اس چکر کو انگریزی میں بجلی اور قوت کا سرکٹ کہتے ہیں۔

اس بجلی اور قوت کے تعلق سے دِل و دماغ اور جگر کا تعلق زندگی بھر قائم رہتا ہے۔ گویا بجلی اور قوت کا ایک چکر قائم ہے اور جاری رہتا ہے۔ اور اس طرح حرکت و حرارت اور رطوبت پیدا ہوتی رہتی ہے اور جسم کو غذا میسر ہوتی رہتی ہے۔ جب اعضاء کے افعال میں کمی بیشی واقع ہوتی ہے تو حرکت و حرارت اور رطوبت میں کمی بیشی واقع ہو جاتی ہے جس سے بجلی اور قوت کے تسلسل اور چکر (سرکٹ) خراب ہونا شروع ہو جاتا ہے جس کے میں صحت خراب ہونا شروع ہو جاتی ہے اور جب سرکٹ رُک جاتا ہے یا ٹوٹ جاتا ہے تو بس موت آ جاتی ہے۔

حرارت کی زیادتی سے جسم میں ضعف اور تحلیل پیدا ہوتی ہے مگر عام طور پر حرارت کی زیادتی نہیں ہوا کرتی۔ زیادہ رطوبات کی زیادتی اور ریاح کی زیادتی ہوا کرتی ہے۔ ان کی زیادتی سے جسم میں حرارت بہت کم ہو جاتی ہے۔ رطوبات کی زیادتی سے حرارت کی کمی کے ساتھ سردی زیادہ ہوتی ہے جس سے اعضاء جسم میں انتہائی طور پر سست اور سُن ہو جاتے ہیں اور جب ریاح کی زیادتی ہے تو جسم میں سردی کے ساتھ خشکی بڑھ جاتی ہے جس سے جسم میں تیزی اور خون کا دباؤ بڑھ جاتا ہے۔ یہی علامات معمولی طور پر کم و بیش ہوں تو صرف صحت میں خرابی ہوتی ہے اور امراض پیدا ہو جاتے ہیں۔ لیکن اگر یہی علامات شدت اختیار کر لیں تو جسم میں انحطاط پیدا ہو کر شباب رخصت ہوتا ہے اور بڑھاپا آنا شروع ہو جاتا ہے۔ یہ امر ذہن نشین کر لیں کہ نزلہ اور بند نزلہ اس وقت ہی دائمی ہو جاتا ہے جب جسم میں حرارت کی کمی ہو جاتی ہے یہ کمی اگر سردی تری کے ساتھ ہو تو نزلہ ہوگا اور اگر سردی خشکی کے ساتھ ہو تو نزلہ بند ہوگا۔ یہی نزلہ جب دائمی صورت اختیار کر لیتا ہے تو اس وقت سے شباب رخصت اور بڑھاپے کی آمد شروع ہو جاتی ہے۔

بڑھاپے اور امراض کا فرق

جب تک صرف اعضاء کے افعال میں مشینی طور پر کمی بیشی اور خرابی واقع ہوتی ہے تو اس کی یہ حالت زیادہ تر امراض تک محدود رہتی ہے اور جب اعضاء کے خلیات میں خرابی واقع ہوتی ہے تو بڑھاپا شروع ہو جاتا ہے۔ اگر چہ صورتیں بھی ظاہر طور پر امراض میں شریک ہیں جن کو ہم مزمن امراض کہتے ہیں یہی مزمن امراض ہی بڑھاپا کی ابتداء ہیں۔ یہ بڑھاپا تین صورتوں میں پیدا ہوتا ہے: (۱) حرارت غریزی

میں کمی بیشی ہونا۔(۲) رطوبت غریزی میں کمی بیشی کا ہونا۔(۳) رطوبت غریزی میں فساد و تعفن پیدا ہونا۔

رطوبت غریزی اور حرارت غریزی میں کمی بیشی

حرارت غریزی کی ابتداء اس حرارت سے ہوتی ہے جو منی کے حیوانی ذرّے کے خلیہ میں پائی جاتی ہے جس کی پیدائش کا سلسلہ اس رطوبت سے جاری رہتا ہے جو منی کے حیوانی ذرّے کے خلیہ میں موجود ہوتی ہے۔ اس کے قیام میں اس خلیہ کا نظام شمسی اور خلیہ کی برقی رو دونوں معاون ہوتے ہیں۔ جب انسانی کرم منی (سپرمیٹوزوا) عورت کے بیضہ انثیٰ (اووم) کے ساتھ وصال پا جاتا ہے اور نطفہ قائم ہو جاتا ہے تو بیضہ انثیٰ کی رطوبت اور حرارت کرم منی کی غذا بنتی ہے۔ اس طرح رطوبت غریزی اور حرارت غریزی قائم رہتی ہے پھر جب وہ قریب اختتام ہوتی ہے اور اس وقت تک نطفہ شہتوت کے پھل کے برابر مثل جونک تیار ہو جاتا ہے تو قدرتی طور پر وہ رحم میں کسی جگہ چسپاں ہو جاتا ہے اور اس کا تعلق ماں کے خون سے منسلک ہو جاتا ہے۔ اس وقت اس بچہ کو جو غذا خون کی شکل میں ملتی ہے اسی میں سے رطوبت غریزی اور حرارت غریزی تیار ہو کر اس کے خلیات میں بھرتی اور خرچ ہوتی رہتی ہے۔ جب بچہ کی پیدائش ہوتی ہے تو وہ اس کو اول ماں کا دودھ اور پھر دنیاوی خوراک کو اپنی غذا بناتا ہے جن سے اس کے جسم میں اپنا خون تیار ہوتا ہے اس وقت اس خون سے رطوبت غریزی اور حرارت غریزی تیار ہو کر قائم رہتی ہے۔ اگر اس رطوبت غریزی اور حرارت غریزی کی پیدائش اور اعتدال جاری رہے تو صحت اور شباب قائم رہتا ہے اور طویل عمری ہوتی ہے جب اس میں کمی واقع ہوتی ہے تو اس کی صورت اوّل میں رطوبت میں کمی واقع ہوتی ہے جس سے اس میں حرارت غریزی قائم نہیں رہتی۔ کبھی حرارت غریزی کی پیدائش بڑھ جاتی ہے اور اس طرح رطوبت غریزی میں کمی واقع ہو جاتی ہے۔ کبھی رطوبت غریزی کمزور ہوتی ہے اور حرارت غریزی کی پیدائش رُک جاتی یا کم ہو جاتی ہے۔ یہ سب صورتیں صحت اور شباب اور طویل عمری پر اثر انداز ہوتی ہیں۔

رطوبت غریزی میں فساد بالکل اس طرح پیدا ہوتا ہے جس طرح معدہ و امعاء اور جگر میں پیدا ہوتا ہے لیکن رطوبت غریزی میں فساد طبیعت مدبرہ بدن آسانی سے پیدا نہیں ہونے دیتی اور اگر جب کبھی ہوتا ہے تو کسی ایک قسم کے نسیج کے خلیات میں ہوتا ہے تمام جسم کے خلیات میں یکبارگی نہیں ہوتا۔ لیکن اگر جب کسی ایک نسیج میں فساد ہوتا ہے اور اس کی اصلاح نہ کی جائے تو رفتہ رفتہ تمام جسم میں پھیل جاتا ہے۔ جسم میں جو زہر اثر کرتے ہیں وہ اسی اصول پر اثر کرتے ہیں اس ہر قسم کے زہر کی مختلف علامات ہوتی ہیں رطوبت غریزی کے فساد کو دور کرنا تجربہ کار معالج کا کام ہے۔ یہ ہر بازاری دوا فروش کے بس کا روگ نہیں ہے۔

جب فساد رطوبت غریزی پیدا ہوتا ہے تو پھر رفتہ رفتہ حرارت غریزی کمزور ہونا شروع ہو جاتی ہے جس کے نتیجہ میں اس کے اندر جو شعلہ پیدا ہوتا ہے وہ مدہم ہوتا چلا جاتا ہے اس کا نام بڑھاپا ہے اور پھر ایک وقت ایسا آتا ہے کہ وہ بالکل بجھ جاتا ہے جس کا نام ہم موت رکھتے ہیں۔

قیام شباب اور طویل عمری کا علاج

جب کوئی شخص چاہتا ہے کہ اس کا بڑھاپا یا قبل از وقت بڑھاپا دور ہو جائے تو اس کا اوّلین فرض ہے کہ وہ اپنے اعضائے رئیسہ کا بغور مطالعہ کرے ان کے افعال کو سمجھے اور اگر اس کو کوئی مرض یا علامت ہو جیسا کہ نزلہ زکام، فالج، دائمی قبض، بواسیر، سوزاک اور آتشک وغیرہ وغیرہ تو ان کو سامنے رکھ کر یہ سمجھنے کی کوشش کرے کہ ان کا تعلق کس عضو کے ساتھ ہے اور اس عضو کے افعال کس طرح انجام پا رہے

ہیں۔ مرض یا علامت کو فوراً دور کرنے کی کوشش نہ کرے۔ صرف مرض و علامت اور عضو کے افعال کا تعین کرے۔ پھر اس مرض یا علامت کو سامنے رکھ کر عضو کے افعال کو درست کرنے کی کوشش کرے۔ اس طرح جب عضو کے افعال درست ہوتے چلے جائیں گے تو وہ مرض یا علامت رفع ہوتی جائے گی۔ گویا وہ مرض اور علامت صرف معیار اور اصلاح ہے۔ جس سے معالج کو پتہ چلتا ہے کہ جسم انسان کے افعال باقاعدہ ہو رہے ہیں۔ اگر مرض یا علامت دور کر دی جائے تو اعضاء کے افعال اور خون کی درستی کا پورے طور پر اندازہ نہیں ہو سکتا۔ اس طرح اعادہ شباب ممکن ہو جاتا ہے۔

بوڑھوں کے حفظ صحت کے احکام

اس میں کچھ شک نہیں ہے کہ جب تک مزاج انسان کی حالت اعتدالیہ قائم رہے گی اس وقت تک اس کی صحت بھی اچھی رہے گی اور اگر کسی بے اعتدالی سے حالت مذکورہ میں مزاج انسان جادہ (راستہ) اعتدال سے منحرف بھی ہوگا تو ذرا سی تدبیر سے صحت زایلہ واپس آئے گی۔ اور ہرگاہ کہ مزاج اعتدالیہ حالت سے بعید ہو جائے گا تو وہ صحت سے بھی بعید ہوگا چونکہ عالم بڑھاپے میں مزاج پر سردی وخشکی کا غلبہ ہوتا ہے اور کیفیات سردی وخشکی دونوں اعتدالی حالت کے مخالف ہیں۔ یعنی حرارت و رطوبت کی ضد ہیں لہٰذا اس سن میں حفظ صحت اولیٰ بالا اہتمام (نہایت کوشش کی مستحق) ہے پس وہ تدبیر عمل میں لانا چاہیں کہ جن کے زیر اثر بدن میں کیفیت گرمی وتری کی پیدا کریں تاکہ برودت و یبوست کا کہ جو لازم سن مذکور ہے تدارک ہو جائے، مگر اس کے ساتھ ہی یہ خیال رکھنا بھی ضروری ہے کہ بوڑھے ایسی تدبیرات داخلی و خارجی ہرگز عمل میں نہ لائیں کہ جوان کے بدنوں میں گرمی پیدا کریں مثلاً اغذیہ نہایت گرم یا افراط ریاضت یا جراحت وغیرہ۔ اس لئے کہ غایت درجہ کی حرارت ان کے مزاجوں میں نہایت درجہ خشکی پیدا کرے گی جس کا نتیجہ لازمی یہ ہوگا کہ ان کو وقت سے پہلے موت مواصلت ہوگی یا کسی مرض سخت میں مبتلا ہوں گے۔

چونکہ حسب تقریر یا سبق (پہلی تقریر کے مطابق) بوڑھوں کو حرارت خفیفہ و رطوبت کثیرہ کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے لہٰذا اسی بنا پر ان کا نیند کا زمانہ بہت طویل (دراز) ہونا چاہیے اور سکون و آرام کی کثرت اور حرکات بندی کی قلت کرنا چاہیے۔ چنانچہ جالینوس کا قول ہے کہ "انی حریص علی النوم" یعنی میں اب عالم بڑھاپے میں نیند کا حریص ہوں۔ نیند کا حریص ہوں۔ نیند کے حال پر سکون و آرام کو بھی قیاس کر لو اس لئے کہ دونوں سے یعنی نیند اور سکون سے رطوبات بدن میں ترقی ہوتی ہے اس کثرت سکون اور کثرت نیند کی عدمی حالت یعنی کثرت بیداری و کثرت حرکت کو سخت مضر ہوگی۔

علیٰ ہٰذا القیاس بوڑھوں کو شیریں اور نیم گرم پانی سے روزانہ ایک بار غسل کرنا اور غسل کے درمیان میں متعدل طور سے مالش بدن کی کرنا نہایت درجہ نافع ہوگا اور شور یا سرد پانی کا غسل نہایت مضر ہوگا۔

بوڑھوں کو ادرار بول (پیشاب لانا) کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے تاکہ ان کے بدن میں فضلات مجتمع نہ ہوں۔

علیٰ ہٰذا القیاس ان کے معدوں سے اخراج بلغم براہ امعاء (آنتوں کے راستے) یا مثانہ نہایت درجہ مہتم بالشان ہے حتیٰ کہ بدین غرض بوڑھوں کی طبیعت ملین رکھنا چاہیے اس لئے قبض کی حالت ان کو سخت مضر ہے۔ بغرض تلیین و ادرار ان کو ادویہ و اغذیہ مدرہ و ملینہ (پیشاب آور اور قبض کشا) تک استعمال مناسب ہے۔

بوڑھوں کو مالش بالاعتدال تمام بدن کی تیل سے خواہ خوشبودار ہو یا بلاخوشبو سخت مفید ہوگی۔ اس لئے کہ ایسی مالش سے ان کے

بدن میں حرارت اور رطوبت کی ترقی ہوگی جس کی ان کو سخت ضرورت ہوتی ہے۔

بوڑھوں کو اگر غذائے قلیل بہ تفریق دی جائے گی تو یہ امر ان کو بہت مناسب ہوگا۔ بہ نسبت اس کے کہ ایک دفعہ ان کو غذائے کثیر دی جائے۔ اس لئے کہ ایک ہی دفعہ غذا دیتے ہیں ان کی قوت ہاضمہ ہضم کی برداشت کی متکفل نہیں ہو سکتی ہے۔

بوڑھوں کے لئے وہ غذائیں مفید ہیں کہ جو جید الکیموس ہوں یعنی ان میں فضلات کم ہو اور زیادہ حصہ ان کا جزو بدن ہوتا ہو۔ مثلاً بیضہ مرغ و پرندوں کے گوشت کے شوربے اور دودھ کسی قدر زنجبیل جوش دے کر اور ترکاریوں میں شلجم، چقندر، گاجر وغیرہ وترکاریاں کہ جن کا مزاج گرم وتر اور شیر چیزوں میں شہد سادہ دودھ میں شامل کر کے۔ اور دال مسور اور جملہ اقسام ترشیوں سے اور جملہ اتمر یہ سرد پانی گرم خشک سے سخت پرہیز ضروری ہے۔ بجز اس کے کہ بر سبیل دوا یا کسی اور دوا سے استعمال کرائی جائیں۔

بوڑھوں کے لئے جو تدبیرات تحریر کی گئی ہیں وہ باعتبار غالب امر کے ہیں جس کے معنی عالم پیری میں چونکہ برودت و یبوست کا غلبہ ہوتا ہے اس لئے اس کا خواص وتدبیرات ترقیم ہوئی ہیں مگر یہ لازمی نہیں ہے کہ جملہ مزاج کے بوڑھوں کے لئے یہ تدبیرات کافی ہوں بلکہ ممکن ہے کہ بعض بوڑھے بوجہ امور عارضی تدبیرات مذکورہ کی ترمیم وتبدیل سے نفع پائیں۔ [القانون]

قیام شباب اور اعادہ شباب اور طویل عمری کے لئے ادویات اور علاج

قیام شباب و اعادہ شباب اور طویل عمری کے خواہش مند اشخاص کے ضروری ہے کہ ذیل کے تین اصولوں پر سختی سے عمل کریں:

(۱) حفظان صحت کی پابندی۔ (۲) مناسب اور ضروری اغذیہ کا باقاعدگی سے استعمال۔ (۳) مقوی ادویات کا استعمال۔

تاکیداً اس امر کو ذہن نشین کر لیں کہ صرف ادویات کے استعمال سے مقصد بر نہیں آئے گا۔ مقوی ادویات زیادہ سے زیادہ روپے میں چار آنے مفید ہو سکتی ہیں۔ باقی آٹھ آنے مناسب اور ضروری اغذیہ کے باقاعدہ استعمال ہے اور چار آنے سے حفظان صحت اور معالج کی طرف سے ملنے والی تسلی و تشفی کی پابندی ہے۔ حفظان صحت کے اصول طبی کتب میں تفصیل سے درج ہیں۔ کچھ ضروری اصول جو بوڑھوں کے لئے مفید ہو سکتے ہیں وہ بیان کر دیئے گئے ہیں۔ ان اصول میں جماع کی پابندی اور باقاعدگی کو بے حد اہمیت حاصل ہے۔

جماع اور حفظ صحت

یہ حقیقت مسلمہ ہے کہ شباب و جنسی قوت کا گہرا تعلق ہے بلکہ جنسی قوت کا گہرا تعلق ہے بلکہ جنسی قوت کی زیادتی کا نام ہی دراصل شباب ہے۔ جیسا کہ ہم ابتدا میں لکھ چکے ہیں۔ اگر جنسی قوت کا استعمال افراط و تفریط سے کیا جائے گا تو یقیناً اس کا اثر صحت اور شباب پر پڑے گا۔ ہم نے جنسی قوت کے ساتھ افراط و تفریط یعنی (کثرت جماع اور قلت جماع) دونوں صورتوں کا ذکر کیا ہے اس کا مقصد یہ ہے کہ جس طرح کثرت جماع جنسی قوت اور شباب کو تباہ کر دیتا ہے اسی طرح قلت جماع بھی جنسی قوت اور شباب کے نقصان کا باعث ہے۔ دونوں میں اعتدال لازمی ہے۔

قلت جماع بھی نقصان جنسی قوت اور شباب ہے

اس حقیقت سے تو دنیا خوب آگاہ ہے کہ کثرت جماع یقیناً جنسی قوت اور شباب میں غیر معمولی نقصان پہنچاتا ہے لیکن بہت ہی کم لوگوں کو علم ہوگا کہ قلت جماع یا بالکل جماع نہ کرنا بھی جنسی قوت اور شباب کو برباد کر دیتا ہے۔ تجربہ شاہد ہے کہ جب انسانی قویٰ مکمل

ہو جائیں اور اس میں جنسی قوت کا جذبہ جوش پر ہو جنسی مادہ جو قابل اخراج ہو اس کو خارج نہ کیا جائے تو وہی مادہ اپنے اعضاء ہی کو برباد کرنے لگتا ہے یا وہ احتلام و سرعت انزال اور جریان کی صورت میں عورتوں میں سیلان رحم کی شکل میں خود بخود اخراج پانا شروع کر دیتا ہے۔ جو لازماً امراض میں شریک ہیں جن سے صحت اور شباب برباد ہو جاتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ شباب اور جنسی قوت سے بھرپور نوجوان کا جماع سے دور رہنا۔ کثرت جماع سے بھی زیادہ نقصان رساں ہے۔ کیونکہ کثرت جماع سے تو صرف مادہ منویہ کا نقصان ہوتا ہے لیکن قلت جماع سے جنسی اعضاء جن سے جنسی جذبہ پیدا ہوتا ہے اور شباب قائم رہتا ہے تباہ ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔ ان کی خرابی کے علاوہ بوقت جماع جو لذت اور خوشی پیدا ہوتی ہے اس سے ایک خاص قسم کی بجلی وقوت اور حرارت پیدا ہوتی ہے جو محافظ شباب اور طویل عمری کا باعث ہے۔

اسلام اور کثرت ازواج

اس قیام شباب اور طویل عمری کے لئے ہی اسلام میں کثرت ازواج کا مسئلہ رائج ہے۔ اور اس کا حکم ہے کہ اگر ضرورت ہو تو ایک شخص بیک وقت چار بیویاں اور ان کے علاوہ لاتعداد کنیزیں رکھ سکتا ہے۔ حضور انور حضرت نبی کریم رسول اللہ ﷺ کے فرمان کے بموجب جو شخص نکاح نہیں کرتا وہ آپ ﷺ کی اُمت میں سے نہیں ہے۔ جو لوگ اسلام کی اس نعمت کو اچھا خیال نہیں کرتے وہ جماع اور شباب کی حقیقت سے واقف نہیں ہیں۔

یورپ کے حکماء کثرت ازواج کے مسئلہ کو تسلیم کر چکے ہیں

سوال پیدا ہوتا ہے کہ جماع کی ضرورت ہو تو ایک عورت سے بھی پوری کی جا سکتی ہے پھر کثرت ازواج کو کیوں اہمیت دی جائے؟ یہ اعتراض انہی عوام کی طرف سے ہے جو اعضائے انسانی کے افعال وجنسی قوت کا پیدا ہونا اور شباب کی حقیقت سے واقف نہیں ہیں۔ جاننا چاہئے کہ جماع میں جہاں حرکت جماع لذت و مسرت اور انبساط کے ساتھ بجلی وجنسی قوت اور شباب میں زیادتی کرتی ہے وہاں پر عورت کا حسن و شباب اور اس کی حرارت غریزی بھی ان کیفیات و جذبات اور ارواح میں زیادتی کا باعث ہوتا ہے یہ حقیقت ہے ہر عورت کا حسن و شباب اور حرارت غریزی زیادہ سے زیادہ تیس سال تک قائم رہتی ہے اور اگر کوئی عورت بہت ہی کوشش کرے چالیس سال تک مگر ایسی عورت ایک ہزار میں شاید ایک ہوتی ہے جس کو اپنے حسن و شباب اور حرارت غریزی کے قیام کے متعلق پوری طرح علم ہو۔ اس لئے تیس سال کے بعد ہی ان کا حسن و شباب اور حرارت غریزی رخصت ہونا شروع ہو جاتی ہے۔ اس لئے مرد کو ان اُمور کی طلب کے لئے ہمیشہ ایک حسن و شباب سے بھرپور حور صفت بیوی کی ضرورت ہے تا کہ اس کا مادہ منویہ زیادہ سے زیادہ بنے اور پوری طرح پر اخراج پائے۔ جس سے اس کی جنسی قوت و شباب قائم رہتا ہے اور اس کی عمر میں طوالت پیدا ہوتی ہے۔

قیام شباب اور طوالت کے متعلق یورپ میں بھی سائنسدانوں اور حکما نے تجربات کئے ہیں۔ انہوں نے تجربہ کے طور پر دو ایسے شخصوں کو منتخب کیا ہے کہ ان میں سے ایک کی محض ایک بیوی تھی۔ اور ایک شوقین مزاج ہر سال کے بعد ایک نوخیز عورت سے شادی کر لیا کرتا تھا۔ اوّل الذکر پر آخر الذکر کی نسبت بہت جلد بڑھاپا چھا گیا اس تجربہ پر کوئی حیرت نہیں ہونا چاہیے کیونکہ اس کی دو وجوہات تو وہ ہیں جو ہم بیان کر چکے ہیں: (۱) حرکت جماع سے جنسی قوت بھڑکتی ہے، دوسرے اس حرکت جماع سے جنسی اعضاء کی ورزش سے ان کے افعال جاری رہتے ہیں جن سے ان میں قوت پیدا ہوتی رہتی ہے اور تیسرے یہ حقیقت بھی ذہن نشین کر لیں کہ نوجوان عورت میں بہ نسبت

عمر رسیدہ مرد کے حرارت غریزیہ زیادہ ہوتی ہے اور یہی حرارت مقناطیسی ذریعہ سے جب کہ دو جسم آپس میں متصل ہوں ایک سے دوسرے میں بطور کشش منتقل ہوتی رہتی ہے، اس طرح وہ شخص ہر سال اپنے جسم میں ایک نئی حرارت اور قوت حاصل کرتا رہتا ہے۔

آیورویدک کی کتب میں بھی خوبصورت اور نوخیز عورتوں کو قیام شباب اور اعادہ شباب اور طویل عمری کے لئے لازم قرار دیا گیا ہے۔ بلکہ ان کے اصولوں کے مطابق جب تک انتہائی دِل لبھانے والی حسین اور رس بھری عورت کو سامنے نہ رکھا جائے اس وقت تک کایا کلپ ناممکن ہے۔ کیونکہ حسن و شباب کی کشش بھی جنسی قوت کو بیدار کرتی ہے۔

کایا کلپ بغیر حسن و شباب ممکن نہیں ہے

آیورویدک کتب میں لکھا ہے کہ جیتندر یہ شخص کو چاہیے کہ ہمیشہ واجی کرن (قوت باہ بڑھانے والی) ادویات کا استعمال کرتا رہے کیونکہ دھرم (مذہب) ارتھ (مقصد) پریتی (محبت) اور یش (نیک نامی)، یہ چاروں انہی واجی کرن ادویات کی بدولت حاصل ہوتے ہیں۔ سبب یہ ہے کہ بیٹا واجی کرن کی بدولت اور مندرجہ بالا چاروں نعمتیں بیٹے کی بدولت میسر آتی ہیں۔ اس لئے روئیں روئیں میں خوشی پیدا کرنے والی عورت واجی کرن کا سب سے اچھا کھیت ہے۔ روپ (حسن) اس شباب وغیرہ اندریوں کے پانچوں ایک عورت میں پائے جاتے ہیں تو اسے پریتی کی کان کہنا بیجا نہ ہوگا۔ عورت کے سو یہ پانچوں وشے جو عورت میں یک جا پائے جاتے ہیں وہ پرتی کے بڑھانے والے ہیں پریتی سنتان (اولاد)، دھرم، ارتھ، لکشمی (دولت)، لوک (موجودات) بھی خصوصیت سے عورتوں ہی میں رونق افروز ہے۔

سب سے اچھی محرک جنسی قوت

نہایت خوبصورت، نوجوان، مبارک، اطاعت گزار اور تعلیم یافتہ عورت سب سے اچھی واجی کرن (محرک جنسی قوت) ہے۔ کئی قسم کے دنیوی اور دیوی بھوگوں (گزشتہ جنموں کے کرموں سے تعلق رکھنے والے) کی بدولت جیسے جیسے اشخاص سے پالا پڑتا ہے، انہی کے مطابق عورتوں کی خوبصورتی وغیرہ صفات ترقی کرتی رہتی ہیں۔ ہمہ صفت موصوف جو عورت اپنے ڈے (عمر)، خوبصورتی، گفتگو اور ناز و ادا سے دِیوؤش (گزشتہ جنم کے کرم)، کرم وش (اس جنم کے کرم) جس شخص کے دِل نشین ہو جاتی ہے۔ جو عورت جس شخص کے دِل کا سرور ہے۔ جو عورت جس شخص کے دِل کو چھین لیتی ہے۔ جس عورت کا ستّو (جوش) جس مرد کے ستّو کی مانند ہوتا ہے جو عورت جس شخص کی اطاعت گزار ہے جو عورت جس شخص کو اپنے طبعی اوصاف سے خوش نظر آئے۔ جو عورت اپنے اعلیٰ صفات کی بدولت جس شخص کی سب اندریوں کو اس طرح بس میں کر لے گویا جال میں باندھ لیا ہے جس عورت کے فراق کی وجہ سے جو شخص تکلیف پائے اور دنیا کو عورتوں سے خالی سمجھنے لگے۔ جس عورت کے فراق میں جو شخص اپنے تئیں زندگی سے خالی تصور کر کے اپنے کو ہلاک کرنے پر آمادہ ہو جائے جس عورت کے صرف دیدار سے ہی جس شخص کا رنج۔ بے سدھی دکھ اور خوف دور ہو جائے۔ جس عورت سے مل کر جو شخص اپنے دِلی رازوں کو افشا کر دے۔ جسے دیکھ کر نہایت خوشی ہو۔ جس عورت کے پاس بار بار جا کر بھی دِل کو سیری حاصل نہ ہو اس کے لئے وہی عورت اچھی واجی کرن (محرک جنسی قوت ہے) گویا قیام شباب و اعادہ شباب اور طویل عمری میں عورت کا سب سے زیادہ دخل ہے۔

ان حقائق سے ثابت ہوا کہ حسن و شباب سے بھرپور عورت سے مواصلت پیار اور مل بیٹھنا قیام شباب و اعادہ شباب اور طویل عمری کے لئے ضروری ہیں۔ تاریخ بھی اس کی تائید کرتی ہے۔ جنت میں آدم علیہ السلام کی اداسی کو اماں حوا سے دور کیا گیا۔ جنت میں حور و قصور اور شرابا طہورہ کے وعدے۔ کرشن جی کے ساتھ گوپیوں کا جھرمٹ ضرور اپنے اندر کچھ نہ کچھ حقیقت رکھتے ہیں۔ جبلی طور پر بھی انسان

تمدن پسند اور فطری طور پر مقابل جنس کی طرف کشش پائی جاتی ہے اور اس کشش میں تذکیر اور تانیث کا اثر پایا جاتا ہے یا فطرۃً دنیا میں اپنی مثل پیدا کرنے کا جذبہ پنہاں ہے بہر حال ایک غیر شعوری کشش اور قدرتی جذبہ ہے جو مرد کو عورت کی طرف کھینچ کرلے جاتا ہے۔ لیکن مذہبی و قانونی اور معاشرتی بندشیں ہمیں مجبور کرتی ہیں کہ جائز عورت سے مستفید ہونا چاہیے یعنی جو حلال کر دی گئی ہے یا جس کا اعلان کر دیا گیا ہے یا قانوناً جائز قرار دی گئی ہے تاکہ معاشرہ میں فساد برپا نہ ہونے پائے۔

اعتدال مجامعت

زندگی میں عورت کی اہمیت قیام شباب و اعادہ شباب اور طول عمری کے لئے ایک مسلمہ حقیقت ہے۔ لیکن اس کے باوجود اس کا مقصد یہ نہیں ہے کہ انسان ہر وقت عورتوں میں گزارے اور کثرت جماع میں مشغول رہے۔ ایسا ہرگز نہیں ہونا چاہئے۔ بلکہ اس میں اعتدال قائم رکھنا چاہیے۔ عورت صرف مرد کی ایک ضرورت ہے یا زندگی کا ساتھی۔ جس سے اس کی تسکین و مسرت اور ضرورت پوری ہوتی ہے۔ جیسے گائے کا دودھ انسان کو بھوک میں تسکین، اس کی لذت سے مسرت اور جسم کے لئے غذائی ضرورت کو پورا کرتا ہے، مگر انسان بغیر غذائی ضرورت کے نہ ہر وقت اس سے تسکین و لذت حاصل کرتا ہے اور نہ مسرت و سرور کرتا رہتا ہے۔ اگر وہ ہر گھڑی دودھ پیتا رہے تو بجائے اس سے فوائد و قوت اور خون پیدا کرنے کے بیمار ہو جائے اور جس جسم کے لئے وہ غذا اور قوت کا باعث ہو اس جسم کے لئے مصیبت بن جاتا ہے۔ گویا اس کو اعتدال قائم رکھنا ضروری ہے۔

اعتدال مجامعت کے لئے کوئی معیار مقرر نہیں کیا۔ بعض نے مزاج کے مطابق اور بعض نے قوت کے مطابق اور بعض نے عمر کے مطابق اندازے اور تجربے مقرر کئے ہیں۔ کوئی روزانہ کی تلقین کرتا ہے کوئی ہفتہ میں ایک بار کی اجازت دیتا ہے اور کوئی ایک ماہ بلکہ زیادہ عرصہ دیر کرنے کی تاکید کرتا ہے مگر یہ سارے اندازے غلط ہیں اس کا صحیح اعتدال اور اندازہ بالکل بھوک کے اصولوں پر ہے جس طرح شدید بھوک پر غذا کا کھانا لازم ہے۔ اسی طرح شدید جنسی بھوک پر ہی اس کا عمل مقرر کرنا چاہیے۔ لیکن بعض لوگ بھوک کا بھی اندازہ نہیں کر سکتے اور لذت و لطف اور مسرت کے لئے کھانا شروع کر لیتے ہیں بعینہٖ یہی صورت جنسی بھوک میں بھی پیار و محبت اور عیش کے لئے مجامعت سے لطف اندوز ہونا شروع کر دیتے ہیں۔

عام طور پر کہا جاتا ہے کہ عیش کی خاطر پیار و محبت عورت سے شروع کر دیا جاتا ہے اور جب انتشار ہو جاتا ہے تو مواصلت کر لی جاتی ہے۔ گویا اوّل جنسی بھوک پیدا کی جاتی ہے اور پھر اس کی تسکین کی جاتی ہے۔ لیکن یہ طریقہ غلط ہے۔ اس انداز اور اعتدال کے لئے اصول یہ ہونا چاہیے کہ مرد اپنے ذہن میں بھی کبھی مجامعت کا خیال نہ لائے اور ہمیشہ الگ تنہا اپنے بستر پر سوئے اور جب اس کو رات یا دِن کو شدت انتشار خود بخود پیدا ہو تو پھر اس کی تسکین کی کوشش کرے یا خیال لائے۔ اگر اس رات یا دِن بے وقت ہونے سے موقعہ نہ ملے تو دوسرے روز اس کا انتظار کرلے۔ اسی اصول اور اندازے پر اس کو روز انتشار ہو یا ہفتہ میں ایک بار یا ایک ماہ اور زیادہ مدت میں ہو تو اس کو اس اندازہ اور اعتدال سے کرنا چاہیے۔ لیکن اس امر کو ہمیشہ ذہن نشین کر لیا جائے کہ اگر ایک ماہ یا زیادہ عرصہ کے بعد بھی انتشار نہ ہو یا اس میں شدت نہ ہو تو سمجھ لیا جائے کہ قوت رجولیت کمزور ہے اور اس کا علاج کرنا نہایت ضروری ہے کیونکہ انسانی قوت اور صحت کا دارومدار اور اندازہ اس امر پر ہوتا ہے کہ اس کی قوت رجولیت کس اندازہ کی ہے۔ بیشک مجامعت میں جس قدر عرصہ چاہے دیر کر دے مگر قوت رجولیت اور انتشار کا جلد جلد ہونا صحت کے صحیح ہونے اور قیام شباب کی دلیل ہے۔ مجامعت میں یہی اصول عورت کے لئے بھی

مفید ہیں۔

غذا کی اہمیت

غذا کے لئے صرف اس ایک ہی سنہری اصول کو مدنظر رکھیں کہ بغیر شدید بھوک کے غذا کے پاس نہ جائیں اور جب غذا کھائیں تو بھی نصف کے قریب بھوک باقی ہو تو غذا چھوڑ دیں۔ گویا بھوک ہمیشہ لگی رہے اور وہ ختم نہ ہو۔ کیونکہ جس قدر شدید بھوک ہوگی اسی قدر شدید قوت باہ وانتشار اور قوت رجولیت زیادہ ہوگی۔ سالہا سال کے تجربہ سے ظاہر ہے کہ جو ادویات مشتہی ہیں وہی مبہی بھی ہوتی ہیں۔ گویا پیٹ کی بھوک اور جنسی بھوک کا تعلق لازم ملزوم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ غرباء میں بھی جنسی قوت ان کی بھوک کی طرح زیادہ ہوتی ہے اور یہی راز ہے جس سے ان کی اولاد زیادہ ہوتی ہے۔ امراء جو مرغ و تیتر بٹیر، مرغن پلاؤ، قورمے اور تنجن حلوے وسوہن حلوے اور حریرے کیک و پیسٹریاں اور دیگر مٹھائیاں کھاتے ہیں، ان کی بھوک اکثر ختم ہو جاتی ہے، جس سے ان کی جنسی بھوک بھی کم ہو جاتی ہے، وہ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے معجونوں، یاقوتیوں اور سونا چاندی کے کشتہ جات اور شراب کا سہارا لیتے ہیں۔ پھر بھی وہ ایک غریب انسان سے جس کی غذا خشک روٹی اور کچا پیاز ہوتی ہے مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اس لئے ان کی اولاد ہوتی ہے تو اوائل جوانی میں ہو جاتی ہے، ادھیڑ عمر میں اکثر نہیں ہوتی۔ اور اکثر امراء اور رؤساء کو دائمی نزلہ رہتا ہے جو قبل از وقت بڑھاپے کی سب سے بڑی علامت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے اعضائے رئیسہ دل دماغ اور جگر جلد جواب دے دیتے ہیں اور ادھیڑ عمر ہی میں ذیابیطس و فالج اور ہارٹ فیلور (غرب القلب) کے شکار ہو جاتے ہیں۔ اس قیام شباب اور طویل عمری کے لئے لازم ہے شدید بھوک کے بعد نصف غذا کھائے مگر ضرورت کے مطابق اور ضروری خوراک کھانا لازمی ہے۔ علاج میں غذا دوا کے مطابق ہونا ضروری ہے۔

ادویات کا استعمال

آیورویدک اور طب یونانی میں قیام شباب و اعادہ شباب کے متعلق بہت سی ادویات اور بے شمار مجربات تحریر ہیں۔ مگر فرنگی طب میں اس مقصد میں سوائے خلاصہ غدد اور جوہر خصیتین کے کوئی دوا نہیں ہے اور حقیقت یہ ہے کہ خلاصہ غدد اور جوہر خصیتین میں ایسی کوئی خوبی نہیں ہے کہ قیام شباب و اعادہ شباب اور طویل عمری کے لئے ان کو استعمال کیا جائے۔ البتہ ان سے عارضی طور پر جسم انسان میں جوش ضرور پیدا ہوتا ہے، مگر وہ بہت جلد نہ صرف ختم ہو جاتا ہے بلکہ اس کا ردِّ عمل بے حد خوفناک ہوتا ہے جس سے صحت اور قوت پہلے سے بھی خراب ہو جاتی ہے۔ کیونکہ اس کا اثر کیمیاوی ہوتا ہے مشینی نہیں ہوتا۔ اطباء نے بھی حیوانی اعضاء کو انسانی اعضاء کی تقویت کے لئے استعمال کیا ہے، لیکن تجربہ بتاتا ہے کہ ان کا اثر صرف تھوڑے عرصہ تک رہتا ہے۔ اور اگر غدد اور خصیتین کی خرابی سے صحت اور قوت میں نقص ہو تو اور بھی ان پر برا اثر پڑتا ہے، البتہ حیوانی اعضاء کا استعمال دیگر مقوی ادویات کے ہمراہ کیا جائے تو کوئی شک نہیں ہے کہ ان سے بے حد فوائد حاصل کئے جا سکتے ہیں۔

ادویات کا استعمال بالمفرد اعضاء

ادویات استعمال کرنے سے قبل اس امر کا ضرور تعین کر لیں کہ اعضائے رئیسہ میں سے کس عضو میں نقص ہے تاکہ نہ صرف علاج کامیاب رہے بلکہ نقصان کا خطرہ باقی نہ رہے۔ مثلاً دل کے فعل میں تیزی ہے اور دواء بھی دل کے فعل میں تیزی پیدا کرنے والی ہے یا پٹھوں میں سوزش ہے اور دواء بھی مقوی اعصاب ہے تو لامحالہ نقصان ہوگا، یہی صورت جگر کی بھی ہے ہم نے ہر عضو کی علیحدہ علیحدہ علامات

بیان کر دی ہیں اور آئندہ بھی لکھ دیں گے۔

بڑھاپے کی حقیقت پھر ذہن نشین کر لیں

گزشتہ صفحات میں تفصیل کے ساتھ بڑھاپے کی حقیقت پر ہی علمی و عملی اور تجرباتی اور مشاہداتی روشنی ڈالتے رہے ہیں۔ لیکن اس خیال سے کہ شاید سمجھنے میں کوئی کسر رہ گئی ہو تو چند الفاظ میں بڑھاپے کو اس طرح سمجھ لیں کہ جو رطوبت اور حرارت خلیات ذرّات حیوانی میں پائی جاتی ہے ان میں خرابی واقع ہو جاتی ہے۔ جس کو اطباء اور حکماء انسانی غذا کا چوتھا ہضم کہتے ہیں اور ہم اس کو رطوبت غریزی اور حرارت عزیزی کہتے ہیں: (۱) ان میں کمی بیشی واقع ہو جاتی ہے۔ (۲) ان میں خرابی واقع ہو جاتی ہے یعنی وہ اپنی صحت مند حالت اور صحیح مزاج پر قائم نہ رہیں۔ (۳) ان میں تعفن اور فساد پیدا ہو جائے۔ بس ان تینوں صورتوں سے خوفناک امراض اور بڑھاپا شروع ہو جاتا ہے۔

بڑھاپا اور ضعف جنسی قوت کے اقسام

اگرچہ گزشتہ صفحات میں بڑھاپا اور ضعف جنسی قوت کے اقسام پر بھی تفصیلاً روشنی ڈال چکے ہیں لیکن خلاصۂ پھر ذہن نشین کراتے ہیں کہ علاج میں سہولتیں رہیں۔ یعنی بڑھاپا اور جنسی قوت کی کمزوری تین قسم کی ہوتی ہے: (۱) عصبی خلیات میں خرابی۔ (۲) عضلات خلیات میں ضعف اور (۳) غدی خلیات میں کمی حرارت۔ یہ تینوں خلیات ہی ہر قسم کے اعضاء رئیسہ بناتے ہیں۔ دماغ و دِل اور جگر جو ان کے مرکز بھی ہیں۔ یہ تینوں لازم ملزوم بھی ہیں اور ان کا ایک دوسرے پر اثر بھی پڑتا ہے۔ جن کی تفصیل ہم اپنی کتاب ''تحقیقات نزلہ زکام'' میں لکھ چکے ہیں۔ اس لئے علاج میں اوّل اسی خاص عضو کو مدنظر رکھیں تا کہ نہ صرف اس عضو کے خلیات درست ہو سکیں بلکہ اس کا اثر باقی اعضائے رئیسہ پر بھی فطرت کے مطابق صحیح ردّعمل ہوگا۔ علاج میں ایسی کوشش نہ کریں کہ ایسی ادویات کو شامل کرنے کی کوشش کریں کہ ان میں سے چند دِل کے لئے مفید ہوں، چند دماغ اور چند جگر کے لئے مقوی خیال کر لی جائیں۔ اس طرح کرنے سے بجائے فائدہ کے نقصان ہوگا۔

جاننا چاہیے کہ قدرتاً جسم اس طرح بنا ہوا ہوتا ہے کہ اس کے مفرد اعضاء بیک وقت بیمار نہیں ہوتے اور دوسرے طبیعت مدبرہ بدن ان کی حفاظت کرتی ہے۔ اوّل ایک بیمار ہوتا ہے اور پھر دوسرا اور آخر میں تیسرے کی باری آتی ہے۔ اور یہ تینوں ہی فعلی خلیات سے تیار ہوتے ہیں، ان کی موت ہی صحیح موت ہو سکتی ہے۔ اس لئے جس عضو میں خرابی یا سکون ہو اس کو ہی رفع کریں۔ رفتہ رفتہ باقی اعضاء اور تمام جسم اصلاح پذیر ہو جائے گا۔

یہ نظریات اور اصول ہمارے ذاتی بیس سالہ تحقیقات ہیں۔ ہمارا دعویٰ ہے اس سے قبل دنیا طب اور سائنس میں یہ تحقیقات نہیں کی گئیں۔ جو شخص یہ ثابت کر دے کہ نظریہ مفرد اعضاء اور اس کے تحت قیام شباب اور اعادہ شباب اور طویل عمری پر تحقیقات ہو چکی ہیں، تو ہم چیلنج کرتے ہیں اور ثابت کرنے والے کو مبلغ پانچ ہزار روپیہ انعام دیں گے۔

ادویات کا تعین

آیورویدک اور طب یونانی میں جو ادویات بیان کی گئی ہیں، وہ بالمفرد اعضاء کے تحت بیان نہیں کی گئیں اور نہ ہی ان میں یہ تخصیص کی گئی ہے کہ وہ فلاں خرابی یا مرض جو بڑھاپا پیدا ہوا اس کو مدنظر رکھ کر فلاں نسخہ استعمال کرائیں۔ اس لئے ان کو بغیر تخصیص اور صحیح استعمال کے ان سے فائدے کی اُمید رکھنا اچھا نہیں ہے ہم یہ کوشش کریں گے کہ اوّل منفرد ادویات جو خصوصیت کے ساتھ قیام شباب و

اعادہ شباب اور طویل عمری کے لئے مفید ہیں یا یقینی بخطا ہیں تحریر کریں گے اس کے بعد مجربات اور مرکبات تحریر کریں گے تاکہ اہل فن اور صاحب علم پورے طور پر مستفید ہوسکیں۔ البتہ وہ دوست بہت زیادہ استفادہ حاصل کرسکیں گے جو پہلے ہی نظریہ مفرد اعضاء سے واقف ہیں۔حقیقت ہے کہ آنے والے دور میں وہی معالج کامیاب ہوسکے گا جو نظریہ مفرد اعضاء سے واقف ہو۔ یہ ایٹم کا دور ہے ہر چیز کا تجزیہ ہوتا ہے۔ہم نے نہ صرف اعضاء کا تجزیہ کیا ہے بلکہ اس کو ایٹم کی حد تک پہنچا دیا ہے اس سے زیادہ تجزیہ ناممکن ہے کیونکہ ایٹم کے بعد ذرّات کے برقیے بن جاتے ہیں۔ اس لئے ہمارا یہ دعویٰ بھی ہے کہ ہمارا یہ نظریہ دنیا علاج کا آخری نظریہ ہوگا۔ اس لئے اس کو جلد از جلد سمجھ لینا خاص طور پر معالجین کے لئے بے حد ضروری ہے۔

مخصوص ادویات

قیام شباب اور اعادہ شباب اور طویل عمری کے لئے جو یہ سمجھا جاتا ہے کہ اس مقصد کے لئے مخصوص قسم کی ادویات ہوتی ہیں اور ان ادویات میں سیاہی اور فولادی اجزاء زیادہ ہونے چاہئیں یا وہ ادویات کشتہ جات ہوں۔ یا ان میں زہریلی ادویات کا ہونا ضروری ہے۔ ایسے خیالات رکھنا حقیقت کے منافی ہے۔ کیونکہ بڑھاپا کسی ایک عضو کی خرابی سے پیدا نہیں ہوتا جیسا کہ گزشتہ صفحات میں پیش کیا گیا ہے کہ بڑھاپا صحت کی خرابی کا باعث ہے اور صحت کی خرابی کسی عضو رئیس سے مخصوص نہیں ہے ہر عضو کی خرابی سے صحت کی خرابی کے بعد بڑھاپا آ جاتا ہے۔ اس لئے ہر عضو کی صحت اور تقویت کے لئے کوئی ایک دوا مخصوص نہیں ہوسکتی ہے۔ بلکہ جس طرح دیگر امراض اور مختلف اعضاء کی خرابی کے لئے الگ الگ ادویات ہونی چاہیں وہی طریق کار قیام شباب و اعادہ شباب اور طویل عمری میں بھی مفید ہے۔ یہی صورت غذا میں بھی مدنظر رکھیں کوئی خاص قسم کی غذا مقرر نہیں کی جاسکتی۔ غذا ایک ضرورت جسم ہے جو ضرورت جسم کے مطابق ہونی چاہیے البتہ مقصد یہ ضرور ہونا چاہیے کہ اس غذا سے ہم خون کے کن اجزاء کی ضرورت پوری کر سکتے ہیں۔

قیام شباب اور طویل عمری کا جہاں تک تعلق ہے اور ایسی صورت میں کہ صورت شباب قائم ہے تو صحت کی حفاظت کے لئے روزانہ استعمال کی ادویات ہی مفید ہوسکتی ہیں۔ اس صورت میں تیز زہریلی ادویات اور کشتہ جات کے قریب بھی نہ جانا چاہیے۔ خاص طور پر جرم کش ادویات کیونکہ ان سے خلیات جسم بھی جلد جلد فنا ہونے لگتے ہیں۔ البتہ جب اعادہ شباب کی ضرورت ہو یا حالت ایسی ہے کہ بڑھاپا یا قبل از وقت بڑھاپا آ گیا ہے اس مقصد کے لئے ضرور تیز جوش افزا قسم کی ادویات، کشتہ جات اور زہریلی ادویات بھی مفید ہوسکتی ہیں۔ بشرطیکہ اس مقصد کے لئے اور مفید دواء سامنے نہیں ہے جس مقصد کے لئے وہ دوا استعمال کی جارہی ہے یہ بھی ذہن نشین رکھیں کہ بڑھاپا اور قبل از وقت بڑھاپا ایسی صورت ہے کہ اعضا اپنے مقام سے زیادہ ہی دور ہو گئے ہیں۔ اور جسم کی رطوبت غریزی اور حرارت غریزی میں بہت زیادہ تکدر و کمی اور خرابی و نقصان واقع ہو چکا ہے اور اگر اس کے ساتھ خوفناک امراض بھی ہیں تو یقیناً فساد خون کی صورت بھی پیدا ہو چکی ہے گویا مزاج انسانی تیسرے چوتھے درجہ تک خراب ہو چکا ہے۔ اس لئے تیسرے چوتھے درجے کی ادویات ہی مفید ہوسکتی ہیں۔

البتہ اس امر کو بھی ذہن نشین کرلیں کہ جو ادویات اعادہ شباب کے لئے مفید ہوسکتی ہیں۔ اس قسم یا مزاج کی ہلکی ادویات یا وہی ادویات قلیل مقدار میں قیام شباب طویل عمری اور حفظ صحت کے لئے یقیناً مفید ہوسکتی ہیں۔ ایسی ادویات یقیناً اکسیر و رسائن اور مثل آب حیات و امرت ہیں۔ یقیناً مفید اور بڑھاپے کے لئے تریاق کا کام کرتی ہیں۔ لیکن اگر ایسی ادویات سے تیزی اور جوش بہت بڑھ جائے تو

روزانہ کی بجائے ہفت روزہ یا ماہانہ استعمال کی عادت اچھی نہیں ہے، کیونکہ کوئی بھی عادت اچھی نہیں ہے، لیکن صحت و شباب کی حفاظت کیا بری بات ہے، جبکہ ایک مفید دوا جو جسم اور طبیعت کے بالکل مناسب ہے اور اس سے روز بروز تقویت جسم کی حاصل ہو ادویات کا استعمال اس قدر ضروری ہے کہ ہمارے بزرگوں نے ہماری اغذیہ میں مرچ مصالحے شامل کر کے ثابت کر دیا ہے کہ ادویات کا روزانہ استعمال فطری شے ہے اس سے جسم کا زہر ختم ہوتا رہتا ہے جہاں تک عادت کا تعلق ہے تو اچھی عادت کو کیسے برا کہا جا سکتا ہے۔

اعادہ شباب کے لئے مفید ادویات

اعادہ شباب کے لئے جو ادویات استعمال کی جاتی ہیں وہ چند خصوصیات کی حامل ہوتی ہیں۔ ان کی خصوصیات کو ضرور مدنظر رکھنا چاہیے۔ ایسی ادویات کی تین صورتیں نہایت ضروری ہیں: (۱) دائمی اثر (۲) جاذب (۳) برقی اثر۔ دائمی اثر سے مراد یہ ہے کہ استعمال کے بعد ان کا اثر فوراً ختم نہ ہو جائے یعنی جسم میں کافی مدت تک اس کا اثر جاری رہے۔ جو لوگ غذا دواء اور زہروں کے فرق کو سمجھتے ہیں وہ دائمی اثر کا صحیح اندازہ لگا سکتے ہیں۔ جاذب کا مقصد یہ ہے کہ دواء استعمال کرنے کے بعد فوراً جسم میں خود جذب ہو اور خون کو اپنی طرف جذب کرے اور جزو بدن بنانے کی کوشش کرے۔ برقی اثر کی صورت یہ ہے کہ وہ اپنے اثر سے جسم میں برقی رو پیدا اور جاری کر دے۔ نیز اپنے اثر میں برق رفتار ہو۔ تاکہ خلیات میں دور تک پہنچ سکے۔ اگر کسی دوا میں ایک یا دو خوبیاں ہوں اور باقی خوبیاں نہ ہوں تو اس میں پیدا کرنی چاہئیں پھر وہ دوا مفید ہو سکتی ہے۔

ان اوصاف کی ادویات میں زیادہ تر ایسی ادویات ہوتی ہیں جن میں دھاتیں زہر اور تیز ترشے اور تیز کھاریں جو اپنے اندر غیر معمولی حرارت رکھتی ہیں۔ دھاتوں کا اثر دائمی ہے مگر وہ جاذب نہیں ہوتیں، اس لئے ان کو کشتہ جات اور دیگر صورتوں سے بنایا جاتا ہے۔ زہر جاذب نہیں ہوتے ہیں۔ لیکن بغیر تیز ترشہ اور کھار کے ان میں برق رفتار نہیں ہوتی۔ ترشے اور کھاریں برق اثری تو پیدا کرتی ہیں، لیکن ان کا اثر دائمی نہیں ہوتا۔ اس لئے جب اکسیرات و رسائن اور تریاقات وغیرہ ترتیب دیئے جاتے ہیں تو ان میں ان حقائق کو مدنظر رکھنا پڑتا ہے۔

اعادہ شباب کے لئے دھاتیں

اعادہ شباب کے لئے دھاتوں کی قوت سب سے زیادہ تسلیم کی گئی ہے اور ان کے اثرات بھی دائمی ہوتے ہیں۔ ان میں سونا، چاندی، تانبا اور فولاد خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ باقی دھاتیں بھی مفید ہو سکتی ہیں۔ مگر ان کو اکسیرات اور رسائن میں تبدیل کرنے کے لئے بے حد محنت کرنی پڑتی ہے۔ البتہ پارہ بھی دھاتوں میں شریک ہے اور اعادہ شباب کے لئے بے حد اہم جزو ہے۔ چونکہ دھاتیں اپنی اصلی حالت میں جسم میں جذب نہیں ہو سکتیں اس لئے ان کے کشتہ جات اور محلول تیار کئے جاتے ہیں۔ اور پارہ بغیر کشتہ کے بھی استعمال کیا جا سکتا ہے۔

اعادہ شباب کے لئے جمادات

سم الفار، شنگرف، ہڑتال اور گندھک ابرک خاص طور پر مفید ہیں۔

اعادہ شباب کے لئے جواہرات

موتی، صدف، الماس، کوڑی اور گھونگا خاص طور پر مفید ہیں۔ اسی طرح جمادات کی مستی یعنی بعض پتھر ایسے ہیں جن میں سے ان کا جوہر مترشح ہوتا ہے، مثلاً سلاجیت اور مومیائی وغیرہ اپنے اندر غیر معمولی قوتیں رکھتی ہیں۔

اعادہ شباب کے لئے نباتات

زعفران، ہلیلہ، بلیلہ، آملہ، بھلانوہ، پالک، میتھی، چقندر، برہمی، باؤبڑنگ پیاز، تھوم، مال کنگنی، منڈی بوٹی، گل سرخ، سیاہ مرچ، زنجبیل، نیم کی چھال، ہلدی، ستاور، لونگ، دارچینی، جائفل، پان، لیموں، بھنگرہ، کالی زیری، گھیکوار، پپلا مول، بیخ اونٹ کٹارہ، میوہ جات، کشمش، بادام، نارجیل، اخروٹ، پستہ۔

پھلوں میں سیب، انگور، کھجور اور آم وغیرہ استعمال کیے جاسکتے ہیں۔

اعادہ شباب کے لئے حیواناتی اجزاء

دودھ، گھی، دہی، گوشت خاص طور پر مرغ، تیتر بیٹر، چڑا، حیوانات کے انڈے، مشک عنبر اور مچھلی وغیرہ ضرورت کے مطابق مفید ہوتے ہیں۔

ادویات کا استعمال بالاعضاء

یہ ادویات اس وقت صحیح معنوں میں مفید ہوسکتی ہیں جب ان کو بالاعضاء استعمال کیا جائے۔ اگر ادویات بالاعضاء استعمال نہ کی گئیں تو اوّل ان کے صحیح اثرات ظاہر نہ ہوں گے اور نہ ہی مقصد حاصل ہوگا۔ اور ساتھ ہی ساتھ اغذیہ بھی انہی کے مطابق ہونی چاہئیں۔ اس لئے ہم ذیل میں انہیں ادویات بالاعضاء کے تحت لکھتے ہیں، تاکہ استعمال میں سہولت اور فوائد میں اکسیر ثابت ہوں۔

اعادہ شباب کے لئے مفردات بالاعضاء

اس عنوان کے تحت ہم مشہور اور اکسیر صفت ادویات کو بالاعضاء کے تحت تحریر کرنے کے ساتھ ساتھ ان کے متعلق خاص خاص اشارات بھی کر دیں گے تاکہ اہل فن اور ضرورت مند ان سے پورے طور پر مستفید ہوسکیں، باقی ادویات کی مکمل تحقیقات خواص ادویات میں دیکھیں، ایسے مضامین ماہنامہ ''رجسٹریشن فرنٹ'' میں ہر ماہ شائع ہوتے رہتے ہیں۔

اعادہ شباب کے لئے غدی عضلاتی ادویات

۱: سونا: یہ انتہائی قیمتی دھات ہے اور تمام دھاتوں میں افضل واعلیٰ ہے، اس کا رنگ زرد سرخی مائل ہوتا ہے، اس لئے افعال واثرات میں یہ غدی عضلاتی ہے۔ یعنی محرک جگر ہے، جس سے حرارت غریزی جسم میں اکٹھی ہونا شروع ہو جاتی ہے اور اس کا اخراج رُک جاتا ہے، اس کا یہ اثر جسم کے تمام غدد پر اثر انداز ہوتا ہے۔ عضلاتی ہونے کی صورت میں یہ قابض اور مولد حرارت غریزی ہے۔ ان خواص کی اور ادویات بھی ہیں لیکن دھاتوں کے فوائد یقینی اور دیرپا ہوتے ہیں اور سونے کو ان سب پر فوقیت ہے کیونکہ اس میں ایک ایسی خوبی ہے جو کسی اور دھات میں نہیں ہے۔ یعنی اس کو زنگ نہیں لگتا۔

قیام شباب اور اعادہ شباب اور طویل عمری میں اس کو ایک خاص مقام حاصل ہے۔ حرارت غریزی کی پیدائش اور حفاظت کے

علاوہ جسم میں بے انتہا قوت و توانائی پیدا کرتا ہے۔ اور جسم کو خوبصورت بنا کر حسن و شباب قائم کرتا ہے۔ اس کا استعمال زیادہ تر کشتہ کی صورت میں کیا جاتا ہے۔ لیکن محلول ماالذہب کی صورت میں اور اس کے ورق طلا کو کھرل میں ادویات کے ساتھ سفوف کر کے بھی استعمال کیا جاسکتا ہے۔ اس قبیل کی دیگر ادویات میں گندھک، ہڑتال، زعفران، کچلہ، زرد کوڑی، ہلدی، میتھی، پالک، عنبر، جائیفل، مال کنگنی، باؤبڑنگ، پان خولنجاں، زنجبیل، سیاہ مرچ، رائی، پپلا مول، بیخ اونٹ کٹار، اخروٹ، انگور اور آم وغیرہ ہیں۔

اعادہ شباب کے لئے عضلاتی غدی ادویات

سیماب: پارہ، قیمتی دوا تو نہیں ہے لیکن اعادہ شباب اور علم کیمیا میں اس کو وہ مقام حاصل ہے کہ جو سونے کو بھی نہیں ہے۔ سونا انتہائی اور دائمی طاقت دینے والی دھات ضرور ہے مگر جسم سے زہروں کو ختم کرنے والی دوا پارہ سے بڑھ کر نہیں ہوسکتی۔ یہ بغیر کشتہ کے بھی اکسیر ہے۔ اور جسم کو کندن بنا دیتا ہے۔ یہ جو کہا جاتا ہے کہ پارہ خام چاندی ہے، لیکن چاندی سے زیادہ یہ سونے کے قریب ہے۔ یہ اپنے اندر سونے کا رنگ رکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے آیورویدک میں اس کے بغیر کوئی رسائن مکمل نہیں ہوسکتی۔ سونا اگر غدی عضلاتی ہے تو یہ عضلاتی غدی ہے۔ یعنی اس میں پیدائش حرارت کی خوبی سونے سے بہت زیادہ ہے۔ اور ساتھ ہی ساتھ حرارت کو ضائع نہیں ہونے دیتا۔ یہ اپنے اندر آفاقی اثرات رکھتا ہے۔ بے اندازہ قوت پیدا کرنے کے ساتھ ساتھ خوفناک زہریلے امراض مثلاً جذام، برص، آتشک، سکتہ، صرع اور استسقاء وغیرہ کے لئے بے خطا دواء ہے۔ بصارت و سماعت اور دیگر حواس کو ترقی دیتا ہے۔ اس طرح عقل اور حافظہ اور دیگر حواس باطنیہ میں تیزی پیدا کرتا ہے۔ انتہا درجہ کی ہاضم اور ملین ہے۔ گندھک اور ایسی ادویات جن میں گندھک کے اجزاء پائے جاتے ہیں ملا کر استعمال کرنے میں کبھی نقصان نہیں دیتا، بلکہ اس کی طاقت اور زیادہ بڑھ جاتی ہے۔

اس قبیل کی ادویات میں شنگرف، دارچینی، لونگ، سم الفار، نیلا تھوتھا، پیاز، کالی زیری، کشمش پستہ، کھجور اور ہر قسم کے گوشت خاص طور پر پرندوں کے گوشت اور انڈے شامل ہیں۔ نیز سرخ مرچ ستاور اور ستاور بھی اس میں شامل ہیں۔

اعادہ شباب کے لئے عضلاتی اعصابی ادویات

بلادر: جو بھلانوہ کے نام سے مشہور ہے۔ جس سے دھوبی کپڑوں کو نمبر لگاتے ہیں، اپنے اندر غیر معمولی سیاہی رکھنے کی وجہ سے اعادہ شباب اور قیام شباب میں بہت شہرت رکھتا ہے۔ اس کے علاوہ قوت کے لئے بھی اس کو اکسیر الاثر تسلیم کیا گیا ہے۔ اپنے خواص اور اثرات میں یہ عضلاتی اور اعصابی ہے۔ یعنی محرک عضلاتی ہونے کی وجہ سے مؤلد حرارت غریزی ہے اور قابض ہے دِل کے فعل تیز کرتا ہے۔ اعصابی ہونے کی وجہ سے مقوی اعصاب ہے اس لئے فالج ولقوہ اور خنازیر برص جیسے موذی امراض میں تریاق کا کام کرتا ہے۔

اس قبیل کی دیگر ادویات میں فولاد، بابچی، ترپھلا، سیاہ ہلیلہ، الماس، سلاجیت، مومیائی، بھنگرہ، نارجیل، لیموں، دہی وغیرہ وغیرہ۔ بلادر، ترپھلا، بابچی کو بیرونی طور پر بھی خضاب کے طور پر استعمال کرتے ہیں، اگر ان کا روغن تیار کر لیا جائے تو نہ صرف بالوں پر پختہ رنگ کر دیتا ہے بلکہ رفتہ رفتہ خون اور اعضاء میں ایسی قوت پیدا کرتا ہے کہ بال ہمیشہ کے لئے سیاہ ہی پیدا ہوتے ہیں۔ لیکن تیل تیار کرنا اور اس کا مسلسل استعمال ایک محنت طلب امر ہے۔ لیکن اگر اس کے معمولی تیل بھی تیار کر لئے جائیں جو آسانی سے بن جاتے ہیں جو بالوں میں سیاہی قائم رکھنے کے لئے بے حد مفید ہیں۔ مثلاً بلادر یا ترپھلا وغیرہ ادویات کو پانی میں جوش دے کر اس پانی کو روغن ناریل میں جلا لیا جائے تو روزانہ استعمال کے لئے مفید تیل بن جاتا ہے۔ گویا ایسی ادویات میں قدرتاً فولاد ہوتا ہے۔

اعادہ شباب کے لئے اعصابی عضلاتی ادویات

جواہرات: جواہرات میں قدرتی طور پر حرارت یا تیز کھاری پن ہوتا ہے۔ ان میں سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ جواہرات جسم میں رطوبت غریزی پیدا کرنے کے ساتھ ساتھ اس کو فوراً حرارت غریزی میں تبدیل کرتے رہتے ہیں۔ افعال وخواص اور اثرات میں یہ اعصابی عضلاتی ہیں۔ اعصابی صورت میں مولد رطوبت غریزی اور مقوی اعصاب ہیں۔ عضلاتی اثرات کی وجہ سے کیمیاوی طور پر اس کو حرارت میں تبدیل کرتے رہتے ہیں۔ اس قبیل کی ادویات میں بے موتی، صدف، گھونگھے، کوڑیاں، مرجان، عقیق، مچھلی، مومیائی، گل سرخ، کستوری، کافور، ایسی ادویات میں فراری کیفیات ہوتی ہیں جن کو انگریزی میں فاسفورس کہتے ہیں۔

اعادہ شباب کے لئے اعصابی غدی ادویات

چاندی: سونا کے بعد دوسری قیمتی دھات چاندی ہے، یہ بھی سونے کی طرح مضبوط اور نرم ہوتی ہے۔ دماغ اور اعصاب کو طاقت دینے میں اس کو بے حد اہمیت ہے۔ افعال وخواص اور اثرات میں اعصابی غدی ہے۔ اعصابی اثرات کے لئے یہ اعصاب اور دماغ میں تیزی پیدا کرتی ہے، گویا محلل غدد ہے۔ اس کو کشتہ کی صورت میں استعمال کرتے ہیں لیکن اس کا محلول اور اس کے اوراق کا سفوف بھی تیار کر لیتے ہیں۔ اپنے ان اثرات میں اس کو مفرح بھی کہتے ہیں۔ اکثر مفرح ادویات اپنے اندر یہی افعال واثرات رکھتی ہیں۔ اس قبیل کی دیگر ادویات میں قلعی، سکہ، جست، سرمہ، زہرمہرہ، الائچی، خورد وکلاں، طباشیر، موصلی، سہاگہ اور شورہ وغیرہ۔

اعادہ شباب کے لئے غدی اعصابی ادویات

گھی: گھی اور دیگر روغنی اشیاء جسم میں رطوبت پیدا کرنے اور اعضاء کو تر رکھنے میں بے حد اہمیت حاصل ہے، ان ہی سے جسم کی خشکی ختم ہوتی ہے، اور سوزش سم کو رفع کرنے میں ان سے بڑھ کر کوئی دوا نہیں ہوسکتی۔ یہ روغنی اجزاء بھی تین قسم کے ہیں: (۱) جماداتی (۲) نباتاتی اور (۳) حیوانی۔

تینوں ضرورت کے مطابق مفید ہیں، لیکن حیوانی روغن اپنے اندر غیر معمولی طاقت رکھتا ہے۔ دوسرے درجہ پر ایسے روغن مفید ہیں جن میں گندھک کی مقدار زیادہ پائی جاتی ہے۔ جیسے روغن زیتون وغیرہ۔ اس قبیل کی دیگر ادویات میں بادام، تخم خربوزہ، تخم تربوز، تخم خیارین، تخم نیم، السی، گھیکوار، ملٹھی، تل وغیرہ اور جن روغنیات میں تیزابیت زیادہ ہے جیسے رائی وغیرہ۔ ایسے روغن افعال وخواص اور اثرات کے لحاظ سے غدی عضلاتی بن جاتے ہیں۔

تخم اپنے اندر قوت نشو ونما رکھتے ہیں

اس امر کو ذہن نشین کرلیں کہ ہر قسم کے تخم خواہ نباتی ہوں یا حیوانی اپنے اندر قوت نشو ونما رکھتے ہیں۔ وہ جسم میں نہ صرف قوت پیدا کرتے ہیں بلکہ اس کی پیدائش کو ایک مدت تک جاری رکھتے ہیں۔ گویا بجلی کے کیسے (سیل) ہیں جن میں بجلی دبا دبا کر بھر دی گئی ہے جو اس میں سے نکلتی رہتی ہے اور جسم میں قوت پیدا کرتی رہتی ہے۔

روزانہ کا تجربہ ہے کہ ہر بیج درخت بنتا ہے اور ہر انڈا میں بچہ بن کر پورا جوان پرندہ بنتا ہے، کیونکہ تخم انڈے میں اس قدر قوت ہے کہ وہ اپنے کمال کو پہنچے۔ یہی قوت جسم انسان میں منتقل ہو جاتی ہے جو قیام شباب واعادہ شباب اور طویل عمری کے لئے اپنے اندر بے

حد اہمیت اور اسرار و رموز رکھتی ہے۔

جسم میں کل تین طاقتیں اور چھ صورتیں

جسم کی تین طاقتیں تو رطوبت و حرارت اور ارواح (انرجی و ہیٹ اور فورس) ہیں جن کا تعلق اعصاب جن کا مرکز دماغ ہے۔ عضلات جن کا مرکز دِل ہے غدد جن کا مرکز جگر ہے جہاں سے یہ ہر گھڑی پیدا ہوتی رہتی ہیں جن کا ذکر گزشتہ صفحات میں کیا جا چکا ہے۔ ان تین اعضاء اور تین قوتوں سے کل چھ صورتیں پیدا ہوتی ہیں۔ ہر عضو سے دو قوتیں عمل میں آتی ہیں۔ کیونکہ دنیا میں کوئی قوت تنہا نہیں ہے۔ اس کے ساتھ دوسری قوت کا ضرور تعلق ہے۔ مثلاً رطوبت جہاں بھی کہیں پائی جاتی ہے وہ یا گرم ہوگی یا سرد ہوگی۔ اسی طرح حرارت کبھی تری کے ساتھ ہوگی اور کبھی خشکی میں پائی جائے گی۔ اسی طرح یہی صورت ہوا کی بھی ہے، کبھی گرم ہوتی ہے اور کبھی سرد ہوتی ہے۔ جسم انسان میں بھی ان کی یہی صورتیں قائم ہیں۔

جب جسم میں رطوبت یا حرارت یا ہوا پیدا ہوتی ہے تو وہ پہلے محفوظ ہوتی ہے، تاکہ خرچ کرنے کے لیے جمع رکھی جائے۔ لیکن جب ان میں کمی بیشی پیدا ہوتی ہے تو صحت خراب ہو جاتی ہے۔ ان کی پیدائش اور جمع کے تحت ہی ان کی چھ صورتیں بن جاتی ہیں۔ یعنی جب عضلات حرارت پیدا کرتے ہیں تو خون کے اندر خشکی بڑھنا شروع ہو جاتی ہے اور جب غدد حرارت کو اکٹھا کرنا شروع کرتے ہیں تو خون میں رطوبات بڑھنے لگتی ہیں۔ اور جب اعصاب رطوبات کو پیدا کرنے لگتے ہیں تو خون میں حرارت کم ہونے لگتی ہے۔ گویا پہلا فعل مشینی ہوتا ہے اور دوسرا کیمیاوی اور یہ سلسلہ جاری رہتا ہے۔ ہم ان کو کیفیات پر بھی تعبیر کر سکتے ہیں۔ مثلاً (۱) خشکی گرمی عضلاتی غدی صورت ہے۔ (۲) گرمی خشکی غدی عضلاتی صورت ہے۔ (۳) گرمی تری غدی اعصابی صورت ہے۔ (۴) تری گرمی اعصابی غدی صورت ہے۔ (۵) تری سردی اعصابی عضلاتی صورت ہے۔ (۶) خشکی سردی عضلاتی اعصابی صورت ہے۔

اطباء اور حکماء قدیم نے ہر مرض اور ہر دوا کی جو دو صورتیں بیان کی ہیں ان کا مقصد انہی دو قوتوں یا دو کیفیات کی طرف اشارہ ہے۔ علاج میں اعضاء یا مزاج جس کو چاہیں مدنظر رکھیں۔

سفید بال کی حقیقت

اس حقیقت کو ہمیشہ مدنظر رکھیں کہ بالوں کے سفید ہونے کے لئے تو خاص عمر مقرر نہیں ہے۔ وہ ہر عمر میں سفید ہو سکتے ہیں۔ ایسا بھی دیکھا گیا ہے کہ بعض مزاجوں میں بچپن ہی سے بال سفید ہو جاتے ہیں اس کے برعکس بعض مزاجوں کے ساٹھ سالوں میں جا کر بال سفید ہوتے ہیں۔ ایسا بھی ہوتا ہے بعض مزاجوں میں چالیس سال کے بعد آہستہ آہستہ بال سفید ہونے شروع ہوتے ہیں اور بعض طبع میں چند ماہ میں بال سفید ہو جاتے ہیں۔ تاریخ میں ایسے لوگوں کا بھی ذکر ہے جن کے بال غم سے ایک رات میں سفید ہو گئے تھے۔

یہی تو کہا جاتا ہے کہ جن لوگوں کے اعصاب ذکی الحس یا کمزور ہوتے ہیں ان کے بال جلد سفید ہو جاتے ہیں۔ لیکن ہماری تحقیقات میں بال ان کے سفید ہوتے ہیں جو نزلہ زکام کے دائمی مریض ہوتے ہیں یا جن کے جسم میں حرارت کی کمی یا پیدائش کم ہوتی ہے۔ ان کے بال بہت جلد سفید ہو جاتے ہیں۔ نزلہ زکام کی حقیقت معلوم کرنے کے لئے ہماری کتاب ''تحقیقات نزلہ زکام اور اس کا یقینی بے خطا علاج'' کا مطالعہ کریں۔ جن لوگوں کے جسم میں صفراء کی زیادتی ہوتی ہے ان کے بالوں کو ستر برس تک بھی سیاہ دیکھا ہے۔ ان امور سے ثابت ہوا کہ بالوں کا تعلق اعصاب کی نسبت زیادہ تر غدد سے ہے جو جگر کی تیزی کے ساتھ خود بھی تیز رہتے ہیں۔ اس

طرح بال ایک بڑی عمر تک سفید نہیں ہوتے۔ گویا بالوں کے لئے فولاد کی سرخی کا ہونا ضروری ہے ان حقائق کو مدنظر رکھتے ہوئے اس حقیقت کو ذہن نشین کر لیں کہ نزلہ زکام کی کثرت سے رطوبت غریزی میں کمی بیشی اور خرابی وفساد پیدا ہو جاتا ہے جس سے حرارت غریزی کی پیدائش بگڑ کر کم ہو جاتی ہے۔ اس لئے سفید بالوں کا بہترین علاج یہ ہے کہ نزلہ زکام کا علاج کیا جائے اور حرارت غریزی پیدا کرنے کی کوشش سے قبل از وقت سفید بال پھر سیاہ ہو سکتے ہیں سفید بالوں کو جوانی میں خضاب لگانا کچھ بھلا معلوم نہیں ہوتا۔ جوانی میں صرف خوردنی ادویات کے استعمال سے بال یقیناً سیاہ ہو سکتے ہیں۔

اعادہ شباب کے لئے مجربات

اعادہ شباب کے لئے جو مفردات لکھے گئے ہیں وہ مجربات بھی ہیں ان میں سے ہر دواء اگر ضرورت کے مطابق اپنے صحیح مقام پر استعمال کی جائے تو یقیناً جوانی لوٹ آئے گی۔ شباب قائم رہے گا، اور صحت بالکل درست رہے گی۔ لیکن اگر اصولاً دو تین یا زیادہ ادویات ملا دی جائیں تو فوائد میں تیزی اور اثر میں دائمی صورت قائم ہو جاتی ہے۔ اس لئے ذیل میں اپنے مجربات درج کئے جاتے ہیں ہم نے آیورویدک اور یونانی مرکبات لکھنے کی کوشش نہیں کی ہے۔ اگرچہ ان میں بھی اکثر مجربات اپنے افعال واثرات کے لحاظ سے بے نظیر ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ (۱) ان میں بعض اجزاء میسر نہیں آتے۔ (۲) بعض ترکیبیں ایسی شکل میں ہیں کہ زہریلے سانپ سے دوستی کرنے کے مترادف ہے۔ (۳) بعض ادویات کی تیاری پر دس دس سال خرچ ہو جاتے ہیں۔ (۴) بعض نسخہ کی ادویات ضرورت سے زیادہ ہیں۔ (۵) بعض غیر ضروری ہیں۔ (۶) بعض ادویات ایک دوسرے کے مخالف۔ (۷) بعض ادویات کسی خاص موسم میں حاصل ہونے والی ہیں۔ غرض انہی باتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنے مختصر اور فوری تیار ہونے والے نسخے لکھے جاتے ہیں۔

لڈو قیام شباب

نسخہ: مغز اخروٹ ایک سیر، پستہ ایک پاؤ۔

ترکیب: پہلے مغز اخروٹ اور پستہ کو ملا کر باریک کر لیں، پھر کشمش ڈال کر اس قدر ملائیں کہ یک جان ہو جائیں، پھر ان کے لڈو بنالیں۔

خوراک: عام لڈوؤں کے برابر ہونی چاہیے۔ صبح ناشتہ میں ایک سے تین تک کھائیں۔ اگر رات کو بھی چاہیں تو کھا سکتے ہیں۔

برفی شباب آور

نسخہ: بلادر ایک چھٹانک، نارجیل ڈیڑھ سیر۔

ترکیب: اوّل نارجیل کو باریک کدوکش میں باریک کر لیں (نارجیل کے لئے خاص کدوکش ہوتے ہیں) پھر نارجیل اور بلادر ملا کر خوب کوٹیں کہ یک جان ہو جائیں۔ تین سیر چینی کا گاڑھا قوام تیار کر کے نیچے اتار کر ملا لیں۔ اور کسی کھلے برتن میں پھیلا دیں پھر برفی جیسی ٹکڑیاں کاٹ لیں۔ ہر غذا کے درمیان ایک سے لے کر تین ٹکڑی کھا سکتے ہیں۔ یہ دوا زیادہ تر ان لوگوں کے لئے ہے جن کے بال سفید ہو گئے ہوں۔

اطریفل شباب آور

نسخہ: بلادر ایک چھٹانک ہلیلہ، بلیلہ اور آملہ ہر ایک آٹھ چھٹانک چینی تین سیر۔

ترکیب: بطریق اطریفل تیار کرلیں۔

خوراک: 6 ماشہ سے دو تولہ تک دِن میں دو تین بار استعمال کیا جا سکتا ہے۔ اس میں یہ خوبی ہے کہ مقوی کے ساتھ ملین بھی ہے۔ دائمی نزلہ کا بھی یقینی علاج ہے۔

معجون شباب آور

نسخہ: کچلہ ایک تولہ، بابچی آٹھ تولے، حرمل سولہ تولے، ہلیلہ سیاہ سوختہ پانچ چھٹانک، شہد آدھ سیر، چینی آدھ سیر۔

ترکیب: معروف طریق پر معجون تیار کرلیں۔

خوراک: ایک ماشہ سے تین ماشہ تک۔

حب شباب آور

نسخہ: نیلا تھوتھا چھ ماشے، سم الفار ایک ماشہ، شنگرف آٹھ تولے، کشتہ فولاد (کسی طریق پر تیار کیا گیا ہو فیرم کارب بھی مفید ہے)۔

ترکیب: ایک درجن لیموں کے رس میں کھرل کرلیں۔ جب گولی بنانے کے قابل ہو جائے تو بقدر نخود گولیاں تیار کرلیں۔ اگر گولیاں اچھی طرح نہ بنیں تو اور لیموں کا رس ڈال کر کھرل کریں۔ گولیاں تیار ہو جائیں گی۔

خوراک: ایک گولی سے تین گولی تک۔

سفوف شباب آور

نسخہ: پارہ ایک تولہ، گندھک ایک تولہ ورق طلا (۳ ماشہ)۔

ترکیب: اوّل پارہ گندھک کی کجلی تیار کرلیں۔ پھر ایک ایک ورق ڈال کر کھرل کرلیں۔ جب تمام پانی خشک ہو جائے تو بس تیار ہے۔

خوراک: ایک رتی سے چار رتی تک پان میں ڈال کر کھا لیا کریں یا شہد میں ڈال کر چاٹ لیا کریں۔

اکسیر شباب آور

نسخہ: کشتہ سونا ۳ ماشہ، عنبر ۳ ماشہ، لونگ ۲ تولہ، جاوتری ۲ تولہ، خولنجان ۴ تولہ، مربہ زنجبیل دو چھٹانک۔

ترکیب: پہلے مربہ زنجبیل کو کوٹ پیس کر مثل حلوہ بنالیں۔ پھر اس میں تمام ادویات کو باریک پیس کر اس میں شامل کردیں۔ آخر میں کشتہ سونا اور عنبر شامل کردیں۔

خوراک: ایک رتی سے چار رتی تک دیں۔

تریاق شباب آور

نسخہ: کشتہ چاندی ایک تولہ، کستوری اصلی ۳ ماشہ، زعفران اصلی ایک تولہ، شہد خالص ایک چھٹانک۔

ترکیب: اوّل زعفران کو باریک کر کے شہد میں ملالیں، پھر اس میں کستوری اور کشتہ چاندی ملالیں۔

خوراک: چار رتی سے ایک ماشہ تک ہمراہ حریرہ بادام صبح و شام استعمال کریں۔ اس میں سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ رطوبت غریزی پیدا کرتا ہے۔

اکسیر اعادہ شباب

نسخہ: کشتہ الماس ایک ماشہ، کشتہ مرجان ایک تولہ، کشتہ عقیق ایک تولہ۔

ترکیب: کشتہ جات کو آپس میں ملا لیں۔

مقدار خوراک: ۲۰ چاول سے ایک رتی تک ہمراہ خمیرہ مروارید دن میں تین چار بار استعمال کریں۔

تجویز علاج

جب اعادہ شباب یا ضعف باہ یا بالوں کی سفیدی کا علاج کرنا مقصود ہو تو اوّل اس امر کا فیصلہ کریں کہ کونسا عضو خراب ہے اور چھ صورتوں میں سے کونسی صورت پیدا ہے۔ پھر اس عضو کی مناسبت سے کوئی ملین یا ہلکا مسہل دیں۔ اس کے بعد ضرورت کے مطابق مفرد یا مرکب نسخہ جات میں سے لے کر استعمال کریں اور غذا بھی اسی عضو کے مطابق استعمال کرائیں۔ انشاء اللہ بہت جلد بڑھاپا اور قبل از وقت بڑھاپا واپس جوانی میں لوٹنے لگے گا اور علاج کو اس وقت تک جاری رکھیں جب تک حسن و شباب کی رونق جسم سے پورے طور پر ظاہر نہ ہو۔ حسن وصحت اور شباب کا یقینی علاج ہے اور غور وفکر کرنے والوں کے لئے اس تحقیقات میں بے شمار اسرار ورموز پیش کر دیئے گئے ہیں۔

۱۴

تحقیقات کیا بڑھاپا قابل علاج ہے

فہرست عنوانات

مُقدّمۃ

مرض کی عمومی تعریف

شیخ الرئیس نے لکھا ہے کہ مرض بدن کی اس حالت کا نام ہے جب اعضائے بدن اور مجاری (راستے) اپنے افعال صحیح طور پر انجام نہ دیں۔ تمام جسم کے اعضاء مجاری یا کوئی ایک صحیح حالت پر نہ ہو۔ بہر حال اس حالت کو مرض کا نام دیا جاتا ہے۔ کسی علامت کو مرض کا درجہ دینا صحیح نہیں ہے۔

ماہیت مرض

یہ ایک ایسا علم ہے جس میں ہر مرض کی ماہیت اور ہیئت اس طرح ذہن نشین ہو جاتی ہے کہ مرض کی ابتداء، اس کی شکل وصورت، جسم کے اندر اس کی تبدیلیاں (مشینی اعمال)، خون کے تغیرات (کیمیاوی افعال)، خراب مادوں کی پیدائش (جن میں جراثیم اور تعفن بھی شریک ہیں) اور ان کے انجام کا پورا نقشہ سامنے آ جاتا ہے۔ اس علم کو انگریزی میں پیتھالوجی کہتے ہیں۔

مشینی افعال

جسم کے مشینی افعال سے مراد نظام ہائے جسم و مرکب اعضاء اور مفرد اعضاء (انسجہ) کے افعال پر غور کرنا تا کہ ان کے افعال میں جو کمی بیشی اور ضعف پیدا ہوتا ہے وہ حالتیں مدنظر رہیں۔

کیمیاوی اثرات

جسم میں کیمیاوی اثرات کے لیے اخلاط و کیفیات کے ساتھ خون کی مخصوص حرارت' خون کے مادی اور ہوائی اجزاء اور خون کی رطوبت کی کمی بیشی ان کا گرنا و جذب ہونا اور تغیرات کا جاننا ضروری ہے تا کہ مشینی افعال کے ساتھ کیمیاوی اثرات کے توازن کا اندازہ کیا جا سکے۔ اس سے ماہیت مرض کا صحیح اندازہ ہو سکتا ہے۔

حقیقت مرض

جسم میں مرض اور علامات کے فرق کو معلوم کرنا۔ مرض و کیفیات اور اخلاط اور اعضا کا باہمی تعلق جاننا یا مرض کا تعلق مفرد اعضاء (انسجہ۔ بافتیں) کے ساتھ قائم کرنا جیسا کہ ہم نے اپنی تحقیق میں ثابت کیا ہے کہ جب اخلاط مجسم ہو جاتے ہیں تو مفرد اعضاء بن جاتے ہیں۔

کیفیات

مفرد کیفیات چار ہیں۔ گرمی' سردی' خشکی' تری ہر کیفیت کبھی تنہا نہیں ہوتی۔ ہمیشہ مرکب ہوا کرتی ہے: ❶ گرمی خشکی جو آگ کا مزاج ہے۔ ❷ گرمی تری جو ہوا کا مزاج ہے۔ ❸ سردی تری جو پانی کا مزاج ہے۔ ❹ سردی خشکی جو مٹی کا مزاج ہے۔ اس لیے مرکب کیفیات آٹھ شمار ہوتی ہیں۔

اخلاط

اخلاط چار ہیں: ① خون جس کا مزاج گرم تر ہے۔ ② صفرا جس کا مزاج گرم خشک ہے۔ ③ بلغم جس کا مزاج سرد تر ہے۔ ④ سودا جس کا مزاج سرد خشک ہے۔

اعضائے رئیسہ

① دل جس کا مزاج گرم تر ہے۔ ② دماغ جس کا مزاج سرد تر ہے۔ ③ جگر جس کا مزاج گرم خشک ہے۔ ④ طحال اعضائے رئیسہ میں نہیں ہے۔ اعضائے شریفہ میں ہے اس کا مزاج سرد خشک تسلیم کیا گیا ہے۔ یہ تمام اپنے مفرد اعضاء کے ذریعہ سے آپس میں مرکب ہو کر ترتیب پائے ہوئے ہیں۔ جن کا ذکر آئندہ بیان کیا جائے گا۔

مفرد اعضاء

فرنگی طب چار اخلاط کو نہیں مانتی۔ لیکن چار ٹشوز (انسجہ) کو ضروری تسلیم کرتی ہے اور یہ بھی تسلیم کرتی ہے کہ تمام جسم انہی چار قسم کے ٹشوز سے بنا ہوا ہے اور یہ بھی تسلیم کرتی ہے کہ یہی چار ٹشوز (انسجہ) انسانی جسم کے بنیادی اعضاء ہیں اور یہ بھی تسلیم کرتی ہے کہ ہر ایک دوسرے سے مختلف ہے اور یہ اختلاف پیدائش و شکل اور عمل میں پایا جاتا ہے۔ یہ ٹشوز درج ذیل ہیں:

① نروز ٹشوز۔ انسجہ اعصابی۔ ② مسکولر ٹشوز۔ انسجہ عضلاتی۔ ③ اپیتھل ٹشوز۔ انسجہ غدی و غشائے مخاطی۔ ④ کنکٹو ٹشوز۔ انسجہ اطاتی۔ یہ ٹشوز (انسجہ) سیلز (خلیات) کے مجموعے ہیں۔ ہر سیل (خلیہ) ایک زندہ حیوانی ذرہ ہے۔ اس میں تولد و تنمیہ اور تغذیہ و تصفیہ کی قوتیں پائی جاتی ہیں۔

طب بھی انہی ٹشوز (انسجہ) کو مفرد اعضاء تسلیم کرتی ہے اور وہ بھی ان کو ① اعصابی ② عضلاتی ③ کبدی (غدی) کہتی ہے اور اعضائے رئیسہ دل و دماغ اور جگر بنتے ہیں۔ ان کا دوسرا نام حیاتی اعضاء ہے۔ جن کے عمل سے زندگی قائم ہے۔ ④ ہڈی وکری وغیرہ ایسے اعضاء جن سے جسم کی بنیادیں بنتی ہیں، ان کو بنیادی اعضاء کہتے ہیں اور طب یہ بھی تسلیم کرتی ہے کہ جب اخلاط بدن میں مجسم ہوتے ہیں تو پہلے یہی مفرد اعضاء ٹشوز (انسجہ) بنتے ہیں۔

ان حقائق سے ثابت ہوا کہ یہی چار اخلاط چار قسم کے مفرد اعضاء بناتے ہیں۔ گویا یہ چار قسم کے ٹشوز چار اخلاط سے بنتے ہیں۔ ان دلائل سے ثابت ہوا کہ اخلاط چار ہیں اور فرنگی طب جو اخلاط کو تسلیم نہیں کرتی۔ اس کی تحقیق غلط ہے۔ گویا ٹشوز (انسجہ) یا مفرد اعضاء مجسم اخلاط ہیں۔ انہی مفرد اعضاء پر ہم نے تجدید طب اور احیائے فن کی بنیاد رکھی ہے۔ اسی قانون سے ہم نے فرنگی طب کو غلط ثابت کیا ہے۔

حکیم انقلاب صابر ملتانی

(ماخوذ از ماہنامہ رجسٹریشن فروری ۱۹۷۰ء)

تحقیق و تدقیق اور ریسرچ صرف یورپ و امریکہ اور روس کا ہی حق نہیں ہے

کیا بڑھاپا قابلِ علاج ہے؟

حکیم انقلاب دوست محمد صابر ملتانیؒ

''بڑھاپے کے خلاف جنگ'' کے عنوان کے تحت روزنامہ امروز نے اخبار کے پس منظر میں لکھا ہے کہ گزشتہ دنوں چسیپٹ نام (نیوبرنسوک) میں ایک نوعمر لڑکی مس نارما گیلنٹ ''بڑھاپے'' کے باعث انتقال کر گئی ہے۔ اس کی عمر دس برس تھی اور ابھی گڑیوں سے کھیلتی تھی۔ مگر دیکھنے میں نوے سال کی بڑھیا دکھائی دیتی تھی۔ ڈاکٹروں کا کہنا ہے کہ متوفیہ پروگیریا کے مرض میں مبتلا تھی۔ جس کے باعث مریض کے اعضاء قبل از وقت مضمحل ہو جاتے ہیں اور بڑھاپا طاری ہو جاتا ہے۔ کینیڈا اور امریکہ کے ماہروں نے مریضہ کا معائنہ کیا اور اس کی بیماری کے اسباب اور علاج معلوم کرنے کی بہت کوشش کی مگر کامیاب نہ ہو سکے۔ فارما کا ایک بھائی ''وکی'' بھی اسی مرض کے باعث گیارہ برس کی عمر میں انتقال کر گیا تھا۔

بڑھاپا کیوں آتا ہے؟

بڑھاپے کی حقیقت پر روشنی ڈالتے ہوئے موقر روزنامہ لکھتا ہے کہ بڑھاپے کا تعلق عموماً عمر سے قائم کیا جاتا ہے لیکن طبی سائنس بڑھاپے میں عمر کے تعلق کو چنداں اہمیت نہیں دیتی اس کے نزدیک دس پندرہ برس کی عمر میں بھی بڑھاپا شروع ہو سکتا ہے اور اس کے آثار نمایاں ہو سکتے ہیں مثلاً بال سفید ہو جائیں' کھال خشک ہو کر سکڑ جائے' جھریاں ابھر آئیں' نسیں لچک سے محروم ہو جائیں۔ پھر یہ بھی ممکن ہے کہ جب یہ دس یا پندرہ سالہ بوڑھا پچیس برس کو پہنچے تو ناتوانی کے باعث اس سے چلا تک نہ جا سکے۔ یہ محض مفروضہ نہیں ہر سال اس نوع کے دو تین نوعمر بوڑھے ڈاکٹروں کے معائنے میں آ ہی جاتے ہیں۔ بہرطور اگر ایسا ہوتا بھی ہے تو اسے عام قانون فطرت کے خلاف ہی کہنا چاہیے۔ کیلیفورنیا یونیورسٹی کے پروفیسر ڈاکٹر رائے والفورڈ کا کہنا ہے جب ایک انسان کے جسم میں کسی دوسرے انسان کے خلیے جراحت کے ذریعے پیوند کر دیئے جائیں تو جسم میں مخالفانہ ردعمل شروع ہو جاتا ہے۔ بالکل اسی طرح جب انسان کہولت کی منزل میں پہنچتا ہے تو جسم کے بیس خلیے اپنی ہیئت یکسر بدل جانے کے باعث اجنبی بن جاتے ہیں اور جسم انہیں خارج کرنے کے لیے جہد آزما ہوتا ہے جیسے جیسے مسخ شدہ خلیوں کی تعداد بڑھتی ہے جسم کا ''احساس ناگواری'' بڑھتا جاتا ہے۔ یہ داخلی جنگ اور کش مکش ہی ایک فرد کو بتدریج بوڑھا کر دیتی ہے۔ ڈاکٹر والفورڈ کا خیال ہے کہ اگر ناگواری پیدا کرنے والے محرکات ختم ہو جائیں تو بڑھاپا رک سکتا ہے۔ جب ہم بارہ برس کی عمر کو پہنچتے ہیں تو ہمارے جسم میں نمو کی طاقت اور عام قوت انحطاط پذیر ہو جاتی ہے۔ یہ انحطاط ساری عمر جاری رہتا ہے۔ انحطاط کا یہی عمل بڑھاپے اور موت سے تعبیر ہوتا ہے۔

سائنس دانوں کی توجہ یہ معلوم کرنے پر مرکوز ہے کہ طاقت کا یہ ضیاع کیوں ہوتا ہے اور آیا ہم اس عمل کو روک سکتے ہیں۔ انسان کے جسم میں دو قسم کے خلیے ہیں۔ ایک وہ جن میں شکست و تعمیر کا عمل جاری رہتا ہے مثلاً جگر اور جلد کے خلیے اور ایک وہ جو اس عمل سے آشنا نہیں۔ ان میں دماغ کے خلیے شامل ہیں۔ البتہ جب تک انسان زندہ رہتا ہے۔ موخر الذکر خلیے بھی زندہ رہتے ہیں۔ بڑھاپے کا ایک امکانی سبب ان خلیوں کا ضیاع ہے جو دوبارہ بن نہیں سکتے۔ دوسرا سبب یہ ہے کہ جو خلیے شکست ہو کر پھر بحال ہو جاتے ہیں۔ ان میں شکست و ریخت اور تعمیر نو کا عمل بتدریج سست پڑ جاتا ہے۔ تیسرا امکان یہ ہے کہ بڑھاپا خلیوں کی شکست و تعمیر کے عمل میں بتدریج کمزوری سے نہیں بلکہ جسم کے مردہ اجزاء کے سخت ہو جانے کے

باعث آتا ہے۔

انسان کو ہمیشہ کے لیے تندرست اور جوان رکھنے کے لیے دو خطوط پر کام ہو رہا ہے۔ اوّل انسانی جسم کے خلیوں کو تابکاری اثرات سے محفوظ رکھنے کی کوشش کی جارہی ہے کیونکہ ان اثرات سے شکست و ریخت کا عمل تیز ہو جاتا ہے۔ دوسرے یہ کہ ایسی خوراک استعمال کی جائے جس میں وہ سب کچھ ہو جو زندگی کی بقا کے لیے لازمی ہے لیکن اس میں جسم کو بڑھانے والے حرارے کم ہوں۔ جب انسان طبعی عمر کو پہنچے تو خوراک میں حراروں کا اضافہ کر دیا جاتا ہے۔ بہر طور ابھی یہ مفروضے تجربات کی حدود میں ہیں۔ قطعیت کے ساتھ کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ بڑھاپے کے تدارک کے باب میں ہونے والی کوشش کب بارآور ہوگی۔

بڑھاپا اور اس کے اسباب

اس عنوان کے تحت جناب حکیم محمد اقبال حسین صاحب ایم اے کراچی نے مسٹر سینفورڈ بینٹ کا ایک اقتباس پیش کیا ہے جو درج ذیل ہے۔

بڑھاپا دراصل ایک بیماری ہے جس میں عمر کے ساتھ ساتھ ہماری شریانوں اور وریدوں کی ساخت میں فضلات تہ نشین ہو جاتے ہیں اور ان کی وجہ سے ہماری خون کی نالیوں کی قدرتی لچک ختم ہو جاتی ہے اور ان میں سختی آ جاتی ہے چنانچہ بوڑھوں کا طبی امتحان کیا جاتا ہے تو بڑی حد تک ان کی تمام جسمانی گراوٹ کا سبب شریانوں کا سخت اور موٹا پڑ جانا نکلتا ہے۔ خون کی نالیوں میں اس تہہ نشین مادے کی مثال ہم ایسے بوائلر کی نالیوں سے دے سکتے ہیں جن میں چونے کی تہ جم جاتی ہے' خاص طور پر اس وقت جبکہ اس میں ایسا پانی استعمال کیا جائے جس میں چونا بہت زیادہ شامل ہو۔ ایسے بوائلر کی نالیاں اس تہہ نشین چونے کی کھپروں سے بہت جلد تنگ پڑ جاتی ہیں اور ان میں رکاوٹ پیدا ہونے لگتی ہے چنانچہ جب تک ان نالیوں میں سے چونے کے جمے ہوئے کھپرے نہ چھٹائے جائیں ان کی کارکردگی بحال نہیں ہوتی بالکل اسی مثال پر اپنی خون کی نالیوں کی حالت کو قیاس کر لیجیے اس کو طبی اصطلاح میں ''تصلب شرائین'' یعنی شریانوں کا سخت و بے لچک ہونا کہتے ہیں۔

''شریانوں کے سخت و بے لچک ہو جانے کی یہ شکایت کبرسنی اور بڑھاپے کے ساتھ آتی ہے اور کسی مرکب دوا یا ہارمون سے رفع نہیں ہو سکتی اور نہ ہی غذا اس تہہ نشین مادہ کا اخراج عمل میں لاسکتی ہے۔ نظری حیثیت سے گفتگو کی جائے تو یہ مشورہ دیا جاسکتا ہے کہ اس صورت حال کا تدارک اس طرح سے کیا جائے کہ غذا میں وہ چیزیں استعمال نہ کی جائیں جن میں چونا یا کیلشیم ہوتا ہے مگر اس پر عمل پیرا ہونا تقریباً ناممکن ہے اس لیے کہ جن غذاؤں میں کیلشیم اور چونا ہوتا ہے ان میں دوسرے اہم ترین اجزائے غذا بھی پائے جاتے ہیں۔ اب اگر کیلشیم اور چونے کے اجزائے غذا سے بچانے کے لیے آپ نے کسی کو ان غذاؤں کا استعمال ہی ترک کرا دیا تو آپ نے اسے دوسرے اہم ترین اجزائے غذا سے بھی محروم کر دیا۔ پھر جسم انسانی میں کیلشیم کی بھی ضرورت پڑتی ہے۔ اس پرہیزگاری کی صورت میں وہ کس طرح اور کہاں سے فراہم کیا جائے گا۔ اگر آپ نے یہ سمجھ کر کہ خون میں کیلشیم اور چونا زیادہ ہوگا تو وہ شریانوں میں تہ نشین بھی ہوگا۔ بچپن ہی سے ایسی غذا کھلائیں جس میں کیلشیم کم یا بالکل نہیں ہوتا تو ایسے شخص کی نشوونما رک جائے گی اور اسے بیماریوں سے کبھی فرصت نہ ہوگی۔

چلیے تھوڑی دیر کے لئے یہ فرض بھی کر لیں کہ ایسی غذا استعمال کرنے سے جس میں کیلشیم نہ ہو کوئی نقصان نہیں پہنچتا اور ہم بہ فرض محال اگر ایسی غذا فراہم کرانے میں کامیاب ہو جائیں تو بھی مسئلہ حل نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ شریانوں اور وریدوں میں فقط چونا ہی تہہ نشین نہیں ہوتا بلکہ ہماری نسیجوں اور خلیات کی ٹوٹ پھوٹ سے جو کوڑا کرکٹ اور میل کچیل پیدا ہوتا ہے اس کا کچھ حصہ بھی نظام جسمانی میں رہ کر خون کی نالیوں میں جمع ہوتا رہتا ہے۔

''بڑھاپے کے اسباب پر مزید غور کیا جائے تو خون کی نالیوں کے سخت اور بے لچک ہونے کے علاوہ اس کا ایک اور سبب بھی سامنے آئے گا

اور وہ ہے نظام غدود میں اضمحلال وسستی کا پیدا ہو جانا۔ جیسے جیسے ہماری عمر زیادہ ہوتی چلی جاتی ہے ان غدود میں بھی سمیت بیٹھتی چلی جاتی ہے جس کی وجہ سے ہمارے جسم کے اندر نہ غذا ہی ٹھیک طور پر جذب ہو پاتی ہے اور نہ ہی اخراج فضلات صحیح طریق پر عمل میں آ سکتا ہے۔ چنانچہ بڑھاپے میں عموماً انسان اچھی سے اچھی غذا کے باوجود اس سے پوری طرح استفادہ نہیں کر سکتا۔ اس سبب سے اعضائے رئیسہ مثلاً قلب و دماغ وجگر اپنے مقررہ وظائف اچھی طرح انجام دینے سے قاصر رہتے ہیں۔ حافظہ کمزور ہو جاتا ہے۔ خیالات میں الجھاؤ پیدا ہونے لگتا ہے۔ اور عمر کی بڑھوتری کے ساتھ ساتھ ان میں باہمی ربط قائم رکھنے کی صلاحیت باقی نہیں رہتی۔ اس صورت حال کی اصلاح نہ اب تک دوا وغذا سے ہوئی ہے نہ آئندہ ہونے کی توقع ہے''۔

جناب حکیم محمد اقبال حسین صاحب ایم۔اے یہاں ایک سوال پیدا کرتے ہیں کہ ''جب نہ کوئی دوا اس کا تدارک کر سکتی ہے اور نہ ہی غذا سے اس کی اصلاح ہو سکتی ہے تو پھر وہ کیا تدابیر ہیں جن سے خون کی نالیوں کا یہ زنگ چھڑایا جا سکتا ہے اور نظام غدد کے اضمحلال وسستی کو دور کر کے استحالہ غذا کو درست کیا جا سکتا ہے تاکہ بڑھاپے کے ان بنیادی اسباب کو رفع کر کے اس کی آمد کو زیادہ سے زیادہ عرصہ تک مؤخر کیا جا سکے۔ بہرحال اس سوال کا جواب بھی مسٹر بینٹ کے اپنے الفاظ ہی میں ملاحظہ فرمائیں۔ وہ کہتے ہیں ''یہ کام دواؤں کے ذریعے کبھی بھی انجام نہیں پا سکتا۔ اس کا صحیح طریقہ تو قدرت ہی نے بتایا ہے اور وہ ہے عضلاتی حرکات یعنی نظام جسمانی کے ہر عضلہ پر تناؤ اور ڈھیل کا عمل کر کے شریانوں، وریدوں اور غدود میں جو فضلات جمع ہیں ان کو خارج کر دیا جائے۔ دراصل اسی ایک نکتہ میں اعادہ شباب اور درازی عمر کا راز پوشیدہ ہے''۔ اس کی تشریح حکیم صاحب موصوف یوں کرتے ہیں۔

تناؤ اور ڈھیل کے اس عمل سے عضلات میں نمو اور ترقی ہوتی ہے۔ ان کی قوت اور لچک میں اضافہ ہوتا ہے اور آخر کار وہ جوان ہو جاتے ہیں۔ پھر چونکہ تمام عضلات اور اعضائے جسم باہمہ دیگر ایک دوسرے سے قریبی تعلق رکھتے ہیں۔ اس لیے خون کی نالیوں اور نظام غدود میں جو فاسد مادہ جمع ہو جاتا ہے وہ ان عضلاتی حرکات کے ذریعے بالکل اسی طرح خارج ہو جاتا ہے جس طرح پانی کے نل یا اسی طرح کی کسی ٹیوب میں کوڑا کرکٹ جمع ہو جانے کی صورت میں آپ ہوا بھرنے کے پمپ سے ہوا کا دباؤ ڈال کر صاف کر دیتے ہیں۔ ان عضلات کی حرکات سے آپ کا نظام دافع (نظام مناعت) مستقل طور پر کھل جائے گا اور فاسد مادوں کا اجتماع کبھی بھی نظام جسمانی میں نہیں ہو پائے گا نیز اس کے ساتھ ہی عضلات سے ملحق جو غدود اور اعضاء ہوں گے وہ تحریک پا کر تروتازہ ہو جائیں گے۔ الغرض تمام نظام جسمانی کے عضلات شرائین اور غدود کے نظام پر تناؤ اور ڈھیل کا نہایت ہی خوشگوار اثر مرتب ہوگا چند ہی ماہ میں اس کے نتیجہ میں نمایاں طور پر چہرے اور دوسرے اعضائے جسمانی پر جوانی اور شباب ظاہر ہونے لگیں گے۔

یہاں پر پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا صرف عضلات پر تناؤ اور ڈھیل سے جوانی وقوت اور صحت لوٹ آئے گی اور شرائین کی سختی خلیات کی دوبارہ پیدائش اور خون میں کیمیاوی اجزاء کا مکمل ہونا پورا ہو جائے گا۔ یہ بھی یاد رکھیں کہ یہ سب خوبیاں بغیر خون کے پیدا نہیں ہو سکتیں جو غذا ہی سے پیدا ہو سکتا ہے۔

بڑھاپے کی علامات

بڑھاپے کی علامات تین قسم کی ہیں: ① ظاہری علامات ② باطنی علامات ③ نفسیاتی علامات۔

① ظاہری علامات میں صحت بگڑ جاتی ہے۔ قوت میں کمزوری آ جاتی ہے اور جوانی بڑھاپے میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ جس سے چہرے پر

جھریاں ظاہر ہو جاتی ہیں۔ گالوں میں گڑھے پڑ جاتے ہیں۔ دانت گر جاتے ہیں۔ بال سفید ہو جاتے ہیں اور رنگ بگڑ جاتا ہے۔

۲) باطنی علامات میں یہ امر تحقیق ہو چکا ہے کہ جسم کی شرائن میں سختی پیدا ہو جاتی ہے۔ جسم کے عضلات (گوشت) سخت ہو جاتے ہیں۔ خلیات جسم کی نشو و ارتقاء میں خرابیاں اور توڑ پھوڑ شروع ہو جاتا ہے۔ دوران خون میں فرق پڑ جاتا ہے اور اس کے کیمیاوی اجزاء میں کمی بیشی پیدا ہو جاتی ہے۔

۳) نفسیاتی علامات میں جذبات میں تیزی خصوصاً غصے میں زیادتی' طبیعت کے خلاف برداشت کم ہو جاتی ہے۔ ضد بڑھ جاتی ہے۔ گویا بچپن لوٹ آتا ہے اور بوڑھا آدمی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عام آدمی سے بالکل بدل گیا ہے۔

ہزاروں سالوں سے لے کر اس زمانے تک جب کہ سائنس کا دور ہے تمام ظاہری علامات دراصل باطنی علامات کی وجہ سے ہی پیدا ہوتی ہیں۔ اس لیے جب تک باطنی علامات کو روکا یا ختم نہیں کیا جائے گا یا ان کو علاج سے دور نہیں کیا جائے گا اس وقت تک نہ ظاہری علامات رک سکتی ہیں اور نہ ہی نفسیاتی علامات میں اعتدال پیدا ہو سکتا ہے۔ اس لیے بڑھاپے کی روک تھام اور علاج کی صورت میں پہلے اس کی باطنی علامات کو روکنا پڑے گا۔ اس لیے پہلے انہی علامات کا جاننا انتہائی ضروری ہے۔

تصلب الشرائن

شریانوں میں سختی سے مراد یہ ہے کہ اس کی دیواروں میں ایک خاص قسم کا مادہ جمنا شروع ہو جاتا ہے جس میں رفتہ رفتہ اضافہ ہونے سے اس کی تہہ موٹی ہو جاتی ہے۔ پھر اس میں چونے (کیلشیم) کا اضافہ ہونے لگتا ہے۔ جس سے شریانوں کے اندر دوران خون کے بہاؤ میں رکاوٹ پیدا ہونا شروع ہو جاتی ہے اور یہ گنجائش کم سے کم تر ہوتی جاتی ہے۔ اس رکاوٹ سے خون کا دباؤ بڑھ جاتا ہے۔ جس کو فرنگی طب کی اصطلاح میں بلڈ پریشر کہتے ہیں۔

شریانوں میں اس مادہ کے متعلق پہلے کوئی علم نہیں تھا کہ کیا شے ہے جو تہہ نشین ہو کر ان پر جم جاتا ہے۔ جب سائنس دانوں نے اس مادے کے متعلق تحقیق کی تو انہوں نے بتایا کہ اس مادہ کو کولیسٹرول کہتے ہیں۔

کولیسٹرول کیا ہے؟

کولیسٹرول کے متعلق کتاب ''بڑھاپا اور اس کا سد باب'' میں درج ہے۔ ماہرین طب کے درمیان اس کے حقیقی سبب کے بارے میں اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ غذا میں کولیسٹرول کی زیادتی اس کا باعث ہے۔ کولیسٹرول ایک شحمی و روغنی مادہ ہوتا ہے جو جانوروں کے گوشت کی چربی' مارگرین' پنیر' بناسپتی گھی' دودھ' مکھن وغیرہ میں پایا جاتا ہے اور یہ چیزیں جب زیادہ استعمال ہوتی ہیں تو کولیسٹرول ہماری شریانوں میں بیٹھنے لگتا ہے۔ بعض کی رائے یہ ہے کہ جسم میں کولیسٹرول کی مقدار کوئی اہمیت نہیں رکھتی بلکہ اہم چیز یہ ہے کہ نظام جسمانی کولیسٹرول کو کس طرح کام میں لاتا ہے۔ اس لیے کہ بعض لوگوں کی شریانوں میں کولیسٹرول کی تہہ جمتی ہے اور بعض لوگوں کی شریانوں میں اس کے باوجود کہ وہ روغنی اجزاء زیادہ کھاتے ہیں مگر کولیسٹرول نہیں جمتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اصل مسئلہ ایک شخص کے استحالہ غذا (میٹابولزم) کا ہے یعنی کسی خاص وجہ سے جتنا کولیسٹرول بھی اس کے جسم میں موجود ہوتا ہے۔ اسے جسم اپنے کام میں لے لیتا ہے اور شریانوں میں اس کے جمع ہونے کا مسئلہ سرے سے پیدا ہی نہیں ہوتا۔

بہرحال اس سے اتنی بات تو واضح ہو جاتی ہے کہ شریانوں میں سختی کی پیدائش کے اسباب میں کسی نہ کسی طرح کولیسٹرول کو دخل ضرور ہے۔

جب یہ بات ہے تو ہمیں کولیسٹرول کے متعلق یہ جاننا چاہیے کہ یہ کیا ہے اور نظام جسم میں اس کی ضرورت کیوں پیش آتی ہے۔

کولیسٹرول کے متعلق جدید تحقیق یہ ہے کہ یہ تغذیہ اور استحالہ غذا میں نہایت اہم پارٹ ادا کرتا ہے یعنی یہ وٹامن ''ڈی'' جنسی ہارمونز کلاہ گردہ کے ہارمونز کی پیدائش کے علاوہ صفراوی نمکیات کی پیدائش کا بھی ذمہ دار ہے۔ جو روغنی اجزاء غذا کو ہضم کرتے ہیں۔ اس مقصد کے لیے خود ہمارا جگر ۳۰۰۰ ملی گرام یومیہ کولیسٹرول بناتا ہے۔ اس کے علاوہ بعض غذاؤں سے بھی کولیسٹرول ہمارے جسم کو ملتا ہے۔

چونکہ امریکہ میں قلب کے عوارض اور سقوط قلب (ہارٹ فیلور) کی وجہ سے زیادہ اموات واقع ہوتی ہیں اس لیے کولیسٹرول پر سب سے زیادہ کام بھی وہیں ہوا ہے۔ گزشتہ سال ٹائم میں ڈاکٹر اینل کا ایک مضمون کولیسٹرول پر شائع ہوا تھا۔ موصوف نے یورپ کے تمام ملکوں کا دورہ کر کے اور وہاں کے باشندوں کی غذاؤں کا مطالعہ کر کے یہ نتیجہ نکالا تھا کہ جن ممالک میں پھلوں اور سبزیوں کا زیادہ استعمال ہوتا ہے وہاں کے لوگ قلبی عوارض میں بہت کم مبتلا ہوتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے یہ بھی بتایا تھا کہ کولیسٹرول کی زیادہ مقدار کا بدرقہ پیکٹن ہے اور پیکٹن سیب میں زیادہ پایا جاتا ہے چنانچہ جو شخص دو سیب یومیہ کھائے گا اس میں کولیسٹرول کی زیادتی کبھی نہ ہوگی۔ ڈاکٹر اینل کے اس دعویٰ کا بھی یہی حشر ہوا کہ کچھ نے تسلیم کیا اور کچھ نے تسلیم نہ کیا۔

تحقیق کے دوسرے گروپ نے یہ دعویٰ کیا کہ کولیسٹرول کا مسئلہ استحالہ غذا میں خرابی کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے۔ جن غذاؤں میں قدرت نے کولیسٹرول پیدا کیا ہے ان ہی میں ان کا بدرقہ لیسی تھین پیدا کیا ہے۔ جب ہم ان روغنی اجزاء کو صاف کرتے ہیں اور ان میں سے ہائیڈروجن گزار کر گھی اور مکھن کی طرح بنا لیتے ہیں۔ جیسے بنولے اور سرسوں کے تیل سے بناسپتی گھی بنا لیا جاتا ہے۔ اس وقت ان میں سے لیسی تھین ضائع ہو جاتا ہے اور کولیسٹرول باقی رہتا ہے۔ چنانچہ جب ان روغنی غذاؤں کو استعمال کیا جاتا ہے تو کولیسٹرول تو نظام جسمانی میں پہنچ جاتا ہے لیکن اس کا بدرقہ نہیں پہنچتا۔ اس صورت میں کولیسٹرول ہماری شریانوں میں جمع ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ بازاری کیک، پیسٹریاں یا ڈبوں کے مکھن وغیرہ بھی اسی زمرہ میں شمار ہوتے ہیں جن میں محض کولیسٹرول ہوتا ہے اور اس کا بدرقہ لیسی تھین نہیں ہوتا۔ لیسی تھین دراصل زردی مائل موم کی مانند ایک قسم کا مادہ ہوتا ہے جسے مصنوعی طور پر انڈے کی زردی سے بھی تیار کر لیتے ہیں۔ چنانچہ اسی بنا پر اسے جوہر زردی بیضہ بھی کہا جاتا ہے۔

ان قدرتی غذاؤں میں یہ جوہر موجود ہوتا ہے جنہیں مصنوعی طریق پر بہتر اور صاف کرنے کی کوشش نہیں کی جاتی مثلاً سرسوں، تل، بنولہ اور زیتون کے تیل، انڈا، بادام اور دیگر مغزیات خالص گیہوں کا وہ آٹا جسے میدا بنا لیا گیا ہو بلکہ وہ بے چھنا آٹا ہی ہو۔ اس کے اگر کیک پیسٹریاں بھی بنائی جائیں تو ان میں لیسی تھین موجود ہوگا۔ گوشت، جگر، دل اور گردے میں لیسی تھین پایا جاتا ہے۔

ان محققین کی اختلاف رائے کے باوجود ان سب میں جو بات مشترک ہے وہ ہے غذاؤں کا ایسی حالت میں استعمال کرنا جب کہ ان میں بہت زیادہ تصرف نہ کیا گیا ہو۔ زیادہ سے زیادہ ان کا قدرتی حالت میں استعمال اس بات کی ضمانت ہے کہ کولیسٹرول بڑھاپے میں بھی تکلیف دہ ثابت نہیں ہوگا اور شریانوں میں اتنا شدید تصلب نہ ہوگا کہ خون کا دباؤ بڑھ جائے۔

شریانوں کی سختی کا باعث کولیسٹرول قرار دیا گیا ہے اور یہ بھی تحقیق کیا گیا ہے کہ کولیسٹرول کا نقصان اسی صورت میں ہوتا ہے جب کہ اس کے بدرقات اس کے ساتھ نہ ہوں۔ وہ بدرقات پیکٹن اور لیسی تھین کو قرار دیا گیا ہے۔ اس حقیقت سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ اگر غذا میں یہ بدرقات پائے جائیں تو کولیسٹرول اور کیلشیم وغیرہ شریانوں میں جم کر ان کو سخت نہیں کر سکتے۔ اس طرح بہت حد تک بڑھاپے کو روکا جا سکتا ہے۔

بڑھاپا اور ساخت جسم

بڑھاپے کے اسباب میں دوسرا سبب جسم کی ساخت ہے۔اس ساخت سے جسم کے مختلف اعضاء بنتے ہیں۔ یہ اعضاء جسم کے پرزے ہیں جن سے جسم کی مشینری چلتی ہے۔جسم کی مشینری اور اس کے پرزے جو مختلف اجزاء سے مل کر بنتے ہیں یہ اجزاء بافت و ساخت اور انسجہ و ریشے کہلاتے ہیں جس کو انگریزی میں ٹشوز کہتے ہیں۔ ہر ایک بافت یا ریشہ بہت سے مفرد اجزاء سے مل کر بنتی ہے جنہیں حیوانی ذرہ یا کیسہ (Cell) کہتے ہیں۔

ہر جاندار شے خواہ حیوان ہو یا نباتات اس کی زندگی کی ابتداء ایک مفرد کیسہ سے ہوتی ہے۔بعض جانور اور پودے اپنی ساری زندگی ایک کیسے والے جانور یا پودے کی صورت میں گزار دیتے ہیں۔ایسا مفرد کیسے والے جانور کی اور بکٹیریا مفرد کیسہ والے پودے کی مثالیں ہیں۔ یہ مفرد کیسے والے جانور یا پودے زندگی کے تمام افعال انجام دیتے ہیں۔یعنی وہ بڑھتے ہیں۔اپنی تعداد بڑھاتے ہیں اور خوراک کو ہضم کرتے ہیں۔

اسی طرح کے مفرد کیسہ سے ہمارے جسم کی ابتداء ہوتی ہے اور ابتداء بھی ایک مفرد کیسے سے ہوتی ہے۔یہی مفرد کیسہ جسے دوسرے کیسوں کی ماں کہا جا سکتا ہے۔ابتداء میں زندگی کے کل کام انجام دیتا ہے۔ یہ جلد جلد اپنی تعداد بڑھاتا جاتا ہے اور اپنے جیسے اور کئی کیسے بنالیتا ہے۔ یہ تمام کیسے شروع میں ایک جیسا کام کرتے ہیں اور ایک جیسے ہی نظر آتے ہیں لیکن کچھ عرصہ بعد اپنی اپنی ضروریات اور کام کے مطابق مختلف اشکال میں تقسیم ہو کر مختلف افعال انجام دیتے ہیں۔

ظاہر میں ہر جاندار کا جسم گوشت و پوست اور اعصاب و غدد کا مجموعہ نظر آتا ہے مگر حقیقت میں یہ جسم اور اس کا ہر حصہ نہایت باریک کروڑہا خلیات (حیوانی ذرات) کا مجموعہ ہے۔ابتداء میں یہ ایک خلیہ بنتا ہے۔ پھر یہی خلیہ اپنے اصول پر تقسیم در تقسیم ہو کر جسم بننا شروع ہو جاتا ہے۔یہاں تک کہ شکم مادر میں ہی وہ نشو ونما پا کر اپنی ساخت کے اعتبار سے ایک مکمل نظام جسمانی بن جاتا ہے۔ یہ خلیات ہمیشہ زندہ نہیں رہتے۔ ان کی طبعی عمر بہت مختصر ہوتی ہے جب وہ اپنی مختصر طبعی مدت پوری کر لیتے ہیں تو مر جاتے ہیں جس طرح ہر جاندار اپنی طبعی عمر کو پہنچ کر مر جاتا ہے۔

یہ بات یاد رکھیں کہ ہماری ہر حرکت کے نتیجہ میں سینکڑوں اور ہزاروں خلیات کی ٹوٹ پھوٹ عمل میں آتی رہتی ہے۔اسی طرح یہ لحہ بہ لحہ پیدا ہوتے اور مرتے رہتے ہیں۔مرنے کے بعد یہ خلیات اپنے مقامات سے جدا ہو کر خون میں شامل ہوتے رہتے ہیں۔ پھر وہاں سے فضلات کے ذریعے پیشاب و پاخانہ اور پسینہ و سانس کی شکل میں اخراج پاتے رہتے ہیں لیکن اگر ہماری غذائی خرابیوں اور رہن سہن کی بے اعتدالیوں سے ان کا اخراج عمل میں نہ آئے تو ان ٹوٹے پھوٹے خلیات کا فضلہ بھی خون کے ساتھ گردش کرتا رہتا ہے اور اگر زیادہ عرصہ تک اس کا اخراج عمل میں نہ آئے تو اس کا مادہ بھی خون کی نالیوں میں بیٹھ کر ان کی سختی اور صلابت کا باعث ہو سکتا ہے۔خلیات کی پیدائش ٹوٹ پھوٹ اور موت کو سمجھنے کے لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلے خلیہ کے متعلق پورے طور پر آگاہی ہو جانی چاہیے کیونکہ خرابی اور فساد کا آغاز خلیہ سے ہوتا ہے۔

تعریف خلیہ

خلیہ کو کیسہ (سیل) بھی کہتے ہیں۔ یہ انتہائی چھوٹا حیوانی ذرہ ہوتا ہے۔ یہ جسامت کے لحاظ سے مختلف اقسام کے ہوتے ہیں۔بعض خلیے اس قدر چھوٹے ہوتے ہیں جو بغیر خوردبین کے نظر نہیں آسکتے۔ان خلیات کی جسامت کا اندازہ اس طرح لگا سکتے ہیں کہ ایک انچ لمبی قطار میں ایک سو سے لے کر چھ ہزار تک آجاتے ہیں یہی خلیات جب باہم مل جاتے ہیں تو اس ساخت اور بافت کو نسیج (ٹشو) کہتے ہیں۔ یہ نسیج کل چار قسم کے

ہوتے ہیں۔ان ہی پر جسم کی بنیاد ہے۔

خلیہ کی ترتیب ساخت

خلیہ کی ساخت کو کم از کم چار حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے: ① خلیہ کی تھیلی ② مادہ حیات ③ جوہر حیات ④ مرکز حیات۔ جن کی تشریح درج ذیل ہے:

① **خلیہ کی تھیلی**: یہ ایک نہایت چھوٹی سی جالیدار تھیلی ہوتی ہے جس کی ساخت میں باہر کی طرف ایک شفاف حجابی جھلی ہوتی ہے۔ یہ جھلی باریک ریشوں کی بنی ہوتی ہے جن کے اندر ایک خاص قسم کی رطوبت ہوتی ہے اور جھلی کے اندر جو رطوبت ہوتی ہے۔ اس کو مادہ حیات (پروٹوپلازم) کہتے ہیں۔

② **مادہ حیات**: ایک رقیق ولعابدار اور سفید شفاف رطوبت ہوتی ہے جو خلیہ کی تھیلی میں بھری رہتی ہے۔اس کو مادہ حیات (پروٹو پلازم) کہتے ہیں۔اس میں زندگی کے تمام لوازم پائے جاتے ہیں یعنی اس میں نشو وارتقاء اور توالد وتناسل کے ساتھ تمیہ وتصفیہ اور تسنیم کے تمام اعمال کی قوت ہوتی ہے یعنی زندہ رہتا ہے، بڑھتا ہے، سانس لیتا ہے، غذا جذب کرتا ہے اور اپنی مثل پیدا کرتا ہے۔اس کے اندر ایک گٹھلی ہوتی ہے۔اس کو جوہر حیات (نیوکلی ایس) کہتے ہیں۔اس کو جوہر حیات اس لیے کہتے ہیں کہ مادہ حیات کی زندگی کا دارومدار اس جوہر حیات پر ہوتا ہے۔

③ **جوہرِ حیات**: ایک گٹھلی کی طرح گول دانہ ہوتا ہے۔ جو خلیہ کے مادہ حیات میں پائی جاتی ہے۔ جس کو جوہر حیات (نیوکلی ایس) کہتے ہیں۔اس گٹھلی پر بھی ایک جالیدار جھلی چڑھی ہوتی ہے۔اس جالیدار جھلی کے ریشوں میں بھی رطوبت بھری ہوتی ہے اور جھلی کے اندر بھی رطوبت ہوتی ہے۔زندگی کا دارومدار بھی اسی طرح جوہر حیات کو سمجھا جاتا ہے۔ جب کسی خلئے کو دو ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا جاتا ہے۔ پھر جس حصے میں جوہر حیات ہوگا وہ زندہ رہے گا اور بڑھ کر پورا خلیہ بن جائے گا لیکن وہ دوسرا حصہ جس میں جوہر حیات نہیں وہ مر جائے گا۔اس جوہر کے اندر بھی ایک نقطہ ہوتا ہے جس کو مرکز حیات کہتے ہیں۔

④ **مرکزِ حیات**: جوہر حیات کے اندر ایک نقطہ سا ہوتا ہے۔اس کو مرکز حیات (نیوکلی اوس) کہتے ہیں۔بعض خلیات میں یہ مرکز حیات نہیں ہوتا۔ . حالاں اس میں بھی زندگی ہوتی ہے۔اس طرح خلیہ کی زندگی کا عمل جاری رہتا ہے۔

حقیقتِ خلیہ

خلیہ (سیل) ایک ایسا حیوانی ذرہ ہے جس کو انسانی جسم کی ایک ایسی اینٹ کہنا چاہیے جس کے مرکز میں جوہر حیات ہوتا ہے جس کی وجہ سے اس میں طبعی وعنصری اور کیمیاوی وحیاتی افعال مکمل طور پر پورے ہوتے ہیں یعنی تغذیہ وتسنیم اور تصفیہ اور تمیہ کے اعمال کے ساتھ اس میں نشو وارتقاء اور توالد وتناسل کی قوت ہوتی ہے یعنی زندہ رہتا ہے' غذا حاصل کرتا ہے' بڑھتا ہے' اپنے فضلات خارج کرتا ہے' نسیم جذب کرتا ہے' بڑھ کر اپنے کمال تک پہنچتا ہے۔اور اپنا مثل پیدا کرتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں اس طرح سمجھ لیں کہ زندگی کے تمام لوازم قوت وحرارت اور رطوبت اس میں پائے جاتے ہیں اور ضرورت کے مطابق بڑھتے گھٹتے رہتے ہیں۔اس لیے خلیہ کو حیوانی ذرہ کہتے ہیں اور انسان وحیوان بلکہ پودے انہی ذروں سے مرکب ہیں۔ان کا بگاڑ ہی صحت کے بگاڑ کا باعث ہے۔

خلیات کی نشو ونما اور باہمی تعلق

خلیات کی نشو ونما کی جو صورتیں ہیں تقریباً باہمی تعلق اور ملاپ کی بھی وہی صورتیں ہیں۔ یہ تین صورتیں ہیں: ① نوک درنوک ② شاخ درشاخ اور ③ پہلو بہ پہلو، جن کا طریق کار درج ذیل ہے:

① **نوک در نوک**: جو خلیے نوک درنوک ملتے ہیں وہ باہم تقسیم در تقسیم ہوتے ہیں یعنی ایک خلیہ مع اپنی تھیلی اور جو ہر حیات کے دو حصوں میں تقسیم ہو جاتا ہے پھر دو کے چار اور چار کے آٹھ تقسیم در تقسیم ہو کر بے شمار ہو جاتے ہیں۔ اس طرح نوک درنوک آپس میں مل کر ریشے بناتے ہیں جن سے عضلات وغیرہ بنتے ہیں۔

② **شاخ در شاخ**: خلیہ کے جسم سے چھوٹی چھوٹی شاخیں نکلتی ہیں۔ پھر خود مکمل ہو کر ایک خلیہ بن جاتی ہیں اور اس خلیہ سے الگ ہو جاتی ہیں اور پھر خود علیحدہ خلیہ بن کر شاخوں کے ذریعے باہم ملتی ہیں۔ اس طریقے سے الحاقی اور عصبی خلیے باہم ملتے ہیں۔

③ **پہلو بہ پہلو**: اس طریقے سے ملنے والے خلیے غلاف کے اندر ہی تیار ہوتے ہیں۔ جو ہر حیات کئی حصوں میں تقسیم ہو کر ہر حصہ خود ایک خلیہ بن جاتا ہے۔ جب یہ مکمل ہو جاتے ہیں۔ تو غلاف خلیہ پھٹ جاتا ہے اور وہ باہر آتے ہیں اور پہلو بہ پہلو مل کر جھلیاں بناتے ہیں۔

انسجہ

خلیات کے باہم ملنے سے انسان کے مختلف اعضاء بنتے ہیں۔ گویا تمام جسم بے شمار خلیات کا مجموعہ ہے۔ اعضائے جسم بننے سے قبل ان خلیات کے باہم ملنے وجڑنے اور تعلق سے ایک خاص قسم کی ساخت اور بافت بنتی ہے۔ ان کی اس قسم کی ساخت اور بافت کو نسیج کہتے ہیں جن کی جمع انسجہ ہے۔ یہ انسجہ ہی اعضاء بناتے ہیں۔ ان انسجہ یا اعضائے جسم کے افعال وفوائد وہی ہیں جو ان خلیات کے ہیں جن کے وہ مجموعے ہیں۔ انہی انسجہ کو انگریزی میں ٹشو کہتے ہیں۔ یہی انسجہ (ٹشوز) یعنی خلیات کے مجموعے کی ساخت اور بافت دراصل جسم کے اعضائے مفردہ ہیں۔ بالکل اسی طرح جیسے ایک بافندہ اپنے کپڑے کی بافت اور ساخت بناتا ہے۔ اس میں مختلف رنگ کے دھاگے ہوتے ہیں۔ ہر رنگ کے دھاگے کو ایک قسم کی جدا بافت وساخت خیال کر لینا چاہیے۔ ہر رنگ سے جس قدر کپڑا بنتا ہے وہ اس کی ساخت (انسجہ ٹشو) ہے۔

اقسام انسجہ

یہ انسجہ (ٹشوز) چار قسم کے ہوتے ہیں۔ جو درج ذیل ہیں:

1. **لحمی انسجہ (مسکولر ٹشوز)**: ان سے جسم کے عضلات تیار ہوتے ہیں۔
2. **عصبی انسجہ (نروز ٹشوز)**: ان سے اعصاب جسم تیار ہوتے ہیں۔
3. **قشری انسجہ (ایپی تھل ٹشوز)**: ان سے جسم کی جھلیاں اور غدد بنتے ہیں۔
4. **الحاقی انسجہ (کنکٹو ٹشوز)**: ان سے جسم کی بھرتی ہوتی ہے۔

ان تمام انسجہ سے بعض اعضاء صرف ایک ہی قسم کی ساخت اور بافت سے بنتے ہیں۔ جیسے اعصاب وعضلات وغدد اور ہڈی وکری وغیرہ لیکن یہ مفرد اعضاء آپس میں ایک دوسرے سے باہم جڑے اور ملے رہتے ہیں۔ لیکن بعض اعضاء کی ساخت اور بافت میں مختلف اقسام کے انسجہ شریک ہو جاتے ہیں جیسے جلد وجھلیاں، شریانیں اور وریدیں وغیرہ۔ فرنگی طب میں اس کو علم الانسجہ (ہسٹالوجی) کہتے ہیں لیکن وہ

ان کی فزیالوجی (منافع) سے واقف نہیں ہیں۔ جن پر ہم نظریہ مفرد اعضاء کے تحت روشنی ڈال رہے ہیں۔

غرض انہی خلیات (حیوانی ذرات) کی ساختوں اور بافتوں سے انسجہ (ٹشوز) اور انسجہ کے مفرد اعضاء مثلاً گوشت و پٹھے، ہڈیاں اور گلٹیاں، جلد، شرائن اور وریدیں تیار ہوتے ہیں۔ پھر انہی اعضائے مفردہ سے اعضائے مرکبہ تیار ہوتے ہیں۔ جیسے آنکھ ناک، کان اور وریدیں و شریانیں اور مرکب جھلیوں اور پردوں سے مل کر مکمل دل و دماغ اور جگر بنتے ہیں۔ اسی طرح ہاتھ پاؤں اور باقی تمام جسم۔ گویا جسم ایک کپڑا ہے جو تانے بانے سے بنا ہوا ہے۔ ساختن کے معنی بنانا اور بافتن کے معنی بننا ہے۔

افعالِ خلیہ

ہم لکھ چکے ہیں کہ ایک خلیہ میں زندگی کے تمام لوازم پائے جاتے ہیں۔ ان میں قیام حیات کے ساتھ ساتھ توالد و تناسل کا سلسلہ بھی قائم رہتا ہے۔ قیام حیات میں جہاں وہ اپنے لیے تغذیہ و تسنیم حاصل کرتا ہے وہاں پر تصفیہ جسم بھی کرتا ہے جس سے وہ اپنے اندر سے خاص قسم کے مواد کو رطوبات یا گیسز کی شکل میں خارج بھی کرتا رہتا ہے۔ یہ تغذیہ بھی جسم ہی سے حاصل کرتا ہے۔ وہ اس کی اپنی ذات کے لیے مفید ہوتی ہے لیکن جو مواد اخراج پاتے ہیں دیگر اعضاء کی غذا یا باعث زندگی ہوتے ہیں۔ مثلاً عصبی انسجہ جو غذا حاصل کرتے ہیں وہ کھاری ہوتی ہے لیکن جب وہ اپنے فضلات کا اخراج کرتے ہیں تو وہ ترش ہوتے ہیں۔ جو عضلاتی انسجہ کی غذا ہوتے ہیں۔ اسی طرح عضلاتی انسجہ جو فضلات خارج کرتے ہیں۔ ان میں تلخ اثرات یا صفراوی و کبریتی اجزاء شریک ہوتے ہیں۔ جو غدد (جگر) وغیرہ کی غذا میں شریک ہوتے ہیں۔ گویا ایک طرف سے یہ ذرات غذا بنتے ہیں اور دوسری طرف خون میں تقویت کا باعث بنتے ہیں۔ اس طرح یہ خلیات جسم میں نشوونما اور صحت و قوت کا باعث بنے رہتے ہیں۔ مختصر طور پر اس طرح سمجھ لیں کہ خلیات اپنے طبعی افعال انجام دیتے ہیں جو مختصراً درج ذیل ہیں:

① خلیہ اپنی حیات قائم رکھتا ہے جس کے لیے وہ تغذیہ و تسنیم اور نشوونما پاتا ہے۔

② خلیہ اپنے توالد و تناسل قائم رکھتا ہے جس کے لیے اس میں نشوو ارتقاء اور ٹوٹ پھوٹ رہتی ہے۔

③ خلیہ اپنے خاص کام ضرور کرتا ہے یعنی وہ اپنے اندر خاص قسم کی غذا جذب کرتا ہے اور خاص قسم کے مواد کا خراج کرتا ہے۔ بس اسی طرح خلیات اپنے طبعی افعال انجام دیتے ہیں۔

جب ان خلیات میں کہیں تر سب و فساد پیدا ہوتا ہے تو ان کے طبعی افعال میں نقص واقعہ ہو جاتا ہے۔ اس نقص کو ذہن نشین کرنے کے لیے خلیات کے طبعی افعال میں نقص انتہائی ضروری ہے کیونکہ اس پر انسان کی صحت و مرض اور جوانی و بڑھاپے کے ساتھ نہ صرف گہرا تعلق ہے بلکہ اس کی اپنی حیات اور نشوو ارتقاء اس پر منحصر ہے۔

جو مواد وہ غذا کے طور پر جذب کرتے ہیں ان میں خمیری و کیمیاوی تبدیلیاں پیدا کرتے ہیں اور جو مواد فضلات کے طور پر خارج کرتے ہیں وہ دیگر خلیات کی غذا کے علاوہ دافع تعفن اور سوزش بھی ہوتے ہیں۔ دراصل خلیات سے یہی مواد ہر قسم کے جراثیم اور زہروں کو فنا کر دیتے ہیں اور یہ فطری سلسلہ قدرت نے خود کار قائم کیا ہے لیکن جب خلیات میں فساد پیدا ہوتا ہے تو اس کے مواد اور فضلات بھی زہر کی شکل اختیار کر کے باعث نقصان بن جاتے ہیں یا کبھی خلیات کی رطوبت کے مواد کی زیادتی اور کمی دونوں دیگر خلیات کے لیے تکلیف کا باعث ہوتے ہیں۔ اس لیے ان کے طبعی افعال کا جاننا نہایت ضروری ہے۔ اس طرح خلیات کی تشریح فعلی اور کیمیاوی افعال کو پورے طور پر سمجھ کر امراض پر مکمل دسترس حاصل کر سکتے ہیں۔

انسجہ کے مجموعے

یہ حقیقت بار بار لکھی جا چکی ہے کہ تمام جسم انسان مختلف اقسام کے حیوانی ذرات (سیلز) سے بنا ہوا ہے۔ یہ خلیات چونکہ مختلف اقسام کے

ہوتے ہیں۔اس لیے یہ خلیات پہلے اپنے مجموعے تیار کرتے ہیں اور پھران مجموعوں سے اعضائے مفردہ تیار ہوتے ہیں اور پھران اعضائے مفردہ سے اعضائے مرکبہ بنتے ہیں۔ان مرکب اعضاء سے جسم انسان کی صورت بن جاتی ہے۔گویا خلیات کے بعد جو شے پہلے تیار ہوتی ہے وہ یہی خلیات کے مجموعے ہوتے ہیں جن کو بافت وساخت اور نسیج (ٹشوز) کہتے ہیں۔گویا یہی مجموعے جسم انسان کی اصل بنیاد ہیں۔اور یہی اعضائے مفردہ ہیں۔انہی کے بگاڑ سے امراض و بڑھاپا اور موت واقع ہوتی ہے اور جب تک ان میں قوت نشوو ارتقاء اور ان کا باہمی تعلق قائم رہتا ہے تو صحت وقوت اور جوانی وزندگی قائم رہتی ہے۔قیام شباب کا یہی فطری قانون ہے۔

انسجہ کے اقسام

یہ حقیقت بھی کئی بار لکھی جا چکی ہے کہ انسجہ چار قسم کے ہوتے ہیں:

① نسیج عصبی ایسی بافت (ٹشو) ہے جو عصبی قسم کے خلیات سے تیار ہوتی ہے جس سے اعصاب اور ان کا مرکز دماغ تیار ہوتا ہے۔

② نسیج عضلاتی ایسی بافت (ٹشو) ہے جو عضلاتی قسم کے خلیات سے تیار ہوتی ہے جس سے عضلات اور ان کا مرکز قلب تیار ہوتا ہے۔

③ نسیج قشری ایسی بافت (ٹشو) ہے جو قشری قسم کے خلیات سے تیار ہوتی ہے جس سے غدد اور ان کا مرکز جگر تیار ہوتا ہے۔

④ نسیج الحاقی ایسی بافت (ٹشو) ہے جو الحاقی قسم کے خلیات سے تیار ہوتی ہے جس سے جسم کی بنیادیں (ہڈی وکری اور اوتار ورباط) اور بھراؤ مکمل ہوتا ہے جن سے اعضائے جسم قائم ہیں۔

مفرد اعضاء کی صورت میں تو صرف ایک ہی قسم کے خلیات پائے جاتے ہیں۔جیسے ہڈی وکری میں الحاقی مادہ۔لیکن جب اعضاء مرکب ہوتے ہیں جلد وعروق اور شرائن واوردہ تو ان میں مختلف اقسام کی بافتیں آپس میں مل کر ترتیب پاتی ہیں یا جہاں جہاں اعضاء آپس میں متعلق ہوتے ہیں تو پھر یہ بافتیں ایک دوسری بافت کے اندر تک چلی جاتی ہے جیسے جگر میں نظر آتا ہے تفصیل درج ذیل ہے:

① **نسیج عصبی (نروز ٹشو)**: یہ عصبی خلیات کے ریشے ہوتے ہیں۔یہ ریشے نہایت باریک بنے ہوتے ہیں۔ایک متوسط عصبی ریشے کی جسامت ۴ر۱ انچ ہوتی ہے۔نسیج عصبی پر دو غلاف چڑھے رہتے ہیں۔اس لیے نسیج عصبی کو محور عصب (ایکسس سلنڈر) کہتے ہیں۔یہی عصبی ریشے کا اصل جوہر ہوتا ہے۔اس کے اوپر غلاف شحمی (میڈلری شیتھ) ہوتا ہے جس کا تعلق قشری بافت سے ہوتا ہے۔دوسرا غلاف ایک اور جھلی کا ہوتا ہے جس کا تعلق عضلاتی بافت کے ساتھ ہوتا ہے جس طرح برقی تار ربڑ کی نلکیوں میں لپٹی ہوتی ہے اسی طرح انسجہ اعصابی اپنے مرکز سے لے کر تمام جسم میں پھیلے ہوتے ہیں اور ان میں برقی رو کی طرح تحریکات چلتی ہیں۔ان انسجہ اعصابی میں چھوٹی چھوٹی بلندیاں ہوتی ہیں جن کو طبی اصطلاح میں عقد (گنگلیاں) کہتے ہیں۔جہاں پر دیگر انسجہ اپنی دیگر راہیں بناتے ہیں انسجہ اعصابی کا اختتام مختلف طریق پر ہوتا ہے:

❶ جال کی شکل میں ختم ہوتے ہیں۔

❷ ابھار بنا کر ختم ہوتے ہیں جیسے ہتھیلی اور تلوؤں کی جلد کے نیچے ہوتے ہیں۔انسجہ اعصابی دماغ سے لے کر حرام مغز کے ذریعے تمام جسم میں پھیلتے ہیں۔ان کے افعال احساس کرنا اور اعضلات وغدد کو حرکت دینا ہے۔ان کا تعلق حواس ظاہری اور باطنی سے ہوتا ہے۔

② **نسیج عضلاتی (مسکولر ٹشو)**: یہ عضلاتی خلیات سے بنتے ہیں چونکہ ہڈی اور کری کے بعد جسم پر گوشت کا ایک بہت بڑا حصہ ہوتا ہے۔اس لیے عضلات (گوشت) کی جسم پر کثرت ہوتی ہے۔اس بافت کے ریشے باہم مل کر مجموعے بناتے ہیں۔پھر یہی مجموعے مل کر عضلہ بن جاتے ہیں۔یہ عضلات سر سے لے کر پاؤں تک اعصاب وغدد کے ساتھ متعلق رہتے ہیں۔دل عضلات کا مرکز ہے اور معدہ کو عضلات میں بے حد اہمیت حاصل ہے۔

عضلات بناوٹ اور افعال کے لحاظ سے دوقسم کے ہوتے ہیں۔ اوّل ارادی عضلات جو انسان کے ارادہ کے تحت کام کرتے ہیں جیسے ہاتھ پاؤں کے عضلات جن پر خاص قسم کی دھاریاں ہوتی ہیں۔ دوسرے غیر ارادی عضلات جن کی حرکت انسان کے ارادہ کے تحت نہیں ہے جیسے دل و پھیپھڑے اور معدہ وغیرہ۔ ارادی عضلات میں پھیلنے اور سکڑنے کی طاقت ہوتی ہے بلکہ ان کی حرکت جونک کی سی حرکت ہوتی ہے۔ یعنی ان عضلات کا اگر ایک حصہ سکڑتا ہے تو دوسرا پھیل جاتا ہے جیسے مری اور آنتوں کے عضلات میں یہ بات نمایاں طور پر ظاہر ہوتی ہے۔ ہر قسم کے عضلات کے افعال کے متعلق یہ بات سمجھ لیں کہ ان کے ذمہ قدرت نے جسم کی ہر قسم کی حرکت کرنا ہوتا ہے۔ یہ احساس باعث حرکت ہو یا نہ ہو، اسی طرح جسم کی ہر حرکت صرف عضلات ہی کرتے ہیں۔

③ **نسیج قشری (ایپی تھل ٹشو)**: یہ قشری خلیات سے بنتے ہیں۔ جسم انسان میں نسیج قشری عام طور پر غدد اور غشائے مخاطی کی شکل میں سر سے لے کر پاؤں تک پھیلے ہوئے ہیں۔ غشاء کی صورت میں اعضاء کے اندر یا باہر لگی ہوتی ہے۔ جیسے مری و معدہ اور امعاء میں جلد کا بالائی طبق جس کو بشرہ کہتے ہیں۔ اعصاب کے ریشے کے ساتھ لگی ہوتی ہے جو حقیقی جلد کی حفاظت کرتا ہے۔ جب بالائی طبق کے پرانے انسجہ کسی بھی وجہ سے مردہ ہو کر گر پڑتے ہیں تو اس کی جگہ نئی بافت پیدا ہو جاتی ہے۔

افعال کے لحاظ سے جسم کے اندر یا باہر جہاں جہاں پر رطوبات کی ضرورت ہے وہاں پر نسیج قشری غدد یا جھلی کی شکل میں ضرور لگے ہوتے ہیں جیسے منہ میں تھوک، آنکھ میں آنسو، ناک اور حلق میں رطوبت اسی طرح مری و پھیپھڑوں کے اندر بلغم، عورتوں میں دودھ اور مردوں میں منی وغیرہ کا اخراج پانا۔ اسی طرح پسینہ اور پیشاب وغیرہ کا اخراج بھی نسیج قشری کے افعال میں داخل ہے۔

④ **نسیج الحاقی (کنکٹو ٹشو)**: یہ الحاقی خلیات سے بنتے ہیں۔ اس کو اس طرح سمجھ لیں کہ جسم انسان کی بنیاد ہڈی و کری اور رباط و اوتار پر ہے ان پر اعصابی و غددی اور عضلاتی انسجہ سے جو اعضاء بنتے ہیں ان کے علاوہ جو جسم میں بھرتی ہوتی ہے وہ سب انسجہ الحاقی سے ہوتی ہے۔ جہاں تک احساس و حرکت اور اخراج رطوبت کا تعلق ہے اس میں اس قسم کے کوئی اثرات و افعال اور فوائد نہیں پائے جاتے گویا ان میں زندگی تو ہے مگر انسانی زندگی کے معاملات میں جو دخل اعصاب و عضلات اور غدد کو حاصل ہے وہ انسجہ الحاقی میں نہیں پایا جاتا۔ گویا الحاقی انسجہ صرف بنیاد اور بھرتی کا کام کرتے ہیں۔

ماڈرن میڈیکل سائنس نے ثابت کیا ہے کہ انسجہ الحاقی انسانی زندگی اور جسم میں ابتدائی بافت ہیں جن میں نشوو ارتقاء پیدا ہوتا ہے تو یہ دیگر انسجہ میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔ جسم کے جس مقام پر نشوو ارتقاء ختم ہو جاتا ہے۔ وہاں پر الحاقی انسجہ کی کثرت ہو جاتی ہے۔ گویا ان کی کثرت بعض مقامات پر وہاں کی زندگی ختم کر دیتی ہے۔ خون میں ہر قسم کے انسجہ کے مادے پائے جاتے ہیں۔ لیکن سب سے زیادہ جو مادہ پایا جاتا ہے وہ انسجہ الحاقی کا ہوتا ہے۔ جب انسجہ الحاقی کے مادہ میں زیادتی جاتی ہے تو جسم میں خشکی اور خون میں گاڑھا پن پیدا ہو جاتا ہے۔ اعصاب و عضلات اور غدد کے افعال بگڑ جاتے ہیں اور جب اس میں کمی واقع ہوتی ہے تو جسم میں رطوبات کی زیادتی خون میں رقت اور کمزوری پیدا ہو جاتی ہے۔ ہڈیوں میں خرابی اور جسم کی نشوو ارتقاء رک جاتی ہے۔

بڑھاپے کے یقینی اسباب

یہ امر تو یقین کی حد تک پہنچ چکا ہے کہ بڑھاپا اور خرابی صحت کے اثرات جسم انسان میں اس وقت تک پیدا نہیں ہو سکتے جب تک خلیات کے افعال اور اعمال میں خرابی اور نقص واقع نہ ہو جس سے تین خرابیاں پیدا ہوتی ہیں:

❶ خلیات کی پیدائش رک جاتی ہے۔

2. خلیات مرنے اور ضائع ہونے شروع ہو جاتے ہیں۔
3. مقام خرابی اور نقص کی طرف دوران خون میں بے قاعدگی پیدا ہو جاتی ہے۔

ماہرین کیمیاء وحیاتیات نے ان مسائل کی طرف توجہ دی ہے۔ان کے خیال کے مطابق:

1. یہ معلوم کرنا کہ جسمانی خلیوں میں آخر کون سی تبدیلیاں پیدا ہوتی ہیں جو بڑھاپے کا سبب بنتی ہیں۔
2. یہ طے کرنا کہ بڑھاپے کے اسباب خلیوں کے باہر اس بافت سے تو تعلق نہیں رکھتے جوان کے چاروں طرف رہتی ہے۔
3. دوران خون کی خرابی میں خلیات کی خرابی ونقص سے دوران خون کے جذب وواقع میں بے اعتدالی واقع ہو جاتی ہے یا خون میں کیمیاوی طور پر کمی بیشی واقع ہو جاتی ہے۔جس سے خلیات کے افعال واعمال کا توازن بگڑ جاتا ہے۔

یہ تینوں حقائق قابل غور ہیں۔کیا ے خلیوں میں صرف وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ کچھ تبدیلیاں پیدا ہوتی رہتی ہیں جس سے جوانی بڑھاپے میں تبدیل ہوتی رہتی ہے یا یہ تبدیلیاں ماضی کی پیدا کردہ ہوتی ہیں۔جن سے بڑھاپے کے اثرات نمایاں ہو جاتے ہیں۔یعنی کیا گزشتہ اعمال وافعال بڑھاپے کا سبب بنتے ہیں۔ان اعمال وافعال میں جدید طرز حیات کی پیدا کردہ کشمکش اور ذہنی پریشانی بھی شامل ہوتی ہے۔

یہ بھی حقیقت ہے کہ انسان پر ماحول کا زبردست اثر پڑتا ہے جو بڑھاپا لانے کا بڑ ذمہ ر ہے۔ماحول کے علاوہ بعض طبیعاتی عوامل بھی غور طلب ہیں۔مثلاً ہم سب مستقل طور پر کشش ثقل کا مقابلہ کرتے رہتے ہیں۔زمین میں اپنے مرکز کی طرف کھینچ رہی ہے اور سب سیدھا کھڑا ہو کر چلنے کی کوشش کرتے ہیں۔پھر ہم مختلف موسمی تبدیلیوں سے متاثر ہوتے ہیں۔دوران سفر مناظر ومتاثر اور آب وہوا کا تبدیل ہوتے رہنا اور موجودہ دور میں تیز مواصلات کی وجہ سے فوری تبدیلی بہت تیزی سے اثر انداز ہوتی ہے۔مختلف اقسام کی ہوائیں اور قسم قسم کے پانی اور ان سے بڑ فضا میں جو تابکاری پھیلی ہوتی ہے ان تیز سفروں میں نہایت شدت اختیار کر لیتے ہیں۔ویسے بھی عام زندگی میں سفر کو سیکد کہا گیا ہے۔ یعنی ۔ زخ کی آگ ہے۔

لیکن آج کل جب کہ تیز مواصلات کے ساتھ ایٹمی دور شروع ہو گیا ہے اور تقریباً ہر ملک ایٹمی تجربات اور دھماکے کر رہا ہے اور یہ حقیقت تسلیم کر جا چکی ہے کہ تابکاری کے اثرت بے حد خوفناک ہوتے ہیں۔جس کے نمونے ہیروشیما اور ناگاساکی تباہی کے بعد اب تک ظاہر ہیں۔اس تابکاری کا تعلق یورینیم وتھوریم اور ریڈیم یا ایسے ہی کسی قسم کے دوسرے عناصر سے ہوتا ہے جن کی خوبی یہ ہے کہ ان میں خودکار شعاعیں چھوڑنے کی صلاحیت ہوتی ہے اور یہ شعاعیں ظاہرہ آنکھیں دیکھ نہیں سکتیں لیکن ہم جانتے ہیں کہ وہ ہمارے خلیات اور اعضائے جسمانی پر اثر انداز ہوتی ہیں اور تیزی سے نقصان رساں ہوتی ہیں۔اس تابکاری کے علاوہ سورج کی شعاعیں بھی اپنے اندر تابکاری اثرات رکھتی ہیں۔ان کے علاوہ بعض دیگر اقسام کی غیر مرئی شعاعیں بھی اثرات پذیر ہوتی ہیں۔مثلاً الٹراوائلٹ (بالائے بنفشی' انفراریڈ' زیر سرخ' کوسمک ریز (کائناتی شعاعیں) وغیرہ خلیات کے مشینی وکیمیاوی اور دوران خون پر بہت کچھ دباؤ ڈالتی ہیں لیکن یہ حقیقت مسلمہ ہے کہ یہ شعاعیں ہمارے جسم سے ایسے گزر جاتی ہیں جیسے ایکس ریز (شعاعیں) گزر جاتی ہیں۔عام طور پر یہ سر اور اعصاب میں داخل ہو کر پیروں سے نکل جاتی ہیں اور اپنے اثرات سے متاثر کر دیتی ہیں۔ ان تاثرات کا اثر صحت اور جوانی پر یقیناً پڑتا ہے۔اس طرح یہ عوامل اور اسباب بھی جلد بڑھاپا لا سکتے ہیں۔

سائنس دان ایک عجیب وغریب مشاہدے سے پریشان ہیں کہ جب کسی نوجوان شخص کا مقابلہ کسی بوڑھے آدمی سے کیا جاتا ہے تو ظاہر میں دونوں کی شکل وشباہت اور اعضائے جسم میں بڑا فرق موجود ہوتا ہے لیکن جب دونوں کا عضوی وکیمیاوی اور دموی تجزیہ کیا جائے تو ان کے مابین کوئی فرق موجود نہیں ہوتا مگر بیرونی طور پر نمایاں اثر نظر آتا ہے۔مثال کے طور پر اگر اس مادے کا مشاہدہ کریں جو زندہ خلیے تیار کرتے ہیں جن کو

انزائم کہتے ہیں جو خمیر سے تیار ہوتے ہیں۔ ان کی سطح جوانوں اور بوڑھوں میں تقریباً ایک جیسی ہوتی ہے۔ اگر دس فی صدی فرق بھی ہو تب بھی ہم اسے زیادہ سمجھیں گے۔ ممکن ہے دوسرے عناصر کی بھی یہی صورت ہو۔ ماہرین یہ جاننے کی کوشش کر رہے ہیں کہ خلیوں کے چاروں طرف لپٹی ہوئی بافت کو بڑھاپے میں کیا ہو جاتا ہے۔ کم از کم دس تبدیلیاں ایسی معلوم کی گئی ہیں جو بڑھاپے کی وجہ سے خلیوں کے بالکل نزدیک واقع ہوتی ہیں۔ ممکن ہے تبدیلیاں ایک حد تک بڑھاپا لانے کی ذمہ دار ہوں۔

اس کا یہ مطلب نہیں کہ خلیوں کے اندرونی عمل کا ہماری عمر سے کوئی تعلق نہیں ہے لیکن ماہرین ان کے اندر باہر دونوں طرف دیکھنا چاہتے ہیں۔ ان کے تجربات اور مشاہدات نے یہ بھی معلوم کیا ہے کہ انسانی بافتوں میں ایک مادہ کولیجن نام کا ہوتا ہے جو حل پذیر ہے۔ مگر جب گرم پانی میں پکایا جاتا ہے تو وہ جیلٹین میں تبدیل ہو جاتا ہے' جسمانی درجہ حرارت پر وہ نسبتاً غیر حل پذیر ہو جاتا ہے حتیٰ کہ بالکل جامد ہو جاتا ہے۔

چونکہ بڑھاپے میں حرارت عزیزی کم ہو جاتی ہے ممکن ہے یہی مادہ جامد ہو کر ضعیفی اور پیری کی صورت اختیار کر لیتا ہو۔ یہ ایک اہم مادہ ہے جو کل جسم کی پروٹین کا ایک تہائی حصہ ہوتا ہے اس بات کا ثبوت موجود ہے کہ عمر کے بڑھنے کے ساتھ ساتھ ہماری بافتوں میں اس مادہ کی مقدار بڑھتی رہتی ہے۔ شائد اسی وجہ سے بڑھاپے میں ہمارے خلیوں کو پوری غذا حاصل نہیں ہوتی اور ہم برابر کمزور ہوتے چلے جاتے ہیں۔

ان حقائق سے ثابت ہوتا ہے کہ انسان کی عمر جوں جوں گزرتی جاتی ہے۔ انسان اپنے ماحول سے متاثر ہوتا ہے۔ اب اس کی یہ کوشش ہے کہ وہ اپنی عمر اور ماحول سے متاثر ہوتا ہے۔ اب یہ انسان کی ذاتی کوشش ہے کہ وہ اثرات سے اپنے اندر صحت و جوانی اور نشوو ارتقاء قائم رکھے یا اپنے کو بڑھاپے کی طرف دھکیل دے۔ یعنی وہ بیماریاں جو اسے لاحق ہوتی ہیں یا غذائیں جو وہ کھاتا ہے تابکاری اثرات جن سے وہ دوچار ہوتا ہے۔ ان تمام اغذیہ و اثرات اور اعمال کے اثرات کو اپنی دسترس میں رکھ کر مفید اثرات حاصل کر سکتا ہے۔ ورنہ زمانے کے اثرات اس کو بڑھاپے کی طرف کھینچتے چلے جائیں گے۔

بڑھاپے کے اسباب میں اس کے علاوہ ایک سبب وراثتی زہریلے مادے اور بچپن کے امراض بھی شامل ہیں۔ جو عمر کے ساتھ ساتھ جسم میں بڑھتے رہتے ہیں اور بہت جلد بڑھاپا پیدا کر دیتے ہیں لیکن ان صورتوں میں بھی جسم کے خلیات، ان کا ماحول اور خون کے اجزاء پہلے سے ضرور متاثر ہو چکے ہوتے ہیں۔

ان زہریلے مادوں میں سفلس و سائیکوسس اور سورا خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ جو مشینی طور پر جسم کے بعض خلیات میں تحریک و تیزی سے پیدا ہوتے ہیں اور کیمیاوی طور پر جس کے بعض اجزاء کی کمی و بیشی سے پیدا ہوتے ہیں اور بڑھتے جاتے ہیں۔ اس طرح بڑھاپے کی روک تھام کے لیے لازم ہو جاتا ہے کہ اوّل ان زہریلے مادوں کو خارج کیا جائے اور بچپن کے امراض سے نجات پائی جائے اور آئندہ کے لیے جسم میں نشوو ارتقاء کی صورتیں پیدا ہو جائیں اور اس طرح بڑھاپے کا مقابلہ کیا جا سکتا ہے۔

بڑھاپے کے اثرات اور علامات میں اہم شے چہرے اور جسم کی تبدیلی اور جھریاں ہیں۔ ان کے متعلق سائنس دانوں کا یہ خیال ہے کہ اس کے اسباب میں بافتوں کے اندر رہنے والے مادے ''الاسٹین'' میں تبدیلیاں پیدا ہو جاتی ہیں یا ایک قسم کے ترشے کی کمی کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں۔ جس میں پانی کو روکنے کی صلاحیت ہوتی ہے جس کی وجہ سے ہماری جلد میں دباؤ قائم رہتا ہے اور چہرے و جسم میں جھریاں اور تبدیلیاں پیدا نہیں ہو سکتیں۔

اسی طرح بعض سائنس دانوں کی تحقیقات یہ ہے کہ جسم میں پیدا ہونے والے بعض ہارمونز (کیمیاوی رس) اپنے اعضاء کی خرابی کی وجہ سے کم یا بالکل ہی پیدا ہونا رک جاتے ہیں۔ جن کا اثر خلیات اور دیگر اعضاء کی نشوونما روک دیتا ہے اور اس کی وجہ سے بڑھاپے کے اثرات نمایاں ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔

اس سلسلہ میں نفسیات کے ماہر اپنی تحقیقات سے یہ ثابت کرتے ہیں کہ انسانی جذبات کی شدت خلیات اور خون میں خاص قسم کے زہر پیدا کر دیتے ہیں جن سے بڑھاپے کے اثرات ظاہر ہو جاتے ہیں۔ نفسیاتی اثرات ہوں یا جسمانی بہرحال زہریلے اثرات خلیات اور ان کے اعمال میں نقصان پیدا کر کے بڑھاپے کو دعوت دیتے ہیں۔

انسجہ میں مرض کی ابتداء

انسجہ (مفرد اعضاء) کے خلیات کے افعال جب طبعی طور پر اعتدال پر قائم رہتے ہیں تو مجرائے بدن میں کبھی کوئی خرابی پیدا نہیں ہوتی' اس کا نام صحت ہے۔ اسی سے قوت اور جوانی قائم رہتی ہے۔ جب ان میں نقص و خرابی اور بے اعتدالی پیدا ہو جاتی ہے یعنی اگر کسی خلیہ کے ان صفات کے اندر کسی قسم کا فرق آ جائے تو یہ خلیہ ایسی صورت میں ضرور مریض ہوگا۔ اس کا اثر انسجہ (مفرد اعضاء) اور مجرائے جسم پر پڑے گا۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ اعضائے جسم میں خرابی اور بے اعتدالی واقع ہو جائے گی۔

بس اس حالت کا نام مرض ہے اور اس کی طرف جو صورتیں دلالت کریں ان کا نام علامات ہے۔ ضعف اور بڑھاپے کا اظہار بھی ان کی علامات سے ہوتا ہے۔

طب یونانی میں مرض کی ماہیت میں اس کی ابتداء مفرد اعضاء (انسجہ) کے مرض: ① سوئے مزاج۔ ② مرض کی ترکیب۔ ③ مرض تفرق اتصال سے شروع ہوتا ہے۔ فرنگی طب کی پیتھالوجی (ماہیت امراض) میں مرض کی ابتداء ترسب وفساد سے شروع ہوتی ہے۔ اگر فرنگی طب کے ترسب کو مرض ترکیب اور فساد کو تفرق اتصال بھی تسلیم کر لیں تو بھی سوئے مزاج ایک ایسی صورت ہے جو طب یونانی میں تو نظر اور سمجھ آ سکتی ہے مگر فرنگی طب میں اس کی کوئی صورت نہیں ہے۔ پھر ترسب میں جو صورت بیان کی گئی ہے۔ صرف اس قدر ہے کہ اس کی طرف کوئی دوسرا مادہ اکٹھا ہو جائے۔ وہ خود تندرست ہوتا ہے اور اس کے اندر باہر کوئی تبدیلی پیدا نہیں ہوتی اور یہی حالت اس کے تمام اقسام میں قائم ہے۔ لیکن طب یونانی مرض سوئے مزاج میں مفرد اعضاء (انسجہ) کے اندر مزاج کی تبدیلی تسلیم کرتی ہے جس میں اس کے اندر کی تبدیلیاں پیدا ہوتی ہیں اور امراض کی ابتداء ہوتی ہے۔ حیرت کی بات یہ ہے فرنگی طب خلیہ کی اندرونی تبدیلیاں کسی نہ کسی صورت میں تسلیم کرتی ہے مثلاً کسی قسم کی تبدیلی اس کی شکل میں واقع ہو جائے یا اس کی نواۃ جو مرکز یا وسط میں واقع ہے۔ اسی طرح مادہ حیات کی اپنی خاص شکل اور جائے وقوع ہے۔ ان کے طبعی اجزاء غیر طبعی مقدار میں یا غیر طبعی جگہ پر واقع یا مفقود ہوں تو خلیہ مریض سمجھا جائے گا۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس کے مزاج میں خرابی واقع ہو گئی ہے لیکن فرنگی طب نہ اس حالت کا نام رکھتی ہے اور نہ اس کو ترسب اور فساد میں شمار کرتی ہے۔

انسجہ میں امراض کی صورتیں

ہم نے نظریہ مفرد اعضاء کے تحت انسجہ (مفرد) اعضاء میں امراض کی تین صورتیں بیان کی ہیں: ① ان کے افعال میں تیزی ہوگی جس کو ہم ان کی تحریک کا نام دیتے ہیں۔ ② اس کے افعال میں سستی ہوگی جس کو ہم ان کی تسکین کا نام دیتے ہیں۔ ③ ان کے فعل میں ضعف واقع ہوگا جس کا نام ہم اس کی تحلیل رکھتے ہیں۔ ان تینوں صورتوں کی ابتداء سوئے مزاج سے شروع ہوتی ہے اور پھر مرض ترکیب اور داخلی تفرق اتصال تک پہنچ جاتی ہے۔ اس کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔ امراض کی ماہیت اور حقیقت کے سمجھنے کا سب یہی راز ہے۔

مرض کی ابتداء سے لے کر اس کی انتہاء تک یہی سلسلہ چلا جاتا ہے۔ اس طرح طالب علم اور اطباء کو امراض کی حقیقت' ماہیت اور ان کے نتائج جو ضعف وقوت اور بڑھاپے کی صورتوں میں آسانی سے ذہن نشین ہو جاتے ہیں۔ فرنگی طب اور ماڈرن میڈیکل سائنس تو کیا کسی طریق علاج

نے بھی ان کوائف کو اس ترتیب اور خوبصورتی سے بیان نہیں کیا ہے۔ تاکہ ہم فوری طور پر مرض کو سمجھ کر ضعف وقوت اور بڑھاپے کی ماہیت وحقیقت اور اسباب کو سمجھ کر علاج کر سکیں۔ امراض کی ان تین صورتوں کی تفصیل درج ذیل ہے:

انسجہ میں تحریک کے امراض

کسی نسیج (مفرد عضو) میں جب تحریک پیدا ہوتی ہے تو اس کے فعل میں تیزی پیدا ہو جاتی ہے۔ تحریک کی ابتداء میں تو عضو بوجہ کسی محرک کیفیت یا مادہ (عنصر) کی زیادتی یا اپنی ساخت میں کسی کیفیت یا مادہ کی کمی سے گر جاتا ہے اور اس کے مزاج میں سردی اور رطوبت میں خشکی واقع ہونا شروع ہو جاتی ہے۔ اس سے اس فعل میں تیزی پیدا ہو جاتی ہے لیکن اس عضو جسم میں ابتداء کوئی تبدیلی پیدا نہیں ہوتی البتہ اس میں خشکی کی وجہ سے وہ اپنے افعال تیزی سے انجام دینے لگتے ہیں اور خون کا دورہ اس کی طرف تیز ہو جاتا ہے۔ گویا ایک قسم طاقت کی صورت اس میں قائم رہتی ہے۔ اگر یہی صورتیں اس میں قائم رہیں اور اس کی رطوبات تمام خشک نہ ہو جائیں اور اس کا سکیڑ زیادہ بڑھے تو اس کے افعال کی تیزی سے جو اخلاط یا رطوبات یا مواد پیدا ہو رہے ہیں وہ جسم میں بڑھ جاتے ہیں جیسے جگر کے فعل میں تیزی سے صفراء، دماغ کے فعل میں تیزی سے رطوبت اور دل کے فعل میں تیزی سے ریاح کی زیادتی ہو جاتی ہے۔ گویا یہ سکیڑ اعصاب وغدد اور عضلات تینوں میں ہو سکتا ہے۔ یہ کیمیاوی امراض ہیں جو مشینی طور پر اعضاء میں سکیڑ سے پیدا ہوتے ہیں۔ اس تحریک سے اعضاء میں جو سکیڑ پیدا ہوتا ہے اس کو طب میں ضمور اور انگریزی میں اٹروفی (ATROPHY) کہتے ہیں۔ بعض نے اس حالت کو ہزال لکھا ہے۔ یہ غلط ہے کیونکہ ہزال تحلیل کے بعد پیدا ہوتا ہے جاننا چاہیے کہ عضو کا سکیڑ یا ضمور حجم میں عظم کے مقابلے میں ہوا کرتا ہے۔ اس میں حرارت کا کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ اس لیے اس حالت کو ہزال کہنا صحیح نہیں ہے۔

جب کسی عضو میں سکیڑ پیدا ہوتا ہے تو اس میں کیمیاوی طور پر ارضی مادے پیدا ہوتے اور بڑھتے جاتے ہیں۔ جن کو کلسی مادہ کہنا زیادہ بہتر ہے۔ اعضاء میں کلسی مادے کی زیادتی سے کبھی ریاح کی پیدائش بڑھ جاتی ہے۔ کبھی وہاں انسجہ میں تحریک ہو کر ان میں نشوونما شروع ہو جاتی ہیں۔ جس سے رسولیاں سلعات (Tumors) بن جاتی ہیں۔ کبھی خشکی سے اعضاء پھٹ جاتے ہیں۔ کبھی خارش شروع ہو جاتی ہے۔ کبھی دانے نکل آتے ہیں۔

جب کبھی کسی عضو میں رفتہ رفتہ یا یکبارگی یا ضربہ یا سکتہ سے خشکی ہو جاتی ہے جس میں اکثر ورم پیدا ہو جاتا ہے۔ گویا خشکی سے لے کر خارش اور دانے، سوزش وبدن پھٹنا اور سلعات واورام سب اسی تحریک کے مشینی امراض ہیں۔ مشینی اور کیمیاوی امراض اور علامات کے فرق کو اچھی طرح ذہن نشین کر لینا چاہیے۔

انسجہ کی تسکین کے امراض

جب کسی نسیج (مفرد عضو) میں بلغم اور رطوبات کی زیادتی شروع ہو جاتی ہے تو اس عضو کے حجم یا انسجہ کی تعداد یا غیر عضوی مادوں کے اجتماع سے نشوونما ہو کر اس کی ساخت میں غیر طبعی بڑھاؤ پیدا ہو جاتا ہے جس کو عظم کہتے ہیں۔ اس کی مندرجہ ذیل صورتیں ہیں:

① عظم صادق ② عظم کاذب ③ عظم اضافی

① عظم صادق: جب اعضاء کی ساخت میں طبعی طور پر بڑھاؤ پیدا ہو تو اس کو عظم صادق کہتے ہیں۔ جیسے ورزش اور محنت سے اعضائے جسم میں عظم واقع ہو جاتا ہے۔ اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ وہاں کے اعضاء میں ورزش اور محنت، خشکی کے ساتھ طلب غذا بڑھ جاتی ہے جو خون سے حاصل کرتے ہیں جس سے ان میں طبعی نشوونما ہو جاتی ہے اور یہی صالح چیز ہے۔ اس کو مرض میں شمار نہیں کیا جاتا۔ یہ مفید صورت ہے۔

② **عظم کاذب**: جب عضو کی ساخت میں بلغم یا رطوبات جمع ہوں مگر وہ اعضاء میں جذب اور جزو بدن نہ ہوں ان سے مفرد اعضاء (انسجہ) بڑھ کر نرم یا ڈھیلے ہو جائیں۔ ایسے بڑھاؤ زیادہ تر انسجہ الحاقی میں ہوا کرتے ہیں۔ چونکہ یہ غیر طبعی بڑھاؤ ہوتا ہے۔ اس لیے اس کو عظم کاذب کہتے ہیں۔ جیسے جگر و طحال اور دل و پیٹ کا بڑھاؤ وغیرہ وغیرہ۔

③ **عظم اضافی**: جب کسی عضو پر کسی غیر مادہ کا بڑھاؤ پیدا ہو جائے' جیسے چربی یا غیر انسجہ کا بڑھاؤ۔ چونکہ یہ بڑھاؤ غیر طبعی ہوتا ہے اس لیے اس کو عظم اضافی کہتے ہیں۔ جیسے دل گردوں اور پیٹ پر چربی کا چڑھ جانا وغیرہ وغیرہ۔

انسجہ میں تحلیل کے امراض

جسم میں انسجہ (مفرد اعضاء) کے امراض کی تیسری صورت تحلیل ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ حرارت کی زیادتی سے جسم میں تحلیل ہوتی ہے جس سے ضعف پیدا ہو جاتا ہے جس سے انسجہ میں کمی واقع ہونا شروع ہو جاتی ہے جیسے موم بتی کے جلنے کی حرارت سے موم تحلیل ہو کر اس میں کمی واقع ہو جاتی ہے یا برف اگر دھوپ میں پڑی ہو تو اس میں تحلیل اور کمی شروع ہو جاتی ہے۔ جس میں اس طرح کی تحلیل اور کمی سے ضعف کی صورت پیدا ہو کر امراض و ضعف قوت اور بڑھاپا کے آثار ظاہر ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔

ان حقائق سے ثابت ہوا کہ جب انسجہ (مفرد اعضاء) میں تحریک یا تسکین یا تحلیل میں شدت پیدا ہو جائے۔ یہ شدت کسی بھی نسیج (اعصابی وغدی اور عضلاتی) میں واقع ہو جائے۔ بس مرض و ضعف قوت اور بڑھاپا پیدا ہونا لازمی ہیں۔

صحت کے کیمیاوی اثرات

آج آپ کے سامنے ایک اور حقیقت بیان کرتا ہوں۔ یہ قدرت کا ایک قانون ہے اور صحت کا ایک راز ہے۔ قدرت کی اس حقیقت وقانون اور صحت کے راز کا نام ہے ''قوت شفا'' یہ ایک اہم حقیقت ہے اور صحت کے لیے بے حد ضروری قانون ہے۔ افسوس ہے کہ فرنگی طب اور سائنس اور بلکہ میڈیکل سائنس نے بھی اس کا کہیں ذکر تک نہیں کیا۔ بلکہ اس کا طریقہ علاج بالکل اس کے خلاف ہے۔ علاج بالمثل (ہومیوپیتھی) بھی اس قانون سے ناواقف ہے۔ البتہ آیورویدک اور طب یونانی کے علاج جو قانون کی حیثیت رکھتے ہیں مگر اس کی تفصیل وتشریح اور ترتیب ولازمی حیثیت سے کبھی بیان نہیں کیا گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ اس قانون کے بغیر کبھی ''قوت شفا'' حاصل نہیں ہو سکتی۔ عام طور پر دست شفا کا ذکر ضرور کیا جاتا ہے۔

لیکن جب تک قوت شفا پر دسترس نہ ہو اس وقت تک دست شفا کی خوبی پیدا نہیں ہو سکتی۔ قانون شفا کے متعلق جاننا چاہیے کہ مرض بذات خود کوئی شے نہیں ہے۔ صرف صحت ایک حقیقت ہے اور اس کے قائم نہ رہنے کا نام مرض ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے جھوٹ اور برائی کوئی حقیقت نہیں ہیں بلکہ حقیقت سچائی اور نیکی کا نام ہے۔ جہاں سچائی اور نیکی کی نفی ہوتی ہے وہاں پر جھوٹ اور برائی کی شکل پیدا ہو جاتی ہے۔ حقیقت میں صحت ایک قانون فطرت ہے جو قدرت کے ماتحت عمل کرتا ہے' جس کی تعریف یہ ہے کہ جب جسم انسان کے اعضاء خاص طور پر مفرد اعضاء انسجہ' خون' اخلاط وکیفیات اور نفسیاتی اثرات (جذبات) اعتدال پر قائم رہیں اس کا نام صحت ہے۔ جب اعضاء میں بگاڑ' خون میں تغیر اور جذبات میں خرابی واقع ہو جاتی ہے تو اس کا نام مرض رکھ دیا جاتا ہے۔

جاننا چاہیے کہ:

① نفسیاتی بگاڑ ایک وقتی اثر ہے جو جذبات کے اثرات سے پیدا ہوتا ہے اور منٹوں میں ختم ہو جاتا ہے۔ بعض وقت گھنٹوں اور دنوں تک

چلا جاتا ہے' شاذ ایسا ہوتا ہے کہ عمر بھر ایک ہی جذبہ قائم رہے۔ بہر حال ہر صورت میں اپنے اثرات خون میں چھوڑتا رہتا ہے۔ یہاں یہ بھی یاد رکھیں کہ کسی جذبہ اور نفسیاتی اثر کا اظہار کسی نہ کسی عضو کے فعل میں کمی بیشی کے بغیر نہیں ہوسکتا۔

② اعضائے جسم کے افعال کی خرابی جو کیفیات کے تحت پیدا ہوتی ہے وہ فوری طور پر واقع ہو۔ وہ بھی دائمی نہیں ہوتی' بلکہ گھنٹوں اور دنوں تک محدود ہوتی ہے۔ پھر خرابی کے اثر کے مطابق جلد ختم ہو جاتی ہے البتہ یہ خرابی بھی خون میں اپنا اثر چھوڑتی ہے۔ یہ دونوں خرابیاں مختلف ہیں لیکن اعضاء کے افعال میں کمی بیشی کے اظہار کی وجہ سے ایک صورت معلوم ہوتی ہے۔ ان کو جسم کے مشینی اثرات کہا جاتا ہے۔ جب تک یہ قائم رہتی ہیں۔ خون میں ان کا اثر شامل ہوتا رہتا ہے۔

③ خون میں تغیر ایک دائمی تبدیلی ہے جو مشکل سے پیدا ہوتی ہے اور دیر سے ختم ہوتی ہے۔ یہ زیادہ تر مادی اثرات سے پیدا ہوتی ہے۔ جو کھانے پینے کی اشیاء کا نتیجہ ہے۔ البتہ اس میں اعضاء کے افعال اور نفسیاتی اثرات کے تحت کیفیات کے اثرات شامل ہو جاتے ہیں۔ ان کو جسم کے کیمیاوی اثرات کہا جاتا ہے۔ جاننا چاہیے کہ جسم میں یہی تینوں قسم کے اثرات پیدا ہوتے ہیں:

① نفسیاتی ② عضوی افعال ③ دموی تغیرات۔ اوّل دونوں مشینی اثرات ہیں۔ تیسرا کیمیاوی تغیر ہے۔ مشینی اثرات وقتی طور پر پیدا ہوتے ہیں اور فوری طور پر ختم ہو جاتے ہیں۔ کیمیاوی تغیرات مشکل سے پیدا ہوتے ہیں اور دیر کے ساتھ تبدیل ہوتے ہیں۔ ان کے اعتدال کا دوسرا نام صحت ہے اور اعتدال کے بگڑ جانے کا نام مرض ہے۔

جاننا چاہیے صحت کا قیام اس کیمیاوی ترتیب پر منحصر ہے جو خون میں قائم ہے۔ تمام اعضاء اس کے مطابق اپنے افعال انجام دیتے ہیں اور انسانی جذبات اس کے مطابق ابھرتے ہیں۔ دوسرے الفاظ میں زندگی وقوت اور عادات واخلاق خون کی صحیح کیمیاوی ترتیب (مرکب) پر قائم ہیں۔ بس یہی صحت ہے اور خون کی یہ صحیح کیمیاوی ترتیب بگڑ جاتی ہے چاہے وہ بگاڑ نفسیاتی جذبات کے اثرات ہوں یا اعضاء کے افعال کی کمی بیشی سے ہو یا مادی تغیرات سے خون میں کیمیاوی تبدیلی پیدا ہو جائے۔ بہر حال خون کی ترکیب (مرکب) میں فرق پیدا ہو جاتا ہے۔ بس یہی مرض ہے۔ اس مرض سے جسم میں جو حالات پیدا ہوتے ہیں وہی اس کی علامات ہیں۔ یہ علامات عضوی وکیفیاتی بھی ہوتی ہیں اور مادی ونفسیاتی بھی ہوتی ہیں۔ ان میں بعض شدید ہوتی ہیں اور لطیف معلوم ہوتی ہیں۔ مریض اکثر شدید علامات کی تکلیف کا اظہار کرتا ہے اور انہی کو مرض کا نام دیتا ہے۔

علاج کی صورت میں معالج بھی مریض کی تکلیف کے زیر اثر اور اپنی کامیابی کے پیش نظر انہی علامات کو رفع کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اوّل تو وہ کامیاب نہیں ہوتا ہے۔ اگر کسی حد تک کوئی علامت کم بھی ہو جائے یا تکلیف رک جائے تو تھوڑے عرصہ بعد پھر نمودار ہو جاتی ہے۔ بلکہ پہلے سے بھی زیادہ شدت کے ساتھ لوٹ آتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ معالج ماہیت مرض سے واقف نہیں ہے۔ اور نہ ہی صحت کے صحیح قانون کا اس کو علم ہے۔ اس لیے اس کے پاس قوت شفاء نہیں ہے نہ دست شفاء رکھتا ہے۔

جاننا چاہیے کہ صحت کسی علامت واثر وتکلیف کے رفع کرنے کا نام نہیں ہے بلکہ صحت کی اس حالت کو لوٹانے کا نام ہے جس سے خون کی صحیح کیمیاوی ترکیب (مرکب) قائم ہو جائے یہی قوت شفاء ہے۔ جب قوت شفاء قائم کرنے کی کوشش کی جاتی ہے تو اس سے نہ صرف اعضاء کے مشینی افعال اور خون کی کیمیاوی ترکیب درست ہو جاتی ہے بلکہ مادی وکیفیاتی اور نفسیاتی علامات واثرات اور تکالیف بھی دور ہو جاتی ہیں۔ بس اسی کا نام صحت ہے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ کون سے طریق علاج میں صحت کو حاصل کرنے کے لیے قوت شفاء کو مدنظر رکھا گیا ہے۔ جہاں تک فرنگی طب میڈیکل سائنس کا تعلق ہے وہ صرف ان علامات واثرات اور تکالیف کو دور کرنے کی کوشش کرتی ہے جو ظاہر اور باطن جسم میں اس کو معلوم ہوتی ہیں لیکن مجموعی

طور پر خون کی کیمیاوی ترتیب اور افعال الاعضاء کو کلی طور پر مدنظر نہیں رکھا جاتا۔ زیادہ سے زیادہ ان کے زہروں کو خون کے اندر معلوم کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

جاننا چاہیے کہ جراثیم اوران کا زہر خون کے اجزا نہیں اور نہ ہی حالت صحت میں خون میں پائے جاتے ہیں۔ اگران کو باعث مرض قرار بھی دے دیا جائے اوران کو انٹی سپٹک (دافع زہر) ادویات سے بھی دور کردیا جائے تو بھی خون کی وہ صحیح کیمیاوی ترتیب پیدا نہیں ہوسکتی جس کا نام قوت شفاء ہے۔ اس کے بغیر صحت کا حصول ناممکن ہے۔

دوسرا طریق علاج' علاج بالمثل (ہومیوپیتھی) ہے اس میں سرے سے مرض کا تصور ہی نہیں ہے۔ اس کی ماہیت (پیتھالوجی) کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ان کے ہاں صحت کا کوئی مقام ہی متعین نہیں کیا گیا تو پھر بھلا وہ خون کی صحیح کیمیاوی ترکیب کو کیا سمجھ سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ ان کے ہاں اعضاء کے افعال وغذائی خواص اور مادی اثرات ونفسیاتی کیفیات کے جسم پر اوران کے باہمی تعلقات پائے ہی نہیں جاتے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا مریض کی کسی علامت کو رفع کرنے سے خون کے اندر صحیح کیمیاوی ترتیب پیدا ہوسکتی ہے۔ نہیں ہرگز نہیں بلکہ ادویات تو مادی کی بجائے روحانی خوراکوں میں استعمال کرائی جاتی ہیں۔ اس صورت میں مادی شے کے اضافہ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوسکتا۔ پھر خون میں تبدیلی کیسے پیدا ہوسکتی ہے۔ اس لیے ایسے حالات میں قوت شفاء کا قائم کرنا ممکن ہی نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہومیوپیتھی میں چند علامات کو رفع کرنے کے علاوہ کسی مزمن وپیچیدہ بلکہ حقیقی طور پر کسی مرض کا یقینی اور بے خطا علاج نہیں ہے۔ زبانی زبانی کیور کمانڈ (قوت شفاء) کا دعویٰ بے معنی ہے۔

ایلوپیتھی (فرنگی طب) اور ہومیوپیتھی (علاج بالمثل) کے علاوہ اور بھی چند چھوٹے موٹے علاج ہیں جن میں سے بایوکیمک۔ ہائیڈروپیتھی (پانی یا بھاپ سے علاج) الیکٹروپیتھی (بجلی سے علاج) کروموپیتھی (رنگوں سے علاج) فزیوپیتھی (مالش وامالہ سے علاج) سائیکوپیتھی (تجزیہ نفس سے علاج) وغیرہ وغیرہ سب فرنگیوں کی پیداوار ہیں۔ ان سب میں قوت شفاء کا نام نہیں ہے۔ اوّل توان کو طریق علاج کہنا ہی غلط ہے بلکہ طریق علاج کے نام کی ذلت ہے۔ صرف چند علامات کو رفع کردینے کا نام علاج نہیں ہوسکتا۔ جیسے بعض لوگ فاقہ کرنے کو علاج کہتے ہیں۔ موسیقی کو علاج کرنے میں شامل کرتے ہیں۔ مذہبی کتب وآیات اور مذہبی عبادتوں اور منتر کو روحانی علاج کا درجہ دیتے ہیں۔ اسی طرح تعویز گنڈا اور جھاڑ پھونک کو بھی علاج میں شامل کرلیا گیا ہے۔

یہ بھی علاج کی شان کے منافی ہیں اور نہ ہی ان میں اصول صحت ہیں اور نہ یہ قانون فطرت کے مطابق ہیں۔ ان میں قوت شفاء کا پایا جانا ناممکن ہے۔ ہم نے قانون شفاء بیان کردیا ہے۔ ہر طریق علاج کو اس کسوٹی پر پرکھا جاتا ہے۔ اگر کوئی قوت شفاء کے اس قانون کے علاوہ کوئی اور قانون پیش کرے جس میں قوت شفاء ہو تو ہم اس کو چیلنج کرتے ہیں۔

اب آپ کے سامنے دوعدد ایسے طریق علاج پیش کرتا ہوں جن کی بنیاد ہی قوت شفاء پر رکھی گئی ہے۔ کوئی صاحب علم واہل فن یا سائنس دان مندرجہ بالا قانون یا سائنس کے کسی قانون کے تحت ان کی اس قوت شفاء کی خوبی کو غلط ثابت نہیں کرسکتا۔ اور نہ ہی ہماری تحقیق قوت شفاء سے انکار کرسکتا ہے۔ یہ معجزہ ہماری تحقیقات نظریہ مفرد اعضاء کا ہے جس نے حق وباطل میں تمیز پیدا کردی ہے۔

یہ دونوں طریق علاج جن کی بنیاد قوت شفاء پر رکھی گئی ہے۔ اصولی اور مکمل ہیں۔ پہلا طریق علاج طب قدیم کا ہے جس میں صحت کی بنیاد اخلاط اور کیفیات کے اعتدال پر رکھی گئی ہے یعنی جب تک ان کا اعتدال قائم نہیں رہتا صحت قائم نہیں رہ سکتی۔ اس کی تین صورتیں بیان کی گئی ہیں: ❶ ان میں کمی بیشی واقع ہوجائے۔ ❷ ان کے مزاج میں خرابی اور نقص رونما ہوجائے۔ ❸ ان کے اپنے مقام میں تبدیلی ہوجائے۔

یعنی خلط اپنے صحیح مقام سے اخراج پانے کی بجائے دیگر مقام پر چلی جائے۔ یہی صحت کی بنیاد یا ماہیت مرض طب قدیم کا بنیادی قانون ہے۔ جو قانون فطرت کے تحت عمل کرتا ہے یعنی جب تک اخلاط (خون و بلغم اور صفراء و سودا) اور کیفیات (گرمی و سردی اور تری و خشکی) اعتدال پر ہیں۔ کوئی مرض پیدا نہیں ہوسکتا اور اگر کوئی مرض ہو تو جسم میں ان کا اعتدال قائم کر دیا جائے تو مرض فوراً رفع ہو جائے گا۔ یہی قوت شفاء ہے۔

دوسرا طریقہ علاج ایوویدک کا ہے۔ اس میں صحت کی بنیاد بھی دوشوں (صالح اخلاط) اور پرکریتی (کیفیات) پر رکھی گئی ہے۔ اس کا بھی صحت کے متعلق یہی قانون ہے کہ جب یہ دوش اور پرکریتی اعتدال کے ساتھ قائم رہیں تو صحت قائم رہتی ہے اور جب ان کا اعتدال بگڑ جاتا ہے تو اس حالت کا نام مرض قرار دیا جاتا ہے جس کی تین صورتیں ہوسکتی ہیں: ❶ ان میں کمی بیشی واقع ہو جائے۔ ❷ ان کے مزاج میں خرابی اور نقص واقع ہو جائے۔ ❸ ان کے اپنے مقام اخراج میں تبدیلی پیدا ہو جائے۔

آیورویدک میں بھی یہی صحت کا بنیادی قانون ہے اور یہی ان کے ماہیت مرض کی بنیاد ہے۔ طب قدیم اور آیورویدک کے اخلاط اور دوشوں میں صرف اتنا فرق ہے کہ طب قدیم اخلاط کو چار تسلیم کرتی ہے اور آیورویدک دوشوں کو تین تسلیم کرتی ہے۔ جن کو وات (وایو سے ہے معنی ہوا) پت (صفراء) کف (بلغم) کہتے ہیں۔ وہ خون کو بھی تسلیم کرتی ہے جس کو رکت کہتے ہیں۔ لیکن اس کو دوش میں شامل نہیں کرتے البتہ خون کی کیمیاوی خرابی و نقص اور تغیر و تبدیلی میں دوشوں اور پرکرتی کو ضروری اور لازمی سمجھتے ہیں۔ گویا عملاً چاروں کو اکٹھا ہی شمار کرتے ہیں۔ یہ کوئی فرق نہیں ہے۔ صرف خون کے کیمیاوی تغیر و تبدیلی کو سمجھنے کے لیے ایسی تقسیم کی گئی ہے۔ حقیقت میں کیمیاوی تغیر و تبدیلی کی صورتیں وہی چار ہیں جن پر صحت قائم ہے اور یہی قانون قوت شفاء ہے۔

آخر میں اس مسلمہ حقیقت کا اظہار ضروری ہے کہ صحت کی حفاظت کے لیے جسم میں ایک قوت ہوتی ہے جو ان تمام اثرات کا مقابلہ کرتی رہتی ہے جو جسم کو متاثر کرتے رہتے ہیں۔ ان اثرات میں نفسیاتی و کیفیاتی اور مادی و جراثیمی اثرات خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ جب تک یہ قوت قائم رہے صحت قائم رہتی ہے۔ جب یہ قوت کمزور ہو جاتی ہے تو کوئی مرض پیدا ہو جاتا ہے۔ اس قوت کا نام مدافعت ہے۔ جس کو ایلوپیتھی میں ایمونٹی۔ ہومیوپیتھی میں وائٹل فورس۔ آیورویدک میں من۔ علم نفسیات میں نفس ناطقہ اور ادبی زندگی میں مائنڈ کہتے ہیں۔ اس کا مقام بھی جسم میں خون ہی تسلیم کیا گیا ہے۔ طب قدیم نے اس کو طبی روح کہا ہے۔ جو اخلاط کے لطیف بخارات سے پیدا ہوتی ہے۔ یہی جسم کی حفاظت کرتی ہے۔ ماڈرن میڈیکل سائنس نے تسلیم کیا ہے کہ خون میں سالڈ اینڈ لیکوئڈ (ٹھوس و سیال) مادوں کے علاوہ گیسیں (بخارات) بھی اس کے اجزاء ہیں جن میں آکسیجن، کاربن اور ہائیڈروجن وغیرہ قابل ذکر ہیں اور جب ان کے کیمیاوی تناسب میں فرق پڑ جاتا ہے تو صحت کا توازن بھی بگڑ جاتا ہے۔ ہم روزمرہ زندگی میں بھی عام طور پر ایک دوسرے سے یہی دریافت کرتے رہتے ہیں ''آپ کا مزاج کیسا ہے؟''۔ ''آپ کی طبیعت کیسی ہے؟'' یہ اس صحت کے توازن کا ہی ذکر ہوتا ہے جو کیمیاوی تناسب سے ہی قوت مدافعت قائم رکھتی ہے۔ بس جس قانون کے تحت یہ قوت صحت کو قائم رکھتی ہے اسی کا نام قانون قوت شفاء ہے۔ اسی سے حقیقت شفاء پیدا ہوتی ہے۔ جب یہ ثابت ہو گیا کہ اخلاط یا خون اور اس کے دیگر اجزاء ہی جسم و اعضاء خصوصاً مفرد اعضاء کی غذا بنتے ہیں۔ بلکہ مفرد اعضاء مجسم اخلاط ہیں۔

بس مفرد اعضاء (انسجہ ٹشوز) کے افعال کے اعتدال ہی سے قوت شفاء کا قانون عمل میں رہ سکتا ہے۔ صرف طب قدیم اور آیورویدک ہی ایسے طریق علاج ہیں جنہوں نے غذا کے ہضم سے لے کر اخلاط یا خون اور اس کے دیگر اجزاء کے بننے تک پھر ان سے ہی مفرد اعضاء مجسم ہوتے ہیں۔ جن کو ماڈرن میڈیکل سائنس میں ٹشوز (انسجہ) کہتے ہیں اور یہ ٹشوز (انسجہ) جسم کے ابتدائی حیوانی ذرات سے تیار ہوتے ہیں جن کو خلیات (سیلز) کہتے ہیں جس کا واحد خلیہ (سیل) ہے۔ بس یاد رکھیں کہ اسی حیوانی ذرہ کا اعتدال عمل قانون شفاء کی اولین اکائی ہے۔

حاصل یہ ہوا کہ اخلاط اور خلیات دونوں کیمیاوی اور مشینی طور پر زندگی اور صحت کو قائم رکھتے ہیں۔ صرف کسی ایک علامت کو رفع کر دینے سے کبھی صحت قائم نہیں رہ سکتی ہے۔ بلکہ قانون قوت شفاء پر پوری طرح عبور حاصل کر لینے اور اس پر قابو پا لینے سے ہی شفاء کاملہ پیدا ہو سکتی ہے۔

بڑھاپے کے تغیرات

بڑھاپے کو جب تک پورے طور پر ذہن نشین نہ کر لیا جائے اس وقت تک یہ بات یقین کے ساتھ نہیں کہی جا سکتی کہ بڑھاپا قابل علاج ہے یا نہیں۔ بڑھاپا تب پورے طور پر ذہن نشین ہو سکتا ہے جب اس کا پوری طرح اندرونی اور بیرونی طور پر تجزیہ کیا جائے۔ یہ تجزیہ وہ تغیرات ہیں جو بڑھاپے میں اندرونی اور بیرونی طور پر ظاہر ہوتے ہیں۔ انہی تغیرات سے ہم ان حقائق کو ذہن نشین کر سکیں گے۔ جن سے بڑھاپا انسانی جسم میں داخل ہوتا ہے اور ان کی وہ تمام صحت وقوت اور جوش وجذبات کو ختم کر کے خود قابض ہو جاتا ہے۔

بڑھاپے کے بیرونی تغیرات

اگر ایک بوڑھے انسان کو غور سے دیکھا جائے تو ظاہری طور پر قد وبت اور بناوٹ میں کوئی فرق معلوم نہیں ہوتا البتہ اس کے سر، چہرے اور جسم کے بال سفید ہوتے ہیں۔ چہرے اور جسم پر جھریاں پائی جاتی ہیں۔ بینائی وشنوائی اور گویائی کمزور ہوتی ہے۔ کچھ کمر جھک گئی ہوتی ہے۔ حرکات جسم میں مشکلات، چلنے پھرنے میں بوجھ اور دقت کے ساتھ سلامت روی پائی جاتی ہے۔ ہر قول وفعل میں جوش وجذبات میں تیزی کے بجائے سلامت پسندی نظر آتی ہے۔ غرض ایک ظاہری تغیر نظر آتا ہے۔ جو نوجوان انسان میں بالکل نہیں پایا جاتا۔ اگر یہ تغیر کسی بوڑھے انسان میں ختم ہو جائے تو وہ بھی پہلے جیسا جوان بن جائے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہی تغیر ہی مشکل نظر آتا ہے۔ اگر اس تغیر پر قابو پا لیا جائے تو یقیناً بڑھاپا قابل علاج ہے۔ اس تغیر کا اس وقت تک پورے طور پر علم نہیں ہو سکتا جب تک اندرونی تغیرات کا علم نہ ہو جو انسان کے اندر جسم اور خون میں پیدا ہوتے ہیں یا دوسرے الفاظ میں وہ تغیرات جو مشینی طور پر اعضاء میں پیدا ہوتے ہیں۔ کیونکہ انسان جسم اور خون کا بنا ہوا ہے اور انہی میں روح ہوتی ہے اور جذبات پیدا ہوتے ہیں۔ اندرونی تغیرات اپنے اندر بہت اہمیت رکھتے ہیں۔

بڑھاپے کے اندرونی تغیرات

غذا ہضم ہو جانے کے بعد خون بن جاتا ہے تو یہی خون دل سے جسم کی طرف دھکیلا جاتا ہے تا کہ جسم کی خوراک بن کر جزو بدن بنے۔ یہ خون دل کے سکڑنے اور پھیلنے سے پمپ کی طرح شریان میں پھیلتا جاتا ہے پھر دیگر شریانوں کے ذریعے تمام جسم میں پھیل جاتا ہے۔ یہاں تک کہ بال سے باریک شریانوں میں پہنچ جاتا ہے۔ جن کو عروق شعریہ (کپلریز) کہتے ہیں۔ یہاں سے یہ جسم پر شبنم کی شکل میں ترشح پاتا ہے۔ جس کو جسم جذب کر کے جذو بدن بنا لیتا ہے اور جسم میں جذب ہو جانے کے بعد جو رطوبت وہاں پر باقی بچ جاتی ہے وہ پھر جذب ہو کر دل میں پہنچ جاتی ہے۔ تندرستی میں یہ سلسلہ قائم رہتا ہے۔ دل جو خون روانہ کرتا ہے وہ جب ترشح پاتا ہے تو اس وقت وہ پہلے ان غدد سے گزرتا ہے جو عروق شعریہ کے سروں پر لگے ہوتے ہیں۔

یاد رکھیں کہ جب خون غدد میں داخل ہوتا ہے تو وہ ویسے ہی وہاں سے ترشح نہیں پاتا بلکہ وہاں پر خون میں تین کیمیاوی تبدیلیاں پیدا ہوتی ہیں:

① خون میں حرارت سے پختگی پیدا ہوتی ہے۔

② خون میں صفائی ہوتی ہے۔ جس خون میں پختگی پیدا نہیں ہوتی وہ وہاں سے واپس خون میں شریک ہو جاتا ہے۔

(۳) جو خون پختہ ہو جاتا ہے وہ جسم میں ترشح پاتا ہے۔

بالکل وہی عمل جو جگر اور گردے انجام دیتے ہیں اور یہ غدد بھی ان کے ماتحت ہیں۔ اس لیے ان کے مطابق اور ان کے ساتھ ساتھ ہی اپنے اعمال انجام دیتے ہیں۔ ان میں فرق یہ ہے کہ جس جس مقام اور جس جس عمل کے لیے ان کو مقرر کیا گیا ہے جیسے جگر اپنی رطوبات میں صفراء بنا کر خارج کرتا ہے اور گردے پیشاب پیدا کر کے خارج کرتے ہیں یہی صورتیں بانقراس و غدد امعاء اور دیگر تمام جسم کے غدد انجام دیتے ہیں۔

جسم پر رطوبت ترشح ہو جانے کے بعد جو جذب ہو کر بچ جاتی ہے وہ وہاں سے غدد ہی کے ذریعے جذب ہو کر عروق جاذبہ کے ذریعے دل میں پہنچ کر خون میں مل جاتی ہے۔ یہاں پر بھی غدد جاذبہ میں کیمیاوی تبدیلیاں پیدا ہوتی ہیں:

(۱) رطوبت میں خمیر پیدا ہوتا ہے اور وہ رطوبت جو کیمیاوی طور کھار (الکلی) ہوتی ہے تیزاب یا ترشی (ایسڈیٹی) میں تبدیل ہو جاتی ہے۔

(۲) جس رطوبت میں ترشی پیدا نہیں ہوتی وہ وہاں قائم رہتی ہے اور وہاں پر اکٹھی ہوتی جاتی ہے۔

(۳) جو رطوبت ترشی میں تبدیل ہو جاتی ہے وہ کیمیاوی طور پر عروق جاذبہ میں چلی جاتی ہے پھر یہی ترشی جب جا کر خون میں شریک ہوتی ہے تو دل کے فعل میں انقباض پیدا کر کے اس کو تیز کر دیتی ہے۔ اس سے خون میں گاڑھا پن پیدا ہو جاتا ہے۔ اس سے دل کے انقباض کے ساتھ تمام جسم کے عضلات میں انقباض پیدا ہو جاتا ہے۔

اسی عمل سے معدہ کے عضلات کی رطوبات جذب ہو کر وہاں سے اعصاب میں تیزی پیدا ہو جاتی ہے۔ جس سے بھوک لگتی ہے۔ عضلات کے اس انقباض سے نہ صرف معدہ کے عضلات میں تیزی آتی ہے بلکہ تمام جسم کے عضلات متاثر ہوتے ہیں۔ یہ دوران خون کا کیمیاوی عمل ہے۔

جوانی وصحت اور طاقت کی صورت میں دل بہت تیزی سے خون پھینکتا ہے، جگر، گردے اور دیگر غدد اپنی قوت سے وہاں پر پختگی پیدا کرتے اور خارج کرتے ہیں۔ یہاں یہ امر بھی ذہن نشین کر لیں کہ جو رطوبات اخراج پاتی ہیں وہ اس وقت تک اخراج نہیں پاتیں جب تک اعصاب میں تیزی اور طلب پیدا نہ ہو۔ اسی طرح غدد جاذبہ بہت اچھی طرح رطوبات کو جذب کر کے دل وخون میں شامل کر دیتے ہیں۔ یہ بھی ذہن نشین کر لیں کہ غدد جاذبہ بالکل وہی کام کرتے ہیں جو طحال کرتی ہے بلکہ اس کے مطابق کرتے ہیں۔ فرق صرف مقام اور کام کا ہے جیسے کہ غدد کے بیان میں لکھا جا چکا ہے۔

جب تک یہ سلسلہ قائم رہتا ہے اس وقت تک جوانی وصحت اور قوت قائم رہتی ہے۔ اس کے ساتھ ہی اعضائے رئیسہ و شریفہ اور خادمہ اپنی پوری قوت سے کام کرتے ہیں لیکن جب مشینی یا کیمیاوی طور پر کسی مقام اور عمل میں نقص پیدا ہو جاتا ہے تو وہاں پر خرابی اور مرض پیدا ہو جاتا ہے۔ جس سے جسم میں سوزش و سکون اور ضعف پیدا ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ یہ ہیں جسم انسان کے اندرونی تغیرات بس یہیں سے بڑھاپے کی ابتداء ہوتی ہے اور اس کے اثرات اور علامات ظاہر ہونا شروع ہو جاتی ہیں۔

مشین میں تحریک

ہر قسم کی مشین چلنے اور چلانے میں کسی قسم کی تحریک لازمی امر ہے۔ یہ مشینیں ہاتھ سے چلنے والی ہوں جیسے چکی و چرخہ یا گھوڑے گدھے اور بیل اونٹ سے چلنے والی ہوں۔ جیسے تانگے رہٹ خراس اور گڈے یا تیل اور پٹرول گیس و بجلی سے چلنے والی مشین وریل گاڑیاں اور کاریں و ہوائی جہاز وغیرہ کے لیے محرک لازمی ہیں۔ ان کے بغیر کوئی بھی مشین خود بخود نہیں چل سکتی' البتہ ان مشینوں کے چلنے سے بعض خود کار نظام کام کرتے ہیں۔ جیسے ریل گاڑی اور موٹر کار چلنے کے ساتھ ساتھ بجلی بھی پیدا ہوتی رہتی ہے۔ جس سے ان میں روشنی کی جاتی ہے' بعض اوقات اسی بجلی سے

گاڑیاں اور موٹر کاریں چلائی جاتی ہیں۔

یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ ہر مشین کے لیے ایک محرک کی ضرورت یقیناً لازمی ہے۔ اگر کسی مشین کی حرکت سے بجلی یا گیس پیدا کی جائے تو اس سے بھی خودکار تحریک کا کام لیا جاتا ہے۔ بعض مشینوں میں کئی خودکار آلے لگے ہوتے ہیں جو مشینوں کے اندر ضرورت کے مطابق اپنے وقت پر کام کرتے ہیں۔ اگر ان میں نقص پیدا ہو جائے تو مشین خراب ہو جاتی ہے اور رک جاتی ہے۔ گویا کسی مشین کے لیے محرک کا ہونا قانونِ فطرت ہے۔

انسانی مشین میں تحریک

مشین چلانے میں کسی محرک کی طرح انسانی مشین کے لیے بھی لازماً ایک مؤثر محرک کی ضرورت ہوتی ہے۔ بغیر اس محرک کے نہ تو انسان کی مشین کی ابتداء ہوتی ہے اور نہ ہی انسانی مشین کا تسلسل جاری رہتا ہے۔ اگر اس محرک کے عمل اور اثر میں کمی بیشی اور توڑ پھوڑ واقع ہو جائے تو اس حالت کو انسانی مشین کی خرابی کہتے ہیں۔ جس کا نام مرض اور بیماری ہے اور اس کے عمل و اثر میں سستی وضعف اور بگاڑ پیدا ہو جائے تو اس کا نام بڑھاپا ہے۔ عمل اور اثر میں کمی بیشی اور توڑ پھوڑ تو درست کی جاسکتی ہے لیکن جب عمل و اثر کی پیدائش میں سستی وضعف اور بگاڑ واقع ہو جائے تو اس کا درست کرنا انتہائی مشکل بلکہ آج تک ناممکن ہے' کیونکہ ان کی درستی کے لیے لازمی امر ہے کہ جو پرزہ گھس گیا ہے اس کو نیا لگایا جائے یا اس کو مکمل پورا (ویلڈ) کیا جائے۔ دونوں صورتیں کی تو جاسکتی ہیں' مگر دونوں صورتیں انتہائی مشکل ہیں۔ آج تک یہ دونوں کوششیں کی گئی ہیں لیکن یقینی کامیابی نہیں ہوئی' بلکہ بعض حالتوں میں نقصان زیادہ ہوا ہے۔

جہاں تک نئے اعضاء کے بدلنے کا تعلق ہے اس کے لیے بھی دو صورتیں ہیں' اوّل جسم میں ایسے پیوند لگائے جائیں جن سے جوانی کی قوت پھر لوٹ آئے اور انسان کے سست وضعیف اور بگڑے ہوئے پرزے (اعضاء) پھر درست ہو کر نئے ہو جائیں اور جوانوں کے اعضاء کی طرح اپنا کام شروع کر دیں۔

پیوند کی صورت میں زیادہ تر انسان میں جوان انسان یا بندر اور دیگر حیوانات کے اعضاء کے پیوند لگائے گئے اور یہ پیوند زیادہ تر خصیوں اور دیگر جنسی اعضاء کے لگائے گئے۔ اس میں وقتی طور پر چند دنوں کے لیے کامیابی تو ہوئی مگر مکمل طور پر کامیابی نہیں ہوئی ہے۔ اسی طرح اس کی دوسری صورت یہ ہے کہ بوڑھوں میں جوان انسانوں یا بندروں اور دیگر حیوانوں کے اعضاء مکمل طور پر لگا دیئے جائیں۔

ایسے بہت سے تجربات کیے گئے۔ مگر مکمل اور یقینی کامیابی نہیں ہوئی البتہ بعض اعضاء جو تبدیل کیے گئے چند روز کام کرنے کے بعد ختم ہو گئے اور بعض چند ماہ تک کام دیتے رہے۔ لیکن جسم کا ساتھ نہ دے سکے۔ اور موت کا باعث بن گئے۔

یہ تصور تو صحیح ہے کہ زندگی کے لیے دیگر اعضاء کی نسبت دل کا مضبوط ہونا لازمی امر ہے۔ اگر انسان میں ضرورت کے مطابق دل بدل دیئے جائیں تو یقیناً انسان اگر ہمیشہ کے لیے نہیں تو دو چار سال تو ضرور زندہ رہ سکتا ہے کیونکہ دل جسم انسان میں ایسا مرکزی عضو ہے جو نہ صرف اپنی کثرتِ کار کی وجہ سے کمزور ہو جاتا ہے بلکہ جسم کے اندرونی اور بیرونی احساسات و ادراکات اور جذبات سے ہر گھڑی متاثر ہوتا رہتا ہے۔ تبدیل کرنے والے دل کو جوان اور مضبوط تو ضرور تلاش کیا جاتا ہے۔ مگر نظریہ مفرد اعضاء کے تحت صرف دل کا مضبوط ہونا ہی کافی نہیں ہے بلکہ اس پر جو دو پردے لگے ہوتے ہیں جن میں سے ایک اعصابی ہوتا ہے اور دوسرا غدی ہوتا ہے۔ اگر ان میں سے کوئی ایک پردہ بھی کمزور ہو گا تو بھی دل کمزور ہو گا اور پوری طرح کام نہیں کرے گا۔

یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ اعصاب جسم میں نہ صرف احساس کا کام کرتے ہیں بلکہ جسم میں جڑ کا کام بھی دیتے ہیں۔اسی طرح جسم میں غدد غذا کے ساتھ حرارت بھی پہنچاتے ہیں۔اس لیے مکمل دل کا مضبوط ہونا ضروری ہے۔

تحریک زندگی

انسانی زندگی کی ابتداء نطفہ سے ہوتی ہے جس میں زندہ کرم ہوتے ہیں۔جن کو کرم منی کہتے ہیں۔وہ عورت کے جنسی عضو میں داخل ہوکر وہاں گردش کرتا ہے۔جلد یا بدیر اس کا ملاپ عورت کی جنسی رطوبت سے ہوتا ہے جس میں ننھے ننھے بیضے ہوتے ہیں جن کو بیضہ انثیٰ کہتے ہیں۔جب کرم منی کا ملاپ بیضہ انثیٰ سے ہوتا ہے تو کرم کا سر بیضہ انثیٰ میں داخل ہو جاتا ہے۔اس طرح وہ زندگی کی اولین تحریک کا باعث ہوتا ہے۔اس کے ساتھ ہی بیضہ انثیٰ میں نشو ونما اور ارتقاء شروع ہو جاتا ہے۔

تقسیم تخم انسان

مرد اور عورت کے اجزائے تناسلی یعنی تخم انسان (کرم منی) اور عورت کا انڈا بیضہ انثیٰ صرف ایک ایک سیل یا خلیہ کے بنے ہوتے ہیں۔ چونکہ ہر نباتات یا حیوانات کا جسم پہلے ایک ذرہ یا خلیہ سے بننا شروع ہوتا ہے۔اس لیے انسان بھی ایک ہی خلیہ سے پیدا ہوتا ہے۔جب نطفہ قرار پا جاتا ہے یا حمل ٹھہر جاتا ہے تو اس میں ساتھ ہی کئی تبدیلیاں ہونا شروع ہو جاتی ہیں۔پہلے غلاف کے اندر ہی اندر اس کی زردی دو حصوں میں تقسیم ہو جاتی ہے پھر دو سے چار اور چار سے آٹھ حصوں میں تقسیم ہو جاتی ہے جس کے باہم ملنے سے ایک دانہ دار خوشہ مثل دانہ شہتوت کے بن جاتا ہے۔پھر رفتہ رفتہ یہ خوشہ پھولنا شروع ہو جاتا ہے۔پھر نطفہ بن کر ذیل کے تین طبقات میں تقسیم ہو جاتا ہے۔پہلا طبقہ بیرونی، دوسرا طبقہ درمیانی اور تیسرا طبقہ اندرونی کہلاتا ہے۔یوں ان تینوں طبقوں میں انسانی جسم تقسیم ہو جاتا ہے:

1. بیرونی طبقہ سے زیادہ تر دماغ، حرام مغز، جلد، اعصابی جھلی، آلات خواس خمسہ اور تمام جسم کے اعصاب بنتے ہیں۔
2. درمیانی طبقہ سے گردے، جگر اور لبلبہ و دیگر غدد وغیرہ اور تمام جسم کے غشائے مخاطی اور جلد کا کچھ حصہ وغیرہ بنتا ہے۔
3. اندرونی طبقہ سے عضلات اور عروق اور ساتھ ہی ساتھ الحاقی مادہ اور اس سے ہڈیاں و کریاں اور بال و ناخن وغیرہ بنتے ہیں۔

اس طرح حلقہ (جونک) جنین بن جاتا ہے اور مکمل بچہ بن کر ماں کے پیٹ سے اخراج پاتا ہے۔جو اکثر نو ماہ بعد پیدا ہوتا ہے۔یہ بات ذہن نشین رکھیں کہ انسان کے جسم کی ابتدا الحاقی مادہ سے ہوتی ہے۔پھر وہ ترقی کر کے عضلاتی و اعصابی اور غدی مادوں میں تبدیل ہو جاتا ہے۔

زندگی کی ابتداء

مفرد اعضاء کا ہر ذرہ اپنے اندر زندگی اور زندگی کے تمام لوازمات رکھتا ہے اس کو خلیہ کا کیسہ کہتے ہیں۔ان خلیات کے مجموعہ کا نام نسیج ہے۔ یہی مفرد اعضاء کی ابتداء ہے۔گویا ہر مفرد عضو اپنے اندر لاکھوں اور کروڑوں زندہ ذرات رکھتا ہے جن میں تغذیہ و تصفیہ اور تسنیم و تنبیہ کی تمام قوتیں پائی جاتی ہیں۔لیکن ان سب کی پیدائش اس کرم منی سے ہوتی ہے جو مرد کے مادہ منویہ میں پیدا ہو کر جسم سے جدا ایک زندہ ذرہ اور کیسہ بن جاتا ہے۔ گویا کرم منی ایک اولین ذرہ ہے جس میں زندگی اور زندگی کے تمام لوازمات ہیں جو انسان کے جسم سے جدا ہو کر تیار ہوتا ہے اور تخم کی حیثیت سے آئندہ انسانی زندگی کی ابتداء کرتا ہے۔اسی طرح عورت کے مادہ منویہ سے بھی ایک ذرہ یا کیسہ تیار ہو کر جدا زندگی کا حامل ہوتا ہے اور اپنے اندر تخم کی حیثیت رکھتا ہے مگر دونوں جدا جدا بے معنی ہو کر رہ جاتے ہیں کیونکہ کرم منی کا کام تحریک دینا اور بیضہ انثیٰ کا کام تحریک حاصل کرنا ہے۔

دوسرے الفاظ میں کرم منی کو اپنی نشو و ارتقاء کے لیے غذا کی ضرورت ہے اور بیضہ انثیٰ کا کام غذا مہیاء کرنا ہے اور دونوں کے ملاپ سے انسان پیدا ہوتا ہے۔

یہ سوال قابل ذکر ہے کہ کیا کرم منی میں پوری قابلیت ہے کہ وہ خود غذا اور ضروریات زندگی حاصل کر کے بغیر بیضہ انثیٰ کے مکمل انسان بن سکتا ہے۔ یا بیضہ انثیٰ میں یہ پوری قابلیت ہے کہ وہ تحریک حاصل کرنے کے بعد بذات خود مکمل انسان بن سکتا ہے۔ یہ حقیقت ابھی تحقیق طلب ہے' البتہ آدم کی پیدائش اور عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے ثابت ہوتا ہے کہ دونوں کرم اور بیضہ انثیٰ مناسب ماحول اور مناسب تحریک سے مکمل انسان بن سکتے ہیں۔ بہر حال یہ حقیقت یقینی ہے کہ زندگی کے لیے کسی تحریک کی ضرورت لازمی ہے۔ اور یہی صفت کرم منی میں ہے کہ وہ باعث تحریک ہے یا خود ہی مکمل انسان بن جاتا ہے۔ جہاں تک بچہ کی ملکیت کا سوال ہے تو پتہ چلتا ہے کہ اس کا باپ اس کا مالک ہے تو اہمیت کرم منی کو ملتی ہے اور جہاں تک وراثت کا تعلق ہے تو پتہ چلتا ہے کہ ماں اور باپ دونوں کے اثرات بچے میں پائے جاتے ہیں تو بیضہ انثیٰ کو بھی کچھ اہمیت حاصل ہو جاتی ہے۔

یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ کرم منی کا بیضہ انثیٰ میں داخل ہو کر اسے بارآور کرنا یہ صاف ظاہر کرتا ہے کہ مرد کے مادہ تولید میں قوت عاقدہ اور عورت کے مادہ تولید میں قوت منعقدہ ہوتی ہے۔ مقام غور ہے کہ قدیم اطبائے یونان کا یہ مشہور و معتبر قول کس قدر صحیح ہے کہ آج صدیوں کی علمی تحقیقات کے بعد بھی اس پر مہر تصدیق ثبت ہوتی ہے۔

ان حقائق سے ثابت ہے کہ کرم منی انسانی زندگی کے لیے اولین محرک ہے اور اس کا تجزیہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک ایسا ذرہ ہے جس میں زندگی کے ساتھ روح و حرارت اور رطوبت بھی ہے اور اسی کی روح ہی بیضہ انثیٰ میں باعث تحریک ہوتی ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ بیضہ انثیٰ میں حرارت اور رطوبت تو ہے مگر محرک روح نہیں ہے جو کرم منی سے اثر انداز ہوتی ہے اور انسان اپنے کمال کو پہنچتا ہے۔

محرکاتِ زندگی

انسانی زندگی کا اولین محرک کرم منی ہے اور جب انسان کی پیدائش ہوتی ہے تو اس کے جسم کی مشین باقاعدہ کام کرتی ہے۔ جس کے ساتھ غذا ہضم ہوتی ہے' خون دودھ پانی اور دیگر محلولات پیتا ہے' رطوبات اور ادرارات کا اخراج ہوتا ہے' انسان بچپن سے جوانی اور پھر بڑھاپے کی طرف چلا جاتا ہے۔ ان افعال و اعمال سے پتہ چلتا ہے کہ اس مشین کو چلانے کے لیے ضرور کچھ محرکات کام کرتے ہیں۔ جن سے نہ صرف جسم انسانی کی مشین چلتی ہے بلکہ صحت اور قوت قائم رہتی ہے اور جب یہ محرکات کمزور یا ختم ہو جاتے ہیں تو انسان نہ صرف بیمار' کمزور اور بوڑھا ہو جاتا ہے بلکہ اس کی زندگی بھی جلد ختم ہو جاتی ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ محرکات کیا ہیں؟ معلوم ہوتا ہے کہ یہ محرکات کیمیاوی اعمال ہیں جو انسانی مشین کی خود کار صورت سے پیدا ہوتے رہتے ہیں' اور پھر یہی کیمیاوی محرکات انسانی مشین کو چلاتے ہیں۔ جہاں تک انسانی مشین کا تعلق ہے' اس میں ہمیں حیاتی اعضاء صرف تین نظر آتے ہیں۔ جن کو ہم اعضائے رئیسہ کہتے ہیں جو دل، دماغ اور جگر کے نام سے مشہور ہیں۔ ظاہرہ تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ تینوں اعضائے رئیسہ خون کے اثرات و افعال سے زندہ اور حرکت میں ہیں لیکن ایسا نہیں ہے بلکہ خون میں چند ایسے اجزاء بھی پائے جاتے ہیں جو دل، دماغ اور جگر کو حرکت میں رکھتے ہیں اور اگر خون میں سے کسی ایک عضو رئیس کا محرک کم ہو جائے تو اس کی حرکت میں کمی آ جاتی ہے۔ گویا کہ ان اعضائے رئیسہ کے محرکات کیمیاوی طور پر جسم میں تیار ہو کر ان کو عمل میں رکھتے ہیں۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ محرکات کیا ہیں؟

محرکات جسم انسان

دل عضلاتی عضو ہے۔ عضلات مفرد اعضاء میں شریک ہیں جن کی تربیت زندہ انسجہ (ٹشوز) سے ہوتی ہے جس کا ہر ذرہ زندہ اور حیوانی

خصوصیات کا حامل ہے۔ گویا دل کا ایک ایک ذرہ زندگی اور حرکت میں ہے۔ اس لیے دل میں فطری طور پر حرکت پائی جاتی ہے۔ دوسرے دل کو حرکت میں رکھنے کے لیے خون بھی ایک اہم کردار ادا کرتا ہے۔ تیسرے نسیم (آکسیجن) بھی اپنی تحریک سے دل کو حرکت میں رکھتی ہے۔ چوتھے نفسیاتی طور پر دل کا تعلق دو قسم کے جذبات کے ساتھ ہے۔ اول خوشی، دوم غم۔ انسانی زندگی میں انہی دونوں جذبات کی کثرت ہے یعنی انسان کسی شے کے حصول سے خوش ہوتا ہے اور کسی چیز کے نہ ملنے سے اس کو غم ہوتا ہے اور جذبات ہمیشہ غیر شعوری طور پر رونما ہوتے ہیں۔ یہ دونوں جذبے بھی دل کو ہر گھڑی حرکت میں رکھتے ہیں۔ پانچویں بعض اغذیہ اور بعض ادویہ بھی دل کو خاص طور پر حرکت دینے کا سبب بنتی ہیں۔

چونکہ دل جسم انسان میں ایک اہم عضو ہے اور اس کے حرکت میں رہنے سے ہی انسانی جسم کی زندگی قائم ہے۔ اس لیے دل کو حرکت میں رکھنے کے لیے یہ سب صورتیں اختیار کی گئی ہیں۔ ان صورتوں کے علاوہ وہ کیمیاوی رطوبات ہیں جو جسم میں بعض غدد کے کیمیاوی اعمال سے تیار ہو کر دل کو تحریک اور تقویت دیتی ہیں۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ اگر یہ کیمیاوی رطوبات اپنا عمل کم کر دیں تو نہ صرف دل کی حرکات میں کمی آ جاتی ہے بلکہ وہ کمزور بھی ہو جاتا ہے۔ یہ کیمیاوی رطوبت اس مواد سے تیار ہوتی ہے جو رطوبت خون سے ترشح اور جذب ہونے کے بعد باقی بچتی ہے۔ پھر غدد جاذبہ سے جذب ہو کر وہاں ان میں ایک خاص قسم کا خمیر تیار ہوتا ہے۔ پھر یہی خمیر شدہ رطوبت عروق جاذبہ کے ذریعے دل میں گر کر اس کے خون میں شامل ہوتی ہے جس سے خاص طور پر دل میں حرکت اور تقویت پیدا ہوتی ہے۔ بار بار کے تجربات سے ثابت ہوا ہے کہ اس رطوبت کی پیدائش میں کمی واقع ہو جائے تو نہ صرف دل کی حرکات اور طاقت میں کمی آ جاتی ہے بلکہ بڑھاپا شروع ہو جاتا ہے۔ اس لیے اس کیمیاوی رطوبت کا جوانی کے ساتھ بہت بڑا دخل ہے۔ یہ کیمیاوی رطوبت کیا ہے اور جسم میں کیسے تیار ہوتی ہے اور اس کا اثر کس طرح ہوتا ہے اس کے متعلق آج تک کی معلومات درج ہیں۔ چونکہ یہ رطوبات غدد جاذبہ میں تیار ہوتی ہیں جن کا مرکز طحال ہے اس لیے پہلے ان کا ذکر ضروری معلوم ہوتا ہے۔

غدد جاذبہ

جسم میں جو رطوبات پڑی رہتی ہیں ان کو جذب کرنے کے لیے خاص قسم کی گلٹیاں یہ افعال انجام دیتی ہیں جن کو غدد جاذبہ (لمفے ٹک گلینڈ) کہتے ہیں۔ یہ چھوٹی بڑی گلٹیاں ہیں جو عروق جاذبہ اور عروق کیلوسہ کی راہ میں سر سے پاؤں تک پائی جاتی ہیں۔ یہ چپٹی بیضوی یا گول ہوتی ہیں۔ ان کی رنگت کاٹنے پر خاکستری سرخی مائل ہوتی ہے۔ ان غدد کے اندر منجذب لمف اور کیلوس آ کر ایک تغیر حاصل کر کے خون میں ملنے کی قابلیت حاصل کر لیتے ہیں۔ عروق جاذبہ مختلف مقامات پر ان غدد جاذبہ کے درمیان سے گزرتی ہے۔ ہر ایک گلٹی کے اندر بے شمار خانے ہوتے ہیں اور جب عروق جاذبہ ان غدد کے اندر داخل ہوتی ہیں تو وہ بہت باریک باریک شاخوں میں منقسم ہو جاتی ہیں جن کو عروق داخلہ کہتے ہیں اور پھر وہ باریک باریک شاخیں باہم مل کر ایک یا دو رہ جاتی ہیں جو غدہ یا گلٹی سے خارج ہو جاتی ہے۔ تب اس کو عروق خارجہ کہتے ہیں۔ پس عروق جاذبہ کی تمام رطوبت (لمف) ان غدد میں سے چھن کر نکلتی ہے اور خون میں جا کر ملتی ہے اور اگر اس میں کوئی موذی یا زہریلا مادہ موجود ہو تو وہ ان غدد یا گلٹیوں میں رہ جاتا ہے اور خون میں داخل نہیں ہونے پاتا۔ یہی وجہ ہے کہ جب انگلی یا ہاتھ پر کوئی زخم آ جاتا ہے تو اس میں زہریلا مادہ سرایت کر جاتا ہے اور عروق جاذبہ کے راستے وہ بازو کی طرف جاتا ہے تو بغل کے غدد جاذبہ اسے روک لیتے ہیں اور خون میں داخل نہیں ہونے دیتے جس کے سبب وہ خود تو متورم ہو کر دردناک ہو جاتے ہیں لیکن سارے خون کو زہریلا نہیں ہونے دیتے۔ اسی طرح سوزاک یا آتشک میں یا مرض طاعون میں کنج ران کے غدد جاذبہ زہریلے مادہ کو اپنے اندر جذب کر کے متورم ہو جاتے ہیں جس کو عام طور پر بد کہا جاتا ہے۔

انہی غدد جاذبہ میں ہی دانہائے لمف (لمفو سائٹ) بنتے ہیں۔ جو در حقیقت سفید دانہائے خون (لیوکوسائٹ) ہوتے ہیں جن عروق میں یہ فعل انجام پاتا ہے انہیں عروق جاذبہ کہتے ہیں لہٰذا ان کا ذکر بھی ضروری ہے۔

عروق جاذبہ

انہیں عروق مصاصہ (ایب سار بینٹس) اور انگریزی میں لمفے ٹکس کہتے ہیں۔ یہ اس آبی رطوبت (لمف' رطوبت' طلیہ) کو جذب کر کے خون میں شامل کر دیتے ہیں۔ جو جسمانی ساختوں پر خون سے ترشح پاتی ہے جہاں یہ رطوبت ترشح پاتی ہے۔ وہاں پہلے بال سے باریک عروق جاذبہ بنتی ہیں جن کو عربی میں ''مرابص'' اور انگریزی میں ''لمفے تک کیپلریز'' کہتے ہیں۔ پھر ان سے رفتہ رفتہ ذرا بڑے عروق یا نالیاں بن جاتی ہیں۔ جنہیں طب میں رواضع وسواقی اور جداول کہتے ہیں۔ اس قسم کی سب سے بڑی نالی کو طب میں مجریٰ صدر اور انگریزی میں تھوریسک ڈکٹ کہتے ہیں۔ عروق جاذبہ کی ساخت بھی مثل وریدوں کے ہوتی ہے اور وریدوں کی طرح ان میں بھی کواڑ ہوتے ہیں بلکہ کواڑوں کی کثرت کی وجہ سے ان کی شکل تسبیح کے دانوں کی طرح گرہ دار ہوتی ہے۔

رطوبات جاذبہ اور رطوبت مترشح

یہ بتایا جا چکا ہے کہ خون جب دورہ کرتا ہوا عروق شعریہ میں پہنچتا ہے تو آب خون (پلازمہ) ان عروق سے تراوش پا کر اعضاء کی ساختوں (ٹشوز) میں بھر جاتا ہے اور انہیں سیراب و پرورش کرتا ہے۔ پھر ان کا حصہ بن جاتا ہے۔ اس کو رطوبت طلیہ (شبنم) کہتے ہیں۔ یہ خون سے مترشح رطوبت (سیکریشن) ہے جو رطوبت پرورش سے بچ جاتی ہے وہ انہی عروق جاذبہ سے جذب ہو کر غدد میں جمع ہوتی ہے جہاں پر اس میں خمیر سے ایک تغیر پیدا ہوتا ہے۔ پھر یہ خمیر شدہ یا متغیر رطوبت واپس خون میں چلی جاتی ہے۔ پس عروق جاذبہ تمام جسم سے اسی کو جذب کرتے ہیں۔ اس کو رطوبت جاذبہ اور انگریزی میں لمف کہتے ہیں۔

فرنگی طب کی غلط فہمی

فرنگی طب نے رطوبت مترشح اور رطوبت جاذبہ کو ایک ہی قسم کی رطوبت قرار دیا ہے۔ یہ ان کی غلط فہمی ہے۔ جاننا چاہیے کہ رطوبت مترشح اس رطوبت کا نام ہے جو خون سے تراوش پاتی ہے۔ جسے طب میں رطوبت طلیہ کہتے ہیں۔ جو شبنم کی صورت میں ہوتی ہے۔ گویا یہ ایک قسم کی سیکریشن ہے۔ اس میں خون کے تمام اوصاف پائے جاتے ہیں۔ لہٰذا اس کو پلازمہ کہنا صحیح ہے۔ اس کو (رطوبت جاذبہ) کہنا درست نہیں ہے۔ لمف ایک قسم کی ایسی صورت ہے جس میں خون کے غذائی اجزاء جذب ہو کر جسم کا حصہ بن گئے ہیں اور جو باقی بچ گیا ہے وہ صرف پانی ہے جس میں اجزاء لحمیہ (پروٹینز) اور دیگر غذائی اجزاء ختم ہو گئے ہیں۔ لمف کے لغوی معنی بھی پانی کے ہیں۔ اس کا رنگ بھی سفید یا قدرے زردی مائل ہوتا ہے۔ اس کے مزے میں کھاری پن ہوتا ہے۔ اس میں ترشی نہیں ہوتی۔ البتہ مترشح رطوبت (سیکریشن) میں تمام غذائی اجزاء کے ساتھ ترشی بھی پائی جاتی ہے اور اس میں سرخ وسفید خون کے ذرات بھی شریک ہوتے ہیں۔ گویا رطوبت مترشح کے تمام اجزاء جب ختم ہو جاتے ہیں تو وہ رطوبت جاذبہ بن جاتی ہے۔

غدد جاذبہ کے افعال

غدد جاذبہ کے افعال بے حد پراسرار ہیں۔ جوں جوں ان کے اسرار کھلتے جائیں گے صحت وقوت اور بڑھاپے کے راز معلوم ہوتے جائیں گے۔ ظاہر میں معلوم ہوتا ہے کہ:

① جو رطوبات خون سے ترشح ہو کر جسم پر گر کر جزو بدن بن جاتی ہیں اور باقی جو بچتی ہیں ان کو یہ غدد جذب کر کے پھر خون میں ملا دیتے ہیں۔

② جب غدد وہ رطوبات جذب کر لیتے ہیں تو پھر ان میں ایک قسم کا خمیر پیدا ہوتا ہے۔ پھر وہی خمیر شدہ رطوبت یا خون میں شریک ہوتی ہے یا غذا میں شامل ہوتی ہے اور اس کے لیے کیمیاوی طور پر صحت وقوت اور جوانی کا باعث بنتی ہے۔

(۴) ہر غدد جاذبہ کے خمیر کا اثر جدا ہے مگر سب خمیروں میں ایک قدر مشترک ہے یعنی ان میں ترشی کا اثر ضرور پایا جاتا ہے۔

فرنگی طب کی غلط فہمی

فرنگی طب کی تحقیق یہ ہے کہ ہر غدد کے اثرات جدا جدا ہونے کے ساتھ ساتھ ان کے افعال بھی جدا جدا ہیں۔ یہ ان کی غلط فہمی ہے۔ ایسا ہرگز نہیں ہے بلکہ یہ ایک مکمل نظام ہے جس کے تحت تمام غدد کام کرتے ہیں اور ان کا ایک مرکز ہے جو ایک بہت بڑا غدہ جاذبہ ہے جس کا نام طحال ہے۔ تمام غدد اس کے افعال کے مطابق اپنے افعال انجام دیتے ہیں۔ اگرچہ ان کے اندر جو خمیر تیار ہوتے ہیں۔ ان کے اثرات جدا جدا ہوتے ہیں۔ طحال کی تشریح اور افعال درج ذیل ہیں:

طحال کی تشریح

طحال ان غدد میں سب سے بڑا ہے جن میں کوئی نالی نہیں ہوتی۔ اور یہ غدد کیمیاوی طور پر جذب و دفع سے کام کرتے ہیں۔ طحال کو ان میں مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ مرکزی صورت ہے یہ کہ اس کے طریق عمل کے مطابق ہی تمام غدد جاذبہ اپنا عمل جاری رکھتے ہیں۔ گویا جسم کے دیگر نظاموں کی طرح ان کا بھی ایک نظام ہے۔ طحال شکل میں چپٹی، مستطیل، رنگت میں سرخ سیاہی مائل اور نرم و نازک ہوتی ہے۔ پیٹ کے بائیں طرف نیچے والی پسلیوں کے نیچے رہتی ہے۔ آبدار جھلی اس کو چاروں طرف سے ملفوف کرتی ہے۔ اس جھلی کا ایک بند اس کو معدہ کے ساتھ ملاتا ہے۔ تندرست جوان آدمی میں طحال کا طول پانچ انچ، عرض تین یا چار انچ، موٹائی ایک یا ڈیڑھ انچ اور وزن اڑھائی یا تین چھٹانک ہوتا ہے۔ اس کی بیرونی سطح محدب، صاف اور حجاب حاجز کے نیچے رہتی ہے۔ اندرونی سطح مقعر ہوتی ہے۔ جو بذریعہ ایک کھندانہ (نالی طحال، سترۃ الطحال، ہالم) کے دو حصوں میں تقسیم ہو جاتی ہے۔ اس سطح میں معدہ کا ابھار لبلبہ کا باریک سرا اور خمدار آنت کا خم ہوتا ہے۔ حالت صحت میں طحال پسلیوں کے نیچے محسوس نہیں ہو سکتی۔ مگر حالت مرض میں وہ بڑھ جاتی ہے اور بعض اوقات ناف اور پیڑو تک پھیل جاتی ہے۔

طحال کے افعال

1. طحال کا سب سے اہم کام یہ ہے کہ تمام غدد جاذبہ اس کے افعال کے مطابق عمل کرتے ہیں۔ گویا غدد جاذبہ طحال کے تحت ایک نظام میں اپنے افعال کے مطابق عمل کرتے ہیں۔ گویا غدد جاذبہ طحال کے تحت ایک نظام میں اپنے افعال جاری رکھتے ہیں۔
2. طحال اور تمام غدد جاذبہ جسم کی وہ تمام رطوبت جذب کر لیتے ہیں جو جگر اور دیگر غدد ناکلا سے جسم پر ترشح پاتی ہے۔
3. طحال اور دیگر تمام غدد جاذب شدہ رطوبت کو خمیر کے ذریعے پختہ کرتی ہے۔
4. پرانے اور ناکارہ سرخ دانہ ہائے خون کو ضائع کرنے کا فرض انجام دیتی ہے۔
5. نئے سفید دانہ ہائے خون بناتی ہے۔
6. سرخ دانہ ہائے خون بھی بناتی ہے۔
7. ایسا مواد تیار کرتی ہے جو خون میں غلظت اور ترشی پیدا کرتا ہے۔
8. خون میں فولاد و چونا پیدا کرتی ہے۔
9. خون کو طاقت دیتی ہے جو خون کے دباؤ کے سلسلہ میں مدد کرتی ہے۔
10. دیگر غدد جاذبہ جیسے لبلبہ وغیرہ کے افعال میں مدد دیتی ہے۔

سودا

طحال کے انفعال سے جو مواد پیدا ہوتا ہے۔اس میں وہ تمام خوبیاں پائی جاتی ہیں جو سودائے طبعی میں پائی جاتی ہیں۔اگر طحال کو جسم سے خارج کر دیا جائے تو جسم میں طحال کے یہ اوصاف اور عمدہ سودا کی پیدائش ختم ہو جاتی ہے۔ان حقائق سے ثابت ہوا کہ طحال اور سودائے خالص جسم میں کس قدر اہم فرائض انجام دیتے ہیں۔اور ان کا صحت و طاقت اور جوانی کے قیام میں کتنا دخل ہے۔اس لیے بڑھاپے کے علاج میں طحال اور غدد جاذبہ کے نظام کو مدنظر رکھنا کتنا لازمی اور اہم ہے۔

بڑھاپا اور خون

یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ جب تک جسم میں صحیح مکمل خون کی پیدائش قائم رہتی ہے انسان میں شباب اور قوت قائم رہتی ہے۔ہر نوجوان کا خون اس کی ایک زبردست دلیل ہے اور ایسے انسان جن کی عمر ساٹھ اور ستر سے زیادہ ہے اور وہ غیر معمولی صحت مند معلوم ہوتے ہیں۔ان کی صحت جوانی اور قوت کا راز بھی جسم میں صحیح اور مکمل خون کی پیدائش ہے۔ظاہر میں جوانی اور بڑھاپے میں فرق ہوتا ہے۔مگر جسم و روح اور نفس و ذہن میں کوئی خاص تغیر پیدا نہیں ہوتا۔بلکہ اکثر بڑھاپے میں جسم موٹا' روح بیدار' نفس کے جذبات میں شدت اور ذہن میں تیزی محسوس بناتی ہے لیکن جوانی کی قوت اور تیزی کی کمی کا احساس شدت سے ہوتا ہے۔اس لیے بڑھاپے کے علاج میں خون کا مکمل تجزیہ لازمی ہے۔

علم وفن طب اور پیدائش خون

معدہ میں غذا ہضم ہونے کے بعد کیلوس کی صورت میں دل کی طرف جائے یا امعاء کی طرف گرے۔یہ اس وقت تک بلغم یا خام خلط ہی کہلاتی ہے جب تک جگر میں جا کر اس میں پختگی پیدا نہ ہو۔جب کیموس جگر میں جا کر نضج حاصل کرتا ہے تو اس کی چار صورتیں بن جاتی ہیں۔جو حصہ صحیح طور پر پختہ ہو جاتا ہے وہ ① خون بن جاتا ہے۔جو حصہ زیادہ پک جاتا ہے وہ ② صفراء بن جاتا ہے۔جو جل جاتا ہے وہ ③ سودا بن جاتا ہے۔اور جو خام رہ جاتا ہے وہ ④ بلغم کہلاتا ہے۔

جب یہ چاروں اخلاط طبعی صورت میں ہوں تو جسم میں صحت کا قیام ہوتا ہے اور جب ان میں سے کسی خلط میں غیر طبعی صورت پیدا ہو جائے تو جسم میں کوئی مرض نمودار ہو جائے گا۔گویا صحت کا دارومدار طبعی اخلاط پر ہے۔لیکن بچپن و جوانی اور بڑھاپے میں جو اخلاط پیدا ہوتے ہیں۔ان کی مقدار و تناسب اور طبعی خصوصیت میں بہت فرق ہوتا ہے۔اور اگر کسی زمانے میں دوسرا مزاج قائم ہو جائے تو انسان بیمار ہو جاتا ہے۔اس لیے بڑھاپے کے علاج میں بچپن یا جوانی کا مزاج قائم کر دیا جائے تو یقیناً بڑھاپا دور ہونے کی بجائے جسم بیمار ہو جائے گا۔ان حقائق سے ثابت ہوا کہ بڑھاپا قابل علاج نہیں ہے۔

آیورویدک اگرچہ اعادہ شباب کا قائل ہے لیکن اس کے دوش و پرکرتیاں اور اخلاط و مزاج کی صورتیں بالکل علم وفن طب ہی کے مطابق ہیں۔اس لیے اس میں بڑھاپے کا علاج ناممکن نظر آتا ہے۔

ماڈرن سائنس اور پیدائش خون

ماڈرن سائنس اور فرنگی طب چار اخلاط کو تسلیم نہیں کرتی۔وہ صرف ایک خلط خون کو مانتی ہے وہ تسلیم کرتی ہے کہ خلاصہ غذا جو معدہ میں تیار ہوتا ہے جس کو کیموس کہتے ہیں اس کا ایک حصہ عروق لبنیہ کے ذریعے قلب میں چلا جاتا ہے۔باقی ہضم ہو کر امعاء میں اتر جاتا ہے۔وہاں ہضم ہو کر کیلوس

کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ اس میں سفید دانہائے خون تیار ہو جاتے ہیں۔ پھر یہی کیلوس جگر میں پہنچ کر سرخ رنگ میں تبدیل ہو جاتا ہے اور خون بن جاتا ہے۔ یعنی یہی سفید دانے سرخ دانوں میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔

خون بظاہر دیکھنے میں تو یکساں معلوم ہوتا ہے لیکن اگر اسے بغور تیز نظری سے دیکھا جائے تو اس میں یہ دو قسم کے اجزاء نظر آتے ہیں: ① خون کا پانی ② خون کے دانے یا ذرات لیکن خون کی ترکیب میں ① پانی ② اجزائے جامدہ اور ③ اجزائے ہوائیہ ہوتے ہیں۔ چنانچہ خون کے ایک سو حصوں میں اناسی حصے پانی اور اکیس حصے دیگر اجزائے جامدہ ہوتے ہیں اور باقی نو حصوں میں سے چھ حصے رطوبت زلالیہ (ایلبومن) اور رطوبت لیفیہ (فائبرین) اور تین حصے نمکین وروغنی اجزاء وغیرہ ہوتے ہیں۔ خون میں اجزائے ہوائیہ کی مقدار اس کے حجم کے نصف سے بھی قدرے زیادہ ہوتی ہے یعنی ایک سو مکعب انچ میں تقریباً ساٹھ مکعب انچ اجزاء ہوائیہ یعنی کاربانک ایسڈ گیس (ہوائے دخانی) آکسیجن (نسیم) اور نائٹروجن (ہوائے شوریہ) ہوتے ہیں۔

اگر جسم انسانی کا کیمیاوی تجزیہ کیا جائے تو اس کی بناوٹ میں مندرجہ ذیل عناصر پائے جاتے ہیں: ① آکسیجن ② ہائیڈروجن ③ نائیٹروجن ④ کاربن ⑤ فاسفورس ⑥ سلفر ⑦ کلورین ⑧ فلورین ⑨ آئرن ⑩ کیلشیم ⑪ سوڈیم ⑫ پوٹاشیم ⑬ میگ نیشیم ⑭ سلیکا۔ یہ تمام اجزاء مختلف تناسب میں پائے جاتے ہیں۔ جب ان عناصر کا توازن اور تناسب صحیح ہوتا ہے انسان تندرست ہوتا ہے اور جب توازن وتناسب بگڑ جاتا ہے تو انسان مریض ہو جاتا ہے۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا بچپن سے جوانی اور بڑھاپے تک صحت کی حالت میں انسانی جسم کے عناصر کا توازن اور تناسب ایک ہی رہتا ہے یا بچپن کا توازن اور تناسب جوانی اور بڑھاپے سے مختلف ہوتا ہے تو یقینی امر ہے کہ بڑھاپے میں بچپن اور جوانی میں توازن اور تناسب اس لیے قوت اور صحت کے بجائے مرض کا باعث ہوگا۔ اس لیے بڑھاپے کا علاج مشکل معلوم ہوتا ہے۔ البتہ حقائق سے ثابت ہوتا ہے کہ انسان چار اخلاط یا چودہ عناصر سے مرکب ہے اور انسانی خون کی تکمیل جگر میں ہوتی ہے۔ گویا جگر (جو غدد نالا کا مرکز ہے) طحال (جو غدد جاذبہ کا مرکز ہے) کی طرح خون کی تکمیل میں اہم افعال انجام دیتا ہے۔

جگر

جسم کے تین اعضائے رئیسہ میں سے جگر بھی ایک عضو رئیس ہے۔ اس لیے اس کی اہمیت مسلمہ ہے۔ یہ جسم میں غذا اور حرارت اور قوت کا مرکز تسلیم کیا گیا ہے۔ جگر بھی طحال کی طرح ایک قسم کا غدہ یعنی گلٹی ہے۔ لیکن یہ طحال بلکہ جسم انسان کے کل غدد کی نسبت بڑا ہے اور افعال کی حیثیت سے بھی طحال سے مختلف ہے۔ طحال غدہ جاذبہ اور غیر نالی دار غدہ ہے جیسا کہ ہم لکھ چکے ہیں اور جگر نالیدار غدہ ہے اور جسم کے تمام نالی دار غدد کا مرکز ہے حالت صحت میں جوان انسان کے جگر کا وزن ڈیڑھ دو سیر یا جسم کا چالیسواں حصہ ہوتا ہے۔ اس کا طول دس سے بارہ انچ اور عرض چار سے سات انچ ہوتا ہے۔ جگر کی بالائی سطح محدب اور زیریں مقعر ہوتی ہے۔ زیریں سطح پر ایک لمبی درز جگر کو دو حصوں میں تقسیم کر دیتی ہے جن میں دایاں حصہ بہ نسبت بائیں کے بہت بڑا ہوتا ہے۔ اس پر دو عدد جھلیاں ہوتی ہیں۔ ان میں سے ایک عضلاتی اور دوسری اعصابی ہوتی ہے۔ جگر کی رنگت سرخی مائل بھوری ہوتی ہے۔

مقام جگر

جگر کا بہت سا حصہ دائیں جانب پسلیوں کے نیچے معدہ کے اوپر ہوتا ہے مگر اس کے بائیں لوتھڑے کا تھوڑا سا حصہ بائیں جانب معدہ کے

نیچے بھی رہتا ہے۔ جگر کی بالائی سطح حجاب حاجز کے نیچے رہتی ہے جس پر آبدار جھلی (باریطون صفاق) لگی رہتی ہے۔ یہ سطح دیافرغما اور دیوار شکم سے متصل ہوتی ہے اور رباط معلق کے ذریعے دائیں اور بائیں دو زوائد یا لوتھڑوں میں منقسم ہوتی ہے۔ زیریں سطح پر بھی سوائے ایک دو درزوں کے باقی سب پر آبدار جھلی لگی رہتی ہے۔ اس سطح کے نیچے معدہ بارہ انگشتی آنت اور دایاں گردہ وغیرہ ہوتے ہیں۔

جگر بذریعہ پانچ بندیار باطات کے اپنی جگہ پر قائم رہتا ہے۔ جگر میں پانچ شگاف' پانچ زوائد یا لوتھڑے اور پانچ ہی قسم کے عروق ہوتے ہیں۔ جگر کے پانچ بندیار باطات میں سے چار تو صفاق یا باریطون کے ہوتے ہیں۔ جگر پر صفاق کا مکمل غلاف ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ جگر پر خاص کبدی غشاء بھی ہوتی ہے جو جگر کو دیگر احشاء سے ملانے کا ذریعہ ہے کیونکہ وہ تمام احشاء شکم پر استر کرتی ہے۔ جگر بغایت درجہ عروقی عضو ہے۔ جس میں تمام جسم کا چوتھائی حصہ خون سے بھرا رہتا ہے جس وقت جگر میں خون کی مقدار زیادہ ہوتی ہے تو اس کا حجم بڑھ جاتا ہے اور مقدار کم ہو جاتی ہے تو وہ گھٹ جاتا ہے۔

جگر کی ساخت

جگر چونکہ ایک نالی دار غدہ ہے۔ اس کی ساخت بالکل نالی دار غدہ کی طرح ہے غدہ کی ساخت کی سادہ مثال خلیہ ہے جو رطوبت پیدا کر کے خارج کرتا ہے۔ جگر اور دیگر نالی دار غدد کی ساخت قشری انسجہ (اپیتھل ٹشوز) کی ساخت سے تیار ہوتی ہے اور غشائے مخاطی بھی اسی ساخت سے تیار ہوتی ہے۔ غدد میں عروق دمویہ کثرت سے ہوتی ہیں اور ان کا جال خلا مفردہ کے گرد بہت زیادہ ہوتا ہے۔ جب خون غدد کے قریب پہنچتا ہے تو غدد اس خون سے اپنے مواد کو جذب کر لیتے ہیں اور اپنی ضرورت کی رطوبات بنا لیتے ہیں۔ اعصاب بھی غدد میں داخل ہوتے ہیں اور خلیات غدد یہ کے قریب پہنچ کر ختم ہوتے ہیں۔ یہی صورت جگر کی بھی ہے جس میں صفراء خلیات سے مترشح ہو کر جمع ہوتا رہتا ہے۔ ان خلیات میں خون پہنچانے کی غرض سے جو شریانیں داخل ہوتی ہیں وہ لوتھڑوں کے باہر نہیں رہ جاتیں بلکہ ان لوتھڑوں سے گزر کر اوردہ میں ختم ہوتی ہیں۔ جو جگر کے مرکز میں واقع ہیں بالکل یہی صورت ہر غدد میں پائی جاتی ہے جن سے ان کا دوران خون قائم رہتا ہے۔

جگر کے افعال

جگر کو تغذیہ اور تنمیہ کا مرکز تسلیم کیا گیا ہے اور غدد کا مرکز ہونے کی وجہ سے انہی کے ذریعے جسم کو غذا پہنچاتا ہے۔ اس کی غذا میں خون اور دیگر اجزاء جو جگر میں تیار ہوتے ہیں پہنچائے جاتے ہیں جو کچھ بھی جگر تیار کرتا ہے وہ بھی اس کے افعال میں شمار ہوتے ہیں جو درج ذیل ہیں:

تولید دم

غذا معدہ اور امعاء میں ہضم ہونے کے بعد جگر میں جاتی ہے وہ پختہ ہو کر خون (سرخ ذرات خون) بن جاتی ہے۔ زیادہ پختہ ہو جاتی ہے وہ صفراء بن جاتی ہے اور جو خام رہ جاتی ہے وہ بلغم کہلاتی ہے اور بلغم کا جو حصہ غلیظ بن جاتا ہے اس کو سودائے طبعی (سفید ذرات خون) کہتے ہیں۔ اور یہ عمل مسلسل جاری رہتا ہے۔ بلکہ جسم کے تمام نالی دار غدد میں بھی یہی سلسلہ جاری رہتا ہے اور پھر خون غذائے جسم میں صرف ہوتا رہتا ہے۔

مولد صفراء

جو غذائی محلول جگر میں زیادہ پختہ ہو جاتا ہے وہ صفراء بن جاتا ہے۔ صفراء ایک سیال رطوبت ہے جس میں لزوجیت ہوتی ہے۔ اس کی رنگت زرد سنہری مائل ہوتی ہے۔ اس کا ذائقہ بے حد تلخ ہوتا ہے۔ جب تیار ہو جاتا ہے تو ایک نالی کے ذریعے پتہ میں جمع ہوتا رہتا ہے۔ پیدائش کے وقت

پتلا ہوتا ہے اور پتہ میں اکٹھا ہو کر غلیظ بن جاتا ہے۔ پھر وہاں سے ایک نالی کے ذریعہ بارہ انگشتی آنت میں گرتا ہے۔ صحت کی حالت میں ایک جوان آدمی میں چوبیس گھنٹے کے اندر نصف سے لے کر سوا تک صفراء پیدا ہوتا ہے۔ مرارہ (پتہ) ناشپاتی کی شکل کی ایک تھیلی ہوتی ہے جو جگر کے دائیں حصے کی نچلی سطح پر اس کے کنارے پر لگی رہتی ہے۔ یہ جھلی دو انچ لمبی اور ایک انچ چوڑی ہوتی ہے۔ صفراء جسم میں مولد حرارت، دافع قبض، محلل مواد، دافع تعفن اور شکر تیار کرتا ہے اور قیام صحت کے لیے یہ ایک اہم جزو ہے اور دافع امراض کے لیے ایک لازمی شے ہے۔ خصوصاً ترشی و تیزابیت اور سوزش و ریاح کے لیے تریاق ہے۔

قیام جوانی و صحت اور طاقت کے لیے جگر بے حد اہم افعال انجام دیتا ہے۔ اس وقت تک نہ صرف صحت و طاقت قائم رہتی ہے بلکہ جوانی قائم اور بال سیاہ رہتے ہیں۔ جو لوگ جگر کے افعال جب تک صحیح رکھنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں اس وقت تک بڑھاپا قریب نہیں آتا۔ اس لیے جگر کے افعال کو درست رکھنا نہایت لازمی امر ہے۔

قیام شباب

انسانی زندگی میں شباب کے لیے ایک زمانہ مقرر ہے جو بچپن کے اختتام اور بڑھاپے کی ابتداء تک قائم رہتا ہے۔ لیکن ایک مقررہ زمانے تک یہ شباب اس صورت میں قائم رہتا ہے جب جسم میں جوانی کی طاقت قائم ہے اور طاقت اچھی صحت سے پیدا ہوتی ہے۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ جوانی تو رہی ایک طرف بعض لوگوں کی صحت بچپن ہی میں خراب ہو جاتی ہے اور جوانی بھر خراب رہتی ہے بلکہ بچپن ہی میں بڑھاپے کی علامات پیدا ہو جاتی ہیں۔ جن میں سے خاص طور پر غیر معمولی دبلا پن گالوں کا اندر دھنس جانا' بالوں کا سفید ہو جانا اور غیر معمولی کمزوری کا پیدا ہو جانا قابل ذکر ہیں۔ یعنی ضرورت کے مطابق جسمانی و ذہنی اور جنسی طاقتوں وغیرہ کا نہ ہونا۔ یعنی ایک قسم کا غیر طبعی بڑھاپا پیدا ہو جاتا ہے۔ اگر کوئی معالج اس غیر طبعی بڑھاپے کو پھر سے شباب میں بدل دے تو یہ بھی علم و فن طب کا ایک بہت بڑا کارنامہ ہوگا۔

حقیقت میں یہی اعادہ شباب ہے کیونکہ ہم ثابت کر چکے ہیں کہ بڑھاپا ایک فطری امر ہے اور انسان میں جس قدر بھی طاقت ہو بڑھاپا ضرور آئے گا اور اگر بڑھاپے میں جوانی کی طاقت پیدا کرنے کی کوشش کی جائے گی تو جسم اس امر کر متحمل نہ ہو سکے گا اور اس طرح وہ بیمار ہو جائے گا اور پہلی قوت بھی قائم نہ رہ سکے گی۔

اعادہ شباب

تحقیقات سے یہ حقیقت روشن ہوگئی ہے کہ ہر عمر کے لیے ایک مزاج اور خون میں خاص قسم کے اجزاء کی ضرورت ہے۔ اگر اس عمر میں دوسری عمر کا مزاج اور اجزائے خون پیدا ہو جائیں تو اس عمر کا انسان یقیناً مریض ہو جاتا ہے۔

مثلاً اگر بچپن میں جوانی کا مزاج پیدا ہو جائے تو وہ بچپن بیمار ہو جائے گا۔ یہی صورت جوانی اور بڑھاپے کی تبدیلی سے پیدا ہو جاتی ہے۔ البتہ اگر غیر طبعی بچپن و جوانی اور بڑھاپا پیدا ہو جائے تو اس کو اگر طبعی عمر میں بدل دیا جائے تو یہی صحیح معنوں میں اعادہ شباب ہوگا۔

یاد رکھیں کہ اس غیر طبعی بڑھاپے کو جوانی میں بدل دینا بھی کوئی معمولی کام نہیں ہے بلکہ یہ طبی دنیا کا ایک عظیم کارنامہ اور معجزہ ہے۔

جوانی اور قوت

ظاہری طور پر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ قوت کا تعلق جوانی کے ساتھ ہے لیکن حقیقت میں قوت کا تعلق اچھی صحت کے ساتھ ہے۔ البتہ اگر جوانی میں اچھی صحت قائم رہے تو واقعی جوانی قوت کا انتہائی زمانہ ہے لیکن اگر بڑھاپے میں بھی اچھی صحت کو قائم رکھا جائے تو نہ صرف قوت قائم رہتی ہے

بلکہ لمبی عمر بھی پائی جاسکتی ہے۔ جہاں تک اچھی صحت کا تعلق ہے ہم نے ثابت کیا ہے کہ دل و دماغ کی تقویت کے ساتھ غدد نا کلا (جگر کے غدد) غدد غیر نا کلا (طحال کے غدد جاذبہ) میں جو خمیر تیار ہوتے ہیں وہ اپنی پوری طاقت میں تیار ہونے چاہئیں۔ یہ ایک ایسا خود کار نظام ہے جو ایک دوسرے کے ساتھ وابستہ اور معاون ہے کہ ایک دوسرے کے تعلق سے چلتے ہیں اور ایک دوسرے کی خرابی سے رکتے ہیں۔ یعنی دل کے صحیح عمل کے ساتھ اگر دوران خون جسم میں دوڑتا ہے تو ساتھ ہی غدد غیر نا کلا جسم کی رطوبات کو جذب و پختہ کر کے خون میں شامل کرتے ہیں۔

اسی طرح دماغ کے صحیح افعال کے ساتھ اعصاب میں احساس کی قوت دوڑتی رہتی ہے تو دوسری طرف غدد نا کلا کی رطوبات پختہ ہو کر جسم پر ترشح پا کر جسم کی غذا کا باعث بنتی ہیں۔ اس طرح قوت وصحت اور زندگی قائم رہتی ہے۔ طب قدیم نے چار اخلاط کے اعتدال وقوت اور درستگی پر صحت وقوت اور زندگی کا نظام قائم کیا ہے۔ بلغم کو خام خون بیان کیا ہے۔ جب تک یہ پختہ ہو کر خون نہ بنے جسم کی غذا اور قوت نہیں بن سکتا۔ خون جسم کی غذا اور قوت اس وقت تک نہیں بن سکتا جب تک اس میں صفراء کی حرارت (غدد نا کلا کی رطوبت) اور سودا کی قوت (غدد غیر نا کلا کی رطوبت) کی قوت شریک نہ ہو۔

گویا جسم میں صفراء کی حرارت اور سودا کی قوت کے بغیر خون کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ اس لیے جسم میں صحت اور طاقت کے لیے لازم ہے کہ صفراء اور سودا کی مناسب مقدار ہونی چاہیے۔ یہی جوانی وقوت اور صحت وزندگی کا راز ہے۔

صفرا کے متعلق تو بہت تحقیقات ہو چکی ہے لیکن ابھی تک بہت کچھ تحقیقات کرنے کی ضرورت ہے۔ مثلاً جن لوگوں میں طبعی صفراء کی کافی مقدار موجود ہو ان کے بال سفید نہیں ہوتے۔ قبض، ہاضمہ کی خرابی اور پٹھوں کی کمزوری وغیرہ وغیرہ نہیں ہوتے۔

لیکن جہاں تک سودا کا تعلق ہے فرنگی طب اس کو تسلیم نہیں کرتی اس لیے وہ اس کے متعلق کوئی تحقیقات نہیں کر سکی۔ لیکن بہت جلد وہ سودا اور اس کی خوبیوں کو تسلیم کر لیں گے۔ اکثر اطباء کو بھی سوداء کے نام سے وحشت ہوتی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ جسم انسان اور خون میں سب سے طاقت ور خلط طبعی سودا ہے۔ یہ سب غدد غیر نا کلا (غدد جاذبہ) کا مرکب ہے۔ اس سے جسم اور خون میں سرخی پیدا ہوتی ہے اور اسی سے خون میں گاڑھا پن پیدا ہوتا ہے اور اسی سے دل کے فعل میں تیزی اور قوت پیدا ہوتی ہے۔

جن لوگوں میں طبعی سودا کی زیادتی ہوتی ہے ان کو کبھی ذیابیطس، نزلہ وزکام اور ریشہ جیسے خوفناک امراض وغیرہ پیدا نہیں ہو سکتے۔

اس لیے قیام شباب اور صحت وطاقت اور تندرستی کے لیے طبعی صفراء کی طرح طبعی سودا کا ہونا بھی انتہائی ضروری ہے۔

''کیا بڑھاپا قابل علاج ہے'' کا مضمون روزنامہ امروز کا پس منظر ''بڑھاپا'' پڑھنے کے بعد شروع کیا تھا۔ جس پر ایک بڑھیا کی تصویر بھی تھی۔ اس میں لکھا تھا کہ یہ تصویر ایک دس سالہ لڑکی کی ہے جس کو بڑھاپا آ گیا۔ اس کے بال سفید ہو گئے ہیں۔ اس کے گال اندر دھنس گئے ہیں اور چہرے پر جھریاں پڑ گئی ہیں۔ کیا مرض قابل علاج ہے؟

ہم نے ماہنامہ ''رجسٹریشن فرنٹ'' میں اپنے مضامین کا سلسلہ شروع کر کے اپنی تحقیقات کو پیش کرنا شروع کر دیا۔ ہم نے ثابت کیا ہے کہ طبعی بڑھاپا قابل علاج نہیں ہے جو پچہتر سال کے بعد شروع ہوتا ہے۔ جوانی میں لگ جائے یہ مرض ہے۔ اس کا علاج مرض کی صورت میں ہونا چاہیے اور پھر یہ مرض یقیناً قابل علاج ہے لیکن اس کے علاج کے لیے معالج کا ماہر ہونا ضروری ہے جہاں تک فرنگی طب کا تعلق ہے وہ نہ اس مرض کے اسباب کو جانتی ہے اور نہ ہی اس کا علاج کر سکتی ہے۔ میرا یہ دعویٰ اپنے پینتالیس سال کے فنی تجربات ومشاہدات اور تحقیقات کی بنا پر ہے۔ میں نے نہ صرف ایسے ہزاروں مریضوں کو دیکھا ہے بلکہ کامیاب علاج کیا ہے۔ اس مرض کا کامیاب اور یقینی علاج درج ذیل ہے۔

اسباب

غذا کی بے اعتدالی' بار بار کھانا بغیر بھوک کے کھانا' کھانے کے فوراً بعد ہلکا یا سخت کام کرنا' پڑھنا' پیٹ کے بل لیٹنا' ورزش کرنا' جماع کرنا' تقریر کرنا یا کوئی ایسا کام کرنا جس سے دل (عضلات) کی حرکت تیز ہو جائے' تیز مصالحہ دار چٹ پٹی اغذیہ۔ اچار اور چٹنیاں کثرت سے کھانا' پانی کی بجائے بوتلیں (کوکا کولا) اور ترش مشروبات پینا' غذا میں پھل نہ کھانا' کھانے کے دوران پیاس لگے مگر پانی نہ پینا' خالی پیٹ پانی یا چائے وغیرہ پینا' کافی وکوکو اور چائے کثرت سے پینا' خالص گھی اور مکھن کی جگہ بناسپتی گھی کھانا۔ نیم پخت گوشت یا کثرت سے تکے کباب وغیرہ کھانا' نفسیاتی اثرات میں غم کرنا' کوئی شدید نقصان اور صدمہ ہونا' کنجوسی کرنا' دوسروں سے نفرت کرنا' دوسروں کو دکھ دینا' ظلم کی کسی صورت کو اختیار کرنا وغیرہ وغیرہ سب اسباب قابلِ ذکر ہیں۔

علامات

جسم کا دبلا پتلا ہونا' چہرے پر رطوبت کا نہ ہونا' چہرے کا کھنچ جانا' گالوں کا اندر دھنس جانا' چہرے پر جھریاں پڑ جانا' چہرے کی ہڈیوں کا نمایاں ہونا' نگاہ کمزور اور سماعت کا کم ہونا' اکثر نزلہ وزکام' دائمی قبض' پیٹ میں ریاح جلن اور بے چینی مرض کی زیادتی کی صورت میں پیٹ کے عضلات میں سوزش اور دبانے سے درد ہوتا ہے۔ انتہائی شدت کا درد اکثر رہتا ہے' پیٹ میں پھوڑا بن جانا' انتہائی حالت میں پیٹ کے عضلات میں سرطان (کینسر) پیدا ہو جاتا ہے۔ اعصاب کمزور ہو جاتے ہیں۔ صفراء کی پیدائش بند ہو جاتی ہے اور حرارت تقریباً ختم ہو جاتی ہے۔ جنسی امراض میں احتلام کی شدت اور مادہ منویہ کا ضائع ہو جانا۔ ہر وقت غم کی سی حالت' دوسروں سے رفتہ رفتہ نفرت پیدا ہو جانا بلکہ دکھ پہنچا کر لذت حاصل کرنا' کسی کو ایک پیسہ دینے کو دل نہ کرنا' انتہائی کنجوسی' اکثر چٹ پٹی اغذیہ واشیاء پسند کرنا اور کھانا' اکثر ایسے لوگ مجرمانہ ذہنیت رکھتے ہیں ذہن وضمیر اور روح میں مذہب وقانون اور اخلاق کا احترام نہیں رہتا' صرف اپنی خواہشات کے لیے تگ و دو کرنا اور زندہ رہنا پسند ہوتا ہے۔ ایسے مریضوں کا انجام گھل گھل کر مرجانا اور بعض صورتوں میں خودکشی اور مقابلوں میں مرجانا ہوتا ہے۔

علاج

ایسے مریضوں کا علاج بڑی کوشش سے کرنا چاہیے اور ان کے ساتھ بے حد ہمدردی کرنی چاہیے۔ یہ بات ہر معالج کو جان لینی چاہیے کہ وہ نہ مفتی ہے نہ جج کہ اس کے بداعمال کو خیال کرتے ہوئے اس کی پوری خدمت نہ کرے۔ ممکن ہے اس کے انتہائی اخلاقی سلوک سے اس کا ذہن درست ہو جائے ضمیر بدل جائے اور روح جاگ اٹھے اور باقی زندگی انسانی مقصد کے لیے دوسروں کی خدمت میں گزار دے بس یہی انسانیت ہے۔

تدابیری علاج

مریض کو دیکھنے کے بعد اس کو اوّل ایک ایک علامت بتائے۔ پھر اس کو یقین پیدا کر دے کہ وہ تمام مرض کو پورے طور پر جانتا ہے اور اس کو بہت جلد آرام آ جائے گا۔ پھر مریض کی روزانہ زندگی وخیالات اور غذا میں تبدیلی پیدا کر دے۔ جب تک اس کی زندگی، خیالات اور غذا میں حسب منشا تبدیلی نہ ہو دوا نہ دیں۔ اور اس بات کی کوشش کریں کہ مریض کو بھوک میں شدت پیدا ہو جائے۔

یاد رکھیں کہ صحیح بھوک یعنی غذا کی اصل طلب انسان کے ذہن وضمیر اور روح کو صحیح راستہ پر ڈال دیتی ہے۔ یہی صحیح علاج کا تقاضا ہے۔ غلط بھوک صرف خواہش ہوتی ہے، بھوک نہیں ہوتی۔ ہمیشہ بھوک اور خواہش کا فرق معلوم کرنا از حد ضروری ہے۔ مریض کی بھوک کو ہر وقت معلوم کرتے رہنا چاہیے اور غذا کو روکتے رہنا چاہیے۔ بھوک کا صحیح لگنا نصف علاج ہے اور صحیح غذا کا استعمال کرنا مکمل علاج اور صحت کا قیام ہے۔

غذا

حیوانی اغذیہ: بکری کا گوشت' مرغ کا گوشت' تیتر بٹیر و مرغابی کا گوشت' انڈے' بھیڑ' بکری اور گائے کا دودھ۔

میوہ جات: چلغوزہ اور بادام۔

پھلوں: آم' کھجور' خوبانی' آلو بالو' شہتوت' انگور' امرود' خربوزہ' میٹھا' پپیتہ۔

سبزیوں: میتھی کا ساگ وادرک' سبز مرچ' لہسن' ٹنڈے' بھنڈی' گاجر' حلوہ کدو۔

اناج: گیہوں اور مونگ استعمال کرائیں۔

مفرد ادویات

اجوائن' اسارون' افسنتین' انزروت' بادیان' بانسہ' باؤبڑنگ' بکائن' بید انجیر' پلاس پاپڑا' پودینہ' تلسی' تیزپات' حب الملوک' رائی' رسوت' روغن زیتون' زیرہ سیاہ' سورنجان' سونٹھ' شہد اور گھی وغیرہ۔

مرکب ادویات

ایک بار پھر یہ حقیقت ذہن نشین کرلیں کہ غیر طبعی بڑھاپا عضلات (قلب) میں سوزش کا نام ہے جس سے عضلات سکڑنا شروع ہو جاتے ہیں۔ اعصاب میں ضعف اور جگر میں سکون سے حرارت ختم ہونا شروع ہو جاتی ہے۔ اس کا علاج یہ ہے کہ غدد میں تحریک شروع کر دی جائے جو اغذیہ اور ادویہ غدی تحریک پیدا کرتی ہیں ان سے جگر میں حرارت پیدا ہونا شروع ہو جاتی ہے جس سے عضلات میں پھیلاؤ اور موٹاپا پیدا ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ اس مقصد کے لیے غدی عضلاتی اور غدی اعصابی دونوں ضرورت کے مطابق استعمال کیے جا سکتے ہیں۔ ان کے علاوہ تحقیقات فارما کوپیا اور تحقیقات المجربات میں جو غدی اعصابی اور غدی عضلاتی نسخے درج ہیں دیئے جا سکتے ہیں۔

اسراری روغن

(غدی اعصابی) جمالگوٹہ ایک چھٹانک' گھی خالص گائے ڈیڑھ سیر' گھی کو آگ پر رکھیں اور اس میں جمالگوٹہ چھیل کر ڈال دیں۔ جب جل کر کوئلہ ہو جائیں تو ان کو نکال کر پھینک دیں۔ بس تیار ہے۔ صبح و شام بعد از غذا ایک چمچہ (ٹی سپون) کے برابر استعمال کریں۔ بے حد مفید ہے۔

اعادہ شباب کے لیے مجربات

لڈو قیام شباب

مغز اخروٹ ایک سیر' پستہ ایک پاؤ' کشمش سوا سیر۔

ترکیب: پہلے مغز اخروٹ اور پستہ کو ملا کر باریک کرلیں۔ پھر کشمش ڈال کر اس قدر ملائیں کہ یک جان ہو جائیں۔ پھر ان کے لڈو بنالیں۔

خوراک: عام لڈوؤں کے برابر ہونی چاہیے۔ صبح ناشتہ میں ایک سے تین لڈوؤں تک کھائیں۔ اگر رات کو بھی چاہیں تو کھا سکتے ہیں۔

برفی شباب آور

بلادر ایک چھٹانک' نارجیل ڈیڑھ سیر۔

ترکیب: اوّل نارجیل کو باریک کدوکش میں باریک کرلیں۔ (نارجیل کے لیے خاص کدوکش ہوتے ہیں) پھر نارجیل اور بلادر ملا کر خوب کوٹیں کہ

یک جان ہو جائیں۔ تین سیر چینی کا گاڑھا قوام تیار کر کے نیچے اتار لیں اور کسی کھلے برتن میں پھیلا دیں۔ پھر برفیاں کاٹ لیں۔

خوراک: ہر غذا کے درمیان ایک سے لے کر تین برفیاں تک کھا سکتے ہیں۔ یہ دوا زیادہ تر ان لوگوں کے لیے ہے جن کے بال سفید ہو گئے ہیں۔

اطریفل شباب آور

بلادر ایک چھٹانک ہلیلہ' بلیلہ' اور آملہ ہر ایک آٹھ چھٹانک' چینی سیر۔

ترکیب: بطریق اطریفل تیار کریں۔ خوراک ۶ ماشہ سے ۲ تولہ تک دن میں دو تین بار استعمال کریں۔ اس میں یہ خوبی ہے کہ مقوی کے ساتھ ملین بھی ہے۔ دائمی نزلہ کا بھی یقینی علاج ہے۔

معجون شباب آور

کچلہ ایک تولہ' بابچی آٹھ تولے' حرمل سولہ تولے' ہلیلہ سیاہ سوختہ پانچ چھٹانک' شہد آدھ سیر' چینی آدھ سیر' معروف طریق پر معجون تیار کر لیں۔

خوراک: ایک ماشہ سے تین ماشہ۔

حب شباب آور

نیلا تھوتھا ۶ ماشے' سم الفار ایک ماشہ' شنگرف آٹھ تولے' کشتہ فولاد (کسی طریق پر تیار کیا گیا ہو فیرم کارب بھی مفید ہے) ۱۶ تولہ' ایک درجن لیموں کے رس میں کھرل کریں۔ جب گولی بنانے کے قابل ہو جائے تو بقدر نخود گولیاں تیار کر لیں۔ اگر گولیاں اچھی طرح نہ بنیں تو لیموں کا رس مزید ڈال کر کھرل کریں۔ گولیاں تیار ہو جائیں گی۔

خوراک: ایک گولی سے تین گولی تک۔

سفوف شباب آور

پارہ ایک تولہ' گندھک ایک تولہ' ورق طلاء (۳ ماشہ)۔

ترکیب: اوّل پارہ گندھک کی کجلی تیار کر لیں۔ پھر ایک ایک ورق ڈال کر کھرل کریں۔ جب تمام ورق ختم ہو جائیں تو بس تیار ہے۔

خوراک: ایک رتی سے چار رتی تک پان میں ڈال کھا لیا کریں یا شہد میں ڈال کر چاٹ لیا کریں۔

اکسیر شباب آور

کشتہ سونا ۳ ماشہ' عنبر ۳ ماشہ' لونگ ۲ تولہ' جاوتری ۲ تولہ' خولنجاں ۴ تولہ' مربہ زنجبیل دو چھٹانک۔

ترکیب: پہلے مربہ زنجبیل کو کوٹ پیس کر مثل حلوہ بنا لیں۔ پھر اس میں تمام ادویات کو پیس کر مثل حلوہ بنا لیں۔ پھر اس میں تمام ادویات کو باریک پیس کر اس میں شامل کر دیں۔ آخر میں کشتہ سونا اور عنبر شامل کر دیں۔

خوراک: ایک رتی سے چار رتی تک دیں۔

نوٹ: اس نسخہ کا استعمال سرگودھا کے ایک نوجوان نے حکیم انقلاب کی ہدایت پر کیا تھا جس کے بال جوانی میں سفید ہو گئے تھے دوا کے ساتھ غذا بھی صفراوی مزاج کی کھانے کی ہدایت کی گئی صبح مغز بادام' مغز اخروٹ اور کھجور تینوں کو ملا کو دو تین چھٹانک تک کھا لینا۔ کبھی انڈا فرائی' کبھی انڈے کا حلوہ جس میں بھنے چنے کا آٹا شامل کیا گیا ہو' دوپہر بکرے کا گوشت' انڈے کا سالن' ساگ میتھی پالک وغیرہ شام کو کھجوریں' چھوہارے یا کشمش وغیرہ کا استعمال کرنا جوانی میں بڑھاپے کو شباب کی طرف لوٹانے کا ایک عملی تجربہ اور سچا واقعہ ہے جس پر عمل کر کے ہر شخص فائدہ اٹھا سکتا ہے۔

تریاق شباب آور

کشتہ چاندی ایک تولہ، کستوری اصلی ۳ ماشہ، زعفران اصلی ایک تولہ، شہد خالص ایک چھٹانک۔

ترکیب: اوّل زعفران کو باریک کر کے شہد میں ملالیں پھر اس میں کستوری اور کشتہ چاندی ملالیں۔

خوراک: چار رتی سے ایک ماشہ تک ہمراہ حریرہ بادام صبح وشام استعمال کریں۔ اس میں سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ رطوبت غریزی پیدا کرتا ہے۔

اکسیر اعادہ شباب

کشتہ الماس ایک ماشہ، کشتہ مرجان ایک تولہ، کشتہ عقیق ایک تولہ۔

ترکیب: کشتہ جات کو آپس میں ملالیں مقدار خوراک ۲ چاول سے ایک رتی تک ہمراہ خمیرہ مروارید دن میں تین چار بار استعمال کریں۔

قانون مفرد اعضاء

''اخلاط جب مجسم ہوتے ہیں تو مفرد اعضاء بن جاتے ہیں''

قانون کلیات

انہی مفرد اعضاء کی ترکیب سے مرکب اعضاء اور مرکب اعضاء کی ترکیب سے پھر تمام جسم انسان تیار ہوتا ہے۔ گویا جسم انسان مرکب اعضاء سے مرکب ہے۔ مرکب اعضاء مفرد اعضاء سے مرکب ہیں۔ مفرد اعضاء اخلاط سے بنتے ہیں۔ اخلاط عناصر سے اور عناصر ارکان سے پیدا ہوتے ہیں۔ ارکان مادہ کی ٹھوس، مائع، گیس اور آگ ہیں جو مادہ میں چار کیفیات: گرمی، خشکی، تری اور سردی سے بن جاتی ہیں۔ یہ کیفیات جوہر کی ہیں جس میں سے مادہ پیدا ہوتا ہے۔ یہ قانون جوہر اور مادہ سے اخذ کیا گیا ہے یعنی جوہر سے مادہ پیدا ہوتا ہے۔ مادہ سے ارکان، ارکان سے پھر کوئی عنصر پھر عنصر سے اخلاط اور اخلاط سے مفرد اعضاء بنتے ہیں۔ جن کی ترکیب سے مرکب اعضاء اور مرکب اعضاء کی ترکیب سے پھر تمام جسم انسان تیار ہوتا ہے۔

جسم انسان کے مرکب اعضاء مفرد اعضاء کی بافتوں سے مل کر بنتے ہیں اور ہر بافت (نسیج) بے شمار زندہ حیوانی ذرات (سیلز) سے مرکب ہے۔ یہ حیوانی ذرات دراصل اخلاط سے بنتے ہیں۔ اخلاط چار ہیں۔ اس لیے یہ حیوانی ذرات (سیلز) بھی چار ہی اقسام کے ہوتے ہیں اور ان سے چار ہی اقسام کی بافتیں (انسجہ) بنتی ہیں۔ جن کو ہم اعضاء کہتے ہیں۔ گویا ہر مفرد عضو کی بافت یا نسیج کی بناوٹ میں اس کے ایک حیوانی ذرہ سے لے کر اس کے عضو رئیس تک میں ایک ہی خلط کے حیوانی ذرات (سیلز) ہوتے ہیں۔ جب کسی مفرد عضو کے ایک ذرہ کے افعال میں کوئی خرابی پیدا ہوتی ہے تو اس کا اثر اس کی پوری نسیج (مفرد عضو) سے گزرتا ہوا اس کے عضو رئیس تک پہنچ جاتا ہے اور اسی طرح ایک عضو رئیس کی خرابی کا اثر اس کی متعلقہ نسیج (مفرد عضو) کے ذریعے اس کے حیوانی ذرہ تک پہنچ جاتا ہے۔ جس سے ان مفرد اعضاء کے افعال میں افراط و تفریط اور ضعف پیدا ہو کر امراض و علامات پیدا ہوتی ہیں۔ علاج کی صورت میں انہی مفرد اعضاء کے افعال کو درست کر دینے سے ایک حیوانی ذرہ سے لے کر اس کے عضو رئیس تک کے افعال درست ہو جاتے ہیں۔ بس یہی قانون مفرد اعضاء ہے۔

جاننا چاہیے کہ جسم کی صحت اس کے اپنے مزاج کا صحیح رہنا ہے۔ جسم کی مرض اس کے مزاج کا بگڑ جانا ہے اور جسم کی موت اس کے مزاج کا باطل ہو جانا ہے۔ گویا مرض صرف بگڑے ہوئے فعل کا ظہور ہے اور پیدائش مرض کا حقیقی سبب ''تغیر افعال الاعضاء'' ہے جو بدن انسان کے مفرد اعضاء میں ان کے مزاج کی خرابی سے پیدا ہوتا ہے۔ اس لیے مرض سوء مزاج مفرد کے محل اور معروض بدن انسان کے مفرد اعضاء ہیں۔ مرکب اعضاء نہیں ہیں کیونکہ جسم انسان میں جو افعال انجام پاتے ہیں وہ مفرد اعضاء کے ماتحت انجام پاتے ہیں۔ مرکب اعضاء کے تحت انجام نہیں پاتے مثلاً معدہ، مثانہ، سینہ، آنکھ، ناک اور کان وغیرہ یعنی یہ اور تمام دیگر اعضاء جو افعال انجام دیتے ہیں اپنے ان مفرد اعضاء کے ساتھ دیتے ہیں جن سے یہ مرکب ہیں۔ اس لیے امراض بھی انہیں مفرد اعضاء میں پیدا ہوتے ہیں نہ کہ مرکب عضو سارا کا سارا مریض بن جاتا ہے۔ مثلاً معدہ مرکب ہے۔ اعصاب غدد اور عضلات سے جب وہ کسی مرض میں گرفتار ہوگا تو وہ تمام کا تمام مریض نہیں ہوگا بلکہ اس کا کوئی حصہ مریض ہوگا یعنی معدہ کے اعصاب بیمار ہوں گے یا غدد یا عضلات پر مرض کا اثر ہوگا۔ علاج کی صورت میں بھی اس حصے کو مدنظر رکھ کر دوائیں دی جاتی ہیں تو بہت جلد شفا ہو جاتی ہے۔ معدہ اور دیگر مرکب اعضاء میں جو مختلف قسم کے امراض پیدا ہوتے ہیں اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ اس کے مختلف مفرد اعضاء مرض میں گرفتار ہوتے ہیں۔ اس لیے علاج میں بھی مرکب اعضاء کی بجائے مفرد اعضاء کو مدنظر رکھنا ضروری ہے۔ اس سے تشخیص یقینی اور علاج بے حد

آسان ہو جاتا ہے۔

جسم انسان کے سر سے لے کر پاؤں تک تمام اعضاء مفرد اعضاء اعصاب، غدود و عضلات سے مرکب ہیں۔ جیسے سر، آنکھ، ناک، کان، غذا اور ہوا کی نالیاں، سینہ، معدہ، انتڑیاں، مثانہ اور اعضائے جنسی وغیرہ اور تمام کے تمام اعضائے رئیسہ حیاتی اعضاء اور بنیادی اعضاء سے مرکب ہیں۔ یہ کوئی جدا قسم کی تخلیق یا بناوٹ نہیں ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ ان مرکب اعضاء کے افعال اپنے مختلف مفرد اعضاء کی وجہ سے مختلف ہیں اور اپنے اپنے مراکز کے تابع ہیں مثلاً معدہ کے اعصاب کا تعلق دماغ سے ہے اور معدہ کے عضلات کا تعلق دل سے ہے۔ معدہ کے نالی دار غدد کا تعلق جگر سے اور غیر نالی دار غدد کا تعلق طحال سے ہے۔ گویا اعصاب میں اگر تحریک ہوگی تو اس سے معدہ کا اعصابی حصہ بھی متاثر ہوگا۔ اسی طرح اگر دل وجگر میں تحریکات ہوں گی تو معدہ کے وہ حصے اپنی اپنی جگہ متاثر ہوں گے جن کا تعلق دل وجگر کے ساتھ ہے۔ ہم نے جسم انسان کو اس کے ایک حیوانی خلیہ سے لے کر اس کے عضو رئیس تک چار قسم کے مفرد اعضاء میں تقسیم کر دیا ہے:

1. اعصاب جن کا مرکز دماغ ہے عصبی خلیات سے بنتے ہیں۔ عصبی خلیات عصبی مادہ سے عصبی مادہ خون کے بلغمی عناصر کی خلط سے بنتا ہے۔ اعصاب کا کام احساس کرنا ہے۔
2. عضلات جن کا مرکز دل ہے عضلی خلیات سے بنتے ہیں۔ عضلی خلیات عضلی مادہ سے اور عضلی مادہ خون کے ریاحی عناصر کی خلط سے بنتا ہے۔ عضلات کا کام حرکات کرنا ہے۔
3. غدد ناقلہ جن کا مرکز جگر ہے قشری خلیات سے بنتے ہیں۔ قشری خلیات قشری مادہ سے اور قشری مادہ خون کے صفراوی عناصر کی خلط سے بنتا ہے۔ غدد ناقلہ کا کام ترشح کرنا ہے۔
4. غدد جاذبہ جن کا مرکز طحال ہے مخاطی خلیات سے بنتے ہیں۔ مخاطی خلیات مخاطی مادہ سے اور مخاطی مادہ خون کے سوداوی عناصر کی خلط سے بنتا ہے۔ غدد جاذبہ کا کام جذب کرنا ہے۔

خون عناصر کے ان چار اخلاط سے مرکب ہے جو دوران خون کے ذریعے ان چار اقسام کے مفرد اعضاء کی غذا بنتے ہیں۔ یہ تقسیم دوران خون کی گردش کے بالکل مطابق ہے جو دل عضلات سے شروع ہو کر جگر (غدد ناقلہ) سے گزرتے ہوئے دماغ (اعصاب) کے زیر اثر تمام جسم پر رطوبات کو بکھیر دیتی ہے۔ پھر طحال (غدد جاذبہ) کے ذریعے وہ رطوبت جذب ہو کر دل (عضلات) میں شامل ہو جاتی ہے۔ یہ ایک ایسا خود کار نظام ہے جو ایک دوسرے کے ساتھ وابستہ اور معاون ہے کہ ایک دوسرے کے تعلق سے چلتے ہیں اور ایک دوسرے کی خرابی سے روکتے ہیں۔ یعنی دل کے صحیح عمل کے ساتھ اگر دوران خون جسم میں دوڑتا ہے تو ساتھ ہی غدد غیر ناقلہ جسم کی رطوبات کو جذب و پختہ کر کے خون میں شامل کرتے ہیں۔ اسی طرح دماغ کے صحیح افعال کے ساتھ اعصاب میں احساس کی قوت دوڑتی ہے تو دوسری طرف غدد ناقلہ کی رطوبات پختہ ہو کر جسم پر ترشح پا کر جسم کی غذا بنتی ہیں۔ یعنی غدد ناقلہ اعصاب کی تیزی سے رطوبات کو ترشح کرتے ہیں اور عضلات کی تیزی سے رطوبات کو روکتے ہیں لیکن غدد جاذبہ ان کے خلاف کام کرتے ہیں وہ اعصاب کی تیزی سے رطوبات کو روکتے ہیں اور عضلات کی تیزی سے رطوبات کو گراتے ہیں۔ اب ذرا قدرت کی اس ترتیب کو دیکھیں کہ اعصاب جسم میں باہر کی طرف ہیں تا کہ ہر احساس کو سمجھیں۔ عضلات جسم کے اندر کی طرف ہیں تا کہ باعث حرکت ہوں اور غدد دونوں کے درمیان ہیں تا کہ تغذیہ و تصفیہ کا باعث بنیں۔ ان چاروں کے عمل سے قوت وصحت اور زندگی قائم رہتی ہے۔
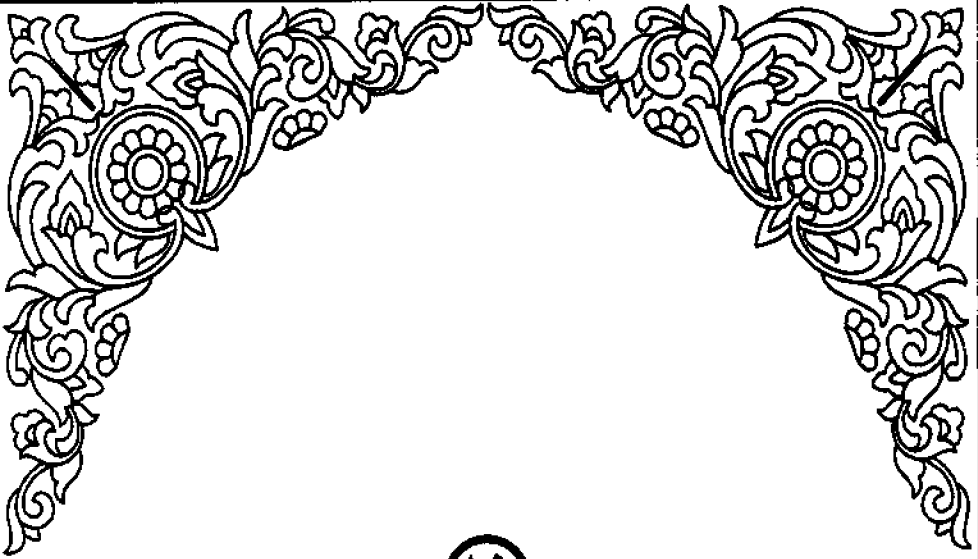
۱۵

تحقیقات ملیریا کوئی بخار نہیں

فہرست عنوانات

پیش لفظ

الحمدللّٰہ ربّ العالمین. الصلوة والسلام علیٰ رحمة اللعالمین. امابعد ۔ اعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرّجیم. بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم. انّ اللّٰہ لا یستحیٖ ان یّضرب مثلا مّا بعوضةً فما فوقھا. فامّا الّذین اٰمنوا فیعلمون انّہ الحق من رّبھم. و امّا الّذین کفرو افیقولون ماذا اراد اللّٰہُ بھٰذا مثلاً. یُضِلّ بہٖ کثیرا و یھدی بہ کثیرا. وما یُضلّ بہٖ الاّ الفاسقین.

''تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کی ہیں (جو صرف مسلمانوں کا ہی نہیں بلکہ) تمام عالمین کا ربّ (پرورش کرنے والا) ہے، تمام درود اور انتہائی سلام (اس رہبرِ انسانیت کے لئے ہیں) جو تمام عالمین کے لئے رحمت (کا پیغامبر ہے) اس کے بعد پناہ مانگتا ہوں اللہ تعالیٰ کی شیطان کی طرف سے جو مردود ہے (کیونکہ اس کی پیدائش دھویں سے ہے)۔ شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ جس کی مہربانیاں عام ہیں (جیسے ہوا عام ہے) اور اس کی رحمتیں بوقت ضرورت میسر آتی ہیں (جیسے پانی بوقت ضرورت میسر ہو جاتا ہے)۔ تحقیق اللہ تعالیٰ (جب اپنی مخلوقات کا ذکر کریں) تو نہیں شرماتے مثال بیان کرنے میں مچھر کی یا اس سے بھی زیادہ (ادنیٰ وغیر مرئی مخلوق اور حیوانی ذرّات کرم وغیرہ جیسے خلیہ و امعا اور جرثومہ ہیں) جو لوگ (حقیقت) پر ایمان رکھتے ہیں وہ جانتے ہیں ان کی طرف سے حق بات کیا ہے۔ اور جب حق بات کا انکار کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ اس مثال سے اللہ تعالیٰ کا کیا مقصد ہے۔ اس میں بہت سے گمراہ ہوتے ہیں اور بہت سے راہ پاتے ہیں۔ کبھی گمراہ نہیں ہوتے۔ مگر خاص لوگوں میں سے''۔

قرآن حکیم میں اس مقام پر مچھر اور اس سے بھی زیادہ ادنیٰ حیوانی مخلوق اور حیوانی ذرّات کا ذکر اس لئے آیا ہے کہ اس سے قبل انسان کی پیدائش کا ذکر آیا ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ اس سے پہلے لوگوں کو بھی اسی طرح پیدا کیا گیا یعنی انسان سے انسان۔ گویا انسان کا سلسلہ پیدائش تناسل سے ہے۔ اس کے بعد قرآن حکیم نے زمین آسمان کا ذکر کر کے بارش کا ذکر کیا ہے اور اس سے پھل پیدا کئے گئے ہیں جو مخلوقات کے لئے رزق ہے۔ گویا بارش کے بعد زمین میں پیدائش کی قوت پیدا ہو جاتی ہے جس سے پھلوں کے ساتھ ساتھ مچھر اور حیوانی مخلوقات اور ذرّات کا پیدا ہونا بھی اس طریق پیدائش پر ہے جیسے پھل یعنی تقسیم در تقسیم۔

بارش اور نباتات کے بعد مچھر اور اس سے بھی زیادہ ادنیٰ مخلوق اور جراثیم کا پیدا ہونا لازمی ہے۔ اب انسان کا فرض ہے کہ ان تمام حقائق پر غور وفکر کرے۔ اگر یہ غور وفکر فطرت اللہ کے مطابق ہے تو اس کے نتائج صحیح وصالح اور ارتقائی ظاہر ہوتے ہیں۔ یعنی یہ مچھر اور جراثیم کیوں پیدا کئے گئے ہیں؟ کیا یہ بے فائدہ یا صرف نقصان رساں مخلوق ہے یا ان کے اثرات میں کچھ فوائد بھی ہیں؟ جن لوگوں نے ان

حقائق پر قانون فطرت کے مطابق غور وفکر کیا تو اس کے مفید اثرات اور صالح اعمال سے آگاہ ہو کر نہ صرف مستفید ہوتا ہے بلکہ ان کے مضر اثرات سے بھی دور رہ سکتا ہے۔ جیسے آگ جلاتی ہے، ظاہرہ یہ اس کا مضر اثر ہے لیکن انسان اس کے اس جلانے ہی سے فوائد حاصل کرتا ہے اور اس کے نقصانات سے دور رہتا ہے۔ ما خلقت ھٰذا باطلا.

یہی صورت مچھر و جراثیم اور دیگر ادنیٰ مخلوقات کی ہے۔ رب العالمین نے ان کی پیدائش میں اثرات و افعال اور خواص و فوائد رکھے ہیں ہم ان سے واقف ہو کر مستفید ہوں تاکہ انسانی زندگی میں جہاں کہیں بھی اس کے مفید اثرات اور فوائد کی ضرورت ہو حاصل کریں۔ اور ساتھ ہی اس کے مضر اثرات اور نقصانات سے بچ سکیں۔ لیکن فرنگی طب نے ان کو صرف نقصان رساں ہی بتایا ہے۔ ان کے فوائد کا ذکر نہیں کیا، بلکہ یہی تاکید کی ہے کہ جہاں پر بھی یہ مخلوق نظر آئے فنا کر دی جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ فرنگی طب اور ماڈرن سائنس مچھر اور جراثیم کی پوری حقیقت اور فوائد سے واقف نہیں ہے اس لئے وہ گمراہی کا شکار ہو گئی ہے اور جن لوگوں نے اس کی بات کو حق جانا ہے، وہ بھی ان کے ساتھ گمراہی میں شریک ہیں۔

فرنگی طب اور ماڈرن سائنس کہتی ہے کہ مچھر اور جراثیم سے ملیریا بخار پیدا ہوتا ہے۔ لیکن اس حقیقت کا کہیں ذکر نہیں کیا کہ اس کے فوائد اور مفید اثرات کیا ہیں۔ جہاں تک اس کے استفادی پہلو کا تعلق ہے دونوں بے خبر ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ ان کو علم نہیں ہے کہ

- مچھر اور جراثیم کیوں پیدا ہوتے ہیں؟
- ان کی پیدائش کس مادے سے ہے؟
- جسم انسان کو ان کی کیا ضرورت ہے؟
- یہ صرف بخار ہی کا باعث ہے یا خون اور جسم میں کوئی مفید عمل بھی انجام پاتا ہے؟
- مچھر ایک زہر ہے۔ یہ جسم انسان کے کسی عضو خصوصاً مفرد عضو اور اس سے بھی آگے بڑھیں تو کسی قسم کے خلیات وانسجہ پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ ان کا کیا اثر ہوتا ہے؟ یعنی ان کے افعال اور ان کے کیمیاوی تغیرات میں کیا صورت اور کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔

ان سوالات کے جواب فرنگی طب کے پاس نہیں ہیں، اس لئے وہ ملیریا کی صحیح حقیقت سے بالکل ناواقف ہے۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ علاج الامراض میں فرنگی طب کے ہاں مفرد اعضاء کا تصور ہی نہیں۔ مفرد اعضاء سے علاج تو رہا ایک طرف فرنگی طب میں علاج بالاعضاء کا ذکر ہی نہیں ہے۔ ان کے ہاں تو جراثیم اور اس کے سمیات کو باعث امراض سمجھا جاتا ہے اور انہی کا فنا کرنا ان کے طریق علاج میں شامل ہے۔

فرنگی طب فزیالوجی (منافع اعضاء) میں مرکب عضو میں مفرد عضو اور ان کی بناوٹ جو خلیات انسجہ سے ہوئی ہے ان کا ذکر کرتی ہے مگر ان کا تمام طبی لٹریچر اس امر سے خالی ہے کہ اعضاء خصوصاً مفرد اعضاء اور ان کے خلیات وانسجہ کی خرابی پیدائش امراض میں کیا اہمیت رکھتی ہے۔ اگر وہ ان کو پیدائش امراض کے اسباب تسلیم کریں تو لامحالہ ان کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ جراثیم باعث مرض نہیں ہیں۔ جہاں کہیں بھی فرنگی طب میں خلیات وانسجہ کا ذکر ہے اس کی صرف یہ صورت ہے کہ وہاں پر یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ فلاں جراثیمی مرض میں خلیات اور انسجہ کی کیا صورت ہو جاتی ہے۔ نتائج امراض بیان کئے گئے ہیں، سبب واصلہ اور فاعلہ نہیں تسلیم کیا گیا۔ وہ سبب واصلہ اور فاعلہ (ایکسائٹنگ کاز) صرف جراثیم کو قرار دیتے ہیں۔ لیکن وہ دراصل سبب سابقہ (پریڈسپوزنگ کاز) ہیں۔ کیونکہ اعضاء خصوصاً مفرد عضو میں جب تک بگاڑ نہ ہو مرض کی صورت نمودار نہیں ہو سکتی، جیسے کہ فرنگی طب خود مانتی ہے کہ جب تک کسی عضو کی مناعت مضبوط ہے، جراثیم اپنا اثر نہیں کر سکتے، تو پھر

خلیات و انسجہ کے بگاڑ کو ابتدائی مقام کیوں نہ دیا جائے کہ وہ مفرد اعضاء کے ابتدائی یونٹ ہیں۔ جب جسم انسان میں ابتدائی یونٹ کے تغیرات کو سمجھ لیا جائے تو اعضاء اور امراض کے تعلق کو سمجھنا بہت آسان ہو جاتا ہے۔

فرنگی طب ہر عضو کی امیونٹی (مناعت) کی خرابی کا ذکر تو کرتی ہے۔ لیکن اس کو اس امر کا علم نہیں ہے کہ امیونٹی ہے کیا شے اور ہر عضو کی امیونٹی (مناعت) ایک قسم کی شے ہے یا جدا جدا کوئی شے ہے۔ ان کی کتب ان حقائق سے خالی ہیں۔ اگر ان کو اس امر کا علم ہوتا تو وہ مختلف امراض سے بچنے کے لئے جراثیم سے دور رہنے کے ساتھ ساتھ جسم میں وہ امیونٹی پیدا کرنے کی کوشش کرتے۔ مثلاً ملیریا سے بچنے کے لئے وہ مچھر دانی کا ذکر کرتے ہیں اور کونین کے روزانہ استعمال کی تاکید ہے۔ لیکن کونین تو ملیریا بخار کا علاج ہے، جس سے فرض کر لیتے ہیں کہ ملیریائی جراثیم مر جاتے ہیں۔ لیکن اس امر کا ذکر نہیں ہے کہ ملیریا فلاں عضو پر اثر کرتے ہیں۔ اس لئے امیونٹی مضبوط کرنے کے لئے فلاں دوا کا استعمال کرنا ضروری ہے۔ اگر وہ عضو کی خرابی اور اس کی امیونٹی (مناعت) کی مضبوطی کا ذکر کریں تو اس طرح ان کو ہر مرض اور بخار میں کرنا پڑے گا۔ جیسے نتیجہ میں جراثیم خصوصاً ملیریل جراثیم کی خصوصیت بالکل ختم ہو جاتی ہے۔ اور ملیریا کے نام سے کوئی بخار موسوم نہیں رہ سکتا ہے۔

حقیقت بھی یہ ہے کہ ملیریا ایک خاص قسم کا زہر ہے۔ جو جسم انسان میں موسم و ماحول کی خرابی اور مچھر کے کاٹنے سے پیدا ہوتا ہے۔ یہ کیوں پیدا ہوتا ہے، اس کے فوائد کیا ہیں؟ ان حقائق کو اگر نظر انداز بھی کر دیا جائے (ان حقائق کا ہم نے کتاب میں ذکر بھی کر دیا ہے) تو پھر بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ ملیریا اسی قسم کا زہر ہے جیسے دیگر حشرات الارض اور دیگر نباتی و جماداتی زہر ہیں۔ جن کا شمار مشکل ہے۔ کیا ہر زہر کے نام پر ایک بخار مقرر کیا جائے۔ جیسے فرنگی طب میں ہیں چوہے کاٹنے کا بخار، رتیلی مکھی کاٹنے کا بخار، مکڑی کا بخار، وغیرہ وغیرہ۔ اگر یہ کہا جائے جراثیم جدید تحقیقات ہیں اس لئے خاص قسم کے زہر سے موسوم کرنا ضروری ہے تو پھر نمونیا و پلر اسی اور ٹی۔ بی اور کثار کے بھی تو جراثیم معلوم کئے گئے ہیں۔ ان کے ناموں کو بالا عضاء اور بالا علامات کیوں رکھا گیا ہے۔ اگر صرف اسی نکتہ نظر سے غور کریں تو امراض کی ایک بہت طویل فہرست ملتی ہے جن کے جراثیم تو فرنگی طب کو معلوم ہیں لیکن ان کے نام جراثیمی زہر پر نہیں ہیں مثلاً سوزاک، آتشک، چیچک، خسرہ، انفلئزہ، ہیضہ اور طاعون وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ ہم ان ناموں کو بھی علاماتی نام کہتے ہیں۔ صحیح نام صرف وہ ہیں جن میں کسی مرض کا تعلق اس کے عضو کی خرابی سے وابستہ ہو۔ اس سے نہ صرف تفہیم مرض کا پتہ چلتا ہے بلکہ تشخیص اور علاج میں بھی آسانیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔

جب ملیریا بخار یا موسمی بخار کا تعلق جگر کی خرابی سے ہے جس میں صفراوی پیدائش اور حرارت کی پیدائش رُک جاتی ہے یا جسمانی ضرورت کیمطابق کم ہو جاتی ہے، جس کو ملیریا بخار یا موسمی بخار پورا کرتا ہے۔ طب یونانی میں اس کو حمی غب صفراویٔ بخار یا شطرالغب (صفراء مرکب یا بلغمی بخار) کہتے ہیں، جگر کی خرابی ہی تسلیم کیا گیا ہے۔ تو اس بخار کا نام ملیریا کی بجائے حمی کبدی (جگری بخار) ہونا چاہئے۔ یہ بخار قدرت مدبرہ فطری اصولوں پر اس لئے پیدا کرتی ہے کہ جگر کی امیونٹی (مناعت) یعنی اس کی مقرر مقدار اپنی ضرورت سے کم ہو جاتی ہے۔ اس لئے اس کا صحیح علاج بھی یہی ہے کہ بخار اتارنے کی بجائے جسم کی حرارت اور صفراء پورا کیا جائے تاکہ مریض اس کی کمی کی وجہ سے زیادہ خوفناک امراض میں گرفتار نہ ہو۔ جب یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ بخار مرض نہیں ہے بلکہ جسم میں گرمی کی کمی کا احساس ہے تو لازم ہوا کہ ملیریا کوئی بخار نہیں ہے بلکہ موسمی رطوبات کی زیادتی سے حرارت کی کمی کا اظہار ہے جن کو یہ بخار نہیں ہوتا تو وہ رطوبات کی زیادتی کی وجہ آنے والے موسم میں نزلہ و زکام اور کھانسی اور نمونیا وغیرہ دیگر سردی کے امراض میں گرفتار ہو جاتے ہیں۔

ملیریا کے علاج میں کونین اور دیگر جراثیم کش جو ادویات دی جاتی ہیں، اوّل تو وہ اس بخار کا اصولی علاج نہیں ہے، اس کا بخار جگر کے فعل کو درست کرتا ہے تا کہ وہ اپنی حرارت اور صفراء کی پیدائش کو پوری طور پر بنائے۔ اس کے برعکس کونین اور دیگر جراثیم کش ادویات دافع حرارت اور قاطع صفرا ہیں۔ نتیجہ میں مریض خوفناک امراض کا شکار ہو جاتا ہے۔ دوسرے جب ان ادویات کی کثرت سے حرارت جسم بہت کم ہو جاتی ہے یا جراثیم مر جاتے ہیں تو متعفن مادہ اندر دب جاتا ہے۔ طبیعت مدبرہ بدن چند دنوں کے بعد پھر اس میں تعفن پیدا کر کے بخار کی صورت پیدا کرتی ہے، اگر وہ ایسا کرنے کی قوت نہیں رکھتی تو پھر وہ مادہ جسم کو کھا کر ٹی بی یا کینسر پیدا کر دیتا ہے یا اس سے ہارٹ فیلور ہو جاتا ہے۔ یہ صورت تو بالکل ایسی ہے کہ کہیں گندگی پڑی ہو اس پر فینائل ڈال دی جائے۔ مگر گندگی وہاں پر قائم رہے، جس میں چند دنوں بعد فساد اور تعفن پیدا ہونا لازمی ہے یا جب آٹا خمیر ہو جائے اور یہاں تک خراب ہو جائے کہ اس میں سخت تعفن پیدا ہو جائے۔ تو اس کی درستی دافع تعفن ادویات سے نہیں ہو سکتی۔ البتہ بدبو ضرور دور ہو سکتی ہے۔ اس کا یہی علاج ہے کہ اس کو پھینک دیا جائے تا کہ جراثیم اس کو ختم کر کے اس کا زہر ختم کر دیں۔ نہیں تو اس میں پھر بدبو پیدا ہو کر گھر بھر کو بیمار کر دے گی۔ اسی طرح کونین اور دیگر جراثیم کش ادویات اندرونی زہر کو ختم کرنے کی بجائے اس کی اصلاح کو روک کر انتہائی نقصان کا باعث بنتے ہیں۔ ان امور کا ذکر کتاب میں کیا ہے۔

ہم نے کتاب کو دو وجوہات سے لکھا ہے۔ اوّل وجہ یہ تھی کہ فرنگی طب اور ماڈرن سائنس اپنی غلط فہمی اور گمراہی کی وجہ سے طبی دُنیا میں اس کو کثیر الوقوع اور اہم بخار بیان کر کے انتہائی پراپیگنڈہ کرتی رہی ہے اور اس کو اپنی تجارت کا ایک بڑا ذریعہ بنا رکھا ہے۔ جس سے کروڑوں اور اربوں روپیہ وہ ہر سال اس کی ادویات اور آلات سے کما رہی ہے، جس سے ہمارے فرنگی اطباء اور فرنگی وید (ایسے معالج جو ہیں تو طبیب اور وید لیکن اپنے فن سے واقف نہیں ہیں اس لئے دولت کے لالچ اور کمائی کی خاطر فرنگی ادویات کو استعمال کرتے ہیں اور اس پر فخر کرتے ہیں کہ وہ فرنگی ادویات برتتے ہیں) جو پورے طور پر ان ادویات کی اہمیت سے واقف بھی نہیں ہیں، وہ ان کو استعمال کر کے عوام کی صحت کے لئے باعث نقصان بن رہے ہیں، یہ دراصل فرنگی عطائی ہیں جو اطباء اور وید اپنے فن کی ادویات چھوڑ کر فرنگی طب کی ادویات استعمال کرتے ہیں۔ ان کو حکومت کی طرف سے علاج معالجہ کی اجازت نہ ہونی چاہئے۔ اس طبقہ میں عطار اور فرنگی دوا فروش بھی شریک ہیں۔ اس لئے ہم نے ثابت کیا ہے کہ درحقیقت ملیریا کوئی بخار نہیں ہے اور کونین اور دیگر جراثیم کش ادویات اس کا غلط علاج ہونے کے علاوہ انتہائی نقصان رساں ہیں۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ جب میں اپنی کتاب ''تحقیقات حمیات'' مرتب کر رہا تھا تو ان دنوں مجھے جناب حکیم کبیر الدین کی کتاب حمیات اجامیہ (ملیریا بخار) دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ مجھے کتاب پڑھ کر بے حد افسوس ہوا، کیونکہ جناب حکیم صاحب موصوف نے ملیریا بخاروں کا نام (حمیات اجامیہ) رکھ کر اس کو مشرف باسلام کر دیا ہے۔ یعنی اس کو طب یونانی کا بخار ثابت کر دیا ہے۔ لطف کی بات یہ ہے کہ تمام کا تمام ملیریا بیان شمس الاطباء حکیم ڈاکٹر غلام جیلانی کی ایک مشہور کتاب مخزن الحکمت (گھر کا حکیم ڈاکٹر) سے لفظی ہیر پھیر کے ساتھ عنوان باعنوان نقل کر دیا۔ اور کچھ بیان شیخ الرئیس کی کتاب ''حمیات قانون'' سے غلط ناطق کے ساتھ لکھ دیا۔ غلط مجربات اور فضول باتیں جمع کر کے اس کا نام تحقیق اور تدقیق رکھ دیا۔ اگر اسی کا نام تعمیری کام ہے تو پھر تخریبی کام کس قسم کا ہوتا ہے۔ نقل تو خیر نظر انداز کی جاتی ہے، لیکن طب یونانی کی رو سے خصوصاً شیخ الرئیس کے حوالوں سے چار مختلف اقسام کے اخلاط کے بخاروں کو ایک ہی قسم کا بخار کیسے ثابت کیا جا سکتا ہے۔ پھر تمام بخاروں کا ایک ہی قسم کا علاج خصوصاً کونین کے ساتھ علاج کرنا صحیح ہے؟ اس کتاب میں طب یونانی کے قوانین کو اس بری طرح نظر انداز کیا گیا ہے کہ یہی کہا جا سکتا ہے کہ ان کو ذبح کیا گیا ہے۔ اور پھر فرنگی غلط اصولوں اور علاج کو بغیر طب یونانی کے قوانین کو پیش نظر

رکھ کر اپنایا گیا ہے۔ یہ سب کچھ صرف اس لئے کیا گیا ہے کہ ذہن میں شوق تجدید فن احیائے طب سمایا ہوا ہے۔ جن کے مبادیات سے بھی واقف نہیں ہیں۔

تجدید فن اور احیاء طب تو اس صورت میں ہو سکتی ہے کہ کم از کم اوّل مسلمات اور قوانین طب یونانی کو موجودہ ماڈرن سائنس کے سامنے صحیح ثابت کریں یا ماڈرن سائنس اور فرنگی طب کے نظریات اور اصولوں کو غلط ثابت کریں۔ کیا اس کا نام تجدید طب اور احیاء فن ہے کہ طب یونانی کے قوانین و مسلمات اور اصول و نظریات کو ختم کر کے فرنگی طب کو غلط طور پر طب یونانی میں شامل کر لیا جائے۔ اور فرنگی طب بھی وہ عطائی طریق علاج (ان سائنٹفک) ہے جو سر سے پاؤں تک غلط ہے، بلکہ گمراہی کی طرف سے جانے والا ہے۔

اس قسم کی تجدید طب اور احیاء فن جو حکیم کبیر الدین صاحب نے ''حمیات اجامیہ'' میں پیش کیا ہے جس کے نمونے ہم پیش کر چکے ہیں اور جس پر تنقید و تبصرہ قارئین کے سامنے ہے اس پر غور و فکر کر کے خود اندازہ لگا سکتے ہیں کہ کیا اس کو تجدید طب و احیاء فن اور قوم و ملک کی تعمیری خدمت کہہ سکتے ہیں؟؟؟

اس سب تخریب اور خرابی کی داستان یہ ہے کہ آج سے تقریباً پچاس سال پہلے کی بات ہے جب فرنگی ہندوستان پر اپنے ظلم و ستم سے حکومت کرتا تھا۔ 1910ء میں بمبئے ایکٹ کے تحت یہ کوشش کی تھی کہ طب قدیم کو بالکل ختم کر دیا جائے اس کا بعض دردمندان فن اور محبان ملک نے بہت کامیابی سے مقابلہ کیا اور اس آفت سے فن طب کی جان بچ گئی۔ انہی دنوں طب یونانی اور فن قدیم کے احیاء اور تجدید کا خیال شدت سے پیدا ہوا جس میں فرنگی کی چال کام کر گئی اور طب قدیم کا رخ فرنگی طب کی طرف پھیر دیا گیا اور فرنگی زدہ لوگوں سے پراپیگنڈہ کرایا گیا کہ اگر طب قدیم کی جان عزیز ہے اور اس کو ہمیشہ کے لئے بچانا چاہتے ہو تو فرنگی طب کو زیادہ سے زیادہ بلکہ پورے طور پر طب قدیم میں شامل کر لیا جائے۔ اور اس کا نام احیاء فن اور تجدید طب رکھ دیا گیا۔ بالکل اس طرح جیسے سرسید کے زمانے میں فرنگی نے یہ پراپیگنڈہ کیا کہ مسلمانوں کی کامیابی و ترقی بلکہ زندگی کا راز اس میں ہے کہ اردو زبان کی بجائے فرنگی تعلیم حاصل کی جائے۔ (یہاں تک تو کوئی بات نہ تھی) بلکہ مجبور یہ کیا گیا کہ تمام علوم بھی اسی زبان میں پڑھائے جائیں۔ جس کا نتیجہ ظاہر تھا کہ خواص ان کی مشینری کے پرزے بن جائیں اور عوام علوم سے بے بہرہ رہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آج تک ہمارے ڈاکٹر و انجینئر اور سائنس دان یورپ و امریکہ اور جاپان کے محتاج ہیں اور ان کے مقابلہ میں ان ممالک سے جن میں تعلیم ان کی ملکی زبان میں ہے اگر کمیونسٹ ممالک کو نظر انداز بھی کر دیں تو جاپان اور مصر میں ان شعبہ جات نے جو ترقی کی ہے، ہمارا ملک ان کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔

اس طرح فرنگی طب کو طب قدیم میں اپنانے کی تحریک میں ایک خاص گروہ سامنے آ گیا، جناب حکیم کبیر الدین اور ان کے ساتھی پیش رو کی حیثیت رکھتے ہیں۔ جن میں قابل ذکر حکیم محمد الیاس، حکیم فضل الرحمٰن پروفیسر وغیرہ شامل ہیں۔ اس کے بعد کے زمانے میں عثمانیہ یونیورسٹی میں ذریعہ تعلیم اُردو ہوا تو انہوں نے بھی طب فرنگی کی کتب کے تراجم شائع کر کے تعلیم جاری کر دی جس سے فرنگی طب کو بہت مدد ملی۔ ان تراجم سے طب قدیم کو بہت نوازا گیا۔ ادھر پنجاب میں اسی گروپ کے خاص فرد جناب شفاء الملک حکیم محمد حسن قرشی صاحب نے اسی طریق تجدید طب اور اصلاح فن کے نام سے اسی طریق کار سے احیاء فن کرنے لگے۔ ان لوگوں کا طریق کار یہ رہا کہ فرنگی طب کی کتب کے تراجم کر کے بلکہ کرا کے زیادہ سے زیادہ طب قدیم میں یونانی اصطلاحات کے ساتھ شامل کرنے لگے۔

اس جدید فرنگی طبی لٹریچر کو کتب اور رسالوں کی صورت میں دھڑا دھڑ فروخت کرنے لگے۔ اس حد تک بھی یہ قابل برداشت تھی۔ اس سے آگے ایک بہت خوفناک قدم اٹھایا گیا یعنی جو طبی درس گاہیں قائم کی گئیں ان کو طبیہ کالج (انگلو انڈین) کا نام دیا گیا۔ بس ان میں

اس فرنگی طبی لٹریچر کی علمی اور عملی تعلیم شروع ہوگئی۔ یہ صورت کسی ایک شہر تک محدود نہ رہی بلکہ ایسے فرنگی طبیہ کالج دلی، علی گڑھ، لکھنؤ، حیدرآباد، بمبے، لاہور، شاہدرہ، بہاولپور اور کراچی تک پھیل گئے اور آج بھی پھیلے ہوئے ہیں۔ جہاں یونانی قوانین ونظریات کے ساتھ فرنگی طب کے اصول اور نظریات کی تعلیم دی جاتی ہے جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ صحیح معنوں میں طبیب حکیم تو کوئی پیدا نہ ہو سکا البتہ فرنگی طب کی تعلیم اس انداز میں پھیل گئی کہ ہر طبیب اور حکیم نے ڈاکٹری انداز بلکہ خود ڈاکٹر بننے کی کوشش ضرور کی اور نہیں تو حکیم ڈاکٹر ضرور کہلایا۔ اور فرنگی طب کے آلات سے اپنے کو سجانے پر فخر محسوس کیا اور تا حال یہی سلسلہ جاری ہے۔

دوسری طرف عوام میں شدید ردِّعمل شروع ہوا کہ جب وہ فرنگی طب خصوصاً ان کے انجکشنوں سے متعارف ہوگئے تو ان کو فرنگی طبیبوں اور فرنگی حکیموں سے نفرت پیدا ہونا شروع ہوگئی کہ اگر فرنگی ادویات ہی برتنی ہیں تو پھر ان کی بجائے فرنگی ڈاکٹروں سے کیوں نہ لی جائیں۔ اور جب مارشل لاء حکومت نے طب قدیم سے انکار کر دیا کہ جب طب قدیم کی تجدید اور علاج فرنگی طب سے کرنی ہے تو یہی بہتر ہے کہ فرنگی طب کو زیادہ سے زیادہ ملک میں پھیلا دیا جائے۔ اس مقصد کے لئے مارشل لاء حکومت نے زیادہ سے زیادہ میڈیکل کالج و میڈیکل سنٹر اور سرکاری ہسپتال وسینی ٹوریم کھول دیے۔ حقیقت یہ ہے کہ مارشل لاء حکومت نے نہایت ہی دانشمندانہ قدم اٹھایا۔ اگرچہ ہم فرنگی طب کے شدید مخالف ہیں، لیکن حکومت کے اس اقدام سے فرنگی طب کی رہی سہی اشاعت ختم ہوگئی۔ اور جو لوگ فرنگی طب کے ذریعے طب قدیم کا احیاء وتجدید اور اصلاح کر رہے تھے ان کے حوصلے پست ہو گئے اور ہوش ٹھکانے نہ رہے۔ اب ''نہ پائے رفتن اور نہ جائے ماندن'' کا معاملہ ہوگیا۔

ذرا اندازہ لگائیں کہ ان فرنگی طبیبوں اور فرنگی حکیموں نے اپنے رسالوں، کتب اور لٹریچر کے ذریعے اپنے انگلوانڈین طبیہ کالجوں میں تعلیم دینے کے ساتھ ساتھ اپنی طبی جماعتوں کے پلیٹ فارموں پر جو اکثر فرنگی زدہ نوابوں، امیرزادوں اور فرنگی حکام اعلیٰ کی صدارتوں میں ہونے لگیں ان میں زیادہ سے زیادہ ماڈرن سائنس اور فرنگی طب کو اپنانے کی تلقین کی گئی، جن کا خاطر خواہ نتیجہ نکلا، طب فرنگی کا اثر اس حد تک پہنچ چکا ہے کہ شہروں کے بڑے بڑے فرنگی طبیبوں اور حکیموں سے لے کر دیہاتوں کے معمولی اطباء اور حکماء تک ملیریا اور کونین سے متعارف ہیں۔ وہ اس کا علاج کونین سے ملیریا کو سامنے رکھتے ہوئے کرتے ہیں، کبھی حمی غب یا حمی کبدی سمجھ کر نہیں کرتے۔ گویا پاک وہند کا ہر طبی اور ویدک معالج فرنگی زدہ ہوگیا اور فرنگی طب کی افضلیت سے مرغوب ہے۔ اور ساتھ ہی عوام کے ذہن میں یقین ہے کہ طب قدیم اور آیورویدک ختم ہو چکی ہیں۔

مگر قدرت فیاض ہے۔ جب ایک طرف بے امیدی و مایوسی اور ناکامی کا دور دورہ ہوتا ہے، جب ترقی و کامیابی اور نشو وارتقاء کے دروازے بند ہو جاتے ہیں تو قدرت اپنے فطری اصولوں کو عمل میں لاتی ہے، جس کے ساتھ اس کے حق پرست بندے سامنے آ کر اس ساری بے امیدی و مایوسی اور ناکامیوں کے بادلوں اور فضاء کو چیر کر ترقی و کامیابی اور نشو وارتقاء کی راہیں اور قاعدے دکھا دیتے ہیں۔ اور دُنیا کو دعوت دیتے ہیں کہ آئیں اور راہِ ہدایت و کامیابی دیکھیں، سمجھیں، تجربہ کریں اور فوائد حاصل کریں۔ مگر باطل قائدین اپنی دولت اور جھوٹی شان سے لالچ دے کر عوام کے راستے روکنے کی کوشش کرتے ہیں۔ رفتہ رفتہ حق پھیلتا ہے اور باطل مات کھانا شروع کر دیتا ہے۔

ہم بھی یہی دعوت دے رہے ہیں۔ فن علاج کی صحیح راہ ہم دُنیا کے سامنے پیش کر رہے ہیں اور ایسے وقت میں یہ صحیح راہ پیش کر رہے ہیں۔ جب تمام دُنیا پر فرنگی طب چھا چکی ہے اور دُنیا میں کہیں بھی تجدید طب واحیاء اور اصلاح فن نہیں پیش کیا جا رہا ہے۔ اگر کہیں ایسا کام ہو رہا ہے تو ہم بھی خدمت کے لئے حاضر ہیں۔ ورنہ عوام خواص کا فرض ہے کہ اگر وہ محبِّ علم وفن اور ملک وقوم سے محبت وعشق رکھتے ہیں تو فوراً ہمارے

گرد اکٹھے ہو جائیں۔ اپنے قائدین بتوں کی طرف نہ دیکھیں، جلد پہنچیں جو پہلے آئیں گے وہ پہلے بامراد ہوں گے، اگر آپ لوگ آج اکٹھے ہو جائیں ہم کل فرنگی طب کو حکومت سے ختم کر کے طب یونانی یا طب قدیم کو سرفراز اور بامراد کر لیں گے۔ کیونکہ حکومت عوامی ہے، ارکان حکومت ملک اور قوم کی سربلندی چاہتے ہیں، ان کو صحیح فن سے بغض نہیں ہے، جو کچھ عوام پسند کرتے ہیں حکومت اس کو قبول کر لیتی ہے۔ اس لئے ہم نے کبھی حکومت کی طرف رجوع نہیں کیا، ہمارا اوّل کام معالجین اور عوام کا ذہن بدلنا ہے۔ جس کا ہمیں یقین ہے کہ بہت جلد کامیاب ہو جائیں گے کیونکہ ہم حق پیش کر رہے ہیں اور فرنگی طب سرتاپاؤں غلط ہے۔ باطل کبھی بھی حق کے سامنے نہیں ٹھہر سکتا ہے۔

ہم نے ملیریا کو غلط ثابت کر کے حق کو پیش کیا ہے، اسی طرح ہم جناب حکیم کبیرالدین صاحب اوران کے ساتھیوں خصوصاً جناب شفا الملک حکیم محمد حسن صاحب قرشی کی ایک ایک کتاب کی غلطیاں وخرابیاں اور گمراہیاں پیش کریں گے جو فرنگی طب کے تراجم اوران کی ادویات کے غلط نسخوں سے بھری پڑی ہیں۔ جن سے علم طب تباہ اور فن قدیم برباد ہو گیا ہے تاکہ حق بات عوام اور خواص تک پہنچ جائے اور باطل کے نقصانات سے بچ سکیں۔ ثبوت میں جناب حکیم قرشی صاحب کی کتاب جامع الحکمت کو اٹھا کر دیکھ لیں۔ اس میں نہ صرف ملیریا اوراس کا علاج تو کیا شروع سے آخر تک فرنگی طب سے بھری پڑی ہے۔ اس کو کوئی صاحب عقل اور اہل فن تجدید طب اور احیاءِ فن نہیں کہہ سکتا ہے۔ ہم اس کتاب کی طرح ان کی تمام کتب کو تنقید وتبصرہ کے ساتھ پیش کریں گے۔

ہم اپنے احیاءِ فن اور تجدید طب کا نواں چیلنج کر رہے ہیں۔ جن لوگوں نے ہماری کتب اور رسائل دیکھی ہیں وہ خوب اچھی طرح یہ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ہم فن طب کی کس طرح تعمیری اور تجدیدی خدمت کر رہے ہیں۔ آٹھواں چیلنج ''تحقیقات حمیات'' پر ہے جس میں نہ صرف فرنگی طب کے بخاروں کو غلط ثابت کیا ہے بلکہ طب قدیم کے ایک ایک بخار کو صحیح ثابت ثابت کیا ہے۔ یہ کتاب رسالہ رجسٹریشن فرنٹ کا خاص نمبر ہے جو سال رواں کے خریداروں کو نصف قیمت پر دی جاتی ہے، اس کے بعد پوری قیمت ہوگی۔ اس لئے ہر صاحب فن واہل علم اور اطباء وحکماء جو فن اور طب کو کمال پر دیکھنا چاہتے ہیں۔ فوراً خریدار بن کر اس کو حاصل کر لیں اس کو پڑھ کر نہ صرف خوش ہوں گے بلکہ بخاروں کے علاج پر پوری قدرت حاصل کر لیں گے۔

آخر میں ہم پریس کو چند الفاظ کہتے ہیں کہ وہ ملک اور قوم کی زبان ہے۔ ان پر فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ اپنی عقل سلیم سے جن علم وفن میں حق دیکھیں ان کو عوام تک پہنچائیں۔ اگر ان کو حق نظر نہیں آتا تو اس کو اچھی طرح ردّ کریں اور ہمارے چیلنج کو غلط کریں۔ چیلنج کے نام پر گھبرائیں نہیں۔ یہ لفظ دُنیا کو خبردار کرنے کے لئے ہے۔ اگر اس میں سچائی ہے تو اپنے ملک اور قوم کی عزت کے لئے دیگر ممالک تک اپنی آواز کو اچھے اور مؤثر الفاظ میں پہنچائیں تاکہ دیگر ممالک بھی اس حق سے مستفید ہوں اور ملک اور قوم کا نام بلند ہو۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت بڑی جزاء ہے۔ وماتوفیقی الا باللہ۔

ملیریا کیا ہے؟

نوٹ: اس سے قبل کہ ہم ملیریا پر بحث کریں اور ثابت کریں کہ یہ فرنگی طب اور ماڈرن سائنس کی علاج کی دُنیا میں گمراہی، غلط راہ روی اور ناسمجھی ہے، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اوّل اس کی ماہیت پر پوری طور پر روشنی ڈالیں جیسے کہ فرنگی طب اور ماڈرن سائنس اس کو سمجھتی ہے تاکہ اہل فن اور صاحب علم ہماری تحقیقات کو پورے طور پر ذہن نشین کر سکیں۔ اور ان کو حق بات کا اندازہ ہو سکے۔ ہماری بحث کے اختتام پر انشاء اللہ تعالیٰ وہ سمجھ لیں گے کہ ملیریا بذاتِ خود کوئی مرض نہیں ہے۔

تعریف ملیریا

فرنگی طب ملیریا کی اس طرح تعریف کرتی ہے کہ ملیریا ایک متعدی بیماری ہے جو خون میں ایک خاص قسم کے جرثومہ کی موجودگی سے پیدا ہوتی ہے۔ جس کی خاص علامت میں بخار کا ہونا، جگر اور طحال کا بڑھ جانا، ضعف جسم اور کمی خون کا پیدا ہو جانا بتائی جاتی ہیں۔ لیکن آج کل ملیریا کی اصطلاح چند ایک خاص اقسام کے شدید بخاروں پر بولا جاتا ہے۔ اس لئے ملیریا کا مفہوم ایک خاص قسم کا بخار سمجھا جاتا ہے جو پروٹوزوا (حیواناتی ذرّہ) ایک خاص قسم کے کرم جو طفیلی (پیراسائیٹس) کہلاتا ہے۔ جس کی تین اقسام ہیں۔ جو خاص قسم کے مچھر (اینافلیز) کے کاٹنے سے جسم انسان میں داخل ہو کر خون میں پرورش پاتے ہیں، جن سے ملیریا بخار اور دیگر ملیریل امراض پیدا ہو جاتے ہیں۔

ایک مشاہدہ

اگر ایک تندرست انسان کی انگلی کو پاک صاف کر کے اس میں ایک سوئی چبھو دیں، اس میں سے جب خون ٹپکے تو اس میں سے ایک قطرہ خون ایک شیشے کی صاف و پاک پٹی پر احتیاط سے پھیلا دیں۔ پھر شیشہ کی پٹی کو سپرٹ لیمپ کے شعلہ پر ذرا گرم کر کے پھر بعد میں ٹھنڈا کر لیں۔ اور اس پر چند قطرہ لیش میں یا رومانا وسکی ڈالو اور چند منٹ توقف کر کے اس کو آبِ مقطر سے دھو کر سکھا لیں۔ پھر ایک قطرہ سیڈر ائل اس پر ڈال کر خوردبین کے نیچے رکھ کر دیکھیں۔

اس میں گلابی رنگ کی گول گول صاف صاف سینکڑوں ٹکیاں نظر آئیں گی، یہ سرخ نقاط الدم (ریڈ بلڈ کارپسلز) ہیں۔ ان کے اندر حمرت الدم (ہیموگلوبن) ہوتا ہے۔ اس حمرت الدم کے اندر مخلوط ہو کر وہ پاک ہوا نسیم (آکسیجن) رہتی ہے۔ جس پر ہماری زندگی کا دارو مدار ہے۔ ایک قطرہ خون میں نقاط کی تعداد تین لاکھ کے قریب ہوتی ہے۔ شیشے کی پٹی کو خوردبین کے تلے ادھر ادھر سرکا کے اگر دیکھا جائے تو شاید کہیں نہ کہیں ایک دو نیلے رنگ کے اجسام بھی دکھائی دیں گے جو نقاط الدم سے جسامت میں بڑے ہوتے ہیں۔ ان کی شکل بھی مختلف ہوتی ہے۔ ان کو سفید نقاط الدم (وائٹ کارپسلز) کہتے ہیں۔ یہ کئی قسم کے ہوتے ہیں۔ ان میں سے ایک قسم مردار خور (نیگوسائٹ)

کہلاتے ہیں۔اس لئے کہ فضلات اور مردار ٹکڑے انہیں جہاں مل جاتے ہیں، ان کو کھا پی کر ہضم کر لیتے ہیں۔

دوسرا مشاہدہ

اگر مفصلہ بالاترکیب سے ملیریا کے مریض کے خون کو خوردبین کے نیچے دیکھا جائے تو سرخ نقاط الدم کے اندر سیاہ رنگ کے چھوٹے چھوٹے خال نظر آئیں گے۔ یہ خال کئی شکلوں کے ہوتے ہیں۔بعض تو چھلے کی طرح گول (رولز) ہوتے ہیں، بعض ہلالی (کریسنٹ) شکل ہوتے ہیں۔کوئی پھولدار (کلسٹرڈ) اور بعض دانہ دار (گرینولر) شکل کے ہوتے ہیں۔ یہ خال کسی جا تو نقاط الدم کے عین وسط میں پائے جاتے ہیں۔کہیں ان کے گرداگرد محاط ہوتے ہیں۔اور کبھی کبھی نقاط الدم کے باہر بھی نظر آتے ہیں۔اگر دورہ بخار کے دوران خون کا ملاحظہ کیا جائے، تو یہ خال نقاط الدم سے باہر کثرت سے ملیں گے اور وقفہ بخار میں یہ سب کے سب نقاط الدم کے اندر چھپے رہتے ہیں۔

اگر کوئی شخص ملیریا میں بہت عرصہ تک مبتلا رہ چکا ہو، تو اس کے نقاط الدم کی شکل بھی بدل جاتی ہے۔ بجائے گول ہونے کے ان کی شکل مخروطی، ٹیڑھی، ترچھی بن جاتی ہے۔اور ان کا گول دائرہ نوکیلا ہو جاتا ہے۔سرخ نقاط الدم ٹوٹ پھوٹ کر سیاہ رنگ کے دانے بن جاتے ہیں۔جو یا تو خشک شدہ سکڑے ہوئے نقاط الدم کے ایک کونے میں پڑے رہتے ہیں یا نقطہ کے پھٹنے سے ماءالدم (سیرم) کے اندر خارج ہو جاتے ہیں۔

ایک تجربہ

اگر ملیریا کے مریض کو مچھر کاٹے اور اس مچھر کو چند روز تک محفوظ رکھ کر کسی تندرست آدمی کو اس سے کٹوایا جائے تو چند روز میں اس تندرست آدمی کے خون کے نقاط الدم کے اندر بھی اسی قسم کے خال اور غیر معمولی تبدیلیاں پیدا ہو جائیں گی۔ جو ملیریا کے خون میں دیکھی گئی ہیں اور وہ شخص بھی ملیریا بخار میں مبتلا ہو جائے گا۔یا اس کے اندر ملیریا کے دیگر امراض پائے جائیں گے۔جو ملیریا کا زندہ ثبوت ہے۔

دوسرا تجربہ

اگر ملیریا کے مریض کا کونین کے ذریعے باقاعدہ علاج کیا جائے تو اس کے نقاط الدم میں سے خال وغیرہ سب دور ہو جائیں گے اور اس کا خون تندرست آدمی کے خون کی طرح صاف ہو جائے گا اور اسی طرح مریض کا بخار دور ہو جائے گا اور اس کے دیگر امراض رفع ہو جائیں گے۔ثابت ہوا کہ مندرجہ بالا مشاہدات اور تجربات ہر شخص خوردبین کے ذریعے کر کے تصدیق کر سکتا ہے۔اور اب دیکھنا یہ ہے کہ ان مشاہدات اور تجربات سے کیا نتیجہ اخذ ہوتا ہے اور کیا اصول قائم کیا جاتا ہے۔

نتیجہ مشاہدات اور تجربات

ان مشاہدات اور تجربات سے تین نتائج اخذ ہوتے ہیں: (اوّل) یہ ہے کہ ملیریا کے مریض کے خون کے اندر چند چیزیں ایسی پائی جاتی ہیں۔ جو تندرست آدمی کے اندر نہیں پائی جاتیں۔ (دوم) یہ ہے کہ یہ چیزیں مچھر ملیریا کے مریض کا خون پیتے وقت نکال لیتا ہے۔اور جب تندرست آدمی کو کاٹتا ہے تو اس میں داخل کر دیتا ہے۔ (سوم) یہ ہے کہ اس قسم کی چیزیں کونین کے استعمال سے دور ہو جاتی ہیں۔

اصول نتائج:

ان مشاہدات اور تجربات سے جو نتائج برآمد ہوتے ہیں ان سے یہ اصول وضع ہوتا ہے کہ ملیریا کا مرض مچھروں کے ذریعے نہ

صرف ایک شخص سے دوسرے شخص میں منتقل ہوتا ہے بلکہ ملیریا کا حملہ اوّل سے آخر تک نقاط الدم پر ہی ہوتا ہے۔ دِل و دماغ اور جگر کسی سے اس کا واسطہ نہیں ہوتا۔ نیز ان سے ملیریا کی کل حقیقت اور کیفیت معلوم ہو جاتی ہے۔

اصول کی تشریح

جراثیم نقاط الدم کے اندر داخل ہو کر یہ موذی ان کے جسم پر پرورش پاتا ہے۔ اس کو کھا پی کر ہضم کر ڈالتا ہے۔ اور جب چاق و چوبند ہو جاتا ہے تو نقاط الدم کے غلاف کو پھاڑ کر میدان میں زور آزمائیاں کرتا ہے۔ اور دوسرے نقاط الدم پر حملہ کر کے ان کو بھی اپنا شکار بنا لیتا ہے۔ ظاہر ہے کہ ملیریا کا کرم نقاط الدم کو پھاڑ کر باہر نکلتا ہے تو سمی مادہ جو اس کی خباثت طبع سے پیدا ہوتا ہے اس کے ساتھ ہی نکل کر سیرم یعنی ماء الدم میں حل ہو جاتا ہے۔ اور سیرم کے ساتھ دورہ کرتا ہوا مرکز مو الدحرارت و قابض حرارت پر اپنا موذی اثر پیدا کرتا ہے اس حالت کا نام دورہ بخار ہے۔ ملیریا کے کرم مریض کے خون کے اندر ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں تعداد میں پیدا ہوتے اور پلتے رہتے ہیں اور جیسا کہ تقاضائے ہر ذی حیات ہے مرتے بھی رہتے ہیں اور اس کی نسلیں یکے بعد دیگرے پلتی اور بار آور بھی ہوتی رہتی ہیں۔ جب اُس کی ایک بڑی فصل تیار ہو جاتی ہے تو نوبت بخار ہوتی ہے۔ جب فصل تیار نہیں ہوتی تو وقفہ ہوتا ہے۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ ربیع اور خریف کے درمیان میں چھوٹی فصول مولی گاجر، توری، کدو اور بھنڈی وغیرہ کی بھی تیار کر لی جاتی ہیں۔ اسی قسم کی چھوٹی چھوٹی فصلیں ملیریا کی بھی تیار ہوتی رہتی ہیں حتیٰ کہ وہ متعدبہ اثر مراکز حرارت پر پیدا کر سکیں۔ جب خفیف سی حرارت لازمی طور پر قائم ہو جاتی ہے تو بڑی فصل کے تیار ہونے کے وقت اس کے اثر سے حرارت میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ اور اس قسم کے بخار کو ریمٹینٹ فیور (دائمی بخار) کہتے ہیں۔

جس طرح مفصلہ بالا مشاہدات اور تجربات میں ملیریا کے کرم کے مختلف اشکال و اقسام نقاط الدم کے اندر دیکھنے میں آتے ہیں۔ اسی طرح انہی اشکال کے مطابق بخار کی علامات اور شدت و خفت میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے۔ اگرچہ ملیریا ایک ہی چیز ہے مگر اس کے اقسام کئی ہیں۔ اس کی مثال یوں سمجھ لیں کہ گو آم اگرچہ ایک میوہ ہے مگر کوئی مالدہ کوئی الفانزہ اور کوئی لنگڑہ ہوتا ہے۔ جن کی رنگت، مزہ اور وزن میں بہت فرق ہوتا ہے جن کا بیان آئندہ تفصیل سے آئے گا۔ [از کرنل بھولا ناتھ]

ملیریا کی دقیق تشریح

حوینات طفیلی (ملیریل پیراسائیٹس) ہر ایک قسم انسان کے دوران خون میں جب موجود ہوتی ہے تو ان کی تازہ زندگی کا ایک دور اڑتالیس گھنٹوں سے عموماً بہتر گھنٹوں تک ہوا کرتا ہے۔ اگر ان کی زندگی کے دران میں یعنی جب یہ انسان کے خون میں موجود ہوتے ہیں اور بخار پیدا کرتے ہیں، مریض کا تھوڑا سا خون اگر آلہ خوردبین کے نیچے ملاحظہ کیا جائے تو مادہ حیات (پروٹوپلازم) کی ساخت سے بنے ہوئے نہایت چھوٹے چھوٹے کیسے قدرے زردی مائل نظر آتے ہیں۔ جو خون کے سرخ دانوں کے اندر جاگزیں ہوتے ہیں۔ اس پیلے رنگ کے جسم کے اندر سیاہ یا سرخی مائل سیاہ رنگ کے مہین مہین ذرات بکھرے ہوتے ہیں۔ ان مہین ذرّات کو ہیموزواین (Haemozoine) کہتے ہیں۔

ان جاندار ہستیوں میں جو مختلف تبدیلیاں وقوع پذیر ہوتی ہیں، مریض کے خون میں وقفوں کے بعد بار بار بخوبی دیکھی جا سکتی ہیں۔ جب حوینہ طفیلی (پیراسائیٹس) مکمل یعنی پورا جوان ہو جاتا ہے تب سیاہ ذرّات (ہیموزوائن) وسطی حصہ میں جمع ہو جاتے ہیں۔ اور ان کے گرداگرد حوینہ طفیلی (پیراسائیٹس) کا زردی مائل مادہ حیات (پروٹوپلازم) ہوتا ہے۔ جب وہ خون کا ذرّہ (کارپاسلز) جس میں وہ

موجود ہوتا ہے پھٹ جاتا ہے اور سفیر یکولرز سپورز (مدور خورد ذرات کی مانند) اس سے علیحدہ ہو جاتے ہیں۔ مگر ان میں ایک کے اندر بھی ہیموز واین (سیاہ ذرّات) موجود نہیں ہوتے۔ ان سپورز کی کچھ تعداد نیگوسائی ٹوسس سے بچ نکلتے ہیں۔ وہ دوسرے خون کے دانوں سے پیوست ہو جاتے ہیں۔ اور پھر یہ سپورز ان دانوں میں داخل ہو جاتے ہیں۔ اور اب ان خون کے دانوں میں جو متعدی ہو گئے ہیں یہ چھوٹے چھوٹے حوینہ طفیلی (پیراسائیٹس) پرورش پاتے اور بڑھتے ہیں۔ گویا اپنی خوراک بھی انہی سے حاصل کرتے ہیں۔ یہ ادھر حرکت کرتے رہتے ہیں۔ جن کو ایمی بائیڈ مومنٹ کہتے ہیں۔ جب رنگ دے کر (سٹین) بذریعہ خوردبین ملاحظہ کرتے ہیں تو ان میں چھوٹے چھوٹے سفیر یکولرز کے درمیان نقطہ حیات (نیوکلی اس) نظر آتا ہے۔ یہ نقطہ حیات (نیوکلی اس) مرکز کے درمیان ہوتا ہے جو مادہ کروموٹین (مادہ وراثت) کا ہوتا ہے۔ جس پر خوب سرخ رنگ چڑھ جاتا ہے۔ جوں جوں حوینہ طفیلی پیراسائیٹس بڑھتا جاتا ہے، بلوغت تک پہنچتا جاتا ہے، تو یہ نقطہ حیات (نیوکلی اس) بھی بڑھتا جاتا ہے، مگر کم نمایاں رہ جاتا ہے، اور پھر بالکل معدوم ہو جاتا ہے۔

مدور خورد ذرّات (سپورولیشن) بنانے سے پہلے نقطہ حیات (نیوکلی اس) اور مرکز حیات (نیوکلی اولس) دونوں دکھائی نہیں دیتے۔ اس حالت میں مادہ کے مہین مہین ٹکڑے ہو جاتے ہیں۔ جو تمام مادہ حیات (پروٹو پلازم) میں پھیل جاتے ہیں۔ اس کے کچھ مدت بعد نقطہ حیات (نیوکلی اس) کا مادہ پھر ظاہر ہوتا ہے، مگر ایسی شکل میں کہ اس کے بے شمار مہین مہین مراکز حیات نیوکلی اولائی بن کر پھیل جاتے ہیں، انہی نیوکلی اولائی کے گرد ٹکڑے ٹکڑے ہو کر حوینہ طفیلی (پیراسائٹ) مادہ حیات (پروٹو پلازم) تقسیم ہو کر علیحدہ علیحدہ مدور خورد ذرات (سفیر یکولرز) بن جاتے ہیں۔

سیاہ رنگ کے ذرّات (ہیموز واین) جو خاص شکل کے ہوتے ہیں، ان کی بخوبی شناخت ہو سکتی ہے کیونکہ یہ سیاہ رنگ کے یا سیاہی مائل مثل گرد کے ذرّات کے ہوتے ہیں یا چھوٹے چھوٹے ڈنڈے کے کٹے ہوئے ٹکڑوں کی شکل کے ذرّات ہوتے ہیں، ہیموز وائن کے مرکز نشین ہونے سے پہلے جو سفیر یکولرز (مدور خورد ذرّات) کے بننے سے پیشتر واضح ہوتا ہے، ہیموز وائن کے ذرّات منتشر ہوتے ہیں۔ عموماً یہ ذرّات حوینہ طفیلی (پیراسائٹ) کے دائرے کے بیرونی طرف ہوتے ہیں۔ جب تک نقطہ حیات (نیوکلی اس) ایک رہتا ہے، ہیموز وائن ایک طرف رہتا ہے، مگر جب نقطہ حیات (نیوکلی اس) ٹکڑے ٹکڑے ہو کر تقسیم ہو جاتا ہے تو ہیموز وائن وسط میں آ جاتا ہے۔

اس دقیق تشریحی بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ جسم انسان میں ملیریا کے حوینہ طفیلی (ملیریل پیراسائیٹس) کس طرح بڑھتے ہیں اور پھیلتے ہیں، گویا جسم انسان میں ترتیب مدور خورد ذرّات (سپورولیشن) سے ایک حوینہ طفیلی (پیراسائٹ) کے بہت سے ٹکڑے ہو کر نئے حوینہ طفیلی (پیراسائیٹس) تیار ہو جاتے ہیں، اس طریق پیدائش یا افزائش کو سپورولیشن یعنی شق ہو کر بڑھنے کا طریقہ کہتے ہیں مگر مچھر کے جسم میں بذریعہ طریق تناسل بڑھتے ہیں۔ ان دونوں طریق کی تفصیل اپنے مقام پر بیان کی جائے گی۔ [از ڈاکٹر محمد نصیر الدین]

جراثیم ملیریا

ماڈرن سائنس نے ثابت کیا ہے کہ ملیریا کے جراثیم ایک حیوانی مادہ یا خوردبینی کرم ہے جو اس قسم کا خون پینے والا دشمن ہے جیسا کہ جوئیں اور پسو ہوتے ہیں۔ فرق ان میں صرف اتنا ہے کہ جوئیں اور پسو انسان کا خون جسم کے باہر بیٹھ کر پیتے ہیں اور ملیریا کے جراثیم جسم کے اندر بلکہ خون میں شامل ہو کر خون چوستے ہیں۔

ملیریا جراثیم ایک ایسے گروہ سے تعلق رکھتے ہیں جن کو حرام خور کہتے ہیں۔ جیسے کوئی شخص ہاتھ پاؤں ہلا کر کمائی نہ کرے اور نہ ہی

اپنی کمائی کھائے بلکہ دوسروں کی پکی پکائے کھائے۔ اس قسم کے اشخاص کی طرف حرام خور نباتات اور حیوانات میں بھی بہت سی مخلوق پائی جاتی ہیں۔ نباتات میں امر بیل اور حیوانات میں کیچوے کدو دانے جوئیں اور پسو وغیرہ پائے جاتے ہیں۔ اسی طرح ملیریا کا جرثومہ بھی ایک حرام خور کرم ہے۔ اس سے واس کو حونیہ طفیلی ملیریا پیراسائیٹ کہتے ہیں۔ چونکہ ان کی زندگی کا بسر گزر ہے اس لئے جن کو خون چوس دشمن ہیماسیڈا کہتے ہیں۔

خوردبین کے نیچے قطرہ خون دیکھنے سے جو کریات حمرا (ریڈ کارپسلز) کے اندر سیاہ رنگ کے نقطے نظر آتے ہیں، جن کی شکلیں مختلف ہوتی ہیں۔ بعض نقطے گول ہوتے ہیں، اور بعض کی شکلیں ہلالی ہوتی ہیں اور بعض دانہ دار ہوتے ہیں۔ یہی نقطے دراصل اسی مرض کے جراثیم ہیں۔ نوبت کے دور ہونے کے بعد وقفہ کی حالت میں خصوصیت کے ساتھ کریات حمرا کے اندر ہی موجود ہوتے ہیں۔ البتہ گاہے ان سے باہر بھی دیکھے جاتے ہیں۔ خصوصاً جبکہ نوبت کے وقت مریض کے خون کا معائنہ کیا جائے اور گاہے ایسا بھی ہوتا ہے کہ یہ جراثیم کریات حمرا (سفید کارپسلز) کے چاروں طرف احاطہ کئے ہوتے ہیں۔

ملیریا کا جرثومہ صرف انسان کے خون میں ہی نہیں پایا جاتا بلکہ اس کے اقسام مینڈک، چمگادڑ، مرغی اور چڑیا کے خون میں بھی پائے جاتے ہیں۔ پرندوں کے خون کا کرم ملیریا کے کرم سے ایسا متشابہ ہے کہ کچھ عرصہ تک تو محققوں کی یہی رائے تھی کہ یہ دونوں کرم ایک ہی جنس ہیں۔ انسان کے جسم میں جو تین قسم کے جراثیم طفیلی (ملیریل پیراسائیٹس) پائے جاتے ہیں ان کے اصطلاحی نام حسب ذیل ہیں:
(۱) پلازموڈیم ملیریائی (Plasmodium Malaria) دانہ دار کرم ملیریا۔ (۲) پلازموڈیم وائی ویکس (Plasmodium Yeivix) (۳) لیوی رے نا ملیریائی (Leverina Malaria) ہلالی کرم ملیریا۔

گول گول اجسام جن کے اندر کا حصہ دانہ دار ہوتا ہے، یہ سن بلوغت کو پہنچ کر پھٹ جاتا ہے اور دانہ دانہ منتشر ہو جاتا ہے، اور ہر ایک دانہ بحیثیت خود ایک نیا کرم بن جاتا ہے۔ ان دانوں کو سپورز (Spores) کہتے ہیں۔ اس عمل کو سپورز فارمیشن (Spores Formation) کہتے ہیں۔

ہلالی اجسام کو اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ اجسام بھی تین اقسام کے ہوتے ہیں۔ اوّل قسم میں رنگت کے دانہ ہلال کے تمام جسم کے اندر منتشر پائے جاتے ہیں، یہ کرم ملیریا کا مادہ ہے۔ دوسری قسم میں یہ دانہ دانہ ایک جگہ مجتمع ہوتے ہیں، یہ کرم ملیریا کا نر ہے۔ تیسری قسم میں جسم ہلال کے اندر خول خول دکھائی دیتے ہیں۔ قیاس کیا جاتا ہے کہ یہ کرم ضعف پیری کی حالت ہے۔ یہ بات قابل غور ہے کہ یہ ہلالی اجسام جب تک غیر مکمل اور نابالغ ہوتے ہیں تب تک وہ اندرونی اعضاء میں چھپے رہتے ہیں۔ اور جب بالغ ہو کر تناسل کے قابل ہوتے ہیں تو خون میں دورہ شروع کر دیتے ہیں۔

جراثیم ملیریا کی پیدائش اور افزائش

جدید تحقیق کی رو سے دُنیا میں نباتات اور حیوانات کی پیدائش اور افزائش کے دو طریقے ہیں، اسی طرح جراثیم کی نسل بھی دو طریقہ سے بڑھتی اور پھولتی پھیلتی ہے۔ ان میں سے ایک تو طریقہ تبذر (سپورز) اور دوسرا طریقہ تناسل (Gamete) کہتے ہیں۔ طریق تبذر کی صورت یہ ہوتی ہے کہ ایک جرثومہ دو ٹکڑوں میں منقسم ہو جاتا ہے اور پھر یہ ٹکڑے مستقل جرثومے بن جاتے ہیں۔ اگر ان کے حالات موافق ہوں تو یہ آدھ گھنٹے کے قلیل عرصہ میں بڑھنے شروع ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ اندازہ کیا گیا ہے کہ مناسب حالات کی موجودگی میں دس گھنٹے کے عرصہ میں ایک جرثومہ سے بیس لاکھ جراثیم پیدا ہو سکتے ہیں۔ لیکن ان کی کثرت افزائش میں بعض قدرتی مواقع موجود ہوتے ہیں۔

جوان کی افزائش میں حارج ہوتے ہیں۔ اگر یہ مواقع نہ ہوتے تو کرہ زمین پر ان جراثیم ہی کا دورہ ہوتا۔

جراثیم کی افزائش کو روکنے کے لئے ایک بات تو یہ ہے کہ ان کی غذا محدود ہوتی ہے جس کی وجہ سے ان کی افزائش میں نقصان لاحق ہوتا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ خود ان جراثیم کے جسم سے جو فضلہ خارج ہوتا ہے وہ بھی ان کی افزائش کے لئے مانع ہے۔ تیسری بات یہ ہے کہ بعض ادنیٰ قسم کے حیوانات ان جراثیم کو چٹ کر جاتے ہیں۔

طریق تناسل میں جراثیم کی افزائش کے لئے نر و مادہ کے اعضاء تناسل کے تواصل کی ضرورت ہوتی ہے اور اس تواصل سے ایک نیا جرثومہ پیدا ہوتا ہے جیسا کہ دُنیا کے دوسرے اعلیٰ نباتات اور جاندار پیدا ہوتے ہیں۔ اعلیٰ نباتات میں گلاب، موتیا، انگور اور کھجور کی قلم لگائی جاتی ہے۔ قلم لگانا کیا ہے۔ مولد درخت کے ایک حصہ کا ٹکڑا ہے جو دوسرا درخت بنالیا جاتا ہے اور نیا قلم مولد بنتا ہے یا نر کا اثر مادہ پر ڈالا جاتا ہے۔

جراثیم ملیریا دونوں طریقوں سے پیدا ہوتے ہیں۔ البتہ طریق تبذّر (سپورز فارمیشن) کی پیدائش انسانی خون کے اندر ہوتی ہے اور اس صورت میں ان کا نام جراثیم بذریہ (سپوروسائٹس) رکھا جاتا ہے اور طریق تناسل مچھر کے جسم میں پیدا ہوتے اور بڑھتے ہیں، اس صورت ہیں ان کو جراثیم تناسلیہ (کیموسائٹس) سے موسوم کرتے ہیں، اوّل تبدیلیاں جسم انسان اور دوسری تبدیلیاں مچھر میں رونما ہوتی ہیں۔

جراثیم ملیریا کی زندگی کا دور جسم انسان میں

اس سے جراثیم ملیریا کا وہ دور مراد ہے جو انسان کے خون کے اندر پورا ہوتا ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ جب ملیریا کا مچھر انسان کو کاٹتا ہے، تو مچھر کے سونڈ سے یہ جراثیم خون میں پہنچ کر خون کے سرخ دانوں (ریڈ کارپسلز) میں داخل ہو جاتے ہیں اور چھوٹے چھوٹے گول دانوں کی شکل میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔ ابتداء میں جبکہ یہ ایک ننھا سا جرثومہ یا جرثومہ کا بچہ ہوتا ہے، بہت ہی چھوٹے دانے یا کیسہ کی صورت میں ہوتا ہے۔ اس حالت میں اس کو عمیس (ایمی بیولا) کہتے ہیں۔ اس کا درمیانی حصہ کسی قدر سخت ہوتا ہے۔ اور اس کے اردگرد پرورش کرنے والا مادہ لگا رہتا ہے۔ یہ ابتدائی گول دانہ بہت جلد نشوونما حاصل کر لیتا ہے۔ اور ساتھ ہی ایک مادہ سوداویہ پیدا کر کے کریات حمراء (ریڈ کارپسلز) کو سیاہی میں تبدیل کر دیتا ہے۔ آخر کار خون کے سرخ دانے کے اندر ان جراثیم کی اتنی کثرت ہو جاتی ہے کہ سارا سرخ دانہ اس مادہ سے بھر جاتا ہے۔ پھر دانہ خون کا غلاف پھٹ جاتا ہے جس سے جراثیم ملیریا خون میں عام طور پر پھیل جاتے ہیں اور دوسرے نئے سرخ دانوں پر حملہ آور ہو کر ان کے اندر داخل ہو جاتے ہیں۔

اس بخار کی باریاں تین قسم کی ہوتی ہیں یعنی اس مرض کے جراثیم تین قسم کے ہیں۔ اسی لحاظ سے یہ ایک دِن یا دو دِن یا تین دِن میں کامل نشوونما حاصل کر کے پختہ ہوا کرتے ہیں اور اپنی نسل بڑھایا کرتے ہیں۔ اس کے بعد ان میں سے بعض جراثیم گول بن جاتے ہیں، جن کو جراثیم بذریہ (سپوروسائٹس) کہتے ہیں اور بعض جراثیم ہلالی شکل اختیار کر لیتے ہیں، جن کو جراثیم تناسلیہ (گیمٹوسائٹس) کہتے ہیں۔

اس کے بعد جراثیم بذریہ (جو کہ گول ہوتے ہیں) اپنے مخصوص طریق پیدائش میں بڑھتے اور اپنی نسل بڑھاتے ہیں۔ یعنی پہلے ایک کرم دو یا دو سے زیادہ ٹکڑوں میں تقسیم ہو جاتا ہے، اور ہر ایک ٹکڑہ ایک بذر (تخم - سپورز) بن جاتا ہے۔ جو کامل نشوونما پانے کے بعد حمرات الدم (ریڈ کارپسلز) کو سیاہی میں تبدیل کر دیتا ہے۔ جو اصطلاحاً مادہ سوداویہ (Melanin - میلے نین) کہلاتا ہے۔ اور اس میں

مخصوص سمت ہوتی ہے۔ جب دانہ خون کا غلاف پھٹ جاتا ہے، تو اس کے اندر موجود جرثومے سیاہ سی مادے کے ساتھ مصل الدم (آبِ خون) میں شامل ہو جاتے ہیں۔

الغرض مذکور بالا طریقہ سے بذر بنتے اور نشوونما پا کر دوسرے کریاتِ حمراء (خون کے سرخ دانے) کو خراب کرتے رہتے ہیں۔ اور سیاہ سی مادہ کریاتِ بیضاء (وائٹ کارپسلز) میں جذب ہو کر بذریعہ دورانِ خون دماغ میں پہنچ کر مراکزِ دماغیہ کو ماؤف کر دیتا ہے۔

اسی طرح یہ جراثیم انسان کے جسم میں کروڑوں کی تعداد میں پیدا ہو جاتے ہیں اور ساتھ ہی نشوونما پاتے اور اس کے بعد بہت سے ہلاک بھی ہوتے رہتے ہیں لیکن یہ واضح رہے کہ ان کی نسلیں یکے بعد دیگرے پیدا ہوتی اور پرورش پا کر نشوونما حاصل کرتی رہتی ہیں۔ جب جسمِ انسان میں ان جراثیم کے بذر بہت تعداد میں بن جاتے ہیں، تو تپ کی نوبت آتی ہے اور جب یہ گھٹ جاتے ہیں تو وقفہ کی حالت ہوتی ہے۔ اس کے بعد پھر بذر (تخم) تیار ہونے شروع ہوتے ہیں اور خاصی تعداد کو پہنچ جاتے ہیں۔ تو پھر بخار کی نوبت آموجود ہوتی ہے۔ الغرض اسی طرح باریوں کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ یہاں تک کہ ان کی نسل کو بالکل نیست و نابود کر دیا جاتا ہے۔

بخاروں کی نوبت کے وقت یہ جراثیم خون میں نہایت آزادی کے ساتھ چلتے پھرتے رہتے ہیں۔ لیکن جب بخار کی نوبت دفع ہو جاتی ہے اور وقفہ کا زمانہ ہوتا ہے تو یہ مخِ عظام (ہڈیوں کے مغز) طحال اور جگر میں اپنا مسکن بنا لیتے ہیں اور اس وقت تک نہیں نکلتے تا وقتیکہ مریض کی صحت خراب ہو کر وہ بہت زیادہ کمزور نہ ہو جائے۔

جراثیم بذریہ کے برخلاف جراثیم تناسلیہ (جو ہلالی شکل کے ہوتے ہیں) کے بذر (سپور) نہیں بنتے بلکہ نر و مادہ بن کر خون کے اندر اسی طرح دورہ کرتے رہتے ہیں۔ اس کے بعد جب مریض کو مچھر کاٹتا ہے تو یہ جراثیم مچھر کے جسم میں منتقل ہو جاتے ہیں۔ اور وہاں جا کر عمل تناسل سے بڑھنے لگ جاتے ہیں۔

جراثیم ملیریا کی زندگی کا دور مچھر کے جسم میں

جب مچھر ملیریا کے مریض کا خون چوستا ہے تو اس کے ساتھ ہلالی شکل کے جراثیم ملیریا بھی (تناسلیہ) مچھر کے معدہ میں جا پہنچتے ہیں، جو کریاتِ حمرا (ریڈ کارپسلز) کے اندر ہوتے ہیں، لیکن معدہ میں پہنچنے کے بعد خون کے سرخ دانے کے اندر ہوتے ہیں، وہ معدہ میں پہنچنے کے بعد خون کے سرخ دانے کے غلاف کو پھاڑ کر باہر نکل جاتے ہیں اور آزادانہ حرکت کرنے لگتے ہیں اور نر و مادہ کے تواصل سے ان کی نسل بڑھنے کا انتظام ہو جاتا ہے۔ جس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ پہلے نر جرثومہ کے اطراف میں چار پانچ متحرک شاخیں نکل کر حرکت کے باعث ٹوٹ جاتی ہیں۔ یہ شاخیں ہی درحقیقت اس کے آلاتِ تناسل کے قائم مقام ہیں۔ چنانچہ یہ شاخیں ٹوٹ کر مادہ جرثومہ (زائی گوٹ) سے جڑ جاتی ہیں، اس کے بعد مادہ جرثومہ میں کسی قدر لمبائی پیدا ہو جاتی ہے اور وہ مچھر کے معدہ کی دیوار کو چھید کر اس کی بیرونی سطح پر نشوونما پانے لگتی ہے۔ اور اس کا مرکزِ حیات (نیوکلی اس-نوئی) متعدد حصوں میں تقسیم ہو جاتا ہے۔ یہ مادہ ایک ہفتہ میں کامل نشوونما حاصل کر لیتا ہے۔ حتیٰ کہ اس کا غلاف پھٹ جاتا ہے اور اس کے جسم سے بہت سے بچے مچھر کے جسم میں پھیل جاتے ہیں۔ اور اس کے دورانِ خون کے ذریعے دورہ کرتے ہوئے لعابِ دہن کی گلٹی میں جا پہنچتے ہیں۔ اس کے بعد جب یہ مچھر کسی تندرست آدمی کو کاٹتا ہے تو یہی جراثیم گلٹی سے لعابِ دہن کی نالی میں اور نالی سے مچھر کی سونڈ تک پہنچ کر آدمی کے خون میں جا داخل ہوتے ہیں، جب خون میں ان کا داخلہ ہو جاتا ہے تو مذکورہ طریقہ کے مطابق اپنی نسل کو ترقی دے کر ملیریا بخار کا سبب بن جاتے ہیں۔

مچھر ملیریا

اگر چہ مچھر کی تقریباً دو ہزار قسمیں بیان کی جاتی ہیں، لیکن اس جگہ ہمارا مقصود صرف ملیریا کے مچھر کے حالات بیان کرنا ہے۔ جس کے ساتھ ضمناً اس مچھر کا بھی تذکرہ کریں گے جو عام طور پر گھروں میں پایا جاتا ہے۔

ملیریا کے مچھر کا نام اینافلیز (سکیت - خاموشی سے حملہ کرنے والا) کہتے ہیں۔ اس کے پروں پر سفید یا بھورے رنگ کی چتیاں ہوتی ہیں اور جب یہ کسی جگہ بیٹھتا ہے تو سر کے بل کھڑا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ جس کی تصویر کتاب کے سرورق پر ہے۔

اس قسم کے مچھر اپنی بود و باش بند پانی میں رکھتے ہیں، جہاں گھاس پھونس اور مختلف نباتات اگے ہوئے ہوں۔ مثلاً جوہڑ، تالاب، جھیل وغیرہ۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ ان مچھروں کا قیام ان علاقوں میں بہت زیادہ ہوتا ہے جو نشیب میں واقع ہوتے ہیں اور وہاں بارش کا پانی جمع ہو جاتا ہے۔ اس کو نکاس کی جگہ نہیں ملتی، لیکن یہ مچھر زیادہ تر اس وقت پیدا ہوتے ہیں جب پانی خشک ہونے لگتا ہے یا زمین کو سیراب کر کے کاشت کے لئے تیار کرتے ہیں یا جنگل کاٹ کر زمین آباد کی جاتی ہے۔ کیونکہ ان حالات میں بہت سے درخت اور پودے کاٹے جاتے ہیں، جو بارش کے بعد متعفن ہوتے ہیں۔ اور پھر ان سے مچھر بہت زیادہ پیدا ہوتے ہیں۔ اور اس سال اس بخار کی بھی کثرت ہوتی ہے۔

یہ مچھر نر و مادہ ہوتے ہیں۔ نر تو گھاس پھونس وغیرہ نباتات کا رس چوس کر اپنا پیٹ بھر لیتا ہے، لیکن مادہ مچھر خون پی پی کر اپنی زندگی بسر کرتی ہے۔ جب اس کے انڈے دینے کا وقت آتا ہے تو پانی ہی میں انڈے دے دیتی ہے۔ جو سیاہ یا خاکی رنگ کے ہوتے ہیں۔ اور کئی انڈے ایک جگہ مل کر گچھوں کی شکل اختیار کر لیتے ہیں اور جو تنکے یا پتے پانی میں ہوتے ہیں، ان کے ساتھ چمٹ کر اِدھر اُدھر تیرتے پھرتے رہتے ہیں۔ جب انڈا ایک وقت مقررہ پر پختگی حاصل کر لیتا ہے تو وہ پھٹ جاتا ہے۔ اور اس کے اندر سے بچہ نکل آتا ہے۔ جو سیاہ رنگ کا ہوتا ہے۔ اور یہی سیاہ رنگ کے لمبے لمبے کرم ہیں جو بالعموم تالابوں کے پانی میں اور گاہے کنوؤں کے پانی میں پائے جاتے ہیں۔ لیکن واضح رہے کہ یہ بچے بالعموم سطح آب کے نیچے چلے جاتے ہیں۔ اگر چہ یہ کبھی کبھی سانس لینے کے لئے سطح آب کے اوپر بھی آ جاتے ہیں، اگر اس وقت پانی کو ہلایا جائے تو پانی میں غوطہ لگا جاتا ہے، تین چار روز کے بعد جب ان کو پر نکل آتے ہیں تو یہ مچھر بن کر اڑ جاتے ہیں۔

ملیریا مچھروں کے علاوہ عام مچھر جو کہ گھروں میں رہتے ہیں، ملیریا کے جراثیم نہیں پھیلاتے، البتہ بعض ممالک میں اس قسم کے مچھروں کے کاٹنے سے حمی صفراویہ (صفار - زرد بخار) اور حمی شمیہ (ہڈی توڑ بخار) پیدا ہوتے ہیں۔ اور ان مچھروں کے پر سیاہ ہوتے ہیں اور ان پر چتیاں نہیں ہوتیں۔ یہ مچھر بالعموم مکانوں کے تاریک کونوں یا مکانوں کے آس پاس مرطوب جگہ میں بود و باش رکھتے ہیں۔ یہ مچھر بھی نر و مادہ ہوتے ہیں، اس کو فرنگی اصطلاح میں کیولیکس (Culex) کہتے ہیں۔ اس قسم کا مچھر زیادہ تر جزائر غرب الہند، امریکہ، مغربی افریقہ اور بعض دیگر مقامات میں پایا جاتا ہے۔ جہاں اپنا مخصوص بخار پیدا کرتا ہے۔

اس قسم کی مادہ مچھر بھی پانی میں انڈے دیتی ہے، جو سیاہ رنگ کے نقطوں کی شکل میں قطاریں لگا کر پانی پر تیرتے ہیں۔ جب ان انڈوں کے پھٹنے پر اندر سے بچے نکلتے ہیں، تو وہ بھی پانی کی سطح کے نیچے تیرتے ہیں اور اپنا سرا اوپر رکھتے ہیں، اگر پانی کو ہلایا جائے تو تہہ میں غوطہ لگا جاتے ہیں۔ اس قسم کے نر مچھر بھی گھاس پھونس اور جڑی بوٹیوں کا رس چوس کر اپنی زندگی بسر کرتے ہیں، اور مادہ مچھر ملیریا مچھروں کی مانند انسانوں اور حیوانوں کا خون چوس کر اپنا پیٹ بھرتی ہیں۔ [حمیات اجامیہ از حکیم کبیر الدین]

ملیریا کی تاریخ اور اس کی وسعت

ملیریا کے لغوی معنی ہیں سمی ہوا یا مضر ہوا۔ اور یہ لفظ اس زمانے کا ایجاد کیا ہوا ہے کہ جب یہ خیال حکماء و اطباء کے دلوں میں متمکن تھا کہ ملیریا ایک زہریلی ہوا ہے، جو گرم و مرطوب مقامات میں نباتی مادہ کے تعفن و تبخیر سے پیدا ہوتی ہے۔ جہاں بند پانی، جھیل، تالاب، دلدلی زمین ہو، جہاں آبی فصول مثل نیشکر، کیلے، بیدمیک بوئی جاتی ہوں، وہاں یہ ہوا زیادہ تر پائی جاتی ہے۔ خصوصاً موسم برسات کے آخر میں جہاں جابجا پانی جمع ہو جاتا ہے۔ اسی قبیل سے برما، آسام، دامان کوہ ہمالیہ میں جہاں گھنے درختوں کے جنگل قرونِ عظمیٰ سے اگتے چلے آتے ہیں، نباتی مادہ کے تعفن و سڑنے سے یہ ہوا بنتی ہے۔

ملیریا (Malaria) ایک اطالوی لفظ ہے جو مرکب ہے دو الفاظ ایک مل بمعنی میلی اور دوسرے میریا بمعنی ہوا۔ پس ملیریا کے لغوی معنی ہیں میلی یا گندی ہوا۔ ملیریا کوئی نئی چیز نہیں ہے بلکہ یہ زمانہ قدیم سے بنی نوع انسان کا خونخوار دشمن چلا آتا ہے۔ قدیم یونانیوں اور رومیوں نے اس کا ذکر کیا ہے۔ چنانچہ یونانی حکیم بقراط (460 قبل مسیح)، حکیم جالینوس وغیرہ اور رومی حکیم کلوس (ولادت 25 قبل از مسیح وفات 45) نے بھی ذکر کیا ہے۔ یونان و روما کے زمانہ عروج میں بھی یہ موجود تھا۔ دُنیا کے کل حصص میں کیا امریکہ و افریقہ کیا یورپ و ایشیاء تمام مقامات میں کہیں کم کہیں زیادہ ضرور پایا جاتا ہے۔

قدیم خیالات

چونکہ ابتداً اس بخار کے متعلق یہی خیال تھا کہ یہ اس خراب اور زہریلی ہوا سے پیدا ہوتا ہے جو گرم مرطوب مقامات میں نباتات کے پتوں اور شاخوں وغیرہ کے تعفن اور تبخیر سے پیدا ہوتی ہے۔ اس لئے اس کا نام فرنگی طب میں ملیریا فیور ہے۔ یہ بخار زیادہ تر ایک خاص موسم (موسم برسات) میں پیدا ہوا کرتا ہے۔ لہٰذا اس کو تپ موسمی بھی کہتے ہیں۔ ملیریا بخار کو اطباء قدیم حمیات خلطیہ کے تحت شمار کرتے ہیں جو اخلاط کی عفونت سے پیدا ہوتے ہیں۔ جن کی عفونت گاہے تمام بدن میں ہوتی ہے اور گاہے کسی ایک عضو میں پیدا ہوتی ہے۔ نیز اگرچہ عفونت ہر چہار اخلاط (خون، صفراء، بلغم اور سودا) میں پیدا ہو سکتی ہے، لیکن اطبائے قدیم کے خیال کے مطابق خون کی عفونت سے جو بخار پیدا ہوتا ہے، وہ حمائے مطبقہ (دموی بخار) کہلاتا ہے۔ [حمیات اجامیہ از حکیم کبیر الدین]

جدید تحقیقات

فرنگی ڈاکٹر مذکورہ بالا طریق سے اخلاط کی عفونت کو تسلیم نہیں کرتا۔ ان ڈاکٹروں کا یہ بھی خیال تھا کہ ہوا میں برقی تبدیلیاں پیدا ہو جانے سے ملیریا کی صورت بن جاتی ہے، اور بعض کا قول تھا کہ زمین کے اندر ایک قسم کی طاقت ہوتی ہے، اگر کاشت کی جائے تو اس طاقت کو نباتات اگنے کے وقت جذب کر لیتی ہیں اور اگر نباتات خاطر خواہ نہ اگیں اور کاشت نہ ہو تو افتادہ زمین میں یہی طاقت سمیت اختیار کر کے ملیریا بن جاتی ہے۔

1680ء میں جب سنکونا اور کونین دریافت ہوئی تو ان بخاروں کے علم میں نسبتاً بہت کچھ اضافہ ہوگیا۔ اور فرنگی ڈاکٹر کو بہت کچھ سہولت ہوگئی۔ بلکہ یہ بھی پتہ چل گیا کہ ملیریا بخار ایسے بھی ہوتے ہیں جو متواتر چڑھے رہتے ہیں اور ایسے بھی ہوتے ہیں جو صبح کو شام کی نسبت کم ہو جاتے ہیں۔ مگر پورے طور پر تندرستی کے درجے تک نہیں پہنچتے۔ پھر رفتہ رفتہ نوبت یہاں تک پہنچتی ہے کہ یہ امر بھی واضح طور پر معلوم ہوگیا کہ اس قسم کے بخاروں میں اعشائے اندرونی میں ایک سیاہ مادہ جمع ہو جاتا ہے۔ 1847ء میں میک کل نے دریافت کیا کہ ایک خاص قسم کے سیاہ کیسے طحال میں پائے جاتے ہیں۔ اس کے بعد خون کے اندر بھی ایسے سیاہ دانوں کی موجودگی ثابت ہوگئی۔ لیکن بعد میں بعض لوگوں کو یہ خیال ہوا کہ ملیریا اور مچھر میں کچھ نہ کچھ تعلق ضرور ہے۔ چنانچہ اٹلی کے کاشتکاروں کا کافی مدت تک یہ خیال رہا کہ جب وہ نمناک زمین، سبزہ زاروں اور دلدلی زمین میں کام کرتے ہیں تو وہاں ایک قسم کے مچھر کے کاٹنے سے ان کو بخار ہو جاتا ہے۔ آخر کار جدید تحقیقات سے 1880ء میں ڈاکٹر لیورن نے ملیریا کو دریافت کیا اور 1895ء میں ڈاکٹر ارس نے یہ معمہ حل کر دیا کہ ایک خاص قسم کا مچھر ان جراثیم کو انسان کے خون میں داخل کرتا ہے جس سے یہ بخار پیدا ہو جاتا ہے گویا ملیریا کا سبب خاص قسم کے جراثیم تسلیم کئے جاتے ہیں اور ان کو خون میں پہنچانے والے خاص قسم کے مچھر مان لیے گئے ہیں جن کے کاٹنے سے انسان کے خون میں وہ داخل ہو جاتے ہیں۔

اسباب ملیریا

مندرجہ بالا فرنگی ڈاکٹروں کی تحقیق سے یہ بات واضح ہوگئی کہ ملیریا بخاروں کے اسباب جراثیم اور مچھر ہیں۔ جن کا بیان کیا جا چکا ہے۔ لیکن ان کے ساتھ کئی ایک اسباب بھی تسلیم کئے گئے ہیں، جو ملیریا کی پیدائش اور افزائش کے لئے ممد و معاون ہوتے ہیں جن کا پایا جانا از حد لازمی امر ہے۔

(۱) **مقام:** ملیریا بخار کے لئے گرم ممالک نہایت موزوں ہیں، اور اسی وجہ سے یہ گرم ملکوں میں زیادہ ہوتا ہے۔ سرد ملک میں بہت کم ہوتا ہے اور شاید نہیں ہوتا۔

گرم ممالک میں بھی بالعموم نشیبی مقامات اور پہاڑیوں کی وادیوں میں زیادہ ہوتا ہے۔ بلند مقامات میں جہاں گرمی ہوتی ہے یہ بخار بہت کم ہوتا ہے۔ چنانچہ پانچ ہزار قدم (تقریباً 1444 گز) بلند پہاڑوں پر یہ بخار پیدا نہیں ہوتا۔

(۲) **مرطوب زمین:** ملیریا کے لئے مرطوب زمین بہت زیادہ معاون اور مددگار ہوتی ہے۔ چنانچہ دریا کے قرب و جوار کی زمین، دلدلی زمین اور ایسی زمین جہاں بارش کا پانی زیادہ تر جمع ہوتا رہتا ہے اور وہاں گھاس پھوس درختوں کی شاخیں اور پتے گلتے سڑتے رہتے ہیں یا ایسی زمین جہاں جنگل کاٹ کر آبادی کی گئی ہو یا ریل کی سڑک نکالی گئی ہو۔ ملیریا کے پھیلنے کے لئے نہایت مناسب ہوتی ہے۔ کیونکہ ایسی زمینوں میں لامحالہ گڑھے کھودنے پڑتے ہیں۔ جن میں پانی جمع ہوتا ہے۔ نیز جھاڑیاں، درخت اور گھاس پھونس وغیرہ کاٹنے پڑتے ہیں، جو وہاں گلتے سڑتے اور مچھروں کی پیدائش کا سبب بنتے ہیں۔

(۳) **موسم:** ملیریا بخاروں کو پھیلانے کے لئے موسم بھی خاص دخل رکھتا ہے۔ چنانچہ موسم گرما کی یکایک تبدیلی کے بعد ملیریا کا اثر زیادہ ہوتا ہے۔ اسی طرح موسم گرما کے آخر میں جب برسات کا موسم ختم کے قریب ہوتا ہے تو اس کا بہت زور ہوتا ہے۔ لیکن بعض گرم مقامات میں سردی کے موسم میں بھی یہ بخار پیدا ہوتا ہے۔

س بخار کے لئے موسم برسات کے معاون اور مددگار ہونے کی بڑی وجہ ہوا اور زمین کی نمناکی ہے۔ جو نباتی مادہ کو گلاتی سڑاتی

اور مچھروں کو پیدا کر کے اس بخار کو پھیلاتی ہے۔

(۴) **ہوا**: ملیریا بخار کو پھیلانے میں ہوا بھی بہت مدد دیتی ہے۔ بعض اوقات تو یہ مچھروں کے لئے سواری بن جاتی ہے۔ اور مچھر اس کے ذریعہ ایسے مقامات پر پہنچ کر ملیریا پیدا کر دیتے ہیں جہاں اس کے پیدا ہونے کا گمان بھی نہیں ہوتا۔ کیونکہ وہاں کوئی ایسی بات ہی نہیں ہوتی، جس کو ملیریا کا سبب قرار دیا جائے، لیکن گاہے وہ ہوا کے تیز و تند تھپیڑوں کی زد میں آ کر ہلاک بھی ہو جاتے ہیں۔ اس طرح یہ ہوا جو مچھروں کو دوسرے مقامات پر لے جا کر اس کے لئے میدانِ جنگ بناتی ہے، ان کے لئے مہلک بھی بن جاتی ہے۔

(۵) **جنسیت و قومیت**: ملیریا کے لئے جنسیت اور قومیت بھی بڑا دخل رکھتے ہیں۔ چنانچہ اگرچہ مرد و عورت دونوں پر ملیریا کا اثر ہوا کرتا ہے، لیکن چونکہ عورت کے قویٰ مرد سے نسبتاً کمزور ہوتے ہیں، لہٰذا وہ اس کی زد میں زیادہ آتی ہیں۔

اسی طرح اگرچہ یہ بخار دُنیا کی تمام اقوام کو ہوتا ہے۔ ہندی، چینی، روسی، افریقی اور یورپی قومیں، سب اس میں مبتلا ہوتی ہیں۔ لیکن حبشیوں اور بعض چینی قوموں میں اس کا اثر کم ہوتا ہے اور گوری رنگت کے آدمی اس میں بہت زیادہ مبتلا ہوتے ہیں اور ان کو ملیریا بہت شدید ہوتا ہے۔

(۶) **عمر**: اگرچہ ملیریا بچپن، جوانی اور بڑھاپے ہر ایک عمر میں ہوتا ہے لیکن بچے اس میں بہت زیادہ مبتلا ہوتے ہیں۔ بچوں میں طحال (تلی) کا بڑھا ہوا ہونا، اس بات کو بتاتا ہے کہ ان مقامات پر جراثیم ملیریا موجود ہیں۔

(۷) **جسم و قویٰ اور عادات**: کمزور، جسیم و شحیم اور ضعف معدہ اور قبض کے مریض اس مرض میں زیادہ مبتلا ہوتے ہیں جو اشخاص دھوپ میں چلتے پھرتے ہیں، ان کو ملیریا بہت شدید ہوتا ہے اور کام کاج نہ کرنے والے مزمن ملیریا بخاروں میں مبتلا ہوتے ہیں۔

ملیریا کی تباہ کاریاں

دُنیا کا کوئی حصہ نہیں ہے جہاں ملیریا نہ پایا جاتا ہو، خاص طور پر برسات کے موسم کے بعد موسم خزاں میں شاید کوئی ایسا گھر ہو گا جس میں ایک دو کو بخار نہ آتا ہو۔ بعض مقامات خصوصاً دیہاتوں میں ایسی آفت آ جاتی ہے کہ گھروں کے گھر ہسپتال بن جاتے ہیں۔ سرکاری طور پر تخمینہ لگایا گیا ہے کہ تمام ملک میں ہر سال دس لاکھ مخلوق اس مرض سے ضائع ہو جاتی ہے۔ [کرنل بھولا ناتھ]

1908ء میں جب پنجاب میں ملیریا بخار کی وبا نہایت شدت سے پھیلی تھی اور سنہ مذکورہ کے آخری تین ماہ میں اموات کی تعداد تین لاکھ تک پہنچ گئی تھی۔ تحقیقات سے معلوم ہوا کہ اس قسم کی وبا شدید بارشوں اور طغیانی کے باعث ہوا کرتی ہے۔ بنگال اور آسام کو ملیریا کا گھر کہتے ہیں، لیکن مدراس اور بمبئے میں بھی بکثرت ہوتا ہے۔ [از ڈاکٹر محمد نصیر الدین]

اس مرض کی تباہ کاری کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ دُنیا میں ملیریا سے پیدا کئے ہوئے امراض تقریباً تین کروڑ سالانہ اموات کا باعث بنتے ہیں، اس مرض سے جتنے کام کے گھنٹے ضائع ہوتے ہیں ان کو اگر کسی کام میں لگایا جائے تو دُنیا کے بڑے منصوبے محض چند ہفتوں میں مکمل ہو سکتے ہیں۔

اس بخار نے دُنیا کی دو بڑی قوموں کو ایسا تباہ کیا ہے کہ وہ آج صفحہ ہستی سے ناپید ہیں۔ یونانیوں کی وہ قابل فخر قوم جس نے سقراط، افلاطون اور لقمان جیسے فلسفی پیدا کئے۔ اس کو اسی ملیریا نے ملیامیٹ کر دیا۔ اس قوم کے بعد دوسری شاندار قوم رومن تھی، جس کا دارالسلطنت روم تھا۔ روم نے اپنے شہر کو صحت مند رکھنے کے لئے آج سے ہزاروں سال پیشتر وہی کارروائیاں کی تھیں جو ملیریا سے بچنے

کے لئے ہم آج بھی کرتے ہیں۔ یعنی دلدل سے پانی نکالنا، شہر کے تمام گندے پانی کو پاٹ کر نالوں کے ذریعے دریائے ٹائر میں ڈالنا، مگر افسوس کہ ان تمام احتیاطی تدابیر کے باوجود ملیریا ان کو گھن کی طرح کھاتا رہا۔ ان کے نوجوانوں کی صحت کو اندر ہی اندر خراب کرتا رہا اور ان کے جسم کو تندرست اور توانا خون سے محروم کرتا رہا۔ ملیریا اپنے مریضوں کو کمزور اور پست ہمت اور جلد تھکنے والا انسان بنا دیتا ہے۔ چنانچہ انہیں وجوہات سے رومن قوم آہستہ آہستہ فنا کے گھاٹ اترنے لگی۔ اور ان پر وحشی مگر چست اور تندرست اقوام کا غلبہ ہوا اور آج دُنیا میں رومن کا کوئی نام لیوا تک باقی نہ رہے۔ رومن قوم اس بخار سے اتنی عاجز تھی اور اس سے اتنا خوف کھاتی تھی کہ اس نے اسے دیوتا کا درجہ دے دیا اور فبرس (Febric) بخار کی دیوی کی پوجا کرنے گے۔

مختلف زمانوں میں اس بخار کی وجوہ پر طرح طرح سے قیاس آرائیاں کی گئیں۔ رومن اور یونانی اقوام کے دور شباب میں اس کا مچھروں سے تعلق سمجھا جاتا ہے۔ مگر یہ تعلق کیا تھا اور کس طرح تھا وہ ان کو معلوم نہ تھا۔ زمانہ وسطیٰ میں اس خیال کو چھوڑ کر لوگ دوسری نام نہاد اور مہمل وجوہات میں الجھ کر رہ گئے اور اسی وجہ سے اس مرض کا علاج کچھ چوں چوں کا مربہ ہو کر رہ گیا۔ اس بخار کا تعلق دلدل سے بھی سمجھا جاتا تھا، مگر اس واقفیت سے بہت کم فائدہ اٹھایا گیا۔

ملیریا کے مشہور ''شہیدوں'' میں سے یونان کا فاتح سکندر اعظم بھی تھا جو ہندوستان سے واپسی پر محض ملیریا کے ایک حملہ میں چل بسا۔ روم کا وحشی فاتح ''آلے رک'' بھی اسی مرض کا شکار ہوا تھا۔ اور چشم زدن میں اس کی فتوحات کا خاتمہ ہو گیا۔ اگر تاریخ کا بغور مطالعہ کیا جائے تو سینکڑوں ایسے مشاہیر نظر آئیں گے جن کی قیمتی زندگیاں ملیریا بخار کی نظر ہو گئیں اور آئندہ بھی اگر اس پر قابو نہ پایا گیا تو اس کی تباہ کاری ہمیشہ قائم رہے گی۔ [رسالہ ''ڈاکٹر'' کراچی]

خوف و ہراس

اس مرض کا خوف و ہراس اگرچہ دق وسل (ٹی بی) کی طرح تو نہیں ہے، لیکن جب یہ موسمی اور وبائی صورت میں ظاہر ہوتا ہے تو بے حد ڈر اور وحشت پیدا کر دیتا ہے۔ اس کا سب سے بڑا حملہ قلب پر ہوتا ہے جو چند دنوں میں انتہائی کمزور ہو جاتا ہے اور اس کا دوسرا حملہ خون پر ہوتا ہے جس میں قوت مقابلہ کمزور ہونا شروع ہو جاتی ہے اور تیسرا حملہ جگر و طحال پر ہوتا ہے۔ جن میں نیا خون پیدا کرنا اور جسم کے خون کو صاف کرنے کی قابلیت کم ہونا شروع ہو جاتی ہے۔

فرنگی اس بخار سے بہت ڈرتا اور خوف کھاتا ہے۔ ٹی بی سے بھی اس قدر نہیں ڈرتا، کیونکہ ٹی بی بخار میں نہ اس قدر تکلیف ہوتی ہے اور نہ وہ فوری طور پر کمزور کر کے انسان کو ختم کر دیتا ہے، اس لئے وہ جس ملک میں جاتا ہے یا قبضہ کرتا ہے یا اس کو مہذب بنانا چاہتا ہے تو پہلے وہاں پر ملیریا کے اثرات کو دور کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس لئے فرنگی جب بھی گرم ممالک کی طرف جاتے ہیں، تو وہ اپنے ساتھ ملیریا سے محفوظ رکھنے کے سامان اور ادویات ضرور رکھتے ہیں۔ دُنیا میں جس قدر ملیریا بخار سے خوف و ہراس پیدا ہوا ہے وہ زیادہ تر فرنگی کا پیدا کیا ہوا ہے۔

ملیریا کا مقابلہ

یورپ کی بڑھتی ہوئی تہذیب کے ساتھ دینا بھر میں ملیریا بخار کا مقابلہ شروع ہوا ہے۔ ہر ملک کی سرکار، میونسپلٹیاں اور قومی اداروں کی طرف سے اس مرض کے دفعیہ اور استیصال کی کوششیں کی جارہی ہیں۔ ملیریا کانفرنسیں منعقد ہوئی ہیں۔ بڑے بڑے ڈاکٹر تحقیق و

تفتیش کے لئے مقرر کئے گئے ہیں۔ لاکھوں روپوں کی ادویات اور دیگر سامان یورپ اور امریکہ سے ہر ملک میں جارہا ہے کہ کسی طرح اس موذی مرض سے نجات حاصل کرلی جائے۔ مگر اس وقت تک دُنیا اس کے یقینی علاج سے مستفید نہیں ہو سکی۔

ملیریا کے عوارض اور نتائج

علاوہ چار پانچ قسم کے نوبتی اور میعادی بخاروں کے جو عام طور پر ملیریا سے ہوتے ہیں، ان بخاروں کے درمیان ان کے بعد بطور عوارض ونتائج یا مزمن ملیریا یعنی پرانے ملیریا سے اور بھی کئی بیماریاں ہو جاتی ہیں۔ کیونکہ ملیریا سے مریض کمزور ہو کر دیگر امراض میں مبتلا ہونے کے لئے مستعد ہو جاتا ہے۔ چنانچہ ملیریا سے بطور عوارض اور نتائج ذیل کے امراض پیدا ہو جاتے ہیں: (۱) شقیقہ یا درد نیم سر (۲) درد ابرو (۳) عرق النساء یا جانگ کا درد (۴) استرخاء - پر یلیسس (۵) فالج - ہیمی پلیجیا (۶) کمی خون - انیمیا (۷) ضعف قلب (۸) خفقان (۹) تلی کا بڑھ جانا (۱۰) جگر کا بڑھ جانا (۱۱) ضعف جگر (۱۲) بدہضمی (۱۳) درد معدہ (۱۴) اسہال (۱۵) پیچش (۱۶) تر خاش - اچ (۱۷) نارفارسی - اگزیما (۱۸) درد (توبا) (۱۹) رنگ ورم (۱۹) پرانی کھانسی (۲۰) مزمن ذات الجنب - کرانک پلیورسی (۲۱) ضعف بصارت - رتوندی (۲۲) ضعف باہ (۲۳) سوزش خصیہ - ارکائٹس (۲۴) عوارضات حیض (۲۵) اسقاط حمل وغیرہ۔

ملیریل کے کیکشیا

ملیریا کے مسلسل حملوں کے بعد جب مریض کمزور ہو جاتا ہے تو اس میں ایک مزمن صورت پیدا ہو جاتی ہے اور مریض بار بار ملیریا میں گرفتار ہوتا رہتا ہے۔ اس کو سوئے مزاج ملیریا (ملیریل کے کیکشیا) کہتے ہیں، جس سے مریض طرح طرح کے امراض مثلاً کھانسی، درد پہلو، نیمونیا، سل، اسہال اور استسقاء وغیرہ میں مبتلا ہونے کے لئے مستعد ہو جاتا ہے۔ اور کبھی کبھی اس کے دماغ یا حرام مغز میں ورم بھی ہو جاتا ہے۔ مختلف ملیریائی مقامات میں جو بعض ڈاکٹر اور حکیم ملیریائی مریضوں کے علاج میں معروف رہے ہیں ان کا بیان ہے کہ ان مریضوں میں اکثر کو ضعف باہ اور نامردی کی شکایت بھی تھی۔ ملیریائی مقامات میں جو بچے پیدا ہوتے ہیں وہ بہت کمزور اور طرح طرح کے امراض میں مبتلا ہوتے ہیں۔

ملیریل کے ککشیا عموماً پرانے ملیریا کا نتیجہ ہوتا ہے۔ اس میں نقص الدم نمایاں طور پر موجود ہوتا ہے۔ ٹخنوں اور جوف شکم میں سوجن ہوتی ہے۔ تلی بہت بڑھی ہوتی ہے اور جگر بھی بڑھ جاتا ہے شاذ ونادر یہ حاد قسم کا بھی ہو سکتا ہے۔

تمام ملیریا کی نوبتی امراض میں مرض کا دورہ عموماً ایک خاص وقت میں ہوا کرتا ہے۔ جیسا کہ نوبتی بخاروں اور درد شقیقہ وغیرہ میں عام طور پر دیکھا جاتا ہے۔ اس نوبت یا دورہ کا سبب جیسا کہ مذکور ہوا، جراثیم ملیریا کی فصل تیار ہو کر سرخ دانہ ہائے خون پر حملہ آور ہوتا ہے۔ [مخزن حکمت از ڈاکٹر حکیم غلام جیلانی]

تحفظ اور علاج ملیریا

''تحفظ صحت علاج سے بہتر ہے'' یا ''پرہیز تمام ادویات سے افضل ہے''۔ اگر اس زریں مقولہ پر عمل کیا جائے تو انسان اس مرض اور نیز تمام امراض سے محفوظ رہ سکتا ہے۔ پرہیز یا احتیاط کرنے پر اس مرض سے حفاظت کس طرح ہو سکتی ہے۔ اس کے کئی طریقے ہیں۔ جن کو ہم ذیل میں بیان کرتے ہیں جیسا کہ فرنگی طب نے بیان کئے ہیں۔

اوّل تدبیر

ہر ایک تندرست آدمی، اگر ممکن ہو تو چارپائی پر مسہری یا مچھر دانی لگا کر سوئے تاکہ مچھروں کے کاٹنے سے محفوظ رہے۔ چونکہ آخر برسات اور جاڑے کی ابتداء تک ملیریا کا خاص طور پر زور رہتا ہے لہٰذا ان مہینوں میں ہر ایک شخص کو ہر دوسرے روز کونین ایک رتی یا ہفتہ میں ایک دو بار ڈھائی رتی کھائیں۔ ہاضمہ کا خاص طور پر خیال رکھیں، کھانا بھوک سے کم کھائیں۔ جب بھوک لگے تو کھائیں۔ قابض، ثقیل، بادی اور کچی پکی سڑی چیزوں کے کھانے سے پرہیز رکھیں۔ قبض نہ ہونے دیں، اگر قبض ہو تو اس کو کسی ملین دوا سے رفع کرتے رہیں۔ پانی کی صفائی کا بھی خاص طور پر خیال رکھیں۔ ملیریا پھیلنے کے موسم میں تھوڑی مقدار میں چائے یا قہوہ کا پینا بھی مفید ہوتا ہے، ان تدابیر کے علاوہ کوئی سخت محنت کا کام نہ کریں جس سے جسم میں غیر معمولی تکان پیدا ہو جائے۔ جسم کو سردی سے محفوظ رکھیں اور تمام باتوں سے پرہیز رکھیں جو صحت پر خراب اثر ڈالنے والی ہوتی ہیں اور جن سے پرہیز کرنا ہر ایک حافظ صحت کے لئے لازمی ہے۔

جب کوئی شخص ملیریا میں مبتلا ہو جائے تو جس طرح دوسرے متعدی امراض مثلاً طاعون، چیچک، ہیضہ وغیرہ کے مریضوں سے تندرست آدمی کا بچنا ضروری ہے، اسی طرح ملیریا کے مریض سے پرہیز کرنا ضروری ہے۔ لہٰذا تیمار دار یا کسی تندرست آدمی کو مریض کے کمرہ میں نہیں سونا چاہئے۔ لیکن اگر سونے کے سوا چارہ نہ ہو تو مچھروں سے محفوظ رہنے کا سامان کر لیا جائے اور ممکن ہو تو ایسی تدابیر اختیار کی جائیں کہ ملیریا کا تیمار دار بھی مچھروں کے کاٹنے سے محفوظ رہے۔ کیونکہ مچھر ہی ایک ذریعہ ہیں جو ملیریا کے مریض سے جراثیم کو تندرست آدمیوں میں منتقل کرتے ہیں۔ اگر مریض کو مچھر دانی میں رکھا جائے تو مچھروں کے کاٹنے سے بہت کچھ حفاظت ہو سکتی ہے۔ اور اگر تندرست آدمی بطور تحفظ کونین کھاتا رہے تو وہ جراثیم ملیریا سے بہت کچھ محفوظ و مصؤن رہ سکتا ہے۔

دوسری تدبیر

ملیریا سے محفوظ رہنے کی دوسری تدبیر یہ ہے کہ جراثیم ملیریا کو نیست و نابود کرنے کی تدابیر اختیار کی جائیں اور اس کے مریضوں کے جسم میں ایک جرثومہ بھی زندہ نہ چھوڑا جائے۔ اس غرض کے لئے مریض کو بخار سے شفایاب ہونے کے بعد عرصہ تک کونین استعمال کرائی جائے۔ کیونکہ جراثیم ملیریا کو تلف کرنے کے لئے اس سے بہتر کوئی دوا نہیں ہے اور جب تک جراثیم ملیریا کے بالکل تلف ہونے کا یقین نہ ہو جائے، اس کا استعمال برابر جاری رکھیں۔ مریضوں کے خون کا خردبینی معائنہ کرنے پر جراثیم کا نہ پایا جانا جراثیم کے بالکل تلف ہو جانے کی

اطمینان بخش علامت ہوتی ہے۔

اس میں شک نہیں کہ کونین اپنی گرمی خشکی کے باعث تمام پاک و ہند خصوصاً گرم مزاج لوگوں میں گرمی اور حدت بڑھا دیتی ہے، دورانِ سر اور کانوں میں سنسناہٹ کا پیدا کر دینا تو اس کا ادنیٰ کرشمہ ہے۔ لیکن اگر قلیل مقدار میں مصلح ادویات کے ساتھ استعمال کرایا جائے، تو اس کی بہت کچھ اصلاح ہو جاتی ہے اور آدمی اس کے مضر اثرات سے محفوظ رہتا ہے۔ درحقیقت ملیریا کے جراثیم کو نیست و نابود کرنے کے لئے کونین سے بہتر کوئی چیز نہیں ہے۔ ورنہ دُنیا کی ہر ایک مفید سے مفید چیز کو دیکھ لیجئے وہ مفید اثر رکھنے کے ساتھ ساتھ مضر اثر بھی رکھتی ہے۔

تیسری تدبیر

ملیریا سے بچے رہنے کی تیسری تدبیر یہ ہے کہ چونکہ مچھر ہی ایک ایسا ذریعہ ہیں جو اس مرض کے پھیلانے کا موجب ہوتے ہیں لہٰذا ان کو نیست و نابود کیا جائے۔ اگر چہ ان کا قطعاً نیست و نابود کر دینا بظاہر انسان کے قبضہ قدرت سے باہر نظر آتا ہے۔ تاہم اجتماعی کوشش سے اس میں بہت کچھ کامیابی ممکن ہے۔ بشرطیکہ مندرجہ ذیل تدابیر پر عمل کیا جائے:

① آبادی کے متصل جو نشیبی مقامات ہوں، جہاں بارش کا پانی جمع ہوتا ہے اور اس میں نباتات کے گلنے سڑنے سے مچھروں کی پیدائش اور افزائش کے اسباب پیدا ہوتے ہیں تو اس کو ہموار کرا دیا جائے اور کنویں، حوض، تالاب اور جھیل وغیرہ پر اگر ممکن ہو تو باریک جالی ڈلوادی جائے، تاکہ مچھر ان کے اندر جا کر انڈے بچے نہ دے سکیں۔ اور اگر ان مقامات میں مچھروں کے انڈے یا بچے پائے جائیں تو ان کو مٹی کا تیل یا فینائل چھڑک کر تلف کر دیا جائے۔ اگر تالاب، جھیل وغیرہ بہت بڑے ہوں تو صرف ان کے کناروں پر مٹی کا تیل چھڑک دیا جائے۔ کیونکہ مچھروں کا مسکن بالعموم کنارے پر ہی ہوتا ہے۔

② آبادی یا مکان کے لئے ایسی زمین منتخب کرنی چاہئے جو خشک اور بلندی پر ہو۔ کیونکہ جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔ یہی مقامات ہوتے ہیں جہاں مچھر رہتے اور اپنی نسل بڑھاتے ہیں۔

③ آبادی کے اندر جو گڑھے ہوں، ان کو ہموار کر دیا جائے، کسی جگہ پانی جمع نہ ہونے دیں۔ نالیوں کی صفائی کا خیال رکھیں۔

④ اگر مکان میں یا مکان کے قریب حوض ہو یا ناند وغیرہ لگی ہوئی ہو تو ان میں پانی جمع نہ رکھیں اور ان کی صفائی کا پورا انتظام رکھیں۔ گھر کی بدررو اور نالیوں کی صفائی کا خیال رکھنا ضروری ہے۔

⑤ چونکہ مچھر بالعموم کثیف اور تاریک مکانوں کو اپنا مسکن بناتے ہیں اس لئے ان کو کامل طور پر تلف اور برباد کرنے کے لئے نہایت ضروری ہے کہ روزانہ تمام مکان میں جھاڑو دی جائے۔ کسی ایک جگہ پر کسی قسم کا سامان، گھاس پھونس یا کوڑا کرکٹ عرصہ تک جمع نہ ہونے دیا جائے۔ سامان کو ہفتہ عشرہ میں دوسری جگہ یا اسی جگہ جھاڑ و دے کر رکھ دیا جائے اور کوڑا کرکٹ باہر پھینک دیا جائے۔ اگر مکان کے کسی حصے میں گائے بھینس وغیرہ مویشی بندھتے ہوں تو اس کی صفائی کا بہت خیال رکھنا چاہئے۔ روزانہ ان کے گوبر، لید وغیرہ کو آبادی سے دور پھینکوا دیا جائے اور وہاں کی زمین کو راکھ یا ریگ ڈال کر خشک کر دیا جائے۔

⑥ چونکہ روشنی اور تازہ ہوا مچھروں کو ناگوار ہوتی ہے، اس لئے روزمرہ چند گھنٹوں کے لئے ہر ایک کمرے کے دروازے اور کھڑکیوں کو کچھ دیر تک کھلا رکھیں، تاکہ تازہ ہوا اور روشنی کے گزر ہونے سے کمرے میں چھپے ہوئے مچھر بھاگ جائیں اور شام

ہونے سے قبل ہی ان کو بند کر دیا جائے۔ تاکہ سرِشام کی تاریکی میں کمروں کے اندر نہ گھسنے پائیں، اور اگر مچھروں کی بہت کثرت ہو تو دروازوں اور کھڑکیوں پر لوہے کی باریک جالی لگوائیں یا ان پر جالی یا ململ کے باریک پردے ڈال دیں، تاکہ مچھر اندر نہ داخل ہو سکیں۔

ان تدابیر کے علاوہ گندھک، عاقر قرحا، دھوپ، گوگل وغیرہ کی دھونی دیں۔ مکانوں سے باہر دھؤاں کرنے، خصوصاً نیم کے پتوں کو جلا کر دھواں کرنے سے مچھر بھاگ جاتے ہیں۔ [حمیات اجامیہ از حکیم کبیر الدین]

ملیریا کے علاج اور ادویات کی تلاش

جب تک دُنیا کو ملیریا کے متعلق یہ علم نہیں تھا کہ وہ ایک گندی اور زہریلی ہوا ہے اس وقت تک اس کو جن بھوت کا اثر یا دیوی دیوتاؤں کی ناراضگی سمجھا گیا اور اس مقصد کے لئے منتر وجنتر اور تعویز وگنڈے وغیرہ کئے گئے یا قربانیاں دی گئیں اور دعائیں مانگی گئیں۔ لیکن جب اس امر کا یقین ہو گیا کہ ملیریا ایک قسم کی گندی اور زہریلی ہوا ہے جو نمدار زمین اور درختوں و پتوں کے گلنے سڑنے سے پیدا ہوتی ہے تو اس وقت سے اس کے علاج کے لئے ادویات تلاش کی گئی اور عجیب غریب نسخے بنائے گئے جن کو معلوم کر کے حیرت بھی ہوتی ہے لیکن ان میں بعض اسرار بھی نظر آتے ہیں۔

کہتے ہیں کہ رومن بادشاہ نیرو کے طبیب خاص نے اس کا ایک عجیب نسخہ تجویز کیا تھا کہ جس میں دیگر ادویات کے ساتھ سانپ کا گوشت اس کا جزو اعظم تھا۔ اسی زمانے کے ایک دوسرے طبیب نے اس بخار میں پسوؤں کا عرق بہت مفید بتایا۔ جالینوس نے اس بخار کا علاج فصد اور جلاب تجویز کیا ہے، لیکن آج بھی ہم دیکھتے ہیں کہ مریضوں کو پان میں کھٹل اور مکھیاں کھلائی جاتی ہیں، ان سے بھی سخت علاج (داغنا) کی طرف توجہ کی گئی یعنی بیچارے مریضوں کے پیٹ، طحال اور جگر پر لوہے گرم کر کے ان کو داغا گیا۔

ان علاجوں سے فائدہ تو برائے نام ہوا ہوگا، لیکن تکالیف زیادہ ہوئی ہوں گی۔ البتہ اس قدر پتہ ضرور چلتا ہے کہ انہوں نے اس مرض کو زہریلا اور پیٹ وطحال اور جگر کا مرض ضرور سمجھا جس کے لئے انہوں نے زہریلی اشیاء استعمال کیں اور مریض کے اعضاء کو داغ کر مرض دور کرنے کی کوشش کی گئی۔

آیورویدک میں اس کا علاج دوشو (وات دپت اور کف) کی اصلاح اور ان کی کمی بیشی سے کیا گیا۔ جو یقیناً کامیاب ہے۔ اسی طرح طب یونانی نے اس زہر اور عفونت کا علاج اخلاط وکیفیات کی اصلاح اور اعتدال کے ساتھ تے، نضج، تلیین، مسہل اور مقوی وقابض ادویات کے ساتھ بے حد تسلی بخش اور کامیابی کے ساتھ کیا۔ لیکن جب سے اس طریقہ علاج کے قوانین کو چھوڑ کر مجربات سے علاج کرنا شروع کر دیا گیا ہے، شفا کم ہو گئی ہے۔

کولمبس کے امریکہ دریافت کرنے کے کچھ دِنوں بعد یہ خبر آئی کہ جنوبی امریکہ میں ایک ایسا درخت ہے جس کی چھال کے جوشاندہ سے جاڑا بخار اچھا ہو جاتا ہے۔ اس خبر پر کسی کو یقین نہ آیا مگر جب ہسپانوی پادریوں نے اس کی چھال منگوائی تو سارے یورپ کے ڈاکٹروں نے اس کی شدید مخالفت کی اور اس حد درجہ مفید چھال کے خلاف طرح طرح کی چہ مے گوئیاں کرنے لگے۔ یہ ان پادریوں کی ہمت اور استقلال تھا کہ وہ اس چھال کے استعمال پر قائم رہے۔ اور ہم آج اسی چھال کو سنکونا کہتے ہیں۔ اور اس کے ساتھ ملیریا کا شرطیہ علاج کرتے ہیں۔

1958ء میں ملیریا وبائی صورت میں جزیرہ برطانیہ میں ظاہر ہوا، اور اسی کے ساتھ پادریوں کا یہ سفوف بھی داخل ملک ہوا۔ مگر بدقسمتی سے وہاں پر ''کرامول'' کی حکومت تھی۔ جو رومن کیتھولک فرقہ کی ہر چیز سے نفرت کرتی تھی۔ چنانچہ جب ''کرامول'' کو ملیریا ہوا، مگر کسی کو ہمت نہ ہوئی کہ پادریوں کے اس سفوف کو اسے پلا دے اور یہ غریب محض اپنے مذہبی جنون کے جوش میں اپنی جان کھو بیٹھا۔

1777ء میں میک برائنڈ نامی انگریز ڈاکٹر نے ملیریا کے مریضوں کو سنکونا کی چھال کا جیکٹ پہننے کی ہدایت کی۔ یہ عجیب بات ہے کہ انگلینڈ کے ڈاکٹر جب سنکونا اور اس سے نکلی ہوئی کونین کی شدید مخالفت کر رہے تھے تو انہیں کے ملک میں ایک پرتگالی ڈاکٹر انگریزی پانی کے نام سے سنکونا کا جوشاندہ ہزاروں بوتلوں کی تعداد میں سارے یورپ میں بھیج رہا تھا۔ اور اس طرح اس نے کروڑوں روپوں کی کامیاب تجارت کی۔ انگلستان کے ڈاکٹروں کی تنگ نظری اور حماقت کے سبب سے وہاں کے مریض کافی عرصہ تک پریشان رہے اور ہزاروں کی تعداد میں اللہ کو پیارے ہوتے رہے۔

1812ء میں کلکتہ کے ایک تجربہ کار ڈاکٹر جیمسین جانسن نامی نے کونین سے ملیریا کا علاج کرنے کی سخت ممانعت کر دی اور اس کے بدلے پارے سے علاج کی ہدایت کی (پارہ بھی مفید ہے، اس سے جراثیم ملیریا مر جاتے ہیں)۔ ڈاکٹر جانسن کے اس عجیب نسخہ کے خلاف ڈاکٹر ہانی ڈے نے آواز اٹھائی کہ اس سے شفا کم اور موت زیادہ واقع ہوتی ہے۔ تو اس کو اس جسارت کی سزا میں ملازمت سے علیحدہ کر دیا گیا۔ سمجھ نہیں آتا کہ ڈاکٹر جانسن کے نسخہ سے ملیریا کا مریض کیونکر جانبر ہو سکتا ہے جب اس میں کیلومل (Calomal) کی مقدار خوراک تیس گرین تھی اور دن بھر میں ایسی تین خوراکیں دی جاتی تھیں۔ مریض تیسری خوراک پینے سے قبل یقینی طور پر اپنے خالق حقیق سے ملنے کے لئے چلا جاتا ہوگا۔

1815ء میں ''منگو پارک'' نامی ایک سیاح یورپ کے چوالیس باشندوں کی ایک ٹولی بنا کر بھڑ (افریقہ) کی سیاحت کو گیا۔ اس کے ملیریا سے بچنے کی کوئی معقول دوا مثل کونین نہ تھی۔ ان چوالیس سیاحوں میں سے انتالیس ملیریا بخار میں مبتلا ہو کر مر گئے۔ اسی قسم کی ایک پارٹی اسی علاقہ میں 1852ء میں بھڑ گئی، مگر اس دفعہ اس کے پاس کونین تھی، یہ روزانہ آٹھ گرین کھاتے تھے، اور ان میں ملیریا کے سبب سے کوئی موت واقع نہ ہوئی۔

1820ء میں فرانس کے دو کاریگر کیمیاگروں (Chemists) نے نے سنکونا کی چھال سے کونین کو الگ کیا، اور اس کے نکالنے کی ترکیب جلی حرفوں میں شائع کر دی تاکہ اس ایجاد کا زیادہ سے زیادہ فائدہ بنی نوع انسان کو ہو۔ یہ سنکونا درخت کا بیج جنوبی امریکہ سے کس طرح لایا گیا اور اس کی کاشت پرانی دنیا میں کس طرح کی گئی۔ وہ بذاتِ خود ایک دلچسپ اور طویل مضمون کا عنوان بن سکتا ہے۔

1914ء کی عالمگیر جنگ میں جرمن فوج کے لئے کونین کا ملنا ناممکن ہو گیا، چونکہ کونین کی پوری مقدار انگریزوں یا ولندیزیوں کے قبضہ میں تھی۔ جرمن کے سائنسدانوں نے کونین کے بدلے ایسے دو کیمیاوی مرکبات تیار کر دیئے جو بعض حالتوں میں کونین سے بدرجہا بہتر تھے۔ آج یہ ملیریا بخار کی مشہور عالم دوائیاں ہیں۔ یعنی آٹے برن (Atebrin) اور پلازموکن (Plesmoquoin) یہ دوائیں جنگ عظیم دوم میں بھی بکثرت استعمال کی گئیں۔ اور دونوں فریقوں نے ان سے جی بھر کر فائدہ اٹھایا۔ کونین کہنہ ملیریا بخار کو اچھا کرنے سے قاصر ہے مگر پلازموکن محض دس دنوں میں پرانے ملیریا بخار کو اچھا کر دیتی ہے۔ اسی طرح آٹے برن محض تین دنوں میں ملیریا کے جاڑے بخار کو اچھا کر دیتا ہے۔ اور اس کے ہفتہ وار استعمال سے ملیریا کبھی نہیں ہوتا۔

سائنسدانوں نے اپنا کھوج جاری رکھا اور ایسی دوا ایجاد کرنے کے فکر میں رہے جو ملیریا کے تینوں اقسام کے لئے یکساں مفید ہو۔

اس دفعہ جرمنی کے کیمیا گر پھر سامنے آئے اور انہوں نے ریسوچن (Resochin) نامی دوا دنیا کے سامنے پیش کی ہے۔ یہ دوا کلوراکوئین (Chloraquin) ہے۔ ملیریا کے لئے اب تک جتنی ادویات نکلی ہیں، ان میں سب سے بہتر ہے۔ یہ غیر مضر ٹکیاں ملیریا کو روکتی ہیں، اور ملیریا کے تینوں اقسام میں فائدہ پہنچاتی ہیں۔ ساتھ ہی یہ ''امیبک'' قسم کی پیچش میں بھی مفید ثابت ہوئی ہیں۔ اور آ ئی - سی - آ ئی پلوڈین (Paladrin) نامی دواء بھی نکالی ہے جو ملیریا کی ایک قسم کے لئے تیر بہدف علاج ہے مگر یہ کبھی کبھی ہفتہ وار کھانے والے انسانوں کو نقصان پہنچا دیتی ہیں۔ مثلاً درد معدہ، پیشاب میں خون وغیرہ۔ ان ادویات کے علاوہ ڈاراپرم (Daraprim) بھی ایک دوا ہے جس کی صفت یہ ہے کہ یہ ذائقہ میں پھیکی ٹکیاں ہیں اور اسے بچے بھی کھا سکتے ہیں۔ یہ انگلینڈ باروز ویلکم کمپنی نے ایجاد کی ہے۔ امریکہ کے پارک ڈیوس نے کاموکوئین (Camoquin) نامی ٹکیاں نکالی ہیں جو محض ایک دِن کے اندر ملیریا بخار کو اچھا کر دیتی ہیں۔ یہ حسب معمول امریکی دواؤں کی طرح مانی گیں۔ ایک نئی دواء آئی سی آئی (Primaquim) کہنہ ملیریا کے لئے اکسیر ثابت ہوئی ہے۔ [ماہ نامہ ہمارا ڈاکٹر کراچی]

ملیریائی بخاروں میں کونین اکسیر تسلیم کی گئی

معالجاتی وسیع تجربات اور مشاہدات سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ ملیریائی بخاروں کے دور کرنے میں کونین سے بڑھ کر کوئی مفید دوا نہیں ہے۔ کونین ان بخاروں میں اکسیر کا حکم رکھتی ہے، چنانچہ ولایت کے ایک نہایت مشہور ومعروف ڈاکٹر پیٹرک مین سن صاحب کا قول ہے کہ آج کل اگر کوئی ڈاکٹر یا طبیب کونین کو چھوڑ کر اور دواؤں سے ملیریا کا علاج کرنے کی کوشش کرے تو وہ مستوجب سزا ہے۔ اسی طرح ولایت ایک نامور ڈاکٹر جو اعلیٰ درجے کے مصنف بھی ہیں، یعنی ڈاکٹر مسلر صاحب فرماتے ہیں کہ آج کل اگر کوئی طبیب ملیریائی بخار کا کونین کے ساتھ کامیابی کے ساتھ علاج نہیں کر سکتا تو اس کو طبابت چھوڑ دینی چاہیے۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ ملیریا بخاروں کو دور کرنے کے لئے کونین کس قدر مفید ہے۔ کونین کے متعلق صرف انگلستان کے چند نامور ڈاکٹروں کا ہی قول نہیں بلکہ یورپ (جس میں یونان اور روم بھی شامل ہیں) امریکہ اور جاپان غرض کے کل جہان کے اطباء اتفاق کرتے ہیں۔

مگر افسوس کہ ہمارے ملک کے بعض خود غرض حکیم اور وید صاحبان خواہ مخواہ کونین سے نفرت کرتے ہیں، وہ اس کو ولایت کی ایک بہت گرم خشک دواء سمجھ کر ہندوستانی مریضوں کے لئے اسے چنداں مفید خیال نہیں کرتے۔ یہ ان کی اپنی لاعلمی اور نادانی ہے، ورنہ کونین ملیریائی بخاروں کے لئے درحقیقت اکسیر ہے۔

نوٹ: چونکہ علم طب کا موضوع جسم انسانی ہے اور انسان اشرف المخلوقات ہے۔ اس لئے علم و عمل طب بھی ایک فن شریف بلکہ اشرف ہے۔ لیکن اس کی شرافت اس میں ہے کہ اس کا اصول خُذْ مَا صَفَادَعْ مَا کَدَرُ ہو، یعنی جہاں کوئی مفید بات ملے اسے اپنے موضوع کی خدمت کے لئے فوراً اختیار کر لیا جائے۔ اسی اصول کو مدنظر رکھتے ہوئے جناب حکیم سید محمد حسین صاحب علوی نے اپنی مشہور کتاب مخزن الادویہ میں برک کے نام سے سنکونا بارک (Cinchona Bark) اور اس کے ضمن میں کنہ کنہ کے نام سے کونین کا ذکر کیا ہے، اور اس کو نوبتی بخاروں اور دیگر نوبتی امراض میں نہایت مفید بتایا ہے۔ مگر تقریباً ڈیڑھ صدی گزرنے کے بھی ہندوستان کے اکثر حکیموں کو یہ بات معلوم نہ ہوئی کہ برک یا بارک درحقیقت سنکونا بارک ہے اور کنہ کنہ کونین ہے۔ اس لئے مناسب یہی ہوتا ہے کہ کونین کے استعمال کو بتانے سے پہلے کچھ اس کی مختصری تاریخ بھی بتا دی جائے۔

تاریخ کونین

کونین ایک جوہر ہے جو درخت سنکونا کی چھال سے جدا کیا جاتا ہے۔ یہ درخت جنوبی امریکہ میں پیدا ہوتا ہے۔لیکن آج کل یہ ہندوستان کے بعض حصوں مثلاً کوہ نیلگری یا دارجلنگ ، برما اور لنکا وغیرہ میں بھی بکثرت ہوتا ہے۔

پیرو (جنوبی امریکہ) کے باشندے کسی ایسی چھال کو جو بخار کو دور کرنے کی خاصیت رکھتی ہے کینا کینا کہتے ہیں۔ایک بار پیرو کی ہسپانوی نوآبادی کے وائسرائے کی بیگم جس کا نام سنکون (Cinchon) تھا،نوبتی بخار میں ایسی مبتلا ہوئی کہ اسے کسی دوا سے فائدہ نہ ہوا۔ آخر کار سفوف کینا کینا دینے سے اس کو بخار سے کلی شفا حاصل ہوگئی۔اس وقت اس دواء کی بڑی شہرت ہوئی۔ پھر وہ بیگم 1660ء میں اس دوا کو اپنے ملک ہسپانیہ میں لے گئی۔ اور وہاں اس کے نام پر اس دوا کا نام ہی سنکونا مشہور ہوگیا۔ 1669ء میں اس دوا کی شہرت شہر روما (اٹلی) میں پہنچی۔ اور وہاں بھی نوبتی بخاروں میں استعمال ہوتی رہی۔ پھر 1679ء میں فرانس میں اس کی بڑی قدر و منزلت ہوئی۔ 1677ء میں یہ دوا لندن فارما کوپیا (قرابادین) میں درج کی گئی اور اسی زمانے سے یہ انگریزی ایسٹ انڈیا کمپنی کے ڈائریکٹروں کو بھی بغرض استعمال بھیجی گئی اور غالباً ہندوستان میں بہت پھیل گئی۔ کیونکہ حکیم محمد حسین صاحب علوی نے 1770ء میں اپنی کتاب ''مخزن الادویہ'' میں اس کے انگریزی نام بارک (Bark) سے اس کا بیان کیا ہے۔

پہلی مرتبہ ہندوستان میں 448 روپے فی پونڈ کے حساب سے کونین خریدی گئی تھی ،لیکن رفتہ رفتہ اس کی قیمت کم ہوتی گئی اور آخر میں 16 روپے فی پونڈ فروخت ہوئی۔ الغرض کونین درخت سنکونا کی چھال کا جوہر (جزو مؤثر) ہے اور اس درخت کا اصل مسکن اب اہل ہند کے لئے یہ کوئی بدیشی دوا نہیں بلکہ دیسی اور سودیشی ہے۔

یوں تو کونین کئی قسم کی ہوتی ہے لیکن عام طور پر کونین سلفیٹ استعمال کی جاتی ہے۔کونین عموماً چار طریق سے دی جاتی ہے:

(۱) براہِ دہن (۲) براہِ مقعد (۳) بذریعہ عضلاتی یا زیر جلد پچکاری (۴) بذریعہ وریدی پچکاری۔

لیکن زیادہ تر یہ براہِ دہن بشکل سفوف یا گولی یا عرق دی جاتی ہے۔اس کی مقدار خوراک گرم ممالک میں پانچ گرین سے پندرہ گرین تک اور سرد ممالک میں 15 گرین سے 45 گرین تک دے سکتے ہیں۔

کونین کے نقصانات

بعض اشخاص کو کونین کی بہت کم برداشت ہوتی ہے،خصوصاً نازک مزاج عورتوں کو یہاں تک کہ انہیں تھوڑی مقدار میں کونین دینے سے بھی سنکونزم یعنی سمیت کونین کی علامات پیدا ہوجاتی ہیں۔خصوصاً کان بجنے لگتے ہیں اور سر میں درد ہونے لگتا ہے۔

سنکونزم (Cinchonism)

اگر زیادہ مقدار میں کونین دی جائے ، یا عرصہ تک اس کا استعمال کیا جائے،تو کانوں میں سنسناہٹ معلوم ہوتی ہے۔یعنی کان بجنے لگتے ہیں اور زبان گنگ معلوم ہوتی ہے۔ ہاتھ پاؤں میں تھرتھراہٹ آجاتی ہے۔ بدن کانپنے لگتا ہے۔ دِل دھڑکنے لگتا ہے، بے خوابی اور بے چینی ہوتی ہے۔ سر بھاری معلوم ہوتا ہے،اور اگر کونین کی مقدار بہت زیادہ ہو تو بینائی میں فطور آجاتا ہے۔ چال لڑکھڑانے لگتی ہے اور سر میں نہایت سخت درد ہونے لگتا ہے اور بذیان ہو کر مریض پر بے ہوشی طاری ہو جاتی ہے۔نہایت ضعف کی حالت میں حرکت قلب یا تنفس کے بند ہو جانے سے موت کے لاحق ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے۔

لیکن کونین کا استعمال موقوف کرنے کے بعد مذکورہ بالا خطرناک علامات اکثر زائل ہو جاتی ہیں مگر بعض اوقات قوت سماعت اور قوت بصارت میں نقص آ جاتا ہے اور پرانے ملیریائی بخار کے مریضوں میں بعض اوقات زیادہ کونین کے دینے سے خونی پیشاب آنے لگ جاتا ہے جس کو اصطلاح میں کونینی ہیموگلابی نوریا (خونی پیشاب کونینی) کہتے ہیں پس کونین کے استعمال کرنے میں اس کے نقصانات کو بھی مدنظر رکھنا چاہئے، اگرچہ اس میں کوئی شک نہیں کہ ملیریائی بخاروں میں کونین اکسیر کا حکم رکھتی ہے، لیکن پھر بھی اس کو احتیاط سے استعمال کرنا چاہئے اور اگر کسی نازک مزاج مریض یا مریضہ کو واقعی کسی قسم کی بھی کونین کی برداشت نہ ہو، تو پھر مجبوراً اس کو بخار روکنے کے لئے کوئی اور دوا دیں۔

ملیریا بخاروں کے علاج

ملیریائی بخاروں کے علاج ان کی اقسام کے مطابق کیا جاتا ہے۔ اس لئے پہلے ملیریا کے بخاروں کو دو جماعتوں میں منقسم کیا گیا تھا: (۱) نوبتی بخار (۲) لازمی بخار۔

نوبتی بخار کی پھر تین قسمیں مانی جاتی تھیں۔ (الف) روزانہ بخار جس کا دور 24 گھنٹے بعد ہوتا ہے۔ (ب) تجاری بخار جس کا دورہ 48 گھنٹے بعد ہوتا ہے۔ اور (ج) چوتھیا بخار جس کا دورہ 72 گھنٹے کے بعد ہوتا ہے۔ لازمی بخار، جس کا خفیف بخار تو ہر وقت رہتا ہے لیکن وہ دن میں ایک بار یا دو بار تیز ہو جاتا ہے۔

مگر آج کل ان بخاروں کو ملیریا کے اقسام کے لحاظ سے منقسم کیا جاتا ہے چنانچہ یہ بتلایا جا چکا ہے کہ جراثیم ملیریا تین قسم کے ہوتے ہیں۔ لیکن پیدائش اور شکل کے لحاظ سے دو قسم کے ہوتے ہیں، ایک گول کرم ملیریا اور دوسرے ہلالی کرم ملیریا۔ گول کرم ملیریا تو خفیف قسم کا بخار کرتے ہیں۔ چنانچہ تجاری اور چوتھیا بخار اسی قسم کے کرموں سے پیدا ہوتے ہیں۔ لیکن ہلالی کرم ملیریا یا شدید قسم کا ملیریا بخار پیدا کرتے ہیں۔ چنانچہ روزانہ نوبتی اور لازمی ملیریائی بخار ملیریا کی اسی قسم سے پیدا ہوتے ہیں۔ پس بخار خفت اور شدت کے لحاظ سے ملیریائی بخاروں کی دو قسمیں ہیں۔ ایک خفیف ملیریائی بخار جو گول کرم ملیریائی سے پیدا ہوتے ہیں۔ چنانچہ تجاری اور چوتھیا بخار اس قسم کے بخار ہیں۔ دوسرے شدید ملیریائی بخار جو ہلالی قسم ملیریا سے پیدا ہوتے ہیں۔ چنانچہ روزانہ بخار یا جاڑا بخار اور لازمی بخار اس قسم کے بخار ہیں۔

نوٹ: اب نوبتی بخار اور لازمی بخار دو قسم کے جاری ومختلف قسم کے بخار نہیں مانے جاتے۔ بلکہ یہ خیال کیا جاتا ہے کہ اگر بہت زیادہ کرم ایک ہی وقت میں پختہ ہو کر تیار ہو جائیں یعنی اپنی نسلیں بڑھا لیں تو روزانہ نوبتی بخار ہے جس میں ایک باری اترنے نہیں پاتی کہ دوسری آ جاتی ہے اور اگر ان کرموں کی دو نسلیں یکے بعد دیگرے داخل جسم ہو کر پختہ ہو جائیں تو دو نوبتی بخار متواتر ہوں گے یا ایک ہی دن بخار کی دو باریاں آئیں گی۔ پس اس طرح ''ڈبل کوٹڈین'' (دوہرا روزانہ)، ''ڈبل ٹرشین'' (دوہرا تجاری) اور ڈبل کوارٹن (دوہرا چوتھیا) وغیرہ بخار پیدا ہوتے ہیں۔ [مخزن حکمت از ڈاکٹر غلام جیلانی]

ملیریائی بخاروں کے علاج کی دو صورتیں

باوجود کہ یہ امر فرنگی طب اور ماڈرن سائنس کی تحقیقات میں یقین کی حد تک پہنچ گیا ہے کہ کونین اور دیگر جراثیم کش ادویات اس کے لئے یقینی علاج ہیں، تاہم اس کے علاج کی دو صورتیں ہیں اوّل جراثیم کش کا استعمال اور دوسرا اس کی علامات کا علاج۔ جراثیم کش ادویات میں کونین یا دیگر ادویات کو بعض فرنگی ڈاکٹروں میں سے کوئی بخار کی حالت میں دیتے ہیں اور کوئی بخار کے اُتر جانے یا کم ہو جانے

پر استعمال کرتے ہیں، بہر حال ہر ایک کے ذاتی تجربات ہیں۔

دوسری صورت میں ملیریا کے اندر جو علامات پیدا ہوتی ہیں جن میں یقینی علامات میں نوبت آنا، سردی کا لگنا، بدن کا ٹوٹنا، سر کا درد یا بوجھل ہونا، دِل کی بے چینی، جی متلانا، قے کا ہونا، بخار کا ہونا، بخار کا چڑھنا، غشی اور پسینہ کا آنا، اس کے علاوہ ہاتھ پاؤں جلتے ہیں، منہ کا مزا کڑوا، پیاس کی شدت، معدہ کا خراب ہونا، بھوک بند، کبھی اسہال، بدن دکھتا ہے۔ پیشاب بار بار آتا ہے، انتہا یہ کہ منہ، زبان اور چہرے کا رنگ زرد ہو جاتا ہے اور جب یہ مزمن صورت اختیار کر لیتا ہے تو زردی کی بجائے سیاہی نمودار ہو جاتی ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ کونین یا دیگر جراثیم کش ادویات جس قدر بھی چاہے استعمال کرا دی جائیں یہ علامات رفع نہیں ہوتیں اور تو اور نہ تو ان سے قبض رفع ہوتی ہے اور نہ ہی اسہال بند ہوتے ہیں۔ اس لئے جب تک یہ علامات رفع نہ ہوں ملیریائی بخاروں کو آرام نہیں ہوتا۔ بلکہ موت واقع ہو جاتی ہے۔

ملیریا کا علاج خصوصاً اس کا علاماتی علاج ہم یہاں نہیں لکھیں گے۔ کیونکہ اوّل تو اس کا علاج تفصیل کے ساتھ فرنگی ڈاکٹروں اور فرنگی طبیبوں کی کتب میں درج ہے۔ دوسرے ہمارا مقصد صرف ملیریا کی مکمل ماہیت واثرات اور کونین و دیگر جراثیم کش ادویات کی حقیقت پر روشنی ڈالنا ہے۔ تاکہ ہم اس پر صحیح طرح پر تنقید اور تبصرہ کر سکیں۔

چونکہ ہم ملیریا کی اس تحقیق کو غلط سمجھتے ہیں جیسے گزشتہ زمانوں کی تحقیقات کو فرنگی ڈاکٹر غلط سمجھتے ہیں۔ اس لئے اس تحقیقات کے تحت ہم علاج تحریر کرنا درست نہیں سمجھتے۔ جس اہل فن اور صاحب علم کو ملیریا کے علاج بارے ہمارے علاج کے نظریے کو سمجھنا ہو تو وہ ہماری کتاب ''تحقیقات حمیات'' کا مطالعہ کریں جو شائع ہو چکی ہے، وہ جس میں ملیریا کو نظریہ مفرد اعضاء کے تحت بیان کر کے اس کا علاج لکھا گیا ہے۔

ملیریا کے زہر کے فوائد

ملیریا صرف تکلیف دہ اور نقصان رساں ہی نہیں ہے بلکہ اس کے فوائد بھی ہیں۔ جیسے دیگر اقسام کے زہروں کے نقصان اور ضرر کے ساتھ فوائد بھی تسلیم کئے گئے ہیں، جاپان کے ایک ڈاکٹر نے جوڑوں کے دردوں کا کامیاب علاج ملیریا کے بخار سے کر کے نوبل پرائز حاصل کیا ہے۔ اسی طرح ایتھنز (یونان) کے ڈاکٹر تھیوڈر میپپوس نے کہا ہے کہ اگر سرطان کے مریض کو ملیریا سے بیمار کر دیا جائے تو سرطان کا کامیاب علاج ممکن ہے۔ ان کا تجربہ ہے کہ اگر سرطان کے مریض کے جسم میں ملیریا کے مریض کا خون پہنچا دیا جائے تو سرطان والی میلیس مرجاتی ہے۔ اس کی بنیاد ان کا تحقیقی مطالعہ تھا۔ انہوں نے غور کیا کہ یونان کے جن علاقوں میں ملیریا کا قلع قمع ہو چکا ہے وہاں سرطان کے مرض کی کثرت ہوگئی ہے۔

حقیقت ملیریا

ملیریا ایک قسم کا زہر ہے جو مچھر کے ذریعہ جسم انسان میں پیدا ہوتا ہے جس کی مکمل ماہیت، پیدائش، اثرات، اسباب، علامات، حفظ صحت، علاج اور فرنگی طب کے مطابق بیان کر دی ہیں بلکہ اس کے مفید نتائج بھی لکھ دیئے ہیں، تاکہ آئندہ صفحات میں اس پر پورے طور پر نظر و نقد کر سکیں۔

ہم نے ملیریا کی حقیقت لکھنے میں کسی تنگ نظری اور بخل سے کام نہیں لیا۔ تاکہ اہل علم اور صاحب فن خصوصاً فرنگی ڈاکٹر یہ اعتراض نہ کر سکیں کہ ہم نے ملیریا کی حقیقت کو سمجھے بغیر اس پر تنقید و تبصرہ کیا ہے۔

ہم آئندہ صفحات میں یہ ثابت کریں گے کہ ملیریا کوئی بخار نہیں ہے نہ ہی کونین اور دیگر جراثیم کش ملیریا کے زہر کو دور کر سکتی ہیں۔
فرنگی ڈاکٹروں کی تحقیقات جو ملیریا بخار کے متعلق ہیں وہ نہ صرف غلط ہیں بلکہ طبی دُنیا میں گمراہ کن بھی ہیں، ان تحقیقات کی روشنی میں نہ صرف بخاروں کا علاج مشکل ہے بلکہ آئندہ تحقیقات کا دروازہ بند ہو جاتا ہے۔

ایٹمی دور

ملیریائی بخاروں اور اس کی ادویات پر تنقید و تبصرہ اور ہماری تحقیقات کو سمجھنے سے قبل یہ امر ذہن نشین کر لیں کہ آج کل ایٹمی دور ہے۔ جس سے ہر عنصر کا دِل چیر دیا گیا ہے اور وہ عنصر ان معنوں میں عنصر نہیں رہا۔ کیونکہ ہر عنصر تجزیہ کے بعد کچھ شکل اختیار کر گیا ہے اور اس کے متعلق فرنگی طب کے جو عقائد تھے وہ ختم ہو چکے ہیں۔ فرنگی کی موجودہ طب کم از کم سو سال پرانی ہے۔ اب یہ ایٹمی دور کا ساتھ نہیں دے سکتی۔ وہ خود پریشان ہے، وہ اس کو فوراً بدل دینا چاہتا ہے۔ وہ جراثیم کی جگہ فوراً ریڈیائی، مختلف شعاؤں کے افعال اور ایٹمی اثرات کو لانا چاہتا ہے۔

فرنگی ڈاکٹروں اور محققوں کو یقین ہو گیا ہے کہ ان کے پاس ٹی بی، کینسر اور دیگر خوفناک امراض کا علاج بالکل نہیں ہے، خصوصاً جراثیم کش ادویات کے ماتحت اب بالکل وہ ان امراض پر قابو نہیں پا سکتے، کیونکہ گزشتہ سو سال میں وہ ان پر بے شمار تجربات کر چکے ہیں۔ تنگ آ کر اب کچھ عرصہ سے ریڈیم اور دیگر اقسام کی شعاعوں کی طرف رجوع کیا ہے۔ انہیں جب سے ایٹمی توانائی کا علم ہوا ہے، اس طرف دھیان و توجہ اور امیدیں لگا کر بیٹھے ہوئے ہیں کہ جب بھی ایٹمی توانائی پر قابو پا لیا گیا ان امراض سے چھٹکارہ نصیب ہو جائے گا۔ اس سلسلہ میں کچھ نہ کچھ تجربات بھی کئے جا رہے ہیں۔ کسی حد تک کامیابی بھی ہوئی ہے اگر چہ یہ کامیابی ایک موہوم کامیابی ہے۔ بالکل ایسے جس طرح جراثیم کش ادویات سے بعض امراض میں عارضی طور پر حاصل ہو جاتی ہے۔ کیونکہ امراض پر مکمل فتح کی کامیابی اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتی جب تک عناصر کی شعاعوں کی طرح جسم انسان کا بھی بنیادی تجزیہ نہ کیا جائے تا کہ ہم ان بنیادوں کو ضرورت کے مطابق بدل سکیں۔

کہا جا سکتا ہے کہ فرنگی طب اور ماڈرن سائنس نے جسم انسان کا اس کے ابتدائی خلیہ (سیل) تک تجزیہ کر لیا ہے جن سے امراض کا سمجھنا آسان ہو گیا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ تا حال فرنگی ڈاکٹر مرکب اعضاء سے علاج کرتی ہے۔ ان کا طریق علاج خلیاتی نظریہ (سیل تھیوری) پر منطبق نہیں ہوا۔ اور ان کو اس پر ترتیب دیا گیا ہے۔ دوسرے خلیاتی علاج (سیلز ٹریٹمنٹ) بھی مرکب اعضاء کا علاج ہے۔ اور خلیہ بھی جسم کی بنیاد نہیں ہے بلکہ فرسٹ یونٹ ہے کیونکہ اس میں زندگی کے ساتھ تسنیم وتصفیہ اور تغذیہ بلکہ احساس کی قوت بھی ہے اس لئے جب خلیہ کے ان قوئی پر قابو نہیں پایا جائے گا اور یہ قابو اس وقت تک پایا نہیں جا سکتا جب تک مفرد اعضاء کے افعال اور ان کے تعلقات کو پورے طور پر ذہن نشین نہیں کیا جائے گا۔ ہم ملیریائی بخاروں پر انہی نظریات اور قوانین کے تحت روشنی ڈال کر ثابت کریں گے کہ ملیریا کوئی بخار نہیں ہے۔

ملیریا کوئی بخار نہیں ہے...

نوٹ: ہم نے ملیریا کی حقیقت کو مکمل طور پر بے حد خوبصورتی کے ساتھ بیان کیا ہے۔ اب ہم اپنی غیر معمولی تحقیقات سے ثابت کرنا چاہتے ہیں، سو فرنگی ڈاکٹروں، فرنگی حکیموں، اہل فن اور صاحب علم کا فرض ہے کہ وہ پوری توجہ کے ساتھ اس تحقیقات کو سمجھیں اور غور کریں تاکہ وہ خود بھی مستفید ہوں اور مخلوق خدا کو بھی فائدہ پہنچائیں۔ جن کی خدمت کرنا وہ اپنی زندگی کا مقصد بنا چکے ہیں۔

ملیریا بخار کی افہام و تفہیم

ملیریائی بخاروں کو ذہن نشین کرانے کے لئے ہم تین امور پر بحث کریں گے:

اوّل: بخار کی حقیقت کیا ہے، خصوصاً ملیریا بخار کی صورت کیا ہے؟

دوم: ملیریا جو کچھ بھی اس کو فرنگی ڈاکٹر اور ماڈرن سائنس سمجھتی ہے اس کا بدن انسان سے کیا تعلق ہے؟

سوئم: کیا جراثیم ملیریا پیدا کر سکتے ہیں؟ اگر جراثیم ملیریا بخار پیدا نہیں کر سکتے تو ملیریا بخار کی حیثیت کیا ہے؟

اوّل- بخار کی تعریف

بخار کو عربی میں حُمّی جمع حمیات، فارسی میں تپ اور انگریزی میں فیور (Fever) کہتے ہیں، یہ ایک قسم کی عارضی اور غیر معمولی حرارت ہے۔ خون کے ذریعے قلب سے شرائین و عروق اور خون و روح کے توسط سے تمام بدن میں پھیل جاتی ہے۔ جس کے مشتعل ہونے سے افعال بدن میں تحلیل اور ضعف ہوتا ہے اور ان کے طبعی افعال میں خلل واقع ہوتا ہے۔ غصہ و لذت، گرم اغذیہ و اشیاء اور ورزش اور تکان سے بھی حرارت بڑھ جاتی ہے۔ لیکن اس قسم کی پیدائش حرارت کو بخار میں شریک نہیں کرتے۔ اگرچہ ظاہر میں اس قسم کی پیدا شدہ حرارت بھی عارضی اور غیر معمولی ہوتی ہے۔ لیکن یہ حرارت غیر از جسم نہیں ہوتی، بلکہ حرارت اصلیہ ہوتی ہے، جو خاص وجوہات سے جسم کے کسی حصہ میں اکٹھی ہو جاتی ہے۔ جس کو اخراج کی خاطر طبیعت مدبرہ بدن قلب کے ذریعے جسم میں بخار کی صورت میں پھیلا دیتی ہے اور وہ سبب رفع ہو جانے کے بعد فوراً رفع ہو جاتی ہے۔

شیخ الرئیس بوعلی سینا اپنی کتاب ''القانون'' میں لکھتے ہیں کہ بخار ایک عارضی حرارت کا نام ہے جو پہلے قلب میں بھڑکتی ہے، اور قلب سے روح و خون اور شرائین کے ذریعے تمام بدن میں پھیل جاتی ہے۔ جس سے یہ حرارت تمام بدن میں اس طرح بھڑک اٹھتی ہے کہ بدن میں ضرر پیدا ہو جاتا ہے۔ غصہ اور تکان کی حرارت اس درجہ تک نہ پہنچی ہو کہ طبعی افعال میں آفت پیدا کر دے۔

شیخ الرئیس کے اس قول پر کہ 'بخار ایک عارضی حرارت ہے' صاحب ''شرح اسباب'' علامہ نفیسی تشریح کرتے ہیں کہ ''یہ حرارت عارضی اس لحاظ سے ہے کہ نہ یہ بدن کے بنانے میں داخل ہے اور نہ یہ بدنی ماہیت کا کوئی جز ہے۔ بلکہ یہ بدن میں فضلات اور مواد کے اکٹھا

ہونے کے وقت پیدا ہوتی ہے۔ کیونکہ فضلات جب اکٹھے ہو جاتے ہیں تو ان میں نظریاتی طور پر حرارت پیدا ہو جاتی ہے۔ جس کے اشتیاق سے فضلات متعفن اور گندے ہو جاتے ہیں۔ اس پر دلیل یہ ہے کہ ہم بیرونی فضلات میں اس طرح دیکھتے ہیں۔

بخار کو عارضی حرارت کہنے سے بدن کی اصلی حرارت اس سے الگ ہو جاتی ہے۔ کیونکہ اصل حرارت بدن کے بنانے میں داخل ہے، جو بدن کا ایک حصہ اور اس کا ایک جزو ہے۔ کیونکہ جب تک بدن قائم ہے یہ حرارت بھی بدن کے اندر رہتی ہے۔ یہ حرارت انسانی بدن سے بحالت صحت اور مرنے کے بعد بھی جب تک بدن قائم رہتا ہے، الگ نہیں ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ برف کے اندر دبانے کے بعد بھی بدن انسان سیاہ اور متعفن ہو جاتا ہے'' ۔ مقصد یہ ہوا کہ ''بخار ایک حرارت غریبہ ہے جو بدن میں فضلات اور مواد کے اجتماع اور تعفن سے پیدا ہوتی ہے'' ۔ علامہ قطب الدین شیرازی بھی شیخ الرئیس کے اس قول کی تائید کرتے ہیں کہ حرارت بخار کسی صورت میں تعفن کی وجہ سے ایک جدا قسم کی حرارت پیدا ہو جاتی ہے۔

ماہیت بخار

بخار کی ماہیت کو صحیح طور پر ذہن نشین کرنے کے لئے اوّل ضروری ہے کہ اصلی حرارت اور عارضی حرارت کی حقیقت ضرور معلوم کر لی جائے اور دونوں کے فرق کو سمجھ لینا چاہئے۔ کیونکہ یہ بھی ایک ایسا مسئلہ ہے جو طب قدیم کے زمانے سے لے کر اس وقت تک نہیں سمجھا گیا۔ اسلامی طب کے زمانے میں اس مسئلہ کو بہت حد تک سلجھانے کی کوشش کی ہے۔ مگر حقیقت پر پورے طور پر پردہ اُٹھ نہ سکا۔ لیکن فرنگی طب نے باوجود اس کے کہ حرارت کی اصلیت اور اس کے افعال پر بہت بحث کی ہے، بلکہ بال کی کھال اُتاری ہے، اور اس پر بے شمار طویل کتب لکھی ہیں۔ مگر جہاں تک بخار کی حرارت کا تعلق ہے، اس مسئلہ کو الجھا کر رکھ دیا ہے، اس لئے بخار کی حقیقت اور اس کا صحیح علاج ابھی تک پردہ راز میں ہے۔

حیرت کی بات ہے کہ فرنگی طب جو اپنی ماڈرن سائنس پر ناز کرتی ہے، ایک طرف تو بخار کو حرارت جسم کا حد اعتدال سے زائد ہونا تسلیم کرتی ہے، اور اس کے پیمانے کے مطابق اس کا حد اعتدال (98.4 درجہ فارن ہائیٹ) ہے۔ جس کی وجہ نظام جسم کا بگڑ جانا بتلاتی ہے اور دوسرے جراثیم کے زہروں کو بخاروں کی پیداوار بتلاتی ہے۔ گویا مشینی (مکینیکلی) اور کیمیاوی (کیمیکلی) طور پر دونوں صورتوں میں تسلیم کرتی ہے۔ مگر جہاں تک علاج کا تعلق ہے وہ نہ صرف نام ہے بلکہ بخاروں کی حقیقت سے بالکل لاعلم ہے۔

حرارت کیا ہے؟

حکماء متقدمین نے حرارت آگ کو ایک عنصر یا ارکانِ اربعہ کا جزو مانا ہے۔ اور ارکان کی تعریف یوں کی ہے ''وہ اجسام بسیط اور بدن انسان وغیرہ کے لئے اجزاء اوّلیہ ہیں جن کی دیگر اجسام مختلف الصورت اور طبائع میں تقسیم ہونا ناممکن ہے''۔ اس کی کیفیت حرارت کو چھو کر معلوم کی جا سکتی ہے اور حرارت کے کچھ افعال یہ ہیں کہ وہ رطوبات کو بخار بنا کر اڑا دیتی ہے اور اجزاء ارضیہ کو خشک کر کے چھوڑ دیتی ہے۔ لیکن جو اشیاء اور مادے قابل جلنے کے ہیں، ان کو جلا دیتی ہے۔ جو مادے نہ پورے طور پر بخارات بنتے ہیں اور نہ جلد خشک ہوتے ہیں اور نہ جل اٹھتے ہیں، وہ اس سے متعفن ہوتے ہیں اور سڑنے لگ جاتے ہیں۔ بہر حال حرارت سرگرم عمل رہتی ہے۔

متقدمین میں حکماء نے حرارت کو مادی جسم قرار دیا ہے۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ جب کوئی چیز گرم ہو جاتی ہے تو مادی حرارت اس کے اندر گھس جاتی ہے۔ اٹھارویں صدی تک یہی خیالات حکماء فرنگ میں رائج رہے، لیکن اس کے بعد ان خیالات نے ایک اور صورت

اختیار کرلی، یعنی نئے تجربات کئے گئے، جن میں ثابت کیا گیا کہ جب کوئی چیز گرم کی جاتی ہے یا جلائی جاتی ہے تو اس میں جلانے والی چیز خارج سے اندر داخل ہو جاتی ہے۔ اس چیز کا نام فلوجسٹین رکھا گیا۔

اس کے ثبوت میں جلی ہوئی شے کی راکھ، بخارات وغیرہ کا مجموعہ وزن پیش کیا گیا۔ جو اصل سے زیادہ پایا گیا، زیادتی کو حرارت کا وزن خیال کیا گیا، اس کے بعد اس خیال کی یوں تشریح کی گئی کہ اشیاء کا وزن جو جلنے کے بعد بڑھ جاتا ہے، وہ آکسیجن کا ہوتا ہے نہ کہ حرارت کا۔ اور یہ بھی تسلیم کیا گیا کہ اگرچہ کسی چیز کے ساتھ آکسیجن کا وزن ملنے کے بغیر حرارت پیدا نہیں ہو سکتی مگر آکسیجن اور حرارت کو جدا جدا شے سمجھا گیا ہے۔

عنصری حرارت کے علاوہ حرکت اور ٹکراؤ سے بھی حرارت پیدا ہوتی ہے۔ اسی لئے حکماء متاخرین نے حرارت کو دیگر قوی کی طرح از قسم حرکت تسلیم کیا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ حرارت سے تحریک پیدا ہو کر حرکت پیدا ہوتی ہے بجلی اس کا زندہ ثبوت ہے۔ اسی طرح جب دو اقسام آپس میں رگڑ کھاتے ہیں تو گرم ہو جاتے ہیں اور ان میں حرارت پیدا ہو جاتی ہے۔ ابتداء میں انسان نے آگ اس طرح پیدا کی تھی۔

حرارت کے ان حقائق کو سمجھنے کے بعد اب جاننا چاہئے کہ جسم انسان میں اصلی حرارت کیا ہے اور عارضی حرارت کس کو کہتے ہیں۔ جس سے جسم میں بخار پیدا ہوتا ہے۔ اس میں قابل غور بات یہ ہے کہ جہاں تک حرارت کی گرمی کا تعلق ہے شاید اس میں کوئی فرق نہ کیا جا سکے، البتہ جہاں تک حرارت میں تبدیلیوں کا تعق ہے ان سے بہت سے حقائق سامنے آجاتے ہیں۔ جس سے انسان حقیقت کے قریب پہنچ جاتا ہے۔

اصلی حرارت اور عارضی حرارت

اصلی حرارت جو عنصری حرارت ہے اس کو حرارت غریزہ کہہ سکتے ہیں، کیونکہ وہ اس کے اندر عنصری حرارت کا مناسب جزو ہوتا ہے جس کے متعلق حکماء کا خیال ہے کہ وہ ایک گرم تر لطیف جوہر ہے۔ جس کا کام جلانا، سڑانا اور خشک وخراب کرنا نہیں ہے بلکہ تمام طبعی کاموں میں مدد کرنا ہے۔ جب نطفہ میں جان ڈالی جاتی ہے، اسی وقت یہ جوہر قدرت کی طرف سے نطفہ میں عطا ہوتا ہے جو تا زیست قائم رہتا ہے اور جب جان نکلتی ہے تو یہ جوہر الگ ہو جاتا ہے۔ یہی جوہر بدن میں ہر وقت حرارت پھیلاتا رہتا ہے۔ اور قلب وشرائین کے ذریعے تمام بدن میں پھیلاتا ہے۔ مگر متاخرین کا خیال ہے کہ بدنی حرارت کا دارومدار غذا اور تنفس پر ہے۔ غذا کا کچھ حصہ ایندھن کے طور پر جل کر حرارت پیدا کرتا ہے۔ جو خون کے ذریعے تمام بدن میں پھیل جاتی ہے۔ [مزید معلومات کے لئے ''تحقیقات اعادہ شباب'' کا مطالعہ کریں]

حرارت عارضی کو حرارت غریبہ بھی کہتے ہیں، بدن کی عارضی گرمی سے مراد وہ گرمی ہے جو عارضی طور پر فضلات اور مواد کے تعفن سے پیدا ہوتی ہے یا حرکت ودھوپ اور غذاؤں اور دواؤں سے پیدا ہوتی ہے۔ جس کی زیادتی سے بدن میں جلن وخشکی اور تعفن اور ضرر پیدا ہوتا ہے۔

حرارت غریزیہ اور حرارت غریبہ کا فرق

حرارت غریزیہ کو بخارات اور حرارت غریبہ کو دخان سے تشبیہ دی جا سکتی ہے۔ حرارت غریزہ کا مزاج گرم تر اور اس کے مقابلے میں حرارت غریبہ کا مزاج گرم خشک ہے۔ اگر اوّل الذکر کی کیمیاوی ترکیب میں کھاری پن (الکلی) زیادہ ہے تو ثانی الذکر کی کیمیاوی ترکیب میں تیزابیت (ایسڈیٹی) زیادہ پائی جاتی ہے۔ اگر یہ باعث سوزش ہے تو اوّل الذکر دافع سوزش ہے۔ اگر جسم انسانی قلب کو

حرارت کا مسکن اور منبع قرار دیا جائے تو تسلیم کرنا پڑے گا کہ قلب کے دائیں اذن اور بطن میں حرارت غریبہ قائم ہے جہاں سے شش کے ذریعے تبرید اور تسکین ہوتی رہتی ہے۔ گویا صفائی یا حرارت غریزیہ میں تبدیلی کے لئے پھیپھڑوں میں چلی جاتی ہے اور تبدیلی کے بعد اپنے مقام بائیں قلب میں پہنچ جاتی ہے انتہائی آسانی سے سمجھانے کے لئے اس طرح بھی کہا جاسکتا ہے کہ حرارت غریزیہ وہ حرارت ہے جو دخان کے ساتھ قائم رہتی ہے اس کے ثبوت میں ابن ابی صادق کی حقیقت پیش کی جاسکتی ہے جو اس نے ''شرح مسائل'' میں بخار (حرارت غریبہ) کے متعلق مختصر الفاظ میں نہایت جامعیت کے ساتھ کردی ہے۔ ''الحمی حرارۃ ناریہ'' (بخار حرارت ناریہ) گویا حرارت اور نار میں جو فرق ہے وہی غریزیہ اور حرارت غریبہ میں پایا جاتا ہے۔ یعنی ابخرات میں مائیت کے ساتھ لازمی مادے نہیں ہوتے یا نہ ہونے کے برابر ہوتے ہیں۔ پس یہی حرارت اصلیہ کا نمونہ ہے اور دخان کے ساتھ ارضی مادے پائے جاتے ہیں، جن کو جلاتی ہے، گویا دخان نار کی دلیل ہے۔ ابخرات میں نور اور انبساط ہے، اور یہی صفت حرارت غریزیہ میں پائی جاتی ہے۔ دخان میں ظلمت اور انقباض ہے یہی اثر حرارت غریبہ میں پایا جاتا ہے۔

حرارت غریبہ کے متعلق حکماء کا اکثر اختلاف رہا ہے۔ ایک گروہ اس کو خارجی حرارت سمجھتا ہے دوسرے گروہ کا خیال ہے کہ جب بدن انسان میں غیر طبعی حرارت پیدا ہو جاتی ہے تو اس کو حرارت غریبہ کہتے ہیں۔ جمہور اطباء اس کو حرارت اسطقیہ کی ایک قسم خیال کرتے ہیں۔ جس کے متعلق ان کا کہنا ہے کہ جب تک حرارت اسطقہ حد اعتدال تک رہتی ہے اور اس کے افعال میں ضرر واقع نہیں ہوتا، اس وقت تک اس کو حرارت غریزیہ کہتے ہیں، لیکن جب عنصری حرارت درجہ اعتدال سے تجاوز کر جاتی ہے جس سے افعال اعضاء میں خلل واقع ہوتا ہے تو اس کا نام حرارت غریبہ ہو جاتا ہے۔ حرارت غریبہ کی پیدائش اس وقت بڑھ جاتی ہے۔ جب حرارت غریزیہ کی پیدائش کم ہو یا اس میں تبرید اور تسکین کی صورت کم ہو جاتی ہے۔ اگر متقدمین اور متاخرین حکماء کے خیالات پر غور کیا جائے تو ان کے خیالات میں کچھ زیادہ فرق نہیں پایا جاتا۔ اگر ان پر غور کیا جائے تو بہت سے حقائق سامنے آجاتے ہیں۔

حرارت غریبہ کی پیدائش

حرارت کے ان حقائق اور اثرات سے پتہ چلتا ہے کہ حرارت مستقل ایک رکن ہے مگر وہ تنہا نہیں پایا جاتا، کبھی ہوا کی زیادتی کے ساتھ ملا ہوتا ہے، کبھی پانی کی زیادتی سے ترتیب پالیتا ہے اور کبھی ارضی مادوں کی زیادتی کے ساتھ پایا جاتا ہے۔ اور اس کی ادنیٰ صورت یہی ہے کہ جب وہ ارضی مادوں کے ساتھ پایا جاتا ہے حقیقت بھی یہ ہے کہ جب حرارت ہوا سے ملتی ہے تو اس میں روح کے خواص پیدا ہو جاتے ہیں اور جب وہ پانی کی زیادتی کے ساتھ ملتی ہے تو اس میں حرارت غریزیہ کے اوصاف پیدا ہو جاتے ہیں اور جب وہ ارضی مادوں سے ملتی ہے تو حرارت غریبہ کی شکل اختیار کر لیتی ہے، اکثر ایسا ہوتا ہے کہ جب حرارت کی زیادتی سے ہوا میں اشتعال یا پانی میں احتراق پیدا ہو جاتا ہے تو وہ بھی حرارت غریبہ کی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ اسی طرح حرارت غریبہ کی پیدائش جاری رہتی ہے۔

حرارت غریبہ کی حقیقت

حرارت غریبہ یا حرارت عارضی جو جسم انسانی میں پائی جاتی ہے اس کے مندرجہ بالا اوصاف حقائق پر غور کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ ماڈرن سائنس جس عنصر کو کاربن کہتی ہے اس کے خواص سے ملتی جلتی ہے۔ جو کاربن ڈائی آکسائیڈ اور کاربانک ایسڈ کی صورت میں پایا جاتا ہے۔ اوّل صورت میں اس کے اندر ہوائی اثرات زیادہ ہوتے ہیں۔ اور دوسری صورت میں اس کے ساتھ ارضی مادے زیادہ پائے جاتے ہیں یہ بات ہم لکھ چکے ہیں کہ حرارت تنہا کبھی نہیں اور کہیں نہیں پائی جاتی ہے، وہ ہمیشہ دیگر عناصر کے ساتھ اپنے مظاہر کا اظہار کرتی

ہے۔ گویا کاربن بھی اس کا ایک مظاہر ہے۔

کاربن کے کیمیاوی خواص

کاربن ڈائی آکسائیڈ نہ خود جلتی ہے اور نہ معمولی جلنے والی اشیاء جلا سکتی ہے۔ یہ گیس حیوانات کے لئے مد حیات بھی نہیں ہے۔ جب جلتی ہوئی موم بتی کسی ٹیوب میں داخل کی جاتی ہے تو وہ بجھ جاتی ہے۔ یہ گیس زہریلی تو نہیں ہے، البتہ اس سے دم گھٹ/موت واقع ہو جاتی ہے۔ روٹی کا خمیر ہونا بھی اسی گیس سے عمل میں آتا ہے۔

کاربن کا جسم انسان پر اثر

جب ہم سانس لیتے ہیں تو ہوا کی آکسیجن پھیپھڑوں سے خون میں جذب ہو کر قلب میں پہنچتی ہے، جہاں سے وہ شرائین کے ذریعے تمام جسم میں پھیل جاتی ہے۔ اس آکسیجن کا کچھ حصہ ہمارے جسم کے کاربن سے مل کر کاربن ڈائی آکسائیڈ بنا دیتا ہے۔ جو خون میں جذب ہو کر بذریعہ اوردہ قلب پھیپھڑوں میں پہنچتا ہے۔ جہاں سے وہ سانس چھوڑنے پر باہر خارج ہو جاتا ہے۔ اس لئے جو ہوا ہم منہ سے خارج کرتے ہیں اس میں کاربن ڈائی آکسائیڈ کی مقدار بہت زیادہ ہوتی ہے۔

جس مقدار میں کاربن ڈائی آکسائیڈ فعل تنفس سے پیدا ہو کر کرۂ ہوائی میں شامل ہوتی ہے اگر اس قدر گیس ہوا میں برقرار رہے تو بہت جلد ہوا میں اس کا تناسب اس قدر زیادہ ہو جائے کہ کسی شخص کا زندہ رہنا ممکن نہ رہے۔

کاربن سے خون میں سیاہی اور ترشی بڑھ جاتی ہے اور اعضاء میں سوزش اور انقباض پیدا کر دیتی ہے جس کے نتیجہ میں آکسیجن کم جذب ہوتی ہے۔ ساتھ ہی ساتھ حرارت اور خون کا دباؤ بڑھ جاتا ہے اور خاص بات یہ ہے کہ جسم میں کہیں بھی فضلہ اور مواد رُکا ہو تو اس میں خمیر پیدا کر کے اس کو متعفن کر دیتی ہے، جس کے نتیجہ میں عارضی حرارت یا حرارت غریبہ اور بھی بڑھ جاتی ہے جس کو ہم ''بخار'' کہتے ہیں۔

عمل تبخیر

بخار کو سمجھنے کے لئے عمل تبخیر کا جاننا نہایت اہم ہے۔ کیونکہ اس کے بغیر تعفن اور فساد پیدا ہی نہیں ہو سکتا۔ یہی عارضی حرارت اور بخار کا دار ہے۔ جس کی طرف غور نہیں کیا گیا۔ فرنگی ڈاکٹر دیگر صورتوں میں پھنس کر رہ گیا ہے۔ تخمیر (فرمن ٹیشن) خمیر اٹھانا ایک کیمیاوی فعل ہے جو اکثر عضوی اشیاء میں عام طور پر جراثیم کے ذریعے ظہور میں آتا ہے۔ کسی چیز میں خمیر اٹھانے کے لئے جو چیز ملائی جاتی ہے اس کو بھی خمیر کہتے ہیں۔ خمیر حقیقت میں جراثیم ہوتے ہیں جن میں خمیر اٹھانے کی قوت ہوتی ہے۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ خمیر ملائے بغیر عمل تبخیر ہونے لگتا ہے اس کی یا تو یہ صورت ہوتی ہے کہ جراثیم ہوا میں اسی چیز کے اندر گر پڑتے ہیں یا اس چیز میں پہلے خمیر ہوتا ہے۔ جیسے انگور کے رس میں خمیر ہوتا ہے، اس لئے انگوری شراب بنانے میں مزید خمیر ملانے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ جب کسی شے میں عمل تبخیر شروع ہوتا ہے، تو وہ چیز گرم ہو جاتی ہے۔ اور اس میں گرم ابخرے اٹھنے لگتے ہیں۔ عمل تبخیر کے مختلف اقسام ہیں۔ سب سے زیادہ عام قسم وہ ہے جس میں الکوحل اور کاربن ڈائی آکسائیڈ پیدا ہوتے ہیں۔ دوسری قسم وہ ہے جس سے بعض خمیرات کے عمل سے تیزابات بنتے ہیں۔ یاد رہے کہ تمام تیزابات ترشے ہوتے ہیں اور ان میں کوئی جراثیم زندہ نہیں رہ سکتا، مگر وہ خمیر ضرور پیدا کرتے ہیں۔

کاربن اور حرارت غریبہ

کاربن کے خواص واثرات اور مظاہر کو سمجھ لینے کے بعد جب حرارت غریبہ کے اوصاف پر نگاہ کی جاتی ہے، تو ظاہرہ صرف یہ پتہ

چلتا ہے کہ ایک ایسی حرارت ہے جو تعفن سے پیدا ہوتی ہے جس سے بدن انسان کو ضرر پہنچتا ہے، لیکن اگر غور و فکر کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ تعفن کبھی بھی بغیر خمیر کے پیدا نہیں ہوتا اور ہر خمیر اپنے اندر ترشی و انقباض اور دیگر وہ تمام خواص رکھتا ہے جو کاربن اور اس کے مختلف مظاہر میں شامل پائے جاتے ہیں۔ گویا حرارت غریبہ بھی کاربن کی طرح ایک قسم کا خمیر ہے۔

جہاں تک حرارت غریبہ کے افعال اور اثرات کا تعلق ہے۔ اس کے مضر اثرات جسم انسان پر عمومی بخار کی صورت میں اور خصوصی بخاروں کی صورت میں واضح ہیں یعنی عمومی بخار کی صورت میں مثلاً خون میں جوش اور دباؤ کا بڑھ جانا، جسم میں کسی مقام پر سوزش اور تعفن کا پیدا ہو جانا، جسم میں ترشی زیادہ بڑھ جاتی ہے جس کا ثبوت پیشاب میں نمایاں ہوتا ہے۔ جہاں تک دیگر بخاروں کا تعلق ہے، جسم میں تعفن بڑھ جاتا ہے۔ جس کا اخراج پیشاب و پاخانہ اور تنفس و پسینہ سے ہوتا ہے۔ مختلف بخاروں میں مختلف مقامات پر درد، سوزش اور ورم کی صورتیں نظر آتی ہیں، سانس کی تنگی خاص طور پر قابل غور ہے۔ ان حقائق سے پتہ چلتا ہے کہ کاربن اور حرارت غریبہ میں بہت کچھ مشابہت ہے۔

حرارت غریزیہ اور حرارت غریبہ کا تعلق

بعض حکماء متاخرین نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ حرارت غریزیہ یعنی اصل اور عناصری حرارت میں جب شدت پیدا ہوتی ہے تو وہ حرارت غریبہ اور عارضی حرارت بن جاتی ہے۔ فرنگی طب کی تحقیق اور کاربن کے مظاہرے سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے۔ لیکن درحقیقت حرارت غریزیہ کے متعلق یہ بہت بڑا دھوکا ہے، یہ حرارت غریبہ بلکہ حرارت اصلیہ سے بھی ایک جدا شے ہے جس کا سمجھنا نہ صرف ضروری ہے بلکہ بہت ضروری ہے۔ لیکن حرارت اصلیہ یا حرارت عنصری مفرد شے ہے اور حرارت غریزیہ ایک خاص حرارت کا مرکب ہے، جس کی تفصیل درج ذیل ہے۔

حرارت کی حقیقت

حرارت ایک عنصری جسم (قوت) ہے۔ جو دیگر عناصر کے ساتھ پایا جاتا ہے۔ جاننا چاہئے کہ تمام جسم کی پیدائش قویٰ سے ہے اور قویٰ کے تمام اقسام ارواح سے پیدا ہوتے ہیں۔ جہاں تک حرارت کا تعلق ہے یہ ہر ذی حیات اور غیر ذی حیات میں بصورت ارکان اس کے تناسب کے مطابق پائی جاتی ہے۔ جہاں تک اس کی عنصری حالت کا تعلق ہے، اس میں نہ تبدیلی اور نہ تقسیم ہو سکتی البتہ وہ کم و بیش ضرور ہو سکتی ہے۔ یہ کمی بیشی بھی اصلی عنصری حرارت سے ہوتی ہے۔ اصلی حرارت سے مراد صرف یہ ہے کہ عنصری حرارت کی صرف ایک قسم ہے جو جلاتی ہے، اس لئے اس حرارت کو حرارتِ اسطقیہ بھی کہتے ہیں۔

حرارت عنصری یا اصلی حرارت ہر ذی حیات اور غیر ذی حیات اور فضا میں دیگر عناصر کے ساتھ مل کر ایک مزاج رکھتی ہے۔ جب ان کے امزجہ میں کمی بیشی واقع ہوتی ہے تو عناصر کی کمی بیشی کا ارکان کے خواص سے پتہ چلتا ہے، حرارت کی زیادتی سے تحلیل پیدا ہو جاتی ہے، اس شے میں تحلیل واقع ہوتی ہے، یا جل اٹھتی ہے۔

جب یہ حرارت نطفہ کی صورت میں منتقل ہوتی ہے تو اس کو حرارت غریزی کہتے ہیں۔ جس کے اثر سے انسان اپنی طبعی عمر کو پہنچتا ہے۔ اکثر حکماء کا اتفاق ہے کہ اس کا بدل ما یتحلل نہیں ہوتا۔ اور اس میں اس قدر (ایٹمی) قوت ہوتی ہے کہ سالہا سال تک اسی سے زندگی قائم رہ سکے۔ لیکن بعض حکماء کا خیال ہے کہ غذا چونکہ عناصر سے ترکیب پاتی ہے، اس لئے غذا کی عنصری قوت خون کے توسط سے حرارت

غریزیہ کا بدل ما یتحلل پیدا ہوتا رہتا ہے، دونوں صورتوں میں ظاہر میں بڑا فرق معلوم ہوتا ہے۔ لیکن حقیقت میں کوئی فرق نہیں ہے۔ کیونکہ اگر حرارت غریزی بدل ما یتحلل پر قائم ہے تو پھر بھی اس وقت تک اصلی عنصری حرارت میں جذب نہیں ہوسکتی، جب تک حرارت غریزیہ قائم نہ ہو اور جب وہ ختم ہو جاتی ہے یا اس کا شعلہ بجھ جاتا ہے تو موت واقع ہو جاتی ہے۔

ان امور سے ثابت ہوا کہ حرارت غریزی بھی اصلی عنصری حرارت کی طرح ایک مزاج رکھتی ہے اور وہ اس پر قائم رہتی ہے۔ اس میں کمی بیشی تو ہوسکتی ہے لیکن وہ بدل نہیں سکتی۔ اس لئے حرارت عزیزیہ کا حرارت غریبہ میں بدل جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ حرارت غریبہ ایک جدا شے ہے اور وہ جدا طریقہ سے پیدا ہوتی ہے، دونوں کے اوصاف وخواص اور اثرات وافعال میں بہت زیادہ فرق ہے۔

فرنگی طب کی غلط فہمی

فرنگی طب میں حرارت عنصریہ، اصلیہ، حرارت غریزیہ اور حرارت غریبہ کا کوئی تصور نہیں ہے۔ ان کے ہاں آکسیجن، کاربن، ہائیڈروجن اور نائٹروجن وغیرہ کو عناصر کی صورت حاصل ہے، جو مفرد اور مرکب دونوں صورتوں میں پائے جاتے ہیں۔ طب قدیم کے قانون کے مطابق ان کی مفرد صورتیں بھی مرکب ہیں، کیونکہ ان کی تقسیم ہوسکتی ہے۔ ان کے تمام عناصروں کو اب ماڈرن سائنس نے ایٹم کی تقسیم کے بعد الیکٹرون، نائٹرون اور پروٹون سے مرکب تسلیم کرلیا ہے۔ جس سے کم از کم یہ ثابت ہوگیا ہے کہ جلانے کا کام صرف آکسیجن کا نہیں ہے۔ ماڈرن سائنس میں یہ امر تسلیم شدہ ہے کہ آکسیجن خود نہیں جلتی بلکہ دیگر عناصر کو جلاتی ہے۔ ہائیڈروجن خود جلتی ہے مگر کسی کو جلا نہیں سکتی۔ کاربن نہ خود جلتی ہے اور نہ جلاتی ہے۔ بلکہ خود دیگر عناصر سے مل کر جلتی ہے اور نائٹروجن نہ جلتی ہے اور نہ جلاتی ہے بلکہ آگ بجھا دیتی ہے۔

اگر ہم آکسیجن کو عنصری واصلی حرارت کا طیف، کاربن کو دخان کا طیف، ہائیڈروجن کو پانی کا طیف اور نائٹروجن کو ارضی طیف سمجھ لیں اور ان کے مرکبات پر غور کریں تو اسی قسم کے نتائج سامنے آسکتے ہیں کہ جب آکسیجن وہائیڈروجن اور دیگر ہوائی عناصر (جن کو سات شمار کیا گیا ہے) میں غالب ہو تو اس میں حرارت غریزیہ کے اوصاف پائے جاتے ہیں۔ جب کاربن اور آکسیجن کا غلبہ ہو تو جسم میں حرارت غریبہ کے اثرات وافعال اور خواص پائے جائیں گے۔ ان حقائق سے ثابت ہوا کہ فرنگی طب نہ صرف حرارت عزیزیہ اور حرارت غریبہ سے بے خبر ہے بلکہ گیسوں کے امتزاج اور مرکباتی خواص بلکہ مزاج کی حقیقت سے بھی ناواقف ہے۔ جو ہزاروں سال پہلے طب یونانی میں بیان کردیئے گئے۔ جن کی معرفت سے نہ صرف امراض کا صحیح تصور ذہن میں پیدا ہوتا ہے، بلکہ علاج علمی وسائنس صورت کے ساتھ یقینی اور بے خطا ہو جاتا ہے۔ حیرت ہے کہ سینکڑوں سالوں کی تحقیقات کے بعد بھی اب تک فرنگی طب اندھیرے میں بھٹک رہی ہے۔ اس کی وجہ صرف طب یونانی اور خصوصاً طب اسلامی کو سمجھے بغیر تعصب سے نظر انداز کردیا ہے اور خود غلط راستہ پر پڑ گئی ہے۔ اس کی غلط فہمی اور غلط راہ روی نے ہزاروں ممالک اور لاکھوں انسانوں کو گمراہ کیا ہے۔ اب ہمارا فرض ہے کہ نہ صرف فرنگی طب کی غلطیاں دور کریں، بلکہ جو لوگ اور ممالک ان سے گمراہ ہوگئے ہیں ان کو راہ راست پر لائیں۔

بخار کی ماہیت

ان تمام حقائق کے بعد جو ہم اپنی تحقیقات کے سلسلہ میں لکھ چکے ہیں ان کو سامنے رکھ کر اگر غور کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ بخار ایک ایسی حرارت ہے جو اپنے اندر ناریت اور دخان (کاربن) رکھتی ہے۔ جس کو ہم حرارت غریبہ کا نام دیتے ہیں۔ جس کی پیدائش تعفن وفساد اور تبخیر سے عمل میں آتی ہے۔ جس کا مزاج گرم خشک ہے۔ اور کیمیاوی طور پر اس میں ترشی پائی جاتی ہے۔

فرنگی طب میں بخار کا تصور

فرنگی طب میں بخار کے متعلق بتایا گیا ہے کہ وہ کسی مرض کا نام نہیں ہے بلکہ ایک ایسی علامت ہے جو بہت سی بیماریوں میں پائی جاتی ہے۔ اور بعض امراض میں ایسی شدت سے تکلیف اور خطرہ پیدا ہو جاتا ہے کہ مریض اور طبیب دونوں اصل مرض کو بھول کر اس کو مرض سمجھ لیتے ہیں۔

ایک اعتراض

فرنگی طب میں اگر متعدی امراض خصوصاً بخاروں پر غور کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ پیدائش امراض میں فرنگی ڈاکٹر جراثیم کو اسباب خصوصاً اسباب فاعلہ اور واصلہ سمجھتے ہیں۔ تو ایسی صورت میں بخار کو علامات کیسے کہا جاسکتا ہے۔ بخار علامت اس صورت میں بن سکتا ہے۔ جب وہ بخار کو علامت کے طور پر دیگر امراض کے تحت بیان کریں۔ جب وہ صاف واضح طور پر بیان کرتے ہیں کہ جراثیم جسم میں داخل ہو کر اس میں اپنے زہریلے اثرات سے مختلف قسم کے بخار پیدا کر دیتے ہیں، پھر بخار علامت نہ رہا بلکہ خود مرض ہو گیا جس کے اسباب جراثیم ہیں اور مختلف قسم کے جراثیمی زہر اس کی علامات قرار پاتی ہیں۔

اگر فرنگی طب بخار کو ایک علامت تسلیم کرتی ہے تو پھر یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ بخار کے اسباب فاعلہ اور واصلہ جراثیم نہیں ہیں بلکہ دیگر امراض ہیں۔ ایسا تسلیم کرنے سے جراثیم کی اہمیت ختم ہو جاتی ہے۔ اب چاہے وہ جراثیم کی اہمیت کو قائم رکھتے ہوئے ان کو اسباب فاعلہ اور واصلہ تسلیم کرے۔ نہیں تو اس کو ماننا پڑے گا کہ وہ بخار کو اصل مرض تسلیم کرتی ہے۔ جو قطعاً غلط ہے۔ کچھ بھی تسلیم کریں، بہر حال دونوں صورتوں میں ان کی شکست ہے۔ جادو وہ ہے جو سر چڑھ کر بولے۔ یہ اعتراض اس لئے کیا گیا ہے کہ آئندہ صفحات میں ہم یہ ثابت کریں گے کہ نہ جراثیم اسباب واصلہ اور فاعلہ ہیں اور نہ بخار مرض ہے۔ جیسا کہ فرنگی عملی طور پر تسلیم کرتا ہے۔

فرنگی طب میں بخار کی تعریف

بدن انسان کی اس حالت کو بخار (Fever) کہتے ہیں جس میں بدن کی حرارت درجہ اعتدال سے بڑھ کر کچھ عرصہ کے لئے غیر طبعی حالت میں قائم ہو جاتی ہے، جس سے نظام جسمانی میں شدید خلل واقع ہوتا ہے۔ عام طور پر حرارت جسمانی کے بڑھ جانے کو خواہ وہ کسی سبب سے زیادتی اختیار کرے۔

اس امر کو ذہن نشین کر لینا چاہئے کہ فرنگی طب حرارت کو صرف ایک ہی قسم تسلیم کرتی ہے، وہ حرارت کی غیر طبعی حالت کو تو تسلیم کرتی ہے، مگر اس کو طبعی حرارت سے جدا نہیں سمجھتی، بلکہ اس میں اضافہ خیال کرتی ہے۔ گویا ان کے نقطہ نگاہ میں نہ کوئی عارضی حرارت یا حرارت غریبہ ہے اور نہ عنصری حرارت یا حرارت غریزیہ ہے۔ بلکہ حرارت محض ایک حالت ہے جس میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے، اور اس کی اعتدال سے زیادتی کا نام بخار رکھا گیا ہے۔

حیرت تو اس امر پر ہے کہ فرنگی طب اپنی روشنی ماڈرن سائنس سے حاصل کرتی ہے، اور ماڈرن سائنس یہ تسلیم کرتی ہے کہ آکسیجن، ہائیڈروجن اور کاربانک ایسڈ گیس میں بہت فرق ہے۔ سب سے بڑا فرق یہ ہے کہ اوّل الذکر جلاتی ہے اور مؤخر الذکر دونوں جلتی ہیں۔ دوسرے یہ بھی تسلیم کرتی ہے، جب انسان سانس لیتا ہے تو اس کے جسم میں ہوا کے ساتھ آکسیجن اندر داخل ہوتی ہے۔ کاربانک ایسڈ گیس اندر سے خارج ہوتی ہے۔ تیسرے یہ بھی تسلیم کرتی ہے کہ بخار کی حالت میں جسم میں آکسیجن کی بجائے کاربانک ایسڈ گیس بڑھ

جاتی ہے۔ان حقائق کو سامنے رکھ کر وہ اس کا اندازہ نہیں لگا سکتی کہ بخار کی حالت جو حرارت درجہ اعتدال سے بڑھ کر غیر طبعی صورت اختیار کر لیتی ہے کیا وہ آکسیجن ہوتی ہے؟ یا کاربانک ایسڈ کی زیادتی ہوتی ہے؟ جو جسم کے لئے طبعی اور اصلی حرارت نہیں ہے۔ جو جسم میں ہائیڈروجن کو جلا کر ایک خاص قسم کی حرارت پیدا کرتی ہے اور اس کے مقابلے میں کاربانک ایسڈ گیس کو جلا کر ایک دوسری قسم کی حرارت پیدا نہیں کرتی جو دراصل عارضی حرارت اور حرارت غریبہ اور بخار کا کام کرتی ہے۔کیا کوئی فرنگی ڈاکٹر تسلیم کر سکتا ہے کہ بخار کی حالت میں جو حرارت درجہ اعتدال سے بڑھ جاتی ہے۔وہ آکسیجن کی زیادتی ہوتی ہے اور کاربانک ایسڈ گیس کی زیادتی نہیں ہے۔اگر ہمارا استدلال صحیح ہے تو پھر تسلیم کرنا پڑے گا کہ حرارت جو درجہ اعتدال سے بڑھ گئی ہے وہ عام حرارت نہیں ہے، جو تندرستی کی حالت میں جسم کے اندر ہوتی ہے، بلکہ ایک غیر طبعی حرارت ہے جو درجہ اعتدال سے بڑھ گئی ہے، جس کو ہم عارضی حرارت اور حرارت غریبہ کہتے ہیں۔اگر کوئی اپنی کم علمی سے اس کو آکسیجن مان لے تو پھر اس حقیقت کو بھی سامنے رکھنا چاہئے کہ آکسیجن کی زیادتی میں بخار کبھی بھی جسم میں رہ نہیں سکتا اور درجہ حرارت فوراً گر جاتا ہے۔

اس پر بھی بس نہیں ہے۔اگر خمیر اور تعفن کو سامنے رکھیں اور ان سے جو گیسیں پیدا ہوتی ہیں اس پر بھی غور و فکر کریں تو پتہ چلتا ہے کہ اس سے جو حرارت پیدا ہوتی ہے وہ اس حرارت سے بالکل مختلف ہے جس میں انسان بہت آسانی سے سانس لے کر اپنی صحت قائم رکھ سکتا ہے۔یہ اور اس قسم کی بے شمار غلطیاں ہیں جو فرنگی طب اور ماڈرن سائنس نے علم و فن علاج میں کی ہیں۔

حرارت بخار کی حقیقت کیا ہے، ہم نے اس پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔فرنگی طب اور ماڈرن سائنس اس سے واقف نہیں ہے۔یہی وجہ ہے کہ وہ جراثیمی غلط فہمی کا شکار اور گمراہی میں مبتلا اور اس کے علاج میں بالکل ناکام ہے۔اب ہم اپنی بحث کے دوسرے امر کو لیتے ہیں کہ ملیریا کا بدن انسان کے ساتھ کیا تعلق ہے، اور اس کا بگاڑ جسم میں کیا کیا تغیرات پیدا کرتا ہے۔

دوم - ملیریا کا تعلق جسم انسان کے ساتھ

تندرست انسان کے خون کا قطرے اور ملیریا میں مبتلا انسان کے خون کے قطرے کو خوردبین کے نیچے مشاہدہ کرنے اور پھر ملیریا کے مریض کو کونین کھلا کر شفا ہو جانے کے بعد اس کے خون کے قطرہ کو دیکھنے کے بعد ان مشاہدات اور تجربات سے جو نتائج فرنگی طب نے اخذ کئے ہیں جو ہم لکھ چکے ہیں، وہ دوبارہ لکھ کر ان پر تنقید کرتے ہیں، جس سے پتہ چل جائے گا کہ ملیریا کا تعلق جسم انسان کے ساتھ کیا ہے:

اوّل: ملیریا کے مریض کے جسم کے اندر چند چیزیں ایسی پائی جاتی ہیں جو تندرست آدمی کے خون کے اندر نہیں ہوتیں۔

دوم: یہ چیزیں مچھر ملیریا کے مریض کا خون پیتے وقت نکال لیتا ہے اور جب تندرست آدمی کو کاٹتا ہے تو اس میں داخل کر دیتا ہے۔

سوم: یہ چیزیں کونین کے استعمال سے دور ہو جاتی ہیں۔

(الف) ان مشاہدات اور تجربات سے فرنگی طب نے یہ ثابت کیا ہے کہ ملیریا کا مرض مچھروں کے ذریعے ایک شخص سے دوسرے شخص میں منتقل ہوتا ہے۔(ب) ملیریا کا حملہ اوّل سے آخر تک نقاط الدم پر ہی ہوتا ہے۔(ج) دِل و دماغ اور جگر کسی سے اس کا واسطہ نہیں ہوتا۔ملیریا کی کل حقیقت اور کیفیت کا یہ خلاصہ ہے۔[علم وعمل طب از کرنل بھولاناتھ]

جاننا چاہئے کہ جب مچھر انسان کو کاٹتا ہے تو اس کا اثر درون جلد یا تحت الجلد یا زیادہ سے زیادہ درون عضلہ ہوگا، اس سے جو ملیریا کا زہر جسم انسان کی خلاؤں میں داخل ہوگا وہ وہاں سے غدد جاذبہ کے ذریعے جو طحال کے تحت کام کرتے ہیں خون میں شامل ہوگا۔ یہ بھی

ممکن نہیں ہے کہ ملیریا کا زہر سیدھا خون میں شامل ہو کر نقاط الدم پر اثر انداز ہو، کیونکہ نقاط الدم خون کے ساتھ شریانوں اور وریدوں میں گردش کرتے ہیں، اور اگر زہر ملیریا کو سیدھا وریدوں میں پہنچا کر خون میں شامل بھی کر دیا جائے تو وہ بھی جب قلب میں پہنچے گا تو پھر پھیپھڑوں میں آکسیجن سے صاف ہو کر دورانِ خون میں شامل ہوگا۔ اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ ملیریا کا زہر جسم میں داخل ہونے کے ساتھ ہی فوراً نقاط الدم کو متاثر کر دیتا ہے۔ اگرچہ ایسا فرنگی طب بھی تسلیم نہیں کرتی کیونکہ زہر ملیریا جسم میں داخل ہونے کے بعد اس کے اثر کرنے تک کچھ زمانے کی ضرورت ہے، اور ساتھ ہی جسم کی قوت مناعت (امیونٹی) اور قوت مدبرہ بدن (وائٹل فورس) کا کمزور ہونا بھی ضروری شرط ہے، پھر بھی یہ ماننا پڑے گا کہ زہر ملیریا کا اثر فوراً کسی نہ کسی عضو پر ہوگا، کیونکہ خون ہر دومنٹ پر تمام جسم سے گزر جاتا ہے۔ جس کے نتیجہ کے طور پر جس عضو پر اثر ہوگا وہاں پر انبساط یا انقباض ضرور پیدا ہو جائے گا۔ تو پھر فرنگی طب کا یہ تسلیم کرنا کہ زہر ملیریا کا اثر سیدھا نقاط الدم پر ہوتا ہے، اور دیگر کسی عضو پر نہیں ہوتا۔ بالکل غلط ہے۔

اگر ان حقائق کے تحت ان اعضاء کا جائزہ لیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ زہر ملیریا کا اثر پہلے اعصاب پر ہوتا ہے، جس سے جسم کو پہلے احساس ہوتا ہے کہ کوئی زہر جسم میں داخل ہوا ہے۔ دوسرے جب جسم کو زہر کا احساس ہوتا ہے تو فوراً طبیعت مدبرہ بدن اس کے مقابلے کے لئے وہاں رطوبت کا ترشہ (سکریشن) کر کے اس زہر کو دور کرنے کی کوشش کرے گی۔ تیسرے غدود جاذبہ جہاں پر زہر شامل ہوا ہے وہ فوراً اس کو جذب کرنا شروع کر دیں گے تاکہ اس کا قلع قمع کر دیں۔ جو کیمیاوی طور پر اس کے ختم کرنے پر مقرر ہیں۔ اگر وہاں بھی یہ زہر ختم نہ ہو تو پھر غدود جاذبہ کا زہریلا مواد بذریعہ اور وہ قلب کے ذریعے پھیپھڑوں میں آکسیجن کے ذریعے ختم کیا جاتا ہے۔ پھر بھی اگر خون میں کچھ ملیریا کا زہر باقی ہے تو یہ جس عضو پر جا کر اثر کرے گا اس کی مناعت اس کا مقابلہ کرے گی اگر وہاں پر بھی مقابلہ میں زہر کامیاب رہا تو پھر نقاط الدم احمر متاثر ہوں گے۔ لیکن متاثر ہونے کے یہ معنی نہیں کہ فوراً ملیریا بخار ہو جاتا ہے۔ نہیں! ہرگز نہیں!! بلکہ سرخ ذرات خون کے اندر وہ زہر پھلتا پھولتا اور بڑھتا ہے۔ پھر وہ پھٹتا ہے۔ اس کا زہر رطوبات خون میں شامل ہوتا ہے، اور اس کو متعفن کر دیتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی جراثیم ملیریا بڑھ کر زیادہ سرخ ذرات خون کو متاثر کرتے ہیں، پھر اس کا زہر رفتہ رفتہ رطوبت خون میں بڑھ کر افعال اعضاء کو متاثر کرتا ہے تازہ خون کی پیدائش کم اور خراب ہو جاتی ہے۔ نتیجہ کے طور پر بخار پیدا ہو جاتا ہے جو اس امر کا اظہار ہے کہ خون کی حرارت اس قدر کم ہو گئی ہے کہ وہ اس کے زہر کو دفع نہیں کر سکتی۔ بخار کے چڑھتے ہی افعال الاعضاء خصوصاً افعال قلب تیز ہو جاتا ہے اور جسم میں حرارت بڑھ جاتی ہے جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اوّل جسم کا زہر ختم ہونا شروع ہوتا ہے، دوسرے جراثیم فنا ہونے شروع ہو جاتے ہیں، تیسرے طبیعت مدبرہ بدن حرارت کی تیزی کی وجہ سے مواد کو پسینہ و پیشاب اور کبھی پاخانے کے ذریعے خارج کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ اگر مریض غذا کھانا روک دے تو طبیعت مدبرہ بدن غالب رہتی ہے اور ملیریا زہر یا کسی اور قسم کے زہر پر قابو پا لیتی ہے اور بخار دور ہو جاتا ہے۔ زیادہ سے زیادہ ایک دو باریوں میں بخار دور ہو جاتا ہے۔ اگر بخار دور ہو جانے سے پہلے غذا کھائی تو پھر وہ حرارت جو بخار سے پیدا ہوئی ہے ضائع ہو جائے گی اور بخار کے زہر اور مواد کا مقابلہ کمزور ہو جائے گا اور بخار اس وقت تک قائم رہے گا جب تک جسم کی حرارت کمزور رہے گی۔ پھر طبیعت مدبرہ بدن بخار چڑھانے کی کوشش کرے گی اور یہ سلسلہ اس وقت تک قائم رہے گا جب تک بخار دور نہ ہو یا مریض مرجائے۔

ادویات جو بخار کو دور کرنے میں مدد دیتی ہیں، ان کے لئے لازم ہے کہ جسم میں حرارت کو بڑھائیں۔ اور جن اعضاء پر اس زہر کا اثر ہوتا ہے اس کی مناعت بڑھ جائے۔ جس سے زہر ختم ہو جاتا ہے، جراثیم مرجاتے ہیں اور مواد جسم سے باہر نکل جاتا ہے۔

فرنگی طب اس امر کو تسلیم کرتی ہے کہ ملیریا کا اثر جگر اور طحال پر ہوتا ہے اور پہلے جسم میں زردی (صفراء) بڑھ جاتی ہے اور پھر

سیاہی (سودا) بڑھنا شروع ہوتا ہے اور ساتھ ہی دل و دماغ میں تیزی پیدا ہو جاتی ہے تو پھر یہ کیسے تسلیم کیا جا سکتا ہے کہ ملیریا زہر کا اثر صرف سرخ ذرّات خون تک محدود رہتا ہے اور اس سے جسم کا کوئی عضو خصوصاً دل و جگر اور دماغ متاثر نہیں ہوتے۔ اس کے معنی تو یہ ہوئے کہ فرنگی طب نے ملیریا بخار میں جسم انسان کا پورا مطالعہ نہیں کیا، وہ صرف جراثیم ملیریا کے چکر میں پھنس کر گمراہ ہو گئی ہے، اس لئے وہ اعضاء جسم کو درست کرنے کی بجائے جراثیم کو فنا کرنے کے پیچھے پڑے رہتے ہیں۔

اگر جراثیم کو فنا کرنا ہی ملیریا کا علاج تسلیم بھی کر لیا جائے تو اعضاء جسم جو اس ملیریا بخار میں کمزور ہو جاتے ہیں ان کو اگر درست نہ کیا جائے تو پھر بھی ملیریا کا علاج ممکن نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ملیریا بخار سے پیدا شدہ علامات اور دیگر مرض کا علاج کونین اور دیگر جراثیم کش ادویات کے علاوہ دوسری ادویات سے کیا جاتا ہے۔ اگر ایسا نہ کیا جائے تو نہ کونین سے نہ ہی دیگر جراثیم کش ادویات سے نہ تو وہ علامات دور ہوتی ہے اور نہ وہ امراض رفع ہوتے ہیں۔ ان حقائق سے ثابت ہوا کہ نہ تو جراثیم سے یہ بخار پیدا ہوتا ہے اور نہ ہی کونین اور دیگر جراثیم کش ادویات اس کا علاج ہیں۔ مثال کے طور پر ملیریا کی علامات میں جسم کا ٹوٹنا، سردی لگنا، جی متلانا، قے ہونا اور بخار کا ہونا اور درجہ حرارت کا شدت اختیار کر لینا۔ ساتھ ہی قبض واسہال کا ہونا، درد شکم اور جگر کا بڑھ جانا وغیرہ اسی طرح ملیریائی امراض، مثلاً عرق النساء، استرخا، فالج، ضعف قلب، پیچش، ذات الجنب، ورم اور سوزش وغیرہ۔

امراض میں کبھی بھی کونین اور جراثیم کش ادویات سے آرام نہیں ہو سکتا۔ کیا کوئی فرنگی ڈاکٹر دعویٰ کر سکتا ہے کہ وہ ملیریا کی علامت اور اس سے پیدا ہونے والے امراض کا علاج کونین یا دیگر جراثیم کش ادویات سے علاج کر سکتا ہے۔ اگر ایسا وہ نہیں کر سکتے تو پھر ملیریا اور اس کے زہر کا علاج کونین اور دیگر جراثیم کش ادویات کے چکر میں پھنس کر گمراہی اور غلط راہ روی کیوں اختیار کر لی ہے۔ کیا فرنگی ڈاکٹروں کے ہاں اس کے جواب ہیں؟؟؟

ملیریا کے زہر کا اثر صرف جگر اور طحال پر ہے

جاننا چاہئے کہ ملیریا، زہر اور شے ہے اور ملیریا بخار اور شے ہے۔ ملیریا بخار تو نہیں ہے، البتہ ملیریا زہر کا اثر جگر اور طحال پر ہوتا ہے۔ اور ان کے علاوہ کسی عضو پر نہیں ہوتا۔ اس لئے اگر اس زہر سے بخار ہو بھی تو وہ جگر و طحال یعنی غدی خرابی کا بخار ہوگا۔ جن کو یونانی طب میں محرقہ کبدی حمی غب یا شطر الغب یا حمی جو مسلسل ہوتا ہے اور تجاری جو باری کے ساتھ آتا ہے اور بس کوئی بخار ملیریا زہر سے نہیں ہو سکتا۔ فرنگی طب ملیریا کے زہریلے اثر کو دماغ اور دل تک تسلیم کرتی ہے۔ اس لئے وہ خالص بلغمی اور دموی بخاروں کو بھی ملیریا میں تسلیم کرتی ہے جس کی تفصیل ہم آئندہ صفحات میں پیش کریں گے۔ ان حقائق سے ثابت ہوا کہ فرنگی طب اس امر سے بھی واقف نہیں ہے کہ ملیریا زہر کا اثر کیا ہے اور کس طرح پھیلتا ہے اور کن کن اعضاء خصوصاً مفرد اعضاء اور انسجہ پر اثر انداز ہوتا ہے۔ جو کچھ ہم نے ان کا غلط قرار دیا ہے اس کو صحیح ثابت کرنے یا جو ہم نے اپنی تحقیقات میں پیش کی ہیں ان کو وہ غلط ثابت کرے تو ہم مبلغ پانچ ہزار روپیہ انعام دیں گے۔ ورنہ فرنگی طب کو تسلیم کرنا پڑے گا اس کا طریق علاج غلط ہے اور وہ فن علاج میں گمراہی پیدا کر رہی ہے۔

سوم- کیا جراثیم ملیریا پیدائش بخار کا باعث ہیں

ماڈرن سائنس کی تحقیقات سے ثابت ہے کہ حرارت جسمانی کی پیدائش کے دو اسباب ہیں:

اوّل: اس دماغ مرکز کا خلل فعلی یا عملی جو میزان حرارت کو باقاعدہ رکھتا ہے، جس کا ذکر ہم تفصیل سے اپنی کتاب تحقیقات حمیات میں کر

چکے ہیں۔

دوم: دورانِ خون میں جراثیم یا ان کی سمیات کی موجودگی اور یہ ٹاکسنز (جراثیمی سمیات) بھی دو طریق سے حرارت کو بڑھاتی ہے۔

(۱) میٹا بو لزم میں خلل واقع ہوتا ہے۔ میٹا بولزم افعال اعضاء اندرونی کو کہتے ہیں۔ مثلاً انہضام غذا، عروق ماساریق کا غذا سے سیال جذب کرنا۔ جگر و طحال اور لبلبہ کے افعال، گردوں کا پیشاب علیحدہ کرنا اور غذا سے جسم میں احتراق وغیرہ۔ اس اصطلاح سے مراد یہ ہے کہ سمیات جراثیمی ان اعضاء کے افعال اندرونی میں خلل انداز ہو کر حرارت بڑھا دیتے ہیں۔

(۲) جراثیمی سمیات کے خلل انداز ہونے کی دوسری صورت یہ ہے کہ مرکز دماغی جو حرارت کو میزان کرتا ہے اس میں خلل انداز ہوتی ہے، ان دونوں صورتوں میں جو بخار پیدا ہوتا ہے اس کو فرنگی طب کی اصطلاح میں ''پائی ریکسیا'' کہتے ہیں۔ مگر جب بخار بغیر جراثیم کے جسم میں داخل ہو تو اس کو ''ہائی پر تھرمیا'' کہتے ہیں۔ [پیدائش حرارت، اخراج حرارت، اعتدال حرارت، ضبط حرارت وغیرہ کی تفصیل ہماری کتاب تحقیقات حمیات میں دیکھیں]

اعتراض نمبر ا

فرنگی طب بخار کی حرارت کو چونکہ جسم کی اصلی حرارت تسلیم کرنے سے انکار کرتی ہے۔ لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتی کہ وہ ایک غیر طبعی حرارت ہے۔ اور اس میں کاربانک ایسڈ گیس اور یوریا کی زیادتی ہے، اور اس حرارت کی زیادتی میں وہ تسلیم کرتی ہے کہ اس کی تین صورتیں ہیں: (۱) دماغی مرکزی خرابی (۲) جراثیمی سمیات کی زیادتی (۳) کیفیاتی و نفسیاتی اور دیگر مادی و فعلی اثرات وغیرہ۔

اب اعتراض پیدا ہوتا ہے کہ اگر پہلی صورت ہی اصل سبب ہے جس سے حرارت کی کمی بیشی پیدا ہوتی ہے اور دیگر دونوں صورتیں بھی پہلی حرارت کا باعث بنتی ہیں، تو ثابت ہوتا ہے کہ دوسری اور تیسری صورت یعنی جراثیمی سمیات اور کیفیاتی و نفسیاتی اور مادی و فعلی اثرات بے معنی صورتیں بن جاتی ہیں، جیسا کہ فرنگی طب تسلیم کرتی ہے کہ بخاروں کی پیدائش کی صورت دماغی مرکز کا خراب ہونا اور بگڑنا ہے، یعنی اصل سبب جس کو سبب واصلہ اور فاعلہ کہتے ہیں نہ رہا۔ اس طرح بخار کے پیدا کرنے میں جراثیمی سمیات اور کیفیات و نفسیات اور مادے اور فعل کے اسباب بننے کی اہمیت ختم ہو جاتی ہے۔ گویا فرنگی طب ایک بہت بڑی غلط فہمی میں گرفتار ہے۔ ایک طرف دماغی مرکز کی خرابی کو حرارت کی زیادتی اور بخار کا ہونا تسلیم کرتی ہے۔ اور دوسری طرف جراثیمی سمیات اور کیفیاتی و نفسیاتی اور مادی و فعلی اثرات کو اصل سبب واصلہ اور عاملہ ماننے پر مجبور ہے۔ لیکن حقیقت سے بے خبر ہے۔

امراض کی پیدائش میں اسباب تو بے شمار ہوتے ہیں لیکن کسی سبب کے فوراً بعد مرض یا بخار پیدا ہوتا ہے۔ اس کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ ان میں اسی سبب واصلہ اور فاعلہ کی اصلاح اور درستی کی جاتی ہے۔ اور اسی بات کو ہر حالت میں پیش نظر رکھنا پڑتا ہے۔ مثلاً سبب واصلہ اور فاعلہ تو ہو دماغی مرکز کی خرابی اور ہم جراثیمی سمیات اور کیفیاتی و نفسیاتی اور مادی و فعلی اسباب کو درست کرتے پھریں۔ اس طرح ہم بھلا کیسے کسی مرض اور بخار کا علاج کر سکتے ہیں۔ جب فرنگی طب میں بخار کے متعلق ابتدائی معلومات غلط ہیں یعنی وہ پیدائش بخار ہی سے بے علم ہے تو پھر وہ اس کا صحیح طور پر علاج کیسے کر سکتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ تین چار سو سال سائنسی دور کے وہ آج تک کسی ایک قسم کے بخار کا صحیح علاج معلوم نہیں کر سکی۔ ان کی بخاروں میں جو ادویات آج کل مستعمل ہیں وہ سب عطایانہ ہیں۔ جو ہر پانچ دس سال بعد بدل جاتی ہیں۔ اگر علاج کے متعلق ان کے نظریات درست

ہوتے جیسا کہ طب اور آیورویدک میں پائے جاتے ہیں۔ تو ہزاروں سال تک بھی ان کے علاج اور ادویات میں بھی تبدیلیاں پیدا نہ ہوتیں۔ یہ ایسا غلط طریقہ علاج ہے جس کی اصلاح بھی مشکل ہے۔ اور اس کا ختم کرنا ہی ہر حال میں بہتر ہے۔

اعتراض نمبر۲

فرنگی طب ایک طرف بخاروں کی پیدائش اور حرارت کی زیادتی کو دماغی مرکز کی خرابی تسلیم کرتی ہے اور دوسری طرف یہ بھی تسلیم کرتی ہے کہ جب تک کسی عضو کی مناعت (امیونٹی) کمزور نہ ہو جائے، اس وقت تک جراثیمی سمیات جسم کو نقصان پہنچا سکتے ہیں اور نہ ہی کیفیاتی ونفسیاتی اور مادی و فعلی اثرات نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ اگر اس کو صحیح تسلیم بھی کر لیں، تو یہاں پھر ایک اور اعتراض پیدا ہوتا ہے کہ جراثیمی سمیات اور کیفیاتی ونفسیاتی اور مادی و فعلی اسباب بالکل بے معنی ہیں۔ کیونکہ جب تک اعضاء کی مناعتیں درست ہیں تو پھر اور کوئی اثر نقصان نہیں پہنچا سکتا ہے۔ اس لئے سب سے زیادہ جس چیز کی احتیاط لازمی ہو سکتی ہے تو وہ اعضاء کی مناعتیں ہو سکتی ہیں نہ کہ جراثیمی سمیات اور دیگر اسباب کو مدنظر رکھا جائے۔

اعتراض نمبر۳

مناعت (امیونٹی) کا تعلق اعضاء سے مخصوص ہے یعنی جب تک کسی عضو کی امیونٹی (مناعت) درست اور مضبوط ہے، اس وقت تک اس کے افعال درست ہیں۔ اس وقت تک اس پر کسی جراثیم کا اثر اور حملہ نہیں ہو سکتا۔ اور نہ ہی کوئی مرض پیدا ہو سکتا ہے۔ لیکن جب بھی کسی عضو کی مناعت کمزور ہو جاتی ہے اور وہ اپنی درستی میں نہیں ہوتی تو اس کے افعال صحیح نہیں رہ سکتے۔ اس پر کسی نہ کسی جراثیم کا حملہ ہو گا یا کوئی مرض پیدا ہو جائے گا۔ ان امور سے ثابت ہوا کہ مناعت (امیونٹی) کا تعلق اعضاء کی درستی اور افعال کے ساتھ ہے۔ گو اعضاء کی مناعت (امیونٹی) کی مناعت اور ان اعضاء کے افعال لازم وملزوم ہیں۔

جب یہ ثابت ہو گیا کہ اعضاء کی مناعت اور افعال لازم وملزوم ہیں تو نتیجہ نکلا کہ دیگر اعضاء کی خرابی سے بھی بخار اور دیگر امراض پیدا ہو سکتے ہیں، صرف دماغی مرکز کی خرابی ضروری نہیں ہے۔ اور اگر اس کا جواب یہ دے دیا جائے کہ جب دیگر اعضاء کی مناعت اور افعال خراب ہوتے ہیں تو پہلے ان کا اثر دماغی مرکز پر پڑتا ہے۔ پھر امراض و بخار اور حرارت میں کمی بیشی ہوتی ہے۔ تو اس کا جواب آسانی سے یہ دیا جا سکتا ہے کہ ایسے بخار جن میں دماغی مرکز میں خرابی پیدا نہیں ہوتی اور بخار پیدا ہو جاتا ہے اور حرارت غیر طبعی بڑھ جاتی ہے جیسے کیفیاتی ونفسیاتی اور مادی و فعلی بخار وغیرہ جیسا کہ فرنگی طب تسلیم کرتی ہے جن کا ثبوت ان کی ہر کتاب میں درج ہے۔

اعتراض نمبر۴

فرنگی طب بخاروں کو عام جسمی حرارت (جس کو حرارت اصلی یا حرارت غریزیہ کہتے ہیں) میں صرف زیادتی سمجھتی ہے۔ اور بخار کی حرارت کو جدا کچھ تسلیم نہیں کرتی۔ لیکن سرد بخاروں کی حرارت کے متعلق ان کا کیا خیال ہے۔ جیسے نمونیہ (ذات الریہ) اور دیگر بلغمی بخار وغیرہ۔ اگر یہ بھی حرارت کی زیادتی ہیں، ان کو بھی اتارنے کے لئے حرارت کم کرنے والی ادویات دینی چاہئیں۔ لیکن وہ نمونیا اور ایسے دیگر بخاروں میں گرم ادویات استعمال کراتے ہیں۔ بلکہ شراب برانڈی تک دے دیتے ہیں۔ ان حقائق سے ثابت ہوا کہ بخار اصلی حرارت میں زیادتی نہیں ہے۔

اعتراضات کے نتائج

مندرجہ بالا حقائق اور بحث سے یہ نتائج نکلتے ہیں کہ بخار کی پیدائش کے اصلی اسباب دماغ اور دیگر اعضاء کے افعال کی خرابی ہے جن کی وجہ سے وہاں پر مواد رکتے ہیں یا دورانِ خون کی کمی بیشی ہوتی ہے یا رطوبات کے اخراج و پیدائش میں افراط وتفریط ہوتی ہے۔ گویا یہ ثابت ہوا کہ جب تک افعال الاعضاء میں خرابی پیدا نہ ہو تو نہ بخار ہوسکتا ہے اور نہ ہی حرارت میں کمی بیشی ہوسکتی ہے اور نہ ہی کوئی دیگر مرض ظہور میں آ سکتا ہے یہ جو کہا جاتا ہے کہ جراثیم اور ان کے سمیات باعث بخار اور پیدائش حرارت اور دیگر امراض ہیں، کسی طرح بھی درست نہیں ہے بلکہ غلط اور زبردست دھوکا ہے۔ اسی طرح کیفیاتی ونفسیاتی اور مادی وفعلی اثرات بھی باعث بخار و پیدائش حرارت اور دیگر امراض نہیں ہیں۔ اس امر میں کوئی شک نہیں ہے۔ یہ سب کے سب اسباب بخار و پیدائش حرارت اور دیگر امراض ہیں لیکن اسباب واصلہ اور فاعلہ نہیں ہیں۔ اسباب واصلہ اور فاعلہ صرف افعال الاعضاء انسانی ہیں جب تک وہ درست ہیں جسم صحت مند ہے۔ اور جب وہ بگڑ جاتے ہیں، بخار ہو جاتا ہے اور حرارت کم وبیش ہو جاتی ہے۔ اسی طرح دیگر امراض بھی ظاہر ہو جاتے ہیں۔ کیا اس کا جواب کسی فرنگی ڈاکٹر کے پاس ہے۔

علاج کی صورت بھی یہی ہے کہ بجائے جراثیم کا مارنا، ان کا سمیاتی اثر ضائع کرنا، تعفن اور فساد کو دور کرنا، کیفیاتی اور نفسیاتی حالت کا بدلنا، اور مادی وفعلی صورتوں کو رفع کرنا وغیرہ کے لئے صرف اعضاء کے افعال درست کر دیئے جائیں۔ بخار اور دیگر امراض دور ہو جائیں گے۔ اس طرح صحیح معنوں میں علاج ہوسکتا ہے۔

ملیریا کی وبائی صورت

وبا ایک تعفن اور فساد ہے جو ہوا میں پیدا ہوتی ہے۔ ہوا سے مراد وہ جسم ہے جو زمین کے اوپر کی فضا میں پھیلا ہوا ہے۔ یہ جسم حقیقت میں خالص ہوا نہیں ہے، بلکہ اس کے اندر اصلی ہوا کے علاوہ پانی کے اجزاء جو بخارات کی شکل میں اٹھتے ہیں مٹی کے اجزاء جو دھوئیں اور غبار کے ساتھ اٹھتے ہیں اور آگ کے اثرات جو زمین سے اٹھتے ہیں یا سورج سے ظاہر ہوتے ہیں۔ یہ سب چیزیں اس جسم میں ہوتی ہیں۔ چونکہ یہ ہوا غیر چیزوں سے مل کر خالص اور بسیط نہیں رہی۔ اس لئے اس کا متعفن اور گندہ ہونا محال نہیں ہے۔ چنانچہ جب اس کے ساتھ برے بخارات مل جاتے ہیں، جو خراب کانوں یا گندی جھیلوں یا خراب سبزیوں اور درختوں یا میدان جنگ کی لاشوں اور مردوں وغیرہ سے نکلتے ہیں یا جب ہوا کے ساتھ کوئی اور چیز مل جائے جس سے وہ خالص نہیں رہی یا جب آسمانی بارش یا زمینی نامعلوم اسباب سے ہوا میں غیر معمولی تری آ جاتی ہے تو جلد سے جلد متعفن ہونے کی ہوا میں قابلیت پیدا ہو جاتی ہے۔ جس کے لئے ہلکی حرارت کا عمل کرنا شرط ہے۔ ہوا کا یہ تعفن اس پانی کے تعفن کے مشابہ ہے جو کھڑا ہوا اور دوسرے اجزائے ارضیہ کے مل جانے سے بگڑ گیا ہو۔ جب ہوا متعفن ہو جاتی ہے اور یہی ہوا سانس کے ساتھ جسم میں داخل ہوتی ہے تو بدن کے مواد بھی گندے ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ ہوا کے یہی گندے اجزاء اخلاط کے ساتھ مل جاتے ہیں اس طرح اخلاط میں عفونت آ جاتی ہے۔ اس طرح جب ایک عارضی اور زہریلی چیز بدن میں پہنچتی ہے تو قوتیں کمزور ہو کر رطوبتوں کے قبضہ وتصرف سے عاجز اور عارضی حرارت کے روکنے سے مجبور ہو جاتی ہیں۔ اور سب سے پہلے قلب کے مواد گندے ہو جاتے ہیں، کیونکہ بیرونی ہوا سب سے پہلے قلب تک ہی پہنچتی ہے۔ جہاں پر اس کا خون متعفن ہو جاتا ہے۔ پھر تمام جسم میں پھیل کر بخار کی صورت

پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ بخار چونکہ ہوا کے تعفن سے پیدا ہو جاتا ہے اس لئے ایک کثیر مخلوق کو جن کے بدن میں استعداد اور قابلیت ہوتی ہے بیک وقت لاحق ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اوّل تو اس کا سبب ہی عام اور پھیلا ہوا ہے، دوسرے ان مریضوں کے بدن میں برے اور زہریلے بخارات دیگر لوگوں کے سانس میں چلے جاتے ہیں اور جب دوسرے شخص کے قلب میں پہنچتے ہیں تو اس میں اثر کر کے اس کے مزاج و اخلاط اور روح کو فاسد کر دیتے ہیں۔ وباء کی استعداد اور قابلیت ان لوگوں میں ہوتی ہے جن کا بدن برے مواد سے پُر اور وبائی ہوا کے مناسب ہوتا ہے۔ جن کے اعضائے بدن ضعیف ہوتے ہیں۔ ایسے بخار اکثر موسموں کے تغیرات خصوصاً برسات کے موسم کے بعد پیدا ہوتے ہیں۔ کیونکہ مرطوب زمین میں ہلکی حرارت فوراً گندے اور متعفن بخارات پیدا کر کے فضاء میں کم وبیش تعفن پیدا کر دیتی ہے۔ البتہ اگر برسات کا موسم طویل ہو جائے اور گرمی بالکل ختم ہو جائے تو یہ موسمی بخار تو نہیں پیدا ہوتا، البتہ سردی تری کے امراض جیسے نزلہ زکام کھانسی اور ذات الریہ کے امراض پیدا ہو جاتے ہیں، وبائی بخاروں کی علامتوں میں ایک بڑی علامت یہ ہے کہ یہ بہت سے لوگوں بلکہ حیوانوں کو بھی عام طور پر بیک وقت کثرت سے لاحق ہوتا ہے۔ اس لئے اس کی عمومیت کی وجہ سے اس کو وباء کہتے ہیں۔ ورنہ موسم کے لحاظ سے یہ موسمی بخار بھی کہلاتے ہیں۔ البتہ موسمی حرارت میں عمومیت کی وبائی شدت نہیں پائی جاتی۔ حقیقت میں بخار کے لحاظ سے ان میں کوئی فرق نہیں پایا جاتا۔ خصوصیت کے ساتھ جس بخار کو موسمی کہتے ہیں وہ یہی ملیریا (حمی غب) ہے۔ کیونکہ ہر سال یہ اپنے موسم میں کم وبیش ضرور پیدا ہوتا ہے۔ کیونکہ ہر برسات میں فضا میں تعفن ہوتا ہے اور جن علاقوں میں برسات کے پانی کو جو رک گیا ہو جلد ختم نہیں کر دیا جاتا تو یہی موسمی بخار وبائی صورت اختیار کر لیتا ہے۔

عفونت کیا ہے؟

عفونت جس کو سڑاند بھی کہتے ہیں، عارضی حرارت کے اس فعل کا نام ہے جو کسی رطوبت میں حرارت غیر طبعی سے تغیر پیدا کر دے۔ باوجود اپنی نوعیت پر قائم رہنے کے وہ رطوبت اپنے اصل مقصود کے لئے کارآمد نہیں رہتی۔ گویا مادہ کے اندر تخمیر اور فساد پیدا ہو جاتا ہے۔ جب اس کا تعلق بدن کی رطوبت سے ہوتا ہے تو سڑاند کے بعد نہ وہ پکتی ہے اور نہ اصلاح پذیر ہوتی ہے۔ اور نہ اس سے بدن میں کوئی فائدہ پہنچتا ہے، کیونکہ وہ سب کے طبعی افعال ہیں۔ جو حرارت اصلیہ کی مدد سے پورے ہوتے ہیں۔ کیونکہ حرارت آتشی اور عارضی جوان طبعی افعال کے مخالف ہوتی ہے، اس لئے اس رطوبت سے گرم اور تیز بخارات اٹھتے ہیں، جو اعضاء کے مزاج کے مخالف ہوتے ہیں۔ جن سے اس وقت بدن کے اندر سوزش اور گرمی اور بھی زیادہ ہو جاتی ہے۔

اس کا سبب یہ ہے کہ عارضی حرارت جب کسی مرکب پر اثر کرتی ہے تو اس کے مرکب اجزاء ناریہ یعنی آتشی اجزاء کو حرکت دے کر الگ کرنا چاہتی ہے، پھر یہ اجزاء اس عارضی حرارت کی امداد سے ہوا کے لطیف اجزاء کی جن سے حرکت کے باعث ملاقات ہوتی ہے، ہوائی طبیعت کی طرف سے نکال کر طبیعت کی طرف لے آتے ہیں۔ یعنی ہوائی اجزاء کو آگ بنا دیتے ہیں، جس سے اجزاء ناریہ مرکب میں زیادہ ہو جاتے ہیں۔ اس کے بعد عارضی حرارت کا اس مرکب پر غلبہ ہو جاتا ہے۔ اس مرکب کی رطوبت گرم ہو کر اس قدر جوش مارتی ہے کہ اس کے لطیف اجزاء کثیف اجزاء کو چھوڑ کر الگ ہو جاتے ہیں۔ اور عناصر میں جا ملتے ہیں۔ مرکب اجزاء سے نکل کر لطیف اجزاء کا عناصر میں ملنے کے عمل کو ''عمل احتراق'' کہتے ہیں۔ یہی ایک زندگی کی موت ہے۔

طب یونانی کے عملی طور پر اس عمل عفونت اور احتراق کے طریق کار پر اگر غور کیا جائے تو بے حد حیرت ہوتی ہے کہ کس طرح فرنگی طب سے سینکڑوں سال قبل حکماء اسلام نے اس خوبصورتی سے فرمنٹیشن (عمل تخمیر) اور اکسائیڈیشن (عمل احتراق) کو بیان کیا ہے کہ

ماڈرن سائنس آج بھی اس کو ذہن نشین نہیں کرا سکتی۔ خاص طور پر آتشی اثرات سے ہوائی اجزاء اور رطوبت سے ناری اجزاء کا عناصر میں شامل ہونا قابلِ تعریف طریق پر بیان کیا گیا ہے۔ اس سے ثابت ہے کہ پانی بھی جلتا ہے، ماڈرن سائنس ہوا کے اندر جو آکسیجن، کاربانک ایسڈ گیس اور ہائیڈروجن کے تغیرات بیان کئے گئے، ایسا معلوم ہوتا ہے طب اسلامی کی نقل اتاری جارہی ہے۔ جو کچھ ہم ماڈرن سائنس کی گیسوں پر لکھ چکے ہیں، اگر ایک بار پھر اس پر غور کر لیں تو طبّی تحقیقات کا لطف ہی آ جائے گا۔

جن حقائق کو ہم نے بیان کیا ہے جن میں بخار اور حرارت کی ماہیت، ملیریا اور جسم انسان کا تجزیہ اور حرارت و بخار کی پیدائش، وبائی اثرات اور عفونت و تبخیر کے تغیرات قابل ذکر ہیں۔ ایمانداری سے غور کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ ملیریا کوئی بخار نہیں ہے اور زہر ملیریا بھی سبب واصلہ اور فاعلہ نہیں ہے بلکہ سبب واصلہ اور فاعلہ افعال اعضاء کی خرابی ہے جو مناعت (امیونٹی) اور قوت مدبرہ بدن (وائٹل فورس) کی کمزوری کے بعد پیدا ہوتی ہے اور یہ بھی دراصل بخار کا صحیح سبب ہے۔ نیز ہر بخار میں کسی نہ کسی عضو کی اوّل خرابی ہوتی ہے، پھر بخار بلکہ ہر مرض پیدا ہوتا ہے۔ جیسے اگر جگر اور طحال کی خرابی سے حمی غب ملیریائی زہر کا بخار پیدا ہوتا ہے تو اس کو ملیریائی بخار کہنے کی بجائے کبدی یا غدی بخار کہنا چاہئے جس میں خرابی طحال میں شامل ہو جاتی ہے، اسباب تقدم و تاخر اور مناعت وقوت مدبرہ بدن کی تفصیل ہماری کتاب ''تحقیقات حمیات'' میں دیکھیں جس میں ہر قسم کے بخار کو مکمل طور پر بیان کر دیا گیا ہے۔

مچھر اور جراثیم کا محققانہ جائزہ

فرنگی طب کی گمراہی

فرنگی طب کی سب سے بڑی گمراہی یہ ہے کہ فرنگی ڈاکٹروں نے ماہیت امراض و تشخیص امراض اور حفظانِ صحت و علاج الامراض میں نظریہ جراثیم کو داخل کر دیا ہے۔ جس سے وہ جسم انسان کے حقیقی مطالعہ کی بجائے جراثیم کی تلاش میں سرگرداں ہے۔ وہ اپنے خیال میں یہ سمجھتے ہیں کہ جراثیم کی تحقیقات ان کا بہت بڑا کارنامہ ہے اور جس مرض کے جراثیم تحقیق ہوتے جائیں گے وہ مرض قابو میں آ جائے گا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ کسی جراثیمی مرض پر قابو پانا تو رہا ایک طرف اصل ماہیت امراض و تشخیص امراض اور حفظان صحت اور علاج امراض سے کوسوں دور ہو جانے کے ساتھ اعضائے انسان کی فعلی تبدیلیوں سے بالکل بے خبر ہو گئے۔ مثلاً جب نسیج عصبی میں تحریک ہو تو ان کے خلیہ کی کیا حالت ہوتی ہے، اس وقت نسیج عضلات کے خلیات اور دیگر اقسام کے انسجہ کے خلیات کس حالت میں ہوتے ہیں۔ اسی طرح دیگر انسجہ کے خلیات میں تحریک ہو تو ان انسجہ کے خلیات میں کیا تغیر پیدا ہو جاتا ہے۔ دوسرے کسی ایک عضو سے جو رطوبت خارج ہوتی ہے، ان کا دیگر اعضاء کے فعل انفعال کے ساتھ کیا تعلق ہے۔ تیسرے جب کسی عضو میں رطوبات کچھ عرصہ کے لئے رکتی ہیں تو ان میں کیا کیمیاوی تبدیلیاں پیدا ہوتی ہیں، غرض جسم انسان میں خلیات و انسجہ کے باہمی تعلق ان پر خون کے کیمیاوی تغیر اور خون میں ان کے فعلی اثرات اور ان کے کیمیاوی اور مشینی اثرات کا صحت و مرض کے ساتھ کیا دخل ہے۔

بہرحال فرنگی طب میں ان مسائل اور ایسے بہت سے مسائل میں خاموش ہے۔ اگر انہوں نے خلیات وانسجہ اور افعال الاعضاء پر کچھ کام کیا ہے تو وہ ماہیت امراض و تشخیص اور حفظ صحت اور علاج امراض کے سلسلہ میں نہیں کیا بلکہ نقطہ نگاہ صرف یہ رہا ہے کہ جراثیم نے ان اعضاء میں کیا کیا تغیرات پیدا کئے ہیں، اسی گمراہی سے وہ آج تک فن میں ناکام اور نامراد رہے ہیں۔ آج تک ایک بیماری کا صحیح علاج نہیں تلاش کر سکے اور اس پر فخر کرتے ہیں کہ انہوں نے جراثیم کی تحقیقات بہت بڑا کارنامہ کیا ہے۔ ہم گزشتہ صفحات میں اس کے اس کارنامے کو غلط کر چکے ہیں لیکن اس نظریہ جراثیم کو جڑ سے ختم کرنے کے لئے ان کا محققانہ جائزہ لیتے ہیں کہ اہل فن و صاحب علم اور حکماء و محقق ان کی حقیقت کے ہر پہلو سے واقف ہو جائیں۔

حقیقت جراثیم

ہمیں اس امر سے انکار نہیں ہے کہ جراثیم نہیں ہیں۔ جراثیم ضرور ہیں اور مختلف اقسام کے ہیں۔ ہم نے بھی خوردبین کے نیچے دیکھے ہیں۔ وہ بھی اللہ کی مخلوق ہیں، جس طرح دیگر اقسام کے بغیر خوردبین کے نظر آنے والے کیڑے مکوڑے اور حشرات الارض ہیں۔ جسم انسان کے اندر بھی چنونے، کدو دانے، کیچوے اور دیگر اقسام کے کیڑے پائے جاتے ہیں۔ بلکہ جسم کے باہر بھی جوئیں اور چیچڑ پائے جاتے ہیں، اور ان اندرونی بیرونی کیڑوں مکوڑوں کو طب یونانی بھی اسباب الامراض تسلیم کرتی ہے۔ اسی طرح جراثیم بھی اسباب الامراض بن سکتے ہیں۔ لیکن یہ سب اسباب سابقہ ہیں، اسباب واصلہ اور فاعلہ نہیں بن سکتے۔ اسباب فاعلہ اور واصلہ صرف اعضاء جسم انسانی ہی ہو سکتے

ہیں۔ جب تک ان میں خلل نہ پیدا ہو تو وہاں پر نہ مواد رُک سکتا ہے اور نہ جراثیم اثر انداز ہو سکتے ہیں۔ اس لئے جراثیم کی مولد زہر کی حیثیت تو ہو سکتی ہے، لیکن پیدائش کی حیثیت سے تسلیم نہیں کیا جا سکتا اور نہ ہی اس کو ختم کر دینے سے امراض دور ہو سکتے ہیں۔

پیدائش مچھر اور جراثیم

مچھر اور جراثیم ملیریا کی پیدائش ایک خاص موسم اور ایک خاص ماحول میں ہوتی ہے۔ جیسے بارش میں مینڈکوں اور انتہائی تعفن میں بچھوؤں اور کن کھجوروں کی پیدائش عمل میں آتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فرنگی طب ملیریا کے زہر کو روکنے کے لئے اس رطوبتی ماحول کو دور کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ جب ملیریا کی وباء پھیل جاتی ہے تو فضاء میں یہی زہر پیدا ہو جاتا ہے۔ کیونکہ جب تک خاص موسم اور ماحول پیدا نہ ہو تو یہ زہر پیدا نہیں ہوتا اور نہ ہی مچھر اور ملیریا کے جراثیم پیدا ہوتے ہیں۔ گویا مچھر اور جراثیم خاص موسم خاص ماحول اور خاص مادے سے پیدا ہوتے ہیں۔ یہ فطری بات ہے، فطرت مچھر اور جراثیم ملیریا کیوں پیدا کرتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ فرنگی طب اس راز سے واقف نہیں ہے۔

مچھر اور جراثیم انسانی صحت کے محافظ ہیں

جب خاص موسم، خاص ماحول اور خاص مادہ پیدا ہوتا ہے جسم انسان کے اعضاء خصوصاً جگر اور غدود میں رطوبات کی کثرت ہو جاتی ہے۔ اگر یہ رطوبات بڑھ جائیں تو جسم انسان میں حرارت کی کمی واقع ہو جاتی ہے جس سے خوفناک رطوبتی امراض پیدا ہونے کا خطرہ ہوتا ہے۔ اس لئے طبیعت مدبرہ میں اس رطوبت میں خمیر و تعفن اور فاسد پیدا کر کے اس میں حرارت پیدا کر دیتی ہے اور یہ حرارت تمام جسم میں پھیل جاتی ہے اور یہی کام قدرت اور ملیریائی جراثیم سے بھی عمل میں لاتی ہے۔ تاکہ خاص موسم و خاص ماحول اور خاص مادے سے جن امراض کے پیدا ہونے کا خطرہ ہوتا ہے۔ تو وہ یہ قدرتی علاج کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ملیریا کے زہر سے جسم میں صفراوی بخار پیدا ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہ زہر سرطان وجوڑوں کے درد اور ٹی بی کے لئے اکسیر ہے۔ جن لوگوں میں یہ امراض پیدا ہوتے ہیں، ان میں حرارت کی کمی ہو جاتی ہے۔

ملیریا کا یہ علاج نہیں ہے کہ حرارت کو ختم کیا جائے، بخار کو اتار دیا جائے اور صفراء کو دور کر دیا جائے جیسا کہ فیور مکسچر اور کونین سے کیا جاتا ہے۔ اس طرح انسان میں دیگر خوفناک امراض پیدا ہوتے ہیں اور نہ ہی یہ علاج ہے کہ جراثیم کش ادویات سے جراثیم ملیریا کو تباہ کیا جائے بلکہ اس کا صحیح علاج صرف یہ ہے کہ حرارت کو بڑھایا جائے۔ بخار کو تیز کیا جائے اور صفراء کو زیادہ کیا جائے، یعنی کبدی اور غدی افعال کو تیز کیا جائے۔ اس طرح فوراً پت کا خمیر و تعفن اور فساد ختم ہو جائے گا اور حرارت اعتدال پر آ جائے گی، بخار اتر جائے گا اور صفراء کی زیادتی اور اخراج کے بعد آنتوں کی خرابیاں اور اسی طرح خون اور دیگر اعضاء کی فضول رطوبات اور خرابیاں دور ہو جائیں گی۔ جب اس قسم کا صحیح علاج نہیں کیا جاتا تو بخار مدتوں نہیں اترتا اور پرانا ہو جاتا ہے۔ اگر زبردستی مبردات، مسکنات اور مدرات اور مخرشات سے روک بھی دیا تو اس کا لازمی نتیجہ یہی نکلے گا کہ مریض ان امراض میں گرفتار ہو جائے گا جن کو ملیریائی امراض کہتے ہیں۔ جن کا ذکر کر چکے ہیں۔ وہ تمام امراض حرارت اور صفراء کی کمی سے پیدا ہوتے ہیں۔ ان کا علاج اب بھی یہی ہے کہ ان کو اوّل ملیریا بخار پیدا کیا جائے اور اس میں اس قدر حرارت و صفراء بڑھا دیا جائے کہ بخار خود بخود اتر جائے ساتھ ہی وہ امراض بھی ختم ہو جائیں گے۔

یاد رکھیں! جن لوگوں کے جسم میں حرارت اور صفراء وغیرہ کی زیادتی ہوتی ہے ان کو ملیریا بخار (حمیٰ غب) نہیں ہوتا۔ مثلاً جن کو یرقان ہو ان کو ملیریا بخار نہیں ہوتا کیونکہ حرارت دافع تعفن ہے اور صفراء کے متعلق حکماء اور اطباء کا فیصلہ ہے کہ خالص صفراء میں تعفن نہیں ہوتا بلکہ وہ خود دافع تعفن ہے۔ تو ثابت ہوا کہ ملیریا بخار کا علاج جسم میں حرارت اور صفراء کا پیدا کرنا اور بڑھانا ہے۔ اس کا علاج کونین اور دیگر جراثیم کش ادویات نہیں ہیں جو قاطع حرارت اور صفراء ہیں۔

کونین کے اثرات وافعال اور خواص

کونین کی پیدائش اور تاریخ ہم گزشتہ صفحات میں لکھ چکے ہیں۔ اب یہاں اس کے صحیح اثرات وافعال اور خواص لکھے جاتے ہیں۔ جن سے فرنگی طب قطعاً واقف نہیں ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے وہ ملیریا بخار اور اس کے علاج سے بالکل بےعلم ہے۔
جاننا چاہئے کہ فرنگی طب جب بھی کسی دوا کے اثرات وافعال اور خواص حاصل کرتی ہے تو وہ اوّل یہ دیکھتی ہے کہ اس سے کس قسم کے جراثیم مرتے ہیں۔ دوسرے اس کے اثرات خون میں کیا پیدا ہوتے ہیں اور تیسرے کن کن اعضاء پر کیا کیا اثر ہوتا ہے۔ ظاہر میں تو یہی باتیں ہونی چاہئیں، لیکن اس میں تین خرابیاں ہیں:

① ہر دوا کا تعلق ضروری نہیں کہ جراثیم کے ساتھ ہو اور اگر ہو بھی تو علاج میں کیا فرق پڑتا ہے۔ دواء نے تو بہر حال خون اور کسی نہ کسی عضو پر اثر کرنا ہے۔ اس لئے اثرات وافعال اور خواص بالا عضاء دیکھنے چاہئیں۔

② جہاں تک خون کے اندر اس دوا کے اثرات وافعال اور خواص دیکھنے کا تعلق ہے وہ خون کے اجزاء کی کمی بیشی کو دیکھتی ہے یعنی خون میں فیرم وسلفر اور سوڈیم و پوٹاشیم وغیرہ کی اس حد تک کمی بیشی ہوگئی ہے۔ لیکن وہاں دیکھنے کی یہ ضرورت ہے کہ اعضاء جسم کے اندر سے جو رطوبات خون میں شامل ہوتی ہیں اور اخراج پاتی ہیں ان کی کیا صورت ہے، کیونکہ خون ہی ان کو غذا دیتا ہے اور ان کے فضلات خارج کرتا ہے۔

③ جہاں تک اعضاء وجسم کو دیکھنے کا تعلق ہے وہ جسم کے مرکب اعضاء پر دوا کے اثر وافعال اور خواص دیکھتی ہے۔ اور وہ بھی ان کی تیزی وسستی اور خون کا اس طرف کم وبیش جانا اس طریقہ سے بھی غلط ہے۔ کیونکہ ہر عضو مختلف اقسام کے خلیات وانسجہ سے مرکب ہے، جن کو وہ چار تسلیم کرتے ہیں۔ اور پھر ہر ایک پر ایک ہی دواء کا مختلف اثر پڑتا ہے۔ اس قسم کی فعلی لاعلمی و جہالت اور گمراہی سے جو نتائج نکل سکتے ہیں ان کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اثرات وافعال اور خواص سے پورے طور پر واقف نہیں ہے۔ کونین کے خواص جو ہم لکھ رہے ہیں وہ اصولی ہیں ان سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ وہ ملیریا میں کس قدر نقصان رساں ہیں۔

کونین کے اثرات

دو الفاظ میں کونین کے اثرات فارمولا یہ ہیں کہ وہ ''عضلاتی اعصابی'' ہے۔ یعنی اس کے استعمال سے فعلی (مکینیکلی) طور پر یعنی خون میں حرارت اور صفراء کو کم کرتی ہے۔ یہ فارمولا بالکل اسی طرح ہے جیسے طب یونانی میں مزاج ادویات بیان کئے جاتے اور کہا جاتا ہے فلاں شے سرد خشک ہے۔ یعنی پہلا اثر فعلی اور دوسرا کیمیاوی ہوتا ہے۔ کونین کا مزاج خشک سرد ہے۔ چونکہ طب یونانی میں اس تقدم وتاخر کی جگہ درجے مقرر کر دیئے کہ اتنے درجہ سرد اور اتنے درجے خشک اس لئے اس میں سرد خشک، سرد تر اور گرم خشک گرم تر ہی صورت قائم رہتی ہے۔ لیکن اس صورت میں اثرات اشیاء میں بعض وقت مغالطہ پیدا ہوتا ہے، اس لئے ہم نے اعضاء میں اثرات کے لئے تقدم وتاخر قائم

رکھا ہے۔اس طرح ''عضلاتی اعصابی'' کے مقابلے میں بعض اشیاء اعصابی عضلاتی بھی ہوتی ہیں۔

کونین کے افعال

نظریہ مفرد اعضاء کے تحت کونین کے افعال اس طرح بنتے ہیں: محرک عضلات، مسکن غدود اور محلل اعصاب۔ یعنی خلیات وانسجہ عضلاتی میں تحریک وانقباض ہوگا۔ غدی خلیات وانسجہ میں رطوبات کی زیادتی سے سکون ہوگا اور اعصابی خلیات اور انجسہ کی طرف خون کی زیادتی سے دباؤ اور حرارت کا اثر زیادہ ہوگا جہاں پر تحلیل اور کمزوری واقع ہوگی۔

کونین کے خواص

چونکہ کونین عضلاتی خلیات اور انجسہ (سیلز اینڈ ٹشوز) میں تحریک اور انقباض پیدا کرتی ہے اس لئے ان کے سکڑنے پر دل کے فعل میں تیزی اور گھبراہٹ، سر سے لے کر پیر تک عضلات میں تحریک جسم میں ریاح کی زیادتی، رطوبات میں خشکی، ناک منہ آنکھ کی رطوبات میں خشکی، پیشاب و منی اور ودی و مذی میں رکاوٹ، سیلان الرحم میں خشکی، قبض، پیٹ میں تیزی اور ریاح کی وجہ سے کبھی تے اور کبھی پیچش دماغی عضلات میں تیزی سر چکرانا اور کان میں شائیں شائیں ہوتی ہے۔

چونکہ غدود کے خلیات وانسجہ میں رطوبات کی زیادتی ہوگی اس لئے جگر وطحال اور گردوں وغیرہ دیگر غدود میں حرارت کی کمی واقع ہوجائے گی۔ غشائے مخاطی ٹھنڈی ہوگی، خون کی پیدائش اور اس کی سرخی کی پیدائش اور تقویت خون رُک جائے گی۔ اگر جسم خصوصاً عضلاتی خلیات اور انسجہ میں جب تک رطوبات ہیں اس کا اثر مفید ہوگا۔ لیکن وہاں رطوبات کم ہونے پر مضر اثرات شروع ہوجائیں گے۔

چونکہ اعصاب اور دماغ کی طرف خون کی زیادتی کی وجہ سے وہاں پر دباؤ اور حرارت کی زیادتی ہے اس لئے وہاں پر تحلیل اور کمزوری واقع ہوگی، جو لوگ اس کو طاقت اعصاب ودماغ اور خاص طور پر قوت باہ کے لئے استعمال کرتے ہیں، وہ اب اندازہ لگائیں کہ یہ کہاں تک مفید ہے جبکہ یہ خصیوں میں حرارت کو کم کرتی ہے اور رطوبات کی پیدائش میں بھی کرتی ہے اور اس سے وہاں پر سردی پیدا ہوجاتی ہے۔ البتہ امساک کے لئے مفید ہے۔ اور جو لوگ ملیریا کی روک تھام کے لئے روزانہ استعمال کرتے ہیں، ان کے جسم کی طاقت کا کیا حشر ہوسکتا ہے۔

چونکہ اس کا ردِّعمل حرارت ہے، اس لئے طبیعت مدبرہ بدن جسم میں حرارت پیدا کرنے کی کوشش کرتی ہے، اس لئے ڈاکٹر ہانمن نے تجربات میں کونین سے بخار ملیریا پیدا ہوتا رہا ہے۔ اس لئے جب ملیریا بخار چڑھ جاتا ہے تو اس کی قلیل مقدار دینے سے اس کی حرارت میں کچھ اضافہ ہوتا ہے اور بخار اتر جاتا ہے۔ البتہ بڑی مقدار میں اس کے اثرات خراب اور نقصان رساں ہوتے ہیں۔ بلکہ کثرت استعمال سے ایک قسم کا کونینی زہر (کونین پائزننگ) ہوجاتا ہے۔ اس لئے اس کو بغیر ضرورت کے استعمال کرنا نقصان رساں ہے۔

کونین کے یہ اثرات وافعال اور خواص بہت ہی مختصر لکھے ہیں۔ اگر تفصیل سے لکھے جائیں اور فرنگی طب کی کتب میٹریا میڈیکا سامنے رکھ کر ان کی غلطیاں بھی بیان کی جائیں تو یقیناً بہت طویل کتاب بن سکتی ہے۔ اب اہل علم وصاحب فن اور حکماء اور محقق خود اندازہ لگا سکتے ہیں کہ فرنگی طب میں کونین کو کیا اہمیت ہے اور وہ باوجود آلات اور مشینوں کے ہوتے ہوئے اپنی گھر کی دوا کے اثرات وافعال اور خواص سے بھی صحیح طور پر واقف نہیں ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ ہم ان کی ہر دواء کو اپنی تحقیقات کی روشنی میں غلط ثابت کرسکتے ہیں اور اپنے رسالہ رجسٹریشن فرنٹ میں ہر ماہ کر رہے ہیں۔

❁ ❁ ❁

کتاب حمیات اجامیہ پر ایک نظر

''تحقیقات حمیات'' کے زمانے میں مجھے ''کتاب حمیات اجامیہ'' بھی دیکھنے کا اتفاق ہوا جو جناب حکیم کبیر الدین صاحب نے تالیف کی ہے اور جس کو ''دفتر المسیح'' قرول باغ دہلی نے شائع کیا ہے۔ جس کا سائز 26x20/8 ہے اور صفحات 160 ہیں۔ یہی کتاب ہے جس نے مجھے مجبور کیا کہ میں ملیریا کے متعلق اپنی تحقیقات تفصیل سے لکھوں ورنہ میں اپنی کتاب ''تحقیقات حمیات'' میں اشارۃً یہ لکھ چکا تھا کہ ملیریا کوئی بخار نہیں ہے اور کونین کے متعلق بھی لکھ چکا تھا کہ نہ فرنگی طب اس کے خواص سے واقف ہے، اور نہ وہ ملیریا کا علاج ہے۔

''کتاب حمیات اجامیہ'' ملیریا بخاروں (حمیات اجامیہ) کے متعلق ہے، اس لئے مجھے بھی لازم ہو گیا کہ پہلے میں ملیریا بخاروں کے متعلق اپنی تحقیقات پیش کروں تو اس کے ساتھ ہی ''کتاب حمیات اجامیہ'' کے متعلق ان دو باتوں کا ذکر کروں۔ کیونکہ کسی کام کی برائی بیان کر دینا تو آسان ہے مگر کسی برے کام کو صحیح اور درست کر کے دکھانا مشکل ہے اس لئے میں نے پہلے ملیریا بخاروں کے متعلق اپنی تحقیقات پیش کی ہیں، اب جن دو اہم باتوں کا ذکر کروں گا۔ وہ درج ذیل ہیں۔

اول: لفظ ''اجامیہ'' کے اضافہ کے ساتھ انہوں نے ملیریا بخاروں کے متعلق فرنگی طب کی تمام معلومات درج کر دی ہیں، گویا لفظ ''اجامیہ'' کے اضافہ کے ساتھ انہوں نے ملیریا کو مشرف باسلام کر لیا ہے۔ لطف کی بات یہ ہے کہ انہوں نے باتوں کے ہیر پھیر کے ساتھ اپنی ساری کتاب ''مخزن حکمت'' از شمس الاطباء حکیم ڈاکٹر غلام جیلانی بھاٹی گیٹ لاہور سے نقل کی ہے اور کہیں ان کا حوالہ نہیں دیا۔ دونوں کتابوں کو سامنے رکھ کر مقابلہ کیا جا سکتا ہے۔

دوم: ملیریا بخاروں کو طب یونانی کے بخاروں کے ساتھ ایسا تطبیق کیا ہے کہ کوئی بخار نہیں چھوڑا۔ یعنی بلغمی، صفراوی اور سوداوی بلکہ دموی بخاروں کو بھی ایک ہی جگہ جمع کر دیا ہے۔ یعنی اخلاط و کیفیات کے تمام بندھن توڑ دیئے ہیں گویا اپنی طرف سے ہر طرح یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ ملیریا واقعی طب یونانی کا ایک بخار ہے۔ تفصیل درج ذیل ہے۔

جناب حکیم کبیر الدین صاحب اس کتاب کے دیباچہ میں تحریر فرماتے ہیں (حمیات اجامیہ) دفتر المسیح کے سلسلہ رسائل کی ایک زبردست اور اہم کڑی ہے جسے اصحاب نظر اور ارباب ذوق دیکھ کر غالباً بہت زیادہ محظوظ ہوں گے۔ موسمی بخاروں میں کتنے مریض مبتلا ہوتے ہیں اور ملیریا (اجامیہ) سے ہمارے ملک میں کتنی اموات ہوتی ہیں اور اس موذی مرض کے عوارض کس قدر ہیں، اس کا صحیح اندازہ مطب کے روزمرہ کے مریضوں سے ہمارے اطباء اچھی طرح کر سکتے ہیں۔ ایسے اہم اور کثیر الوقوع مرض کے لئے ایک مستحکم اور زبردست خوش اسلوبی کے ساتھ پورا کیا ہے۔ طرز بیان، نوعیت اصطلاحات اور تحقیق و تدقیق میں ان تمام امور کی پوری پابندی کی گئی ہے جو دفتر المسیح کے مطبوعات کی عام اور ممتاز خصوصیت ہے۔ لیکن اگر اس میں اہل نظر حضرات کوئی کمی تصور فرمائیں جو ''خاصہ انسانی'' ہے تو اپنے ضروری مشورہ سے دفتر المسیح کو اطلاع دیں کہ طبع ثانی میں اس کی تلافی کر دی جائے۔ [محمد کبیر الدین 8 مئی 1933ء]

گویا جناب حکیم کبیر الدین صاحب کی ایک زبردست اور اہم تالیف ہے، جس کو نہ صرف خوش اسلوبی کے ساتھ پورا کیا ہے بلکہ اس سلسلہ طرز بیان ونوعیت اصطلاحات اور تحقیق وتدقیق میں تمام امور کی پابندی کی گئی ہے۔ گویا (جیسا کہ سرورق پر لکھا ہوا ہے) موسمی بخاروں (ملیریا۔ اجامیہ) کا مفصل بیان طب جدید سے پوری تحقیق وکاوش کے ساتھ لکھا گیا ہے، اس تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب حکیم صاحب موصوف کو اپنی اس تحقیق وتدقیق پر ناز ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اوّل تمام کی تمام کتاب عنوان بعنوان نقل کی گئی ہے اور دوسرے طب کے بنیادی قوانین کو بری طرح سے ختم کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ قارئین کو میری تحقیقات اور انکشافات سے اندازہ ہو گیا ہوگا جو فرنگی طب کی غلطیوں اور گمراہیوں کے متعلق بیان کی گئی ہیں اور جناب حکیم کبیر الدین صاحب بھی انہی فرنگیوں کی نمائندگی کر رہے ہیں۔ اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ان کا مقام کیا ہے۔ میں ان کو علم وفن طب کا دشمن تو نہیں کہتا البتہ نادان دوست کہتا ہوں۔ اور جو اہل فن وصاحب علم اور حکماء ومحقق ان کی تمام تالیفات وتراجم کا مطالعہ اور خاص طور پر انہوں نے طب قدیم پر جو اعتراض کئے ہیں، اسی نتائج پر پہنچیں گے۔ ہم انشاء اللہ تعالیٰ ان کی تمام کتب کی اغلاط وخرابیاں اور گمراہیاں خاص طور پر ان کے طب قدیم پر اعتراضا کے جواب بہت جلد طبی دُنیا میں پیش کر دیں گے تا کہ طب یونانی کی شکل وصورت اور خط وخال دُنیا طب خصوصاً فرنگی طب کے سامنے آ جائیں اور وہ شرم سے اپنا منہ چھپا لے۔ کتاب ''حمیات اجامیہ'' میں حکیم صاحب موصوف نے طب یونانی کو جو غلط اور گمراہ کن طریق پر استعمال کیا ہے، ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس کی حقیقت اور وضاحت بیان کر دی جائے۔ تا کہ جن لوگوں نے وہ کتاب پڑھی ہے وہ گمراہی اور غلط فہمی سے بچ جائیں۔

حمیات اجامیہ کی وجہ تسمیہ

جناب حکیم کبیر الدین صاحب حمیات اجامیہ کی وجہ تسمیہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ''حمیات اجامیہ کو ڈاکٹری میں ملیریا نیورس کہتے ہیں، اس کے علاوہ یہ تپ موسمی کے نام سے بھی مشہور ہے۔ حمیات ''حمی'' کی جمع ہے، اور حمی کے معنی تپ یا بخار کے ہیں۔ ''اجام یا آجام'' اجمہ کی جمع ہے جس کے معنی نیستیاں کے ہیں، یعنی وہ مقام جہاں بانس اور سرکنڈے بکثرت اُگے ہوئے ہوں۔ اسی طرح ''میاہ آجامیہ'' سے مراد وہ رُکا ہوا پانی ہے جس کے اندر اور جس کے گرد بانس اور سرکنڈے وغیرہ اُگے ہوئے ہوں۔ جس میں نباتاتی اشیاء سڑ گل رہی ہوں۔ اسی طرح ''بطیحہ'' کے معنی جھیل کے ہیں اور ''میا بطائحیہ'' اس رُکے ہوئے پانی کو کہتے ہیں جس کے گرد درخت اور نباتات اُگے ہوئے ہوں۔

چونکہ ایسے مقامات کے باشندگان میں امراض اجامیہ (مثلاً اورام طحال، اورام جگر، حمیات غب، ربع اور مواظبہ وغیرہ بکثرت پیدا ہوتے ہیں، اس لئے ان امراض میں وجہ تسمیہ میں مناسبت کافی ہے''۔

ملیریا کو اجامیہ ثابت کرنے کے بعد انہوں نے سمجھ لیا کہ بہت اچھا کارنامہ ہو گیا۔ اب وہ بہت آسانی سے ملیریا کو طب یونانی کا بخار ثابت کر دیں گے۔ اب چاہئے تو یہ تھا کہ کتب قدیم سے وہ حمیات اجامیہ کے اسباب وعلامات اور حالات لکھتے، لیکن طب قدیم میں حمیات اجامیہ کا کہیں ذکر نہیں ہے، تو جناب نے فرنگی طب ملیریا کے تمام بیان کو نقل فرما کر اور بعض مقامات طب قدیم کے بخاروں کو توڑ پھوڑ کر تطبیق دے ڈالی اور اپنی اس جلد بازی میں یہ بالکل ہی نظر انداز کر گئے کہ اس سے طب قدیم کے بنیادی قوانین پر کس قدر شدید تباہی بلکہ طب یونانی جس کو ''جناب'' طب اسلامی کہتے ہیں ختم ہو جاتی ہے۔ چونکہ انکا ضمیر ان کی اپنی تحقیق کو تسلیم نہیں کرتا تو آگے چل کر لکھتے ہیں کہ حمائے اجامی (مواظبہ، غب، ربع وغیرہ) کو اطباء قدیم حمیات خلطیہ کے تحت شمار کرتے ہیں۔ جو اخلاط کی عفونت سے پیدا ہوتے ہیں۔

اس حقیقت سے تو انکار نہیں ہے کہ مواظبہ، غب، ربع وغیرہ حمیات خلطیہ ہیں۔ لیکن یہ کیسے سمجھ لیا کہ وہ تمام بخار ایک ہی قسم کی خلط کے ماتحت آ جاتے ہیں۔ کیونکہ مواظبہ میں بلغم متعفن ہوتی ہے۔ غب میں صفراء خراب ہوتا ہے اور ربع میں سودا کے اندر فساد پایا جاتا ہے۔ ہر ایک کے اسباب و علامات اور علاج مختلف ہیں وہ سب حمیات اجامیہ کے تحت ایک جگہ کیسے اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ اگر وہ سب ایک ہی شے ہیں تو پھر الگ الگ خلط و مزاج اور کیفیات کے تحت کیوں تسلیم کیا گیا ہے۔ اس کا مقصد تو یہ ہوا کہ اخلاط و مزاج اور کیفیات کا دھندا صرف ایک بکھیڑا ہے اور طب یونانی اس میں گرفتار ہے اور جب تک وہ اس میں گرفتار ہے وہ بھی ترقی نہیں کر سکتی۔ یہی بات جناب نے قانون عصری میں تحریر فرمائی ہے (اس پر بھی ہم بہت جلد تنقید و تبصرہ کریں گے)۔ اور یہی وجہ ہے کہ آپ نے فرنگی کے ''ٹی بی'' کو تسلیم کر کے اس کا جراثیمی علاج قبول کر لیا ہے۔ اس کی وضاحت بھی ہمارے اوپر لازم ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ بہت جلد کریں گے۔ یہی وجہ ہے کہ اس قسم کے فرنگی خیالات پھیلانے کے لئے جناب نے پہلے اپنی کتاب ''افادات کبیر'' کے آخر میں طب قدیم کے قوانین (Laws) پر سختی سے اعتراضات کئے ہیں۔ جن کے جوابات جناب نے ابھی تک نہیں دیئے ہیں۔ گویا طب قدیم کو آپ خود فنا کر چکے ہیں اور پھر اس کے بہت بڑے نمائندے اور لیڈر بھی بنتے ہیں۔ اور اس تباہی و بربادی کا نام تجدید طب رکھا جاتا ہے۔

قدیم خیالات

بخاروں کے متعلق جناب حکیم کبیر الدین صاحب طب قدیم کے خیالات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''عفونت گاہے تمام بدن میں ہوتی ہے اور گاہے کسی ایک عضو میں پیدا ہوتی ہے اور اگرچہ عفونت ہر چہار اخلاط (خون، صفراء، بلغم، سودا) میں پیدا ہو سکتی ہے، لیکن اطبائے قدیم کے خیال کے مطابق خون کی عفونت سے جو بخار پیدا ہوتا ہے وہ حمائے مطبقہ ہے''۔

اوپر تو حکیم صاحب موصوف نے حمائے اجامی کو صرف مواظبہ، غب اور ربع وغیرہ کو تسلیم کیا ہی تھا اور ''حمائے مطبقہ'' کو بھی مان رہے تھے، جو خون کی عفونت کا بخار ہے۔ شکر ہے طب قدیم نے صرف چار ہی اخلاط مانے، اگر انہوں نے زیادہ مانے ہوتے تو ان سب کو بھی ملیریا کا شکار ہونا پڑتا۔ اس کے بعد خود ہی طب قدیم کے بخاروں کی تشریح کرتے ہیں، مگر پھر بھی اخلاط کے اختلاف کو نہیں سمجھتے۔ لکھتے ہیں: ''صفراء کی عفونت سے جو بخار ہوتا ہے وہ حمائے غب، تپہ یا تجاری بخار کہلاتا ہے اور اس کی باری تیسرے روز ہوتی ہے اور اگر صفراوی بخار لازمی ہو تو اس کی شدت تیسرے روز ہوتی ہے۔ اور اگر بلغم کی عفونت سے ہوتا ہے تو اس کی روزانہ ہوتی ہے۔ لیکن اگر وہ ہر وقت رہتا ہے (لازمی ہوتا ہے) تو روزانہ کسی ایک وقت شدید ہوتا ہے اور اگر سودا کی عفونت سے ہوتا ہے تو چوتھے روز باری ہوتی ہے اور اگر یہ لازمی ہوتا ہے تو چوتھے روز اس کی شدت ہوتی ہے''۔

باوجود طب قدیم کے بخاروں کی تشریح اور توضیح کے جناب حکیم موصوف ان سب کو جو سبب اجامیہ (ملیریا) قرار دیتے ہیں، لیکن وہ اس حقیقت کو نہیں سمجھاتے کہ ایک ہی سبب چار مختلف اخلاط پر اثر انداز ہونا ان کو کیسے متعفن کر سکتا ہے۔ اگر وہ کسی ایک یا دو کو جو اس کی طبع کے مخالف ہوں متعفن تو کر سکتا ہے اور جو اخلاط اس کی طبع کے مخالف نہیں ہیں، ان کو کیسے متعفن کر سکتا ہے۔ پھر جبکہ ہر خلط کا مقام جدا ہے اور اس کا تعلق ایک الگ عضو کے ساتھ ہے۔ اگر یہ بھی تسلیم کر لیں کہ چونکہ سارا خون متعفن ہو جاتا ہے اس لئے سارے اخلاط متعفن ہو جاتے ہیں۔ لیکن ایسا کوئی بخار طب قدیم میں نہیں ہے، اگر ہم مرکب بخاروں کو ایک ایسا بخار تسلیم بھی کر لیں جیسا کہ آیورویدک میں سنیات جور ہے تو بھی ہم دیکھتے ہیں کہ ملیریا بخار کا اثر جگر اور طحال سے آگے نہیں بڑھتا۔ اس میں کبھی بھی دِل، دماغ اور عضلات و اعصاب کے اندر تعفن پیدا نہیں ہوتا اور نہ ہی ان مقامات پر رطوبات کی زیادتی ہوتی ہے۔ جادو وہ ہے جو سر چڑھ کر بولے۔

اب اہل علم و صاحب فن اور حکماء و محقق خود ہی اندازہ لگالیں کہ ہم ملیریا بخار کو کس خلط اور کس عضو کے ساتھ مخصوص کریں، کیا اس کا نام تحقیق ہے، اور اس کو تجدید فن کہتے ہیں۔

جدید تحقیقات

جدید تحقیقات یعنی فرنگی طب کی تحقیقات کے متعلق لکھتے ہیں: ''اطبائے جدید (فرنگی ڈاکٹر) مذکورہ بالا طریق سے اخلاط کی عفونت کو تسلیم نہیں کرتے اور نہ آج کل یہ پرانا خیال تسلیم کیا جاتا ہے کہ اس بخار کا سبب وہ خراب اور فاسد ہوا ہوتی ہے جس کی وجہ سے اس کا نام ملیریا ہے۔

تحقیقات جدیدہ (فرنگی سائنس) کی رو سے ملیریا زہریلی ہوا نہیں ہے بلکہ خاص قسم کے جراثیم ہیں۔ جو ایک خاص قسم کے مچھر (جس کا نام انافلیز ہے) کے کاٹنے سے انسان کے خون میں داخل ہو جاتا ہے۔ اور اس بخار کو پیدا کرتے ہیں۔ چنانچہ (فرنگی ڈاکٹر) اس بخار کی تعریف اس طرح کرتے ہیں۔

ملیریا ایک متعدی مرض ہے جو خون میں خاص قسم کے جراثیم کی موجودگی میں پیدا ہوتا ہے۔ اس میں بخار کا ہونا تلی اور جگر کا بڑھ جانا، ضعف و نقاہت کا لاحق ہونا، خصوصی علامات ہیں۔ لیکن اصطلاحاً ان شدید بخاروں کو اجامیہ (ملیریا) کہتے ہیں جو حیوانی قسم کے جراثیم سے پیدا ہوتے ہیں''۔

جناب حکیم کبیر الدین صاحب نے مندرجہ بالا جدید تحقیقات کے جواب دینے کی ناکام کوشش کی ہے۔ لکھتے ہیں دو مذکورہ بالا بیان سے یہ نہ سمجھا جائے کہ یہ نیا مرض ہے بلکہ یہ ایک قدیم مرض ہے (صرف اس کا نام حمائے اجامی جدید مجوزہ ہے)۔ یونانی اور رومی اطباء زمانہ قدیم سے اس سے واقف تھے، چنانچہ مشہور و معروف حکیم بقراط نے (جس کا زمانہ حضرت مسیح علیہ السلام سے چار سو ساٹھ سال قبل ہے) اور اس کے بعد حکیم جالینوس اور رومی حکیم کلوس نے اس قسم کے بخاروں کو بیان کیا ہے۔ اگرچہ وہ بیانات آج کل کی مدونہ کتب میں دوسرے طریقہ سے درج ہیں۔ تاہم ان کے عوارض اور علامات وغیرہ کو دیکھ کر معلوم ہوسکتا ہے کہ وہ درحقیقت حمیات اجامیہ ہی ہیں۔ چنانچہ ان میں روزانہ مواظبہ یا بلغمی، تیسرے روز آنے والے بخار کو غب یا صفراوی اور چوتھے روز آنے والے بخار کو ربع (چوتھیا) کہا گیا ہے۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ قدیم اطباء کے نقطہ نظر سے ان میں بیان کردہ اخلاط کی زیادتی اکثر ہوتی ہے اور اطبائے جدید اگرچہ اطبائے قدیم کی بیان کردہ تعفن اخلاط کو اس کا سبب نہیں گردانتے۔ لیکن اخلاط میں تعفن ضرور ہوتا ہے۔ خواہ مچھر کاٹنے سے ہو یا کسی اور وجہ سے ہو، حمائے اجامی کو یونانی الاصل ثابت کرنے کے بعد پھر فرنگی طب کی تحقیقی نوعیت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں لیکن اس کو فراموش کر جاتے ہیں کہ ان کی تمام کوشش ملیریا کو اجامیہ ثابت کرنے والی ختم ہو جاتی ہے۔ تحریر فرماتے ہیں: ''بہر حال کچھ عرصہ پیشتر حمائے اجامی (ملیریا) کا سبب زہریلی خراب ہوا سمجھی جاتی ہے۔ لیکن جوں جوں تحقیقات میں اضافہ ہوتا گیا فاسد اور زہریلی ہوا کو اس کا سبب قرار دینے میں تعمیل کیا جانے لگا۔ اور اس کا سبب خاص قسم کا مچھر قرار دیا گیا''۔

اس فرنگی تحقیق کو بیان کرنے کے بعد معاً خیال آ گیا کہ ''اجامیہ'' کی اہمیت ختم ہو رہی ہے تو پھر اجامیہ کی طرف لوٹتے ہیں اور لکھتے ہیں ''لیکن یہ واضح ہے کہ صرف مچھر کو سبب قرار دینے میں بھی خراب اور زہریلی ہوا سے گریز نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ بارش کے زمانے میں جب گرم اور مرطوب مقامات پر نباتاتی مادے گلتے سڑتے ہیں تو ان کے فساد و تعفن سے ہوا بھی متکیف ہوتی ہے اور اس سے مچھر کی پیدائش میں غیر معمولی افزائش ہو جاتی ہے۔ بہر حال ان سب باتوں کا باہمی گہرا تعلق ہے''۔ اس تعفن اور فساد کے تعلق پر زور دے کر نا ک

الٹا پکڑنے سے سیدھے ناک پکڑ کر کہا جا سکتا ہے کہ جو فساد تعفن ہوا کو خراب کر دیتا ہے وہی مچھر اور جراثیم بھی پیدا کر دیتا ہے۔ کیونکہ اس خاص موسم اور ماحول کے بغیر نہ ہوا خراب ہو سکتی ہے اور نہ ہی مچھر اور جراثیم پیدا ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ مچھر اور جراثیم بہر حال مخلوق ہیں کیونکہ ازلی اور ابدی مخلوق نہیں ہیں۔ جو مخلوق ہے وہ اس کا مناسب زمانے و ماحول اور خاص قسم کے تعفن میں پیدا ہو جانا ممکن ہے، اس طرح مچھر اور جراثیم تسلیم کرنا ضروری نہیں ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ بغیر مچھر کے کاٹے ملیریا ممکن نہیں ہے اس طرح مچھر اور جراثیم سے تسلیم کرنا ضروری نہیں ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ بغیر مچھر کے کاٹے ملیریا ممکن نہیں ہے تو یہ بالکل غلط ہے کیونکہ حرارت غریبہ میں خود یہ قابلیت ہے کہ وہ جسم انسان کے اندر جو مواد ہے کہ اس میں تخمیر فساد کی صورت ہو کر جراثیم ملیریا پیدا ہو سکتے ہیں۔

جب فرنگی طب خود یہ تسلیم کرتی ہے کہ ملیریا میں طحال اور جگر بڑھ جاتا ہے، اور دونوں کا بڑھنا ان کے اندر رطوبات کی زیادتی ہوتی ہے تو جناب حکیم کبیر الدین اس بخار کو بلغمی، سوداوی بلکہ دموی کیوں کہتے ہیں جبکہ ان بخاروں کا تعلق جگر اور طحال کے ساتھ نہیں ہے، جبکہ انہوں نے ہر بخار کی جدا جدا تعریف کی ہے اور وہ تمام کسی ایک عضو کے بگڑنے سے پیدا نہیں ہوتے۔ اگر ہم ملیریا کو اس قسم کا بخار تسلیم کر لیں کہ اس کا تعلق تمام اخلاط سے ہے تو پھر طب قدیم کا بنیادی قانون اخلاط و مزاج بالکل ختم ہو جاتا ہے، اس امر کو قطعاً تسلیم نہیں کیا جا سکتا کہ فرنگی طب کے ملیریا کا کوئی تصور طب قدیم میں بھی ہے۔ جس بخار کو طب قدیم میں حمائے اجامی کہا جاتا ہے وہ صرف موسمی بخار ہے جس کا تعلق صحیح طور پر صرف جگر سے ہے۔ طحال میں خرابی صرف اس لئے پیدا ہوتی ہے کہ جسم میں جو رطوبات زیادہ ہو جاتی ہیں، جن کو غدود جاذبہ اکٹھا کر کے طحال میں اکٹھا کر دیتے اور وہ تلی جگر کی طرح بڑھ جاتی ہے ورنہ اگر سوداوی بخار ہو تو سودا میں تعفن پیدا ہونا ضروری ہے۔

اگر حکیم کبیر الدین صاحب دلیل کے لئے روزانہ بخار کا آنا، تیسرے روز کا بخار آنا اور چوتھے روز بخار آنا بلغمی و صفراوی اور سوداوی بخاروں کی دلیل ہے تو جب تمام اخلاط کے لازمی بخار ہوتے ہیں اس صورت میں وہ کیا دلیل دے سکتے ہیں۔ اس طرح کی باریاں آنا صرف صفراء کی کمی بیشی پر منحصر ہے یعنی اگر صفراء کی زیادتی ہے تو بخار لازمی رہتا ہے، اگر کم ہو تو روزانہ آتا ہے۔ اگر اور کم ہو تو تیسرے روز آتا ہے، اسی طرح چوتھے و پانچویں اور چھٹے و ساتویں روز تک باریاں چلی جاتی ہیں۔ جب چوتھے و پانچویں اور چھٹے و ساتویں روز کے بخاروں کو سوداوی بخار مانا جاتا ہے تو کیوں نہیں ان کو صفراوی تسلیم کر لیا جاتا۔ جبکہ صفراء جل کر سودا بن سکتا ہے۔ جس قدر صفراء کی زیادتی ہو گی اسی قدر جگری بخار جلد ختم ہو جاتے ہیں، اس کا علاج بھی یہی ہے کہ اس بخار میں صفراء کو بڑھایا جائے، فوراً بخار اتر جاتا ہے۔

اس بخار سے تحفظ کی آسان تدبیر بھی یہی ہے کہ ملیریا کے دنوں میں جسمی حرارت اور صفراء کو بڑھا دیا جائے۔ اس طرح ہر انسان اس بخار سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ جس قدر اس میں خراب علامات پیدا ہوتی ہیں وہ رطوبات کی زیادتی اور صفراء و حرارت کی کمی ہوتی ہے۔ ان کا علاج بھی حرارت و صفراء کا بڑھانا اور جگر کے فعل کو تیز کرنا ہے۔ اس حقیقت کو بھی ذہن نشین کر لیں کہ بدن میں جس قدر صفراء اور حرارت کی کمی ہو گی یعنی رطوبات زیادہ ہوں گی اسی قدر اس بخار میں جاڑا سردی زیادہ لگے گی بخار دیر تک رہے گا۔ اور دیر میں اترے گا۔

ان حقائق کو جناب حکیم کبیر الدین بھی تسلیم کرتے ہیں اور اس عجیب کتاب کے صفحہ 30 کے دوسرے پیراگراف میں لکھتے ہیں:

''تپ بلغمی میں جس قدر صفراء کی آمیزش زیادہ ہوتی ہے، اسی قدر اس کی نوبت کی مدت چھوٹی ہوتی ہے، اور باری جلد ختم ہو جاتی ہے''۔

ایک اور دلیل یہ ہے کہ انہوں نے صفہ 31 پر مستفیدین کے تحت (شیخ) کا بیان لکھا ہے: ''یہ بخار اگرچہ بوڑھوں، جوانوں اور بچوں سب کو لاحق ہوا کرتا ہے، لیکن زیادہ تر مرطوب مزاج یعنی بلغمی مزاج کے اشخاص میں پیدا ہوا کرتا ہے یا ان اشخاص کو لاحق ہوتا ہے جو ورزش نہیں کرتے اور آرام طلب ہوتے ہیں۔ علاوہ ازیں یہ بخار ان اشخاص میں بھی بکثرت لاحق ہوتا ہے جو بدہضمی میں مبتلا رہتے ہیں یا جو کھانا کھا

کروزش یا حمام کرتے ہیں یا جن کے معدے پر نزلہ گرتا رہتا ہے''۔ [شیخ]

اس بیان کی توضیح جناب حکیم صاحب ممدوح اس طرح کرتے ہیں کہ ان تمام صورتوں میں بدن کے اندر بلغم افزائش ہو جاتی ہے اور غالباً اسی قرینہ کو دیکھ کر متقدمین نے اس قسم کے بخار کو بلغمی کہا ہے۔

اب اندازہ کیا جا سکتا ہے، جس کو جناب حکیم صاحب ممدوح اپنی شاندار تحقیقات بیان کر رہے ہیں وہ درحقیقت اجامیہ (ملیریا) کی حقیقت سے بھی واقف نہیں ہیں۔ ان کی ایک اور گمراہی ملاحظہ ہو۔ کتاب کے صفحہ 48 کے نیچے آخری پیراگراف میں لکھتے ہیں: ''اس طرح گاہے ایک بخار دوسرے بخار میں تبدیل بھی ہو جاتا ہے، مثلاً حمائے غب منتقل ہو کر مواظبہ ہو جاتا ہے۔ اور مواظبہ سے لازمہ مفترہ بن جائے۔ اس طرح اس کے برعکس مثلاً مواظبہ منتقل ہو کر غب بن جائے یا لازمہ منتقل ہو کر دائرہ بن جائے''۔ یہ قانون فطرت کے خلاف ہے کہ یہ تسلیم کر لیا جائے کہ ایک بخار دوسرے بخار میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ جیسے فرنگی ڈاکٹر تسلیم کرتے ہیں کہ ٹائی فائیڈ (محرقہ بطنی) نمونیہ (خلت الریہ) ہو جاتا ہے۔ اگرچہ دونوں متضاد بخار ہیں اور پھر ٹائی فائیڈ کے جراثیم کیسے نمونیہ کے جراثیم بن جاتے ہیں، اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ امعاء کی بیماری پھیپھڑوں میں گھس جاتی ہے، اگر ایسا ہو جائے تو یقیناً ٹائی فائیڈ ختم ہو جائے گا۔ اسی طرح اگر ایک بخار دوسرے میں بدل جائے تو پہلا بخار فطرۃً اور قدرۃً بدل جائے گا۔ علاج میں بھی تو یہی کیا جاتا ہے کہ ادویات سے اخلاط کے مزاج میں کمی بیشی کر دی جاتی ہے اور جسم انسان کی کیفیات بدل جاتی ہیں، کیونکہ بالضد ادویات دی جاتی ہیں۔ جناب حکیم صاحب موصوف نے یہ صورت اس لئے اختیار کی ہے کہ وہ ملیریا میں مختصر اخلاط کے بخاروں کو صحیح ثابت کرنا چاہتے ہیں تاکہ ان کی تالیف ایک زبردست تحقیق اور شاہکار کا مقام حاصل کر لے لیکن حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے قانون اور اصول چھوڑ کر طب قدیم کو الٹی چھری سے فرنگی طب پر قربان کرنے کی کوشش کی ہے۔

یہ جو کچھ بھی ہم نے لکھا ہے صرف ماہیت ملیریا کے متعلق لکھا ہے اور بہت ہی اختصار کے ساتھ لکھا ہے۔ اور اگر تفصیل کے ساتھ لکھتے تو ہم ملیریا کے تمام بخاروں پر ایک ایک کر کے بحث کرتے جو جناب حکیم کبیر الدین نے غلط طور پر بیان کی ہیں۔ اس کے ساتھ ہی ان کی علامات و علاج اور حفظ صحت و بیماری اور اغذیہ و ادویہ ہر مقام پر بے شمار اغلاط و گمراہیاں اور بے علمی کے مظاہرے ہیں جن کا اندازہ قارئین ہمارے اس نقد و نظر سے لگا سکتے ہیں۔

جو کچھ ہم نے ملیریا کے متعلق تحقیقات پیش کی ہے ان کو سامنے رکھ کر اگر غور کیا جائے تو جو نسخے انہوں نے لکھے ہیں سب کے سب بالکل اسی طرح غلط ہیں جس طرح کونین سے ملیریا کا علاج کرنا غلط ہے۔

جناب حکیم کبیر الدین نے بھی کونین کے متعلق بہت کچھ لکھا ہے۔ مگر سوائے حمیات اجامیہ میں مفید بتانے کے نہ اس کا مزاج لکھا ہے اور نہ ہی اس کے اثرات و افعال اور دیگر خواص سے بحث کی ہے۔ البتہ اس کے مضر اثرات کا ذکر ضرور کیا ہے، کونین کا ذکر برکین کے نام سے کرتے ہیں، افسوس اس دواء کے مضر اثرات بیان کرتے ہوئے یہ نہیں سمجھا کہ یہ ملیریا کے لئے کس حد تک مفید ہے اور اس کے استعمال سے کیسے خوفناک امراض پیدا ہوتے ہیں۔

برکین کے مضر اثرات

جناب حکیم کبیر الدین صاحب لکھتے ہیں: ''اگر برکین کو زیادہ مقدار میں استعمال کیا جائے یا عرصہ تک استعمال کیا جائے تو کانوں میں مختلف قسم کی آوازیں آنے لگتی ہیں، دِل دھڑ کنے لگتا ہے اور بدن کانپنے لگتا ہے، بے خوابی اور بے چینی بڑھ جاتی ہے، سر بھاری معلوم ہونے لگتا ہے۔

اگر برکین بہت زیادہ مقدار میں استعمال کی جائے تو اس سے قوت بصارت میں خلل واقع ہو جاتا ہے، بینائی کمزور ہو جاتی ہے، چال لڑکھڑانے لگتی ہے، سر میں درد شدید ہونے لگتا ہے، اور ہذیان ہو کر مریض بالکل بے ہوش ہو جاتا ہے، اور گاہے انتہائی ضعف کی حالت میں قلب یا تنفس کے بند ہو جانے سے مریض کی ہلاکت کا اندیشہ ہوتا ہے۔ اگرچہ برکین کا استعمال ترک کر دینے سے مذکورہ خطرناک علامات بہت جلد رفع ہو جاتی ہیں، لیکن گاہے کانوں اور آنکھوں کی علامتیں باقی رہ جاتی ہیں، یعنی کانوں میں مختلف قسم کی آوازیں آتی رہتی ہیں اور ان سے اونچا سننے لگتا ہے اور بینائی کم ہو جاتی ہے۔

گاہے پرانے حمیات اجامیہ میں برکین کے کثرت استعمال سے بول الدم (خون آلود پیشاب) کی شکایت ہو جاتی ہے۔

کونین کے اس قدر خوفناک اثرات بیان کر کے پھر بھی فرماتے ہیں: ''الغرض مذکورہ بالا مضر اثرات کو مدنظر رکھتے ہوئے برکین کو احتیاط سے استعمال کریں۔ اور جو مریض یا مریضہ اپنی نازک مزاجی کی وجہ سے برکین کی برداشت نہ کر سکتے ہوں ان کو کوئی دوسری دوا استعمال کرائیں''۔

جناب حکیم صاحب موصوف کا کونین سے صحت یابی اور افادیت پر اس قدر یقین ہے کہ باوجود اس کے اس قدر شدید اور خوفناک مضر اثرات کے بھی کونین استعمال کرنے کی تلقین کرتے ہیں گویا طب قدیم میں اس پائے کی کوئی دوا نہیں ہے۔ یا طب قدیم میں اس دوا کی طرح کی کوئی کامیاب دوا نہیں ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ جناب حکیم صاحب اس قدر فرنگی طب سے متاثر ہیں کہ وہ اس کے مقابلے میں طب قدیم کو گھٹیا، فضول اور غیر ضروری خیال کرتے ہیں۔ ان کے عقائد میں یہ بات پختہ ہو چکی ہے کہ طب قدیم کی تجدید صرف اس طرح ہو سکتی ہے کہ وہ فرنگی طب کو اپنے اندر جذب کر لے۔ جیسا کہ وہ اپنی تالیفات میں کر کے دکھا رہے ہیں۔ ان سے کوئی پوچھے تو پھر طب قدیم کا کیا بنے گا جس کے بنیادی قوانین کو نظر انداز کیا جا رہا ہے۔ کیا یہ بہتر نہیں ہوگا کہ طب قدیم کے خلاف پراپیگنڈہ شروع کر دیا جائے کہ اس کو چھوڑ دیا جائے۔ اس طرح اس سے ہمیشہ کے لئے رہائی مل جاتی ہے۔

کس قدر مقام افسوس ہے کہ جو لوگ فن کے مجدد و محقق اور امام بننے کی خواہش رکھتے ہیں ان کے علم و فن کا یہ حال ہے کہ اپنے علم و فن پر عبور نہیں ہے، فرنگی سائنس اور ریسرچ سے آگاہ نہیں ہیں، تو بھلا علم و فن طب کی کیا خدمت ہو سکتی ہے۔ نتیجہ اس کا جو نکلنا تھا وہ ظاہر ہے کہ گزشتہ تیس چالیس سالوں میں جو طبیب پیدا ہوتا ہے ڈاکٹر بننے کی کوشش کرتا ہے اور پاکستان و ہندوستان کے طبیہ کالجوں میں فرنگی طبیب

پیدا کئے جاتے ہیں۔ دونوں ملکوں کی اکثریت ایسے فرنگی طبیبوں سے بہت پریشان ہے۔ اگر یہی سلسلہ قائم رہا تو تھوڑے عرصہ بعد قانونی طور پر دونوں ملکوں کی حکومتیں آیورویدک اور طب کو ختم کر دیں گی کہ اگر فرنگی ادویات ہی استعمال کرنا ہیں تو پھر اس مقصد کے لئے فرنگی ڈاکٹر ہی مناسب ہیں۔ دیسی معالج جو برائے نام رہ گئے ہیں ان کو ختم کر دیا جائے۔ اگر حکومتوں کو دیسی ادویات پر تحقیقات کرنا ہوں گی تو وہ فرنگی ڈاکٹروں سے کرالیں گے اور وہ تحقیق پھر ایسی ہوگی جیسے ماشاء اللہ ''اجملین'' (سرگندہ) کی ہوئی ہے۔ یعنی اجزاء مؤثرہ ہی سامنے آئیں گے اور ان کے مزاج و کیفیات ختم ہو جائیں گی۔ اگر یہ تحقیقات یورپ میں شروع کرائی گئیں تو پھر خدا ہی حافظ ہے۔ پہلے ہی یورپ و امریکہ سے جو ادویات آتی ہیں ان کے اخراجات حکومتیں برداشت نہیں کر سکتیں، پھر اس مزید بوجھ کو کیسے برداشت کیا جائے گا۔ اب اہل فن اور صاحب علم خود اندازہ لگالیں کہ طب قدیم کیا شے تھی اور اس کا رُخ ان فرنگی طبیبوں نے کس طرف کر دیا ہے۔

اب بھی وقت ہے، اطباء و حکماء اور اہل فن و صاحب علم غور کریں۔ صحیح معنوں میں طب یونانی کو سمجھیں جس کی تذلیل کے لئے فرنگی نے اس کا نام طب قدیم رکھوا دیا ہے۔ جس میں قدامت ہے وہ آج سو فیصدی صحیح ہے اور اس میں زبردست قوت شفا ہے۔ آپ لوگ آج میرے گرد اکٹھے ہو جائیں، ان شاء اللہ تعالیٰ کل طب کا مقام فرنگی طب سے بلند ہو جائے گا اور حکومت بھی اس کو فوراً تسلیم کر لے گی۔ حقیقت پر ہی غور و فکر کرنے سے نتیجہ صحیح نکل سکتا ہے۔

ضمیمہ

امیونٹی-مناعت

حقیقت مناعت

مناعت وہ قوت مدافعت ہے جو ہر حیوان کے جسم و ترکیب ساخت میں ابتدائی زندگی سے پائی جاتی ہے۔ جو اس کے عوارض زندگی کے کسی واقعہ کے اثر سے مرتب نہیں ہوتی۔ مثلاً ادنیٰ قسم کے حیوانات طبعاً مرض کے اثرات سے محفوظ ہیں، اور بعض امراض جو عموماً انسان کو متاثر کر دیتے ہیں ادنیٰ حیوانات پر بے اثر ثابت ہوتے ہیں۔ اسی طرح انسان بھی بہت سے ایسے امراض سے طبعاً غیر متاثر اور محفوظ رہتے ہیں جن میں حیوانات گرفتار ہو جاتے ہیں۔

یہ طبعی مناعت عموماً ایک جنس کے تمام انواع اور افراد میں یکساں طور پر موجود ہوتی ہے، مگر یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ اس کے خلاف بھی ہوتا ہے۔ مثلاً بعض بچے چیچک سے قدرتاً محفوظ رہتے ہیں۔ حالانکہ اکثر بچے اس مرض میں ضرور گرفتار ہوتے ہیں۔ اس طرح بعض اقوام مخصوص امراض سے بہ شدت متاثر ہونے کی استعداد رکھتے ہیں، جیسے فرنگی جو خاص طور پر سرد علاقوں کے رہنے والے ہوتے ہیں ملیریا بخار کو قبول کرنے کی شدید استعداد رکھتے ہیں۔

عام حالات میں ہر زندہ جسم مخالف اسباب و ذرائع سے متعدی اثرات سے امراض میں گرفتار ہوتے رہتے ہیں۔ کیونکہ گندے مواد و زہریلے اثرات اور جراثیم ہوا و ماحول اور ماکول و مشروب میں اکثر پائے جاتے ہیں۔ اسی طرح ہماری جلد اور مجریٰ غذا بھی ہر وقت ان اشیاء سے متاثر ہوتے ہیں۔ لیکن باوجود اس عالمگیر کثرت کے ہم عموماً جراثیم کے حملوں سے محفوظ رہتے ہیں۔ اس لئے یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ ان جراثیم کے حملوں سے محفوظ رکھنے کے لئے بعض کارگر اور نہایت یقینی قدرتی وسائل امن اور فطری اسباب مدافعت ہمارے جسم میں موجود ہیں۔ جب یہ وسائل و اسباب کمزور یا ناکافی ہوتے ہیں تو انسان امراض اور متعدی بیماریوں میں گرفتار ہو جاتا ہے۔ اسی قوت مدافعت اور مقابلہ کو ہم امیونٹی یا مناعت کہتے ہیں۔ جب مناعت کی قابلیت، مقابلہ اور مدافعت کی قوت اور عمل نہیں رہتا تو اس کو استعداد مرض کہتے ہیں۔

علاوہ ازیں جب کوئی متعدی مرض قدرتی طور سے شفا بغیر دوا حاصل کرتا ہے یا بالفاظ دیگر ایسا مرض جس میں بلا علاج شفا حاصل ہوتی ہے اس وقت بھی ایک مخصوص و مناسب درجے کی ''مناعت'' ہوتی ہے جو جراثیم کو فنا اور مواد کو تحلیل کر دیتی ہے۔

مناعت (امیونٹی) کی اہمیت حفظ ما تقدم اور علاج الامراض دونوں میں مسلم ہے۔ خصوصاً اس وجہ سے کہ دونوں صورتوں کو (تحفظ مرض علاج مرض) حاصل کرنے کے لئے نہایت تیر بہدف اور یقینی مصنوعی طریقے اور ذرائع اس قدرتی عمل مناعت کو تحریک دے کر یا اس کی نقل کر کے یا اس کے عمل کو زیادہ تیز کر کے حاصل کئے جا سکتے ہیں۔ اس کی مثال خناق وبائی کا نیا طریقہ علاج ہے جو تریاق جراثیمی (انیٹی

ہسٹاسین) سے کیا جاتا ہے۔ اس طریق پر اس مرض کا علاج کیا جاتا ہے یا کیا جاسکتا ہے، جس میں ماء الدم (سیرم) میں مناعت کی تربیت یا تقویت پیدا کر کے تحفظ مرض اور علاج مرض کیا جاسکتا ہے۔ اس میں چیچک کا ٹیکہ (انا کولیشن) بھی شامل ہے۔

فرنگی طب میں مناعت

افسوس سے لکھنا پڑتا ہے کہ باوجود اس قدر تجارب اور ماڈرن سائنس کے کمال دعووں کے فرنگی طب اب تک مناعت کی مخصوص قوتیں معلوم نہیں کرسکی۔ کیونکہ اس کے سامنے صرف ایک ہی طریق کار ہے کہ وہ ماء الدم (سیرم) میں قوت مناعت کو تربیت دے کر یا بڑھا کر اس سے کام لیتی ہے۔ جو اکثر مقام پر ناکام بلکہ نقصان رساں رہتا ہے۔ اس لئے یہ بات بھی ذہن نشین کرلیں کہ مناعت کا کوئی خاص صحیح اور غیر مبدل معیار فرنگی طب میں قرار نہیں دیا جاسکتا۔ کیونکہ نظام جسم کی ساختوں کا باہمی عمل ایک نہیں ہے بلکہ بالکل مختلف ہے جس کے ہر عضو کی ساخت یا دیگر الفاظ میں خلیات اور انسجہ مختلف ہونے کے ساتھ ساتھ مختلف قسم کی اغذیہ اور ضروریات رکھتے ہیں، اس لئے ایک ہی قسم کی مناعت ہر ایک کے لئے کبھی مفید نہیں ہوسکتی ہے جس کی مثال درج ذیل ہے۔

اگر متعدد حیوانات میں عمل تلقیح (انا کولیشن) کے ذریعے کسی جراثیمی کاشت کی مساوی مقدار داخل کردی جائے تو نتیجہ مختلف ہوگا۔ یعنی ایک حیوان میں تو مرض کے آثار بالکل نمودار نہ ہوں گے۔ دوسرے حیوان میں مقام تلقیح (ٹیکہ) پر خفیف التہاب کی علامات نمودار ہوں گی۔ تیسرے حیوان میں التہاب پھیل جائے گا اور بالآخر پیپ پیدا جائے گی یا غانغرایا (گنگرین) کی نوبت پہنچ جائے گی۔ چوتھے میں مہلک عمومی متعدی پن (جنرل انفکشن) پیدا ہوجائے گا۔ الغرض ہر حیوان اپنے مخصوص درجہ حرارت کے باعث محفوظ رہے گا جو اپنی استعداد ذاتی کے تناسب سے متاثر ہوگا۔ مزید برآں یہ ہے کہ بعض حیوان معمولی درجہ کی سمیت والے جراثیم کے مقابلے میں تو انتہائی مناعت کا اظہار کرسکتے ہیں مگر جب یہی جراثیم زیادہ سمیت حاصل کر کے (افزائش سمیت کے بعد) حملہ آور ہوتے ہیں۔ تو وہی حیوان انتہائی استعداد اور قابلیت ظاہر کرتا ہے اور ان سے سخت متاثر ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں کسی خاص جرثومہ یا سمیت کے متعلق ہر حیوان کی مناعت (امیونٹی) اور اس کی استعداد (سسیپے بیلیٹی) پر داخلی اور خارجی حالات کا نمایاں اثر ہوتا ہے۔ امراض حفظ ماتقدم کے لئے ان حالات و اسباب کا علم انتہائی اہمیت رکھتا ہے۔ یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ انسان تقریباً ہر قسم کے جراثیم کے مقابلہ اور مدافعت کے لئے نہایت اعلیٰ درجے کی مناعت فطرتاً رکھتا ہے۔ حتیٰ کہ وہ دق وسل (ٹی بی) سے طبعاً محفوظ رہ سکتا ہے۔ البتہ جب انسان کی یہ مناعت مقامی وعمومی اور جسمی اسباب کی وجہ سے گھٹ جاتی ہے اور اس کی قوت حیات (وائٹیلیٹی) کمزور ہوجاتی ہے، تو اس وقت انسان متعدی امراض یا دیگر امراض کا شکار بن جاتا ہے۔

اسباب استعداد مناعت

فرنگی طب میں استعداد مناعت دو قسم کی ہوتی ہے یعنی عمومی مناعت اور مقامی مناعت۔

عمومی مناعت کی اقسام

(۱) خشکی اور رطوبت (۲) فاقہ اور سدہ تغذیہ (۳) عمری استعداد (۴) سیلان خون (۵) بعض قسم کے زہر (سمیات) خاص طور پر الکوحل (۶) خراب اور متعفن ہوا (۷) تخدیر (بے حسی) (۸) شر کی اثرات۔

مقامی مناعت

(۱) زخم وضرب (۲) کیمیاوی مواد کی خراش (۳) انتہائی سرد یا انتہائی گرم اشیاء و ماحول (۴) خون کی کمی تمام اسباب مناعت اپنی

جگہ درست ہیں۔ لیکن جہاں تک تری کی زیادتی اور گرمی کی کمی کا تعلق اور خاص طور پر عضوی خرابی یا بے اعتدالی قوت مناعت کو کمزور اور خراب کر دیتے ہیں۔ اس لئے ان کو اوّلیت کا دینا چاہئے۔

مناعت اور قوت حیات

فرنگی طب جس چیز کو مناعت کہتی ہے وہ دراصل مناعت نہیں ہے، وہ قوت حیات (وائیٹلیٹی) ہے، اس کا تعلق قوت دم (بلڈ ایبلیٹی) یا قوت ماء الدم (سیرم ایبلیٹی) کے ساتھ ہے۔ خلیات وانسجہ اور اعضاء کے ساتھ نہیں ہے۔ کیونکہ قوت ماء الدم ایک ہی قسم کی پیدا یا تقویت یا ترکیب دی جاسکتی ہے اور مختلف خلیہ وانسجہ اور اعضاء کے لئے کبھی مؤثر نہیں ہوسکتی۔ کسی قیمت پر عضو کے لئے مفید نہیں ہوسکتی۔ البتہ ہر عضو کی طرف خون اور خون کی رطوبت ضرور پہنچا دیتی ہے۔

مناعت یا قوت مدافعت کا تعلق خلیات وانسجہ اور اعضاء کے ساتھ ہے، جو اپنی الگ الگ مناعت (امیونٹی) تیار کرتے ہیں۔ فرنگی طب نہ مناعت سے واقف ہے اور نہ ہی مناعت اور قوت مدبرہ بدن سے آگاہ ہے۔ اگر وہ اس فرق کو سمجھتی ہے اور ان اثرات سے واقف ہے تو بیان کرے۔ ہم چیلنج کرتے ہیں کہ وہ بیان نہیں کرسکتی۔

فرنگی طب اگر بیان کرسکتی ہے یا سمجھتی ہے تو اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلے گا کہ اس کو جرم تھیوری سے انکار کرنا پڑے گا۔ کیونکہ امراض کا باعث پھر جراثیم نہیں رہ سکتے۔ اس کو لامحالا ایک بات تسلیم کرنی پڑے گی کہ وہ خلیات وانسجہ اور اعضاء کی قوت مناعت کو پورے طور پر سمجھتی ہے جو کہ خراب ہوئے بغیر امراض پیدا نہیں ہوسکتے یا یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ جراثیم باعث امراض نہیں ہیں۔ یہ ہے ہماری تحقیقات کا جادو جو سر چڑھ کر اثر کرتا ہے۔ مناعت (امیونٹی) اور قوت حیات (وائیٹلیٹی) کے متعلق ہماری مزید تحقیقات درج ذیل ہیں۔

حقیقت مناعت

فرنگی ڈاکٹر کہتے ہیں کہ بیک وقت تمام انسانوں کو کوئی ایک مرض اس لئے پیدا نہیں ہوتا کہ ان کے اندر امیونٹی (امنیت) ہوتی ہے۔ جس کو ہم مناعت یا قوت مناعت یا قوت مدافعت عضو کہتے ہیں۔ اور یہ امنیت مرض کا مقابلہ کرتی رہتی ہے لیکن ان کو یہ پتہ نہیں کہ یہ امنیت دراصل کیا ہے، اور کہاں پیدا ہوتی ہے۔ جاننا چاہئے کہ یہ امنیت یا مناعت کوئی ایسی طاقت نہیں ہے جو خون میں پائی جاتی ہو بلکہ یہ طاقت اعضاء میں پائی جاتی ہے۔ اور ہر قسم کے اعضاء اور جدا جدا قسم کی ہوتی ہے۔ جس کا ثبوت یہ ہے کہ جیسے مختلف اقسام کے جراثیم یا مختلف اسباب مختلف اعضاء پر اثر انداز ہوتے ہیں اسی طرح مختلف اعضاء کی امنیت ان کا مقابلہ کرتی ہے اور جسم کو امراض سے محفوظ رکھتی ہے۔ جب اعضاء ثابت کرسکتے ہیں کہ امنیت اعضاء کے علاوہ خون میں یا کہیں اور پیدا ہوسکتی ہے، اگر وہ ثابت کر دیں تو ہم ایک ہزار روپیہ انعام دیں گے ہمارا چیلنج ہے کہ وہ ایسا نہیں کرسکتے اسی صورت میں یہی لازم آتا ہے کہ علاج میں بجائے قاتل جراثیم ادویات کے اعضاء کو درست کرنا چاہئے۔

امنیت یا مناعت کے لئے یہ امر ذہن نشین کرلیں کہ طب میں قوت کا مرکز روح طبعی کو تسلیم کیا گیا ہے۔ اس روح کے تین اقسام ہیں:

(۱) **روح طبعی**: جو جگر میں ہوتی ہے، اس کا عمل دخل غدد میں ہوتا ہے۔

(۲) **روح نفسانی**: جو دماغ میں ہوتی ہے اور اس کی تحریک اعصاب میں ہوتی ہیں۔

(۳) **روح حیوانی**: جو قلب میں ہوتی ہے جس کے افعال واثرات میں عضلات کام کرتے ہیں، بس یہی ارواح ان اعضاء میں ان

کے قویٰ کو قائم رکھتی ہیں اور یہی ان کی امنیت ہے۔ جب ان ارواح کے مزاج میں خرابی واقع ہوتی ہے، اس سے اعضاء کے قویٰ اور ان کی امنیت خراب ہو جاتی ہے۔

روح طبعی کی پیدائش خون سے ہوتی ہے، اور خون اخلاط کا مرکب ہے، اخلاط عناصر سے مرکب ہیں تو اس سے ثابت ہوا کہ ارواح اور قویٰ کی ترکیب میں آگ ہوا اور پانی شامل ہیں۔ ان ہی کے اعتدال سے جہاں خون اور ارواح کا قوام قائم رہتا ہے وہاں قویٰ اور اعضاء میں طاقت رہتی ہے۔ بس یہی امنیت (امیونٹی) مناعت اور قوت مدافعت اعضاء ہے۔ جس کی حقیقت سے فرنگی طب کلی طور پر ناواقف ہے۔

قوت مدبرہ بدن

قوت مدبرہ کے متعلق بھی فرنگی طب تو کیا دُنیا کا کوئی طریق علاج بھی واقف نہیں ہے۔ لہٰذا اس کی حقیقت بیان کر دینا ضروری ہے۔ جاننا چاہئے کہ جسم انسان میں جو مختلف قوتیں مختلف اعضاء بلکہ ہر خلیہ وحیوانی ذرّہ اور نسیج میں کام کر رہی ہیں وہ تمام مفرد اعضاء اعصاب وعضلات اور غدد کے ماتحت کام کر رہی ہیں اور ان مفرد اعضاء کے مرکز دل و دماغ اور جگر ہیں جن کی قوتیں ارواح کے ماتحت ہیں۔ یہ ارواح یعنی روح حیوانی، روح نفسیاتی اور روح طبعی تینوں روح طبعی کے ماتحت ہیں۔ جس طرح تمام جسم کو غذا ایک خون سے ملتی ہے، اسی طرح جسم ایک روح طبعی سے ایک نظام میں رہتا ہے، روح طبعی جو نظام قائم رکھتی ہے اس نظام کا نام طبعیت مدبرہ بدن ہے۔ جب روح طبعی کا اعتدال قائم نہیں رہتا تو یہ نظام بھی بگڑ جاتا ہے۔ جس کو ہومیوپیتھی نے روح کا بیمار ہونا کہا ہے۔

قوت مدبرہ بدن اپنے افعال کس طرح انجام دیتی ہے اس کو سمجھنے کے لئے کیفیات اور مزاج کی طرف سے شروع کریں۔ کیونکہ یہی انسان کے اندر ابتدائی محرکات ہیں، یعنی جسم انسان جو کوئی شے یا امر اندرونی طور پر یا بیرونی طور پر مادہ یا روح کی صورت میں اثر کرتا ہے، تو اس کا اثر کیفیات بلکہ ایک مزاج کی صورت میں ہوتا ہے یعنی اثر گرمی وسردی اور تری وخشکی کی صورت میں ہوتا ہے۔ لیکن یہ اثر کبھی صرف گرمی یا صرف سردی یا صرف خشکی کی صورت میں نہیں ہوتا، بلکہ مرکب صورت ہوتا ہے۔ جیسے گرمی تری، خشکی سردی، تری اور سردی خشکی۔ دو مرکب کیفیات ہیں ان ہی کو طب میں مزاج کہتے ہیں، چونکہ ہم ثابت کرتے ہیں کہ ہر کیفیت کسی نہ کسی عضو سے متعلق ہے، یعنی گرمی کا تعلق غدد سے تری کا تعلق اعصاب سے اور خشکی کا تعلق عضلات سے ہوتا ہے۔

اسی طرح ہم یہ بھی ثابت کر چکے ہیں کہ پانی کا تعلق اعصاب سے، عضلات کا تعلق ہوا سے، اور غدد کا تعلق آگ سے ہے۔ ان حقائق سے یہ تصدیق ہوتی ہے کہ جب کوئی شے یا امر جسم پر اثر کرتا ہے جس طرح وہ مرکب کیفیات یعنی مزاج کے ساتھ اثر کرتا ہے اسی طرح وہ بجائے ایک مفرد عضو کے دونوں پر اکٹھا اثر کرتا ہے۔ فرق صرف یہ ہوتا ہے کہ اس کا پہلا اثر عضوی اور دوسرا دموی ہوتا ہے یا پہلے اثر کو مشینی اور دوسرے اثر کو کیمیاوی کہہ سکتے ہیں۔ یعنی کوئی شے یا امر جسمانی یا روحانی طور پر صرف اعصاب یا صرف عضلات یا صرف غدد پر اثر نہیں کرے گا۔ یہ اثر اعصابی عضلاتی یا اعصابی غدی یا عضلاتی غدی ہوگا۔

طب میں مزاج بیان کرنے میں بھی یہی کمال ہے جس کو فرنگی طب اور ماڈرن سائنس سمجھ نہیں سکی۔ یعنی جب طب میں کسی شے یا امر اور مادہ یا روح وغیرہ اپنا اثر کرتے ہیں تو اس کا اثر مشینی (مکینیکل) اور کیمیاوی (کیمیکل) دونوں بیک وقت ہوتے ہیں۔ جن کو وہ مزاج کی صورت میں بیان کرتی ہے۔ یعنی گرم وتر وگرم خشک اور سرد تر وسرد خشک اور اس کے برعکس بھی بیان کیا جاسکتا ہے، تر گرم وخشک گرم

اور تر سرد اور خشک سرد۔ لیکن الٹا بیان کرنے کی بجائے طب کی کیفیات کے درجے مقرر کر دیئے ہیں۔ جو چار درجے تک ہیں، اور ان ہی کی کمی بیشی سے تقدم و تاخر کا پتہ چل جاتا ہے جس سے اس کی مشینی اور کیمیاوی صورتیں سامنے آ جاتی ہیں۔ یعنی جس کیفیت میں تیزی اور زیادتی ہوتی ہے وہ عضوی یا مشینی ہوتی ہے۔ اور جس میں ہلکا پن اور کمی ہوتی ہے وہ دموی یا کیمیاوی ہوتی ہے۔ اور اس کا تعلق دوسرے عضو کے ساتھ ہوتا ہے۔ اس حقیقت کو سمجھ لینے کے بعد اب یہ بات ذہن نشین کر لیں کہ جب کوئی شے یا امر جسم پر اثر کرتا ہے تو اس کا مشینی اثر کسی ایک عضو پر شروع ہو تو اس کے فعل میں تیزی ہوتی ہے، اور اس کا کیمیاوی اثر جسم کے دیگر عضو پر اثر انداز ہو کر اس کو اعتدال پر لانے کی کوشش کرتا ہے۔ گویا پہلا اثر اگر مرض تصور کر لیں تو دوسرا اثر اس لئے شفاء ہے یہی مرض و شفا اور عمل ورد عمل کے افعال اعضاء سے روح تک پہنچ جاتے ہیں۔ جس میں تیزی ہوتی ہے، وہ غالب رہتا ہے اور اس طرح جسم اور روح کا سلسلہ چلتا رہتا ہے۔ ان ہی حقائق پر زندگی اور صحت منحصر ہے۔ جو نظام ان اعمال کو قائم رکھتا ہے، اس کا نام قوت مدبرہ بدن ہے۔

ہومیوپیتھی جو علاج بالمثل کام کر رہی ہے وہ ادویات کی حد تک بالمثل ضرور ہے، کیونکہ مرض کی حالت میں ان ہی علامات کے تحت وہ دواء دی جاتی ہے جس دوا میں اس مریض کی علامات پائی جائیں، لیکن دراصل وہ بالمثل بلکہ دوسرے عضو یا ردِ عمل (ری ایکشن) کے افعال تیز ہو جاتے ہیں جو اس کو کنٹرول کر رہا ہے اور یہی اس کے لئے شفاء ہے، ہمارے طریق علاج میں بھی یہی صورت کام کر رہی ہے۔ یعنی جب ہم دیکھتے ہیں کہ جب عضو کا فعل تیز ہے تو ہم اس کے بعد والے عضو کا فعل تیز کر دیتے ہیں جس میں سکون ہوتا ہے۔ اسی طرح دوسری قوت اور روح پیدا ہو جاتی ہے اور مرض رفع ہو کر شفا ہو جاتی ہے۔ اس طرح ہم علاج میں جہاں تک شفاء کا تعلق نہ ہو صرف ہومیوپیتھی سے مماثلت رکھتے ہیں، بلکہ اس کی نسبت بہت جلد جسم و روح کے اعتدال کو قائم کر دیتے ہیں۔ یہی صورت طب کے مزاج میں بھی قائم ہے، یعنی جب ہم ان کے مزاج بدلتے ہیں تو اس کے مشینی اثر کو بدل کر کیمیاوی اثر کو تیز کر دیتے ہیں۔ اسی قسم کی صورت آیورویدک میں بھی ہے۔ یعنی ایک دوش کے بعد دوسرا دوش بدل دیتے ہیں۔ اس کے تین دوشوں میں کف زیادہ ہوتا ہے۔ تو اس کا کیمیاوی اثر وات کی طرف جاتا ہے، ہم وات کو بڑھانا شروع کر دیتے ہیں اور جب وات میں تیزی ہو جاتی ہے تو اس کا کیمیاوی اثر پت کی طرف جاتا ہے، ہم پت بڑھانا شروع کر دیتے ہیں اور جب پت میں شدت ہوتی ہے تو اس کا کیمیاوی اثر کف کی طرف ہوتا ہے، اور کف بڑھا کر پت کو شانت دے دیتے ہیں۔

یہی صورت نظریہ مفرد اعضاء میں بھی سمجھ لیں کہ جب اعصاب میں تیزی ہوتی ہے تو جسم میں بلغم و رطوبات اور کف بڑھ جاتا ہے۔ اس کا کیمیاوی اثر عضلات کی طرف ہوتا ہے۔ ہم عضلات کو تیز کر دیتے ہیں۔ جب عضلات میں تیزی ہوتی ہے تو سوداء و ریاح اور وات بڑھ جاتا ہے، اس کا کیمیاوی اثر غدد کی طرف ہوتا ہے، ہم غدد کے فعل میں تیزی کر دیتے ہیں، جب غدد میں تیزی ہوتی ہے تو صفراء و حرارت اور پت بڑھ جاتا ہے، جس کا کیمیاوی اثر اعصاب کا تیز ہونا ہے۔ اس کا یہ عمل مشینی و کیمیاوی، عمل و ردِ عمل اور مرض و شفا کی صورتیں فطری طور پر قائم رہتی ہیں۔ فطرت کبھی نہیں بدلتی کیونکہ وہ سنت اللہ ہے اور قدرت کے قبضہ میں ہے۔ یہ ہے ہمارا وہ فطری طریقہ شفا ہے جس کا عشر عشیر بھی فرنگی طب کے پاس نہیں ہے۔ اب ہمارا فرض ہے کہ ہم فوراً اس کو اپنا کر کے دُنیا میں پھیلا دیں اور فرنگی طب پر اپنی فوقیت ثابت کر دیں۔

(۱۶)

تحقیقات وعلاج نزلہ وزکام

فہرست عنوانات

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

پیش لفظ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ وَ سَلَام علٰی رَحۡمَۃ اللعٰلَمِیۡنَ ط اَمَّابَعۡد!

حکیم مطلق اور قادرِ قدرت کا ہزار ہزار شکر ہے کہ اس نے اپنی کروڑ در کروڑ نعمتوں اور رحمتوں سے انسان کو نوازا اور پھر علم و حکمت سے سرفراز فرمایا۔ ﴿ یُّؤۡتِی الۡحِکۡمَۃَ مَنۡ یَّشَآءُ وَ مَنۡ یُّؤۡتَ الۡحِکۡمَۃَ فَقَدۡ اُوۡتِیَ خَیۡرًا کَثِیۡرًا ط﴾ پھر اہل علم وصاحب حکمت کے لئے ضروری کر دیا کہ ﴿لَقَدۡ کَانَ لَکُمۡ فِیۡ رَسُوۡلِ اللّٰہِ اُسۡوَۃٌ حَسَنَۃٌ ط﴾ کو مدنظر رکھتے ہوئے ﴿ وَ یُزَکِّیۡھِمۡ وَ یُعَلِّمُ ھُمُ الۡکِتَابَ وَالۡحِکۡمَۃَ ط﴾ کے لئے اپنے فرائض احسن طریق پر انجام دیں۔

اللہ تعالیٰ جس انسان سے چاہتے ہیں اپنا کام لے لیتے ہیں۔ انسان جو کچھ بھی کرتا ہے اُسی کی دی ہوئی ہدایت اور قوت سے کرتا ہے ورنہ ایک عاجز انسان کی کیا بساط ہے کہ غیر معمولی شاہکار تیار کرے یا مافوق الانسان قوتوں کا مظاہرہ کرے یا ایک دُنیا کو للکارے، مردہ علوم وفنون کے لئے احیاء وتجدید کی دعوت دے اور جرأت کر کے آگے بڑھتا چلا جائے۔

نزلہ، زکام کے متعلق یہ خاص نمبر بھی صرف ربّ العزت کی علم وحکمت پر برکتیں نازل کرنے اور توفیق عطا کرنے کا نتیجہ ہے۔ ورنہ کسی انسان عاجز کی کیا ہمت ہو سکتی ہے کہ ایسی کتاب لکھے۔ جس میں دُنیا کو چیلنج ہو کہ ایسی علمی اور فنی کتاب آج تک کسی ملک وقوم میں نہیں لکھی گئی اور کمال یہ ہے کہ یورپ وامریکہ بلکہ روس اور چین بھی جن کو موجودہ سائنسی، تحقیقی اور علمی دور کے راہنما خیال کیا جاتا ہے، اُن سب کے طبی علم وفن کو کُلُّھُمۡ غلط قرار دے دیا ہے۔ یہ ایسی کتاب ہے کہ اس سے نہ صرف دُنیا کو علم علاج میں نئی روشنی ملے گی، جس سے نئے اور پرانے سب غلط نظریات بدل جائیں گے بلکہ جسم اور روح دونوں کے لئے باعث ہدایت اور شفا ثابت ہوگی۔ آمین ثم آمین۔

جب نزلہ زکام کے خاص نمبر کا اعلان کیا گیا تو بعض دوستوں اور خریداروں کے خطوط میں پریشانی کا اظہار کیا گیا کہ خاص نمبر نزلہ زکام پر نہیں ہونا چاہئے بلکہ مجرباتِ ضعف باہ وخوفناک امراض جیسے آتشک وسوزاک اور بواسیر یا مشکل العلاج امراض جیسے درد، ورم اور بُخار کو مقدم رکھنا چاہئے۔ مگر میری نگاہ میں نزلہ زکام کی جو اہمیت تھی اس کا اندازہ اس کتاب کے پڑھنے سے ہو جائے گا۔ میرا دعویٰ ہے جب بھی کوئی شخص اس کو پڑھنا شروع کرے گا، جب تک اس کو ختم نہیں کر لے گا اس کی تسلی نہیں ہوگی اور جب وہ کتاب کے ہر صفحہ پر فرنگی طب کی دھجیاں اُڑتی فضائے آسمانی میں دیکھے گا تو حیرت سے اُس کا منہ کھلا کا کھلا رہ جائے گا۔

تعجب کا مقام ہے کہ نزلہ زکام پر کسی ملک اور کسی طریق علاج میں کوئی کتاب نہیں لکھی گئی جس کو علمی اور تحقیقی کہا جا سکے۔ اس کے علاوہ جس قدر بھی علم العلاج پر کتب لکھی گئی ہیں، ان میں نزلہ زکام کے بیان میں صرف اتنا ہی نظر آتا ہے کہ زکام ناک سے بہتا ہے اور نزلہ

حلق سے گزرتا ہے۔ قدیم طبوں میں ان کے اسباب گرمی سردی اور فرنگی طب میں جراثیم لکھ کر علاج اور ادویات لکھ دی گئی ہیں اور بس نزلہ زکام کا باب ختم ہو گیا۔ زیادہ سے زیادہ اُصولِ صحت لکھ دیئے گئے۔

تقریباً سو، سوا سو صفحات کی کتاب ہم نے نزلہ زکام پر لکھی ہے مگر ہم صرف نزلہ زکام پر لکھ سکے ہیں۔ ابھی نزلہ زکام کے اہم عوارض پر نہیں لکھ سکے یعنی نزلہ زکام سے بڑھاپا، نزول الماء، ثقل سماعت، کمی خون، ضعف اعضائے رئیسہ، ضعف اعصاب وقوتِ باہ، خاص طور پر قبل از وقت بالوں کا سفید ہو جانا اور نگاہ کا کمزور ہو جانا بہت اہم باتیں ہیں ان کے علاوہ نزلہ[1] وبائی بھی ایک ضروری بات ہے، سب رہ گئی ہیں جن کے لیے کم از کم اتنے ہی اوراق اور درکار ہیں۔

میرا خیال ہے کہ بڑھاپا اور نزلہ زکام کے نام سے ایک اور خاص نمبر جنوری میں شائع ہو جانا چاہئے۔ جو دوست، ممبران اور خریدار اس نمبر سے دلچسپی رکھتے ہیں وہ اپنے خیالات کا اظہار کریں۔ اس کے علاوہ ہم ایک خاص نمبر اور بھی نکالنا چاہتے ہیں جو آلو اور تپ دق پر بحث و مباحث پر ہے جو رسالہ خوراک میں شائع ہوتی رہی ہے۔ جس میں غذا اور علاج تپ دق کے متعلق بے شمار اسرار و رموز ہیں جو لوگ اتفاق کرتے ہیں وہ مبلغ دو روپے اور روانہ کریں۔ اگر اکثریت کی خواہش نہ ہوئی تو ہم اس کو پھر دوسرے وقت پر ملتوی کر دیں گے۔ اب اہل علم و صاحب فن اور حق پرست لوگوں کا کام ہے کہ وہ خود فائدہ اٹھائیں اور یہ پیغام دُنیا بھر میں پھیلا دیں۔ وَمَا تَوْفِيْقِيْ اِلَّا بِاللّٰهِ ط

خادم فن

صابر ملتانی

1960ء

[1] نزلہ وزکام وبائی بھی نوری کتب خانہ بالمقابل ریلوے اسٹیشن لاہور کے زیر اہتمام شائع ہو چکی ہے۔ [ناشر]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نزلہ زکام کی اہمیت

نزلہ زکام ایک کثیر الوقوع علامت ہے اور اکثر امراض میں یہ علامت پائی جاتی ہے۔ اس کے کثرت الوقوع ہونے کی وجہ سے اس کو ابوالامراض کہا جاتا ہے۔ اگرچہ نزلہ بذاتِ خود مرض نہیں ہے لیکن ایک ایسی علامت ہے جس کے ظاہر ہونے کے بعد اکثر خوفناک امراض اور تکلیف دہ علامات پیدا ہو جاتی ہیں۔ مثلاً امراض میں سوزش دماغ، ضعف دماغ، محرقہ دماغی، دق وسل اور ذات الریہ و ذات الجنب اسی طرح علامات میں کھانسی، بخار، سرسام، اسہال، قبض، لقوہ و فالج اور آنکھ وناک اور کان کی اکثر تکالیف وغیرہ وغیرہ، اور دائمی نزلہ زکام تو ایک ایسی مصیبت ہے کہ جس سے نہ صرف انسان دائمی مریض بن جاتا ہے بلکہ قبل از وقت بال سفید ہو جاتے ہیں، دانت گر جاتے ہیں اور جلد بوڑھا ہو جاتا ہے۔ باوجود کثیر دولت رکھنے اور علم وفضل اور فن میں کمال حاصل ہونے کے زندگی میں کوئی دلچسپی پیدا نہیں ہوتی بلکہ حیات ایک تلخ حقیقت بن جاتی ہے، گویا زندگی کی دلچسپیاں، دولت کشش ورنگینیاں، علم وفضل کے کمالات، شعروادب، فن کی نکتہ سنجیاں اور دستکاری میں حیرت کن اعمال وغیرہ سب کا تعلق جوانی بلکہ جوانی کی علامات کے ساتھ ہے۔

ظاہر ہے کہ ایک مرد کس قدر بھی طاقتور کیوں نہ ہو اس کے بال اگر قبل از وقت سفید ہو گئے ہوں یا دانت گر گئے ہوں تو اُس کو ضرور بوڑھا یا اُدھیڑ عمر کہا جاتا ہے۔ بہر حال جوان نہیں کہا جاتا اور نہ جوانوں میں شریک کیا جاتا ہے۔ بالکل اسی طرح اگر ایک عورت کس قدر بھی کیوں نہ حسین ہو، رشکِ حور ہو اور پریوں کو شرمائے۔ جب اس کے بال سفید ہو جاتے ہیں اور دانت گر جاتے ہیں اُس کا تمام حسن ورنگینی ایک دم ختم ہو جاتی ہے۔ وہ ایک اچھی عورت ضرور کہلا سکتی ہے مگر جوان نہیں کہی جا سکتی۔ اُنہی اُمور سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ نزلہ کس قدر خوفناک علامت ہے۔ اسی طرح اگر نزول الماء اور ثقل سماعت کو بھی نزلہ میں شریک کر لیں تو اس کا احاطہ کتنا ہی وسیع ہو جاتا ہے۔

اُن کے مقابلے میں اگر عورت و مرد کتنی بھی بڑی عمر کے ہیں، بیشک اُن میں قوت وحسن اور کشش ورنگینی نہ بھی پائی جائے مگر اُن کے بال سفید نہیں ہوئے دانت سلامت ہیں تو وہ یقیناً جوانوں میں شریک ہیں وہ اِس دُنیا اور زندگی سے لطف اندور ہو سکتے ہیں۔ اپنی دولت اور قوت سے پورے طور پر مستفید ہو سکتے ہیں۔ ان حقائق سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ نزلہ زکام نہ صرف ابوالعلامات ہے بلکہ اس کا تعلق جوانی اور بڑھاپے کے ساتھ بھی ہے۔ اگر ہم نزلہ زکام کی حقیقت کو پورے طور پر سمجھ لیں تو نہ صرف اکثر خوفناک امراض اور دردناک علامات سے بچ سکتے ہیں بلکہ بڑھاپے سے بہت حد تک نجات حاصل کرتے ہوئے جوانی کی رنگینیوں اور خوبصورتیوں سے لطف اندوز ہو سکتے ہیں۔ ان حقائق کو مدنظر رکھتے ہوئے اگر نزلہ زکام کو نصف طب کہہ دیا جائے تو اِس میں مبالغہ نہ ہوگا۔ بلکہ نزلہ زکام کی حقیقت کو پورے طور پر ذہن نشین کر لینے کے بعد اس کی اہمیت اور بھی بڑھ جاتی ہے۔ اور ہر صاحب علم طبیب اور فاضل حکیم اس فکر میں نظر آئے گا کہ جلد از جلد نزلہ زکام کی ماہیت اور اس کے مکمل علاج پر ملکہ حاصل ہو جائے۔ جس سے نہ صرف مخلوق خدا کی خدمت کر سکے بلکہ خود اپنی صحت وقوت

اور جوانی ورنگینی قائم رکھ سکے۔تاکہ دُنیاوی زندگی حسن وخوبصورتی کا مرقع بنی رہے۔

نزلہ زکام مشکل مرض کیوں ہے؟

نزلہ کو سمجھنے کے لئے ہزاروں سال قبل کی طب قدیم سے لےکر آج تک کی فرنگی طب تک اس کے متعلق پوری تحقیقات نہیں کی گئی۔اگر آیورویدک نے نزلہ زکام کی وجہ دوشوں کی خرابی، کمی بیشی اوران کے مقام کا بدلنا تحریر کیا ہے۔خصوصاً کف کی زیادتی اُس کا سب سے بڑا سبب قرار دیا ہے تو طب یونانی نے مزاج وکیفیات اور اخلاط کی خرابی، کمی بیشی اور زہریلے مواد کو اہمیت دی ہے۔ان کے برعکس فرنگی طب نے اپنی بانسری اس طرح بجائی ہے کہ نزلہ زکام میں نہ کیفیات ومزاج اور گرمی سردی کو دخل ہے نہ دوشوں اور اخلاط کا کوئی اس سے تعلق ہے اور نہ کوئی اور کسی قسم کا غیر مرئی مخلوق جو کیڑوں سے مشابہت رکھتی ہے جس کو جراثیم (جرمز) کہتے ہیں۔ان کے جسم انسان پر اثر کرنے اپنے ڈیرے ڈال دینے سے نزلہ زکام پیدا ہوجاتا ہے۔اوروہ ڈیرہ اس وقت ڈالتے ہیں جب انسانی قوت مدافعت کم ہوجاتی ہے اور قوت مدافعت اس وقت کم ہوتی ہے جب اعضاء کمزور ہوجاتے ہیں اور اعضاء اس وقت کمزور ہوجاتے ہیں جب جسم کو مناسب غذا نہیں ملتی۔گویا ناک کو اُلٹے ہاتھ سے پکڑا جاتا ہے۔

فرنگی طب کی نزلہ زکام کی حقیقت سے ناواقفیت

ظاہرہ طور پر فرنگی طب کے ساز وسامان، چمک دمک، آلات اور مشینوں کو دیکھ کر یہ اندازہ لگتا ہے کہ فرنگی طب اور ماڈرن سائنس میں بال کی کھال کھینچی جاتی ہے اور ہر شے اور ہر بات تحقیقات کی کسوٹی پر رگڑ لی جاتی ہے۔اس لئے ان کی تشخیص اور علاج سو فیصدی صحیح ہوگا۔مگر باوجود اس باؤ ہو اور شور وشین کے آج تک اُن کے ہاں نزلہ زکام کا یقینی علاج نہیں ہے۔علاج تو رہا ایک طرف صحیح مرض کی حقیقت کا علم نہیں ہے۔اگر کوئی فرنگی ڈاکٹر نزلہ زکام کی صحیح حقیقت اور یقینی علاج سے ہمیں آگاہ کردے تو ہم اس کو مبلغ پانچ صدروپیہ انعام دیں گے۔ہم چیلنج کرتے ہیں کہ وہ ایسا نہیں کرسکتے۔

اُن کی سمجھ کا تو یہ حال ہے کہ غذا کی خرابی سے اعضاء کی خرابی تسلیم کرتے ہیں۔لیکن کیفیات ومزاج اور گرمی سردی کو نہیں سمجھ سکتے۔جبکہ صحیح غذا ہی جسم کے اندر گرمی سردی کے صحیح عناصر اور توازن کے ساتھ ساتھ اعضاء کو بھی اعتدال پر رکھتی ہے۔اسی طرح اعضاء کی خرابی کو مرض کا سبب واصلہ اور فاعلہ قرار نہیں دیتے جس سے قوتِ مدافعت کمزور ہوجاتی ہے مگر جراثیم کو مرض کا سبب واصلہ وفاعلہ قرار دیتے ہیں جو ہر گھڑی انسانی جسم میں لاکھوں کی تعداد میں آجارہے ہیں اور اندر اسی قوتِ مدافعت سے ہلاک ہورہے ہیں جو اعضاء سے پیدا ہوتی ہے وغیرہ وغیرہ۔لیکن افسوس ہمارے اطباء حضرات اور وید صاحبان پر جو اپنی اس سے بہتر معلومات کو چھوڑ کر اس جراثیم کی تھیوری (Theory) کو اپنا رہے ہیں، اور فرنگی طب کی انتہائی غلط اور گمراہ کن معلومات کو بھی اپنا رہے ہیں۔

چونکہ اطباء حضرات اور وید صاحبان نے بھی اس غلط اور گمراہ کن نظریہ جراثیم کو اپنالیا ہے جس کا علاج صرف یہی بتادیا گیا ہے کہ قاتل جراثیم ادویات استعمال کردی جائیں۔جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ نزلہ زکام کی حقیقت جو پہلے ہی ایک اسرار ہے اور بھی پس پردہ چلی گئی، اور یہ علامت اور اس سے پیدا ہونے والے امراض شب وروز بڑھنے لگے۔جن میں ضعف دماغ، فالج، لقوہ اور دق وسل جیسی خوفناک عسر العلاج صورتیں زیادہ سے زیادہ ہوتی جارہی ہیں جن سے کوئی انسان بھی انکار نہیں کرسکتا، اور اُن سے زیادہ جوانیوں کو گھن لگتا جارہا ہے اور

قبل از وقت بال سفید ہونا، دانتوں کا گرنا، موتیا بند اور ثقل سماعت کی کثرت ہوتی جارہی ہے۔ بلکہ میں تو اپنے تجربات کی بناپر یہاں تک کہہ دوں گا کہ جو بچے گونگے، بہرے اور اندھے پیدا ہوتے ہیں وہ صرف ان لوگوں کے پیدا ہوتے ہیں جو نزلہ زکام کے دائمی مریض ہیں۔ ہم حکومت کو تاکید کریں گے کہ وہ اعداد وشمار سے اندازہ کرے اور ہماری تحقیقات سے فائدہ حاصل کرے۔ اس میں قوم، ملک اور مخلوقِ خدا کی بھلائی شریک ہے۔

نزلہ، زکام اور مخدر وقاتل جراثیم ادویات

پاک وہند بلکہ دُنیا بھر میں فرنگی طب سے قبل نزلہ زکام کے علاج میں مزاج وکیفیات، دوشوں، اخلاط اور دیگر اسباب کو مدنظر رکھ کر علاج کیا جاتا تھا۔ مگر جب سے فرنگی طب کا دور دورہ ہوا ہے اس تکلیف کو دور کرنے کے لئے صرف مخدرات مثلاً افیون، بھنگ، دھتورہ وغیرہ اور دیگر مخدر ومسکن ادویات استعمال کرائی جاتی ہیں۔ جن کا نتیجہ ظاہر ہے کہ نزلہ زکام تو رفع نہیں ہوتا البتہ عارضی طور پر رُک جاتا ہے اور پھر پہلے سے بھی شدت کے ساتھ شروع ہوجاتا ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ مریض پہلے سے زیادہ کمزور ہوکر نشی اشیاء کا عادی بن جاتا ہے اور زیادہ سے زیادہ اُن کو استعمال کرنا شروع کردیتا ہے۔ اس طرح اپنی ساری زندگی تباہ کرلیتا ہے۔

اسی طرح فرنگی ڈاکٹر بعض مریضوں کو اسپرین قسم کے وقتی دردسر اور نزلہ زکام دور کرنے والی ادویات کی عادت ڈال کر اُن کی زندگی تلخ کردیتے ہیں اور جن لوگوں کو نزلہ مزمن ہوجاتا ہے اور آئے دِن خطرناک امراض کا شکار ہوتے رہتے ہیں، ان کو جراثیم کش ادویات، پنسلین، انٹی بایوٹک اور سلفا گروپ ادویات کی شب وروز کثرت کردیتے ہیں۔ جس کا نتیجہ کیا نکلتا ہے؟ مرض تو نہیں جاتا مگر مریض کے خون کے زندہ ذرّات خون اور جسم کے ٹشوز مرنے شروع ہوجاتے ہیں۔ آخر نہ خون میں قوتِ مدافعت رہتی ہے اور نہ اعضاء خصوصاً اعضائے غذائیہ کے افعال درست رہتے ہیں۔ نیا خون بننا اور صاف ہونا رُک جاتا ہے اور پھر مریض ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مرجاتا ہے یا ایک دم دِل بند (ہارٹ فیل) ہوجاتا ہے۔

جو کچھ ہم نے لکھا ہے اگر حقائق نہ ہوں تو ہم چیلنج کرتے ہیں۔ ہمیں افسوس اطباء حضرات اور وید صاحبان پر ہے، جو فرنگی علاج و ادویات استعمال کرکے نہ صرف اپنی قوم وملک پر ظلم کررہے ہیں بلکہ غلط اور گمراہ کن علاج کرکے اپنی ناواقفیت سے قاتلوں کی فہرست میں اپنا نام لکھوارہے ہیں اور قیامت کے روز اس کے جوابدہ ہوں گے کہ جب تمہارا علم یونانی طب آیورویدک کے ساتھ تعلق رکھتا تھا تو تم نے بغیر صحیح اور مکمل علم کے اپنے نظریات کے خلاف جان بوجھ کر صرف لالچ کی خاطر فرنگی زہریلی ادویات کو کیوں استعمال کیا۔ اِن حقائق سے ثابت ہوا کہ ان مخدر ادویات اور جراثیم کش ادویات کی کثرت نے نزلہ زکام کو پیچیدہ بنادیا، بلکہ لاکھ گنا زیادہ کردیا ہے۔

مجربات پر بھروسہ

نزلہ زکام کے علاج میں ایک بڑی خرابی یہ بھی رہی ہے کہ مرض کی حقیقت کو جانے بغیر اس کا مجربات سے علاج کیا گیا ہے۔ کوشش کی گئی ہے کہ جو رطوبت نزلہ زکام میں بہہ رہی ہے اس کو بند کردیا جائے۔ چونکہ معالج مرض کی حقیقت سے واقف نہیں ہوتا، اس لیے مرض کی شدت یا مزمن حالت میں اچھے سے اچھا نسخہ استعمال کرانے سے بھی آرام نہیں ہوتا تو پھر انتہائی گرمی کا سہارا لے کر انتہائی مسکنات ومبردات اور مخدرات کو استعمال کرتا ہے۔ جن میں صندل، کشنیز، کافور، بھنگ، افیون، چرس اور دھتورہ قابل ذکر ہیں۔ بلکہ بعض وقت

ہلاہل جیسے زہر کو بھی زیر عمل لاتا ہے۔ مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ جو رطوبات بہہ رہی ہیں، بند ہو جائیں۔ اسی مقصد کے لئے شب وروز تریاق زکام اور اکسیر نزلہ کی تلاش میں رہتا ہے مگر باوجود ہزاروں نسخے حاصل کر لینے کے بھی وہ ناکام ہوتا ہے۔ وجہ صرف یہ ہے کہ نہ وہ معالج نزلہ زکام کی حقیقت سے واقف ہے اور نہ اس کو صحیح اُصولی علاج کرنا آتا ہے۔ جو معالج فن کے مبادیات اور قوانین سے پورے طور پر واقف ہوتے ہیں ان کے پاس اگر کسی مرض کا مجرب نسخہ نہ بھی ہو تو اصول اور قوانین سے علاج کر کے مرض پر قابو پالیتا ہے مگر عطائی میں یہ قابلیت بھی نہیں ہوتی۔ اس لئے وہ ہمیشہ اچھے سے اچھے نسخے اور تریاق واکسیر تلاش کرتا رہتا ہے۔ مگر بے علمی کی وجہ سے ہمیشہ ناکام رہتا ہے۔ اس کی اس جہالت سے البتہ وہ ضرور فائدہ اٹھالیتے ہیں جو اکسیر تریاق نسخوں اور مجربات کی کتابیں بیچتے ہیں ان سے بڑھ کر وہ دکاندار فائدہ حاصل کرتے ہیں جو مجرب ادویات تیار کر کے بیچتے ہیں۔

یہ مجربات سے علاج ایک بیماری تو تھی ہی مگر فرنگی طب نے اس میں بے حد اضافہ کر دیا۔ اس میں ہر روز نئی تحقیقات کا بہانہ کر کے قسم قسم کے مجربات بیچنے شروع کر دیئے۔ اس میں صرف انگلینڈ اور امریکہ ہی شریک نہیں ہے بلکہ جرمنی، فرانس، اٹلی، سویڈن اور ہالینڈ وغیرہ سب شریک ہیں۔ روزانہ نئے مجربات نہ صرف نزلہ زکام بلکہ ہر مرض کے لئے بھیجے جا رہے ہیں اور ہمارے ملک کے فرنگی ڈاکٹر ان کے ایجنٹ ہیں۔ وہ تجویز کرتے رہتے ہیں مگر آج تک وہ کوئی یقینی مجرب نسخہ معلوم نہیں کر سکے۔ عوام تو خیر اس فن سے واقف نہیں ہوئے، اپنے ملک کے فرنگی ڈاکٹروں سے سوال کرتا ہوں کہ سینکڑوں سال کی آشتی کے بعد بھی آپ میں سے کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ یورپ اور امریکہ نزلہ زکام کا علاج جانتا ہے یا ان کے پاس اس تکلیف کا کوئی یقینی بے خطا نسخہ ہے۔ پھر آپ کی خودداری کو ٹھیس نہیں لگتی۔ آپ کے ذہن دماغ کو صدمہ نہیں پہنچتا۔ آپ کی خودداری مجروح نہیں ہوتی۔ جو آج تک یورپ اور امریکہ کے ایجنٹ بنے پھرتے ہو، اپنے ملک میں کیا کچھ نہیں ہے اگر اپنا طریق علاج پرانا ہے تو ادویات تو روزانہ یہاں نئی پیدا ہوتی ہیں۔ اُن پر غور کرنا آپ کا کام ہے، اُن کو استعمال کرنے کے طریقے آپ کچھ ہی تجویز کر لیں، یقیناً وہ ایک ملکی علاج ہو۔ خدارا یورپ اور امریکہ کی لعنت کو چھوڑ دو، اور دوسری یقینی بات یہ ہے کہ اُن کا طریقہ علاج غلط اور گمراہ کن ہے جن کے لئے میرا چیلنج اُن کے سامنے ہے۔

عام نزلہ زکام کے علاوہ وبائی نزلہ کی صورت بھی ہے جو عام نزلہ زکام سے زیادہ شدید اور زیادہ خوفناک ہوتا ہے۔ کیونکہ جب کبھی وبائی نزلہ کی صورت پیدا ہوتی ہے تو اس قدر نقصان ہو جاتا ہے کہ کئی سالوں میں عام نزلہ زکام سے اس قدر نقصان نہیں ہوتا ہے۔ فرنگی طب جہاں عام نزلہ زکام کی حقیقت سے واقف نہیں ہے، وہاں پر وہ وبائی نزلہ کی اصلیت سے بھی بے علم ہے۔ یہاں پر بھی اس کا جراثیم اور قوت مدافعت کا رونا ہے مگر موسمی تغیرات فضائی زہر اور اعضاء کی خرابی کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ بہر حال نزلہ وبائی کی صورت بھی نزلہ زکام کی اہمیت پر ایک زبردست شہادت ہے۔

نزلہ زکام کا اہم پہلو یہ ہے کہ اگر ہم اس کی حقیقت سے واقف ہو جائیں تو پھر ہم کایا کلپ کرنے کے قابل بھی ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ مسلسل تیس سالوں کے تجربات اور تحقیقات سے ثابت ہوا ہے کہ جو لوگ بھی دائمی نزلہ میں گرفتار ہوتے ہیں۔ وہی لوگ خوفناک امراض مثلاً سِل ودق اور ہارٹ فیلیر اور تکلیف دہ علامات مثلاً فالج، لقوہ اور رعشہ وغیرہ میں گرفتار رہتے ہیں اور ان خوفناک امراض اور تکلیف دہ علامات کے علاوہ ان پر بڑھاپا جلد غالب آ جاتا ہے۔ قویٰ کمزور ہو جاتے ہیں، بال قبل از وقت سفید ہو جاتے ہیں، دانت گر جاتے ہیں، یا اُن کو ماس خورہ لگ جاتا ہے، سماعت میں ثقل پیدا ہو جاتا ہے اور نگاہیں کمزور ہو جاتی ہیں۔ جو لوگ بچپن سے عینک لگانے کی ضرورت محسوس کرتے ہیں وہ بھی نزلہ زکام کے دائمی مریض ہیں۔ اگر اُن کے نزلہ زکام کا اُصولی طور پر علاج کرا لیا جائے تو اُن کو عینک کی

ضرورت نہیں رہے گی۔مگر فرنگی معالج (ڈاکٹر) اس بات کو کیوں سمجھے،اس سے یورپ کے بزنس میں فرق پڑ جاتا ہے وہ تو کمزور آنکھوں کے لئے فوراً عینک تجویز کرے گا۔اس سے ایک طرف اس کی فن سے ناآگاہی پر پردہ پڑتا ہے اور دوسری طرف اس کے بزنس کو ترقی ہوتی ہے۔

بہرحال اگر نزلہ زکام کی حقیقت سے مکمل طور پر آگاہی ہو جائے تو بڑھاپے کو نہ صرف روکا جا سکتا ہے بلکہ کایا کلپ کر کے بڑھاپے کو جوانی میں تبدیل کیا جا سکتا ہے۔جب ہمارے سامنے یہ اُصول واضح ہو جاتا ہے کہ نزلہ زکام ہی ایک ایسا مرض ہے جس کی زیادتی یا تسلسل انسانی قویٰ کو اس حد تک کمزور کر دیتا ہے کہ اُس پر بڑھاپا آ جاتا ہے تو پھر اگر ہم اس صورت کو پوری طرح تحقیقات سے سمجھ لیں،تو ہمارے واسطے کچھ مشکل نہیں ہوگا کہ ہم جوانی کو قائم رکھ سکیں اور بڑھاپے کو قریب نہ آنے دیں۔نزلہ زکام میں جو صورت رطوبت کے اخراج کی ناک اور حلق سے ہوتی ہے،بالکل یہی صورت رطوبات کے اخراج کی باقی اعضاء میں جسم کے اندر ہوتی ہے،جیسے تھوک،آنکھ کا پانی،پسینہ،پیشاب کی زیادتی اور اس سے بھی بڑھ کر منی کا کثرت اخراج اور سیلان الرحم وغیرہ جن کی تشریح ہم نزلہ کی تحقیقات میں بیان کریں گے۔رطوبات کا بکثرت اخراج ہی ایسی علامت وشے ہے جو انسان کی اندرونی قیمتی وضامن قوت اشیاء کو ختم کرنا شروع کر دیتا ہے۔جن کی وجہ سے خون میں وہ طاقت نہیں قائم رہتی جس سے زندگی وجوانی اور قوت کا قیام لازم ہے۔گویا زندگی وجوانی اور قوت کے لیے خون کی صالح رطوبات اہم ترین اجزاء ہیں۔

آخر میں ہم نزلہ زکام کی اہمیت کے لیے یہاں تک بیان کرنے کو تیار ہیں کہ جنسی قوت میں خرابی بھی اُسی وقت پیدا ہوتی ہے جب نزلہ زکام کے اثرات انسان پر ظاہر ہوتے ہیں۔اعصاب کے افعال میں خرابی،جریان وسیلان الرحم اور احتلام،سُرعت انزال انہی کا نتیجہ ہیں۔جیسا کہ ہم آئندہ وضاحت کریں گے۔جو لوگ جنسی امراض وعلامات کا علاج کرتے ہیں مگر نزلہ زکام کی ماہیت سے واقف نہیں ہیں،اُن کو جنسی امراض وعلامات کے علاج میں ذرّہ بھر واقفیت اور دسترس نہیں ہے۔ایسے لوگ صرف تجرباتی علاج کرتے ہیں اور اصل فن طب سے قطعاً دور ہیں۔اس وقت جس قدر کتب خصوصاً فرنگی کتب قوت باہ اور جنسیات پر لکھی گئی ہیں اُن میں ایک بھی ایسی نہیں ہے،جس کو دیکھ کر ہم کہہ سکیں مصنف یا مؤلف کو عصبی امراض یا جنسیاتی امراض پر عبور حاصل ہے۔صرف سنی سنائی باتوں میں مکھی پر مکھی ماری گئی ہے۔ہم ان شاءاللہ تعالیٰ نزلہ زکام کے تحت اُن پر سیر حاصل بحث کریں گے۔

اگر کوئی فرنگی ڈاکٹر ہماری تحقیقات کو غلط یا فرنگی طب میں کوئی ایسی مبنی برصداقت تحقیق ثابت کر دکھائے تو انہیں ہمارا چیلنج ہے،وہ ان شاءاللہ تعالیٰ کبھی بھی اپنے علم کی فوقیت بیان نہیں کر سکتے۔

نزلہ زکام کی تاریخ اور وسعت

نزلہ زکام عورت مرد،بچے بوڑھے اور جوان بلکہ ہر عمر میں پایا جاتا ہے،مرد کی نسبت عورتوں میں زیادہ پایا جاتا ہے،جہاں تک طبی تاریخ کا تعلق ہے بلکہ انسانی تاریخ کا تعلق ہے،کہا جاتا ہے کہ یہ ایک ایسا مرض ہے جس کا علم نہ صرف اہل فن بلکہ عوام کو قدیم سے چلا آتا ہے۔انسانی تہذیبی تاریخ کو بابل ونینوا سے شروع کیا جاتا ہے۔بعض محقق اس تاریخ کو چین سے شروع کرتے ہیں۔یہ وہ زمانہ تھا جب ہندوستان کی تہذیب اپنے ویدک دور میں اپنے پورے عروج پر تھی اور چین پر بھی ہندوستان کی تہذیب کا اثر تھا اُس زمانے میں ہندوستان کا ویدک اثر بابل اور نینوا تک نظر آتا ہے۔جس کے ثبوت میں موہنجوداڑو کی اینٹیں،برتن اور طرزِ تحریر پیش کر سکتے ہیں۔جس کے نمونے

بابل اور نینوا میں پائے جاتے ہیں۔

اس زمانے میں بھی نزلہ زکام کا ذکر پایا جاتا ہے۔ بہر حال بابل اور نینوا کی تہذیب سے چل کر اس کا اثر مصر میں نظر آتا ہے۔ وہاں اہرام جن میں اس وقت تہذیب دفن ہے، موجودہ دور میں اپنا زندہ ثبوت رکھتے ہیں۔ مصر کے بعد اس تہذیب وتمدن کا اثر یونان کے خطہ حکمت دفن میں پورے زوروں پر پھیل جاتا ہے۔ آج بھی دُنیا بھر میں علم وفن اور حکمت تہذیب اور اخلاق جن کے اثر دیوی دیوتاؤں کی شکلوں، مجسموں اور ناموں میں نظر آتے ہیں۔ بلکہ کھیلوں تک میں اُن کا نمایاں اور گہرا اثر معلوم ہوتا ہے۔ آج بھی اولمپک کھیلوں (Olympic Games) کے مقابلے یونان کی یادتازہ کر دیتے ہیں۔ اس زمانے میں بھی جس ملک میں اولمپک کھیلوں کے مقابلے ہوتے ہیں، آگ ایک مشعل کی صورت میں ملک یونان ہی سے لائی جاتی ہے۔ گویا ظاہر کیا جاتا ہے کہ علم وحکمت اگر عقل کو تربیت وجلا دیتے ہیں تو علم طب جسم کو امراض سے نجات دلاتا ہے تو ورزش اور کھیل نہ صرف حفظ صحت کا باعث ہیں بلکہ جسم انسان کی تربیت کی صورت بھی پیدا کرتے ہیں گویا علم وفن، طب وحکمت، اخلاق وتہذیب، ورزش اور کھیل یہ سب کچھ یونانی تہذیب وتمدن کی یادگار ہیں۔ اس دَور میں بھی نزلہ زکام کی تشریح کتب میں پائی جاتی ہے۔

یونان کے بعد یہ تہذیب روما سے گزرتی ہوئی ایران اور اسلامی دور میں پہنچ جاتی ہے۔ جہاں قدیم تہذیب وتمدن کو وہ جلا ملتی ہے اور اُس پر وہ رنگ وروغن ہوتا ہے کہ دُنیا کی آنکھیں خیرہ ہو جاتی ہیں۔ اس کا انتہائی کمال یہ ہے کہ آج کے جدید یورپی تہذیب وتمدن میں باوجود ایک کمال نظر آنے کے مکمل طور پر اسلامی تہذیب کے کمالات کو اپنایا نہیں جاسکا اور نہ اس کی تہذیب وتمدن کو پھلانگا جاسکا ہے۔ البتہ فرنگی تہذیب میں صحیح علم وفن کی بجائے مکروفن ضرور زیادہ نظر آتا ہے۔

بہر حال تاریخ کے ان سارے ادوار میں کوئی دور ایسا نظر نہیں آتا جس میں نزلہ زکام کے اثرات نظر نہ آتے ہوں۔ بلکہ جراثیم کے اثرات کا بھی پتہ چلتا ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے کہ کسی ایک فرعون کے ناک میں اس قدر خرابی اور تعفن ہو گیا تھا کہ اس میں کیڑے پیدا ہو گئے تھے، جس کی وجہ سے اس کے سر میں درد رہتا تھا، اس کا علاج اس وقت کے اطباء نے یہ تجویز کیا تھا کہ اس کے سر میں جوتے لگائے جاتے تھے۔ جس سے کچھ دیر کے لیے ناک کے کیڑے تکلیف دینا چھوڑ دیتے تھے۔ یہ ناک کا مرض تھا؟ تسلیم کرنا پڑے گا کہ یہ مزمن قسم نزلہ زکام تھا۔ بہر حال یہ تو ایک قصہ ہے لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں ہے کہ انسان کی پیدائش کے ساتھ ساتھ نزلہ زکام بھی اس کے ہمراہ اس دُنیا میں نازل ہو گئے۔ جس نے انسان کو اکثر اپنی گرفت میں رکھا۔ اگر قصہ آدم کو سائنس کی نگاہ سے تحقیق کیا جائے تو شیطان کی دشمنی میں بھی نزلہ زکام کا اثر نظر آتا ہے۔ کیونکہ شیطان کی اصل جن سے اور جنات کی پیدائش آگ کے دھوئیں (کاربن) سے ہے اور یہی دھواں اور کاربن کی سیاہی ہی ایسی شے ہے جس کی موجودگی نزلہ زکام کی پیدائش کا باعث بنتی ہے۔ بہر حال سائنسی تحقیق میں اس قسم کے اندازے لگائے جاسکتے ہیں۔ لیکن اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا ہے کہ قصہ آدم میں شیطان کو جو دخل حاصل ہے اگر اس کی تحقیق کی جائے تو بہت سے حقائق عدم سے وجود میں آسکتے ہیں۔ مثلاً شیطان کا جنت میں داخلہ بند ہونا، حضرت حوا کو تحریص دلانا اور پھر حضرتِ حوا کا حضرت آدم علیہ السلام کو اس تحریص پر مجبور کر دینا، شجر ممنوعہ کے قریب چلے جانا، دونوں کا ننگے ہو جانا، مقام جنت سے مقام دُنیا میں نکالے جانا، توبہ واستغفار اور انسانیت کا جنم لینا وغیرہ اور اگر مزید غور کیا جائے تو اس انسانیت سے آدمیت اور بشریت کی طرف انسانی ارتقاء اور بناء کا عمل میں آنا وغیرہ وغیرہ اپنے اندر بے شمار حقائق کے سلسلے رکھتے ہیں۔

اگر ہم لفظ کافر، منکر، اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک پر کچھ غور کریں تو کئی اسرار ورموز سامنے آجاتے ہیں۔ مثلاً کافر کا مادہ کفری ہے اور

اسی سے ''کافور'' نکلا ہے۔ ہومیوپیتھی میں کافور کی علامات میں نہ صرف شدید نزلہ زکام کی علامات نظر آتی ہیں بلکہ موت لازمی نظر آتی ہے۔ گویا منکر اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک لہٗ کے خون میں کوئی شے یا کیفیت پیدا ہوجاتی ہے جس کا تعلق کافور کے عنصر اور کیفیت کے ساتھ ہے۔ قرآنِ حکیم میں کافر کی جو علامات تحریر کی گئی ہیں، اُن پر غور کیا جائے تو بے شمار اسرار و رموز کھلتے ہیں جن کی تفصیل باعثِ طوالت ہے۔

نزلہ زکام ایک ایسا دُکھ ہے جو پیدائش انسان کے ساتھ ہی ساتھ نظر آتا ہے اور اس کا ذکر قدیم اور مذہبی کتب میں پایا جاتا ہے۔ وسعت کے لحاظ سے اگر دیکھا جائے تو یہ دُکھ دُنیا کے ہر حصے اور ہر قسم کی آب وہوا میں پایا جاتا ہے۔ سرد سے سرد پہاڑی علاقوں سے لے کر تپتی ہوئی ریتلی زمین پر بھی اس کے اثرات اور غارت گری نظر آتی ہے۔ گویا اس دُکھ سے کسی سرزمین اور کسی آب وہوا میں امان نہیں ہے۔ لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ گرم ممالک اور گرم موسم میں یہ دُکھ نہ کثرت سے ہوتا ہے اور نہ زیادہ تکلیف کا باعث ہوتا ہے، البتہ سرد علاقوں خصوصاً پہاڑی یا برفانی اور ساحلی علاقوں اور سردی کے موسم میں یہ نزلہ زکام اس کثرت سے ہوتا ہے کہ گویا روزانہ اس کا نیا حملہ ہوتا ہے اور ہر ایک شخص پر اُس کا کچھ نہ کچھ اثر ضرور نظر آتا ہے اور جس جگہ انتہائی سردی اور رطوبت ہو وہاں پر تو انسان اس سے پناہ مانگتا ہے اور ڈر کر کسی اور ملک میں چلا جاتا ہے۔ گویا سردی، تری سے اس مرض کو خاص مناسبت ہے۔

میری تحقیقات کے مطابق گرم ممالک اور گرم موسم میں جن لوگوں کو یہ مرض ہوتا ہے، اُن کے گرم مزاج کی کمی کی وجہ سے ہوتا ہے۔ گویا اُن کے جسم میں بھی ایک مناسبت سے سردی پیدا ہوجاتی ہے۔ کیونکہ اُن کے علاج میں بھی سرد ادویات مفید نہیں ہوتیں۔ بلکہ مزاج میں حرارت کی جو کمی ہوگئی ہے اس کو پورا کردیا جائے تو مرض دور ہوجاتا ہے۔

دُنیا کی قدیم ترین تہذیب ہندی تہذیب ہے۔ قدیم ترین مذہبی کتاب وید ہیں اور قدیم ترین طب آیورویدک ہے، نہ صرف آیورویدک بلکہ ویدوں اور ہندی تہذیب میں بھی نزلہ زکام کا ذکر ملتا ہے۔ چرک اور ششرت جو آیورویدک کی قدیم اور اہم کتب ہیں اُن میں بھی اس روگ کا پتہ چلتا ہے اور اس کو کف روگ لکھا ہے جو اصولی طور پر بالکل صحیح ہے۔ یہ یاد رہے کہ کف کے بڑھ جانے سے وات اور پت دونوں کم ہوجاتے ہیں اور روگ کے مزمن ہوجانے کی صورت میں اس میں انتہائی تعفن پیدا ہوجاتا ہے بالکل اس طرح جیسے دودھ میں تعفن پیدا ہوجائے اور وہ تعفن زہر کے قریب پہنچ جائے۔ اس صورت میں وہ کف زندگی کے لئے زہر ثابت ہوتا ہے۔

آیورویدک میں جہاں پر کایا کلپ کا ذکر کیا گیا ہے وہاں پر کف خصوصاً متعفن کف کو دور کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور ایسی ادویات کو زیادہ استعمال میں لایا گیا ہے جن سے طاقت پیدا ہوتی ہے۔ ایسی تمام ادویات وایو کی پیدائش کو بڑھا دیتی ہے۔ البتہ بعض دوائیں پت کو بھی بڑھانے والی ہیں لیکن اُن میں بھی وایو کی پیدائش پت سے زیادہ ہوتی ہے۔

اسی طرح ہندو مائی تھالوجی میں جس مقام پر ''امرت'' کا ذکر ہے وہاں پر یہ حکایت بھی بیان کی گئی ہے کہ اس کو حاصل کرنے کے لئے دیوتاؤں اور راکھشسوں نے مل کر سمندر کو بلوہا (جس طرح بھی بلوہا) بہرحال اس میں سے ''امرت'' برآمد ہوا۔ وہ جوانی، طاقت اور صحت کے لیے لاجواب جوہر تھا۔ اس حکایت کو اگر افسانہ بھی کہہ دیا جائے تو بھی بے حد اسرار و رموز نظر آتے ہیں۔ مثلاً سمندر میں ''امرت'' کا پایا جانا، سمندر کا بلوہا جانا، اس کے بلوہنے میں دیوتاؤں اور راکھشسوں کی طاقت کا ہونا وغیرہ وغیرہ۔ اگر ذرا غور کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ سمندر کی مخلوق، اس کی اشیاء اور اس کا پانی اپنے اندر زیادہ تر چونے اور فاسفورس کے اجزاء رکھتا ہے۔ اس کو کلس نوری (کیلشیم فاسفیٹ) کہنا چاہئے۔ یہی ایک ایسا عنصر ہے جس کی کمی جوانی کو بڑھاپے میں بدل دیتی ہے۔ یہ کس مقدار میں انسان کے جسم میں قائم رہنا چاہئے اس کا ذکر علاج میں لکھیں گے۔

آیورویدک کے کئی ہزار سالوں بعد طب یونانی عدم سے وجود میں آئی اس دوران میں کئی تہذیبیں اُجڑیں اور کئی تمدن پیدا ہوئے۔ بہرحال انسان کے لئے باقاعدہ فن علاج کی بنیاد رکھی گئی۔ کیونکہ اس سے قبل علم العلاج بھی مذہب کا ایک حصہ شمار ہوتا تھا۔ میری رائے میں علم طب اگر مذہب کے ساتھ ہی متعلق رہتا تو بہتر تھا کیونکہ عبادات میں اعضاء کا جسمانی اور نفسیاتی طور پر تندرست ہونا بے حد اہم ہے۔ علماء، فضلاء اور پیشوایانِ مذاہب زبان وادب اور احکاماتِ شرعیہ سے تو خوب واقف ہوتے ہیں لیکن اُن کے جسم اور نفس اکثر مریض ہوتے ہیں جن کا سبب اعضاء میں خرابی ہوتی ہے اور اُن کو اس امر کا علم نہیں ہوتا۔ اُن کی توندیں بڑھ جاتی ہیں اور نفسیاتی خواہشات اور فطری ضروریات میں فرق نہیں کرسکتے۔ چونکہ وہ اپنے آپ کو مفسر شرع خیال کرتے ہیں اس لئے اکثر مغرور ہوجاتے ہیں۔ یا تو آپس میں لڑتے ہیں یا نئے دین اور مذہب کی بنیاد رکھ لیتے ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ اسلام کے احکام فطری ہیں۔ ایک طرف وہ اگر اخلاقی قدروں کو بلند کرتے ہیں تو دوسری طرف فطری طبی اور عقلی قوانین کے عین مطابق ہیں مگر یہاں بھی علماء اور ائمہ فطری طبی توضیح کو اکثر نظرانداز کردیتے ہیں۔ جہاں تک عقل کا تعلق ہے وہاں پر منطق کو مقررہ دلائل پر ختم کردیا جاتا ہے۔ اِسی لئے نئے نئے فرقے اور نئے نئے مہدی مسیح اور نبی دُنیا میں ظاہر ہوتے رہتے ہیں۔ اگر فطرت کی قدریں عقل کے مطابق متعین کرلی جائیں تو دُنیا کا صرف ایک ہی مذہب قرار پا جائے۔ بہرحال جو یہ کہا گیا ہے کہ ''العلم علمان علم الابدان والعلم ادیان'' بالکل صحیح ہے یعنی دونوں علم اکٹھے ہونے چاہئیں۔ وید اس کا بین ثبوت ہیں کیونکہ آیورویدک اس کا حصہ ہے۔

بہرحال طب یونانی نے علم الادیان سے ہٹ کر فن علاج کی بنیاد رکھی، اس دور میں تو نزلہ زکام کا ذکر اچھی خاصی تفصیل کے ساتھ ملتا ہے۔ حکیم بقراط جو طب یونانی کا بانی تسلیم کیا جاتا ہے۔ اُس نے بھی اس کا ذکر کیا ہے اور بعد کے زمانوں میں تو اس میں بے حد وسعت ہوگئی ہے۔ اسلامی دور میں نزلہ زکام کے سمجھنے کی پوری کوشش کی گئی ہے اور میری رائے میں اسلامی دور کے اطباء وحکماء نے اس دُکھ کو اس حد تک سمجھا اور بیان کیا ہے کہ فرنگی طب اس کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکی۔ نزلہ زکام کے اسباب میں صرف جراثیم کو بیان کردینا کافی نہیں اس سے اس کی پوری حالت اور کیفیت جسم کے کیمیاوی تغیرات بالکل سامنے نہیں آسکتے اور نہ ہی اُس کا تسلی بخش علاج ہوسکتا ہے، اور اگر نزلہ زکام سے بال سفید اور جوانی تباہ ہوگئی ہو تو فرنگی طب کے پاس اس کا کیا علاج ہے۔ صرف جراثیم کش ادویات تو اس بڑھاپے اور کمزوری کو دور نہیں کرسکتیں۔ جب وہ حقیقت اور ماہیت سے ہی واقف نہیں تو علاج کیسے ممکن ہوسکتا ہے۔

طب یونانی میں نزلہ زکام کو بلغمی مرض لکھا گیا ہے۔ حقیقتاً جو بالکل صحیح ہے اور صرف اتنی سی بات میں بے شمار اسرار ورموز ہیں۔ اگر بلغم کے اقسام اور بلغم کے ذائقوں پر غور کیا جائے تو اس کا حاد ومزمن صورتیں اور مابعد کے اثرات، ہر قسم کا ضعف اور خرابی ذہن نشین ہوجاتے ہیں۔ بلغم کے مزاج میں بھی بڑے بڑے خزانے پوشیدہ ہیں جہاں ہندو مائیتھالوجی میں ''امرت'' کا ذکر ہے وہاں مشرقی ادب میں آبِ حیات کا قصہ بیان کیا جاتا ہے۔ جو سکندر ذوالقرنین اور حضرت خضر علیہ السلام سے متعلق ہے۔ یعنی مؤخر الذکر نے اوّل الذکر کو دائمی حیات کے لئے ''آبِ حیات'' پیش کیا۔ مگر انہوں نے کسی وجہ سے انکار کردیا۔ اس قصے کی حقیقت کچھ ہی کیوں نہ ہو تاہم اس میں بھی سمندر کا ذکر آتا ہے۔ بلکہ ایسے مقام کو بیان کیا گیا ہے جہاں پر سورج سمندر میں ڈوب رہا تھا۔ اگر سورج اور سمندر کے سمبل پر غور کیا جائے تو ہمارے سامنے ''امرت'' کا نقشہ پیدا ہوجاتا ہے اور یہاں پر دواتنی بڑی ہستیاں بیان کی گئی ہیں جن کو ہندو مائی تھالوجی میں یقیناً دیوتا کہا جاسکتا ہے۔

تحقیقات ایک مشکل فن اور اس میں استعارات ایسی علامات ہیں جو محقق کے لیے رہبری اور دلیل کا کام کرتی ہیں۔ لیکن ان کو سمجھنا اور ان پر مدتوں غور کرنا بے حد مشکل کام ہے۔ ان بحر سے یونہی معنی اور مقاصد نہیں نکال لئے جاتے ہیں بلکہ اُن کے ڈانڈے کسی

تحقیقات سے ملائے جاتے ہیں اور پھر بامعنی نتائج اخذ کئے جاتے ہیں۔ مثلاً ادب میں ایک لفظ ایک معنی دیتا ہے لیکن تحریراً اس معنی میں کیسے کیسے تغیر پیدا ہو جاتے ہیں اور خاص کر جب ان کے ابتدا یا آخر میں کوئی مخصوص حرف بڑھا دیا جائے۔ بالکل ایسی صورت سیلز کی بھی ہے ان کو دیکھ کر ہر علم وفن اور عقل وفطرت کی گہرائیوں میں ڈوبنا پڑتا ہے۔ پھر کہیں جا کر گوہر معنی باہر آتے ہیں لیکن اس وقت تک مفید وہ بھی نہیں ہوتے، جب تک ان کا تعلق کسی تحقیقی رشتہ کے ساتھ قائم نہ ہو جائے اور ان میں افادیت اور حسن کا پہلو نمایاں نہ ہو۔ جن لوگوں کو سمبلز پر غور کرنے کا شوق ہو وہ قدیم ہندو مائی تھالوجی اور یونانی علم الاصنام پر غور کرنا شروع کر دیں۔ عجیب عجیب اسرار ورموز سامنے آتے ہیں۔ اسی طرح دیگر مذہبی کتب مثلاً توریت، انجیل اور قرآن حکیم میں بھی بعض بعض مقامات پر سمبلز بیان کی گئی ہیں۔ مثلاً آدم وابلیس کا قصہ، شجر ممنوعہ، پیدائش زندگی اور کائنات، وغیرہ وغیرہ۔

جہاں تک فرنگی طب کا تعلق ہے اس کی ابتداء اسلامی دور کی تحقیقات وترقی اور ارتقاء کے بعد ہوئی اور تقریباً چھ سو سال تک یورپ کی یونیورسٹیوں میں وہی طب پڑھائی جاتی رہی اور تمام براعظم میں وہی علاج جاری رہا بلکہ اکثر ڈاکٹر اپنا لباس بھی اسلامی اطباء کی طرز پر پہنا کرتے تھے۔ جن کے ثبوت میں آج ایسے ڈاکٹروں کی تصاویر پیش کی جاسکتی ہیں۔ غرض چھ سو سال تک فرنگی طب میں نزلہ زکام کے متعلق وہی ماہیت وتعریف، اسباب وعلامات اور علاج نظر آتا ہے۔ اس کے بعد جب اسلامی علم وفن اور ثقافت کا اثر کچھ کم ہوا تو بھی، اس وقت ان کی کتب ومدارس میں نزلہ زکام کی سابقہ تعلیم نظر آتی ہے اور انہی اُصولوں پر علاج کرنے کا پتہ چلتا ہے۔ اور یہ سب کچھ اس وقت تک قائم رہتا ہے جب تک نظریہ جراثیم سامنے نہیں آیا۔ اس سے فرنگی طب میں تبدیلی کی ابتداء ہوئی، اس کی یہ تبدیلی صحیح ہے یا ہمارے نظریہ مفرد اعضاء کے مطابق غلط، اس کا فیصلہ ناظرین اس کتاب کے ختم کرنے کے بعد پوری طرح کر سکیں گے۔

جراثیم کے نظریہ سے پیدائش امراض پر گزشتہ صفحات پر ہم روشنی ڈال چکے ہیں۔ جراثیم کی حقیقت کیا ہے؟ ان کا علاج کے ساتھ کہاں تک تعلق ہے؟ ان شاء اللہ تعالیٰ اس کی تفصیل وتشریح آئندہ صفحات میں ''ماہیت امراض'' کے تحت کریں گے۔ یہاں پر صرف اس قدر ذہن نشین کرلیں کہ نزلہ زکام کے جراثیم کا علم ہو جانے کے بعد بھی فرنگی طب اور ماڈرن سائنس نہ ان کی حقیقت سے آگاہ ہوئی ہے اور نہ ہی اُن کا اس کے پاس یقینی اور بے خطا علاج ہے اور جہاں تک نزلہ زکام کے خطرناک برے اثرات کا تعلق ہے یعنی اس کی مزمن صورت، بڑھاپا، بالوں کا سفید ہو جانا، نزول ماء، ماس خورہ، ثقل سماعت اور انتہائی کمزوری، فرنگی طب اس سلسلے میں بالکل ناکام اور مجبور ہے۔ کیونکہ صرف سالہا سال کے تجربات نے صاف طور پر ثابت کر دیا ہے کہ صرف قاتل جراثیم ادویات سے نزلہ زکام کا علاج نہیں ہوسکتا اور ایک صدی میں بھی ایک مریض پیش نہیں کیا جاسکتا۔ جس کو فرنگی طب کی جراثیم کش ادویات سے شفا نصیب ہوئی ہے۔

نظریہ جراثیم کی ابتدا سے لے کر اس وقت تک نزلہ زکام میں بے شمار تحقیقات اور اضافے ہوئے اور اُس دُکھ کو رفع کرنے کے لیے بے شمار تریاق قسم کی ادویات اور اکسیر صفت علاجات دُنیا کے سامنے پیش کئے گئے۔ مگر تقریباً اس پوری ایک صدی کی تحقیقات کا نتیجہ صفر سے آگے نہیں بڑھا اور وہ تمام تریاقی ادویات اور اکسیر علاج فیل ہو گئے۔ البتہ فرنگی طب کی تجارت کو قائم رکھنے کے لئے یہ صورت پیدا کر دی گئی ہے کہ جب یورپ وامریکہ کی کوئی دوا اور علاج اپنے تریاقی اور اکسیر اثرات کھوتا ہوا نظر آتا ہے۔ جو اثر فرنگی طب کے تاجروں نے صرف پراپیگنڈا سے قائم کیا تھا تو مارکیٹ میں چند اور ادویات وعلاج، تریاق اور اکسیر کے نام پر بھیج دیتے ہیں۔ تاکہ عوام کا رجحان ناکام ادویات سے ہٹ کر نئی قسم کی ادویات پر لگا دیا جائے اور خدمت اور مقصد کے لئے فرنگی ڈاکٹر پوری طرح اپنی ایجنٹی کے فرائض انجام دیتے رہیں، اور اب تو ان میں بے شمار اطباء اور ہومیوپیتھ بھی شریک ہو گئے ہیں۔ جب فرنگی طب کی نئی ادویات مارکیٹ میں آتی ہیں تو اُن کی

خوبصورت شیشیاں، رنگین پیکنگ اور پراپیگنڈا نما لٹریچر بھی نفسیاتی طور پر عوام کو متاثر کرتا ہے اور ایسی صورت میں جب ایک ڈاکٹر جو امراض کو پہچانتا ہے تعریف کرتا ہے تو پھر دوا کیسے کوئی نہ خریدے، اور اگر کسی حسین وجمیل نرس نے تعریف کر دی یا حور صفت، نازک اندام لیڈی ڈاکٹر نے دوا تجویز کر دی تو یقیناً دوا خریدی جائے گی۔ چاہے مریض کی زندگی ہی کیوں نہ ختم ہو جائے۔

سچ بات تو یہ ہے کہ فرنگی ڈاکٹر خود ہی خطرناک جراثیم ہیں جو اپنی لاعلمی اور علاج کے غیر علمی (ان سائنٹفک) ہونے کی وجہ سے دُنیا میں امراض پھیلانے کا باعث ہو رہے ہیں، اور نزلہ زکام میں جن لوگوں کو آرام ہو جاتا ہے اس میں نہ فرنگی ڈاکٹروں کا ہاتھ ہے اور نہ جراثیم کش ادویات کے کمالات ہیں۔ بلکہ طب یونانی اور فطری تعلیم اثر کر جاتی ہے اور فائدہ دے جاتی ہے۔ یعنی نزلہ زکام میں بھوکا رہنا چاہئے۔ غذا چھوڑ دینی چاہئے، بدن کو گرم رکھنا چاہئے، سردی سے بچنا چاہئے، پانی پینا روک دینا چاہئے، خشک اور مقوی قسم کی اغذیہ کھائی جائیں، اس مقصد کے لئے شہروں میں انڈے اور چائے، مچھلی اور چائے اور دیہاتوں میں گرم گرم چنے ایک دو وقت کھانے سے مرض میں نہ صرف تخفیف ہو جاتی ہے بلکہ ضائع شدہ طاقت بھی لوٹ آتی ہے۔ دراصل یہ یا اسی قسم کے دیگر علاجات اور تدبیر کی وجہ سے نزلہ زکام میں آرام ہو جاتا ہے۔ ورنہ اگر صرف فرنگی طب کی جراثیم کش ادویات پر سہارا کیا جاتا تو ایک دُنیا اس مرض میں گرفتار ہو کر تنکوں کی طرح گلیوں میں خراب اور برباد زندگی کے دِن گزارتی نظر آتی اور اُن کی آہ و بکاء نے آسمان سر پر اُٹھایا ہوتا، اور دُکھی لوگ موت کو زندگی پر ترجیح دیتے۔

قابل غور بات تو یہ ہے کہ جب یہ یقین ہو گیا کہ نزلہ زکام کے جراثیم کا پتہ چل گیا ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ فرنگی طب اور ماڈرن سائنس کی یقینی اور بے خطا ادویات ناکام ہیں۔ اس سے تو صاف پتہ چلتا ہے کہ فرنگی ڈاکٹر جراثیم تھیوری کے تحت اپنے علاج میں بُری طرح ناکام ہیں اور حیرت انگیز بات یہ ہے کہ ان کو حکومتوں کی سرپرستی ہے۔ ان کے پاس بڑی بڑی لیبارٹریاں ہیں، شاندار ہاسٹل، صحت افزاء مقامات پر شاندار سینی ٹوریم، قابل دماغ اور باقاعدہ تعلیم، بے شمار چوٹی کے کالج اور دیگر ہر قسم کی سہولیں میسر ہیں مگر نتیجہ بالکل صفر کے برابر نظر آتا ہے۔ ان سے ایک بھی نزلہ زکام کا مریض صحت یاب نہیں ہوسکتا۔

بس تسلیم کرنا پڑے گا کہ فرنگی طریقِ علاج غلط ہے اور وہ لوگ صرف بزنس اور تجارت کی خاطر اپنی تحقیقات کا پراپیگنڈہ کرتے ہیں اور اس طرح دُنیا کو اپنے غلط علاج اور خطرناک ادویات سے بے شمار تکلیف دہ امراض میں گرفتار کر دیا ہے۔ دُور نہ جائیں صرف اسپرین اور اسی قسم کی دیگر ادویات نے دُنیا میں اس قدر لوگوں کی جانوں کو عذاب میں مبتلا کیا ہے، جس قدر مخلوق اس وقت دُنیا میں پائی جاتی ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ بہت جلد دُنیا فرنگی ادویات کے خطرناک اور زہریلے اثرات سے روشناس ہو جائے گی۔

بعض خود پسند اور غلط فہمی میں مبتلا ڈاکٹر اپنے طریق علاج اور ادویات کی تعریف کرتے ہیں۔ اُن کو اس امر کا بالکل تجربہ نہیں ہوتا کہ اُن کی ادویہ صرف وقتی طور پر تکلیف دہ علامات کو روک دیتی ہیں جو کچھ عرصہ بعد نمودار ہو جاتی ہیں، اور وقتی طور پر ان تکلیف دہ علامات کی روک تھام صرف مخدرات اور منشیات سے کی جاتی ہے۔ جن میں افیون، اجوائن خراسانی، بھنگ، بیش، دھتورہ، کوکین، نوو کین، برومائیڈ، کلورل ہائیڈریٹ اور کافور وغیرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ان مخدرات کا اثر چند گھنٹوں سے زیادہ نہیں رہتا۔ اس لیے فرنگی ڈاکٹر ہر تین چار گھنٹے بعد ایسی ایک خوراک کا پروگرام بنا دیتے ہیں یا انجکشن لگا دیتے ہیں۔ علامات دبی رہتی ہیں، مگر مریض روز بروز کمزور ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ نتیجہ ظاہر ہے کہ موت کے قریب پہنچ جاتا ہے اور اچانک مر جاتا ہے یا اچانک پھر اُس پر مرض کا حملہ ہوتا ہے۔ چونکہ طاقت مخدرات اور منشی ادویات سے ختم ہو چکی ہوتی ہے۔

مریض اس حملہ سے جانبر نہیں ہوسکتا، مریض کے اعزہ واقرباء سمجھتے ہیں کہ مریض مرض کی شدت سے مرگیا مگر چالاک فرنگی ڈاکٹر خوب جانتا ہے کہ یہ سب کچھ مخدر اور منشی ادویات کا نتیجہ ہے۔ جن کو اس لئے استعمال کیا گیا تھا کہ عارضی طور پر علامات کو روکا جائے۔ یہ تکلیف دہ علامات صحیح طریق علاج سے بھی رُک سکتی تھیں مگر فرنگی ڈاکٹر صحیح علاج سے واقف نہیں ہے، صحیح علاج کے لئے یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ علامات رفتہ رفتہ رکتی ہیں اور مریض کو جسم میں کمزوری کی بجائے طاقت محسوس ہوتی ہے۔

جاننا چاہئے کہ فرنگی حکومت سے قبل نزلہ زکام ہمارے ملک میں کثرت سے نہیں پایا جاتا تھا اور جب سے فرنگی تہذیب وتمدن دُنیا میں پھیلا ہے، اس مرض کی وہ کثرت ہوگئی ہے کہ ہر شخص نزلہ زکام میں گرفتار نظر آتا ہے جس کا نتیجہ تپ دق وسل (ٹی بی) ہے جو اس کثرت سے پھیل گیا ہے کہ اب اس کو روکنا بالکل کسی ملک کی حکومت کے بس میں نہیں رہا ہے۔ اس سچائی کا اندازہ اس طرح لگالیں کہ فرنگی حکومت سے قبل کے اعداد وشمار دیکھ لیے جائیں، اور آج کے اعداد وشمار دیکھ کر اندازہ لگالیں کہ ملک میں 10 فیصدی مرض تپ دق وسل (ٹی بی) میں اضافہ ہوگیا ہے اور اسی نسبت سے نزلہ زکام کی زیادتی کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے اور حالت روز بروز خراب ہوتی جاتی ہے۔ ایک طرف فرنگی طب کے پاس نزلہ زکام اور ٹی بی کا علاج نہیں ہے، دوسری طرف اس کی گندی اور ننگی تہذیب وتمدن نے ان امراض کی پیدائش کا سامان کر رکھا ہے۔ ان میں شراب وچائے کی کثرت، سینما اور کلبوں میں رات بھر جاگنا، کثرت سگریٹ نوشی، عریانی اور جنسی بھوک کی شدت وغیرہ ایسے محرک ہیں کہ ہر گھڑی نزلہ زکام اور تپ دق وسل (ٹی بی) کی پیدائش کا باعث بن رہے ہیں۔

یہ صرف پاک وہند تک مخصوص نہیں ہے بلکہ خود یورپ وامریکہ اور جاپان وروس میں بھی ان مریضوں کی حالت روز بروز بڑھ رہی ہے۔ کیا دُنیا کا کوئی ملک یہ دعویٰ کرسکتا ہے کہ اُن کے ملک میں ٹی بی ختم ہوگیا ہے، یا کوئی ملک (سوائے پاکستان کے کیونکہ ہم نے تپ دق وسل اور ٹی بی کا شرطیہ اور آسان نسخہ دُنیا کے سامنے پیش کردیا ہے) یہ دعویٰ کرسکتا ہے کہ اس کے پاس ٹی بی کی شرطیہ دوا ہے جس کو عوام خود آسانی سے بنا کر اس مرض سے نجات حاصل کرسکیں۔ جب ایسا نہیں ہے تو پھر تسلیم کرنا پڑے گا کہ فرنگی طب نہ ٹی بی کی حقیقت سے آگاہ ہے اور نہ اس کے پاس اس کا یقینی علاج ہے، حقیقت یہ ہے کہ ان ممالک میں جو اس خوش فہمی میں مبتلا ہیں کہ وہ تہذیب وتمدن اور علم وحکمت میں کمال رکھتے ہیں دِق وسل کے مریضوں کی تعداد کروڑوں تک پہنچ گئی ہے، اور لاکھوں انسان اس مرض میں ہر سال مر رہے ہیں۔ جب فرنگی ڈاکٹر اپنے ممالک میں اس مرض کے علاج میں کامیاب نہیں ہیں تو دیگر ممالک میں اُن کی ادویات کیسے مفید ہوسکتی ہیں۔ جبکہ ان کی ادویات ان کے اپنے ملک اور اُن کی آب وہوا میں تیار کی جاتی ہیں۔ برعکس ان کے ہمارا امزاج، ہماری اغذیہ، ہمارے عقائد ان سے بالکل مختلف ہیں۔ پھر ان کے ملک کی غیر یقینی ادویات اور علاج ہمارے ملک کے لیے کیسے اکسیر اور تریاق ہوسکتی ہیں۔

نزلہ زکام کی کیفیت تو تپ دِق وسِل (ٹی بی) سے بھی خطرناک ہے کیونکہ یہ ٹی بی سے کئی گنا زیادہ پایا جاتا ہے۔

(۲) اس سے کئی خطرناک امراض پیدا ہوتے ہیں جیسے تپ دِق وسِل (ٹی بی)، نمونیا، پلورسی، ہارٹ فیلور، فالج، لقوہ، ذیابیطس، نزول الماء، ماس خورہ، ثقل سماعت اور سب سے بڑھ کر بڑھاپا وغیرہ جن کا علاج طب یونانی میں مشکل ہے اور فرنگی طب میں بالکل ہے ہی نہیں۔

(۳) دردناک بات یہ ہے کہ عوام کیا معالج بھی اس مرض کو معمولی خیال کرتے ہیں۔ گویا اس مرض کے خطرناک ہونے کا احساس تک نہیں ہے۔ نزلہ جب وبائی صورت اختیار کرلیتا ہے اور کثرت سے اموات ہونے لگتی ہیں تو پھر نزلہ کی اہمیت کا احساس ہوتا ہے۔ ورنہ عام حالت میں احساسِ زیاں تک نہیں پایا جاتا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ نزلہ زکام دیگر خطرناک امراض سے زیادہ خطرناک دُکھ ہے۔ اس سے ایک ہفتہ کے اندر اندر ٹی بی پیدا ہوسکتا ہے اور نمونیا وپلورسی جیسے امراض تو صرف تین روز کے اندر اندر پیدا ہوجاتے ہیں۔ ہمارا

مشورہ ہے اگر حکومت ٹی بی کی روک تھام کرنا چاہتی ہے تو نزلہ زکام کی روک تھام پہلے کرے۔ ایک کثیر لٹریچر اس کے متعلق ملک میں پھیلا دے، ہر شخص اس کی حقیقت سے آگاہ ہو، اس کے اسباب وعلامات کا علم رکھتا ہو، آسان وسستے اور ہر جگہ میسر آنے والے علاج سے پورے طور پر واقف ہو بلکہ ایسی ادویات ہر طبی سنٹر بلکہ ہر معالج و دوا فروش اور ہوٹل و چائے خانہ سے مفت دستیاب ہو سکتی ہیں۔ بالکل اسی طرح جیسے ملیریا میں کونین کی مفت تقسیم کا انتظام کیا جاتا ہے۔ اس طرح نہ صرف عوام بے شمار خطرناک امراض سے بچ جائیں گے بلکہ قومی صحت ایک کمال پر پہنچ جائے گی۔

مقامِ حیرت ہے کہ نزلہ زکام کے اس قدر نقصان رساں ہونے کے باوجود حکومت نے اس کی روک تھام کے لئے قومی سطح پر اس کا کوئی انتظام نہیں کر رکھا۔ باوجود اس کے کہ نزلہ وبائی کی تباہ کاریاں اکثر ملک میں غیر معمولی نقصانات کا باعث ہوا کرتی ہیں۔ ایسے موقعہ پر وقتی طور پر کچھ انتظامات کئے جاتے ہیں اور کچھ سنٹر بھی قائم کر دیئے ہیں مگر حملے کا وقت گزر جانے پر یہ سب انتظامات اور سنٹر ختم کر دیئے جاتے ہیں اور لطف کی بات یہ ہے کہ نزلہ وبائی کے دنوں میں علاج اور ادویات مریضوں کو مل جاتی ہیں مگر اس کی روک تھام کے لئے کوئی تعلیم نہیں دی جاتی، نہ غذا اور پرہیز کی تلقین کی جاتی ہے اور نہ ہی اس کے اسباب وعلامات کو ذہن نشین کرایا جاتا ہے۔ نتیجہ ظاہر ہے کہ نقصان زیادہ ہوتا ہے اور یہ بھی جان لیں کہ جو مریض وبائی نزلہ سے بچ جاتے ہیں وہ بہت جلد ٹی بی اور دیگر امراض کا شکار ہو جاتے ہیں۔

نزلہ زکام کی عمومیت کا یہ عالم ہے کہ انسانوں کے علاوہ حیوانات اور پرند (Bird Flu) میں بھی پایا جاتا ہے۔ البتہ وحشی جانوروں میں بہت کم نظر آتا ہے۔ گھر کے پالتو جانوروں میں گائے بھینس، بھیڑ بکری میں پایا جاتا ہے۔ گھریلو پرندوں میں مرغ و تیتر، بطخ و بٹیر اور کبوتر و طوطے بھی اس مرض میں گرفتار نظر آتے ہیں۔ البتہ دیکھا گیا ہے کہ پانی کے جانوروں میں نزلہ زکام بہت شاذ ہوتا ہے۔ جب گرم مزاج کے جانوروں میں ہوتا ہے تو اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ ان کے جسم سے گرمی کا اخراج کم ہو جاتا ہے، اور اس کی زیادتی ان میں اس دُکھ کا باعث بن جاتی ہے۔ جس کی تفصیل آئندہ بیان کی جائے گی۔

وزن اٹھانے والے جانوروں میں یہ مرض بہت ہی شاذ و نادر ہوتا ہے جن میں گھوڑے، گدھے اور اونٹ شامل ہیں۔ اسی طرح محنت کرنے والے مرد اور عورتوں میں بھی یہ دُکھ کم پیدا ہوتا ہے۔ کتوں، بلوں کو یہ مرض اکثر نہیں ہوتا اور جب ہوتا ہے تو وہ پاگل ہو جاتے ہیں۔ البتہ خنزیر اور بندر اس مرض میں ہر گھڑی گرفتار رہتے ہیں۔ حیوانات میں جن جانوروں کے گوشت کھانے سے پیٹ میں نفخ اور خمیر زیادہ پیدا ہو اُن کے کھانے سے نہ صرف نزلہ پیدا ہوتا ہے بلکہ فسادِ خون کا باعث ہوتا ہے۔ جانوروں کے گوشت میں سب سے زیادہ فسادِ خون کا باعث وہ جانور ہیں جن کے جسم میں رطوبات زیادہ ہوتی ہیں۔ جن میں اول درجہ خنزیر کو حاصل ہے۔ گوشت میں حرارت و برودت کا اندازہ اس طرح لگایا جا سکتا ہے کہ جو حیوانات و پرند جس قدر ہلکے پھلکے ہیں ان میں اسی قدر مادی ثقالت کم اور حرارت زیادہ ہوتی ہے۔ مثلاً تیتر، بٹیر اور چڑیوں میں مرغ کی نسبت حرارت زیادہ ہوتی ہے۔ اسی طرح گھریلو جانوروں میں بکری کا گوشت بہت گرم اور اس کے مقابلے میں گائے اور بھینس کا گوشت بہت کم گرم ہوتا ہے۔ اس لیے وہ زیادہ نفاخ ہوتے ہیں۔ یہی صورت بھیڑ کے گوشت میں بھی پائی جاتی ہے۔ بہر حال گائے بھینس سے نفاخ کم ہوتا ہے، پانی کے جانوروں کا گوشت اپنے اندر حرارت زیادہ رکھتا ہے کیونکہ اُن میں فاسفورس کے اجزاء زیادہ پائے جاتے ہیں۔ بہر حال پرندوں کے گوشت زیادہ گرم ہیں۔ البتہ بکری کا گوشت تمام گوشتوں سے زیادہ معتدل ہے اور صحت کے قیام میں بے حد مدد دیتا ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے تمام غلوں میں گیہوں صحت کے لیے مفید اور اس کو اعتدال پر قائم رکھتا ہے اور مدتوں کھانے کے بعد بھی جسم میں غیر معمولی علامات پیدا نہیں کرتا۔ انسانی غذا میں سب سے اچھی غذا گیہوں کی روٹی کے ساتھ بکری کا دودھ۔

بکری کے دودھ اور گوشت میں یہ خاصیت ہے کہ اگر پیٹ کا خمیر ختم کرنے کے بعد صرف انہی سے یا اُن میں سے کسی ایک سے پیٹ بھرلیا جائے تو چند دِنوں میں ٹی بی جیسا خوفناک مرض دور ہو جاتا ہے۔

عمر کے لحاظ سے بچے نزلہ زکام میں زیادہ گرفتار ہوتے ہیں۔ مردوں کی نسبت عورتوں میں یہ دُکھ زیادہ پایا جاتا ہے۔ عورتوں میں اُس دکھ کی زیادتی کی وجہ ماہواری کی خرابی اور سوزشِ رحم ہوا کرتی ہے۔ جن عورتوں کے بچے ضائع ہو جاتے ہوں یا حمل ساقط ہو جانے کا مرض ہو یا ان کو حمل ضائع کرنے کی عادت ہو یا برتھ کنٹرول (Birth Control) پر عمل کرتی ہیں وہ اکثر اس میں گرفتار رہتی ہیں۔ بلکہ وہ تمام تپ دِق وسل (ٹی بی) کا شکار ہو جاتی ہیں۔ جو عورتیں برتھ کنٹرول کی ادویات کھاتی ہیں، چاہے وہ کس قدر بھی بے ضرر ہوں، بہرحال وہ رحم کے افعال میں افراط یا تفریط کے ساتھ ضرور خرابی پیدا کر دیتی ہیں۔ اگر خرابی پیدا نہ کریں تو بچے کی پیدائش کیسے رُک سکتی ہے۔ جس کا یقینی نتیجہ عورت کا ٹی بی میں گرفتار ہونا ہے۔ کیونکہ رحم کی خرابی سے اُس کے فضلات اخراج نہیں پا سکتے جو یقیناً تپ دِق وسل (ٹی بی) کا باعث بن جاتے ہیں۔ بالکل ایسے جیسے پرسوت کا بخار ٹی بی میں منتقل ہو جاتا ہے۔ اسی طرح جو مرد برتھ کنٹرول کرنے کی کوشش کرتے ہیں ان کا دماغ اور اعصاب خراب ہو جاتے اور ان کا توازن بگڑ جاتا ہے۔ آخر پاگل پن میں گرفتار ہو جاتے ہیں۔ جن کا نتیجہ فرنگی طب میں دیکھا جا سکتا ہے۔

نزلہ زکام کی تاریخ اور وسعت جو بیان کی گئی ہے، اس سے یہ حقیقت ظاہر ہے کہ یہ دُکھ ہر ملک، ہر قوم اور ہر آب وہوا میں پایا جاتا ہے۔ البتہ جن لوگوں کے مزاجوں میں حرارت کی زیادتی ہے اُن کو یہ تکلیف شاذ اور بہت کم ہوتی ہے۔ اسی طرح گرم ملکوں میں بھی تکلیف بہت کم پائی جاتی ہے۔ تحقیقات اور تجربات سے اس بات کا یقینی پتہ چلتا ہے کہ گرمی کی زیادتی سے یہ مرض نہیں ہے۔ بلکہ جب بھی ہوتا ہے سردی کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اس کی دو صورتیں ہیں اوّل صورت جسم میں رطوبات کی زیادتی ہوگی جیسا کہ سرد ممالک، پہاڑی علاقوں اور سمندر کے کناروں کی آبادیوں میں دیکھا گیا ہے۔ دوسری صورت جسم میں خشکی کی زیادتی جیسے سرد خشک یا انتہائی خشک گرم علاقوں، ریگستانوں میں انسانی مزاجوں میں پائی جاتی ہے۔ گویا جب جسم میں گرمی سے زیادہ خشکی یا رطوبت پیدا ہو جائے گی، یقیناً نزلہ ہو جائے گا۔

اکثر اطباء، معالجین اور ویدوں میں یہ غلط فہمی پائی جاتی ہے کہ نزلہ صرف رطوبات کی زیادتی اور کف کے بڑھ جانے سے پیدا ہوتا ہے اور اس لیے وہ اکثر خشک اور حابس ادویہ اور اغذیہ کا استعمال کرتے ہیں۔ یہ خیال بالکل غلط ہے۔ نزلہ زکام جس طرح رطوبات کی زیادتی سے پیدا ہوتا ہے ویسے ہی خشکی سے پیدا ہوتا ہے۔ کیونکہ خشکی جسم میں انقباض پیدا کرتی ہے اور انقباض بغیر سردی کے نہیں ہو سکتا۔

حکمت کا یہ قانون یاد رکھیں کہ سردی ہر شے میں سکیڑ پیدا کرتی ہے اور گرمی ہر شے کو پھیلا دیتی ہے۔ گویا خشکی کی زیادتی بھی سردی پیدا کر دیتی ہے البتہ خشکی گرمی کے بہت قریب ہے۔ کیونکہ رطوبات کو اوّل خشک کرنا پڑتا ہے اور پھر گرم۔ گویا سرد تر کے مقابلے میں گرم خشک کرنے کی ضرورت ہے۔ یہ قانونِ فطرت ہمیشہ یاد رکھیں کہ ایک کیفیت بدلنے کی کوشش کرنی چاہئے دونوں کیفیات بیک وقت بدلنے سے فساد پیدا ہوتا ہے بلکہ تصادم کا خطرہ ہوتا ہے۔ بعض اوقات جان خطرے میں پڑ جاتی ہے اس لیے آیورویدک اصولوں کے مطابق اوّل کف کو وات میں تبدیل کرنا چاہئے اور بعد میں پت کرنا چاہئے۔ جیسے موسموں میں ایک ایک کیفیت بدلتی ہے دونوں یکدم نہیں بدلتیں۔ سرد تر موسم سے پہلے سرد خشک موسم ہوگا اور اس سے پہلے گرم خشک تھا اور اس سے قبل گرم تر ہوا کرتا ہے۔ غور کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ ایک ایک کیفیت بدلتی ہے دونوں اکٹھی نہیں بدلا کرتیں۔ تحقیقات اور تجربات کا معیار صرف ایک شے ہے جس کو قانونِ فطرت کہتے ہیں۔ اس کا گہرا مطالعہ ہمیشہ علم وعقل اور حکمت میں ترقی کا باعث ہوا کرتا ہے۔

جس طرح موسم کی تبدیلی میں ایک ایک کیفیت بدلتی ہے، اسی طرح انسانی عمروں میں بھی ایک ایک کیفیت تبدیل ہوتی ہے۔ بچے کا مزاج گرم تر ہے، جوانی میں یہی مزاج گرم خشک ہو جاتا ہے۔ گرمی قائم رہتی ہے اور رطوبت بچے کے مقابلے میں بہت کم ہو جاتی ہے۔ پھر ادھیڑ عمر میں مزاج سرد خشک ہو جاتا ہے۔ گویا خشکی قائم رہتی ہے مگر گرمی جوانوں کی نسبت بہت کم ہو جاتی ہے۔ اسی طرح بڑھاپے کا مزاج سرد تر ہے۔ گویا انتہائی حرارت سے دور، یہاں تک کہ خشکی بھی ختم، جو حرارت کے قریب ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بچوں اور بوڑھوں میں مرض زیادہ ہوتا ہے کہ دونوں میں رطوبات کی زیادتی ہوتی ہے۔ چونکہ بچے میں رطوبت کے ساتھ گرمی زیادہ ہوتی ہے اس لیے اس کا نزلہ زکام اِسہال کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے اور بوڑھے انسان میں اکثر بلغمی دمہ کی صورت اختیار کر جاتا ہے۔ ان حقائق سے ثابت ہوا کہ رطوبت اور خشکی دونوں کی زیادتی حرارت کو کم کر دیتی ہے۔ البتہ خشکی بہت جلد گرمی میں تبدیل ہو جاتی ہے۔

ان تاریخی واقعات و وسعتِ مشاہدات اور تحقیقاتی و تجرباتی حقائق کو اگر سامنے رکھا جائے تو نزلہ زکام سے بچاؤ، قیام شباب، جوانی کا دوام اور صحت کی رکھ رکھاؤ کے لئے ایک اچھی خاصی حقیقت سامنے آ جاتی ہے کہ اگر جسم میں حرارت کی زیادتی رہے تو انسان اس دُکھ میں گرفتار نہیں ہوسکتا۔ اسی طرح اگر کوئی اس دکھ میں گرفتار ہو جائے تو اس کے علاج میں بھی حرارت کا زیادہ کرنا اور اس کو قائم رکھنا نہایت اہم اور ضروری ہے۔

ان شاء اللہ تعالیٰ کوئی ذی روح اس دُکھ میں گرفتار نہیں ہوگا اور ہر مریض اس مرض کے چنگل سے بہت آسانی کے ساتھ خلاصی پا لے گا۔ یہاں اس حقیقت کو بھی ذہن نشین رکھیں کہ اطباء وحکماء نے انسان کے مزاج کو مزاجِ حقیقی کے قریب بتایا ہے اور انتہائی صحت مند انسان کا مزاج گرم تر ہے۔ گویا گرمی صحت کے لئے ایک جزو لاینفک ہے، جہاں تک رطوبت کا تعلق ہے اس کے متعلق میری تحقیقات اور تجربات یہ ہیں کہ حرارت ہمیشہ خشکی کو توڑتی رہتی ہے۔ یعنی حسب ضرورت رطوبت خود بخود پیدا ہوتی رہتی ہے۔

چونکہ اس دنیاوی زندگی میں حرارت کی بہت زیادہ ضرورت ہے اس لیے خداوند کریم نے اپنی ربوبیت سے آگ کا ایک بہت بڑا گولہ جسے آفتاب کہتے ہیں اس دُنیا پر قائم کر دیا ہے۔ جس کی حرارت ہماری دُنیاوی زندگی میں نشو و ارتقاء کا باعث ہے۔ اسی طرح زندگی کے قیام کے لئے جو اغذیہ بنائی گئی ہیں وہ اکثر گرم ہیں اور جو سرد ہیں ان میں اکثریت سرد خشک کی ہے۔ سرد تر اغذیہ اوّل بہت ہی قلیل ہیں، اگر ہیں تو ریگستانوں میں جہاں غذا کے ساتھ پانی کی ضرورت بھی پیدا ہو جاتی ہے۔ جیسے تربوز وغیرہ۔ جو لوگ بلاوجہ اور بغیر ضرورت سرتر اغذیہ اور اشیاء کا استعمال کرتے ہیں وہ بلاوجہ اپنے اندر بوڑھوں کا مزاج پیدا کر کے بڑھاپے کو دعوت دیتے ہیں۔ اور اکثر نزلہ زکام میں گرفتار رہتے ہیں۔ مثلاً دودھ کی کچی لسی، شربت اور تربوز وغیرہ۔ اسی طرح پیٹ بھر کر غذا کھا لینے سے بھی حرارتِ جسم کم ہونا شروع ہو جاتی ہے، اسی طرح پیٹ کو کبھی بھوکا نہ رکھنا یعنی بغیر شدید بھوک کے غذا کھاتے رہنا بھی جسم سے حرارت کم کر دیتا ہے۔

اسی طرح غذا کے ساتھ کثرت سے پانی پینا بھی غذائیت کی حرارت بلکہ جسم کی حرارت کو بھی بہت کم کر دیتا ہے۔ گویا ہر وقت جب انسان کچھ کھائے پئے یا کوئی اور عمل کرے تو ہمیشہ اس امر کو سامنے رکھے کہ جسم کی حرارت میں کمی تو پیدا نہیں ہو رہی۔ اس طرح نہ صرف انسان نزلہ زکام سے محفوظ رہے گا بلکہ اس کی جوانی اور صحت ہمیشہ قائم رہے گی۔

ہماری یہ پچیس سالہ تحقیقات ہیں جن کی بنیاد یورپی ریسرچ اور فرنگی سائنس پر نہیں ہے۔ بلکہ ٹھوس مشرقی علم وطب اور فلسفہ و حکمت پر ہے۔ ہماری یہ تحقیقات و تجربات اور مشاہدات ان لوگوں کے لئے راہ نمائی ہدایت اور سرمۂ چشمہ بصیرت ثابت ہوں گی، جو یہ کہتے ہیں کہ علم تحقیقات اور سائنسی ریسرچ صرف فرنگی اور یورپی ممالک کا کام ہے۔ ان کو اپنے دماغ سے یہ بات نکال دینی چاہئے کہ

انسانی دماغ صرف یورپی اور فرنگی ممالک میں تیار ہوتے ہیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کو قدرت حاصل ہے کہ جس ملک اور جس قوم میں چاہے اچھے اور باشعور ذہن پیدا کردے۔ ایسے دماغ جن کا شعور وجدان کے مقام تک پہنچ گیا ہو یا ایسے ذہن جو عقل کی بلندیوں کو ناپتے ہوں اور ایسا فکر جو فطرت کے ہر راز اور اشارہ کو پانے اور سمجھنے کی کوشش کرتا ہے تو وہ نہ صرف اپنے زمانے کے غلط علم وفن اور فرسودہ فلسفہ وحکمت کی اصلاح وتجدید کرتا ہے بلکہ موجودہ دور کے تمام اہل علم وفن اور ماہرین فلسفہ وحکمت کو چیلنج کردیتا ہے۔

ہمارا چیلنج ہے کہ جو تحقیقات وتجربات اور مشاہدات ہم پیش کررہے ہیں، یورپ وامریکہ اور روس وچین کو بھی ان سے واقفیت نہیں ہے۔ جو بھی کوئی یہ ثابت کرے کہ یہ تحقیقات وتجربات اور مشاہدات کسی ملک یا کسی زبان میں تحریر میں آچکے ہیں یا یہ ثابت کرے کہ ہماری تحقیقات غلط ہیں اور ماڈرن سائنس کے اصول یا گزشتہ فلسفہ حکمت کے قوانین ان کو غلط ثابت کرتے ہیں تو اس کو مبلغ ایک ہزار روپیہ انعام دیں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ کسی فرنگی یا فرنگی ذہن کو سامنے آنے کی جرأت نہ ہوگی اور ان شاء اللہ تعالیٰ ہماری قوت اُن کو تسلیم کرنی پڑے گی۔

یہ سب کچھ اس لئے لکھا ہے کہ ہم دنیا کو دعوتِ تحقیقات دیتے ہیں اور یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ تحقیقات کے صرف وہی طریق نہیں ہیں جن پر فرنگی اور یورپی اقوام گامزن ہیں بلکہ فطرت ہر قدم پر ایک نیا سبق اور ہر موڑ پر ایک نیا مظہر پیش کرتی ہے۔ کام کرنے والوں کے لیے بہت راہیں ہیں اور ہر ایک کے لئے ایک نئی دعوتِ عمل ہے۔ صرف جرأت کی ضرورت ہے۔ دنوں میں انسان نہ صرف اپنی بلکہ اقوام کی دُنیا بدل کر رکھ سکتا ہے۔ انہی فطرت کے اسرار ورموز کو سمجھنے کے بعد ہم دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم احیائے فن اور تجدید طب کر رہے ہیں۔ اگر اس انداز پر دُنیا میں کسی جگہ پر ایسا مفید خلائق واقوام کام ہورہا ہو تو ہمیں آگاہ کیا جائے۔ نہیں تو ہر اہل علم اور ماہر فن کا فرض ہوگا کہ وہ اس احیائے فن اور تجدید طب کو اپنائے اور یہ پیغام دُنیا تک پہنچادے، یہ کارِ خیر ہے۔

آخر میں ہم یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتے کہ ہماری ان تحقیقات کو جو ہم نے عملی ومنطقی اور تحقیقاتی وسائنسی دلائل کے ساتھ پیش کردی ہیں، یہ فطرت کے قوانین کی تفسیریں ہیں۔ جو اشخاص بھی ان پر عمل کریں گے ان شاء اللہ تعالیٰ ضرور کامیاب ہوں گے اور جو اہل فن اور معالج ان حقائق کو ذہن نشین رکھیں گے وہ ان امراض کے علاج میں یقیناً کامیاب ہوں گے اور آئندہ اُن کا قدم مزید تحقیقات کی طرف ضرور بڑھے گا۔

ہم نے وقت کی قلت کے پیش نظر بہت اختصار سے کام لیا ہے۔ اس میں کئی گنا اضافہ ہوسکتا ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ دیگر تحقیقات کے سلسلہ میں کچھ بیان کرنے کی کوشش کی جائے گی لیکن جو بیان کرنا ہے وہ اس قدر زیادہ ہے کہ جو وقت ملتا ہے شاید اس میں بیان نہ کیا جا سکے۔ بہرحال زندگی بھر ان شاء اللہ تعالیٰ بیان کو جاری رکھنے کی کوشش کی جائے گی۔

نزلہ زکام کی حقیقت اوراس کا بے خطا یقینی علاج

فارسی زبان میں ضرب المثل ہے کہ ''نزلہ برعضوِ ضعیف می ریزد'' جس کو اُردو زبان میں اس طرح ادا کرتے ہیں کہ ''نزلہ کمزوروں پر گرتا ہے''۔ مطلب دونوں زبانوں میں یہ لیا جاتا ہے کہ مشکلات، مصیبتیں، سختیاں اور ذمہ داریاں ہمیشہ غریب محتاج اور نحیف وکمزور انسانوں پر ہی پڑتی ہیں۔ اس ضرب المثل کا مطلب یہ بھی صحیح ہے لیکن میری تحقیقات میں اس کا مطلب یہ نکلتا ہے کہ غریب و محتاج اور نحیف وکمزور انسانوں کی ہمیشہ مدد کی جاتی ہے جس کی تشریح ہم آئندہ بیان کریں گے۔

ممکن ہے صاحب ضرب المثل کا مفہوم بھی یہی ہو مگر یہ کہا نہیں جا سکتا کہ یہ ضرب المثل کس نے تخلیق کی۔ یہ خالص ایرانی ہے یا افغانی یا ہندوستانی یا کسی اور ملک میں تخلیق کی ہے جس میں فارسی زیادہ بھی بولی جاتی ہو یا عربی زبان یا کسی اور زبان سے فارسی میں رائج ہو گئی ہے۔ بہر حال اپنے اندر حقائق رکھتی ہے اور اپنے مفکر کی تعریف پر دلالت کرتی ہے۔

جہاں تک میں نے مختلف ضرب الامثال پر غور کیا ہے ان میں بے شمار اسرار ورموز پائے ہیں۔ مجھے نہ صرف ان میں علم وحکمت کے خزانے دستیاب ہوئے ہیں، بلکہ بے انتہا مسرت نصیب ہوئی۔ یہی صورتیں اور لطائف اس ضرب المثل سے بھی حاصل ہیں۔ بار بار یہی خیال پیدا ہوتا ہے کہ کس قدر ذہین انسان تھا جس نے یہ ضرب المثل تخلیق کی ہے اور اس میں زندگی کے کس قدر اسرار ورموز حل کر دیئے ہیں۔ نہ صرف اس میں نزلہ کی حقیقت کو واضح کر دیا ہے بلکہ زندگی اور کائنات اور خصوصاً جوانی اور بڑھاپے کے اسرار ورموز کھول کر بیان کر دیئے ہیں۔ ہم ایسے ہی لوگوں کو علم وحکمت اور ریاست وثقافت میں سنگ میل خیال کرتے ہیں۔ جب نزلہ کی ماہیت سامنے آ جائے گی تو اس ضرب المثل کی حقیقت واضح ہو جائے گی۔

گویا نزلہ کی ماہیت سے اس ضرب المثل کی حقیقت ہوگی اور پھر اس ضرب المثل کی حقیقت میں نزلہ کی ماہیت کے ساتھ ساتھ زندگی وکائنات اور جوانی وپیری کے اسرار ورموز سامنے آ جائیں گے۔ پھر ناظرین اندازہ لگا سکیں گے کہ اس ضرب المثل کا خالق کس قدر عظیم مفکر تھا۔

تعریف نزلہ زکام

نزلہ کے معنی ہیں گرنا، اس میں عام طور پر وہ رطوبت مراد لی جاتی ہے جو حلق اور ناک سے گرتی ہے۔ فرق یہ کیا جاتا ہے کہ جو رطوبت حلق سے گرتی ہے اس کو ''نزلہ'' کہتے ہیں (انگریزی زبان میں کٹار) اور جب رطوبت ناک سے گرتی ہے تو اس کو ''زکام'' کہتے ہیں (انگریزی زبان میں کولڈ)۔ حکماء میں ایک تخصیص یہ بھی ہے کہ اگر رطوبت گرمی کی زیادتی سے گرے تو اس کو ''نزلہ'' کہتے ہیں اور سردی کی زیادتی سے گرے تو اس کو ''زکام'' کہتے ہیں۔

اعتراض

آج تک اس امر پر کسی فرنگی ڈاکٹر نے روشنی نہیں ڈالی کہ نزلہ ہمیشہ حلق سے کیونکر گرتا ہے اور زکام ہمیشہ ناک سے بہتا ہے۔

بعض فرنگی ڈاکٹروں نے اس فرق کی وجہ گرمی اور سردی کی کیفیات کی زیادتی کو سبب قرار دیا ہے۔ مگر فرنگی طب تو گرمی سردی تسلیم ہی نہیں کرتی۔ اس لئے ان فرنگی ڈاکٹروں کی یہ توجیہہ قبول نہیں کی جاسکتی۔ اگر فرنگی ڈاکٹروں کی یہ توجیہہ قبول بھی کر لی جائے تو یہ حقیقت بیان کرنے سے قاصر ہیں کہ نزلہ حلق سے کیوں گرتا ہے اور زکام ناک سے کیوں بہتا ہے، اور کبھی ایسا کیوں نہیں ہوتا کہ نزلہ سردی کی وجہ سے حلق سے گرے یا زکام گرمی کی وجہ سے ناک سے بہہ جائے یا اس کے برعکس نزلہ گرمی کی وجہ سے ناک سے بہنا شروع کردے یا زکام سردی کی وجہ سے حلق سے گرنا شروع کردے۔

آخر ناک اور حلق کی رطوبات کے بہنے اور گرمی میں سردی اور گرمی کا کیا فرق ہے؟ اس سلسلے میں ان کی جراثیم تھیوری بھی خاموش ہے کہ فلاں قسم کے جراثیم کے اثر سے حلق سے نزلہ گرنا شروع ہو جاتا ہے۔ یہ اور اسی قسم کی بے شمار فرنگی طب کی لاعلمیاں اور غلط نظریات ہم دُنیائے طب کے سامنے پیش کریں گے اور ان کے جوابات سے عاجز کردیں گے اور خود تسلی بخش جوابات دیں گے اور تشریحات بیان کریں گے۔ دیکھنے والے فرنگی طب کی گرتی ہوئی عظیم عمارات کو دیکھ کر نہ صرف حیران ہوں گے بلکہ اس کے بودے پن پر تمسخر اڑائیں گے۔ وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰہِ

نزلہ زکام کا غلط تصور

نزلہ زکام جب دونوں ایک ہی قسم کی رطوبات ہیں جو حلق سے گرتی ہیں یا ناک سے بہتی ہیں تو پھر ناک وحلق اور سردی وگرمی کی تخصیص کیوں؟ بلکہ الگ الگ ناموں ''نزلہ زکام'' کا فرق ہی کیوں ہے۔ کیونکہ دونوں صورتوں میں رطوبات کا گرنا ہی ہے۔ بہر حال اس کو نزلہ کہہ دینا کافی ہے۔ اس میں زکام کی تخصیص کیوں لگادی ہے۔ اگر سردی ہے کہ ایک وجہ تو وہ صرف ناک تک کیوں مخصوص ہو حلق تک اثر کیوں نہ کرے۔ یا نزلہ کی گرمی صرف حلق تک کیوں مخصوص رہے وہ ناک تک کیوں نہ جائے۔ کتنا حیرت انگیز فرق ہے اور قابل غور ہے مگر صدیاں گزر گئیں، فرنگی طب اس پر غور کرنے سے قاصر رہی ہے۔

فرق کیوں؟

یہ فرق ہمیں صرف اس لئے نظر آتا ہے کہ دونوں رطوبات مختلف اعضاء سے گرتی ہیں اور ان کے مقامات مختلف ہیں۔ گویا ایک مقام سرد ہے اور دوسرا مقام گرم ہے یا ایک کا تعلق جسم کی اس حالت کا نام ہے جب جسم پر سردی کا غلبہ ہو، اور دوسرے مقام کا تعلق جسم کی اس حالت کا نام ہے جب جسم پر گرمی کا غلبہ ہو۔ گویا حلق گرمی کا اظہار کرتا ہے اور ناک سردی سے متاثر ہو جاتی ہے۔ اگرچہ دونوں ساتھ ساتھ ہیں مگر نہ حلق سردی سے متاثر ہوتا ہے اور نہ ناک گرمی کا کوئی اثر قبول کرتا ہے۔

یہ ہے وہ جادو جو سر چڑھ کر بولے کہ امراض کا تعلق کسی خاص جراثیم سے نہیں ہے، بلکہ اعضاء کی خرابی اور کیفیات کے کیمیاوی تغیرات سے ہے۔ ہر عضو اپنے خاص افعال انجام دیتا ہے۔ ان کا اگر اعتدال قائم رہے، تو صحت ہے اور جہاں اعضاء کے افعال میں خرابی واقع ہو تو امراض پیدا ہو گئے۔ بس یہی مرض ہے اور یہی اس کی حقیقت ہے اور علاج میں بھی جراثیم کو فنا کرنے کے بجائے اعضاء کے افعال درست کرنے پڑیں گے۔ صدیوں کے پرانے طریق علاج آیورویدک اور طب یونانی میں کرتے چلے آرہے ہیں اور آج بھی ہم دیکھتے ہیں، ہومیوپیتھی اور بائیوکیمک وغیرہ بغیر جراثیم کش ادویات کے علاج کر رہے ہیں۔ گویا فرنگی طریقہ علاج انتہائی غلط اور گمراہ کن ہے، اتنے

واضح دلائل کے بعد بھی جو تسلیم نہ کریں وہ بذاتِ خود غلط اور گمراہ ہیں۔

آیورویدک میں نزلہ کی ماہیت

آیورویدک میں نزلہ زکام دونوں کو کفِ دوش کے تحت بیان کیا گیا ہے۔ مگر نزلہ کبھی بھی کف دوش کے تحت نہیں پیدا ہوتا۔ یعنی جب بھی نزلہ ہوتا ہے تو جسم میں وات کی زیادتی وات پت کا غلبہ پایا جاتا ہے۔ اگر وید صاحبان کو غور کرنے کا موقع نہ ملا ہو تو اب غور کر کے تسلی کر لیں۔ افسوس اچھے وید کا ملنا بہت مشکل ہے، کہیں دس ہزار ویدوں میں ایک اچھا وید مل جائے تو کہہ نہیں سکتے جو آیورویدک کے اصولوں پر علاج کرتا ہو۔ پڑھتے تو آیورویدک پشتک سب ہیں مگر علاج کرتی دفعہ اپنے بنیادی اصولوں کو چھوڑ کر صرف مجربات سے علاج کرتے ہیں، اس وقت دوشوں اور ان کے مقامات کو بھول جاتے ہیں۔ وید صاحبان اپنے دھرم، ایمان سے اپنے گریبان میں منہ ڈالیں اور پرماتما کو حاضر ناظر سمجھتے ہوئے اپنا امتحان کریں کہ وہ دوشوں کے مقام اور ان کی تبدیلیوں سے واقف ہیں۔ اگر ایسا نہیں ہے تو ان کو راج وید کہلانے کا کیا حق ہے۔ افسوس! ہندوستانی حکومت کے افسران میں ایک شخص بھی آیورویدک سے واقف نہیں ہے۔ وہاں کے مہامنتری پنڈت جواہر لال نہرو اور راشٹر پتی جی راجندر پرشاد آیورویدک کی الف بے سے بھی واقف نہیں ہیں۔ اگر یہ دونوں صاحبان آیورویدک کے بنیادی قوانین سے کچھ بھی واقف ہوتے تو میں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ آج جبکہ آزادی کا بھارت کو چودھواں سال ہے، فرنگی طب کا وہاں پر نام و نشان نہ ہوتا۔ حیرت ہے کہ بھارتی محبِ وطن ایک غلط شے کو گلے سے لگائے بیٹھے ہیں اور ملک بھر کو ذہنی غلام بنا رکھا ہے۔

یاد رکھیں کہ آیورویدک ایک صحیح طریق علاج ہے بلکہ میں اس کو الہامی طریق علاج سمجھتا ہوں۔ یہ واقعی بھگوان کا اپنے بندوں پر بہت بڑا احسان ہے جو ان کی پرماتما شکتی کی وجہ سے اس دُنیا پر ہے اور جو لوگ کم از کم آیورویدک کے بنیادی قانون پیدائش امراض کو جانتے ہیں، وہ نہ صرف اس سے پوری طرح مستفید ہوتے ہیں بلکہ اس عظیم اور الہامی علاج کی سچائی کے قائل ہو جاتے ہیں۔

جاننا چاہئے کہ آیوروید امراض کی پیدائش میں تین باتوں کو تسلیم کرتے ہیں:

① دوشوں میں کمی بیشی کا واقع ہو جانا۔

② دوشوں کے مقامات کا بدل جانا۔

③ دوشوں میں خرابی کا واقع ہو جانا۔

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ کف نزلہ زکام کی علامت ضرور ہے مگر جب کف ناک سے بہتا ہے تو اس وقت اس کا مقام کیا ہے اور جب کف حلق سے گرتا ہے تو اس کا مقام کیا ہے، اور جب دوشوں میں کف بڑھ جائے تو اس کے اثرات کیا ہیں، اور جب پت بڑھ جائے تو اس کی علامات کیا ہیں۔ ان مقامات اور کمی بیشی اور دوشوں کی خرابی کو کیسے درست کیا جاتا ہے، ایک اچھا وید ہی سمجھ سکتا ہے۔ علاج کے دوران ہم اس پر روشنی ڈالیں گے۔

طب یونانی میں نزلہ کی حقیقت

طب یونانی میں نزلہ کو گرمی سے اور زکام کو سردی سے تسلیم کرتے ہیں۔ مگر دونوں کو بلغمی مرض مانتے ہیں۔ یہاں پر یہ بات قابل غور ہے کہ جب نزلہ زکام دونوں بلغمی امراض ہیں بیشک نزلہ کی بلغم میں صفراء شریک ہے، تو پھر بھی ہم اس کو پورے طور پر صفراوی مرض تو

نہیں کہہ سکتے۔ بہر حال یہ بلغمی ہے اس کو گرم مرض تسلیم کرنا کچھ مناسب نہیں معلوم ہوتا۔ اگر نزلہ گرم تسلیم کر لیا جائے تو اس کا علاج نہیں ہو سکتا اور یہی وجہ ہے کہ اکثر اطباء نزلہ کے علاج میں ناکام ہیں۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ آج تک کسی طبیب نے نزلہ سرد تسلیم نہیں کیا۔ کیونکہ جہاں سردی کا تصور پیدا ہوا وہاں نزلہ فوراً زکام میں تبدیل ہو گیا۔ اگر یہ تخصیص نہیں ہے تو پھر نزلہ زکام کا فرق کیوں ہے؟

ہماری تحقیقات میں یہ فرق صحیح ہے اور ہونا چاہئے۔ واقعی سردی سے زکام ہوتا ہے اور گرمی سے نزلہ گرتا ہے۔ یہ فرق اعضاء کے افعال کے فرق کی وجہ سے ہے۔ نزلہ اور زکام دونوں الگ الگ علامات ہیں، ان میں جدا جدا اعضاء کے افعال میں خرابی واقع ہو جاتی ہے جس کی تشریح آئندہ صفحات میں پیش کی جائے گی۔ پھر فرنگی طب کو چیلنج ہوگا کہ وہ اس کا جواب دے۔

طب یونانی میں نزلہ دماغی امراض میں لکھا ہے اور طبی کتب میں لکھا ہے کہ نزلہ دماغ سے گرتا ہے۔ مگر عرصہ تقریباً پچاس سال سے اکثر اطباء جو فرنگی تحقیقات کو کتب سماوی سے کم خیال نہیں کرتے، ان کی پیروی میں کہتے ہیں کہ نزلہ دماغ سے نہیں گرتا اور ثبوت یہ پیش کرتے ہیں کہ دماغ سے کوئی رستہ ناک کی طرف نہیں آتا اور نہ ہی حلق کی طرف آتا ہے۔ اور دوسرا ثبوت یہ پیش کرتے ہیں کہ نزلہ زکام میں ناک اور حلق کے اندر کی جھلیوں میں سوزش ہوتی ہے اور رطوبات وہاں سے گرتی ہیں۔

افسوس! ایسے فرنگی مقلد اطباء پر ہے کہ انہوں نے اپنے صحیح علم کو ناقص خیال کرتے ہوئے فرنگی طب کے غلط علم (سائنس) کو قبول کر لیا ہے۔

جاننا چاہئے کہ نزلہ دماغ ہی سے گرتا ہے۔ اوّل اس پر دلیل یہ ہے کہ نزلہ میں دردِ سر ہوتا ہے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ دورانِ خون سر کی طرف زیادہ ہو جاتا ہے۔ تیسری دلیل یہ ہے کہ مزمن نزلہ میں ضعفِ دماغ اور دیگر دماغی عوارض مثلاً فالج، لقوہ، حذر اور تشنج بلکہ بال سفید ہو جاتے ہیں۔ اگر یہ کہا جائے کہ اس کا کیا جواب ہے کہ دماغ سے کوئی راستہ ناک اور حلق کی طرف آتا نہیں تو ان بھلے لوگوں کو کون سمجھائے کہ دماغ اور ناک کے درمیان جو جالی دار ہڈی ہے۔ اسی میں سے اعصاب اور شرائیں ناک میں آکر پھیلتے ہیں بلکہ شرائین میں خون آتا ہے اور وہی ہوتا ہے جو چھوٹا دوران خون دماغ کی طرف چلتا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ سیدھی (ڈائرکٹ) دماغ سے رطوبت نہیں گرتی مگر رطوبات گرنے کا فعل تو عروقِ شعریہ کے بعد ہوتا ہے جو ناک اور حلق میں پھیلی ہوئی ہیں۔ جب نزلہ زکام لاحق ہوتا ہے تو دورانِ خون کا دباؤ دماغ کی طرف بڑھ جاتا ہے۔ پھر سوزش کے مقام پر عروق شعریہ بہ تعلق غشائے مخاطی اور غدد خون کی رطوبات (لمف) یا بلغم کی صورت میں اخراج پاتی ہے۔ اب کوئی فرنگی ڈاکٹر بتائے کہ نزلہ زکام امراض دماغ میں شامل ہوا کہ نہ ہوا۔ یہ الگ بات ہے کہ ہماری تحقیق میں نزلہ زکام امراض نہیں ہیں بلکہ ہم علامات تسلیم کرتے ہیں۔ جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے۔

جو تفصیل ہم نے بیان کی ہے اس کے لیے ہم فرنگی طب یا اُن کے مقلدین کو چیلنج کرتے ہیں کہ اگر کوئی اس کو غلط ثابت کر دے تو ہم پانچ صد روپیہ انعام دیں گے۔ ورنہ ان کو نہ صرف یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ نزلہ دماغ سے گرتا ہے بلکہ فرنگی طب کو غلط بھی کہنا پڑے گا۔

یہ امر بھی یاد رہے کہ جب نزلہ لاحق ہوتا ہے تو اس وقت دماغ کو پوری غذا خون میں سے میسر نہیں آتی۔ یعنی خون مقامِ سوزش کی طرف تیز بہاؤ کی وجہ سے وہ اپنی غذا پورے طور پر جذب نہیں کر سکتا ہے۔ بلکہ وہاں بھی رطوبات کی اس قدر زیادتی ہو جاتی ہے کہ آخر اس کے اثر سے بال سفید ہو جاتے ہیں بعض قابل اطباء نزلہ زکام کی ایک صورت شرکی بھی لکھتے ہیں۔ اس صورت میں دِل وجگر اور معدہ کو اسباب میں شمار کر لیتے ہیں۔ بہر حال نزلہ کا صحیح تصور پھر بھی ذہن نشین نہیں ہوتا۔ اس لئے نزلہ کو عسر العلاج امراض میں شمار کیا گیا ہے۔ شاید ہی کوئی کامل طب اور ماہر فن ہو جو اس امر کا دعویٰ کرے کہ وہ نزلہ زکام پر پوری طرح قابو رکھتا ہے۔

فرنگی کی نزلہ زکام کے متعلق ریسرچ

فرنگی طب (ڈاکٹری) اس مرض کا باعث جراثیم قرار دیتی ہے۔ لیکن اس کے لئے کسی خاص قسم کے جراثیم کا تعین نہیں کرتی اس وقت تک سات اقسام کے جراثیم معلوم کر چکی ہے۔ جن سے نزلہ زکام ہوتا ہے، جن سے ناک اور گلے میں سوزش پیدا ہو جاتی ہے، پھر زکام اور نزلہ شروع ہو جاتا ہے۔ اوّل تو فرنگی طب (ڈاکٹری) کا نظریہ جراثیم غلط ہے کیونکہ جراثیم سبب واصلہ نہیں ہیں۔ بلکہ سبب بادیہ اور سابقہ ہیں جب تک جراثیم عفونت اور عضو میں سوزش پیدا نہ کریں۔ نزلہ کی صورت پیدا نہیں ہوسکتی۔ یہ اُن کا سبب سابقہ ہے نہ کہ واصلہ، اور بادیہ صورت میں جب تک کیفیاتی اور نفسیاتی طور پر قوتِ مدافعت (ایمونیٹی) اور قوت مدبرِ بدن (وائٹل فورس) کمزور نہ ہو، جراثیم اپنا اثر پیدا نہیں کر سکتے۔ یعنی کیمیاوی (کیمیکل) اثر ہو یا مکانکی (مکینیکل) عضوی خرابی مقدم ہے۔ اس سے امراض پیدا ہونے میں جراثیم کا تصور اور جرم کش ادویات کا استعمال دونوں بے سود ہیں، اور دلائل کے طور پر ہم تجربہ پیش کر سکتے ہیں کہ فرنگی طب (ڈاکٹری) نزلہ اور زکام کے علاج میں بالکل ہی ناکام ہے۔ نزلہ اور زکام کا بہاؤ روک دینا اور سوزش، جلن کو دور کر دینا کوئی علاج نہیں ہے۔ یہ بات تو افیون اور دیگر منشی ومخدر ادویات کے ساتھ ایک ہی خوراک سے روکی جاسکتی ہیں۔ ان کے علاوہ اسپرین اور دیگر پسینہ آور ادویات سے بھی چند خوراکوں سے روکا جاسکتا ہے، لیکن جہاں تک ان کے مستقل علاج کا تعلق ہے، فرنگی طب (ڈاکٹری) بالکل ناکام ہے۔

دوسری فرنگی طب (ڈاکٹری) کی سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ وہ نزلہ زکام میں کیفیاتی اور نفسیاتی اثرات بھی اپنے شدید اثرات رکھتے ہیں۔ جہاں جراثیم کا تصور بھی ذہن میں نہیں گزر سکتا۔ مثلاً اگر کوئی فرنگی ڈاکٹر ان شدید اثرات کو تسلیم نہیں کرتا تو ہم ان کو ایک تجربہ کی دعوت دیتے ہیں۔ یعنی کسی تندرست انسان کو گرم گرم چائے پلا کر برف کے ٹھنڈے پانی سے فوراً غسل کرا دیں اور نتیجہ دیکھیں۔ اسی طرح شدید غم وغصہ اور خوف کی حالت میں بھی نزلہ زکام لاحق ہو جاتے ہیں، تجربہ شرط ہے۔ بلکہ انتہائی مسرت ولذت اور ندامت میں بھی نزلہ زکام پیدا ہو جاتا ہے۔

تیسری سب سے اہم بات یہ ہے کہ فرنگی طب (ڈاکٹری) نزلہ زکام کی رطوبت کے بہاؤ (فلو) کو ایک ہی قسم کی رطوبات سمجھتی ہے۔ جو جراثیم کے اثرات سے اخراج پانا شروع ہو جاتی ہے۔ لیکن ہمیں تجربہ بتاتا ہے کہ جب ناک اور گلے کے اعصاب میں سوزش ہوتی ہے، اس وقت ان کی کیفیت اور ہوتی ہے۔ جب غشائے مخاطی میں سوزش ہوتی ہے اس وقت صورت اور ہوتی ہے اور جو وہاں کے عضلات (مسلز) میں سوزش ہوتی ہے تو حالت ہی کچھ اور ہوتی ہے۔ گویا آج تک کی ماڈرن فرنگی طب اور طبی سائنس (میڈیکل سائنس) جسم انسان کے مفرد اعضاء کے اثرات اور علامات سے بالکل ناواقف اور نابلد ہے۔ اگر کوئی ڈاکٹر یہ دعویٰ کرے کہ فرنگی طب اس قسم کی تشخیص اور تحقیقات سے باخبر ہے تو وہ اپنی کسی کتاب میں دکھا دیں۔ ہم اس چیلنج کے جواب میں مبلغ پانچ صد روپیہ بطور انعام پیش کر دیں گے۔ اگر جرأت ہے تو چیلنج قبول کر لیں۔

نزلہ زکام ایک ایسی علامت ہے جو ہر مرض میں کسی نہ کسی صورت میں سب سے پہلے ظاہر ہوتی ہے۔ اس کے بعد اس سے دیگر علامات پیدا ہوتی ہیں۔ ایک ہی علامت کا مختلف اعضاء سے متعلق ہونے سے اس میں کمی بیشی کا پایا جاتا، مثلاً نزلہ ایک روزانہ ہونے والی علامت ہے، کبھی وہ انتہائی شدت سے بہتا ہے، کبھی کمی سے گرتا ہے، کبھی بند معلوم ہوتا ہے۔ بہر حال وہ بھی نزلہ میں شمار ہوتا ہے، کبھی اس کے ساتھ سرد رطوبت گرتی ہے، کبھی اس کے ساتھ جلن ہوتی ہے اور گرم رطوبت بہتی ہے۔ کبھی درد سر ہوتا ہے یا سر بھاری

ہوتا ہے۔ کبھی بدن سرد اور کبھی شدید بخار پایا جاتا ہے۔ کبھی معمولی بخار اور جسم ٹوٹتا ہے، کبھی اس میں قبض پائی جاتی ہے اور کبھی ساتھ ہی اسہال آنے شروع ہو جاتے ہیں۔ بہر حال نزلہ ضرور ہوتا ہے۔ اس لئے ان تمام صورتوں کے ساتھ نزلہ کو پورے طور پر ذہن نشین کر لینا چاہئے۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ

نزلہ کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ ابوالامراض ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس کو کسی صورت میں بھی مرض نہیں کہا جا سکتا۔ وہ صرف ایک علامت ہے جو ظاہر کرتی ہے کہ رطوبت حلق میں گر رہی ہے۔

① اگر یہ کہا جائے مرض کی تعریف یہ ہے کہ وہ چند علامات کا مجموعہ ہے۔ اس کا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ نزلہ صرف واحد علامت ہے اور اس کے ساتھ جو دیگر علامات پائی جاتی ہیں وہ اکثر مختلف ہوتی ہیں۔ اس لیے اس کے کسی مجموعہ کا نام مرض رکھا جائے گا۔

② پھر صرف نزلہ ہی کو مرض کا نام کیوں دیا جائے، اس کے ساتھ درد یا سوزش یا بخار یا اسہال یا قبض یا بدہضمی وغیرہ جو پائے جاتے ہیں، ان کو امراض کا نام کیوں نہ دیا جائے۔

③ نزلہ کسی عضو کے فعل کی خرابی سے واقع ہوتا ہے اس لئے مرض اس عضو کے فعل کو کہنا لازم ہے نہ کہ نزلہ جو اس عضو کے فعل کی خرابی پر دلالت کرتا ہے۔

یہی صورت قبض کی بھی ہے جس کو اُم الامراض کہا گیا ہے۔ بس جاننا چاہئے کہ نہ ہی نزلہ ابوالامراض ہے اور نہ قبض اُم الامراض ہے۔ دونوں اپنی اپنی جگہ علامات ہیں۔

اسباب نزلہ زکام

آیورویدک اور طب یونانی اس مرض کے اسباب کیفیاتی ونفسیاتی اور مادی تسلیم کرتے ہیں۔ مگر فرنگی طب اس مرض کے متعلق تسلیم کرتی ہے کہ "یہ مرض بہت سے اقسام کے جراثیم کے اثر سے ہوتا ہے۔ کسی ایک جرثومہ سے نہیں ہوتا"۔ وہ تسلیم کرتی ہے کہ ان میں بعض اقسام کے جراثیم تو ایسے ہیں جو عموماً بحالت تندرستی انسان کے گلے اور ناک کے پچھلے حصہ میں کثرت سے موجود ہوتے ہیں، مگر جب کسی خاص تبدیلی کی وجہ سے ان میں زہریلا اثر پیدا ہو جاتا ہے تو وہ مرض پیدا کرنے کے قابل ہو جاتے ہیں۔ اس امر سے تو کوئی فرنگی ڈاکٹر انکار نہیں کر سکتا کہ نزلہ زکام ایک متعدی مرض ہے اور اس کا سبب متعدی جراثیم ہیں۔ لیکن بعض ڈاکٹر ایسے بھی ہیں جن میں ڈاکٹر لوئیس ہل خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ جنہوں نے 891 مریضوں کو دیکھنے کے بعد اپنی رائے ظاہر کی ہے کہ یہ مرض بغیر جراثیم کے بھی ہو سکتا ہے، اور یہ بھی لکھا ہے جو محققین اس کو جراثیمی مرض بتاتے ہیں وہ بھی کسی ایک خاص جرثومہ کو اس کا سبب نہیں بتا سکتے ہیں۔ اگرچہ بعضوں کا خیال ہے کہ ایک نازک جرثومہ سے یہ مرض پیدا ہو سکتا ہے وہ اس قدر نازک اور مہین ہوتا ہے کہ فلٹر کی بتی سے گزر سکتا ہے۔ مگر درحقیقت اس مرض کے دو قسم کے اسباب ہیں: اوّل خاص جسمانی حالت جن میں جسم انسانی پر حرارت وبرودت کا خاص اثر ہے۔ دوم بعض جراثیم کی سمیات۔ مگر تا حال کوئی خاص جرثومہ جو اس کا اصل سبب ثابت ہو سکے دریافت نہیں ہوا۔ [از خزائن طب ص ۷۰۷، ۷۰۸]

نزلہ زکام کے جراثیم

اس وقت تک چونکہ نزلہ زکام کے سبب میں کسی خاص جرثومہ کو تسلیم نہیں کیا گیا۔ بلکہ کئی اقسام کے جراثیم سے اس مرض کا پیدا ہونا تحقیق کیا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فرنگی طب اس مرض کے رفع کرنے میں ناکام ہے۔ کیونکہ وہ کوئی ایک دوا تمام اقسام کے جراثیم سے پیدا شدہ نزلہ کے لئے تیار نہیں کرسکتی اور بعض دفعہ اس کے لئے اور بھی مصیبت پیدا ہو جاتی ہے جب ان میں سے چند ایک کا مشترکہ زہریلا اثر اس مرض کی پیدائش کا باعث بن جاتا ہے۔ [خزائن طب ص ۷۰۷]

حقیقت یہ ہے کہ اس جراثیم تھیوری میں اس قدر خرابیاں ہیں جس قدر ان جراثیم سے دُنیا میں تعفن پیدا ہوتا ہے۔

نزلہ زکام کے جراثیم میں سات قسم کے خاص جراثیم فرنگی طب نے تسلیم کئے ہیں: (۱) فریڈلینڈرز بے سی لس (۲) مائی کیرد کالس کٹارلیس (۳) بی سی لس سپٹس (۴) بے سی لس- انفلوئنزا (۵) نیوموکاکس (۶) سٹے فی لوکالس پایو جی نس (۷) سپٹر یٹوکاکس پایو جی نس۔ گویا ان میں بے سی لائی اور کاکائی دونوں اقسام شریک ہیں۔ جن کی مختصر تشریح درج ذیل ہے۔

ان سات اقسام کے جراثیم پر بحث کرنے سے قبل ضروری ہے کہ علم الجراثیم کے متعلق بہت ضروری معلومات بے حد اختصار کے ساتھ پیش کر دی جائیں، تاکہ مبتدی بھی ہماری تحقیقات سے پوری طرح مستفید ہوکر فرنگی طب کی غلطیوں سے آگاہ ہو جائے۔

علم الجراثیم

فرنگی طب کی وہ شاخ جس میں جراثیم کا بیان ہوتا ہے، علم جراثیم کہلاتی ہے۔ جس کو انگریزی میں جرمنیالوجی کہتے ہیں، جراثیم خوردبینی نباتات ہیں لیکن ان میں فرق یہ ہوتا ہے کہ دوسری نباتات کا رنگ عموماً سبز ہوتا ہے جس کو لون الاخضر کہتے ہیں۔ جراثیم میں سبز رنگ نہیں ہوتا۔ لون الاخضر نباتی زندگی کے لیے ویسا ہی مفید ہوتا ہے جس طرح لون الاخضر حیوانات کی زندگی کے لئے۔ اس عنبر رنگ کے ذریعے سے نباتات ہوا میں سے تغذیہ کا سامان اخذ کر لیتی ہیں۔ جراثیم چونکہ اس نعمت سے محروم ہوتے ہیں اس لیے تغذیہ کا سامان حاصل کرنے کے لئے ان کو دوسری نباتات اور حیوانات کا محتاج ہونا پڑتا ہے۔ اُن کی اس حیثیت سے اُن کو مفت خور (پیراسائٹ) بھی کہتے ہیں۔

جراثیم جس وقت نباتی یا حیوانی جسم میں سے اپنی تغذیہ کے اجزاء نکالتے ہیں تو اس سے کئی قسم کی کیمیاوی تبدیلیاں واقع ہو جاتی ہیں۔ ان میں سے ایک تبدیلی تخمیر اور تعفن کہلاتی ہے۔ ان تبدیلیوں سے کئی قسم کے کیمیاوی مرکبات بن جاتے ہیں۔ مختلف قسم کے گاز کاربانک ایسڈ مارش گاز، سلفیورٹیڈ ہائیڈروجن، طرح طرح کی شور اور حامض اشیاء پیدا ہو جاتی ہیں اور رطوبتوں کی رنگت سرخ، سبز، نیلی یا پیلی ہو جاتی ہے۔ قسم قسم کی بدبوئیں جو فضلات اور رطوبات میں سے آتی ہیں انڈول سکیٹول وغیرہ کیمیاوی مرکبات کی وجہ سے ہوتی ہے۔ انہی اعمال سے جراثیمی سمیات بھی بنتی ہیں جو صحت کے لئے مضر ہوتی ہیں اور جن کے سبب سے کئی قسم کی مہلک و خطرناک بیماریاں پیدا ہو جاتی ہیں۔

لیکن سب کے سب جراثیم موذی نہیں ہوتے، یہ وہی ''بدنام کنندہ، نکونامے چند'' والی بات ہے۔ متعدی بیماریوں کے جراثیم کے سبب کل جراثیم معتوب ہو رہے ہیں ورنہ بہت سے جراثیمی اعمال ہمارے لیے مفید اور کارآمد بھی ہوتے ہیں۔ مثلاً شکر سے جو شراب اور سرکہ بنتا ہے اس کو جراثیم بناتے ہیں اور جراثیم کے عمل سے دہی اور پنیر بھی بنتا ہے نہ صرف یہ بلکہ حیوانی امعاء کے اندر جس وقت غذا

ہضم ہوتی ہے تو اس کے بہت سے کیمیاوی اعمال جراثیم کی مدد کے بغیر واقع نہیں ہو سکتے جن جراثیم کا تعلق ہمارے مضمون کے ساتھ ہے وہ متعدی امراض کے جراثیم ہیں، دوسروں کا ہم ذکر نہیں کریں گے۔ [راز علم وعمل طب - کرنل بھولا ناتھ]

اقسام جراثیم

جراثیم کی سائز کے لحاظ سے دو قسمیں کی جا سکتی ہیں۔ ایک جراثیم کبیر جس کو بیسلائی (جس کا واحد بسلس ہے) کہتے ہیں۔ دوسرے جراثیم صغیر جن کو کوکائی (جن کا واحد کوکس ہے) پھر ہر ایک کی مختلف اقسام ہیں۔

جراثیم کبیر (بسلائی)

جراثیم کبیر دیکھنے میں طولانی ہوتے ہیں اور اُن کا طول اُن کے عرض کی نسبت بڑا ہوتا ہے۔ بعض جراثیم بالکل سیدھے ہوتے ہیں اور خوردبین میں یوں دکھائی دیتے ہیں جیسے بانس کی لکڑی کے ٹکڑے ہوتے ہیں۔ دوسرے ایسے بھی ہوتے ہیں جو ایک پہلو کو خمدار ہوتے ہیں اور کئی جراثیم کبیر پیچدار شکل کے ہوتے ہیں۔ اکثر جراثیم کبیر شاخدار ہوتے ہیں اور ان شاخوں کے ذریعے وہ متحرک ہوتے ہیں۔ شاخیں عموماً ایک یا دو ہوتی ہیں جو جرم کے ایک یا دونوں سروں سے نکلی ہوئی ہوتی ہیں۔ مگر بعض جراثیم کے دونوں اطراف میں کئی شاخیں لگی ہوتی ہیں۔

امراض کے لحاظ سے جراثیم کبیر کی تقسیم

اس لحاظ سے جراثیم کبیر کی تین اقسام کی گئی ہیں۔

۱ مقامی: یہ جراثیم جسم کے کسی خاص حصہ میں داخل ہو کر وہیں پر ساکن رہتے ہیں اور اسی مقام پر اپنے سمیات بنائے رہتے ہیں، اور سمیات جذب ہو کر علامات پیدا کر دیتی ہیں۔ اس قسم کے جراثیم تمام جسم میں نہیں پائے جاتے۔ ان کی مثال کزاز، خناق وبائی، ہیضہ اور پیچش ہیں۔

۲ مقامی منتقل: اس قسم کے جراثیم وہ ہیں جو اوّل مقامی ہوتے ہیں اور بعد میں اس مقام سے منتقل ہو کر جسم کے مختلف مقامات میں پھیل جاتے ہیں اور جہاں جہاں پر جا کر سکونت اختیار کر لیتے ہیں وہاں پر نو آبادیاں بنا لیتے ہیں۔ جن کے موذی اثرات سے مقامی روالی انقلابات حادث ہو جاتے ہیں۔ اس کی مثال ٹیوبرکل دوق اور سل کے جراثیم ہیں۔

۳ منتقل عامہ: اس قسم کے جراثیم بدن پر حملہ کرتے ہی تمام جسم میں پھیل جاتے ہیں اور خون و رطوبت میں ہر جگہ پائے جاتے ہیں۔ مثلاً جذام، آبلہ فرنگ، طاعون، ملیریا، انتھرکس، تپ محرقہ اور تمام حمیات و امراض عامہ کے جراثیم اس قسم کے ہوتے ہیں۔ یہاں پر یہ بات یاد رکھیں کہ جدری، حصبہ، وجع المفاصل، سرخ بخار وغیرہ بھی امراض عامہ میں شمار ہوتے ہیں۔ جن کے جراثیم غالباً ابھی تک معلوم نہیں ہوئے۔ ان کا نقشہ درج ذیل ہے:

جراثیم کبیر

منتقل عامہ	مقامی منتقل	مقامی
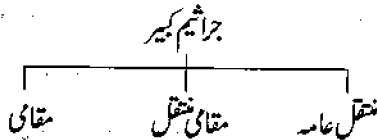
محرقہ، طاعون، انتھرکس، جذام، آبلہ فرنگ وکزاز، ہیضہ، خناق وبائی، حیوانی، پیچش، ملیریا اور دیگر حمیات و امراض عامہ

جراثیم صغیر (کاکائی)

یہ جراثیم گول گول نقطوں کی طرح ہوتے ہیں، ان کی شاخیں نہیں ہوتیں اور انشقاق سے ان کا تولد ہوتا ہے۔ بحیثیت جماعت جراثیم صغیر ریم اور مدہ پیدا کرنے والے ہوتے ہیں۔ اس لیے مختلف اقسام کے پیدا کردہ امراض ایک دوسرے کے ساتھ مبدل ہو جاتے ہیں۔ مثلاً سوزاک سے یا انیمیا اور وجع المفاصل ریمی حادثات ہو جاتا ہے اور نیز سوزاک کا ورم سطح کے اتصال سے بڑھتا بڑھتا خصیتین میں منتقل ہو جاتا ہے۔ جراثیم صغیر سے جو اورام حادثات ہوتے ہیں، وہ کئی قسم کے ہوتے ہیں:

① بعض تو فقط مقامی ہوتے ہیں اور ایک جگہ پر ہمیشہ محدود رہتے ہیں۔ مثلاً خراج، دیل، دبیلہ وغیرہ۔

② ایسے اورام بھی ہوتے ہیں جو مقدم مقامی ہوتے ہیں مگر اتصالی سطح کے ساتھ ساتھ ورم متعدی ہو کر پھیلتا چلا جاتا ہے اور ریم بنتا جاتا ہے۔ جس کے سبب سے تاکل وتساقط اعضاء ہو جاتا ہے۔ حمرہ، میلگنٹ اڈیما، گوشت خورہ، نوما (آکلہ) اس کی مثالیں ہیں۔

③ ایک اور قسم کا ورم بھی ہوتا ہے جو مقدم ہوتا تو مقامی ہے مگر بعد میں اس کا اثر تمام جسم پر تیزی سے پھیل جاتا ہے۔

اس کے جسم میں سرایت کرنے کے دو طریقے ہیں۔ پہلی صورت میں تو یہ ہوتا ہے کہ متورّم مقام پر جراثیم کے موذی اثر سے متاثر کر دیتے ہیں، چونکہ جراثیمی سمیات کیمیاوی مرکبات ہوتے ہیں اس لئے اُن کا موذی اثر جذب شدہ زہر کی مقدار پر منحصر ہوتا ہے۔ اسی طرح پر جس طرح سنکھیا اور پارہ سے ہوتا ہے۔ یعنی اگر جذب شدہ زہر کی مقدار کم ہوتی ہے تو علامات بھی خفیف ہوتی ہیں۔ ان علامات کو اصطلاح میں جراثیمی تسمیم یا سپٹک انٹاکسی کیشن کہتے ہیں۔ تپ دق، پرسوت کا تپ اور خفیف بخار جو پھوڑے پھنسی کے ہمراہ ہوتا ہے ایسے تسمیم کی مثالیں ہیں، جب جذب شدہ زہر کی مقدار بہت زیادہ ہو جاتی ہے تو بیمار بہت جلد ہلاک ہو جاتا ہے اس کو سپر لیمیا یا تپ عفنیہ کہتے ہیں۔ دوسری صورت وہ ہوتی ہے کہ جراثیم خود متورم مقام سے کسی نہ کسی حیلہ سے منتقل ہو کر تمام جسم میں پھیل جاتے ہیں۔

یہ بھی دو طریق سے ہوتا ہے۔ اوّل طریق یہ ہے کہ متورم مقام میں سے نکل کر جراثیم تمام خون میں ایک ہی وقت میں منتشر ہو جاتے ہیں۔ اس کے جراثیمی اثرات سے بیمار کوئی دم کا مہمان ہوتا ہے اور بہت جلد ہلاک ہو جاتا ہے۔ اس کی اصطلاح میں سپٹی سیمیا یا انتشارِ عامہ کہتے ہیں۔ انتشار عامہ اور تپ عفنیہ کی علامات ایک ہی ہوتی ہیں۔ مگر ان میں یہ فرق ہوتا ہے کہ تپ عفنیہ میں خون کے اندر جراثیم نہیں پائے جاتے اور انتشار عامہ میں پائے جاتے ہیں۔

دوسرا طریق یہ ہے کہ جراثیم متورّم مقام سے منتقل ہو کر کسی اور مقام میں اسی قسم کا ورم والتہاب پیدا کر دیتے ہیں۔ اس کی مثال وجع المفاصل ریمی ہے جو سوزاک سے پیدا ہو جاتا ہے یا انیمیا، سپٹک انڈوکارڈائٹس ہے۔ ورم منتقل اس طور پر ہوتا ہے کہ مقام ورم کے حوالے میں وریدیں بھی متورم ہو جاتی ہیں اور ان کے اندر خون منجمد ہو جاتا ہے۔ اس انجماد خون کو اصطلاح میں تھرامبوسس یا انعقاد وریدی کہتے ہیں۔ اتفاقی یا صدمہ سے منجمد شدہ خون کا ذرا سا ٹکڑا ٹوٹ جاتا ہے اور خون کے ساتھ بہتا ہوا دور چلا جاتا ہے اور باریک عروق میں جا کر اٹک جاتا ہے اور اس سے سدہ پیدا کر دیتا ہے اور چونکہ اس کے اندر موذی جراثیم موجود ہوتے ہیں، وہاں پر بھی اسی قسم کا ورم پیدا ہو جاتا ہے، اس کا نام پائی ریمیا ہے۔ جراثیم صغیر کی کئی جماعتیں ہوتی ہیں:

① ایک جماعت تو وہ ہے جس میں نقاط ایک دوسرے سے علیحدہ ہوتے ہیں، اس قسم کے جراثیم صغیر واحد (مائکروکاکائی) یا فقط کاکائی کہلاتے ہیں۔

(۲) دوسری جماعت وہ ہے جس میں نقاط جوڑا جوڑا بن کر رہتے ہیں ان کا نام جفتی جراثیم صغیر (ڈپلوکاکس) ہے اس جماعت کے جراثیم سوزاک ذات الریہ اور سرسام (مینجائٹس) میں پائی جاتی ہیں۔

(۳) تیسری قسم کے جراثیم چار چار مل کر رہتے ہیں۔ یہ مربع جرم صغیر (سکوئر کا کائی) امراض معدہ میں اکثر پائے جاتے ہیں۔

(۴) چوتھی جماعت کے جراثیم قطار در قطار زنجیر بنا لیتے ہیں۔ یہ جراثیم زنجیری صغیر (سٹرپٹو کا کائی) کہلاتے ہیں۔

(۵) پانچویں جماعت کے جراثیم انگور کی طرح خوشہ در خوشہ ہوتے ہیں۔ اسی سبب سے ان کو جراثیم علی صغیر (سٹیفلو کا کائی) کہتے ہیں۔ یہ جراثیم مختلف اقسام کے اورام، بثور اور خراج میں ملتے ہیں۔ جراثیم صغیر کو ذہن نشین کرانے کے لئے نقشہ درج ذیل ہے۔

جراثیم صغیر (کا کائی)

زنجیری علی مربع واحد جفتی

مولد ریم

عامہ مقامی

انتشاری تسمیم

انتشار عامہ اپایمیا تپ عفنیہ تسمیم جراثیمی

[از علم وعمل طب۔ کرنل بھولا ناتھ]
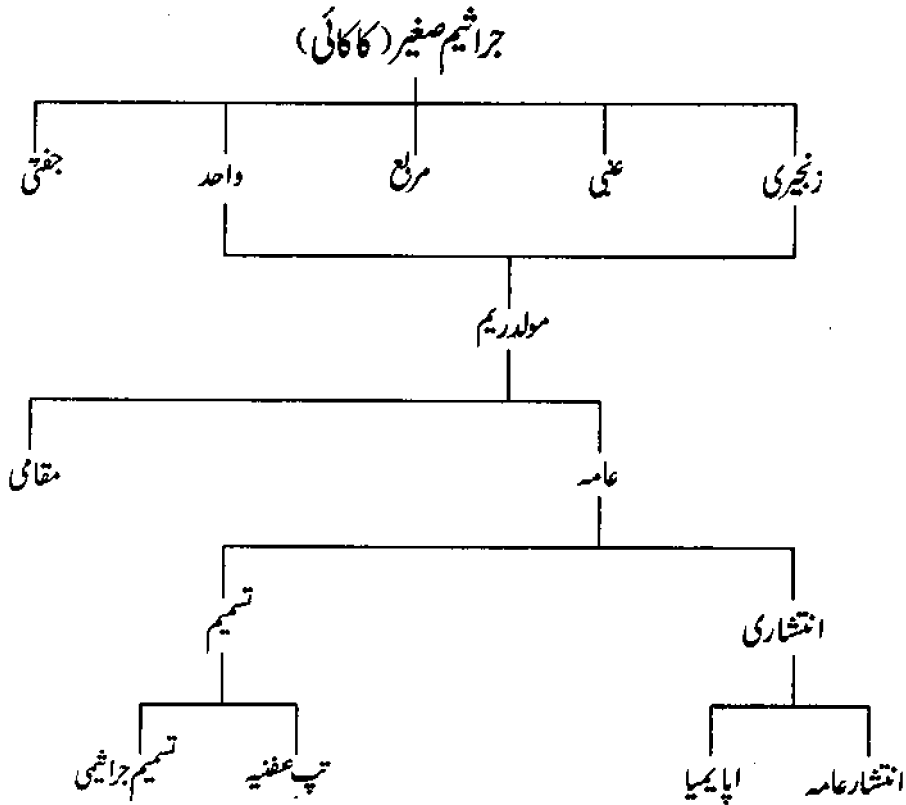
جراثیم کی حقیقت

مختصر طور پر علم جراثیم بیان کر دیا گیا ہے لیکن اس میں ضروری علم کو نظر انداز نہیں کیا گیا۔ مندرجہ بالا جو اقسام بیان کی گئی ہیں یہ جراثیم کی بنیادی صورتیں ہیں۔ ان کے علاوہ کوشش یہ کی جا رہی ہے کہ ہر مرض کے یقینی جراثیم کا علم ہو جائے۔ مگر اکثر امراض میں فرنگی طب ناکام ہے جن امراض کے جراثیم کا علم بھی ہو چکا ہے۔ ان کا یقینی علاج آج تک فرنگی طب معلوم نہیں کر سکی، جس کی مثال نزلہ زکام، نمونیا و پلورسی، دق وسل اور خنازیر وغیرہ امراض ہیں بلکہ کوئی بھی ایسا مرض نہیں ہے جس کا ان کے پاس یقینی اور شرطیہ علاج ہو۔ ملیریا کی تحقیق و تشخیص پر ان کو بے حد ناز تھا مگر پرانے ملیریا پر کونین (Quinine) بالکل بے کار ہو کر رہ گئی ہے۔ باقی کونسا ایسا مرض رہ گیا ہے جس کے لئے ان کو دعویٰ ہو وہ سو فیصدی کامیاب ہیں، ہرگز نہیں! کسی ایک مرض میں بھی فرنگی طب کامیاب نہیں ہے۔

نزلہ زکام کے علاج میں فرنگی کی ناکامی

نزلہ زکام میں فرنگی طب اور ماڈرن میڈیکل سائنس نے سات قسم کے جراثیم کا انکشاف کیا ہے۔ مگر اصل جراثیم کی تاحال تحقیق نہیں ہو سکی اور یہ جو سات اقسام کے جراثیم کے متعلق کہا جاتا ہے کہ ان سے نزلہ زکام پیدا ہوتا ہے، لیکن ان کی جدا جدا تخصیص کہیں نہیں کی گئی اور نہ ان کی الگ الگ علامات بیان کی گئی ہیں۔ یہ راز تو کوئی فرنگی ڈاکٹر بھی نہیں جان سکتا کہ نزلہ زکام کے اصل جرثومہ کی تحقیق کیوں نہیں ہو سکی۔ تو اس مرض کا علاج کیسے ہو سکتا ہے۔ دوسرے یہ سات اقسام کے جراثیم جو یہ نزلہ زکام پیدا کرتے ہیں، ان سب کی علامات فارقہ کیا ہیں آج تک فرنگی طب کی کسی کتاب میں ان کا ذکر نہیں پڑھا گیا۔ صرف نزلہ زکام پر کیا منحصر ہے جبکہ ایک معالج سوزش و ورم اور زخم و پیپ کے جراثیمی ماحول میں قدم رکھتا ہے تو ایسی غیر علمی اور ان سائنٹفک باتوں کو دیکھتا ہے کہ تعفن سے اس کا اپنا دماغ سڑنا شروع ہو جاتا ہے۔ رسالہ میں جو سوزش کا بیان شروع ہے ان شاء اللہ تعالیٰ ہم فرنگی طب کی جراثیمی غلطیوں کو اس طرح کھول کھول کر بیان کریں گے، جس سے ان کے تعفن سے فرنگی ڈاکٹروں کے دماغوں میں سڑاند اور دلوں میں متلی سے اس قدر گھبراہٹ ہو گی کہ چکر آ جائیں گے۔ ہمیں افسوس صرف ویدوں، اطباء اور ہومیوپیتھوں پر ہے کہ ان لوگوں کے فن اپنی جگہ مکمل ہیں۔ مگر انہوں نے بغیر تحقیق کے اس جراثیم تھیوری کو قبول کر لیا ہے۔

نزلہ کی حقیقت بالمفرد اعضاء پر گذشتہ مضمون میں ہم تحریر کر چکے ہیں کہ نزلہ ایک علامت ہے جو کسی مرض پر دلالت کرتا ہے۔ اس کو کسی صورت میں بھی مرض کہنا صحیح نہیں اور اس کو ابوالامراض کہنا تو انتہائی غلط فہمی ہے کیونکہ نزلہ مواد یا رطوبت کا گرنا ہے، اور اس علامت سے کسی عضو کے فعل کی طرف دلالت ہے۔ اس عضو کے افعال کی خرابی ہی کو مرض کہا جا سکتا ہے۔ البتہ عضو کے افعال کی خرابی کی جس قدر صورتیں ہو سکتی ہیں وہ تمام امراض میں شریک ہوں گی۔

مواد یا رطوبات کا طریق اخراج

رطوبات (لمف) یا مواد (میٹریا سکریشن) کا اخراج ہمیشہ خون میں سے ہوتا ہے۔ اس کو پوری طرح سمجھنے کے لئے پورے طور پر دوران خون کو ذہن نشین کر لینا چاہئے۔ یعنی دل سے صاف شدہ خون بڑی شریان اور طی سے چھوٹی شریانوں میں سے عروقِ شعریہ کے ذریعہ غدد اور غشائے مخاطی میں جسم کی خلاؤں پر ترشح پاتا ہے۔ یہ ترشح کبھی زیادہ ہوتا ہے، کبھی کم، کبھی گرم ہوتا ہے کبھی سرد، کبھی رقیق ہوتا ہے اور کبھی غلیظ اور کبھی سفید ہوتا ہے اور کبھی زرد، وغیرہ وغیرہ۔ اس سے ثابت ہوا کہ نزلہ یا ترشح (سکریشن) کا اخراج ہمیشہ ایک ہی صورت

میں نہیں ہوتا اس میں مختلف صورتیں کیفیتیں اور رنگ پائے جاتے ہیں۔ گویا نزلہ جو ایک علامت ہے وہ بھی اپنے اندر کئی انداز رکھتا ہے۔ اس لیے اس کو ابوالعلامات کہتے ہیں۔

نزلہ کے تین انداز

① نزلہ پانی کی طرح بے تکلف رقیق بہتا ہے۔ عام طور پر اس کا رنگ سفید اور کیفیت سرد ہوتی ہے اس کو عام طور پر زکام کا نام دیتے ہیں۔

② نزلہ لیسدار جو ذرا کوشش اور تکلیف سے خارج ہوتا ہے، عام طور پر اس کا رنگ زرد اور کیفیت گرم ہوتی ہے، اس کو نزلہ حار کہتے ہیں۔

③ نزلہ بند ہوتا ہے، انتہائی کوشش اور تکلیف سے بھی اخراج کا نام نہیں لیتا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے بالکل جم گیا ہو اور گاڑھا ہو گیا ہے۔ عام طور پر رنگ میلا یا سرخی سیاہی مائل اور کبھی کبھی زور لگانے سے خون آنے لگ جاتا ہے، اس کو بند نزلہ کہا جاتا ہے۔

نزلہ کی تشخیص

① اگر نزلہ پانی کی طرح بے تکلف رقیق بہہ رہا ہے تو یہ اعصابی (دماغ) نزلہ ہے۔ یعنی اعصاب کے فعل میں تیزی ہے اس کا رنگ سفید اور کیفیت سرد ہوگی۔ اس میں قارورہ کا رنگ بھی سفید ہوگا۔

② اگر نزلہ لیسدار جو ذرا کوشش و تکلیف اور جلن سے خارج ہو رہا ہے تو یہ غدی (کبدی) نزلہ ہے۔ یعنی جگر کے فعل میں تیزی ہوگی، اس کا رنگ عام طور پر زردی مائل اور کیفیت گرم و تیز ہوگی اس میں قارورہ کا رنگ زرد یا زرد سرخی مائل ہوگا۔ گویا یہ نزلہ حار ہے۔

③ اگر نزلہ بند ہو اور انتہائی کوشش اور تکلیف سے بھی اخراج کا نام نہ لے۔ ایسا معلوم ہو کہ جیسے بالکل جم گیا ہے اور گاڑھا ہو گیا ہے تو یہ نزلہ عضلاتی (قلبی) ہوگا یعنی اس میں عضلات کے افعال میں تیزی ہوگی۔ اس کا رنگ عام طور پر میلا یا سرخ سیاہی مائل اور کبھی کبھی زور زیادہ لگانے سے خون بھی آ جاتا ہے۔

اوّل صورت میں جسم میں رطوبات سرد (بلغم) کی زیادتی ہوگی۔ دوسری صورت میں صفرا (گرمی خشکی) کی زیادتی ہوگی۔ تیسری صورت میں سوداویت (سردی خشکی) اور ریاح کی زیادتی ہوگی اور انہی اخلاط و کیفیات کی تمام علامات پائی جائیں گی۔

گویا نزلہ کی یہی تینوں صورتیں ہیں۔ ان کو اسی مقام پر ذہن نشین کر لینا چاہیے۔ چوتھی صورت کوئی نہ ہوگی۔ البتہ ان تینوں صورتوں میں کمی بیشی اور انتہائی شدت ہو سکتی ہے۔ انتہائی شدت کی صورت میں انہی اعضاء کے اندر درد یا سوزش یا ورم پیدا ہو جائے گا۔ انہی شدید علامات کے ساتھ بخار، ہضم کی خرابی، کبھی قے، کبھی اسہال، کبھی پیچش، کبھی قبض ہمراہ ہوں گے، لیکن یہ تمام علامات انہی اعضاء کی مناسبت سے ہوں گی۔ اسی طرح کبھی معدہ وامعاء اور سینہ کے انہی اعضاء میں کمی بیشی اور شدت کی وجہ سے بھی ان کی خاص علامات کے ساتھ ساتھ نزلہ کی بھی علامات پائی جائیں گی۔ جن کا اوپر ذکر کیا گیا ہے۔

نزلہ کے معنی میں وسعت

نزلہ کے معنی گرنا ہے، اگر اس کے معنی کو ذرا وسعت دے کر اس کے مفہوم کو پھیلا دیا جائے اور جسم انسان کی تمام رطوبات اور مواد کو نزلہ کہہ دیا جائے تو ان سب کی بھی اسی نزلہ کی طرح تین ہی صورتیں ہو سکتی ہیں اور ان کے علاوہ چوتھی صورت نظر نہیں آئے گی۔ مثلاً اگر

پیشاب پر غور کریں تو اس کی بھی تین صورتیں ہی ہوں گی:

① اعصاب میں تیزی ہوگی تو پیشاب زیادہ اور بغیر تکلیف کے آئے گا۔

② اگر غدد میں تیزی ہوگی تو پیشاب جلن کے ساتھ قطرہ قطرہ آئے گا۔

③ اگر عضلات میں تیزی ہوگی تو پیشاب بند ہوگا یا بہت کم آئے گا۔

یہی صورتیں پاخانہ پر بھی وارد ہوں گی یعنی:

① اعصابی صورت میں اسہال۔

② غددی صورت میں پیچش اور

③ عضلاتی صورت میں قبض پائی جائے گی۔

اسی طرح لعاب دہن، آنکھ، کان اور پسینہ وغیرہ ہر قسم کی رطوبات پر غور کرلیں۔ البتہ خون کی صورت رطوبات سے مختلف ہے یعنی؛

① اعصاب کی تیزی میں جب رطوبات کی زیادتی ہوتی ہے تو خون کبھی نہیں آتا۔

② جب غدد میں تیزی ہوتی ہے تو خون تکلیف سے تھوڑا تھوڑا آتا ہے۔

③ لیکن جب عضلات کے فعل میں تیزی ہوتی ہے تو شریانیں پھٹ جاتی ہیں اور بے حد کثرت سے خون آتا ہے۔

اس سے ثابت ہوگیا کہ جب خون آتا ہے تو رطوبات کا اخراج بند ہوجاتا ہے اور اگر رطوبات کا اخراج زیادہ کردیا جائے تو خون کی آمد بند ہوجائے گی۔

نظریہ مفرد اعضاء کے جاننے کے بعد اگر ایک طرف تشخیص آسان ہوگئی ہے تو دوسری طرف امراض اور علامات کا تعین ہوگیا ہے۔ اب ایسا نہیں ہوگا کہ آئے دن نئے نئے امراض اور علامات فرنگی طب تحقیق کرتی رہے اور اپنی تحقیقات کا دوسروں پر رُعب ڈالتی رہے بلکہ ایسے امراض اور علامات جو بے معنی صورت رکھتے ہوں وہ ختم کردیئے جائیں گے۔ جیسے وٹامنی امراض، غذائی امراض اور موسمی امراض، وغیرہ وغیرہ۔ بس ایسے امراض اور علامات کا تعلق کسی نہ کسی عضو سے جوڑنا پڑے گا اور انہی کے افعال کی خرابی کو امراض کہنا پڑے گا۔ گویا کیمیاوی اور دموی تغیرات کو بھی اعضاء کے تحت لانا پڑے گا۔ دموی اور کیمیاوی تغیرات بھی اپنے اندر حقیقت رکھتے ہیں لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ جسم میں خون کی پیدائش اور اس کی کمی بیشی انسان کے کسی نہ کسی عضو کے ساتھ متعلق ہے۔ اس لیے جسم انسان میں دموی اور کیمیاوی تبدیلیاں بھی اعضائے جسم کے تحت آجاتی ہیں۔

اس امر میں کوئی شک نہیں ہے کہ جسم میں ایک بڑی مقدار میں زہریلی ادویات اور اغذیہ سے موت واقع ہوجاتی ہے۔ لیکن ایسے کیمیاوی تغیرات بھی اس وقت تک پیدا نہیں ہوتے جب تک جسم کا کوئی عضو بالکل باطل نہ ہوجائے۔

اس اجمال کی تفصیل تو ہم پھر بیان کریں گے، یہاں صرف مختصر سی تشریح ہم بیان کردیتے ہیں، جس سے اس کا ایک ہلکا سا خاکہ قارئین کے ذہن نشین ہوجائے اور اہل فن اس نظریہ سے مستفید ہوسکیں۔ ان شاء اللہ تعالیٰ ہم اس کی تمام تفصیلات اسی رسالہ میں بیان کرتے رہیں گے۔

جاننا چاہیے کہ انسان ان چیزوں سے مرکب ہے: ① جسم (باڈی) ② نفس (وائٹل فورس) ③ روح (سول)۔

نفس اور روح کا ذکر تو ہم پھر کریں گے، یہاں اوّل جسم کو بیان کرنا ضروری ہے۔

جسم انسان

جسم انسان تین چیزوں سے مرکب ہے:

① بنیادی اعضاء (بیسک آرگن) ② حیاتیاتی اعضاء (لائف آرگن) ③ خون (بلڈ)۔

اس کی مختصری تفصیل درج ذیل ہیں۔

① بنیادی اعضاء: یہ ایسے اعضاء ہیں جن سے انسانی جسم کا ڈھانچہ تیار ہوتا ہے۔ جن میں تین اعضاء شریک ہیں:

① ہڈیاں (بونز) ② رباط (لگےمنٹس) ③ اوتار (ٹنڈنز)۔

② حیاتی اعضاء: یہ ایسے اعضاء ہیں جن سے انسانی زندگی اور بقا قائم ہے۔ یہ بھی تین ہیں؛① اعصاب (نروز) جن کا مرکز دماغ (برین) ہے۔ ② غدد (گلینڈز) جس کا مرکز جگر (لیور) ہے۔ ③ عضلات (مسلز) جن کا مرکز قلب (ہارٹ) ہے۔ گویا دل، دماغ اور جگر جو اعضائے رئیسہ ہیں، وہی انسان کے حیاتی اعضاء ہیں۔

③ خون: سرخ رنگ کا ایک ایسا مرکب ہے جس میں لطیف بخارات (گیسز)، حرارت (ہیٹ)، رطوبات (لیکوئڈ) پائے جاتے ہیں یہ ہوا، حرارت اور پانی سے تیار ہوتا ہے۔ دوسرے معنوں میں سودا، صفرا اور بلغم کا حامل ہے جن کی تفصیل آئندہ بیان کی جائے گی۔

اس مختصری تشریح کے بعد جاننا چاہیے کہ قدرت نے ضرورت کے مطابق جسم میں اس کی ترتیب ایسی رکھی ہے کہ اعصاب باہر کی طرف ہیں اور ہر قسم کے احساسات ان کے ذمہ ہیں۔ اعصاب کے اندر کی طرف غدد ہیں اور ہر قسم کی غذا جسم کو مہیا کرتے ہیں۔ غدد کے اندر کی طرف عضلات ہیں اور ہر قسم کی حرکات ان کے متعلق ہیں۔ یہی تینوں جسم میں ہر قسم کے احساسات اغذیہ اور حرکات کے طبعی افعال انجام دیتے ہیں۔

غیر طبعی افعال

حیاتی اعضاء کے غیر طبعی افعال صرف تین ہیں:

① ان میں سے کسی عضو میں تیزی آجائے، یہ صورت ریاح کی زیادتی سے پیدا ہوتی ہے۔
② ان میں سے کسی عضو میں سستی پیدا ہو جائے، یہ رطوبات یا بلغم کی زیادتی سے پیدا ہوگی۔
③ ان میں سے کسی عضو میں ضعف پیدا ہو جائے، یہ حرارت کی زیادتی سے پیدا ہوگا۔

یاد رکھیں کہ چوتھا کوئی غیر طبعی فعل نہیں ہوتا۔ اعضائے مفرد کا باہمی تعلق جاننا نہایت ضروری ہے کیونکہ علاج میں ہم ان کی معاونت سے تشخیص، تجویز اور علامات کو رفع کرنے میں مدد کرتے ہیں۔ ان کی ترتیب میں اوپر بیان کیا گیا ہے کہ اعصاب جسم کے بیرونی حصے یا اوپر کی طرف ہیں اور ان کے نیچے یا بعد میں غدد کو رکھا گیا ہے۔ جہاں پر غدد نہیں پائے جاتے، وہاں ان کے قائم مقام غشائے مخاطی بنا دیئے گئے ہیں اور ان کے نیچے یا بعد میں عضلات رکھے گئے ہیں اور جسم میں ہمیشہ یہی ترتیب قائم رہتی ہے۔

افعال کے لحاظ سے بھی ہر عضو میں صرف تین ہی افعال پائے جاتے ہیں:

① عضو کے فعل میں تیزی پیدا ہو جائے تو ہم اس کو تحریک کہتے ہیں۔
② عضو کے فعل میں سستی نمودار ہو جائے تو ہم اس کو تسکین کا نام دیتے ہیں۔
③ عضو کے فعل میں ضعف واقع ہو جائے تو اس کو تحلیل کی صورت قرار دیتے ہیں۔

حقیقت بھی یہی ہے کہ ہر عضو میں ظاہرہ دو ہی صورتیں ہیں۔ اوّل تیزی اور دوسرے سستی، لیکن سستی دو قسم کی ہوتی ہے۔ اوّل سستی سردی یا بلغم کی زیادتی سے اور دوسرے سستی حرارت کی زیادتی سے ہوتی ہے۔ اس لیے اوّل الذکر کا نام تسکین رکھا جا سکتا ہے اور ثانی الذکر کی سستی کو تحلیل ہی کہنا بہتر ہے کیونکہ حرارت اور گرمی کی زیادتی سے ضعف پیدا ہوتا ہے اور یہ بھی ایک قسم کی سستی ہے لیکن چونکہ ضعف حرارت اور گرمی کی زیادتی سے پیدا ہوتا ہے اور اس میں جسم یا عضو گھلتا ہے اور یہ صورت مرض کی حالت میں آخر تک قائم رہتی ہے بلکہ صحت کی بحالی میں بھی ایک ہلکے قسم کی تحلیل جاری رہتی ہے۔ اس لیے انسان بچپن سے جوانی اور جوانی سے بڑھاپے سے موت کی آغوش میں چلا جاتا ہے۔ اس لیے اس حالت کا نام تحلیل بہت مناسب ہے۔

ساتھ ہی اس امر کو بھی ذہن نشین کر لیں کہ یہ تینوں صورتیں یا علامات تینوں اعضا اعصاب، غدد، عضلات میں کسی ایک حالت میں ضرور پائی جائیں گی۔ البتہ ایک دوسرے میں بدلتی رہتی ہیں اور اسی غیر طبعی تبدیلی ہی سے مختلف امراض پیدا ہوتے ہیں اور انہی کی طبعی تبدیلی سے صحت حاصل ہو جاتی ہے۔ اعضا کے اندر تبدیلیوں کو ذیل کے نقشہ سے آسانی کے ساتھ سمجھا جا سکتا ہے:

نام اعضاء	اعصاب	غدد	عضلات	نتیجہ
ا۔ تحریک اعصاب	تحریک	تحلیل	تسکین	جسم میں رطوبات کی زیادتی
۲۔ تحریک غدد	تسکین	تحریک	تحلیل	جسم میں حرارت کی زیادتی
۳۔ تحریک عضلات	تحلیل	تسکین	تحریک	جسم میں ریاح کی زیادتی

گویا ہر عضو میں یہ تینوں حالتیں یا علامات فرداً فرداً ضرور پائی جائیں گی۔ یعنی:

① اگر اعصاب میں تحریک ہے تو غدد میں تحلیل اور عضلات میں تسکین ہوگی، نتیجتاً جسم میں رطوبات (بلغم یا کف) کی زیادتی ہوگی۔

② اگر غدد میں تحریک ہے تو عضلات میں تحلیل اور اعصاب میں تسکین ہوگی، نتیجتاً جسم میں حرارت (صفرا یا پت) کی زیادتی ہوگی۔

③ اگر عضلات میں تحریک ہے تو اعصاب میں تحلیل اور غدد میں تسکین ہوگی، نتیجتاً جسم میں ریاح (سودا و یت) کی زیادتی ہوگی۔

یہ تمام جسم اور اس کے افعال کی اصولی (سسٹے میٹک) تقسیم ہے۔ اس سے تشخیص اور علاج واقعی آسان ہو جاتا ہے۔ گویا اس طریقے کو سمجھنے کے بعد علم طب نہیں رہتا بلکہ یقینی طریق علاج بن جاتا ہے۔

اسباب

جب کسی مرض کے اسباب پر بحث کی جاتی ہے تو قریب و بعید کے ہر قسم کے اسباب پر بحث کی جاتی ہے اور روشنی ڈالی جاتی ہے تاکہ علاج کے وقت تمام اسباب ذہن کے سامنے ہوں۔ مگر بعض کم علم اور غلط فہم معالج جیسے فرنگی معالج، اسباب کے قرب و بعد کا اندازہ نہیں لگا سکتے۔ قریب کی چیز اور بعید کی شے میں جو فرق ہے، اسباب کے لحاظ سے بھی قرب اور بعد میں یہی فرق ہے، قریب کی شے پہلے اثر انداز ہوتی ہے اور بعید کی چیز بعد میں اپنا اثر کرتی ہے۔ ظاہر میں قریب و بعید کا تصور ذہن نشین کرنا ایک معمولی بات ہے۔ مگر فن علاج میں ایک انتہائی اہم بات ہے۔ بس یہی مقام ہے جس کو صحیح طور پر ذہن نشین نہ کرنے سے نہ صرف مختلف طریق علاج پیدا ہو جاتے ہیں، بلکہ علاج صحیح طریق پر کامیاب نہیں ہو سکتا اور فن علاج میں بدنام ہوتا ہے۔

طب یونانی نے اس قریب و بعید کی اہمیت کے پیش نظر اسباب کو اس طرح بیان کیا ہے کہ اس میں قرب اور بعد کی غلطی کا امکان نہ رہے اور صحیح اسباب سامنے آ جائیں۔ اسباب دو قسم کے بیان کئے گئے ہیں۔

اوّل اسباب ضروریہ جن کا تعلق حفظِ صحت کے ساتھ ہے۔ یہ چھ ہیں:

① ہوا ② ماکولات ومشروبات ③ حرکت وسکون بدنی ④ حرکت وسکون نفسانی ⑤ نیند و بیداری ⑥ استفراغ واحتباس۔

دوسرے اسباب مرضہ جن کا تعلق امراض سے ہیں۔ یہ تین ہیں:

① اسبابِ بادیہ ② اسبابِ سابقہ ③ اسبابِ واصلہ۔

بادیہ کیفیاتی اور نفسیاتی اسباب ہیں۔ سابقہ مادی اور شرکی اسباب ہیں۔ واصلہ ایسے اسباب جن کے بعد معاً مرض نمودار ہو جاتا ہے یعنی مرض اور سبب میں کوئی فرق اور دوری نہیں پائی جاتی۔ یا دوسرے الفاظ میں ان کے اور مرض کے درمیان کوئی واسطہ نہیں ہوتا، بلکہ براہِ راست مرض پیدا کر دیتے ہیں۔ کسی دوسری حالت کا اُن کو انتظار نہیں ہوتا۔ جس کی بہترین مثال امتلا (مواد کا اجتماع) ہے۔ جو بخار کا موجب بنتا ہے۔ گویا امتلا بلا واسطہ بخار پیدا نہیں کرتا بلکہ اس کے اور بخار کے درمیان عفونت واسطہ بنتی ہے۔ امتلا سے ابتداً عفونت لاحق ہوتی ہے اور پھر عفونت سے بخار ہوتا ہے۔ اس صورت میں عفونت سببِ واصلہ (واسطہ) ہے، جس کے ہوتے ہی بخار آ جاتا ہے اور امتلا سببِ سابقہ کہلائے گا۔ ثابت ہوا کہ سبب واصلہ ہی سبب قریب ہے اور اس کے بعد مرض پیدا ہو سکتا ہے اور یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ جب تک اعضاء کے افعال میں خرابی واقع نہ ہو ہم حالتِ جسم کو مرض میں شمار نہیں کر سکتے۔ [تفصیل کے لئے میری کتاب "مبادیاتِ طب" دیکھیں]

جاننا چاہئے کہ جراثیم کا ہونا نہ ہونا کسی صورت میں نہ مرض کہلا سکتا ہے اور نہ مرض پر دلالت کر سکتا ہے۔ انسانی جسم میں سینکڑوں قسم کے جراثیم داخل ہوتے رہتے ہیں اور اندر تباہ ہوتے رہتے ہیں۔ لیکن امراض پیدا نہیں کر سکتے، جب تک کہ کسی عضو کے فعل میں خرابی پیدا نہ ہو۔ کیونکہ اعضاءِ جسم کا بگڑنا ہی ہمیں یہ ظاہر کرتا ہے کہ جسم بیمار ہے، ورنہ اعضاء کے تندرست رہنے سے امراض کا تصور ہی پیدا نہیں ہو سکتا۔

فرنگی ڈاکٹر کہتے ہیں کہ ہر انسان میں جراثیم اس لئے امراض پیدا نہیں کرتا کہ ان کے اندر امنیت (امیونیٹی) طاقتور ہوتی ہے اور وہ مرض کا مقابلہ کرتی رہتی ہے۔ لیکن ان عقل کے اندھوں کو یہ پتہ نہیں چلتا کہ امنیت کہاں پیدا ہوتی ہے۔ یہ امنیت کوئی خون کی طاقت نہیں ہے بلکہ یہ طاقت اعضاء میں پائی جاتی ہے اور ہر قسم کے اعضاء میں جدا جدا قسم ہوتی ہے جس کا ثبوت یہ ہے کہ جیسے مختلف اقسام کے جراثیم مختلف اعضاء پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ اسی طرح مختلف اعضاء کی امنیت ان کا مقابلہ کرتی ہے اور جسم کو امراض سے محفوظ رکھتی ہے اور جب اعضاء کمزور ہو جاتے ہیں، امنیت کمزور ہو جاتی ہے اور جراثیم یا دیگر اسباب مرضہ کا مقابلہ نہیں ہو سکتا۔ پھر مرض کی صورت نمودار ہو جاتی ہے۔ کیا کوئی فرنگی ڈاکٹر بتائے گا کہ امنیت (امیونیٹی) کہاں پیدا ہوتی ہے۔ اگر وہ یہ ثابت کر دیں کہ امنیت اعضاء کے علاوہ کہیں اور پیدا ہوتی ہے تو ہم مبلغ پانچ صد روپیہ انعام دیں گے۔ ہمارا چیلنج ہے کہ وہ ایسا نہیں کر سکتے۔ بس مسلمہ حقیقت کی صورت میں کہ امنیت اعضاء میں پیدا ہوتی ہے اور اعضاء کی خرابی ہی امراض کی دلیل ہے تو پھر علاج کی صورت میں قاتل جراثیم یا دفع جراثیم کو لازمی سمجھنا بالکل غلط ہے۔ نتیجہ ظاہر ہے کہ علاج صرف اعضاء کی درستی قرار پائے گا۔ تجربہ ظاہر ہے ہر صاحب عقل اور اہل فن تسلی کر سکتا ہے۔

---

* مبادیاتِ طب بھی نوری کتب خانہ بالمقابل ریلوے اسٹیشن لاہور کے زیر اہتمام شائع ہو چکی ہے۔

علامات

فرنگی طب کی کس کس خرابی کا ذکر کیا جائے، یہاں ساری کی ساری مشین بگڑی ہوئی ہے۔ ماہیت امراض میں خرابی، اسباب میں خرابی، اب علامات کی جو خرابیاں ہیں وہ ملاحظہ کریں۔ علاج کے اندر اس قدر خرابیاں ہیں کہ فن علاج ہی تباہ کر کے رکھ دیا ہے۔ اس کا سلسلہ یہیں ختم نہیں ہوتا بلکہ غذا اور پرہیز تک چلا جاتا ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ زندگی بھر ہم تمام فن کی تجدید کریں گے اور فرنگی طب کی ایک ایک خرابی کو نکال باہر کریں گے۔ اور ان خرابیوں کو اس انداز سے ظاہر کریں گے کہ اہل علم اور صاحب فن کو اُن سے نفرت پیدا ہو جائے گی اور فرنگی طریق علاج کیا اس کی ہر شے بلکہ اس کے نام کو بھی زہر اور اس کو قاتل خیال کریں گے۔

علامات ایسے نشانات ہیں جن سے حالت صحت یا حالت مرض کا پتہ چلتا ہے۔ یہ علامات اکثر امراض کو سمجھنے، ان کے فروق اور تشخیص کے لئے دلائل بنائے جاتے ہیں اور انہی کی راہنمائی میں امراض کی ماہیت نام امراض اور تقسیم امراض کئے جاتے ہیں۔ چونکہ یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ مرض اس حالت کا نام ہے جب اعضاء کے افعال میں اعتدال نہ ہو یعنی ان میں افراط وتفریط اور ضعف پایا جائے۔ اس لئے اعضاء کے افعال کی خرابیوں کو جاننے کے لئے ان علامات کو دیکھیں گے جو اُن پر دلالت کرتی ہیں۔ یہ اس وقت ہوسکتا ہے کہ ہم امراض اور ان کی علامات کو الگ الگ ذہن نشین کر لیں۔ ایسا نہ ہونا چاہئے کہ اوّل ہم امراض اور علامات کا فرق ہی نہ سمجھ سکیں اور ہر علامت کو مرض اور ہر مرض کو علامت کہہ دیں۔ جیسا کہ فرنگی طب میں درج ہیں۔ یعنی چھینک بھی مرض، ہچکی بھی مرض اور شدید پیاس بھی مرض۔ یہ تو معمولی علامات ہیں وہ تو بڑی بڑی علامات کو مرض کہتے اور لکھتے ہیں۔ جیسے نزلہ زکام، سوزش، ورم اور بخار گویا اُن کے ہاں امراض اور علامات میں کوئی فرق نہیں ہے۔ [ان کی تفصیل ہمارے مضمون تقسیم امراض میں دیکھیں]

جاننا چاہئے کہ علامات تین اقسام کی ہوتی ہیں۔

اوّل علامات ماضی: یہ عام طور پر اسبابِ بادیہ اور سابقہ پر روشنی ڈالتی ہیں۔ ان کو علامات ضروری کہنا چاہئے۔

دوسرے علامات حال: ان کی دو صورتیں ہیں: (الف) وہ جو مریض اپنی تکالیف میں اظہار کرتا ہے ان کو شرکی کہتے ہیں۔ (ب) وہ علامات جن کا اظہار معالج کرتا ہے وہ اسبابِ واصلہ ہوتی ہیں اور یہی تشخیص اور حقیقتِ مرض پر روشنی ڈالتی ہیں۔ ان علامات کو ''دال'' کہتے ہیں۔

تیسرے علامات مستقبل: ایسی علامات ہیں جن سے مرض کے نیک و بد کا پتہ چلتا ہے کہ مرض خیر وخوبی سے انجام پا جائے گا یا مریض ختم ہو جائے گا۔ ایسی علامات ''تقدیم معرفت'' کہلاتی ہیں۔

جاننا چاہئے کہ حال کی علامات یعنی شرکی اور دال ہی عام طور پر مریضوں کے لئے تکلیف کا باعث ہوتی ہے۔ اس لئے وہ ان کو بیان کرتا ہے لیکن وہ امراض نہیں ہوتیں۔ امراض کا تعین تو معالج ہی اعضاء کی خرابی سے لگا سکتا ہے، یہ نہیں ہوسکتا کہ علامت کو مرض کہہ کر علاج شروع کر دیا جائے۔ مثلاً ایک مریض نزلہ زکام کی تکلیف کے ساتھ قبض کا ذکر کرتا ہے، دوسرا پیچش کا، تیسرا اسہال کا، تو ہم نزلہ زکام کو مرض کہیں یا قبض، پیچش اور اسہال کو امراض کہہ کر علاج شروع کر دیں۔ اسی طرح ایک مریض نزلہ زکام کے ساتھ بخار کا اظہار کرتا ہے، دوسرا دردِ شکم، تیسرا سوزش جسم کو ظاہر کرتا ہے، تو علاج میں ہم کو کس علامت کو مرض قرار دینا چاہئے؟ حقیقت یہ ہے کہ ان میں کوئی بھی مرض نہیں ہے۔ دیکھنا صرف یہ ہے کہ مریض کی ماضی اور حال کی علامات کس عضو پر دال ہیں اور اس کے اعتدال میں کیا خرابی ہے۔ فوراً ہم کو

صرف اس کے افراط وتفریط اور ضعف کو درست کرنا چاہئے، علامات خود رفع ہو جائیں گی۔

نزلہ زکام میں عام طور پر ناک سے رطوبات کا جاری ہونا، چھینکوں کا آنا، بدن کا ٹوٹنا، سر کا بھاری ہونا، آنکھوں میں درد کا احساس اور رطوبات کا جاری رہنا وغیرہ۔ اگر امراض میں شدت ہو جائے تو قصبۃ الریہ اور اس کی شاخوں تک پہنچ جاتا ہے۔ جس سے کھانسی، نمونیہ، پلورسی وغیرہ تکالیف پیدا ہو جاتی ہیں۔ اسی طرح اگر اس کا اثر دماغ تک پہنچ جائے تو ورم دماغ محرقہ دماغی، فالج اور لقوہ ہو جاتا ہے۔ ایسی تمام صورتوں میں کسی ایک علامت کو مرض قرار دے کر علاج کرنا کسی معالج کی صداقت پر دلالت نہیں کرتا۔ بلکہ ایسے معالج فرنگی عطائی ہو سکتے ہیں جو ہر علامت کو مرض قرار دے کر یورپ کی نہ صرف پیروی کرتے ہیں بلکہ ان کی ایجنٹی کرتے ہیں۔

کسی مرض کے علاج میں پوری طرح کامیابی کا راز یہ ہے کہ اس مرض کو صحیح اور مکمل طریق پر سمجھ لیا جائے۔ جو معالج بھی مرض کی ماہیت سے واقف نہیں ہوتے وہی علاج میں ناکام ہوتے ہیں۔ فرنگی ڈاکٹر اس مرض کے علاج میں اس لئے ناکام ہیں کہ یورپ، امریکہ، اور روس نے اس مرض کی صحیح ماہیت کو پورے طور پر نہیں سمجھا، اور وہ اس مرض کا جو علاج کرتے ہیں وہ صرف عطائیانہ ہے، ورنہ مرض کی حقیقت اور ماہیت پورے طور پر واضح ہو تو پھر علاج مرض کیا مشکل ہے۔ فوراً مریض کے جسم کی حالت اور کیفیت بدلی جا سکتی ہے اور اسباب دور کئے جا سکتے ہیں۔ فرنگی ڈاکٹر اس مرض کا سبب جراثیم قرار دیتے ہیں جس کو ''بٹرل کل بیسی لیس'' کہتے ہیں اور اس پر پورے طور پر یقین رکھتے ہیں۔ لیکن ان جراثیم کو ختم نہیں کر سکتے اور ختم کر بھی دیں تو مریض پہلے ہی ختم ہو جاتا ہے۔ فرض کر لیں کہ مریض کی زندگی میں ان کو ختم کر لیں ہم تھوڑی دیر کے لئے تسلیم کر لیتے ہیں لیکن ان کے ختم ہونے سے (یہ بات بے حد قابل غور ہے) مریض کے جسم کی حالت اور کیفیت تو نہیں بدل سکتی۔ کیونکہ عقل سلیم سے اگر کام لیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ سبب صرف محرک مرض ہے خود مرض نہیں ہے۔ مرض اس حالت کا نام ہے جو سبب کے بعد پیدا ہو گئی ہے۔ سبب دور ہونے کے بعد مرض کا علاج باقی رہتا ہے مگر فرنگی ڈاکٹروں کے ہاں اوّل سبب مرض غلط ہے۔ اگر اس کو صحیح بھی سمجھ لیں تو مرض کا دور کرنا ایک بالکل جدا صورت ہے۔ جس کی مثال سوئی کا بدن میں چبھ جانا ہے۔ اس میں سوئی تکلیف کا سبب ہے مگر تکلیف مرض ہے جو سوئی سے جدا بات ہے۔ سوئی نکال لینے کے بعد مرض رفع نہیں ہوگا اس کا علاج قوتِ مدبرہ بدن کرے گی، اگر وہ کمزور ہوئی تو دوا کی ضرورت لازم آئے گی۔

اگر قوت مدبرہ بدن مضبوط بھی ہو تب بھی دوا لازم ہے کیونکہ اوّل اس سے تسکین پیدا ہوتی ہے، دوسرے مرض کے بڑھنے کا خطرہ باقی نہیں رہتا۔ فرنگی طب میں اسباب ختم کرنے کے بعد مرض قائم رہتا ہے اور بڑھتا رہتا ہے، کیونکہ حالت بدن اور کیفیت بدستور قائم ہیں۔ جراثیم کے فنا کر دینے سے یہ مرض ختم نہیں ہو سکتا، جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے۔ اس میں ایک اور غلطی یہ ہے کہ فرنگی طب جن کو جراثیم قرار دیتی ہے وہ اسباب واصلہ نہیں ہیں۔ جن کی تعریف یہ ہے کہ ان کے ساتھ مرض پیدا ہوتا ہے، ان میں اور مرض میں فاصلہ نہیں ہوتا، گویا مرض سے متعلق ہوتے ہیں اور اُن کے برعکس جراثیم اسباب سابقہ ہیں اور اسبابِ واصلہ وہ عضو کی حالت جو خراب ہو گیا ہے اور وہ کیفیت ہے جو کیمیاوی طور پر پیدا ہو گئی ہے۔ جب تک عضو مشینی طور پر (مکینیکلی) اور کیفیات جسم (کیمیکلی) درست نہ ہوں مرض کسی طرح بھی نہیں جا سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ فرنگی طب اس علاج میں ناکام ہے۔

فرنگی طب (ڈاکٹری) اس مرض کا سبب جراثیم قرار دیتی ہے، جیسا کہ ماہیت مرض میں لکھا جا چکا ہے۔ ہمیں اس سے انکار نہیں ہے کہ ٹی بی کے اسباب میں ایک ٹی بی جراثیم بھی ہوتے ہیں۔ لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ جراثیم مقدم ہیں یا جسم انسانی میں امیونیٹی (قوت مدافعت مرض) اور وائیٹلیٹی (قوت مدبرہ بدن) جو پہلے ہی سے وہاں پر پائی جاتی ہے۔ امیونیٹی کا تعلق متعلقہ عضو کے ساتھ ہوتا ہے اور

وائیٹیلیٹی کا تعلق سارے جسم وخون کے ساتھ ہوتا ہے۔ جب کسی قسم کے جراثیم جسم انسانی میں داخل ہوتے ہیں تو اوّل وائیٹیلیٹی اس کا مقابلہ کرتی ہے اوران کو غیر ضروری اور غیر مفید شے سمجھتے ہوئے راستہ میں ختم کردیتی ہے اوراگروہ کسی جسم میں داخل ہو بھی جائے تو امیونیٹی اس کو فوراً تباہ کردیتی ہے۔اس طرح مرض کا قلع قمع ہوجاتا ہے۔ جب بھی کوئی جسم ٹی بی جراثیم سے متاثر ہوتا ہے تو اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ امیونیٹی اور وائیٹیلیٹی دونوں کمزور ہیں۔ دوسرے معنوں میں یوں سمجھ لیں کہ مریض کے متعلقہ اعضاء اور خون، دونوں میں کمزوری اور نقص پایا جاتا ہے۔ ورنہ جراثیم کبھی بھی مرض کا باعث نہ ہوسکتے۔

یہی وجہ ہے کہ ایک گھر میں دس آدمی ہوتے ہیں تو ان میں مرض کے جراثیم سے وہی شخص متاثر ہوتا ہے جس کی امیونیٹی اور وائیٹیلیٹی دونوں کمزور تھیں اور باقی اپنے انہی قویٰ کی مضبوطی کی وجہ سے محفوظ رہے اور وہ ٹی بی جراثیم کا پوری طرح مقابلہ کرسکتے ہیں۔حقائق اور دلائل سے واضح ہوگیا کہ جراثیم سے بچنے کی بجائے جسم انسان کے اندرونی قویٰ کی حفاظت نہایت اہم شے ہے۔

اگر جراثیم کو ایک ایسا زہر تسلیم کرلیا جائے جس کے متعلق یہ یقین اور تحقیق ہوچکا ہے کہ اُس کا دخول جسم انسان میں باعث مرض نزلہ زکام ہے۔اوّل تو ہم اوپر ثابت کرآئے ہیں کہ جراثیم سے قبل جسم انسانی کے قویٰ جو بدن وخون اور اعضاء کے اندر پائے جاتے ہیں، کمزور ہوکر جراثیم کو اثر کرنے کا موقع دیتے ہیں۔تھوڑی دیر کے لئے ہم فرض کرلیتے ہیں کہ جراثیم کے مقابلے میں قویٰ وخون اور اعضاءِ جسم کو کوئی اہمیت نہیں ہے،صرف جراثیم ہی سب کچھ ہیں۔تو پھر اس مرض کا علاج آسان اور یقینی ہوجانا چاہئے،فوراً جراثیم کش ادویہ استعمال کرکے اس مرض سے چھٹکارا حاصل کرلینا چاہئے،مگر ایسا نہیں ہوتا۔ جوں جوں فرنگی ڈاکٹر ادویات جراثیم کش استعمال کرتا ہے،مرض بڑھتا جاتا ہے اور نوبت یہاں تک پہنچ جاتی ہے کہ مریض انتہائی حسرت و یاس سے اس دُنیا سے رخصت ہوجاتا ہے،اور فرنگی معالج منہ تکتا رہ جاتا ہے۔لیکن طریق علاج کو سائنٹفک خیال کرتا ہے اور اسی کو قائم رکھتا ہے۔ کیونکہ اصل سبب جو قوتِ جسم اور اعضاء ہیں، ان کو نظر انداز کر جاتے ہیں۔

نزلہ زکام کے جراثیم کو ہم نہ باعث مرض سمجھتے ہیں اور نہ وہ سبب واصلہ ہیں۔البتہ ہم ان کو ایک ایسا زہر خیال کرتے ہیں جن سے مرض نزلہ زکام پیدا ہوسکتا ہے۔ جیسے دیگر زہر دُنیا میں جسم انسان پر اثر انداز ہوتے ہیں اور طبیعت مدبرہ بدن اور قوت مدافعت اس کا مقابلہ کرتے ہیں، اگر وہ کامیاب ہوگئے تو زہر کو باہر نکال دیتے ہیں اور اگر وہ کمزور رہے تو زہر غالب ہوکر فنا کا باعث کہلاتا ہے۔لیکن موت کا اصل سبب انسان کی طبیعت مدبرہ بدن اور قوت مدافعت تھیں۔جن کا تعلق کیمیاوی طور پر خون کے ساتھ اور مشینی طور پر اعضاء جسم کے ساتھ ہے۔ گویا اعضاءِ جسم اور خونِ بدن اصل باعث مرض اور موت ہیں۔بس یہی صورت نزلہ زکام میں بھی قائم ہے۔

بس عقلی اور نقلی طور پر ثابت ہوگیا کہ نزلہ زکام کے اصل اسباب مجرا جسم کی خرابی ہے۔ جیسا کہ شیخ الرئیس بوعلی ابن سینا نے لکھا ہے کہ ان مجریٰ جسم کا تعلق اعضاءِ جسم اور خون بدن سے ہے اور اعضاء کی بافت ٹشوز سے ترتیب پاتی ہے اور خون کی بناوٹ میں بھی ایک اعتدال لازم ہے۔ جو ایک خاص رنگ کے ٹمپریچر (Temperature) اور قوام پر قائم ہے۔ یہ رنگ وٹمپریچر اور قوام کا اعتدال خون کی گیسز لکوئڈ اور سالڈ مادوں (ٹھوس، مائع، گیس) پر منحصر ہے۔ جب اُن میں کمی بیشی واقع ہوتی ہے تو خون کے رنگ وٹمپریچر اور قوام میں نقص واقع ہوجاتا ہے۔ یہ نقص کیمیاوی (مادّی) طور پر ہوتا ہے یا مشینی طور پر، لیکن جسم میں خرابی اسی وقت واقع ہوتی ہے جب مشینی طور پر نقص پیدا ہوجائے اور اعضاء کے افعال میں اعتدال قائم نہ رہ سکے۔بس اسی حالت کا نام مرض ہے۔اس تحقیق کے بعد یہ حقیقت سامنے آگئی کہ خون کے رنگ وٹمپریچر اور قوام کے اعتدال اور مزاج کے بگڑ جانے سے مرض پیدا ہوجاتا ہے، ان حقائق سے ثابت ہوگیا کہ حفظِ صحت اور

علاج خون کے مزاج کا اعتدال ہے جسے ویدک اور طب یونانی میں تسلیم کیا گیا ہے۔

جہاں تک امراض جسم کا تعلق ہے تو تسلیم کرنا پڑتا ہے بقول شیخ الرئیس کہ مرض اس حالت کا نام ہے جب مجریٰ جسم میں خرابی واقع ہو جائے، اور وہ اپنے افعال صحیح طور پر انجام نہ دیں۔ جہاں تک مجریٰ جسم کا تعلق ہے اس میں دو چیزیں شریک ہیں۔ اوّل اعضاءِ جسم، دوسرے مجریٰ جسم میں چلنے والا خون اور رطوبات۔ اگرچہ دونوں لازم و ملزوم ہیں، تاہم اعضاء کے افعال کی خرابی اپنی جگہ اور خون کی کیمیاوی تبدیلیاں اپنے اندر ایک مسلمہ حقیقت رکھتی ہیں۔ امراض کی تشخیص میں دونوں کا ذہن نشین کرنا ایک اہم حقیقت ہے۔

جہاں تک اعضائے جسم کا تعلق ہے موجودہ علمی تحقیقات (ماڈرن سائنس) نے جسم انسان کو چار اقسام کے بنیادی اعضاء میں تقسیم کیا ہے جن کو وہ ٹشوز (نسیج - بافت) کہتے ہیں۔ یہ ٹشوز چھوٹے چھوٹے حیوانی ذرّات (سیلز) کا مجموعہ ہوتے ہیں اور پھر یہ ٹشوز آپس میں اس طرح ایک دوسرے میں بنے ہوتے ہیں جیسے کپڑا، اس لئے اُن کو بافت کہا جاتا ہے۔ یہ چار اقسام کے ٹشوز ہیں:

① نروز ٹشو (نسیج عصبی) ② مسکولر ٹشو (نسیج عضلی) ③ اپیتھل ٹشوز (نسیج قشری) ④ کنکٹو ٹشوز (نسیج الحاقی) کے نام سے منسوب ہیں۔ ان کے سوا جسم انسانی میں کوئی ٹشو نہیں ہے اور سر سے لے کر پاؤں تک تمام جسم کے اعضاء بلکہ مکمل جسم انہی کی بافت سے بُنا ہوا ہے۔ گویا جسم انسانی کے ابتدائی اور مفرد اعضاء ہیں۔

① نروز ٹشو (نسیج عصبی) ② مسکولر ٹشو (نسیج عضلی) ③ اپیتھل ٹشوز (نسیج قشری) ان ہی سے انسانی اعضاءِ رئیسہ دِل، دماغ، جگر بنتے ہیں۔ جوان بافتوں کے مراکز ہیں۔ (۱) اعصاب کا مرکز دماغ (۲) عضلات کا مرکز دِل اور (۳) غدد کا مرکز جگر ہے۔ گویا تمام جسم انسانی، ڈھانچہ اور دِل، دماغ اور جگر کا مجموعہ ہے۔ تمام جسم کے اعضاء انہی سے مل کر بنتے ہیں۔ گویا بنیادی اعضاء اور حیاتی اعضاء تمام اعضاء کی اکائیاں اور مفرد ہیں اور باقی تمام جسم اور اس کے اعضاء جیسے سر، آنکھ، کان، ناک، منہ، سینہ، معدہ، امعاء اور مثانہ وغیرہ ان ہی اکائیوں اور مفرد اعضاء سے مرکب ہیں۔ اور تمام قسم کے مجریٰ بھی انہیں سے مل کر بنتے ہیں اور زندگی و قوت اور صحت کے افعال انجام دیتے ہیں۔ جہاں تک خون کا تعلق ہے اس میں کیمیاوی طور پر انہیں چاروں ٹشوز کے عناصر پائے جاتے ہیں۔ جن سے اِن اعضاء کا تغذیہ اور تنمیہ ہوتا رہتا ہے۔ گویا زندگی کا تغذیہ اور تصفیہ ان اعضاء کے سپرد ہے۔

جب جسم انسان میں امراض کی کوئی صورت پیدا ہوتی ہے، لامحالہ اُن کا ابتدائی اثر ان بنیادی ٹشوز میں سے کسی ایک میں شروع ہوتا ہے۔ یہ کبھی نہیں ہوتا کہ بیک وقت دو ٹشوز میں امراض کی ابتدا ہو جائے۔ البتہ جب جسم میں اس مرض کے زہریلے اجزاء بہت زیادہ ہو جائیں تو دیگر ٹشوز کو بھی متاثر کر دیتے ہیں۔ پھر صورت یہاں تک پہنچ جاتی ہے کہ تمام جسم متاثر ہوتا ہے اور موت واقع ہو جاتی ہے۔

جاننا چاہئے کہ دوا اُس وقت تک جراثیم ہلاک نہیں کر سکتی جب تک وہ جسم میں حرارت کی پیدائش کو بڑھا نہ دے۔ بس حرارت کا بڑھا دینا نہ صرف سوزش اور ورم کو بے حد مفید ہے بلکہ ہر قسم کے جراثیم اور ان کے زہر کو بھی ہلاک اور فنا کر دیتی ہے۔ رطوبات کا بڑھانا بھی حرارت کے بڑھانے کی طرح از حد ضروری اور اہم ہے۔ بعض مریضوں میں بلغم زیادہ آنے لگتی ہے، اس کو نہ روکیں کیونکہ وہ دافع سوزش اور خون آنے کو روکتی ہے، بلکہ بلغم کو اور بڑھانے کی کوشش کریں، مرض میں جلد آرام ہوگا۔ اس مرض میں عام طور پر قے اور اسہال نہیں ہوا کرتے، زیادہ سے زیادہ جی متلاتا ہے یا پیچش ہو جاتی ہے۔ ان کو بھی بند نہ کریں۔

بلکہ کوشش کریں کہ قے ہو جائے یا اسہال آئیں، اگر یہ صورت ایک دو بار واقع ہو جائے تو فوراً آرام کی صورت خیال کریں۔ کسی قسم کا فکر نہ کریں جو لوگ مرض اور صحت کی علامات سے واقف نہیں ہوتے وہ ان علامات سے گھبرا جاتے ہیں۔ قابض اشیاء بلکہ قابض

آب وہوا اور قابض قسم کے نفسیاتی جذبات سے بھی مریض کو بچائیں کیونکہ سوزش اورام قبض کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ نزلہ زکام کو تو یقینی قابض علامات سمجھیں، پیچش کے پاخانوں کو اسہال خیال کر کے بند نہ کریں، بلکہ ان کو اسہال کی شکل میں تبدیل کریں۔ یہ ایک مشکل کام نہیں ہے، ایک قابل معالج جب اس اصول علاج کی صورتوں کو مدنظر رکھے گا تو ان شاء اللہ تعالیٰ مریض کو یقیناً آرام ہوگا اور آئندہ وہ اس مرض سے محفوظ رہے گا۔ وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغ ط

حرارت

نزلہ زکام بلکہ ہر مرض کے علاج میں حرارتِ جسم کو مدنظر رکھنا نہایت اہم بات ہے۔ کیونکہ جسم انسان کی رطوبت کے ساتھ ہی حرارت بھی ایک فاعلی عنصر ہے جس سے انسان کے جسم کی نشوو ارتقاء اور زندگی قائم ہے، اور یہی حرارتِ جسم انسان کو آفات و بلیات اور امراض سے حفاظت کرتی ہے اور ضرورت کے وقت رفع امراض بھی کرتی رہتی ہے۔ میری تحقیق یہ ہے کہ ضرورت کے وقت حرارت ہی ہوا کو پانی میں اور پانی کو ہوا میں تبدیل کرتی رہتی ہے۔

حرارت کی پیدائش

حکماء نے حرارت کو چار ابتدائی ارکان میں سے ایک رُکن تسلیم کیا ہے۔ انہی چار ارکان پر زندگی اور کائنات کا قیام تسلیم کیا ہے۔ فرنگی سائنس نے چار ارکان کو بسیط تسلیم نہیں کیا بلکہ ان کو مرکب مانا ہے۔ ان کے نظریہ کے مطابق زندگی اور کائنات میں کل ننانوے (۹۹) ایسے عناصر پائے جاتے ہیں جو بسیط ہیں مگر ماڈرن فرنگی سائنس نے ایٹم کی تحقیق اور تشریح کے بعد عناصر کو پھاڑ کر برق پاروں میں تقسیم کر دیا ہے، گویا اپنے نظریہ مفرد اعضاء کی تغلیط کر دی ہے، ان کے نظریہ کے مطابق جہاں تک حرارت کا تعلق ہے وہ ہر عنصر کے پھاڑ کے بعد پیدا ہو سکتی ہے۔ مگر آکسیجن کو انہوں نے حرارت کا منبع قرار دیا ہے، کیونکہ کوئی عنصر اس کے بغیر نہیں چلتا۔ جو لوگ ارکان اور عناصر کا فرق سمجھتے ہیں وہ فرنگی سائنس کی غلط فہمی کا خوب اندازہ لگا سکتے ہیں، تفصیل طوالت طلب ہے۔

عام زندگی میں ہم دیکھتے ہیں کہ جب دو اجسام کو آپس میں رگڑا جاتا ہے تو وہ گرم ہو جاتے ہیں اور ان میں حرارت پیدا ہو جاتی ہے۔ ابتداء میں انسان نے آگ اسی طرح پیدا کی تھی۔ اسی طرح جب کسی شے کو آگ پر گرم کرتے ہیں تو جل اٹھتی ہے یا اس میں حرارت پیدا ہو جاتی ہے، گویا حرارت اجسام میں منتقل ہو جاتی ہے۔ اسی طرح پیدائش حرارت سے قوت جذب و دفع اور مقاطیس و بجلی کی پیدائش ہوتی ہے۔ اسی طور پر زندگی کا لوازمہ کیمیاوی تبدیلیاں قرار پاتا ہے۔ جہاں پر کیمیاوی تبدیلیاں ہوتی ہیں وہاں پر حرارت بنتی ہے، اور زندگی اور حرارت کا اس ڈھنگ سے واسطہ ہے۔

جب تک کیمیاوی تبدیلیاں اعتدال پر رہتی ہیں اعضاء اپنے افعال مناسب اور باقاعدہ طور پر انجام دیتے رہتے ہیں، اور کیمیاوی تبدیلیوں سے جو حرارت پیدا ہوتی ہے وہ بھی ایک درجۂ اعتدال پر قائم رہتی ہے۔ پھر جب کسی داخلی یا خارجی اسباب سے اس اعتدال میں افراط و تفریط پیدا ہو جاتا ہے تو افعال بدن مختل ہو جاتے ہیں۔ اگر زندگی کا مدار حرارت پر ہے تو صحت کا مدار اعتدال حرارت پر ہے۔ جب اعتدالِ حرارت نہیں رہتا تو صحت بھی قائم نہیں رہتی اور زندگی میں خلل واقع ہو جاتا ہے۔

تولّدِ حرارت کے مقام

اس حقیقت مُسلّمہ کو سمجھنے کے بعد کہ حرکت کے بعد حرارت اور حرارت کے بعد قوت پیدا ہوتی ہے، جس کو انگریزی میں ایکشن،

ہیٹ اورانرجی کہنا چاہئے۔انرجی کامفہوم ہماری زبان میں نہیں ہے،ہم اس کوتوانائی کا نام ہی دیں گے۔انگریزی زبان میں طاقت کے کئی الفاظ ہیں،مثلاً (۱) فورس (۲) پاور (۳) انرجی۔ان کو ذہن نشین کرنے کے لئے اس طرح سمجھیں کہ فورس ایسی طاقت ہے جو دباؤ ڈالے اور پاوروہ طاقت ہے جس میں حرارت شامل ہو اور انرجی ایسی طاقت ہے جو غذائی قوت کی صورت پیدا کرے۔جسم انسانی میں تینوں قسم کی طاقتیں پیدا ہوتی ہیں اور صرف ہوتی رہتی ہیں۔

کیمیاوی تبدیلیاں اگرچہ بدن میں سب جگہ پر ہوتی رہتی ہیں مگر سب اعضاء میں یکساں نہیں ہوتیں۔عظام غضاریف اوراوتار جوخودبخود متحرک نہیں ہوتے،ان میں کیمیاوی عمل بہت کم ہوتے ہیں اور حرارت کم بنتی ہے۔اسی سبب سے یونانی اطبا مفاصل کا مزاج سرد مانتے ہیں۔

اعصاب عضلات وغدی مادّہ میں ہمیشہ کچھ نہ کچھ ہوتا رہتا ہےاوران میں حرارت ہمیشہ پیدا ہوتی رہتی ہے۔

جس وقت اعضاء اپنے اپنے افعال سرانجام دیتے ہیں اس وقت اُن میں کیمیاوی تبدیلیاں بھی زیادہ ہوتی ہیں اور اُن اوقات میں اُن میں سے حرارت بھی زیادہ نکلتی ہے۔

تنفس کی دھونکنی ہروقت چلتی رہتی ہے،دِل کی گھڑی ہروقت ٹک ٹک کرتی رہتی ہے،اورمعدہ اورامعاء کی چکی ہروقت پستی رہتی ہے۔لہٰذاان مقامات میں حرارتِ غریزی بھی ہمیشہ بنتی رہتی ہے۔غدد کے کارخانوں میں جس وقت رطوبتیں تیار ہوتی ہیں تو وہاں پر بھی چمنیاں گرم ہوتی ہیں۔خون ہروقت دورہ کرتا ہےاوراُن کے اجزاءایک دوسرے کے ساتھ رگڑ کھاتے ہیں اور گرم ہوتے رہتے ہیں۔

مفصلہ بالا افعال وحرکات عضلات سے تعلق رکھتی ہیں اور ہمارے بدن کا بڑا بھاری حصہ عضلات سے بنا ہوا ہوتا ہے۔اس لئے عضلات کا قبض وبسط حرارت بدن کا بڑا بھاری اور ضروری منبع اور ماخذ قرار پاتا ہے۔

اگر زیادہ ثبوت کی ضرورت ہےتو اس بات سے ظاہر ہے کہ جب ہم ریاضت یا محنت کا کام کرتے ہیں،تو بدن میں حرارت بھی زیادہ پیدا ہوجاتی ہے۔اگراُس کے ساتھ سرعتِ نفس اور کثرتِ عرق کے ذریعہ حرارت ساتھ ساتھ خارج نہ ہوتی جائے تو بدن بہت جلد گرم ہوجائے گا۔

جب عضلات میں تشنج ہوتا ہےتو بدن کی حرارت زیادہ بڑھ جاتی ہے،کزاز اور دیگر تشنجی امراض میں بدن کی حرارت اس کثرت سے زیادہ ہوجاتی ہے کہ بیمار کے مرجانے کے بعد بھی کچھ عرصہ تک بدن گرم رہتا ہے۔

اکثر حمیات کے شروع میں جاڑا لگتا ہے جس کے یہ معنی ہیں کہ عضلات میں تشنج واقع ہوکر زیادہ حرارت پیدا ہوتی ہے۔جس کے سبب سے بدن کی حرارت بڑھ جاتی ہے۔

غیرطبعی طور پر جب حرارتِ بدن کچھ عرصہ کے لیے تجاوز کرجاتی ہے،تو ہزال اور لاغری زیادہ تر عضلات میں واقع ہوتی ہے۔جو اس بات کی دلیل یہ ہے کہ حرارت پیدا کرنے کا سامان زیادہ تر عضلات سے لیا گیا ہے۔[ازعلم وعمل طب]

اعتدالِ حرارت

حرارت جوجسم انسان میں پیدا ہوتی رہتی ہے(۱) اگراُس کی پیدائش بڑھ جائے (۲) یااس کا خرچ ضرورت کے مطابق نہ ہو یا زائداور فالتوحرارت کا اخراج رُک جائے تو بھی جسم میں نقصان کا باعث ہوتا ہے۔اس لئے طبیعت مدبرہ بدن ہمیشہ زائد حرارت کوانسانی نظامات کے ذریعے خارج کرتی رہتی ہے۔ان میں چار نظام قابل ذکر ہیں:

❀ **نظامِ ھوایہ**: اس نظام میں پھیپھڑوں کے ذریعے حرارت اعتدال پر رہتی ہے۔

❀ **نظامِ غذائیہ**: اس سے اسہال کی صورت میں حرارت کا اعتدال قائم رہتا ہے۔

❀ **نظامِ دمویہ**: اس میں غدد سے جو رطوبت ترشہ پاتی ہے اس سے حرارت کا اعتدال صحیح رہتا ہے۔

❀ **نظامِ بولیہ**: اس نظام میں پیشاب سے حرارت کا اعتدال درست رہتا ہے۔

ان نظامات کے علاوہ طبعی طور پر (۱) انعکاس حرارت (۲) اتصال یامس حرارت (۳) جذب حرارت ہوتی رہتی ہے۔ ان سب سے بڑھ کر حرارت جسم انسان میں خرچ ہوتی رہتی ہے۔ (۱) غذا کو ہضم کرتی ہے۔ (۲) فضلات کو تحلیل کرتی اور اندرونی زہروں اور جراثیم کو تباہ کرتی ہے۔ (۳) جسم انسان کی غذا بنتی ہے، وغیرہ وغیرہ۔ ان تمام صورتوں میں اعتدالِ حرارت قائم رہتا ہے۔ جب جسم انسان کی حرارت میں کمی بیشی ہوتی ہے تو ان صورتوں میں سے کسی میں ضرور فرق آ جاتا ہے۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ حرارت کا اعتدال کیسے قائم رہتا ہے۔ فرنگی طب اور ماڈرن سائنس کی تحقیق کے مطابق حرارت کو اعتدال پر قائم رکھنے کے لئے دماغ میں چند مراکز ہیں، جن میں انبساط وانقباض ہوتا رہتا ہے جس سے حرارت قائم رہتی ہے۔ یہ تحقیق غلط ہے کیونکہ جب یہ تسلیم کیا گیا ہے اور تجربہ سے بھی یہ حقیقت ثابت ہے حرارت عضلات میں حرکت سے پیدا ہوتی ہے تو پھر صرف دماغ کے مرکز کو اس کی پیدائش، قیام اور اعتدال کی صورتیں کیوں تسلیم کرلیں۔ اس میں دیگر اعضاء بھی برابر کے شریک ہیں۔

جاننا چاہئے کہ حرارت کی پیدائش، اس کا قیام اور اس کے اخراج کی تین صورتیں ہیں، جن سے حرارت کا اعتدال قائم رہتا ہے۔ کبھی پیدائش میں افراط وتفریط پیدا ہو جاتا ہے، کبھی ضبط حرارت میں کمی بیشی آ جاتی ہے، اسی طرح کبھی اخراج میں تیزی اور سستی پیدا ہو جاتی ہے، اس لیے یہ حقائق ذہن نشین کرلیں کہ عضلات حرارت پیدا کرتے ہیں۔ غدد اس کو ضبط کرتے ہیں اور اعصاب اس کو اخراج کرتے رہتے ہیں۔ اس طرح حرارت کی پیدائش ضبط وقیام اور اخراج ہوتا رہتا ہے۔ یہ صورتیں مشینی (مکینیکل) اور دوسری صورت کیمیاوی (کیمیکل) ہے، یعنی ماحول واغذیہ اور نفسیاتی اثرات، لیکن مشینی اور کیمیاوی صورتیں آپس میں اس طرح منسلک ہیں کہ وہ ایک دوسرے کے افعال انجام دے دیتی ہیں اور ایک دوسرے نظام کی ضرورت پوری کرتی رہتی ہیں۔

مندرجہ بالا حقائق کے علاوہ ان حقائق کو ذہن نشین رکھیں کہ (۱) بھوک کی حالت میں حرارت بڑھ جاتی ہے۔ (۲) غذا کھانے اور پانی پینے کے بعد حرارت کم ہو جاتی ہے۔ چائے پینے سے حرارت بڑھ جاتی ہے، لیٹنے سے حرارت کم ہونا شروع ہو جاتی ہے۔ بیٹھنے، چلنے پھرنے، دوڑنے اور ورزش سے حرارت جسم میں بڑھ جاتی ہے۔ مسرت ولذت اور غصہ میں بڑھ جاتی ہے غم وخوف اور ندامت میں گھٹ جاتی ہے، وغیرہ وغیرہ۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ جو حرارت جسم میں بڑھ جاتی ہے کیا یہی بخار ہے؟ اس کا جواب بخار کے بیان میں دیا جائے گا۔

علاج بالتدبیر

حرارت کی پیدائش اور اس کے اعتدال کو سمجھ لینے کے بعد یہ ذہن نشین کرلیں کہ جب بھی نزلہ زکام پیدا ہوتا ہے، یقیناً جسم انسان سے حرارت کی کمی ہو جاتی ہے، چاہے انسان کو سوزش وورم اور بخار ہی کیوں نہ ہو جائے۔ اور یہ بھی جان لیں کہ سوزش وورم اور بخار تینوں سردی کی علامت ہیں۔ گرمی سے کبھی قائم نہیں رہ سکتیں، ہمیشہ گرمی سے سوزش دور ہوتی ہے، ورم تحلیل ہو جاتا ہے اور بخار پسینہ آ کر اتر جاتا

ہے۔ جولوگ ان علامات کا سردادویات سے علاج کرتے ہیں یقیناً وہ نہ افعال الاعضاء سے واقف ہیں اور نہ وہ علاج سے آگاہی رکھتے ہیں۔
پس اچھی طرح ذہن نشین کرلیں کہ نزلہ زکام سوزش سے پیدا ہوتا ہے اور سوزش صرف اور صرف حرارت سے دور ہوسکتی ہے۔

جاننا چاہئے کہ نزلہ زکام میں کبھی حرارت کی کمی، اس کی کمی پیدائش سے واقع ہوتی ہے۔ اس وقت عضلات اپنے افعال پورے طور پر انجام نہیں دے رہے ہوتے۔ اعصاب میں تیزی ہوتی ہے، عضلات میں رطوبات کی زیادتی ہوتی ہے۔ اس وقت اخراج حرارت بھی جاری رہتا ہے، عضلات میں سکون کی وجہ سے سردی لگتی ہے اور اُس حالت کو زکام کہا جاتا ہے۔ کبھی حرارت کی کمی اس لئے پیدا ہوتی ہے کہ اُس کی پیدائش سے حرارت کا ربط قائم نہیں رہتا۔ اس وقت عضلات میں تحریک ہوتی ہے، مگر غدد میں سکون ہوتا ہے اور اعصاب تحلیل ہو رہے ہوتے ہیں۔ اسی طرح کبھی حرارت کی کمی اس لئے واقع ہوتی ہے کہ جسم میں ضبط حرارت کے ساتھ تحلیل زیادہ واقع ہوتی ہے یعنی غدد میں تحریک ہوتی ہے اور عضلات میں تحلیل اور اعصاب میں سکون کی وجہ سے اعتدال قائم نہیں رہتا۔ ظاہر میں ایسی صورت میں مریض اپنے جسم میں حرارت زیادہ محسوس کرتا ہے۔ بلکہ بعض وقت چہرہ وجسم پر صفراء کی زردی بھی نمودار ہو جاتی ہے اور معالج بھی اُس زردی سے ایسے ہی دھوکا کھا جاتا ہے جیسے سوزش والے مریض کی جلن سے وہ غلط فہمی میں گرفتار ہو جاتا ہے۔

اُصولِ علاج

اُصولِ علاج یہ ہے کہ اوّل یہ معلوم کریں کہ تحریک وتحلیل اور سکون کس کس مقام پر ہیں۔ اس تشخیص کے بعد جس مقام پر سکون ہو وہاں پر تحریک پیدا کر دیں۔ جب وہاں پر تحریک ہو جائے تو جہاں پر تحریک ہے وہاں پر حرارت آ جائے گی اور وہاں کی تحریک سوزش اور ورم وغیرہ ختم ہو جائیں گے اور جس مقام پر تحلیل یا ضعف ہوگا وہاں پر رطوباتِ جسم گر کر اس میں سکون پیدا کر دیں گی۔ یہی رطوبات ہیں جن کو لمف (بلغم) کہتے ہیں۔ جس کو ہم نے انگریزی لفظ انرجی (قوت) لکھا ہے۔ گویا قانونِ قدرت ہے کہ جہاں پر ضعف پیدا ہوگا (جو کہ حرارت کی زیادتی اور تحلیل سے ہوا کرتا ہے) وہاں پر قدرت فطرۃً قوتِ رطوبت کی صورت میں بھیج دیتی ہے۔ زندگی کی طرح کائنات میں بھی یہی عمل ہوا گرمی اور بارش سے جاری وساری ہے۔ جہاں کہیں گرمی کی شدت زیادہ ہو جاتی ہے وہاں بارش ہو جاتی ہے جس سے زمین اور اس کے موالید ثلاثہ نہ صرف شاداب ہو جاتے ہیں، بلکہ اُن میں نئی زندگی اور نئی قوت پیدا ہو جاتی ہے۔ اس لیے رحمتِ خداوندی کو بھی بارش سے تشبیہ دیتے ہیں۔

اسی طرح کی بارش اور رحمتِ خداوندی، انسانی جسم میں بھی ضعیف حصہ جسم پر ہوتی رہتی ہے۔ مگر اُن کا اعتدال بے حد ضروری ہے۔ جہاں رطوبات بارش، اور رحمت خداوندی حد اعتدال سے زیادہ ہو کر سیلاب کی صورت اختیار کر لے وہ بھی ایک قسم کا عذاب بن جاتا ہے۔ نزلہ زکام بھی اسی قسم کا ایک عذاب ہے، چاہے وہ جسم انسان کے اندر گرے یا باہر خارج ہو۔ اس کا اعتدال حرارت کی پیدائش اور اعتدال سے قائم رہتا ہے اور یہ رطوبت یا نزلہ ضرورت کے مطابق جسم انسان میں رحمت خداوندی بن کر زندگی، جوانی اور صحت کو قائم رکھتا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ نزلہ جو ہر عضو ضعیف گرتا ہے وہ رحمت خداوندی ہے، مصیبت نہیں ہے۔ اگر ہم اس کے غیر اعتدال کو عذاب نہ بنا دیں۔

یہ تو حقیقت ہے کہ ناک وحلق اور انسان کے دیگر مخرج صحت کی حالت میں بھی اپنے اندر سے رطوبات اور فضلات کا اخراج کرتے رہتے ہیں۔ اگر وہ خارج نہ ہو تو وہاں پر سخت خشکی واقع ہو جائے اور یہ بھی تکلیف دہ علامت ہے، اور اگر زیادہ خارج ہوں تو نزلہ

زکام اور دیگر امراض وعلامات پیدا ہو جاتی ہیں۔ پس اُن کا اعتدال ہی معیار صحت ہے، چونکہ امراض کی صورت میں سب سے زیادہ جو علامات پیدا ہوتی ہیں وہ رطوبات کا استفراغ اور احتباس ہے۔ اس لئے نزلہ زکام اور اس کے اصول تمام جسم کی گرنے والی رطوبات کی طرف رہنمائی کر دی گئی ہے۔ تاکہ اس علامت سے انسان پورے طور پر واقف ہو کر رحمت خداوندی سے مستفید ہو سکے۔ اب ہر اہل فن و صاحب عقل اور ارباب حکمت، ماہر لسانیات اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ''نزلہ بر عضو ضعیف می ریزد'' سے مراد کیا ہونی چاہئے۔ آیا مصیبت کے معنوں میں لینا چاہئے یا رحمت خداوندی کے معنوں میں سمجھنا چاہئے؟

بہترین علاج کے سلسلہ میں حکیم بقراط کہتا ہے کہ:

> ''جس طرح علاج میں مفرد دواؤں کا استعمال مرکب دواؤں کی نسبت بہتر ہے اسی طرح دوائی علاج کی نسبت اگرچہ مفرد ہی کیوں نہ ہوں، غذائی علاج کو ترجیح دینی چاہئے اور حفظ صحت کے باب میں بھی اسی اُصول کو مدنظر رکھنا چاہئے''۔

حکیم بقراط کا اُصول علاج ایک قانون کی حیثیت رکھتا ہے، یعنی جس مرض کا علاج اور حفظ صحت اگر صرف غذا سے ہو سکے تو مقدم وافضل اور ضروری ہے۔ لیکن جہاں غذا سے امراض کا ازالہ نہ ہو سکے یا حفظ صحت نہ رہ سکے تو اس وقت ادویات کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔ مگر ادویات میں اوّل مفرد ادویات کو ترجیح دینی چاہئے، پھر قلیل مرکبات اور آخر میں مجربات سے علاج کرنا چاہئے۔ طویل مرکبات اور زہریلی ادویات سے ہمیشہ گریز کرنا چاہئے۔ غذائی علاج چونکہ غذا کے تحت آتا ہے اس لئے اس کا ذکر غذا کے بیان میں علاج کے بعد کریں گے۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ

ہماری تحقیقات ہے کہ نزلہ زکام صرف حرارت کی کمی اور برودت کے بڑھ جانے سے پیدا ہوتا ہے۔ مگر طب یونانی اس کی پیدائش حرارت کی زیادتی اور اس کے بڑھ جانے کو بھی تسلیم کرتی ہے۔ اسی طرح آیورویدک میں نزلہ زکام کف اور پت دونوں سے تسلیم کیا گیا ہے۔ بلکہ بعض بعض جگہ وات سے بھی مانا گیا ہے۔ یہ دونوں اور تینوں صورتوں میں صحیح ہے۔ چونکہ ہماری تحقیق نظریہ مفرد اعضاء کے مطابق ہے اور ہم نے ہر عضو کے فعل کے ساتھ حرارت، برودت اور رطوبت کو مخصوص کر دیا ہے۔ جیسا کہ ہم لکھ چکے ہیں، عضلات حرارت پیدا کرتے ہیں۔ غدد ان کو محفوظ کرتے ہیں اور اعصاب اس کا اخراج کرتے ہیں، اس لیے جب نزلہ عضلات کی سوزش سے ہوگا تو جسم انسان میں حرارت پیدا ہونی شروع ہوگی، اور جب غدد میں سوزش سے ہوگا تو حرارت جسم میں بڑھنی شروع ہوگی، اور انہی دونوں صورتوں میں مریض بھی حرارت کی زیادتی محسوس کرتا ہے۔ غدی صورت میں تو جسم میں صفراء کی زیادتی بلکہ یرقان بھی ہو جاتا ہے۔ جس سے معالج اور مریض دونوں کو یقین ہو جاتا ہے کہ نزلہ حرارت سے پیدا ہو رہا ہے، اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ نزلہ زکام ہمیشہ سوزش سے ہوتے ہیں۔ اور سوزش بذات خود ایک جلن ہے اور باعث حرارت ہے اس لیے یہ غلط فہمی یقین کی حد تک پہنچ جاتی ہے کہ نزلہ گرمی سے بھی پیدا ہوتا ہے۔ زکام بھی سوزش اعصاب سے پیدا ہوتا ہے مگر چونکہ سوزش اعصاب حرارت کو اخراج کرنے والی ہے۔ اس لئے جسم میں گرمی کی بجائے سردی کا احساس شدید ہوتا ہے اور اعصابی سوزش بھی ابتداء میں گرمی کا احساس پیدا نہیں کرتی۔ لیکن جب زکام کا مرض شدت اختیار کر لیتا ہے یعنی سوزش سے بڑھ کر ورم کی صورت پیدا ہو جاتی ہے، تو پھر گرمی اور بخار دونوں چیزیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ یاد رہے کہ ایسی حالت

میں مریض کا بچنا تقریباً ناممکن ہوتا ہے۔

باوجودیکہ ہمیں تجربہ ومشاہدہ اور عقل بتاتی ہے کہ نزلہ گرمی سے بھی پیدا ہوتا ہے۔ مگر حقیقت ان سب کو غلط قرار دیتی ہے کیونکہ جب فطرت کا یہ قانون ہماری راہنمائی کررہا ہے کہ جسم انسان میں ہر قسم کی سوزش اور جلن صرف سردی سے پیدا ہوتی ہے۔ گرمی سے کبھی بھی سوزش (ارٹیشن) جلن پیدا نہیں ہوسکتی اس لیے ہر قسم کا نزلہ زکام ہمیشہ حرارت کی کمی سے پیدا ہوگا۔ البتہ جسم کے احساسات ضرور مختلف ہوں گے، لیکن ہم صرف یونہی تجربہ ومشاہدہ اور عقل کو نہیں جھٹلاتے، بیشک قانون اپنی جگہ صحیح ہے، علم وفن اور حکمت کی تصدیق بغیر دلیل کے نہیں ہوسکتی۔ دلیل خود تجربہ ومشاہدہ اور عقل کو ثبوت کے لیے پیش کرتی ہے، اب یہ صرف اہل علم وصاحب فن کے ذہن اور تدبر کی رفعت اور بلندی ہے کہ وہ حقیقت کو سمجھ لیں ورنہ ہر انسان میں، ہر عمر میں اور ہر مقام، ہر علم وفن میں تجربہ ومشاہدہ اور عقل کام کرتی ہے۔ انسان کس کس کو صحیح کہہ سکتا ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں سے مذہب شروع ہوتا ہے جو صحیح تجربہ ومشاہدہ اور عقل کی تصدیق کرتا ہے۔ اس لئے کہا گیا ہے: اَلْعِلْمُ عِلْمَانِ، عِلْمُ الْاَبْدَانِ وَ عِلْمُ الْاَدْیَانِ؎ یعنی دُنیاوی علوم کی جہاں انتہا ہوتی ہے وہاں پر دینی علم کی ابتداء ہوتی ہے یا دنیاوی علوم کی تصدیق ہمیشہ دینی علم کرتے ہیں۔ اس لئے سطحی تجربہ ومشاہدہ اور عقل پر یقین کرنے سے قبل قانونِ فطرت کا سمجھنا ضروری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم ماڈرن سائنس کی اکثر تحقیقات کو چیلنج کرتے ہیں اور ان کو غلط قرار دیتے ہیں۔

اب ہم دلیل وثبوت پیش کرتے ہیں کہ ہر عضو کی سوزش سردی سے پیدا ہوتی ہے اور سوزش کے بغیر نزلہ زکام پیدا نہیں ہوسکتا۔ جب عضلاتی سوزش بڑھ کر ورم کی صورت اختیار کرلیتی ہے تو ورم اگر پھیپھڑوں میں ہو تو اس کو ذات الریہ (نمونیا) کہتے ہیں جس میں مریض کی بے چینی وپیاس اور بخار وحرارت قابل رحم ہوتی ہے۔ مگر باوجود مریض کی شدید طلب کے سرد اغذیہ واشربہ، سرد مقام بلکہ سرد ہوا سے بھی بچایا جاتا ہے۔

اسی طرح جب یرقان ہوجاتا ہے جس کو انتہائی گرم امراض میں شمار کیا جاتا ہے۔ مگر اس کے علاج میں بھی گرم ادویات دی جاتی ہیں، یرقان غدی سوزش کا نام ہے۔ اسی طرح جب اعصابی سوزش شدید ہوتی ہے تو اس کی علامات میں قے اور اسہال بھی شروع ہوجاتے ہیں بلکہ ہیضہ بھی اس کی ایک علامت ہے جس میں انتہائی کرب وبے چینی اور حرارت وپیاس مریض محسوس کرتا ہے۔ مگر اس کو سرد پانی دینا اس کو موت کے حوالے کرنے کے مترادف ہے۔ ان حقائق سے ثابت ہوا کہ ہر قسم کا نزلہ زکام سوزش سے ہوتا ہے اور سوزش ہمیشہ سردی سے ہوتی ہے جس کی تشریح گزشتہ صفحات میں اچھی طرح کردی گئی ہے۔

ایک اہم نکتہ

ہر قسم کی رطوبات جو اعصابی تحریک یا سوزش کے بعد اخراج پاتی ہیں، چاہے وہ زکام ہو یا لعاب دہن اور اسہال ہوں یا پیشاب کی زیادتی سے۔ ان سب میں بدن سرد ہوجاتا ہے۔ کیونکہ ان میں حرارت کا اخراج عمل میں آتا ہے اور مریض سردی کی شکایت کرتا ہے۔ مگر عضلاتی اور غدی سوزش میں مریض ہمیشہ گرمی کی شکایت کرے گا۔ یہاں تک کہ پیٹ میں نفخ اور ریاح کی شدت ہو پھر بھی گرمی کی شکایت کرتا ہے اور پینے کی سرد اشیاء طلب کرتا ہے۔

ایک دوسرا اہم نکتہ

نزلہ زکام میں جو رطوبت اخراج پاتی ہے وہ دراصل مرض نہیں ہوتی بلکہ شفاء مرض ہوتی ہے۔ کیونکہ طبیعت مدبرہ بدن اس عضو کو

سوزش سے بچانے کے لیے رطوبات بھیج رہی ہوتی ہے۔ اس کا بند کرنا سخت غلطی ہے بلکہ گناہ ہے۔ کیونکہ اس کے بند کرنے سے وہاں پر سوزش میں شدت پیدا ہو جاتی ہے۔ بلکہ وہاں پر رطوبات کو زیادہ کرنے کی کوشش کریں اور جسم کو گرم رکھیں، فوراً سوزش ختم ہو جائے گی۔ اور رطوبات کا گرنا یعنی نزلہ زکام بہت جلد بند ہو جائے گا۔ اس کے برعکس معالجین خصوصاً فرنگی ڈاکٹر فوراً مخدرات اور مخرشات کے استعمال سے نزلہ کو روک دیتے ہیں، اور اسی کو حقیقی علاج مرض خیال کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ نزلہ زکام تو علامت ہے جو یہ ظاہر کرتی ہے کہ کسی مقام پر سوزش ہے اور اس کو رفع ہو جانا چاہئے۔ لیکن اس کا مقصد یہ نہیں ہونا چاہئے کہ اس علامت کو روک دیا جائے اور اصل مرض یعنی سوزش عضو کے علاج کی پروا نہ کرتے ہوئے اس کو نظر انداز کر دیا جائے۔ نزلہ زکام کی رطوبت کو روک دینے سے ہی یہ مرض مزمن ہو جاتا ہے اور مدت تک پیچھا نہیں چھوڑتا۔ اب ہر اہل علم اور صاحبِ فن خود اندازہ لگا سکتا ہے کہ کیا فرنگی ڈاکٹر نزلہ زکام کی حقیقت اور اس کا علاج جانتے ہیں؟ نہیں اور ہرگز نہیں !!!

ایک تیسرا اہم نکتہ

جب تک سوزش قائم رہے رطوبت کو خود بند کرنے کی کوشش نہ کریں یعنی اسی عضو کی تحریک کو بڑھائیں۔ مگر حرارت کو بھی ساتھ ساتھ زیادہ کرتے جائیں۔ جب سوزش ختم ہو جائے تو جس عضو میں سکون ہو اس میں تحریک پیدا کر دیں، بس یہی صحیح و یقینی اور بے خطا علاج ہے۔

علاج بالادویہ

ہر مرض کا جب علاج شروع کیا جائے تو کوشش کی جائے کہ دوا مفرد ہو کیونکہ مفرد دوا کے خواص پر معالج کو اچھی طرح دسترس ہوتی ہے۔ دوسرے مفرد ادویات بھی دراصل کیفیات اور عناصر سے مرکب ہیں۔ تیسرے دوا مفرد سے اگر کوئی نقصان پیدا ہو جائے تو فوراً اس کو تریاق دے کر اُس کے نقصان رساں اثرات کو دور کیا جا سکتا ہے۔

جب مفرد دوا سے کام نہ چلے تو مرکبات استعمال کرنے چاہئیں لیکن ان میں یہ تاکید ہونی چاہئے کہ ① مرکبات دو تین حد چار ادویات سے زیادہ نہ ہونے چاہئیں۔ ② مرکبات وقتی طور پر خود ترتیب نہ دینے چاہئیں بلکہ مجربات ہونے چاہئیں۔ ③ اگر خود ترتیب دینا ضروری ہے تو اُن کے ردّعمل اور ثانوی مزاج کا علم ہونا چاہئے۔ اسی مقصد کے لئے متقدمین اور متاخرین ماہرین اور اہل فن نے قرابادین (فارماکوپیا) تیار کئے ہیں۔

بعض نسخے ایسے دیکھے گئے ہیں جن میں بیس بیس اور تیس چالیس تک ادویات شامل ہوتی ہیں۔ یقیناً ان میں اکثر متضاد ہوتی ہیں ہم نہیں کہہ سکتے کہ ان کے اثر پر وہ کیسے قابو پا لیتے ہیں۔ ایک صاحب نے مجھے بتایا کہ انہوں نے ایک حکیم کو دیکھا کہ وہ ایک چورن بنا رہا ہے جس میں اکیاسی ادویات ہیں، اور اس کا دعویٰ تھا کہ یہ چورن اکیاسی امراض کے لیے مفید ہے۔ یہ تو ایک عام بات ہے کہ ماءاللحم میں ایک سو ایک ادویات ڈالی جاتی ہیں۔ بہرحال یہ اور ایسی باتیں ہی ہیں جن سے فن طب بدنام ہوا ہے اور ہو رہا ہے یہ حقیقت ہے کہ بڑے سے بڑے فاضل بزرگ معالج کو دیکھا ہے کہ صحیح نسخہ نہیں لکھ سکتا، بلکہ صحیح نسخہ پرکھ نہیں سکتا۔ اگر کبھی کسی سے سوال کر دیا جائے کہ یہ ادویات جو نسخہ میں شامل کی گئی ہیں، اُن کا ذاتی تعلق کیا ہے اور ان کا ردّعمل کیا ہے اور اُن کا نیا مزاج کیا تیار ہو گیا ہے تو اس کا جواب ان کے پاس نہیں ہوتا۔ ان اہم باتوں کو سامنے رکھتے ہوئے نزلہ زکام کے لیے ادویات تجویز کرنا چاہئیں۔

تجویز ادویات

① ادویات تجویز کرنے سے پہلے پھر یقین کرلیں کہ زکام ہے یا نزلہ، اور نزلہ بہہ رہا ہے یا بند ہے۔ اگر زکام ہے تو اعصابی ہے، اگر نزلہ ہے اور بہہ رہا ہے تو غدی ہے اور اگر نزلہ بند ہے تو عضلاتی ہے۔ ان کی علامات لکھ دی گئی ہیں۔

② جب صحیح تشخیص ہو جائے تو ایسی مفرد ادویات کو ذہن کے سامنے لائیں جو مولد حرارت ہوں پھر یہ دیکھیں کہ اُن میں ان اعضاء کی مناسبت سے کون کون سی ادویات ہیں۔

③ پھر ان میں طاقت کی کمی بیشی کو سامنے رکھ کر انتخاب کرلیں۔ یعنی صرف محرک عضو چاہئے کہ ملین ومسہل وغیرہ وغیرہ ان کے علاوہ، مقوی، تریاق اور اکسیر بھی ہو سکتی ہیں۔ کم از کم اوّل تین صورتیں ضرور ذہن میں حاضر رکھیں۔

ایک اہم نکتہ: مبردات ومسکنات اور مخدرات کے استعمال سے ہمیشہ گریز کریں، ان سے بڑھاپا پیدا ہوتا ہے۔

ایک دوسرا نکتہ: سرد خشک ادویات اگر مبردات میں شریک ہیں مثلاً کشتہ جات، یہ سب محرک عضلات ہیں اور ان سے حرارت پیدا ہوتی ہے۔ یہ کشتہ جات سرد ادویات کے کیوں نہ ہوں، مولد حرارت ہیں۔ اسی طرح جن ادویات کو بریان کیا جاتا ہے، ان میں بھی حرارت پیدا ہو جاتی ہے اور بہت حد تک برودت ختم ہو جاتی ہے۔ اسی طرح سرد ادویات کو بوقت ضرورت گرم کرلیا جائے تو بھی ان میں اعتدال اور ہلکی حرارت پیدا ہو جاتی ہے، جیسے پانی۔

تیسرا اہم نکتہ: جو ادویات سطح جلد یا غشاء مخاطی میں چکناہٹ پیدا کرتی ہیں وہ بھی گرم یا معتدل ہوتی ہیں جن میں خاص طور پر یہ شریک ہیں مثلاً بہدانہ، تخم خطمی، تخم خبازی وغیرہ۔

چوتھا اہم نکتہ: ہر قسم کے ملینات، مسہلات، مقوی، مسمن بدن، مشتی معدی، مفتح، معرقات، محلل، مفجر اورام اور دافع تعفن وغیرہ سب گرم ہیں۔

نوٹ: ذیل میں چند اہم مفرد ادویات دی جا رہی ہیں جو نزلہ زکام میں مفید ہیں۔ یہ فہرست صرف نمونہ کے طور پر ہے ورنہ ان میں سینکڑوں ادویات کا اضافہ کیا جا سکتا ہے۔ مگر طوالت کے لیے نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ اس فہرست کو ہم نے بالمفرد اعضاء نہیں لکھا، صرف صاحب علم اور اہل فن پر چھوڑ دیا ہے کہ وہ خود تلاش کریں اور اُن میں جذبۂ تحقیق اور تجسس پیدا ہو۔ البتہ ہم نے مجربات میں انہی ادویات میں سے اکثر کو بالمفرد اعضاء لکھ دیا ہے، اس سے تحقیق وتجسس میں بے حد مدد ملے گی۔ ویسے کوئی ضرورت مند صاحب اگر چاہیں تو دریافت کر سکتے ہیں۔

مُسَخِّن: بدنی حرارت میں اضافہ کرنے والی، یہاں اس سے ساری گرم دوائیں مراد نہیں ہیں۔ بلکہ صرف چند دوائیں لکھی جاتی ہیں، جن سے عام بدنی حرارت میں اضافہ ہو جاتا ہے۔

مشک، عنبر، اگر، پیاز، شراب، جند بید ستر، خولنجان، پپلا مول، عاقر قرحا، پپیتہ، چائے، پان، سنبل الطیب، شکر، کچلہ، بلادر، فلفل، زراوند، گڑ، جواہر مہرہ، جاوتری، پیپل، لہسن، شہد۔

مُملّسات: مُملِّس (چکنا کرنے والی) مملسات وہ دوائیں جن سے سطح جلد یا غشاء مخاطی میں چکناہٹ پیدا ہو جاتی ہے۔ تخم خبازی، روغن بادام، تخم کنوچہ، انجیر، جو مقشر، تخم خطمی، روغن کنجد، تخم بارتنگ، سپستان، ماء الشعیر، ریشہ خطمی، چربی، تخم بالنگو، اصل السوس، نشاستہ، برگ

گاؤزبان، تیل، کتیرا، ہلام (سریش) ببلگری، بہدانہ، تخم کتاں، ضمغ عربی، کلے و پائے، روغن زیتون، اسپغول، آلو بخارا، شہد مصفّی، روغن گل، تخم ریحاں، عناب، قند سفید۔

دافع تعفن: (عفونت کو دور کرنے والی دوا)۔ وہ دوا ہے جو مواد تعفن کی ترکیب کو بدل کر یا کسی اور طرح رکاوٹ پیدا کر کے عمل تعفن کو بند کر دیتی ہے۔

پارہ، کوئلہ، رال، روغن سرد، اجوائن دیسی، رسکپور، تیزاب شورہ، گندھک، روغن دارچینی، کاپھل، زنگار، تیزاب نمک، زفت، صعتر فارسی، خزامی، دارچکنا، ہینگ، نفت، قرنفل، مرکی، طوطیا، ست پودینہ، بورق، دارچینی، بہروزہ، جاوتری، بلسان، نیم، ست اجوائن، تیزپات، روغن قرنفل، پودینہ۔ [از کلیات الادویہ]

مرکبات: مرکبات میں بھی بالمفرد اعضاء کی تخصیص نہیں کی گئی تاکہ اہل ذوق بوقت ضرورت خود تجویز کرنے کی کوشش کریں۔ لعوق خیار شنبر، لعوق سپستان، لعوق معتدل، سفوف مغزیات، روغنیات، سفوف بنفشہ، شربت بنفشہ و شربت شہد، حب بنفشہ، خمیرہ بنفشہ، حب ایارج، اطریفلات و خمیرہ جات، حب اذاراقی، معجون اذاراقی، حریرہ جات، حلوے۔

مجربات: مجربات کے استعمال میں اس امر کو مدِ نظر رکھا گیا ہے کہ وہ بالمفرد اعضاء لکھے جائیں تاکہ عوام بھی مستفید ہوسکیں۔

زکام: زکام چونکہ اعصابی تحریک ہے اس میں عضلات کے اندر تسکین ہوتی ہے۔ اس لئے محرک عضلات ادویات ہونی چاہئیں۔ اس مقصد کے لئے قہوہ، عناب، انجیر، کلونجی، پھٹکڑی سوختہ، ہلیلہ بریان، آملہ اور ہر قسم کے اطریفلات اور کشتہ جات خاص طور پر عقیق، مرجان اور سنکھ بے حد مفید ہیں۔ اگر یہ مرض شدت اختیار کر لے تو اس میں گندھک، شنگرف، پارہ، سنکھیا اور کچلہ وغیرہ اور ان کے مرکبات استعمال کر سکتے ہیں۔ فوری اور روزانہ استعمال کے لئے ہلیلہ سیاہ بریاں، گندھک ہم وزن سفوف تیار کر لیں۔ خوراک ۲ رتی سے ۲ ماشہ تک ہمراہ نیم گرم پانی استعمال کرائیں۔

نزلہ: نزلہ چونکہ ہمیشہ غدی ہوتا ہے اس میں اعصاب کے اندر تسکین ہوتی ہے۔ اس لئے اس میں محرک اعصاب ادویہ استعمال کرنی چاہئیں۔ بہدانہ، تخم خطمی خبازی، الائچی، بنفشہ اور اس کے تمام مرکبات خصوصاً خمیرہ بنفشہ، مغزیات اور ان کے ہر قسم کے مرکبات خصوصاً خمیرہ جات اور گرمیوں میں شیرہ جات مگر ہمیشہ نیم گرم ہونے چاہیں۔ اسی طرح ہر قسم کے خمیرہ جات خصوصاً خمیرہ گاؤزبان، لعوقات خصوصاً لعوق سپستان، ہر قسم کی گوندیں، ملٹھی اور ست ملٹھی، سردیوں میں خالص شہد، گرمیوں میں نیم گرم شربت شہد، شورہ قلمی سوختہ، سہاگہ سوختہ، زیرہ سیاہ اگر مرض شدید ہو گیا ہو تو کنیر، عشر اور ریٹھہ وغیرہ کے مرکبات بھی استعمال کر سکتے ہیں۔ اگر مرض مزمن (پرانا) ہو گیا ہو، اُن کے ساتھ گندھک، سقمونیا اور عصارہ ریوند بھی استعمال کرا سکتے ہیں۔ روزانہ اور فوری استعمال کے لئے سہاگہ 2 حصے، ملٹھی 3 حصے، گندھک 3 حصے سفوف تیار کر لیں۔ خوراک ایک ماشہ تک ہر تین گھنٹے بعد ہمراہ آبِ نیم گرم دیں۔ جاننا چاہئے کہ نزلہ وبائی عام طور پر غدی ہوتا ہے۔

نزلہ بند: نزلہ بند چونکہ عضلاتی ہوتا ہے اس لئے اس میں غدد میں تسکین ہوتی ہے۔ اس لئے محرک غدد ادویات دینی چاہئیں، اس مقصد کے لئے نمک خوردنی اور دیگر ہر قسم کے نمکیات، زنجبیل، فلفل سیاہ، دارچینی، خولنجان، عاقرقرحا، لونگ، مصبر، نوشادر، تیزپات، رائی، اجوائن دیسی، گرم مصالحہ جات اور ہر قسم کی جوارشات اگر مرض مزمن ہو تو جلاپہ، دند، گندھک اور کچلی بھی استعمال کر سکتے ہیں، اور روزانہ استعمال کے لیے ذیل کا نسخہ تیار کر لیں۔

نوشادر 2 حصے، اجوائن 3 حصے، گندھک 3 حصے، سفوف تیار کر لیں۔ خوراک 2 رتی تا 2 ماشہ تک۔

نوٹ: ہر قسم کے عرق وشربت اور جوشاندے وخیساندے وغیرہ جو نزلہ زکام کے لیے مفید ہیں، استعمال کئے جا سکتے ہیں مگر اس میں یہ شرط ضرور ہے کہ وہ بالقوی یا بالفعل گرم ہونے چاہئیں۔ ان کی سردی سے ہمیشہ بچنا چاہئے ورنہ مفید ادویات بھی مضر اثرات پیدا کردیں گی جس کا نتیجہ اکثر ایسا نکلتا ہے کہ تسکین کے مقام پر جو رطوبات ہوتی ہیں وہ منجمد ہو جاتی ہیں یا ان میں تعفن پیدا ہو کر زہر بن جاتے ہیں۔ دونوں صورتوں میں موت یا بڑھاپا کے قریب مریض پہنچ جاتا ہے۔ یہ یاد رکھیں جوانی اور بڑھاپے کا فرق صرف بلغم کی کسی عضو میں زیادتی ہے۔ جس سے اعضاء میں انتہائی سکون پیدا ہو جاتا ہے۔

نزلہ زکام کے علاج میں غذا کی اہمیت

کیمیاوی ادویات ومجربات، مفردات ومرکبات اور جڑی بوٹیوں کے متعلق یہ یقین کر لینا کہ وہ امراض کی ہر حالت کے لئے اکسیر وتریاق اور یقینی وبے خطا اثرات شفا اپنے اندر رکھتی ہیں۔ یہ تصور ایک جاہل عطائی کا ہوسکتا ہے۔ مگر ایک حکیم اس خیال پر کبھی یقین نہیں کر سکتا۔ اہل علم وصاحب فن حکماء اور اطباء کا اس امر پر اتفاق ہے کہ ہمیشہ مریض کا علاج ہوسکتا ہے مگر کسی مرض کا علاج ناممکن ہے، کیونکہ ہر شخص کا مزاج، مرض کا مزاج، عمر کا مزاج، موسم کا مزاج، ملک کا مزاج، آب وہوا کے تغیرات ہمیشہ مختلف رہتے ہیں۔ اس لئے ہر مرض کی مختلف مدارج، مختلف امزجہ میں اور علامات میں ایک ہی دوا کیسے مفید ہوسکتی ہے۔ ایسا عطایانہ علاج فرنگی طب میں پایا جاتا ہے۔ کیونکہ وہ اَن سائنٹفک اور غلط طریق علاج ہے۔ ہر قسم کے دردِ سر میں چاہے پٹھوں کی خرابی سے ہو، چاہے جگر کی تکلیف سے ہو یا دِل کے افعال کے نقص سے پایا جائے، وہ صرف اسپرین دیں گے۔ اسی طرح ملیریا میں اسہال ہوں یا قبض، قے ہو یا ادرار، پیٹ میں درد ہو یا دردِ دِل وہ بہر حال اس مریض کو کونین (Quinine) تجویز کردیں گے یا کوئی زیادہ قابل فرنگی معالج باقی علامات کے لئے کوئی اور دوا تجویز کر دے گا، وغیرہ وغیرہ، مگر کونین (Quinine) اور اس کی کوئی قسم لازمی ہوگی۔ اس عطایانہ علاج کے ساتھ ہی فرنگی طب مسئلہ غذا پر بالکل خاموش ہے، ہر قسم کے گرم سرد مشروبات اور اغذیہ پر کوئی پابندی نہیں ہے۔

فرنگی طب (ڈاکٹری) نے اطباء اور عوام کے ذہنوں پر جہاں یہ اثر ڈالا ہے کہ فرنگی ادویات ہر مرض کے لیے سالہا سال کی سائنسی تحقیق اور تدقیق (ریسرچ وانلسس) کے بعد بنائی جاتی ہے، اس لئے ہر مرض کی حالت میں مفید ہیں، وہاں پر یہ غلط صورت بھی پیدا کردی ہے کہ مریض کے لئے کسی خاص قسم کی غذائی تخصیص نہیں ہے گویا دوا اپنے اندر پورے پورے شفائی اثرات رکھتی ہے۔ مگر جب ادویات استعمال کی جاتی ہیں تو نتیجہ صفر کے برابر نکلتا ہے۔ البتہ مخدر اور مُسکّن ادویات اور ان کے ٹیکے مریضوں کو بے ہوش ضرور کردیتے ہیں یا میٹھی نیند سلا دیتے ہیں۔ اکثر تو ہمیشہ کے لئے ہی سلا دیتے ہیں ورنہ جہاں تک مریض کے علاج کا تعلق ہے فرنگی طب بالکل ناکام ہے۔

لیکن اس تقلید کا کیا کیا جائے جو ہمارے حکماء اور اطباء نے نہیں بلکہ عطار اور عطائی قسم کے معالج کر رہے ہیں۔ جن کا مقصد سستی شہرت، ناجائز دولت کمانا اور ملک وفن کے ساتھ غداری ہے۔ ایسے لوگ طب یونانی کا صحیح اور مکمل علم نہیں رکھتے۔ انہوں نے فرنگی طب کی نہ سند حاصل کی ہے اور نہ باقاعدہ تعلیم کا موقعہ ملا ہے لیکن علاج کے لئے شب وروز فرنگی ادویات استعمال کرتے ہیں۔ انجکشن لگاتے ہیں اور عوام پر یہ ثابت کرتے ہیں کہ وہ ڈاکٹر اور حکیم دونوں سے اچھے ہیں۔ دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ وہ انگریزی ادویات کو دیسی ادویات سے ملا کر ان کا نقصان دور کر دیتے ہیں اور یونانی دوا کی طاقت تیز کر دیتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ سب سے زیادہ یہ لوگ عوام اور مریضوں کے نقصان کے ساتھ ساتھ فن طب اور یونانی ادویات کے لئے بدنامی کا باعث بنے ہیں۔ مجھے ایک دو نہیں سینکڑوں ایسے عطائیوں اور عطاروں

سے ملنے کا اتفاق ہوا ہے، جو فن طب تو رہا ایک طرف، کسی معمولی مرض کی ماہیت اور بادیان جیسی روزمرہ استعمال کی دوا کے خواص تک نہیں جانتے اور باتیں کرتے ہیں پنسلین، سلفا ڈرگ اور اینٹی بائیوٹک ادویات کی۔

ان کو نہ نفخ کا پتہ ہے نہ اسہال کی ضرورت کا، نہ پسینہ اور ادرار کے اوقات کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ ان کی بلا جانے مسہل وملین میں کیا فرق ہے۔ ان کے لئے اتنا ہی کافی ہے فلاں دوا پانمانہ لاتی ہے، فلاں شے سے پیشاب آ جاتا ہے اور فلاں شے دینے سے پسینہ آ جاتا ہے یا زیادہ دِل کو طاقت دینے کے لئے چند دوائیں ذہن میں حاضر ہیں مگر (ڈیجی ٹیلس) سپرٹ ایمونیا ارومیٹک اور ایڈرنالین کا فرق نہیں جانتے لیکن وہ کامیاب معالج کہلاتے ہیں اور امراض کے علاج میں بڑھ چڑھ کر شفا کے دعوے کرتے ہیں اور جب وقت آتا ہے تو بغلیں جھانکتے ہیں۔

فرنگی طب کی اندھی تقلید نے ملک میں ایسا گروہ پیدا کر دیا ہے جو حکیم ہے اور نہ طبیب، مگر طب کے لئے بے حد بدنامی کا باعث بنا ہوا ہے ایسا گروہ کبھی ہومیو پیتھک ادویات کا سہارا لیتا ہے اور کبھی طب یونانی کی سندات خریدتا ہے اور اپنی دوا فروشی جاری رکھتا ہے۔ ایسے ہی لوگ ہیں جنہوں نے مسئلہ غذا کی اہمیت کو ختم کر دیا ہے۔ اوّل تو اس قسم کے معالج خواص الاغذیہ ضرورت اغذیہ اور طریق استعمال اغذیہ سے واقف نہیں ہوتے۔ دوسرے فرنگی طب کی تقلید میں ہر غذا کھانے کی اجازت دیتے ہیں یا زیادہ سے زیادہ یہ کہہ دیتے ہیں کہ غذا ثقیل نہیں ہونی چاہئے۔

شوربا پھلکا اچھی غذا ہے۔ ہاں کھچڑی بھی کھا سکتے ہیں۔ اگر دِل کرتا ہے تو دودھ پی لیں، چائے بھی نقصان نہیں دے گی۔ خیر پھل کا تو کوئی نقصان نہیں ہے۔ البتہ مٹھائی بہت کم کھائیں۔ ہاں بادی چیز اور کھٹا و تیل کے نزدیک نہ جائیں۔ اگر برف کا شوق کرتے ہیں تو ذرا استعمال کر لیں، وغیرہ وغیرہ۔

ان معالج حضرات سے کوئی پوچھے کہ ثقیل اور لطیف غذا کا کیا فرق ہے۔ کون کون سی اغذیہ ثقیل ہیں اور کون کون سی زود ہضم وغیرہ۔ ایک ہی مریض کو گرم اغذیہ بھی اور سرد اغذیہ بھی، روٹی بھی چاول، برف اور پھل بھی اور چائے بھی۔ آخر غذا شے کیا ہے؟ تندرست اور مریض کی غذا میں کچھ نہ کچھ تو فرق ہونا چاہئے۔ اگر مریض کوئی فرق نہیں کرنا چاہتا تو پھر وہ مریض نہیں ہے۔ اگر معالج فرق نہیں جانتا تو معالج نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اچھے اور برے معالج کا اندازہ غذا، پرہیز بتانے پر چل جاتا ہے۔ جو معالج روزانہ استعمال کی اشیاء مثلاً نمک، مرچ، ہلدی، گرم مصالحہ، گوشت، سبزیاں، دالیں، غلے، دودھ، چائے اور ان سے بنی ہوئی اشیاء، پھل، میوہ جات اور پان، تمباکو وغیرہ وغیرہ کے اثرات سے پوری طرح آگاہ نہیں ہے وہ علاج میں ان کو کیسے استعمال کر سکتا ہے۔ اگر اتفاقاً ایک اچھی دوا بھی تجویز کر دی تو غذا کی خرابی سے بجائے آرام ہونے کے مریض کو نقصان ہو جانے کا اندیشہ غالب ہے۔

غذا کے متعلق جاننا چاہئے کہ مریض کے لئے نہ کوئی لطیف غذا اور زود ہضم غذا ہے اور نہ کوئی ثقیل اور دیر ہضم نہ کوئی غذا مقوی ہے اور نہ غیر مقوی۔ اسی طرح نہ کوئی غذا مولد خون اور نہ ہی پیدائش خون کو روکنے والی ہے بلکہ اصل غذا وہ ہے جس کی مریض کے جسم کو ضرورت ہے۔ وہی غذا اس کے لئے زود ہضم و مقوی اور مولد خون ہوگی۔ ضرورت غذا پر مریض کے اعضاء کے افعال کی خرابی اور خون کے کیمیاوی نقص سے پتہ چلتا ہے۔ اگر مریض کے لئے صحیح غذا تجویز کر دی جائے تو ان شاء اللہ تعالیٰ مریض کو بغیر دوا آرام ہو جائے گا۔ جسم انسان پر پچاس فیصدی غذا کا اثر ہے۔ دوا کا اثر صرف پچیس فیصدی ہے اور پچیس فیصدی مریض کے ماحول کو درست اور مزاج کو مطمئن رکھنا ہے تاکہ قوت مدبرہ بدن بیدار رہے اور مریض کی طبیعت صحت کی طرف دوڑتی رہے۔

مریض کی غذا تجویز کرنے کے لئے ہمیشہ تین باتوں کا خیال رکھنا ہے: (۱) تخمیر غذا (۲) ضرورت غذا اور (۳) مناسب غذا۔

خمیر غذا کی صورت یہ ہوتی ہے کہ مریض کے شکم میں جو غذا موجود ہے اس میں خمیر پیدا ہو چکا ہے۔ اکثر یہی خمیر فساد خون تک پہنچ چکا ہوتا ہے بلکہ بعض وقت زہر کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ مثلاً ہم روزانہ زندگی میں دیکھتے ہیں کہ آج کا تازہ دودھ کل باسی ہو جاتا ہے۔ دوسرے روز اس میں کھٹاس پیدا ہو جاتا ہے۔ تیسرے روز اس میں تعفن پیدا ہو جاتا ہے۔ چوتھے روز اس میں کیڑے ظاہر ہو جاتے ہیں اور پانچویں روز وہ اس قدر خراب ہو جاتا ہے گویا زہر کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ بس تقریباً یہی حالت پیٹ کے اندر غذا میں خمیر ہونے سے پیدا ہو جاتی ہے۔ ایسی صورت میں جب تک پیٹ کا خمیر ختم نہ ہو علاج میں صحت کی کیا اُمید ہو سکتی ہے اور ادویہ و اغذیہ کیسے مفید ہو سکتی ہیں۔ اگر غذا دی گئی تو اس کا نتیجہ ایسا ہو گا جیسے متعفن دودھ میں عمدہ دودھ ملا کر اس کو ضائع کر دیا جائے اور پھر اس سے اچھے اثرات کی اُمید رکھی جائے۔ اسی طرح خمیرہ آٹا کے ساتھ جب بھی دوسرا آٹا ملا کر گوندھا جائے گا یقیناً وہ بھی خمیر ہو جائے گا۔ جب تک خمیر کو ختم نہیں کیا جائے گا۔ بالکل یہی صورت پیٹ میں غذا کھانے کے بعد پیدا ہو جاتی ہے۔ اس طرح اس خمیر میں نہ صرف ہر قسم کی غذا خراب ہو جاتی ہے بلکہ ادویات بھی ضائع ہو جاتی ہیں۔ مریض گھبرا جاتا ہے اور سمجھتا ہے کہ علاج اور ادویات سے اس کو نقصان اور خطرہ پیدا ہوا ہے اور معالج حیران ہوتا ہے کہ ایسا اکسیر تریاق اور بے خطا و یقینی مجرب نسخہ استعمال کرنے سے ایسے خطرناک حالات کیوں پیدا ہو گئے ہیں۔ یقیناً نتیجہ مفید نہیں ہے بلکہ اس میں یہ خرابیاں ہیں لیکن اصل بات سے وہ واقف نہیں ہوتا کہ مریض کے پیٹ میں جو خمیر تھا اس میں تیزی پیدا ہو گئی ہے جس سے یہ خطرات پیدا ہو گئے ہیں۔

اسی خمیر سے پیٹ میں تیزابیت پیدا ہوتی ہے۔ جس کو انگریز ایسڈیٹی کہتے ہیں۔ یہی جب خون میں شامل ہوتی ہے تو مختلف مقامات خصوصاً گردوں اور غشائے مخاطی پر اثر انداز ہو کر بہت سے خوفناک امراض پیدا کرتی ہے۔ بہرحال خمیر میں جوں جوں شدت پیدا ہوتی جاتی ہے، خون میں زہر پیدا ہو جاتا ہے یہاں تک کہ ہلاکت تک پہنچا دیتا ہے۔ اس لئے علاج، غذا اور دوا استعمال کرنے سے قبل خمیر غذا کو ختم کر لینا نہایت ضروری ہے۔

ضرورت غذا

ضرورتِ غذا میں مریض کو غذا کھانے کی صحیح خواہش ہے جس کی بہترین علامت بھوک ہے۔ گویا بھوک کے بغیر غذا کھانے کی خواہش صحیح نہیں ہے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ کھانے کا وقت ہے اور کھانے کی خواہش پیدا ہو گئی ہے یا کھانے کی شکل دیکھی ہے۔ اس کی رنگ برنگی صورت و خوشبو اور انواع و اقسام دیکھ کر دل میں شوق لذت پیدا ہو گیا یا ڈیوٹی پر جاتے ہوئے خیال آیا کہ کھانا کھا لیا جائے۔ پھر گرم گرم کھانا نہیں ملے گا یا کسی دوست اور عزیز نے مجبور کر دیا اور بغیر ضرورت کے کھانا کھا لیا، وغیرہ وغیرہ۔ ان تمام حالات میں ضرورت غذا نہیں تھی۔ ضرورت غذا صحیح خواہش غذا ہے جس کو بھوک کہتے ہیں۔ بھوک بالکل وہی صورت ہے جو روزہ کھولنے سے تھوڑی دیر پہلے محسوس ہوتی ہے جس کی علامات یہ ہیں؛ بدن گرم ہو جاتا ہے خاص طور پر چہرہ کان کی لو تک گرم ہو جاتا ہے۔ دل میں مسرت و فرحت اور لذت کا احساس ہوتا ہے۔ اس کے برعکس جب بھوک میں جسم ٹھنڈا ہو جائے یا دل ڈوبنا شروع ہو جائے تو یہ بھوک نہیں ہے بلکہ مرض ہے۔ اس کا علاج ہونا چاہئے اس کا فوری علاج شہد پینا یا شہد کا شربت پینا، ہلکی چائے پینا یا کوئی حسب خواہش پھل کھا لینا ہے۔ غذا خصوصاً نشاستہ دار غذا کے قریب تک نہیں جانا چاہئے ایسا کرنا گویا خطرناک امراض کو دعوت دینا ہے۔

سال میں ایک مہینہ بھر بھوک کے احساس کی تربیت دی جاتی ہے مگر عید کے دوسرے روز ہم بالکل بھوک کا خیال تک بھول جاتے ہیں۔ روزوں میں مہینہ بھر کے ثواب کا تصور تو رکھتے ہیں، لیکن ایک مہینہ میں جو ہم کو تقریباً سولہ گھنٹے کی بھوک اور پیاس کا حقیقی تجربہ ہوتا ہے اس کو یقیناً بھلا دیتے ہیں، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وقت بے وقت اور جگہ بے جگہ کھا پی کر امراض مول لے لیتے ہیں۔ افسوس تو یہ ہے کہ ہم خود ہی قوانین فطرت کی مخالفت کرتے ہیں اور بغیر ضرورت کھاتے ہیں اور جب قوانین فطرت کی بغاوت کے بعد بیماری کی شکل میں ہم کو سزا ملتی ہے تو روتے ہیں، واویلا کرتے ہیں اور پریشان ہوتے ہیں۔ جن لوگوں کی توندیں بڑھ گئی ہیں، کیا یہ یقین کیا جا سکتا ہے ایسے لوگ غذا ضرورت کے مطابق کھاتے ہیں؟ کیا یہ لوگ مریض نہیں ہیں؟ خداوند کریم لالچ کی بھوک سے محفوظ رکھے۔

استعمال غذا

غذا کے استعمال میں کسی خاص علم کی ضرورت نہیں ہے۔ جیسا کہ فرنگی طب نے اپنے تجارتی مقصد کے تحت چکر چلا دیا ہے کہ غذا میں اتنی پروٹین (اجزاء لحمیہ) اس قدر کاربوہائیڈریٹ (اجزائے نشاستہ) اس مقدار میں فیٹس (روغنی اجزاء) ہو اور اس میں حیاتین کا ہونا ضروری ہے، جس کے لئے خاص طور پر کچی سبزیاں کھائی جائیں وغیرہ وغیرہ۔ جب ایک آدمی اس میں پھنس جاتا ہے تو بازار میں وٹامن اور دیگر اغذیہ کی گولیاں، مکسچر اور انجکشن بھی ملتے ہیں تا کہ فرنگی کی تجارت میں روز بروز اضافہ ہو (اس پر ہم نے ایک الگ مضمون لکھا ہے۔) امریکہ والوں سے آلو کے سلسلہ میں بحث چل نکلی تھی۔ خداوند کریم کی مہربانی سے ان کا منہ بند کر دیا ہے۔ ان کو چیلنج کیا ہے کہ تمام امریکہ میں کوئی بھی غذا کے سلسلہ میں انتہائی قابل ہو مقابلہ پر لایا جائے ہم تسلی وتشفی کے لئے تیار ہیں۔

غذا کے استعمال میں صرف یہ باتیں یاد رکھیں:

① شدید بھوک ہو، جس کی علامات لکھ دی ہیں اور اس کا ایک جذبہ یہ بھی ظاہر ہو کہ وہ کتنا ہی کھا جائے گا۔ ذرا جس چیز کو دل چاہے کھائے، یعنی ذائقہ اور کیفیت (گرم وسرد، تر وخشک) اگر غذا حسب ذائقہ اور کیفیت ہو تو بہتر ہے ورنہ غذا میں مقوی اور قیمتی غذا کا تصور ضروری نہیں ہے۔

② غذا ہمیشہ اس وقت کھائی جائے جب زیادہ کھانے کا تصور ہو مگر خوب کھانے کے بعد کچھ حصہ بھوک باقی ہو تو غذا کو چھوڑ دیں تا کہ غذا پیٹ میں پھول کر تمام معدہ کو قابو میں نہ کر لے اور معدہ اپنی حرکات کو چھوڑ بیٹھے اور غذا معدہ میں کچی رہ جائے یا قے اور اسہال کی صورت پیدا ہو کر ہیضہ نہ ہو جائے۔ گویا غذا زیادہ سے زیادہ کھانے کے بعد کچھ حصہ بھوک کا ابھی باقی ہو تو غذا سے ہاتھ کھینچ لینا چاہئے۔

ہمیشہ یہ خیال رکھیں تھوڑا کھانا گناہ ہے اور پیٹ بھر کے کھانا بھی عذاب ہے۔ غذا کھانے کی صورت، ان کے درمیان ہونی چاہئے۔ البتہ یہ معالج کا کام ہے کہ وہ بتلائے کہ کسی مرض میں کیا غذا ہونی چاہئے چونکہ جگر کے لئے غذا الگ ہونی چاہئے اور دماغ کی ضروریات جدا ہیں۔ اسی طرح دل کے لئے جن چیزوں کی ضرورت ہے وہ الگ ہیں۔ غرض ہر معالج کا فرض ہے کہ اعضاء رئیسہ کی مناسبت سے مریض کے لئے غذا تجویز کرے تا کہ غذا بھی دوا کے لئے معاون بن جائے۔

نزلہ زکام میں ذیل کے قوانین کو مدنظر رکھنا چاہئے۔

(۱) فاقہ

یہ مسلمہ امر ہے کہ نزلہ زکام میں اعضاء غذائیہ اس حد تک خراب ہو جاتے ہیں کہ عوام بھی اس حقیقت سے آگاہ ہیں اور فوراً ہر شخص کو فاقہ کی تلقین کرتے ہیں اور یہ صحیح بھی ہے کہ جب فاقہ کیا جاتا ہے تو نزلہ زکام رفع ہو جاتے ہیں۔ اس کی حقیقت واضح ہے کہ ہضم اس وقت خراب ہوتا ہے جب اُس میں قوتِ حرارت جو غذا کو تحلیل کرتی ہے، ختم ہو جاتی ہے۔ کبھی معدہ وامعاء کے عضلات میں نقص واقع ہو جاتا ہے، کبھی اُن کے غدد اپنے افعال صحیح انجام نہیں دیتے اور کبھی اعصاب میں احساسات کی خرابی واقع ہو جاتی ہے۔ لیکن جب فاقہ کیا جاتا ہے تو قدرتی طور پر جسم میں حرارت پیدا ہو جاتی ہے اور نزلہ زکام رفع ہو جاتا ہے۔ فاقہ میں ایک خاص بات یہ ہے کہ ہم غذا تو جسم میں داخل نہیں کرتے مگر اندرونی اعضاء اپنے افعال کم وبیش جاری رکھتے ہیں۔ اس سے ایک طرف حرارت کا اخراج رُک جاتا ہے اور محفوظ ہونی شروع ہو جاتی ہے اور دوسری طرف اندرونی مواد اور فضلات کا اخراج ہو جاتا ہے۔ اس لئے فاقہ بے حد مفید ثابت ہوتا ہے۔ لہٰذا نزلہ زکام میں فاقہ ضرور کرنا چاہئے۔ فاقہ سے مراد بھوکا رہنا نہیں ہے بلکہ انتہائی شدتِ بھوک کے وقت چند روز لطیف اغذیہ کا کھانا ہے۔ جب بھوک میں بے حد شدت ہو جائے تو بالترتیب ثقیل اغذیہ کھانی چاہئیں۔

(۲) اوقات کی پابندی

نزلہ زکام میں اوقات کی پابندی نہایت اہم بات ہے۔ لیکن اوقات کی پابندی سے مراد یہ نہیں ہے کہ وقت مقررہ پر کھانا کھا لیا جائے اور اس کے درمیان جو کچھ دِل چاہے کھاتے رہیں۔ مثلاً صبح کا ناشتہ، دوپہر کا کھانا، تیسرے پہر کی چائے اور رات بھر کا کھانا۔ یہ طریقہ بالکل غلط ہے، اس میں ان باتوں کی شرط ہے: اوّل ہر غذا یا کھانے کی کوئی شے جب کھائی جائے تو پھر دوبارہ کم از کم چھ گھنٹے بعد کھائی جائے۔ کیونکہ اُصولی طور پر ایک تندرست انسان کو مکمل طور پر بارہ گھنٹے میں غذا ہضم ہوتی ہے۔ معدہ میں تین گھنٹے، چھوٹی آنتوں میں چار گھنٹے اور بڑی آنتوں میں پانچ گھنٹے خرچ ہوتے ہیں۔ دوسرے بھوک کی شدت کا احساس ہونا ضروری ہے، یعنی کھانے کا وقت ہو گیا اور اس کو چھ گھنٹے بھی گذر گئے ہیں، لیکن شدید بھوک کا احساس نہیں ہے، پھر غذا نہیں کھانی چاہئے، بلکہ غذا دوسرے وقت پر ملتوی کر دینی چاہئے۔

بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ روزانہ ایک مناسب اوسط غذا کھائی جاتی ہے مگر بعض اوقات زیادہ ثقیل اور مرغن کھائی گئی ہے، اس لئے ضروری ہے کہ وقت مقررہ پر چھ گھنٹے بعد بھی بھوک نہ لگے۔ اس لئے غذا کو دوسرے وقت پر ملتوی کر دیں۔ تیسرے غذا کی مقدار ہمیشہ اس انداز کی ہونی چاہئے کہ معدہ پوری طرح بھر جائے۔ کم مقدار میں غذا نہ کھانی چاہئے۔ کیونکہ وہ بھوک نہیں ہوتی بلکہ غذا کا احساس ہوتا ہے۔ مثلاً ایک شخص کا معدہ اندازاً درمیانے درجے کی دو روٹیاں کھاتا ہے تو اس کو اس سے کم نہیں کھانا چاہئے۔ البتہ ابھی بھوک باقی ہو تو غذا چھوڑ دینی چاہئے۔ اصول یہ بنائیں کہ زیادہ سے زیادہ کھایا جائے مگر ابھی بھوک باقی ہو تو چھوڑ دیا جائے۔ یہ کوئی اصول نہیں ہے کہ دو نوالے کھائے جائیں یا غذا کو چکھا جائے۔ اس عادت کو گناہ خیال کریں، کیونکہ غذا تھوڑی ہو یا بہت معدہ کو بہرحال کام کرنا پڑتا ہے۔ جو لوگ تھوڑا تھوڑا بار بار کھاتے ہیں وہ نہ صرف اپنے ہاضمہ کو خراب کرتے ہیں بلکہ امراض مثلاً بڑھاپے کو دعوت دیتے ہیں، خطرناک امراض میں گرفتار ہوتے ہیں۔

اسی طرح غذا کے ساتھ پانی کا بھی اندازہ ہونا چاہئے کیونکہ بغیر اندازے کے پانی کی کمی بیشی غذا کے ہضم میں خلل ڈال دیتی

ہے۔زیادہ پانی پی لیا جائے گا تو غذا رقیق ہو جائے گی اور اس میں حرارت کی کمی واقع ہو جائے گی۔دوسری طرف دیر میں ہضم ہوگی اور تیسرے جسم میں سردی پیدا ہو جائے گی۔اگر پانی کم پیا جائے گا تو غذا کا قوام جلد تیار نہیں ہوگا۔دوسرے خون کی زیادتی معدہ میں سوزش پیدا کردے گی۔تیسرے جلد متعفن ہو جائے گا اور اس میں تیزابی مادہ پیدا ہو جائے گا۔

صادق پیاس وہ ہے جس میں خون کے اندر پانی کی کمی کو پورا کرنے کا احساس ہے۔جس کا صحیح اندازہ اس طرح لگتا ہے کہ جب پانی ضرورت کے مطابق پیا جائے تو پیاس بجھ جائے،اور پھر اس وقت تک پیاس نہ لگے جب تک پھر صادق پیاس نہ لگے۔دوسری کاذب پیاس ہے جو پانی پینے کے بعد نہیں اُترتی یا جلد جلد محسوس ہوتی ہے۔اس حالت کے لئے ضروری ہے کہ جب تک پیاس کی شدت رہے غذا نہ کھائے۔(۳) اس لئے بغیر ضرورت (ارج) یعنی صحیح بھوک اور پیاس کے کھانا پینا خود امراض اور بڑھاپے کو دعوت دینا ہے۔جب کسی کو بھوک زیادہ بڑھ جاتی ہے تو اکثر ایسے لوگ خوش ہوتے ہیں۔لیکن اس کو کسی مرض کا پیش خیمہ سمجھنا چاہے،یہ بھی خرابی ہضم کی صورت ہے۔اگر ایسی صورت ہو تو غذا میں روغنی اجزاء بڑھا دیں یا روغنی اغذیہ کھائیں جیسے حلوہ جات،اور حریرہ جات وغیرہ۔

غذا کے لیے چند اُصول

① کھانا پینا خداوند کریم کا نام لے کر شروع کرنا چاہئے،برکت ہوتی ہے۔

② کھانا پینا ہمیشہ زیادہ سے زیادہ تازہ ہونا چاہئے،اس سے ہضم میں مدد ملتی ہے۔

③ حلال کی کمائی کا کھانا پینا ہونا چاہئے،اس سے رحمت نازل ہوتی ہے اور صحت قائم رہتی ہے۔

④ شدید بھوک سے کھانا چاہئے،خون صالح بنتا ہے۔

⑤ غذا زیادہ سے زیادہ بیک وقت کھانے کی کوشش کرنی چاہئے،لیکن ابھی تیسرا حصہ بھوک ہو تو چھوڑ دینی چاہئے۔زیادہ کھانے کے بوجھ سے قبض پیدا نہیں ہوتی۔

⑥ غذا ہمیشہ لذیذ کھانی چاہئے فرحت پیدا ہوتی ہے۔

⑦ کوشش کریں کہ ایک وقت میں ایک ہی قسم کی غذا ہو یا زیادہ قسم کی غذائیں ایک دوسری سے ملتی جلتی ہونا چاہئیں۔مٹھاس درمیان میں کھانی چاہئے،یعنی نمکین غذا سے شروع کریں اور نمکین پر ختم کریں،غدد کام کرتے ہیں اس سے امراض دور ہوتے ہیں۔

⑧ غذا کا زیادہ حصہ پروٹین (اجزاءلحمیہ) کا ہونا چاہئے۔گوشت میں بکری،پرند اور مچھلی کا گوشت زیادہ مفید ہے۔جو لوگ گوشت نہیں کھاتے وہ دودھ اور گھی کا استعمال زیادہ کریں۔

⑨ جہاں تک ہو سبزیاں بہت کم کھائیں۔خاص طور پر کچی سبزیاں بالکل نہ کھائیں،یہ جانوروں کا کھانا ہے۔انسان جب کچی غذا کھاتا ہے تو حیوانیت اور وحشت پیدا ہوتی ہے۔اخلاق ختم اور حیوانوں کی طرح بے غیرت ہو جاتا ہے۔سبزیاں دوائے غذائی ہیں،ان کی کمی پھلوں سے پوری کریں۔وہ ان سے زیادہ غذائیت رکھتے ہیں۔البتہ میوہ جات غذائے دوائی ہیں ان کا استعمال غذا میں یا غذا کے بعد مفید ہے۔دالیں بغیر کثیر گھی کے نہ کھائیں،قبض پیدا ہوتی ہے۔

⑩ بہترین غذائیں گوشت،دودھ،میوہ جات اور گیہوں ہیں۔باقی سب اپنے اندر غذا کی بجائے دوائیت رکھتی ہیں۔

⑪ صرف گرم پانی یا بغیر دودھ کے چائے (قہوہ) پئیں۔جب پیاس کاذب ختم ہو جائے اور بھوک شدید لگ جائے تو بعدۂ غذا کھائے

اور حسب معمول پیاس صادق پر پانی پی لیا کریں۔

بعض لوگوں کو غذا کھانے سے پہلے پیاس کی شدت ہوتی ہے، ایسے لوگوں کے لئے بھی تاکید ہے کہ وہ شربت لسی وغیرہ خالی پیٹ نہ پئیں اور غذا کے ساتھ سرد پانی یا لسی پینے کی کوشش کریں۔ گرم پانی اور چائے اس وقت مسلسل استعمال کریں جب تک پیاس ختم نہ ہو جائے۔ اس کے بعد غذا کا خیال رکھیں۔

یاد رکھیں پیاس کی شدت میں ہاضمہ ضرور خراب ہو جاتا ہے، ایسی حالت میں سرد پانی، شربت اور لسی پینا مضر ہے اور فرنگی سوڈا واٹر تو انتہائی نقصان رساں ہے۔ اکثر ہیضہ ہو جاتا ہے۔ کیونکہ ہر قسم کا فرنگی سوڈا واٹر الکائن (کھاری) ہے۔ ایک دم جسم کی ترشی ختم کر دیتا ہے جس سے فوراً ہیضہ پیدا ہو جاتا ہے۔ یہ بات یاد رکھیں کہ جو لوگ صبح صبح اس خیال سے لسی اور شربت وغیرہ خالی پیٹ پیتے ہیں کہ ان کو گرمی ہے، جیسے پنجاب میں عام رواج ہے ایسے لوگ بھی غلط فہمی کا شکار ہیں۔ دراصل اُن کا (۱) ہاضمہ خراب ہے۔ (۲) پیٹ میں سوزش ہے۔ (۳) جسم میں سردی ہے۔ اُن کو چاہئے کہ جب تک ان کو اپنی گرمی کا احساس دور نہ ہو جائے غذا بند کر دیں اور پھر باقاعدہ غذا کھایا کریں۔ یہ معمولی معمولی باتیں ہیں، لیکن صحت کے نہایت اہم نکتے ہیں۔ ان کی پرواہ نہ کرنے سے بڑے بڑے خوفناک امراض پیدا ہو جاتے ہیں۔

کھانا پینا کیا ہے؟ یہ صرف ایک قسم کی توانائی (انرجی) ہے جو بدل کے طور پر استعمال کی جاتی ہے۔ جب اس توانائی کی ضرورت پیدا ہوتی ہے جسم کو بھوک پیاس کا احساس ہوتا ہے، انسان اس ضرورت کو پورا کرتا ہے، گویا اس کا مقصد یہ ہے کہ جب تک ان کا احساس نہیں ہے کھانا اور پینا نہیں چاہئے۔ کیونکہ جب احساس ہوتا ہے جسم کھانے پینے کو ہضم کرنے کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔ جب بغیر بھوک پیاس کے ضروری احساس کے کھائے اور پئے گا تو لازماً وہ کھانا پینا بے ضرورت ہوگا یا طبیعت اس کو ہضم نہ کرے گی یا اس سے پہلے جو غذا پیٹ میں پڑی ہے اس کو فاسد کرے گی جو باعثِ امراض ہوگا۔

۱۷

تحقیقات نزلہ وزکام (وبائی)

فہرست عنوانات

پیش لفظ

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ، وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَحْمَۃِ الِّلْعَالَمِیْنَ. اَمَّابَعْدُ!

قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے کہ

﴿ فِطْرَتَ اللّٰہِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْھَا لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰہِ ﴾[سورۃ روم : ۳۰]

''اللہ تعالیٰ کی فطرت وہ ہے جس پر انسان کو پیدا کیا ہے اوراس کی تخلیق میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوتی''۔

قانون فطرت پر انسان کو پیدا کر کے اس کو اس کمال پر پہنچایا کہ اس کا درجہ ملائکہ سے بھی بڑھا دیا:

﴿ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ ﴾[سورۃ تین : ٤]

''تحقیق ہم نے انسان کو بہترین تخلیق بنایا''۔

جب اللہ تعالیٰ نے انسان کو قانون فطرت کے مطابق نہ صرف پیدا کیا ہے بلکہ اس کو اپنی بہترین مخلوق قرار دیا ہے، پھر اس کو اس کمال تک پہنچا دیا ہے کہ فرشتے اس کو سجدہ کریں تو پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ یہ کائنات اوراس کا ہر ذرّہ بغیر کسی قانون کے پیدا کیا گیا ہو اور بغیر کسی قانون کے حرکت وگردش میں ہو۔ جو لوگ ایسا سمجھتے ہیں، وہ غلط فہمی میں گرفتار ہیں۔ دُنیا کو سمجھنے کا صحیح اُصول یہ ہے کہ قانون فطرت کا علم حاصل کیا جائے۔ یہی سنت اللہ بھی ہے۔

قانون فطرت

حقیقت یہ ہے کہ کائنات کا ہر ذرّہ قانون فطرت پر پیدا کیا گیا ہے اوراس کا تعلق کائنات میں زمین سے لے کر آسمان تک تمام دیگر ذرّات کی حرکت وگردش نہ صرف قانون فطرت کے مطابق ہے بلکہ باہمی نظم وضبط اور اصول کے تحت ہے۔ اگر زندگی وکائنات اور نفس وآفاق کے کسی ایک ذرّہ یا جزو میں حرکت ہوتی ہے تو دیگر ذرّات قانون فطرت اور اصول تعلق کے وجہ سے اپنا نظم وضبط قائم رکھتے ہوئے ضرور متاثر ہوتے ہیں۔

اس کائنات وآفاق اور زندگی ونفس کی تدوین انہی ذرّات سے قائم ہے اور موالید ثلاثہ میں یہی ذرّات پنہاں نظر آتے ہیں اور انسان بھی انہی کا مجموعہ ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ جمادات، نباتات، حیوانات، بن مانس، انسان اور نبوت تک ہر ایک میں احساس وشعور ادراک کی شدت، غور وخوض اور تدبر وتصدیق کی کمی بیشی پائی جاتی ہے۔ جس قدر بھی احساس وادراک اور تصدیق یعنی علم وعقل اور حکمت بڑھتا جائے گا اس کا شعور کائنات وآفاق طبیعات ومابعد طبیعات بڑھتا جائے گا اور وہ اعلیٰ مقام پر فائز ہوتا جائے گا۔

کائنات ذرّات کو طب قدیم کے قانون سے ارکان کہتے ہیں جو چار ہیں۔ جن کو بسیط تسلیم کیا گیا ہے اور وہ غیر منقسم ہیں یا فرنگی طب

کی تحقیقات میں عناصر جو تقریباً ایک کم سو ہیں جو قابل تقسیم ہیں یعنی ہر عنصر (Element) اپنے اندر مالیکیول (سالمات) اور ایٹم (مرکزی ذرہ) رکھتا ہے اور پھر یہ ذرّات الیکٹران (برقیات) میں تقسیم ہو جاتے ہیں۔ کچھ بھی تسلیم کرلیں۔ موالید ثلاثہ اور انسان میں مشترک طور پر پائے جاتے ہیں۔ گویا برقی ذرّات کا ایک سمندر ہے جو مختلف اجسام میں بند بھی ہے اور ان کا آپس میں تعلق بھی ہے۔ البتہ یہ حقیقت پردہ راز میں ہے کہ ان اجسام میں احساس وادراک اور تصدیق کی قوت اور ان کا کمال کیسے پیدا ہوتا ہے جن کی وجہ سے جمادات ونباتات، حیوانات و انسان، آدمیت وبشریت اور نبوت کا فرق نمایاں ہو جاتا ہے۔

بہرحال یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ زمین سے آسمان تک ہر ذرّہ منظم ومنضبط اور مقرر اصولوں کے مطابق قانون فطرت میں رواں دواں ہے۔ اس لئے اس دُنیا میں جو افعال سرزد ہوتے ہیں جن میں وبائیں وسیلاب اور جنگ وزلزلے وہ سب بغیر قانون اصول اور نظم وضبط کے نہیں آتے اور موجودہ دور کا علم موسمیات بھی اس کی بہت حد تک تصدیق کرتا ہے۔ اس لئے وباؤں کو ہنگامی امراض نہیں خیال کرنا چاہئے۔ بلکہ کائنات وزندگی اور انفس وآفاق کو قائم رکھتے ہوئے وباؤں کو بھی ان کے تحت قوانین اور اصول میں فٹ کرنا چاہئے، تاکہ وباؤں اور آفات کے حادثات کا صحیح علم اور اس کی حکمت کا پتہ چل جائے۔ قانون فطرت کو سمجھنے کے بعد یہ جاننا ضروری ہے کہ اس کی خلاف ورزی عمداً یا جہلاً کرنے کے بعد اس کے نظم وضبط میں خرابی واقع ہوتی ہے جس کے نتیجہ میں فطرت میں ایک ردِعمل ہوتا ہے اور یہ ردِعمل اس طاقت کی طرف سے عمل میں آتا ہے جو اس قانون فطرت کو چلا رہی ہے جس کو مدبر عالم یا روح عالم کہتے ہیں۔ بالکل اسی طرح جیسے طبیعت مدبرہ بدن یا نفس جسم انسانی کو ایک قانون کے تحت نظم وضبط میں رکھتا ہے جس کو طبی روح کہتے ہیں۔ جب انسانی جسم کے نظام میں کوئی خرابی واقع ہوتی ہے تو مدبر بدن اس کی اصلاح کرتی ہے۔ اسی انسانی روح کو آیورویدک میں آتما اور روح عالم مہا آتما کہا جاتا ہے۔ ان دونوں کا آپس میں ایسا ہی گہرا تعلق ہے جیسے انفس وآفاق کا تعلق ہے۔

جس طرح جسم انسان کے افعال میں فطرت کے خلاف صورتیں واقع ہوتی ہیں تو امراض پیدا ہوتے ہیں جس کے لئے مدبر بدن یا نفس حرکت میں آتا ہے۔ بالکل اسی طرح جب کائنات میں خرابی واقع ہوتی ہے تو روح عالم یا آفاق میں حرکت پیدا ہوتی ہے۔ اگر جسم کے افعال کی خرابی کو ہم امراض کہتے ہیں تو کائنات کے بگاڑ کو ہم وبائیں کہہ سکتے ہیں۔ جسم اور کائنات کے بعض بگاڑ تو ایسے معمولی ہوتے ہیں کہ ان کی مدبرہ بدن اور مدبر عالم اصلاح کرتے رہتے ہیں۔ مگر جب جسم یا کائنات میں فساد اور تعفن واقع ہو جاتا ہے تو اس کی اصلاح کے لئے شدید جدوجہد کرنی پڑتی ہے۔ وہ فساد اور تعفن جسم اور کائنات میں غیر معمولی نقصان کا باعث ہوتا ہے۔ یہی فطرت کی عمداً یا جہلاً خلاف ورزی ہی گناہ ہے۔ جس کا کفارہ فوراً قانون فطرت کی طرف لوٹنا ہے۔

جاننا چاہئے کہ قانون فطرت کی خرابی صرف قوانین صحت تک محدود نہیں ہے۔ بلکہ قانون اخلاق، تدبیر منزل اور اصول سیاست میں خرابیاں بھی قانون فطرت میں خرابی کا باعث ہو جاتی ہیں۔ کیونکہ فطرت انسان کے ہر شعبہ حیات میں کارفرما ہے اور یہ تمام شعبے آپس میں اس طرح ترتیب پاتے ہیں کہ ان کو ایک دوسرے سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔ اس لئے ہر شعبہ میں عمل اور ردِعمل کا مدنظر رکھنا نہایت اہم ہے۔

شعور

قانون فطرت کو مختصراً ذہن نشین کرنے کے بعد دوسری شے انسانی شعور ہے۔ جو اس قانون فطرت کو سمجھتا ہے تاکہ انسان اس کو سمجھ کر اس پر قائم رہ سکے۔ جیسے ریل گاڑی اپنی پٹڑی پر قائم رہتی ہے اور جب وہ اُتر جاتی ہے تو جب تک اس کو پھر پٹڑی پر قائم نہ کیا جائے نہیں چل سکتی۔ یہ شعور

تین قسم کا ہوتا ہے: (۱) لاشعور (۲) تحت الشعور اور (۳) شعور مطلق۔ اس شعور کو نفس بھی کہتے ہیں۔ اسی طرح نفس بھی تین اقسام میں منقسم ہوتا ہے: (۱) نفس امارہ (۲) نفس لوامہ (۳) نفس مطمئن۔ چونکہ ان سب کی تفصیل طویل ہے، اس لئے ہم یہاں پر ضمیر کا لفظ استعمال کرتے ہیں اور لفظ ضمیر بھی تقریباً شعور اور نفس کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ اس کی ان کی طرح تین صورتیں ہیں جس سے ذہن انسانی بے حد متعارف ہے اور بہت حد تک شعور و نفس اور ضمیر کا مطلب سمجھ میں آ سکتا ہے: (۱) احساس (۲) ادراک (۳) عقل۔ چونکہ ان صورتوں کو بھی ہر شخص نہیں سمجھ سکتا۔ اس لئے جو لوگ اس کو سمجھنا چاہیں وہ میرا مضمون ''ثقافت کا نفسیاتی تجزیہ'' کا مطالعہ کریں۔

اسی شعور کے تحت انسان علوم و فنون اور قوانین فطرت کو آسانی سے سمجھ سکتا ہے اور انہی کی مدد سے کلیات سے جزئیات اور جزئیات سے کلیات کو ترتیب دے سکتا ہے۔ انہی کی مدد سے تصور و تصدیق اور استنباط و استخراج کر سکتا ہے۔

یقین

علوم و فنون کی ترقی اور ارتقاء اور انسانی کمالات کے لئے تیسری حقیقت یقین ہے۔ جب تک انسان علوم و فنون میں یقین کے مقام پر نہ پہنچے اس وقت تک حق کو نہیں پا سکتا۔ یقین کی بھی تین صورتیں ہیں: (۱) علم الیقین (۲) عین الیقین (۳) حق الیقین۔ اور یہ منزلیں بھی یکے بعد دیگرے آتی ہیں۔ اس وقت تک یقین کا مقام پختہ نہیں ہوتا جب تک قانون فطرت کی سچائی پر ایمان نہ ہو اور اس کا یقین پختہ نہ ہو گیا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ عوام ہر اس بات کو مان کر عمل کرنا شروع کر دیتے ہیں جو ان کے جذبات اور خواہشات کو بھی بھلی لگتی ہے۔ فرنگی طب کی تحقیقات کا تعلق بھی سطحی جذبات اور ضروریات سے ہے۔

نزلہ زکام وبائی کی تحقیق انہی حقائق کے تحت کی گئی ہے۔ اس لئے جو اہل علم اور صاحب فن اس کا مطالعہ کریں۔ وہ ان حقائق کو مدنظر رکھیں۔ جن دوستوں نے میری کتب ① مبادیات طب ② تحقیقات دق وسل (ٹی بی) ③ تحقیقات نزلہ زکام کا مطالعہ کیا ہے۔ وہ تحقیقات نزلہ زکام وبائی سے بھی پورے طور پر مستفید ہوں گے۔

ہم چاہتے ہیں کہ نزلہ زکام کا ہر حیثیت سے احاطہ کر لیا جائے تاکہ کوئی پہلو تشنہ نہ رہ جائے۔ اگرچہ ہم نزلہ زکام پر پوری طرح سے روشنی ڈال چکے ہیں اور ایسے حقائق پیش کرتے ہیں جن کا اس سے قبل پایا جانا ناممکن ہے۔ مگر اس کی ایک صورت باقی ہے اور وہ ہے عوارضات نزلہ زکام۔ جن میں بڑھاپا خاص طور پر قبل از وقت بڑھاپا۔ قبل از وقت بالوں کا سفید ہونا۔ ضعف اعصاب خصوصاً ضعف باہ، ضعف بصارت اور ثقل سماعت وغیرہ کے متعلق جو مشکلات سامنے آتی ہیں ان کا ازالہ نہایت ضروری ہے۔ کیونکہ یہ تمام عوارضات جس قدر زیادہ تکلیف دہ ہیں اسی قدر عسر العلاج بھی ہیں۔ طبی کتب میں ان پر روشنی تو ضرور ڈالی گئی ہے مگر ان کے حقائق ابھی تک اندھیرے میں ہیں۔ اس لئے ان کے علاج میں تاحال کامیابی نہیں ہے۔ جہاں تک فرنگی طب کا تعلق ہے وہ نہ صرف نامکمل بلکہ اصولاً غلط ہے۔ اس میں اوّل تو ان عوارضات پر کچھ زیادہ لکھا نہیں گیا اور جو کچھ لکھا گیا ہے وہ کسی قانون کے تحت نہیں لکھا گیا۔

بڑھاپا اور اس کے عوارضات کو تقریباً ہر زمانے میں زیر غور لایا گیا ہے۔ اگرچہ ظاہر میں بڑھاپا ایک فطری قانون معلوم ہوتا ہے یعنی بچپن کے بعد جوانی اور جوانی کے بعد بڑھاپا۔ مگر پھر بھی ہمیشہ یہ کوشش کی گئی ہے کہ بڑھاپا کو روکا جائے یا کم از کم بہت دیر میں آئے اور اس کے عوارض باعث تکلیف نہ ہوں۔ لیکن اس وقت تک بڑھاپے کے جو اسباب بیان کئے گئے ہیں وہ اکثر مختلف بلکہ متضاد اور اکثر غیر یقینی ہیں۔ اس لئے بڑھاپے کو روکنے یا اس کے عوارضات سے بچنے کے لئے کوئی صحیح راہ متعین نہیں کی گئی ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ اپنی تحقیقات کی روشنی میں کم از کم ایسی راہیں متعین کر سکیں۔ جن سے بڑھاپے کو بہت حد تک روکا جا سکتا ہے۔ اور اس کے عوارضات سے نجات حاصل کی جا سکتی ہے۔ اس کے لئے ایک

جدا نمبر کی ضرورت ہے۔

رسالہ ''رجسٹریشن فرنٹ'' نے گزشتہ دو تین سال کی قلیل مدت میں جو علمی اور تحقیقاتی خدمات انجام دی ہیں وہ ممبران خریداران اور قارئین کے سامنے ہیں۔ ہمارا سب سے بڑا مشن تجدید طب اور احیاء فن ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ صدیوں سے اس میں تجدید مفقود ہے، اس لئے اس کی زندگی بھی خطرے میں پڑ گئی ہے۔ جہاں تک فرنگی طب کا تعلق ہے اس نے اس کو ہڈیوں کا ڈھانچہ سمجھ کر ہلاک کرنے اور دفنانے کی بے حد کوشش کی ہے اور اس فن کی بدقسمتی سے ہر ملک میں حکومت نے اس کا ساتھ دیا ہے۔ لیکن طب یونانی کی بنیاد ایسے فطری قوانین پر ہے کہ لاکھ کوششوں کے بعد بھی فرنگی طب اس کو ختم نہیں کر سکی اب ہمارا دعویٰ ہے کہ اس زمانے میں ہم تجدید طب اور احیاء فن کے داعی ہیں تا کہ ان ہڈیوں پر پھر گوشت پوست اور چربی چڑھ جائے اور خون اس کی رگوں میں دوڑنا شروع ہو جائے۔ اس وقت نہ صرف پاک و ہند بلکہ دُنیا بھر میں کہیں بھی تجدید طب اور احیاء فن کا کام نہیں ہو رہا ہے۔ اگر ہو رہا ہے تو ہم ان کا ساتھ دینے کو تیار ہیں۔ اگر اور کہیں نہیں ہو رہا تو نہ صرف پاک و ہند بلکہ دُنیا بھر کے اطباء بلکہ حق پرست ڈاکٹروں اور ہومیو پیتھ کا کام ہے کہ وہ ہمارے ساتھ شریک ہو جائیں تا کہ ہم جلد اپنی منزل تک پہنچ جائیں اور اس امر کو بھی نظر انداز نہ کریں کہ طبی رجسٹریشن کے مسئلے میں بھی جس جرأت اور بے باکی سے فن کو تباہ ہونے سے بچایا ہے وہ عزت بھی اللہ تعالیٰ نے ہمارے نام کی ہے۔

ان خدمات کے علاوہ آلو بطور غذا کے سلسلہ میں ماہنامہ ''خوراک'' میں امریکہ والوں سے بحث و تمحیث جاری ہے۔ ہم نے ان کو جواب دیا ہے اور چیلنج کیا ہے کہ امریکہ اور یورپ میں کوئی سائنس دان خوراک کے مسئلہ یا غذاء اور دواء کے فوری اثر کے سلسلہ میں برتری کا دعویٰ کرتا ہے تو ہم ان کو مقابلہ کے لئے للکارتے ہیں۔ یہ بحث بھی انشاء اللہ کتابی صورت میں عنقریب شائع کریں گے۔ ہماری ان خدمات فن اور تجدید کی جدوجہد میں اب اہل علم اور صاحب فن اور حکماء و اطباء کا کام ہے کہ وہ فوراً ہم سے تعاون کریں اور ہمارے گرد جمع ہو جائیں تا کہ ہم بہت جلد اس علم و فن طب کو اس مقام پر پہنچانے کی کوشش کریں۔

اطباء و حکماء اور اہل علم و صاحب فن جو یہ چاہتے ہیں کہ علم و فن اپنے صحیح انداز میں دُنیا کے سامنے آئے۔ وہ اس امر کو ذہن نشین کر لیں کہ جس روش پر پاک و ہند کی طبی دُنیا گزشتہ پچاس سالوں میں کام کرتی رہی ہے اور طبی کتب اور رسائل شائع ہوتے رہتے ہیں۔ خصوصاً طبی درسگاہیں قائم ہوئی ہیں۔ یہ سب کچھ تجدید طب اور فن نہیں تھا بلکہ فن کی تذلیل اور اس کو فنا کی طرف لے جانا تھا۔ کیونکہ پچاس سالوں سے یہ سمجھ لیا گیا ہے کہ فرنگی طب علمی (سائنٹفک) اور طب قدیم کی ترقی یافتہ صورت ہے۔ جس کے نتیجہ میں حکماء و اطباء اہل کمال و صاحب فن نے اس کو اپنانا شروع کر دیا۔ آج بھی ہماری طبی کتب و طبی رسائل، طبیہ کالج اور مطب اس امر کی گواہی دے رہے ہیں کہ ان میں نوے فیصدی فرنگی طب رچی ہوئی ہے اور دس فیصد جو طب قدیم داخل ہے وہ بھی اس نوے فیصد فرنگی طب کی تقلید میں زیر عمل ہے۔ اس لئے جس وقت تک فرنگی طب کو طب قدیم سے الگ نہیں کر دیا جائے گا اور خالصتاً طب قدیم کو اپنی فطری قدروں پر قائم نہیں کیا جائے گا، کامیابی نہیں ہوگی۔

اس غلط روش کا نتیجہ یہ ہے کہ تعلیم یافتہ خصوصاً انگریزی تعلیم یافتہ طبقہ اس غلط فہمی میں گرفتار ہے کہ فرنگی سائنس نے بہت زبردست ترقی کی ہے۔ خصوصاً میڈیکل سائنس نے اس میں بہت کمالات دکھائے ہیں۔ جب ایسے طبقہ سے سوال کیا جائے کہ آپ طب قدیم کے متعلق کچھ جانتے ہیں۔ کسی حد تک ماہیت امراض، علم علاج اور خواص الادویہ سے واقف ہیں۔ تو وہ آئیں بائیں شائیں کرنے لگتے ہیں اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ فرنگی طب کا آپ کو کچھ علم ہے۔ جراثیم امراض کیسے پیدا کرتے ہیں۔ ادویات جراثیم کو کیسے ہلاک کرتی ہیں اور غذا میں وٹامن کا تناسب

کیا ہونا چاہئے۔ تو وہ جواب دینے کی بجائے منہ تکتے ہیں اور ان کا علم صفر سے آگے نہیں بڑھتا۔ تو پھر ایسے طبقہ کو کیا حق حاصل ہے کہ طب قدیم کی برائیاں اور فرنگی طب کی حمایت کریں۔

بہرحال ہماری کوشش ہے کہ ہم تجدید طب اور اطباء فن کے ساتھ ساتھ تعلیم یافتہ طبقہ کے ساتھ بھی فرنگی طب کی غلطیاں اور غیر فطری ہونا ثابت کرتے جائیں تاکہ وہ اس کو علمی (سائنٹفک) اور اصولی (سسٹومیٹک) کہنا چھوڑ دے اور بہت جلد پاک و ہند میں صحیح طبی نظام جاری ہوجائے۔

آخر میں ہم اتنا کہے بغیر نہیں رہ سکتے کہ کسی کو تعاون کے لئے مجبور نہیں کرتے، صرف اپنا کام پیش کرتے ہیں۔ بہرحال ہم نے کام جاری رکھنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مہربانی اور مخلص لوگوں کی سرپرستی سے تحریک اس مقام تک پہنچ گئی ہے کہ وہ جاری رہ سکے۔ ہم نے جو خاص نمبر جاری کئے ہیں وہ خدمت فن کے بہترین نمونے ہیں۔ آئندہ بھی جو لوگ تعاون کرتے رہیں گے۔ نہ صرف خود مستفید ہوں گے بلکہ علم و فن طب کی خدمت کرسکیں گے۔ وماعلینا الا البلاغ

صابر ملتانی۔ لاہور
09/06/1960

وبائی امراض کی حقیقت

وبائی امراض کی تعریف

وبائی امراض کی تعریف اس سے بہتر نہیں کی جاسکتی کہ بیک وقت بے شمار اشخاص یا دیگر جاندار گرفتار مرض ہو جائیں اور اگر وباء شدت اختیار کر جائے تو کثرت سے اموات واقع ہوں۔ اگر اموات کی تعداد حد سے بڑھ جائے یعنی سینکڑوں سے ہزاروں تک پہنچ جائے تو لوگ اپنے مردے چھوڑ کر جنگلوں کی طرف بھاگ جائیں۔ وباء کے مفہوم میں اس کی شدت اور پھیلاؤ اور عمومیت کے اظہار کے ساتھ ساتھ خوف و ہراس اور بے اُمیدی بھی پائی جائے۔ موت کا خوفناک اور خونی پنجہ ہر وقت آنکھوں کے سامنے نظر آئے۔

یہ صورتیں زمانہ قدیم سے مشاہدہ میں آچکی ہیں۔ جن پر تاریخی کتب گواہ ہیں کہ بعض بیماریاں ایسی ہوتی ہیں کہ اچانک دیکھتے ہی دیکھتے اس کثرت سے پھیل جاتی ہیں جو گھروں کے گھر اور شہر کے شہر دِنوں میں تباہ کر ڈالتی ہیں اور ہزاروں مخلوق خدا کو بغیر امتیاز شخصیت و عمر اور غریبی و امیری کے خاک میں ملا دیتی ہیں اور اکثر انسان بے بس کھڑا منہ دیکھتا رہ جاتا ہے۔

صورت وقوع وباء

بعض ایسی ہیں جو موسموں کے تغیر میں پائی جاتی ہیں۔ بعض ایسی ہیں جو قحط کے زمانے میں پھوٹ پڑتی ہیں۔ بعض ایسی ہیں جو جنگوں کے بعد نمودار ہوتی ہیں۔ اسی طرح بعض زلزلوں اور سیلابوں کے بعد ظاہر ہوتی ہیں۔ ان میں بعض ایسی ہیں جن کا تعلق خاص خاص اقوام اور ممالک کے ساتھ ہے۔ جہاں پر وہ وقتاً فوقتاً سلگ اُٹھتی ہیں۔

وبائی امراض کی حقیقت سے فرنگی کی لاعلمی

وباء اور عام امراض میں اکثر فرق کیا جاتا ہے اور یہ سمجھا جاتا ہے کہ ان کا عام امراض سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ بلکہ اکثر یہ کوشش کی جاتی ہے کہ ہر نئی وباء کی تشخیص کی جائے اور حقیقت معلوم کی جائے۔ ہزاروں سال سے وبائیں آرہی ہیں اور جا رہی ہیں مگر فرنگی ڈاکٹروں کو آج تک ان کی حقیقت کا علم نہیں ہوا۔ ہر نئی وباء جب بھی آتی ہے وہ مدتوں یہ معلوم نہیں کر پاتے کہ یہ کیا مرض ہے؟ کس مرض کے ساتھ اس کا تعلق ہے اور خاص طور پر کس عضو کے ساتھ تعلق رکھتی ہے؟ اور جب ان کو کچھ کیمیاوی طور پر پتہ چلتا ہے اس وقت تک بے شمار انسان مر چکے ہوتے ہیں یا وہ اس وباء کو دیگر شہروں اور ممالک میں پھیلانے کا موجب بن چکے ہوتے ہیں۔ گویا اس میں شدت پیدا ہو چکی ہوتی ہے اور بہت حد تک وہ اپنا کام کر چکتی ہے۔

جاننا چاہئے کہ وباء اور عام امراض میں سوائے شدت و عمومیت اور ایک وسیع پھیلاؤ کے اور کچھ فرق نہیں ہوتا۔ چونکہ عوام کے سامنے مرض کی شدت کے نمونے روزانہ نہیں آتے۔ اس لئے اس شدت میں فوری تبدیلی اور موت دیکھ کر وہ خوف و ہراس اور بے اُمیدی سے گھبرا جاتے

ہیں اور اس کو اللہ تعالیٰ کا کوئی نیا قہر خیال کرنے لگتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ظالم نہیں۔ اس کا قہر صرف ان معنوں میں ہے کہ انسان قانون قدرت سے ناواقف اور اصول فطرت سے ناآگاہ ہونے کی وجہ سے دُکھ اٹھاتا ہے، ورنہ لکل داء دواء۔ جب زندگی اور کائنات کے قوانین فطری مقرر کر دیئے ہیں پھر ان حوادث کا علم کیوں نہ ہونا چاہئے۔ وہ آسمانی ہوں یا زمینی یا انسانی اعمال کا نتیجہ ہوں اور وباء وہ آفت اور بلا کی صورت میں سامنے آ جائے اور انسان کو اس کی سزا بھگتنی پڑتی ہے۔

فرنگی سائنسدان کی خدا کے تصور سے دوری

فرنگی سائنسدان نے جہاں قانون فطرت اور اسرار قدرت کے بحر ناپائید کنار کے چند قطروں کی جھلک دیکھی ہے۔ بقول "نیوٹن" کہ "میں نے تو سائنس اور علم کی دُنیا کے سمندر کے کنارے صرف چند کنکریاں چنی ہیں"۔ لیکن سائنسدانوں کا حال یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ کے تصور سے دور ہو گئے ہیں۔ بلکہ اکثر سائنسدانوں کی حالت یہ ہے کہ اللہ علیم حکیم کے تصور کو بھی غیر ضروری خیال کرنے لگ گئے ہیں اور چاہتے ہیں کہ ﴿ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴾ کا تصور ہی ختم ہو جائے تاکہ آئندہ سائنس کی دُنیا میں کسی ایسی ہستی کا ذکر نہ آئے کہ کوئی ایسی ہستی بھی ہے جس نے زمین آسمان اور اس کی تمام مخلوق پیدا کی ہے اور اس کا نظام خود چلا رہا ہے۔

اسی تصور کے تحت وباؤں کے متعلق بھی ایسا ہی خیال کیا جاتا ہے کہ یہ خداوند جبروت کی طرف سے نہیں ہیں بلکہ ان کو مذاق اور توہم کہا جاتا ہے۔ اور فرنگی تہذیب زدہ اور انگریزی تعلیم یافتہ تو اس سائنس دان سے کہیں آگے ہیں اور وہ خداوند جل شانہ پر تمسخر اڑاتا ہے اور اپنے گندے جذبات کی تسکین میں پوری جدوجہد کرتا ہے۔ خداوند قہار کی نفی اس لئے کرتا ہے کہ اس کا ضمیر اس کو برائی سے نہ روکے اور وہ نفس کی تسکین کے لئے گناہ پر گناہ کرتا جائے اور دوسروں کو اپنے گندے جذبات کا شکار بناتا رہے۔ انہی قسم کے خیالات کا ایک ٹکڑا درج ذیل ہے:

> "قدیم زمانے میں کیا عوام کیا فلاسفر جمہور ان وباؤں کو خدائے تعالیٰ کے جبروت اور قہر مان کا اظہار سمجھتے تھے۔ اگر کوئی اتفاقی امر بڑے پیمانے پر اس قسم کا واقع ہو جاتا جس کو عام رائے گناہ عظیم قرار دے تو وباء کا حملہ اس گناہ کی سزا گنی جاتی تھی۔ اس قسم کے اعتقادوں کی تصدیق بھی عجیب عجیب واقعات سے ہوا کرتی تھی۔ عنقریب آنے والی وبائی آفات کی اطلاع سماوی اور افلاکی حادثات دیتی تھیں یا تو دو منحوس ستاروں کا اثر ہوتا یا دو سعد ستارے ہبوط اور زوال میں متصل ہو جاتے۔ کبھی شہاب ثاقب ٹوٹتے، بھونچال آتے، بجلیاں گرتیں۔ چنانچہ غریب مریخ اور زحل کو ان بدبختیوں اور آفات کا خاص طور پر ذمہ دار قرار دیا گیا"۔

اتنا کچھ لکھنے کے بعد اور مذاق سے آگے لکھتے ہیں اور ثابت کرتے ہیں کہ یہ سب کچھ جہالت کے سوا کچھ نہ تھا جس کو اس طرح بیان فرماتے ہیں کہ:

> "رفتہ رفتہ جب زمانے نے طفولیت سے سنبھل کر بلوغت کی سیڑھی پر قدم رکھا تو لوگوں کو خیال پیدا ہونے لگا کہ اگرچہ موت وحیات ایسے اسرار ہیں جن کی حقیقت انسان کے ادراک کے ماسوا ہے تاہم بلاوجہ باپ کو بیٹے سے جدا خاوند کو بیوی کے کنار محبت سے تادوام جدا کر دینا۔ بادشاہوں کو بلاقصور تخت پر سے اتار تختہ تابوت پر بٹھا دینا۔ لاکھوں خلقت خدا کو تباہ و برباد کر دینا۔ غفار اور رحیم خدا کا کام نہیں ہو سکتا۔ بلکہ اس قسم کے خیالات دل میں لانا خدا کی محبت اور رحم کو الزام لگانا ہے۔ فی زمانہ علماء نے رفتہ رفتہ ان بچپن کے خیالات کو چھوڑا۔ اس قسم کے خیالات علمی ترقی اور تحقیقات کے لئے سدراہ ہوا کرتے ہیں کیونکہ اگر یہ مان لیا جائے کہ وبائیں خدا کی طرف سے ہوتی ہیں تو پھر ان کی روک تھام کی تدابیر کرنا اور چارہ

جوئی بے سود ہوجاتی ہے۔اور یہ کہہ کر ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جانا کافی ہوتا:

من از بیگانگاں گرگز نہ نالم کہ با من ہر چہ کرد آں آشنا کرد

[از علم وعمل طب]

اس قسم کے خیالات فرنگی تعلیم یافتہ لوگوں میں کثرت سے پائے جاتے ہیں جو فرنگی سائنسدانوں کی بے بصیرتی اور جہل مرکب کا نتیجہ ہے۔وہ سمجھتے ہیں کہ ان کی نگاہیں گہری ہیں اور وہ ایک تحقیقاتی علم (سائنس) سے دوچار ہیں۔انہوں نے حقیقت کو پالیا ہے۔اس تجرباتی اور مشاہداتی علم میں کسی خدا کے دخل اور مذہب کے اثر کی ضرورت نہیں ہے۔

مگر افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ان عقل کے اندھوں کو نہ قانون قدرت کا علم ہے اور نہ اصول فطرت سے واقفیت ہے۔اور نہ ہی سنت الہیہ اور نہ ہی مشیت ایزدی کو سمجھنے کی کوشش کی ہے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ان سائنسدانوں نے خداوند حکیم کی قدرت اور قانون فطرت کے تعلق کو جاننے کی کبھی کوشش نہیں کی۔اگر سائنسدانوں کے نظریات کے مطابق یہ کائنات اور زندگی کسی کی پیدا کی ہوئی نہیں ہے۔یہ ایک واقعاتی کیمیائی صورت ہے، بلکہ اتفاقی اور حادثاتی واقعہ ہے۔

ہم بھی یہی تسلیم کرتے ہیں کہ خداوند کریم نے اپنے اوپر رحم فرض کیا ہوا ہے۔وہ ظالم نہیں ہے۔اس کا قہر و جبروت ہمیشہ ظلم اور جہالت کے مقابل ہوتا ہے۔وہ سزا نہیں ہوتی، اصلاح ہوتی ہے۔اسی مسلمہ حقیقت کے تحت ہم یہ یقین رکھتے ہیں کہ یہ وبائیں اور قحط، یہ زلزلے اور سیلاب یقیناً اللہ قہار و جبروت کی طرف سے آتے ہیں مگر ان کی وجہ قانون قدرت اور اصول فطرت سے لاعلمی اور سنت الہیہ اور مشیت ایزدی سے دوری ہے۔جو قانون قدرت خداوند حکیم نے اصول فطرت پر مقرر کر دیئے ہیں جن کا ذکر مذہبی کتب میں درج ہے اور علم و فلسفہ اس کی تائید کرتے ہیں۔جب بھی کوئی ان قوانین کو توڑے گا یا فطرت کے اصولوں پر زندگی کو نہیں چلائے گا۔نتیجہ میں قانون قدرت اور اصول فطرت کا ردعمل ہوگا۔یہ ردعمل صرف زندگی تک محدود نہیں ہوگا، بلکہ کائنات کے عوامل پر بھی اثر انداز ہوگا۔

یہ کیسے سمجھ لیا جائے کہ زندگی کا تعلق اس کائنات و آفاق اور سماوی دُنیا سے نہیں ہے۔جب ہے تو یقیناً زندگی پر ان کا اثر ہے اور اسی طرح ان پر زندگی کا اثر بھی ہونا چاہئے۔یہ اثرات انفس و آفاق کے اعمال کے افعال سے صادر ہوتے ہیں۔آج بھی ہم دیکھتے ہیں کہ ریڈیو کی آوازیں اور روشنی کی لہریں ان امور کی تصدیق کرتی ہیں کہ انسانی آواز اس فضا میں نہ صرف غیر معمولی تیزی کے ساتھ اثر کرتی ہے بلکہ اُتار چڑھاؤ کے ساتھ محفوظ بھی رہتی ہے اور انہی الفاظ کی بندش کے ساتھ دُنیا کے ہر حصہ پر سنی جاسکتی ہے۔بلکہ ہم اپنی تصویر تک بغیر کسی ظاہری تعلق کے ہزاروں میلوں تک منتقل کر سکتے ہیں۔تو پھر کیسے سمجھ لیا جائے کہ ہماری زندگی کا کائنات پر اور انفس کا آفاق پر کچھ اثر نہیں ہے۔انہی قوانین قدرت کے تحت ہمارے گناہ ہمارے لئے وبائیں اور آفات لاتے ہیں۔

گناہ کیا ہیں؟ گناہ اور کچھ نہیں ہیں صرف قانون قدرت اور سنت الہیہ کو تسلیم نہ کرنا۔اصول فطرت اور مشیت ایزدی سے انکار کرنا ان کے مطابق عمل نہ کرنا۔جس کا ردعمل ایک سزا کی صورت (ایڈجسٹمنٹ) میں ہے۔اس کا دوسرا نام دین ہے۔بہرحال اس امر سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ وبا و قحط اور زلزلہ و سیلاب میں ہمارے ایسے اعمال کا ضرور اثر ہے جو قانون قدرت اور اصول فطرت، سنت الہیہ اور مشیت ایزدی کے خلاف ہوں گے۔اگر ہم ایسا تسلیم نہ کریں تو یہ دُنیا بے معنی بن کر رہ جاتی ہے۔اس صورت میں انسان نہ اپنی زندگی کا مواخذہ کر سکتا ہے اور نہ انسان کو انسان سمجھ سکتا ہے۔وہ صرف حیوان مطلق بن کر رہ جاتا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ علم سائنس کا دعویٰ صحیح ہے کہ یہ علم تجرباتی اور مشاہداتی ہے لیکن دیکھنا یہ ہے کہ اس سائنس کے صحیح ہونے کا

ثبوت کیا ہے۔آج تک بے شمار سائنس کے مسائل غلط ہو چکے ہیں۔ ہر نیا سائنس دان گزشتہ سائنٹفک مسائل کو غلط قرار دیتا ہے۔بعض سائنسدان تو ایسے آئے ہیں جنھوں نے گزشتہ تمام سائنس کو بالکل غلط قرار دے دیا ہے۔جیسے حکیم آئن سٹائن۔اس کی وجہ کیا ہے؟اس کی وجہ یہ ہے کہ سائنس ہمیشہ شاخوں کی تحقیق میں لگی رہتی ہے اور جڑ کی طرف نہیں آتی۔جس کو اصول کہا جاتا ہے۔اگر جزئیات کی تحقیق کرے بھی تو ان سے کلیات ضرور تیار کرنے چاہئیں تاکہ جزوکل کا تعلق قائم رہے۔یہ تعلق صرف فلسفہ سے قائم رہ سکتا ہے۔آج جدید سائنس دان اس امر کو اچھی طرح محسوس کر رہے ہیں۔نہ صرف تجربہ اور مشاہدہ کوئی شے نہیں ہے اس کے ساتھ کلیات بھی ہونے چاہئیں۔اور جزوی تجربات و مشاہدات کی کلیات کے ساتھ تطبیق ہونی چاہئے۔نیز ہر قسم کے تجربات و مشاہدات اور کلیات کا تعلق قانون فطرت سے ہونا چاہئے۔جب تک کسی تجربہ و مشاہدہ کی کلیات اور قانون فطرت سے تطبیق نہیں ہے اس وقت تک کوئی تجربہ و مشاہدہ بلکہ عقل بھی قابل اعتماد نہیں ہے۔کیونکہ ہر شخص اپنا اپنا تجربہ و مشاہدہ اور عقل رکھتا ہے اور یہ حقیقت ہے کہ تمام شخص عقل و ذہن کی حیثیت سے ایک مقام نہیں رکھتے ان میں بے وقوفوں کو چھوڑ دیں تو بھی کم عقل و ذہن والے بھی ہیں اور انتہائی عقلمند اور ذہین بھی پائے جاتے ہیں اور ان سب سے بڑھ کر مقام نبوت ہے جس کا عقل و ذہن یقیناً وجدان کی بلندیاں طے کر چکا ہوتا ہے اور اس پر الہام اور وحی کی بارش ہوتی ہے۔اس لئے انتہائی عقل و ذہن کے مذہب کی تعلیم اور فیصلے کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے۔

اگر یورپ و امریکہ اور روس کو ہم حق شناس اور حقیقت پسند فرض بھی کرلیں تو بھی ہم دیکھتے ہیں کہ جہاں تک اخلاقیات و اقتصادیات اور سیاست و مذہب کا تعلق ہے وہ بالکل ناکام ہیں۔ان کے اخلاقی افلاس کا یہ حال ہے کہ عریانی و نفسانی زندگی کے ساتھ ساتھ حیوان بنے پھرتے ہیں۔پیٹ کی بھوک کے ساتھ جنسی بھوک ختم نہیں ہوتی۔دوسرے کا حق چھیننا، چوری، ڈاکہ، بزنس میں بددیانتی و بلیک مارکیٹ اور لوٹ کھسوٹ روزانہ کے کام ہیں۔اجتماعی برائیاں اور حکومتوں کی سامراجیت کو وہ چالاکی اور ذہانت شمار کرتے ہیں۔

اقتصادیات کی بدحالی کا یہ حال ہے کہ عوام کی ضروریات کو مدنظر نہیں رکھا جاتا ہے۔غریب کو بھوکا مارا جاتا ہے۔ڈیمانڈ بڑھائی جاتی ہے۔ڈیوین کو روک دیا جاتا ہے۔اور پروڈکشن کو چھپا دیا جاتا ہے یا برباد کر دیا جاتا ہے تاکہ مال زیادہ سے زیادہ مہنگا فروخت کیا جائے۔ان برائیوں کا نام اکنامکس (اقتصادیات) رکھا ہے۔گویا ایک بڑا طبقہ بالکل غریب ہو کر بھوکا مرے اور ایک قلیل طبقہ دولت سے مالا مال ہو کر عیاشی کرتا پھرے۔اور اگر اس کی اس عیاشی میں کوئی رکاوٹ بنے تو قتل و غارت گری پر اُتر آئے۔کیا یہی ماڈرن سائنس اور جدید علمی روشنی ہے۔

جہاں تک سیاست کا تعلق ہے جمہوریت اور عوامی حکومتوں کے نام دے کر ان کو بدنام کیا گیا ہے کہ حکومت ہمیشہ عوام کے چناؤ سے، عوام کے ذریعے سے اور عوام پر کی جائے۔مگر عوام کا چناؤ ہمیشہ زر و زمین اور زن سے خرید لیا جاتا ہے۔اس طرح عوام ختم ہو جاتا ہے اور سرمایہ دار ہمیشہ برسراقتدار رہتا ہے۔اگر کوئی عوام میں سے خوددار برسراقتدار آجاتا ہے تو وہ قتل کر دیا جاتا ہے۔دُنیا بھر کی تجارت سرمایہ دار کی کنیز بنی رہتی ہے یا وہ حکومت کے نام پر تجارت کرتا ہے۔سرمایہ دار اور حکومت کرنے والا طبقہ خاص خاص درس گاہوں میں خاص نظریات کے مطابق تعلیم حاصل کرتا ہے تاکہ وہ سرمایہ دار اور حکومت کی خانہ پری کرتا رہے اور محکوم ہمیشہ محکوم رہے۔

مذہب، یورپ و امریکہ اور روس تینوں جگہ پر ختم ہو چکا ہے۔یورپ اور امریکہ میں حکومت کی بنیادوں کو قائم رکھنے کے لئے ان کی عجائب خانوں (گرجوں) کو بڑی حفاظت اور احترام سے رکھ دیا گیا ہے۔جہاں پر حکومت کے تنخواہ یافتہ پادری اس کو ایک قدیم یادگار کے طور پر دکھاتے رہتے ہیں۔پھر اس کو بڑے تقدس سے لپیٹ کر رکھ چھوڑتے ہیں یا ان کے ادیب اپنے ادب میں اس مذہب کے تقدس اور احترام کا مذاق اڑاتے رہتے ہیں اور ہر ایک کو کھلی چھٹی ہے کہ وہ مذہب کے ساتھ جو سلوک چاہے کرے۔ان پر خدا اور آخرت کی کوئی بندش نہیں ہے۔حکومت مذہب کے معاملے میں آزادی دینا اپنا فرض اور عوام کا حق خیال کرتی ہے۔

جب یورپ وامریکہ اور روس کے اخلاقیات واقتصادیات اور سیاست ومذہب کا یہ حال ہے جہاں احترام انسانیت نہیں ہے اور حیوانی تقدس اور حیوانیت کو مقدم کر دیا گیا ہے۔ کیا کوئی صحیح معنوں میں اخلاق کی قدروں کو سمجھنے والا یا وہ صاحب دِل ودماغ جس نے دُنیاوی معاشرہ کی بنیاد انسانیت پر اور اس کی واحدانی (فسٹ یونٹ) صرف انسان کو قرار دیا ہو۔ وہ کیسے ان کی سائنس وعلم اور تحقیقات کو صحیح قرار دے سکتا ہے۔ کیا عریانی وجنسی بھوک اور غریب مار اور انانیت کی تباہی کو یورپ وامریکہ کی عقلمندی اور ذہانت کہا جاسکتا ہے؟ کیا اس گندی تہذیب وتمدن اور ثقافت کو نمونہ بنا کر اس کی پیروی کی جاسکتی ہے۔ ایک صاحب عقل واہل علم اور مالک وجدان کے لئے یقیناً محلِ نظر ہے۔

اسباب وبائی امراض

وبائی امراض کی پیدائش کے اسباب میں طب قدیم اور فرنگی طب میں بہت کچھ نظریاتی اختلاف ہے اور اس اختلاف کی وجہ سے علاج میں بھی بہت کچھ اختلاف ہے۔ اگرچہ فرنگی طب (ماڈرن میڈیکل سائنس) کا دعویٰ ہے کہ اس نے علم الوباء (اپی ڈیمالوجی Epidemiology) کی بنیاد رکھی ہے مگر ہماری تحقیقات یہ ہے کہ فرنگی طب علم الوباء خصوصاً وبائی امراض کی پیدائش سے قطعاً ناواقف ہے اور جس قدر بھی اس کے پاس علم ہے اوّل تو عطائی قسم کا ہے دوسرا بہت سا حصہ طب عربی اور ہندی کی نامکمل پیروی ہے۔ تیسرا ان کا تمام علم الوباء اور وبائی امراض علم الجراثیم کے گرد گھومتا ہے۔ جہاں سے وہ گمراہی میں گرفتار ہوئی ہے۔ معلومات کے لئے فرنگی طب کے علم الوباء کا مختصر خلاصہ پیش کرتے ہیں تاکہ ہماری تحقیقات پوری طرح ذہن نشین ہوسکے۔

فرنگی علم الوباء

میڈیکل سائنس (فرنگی طب) وبائی امراض کو بھی دیگر متعدی امراض کی طرح متعدی تسلیم کرتی ہے۔ فرق صرف یہ کیا جاتا ہے کہ عام متعدی امراض بالواسطہ اثر انداز ہوتے ہیں مگر وبائی امراض بلاواسطہ پیدا ہوجاتے ہیں۔ اس لئے متعدی امراض کے اثرات کو دوصورتوں سے تسلیم کیا گیا ہے۔

بالواسطہ چھوت

چھوت بالواسطہ ہمیشہ کسی توسل سے پھیلتی ہے۔ یہی صورت وبائی ہے۔ جس کی تین صورتیں ہیں۔

الف: ہوا یا موسم میں متعدی اثرات پیدا ہوجائیں۔ پھر وہ جسم انسان میں جاکر زہریلا اثر پیدا کردے۔

ب: مریض کے فضلات یا مستعملہ اشیاء جب غلطی سے کسی تالاب یا جوہڑ یا کنویں میں چلی جائیں تو اکثر متعدی امراض پھوٹ پڑتے ہیں۔

ج: کسی کرم نما جانور کے ذریعے جسم انسان میں متعدی امراض کے زہریلے جراثیم داخل ہوجائیں۔ مثلاً ملیریا میں مچھر کے ذریعے اور پسو مرض طاعون کے جراثیم لے کر تندرست کے جسم میں پہنچاتا ہے۔ اسی طرح دیگر کرم مثل جوں، کھٹمل، مکھیاں اکثر وبائی امراض کے پھیلانے کا باعث ہوتی ہیں۔

کرم نما جاندار امراض کی پیدائش اور وباء پھیلانے میں تین طریقے پر کام کرتے ہیں:

اوّل۔ زہر بردار: ایسے کرم نما جاندار زہریلے ومتعفن اور گندے مواد کو ایک مقام سے اٹھا کر دوسرے مقام پر لے جاتے ہیں۔ ان کو انگریزی میں ''کیریئر'' کہتے ہیں۔ جیسے مکھی، جو عام طور پر زہریلے ومتعفن اور غلیظ وناپاک گندگی کے ڈھیروں اور بول وبراز پر بیٹھ کر اور پھر انسانی اغذیہ اور زخموں پر بیٹھ کر ان کو متعدی بنا دیتی ہے۔ جن سے مختلف امراض پیدا ہوجاتے ہیں اور وبائیں پھیلتی ہیں۔ بعض دفعہ انسان خود زہر بردار بن جاتے

ہیں جو مکھی کی طرح یہی مواد ایک مقام سے دوسرے مقام تک پہنچا دیتے ہیں۔اس طرح جراثیم ایک مقام سے دوسرے مقام تک پہنچ جاتے ہیں۔

دوم- زہر آلودہ: اکثر جراثیم کرم نما جاندار کے جسم میں داخل ہو کر اپنی نسل اور پود بڑھاتے ہیں۔ پھر ان جراثیم یا جراثیمی مواد کو انسان کے خون میں یا جسم میں داخل کر کے اکثر معتدی امراض کا باعث بنتے ہیں۔جیسے ''مچھر'' وغیرہ۔ایسے کرم نما جاندار دراصل انسان کا خون چوستے ہیں اوراس طرح امراض کے زہراور جراثیم جسم انسان میں داخل کر دیتے ہیں۔

سوم- زہر دار: ایسے کرم نما جو خود اپنے اندر خاص قسم کے زہر رکھتے ہیں جو اپنے گزند سے امراض پیدا کر دیتے ہیں اور ایسے امراض بھی متعدی صورتیں اختیار کر سکتے ہیں۔ایسے کرم نما جانداروں کی مثال تیلنی مکھی، جوں، کھٹمل، پسو اور چچڑی ہیں۔

وباء کا پھیلنا

جب جراثیم کسی جسمانی ساخت میں داخل ہوتے ہیں تو جسم ان سے متاثر ہو کر اپنے افعال میں اعتدال قائم نہیں رکھ سکتا۔اس حالت کا نام مرض ہے۔ جراثیم کے ضرر سے جو امراض پیدا ہوتے ہیں ان کو متعدیہ کہا جاتا ہے اور اس عمل کو جس کے ذریعہ جراثیم امراض پھیلاتے ہیں چھوت (انفیکشن) کہتے ہیں اور جو جراثیم امراض پیدا کرتے ہیں ان کو بیکٹیریا کہتے ہیں۔یہی چھوت دار جراثیم جب اپنے حملے میں کثرت اور تیزی اختیار کر لیں اور عمومی صورت پیدا ہو جائے تو اس کو وباء کہتے ہیں۔

فرنگی طب میں وباء کا تصور

فرنگی طب چونکہ اکثر امراض بلکہ ہر مرض کا باعث جراثیم ہی کو قرار دیتی ہے۔اگرچہ بہت سے امراض کے جراثیم کا ان کو علم نہیں ہے لیکن وبائی امراض کو وہ یقیناً جراثیمی اور چھوت دار امراض قرار دیتی ہیں۔ چاہے یہ وبا موسم کی خرابی، آب و ہوا کی بے اعتدالی اور زلزلہ وسیلاب کی تباہ خیزی ہی وجہ سے کیوں نہ ہو، وباء کے زمانے میں فرنگی طب کا یہی حربہ کام کرے گا کہ وہ جراثیم اور چھوت دار مواد کو تباہ کریں چاہے وہ انسان کے جسم میں ہو یا جسم انسان سے باہر کہیں نظر آئے یا کسی جگہ پر اس کے ہونے کا امکان پایا جائے۔اس کے علاوہ کسی اور صورت پر زور نہیں دیں گے۔ مثلاً غذا کی بے قاعدگی، آب و ہوا کی بے اعتدالی، موسم کی خرابی اور زلزلہ وسیلاب کے خطرناک اثرات کو ہمیشہ نظر انداز کرتی رہے گی۔اگر ان کی طرف بھی کچھ توجہ ہوگی تو وہ صرف جراثیم اور چھوت دار موسم کا دور کرنا مقصد ہوگا حالانکہ مندرجہ بالا تمام صورتیں قدرت کی دسترس میں ہیں اور فطرت کے ایسے اعمال ہیں جن پر انسان کا عمل دخل کچھ نہیں ہے۔ایسی صورتوں میں دیگر تغیرات فانی کو بھی مدنظر رکھنا ضروری ہوتا ہے۔اگر ان پر انسان کی دسترس نہ ہو تو جسم انسان کو غیر معمولی تغیرات سے بھی روکنے اور بچانے کی ضرورت ہوتی ہے۔اس لئے صرف جرم کش اور دافع تعفن ادویات و اعمال کے علاوہ دیگر صورتیں بھی کام لانی چاہئیں۔جن سے اعتدال جسم و نفس قائم رہ سکے۔اور وباء کی پوری روک تھام ہو سکے۔ بلکہ قبل از وقت وباء کو عوام کی زندگیوں کو بچایا۔

علم الوباء طب قدیم

طب قدیم میں علم الوباء بہت وسیع ہے۔مختصر طور پر یوں کہا جا سکتا ہے کہ وباؤں کے اسباب ارضی وسماوی دونوں صورتوں میں تسلیم کرتی ہے۔ جب ارضی اور سماوی کی تشریح کی جاتی ہے تو پھر اس کے پھیلاؤ کا صحیح پتہ چلتا ہے۔ چونکہ انسانی نفس اور زندگی کا تعلق اسی آفاق اور کائنات سے ہے جو زمین و آسمان سے مل کر بنی ہوئی ہے۔اس لئے طب قدیم میں ابتدائی قوانین طبیہ بیان کرنے میں ان تمام اُمور کو سامنے رکھا ہے۔جس میں انفس و آفاق اور زندگی و کائنات دونوں شریک ہوں۔گویا دونوں کا گہرا تعلق اور چولی دامن کا ساتھ ہے اور ایک دوسرے پر اثر انداز ہوتے ہیں

یعنی جب زمین وآسمان میں کوئی تغیر پیدا ہوگا۔ اس کا اثر زندگی اور نفس پر ضرور پڑے گا۔ اسی طرح جب زندگی اور نفس میں تغیرات پیدا ہوں گے۔ کائنات وآفاق پر بھی اثر انداز ہوں گے۔ بالکل اسی طرح جیسے جسم اور نفس دونوں ایک دوسرے سے وابستہ ہیں اور ایک دوسرے پر اثر انداز ہیں۔ لیکن دونوں ایک دوسرے سے جدا جدا ہستی بھی رکھتے ہیں۔ ان میں سے ایک مادی اور دوسرا غیر مادی ہے۔ مگر حالت یہ ہے کہ ایک دوسرے کے بغیر نہیں رہ سکتے۔ بلکہ انسان ہی قائم نہیں رہ سکتا۔ ایک نفسیات ومنافع اعضاء کا ماہر دونوں کے تعلقات کو پوری طرح سمجھ سکتا ہے۔ یہی صورت آفاق کی بھی ہے۔ وہ نفس کے ساتھ متعلق ہے۔ یہی تعلق کائنات اور زندگی کا بھی ہے۔ اگر اس کائنات اور آفاق میں زندگی اور نفس ختم ہو جائیں تو اوّل الذکر کا قیام بھی مشکل ہو جائے۔ کیونکہ ثانی الذکر ان کے اجزاء الاجزاء ہیں۔ بالکل اسی طرح جیسے نفس اور جسم کو الگ اور جدا نہیں کیا جا سکتا۔

وباء اور امور طبعیہ

وباء اور اس کی وسعت اور اس کے اثرات کائنات زندگی پر سمجھنے کے لئے امور طبعیہ کا ذہن نشین رکھنا بے حد ضروری ہے۔ کیونکہ امور طبعیہ چند ایسے امور ہیں جن پر انسانی زندگی کا قیام ہے اور اگر ان میں سے ایک بھی نفی کر دیا جائے تو زندگی کا قیام ناممکن ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اگر غور کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ جس طرح امور طبعیہ کا تعلق ایک طرف انسانی زندگی کے ساتھ تو دوسری طرف کل کائنات کے ساتھ ہے۔

جاننا چاہئے امور طبعیہ سات ہیں: (۱) ارکان (۲) مزاج (۳) اخلاط (۴) اعضاء (۵) ارواح (۶) قویٰ (۷) افعال۔

جن کی تشریحات طبّی وطبعی اور فلسفہ کی کتب میں تفصیل سے درج ہیں۔ اور ہر اہل فن اور صاحب علم جانتا ہے۔ ہم یہاں پر صرف زندگی اور کائنات سے ان کا باہمی تعلق بیان کر کے واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ زندگی اور کائنات کس طرح آپس میں وابستہ اور منسلک ہیں۔

جاننا چاہئے کہ امور طبعیہ میں اعضاء ایک درمیانی شے یا بنیاد زندگی ہیں۔ ان کی تشکیل ارکان ومزاج اور اخلاط سے وجود میں آتی ہے اور ان کا رواں دواں ہونا ارواح وقویٰ اور افعال کے زیر اثر ہے اور تنظیم پاتے ہیں۔ اس امر سے ثابت ہوا کہ اعضاء دونوں صورتوں میں مجبور محض ہیں۔ یعنی اوّل صورت میں یعنی تشکیل میں جن تین امور کے ساتھ تعلق ہے اس کی ابتداء اگر اخلاط سے ہے جس سے وہ غذا حاصل کرتے ہیں لیکن اس کی انتہاء ارکان اور ان کے مزاج پر ہے۔ اور ارکان اور ان کے مزاج کا تعلق کائنات سے ہے۔ گویا جو کچھ بھی کائنات میں وارد ہوگا یا جو کچھ بھی اس کا مزاج ہوگا۔ وہی مزاج اخلاط کا ہوگا جن سے اعضاء غذا حاصل کرتے ہیں۔ اس لئے حکماء اور اطباء نے اعضاء کے افعال کی خرابی کے اسباب میں کیفیات اور مزاج کو شریک رکھا ہے۔ بالکل یہی صورت وباؤں میں نمایاں طور پر وارد ہوتی ہے۔ کیونکہ وباؤں میں کوئی ایک انسانی کیفیات خراب نہیں ہوتیں بلکہ کائنات کی کیفیات اور مزاج میں شدید تغیر پیدا ہو جاتا ہے۔ جہاں پر اعضاء بالکل مجبور ہو جاتے ہیں اور مقابلہ کی تاب نہ لا کر ختم ہو جاتے ہیں۔ وباؤں کے مقابلے اور قیام اعضاء کے لئے جو جدوجہد کی جاتی ہے اسی کا نام علم الوباء ہے۔

دوسری طرف یہی اعضاء پوری طرح ارواح قویٰ اور افعال کے ماتحت ہیں۔ ارواح سے مراد لطیف اخلاطی بخارات ہیں جو حامل خون ہیں اور قویٰ نفس انسانی وہ ہیں جو جسم میں افعال ظاہری اور باطنی کے لئے تحریکات پیدا کرتے رہتے ہیں۔ گویا یہاں بھی اعضاء اور ان کے افعال نفس کے ماتحت ہیں اور نفس کائنات اور آفاق ہیں۔ اور یہ حقیقت ہے کہ کائنات کا پھیلاؤ ارضی اور آفاق کا پھیلاؤ سماوی ہے۔ گویا اعضاء انسانی ارضی اور سماوی کے جہاں پر ایک جزو ہیں وہاں پر اس کے شریک بھی ہیں۔ اس لئے ہر مرض خاص طور پر وبائی امراض میں اعضاء کی حفاظت اس اصلاح کے لئے ارضی اور سماوی تعلق کو مدنظر رکھنا ایک اہم حقیقت ہے۔ صرف اس قدر ہی کافی نہیں ہے کہ فرنگی کے جراثیم کا علم حاصل کر لیا جائے

اورعلم الوباء حاصل ہو جائے گا۔اور ہم وباء سے محفوظ ہو جائیں گے۔حیرت کی بات یہ ہے کہ فرنگی میڈیکل سائنس،اس امر پر فخر کرتی ہے کہ یہ تحقیق صرف انہی کی ہے کہ وبائیں جو پیدا ہوتی ہیں صرف جراثیم کی خرابی کا نتیجہ ہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ علم اور تحقیق علم الوباء میں باعث شرم اور جہالت کی دلیل ہے۔

ہماری تحقیق

یہ ہے کہ انسان بھی کائنات میں جزوِ آفاق ہے جس طرح ایک بال بھی ہمارے جسم کا جزو ہے۔سواس کے جزو ہونے کی وجہ سے جو مزاج ارضی وسماوی حرکات اور کائنات وآفاق کے اثرات کے تحت ظاہر ہوگا۔انسان بھی اس میں شریک ہے۔بالکل جس طرح ہر موسم میں انسانی مزاج میں تغیر پیدا ہو جاتا ہے اور جب تک انسانی مزاج اپنے ماحول کے مزاج اور کیفیات کو برداشت کرسکتا ہے زندہ رہتا ہے اور جب اس کی برداشت سے باہر ہو جاتا ہے،اس کی زندگی ختم ہو جاتی ہے اور فرنگی سائنس کا کہنا یہ ہے کہ جب تک جراثیم انسانی جسم پر حملہ نہ کریں نہ اس کے اعضاء میں خرابی واقع ہوتی ہے،نہ ہی وہ مریض ہوتا ہے اور نہ مرتا ہے۔کیا عقل سلیم اس کو تسلیم کرسکتی ہے۔اب اہل علم اور صاحب فن کا کام ہے کہ وہ ہماری تحقیق اور فرنگی تحقیق کا مقابلہ کرلیں اور حق کی داد دیں اور اس امر کو بھی ذہن نشین کرلیں کہ جراثیم بھی مخلوق ہیں۔

اسباب ضروریہ اور مرضہ

طب قدیم نے قوانین امور طبعیہ کو بیان کرنے کے بعد جب اسباب کی بحث کی ہے تو اس میں دو قسم کے اسباب بیان کئے ہیں۔

اوّل اسباب ضروریہ جن پر انسانی صحت کا دارومدار ہے۔اگر ان میں سے کسی ایک پر بھی عمل نہ کیا جائے تو صحت قائم نہیں رہ سکتی۔جو چھ ہیں،اس لئے ان کو اسباب ستہ ضروریہ بھی کہتے ہیں: (۱) ہوا (۲) ماکولات مشروبات (۳) حرکت وسکون بدنی (۴) حرکت وسکون نفسانی (۵) نیند و بیداری (۶) استفراغ وانقباض۔

ان اسباب ستہ ضروریہ میں بھی ارکان اور نفس دونوں شریک ہیں۔گویا انسانی صحت کا دارومدار اس امر پر ہے کہ وہ کائنات وآفاق یا ارضی وسماوی اثرات کے ساتھ اپنا تعاون قائم رکھے اور اپنے کو اس کے مطابق ڈھالتا رہے۔ہاں! اگر وہ کوشش کرے تو ارضی وسماوی اثرات کو بھی بہت حد تک بدل سکتا ہے۔یعنی وہ قانون قدرت کے مطابق صحیح فطرت کو اختیار کرتا رہے۔گویا اپنے ماحول اور فضاء کو مختلف اعمال اور ادویات کے جلانے سے غیر فطرتی تبدیلی بہت حد تک ہوسکتی ہے۔جن کی تفصیل آئندہ کی جائے گی۔

دوسرے اسباب مرضہ ہیں۔یہ ایسے اسباب ہیں جن کے افراط وتفریط سے امراض پیدا ہوتے ہیں: (۱) بادیہ (۲) سابقہ (۳) واصلہ۔ بادیہ کا تعلق کیفیات سے ہے۔سابقہ کا تعلق مزاج سے ہے اور واصلہ کا تعلق نفس اور اعضاء سے ہے۔غرضیکہ اسباب مرضہ میں بھی ارضی وسماوی اور کائناتی وآفاقی اثرات غالب ہیں۔اس لئے انسانی امراض خصوصاً وباؤں میں صحت کی حفاظت اور صحت کی درستی کے لئے امور طبعیہ ضرور مدنظر رہنے چاہئیں۔ان میں ہر قسم کے اسباب اور اثرات شامل ہیں اور پوری طرح اعضاء کے تغیر افعال کو ظاہر کرتے ہیں۔

وباء کی پیدائش سے قبل علامات

طب قدیم کا کمال یہ ہے کہ وباء کے ظہور سے بہت مدت پہلے پیش گوئی کردیتی ہے کہ وباء کا ظہور ہونے والا ہے۔اس کا تدارک کرلیا جائے۔یہ شرف صرف طب قدیم کو حاصل ہے۔فرنگی طب میں ایسا کوئی علم نہیں ہے اور نہ کوئی ایسا آلہ ہے جس سے عوام کو آگاہ کردے کہ وہ اس کے مقابلے کے لئے تیار ہو جائیں یا حکومتیں عوام کی خیرخواہی کے لئے کوئی بندوبست وانتظام اور پیش بندی کرلیں۔بلکہ اس کا بھی دستور یہ ہے کہ

جب وباء پھیل جاتی ہے تو اس وقت وبائی مادہ کا تجزیہ کر کے پہلے معلوم کرتے ہیں کہ کس مرض کے جراثیم ہیں۔ یا کوئی نئی بیماری پیدا ہوگئی ہے۔ پھر اس کا علاج تجویز ہوتا ہے۔ پھر اس کے تجربات کئے جاتے ہیں اور تحفظ اور علاج عمل میں آتا ہے۔ مگر اس وقت تک وباء اپنا کام کر چکی ہوتی ہے۔ اس کے برعکس طب قدیم نے ایسی علامات لکھی ہیں جن کے ظہور سے وباء کی آمد کا پتہ چل جاتا ہے، جیسے ٹھنڈی ہوا کی آمد بارش کی اطلاع دیتی ہے یا شمالی گھٹائیں شدید طوفانی بارش کا پیش خیمہ ثابت ہوتی ہیں۔ جو لوگ ان علامات کو ذہن میں رکھتے ہیں خاص طور پر دیہاتوں کے کسان، تو بارش کے نقصانات سے محفوظ اور مامون رہتے ہیں۔ اس آگاہی کی ضرورت وباؤں کے پیش از وقت پیدا ہونے والی علامات میں بھی ہے۔ جو لوگ اس سے آگاہ رہتے ہیں وہ وباؤں کی آمد سے واقف ہوتے ہیں اور پیش بندی کے طور پر حفظ صحت کے اصولوں کی نہ صرف شدت سے پابندی کر لیتے ہیں بلکہ وباؤں میں جن اغذیہ اور ادویہ کی ضرورت ہوتی ہے ان کا انتظام کر لیتے ہیں یا قبل از وباء ایسے علاقوں میں نکل جاتے ہیں جہاں پر قبل از وقت وبائی علامات نہیں پائی جاتیں۔ لیکن یہ امر یاد رکھنا چاہئے کہ ایام وباء میں نقل مکانی نہیں کرنی چاہئے۔ اگر ایسا کرنے کی ضرورت لاحق ہو تو بالکل کسی دوسرے گاؤں، شہر یا ملک میں نہیں جانا چاہئے۔ بلکہ گھنے جنگلات میں جا کر عارضی طور پر آباد ہو جانا چاہئے تاکہ وہاں لوگ اس مصیبت میں مبتلا نہ ہوں کیونکہ وباء کے اثرات جانے والے کے ہمراہ ضرور جاتے ہیں۔

ظہور سے قبل وباء کی علامات

① جوہر ہوا میں فساد پیدا ہو جاتا ہے۔ ہوا کے ذائقہ اور خوشبو میں تبدیلی پیدا ہو جاتی ہے۔ جیسے عام طور پر بارش کے موسم کے بعد جب گرمی پڑتی ہے تو زمینی بخارات سے فضا میں نمی پیدا ہو جاتی ہے جو جسم میں اندر اور باہر نمی ہی نمی کر دیتی ہے۔

② پانی کا ذائقہ بگڑ جاتا ہے۔ اس میں بدبو اور سڑاند کے اثرات ظاہر ہوتے ہیں۔ جیسے بارش کے موسم میں اکثر پانی اور ہوا میں تعفن کے اثرات ظاہر ہوتے ہیں۔

③ بارش کی انتہائی زیادتی۔

④ بارش کی انتہائی کمی کے ساتھ خشکی۔

⑤ انتہائی بارش کے بعد شدید گرمی۔

⑥ جب بارش کے آثار زیادہ ہوں مگر بارش نہ ہو۔

⑦ موسم ربیع میں سرد بارش ہو۔

⑧ جنوبی ہوائیں زیادہ چلیں، خاص طور پر ان میں پراگندگی ہو۔ جلد جلد چلیں اور کافی مدت تک رہیں۔ دن رات بادل رہیں اور گہرے ہو جائیں۔

⑨ سردی کے مہینوں میں ہوا زیادہ سرد ہو جائے، خاص طور پر صبح کے وقت اس میں زیادہ شدت ہو جائے۔

⑩ شہاب ثاقب (ٹوٹنے والے ستاروں) اور دمدار ستاروں کی کثرت ہو جائے۔ خصوصاً گرمی کے آخر اور خریف کے اوّل میں ایسی صورتیں ظاہر ہوں۔

⑪ حشرات اور مینڈک زیادہ ہو جائیں۔

⑫ ذکی الحس حیوانات مثلاً جونک اور چوہے اپنے مقام اور بلوں سے بھاگ جائیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ ایک موسم میں دوسرا موسم پیدا ہو جائے۔ اس میں طوالت اور شدت ظاہر ہو۔ اکثر وباؤں کے ظہور کی علامت ہوتی ہے۔ جیسے عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ بارش کا موسم طویل ہو جائے اور اس کے بعد گرمی نہ پڑے تو اکثر نزلہ زکام وبائی اور خون کی کثرت ہو جاتی

ہے۔اسی طرح کثرت بارش یا سیلاب کے بعد اگر گرمی شدید شروع ہو جائے تو ملیریا وبائی صورت اختیار کر لیتا ہے۔سردی کا موسم طویل ہو جائے تو پھوڑے پھنسی اور طاعون کی وباء پھیل جاتی ہے۔غرض موسموں کے تغیر چاہے ان کے اسباب ارضی ہوں یا سماوی وباؤں کے ظہور کی بہت بڑی علامت بن جاتے ہیں۔معالج کا ان باتوں کو جاننا نہایت ضروری ہے۔

شناخت اسباب وباء

ان امور کا پتہ چلانا اور دریافت کرنا کہ وباء کی ابتداء کن کن اسباب سے ہوئی ہے یعنی ابتداء میں ہوا کے اندر فساد پیدا ہو گیا ہے یا پانی میں فساد کا باعث ہوا ہے یا تعفن مردار اور خرابی غلہ جات اور اشیاء و غذا کے سڑ گل جانے سے وباء کی صورت اختیار ہو گئی ہے یا بوجہ تاثیر سیارگان و اجرام علوی وباء پر حکمران ہیں۔سو یہ امور حالات موجودہ کے لحاظ سے فہم فراست و تجربہ سے دریافت ہو سکتے ہیں۔عوام کو ان امور کا ادراک اور شعور ذرا مشکل سے ہوگا۔مگر ارباب فہم و فراست کے نزدیک ان علامات کا ادراک و احساس کچھ دشوار نہیں ہے۔جب سبب وباء کا مفہوم واضح ہو جائے گا تو باذن اللہ اس کا تدارک عقلاً و امکاناً احسن طریق سے انجام پا جائے گا۔

نظریہ مفرد اعضاء کے تحت وباء کی تقسیم

جاننا چاہئے کہ وباؤں کا ظہور غیر منظم طور پر عمل میں نہیں آتا۔جیسا کہ فرنگی طب کی تحقیقات ہیں۔اس لئے وہ ہر بار ہر وبائی مرض کی نئے سرے سے تحقیقات کرتے ہیں بلکہ جس قدر وبائیں آتی ہیں وہ سب قانون قدرت کے تحت منظم طور پر فطرت کے عمل ورد عمل کے طور پر وارد ہوتی ہیں۔جیسے ہم روزانہ دیکھتے ہیں کہ صبح، دوپہر و شام اور رات ہوتی ہے۔اسی طرح گرمی و سردی اور بہار و خزاں کے موسم آتے ہیں۔یہ کبھی نہیں ہوا کہ صبح کے بعد رات ہو جائے۔

شام بالکل نہ ہو یا گرمی کے بعد سردی آ جائے۔درمیان میں بہاری موسم ہی غائب ہو جائے۔قدرت نے جو قوانین فطرت بنا دیئے ہیں انہی کے تحت یہ کائنات اور زندگی رواں دواں ہے۔اس لئے وبائیں قانون قدرت کے تحت عین فطرت کے مطابق منظم طور پر آتی ہیں اور جب آتی ہیں تو کائنات میں اس کے اثرات و علامات کا اصولی طور پر اظہار ہوتا ہے۔اور پھر ان کا ظہور عمل میں آتا ہے۔جیسا کہ ہم گزشتہ صفحات میں لکھ چکے ہیں۔تاکہ ان کا قبل از وقت کچھ تدارک کیا جا سکے۔

وبائیں - آب وہوا اور موسم

وباؤں کو سمجھنے کے لئے موسم اور آب وہوا (کلائی میٹ) کا علم ہونا ضروری ہے۔کیونکہ انسان بلکہ موالید ثلاثہ ہر وقت آب وہوا میں گھرے ہوتے ہیں اور آب وہوا ارضی و سماوی دونوں سے گہرا تعلق رکھتا ہے۔جہاں پر ایک طرف جغرافیائی اثرات مثلاً میدانی اور ریگستانی علاقہ پر اپنا ایک خاص اثر رکھتے ہیں، وہاں پر سمندر و دریا اور پہاڑ و جنگل بھی اپنے اثرات ڈالتے رہتے ہیں۔اسی طرح موسموں کا بدلنا جو کلیتاً ستاروں کی گردش پر منحصر ہے۔اپنے اندر سماوی اثرات رکھتے ہیں۔اس لئے موسم اور آب وہوا کے بگڑنے سے وباؤں کی صورتیں پیدا ہوتی رہتی ہیں۔چونکہ موسموں کا اثر بھی آب وہوا پر پڑتا ہے اور آب وہوا ہی ہمارا ماحول ہے۔اس لئے جب فضاء بگڑتی ہے تو گویا آب وہوا ہی متاثر ہو کر بگڑ جاتے ہیں۔اس لئے جن علاقوں میں جب وبائیں آتی ہیں تو پہلے وہاں کے آب وہوا میں خرابی پیدا ہوتی ہے اور پھر وہی آب وہوا انسان اور دیگر موالید ثلاثہ پر اثر انداز ہو کر ان کا مزاج اور صحت بگاڑ دیتے ہیں اور یہی صورت جب فضاء اختیار کر لے تو اس کو وباء کا نام دیتے ہیں۔گویا وباء فضاء کا بیمار ہو جانا ہے۔

آب وہوا کی حقیقت

جاننا چاہئے کہ آب وہوا کا تعلق صرف پانی اور ہوا سے نہیں ہے بلکہ ان میں گرمی بھی شریک ہے جو ہمیشہ آب وہوا کو پاک وصاف اور صحت مند ومعتدل رکھتی ہے۔ لیکن کبھی کبھی گرمی کی زیادتی خود بھی باعث وباء اور امراض بن جاتی ہے۔ اس لئے امراض وبائیہ کو ذہن نشین کرنے کے لئے ہوا اور پانی اور گرمی اور ان کے تعلقات کے متعلق جاننا نہایت ضروری ہے کہ ان کی پیدائش، کمی بیشی اور اعتدال کس طرح قائم رہتا ہے اور جب ان میں بگاڑ وفساد پیدا ہو جاتا ہے تو کیسے پیدا ہوتا ہے تاکہ ہم حتیٰ الامکان اس کی اصلاح کر سکیں اور اس کو صحت مند بنا سکیں۔ یہی علم الوباء ہے۔

فضاء اور آب وہوا

اس کائنات میں ہر علاقہ کی ایک مخصوص آب وہوا ہے بلکہ اگر آسمان کی طرف بھی پرواز کریں تو بھی وہاں فاصلے فاصلے پر جدا جدا آب وہوا پائی جاتی ہے۔ گویا ہر علاقہ اپنی ایک خاص آب وہوا رکھتا ہے اور ہر موسم میں آب وہوا تبدیل ہوتی ہے۔ گویا آب وہوا اپنا ایک دائرہ رکھتی ہے جو موالید ثلاثہ میں پھیلا ہوا ہے جس کو ہم فضا کہہ سکتے ہیں۔ ویسے تو اس فضاء کا اطلاق تمام کائنات تک ہو سکتا ہے۔ مگر عام طور پر حد نگاہ ہی ہماری فضاء ہے۔ اس لئے جو کچھ بھی تبدیلی وتغیر اور فساد پیدا ہوتا ہے وہ چونکہ مقامی وعلاقائی آب وہوا میں ہوتا ہے۔ اس لئے خرابی بھی مقامی اور علاقائی فضاء میں پیدا ہوتی ہے۔ اس لئے اصلاح بھی اسی فضاء تک محدود ہوگی۔

فضا کو کائنات کا جسم تصور کرلیں۔ جس کے مختلف علاقے اس کے اعضاء ہیں۔ جس علاقے میں خرابی واقع ہوگی بہت حد تک اسی فضاء میں محدود رہے گی لیکن کبھی کبھی اسی فضاء سے دیگر علاقوں میں بھی پھیل جاتی ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے جسم انسان کے کسی عضو میں مرض ہو اور پھر اس کا اثر خون کے ذریعے کسی دوسرے عضو تک چلا جائے۔

اس فضاء میں ہوا، پانی اور گرمی تینوں اس طرح ملے رہتے ہیں جس طرح خون، ہوا، پانی اور گرمی سے مرکب ہے۔ گویا ہوا، پانی اور گرمی تینوں کا مرکب فضا کے لئے خون کا قائم مقام ہے۔ آب وہوا کا لفظ اسی مرکب کے لئے بولا جاتا ہے۔ جس مقام اور علاقے کی آب وہوا میں تغیر وتبدیلی اور خرابی پیدا ہو جائے گی۔ اس مقام اور علاقے میں وبا نمودار ہو جائے گی۔ گویا فضا کا وہ عضو بیمار ہو گیا ہے۔ جیسے انسان کا کوئی عضو دردناک ہو جاتا ہے۔

فضاء کے لئے یہ امر ذہن نشین کرلیں کہ وہ محض ایک جسم ہے۔ جس کو ہم ایتھر کہتے ہیں۔ اس کو سماوی کہنا زیادہ مناسب ہے۔ اس کا ایک طرف تعلق ارضی موالید ثلاثہ سے ہے اور دوسری طرف اس کا تعلق سماوی اجرام سے ہے۔ جب فضا کے کسی حصہ (جسم) میں تغیر وتبدل اور فساد پیدا ہوتا ہے تو فضاء کی روح (روح عالم اور روح مدبر عالم کہنا چاہئے) سے فوراً اس مقام پر صحیح وصالح اثرات پہنچنے شروع ہو جاتے ہیں اور اعتدال قائم ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ اس طرح مقامی آب وہوا کا مزاج اصلاح پذیر اور صحت مند ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ اگر مقامی علاقہ کی طرف سے بھی اصلاح ودرستی کی کوشش کی جائے تو فوراً اعتدال قائم ہو کر وبائی امراض دور ہو جاتے ہیں۔ اس لئے وبائی ایام میں اگر امراض کے علاج کے ساتھ ساتھ فضاء کی درستی کی بھی کوشش کی جائے تو وبائیں بہت جلد دور ہوتی ہیں۔

وباؤں کی تقسیم

جس طرح وبائیں منظم اور فطرت کے اصولوں کے مطابق آتی ہیں، اسی طرح وہ اقسام میں نازل ہوتی ہیں۔ یہ کبھی نہیں ہوتا کہ وبائیں ہمیشہ بدل بدل کر آئیں جن کا انسان کو علم بھی نہ ہو۔ جیسا کہ فرنگی طب کی تحقیقات ہیں۔ جاننا چاہئے کہ وبائیں تین اقسام کی ہوتی ہیں:

- کسی علاقہ کی فضاء یا آب وہوا (پانی، ہوا اور گرمی کا مرکب) میں کیفیاتی طور پر مزاجاً خرابی واقع ہو جائے۔ یہ خرابی اکثر عارضی ہوا کرتی ہے۔
- کسی علاقہ کی فضاء یا آب وہوا میں تغیر وتبدل پیدا ہو جائے یعنی ایک موسم میں دوسرا موسم پیدا ہو جائے۔ یہ خرابی اکثر سماوی اثرات کی وجہ سے نمودار ہوا کرتی ہے۔
- کسی علاقہ کی فضاء یا آب وہوا میں فساد واقع ہو جائے یعنی اس میں تعفن پیدا ہو جائے۔ جس کے نتیجہ میں اس کے اندر جراثیم یا جراثیمی مواد اور زہریلا پن پیدا ہو جاتا ہے۔

ان تینوں صورتوں میں سے ہمیشہ ایک نہ ایک صورت پیدا ہوتی ہے، چوتھی کوئی صورت پیدا نہیں ہوسکتی۔ اگر کوئی سائنس یا فرنگی طب ان کے علاوہ کوئی صورت ثابت کر دے تو ہم اس کو چیلنج کرتے ہیں۔

اسباب وباء

چونکہ علاقائی فضاء یا آب وہوا میں چیزیں، پانی، ہوا اور گرمی سے مرکب ہوتی ہیں۔ اس لئے اصل خرابی پانی وہوا اور گرمی میں پیدا ہوتی ہے۔ لیکن ان کی خرابی کا سبب بادیہ (سماوی) اور سبب رابقہ (ارضی) ہوتی ہے۔ سبب واصلہ نہیں ہوتی۔ کیونکہ سبب واصلہ وہ خرابی ہے جو مقامی فضا میں پیدا ہوتی ہے یعنی کسی علاقائی خرابی کو جب فضا درست اور اعتدال پر قائم نہیں رکھ سکتی اور سبب بادیہ (سماویہ) اور بادیہ (ارضیہ) غالب آجاتے ہیں تو سبب واصلہ اس امر پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ وہاں کب آب وہوا (پانی، ہوا اور گرمی کا مرکب) میں خرابی واقع ہو کر وباء کی صورت پیدا کر دے۔ بس اس طرح وبائیں پیدا ہوتی ہیں۔

تفصیل اسباب

ظاہر میں تو یہ محسوس ہوتا ہے کہ ہر قسم کے اسباب اوّل ہوا پر اثر انداز ہوتے ہیں اور پھر یہی خراب یا مسموم ہوا، انسان یا حیوان کو مبتلائے مرض کر دیتی ہے۔ اس حد تک تو یہ صحیح ہے کہ ہوا پانی اور گرمی کا جو مرکب اس فضاء میں تیار ہوتا ہے اس کی بنیاد ہوا ہی ہے اور کبھی اس میں ہوا کی خشکی بڑھ جاتی ہے۔ کبھی اس میں پانی کی رطوبت زیادہ ہو جاتی ہے اور کبھی اس کے اندر گرمی کا اضافہ ہو جاتا ہے جو سانس کے ساتھ جسم انسان میں جا کر باعث مرض بن جائیں یا انہی کا فساد ہوا میں شریک ہو کر وباؤں کی صورت میں نمودار ہو جائے۔

لیکن ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ گندے تالابوں، خراب کنوؤں اور غیر محفوظ چشموں بلکہ چھوٹے ندی نالوں اور محفوظ پانیوں میں خرابی واقع ہو جائے۔ پھر وہی پانی مجبوراً اور بے علمی سے استعمال کیا جائے تو اس طرح بھی وبائیں پھوٹ پڑتی ہیں۔ اسی طرح بعض وقت آفتاب کی گرمی میں اس قدر شدت پیدا ہو جاتی ہے کہ اس کی حرارت قابل برداشت نہیں رہتی۔ ایک دم ضعف قلب پیدا ہو جاتا ہے۔ کثرت سے پسینہ آجاتا ہے۔ دِل گھٹ جاتا ہے اور انسان گر پڑتا ہے۔ اس سے یک لخت موت واقع ہو جاتی ہے۔ اسی طرح بعض اوقات ساتھ میں ایک دو بارقے بھی آجاتی ہے۔ اس صورت سے موت جلد واقع ہو جاتی ہے۔ اس کو ہارٹ فیل ہونا کہتے ہیں۔

اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ آفتاب کی شدت سے انسان کا بیرونی جسم جل اٹھتا ہے۔ طبیعت مدبر بدن اس کو ٹھنڈا کرنے کے لئے خون کی ایک بہت بڑی مقدار اس طرف بھیج دیتی ہے۔ مگر بیرون جسم کی حرارت کا مقابلہ نہیں ہو سکتا۔ دوسرے اندرون جسم میں خون کی کمی واقع ہو جاتی ہے جو قلب کے واسطے کافی نہیں ہوتا اور جو خون اس کو پہنچتا ہے وہ ضرورت سے زیادہ گرم ہوتا ہے جس کو قلب برداشت نہیں کر سکتا۔ جس کا اخراج وہ پسینہ اور قے سے کرتا ہے۔ اس طرح جسم میں خون کی مقرر مقدار اور اس کے عناصر بہت حد تک کم ہو جاتے ہیں۔ جن سے دل ودماغ اور جگر کا توازن ختم ہو جاتا ہے۔ بس فوراً موت واقع ہو جاتی ہے۔ انتہائی گرم علاقوں یا گرمی کے اچانک بڑھ جانے یا کسی علاقہ سے گرمی کی لہر آ جانے پر اکثر ایسی وبائیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ ایسی وبائیں اس قدر خطرناک ہوتی ہیں کہ ان کا مداوا اور تدبیر اکثر دوا نہیں ہو سکتی۔ اوّل تو مریض دوا سے قبل ہی ختم ہو جاتا ہے اور اگر دوا دے بھی دی جائے تو مریض بچ نہیں سکتا۔ کیونکہ گرمی اپنا اثر کر چکی ہوتی ہے۔ اس کو انگریزی میں ہیٹ سٹروک کہتے ہیں۔

اس کا بہترین مداوا یہ ہے کہ موسم میں تغیر وتبدل پیدا کیا جائے۔ اگر فوری طور پر ممکن ہو تو بالائی منزل یا باغات اور نہروں کے کنارے فوراً رہائش اختیار کر لی جائے تاکہ شدت حرارت کو زیادہ سے زیادہ کم کیا جا سکے۔

بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ گلے سڑے پھل سبزیاں اور گوشت ومچھلی وغیرہ کے استعمال سے کوئی ایک یا چند لوگ ان کے زہریلے اثرات سے مریض ہو گئے۔ مگر ان کے جسم سے جو قے، اسہال، تھوک اور پسینہ کی صورت میں اخراج ہوئے ان سے بے احتیاطی برتی گئی۔ وہ کسی طرح دوسروں کے کھانے میں پڑ گئے۔ اسی طرح وہ بھی انہی امراض میں مبتلا ہو گئے اور یہ سلسلہ اگر آگے بڑھا تو وباء کی صورت اختیار کر گیا۔ اگر ایسے واقعات کسی تالاب وچشمہ اور ندی نالوں یا کسی غذائی مرکز مثلاً پھل، سبزی اور گوشت ومچھلی کی منڈی یا ہوٹلوں کے قرب وجوار میں واقع ہوں تو وبائیں فوراً پھیل جاتی ہیں۔ ایسی صورتوں کا صحیح تدارک یہ ہے کہ کبھی بھی ایسے غذائی مرکز یا ہوٹل نشیبی علاقوں میں نہ بنائے جائیں اور نہ ہی وہاں پر قریب گندگی کے ڈھیر ہوں۔ اور جب کوئی شخص وہاں سے ضروریات زندگی خریدنے جائے تو وہ اپنے حواس خمسہ وشعور اور ذوق سلیم سے کام لے۔ اگر ایسے علاقہ میں گندگی نظر آئے یا وہاں پر گندگی اور تعفن کا احساس ہو تو فوراً وہاں سے واپس ہو جائے۔ کبھی وہاں سے ضروریات زندگی نہ خریدے کیونکہ بدبو اور تعفن کی ہوا بھی ان اشیاء پر اثر کر جاتی ہے۔

مجھے مچھلی منڈی میں جانے کا اکثر تجربہ ہوا ہے کہ جو لوگ مچھلی خریدنے آتے ہیں وہ صرف یہ دیکھتے ہیں کہ مچھلی ارزاں مل جائے تو وہ فوراً خرید لیتے ہیں۔ وہ یہ کبھی نہیں دیکھتے کہ مچھلی تازہ ہے یا نہیں۔ میں نے بارہا دیکھا ہے کہ سخت بدبودار مچھلی بھی لوگ خرید لیتے ہیں۔ میں نے کئی لوگوں سے دریافت کیا ''آپ بدبودار مچھلی کیوں خرید لیتے ہیں'' تو اکثر یہ جواب دیتے ہیں ''مچھلی اور بو نہ ہو۔ آپ کیسی باتیں کرتے ہیں''۔ میں جواب میں کہتا ہوں ''تازہ مچھلی میں بو نہیں ہوتی''۔ تو وہ جواب دیتے ہیں ''آپ کو مغالطہ ہو گیا ہوگا۔ ورنہ تازہ مچھلی میں بھی بدبو ہوتی ہے''۔ بعض یہ جواب دیتے ہیں ''جناب یہ بدبو فوراً آٹا اور نمک کے ساتھ دھونے سے نکل جاتی ہے۔ ہمیں اس بدبو کا کوئی فکر نہیں رہتا''۔ جب ہم یہ کہتے ہیں ''تازہ اور باسی مچھلی کے گوشت میں لذت کے لحاظ سے بہت فرق ہوتا ہے۔ دوسرے باسی مچھلی نقصان دے جاتی ہے''۔ تو وہ جواب دیتے ہیں ''جناب ہمیں تو ذائقہ میں کوئی فرق معلوم نہیں ہوتا اور نہ ہی کبھی نقصان ہوا ہے''۔

جب میں کبھی مچھلی منڈی میں مچھلی خریدتا ہوں تو اوّل مچھلی تو دیکھتا ہوں کہ وہ ظاہرہ تازہ نظر آتی ہے یا نہیں۔ جب تازہ نظر آئے تو اس کے پیٹ کے پاس سے سونگھتا ہوں کہ اس میں بدبو یا تعفن تو نہیں ہے۔ پھر خریدتا ہوں۔ مگر مچھلی فروش ہمیشہ یہی کہتا رہتا ہے کہ ''بابوجی! تم نے مچھلی نہ خریدنی ہے نہ کھانی ہے۔ مچھلی کو مت ہاتھ لگاؤ''۔ میں پوچھتا ہوں کہ ''بھائی! میں نے کیوں نہیں خریدنی اور کیوں نہیں کھانی؟'' وہ جواب دیتا ہے

''جس شخص نے مچھلی کی بوسونگھی۔ بس! بس! سمجھ لو کہ وہ مچھلی کا کھانے والا نہیں ہے۔ اس لئے وہ مچھلی نہیں خریدے گا''۔

ایک مچھلی کا ذکر نہیں ہے۔ بلکہ ہر قسم کے گوشت وسبزیاں اور پھل جب بدبودار اور متعفن ہو جائیں تو کھانے کے لائق نہیں ہیں۔ ان سے صرف کھانے والا ہی نہیں متاثر نہیں ہوتا بلکہ وبائیں پھیلتی ہیں۔ مچھلی کا ذکر اس لئے کیا ہے کہ اس میں بہت جلد بدبو اور تعفن پیدا ہو جاتا ہے اور اس کا زہر بھی شدید ہوتا ہے۔

وباؤں میں ہوا کا عمل دخل

چونکہ ہم کو وباء کے متعلق بہت سے مراتب اور احکام اور وہ امور کہ جو بغرض تحفظ صحت، وباء کے زمانہ میں عمل میں لانا ضروری ہیں اور نیز ان تدبیرات جزئیہ کی توضیح کہ جو امراض وبائیہ میں مبتلا ہونے کے وقت ہمارے ملک اور ہمارے مزاجوں اور ہماری حالتوں کے لئے مناسب ہیں نہایت اہتمام کے ساتھ اس طرح سے بیان کرنا مقصود ہے کہ اس سے قبل ہمارے پیشروؤں نے بیان نہیں فرمائے اور چونکہ وباء کا ظہور اور واسطہ عروض (ظاہر ہونے کا سبب) غالب امر میں بالآخر یہی ہوا ہے کہ جو ہمارے اور تمہارے اور جملہ اجسام سے ہر وقت ملاقی رہتی ہے، لہٰذا ہم کو مناسب معلوم ہوتا ہے کہ وباء کے بیان اور اس سے حفظ کے تدبیرات کی تشریحات کے قبل بطور مقدمہ ہوا کی ضرورتوں اور اس کی صلاحیت اور عدم صلاحیت کی توضیح وتشریح کریں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی مدد کے اعتماد پر بیان کی جاتی ہے۔

واضح ہو کہ غذا اور پانی اور خواب وبیداری وحرکت وسکون وغیرہ جن کی صراحت قبل اس کے عمدہ طور سے کی گئی ہے۔ انسان کے لئے عالم زندگی میں ضروری چیزیں ہیں، مگر ان سب سے ہوا اشد ضروری ہے۔ محالات سے ہے کہ انسان وحیوات بلکہ ہر ذی روح ایک گھنٹہ بھی ہوا سے مہجور اور ممنوع ہو کر زندہ رہے، بلکہ اکثر اجسام وجمادات کی طبعی حالت قائم رہنے کے لئے بھی ہوا کی مدد ضروری اور لابدی ہے۔ چنانچہ یہ اُمور محتاج دلیل نہیں ہیں۔

بالجملہ تمام اجسام کے لئے خواہ وہ اجسام حیوانی ہوں یا اجسام نباتی یا اجسام جمادی، ہوا کا مربی ہونا ایک بدیہی امر ہے۔

چونکہ ہوا کا مزاج گرم تر ہے، اس لئے اس میں تغیرات کا درود ہوتا رہتا ہے۔ کیا معنے وہ جلد جلد تحلیل بھی ہوتی رہتی ہے اور فوراً اس میں فسادات اور نقصانات بھی پیدا ہوتے رہتے ہیں، جیسا کہ روزمرہ اس کے انقلاب اور اس کی تاثیرات مختلف ہم کو اور آپ کو محسوس ہوتی رہتی ہیں۔ ان وجوہ سے ہوا کا مسئلہ بقائے صحت اور بقائے زندگی کے لئے نہایت درجہ اہتمام طلب اور قابل نگہداشت ہے۔ غرضیکہ یہ تغیرات جو ہوا میں عارض ہوتی ہیں، ان کے لئے مختلف زمانے اور مختلف اُمور اتفاقیہ باعث ہوتے ہیں، مگر جو تغیرات بالنسبۃ احتیاج بدن انسان کے اس میں ہر وقت لاحق ہوتے رہتے ہیں ان کی تفصیل بیان کی جاتی ہے۔ واضح ہو کہ سانس کی آمد وبرآمد سے بھی ہوا میں تغیرات پیدا ہوتے رہتے ہیں بدیں غرض طبیعت تحلیل شدہ اور تغیر پذیر ہوا کی تبدیل اور تردید کی محتاج رہتی ہے تاکہ وہ حرارت غریزی بدن انسان وحیوان کو ٹھنڈک پہنچاتی رہے۔ اگر یہ تبدیل وتردید ہوا کی نہ ہوتی رہتی تو کچھ شک نہیں کہ روح وحرارت غریزی بدن انسان وغیرہ اپنی آگ میں خود جل بجھ کر خاک سیاہ ہو جاتی اور حضرت انسان کی ہنگامہ آرائی اور شور وغوغا عالم دُنیا میں ایک دم سے خاموش ہو جاتے۔ گو اس کا مزاج بھی گرم ہے، مگر حکیم مطلق نے بکمال دانائی ضرورتاً زوج کا مزاج نہایت ہی گرم پیدا کیا ہے۔ حتیٰ کہ اس نرم گرم ہوا سے روح وحرارت مذکور کو راحت ملتی ہے۔ بالجملہ ہمارے ناک کے نتھنوں سے ہمارے تمام بدن کی جلد کے مسامات سے بذریعہ پھیپھڑہ اور بدن کے شریانوں کی قوت جاذبہ کے ذریعہ سے ہوا روح وحرارت مذکور کو پہنچتی رہتی ہے اور جب ٹھنڈک پہنچا کر خود گرم ہو جاتی ہے، اور صلاحیت ترویج (ٹھنڈک پہنچانے کی) معدوم ہو جاتی ہے تو وہ روح کے فضلات دخانی لئے ہوئے راستہ ہائے مذکورہ بالا سے واپس آتی ہے اور پھر تازہ بتازہ ہوا کا تبادلہ ہوتا رہتا ہے۔ یعنی اوپر کے سانس کے ذریعے سے تازہ ہوا جاتی ہے اور

نیچے کے سانس کی مدد سے وہی ہوا بیکار ہوکر واپس آتی ہے اور اسی طرح سے ہوا کی آمدورفت شریان کے ذریعہ سے ہوتی رہتی ہے۔ القصہ جب تک یہ ہوا حرارت و برودت میں اعتدالیہ حالت پر رہتی ہے اور صفائی و پاکیزگی میں بھی اپنے رقبہ پر قائم رہتی ہے، اس وقت مطالب مذکورہ کی عملی وجہ الکمال (پوری طرح) تکمیل ہوتی رہتی ہے اور جب حرارت و برودت و رطوبت و یبوست اور صفائی و پاکیزگی میں تغیرات واقع ہوجاتے ہیں تو اغراض مذکورہ بھی غیر مکمل رہ جاتے ہیں۔ بدین وجہ صحت کا قائم رہنا ایک اضطراری حالت میں آجاتا ہے یا موت غیر طبعی پر معاملہ ختم ہوتا ہے۔

ہوا کے غیر معتدل ہونے کی تشریح

اجمالاً تو ہم نے بیان کردیا کہ صحت قائم رکھنے کی غرض سے ہوائے معتدل اور مصفیٰ کی ضرورت ہے۔ پس اب سمجھ لو کہ ہوائے معتدل و غیر مصفیٰ ہے۔ پس اگر ہوا میں اعتدال سے زیادہ سردی کا غلبہ ہوگا تو وہ ہوا مضر صحت ہوگی جیسا کہ زمانہ سردی میں یا معمورہ جات (آبادیاں) سرد میں بوجہ تدارک ضرر سردی ہوا لباس گرم واغذیہ گرم و مکان گرم کی ضرورت ہوتی ہے۔ اگر ہوا کی سردی کے دفع کا اہتمام نہ کیا جائے تو صحت کا قائم رہنا دشوار ہوگا۔ علیٰ ہذا القیاس اگر ہوائے گرم اور معمورۂ گرم میں ہوائے گرم سے حفاظت نہ کی جائے گی یا ہوا کی کیفیت حرارت تدبیرات سے کم نہ کی جائے تو صحت کے لئے ایک افتادہ خوفناک ہوگی یا ہوا پر اعتدال سے زیادہ تری کا اثر ہوگا تو اس وقت میں بھی تندرستی کی حالت میں نقصان آجائے گا۔ بشرطیکہ اس کا تدارک نہ کیا جائے مثلاً برسات کے موسم میں یا ان معموروں میں کہ جو دریاؤں کے جوار میں آباد ہیں یعنی وہاں کی زمین نمناک ہے، یہ تغیرات مذکورہ تو ہوا کی کیفیات سے منسلک ہیں، اب رہا یہ امر کہ ہوا کے جوہر کے فاسد ہونے کے کیا اسباب ہیں، اور کیا حالت ہے۔ سو اس کی تفصیل سنئے کہ ہوا ایک عنصر بسیط ہے، لہٰذا وہ خود بنفسہٖ تو متغیر نہیں ہوسکتی ہے مگر بوجہ اسباب خارجی کے مثلاً بعض اجزاء منافی (خلاف) روح وحیات کے شدت امتزاج (آمیزش) کی وجہ سے مجازاً اطلاق ہوتا ہے کہ جوہر ہوا کا فساد پذیر ہوگیا ہے کہ جس کی وجہ سے یہ ہوا مضر تندرستی و مضر حیات ہوجاتی ہے۔

ہوا کے فاسد اور مضر حیات ہونے کے اسباب

ہوا کے فاسد ہونے کے اسباب یا تو وہ اسباب ہیں کہ جو ہماری قدرت و اختیار سے باہر ہیں۔ یا ہمارے طریقہ بود و باش اور طرز عمل جاہلانہ سے پیدا ہوجاتے ہیں جن کی تشریح ذیل میں کی جاتی ہے۔

○ عین متصل آبادی ایسی زراعت کا کاشت کرنا جو طویل القامل ہو۔ مثلاً جوار یا مکئی یا باجرہ یا گنا وغیرہ۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایسی زراعت کیونکر ہوا کے جوہر کو فاسد کرتی ہے۔ سو اس سوال کا جواب اور اس کے اجمال کی تفصیل سنئے۔ ایسی زراعت کی جڑوں سے جو زمینی بخارات اور دخان نکلتے ہیں اور زراعت کے طویل القامت ہونے کی وجہ سے وہاں آزادانہ ہوا کا گزر نہیں ہوتا ہے، لہٰذا بخارات و دخان مذکورہ اسی حدود کے اندر محصور اور مقید رہتے ہیں اور باوجود اس حبس بے جا کے ان بخارات و دخان پر آفتاب کی شعاع بھی بہت کم پہنچتی ہے۔ اس وجہ سے وہ تحلیل بھی نہیں ہوتی ہیں۔ لہٰذا اس طولی قیام اور ملاقات مفید کی وجہ سے ان میں مادہ فاسدہ پیدا ہوجاتا ہے۔ پس جبکہ یہ بخارات و دخان فاسدہ وقتاً فوقتاً ہوا میں ملتے رہیں گے، تو اس میں کچھ شک نہیں ہے کہ ہوا کے جوہر کو فاسد کردیں گے اور نتیجہ اس ہوا کا اس نتیجہ کے بالکل خلاف ہوگا کہ جو ہوائے غیر فاسد سے حاصل ہوتا ہے کہ جس کی صراحت اس بحث کے شروع میں کی گئی ہے۔

○ ایسے تالاب یا وسیع گڑھوں کی موجودگی کہ جس میں ساکن پانی موجود ہو اور جن کے کناروں پر درختوں کا ہجوم ہو اور ان کے شاخ و برگ و پھول و ثمرہ اس پانی میں گر کے متعفن ہوتے رہتے ہیں۔ پس ایسے پانی سے آفتاب حرارت کے ذریعہ سے بخارات گرم و کثیف سمی الجوہر

(زہریلے) برانگیختہ کرے گا۔ چونکہ درختان مذکورہ کی مزاحمت سے بخارات مقیدہ تحلیل نہیں ہوں گے، لہٰذا وہ بخارات پھر اسی پانی میں عود کریں گے۔ اسی طرح سے سلسلہ صعود اور نزول (چڑھنے اور اُترنے) بخارات کا ہوتا رہے گا اور پانی کے جوہر کی روادت اور سمیت (خرابی اور زہریلا پن) میں اضافہ ہوتا رہے گا۔ پس یہ بخارات جب کہ ہوا میں مخلوط ہوں گے، تو بلاشبہ ایسی ہوا سراسر مغائیر اس غرض کی ہوجائے گی کہ جو صحت کے لئے درکار ہے اور علیٰ ہذا القیاس جو پانی محض بوجہ طول قیام فاسد ہو گیا ہے، اس کے بخارات بھی ہوا کے ساتھ وہی سلوک کریں گے کہ جس کا بیان ابھی ہو چکا ہے۔

○ مردہ اجسام متعفنہ یا دیگر سڑی ہوئی بدبودار اشیاء سے ہوا کی ملاقات ہوتی ہو کہ جس کی وجہ سے ہوا نے کیفیت متعفنہ حاصل کر لی ہے کہ جو بالآخر قلب وروح انسان کے مزاج کی ضد ہو جائے۔ پس جس قدر ایسے اجسام یا اشیائے متعفنہ کی کثرت ہوگی اسی قدر ہوا کا فساد قوی ہوگا۔

○ بقولات ودیہ کی کاشت اور درختان ردی اور فاسد الجوہر کا وجود ہونا مثلاً گوبھی اور کرنب کلا وبینگن ودرختان انجیر وغیرہ کہ یہ اشیاء نہایت درجہ مفسد ہوا ہیں۔

○ ہوا میں گردوغبار ودخان اس درجہ مخلوط ہو جائے کہ جس کی وجہ سے وہ شریان کے ذریعہ سے قلب وغیرہ میں نافذ نہ ہو سکے یا قلب خود بوجہ نفرت وکراہت جذبہ نہ کرے بلکہ اس ہوا کی مدافعت کرے۔

○ انسان وحیوان کا ایک مقام پر بکثرت مجمع ہونا علی الخصوص جبکہ اکثر ان میں کثیف الجسم وکثیف اللباس ہوں یا حیوانات کثیف الطبائع ہوں جیسا کہ ہمارے ملک میں میلوں وغیرہ میں مجمع ہوتا ہے۔ اس لئے کہ ایسی کثافت سے بحیثیت مجموعی ہوا میں ان وسائل سے نقصان و فساد ہو جانا قریباً یقینی ہے کہ جن کا ابھی مذکورہ ہوا، بایں ہمہ ایسے مجمع میں ان دخانات اور فضلات جسمانیہ کے خروج کا سلسلہ متواتر جاری رہتا ہے کہ جو تنفس ومسامات میں سے خارج ہوتے ہیں اور ہوا میں مخلوط ہوتے رہتے ہیں۔ جس کی وجہ سے ہوا کا جوہر خراب اور ناقص ہو جاتا ہے۔ پس ایسی ہوا کے مضر صحت ہونے میں کیا کلام رہا۔

○ ہوا کا سکونی حالت پر رہنا یعنی سلسلہ آمد وبرآمد تازہ ہوا کا دشوار ہو جانا جیسا کہ ہمارے ملک میں بعض تنگ وتاریک مکانات میں ہوا اور شعاع آفتاب کا گزر (گزرنا) ودرآمد دشواری سے ہوتا ہے۔ خاصتہً ایسے مکانات کی ہوا اس وقت میں زیادہ مفسد ہو جائے گی جبکہ وہاں آدمی یا کسی ذی روح کا مجمع ہو۔

○ بالجملہ یہ اُمور باعث فساد ہوا جو بیان کئے گئے ہیں، انہیں اُمور پر فساد کا حصہ نہیں ہے بلکہ اور اسباب جزئیہ مخفیہ باعث فساد ہوا ہوں گے۔

○ یا بارش کا بروقت نہ ہونا جس سے ہوا کا اعتدال خراب ہو جائے، اسی طرح بارش کی کثرت بھی ہوا کو خراب کر دیتی ہے۔

وباء کن کن اسباب سے پیدا ہوتی ہے

منجملہ دیگر اسباب مذکورۃ الذیل ایک سبب غالب ظہور وباء کا جوہر ہوا کا کلیتہً اسباب مصرحہ صدر سے فاسد ہو جانا ہوتا ہے۔ لفظ کلیتہً کی قید اس لئے لگائی گئی ہے کہ اگر جوہر ہوا کا کلیتہً فاسد نہ ہوگا بلکہ فساد بوجہ یا (کسی قدر) عارض ہوگا۔ تو یہ ہوا مضر صحت تو ضرور ہوگی مگر وباء کے پیدا کرنے کی قابلیت نہیں رکھے گی، اور گاہے سبب اوّل وباء کا پانی کے جوہر کے فساد کی وجہ سے ہوتا ہے۔ کیا معنے پانی کا جوہر اس شدت سے اور اس نوع سے فاسد ہو جائے کہ باعث وباء ہو۔

پانی کے جوہر کی خرابی بوجہ مخلوط ہو جانے بعض اجزائے ردیہ ناقصہ متعفنہ (ناقص خراب اور بدبودار) کے ہوتی ہے۔ عام اس سے کہ

اجزائے مذکورہ باطن یعنی داخل زمین سے ہی پانی میں مخلوط ہوجائیں یا خارج زمین سے جذب ہوکر پانی میں مخلوط ہوجائیں اور یہ فاسد پانی کھانے اور پینے میں استعمال کیا جائے۔ دونوں مذکورہ وجھوں سے ظہور وباء بیشتر برسات کی فصل میں ہوتا ہے۔ اس لئے کہ اس موسم میں داخل و خارج رہیں میں لوازم عفونت وفساد ہوا اور پانی کے بیشتر موجود ہوجاتے ہیں، مگر یہ فساد پانی کا رفتہ رفتہ یا ایک بار ہوا سے بھی متعلق ہوجاتا ہے۔ اس لئے کہ پانی کا استحاد (تبدیل) ہوا کی جانب اور ہوا کا استحالہ (تبدیل) پانی کی طرف ہوا ہی کرتا ہے۔ پس فساد ہوا سے پانی کا فاسد ہوجانا بھی کوئی مشکل امر نہیں ہے۔

مگر صورت مذکورہ میں تعلق وباء کا ہوا کے ساتھ نہایت ہی ضعیف ہوگا۔ یعنی اگر اس پانی کو حسب طریقہ مذکورہ اصلاح کر کے استعمال میں لایا جائے تو محض فساد ہوا کی وجہ سے کہ اس پانی کے استحالہ سے پیدا ہوا ہے، کوئی انسان بجز شاذ ونادر صورتوں میں مبتلائے وباء نہ ہوگا۔ یا عوارض وبا بہت ہی خفیف ظاہر ہوں گے۔

ایسا ہی حال اس پانی کا خیال کرو کہ جو ناقص ہوا سے مستحیل (تبدیل) ہوا ہے۔ یعنی یہ پانی ناقص تو ضرور ہوگا، مگر اس کا نقصان ایسا قوی نہیں ہوگا جیسا کہ وہ خود فساد پذیر ہوجاتا ہے۔ پس ہوا اور پانی کے فساد کے دو مرتبے اس تقریر سے دریافت ہوتے ہیں۔

اور گاہے بوجہ فساد ومزاج بعض غلہ جات ماکولہ کے کہ جو کسی سبب سے فصل میں عارض ہوجائے اور وہ غلہ عامہ خلایق کے کھانے کے استعمال میں آوے، وباء عام طور سے پھیل جاتی ہے۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ جس طرح سے انسان وحیوان کو امراض خلقت و امراض ترکیب یا امراض متعلقہ سوء مزاجات (خرابی مزاج) وغیرہ عارض ہوکر ان کے اجسام میں کیفیات رویہ ناقصہ پیدا کرتے ہیں، بلکہ گاہے کیفیات مذکورہ حالت سمیہ کی حد تک پہنچتی ہے، اسی طرح سے قیاساً ممکن ہے کہ غلوں کو بھی بوجہ اسباب جزئیہ مخصوصہ امراض مذکورہ لاحق ہوکر ان کے اجسام میں کیفیت ردیہ سمیہ (خراب وزہریلی) پیدا کریں۔ اس لئے کہ غلہ جات جسم مرکب بناتی ہیں اور ہر جسم مرکب بناتی ہیں۔ قوت غاذبہ ونامیہ وغیرہ قوائے طبعیہ موجود ہیں۔ درج اجسام میں قوائے مذکورہ موجود ہوں گے۔ ان میں حوادث اور فساد قبول کر لینے کی استعداد زیادہ ہوگی۔ لہٰذا کھانے والوں کو وبا کی صورت کے امراض لاحق ہونا امکانی حالت ہے۔ حتیٰ کہ یہ فساد بھی فساد ہوا کی جانب اس درجہ تک ہوجائے گا یا ہوسکتا ہے کہ جو وباء کا باعث ہو۔ چنانچہ خاکسار کے اس قیاس کا تجربہ چند واقعات سے بلاشبہ ہوچکا ہے۔ غلہ جات کی حالت پر میوہ جات اور ثمر اور ترکاریوں وغیرہ نباتات کے حالات کو قیاس کرلو کہ ان اجسام میں بھی وہی فسادات، وہی کیفیات سمیہ، وہی مسوء مزاجات لاحق ہوسکتے ہیں کہ جو غلوں کو عارض ہوسکتے ہیں۔

اور یہ فساد اشیاء مذکورہ اس فساد کے علاوہ ہے کہ جو غلوں کو عمارتوں وغیرہ میں بند کرنے یا دیگر وجوہ سے ان کے جوہر کے متعفن ہونے سے پیدا ہوجاتا ہے۔ اور ایسا ہی جو فساد اس فساد سے کہ جو موسم برسات میں طبعی طور سے اکثر پھل ومیوہ جات وغیرہ وترکاریاں وبقولات ناقص الجوہر ہوتی ہیں جس کی وجہ سے ہوا فاسد ہوجاتی ہے جدا گانہ ہے۔ اگر فساد مذکورہ بواسطہ مذکورہ جو ہوا کو عارض ہوگا، وہ بہت قوی نہ ہوگا۔ اگر صدفات واستمار ومیوہ جات مذکورہ سے احتراز کیا جائے تو ہوائے مذکورہ کی اکثیر سے کوئی شخص مبتلا ہوگا، یا بہت ہی خفیف اعراض مرض وبائی ظاہر ہوں گے۔

- گاہے تاثیرات مخفیہ سیارگان واجرام آسمانی کے ہوا میں ایک نفر وفساد عارض ہوکر وباء کا باعث ہوتا ہے۔
- گاہے بوجہ بعض دیگر اُمور مخفیہ کے وبا عالم میں شائع ہوتی ہے، جس کا علم بجز عالم الغیب کے اور کسی کو نہیں ہوسکتا ہے۔
- گاہے اسباب مذکورہ سے دو یا تین یا کل اُمور باعث وبا ہوتے ہیں، ایسی وبا عالم میں اسبابوں پر اموات کا ایک طوفان برپا کر دیتی ہے۔ [القانون]

طب قدیم میں پانی کی حقیقت

خالق دوجہاں، پروردگار زمین و آسمان، قادر مطلق واحد حقیقی نے پانی بھی اپنی جملہ نعمتوں میں سے ایک انمول اور بے بہا بہترین نعمت بنائی ہے۔ اس کو اُردو میں پانی، ہندی میں جس، فارسی میں آب، انگریزی میں واٹر اور عربی زبان میں ماء کہتے ہیں۔ خالق مخلوقات نے انسانی زندگی کا انحصار چہار اشیاء پر رکھا ہے: پانی، ہوا، آگ، مٹی۔ اگر ان چاروں میں سے ایک چیز بھی جدا کرلی جائے تو پھر زندگی قائم نہیں رہ سکتی۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ پانی بھی انسانی زندگی کا ایک جزو ہے اور جس طرح بغیر ہوا کے انسان زندہ نہیں رہ سکتا، اسی طرح بغیر پانی کے بھی انسان کی زندگی قائم نہیں رہ سکتی ہے۔

زندگی کے لئے ہوا کے بعد پانی سب سے ضروری ہے۔ چوں کہ فطرت کا منشاء زندگی کو برقرار رکھنا ہے، اس لئے پانی افراط سے مہیا کیا گیا ہے۔ زمین کی سطح کے سات حصوں میں سے پانچ پر پانی ہے۔ فطرت کے زبردست عوامل حرارت اور ہوا وغیرہ اسے زمین کے مختلف حصوں پر پہنچانے میں مصروف ہیں۔

جسم کی ساختوں میں دو تہائی سے زیادہ پانی ہوتا ہے۔ یہ غذا میں بدرقہ کا کام دیتا ہے، یعنی غذا کو بدن کے تمام حصوں میں لے جاتا اور قابل ہضم بناتا ہے۔

یہ اندازہ کیا گیا ہے کہ کل انسان کے جسم کا دو تہائی وزن پانی کے باعث ہوتا ہے۔ اوسطاً تقریباً 4.5 پائنٹ پانی روزانہ جسم سے بذریعہ گردہ، امعاء، تنفس اور جلد کے اخراج پاتا ہے۔ نیز یہ بھی اندازہ کیا گیا ہے کہ اگر انسانی غذا میں نصف کے قریب پانی ہو تو تقریباً 2.75 پائنٹ پانی کی ضرورت اور ہوتی ہے۔ مگر جسم میں پانی کی ضرورت کا انحصار بہت سی باتوں سے تعلق رکھتا ہے۔ مثلاً حرارت جسمانی، آب وہوا اور غذا کی کثرت یا قلت، ورزش، آرام وغیرہ۔ جب پروٹین (لحمی غذا) مثل گوشت، کباب، قیمہ، بھنا ہوا گوشت، تیز مصالحے دار اشیاء بکثرت کھانے میں آتی ہیں، تو پانی کی جسم کو بہت زیادہ ضرورت ہوتی ہے اور بہت شدت سے پیاس لگتی ہے۔ کیونکہ اس قسم کی غذا سے یوریا (فضلات خون) کی مقدار زیادہ بنتی ہے۔ جس کو تحلیل کر کے خارج کرنے کے لئے پانی کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے۔ مگر فقط میوہ جات اور ماکولات کھانے سے جسم میں پانی کی کافی مقدار جمع رہتی ہے۔

بدن میں خون کی ایک مقررہ مقدار جسم کے اندازہ کے مطابق ہوتی ہے۔ جب پانی کی مقدار جسم میں کم پہنچے تو خون احشاء، عضلات اور دیگر جسمانی ساختوں سے پانی کو جذب کر کے اپنی مقدار کو پورا کر لیتا ہے اور اگر پانی زیادہ پیا جائے تو وزن کو پورا رکھنے کے لئے فالتو پانی گردوں یا جلد کے راستے جلد اخراج پاتا رہتا ہے۔ ان کیفیات سے معلوم ہوتا ہے کہ جسم کی ساخت اور احشاء اندرونی میں پانی کا ذخیرہ رہتا ہے۔ جو ضرورت کے وقت خون میں شامل ہو سکتا ہے۔ استسقائے لحمی میں جو بوجہ امراض قلب یا کلیہ ہو جاتی ہے۔ اگر پانی کی مقدار کم پی جائے تو اس کی کو پورا کرنے کے لئے خون احشاء سے پانی کو جذب کرتا رہتا ہے۔ برخلاف اس کے جب خون گاڑھا اور غلیظ ہوتا ہے تو نازک عروق شعریہ سے اس کے گزرنے کے لئے قلب کو زیادہ محنت اٹھانی پڑتی ہے۔ امراض قلب میں اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے۔

پانی تمام احشائے اندرونی کو دھو کر صاف کرتا رہتا ہے اور بہت سے فاسد مادے اور زہریلی رطوبات کو اپنے ہمراہ جسم سے خارج کرتا رہتا ہے۔ جسم میں اس کا یہ فعل از حد مفید ہے۔ معدنی چشموں کے پانی اس کام کے لئے بطور دوا اسی اصول کے مطابق فی زمانہ بکثرت استعمال ہوتے ہیں۔ علاوہ احشائے اندرونی کے تمام خارج کنندہ اعضا مثل گردہ، مثانہ، وہ نیز وہ کو پانی خوب دھو کر پاک وصاف کرتا رہتا ہے۔ پس امراض گردہ مرض نقرس اور شدید تپوں (بخاروں) میں پانی کا بکثرت پینا از حد مفید ہے۔ اور جناب حکیم جالینوس نے حمیات میں مریض کو پانی دینا جائز

قرار دیا ہے۔

خواص

- ۱ پانی بے ذائقہ بے بواور بے رنگ سیال ہے۔ زیادہ گہرائی میں دیکھنے سے یہ نیلگوں نظر آتا ہے۔
- ۲ یہ صفر درجہ پر جم جاتا ہے اور 100 درجہ سینٹی گریڈ پر جوش کھانے لگتا ہے۔
- ۳ پانی کی تین حالتیں (الف) ٹھوس یعنی برف (ب) سیال یعنی پانی (ج) اور گیس یعنی بھاپ ہیں۔
- ۴ پانی سب سے بڑا محلل ہے، اس لئے اسے محلل کل بھی کہتے ہیں۔

فوائد

- ۱ انسان کے جسم میں ستر فی صدی پانی ہوتا ہے، ہر روز ایک بالغ فرد کے بدن سے بول و براز، پسینہ اور سانس کے ذریعہ تقریباً تین سیر پانی خارج ہوتا ہے۔ اس کی کو پورا کرنے کے لئے پانی کا استعمال ناگزیر ہے۔
- ۲ جسم انسانی کے تمام کیمیائی اعمال کے لئے پانی ضروری ہے۔
- ۳ غذا کے جزو بدن بننے کے لئے اس کا تحلیل ہونا ضروری ہے۔ پانی غذا تحلیل کرتا ہے۔
- ۴ فضلات کا بدن سے اخراج کرتا ہے۔
- ۵ بدن کا درجہ حرارت یکساں رکھتا ہے۔ خون میں پانی کی مقدار تقریباً 80 فیصدی ہے۔
- ۶ کھانے، غسل اور صفائی وغیرہ میں کام آتا ہے۔

ذرائع

پانی حاصل کرنے کے ذرائع مندرجہ ذیل ہیں:

۱ **سمندر**: سمندر کا پانی سب سے زیادہ کثیف اور غیر خالص ہوتا ہے۔ دریا اپنی تمام کثافتیں بہا کر سمندر میں لے جاتے ہیں۔ عمل تبخیر کے ذریعے سمندر سے خالص پانی کا اخراج ہوتا رہتا ہے اور کثافتوں کا تناسب بڑھتا رہتا ہے۔ سمندر کے پانی میں نمک طعام کا تناسب اوسطاً 20.6 فیصدی ہوتا ہے اور اس کے علاوہ پوٹاشیم، کیلشیم اور میگنیشیم کے اجزاء بھی معتد بہ ہوتے ہیں۔ سمندر کے پانی سے نمک حاصل کیا جاتا ہے۔ کثافتوں کی وجہ سے سمندری پانی پیا نہیں جاسکتا اور اسے پینے سے پہلے کشید کرنا پڑتا ہے۔

۲ **بارش**: یہ سمندر کے پانی کی تبخیر کا نتیجہ ہے۔ اس لئے اسے بھی کشید کردہ پانی کی طرح صاف ہونا چاہئے۔ لیکن جب بارش کا پانی ہوا میں سے گزرتا ہے تو ہوا سے کئی اشیاء اس میں حل ہوجاتی ہیں مثلاً تیزاب، شورہ، امونیا، آکسیجن، کاربن ڈائی آکسائیڈ، مرکبات گندھک، گرد و غبار اور جراثیم وغیرہ۔ البتہ جب کچھ دیر تک بارش ہوچکے تو یہ پانی کافی حد تک صاف ہوتا ہے۔ بارش کے پانی میں معدنیات شامل نہیں ہوتے۔ اس لئے یہ خوش ذائقہ اور ہاضم نہیں ہوتا۔

۳ **دریا**: دریا کا پانی بارش، پہاڑوں کی برف، جھیلوں، چشموں اور ندی نالوں کے پانی کا مجموعہ ہوتا ہے۔ ان سب کی کثافتوں کے علاوہ جس راستے سے بہتا ہے، اس کی غلاظتیں اور کثافتیں بھی اس میں شامل ہوجاتی ہیں۔ یہ بعض قدرتی ذرائع سے صاف بھی ہوتا رہتا ہے: (۱) پانی زیادہ ہونے کی وجہ سے کثافتوں کا تناسب کم ہوجاتا ہے۔ (۲) ہوا کی آکسیجن پانی میں مل کر بہت سی کثافتیں دور کردیتی ہے۔ (۳) بعض معلق کثافتیں تہ میں بیٹھ جاتی ہیں۔ (۴) دھوپ سے بھی کثافتیں دور ہوتی ہیں۔ (۵) مچھلیاں، آبی حیوانات و نباتات بہت سی کثافتیں ختم کردیتے ہیں۔

بالعموم دریا کا پانی پینے کے قابل نہیں ہوتا اور اسے پینے سے پہلے اُبال لینا چاہئے۔

ندی و نھر: ان کا پانی دریا سے کہیں زیادہ کثیف اور پینے کے قابل نہیں ہوتا۔

جھیلیں: جھیلوں میں بارش اور ندی وغیرہ کا پانی ہوتا ہے۔عموماً یہ صاف اور پینے کے قابل ہوتا ہے۔گاہے وادیوں یا نشیب میں بند باندھ کر مصنوعی جھیل بنائی جاتی ہے۔

تالاب: نہانے دھونے اور مویشیوں کے پانی پلانے کی وجہ سے تالاب کا پانی کثیف اور نا قابل استعمال ہو جاتا ہے۔ جہاں آب رسانی کا دار و مدار تالاب پر ہو، وہاں ان اُمور کی مخالفت کر دینی چاہئے۔

جوھڑ: اس کا پانی کثیف اور نا قابل استعمال ہوتا ہے۔

چشمے: بارش کے پانی کا اوسطاً تہائی حصہ زمین میں جذب ہو جاتا ہے۔ یہ جس زمین میں جذب ہوتا ہے، اس کی بہت سی اشیاء بھی اس میں جذب ہو جاتی ہیں۔اگر یہ کسی ایسے غیر نفوذ پذیر طبقہ میں جمع ہو جائے، جس کی بالائی سطح مسامدار ہو تو پانی چشمے کی صورت میں پھوٹ پڑتا ہے۔ عموماً یہ پانی عمدہ اور پینے کے قابل ہوتا ہے۔اگر اس میں چونا وغیرہ معدنیات ہوں تو اسے ابال کر پینا چاہئے۔

کنویں: کنواں مصنوعی چشمہ ہے۔اس کی دو قسمیں ہیں۔

(الف) اوتھلا یا سطحی کنواں: ایسے کنویں زمین کی پہلی غیر نفوذ تہہ تک کھودے جاتے ہیں۔ان میں قریب کی بیرونی سطح سے جذب ہو کر پانی آتا رہتا ہے۔کنوؤں کے قریب آبادی اور گندی نالیاں ہوتی ہیں، اس لئے ان کا پانی رس رس کر کنویں میں آتا رہتا ہے اور اس کے پانی کو غلیظ بنا دیتا ہے۔

(ب) گھرا یا عمیق کنواں: یہ زمین کی دوسری غیر نفوذ پذیر تہہ تک کھودے جاتے ہیں۔ان میں پانی چھن کر آتا ہے اور نامیاتی کثافتوں سے صاف ہوتا ہے۔لیکن یہ معدنی اجزاء کی شمولیت سے بھاری ہو جاتا ہے۔

(ج) معیاری کنواں: اسے گھاؤ اور نشیب، دلدل یا قبرستان سے دور ہونا چاہئے۔اس کی دیواروں پر سیمنٹ کا پلستر اور منڈیر زمین سے دو تین فٹ اونچی ہونی چاہئے۔چار پانچ فٹ تک چاروں طرف زمین ڈھلوان اور پختہ ہو۔پانی بہنے کے لئے ایک پختہ نالی ہو۔کنویں کا منہ بند ہو اور اس میں صرف پانی نکالنے کا راستہ ہو جو پانی نکالنے کے بعد بند کر دیا جائے۔کنویں سے دو سو فٹ تک بیت الخلاء، غلاظت کا ڈھیر یا گڑھا نہ ہو۔کنویں سے پچاس گز کے فاصلے تک نہانے دھونے اور مویشیوں کو پانی نہ پلانے دیا جائے۔کنویں سے پانی نکالنے کے لئے لوہے کا ڈول اور زنجیر استعمال کی جائے۔سال میں ایک دفعہ کنویں کو صاف کیا جائے۔

نل کا پانی: شہروں میں نلوں کے ذریعے پانی پہنچایا جاتا ہے۔یہ پانی دریا جھیل یا گہرے کنوؤں سے حاصل کیا جاتا ہے۔تقسیم سے قبل اس پانی میں دوا شامل کر کے بھیجا جاتا تھا۔نل کا پانی صاف اور پینے کے لئے عمدہ ہوتا ہے، لیکن اگر نل زنگ آلود اور شکستہ ہو جائیں تو یہ پانی غلیظ اور مضر صحت ہو جاتا ہے۔

پانی کی کثافتیں

یہ کثافتیں دو قسم کی ہوتی ہیں: (۱) محلول (۲) معلق۔

(۱) **محلول کثافتیں:** ان میں معدنیات اور گیسیں شامل ہیں۔ یہ کم مقدار میں مضر نہیں، لیکن زیادہ ہوں تو پانی ضرر رساں ہوتا ہے۔

(۲) **معلق کثافتیں:** ان میں نباتاتی اور حیوانی کثافتیں، ریت وغیرہ کے ذرات کیڑوں کے تخم اور جراثیم شامل ہیں۔

ہلکا اور بھاری پانی: پانی دو قسم کا ہوتا ہے:(۱) ہلکا پانی (۲) بھاری پانی۔

(۱) **ہلکا پانی:** عام پانی ہے جس میں صابن اچھی طرح جھاگ دیتا ہے۔

(۲) **بھاری پانی:** اس پانی میں چونے اور میگنیشیم کے نمکیات حل ہوتے ہیں۔ جب اس پانی میں صابن ملایا جائے تو یہ نمکیات صابن سے مل کر ناقابل حل مادہ بنا دیتے ہیں، اور جھاگ کی بجائے پھٹکیاں سی بن جاتی ہیں۔ یہ پانی دھونے یا پکانے کے قابل نہیں ہوتا اور اس میں غذا نہیں گلتی۔ لیکن اسے پینے میں کوئی حرج نہیں ہوتا۔

بھاری پانی کی اقسام: اس کی دو قسمیں ہیں:(۱) عارضی بھاری پانی (۲) مستقل بھاری پانی۔

(۱) **عارضی بھاری پانی:** عارضی میں چونے اور میگنیشیم کے بائی کاربونیٹس شامل ہوتے ہیں، اس پانی کو جوش دینے سے یہ محلول مرکبات کی صورت اختیار کر لیتے ہیں اور پانی چھاننے سے علیحدہ ہو جاتے ہیں۔

(۲) **مستقل بھاری پانی:** مستقل بھاری پانی میں چونے اور میگنیشیم کے نمکیات حل ہوتے ہیں، جوش دینے سے ان میں فرق نہیں پڑتا۔ البتہ کپڑے دھونے کا سوڈا شامل کرنے سے یہ جاتے رہتے ہیں۔

معدنی پانی

اگر پانی میں معدنی محلول کی مقدار زیادہ ہو تو اسے معدنی پانی کہتے ہیں۔ بالعموم اسے ان معدنیات سے منسوب کیا جاتا ہے جو اس میں نمایاں ہوں۔ مثلاً اگر گندھک یا اس کے مرکبات زیادہ ہوں تو اسے گندھک کا پانی کہتے ہیں۔ اس کے چشمے کراچی، میانوالی، جہلم، ہزارہ، نتھیا گلی شمالی علاقہ جات وغیرہ میں ہیں۔ ان کا پانی خارش اور دیگر جلدی امراض میں مفید ہوتا ہے۔ جن چشموں کے پانی میں لوہے کے نمکیات حل ہوں، اسے آہنی پانی کہا جاتا ہے۔ اگر پانی میں کڑوے نمکیات، اپسم سالٹ (میگنیشیم سلفیٹ) محلول ہوں تو اسے کڑوا پانی کہا جاتا ہے۔ یہ پانی مسہل ہوتا ہے اور گٹھیا وغیرہ کے لئے سودمند ہوتا ہے۔

ناقص پانی کے امراض

کڑوا پانی پینے سے اسہال آتے ہیں۔ ایسا میگنیشیم کے نمکیات سے ہو جاتا ہے۔ پانی طفیلی اجسام اور ان کے تخم ہوں تو بدہضمی اور درد اپھارہ ہو جاتا ہے۔ ہیضہ پیچش وغیرہ کے جراثیم پانی میں ہوں تو یہ امراض پیدا ہو جاتے ہیں۔

پینے کا پانی

- پینے کا پانی صاف، بے بو اور بے رنگ ہونا چاہئے۔
- معلق یا محلول کثافتوں سے پاک ہو، البتہ معدنی نمکیات کم مقدار میں نہ صرف بے ضرر بلکہ مفید ہوتے ہیں۔
- اس میں امراض کے جراثیم نہ ہوں۔

پانی کی صفائی

پانی سے کثافتیں دور کرنے اور اسے صاف کرنے کے طریقے تین قسم کے ہیں۔

✿ طبعی طریقہ (فزیکل میتھڈز): اس کے بھی دو طریق ہیں:(الف) عمل کشید (ب) جوش دینا۔

(الف) عمل کشید (ڈسٹیلیشن): اس طریق میں پانی کو بخارات بنا کر عرق کی طرح کشید کر لیا جاتا ہے۔ اس سے پانی کی کثافتیں دور ہو

جاتی ہیں اور وہ صاف ہو جاتا ہے۔لیکن یہ طریق بہت گراں ہے۔بحری جہازوں میں اس طرح سمندر کے پانی کو قابل استعمال بنایا جاتا ہے۔

(ب) جوش دینا: پانی اُبالنے سے اس کی تمام نباتی وحیوانی کثافتیں دور ہو جاتی ہیں۔امراض کے جراثیم ہلاک ہو جاتے ہیں۔چونے اور میگنیشیم کے نمکیات تہہ میں بیٹھ جاتے ہیں۔مضر گیسیں نکل جاتی ہیں۔کشید کرنے یا اُبالنے سے پانی کی ہوا خارج ہو جاتی ہے اور یہ خوش ذائقہ نہیں رہتا۔یہ نقص دور کرنے کے لئے پانی کو چند بار کسی قدر فاصلے سے اُلٹ پلٹ کر لینا چاہئے۔اس طرح پانی میں ہوا حل ہو جاتی ہے اور یہ خوش ذائقہ ہو جاتا ہے۔

✿ **کیمیائی طریق:** اس کے دو طریقے ہیں:(الف) رسوب کرنا (ب) جراثیم کش ادویات۔

(الف) رسوب کرنا: پانی میں بعض کیمیائی اشیاء پھٹکڑی اور چونا شامل کرنے سے جراثیم ہلاک ہو جاتے ہیں اور پانی کے محلول مادے اور نامیاتی کثافتیں بیٹھ جاتی ہیں۔ایک گیلن پانی میں تقریباً ایک رتی پھٹکڑی ملائی جاتی ہے۔

(ب) جراثیم کش ادویات: پانی میں جراثیم کش ادویات شامل کرنے سے پانی صاف ہو جاتا ہے۔اس غرض کے لئے عموماً بلیچنگ پاؤڈر اور پوٹاشیم پرمینگنیٹ استعمال کیا جاتا ہے۔

بلیچنگ پاؤڈر: چائے کا آدھا چمچہ دس چھٹانک پانی بلیچنگ پاؤڈر میں حل کریں۔اس محلول میں سے ایک چائے کا چمچہ دس گیلن پانی صاف کر سکتا ہے۔

پوٹاشیم پرمینگنیٹ: کنوؤں اور تالابوں کا پانی صاف کرنے کے لئے (لال دوا) بہت مفید ہے۔اسے اتنی مقدار میں ملانا چاہئے کہ پانی کا رنگ گہرا ارغوانی ہو جائے۔کنوئیں کے حجم کے اعتبار سے ایک چھٹانک سے چار چھٹانک تک پوٹاشیم پرمینگنیٹ اس میں ڈالیں۔اگر اسے رات کو کنوئیں میں ڈالا جائے تو صبح تک پانی قابل استعمال ہو جاتا ہے۔

✿ **آلاتی طریق - عمل تقطیر یعنی پانی چھاننا:** اس طریق میں پانی کو مخصوص آلات کے ذریعے صاف کیا جاتا ہے۔لیکن اس سے صرف نامیاتی کثافتیں دور ہوتی ہیں،اس لئے یہ قابل استعمال نہیں ہوتا۔بہتر یہ ہے کہ پہلے پانی میں بلیچنگ پاؤڈر ملایا جائے۔پھر مقطر کیا جائے۔عمل تقطیر کے دو طریقے ہیں۔

(الف) حوض: شہروں میں پانی صاف کرنے کے لئے خاص حوض بنائے جاتے ہیں۔ان حوضوں میں دریا یا کنوئیں کا پانی چوبیس سے اڑتالیس گھنٹے تک رہتا ہے۔جس کی وجہ سے پانی کی تمام کثافتیں تہہ نشین ہو جاتی ہیں۔یہ پانی نلوں کے ذریعے دوسرے حوضوں میں منتقل کیا جاتا ہے۔

(ب) آلات تقطیر: ''فلٹر'' خانگی ضرورت کے لئے استعمال کئے جاتے ہیں۔ان میں پاسچر چیمبر لین فلٹر عمدہ ترین ہوتا ہے۔

(ج) تین گھڑوں کا فلٹر: تین مٹی کے گھڑے اوپر نیچے رکھ کر پانی مقطر کرنے کا پرانا طریقہ مضر ہوتا ہے۔

غذائے انسانی

وبائی امراض کی تقسیم

چونکہ وبائیں قانون فطرت کے مطابق اور منظم طریق پر آتی ہیں،اس لئے ان سے پیدا ہونے والی بیماریاں بھی اپنے اندر ایک خاص اصول اور ضبط رکھتی ہیں۔جیسا کہ ہم گزشتہ صفحات میں تحریر کر چکے ہیں کہ مقامی فضا یا آب وہوا (پانی وہوا کا قوام) میں کمی بیشی وتغیر وتبدل اور فساد و خرابی ہی سے وباؤں کا ظہور ہوتا ہے۔اور ان سے پیدا ہونے والی بیماریاں بھی اسی نظم وضبط کے ساتھ نمودار ہوتی ہیں۔

جاننا چاہئے کہ مقامی فضاء اور آب و ہوا میں کمی بیشی و تغیر و تبدل اور فساد و خرابی میں کچھ ہوا کا اثر ہوتا ہے اور پانی میں زیادتی اور کبھی حرارت کی افراط ہوتی ہے۔ اس لئے وبائی امراض بھی انہی کی مناسبت سے پیدا ہوتے ہیں۔ یہ کبھی نہیں دیکھا گیا کہ فضاء اور آب و ہوا میں حرارت کے افراط کے ساتھ امراض ہوا کی خرابی کے پیدا ہوں یا ہوا کے اثرات میں تیزی ہو اور امراض پانی کے نمودار ہو جائیں۔ اسی طرح اگر فساد پانی میں پیدا ہو اور امراض حرارت کے ظاہر ہو جائیں۔ ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔ بلکہ نظم وضبط ہر جگہ اور ہر صورت میں قائم رہے گا۔ بعض اہل فن اور صاحب علم یہ اعتراض کر سکتے ہیں کہ جب فضاء اور آب و ہوا میں تعفن اور فساد پیدا ہو جائے، خصوصاً جراثیمی زہروں کی صورت میں تو یہ نظم وضبط قائم نہ رہ سکے۔ نہیں! ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔ یہاں بھی یہی نظم وضبط قائم رہے گا۔ کیونکہ قانون فطرت ہر جگہ ایک ہی صورت میں کام کرتا ہے۔ اس میں ذرا بھر تبدیلی نہ ہوگی۔ جو خرابی حرارت میں پیدا ہوگی، اس میں حرارت کا اثر غالب رہے گا۔ البتہ حرارت میں تعفن اور فساد کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ جو فساد پانی میں پیدا ہوگا، بالکل اسی کی مناسبت سے اس میں زہر یا جراثیمی اثرات ظاہر ہوں گے۔ اسی طرح جو تعفن ہوا میں نمودار ہوگا، بالکل اسی مناسبت سے زہر یا جراثیمی مادے اپنا اثر کریں گے۔ اس کی مثال بالکل ایٹم بم کی ہے۔ جس قسم کا ایٹم (ابتدائی کائناتی عنصر) پھٹے گا، اسی قسم کے اثرات فضاء اور آب و ہوا میں پیدا کر دے گا۔ اگرچہ تباہی کرنے میں سارے برابر ہوں گے، مگر ہائیڈروجن بم (پانی کے ابتدائی عناصر) کے پھٹنے سے جو اثرات ظاہر ہوں گے وہ دیگر اقسام کے ایٹم بم کے پھٹنے سے ظاہر نہیں ہوں گے۔ اس لئے جب اس ایٹم زدہ فضا یا آب و ہوا اور ذی حیات کا مداوا کیا جائے گا تو لازمی امر ہے کہ ایٹم کے ابتدائی عنصر کو ضرور سامنے رکھا جائے گا۔ ورنہ مداوا بالکل ناممکن ہو جائے گا۔ یہاں پر یہ نکتہ بھی ذہن نشین رکھ لیں کہ ایٹم کی تباہی سے جو ہلاکت خیزی پیدا ہوتی ہے وہ جراثیمی نہیں ہوتی۔ اگرچہ بعد میں سوزش سے جراثیمی زہر قبول کر لے، مگر ابتداً ان سے جو ہلاکت پیدا ہوتی ہے وہ جسم و روح بلکہ زندگی کو جلا دینے تک محدود ہوتی ہے۔ مقصد یہ ہے کہ ہر تباہی و ہلاکت صرف جراثیم تک محدود نہیں ہے، بلکہ مقامی اور آب و ہوا کے مزاج کے بگڑ جانے سے بھی زندگی اور ذی حیات ختم ہو جاتی ہیں۔ بلکہ موالید ثلاثہ تک جل بھن کر راکھ ہو جاتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ زندگی اور حیات بلکہ غیر ذی حیات بھی جن کا مدار ہوا پانی پر ہے، اس کے بغیر کیسے قائم رہ سکتی ہے۔ صرف جراثیم تک وبائی امراض کو محدود کر لینا فرنگی طب کی غلط فہمی اور کوتاہ نظری ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جب ایٹم کی تباہی میں ہر قسم کے نباتی و حیوانی زندگی ختم ہوتی ہے، بلکہ جمادات بھی جل جاتے ہیں، تو جراثیم کیسے زندہ رہ سکتے ہیں۔

آگ، ہوا اور پانی کے اثرات

یہ تو مسلمہ حقیقت ہے کہ آگ، ہوا اور پانی کے جسم انسانی پر اثرات ہوتے ہیں۔ کبھی معمولی اور کبھی شدت کے ساتھ ہوتے ہیں۔ لیکن ان کے اثرات انسان کے مفرد اعضاء پر کیا ہوتے ہیں، اور کس قسم کے ہوتے ہیں۔ اس کے متعلق فی الحال فرنگی سائنس بے خبر اور ناواقف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ وبائی امراض کی حقیقت کا صحیح اور یقینی علم نہیں رکھتی اور اندھیرے میں عطایانہ تیر چلاتی ہے۔

یہ تو یقینی امر ہے کہ آگ، ہوا، پانی کے اثرات جسم انسانی پر ایک ہی جیسے نہیں ہوتے۔ آگ کا اثر جدا ہے اور ہوا، پانی کے اثرات الگ اور علیحدہ ہیں۔ لازمی صورت ہے کہ یہ اثرات جسم انسان کے مختلف اعضاء خصوصاً اس کے مفرد اعضاء پر جدا جدا قسم کے ہوتے ہیں اور الگ الگ علامات ظاہر کرتے ہیں۔ جب تک ہم آگ، ہوا، پانی کے اثرات کو ان کے جدا جدا مفرد اعضاء پر علیحدہ علیحدہ نہ سمجھ لیں، ہم آگ، ہوا اور پانی کے غیر معمولی اثرات سے پیدا ہونے والے امراض کو کبھی پورے طور پر نہیں سمجھ سکتے۔ ان کا پورے طور پر ذہن نشین کرنا وبائی امراض کی حقیقت کو پا لینا ہے۔

مفرد اعضاء کی تقسیم

انسان کی پیدائش ایک کیسہ (سیل) سے ہے۔ جو ایک حیوانی ذرّہ کہلاتا ہے۔ جسم کی تقسیم در تقسیم سے اپنی بافت اور ساخت (ٹشوز) سے انسان کا مکمل جسم تیار کرتے ہیں۔ یہ کیسے (سیلز) ان کی ساخت و بافت (ٹشوز) چار قسم کے ہوتے ہیں: (۱) عصبی بافت (نروز ٹشوز)۔ (۲) عضلاتی بافت (مسکولر ٹشوز)۔ (۳) قشری بافت (اپی تھل ٹشوز)۔ (۴) الحاقی بافت (کنکٹو ٹشوز)۔

عصبی بافت سے تمام جسم کے اعصاب تیار ہوتے ہیں، جن کا مرکز دماغ ہے۔ عضلاتی بافت سے تمام جسم کا گوشت اور مچھلیاں تیار ہوتے ہیں، جن کا مرکز دِل ہے۔ قشری بافت سے تمام جسم کے اندرونی اور بیرونی پوست و جسد اور غدد بنتے ہیں، جن کا مرکز جگر ہے اور الحاقی بافت سے تمام جسم کی ہڈیاں ورباط اور تار تیار ہوتے ہیں اور تمام جسم کا بھراؤ بھی اسی الحاقی بافت سے ہوتا ہے۔ بلکہ خون میں بھی اس کا اثر غالب ہے۔ گویا الحاقی بافت بنیاد کا کام کرتے ہیں۔

جاننا چاہئے کہ خون کے علاوہ اعضاء دو قسم کے ہیں۔ اوّل بنیادی اعضاء جن میں ہڈی، رباط، اوتار اور جسم کا بھراؤ شامل ہیں۔ دوسرے حیاتی اعضاء جن میں اعصاب وعضلات اور غدد شریک ہیں۔ جن کے مراکز علی الترتیب دماغ و دِل اور جگر ہیں۔ انہیں سے انسانی زندگی قائم ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ دِل و دماغ اور جگر تینوں اپنی بناوٹ شکل اور افعال کے لحاظ سے ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں۔ اس سے ان کی اغذیہ بھی مختلف ہیں اور ان پر مختلف اقسام کے اثرات ہوتے ہیں۔ جن کا جدا جدا جاننا ہی ان کو صحیح طریق پر ذہن نشین کرنا ہے۔

مفرد اعضاء پر آگ، پانی، ہوا کے اثرات

چونکہ مفرد اعضاء اپنی بناوٹ وشکل اور افعال کے لحاظ سے بالکل جدا جدا ہیں اور آگ، ہوا، پانی بھی اپنے اثرات میں بالکل الگ الگ ہیں۔ بلکہ ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ کائنات صغیر (زندگی) کا تعلق کائنات سے کیا ہے۔ دوسرے یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ نفس کا آفاق سے کیا تعلق ہے۔ تاکہ زندگی اور کائنات کو سمجھ لینے کے بعد ہم ان کے اچھے وبرے اثرات کو ایک دوسرے سے پوری طرح جان سکیں۔

جاننا چاہئے کہ جسم انسان میں جب پانی اپنا اثر کرتا ہے تو رطوبت اور بلغم کی تعداد بڑھ جاتی ہے اور حرارت کم ہو جاتی ہے اور ہم دیکھتے ہیں کہ جب اعصاب میں تحریک پیدا ہوتی ہے تو بھی جسم انسان میں بلغم اور رطوبت کی مقدار بڑھ جاتی ہے۔ طب قدیم میں اعصاب کی غذا بلغم تسلیم کیا گیا ہے۔ فرنگی سائنس بھی اعصاب کی غذا کے لئے گلیسرین اور فاسفورس ضروری ہے۔ ثابت ہوا کہ پانی کا اثر اعصاب کے فعل میں تیزی پیدا کرنا ہے اور اس کی کمی اس کے فعل میں سستی پیدا کر دیتی ہے۔

اسی طرح ہم دیکھتے ہیں کہ جب انسان میں ہوا کا اثر زیادہ ہو جاتا ہے، تو خون میں جوش اور خشکی بڑھنی شروع ہو جاتی ہے۔ جب عضلات میں تحریک ہوتی ہے تو دل میں انقباض پیدا ہوتا ہے، دِل کا فعل تیز ہو جاتا ہے اور حرارت کی پیدائش شروع ہو جاتی ہے۔ طب قدیم عضلات کی غذاء کے لئے خون کو پیدا کرنے والی اشیاء تسلیم کرتی ہے۔ اور فرنگی طب میں عضلات کی غذا میں اجزاء لحمیہ اور سرخ ذرّات کو خون تسلیم کیا گیا ہے۔ ان سب میں ہوا کے اجزاء زیادہ ہیں۔ جسم میں ہوا کی مقدار کو بڑھا دیتے ہیں۔ ان حقائق سے ثابت ہوا کہ ہوا کا اثر عضلات پر زیادہ ہے اور وہ عضلات کے فعل کو تیز کر دیتی ہے اور اس کی کمی عضلات اور دِل کے فعل میں سستی پیدا کر دیتی ہے۔

پانی اور ہوا کے بعد ہم دیکھتے ہیں کہ جسم انسان میں جب حرارت کے اثرات زیادہ ہو جاتے ہیں تو رطوبت اور خشکی کی بجائے حرارت کی زیادتی اور صفراء کی مقدار بڑھ جاتی ہے۔ یہی صورت اس وقت بھی سامنے آتی ہے جب جگر (غدد) کے فعل کو تیز کر دیا جاتا ہے۔ طب قدیم نے جگر کی غذا صفراء تسلیم کیا ہے اور فرنگی طب بھی جگر کی غذا میں گندھک کی ضرورت کو نمایاں تسلیم کرتی ہے۔ ان حقائق سے ثابت ہوا کہ جگر (غدد) پر

حرارت اور گرمی کا زیادہ اثر ہوتا ہے اور وہ اس کے فعل میں تیزی پیدا کر دیتی ہے اور جب اس میں کمی واقع ہوتی ہے، جگر کا فعل سست ہو جاتا ہے۔

وبائی امراض کا مفرد اعضاء سے تعلق

طب قدیم دِل و دماغ اور جگر کو اعضاءِ رئیسہ تسلیم کرتی ہے اور فرنگی طب اعصاب وعضلات اور غدد کے بنیادی اعضاء ٹشوز (بافتیں) کو حیاتی آرگن مانتی ہے اور انہی پر زندگی اور حیات رواں دواں ہے۔ انہی کے صحیح حالت میں رہنے سے صحت قائم رہتی ہے اور انہی کے افعال میں خرابی پیدا ہونے سے امراض نمودار ہو جاتے ہیں اور ان میں سے اگر کسی ایک کا فعل بالکل باطل ہو جائے تو موت واقع ہو جاتی ہے۔ ہم ثابت کر چکے ہیں کہ ان پر گرمی و ہوا اور پانی کے جداجدا اثرات ہوتے ہیں اور جب کوئی وباء ظاہر ہوتی ہے تو اس میں بھی کبھی گرمی کی زیادتی ہوتی ہے کبھی ہوا اور پانی کے اثرات زیادہ ہوتے ہیں۔ اس لئے یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ جب بھی کوئی وبا نمودار ہوتی ہے وہ اپنے اثرات کے مطابق نظم اور ضبط کے ساتھ ایک خاص قسم کے امراض پیدا کر دیتی ہے۔ وہ امراض زہریلے ہوں یا غیر زہریلے یہ وبا کی نوعیت پر منحصر ہوتا ہے۔

جاننا چاہئے کہ جب وبا میں پانی کے اثرات زیادہ ہوں تو اعصاب میں تیزی پیدا ہو جاتی ہے۔ جس سے ایسے امراض پیدا ہوتے ہیں جن میں رطوبات وبلغم کی زیادتی اور حرارت میں کمی واقع ہو جائے۔ مثلاً نزلہ زکام، محرقہ دماغی، بلغمی کھانسی، قے، اسہال اور ہیضہ وغیرہ اور جب یہ مزمن صورتیں اختیار کر لیں ان سے طاعون اور آتشک جیسے امراض بھی پیدا ہو جاتے ہیں۔

جب وبا میں ہوا کے اندر تیزی پیدا ہو جائے تو سرسام، نمونیا، محرقہ بدنی اور ہارٹ فیلور جیسے امراض ظاہر ہوتے ہیں۔ جب وباء میں گرمی کے اندر تیزی آ جائے تو نزلہ حار، پسلی کا درد (پلورسی) ملیریا اور زرد بخار جیسے امراض نمودار ہو جاتے ہیں۔ یا ایسے امراض پیدا ہوتے ہیں جن کا ان سے تعلق ہوتا ہے۔

یہ ہیں وہ حقائق جو ہماری تحقیق ہے اور طب قدیم کی روشنی میں کی گئی ہے۔ جن کا فرنگی طب کو کوئی علم نہیں ہے۔ اگر کوئی یہ ثابت کر دے کہ یہ تحقیقات فرنگی طب میں پہلے ہو چکی ہیں تو ان کو چیلنج کرتے ہیں اور ثابت کرنے والے کو ایک ہزار روپیہ انعام دیں گے۔ یہ سب تحقیقات مزاج اور اخلاط اور مفرد اعضاء کے تحت کی گئی ہیں۔ اس وقت فرنگی طب مفرد اعضاء کے نظریہ سے واقف نہیں ہے اور وہ مزاج واخلاط کے حقائق سے انکار کر چکی ہے۔ ہم ان کو اپنی کتاب مبادیاتِ طب میں چیلنج سے ثابت کر چکے ہیں اور ان پر ہر گھڑی بحث کرنے کو تیار ہیں۔ ان حقائق کی روشنی میں تسلیم کرنا پڑے گا کہ فرنگی طب غلط ہے۔

حفاظتِ صحت زمانہ وباء

چونکہ ہوا میں بالذات یا بالغرض اکثر حالات میں فساد پیدا ہو کر وبا پھیلتی ہے، اور اگر دیگر اسباب مذکورہ سے وبا کا ظہور ہوا ہے، تاہم ہوا کا فساد اس کے جوہر کا بگڑ جانا بہت بڑا سبب ہوتا ہے۔ لہٰذا نہایت اہتمام کے ساتھ ہوا کی اصلاح کی جانب اپنی ہمتوں کو مصروف اور ارادوں کو مستحکم کرنا چاہئے اور صفائی و مقام سکونت ونشست و برخاست وحرکت وسکون وغسل وحمام وعوارض نفسانی یعنی غم وغصہ وفکر وسرور وغیرہ میں وبا کے زمانہ میں ایک خاص قسم کی تبدیلی ہونی ضروری ہے۔ چنانچہ ان تبدیلیوں کی تشریح کی جاتی ہے۔

اگر وباء شروع ہوگئی ہے یا شروع ہونے کا احتمال ہے تو فوراً مکانات کو کوڑا کباڑ اور اشیاء متعفنہ وسریع الفساد وغیرہ سے صاف کر کے مکانات کے کمروں اور دالانوں اور شہ نشینوں وغیرہ کو مکانات کے گزرگاہوں کو مجلاّ دہلیز وغیرہ کے در و دیوار کو اور چھت کو شورمٹی وغیرہ سے صاف کر کے قلعی یا صاف مٹی سے لیپنا چاہئے۔

اگر ہوا میں برودت وتری کا غلبہ ہو، مثلاً برسات یا سرما کے فصل میں، تو مکانات کے دروں میں اور کمروں وغیرہ میں اور نیز دہلیز یا گزرگاہوں میں انگیٹھیوں میں آگ روشن کر کے رکھ کر ایک روز گندھک کی تدخین (دھواں دینا) کی جائے اور دوسرے روز عود یا بالچھڑ یا ناگرموتھ یا چھل چھلیرہ کی جس کو اشنہ کہتے ہیں، تبخیر کی جائے۔

گندھک کی تبخیر سے ہوا کے اجزائے ردّی الجوہر معدوم ہو جائیں گے اور آخر الذکر اشیاء کی تبخیر سے ہوا میں نفاست پیدا ہو جائے گی اور تدفین وتدبیر اس طور سے ہونا چاہئے کہ حتی الامکان اشیاء سوختہ کا دھواں کمروں اور دالانوں اور مکان کی دہلیز اور گزرگاہوں کے در ودیوار اور چھت میں اچھی طرح سرایت کرے۔ اس غرض کی تکمیل بایں طور سے ہوگی کہ کمروں کے در ودیوار بند کر دیئے جائیں یا کوئی ایسی تدبیر کی جائے جس کی وجہ سے ایک دم سے دھواں باہر کی جانب خارج نہ ہو جائے۔ اور تبخیر ایک گھنٹہ تک ہو سکے یا دالان یا گزرگاہوں میں ہونا چاہئے۔ اور ہرگاہ کہ تبخیر موقوف کی جائے۔ تو بعد موقوفی کے پندرہ بیس منٹ تک اس مقام پر بلا اشد ضرورت جانا مناسب نہیں ہے۔ اس لئے کہ ممکن ہے کہ بعض مزاج اس تبخیر کے اثر سے مکدر ہو جائیں۔ اور بنظر اصلاح ہوا ایک کمرہ یا ایک مقام پر بہت سے آدمیوں کی نشست وسکونت ہرگز نہ چاہئے۔ اس لئے مجمع انسان وحیوان کا بوجوہ مذکور ہوا کے لئے نہایت ہی بری چیز ہے۔ خصوصاً وبا کے زمانہ میں مجمع مذکور نہایت ہی خطرناک ہو جاتا ہے۔

وبا کے زمانہ میں حرکات وسکون بدنی کی ہدایت

قبل اس کے کہ حرکات وسکون کے قواعد نہایت شرح وبسط کے ساتھ جو تندرستوں کو عمل میں لانا چاہئیں، ہم بیان کر چکے ہیں۔ مگر قواعد مذکور کا عمل میں لانا اسی زمانہ تک محدود ہے کہ جب فساد ہوا یا وبا نہ ہو۔ لیکن جب کہ امراض وبائیہ شروع ہوں، یا ہوائے فاسد کی وجہ سے مختلف امراض کی یورش ہو، تو اس حالت میں حرکت وسکون کے احکام میں ایک تبدیلی عظیم پیدا کرنے کی ضرورت واقع ہو جاتی ہے۔ المختصر یہ کہ وباء کے زمانہ میں حرکات قویہ اور ریاضت نہایت نہایت درجہ مضر ہے، بلکہ سکون وراحت کی نہایت ضرورت ہے۔ اس لئے کہ حرکات اور ریاضت سے مسامات بدن کی فصیحت ہوتی ہے اور متواتر سانس کے ذریعہ سے ہوا بھی زیادہ جسم کے اندر داخل ہوتی ہے اور بدن کے رطوبات بھی تحلیل ہوتے ہیں۔ اور یہ اُمور اجسام انسان میں وبا کے تاثیرات پیدا کرنے کے لئے نہایت قوی اور خوفناک موثرات ہیں۔ چنانچہ اسی وجہ سے کثرت بیداری بھی زمانہ وبا میں مضر ہے۔ اس لئے کہ بیداری بوجہ خروج اور ارواح لوئی وحرارت کی جانب خارج بدن کی کلیتہً حرکت وریاضت سے متشابہ ہے۔ پس زیادہ جاگنے سے بھی وہی نتائج پیدا ہوں گے جو حرکات قویہ اور ریاضت سے حاصل ہوتے ہیں۔ اور اگر ریاضت اور حرکات غیر معمولی کے ترک پر کسی وجہ سے قدرت نہ ہو تو۔

حفاظت صحت زمانہ وباء

اس میں قلت اور کمی تو ضرور ہی ہونی چاہئے۔ بجز اس کے کہ کوئی اور اسباب ایسے پیدا ہو جائیں کہ جن کی وجہ سے حرکات قویہ اور ریاضت کی ضرورت ہو۔

امتناع حرکت سے یہ بات لازم نہیں آتی ہے کہ معمول کاروبار کے لئے بھی حرکات ممنوع ہو جائیں۔

وبا کے زمانہ میں عوام کو علاوہ نماز پنجگانہ اکثر اوقات نماز نوافل پڑھنا نہایت ہی فائدہ مند ہوگا۔ اس لئے کہ نماز نوافل سے مسرت روحانی بھی یقیناً حاصل ہوتی ہے اور حرکات معتدلہ کا بھی فائدہ پہنچتا رہے گا۔

زمانہ وبا میں مسہل وقے وفصد وجماع سے نہایت ہی پرہیز چاہئے۔ اس لئے کہ یہ چیزیں بدن میں حرکات قویہ پیدا کرتی ہیں اور ان

سے ارواح ورطوبات بدن کا اخراج بھی ہوتا ہے۔ لہٰذا زمانہ وباء میں امور مذکورہ کا ارتکاب نہایت ہی پرخطر معاملہ ہے۔

وباء کے زمانہ میں سکون وحرکات روحانی

قبل اس کے ہم روحی علاج کی بحث میں بدلائل ثابت کرچکے ہیں کہ بدن کی تاثیرات نفس (روح) پر اور نفس کی تاثیرات بدن پر فوری طور سے واقع ہونا یقینی ہیں۔ اسی بنا پر ہم کو یہ تحریر کرنا ضروری ہے کہ وباء کی حالت میں غم وغصہ والم وخوف وفکر وغیرہ عوارض نفسانیہ کا عارض ہونا ایک خطرناک معاملہ ہے جو حرکات نفسانی کی تفاصیل کی بحث کرنے سے عمدہ طور پر ثابت ہوجائے گا۔ البتہ حرکات نفسانی سے مسرت اور ابتہاج (خوشی) ایک ایسی کیفیت نفسانی ہے کہ جس کے حصول کی اکثر حالات وامراض خصوصاً وباء کے زمانہ میں ضرورت ہوتی ہے۔ لہٰذا ایام وباء میں غم وغصہ وفکر وخوف اور وہم سے جس طرح سے ممکن ہو، آزاد رہنا چاہئے۔ اگرچہ امور مذکورہ کا عارض ہونا امور اختیاریہ سے نہیں ہے، مگر تاہم تدبیرات سے اور عقل کی جانب رجوع کرنے سے ان میں کمی آجانا بالکل زائل ہوجانا ممکن ہے۔

وباء کے زمانہ میں اکثر آدمیوں کی طبائع پر تو غم وخوف وہراس غالب ہوتا ہے۔ اس کے لئے بہترین تدبیر یہ ہے کہ امور مصرعہ صدر یعنی مراتب حفظ صحت کی پابندیاں کر کے اپنے آپ کو بالآخر فانی اور فنتی شمار کر کے اپنے قلب کو حقد (کینہ) وحسد وبغض ونفسائیت وقساوت قلبی (سنگدلی) وغیرہ ملکات رویہ سے باز رکھے۔ اور اکثر ان کتابوں کا مطالعہ کرتا رہے کہ جن میں سلف صالحین اور انبیاء اولیاء کا ذکر خیر ہو۔

نزلہ زکام وبائی

ماہیت

نزلہ زکام وبائی بالکل عام نزلہ زکام کی طرح ایک صورت ہے۔ اس سے کوئی جدا اور الگ حیثیت نہیں رکھتا۔ جیسا کہ ہم اپنی کتاب ''تحقیقات نزلہ زکام'' اور ''بے خطا یقینی علاج'' میں لکھ چکے ہیں۔

فرق

وبائی اور غیر وبائی نزلہ زکام میں حسب ذیل فرق ہے:

1. حملہ شدید اور علامات میں تیزی بڑھنی شروع ہوجاتی ہے۔ یعنی فوراً ہی اس کی تیزی کے اثرات ظاہر ہوجاتے ہیں اور علامات فوراً بڑھنا شروع ہوجاتی ہیں۔ جسم اور روح دونوں کمزور ہوتی معلوم ہوتی ہیں۔ دل ودماغ میں خوف وہراس اور لرزہ کی سی حالت طاری ہوجاتی ہے۔ زندگی کے خطرے کا احساس شدید ہوجاتا ہے۔
2. حملہ عالمگیر ہوتا ہے، یعنی اس میں ایک فرد یا چند افراد گرفتار نہیں ہوتے بلکہ اکثر افراد بیک وقت اس کا شکار ہوجاتے ہیں۔ اکثر کوئی گھر خالی نہیں ہوتا، بلکہ ہر شخص کچھ نہ کچھ اس کا اثر محسوس کرتا ہے۔ انتہا یہ ہے کہ ہر تندرست انسان میں بھی اس کا خوف پایا جاتا ہے۔ یہی اس کی وبائی صورت کا سب سے بڑا ثبوت ہے۔
3. نتیجہ خطرناک نظر آتا ہے۔ عام طور پر اس کا نتیجہ خطرناک ہوتا ہے۔ خاص طور پر اس وقت جبکہ ابتداءً اس کے حملہ کے بعد علاج کی طرف فوراً رجوع نہ کیا جائے۔ اموات باکثرت ہوتی ہیں۔

موسمی نزلہ اور وبائی نزلہ کا فرق

موسمی نزلہ میں بھی عمومی صورت پائی جاتی ہے، مگر اس میں شدت اور علامات میں تیزی نہیں ہوتی۔ وہ عالمگیر صورت اختیار نہیں کرتا اور نہ ہی اس کا نتیجہ اس قدر خطرناک ہوتا ہے۔ وبائی نزلہ کو بالکل اس طرح خیال کریں کہ جیسے ہائیڈروجن بم چلا دیا گیا ہو اور اس سے فضاء اور آب وہوا جل گئی ہو۔

فرنگی طب کی غلط فہمی

اس امر کو ذہن سے نکال دیں کہ نزلہ زکام وبائی ایک انسان سے دوسرے انسان میں اثر انداز ہوتا ہے، بلکہ فضاء اور آب وہوا میں اس قدر فساد تعفن ہوتا ہے جس میں سانس لینے سے افراد اس کا شکار ہو جاتے ہیں۔ جس کی مثال ہائیڈروجن بم سے دی گئی ہے۔ ہائیڈروجن کے معنی پانی کے ہیں۔ نزلہ زکام وبائی میں پانی کے اندر شدید فساد پیدا ہو کر اس میں ہلاکت کے اثرات پیدا ہو جاتے ہیں۔ البتہ غیر وبائی نزلہ زکام کے تنفس اور دیگر مواد کا اثر دوسرے پر ہو سکتا ہے۔ بشرطیکہ وہ نزلہ زکام بھی تعفن اور زہریلے مواد کا حامل ہو۔ نزلہ زکام وبائی کے مریض کے تنفس کے اثرات کی نسبت معتدل ہوتے ہیں، کیونکہ طبیعت مدبرہ بدن نے اس مواد کو اعتدال پر لانے کی کوشش کی ہے۔ اس لئے ایسے مریضوں کے علاج اور تیمارداری سے گریز نہیں کرنا چاہئے، بلکہ ایک حد تک وہ تنفس مفید ثابت ہوتا ہے اور جسم میں قوت مدافعت پیدا کرتا ہے اور فضائی زہریلے اثرات کو ضائع کرتا ہے۔ ایک طرف فرنگی طب میں نرسنگ (تیمارداری) کی ٹریننگ (تربیت) دی جاتی ہے اور دوسری طرف عوام کو جراثیم سے ڈرایا جاتا ہے۔ کیا ہسپتالوں میں نرسیں روزانہ جراثیم کا شکار ہو کر مرتی ہیں یا کوئی ایسا واقعہ کبھی پیدا ہوا ہو کہ وبا کے ایام میں مریضوں کے ساتھ ساتھ نرسیں بھی مرنا شروع ہو گئی ہوں۔ تاریخ اس کی کوئی شہادت پیش نہیں کر سکتی۔ اس لئے مریضوں کی تیمارداری سے خوف زدہ ہو کر بھاگنا نہیں چاہئے، بلکہ اس سے دل کی کمزوری پیدا ہوتی ہے جو خود موت کا باعث ہے۔

وبائی نزلہ زکام کے حملہ کی وسعت

وبائی صورت میں اکثر پہلے زکام ہوتا ہے، پھر فوراً نزلہ کی صورت پیدا ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد جلدی ہی گلا، حنجرہ، مری سے گزر کر پھیپھڑوں اور معدہ تک کو اپنے زیر اثر کر لیتا ہے۔ اس کے بعد دِل و دماغ پر قابو پا لیتا ہے۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ حملہ ہونے کے ساتھ ہی سر سے لے کر مقعد تک غشائے مخاطی (میوکس ممبرین) سوزش ناک، متورم اور سرخ ہو جاتی ہے۔ بعض اوقات خون بھی آ جاتا ہے۔

نوٹ: اس امر کو یاد رکھیں کہ غشائے مخاطی کی سوزش اپی تھل ٹشوز (قشری بافت) کی سوزش سے نہیں ہوتی بلکہ غشائے مخاطی میں جو عصبی بافتیں (نروز ٹشوز) ہوتی ہیں، ان میں ہوتی ہے۔ اس لئے اس میں اکثر ورم دماغ اور گردن توڑ بخار کی صورت پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ جو حقیقت اور اپنی تحقیق پیش کی ہے، فرنگی طب اس علم سے بھی ناواقف ہے۔ یہ تحقیق اس لئے پیش کی ہے کہ تشخیص اور علاج میں غلطی نہ رہ جائے۔ البتہ قشری بافتوں میں تحلیل اور عضلاتی بافتوں میں سکون پیدا ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ اس کی تفصیل سے نظریہ مفرد اعضاء کے جاننے والے خوب سمجھتے ہیں۔

اسبابِ نزلہ زکام وبائی

فضا اور آب وہوا میں نمی کے اندر تعفن و فساد پیدا ہو جائے، اس میں تغیر و خرابی ظاہر ہو جائے یا اس موسم میں کمی بیشی واقع ہو جائے۔ خاص طور پر شدید بارش اور سردی کے موسم میں یا ان کے فوراً بعد حرارت کی زیادتی ہو جائے، جس سے ابخرات ردیہ کی کثرت ہو جائے جیسا کہ وباؤں کے بیان میں ہم لکھ آئے ہیں۔ چاند کے اثرات زمین پر شدید ہو جائیں۔ اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ سورج اور زمین کے درمیان کوئی

ستارہ یا سیارہ آجائے اور سورج کی حرارت کو زمین پر آنے میں رکاوٹ کا باعث ہو، وغیرہ۔

فرنگی طب میں اس کا سبب بے سی لائی انفلوئنزہ بیان کیا گیا ہے۔ ہم جراثیم کے اثرات سے انکار نہیں کرتے، مگر اس کو سبب واصلہ تسلیم نہیں کرتے، جیسا کہ ہم اپنی کتاب ''تحقیقات نزلہ زکام'' اور ''بے خطا یقینی علاج'' میں جراثیم کے اثرات کو تفصیل سے بیان کر چکے ہیں کہ اول تو ان جراثیم کا ان کو یقینی علم نہیں ہے، کیونکہ یہ جرثومہ نہایت نازک ہے، اس کی شکل اس طرح بیان کی جاتی ہے، ہر ایک جرثومہ علیحدہ علیحدہ ہوتا ہے۔ گاہے گاہے جوڑا جوڑا اور کبھی کبھی گروپ بھی بنے ہوتے ہیں۔ اس میں تعفن یہ ہے کہ یہ جرثومہ غیر متحرک ہوتا ہے اور اس پر رنگ نہیں چڑھتا یعنی یہ ''گرام نیگیٹو'' ہے۔ علاوہ ان نقائص کے یہ اپنی نزاکت کی وجہ سے فلٹر کی بتی سے آسانی سے گزر سکتا ہے اور اس کی نسل بذریعہ تخم ریزی نہیں بڑھتی۔ اس کو ''بلڈ اگر'' پر اُگا کر ملاحظہ کیا جاتا ہے۔ لیکن اس جرثومہ کے علاوہ سپٹر پٹوکوکائی اور نیموکوکائی کا فرق سمجھتے ہیں، وہ فرنگی طب کی متضاد علمی تحقیقات سے لطف اندوز ہوسکتے ہیں۔ اور اگر وہ نظر مفرد اعضاء کو سامنے رکھ کر امراض واسباب پر غور کریں گے تو ان کو فرنگی طب کے اَن سائنٹفک (غیر علمی) ہونے کا پورا پورا یقین ہو جائے گا۔

اس امر سے ہم انکار نہیں کرتے کہ تعفن سے جراثیم پیدا نہیں ہوتے یا جراثیم سے تعفن اور زہر پیدا نہیں ہوتا، مگر حیرت تو یہ ہے کہ فرنگی طب سے آج تک اس امر کا فیصلہ نہیں ہو سکا کہ نزلہ زکام وبائی کا سبب دراصل کونسا جرثومہ ہے۔ اگر ان کو یقین ہے اور ان کی تحقیقات صحیح ہیں تو فوراً اس کی صحیح اور اکسیر دوا تیار ہو جانی چاہئے جو اس مرض کی ہر صورت اور ہر درجہ پر یقینی اور بے خطا شفا بخشنے والی ہو۔ اگر ہم یہ ثابت کر دیں کہ نزلہ زکام میں کبھی اعصاب میں سوزش ہوتی ہے اور کبھی غدد اور عضلات میں اور ہر ایک کے سوزش پیدا ہونے کی صورت جدا جدا ہے اور یا مختلف اقسام کے ارباب اپنا الگ الگ اثر رکھتے ہیں۔ جیسا کہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں۔ پھر فرنگی طب نزلہ زکام وبائی کے لئے ایک ہی قسم کے جراثیم کو ہر صورت میں یا دو تین اقسام کو صرف نزلہ زکام وبائی کی ایک صورت پر کیسے اثر انداز ہونا ثابت کر سکتے ہیں۔ یقیناً ان کو ایک صورت اختیار کرنی پڑے گی۔ جس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ فرنگی طب کی تحقیقات غلط ہیں اور یقیناً وہ ایک غیر علمی (اَن سائنٹفک) طریق علاج ہے۔ جب تک اس کو بدلا نہیں جائے گا، علم علاج مکمل نہیں ہوسکتا۔

علامات

فرنگی طب نے اس کی علامات کے تین درجے مقرر کئے ہیں: (اوّل) ابتدائی علامات (دوسرے) شدید علامات، جس میں مرض کی ابتداء ہوتی ہے۔ (دوم) جس میں مرض پوری شدت میں ہوتا ہے اور مریض کو اپنے قابو میں کئے ہوتا ہے۔ (تیسرے) انتہائی، جس میں مریض کا نتیجہ سامنے آجاتا ہے یعنی مریض صحت یاب ہوتا ہے یا ختم ہو جاتا ہے۔ بعض فرنگی ڈاکٹروں نے اس کے تین درجے اس طرح مقرر کئے ہیں:

- **تنفسی:** جس میں تمام نظام تنفس ناک سے شش تک ماؤف ہو جاتا ہے۔ تنگی تنفس، کھانسی، ناک اور آنکھ سے پانی کا بہنا شروع ہو جاتا ہے۔ کھانسی کے ساتھ بلغم یا گاڑھا تھوک مائل زرد رنگ سرخی مائل خارج ہوتا ہے اور بلغم میں ایسے مادے کثرت سے خارج ہوتے ہیں۔ ایسی حالت میں ذات الجنب وذات الریہ بھی پائے جاتے ہیں۔
- **اعصابی:** اس میں درد سر اور درد کمر شدید سخت کسالت محسوس ہوتی ہے۔ اس میں غشائے دماغ، نخاع، ورم دماغ بھی پیدا ہو جاتا ہے۔
- **انہضامی:** اس میں غثیان، قے، اسہال، درد شکم، قولنج واقع ہوتا ہے۔ ان کے ساتھ دیگر عوارضات کی صورت میں حرارت، ضعف قلب، ورم گردہ اور ورم اوردہ بھی پایا جاتا ہے۔ بعض فرنگی ڈاکٹروں نے نزلہ زکام وبائی کی پانچ ٹائپس (صورتیں) لکھی ہیں:

میرانیل ٹائپ: اس میں حرارت کی شدت کے ساتھ دیگر علامات پیدا ہو جاتی ہیں۔ اس کا حملہ دل پر ہوتا ہے۔

رسپائی ریٹری ٹائپ: اس میں اعضاء تنفس پر حملہ شروع ہوتا ہے۔

گسٹرو و انٹسٹائینل ٹائپ: اس کا حملہ اعضاء غذائیہ پر ہوتا ہے۔

نروس ٹائپ: اس کا حملہ نظام عصبی پر اثر انداز ہوتا ہے۔

مے لگننٹ ٹائپ: شدید اور مہلک، اس میں فوراً انتہائی ضعف قلب پیدا ہو جاتا ہے اور دیگر علامات میں بھی شدت پائی جاتی ہے۔

ہماری تحقیقات

نزلہ زکام وبائی کی تین صورتیں ہیں: اعصابی، غدی اور عضلاتی۔ اس کا اوّلین حملہ اعصاب پر ہوتا ہے، چاہے دماغ سے شروع ہو چاہے اعضاء تنفس سے ابتداء کرے، چاہے اعضاء غذائیہ سے اس کی ابتداء ہو۔ یہ اوپر نیچے کا فرق مریض کی حرارت کی کمی بیشی کا نتیجہ ہے۔ اگر جسم میں حرارت کی بالکل کمی ہے، تو حملہ دماغ سے شروع ہوگا۔ اور اگر حرارت کی زیادتی ہوگی تو اوپر سے نیچے کی طرف جائے گا۔ بہر صورت نزلہ زکام وبائی کی ابتداء اعصاب سے شروع ہوگی۔ جس کی علامات میں نزلہ زکام، سر بوجھل، منہ میں پانی، بلغمی کھانسی، قے و اسہال، پیشاب کی زیادتی وغیرہ کسی ایک علامت سے ابتداء ہوگی اور رفتہ رفتہ باقی سامنے آتی جائیں گی۔ دوسرا حملہ غدد پر ہوگا۔ اس میں جگر و گردہ اور معدہ و امعاء کے غدد مبتلا ہو جائیں گے اور غشائے مخاطی ناک میں سوزش ہو جائے گی۔ اس میں گلا اور سینہ خاص طور پر شریک ہوں گے اور یہ اثر بھی حرارت کی مناسبت سے سر سے پیٹ کی طرف جاری رہے گا۔ تیسرا حملہ عضلات پر ہوگا، اس میں قلب متاثر ہوگا۔ اس صورت میں درد جسم، دل کا گھٹنا، ڈوبنا (یاد رکھیں ضعف قلب اور اختلاج وغیرہ نہیں ہوگا)۔ البتہ قلب کوشش کرے گا کہ اس کی رفتار تیز ہو جائے، مگر قلب و عضلات کی طرف رطوبات کی زیادتی ہوگی۔ اس لئے وہ پھولتے جائیں گے اور قلب بوجھل ہوتا جائے گا۔ اس کی رفتار سست ہوتی چلی جاتی ہے۔ اس لئے مریض کے اندر کمزوری کی زیادتی، خوف اور بے اُمیدی بڑھتی چلی جاتی ہے۔ جلد ہی مریض بے ہوش اور غنودگی میں گرفتار ہو جاتا ہے۔ اکثر ورم دماغ پیدا ہو جاتا ہے۔ گردن نہیں اٹھا سکتا۔ جیسے گردن ٹوٹ گئی ہو۔ اکثر موت سے قبل بخار اُتر جاتا ہے۔ کبھی ہوش میں بھی آ جاتا ہے مگر ایسی صورت میں زندگی بے حد مشکل ہو جاتی ہے۔ البتہ انتہائی صحیح علاج کے بعد مریض بچ سکتا ہے۔

ان علامات پر غور کریں اور دیکھیں فرنگی طب میں کہاں کہاں غلطیاں ہیں اور کیسی شدید اور خوفناک ہیں، اور پھر ان کو دعویٰ ہے کہ ان کی طب سائنٹفک (علمی) ہے۔

علاج

ہر قسم کے علاج میں اس امر کو ضرور مدنظر رکھیں کہ علاج میں صرف دواء پر بھروسہ نہیں کر لینا چاہئے بلکہ ان باتوں کو ذہن نشین رکھیں: (۱) ماحول (۲) غذا (۳) ادویہ اور وبائی امراض میں تو ان اُمور پر زیادہ توجہ دیں۔ کیونکہ وباؤں میں خاص طور پر فضاء و موسم اور آب و ہوا ہی اسباب میں شریک ہوتے ہیں اور اثر انداز ہوتے ہیں۔ ماحول میں مریض کی دیکھ بھال، درجہ حرارت اور صفائی کا خیال رکھنا بے حد ضروری ہے۔ اگر مریض ایسے مقام پر ہے جہاں اس کے ماحول کی آب و ہوا اور موسم وبائی اثرات پیدا کرتا ہے یا وہاں کا درجہ حرارت جسم کے درجہ حرارت کو نقصان کا باعث ہے اور صفائی کی بجائے گندگی اور تعفن کے ڈھیر قریب ہیں تو اکسیر ادویات اور بہترین اغذیہ بھی مریض کی صحت کو واپس نہیں لا سکتیں۔ اس لئے غذا اور ادویہ سے قبل ماحول کی درستی بے حد اہمیت رکھتی ہے۔

علاج میں تین باتیں نہایت اہم ہیں: (۱) امنیت کا بڑھانا (۲) زہریلے مواد کو مدنظر رکھنا (۳) زوداثر اور تیز ادویات کا استعمال کرنا۔ امنیت جس کو انگریزی میں ''ایمونٹی'' کہتے ہیں، گویا قوت مدافعت اعضاء کو بڑھایا اور مضبوط کیا جائے۔ یعنی جس عضو کے فعل میں کمی واقع ہو رہی ہے، اس کو تیز کیا جائے۔ امنیت کی تفصیل کتاب ''تحقیقات نزلہ زکام'' میں لکھ چکے ہیں۔ زہریلے مواد کے سلسلہ میں اس کو مدنظر رکھیں کہ وبائی امراض کا علاج بالکل اس طرح کرنا چاہیے جیسے زہروں یا زہریلے جانوروں مثلاً سانپ کے ڈس لینے سے کیا جاتا ہے۔ کیونکہ مریض کے جسم میں صرف موادنہیں ہوتے بلکہ مواد زہریلے بن چکے ہوتے ہیں جو دم بدم جسم اور خون میں پھیل رہا ہے۔ جن سے اعضاء کے افعال باطل ہو رہے ہیں۔ وبائی امراض میں ادویات ہمیشہ تیز اور زوداثر بلکہ تریاق اور اکسیر کے درجے کی ہونی چاہئیں۔ نئے تجربات نہیں کرنے چاہئیں۔ دوا کا درمیانی وقفہ گھنٹے نہیں بلکہ منٹ ہونے چاہئیں۔ ہر گھڑی مریض کی حالت کی نگرانی ہونی چاہیے کہ کسی وقت بھی اس کی کوئی علامت بڑھنے نہ لگے۔ اگر کوئی علامت بڑھتی نظر آئے تو سمجھ لیں کہ دوا کم ہے یا غذا کی ضرورت ہے۔ فوراً اس طرف توجہ کریں۔ گھبرائیں نہیں۔ کیونکہ اکثر مریض اور اس کے لواحقین ہر علامت کو بڑھا چڑھا کر بیان کرتے ہیں۔ خود مریض کا مطالعہ کریں اور علاج کی کوشش کریں۔

علاج عمومی

ہرکوس کا قول ہے کہ جو شخص گائے کا گھی استعمال کرے گا، وہ وباء کے اثر سے محفوظ رہے گا۔ اس میں شک نہیں کہ روغن گاؤ فادزہر حیوانی ہے۔ اور اس سے بھی وبائی سمیت کا اثر باطل ہو جاتا ہے۔ ① عود کو جلا کر اس کا دھواں لینا وبائی ہوا کی اصلاح کرتا ہے۔ ② کندر کا سونگھنا اور بخور کرنا دونوں مفید عمل ہیں۔ ③ پیاز کو سرکہ میں رکھ کر کھانا وباء کا دافع ہے اور سرکہ ڈالنے یا جو شاندہ بنانے کے بغیر بھی استعمال کیا جائے تو آب و ہوا کے اختلاف سے جو مضر اثر پیدا ہوا کرتا ہے، اس کا عمدہ تدارک ہے۔ ④ لہسن کا کھانا بدنی رطوبتوں کی عفونت کو زائل کرتا اور صحت کی حفاظت کرتا ہے۔ ⑤ قسط کا دھواں لینے سے اس وباء کا جو عفونت سے حادثہ ہوئی ہو، ازالہ ہو جاتا ہے۔ ⑥ مرمکی ایک ماشہ پینے سے بھی عفونت دفع ہو جاتی ہے۔ ⑦ قطران و چڑیل کے تیل کا صبح و شام اور رات کے وقت سونگھنا فائدہ بخش ہے۔ ⑧ میعہ سائلہ کا بخور کرنا بھی سودمند ہے۔ ⑨ گل مختوم ۵ ماشہ کو سفوف بنا کر کھانا یا پانی میں حل کر کے پینا عمدہ دوا ہے۔ ⑩ عنبر ۳ رتی کا پینا بھی اور بخور کرنا بھی سمیت وبا کا تریاق ہے۔ کندی اپنی کتاب میں لکھتا ہے کہ ⑪ میعہ سائلہ ایک ماشہ ⑫ بلسان ۲ ماشہ ⑬ کافور ۳ رتی ⑭ مصطگی ۳ ماشہ ⑮ زعفران ۵ ماشہ ⑯ شہد ۳ تولہ ⑰ راتینج ۶ ماشہ ⑱ مشک ایک ماشہ۔ یہ سب دوائیں فرداً فرداً کھانے اور بخور کرنا دافع وباء ہیں۔

علاج بالادویہ

ادویات کی ضرورت اکثر امراض کی حالت میں ہوتی ہے، مگر وبائی ایام میں قانون کے تحت ہر شخص جو مریض نہیں ہے، اس کو بھی روزانہ دوا استعمال کرنی چاہیے۔ کیونکہ فضا اور آب و ہوا میں غیر معمولی فساد اور تعفن ہے۔ اس کے اثرات ہر شخص کے اعضاء اور خون پر مسلسل پڑ رہے ہیں۔ جن سے قوت مدافعت مرض (امنیت) اور قوت مدبرہ بدن کمزور ہوتی رہتی ہے۔ اس لئے ہر شخص کے لئے لازم ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے بدن اور نفس کی حفاظت کرے اور اس کو تقویت پہنچائے۔ اگر غفلت برتی گئی تو قوی امکان ہے کہ امراض کا حملہ اس شخص پر ہو جائے۔ ممکن ہے کہ بے حد شدید ہو اور زیادہ نقصان کا باعث ہو۔ اس لئے ہر شخص کا فرض ہے کہ حفظان صحت کے اُصولوں کو مدنظر رکھتے ہوئے بھی روزانہ دفع امراض اور مقوی دوا استعمال کرتا رہے۔ اس مقصد کے لئے ذیل کی ادویہ مفید ہوں گی: ① شہد خالص تولہ دو تولے روزانہ تین چار بار چاٹ لیا کرے۔ نیم گرم پانی یا چائے میں گھوٹ کر پی لیا کرے۔ ② بخار، نزلہ وبائی: مرمکی ایک ماشہ شہد خالص میں تین حصے میں ملا لیں۔ خوراک ایک ماشہ سے چھ ماشہ تک کا استعمال کیا جا سکتا ہے۔ مقوی قلب: مربہ آملہ ۲ چھٹانک، مربہ ہلیلہ ۲ چھٹانک، مربہ زنجبیل ایک چھٹانک، طباشیر ایک چھٹانک۔ تمام مربہ جات کو

کوٹ کر باریک کرلیں۔ پھر طباشیر کا سفوف تیار کرلیں۔ تین گنا شہد میں معجون بنائیں۔ طباشیر اس وقت ڈالیں جب معجون کو آگ سے نیچے اُتار لیں۔ خوراک چھ ماشہ سے دو تولہ تک استعمال کراسکتے ہیں۔ (۳) خمیرہ مروارید زعفرانی: زعفران خالص ۳ ماشہ، خمیرہ مروارید ۳ تولہ۔ دونوں کو خوب اچھی طرح ملالیں۔

خوراک: ایک ماشہ سے ۳ ماشہ تک استعمال کراسکتے ہیں۔ سفوف مفرح: زہر مہرہ خطائی ۵ تولہ، زعفران چھ ماشہ، نارجیل دریائی ۵ تولہ، کہربا ۵ تولہ، مشک خالص ایک ماشہ، کشتہ سیپ ڈھائی تولہ، کشتہ سنکھ ڈھائی تولہ سفوف بنالیں۔ جوارش مفرح خوراک ۳ ماشہ سے ۹ ماشہ تک مفید ہے۔

مندرجہ بالا ادویات نزلہ زکام وبائی کی حالت میں بھی حسب ضرورت۔ اسی طرح زعفرانی چائے بھی ایک مفید مفرح ہے۔ یعنی چاہئے کہ دم کے وقت ایک تولہ بہترین چائے میں ایک ماشہ خالص زعفران ڈالا جائے۔ ایک لذیذ اور فرحت بخش محافظ نزلہ وزکام وبائی ہے۔

مرض کی شدت کی صورت میں: خوراک ۴ رتی سے ایک ماشہ تک ہمراہ آب نیم گرم یا قہوہ چائے کے ساتھ استعمال کرائیں۔ نسخہ: پارہ ایک حصہ، گندھک ۳ حصے، دونوں کو ایک گھنٹہ کھرل کریں۔ بس سفوف تیار ہے۔ (۲) یہ دواء حسب ضرورت مندرجہ بالا ادویات کے ہمراہ بھی دے سکتے ہیں۔ (۳) اگر قبض ہو تو اس میں ہم وزن مرکی ملالیں اور خوراک دو چند کرلیں۔ (۴) اگر حملہ شدید اور حالت خطرناک ہو تو اکسیری غدی عضلاتی مرکی والی حصے میں ایک حصہ جمال گوٹہ شامل کرلیں۔ انشاء اللہ یہ دوا مریض کو موت کے منہ سے چھین لائے گی۔ ہم دعویٰ سے کہہ سکتے ہیں کہ انشاء اللہ تعالیٰ اس دواء کا مقابلہ فرنگی طب نہیں کرسکے گی۔ (۵) اگر قبض شدید ہو، مسہل عضلاتی ایک ایک گولی ہر نصف گھنٹہ بعد دیں۔ شحم حنظل، موسی، مصبر زرد ہم وزن گولیاں بقدر نخود بنالیں۔ اگر کمزوری زیادہ بڑھ گئی ہو تو مندرجہ مقوی اور مفرح ادویات میں عنبر اشہب مقدار میں ایک رتی کا اضافہ کرکے استعمال کرائیں۔ (۷) تحقیقات نزلہ زکام میں جو عضلاتی اور غدی نسخے دیئے گئے ہیں، ان کو بھی مدنظر رکھیں اور ضرورت کے وقت استعمال کرائیں۔ جوہر شفاء عضلاتی: روغن لونگ ایک تولہ، روغن دارچینی ایک تولہ، روغن تارپین ۲ تولے۔ خوراک: ایک بوند سے ۸ بوند تک۔ ہر نصف گھنٹے بعد دے سکتے ہیں۔ اس سے ناک، گلے اور سینے کی جلن بہت جلد ختم ہوسکتی ہے۔ تندرستی کی حالت میں اس کی روزانہ ایک بوند وبائی اثرات سے محفوظ رکھتی ہے۔ ہم نے تمام دعویٰ کی ادویات پیش کردی ہیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ یقینی کامیابی ہوگی۔

نزلہ زکام میں غذاء کے احکام

ایک غلط فہمی

عام طور پر مشہور ہے کہ وباء کے ایام میں خالی پیٹ نہیں رہنا چاہئے۔ دوسرے اگر کھانا چاہئے تو لطیف اور زود ہضم اغذیہ کھانی چاہیں۔ دراصل یہ تینوں باتیں نہ صرف غلط فہمی پر مبنی ہیں بلکہ کلیتہً غلط ہیں۔ اوّل تو خالی پیٹ کا تصور ہی غلط ہے۔ عام طور پر خالی پیٹ اس کو کہتے ہیں، جب انسان صبح سو کر اٹھتا ہے لیکن سو کر صبح اٹھنے کے بعد ضروری نہیں ہے کہ انسان کی غذاء پورے طور پر ہضم ہوچکی ہے اور پیٹ خالی ہوگیا ہے۔ پیٹ خالی ہونے کی سب سے بڑی علامت یہ ہے کہ شدید بھوک لگ رہی ہو اور پیٹ میں کوئی عارضہ بھی نہ ہو۔ جب تک بھوک نہ لگے اور پیٹ بلکہ تمام جسم اپنے اندر ہلکا پن محسوس نہ کرے، اس وقت تک ہم اپنے پیٹ کو خالی نہیں کہہ سکتے۔ اور جب انسان کا پیٹ خالی ہوگا اور اس کو شدید بھوک لگ رہی ہوگی تو پھر پیٹ خالی ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ہر شخص خود بخود کھانے پر مجبور ہے اور بھوک ہی نہ ہو اور نہ پیٹ اور جسم ہلکا پھلکا ہو اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ کھانے کی طلب اور خواہش نہ ہو، تو پھر بلا ضرورت کیوں کھایا جائے۔ چاہے عام دن ہوں یا وبائی ایام۔ ایسی حالت میں کھانا بے حد مضر ہے۔ کیونکہ پیٹ میں غذا ہے اور اس پر کھالیا گیا ہے۔ گویا کھانے پر کھالیا گیا ہے۔ ایسی صورت میں امراض میں نہ گرفتار ہونے والا انسان

بھی خود بخود وبا میں گرفتار ہو جائے گا۔ کیونکہ اوّل بدہضمی کا پیدا ہونا لازمی امر ہے۔ دوسرے دوران خون معدہ وامعاء کی طرف مصروف ہو جائے گا۔ جسم کی حفاظت نہیں کر سکے گا۔ تیسرے حرارت جسم خرچ ہوگی۔ چوتھے ان خرابیوں کے باعث اعضائے رئیسہ مقابلہ وباء سے عاجز ہو جائیں گے۔ ان تمام اُمور کو مدنظر رکھتے ہوئے، اس امر کو ذہن نشین کر لیں کہ بغیر شدید بھوک نہ کھائیں۔ چاہے صبح کا وقت ہی کیوں نہ ہو۔ بلکہ صبح سے شام بھی ہو جائے اور بھوک نہ ہو تو غذا سے دور رہنا چاہئے۔ البتہ بھوک ہو اور نہ کھایا جائے، خصوصاً ایام وباء میں تو یہ بھی سخت مضر ہے۔ ایسی صورت میں جسم کمزوری محسوس کرتا ہے اور قوت مدافعت پریشان ہو جاتی ہے۔ اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ دورانِ خون تیز ہو جاتا ہے اور بعض دفعہ دِل گھٹ جاتا ہے۔ اس لئے شدید بھوک میں نہ کھانا بھی ویسا ہی مضر ہے جیسے شدید بھوک کے بغیر کھالینا خرابیٔ صحت کا باعث ہے۔

دوسری غلط فہمی یہ کہ زود ہضم اور لطیف اغذیہ کھانی چاہئیں۔ جیسے چاول، دلیا، ڈبل روٹی، پھل، دودھ اور شور با چپاتی وغیرہ۔ حقیقت یہ ہے کہ لطیف وثقیل غذا کا مسئلہ ہی غلط سمجھا گیا ہے۔ کیونکہ ہمیشہ لطیف اغذیہ کے مقابلے میں مقوی اغذیہ کو مثلاً گھی والی روٹی، حلوہ، مٹھائیاں، زیادہ گھی والے چاول، پلاؤ، زردہ، سویاں اور کیک پیسٹری وغیرہ۔ لیکن جاننا چاہئے کہ کل چھ ذائقے ہیں: (۱) شیریں (۲) پھیکا (۳) نمکین (۴) چرپرہ (۵) ترش (۶) تلخ۔ اور سب کی تقسیم تین صورتوں پر ہوگی: (۱) کھاری (۲) نمکین اور (۳) ترشی۔ دیکھنا یہ ہے کہ امراض کس قسم کے ہیں اور جسم میں کس صورت کی کمی پائی جاتی ہے۔ اور جس چیز کی کمی ہو، اس کو پورا کرنا چاہئے اور اس کے مطابق اغذیہ تجویز کرنی چاہئیں۔ تاکہ جسم میں صحت اور طاقت پیدا ہو۔

ان حقائق کو مدنظر رکھتے ہوئے جو معالج زود ہضم اور لطیف کے نام پر چاول، دلیا، ڈبل روٹی، ساگودانہ، پھل، دودھ اور شور با چپاتی وغیرہ تو غور کریں کہ اس میں غذاء کی تمام صورتیں قائم ہیں۔ یعنی ان میں کھاری، ترش اور نمکین ہر قسم کی اغذیہ شریک ہیں۔ غور کریں کہ مرض کے مطابق صورت ہوگی تو لازمی امر ہے کہ مرض بڑھے گا۔ اس لئے لطیف اور زود ہضم اغذیہ کو امراض کی صورتوں اور کیفیات کے مطابق ترتیب دیں۔ صرف اتنا ہی کہہ دینا کہ وبائی ایام میں لطیف اور زود ہضم اغذیہ نہ دیں، جن میں کھاری پن ہو، بالکل منع ہیں۔ اور جن میں ترشی ہو، وہ مفید ہیں۔ نمکین بھی مفید ہیں۔

تیسری غلط فہمی یہ ہے کہ غذا چوتھائی کھانی چاہئے تاکہ معدہ پر بوجھ نہ پڑے اور جلد ہضم ہو جائے۔ یہ نظریہ بھی گزشتہ دونوں نظریات کی طرح غلط فہمی پر مبنی ہے۔ کیونکہ غذا کی مقدار کے متعلق یہ اُصول یاد رکھیں کہ معدہ کے حجم کے مطابق غذا ہونی چاہئے۔ عام طور پر دو چھٹانک کی روٹی ہوتی ہے اور ایک متوسط انسان اگر شدید بھوک کے وقت کھائے تو تین آسانی سے کھالے گا۔ اگر احتیاط مطلوب ہو تو تین کی بجائے دو کھالے۔ بس یہ غذا کھانے کا بہترین طریقہ ہے کہ تین کی بھوک ہو تو دو روٹیاں کھالیں۔ اسی نسبت سے چاول، دلیا اور دیگر اقسام کی اغذیہ بھی کھا سکتے ہیں۔ اگر دو سے زیادہ کھانا چاہیں تو نسبت یہی ہونی چاہئے کہ تیسرا حصہ بھوک چھوڑ دیں۔ مگر دو سے کم نہ کھائیں۔ اگر کم کھانے کی عادت ہو تو اس میں کم از کم تیسرا حصہ غذا چھوڑ دیں۔ مگر کوشش کریں کہ اس قدر بھوک ہو کہ دو روٹیاں کھائیں اور ایک روٹی کی بھوک باقی رہنی چاہئے، وغیرہ وغیرہ۔

اس انداز سے غذا کھانے کا یہ فائدہ ہے کہ اگر اعضاء اغذیہ کو پورے طور پر غذا ملے تو غذا کی مقدار کا بڑا اثر پڑتا ہے اور وہ مشینی طور پر بھی اپنے افعال صحیح انجام دیتی ہے۔ اس کے دباؤ سے پیٹ پر بوجھ پڑے گا۔ اجابت اچھی طرح دباؤ کے ساتھ ہوگی۔ اور امعاء پورے طور پر صاف ہوں گی اور غذا ہضم ہونے پر پوری مقدار میں خون بنے گا اور ہاضمہ آسانی سے خراب نہیں ہوگا۔ اگر غذا چوتھائی کھائی جائے۔ اوّل تو کھانے والا خود اچھی طرح اندازہ نہیں لگا سکتا، اگر کھائے گا بھی تو قبض ہو جائے گا۔ دو روز کی قبض کے بعد ہاضمہ خراب ہو جائے گا اور انسانی کمزوری بھی محسوس کرے گا۔ اس لئے چوتھائی غذا کھانا نقصان دہ ہے۔

ان حقائق سے ثابت ہوا کہ (۱) غذاء ہر حال میں شدید بھوک کے وقت کھانی چاہیئے۔ جب تک بھوک نہ ہو، خالی معدہ نہیں کہا جا سکتا۔ چاہے انسان صبح سو کر کیوں نہ اُٹھا ہو۔ (۲) غذا میں لطیف اور زود ہضم اور ثقیل و دیر ہضم کا تصور اس وقت تک بے معنی ہے، جب تک صورت غذا ضرورت جسم اور نوعیت مرض کو نہ دیکھ لیا جائے۔ ورنہ ہر غذا نقصان رساں ہو سکتی ہے۔ (۳) غذا ہمیشہ مقدار معدہ کے حجم کے مطابق کھانی چاہئے۔ البتہ اس میں تیسرا چوتھا حصہ بھوک باقی ہو تو چھوڑ دینا چاہئے۔ کم خوراک مثلاً دو نوالے کھانا کوئی غذا نہیں ہے۔ اوّل تو کم غذا اس وقت کھائی جاتی ہے، جب بھوک ہی نہیں ہوتی۔ دوسرے یہی کم غذا اندر جا کر بدہضمی و نقص کا باعث بنتی ہے، جس کا نتیجہ خوفناک امراض کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔

وبائی امراض میں غذاء

وبائی ایام میں غذا کی اہمیت بہت زیادہ ہے۔ کیونکہ جسم انسانی غذا پر قائم ہے جو بدل ما تحلل کی صورت پیدا کرتا ہے۔ چونکہ وبائی ایام میں آب و ہوا اور فضاء میں فساد و نقص کے باعث جسم و روح انسانی پر عمل تحلیل شدت اختیار کر لیتا ہے۔ اس لئے ہر شخص خصوصاً مریض کی غذا میں خاص طور پر یہ اہتمام کرنا چاہئے کہ عمل تحلیل کم ہو اور بدل ما تحلل زیادہ پیدا کیا جائے۔ ان دونوں مقاصد کو پورا کرنے کے لئے اغذیہ ہمیشہ مقوی کہ اس سے عمل تحلیل کم واقع ہوتا ہے اور شدید بھوک کے وقت دی جائیں۔ تاکہ جلد جلد بدل، تحلیل تیار کر لیا کریں۔ (۲) غذا یہ ضرورت جسم کے مطابق ہونی چاہئیں یعنی کیفیاتی اور اخلاطی طور پر جسم میں جن صورتوں اور چیزوں کا نہ ہو، ان کو پورا کیا جائے۔ تاکہ مرض اور ماحول کا مقابلہ ہو سکے۔ (۳) اغذیہ میں یہ اہتمام ہونا چاہئے کہ اغذیہ ہمیشہ وبائی امراض کے لئے بالخاصہ مفید ہوں یعنی ان کے کھاری پن و ترشی اور نمکینی کو ضرور مدنظر رکھیں۔ اگر ضروریات جسم کیمیاوی تقویت کو قائم رکھتی ہیں تو غذا کا بالخاصہ امراض کے لئے مفید ہونا مشینی صورت کو صحیح قائم رکھتا ہے۔

تاکید

اس امر سے بالکل نہ گھبرائیں کہ مریض نے کافی عرصہ سے غذاء نہیں لی یا مریض شدت سے غذا طلب کر رہا ہے۔ مگر اس کے معدہ میں شدید اور نقص ہے، اور غذا بند کر دی گئی ہے۔ ایسی صورت میں دوائیں غذاء کی شکل میں مثلاً جوارشیں، چٹنیاں، خمیرا جات، یاقوتیاں دے سکتے ہیں۔ جن سے نہ صرف بھوک بند ہو جاتی ہے بلکہ قوت قائم رہتی ہے۔ اسی طرح دوائے غذائی کی صورت بھی مفید ہو سکتی ہے۔ مثلاً مربہ جات، رب، عرقیات اور چائے کا جوشاندہ (قہوہ) وغیرہ، اسی طرح دیگر اشیاء کے جوشاندے بھی دیئے جا سکتے ہیں۔

نزلہ زکام وبائی میں مفید اغذیہ

غذاء کے متعلق یہ قانون ذہن نشین کر لیں کہ وہ اشیاء دی جائیں جو قلیل الاجزاء اور کثیر الاغذیہ ہوں۔ یہ ایک اہم مسئلہ ہے۔ اس کو سمجھنے کی بے حد ضرورت ہے کہ کونسی اشیاء کثیر الاغذیہ ہیں اور کونسی اشیاء قلیل الاغذیہ ہیں۔ ایسی اشیاء بھی ہو سکتی ہیں جن میں حرارت کی زیادتی ہوتی ہے۔ مثلاً گوشت، انڈے، دودھ وغیرہ۔ چونکہ ان میں بھی ریاحی عناصر ہوتے ہیں۔ اس لئے اگر یہ کوشش کی جائے کہ غذا کی تیاری میں ایسی صورتیں پیدا کی جائیں کہ ان کے ریاحی عناصر بھی زیادہ سے زیادہ کم کر دیئے جائیں۔ مثلاً گوشت کے شوربے یا ان کے نچوڑ (جوس) تیار کر لئے جائیں۔ اسی طرح گوشت میں بھی ایسے لئے جائیں جن میں حرارت کی زیادتی ہو، جیسے پرندے کا گوشت جن میں تیتر، بٹیر اور مرغ کے چوزے قابل ذکر ہیں۔ پرندوں کے گوشت کے بعد بکری کے گوشت میں تمام گوشتوں سے حرارت زیادہ ہے۔ اس کے بعد بھیڑ یا گائے اور بھینس کے گوشت ہیں۔ گویا جس قدر بھاری بھرکم جانور ہوگا، اس میں حرارت کی کمی ہوگی۔ گوشت کے بعد انڈوں کے شوربے بھی بے حد مفید ہو سکتے ہیں۔ اسی طرح مچھلی کا

شوربا بھی مفید ہے۔ دودھ کی صورت میں اس کو پھاڑ کر صرف دودھ کا پانی شہد میں ملا کر دیا جاسکتا ہے۔ اس صورت میں دودھ نہ صرف خمیر سے خالی ہوتا ہے بلکہ دفع خمیر و تعفن ہوتا ہے۔

اگر ایسی عمدہ غذائیں میسر نہ ہوں، تو دیگر اغذیہ میں مصالحہ جات ڈال کر ان کو گرم اور زود ہضم بنایا جاسکتا ہے۔ مثلاً سبزی کے شوربہ جات، جن میں نخود، پالک، ٹماٹر وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ طاقت کے لئے بعض قسم کے حریرے اور حلوہ جات بھی دیئے جاسکتے ہیں۔ غرض اشیاء میں حرارت کی زیادتی جہاں کثیر الاغذا ہیں وہاں پر زود ہضم بھی ثابت ہوتی ہیں۔ ہمیشہ امراض میں غذاء کے مسئلہ کو اسی قانون کے تحت ترتیب دینا چاہئے۔

فرنگی طب میں غذاء کا مسئلہ بے حد ناقص ہے۔ وہ ہر غذاء میں جو کسی تندرست انسان کے لئے ہو یا مریض کے لئے غذا کے تمام اجزاء پر زور دیتا ہے یعنی اس کی تحقیقات کے مطابق ہر غذا میں (۱) پروٹین- اجزاء لحمیہ (۲) فیٹ - چکنائی (۳) کاربوہائیڈریٹ- نشاستہ (۴) سالٹ- نمک (۵) واٹر- پانی (۶) اور اگر پانچوں اجزاء کے ساتھ وٹامن (حیاتین) کا ہونا ضروری ہے۔ مگر فرنگی طب اس حقیقت کو ہمیشہ نظر انداز کر جاتی ہے کہ ہر شخص میں کسی نہ کسی جز کی زیادتی ضرور ہوتی ہے۔ اور کسی نہ کسی وٹامن کا اثر غالب ہوتا ہے۔ اس مریض کو ایسی اغذیہ دینی چاہئیں جن کی کمی پائی جائے۔ لیکن ان کے ہاں ایسا کوئی قانون نہیں ہے۔ اس غذا کے غلط استعمال سے ان کے اکثر مریض نقصان اٹھاتے ہیں۔ یا نقصان میں رہتے ہیں۔ ان کی اس خرابی کو ہسپتالوں اور فرنگی ڈاکٹروں کے مطبوں میں جا کر مشاہدہ کیا جاسکتا ہے۔

جہاں تک وٹامن اور کچی سبزیوں کے استعمال کا تعلق ہے، یہ ایک طویل بحث ہے۔ یورپ اور امریکہ اس سے خود ناواقف ہے۔ امریکہ سے غذاء کے مسئلہ پر بحث و تحیث میں ہم نے اس مسئلہ پر روشنی ڈالی ہے، اور ان کو چیلنج کیا ہے کہ وہ وٹامن اور سبزیوں کے متعلق بطور اغذیہ کچھ نہیں جانتے۔ اگر جانتے ہیں تو ہمارا چیلنج قبول کریں۔ دوسرے یہ بھی چیلنج کیا ہے کہ جہاں تک غذاء میں خواص اشیاء کا تعلق ہے، اس میں ان کا علم نامکمل اور غلط ہے۔ اس کے متعلق بھی ان کو چیلنج کیا ہے۔ بہت جلد ان شاء اللہ تعالیٰ وہ مضامین کتاب صورت میں شائع کریں گے۔ وما توفیقی الا باللہ

۱۸

تحقیقاتِ حمیات

فہرست عنوانات

معنون

اپنے اس علمی تحقیقی وفنی انکشاف اور طبی تجدید وسائنسی تدقیق کو جو احیاء طب اور ارتقاء علم وفن کے لیے لکھی گئی ہے، ایک مخلص انسانیت د محب فن اور حق پرست ومتلاشی حقائق جناب محترم حکیم ظفر احمد صاحب صدیقی اسکندر آباد تحصیل شجاع آباد کے نام نامی اور اسم گرامی سے معنون کرتا ہوں جن کے علمی شوق وطبی ذوق اور فنی تحقیقات اور حکمی تجسس کے جذبہ نے بارہا مجھے مجبور کیا کہ میں حمیات پر اپنی تحقیقات شائع کروں۔ انہوں نے باہمی گفتگو اور خط وکتابت سے ہمیشہ اس تمنا کا اظہار کیا ہے کہ علم وفن طب میں اس انداز سے تجدید کی جائے کہ فرنگی طب اس کو دیکھ کر شرم سے سرنگوں ہو جائے۔ تحریک تجدید طب کے سلسلہ میں انہوں نے اکثر حکماء اور اہل فن وصاحب علم حضرات کی میری طرف توجہ دلائی ہے اور احیاء طب کے لیے ہر قربانی کے لیے تیار ہیں۔

خادم فن

صابر ملتانی

1961ء

پیش لفظ

الحمدللہ ربّ العالمین، الصلوۃ والسلام علی رحمۃ اللعالمین. امابعد!

اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم، بسم اللہ الرحمٰن الرحیم○ یا ایھا الناس عبدوا ربکم الذین خلککم والذین من قبلکم لعلکم تتقون ○ الذی جعل لکم الارض فراشا والسماء بناء و انزل من السماء ماء فاخرج بہ من الثمرات رزقا لکم ○

''پناہ مانگتا ہوں اللہ تعالیٰ کی شیطان کی طرف سے جو مردود ہے۔شروع اللہ تعالیٰ کے نام سے جس کی مہربانیاں عام ہیں (جیسے ہوا عام ہے)، اوراس کی رحمتیں بوقت ضرورت میسر آتی ہیں (جیسے پانی بوقت ضرور میسر ہو جاتا ہے)۔اے لوگو! اپنے ربّ (پروردگار) کی عبادت (اس کی مرضی کے مطابق زندگی گزارو) کرو، جس نے تم کواور جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں پیدا کیا۔تاکہ تم پرہیز گار ہو جاؤ۔ربّ وہی ہے جس نے تمہارے واسطے زمین کوفراش (آرام گاہ) اورآسمان کوچھت بنایا، اورآسمان سے پانی نازل کیا۔ پھراس سے تمہارے رزق کی خاطر پھل پکائے ہیں''۔

ربّ العالمین کلام پاک میں فرماتے ہیں کہ میں نے تم لوگوں کو پیدا کیا اورتم سے پہلے اورلوگوں کو بھی پیدا کیا۔یعنی جس طرح تم لوگوں کی پیدائش عورت مرد کی محبت سے ہوئی ہے، اسی طرح تم سے پہلے لوگ بھی پیدا کئے۔گویا لوگوں کا پیدا کرنے والا خودربّ العالمین ہے۔اس لئے مقصد یہ ہوا کہ اپنی زندگی بھی اسی ربّ کی مرضی پرگزاریں، تاکہ تم پرہیز گار ہو جاؤ۔اوّل اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرواور شیطان سے دوررہو۔کیونکہ وہ مردوداور نافرمان تھا۔پھر اللہ تعالیٰ کا نام لے کروہ کام شروع کرو کیونکہ اس کی رحمانیت اوررحیمیت ہی کے محتاج ہیں۔ہماری زندگی ان کے بغیر نہیں گزرسکتی۔گویا ہماری زندگی اسی کی مرضی اورفرمانبرداری ہونی چاہیے۔تاکہ شیطان کی طرح نافرمانی اوراپنی مرضی نہ ہونی چاہیے۔

جس کی مثال اللہ تعالیٰ نے زمین وآسمان اور پانی ورزق کی دی ہے کہ یہ چیزیں ہم نے لوگوں کے لئے بنائی ہیں۔لیکن غور کرو کہ یہ چیزیں کس طرح اس کی مرضی کے مطابق باقاعدہ ایک قانون کے مطابق عمل کررہی ہیں۔یعنی زمین خودبھی حرکت کررہی ہے اوراپنے محور پربھی گھوم رہی ہے۔یہ لوگوں کے لئے آرام گاہ بھی ہے اوراس پر جب پانی نازل ہوتا ہے تواس میں سے ثمر پیدا ہوتے ہیں۔آسمان، سورج، چانداور ستارے ایک انداز پر قائم ہیں۔ان کی حرکات باقاعدہ ہیں، اس سے پانی نازل ہوتا ہے، جوزمین اور دیگر مخلوق کوتازگی بخشتا ہے۔اور یہ پانی اوررزق جو لوگوں کے لئے غذا کا کام کرتا ہے، جس سے زندگی اور طاقت قائم رہتی ہے، اس لیے صحیح زندگی اس امر کا نام ہے جس قانون پر یہ کائنات قائم ہے اوراس سے زندگی پیدا ہوئی ہے۔

اس مثال میں قابل غور بات یہ ہے کہ ہم یہ بھی فکر کریں کہ زمین وآسمان میں پانی کی پیدائش سے لے کرزندگی تک کے عمل میں یہ تبدیلی اورارتقاء کس کس طرح عمل میں آیا ہے۔خاص طور پر زمین کی مٹی کے خواص، اس کی اقسام، اس کے مختلف اجزاء، اس کی جمادات، نباتات اور

حیوانات کی پیدائش وترتیب اور ارتقاء وزندگی کا قیام اور اختتام وغیرہ۔اس آسمان کی بناوٹ،اس کا اثر،ستاروں اور سیاروں کی گردش،نظام شمسی و قمری،شب وروز، ماہ وسال اور موسموں کی تبدیلیاں وغیرہ۔اسی طرح پانی کی حقیقت،اس کا سورج کی تپش سے بخارات بننا، بادل کی صورت اختیار کرنا، پھر بجلی اور کڑک،اس کے بعد بارش اور اولے، کہر اور شبنم وغیرہ۔اسی طرح ثمرات اور ان کے اثرات وافعال اور خواص وفوائد،ان کی غذائی کیفیت اور اہمیت وغیرہ وغیرہ سب قابل غور وفکر ہیں۔

ان سب سے اہم ارکان کی پیدائش اور ان کا ایک دوسرے سے مل کر مادہ کی پیدائش اس میں ارتقاء اور زندگی کا قیام۔ارکان کے اثرات وافعال اور خواص وفوائد اور ان کی باہم تبدیلیاں قدرت کے عجیب وغریب کرشمے ہیں۔اسی طرح نظام کائنات میں مٹی کے ساتھ پانی ہوا اور آگ کے تعامل اور ان کا نظام آفاقی،کبھی مٹی میں خمیر وفساد پیدا ہو جاتا ہے،کبھی پانی میں تخمیر وتبخیر اور تعفن وحرارت پیدا کرتا ہے،کبھی پانی آسمان پر چڑھ جاتا ہے اور کبھی زمین پر نازل ہو جاتا ہے۔اسی طرح ہوا کبھی گرم ہو جاتی ہے اور کبھی سرد ہو جاتی ہے،کبھی چلنا بند کر دیتی ہے اور کبھی اس میں طوفان آ جاتا ہے۔یہی صورت کائنات میں گرمی اور حرارت کی بھی ہے۔کبھی وہ اچھی لگتی ہے،کبھی اس سے پسینہ آتا ہے اور اس سے جسم پر جلن ہوتی ہے،اور کبھی دم گھٹتا ہے، بلکہ اس قدر تحلیل ہوتی ہے کہ انسان وحیوان غش کھا کر گر پڑتا ہے،اور درخت پودے مرجھا جاتے ہیں۔

بالکل یہی صورت آگ، ہوا، پانی اور مٹی جسم کے اندر بھی ہے۔قرآن کریم نے لکھا ہے کہ جو کچھ آفاق میں ہے وہی کچھ نفس میں بھی پایا جاتا ہے۔یعنی جسم میں بھی حرارت وریاح اور رطوبات اور خمیر کی صورتیں پیدا ہوتی ہیں۔جب تک انسان کے اعضاء درست رہتے ہیں، یہ قویٰ اپنے افعال درست طریق پر انجام دیتے ہیں اور جہاں انسان کے افعال جسم بگڑ جاتے ہیں، وہاں ان عناصر وقویٰ میں مواد پیدا ہوتا ہے۔ان میں بھی تبخیر اور فساد پیدا ہو جاتا ہے۔جس کا نام مرض ہے اور جو غیر معمولی کیفیات وحالات اور صورتیں پیدا ہوتی ہیں،ان کا نام علامات ہے۔جن کے مجموعے کسی عضو یا مرض کی طرف دلالت کرتے ہیں۔

بخار بھی ان علامات میں سے ایک علامت ہے، جو یہ ظاہر کرتی ہیں کہ جسم انسان کا درجہ حرارت جو صحت کی حالت میں مقرر ہے،اپنے اندازے سے بڑھ گیا۔اس کو علامت اس لئے بھی کہا جاتا ہے کہ اس کی پیدائش کسی ایک طریق پر پیدا نہیں ہوتی۔کبھی جسم میں یہ حرارت جگر کی خرابی سے بڑھ جاتی ہے،کبھی دِل کے افعال میں تیزی آنے سے زیادہ ہو جاتی ہے اور اعصاب کے افعال میں بھی خرابی سے افراط میں آ جاتی ہے۔دوسرے الفاظ میں کبھی حرارت بذاتِ خود بڑھ جاتی ہے،کبھی جسم کی ہوا گرم ہو کر بخار پیدا کر دیتی ہے،اور کبھی اندر کی رطوبات میں تعفن اور فساد پیدا ہو کر بخار کی صورت ظاہر ہو جاتی ہے۔

بخار ایک ایسی حرارت ہے جس کا درجہ صحت مند جسم سے زیادہ ہوتا ہے۔اس کو طب یونانی نے حرارت غریبہ لکھا ہے۔مگر فرنگی طب نے اس کی کچھ تصریح وتشریح نہیں کی ہے۔اس لئے اس کی حقیقت اندھیرے میں ہے۔جب تک یہ واضح نہ ہو کہ حرارت بخار دراصل کیا چیز ہے اس وقت تک بخاروں کو پورے طور پر سمجھا نہیں جاسکتا۔طب یونانی اپنے زمانہ میں بخار کو حرارت غریبہ کہہ کر اس کی حقیقت پر بہت کچھ روشنی ڈالتی ہے جب اس لئے اس کے مقابلہ میں حرارت غریزیہ ایک صحت مند حرارت کا ذکر بھی کیا ہے اور حرارت مفرد کو عنصری حرارت اور حرارت ناری لکھ دیا ہے۔اس کی روشنی میں اگر تحقیق کی جائے تو معلومات میں بہت کچھ اضافہ ہوتا ہے۔

اگر فرنگی سائنس کی روشنی میں بخار کی پیدائش کو تعفن کی پیداوار تسلیم کر لیں جو جراثیم کے تخمیر اور فساد سے پیدا ہوتے ہیں تو پھر یقیناً یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ ہر تعفن اور تخمیر اپنے اندر تیزابیت اور کاربن ڈائی آکسائیڈ رکھتا ہے۔یہ دونوں چیزیں لازماً آکسیجن سے جدا ہیں پھر تسلیم کرنا پڑے گا کہ بخار کی حرارت بہر حال صحت جسمانی کی حرارت سے ضرورت کوئی جدا شے ہے،تخمیر وتعفن کی ترشی اور تخمیر کو تسلیم کرنے کے بعد یہ بھی تسلیم کرنا

پڑے گا کہ یہ حرارت بذاتِ خود اپنے اندر قابلیت تخمیر و تعفن رکھتی ہے جس کا جسم کے اندر زیادہ ہونا باعث خود بخار ہے، یہاں جراثیم کے بخار پیدا کرنے کی نفی ہو جاتی ہے کاربالک ایسڈ گیس جو خود بھی تخمیر کی پیدائش ہے اپنے اندر ترشی رکھتی ہے اس سے زیادہ خود بخار تعفن کا باعث ہے۔

ہم نے اس کتاب میں اسی پر پورے طور پر روشنی ڈالی ہے اور اس مسئلہ کو ہمیشہ کے لئے حل کر دیا ہے اس سے اچھی طرح اندازہ ہو سکے گا کہ فرنگی طب کس حد تک غلط ہے اور ماڈرن سائنس کس قدر غلط فہمی کا شکار ہے۔

بخار کے ساتھ بخار کی اہمیت بھی ایک اہم مسئلہ ہے، اس کا اندازہ اس طرح لگایا جا سکتا ہے کہ بخار ایک علامت ہے وہ جسم کے اندر خرابی کی دلالت کرتی ہے۔ وہ خرابی کیا ہے؟ وہ اہم خرابی جسم کے کس مفرد عضو کی خرابی سے وہاں پر حرارت غریبہ پیدا ہوگئی ہے۔ اس حرارت غریبہ کا کام یہ ہے کہ اس خرابی کو دور کرے۔ گویا وہ اس کا علاج ہے۔ اور جب تک سبب قائم ہے حرارت غریبہ اور بخار کو رہنا چاہیے کیونکہ اسی واحد طریق کے علاوہ جسم کے اندر کی خرابی نہیں جا سکتی۔ مثلاً جسم تھکن محسوس کر رہا ہے یا کسی عضو میں تحریک یا سوزش اور ورم پیدا ہو رہا ہے یا ہو گیا ہے یا اس کی تسکین میں پیدا ہو گیا ہے تو جب تک یہ کیفیت و صورتیں اور مواد وہاں سے ختم نہ ہو جائے بخاروں کا قائم رہنا ضروری ہے۔ کیونکہ بخار ہی سے ثابت ہوتا ہے کہ طبیعت مدبرہ بدن تمام جسم کا خون اس کی خرابی کے مقام پر بھیج رہی ہے اور جو خون وہاں اکٹھا ہوتا ہے اس کو جسم میں پھیلا رہی ہے۔ اس لئے تھکن و تحریک اور سوزش و ورم کے اسباب کو ختم ہونا ضروری ہے اسی طرح اگر رطوبات میں تعفن پیدا ہو گیا ہے تو بخاروں کا کام ہوگا کہ اس مادہ متعفنہ کو پورے طور پر جلا دے۔ اور جسم کے جس حصہ کی تسکین سے وہاں پر رطوبات اور موادرُ کے ہوئے ہیں ان کی اصلاح کر دے۔ تا کہ پھر وہاں پر مواد نہ رُک پائے۔

کسی سوزش و ورم اور مواد و تعفن کے ختم کرنے کے دو ہی طریقے ہیں، اوّل بخار جو قدرتی طریقہ علاج ہے جس کا کام ان کو ختم کرنا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مریض کو دوا نہ بھی دیں اور صرف اس کی غذا اور اس کے ماحول کی نگرانی کریں کہ طبیعت مدبرہ اس کو اپنے وقت پر ختم کر دے گی۔ اس کا بحران ہے جس کے دِن مقرر کیے گئے ہیں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ جو کام طبیعت مدبرہ بدن بخاروں کے ذریعے کر رہی ہے اس کی مدد دوا سے کی جائے۔ تا کہ وہ مرض پر جلد قابو پالے اور مرض پر بہت جلد قابو پالیا جائے اس کا نام دوائی علاج ہے۔ دونوں صورتوں میں بخار کی اہمیت سامنے آ جاتی ہے۔ صرف بخاروں پر کنٹرول ہی سے امراض کے ساتھ بخاروں کا صحیح علاج ہو سکتا ہے۔ یعنی جب حرارت غریبہ کی پیدائش کے امکان ہی ختم ہو جاتے ہیں تو بخار خود بخود اتر جائے گا۔ ہم نے اس مسئلہ پر بھی پوری روشنی ڈالی ہے۔

بخاروں کی اہمیت کو اس طرح بھی سمجھا جا سکتا ہے کہ بعض امراض میں بخار پیدا کر کے ان کے اندر کا زہریلا مواد جلایا جاتا ہے یا خارج کیا جاتا ہے۔ جس کو اعضاء کی کمزوری خارج نہیں کر سکتی۔ جیسے چیچک اور ہیضہ سے بچنے کے لئے ان کے ٹیکے لگائے جاتے ہیں۔ اور مریض کے اندر بخار پیدا کر دیا جاتا ہے۔ جو جسم کے اندر اس خاص قسم کے مواد کو جلا دیتا ہے یا عضو کو تیز کر کے خارج کر دیتا ہے۔ جیسے چیچک کے دانے نکل آتے ہیں۔ اسی اصول پر آج کل ٹی بی کے ٹیکے بھی لگائے جاتے ہیں۔ اس اصول کو بھی سمجھنے میں فرنگی طب نے بہت غلطیاں کی ہیں وہ سمجھتا ہے کہ وہ مقابلے کے لئے جسم میں استعداد پیدا کرتے ہیں۔ دوسرے معنوں میں قوت مدافعت (مناعت-امیونٹی) پیدا کرتے ہیں۔ لیکن حقیقت میں یہ قوت اس عضو میں پیدا ہوتی ہے جو زہریلے مواد کو خارج کرتا ہے یا جراثیم کو ہلاک کرتا ہے۔ یہ بالکل غلط ہے کہ اندر کا تعفن ختم کیا جاتا ہے اور جراثیم ہلاک کیے جاتے ہیں۔ بہر حال چیچک ہیضہ اور ٹی بی کے ٹیکوں سے صاف ظاہر ہے کہ بخار پیدا کر کے ہی اندر کا مواد جلایا جاتا ہے اور عضو کو تحریک دی جاتی ہے۔

جہاں تک تعفن کو ختم کرنے کا تعلق ہے یا جراثیم کو فنا کرنے کی صورت ہے یہ بھی بخاروں اور دیگر امراض میں غلط طریقہ پر استعمال کی گئی

ہے۔ کیونکہ جراثیم سے جہاں مواد میں تخمیر وفساد اور تعفن پیدا ہوتا ہے، وہاں پر اس کا یہ فعل بھی ہوتا ہے کہ تعفن کو ختم کردیں۔ اور ان کو اس وقت تک ہلاک نہیں کیا جانا چاہئے جب تک وہاں کا تمام مواد تعفن بن کر ختم نہ ہو جائے۔ اور اس عضو میں تحریک نہ پیدا ہو جائے جہاں پر تسکین سے مواد رک گیا تھا۔ اور اس میں تخمیر وفساد اور تعفن پیدا ہو گیا تھا۔ لیکن فرنگی طب اپنی غلط فہمی سے وہاں پر دافع تعفن (انٹی سپٹک) جرم کش ادویات استعمال کر دیتی ہے جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہاں کے جراثیم فنا ہو جاتے ہیں اور سلسلہ تخمیر وفساد اور تعفن ختم ہو جاتا ہے۔ مگر وہاں مواد باقی رہ کر وہاں کے عضو میں پوری طرح تحریک پیدا نہیں ہوتی۔ اس لئے وہاں پر جو مواد رہ جاتا ہے اس میں اس قدر استعداد نہیں ہوتی کہ پھر بخار پیدا کرے اس لئے کچھ عرصہ کے بعد وہ مقامی طور پر بھی جوش میں آتا ہے اور شدت سے جوش میں آتا ہے۔ اور وہاں کے اعضاء کو کھانا شروع کر دیتا ہے۔ جس کا نتیجہ ٹی بی اور ہارٹ فیلور (دل بیٹھنے کے امراض) جو کثرت سے پھیل رہے ہیں ان کا اصل باعث دافع تعفن اور جراثیم کش ادویات کا بکثرت استعمال ہے۔

بخاروں کے سلسلہ میں ایک مسئلہ تقسیم حمیات کے متعلق بھی ہے۔ جس کی آج تک صحیح وضاحت نہیں ہوئی ہے۔ اور اس طرح موسمی اور دبائی بخاروں کو الگ الگ بیان کیا گیا ہے۔ البتہ بخاروں میں پیچیدگیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ لیکن ان کو اگر گردش واخلاط کیفیات کے متعلق سمجھ کر علاج کیا جائے تو مرکب بخاروں میں کوئی پیچیدگی باقی نہیں رہتی۔ مگر فرنگی طب میں بخاروں کی تقسیم کے لئے کوئی قاعدہ اور کوئی اصول نہیں ہے اور نہ ہی موسمی اور وبائی بخاروں کی جدا تقسیم ہے۔ ہر بخار کے لئے جدا جدا جراثیم تسلیم کئے گئے ہیں۔ جن کی تشخیص میں بے حد دقتیں پیدا ہوتی ہیں۔ اسی طرح بخاروں کے علاج میں اس قدر غلطیاں اور نقصان ہوتا ہے کہ ان کا اندازہ کسی بھی ہسپتال کی رپورٹ سے لگایا جاتا ہے۔

جہاں تک ملیریا بخاروں کا تعلق ہے اس میں اس قدر پیچیدگیاں ہیں کہ ایک فرنگی ڈاکٹر بھی اس پر پورے طور پر قابو نہیں پاسکتا۔ ملیریا کا تعلق اگر کسی عضو سے سمجھا جا سکتا ہے تو یہ صرف جگر ہے اس طرح صرف صفراوی بخار ملیریا میں شامل نظر آتے ہیں۔ لیکن فرنگی طب نے صفراوی بخاروں کے علاوہ بلغمی وسوداوی بلکہ دموی بخاروں کو بھی ملیریا میں شامل کر لیا ہے۔ لطف کی بات یہ ہے کہ ملیریا میں موسمی اور وبائی بخاروں کی کوئی تمیز نہیں ہے۔ بہرحال ان کے تقسیم امراض میں بے حد بے امتیازی پائی جاتی ہے۔ ملیریا تو گویا کسی جدا بخار کی حیثیت نہیں رکھتا۔ خیال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ملیریا پر ایک جدا کتاب لکھی جائے تا کہ فرنگی طب کے جادو کا طلسم توڑ کر پارہ پارہ ہو جائے۔ ہم نے اس کتاب میں بھی اس پر روشنی ڈالی ہے لیکن وہ زیادہ تفصیل کا محتاج ہے۔

اس تقسیم میں جہاں ملیریا کو کئی بخاروں کے ساتھ ملا دیا ہے وہاں پر ایسے بخار جو ایک ہی تقسیم میں آتے ہیں ان کو بے شمار اقسام میں بیان کر دیا ہے۔ جیسے تسکین اعصاب امعائی کے بخار ہیں۔ جن میں چیچک اور خسرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ہم نے سہولت تفہم کے لئے ان سب کو ایک اقسام کے تحت بیان کر دیا ہے جس سے نہ صرف تشخیص میں آسانیاں پیدا ہو جاتی ہیں بلکہ علاج بھی آسان ہو جاتا ہے۔

فرنگی طب میں حمی یوم کا تقریباً ذکر نہیں ہے، اور کیفیاتی بخاروں کو تو بالکل بیان نہیں کیا گیا۔ جہاں کہیں بھی تھوڑا سا پتہ چلتا ہے وہ ملیریا کے تحت آ جاتا ہے اس کے علاوہ جیسے شمسی بخار (سن سٹروک) اور سوزشی اور ورمی بخاروں کو جراثیمی بخاروں میں شامل کر دیا گیا ہے۔ غرض بے حد بے ترتیبی ہے اس لئے ان کے علاج میں بھی بے ترتیبی اور پریشانی ہے اور ہر علاج کو علیحدہ علیحدہ ذہن میں رکھنا پڑتا ہے۔ جن سے سخت دقت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

ہم نے بخاروں کی تقسیم بالمفرد اعضاء کی ہے، اور اس قدر آسان اور باقاعدہ (سسٹے میٹک) کی ہے کہ وہ ایک اصول (پرنسپل) کے ماتحت قائم رہتی ہے۔ یعنی کل تین مفرد اعضاء ہیں۔ اعصاب، عضلات اور غدد، گویا کل بخار تینوں کے تحت تقسیم کر دیئے ہیں۔ چونکہ ہر عضو کی تین ہی غیر طبعی حالتیں ہیں یعنی تحریک وتسکین اور تحلیل اس لئے کل بخار صرف نو بن جاتے ہیں۔ موسمی اور وبائی بخاروں کو بھی ان ہی میں شامل کر دیا

ہے۔اس تقسیم کو دیکھنے کے بعد کوئی معالج کسی اور تقسیم کو قبول نہیں کرے گا۔اور یہ ایک ذرا سی توجہ سے ذہن نشین ہو جاتی ہیں۔

ہم نے ان کو سمجھانے کے لئے طب یونانی کے بخاروں کو ساتھ ساتھ بیان کیا ہے آیورویدک کے جوڑوں (بخاروں) کو ساتھ ساتھ اس لئے بیان نہیں کیا کہ ان کی مناسبت سے طوالت پیدا ہو جاتی ہے۔البتہ آیورویدک کے بخاروں کا بیان جدا ایک ہی مقام پر بیان کر دیا ہے۔جس سے وہ پورے طور پر ذہن نشین ہو جاتے ہیں۔ہومیو پیتھی میں سرے سے بخاروں کا بیان ہی نہیں ہونا چاہئے کیونکہ وہاں تو علامات کے تحت حرارت کی زیادتی کو سامنے رکھ کر علاج کرنا پڑتا ہے جن ہومیو پیتھ نے یونانی یا فرنگی طب کے بخاروں کا عنوان قائم کر کے ان کا علاج بیان کیا ہے، وہ صحیح معنوں میں ہومیو پیتھ نہیں ہیں۔ہومیو پیتھی ریسرچ میں ہم ان باتوں کو تفصیل سے بیان کریں گے۔فرنگی طب کے بخاروں کو بھی الگ ہی ایک جگہ پر بیان کر دیا ہے۔مناسبت کے لئے ساتھ ساتھ اس لئے نہیں کیا گیا کہ ان کی کوئی کل بھی سیدھی نہیں ہے، اور نہ ہی ان کا کوئی اصول ہے۔نیز ان کو ہم بالکل غلط سمجھتے ہیں۔

ماہیت بخار و اسباب اور علامات کو ہم نے نہایت ہی تفصیل سے بیان کیا ہے، تا کہ ہر قسم کے جدا جدا بخاروں کو ذہن نشین کرنے میں کوئی مشکل پیش نہ آئے۔اور تشخیص آسان ہو جائے۔علاج میں دشواری اور غلطیاں پیدا نہ ہوں۔تا کہ ذرا سی توجہ سے ہی یہ سب کچھ ذہن نشین ہو جائے۔

بخاروں پر پوری طرح قابو پانے کے لئے ہم نے ہر مفرد عضو کی تحریک کو دو صورتوں میں تقسیم کر دیا ہے۔تا کہ ان کے معمولی معمولی اسباب اور چھوٹی چھوٹی علامات بھی نظر انداز نہ ہو سکیں اور کیفیات کے سلسلہ میں پتہ چل سکے کہ گرمی و سردی اور تری و خشکی کا کس قدر اثر باقی ہے۔

علاج کے سلسلے میں ان ہی مفرد اعضاء میں جہاں پر تسکین ہے اس کو تحریک دینا ہے۔اس میں سہولت و تفہیم کے لئے فعلی اور کیمیاوی دونوں صورتوں کو بیان کر دیا گیا ہے تا کہ جو صورت بڑھ رہی ہو تو اس کو مقام شفا خیال کرتے ہوئے اس میں تحریک دینا شروع کر دی جائے اور یہ بھی تاکید کر دی ہے کہ اگر موجودہ تحریک مکمل نہ ہوئی تو اس کو مکمل کر لیا جائے۔اسی تحریک کو مکمل کرنا یا فعلی اور کیمیاوی تحریک کی تکمیل تک پہنچانا ہے۔مواد کو پکانا اور اس کو قابو میں رکھنا ہے، اسی حالت کو طب یونانی میں نضج کہتے ہیں۔اور یہی بدن کی حفاظت، مرض کو قابو رکھنا اور کامیاب علاج ہے۔اس صورت میں سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ مرض کا تعلق جسم کے مفرد اعضاء کے افعال اور کیمیاوی تغیرات کے ساتھ ساتھ چلتا ہے۔اور مرض کہیں بھی بے قابو نہیں ہونے پاتا۔

بخاروں میں علاج کے تحت ادویات بھی ان ہی تینوں تحریکوں اور چھ صورتوں کے مطابق تجویز کی ہیں۔تا کہ استعمال ادویہ میں کوئی دقت محسوس نہ ہو۔اس کے ساتھ ہی ایسا التزام بھی کیا ہے کہ ادویات کی ترتیب بھی قائم رہے۔تا کہ ادویات کی شدت و خفت کے ساتھ ساتھ نسخہ نویسی کا بھی عملی تجربہ پیدا ہو۔نیز ادویات کو مختلف تحریکات کے تحت سمجھ کر ان کے خواص بالمفرد اعضاء کا بھی علم ہو جائے گا۔اور کمی بیشی کے لحاظ سے ان کا تعلق بھی ذہن نشین ہو جائے گا۔اس طرح سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ جہاں پر مختلف اقسام کے محرکات یعنی محرک اعصاب و دماغ، محرک عضلات و قلب اور محرک جگر کا علم ہو جائے گا۔وہاں پر مختلف اعضاء کے تحت ملینات اور مسہلات کا بھی پتہ چل جائے گا۔کیونکہ فرنگی طب میں اگر چہ مختلف اعضاء کے تحت ملینات بالکل نہیں پائے جاتے ہیں، اگر چہ ان کے نسخے غلط ہیں، لیکن اس میں مختلف اعضاء کے تحت ملینات بالکل نہیں پائے جاتے۔ان امور سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ہمارا طریقہ علاج فرنگی طب سے کس قدر اعلیٰ ارفع، بااصول اور باقاعدہ ہے۔

ہم نے غذا کے مسئلے کو بھی نظر انداز نہیں کیا ہے۔اوّل غذا کے متعلق چند ضروری اصول اور قاعدے لکھے ہیں، پھر مفرد اعضاء کے تحت

اغذیہ کو بیان کردیا ہے، تاکہ تجویز غذا میں کوئی مشکل نہ پیش آئے۔ غذا کے متعلق ہمیشہ یہ ذہن نشین رکھیں کہ علاج میں 50 فیصد اثر غذا کا ہوتا ہے، 25 فیصد اثر ماحول کو درست اور مناسب کرنا، 25 فیصد اثر ادویات کا ہوتا ہے۔ اگر وہ بھی صحیح طور پر تجویز کی جائیں۔ اس لئے بغیر ضرورت مریض کی غذا روک دینی چاہیے تاکہ ادویات کو پورے طور پر اثر کرنے کا موقعہ مل جائے۔

ہم نے کتاب کا تعارف کرانے میں پوری کوشش کی ہے۔ تاکہ کتاب کے سمجھنے میں سہولت ہو۔ خاص طور پر ان مدیران اخبارات اور رسائل کی مشکلات کو سامنے رکھا ہے جس پر انہوں نے ریویو کرنے ہیں۔ اور عوام کو ہماری تحقیقات کی خوبیوں کو سمجھانا ہے۔ جنہوں نے ہماری گزشتہ تحقیقات پڑھی ہیں، جن میں (۱) مبادیات طب (۲) تحقیقات دق وسل (ٹی بی) (۳) تحقیقات نزلہ وزکام (۴) تحقیقات نزلہ زکام وبائی (انفلوئنزا) (۵) تحقیقات اعادہ شباب (۶) خوراک اور تپ دق پڑھی ہیں۔ وہ نہ صرف از حد لطف اندوز ہوں گے بلکہ بہت زیادہ مستفید ہوں گے۔ اور جن لوگوں نے ہماری وہ تحقیقات نہیں پڑھیں وہ منگوا کر ان سے استفادہ حاصل کریں گے اور اندازہ لگا سکیں گے کہ آج کل کیا اس قسم کی تحقیقات ممکن ہیں جو ایک طرف دُنیا طب کو نیا ذہن عطا کریں اور دوسری طرف فرنگی طب کو غلط قرار دیں۔ اسی جرأت پر ہم نے یورپ وامریکہ اور چین وروس کو چیلنج کیا ہے کہ اگر ان کے ہاں اس قسم کی حقیقت افزاء، تحقیقات افزاء تحقیقات ہوں تو وہ پیش کریں یا ہماری تحقیقات کو غلط قرار دیں۔

اب یہ اہل فن اور صاحبان علم کا کام ہے کہ ان پر غور کریں کہ شیخ الرئیس بوعلی سینا کے زمانے سے لے کر آج تک کہیں ایسی تحقیقات پیش کی گئی ہیں اور جو کچھ ہم پیش کر رہے ہیں، واقعی تجدید طب ہے اور کیا کسی اور ملک میں ایسا مدلل تحقیقاتی کام ہو رہا ہے؟ اگر ہو رہا ہے تو ہم کو اطلاع دیں، ہم ان کے ساتھ شریک ہونے کو تیار ہیں۔ اگر نہیں ہو رہا تو پھر ان کا فرض ہے کہ ہمارے ساتھ شریک ہو کر ہمارے گرد اکٹھے ہو جائیں۔ پھر ہم فرنگی طب کو فوراً نہ صرف مشرق سے بلکہ مغرب میں بھی ختم کر سکیں گے۔

جہاں تک حکومت کا تعلق ہے، ہمیں اس سے غرض نہیں ہے کیونکہ وہ ایک عوامی حکومت ہے اور عوام کی نمائندہ ہے، جب عوام اور خواص اس کو دل سے قبول کرلیں گے۔ وہ پھر اس کو تسلیم کریں گے اور فرنگی طب کو دفع کردیں گے۔ آخر میں ہم پھر لکھتے ہیں کہ کسی چیز کی قبولیت کا راز اس کی خوبیوں میں پنہاں ہوتا ہے۔ اگر ہماری تجدید طب میں خوبیاں، فوائد اور شفاء ہے تو یہ بہت جلد قبولیت کا درجہ حاصل کرلے گی۔ جس کے ساتھ ہی ساتھ فرنگی طب دفع ہو جائے گی۔ اس امر کو بھی نہ بھولیں کہ فرنگی طب میں کوئی ایک بھی خوبی نہیں ہے۔ اگر کسی کی نظر میں کوئی ایک بھی خوبی ہو ہمیں لکھیں، ہم فوراً شائع کردیں گے۔ اور انشاء اللہ تعالیٰ اس کا حقیقت افزاء جواب بھی پیش کردیں گے۔

والسلام

صابر ملتانی

وما توفیقی الا باللہ العظیم

بخار کی اہمیت

بخار کی اہمیت کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ دردوں کے بعد دوسری علامت ہے جو اکثر انسان کو موت کے منہ میں لے جاتی ہے، دونوں میں فرق یہ ہے کہ دردوں میں موت شاذ واقع ہوتی ہے، کیونکہ درد علامت زندگی اور مقابلہ ہے۔لیکن بخاروں میں اکثر موت واقع ہو جاتی ہے، کیونکہ بخاروں میں حرارت ہے اور تحلیل ہے جو قدرت پیدا بھی اس لئے کرتی ہے کہ انسانی امراض اور علامات کو تحلیل کر کے دور کردے۔ اس کی حرارت کو حضرت رحمت العالمین ﷺ نے دوزخ کی آگ سے تشبیہ دی ہے۔ اور یہ بھی فرمایا ہے کہ: ''جس شخص کو زندگی میں کبھی بخار نہیں آیا وہ یقیناً دوزخی ہے''۔

گویا بخاروں کی حرارت اور تحلیل اس قدر شدید ہے کہ وہ انسان کے گناہوں تک کو دھو کر دور کر دیتی ہے۔ بخاروں کی شدت اور تسلسل اکثر خوفناک ہوتا ہے۔ کیونکہ ان میں تحلیل اور ضعف بڑھ جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تپ دق سے خوف پیدا ہو جاتا ہے۔لیکن بخاروں کا نہ ہونا بھی غیر معمولی طور پر خطرناک ہوتا ہے۔

گویا بخار ایک پیمانہ ہے ایک طرف اس کی زیادتی اور تسلسل اگر ضعف اور تحلیل پیدا کرتی ہے تو دوسری طرف اس کا نہ ہونا بھی جسم میں خوفناک اور عسر العلاج امراض پیدا کر دیتا ہے۔ اگر بعض امراض میں بخار کی علامت پیدا نہ ہوں تو انسان مر جاتا ہے۔ جیسے ہیضہ میں ہمیشہ دیکھا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض امراض کا علاج بھی یہی ہے کہ اس میں بخار پیدا کیا جاتا ہے۔ ماہر معالج بخار کی اس اہمیت کے اصول کو سمجھتے ہوئے ایسے امراض میں جہاں بخار پیدا کرنا ضروری ہے، وہاں بخار کو پیدا کرتا ہے یا زیادہ کرتا ہے۔

کسی قسم کے بخار سے ڈرنا نہیں چاہئے، بلکہ اس کی حقیقت کو سمجھنا چاہئے، تاکہ اس کی اہمیت کے تحت اس کی ضروریات کو مدنظر رکھا جائے، گھبرا کر کبھی بھی اس کو فوراً اتارنے کی کوشش نہیں کرنی چاہئے۔ یہ غلطی اکثر فرنگی طب میں کی جاتی ہے۔ ان کے ہاں بخار کی شکل دیکھتے ہی فوراً فیور مکسچر یا اسپرین یا اے۔ پی۔ سی کا استعمال شروع ہو جاتا ہے جن کے نتائج اس قدر خوفناک ہوتے ہیں کہ اگر حکومت ذرا بھی فرنگی طب کی نگرانی کرے تو 99 فیصدی ڈاکٹروں کو روزانہ سزا دینی پڑے۔ اگر ہمارے بیان میں مبالغہ ہو تو ہسپتال اور ڈسپنسریوں میں آج بھی جا کر دیکھا جا سکتا ہے۔ قبل از وقت بخار اتار دینے سے مریض اکثر مر جاتا ہے۔ اگر بچ جائے تو کوئی خوفناک مرض لاحق ہو جاتا ہے۔ اسی طرح عطائی بھی بخار کا نام سنتے ہی فوراً کہہ دیتے ہیں: ''بھئی! یہ جلاب آج پیو۔ دو تین پاخانے ہو جائیں گے اور بخار ٹوٹ جائے گا''۔ لیکن ایسے مسلوں سے اکثر نتیجہ خوفناک ہی نکلتا ہے اور مریض موت کے منہ میں چلا جاتا ہے۔

بخار کی اہمیت اس کے اکثر الواقع ہونے کی وجہ سے بھی ہے۔ کیونکہ ہر درد وسوزش میں کم وبیش ضرور ہوتا ہے۔ اور اورام میں تو لازمی طور پر پایا جاتا ہے۔ یہ زندگی میں ہر انسان کو کئی بار ہوتا ہے اور موت بھی اس کے ہونے نہ ہونے سے واقع ہوتی ہے، گویا بخار کی حرارت صحت کے لئے بے حد اہمیت رکھتی ہے۔ جو علامت اس قدر اہمیت رکھتی ہو کہ اس کا پایا جانا بھی خوفناک اور نہ پایا جانا بھی خطرناک ہے تو اس سے بھاگنا اور گھبرانا

نہیں چاہئے۔ بلکہ اس کو پورے طور پر سمجھنے کی کوشش کرنی چاہئے، چونکہ اکثر معالج خصوصاً فرنگی ڈاکٹر بخاروں کے فوائد سے واقف نہیں ہیں، اس لئے اس کی اہمیت کو پورے طور پر نہیں سمجھتے۔ اور بخاروں کے علاج میں نقصان کا باعث ہوتے ہیں۔

تپ دق یا کوئی ہلکا بخار یا اندر رہنے والا بخار جس کو صرف مریض محسوس کرتا ہے، کیا ہے؟ یہ ایسے بخار ہیں جن میں قوتِ مدبرہ حرارت کی کمی محسوس کرتی ہے اور بخاروں کو دور کرنے پر قادر نہیں ہوسکتی۔ چونکہ فرنگی طب بخار کے اس پہلو اور حقیقت سے واقف نہیں ہے، اس لئے وہ تپ دق وغیرہ کا علاج میں ناکام ہے اور ہمیشہ جراثیم کے چکر میں پھنسی رہتی ہے۔ صرف ان بخاروں پر ہی منحصر نہیں ہے، بلکہ جب دِل کی گھبراہٹ یا سینے کی جلن یا سر میں تپش کی کوئی شکایت کرتا ہے جو دراصل وہاں کا ایک ہلکا بخار ہے، جس کو طبیعت مدبرہ بدن حرارت کی کمی کی وجہ سے نہ تمام جسم میں پھیلا سکتی ہے اور نہ ہی مقام شکایت کی تپش کو رفع کرسکتی ہے۔ یہی ہلکی ہلکی تپش جو دراصل وہاں کی معمولی سوزش ہوتی ہے۔ اسی طرح تھکن بھی ایک ہلکا بخار ہے یا بخار کا اظہار ہے جو دورانِ خون کی بے قاعدگی سے پیدا ہوتا ہے۔ کبھی حرکت کی زیادتی سے عضلات کی طرف دورانِ خون زیادہ ہوجاتا ہے۔ کبھی آرام کی کثرت سے اعصاب کی طرف خون کا دور تیز ہوجاتا ہے۔ کبھی بدہضمی سے غدود پر خون کا دباؤ بڑھ جاتا ہے اور تھکن محسوس ہوتی ہے بلکہ ہلکا ہلکا بدن ٹوٹتا ہے۔ جو بخار کی علامت ہے۔ [تھکن کی مزید معلومات کے لئے میرا مضمون "تھکن" ٹی بی نمبر میں پڑھیں]

جب جسم میں پوری حرارت پیدا ہوجاتی ہے تو دورانِ خون درست ہوکر تھکن دور ہوجاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر لوگ تھکن میں کبھی چائے پیتے ہیں اور کبھی گرم پانی سے نہاتے ہیں۔ گویا جسم میں نہ صرف گرمی کا اضافہ کرتے ہیں بلکہ بخار کی کمی کو پورا کرتے ہیں، بخار کی اہمیت کی یہ صورتیں آپ کو فرنگی طب میں نظر نہیں آئیں گی۔

بخار کی اہمیت کا اندازہ اس کی بے شمار اقسام سے بھی کیا جاسکتا ہے جن کے بے شمار اسباب بیان کئے جاتے ہیں۔ اگرچہ وہ آج تک کسی ایک بخار پر بھی قابو نہیں پاسکے، بخاروں کی اہمیت کے تحت ہی کبھی خون اور بلغم کا کیمیاوی تجزیہ کیا جاتا ہے اور کبھی پیشاب پاخانہ کا امتحان کیا جاتا ہے۔ تاکہ علم ہوسکے کہ ان میں کس قسم کے بخار یا زہر کے جراثیم پائے جاتے ہیں۔ یہ بے شمار لیبارٹریاں اور یہ بے شمار امتحان اور تجزیہ کرنے کے آلے اور مشینیں بخاروں کو سمجھنے کے لئے وجود میں آئے ہیں۔ لیکن نتیجہ اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ تپ دق اور دیگر اقسام کے بخار پہلے سے بھی زیادہ تعداد میں پائے جاتے ہیں۔

بخار کی اہمیت کا اندازہ ان بے شمار ادویات کے مجربات و مرکبات سے بھی لگایا جاسکتا ہے جو ہزاروں سالوں سے لے کر آج تک تیار کئے گئے، اور تیار کئے جارہے ہیں۔ ان تمام قسم کے بخاروں سے صرف چند اقسام سے بخاروں مثلاً ٹی بی، ٹائیفائیڈ، نمونیہ اور ملیریا وغیرہ کے مجربات ومرکبات کی تعداد خاص طور پر موجودہ دور کے نسخوں کا شمار بھی بہت مشکل ہے۔ لیکن ان میں سے سو فیصدی کیا پچاس فیصدی بھی کامیاب کوئی مجرب اور مرکب نسخہ نہیں پایا جاتا۔ کہا جاتا ہے کہ ملیریا کے لئے کونین مفید ہے۔ لیکن ایک حقیقت پسند انسان جانتا ہے کہ کونین اگر مفید ہوتی تو ملیریا کے لئے دیگر ادویات کیوں تیار کی جاتیں۔ پھر کونین کے متعلق جناب ڈاکٹر ہانمن صاحب بانی ہومیوپیتھی نے اپنے بے شمار تجربات کے بعد ثابت کیا ہے کہ کونین استعمال کرنے سے ملیریا پیدا ہوجاتا ہے۔ ویسے بھی کونین ایک ایسی دوا ہے جس کے استعمال سے حرارت غریزی کم ہوجاتی ہے۔ اور ضعف قلب شدید پیدا ہوجاتا ہے۔ لطف کی بات یہ ہے کہ فرنگی ڈاکٹر اس کا صحیح استعمال نہیں جانتے۔ کوئی بخار چڑھنے پر اس کو استعمال کرتا ہے اور کوئی بخار اُترنے پر دیتا ہے۔ اور کوئی کہتا ہے کہ اس کے استعمال سے صحیح وقت بخار کے دورے سے ایک گھنٹہ پہلے استعمال کرنا ہے۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ کونین کے استعمال کے وقت کوئی فرنگی ڈاکٹر یہ نہیں دیکھتا کہ ملیریا کا اثر معدہ، امعاء میں ہے یا جگر طحال میں۔ وہ بے دھڑک کونین استعمال کر دیتا ہے۔ اور جب کونین کے استعمال سے قے اور اسہال یا دِل ڈوبنا شروع ہوتا ہے تو پھر گھبراتا ہے اور کہتا ہے کہ کونین خشک ہے اس لئے بہت سا

دودھ پیا کرو اور میٹھے زیادہ چوسا کرو۔ لیکن جو غلطی اس نے خود کی ہے اس کے علم سے بالکل بے خبر ہے۔

کونین کی خرابیوں میں ایک خرابی یہ ہے کہ ملیریا کے دنوں میں حفظ ماتقدم کے لئے روزانہ کونین کھانے کی عادت ڈالی جاتی ہے۔ تاکہ انسان ملیریا سے محفوظ رہے۔ ملیریا سے کوئی محفوظ رہتا ہے یا نہیں رہتا، البتہ اس کے استعمال سے دماغ میں سائیں سائیں، سر میں خشکی اور ثقل سماعت ضرور ہو جاتی ہے۔ اور ہفتہ دو ہفتہ کے استعمال سے ملیریا بھی ضرور ہو جاتا ہے۔ اگر یقین نہ ہو تو تجربہ کر کے دیکھا جا سکتا ہے۔

بخار کی اہمیت کا ایک پہلو معالج کی کامیابی بھی ہے۔ اور یہ کامیابی صرف بخاروں کے علاج میں کامل دسترس حاصل کرنا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہسپتالوں، ڈسپنسریوں اور مطبوں میں جس قدر بھی مریض آتے ہیں۔ ان میں اوسط بخاروں میں مبتلا مریضوں کی اکثریت ہوتی ہے۔ اگر ان کا علاج تسلی بخش ہو جائے تو یہ یقینی امر ہے کہ ایسے معالج کو نہ صرف کامیاب معالج تسلیم کیا جاتا ہے، بلکہ اس کی شہرت دور دور پھیل جاتی ہے۔ اس امر کو ذہن نشین رکھیں کہ نوے فیصدی مریض صرف بخاروں کے ہوتے ہیں۔ جو معالجین کی کامیابی کا زندہ ثبوت ہوتے ہیں اور چلتے پھرتے اشتہار ہیں اور یہ ایک ایسا کامیاب پراپیگنڈہ ہے جس کا جواب نہیں ہو سکتا ہے۔ اس امر کا بھی خیال رکھیں کہ جو معالج بخاروں کا کامیاب علاج کر سکتے ہیں ان کو دیگر امراض کے علاج میں بھی بہت دسترس حاصل ہو جاتی ہے، ایسے معالج ہیں جن کے متعلق کہا جاتا ہے کہ ان کو دست شفا حاصل ہے۔

بخار کی اہمیت کی ایک صورت یہ ہے کہ بخار ایک ایسی تیز اور خوفناک گرمی ہے کہ اس سے چند دنوں میں انسانی جسم گھل جاتا ہے اور خون خشک ہو جاتا ہے۔ ساتھ ہی مریض کو اپنے سامنے موت نظر آتی ہے۔ اس وقت مریض معالج کو فرشتہ یا اس سے بھی کچھ زیادہ خیال کرتا ہے۔ اگر فوری طور پر بخار پر قابو نہ پایا جائے تو مریض کی قوت مدافعت، اور قوت مدبرہ بدن کا توازن ٹوٹ جاتا ہے۔ اور اعضاء رئیسہ میں سے کسی ایک میں ضعف واقع ہو جاتا ہے۔ اور باقی دو کے افعال بگڑ جاتے ہیں، نتیجہ خوفناک یا خطرناک نکلتا ہے۔ جو معالج بخار کی اہمیت کو سمجھتے ہوئے اس پر پوری دسترس رکھتا ہے، وہ فوراً بخار کی ہر حالت پر قابو پالیتا ہے۔ مریض کو خوفناک یا خطرناک حالات سے نکال لیتا ہے۔ گویا معالج کی کامیابی اور اقبال اس وقت شروع ہوتا ہے جب وہ بخار کو پورے طور پر سمجھتا ہے۔ اور اس پر مکمل دسترس رکھتا ہے۔

بخار کی اہمیت کا ایک مقام یہ ہے کہ وید و اطباء اور ہومیو پیتھ اس پر مکمل دسترس اور قابو پالیں تو اس کے ذریعے فرنگی ڈاکٹروں کو عبرت ناک شکست دی جا سکتی ہے۔ کیونکہ بخار کا علاج صرف وہی معالج کامیابی کے ساتھ کر سکتا ہے جو اس کو اچھی طرح سمجھتا ہے۔ اور اس کی ہر حالت پر صحیح طور پر اپنا قبضہ رکھتا ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ فرنگی ڈاکٹر نہ بخار کی اہمیت کو سمجھتا ہے اور نہ اس کے علاج میں اس کو دسترس حاصل ہے۔ وہ اس کا علاج صرف مجربات سے کرتا ہے اور ایسا علاج کرنا فن اور اس کے علاج سے ناواقفیت کی دلیل ہے۔ لطف کی بات یہ ہے کہ ویسے بھی ہمارے پاکستان میں علم العلاج اور ادویات یورپ و امریکہ سے آتی ہیں، جن پر فرنگی ڈاکٹروں کی دسترس کما حقہ ممکن نہیں ہے۔ اس لئے اس کو آسانی سے بری طرح شکست دی جا سکتی ہے۔

جاننا چاہئے کہ علم العلاج میں چند علامات ایسی ہیں کہ ان کے رفع کرنے میں ملکہ حاصل ہو جائے۔ تو وہ نہ صرف کامیاب معالج خیال کیا جاتا ہے۔ بلکہ اس کو درست شفا کا مالک سمجھا جا سکتا ہے۔ وہ علامات نزلہ، زکام، سوزش، ورم اور بخار وضعف ہیں۔ ان میں سے نزلہ، زکام اور سوزش و ورم کو عارضی اور وقتی طور پر مسکنات و مخدرات سے روکا جا سکتا ہے۔ جو دن رات فرنگی ڈاکٹر افیون و مارفیا اور دیگر منشیات سے کرتے رہے ہیں۔ لیکن بخاروں میں یہ عارضی اور وقتی علاج کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا جب بھی بخاروں کا علاج عارضی ادویات سے کیا جاتا ہے جو علامات کو روک کر رفع کرنے کی کوشش کی جائے اور اصل مرض کو رفع نہ کیا جائے یا اس عضو کے افعال کو رفع نہ کیا جائے جس کے افعال کے تغیر سے بخار پیدا ہوا ہے تو بخار

کا علاج کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔ چونکہ فرنگی ڈاکٹروں کو بخار کی حقیقت کا علم نہیں ہے اور نہ ہی اس کے علاج پر اس کو دسترس حاصل ہے، اس لئے وہ اس کے علاج میں بالکل ناکام ہیں۔ جس کا اس کو پورے طور پر علم ہے۔ اس لئے مارکیٹ میں روز نئی ادویات لاتا رہتا ہے، آج کل اس کا فیور مکسچر اور کونین مکسچر وغیرہ تقریباً ختم ہو گئے ہیں۔ اس کی جگہ سلفا گروپ و پنسلین اور دیگر اینٹی بایوٹک نے لے لی ہے۔ چونکہ یہ بھی تجرباتی علاج ہے اس لئے یہ بھی کامیاب نہیں ہے۔ ورنہ سلفا گروپ اینٹی بایوٹک کے لئے مجربات و مرکبات بازار میں آ رہے ہیں۔ کبھی پنسلین اور سٹیپلو مائی سین نہایت استعمال ہوتے تھے اور ان کو بڑی زبردست ادویات خیال کیا جاتا تھا۔ مگر اب دونوں کو ملا کر ایک مرکب بنا دیا ہے، اسی طرح روزانہ ان کے مرکبات بدلتے رہتے ہیں، اور ساتھ ہی نئی سے نئی ادویات مارکیٹ میں آتی رہتی ہیں۔ لیکن پھر بھی ان کی تحقیق کئے ہوئے بخاروں کے جراثیم نہیں مرتے اور مریضوں کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔

ان حقائق کے پیشِ نظر ہم دعویٰ کرتے ہیں کہ فرنگی ڈاکٹر بہت جلد مات کھا جائے گا۔ اس لئے ہم اس کوشش میں مصروف ہیں کہ بہت جلد اہلِ فن و صاحبِ علم اور ذہین معالجین کا ایک گروپ تیار کریں اور ان کو بخاروں کے علاج میں پوری دسترس پیدا کر دیں تاکہ ان کی کامیابی فرنگی ڈاکٹروں کو علاج معالجہ میں ناکام اور فیل کر دے۔

اس سے قبل ہم تپ دق (ٹی بی) اور سل نمبر میں اپنی تحقیقات اور نسخے پیش کر چکے ہیں۔ جس میں ہمیں پاک و ہند میں بہت کامیابی ہوئی ہے۔ بے شمار مریضوں کو آرام ہوا ہے۔ پاکستان اور ہند کے تمام سرکاری سینی ٹوریم میں بھی ہماری آواز پہنچ گئی ہے۔ اور وہاں بھی مریض مفید ہو رہے ہیں۔ اس لئے ہم ہر قسم کے بخاروں پر اپنی تحقیقات پیش کر رہے ہیں۔ تاکہ پوری طرح فرنگی کو مات دے سکیں۔

بخار کی تاریخ اور وسعت

بخار کی تاریخ کا جہاں تک تعلق کہا جا سکتا ہے، انسان کی تخلیق کے ساتھ ساتھ اس کا ظہور بھی عمل میں آ گیا۔ گویا انسان اور بخار لازم و ملزوم ہیں۔ اگر بخار کی پیدائش کو مدنظر رکھ کر غور کیا جائے کہ اس کی پیدائش تعفن اور خمیر کی حرارت اور گرم ابخارات ہیں تو تسلیم کرنا پڑے گا کہ بخار انسانی تخلیق سے بھی پہلے اس کرہ ارض پر موجود تھا۔ اور ہوا، پانی اور مٹی کے تعفن اور خمیر میں پایا جاتا تھا۔ ان کے علاوہ نباتات اور حیوانات اس کے بہترین مسکن تھے۔ اور جب حضرت انسان کی تخلیق ہوئی اس کے جسم و روح اور خون میں اس نے اپنی آماجگاہ بنالی۔ اس وقت سے انسان کا دشمن بنا ہوا ہے۔ اور کبھی کبھی بھلائی بھی کر دیتا ہے۔ گویا دانا دشمن ہے۔

ذی حیات اور غیر ذی حیات کے علاوہ اس کا اثر فضا میں بھی نظر آتا ہے جس کا تعلق آفاق سے ہے۔ گویا جو کچھ ہمیں نفس میں دکھائی دیتا ہے، وہی کچھ آفاق میں بھی نظر آتا ہے۔ ان حقائق پر اگر غور کیا جائے تو بخار کی تخلیق کائنات کی پیدائش کے ساتھ ساتھ ظہور میں آئی ہے۔

قبل از تاریخ طب، بخار کی حقیقت

قبل از تاریخ طب میں امراض کو جن اور بھوتوں کا عمل دخل خیال کیا جاتا تھا یا جادو اور ٹونہ کا اثر سمجھا جاتا تھا۔ اس لئے ان کے علاوہ کے لئے بھی پجاریوں اور کاہنوں کی طرف رجوع کیا جاتا تھا۔ وہ معالجہ کے طور پر مندروں اور بتوں کے سامنے پوجا پاٹ اور ہون اور قربانی وغیرہ کرتے تھے اور کبھی دم، جھاڑ اور تعویذ اور گنڈہ کرتے تھے۔ ان اعمال سے مریضوں پر کیا اثر ہوتا تھا، اس کا اندازہ آن جاہل مریضوں سے لگایا جا سکتا ہے، جو آج بھی امراض کو جن بھوتوں کا دخل اور جادو ٹونے کا اثر سمجھتے ہیں۔

اس دور میں بخار بھی دیگر امراض کی طرح جن بھوتوں کا دخل خیال کیا جاتا تھا اور جادو ٹونے کا اثر سمجھا جاتا تھا۔ اگر اس حقیقت کو صحیح مان لیں، بلاشبہ یہ کڑیاں دنیا کے دور آور زمانے میں پائی جاتی ہیں۔ تو تسلیم کرنا پڑے گا کہ آج بھی ایسے ذہن کے لوگ پائے جاتے ہیں جو بخاروں کو وہی کچھ خیال کرتے ہیں جو قبل از تاریخ سمجھا جاتا تھا۔ اور وہ بخاروں کے علاجات کو ادویات اور پرہیز کی بجائے پوجا پاٹ اور دم جھاڑہ، تعویذ گنڈہ اور خیرات و دعا سے کرانا زیادہ پسند کرتے ہیں۔ ہندوستان کی طرح اگر پاکستان میں مندر اور پجاری دیوی اور دیوتا کے بت، ہون اور ارتی نہیں پائے جاتے تو ان کی جگہ مزار اور پیروں اور بھوپے اندر سیدوں کے مرکز پائے جاتے ہیں۔ گویا انسان اپنے ذہن اور فطرت کے لحاظ سے اور عقائد اور تصورات کی تسکین ضرور چاہتا ہے۔

لیکن اگر سائنسی اور علمی نگاہ سے دیکھا جائے اور بخاروں کو ان کے اپنے رنگ میں دیکھا جائے کہ بخار دراصل تعفن اور خمیر کی حرارت کے لطیف اور غیر مرئی بخارات (گیسز) ہیں اور ان لطیف اور غیر مرئی بخارات کو عربی زبان میں اگر جن کہتے ہیں تو تسلیم کرنا پڑے گا کہ بخار کو اگر جن کا نام دے دیا جائے تو کچھ غلط بھی نہیں ہے۔ رہا ان کے نکالنے اور دور کرنے کا علاج وہ کچھ ہی کیوں نہ ہو ہر زمانے میں طریق علاج بدلتا رہا ہے۔ جوں جوں حقیقت سامنے آتی گئی ہے، عمل بھی علم کے تحت بدلتے رہے ہیں۔ اسی طرح اگر بھوتوں کے خوف اور جادو اور ٹونہ کے وسواس اور

خدشات کو بھی اگر مؤثر و منبع خیال کر لیا جائے تو امراض خصوصاً بخاروں کا پیدا ہو جانا کوئی اُمید از قیاس نہیں۔ بلکہ روزانہ تجربات سے یہ امر ثابت ہوتے رہتے ہیں۔

ان حقائق کی طرف اس لئے اشارہ کیا گیا ہے تاکہ بخار کی تاریخ کے ساتھ اس کی وسعت کا اندازہ بھی ہو سکے۔ دوسرے نفسیاتی قسم تو ہم پرست مریضوں کے احساسات اور ادراکات کو بھی ضرور مدنظر رکھنا چاہئے۔ جب کہ تو ہم اور جذبات کے ڈانڈے وجدان اور عقل سے ملتے ہیں۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ بخار دراصل جن ہی ہیں، لیکن اس امر سے انکار نہیں ہے۔ جن ضرور ایسی لطیف غیر مرئی طاقت اور مخلوق ہے جس کی مشابہت سادہ قسم کے بخار اور دھواں سے بیان کی جاتی ہے۔ قبل از تاریخ جس قسم کے مریضوں کی زیادتی معلوم ہوتی ہے وہ بخاروں میں مبتلا ہیں۔ ممکن ہے بخار کا نام جن ہی باقی امراض کو دے دیا گیا ہو۔ آج بھی اچھے اچھے سمجھ دار لوگ تپ دق اور دردوں سے آنے والے مسلسل بخاروں کو جن بھوت کا اثر خیال کرتے ہیں۔ ہم اس امر سے انکار نہیں کرتے کہ وہ حقیقت کے کس قدر قریب ہیں۔ لیکن اس امر کا ہمیں پختہ یقین ہے کہ وہ لوگ حقیقت سے بے خبر ہیں۔ ان کو نہ بخار کی ماہیت کا علم ہے اور نہ ہی جن کی حقیقت کا علم ہے۔ لیکن اس امر کو تسلیم کرنا پڑے گا، ہزاروں سالوں کے بعد بھی انسان کے تحت الشعور کا اثر اس کی نسل میں برابر منتقل ہو رہا ہے یا یہ انسانی فطرت ہے کہ وہ اپنی ہر مرض کو غیب کی طاقت کی طرف لے جاتا ہے۔ جس کی ابتداء جن ہیں اور جس کی انتہاء وحدہٗ لاشریک ہے۔

جنات کی طرح انسانی جذبات خصوصاً اور غم بھی اپنے اندر اس قدر طاقت رکھتے ہیں، جن سے جسم و روح پر غیر معمولی اثر پڑتا ہے۔ ان سے امراض خصوصاً بخار ہو جانا تو معمولی بات ہے شدت خوف اور غم سے اکثر موت واقع ہو جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جادو ٹونہ اور بھوت پریت کا خوف و اثر اور وسواس و خدشہ انسان میں شدید خوف اور غم کا باعث بن کر اس کو امراض خصوصاً بخار میں مبتلا کر دیتا ہے۔

روزانہ زندگی میں دیکھا جاتا ہے کہ بچے ڈر اور غم کی وجہ سے بخار میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ ایسے بچوں کا علاج اکثر دم، جھاڑ اور تعویذ گنڈوں سے کیا جاتا ہے۔ خصوصاً ایسے بچوں کے علاج تو ضرور اسی قسم کے کرائے جاتے ہیں جو خواب میں یا کسی تنہائی اور سنسان جگہ میں ڈر کر بخار میں مبتلا ہو گئے ہوں۔ اکثر کمزور دل مردوں اور عورتوں کا گزر قبرستان، مسان اور غیر معمولی تنہائی اور سنسان جنگل سے ہوتا ہے تو وہ ڈر جاتے ہیں۔ یا ان کے مسرت و لذت کے جذبات کی تسکین نہ ہو یا ان کے خواہشاتِ نفسانی کی تکمیل نہ ہو تو یقیناً غم و غصہ میں مبتلا ہو کر مسلسل امراض خصوصاً بخار میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ حیرت کا مقام یہ ہے کہ ان کا علاج جس قدر جلد دم جھاڑ اور تعویذ گنڈوں اور دعاء و صدقات سے ہوتا ہے، علاج معالجہ سے نہیں ہو سکتا۔ بلکہ بعض دفعہ علاج معالجہ سے امراض اور بخاروں میں شدت پیدا ہو جاتی ہے۔ اس کی وجہ صرف یہی معلوم ہوتی ہے کہ ان لوگوں میں اعتقاد اور یقین اسی قسم کے علاج پر ہوتا ہے اور یہ تو ایک بڑی حقیقت ہے کہ روحانی علاج کو مادی علاج کے مقابلے میں ایک بہت بڑی طاقت سمجھا گیا ہے۔ جب تک روحانی علاج کو ایک بہت بڑی طاقت سمجھا جائے گا۔ عوام کیا خواص بھی مادی علاج کی نسبت روحانی علاج کو افضلیت اور فوقیت دیتے رہیں گے۔

آج کل کے سائنسی اور علمی دور میں بھی تعویذ گنڈے دینے والوں اور دم جھاڑا کرنے والوں اور نجوم اور رمل کو جانتے والوں کے مطب بھرے ہوئے ہیں۔ ان میں اگرچہ عورتوں کی کثرت ہوتی ہے یا عورتوں کے امراض اور بخاروں کے لئے مرد آئے ہوتے ہیں۔ جن میں اکثر معقول قسم کے لوگ نظر آتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آج کل کوٹھی کاروں کے مالک اور بہت بڑے بڑے بزنس کرنے والے تو ہماتی و نفسیاتی، خواہشاتی اور جذباتی امراض اور بخاروں میں زیادہ مبتلا ہیں۔ اکثر آرام بھی ان ہی طریق علاج سے پاتے دیکھا ہے۔

بخار خصوصاً تپ دق اور باری کے بخاروں میں مبتلا لوگوں کو جن میں اکثریت عورتوں اور بچوں کی اکثریت ہے۔ تعویذ گنڈے کا استعمال

ہو رہا ہے۔ پیسے جار ہے ہیں جسم کے کسی حصہ پر تعویذ باندھے ہوئے ہیں۔ دھونی لی جارہی ہے۔ درختوں پر تعویز لٹکائے جارہے ہیں۔ جھاڑیوں اور چوراہوں میں چولہوں میں پھینکے جارہے ہیں۔ چولہے کے نیچے دبائے جارہے ہیں۔ سیاہ مرغ یا سیاہ بکرے کی قربانی دی جارہی ہے یا سرخ کپڑا اور ساتھ سات قسم کے اناج دیئے جارہے ہیں۔ سات کنوؤں یا نہروں کے پانی یا کسی خاص کنویں یا چشمے سے نہایا جاتا ہے۔ ایسا بھی سنا گیا ہے کہ سورج نکلنے سے پہلے بالکل الف ننگا ہو کر اگر پیپل، بوہڑ یا کسی خاص درخت کو گلے ملا جائے اور اس کو کہا جائے کہ میرا بخار لے لو تو بخار اُتر جاتا ہے۔ اسی طرح تعویز لکھوا کر چاٹنا صبح روزانہ تلسی کے درخت کو پانی دینا یا بوہڑ کے درخت کی جڑوں پر آٹا ڈالنا وغیرہ غرض بے شمار ایسے ایسے طریقے آج بھی پائے جاتے ہیں، جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ قبل از تاریخ طب بھی اس قدر تو ہم پرستی اور نفسیاتی امراض میں لوگ مبتلا نہ ہوں گے اور نہ ہی تو ان کے جذبات خواہشات اس قدر شدید ہوں گے۔ یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ وہ امراض کی حقیقت سے واقف نہ تھے اور ان کا علاج کراتے تھے۔ مگر آج کل کے ایسے لوگ امراض کی حقیقت کو جانتے ہوئے بھی نفسیاتی وجذباتی اور خواہشاتی امراض میں اس قدر کثرت سے مبتلا ہیں کہ ان کے لئے علم و حکمت اور سائنس اور طب کی ترقیاں بالکل بے معنی بن کر رہ گئی ہیں۔

طبی تاریخ کا دور

طب و حکمت اور فلسفہ کا دور تو بابل، نینوا اور ہندو چین کی تہذیبوں میں شروع ہو گیا تھا۔ مگر ان علوم کی باقاعدہ تاریخ یونانی تہذیب و تمدن میں مرتب کی ہیں۔ حکیم بقراط پہلا معالج ہے جس نے ان علوم کو باقاعدہ مرتب کیا۔ اس سے پہلے تمام زمانوں میں بخار کا باقاعدہ ذکر ملتا ہے اور بخاروں کو مذہب اور جادو سے الگ کر دیا گیا ہے۔ اس دور سے قبل بابل، نینوا، ہندو چین اور مصر وغیرہ تہذیبوں میں اگرچہ امراض و بخار کا علاج ادویات سے کیا جاتا تھا۔ لیکن یہ معالج صرف مذہبی راہ نما ہوا کرتے ہیں اور علاج معالجہ بھی مذہب کا ایک حصہ سمجھا جاتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ آیورویدک مذہب کا ایک حصہ ہے۔ اگرچہ آج کل کسی ایک وید کا مذہبی آدمی ہونا ضروری نہیں ہے۔ بلکہ غیر مذاہب کے لوگ بھی آیورویدک طریق علاج بڑی کامیابی سے کر رہے ہیں۔ میری رائے ہے کہ علاج معالجہ مذہب کا ہی ایک حصہ ہونا چاہئے۔ اور قوانین مذہب کو عوام کے ذہن نشین کرانا چاہئے کیونکہ مذہب کے تقدس و پرہیز گاری اور خوف و ہیبت کا اثر جو جسم و روح پر پڑتا ہے وہ صرف علم و سائنس سے نہیں پڑتا۔ شاید یہی وجہ ہے کہ اسلام میں مذہب وہاں سے شروع ہوتا ہے جہاں پرہیز گاری اور پاکی ختم ہوتے ہیں۔

اگر پرہیز گاری اور پاکی کا نفسیاتی تجزیہ کیا جائے تو اس پر پورا علم الابدان مرتب ہو سکتا ہے ان امور سے ثابت ہوتا ہے کہ پرہیز گاری اور پاکی کے بعد امراض اور بخار وغیرہ کی کوئی صورت جسم میں باقی نہیں رہ جاتی۔ میری خداوند کریم سے دعا ہے کہ مجھ کو عزت بخشیں کہ میں اسلام کی پرہیز گاری اور پاکی کے قوانین اور اصولوں پر علم الابدان اور علم طب مرتب کر سکوں۔ پھر اہل علم اور صاحب فن اندازہ لگا سکیں گے کہ فرنگی طب نہ صرف غلط طریقہ علاج ہے بلکہ صحیح قسم کی تہذیب و تمدن اور صالح معاشرہ و مجلسی زندگی کے لئے کس قدر خطرناک اور نقصان رساں بھی ہے۔

آیورویدک دور اور بخار

حیرت کا مقام ہے کہ آیورویدک جسم کی اصلاح اور امراض کی شفا کے لئے ایک مذہبی طریق علاج ہے۔ مگر اس میں سے مذہبی تقدس اور پاکی اور پرہیز گاری ختم کر دی گئی ہے۔ جس سے ایک الہامی طریق علاج کو مادی طریق علاج میں تبدیل کر دیا گیا ہے۔ اس میں چھوت چھات کا جو اصول تھا جس کے معنی پاکی و پرہیز گاری کے ہیں، اس کو غلط شکل دے کر انسانوں سے چھوت چھات شروع کر دی۔ اور انسانوں کی طبقہ بندی کا آغاز کر دیا گیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پاکی اور پرہیز گاری کی اصل روح فنا ہو گئی۔ اور پنڈت اور اونچے درجے کے لوگ ہر قسم کی پاکی

اور پرہیز گاری سے آزاد ہو کر دُنیا بھر کی برائیوں میں مبتلا ہو گئے۔ اپنی برائیوں کو چھپانے کے لئے ان پنڈتوں اور اونچے طبقہ کے لوگوں نے چھوت چھات کا رُخ ادنیٰ طبقہ کے ہندوؤں اور غیر ہندوؤں سے شروع کر دیا۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ ہزاروں سالوں سے ہندوؤں میں طبقاتی جنگ اور ہندو مسلم فساد کا سلسلہ چلا آتا ہے۔

باوجود مہاتما گاندھی اور ان کے ساتھیوں کی کوشش سے ہندوستان میں چھوت چھات ختم نہیں ہوئی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ چھوت چھات کو اس کا صحیح مقام نہیں دیا گیا۔ بلکہ صرف یہ تلقین کی گئی ہے کہ تمام انسان ایک خدا کی پیداوار ہیں اور آپس میں بھائی بھائی ہیں اس لئے چھوت چھات نہیں کرنی چاہئے۔ لیکن ہندوستان کو ایک ایسے لیڈر کی ضرورت ہے جو عوام کو چھوت چھات کا صحیح مقام سمجھائے اس طرح ان میں غلط قومی وملکی اور لسانی توہمات وجذبات اور خواہشات واثرات ایک دم دور ہو جائیں گی۔ وہ صحیح معنوں میں ہندی یا آرین قوم بن جائے گی اور اس وقت ان کا کوئی مذہب بھی ہوگا جبکہ آج کل کی ہندو قوم مادر، پدر آزاد اور مذہب کے نام سے بیزار ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ لوگ یا فرنگی ذہن کے غلام ہیں کیمونسٹ ہوتے جارہے ہیں۔ قومی وملکی اور لسانی زور صرف زبانی وتخریبی ہے تعمیری نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ پاکستان بن گیا ہے۔ اور اگر کوئی صحیح معنوں میں لیڈر نہ ہوا تو ہندوستان بہت جلد حصوں میں تقسیم ہو جائے گا۔

ان حقائق سے ثابت ہوا ہے کہ پاکی اور پرہیز گاری اور تقدس ایسے امور ہیں جن کا تعلق علم الابدان اور طب سے ہے۔ جب تک یہ صورتیں کامیاب نہ ہوں تو صحت اور معاشرتی نظام کامیابی سے نہیں چل سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام میں افضل واعلیٰ اور محترم انسان کی تعریف اس طرح کی گئی ہے ﴿ اکرمکم عنداللہ اتقاکم ﴾ ”تم میں سب سے مکرم وہ ہے جو انتہائی پرہیز گار ہے“۔

ذرا اکرم کے لفظ پر بھی غور کریں، دوسروں پر بہت زیادہ بخشش کرنے والا۔ یعنی سوسائٹی کا خدمت گزار۔ ایک طرف انتہائی پرہیز گار اور دوسری طرف انتہائی خدمت گزار۔ گویا ہر حیثیت سے پرہیز گار اور خدمت گزار جس میں اللہ تعالیٰ کا خوف اور رضا بھی شریک ہو۔ گویا صحت اور معاشرہ میں اعلیٰ قدریں رکھنے والا۔ اگر ایسے انسانوں کی زیادتی ہو جائے تو دُنیا جنت بن سکتی ہے مگر فرنگی طب نے ایسی تہذیب وتمدن اور ثقافت و اخلاق پیدا کیا ہے جس میں پاکی اور پرہیز گاری تو رہی ایک طرف مذہب اور نیکی کو معاشرہ سے نکال کر باہر پھینک دیا ہے۔ اب ننگی انسانیت شرم سے سر جھکائے کھڑی ہے۔ ایسی طب انسانی جسم اور روح کا کیا مداوا کر سکی ہے۔

یونانی دور کے بعد اسلامی دور میں بخار پر بہت زیادہ تحقیقات کی گئیں۔ اس کو نہ صرف جن بھوت اور جادو ٹونہ کے احساسات سے پاک کیا گیا بلکہ اس کے صحیح اسباب تلاش کئے گئے۔ اس کی صحیح صحیح علامات قائم کی گئیں۔ اور اس کو کئی اقسام میں تقسیم کر کے ان کا کامیاب علاج پیش کرنے کی کوشش کی گئی۔ آج کل فرنگی طب نے جو تحقیقات بخاروں کے متعلق پیش کی گئی ہے۔ وہ فرنگی طب کی بجائے طب یونانی کا فرنگی ترجمہ ہے۔ فرنگی طب تاحال اسلامی طب کو پورے طور پر سمجھ سکی ہے اور نہ ہی مکمل طور پر پیش کر سکی ہے۔

فرنگی طب اور بخار

فرنگی طب میں بخاروں کو بے حد اہمیت دی گئی ہے۔ بخاروں کے متعلق فرنگی میڈیکل سائنس کی تحقیقات کی گئی ہیں۔ بخاروں میں سے خاص طور پر ملیریا اور ٹی بی پر بہت زور دیا گیا ہے۔ لیکن جہاں تک ماہیت مرض پیتھالوجی اور علاج (ٹریٹمنٹ) کا تعلق ہے وہ ناکام ہیں۔ آج تک نہ ملیریا کا کامیاب علاج ان کو مل سکا ہے اور نہ ہی ٹی بی کی حقیقت کا علم ہو سکا ہے (جس کے متعلق ہم فرنگی کو عرصہ تین سال سے چیلنج کر رہے ہیں) کیونکہ وہ مچھر اور جراثیم میں پھنس کر رہ گیا ہے۔ البتہ ان کو یہ فائدہ ضرور ہوا ہے کہ انہوں نے تجارتی پروپیگنڈہ سے اس قدر دولت کمائی ہے کہ اس

سے کئی ملک خریدے جا سکتے ہیں۔ صرف کونین اور اس کے مرکبات کی آمدنی روزانہ لاکھوں پونڈ تک پہنچتی ہے۔ سب سے بڑا فائدہ فرنگی کو بخاروں کی تحقیقات سے یہ پہنچا ہے کہ وہ جب پسماندہ ممالک کو قبضہ کر سکتا ہے یا کم از کم وہاں کے خام مال پر ہاتھ صاف کر جاتا ہے اس کے بعد اس کی تہذیب ننگی ناچنے لگی ہے اور روز بروز وہاں کا تمدن فرنگی ہونا شروع ہو جاتا ہے۔

ایک چھوت چھات ہندو قوم کا ہے جس کا ہم ذکر کر چکے ہیں، دوسری چھوت چھات فرنگی نے پیدا کی ہے۔ ظاہرہ تو اس کی چھوت چھات متعدی امراض اور خوفناک جراثیم سے ہے، لیکن باطن میں اس کی چھوت چھات کالے آدمی (کلرڈین) سے ہے۔ وہ اپنے آپ کو ان پر فوقیت دیتا ہے، لطف کی بات یہ ہے کہ وہ عیسائیت کی تبلیغ کرتا ہے اور مہذب بناتا اور دوسری طرف ملک پر قبضہ کر کے غلام بناتا ہے اور وہاں کی دولت پر قبضہ کرتا ہے۔ لیکن طبقاتی پوزیشن بھی قائم رکھتا ہے۔ مشرقی ممالک خصوصاً افریقہ میں اس قسم کے نظارے روزانہ دیکھنے میں آتے ہیں۔ مشرقی ممالک اور افریقہ تک کیا منحصر ان کے اپنے یورپ میں اکثر ہوٹلوں اور مقامات پر اس امر کا سختی سے خیال رکھا جاتا ہے کہ کوئی رنگدار انسان وہاں نہ آنے پائے۔ ان کے چھوت چھات کا یہ عالم ہے کہ عمر بھر یورپ میں رہنے اور ان کی لڑکی سے شادی کر لینے کے بعد بھی وہ کسی کو سفید فام قوم میں شامل یا تسلیم کرنے کو تیار نہیں ہیں۔ اس لئے ان سے طبقاتی علیحدگی رکھی جاتی ہے۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ مسلمانوں میں امیر غریب کا فرق اور طبقاتی صورتیں نہیں پائی جاتی ہیں۔ ضرور پائی جاتی ہے۔ لیکن ان باتوں کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس چھوت چھات سے جہاں معاشرہ میں غصہ کا بخار پیدا ہوتا ہے، دوسری طرف چھوت چھات کرنے والے کے اندر نفرت کا بخار پیدا ہوتا ہے اور ان بخاروں کا زہر اس وقت تک نہیں اترتا جب تک طبقاتی جنگ نہ ہو اور خون کی ندیاں بہہ کر نفس اور آفاق کے لئے تسکین کا باعث ہو جاتی ہیں۔

چھوت اور متعدی بخار سے کسی کو انکار نہیں ہے، لیکن اس میں شدت اور جنون کی حد تک احساس تدارک انسان سے ہمدردی کو دور کر دیتا ہے اور انسان، انسان کا مداوا نہیں رہتا۔ معاشرہ میں خود غرضی پیدا ہو جاتی ہے، یہاں تک کہ بھائی سے بھائی بھاگتا ہے اور ماں اپنے بچے کو چھوڑ جاتی ہے۔ ویسے بھی شاید کوئی انسان ایسا ہو جس کو کوئی نہ کوئی مرض کم و بیش نہ ہو۔ پھر ایک کو دوسرے سے بیماری اور مشکل کے وقت دور رہنا اس دنیا کی تلخی کو زیادہ کرنا ہے۔ اگر چھوت اور متعدی بخار اس قدر ہی خوفناک ہو تو جاننا چاہئے کہ ان میں زیادہ تر معالج گرفتار ہوتے جو شب و روز ایسے مریضوں کا علاج کرتے رہتے ہیں، یاد رکھنا چاہئے کہ کوئی بخار یا مرض کبھی بھی کسی چھوت اور متعدی مادہ سے پیدا نہیں ہوتا۔ جب تک کسی عضو میں خرابی پیدا ہو کر اس کی قوت مدافعت (امیونٹی) کمزور نہ ہو جائے، پاکی و پرہیزگاری اور خدمت گزاری کرنے والوں کی اکثر صحت درست رہتی ہے اور ان کی قوت مدافعت مرض ہمیشہ مقابلہ کے لئے تیار رہتی ہے۔

روزانہ زندگی اور بخار

بخار دنیا کے ہر ملک اور ہر علاقہ میں پایا جاتا ہے، لیکن بعض بخار خاص خاص علاقوں میں پائے جاتے ہیں۔ جیسے موسمی بخار جونمی والے علاقوں میں پایا جاتا ہے۔ محرقہ انتہائی گرم علاقوں میں ہوتا ہے۔ نمونیہ سرد اور پہاڑی علاقوں میں تکلیف کا باعث ہوتا ہے۔ اسی طرح بعض علاقوں میں خاص قسم کے کیڑے مکوڑے اور مکھی و مچھر کے کاٹ لینے سے بخار ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ گھروں میں چوہوں کے کاٹ لینے سے ان کے زہر سے بخار چڑھ جاتا ہے۔

بخار عمر کے لحاظ سے بھی ہر عمر میں پایا جاتا ہے۔ تازہ پیدا شدہ بچے سے لے کے سو سال سے اوپر کی عمر میں بھی پایا جاتا تھا۔ پھر ان میں کوئی تخصیص نہیں ہے کہ فلاں بخار صرف بچوں میں پایا جاتا ہے۔ اور فلاں صرف جوانوں اور بوڑھوں کے لئے مخصوص ہیں، البتہ بعض بخار بعض اعضاء کے ساتھ مخصوص کئے جا سکتے ہیں۔ اور عمر کے جن حصوں میں ان اعضاء میں کمی بیشی ہے اس عمر میں وہ خاص بخار زیادہ پیدا ہوتے رہے ہیں

جیسے ٹی بی اکثر نوجوانوں میں پیدا ہوتا ہے۔ کیونکہ اس عمر میں نوجوان کو ایک خاص مقدار رطوبت کی درکار ہوتی ہے۔ جو ضعف اعصاب کی وجہ سے اکثر کم ہو جاتی ہے۔ نتیجہ اس کا ٹی بی کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے اور جب یہ رطوبت پیدا کر دی جائے تو یہ بخار چھوڑ جاتا ہے۔ جس کے لئے میں نے اپنی تحقیقات ٹی بی شائع کر کے ساتھ شرطیہ نسخہ لکھ دیا ہے، اس سے عرصہ تین سال میں ہزاروں لوگ ٹی بی کے بخاروں کی اہمیت اور خوف سے چھٹکارا حاصل کر سکتے ہیں۔

فرنگی ڈاکٹر کا غلط علاج

جس قدر مریض پرانے بخاروں اور تپ دق کے نظر آتے ہیں، اس کا مقصد یہ ہے کہ ان کا غلط علاج کیا گیا ہے۔ اور ان میں اکثر فرنگی ڈاکٹروں کے غلط علاج اور زہریلی ادویات کا نتیجہ ہیں۔ بنظر غور دیکھا جائے تو پتہ چلے گا کہ پرانے بخاروں اور تپ دق بہت کم پتہ چلتا ہے کہ فرنگی ڈاکٹروں کی ہمارے ملک میں آنے سے پہلے کہیں کہیں لمبا اور پرانا بخار یعنی ٹی بی پایا جاتا تھا، اوّل یہ پیدا ہی نہیں ہوتا، اگر پیدا ہوتا تو ہمارے معالج اور ہماری ادویات اس کے لئے کارگر ثابت ہوتی تھیں۔ لیکن جب سے فرنگی علاج اور اس کی زہریلی ادویات کا زمانہ آیا ہے تقریباً ہر گھر میں پرانا بخار و کھانسی اور ٹی بی نظر آنے لگ گیا ہے۔ یاد رکھنا چاہئے کہ ملک بلکہ دُنیا کو ٹی بی سے نجات اس وقت تک کسی اکسیر اور تریاق دوا سے نہیں مل سکتی جب تک کہ فرنگی ڈاکٹروں کے علاج اور ان کی زہریلی ادویات کو نہ چھوڑ دیا جائے، اس کی مثال بالکل شراب و چائے اور سگریٹ کے کثرت استعمال اور رات بھر ہوٹلوں، سینماؤں اور کلبوں میں جاگنے سے دی جاسکتی ہے کہ اس زندگی میں جو لذت اور مسرت ہے اس سے انکار نہیں ہے، لیکن اس زندگی سے جو صحت خراب ہوتی ہے، اس کا اندازہ وہی لگا سکتا ہے جو اس زندگی میں گرفتار ہے۔ ایسے انسان کی خراب صحت کا علاج اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک وہ اس زندگی کو بالکل نہ چھوڑ دے۔ ظاہر ہے وہ اس کا عادی ہو جائے گا۔ لیکن بہت جلد وہ خوفناک امراض میں گرفتار ہو کر ہارٹ فیلور سے مر جائے گا، اگر اس بات میں ذرا بھر مبالغہ محسوس ہو تو ایسے لوگوں کی زندگیوں کو خود قریب سے دیکھا جا سکتا ہے۔ یورپ اور امریکہ میں بھی یہی نتائج نکل رہے ہیں اور وہ مجبور ہو گئے کہ ایسی زندگی کے ساتھ ساتھ تیز و زہریلی اور منشی ادویات کو فوراً روک دیا جائے جس قدر ٹی بی یورپ و امریکہ اور دیگر سائنسی ملکوں میں ہے۔ ایسے ممالک جن کو یورپ و امریکہ میں بھی یہی نتائج نکل رہے ہیں اور وہ مجبور ہو گئے کہ ایسی زندگی کے ساتھ ساتھ ہارٹ فیلور کے واقعات ہوتے ہیں۔ کیونکہ ہارٹ فیلور تو نتیجہ ہے امراض کو تیز و زہریلی اور منشی و فوری طور پر روکنے کا۔ مرض رُک جاتا ہے۔ مرض دورانِ عروق رہ جاتا ہے جس کا سیدھا اثر قلب پر پڑتا ہے اور اس کے افعال بگڑ جاتے ہیں اور مریض ہارٹ فیلور سے اپنی قیمتی جان کو ضائع کر دیتا ہے اس لئے ٹی بی کے اثر سے بچاؤ کی یہی صورت ہے کہ فرنگی علاج اور فرنگی ادویات کی طرف نگاہ اٹھا کر بھی نہ دیکھا جائے۔ پھر معمولی معمولی ادویات کے استعمال سے بھی ٹی بی سے رہائی مل سکتی ہے۔

بخار کی وسعت کا اندازہ اس طرح بھی لگایا جا سکتا ہے کہ یہ انسانوں کے علاوہ پرند و چرند اور وحشی جانوروں تک پایا جاتا ہے۔ لیکن پالتو جانوروں اور پرندوں میں جنگلوں کی نسبت بخار کی زیادتی پائی جاتی ہے۔ لیکن بعض بخار جانوروں میں کثرت سے پایا جاتا ہے۔ اور بعض جانوروں میں بعض بخار قطعاً نہیں پائے جاتے۔ مثلاً پالتوں جانوروں میں گائے کو کثرت سے ٹی بی ہوتی ہے، مگر بکری اور بھینس پر اس کا بالکل اثر نہیں ہوتا اور بکری میں یہ خوبی ہے کہ اس کا گوشت اور دودھ ٹی بی کو دور کرنے کے لئے اکسیر کا اثر رکھتا ہے۔ گھریلوں پرندوں میں مرغ و تیتر، بطخ و پیرو اور کبوتر اور طوطے وغیرہ بھی بخاروں میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور چونکہ ان کے علاج کی طرف خاص توجہ نہیں دی جاتی اس لئے وہ چند دنوں میں انتہائی کمزور ہو کر مر جاتے ہیں۔ بوجھ لادنے والوں اور محنت کرنے والے جانوروں میں بخار بہت کم پایا جاتا تھا۔ لیکن جب وہ گرفتار ہو جاتے ہیں تو بہت مشکل سے جانبر ہو سکتے ہیں۔ ان جانوروں میں گھوڑے، گدھے اور اونٹ خاص طور پر شریک ہیں۔ کتوں اور بلیوں کو جب یہ مرض لاحق ہوتا ہے تو اکثر

پاگل ہوجاتے ہیں یا خشک کھانسی میں مبتلا ہوکر مدت تک کھانس کھانس کر مرجاتے ہیں۔ خنزیروں اور بندروں میں بخار بہت زیادہ پایا جاتا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے جسم میں متعفن رطوبات اور مادے بہت کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ جو لوگ ان کا گوشت کثرت سے کھاتے ہیں، وہ بھی اکثر نزلہ اور زکام میں گرفتار رہتے ہیں اور ان ہی امراض میں مرجاتے ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ سور اور بندر کے گوشت سے انسان دائم المریض رہتا ہے اور عمر کم ہوجاتی ہے۔

بخار ان لوگوں میں زیادہ پایا جاتا ہے جو زیادہ کھاتے ہیں اور آرام زیادہ کرتے ہیں جو خوش خوراک اچھے اچھے کھانوں کا شوق رکھتے ہیں، وہ اکثر بخاروں میں مبتلا رہتے ہیں، جاننا چاہئے کہ تبخیر معدہ بھی ایک قسم کا ہلکا بخار ہے۔ جس کو طبیعت مدبرہ اخراج بدن کرنے کے لئے جسم میں پھیلا نہیں سکی۔ اگر تبخیر معدہ کا علاج مقوی معدہ اور دافع ریاح کی بجائے بخاروں کے اصول پر کیا جائے تو چند دنوں میں حیرت انگیز فائدہ ہوتا ہے۔ خوش خوراکی ایک اچھا شوق ہے، کیونکہ اچھی تہذیب اور اعلیٰ تمدن کی علامت ہے۔ اس سے انسان کے معیار زندگی کا اندازہ لگتا ہے۔ لیکن روزانہ اچھے اچھے کھانوں کو پکوا پکوا کر کھاتے رہنا کوئی اچھا جذبہ نہیں ہے۔ اس کی حیثیت نفسانی خواہش سے زیادہ نہیں ہے۔ خوش خوراکی کا مقصد صرف یہ ہے کہ لذیذ ولطیف، خوش ذائقہ اور قسم قسم کے کھانوں کی تمیز ہونی چاہئے جیسا کہ ایک ماہر باورچی جانتا ہے اور دوسروں کے لئے پکاتا ہے۔ لیکن خود روزانہ زندگی میں پکا پکا کر نہیں کھاتا۔ **حکیم رازی نے لذیذ وخوش ذائقہ کھانوں اور حسین دوشیزاؤں کے کثرت استعمال سے روکا ہے۔ ان سے تبخیر پیدا ہوتی ہے اور عمر گھٹتی ہے۔**

بخار کے متعلق اگر تحقیقی حقائق اور تاریخی وسعت اور اہمیت کو سامنے رکھا جائے تو اس تکلیف کا ایک اچھا خاصا تصور حقیقت بن کر سامنے آجاتا ہے کہ اگر جسم میں حرارت اور رطوبت کا توازن صحیح ہے تو کوئی شخص اس مرض میں گرفتار نہیں ہوسکتا اور جب یہ توازن ختم ہوجاتا ہے تو جسم کے کسی حصے یا عضو میں دورانِ خون کی بے قاعدگی یا اجتماع خون یا سوزش پیدا ہوکر ایک عارضی حرارت پیدا ہوجاتی ہے۔ جس کو ہم بخار کا نام دیتے ہیں اور جو شخص بھی اپنے جسم کی حرارت اور رطوبت کے توازن کو رکھ سکے گا۔ وہ نہ صرف خود اس مرض سے محفوظ رہے گا بلکہ دوسروں کی بھی اس مرض سے حفاظت کرے گا۔ یہ ایک ایسا قانون ہے کہ اس کے ہوتے ہوئے نہ تو اس کو چھوت چھات کا ڈر رہے گا اور نہ وہ ہزاروں اقسام کے جراثیم اور خوردبینی اجرام سے خوف زدہ رہ سکتا ہے۔ یہ بھی زندگی کا ایک بہت بڑا سکون ہے۔

حیرت کا مقام یہ کہ یہی بخار جو قبل از طبی تاریخ بھوت پریت اور جناتی اثر سمجھا جاتا تھا۔ اب آیورویدک کے زمانے میں ایک مرض قرار پاگیا۔ جس کا سب سے بڑا سبب نیکی اور اخلاق قرار دیا گیا۔ طب یونانی کے دور میں مذہب واخلاق اور نفسانی اثر سے نکال کر اس کو خالص جسمانی اور مادی قرار دے دیا۔ اسلامی دور کی تحقیقات نے اس کی حقیقت کو کمال پر پہنچا دیا کہ بخار مرض نہیں ہے بلکہ ایک علامت ہے۔ جو جسم کے کسی عضو کی خرابی ہے، جب خون کے مزاج میں توازن قائم نہ رہے تو بخار پیدا ہوجاتا ہے۔ لیکن فرنگی طب کی ترقی معکوس نے اس کو پھر جراثیم اور ان دیکھی مخلوق جراثیم بغیر خوردبین کے نظر نہیں آسکتے، ہر وقت کوئی خوردبین نہیں لگائے پھرتا کہ وہ اپنے بچاؤ کے لئے بخار اور دیگر امراض کے جراثیم سے بچتا پھرتا اس لئے ان دیکھی مخلوق کا تصور بھوت پریت اور جناتی اثر سے زیادہ بعید نہیں۔ فرق صرف نام کا ہے بھوت پریت اور جناتی اثر نہ کہا جراثیمی اثر کہہ دیا۔ علاج میں بھی وہی مشابہت ہے وہ لوگ دم جھاڑ اور تعویز گنڈے استعمال کرتاے ہیں اور یہ قاتل جراثیم ادویہ اور تدابیر استعمال کراتے ہیں۔ لیکن جہاں تک بخاروں کا تعلق ہے وہ دونوں صورتوں میں اپنی جگہ قائم رہتے ہیں۔ مگر پیر فقیر اور فرنگی ڈاکٹر کی جھولی حلوہ مانڈہ سے بھری رہتی ہے۔

حمیات کی حقیقت ان کی پیدائش اور اقسام

تعریف

''حمیات'' جمع ''حمیٰ'' کی جس کو فارسی میں تپ، ہندی میں بخار اور انگریزی میں فیور (Fever) کہتے ہیں۔ یہ ایک قسم کی عارضی اور غیر معمولی حرارت ہے جو خون کے ذریعے قلب سے شرائین و عروق اور خون و روح کے توسط سے تمام بدن میں پھیل جاتی ہے۔ جس کے مشتعل ہونے سے افعال بدن میں تحلیل اور ضعف پیدا ہوتا ہے اور ان کے طبعی افعال میں خلل واقع ہو جاتا ہے۔ غصہ و لذت، گرم اغذیہ اور اشیاء اور ورزش اور تکان سے بھی حرارت جسم بڑھ جاتی ہے۔ لیکن اس قسم کی پیدائش حرارت کو بخار میں شریک نہیں کرتے۔ اگرچہ ظاہر میں اس قسم کی پیدا شدہ حرارت بھی عارضی اور غیر معمولی ہوتی ہے۔ لیکن یہ حرارت غیر از جسم نہیں ہوتی بلکہ حرارت اصلیہ ہوتی ہے جو خاص وجوہات سے جسم میں کسی حصہ میں اکٹھی ہو جاتی ہے۔ جس کو اخراج کی خاطر طبیعت مدبرہ بدن قلب کے ذریعے جسم میں بخار کی صورت میں پھیلا دیتی ہے۔ اور وہ سبب رفع ہو جانے کے بعد فوراً رفع ہو جاتی ہے۔

شیخ الرئیس بوعلی سینا اپنی کتاب القانون میں لکھتے ہیں کہ بخار ایک عارضی حرارت کا نام ہے جو پہلے قلب میں بھرتی ہے، اور قلب سے روح و خون اور شرائین کے ذریعے تمام بدن میں پھیل جاتی ہے۔ جس سے یہ حرارت تمام بدن میں اس طرح بھڑک اٹھتی ہے کہ بدن میں ضرر پیدا ہو جاتا ہے۔ غصہ اور تکان کی حرارت اس درجہ تک نہ پہنچی ہو کہ طبعی افعال میں آفت پیدا کر دے۔

شیخ الرئیس کے اس قول پر کہ ''بخار ایک عارضی حرارت ہے'' صاحب شرح اسباب علامہ نفیسی تشریح کرتے ہیں کہ ''یہ حرارت عارضی اس لحاظ سے ہے کہ نہ یہ بدن کے بنانے میں داخل ہے اور نہ یہ بدنی ماہیت کا کوئی جز ہے۔ بلکہ یہ بدن میں فضلات اور مواد کے اکٹھا ہونے کے وقت پیدا ہوتی ہے۔ کیونکہ فضلات جب اکٹھے ہو جاتے ہیں تو ان میں فطرتی طور پر حرارت پیدا ہو جاتی ہے۔ جس کے اشتیاق سے فضلات متعفن اور گندے ہو جاتے ہیں۔ اس پر دلیل یہ ہے کہ ہم بیرونی فضلات میں اس طرح دیکھتے ہیں۔

بخار کو عارضی حرارت کہنے سے بدن کی اصلی حرارت اس سے الگ ہو جاتی ہے۔ کیونکہ اصل حرارت بدن کے بنانے میں داخل ہے، جو بدن کا ایک حصہ اور اس کا ایک جزو ہے۔ کیونکہ جب تک بدن قائم ہے یہ حرارت بھی بدن کے اندر رہتی ہے۔ یہ حرارت انسانی بدن سے بحالت صحت اور مرنے کے بعد بھی جب تک بدن قائم رہتا ہے، الگ نہیں ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ برف کے اندر دبانے کے بعد بھی بدن انسان سیاہ اور متعفن ہو جاتا ہے''۔ مقصد یہ ہوا کہ ''بخار ایک حرارت غریبہ ہے جو بدن میں فضلات اور مواد کے اجتماع اور تعفن سے پیدا ہوتی ہے''۔ علامہ قطب الدین شیرازی بھی شیخ الرئیس کے اس قول کی تائید کرتے ہیں کہ حرارت بخار کسی صورت میں حرارت اسطقیہ (حرارت عنصری یا حرارت منویہ) نہیں ہے بلکہ اجتماع فضلات میں تعفن کی وجہ سے ایک جدا قسم کی حرارت پیدا ہو جاتی ہے۔

ماہیت بخار

بخار کی ماہیت کو صحیح طور پر ذہن نشین کرنے کے لئے اوّل ضروری ہے کہ اصلی حرارت اور عارضی حرارت کی حقیقت ضرور معلوم کر لی جائے، اور دونوں کے فرق کو سمجھ لینا چاہئے۔ کیونکہ یہ بھی ایک ایسا مسئلہ ہے جو طب قدیم کے زمانے سے لے کر اس وقت تک نہیں سمجھا گیا۔ اسلامی طب کے زمانے میں اس مسئلہ کو بہت حد تک سلجھانے کی کوشش کی ہے۔ مگر حقیقت پر پورے طور پر پردہ اُٹھ نہ سکا۔ لیکن فرنگی طب نے باوجود اس کے کہ حرارت کی اصلیت اور اس کے افعال پر بہت بحث کی ہے، بلکہ بال کی کھال اُتاری ہے، اور اس پر بے شمار طویل کتب لکھی ہیں۔ مگر جہاں تک بخار کی حرارت کا تعلق ہے، اس مسئلہ کو الجھا کر رکھ دیا ہے، اس لئے بخار کی حقیقت اور اس کا صحیح علاج کا بھی پردہ راز میں ہے۔

حیرت کی بات ہے کہ فرنگی طب جو اپنی ماڈرن سائنس پر ناز کرتی ہے، ایک طرف تو بخار کو حرارت جسم کا حد اعتدال سے زائد ہونا تسلیم کرتی ہے، اور اس کے پیمانے کے مطابق اس کا حد اعتدال (98-4 درجہ فارن ہیٹ) ہے۔ جس کی وجہ نظام جسم کا بگڑ جانا بتلاتی ہے اور دوسرے جراثیم کے زہروں کو بخاروں کی پیداوار بتلاتی ہے۔ گویا مشینی (مکینیکلی) اور کیمیاوی (کیمیکلی) طور پر دونوں صورتوں میں تسلیم کرتی ہے۔ مگر جہاں تک علاج کا تعلق ہے وہ نہ صرف نام بلکہ بخاروں کی حقیقت سے بالکل لاعلم ہے۔

حرارت کیا ہے؟

حکماء متقدمین نے حرارت یا آگ کو ایک عنصر یا ارکانِ اربعہ کا جزو مانا ہے۔ اور ارکان کی تعریف یوں کی ہے ''وہ اجسام بسیط اور بدن انسان وغیرہ کے لئے اجزاء اولیہ ہیں جن کی دیگر اجسام مختلف الصورت اور طبائع میں تقسیم ہونا ناممکن ہے''۔ اس کی کیفیت حرارت کو چھوکر معلوم کی جاسکتی ہے۔ حرارت کے کچھ افعال یہ ہیں کہ وہ رطوبات کو بخار بنا کر اڑا دیتی ہے اور اجزاء ارضیہ کو خشک کر کے چھوڑ دیتی ہے۔ لیکن جو اشیاء اور مادے قابل جلنے کے ہیں، ان کو جلا دیتی ہے۔ جو مادے نہ پورے طور پر بخارات بنتے ہیں اور نہ جلد خشک ہوتے ہیں اور نہ جل اٹھتے ہیں، وہ اس سے متعفن ہوتے ہیں اور سڑنے لگ جاتے ہیں۔ بہر حال حرارت سرگرم عمل رہتی ہے۔

متقدمین میں حکماء نے حرارت کو مادی جسم قرار دیا ہے۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ جب کوئی چیز گرم ہو جاتی ہے تو مادی حرارت اس کے اندر گھس جاتی ہے۔ اٹھارویں صدی تک یہی خیالات حکماء فرنگ میں رائج رہے، لیکن اس کے بعد ان خیالات نے ایک اور صورت اختیار کر لی یعنی نئے تجربات کئے گئے، جن میں ثابت کیا گیا کہ جب چیز گرم کی جاتی ہے یا جلائی جاتی ہے تو اس میں جلانے والی چیز خارج سے اندر داخل ہو جاتی ہے۔ اس چیز کا نام فلوجسین رکھا گیا۔

اس کے ثبوت میں جلی ہوئی شے کی راکھ، بخارات وغیرہ کا مجموعہ وزن پیش کیا گیا۔ جو اصل سے زیادہ پایا گیا، زیادتی کو حرارت کا وزن خیال کیا گیا، اس کے بعد اس خیال کی یوں تشریح کی گئی کہ اشیاء کا وزن جو جلنے کے بعد بڑھ جاتا ہے، وہ آکسیجن کا ہوتا ہے نہ کہ حرارت کا۔ اور یہ بھی تسلیم کیا گیا کہ اگر چہ کسی چیز کے ساتھ آکسیجن کا وزن ملنے کے بغیر حرارت پیدا نہیں ہوسکتی مگر آکسیجن اور حرارت کو جدا جدا شے سمجھا گیا ہے۔

عنصری حرارت کے علاوہ حرکت اور ٹکراؤ سے بھی حرارت پیدا ہوتی ہے۔ اسی لئے حکماء متاخرین نے حرارت کو دیگر قوی کی طرح از قسم حرکت تسلیم کیا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ حرارت سے تحریک پیدا ہو کر حرکت پیدا ہوتی ہے بجلی اس کا زندہ ثبوت ہے۔ اسی طرح جب دو اقسام آپس میں رگڑ کھاتے ہیں تو گرم ہو جاتے ہیں اور ان میں حرارت پیدا ہو جاتی ہے۔ ابتداء میں انسان نے آگ اسی طرح پیدا کی تھی۔

حرارت کے ان حقائق کو سمجھنے کے بعد اب جاننا چاہئے کہ جسم انسان میں اصلی حرارت کیا ہے اور عارضی حرارت کس کو کہتے ہیں۔ جس سے جسم میں بخار پیدا ہوتا ہے۔ اس میں قابل غور بات یہ ہے کہ جہاں تک حرارت کی گرمی کا تعلق ہے شاید اس میں کوئی فرق نہ کیا جا سکے، البتہ جہاں تک حرارت میں تبدیلیوں کا تعلق ہے ان سے بہت سے حقائق سامنے آ جاتے ہیں۔ جس سے انسان حقیقت کے قریب پہنچ جاتا ہے۔

اصل حرارت اور عارضی حرارت

اصلی حرارت جو عنصری حرارت ہے اس کو حرارتِ غریزہ کہہ سکتے ہیں، کیونکہ وہ اس کے اندر عنصری حرارت کا مناسب جزو ہوتا ہے جس کے متعلق حکماء کا خیال ہے کہ وہ ایک گرم تر لطیف جوہر ہے۔ جس کا کام جلانا، سڑانا اور خشک و خراب کرنا نہیں ہے بلکہ تمام طبعی کاموں میں مدد کرنا ہے۔ جب نطفہ میں جان ڈالی جاتی ہے، اسی وقت یہ جوہر قدرت کی طرف سے نطفہ میں عطا ہوتا ہے جو تا زیست قائم رہتا ہے۔ اور جب جان نکلتی ہے تو یہ جوہر الگ ہو جاتا ہے۔ یہی جوہر بدن میں ہر وقت حرارت پھیلاتا رہتا ہے۔ اور قلب اور شرائین کے ذریعے تمام بدن میں پھیلاتا ہے۔ مگر متاخرین کا خیال ہے کہ بدن حرارت کا دار و مدار غذا اور تنفس پر ہے۔ غذا کا کچھ حصہ ایندھن کے طور پر جل کر حرارت پیدا کرتا ہے۔ جو خون کے ذریعے تمام بدن میں پھیل جاتی ہے۔ [مزید معلومات کے لئے ''تحقیقات اعادہ شباب'' کا مطالعہ کریں]

حرارت عارضی کو حرارت غریبہ بھی کہتے ہیں، بدن کی عارضی گرمی سے مراد وہ گرمی ہے جو عارضی طور پر فضلات اور مواد کے تعفن سے پیدا ہوتی ہے یا حرکت و دھوپ اور غذاؤں اور دواؤں سے پیدا ہوتی ہے۔ جس کی زیادتی سے بدن میں جلن و خشکی اور تعفن اور ضرر پیدا ہوتا ہے۔

حرارت غریزیہ اور حرارت غریبہ کا فرق

حرارت غریزیہ کو بخارات اور حرارتِ غریبہ کو دخان سے تشبیہ دی جا سکتی ہے۔ حرارت غریزہ کا مزاج گرم تر اور اس کے مقابلے میں حرارت غریبہ کا مزاج گرم خشک ہے۔ اگر اول الذکر کی کیمیاوی ترکیب میں کھاری پن (الکلی) زیادہ ہے تو ثانی الذکر کی کیمیاوی ترکیب میں تیزابیت (ایسڈیٹی) زیادہ پائی جاتی ہے۔ اگر یہ باعث سوزش ہے تو اول الذکر دافع سوزش ہے۔ اگر جسم انسانی قلب کو حرارت کا مسکن اور منبع قرار دیا جائے تو تسلیم کرنا پڑے گا کہ قلب کے دائیں اذن اور بطن میں حرارت غریبہ قائم ہے جہاں سے شش کے ذریعے تبرید اور تسکین ہوتی رہتی ہے۔ گویا صفائی یا حرارت غریزیہ میں تبدیلی کے لئے پھیپھڑوں میں چلی جاتی ہے اور تبدیلی کے بعد اپنے مقام بائیں قلب میں پہنچ جاتی ہے انتہائی آسانی سے سمجھانے کے لئے اس طرح بھی کہا جا سکتا ہے کہ حرارت غریزیہ وہ حرارت ہے جو دخان کے ساتھ قائم رہتی ہے اس کے ثبوت میں ابن ابی صادق کی حقیقت پیش کی جا سکتی ہے جو اس نے ''شرح مسائل'' میں بخار (حرارت غریبہ) کے متعلق مختصر الفاظ میں نہایت جامعیت کے ساتھ کر دی ہے۔ ''الحمیٰ حرارۃ ناریہ'' (بخار حرارت ناریہ) گویا حرارت اور نار میں جو فرق ہے وہی غریزیہ اور حرارت غریبہ میں پایا جاتا ہے۔ یعنی ابخرات میں مائیت کے ساتھ لازمی مادے نہیں ہوتے یا نہ ہونے کے برابر ہوتے ہیں۔ پس یہی حرارت اصلیہ کا نمونہ ہے اور دخان کے ساتھ ارضی مادے پائے جاتے ہیں، جن کو جلاتی ہے، گویا دخان نار کی دلیل ہے۔ ابخرات میں نور اور انبساط ہے، اور یہی صفت حرارت غریزیہ میں پائی جاتی ہے۔ دخان میں ظلمت اور انقباض ہے یہی اثر حرارت غریبہ میں پایا جاتا ہے۔

حرارت غریبہ کے متعلق حکماء کا اکثر اختلاف رہا ہے۔ ایک گروہ اس کو خارجی حرارت سمجھتا ہے دوسرے گروہ کا خیال ہے کہ جب بدن انسان میں غیر طبعی حرارت پیدا ہو جاتی ہے تو اس وحرارت غریبہ کہتے ہیں۔ جمہور اطباء اس کو حرارت اسطقی کی ایک قسم خیال کرتے ہیں۔ جس کے متعلق ان کا قول ہے کہ ''وھی الحرارۃ الاسطقیہ اذا ستعت سورتھا و اوجنبت ضربا فی الافعال'' یعنی جب تک حرارت اسطقہ حد اعتدال تک رہتی ہے اور اس کے افعال میں ضرر واقع نہیں ہوتا، اس وقت تک اس کو حرارت غریزیہ کہتے ہیں، لیکن جب عنصری حرارت درجہ

اعتدال سے تجاوز کر جاتی ہے جس سے افعال اعضاء میں خلل واقع ہوتا ہے تو اس کا نام حرارت غریبہ ہو جاتا ہے۔ حرارت غریبہ کی پیدائش اس وقت بڑھ جاتی ہے۔ جب حرارت غریزیہ کی پیدائش کم ہو یا اس میں تبرید اور تسکین کی صورت کم ہو جاتی ہے۔ اگر متقدمین اور متاخرین حکماء کے خیالات پر غور کیا جائے تو ان کے خیالات میں کچھ زیادہ فرق نہیں پایا جاتا۔ اگر ان پر غور کیا جائے تو بہت سے حقائق سامنے آ جاتے ہیں۔

حرارت غریبہ کی پیدائش

حرارت کے ان حقائق اور اثرات سے پتہ چلتا ہے کہ حرارت مستقل ایک رکن ہے مگر وہ تنہا نہیں پایا جاتا، کبھی ہوا کی زیادتی کے ساتھ ملا ہوتا ہے، کبھی پانی کی زیادتی سے ترتیب پالیتا ہے اور کبھی ارضی مادوں کی زیادتی کے ساتھ پایا جاتا ہے۔ اور اس کی ادنیٰ صورت یہی ہے کہ جب وہ ارضی مادوں کے ساتھ پایا جاتا ہے حقیقت بھی یہ ہے کہ جب حرارت ہوا سے ملتی ہے تو اس میں روح کے خواص پیدا ہو جاتے ہیں اور جب وہ پانی کی زیادتی کے ساتھ ملتی ہے تو اس میں حرارت غریزیہ کے اوصاف پیدا ہو جاتے ہیں اور جب وہ ارضی مادوں سے ملتی ہے تو حرارت غریبہ کی شکل اختیار کر لیتی ہے، اکثر ایسا ہوتا ہے کہ جب حرارت کی زیادتی سے ہوا میں اشتعال یا پانی میں احتراق پیدا ہو جاتا ہے تو وہ بھی حرارت غریبہ کی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ اسی طرح حرارت غریبہ کی پیدائش جاری رہتی ہے۔

حرارت غریبہ کی حقیقت

حرارت غریبہ یا حرارت عارضی جو جسم انسانی میں پائی جاتی ہے اس کے مندرجہ بالا اوصاف حقائق پر غور کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ ماڈرن سائنس جس عنصر کو کاربن کہتی ہے اس کے خواص سے ملتی جلتی ہے۔ جو کاربن ڈائی آکسائیڈ اور کاربانک ایسڈ کی صورت میں پایا جاتا ہے۔ اوّل صورت میں اس کے اندر ہوائی اثرات زیادہ ہوتے ہیں۔ اگر دوسری صورت میں اس کے ساتھ ارضی مادے زیادہ پائے جاتے ہیں یہ بات ہم لکھ چکے ہیں کہ حرارت تنہا کبھی نہیں اور کہیں نہیں پائی جاتی ہے، وہ ہمیشہ دیگر عناصر کے ساتھ اپنے مظاہر کا اظہار کرتی ہے۔ گویا کاربن بھی اس کا ایک مظاہر ہے۔

کاربن کیا ہے؟

کاربن ایک ایسا عنصر ہے جو دُنیا میں آزاد اور دیگر اشیاء سے ملا جلا، دونوں صورتوں میں بہت عام پایا جاتا ہے۔ کاربن آزاد حالت میں ہیرے، سیاہ شیشہ اور کوئلہ کی صورت میں پایا جاتا ہے۔ ہیرا اور سیاہ شیشہ تو اس کی قلمی شکلیں اور کوئلہ اس کی نقلی شکل ہے۔ مرکب صورت میں کاربن ڈائی آکسائیڈ قدرتی پانیوں میں آکسیجن مرکب ہے۔ چونے کے پتھر، سنگ مرمر اور کھریا (ان تینوں کا کیمیاوی نام کیلشیم کاربونیٹ ہے) کی ترکیب میں بھی یہ عنصر داخل ہے۔ پیرافین موم، مٹی کا تیل اور دیگر معدنی تیل سب کے سب کاربن اور ہائیڈروجن، پانی کے مرکب ہیں۔ کاربن نباتی وحیوانی اشیاء کا ایک جزو ترکیبی ہے۔ قدرتی طور پر کاربن کے مرکبات دیگر عناصر کے مرکبات سے بہت زیادہ پائے جاتے ہیں۔

اسی طرح کاجل، دیئے اور لیمپ کی سیاہی، لکڑی کا کوئلہ، معدنی کوئلہ اور حیوانی کوئلہ کاربن کی کم وبیش خالص شکلیں ہیں۔ لیکن ان کی بناوٹ قلم دار نہیں ہوتی۔ ان سب میں صرف طبعی خواص مثلاً رنگ، کثافت اضافی، قلمی شکل اور قابلیت کل کا اختلاف ہے۔ لیکن کیمیاوی ترکیب کے اعتبار سے یہ سب چیزیں یکساں ہیں۔ یہ سب چیزیں جلتی ہیں اور کاربن ڈائی اکسائیڈ پیدا کرتی ہیں، کاربن ملی جلی صورت میں کاربن ڈائی اکسائیڈ کی شکل میں کرہ ہوائی میں پایا جاتا ہے۔

ہوا اور پانی میں اس گیس کی موجودگی کی طرف اشارہ پہلے کر چکے ہیں۔ یہ گیس ہوا میں کہاں سے آتی ہے؟ ایندھن کے جلانے، فعل تنفس اور نامیاتی اشیاء (حیوانی یا نباتی) کی تخمیر اور تعفن سے یہ گیس پیدا ہو کر ہوا میں مل جاتی ہے اور ملی جلی حالت میں یہ گیس کھریا، سنگ مرمر، چونے کے پتھر، انڈے کے خول، سیپ، سنکھ اور دیگر کاربونیٹس میں موجود ہوتی ہے۔

جب موم بتی جلتی ہے تو پانی اور کاربن ڈائی اوکسائیڈ پیدا ہوتے ہیں موم بتی دو عناصر کاربن اور ہائیڈروجن کا مرکب ہے جب بتی جلتی ہے تو اس کا کاربن ہوا کی آکسیجن سے مل کر کاربن ڈائی آکسائیڈ بناتا ہے اور اس کی ہائیڈروجن ہوا کی آکسیجن کے ساتھ ترکیب پا کر پانی بناتی ہے۔ موم بتی پر ہی منحصر نہیں ہے بلکہ دیگر جلنے والی اشیاء بھی عموماً مذکورہ بالا عناصر میں کاربن اور ہائیڈروجن موجود ہوتے ہیں۔ چنانچہ جب کاغذ، لکڑی یا تیل وغیرہ جلتے ہیں تو یہ دونوں چیزیں کاربن ڈائی آکسائیڈ اور پانی ضرور پیدا ہوتے ہیں۔

کاربن کے طبعی خواص

یہ گیس بے رنگ ہے لیکن اس کا مزہ ہلکا سا ترش ہے۔ اور خفیف سی بو پائی جاتی ہے۔ یہ پانی میں حل ہو جاتی ہے اور زیادہ دباؤ کے تحت اس کے حل ہونے کی قابلیت بڑھ جاتی ہے۔ سوڈا واٹر، لیمونیڈ وغیرہ اس گیس کے آبی محلول ہیں۔ جن میں یہ گیس زیادہ دباؤ کے تحت بہت زیادہ مقدار میں حل کر دی گئی ہوتی ہے۔ جونہی بوتل کھولنے پر دباؤ ہٹا لیا جاتا ہے تو یہ گیس خارج ہونے لگتی ہے۔ سوڈا واٹر تو دراصل معمولی پانی ہوتا ہے جس میں پانی کی بہ نسبت تقریباً چار گنا حجم کی کاربن ڈائی آکسائیڈ پائی جاتی ہے۔ یہ ایک وزنی گیس ہے اور ہوا سے تقریباً ڈیڑھ گنا بھاری ہے۔ اس لئے ہم اس کو پانی کی طرح ایک برتن سے دوسرے برتن میں ڈال سکتے ہیں۔

کاربن کے کیمیاوی خواص

کاربن ڈائی آکسائیڈ نہ خود جلتی ہے اور نہ معمولی جلنے والی اشیاء کو جلا سکتی ہے۔ یہ گیس حیوانات کے لئے ممد حیات بھی نہیں ہے۔ جب جلتی ہوئی موم بتی اس کی ٹیوب میں داخل کی جاتی ہے تو وہ بجھ جاتی ہے۔ یہ گیس زہریلی تو نہیں ہے، البتہ اس سے دم گھٹ/موت واقع ہو جاتی ہے۔ روٹی کا خمیر ہونا بھی اسی گیس سے عمل میں آتا ہے۔

کاربن کا جسم انسان پر اثر

جب ہم سانس لیتے ہیں تو ہوا کی آکسیجن پھیپھڑوں سے خون میں جذب ہو کر قلب میں پہنچتی ہے، جہاں سے وہ شرائین کے ذریعے تمام جسم میں پھیل جاتی ہے۔ اس آکسیجن کا کچھ حصہ ہمارے جسم کے کاربن سے مل کر کاربن ڈائی آکسائیڈ بنا دیتا ہے۔ جو خون میں جذب ہو کر بذریعہ اوردہ قلب پھیپھڑوں میں پہنچتا ہے۔ جہاں سے وہ سانس چھوڑنے پر باہر خارج ہو جاتا ہے۔ اس لئے جو ہوا ہم منہ سے خارج کرتے ہیں اس میں کاربن ڈائی آکسائیڈ کی مقدار بہت زیادہ ہوتی ہے۔

جس مقدار میں کاربن ڈائی آکسائیڈ فعل تنفس سے پیدا ہو کر کرۂ ہوائی میں شامل ہوتی ہے اگر اس قدر گیس ہوا میں برقرار رہے تو بہت جلد ہوا میں اس کا تناسب اس قدر زیادہ ہو جائے کہ کسی شخص کا زندہ رہنا ممکن نہ ہے۔

کاربن سے خون میں سیاہی اور ترشی بڑھ جاتی ہے، یہ اعضاء میں سوزش اور انقباض پیدا کر دیتی ہے جس کے نتیجہ میں آکسیجن کم جذب ہوتی ہے۔ ساتھ ہی ساتھ حرارت اور خون کا دباؤ بڑھ جاتا ہے اور خاص بات یہ ہے کہ جسم میں کہیں بھی فضلا اور موادرکا ہو تو اس میں خمیر پیدا کر کے اس کو متعفن کر دیتی ہے، جس کے نتیجہ میں عارضی حرارت یا حرارت غریبی اور بھی بڑھ جاتی ہے جس کو ہم "بخار" کہتے ہیں۔

عمل تبخیر

بخار کو سمجھنے کے لئے عمل تبخیر کا جاننا نہایت اہم ہے۔ کیونکہ اس کے بغیر تعفن اور فساد پیدا ہی نہیں ہوسکتا۔ یہی عارضی حرارت اور بخار کا راز ہے۔ جس کی طرف غور نہیں کیا گیا۔ فرنگی ڈاکٹر دیگر صورتوں میں پھنس کر رہ گیا ہے۔ تبخیر (فرمن ٹیشن) خمیر اٹھانا ایک کیمیاوی فعل ہے جو اکثر عضوی اشیاء میں عام طور پر جراثیم کے ذریعے ظہور میں آتا ہے۔ کسی چیز میں خمیر اٹھانے کے لئے جو چیز ملائی جاتی ہے اس کو بھی خمیر کہتے ہیں۔ خمیر حقیقت میں جراثیم ہوتی ہیں جن میں خمیر اٹھانے کی قوت ہوتی ہے کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ خمیر ملائے بغیر عمل تخمیر ہونے لگتا ہے اس کی یا تو یہ صورت ہوتی ہے کہ جراثیم ہوا میں سے اس چیز کے اندر گر پڑتے ہیں یا اس چیز میں پہلے خمیر ہوتا ہے۔ جیسے انگور کے رس میں خمیر ہوتا ہے، اس لئے انگوری شراب بنانے میں مزید خمیر ملانے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ جب کسی شے میں عمل تبخیر شروع ہوتا ہے، تو وہ چیز گرم ہو جاتی ہے۔ اور اس میں گرم ابخرے اٹھنے لگتے ہیں۔ عمل تبخیر کی مختلف اقسام ہیں۔ سب سے زیادہ عام قسم وہ ہے جس میں الکوحل اور کاربن ڈائی آکسائیڈ پیدا ہوتے ہیں۔ دوسری قسم وہ ہے جس سے بعض خمیرات کے عمل سے تیزاب بنتے ہیں۔

کاربن اور حرارت غریبہ

کاربن کے خواص واثرات اور مظاہر کے سمجھ لینے کے بعد جب حرارت غریبہ کے اوصاف پر نگاہ کی جاتی ہے، تو ظاہرہ صرف یہ پتہ چلتا ہے کہ ایک ایسی حرارت ہے جو تعفن سے پیدا ہوتی ہے جس سے بدن انسان کو ضرر پہنچتا ہے، لیکن اگر غور وفکر کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ تعفن کبھی بھی بغیر خمیر کے پیدا نہیں ہوتا اور ہر خمیر اپنے اندر ترشی وانقباض اور دیگر وہ تمام خواص رکھتا ہے جو کاربن اور اس کے مختلف مظاہر میں شامل پائے جاتے ہیں۔ گویا حرارت غریبہ بھی کاربن کی طرح ایک قسم کا خمیر ہے۔

جہاں تک حرارت غریبہ کے افعال اور اثرات کا تعلق ہے۔ اس کے مضر اثرات جسم انسان پر عمومی بخار کی صورت میں اور خصوصی بخاروں کی صورت میں واضح ہیں یعنی عمومی بخار کی صورت میں مثلاً خون میں جوش اور دباؤ کا بڑھ جانا، جسم میں کسی مقام پر سوزش اور تعفن کا پیدا ہو جانا، جسم میں ترشی زیادہ بڑھ جاتی ہے جس کا ثبوت پیشاب میں نمایاں ہوتا ہے۔ جہاں تک دیگر بخاروں کا تعلق ہے، جسم میں تعفن بڑھ جاتا ہے۔ جس کا اخراج پیشاب و پاخانہ اور تنفس و پسینہ سے ہوتا ہے۔ مختلف بخاروں میں مختلف مقامات پر درد، سوزش اور ورم کی صورتیں نظر آتی ہیں، سانس کی تنگی خاص طور پر قابل غور ہے۔ ان حقائق سے پتہ چلتا ہے کہ کاربن اور حرارت غریبہ میں بہت کچھ مشابہت ہے۔

حرارت غریزیہ اور حرارت غریبہ کا تعلق

بعض حکماء متاخرین نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ حرارت غریزیہ یعنی اصل اور عناصری حرارت میں جب شدت پیدا ہوتی ہے تو وہ حرارت غریبہ اور عارضی حرارت بن جاتی ہے۔ فرنگی طب کی تحقیق اور کاربن کے مظاہرے سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے۔ لیکن درحقیقت حرارت غریزیہ کے متعلق یہ بہت بڑا دھوکا ہے، یہ حرارت غریبہ بلکہ حرارت اصلیہ سے بھی ایک جدا شے ہے جس کو سمجھنا نہایت اہم ہے۔

حرارت کی حقیقت

حرارت ایک عنصری جسم (قوت) ہے۔ جو دیگر عناصر کے ساتھ پایا جاتا ہے۔ جاننا چاہئے کہ تمام جسم کی پیدائش قویٰ سے ہے اور قویٰ کے تمام اقسام ارواح سے پیدا ہوتے ہیں۔ جہاں تک حرارت کا تعلق ہے یہ ہر ذی حیات اور غیر ذی حیات میں بصورت ارکان اس کے تناسب کے مطابق پائی جاتی ہے۔ جہاں تک اس کی عنصری حالت کا تعلق ہے، اس میں تبدیلی اور تقسیم نہیں ہوسکتی ہے۔ البتہ وہ کم وبیش ضرور ہوسکتی ہے۔ یہ

کی بیشی بھی اصلی عنصری حرارت سے ہوتی ہے۔ اصلی حرارت سے مراد صرف یہ ہے کہ عنصری حرارت کی صرف ایک قسم ہے جو جلاتی ہے، اس لئے اس حرارت کو حرارتِ اسطقیہ بھی کہتے ہیں۔

حرارت عنصری یا اصلی حرارت ہر ذی حیات اور غیر ذی حیات اور فضاء میں دیگر عناصر کے ساتھ مل کر ایک مزاج رکھتی ہے۔ جب ان کے امزجہ میں کمی بیشی واقع ہوتی ہے تو عناصر کی کمی بیشی کا ارکان کے خواص سے پتہ چلتا ہے، حرارت کی زیادتی سے تحلیل پیدا ہوجاتی ہے یعنی اس شے میں تحلیل واقع ہوتی ہے، یا جل اٹھتی ہے۔

جب یہ حرارت نطفہ کی صورت میں منتقل ہوتی ہے تو اس کو حرارت غریزی کہتے ہیں۔ جس کے اثر سے انسان اپنی طبعی عمر کو پہنچتا ہے۔ اکثر حکماء کا اتفاق ہے کہ اس کا بدل ما یتحلل نہیں ہوتا۔ اور اس میں اس قدر (ایٹمی) قوت ہوتی ہے کہ سالہا سال تک اسی سے زندگی قائم رہ سکے۔ لیکن بعض حکماء کا خیال ہے کہ غذا چونکہ عناصر سے ترکیب پاتی ہے، اس لئے غذا کی عنصری قوت خون کے توسط سے حرارت غریزیہ کا بدل ما یتحلل پیدا ہوتا رہتا ہے، دونوں صورتوں میں ظاہر میں بڑا فرق معلوم ہوتا ہے۔ لیکن حقیقت میں کوئی فرق نہیں ہے۔ کیونکہ اگر حرارت غریزی بدل ما یتحلل پر قائم ہے تو پھر بھی اس وقت تک اصلی عنصری حرارت میں جذب نہیں ہوسکتی، جب تک حرارت غریزیہ قائم نہ ہو اور جب وہ ختم ہوجاتی ہے یا اس کا شعلہ بجھ جاتا ہے تو موت واقع ہوجاتی ہے۔

ان امور سے ثابت ہوا کہ حرارت غریزی بھی اصلی عنصری حرارت کی طرح ایک مزاج رکھتی ہے اور وہ اس پر قائم رہتی ہے۔ اس میں کمی بیشی تو ہوسکتی ہے لیکن وہ بدل نہیں سکتی۔ اس لئے حرارت غریزیہ کا حرارت غریبہ میں بدل جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ حرارت غریبہ ایک جدا شے ہے اور وہ جدا طریقہ سے پیدا ہوتی ہے، دونوں کے اوصاف وخواص اور اثرات وافعال میں بہت زیادہ فرق ہے۔

فرنگی طب کی غلط فہمی

فرنگی طب میں حرارت عنصریہ، اصلیہ، حرارت غریزیہ اور حرارت غریبہ کا کوئی تصور نہیں ہے۔ ان کے ہاں آکسیجن، کاربن، ہائیڈروجن اور نائٹروجن وغیرہ کو عناصر کی صورت حاصل ہے، جو مفرد اور مرکب دونوں صورتوں میں پائے جاتے ہیں۔ طب قدیم کے قانون کے مطابق ان کی مفرد صورتیں بھی مرکب ہیں، کیونکہ ان کی تقسیم ہوسکتی ہے۔ ان کے تمام عناصروں کو اب ماڈرن سائنس نے ایٹم کی تقسیم کے بعد الیکٹرون اور نیوٹرون اور پروٹون سے مرکب تسلیم کرلیا ہے۔ جس سے کم از کم یہ ثابت ہوگیا ہے کہ جلانے کا کام صرف آکسیجن کا نہیں ہے۔ ماڈرن سائنس میں یہ امر تسلیم شدہ ہے کہ آکسیجن خود نہیں جلتی بلکہ دیگر عناصر کو جلاتی ہے۔ ہائیڈروجن خود جلتی ہے مگر کسی کو جلا نہیں سکتی۔ کاربن نہ خود جلتی ہے اور نہ جلاتی ہے۔ بلکہ خود دیگر عناصر سے مل کر جلتی ہے اور نائٹروجن نہ جلتی ہے اور نہ جلاتی ہے بلکہ آگ کو بجھا دیتی ہے۔

اگر ہم آکسیجن کو عنصری واصلی حرارت کا طیف، کاربن کو دخان کا طیف اور ہائیڈروجن کو پانی کا طیف اور نائٹروجن کو ارضی طیف سمجھ لیں، اور ان کے مرکبات پر غور کریں تو اسی قسم کے نتائج سامنے آسکتے ہیں کہ جب آکسیجن و ہائیڈروجن اور دیگر ہوائی عناصر (جن کو سات شمار کیا گیا ہے) میں غالب ہو تو اس میں حرارت غریزیہ کے اوصاف پائے جاتے ہیں۔ جب کاربن اور آکسیجن کا غلبہ ہو تو جسم میں حرارت غریبہ کے اثرات وافعال اور خواص پائے جائیں گے۔ ان حقائق سے ثابت ہوا کہ فرنگی طب نہ صرف حرارت غریزیہ اور حرارت غریبہ سے بے خبر ہے بلکہ گیسوں کے امتزاج اور مرکباتی خواص بلکہ مزاج کی حقیقت سے بھی ناواقف ہے۔ جو ہزاروں سال پہلے طب یونانی میں بیان کردیئے گئے۔ جن کی معرفت سے نہ صرف امراض کا صحیح تصور ذہن میں پیدا ہوتا ہے، بلکہ علاج علمی وسائنسی صورت کے ساتھ یقینی اور بے خطا ہوجاتا ہے۔ حیرت ہے کہ سینکڑوں سالوں کی تحقیقات کے بعد بھی اب تک فرنگی طب اندھیرے میں بھٹک رہی ہے۔ اس کی وجہ صرف طب یونانی اور خصوصاً طب اسلامی کو سمجھے بغیر

تعصب سے نظر انداز کر دیا ہے اور خود غلط راستہ پر پڑ گئی ہے۔ اس کی غلط فہمی اور غلط راہ روی نے ہزاروں ممالک اور لاکھوں انسانوں کو گمراہ کیا ہے۔ اب ہمارا فرض ہے کہ نہ صرف فرنگی طب کی غلطیاں دور کریں، بلکہ جو لوگ اور ممالک ان سے گمراہ ہو گئے ہیں ان کو راہ راست پر لائیں۔ فرنگی طب کے بخاروں کے تحت ان کی پیدائش بخار، تقسیم اور علاج کی غلطیاں بیان کریں گے۔ تاکہ معالج ان سے پوری طرح آگاہ ہو جائیں۔

بخار کی ماہیت

ان تمام حقائق کے بعد جو ہم اپنی تحقیقات کے سلسلہ میں لکھ چکے ہیں ان کو سامنے رکھ کر اگر غور کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ بخار ایک ایسی حرارت ہے جو اپنے اندر ناریت اور دخان (کاربن) رکھتی ہے۔ جس کو ہم حرارت غریبہ کا نام دیتے ہیں۔ جس کی پیدائش تعفن وفساد اور تخمیر سے عمل میں آتی ہے۔ جس کا مزاج گرم خشک ہے۔ اور کیمیاوی طور پر اس میں ترشی پائی جاتی ہے۔

بخاروں کی تقسیم و تشخیص اور علاج لکھنے سے قبل معلوم ہوتا ہے یہ بھی دیکھ لیا جائے دیگر طریق علاج اس سلسلہ میں کیا لکھتے ہیں، تاکہ سمجھنے اور ذہن نشین کرنے میں سہولتیں پیدا ہو جائیں اور یہ بھی اندازہ کیا جا سکے کہ ہم نے جو اس سلسلہ میں تحقیقات کی ہیں وہ اپنے اندر کس قدر اہمیت رکھتی ہیں۔ کیونکہ آیورویدک انتہائی قدیم طریق علاج ہے۔ اس لئے اوّل اس پر تحقیقاتی نگاہ ڈالتے ہیں کہ اس میں بخاروں کو کیا سمجھا گیا ہے اور اس کا علاج کیسے کیا گیا ہے۔ لیکن یہ ضرور ذہن نشین کر لیں کہ آیورویدک مذہبی اور الہامی طریق علاج ہے۔ اس کی سچائی اور حقیقت میں کوئی کلام نہیں ہے مگر اکثر اس کا اندازہ کنایات و استعارات اور تلمیحات میں کیا گیا ہے۔ جیسے مذہبی کتب کا خاصہ ہے کہ جیسے قرآن حکیم نے اللہ تعالیٰ کا ہاتھ اور پنڈلی کا ذکر ہے یا وہ دیکھتا ہے سنتا ہے اور کہتا ہے تو اس کا مقصد یہ نہیں ہے کہ نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ کے ہماری طرح ہاتھ پاؤں، آنکھ کان اور منہ زبان ہیں۔ اس طرح کے بیان سے مراد خاص اقسام کے قویٰ کا ذکر اور بیان ہوتا ہے جیسے ہمارا یقین ہے کہ فرشتے اور جن اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں جن کو ہم نے دیکھا نہیں ہے۔ مگر ان کے جو قویٰ اور افعال بیان کئے گئے ہیں جن سے ہم ان کی ہستی کو تسلیم کرتے اور ان میں فرق کر سکتے ہیں یاد رکھیں بولنے کے لئے منہ اور زبان کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ گراموفون اور ریڈیو بولتے ہیں، لیکن ان کے نہ منہ ہیں اور نہ زبانیں ہیں۔ اسی طرح دیکھنے اور سننے کے لئے انسانی آنکھ اور کان کا تصور کر لینا صحیح نہیں ہے۔ یہ صورتیں اللہ تعالیٰ کے ہاتھ اور پاؤں کے متعلق ہیں۔ ان کا مقابلہ بھی انسانی جسم سے نہیں کرنا چاہئے۔ اکثر یہ صورتیں آیورویدک میں نظر آتی ہیں۔ اس لئے ان اشارات (سمبل) پر غور کرنا چاہئے، جیسا کہ ہم اپنی کتاب تحقیقات اعادہ شباب میں وضاحت کر چکے ہیں۔ یہ تاکید اس لئے کر دی ہے کہ جو لوگ غور فکر کرنا نہیں جانتے وہ لوگ ظاہری باتوں پر تمسخر اڑاتے ہیں۔ اور ان کو سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے۔ اگر ایسے علوم کو سمجھا جائے تو بے شمار اسرار و رموز کا پتہ چلتا ہے۔

آیورویدک میں بخاروں کی حقیقت

آیورویدک میں بخار کو ''جور'' کہتے ہیں، اس کے متعلق ایک شاگرد اپنے استاد سے یوں دریافت کرتا ہے۔

بھگوان! آپ نے فرمایا تھا کہ سب روگوں (امراض) سے جور (بخار) کا درجہ بلند ہے۔ کیونکہ یہ شریر (جسم) اور من (روح) کو تپا دیتا ہے اور نہایت ہی اتی روگ (زبردست مرض) ہے۔ نیز یہ تمام روگوں سے پہلے پیدا ہوا تھا۔ (بخاروں کا تمام امراض سے پہلے پیدا ہونا غور وخوض کرنے کے قابل اشارہ ہے)۔ اس لئے اس مہلک اور موت و پیدائش کے وقت بنی نوع انسان کو گھیرنے والے روگ کی پرکرتی، مزاج اور اصلیت پرورتی (پیدائش) پربھاؤ (اثر) کارن (سبب) پوربِ روپ (علامات ماقبل) لوہشان (مراکز) بل (طاقت) کال (وقت) لکھشن (علامات) بہ تفصیل بیان فرمائیں۔

نیز اس کی اقسام الگ الگ اقسام کی الگ الگ اشکال آم جور اور جیز جور (کمزور کرنے والا) کی علامات۔ اس کے پنجے سے نجات پائے ہوئے شخص کی حفاظت کی تدابیر، ایک دفعہ دور ہو کر پھر عود کرنے کے اسباب اور مکرر عود کر آنے والے جور کا علاج دُنیا کی بھلائی کے لئے مجھے ارشاد فرمائیں (یہ تمام سوالات بخاروں کے متعلق بڑی عقلمندی اور سمجھ سے کئے گئے ہیں، اس لئے غور وخوض کے قابل ہیں)۔

یہ سن کر ''مہارشی پنردسو'' بولے۔ بہت اچھا! جور (بخار) کے متعلق جو باتیں کرنے کے قابل ہیں میں بیان کئے دیتا ہوں۔ اے عزیز! غور سے سنو!

ماہیت جور (بخار)

جس کو روگ، دکار، دیادھی اور آتنک بھی کہہ کر پکارتے ہیں۔ چونکہ یہ شریر کو اجیرن (کمزور) کر دیتا ہے، اس لئے اس کو جور کہتے ہیں۔ اس کے علاوہ کوئی ایسی جیاری تمسکل العلاج اور بہت سے عوارض والی نہیں ہوتی ہے۔ جور تمام امراض کا ادھی پتی (قبضہ رکھنے والا) اور تمام پشو پنکھیوں کو گھیرنے والا ہے۔ اس لئے مختلف حالات کے مطابق اس کے نام بھی الگ الگ ہیں، تمام پران دھاری جیو (حیوانات) جور کے ساتھ پیدا ہوتے ہیں اور جور ہی کے ساتھ مرتے ہیں اور جور ہی کے ساتھ مہاموہ (جذبات میں کشش) کا سروپ (شکل) ہے۔

جور مشہور کے کرودھ (تعصب) سے پیدا ہوتا ہے، یہ جانداروں کا ہلاک کرنے والا ہے۔ دیہہ، اندرویوں اور من کو تپانے والا ہوتا ہے۔ عقل وطاقت، رنگت خوشی اور حوصلے کو زائل کر دیتا ہے۔ اور تکان، کلانتی موہ اور آہار، اپ رودھ (کھانے کی خواہش نہ ہونا) کو پیدا کرتا ہے۔

جور پرورتی (پیدائش بخار)

بخار کی پیدائش شاریرک (جسمانی) اور مانسک (روحانی) دونوں صورتوں میں تسلیم کی جاتی ہے۔ خرابیوں سے پاک صاف انسان کو بخار کبھی نہیں ہوسکتا۔ اس لئے کہا جاتا ہے کہ ذرا اور سخت غصے کی وجہ سے اس کی پیدائش ہوئی ہے۔ اس لئے کہتے ہیں کہ ترتیایگ میں مہادیو نے (دویہ مسہورش) دیوتاؤں کی ہزار سال کا (کرودھ) بہت ''غصہ نہ کرنے کا عہد'' اختیار کیا تھا۔ اس اثناء میں اسروں (راکھشوں) نے بڑی خرابی مچائی اور زاہدوں کے زہد میں خلل ڈال دیا۔ اپنے برت میں خلل پڑنے کے باوجود رفع خلل کی طاقت رکھنے پر بھی مہادیو نے اس کے دفیعے کی کوئی تدبیر نہیں کی۔ اسی اثناء میں دکھش پرجاپتی ''عوام کے دکھ کے نگران'' یگیہ (قربان) کوئی شروع کی۔ لیکن دیوتاؤں کے خبردار کرنے کے باوجود اس نے مہادیو کا حصہ نہ نکالا، اور یگیہ کو سدھ کرنے والی پشوپتی رچائیں۔ اور شیو یہ آہو نیادانستہ چھوڑ دیں۔ جب مہادیو کے برت کی مدت پوری ہوگئی، انہوں نے رکھش کی نامناسب کارروائی سے آگاہی پاکر اپنی جلالی صفت کا اظہار کیا۔ اپنی پیشانی کی تیسری آنکھ کھول کر پہلے ان اسروں کو بھلا دیا پھر دشمنوں کو جلانے والی غصے کی آگ سے جلے ہوئے بان چھوڑے۔ جس سے رکھش کا یگیہ ناش ہوگیا۔ اور سب دیوتا پریشان ہوگئے اور سب بھوت سوزش وتپش سے بے قرار ہو کر چاروں طرف بھاگ نکلے۔ یہ حال دیکھ کر سپت رشی دوسرے دیوتاؤں سمیت مہادیو کی استتی (حمد وثنا) رگ وید کے منتروں کے کرنے میں مشغول ہوگئے۔ اور اس وقت تک استتی کرتے رہے جب تک مہادیو کا غصہ نہ ٹل گیا۔ جانداروں کی بھلائی کے لئے مہادیو کو ٹھنڈا ہوا دیکھ غصے کی آگ نے دست بستہ عرض کی مہاراج! اب میں کیا کروں؟ مہاراج نے فرمایا کہ تو جور کی شکل اختیار کر کے دُنیا میں پھیل جا اور انسان کے پیدا ہونے اور مرنے کے وقت اور ایام (زندگی) میں اپنا کام کیا کر۔ اس لئے کہا جاتا ہے کہ بخار مہادیو کی لاٹ سے پیدا ہوا ہے۔

ظاہر میں تو یہ دیوتاؤں، راکھشوں، اور بھوتوں کی مذہبی کہانی معلوم ہوتی ہے۔ لیکن اس کے جو سمبل (اشارات) بیان کئے گئے ہیں، ان

پر اگر غور و خوض کیا جائے تو بخار کی ماہیت (پرکرتی) اور اس کی پیدائش "پرروتی" پر صحیح روشنی پڑتی ہے۔ اور بخار کے اوصاف بھی درست بیان کئے گئے ہیں۔ اس بیان سے پتہ چلتا ہے کہ بخار ایک ایسی حرارت ہے جو مثل غصہ کے ہے جو مہادیو کی تیسری آنکھ سے پیدا ہوئی ہے۔ اور غصہ سے بھی حرارت پیدا ہوتی ہے اور راکھشوں اور بھوتوں کو آج کل کے جراثیم تصور کر لیں جو ہر قسم کی حرارت سے مر جاتے ہیں۔ اگر جسم میں حرارت کی کمی ہو جائے تو یہ مخلوقات جسم میں بھاگ دوڑتی ہیں اور بخاروں کی گرمی کو اس وقت سکون آتا ہے جب قلب میں اس حرارت کی تپش کم ہو جائے۔ جس کی طرف حمد وثناء سے اشارہ کیا گیا ہے۔

آیورویدک بخاروں کی تقسیم

ودھی (ترکیب) کے لحاظ سے جور دو طرح کے ہوتے ہیں۔ اول شاریرک (جسمانی) دوسرے مانسک (روحانی)۔ جاننا چاہیے کہ "شاریرک جور" پہلے جسم میں پیدا ہوتا ہے۔ "مانسک جور" پہلے من میں پیدا ہوتا ہے۔ من کی بے قراری، عاجزی اور اداسی اس کی علامات ہیں۔ اور اندریوں میں خرابی واقع ہونا "شاریرک جور" کا نشان ہے۔ کتنی اچھی تقسیم ہے۔ اول بخار کو ہم عضوی اور مستمی کہہ سکتے ہیں۔ دوسری قسم کے بخار کو کیمیاوی کہا جا سکتا ہے۔ من کا تعلق طبی روح کے ساتھ ہے جس میں کیمیاوی تبدیلیاں پیدا ہونے سے بخار پیدا ہوتا ہے۔ پھر ان میں سے ہر ایک یا سومیہ (سرد) ہوگا۔ یا گنیہ (گرم) ہوگا۔ پھر یہ سردی اور گرمی کبھی اندرونی ہوگی اور کبھی بیرونی ہوگی۔ اسی طرح کبھی یہ گرمی سردی طبعی حالت کے تحت ہوگی کبھی غیر طبعی صورتوں میں کمی بیشی سے ظاہر ہوتی ہے۔ ان صورتوں کو پراکرت اور وکرت کہتے ہیں۔ ان کے حالات کے تحت ان کو سادھیہ (قابل علاج) اور اسادھیہ (ناقابل علاج) بھی کہہ دیتے ہیں۔

دوشوں کے لحاظ سے بخار کے آٹھ اقسام ہیں: (۱) وات جور (۲) پت جور (۳) کف جور (۴) وات پت جور (۵) وات کف جور (۶) پت کف جور۔ گویا دو دوشوں کی خرابی سے ہونے والے بخار جیسے طب یونانی میں دو اخلاط کی خرابی سے مرکب بخار ہوتے ہیں۔ (۷) سنپات۔ تینوں دوشوں کی خرابی سے پیدا ہونے والے بخار۔ (۸) آگنتک (حادثاتی)۔

بخاروں کے متعلق کہا گیا ہے کہ دیہ، من اور اندریوں کے تپائے مان ہونے سے سب روگوں کا درجہ اعلیٰ جور پیدا ہوتا ہے۔ یہ بخاروں کی بہت اچھی تقسیم ہے، دیکھ کر حیرت ہوتی ہے، کئی ہزار سال قبل اس قدر اصولی تقسیم کر دی گئی ہے کہ اگر ان کو مدنظر رکھ کر علاج کیا جائے تو کبھی بھی معالج ناکام نہ ہو۔ اور فوراً ہر مریض صحت یاب ہو جائے۔ افسوس فرنگی نے اپنے اثر سے آیورویدک طریق علاج کو جو نہ صرف اصولی و قانونی ہے بلکہ مذہبی اور الہامی بھی ہے کو غلط، نامکمل اور غیر علمی اور ان سائنٹفک کہہ دیا ہے۔ اس سے بھی زیادہ افسوس بھارت کی حکومت اور وہاں کے وید صاحبان پر ہے کہ وہ فرنگی طب کو، آیورویدک سے افضل اور مفید خیال کرتے ہیں، اور جو وقت اور دولت فرنگی طب پر خرچ رہے ہیں۔ اس کا عشر عشیر بھی آیورویدک پر صرف نہیں ہو رہی ہے۔

صرف اسی تقسیم پر بس نہیں کی گئی بلکہ ہر دوش کے اقسام اور مقام کے لحاظ سے بھی مزید تقسیم کی گئی ہے۔ تاکہ چھوٹی چھوٹی باتوں کا بھی خیال رکھا جائے۔ شاید کہیں علاج میں غلطی نہ ہو جائے۔ چونکہ دوش پانچ پانچ اقسام کے ہوتے ہیں۔ اس لئے ہر دوش کی پھر پانچ صورتیں سامنے آ جاتی ہیں۔ مثلاً پران وایو دل میں، پاچک پت آپ کو آشیہ (چھوٹی آنتوں میں) اور کلیدن کف معدہ میں وغیرہ وغیرہ کل پندرہ مفرد اور پندرہ مرکب مقام گنوائے گئے ہیں۔

اسی طرح سنپات جور کو پہلے تیرہ اقسام میں تقسیم کیا گیا ہے اور پھر چار چار صورتوں کو سامنے رکھ کر باون اقسام سامنے آ جاتی ہیں۔ اس

کے بعد کے اگنک بوم کو بھی تیرہ اقسام میں تقسیم کیا گیا ہے۔ کم جور نائنہ کے بخار کے پانچ اقسام بیان کئے گئے ہیں۔ ان کے علاوہ چند اور متفرق اقسام بھی بیان کی گئی ہیں، طوالت کے لئے نام نہیں لکھے گئے۔ اگر تفصیل سے ان کا مطالعہ کیا جائے تو بخاروں کے متعلق معلومات کا ایک زبردست خزانہ ہاتھ آ جاتا ہے۔ ان بخاروں کی تفصیل میں ایسے اسرار و رموز کا علم ہوتا ہے کہ فرنگی طب صدیوں تک ان حقائق کو حاصل نہیں کر سکتی۔

اعتراض

بعض قسم کے ایسے کم علم وید صاحبان نے جو ایک طرف آیورویدک سے پورے طور پر واقف نہیں ہیں اور دوسری طرف فرنگی طب کو حکومت کی داشتہ اور گوری چٹی دیکھ کر اس پر عاشق ہو گئے۔ وہ ایک طرف ہر گھڑی اس کی تعریف کرتے رہتے ہیں اور خود کو فرنگی ڈاکٹر ظاہر کرنے کی کوشش کرتے ہیں تو دوسری طرف آیورویدک پر بے معنی ولایعنی اور غلط قسم کے اعتراض کرتے ہیں۔ ان کا ایک اعتراض یہ بھی ہے کہ آیورویدک میں بخاروں کی اس قدر اقسام ہیں کہ ان کا شمار نہیں کیا جا سکتا بھلا ان کی تشخیص کیسے کی جا سکتی ہے۔ ان کی گنتی کے مطابق بخاروں کی 109 اقسام ہیں۔ لیکن ان کو ایک دوسرے سے ضرب دی جائے تو ہزاروں اقسام بن جاتی ہیں۔ اور اگر مرکب بخاروں کو شمار کیا جائے اور پھر ان کو آپس میں ضرب دے کر پھر مفرد بخاروں سے ضرب دی جائے تو ان کا شمار مشکل ہے۔

جواب

کم عقل لوگ اپنی سہولت کی خاطر اس اعتراض کو سن کر بے حد خوش ہوں گے لیکن حقیقت ہے کہ وہ بھی اسی طرح بے خبر ہیں جس طرح اعتراض کرنے والے آیورویدک سے ناواقف ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ کل بخار آیورویدک میں آٹھ ہیں جن میں تین وات، پت، کف، دوشوں کے کوپ (خراب) ہونے سے پیدا ہوتے ہیں اور تین ان کے مرکب، وات پت، وات کف، اور پت کف کے کوپ سے ظاہر ہوتے ہیں اور ایک ''سنپات'' بخار ہے جو ان تینوں دوشوں کے بیک وقت کوپ ہونے سے پیدا ہوتا ہے۔ آخری اور آٹھواں بخار اگنتک ہے۔ حادثاتی قسم کا بخار ہے اور بس کوئی بخار نہیں ہے۔ البتہ ان بخاروں میں کمی بیشی دوشوں کے فساد کی مختلف صورتیں اور مختلف مقامات کی خرابی سے نئی نئی صورتیں پیدا ہوتی ہیں۔ ان کو سمجھایا گیا ہے تا کہ کسی بخار کے سمجھنے میں کمی نہ رہ جائے۔ مثلاً سنپات بخار صرف ایک ہی قسم کا ہے۔ اس میں کبھی کف کی زیادتی ہوگی کبھی وات اور کبھی پت کا اثر زیادہ ہوگا پھر ہر دوش کے پانچ پانچ اقسام ہیں۔ اور پھر ہر ایک کے جسم میں مختلف مقام ہیں۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ سنپات کے اس قدر اقسام بن گئے ہیں بلکہ اس کا صحیح مقصد یہ ہے کہ جب اس امر کا علم ہو جائے کہ بخار سنپات ہے تو پھر یہ تسلی کر لینی چاہئے کہ کون سا دوش زیادہ ہے اس کی کیا قسم ہے اور وہ کس مقام پر خراب ہوا ہے۔ گویا علاج سے پہلے پوری تسلی کر لینی چاہئے کہ بخار کی کیا صورت ہے۔ یہ تشخیص کی سہولتیں ہیں، ان کو اقسام نہیں کہا جا سکتا۔ اس تشریح سے ثابت ہوتا ہے کہ سنپات باون اقسام کا نہیں ہے بلکہ صرف ایک ہی قسم ہے، بلکہ آیورویدک کی تشخیص میں اور صورتیں بھی بیان کی گئی ہیں۔ مثلاً اس امر کو دیکھا جانا بھی ضروری ہے کہ بخار کی ابتداء جسم سے ہوئی ہے یا علاج سے ظاہر ہوئی ہے۔ ابتداء گرمی سے ہوئی یا سردی سے۔ طبعی اور غیر طبعی فرق اور اسی طرح پہلے یہ بھی جان لینا ضروری ہے کہ یہ بخار قابل علاج ہے یا نہیں۔

اتنی باریکی سمجھ لینے کے بعد بخار کا علاج مشکل نہیں رہتا۔ مگر جو لوگ صرف بخار کے نام کا علاج کرتے ہیں ان کو سمجھنے اور تشخیص کرنے کی زحمت گوارا نہیں کرتے۔ ایسے لوگ مجرباتی معالج ہیں۔ ان کو وید کہنا گناہ ہے بلکہ وہ عطار کہلانے کے قابل بھی نہیں ہیں۔ وہ صرف فرنگی ڈاکٹر کی طرح ہر بخار میں فیور مکسچر اور اسپرین دے کر بخار اتارنے کے طریق سے واقف ہیں۔ بخار کی اصلیت اور علاج کی اہمیت سے وہ بالکل بے علم ہیں۔

آیورویدک میں کسی مرض کا علاج کرنے سے قبل ضروری ہے کہ مرض کی حقیقت کو سمجھنے اور اس کی تین صورتوں میں سے ایک ہوسکتی ہے۔

① دوشوں میں کمی بیشی ہوگی، لیکن وہ اپنی حالت میں درست اور اپنے مقام پر ہوں گے۔

② دوشوں میں خرابی ہوگی، اس میں کمی بیشی اور مقام کی تبدیلی ضروری نہیں ہے۔

③ دوش اپنے مقام پر نہیں ہوں گے۔ ان میں اوّل دو صورتیں ضروری نہیں ہیں۔

مرض کی تشخیص وہی وید کرسکتا ہے جو دوش کی حقیقت اور ان کی تبدیلی کے مقام سے واقف ہوگا۔ مجھے بڑے بڑے ویدوں سے ملنے کا اتفاق ہوا ہے جن میں اکثر پروفیسر اور مصنف تھے۔ جب ان سے مقام کی تبدیلی کا ذکر آیا تو کانوں کو ہاتھ لگانے لگے۔ کہنے لگے یہ تو کوئی اور چرک یا ششرت آکر بیان کرے گا۔ پھر میں نے کہا کہ میں چرک اور ششرت نہیں ہوں۔ بلکہ ایک دیسی معالج ہوں۔ آپ مجھ سے جس مرض میں یا جس دوا کے استعمال سے دوشوں کے مقام کی تبدیلی کے متعلق چاہئے پوچھ سکتے ہیں۔ انہوں نے سوال کئے اور میں نے تسلی بخش جواب دیئے۔ میرا اس بیان سے مقصد بڑائی نہیں ہے بلکہ یہ کہنا ہے کہ جب سے آیورویدک کے اصولوں اور قوانین کو علاج میں برتنا چھوڑ دیا ہے، طریق علاج ختم ہوتا جارہا ہے۔ اور مجرباتی معالج وید کہلانے شروع ہوگئے ہیں۔

جہاں تک آیورویدک کے بخاروں میں لاکھوں اقسام ہونے کی وجہ سے اعتراض ہے۔ اوّل تو یہ اعتراض اس کی بڑائی ہے کہ اگر اعتراض ہی خیال کرنا ہے تو فرنگی طب میں بخاروں کی لاکھوں سے بھی زیادہ اقسام ہیں۔ صرف ملیریا کے اقسام نہیں گنوائے جاسکتے۔ جو معالج بھی فرنگی بخاروں سے واقف ہیں ان کو علم ہے کہ ملیریا کی کئی اقسام، کئی قسم کے جراثیم سے پیدا ہوتے ہیں۔ ان کو اگر ضرب در ضرب لکھا جائے تو سینکڑوں نہیں ہزاروں اقسام بن جاتی ہیں۔ باقی اگر تمام بخاروں کے مرکب بنائے گئے تو لاکھوں تک نوبت پہنچ جائے گی۔ فرنگی طب کے بخاروں میں ہم ان شاء اللہ تعالیٰ اس کی تمام اقسام گنوائیں گے۔ لیکن یہ سب کچھ الزامی جواب ہے۔ اس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ نہ اس طرح کی الجھن آیورویدک کے بخاروں کی تشخیص میں ہے اور نہ ہی بخاروں کے اقسام کی الجھن فرنگی طب میں پائی جاتی ہے۔ یہ مغالطہ پیدا کرنے کی صورت ہے۔

آیورویدک کا کمال یہ ہے کہ ان بخاروں کو اس قدر مکمل انداز میں بیان کیا گیا ہے کہ ایک معالج کہیں بھی تشنہ کام نہیں رہتا۔ لطف کی بات یہ ہے کہ بخار سے قبل کی علامات لکھشن بھی اس انداز سے بیان کی گئی ہے کہ آج بھی ہم ان میں اضافہ نہیں کرسکتے۔

جور پوروپ روپ (قبل از بخار علامات)

منہ کا بے ذائقہ پن، گرانی جسم، کھانے کی خواہش نہ ہونا، آنکھوں میں سرخی اور ایک نیند کا زیادہ ہونا، بے چینی ہونا، جمائیاں آنا، اداسی، لرزہ، تکان، چکر آنا پرلاپ، رونگٹے کھڑے ہونا، دانتوں کا ترش سا ہونا، آواز گائن، وات اور پت کا کبھی اچھا برا لگنا، اروچی او باک، کمزوری، اعضاء شکنی، گرانی، اعضاء، الب پرانتا، دیرگھ سوترتا، السیہ چستی کے کاموں میں اچھا نہ ہوتا۔ اچھے کاموں کے خلاف خواہش ہونا۔ بزرگوں کے کلام میں اعتقاد نہ رہنا، بچوں سے نفرت، دھرم سے لاپرواہی، پھولا مالا، چندلیپ اور بھوجن سے تکلیف محسوس ہونا، میٹھی چیزوں کی خواہش نہ ہونا، کھٹے چرا پرے پدار تھیون کا اچھا لگنا وغیرہ وغیرہ۔ کم و بیش مختلف بخاروں کی مناسبت سے یہ علامات پائی جاتی ہیں۔ البتہ سنپات کی علامات نہایت شدید ہوتی ہیں۔

جہاں تک ان آٹھ اقسام کے بخاروں کی مفرد و مرکب اور مرکب در مرکب اسباب و علامات اور علاج کا تعلق ہے ان کا ذکر آیورویدک کی کتاب میں تفصیل سے درج ہے اس کو دہرانا طوالت کا باعث ہوگا۔ البتہ راج یکھشما (دق وسل) کے متعلق آیورویدک معلومات پیش کیے دیتے

ہیں تاکہ معالج ان کی مفید معلومات سے بھی مستفید ہوسکیں۔ اگرچہ اس کے متعلق ہم نے اپنی کتاب ''تحقیقات دق وسل (ٹی بی)'' میں ضرورت کے مطابق لکھ دیا ہے، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ تفصیل کے ساتھ لکھا جائے۔ اس کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ مزید تحقیقات کرنے والوں کے لئے ہر ممکن سہولتیں پیدا کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں۔

آیورویدک میں دق وسل کی ماہیت

عام بخاروں کے متعلق لکھ چکے ہیں کہ ''جور'' مہادیو کے لاٹ ''غصہ'' سے پیدا ہوا۔ اور اس کے سنتاپ گرمی سے رکت پت اور دکھش کی کنیاؤں کے ساتھ گمن ''مواصلت'' کرنے سے راج نکھشتر چندر مان کو راج یکھشما ہوا۔ جس کی تفصیل سے متعلق چندر مان کی ایک شہوانی خیالات سے بھری ہوئی ایک پورانک کہانی رشیوں کو دیوتاؤں نے سنائی تھی جسے ہم یہاں پر غور وفکر کے لئے بیان کرتے ہیں۔

کہتے ہیں چندر مان روہنی پر عاشق تھا، اس لئے اس نے اپنے جسم کی بھی پرواہ نہیں کی جس سے اس کے جسم کی چکناہٹ (کھشے) بالکل زائل ہوگئی اور اس کا جسم لاغر ہوگیا۔ چونکہ چندر مان کی روہنی سے خاص محبت تھی، اس لئے دکھش پرجاپتی کی باقی لڑکیوں کو جو چندر مان سے بیاہی ہوئی تھیں چندر مان کی ہم بستری کے لطف سے محروم رہنا پڑتا تھا۔ یہ سن کر دکھش کے منہ سے سانس کے ذریعے غصہ مجسم ہوکر ظاہر ہوا۔ دکھش پرجاپتی کی 38 لڑکیاں چندر مان سے بیاہی ہوئی تھیں۔ لیکن چندر مان کا برتاؤ سب کے ساتھ ایک جیسا نہ تھا۔ وہ روہنی کے سوا کسی کے پاس نہ جاتا تھا۔ رجوگن سے اندھا ہوکر چندر مان اپنی استریوں سے مساوات کا برتاؤ نہ کرتا تھا۔ اس لئے دکھش کی بددعا سے راج یکھشما نے اس میں دخل جمالیا۔ آخر کار وہ اس مرض سے سخت عاجز ہوگیا۔ اس کے چہرے کا تمام نور جاتا رہا۔ یہ دیکھ کر وہ دیوتاؤں اور دیورشیوں کو ساتھ لے کر اپنے خسر کی خدمت میں حاضر ہوا اور معافی طلب کی۔ دکھش نے جب دیکھا کہ اس کی عقل ٹھکانے آگئی ہے تو اس کو خوشی ہوئی اور اس نے اپنے شاگرد ''آشوکی کمار'' کو حکم دیا کہ چندر مان کا علاج کیا جائے۔ چنانچہ اشوکی کمار کے علاج سے چندر مان کو راج یکھشما سے نجات مل گئی۔ اور پہلے کی نسبت بہت خوبصورت نکل آیا۔ اشوکی کمار کی بدولت تیج (حرارت) کے بڑھ جانے سے اس سے نہایت شدہ ستو حاصل ہوا۔

راج یکھشما کو صرف یکھشما، کرودھ، جور اور دکھ بھی کہتے ہیں، چونکہ یہ روگ اوّل اوّل چندر مان کو ہی ہوا تھا اس لئے اس کو راج یکھشما بھی کہتے ہیں۔ کیونکہ چندر مان کا دوسرا نام راجہ ہے۔ آشوکی کمار کے پھٹکارنے کی وجہ سے یہ روگ سورگ لوک کو ترک کرکے منش لوک میں آگیا۔

چند سمبل کی تشریح

ظاہر میں یہ کہانی بے معنی اور عجیب معلوم ہوتی ہے اور اس کا دق وسل سے کوئی تعلق معلوم نہیں ہوتا۔ زیادہ سے زیادہ ایک اعتقادی کہانی ہے جس میں مذہبی تقدس کے تحت یکھشما کی پیدائش کو تسلیم کرلیا جائے۔ لیکن ہم پہلے لکھ چکے ہیں۔ سمبل (اشارات) کا پڑھنا بھی ایک خاص قسم کا علم ہے جس سے عجیب وغریب اسرار ورموز اور علم وحکمت کا پتہ چلتا ہے۔ یہ علم بالکل اسی قسم کا علم ہے جیسے خواب کی تعبیر دینا ہے۔ ظاہر ہے یہ علم بہت مشکل ہے۔ اس میں غلطی کا امکان ہے۔ بہرحال اپنی طاقت کے مطابق ہر شخص تعبیر کرتا ہے۔ البتہ تعبیر خواب اور تشریح سمبل میں عقل سے زیادہ علم کی ضرورت ہوتی ہے۔

اس کہانی میں کئی سمبل (اشارات) بیان کئے گئے ہیں، لیکن ہم چند ایک کا ذکر کرتے ہیں۔ مثلاً (۱) راج چندر مان (۲) عشق ومحبت (۳) مواصلت کی کثرت (۴) جسم کا نور (۵) تیج کی کمی۔ جن کی مختصر تشریح یہ ہے کہ چندر مان کا اشارہ رطوبات کی زیادتی کی طرف ہے۔ اس

لئے ایسے لوگ جن میں رطوبات زیادہ پائی جاتی ہیں وہ اس مرض میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ یہ رطوبات نزلہ، زکام، اور بلغم کی زیادتی کی طرف اشارہ ہے۔ عشق و محبت کا اشارہ کسی خاص قسم کی لگن کے ساتھ ہے جس سے زندگی کے باقی کام رہ جاتے ہیں، ایک مسلسل لگن ایک ہی مرض میں مبتلا کر دیتی ہے۔ مواصلت کی کثرت اخراج مواد اصلیہ ہے جس کا لازمی نتیجہ اس مرض میں گرفتار ہونا ہے۔ نور سے مراد عقل ہے، جس کا تعلق اعصاب سے ہے، نور کے ختم ہونے سے مراد اعصاب کا کمزور ہو جانا ہے۔ تیج آگ کو کہتے ہیں اور اس کی کمی سے ہی دق وسل کی ابتداء ہوتی ہے۔

ان حقائق سے ثابت ہوتا ہے کہ قدیم وید صاحبان دق وسل کی حقیقت اور اس کی ابتداء سے پورے طور پر واقف تھے۔ اور اس کے علاج پر بھی پورے طور پر حاوی تھے۔ لیکن آج کل کے وید اپنے مذہبی وطبی اور قومی وملکی علم کو بھلا کر فرنگی طب کی طرف جھپٹ پڑے ہیں، جو دق وسل کے حقائق سے قطعاً واقف نہیں ہے۔ بلکہ مچھر و مکھی اور جراثیم و کیڑوں کے پیچھے لگ گئے ہیں۔ یاد رکھیں! عرصہ تین چار سو سال سے جدید سائنس دُنیا کے سامنے اپنے ماڈرن علاج پیش کر رہی ہے، اس کے مقابلے میں آیورویدک میں ہزاروں سال سے صحیح اور مکمل علم و حکمت چلی آ رہی ہے۔ جو آج بھی بالکل اسی طرح صحیح حقائق اور مکمل تجربات پیش کر رہی ہے۔ اس لئے وید صاحبان کو ذرا پیچھے لوٹ کر دیکھ لینا چاہئے۔

آیورویدک میں دق وسل کے اسباب

اس کے بڑے چار اسباب بیان کئے جاتے ہیں: (۱) طاقت سے بڑھ کر کسی کام کا شروع کرنا۔ (۲) حوائج ضروریہ کا روکنا یا رکنا (۳) کھٹے (چکناہٹ) کا زائل ہو جانا۔ (۴) وشاش کھانے پینے میں بے ترتیبی جن کی تفصیل درج ذیل ہے۔

طاقت سے بڑھ کر زور لگانا

طاقت سے بڑھ کر زور سے کسی کام کا شروع کرنا۔ اس کی آیورویدک میں ''استھابل ارنبھ'' کہتے ہیں۔ مثلاً طاقت سے بڑھ کر لڑنا، پڑھنا، لکھنا، بوجھ اٹھانا، سفر کرنا، پھلانگنا، چھلانگ مارنا، گرنا، چوٹ کھانا، یا دیگر حوصلہ طلب کاموں میں مشغول ہونا وغیرہ۔ طاقت سے بڑھ کر کام کرنے سے چھاتی کا گوشت پھٹ کر زخم ہو جاتا ہے۔ اور وایو بگڑ کر کف و پت دونوں کو نیتری میں لاکر زبردست بن جاتی ہے۔ (سوزش) چھاتی میں قیام پذیر ہو کر درد دِل پیدا کر دیتی ہے۔ جب دِل میں زخم ہو جاتا ہے تو کھانستے وقت کف کے ساتھ خون بھی آ جاتا ہے۔ جب چھاتی زخمی ہو جائے تو کھانستے وقت دِل میں بھی درد ہو جاتا ہے۔ چونکہ یہ روگ ساہس (طاقت سے بڑھ کر حوصلہ) کرنے سے پیدا ہوتا ہے، اس لئے عقل مند آدمی کو ان کاموں سے دور رہنا چاہئے جن میں ساہس سے کام لینا پڑتا ہے۔ کیونکہ اس سے کھانسی اور بخار شروع ہو جاتا ہے۔

حوائج ضروریہ کا روکنا اور رکنا

جب انسان حیاء، شرم اور خوف یا غصہ سے باد مخالف و پاخانہ اور پیشاب و حوائج ضروریہ کو روک لیتا ہے یا اور چند اسباب سے رُک جاتے ہیں تو وایو بگڑ کر کف و پت دونوں کو نیتری میں لاکر (سوزش پیدا کر دیتی ہے) کئی قسم کی خرابیاں پیدا کر دیتی ہے۔ جیسے زکام، کھانسی، سور بھید (آواز کا بیٹھ جانا)، اروچی (بھوک بند ہو جانا)، درد پسلی، شراستول (درد سر)، بخار، کندھوں کا درد، اعضاء شکنی، بار بار قے اور مل بھید۔ یہ گیارہ عوارض ضروریہ کے روکنے سے پیدا ہوتے ہیں۔ انہی ترودشج عوارض کی وجہ سے ''یکھشما روگ'' پیدا ہو جاتا ہے۔

چکناہٹ کا زائل ہو جانا

اس کو آیورویدک میں ''کھشے'' کہتے ہیں غصہ، افسوس، خواہش کی زیادتی اور حسد کے غلبہ کی وجہ سے انسان بہت دُبلا ہو جاتا ہے۔ نیز جماع یا فاقہ کشی سے دیرج (منی) اور ارج زائل ہو کر چکناہٹ دور ہو جاتی ہے اور وایو بگڑ کر دوشوں کو ابھارتا ہے جس سے زکام، بخار، کھانسی، اعضاء شکنی، دردسر، دمہ، بل بھید، وجی، دردپسلی، آواز بیٹھ جانا، کندھوں کی جلن، یہ گیارہ عوارض پیدا کر دیتی ہے اور آخر کار دھاتوؤں کے زائل کرنے والے راج یکھشما مہاروگ پیدا ہو جاتا ہے اور یہ بہت جلد مریض کو ہلاک کر دیتا ہے۔

کھانے پینے میں بے ترتیبی

اس کو آیورویدک میں دوشماشن کہتے ہیں، جب مختلف قسم کی اغذیہ اور اشربہ کو بے ترتیبی سے استعمال کیا جاتا ہے تو بے ترتیب دوش پیدا ہوتے ہیں، جو مہلک امراض پیدا کر دیتے ہیں۔ نیز اپنی بے ترتیبی کی وجہ سے خون وغیرہ دھاتوں کے سوراخوں کو روک کر انہیں طاقت نہیں پہنچنے دیتا۔ وشماشن سے پیدا ہونے والے امراض مندرجہ ذیل ہیں: زکام، رال گرنا، کھانسی، قے، کھانے سے بے رغبتی، بخار، کندھوں کی جلن، خون کی قے ہونا، دردپسلی، دردسر، آواز کا بیٹھ جانا۔ یہی عوارض تر ددشٖ یکھشما میں بالترتیب پیدا ہوتے ہیں۔

- آیورویدک میں اسباب تپ دق وسل پر ایسی مفصل بحث کی گئی ہے کہ اگر ان اسباب کو مدنظر رکھا جائے اور ان کے مطابق علاج کیا جائے اور ادویات دی جائیں تو یقینی امر ہے کہ اس کو شرطیہ آرام ہو سکتا ہے۔ اس طریقہ علاج میں نہ صرف اسباب امراض کو عمدگی سے بیان کیا گیا ہے، بلکہ علامات قبل ازمرض کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔ تا کہ ان کی موجودگی میں بہت جلد اس مرض کے چنگل سے چھٹکارا حاصل کر لیا جائے۔

پورب روپ علامات قبل ازمرض

اس مرض میں سب سے پہلے زکام ہوتا ہے، اس کے بعد بہ ترتیب، دُبلا پن، بے نقص باتوں میں نقص دکھائی دینا، جسم کا خوفناک ہونا، کراہت سا ہو جانا، غذا کھاتے رہنے کے باوجود طاقت اور گوشت کا کم ہوتے جانا، عورتوں کا اچھا لگنا، شراب اور گوشت کی خواہش ہونا، خلوت گزینی پر مائل ہونا، کھانے پینے کی چیزوں میں مکھی، گھن، بال اور تنکوں کا بالعموم گرنا، بالوں اور ناخنوں کا بہت بڑھ جانا، خواب میں پرندوں پتنگوں وغیرہ سے ڈر جانا، خواب میں بالوں، ہڈیوں اور راکھ کے ڈھیر پر جھپٹنا، نیز سوکھے ہوئے کنوؤں، کم ہوتے ہوئے پہاڑوں، جنگلوں اور ٹوٹے ہوئے تاروں کو دیکھنا راج یکھشما کے پورب روپ ہوتے ہیں۔

تپ دق اور سل کی ابتداء

اپنی اپنی حرارت سے جیسے جسم کے تمام دھاتو (رطوبات) پکتے ہیں۔ ویسے ہی اپنے اپنے سروتوں (سوراخوں) میں پہنچ جاتے ہیں، پھر خون دھاتوں کے ذریعے قوت حاصل کرتے ہیں، اس لئے سروتوں کے رُک جانے سے دھاتوں کے کم ہو جانے اور دھاتو کی حرارت کے زائل ہو جانے سے راج یکھشما کی پیدائش ہوتی ہے۔ جب حرارت کم ہو جاتی ہے تو شکم میں پڑے ہوئے تقریباً تمام کھانے کو طبیعت ہضم نہیں کر سکتی اور وہ تمام کا تمام کھانا پاخانہ (خمیر) بن جاتا ہے اور اس کا نہایت قلیل حصہ ارج میں شامل ہوتا ہے اس لئے راج یکھشما کے مریض کے پاخانے کا خصوصیت سے خیال رکھنا چاہئے۔ کیونکہ تمام دھاتو کے کم ہونے سے مریض نہایت کمزور ہو جاتا ہے اور صرف پاخانے ہی کی نگرانی سے اس کی طاقت قائم رہ سکتی ہے۔ اس لئے جہاں تک ممکن ہو، ایسی تدابیر عمل میں لاتے ہیں کہ پاخانے کا خمیر کم بنے اور خون زیادہ پیدا ہوتا رہے۔

جہاں تک آیورویدک کے علاج کا تعلق ہے، علامات کے مطابق نہایت کامیاب علاج وادویات اور اغذیہ تجویز کی گئی ہیں، ضرورت مند

اچھی طرح مستفید ہو سکتے ہیں۔

ہماری تحقیقات کا مقصد

آیورویدک بخاروں کے متعلق یہ نہیں ہے کہ اس میں بخاروں اور خاص طور پر تپ دق وسل میں اس کی معلومات غلط ہیں یا اس کا علاج اور ادویات مفید نہیں۔ بلکہ ہمارا سب سے بڑا مقصد یہ ہے کہ آج کل اکثر ویدوں میں ایسے ہیں جو آیورویدک سے پورے طور پر واقف نہیں ہیں جو تھوڑے سے معالج واقف بھی ہیں وہ دوشوں کے تحت علاج نہیں کرتے اور اکثر مجربات سے علاج کرتے ہیں۔ جن میں فرنگی ادویات کی اکثریت ہوتی ہے جن کے دوشوں اور پرکرتی سے وہ بالکل واقف نہیں ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہ بخاروں اور خاص طور پر تپ دق اور سل کے علاج میں بالکل ناکام ہیں۔

چونکہ اکثریت ویدوں کی ایسی ہے جو دوشوں کے ذریعے علاج نہیں کر سکتی، اس کی وجہ سے کہ وہ دوشوں کے افعال اور اثرات سے پورے طور پر واقف نہیں رہے اور مجربات تلاش کرتے ہیں، اس لئے ہم نے نظریہ مفرد اعضاء کے تحت دوشوں کی تقسیم کر کے ان کے افعال و اثرات بیان کر دیئے ہیں۔ پھر مفرد اعضاء کے تحت بخاروں کی تقسیم کر دی ہے، تاکہ دوشوں کو سمجھنے کے بعد علاج بھی آسان ہو جائے۔

طب یونانی میں بخار کی اہمیت

طب یونانی سے مراد ہماری ہمیشہ اسلامی دور کی طب یونانی رہی ہے، کیونکہ اس دور میں طب یونانی اپنے انتہائی دور پر بھی تھی، اس میں طب یونانی میں کئی سوگنا اضافات ہوئے ہیں، ایسی ایسی نئی معلومات و مشاہدات اور تجربات کا اضافہ کیا گیا ہے جن کا طب یونانی میں اس کا نام و نشان بھی نہیں ہے۔ نیز اس دور میں ایسی ایسی تحقیقات ہوئیں جن کا عشر عشیر بھی فرنگی طب میں نہیں پایا جاتا ہے۔ طب یونانی کو سمجھنے کے لئے ابھی فرنگی طب کو کم از کم ایک صدی کی ضرورت ہے۔

یہ جو کہا جاتا ہے کہ فرنگی طب کی بنیاد طب یونانی پر ہے۔ یہ بالکل غلط ہے۔ یہ دعویٰ بالکل ایسے ہے جیسے کوئی سورج کی روشنی سے انکار کر دے۔ فرنگی طب نے اپنے ابتدائی دور میں ہی طب یونانی کی بنیادوں کو چھوڑ دیا تھا۔ بلکہ تعصب سے ان کی کتب کو آگ لگا دی تھی۔ فرنگی طب کی ترقی صرف فرنگی ترقی اور یورپ و امریکہ کی بڑھتی ہوئی سائنسی ترقی کے ساتھ آگے بڑھی اور شہرت حاصل کی۔ لیکن اس میں جو برائیاں ہیں، ان کی طرف ہمارے سوا کسی نے توجہ نہیں دی ہے۔

طب یونانی میں وہی طریقہ علاج ہے جو آیورویدک کے بعد دُنیا میں قائم ہوا۔ اور علمی و فنی حیثیت سے تمام دُنیا میں پھیلا اور اب تک آیورویدک کی طرح نہ صرف زندہ ہے بلکہ مخلوق خدا کی دُنیا کے باقی تمام طریق علاج سے زیادہ خدمت کر رہا ہے۔ شاید بعض لوگوں کو علم نہ ہو لیکن یہ حقیقت ہے کہ دیگر ممالک یہاں تک کہ یورپ اور امریکہ میں بھی طب یونانی قدیم طریق کے نام سے قائم ہے۔ خاص بات یہ ہے کہ ملک چین میں فرنگی طریق علاج کے ساتھ ساتھ قدیم طریق علاج بھی رائج ہے۔ بلکہ ہر ہسپتال میں دونوں قسم کے معالج اکٹھے مل کر مریض کا علاج کرتے ہیں اور ہر مریض کو اجازت ہوتی ہے کہ وہ جو طریق علاج پسند کرے سرکاری طور پر اس پر کوئی پابندی نہیں ہے۔

لیکن ہماری تحقیقات یہ ہیں کہ فرنگی طب بالکل غلط ہے۔ اس کو فوراً ختم کر دینا چاہیے۔ کیونکہ نہ اس کا طریق علاج صحیح ہے اور نہ اس کی سائنسی تحقیقات درست ہیں۔ اس لئے ہم کو پھر مزید تحقیقات کے لئے پھر اپنی بنیاد آیورویدک اور اسلامی دور کی طب کو بنانا ہوگا۔ چونکہ فرنگی طب کے زیر اثر اکثریت ایسے لوگوں کی ہے جو اصل اور صحیح قسم کے آیورویدک اور اسلامی دور کی طب کو کھو بیٹھے ہیں۔ اس لئے ہم نے ایک نیا ''نظریہ

مفرد اعضاء' پیش کیا ہے جس کے تحت ہم آیورویدک اور طب یونانی بلکہ ہومیو پیتھی کی حقیقت وسچائی اور اصول وطریق علاج ذہن نشین کراتے ہیں۔ تاکہ پھر یہ طریق علاج نہ صرف اپنے اصل کمالات کے ساتھ زندہ ہو جائیں، بلکہ ان کی بنیادوں پر علم وفن طب میں مزید ترقی اور ارتقاء کی صورت قائم کر دی جائے۔ ذیل میں اسی طب یونانی میں بخار کی جو حقیقت ہے، اس پر حقیقت نما روشنی ڈالتے ہیں۔ اپنے بیان میں ہم یہ کوشش ضرور کرتے ہیں کہ طب کا صرف وہی حصہ پیش کریں جو خالص اسلامی دور کی طب ہے۔ اس میں فرنگی کا اثر دخل نہ ہو۔ یہی کوشش ہم نے آیورویدک میں بھی کی ہے۔

طب میں بخار کی تعریف

اس کو عربی میں حمی اور فارسی میں تپ کہتے ہیں۔ یہ ایک عارضی اور غیر معمولی گرمی ہے جس کو حرارت غریبہ بھی کہتے ہیں۔ جو خون کے ذریعہ قلب سے تمام بدن میں پھیل جاتی ہے۔ جس سے بدن کے افعال میں کھلے طور پر نقصان پہنچتا ہے۔ غصہ اور تکان کی معمولی گرمی بخار کی حدود سے باہر ہے۔ کیونکہ اس سے کوئی غیر معمولی تبدیلی بدنی افعال میں لاحق نہیں ہوتی۔ البتہ اگر ان کے اسباب واثرات چند روز تک قائم رہیں، تو وہ بھی مستقل بخاروں میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔

طب میں بخار کی اقسام

بخار کی تین بڑی اقسام ہیں: (۱) حمی یوم (۲) حمی دق (۳) حمی عفن۔ پھر ان کے تحت ان کی چھوٹی اقسام ہیں۔

حمی یوم اور اس کے اقسام

حمی یوم وہ بخار ہے جس کی حرارت روح سے پھیلتی ہے۔ یعنی اس بخار کا تعلق اصل میں بدن کی بجائے روح سے ہوتا ہے۔ چونکہ اس قسم کے بخار میں اگر سبب قوی نہ ہو تو اکثر ایک یوم ہی رہتا ہے۔ اس لئے بخار کا نام حمی یوم یعنی یک روزہ بخار رکھا گیا ہے۔ چونکہ روح انسانی کی تین اقسام ہیں، اس لئے بخار کا نام روح حیوانی، طبعی یا نفسانی کوئی بھی ہو، عارضی حرارت سے گرم ہو جاتی ہے۔ پھر یہ حرارت قلب تک پہنچتی ہے اور قلب میں بھڑک کر شریانوں کے ذریعے تمام جسم کے اعضاء اور اخلاط میں سرایت کر جاتی ہے یہ گرم ہو جاتے ہیں جیسے تمام گرم ہو جاتا ہے۔ اس قسم کے بخاروں کی پیدائش بیرونی اسباب سے ہوتی ہے خواہ وہ اسباب بدنی ہو یا نفسانی یعنی خواہ وہ اس قسم کے ہوں کہ ابتداً ان کا تعلق بدن کے ساتھ ہو۔ جیسے سخت گرمی، سخت سردی، گرم غذاؤں اور دواؤں کا کھانا، شدید ریاضت اور بدن کو درد وغیرہ اور حرارت خواہ یہ ...ی اسباب اس کے اس قسم کے ہوں کہ ابتداً ان کا تعلق روح کے ساتھ ہو۔ مثلاً غصہ اور غم وغیرہ ان بخاروں میں نہ زیادہ خطرہ ہوتا ہے اور نہ زیادہ برے ہوتے ہیں۔ کیونکہ روح جس کے ساتھ عارضی حرارت کا تعلق ہوتا ہے اپنی لطافت کی اکثریت کی وجہ سے عارضی حرارت جلد قبول بھی کر لیتی ہے اور جلد اس کو چھوڑ بھی دیتی ہے۔ اکثر ایک روز میں تحلیل ہو جاتی ہے اور کم ایسا ہوتا ہے کہ تین روز سے زیادہ وہ ٹھہرے۔ چونکہ روح نہایت تر ہوتی ہے اس لئے اس میں حرارت شدت نہیں پکڑتی ہے۔ یہ دوسرے بخاروں مثلاً دق یا عفونت کے بخاروں کی طرف منتقل ہو جاتے ہیں، بشرطیکہ ان کی تدبیر میں کوئی غلطی واقع ہو جائے یا سبب قوی اور مستقل ہو جائے۔ اس بخار کی اقسام درج ذیل ہیں: (۱) غم کا بخار (۲) خوف اور فکر کا بخار (۳) غصے کا بخار (۴) خوشی کا بخار (۵) بیداری کا بخار (۶) تکان کا بخار (۷) اسہال کا بخار (۸) درد کا بخار (۹) غشی کا بخار (۱۰) بھوک اور پیاس کا بخار (۱۱) سدے کا بخار (۱۲) بدہضمی (۱۳) ورم کا بخار (۱۴) دھوپ کا بخار (۱۵) مسامات کے بند ہو جانے کا بخار (۱۶) شراب، گرم غذا، گرم دوا کا بخار (۱۷) ترجام کا بخار (۱۸) غذا کا بخار وغیرہ۔

حمی عفونت اور اس کے اقسام

حمی عفن وہ بخار ہے جس میں پہلے اخلاط متعفن ہوکر گرم ہو جاتے ہیں پھر یہ گرمی خواہ کسی عضو کی ہو روح اور قلب تک پہنچتی ہے۔ پھر یہ گرمی قلب سے تمام اعضاء میں پھیل جاتی ہے۔ جیسے کسی برتن میں گرم پانی ڈالنے سے وہ گرم ہو جاتا ہے چونکہ ان بخاروں میں اخلاط متعفن ہو جاتے ہیں۔ اس لئے ان بخاروں کو خلطی بھی کہتے ہیں۔ اور چونکہ اخلاط مادی ہیں، اس لئے ان بخاروں کو مادی بھی کہتے ہیں۔

اخلاط کے اندر عفونت (فساد) پیدا ہونے کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ پہلے ان ہی اخلاط کی کثرت یا ان کی غلظت یا ان کی لزوجیت لیسدار ہونے کے باعث سدے پیدا ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ جب ہوا کے راستے اور رگوں کی نالیاں بند ہو جاتی ہیں تو سرد ہوا اور ارواح کے نہ پہنچنے کے باعث اور بخارات دخانیہ کے بند ہو جانے کے باعث جو کہ پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ اخلاط متعفن ہو جاتے ہیں۔

عفونت کیا ہے؟

عفونت جس کو سڑاند بھی کہتے ہیں عارضی حرارت کے اس فعل کا نام ہے جو کسی رطوبت میں حرارت سے مخالف تغیر پیدا کر دیتا ہے کہ باوجود اپنی نوعیت پر قائم رہنے کے اپنے اصل مقصود کے کارآمد نہیں رہتی۔ گویا مادہ کے اندر تخمیر اور فساد پیدا ہو جاتا ہے۔ جب اس کا تعلق بدن کی رطوبت سے ہوتا ہے تو سڑنے کے بعد نہ وہ پکتی ہے اور نہ اصلاح پذیر ہوتی ہے اور نہ اس سے بدن میں کوئی نفع پہنچتا ہے۔ کیونکہ یہ سب کام طبعی افعال سے ہیں جو حرارت اصلیہ کی مدد سے پورے ہوتے ہیں اور یہ حرارت آتشی، عارضی اور ان طبعی افعال کے مخالف ہوتی ہے۔ اس لئے اس رطوبت سے گرم اور تیز بخارات اٹھتے ہیں جو اعضاء کے مزاج کے مخالف ہوتے ہیں۔ اس وقت بدن کے اندر سوزش و گرمی اور بھی زیادہ ہو جاتی ہے۔

اس کا سبب یہ ہے کہ عارضی حرارت جب کسی مرکب میں اثر کرتی ہے تو اس کے مرکب اجزاء ناریہ یعنی آتشی اجزاء کو حرکت دے کر الگ کرنا چاہتی ہے۔ پھر یہ اجزاء اس عارضی حرارت کی امداد سے ہوا کے لطیف اجزاء کی جن سے حرکت کے باعث ملاقات ہو جاتی ہے ہوائی طبیعت کی طرف سے نکال کر آتشی طبیعت کی طرف لے آتے ہیں۔ یعنی ہوائی اجزاء کو آگ بنا دیتے ہیں۔ جس سے اجزاء ناریہ مرکب میں زیادہ ہو جاتے ہیں۔ اس کے بعد عارضی حرارت کا اس مرکب پر غلبہ ہو جاتا ہے جس سے اس مرکب کی رطوبات گرم ہو کر اس قدر جوش مارتی ہیں کہ اس کے لطیف اجزاء کثیف اجزاء کو چھوڑ کر الگ ہو جاتے ہیں اور عناصر میں جا ملتے ہیں۔ مرکب اجزاء سے نکل کر لطیف اجزاء کے عناصر میں ملنے کے عمل کو عمل احتراق کہتے ہیں۔

اگر عفونت اور احتراق کے طریق کار پر غور کیا جائے تو بے حد حیرت ہوتی ہے کہ کس طرح سینکڑوں سال قبل حکماء اسلامی نے اس خوبصورتی سے فرمنٹیشن (عمل تخمیر) اور اوکسائیڈیشن (احتراق) کو بیان کیا ہے کہ ماڈرن سائنس بھی اس کو ذہن نشین نہیں کرا سکی۔ خاص طور پر آتشی اثرات سے ہوائی اجزاء اور رطوبت سے ناری اجزاء کو عناصر میں شامل ہونا قابل تعریف طریق پر بیان کیا گیا ہے۔ اگر ماڈرن سائنس میں ہوا کے اندر جو آکسیجن، کاربانک اور ہائیڈروجن کے تغیرات بیان کئے گئے ہیں، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ طب کی نقل اُتاری گئی ہے جو کچھ ہم ماڈرن سائنس کی گیسوں پر لکھ چکے ہیں، اگر ایک بار پھر اس پر غور کر لیں تو طبی تحقیقات کا بے حد لطف آ جائے گا۔

اخلاط کبھی رگوں کے اندر متعفن ہوتے ہیں، کبھی رگوں کے باہر۔ جب رگوں کے اندر متعفن ہوتے ہیں تو اس سے ہر وقت کا رہنے والا بخار یعنی حمی دائمی پیدا ہو جاتا ہے۔ کیونکہ رگوں کے اندر کے مواد رگوں کے طبقات کے دبیز اور ٹھوس ہونے کے باعث تحلیل نہیں ہو سکتے۔ نیز رگوں

کے متصلہ مواد جو عفونت کے لئے آمادہ ہوتے ہیں ان میں بہت جلد عفونت دوڑ جاتی ہے۔علیٰ ہذا یہ مواد جب رگوں کے اندر ہوتا ہے اور کسی وقت نہیں ٹوٹتا لیکن ہر خلط کی جو باری مقرر ہے ان باریوں کے دن میں بخار میں ذرا زیادتی ہو جاتی ہے۔

جب رگوں سے باہر مواد متعفن ہوتے ہیں تو اس سے باری کے بخار پیدا ہوتے ہیں، کیونکہ جو مواد رگوں کے باہر متعفن ہوتے ہیں وہ سارے کے سارے ایک جگہ تو ہوتے نہیں، اس لئے باری کے وقت جب اس کے کسی ایک حصے میں عارض آتی ہے تو وہ اس کی رطوبتوں کو فنا کر دیتی ہے۔اوران رطوبتوں کو پسینہ، بخارات اور دوسری شکلوں میں بدن سے خارج کر دیتی ہے۔کیونکہ یہ مواد رگوں میں تو بند ہوتے نہیں جو دبیز ہیں جن میں خاکی اجزاء باقی رہ جاتے ہیں، جن کے ساتھ نہ بخار قائم رہ سکتا ہے اور نہ ہی عفونت کا مادہ بن سکتا ہے۔اس وقت حرارت کے نہ ہونے سے بھی بخار باطل ہو جاتا ہے۔یہاں تک کہ مادہ کا کوئی دوسرا حصہ دوسری بار عفونت کے مقام پر گرتا ہے اور یہ بھی حرارت کی وجہ سے متعفن ہو جاتا ہے جو پہلی عفونت سے ان کے خاکی اجزاء اور جلے ہوئے مواد کے باعث مقام عفونت میں باقی رہ جاتی ہے یا جس سبب نے پہلے مادے کو متعفن کیا تھا۔اسی سبب کے باقی ماندہ اثرات سے متعفن ہو جاتا ہے، اسی وجہ سے بلغمی بخار کی باری ہر روز آتی ہے کیونکہ بلغم کی مقدار بدن میں زیادہ ہوا کرتی ہے۔اس لئے وہ بآسانی جمع ہو جاتا ہے اور چونکہ اس میں رطوبت زیادہ ہوتی ہے، اس لئے وہ بآسانی متعفن ہوسکتا ہے۔اور سوداوی بخار کی باری چوتھے روز آیا کرتی ہے۔کیونکہ سودا اپنی قلت مقدار کے باعث بمشکل متعفن ہوتا ہے، کیونکہ یہ خشک ہو جاتا ہے اور اگر سوداء سے مقابلہ کیا جائے تو صفراء اس کے لحاظ سے بآسانی اکٹھا ہوتا ہے، کیونکہ صفراء کی مقدار سوداء سے زیادہ ہوتی ہے اور سوداء کے لحاظ سے جلد متعفن بھی ہوتا ہے۔کیونکہ صفراء کا مزاج گرم خشک ہے، اسی وجہ سے صفراوی بخار ایک روز آتا ہے، ایک روز نہیں۔

بخاروں کے دوروں کی وجوہات

بخاروں کے دردوں کی وجوہات مختلف ہونے میں تین باتیں اہم ہیں: (۱) مادوں کا اکٹھا ہونا۔ (۲) ان کا متعفن ہونا۔ (۳) ان کا تحلیل ہونا۔ تفصیل ان کی درج ذیل ہے۔

۱۔ مادوں کا اکٹھا ہونا

مادے کے جلد یا دیر سے اکٹھے ہونے کا دارومدار مادہ کی مقدار پر ہے۔جب مادہ زیادہ ہوتا ہے تو تھوڑی سی دیر میں بآسانی اکٹھا ہو جاتا ہے۔برعکس اس کے جب مادہ تھوڑا ہوتا ہے تو دیر میں جمع ہوتا ہے۔اسی طرح جلد یا دیر اکٹھے ہونے کا دارومدار اس کی کیفیت یعنی رقت وغلظت اور حرارت وبرودت پر بھی ہے۔چنانچہ جب مواد رقیق اور گرم ہوتے ہیں تو بآسانی جمع ہو جاتے ہیں اور برعکس اس کے جب مواد غلیظ اور سرد ہوتے ہیں تو بمشکل جمع ہوتے ہیں، لیکن دونوں باتوں میں سے مادہ کی مقدار کو دخل ہے۔یہی وجہ ہے کہ صفراوی بخار کی مہلت بمقابلہ بلغمی بخار کے زیادہ ہوتی ہے۔حالانکہ صفراء بمقابلہ بلغم کے گرم اور رقیق ہے۔

۲۔ مادہ کا متعفن ہونا

مادہ کے جلد یا دیر سے متعفن ہونے کا دارومدار چار کیفیتوں پر ہے، جب مواد گرم یا تر یا گرمی اور تری سے مرکب ہوتے ہیں تو بآسانی متعفن ہو جاتے ہیں۔اور جب سرد یا خشک یا سردی اور خشکی سے مرکب ہوتے ہیں تو بمشکل متعفن ہوتے ہیں۔

۳۔ مادہ کا تحلیل ہونا

مادہ کے تحلیل ہونے کا دارومدار لیسدار ہونے یا نہ ہونے، غلیظ ورقیق اور تر وخشک ہونے پر ہے بدن سے ان کا خارج کرنا دشوار ہوتا

ہے۔لیکن ان تمام باتوں میں زیادہ اہمیت لیس کو ہے۔اسی وجہ سے بلغمی بخار کے دورے کی مدت لمبی ہوتی ہے۔ بلکہ پورے طور پر اثر ہی نہیں۔ حالانکہ بلغم تر ہوا کرتی ہے، برعکس اس کے جب مواد رقیق اور لیس سے خالی ہوتے ہیں تو بدن سے ان کا اخراج کرنا سہل ہوتا ہے۔خواہ مقدار بہت زیادہ کیوں نہ ہو۔یہی وجہ ہے کہ سوداوی بخار کے دورہ کی مدت بمقابلہ صفراوی بخار کے بڑی ہوتی ہے۔

عفونتی بخاروں کے اقسام

عفونتی بخار چاروں اخلاط کے شمار سے چار اقسام ہیں۔ پھر ہر ایک کی دو قسمیں ہیں۔ باری سے آنے والے اور دائمی رہنے والا باری کا بخار اس وقت آتا ہے جب مادہ رگوں سے باہر آتا ہو اور دائمی بخار اس وقت ہوتا ہے جب کہ مادہ رگوں کے اندر متعفن ہوتا ہے۔لیکن بڑے بڑے رگوں کے اندر جب بہت سارا خون جمع ہو کر متعفن ہو جاتا ہے اور خون رگوں سے باہر متعفن ہو جاتا ہے تو اس صورت میں بھی دائمی بخار ہوا کرتا ہے۔پھر جب ورم پک جاتا ہے تو اس کے اندر کے مواد خارج ہو جاتے ہیں تو بخار دور ہو جاتا ہے۔

بخاروں کے اقسام کی تفصیل درج ذیل ہے۔

حمیٰ غب

اس کو تجاری بخار بھی کہتے ہیں، جو اصل میں صفراوی بخار ہے جس کا مادہ رگوں سے باہر متعفن ہوتا ہے۔

حمیٰ محرقہ

یہ بھی ایک قسم کا صفراوی بخار ہے لیکن اس کا مادہ رگوں کے اندر متعفن ہوتا ہے۔

حمیٰ مطبقہ

یہ بخار دموی ہے، اس کا نام مطبقہ اس لئے رکھا گیا ہے کہ یہ رات دِن یکساں رہتا ہے۔مطبقہ کے لغوی معنی بھی یہ ہیں جو رات دِن چڑھا رہے۔جب کبھی خون عفونت کے بغیر گرم ہو جاتا ہے، اس میں صرف جوش سا آ جاتا ہے، اس کو سونوخس کہتے ہیں جو اکثر حمی مطبقہ میں تبدیل ہو جاتا ہے، دونوں کا علاج ایک اصول پر ہے، صرف شدت وخفت کا فرق ہے۔ جب مطبقہ عفونتی صورت اختیار کر لیتا ہے تو اس کی تین صورتیں ہوتی ہیں۔

اول: ''متزائدہ'' بڑھنے والا۔ یہ قسم بخار کے ختم ہونے تک زیادہ ہی ہوتا چلا جاتا ہے۔اور یہ اس وقت ہوتا ہے جب خون میں تحلیل سے تعفن زیادہ ہو۔

ثانی: ''متناقصہ'' گھٹنے والا۔ یہ قسم بخار ختم ہونے تک کم ہوتا رہتا ہے اور یہ اس وقت ہوتا ہے جب تعفن تحلیل زیادہ ہو۔جس کے اسباب مذکورہ بالا اسباب کے مخالف ہوتے ہیں۔

ثالث: ''متساویہ'' قائم رہنے والا۔ یہ بخار ختم ہونے تک ایک ہی حالت میں رہتا ہے، یہ اس وقت ہوتا ہے جب تحلیل وتعفن دونوں برابر ہوں۔ ان تینوں میں بدتر بڑھنے والا ہے۔

چہارم: ''حمیٰ مواظبہ''، یعنی بلغمی وہ بخار ہے جو باری سے آتا ہے اور اس کی باری روزانہ آتی ہے۔اس کا نام مواظبہ اس وجہ سے رکھا گیا ہے کہ یہ ہمیشہ روزانہ آتا ہے۔ ﴿مواظبت﴾ کسی کام کو ہمیشہ کرنا۔اس بخار میں رگوں کے باہر بلغم متعفن ہوتا ہے۔

پنجم: ''حمی لِثقہ'' بلغمی دائمی بخار کا نام ہے۔اس کا مادہ رگوں کے اندر متعفن ہوتا ہے، چونکہ اس کے بلغم میں رطوبت اور تری زیادہ ہوتی

ہے، اس لئے اس بخار کا نام لثقہ ہے، لثقہ (لام کی زیر) کے معنی تری کے ہیں۔

ششم: ''حمی ربع دائرہ'' اس بخار کا نام ربع ''چوتھا'' اس لئے رکھا گیا ہے کہ پہلی باری کے بعد دوسری باری کی ابتداء چوتھے روز ہوا کرتی ہے۔ بعض لوگ اس کا نام مثلثہ کہتے ہیں۔ جو غلط ہے۔ کیونکہ مثلثہ تجاری بخار کا نام ہے یہ بخار سوداوی ہوتا ہے، جس کا مادہ رگوں کے باہر متعفن ہوتا ہے۔

ہفتم: ''حمی ربع لازمہ'' یہ بھی سوداوی بخار ہے اس میں بھی باری کے چوتھیا بخار کی علامتیں پائی جاتی ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ اس کے ساتھ لرزہ نہیں ہوتا اور چوتھے روز بجائے نئی باری آنے کے بخار میں شدت ہو جایا کرتی ہے۔ باقی دنوں میں ہلکا رہتا ہے۔ اس بخار کا وجود نہایت کم ہوتا ہے۔

ہشتم: ''خمس، سرس سبع'' یہ بخار پانچویں، چھٹے، ساتویں روز یا زیادہ دنوں کے بعد دورہ کیا کرتا ہے۔ وہ بھی دراصل چوتھیا بخار کی قسم ہے، کیونکہ یہ بھی اسی قسم کے مادے سے پیدا ہوتا ہے۔ جس قسم کے مادہ سے چوتھیا بخار ہوا کرتا ہے۔ لیکن اس کا مادہ چوتھیا بخار سے زیادہ غلیظ ہوتا ہے۔

نہم: ''حیات مختلط'' اس سے مراد وہ بخار ہے جن کے دورے ایک قاعدہ سے نہیں آتے ہیں۔

دہم: ''انفیالوس'' اس بخار میں اندر سردی اور باہر گرمی ہوتی ہے۔ یہ بلغم زجاجی (گاڑھی لیسدار) سے پیدا ہوتا ہے۔ جو کہیں اندر گہرائی میں ہوتا ہے۔ جہاں یہ ہوتا ہے وہاں تو اس کی سردی سے ٹھنڈ ہوتی ہے، لیکن اس میں چونکہ عفونت لاحق ہوتی ہے، اس لئے اس کے متعفن ہونے سے کچھ بخارات اُٹھ کر بیرونی اعضاء کو گرم کر دیتے ہیں۔

یازدہم: ''لیفوریا'' مندرجہ بالا بخار کے برعکس اس بخار میں اندر گرمی اور باہر سردی ہوتی ہے۔ دراصل غلیظ بلغم اس کا سبب ہوتا ہے۔ جو اندر متعفن ہو کر گرمی پیدا کر دیتا ہے، اور اس سے اس قدر بخارات نہیں اٹھتے جو بیرونی اعضاء میں پھیل کر زیادہ گرمی پیدا کر سکیں۔ حقیقت میں یہ بلغم نہایت سرد ہوتا ہے جس سے تیز اور زیادہ بخارات نہیں اٹھتے۔

دوازدہم: ''حمی غشیہ'' یہ وہ بخار ہے جس کے آنے کے وقت غشی لاحق ہوتی ہے۔ یہ بخار اکثر اس وقت لاحق ہوتا ہے جب کہ فم معدہ ضعیف ہوتا ہے اور وہ اپنے کچے اخلاط اور بلغم کی کثرت کو دفع کرنے سے عاجز ہوتا ہے۔ جب ان خام مادوں کا کچھ حصہ سرد ہوتا ہے تو قلب کی طرف گرتا ہے جس سے غشی آجاتی ہے۔ گاہے یہ بخار ایسے صفراوی مواد سے پیدا ہوتا ہے جو نہایت رقیق ہونے کی وجہ سے نفوذ کرنے والے ہوتے ہیں اور جن کا جوہر ردی اور زہریلہ ہوتا ہے اور جس میں تعفن لاحق ہوتا ہے۔ اس کے تعفن کی وجہ سے اس کی برائی اور اس کا فساد اور بھی زیادہ ہوتا ہے۔ اور بدن میں پھیل کر کچھ قلب تک پہنچ جاتا ہے ان عفونتی بخاروں کے اقسام ختم ہوئے جن کی عفونت جسم میں تیار ہوتی ہے۔

اب ان بخاروں کا ذکر کیا جاتا ہے جن کی عفونت جسم انسان کے باہر فضا میں تیار ہوتی ہے، ایسے بخاروں کو وبائی بخار کہتے ہیں۔

حمی وبائیہ

وبا ایک تعفن یا سڑاند ہے جو ہوا میں پیدا ہوتی ہے، ہوا سے مراد وہ جسم ہے جو زمین کے اوپر کی فضاء میں پھیلا ہوا ہے۔ یہ جسم حقیقت میں خالص ہوا نہیں ہے بلکہ اس کے اندر اصلی ہوا کے علاوہ پانی کے اجزاء جو بخارات کی شکل میں اٹھتے ہیں مٹی کے اجزاء جو دھوئیں اور غبار کے ساتھ اٹھتے ہیں اور آگ کے اجزاء جو زمین سے اٹھتے ہیں یہ سب چیزیں شامل ہوتی ہیں۔ چونکہ یہ ہوا غیر چیزوں سے مل کر خالص اور بسیط نہیں رہی ہے، اس لئے اس کا متعفن اور گندہ ہونا محال نہیں ہے۔ چنانچہ جب اس کے ساتھ برے بخارات مل جاتے ہیں جو خراب کانوں یا گندی جھیلوں یا خراب سبزیوں اور درختوں یا میدان کی لاشوں اور مردوں وغیرہ سے نکلتے ہیں یا جب ہوا کے ساتھ کوئی اور چیز مل جائے جس سے کہ وہ خالص نہیں رہی یا

جب آسمانی بارش زمینی نامعلوم اسباب سے ہوا میں غیر معمولی تری آ جائے تو جلد سے جلد متعفن ہونے کے لئے ہوا میں قابلیت پیدا ہو جاتی ہے۔ جس کے لئے ہلکی حرارت کا عمل کرنا شرط ہے۔ ہوا کا یہ تعفن اس پانی کے تعفن سے مشابہت رکھتا ہے جو کھڑا ہوا اور دوسرے اجزائے ارضیہ کے مل جانے سے بگڑ گیا ہو۔ جب ہوا متعفن ہو جاتی ہے تو بدن کے مواد بھی گندے ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ ہوا کے یہی گندے اجزاء اخلاط کے ساتھ مل جاتے ہیں اور اس طرح اخلاط میں بھی عفونت آ جاتی ہے کہ جب ایک عارضی اور زہریلی چیز بدن میں پہنچتی ہے تو قوتیں کمزور ہو کر رطوبتوں کے قبضہ وتصرف سے عاجز اور عارضی حرارت کے روکنے سے مجبور ہو جاتی ہے اور سب سے پہلے قلب کے مواد گندہ ہو جاتے ہیں کیونکہ بیرونی ہوا سب سے پہلے قلب تک ہی پہنچتی ہے جہاں پر اس کا خون متعفن ہو جاتا ہے، پھر تمام جسم میں پھیل کر بخار کی صورت پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ بخار ایک بڑی مخلوق کو جن کے بدن میں استعداد وقابلیت ہوتی ہے، لاحق ہوتا ہے۔ کیونکہ اوّل تو اس کا سبب ہی عام اور پھیلا ہوا ہوتا ہے۔ دوئم ان مریضوں کے بدن سے بو اور زہریلے مادے دوسرے لوگوں کے سانس میں چلے جاتے ہیں۔ جب یہ دوسرے شخص کے قلب میں پہنچتے ہیں تو اس میں اثر کر کے اس کے مزاج، اخلاط اور روح کو فاسد کر دیتے ہیں۔ وبا کی استعداد اور قابلیت ان لوگوں میں ہوتی ہے جن کا بدن برے مواد سے پر اور وبائی ہوا کے مناسب ہوتا ہے۔ اور جن کا بدن ضعیف ہوتا ہے، ایسے بخار اکثر موسموں کے تغیرات خصوصاً برسات کے موسم کے بعد پیدا ہوتے ہیں۔ کیونکہ مرطوب زمین میں ہلکی حرارت فوراً گندے اور متعفن بخارات پیدا کر کے فضا میں کم وبیش تعفن پیدا کر دیتی ہے۔ البتہ سردی تری کے امراض جیسے نزلہ، زکام، کھانسی، ذات الریہ کے امراض پیدا ہو جاتے ہیں۔ وبائی بخار کی علامتوں میں ایک علامت یہ بھی ہے کہ یہ بہت سے لوگوں بلکہ حیوانوں کو بھی عام طور پر کثرت کے ساتھ لاحق ہو جاتا ہے۔ اس لئے اس کی عمومیت کی وجہ سے اس کو وبا کہتے ہیں۔ ورنہ موسم کے لحاظ سے مندرجہ بالا تمام عفونتی بخار (دموی، بلغمی، صفراوی اور سوداوی) اپنے اپنے موسم وبا کے کمی بیشی کے ساتھ ساتھ شدید اور خفیف ہوتے رہتے ہیں۔ خصوصیت کے ساتھ جس بخار کو موسمی بخار کہتے ہیں وہ حمی (صفراوی) ہے۔ کیونکہ ہر برسات میں فضاء میں تعفن ہوتا ہے۔ اور صفراوی بخار وبائی صورت اختیار کر لیتا ہے۔

حمیٰ جدری اور حمیٰ حصبہ

یہ دونوں بخار بھی عفونتی وبائی بخار ہیں، ان میں شدت اور خفت کے سوا اور کوئی فرق نہیں ہے۔ دونوں میں جسم پر دانے نکلتے ہیں۔ حمی جدری ''چیچک'' میں موٹے موٹے اور شدت سے دانے نکلتے ہیں۔ اور حمی حصبہ (خسرہ) میں شدت بہت کم ہوتی ہے۔ اور دانے بہت چھوٹے ہوتے ہیں۔ جسم کو تکلیف بھی کم ہوتی ہے۔ دونوں بخار دموی ہیں۔ یعنی خون متعفن ہو کر جوش مارنے لگ جاتا ہے۔ یہ بخار بچوں کو زیادہ ہوتا ہے، کیونکہ ان کا مزاج دموی اور گرم تر ہوتا ہے۔

حُمیات مرکبہ

گاہے ایک بخار دوسرے کے ساتھ مرکب ہو جاتا ہے۔ ان مرکب بخاروں کی قسمیں اس قدر زیادہ ہیں کہ ان کا شمار کرنا اور ان کو ضبط تحریر میں لانا محال ہے۔ بعض تو وہ ہیں جو ایک ہی جنس کے ایک ہی قسم کے دو بخاروں سے مرکب ہوتے ہیں اور بعض وہ ہیں جو دو مختلف جنسوں سے مرکب ہوتے ہیں، بعض وہ ہیں جو تپ لازمی اور تپ غیر لازمی سے مرکب ہوتے ہیں۔ تیسرے غیر لازمی بخار سے مرکب ہوتے ہیں۔ ان کے علاوہ ترکیب کی اور بھی بہت سی قسمیں ہیں، اس لئے مناسب نہیں ہے کہ بخاروں کی تشخیص میں ان کے دوروں پر بھروسہ کریں۔ بلکہ ان کی علامات مخصوصہ اور عوارض لازمہ پر نظر رکھیں۔ کیونکہ گاہے ایسا بھی ہوتا ہے کہ دو غب دائرہ کے ملنے سے روزانہ بخار آنے لگتا ہے۔ حالانکہ ایسے دوارُر کے

بلغمی بخاروں کے مرکب ہوتے ہیں۔ اگران دوروں کو دیکھ کر بلغمی بخار کا علاج کیا جائے تو یقیناً مرض ہلاک ہو جاتا ہے۔ لیکن حُمیات مرکبہ میں اکثر صفراء اور بلغم کے بخار جمع ہوا کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ تمام حمیات مرکبہ میں صرف اسی ایک بخار کا مخصوص نام شطر الغب رکھا گیا ہے۔ کیونکہ یہ بخار بلغمی اور صفراوی بخار سے مرکب ہوتا ہے۔ شطر کے معنی جزو اور بعض کے ہیں۔ اس بخار میں بلغم اور صفراء دونوں کے جزو ملے ہوتے ہیں۔

بخاروں کی کثیر اقسام پر اعتراض

کہا جاتا ہے کہ مفرد بخار بھی کچھ کم نہیں۔ لیکن مرکب بخاروں کا شمار تو تقریباً ناممکن ہے۔ ان کی تعداد بلا مبالغہ لاکھوں تک چلی جاتی ہے، درحقیقت یہ بات نہیں ہے بخار صرف مفرد ہی ہیں۔ بخاروں کی مرکب صورتیں صرف تشخیص کے لئے کی گئی ہیں تاکہ علاج میں سہولتیں ہوں۔ بالکل آیورویدک کے دوشوں کی طرح کبھی ایک خلط خراب ہو جاتی ہے۔ کبھی شدید فساد وز ہر اور تعفن وسڑاند کی وجہ سے کبھی دو اور کبھی تین اور کبھی چاروں اخلاط خراب ہو جاتے ہیں۔ ان مرکب بخاروں میں ان اخلاط کی خرابیوں کو مرکب صورتوں میں تشخیص کی خاطر ذہن نشین کرایا گیا ہے۔ جو لوگ بخاروں کی کثرت اقسام پر اعتراض کرتے ہیں دراصل ان کو حیران ہونا چاہئے کہ طب میں بخاروں کو کس قدر تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ حکماء اور اطباء کی بخاروں اور علم و فن طب پر کس قدر گہری نظر تھی۔ یہ قصور ان کے نظر و فکر کا ہے کہ انہوں نے نہ ان کے علم و فن کو جانچا اور نہ ہی ان پر غور کر کے ان سے مفید مقاصد حاصل کئے۔ نہ سمجھنے کی وجہ سے بے معنی اعتراض کئے گئے ہیں۔

حمیٰ دق

تپ دق وہ عارضی حرارت جو اعضاء اصلیہ اور بالخصوص قلب کے ساتھ وابستہ ہے۔ جس سے بدن کی رطوبتیں تحلیل ہو کر فنا ہونے لگتی ہیں۔ تپ دق کی پیدائش گاہے اسباب سابقہ سے ہوتی ہے، مثلاً تپ محرقہ جب کہ اس کی مدت بڑھ جاتی ہے اور قلب اور اعضاء اصلیہ کی رطوبتوں میں حرارت عمل کر کے اس کو فنا کر دیتی ہے۔ مثلاً گرم ورم جو سینہ میں پیدا ہوا ہو اس کی حرارت قرب کی وجہ سے قلب تک پھر قلب سے دوسرے اعضاء اصلیہ تک پہنچے۔ یہ حرارت قلب اور شرائین کی رطوبتوں کو جذب کر کے انہیں خشک کر دیتی ہے۔ جس کے ساتھ اعضاء اصلیہ بھی خشک ہو جاتے ہیں اور گاہے تپ دق اسباب بادیہ یعنی بیرونی اور خارجی اسباب سے پیدا ہوتا ہے۔ مثلاً غم وغصہ، غور وفکر، بیداری تکان، کافی مدت تک بھوکا رہنا یا ضرورت کے مطابق غذا کا نہ ملنا۔ اور دوسرے ایک ایسے اسباب کا اثر اس وقت زیادہ ہوتا ہے۔ جبکہ یہ اسباب عالم جوانی میں جمع ہوں۔ نیز موسم گرما ہو اور مریض کا مزاج بھی گرم ہو اور دوسری تدبیریں بھی گرم اختیار کی جائیں۔

تپ دق کے تین درجات ہیں۔

پہلا درجہ: عارضی حرارت ان رطوبتوں کو فنا کرنے لگی ہو جو چھوٹی چھوٹی رگوں (عروق شعریہ) کے اندر ہوتی ہیں، اور ان رطوبتوں کو فنا کرنے لگی ہو جو اعضاء کی کشائشوں اور ان کی وسعتوں میں ہوتی ہیں۔ اعضاء کی کشائشوں سے مراد وہ چھوٹی چھوٹی خلائیں اور باریک خانے ہیں جو گوشت جیسے نرم اعضاء میں تو نمودار نہیں ہوتے، کیونکہ ان کے اجزاء باہم ایک دوسرے سے جڑے ہوتے ہیں اور ہڈی جیسے سخت اعضاء میں یہ خانے نمودار ہوتے ہیں (ان خانوں سے مراد خلیات ہیں)۔

دوسرا درجہ: دوسرا درجہ یہ ہے کہ اعضاء کی اندرونی رطوبت فنا ہو جاتی ہے اور حرارت کا تعلق اس رطوبت کے ساتھ ہو جاتا ہے جو قریب بہ انجماد اور اعضاء کے ساتھ چسپاں ہونے والی ہوتی ہے۔ تپدق کے اس درجہ کا نام ذبول (پگھلنا) ہے۔ اس لئے محض دق کا نام پہلے درجے تک ہی محدود سمجھا جاتا ہے۔ اور پہلا درجہ ہونے کی وجہ سے ہی تمام درجات پر بول لیا جاتا ہے۔

تیسرا درجہ: تیسرا درجہ یہ ہے کہ یہ رطوبتیں بھی فنا ہو چکی ہوتی ہیں۔اور حرارت کا تعلق اس رطوبت سے ہو چکا ہوتا ہے جو پیدائش کے وقت عناصر سے یعنی پانی اور ہوا سے بدن میں حاصل ہوتی ہے۔اس کو رطوبت اسطقیہ اور رطوبت منویہ بھی کہتے ہیں۔جن سے اعضاء مفردہ کے اجزاء ابتدائی پیدائش سے باہم متصل و چسپاں رہتے ہیں۔اور جن کے فنا ہونے سے اعضاء کے اجزاء الگ الگ اور ریزہ ریزہ ہو جاتے ہیں۔تپ دق کے اس درجہ کا نام مفتت (ریزہ ریزہ کرنے والا) اور مخشف (بوسیدہ کرنے والا) ہے۔

دق جب پہلے درجہ میں ہوتا ہے تو اس کی تشخیص دشوار ہے۔مگر علاج اس کا سہل ہے اور جب یہ دوسرے درجہ میں ہوتا ہے تو اس کا پہچاننا سہل ہے مگر علاج دشوار ہے اور جب یہ تیسرے درجہ میں ہوتا ہے تو اس کا علاج بالکل ناممکن ہے۔[از شرح اسباب وعلامات]

طب میں بخاروں کی اہمیت و اقسام اور تشخیص و اسباب کو اس قدر اچھے انداز میں بیان کیا ہے کہ بخاروں کی کوئی ایسی صورت باقی نہیں رہتی بلکہ تشخیص کی باریکیوں کے مدنظر بخاروں کے اس قدر اقسام بیان کر دیئے ہیں کہ ایک عوامی معالج پڑھ کر گھبرا جاتا ہے کہ اس قدر اقسام کا علاج کرنا اور ہر قسم میں اس کی مخصوص رعایت رکھنا تو رہی ایک طرف ان اقسام کو پورے طور پر سمجھنا بھی بے حد دشوار ہے۔لیکن دراصل یہ بات نہیں ہے بلکہ یہ کم علم و عقل کی صورت ہے۔ورنہ صرف مفرد بخاروں کو پورے طور پر ذہن نشین کر لینے سے تمام مشکلات حل ہو جاتی ہیں۔مرکب صورتیں تو اس وقت سامنے آتی ہیں جب مفرد صورتوں کی باریکیوں کو سمجھنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ورنہ دراصل مرکب بخار اپنے اندر کوئی اہمیت نہیں رکھتے۔جب مفرد بخاروں پر پورے طور پر عبور حاصل ہو جاتا ہے تو مرکب بخاروں کی حقیقت آسانی سے سمجھ میں آ جاتی ہے۔

جن اہل علم اور صاحب فن نے طب میں بخاروں کا گہرا مطالعہ نہیں کیا اور وہ فرنگی طب کے بخاروں کے متعلق تحقیقات پر حیران ہوتے ہیں۔وہ لوگ اندھیرے میں ہیں۔طب میں بخاروں کے متعلق جو ماہیت و تقسیم اور تشخیص و اسباب کو جس فطری (نیچرل) اور باقاعدہ (سسٹے میٹک) انداز میں پیش کیا گیا ہے۔فرنگی طب میں ان خوبیوں کا عشر عشیر بھی نہیں ہے۔طب میں بخار کی تقسیم سمجھ لینے کے بعد نہ صرف ہر قسم کے بخار سمجھ میں آ جاتے ہیں بلکہ ان کا علاج سہل اور آسان ہو جاتا ہے۔سب سے بڑی بات یہ ہے کہ مرکب بخاروں میں تمام بخاروں کے تعلق کو اس طرح واضح کر دیا ہے جس سے تمام بخاروں پر سیر حاصل روشنی پڑ جاتی ہے۔طرہ یہ ہے کہ موسمی بخاروں اور دق کے بیان کا اندازہ ہی جدا ہے۔ان کو اس طرح ذہن نشین کرایا ہے کہ فرنگی خود ان کو پورے طور پر نہیں سمجھ سکا۔ایک طرف ان کو جدا جدا صورتوں میں بیان کیا ہے دوسری طرف یہ ثابت کر دیا ہے کہ دیگر بخاروں کا بھی ان سے گہرا تعلق ہے۔افسوس فرنگی ڈاکٹر اور فرنگی حکیموں نے اس طرف غور ہی نہیں کیا ہے۔

ذیل میں ہم ان بخاروں کو بیان کرتے ہیں جو فرنگی طب نے بیان کئے ہیں۔ہم ان کو ان ہی کی تحقیق کے مطابق بیان کریں گے۔جس طرح ہم نے آیورویدک اور طب کے بخاروں کو ان کی تقسیم کے مطابق بیان کیا ہے۔ان شاء اللہ یہاں بھی کمی بیشی نہیں کریں گے۔اگر ہم سے کہیں کمی بیشی ہو جائے تو ہر شخص کو حق حاصل ہے کہ صحیح حقیقت بیان کر دے۔ہم تسلیم کرنے کو تیار ہیں۔

فرنگی طب اور بخار

فرنگی طب میں بخار کے متعلق بتایا گیا ہے کہ وہ کسی مرض کا نام نہیں ہے بلکہ ایک ایسی علامت ہے جو بہت سی بیماریوں میں پائی جاتی ہے اور بعض امراض میں ایسی شدت سے ایسی تکلیف اور خطرہ پیدا ہو جاتا ہے کہ مریض اور طبیب دونوں اصل مرض کو بھول کر اس کو مرض سمجھ لیتے ہیں۔

ایک اعتراض

فرنگی طب میں اگر متعدی امراض خصوصاً بخاروں پر غور کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ پیدائش امراض فرنگی ڈاکٹرز جراثیم کو اسباب خصوصاً اسباب فاعلہ اور واصلہ سمجھتے ہیں۔ تو ایسی صورت کو بخار کی علامات کیسے کہا جاسکتا ہے۔ بخار علامت اس صورت میں بن سکتا ہے جب وہ بخار کے اسباب میں دیگر امراض کو بیان کریں۔ جب وہ صاف اور واضح طور پر بیان کرتے ہیں کہ جراثیم جسم میں داخل ہو کر اس میں اپنے زہریلے اثرات سے مختلف قسم کے بخار پیدا کر دیتے ہیں تو پھر بخار علامت نہ رہا بلکہ بذات خود مرض ہو گیا۔

اگر فرنگی طب بخار کو ایک علامت تسلیم کرتی ہے تو پھر یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ بخاروں کے اسباب فاعلہ اور واصلہ جراثیم نہیں ہیں۔ بلکہ دیگر امراض ہیں۔ ایسا تسلیم کرنے سے جراثیم کی اہمیت ختم ہو جاتی ہے۔ اب چاہئے وہ جراثیم کی اہمیت کو قائم رکھتے ہوئے اس کو سبب فاعلہ اور واصلہ تسلیم کرے۔ ورنہ اس کو یہ ماننا پڑے گا کہ وہ بخار کو اصل مرض تسلیم کرتی جو قطعاً غلط سوچ ہے۔ یہ اعتراض اس لئے کیا گیا ہے کہ آئندہ صفحات میں ہم یہ ثابت کریں گے کہ نہ جراثیم اسباب واصلہ اور فاعلہ ہیں اور نہ بخار مرض ہے جیسا کہ فرنگی عملی طور پر تسلیم کرتا ہے۔

فرنگی طب میں بخار کی تعریف

بدن انسان کی اس حالت کو تپ کہتے ہیں جس میں بدن کی حرارت درجہ اعتدال سے بڑھ کر کچھ عرصہ کے لئے غیر طبعی حالت میں قائم ہو جاتی ہے۔ جس میں نظام جسمانی میں شدید خلل واقع ہو جاتا ہے۔ عام طور پر حرارت جسمانی کے بڑھ جانے کو خواہ وہ کسی سبب سے زیادتی کرے تپ یا بخار کہتے ہیں۔

اس امر کو ذہن نشین کر لینا چاہئے کہ فرنگی طب حرارت کو صرف ایک ہی قسم تسلیم کرتی ہے۔ وہ حرارت کی غیر طبعی حالت کو تو تسلیم کرتی ہے مگر اس کو طبعی حرارت سے جدا نہیں سمجھتی۔ بلکہ اسی میں اضافہ خیال کرتی ہے۔ گویا ان کے نکتہ نگاہ میں نہ کوئی عارضی حرارت یا حرارت غریبہ ہے اور نہ عنصری حرارت، حرارت غریزیہ ہے بلکہ حرارت محض ایک حالت ہے جس میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے۔ اور اس کے اعتدال سے زیادتی کا نام بخار رکھا گیا ہے۔

حیرت تو اس امر کی ہے کہ فرنگی طب اپنی روشنی ماڈرن سائنس سے حاصل کرتی ہے اور ماڈرن سائنس یہ تسلیم کرتی ہے کہ آکسیجن ہائیڈروجن اور کاربانک ایسڈ گیس میں بہت فرق ہے۔ سب سے بڑا فرق یہ ہے کہ اوّل الذکر جلاتی ہے اور مؤخر الذکر دونوں جلتی ہیں۔ دوسرے یہ بھی تسلیم کرتی ہے کہ جب انسان سانس لیتا ہے اس کے جسم میں ہوا کے ساتھ آکسیجن اندر داخل ہوتی ہے۔ کاربانک ایسڈ گیس اندر سے خارج ہوتی ہے۔ تیسرے یہ بھی تسلیم کرتی ہے کہ بخار کی حالت میں جسم میں آکسیجن کی بجائے کاربانک ایسڈ گیس بڑھ جاتی ہے۔ ان حقائق کو سامنے رکھ کر وہ اس کا اندازہ نہیں لگا سکتی کہ بخار کی حالت میں جو حرارت درجہ اعتدال سے بڑھ کر غیر طبعی صورت اختیار کر لیتی ہے کیا وہ آکسیجن ہوتی ہے یا کاربانک ایسڈ گیس کی زیادتی ہوتی ہے جو جسم انسانی کے لئے طبعی اور اصلی حرارت نہیں ہے جو اندر جا کر ہائیڈروجن کو جلا کر ایک خاص قسم کی حرارت پیدا نہیں کرتی جو دراصل عارضی حرارت یا حرارت غریبہ اور بخار کا کام کرتی ہے۔ کیا کوئی فرنگی ڈاکٹر تسلیم کر سکتا ہے کہ بخار کی حالت میں جو حرارت درجہ اعتدال سے بڑھ چکی ہے وہ آکسیجن کی زیادتی ہے اور کاربانک ایسڈ گیس کی زیادتی نہیں ہے۔ اگر ہمارا استدلال صحیح نہیں ہے تو پھر تسلیم کرنا پڑے گا کہ حرارت جو درجہ اعتدال سے بڑھ گئی ہے وہ عام حرارت نہیں ہے جس کو ہم عارضی حرارت اور حرارت غریبہ کہتے ہیں۔

اسی پر ہی بس نہیں ہے بلکہ اگر خمیر اور تعفن کو سامنے رکھیں اور ان سے جو گیس پیدا ہوتی ہے اگر اس پر بھی غور و فکر کریں تو پتہ چلتا ہے کہ اس

سے جو حرارت پیدا ہوتی ہے وہ اس حرارت سے بالکل مختلف ہے جس میں انسان بہت آسانی سے سانس لے کر اپنی صحت قائم رکھ سکتا ہے۔ یہ اور اس قسم کی بے شمار غلطیاں ہیں جو فرنگی طب نے علم وفن علاج میں کی ہیں۔ جن کا ہم تفصیل سے ذکر کریں گے۔ کیونکہ اس کے غلط طریق علاج نے فن میں بے شمار خرابیاں پیدا کر دی ہیں۔ بلکہ فن علاج کو بنی نوع انسان کے لئے نقصان رساں کی شکل وصورت حاصل کر لی ہے۔ اس لئے ہم پر فرض عائد ہوتا ہے کہ ہم اس کی خرابیاں اور غلطیاں عوام تک پہنچائیں تاکہ وہ اس کے نقصانات اور خرابیوں سے محفوظ رہ سکیں اور عوام کا یہ خیال بھی دور ہو جائے کہ تحقیقی اور صحیح طریق علاج ہے۔

زندگی اور حرارت کا اعتدال

فرنگی طب اس امر کو تسلیم کرتی ہے کہ اگر زندگی کا دارومدار حرارت پر ہے جب اعتدال حرارت نہیں رہتا تو صحت بھی قائم نہیں رہ سکتی۔ درجہ اعتدال حرارت سے تولید حرارت، اخراج حرارت، دو علیحدہ علیحدہ فعل مفہوم ہوتے ہیں۔ اگر حرارت فقط پیدا ہوتی ہی رہے اور خارج نہ ہو تو اس کی اس قدر افراط ہو جائے گی کہ درجہ اعتدال سے کہیں زیادہ بڑھ جائے گی۔ ماسوا اس کے تولید و اخراج حرارت کے درمیان درجہ اعتدال قائم ہو جانا ایک اتفاقی امر نہیں ہونا چاہئے بلکہ اس کا ایک ایسا مستحکم انتظام ہونا چاہئے تاکہ اس کا ماحصل ہمیشہ درجہ اعتدال رہے۔

تولد حرارت کس طرح اور کہاں پر ہوتا ہے

فرنگی طب یہ حقیقت تسلیم کرتی ہے کہ کیمیاوی تبدیلیاں اگرچہ بدن میں سب جگہ پر ہوتی ہیں مگر سب اعضاء میں یکساں نہیں ہوتیں۔ عظام و غضاریف اور اوتار و رباط جو خود بخود متحرک نہیں ہوتے ان میں کیمیائی عمل بہت کم ہوتے ہیں اور حرارت کم بنتی ہے۔ اسی سبب سے یونانی اطباء مفاصل کا مزاج سرد مانتے ہیں۔ اعصاب و عضلات اور غدد ایسے مادہ سے بنتے ہیں جن میں ہمیشہ کچھ نہ کچھ عمل ہوتا رہتا ہے۔ جس سے ان میں حرارت پیدا ہوتی رہتی ہے جس وقت اعضاء اپنے اپنے افعال سرانجام دیتے ہیں اس وقت ان میں کیمیاوی تبدیلیاں بھی زیادہ ہوتی ہیں اور ان اوقات میں ان میں سے حرارت بھی زیادہ نکلتی ہے۔

تنفس کی دھونکنی ہر وقت چلتی رہتی ہے۔ دل کی گھڑی ہر وقت ٹک ٹک کرتی رہتی ہے اور معدہ اور امعاء کی چکی ہر وقت پستی رہتی ہے۔ لہٰذا ان مقامات میں حرارت غریزی بھی ہمیشہ بنتی رہتی ہے۔ غدود کے کارخانوں میں جس وقت رطوبتیں تیار ہوتی ہیں تو وہاں پر بھی چمنیاں گرم ہوتی ہیں، خون ہر وقت دورہ کرتا ہے اور اس کے اجزاء ایک دوسرے کے ساتھ رگڑ کھاتے اور گرم ہوتے ہیں۔

مفصلہ بالا افعال و حرکات عضلات سے تعلق رکھتی ہیں۔ اور ہمارے بدن کا بڑا بھاری حصہ عضلات سے بنا ہوا ہوتا ہے۔ اس لئے عضلات کا قبض و بسط حرارت ہے تو اس بات سے ظاہر ہے کہ جب ہم ریاضت یا سخت کام کرتے ہیں تو بدن میں حرارت بھی زیادہ پیدا ہوتی ہے۔ اگر اس کے ساتھ سرعت نفس اور کثرت عرق کے ذریعے حرارت ساتھ ساتھ خارج نہ ہوتی جائے تو بدن بہت جلد گرم ہو جائے گا۔ جب عضلات میں تشنج ہوتا ہے تو بدن کی حرارت زیادہ بڑھ جاتی ہے۔ کزاز اور دیگر تشنجی امراض میں بدن کی حرارت اس کثرت سے زیادہ ہو جاتی ہے کہ بیمار کے مر جانے کے بعد کچھ عرصہ تک بدن گرم رہتا ہے۔

اکثر حمیات کے شروع میں جاڑا لگتا ہے جس کے یہ معنی ہیں کہ عضلات میں تشنج واقع ہو کر زیادہ حرارت پیدا ہو رہی ہے جس کے سبب سے بدن کی حرارت بڑھ جاتی ہے۔ غیر طبعی طور پر جب حرارت بدن کچھ عرصہ کے لئے تجاوز کر جاتی ہے تو ہزال اور لاغری زیادہ تر عضلات میں واقع ہوتی ہے۔ جو اس بات کی دلیل ہے کہ حرارت پیدا کرنے کا سامان زیادہ تر عضلات سے لیا گیا ہے۔ گرم اغذیہ اور ادویہ سے بھی حرارت

پیدا ہوتی رہتی ہے۔

اخراج حرارت کس طرح ہوتا ہے

علم طبیعات سے ہمیں معلوم ہے کہ طبعی طور پر گرم اجسام میں سے حرارت تین طرح سے منتشر ہوتی ہے، پہلے طریقہ کو انعکاس حرارت کہتے ہیں۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ جب کوئی گرم چیز کسی سرد مقام میں رکھی جاتی ہے تو حرارت کی شعاعیں اس میں سے چاروں طرف کو نکلتی ہیں اور خارج ہوتی رہتی ہیں اور رفتہ رفتہ وہ جسم سرد ہو جاتا ہے اور اس کے اطراف کی ہوا کے درجہ پر اس کی حرارت بھی کم ہو جاتی ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ انعکاس حرارت گرم جسم میں سے اس صورت میں ممکن ہے کہ جب اس کے ماحول کی ہوا کی حرکت اس کی اپنی حرارت کی نسبت کو ہوا اور اگر ہوا کی حرارت اس سے زیادہ ہو تو انعکاس حرارت بھی اس کے برعکس ہوگا۔ یعنی ہوا کی حرارت اس چیز کو گرم کر دے گی، سرد اور گرم موسموں میں ایسے تجربات اکثر ہوتے رہتے ہیں۔

دوسرے طریقے کو اتصال یا مَس کہتے ہیں یعنی جب ایک گرم اور ایک سرد جسم ایک دوسرے کے ساتھ مماس ہوتا ہے تو گرم جسم میں سے حرارت منتقل ہو کر سرد جسم کو گرم کر دیتی ہے، حتیٰ کہ دونوں اجسام کی حرارت مساوی ہو جاتی ہے۔

تیسرا طریقہ یہ ہے کہ جب مادہ مکثف ہیئت سے تحلیلی صورت اختیار کرتا ہے تو حرارت کو جذب کر لیتا ہے۔ اور یہ حرارت مادہ کو ان اجسام سے یا ان ہوا سے ملتی ہے جو اس کے مماس واقع ہوتے ہیں۔ جب پانی ہوا یا بخاری صورت اختیار کرتا ہے تو حرارت کو جذب کر لیتا ہے یعنی حرارت اس بخار کے اندر مخفی ہو جاتی ہے۔ اور جب یہ بخاری ہوا تحلل حالت سے کثیف اور غلیظ ہیئت اختیار کرتی ہے تو حرارت اس سے اخراج پا لیتی ہے۔ یہ تینوں عمل انسان کے بدن میں بھی کام کر رہے ہیں۔ ان کے علاوہ ذیل کے اعمال بھی اپنا کام کر رہے ہیں جن سے اخراج حرارت جاری رہتا ہے۔

① جو ہوا سانس لینے کے وقت ناک کے اندر جاتی ہے اس کے ذریعے سے بہت سی حرارت خارج ہوتی ہے۔ ناک کے اندر داخل ہو کر یہ ہوا اس غشاء سے مماس ہوتی ہے جس کے اندر گرم اور کثیف خون دورہ کرتا ہے۔ یہ ہوا عموماً خشک ہوتی ہے اور ہمارے بدن کی نسبت سرد ہوتی ہے۔ اس لئے خون میں سے یہ اجزاء کے نکلنے اور انعکاس حرارت سے اس کی تبرید ہو جاتی ہے۔

② کھانا پینا بدن کی نسبت سرد ہوتا ہے۔ جسم کو اس کے پکا کر جزو بدن کرنے کے لئے حرارت کی ضرورت ہے اور فضلہ کی صورت میں خارج ہونے کے وقت بھی وہ جسم کے برابر گرم ہو کر نکلتا ہے۔ یعنی حرارت کو جذب کر لیتا ہے۔

③ ہمارا سارا جسم جلد سے ڈھکا ہوا ہے۔ جس میں ہزاروں رگیں جال کی طرح تنی ہوئی ہیں۔ ان رگوں کے اندر ہر وقت خون دورہ کرتا رہتا ہے۔ جب ٹھنڈی ہوا بدن کو لگتی ہے تو اس خون سے مماس ہو کر اس کو ٹھنڈا کر دیتی ہے۔ یہ خون سرد ہو کر اندرونی اعضاء کی طرف چلا جاتا ہے اور وہاں سے دوسرا گرم خون تبرید کے لئے جلد کی طرف آ جاتا ہے۔

④ تمام بدن کی جلد میں چھوٹے چھوٹے غدود موجود ہیں، جو ہر وقت خون میں سے مایہ اجزاء نکال نکال کر جلد کے اوپر چھڑکتے اور ترشح کرتے رہتے ہیں۔ اور جب پسینہ خشک ہوتا ہے تو جسم کی حرارت کم ہو جاتی ہے۔ اس قسم کا انتظام بہت ضروری تھا۔ کیونکہ پہلے تین آلات فقط اس وقت مفید ہو سکتے ہیں جب خارجی ہوا بدن کی نسبت سرد ہو۔ چوتھا طریقہ اس صورت میں بھی کام کرتا ہے جب ہوا کی حرارت بدن کی نسبت زیادہ ہوتی ہے۔

اعتدال حرارت قائم رکھنے کا انتظام

دُنیا میں حیوان دو قسم کے ہوتے ہیں۔ اوّل قسم کے سرد خون والے کہلاتے ہیں، جیسے مچھلی و مینڈک اور چھپکلی و سانپ، دوسرے قسم کے گرم خون والے کہلاتے ہیں۔ مثلاً پرند و چرند اور حیوان اور انسان۔ فرق ان دونوں اقسام میں یہ ہوتا ہے کہ سرد خون والے حیوانات کی جسمانی حرارت ان کے ماحول کے پانی اور ہوا کے برابر ہوتی ہے۔ اگر پانی اور ہوا گرم ہوتے ہیں تو ان کا جسم بھی گرم ہوتا ہے۔ اگر وہ سرد ہوتے ہیں تو وہ بھی سرد ہو جاتے ہیں۔ اس لئے سرد خون والے حیوانات جمادات کی مثال ہوتے ہیں، گرم خون والوں میں یہ قابلیت ہوتی ہے کہ وہ اپنی جسمانی حرارت اسی درجہ پر رہتی ہے خواہ وہ گرم مقام میں ہوں یا سرد مقام میں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان حیوانات کے اندر کوئی ایسا انتظام موجود ہے جو حرارت کو اعتدال پر رکھتا ہے۔ اور کم و بیش نہیں ہونے دیتا ہے۔

ان دونوں قسم کے حیوانات میں اختلاف نظام عصب ہے۔ گرم خون والوں کا نظام عصب بہت اعلیٰ درجہ کا اور پیچیدہ ہوتا ہے۔ اور سرد خون والوں میں نظام عصب کچھ ایسا ترقی یافتہ نہیں ہوتا ہے۔ بچوں میں چونکہ یہ نظام پورے طور پر تکمیل کو نہیں پہنچا ہوتا کیونکہ بچوں کی حرارت بہت آسانی سے کم و بیش ہو جاتی ہے، اور زیادہ گرمی اور زیادہ سردی کو اچھی طرح برداشت نہیں کر سکتا۔ اسی طرح شدید امراض میں جب نظام عصب اور دماغ کمزور ہو جاتا ہے تو اس حالت میں بھی ضبط حرارت کی قوت کمزور ہو جاتی ہے اور بیمار سردی گرمی کا اچھی طرح متحمل نہیں ہوتا۔ کہ حرارت بدن کا ضبط دراصل نظام عصب کے متعلق ہوتا ہے۔ اور یہ درست بھی معلوم ہوتا ہے، کیونکہ ایسا ضروری فعل جس پر صحت اور حیات کا انحصار ہے، وزیر بدن کے اپنے خود تحکم میں ہونا ہی مناسب ہے۔

ضبط حرارت کا انتظام کیا ہے

تجربہ اور مشاہدہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ضبط حرارت دو طریق سے عمل میں لایا جاتا ہے۔ اوّل طریق یہ ہے کہ دماغ اعلیٰ میں ایک مقام واقع ہے جس کے ایک حصہ کو "کارپس سٹرایم" کہتے ہیں۔ جس کا تعلق تولد حرارت سے ہے۔ اس مقام میں جب دماغی بیماریاں ہوتی ہیں تو حرارت بدن کو ہو جاتی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں پر مولد حرارت واقع ہے۔ جہاں سے احکام صادر ہو کر عضلات میں جاتے ہیں اور وہاں پر کیمیاوی تبدیلیاں حسب الحکم کم و زیادہ ہوتی ہیں۔ جس کے سبب سے حرارت بدن بھی کم و بیش ہو جاتی ہے۔

اس اوّل طریق میں ہی دوسری صورت یہ ہے کہ ایک اور مقام دماغ مستطیل میں ہے جس کا تعلق اخراج حرارت ہے۔ اخراج حرارت اس طور پر ہوتا ہے کہ دماغ مستطیل سے اعصاب متحرک شرائین کے نام احکام صادر ہوتے ہیں۔ جیسے جلدی شرائین حسب ضرورت پھیل جاتی ہیں یا سکڑ جاتی ہیں۔ اور اس طریق سے اخراج حرارت میں کم و بیش کر دیا جاتا ہے۔ ان دونوں مصادر کے احکام خود دماغ میں سے پیدا ہوتے ہیں جیسا کہ بعض دماغی صدموں میں دیکھا گیا ہے۔ جب آدمی کو کسی بات کی شرم آتی ہے تو پسینہ آ کر تر بتر ہو جاتا ہے۔ اور ہاتھ پیر سرد ہو جاتے ہیں۔ حمیات کے سمی مادہ سے جو حرارت بڑھتی ہے وہ اسی قسم کا ہوتا ہے۔ دماغ مصادر معمولی حس کے اعصاب سے بھی متاثر ہوتے ہیں۔ سنگ گردہ و کبار جب بول و صفارا کی نالیوں میں سے گزرتا ہے تو اعصابی خراش ہو کر مصدر مولد حرارت متاثر ہو جاتا ہے اور جاڑا لگ کر بخار ہو جاتا ہے۔

دوسرا طریق یہ ہے کہ جب سردی ہوتی ہے اور سرد ہوا بدن کو لگتی ہے تو اخراج حرارت بدن سے زیادہ ہوتا ہے۔ اس فضول نقصان کی خبر اعصاب حس کے ذریعے دماغ مستطیل میں پہنچ جاتی ہے۔ پھر وہاں سے حکم نافذ ہوتا ہے اور عروق جلد کو فوراً تنگ کر دیا جاتا ہے۔ تاکہ حرارت ضائع نہ ہو۔ یہی باعث ہے کہ سردیوں میں جلد خشک ہو جاتی ہے۔ اسی کے ساتھ دوسری صورت سمیات جراثیم کی ہے۔

مندرجہ بالا بیان سے ظاہر ہے کہ حرارت کواعتدال کے درجے تک رکھنے کے لئے ایک نہایت پیچیدہ انتظام عمل میں لایا گیا ہے۔ تولد و اخراج حرارت کا ضبط دماغ کے ہاتھ میں ہے۔ گویا دماغ کے ہاتھ میں ضبط حرارت کولگام ہے۔ جب تک دونوں راسیں مناسب طور پر کھنچی رہتی ہیں، گھوڑا سیدھا چلتا رہتا ہے، اور جب ایک راس کسی باعث زیادہ کھنچ جاتی ہے یا ٹوٹ جاتی ہے تو انتظام میں خلل واقع ہو جاتا ہے۔

تپ کس طرح پیدا ہوتا ہے

ان اصولوں کے مطابق حرارت کا بڑھنا دوطریق پر ہے یا تو حرارت پیدا ہی زیادہ ہو اور اخراج حسب معمول ہوتا رہے، جس صورت میں خرچ کی نسبت داخل حرارت زیادہ ہونے سے حرارت کا اجتماع ہو کر تپ کی صورت پیدا ہو جاتی ہے یا اخراج کم ہو جائے یعنی حرارت جیسا کہ چاہیے پیدا ہوتی رہے مگر اخراج کم ہو۔ اس صورت میں بھی وہی کیفیت پیدا ہو جائے گی اور یہ بھی ممکن ہے کہ تولد و اخراج حرارت دونوں میں فتور واقع ہو جائے۔ اور تجربہ و مشاہدہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہی ہوتا ہے۔ تپ کی حالت میں حرارت بہت زیادہ پیدا ہوتی ہے اور کثرت سے کیونکہ اخراج حرارت بھی اگرچہ معمول سے زیادہ ہوتا ہے، تاہم حرارت صحت کی نسبت بہت زیادہ رہتی ہے۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ بخار کی حالت میں ''کاربانک ایسڈ'' اور ''یوریا'' دونوں کی مقدار بدرجہا بڑھ جاتی ہے۔ یہ دونوں فضلات ہیں جو جسم کے اجزاء کے جلنے سے پیدا ہوتے ہیں۔ شاید امراض اور حمیات میں بدن کی چربی اور عضلات کا ہزال اور نقصان بھی اس بات کا ثبوت ہے۔

ڈاکٹر آرڈ کا خیال ہے کہ بخار کی وجہ سے چونکہ صحت کے معمولی افعال حرکت و سکون اور ہضم غذا وغیرہ مریض اچھی طرح نہیں کر سکتا، اس لئے اعصابی قوت کا وہ حصہ جو ان افعال کے سرانجام کے لئے اٹھا کر رکھ دیا جاتا ہے، مصرف میں نہ لائے جانے کے سبب سے حرارت کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔

مندرجہ بالا تحقیقات سے ہمیں کسی طور پر شک نہیں رہتا کہ بخار کی غیر طبعی حرارت اعصابی عمل سے ہوتی ہے یعنی خارجی سمیات بدن میں داخل ہو کر یا داخلی سمیات بدن کے اندر پیدا ہو کر نظام اعصاب پر اپنا موذی اثر کرتے ہیں۔ جس کے سبب سے تولد و اخراج حرارت کا تناسب بگڑ جاتا ہے اور حرارت درجہ اعتدال سے بڑھ جاتی ہے۔ بخار کے اعصابی اسباب سے پیدا ہونے کا ثبوت اس بات سے بھی مل سکتا ہے کہ جس وقت بخار کی حرارت تیز ہوتی ہے، اسی وقت دوسری اعصابی علامات مثلاً دردسر، اعضاء شکنی، ہذیان، اختلاط حواس وغیرہ بھی نمودار ہوا کرتے ہیں۔ صحت کی حالت میں اگرچہ حرارت کا اوسط درجہ 98.6 مانا جاتا ہے۔ مگر بدن کی حرارت ہر وقت اتنی نہیں رہتی۔ اس سے کم و بیش ہوتی رہتی ہے۔ رات کے 2 بجے سے صبح 6 بجے تک حرارت اکثر کم ہوتی ہے اور ہر شام کے 5 بجے سے 8 بجے تک 98.6 درجہ سے بڑھ جاتی ہے۔ سکون و حرکت اور کھانے پینے سے بھی حرارت میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے۔ بچوں کی حرارت بہ نسبت جوانوں اور جوانوں کی نسبت بوڑھوں کے کسی قدر زیادہ ہوتی ہے۔ موٹے آدمیوں میں تحت الجلد چربی زیادہ ہونے کے باعث اندرونی حرارت بہ نسبت بیرونی حرارت کے زیادہ ہوتی ہے۔ اسی طرح دھوپ میں جانے سے اور سرد ہوا لگنے سے بھی حرارت زیادہ اور کم ہو جاتی ہے۔ بدن کے سارے حصے یکساں گرم نہیں ہوتے۔ مختلف مقاموں میں مقامی اسباب سے بھی حرارت میں فرق ہوتا ہے۔

اسی طرح سے التہاب (انفلامیشن) ذکاوت حس (نیورلجیا) میں شریانوں کے پھول جانے سے جب کسی مقام پر خون زیادہ ہوتا ہے تو وہ مقام گرم ہو جاتا ہے۔ جس مقام پر (گنگرلین امبولزم) ہو یا کسی سدہ کے باعث خون کافی مقدار میں نہ جائے تو باقی بدن کی بہ نسبت وہ مقام سرد ہو جاتا ہے۔

اس طریق سے اگر تمام اسباب کو جمع کیا جائے تو صحت کی حالت میں اوسط درجہ حرارت خاصی مقدار میں اوپر نیچے ہوتی رہتی ہے اور ان

اعلیٰ اور اسفل حدود کی اوسط کا نام اعتدال حرارت ہے۔جس طرح اعصابی اور دماغی عمل سے حرارت زیادہ ہوتی ہے۔اسی طرح کئی اسباب مصنف دماغ اور اعصاب ایسے ہوتے ہیں جن سے حرارت بدن بہت ہی کم ہو جاتی ہے۔مثلاً جریان خون، فاقہ کشی، امراض مزمنہ مثل سرطان، انیما (کمی خون)، کلورسس، امراض گردہ وقلب، دماغی امراض میں حرارت بدن ہمیشہ کسی قدر کم رہتی ہے اور ٹائیفائیڈ فیور میں جب امعاء پھٹ جاتی ہیں، ہیضہ، الکحل، کاربانک ایسڈ کے سمی اثرات سے بدن کی حرارت بہت جلد نیچے اتر جاتی ہے۔[اقتباسات از علم وعمل طب کرنل بھولا ناتھ]

جراثیمی سمیات سے پیدائش حرارت

ماڈرن سائنس کی تحقیقات سے ثابت ہو چکا ہے کہ حرارت جسمانی کے دو اسباب ہیں۔اوّل اس دماغی مرکز کا خلل جو میزان حرارت کو باقاعدہ رکھتا ہے (جس کا ذکر ہم تفصیل سے کر چکے ہیں)۔دوم دورانِ خون میں جراثیم یا ان کے سمیات کی موجودگی اور یہ ٹاکسنز (سمیات جراثیمی) بھی دو طریق سے حرارت کو بڑھاتے ہیں۔

اوّل میٹابولزم میں خلل انداز ہوتے ہیں۔میٹابولزم افعال اعضاء اندرونی کو کہتے ہیں۔مثلاً انہضام طعام، عروق ماساریق، غذا سے سیال جزو لینا، جگر اور لبلبہ کا فعل، گردوں کا پیشاب علیحدہ کرنا اور غذا کا جسم میں احتراق وغیرہ۔اس اصطلاح سے مراد یہ ہے کہ سمیات جراثیمی ان اعضاء کے افعال اندرونی میں خلل انداز ہو کر حرارت کو بڑھا دیتی ہیں۔

جراثیمی سمیات کے خلل انداز ہونے کی دوسری صورت یہ ہے کہ مرکز دماغی جو حرارت کو میزان کرتا ہے اس میں خلل انداز ہوتی ہے۔ پس مؤخر الذکر اسباب یعنی جراثیمی سمیات ایسے ہیں کہ جن کا سمجھنا نہایت اہم ہے کہ یہ کس طرح خون میں تعفن پیدا کر دیتے ہیں۔ذیل کی ایک مثال سے آسانی سے ذہن نشین ہو جائے گا۔

ایک جراثیم سے پاک کردہ بوتل میں قدرے قند ڈال کر اس میں کوئی نائٹروجنی سیال، مثل شوربہ یا آب گوشت ملا دیا جائے۔اور بوتل کے منہ کو کھلا رہنے دیا جائے۔تاکہ ہوا اس میں داخل ہوتی رہے۔اگر تجربہ جلد مطلوب ہو تو آگ پر جوش دے دیا جائے ورنہ کوئی ضرورت نہیں ہے۔کچھ مدت بعد اس کی سطح پر جھاگ پیدا ہو جائے گی اور اب اس جھاگ کو بذریعہ خوردبین ملاحظہ کیا جائے تو اس میں مختلف اقسام کے جراثیم پائے جائیں گے۔یہ سیال اوّل بے بو اور بے ضرر تھا مگر اب نہایت متعفن اور زہریلا بن گیا ہے۔

اسی طرح جب جراثیم انسان کی ساخت میں داخل ہو کر یا دورانِ خون میں داخل ہو کر بڑھنے لگتے ہیں تو وہ اپنی غذا جس سے حاصل کرتے ہیں، اور جسمانی حرارت ان کی زندگی کے لئے نہایت موزوں ہوتی ہے۔ان کی نسل خوب بڑھتی ہے، جس سے مرض کی تمام علامات شدت سے ظاہر ہوتی ہیں۔حکماء یونان نے اسی کیفیت کو تعفن داخل عروق کے نام سے تعبیر کیا ہے اور امعاء میں بھی جراثیم اپنے موذی اثرات سے قروح پیدا کر دیتے ہیں۔جب بخار جراثیم کے جسم میں داخل ہونے سے ہوتا ہے تو درحقیقت یہ نہایت پیچیدہ تبدیلیوں کے باعث ہوتا ہے۔جس کا سمجھنا نہایت مشکل ہے اور اصلی بخار یہی ہے اس کو ڈاکٹری اصطلاح میں ''پائی ریکسیا'' کہتے ہیں۔مگر جب بخار بغیر جراثیم کے جسم میں داخل ہونے سے ہوتا ہے۔جس کی کوئی بھی وجہ ہو مثلاً زیادہ گرمی کا لگ جانا، تکان وغیرہ تو اس کو ''ہائی پر تھرمیا'' کہتے ہیں۔

جب جراثیم کی موجودگی سے بخار ہوتا ہے تو قوت مدافعت جراثیم کے ساتھ شدید مقابلہ کرتی ہے۔اور بخار اس مقابلے کی پختہ علامت ہے (گویا بخار شفا ہے)۔اگر بخار نمونیا یا ایسی کسی شدید بخار کے جراثیم جسم میں داخل ہو جائیں اور قوت مدافعت ان کو زائل نہ کر سکے بخار نہ ہو یا بہت خفیف ہو تو اس کا انجام مہلک ہوگا۔عموماً نہایت ضعیف العمر اور کمزور اشخاص میں یہ حالت دیکھی جاتی ہے۔جوان اور مضبوط آدمیوں کو ایسے متعدی بخاروں میں سخت بخار چڑھتا ہے گویا قوت مدافعت اپنی پوری طاقت سے کام لیتی ہے۔یعنی مناعت ''امیونٹی'' کو پیدا کرنے کی پوری کوشش

خود بخود دھوتی رہتی ہے۔ مندرجہ بالا بیان سے واضح ہے کہ بخار بذاتِ خود کوئی بیماری نہیں ہے بلکہ مرض کا سبب جراثیم ہیں اور بخار طبیعت اور جراثیم مرض (یعنی بخار) کی جنگ کا بین ثبوت ہیں۔ مگر بعض حالتوں میں بخار جراثیم سے مجادلہ شدید کی حالت میں اس قدر بڑھ جاتا ہے کہ ''گویا بخار مرض تسلیم ہو گیا'' اس کے شدت کے اثر سے مریض پر مہلک اثر ہو جاتا ہے۔ اور جس زندگی کو جراثیم سے بچانے کے لئے بخار ہوا تھا وہ بھی ختم ہو جاتی ہے۔

اس سے ظاہر ہے کہ اگر زندگی کا دارومدار جسمانی حرارت پر ہے تو تندرستی کا اعتدال حرارت پر ہے۔ اور میزان حرارت پر ہے۔ اور اس کا بڑھنا خطرہ سے خالی نہیں ہے۔

علاوہ جراثیم کے سمیات کے جذب ہونے کے دیگر طریقوں سے بھی حرارت جسمانی بڑھ جاتی ہے۔ مثلاً تکان، شدید گرمی، چوٹ لگنا، روددوں میں سدوں اور متعفن براز کا موجود ہونا۔ کسی اندرونی عضو میں ورم وغیرہ، نیز بے خوابی جسم پر شدید خارش، زیادہ خوف وغیرہ اور دیگر بہت سے اسباب ہیں جو دماغی تکلیف کے باعث ہوتے ہیں۔ [اقتباسات خزائن طب از ڈاکٹر محمد نصیر الدین]

اعتراض اوّل

فرنگی طب بخار کی حرارت کو جسم کی اصلی حرارت اور حرارت غریزیہ میں اضافہ سمجھے یا عارضی حرارت اور حرارت غریبہ کو ایک جدا قسم کی حرارت تسلیم کرنے سے انکار کردے۔ لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتی کہ وہ ایک غیر طبعی حرارت ہے اور اس میں کاربانک ایسڈ گیس کی زیادتی ہوتی ہے۔ اب اس حرارت کی پیدائش میں وہ تسلیم کرتی ہے کہ تین اسباب ہیں:

① دماغی مرکز کی خرابی۔
② جراثیمی سمیات کی زیادتی۔
③ کیفیاتی ونفسیاتی اور دیگر مادی اور فعلی اثرات وغیرہ۔

اعتراض پیدا ہوتا ہے کہ اگر پہلا سبب ہی اصل سبب ہے جس سے حرارت کی کمی بیشی پیدا ہوتی ہے اور دیگر دونوں اسباب بھی پہلے سبب کا باعث بنتے ہیں تو ثابت ہوتا ہے کہ دوسرا اور تیسرا سبب یعنی جراثیمی سمیات اور کیفیات ونفسیاتی اور مادی وفعلی اثرات بے معنی اسباب بن جاتے ہیں۔ جیسا کہ اوپر کے مضامین میں تسلیم کیا گیا ہے۔ گویا بخاروں کی پیدائش کا اصل سبب دماغی مرکز کا خراب ہونا ہے۔ یعنی اصل سبب جس کو سبب واصلہ اور فاعلہ کہتے ہیں۔ اس طرح بخار کے پیدا کرنے میں جراثیمی سمیات کیفیاتی اور مادی وفعلی اسباب کی اہمیت ختم ہو جاتی ہے۔ گویا فرنگی طب ایک بہت بڑی غلط فہمی میں گرفتار ہے۔ ایک طرف دماغی مرکز کی خرابی کو حرارت کی زیادتی اور بخار تسلیم کرتی ہے اور دوسری طرف جراثیمی سمیات اور کیفیاتی اور مادی وفعلی اثرات کو اصل سبب یعنی سبب واصلہ اور فاعلہ ماننے پر مجبور ہے۔

امراض کی پیدائش میں اسباب تو بے شمار ہوتے ہیں لیکن اسباب واصلہ اور فاعلہ صرف ایک ہی تسلیم کرنا پڑتا ہے۔ یعنی جس سبب کے فوراً بعد مرض یا بخار پیدا ہو سکتا ہے، اس کا فائدہ یہ ہو سکتا ہے کہ علاج میں اسی سبب واصلہ وفاعلہ کی اصلاح اور درستی کی جاتی ہے اور اسی کو ہر حالت میں پیش نظر رکھنا پڑتا ہے۔ مثلاً سبب واصلہ اور فاعلہ تو ہو دماغی مرکز کی خرابی اور ہم جراثیمی سمیات اور کیفیاتی ونفسیاتی اور مادی وفعلی اسباب کو درست کرتے پھریں۔ اس طرح بھلا ہم کیسے کسی مرض اور بخار کا علاج کر سکتے ہیں۔ جب فرنگی طب میں بخار کے متعلق ابتدائی معلومات ہی غلط ہیں یعنی وہ پیدائش بخار ہی سے بے علم ہے تو بھلا اس کا صحیح طور پر وہ علاج کیسے کر سکتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ تین چار سو سالوں کے سائنسی دور کے باوجود وہ آج تک کسی ایک قسم کے بخار کا صحیح علاج معلوم نہیں کر سکی۔ وہ جو آج کل بخاروں کے علاج میں ادویات مستعمل ہیں خود سب عطایانہ ہیں۔ جو ہر پانچ دس سال بعد بدل جاتی ہیں۔ اگر علاج کے متعلق ان کے نظریات درست ہوتے جیسا کہ طب اور آیورویدک میں پائے جاتے ہیں تو ہزاروں سالوں تک بھی ان کے علاج اور ادویات میں بھی تبدیلیاں پیدا نہ ہوتیں۔ یہی غلط طریقہ علاج ہے جس کی اصلاح بھی مشکل ہے۔ اور اس کا ختم کرنا ہی ہر حال میں بہتر ہے۔

اعتراض دوئم

فرنگی طب ایک طرف بخاروں کی پیدائش اور حرارت کی زیادتی کو دماغی مرکز کی خرابی تسلیم کرتی ہے اور دوسری طرف یہ بھی تسلیم کرتی ہے کہ جب تک کسی عضو کی مناعت (امیونٹی) کمزور نہ ہو جائے اس وقت تک نہ جراثیمی سمیات جسم کو نقصان پہنچا سکتے ہیں اور نہ ہی کیفیاتی و نفسیاتی اور مادی و فعلی اثرات نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ اگر اس کو صحیح تسلیم کر لیں تو یہاں پر پھر دوسرا اعتراض یہ پیدا ہوتا ہے کہ جراثیمی سمیات اور کیفیات و نفسیاتی اور مادی و فعلی اسباب و اثرات بالکل بے معنی ہیں۔ کیونکہ جب تک اعضاء کی مناعتیں درست ہیں تو پھر اور کوئی اثر نقصان نہیں پہنچا سکتا ہے۔ اس لئے سب سے زیادہ جس چیز کی احتیاط لازم ہو سکتی ہے تو وہ اعضاء کی مناعتیں ہو سکتی ہیں نہ کہ جراثیمی سمیات اور دیگر اسباب کو مدنظر رکھا جائے۔

اعتراض سوئم

مناعت (امیونٹی) کا تعلق اعضاء سے مخصوص ہے، یعنی جب تک کسی عضو کی امیونٹی (مناعت) درست اور مضبوط ہے اس وقت تک اس کے افعال درست ہیں۔ اس وقت تک اس پر کسی جراثیم کا حملہ نہیں ہو سکتا نہ ہی کوئی مرض پیدا ہو سکتا ہے۔ لیکن جب بھی کسی عضو کی مناعت کمزور ہو جاتی ہے اور وہ اپنی درست حالت میں نہیں ہوتی تو اس کے افعال صحیح نہیں رہ سکتے۔ اس پر کسی نہ کسی جراثیم کا حملہ ہو گا یا کوئی مرض پیدا ہو جائے گا۔ ان امور سے ثابت ہوا کہ مناعت (امیونٹی) اور ان کے افعال لازم وملزوم ہیں۔

جب یہ ثابت ہو گیا کہ اعضاء کی مناعت (امیونٹی) اور ان کے افعال لازم وملزوم ہیں، تو نتیجہ نکلا کہ دیگر اعضاء کی خرابی سے بھی بخار اور دیگر امراض پیدا ہو سکتے ہیں۔ صرف دماغی مرکز کی خرابی ضروری نہیں ہے۔ اور اگر اس کا جواب دے دیا جائے کہ جب دیگر اعضاء کی مناعت اور افعال خراب ہوتے ہیں تو پہلے ان کا اثر دماغی مرکز پر ہوتا ہے۔ پھر امراض بخار اور حرارت میں کمی بیشی ہوتی ہے۔ تو اس کا جواب آسانی سے یہ دیا جا سکتا ہے کہ ایسے بخار جن میں دماغی مرکز میں خرابی پیدا نہیں ہوتی اور بخار پیدا ہو جاتا ہے اور حرارت غیر طبعی بڑھ جاتی ہے۔ جیسے کیفیاتی و نفسیاتی اور مادی و فعلی بخار وغیرہ جیسا کہ فرنگی طب تسلیم کرتی ہے جن کا ثبوت ان کی ہر کتاب میں درج ہے اور ان کی تقسیم ہم بخار میں تفصیل سے بیان کر دیں گے۔

نتیجہ

مندرجہ بالا حقائق اور بحث سے نتیجہ یہ نکلا کہ بخار کی پیدائش کے اصل اسباب دماغ اور دیگر اعضاء کے افعال کی خرابی ہے۔ جن کی وجہ سے وہاں پر مواد رکتے ہیں یا دوران خون کی کمی بیشی ہوتی ہے یا رطوبات کی اخراج و پیدائش میں افراط وتفریط ہوتی ہے۔ گویا یہ ثابت ہوا کہ جب تک افعال الاعضاء میں خرابی پیدا نہ ہو تو بخار ہو سکتا ہے۔ اور نہ ہی حرارت میں کمی بیشی ہو سکتی ہے۔ اور نہ ہی کوئی دیگر مرض ظہور میں آ سکتی ہے۔ یہ جو کہا جاتا ہے کہ جراثیم اور ان کے سمیات باعث بخار اور پیدائش حرارت اور دیگر امراض ہیں کسی طرح بھی درست نہیں ہے۔ بالکل غلط اور

زبردست دھوکا ہے۔ اسی طرح کیفیاتی ونفسیاتی اور مادی وفعلی اثرات بھی باعث بخار و پیدائش حرارت اور دیگر امراض بھی نہیں ہیں اس امر میں کوئی شک نہیں ہے یہ سب کے سب اسباب بخار و پیدائش حرارت اور دیگر امراض ہیں۔ لیکن اسباب واصلہ اور فاعلہ نہیں ہیں۔ اسباب واصلہ اور فاعلہ صرف افعال اعضائے انسانی ہیں۔ جب تک وہ درست ہیں، جسم صحت مند ہے اور جب وہ بگڑ جاتے ہیں بخار پیدا ہو جاتا ہے۔ حرارت کم وبیش ہو جاتی ہے۔ دیگر امراض ظاہر ہو جاتے ہیں اور علاج کی صورت بھی یہی ہے کہ بجائے جراثیم مارنا، ان کے سمیاتی اثر ضائع کرنا، تعفن وفساد کو دور کرنا، کیفیاتی ونفسیاتی حالات کو بدلنا اور مادی وفعلی صورتوں کو رفع کرنا وغیرہ۔ صرف اعضاء کے افعال درست کر دیئے جائیں، بخار اور دیگر امراض دور ہو جائیں گے اور صحیح معنوں میں علاج ہو سکتا ہے۔

ہم نے یہ اعتراض اس مقام پر اس لئے کئے ہیں کیونکہ فرنگی طب کے بخاروں کو بیان کرنے کے بعد ہی ان پر اعتراض کرنا زیادہ بہتر ہے۔ اگر ہم آگے چل کر ان پر اعتراض کرتے تو فرنگی بخاروں کی پیدائش کی پوری صورت شاید ذہن میں باقی نہ رہتی۔ آئندہ بھی جہاں کہیں فرنگی طب میں اعتراض پیدا ہوں گے ساتھ ساتھ کرتے جائیں گے۔

بخار کی علامات عمومی

بخار خواہ کسی قسم کا ہو اس کا خواہ کوئی سبب ہو سب میں قریب قریب چند علامات مشترکہ طور پر پائی جاتی ہیں۔

① حرارت جسم، حالت، صحت سے زیادہ ہوتی ہے جو مریض کو نیز دوسروں کو بدن چھونے سے معلوم ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں بذریعہ مقیاس الحرارت (تھرمامیٹر) اس کا اندازہ بخوبی ہو سکتا ہے۔ کیونکہ حالت صحت میں حرارت تقریباً ساڑھے اٹھانوے ہوتی ہے۔ لیکن بحالت بخار اس سے زیادہ ہو۔

② معمولی طور پر رطوبات بدن کو تراوش اور اخراج میں فرق پڑ جاتا ہے خون سے سیال حصہ کم خارج ہوتا ہے۔ اور کل ساخت جسم میں بہ نسبت صحت کے خرابی عائد ہو جاتی ہے۔ ان اعضاء کے افعال میں خلل لاحق ہو جاتا ہے۔ جس سے رطوبات تراوش پاتی ہیں۔ نیز رطوبات مذکورہ کی ماہیت تبدیل ہو جاتی ہے۔ جس سے چند عوارض پیدا ہو جاتے ہیں۔ مثلاً جلد ناہموار اور درشت، زبان میلی اور خشک، پیاس زیادہ اور بھوک کم ہو جاتی ہے۔ غثیان قے اور قبض کی شکایت ہو جاتی ہے۔ پیشاب سرخ تیزابی کیفیت کا مقدار میں کم ہوتا ہے۔ اور اس میں ایک خاص طرح کی بو ہوتی ہے۔ امتحان کرنے پر اس میں مادہ بول (یوریا) اور حمض بولی (یورک ایسڈ) زیادہ پایا جاتا ہے۔ اور اس کا وزن متناسبہ حالت صحت کی نسبت زیادہ ہوتا ہے۔

③ نظام شریانی میں خلل لاحق ہو جاتا ہے۔ چنانچہ خون سے شورنمک، کریات دمویہ احمر (ریڈ کارپسلس) اور مادہ بیضہ (البیومن) کم ہو جاتے ہیں۔ مصل (محلول خون) میں شوریت کم ہو جاتی ہے۔ نبض سریع اور ممتلی ہو جاتی ہے۔ بعض دفعہ فی دقیقہ ایک سو چالیس ضربات سے بھی تجاوز کر جاتی ہے۔ لیکن مرض کی ترقی کے زمانے میں باریک، کمزور، منتظر اور گاہے وقفہ دار ہو جاتی ہے۔

④ نظام تنفس میں بدفرق آ جاتا ہے۔ مریض جلد جلد سانس لیتا ہے۔ چنانچہ نبض میں جس قدر تیزی ہوتی ہے، اسی حساب سے اکثر تعداد تنفس بڑھ جاتے ہیں۔

⑤ نظام عصبی میں فتور پڑ جاتا ہے، چنانچہ ابتداء میں سردی لگتی ہے یا لرزہ سے بخار ہو جاتا ہے۔ تمام جسم میں درد اور تکان ہوتی ہے۔ کام سے نفرت، سستی، بے قراری، بے خوابی، دردسر ہوتا ہے۔ گاہے رات کے وقت ہذیان شدید ہو جاتا ہے، کل عضلات پھڑکتے ہیں، مریض بستر چھنتا ہے۔ تشنج ہوتا ہے یا بے ہوشی ہو جاتی ہے، جو شدید عصبی علامات ہیں۔

(۶) جسم میں کیمیاوی تغیر وتبدل ہوتا ہے، غذا سے نفرت ہو جانے کی وجہ سے مریض دُبلا پتلا اور کمزور ہو جاتا ہے۔ بعض وقت پست ہمت اور کسی قدر سوء القنیہ بھی ہو جاتا ہے (سوء القنیہ = فقر الدم)۔

مختلف بخاروں میں درجہ حرارت کم وبیش ہوتا ہے۔ چنانچہ جب حرارت بخار 101 درجہ سے کم ہوتی ہے تو اس کو خفیف بخار کہتے ہیں۔ جب حرارت 103 درجہ تک ہوتی ہے تو اس کو متوسط بخار کہتے ہیں۔ اور جب 105 درجہ تک حرارت پہنچ جاتی ہے تو اس کو شدید بخار کہتے ہیں۔ اور اگر حرارت 105 درجہ سے تجاوز کر جائے تو حالت کو تپ محرقہ یا حمی محرقہ کہتے ہیں۔ اگر یہ شدید بخار کچھ دیر تک رہے تو مریض کا کام تمام کر دیتا ہے۔ لیکن صرف بخار پر مریض کی اچھی بری حالت کا قیاس نہیں کرنا چاہئے بلکہ مریض کی رفتار نبض اور جسم کی حالت بھی دیکھنا چاہئے۔ کیونکہ بعض شدید امراض مثلاً ذات الجنب، ورم باریطون یا کسی دیگر اندرونی عضو کے التہاب میں حالانکہ حرارت زیادہ نہیں ہوتی لیکن مریض کچھ عرصہ بعد انتقال کر جاتا ہے۔

یہ امر ملحوظ رکھنا چاہئے کہ حرارت کا دیر تک رہنا مریض کے حق میں مضر ہوتا ہے اور اگر حرارت دفعتاً کم ہو جائے یا ایک دفعہ کم ہو کر پھر دفعتاً زیادہ ہو جائے یا اپنے وقت معینہ سے پیشتر کم ہو جائے تو یہ سب باتیں مریض کے حق میں بری ہوتی ہیں۔ مرگی، سرطان اور کزاز وغیرہ میں موت سے قبل حرارت شدید ہو جاتی ہے۔

بخار کی جن جن علامات کا ذکر کیا گیا ہے خاص خاص بخاروں میں ان میں فرق آ جاتا ہے اور کسی عضو کے کسی مرض میں مبتلا ہونے کی وجہ سے اس مرض کی خاص خاص علامات پیدا ہو جاتی ہیں۔ اس لئے صرف حرارت پر ہی اکتفا نہ کیا جائے بلکہ مختلف طریق سے مریض کے ہر پہلو کو ملاحظہ کر کے تفتیش مکمل کریں۔ فرنگی طب میں زیادہ تر حرارت کو مدنظر رکھا جاتا ہے۔ اس مقصد کے لئے وہ مقیاس الحرارت (تھرمامیٹر) کو استعمال کرتے ہیں۔ اس آلہ کو مریض کی زبان کے نیچے رکھ کر اس کو منہ بند کرنے کے لئے کہیں۔ بعض آلے آدھے منٹ ہی میں درجہ حرارت بتا دیتے ہیں بعض پانچ منٹ تک منہ میں رکھے جاتے ہیں۔ گاہے مقعد میں بھی لگائے جاتے ہیں۔ بچوں میں اکثر بغل کے اندر لگایا جاتا ہے۔ ان مختلف مقامات کو حرارت میں بحالت صحت تھوڑا بہت فرق ہوتا ہے۔ تھرمامیٹر کو لگانے سے قبل صاف کر لینا چاہئے، منہ یا مقعد میں رکھنے سے قبل یہ دیکھ لینا چاہئے کہ ان مقامات میں ورم والتہاب تو نہیں ہے کیونکہ ورم والتہاب کے سبب سے حرارت دو تین درجے زیادہ ہو جاتی ہے۔ اور جسم کی اصلی حرارت کا پتہ نہیں لگتا۔ اور یہ بھی یاد رکھیں کہ تھرمامیٹر درجہ حرارت تو ضرور بیان کر دے گا، لیکن وہ یہ نہیں بیان کر سکے گا کہ بخار گرمی کا ہے یا سردی کا ہے۔ ترمامیٹر حرارت کی وضاحت نہیں کر سکتا کہ یہ بخار نمونیا ہے یا محرقہ بخار ہے۔

اعتراض

فرنگی طب بخاروں کو عام جسمی حرارت (جس کو حرارت اصلی یا حرارت غریزیہ کہتے ہیں) میں صرف زیادہ سمجھتی ہے۔ اور بخار کی حرارت کو جدا کوئی حرارت تسلیم نہیں کرتی۔ لیکن سرد بخاروں کی حرارت کے متعلق ان کا کیا خیال ہے۔ جیسے نمونیہ اور دیگر بلغمی بخاروں وغیرہ اگر یہ بھی حرارت کی زیادتی ہیں تو ان کو بھی کم کرنے کے لئے حرارت کم کر دینے کے لئے ادویات دینی چاہئیں۔ لیکن وہ نمونیا اور ایسے دیگر بخاروں میں گرم ادویات استعمال کراتے ہیں بلکہ شراب تک دے دیتے ہیں۔ ان حقائق سے ثابت ہے کہ بخار اصلی حرارت میں زیادتی نہیں ہیں۔

فرنگی طب میں بخاروں کی تقسیم

فرنگی طب میں بخاروں کی تقسیم کسی قاعدہ کے تحت نہیں ہے بلکہ یہ تشخیص کو مدنظر رکھ کر مختلف لحاظ سے کی گئیں۔ مثلاً جراثیمی سمیات اور

تعفن کی وجہ سے متعدی بخار اور غیر متعدی بخار، زمانے کے لحاظ سے دائمی بخار وغیرہ وغیرہ بے شمار اقسام ہیں جن کی فہرست ''رسالہ مغربی طب'' میرٹھ نے شائع کی ہے۔ درج ذیل ہیں: عام بخار، تپ دق، تپ محرقہ، تپ نوبتی (ملیریا)، تپ نکسیر، تپ عفونت آلام، تپ موش گزیدگی، تپ موجی، تپ خرگوش، تپ طوطا، تپ ذات الریہ، تپ التہاب، جگر، تپ خراج ریہ، تپ کلائی طحال، تپ مزمن، تپ سلفا ادویات، تپ نو بالیدگی، تپ سرطان، تپ فقاع، تپ جلدی امراض، تپ ورم رحم، عصبی بخار۔

اردو حروف تہجی کے لحاظ سے بخاروں کی ترتیب اور ساتھ ہی انگریزی نام۔

آبلہ بخار	دقی بخار-تپ دق	گردن توڑ بخار	آتشکی بخار	سالمونیلا بخار	لاغری بخار
اختناق الرحمی بخار	سیاہ آبی بخار	محرقہ بخار، تپ محرقہ	بول الدم بخار	شرعا بخار	یاشنکی ٹائفس
بے آبی بخار	صفراوی بخار	ملیریائی بخار	ٹائفس بخار	ضربی بخار	متعفن بخار
بیش ارتفاعی بخار	ضعفی بخار	مرضیاتی بخار	تبخیری بخار	ضابی بخار	نزلاتی بخار
ثوران دار بخار	عطشی بخار	نزفی بخار	جذامی بخار	عفونتی بخار	نتوالعنق بخار
جمیر بخار	فیل پا بخار	نمونیائی بخار	حمق الدم بخار	قلائی بخار	نفاسی بخار
خراشی بخار	قشعریری بخار	وبائی نزلہ بخار	دغنی بخار	کزازی بخار	ہڈی توڑ بخار
درون حیضی بخار	کسوری بخار	ہضمی بخار	دردسر بخار	گھٹیائی بخار	یرقانی بخار

آب و ہوا اور مقام کے لحاظ سے بخاروں کی تقسیم

آسامی بخار	رنگون کا بخار	
افریقی بخار	روسی دردسر کا بخار	مالٹا بخار
بحر قلزم کا بخار	عدن کا بخار	نکوبار بخار
جنگلی بخار	قبرص بخار	ہگلی کا بخار
ڈمڈم بخار	کمایوں کا بخار	

مکان کے لحاظ سے بخاروں کی تقسیم

جیل کا بخار	روئی کے مل کا بخار	جنگی بخار	ڈیرہ بخار
جہازی بخار	زمینی بخار	خندقی بخار	صحرائی بخار

زمانہ کے لحاظ سے بخاروں کی تقسیم

روزانہ بخار	بارہ دن کا بخار	دگنا ربائی بخار	سہ روزہ بخار	لگاتار بخار	ابن یومی بخار
ربائی بخار	متردوہ بخار	سادہ مسلسل بخار	پانچ دن کا بخار	نکوس کا بخار	کہنہ بخار
سات بخار	مسلسل بخار				

الوان (رنگ) کے لحاظ سے بخاروں کی تقسیم

سرخ بخار	کالا بخار	دھبہ دار بخار	حمصی قرمزیہ
کالا آزار	لال بخار	زرد بخار	نیلگوں بخار

مشہور ڈاکٹروں سے متعلق بخاروں کی تقسیم

آچی بالڈ صاحب کا بخار

کارٹر صاحب کا بخار	ینگل صاحب
چارکوٹ صاحب کا بخار	ہیر گز ہیمر صاحب کا بخار
کوب صاحب کا زنگدار بخار	ڈولی کا بخار
جاکوڈ صاحب کا بخار	وہائٹ مور صاحب کا بخار

جسمانی اعضاء سے متعلق بخاروں کی تقسیم

ہضمی بخار	جگری بخار	بولی بخار
معوی بخار	ریوی بخار	حویصلی بخار
معوی بخار	طحالی بخار	ناک کا بخار

حیوانات وحشرات ارض سے متعلق بخاروں کی تقسیم

افریقی چیچڑی بخار	مچھر کاٹے کا بخار	بلی کاٹے کا بخار
چوہے کاٹے کا بخار	ہرن مکھی بخار	طوطا بخار

ارضی وسماوی آفاق سے بخاروں کی تقسیم

قحطی بخار	بے اصل بخار	آبی بخار	سیلابی بخار
شمسی بخار	غباری بخار	کاہی بخار	گرمی دانے کا بخار

دوا، غذا اور دیگر اشیاء سے پیدا شدہ بخاروں کی تقسیم

غذائی بخار	پروٹین بخار	ادویات بخار	دودھ کا بخار
فلزیاتی بخار	غسلی بخار	نمکین بخار	

متفرق حمیات

ف نقرالدم بخار	آسٹریلیا کا کیو بخار	منچوریا بخار
زی بخار	سیس پول بخار	میونخ بخار
عی بخار	چترال بخار	ممانجار بخار
ہرون بخار	ڈنڈی بخار	نیاپولی ٹان بخار
رالڈ بخار	اکوا بخار	ارض النیل بخار
یل بخار	چالوڈال بخار	مصنوعی بخار
دویا بخار	پاناما بخار	انجذابی بخار
کردتپ متبادل بخار	مہلک بخار	گردمعویہ بخار
دنی بخار	علانیاتی بخار	صیامی بخار
شانی بخار	شکری بخار	

لیکن حقیقت میں فرنگی میں بخار تین ہی قسم کے پائے جاتے ہیں: (۱) سادہ بخار (۲) مادی بخار (۳) متعدی بخار۔
سادہ بخار اور مادی بخار ابتداء میں متعدی نہیں ہوتے لیکن طوالت کے بعد متعدی بخاروں کی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔

(۱) **سادہ بخار**: ایسا بخار جس میں جسم کے اندر نہ مادہ کی زیادتی (فارن میٹر) ہو اور نہ ہی جراثیمی تعفن پایا جائے۔ جیسے کیفیاتی و نفسیاتی اور فعلی بخار مثلاً سردی و گرمی کے اثرات، خوف و غم اور تکان و محنت کی زیادتی سے جسم میں حرارت کی افراط سے بخار ہو جائے۔ یہ بالکل وہی بخار ہے جن کو طب میں حمی یوم کہتے ہیں۔

(۲) **مادی بخار**: کھانے پینے کی زیادتی زہریلی اور نقصان رساں ادویات کے استعمال، طب میں غیر منہضم مادوں کی زیادتی سے جسم میں حرارت کی زیادتی سے بخار ہو جاتا ہے۔ دراصل یہ بخار بھی حمی یوم میں داخل ہیں۔ لیکن یہ بخار اکثر بہت جلد متعدی بخاروں میں منتقل ہو جاتے ہیں۔ غیر موسمی ملیریا بھی ان ہی بخاروں میں شامل ہے۔ اسی طرح بغیر بخار کے مسلسل کونین کھانے یا سنکھیا کھانے سے جو بخار ہو جاتے ہیں، غیر موسمی ملیریا بھی ان ہی بخاروں میں شامل ہے۔

(۳) **متعدی بخار**: متعدی بخار ایسے بخار ہیں جو تعفن فساد اور جراثیمی سمیات اور تخمیر سے پیدا ہوتے ہیں۔ وبائی اور موسمی بخار بھی ان ہی میں شریک ہیں۔ ان کی تین اقسام ہیں۔

تشخیص جراثیمی بخار

ایسے بخار جن کے جراثیم کی شکل و شباہت تشخیص ہو چکی ہے۔ ان میں بخاروں کے لئے ہر تین قسم کی شکل و شباہت والے خاص طور پر قابل ذکر ہیں اور شکل اعضاء نما جراثیم کی ہے جن سے ٹائی فائیڈ فیور محرقہ بطنی ''پیراٹائی فائیڈ فیور'' (امعائی بخار وغیرہ)، ''ڈفتھیریا'' (خناق وبائی)، ''انفلوئنزا'' (نزلہ زکام وبائی)، پلیگ (طاعون) اور دیگر حمیات پیدا ہوتے ہیں۔ جس میں ٹی بی خاص طور پر قابل ذکر ہے۔

سے وہاں پر تعفن وتخمیر اور فساد پیدا کرنے کا امکان ہو سکے۔ اس لئے فرنگی طب کی جراثیم کی تھیوری قطعاً غلط ہے۔ بلکہ علاج میں گمراہی پیدا کر دیتی ہے۔

ہومیو پیتھی اور بخار

ہومیو پیتھی میں امراض کا تصور ہی نہیں ہے اس لئے ہومیو پیتھی میں بخار کا تصور بالکل نہیں ہونا چاہئے۔ بلکہ اس کی جگہ جسم میں حرارت کی زیادتی کو بطورِ علامت بیان کرنا چاہئے، کیونکہ بخار خاص قسم کی حرارت ہے جو تمام جسمانی حرارت سے جدا ہے جب ہومیو پیتھی حرارت بخار کی کہیں تشریح نہیں کرتی تو پھر اس کو بخار کا ذکر کرنا ان کے اپنے فطری اور قانون علامت کے خلاف ہے جہاں تک بخار کا تعلق ہے، ایک خاص قسم کی حرارت ہم اس کو علامت کہیں گے لیکن جب اس کے اقسام کا ذکر ہوگا تو مرض کہلائے گا کیونکہ مرض کی تعریف میں جہاں یہ حقیقت ہے کہ مرض جسم کی اس حالت کا نام ہے جب کہ اعضائے جسم اپنے صحیح افعال انجام نہ دے رہے ہوں، وہاں یہ صورت بھی اس میں شامل ہے کہ مرض علامات کے مجموعہ کا نام ہے کیونکہ ہر عضو کے افعال میں کمی بیشی سے اس میں چند علامات پیدا ہوتی ہیں جو اس عضو کی خرابی کی طرف دلالت کرتی ہیں، چونکہ بخاروں کی تمام اقسام اپنے اندر مختلف علامات کے مجموعے رکھتی ہیں جن کی دلالت کسی نہ کسی عضو کی خرابی کی طرف ہوا کرتی ہے، اس لئے بخار کی ہر قسم ایک بخار ہے، اس کو علامت کہنا درست نہیں۔

ہومیو پیتھی میں بخاروں کا ذکر نہیں ہے

حیرت کی بات ہے کہ ہومیو پیتھی نے نہ صرف بخار کو حرارت کی زیادتی کی ایک علامت کے طور پر استعمال کیا ہے بلکہ بخاروں کی تمام اقسام کو علامات کے طور پر ظاہر کیا ہے۔ بلکہ ہر بخار کی متعدد علامات لکھ کر ان کا علاج کتب میں لکھ دیا ہے۔ یہ سب کچھ نہ صرف بالکل غلط ہے بلکہ ہومیو پیتھی کا قانون اس امر کی کبھی اجازت نہیں دیتا کہ کوئی ایسی علامت بیان کر دی جائے جو بالکل مختلف علامات کے مجموعہ ہوں ایسی مجموعی علامت یقیناً مرض کہلائیں گے۔ تمام ہومیو پیتھی میں کوئی ایسی دوا نہیں ہے جو ایسے علاماتی مجموعے بیان کرے جیسا کہ ہم بخاروں کی مختلف اقسام میں دیکھتے ہیں۔ اگر ایسی دوائیں پائی جاتیں تو ہم اپنی ادویات کے ناموں پر بخاروں کے نام رکھ دیتے، یہاں تک کہ کونین (چائنا) میں بھی ملیریا کی پوری علامات نہیں پائی جاتیں۔ اگر ایسا ہوتا تو ہم ملیریا کا نام ہومیو پیتھی میں ''چائنا'' رکھ دیتے۔ ''چائنا'' کی چند مخصوص علامات ہیں جو ملیریا بخار میں پائی جاتی ہیں، ان کے علاوہ اور بھی ملیریا کی علامات ہیں جو چائنا میں نہیں ملتی ہیں یہی صورت دیگر بخاروں میں بھی پائی جاتی ہے۔

ہومیو پیتھی میں بخار کو حرارت کی جگہ علامات لکھنے کا اس وقت تک حق نہیں ہے جب تک وہ بخار کی حرارت کی اصلیت کی تشریح نہ کریں اور بخاروں کے اقسام کو وہ کبھی بھی علامات میں شمار نہیں کر سکتی، کیونکہ وہ سب مرکب اور مجموعی علامات کے نام ہیں، جو امراض کہلاتے ہیں۔ ان بخاروں تک کیا منحصر ہے ہومیو پیتھی میں بے شمار علامتی مجموعوں، مرکب علامات، اور امراض کو اپنی مفرد علامات میں شریک کر لیا ہے جن میں نزلہ، زکام، بخار، ورم، درد سر اور دیگر تمام اعضاء کے درد، بھوک و پیاس، قبض و اسہال، کھانسی و دمہ، پھوڑا پھنسی، بدہضمی، پیچش، طاقت و کمزوری، خسرہ، چیچک، دق وسل، خنازیر اور سرطان وغیرہ شامل ہیں۔

ہومیو پیتھی کی کامیابی کا راز

ہومیو پیتھی کی کامیابی کا راز اس میں ہے کہ وہ ادویات کی مفرد علامات کو اپنانے کی کوشش کریں۔ اپنی طرف سے مرکب علامات ختم

کرنے کی کوشش کریں اور مفرد و مرکب علامات کا فرق کریں۔ مثلاً جسم میں حرارت، حرکت اور رطوبات کی کمی بیشی، بھوک پیاس نہیں، بلکہ کھانے پینے کا احساس، بدبو اور خوشبو، تکان یا نشان، ابھار، درد، ٹیس، بے چینی، اضطراب، مختلف موسم اور اوقات کا اثر، علامات میں کمی بیشی کا پیدا ہونا۔ اسی طرح نفسیاتی اثرات اور جذبات، تحریکات مثلاً غم و غصہ اور خوف، مسرت و لذت اور ندامت وغیرہ اگرچہ آخری دونوں علامات مرکب ہیں، بہر حال ان کو بھی استعمال کیا جاسکتا ہے۔ افعال کے لحاظ سے دِل و جگر اور دماغ کے افعال کی کمی بیشی بھی مفرد علامات ہیں۔

بخار کی تشخیص میں صرف حرارت کی زیادتی بخار کی علامت قرار دے دیا جائے یعنی حرارت کی اعتدال سے زیادتی کا نام بخار ہے۔ لیکن باقی بخاروں کے اقسام کو علامت نہ سمجھا جائے بلکہ مرض خیال کیا جائے۔ بخار کی تشخیص کی صورت حرارت کی کمی بیشی دائم یا باری اور عضوی تعلق کے بعد مندرجہ بالا تمام علامات کو ذہن میں رکھتے ہوئے بخار میں دیکھا جائے اور جو علامات اکٹھی ہوں ان کے مطابق ادویات کو اخذ کر کے علاج کیا جائے۔ لیکن ان علامات کو اخذ کرنے سے قبل اوّل تمام جسم کو سائی کوسس، سورا اور سفلس کی تین علامات کو تسلیم کر لینا چاہیے۔ تاکہ صحیح ادویات تجویز کرنے میں سہولت ہو جائے۔ تفصیل میں ہم اپنے مضمون ہومیو پیتھی ریسرچ میں بیان کر دیں گے جو رسالہ میں جاری ہے۔

بائیوکیمک اور بخار

بائیوکیمک نے چونکہ بہت حد تک ہومیو پیتھی کی نقل کی ہے، اس لئے اس کو بھی بعینہٖ اسی طرح سمجھ لینا چاہیے۔ بائیوکیمک دراصل ایک جدا نظریہ کے ماتحت ایک مفید طریق علاج تھا مگر ہومیو پیتھی کی بغیر تحقیق نقل کرنے سے اس کی اہمیت کو ختم کر دیا ہے۔ اس کتاب کی تحقیق ہماری کتاب بائیوکیمک فزیالوجیکل ریسرچ میں دیکھیں۔

طب جدید شاہدروی

طب جدید شاہدروی جس کے موجد استاذ الاطباء حکیم احمد دین تھے انہوں نے امراض کی پیدائش کو اعضاء کی کمی بیشی مانا ہے۔ انہوں نے کیفیات و نفسیات مادہ و جراثیم کو اسباب واصلہ اور فاعلہ نہیں تسلیم کیا۔ مگر ان کو چونکہ مفرد اعضاء کے نظریہ کا علم نہیں تھا، اس لئے انہوں نے تعین مرض میں بہت خوفناک غلطیاں کی ہیں۔ اوّل تو ان کی تمام تحقیق میں کوئی ایک مرض بھی ایسا بیان نہیں کیا گیا جس کو بالا اعضاء بیان کیا ہو۔ اور اگر کوئی ایک مرض بیان کرنے کی کوشش کی ہے تو اعضاء کے افعال سے لاعلمی کی وجہ سے غلط راہ پر چلے گئے ہیں۔ مثلاً انہوں نے بخاروں میں زیادہ تر ملیریا کا ذکر کیا ہے۔ اور اس کو کبدی و معدی اور امعائی تینوں صورتوں میں بیان کیا ہے۔ جو صحیح نہیں ہے، ملیریا فقط کبدی غدی بخار ہے اسی طرح انہوں نے غشائے مخاطی کے جو امراض بیان کئے ہیں وہ سب کے سب عضلاتی ہیں وغیرہ وغیرہ۔ اس لئے ان کی تحقیقات کا مطالعہ فرنگی طب کی طرح گمراہی کی طرف لے جاتا ہے۔ حقیقت میں طب جدید شاہدروی کو نظریہ مفرد اعضاء کے تحت مطالعہ کیا جائے تو وہ الف تا بے غلط ہوگی اس میں آیورویدک اور طب پر جو تنقید کی گئی ہے بالکل غلط اور بے معنی ہے کیونکہ اس میں کیفیات، مزاج اور اخلاط دونوں کو بغیر سمجھے غلط قرار دیا جا رہا ہے۔ جن کی حقیقت بالکل صحیح ہے جس کسی کو شک ہو وہ آ کر اپنی تسلی کر لیں یا نظریہ مفرد اعضاء سمجھ کر خود اصل حقیقت کا پتہ چلا لیں گویا طب جدید کوئی طریق علاج نہیں ہے۔ بلکہ ایک بہت بڑی گمراہی ہے۔

نظریہ مفرد اعضاء کا پس منظر

نظریہ مفرد اعضاء کے تحت بخاروں کو سمجھنے کے لئے اوّل ضروری ہے کہ مختصر طور پر نظریہ مفرد اعضاء کو سمجھ لیا جائے اور یاد رکھیں کہ نظریہ مفرد اعضاء کوئی نیا طریق علاج نہیں ہے کیونکہ قانون فطرت ایک ہے مرض کے پیدا ہونے کا طریق ایک ہے اور اصول شفا بھی ایک ہی ہوسکتا

ہے۔فرق صرف یہ ہے کہ مختلف ممالک واز منہ اوراذہان میں ماحول اور حالات کے مطابق جس طرح علم العلاج کی ابتداء ہوئی اس کے مطابق نام رکھ لئے گئے ہیں۔مثلاً آیورویدک کی ابتداء ہندوستان میں ہوئی اور یہ علم ویدوں کے ذریعے انسان کو پہنچا اور بڑے بڑے رشیوں اور منیوں نے اس کو اپنایا، دیوی دیوتا اس کے عامل ہوتے تھے۔اس لئے آیورویدک کے معنی ہوئے ''الہامی علم العلاج''۔طب کی ابتداء جادوگری سے شروع ہوئی۔اس لئے طب کے معنی جادوگری کے ہیں۔جب فرنگی نے طب کو اپنایا تو انہوں نے سمجھا کہ یہ طریق علاج بالضد ہے۔انہوں نے اس کا نام ایلوپیتھی رکھ دیا جس کے معنی علاج بالضد کے ہیں۔جب ڈاکٹر ہانمن صاحب نے ایلوپیتھی کے بالکل خلاف ہر مرض میں ان ہی ادویات سے علاج شروع کیا جس کے استعمال سے اس مرض کی علامات پیدا ہوتی ہیں تو انہوں نے اس کا نام ہومیوپیتھی رکھ دیا۔جس کے معنی بالمثل علاج کے ہیں۔ اگر چہ یہ بھی ایک زبردست دھوکہ ہے کہ ہومیوپیتھی علاج بالمثل ہے۔اس میں علامات تو بالمثل ہوسکتی ہیں، لیکن ادویات بالمثل نہیں ہوسکتیں۔مثلاً اگر کسی ایک شخص کو سنکھیا کھانے سے موت واقع ہو رہی ہو تو اس کو قلیل مقدار میں اور سنکھیا دے دیا جائے تو وہ مرنے والا کیا بچ جائے گا؟ ہرگز نہیں! بلکہ اگر طبیعت مدبرہ کی کوشش سے بچ بھی سکتا ہو تو نہ بچ سکے گا۔یہی وجہ ہے کہ ہومیوپیتھی میں زہروں کے لئے فوری علاج نہیں ہے۔

ڈاکٹر شسلر نے جب یہ دیکھا کہ امراض پر نہ ایلوپیتھک کا قابو ہے اور نہ ہومیوپیتھی کا تو انہوں نے اپنے انداز پر جسم انسان کے کیمیاوی اجزاء پر غور وخوض کیا۔وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ جب انسانی جسم کے ان اجزاء میں کمی اور خرابی واقع ہوتی ہے تو امراض پیدا ہوتے ہیں۔جس کا علاج ان ہی کیمیاوی اجزاء کا پورا کرنا تحقیق کیا ہے۔یہ نظریہ بھی درست ہے۔لیکن ان سے یہ غلطی ہوگئی کہ نظریہ تو اپنا تحقیق کیا اور جب علم العلاج کی تدوین کی تو ہومیوپیتھی ادویات اور علاج کی نقل کر لی گئی۔جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان کا نظریہ ختم ہو گیا اور بائیوکیمک ہومیوپیتھی میں غرق ہو گیا (جس کی تفصیل ہماری کتاب بائیوکیمک فزیالوجیکل ریسرچ میں دیکھیں)۔اسی طرح کئی نئے نظریات نکلے اور انہوں نے اپنی جگہ فن علاج کو سمجھنے کی کوشش کی۔مگر مجموعی طور پر تمام علم وفن علاج کی اصلاح کو مدنظر نہیں رکھا گیا۔نتیجہ یہ نکلا کہ ہر نظریہ ایک جدا طریق علاج بن کر رہ گیا۔لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ تمام مختلف طریق علاج نہیں ہیں، بلکہ فن علاج کو سمجھنے کے لئے مختلف طریق کار ہیں۔

موجد طب جدید شاہدروی نے ایک نیا نظریہ پیش کیا کہ تمام طریق علاج اپنی جگہ تو صحیح ہیں، لیکن ان میں اختلاف نہیں ہونا چاہئے۔یہ اختلاف کیوں پایا جاتا ہے، انہوں نے اپنی تحقیقات میں ثابت کیا کہ مختلف طریق علاج سے کسی نہ کسی طریق پر اعضاء کے افعال درست ہو جاتے ہیں، اس لئے امراض کی پیدائش کا اصل سبب افعال اعضاء کی خرابی اور ان میں افراط وتفریط ہے۔اس لئے انہوں نے اپنا جو نیا نظریہ پیش کیا اس کا نام ''نظریہ افعال الاعضاء'' رکھا۔یعنی جب تک جسم کے کسی عضو میں خرابی واقع نہ ہو جو اس کے فعل میں کمی بیشی سے واقع ہوتی ہے، مرض پیدا نہیں ہوتا اور اعضاء کے افعال اگر صحیح ہوں تو پھر نہ دوش واخلاط مرض پیدا کر سکتے ہیں اور نہ جراثیم وفارن میٹر وغیرہ۔ساتھ ہی انہوں نے یہ بھی کہا کہ چونکہ تمام طریق علاج اپنی اپنی جگہ ہیں، اس لئے سب کی اچھی اچھی معلومات نظریہ افعال الاعضاء کے تحت قبول کر لینی چاہئیں۔ان کے اس اصول کا نام تھا ''خذ ماصفا ودع ماکدر''۔

جہاں تک ان کا نظریہ اتحاد اور اصلاح ہے، قابل تعریف تھا، تاریخ طب میں پہلی آواز تھی، جس نے مختلف طبوں میں اتحاد اور ایک دوسرے سے اصلاح کا اصول پیش کیا۔چونکہ یہ معقول باتیں تھیں، اس لئے ان کے زمانے میں سوئے فرنگی طب کے حاملین اور متعصب اطباء اور ویدوں کے بانیوں نے اچھی نگاہ سے دیکھا اور اپنایا اور اس سے مستفید ہوتے رہے۔

لیکن افسوس موجد طب جدید نے اس نظریہ افعال اعضاء پر اپنی زندگی میں نہ کسی ایک مرض پر اور نہ ہی کسی ایک دوا پر روشنی ڈالی اور جو کچھ کام کیا گیا ان میں یہ اصول کارفرما نہ تھا۔دوسرے نظریہ افعال اعضاء میں سب سے بڑی خرابی یہ تھی کہ طب کے وہ امراض اس میں سے خارج

ہو جاتے ہیں جو مزاج سادہ سے پیدا ہوتے ہیں۔ موجد طب جدید خود کیفیات اور مزاج بلکہ چار اخلاط کے قائل نہ تھے۔ وہ اپنی تحقیقات میں بہت حد تک فرنگی طب کی پیروی کرتے تھے۔ اور ان کی تحقیقات کو باقی طبوں سے زیادہ اہمیت دیتے تھے۔

جہاں تک امراض کی پیدائش کا تعلق بالاعضاء ہے یہ کوئی نئی بات نہیں تھی، کیونکہ طب قدیم بھی یہی تسلیم کرتی ہے اور شیخ بوعلی سینا نے قانون میں مرض کی یہی تعریف کی ہے جیسا کہ ہم گزشتہ صفحات میں لکھ چکے ہیں، مگر کیفیات میں گرمی سردی اور خشکی تری ہے، انکار نہیں ہوسکتا۔ اور امراض سوءِ مزاج سادہ اپنے اندر بے حد اہمیت رکھتی تھیں اور ان کے بغیر نتائج درست نہ آتے تھے۔ میں بار ہا ان کی زندگی میں موجد طب سے بحث وتحیث سے اس مسئلہ پر اور اسی طرح دیگر مسائل کو حل کرنے کی کوششیں کی تھیں مگر وہ ان کا کچھ جواب نہ دے سکتے تھے اور آخر عمر میں رفتہ رفتہ ان کا طریق علاج ہومیوپیتھی ہو گیا تھا۔

موجد طب جدید کی وفات کے بعد میں نے کچھ عرصہ تک ان مسائل پر غور کیا، مگر کچھ سمجھ میں نہ آیا، میں بے اُمید ہو گیا، آخر یہی فیصلہ کیا غیر تسلی بخش علاج کرنے سے بہتر ہے کہ فن علاج کو خیر باد کہہ کر کوئی اور کاروبار کر لینا چاہئے۔ اس وقت تک مجھ کو کم وبیش پندرہ سال کام کرتے ہو گئے تھے۔ اسی دوران میں ہیضہ کے ایک مریض کا علاج کرنے کے دوران میں مجھے دور کچھ روشنی نظر آئی۔ اس پر غور وفکر اور کام کرنا شروع کیا۔ جلد ہی کامیابی کی صورتیں نظر آنے لگیں اور ایک نیا نظریہ سامنے آ گیا۔ یہ نظریہ ''مفرد اعضاء'' تھا۔ اس نظریہ کی پیدائش کا اصل سبب امراض سوءِ مزاج سادہ ہی تھا پھر مسلسل بیس پچیس سال تحقیقات کرنے کے بعد اس کو ہر طرح سے ہر مرض اور ہر دوا پر پرکھ لیا۔ پھر دُنیا میں پیش کرنے کی جرأت کی گئی۔ اب یہ نظریہ مفرد اعضاء اللہ تعالیٰ کی خاص مہربانی سے بڑی تیزی کے ساتھ عوام اور خواص میں مقبول ہو رہا ہے۔

اس ساری داستان اور واقعات کو بیان کرنے کا مقصد صرف یہ ہے کہ دُنیا میں مختلف طبیں نہیں ہیں۔ بلکہ صرف ایک ہی طب ہے اور یہ جو اختلاف نظر آتا ہے۔ صرف نظریاتی اور اصولی اختلاف ہیں۔ خاص بات یہ ہے کہ دُنیا بھر کی تمام طبیں اور نظریات تمام کے تمام نظریہ مفرد اعضاء سے حل ہو جاتے ہیں۔

نظریہ مفرد اعضاء

نظریہ مفرد اعضاء بالکل نیا نظریہ ہے۔ تاریخ طب میں اس کا کہیں اشارہ تک نہیں پایا جاتا۔ اسی نظریہ پر پیدائش وامراض کی بنیاد رکھی گئی ہے۔ اس نظریہ سے قبل بالواسطہ پیدائش وامراض مرکب اعضاء کی خرابی تسلیم کیا جاتا رہا ہے، مثلاً معدہ وامعاء شش ومثانہ، آنکھ، کان، ناک، منہ بلکہ اعضاء مخصوص تک کے امراض کو ان کے افعال کی خرابی سمجھا جاتا ہے یعنی معدہ کی خرابی کو اس کی مکمل خرابی مانا گیا ہے۔ جیسے سوزش معدہ، درد معدہ، ورم معدہ، ضعف معدہ اور بدہضمی وغیرہ پورے معدہ کی خرابی بیان کی جاتی ہے۔ لیکن حقیقت میں ایسا نہیں ہے، کیونکہ معدہ ایک مرکب عضو ہے اور اس میں عضلات واعصاب اور غدد وغیرہ اس میں ہر قسم کے اعضاء پائے جاتے ہیں اور جب وہ مریض ہوتا ہے تو وہ تمام اعضاء جو مفرد اعضاء میں بیک وقت مرض میں گرفتار نہیں ہوتے بلکہ کوئی ایک عضو مریض ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ معدہ میں مختلف اقسام کے امراض پیدا ہوتے ہیں اور جو معدہ کا کوئی مفرد عضو مریض ہوتا ہے، مختلف اقسام کے امراض پیدا ہوتے ہیں اگر معدہ کے اعصاب مرض میں مبتلا ہیں تو اس کی دیگر علامات بھی اعصاب میں ہوں گی اور ان کا اثر دماغ تک جائے گا۔ اسی طرح اگر اس کے عضلات مرض میں مبتلا ہوں گے تو جسم کے باقی عضلات میں بھی یہی علامات پائی جائیں گی۔ اور اس کا اثر قلب تک چلا جاتا ہے۔ یہی صورت اس کے غدد کے مرض کی حالت میں پائی جاتی ہے۔ یعنی دیگر غدد کے ساتھ جگر وگردوں کو بھی متاثر کرتے ہیں یا بالکل ان کے برعکس اگر دِل ودماغ اور جگر وگردہ میں امراض پیدا ہو جائیں تو معدہ وامعاء اور شش

ومثانہ بلکہ آنکھ، کان، ناک، منہ میں بھی علامات ایسی پائی جائیں گی۔ اس لئے پیدائش امراض اور شفاء امراض کے لئے مرکب عضو کی بجائے مفرد عضو کو مدنظر رکھنا یقینی تشخیص اور بے خطا علاج کی صورتیں پیدا ہو جاتی ہیں۔

ایک طرف اس طرح کسی عضو کی خرابی کا علم ہوتا ہے تو دوسری طرف ان کے صحیح مزاج کا علم ہو جاتا ہے، کیونکہ ہر مفرد عضو کسی نہ کسی کیفیت سے متعلق ہے۔ یعنی اعصاب کا مزاج سرد تر ہے، اس کی تحریک سے جسم میں سردی و تری بڑھ جاتی ہے، اسی طرح جگر کا مزاج گرم خشک ہے، غدد کی تحریک سے جسم میں گرمی خشکی بڑھ جاتی ہے، یہی صورت عضلات کی ہے۔ جو قلب کو متاثر کرتی ہے، اور اس کے برعکس اگر جسم پر کسی کیفیت کا اثر ہو جائے تو اس کے متعلق اعضاء پر اثر ہو کر جسم میں سوئے مزاج پیدا ہو جاتا ہے۔ اس طرح عضو کی دونوں صورتیں نہ صرف آسانی سے سامنے آجاتی ہیں، بلکہ علاج میں بھی سہولت پیدا ہو جاتی ہے۔ ایک خاص بات اور بھی ذہن نشین رکھیں کہ مفرد اعضاء کی جو ترتیب اوپر بیان کی گئی ہیں ان میں تحریکات جو پیدا ہوتی رہتی ہیں وہ ایک دوسرے اعضاء میں تبدیل ہوتی رہتی ہے۔ ان ہی سے امراض پیدا ہوتے ہیں ان ہی سے شفا حاصل ہوتی ہے، ان تحریکات میں بھی ایک ترکیب قائم رہتی ہے۔ مثلاً اگر اعصاب میں تحریک ہوگی تو اس کے بعد کے اعضاء یعنی غدد میں تحلیل ہوگی۔ اور تیسرے قسم کے اعضاء یعنی عضلات میں تسکین ہوگی اور یہ تحریکات ضرورت کے مطابق بدلتی رہتی ہیں یا بدلی جاسکتی ہیں۔ لیکن وہ ترکیب قائم رہے گی۔ مثلاً اگر اعصاب کی بجائے غدد میں تحریک ہوگی تو پھر عضلات کی تحریک ہوگی۔ یعنی عضلات کی تحریک کے بعد اعصاب میں تحلیل ہوگی اور غدد میں تسکین ہوگی۔ اس کو ذہن نشین کرنے کے لئے ذیل کے نقشہ پر غور کریں۔

ا۔ تحریک اعصاب	تحلیل غدد	تسکین عضلات	نتیجہ جسم میں رطوبات کی زیادتی ہوگی
۲۔ تحریک غدد	تحلیل عضلات	تسکین اعصاب	نتیجہ جسم میں حرارت کی زیادتی ہوگی
۳۔ تحریک عضلات	تحلیل اعصاب	تسکین غدد	نتیجہ جسم میں ریاح کی زیادتی ہوگی

یہ تمام جسم اور اس کے افعال کی اصولی تقسیم ہے۔ اس سے تشخیص آسان ویقینی اور علاج سہل اور بے خطا ہو جاتا ہے۔ اس تقسیم اور اس پر مرض اور شفاء کی بنیاد سمجھ لینے کے بعد علم ظنی نہیں رہتا بلکہ بلاشک وشبہ یقینی بن جاتا ہے۔ چونکہ تمام جسم کے اعضاء ان ہی سے مل کر بنتے ہیں۔ گویا بنیادی اعضاء اور حیاتی اعضاء تمام جسم کی مفرد اکائیاں ہیں۔ جن سے وہ مرکب ہے۔ گویا سر، آنکھیں، کان، ناک، منہ، سینہ، معدہ، امعاء اور مثانہ وغیرہ مرکب اعضاء ہیں۔ اور ان ہی مفرد اعضاء سے مل کر بنے ہیں۔ اسی طرح جسم کے تمام مجریٰ بھی ان ہی مفرد اعضاء سے مل کر تیار ہوتے ہیں۔ اس طرح تمام جسم مل کر زندگی وقوت اور صحت کے افعال انجام دیتے ہیں۔ جہاں تک خون کا تعلق ہے اس میں کیمیاوی طور پر اپنی چاروں ٹشوز کے عناصر پائے جاتے ہیں۔ جن سے ان اعضاء کا تغذیہ اور تصفیہ ہوتا رہتا ہے۔ گویا زندگی، تغذیہ تسنیم اور تصفیہ ان اعضاء کے صحیح افعال کے سپرد ہے۔ یہی نظریہ مفرد اعضاء ہے۔ تین چار بار پڑھ لینے سے اچھی طرح ذہن نشین ہو جاتا ہے۔ چونکہ نئی چیز ہے، اس لئے غور طلب ہے۔ مگر مشکل نہیں ہے۔ صرف نصف گھنٹے میں ذہن نشین ہو جاتا ہے۔ اس میں سمجھنے کی بات صرف اس قدر ہے کہ مفرد اعضاء کی ترتیب اور ان کے افعال کی ترکیب ذہن نشین ہو جائے۔ یعنی کسی مفرد عضو کی تحریک کے بعد دیگر اعضاء کی کیا حالت اور کیفیت ہوگی اور کلی طور پر جسم پر کس مزاج کا اثر ہوگا۔ اس طرح فوراً تمام جسم کا نقشہ شیشہ کی طرح آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے۔ جس سے تشخیص اور علاج کی سب مشکلیں دور ہو جاتی ہیں۔

نظریہ مفرد اعضاء اور بخار

نظریہ مفرد اعضاء کے تحت ماہیت بخار اور اس کی تقسیم اس قدر اصول کے ساتھ کی گئی ہے کہ وہ نہ صرف آسان و سہل معلوم ہوتی ہے بلکہ

بالترتیب اور فطرت کے مطابق معلوم ہوتی ہے۔ تشخیص اور علاج کے وقت اس میں شک وشبہ اور الجھن معلوم نہیں ہوتی۔ اس کا کمال یہ ہے کہ اس کو جان لینے کے بعد فرنگی طب کے طریق علاج کی طرف نظر کرنے کو دل نہیں کرتا۔

بخار کی تعریف

نظریہ مفرد اعضاء جس طرح طب قدیم کی تعریف مرض کو صحیح سمجھتی ہیں، اسی طرح تعریف بخار کو بھی صحیح تسلیم کرتی ہے، جو اس طرح کی گئی ہے۔

بخار ایک عارضی اور غیر معمولی حرارت ہے جس کو حرارت غریبہ (بیرونی) بھی کہتے ہیں جو خون کے ذریعے قلب سے تمام بدن میں پھیل جاتی ہے۔ جس سے بدن کے اعضاء میں تحلیل اور ان کے افعال میں نقصان واقع ہوتا ہے۔ اس کو عربی میں حمی (جمع حمیات) فارسی میں تپ اور انگریزی میں فیور کہتے ہیں۔

بخار کی ماہیت

بخار کی ماہیت کو سمجھنا نہایت ضروری ہے۔ اس کے سمجھ لینے سے مرض بخار کے علاج میں معالج 75 فیصدی قابو پالیتا ہے۔ اور 25 فیصد اس کی تقسیم کو سمجھتا ہے۔ کیونکہ آج تک ان کو پوری طرح نہیں سمجھا گیا۔ طب قدیم نے اس پر پوری طرح سے روشنی ڈالی ہے۔ لیکن اس کی مکمل تشریح نہیں کی گئی ہے۔ طب نے بخار کو سمجھانے کے لئے تین اقسام کی حرارت کا ذکر کیا ہے اول عنصری حرارت دوسرے حرارت غریزیہ تیسرے حرارت غریبہ جس کو غیر طبعی اور ارضی حرارت کا نام بھی دیا ہے۔ ہم نے ابتداء میں اس پر کچھ روشنی ڈالی تھی۔ لیکن اب مکمل طور پر بیان ذہن نشین کرا دیتے ہیں۔

جاننا چاہئے کہ عنصری حرارت اس حرارت کا نام ہے جو دیگر عناصر سے پاک صاف ہوتی ہے یعنی اس میں ہوائی و مائی اور ارضی عناصر کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔ گویا یہ وہ حرارت ہے جس کو طب میں ایک بسیط عنصر کہا ہے۔ جس کو مزید تقسیم نہیں کیا جاسکتا جس کا نام حرارت استقیہ ہے۔ لیکن یہ یاد رکھیں کہ یہ جسم انسان میں خالص حالت میں نہیں پائی جاتی، بلکہ یہ ہمیشہ مرکب صورت میں پائی جاتی ہے۔ یعنی اس کے ساتھ عنصر مائی یا ہوائی یا ارضی کی ملاوٹ ضرور ہوتی ہے۔ اس لئے ہمارے جسم میں جو گرمی ہوتی ہے اس کی دو صورتیں ہوتی ہیں یا وہ مائی مرکب کے ساتھ جس کو گرم تر کہتے ہیں، لیکن جب اس میں مائی کم اور ناری اجزاء زیادہ ہو جائیں تو اس کی رطوبت بھی جل جاتی ہے جس سے اس کا مزاج بھی ایک حد تک گرم خشک ہو جاتا ہے۔ اسی طرح جب ہوا میں سردی کی زیادتی سے اس کے ناری اجزاء ختم ہو جاتے ہیں تو اس کا مزاج سرد خشک ہو جاتا ہے گو اصلی عنصری حرارت کا جس دیگر عنصر سے جس قدر تعلق ہوگا اس میں وہی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔

حرارت غریزیہ اس حرارت کو کہا گیا ہے جو انسان کو پیدائش کے وقت اس کے نطفہ کے ساتھ دیا گیا ہے اور یہی مزاج تقریباً عمر بھر اس کا قائم رہتا ہے اور اسی پر انسان کی صحت کا دارومدار ہے۔ اس حرارت میں باقی تین عناصر کی آمیزش سے ایک مزاج قائم ہوتا ہے۔ اس میں رطوبت کا غلبہ ہوتا ہے۔ بچپن میں تو رطوبت بہت زیادہ ہوتی ہے لیکن جوانی اور بڑھاپے میں یہ رطوبت رفتہ رفتہ کم ہوتی چلی جاتی ہے اور طبعی موت کے قریب یا امراض میں یہ رطوبت بالکل خشک یا ختم ہو جاتی ہے۔ امراض کی صورت میں بھی بڑھاپے کی طرح اس حرارت غریزیہ میں خرابی اس طرح واقع ہو جاتی ہے کہ رطوبت غریزیہ میں حرارت غریبہ کا اثر دخل ہو جاتا ہے۔ جس کے معنی یہ ہوئے کہ اس میں رطوبت کی کمی واقع ہو جاتی ہے۔ اگر حرارت غریزیہ غالب آ جائے تو صحت ہو جاتی ہے۔ اگر وہ غالب نہ آ سکے اور حرارت غریبہ بڑھتی رہے تو موت واقع ہو جاتی ہے۔ جس طرح ہم امراض

کے دوران میں حرارت غریبہ کوختم کر سکتے ہیں اور حرارت غریزیہ کوتقویت دے سکتے ہیں۔اعادہ شباب کے لئے بھی ایسا کیا جاسکتا ہے۔

حرارت غریبہ اس حرارت کو کہتے ہیں جو تخمیر وعفونت سے پیدا ہوتی ہے اس میں مائی عنصر کی کمی ہوتی ہے یا بالکل نہیں ہوتا۔اس میں دخانی اور ارضی اجزاء شامل ہوتے ہیں۔اس لئے یہ حرارت انسان کے لئے غیر طبعی ہے۔حرارت غریبہ میں یہ استعداد ہوتی ہے کہ یہ اپنی موجودگی سے تعفن اور تخمیر پیدا کر دے۔تخمیر و تعفن کے لئے چونکہ ترشی لازم تھی، اس لئے اس میں بے حد ترشی پائی جاتی ہے۔حرارت غریبہ یا غیر طبعی حرارت یا ارضی حرارت یا عارضی جو کچھ بھی اس کو کہہ لیں اس میں خاص بات یہ ہے کہ جب یہ کسی عضو میں اکٹھی ہوتی ہے تو وہاں جلن اور سوزش پیدا کر دیتی ہے اور جب کسی مادہ سے ملتی ہے تو اس میں خمیر اور تعفن پیدا کر دیتی ہے گویا کاربانک ایسڈ گیس ہے یا اس کی مناسبت رکھتی ہے۔

حرارت اور ماڈرن سائنس

عنصری حرارت، حرارت غریزیہ اور حرارت غریبہ کو سمجھنے کے لئے ماڈرن تحقیقات سے مثال کے طور پر بیان کی جاتی ہے۔تاکہ اچھی طرح ذہن نشین ہو جائے اور تینوں قسم کی حرارت کو ماڈرن سائنس کے عنصر آکسیجن، ہائیڈروجن اور کاربانک ایسڈ گیس کو سامنے رکھیں۔اگرچہ ہم ان کو بالکل ان ہی حرارت کے مطابق نہیں کہتے صرف مثلاً پیش کرتے ہیں تاکہ ذہن نشین کرا سکیں یعنی آکسیجن کو حرارت عنصری سمجھ لیں۔اور جب وہ ہائیڈروجن کے ساتھ مرکب بناتی ہے تو اس میں حرارت غریزیہ یعنی زندگی کے اثرات پیدا ہو جاتے ہیں اور جب وہ کاربن کو جلا کر کاربانک ایسڈ گیس بناتی ہے اور اس میں حرارت غریبہ کے افعال پیدا ہو جاتے ہیں۔

یہاں یہ بھی یاد رکھیں کہ جیسے عنصری حرارت تنہا نہیں پائی جاتی، اسی طرح آزادانہ طور پر آکسیجن بھی تنہا نہیں پائی جاتی۔کبھی وہ ہائیڈروجن سے ملتی ہے اور کبھی کاربن سے ملتی ہے۔اور ہر مرکب کے نئے خواص ہوتے ہیں۔جسم انسان میں بھی مرکب صورت میں پائی جاتی ہیں۔البتہ ان میں کمی بیشی واقع ہوتی رہتی ہے۔اور جو زیادہ ہوتی ہے، اس کی کیفیت زیادہ محسوس ہوتی ہے۔البتہ یہ جان لیں کہ ہائیڈروجن کا اعصاب پر گہرا اثر ہے۔آکسیجن کا غدد پر اور کاربن کا عضلات پر اثر ہوتا ہے۔یہ صورتیں حرارت عنصری، حرارت غریزیہ اور حرارت غریبہ میں تصور کر لیں۔چونکہ حرارت عنصری تنہا نہیں پائی جاتی وہ مائی یا ارضی حرارت کے ساتھ پائی جاتی ہے جو جسم کو زندگی اور صحت بخشتی ہے۔اور دوسری حرارت غریبہ جو امراض اور بخار پیدا کرتی ہے بس ان دونوں اقسام کی حرارت باقی رہ جاتی ہے۔اس تشریح کے بعد بخار کا پورا تصور ذہن میں پیدا ہو جاتا ہے۔

پیدائش بخار

بخار کی ماہیت سمجھ لینے کے بعد اب اس کی پیدائش پر غور کریں اس کی تین صورتیں ہیں۔

۱. ان ہی تینوں مفرد اعضاء کے افعال میں کیفیاتی و نفسیاتی یا مادی و فعلی طور پر تیزی پیدا ہو جائے اور وہاں خون اکٹھا ہو جائے اور طبیعت مدبرہ بدن اس کو جسم میں پھیلا کر بخار کی صورت پیدا کر دے۔ایسے بخاروں کو سادہ بخار یا حمی یوم کہتے ہیں۔ان کی مثال سردی و گرمی اور خشکی و تری کے بخار غم و غصہ اور خوف و ندامت کے بخار، زیادہ کھانے پینے اور تکان و بیرونی تپش وغیرہ۔

۲. ان ہی تینوں اعضاء کے افعال میں کہیں تسکین پیدا ہو جائے جس سے وہاں پر مواد رک کر اس میں خمیر پیدا کر دے، یہ سمّی سمیاتی و کیمیاوی اور موسمی و وبائی اثرات تخمیر و تعفن کے مواد کا جسم میں داخل ہو کر اندرونی مواد میں خمیر، تعفن اور فساد پیدا کر دے۔ایسے بخاروں کو عفونتی اور تخمیری بخار کہتے ہیں۔

۳. ان ہی تینوں اعضاء میں کہیں تحلیل پیدا ہو کر وہاں کی رطوبات ختم ہو جائیں۔پھر وہ حرارت اس عضو میں تحلیل اور ضعف پیدا کر کے اس میں

ذبول کی صورت قائم کر دے۔اس بخار کو دق کہتے ہیں۔اگر انتہائی خشکی سے وہاں پر زخم ہو جائیں اور ان میں پیپ پیدا ہو جائے تو اس کو سل کہتے ہیں۔

اقسام بخار

بخار کی پیدائش میں مندرجہ بالا صورتوں میں سادہ بخار اگر تین چار روز سے ہفتہ تک قیام کرے تو وہ اکثر تخمیری اور عفونتی بخاروں میں بدل جاتے ہیں اور تخمیری عفونتی بخار زیادہ دیر قیام کرنے کے بعد اکثر دق وسل میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔اس لئے اگر ابتداء ہی سے بخاروں کی طرف توجہ کر لی جائے تو وہ جلدی دور ہو جاتے ہیں۔لیکن علاج سے قبل ان کی پوری تحقیق کر لینی چاہئے کہ وہ کن اعضاء کی خرابی اور کس مواد کی زیادتی کی وجہ سے پیدا ہوئے ہیں۔

تاکید

اس امر کو تاکیداً جان لیں کہ سادہ بخار (حمی یوم) اور دق وسل کا بخار (حمی دق وسل) بھی عفونتی بخار ہیں۔فرق صرف یہ ہے کہ سادہ بخار کی عفونت صرف روح طبعی کو گرم اور متاثر کرتی ہے۔یہی وجہ ہے کہ عفونت اگر چند روز قیام کرے تو وہ عفونتی بخار میں تبدیل ہو جاتا ہے۔عفونتی بخار میں عفونت کا اثر روح کے علاوہ اخلاط میں ہو جاتا ہے۔تپ دق اور سل میں بھی عفونت ہوتی ہے اگر عفونت نہ ہو تو حرارت غریبہ یا غیر طبعی حرارت ہی ختم ہو جائے۔اس لئے ان تمام بخاروں کا علاج ہی یہی ہے کہ گرمی اور تری کو بڑھا دیا جائے جن سے ہر قسم کے بخار ختم ہو جاتے ہیں۔

تاکید ثانی

جاننا چاہئے کہ گرمی تری کی زیادتی سے کوئی بخار نہیں ہوسکتا اگر کوئی بخار ہوگا تو اس میں رطوبت کم ہوگی یا حرارت کی زیادتی ہوگی، بلکہ اگر تری سردی کی زیادتی کی وجہ سے بھی ہو تو بخار اس وقت تک ہوتا جب تک نہیں حرارت اس میں اثر کر کے اس کو متعفن نہ کر دے۔اسی وجہ سے بخار اُتارنے کے لئے شیرے شربت اور پیشاب آور ادویات وعرقیات دیئے جاتے ہیں۔فیور مکسچر دینے میں بھی یہ نظریہ ہے لیکن بغیر سبب کو سامنے رکھنے کے بخاروں کو اتارنے کی کوشش نہیں کرنی چاہئے۔اس طرح نقصان بہت بڑھ جاتا ہے۔

تاکید ثالث

جن بخاروں کو خلطی دوشی بخار کہتے ہیں،ان سب کا تعلق کسی نہ کسی عضو سے ہوتا ہے بغیر کسی عضو کے تعلق کے ایسا کوئی بخار نہیں ہوسکتا مثلاً نزلہ،زکام کا سر سے،ذات الریہ کا سینہ سے،محرقہ کا امعاء سے،نفاس کا رحم سے ہوتا ہے۔

دائمی اور باری کا بخار

دائمی اور باری کے بخار صرف خلط، دوشی اور تعفنی وجراثیمی ہوتے ہیں۔سادہ بخار اور دقی وسلی بخاروں میں عام باری کے بخار نہیں ہوتے۔ان میں اگر کچھ کمی بیشی ہوتی ہے تو وہ مواد کی کمی بیشی سے ہوتی ہے۔باری کے بخاروں میں جس روز غبار نہیں ہوتا،اس روز تعفن کم ہوتا ہے۔مگر سبب قائم رہتا ہے۔

بخار کے اسباب عامہ

سب سے پہلے یہ امر ذہن نشین کر لیں کہ کوئی بخار اس وقت تک پیدا نہیں ہوسکتا جب تک کسی مفرد عضو کے افعال میں خرابی اور فساد پیدا نہ ہو بغیر کسی عضو کے افعال میں خرابی اور فساد کے نہ کیفیات ونفسیات اور مادی وفعلی اثر سے پیدا نہیں ہوسکتا ہے۔گویا اوّل افعال بگڑتے ہیں پھر خون

کا اجتماع ہوتا ہے۔ پھر تعفن پیدا ہوتا ہے آخر میں بخار ہوتا ہے۔ گویا بخار سے پہلے جسم میں تین قسم کے تغیرات پیدا ہونے ناگزیر ہیں۔ ایسا کیوں ہوتا ہے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب جسم میں کوئی سبب اثر کرتا ہے تو اس کا پہلا حملہ کسی نہ کسی مفرد عضو کے افعال پر ہوتا ہے۔ جس کا مقابلہ وہ عضو کرتا ہے۔ اگر عضو مضبوط اور طاقت ور تو غالب آ جاتا ہے اور وہ مؤثر سبب ختم ہو جاتا ہے۔ اگر عضو مقابلے میں کمزور ثابت ہو جائے تو مرض کی پہلی صورت قائم ہو جاتی ہے۔ جس قوت سے عضو مقابلہ کرتا ہے اس کو مناعت یا قوت مدافعت (امیونٹی) کہتے ہیں۔ جب عضو کی قوت مدافعت کمزور ہو جاتی ہے تو پھر قوت مدبرہ بدن اس کی مدد کے لئے حاضر ہوتی ہے۔ اور وہاں پر دورانِ خون تیز کر دیتی ہے۔ تاکہ مؤثر سبب کو ختم کر دے۔ اگر قوت مدبرہ بدن کامیاب ہو گی تو وہاں پر جمع شدہ خون کو جسم میں پھیلا کر چند یوم کے بعد صحت ہو جاتی ہے۔ یہ جسم کی دوسری کوشش ہوتی ہے۔ اگر قوت مدبرہ بدن بھی کامیاب نہیں ہوتی تو وہاں پر جمع شدہ خون وہاں پر سوزش اور تعفن پیدا کر دیتا ہے۔ جس کے بعد طبیعت مدبرہ بدن اس جمع شدہ خون کو جسم میں پھیلاتی رہتی ہے۔ بس یہ بخار ہوتا ہے۔ یہ تیسری صورت ہے یہ بھی یاد رہے کہ خون کا وہاں پر سوزش و تعفن اور خمیر کا پیدا کرنا اور پھر جمع شدہ خون کو جسم میں پھیلانا بھی قوت مدبرہ بدن کی کوشش ہوتی ہے۔ جس کی تفصیل طویل طلب ہے (سوزش کے بیان میں دیکھیں)۔ یہ مضمون رسالہ رجسٹریشن فرنٹ میں شائع ہو رہا ہے۔

اسباب کا قرب و بعد

اسباب میں ان کے قرب و بعد کو بھی ایک اہمیت حاصل ہے۔ اس لئے جب امراض کے اسباب پر بحث کی جاتی ہے تو قریب و بعید دونوں اقسام کے اسباب پر بحث کی جاتی ہے۔ بلکہ خوب اچھی طرح روشنی ڈالی جاتی ہے۔ تاکہ علاج کے وقت صحیح اسباب ذہن کے اندر ہوں۔ مگر بعض کم علم اور غلط فہم معالج جیسے فرنگی ڈاکٹر تشخیص امراض میں اسباب کے قریب و بعید کا اندازہ نہیں لگا سکتا۔ قریب اور بعید کی شے میں جو فرق ہے اسباب کے لحاظ سے بھی قریب اور بعید میں یہی فرق ہے۔ قریب کی شے پہلے اثر انداز ہوتی ہے۔ اور بعید کی چیز بعد میں اپنا اثر کرتی ہے۔ ظاہر میں قریب و بعید کا تصور کرنا ایک معمولی بات ہے مگر فن علاج میں انتہائی اہم بات ہے بس یہی مقام جس کو صحیح طور پر ذہن نشین نہ کرنے سے نہ صرف مختلف طریق علاج پیدا ہو جاتے ہیں بلکہ علاج صحیح طور پر کامیاب نہیں ہو سکتے اور فن علاج بدنام ہوتا ہے۔

طب میں اسی قریب و بعید کی اہمیت کے پیش نظر اسباب کو اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ اس میں قرب و بعد کی غلطی کا امکان نہ رہے اور صحیح اسباب سامنے آ جائیں۔ اس میں اسباب دو قسم کے بیان کئے گئے ہیں۔

اوّل۔ اسباب ضروریہ

جن کا تعلق حفظ صحت کے ساتھ ہے، جو چھ ہیں: ہوا، پانی، حرکت و سکون بدنی، حرکت و سکون نفسانی، نیند و بیداری، استفراغ و احتباس۔ یعنی یہ ایسے اسباب ہیں کہ اگر یہ اعتدال پر قائم نہ رہیں تو صحت قائم نہیں رہ سکتی۔ دوسرے الفاظ میں اس طرح سمجھ لیں کہ اسباب کی پیدائش ان ہی اسباب ضروریہ کے اعتدال سے ہٹ جانے سے ہوتی ہے۔ اس کو اسباب صرف اس لئے کہا گیا ہے کہ صحت کے لئے ان کا اعتدال رکھنا بے حد ضروری ہے۔ ورنہ جسم امراض میں گرفتار ہو جائے گا۔ گویا یہی اسباب ستہ ضروریہ امراض میں گرفتار کرنے کے ذمہ دار ہیں۔ ایک طرف ان سے صحت و حفاظت ہوتی ہے دوسری طرف امراض کی تشخیص و علاج اور مرض کو صحت کی طرف واپس لوٹانے میں مدد دیتے ہیں۔

دوسری قسم۔ اسباب ممرضہ

جن کا تعلق صرف امراض سے ہے۔ یعنی امراض کی حالت میں مندرجہ بالا اسباب ستہ ضروریہ کا تقدم و تاخر اور قرب و بعد معلوم کرنے کے لئے ہیں (۱) اسباب بادیہ۔ کیفیاتی اور نفسیاتی (۲) اسباب سابقہ۔ مادی اور شرکی (۳) اسباب واصلہ۔ فاعلہ و متصلہ۔ درحقیقت ان اسباب کا نہ

امراض سے تعلق ہے اور نہ ہی تشخیص میں مدد کرتے ہیں، یہ تو صرف بحث اسباب کے لئے مقرر کئے گئے ہیں تا کہ اس حقیقت کا پتہ چل سکے کہ مقدم اسباب کون سے ہیں اور مؤخر اسباب کیا ہیں۔

اسباب ستہ ضروریہ میں مرض کی پیدائش میں تعدم وتاخر اور قرب وبعد کی اہمیت کس کو حاصل ہے۔ گویا قرب وبعد اور تقدم وتاخر کا مسئلہ نہایت اہم ہے۔ جس کو فرنگی طب نے ہمیشہ نظر انداز رکھا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسباب مرضہ میں اوّلین دو اسباب ہیں، اسباب ستہ ضروریہ کو تقسیم کر دیا گیا ہے۔ یعنی اسباب بادیہ میں کیفیاتی ونفسیاتی اور اسباب سابقہ میں مادی اور شرکی اکٹھے کر دیئے ہیں۔ اوا اسباب واصلہ کا ان میں سے کسی کے ساتھ بھی تعلق نہیں ہے۔ وہ صرف اسباب بادیہ اور اسباب سابقہ کا تقدم وتاخر اور قرب وبعد کا تعین کرنے کے لئے جو اسباب ستہ ضروریہ کی طرف اشارہ کرتے ہیں، گویا تشخیص اور علاج کی صورت میں ان ہی اسباب ستہ ضروریہ کی طرف دھیان دینا پڑتا ہے۔

اسباب واصلہ دراصل ایسے اشارے ہیں جو یہ ظاہر کرتے ہیں کہ پیدائش امراض کے وقت معا کیا سبب تھا۔ یعنی مرض اور سبب میں کوئی دور کا فرق نہ پایا جاتا ہو۔ یعنی اس کی متصلہ اور فاعلہ صورت کیا ہے۔ یا دوسرے الفاظ میں ان کے اور مرض کے درمیان کوئی واسطہ نہیں ہوتا۔ بلکہ براہِ راست مرض پیدا کر دیتے ہیں۔ کسی دوسری حالت کا ان کو انتظار نہیں کرنا پڑتا۔ جس کی بہترین مثال امتلا (مواد کا اجتماع) ہے جو بخار کا موجب بنتا ہے۔ گویا بلا واسطہ بخار پیدا نہیں کرتا بلکہ اس کے اور بخار کے درمیان عفونت واسطہ بنتی ہے۔ امتلاء کے بعد عفونت لاحق ہوتی ہے۔ اور عفونت سے بخار ہوتا ہے۔ اس صورت میں عفونت، سبب واصلہ کہلائے گی۔ جس کے ہوتے ہی بخار آ جاتا ہے۔ اس صورت میں امتلاء سبب سابقہ کہلائے گا۔

ثابت ہوا کہ سبب واصلہ ہی سبب قریب ہے، لیکن دراصل اس کا اشارہ سبب سابقہ کی طرف اور سبب سابقہ اپنا اشارہ ستہ ضروریہ کی طرف کر رہے ہیں، یہ ساری بحث صرف اسباب تقدم وتاخر اور قرب وبعد کی ہے، ورنہ اسباب مرضہ کی کوئی حقیقت نہیں۔

یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ جب تک اعضاء کے افعال میں خرابی واقع نہ ہو نہ کہیں امتلا ہوتا ہے اور نہ عفونت پیدا ہوتی ہے۔ اور نہ ہی ہم اس حالت جسم کو مرض میں شمار کرتے ہیں، اس لئے یہ حقیقت سامنے آ جاتی ہے کہ جراثیم کا ہونا اور نہ ہونا کسی صورت میں نہ مرض کہلا سکتا ہے اور نہ مرض پر دلالت کر سکتا ہے۔ انسانی جسم میں سینکڑوں اقسام کے جراثیم ہوتے ہیں۔ جیسے انسان ہر وقت کیفیات ونفسیات اور مادی وفعلی ماحول میں گھرا ہوا ہے جو خود ہی طبیعت کے اثر سے مفید بن جاتے ہیں یا تباہ ہو جاتے ہیں۔ لیکن امراض اس وقت تک پیدا نہیں کر سکتی جب تک کسی عضو کے فعل میں خرابی واقع نہ ہو جائے، کیونکہ اعضاء جسم کا بگڑنا ہی یہ ظاہر کرتا ہے کہ جسم بیمار ہے ورنہ اعضاء کے تندرست رہنے سے کبھی امراض کا تصور پیدا ہی نہیں ہو سکتا۔

مناعت

فرنگی ڈاکٹر کہتے ہیں کہ بیک وقت تمام انسانوں کو کوئی ایک مرض اس لئے پیدا نہیں ہوتا کہ ان کے اندر امیونٹی (امنیت) ہوتی ہے۔ جس کو ہم مناعت یا قوت مناعت یا قوت مدافعت عضو کہتے ہیں۔ اور یہ امنیت مرض کا مقابلہ کرتی رہتی ہے لیکن ان کو یہ پتہ نہیں کہ یہ امنیت دراصل کیا ہے، اور کہاں پیدا ہوتی ہے۔ جاننا چاہئے کہ یہ امنیت یا مناعت کوئی ایسی طاقت نہیں ہے جو خون میں پائی جاتی ہو بلکہ یہ طاقت اعضاء میں پائی جاتی ہے۔ اور ہر قسم کے اعضاء میں جدا جدا قسم کی ہوتی ہے۔ جس کا ثبوت یہ ہے کہ جیسے مختلف اقسام کے جراثیم یا مختلف اسباب مختلف اعضاء پر اثر انداز ہوتے ہیں اسی طرح مختلف اعضاء کی امنیت ان کا مقابلہ کرتی ہے اور جسم کو امراض سے محفوظ رکھتی ہے۔ جب اعضاء ثابت کر سکتے ہیں کہ امنیت اعضاء کے علاوہ خون میں کہیں اور پیدا ہو سکتی ہے، اگر وہ ثابت کر دیں تو ہم ایک ہزار روپیہ انعام دیں گے ہمارا چیلنج ہے کہ وہ ایسا نہیں کر سکتے اس صورت میں یہی لازم آتا ہے کہ علاج میں بجائے قاتل جراثیم ادویات کے اعضاء کو درست کرنا چاہئے۔

امنیت یا مناعت کے لئے یہ امر ذہن نشین کرلیں کہ طب میں قوت کا مرکز روح طبعی کو تسلیم کیا گیا ہے۔اس روح کے تین اقسام ہیں:

(۱) **روح طبعی**: جو جگر میں ہوتی ہے،اس کا عمل دخل غدود میں ہوتا ہے۔

(۲) **روح نفسانی**: جو دماغ میں ہوتی ہے اور اس کی تحریک اعصاب میں ہوتا ہے۔

(۳) **روح حیوانی**: جو قلب میں ہوتی ہے جس کے افعال واثرات میں کام کرتی ہے۔

بس یہی ارواح ان اعضاء میں ان کے قویٰ کو قائم رکھتی ہیں اور یہی ان کی امنیت ہے۔ جب ان ارواح کے مزاج میں خرابی واقع ہوتی ہے،اس سے اعضاء کے قویٰ اور ان کی امنیت خراب ہو جاتی ہے۔

روح طبعی کی پیدائش خون سے ہوتی ہے،اور خون اخلاط کا مرکب ہے،اخلاط عناصر سے مرکب ہیں تو اس سے ثابت ہوا کہ ارواح اور قویٰ کی ترکیب میں آگ ہوا اور پانی شامل ہیں۔ان ہی کے اعتدال سے جہاں خون اور ارواح کا قوام قائم رہتا ہے وہاں قویٰ اور اعضاء میں طاقت رہتی ہے۔بس یہی امنیت (امیونٹی) مناعت اور قوت مدافعت اعضاء ہے،جس کی حقیقت سے فرنگی طب کلی طور پر ناواقف ہے۔

قوت مدبرہ بدن

قوت مدبرہ کے متعلق بھی فرنگی طب تو کیا دُنیا کا کوئی طریق علاج واقف نہیں ہے۔لہٰذا اس کی حقیقت بیان کر دینا ضروری ہے۔ جاننا چاہئے کہ جسم انسان میں جو مختلف قوتیں مختلف اعضاء بلکہ ہر خلیہ وحیوانی ذرہ اور نسیج میں کام کر رہی ہے وہ تمام مفرد اعضاء اعصاب وعضلات اور غدد کے ماتحت کام کر رہی ہیں اور ان مفرد اعضاء کے مرکز دل ودماغ اور جگر ہیں جن کی قوتیں ارواح کے ماتحت ہیں۔ یہ ارواح یعنی روح حیوانی، روح نفسیاتی اور روح طبعی تینوں روح طبعی کے ماتحت ہیں۔جس طرح تمام جسم کو غذا ایک خون سے ملتی ہے،اسی طرح جسم ایک روح طبعی سے ایک نظام میں رہتا ہے،روح طبعی جو نظام قائم رکھتی ہے اس نظام کا نام طبیعت مدبرہ بدن ہے۔ جب روح طبعی کا اعتدال قائم نہیں رہتا تو یہ نظام بھی بگڑ جاتا ہے۔جس کو ہومیوپیتھی نے روح کا بیمار ہونا کہا ہے۔

قوت مدبرہ بدن اپنے افعال کس طرح انجام دیتی ہے اس کو سمجھنے کے لئے کیفیات اور مزاج کی طرف سے شروع کریں۔ کیونکہ یہی انسان کے اندر ابتدائی محرکات ہیں،یعنی جسم انسان پر کوئی شے یا امر اندرونی طور پر یا بیرونی طور پر مادہ یا روح کی صورت میں اثر کرتا ہے،تو اس کا اثر کیفیات بلکہ ایک مزاج کی صورت میں ہوتا ہے یعنی اثر گرمی وسردی اور تری وخشکی کی صورت میں ہوتا ہے۔ لیکن یہ اثر کبھی صرف گرمی یا صرف سردی یا صرف خشکی کی صورت میں نہیں ہوتا، بلکہ مرکب صورت ہوتا ہے۔ جیسے گرمی تری، گرمی، خشکی، سردی، تری اور سردی خشکی۔ دو مرکب کیفیات ہیں ان ہی کو طب میں مزاج کہتے ہیں، چونکہ ہم ثابت کر چکے ہیں کہ ہر کیفیت کسی نہ کسی عضو سے متعلق ہے،یعنی گرمی کا تعلق غدود سے تری کا تعلق اعصاب سے اور خشکی کا تعلق عضلات سے ہوتا ہے۔

اسی طرح ہم یہ بھی ثابت کر چکے ہیں کہ پانی کا تعلق اعصاب سے،عضلات کا تعلق ہوا سے،اور غدود کا تعلق آگ سے ہے۔ان حقائق سے یہ تصدیق ہوتی ہے کہ جب کوئی شے یا امر جسم پر اثر کرتا ہے جس طرح وہ مرکب کیفیات یعنی مزاج کے ساتھ اثر کرتا ہے اسی طرح وہ بجائے ایک مفرد عضو کے دونوں پر اکٹھا اثر کرتا ہے۔فرق صرف یہ ہوتا ہے کہ اس کا پہلا اثر عضوی اور دوسرا دموی ہوتا ہے یا پہلے اثر کو مشینی اور دوسرے اثر کو کیمیاوی کہہ سکتے ہیں۔یعنی کوئی شے یا امر جسمانی یا روحانی طور پر صرف اعصاب یا صرف عضلات یا صرف غدود پر اثر نہیں کرے گا۔ یہ اثر اعصابی عضلاتی یا اعصابی غدی یا عضلاتی غدی ہوگا۔

طب میں مزاج بیان کرنے میں بھی یہی کمال ہے جس کو فرنگی طب اور ماڈرن سائنس سمجھ نہیں سکی۔ یعنی جب طب میں کسی شے یا امر اور مادہ یا روح وغیرہ اپنا اثر کرتے ہیں تو اس کا اثر مشینی (مکینیکل) اور کیمیاوی (کیمیکل) دونوں بیک وقت ہوتے ہیں۔ جن کو وہ مزاج کی صورت میں بیان کرتی ہے۔ یعنی گرم وتر و گرم خشک اور سردتر و سرد خشک اور اس کے برعکس بھی بیان کیا جاسکتا ہے، تر گرم وخشک گرم اور تر سرد اور خشک سرد۔ لیکن الٹا بیان کرنے کی بجائے طب کی کیفیات کے درجے مقرر کردیئے ہیں۔ جو چار درجے تک ہیں، اور ان ہی کی کمی بیشی سے تقدم وتاخر کا پتہ چل جاتا ہے جس سے اس کی مشینی اور کیمیاوی صورتیں سامنے آجاتی ہیں۔ یعنی جس کیفیت میں تیزی اور زیادتی ہوتی ہے وہ عضوی یا مشینی ہوتی ہے۔ اور جس میں ہلکا پن اور کمی ہوتی ہے وہ دموی یا کیمیاوی ہوتی ہے۔ اور اس کا تعلق دوسرے عضو کے ساتھ ہوتا ہے۔

اس حقیقت کو سمجھ لینے کے بعد اب یہ بات ذہن نشین کریں کہ جب کوئی شے یا امر جسم پر اثر کرتا ہے تو اس کا مشینی اثر کسی ایک عضو پر شروع ہو تو اس کے فعل میں تیزی ہوتی ہے، اور اس کا کیمیاوی اثر جسم کے دیگر عضو پر اثر انداز ہو کر اس کو اعتدال پر لانے کی کوشش کرتا ہے۔ گویا پہلا اثر اگر مرض تصور کرلیں تو دوسرا اثر اس لئے شفاء ہے یہی مرض وشفا اور عمل ورد عمل کے افعال اعضاء سے روح تک پہنچ جاتے ہیں۔ جس میں تیزی ہوتی ہے، وہ غالب رہتا ہے اور اس طرح جسم اور روح کا سلسلہ چلتا رہتا ہے۔ ان ہی حقائق پر زندگی اور صحت منحصر ہے۔ جو نظام ان اعمال کو قائم رکھتا ہے، اس کا نام قوت مدبرہ بدن ہے۔

ہومیوپیتھی میں جو علاج بالمثل کام کر رہا ہے وہ دراصل ادویات کی حد تک بالمثل ضرور ہے، کیونکہ مرض کی حالت میں ان ہی علامات کے تحت وہ دوا دی جاتی ہے جس دوا میں اس کی علامات پائی جائیں، لیکن دراصل وہ بالمثل بلکہ دوسرے عضو یا ردّ عمل (ری ایکشن) کے افعال تیز ہو جاتے ہیں جو اس کو کنٹرول کر رہا ہے اور یہی اس کے لئے شفاء ہے، ہمارے طریق علاج میں بھی یہی صورت کام کر رہی ہے۔ یعنہ جب ہم دیکھتے ہیں کہ عضو کا فعل تیز ہے تو ہم اس کے بعد کے عضو کا فعل تیز کر دیتے ہیں۔ جس میں سکون ہوتا ہے۔ اسی طرح دوسری قوت اور روح پیدا ہو جاتی ہے اور مرض رفع ہو کر شفا ہو جاتی ہے۔ اس طرح ہم علاج میں جہاں تک شفاء کا تعلق نہ ہو صرف ہومیوپیتھی سے مماثلت رکھتے ہیں، بلکہ اس کی نسبت بہت جلد جسم وروح کے اعتدال کو قائم کر دیتے ہیں۔ یہی صورت طب کے مزاج میں بھی قائم ہے، یعنی جب ہم ان کے مزاج بدلتے ہیں تو اس کے مشینی اثر کو بدل کر کیمیاوی اثر کو تیز کر دیتے ہیں۔ اسی قسم کی صورت آیورویدک میں بھی ہے۔ یعنی ایک دوش کے بعد دوسرا دوش بدل دیتے ہیں۔ اس کے تین دوشوں میں کف زیادہ ہوتا ہے۔ تو اس کا کیمیاوی اثر وات کی طرف جاتا ہے، ہم وات کو بڑھانا شروع کر دیتے ہیں اور جب وات میں تیزی ہو جاتی ہے تو اس کا کیمیاوی اثر پت کی طرف جاتا ہے، ہم پت بڑھانا شروع کر دیتے ہیں اور جب پت میں شدت ہوتی ہے تو اس کا کیمیاوی اثر کف کی طرف ہوتا ہے، اور کف بڑھا کر پت کو شانت دے دیتے ہیں۔

یہ صورت نظریہ مفرد اعضاء میں بھی سمجھ لیں کہ جب اعصاب میں تیزی ہوتی ہے تو جسم میں بلغم ورطوبات اور کف بڑھ جاتا ہے۔ اس کا کیمیاوی اثر عضلات کی طرف ہوتا ہے۔ لہٰذا ہم عضلات کو تیز کر دیتے ہیں۔ جب عضلات میں تیزی ہوتی ہے تو سودا اور ریاح اور وات بڑھ جاتا ہے، اس کا کیمیاوی اثر غدود کی طرف ہوتا ہے، ہم غدود کے فعل میں تیزی کر دیتے ہیں، جب غدود میں تیزی ہوتی ہے تو صفراء وحرارت اور پت بڑھ جاتا ہے، جس کا کیمیاوی اثر اعصاب کا تیز ہونا ہے۔ اس کا یہ عمل مشینی وکیمیاوی، عمل ورد عمل اور مرض وشفا کی صورتیں فطری طور پر قائم رہتی ہیں۔ فطرت کبھی نہیں بدلتی کیونکہ وہ سنت اللہ ہے اور قدرت کے قبضہ میں ہے۔ یہ ہے ہمارا وہ فطری طریقہ شفا جس کا عشر عشیر بھی فرنگی طب کے پاس نہیں ہے۔ اب ہمارا فرض ہے کہ ہم فوراً اس کو اپنا کر کے دنیا میں پھیلا دیں اور فرنگی طب پر اپنی فوقیت ثابت کر دیں۔

بخار کی علامات عامہ

بخار کی علامات عامہ میں سب سے بڑی علامت خود بخار ہے یعنی غیر طبعی حرارت کی زیادتی۔ اس زیادتی میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے یا باری سے آتی ہے، یا مسلسل آتی ہے۔ اس بڑی علامت کے علاوہ دوسری بڑی علامت اس غیر طبعی حرارت کا اثر ہوتا ہے یعنی بدن کا جلنا جس کے ساتھ تیسری علامت گھبراہٹ ہوتی ہے اور چوتھی علامت تحلیل کی وجہ سے ضعف پیدا ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ ان چار علامات کے ساتھ رطوبات کی زیادتی، بلغم، تھوک، زکام، قے، اسہال اور پیشاب کی زیادتی وغیرہ۔ عضلات کی علامات اس کے برعکس ہوں گی۔ یعنی بے خوابی، بے چینی، غشی، بڑبڑانا، خشکی، سانس کی تنگی، نزلہ بند، منہ اور گلا خشک ریاح اور نفخ کی زیادتی، قبض اور پیشاب میں کمی وغیرہ۔ غدی علامات مندرجہ بالا دونوں علامات سے جدا ہوں گی، کبھی نیند کبھی بیداری، عام طور پر غنودگی، کمزوری زیادہ ہوش وحواس درست، رطوبات کی بہت کمی، نزلہ، منہ، گلا، سینہ و معدہ میں جلن، ابکائی، پیچش اور پیشاب میں جلن وغیرہ علامات پائی جاتی ہیں۔

ان مخصوص علامات کے علاوہ مرکب علامات بھی پائی جائیں گی۔ مثلاً سوزش، ورم، خارش، بھوک و پیاس، غم و غصہ اور خوف و گھبراہٹ وغیرہ بھی پائی جاتی ہیں۔ اسی طرح بدن پر پھوڑے پھنسیاں، دانے، چھالے، زخم اور مختلف اقسام کی علامات کا پایا جانا۔

علامات کا ذہن میں رکھنا نہایت ضروری اور اہم ہے۔ کیونکہ یہی علامات کسی نہ کسی عضو خصوصاً مفرد عضو کی خرابی کی طرف رہنمائی کرتے ہیں۔ گویا علامات ایسے نشانات ہیں جن سے حالت صحت اور حالت مرض کا پتہ چلتا ہے۔ یہ علامات اکثر امراض کو سمجھنے، ان کے فروق اور تشخیص کے لئے دلائل بنائے جاتے ہیں اور ان ہی کی راہنمائی میں امراض کی ماہیت، نام امراض اور تقسیم امراض کئے جاتے ہیں۔ چونکہ یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ مرض اس حالت کا نام ہے جب اعضاء کے افعال کی خرابیوں کو جاننے کے لئے ان علامات کو جاننا نہایت ضروری ہے۔ کیونکہ یہ ان پر دلالت کرتی ہے۔ یہ اس وقت ہو سکتا ہے جب ہم امراض اور ان کی علامت کو الگ الگ ذہن نشین کر لیں۔ ایسا نہ ہونا چاہئے کہ اوّل ہم امراض اور علامات کا فرق ہی نہ سمجھ سکیں، ہر علامت کو مرض اور مرض کو علامت کہہ دیں۔ جیسا کہ فرنگی طب میں درج ہے، یعنی چھینک بھی مرض ہچکی بھی مرض اور شدید پیاس کو بھی مرض میں شمار کر لیا ہے۔ یہ تو معمولی علامات ہیں وہ تو بڑی بڑی علامات کو بھی مرض کہتے ہیں۔ جیسے نزلہ، زکام، سوزش و ورم، بخار اور درد سر وغیرہ۔ گویا ان کے ہاں امراض اور علامات میں کوئی فرق نہیں ہے۔ (تفصیل کے لئے مبادیات طب، تحقیقات نزلہ و زکام پر ہمارے مضمون تقسیم امراض میں دیکھیں)۔

بخاروں کے علاج عمومی

بخاروں کے عمومی علاج میں تین باتیں نہایت اہم ہیں۔

اوّل: مریض کو آرام سے لٹا دیں، اگر سردی لگ رہی ہے تو بند کریں تو اس کو گرم پانی پلائیں اور گرم کمرے میں رکھیں اور گرم کپڑوں میں لپیٹ دیں۔

دوسرے: ہر قسم کی غذا بند کر دیں، جب شدید بھوک لگے تو سیال یا نیم سیال غذا دیں، گویا ایسی غذا جس کے ہضم کرنے میں اعضاء غذائیہ پر بوجھ نہ پڑے۔

تیسرے: پیاس کے وقت تازہ یا نیم گرم پانی یا قہوہ یا چائے دیں۔ مریض اگر مجبور کرے کہ ٹھنڈا پانی پیئے گا تو اس کو ایک بار پیٹ بھر کر ٹھنڈا پانی دے دیں۔ مگر پھر وہی نیم گرم ہی دینا چاہئے۔ نا تجربہ کار معالج اور کتابی حکیم ٹھنڈک کی تاکید کرتے ہیں۔

مریض کے کمرے میں روشنی اور ہوا کا باقاعدہ انتظام ہونا چاہئے۔ لیکن کمرے کا درجہ حرارت کبھی ٹھنڈا رکھنے کی کوشش نہ کریں۔ عام طور

پر معتدل ہونا چاہئے۔ بلکہ اگر مریض پسند کرے تو گرم ہی ہونا چاہئے۔ فرنگی ڈاکٹر ہمیشہ گرمیوں بلکہ سردیوں میں تازہ ہوا اور روشنی کی خاطر کمرے کے ٹمپریچر کو بھی ٹھنڈا کر دیتے ہیں۔ گرمیوں میں برف، کولروں اور پنکھوں سے کمرے کو ٹھنڈا رکھتے ہیں۔ یہ طریق غلط ہے۔ اس طرح بخاروں میں بے حد خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔ کیونکہ بخاروں میں مقصد ٹھنڈک پہنچانا نہیں ہے اور نہ ہی ٹھنڈک پہنچانے سے بخار اُترا کرتے ہیں۔ بخار کی حرارت غریبہ کو حرارت غریزہ سے بدلنا ہے۔ حرارت غریبہ حرارت غریزیہ سے ٹھنڈی ہوتی ہے۔ اگر مریض کو بغیر سوچے سمجھے ٹھنڈک پہنچائی گئی تو یقین رکھیں کہ حرارت غریبہ کی مدد اور حرارت غریزیہ کی مخالفت ہوگی۔ نتیجہ میں بخار زیادہ اور مزمن زیادہ ہوگا۔ بلکہ حمی یوم سے حمی عفونت اور پھر دق میں تبدیل ہو جائے گا۔ پھر سوزش اور ورم میں تو یہ صورتیں انتہائی نقصان رساں ہیں۔

بغیر سوچے بخار کے مریض کو پھل یا پھلوں کے رس نہ پلائیں ان سے بھی مندرجہ بالا خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔ یاد رکھیں کہ بخاروں نے ہر صورت میں جسم کے اندر آکسیجن کی زیادتی کرنا ہے، سرد رطوبت سے آکسیجن اور بھی دب جاتی ہے۔ اس طرح ہر قسم کے بخار میں غسل کرنا اچھا نہیں ہے۔ البتہ گرمی و تپش کے حمی یوم میں تازہ پانی سے غسل کراتے ہیں۔ بلکہ بغیر اشد ضرورت گرم پانی سے بھی غسل نہ دیں۔ اگر جسم پر غلاظت ہو تو نیم گرم پانی میں کپڑا یا اسفنج تر کر کے جسم کو صاف کر دیں۔ البتہ مریض کا ہاتھ منہ روزانہ نیم گرم پانی سے دھلا دیں۔ دانت صاف کر دیں۔ بالوں پر کنگھی کریں اور صاف کپڑے اور بستر جلد بدل دیا کریں۔ اس کے پاس خوشبو رکھنا بھی مفید ہے۔

بخاروں کے علاج میں خاص امور یہ ہیں کہ بخار اُتارنے کی کوشش نہ کریں، غیر ذمہ دار اور ناتجربہ کار معالج اکثر بخار اتارنے کی کوشش کرتے ہیں۔ بیرونی ٹھنڈک کے علاوہ اندرونی طور پر شیرہ، شربت اور برف وغیرہ استعمال کراتے ہیں، فرنگی ڈاکٹر فیور مکسچر اور اسپرین وغیرہ کے مرکبات دیتے ہیں۔ یہ سب کچھ مریض پر ظلم کرنا ہے۔ مریض کے استفراغ کے لئے جلدی نہ کریں۔ کیونکہ بغیر تشخیص کے مسہل وقے اور ادرار و پسینہ آور ادویات کا استعمال کرنا بالکل غلط ہے کیونکہ اس طرح استفراغ کے ساتھ حرارت بدن بھی ضائع ہو جاتی ہے۔ اور پھر فوراً اس حرارت کا پیدا کرنا مشکل ہے۔ دیگر یہ مشکل پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ ہر بخار کا مواد اپنے خاص عضو کے راستہ خارج ہوتا ہے۔ اس طرح اگر بغیر سوچے سمجھے استفراغ کر دیا گیا تو معالج مشکلات میں گرفتار ہو جاتا ہے۔

علاج میں آسان صورت یہ ہے کہ مفرد عضو جس میں خرابی ہے اس کی تشخیص کریں اور جس مقام پر سکون محسوس کریں اس کو ہلکی سی تحریک دے دیں۔ اگر اس کا اثر خاطر خواہ نہ ہو تو تحریک شدید کر دیں۔ اگر قبض ہو تو اسی عضو کی مناسبت سے ملین کر دیں اگر پیچش ہو تو بند نہ کریں۔ بلکہ صرف مسکن عضو کو تحریک کر دیں۔ اسی طرح قے اور ابکائی وغیرہ بند نہ کریں۔ بلکہ اعضاء کی مناسبت سے علاج جاری رکھیں۔ اسی طرح اسہال بند نہ کریں بلکہ تشخیص کے مطابق ادویات دے دیں۔ چاہے ملین دوا ہی کیوں نہ استعمال کرنی پڑے۔ اس طرح ٹمپریچر کو بھی کم نہ کریں وہ فوراً چند منٹوں میں کم ہو جائے گا۔ البتہ یہ خیال ضرور رکھیں کہ مرض کی شدت ہو تو دوا کا وقفہ کم سے کم کر دیں۔ مثلاً عام طور پر دو تین یا چار گھنٹے بعد دوا دی جاتی ہے۔ ایسے موقعہ پر ایک ایک گھنٹہ بعد یا نصف گھنٹے بعد بلکہ بوقت ضرورت پندرہ پندرہ منٹ کے بعد بھی دوا دے کر فوراً مریض کی تسلی کر کے اپنا نام پیدا کر سکتے ہیں۔

بخار کی ابتدا و شدت اور اختتام

(۱) **بخار کی ابتداء:** بخار کی ابتداء میں عام طور پر سردی لگتی ہے، جس کو لرزہ کہتے ہیں۔ بعض بخاروں میں لرزہ نہیں ہوتا، ان بخاروں کی ابتداء میں سستی، انگڑائی، اعضاء شکنی شروع ہو جاتی ہے۔ اور رفتہ رفتہ یہ حرارت انتہا کو پہنچ جاتی ہے۔ انسان گرم کپڑے یا گرم چائے کی خواہش کرتا ہے۔

(۲) **بخار کی شدت:** بدن میں بے چینی بڑھ جاتی ہے۔ حرارت شروع ہو جاتی ہے اور رفتہ رفتہ یہ حرارت انتہا کو پہنچ جاتی ہے۔ منہ خشک ہو جاتا ہے اور حواس بگڑ جاتے ہیں۔

(۳) **بخار کا اختتام:** یہ کئی طریق سے ہوتا ہے، بحران ہو کر بخار دور ہو جاتا ہے، اس صورت میں جسم کے فضلات یا رطوبات یا خون جیسے پیشاب اور پاخانہ، قے وغیرہ یکبارگی اخراج پانا شروع ہو جاتے ہیں یا نکسیر وغیرہ پھوٹ جاتی ہے اور بخار اُتر جاتا ہے۔ بذریعہ تحلیل ہو کر بخار دور ہو جاتا ہے۔ اس صورت میں نہ مواد نہ رطوبات اور خون اخراج پاتا ہے بلکہ چند روز میں حرارت جسم کم ہو کر بخار اُتر جاتا ہے۔ دونوں کی صورتیں درج ذیل ہیں۔

بحران

یہ ایک یونانی لفظ ہے اور شیخ الرئیس کے قول کے مطابق اس کے لفظی معنی ایک دشمن کا دوسرے دشمن پر غلبہ پانا ہے۔ گویا طبیعت کا مرض کے مقابلہ میں سخت جدوجہد کرنا ہے۔ جس کے ذریعے مریض کے جسم میں ایک نمایاں تغیر ہوتا ہے۔ اگر طبیعت مرض پر پورے طور پر غالب آ جائے تو مرض رفع ہو کر شفاءِ کلی حاصل ہو جاتی ہے۔ اس حالت کو بحران محمود یا بحران کامل کہتے ہیں۔ اگر مرض کا غلبہ طبیعت پر ہو جائے جس کا نتیجہ ہلاکت ہوتا ہے، اس بحران کو ردی نام کہتے ہیں۔ بحران کی حقیقت سے انکار نہیں ہے اور طب کا بہت بڑا کمال ہے کہ جو ہزاروں سال سے چلا آ رہا ہے۔ اس سلسلہ میں جو قوانین بیان کئے گئے ہیں اگر ان پر پورا پورا عبور ہو تو نتائج اکثر صحیح آتے ہیں۔ جہاں پر نتائج صحیح نہیں آتے وہاں پر مریض کی بد پرہیزی اور ماحول کی خرابی یا علاج کی غلط نگرانی ہوا کرتی ہے۔

بحران کیا ہے؟ یہ سالہا سال کے ایسے تجربات ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ فلاں بخار اتنے عرصہ میں فلاں طریق اور فلاں یوم اتر جائے گا۔ اگر فلاں فلاں علامات واقع نہ ہوئیں تو بحران محمود کامل نہیں ہوگا۔ ردی اور نقصان رساں ہوگا۔ ان تجربات سے ہر بخار کے لئے ایک مدت اور ایک راستہ مقرر ہے۔ اس مدت میں اور اس خاص راستہ سے اتر جائے گا اور بخار کے دوران میں کیا کیا خرابیاں ہونے کا امکان ہے جو معالج بھی بخاروں کا علاج کرے اس کے لئے فرض ہو جاتا ہے کہ وہ اس بخار کے درمیان واقع ہونے والے خطرات کو مدنظر رکھے۔ بحران کی تفصیلات طب کی کتب میں ملاحظہ کریں۔

تحلیل سے مراد ہے کہ حرارت کی زیادتی سے بخار کا سبب رفع ہو رہا ہے اور درجہ حرارت رفتہ رفتہ گر رہا ہے۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ مریض کے جسم میں چستی، چہرے پر رونق اور طبیعت میں بشاشت کے آثار ظاہر ہونے شروع ہو جاتے ہیں۔ یہ تحلیل جید ہے کیونکہ کبھی تحلیل کے ساتھ جسم میں ضعف، چہرہ پر مردنی اور طبیعت میں بوجھل پن کے آثار پیدا ہو جاتے ہیں، اور مریض پر بے اُمیدی چھا جاتی ہے۔ اصل میں یہ تحلیل مرض نہیں ہوتی، بلکہ تحلیل جسم اور قویٰ ہوتی ہے، جس کا نتیجہ ہلاکت ہوتا ہے۔ اس کو تحلیل سوء کہتے ہیں۔

تحلیل دراصل طبیعت یا معالج کی مرض پر صحیح گرفت ہے۔ اگر معالج ذہین اور علم وفن سے آگاہ ہے تو وہ بخاروں پر اپنی گرفت مضبوط کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ اس کو طبیعت کے رحم وکرم اور مریض کی غفلت پر نہیں چھوڑتا اور کامیاب رہتا ہے۔ تحلیل کی ایک مثال یہ ہے کہ اگر جسم پر کوئی پھوڑا پیدا ہو جائے اور اس کا علاج نہ کیا جائے اور طبیعت خود بھی مضبوط ہو تو دس پندرہ یوم میں وہ پھوڑا پک کر پھوٹ جائے گا۔ اور پھر بھی اگر اس پر کوئی مرہم وغیرہ نہ لگائی جائے تو دس پندرہ روز میں خود بخود بھر جائے گا۔ یہ مثال بحران کی ہے۔ لیکن لائق معالج اسی پھوڑے پر حسب ضرورت پلٹس لگا کر ایک دو روز میں پکا کر پھوڑ دے گا۔ پھر کوئی مناسب مرہم لگا کر دو تین روز میں بھر دے گا۔ یہ صورت تحلیل کی ہے۔

اگر کوئی معالج ہمیشہ تحلیل کی مثال سامنے رکھے اور بخار پر بھی گرفت رکھے تو وہ ہر بخار کو قبل از وقت بھی اتار سکتا ہے۔ مگر یہ کام ہر کس

ناکس کا نہیں ہے۔ البتہ جو لوگ مفرد اعضاء کے نظریہ کو اچھی طرح اپنا لیں تو ان کے لئے ایسے کامیاب اور معجزہ نما علاج کرنا کچھ مشکل نہیں ہے۔ یہ تحقیقات جو ہم نے پیش کی ہیں، فرنگی طب میں بالکل نہیں پائی جاتیں۔ یہ صرف اس لئے پیش کی جا رہی ہیں کہ اس کو بہت جلد شکست دی جا سکے۔

تقسیم حمیات بالمفرد اعضاء

نظریہ مفرد اعضاء کے تحت بخاروں کی تقسیم بالاعضاء ہی کی گئی ہے ورنہ طب یونانی کے تحت بھی تقسیم کر کے علاج لکھے جا سکتے ہیں۔ لیکن اس طرح ہم کو یہ لکھنا پڑتا ہے کہ فلاں بخار کس عضو کے تحت ہے۔ اب مختلف عضو لکھ کر اس کے تحت جو بخار آتے ہیں، ان کو لکھ دیا جائے گا۔ تاکہ اعصابی، عضلاتی و غدی جدا جدا ہو جائیں۔ اور یہ تکلیف اس قدر بااصول اور باقاعدہ ہے کہ ایک طرف تشخیص آسان ہو گی اور دوسری طرف علاج بہت سہل ہو جائے گا۔ ساتھ ہی کیفیاتی و نفسیاتی، مادی و فعلی، عفونتی و تخمیری اور شرکی و کیمیاوی سب کی بالاعضاء تقسیم ہو جائے گی جو ایک ہی نظر میں دیکھے جا سکتے ہیں۔

جاننا چاہئے کہ مفرد اعضاء چونکہ تین قسم کے ہیں، اس لئے بخار بھی تین ہی اقسام میں تقسیم ہوتے ہیں۔

- اعصابی بخار
- عضلاتی بخار
- غدی بخار

چونکہ ہر عضو کے غیر طبعی افعال تین ہیں، یعنی تحریک، تسکین اور تحلیل اس لئے کل نو بخار ہوئے۔ البتہ اسباب کے مختلف ہونے کی وجہ سے ایک ہی قسم کے بخاروں کو بار بار بیان کر دیا گیا ہے۔ مثلاً ایک بخار اگر بیرونی تپش کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے اور وہی بخار اندرونی طور پر گرم شے کے کھانے سے پیدا ہوتا ہے۔ تو یہ بخار مختلف اقسام میں نہیں شمار ہوں گے۔ بلکہ ایک ہی بخار کہلائے جائیں گے۔ اسی طرح بعض بخار اسباب کی شدت و خفت کی وجہ سے مختلف صورتیں اختیار کر لیتے ہیں۔ جیسے چیچک اور خسرہ وغیرہ ایک ہی نوعیت کے بخار ہیں۔ البتہ شدت و خفت کا فرق ہے۔ بعض بخار مقامات کے لحاظ سے مختلف ہوتے ہیں۔ جیسے محرقہ معائی اور ذات الجنب دونوں غدی بخار ہیں۔ ان کے برعکس بعض بخار ایک ہی مقام پر مختلف ہوتے ہیں۔ مثلاً پھیپھڑوں میں حمی بلغمی، ذات الجنب اور ذات الریہ وغیرہ یہی صورت دماغی بخاروں میں بھی پائی جاتی ہے۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک ہی مفرد عضو میں مختلف بخار پیدا ہو جاتے ہیں۔ مثلاً امعاء میں اعصابی تحریک سے سادہ بخار یا سوزش اور ورم امعاء سے شدید بخار بن جائے۔ لیکن تشخیص اسی ایک ہی عضو کے افعال کی کمی بیشی اور ضعف ہی مدنظر رکھا جائے گا۔ چاہے اس میں تحریک ہو یا تسکین و تحلیل کی صورت ظاہر ہو اس علاج میں بھی وہی صورت قائم رہے گی۔ اور معالج بھی ہر مشکل سے محفوظ رہے گا۔

ان بخاروں کی تقسیم اس طرح ہو گی: عصبی تحریک کا بخار (سادہ بخار)، عصبی تسکین کا بخار (عفونتی بخار)، عصبی تحلیل کا بخار (دق و سل)، غدی تحریک کا بخار (سادہ بخار)، غدی تسکین کا بخار (عفونتی بخار)، عضلاتی تحلیل کا بخار (دق و سل)۔ تفصیل درج ذیل ہے۔

حمی عصبی تحریک: حمی ثلجی، حمی خوف، حمی وجعی، حمی سوزش، ورمی، کثرت محنت دماغی، کثرت ریاضت جسمانی، حمی سوئے ہضمی، اسی طرح استفراغی، زکامی، عطشی، اسہالی وغیرہ۔

حمی عصبی تسکین: وہ بخار جو بلغم کی عفونت سے پیدا ہوتا ہے، اس کی دو قسمیں ہیں: (۱) مواظبہ، جو باری سے آتا ہے، اس کی باری روزانہ آتی ہے۔ (۲) لثقہ لازمی بخار۔

حمی اعصابی تحلیل: دماغی واعصابی (سل ودق)۔
حمی عضلاتی تحریک: حمی تپسی، حمی فرحیہ، حمی شرابی، حمی جوعی، حمی سدی، حمی فکریہ، حمی تخمی، حمی سوزشی دوری، حمی سوئے ہضمی۔
حمی عضلاتی تسکین: وہ بخار جوخون کے جوش سے پیدا ہوتا ہے۔ اس کی دو قسمیں ہیں۔ اگر خون کے جوش سے بخار پیدا ہو تو اس کو سونوخس کہتے ہیں۔ اگر عفونت سے جوش پیدا ہو تو اس کو مطبقہ کہتے ہیں۔
عضلاتی تحلیل: ریوی وعضلاتی (دق وسل)۔
حمی غدی تحریک: حمی عصبی، حمی حزنی، حمی شمسی، حمی نزلی، حمی سوزشی دوری، حمی زحیری۔
حمی غدی تسکین: یہ صفراوی بخار ہے۔ اس کی دو صورتیں ہیں۔ ○ حمی غب، باری کا بخار ہوتا ہے۔ ○ حمی محرقہ، لازمی بخار ہوتا ہے۔ حمی غب کی باری تیسرے روز آتی ہے اور محرقہ ہر تیسرے تیز ہو جاتا ہے۔
حمی غدی تحلیل: دق وسل۔

تقسیم حمیات میں بے اصولی و بے ترتیبی

فرنگی طب میں بخاروں کی تقسیم کسی اصول اور ترتیب کے مطابق نہیں کی گئی جیسا کہ اس کا ایک نقشہ ہم فرنگی طب کے تحت دے چکے ہیں۔ کہیں متعدی اور غیر متعدی بخار درج ہیں۔ کہیں مرکب اعضاء کے ماتحت لکھ دیئے ہیں۔ کہیں صرف عصبی بخار درج کر دیئے ہیں۔ کہیں وبائی اور موسمی کی تقسیم ہے۔ سب سے زیادہ عجیب تقسیم سادہ بخاروں کی ہے۔ اوّل تو ان کا ذکر ہی نہیں ہے۔ اگر کہیں ہے تو اس کو اس بے ترتیبی کے ساتھ بیان کیا گیا ہے کہ بالکل غلط بیان کیا گیا ہے۔

اسی طرح طب یونانی میں بھی سادہ بخاروں (حمی یوم) کو بالاعضاء تو بیان نہیں کیا لیکن ان کو بالقویٰ اور بالارواح ضروری بیان کرنا چاہئے تھا۔ انہوں نے ہر قسم کے بخاروں کو چاہے کیفیاتی ونفسیاتی ہوں یا مادی وفعلی ہوں سب کو اکٹھا کر دیا گیا ہے۔ حالانکہ ان کو ہر قویٰ اور ہر روح کے ماتحت الگ الگ بیان کرنا چاہئے تھا۔ جیسا کہ ہم نے تحریک کے بخار بیان کئے ہیں۔ اس سے جہاں یہ اندازہ ہو جاتا ہے کہ وہ کس مفرد عضو کے ماتحت آتے ہیں وہاں یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ کس روح، کس قوت اور کس جذبہ میں ماتحت آ جاتا ہے۔ اس سے صرف ہومیوپیتھی کی علامات سامنے آ جاتی ہیں تو دوسری طرف تشخیص میں آسانی اور علاج میں سہولت پیدا ہو جاتی ہے۔

وبائی وموسمی اور متعدی ومقامی بخار

وبائی بخار عفونتی بخار ہوتے ہیں، اکثر موسمی خرابی کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں یا خاص خاص موسم میں پیدا ہوتے ہیں۔ گویا موسم کا مزاج بگڑ جاتا ہے اور فضا میں تعفن پیدا ہو جاتا ہے۔ اور یہ تعفن جسم انسان میں تسکین کے مقام پر جو رطوبت ہوتی ہے ان میں بھی تعفن پیدا کر دیتا ہے۔ جس سے بخار پیدا ہو جاتا ہے۔ چونکہ ان کی عفونت میں انتہائی شدت ہوتی ہے، اس لئے یہ ایک دوسرے سے بھی لگ جاتے ہیں۔ یعنی متعدی ہوتے ہیں۔ لیکن یاد رکھیں کہ جب تک کسی مفرد عضو میں خرابی پیدا نہ ہو یا جسم کے کسی عضو میں تسکین واقع نہ ہو کوئی وبائی اور موسمی بخار نہیں ہو سکتا۔ جس کی دلیل یہ ہے کہ ان دنوں ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جو مبتلا وباء نہیں ہوتے اور نہ ہی ان کو کسی قسم کی تکلیف ہوتی ہے۔ وبائی امراض کی سب سے بڑی علامت یہ ہے کہ ایک مرض یا تکلیف بیک وقت بہت سے لوگوں کو ہو جاتی ہے۔

موسمی بخار اور وبائی بخار زیادہ تر موسم برسات، خزاں اور بہار میں ہوتا ہے۔ مرطوب مقامات اور پہاڑی علاقوں کے دامن میں اس کی

کثرت ہوتی ہے۔ شمالی ہند میں شاذ و نادر ہی کوئی شخص اس کے حملہ سے محفوظ رہتا ہے۔ اس میں جوان آدمی زیادہ تر مبتلا ہوتے ہیں۔ اسی طرح انتہائی گرمی یا انتہائی سردی یا موسم کے علاوہ یہ صورتیں پیدا ہوں تو وبائیں پیدا ہو جاتی ہیں۔

اسی صورت میں مقامی بخار بھی ہیں، یعنی جس علاقہ کا جو مزاج ہوتا ہے، جب وہ موسم آتا ہے تو اس مزاج میں شدت پیدا ہو جاتی ہے۔ موسم خراب ہو جاتا ہے۔ اکثر وبا کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ بعض علاقوں میں خاص قسم کے حیوانات مثلاً مکھی، مچھر، پسو، جوئیں، چوہے اور بلیاں وغیرہ پائے جاتے ہیں۔ جن کے کاٹنے سے زہریلے اجزاء جسمانی اعضا کے افعال میں بگاڑ کر بخار پیدا کر دیتے ہیں۔ لیکن علاج کے سلسلہ میں یاد رکھیں کہ ان حیوانات اور جراثیم کے پیچھے بھاگنے اور تحقیقات کرنے کی ضرورت نہیں ہے کہ وہ زہر کس قسم کا ہے۔ اس کا تریاق ہمارے جسم میں پیدا ہو چکا ہے۔ یعنی جسم میں کیمیاوی صورت پیدا ہو گئی ہے جس کا نتیجہ دوسرے اعضاء پر ظاہر ہو رہا ہے۔ اس کے فعل کو تیز کر دو ہر قسم کے بخاروں کو شرطیہ آرام ہو جائے گا۔ فرنگی طب اس راز سے واقف نہیں ہے۔ وہ ایک عضوئے متعدی معلوم کر کے بھی امراض اور بخاروں میں شرطیہ علاج نہیں کر سکی۔ البتہ اپنے تجارتی دھوکے سے دُنیا کو بہت پریشان کیا ہے۔

سوداوی بخار

سوداوی بخاروں کا ذکر حمی ربع کے سلسلہ میں آتا ہے جس کے دو اقسام ہیں۔ ربع لازمیہ اور ربع دائرہ، جو چار روز کے بعد آتا ہے۔ لازمی چوتھے روز تیز ہو جاتا ہے۔ اسی طرح خمس، سدس، سبع (پانچویں، چھٹے، ساتویں) کے بخاروں اور کالا زار کو بھی سوداوی بخاروں میں شمار کیا ہے۔

ہم سوداوی بخاروں کے اسی طرح قائل ہیں جیسے سودا کے ایک خلط کی حیثیت سے قائل ہیں۔ لیکن تمام سوداوی بخار اعصاب و عضلات اور غدد کے تحت آ جاتے ہیں اور علاج بھی ان کے تحت ہی ہو جاتا ہے۔ کیونکہ سودا بذاتِ خود ایک خلط ہے، لیکن غیر طبعی سودا اکثر خون و بلغم اور صفراء کے جل جانے سے بن جاتا ہے۔ یہ تینوں عضلات و اعصاب اور غدد کے تحت آ جاتے ہیں، اس لئے جس عضو کی خرابی سے سوداء پیدا ہوتا ہے، اس کے مطابق ہی جب مقام سکون کو تحریک دیتے ہیں تو سودا اعتدال پر آ جاتا ہے۔

مزید معلومات کے لئے یہ امر سمجھ لیں کہ مقام طحال تمام جسم کے غدد جاذبہ کا مرکز ہے۔ خون کے جسم میں خرچ ہونے کے بعد کیمیاوی طور پر جو فضلات اکٹھے ہوتے ہیں، وہ غدد جاذبہ خصوصاً طحال میں کیمیاوی طور پر (کسی نالی سے نہیں) کیونکہ غدد جاذبہ بغیر نالی کے غدد ہیں۔ اکٹھے ہو جاتے ہیں، جہاں وہ سوداء میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔ پھر وہاں سے کیمیاوی طور پر عضلات خصوصاً معدہ کے عضلات پر ترشہ پاتے ہیں۔ جس سے عضلات میں انقباض اور اس میں تیزی پیدا ہوتی ہے۔

عام غدد کے افعال کے متعلق یہ سمجھ لیں کہ وہ اعصاب کی تیزی سے ترشہ کرتے ہیں اور عضلات کی تیزی سے رطوبات کو روکتے ہیں۔ لیکن غدد جاذبہ ان کے خلاف کام کرتے ہیں وہ اعصاب کی تیزی سے رطوبات کو روکتے ہیں۔ اور عضلات کی تیزی سے رطوبات کو گراتے ہیں۔ اس لئے ہر قسم کے غدد میں دونوں کے نظام پائے جاتے ہیں۔ اور وہ باری باری کام کرتے ہیں۔ اس لئے جب کسی ایک کا فعل رُک جاتا ہے تو دوسرے پر بھی اثر پڑتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر جگر اور طحال کے امراض مشترکہ ہیں۔ مثلاً جب عظم طحال ہوتا ہے تو عظم جگر بھی ہوتا ہے۔ موسمی بخاروں میں جہاں جگر کا فعل خراب ہو جاتا ہے وہاں طحال کا فعل بھی بگڑ جاتا ہے۔ اکثر جگر کی سوزش سے پیلا یرقان اور حمی صفراوی پیدا ہو جاتا ہے تو طحال کی تحریک سے سیاہ یرقان اور حمی اسود پیدا ہو جاتا ہے۔

طب تسلیم کرتی ہے کہ سودا خون کو غلیظ کرتا ہے، ہڈی و کری اور رباطات اور اوتار کی غذا بنتا ہے۔ لیکن فرنگی طب سودا سے انکار کرتی ہے اور آج تک کسی طبیب اور حکیم نے جواب نہیں دیا۔ اچھے اچھے جگادری اطباء اور حکیم فرنگی کے سامنے نہیں ٹھہر سکے۔ لیکن ہمارا چیلنج ہر وقت فرنگی ڈاکٹر کو ہے۔ وہ طب کے کسی نقطہ پر ہاتھ رکھ کر غلط کہہ دے۔ ہم ان شاء اللہ تعالیٰ تسلی بخش جواب دیں گے۔ سودا کے متعلق بھی فرنگی ڈاکٹر اور فرنگی حکیم (فرنگی حکیم وہ ہے جنہوں نے فرنگی طب کی تائید اور حمایت کی ہے اور طب یونانی کی ترقی کے لئے اس کو شامل کرنے کے مشورے دیئے ہیں اور ان کے کالجوں میں طب یونانی کے ساتھ طب فرنگی کی تعلیم بھی ہوتی ہے) کان کھول کر سن لیں جو کریات انسجہ الحاقی سبب ہوتے ہیں، اور پھر یہی انسجہ الحاقی ضرورت کے وقت انسجہ اعصابی، انسجہ عضلاتی اور انسجہ غدی میں تبدیل ہو جاتے ہیں (جس کی تفصیل ہماری کتاب ''تحقیقات اعادہ شباب میں دیکھیں)۔ یہ ہے کہ سودا یہ ہیں اس کے اعمال اور بخار۔ اُمید ہے کہ فرنگی ڈاکٹر اور فرنگی اطباء کی تسلی ہو گئی ہو گی۔ ہم مزید تسلی کرنے کو بھی تیار ہیں۔

کیفیاتی ونفسیاتی اور ذائقے کے مفرد اعضاء پر اثرات

یہ امر بھی سمجھ لیں کہ جس طرح اشیاء اور امراض کے مفرد اعضاء پر دو اثرات ہوتے ہیں ایک فعلی اور دوسرا کیمیاوی اور کیمیاوی اثر دوسرے عضو کی طرف جاتا ہے۔ اسی طرف کیفیات بیک وقت دو اثر کرتی ہیں۔ اسی طرح عضو کے ساتھ دو عدد جذبے اور دو عدد ذائقے پائے جاتے ہیں۔

نفسیاتی جذبات اعصابی میں خوف اور ندامت، عضلاتی میں لذت اور مسرت، غدی میں غصہ اور غم اور اسی طرح ذائقے میں۔ اعصاب میں شریں اور پھیکا، عضلات میں ترش اور تلخ، غدد میں چرپرا اور نمکین۔ جس طرح فعلی و کیمیاوی اور کیفیاتی اثرات ایک دوسرے میں مل کر نئی صورتیں پیدا کر دیتے ہیں، اسی طرح جذبات اور ذائقے بھی آپس میں نئے اثرات پیدا کر دیتے ہیں۔ جس طرح تین رنگ مل کر کئی رنگ پیدا کر دیتے ہیں۔ ان کو یاد رکھنے سے علاج میں بے حد سہولتیں پیدا ہو جاتی ہیں۔

علاج حمیات

حمی تحریک اعصابی، حمی یوم روحانی، اعصابی تیزی کے بخار

تشریح: طب یونانی میں حمی یوم یعنی سادہ بخاروں کو جس کی پیدائش نفسیاتی اور مادی وفعلی صورتیں ہیں، ان کی تین صورتیں ہیں:

اوّل: حمی یوم روحانی نفسیاتی۔ **دوم**: حمی یوم روحانی نفسانی۔ **سوم**: حمی یوم روح طبعی۔

آج تک ان تمام اقسام کے حمی یوم کو آپس میں گڈمڈ کر دیا ہے ان کو دیکھ کر کوئی ان میں سے اس وقت تک تمیز نہیں کر سکتا، جب تک وہ نظریہ مفرد اعضاء سے واقف نہ ہو۔ ہم نے نہ صرف روح کے بخار کو الگ الگ بیان کیا ہے، بلکہ ان کے تحت ہر ممکن بخار کو بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔ لیکن چونکہ سبب دور کرنے کے بعد علاج ایک ہے، اس لئے دوا ہر ایک کے لئے ایک ہی قسم کی لکھی ہیں۔

حمی تحریک اعصابی کے بخارات

حمی ثلج، حمی خوف وجعی، حمی سوزش، حمی ورمی، بخار کثرت محنت دماغی، بخار کثرت ریاضت جسمانی، تکان اعصابی، حمی سوئے ہضمی، حمی استفراغی، حمی عطشی، حمی اسہالی، حمی نومی، حملی لیلی۔

ماهیت بخار: اعصاب میں غیر معمولی تحریک ہونے سے روح نفسانی عارضی حرارت سے گرم ہو جاتی ہے۔ پھر یہ حرارت سل کے ذریعے تمام

خون اور جسم کو گرم کر دیتی ہے۔ اس قسم کے بخار کی پیدائش بیرونی اسباب سے ہوتی ہے۔ یہ بخار اگر چہ خطرناک نہیں ہوتے، لیکن علاج کی غلطی سے نقصان ہونے کا امکان ضرور ہوتا ہے۔

اسباب: مندرجہ بالا تمام اقسام کے حمی یوم کو ہم اسباب شمار کر لیں، ان میں ان تمام کیفیات و نفسیاتی جذبات اور مادی و فعلی کا ذکر آ جاتا ہے جن سے اعصاب میں تحریک یا سوزش اور ورم پیدا ہو جاتا ہے۔ تحریک کو پہلا درجہ، سوزش کو دوسرا درجہ، اور ورم کو تیسرا درجہ خیال کریں۔ علاج میں بھی ان ہی تینوں صورتوں کو ذہن میں رکھیں۔

علامات: تحریک اعصابی کے بخار اکثر ابتداء میں جسم پر کوئی غیر معمولی اثر پیدا نہیں کرتے، کیونکہ ان صورتوں میں ابتداء میں سوئے مزاج سادہ واقع ہوتا ہے۔ نبض، قارورہ اور چہرہ زیادہ متاثر نہیں ہوتا۔ یا اس قدر کم ہوتا ہے کہ احساس کم ہوتا ہے۔ اور ان بخاروں میں بحران بھی نمایاں نہیں ہوتا۔ اور نہ ہی عفونتی بخاروں کی کوئی علامات پائی جاتی ہیں۔ ان بخاروں کی ایک ہی باری ہوتی ہے۔ مندرجہ بالا تمام بخاروں میں جو بخار ہوگا، اس کی علامات نمایاں ہوں گی۔ اور جب تک یہ علامات قائم رہیں گی، اس وقت تک وہ بخار ضرور رہے گا۔ ان میں زیادہ وقت سوزشی اور ورمی بخار لیتے ہیں۔ ادویات کی صورت کی بیشی کو مدنظر رکھتے ہوئے علاج کریں۔

تاکید: پہلے بخار کو زیادہ تفصیل سے بیان کیا گیا ہے تاکہ ذہن نشین ہو جائے، آئندہ صرف اعضاء کے افعال ہی بیان کئے جائیں گے۔

علاج: چونکہ اعصاب کی تحریک اور تیزی کی حالت ہوتی ہے، اس لئے اس کی کیمیاوی وجہ سے دو صورتیں ہوں گی:

① اعصابی غدی۔ ترگرم ② اعصابی عضلاتی۔ سردتر

مفرد اعضاء کی صورتیں یہ ہوں گی: اعصاب میں تحریک، غدد میں تحلیل اور عضلات میں سکون۔ البتہ پہلی صورت میں تری کے ساتھ کچھ گرمی بھی قائم ہوگی۔ اور دوسری صورت میں تری کے ساتھ سردی ہوگی۔ دونوں صورتوں میں عضلات کی طرف رطوبات کی زیادتی یعنی تسکین ہے۔

اوّل صورت یہ قائم ہوگی کہ اعصاب میں فعلی اثر کے ساتھ عضلات میں کیمیاوی صورت قائم رہے گی۔ یعنی اوّل صورت میں کیمیاوی تحریک دوڑ رہی ہے۔ اس لئے اوّل صورت میں مقام شفا خود اعصاب کی تحریک تیز کر کے حرارت کو کم ختم کرتا ہے۔ دوسری صورت میں عضلات کو تیز کر کے رطوبات کو خشک کرتا اور اعصاب میں تحلیل پیدا کر کے اس کی تحریک یا سوزش یا ورم کو ختم کرنا ہے۔

علاج کی گویا صورت یہ قائم ہوئی کہ تحریک کو ہمیشہ اُلٹ دینا چاہئے یعنی اعصابی غدی سے اعصابی عضلاتی اور اعصابی عضلاتی سے عضلاتی اعصابی۔ طب یونانی میں یہ صورت ہوگی، ترگرم سے سردتر، اور سردتر سے سرد خشک۔ گویا ایک کیفیت کو بیک وقت ختم کیا جائے تاکہ طبیعت بڑی سہولت کے ساتھ صحت کی طرف آگے کی طرف چلی جائے۔ اس طرح جب خشکی پیدا ہو جائے گی تو عضلات کی تیزی سے خود بخود حرارت غریزیہ پیدا ہونا شروع ہو جائے گی۔ اور اسی کا نام شفاء ہے۔

دوا، تدابیر اور غذا کے استعمال سے بھی ان ہی تحریکوں کو بھی بدلنا ہے جب اعصابی غدی حالت ہو تو اس کے لئے دواء محرک اعصابی عضلاتی یا محرک شدید اعصابی عضلاتی دیں۔ اگر قبض ہو ملین اعصابی عضلاتی دیں، شدید قبض ہو یا اسہال مقصود ہوں تو مسہل اعصابی عضلاتی دیں۔

اسی طرح دوسری صورت میں یعنی اعصابی عضلاتی کا اُلٹ عضلاتی اعصابی ادویات دیں اور تدابیر کریں اور ادویات میں اسی طرح محرک عضلاتی اعصابی یا محرک شدید عضلاتی اعصابی یا ملین عضلاتی اعصابی یا مسہل عضلاتی اعصابی استعمال کریں۔ آرام کے بعد مقوی اعصابی عضلاتی یا مقوی عضلاتی اعصابی استعمال کر سکتے ہیں۔ اس علاج کے ساتھ ساتھ اسباب کو رفع کرنے کی بھی کوشش کریں۔

تاکید: پہلے بخار کو زیادہ تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے تاکہ ذہن نشین ہو جائے اور آئندہ صرف اعضاء کے افعال ہی زیادہ بیان کئے جائیں

گے تا کہ طوالت سے بچ سکیں۔

حمی تسکین عضلاتی، حمی بلغمیہ، عفونتی بخار

تشریح: طب یونانی میں اس بخار کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) **مواظبہ:** جو باری سے آتا ہے اور اس کی باری روزانہ ہوتی ہے۔

(۲) **لثقہ:** لازمی بخار ہے، لثقہ کے معنی تری اور رطوبت کے ہیں۔ چونکہ بلغم میں تری اور رطوبت ہوتی ہے اس لئے اس بخار کو لثقہ کہتے ہیں۔ دراصل بلغم کے یہی دو اقسام ہو سکتے ہیں، لیکن ان کے علاوہ اور بھی بلغمی بخار ہیں، جیسے حمی انقیالوس (اندر سردی، باہر گرمی)، حمی لیفوریا (اندر گرمی، باہر سردی)، حمی غشیہ، حمی مرکبہ وغیرہ وغیرہ ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ بخار کے تمام اقسام جدا جدا بالکل نہیں ہیں بلکہ بلغمی بخار کے مادے کی کمی بیشی درون عروق اور بیرون عزوق شدت اور خفت وغیرہ ہیں۔ بلکہ بلغمی بخار کے جو اقسام بیان کئے گئے ہیں ان کو دو خیال نہ کریں۔ دونوں ایک ہی ہیں۔ ایک ہی مفرد عضو کی خرابی سے ہوتا ہے۔ ایک قسم کے اسباب اور تقریباً ایک ہی قسم کی علامات ہوتی ہیں۔ فرق یہ ہے کہ مواظبہ کچھ زیادہ ہوتا ہے۔ اور وہ ہلکا ہونے سے قبل اور زیادہ ہو جاتا ہے۔ بلکہ وبائی صورت میں جو عصبی بخار ہوتے ہیں جیسے چیچک وخسرہ اور ان کے مختلف اقسام چیچک کے اقسام ہیں:

جدری متفرق، جدری متصل، جدری دموی، جدری مہلک، جدری حقیف۔

جدری متفرق خسرہ کے اقسام

حمیقا (موتیا، ستیلا)، حمی قرمزہ (لال بخار)، خسرہ جرمنی وغیرہ۔ اسی طرح محرقہ بطنیہ اور محرقہ دماغی اور ان کے شدت اور خفت اور مقامات کے علاوہ مختلف اقسام وغیرہ بھی دراصل بلغمی بخار ہیں۔ ان سب میں اعصاب میں تسکین ہوتی ہے۔ اور مقام تسکین میں تعفن ہوتا ہے۔ کبھی مادہ میں تعفن زیادہ ہوتا ہے اور کبھی وہ غلیظ ہوتا ہے۔ کبھی مادہ عروق کے اندر غلیظ و متعفن ہو جاتا ہے اور کبھی عروق کے باہر متعفن ہوتا ہے۔ ان تمام صورتوں کو اگر آپس میں ضرب مرکب کیا جائے جو اقسام اوپر بیان کی گئی ہیں ان سے بھی زیادہ بنتے ہیں۔ ذرا زیادہ غور کریں تو حمیات سوداء اور طاعون اور حمی لفاسیہ بھی اعصابی بخار ہیں۔

غیر ضروری اقسام: ہماری یہ کوشش ہے کہ ہم ان غیر ضروری اقسام کو سمیٹ دیں جن سے علاج میں سہولت ہونے کی بجائے تشخیص اور علاج میں مشکلات پیدا ہو گئی ہیں۔ اس غیر ضروری کو ہٹا لینے سے بخاروں کے علاج میں کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ بلکہ علاج یقینی اور بے خطا ہو جائے گا۔ اگر کسی فرنگی ڈاکٹر یا فرنگی حکیم کو اعتراض ہو تو ہم ہر وقت جواب دینے کو تیار ہیں۔

اسباب: جب اندرونی اور بیرونی طور پر رطوبات میں تعفن ہوتا ہے، اندرونی تعفن، جب اعصابی رطوبات اور بلغم میں تعفن ہوتا ہے تو عام بلغمی بخار پیدا ہوتا ہے اور جب بیرونی، فضائی اور موسمی تعفن ہوتا ہے تو وبائی اور موسمی بخار پیدا ہو جاتا ہے۔ وباء کی حقیقت کو سمجھنے کے لئے ہماری کتاب ''تحقیقات نزلہ زکام وبائی'' کا مطالعہ کریں، جس میں تفصیل کے ساتھ بحث کی گئی ہے۔

علامات: ان بخاروں میں سب سے بڑی علامت رطوبت کی زیادتی اور حرارت کی کثرت ہوتی ہے، مگر اس بخار میں بھی غدد کی وہی دو صورتیں ہوتی ہیں: (۱) غدی اعصابی (گرمی تری)۔ (۲) غدی عضلاتی (گرمی خشکی)۔

سردیوں کی ابتداء اور بہار کی ابتداء میں اکثر ایسے امراض پیدا ہوتے ہیں جن میں رطوبات کی کثرت ہوتی ہے۔ اکثر ایسے بخاروں کی

ابتداء لرزہ اور سردی کی زیادتی سے شروع ہوتی ہے اور بدن جلد گرم نہیں ہوتا۔ اور جب بدن گرم ہوتا ہے تو اس کی گرمی بھی زیادہ محسوس نہیں ہوتی۔ پیاس اکثر نہیں ہوتی، بھوک کم ہو جاتی ہے، بدن ڈھیلا اور چہرے پر بھر بھراہٹ ہوتی ہے۔ منہ میں رطوبات کی زیادتی، بلغمی قے اور اسہال، قارورہ رقیق اور اکثر سفید یا زردی مائل سفید یا سرخی مائل زرد ہوتا ہے۔ یہ بخار اکثر ایسے لوگوں کو ہوتا ہے جن کے مزاج میں رطوبات زیادہ ہوتی ہیں۔

یہ بخار اکثر زیادہ عرصہ رہتے ہیں۔ ان میں وقفہ بھی نہ ہونے کے برابر ہوتا ہے۔ کچھ کم ضرور ہو جاتے ہیں، گرم اترتے نہیں اور پھر تیز ہو جاتے ہیں۔ اکثر مہینوں رہتے ہیں اس بخار کا دق سے اکثر شبہ پڑتا ہے۔ اس کا فرق یہ ہے کہ ان بخاروں میں تسکین اعصابی ہوتی ہے۔ اور دق میں اعصابی تحلیل ہوتی ہے۔ جس کی تحقیق تحریک دیکھنے سے ہو سکتی ہے۔

دیگر خاص علامات جن کو دیکھ کر مستقل بخار سمجھ لیا گیا ہے۔ مثلاً اگر اندر سردی باہر گرمی ہو تو اس کو انفیالوس، اگر اندر گرمی اور باہر سردی ہو تو اس کو لیفوریا کہتے ہیں۔ معدہ میں خون کی بہت کمی ہو جاتی ہے، ایسے بخاروں میں اعصابی غدی تحریک ہوتی ہے، جس سے جسم میں صفراوی مادہ کا بھی اثر باقی ہوتا ہے۔

وبائی بخاروں کی خاص علامات پیاس اور بے چینی، غشی، قے اور پاخانہ کے ساتھ سیاہ اور گندی چیزیں خارج ہوتی ہیں۔ چیچک کا مادہ مقدار میں زیادہ اور تر بھی ہو جاتا ہے۔ گویا اعصابی عضلاتی ہوتا ہے۔ اور خسرہ کا مادہ کم اور صفراوی ہوتا ہے۔ یعنی اعصابی غدی ہوتا ہے، چیچک اور خسرہ والوں کے خون میں یہ جوش دو قسم کا ہوتا ہے: طبعی اور غیر طبعی۔

طبعی جوش اصلی حرارت اور اصلی قوتوں کے عمل سے آتا ہے، جیسا کہ بچوں میں ہوتا ہے۔ کیونکہ بچوں کے خون میں دودھ اور خواتین میں حیض سے جو تر فضلات پیدا ہوتے ہیں، انہیں طبیعت دفع کرنا چاہتی ہے۔ اور خون کا غیر طبعی جوش بیرونی اسباب سے پیدا ہوتا ہے۔ جن میں رطوبات کے لئے تعفن کو خاص دخل ہے۔ ناک میں خارش نیند میں ڈراؤنے خواب، بدن پر چبھن، چہرے پر سرخی، خسرہ کی پھنسیاں باجرہ کے دانے کے برابر ہوا کرتی ہیں۔ ان کے ظہور سے پہلے گول گول سرخ رنگ کے خطوط ظاہر ہوتے ہیں۔ پھر اسی مقام پر دانے نکل آتے ہیں۔ ان میں پیپ نہیں پڑتی اور صحت کے وقت باریک خشک ریشہ اُتر آتا ہے۔ چیچک میں دانے نکل آتے ہیں، اور مسور کے برابر اس سے بھی بڑے ہوتے ہیں۔ وہ جب پختہ ہو جاتے ہیں ان میں پیپ پڑ جاتی ہے۔ تپ لازم رہتا ہے، اوّل بڑھتا ہے پھر قائم رہتا ہے اور پھر اترنا شروع ہو جاتا ہے۔

حمی محرقہ بطنی

جس کو حمی معویہ بھی کہتے ہیں، جس میں حرارت ایک دم انتہاء کو پہنچ جاتی ہے۔ اور شدید عصبی علامات ظاہر ہوتی ہیں۔ اس میں مریض نہایت کمزور، زبان خشک، لب خشک، ان پر پپڑیاں جم جاتی ہیں۔ زبان بھوری یا سیاہ اور اس پر میل جمی ہوتی ہے۔ اکثر 21 سے 24 روز تک رہتا ہے۔ پیچش اکثر ہو جاتی ہے، جسم پر دانے نکل آتے ہیں، جس کو مبارکی کا نام دیتے ہیں۔ اس کے نتیجہ میں یرقان ہو جاتا ہے۔ حمی محرقہ دماغی کی اس میں ابتداء ہوتی ہے۔

حمی نفاسیہ

جو بعد از ولادت ہوتا ہے، نفاس کے پورے طور پر اخراج نہ پانے اور ولادت کی تکلیف کی وجہ سے ہوتا ہے۔ نفاس بہت جلد متعفن ہو کر حرارت غریبہ پیدا کر دیتا ہے۔ اگر تعفن نہ بھی ہو تو بھی بخار ہونا ضروری ہے۔ وجع المفاصل اور حمی نقرس بھی ان ہی بخاروں میں شامل ہیں۔

تحقیقات کا کمال

ہماری تحقیقات کا کمال یہ ہے کہ جس قدر بڑے بڑے مشہور اور پیچیدہ بخار ہیں، ان کی نہ صرف حقیقت بیان کر دی گئی ہے، بلکہ یہ ثابت کر دیا ہے کہ سب کے سب اعصابی تسکین سے پیدا ہوتے ہیں۔

خاص مطابقت یہ ہے کہ جب اعصاب میں تسکین ہوتی ہے، تو غدد میں تحریک اور عضلات میں تحلیل ہو جاتی ہے۔ اعصابی سکون کے ساتھ طحال کے فعل میں بھی رکاوٹ پیدا ہو جاتی ہے۔ چونکہ اس متعفن مادہ کو اصلاح کے لئے قلب میں پہنچنے کی ضرورت ہے۔ لیکن مواد رطوبات کی شکل میں رقیق ہے یا جسم کے اندر اور باہر جم گیا ہے۔ وہاں پر طبیعت مدبرہ بدن حرارت غریبہ کو تیز کرتی ہے، اور تعفن بھی پیدا کرتی رہتی ہے۔ جب حرارت مناسب ہو جاتی ہے تو پھر مواد یکدم یا رفتہ رفتہ عضلات (قلب) یا غدد سے اعصاب کی طرف پھر دل سے گرم ہو کر عضلات کو جاتا ہے۔

اس لئے ان بخاروں میں اوّل روز بروز حرارت بڑھتی ہے اور پھر عضلات کی طرف جا کر تمام جسم میں پھیل جاتی ہے اور اس طرح ایک طرف پیدائش جاری رہتی ہے اور دوسری طرف سے اخراج جاری رہتا ہے یوں تعفن ختم ہو جاتا ہے۔ تو پھر پسینہ آ کر یا دانے نکل کر رفتہ رفتہ بخار اترنا شروع ہو جاتا ہے۔

اس کی مختلف صورتیں مادہ کی کمی بیشی، لزوجیت اور مقامات کے متعفن ہونے کی وجہ سے ہے۔ مختلف مقامات کی صورت اس طرح ہوتی ہے کہ ان کے اعصابی حصے میں سکون ہو کر وہاں رطوبات اور دیگر مادے رُک کر متعفن ہو جاتے ہیں، اس لئے مختلف مقامات کی وجہ سے تعفن اور جراثیم مختلف اقسام کے ہوتے ہیں۔ اس لئے ہر نئی صورت کو جدا بخار تسلیم کر لیا ہے۔ مثلاً مادہ اگر پھیپھڑوں میں ہے تو حمی مواظبہ اور حمی الثقہ امعاء میں ہے۔ اگر اعصاب کی طرف رجوع ہے تو حمی انقیالوس، اگر عضلات کی طرف تعلق ہے تو حمی لیفوریا فم معدہ پر مواد ہے یا اس مواد میں تیزی ہے اور فم معدہ کی طرف جا رہا ہے تو حمی غشیہ کے نام رکھ دیتے ہیں۔ لیکن حقیقت تسکین اعصاب ہوتی ہے اسی طرح اگر مواد امعاء میں ہو اور اس کا تعلق غدد سے ہو تو محرقہ بطنیہ اور اگر رجوع اعصاب کی طرف ہو تو محرقہ دماغی کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ ولادت کی تکلیف اور نفاس کے تعلق سے بخار حمی نفاسیہ کہلاتا ہے۔

وبائی بخاروں میں مواد جلد کے نیچے متعفن ہو جاتا ہے تو چیچک اور خسرہ کی صورتیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ ان کی دیگر اقسام کا اظہار ہوتا ہے جن کی طرف ہم پہلے اشارات کر چکے ہیں۔ اس لئے ان امراض کی تشخیص اور اقسام کے چکر میں نہ پڑیں۔ صرف مفرد اعضاء کے تحت علاج کریں۔ انشاء اللہ یقیناً آرام ہوگا۔ اس طرح ہر قسم کے بخاروں کا کامیابی سے علاج کیا جا سکتا ہے۔

علاج: مفرد اعضاء کی تحریکات اور افعال کو سمجھیں چونکہ ان بخاروں میں تسکین اعصابی ہوتی ہے، اس لئے غدد میں تحریک اور عضلات میں تحلیل ہوتی ہے۔ دوا و تدابیر اور غذاؤں کی صورت میں اگر غدی عضلاتی تحریک ہو تو اس کو غدی اعصابی میں بدل دیں۔

اگر اعصابی غدی ہو تو اعصابی عضلاتی کر دیں۔ اگر مریض ابتدائی حالت میں ہو اور بخار شروع ہو رہا ہو تو بہتر یہ ہے کہ جو تحریک ہو وہی دواء و غذاء دیں اور تدبیر کریں تا کہ حرارت جلد پیدا ہو کر جلد تعفن ختم ہو جائے۔ اور حسب ضرورت تحریک بدل دیں۔ انشاء اللہ اوّل روز ہی سے مریض کو آرام ہونا شروع ہو جائے گا۔ اور اس کی بے چینی رفع ہوتی نظر آئے گی۔

ان بخاروں میں اس امر کا خاص خیال رکھیں کہ مریض کو مسہل و ملین اور پسینہ آور ادویات نہ دیں۔ اس طرح حرارت جسم کم ہو کر یا مریض خراب ہو کر مشکل میں پڑ جائے گا۔ یا جلد موت واقع ہو جائے گی۔ ان بخاروں میں بہترین ادویات، غدی عضلاتی، غدی اکسیر، غدی

اعصابی محرک، محرک اعصابی غدی، محرک شدید اعصابی غدی، شدید ضرورت کے وقت اعصابی مسہل، اعصابی ملین، محرک اعصابی عضلاتی، ملین اعصابی عضلاتی، مسہل دیں۔

اگر چہ تسکین اعصابی ایک مرض ہے لیکن اس تسکین میں تعفن پیدا ہونا اس کا علاج اور اس کو صحت کی طرف لانا ہے۔ تعفن وتخمیر کو ختم نہیں کرنا چاہئے۔ جیسا کہ فرنگی طب میں واقع تعفن (اینٹی سپٹک) اور جرم کش ادویات (جرمز کلر) استعمال کرتے ہیں۔ یہ بالکل غلط ہے، کیونکہ اس طرح رطوبات کا تخمیر اور تعفن ختم نہیں ہوتا بلکہ رُک جاتا ہے۔ اور اگر جلد تعفن سے اس رطوبت کو ختم کرنے کی کوشش کریں یعنی تحریک دیں کیونکہ طبیعت مدبرہ بدن خود تحریک پیدا کر رہی ہے۔ اور یہی اس کی اصلاح ہے۔ جس کے نتیجے میں وہاں حرارت غریزیہ پیدا ہو کر مرض دور کر دے گی سخت تاکید ہے۔

حمی اعصابی تحلیل، دق وسل اعصابی

تشریح: حمی اعصابی تحلیل ایسا بخار ہے جس میں حرارت غریبہ اعصاب اور دماغ میں تحلیل شروع کر دیتی ہے، جس سے بدن کی رطوبتیں تحلیل ہو کر فنا ہونا شروع ہو جاتی ہیں۔ یہاں پر یہ امر ذہن نشین کر لیں کہ یہ تحلیل حرارت غریبہ کی ہے جس سے سوزش بڑھتی ہے اور زخم پیدا ہوتے ہیں۔ کیونکہ ابتداء میں ثابت کر چکے ہیں کہ حرارت غریبہ میں بذاتِ خود عفونت اور ترشی کا شدید اثر ہوتا ہے۔ اور دونوں اجزاء حرارت کے ساتھ مل کر جسم کو کھاتے ہیں۔ حرارت غریبہ کی تحلیل کا تصور اس طرح کریں کہ وہ جسم پر گرنے والی رطوبتوں اور جسم پر گری پڑی رطوبتوں کے علاوہ جسم کے اندر کی رطوبتوں کو خشک کر کے اب اعضاء کو کھانا شروع کر دیا ہے۔ یعنی ان کو گلانا سڑانا اور ان میں زخم پیدا کرنا۔ اور یہ بھی یاد رکھیں کہ جسم میں جب گلنا سڑنا شروع ہوتا ہے تو اس میں پیپ پڑ جاتی ہے۔ بغیر پیپ کے جسم میں یہ صورت پیدا نہیں ہوتی ہے۔ یہ دق وسل کی وہ تحقیق ہے جس سے فرنگی طب بالکل آگاہ نہیں ہے۔ اس میں نہ تحلیل کا تصور ہے اور نہ حرارت غریبہ کی صورت قائم ہے وہ دق وسل کو کیسے سمجھ سکتی ہے۔

یہ بخار ایک قسم کا بے قاعدہ بخار ہے جو کبھی لازمی اور کبھی نوبتی ہوتا ہے جب مقام تحلیل میں پیپ پیدا ہو جاتی ہے تو ایک ہلکے ورم کی صورت بھی پیدا ہو جاتی ہے۔ چنانچہ تحلیل کی صورت میں جو بھی مواد تیار ہو کر خون میں شامل ہو جاتے ہیں وہ بخار کا موجب بن جاتے ہیں۔ سل کی صورت میں مواد پیپ کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ اور خون کا اخراج بھی اسی تحلیل سے زیادہ دباؤ کے وقت ہوتا ہے۔ اس کا مواد اکثر پسینہ کے راستے سے خارج ہوتا ہے۔ اس لئے اکثر پسینہ آتا رہتا ہے اور مریض کمزور ہوتا رہتا ہے۔

ایک راز

راز کی ایک بات یہ ہے کہ دق وسل کی ابتداء ہمیشہ پھیپھڑوں سے شروع ہوتی ہے۔ اگر تحلیل اعصابی ہے تو ابتداء پھیپھڑوں کے اعصابی پردوں میں شروع ہوتی ہے۔ پھر جسم کے دیگر اعصاب اور مرکز دماغ تک پھیل جاتی ہے۔ اور جب تحلیل غدد ہوتی ہے تو پھیپھڑوں کی غشائے مخاطی سے ابتداء ہوتی ہے۔ اور پھر اس کا اثر جگر وگردوں تک بلکہ دیگر غدد تک پہنچ جاتا ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس کو امعائی دق کیوں کہتے ہیں؟ اس کا راز یہ ہے کہ جسم کی غدی امراض کا اکثر اظہار آنتوں کے غدد میں ہوتا ہے۔ اس کے باقی غدد مرض کا اظہار کرتے ہیں۔ اسی طرح جب تحلیل عضلاتی ہوتی ہے، اس وقت جرم شش پہلے متاثر ہوتے ہیں اور بعد میں دیگر عضلات پر اثر ہوتا ہے، جو قلب تک جاتا ہے۔

ایک اور راز

ایک راز یہ بھی ذہن نشین کر لیں کہ اگر سینہ کا ایکس ریز لیں تو وہ صرف پھیپھڑوں کے اثر کو تو ظاہر کرتا ہے مگر اس کے عصبی اور مخاطی پردوں

کا اظہار نہیں کرتا۔ کیونکہ پھیپھڑوں کے جرم میں چونا کیلشیم کی زیادتی ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض اوقات بلغم اور خون تو اظہار کرتا ہے، مگر ایکس ریز خالی ہوتا ہے۔

دق وسل کے درجات

دق وسل کے تین درجات ہوتے ہیں۔ اکثر کہا جاتا ہے کہ پہلے درجہ کا پتہ نہیں چلتا۔ لیکن یہ بات غلط ہے۔ جن لوگوں کے ذاتی تجربات اور تحقیقات ہیں ان کے لئے اس کی تشخیص، نبض، قارورہ اور بلغم سے معلوم کر لینا مشکل نہیں ہے۔ اس کی ایک عام پہچان یہ ہے کہ بخار کے ساتھ نفخ اور ہر وقت تھکن کا کافی مدت تک رہنا ضروری ہے۔ کیونکہ پہلے درجہ میں جسم کے اعضاء کی رطوبات کم ہو جاتی ہیں۔ اور ان کا اعضاء پر گرنا تقریباً رُک جاتا ہے جس سے نفخ اور تھکن لازم ہو جاتی ہے۔ دوسرے درجہ میں اعضاء کی رطوبات کم ہو جاتی ہیں۔ تیسرے درجہ میں رطوبات غریزیہ پر اثر پڑ جاتا ہے۔ لیکن دوسرے اور تیسرے درجہ میں مریض اور اس کے لواحقین کو یقین ہو جاتا ہے، مگر دل کی تسلی کے لئے یہ کہتے ہیں کہ یہ دق نہیں ہے، کوئی اور بخار ہے۔ لیکن چہرے یہ بتا رہے ہوتے ہیں کہ ان کے دلوں میں خدشات پختہ ہو چکے ہوتے ہیں۔

اسباب: دق وسل کے اسباب واصلہ وفاعلہ اور متصلہ جراثیم نہیں ہیں، جیسا کہ ہم ابتداء میں بخاروں کے متعلق تحقیق کے ساتھ لکھ چکے ہیں، بلکہ مفرد اعضاء کی تحلیل ہے۔ اور جب تک کسی عضو میں تحلیل واقع نہ ہو دق وسل نہیں ہوتے۔ یہ یاد رکھیں جب تک کسی عضو کی مناعت (قوت مدافعت) ختم نہ ہو اور اس کی رطوبت فنا نہ ہو جائے۔ تحلیل واقع نہیں ہوتی اور نہ ہی ایک دوسرے سے لگتی ہے۔ بلکہ دق وسل کی غلط تشخیص کے بعد فرنگی طب کی ادویات کے استعمال سے فوراً پیدا ہو جاتی ہے۔ اور جب سے ہمارے ملک میں فرنگی آیا ہے دق وسل بہت بڑھ گیا ہے اور بڑھتا جا رہا ہے۔ امریکن سرخ گندم اور آلو کے استعمال سے اس قدر ہو گیا ہے کہ اس کا روکنا حکومت کے بس کا روگ نہیں ہے۔

دق وسل کی پیدائش میں غذا کی بے قاعدگی، خالص اشیاء خصوصاً خالص گھی کا میسر نہ ہونا اہم چیزیں ہیں۔ بناسپتی گھی کے استعمال سے دق اور سل بہت جلد انسانوں کو دبا لیتا ہے۔ بناسپتی گھی کی بجائے تیل کا کھانا مضر نہیں ہے۔ بلکہ بناسپتی کا استعمال یقیناً دق وسل پیدا کر دیتا ہے۔

اس بخار کے اسباب میں نفسیاتی اثرات کے علاوہ دیگر حمی یوم اعصابی اور اعصابی عفونتی بخار بھی اپنا اپنا اثر کر کے اس کو پیدا کر دیتے ہیں۔ کسی بخار کو فوراً روک دینا یا اتارنے کی کوشش کرنا بھی اس کا سبب بن جاتا ہے۔ اگر اس بخار کا حملہ جوانی اور گرم ممالک اور گرمی میں زیادہ ہوتا ہے، کیونکہ گرمی میں تحلیل ہوتی ہے۔

علامات: ہضم کی خرابی، مسلسل تھکن، اور ہلکی حرارت کا رہنا، نزلہ زکام اور بلغم کا رہنا۔ جب تک پیپ پیدا نہ ہو سل پیدا نہیں ہوتا، بلکہ دق رہتی ہے، غدد جاذبہ کا پھول جانا خاص طور پر خنازیر کا ظاہر ہونا حمی تحلیل عصبی کی صورتیں ہیں۔

اس بخار میں چونکہ اعصاب میں تحلیل ہوتی ہے اس لئے عضلات میں تحریک اور غدد میں تسکین ہوتی ہے۔ جسم میں خشکی کی زیادتی مگر مریض حرارت کی زیادتی محسوس نہیں کرتا۔ البتہ اس صورت میں کمزوری باقی صورتوں سے کم ہوتی ہے۔

علاج: اس مرض سے ڈرنا نہیں چاہئے، یہ قابل علاج مرض ہے۔ البتہ فرنگی طب میں اس کا یقینی بے خطا علاج بالکل نہیں ہے۔ ہم نے عرصہ تین سال سے اس کا نسخہ اور علاج شائع کر دیا ہے۔ ساتھ ہی چیلنج کر دیا ہے کہ جس کو اس نسخہ سے آرام نہ ہو ہم مبلغ سو روپیہ انعام دیں گے۔ یہ نسخہ اور علاج تحقیقات دق وسل (ٹی بی) نمبر میں شائع کیا گیا۔ اس کتاب کے متعلق بھی ہمارا چیلنج ہے کہ اگر کوئی ہماری تحقیقات تپ وسل کو غلط قرار دیتا ہے تو ہم مبلغ پانچ سو روپیہ انعام دیں گے۔ نسخہ صرف ایک ٹکے میں تیار ہوتا ہے۔

نسخہ: ایک حصہ آک کا دودھ اور 15 حصے خالص ہلدی ملا لیں۔ **خوراک:** ایک رتی سے آٹھ رتی تک ہمراہ نیم گرم پانی دن میں ہر تین گھنٹے بعد

دیں۔**غذا:** سیال جس میں تیسرا حصہ گھی کا ہونا چاہئے۔ جو انتہائی شدید بھوک کے وقت کھانی چاہئے۔

صرف تین روز میں خون بند ہو جاتا ہے۔ ایک ہفتہ میں بخار اتر جاتا ہے اور دو ہفتے میں کھانسی رُک جاتی ہے۔ اور تین ہفتے میں بالکل آرام آجاتا ہے۔ پھر رفتہ رفتہ طاقت آجاتی ہے۔ مریض شرطیہ صحت یاب ہو جاتا ہے۔

دق وسل (ٹی بی) کے علاج میں ہماری تحقیقات کا جو راز ہے وہ یہ ہے کہ مرض کاربن اور ترشی کی کثرت سے پیدا ہوتا ہے۔ اس کا علاج ایسی دافع ترشی ادویات اور اغذیہ ہیں جن میں حرارت ہونی چاہئے۔ جن کے نتیجہ میں جسم ایک دم گرم رطوبت کا ترشہ ہوتا ہے۔ جو ایک طرف خشکی کو رفع کر دیتی ہے اور دوسری طرف کاربن اور ترشی کا تحلیل اور تیزی دور کر دیتی ہے۔ اس مرض میں دافع تعفن (اینٹی سپٹک) قاتل جراثیم ادویات استعمال نہیں کرنا چاہئیں۔ ایسی اکثر ادویات اکثر وہاں پر تحلیل و تیزی بڑھا دیتی ہیں یا بخار اُتار کر وہاں حرارت بالکل ختم کر دیتی ہے۔ جس کی وجہ سے حرارت غریزیہ جو زندگی تک مقابلہ کر رہی ہوتی ہے، وہ بھی ٹھنڈی ہو کر ختم ہو جاتی ہے۔

تپ دق وسل میں بغیر سوچے سمجھے ادویات نہیں استعمال کر دینی چاہئیں۔ بعض لوگ ہاضم اور مقوی ادویات کے استعمال کی کوشش کرتے ہیں۔ یا زخم بھرنے کی ادویات کو استعمال میں لاتے ہیں۔ جیسے کچور اور کاربالک وغیرہ۔ یاد رکھیں ہر سرخ رنگ کی دوا کے اندر تیزاب و ترشی اور کاربن ہے۔ سرخ رنگ بھی اس لئے پیدا ہو گیا ہے ان سے دور رہیں۔

حمی تحریک غدی، حمی یوم روح طبعی، غدی تیزی کے بخار

تشریح کے لئے دیکھیں حمی تحریک اعصابی۔

تحریک غدی کے بخار:

(۱) حمی عصبی (۲) حمی حزنی (۳) حمی نزلی (۴) حمی سوزشی (۵) حمی زحیری۔

ماھیت بخار: غدد میں غیر معمولی تحریک ہوتی ہے۔ جس سے روح طبعی گرم ہو جاتی ہے۔ یا روح طبعی کسی سبب سے گرم ہو کر غدد میں تحریک کا باعث ہوتی ہے۔ جس سے اس کے فعل میں تیزی ہو جاتی ہے۔ پھر یہ عارضی حرارت دِل کے ذریعے تمام خون اور جسم کو گرم کر دیتی ہے یہ اسباب بادیہ یعنی بیرونی اسباب سے پیدا ہوتے ہیں۔ یہ سادہ بخار یا حمی یوم اگرچہ خطرناک نہیں ہوتے لیکن اگر علاج میں احتیاط نہ برتی جائے تو دق وسل میں تبدیل ہو سکتے ہیں۔

اسباب: مندرجہ بالا بخاروں کو ہی اسباب سمجھ لیں اور ان کے علاوہ بھی ہر قسم کے کیفیاتی ونفسیاتی اور مادی وفعلی اسباب جن کا تعلق جگر یا روح طبعی سے ہے حمی تحریک غدی پیدا کر سکتے ہیں۔ بلکہ یہی تحریک بڑھتی جائے تو سوزش اور ورم کی صورت بھی اختیار کر لیتی ہے۔ اس لئے تحریک کو پہلا درجہ سوزش کو دوسرا درجہ اور ورم کو تیسرا درجہ خیال کریں۔ علاج میں بھی ان تینوں صورتوں کو قائم رکھیں۔

علامات: اس قسم کے بخاروں میں چونکہ حرارت کا زیادہ تر اثر روح تک ہوتا ہے اور جسم کم متاثر ہوتا ہے اس لئے مریض اکثر بہت کم بے چینی اور کمزوری محسوس کرتا ہے۔ چونکہ سوئے مزاج سادہ میں تبدیل ہوتی ہے، اس لئے نبض قارورہ میں کوئی خاص تبدیلی واقع نہیں ہوتی ہے، نبض میں تیزی ضرور آجاتی ہے، قارورہ وزردی یا زردی سرخی مائل ہو جاتی ہے۔ چہرہ پر معمولی زردی ظاہر ہوتی ہے۔ البتہ دو تین روز کے بعد بخار میں تیزی اور اثرات میں شدت ہو جاتی ہے۔ ان بخاروں میں لرزہ نہ ہونے کے برابر ہوتا ہے، ہوتا بھی ہے تو احساس بہت کم ہوتا ہے۔ اسی طرح بخاروں میں بھی بحران نمایاں نہیں ہوتا۔ اور نہ ہی ان میں عفونتی بخاروں کی کوئی علامت پائی جاتی ہے۔ ان بخاروں میں عام طور پر

ایک ہی باری ہوتی ہے۔

مندرجہ بالا جو بھی بخار ہوگا اس کی علامت پائی جائیں گی اور جب تک اسباب علامات قائم رہیں گی، بخار ضرور رہے گا۔ ان کے علاج میں زیادہ کوشش سوزشی ورمی بخاروں میں کرنی چاہئے۔ کیونکہ ان کے نتائج دوررس ہوتے ہیں۔

علاج: چونکہ غدد میں تحریک اور تیزی کی حالت ہوتی ہے، اس لئے اس کی فعلی اور کیمیاوی دو صورتیں ہوں گی۔

(۱) غدی عضلاتی - گرم خشک (۲) غدی اعصابی - گرم تر۔

تمام جسم میں مفرد اعضاء کی یہ صورت ہوگی کہ غدد میں تحریک عضلات میں تحلیل اور تمام اعصاب میں تسکین تمام جسم کیمیاوی حالت کی صورت میں صفراء کی پیدائش زیادہ ہوگی۔ گویا وہ نقشہ جو اعصابی تسکین کا اوپر گزر چکا ہے۔ مگر تسکین کے مقام پر تعفن نہیں ہے۔ گویا اس کی پہلی صورت میں گرمی اور صفراء کی پیدائش اور ان کا اخراج بند ہوگا۔ دوسری صورت میں گرمی اور صفراء کی پیدائش کے ساتھ ساتھ ان کا اخراج بھی جاری ہوگا۔ دونوں صورتوں میں اعصاب میں سکون ہی ہوگا۔ البتہ اوّل صورت زیادہ اور دوسری صورت میں کم ہوگا۔ گویا غدد میں فعلی صورت اور عضلات میں کیمیاوی صورت۔ دوسری حالت میں غدد میں فعلی صورت کے ساتھ اعصاب کی طرف کیمیاوی صورت ہوگی۔ اس لئے اوّل صورت میں مقام شفا غدد ہے۔ دوسری صورت میں مقام شفاء اعصاب ہیں، اس لئے جب تحریک غدی عضلاتی ہوگی تو اس کو اعصاب کی طرف پلٹ کر غدی اعصابی کردیں گے۔

تحریک غدی اعصابی ہو تو اس کو پلٹ کر تحریک اعصابی غدی کردیں گے۔ اس طرح اوّل صورت میں گرمی اور صفراء کی جو کمی ہوگی وہ پوری ہوجائے گی۔ اور دوسری صورت میں گرمی اور صفراء کی جو زیادتی ہے اس کا اخراج شروع ہوجائے گا۔ غدد کی سوزش اور ورم ہر دو ختم ہوجائیں گے۔ بس اس کا نام یقینی بے خطا شفاء ہے۔

دوا و غذا اور تدبیر کے لئے اوّل صورت میں محرک غدی اعصابی دیں۔ بوقت ضرورت ملین غدی اعصابی دیں۔ اسہال لانے مطلوب ہوں تو مسہل غدی اعصابی دیں۔ انشاء اللہ پہلے ہی روز مریض کو افاقہ ہوگا۔ البتہ غذا اور دیگر تدبیر کا بھی اسی طرح خیال رکھیں۔ یعنی ان کا آرام، اسباب کا دور کرنا اور ماحول کا مناسب بنانا ضروری ہیں۔ اگر یہ سمجھ رہے ہیں کہ تا حال حرارت اور صفراء کی جسم میں کمی ہے تو جو حالت بخار کی ہو اس کو ہی تیز کردیں۔ اور جب آرام ہوجائے تو مقوی ادویات انہیں تحریکات کی استعمال کرا سکتے ہیں۔

حمی تسکین عضلاتی

حمی صفراوی عفونتی، غدی تسکین کا بخار۔

تشریح: طب یونانی میں صفراوی بخار کی دو صورتیں ہیں، (۱) حمی غب - باری کا بخار (۲) حمی محرقہ - لازمی بخار۔ حمی غب کی باری تیسرے روز آتی ہے اور حمی محرقہ ہر تیسرے روز تیز ہوجاتا ہے۔

حمی غب خالصہ: اطباء میں یہ ایک بحث ہے کہ حمی غب خالص ہوسکتا ہے یا نہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ ہوسکتا ہے اور بعض کہتے ہیں نہیں ہوسکتا۔ دونوں کا فرق اس طرح بیان کیا جاتا ہے کہ غب خالصہ زیادہ سے زیادہ کل سات روز ہوتا ہے اور اس کی نوبت جلدی آئے گی اور باقاعدہ رہے گی اور جلد دور ہوجائے گی۔ اس کے برعکس غب غیر خالصہ سات یوم سے زیادہ رہتا ہے، نوبت دیر سے بے قاعدہ رہتی ہے اور دیر تک رہتی ہے۔ یہ فرق صرف اس لئے ہے کہ غب خالص اپنی حرارت کی وجہ سے مادہ کو جلد تحلیل کردیتا ہے۔

ایک بحث یہ ہے کہ کیا صفراء خالص متعفن ہوسکتا ہے جب کہ اس کو خود دافع تعفن تسلیم کیا گیا ہے۔ جب یہ حقیقت ہے کہ صفراء

خالص متعفن ہی نہیں ہوسکتا تو پھر خالص صفراء کا بخار کیسے پیدا ہوسکتا ہے۔ جب حمی غب پیدا ہو تو غیر خالص صفراء سے پیدا ہوگا۔ اس کو شطر الغب کہتے ہیں۔

دلچسپ تحقیق: جو لوگ نظریہ مفرد اعضاء اور اس کی تشریح اور افعال سمجھ لیں گے وہ یہ دلچسپ انکشاف معلوم کر کے بہت حیران ہوں گے کہ جس بخار کو صفراوی بلکہ خالص صفراوی بخار کہا جاتا ہے بلکہ محرقہ کہتے ہیں وہ دراصل بلغمی بخار ہے۔ کیونکہ جگر میں کافی مقدار میں بلغم اور رطوبت اکٹھی ہو جانے سے وہاں تعفن ہو جاتا ہے۔ اور جس بخار کو بلغمی کہتے ہیں وہ دراصل صفراوی خالص بخار ہے۔ چونکہ اس وقت اعصاب میں تسکین ہوتی ہے اور وہاں کا بلغم متعفن ہو جاتا ہے۔ اس لئے اس کو بلغمی بخار کہا گیا ہے۔ ثبوت یہ ہے کہ بلغمی بخار ہی یرقان ہوتا ہے۔ کیونکہ اس میں غدد میں تحریک ہوتی ہے۔ صفراء کی پیدائش ہوتی ہے مگر اخراج نہیں ہوتا۔ دراصل جس بخار کو محرقہ بطنیہ اور محرقہ دماغی کہا جاتا ہے، وہی بخار خالص صفراوی ہیں چونکہ تعفن بلغم اور صفراء کے ملنے سے ہوتا ہے، اس لئے اس کو بلغمی سمجھا جاتا ہے۔

یہ وجہ ہے کہ اطباء کو بخاروں کی تشخیص خصوصاً محرقہ صفراء، محرقہ بطنیہ اور محرقہ دماغی بلکہ شطر الغب میں دقت ہوتی ہے۔ اور بڑے بڑے جگادری اطباء اور حکماء نے انتہائی غلطیاں کی ہیں۔ صرف اطباء پر بس نہیں ہے فرنگی ڈاکٹروں نے تو ان سے بھی زیادہ غلطیاں کی ہیں۔ وہ ہمیشہ ملیریا، ٹائیفائیڈ، ٹائیفس، نمونیا، پلورسی، اور جیکسن پاکس، سمال پاکس اور ٹی بی کی تشخیص میں ایسی فاش اور خوفناک غلطیاں کی ہیں جن کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے۔ افسوس موقعہ نہیں ہے ورنہ ضرور چند نمونے پیش کئے جاتے ہیں۔ ملیریا کے بیان میں آپ کو کچھ واضح ہو جائے گا کہ انہوں نے ملیریا کا کیا ڈھونگ رچا رکھا ہے۔ قارئین یہ سن کر حیران ہوں گے کہ ملیریا کوئی بخار نہیں ہے۔

صرف بلغم سے بخار پیدا ہوتا ہے

اہل علم اور صاحب فن اس انکشاف کی داد دیں گے کہ بخار صرف بلغمی (لمف) کے تعفن سے ہوتے ہیں۔ نہ کوئی صفراوی بخار ہے اور نہ ہی سوداوی بخار ہے، یعنی جب بلغم خالص متعفن ہوتا ہے جیسا کہ تسکین اعصابی میں ذکر کیا ہے تو بہت سارے بخار پیدا ہوتے ہیں۔ جن میں سے اکثر خوفناک ہیں اور جب یہی بلغم جگر میں صفراء سے ملتا ہے تو صفراوی بخار پیدا کرتا ہے۔ کیونکہ خالص صفراء تو متعفن ہی نہیں ہوسکتا۔ اور جب بلغم سوداء کے ساتھ متعفن ہوتا ہے تو سوداوی بخار پیدا کر دیتا ہے۔ کیونکہ خالص سوداء میں تعفن ممکن ہے۔ تعفن کس میں پیدا ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ ہم نے اس کو بلغمی بخاروں میں لکھا ہے جس میں صفراء اپنے انتہاء کو ہوتا ہے۔ اور وہ رطوبتوں کو جلا دیتا ہے۔ اور جو تھوڑی بہت رطوبت باقی ہوتی ہے ان میں سوداوی بخاروں کی صورتیں قائم ہو جاتی ہیں۔ اسی طرح دموی بخار بھی کوئی نہیں ہے۔ کیونکہ خالص دموی مزاج میں سرخ ذرات (ریڈ کارپسلز)، سرخ مادہ (ہوموگلوبین) اور نسیم (آکسیجن) اس قدر زیادہ ہوتی ہے کہ وہاں پر کاربن ڈائی اکسائیڈ (حرارت غریبہ) کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ پھر تعفن کیسے پیدا ہوسکتا ہے۔ ہاں! البتہ جب خون میں ماہیت کی زیادتی ہوتی ہے یا عضلات میں رطوبات متعفن ہوتی ہیں جن کا تعلق قلب سے ہے تو ہم ایسے بخاروں کو دموی کہتے ہیں۔ ورنہ صفراوی و سوداوی اور دموی بخاروں کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔

اب حکماء و اطباء اور اہل فن و صاحب علم خود اندازہ لگائیں کہ فرنگی طب میں ایسی تحقیقات کہاں ہیں؟ کیا وہ ہماری تحقیقات کا مقابلہ کر سکتا ہے؟ پھر یہ بھی اندازہ لگائیں کہ ان کی تحقیقات پانچ چھ سو سالوں پر پھیلی ہوئی ہیں۔ جن میں ہزاروں سائنس دانوں نے کام کیا ہے۔ اس میں یورپ کے تمام ممالک، امریکہ اور جاپان وغیرہ بلکہ دیگر وہ ممالک جو ان کے ساتھ مل کر فرنگی طب کے طریق علاج اور سائنس کی تحقیق کر رہے ہیں جس پر لاکھوں کروڑوں روپیہ نہیں بلکہ اربوں اور کھربوں روپیہ صرف ہوا ہے۔ اب صاحب بصیرت عقل مند اور حقیقت پرست حکماء و اطباء اور اہل فن و صاحب علم کا فرض ہے کہ ہمارے گرد جمع ہو جائیں تا کہ ہم مل کر بہت جلد فرنگی طب کو ختم کر سکیں۔ ہم سے ملنا تو بہت دور کی بات ہے صرف

ہمارے ساتھ ہمدردیاں پیدا کر دی جائیں تو بھی ہم اپنے مقاصد میں بہت جلد کامیاب ہو سکتے ہیں۔

ملیریا کوئی بخار نہیں ہے

اس تحقیق کو بھی اہل علم اور صاحب فن حکماء اور اطباء قدر کی نگاہ سے دیکھیں گے کہ ملیریا کوئی بخار نہیں ہے۔فرنگی طب کی رو سے ملیریا کی سب سے بڑی علامت جگر اور طحال کا پھول جانا ہے۔اس یقینی علامت کی رو سے بخار طب یونانی کے غب غیر خالص کی صورت ہے جو کبھی نوبتی ہوتا ہے اور کبھی لازمی جو نظریہ مفرد اعضاء کے تحت تسکین غدی ہے۔لیکن اگر ملیریا کے تمام اقسام کو دیکھا جائے تو اس میں انہوں نے بلغمی دموی اور سوداوی بخار بھی شامل کر لئے ہیں۔ان کی تحقیق میں ہر قسم کے بخار چاہے اعصابی ہوں یا غدی یا عضلاتی سب ملیریا ہیں۔البتہ ٹائیفائیڈ اور ٹی بی کو وہ اس سے جدا کرتے ہیں۔ان کی اس غلط تحقیق سے ثابت ہوا کہ ملیریا دراصل کوئی بخار نہیں ہے۔اگر ہماری یہ تحقیق غلط ہو تو ہم چیلنج کرتے ہیں کہ کوئی فرنگی ڈاکٹر یہ ثابت کر دے کہ ملیریا کا تعلق کسی خاص عضو سے ہے۔ہم ان کی تحقیقات میں باقی اعضاء کی خرابیوں سے بھی ملیریا ثابت کر دیں گے۔یا وہ اس امر سے انکار کر دیں کہ ملیریا کا خاص تعلق جگر و طحال سے نہیں ہے۔لیکن وہ اس حقیقت کا بھی انکار نہیں کر سکتے کیونکہ ملیریا کی بڑی علامت ہی یہ ہے کہ جگر اور طحال کا فعل بگڑ جاتا ہے۔اور ملیریا اگر کوئی بخار تطبیق ہو سکتا ہے تو وہ غب غیر خالص ہے۔جس کو ہم تسکین غدی کہتے ہیں۔جادو وہ ہے جو سر چڑھ کر بولے!!! آئیں فرنگی ڈاکٹر جواب دیں، ہم نے ان کی بہت بڑی تحقیق کو غلط کر دیا ہے۔

کونین سے ملیریا کا علاج غلطی ہے

ہمارے اس انکشاف سے بھی حکماء و اطباء اور اہل فن و صاحب علم خوش ہوں گے کہ کونین نہ ہی دافع تعفن ہے اور نہ قاتل جراثیم ہے۔بلکہ اس سے ملیریا کا علاج کرنا بہت بڑی غلطی ہے۔ثبوت میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ کونین کا علم فرنگی طب کو جراثیم کی تحقیق سے قبل ہو چکا تھا۔دوسرے ڈاکٹر ہانمن نے اپنے تجربات سے ثابت کر دیا ہے کہ سنکونا اور کونین کو کھانے سے ملیریا پیدا ہو جاتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ آج کل کونین کو چھوڑتے جا رہے ہیں۔اور اس کی جگہ دیگر ادویات کا استعمال شروع ہے۔ان حقائق سے ثابت ہوا کہ کونین کو ملیریا کا علاج سمجھنا بالکل غلط ہے۔

ماہیت حمی تسکین غدد

تسکین جگر میں اور غدد میں رطوبات اور بلغم جمع ہو جاتا ہے اور وہ کسی طور پر اخراج نہیں پاتا۔تو طبیعت مدبرہ بدن اس کو ختم کرنے کے لئے اس میں تعفن پیدا کر دیتی ہے۔جس سے بخار پیدا ہوتا ہے۔جس کی دو صورتیں ہوتی ہیں: ○ اگر مواد درون عروق متعفن ہوتا ہے تو بخار لازمی ہوتا ہے۔جس کو محرقہ صفراوی کہتے ہیں۔○ اگر مواد بیرون عروق متعفن ہوتا ہے تو وہ بخار باری کا ہوتا ہے۔جو تیسرے روز آتا ہے۔تو اس کو غب غیر خالص یا شطر الغب کہتے ہیں۔حقیقت میں دونوں بخار ایک ہی قسم کے ہیں، دونوں تسکین جگر سے پیدا ہوتے ہیں یا صفراء کی خرابی ان کا باعث بنتی ہے۔

اسباب: عام طور پر اس کا اسباب سابقہ ہوتے ہیں یعنی ماکول و مشروب اور متعفن ہوا، کبھی اسباب بادیہ بھی جب مستقل ہو جائیں تو سبب واصلہ و فاعلہ بن جاتے ہیں قلب کے فعل میں تیزی آ جاتی ہے اور رطوبات و بلغم جگر اور غدد کی طرف جمع ہو کر متعفن ہو جاتے ہیں۔اور بیرون و فضائی اور موسمی تغیرات سے تعفن ہوتا ہے تو وبائی صورت اختیار کر لیتا ہے۔اسی تغیر سے زمین اور درختوں میں تعفن پیدا ہو جاتا ہے۔تو وبائی صورت اختیار کر لیتا ہے۔اسی تعفن سے جگر کے افعال میں تسکین پیدا ہوتی ہے۔وہاں بیرونی طور پر قوت مدبرہ عالم (جس طرح مدبرہ بدن ہے) جہاں پر بھی مواد دیکھتی ہے اس میں فساد اور تعفن اور خمیر پیدا کر دیتا ہے۔جس میں جاندار مکھی اور مچھر پیدا ہو جاتے ہیں جو مواد کو کھا کر ختم کر دیتے ہیں۔اسی

طرح جسم انسانی کے مواد میں بھی اجرام لطیفہ (جراثیم) اس کے تعفن کے بعد پیدا ہو جاتے ہیں۔ لیکن اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ جراثیم ہی ضروری اندر داخل ہو کر یہ تعفن پیدا کر دیتے ہیں ان کے بغیر بھی خود بخود ہو جاتا ہے۔ جیسے باہر خود بخود ہو جاتا ہے۔ البتہ مچھر و مکھی وغیرہ جو خود زہریلے تعفن کی پیداوار ہیں جب انسانوں بلکہ حیوانوں کو کاٹتے ہیں تو ان کا زہر بھی اندر جا کر جگر کے فعل میں تسکین اور تعفن پیدا کر دیتا ہے۔ لیکن یہ بات یاد رکھیں کہ یہ بخار اس وقت تک نہیں ہوتا جب تک جگر کے فعل میں تسکین سے خرابی واقع نہ ہو جائے۔

علامات: ان بخاروں میں سب سے بڑی علامت گرمی کے ساتھ خشکی کی بہت زیادتی ہوتی ہے۔ صفراء کی کمی اور اس کا اخراج اکثر بند ہوتا ہے۔ کیونکہ غدد میں تسکین ہوتی ہے، اس لئے علامت کی دو صورتیں ہوتی ہیں۔ اوّل عضلاتی اعصابی (خشکی، سردی) عضلاتی غدی (خشکی گرمی) چونکہ بخاروں میں رطوبات کی کمی ہوتی ہے اور ریاح کی زیادتی اس لئے ایسے بخار اکثر خزاں میں ہوتے ہیں۔ بخار کی ابتداء بھی لرزہ سے ہوتی ہے۔ اور جب تیسرے روز باری آتی ہے اس وقت لرزہ شدید ہوتا ہے۔ یہ لرزہ اس وجہ سے ہوتا ہے کہ طبیعت مدبرہ بدن کا رجوع اکثر غدد تعفن کی طرف رہتا ہے، اور جلد سرد ہو جاتی ہے اور سردی محسوس کرتی ہے تو لرزہ کی صورت ہوتی ہے۔ جس سے طبیعت پھر خون کو جلد کی طرف پھیلا دیتی ہے۔ پیاس کے ساتھ اکثر بھوک زیادہ ہوتی ہے۔ چہرہ اترا ہوا، منہ، زبان، گلا اور ہونٹ خشک، سخت قبض، قارورہ سرخ سبزی مائل یا زردی مائل۔ یہ بخار اکثر ایسے لوگوں کو ہوا کرتا ہے جن کو بے حد خشکی یا دائمی قبض رہتی ہے جسم میں صفراء کی زیادتی اور حرارت کی پیدائش بڑھنے لگتی ہے۔ اس لئے پہلے پھریری سوئی کی سی چبھن محسوس ہوتی ہے۔ اس کے بعد سردی لگنی شروع ہوتی ہے۔ اور نہایت شدید لرزہ شروع ہو جاتا ہے۔ جو دوسرے بخاروں کے لرزہ سے قوی ہوتا ہے۔ نیز یہ لرزہ جلد رفع ہو کر بخار چڑھ جاتا ہے۔ جب یہ بخار اُترتا ہے تو خوب پسینہ آتا ہے۔ اور قارورہ سرخ اور ناری ہو جاتا ہے۔ نیند جاتی رہتی ہے، پیاس زیادہ ہو جاتی ہے۔ مریض کا غصہ بڑھ جاتا ہے۔ مزاج چڑچڑا ہو جاتا ہے۔ کسی کے ساتھ گفتگو کرنا پسند نہیں کرتا۔ مریض کی نبض دوسرے بخاروں کی نسبت قوی، سریع اور متواتر ہو جاتی ہے۔ بلکہ شرف اور طویل ہوتی ہے جب بخار اتر جاتا ہے تو قوت اور تیزی میں کمی واقع ہو جاتی ہے۔ لیکن مشرف اور طوالت قائم رہتی ہے۔

علاج: اسباب کو مدنظر رکھیں، مفرد اعضاء کی تحریکات اور افعال سمجھیں، چونکہ غدی تسکین ہوتی ہے اس لئے عضلات کی تحریک اور اعصاب میں تحلیل ہوتی ہے۔ اس لئے دوا غذا اور تدابیر میں بھی اس کے مطابق عمل کریں۔ یعنی اگر تحریک عضلاتی اعصابی ہو تو اس کو عضلاتی غدی کر دیں تاکہ جلد جلد حرارت پیدا ہو۔ اور صفراء بن کر غدد میں اکٹھا ہو کر بلغم یا رطوبت کو ختم کر دے جس میں تعفن اور تخمیر پیدا ہو گیا ہے۔ اور تحریک غدی عضلاتی ہے۔ تو غدی اعصابی کر دیں تاکہ غدد میں تحریک شروع ہو کر حرارت اور صفراء کا بھی اخراج پیدائش کے ساتھ ساتھ جاری ہو جائے۔ اور زیادہ حرارت سے صفراء جل کر سوداء میں تبدیل نہ ہو یا ضعف قلب نہ پیدا ہو جائے۔

اوّل صورت محرک عضلاتی غدی، شدید محرک عضلاتی غدی، ضرورت کے وقت ملین عضلاتی غدی اور مسہل عضلاتی غدی دے سکتے ہیں۔ اس سلسلہ میں اگر حرارت کی پیدائش کم ہو یا صفراء کی پیدائش جلد بڑھانی اور تعفن کو جلد تحلیل تک پہنچانا ہو تو اکسیر غدی بھی دے سکتے ہیں۔ دوسری صورت میں محرک غدی اعصابی شدید محرک غدی اعصابی، ملین غدی اعصابی اور مسہل غدی اعصابی دیں۔ اور ضرورت شدید ہو تو غدی تریاق بھی دے سکتے ہیں۔ آرام آنے کے بعد ان کے مقویات دے سکتے ہیں، کیونکہ اس طرح غدد کا بلغم جلد اخراج پا جاتا ہے۔

حمی غدی تحلیل، دق وسل غدی

تشریح: حمی غدی تحلیل دق وسل کی وہ قسم ہے جس کو دق وسل امعائی کہتے ہیں۔ اس بخار میں تحلیل جگر اور غدد میں ہوتی ہے۔ جس کا اثر تمام جسم

کے غدد ناقلا (نالی دار غدود) پر پڑتا ہے۔ لیکن اس کا شدید احساس امعاء کلیہ، لبلبہ وغیرہ میں زیادہ ہوتا ہے۔ چونکہ امعاء میں یہ غدد گوشت کی کمی اور غشائے مخاطی کی تیزی کی وجہ سے زیادہ حساس ہوتے ہیں۔ اس لئے ان کو تکلیف کا زیادہ احساس ہوتا ہے۔ اس لئے اس کو غدی دق وسل کی بجائے امعائی دق وسل کہتے ہیں۔ غدی دق وسل عام طور پر غدد جاذبہ میں ٹی بی کے اثر ہونے کو کہتے ہیں۔

ایک انکشاف

جب جسم کے غدد جاذبہ خصوصاً گلے کے غدد غیر ناقلہ (بغیر نالی دار غدود) پھول جاتے ہیں جن کو خنازیر کہتے ہیں، اس وقت کہا جاتا ہے کہ خنازیر دق وسل ہو گیا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ جس مقام پر رطوبات ہوں وہاں پر دق وسل نہیں ہو سکتا۔ دق وسل تو اس مقام پر ہوتا ہے جہاں پر رطوبات خشک ہو جائیں اور تحلیل شروع ہو جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ خنازیر کا دق وسل سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ بلکہ غدد میں تحلیل ہوتی ہے۔ تو اس کے متعلق سے غدد جاذبہ میں بھی تحلیل ہوتی ہے۔ جیسا کہ اوپر لکھا جا چکا ہے، اس وقت غدد جاذبہ بھی پھولے نہیں ہوتے، بلکہ ان میں ضعف ہوتا ہے۔ اور وہ رطوبات کو اپنے اندر جذب ہی نہیں کر سکتے۔ البتہ جب غدد جاذبہ پھول جاتے ہیں تو ان کے اندر کی رطوبات میں تعفن و تخمیر سے بخار ضرور پیدا ہو جاتا ہے۔ جو تحریک اعصابی کے تحت آتا ہے۔ اس کا علاج اس کے مطابق ہوگا۔ یعنی عضلات میں تقویت اور تحریک پیدا کر دی جائے تو نہ صرف بخار دور ہو جائے گا، بلکہ خنازیر بھی دور ہو جائیں گی۔

اسباب: حمی غدی تحلیل یعنی غدی دق وسل کے اسباب میں سب سے زیادہ غلط اقسام کے ماکولات و مشروبات اور ان کے بے وقت اور بغیر ضرورت کھانا ہے۔ جس سے بدہضمی کی وجہ سے تعفن اور تبخیر کی صورتیں پیدا ہو کر اس قسم کے دق وسل کی طرف طبیعت بڑھتی ہے۔ نفسیاتی اثرات اور متعفن بخاروں میں متعفن مادوں کے بغیر ختم ہوئے دافع تعفن مادوں اور جرم کش ادویات دے کر تعفن کو روک دینا جس سے ان مادوں میں پھر سے اس قدر شدت سے حرارت غریبہ پیدا ہوتی ہے جو جسم میں تحلیل پیدا کر کے دق وسل کا بخار پیدا کر دیتی ہے۔ اسی طرح قبل از وقت بخاروں کو اتارنے کی کوشش کرنا بھی مادہ متعفن کو روک کر نقصان اور موت کا باعث بن جاتے ہیں۔

علامات: ریاح اور خشکی کی کثرت، مسلسل تھکن جو غذا کی بدہضمی کی وجہ سے ہو (تھکن کے اقسام کے متعلق ٹی بی نمبر دیکھیں) چونکہ اس بخار میں غدد میں تحلیل ہوتی ہے، اس لئے اعصاب میں تحریک اور عضلات میں تسکین ہوتی ہے۔ ایسے مریضوں کو اکثر اسہال رہتے ہیں، بخار کی حرارت اکثر بہت کم رہتی ہے، بعض وقت کئی کئی روز تک بخار نہیں رہتا، اور ظاہرہ آرام معلوم ہوتا ہے، لیکن پھر کچھ روز بعد بخار پھر شروع ہو جاتا ہے۔

علاج: دق وسل میں غذا کا خاص خیال رکھیں، بغیر شدید بھوک کے نہ کھائیں۔ غذا محلول ہو جس میں کم از کم تیسرا حصہ گھی کا ہونا چاہئے۔ غذا کے بعد اگر دل چاہے تو پھر کھا سکتے ہیں۔ جب خون کا آنا بند ہو جائے، کھانسی بخار رُک جائے تو کسی شے کا حلوہ بنا کر کھا سکتے ہیں۔

○ ہماری شرطیہ دوا آک کا دودھ اور ہلدی کا نسخہ بنا کر دیں، اس سے شرطیہ آرام ہوگا۔ ○ اس دوا کے استعمال، بھوک اور گھی کی زیادتی سے جسم میں بے حد رطوبات پیدا ہونا شروع ہو جاتی ہیں، گویا جسم کے ہر ذرہ پر بارش ہونا شروع ہو جاتی ہے۔ جس سے تحلیل بہت جلد ختم ہو جاتی ہے۔

مقدار خوراک: دوا ایک ایک رتی ہر تین گھنٹہ کے بعد دیں۔ اگر پیاس ہو تو شہد کا شربت بنا کر دیں یا چائے کے قہوہ میں شہد ڈال کر پلائیں۔ اگر قبض ہو تو دوا کی مقدار رفتہ رفتہ ایک ماشہ فی خوراک کر دیں۔

یہ بات ذہن نشین کر لیں کہ سرد تر ادویات سے رطوبات پیدا نہیں ہوتیں۔ ہمیشہ جسم میں رطوبات گرم تر اشیاء اور اغذیہ سے پیدا ہوتی ہیں۔ اگر گرمی تری ہو تو جسم میں سوزش اور ورم کو تحلیل کرتی ہے، اس لئے شدید گرمی کی صورت میں بھی حتی المقدور سرد اشیاء اور سرد کیفیت سے دور

رہنے کی کوشش کریں۔ کیونکہ اس سے حرارت بجھ جاتی ہے۔ اور انسان بہت جلد موت کے قریب پہنچ جاتا ہے۔ یہ بات بھی ذہن میں رکھیں کہ جب لوگوں کو دق وسل ہو جاتی ہے تو وہ بے حد بد پرہیز ہوتے ہیں اور علاج کے دوران میں بھی پرہیز سے نفرت کرتے ہیں، یہاں تک کہ ان کو موت نظر آتی ہے مگر پرہیز نہیں کرتے ہیں۔

حمی تحریک عضلاتی

حمی یوم روح حیوانی عضلاتی تیز کے بخار۔ تشریح کے لئے دیکھیں حمی تحریک اعصابی۔

تحریک عضلاتی کے بخار

(۱) حمی شمسی (۲) حمی سوزشی وحمی ورمی (۳) سوئے ہضمی۔

ماھیت بخار: اس بخار میں عضلات میں غیر معمولی تحریک ہوتی ہے ہر تحریک سے انقباض ہوتا ہے، جس کے کچھ عرصہ قائم رہنے سے سوزش اور ورم ہو جاتا ہے۔ اس تحریک سے روح حیوانی گرم ہو جاتی ہے یا کسی سبب سے گرم ہو کر عضلات میں عارضی حرارت دِل کے ذریعے تمام خون اور جسم کو گرم کر دیتی ہے۔ اور بخار کی صورت قائم ہو جاتی ہے۔

اسباب: اس بخار میں جس قدر صورتیں اوپر بخاروں کی بیان کی گئی ہیں، ان کو ہی اس کے اسباب خیال کریں مگر سبب واصلہ اور فاعلہ عضلات کے فعل میں تیزی ہے۔ ان کے علاوہ ہر قسم کی کیفیاتی ونفسیاتی اور مادی فعلی اثرات جن کا تعلق دِل اور عضلات سے ہے یا روح حیوانی سے ہے، ان سے بھی حمی تحریک عضلاتی پیدا ہو سکتے ہیں۔ تمام جزوی اسباب اس لئے نہیں لکھے جاتے کہ باعث طوالت ہوتے ہیں۔ اور مختلف ماحول میں ان اسباب کی نوعیت بدل جاتی ہے۔ ذہن نشین یہ کرنا ہے کہ کون سی شے یا امر اوّل اوّل قلب پر اثر کر کے اس کے افعال میں تبدیلی پیدا کر دیتا ہے۔

علامات: اگرچہ یہ بھی سادہ عضلاتی بخار ہے، لیکن عضلات کی وجہ یا بذاتِ خود قلب میں تکلیف کی وجہ سے یہ بخار ہو جاتا ہے۔ اس لئے یہ بخار دیگر سادہ بخاروں کی نسبت دِل میں بہت زیادہ گھبراہٹ پیدا کرتا ہے۔ البتہ جلد اتر جاتا ہے۔ کیونکہ تحریک دِل کے قریب ہوتی ہے، چونکہ سوئے مزاج سادہ سے ہوتا ہے اس لئے نبض وقارورہ اور پاخانوں میں کوئی خاص تبدیلی نہیں ہوتی۔ نبض مشرف متوسط ہوتی ہے لیکن جب اس میں خرابی زیادہ ہو جائے تو طویل بھی ہو جاتی ہے قارورہ سرخ یا سفیدی مائل سرخ ہوتا ہے اور چہرہ پر سرخی نمایاں ہوتی ہے ظاہر میں مریض حالت صحت سے بھی زیادہ تندرست معلوم ہوتا ہے۔ اس میں نہ عفونت کی کوئی علامت ہوتی ہے اور نہ ہی اس میں تحلیل کے آثار نظر آتے ہیں۔

تاکید: یاد رکھیں جب تک سبب قائم رہتا ہے، تحریک قائم رہتی ہے۔ ورنہ اعتدال پر آ جاتی ہے۔ لیکن جب تحریک سوزش اور ورم کا فرق ہوتا ہے، اس لئے جب سبب کے رفع ہو جانے کے بعد بھی تحریک قائم ہو تو سوزش کا علاج بھی مدنظر رکھیں، صرف تحریک بدلنے سے سوزش اور ورم جلد دور نہیں ہوں گے، سوزش اور ورم کو مدنظر رکھنے سے مراد یہ ہے کہ وہاں پر حرارت کی زیادہ ضرورت ہے۔

ان بخاروں میں عام طور پر ایک ہی بخار ہوتا ہے اور جو بخار پایا جاتا ہے، اس کی علامات خاص طور پر پائی جاتی ہیں۔

علاج: چونکہ عضلات کے فعل میں تحریک سے تیزی ہوتی ہے، اس لئے غدد میں تسکین اور اعصاب میں تحلیل ہوتی ہے۔ عضلات میں تیزی کی حالت میں دو صورتیں ہوں گی، (۱) فعلی اور (۲) کیمیاوی۔ یعنی (۱) عضلاتی اعصابی (سرد خشک) اور (۲) عضلاتی غدی (خشک گرم) اور جسم میں ریاح کا غلبہ ہوگا۔ لیکن مقام تسکین میں تعفن نہیں ہوگا۔ اور نہ ہی مقام تحلیل میں زیادہ حرارت ہوگی۔

① فعلی حرارت میں حرارت اور صفراء ضرورت سے کم ہوگا۔
② کیمیاوی حرارت میں حرارت اور صفراء کی پیدائش شروع ہو چکی ہوگی۔

دونوں میں غدد میں تسکین بغیر تعفن کے ہوگی۔ البتہ اوّل صورت میں دوسری صورت سے تسکین زیادہ ہوگی۔ گویا اوّل صورت مقام شفاء خود عضلات ہیں۔ اور دوسرا مقام شفا غدد ہے۔ اس لئے علاج میں تسکین کو تحریک دینے کے لئے اس کی جو صورت سامنے ہو اس کو آگے کی طرف پلٹ دیں۔ مثلاً تحریک عضلاتی اعصابی کو تحریک عضلاتی غدی کر دیں۔ اور عضلاتی غدی کی صورت میں غدی عضلاتی کر دیں۔ بس فوراً شفا شروع ہو جائے گی۔ مریض آرام محسوس کرے گا، دوا و غذا اور تدبیر کے لئے اوّل صورت میں محرک عضلاتی غدی، محرک شدید عضلاتی غدی، ملین عضلاتی غدی اور مسہل عضلاتی غدی دیں۔ دوسری صورت میں بھی اسی طرح تحریک پلٹ کر محرک غدی عضلاتی محرک شدید غدی عضلاتی اور ضرورت کے مطابق ملین غدی عضلاتی اور مسہل غدی عضلاتی دیں۔ اگر شدید ضرورت ہو تو اوّل صورت میں اکسیر عضلاتی اور دوسری صورت میں تریاق عضلاتی دے سکتے ہیں۔ لیکن تدبیر کی صورت کو مقدم رکھیں یعنی اسباب کو اوّل دور کرنے کی کوشش کریں۔ اگر خشکی اور حرارت کی جسم میں کافی کمی سمجھیں تو ان کی تحریکات کو اور تیز کر دیں۔

آرام آنے کے بعد ضرورت کے مطابق مقویات بھی استعمال کر سکتے ہیں۔

حمی تسکین عضلاتی

حمی دموی عفونتی، عضلاتی تسکین کا بخار۔

تشریح: وہ بخار جو جوش خون سے پیدا ہوتا ہے، اس کی دو قسمیں ہیں۔ اگر جوش خون بغیر تعفن کے پیدا ہو تو اس کو سونوخس کہتے ہیں۔ اگر جوش خون کا سبب عفونت ہو تو اس کو مطبقہ کہتے ہیں۔ چونکہ ان بخاروں کا تعلق عضلات اور قلب سے ہوتا ہے اس لئے ان کو حمی دمویہ کہتے ہیں۔

دراصل یہ بخار معدی ہیں جن کی ابتداء معدہ کی خرابی سے شروع ہوتی ہے۔ یہ معدہ کے عضلات میں تسکین کے بعد ہوتے ہیں۔ ان کی صورت یہ ہوتی ہے کہ جب معدہ کے ہضم کی خرابی سے وہاں تیزابیت بڑھ جاتی ہے تو قلب کے ذریعے خون میں شامل ہو جاتی ہے۔ جس سے جوش خون پیدا ہو جاتا ہے اور بخار کی صورت بن جاتی ہے جب معدہ میں غذا متعفن ہو جاتی ہے تو وہ تعفن بھی خون میں شامل ہو جاتا ہے۔ جو بخار کی صورت پیدا کر دیتا ہے۔ یہ بخار عضلات امعاء یا قلب یا قلب کی کواڑیوں، حجابات دماغ کے عضلاتی پردہ یا جسم کے کسی اور عضلاتی تسکین سے بھی پیدا ہو جاتا ہے۔ لیکن معدہ کے علاوہ باقی صورتیں شاذ و نادر ہی پیدا ہوتی ہیں۔

اسباب: ماکول و مشروب کی خرابی، بے قاعدگی اور کمی بیشی اگر اس کے اسباب سابقہ ہوتے ہیں لیکن بخار کی صورت اس وقت ہوتی ہے جب عضلات میں تسکین کی صورت قائم ہوتی ہے۔ سونوخس میں گاہے جوش اور گرمی دیگر اسباب سے پیدا ہو جاتی ہے۔ جیسے تیز روز ہر یلی ادویات و مشروبات وغیرہ۔ بہر حال بخار میں اس کا سبب نمایاں ہوگا۔ جس کا تلاش کرنا اکثر مفید ہوتا ہے۔

علامات: سونوخس ایک قسم کا ایسا بخار ہے جس کو نہ حمی یوم میں شامل کیا جا سکتا ہے کیونکہ اس کا تعلق جوش خلط خون سے ہوتا ہے۔ اور نہ حمیات متعفنہ میں شامل کیا جاتا ہے کیونکہ اس بخار میں تعفن کا اثر نہیں پایا جاتا۔ اس لئے اس کو طب یونانی میں مستقل بخار کی حیثیت دے دی ہے۔ لیکن اس کی مستقل حیثیت نہیں ہے۔ کیونکہ تیزابیت بذاتِ خود تخمیر و تعفن ہے لیکن اس میں مواد کی کمی ہے۔ جیسے شراب و سرکہ وغیرہ بھی تخمیر ہیں، لیکن ان میں قابل تعفن مواد ختم ہو چکے ہیں۔ اگر ان کو دیگر مواد میں شامل کر دیا جائے تو وہاں خمیر کے بعد بھی پھر تعفن پیدا ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ اس لئے اکثر امراض خصوصاً بخاروں میں ترشی اور اچار و چٹنی کا استعمال ممنوع ہے، یہی وجہ ہے کہ بعض دفعہ تیز ترش لسی پینے سے بخار ہو جاتا ہے۔ اس لئے کونوخس اور مطبقہ ایک ہی قسم کے بخار ہیں۔ اس بخار کا شک تپ دق سے بھی پیدا ہوتا ہے، لیکن اس کا تعلق رطوبات سے ہے۔ اور دق کا تعلق اعضاء اصلیہ

کی تحلیل سے ہے۔البتہ ضروری طور پر تعفن دونوں میں نہیں ہے۔لیکن اگر غور کیا جائے تو دونوں میں خاص قسم کا تعفن شامل ہوتا ہے۔کیونکہ جب یہ خاص قسم کا تعفن بھی نہ ہوتو (جو کہ ذکر کیا گیا ہے) نہ حرارت پیدا ہو سکتی ہے اور نہ ہی تحلیل ہو سکتی ہے۔اس تعفن کو متعفن ترشی کہنا زیادہ بہتر ہے۔

چہرہ اور آنکھیں سرخ، بدن اور رگیں پھولی ہوئی، قارورہ سرخ اور غلیظ ہوتا ہے اور خون کے لبلبہ کی تمام علامات پائی جاتی ہیں اور بخار بغیر لرزہ اور پھریری کے شروع ہو جاتا ہے۔چونکہ عضلات میں تسکین ہوتی ہے،اس لئے غدد میں تحلیل اور اعصاب میں تحریک ہوتی ہے۔اس لئے بخار اکثر جلد اُتر جاتا ہے۔لیکن جب تعفن شدید ہوتا ہے تو نہ صرف اترتا ہے بلکہ مہلک ثابت ہوتا ہے۔

علاج: اسباب کو مدنظر رکھیں مفرد اعضاء کے افعال اور تحریکات کا تعین کریں۔چونکہ عضلات میں تسکین ہوتی ہے اس لئے ایسی تسکین جس کا ہلکا یا تیز تعفن ہوتا ہے اس لئے غدد میں تحلیل اور اعصاب میں تحریک ہوگی۔جس جگہ بھی صرف تسکین ہوتی ہے، وہاں پر تعفن ضروری نہیں ہے۔لیکن جب حمی تسکین مفرد اعضاء ہوگا تو وہاں پر تخمیر و تعفن لازمی ہوگا۔اور یہ بھی ذہن نشین کرلیں کہ یہ تخمیر و تعفن ہی بخاروں کے لئے باعث شفا ہے۔کیونکہ ان کے بغیر تسکین کی رطوبت اور بلغم ختم نہیں ہو پاتی۔اور نہ ہی اس کے بغیر وہاں تحریک پیدا ہو سکتی ہے۔البتہ اس تخمیر اور تعفن کے عمل کو جلد پورا کرنا چاہئے۔اور اس کے فعل کو اپنے قبضہ میں لے لینا چاہئے۔جیسے پہلے لکھا جا چکا ہے اور پھوڑے کی مثال دی جا چکی ہے۔دافع تعفن ادویات سے گریز کریں۔صرف محرکات اور محرک شدید استعمال کرائیں جن سے رطوبت اور بلغم ختم ہو کر وہاں تحریک اور آرام کی صورت پیدا ہو جائے گی۔جیسا کہ پہلے بخاروں میں لکھا جا چکا ہے کہ ہر تحریک کی دو صورتیں ہوتی ہیں۔یہاں بھی یہی صورت ہے کہ ان کو مدنظر رکھیں۔

پہلی صورت میں اعصابی غدی ہوگی جس کا مقام شفاء اعصاب ہے جب اس کو الٹیں گے تو اعصابی عضلاتی ہو جائے گا۔

دوسری صورت میں اعصابی عضلاتی ہوگی، اور مقام شفاء عضلات ہے۔اس لئے اوّل صورت ادویات و اغذیہ اور تدابیر محرک اعصابی عضلاتی، شدید اعصابی عضلاتی، ملین اعصابی عضلاتی اور مسہل اعصابی عضلاتی استعمال کریں۔

دوسری صورت میں اعصابی عضلاتی الٹنے سے بن جائے گی۔اس محرک عضلاتی اعصابی شدید محرک عضلاتی، ملین عضلاتی اور مسہل عضلاتی اعصابی ادویات، اغذیہ اور ادویات استعمال کرائیں۔انشاءاللہ تعالیٰ یقینی بے خطا شفا ہوگی۔

حمی عضلاتی تحلیل

حمی دق وسل عضلاتی۔

تشریح: حمی عضلاتی تحلیل دق وسل کی وہ قسم ہے جس کو دق وسل ریوی کہتے ہیں۔اس بخار میں تحلیل پھیپھڑوں میں ہوتی ہے جس کی وجہ سے جذب نسیم اور اخراج دخان میں خاصی دقت واقع ہوتی ہے۔اس لئے اکثر کھانسی شدید اور کافی دیر تک رہتی ہے۔چونکہ غدد میں تحریک اور اعصاب میں تسکین ہوتی ہے، اس لئے بلغم رقیق اور لیسدار ہوتا ہے۔جو کبھی اخراج پاتا ہے اور کبھی رُک جاتا ہے۔البتہ اس دق وسل میں غدد جاذبہ پھول جاتے ہیں۔کیونکہ ایک طرف اعصاب پر رطوبت زیادہ ہوتی ہے، اور غدد میں تحریک ہوتی ہے۔وہ جذب کرتے ہیں، دوسری طرف عضلات میں تحلیل سے ضعف ہوتا ہے جس سے وہ غدد جاذبہ کی رطوبت کو کیمیاوی طریق پر خارج نہیں کر سکتے، جس سے غدد جاذبہ پھول جاتے ہیں۔لیکن اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ ان میں دق وسل ہوتا ہے، جہاں بیرونی رطوبات ختم ہو جائیں اور حرارت غریبہ عضو اصلیہ کی رطوبت کو فنا کرنا شروع کر دیتی ہے۔

ایک انکشاف: عضلاتی تحلیل کا بخار ظاہر طور پر تو پھیپھڑوں کا دق وسل کہلاتا ہے لیکن یہ یاد رکھیں کہ اس میں جسم کے باقی عضلات خاص طور

پر قلب اور معدہ کے عضلات میں بھی تحلیل شروع ہو جاتی ہے۔ جس سے نہ صرف بدن بہت جلد دُبلا پتلا ہو جاتا ہے۔ بلکہ ضعف قلب اور معدہ سے طاقت جسم اور ہضم غذا کی طاقت ختم ہو جاتی ہے۔ لیکن اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ دق وسل میں مقوی قلب وہاضم ادویات شامل کر دی جائیں، ہرگز ایسا نہیں کرنا چاہئے۔ کیونکہ اس طرح مفرد اعضاء کے افعال کی ترکیب قائم نہیں رہ سکتی۔ بس صحیح علاج یہی ہے کہ مفرد اعضاء کے افعال کو درست کیا جائے۔ جس تحریک کی جو صورت ہو صرف اس کو پلٹ دیا جائے۔ بس یہی مقام شفا اور یقینی، بے خطا علاج ہے۔

اسباب: حمی عضلاتی تحلیل کے اسباب اور سابقہ روحانی اور مادی دونوں ہو سکتے ہیں۔ چونکہ یہ بخار عضلاتی تحلیل ہے اس لئے عضلاتی بخار بہت جلد ایک دوسرے میں تبدیل ہو سکتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ دق وسل اور عضلاتی بخاروں میں مماثلت پائی جاتی ہے۔ اسی وجہ کو ہم نے سونوخس اور مطبقہ کے فرق اور دق کے فرق میں بیان کیا ہے۔ چونکہ اکثر عضلاتی بخاروں کی ابتداء معدہ سے ہوتی ہے، اس لئے معدہ کے عضلاتی ہضم کا خاص خیال رکھا جائے۔ جو لوگ ہاضمہ کی خرابی کی وجہ سے بلا تحقیق یا بغیر کسی قابل معالج کے چورن یا مقوی و مشتہی اور ملین یا مسہل کھاتے ہیں، وہ اکثر اس قسم کے امراض کا شکار ہو جاتے ہیں۔

خاص تنبیہ: جو لوگ بغیر تحقیق کے بخاروں یا دردوں میں اسپرین، فینسٹین اور کیفین وغیرہ شدید محلول قسم کی ادویات کا استعمال کرتے ہیں، یا بغیر ضرورت کرتے ہیں۔ یا بکثرت کرتے ہیں وہ یقیناً تپ دق وسل میں گرفتار ہو جاتے ہیں۔ اب تو فرنگی ڈاکٹروں نے بھی تسلیم کر لیا ہے کہ مندرجہ بالا ادویات معدہ میں زخم ڈال دیتی ہیں۔ بس معدہ میں زخم ہوا تو ٹی بی اور دق وسل کی دوسری منزل شروع ہو گئی۔ بالکل اسی طرح کونین کا کثرت استعمال جیسے ملیریا پیدا کر دیتا ہے۔ ہر تیزاب اور دافع تعفن دوا دق وسل اور ٹی بی پیدا کر دیتی ہے۔ قبل از وقت بخاروں کو اتارنے کے لئے ٹھنڈے شربت وعرقیات اور مدرات پسینہ اور ادویات استعمال کرنا خاص طور پر دافع تعفن ادویات کا استعمال عضلاتی بخاروں کو فوراً حمی عضلاتی تحلیل میں مبتلا کر دیتا ہے۔

علامات: چونکہ عضلات میں تحلیل ہوگی تو غدد میں تحریک اور اعصاب میں تسکین ہوتی ہے۔ اس لئے اس بخار میں ضعف زیادہ پایا جاتا ہے۔ کیونکہ ایک طرف عضلات وقلب میں تحلیل ہوتی ہے اور دوسری طرف غدد میں تحریک سے حرارت اور صفراء کی پیدائش جاری رہتی ہے۔ اسی قسم کی دوسری صورت مفرد اعضاء کے بخاروں میں اعصابی تسکین میں بھی پائی جاتی ہے۔ جب تسکین میں تعفن اور تخمیر پیدا ہو جائے اس لئے ایسے بخار ہی زیادہ شدید ہوتے ہیں۔ (تسکین اعصابی یا بلغمی متعفنہ بخاروں کو ایک بار پھر مطالعہ کر لیں)۔ گویا ایسے بخاروں میں حرارت اور صفراء کی جسم میں زیادتی ہوتی ہے۔ کبھی یرقان کا شک بھی پڑتا ہے۔ اس لئے اس بخار کا صفراوی بخاروں خصوصاً کبھی حمی محرقہ وغیرہ سے شک پڑتا ہے اور کبھی دیگر حمی سے لیکن جسم میں رطوبات کی زیادتی یا کمی ان شکوں کو دور کر دیتی ہے۔ اس بخار میں تھکن کم اور ضعف زیادہ محسوس ہوتا ہے۔ شدت کی صورت میں نزلہ یا زحیری کی موجودگی ضروری ہوتی ہے۔ بخار کی حرارت تیز ہوتی ہے۔ چہرہ زرد، قارورہ زرد یا زرد سرخی مائل، نبض دقیق ومتوسط سریع اور متواتر ہوگی بخار مسلسل رہتا ہے۔ کھانسی اور خون کی آمد زیادہ ہوتی ہے۔ زخم گہرے ہوتے ہیں۔

علاج: حمی عضلاتی تسکین یا حمی ریوی میں بھی ہمارا اعشر ہلدی والا نسخہ شرطیہ ہے۔ بلکہ اس بخار میں بہت جلد فائدہ کرتا ہے۔ البتہ غذا میں تاکید ہے۔ گزشتہ اقسام دق وسل (ٹی بی) میں لکھ چکے ہیں۔ ان کو ضرور مدنظر رکھیں۔

ہڈی کا دق:

ہڈی کا دق ایک ایسا دق ہے جس میں ہڈی بھر بھری ہو کر ٹوٹ جاتی ہے، ہڈی کا دق مندرجہ بالا تین مفرد اعضاء کے حمیات دقیہ سے کوئی جدا دق نہیں ہے۔ تینوں اقسام حمیات دقیہ کا ان پر اثر پڑتا ہے۔ جاننا چاہئے کہ بذاتِ خود ہڈی میں کوئی احساس نہیں ہے۔ اس کا احساس اور غذا کا

تعلق اس جھلی سے ہے جو اس پر لپٹی ہوتی ہے۔ جب تک اس جھلی میں خرابی واقع نہ ہو اس وقت تک ہڈی کی غذائیت میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔ ہڈی اپنی غذا اس گودے سے حاصل کرتی ہے جو اس کے اندر ہوتا ہے اور اس گودے کو خون و احساس اور زندگی اس جھلی سے ملتی ہے اور جھلی کی بناوٹ میں غدی و اعصابی اور عضلاتی انسجہ بالکل اس طرح بافت کئے ہوتے ہیں جس طرح جلد اور غشائے مخاطی میں اعصابی، غدی اور عضلاتی انسجہ بنے ہوتے ہیں۔ بس دراصل اس جھلی میں دق کا اثر ہوتا رہے اور ہڈیاں متاثر ہو کر مدقوق ہو جاتی ہیں۔ اس لئے ہڈی کے دق کی بھی وہی عشر ہلدی والی دواء اکسیر اور شرطیہ دواء ہے۔

سوال: ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب مفرد اعضاء تین قسم کے ہیں اور اس کی مناسبت سے دق بھی تین اقسام کے ہیں۔ پھر ان کا علاج ایک ہی قسم کی دواء سے کیوں؟ جاننا چاہئے کہ ہر بخار میں تین باتیں لازمی ہیں۔

اوّل: ہر بخار کے لئے حرارت غریبہ ضروری ہے جس میں ترشی اور خمیر ثابت کیا گیا ہے۔

دوئم: جب تک یہ حرارت غریبہ قلب تک نہ پہنچے اس وقت تک بخار نہیں ہوتا۔

سوئم: تحریک اعصابی سے جسم کی حرارت کم ہو جاتی ہے اور جسم کی ترشی اور تخمیر تحریک اعصابی سے ختم ہو جاتی ہے۔ اس کے نتیجہ میں قلب اور عضلات پر اس قدر رطوبات پیدا ہوتی ہیں جس سے قلب اور عضلات میں تسکین پیدا ہو جاتی ہے۔ جس کے نتیجہ میں حرارت غریبہ یعنی ترشی اور تخمیر نہ صرف وہاں سے ختم ہو جاتا ہے، بلکہ خون میں بھی حرارت غریبہ کا دور ہونا شروع ہو جاتی ہے۔ تحریک اعصابی کے لئے شدید محرک اعصابی ''عشر'' استعمال کر کے جو انتہائی درجہ کا دافع تعفن اور دافع تخمیر ہے۔ ''عشر'' کے ساتھ اس کے ایک حصہ میں پندرہ حصے ''ہلدی'' شامل کر دی ہے۔ یعنی دو ماشہ ہلدی میں ایک رتی دودھ عشر شامل ہے۔ اس کی خوراک 1/2 رتی سے ایک ماشہ ہے۔

''ہلدی'' بذاتِ خود کھار اور گندھک کا نباتی مرکب ہے، یعنی جسم میں فعلی طور پر رطوبات اور کیمیاوی طور پر حرارت پیدا کرتی ہے، ان دونوں کے ملنے سے جسم کے اندر انتہاء درجہ کی گرمی تری پیدا ہونا شروع ہو جاتی ہے۔ بس تپ دق اور سل کے لئے انتہائی درجہ کا گرم تر مزاج کے ساتھ مقوی اعصاب اور مقوی غدد دوا لازمی ہونا چاہئے تھی۔ ساتھ ساتھ یہ دوا دافع درد، دافع سوزش، محلل اورام اور مندمل قروح ہونی چاہئے تھی۔ اس دوا میں یہ تمام خوبیاں ہیں، جو بیک وقت دُنیا کی کسی دوا میں نہیں ہیں۔ ان خوبیوں اور ان اثرات کی وجہ سے یہ دوا شرطیہ دق وسل کے لئے اکسیر ہے۔

یہ نسخہ ''عشیر ہلدی'' عرصہ بیس سال سے زائد ہو گیا ہے میرے استعمال میں اور تجربات میں آ رہا ہے۔ اور پھر اس کی ترتیب نظریہ مفرد اعضاء کے تحت جسم انسان کے فعلی اور کیمیاوی اثرات کے مطابق کی گئی ہے۔ جس میں بھی اس کو اصولاً استعمال کیا گیا ہے۔ کبھی بھی خطا نہیں گیا۔ سو فیصدی مجرب ہے۔ اس لئے اس کو نہ صرف اس قدر دعویٰ کے ساتھ پیش کیا گیا ہے، بلکہ شرطیہ چیلنج کیا گیا ہے۔ آج تین سال کا عرصہ گزر چکا ہے، کسی ایک نے بھی اس کی تردید نہیں کی ہے۔ اور نہ ہی اس میں کوئی نقص بیان کیا گیا ہے۔ یہ نسخہ اللہ تعالیٰ کی کس قدر بڑی نعمت ہے کہ ہر قسم کی ''ٹی بی'' دق وسل کے لئے چاہے وہ کسی درجہ (سٹیج) پر ہو یقیناً بے خطا اور شرطیہ مفید ہے۔ فرنگی طب کی سینکڑوں سالوں کی تحقیق ''ٹی بی'' کی تذلیل کرتا ہے۔ جو یورپ و امریکہ اور روس و جاپان اور دیگر فرنگی سائنسی ممالک میں کی گئی ہے۔

تصدیق: میرے پاس اس کی بے شمار تصدیقات پہنچتی ہیں مگر میں نے کبھی اس کو شائع نہیں کیا اور نہ آئندہ شائع کرنا چاہتا ہوں، کیونکہ نسخہ خود اپنی ذات میں صحیح ہونے کی دلیل ہے۔ اور تجربہ شاہد ہے کہ لیکن ایک تصدیق مجبوراً شائع کر رہا ہوں جو ایک بہت بڑے اہل علم و صاحب فن اور محقق کی طرف سے کی گئی ہے۔ جن سے ملنے کا نہ مجھے کبھی اتفاق ہوا ہے اور نہ میرے ہم ملکی و ہم مذہب ہیں۔ البتہ حق پرست انسان اور خیر خواہ انسانیت

ہیں۔ نیز اپنے علم وفن اور انسانیت کی خدمت کی وجہ سے نہ صرف پاک و ہند بلکہ دُنیائے طب میں ایک بڑی شہرت کے مالک ہیں۔ ان کا اسم گرامی ہے جناب ڈاکٹر امرداس صاحب بھاٹیہ، ایڈیٹر فارمیسی نیوز لدھیانیہ (انڈیا) انہوں نے تصدیق کرنے سے قبل خود اچھی طرح تجربات کئے ہیں اور مریضوں کے باقاعدہ ایکسریز لئے ہیں اور اپنے ملنے والوں کو بھی اس نسخہ کے استعمال اور تجربات کی تاکید کی ہے، خود تسلی کے بعد تصدیق کی ہے جو دوسری جگہ درج ہے، نیز ان کی کتاب پر ریویو دیکھیں۔

خلاصہ تحقیقات حمیات

تحقیقات حمی ہم ختم کر چکے ہیں۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ چند الفاظ میں اس کا خلاصہ بیان کر دیں۔ تا کہ خوب اچھی طرح ذہن نشین ہو جائے۔ کیونکہ اوّل تو یہ تحقیقات نئے نظریہ کے مطابق ہیں اور دوسرے علاج کے دوران میں کوئی دقت محسوس نہ ہو۔

جاننا چاہئے کہ جس طرح ہم نے ''تحقیقات نزلہ زکام'' میں نزلہ زکام کو چند الفاظ میں سمجھایا تھا کہ نزلہ کے معنی ہیں گرنا اور اس کی تین صورتیں ہیں:

(۱) نزلہ رقیق پانی کی طرح بہہ رہا ہو، اور بغیر تکلیف کے خارج ہو رہا ہو۔ یہ صورت اعصابی تحریک میں ہوتی ہے۔

(۲) نزلہ کبھی رقیق اور کبھی غلیظ ہوگا۔ اور ذرا تکلیف سے اخراج پائے گا۔ اور اس کے ساتھ کچھ جلن بھی ہوگی۔ یہ صورت غدی تحریک میں ہوتی ہے۔

(۳) نزلہ انتہائی غلیظ ہوگا، اور کوشش سے بھی اخراج مشکل ہوگا۔ یہ صورت عضلاتی ہوگی اور اگر نزلہ کے معنی کو وسعت دے دیں تو اور ہر گرنے والے مواد کو نزلہ قرار دے دیں تو جسم کا ہر گرنے والا مواد یا جسم سے خارج ہونے والی ہر چیز ہی نزلہ کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ مثلاً تھوک کا زیادہ آنا۔ مشکل سے آنا اور بند ہو جانا۔ آنکھ و کان اور ہر قسم کے زخموں میں بھی یہی تین صورتیں ہوں گی۔ اسی طرح پیشاب کا زیادہ آنا، جل کر آنا اور بند ہو جانا۔ پاخانہ کی صورت میں اسہال پیچش اور قبض کی صورتیں ہوں۔ منی کی صورت میں جب اعصابی تحریک ہوگی تو جریان جب غدی تحریک ہوگی تو سرعت انزال اور جب عضلاتی تحریک ہوگی تو احتلام۔ یہ تین تین صورتیں ہم نے نہیں بنائیں بلکہ پہلے کی بنی ہوئی ہیں۔ ہم نے تو ان کو فٹ کر کے دیکھا ہے جو اس امر کا ثبوت ہے کہ نظریہ مفرد اعضاء کیسا باقاعدہ اور سسٹے میٹک ہے۔

اسی طرح بخاروں کے لئے بھی ذہن نشین کر لیں کہ بخار حرارت غریبہ کی اس حالت کا نام ہے جب جسم کے کسی عضو کے افراط وتفریط سے پیدا ہو کر دل کے ذریعے تمام جسم میں پھیل جائے۔ اس کی تین اقسام ہیں: (۱) اعصابی (۲) غدی (۳) عضلاتی۔ اور پھر ہر قسم کی تین صورتیں ہیں۔ یعنی ہر عضو میں تغیر فعلی ہوگا، جب اس میں تحریک ہوگی اس صورت میں سادہ ہوگا۔ جس کو حمی یوم یا حمی روحی بھی کہتے ہیں۔ جب مفرد عضو میں تسکین ہوگی تو حمی متعفنہ ہوگا جس کو حمی خلطیہ کہتے ہیں۔ اعصاب میں ہو تو بلغمی، غدد میں ہو تو صفراوی اور عضلات میں ہو تو دموی۔ سوداوی کی تشریح کر دی ہے۔ اگر تحلیل ہوگی تو دق وسل (ٹی بی) کے بخار ہوں گے۔ باقی تمام اقسام کے بخاروں کے علاوہ ہر قسم کے موسمی اور وبائی بھی ان ہی کے تحت بیان کر دیئے گئے ہیں جن کا قارئین کو علم ہے۔ ساتھ ہی کوشش کی ہے کہ اچھی طرح ذہن نشین کر دیئے جائیں۔ اس کے بعد بھی اگر کسی صاحب کو کوئی بات بھی سمجھنا منظور ہو تو وہ تشریف لا کر اپنی تسلی کر سکتے ہیں۔

یقینی بے خطا مجربات

مجربات میں اس امر کو مدنظر رکھا گیا ہے کہ محرک، شدید محرک، ملین، مسہل کی ترتیب اس طرح سے کی جائے کہ ان میں مناسبت قائم رہے۔ تاکہ ان کے اثرات و درجات قائم رہیں۔ اور ان کو ذہن نشین رکھنا بھی مشکل نہ ہو۔ ایک طرف ہلکی سے ہلکی ادویات کو شروع کیا گیا ہے اور دوسری طرف انتہائی شدید ادویات پر ختم کر دیا گیا ہے۔ البتہ اکثیرات و تریاقات و مقویات کو اس سے مستثنیٰ رکھا گیا ہے۔ یہ ہمارے بیس سال کے مجربات ہیں۔ البتہ اگر کوشش کی جائے تو اس طرح کی اور ادویات بھی ترتیب دی جاسکتی ہیں۔

اعصابی مجربات

اس کی دو صورتیں ہیں: (۱) اعصابی غدی (۲) اعصابی عضلاتی۔

(۱) **محرک اعصابی غدی:** سہاگہ، ملٹھی، ہر ایک تین حصے۔ سفوف بنالیں۔ خوراک ایک ماشہ سے چھ ماشہ تک۔ حسب ضرورت دیں۔

(۲) **شدید محرک اعصابی غدی:** ''محرک اعصابی غدی'' میں آک کا دودھ نصف حصہ اضافہ کر دیں۔ خوراک: ۲/۱ رتی سے ۲/۱ ماشہ تک دیں۔

(۳) **ملین اعصابی غدی:** ''شدید محرک اعصابی غدی'' میں ریوند چینی چار حصے زیادہ کر دیں۔ خوراک ایک رتی سے ایک ماشہ تک دیں۔

(۴) **مسہل اعصابی غدی:** نسخہ نمبر ۳ میں سقمونیا چار حصے اضافہ کر دیں۔ خوراک: ۲ رتی سے ۲ ماشہ تک دیں۔

(۵) **محرک اعصابی عضلاتی:** شورہ قلمی تین حصے، تخم کاسنی پانچ حصے، سفوف بنالیں۔ خوراک ایک ماشہ سے تین ماشہ تک دیں۔

(۶) **محرک شدید اعصابی عضلاتی:** نمبر ۵ یعنی محرک اعصابی عضلاتی میں جوکھار چار حصے شامل کریں۔ خوراک ایک ماشہ سے تین ماشہ تک دیں۔

(۷) **ملین اعصابی عضلاتی:** نمبر ۶ یعنی محرک شدید اعصابی عضلاتی میں گل سرخ آٹھ حصے شامل کرلیں۔ خوراک ایک ماشہ سے تین ماشہ دیں۔

(۸) **مسہل اعصابی عضلاتی:** نمبر ۷ میں کالا دانہ بیس حصے شامل کرلیں۔ خوراک ایک ماشہ سے تین ماشہ۔

عضلاتی مجربات

اس کی دو صورتیں ہیں: (۱) عضلاتی اعصابی (۲) عضلاتی غدی

(۹) **محرک عضلاتی اعصابی:** کرنجوہ، آملہ، دونوں ہم وزن سفوف بنالیں۔ خوراک ایک ماشہ سے تین ماشہ تک دیں۔

(۱۰) **محرک شدید عضلاتی اعصابی:** نمبر ۹ میں پھٹکڑی سوختہ دونوں کے ہم وزن شامل کرلیں۔ خوراک ۴ رتی سے دو ماشہ تک۔

(۱۱) **ملین عضلاتی اعصابی:** نمبر ۱۰ میں ہلیلہ سیاہ سوختہ اس کے برابر شامل کرلیں۔ خوراک ایک ماشہ سے چار ماشہ تک۔

(۱۲) **مسہل عضلاتی اعصابی:** نمبر ۱۱ یعنی ملین عضلاتی اعصابی میں جلاپا اس کے برابر ملالیں۔ خوراک ایک ماشہ سے تین ماشہ تک دیں۔

(۱۳) **محرک عضلاتی غدی:** لونگ ایک حصہ دار چینی تین حصے دونوں کو سفوف بنالیں۔ خوراک چار رتی سے ایک ماشہ تک۔

(۱۴) **محرک شدید عضلاتی غدی:** نسخہ نمبر ۱۳ میں یعنی محرک عضلاتی غدی میں جاوتری دو حصے ملالیں۔ خوراک چار رتی سے ایک ماشہ تک۔

(۱۵) **ملین عضلاتی غدی:** نسخہ نمبر ۱۴ یعنی محرک شدید عضلاتی غدی میں مصبر ہم وزن شامل کرلیں۔ خوراک ۴ رتی سے ایک ماشہ تک دیں۔

(۱۶) **مسهل عضلاتی غدی:** نسخہ نمبر ۱۵ یعنی ملین عضلاتی غدی میں آٹھ حصیص شامل کردیں۔ خوراک ۴ رتی سے ایک ماشہ تک دیں۔

(۱۷) **محرک غدی عضلاتی:** اجوائن دیسی، تیزپات دونوں ہم وزن سفوف کرکے ملالیں۔ خوراک ایک ماشہ سے چھ ماشہ تک۔

(۱۸) **محرک شدید غدی عضلاتی:** نمبر ۱۷ میں تیسرا حصہ رائی شامل کرلیں۔ خوراک ایک ماشہ سے ۳ ماشہ۔

(۱۹) **ملین غدی عضلاتی:** نمبر ۱۸ میں اس کے برابر گندھک ملالیں، خوراک نصف ماشہ سے دو ماشہ تک۔

(۲۰) **مسهل غدی عضلاتی:** نمبر ۱۹ میں تمام دواؤں کا چوبیسواں حصہ جمال گوٹہ شامل کرلیں۔ خوراک ایک رتی سے چار رتی تک۔

(۲۱) **تحریک غدی اعصابی:** زنجبیل پانچ حصے، نوشادر دو حصہ، دونوں کو ملالیں۔ خوراک دو رتی سے دو ماشہ تک دیں۔

(۲۲) **تحریک شدید غدی اعصابی:** نمبر ۲۱ میں مرچ سیاہ ایک حصہ ملالیں۔ خوراک ۲ رتی سے ۲ ماشہ۔

(۲۳) **ملین غدی اعصابی:** نمبر ۲۲ میں تمام ادویات کے برابر سنا مکی ملالیں۔ خوراک ۳ رتی سے ۳ ماشہ۔

(۲۴) **مسهل غدی اعصابی:** نسخہ نمبر ۲۳ میں تمام ادویات کا چوتھا حصہ ریوند عصارہ شامل کرلیں۔ خوراک ایک رتی سے دو ماشہ تک۔

ان کے علاوہ دو نسخے بطور نمونہ دیئے جاتے ہیں جو غدی عضلاتی ہیں ان میں سے ایک کا نام اکسیر غدی عضلاتی اور دوسرے کا نام تریاق غدی عضلاتی ہے۔ ایسے نسخے ہر مفرد عضو کی تحریک کی ہر صورت کے لئے ترتیب دیئے جاسکتے ہیں۔ ایسے نسخے انتہائی شدت مرض میں دیئے جاتے ہیں۔ مثلاً اکسیر غدی عضلاتی انتہائی تعفن اور ضعف کی حالت میں اور تریاق غدی عضلاتی ہیضہ کی ہر صورت میں تریاق کا کام کرتا ہے۔

اکسیر غدی عضلاتی: پارہ ایک حصہ، گندھک سات حصے، دونوں کو نصف گھنٹہ کھرل کریں۔ بس تیار ہے۔ خوراک ایک رتی سے ایک ماشہ تک۔

تریاق غدی عضلاتی: مرچ سرخ، رائی، دونوں ہم وزن ملاکر نخود کے برابر گولیاں بنالیں۔ خوراک ایک گولی سے تین گولی ہر دس پندرہ منٹ بعد دیں۔ جب ہیضہ کا خطرہ دور ہوجائے تو پھر دو تین چار گھنٹے کے بعد دیں۔ ضرورت کے وقت بخاروں میں دے سکتے ہیں۔

تاکید: دوا کی کمی بیشی مرض و مادہ کی کمی بیشی کے تحت کی جاسکتی ہے۔ ہم نے یہ نئی ترتیب اس لئے رکھی ہے کہ اوّل نسخہ نویسی کا تجربہ ہو اور دوسرے ہر مفرد عضو کی ہر تحریکی صورت میں، مختلف ادویات اور ادویات کے مختلف درجات کا علم حاصل ہوتا کہ ان تجربات اور معلومات کے تحت مزید نسخے ترتیب دے دیئے جاسکیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ علم الادویہ کے تحت جو تحقیق الادویہ لکھی جائیں گی اس میں ادویات کے افعال و خواص کے ساتھ ساتھ ان کے اسرار و رموز اور اصول نسخہ نویسی اور ان کے کیمیاوی تغیرات کا ذکر کیا جائے گا۔ یہ تحقیقات جو پیش کی گئی ہیں، صدیوں میسر نہیں آسکتیں۔

غذا

غذا کی اہمیت

غذا کا مسئلہ تو امراض اور خصوصاً بخاروں میں نہایت اہمیت رکھتا ہے۔ اس کی اہمیت کا اندازہ اس طرح لگا لیں کہ اگر دوا مریض کو نہ دی جائے اور غذا میں با قاعدگی کر دی جائے تو مرض اور بخار میں یقیناً آرام ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر اکسیر و تریاق اور صحیح صفت ادویات کے ساتھ غذا غلط قسم کی یا غلط طریق پر یا صحیح غذا بغیر ضرورت بھی استعمال کرا دی جائے تو مرض اور بخاروں کا دور ہونا نہایت مشکل ہے۔ اس لئے علاج میں دوا کے ساتھ غذا پر بہت زیادہ توجہ دینی چاہئے۔ کیونکہ اکثر علاج غلط اور بغیر ضرورت غذا دینے سے ناکام ہو جاتے ہیں۔

تعین غذا

غذا کا تعین کرنے کے لئے اس کی تین قسمیں ہیں: (۱) صحیح غذا (۲) ضرورت غذا (۳) صورت غذا۔

اسی تعین غذا کو دوسرے معنوں میں پرہیز کہتے ہیں۔ پرہیز صرف اس حالت کا نام نہیں ہے کہ لطیف اور زود ہضم غذا کھائی جائے اور ثقیل اور دیر ہضم غذا نہ کھائی جائے یا ہر مرض کو تیل و ترشی اور سرخ مرچ بند کر دی جائے۔ کیونکہ صرف اس قدر پرہیز کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ جو معالج صرف اس قدر پرہیز بیان کرتے ہیں، دراصل وہ علم الغذا سے واقف نہیں ہیں۔ فرنگی طب میں مسئلہ غذا کو کوئی اہمیت نہیں دی گئی۔ ان کی اغذیہ میں بیک وقت ایسڈ اور الکلی کی اغذیہ بیان کر دی جاتی ہیں، جو غلط ہے۔ ذیل میں غذا کی تفصیل درج ہے۔

صحیح غذا

تندرست انسان میں صحیح غذا وہ ہے جس میں غذا کے وہ تمام اجزاء شامل ہوں جن سے خون مرکب ہے اور اس میں زیادہ سے زیادہ خون پیدا کرنے کی غذا ہو۔ مثلاً گرم تر مزاج والی اغذیہ جن سے حرارت غریزی اور رطوبت غریزی کو مدد ملتی ہے۔ لیکن مریضوں میں صحیح غذا وہ ہو سکتی ہے جن سے یہ اندازہ لگایا جائے کہ جسم اور خون میں کون سے ایسے عناصر کم یا خراب ہو گئے ہیں جن کو پورا کرنا ضروری ہے۔ بالکل وہی نظریہ جو بائیوکیمک طریق علاج میں ادویات کے متعلق ہے۔ گویا بائیوکیمک ہی صحیح معنوں میں علاج بالغذا ہے جس میں عناصر غذا کو دوا کی صورت میں استعمال کیا گیا ہے۔ گویا غذا بھی دوا کے طور پر استعمال کی جا سکتی ہے۔

ضرورت غذا

جس طرح تندرست انسان کے لئے ضرورت غذا یعنی طلب بوقت بھوک ہے۔ اسی طرح مریض کے لئے بھی ضروری ہے کہ بغیر بھوک کے غذا استعمال نہ کی جائے۔ کیونکہ بھوک کی طلب نہ ہونا اس پر دلالت کرتا ہے کہ یا تو جسم میں پہلے ہی غذا موجود ہے، یا طلب غذا کے عضو میں خرابی

ہے۔ یا طبیعت مدبرہ بدن جسم میں کسی اور جگہ پر مشغول ہے جو غذا کی طلب کی طرف توجہ نہیں دلاتی۔ اس لئے لازم ہے کہ جب تک صحیح معنوں میں بھوک کی طلب نہ ہو یا اشد طلب نہ ہو تو سمجھ لینا چاہئے کہ غذا کی ضرورت نہیں ہے۔ اس لئے اگر بغیر ضرورت اور طلب غذا دی گئی تو لازمی نتیجہ ہے کہ یا تو وہ جسم میں باعث فساد و تعفن ہوگی اور خرابی و تخمیر کا باعث ہوگی یا جسم کے حصہ پر اثر ڈال کر کسی اور عضو کے فعل میں تحریک و تسکین اور تحلیل سے مرض پیدا کر دے گی۔

ضرورت غذا کی دوسری صورت یہ ہے کہ طلب کے وقت یہ دیکھنا ہے کہ تندرست انسان میں یا مرض کی حالت میں کس قسم کی غذا کی ضرورت ہے۔ یعنی غذا میں کس کیفیت کی ضرورت ہے۔ طبیعت گرم غذا چاہتی ہے یا سرد یا تر اور خشک میں سے کس کیفیت کی طلب گار ہے۔ دوسرے معنوں میں اس طرح بھی سمجھا جاسکتا ہے کہ مریض نمکین اور چرپری غذا کی خواہش رکھتا ہے کہ ترش و شیریں غذا کی طلب کا اظہار کر رہا ہے۔ یہ ذائقے بھی کیفیات و مزاج اور اعضاء کے افعال کی طرف دلالت کرتے ہیں۔ ان مقاصد کے لئے گوشت، نشاستہ، سبزیاں، پھل اور میوہ جات استعمال کئے جاتے ہیں۔

یاد رکھیں کہ مریض کا ذہن صالح مفید کے تحت کام کرتا ہے۔ اور شدید بھوک کے وقت ضمیر اور ذہانت دونوں اپنا صحیح عمل کرتے ہیں۔ اس لئے مریض اور تندرست انسان شدید بھوک کی حالت میں اپنے ضمیر اور ذہانت کی پیروی کرے تو اس کو دھوکا نہیں ہوگا۔ اور اگر معالج کا تعاون بھی ساتھ ہو تو مریض کے لئے صحیح غذا کی تجویز ہو سکے گی۔ لیکن یاد رکھیں پیٹ پُری کی حالت میں یا بھوک نہ ہونے کی حالت میں اکثر طبیعت مدبرہ بدن غلط غذا تجویز کر دیتی ہے۔

صورت غذا

جو غذا کھائی جاتی ہے وہ کسی نہ کسی شکل میں جسم کے اندر داخل کی جاتی ہے۔ مثلاً بعض اغذیہ سیال ہوتی ہیں جو پی لی جاتی ہیں۔ جیسے دودھ، لسی، پھلوں کے رس، شوربا اور شربت اور چائے قہوہ وغیرہ۔ بعض اغذیہ جو نیم محلول ہوتی ہیں، بغیر چبائے نگل لی جاتی ہیں۔ جیسے حلوہ، فرنی، ساگودانہ، دلیا، ڈبل روٹی، دودھ، چائے یا شوربا میں بھگو کر، وغیرہ وغیرہ۔ بعض اغذیہ چبا کر کھائی جاتی ہیں جیسے روٹی، کیک، بسکٹ، پیسٹری، انڈا، گوشت کی بوٹی وغیرہ۔

دوسری صورت اغذیہ کی یہ ہے کہ غذائیت اور مقدار کے لحاظ سے اس کو مدنظر رکھا جائے۔ مثلاً غذائیت کے لحاظ سے کم ہو جیسے گوشت، انڈا، میوہ جات، حلوہ جات اور دودھ وغیرہ۔ یا غذائیت اور مقدار دونوں برابر ہوں، جیسے گوشت روٹی، گوشت دلیا، گوشت چاول، دال گوشت وغیرہ۔ **دال روٹی یا دال چاول یا دال دلیا وغیرہ کوئی مناسب اغذیہ نہیں ہیں۔** البتہ کبھی خواہش پر کھائی جاسکتی ہیں۔

تاکید

یاد رکھیں کہ غذا انسان کی زندگی کے لئے ضروری ہے۔ اس لئے زندگی کا ساتھ ہے۔ لیکن بغیر صحیح غذا، بغیر ضرورت اور بغیر کسی خاص شکل و صورت کے استعمال کرنے سے وہ زندگی کی دشمن بن جاتی ہے۔ اس لئے ہمارا فرض ہے کہ ہم اپنی زندگی کے ساتھ کی مدد صحیح معنوں میں حاصل کریں۔ تاکہ ہم جسم کو مفید سمجھ کر استعمال کر رہے ہوں اور وہ مضر ثابت ہو اور نقصان کا باعث نہ بنے۔

بخاروں میں غذا

بخار کی حالت میں یا باری کے بخاروں میں جس روز باری نہ بھی ہو غذا کو اس وقت تک بند کر دینا چاہئے جب تک بھوک کی شدت نہ ہو۔

یا ضعف پیدا نہ ہو یا دل نہ گھٹنے لگے۔ کیونکہ

(۱) ہر قسم کا بخار حمی تحریک ہو یا حمی تسکین یا حمی تحلیل میں حرارت غریبہ ہوتی ہے، وہ ایک قسم کا خمیر یا مادہ متعفن ہے جو غذا میں فوراً تخمیر پیدا کر کے اس کو متعفن کر دیتا ہے۔

(۲) طبیعت مدبرہ بدن بخار کو رفع کرنے میں مشغول ہو جائے گی اور غذا متعفن ہو کر بخارات میں اور بھی زیادتی کر دے گی۔ اسی طرح طبیعت مدبرہ بدن کا کام اور بھی مشکل ہو جائے گا۔ آخر کار وہ اس قدر کمزور ہو جائے گی کہ وہ بخار کے دور کرنے میں ناکام ہو جائے گی۔ اس لئے بخاروں میں غذا بالکل روک دینی چاہئے۔ اگر غذا دینا مطلوب ہو تو ذیل کی شرائط کے ساتھ دیں تاکہ بجائے نقصان ہونے کے مفید ہو سکے۔

(۳) مفرد اعضاء کے مطابق جو دوائیں دی جائیں اغذیہ بھی ان کے مطابق ہوں۔ مثلاً محرک اعصابی اغذیہ میں دودھ، چاول، ساگودانہ۔ سبزیوں میں ٹینڈے، توری، کدو، اروی، شلجم، گاجر اور سبزی گوشت کا شوربا وغیرہ۔ محرک غدی اغذیہ میں گندم ہر قسم کا ساگ، پالک، میتھی، ٹماٹر، کریلے، مولی، مونگرے محرک عضلاتی اغذیہ میں آلو، بینگن، مٹر، گوبھی، بندگوبھی، سیم، گوشت، انڈا، مچھلی، دالیں اور ہر قسم کی بھنی ہوئی اشیاء۔

(۴) محلول اغذیہ میں رقیق شوربا گوشت کا یا سبزیوں کا ہو یا چنوں اور دالوں کا پانی دیا جا سکتا ہے۔ بعض لوگ محلول میں پھلوں کے رس بھی شامل کر لیتے ہیں ان کو کبھی خالی پیٹ نہ دیں۔ کیونکہ ان کی برودت سے تحلیل امراض رُک جاتا ہے۔ پھلوں کے دینے کا صحیح وقت بعد از غذا ہے اور بس، البتہ آم، انگور اور کھجور ایسے پھل ہیں جو بطور غذا استعمال ہو سکتے ہیں۔ اور بے انتہاء مقوی جسم و ارواح ہیں۔

جب مریض کا بخار اُتر جائے اور اس کی طبیعت صحت کی طرف لوٹ جائے تو نیم محلول اغذیہ جیسے دلیا، چاول، فرنی، ڈبل روٹی اور دودھ، چائے اور شوربا دے سکتے ہیں۔ دالوں میں بہت کافی مقدار میں گھی ڈال کر بغیر روٹی کے دے سکتے ہیں۔ جب طاقت کی ضرورت ہو تو بھنا ہوا گوشت، قیمہ، انڈے، سبزیوں کی بھجیا وغیرہ روٹی یا بغیر روٹی کے کھلانا مفید ہیں۔ جن مریضوں کو بھوک زیادہ لگتی ہو ان کو دالیں، سبزیاں، چاول، دے سکتے ہیں۔ یا محلول اغذیہ اور صرف سالن ترکاریوں میں کافی مقدار میں گھی ڈال دیں یا حلوہ دے دیا کریں۔

تصدیق نسخہ دق و سل (ٹی بی)

از فخر المعالجین جناب ڈاکٹر امرداس صاحب بھاٹیہ، ایڈیٹر فارمیسی نیوز، لدھیانہ

ہلدی کے دق میں استعمال کے متعلق تحقیقات کا سہرا صابر ملتانی کے سر ہے۔ اور اس سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا کہ آپ کے ہلدی اور آک کے دودھ والے نسخے کی بدولت غریب دیہاتی لوگوں کے دق میں علاج کے لئے آسانیاں پیدا ہو گئی ہیں۔ اور ان کے لئے صحت کی شاہراہیں کھل گئی ہیں۔ اور میں نے بھی اپنے مہاونتی کیونڈ کے نسخہ سے اس حقیر رسوئی کی رانی کو شامل کر کے شاندار کامیابی حاصل کی ہے میں نے خود ہلدی اور آک والے دودھ کے نسخہ کی بلا آمیزش مہارودنتی اور سرپ گندھا کئی مرضوں میں استعمال کر کے شاندار کامیابی حاصل کی ہے۔ میرا پہلا مریض شری اوتار کرشن تھا۔ جس نے کئی سال سینی ٹوریم میں ضائع کر دیئے مگر بے سود۔ میں نے پھر صابر ملتانی کی ہلدی اور آک کے دودھ والے نسخے کی پہلے پہل آزمائش کی۔ اور مجھے بے حد کامیابی حاصل ہوئی۔ اس نسخہ کے استعمال سے بخار دور ہو گیا، کھانسی دور ہو گئی، بلغم بند ہو گئی اور مریض کا وزن بڑھنا شروع ہو گیا۔ اور وہ ایک طرح سے اس دوا کا پرچارک بن گیا اور اس نے دھرم پورہ، کسوئی اور کئی ایک سینی ٹوریم ہاؤس میں مریضوں کو

اکٹھا کر کے اس دوا کے حق میں لیکچر دیئے۔ اور ہر وقت پاکٹ میں ایلومینیم کی ڈبی میں اس دوا کو پاس رکھتا ہے اور وہ کہتا ہے کہ یہ تو امرت دھارا ہے، آبِ حیات ہے، جیون ساتھی ہے۔

اس کے علاوہ کہتا ہے کہ میرا تجربہ ہے کہ اس سے بھوک بے حد بڑھ جاتی ہے اور کھانا بخوبی ہضم ہوتا ہے اور اس نے تصدیق کی کہ تین ماہ کے استعمال سے اس کا وزن ۸ پونڈ بڑھ گیا۔ اور چھ مہینے قبل اس سے میری ملاقات ہوئی کہ وہ ابھی تک اس علاج کو جاری رکھے ہے۔ غریبوں اور دکھی جنتا کے فائدہ کے لئے وہ اس کا پرچار کر رہا ہے۔ اور اس کے متعلق اخبار ملاپ میں اشتہار دیئے ہیں۔ تا کہ عام لوگ اس حالت سے فائدہ اٹھا سکیں۔ کیونکہ غرباء کے لئے یہ ایک سستا اور سہل الحصول علاج ہے اور اس کو کوڑیوں کے مول ہی نہیں بلکہ اس سے بھی ارزاں فروخت ہونے والی اس دوا کے استعمال سے دق جیسے موذی مرض کا قلع قمع کیا جا سکتا ہے۔

(۱۹)

تحقیقات تپ دق و سل

فہرست عنوانات

ہر قسم کے تپ دق اور سل (ٹی بی) کا یقینی نسخہ

غلط ثابت کرنے والے کو مبلغ ایک سو روپے انعام

1958ء کی میڈیکل ٹی بی کانفرنس کے موقعہ پر ہم نے لکھا تھا کہ آج کل لاہور میں فرنگی ڈاکٹروں کی ٹی بی کانفرنس ہو رہی ہے۔ اس میں ٹی بی کی روک تھام، علاج اور غذا پر غور وخوض ہوگا تا کہ اس موذی مرض پر پوری طرح سے قابو پایا جاسکے۔ یہ کوئی پہلی کانفرنس نہیں ہے۔ پاک وہند بلکہ دُنیا بھر خصوصاً یورپ وامریکہ میں ایسی بیشمار کانفرنسیں ہو چکی ہیں اور ان کی کارروائی پر عملدرآمد ہو چکے ہیں۔ بے شمار لیبارٹریاں تحقیقاتی ادارے خصوصاً ٹی بی ہسپتال، ریسرچ سینٹر قائم کئے گئے جن کے نتیجہ کے طور پر سینکڑوں ادویات آج تک ایجاد ہو چکی ہیں۔ مگر تا حال نہ کوئی یقینی دوا اور نہ کوئی بے خطا انجکشن تیار کیا جاسکا ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ فرنگی ڈاکٹروں کو ٹی بی کا صحیح علم نہیں ہے۔ فرنگی علاج ایک طرف نہایت مہنگے ہونے کے باعث غریب انسان کی دسترس سے بالا ہیں، دوسری طرف ان میں سے اکثر نقصان رساں ثابت ہو رہے ہیں۔ چنانچہ تحقیقات واکشافات کے اس دور میں بھی ساری دُنیا دق کے مہیب دیو کے تصور سے کانپ رہی ہے۔ راقم الحروف نے سالہا سال کی معالجاتی تحقیق اور مختلف طریق علاج کے تنقیدی مطالعہ کے دوران اس مرض کی اصلیت اور معالجاتی تحقیق اور مختلف طریق علاج کے تنقیدی مطالعہ کے دوران اس مرض کی اصلیت اور معالجے پر بھی غور کیا ہے۔ ہم اس مرض کی ماہیت اور علاج کے جن اہم نتائج تک پہنچے ہیں ان کی تفصیلات اس دکھی دُنیا کی بہتری کے لئے نہایت ہی اختصار کے ساتھ اور اپنا یقینی نسخہ پیش کرتے ہیں جو ٹی بی کی ہر قسم اور ہر اسٹیج کے لئے مفید ہے۔

صابر ملتانی
5 دسمبر 1963ء

معنون

اپنی اس فنی تحقیق اور طبی تجدید کو اپنے عزیز دوست حکیم احمد نذیر صاحب کے نام معنون کرتا ہوں جن کا لگاؤ علم فن طب کے ساتھ عشق کی حد تک معلوم ہوتا ہے، ان کی دلی تمنا ہے کہ علم وفن طب پھر اپنے اس انداز میں قائم ہو جائے جہاں سے اس کا انحطاط شروع ہوا تھا۔ اس سلسلے میں وہ ابتدائے تبلیغ فن سے ہی میرے دوش بدوش جدوجہد کر رہے ہیں اور ہر گرم و سرد مشکل میں کسی قربانی سے گریز نہیں کرتے۔ یہ اشاعت خاص بھی انہی کے نام معنون کی جاتی ہے۔

دعا گو

صابر ملتانی

دیباچہ

ہم نے حکومت کو کئی بار لکھا ہے کہ فرنگی ڈاکٹر دق وسل کی حقیقت سے قطعاً ناواقف ہیں۔ اس لئے ان کے طریق علاج اور ادویات کے استعمال سے اس مرض سے بجائے چھٹکارہ کے یہ مرض انتہائی تیزی سے پھیلے گا۔ آج سے پچاس سال قبل ملک بھر کے شہروں کے عوام ٹی بی کے نام سے واقف نہ تھے، مگر فرنگی ڈاکٹروں کا اشتہاری اور تجارتی پروپیگنڈہ اس قدر ہولناک اور خوف افزا ہے کہ اب گاؤں گاؤں میں نہ صرف ٹی بی کے خوفناک نام سے واقف ہوگئے ہیں بلکہ لاکھوں اس میں گرفتار ہوگئے ہیں۔ دق وسل (ٹی بی) کا شرطیہ اور اکسیری علاج صرف اپنی ملکی جڑی بوٹیوں اور ادویات سے ہوسکتا ہے۔ اگر تپ دق اور سل کا یہ خوفناک پروپیگنڈہ بند نہ کیا گیا تو ملک کا ہر انسان ٹی بی کے مرض میں گرفتار ہوجائے گا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ تپ دق ایک بے حد ہولناک اور خوف افزا مرض ہے مگر اس کی ہولناکی اور خوف افزائی کا اس قدر شدومد سے پروپیگنڈہ کیا جاتا ہے کہ گویا جس کو بھی تپ دق ہوگیا وہ فوراً مرگیا۔ حالانکہ یہ ایسا مرض نہیں ہے جس سے فوراً موت واقع ہو بلکہ مریض سالوں تک زندہ رہتے ہیں...... شیخ الرئیس بوعلی ابن سینا نے لکھا ہے چالیس سال تک بھی زندہ رہتا ہے۔ اس میں کسی قسم کے خوف اور تشویش کی ضرورت نہیں ہے۔

اس کے مقابلہ میں مرض نمونیا ہے جو ایسا خطرناک ہے کہ ایک ہی ہفتہ میں مریض کو ختم کر دیتا ہے اور ہیضہ کا مریض بمشکل تین چار گھنٹے نکال سکتا ہے۔ اسی طرح ورم دماغ اور دیگر اورام جسم میں جو انتہائی ہولناک اور خوفناک امراض میں شمار کئے جاتے ہیں۔ مگر ان کا پروپیگنڈہ بالکل نہیں کیا جاتا۔ اس لئے اوّل تو فرنگی ڈاکٹروں کے پاس ان کی ایک فیصدی بھی یقینی ادویات نہیں ہیں اور دوسرے ان میں مریض ایک بہت ہی تھوڑی مدت میں ختم ہوجاتا ہے اور اس کو زیادہ ادویات استعمال کرنے کا موقع نہیں ملتا اور اس طرح فرنگی کی تجارت کو فروغ نہیں مل سکتا چونکہ ٹی بی کا مریض ایک بہت لمبے عرصہ تک زندہ رہتا ہے اور اس کو کم از کم ہزاروں روپوں کی ادویات استعمال کرنے کا موقعہ ہوتا ہے اس لئے فرنگی کی تجارت خوب چلتی ہے، وہ اپنے ڈاکٹروں کے ذریعہ خوب پروپیگنڈہ کراتی ہے چونکہ حکومت خوب چلتی ہے، وہ اپنے ڈاکٹروں کے ذریعہ خوب پروپیگنڈہ کراتی ہے چونکہ حکومت کے کارندے بھی یہی ہیں اس لئے جو وہ کہتے ہیں حکومت کرتی ہے۔ کس قدر حیرت ناک بات ہے کہ ایک تندرست اور صحت مند انسان اگر بدقسمتی سے ایکسریز کرالے تو وہ یقیناً ٹی بی کے چکر میں پھنس جاتا ہے۔ اس مرض کے ہولناک اور خوف افزاء پروپیگنڈہ کے زیر اثر دُنیا میں کسی کام کا نہیں رہتا۔ نہ وہ ملازمت کرسکتا ہے اور نہ تعلیم پاسکتا ہے۔ گویا ہر قسم کے کاروبار اور مشاغل جو وہ خوب اچھی طرح انجام دے رہا تھا یک بیک بند ہوجاتا ہے، جب سے حکومت نے یہ حکم دیا ہے کہ سرکاری، غیر سرکاری ادارہ کے ملازم، ہر سکول اور کالج کے طالب علم کی سکریننگ (تشخیص تپ دق) کرائی جائے تو اس وقت سے اخبارات میں اور بھی خوف ناک خبریں شائع ہونا شروع ہوگئی ہیں جن کو پڑھ کر اور سن کر اور بھی ہولناکی اور خوف وہراس پیدا ہوگیا ہے۔ اس چیز کا فائدہ فرنگی دواء ساز دوا فروش اور ڈاکٹروں کو ہونے کے علاوہ ہمارے ملک سے کثیر دولت غیر ممالک کو جاری ہے، اس کا اندازہ

ایک عام شخص نہیں لگا سکتا۔ یہاں تک بھی معمولی بات تھی، ظلم تو یہ ہے کہ فرنگی ڈاکٹر ملک اور قوم کا ہمدرد نہیں ہے۔ وہ بوچڑ اور قصائی بن گیا ہے۔ الٹی چھری سے کھال اتارتا ہے۔ حکومت اس غلط فہمی میں مبتلا ہے کہ وہ ملک اور قوم کی خدمت کر رہے ہیں حالانکہ اس کی تمام کوششیں اپنا الٹا اثر کر رہی ہیں اور ان سے یورپ اور امریکہ کے دواسازوں اور دوافروشوں کی دولت بینکوں میں اکٹھی ہو رہی ہے۔ ہم حکومت کو یہی مشورہ دیں گے کہ وہ فوراً ٹی بی کے پروپیگنڈہ کو بند کرا دیں، تاکہ اس مرض کی ہولنا کی وخوف افزائی اور ہراس فوراً ختم ہو جائے۔ بتاریخ 22 اپریل لاہور کے اندر ایک ٹی بی کانفرنس ہوئی ہے جس کا افتتاح ناظم مارشل لاء لیفٹیننٹ بختیار رانا نے کیا ہے۔ اخبارات میں اس کی پوری روداد اور خبریں شائع ہوئی ہیں۔ ہم صرف ایک خبر پیش کرتے ہیں جس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ ٹی بی پر قابو پانا اور اس مرض کا علاج کرنا اب حکومت کی طاقت سے باہر نکلتا جا رہا ہے اور عنقریب حکومت اپنی بے بسی کا اظہار کر دے گی۔ حکومت عوام کو اپنی امداد کے لئے تو کافی عرصہ سے پکار رہی تھی مگر اب یہ پروپیگنڈہ شروع کیا جا رہا ہے کہ اس کا علاج گھروں میں بھی اچھے طریقہ سے ہو سکتا ہے گویا اب حکومت کے ہسپتالوں اور سینی ٹوریم میں جگہ ختم ہو گئی ہے اور ٹی بی والوں کی بھیڑ حد سے بڑھ گئی ہے۔

ناظم مارشل لا لیفٹیننٹ بختیار رانا نے جمعہ کے روز کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج لاہور میں تپ دق کی چوتھی سالانہ کانفرنس کا افتتاح کرتے ہوئے عوام اور حکومت پر زور دیا ہے کہ وہ اجتماعی کوششوں سے تپ دق کے خلاف جہاد کریں۔ انہوں نے کہا کہ موذی مرض سے صحت عامہ کو زبردست خطرہ لاحق ہے اور اس سے قوم کو بے پناہ نقصان پہنچتا ہے۔ انہوں نے اس بات کا اعتراف کرتے ہوئے کہ حکومت صحت عامہ کی محافظ ہے کہا ہے کہ چونکہ حکومت کے ذرائع محدود ہیں اور اس کی ذمہ داریاں لاتعداد ہیں اس لئے صاحب ثروت افراد پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ قوم کی صحت اور بہبود کے پروگرام کو مکمل کرنے کے لئے بڑھ چڑھ کر حصہ لیں۔ قبل ازیں ایسوسی ایشن کے صدر ڈاکٹر ریاض علی شاہ نے خیال ظاہر کیا کہ پاکستان میں سینی ٹوریم اور آب وہوا کے اعتبار سے علاج کی سہولتوں کا فقدان ہے اور جو میسر آ سکتی ہے ان پر خرچ کرنا غریب آدمی کے بس کی بات نہیں۔ انہوں نے کہا کہ میں تپ دق کے علاج میں پچیس سالہ تجربہ کی بناء پر اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ اگر گھر میں اس مرض کا علاج احتیاط سے کیا جائے تو وہ بھی سینی ٹوریم کے علاج کی طرح مفید ثابت ہوتا ہے۔ انہوں نے اس مرض کے جراحی اپریشن سے علاج کے خلاف بھی اظہار خیال کیا چونکہ اس طریقہ علاج سے بہت کم افراد کو فائدہ پہنچا ہے۔ انہوں نے کہا کہ عام آدمیوں کو اپریشن کے طریقہ علاج سے احتراز برتنا چاہئے۔ انہوں نے کہا کہ عام ڈاکٹر بھی ابتدائی مراحل میں تپ دق کی تشخیص کر کے انسداد تپ دق کی ادویات استعمال کروا کر اس موذی مرض کو روک سکتا ہے۔

صابر ملتانی

5 دسمبر 1963ء

صدر پاکستان جنرل محمد ایوب خان کی خدمت میں

اظہار حقیقت

ملک پاکستان میں مرض تپ دق اور سل (ٹی بی) کی روک تھام کے لئے کروڑوں روپیہ خرچ ہو رہا ہے۔ اس سلسلہ میں متعدد سینی ٹوریم، لیبارٹریاں و ہیلتھ سینٹر قائم ہیں۔ جن میں سینکڑوں ڈاکٹر اور ہزاروں نرسیں ملازم ہیں، لاکھوں روپے کی ادویات اور انجکشن دیئے جا رہے ہیں۔ ان کے علاوہ اس سے بچاؤ اور حفظ صحت کی خاطر بی سی جی کانفرنس ہوتی ہے اور جو غیر ممالک میں ٹی بی کانفرنسیں ہوتی ہیں، ان میں ہمارے نمائندے شریک ہوتے ہیں۔ حکومت کے خرچ پر پاکستانی قابل ڈاکٹر ٹی بی کی معیاری تعلیم اور اعلیٰ تربیت کے لئے یورپ اور امریکہ بھیجے جاتے ہیں اور سب سے بڑی یہ بات ہے کہ وزارت صحت کے علاوہ ٹی بی کا ایک الگ شعبہ قائم ہے جو اس مرض کی نگرانی اور انتظام کر رہا ہے۔ یہ سارا سلسلہ باقاعدہ (سسیٹے میٹک) چل رہا ہے۔ مگر اس کارگزاری کا نتیجہ کیا ہے؟ کتنے مریض سال میں شفایاب ہوتے ہیں؟ کیا حکومت کو تسلی ہے کہ وہ اپنی کوششوں اور اس قدر کثیر خرچ کے بعد تسلی بخش طور پر کامیاب ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ یورپ اور امریکہ جیسے سائنس دان اپنے ممالک کامیاب نہیں ہیں تو ہمارے ملک کو اس مرض سے مقابلہ کرنے میں کیسے کامیابی ہوسکتی ہے جب کہ ہمارا ملک اپنے طبی علم اور فنی معلومات میں انہی ممالک پر انحصار کرتا ہے۔ البتہ ہم کو جو کچھ ملتا ہے وہ تازہ نہیں بلکہ باسی ہوتا ہے بلکہ یوں سمجھ لینا چاہئے کہ ہمارے ملک میں یورپ اور امریکہ کا تجارتی پروپیگنڈہ ہوتا ہے جس کے سلسلے میں ہمیں لاکھوں روپے ان ممالک میں ادویات اور دیگر طبی ضروریات پر زرمبادلہ میں دینے پڑتے ہیں اور نتیجہ کے طور پر ہمارے ملک میں مرض تپ دق اور سل (ٹی بی) شب و روز شدت سے بڑھ رہی ہے۔

جاننا چاہئے کہ دُنیا میں صرف ایک فرنگی علاج نہیں ہے جس سے امراض کا علاج ہوسکتا ہے۔ دیگر طریقہ ہائے علاج بھی ہیں اور وہ سب کسی نہ کسی حقیقت پر مبنی ہیں اور ہر حقیقت اپنے اندر صداقتیں رکھتی ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ فرنگی طب کی بنیاد سائنس پر ہے تو اس کے متعلق یہ کہا جاسکتا ہے کہ ہر حقیقت ایک سائنسی (تجربہ و مشاہدہ) ہے۔ اس کی بنیاد کسی نہ کسی علمی حقیقت پر قائم ہے۔ ہمارے ملک میں بھی مختلف طریقہ ہائے علاج ہیں۔ ان میں ایسے طریقہ ہائے علاج بھی ہیں جو صدیوں نہیں بلکہ ہزاروں برس سے چلے آتے ہیں۔ ان میں ہزاروں برس کے تجربات اور مشاہدات شامل ہیں۔ جب فرنگی طریقہ علاج نہیں تھا تو ان سے مرض تپ دق اور سل (ٹی بی) کے کامیاب علاج کئے جاتے تھے۔ آج بھی ان طریقہ ہائے علاج میں وہ کامیاب علاج موجود ہیں جو ملکی جڑی بوٹیوں سے کئے جاتے ہیں جن پر روپے نہیں بلکہ کوڑیاں بھی خرچ نہیں آتیں اور مریض بہترین طریق پر صحت یاب ہو جاتا ہے۔

اگر حکومت اس طرف ذرا بھی توجہ دے تو نہ صرف اس مرض سے چھٹکارا مل سکتا ہے بلکہ ہزاروں روپے کا زرمبادلہ بھی بچ سکتا ہے۔ اس سلسلہ میں ملک کی دولت بھی بچ سکتی ہے اور اگر حکومت چاہے تو ملکی کامیاب اور اس مرض کی شرطیہ ادویات سے لاکھوں روپے کا زرمبادلہ غیر ممالک سے کمایا بھی جاسکتا ہے اور سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ ملکی ڈاکٹروں کے لئے تحقیقات کا نیا سلسلہ شروع ہوسکتا ہے۔ جبکہ

ملک کی یہ حالت ہے کہ ہمارے ڈاکٹر تقریباً ہر مرض اور خصوصاً ٹی بی میں یورپ وامریکہ کے دست نگر ہیں اوران کی اس سلسلہ میں دو باتیں نہایت اہم ہیں کہ تمام ڈاکٹر عقل منداور محب وطن ہیں۔اور تمام حکماءاور دیگر طریقہ ہائے علاج کے ماہرین بے وقوف اور ملک دشمن ہیں۔ عقل وحب الوطنی کے ٹھیکیدار صرف ڈاکٹر ہی ہیں۔تو پھر کوئی شخص قوم میں عقلمند اور ملک کا خیر خواہ نہیں ہے۔اختلاف رائے ہر جگہ ہوسکتا ہے مگر عقل مندی اور حب الوطنی اور شے ہے۔یہ بات نہایت قابل غور ہے اور حکومت کواس پر ضرور فکر ونظر کرنی چاہئے۔دوسری بات یہ ہے کہ ملک میں 99 فیصدی طبقہ ملکی علاج وادویات سے مستفید ہوتا ہے۔اس میں عوام کے علاوہ امراء ورئیس حکومت کے چوٹی کے آفیسر اور مغربی تعلیم یافتہ طبقہ بھی شریک ہے۔تو پھر فرنگی طب کا کیا کمال ہے کہ اس ناکامی کے بعد بھی اس پر کروڑوں روپوں کا زرکثیر برباد کیا جارہا ہے۔جس کا فائدہ صرف ایک فیصد ہی ملک اور قوم کے لئے مخصوص ہے۔کیا یہ دولت بچائی نہیں جاسکتی ہے؟ کیا ہر محب وطن پاکستانی کا فرض نہیں ہے کہ وہ اس انداز پر غور وفکر کرے؟

اس کے علاوہ ہم پہلے بھی حکومت کو کئی بار لکھ چکے ہیں اور اب پھر دہراتے ہیں کہ اگر حکومت مزید تسلی چاہتی ہے تو دو تین ہائیکورٹ کے ججوں کی تحقیقاتی کمیٹی مقرر کردے اوران کے ساتھ فرنگی ڈاکٹروں کی پوری ٹیم ہو،ہم ان شاءاللہ ثابت کردیں گے کہ فرنگی تپ دق اور سل کے علاج میں ناکام ہے۔فرنگی طب اَن سائنٹفک غیر ملکی طریق علاج ہے۔اگر ہم ثابت نہ کرسکیں تو حکومت جو چاہے ہم کو سزا دے سکتی ہے۔

آخر میں مارشل لاحکومت اور خاص طور پر ملک کے محبوب راہنما صدر پاکستان جنرل محمد ایوب خان صاحب کوانقلابی حکومت کی سالگرہ پر مبارکباد پیش کرتے ہوئے ہم اُمید کرتے ہیں کہ جس طرح انہوں نے ناکارہ،بے ایمان افراد کوحکومت سے باہر نکال کر ملک کی عنان اپنے قابل اعتماد افراد کے ہاتھ میں دی ہے اسی طرح اُمید کرتے ہیں ملک کے علوم وفنون اور سائنس وحکمت میں بھی ایک عظیم انقلاب کی صورت پیدا کرتے ہوئے ملک کے صاحب علم اہل فن اور ماہرین کواپنے زیادہ سے زیادہ قریب کرلیں گے تاکہ غیر ممالک کی محتاجی سے نجات حاصل ہوجائے اور ملک صحیح معنوں میں پائندہ باد ہوجائے۔

پاکستان زندہ باد

خادم فن

صابر ملتانی

27 اکتوبر 1959ء

دق اور سل کی تاریخ اور وسعت

جہاں تک قدیم طبی کتب کا تعلق ہے ان سے پتہ چلتا ہے کہ دق وسل ایک پرانا مرض ہے اور وسعت کے لحاظ سے بھی یہ مرض دُنیا کے ہر حصے اور ہر قسم کی آب وہوا میں پایا جاتا ہے۔ سرد سے سرد پہاڑی علاقوں سے لے کر تپتی ہوئی ریتلی زمین پر بھی اس کے اثرات اور غارت گری نظر آتی ہے، گویا اس مرض سے کسی زمین اور کسی آب وہوا میں امان نہیں ہے۔

دُنیا کا قدیم ترین علاج آیورویدک ہے۔ اس کی شاستروں میں اس کا ذکر ملتا ہے۔ آیورویدک میں چرک سشستر کی کتب کو بے حد اہمیت حاصل ہے۔ انہوں نے اس مرض کا ذکر کیا ہے۔ ان کی کتب سے پتہ چلتا ہے کہ ویدک عہد میں سہوم نامی راجہ کو اور بعض کے نزدیک چندر مان راجہ اس مرض میں مبتلا ہو گیا تھا جو اچھا ہو گیا تھا۔ راجہ سہوم کے مبتلائے مرض ہونے کی وجہ سے چرک رشی نے اس مرض کو ''راج لاگ'' کا نام دیا ہے اور راجہ کی مناسبت سے بعض نے اس مرض کو راج یکھما لکھا ہے (یعنی راجاؤں کو ہونے والا مرض)۔

طب یونانی کے ابتدائی دور میں بقراط اور جالینوس نے بھی اس مرض کا ذکر کیا ہے۔ جالینوس نے اس کو متعدی لکھا ہے۔ اسی طرح حکیم ارسطو، اور دیگر قدیم اطباء نے اس کو متعدی اور لا علاج لکھا ہے۔ اسلامی دور کے اطباء نے بھی اس کے متعلق بہت شرح وبسط سے لکھا ہے، مگر تقریباً سب نے اس کو لا علاج اور مہلک قرار دیا ہے۔ شیخ الرئیس بوعلی سینا تو یہاں تک کہتے ہیں کہ یہ مرض بالکل نہیں جا سکتا۔ اس نے گل قند کی اس مرض کی اصلاح کے لئے بہت تعریف کی ہے یعنی گل قند کے مسلسل استعمال سے مرض کا غلبہ کبھی نہیں ہوتا۔

جہاں تک فرنگی طب کا تعلق ہے تو ان کی ابتدائی دور کی کتب میں بھی اس مرض کا ذکر اور غور وخوص کی صورتیں نظر آتی ہیں۔ 1689ء میں ڈاکٹر سیڈنم نے اس پر تفصیلی بحث کی ہے اور اپنے مضمون میں اسے متعدی لکھا ہے۔ اسی طرح ڈاکٹر وچہ نے سل کا سبب ذات الریہ تولی کو قرار دیا ہے۔ ان کے علاوہ بے شمار ڈاکٹروں نے اس پر اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ آخر میں ڈاکٹر کاخ نے سل دق کے جراثیم دریافت کر کے اس مرض اور اس کے علاج کو ایک نئی صورت دی۔ ان کی تحقیقات 1882ء میں دنیا کے سامنے پیش کی گئیں۔ اس وقت سے لے کر آج تک اس مرض میں بے شمار تحقیقات اور اضافے ہوئے ہیں اور مرض کو رفع کرنے کے لئے بے شمار ''اکسیر اور تریاق'' ادویات اور علاج دُنیا کے سامنے پیش ہوئے، مگر تقریباً اس پوری ایک صدی کا نتیجہ صفر سے آگے نہیں بڑھا اور وہ تمام اکسیر اور تریاق ادویات فیل ہوتی نظر آتی ہیں تو فوراً ہی مارکیٹ میں اور ان کی اکسیر اور تریاق قسم کی ادویات وارد ہو جاتی ہیں جن کے ساتھ ایک بہت بڑا رنگین لٹریچر اور خوب صورت پیکنگ پھر عوام خصوصاً دق سل کے مجبور مریضوں کو اپنی طرف کھینچ لاتا ہے۔

جہاں تک اس مرض کے علاج کا تعلق ہے معالج فرنگی بری طرح ناکام ہے، باوجود حکومتیں اس کی سرپرستی کرتی ہیں۔ اس کے پاس بڑی بڑی لیبارٹریاں، شاندار ہسپتال، صحت افزاء مقامات پر سینٹی ٹوریم، شاندار دماغ وتعلیم کے لئے بے شمار چوٹی کے کالج اور ہر قسم کی سہولتیں میسر ہیں مگر نتیجہ بالکل صفر کے برابر نظر آتا ہے۔ جب یہ یقین ہو گیا کہ کاخ کی تحقیقات بالکل صحیح ہیں اور مرض دق سل کے جراثیم یا زہر کا علم ہو گیا ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ اس مرض کا یقینی اور بے خطا علاج اور ادویات میں بالکل ناکام ہے۔ صرف بزنس کی خاطر وہ اپنی تحقیقات وعلاج معالجے کا پروپیگنڈا کرتے ہیں۔

بعض خود پسند اور غلط فہمی میں مبتلا فرنگی ڈاکٹر اپنے طریق علاج اور ادویات کی تعریف کرتے ہیں لیکن ان کو اس امر کا بالکل تجربہ نہیں ہے کہ ان کی ادویات صرف وقتی علامات کو رفع کرتی ہیں جو کچھ عرصہ بعد پھر پیدا ہو جاتی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ فرنگی حکومت سے قبل ہمارے ملک بلکہ دُنیا بھر میں یہ مرض اس کثرت سے نہیں پایا جاتا تھا۔ لیکن جب سے فرنگی تہذیب وتمدن دُنیا میں پھیلا ہے اس مرض کی کثرت ہوگئی ہے۔ آج دُنیا کا یہ حال ہے کہ 60 فیصدی لوگ اس مرض کا شکار ہیں اور روز بروز حالت بد سے بدتر ہوتی جا رہی ہے۔ خود انگلستان وویلز اور امریکہ میں دق سل کے مریضوں کی تعداد کئی کروڑ تک پائی جاتی ہے اور لاکھوں انسان اس مرض میں مرتے ہیں۔ جب فرنگی ڈاکٹر اپنے ممالک میں اس مرض کے علاج میں کامیاب نہیں ہیں تو دوسرے ممالک میں ان کی ادویات کیا مفید ہو سکتی ہے جبکہ ان کی ادویات ان کے اپنے ممالک اور ان کی آب وہوا میں تیار کی گئی ہیں۔ ہمارا مزاج، ہماری اغذیہ اور ہمارے عقائد ان سے بالکل مختلف ہیں۔ پھر ان کے ملک کے غیر یقینی ادویات اور علاج ہمارے ملک کے لئے کیسے اکسیر اور تریاق ہو سکتی ہیں۔

یہ اس قسم کا مرض ہے کہ ان میں انسان کے علاوہ حیوانات، پرند اور حشرات الارض تک مبتلا نظر آتے ہیں۔ گھر کے پالتو جانوروں میں گائے اور بھیڑ، پالتو پرندوں میں مرغ اور کبوتر اور طوطے تک گرفتار ہو جاتے ہیں۔ البتہ بھینس وبکری اور اونٹ اور گھوڑوں کو یہ مرض نہیں ہوتا۔ اسی طرح کتوں اور بلیوں میں یہ مرض نہیں دیکھا گیا۔ البتہ خنزیر اور بندر اس مرض میں بہت زیادہ مبتلا ہوتے ہیں۔ اور اکثر اسی مرض میں مرتے ہیں۔ انسانوں میں عام طور پر چودہ سال سے لے کر تیس سال تک زیادہ اس مرض میں مبتلا ہوتے ہیں۔ مردوں کی نسبت عورتیں زیادہ اس مرض کا شکار ہوتی ہیں کیونکہ ان کے رحم کی سوزش اور ماہواری کی خرابی اس مرض میں گرفتار کرنے کا سب سے بڑا سبب ہے۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ ستر فیصدی عورتیں سوزش رحم اور ماہواری کی خرابی کی وجہ سے اس مرض کا شکار ہوتی ہیں۔ جن عورتوں کے حمل ضائع ہو جاتے ہیں یا ان کو ضائع کرنے کی عادت ہو یا برتھ کنٹرول پر عمل کرتی ہیں وہ ضرور اس مرض میں گرفتار ہو کر موت کی آغوش میں آرام پاتی ہیں۔ بچے اس مرض میں بالکل گرفتار نہیں ہوتے۔ بوڑھے دق میں تو مبتلا نہیں ہوتے مگر سل کا مرض ان کو ضرور ہو جاتا ہے۔

ان کی تاریخ اور وسعت سے یہ حقیقت ظاہر ہوتی ہے کہ دق سل (ٹی بی) ایک بین الاقوامی مرض ہے جو ہر ملک ہر قوم اور ہر آب وہوا میں ہوتا ہے۔ ان مقام میں یہ مرض نہیں پایا جاتا ہے جن میں حرارت اور رطوبت کی زیادتی ہو۔ اس لئے بچوں اور بوڑھوں میں یہ مرض نہیں پایا جاتا۔ بچوں میں اس لئے کہ ان میں حرارت اور رطوبت کی زیادتی ہوتی ہے بوڑھوں میں اس لئے کہ ان میں ایک عارضی رطوبت پائی جاتی ہے جس سے جسم میں حرارت کی زیادتی ہوتی ہے اور بھینس میں رطوبت کی اس قدر کثرت سے ہوتی ہے کہ ان کے جسم میں سوزش پیدا ہونا تقریباً ناممکن ہے۔

تاریخ اور تحقیقی حقائق کی اس وسعت کو اگر سامنے رکھا جائے تو دق سل (ٹی بی) سے بچاؤ کے لئے ایک اچھی خاصی حقیقت سامنے آجاتی ہے یعنی اگر جسم میں حرارت اور رطوبت کی زیادتی ہے تو اس مرض میں گرفتار نہیں ہوتا۔ اس طرح اگر کوئی شخص اس مرض میں گرفتار ہو جائے تو اس کے علاج میں بھی حرارت اور رطوبت کی زیادتی کو مدنظر رکھنا نہایت ضروری ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ کوئی انسان اس مرض میں گرفتار نہیں ہوگا اور ہر مریض اس مرض کے چنگل سے بہت آسانی کے ساتھ خلاصی پالے گا۔

ہماری یہ پچیس سالہ تحقیقات ہیں جو ہم نے عمل، منطقی اور تحقیقاتی وسائنسی دلائل کے ساتھ پیش کر دی ہیں۔ جو اشخاص بھی اس پر عمل کریں گے ان شاء اللہ ضرور کامیاب ہوں گے اور جو اہل فن اور اطباء حقائق کو ذہن نشین کریں گے وہ اس مرض کے علاج میں یقیناً کامیاب ہوں گے اور آئندہ کے لئے اس سلسلہ میں مزید تحقیقات بھی کر سکیں گے۔ ہم نے وقت کی قلت کی وجہ سے بہت اختصار کے ساتھ بیان کیا ہے ورنہ اس میں کئی گنا اضافہ کیا جا سکتا ہے۔

موجودہ قسم کا ٹی بی فرنگی حکومت، فرنگی طریق علاج
اور
فرنگی ادویات کی پیداوار ہے

اطبا، ویداورعوام فوراً انگریزی ادویات کے استعمال کو بند کریں

موجودہ قسم کا ٹی بی جس کا آئے روز بڑی شدومد سے پروپیگنڈہ کیا جارہا ہے، یہ حقیقی قسم کا دق سل نہیں ہے بلکہ یہ ٹی بی جسم کے کسی عضو کی معمولی قسم کی سوزش ہے جس کو ٹی بی کا تجارتی نام دے کر اطباء اور عوام میں خوف وہراس پیدا کیا جارہا ہے۔ درحقیقت اس ٹی بی کا دق اور سل سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اوّل فرنگی ڈاکٹر صحیح قسم کے دق وسل کا علم نہیں رکھتے اور دوسرے اس موجودہ ٹی بی کے علاج سے عاجز ہیں جس کے ثبوت میں دُنیا بھر اور خصوصاً یورپ، امریکہ اور پاکستان وہندوستان کے اندر جو اس مرض کے متعلق علاجات کئے جارہے ہیں پیش کئے جاسکتے ہیں۔ کہیں بھی فرنگی طب کو اس موجودہ ٹی بی کے علاج میں کامیابی نہیں ہوئی۔ اصل دق وسل کے علاج کا ذکر بے سود ہے۔

جہاں تک اس موجودہ ٹی بی کی پیدائش کا تعلق ہے یہ فرنگی طریق علاج، فرنگی زندگی اور فرنگی ادویات کی پیداوار ہے۔ جوں جوں فرنگی طریق علاج میں، اس کے شیشہ وآلات، اس کے شاندار ہسپتال اور زہد شکن نرسوں، خوش نما پیکنگ اور فریب نظر ماحول کا پروپیگنڈہ کیا جارہا ہے۔ عوام اس میں گرفتار ہوکر موجودہ ٹی بی میں گرفتار ہورہے ہیں۔ انگریزی طبی تجارت کے پروپیگنڈہ کا خیال یہ ہے کہ وہ انفرادی طور پر کسی فرنگی ڈاکٹر کو پروپیگنڈہ کرنے نہیں دیتا، مگر خود دواساز کمپنیوں کی طرف سے نت نئی ادویات کا پروپیگنڈہ کیا جاتا ہے تاکہ ملک کی تمام دولت سمیٹ سمٹا کر دواساز کمپنیوں کے خزانے میں ڈھیر ہوجائے اور ملک ہمیشہ ان کا محتاج رہے۔

فرنگی علاج

فرنگی علاج کی بنیاد جراثیم تھیوری پر ہے اور وہ ہر مرض کا سبب جراثیم کو قرار دیتے ہیں۔ اس لئے جب ان کے پاس کوئی مریض آتا ہے تو شب وروز اس کو جرم کش ادویات استعمال کراتے ہیں جو اکثر وبیشتر زہریلی تیز اور نشہ آور ہوتی ہیں جن کے استعمال سے انسانی جسم کے اعضاء رفتہ رفتہ گھٹنے لگ جاتے ہیں۔ انسانی جسم کے ٹشوز تباہ ہونے شروع ہوجاتے ہیں، انسانی اعضاء خون اور خاص طور پر صالح خون کا بنانا بند کردیتے ہیں اور آخر میں جسم کے کسی حصہ میں سوزش (اری ٹیشن) پیدا ہوجاتی ہے۔ پس یہی موجودہ ٹی بی ہے جس سے انسان گھل گھل کر مرجاتا ہے۔ یہ بالکل اسی قسم کا مرض ہے جیسے کینسر نشہ خوری مثلاً شراب، افیون، بھنگ، کوکین اور چرس وغیرہ سے رفتہ رفتہ گھل کر مرجاتا ہے۔ حقیقت میں ان سب باتوں کا تعلق حقیقی دق سل سے نہیں ہے۔ حقیقی قسم کا دق وسل ایک جدا قسم کا مرض ہے جو بہت کم اور شاذ و نادر ہی ہوتا ہے۔

فرنگی طرزِ زندگی

شراب خوری اور عیاشی، رات بھر کلبوں اور ہوٹلوں میں جاگنا، نغمہ وساز، رقص وسرود، سینما، تھیٹر اور فلم سازی وغیرہ، بناسپتی گھی، گھٹیا قسم کے کیک پیسٹری جن میں مکھن کا نام تک نہیں ہوتا۔ خشک بسکٹ اور بکثرت چائے نوشی اور اس پر مسلسل سگرٹ نوشی (چین سموکنگ) جسم میں صالح رطوبات کو ختم کر دیتے ہیں۔ جسم کے کسی حصہ میں سوزش پیدا ہو جاتی ہے، پھر انسان اس موجودہ قسم کی ٹی بی میں گرفتار ہو جاتا ہے اور اس پر دفتری زندگی، غربت، مزدوری، ضروریات زندگی گرانی، دولت کمانے کا حرص اور روپیہ ناجائز طور پر اکٹھا کرنے کا لالچ زندگی کی رہی سہی خوشیوں کو بھی برباد کر دیتا ہے۔ پھر فرنگی طریق علاج اس قدر گراں ہے کہ وہ ایک آدمی کے بس کا روگ نہیں ہے۔ جس سے وہ نہ صرف اپنی ذات کے لئے باعث مصیبت ہے بلکہ وہ اپنے معاشرے کے لئے بھی ایک عذاب اور مسلسل دکھ بن جاتا ہے۔

انگریزی ادویات

اوّل انگریزی ادویات میں اکثر و بیشتر زہریلی ونشہ آور تیز وتیزابات سے بھرپور تیز قسم کی شراب اور اسپرٹ میں آمیز ہوتی ہیں جن کی پہلی خوراک ہی سے کام کی وہ تو اضح ہوتی ہے کہ حلق سے لے کر پیٹ تک ایک دم ہی آگ لگ جاتی ہے اور مریض اپنی بیماری کے علاوہ تڑپ ہی تو جاتا ہے۔ اس کو گھنٹوں اپنی بیماری بھول جاتی ہے اور اگر انجکشن لیتا ہے تو اس کی تکلیف ہفتوں نہیں بھلاسکتا اور اس پر طرہ یہ ہے کہ مریض مرے یا جئے ڈاکٹروں کو اس امر کی قطعاً کوئی پرواہ نہیں ہوتی۔ ان کو صرف فیس اور دوا دینے سے کام ہے۔

جہاں تک ٹی بی کے علاج کا تعلق ہے اس امر کو ذہن نشین کرلیں کہ اوّل جو مرض فرنگی طرز زندگی اور فرنگی طریق علاج سے پیدا ہوا ہے وہ بھلا فرنگی ادویات سے کیسے دور ہوگا۔ بلکہ روز بروز بڑھے گا اور یہاں تک بڑھے گا کہ مریض یا تو آرام کے ساتھ قبر میں سو جائے گا یا تڑپ تڑپ کر اپنی زندگی گزارے گا۔ اس کے ساتھ یہ امر بھی ذہن نشین کرلیں کہ جن مریضوں کو ٹی بی نہیں ہے اور غلط تشخیص پر ان کو ٹی بی کی ادویات استعمال کرائی جائیں گی تو ان مریضوں کو بھی ٹی بی ہو جائے گی۔ یہ نظریہ کبھی نہ بھولیں کہ غلط ادویہ وہی مرض پیدا کر دیتی ہیں جس مرض کے لئے استعمال کی جاتی ہیں۔ خصوصاً زہریلی ونشہ آور اور تیز وتیزابات سے بھرپور ادویہ فوراً ٹی بی کا مرض پیدا کر دیتی ہیں جن میں پارہ، گندھک، سنکھیا، دھتورہ، افیون، بھنگ، کاربالک ایسڈ، کریازوٹ، کونین اور اسپرین وغیرہ شامل ہیں۔

ان حقائق کی روشنی میں حکومت وعوام، اطباء اہل فن کو غور کرنا چاہئے اور موجودہ ٹی بی سے بچنے کے لئے فرنگی طرز زندگی، فرنگی طریق علاج اور فرنگی ادویات سے دور رہنا چاہئے اور دوسروں کو بھی رکھنا چاہئے تاکہ ہمارا ملک صحیح معنوں میں پھولے پھلے اور ملک کی دولت ملک میں رہے اور موجودہ ٹی بی کا نام تک ختم ہو جائے۔

روزانہ آلو کھانے سے دق اور سل (ٹی بی) ہو جاتا ہے

امریکہ کے شعبہ اطلاعات نے ''آلو پاکستان کو اناج کی قلت سے نجات دلا سکتے ہیں'' کے زیر عنوان ایک فیچر شائع کیا ہے۔ اس فیچر نما مضمون میں کہا گیا ہے کہ ''اگر پاکستان کا ہر فرد آلو کھانے کی موجودہ مقدار میں ڈیڑھ اونس کا اضافہ کرلے تو پاکستان غیر ملکوں سے ایک اونس اناج درآمد کرنے کی ضرورت سے بھی بے نیاز ہو سکتا ہے''۔ امریکی شعبہ اطلاعات کے فیچر میں کہا گیا ہے کہ ''دعویٰ تعجب خیز ضرور ہے تاہم اس میں مبالغہ آمیزی کو چنداں دخل نہیں ہے۔ کیونکہ ڈیڑھ اونس فی کس روزانہ آلو کی مقدار بڑھانے کے یہ معنی ہیں کہ آٹھ کروڑ کی

آبادی دس لاکھ ٹن روزانہ آلو کھائے گی۔ اس طرح دس لاکھ ٹن غلے کی سالانہ لاگت سے نجات مل جائے گی۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ موجودہ دور میں پاکستان گندم اور چاول کی کمی کے جس بحران سے دوچار ہے اس کا ازالہ ہو سکے گا''۔

امریکی فیچر کی اس عبارت میں پیش کردہ دوررس نتائج کے پیش نظر سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا ہم ایسا کر سکتے ہیں۔ کیا پاکستان کے افراد کو اپنے نظام خوراک کو جدید تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے پر آمادہ کیا جا سکتا ہے۔ کیا ہماری قوم آلو کی پیداوار میں اضافہ اور اس کی قیمتوں کو ایک عام آدمی کی قوت خرید کی سطح پر لا سکتی ہے۔ امریکہ اور پاکستانی ماہرین نے ان سوالوں کا جواب اثبات میں دیا ہے۔ انہوں نے کہا ہے کہ اگرچہ اس راستے میں ثبوت کی رکاوٹیں ہیں۔ تاہم وہ مطمئن ہیں۔ (ہانگ مور)

نیشنل ٹی بی ایسوسی ایشن آف پاکستان کی اطلاع کے مطابق ہر سال دو لاکھ پاکستانی صرف تپ دق سے مرتے ہیں اور مزید دس لاکھ ساتھ ہی اس مرض میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ جناب مسٹر ذاکر حسین صاحب گورنر مشرقی پاکستان نے انسداد دق وسل ایسوسی ایشن کے سالانہ اجلاس کا افتتاح کرتے ہوئے فرمایا کہ حکومت سرکاری ہسپتالوں میں ایک مریض پر دق کے علاج کے لیے چار ہزار روپے سالانہ خرچ کر رہی ہے۔ دق وسل کی وجہ سے ہر سال ایک ارب ساٹھ کروڑ کے قومی سرمایہ کا نقصان ہوتا ہے۔

ان مریضوں اور اخراجات کے اعداد و شمار کو سامنے رکھئے اور پھر امریکہ کے شعبہ اطلاعات کی معرفت ان کے ماہرین نے پاکستان کو اناج کی قلت سے جو نجات دلانے کی تجویز پیش کی ہے کہ ''ہر پاکستانی اپنی روزانہ خوراک میں آلوؤں کا اضافہ کر لے'' کچھ افسوس نہیں ہے کیونکہ غیر ملکی جس طرح بھی چاہیں الٹے سیدھے مشورے دیتے رہتے ہیں مگر ہم کو بے حد افسوس اور سخت حیرت ہوتی ہے۔ جب یہ معلوم ہوا کہ پاکستانی ماہرین نے بھی اس تجویز کو صحیح تسلیم کر لیا اور وہ اس تجویز اور اس کے زیر عمل لا سکتے پر مطمئن ہیں۔

انتہائی تعجب کا مقام ہے کہ تمام پاکستان میں کوئی شخص نہ حکومت کے افسران اور مشیران میں اور نہ حکومت سے باہر غذایا ماہر نباتات یا ایسا ڈاکٹر جو ماہر جسم انسانی ہو یا دق وسل (ٹی۔ بی) کا ماہر نہیں پایا جاتا جو حکومت کو آگاہ کرے کہ امریکہ کی مندرجہ بالا تجویز اقتصادی نظریہ سے شاید صحیح ہو سکے (اگرچہ وہ بھی محل نظر ہے) لیکن طبی اور قومی صورت کے نقطہ نظر سے انتہائی مضر اور لایعنی تجویز ہے کیونکہ روزانہ آلو کھانے سے تھوڑے ہی عرصہ میں دق وسل (ٹی۔ بی) ہو جاتا ہے۔ امریکہ والوں کا اس سے مقصد کیا ہے۔ اپنے ملک کی سرخ گندم میں جو انتہائی خشک ہے جس میں زمینی اور ریاحی مادہ ہمارے ملک کی گندم سے سو فیصدی زیادہ ہیں کھلا کر بے شمار پاکستانیوں کو ٹی بی کا شکار نہیں بنایا؟ اور اب روزانہ آلو کھلا کر تمام پاکستان کو ٹی بی میں مبتلا کرنا چاہتے ہیں تاکہ امریکن دوائیں اور دیگر ضروریات زندگی پہلے کی نسبت پچاس گنا زیادہ بڑھ جائیں۔

جاننا چاہیے کہ آلو ایک ایسی نباتات ہے جس میں ارضی اور چونے کے اجزاء سوائے بینگن کے تمام سبزیوں سے بہت زیادہ پائے جاتے ہیں۔ ان کے صرف دو تین روز صبح اور شام کھانے سے پیٹ میں ریاح (بادی) کی کثرت، قبض کا مرض اور خشکی بڑھنی شروع ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد خشکی کی شدت سے کھانسی اور ہلکی حرارت شروع ہو جاتی ہے۔ جس سے ان کی وائٹل فورس (قوت مصلح بدن) اور امیونٹی (قوت مقابلہ مرض) دونوں کمزور ہو جاتی ہیں۔ پھر اس کے بعد دق سل (ٹی بی) کا حملہ ہو جاتا ہے۔ اس کا نتیجہ سب کے سامنے ہے یعنی علاج پر بے شمار خرچ اور پھر رفتہ رفتہ مریض موت کی آغوش میں ہمیشہ کے لیے سو جاتا ہے۔

اگر ہمارے اس بیان میں مبالغہ ہو تو کوئی بھی شخص امریکن سرخ گندم کے ساتھ صرف ہفتہ عشرہ صبح و شام آلو کھا کر دیکھ لے۔ اگر بغیر گندم کے صرف آلو کھائے تو نتیجہ اور بھی جلد سامنے آجائے گا۔ حکومت کا فرض ہے کہ وہ امریکن اور پاکستانی ماہرین کو بلا کر ان کے سامنے

تجربات کرا کے اعداد شمار حاصل کر سکتی ہے۔ بلکہ بہتر ہوگا کہ ان ماہرین ہی کو تجربات کے لیے تختہ مشق بنایا جائے۔ ہم چیلنج کرتے ہیں کہ اگر ہمارے بیان میں مبالغہ ہو تو ہم ہرجانہ ادا کرنے کو تیار ہیں۔ بے شک ایسے تجربات ہمارے سامنے کرائے جائیں اور ان کا اخبارات میں اعلان بھی کرایا جائے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ دق وسل (ٹی۔بی) کے مریضوں کو آلو کھلانا سخت مضر ہے۔ ان کو کھلا کر تجربہ کیا جا سکتا ہے۔ یہ تجویز تو بالکل ایسی ہے جیسے ایک بار ایک جرمن سائنس دان نے اپنے دشمنوں کو تباہ کرنے کے لیے یہ نظریہ پیش کیا تھا کہ جس قوم کو تباہ کرنا ہو۔ کشش سے چاند کو کھینچ کر اس ملک پر پھینک دیا جائے لیکن وہ چاند کے قریب تر آنے کے عواقب اور خوفناک نتائج سے واقف نہ تھا۔ اس کو جب عواقب اور نتائج سے آگاہ کیا گیا تو اس کا دماغ ٹھکانے آ گیا۔

حقیقت یہ ہے کہ گزشتہ دنوں صدر پاکستان جنرل محمد ایوب خان نے ایک پریس کانفرنس میں پروفیسر عنایت اللہ خان کی ایک کتاب کا تذکرہ کیا جو اقتصادیات پر لکھی ہوئی ہے۔ جس میں یہی مشورہ دیا ہوا ہے کہ جن ممالک میں گندم کی کمی ہو تو آلو کھلا کر اقتصادی طور پر گندم کو بچایا جا سکتا ہے۔ سربراہ حکومت کا تذکرہ تھا فوراً آگ کی طرح ملک اور بیرون ملک میں پھیل گیا۔ پھر اس کے بعد صدر پاکستان نے پروفیسر صاحب سے ملاقات بھی کی۔ اس کا اور بھی چرچا ہوا اور اکثر اہل علم کو کتاب دیکھنے کا بھی شوق پیدا ہوا۔ کتاب کیسی ہے۔ اس پر تو ماہر اقتصادیات ہی لکھیں گے لیکن جہاں تک آلو کو بطور غذا ے روزانہ استعمال کرنا ہے۔ اس کا مقصد یہ ہوگا کہ پاکستانی قوم کو تباہ کرنے کے مترادف ہوگا۔ ہم کبھی اس تجویز پر عمل کرنے کا مشورہ نہیں دیں گے۔ جہاں تک اقتصادی زاویہ نگاہ سے ملک میں غذا کے مسئلہ کا حل ہے اس کے لیے اور بھی کئی بہترین تجاویز پیش کی جا سکتی ہیں اور اگر حکومت چاہے تو بے ضرر متبادل غذائیں بھی تجویز کی جا سکتی ہیں۔ جو نہ صرف مفید بلکہ سستی اور مقوی بھی ہو سکتی ہیں۔

یورپ امریکہ کے فرنگی ڈاکٹروں کو چیلنج

برتھ کنٹرول سے مرد پاگل اور عورتوں کو دق وسل (ٹی بی) ہو جاتا ہے

برتھ کنٹرول ایک ایسی لعنت ہے جس سے قومیں تباہ اور ملک برباد ہو جاتے ہیں کیونکہ نفس اور آفاق کا گہرا تعلق ہے، جب نفوس میں کمی واقع ہوتی ہے تو روح کائنات کے افعال میں تغیر آ جاتا ہے جس سے اس کا انبساط انقباض میں تبدیل ہو جاتا ہے اور قوم و ملک کی نشو و ارتقاء اور ترقی رک جاتی ہے۔ بالکل اس طرح جیسے اگر درختوں کو کاٹ دیا جائے تو بارش برسنا بند ہو جاتی ہے۔

مسئلہ خوراک اور ضروریات زندگی پر قابو پانے کے لئے پیدائش کو روک دینا اس کا حل نہیں ہے بلکہ کثرآبادی (مین پاور) کے ذریعے ملک کے دیگر ذرائع میں جدوجہد کرنے سے ان پر قابو پانا چاہیے۔ یاد رکھنا چاہئے کہ کوئی حکومت ملک کی آبادی کی کمی بیشی پر قابو نہیں پا سکتی اور اس کی مثال آج تک دُنیا میں پیش نہیں کی جا سکتی اور جن ممالک کی آبادیاں کم ہو جاتی ہیں ان کا پورا کرنا انتہائی مشکل ہے۔ اس لئے آج کل یورپ امریکہ خود آبادی کی کمی کا رونا رو رہے ہیں۔ کیا جنگیں، وبائیں، سیلاب، زلزلے، طوفان اور امراض جیسے خوفناک اسباب ملک کی آبادی کو کم کرنے کے لئے کافی نہیں ہیں جو قدرت کی ایک اور لعنت کو دعوت دی جا رہی ہے۔

آج کل ہندو پاکستان میں آبادی کے کنٹرول کا مسئلہ نہایت زوروں پر ہے اور ایک اہمیت اختیار کر گیا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ ملک کی غذائی پیداوار اور دیگر ضروریات زندگی کی بے حد قلت ہو گئی ہے بلکہ قحط کی سی صورت ہے اور اگر غیر ممالک سے امداد نہ منگوائی جائے تو حالت نہایت غیر ہو جائے۔ عرصہ تقریباً بارہ سال سے کوشش کی جا رہی ہے مگر اس پر قابو نہیں پایا جا سکا۔ آخر مجبور ہو کر

حکومتوں کو اس سمت قدم اٹھانا پڑا کہ ملک کی بڑھتی ہوئی آبادی کو روکنے کے لئے پیدائش پر کنٹرول کرنا چاہیے۔ اس مسئلہ کو حل کرنے کے لئے فیملی پلاننگ کا محکمہ قائم کرنا پڑا، ظاہر ہے یہ ایک صحیح اقدام ہے لیکن اگر حقیقت کی نگاہ سے دیکھا جائے تو یہ نہ صرف ایک انتہائی غلط اقدام ہے بلکہ یورپ اور امریکہ کی نقالی اور اس کی غلط تعلیم کا نتیجہ ہے۔

ہمیں سخت افسوس ہے کہ ملک کے ماہرین اور حکومت کے مشیروں نے کبھی اس انداز سے نہیں سوچا کہ نفس اور آفاق کا کیا تعلق ہے جس کا ممالک اور اقوام پر کس قدر خوفناک اثر پڑ سکتا ہے اور انفرادی طور پر ہر مرد اور عورت کے جسم و نفس اور روح پر اس کے کس قدر برے اور تکلیف دہ اثرات پیدا ہو سکتے ہیں صرف منفی اور تخریبی ذریعہ سے سوچنا کافی نہیں ہوا کرتا بلکہ مثبت اور تعمیری ذرائع سے بھی مسائل حل ہو سکتے ہیں۔

جہاں تک غذائی پیداوار اور ضروریات کی کمی کا تعلق ہے اس کے لئے تین صورتیں ہوا کرتی ہیں:

(۱) مصنوعی قلت (۲) حقیقی قلت (۳) ذرائع پر پوری طرح قابو نہ پاسکنا۔

مصنوعی قلت

جہاں تک مصنوعی قلت کا تعلق ہے کہا جاسکتا ہے کہ دوسری جنگ عظیم سے ملک میں چند لعنتیں داخل ہوگئی ہیں جن میں چور بازاری، ذخیرہ اندوزی اور سمگلنگ قابل ذکر ہیں۔ بیشک یہ کہا جاسکتا ہے کہ حکومت ان لعنتوں پر قابو نہیں پاسکتی لیکن اس میں اس کا کوئی قصور نہیں ہے بلکہ اکثریت عوام اور سرمایہ داری کا غلط تصور ہے جن کا ذہن دور غلامی میں خراب ہو چکا تھا۔ حیوانی جذبات اور خواہشات نفسانی میں اس قدر شدت پیدا ہوگئی ہے کہ ان کے دلوں میں نفسانی ہمدردی اور حب الوطنی تقریباً مفقود ہوگئی ہے۔ ان کے اس غلام ذہن میں مارشل لاء سے قبل کی تمام حکومتیں اور ان کے افسران بھی شریک ہیں، جنہوں نے خود چور بازاری، ذخیرہ اندوزی اور سمگلنگ میں مجرموں کا ساتھ دیا اور ملک کا ملک ان لعنتوں میں گرفتار ہو گیا۔ اب انقلابی حکومت اپنی پوری کوشش سے ان لعنتوں کو دور کرنے کی کوششیں کر رہی ہے۔ امید نظر آتی ہے کہ اگر اسی طرح یہ کوششیں جاری رہیں تو ان لعنتوں کی بہت حد تک اصلاح ہو جائے گی۔ اس سلسلہ میں یہ امر قابل غور ہے کہ جب ملک کی پیدوار کا حکومت کو پورا اندازہ ہوتا ہے کیونکہ وہ دانے دانے کا حساب لیتی ہے تو یہ امر سمجھ میں نہیں آتا کہ زمیندار ذخیرہ اندوزی کیسے کر لیتا ہے۔ جب حکومت ہر علاقہ کی منڈی میں اپنے اعداد وشمار کے مطابق پیداوار منگوا سکتی ہے تو پھر منڈیوں میں بھی انہی اعداد وشمار کے تحت آگے فروخت کی جاسکتی ہے، جہاں سے چھوٹے اور بڑے تاجر خرید کر اسی حساب وشمار کے ساتھ عوام میں فروخت کر سکتے ہیں۔ حکومت کی نگرانی سے یہ سب کچھ ہو سکتا ہے جس طرح حکومت نے راشن سسٹم قائم کر رکھا ہے اس کو بالکل ختم کر دے جیسا کہ سننے میں آرہا ہے کہ وہ ختم ہو رہا ہے اور اس قسم کی نگرانی اس عملہ کے سپرد کر دے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ بہت حد تک نہ صرف چور بازاری، ذخیرہ اندوزی اور سمگلنگ ختم ہو جائے گی بلکہ غذا اور ضرورت کا مسئلہ بہت حد تک حل ہو جائے گا۔

حقیقی قلت

جہاں تک حقیقی قلت کا تعلق ہے اس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ پیداوار کی ایک حد تک مشکل ہے۔ لیکن اس کے متعلق اس حقیقت کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا کہ ملک میں زرخیز زمین کی کمی نہیں ہے جس کا اکثر حصہ بیکار پڑا ہے۔ دوسرے زمین کا ایک بڑا حصہ بڑے زمینداروں کے پاس مفلوج ہو کر رہ گیا ہے اور وہ زمین جو ہندو چھوڑ کر گیا ہے اس کی مکمل الاٹمنٹ نہ ہونے سے اس سے پوری طرح کام

نہیں لیا گیا۔ اگر حکومت اپنی دانشمندی سے بیکار اور بے آباد زمینوں کو آباد کاروں میں تقسیم کر دے اور بڑے زمیندارں کو تاکید کی جائے کہ اگر وہ اپنی زمین بیکار رکھیں گے تو حکومت اس پر قبضہ کرے گی اور جلد سے جلد زمین مہاجرین کے نام مکمل طور پر الاٹ کر دیں تاکہ وہ تسلی کے ساتھ اس پر اپنا کام کر سکیں۔

ذرائع پر قابو پانا

جہاں تک ذرائع پر قابو پانے کا تعلق ہے اس میں یہ ضروری نہیں ہے کہ لوگ ہر زمین کے لئے ٹیوب ویل لگائیں اور مغربی آلات استعمال کریں، ان کو پرانے مشرقی طریقے پر بھی کنوئیں کھود کر دیسی آلات سے کام کرنے کی اجازت ہونی چاہیے۔ اگر کاشتکاروں کے پاس سرمایہ کی کمی ہو تو ان کو مشترکہ کام کی اجازت دے دی جائے اور کاشتکاروں کے ساتھ غیر کاشتکار بھی اپنا سرمایہ لگا کر مناسب شرطوں پر شریک ہو سکتے ہیں۔ اس طرح زمین کو زیر کاشت لانے کے لئے کام ہو سکتا ہے۔ اس سلسلہ میں یہ امر بھی قابل غور ہے کہ حکومت جہاں تک ہو سکے غیر ممالک سے غذائی اجناس اور ضروریات زندگی منگوانے کی کوشش نہ کرے بلکہ وہ روپیہ اور قوت ملکی زمینوں اور ذرائع پر قابو پانے کے لئے خرچ کر دے۔

غذائی صورت حال اور ضرورت زندگی سمجھ لینے کے بعد برتھ کنٹرول کی برائیاں اور نقصانات پیش کرتے ہیں کہ کوئی صاحب اس کی طرف بھول کر بھی قدم نہ رکھیں۔ جاننا چاہیئے کہ پیدائش اولاد کا مسئلہ انتہائی قوت پر ہے جس سے انسانی خون کا جوہر (منی) مرد کی طرف سے نطفہ کی صورت میں عورت کے جسم میں منتقل ہوتا ہے۔ اس حالت میں عورت کے جسم وخون اور نفس میں ایک زبردست جوش اور دِل، دماغ اور جگر میں ایک غیر معمولی ارتعاش ہوتا ہے۔ ایسے انتہائی موقعہ پر کہا جاتا ہے کہ دونوں سرور سے مستفیض ہو سکتے ہیں، مگر اولاد پیدا نہیں کر سکتے۔ اس مقصد کے لئے ان کو ذیل کی صورتوں پر عمل کرنا پڑے گا:

① اپنا مادہ منویہ باہر پھینک دے۔
② غیر فطری رکاوٹوں کا سہارا لے جیسے فرنچ لیدر۔
③ عورت ایسی ادویات کا استعمال کرے کہ وقتی طور پر کرم منی فنا ہو جائے۔
④ عورت اور مرد ایسی ادویات کھائیں جن سے قیام نطفہ کی صلاحیت ختم ہو جائے۔
⑤ وہ ان راستے اور نالیوں کو بند کرا دیں جن سے نطفہ گزر کر رحم میں داخل ہوتا ہے اور باعث حمل بنتا ہے۔

اوّل دو صورتوں میں مرد کا انزال پورے طور پر نہیں ہو سکتا جس سے اعضاء رئیسہ دِل و دماغ میں یقیناً خلل واقع ہو جاتا ہے اور اس کا نتیجہ پاگل پن ہے اور موت فالج سے ہوتی ہے۔ ایسے تماش بینوں میں جو انزال روکنے اور امساک کو دیر تک قائم رکھنے کی کوشش کرتے ہیں ان امراض کا شکار ہوتے دیکھا گیا ہے۔

جہاں تک عورت کی تینوں صورتوں کا تعلق ہے اس میں لازم ہے کہ جب تک رحم کے اعضاء میں تغیر پیدا نہ ہو جائے پیدائش میں رکاوٹ نہیں ہو سکتی۔ رحم میں تغیر کی صورت وہاں تین صورتوں میں سے کسی ایک کا نمودار ہونا ضروری ہے: (۱) سوزش (۲) سیلان (۳) ضعف جن کا بلاواسطہ اثر اعضاء رئیسہ پر یقیناً پڑتا ہے۔ ان تینوں میں سوزش رحم کی صورتیں 75 فیصد پیدا ہو جاتی ہیں۔ نتیجہ میں یہ سوزش شدت اختیار کر کے دق وسل (ٹی بی) کی صورت اختیار کر لیتی ہے پھر رفتہ رفتہ بخار اور کھانسی اس پر قابو پا لیتے ہیں۔ سیلان کی صورت میں عورت روز بروز برف کی طرح گھلنا شروع ہو جاتی ہے۔ اور سوکھ کر کانٹا بن جاتی ہے۔ ضعف کی صورت میں اس کی طاقتیں اس کو جواب دینا شروع

ہو جاتی ہیں۔ عام طور پر خراش ہو جاتی ہے، چلنے پھرنے اور کام دھندے کی قوت سلب ہونا شروع ہو جاتی ہے، اکثر تشنجی دورے پڑتے ہیں اور اکثر انہی میں ختم ہو جاتی ہے۔ اس وقت تک برتھ کنٹرول کی کوئی بھی ایسی صورت سامنے نہیں آئی جس سے بغیر رحم کی خرابی کے پیدائش اولاد کو روکا جا سکے۔ البتہ صرف ایک صورت ہے کہ حمل کے بعد سے لیکر بچے کے دودھ چھڑانے تک عورت کو مرد کے قریب نہیں جانا چاہیے۔ یہ زمانہ کم وبیش اڑھائی سال کا ہوتا ہے۔ اس میں عورت کا ذہن اور صحت تو برداشت کر سکتی ہے کیونکہ عورت کی طبیعت کا رجحان بچہ کی پرورش کی طرف ہوتا ہے۔ مگر مرد اڑھائی سال تک عورت سے دوری اور پرہیز برداشت نہیں کر سکتا، اس لئے لامحالہ وہ اپنی بیوی کو تنگ کرتا ہے۔ جس میں بیوی اور بچہ دونوں کی صحت خراب ہوتی ہے یا غیر عورتوں کی طرف جاتا ہے جن میں اکثر کنواری ہوتی ہیں جو خود حمل کی مصیبت میں گرفتار ہو جاتی ہیں جن کے لئے عام طور پر برتھ کنٹرول کے کلینک اور مخرج اطفال صورتیں مفید ثابت ہوتی ہیں۔ مگر جب بھی حمل ضائع ہوتا ہے عورت مرض میں گرفتار ہو کر دائم المریض بن جاتی ہے اور نتیجہ یقیناً دق اور سل میں ظاہر ہوتا ہے۔ اس لئے ایک عورت کی صورت میں مرد مجبور ہے کہ یا وہ اپنی بیوی کو بار بار تنگ کرے یا حرام کاری کر کے دیگر معصوم لڑکیوں کی زندگی ختم کر دے۔

اسلام اسی لئے ایک سے لے کر چار بیویوں تک کی اجازت دیتا ہے مگر ہندو مذہب اور عیسائی مذہب میں دوسری بیوی کو گناہ خیال کرتے ہیں چونکہ مسلمانوں کا معاشرہ ہندو وعیسائی کے ساتھ بہت قریب کا ہے اس لئے مسلمان عورت میں بھی اس سلسلہ میں دوسری عورت سے نفرت کی صورت پیدا ہو گئی ہے۔ بعض دفعہ یہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ ایک عورت کے سال سال وقفہ کے تین چار بچے پاس چمٹے ہوئے ہیں، ایک گود میں ہے، ایک پیٹ میں ہے، گھر کے کام کاج انجام دیتی ہے اور پھر رات کو اپنے مرد کو خوش کرتی ہے۔ وہ دائم المریض بھی ہے۔ مگر مرد کو دوسری بیوی کی اجازت نہیں دیتی۔ اسی لئے یورپ اور امریکہ میں یہ رسم پیدا ہو رہی ہے کہ امیر آدمیوں نے اپنی سیکرٹری رکھنی شروع کر دی ہیں اور اس کو جائز قرار دیا جا رہا ہے۔ مگر اسلام یہ چاہتا ہے کہ کوئی شخص معاشرہ کی حدود نہ توڑے اور حرام کاری بند ہو جائے۔ مگر دنیا کہتی ہے کہ جب دودھ بازار میں بکتا ہے تو بھینس خریدنے کی کیا ضرورت ہے۔

جہاں تک اسلام کا تعلق ہے وہ برتھ کنٹرول کو گناہ اور حمل ضائع کرنے کو قتل کے مترادف گردانتا ہے جو گناہ عظیم ہے۔ جہاں تک خوراک کا مسئلہ ہے قرآن حکیم صاف صاف واضح کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اس زمین پر جو مخلوق چلتی ہے اس کے علم میں ہے اور اس کی موت کبھی ایک سیکنڈ پہلے نہ ہوگی اور نہ ایک سکنڈ بعد میں۔ اس لئے کہ وقت مقرر ہے۔ جہاں تک دُنیا کو رزق ملنے کا سوال ہے وہ فرمان خداوندی موجود ہے کہ:

﴿ وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا ۝ ﴾

''جو مخلوق اس زمین پر چلتی ہے اس کا رزق اللہ تعالیٰ پر لازم ہے''۔

اسلام اپنے اس نظام کو فطری نظام کہتا ہے، البتہ سائنٹفک (علمی) نظام نہیں کہتا۔ کیونکہ اکثر مقام پر سائنس کے اصول غیر محققہ ہیں۔ وہ نظام فطری سے مختلف صورتیں پیدا کر دیتے ہیں، البتہ جہاں پر فطرت اور سائنس ہم آہنگ ہوتے ہیں اسی کا نام سلامتی ہے۔ بس انسان ربّ العالمین کے لئے فرمانبردار ہوتا ہے جس کو عربی زبان میں لفظ مسلم سے ظاہر کیا گیا ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ جب زندگی فطرت کے اصولوں کو توڑتی ہوئی اس کے خلاف عملدر آمد کرتی ہے اس کا ردّعمل اس سے دوری اور نتیجہ نقصان رساں ہوتا ہے۔ صالح عمل سے ردّعمل خیر اور فلاح کی صورت میں اور نتیجہ امن کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ یہ مسئلہ حقیقت ہے کہ برتھ کنٹرول غیر فطری اور غیر صالح عمل ہے۔ اس کے نتیجہ میں یقیناً خیر اور فلاح کبھی حاصل نہیں ہو سکتی۔ اس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا

ہے کہ:

﴿ فطرۃ اللّٰہ الذین فطر الناس علیہ ۝ ﴾

اور صالح عمل اور ردِّ عمل کو لفظ (دین) سے تعبیر کرتے ہیں۔

برتھ کنٹرول سے عورت کے رحم میں شدید سوزش اور ورم پیدا ہو جاتا ہے جس سے وہ فوراً (ٹی بی) میں گرفتار ہو جاتی ہے جس کا علاج کرنے میں فرنگی طب بالکل ناکام ہو چکی ہے۔

تپ دق وسل کی حقیقت اور اس کا بے خطا و یقینی علاج

تعریف مرض

تپ دق ایسے بخار کو کہتے ہیں جو ہر وقت قائم رہتا ہے۔ البتہ پسینہ آ جانے کے بعد کم ہو جاتا ہے۔ اس بخار میں چونکہ تحلیل بہت زیادہ واقع ہوتی ہے اس لئے مریض سوکھ کر کانٹے کی طرح دبلا پتلا اور دقیق ہو جاتا ہے۔ اس لئے اس بخار کو تپ دق کہتے ہیں۔ انگریزی میں (ٹیوبرکلوسس) کہتے ہیں۔ سل کے معنی ایسے زخم کے ہیں جو عسر العلاج ہو اور انسان کو لاغر اور نحیف کر دے۔ یہ زخم پھیپھڑوں تک محدود نہیں ہے۔ جسم کے کسی بھی حصے میں ہو سکتا ہے لیکن یہ زخم عام طور پر ذات الریہ (نمونیا) و محرقہ (ٹائیفائیڈ) اور سوزش معدہ (سٹامک ارٹیشن) و سوزش رحم (یوٹرائن ارٹیشن) کے بعد ہو جاتا ہے۔ اس کو انگریزی میں تھائسس کہتے ہیں۔ عام طور پر تپ دق اور سل ایک دوسرے کے مترادف اور ایک ہی معنوں میں استعمال ہو جاتے ہیں لیکن تپ دق میں سل ضروری نہیں ہے۔ البتہ سل میں تپ دق ضروری ہے۔

کسی مرض کے علاج میں پوری طرح کامیابی کا راز یہ ہے۔

ماہیت مرض

کسی مرض کے علاج میں پوری طرح کامیابی کا راز یہ ہے کہ اس مرض کو صحیح اور مکمل طور پر سمجھ لیا جائے۔ جو معالج بھی مرض کی ماہیت سے واقف نہیں ہوتے، وہی علاج میں ناکام ہوتے ہیں۔ فرنگی ڈاکٹر اس مرض کے علاج میں اس لئے ناکام ہیں کہ یورپ، امریکہ اور روس نے اس مرض کی صحیح ماہیت کو پورے طور پر نہیں سمجھا اور وہ مرض کا جو علاج کرتے ہیں وہ صرف علاماتی ہے، ورنہ مرض کی حقیقت اور ماہیت پورے طور پر واضح ہو تو پھر علاج مرض کیا مشکل ہے۔ فوراً مریض کے جسم کی حالت اور کیفیت بدلی جا سکتی ہے اور اسباب دور کئے جا سکتے ہیں۔ فرنگی ڈاکٹر اس مرض کا سبب جراثیم قرار دیتے ہیں جس کو ''ٹیوبرکل بیسی لیس'' کہتے ہیں اور اس پر پورے طور پر یقین رکھتے ہیں۔ لیکن ان جراثیم کو ختم کر سکتے ہیں اور ختم کر بھی دیں تو مریض پہلے ہی ختم ہو جاتا ہے۔ فرض کر لیں کہ مریض کی زندگی میں ان کو ختم کر لیں، ہم تھوڑی دیر کے لئے تسلیم کر لیتے ہیں لیکن ان کے ختم ہونے سے یہ بات بے حد قابل غور ہے مریض کے جسم کی حالت اور کیفیت تو نہیں بدلی جا سکتی کیونکہ عقل سلیم سے اگر کام لیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ سبب صرف محرک مرض ہے خود وہ مرض نہیں ہے۔ مرض اس کی حالت کا نام ہے جو سبب کے بعد پیدا ہو گئی ہے، سبب دور ہو جانے کے بعد مرض کا علاج باقی رہتا ہے، مگر فرنگی ڈاکٹروں کے ہاں سبب مرض غلط ہے۔ اگر اس کو صحیح بھی سمجھ لیں تو مرض کا دور کرنا ایک بالکل جدا صورت ہے جس کی مثال سوئی کا بدن میں چبھ جانا ہے۔ اس میں سوئی تکلیف کا سبب ہے مگر تکلیف مرض ہے جو سوئی سے جدا بات ہے۔ سوئی نکال لینے کے بعد مرض رفع نہیں ہوگا۔ اس کا علاج قوت مدبرہ بدن کرے

گی۔ اگر وہ کمزور ہوئی تو دوا کی ضرورت لازم آئے گی۔ اگر قوت مدبرہ بدن میں مضبوط بھی ہو تب بھی دوا لازم ہے کیونکہ اول اس سے تسکین پیدا ہوتی ہے، دوسرے مرض کے بڑھنے کا خطرہ باقی نہیں رہتا۔

فرنگی طب میں اسباب ختم کرنے کے لئے مرض قائم رہتا ہے اور بڑھتا رہتا ہے، کیونکہ حالت بدن اور کیفیت بدستور قائم ہیں۔ جراثیم کے فنا کر دینے سے یہ مرض ختم نہیں ہو سکتا جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے، اس میں ایک اور غلطی یہ ہے کہ فرنگی طب جن کو جراثیم قرار دیتی ہے وہ اسباب واصلہ نہیں ہیں جن کی تعریف یہ ہے کہ ان کے ساتھ مرض پیدا ہوتا ہے ان میں اور مرض میں فاصلہ نہیں ہوتا۔ گویا مرض سے متعلق ہوتے ہیں اور ان کے برعکس جراثیم اسباب سابقہ ہیں اور اسباب واصلہ وہ عضو کی حالت جو خراب ہو گیا ہو اور وہ کیفیت ہے جو کیمیاوی طور پر واضح ہو گئی ہے۔ جب تک عضو مشینی طور پر (مکینیکلی) اور کیفیات جسم (کیمیکلی) درست نہ ہوں مرض کسی طرح بھی نہیں جا سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ فرنگی اس علاج میں ناکام ہے۔

طب یونانی میں تمام اقسام کے بخاروں کو تین اقسام میں تقسیم کیا گیا ہے اور یہ تقسیم جسم انسان کی تقسیم کے مطابق کی ہے۔ جسم انسانی تین حصوں میں تقسیم ہے: اوّل اعضاء، دوسرے رطوبات (خون اس میں شریک ہے)، تیسرے ارواح۔ اطباء یونانی نے اعضاء کو حمام، رطوبت کو آب حمام اور ارواح کو ہوائے حمام سے تشبیہ دی ہے اور ہر قسم کے بخاروں کا تعلق بھی انہی تینوں کے ساتھ قائم ہے۔ چنانچہ اگر حرارت ارواح کو لاحق ہو تو اس قسم کے بخار کو ان کی اصطلاح میں حمی یوم کا نام دیا جاتا ہے۔ اگر حرارت رطوبات میں لاحق ہو جائیں تو ایسے بخاروں کو حمی خلطیہ کہتے ہیں، البتہ حمی یومیہ کی شدت اس کو حمی خلطیہ میں اور اس کا مزمن ہونا اس کو حمی دق میں منتقل کر دیتا ہے۔ اگر حرارت اعضاء میں لاحق ہو تو اس کو حمی دق کہتے ہیں اصطلاح طب میں بخار اس غیر طبعی اور عارضی حرارت کو کہتے ہیں جو قلب میں حادث ہو کر سارے بدن میں پھیل جائے یا کسی اور عضو اصلی میں پیدا ہو کر دل کے ذریعے تمام جسم میں پھیل جائے۔ اس کو حرارت غریبہ بھی کہتے ہیں۔ حرارت غریبہ کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہ ایک طرف حرارت غریزہ کی غیر حاضری میں بدن کی حفاظت کرتی ہے لیکن دوسری طرف رطوبات غریزہ میں تحلیل پیدا کرتی ہے۔ جسم انسان کو اگر دیئے سے تشبیہ دی جائے تو اس کا تیل رطوبات غریزیہ اور اس کی بتی اعضاء اصلیہ اور شعلہ حرارت غریبہ ہے جو حرارت غریزہ کی غیر حاضری میں پیدا ہو گیا ہے، جو دیئے کے تیل کو ختم کر رہا ہے اور جب تیل ختم ہو جاتا ہے تو بتی کو فوراً جلا ڈالتا ہے۔ گویا تپ دق وہ بخار ہے جو انسان کے اعضاء اصلیہ کو حرارت لاحق ہو جاتی ہے کیونکہ رطوبات اصلیہ (رطوبات غریزہ) تقریباً ختم ہو جاتی ہے اس لئے اس مرض کے علاج کو بے حد مشکل کہا گیا ہے۔ (رطوبات اصلیہ پھر پیدا ہو سکتی ہے یا نہیں یہ مسئلہ اہل فن میں متنازعہ فی ہے چونکہ مضمون کی طوالت مدنظر ہے اس لئے اس کو پھر کبھی بیان کیا جائے گا البتہ میری تحقیقات یہ ہیں کہ اعضاء اصلیہ خود رطوبات اصلیہ پیدا کر سکتے ہیں اور مفرد اعضاء کے تحت مجھے بے حد کامیابی حاصل ہوئی ہے)۔

آیورویدک میں اس مرض کی ماہیت تو خاص نہیں بیان کی گئی البتہ دوشوں کے تغیرات کو خاص اہمیت دی گئی ہے مگر مرض کے جو نام رکھے گئے ہیں ان سے اس مرض کی ماہیت پر کچھ روشنی پڑتی ہے۔ آیورویدک کتب میں اس مرض کے چار نام ملتے ہیں:

(۱) یکھشما (۲) راج یکھشما (۳) کھیے (۴) شوش۔

① ان کی حقیقت یہ ہے کہ یکھش ایک دیوتا کا نام ہے کیونکہ بروقت علاج مریض اور تیماردار معالج کی اس طرح عزت کرتے ہیں جیسے کوئی دیوی، دیوتا ہو۔ اسی مناسبت سے اس مرض کو یکھشما کہتے ہیں۔ اس سے واضح ہے کہ دق اور سل کے مریض کو اس مرض کا بے حد خوف ہوتا ہے۔ اس لئے اس سے نجات حاصل کرنے کے لئے وہ معالج کو دیوتا اور دیوی ہی تصور کرتا ہے۔

(۲) آیورویدک کی رو سے یہ مرض سب سے پہلے ایک راجہ کو ہوا تھا۔ اس لئے اس مرض کو راج یکھشما کہتے ہیں۔ گویا راجاؤں کو ہونے والا مرض۔ لیکن نام سے پتہ چلتا ہے کہ چندر کے مان کو توڑنے والی چندر کا لفظ ایک اشارہ (سمبل) ہے۔ پانی اور رطوبات جسم کی طرف اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ مرض رطوبات جسم کو رفتہ رفتہ ختم کر دیتا ہے، البتہ یہ مناسب صحیح معلوم ہوتا ہے کہ یہ مرض امراء اور راجاؤں کو ہوتا ہے اور غریب آدمی اس کے علاج کا خرچ برداشت نہیں کر سکتے۔

(۳) کھیئے کے معنی کمزور ہونا یا ضائع کرنے کے ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ اس مرض کو دور کرنے کے لئے جس قدر تدابیر کی جاتی ہیں وہ اکثر مرض کے مقابلے میں کمزور ہوتی ہیں جو اکثر ضائع ہو جاتی ہیں۔ لفظ کھیئے اصل میں کھشے کی بگڑی ہوئی صورت ہے اور آیورویدک میں ہر مرض دق وسل کھشے روک کے نام سے مشہور ہے، جس کے معنی ہیں کمزور کر دینے والا مرض۔

(۴) آیورویدک کے اصول کے مطابق جسم انسانی میں سات دھاتیں پائی جاتی ہیں۔ دھاتوں کے معنی (سوکھنے کے ہیں)۔ چونکہ اس مرض میں یہ ساتوں دھاتیں سوکھنے لگ جاتی ہیں اس لئے اس کو شوش کہتے ہیں۔

ان تمام ناموں کا مقصد یہ نکلا کہ کھشے روگ ایک ایسا مرض ہے جو جسم کی رطوبات کو لاحق ہو جاتا ہے جس سے اس کے تمام اعضاء اور دھاتوں خشک ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔ جس سے نہ صرف انسان نحیف اور کمزور بلکہ غریب بھی ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ راجے اور مہاراجے بھی اس مرض کا مقابلہ نہیں کر سکتے اور ایک خاص نکتہ یہ ہے کہ یہ مرض ہمیشہ کھاتے پیتے انسانوں کو ہوتا ہے۔

ہومیوپیتھی

ہومیوپیتھی میں مرض کا کوئی تصور ہی نہیں ہے۔ اس لئے دق وسل (ٹی بی) کی ماہیت کیا ہے، مرض کی ماہیت بیان نہیں کی گئی۔ البتہ ہومیوپیتھی نے انسانی جسم کے تمام امراض کو تین مادوں میں تقسیم کر دیا ہے: (۱) سیکوسس (۲) سورا (۳) سفلس۔

اگر مادوں کو مدنظر رکھ کر دق وسل کی علامتوں میں تطبیق دی جائے اور اس سلسلہ میں جو ادویات استعمال کی گئی ہیں غور اور مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ دق وسل (ٹی بی) کا تعلق سیکوسس سے ہے۔ افسوس ڈاکٹر ہانمن صاحب اور بعد کے آنے والے نامور ہومیوپیتھ محققین نے مادہ کی حقیقت پر تفصیل سے روشنی نہیں ڈالی اور یہ مادہ صرف علامات کی حد تک محدود ہو کر رہ گیا ہے۔ اس مادہ کی حقیقت کا جاننا ضروری نہیں، ان شاء اللہ تعالیٰ ہم اس مادہ کی حقیقت پر روشنی ڈالیں گے اور اس کی تفصیل اپنے مضمون میں شامل کریں گے۔ جو ہومیوپیتھی ریسرچ کے نام سے شائع ہو رہا ہے۔

طب جدید شاہدروی

طب جدید شاہدروی کے موجد جناب استاذ الاطباء حکیم احمد الدین صاحب نے دق وسل پر جو روشنی ڈالی ہے وہ صرف تشبیہ تک محدود ہے کہ جس کسی عضو کی خرابی سے دق وسل پیدا ہو جاتا ہے، اس میں داد (رنگ ودم) کی صورت پیدا ہو جاتی ہے جس کا علاج بے حد دقت طلب ہے۔ اس تشبیہ میں اگر اس مرض کی ماہیت تو نہیں بیان کی گئی البتہ اس کی صورت ضرور سامنے آ گئی۔

دیگر طریقہ ہائے علاج

مثلاً ہائیڈروپیتھی، بایوکیمک، سائیکوپیتھی اور فزیوتھیراپی وغیرہ میں اس مرض کی ماہیت پر کچھ روشنی نہیں ڈالی گئی۔ البتہ دق وسل کو

مرض کی علامت سمجھ کر اس کا علاج پیش کیا گیا ہے۔ نتیجہ واضح ہے کہ جب مرض کی حقیقت کا علم نہ ہو تو علاج بے معنی ہو کر رہ جاتا ہے۔ اس لئے ایسے علاجات کی اہمیت اس عطائی سے زیادہ نہیں ہوتی جو کسی مرض کی ماہیت کو نہیں جانتا مگر اس کا یقینی علاج اور ادویات استعمال کر کے مرض کو دور کر دیتا ہے۔ ایسے علاج کی طرف بھی وہی لوگ رجوع کرتے ہیں جو عملی و منطقی اور سائنسی طریقہ ہائے علاج سے بے نیل و مراد واپس لوٹ جاتے ہیں۔

ماہیت امراض

جہاں تک امراض جسم کا تعلق ہے تو تسلیم کرنا پڑتا ہے بقول شیخ الرئیس کہ مرض اس حالت کا نام ہے جب مجریٰ جسم میں خرابی واقع ہو جائے اور وہ اپنے اپنے افعال صحیح طور پر انجام نہ دیں۔ جہاں تک مجریٰ جسم کا تعلق ہے اس میں دو چیزیں شریک ہیں، اوّل اعضاء جسم، دوسرے مجریٰ جسم میں چلنے والا خون اور رطوبت۔ اگرچہ دونوں لازم وملزوم ہیں تاہم اعضاء کے افعال کی خرابی اپنی جگہ اور خون کی کیمیاوی تبدیلیاں اپنے اندر ایک مسلمہ حقیقت رکھتی ہیں۔ امراض کی تشخیص میں دونوں کا ذہن نشین کرنا ایک اہم حقیقت ہے۔

جہاں تک اعضاء جسم کا تعلق ہے موجودہ علمی تحقیقات (ماڈرن سائنس) نے جسم انسان کو چار اقسام کے بنیادی اعضاء میں تقسیم کیا ہے جس کو وہ ٹشوز (نسیج بافت) کہتے ہیں۔ یہ ٹشوز چھوٹے چھوٹے حیوانی ذرات (سیلز) کا مجموعہ ہوتے ہیں اور پھر ٹشوز آپس میں اس طرح ایک دوسرے سے ملے ہوتے ہیں جیسے کپڑا۔ اس لئے ان کو بافت کہا جاتا ہے۔ یہ چار قسم کے ٹشوز ہوتے ہیں: نروز ٹشوز۔ نسیج عصبی، مسکولر ٹشوز۔ نسیج عضلی، اپیتھل ٹشوز۔ نسیج قشری، کنکٹو ٹشوز۔ نسیج الحاقی کے نام سے منسوب ہیں۔ اس کے سوا جسم انسانی میں کوئی بھی ٹشو نہیں ہے۔ اور سر سے لے کر پاؤں تک تمام جسم کے اعضاء بلکہ مکمل جسم انہی کی بافت سے بنا ہوا ہے۔ گویا یہی جسم انسانی کے ابتدائی اور مفرد اعضاء ہیں۔

ان ٹشوز کو سامنے رکھ کر اگر جسم انسانی کی تقسیم کی جائے تو خون کے علاوہ جسم انسانی کے اعضاء کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ اوّل وہ ٹشوز جو جسم انسانی کا ڈھانچہ اور بنیادی اعضاء تیار کرتے ہیں۔ یہ ٹشوز صرف کنکٹو ٹشوز (نسیج الحاقی) اور ان سے جو بنیادی اعضاء اور ڈھانچہ تیار ہوتا ہے تین قسم کے اعضاء ہیں: ہڈی، رباط اور وتر کہلاتے ہیں۔ دوسرے وہ ٹشوز جو جسم انسانی میں حیاتی افعال انجام دینے والے اعضاء تیار کرتے ہیں۔ ان ٹشوز میں تین بافتیں شریک ہیں: (۱) نروز۔ نسیج عصبی (۲) مسکولرز۔ نسیج عضلاتی (۳) اپیتھل ٹشوز۔ نسیج قشری۔ ان ہی سے انسانی اعضاء رئیسہ دل، دماغ، جگر بنتے ہیں۔ جو ان بافتوں کے مراکز ہیں۔ (۱) اعصاب کا مرکز دماغ (۲) عضلات کا مرکز دل اور جگر کا مجموعہ ہے۔ جسم کے تمام اعضاء انہیں سے مل کر بنتے ہیں۔ گویا اعضاء اور حیاتی اعضاء تمام اعضاء کی اکائیاں اور مفرد ہیں۔ اور باقی تمام جسم اور اس کے اعضاء جیسے سر، آنکھ، کان، ناک، منہ، سینہ، معدہ، امعاء اور مثانہ وغیرہ ان ہی اکائیوں اور مفرد اعضاء سے مرکب ہیں اور تمام جسم کے مجریٰ بھی انہی سے مل کر بنتے ہیں۔ اور زندگی وقوت اور صحت کے افعال انجام دیتے ہیں۔ جہاں تک خون کا تعلق ہے اس میں کیمیاوی طور پر انہی چاروں ٹشوز کے عناصر پائے جاتے ہیں۔ جن سے ان اعضاء کا تغذیہ اور تنمیہ ہوتا رہتا ہے۔ گویا زندگی تغذیہ اور تصفیہ اعضاء کے سپرد ہے۔

جب جسم انسان میں امراض کی کوئی صورت پیدا ہوتی ہے تو لامحالہ ان کا ابتدائی اثر ان بنیادی ٹشوز میں کسی ایک میں شروع ہوتا ہے۔ یہ کبھی نہیں ہوتا کہ بیک وقت دو ٹشوز میں مرض کی ابتداء ہو جائے۔ البتہ جب جسم میں اس مرض کے زہریلے اجزاء بہت زیادہ ہو جائیں تو دیگر ٹشوز کو بھی متاثر کر دیتے ہیں۔ پھر صورت یہاں تک پہنچ جاتی ہے کہ تمام جسم متاثر ہوتا ہے۔ اور موت واقع ہو جاتی ہے۔

دق اور سل کی حقیقت

مندرجہ بالا ٹشوز کے تحت اگر جسم کی تقسیم کو مدنظر رکھا جائے تو تحقیقات سے پتہ چلتا ہے کہ یہ مرض اول مسکولر ٹشوز (نسیج عضلاتی) میں نمودار ہوتا ہے، اور جب انتہا کو پہنچ جاتا ہے تو پھر اپی تھیل ٹشوز پر بھی اثر انداز ہوتا ہے۔ جب تک اس کا اثر مسکولر ٹشوز پر رہتا ہے اس وقت تک ہم اس کو دق کہتے ہیں، جب اس کا اثر اپی تھیل ٹشوز تک پہنچ جاتا ہے تو اس وقت ہم اس کو سل کہتے ہیں اور سل ہی دق کا تیسرا حصہ ہے۔ جس کو ناقابل علاج یا عسر العلاج کہتے ہیں۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ مرض اپی تھیل ٹشوز سے شروع ہوتا ہے جس کو ہم سل کہتے ہیں اور پھر وہ مسکولر ٹشوز کو بھی اپنی گرفت یا لپیٹ میں لے لیتا ہے۔ اسی لئے کہا جاتا ہے کہ مرض سل کے ساتھ دق لازم ہے۔ مگر دق کے ساتھ سل لازم نہیں ہے۔

دق وسل کی اس تحقیقات کا ثبوت

چونکہ یہ ایک جدید تحقیق ہے اور مفرد اعضاء سمپل (آرگن) کے نظریہ کے تحت پیش کی ہے جو اس سے قبل نہ آیورویدو طب یونانی اور فرنگی طب اور ہومیوپیتھی بلکہ کسی بھی طریق علاج نے اس طرف اشارہ نہیں کیا۔ صحیح بات تو یہ ہے کہ اس وقت دُنیا بھر میں سائنس کا جو زور ہے جس میں امریکہ، برطانیہ، روس اور چین کو ایک زبردست مقام حاصل ہے۔ لیکن ان کی کسی کتاب یا کسی مضمون میں اس تحقیقات کا ذکر نہیں ہے۔ یہ میری تین پچیس سالہ تحقیقات کا نتیجہ ہے جو دُنیا کے سامنے پیش کر رہا ہوں۔ اس نظریہ مفرد اعضاء (سمپل آرگن تھیوری) کے تحت نہ صرف مرض دق وسل کی تشخیص وعلاج آسان اور یقینی ہو گئے ہیں بلکہ دیگر عسر العلاج امراض کی تشخیص وعلاج بھی آسان اور یقینی ہو گئے ہیں جن پر ان شاء اللہ تعالیٰ بہت جلد اپنی تحقیقات پیش کریں گے۔ [اس سلسلہ میں 18 تحقیق کتب نوری کتب خانہ بالمقابل ریلوے اسٹیشن لاہور کے زیر اہتمام شائع ہو چکی ہے۔ ناشر]

چونکہ ہم نے ایک نئی تحقیق پیش کی ہے اس لئے ہم پر فرض ہے کہ اس کا ثبوت بھی ہم پیش کریں۔ اگر بنظر غور دیکھا جائے تو اس کا ثبوت ہم اوپر اعضاء کی تقسیم میں پیش کر آئے ہیں یعنی جن اعضاء میں خرابی سے یہ پیدا ہوتا ہے اس کا ذکر کر دیا گیا ہے، یہی ثبوت ہے۔ اب اہل فن اور صاحب علم کا فرض ہے کہ وہ دق وسل کے مریضوں پر غور کر کے تسلی کر لیں کیا واقعی ان امراض کا تعلق انہی ابتدائی ٹشوز اور مفرد اعضاء سے ہے ان شاء اللہ تعالیٰ اس تحقیق میں سرمو فرق نہ پائیں گے۔

صرف عوام کے ذہن نشین کرانے اور تسلی کی خاطر ہم اس کی مزید تشریح کر دیتے ہیں۔ جو یہ کہا جاتا ہے کہ دق اور سل جسم کے تقریباً ہر عضو میں ہو سکتا ہے۔ یہ جاننا چاہئے کہ جن جن عضو میں یہ مرض ہو سکتا ہے ان مقامات اور اعضاء پر اگر غور کیا جائے تو وہاں پر یہی مسکولر ٹشوز، اپی تھیل ٹشوز نظر آئیں گے۔ کہیں بھی نروز ٹشوز میں اثر انداز ہو تو مرض خود بخود رفع ہو جائے گا۔ اس لئے اس کا یقینی علاج بھی یہی ہے کہ نروز ٹشوز کے فعل میں جو خرابی پیدا ہو گئی ہے، اس کو دور کر کے اس کے فعل کو درست کیا جائے۔ اس کو درست کرنے کا طریقہ کیا ہے؟ اس کی تفصیل نظریہ مفرد اعضاء کے سمجھنے سے فوراً ذہن میں بیٹھ جاتی ہے۔ مختلف اقسام کے دق وسل ساتھ ہی درج ہیں۔

مثالیں

دق وسل سرسامی چشمی جس کی پھر کئی صورتیں ہیں۔ ریوی، معدی، امعائی، کلوی اور رحمی وغیرہ۔ ان میں جو مقام متاثر ہوتے ہیں، وہ نمایاں ہیں۔ البتہ کبدی کبھی نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ کبدی میں سوزش سے اس قدر صفرا اور حرارت پیدا ہوتی ہے کہ اس کا زہر اور مادہ فنا ہو جاتا ہے۔ ہڈی میں دق نہیں ہوتا، البتہ اس میں جو سل ہوتی ہے وہ بھی ہڈی کی ذات میں بلاواسطہ نہیں ہوتی بلکہ بالواسطہ ہوتی ہے، یعنی وہ سل ہڈی

کی غشاء میں ہوتا ہے۔ جس کی خرابی سے ہڈی کو پوری غذا نہیں ملتی اور وہ خستہ ہو کر بھربھری ہو جاتی ہے اور اکثر ٹوٹ جاتی ہے۔ یہاں یہ امر یاد رہے کہ ہڈی کی غذائیت میں سب سے اہم جز فاسفیٹ (حرارت حوانیہ) کا ہوتا ہے جس کے ختم ہو جانے پر ہڈی بھربھری ہو جاتی ہے۔ دق وسل سرسامی میں کہیں یہ مغالطہ نہ رہے کہ دماغ چونکہ اعصاب کا مرکز ہے، اس لئے اس میں جو دق وسل ہوگا وہ اعصابی ہوگا۔ نہیں ہرگز نہیں، دماغ میں عضلاتی پردہ ہوتا ہے جس کو حجاب کہتے ہیں یعنی مسکولر ٹشوز وہاں پر بھی پائے جاتے ہیں، اس طرح وہاں غشاء بھی پائی جاتی ہیں۔ جس کا تعلق اپیتھل ٹشوز کے ساتھ ہے۔ یہ مقام اور اعضاء اس امر کی دلالت کرتے ہیں کہ دق وسل (ٹی بی) کا تعلق کسی خاص حصہ جسم سے نہیں ہے اور علاج میں انہی اعضاء اور ٹشوز اور ان کے افعال کو مدنظر رکھنا چاہیے۔ اس کا نام صحیح علاج ہوگا۔

اسباب دق وسل

فرنگی طب (ڈاکٹری) اس مرض کا سبب جراثیم قرار دیتی ہے۔ جیسا کہ ماہیت مرض میں لکھا جا چکا ہے، ہمیں اس سے انکار نہیں ہے۔ ٹی بی کے اسباب میں ایک ٹی بی کے جراثیم بھی ہوتے ہیں۔ لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ جراثیم مقدم ہیں یا جسم انسانی میں امیونٹی (قوت مدافعت مرض) اور وائٹیلیٹی (قوت مدبرہ) جو پہلے ہی سے وہاں پر پائی جاتی ہے۔ امیونٹی کا تعلق متعلقہ عضو کے ساتھ ہوتا ہے اور وائٹیلیٹی کا تعلق سارے جسم وخون کے ساتھ ہوتا ہے۔ جب کسی قسم کے جراثیم جسم انسانی مین داخل ہوتے ہیں تو اوّل وائٹیلٹی اس کا مقابلہ کرتی ہے اور ان کو غیر ضروری اور غیر مفید شے سمجھتے ہوئے راستہ میں ختم کر دیتی ہے۔ اور اگر وہ کسی جسم میں داخل بھی ہو جائیں امیونٹی اور وائٹلٹی دونوں کمزور ہیں۔ دوسرے معنوں میں یوں سمجھ لیں کہ مریض کے متعلقہ اعضاء اور خون میں کمزوری اور نقص پایا جاتا ہے۔ ورنہ جراثیم کبھی بھی مرض کا باعث نہ ہو سکتے، یہی وجہ ہے کہ ایک گھر میں دس آدمی ہوتے ہیں تو ان میں مرض کے جراثیم سے وہی شخص متاثر ہوتا ہے جس کی امیونٹی اور وائٹلٹی کمزور تھی اور باقی اپنے انہی قویٰ کی مضبوطی کی وجہ سے مضبوط رہے اور وہ جراثیم کا پوری طرح مقابلہ کر سکتے ہیں۔ حقائق اور دلائل سے واضح ہو گیا کہ جراثیم سے بچنے کی بجائے جسم انسان کے اندرونی قویٰ کی حفاظت نہایت اہم شے ہے۔

اگر جراثیم کو ایسا زہر تسلیم کر لیا جائے جس کے متعلق یہ یقین اور تحقیق ہو چکا ہے کہ اس کا خون جسم انسانی میں باعث مرض ٹی بی ہے، اوّل تو ہم اوپر ثابت کر آئے ہیں جراثیم سے قبل جسم انسانی کے قویٰ جو بدن وخون اور اعضاء کے اندر پائے جاتے ہیں کمزور ہو کر جراثیم کو اثر کرنے کا موقع دیتے ہیں۔ تھوڑی دیر کے لئے ہم فرض کر لیتے ہیں کہ جراثیم کے مقابلے میں قویٰ، خون اور اعضاء جسم کو اہمیت نہیں ہے، صرف جراثیم ہی سب کچھ ہیں تو پھر اس مرض کا علاج آسان اور یقینی ہو جانا چاہیے اور فوراً جراثیم کش ادویہ استعمال کر کے اس مرض سے چھٹکارا حاصل کر لینا چاہئے، مگر ایسا نہیں ہوتا۔ جوں جوں فرنگی ڈاکٹر ادویات جراثیم کش استعمال کرتا ہے، مرض بڑھتا جاتا ہے اور نوبت یہاں تک پہنچ جاتی ہے کہ مریض انتہائی حسرت ویاس سے اس دُنیا سے رخصت ہو جاتا ہے، اور فرنگی معالج منہ تکتا رہ جاتا ہے۔ لیکن طریق علاج کو سائنٹفک خیال کرتا ہے اور اسی کو قائم رکھتا ہے۔ کیونکہ اصل سبب جو قوتِ جسم اور اعضاء ہیں، ان کو نظر انداز کر جاتے ہیں۔

دق وسل کے صحیح اسباب

ٹی بی جراثیم کو ہم نہ باعث سمجھتے ہیں اور نہ وہ سبب واصلہ ہیں۔ البتہ ہم اس کو ایسا زہر خیال کرتے ہیں جن سے مرض دق وسل پیدا ہو سکتا ہے۔ جیسے دیگر زہر دنیا میں جسم انسان پر اثر انداز ہوتے ہیں اور طبیعت مدبرہ بدن اور قوت مدافعت اس کا مقابلہ کرتے ہیں۔ اگر وہ کامیاب ہو گئے تو زہر کو باہر نکال لیتے ہیں۔ اگر کمزور رہے تو زہر غالب ہو کر فنا کا باعث کہلاتا ہے لیکن موت کا اصل سبب انسان کی طبیعت

مدبرہ بدن اور قوت مدافعت تھی۔ جن کا تعلق کیمیاوی طور پر خون کے ساتھ اور مشینی طور پر اعضاء جسم کے ساتھ ہے۔ گویا اعضاء جسم اور خون بدن اصل باعث مرض اور موت ہیں۔ بس یہی صورت دق وسل میں بھی قائم ہے۔

بس عقلی اور نقلی طور پر ثابت ہو گیا ہے کہ دق وسل کے اصل اسباب مجریٰ کی خرابی ہے جیسا کہ شیخ الرئیس بوعلی ابن سینا نے لکھا، ان مجریٰ جسم کا تعلق اعضاء جسم اور خون بدن سے ہے اور اعضاء کی بافت ٹشوز سے ترتیب پاتی ہے اور خون کی بناوٹ میں بھی ایک اعتدال لازم ہے جو ایک خاص رنگ، ٹمپریچر اور اقوام پر قائم ہے۔ یہ رنگ وٹمپریچر اور اقوام کا اعتدال خون کی گیسز لیکوئیڈ اور سالڈ مادوں (ٹھوس، مائع، گیس) پر منحصر ہے۔ جب ان میں کمی بیشی واقع ہو جاتی ہے تو خون کے رنگ وٹمپریچر اور اقوام میں نقص واقع ہو جاتا ہے۔ یہ نقص کیمیاوی (مادی) طور پر ہوتا ہے یا مشینی طور پر لیکن جسم میں خرابی اسی وقت واقع ہوتی ہے جب مشینی طور پر نقص پیدا ہو جائے اور اعضاء کے افعال میں اعتدال قائم نہ رہ سکے۔ بس اسی حالت کا نام مرض ہے۔ اس دقیق تحقیق کے بعد جب حقیقت سامنے آ گئی کہ خون کے رنگ و ٹمپریچر اور اقوام کے اعتدال اور مزاج کے بگڑ جانے سے مرض پیدا ہو جاتا ہے، ان حقائق سے ثابت ہو گیا ہے کہ حفظ صحت اور علاج خون کے مزاج کا اعتدال ہے جسے ویدک اور طب یونانی میں تسلیم کیا گیا ہے۔

اسباب کلی

اسباب کلی صرف تین ہیں: (۱) کیفیاتی اور نفسیاتی (۲) مادی (۳) شرکی۔

شرکی کیفیاتی اور نفسیاتی اگرچہ لازم وملزوم ہیں لیکن کیفیاتی اسباب کا تعلق موسمی تغیرات اور آفاق سے ہے اور نفسیاتی اسباب کا تعلق واردات قلبی سے ہے۔ اس لئے اکثر امراض کا اثر ہمارے خون کے اعتدال ومزاج اور اعضاء کے افعال پر پڑتا ہے۔ اس لئے ان کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ مادی اثرات میں ماکولات ومشروبات اور ہوا ہیں۔ اس میں کھانے پینے کی بے اعتدالی اور گندے وزہریلے اجزاء اور غیر مرئی جاندار جراثیم بھی شریک ہیں۔ (۳) شرکی اثرات جسم انسانی اور ان کے اعضاء کے افعال شریک ہیں۔ جن میں ایک عضو کی خرابی کا اثر دوسرے پر پڑتا ہے۔

دق اور سل کی پیدائش اور اس کی علامات

دق وسل کے مرض میں سب سے پہلے حرارت جسم کم ہونا شروع ہوتی ہے جن کا اثر غذا کے ہضم پر پڑتا ہے۔ پھر جو غذا ہضم نہیں ہوتی اس میں خمیر پیدا ہونا شروع ہو جاتا ہے جس سے مستقل طور پر معدہ اور امعاء میں ریاح کی پیدائش بڑھ جاتی ہے۔ گاہے گاہے نزلہ زکام کے دورے پڑتے ہیں۔ جسم میں تھکن رہنا شروع ہو جاتی ہے۔ گاہے گاہے نزلہ زکام کے دورے پڑتے ہیں۔ خون کی پیدائش میں کمی اور کمزوری ہونے لگتی ہے۔ رطوبت جسم کم ہونے سے معدہ وامعاء اور خصوصاً پھیپھڑوں میں ہلکی سوزش نمودار ہو جاتی ہے۔ مریض ان کو معمولی بات سمجھتا ہے، معمولی علاج کرتا ہے، مگر اپنے غذائی نظام کو درست اور حرارت کی کمی کو پورا کرنے کی کوشش نہیں کرتا۔ اس دوران خمیر جسم میں تیزی پیدا ہونے سے، سوزش میں بھی شدت پیدا ہو جاتی ہے جس سے ہلکی حرارت جو دراصل حرارت غریزی کا ایک ضروری بدل ہے شروع ہو جاتی ہے۔ یہی حرارت ایک طرف تحلیل دوسری طرف سوزش میں زیادتی کا باعث ہوتی ہے۔ پھر معمولی کھانسی خون کے دباؤ میں زیادتی، گھبراہٹ اور جسم کی صورت سامنے آتی ہے۔ یہ پہلا درجہ ہوتا ہے۔ جب مرض میں شدت ہوتی ہے تو جسم ہر وقت درد کرتا ہے، بھوک بند ہو جاتی ہے، حرارت بڑھ جاتی ہے، جسم کے تحلیل کی زیادتی میں پسینہ زیادہ ہو جاتا ہے، گھبراہٹ اور خون کا دباؤ بڑھ جاتا ہے،

جس سے عروق شعریہ (کیپلریز) پھٹ جاتی ہے۔ مریض خون تھوکتا ہے۔ اکثر غشی آ جاتی ہے۔ یہ دوسرا درجہ ہوتا ہے۔ تیسرا درجہ سل ہے جس میں زخم گہرے ہوجاتے ہیں اور پیپ خون میں دورہ کرتی ہے۔ مریض صحت کی دُنیا سے گزر کر موت کی حکومت میں داخل ہوجاتا ہے۔

دق سل کا اصول علاج

دق سل کے علاج سے قبل اصول علاج ذہن نشین کر لینا زیادہ بہتر اور علاج میں آسانیاں پیدا کرتا ہے جس سے مرض یقینی طور پر رفع ہو جاتا ہے۔ اس سلسلہ میں سب سے بڑی غلط فہمی یہ پیدا ہوگئی ہے کہ یہ مرض قابل علاج نہیں ہے۔ یہ ایسی غلط فہمی ہے جو معالجین کی لاعلمی سے عوام تک پہنچ گئی ہے۔ اور اس کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ جب کسی مریض کو یہ علم ہوتا ہے کہ وہ مرض دق وسل میں گرفتار ہے تو اس کا دِل بیٹھ جاتا ہے، سر میں چکر آ جاتا ہے، جرأت ختم ہوتی نظر آتی ہے، گویا اس کے سامنے موت دوڑی چلی آتی ہے، اور گویا اس وقت آدھی موت مر چکا ہے۔ اس کا سب سے بڑا نقصان یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس میں جو قوت مدافعت قدرت کی طرف سے ودیعت کی گئی ہے وہ اس کا ساتھ چھوڑ دیتی ہے اور مرض پوری طرح غلبہ پا لیتا ہے۔

مرض کا علاج نہ جاننا اور بات ہے اور مرض کا علاج نہ ہونا اور چیز ہے۔ قدرت بہت فیاض ہے۔ اس نے دُنیا میں جو مرض تکلیف اور مصیبت پیدا کی ہے اس کا علاج و مداوا اور تدبیر بھی پیدا کی ہے۔ دق وسل کا علاج ہے۔ اگرچہ گزشتہ تاریخ طب میں عسر العلاج ضرور کہا گیا ہے مگر لاعلاج مرض نہیں سمجھا گیا، اس لئے اس مرض کو لاعلاج نہیں کہنا چاہئے۔

ماہیت دق وسل

اور جب کہ ہم دُنیا کے سامنے یقینی علاج پیش کر رہے ہیں تو پھر اس کے لاعلاج ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور ان شاء اللہ ہر مریض ہر درجہ میں یقینی طور پر شفایاب ہوسکتا ہے۔ اصول علاج میں تین صورتوں کو مدنظر رکھنا چاہیے:

① حرارت اور رطوبت کا پیدا کرنا۔
② سوزش اور ورم کا رفع کرنا۔
③ قابض اشیاء سے پرہیز کرنا۔

جن کی مختصر تفصیل یہ ہے۔ عام طور پر بخار کی حرارت کو عرض کی بجائے مرض خیال کرتے ہیں۔ دفع بخار اور قاطع حرارت ادویات استعمال کی جاتی ہیں جو بالکل غلط ہے، کیونکہ مرض سوزش مسکولر ٹشوز یا اپیتھل ٹشوز (عضلاتی نسیج) اور اپیتھل نسیج ابتداء عضلاتی نسیج میں ہوتا ہے۔ اگر دفع بخار اور قاطع حرارت ادویات دی گئیں تو سوزش یا ورم میں اضافہ ہوگا اور مرض بڑھے گا۔ دافع بخار اور قاطع حرارت ادویہ اور اغذیہ کا استعمال ایک اندھا اور علاماتی علاج سے ہے جیسے فرنگی ڈاکٹر ٹی بی کے جراثیم کو ہلاک کرنے یا اس کے زہر کو فنا کرنے کے پیچھے بندوقیں تانے پھرتے ہیں۔ جاننا چاہیے کہ کوئی دوا اس وقت تک جراثیم ہلاک نہیں کر سکتی ہے جب تک وہ جسم میں حرارت کی پیدائش کو بڑھا نہ دے۔ پس حرارت کا بڑھا دینا نہ صرف سوزش اور ورم کو مفید ہے بلکہ ہر قسم کے جراثیم اور اس کے زہر کو بھی فنا کر دیتی ہے۔ رطوبت کو بڑھانا بھی حرارت کے بڑھانے کی طرح از حد ضروری اور اہم ہے۔ بعض مریضوں میں بلغم زیادہ آنے لگتی ہے اس کو نہ روکیں کیونکہ وہ دافع سوزش اور خون آنے کو روکتی ہے بلکہ بلغم اور بڑھانے کی کوشش کریں۔ مرض میں جلد آرام ہوگیا ہے۔ اس مرض میں عام طور پر قے اور اسہال نہیں ہوا کرتے، زیادہ سے زیادہ جی متلاتا ہے یا پیچش ہو جاتی ہے۔ ان کو بھی بند نہ کریں بلکہ کوشش کریں کہ قے

ہو جائے یا اسہال آئیں۔ اگر یہ صورت دوبارہ واقع ہو جائے تو فوراً آرام کی صورت اختیار کریں۔ کسی قسم کا فکر نہ کریں۔ جو لوگ مرض اور صحت کی علامات سے واقف نہیں ہوتے وہ ان علامات سے گھبرا جاتے ہیں۔ قابض اشیاء بلکہ قابض آب دہوا اور قابض قسم کے نفسیاتی جذبات سے مریض کو بچائیں کیونکہ سوزش اور اورام قبض کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ دق وسل کو تو یقینی قابض مریض سمجھیں۔ پیچش کے پاخانوں کو اسہال خیال کر کے بند نہ کریں بلکہ ان کو اسہال کی شکل میں تبدیل کریں۔ یہ مشکل کام نہیں ہے۔ ایک قابل معالج جب اصول علاج کی صورت کو مدنظر رکھے گا تو ان شاء اللہ مریض کو یقیناً آرام ہوگا اور آئندہ وہ اس مرض سے محفوظ رہے گا۔ وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغ ۔

تھکن

تھکن ایک ایسی حالت کا نام ہے جب جسم بوجھل، بدن میں ہلکا ہلکا درد اور طبیعت میں بے چینی کے آثار معلوم ہوں۔ یہ ایک روزانہ ہونے والی حالت ہے۔ ہر شخص اس سے خوب واقف ہے، لیکن یہ کم لوگ جانتے ہیں کہ تھکن کیسے پیدا ہوتی ہے، کیونکر رفع ہوتی ہے، اگر رفع نہ ہو اور اکثر جسم میں اس کا کم وبیش احساس ہو تو اس سے کس قسم کے امراض پیدا ہونے کا خطرہ ہے۔

تھکن کا لفظ آتے ہی بظاہر ذہن فوراً اس طرف جاتا ہے کہ یہ زیادہ حرکت، محنت اور ورزش کے بعد پیدا ہوگی۔ مگر تھکن زیادہ آرام کرنے سے بھی پیدا ہوتی ہے۔ مثلاً زیادہ بیٹھے رہنے، ضرورت سے زیادہ لیٹے رہنے اور بہت زیادہ کھانے پینے سے بھی اکثر تھکن ہو جاتی ہے بلکہ زیادہ باتیں کرنا، زیادہ خاموش رہنا، افسوس کرنا، لذائذ میں وقت گزارنا، زیادہ جاگنا اور زیادہ سوچنا۔ غرض ہر اس حالت میں تھکن مضمر ہوتی ہے جس میں اعتدال سے زیادہ عمل کی حالت اور کیفیت قائم رہے۔

اسی پر بس نہیں بلکہ زیادہ وقت گرمی میں گزارنا یا سردی میں آرام کرنا، کمرے میں پنکھے کے نیچے پڑے رہنا بھی بدن کو اسی طرح تھکا دیتا ہے جیسے تیز دھوپ میں زیادہ چلتے پھرتے رہنا۔ تھکن کو صرف زیادہ حرکت، محنت اور ورزش کا نتیجہ نہ سمجھنا چاہیے۔

جاننا چاہئے کہ تھکن ہمارے دوران خون کی خرابی اور بے قاعدگی سے پیدا ہوتی ہے۔ ہمارا جسم اعضاء اور خون دو چیزوں سے مل کر بنا ہوا ہے۔ غذا پہنچانے کے ساتھ دو کام اور بھی کرتا ہے۔ اوّل خون آپس میں آکسیجن جذب کر کے اپنے اندر رکھتا ہے اور جسم کو ٹوٹ پھوٹ اور بقایا خراب خون کو صاف بھی کرتا ہے۔ گویا تغذیہ، تسنیم اور تصفیہ یہ تین کام خون اپنے دوران خون کے ساتھ ساتھ انجام دیتا ہے اور جب دورانِ خون میں خرابی یا بے قاعدگی رونما ہو جاتی ہے تو پھر خون کے یہ افعال پورے طور سے انجام نہیں پا سکتے ہیں جس کے نتیجہ کے طور پر جسم کے کسی عضو میں خون کی زیادتی، کہیں خراب مواد کی رکاوٹ اور کہیں آکسیجن کی کمی واقع ہو جاتی ہے، جن کا احساس جسم تھکن کی صورت میں کرتا ہے۔

تھکن کی علامات

تھکن کی علامات کیا ہیں۔ جسم میں ہلکا ہلکا درد، بے چینی، بیداری، نیم خوابی، بدخوابی، پسینہ کی بندش، بھوک کی کمی، غذا کھانے کے بعد جسم کا بوجھل ہونا اور اونگھ آنا، کام کاج میں اکتاہٹ، مزاج میں چڑچڑا پن اور غصہ پیدا ہونا، بدن کا اکثر گرم اور ٹمپریچر کا زیادہ اور کم ہوتے رہنا۔ زیادہ تھکن کی صورت میں دردسر، بخار اور قبض کی حالت قائم ہو جاتی ہے۔ اکثر تھکن کو رفع نہ کیا جائے تو یہ علامات لازمی صورت اختیار کر لیتی ہیں۔

بعض ڈاکٹر تھکن کی ان علامات کو ٹی بی وغیرہ کی علامات کہہ کر مریض کے دل میں خوف اور ڈر پیدا کر دیتے ہیں، لیکن یہ قطعی غلط

ہے۔ ٹی بی وغیرہ ان علامات کے بعد بالکل پیدا نہیں ہوتی۔ ہمیشہ ٹی بی اور دق کی ابتدا کسی شدید مرض کے بعد ہی عمل میں آئے گی۔ مثلاً نمونیا، ٹائیفائیڈ، پیچش وغیرہ۔ ان علامات سے یہ امراض ضرور پیدا ہو سکتے ہیں۔ اس کے بعد جو کچھ بھی ہو مگر صرف تھکن کی علامات سے کبھی بھی ٹی بی اور دق وغیرہ نہیں ہو سکتے۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ جن کو ذرا تھکن ہوئی اور انہوں نے اپنے شکوک کے مطابق اپنے بلغم اور خون وغیرہ کا امتحان اور ایکسریز کرانا شروع کر دیئے۔

یہاں تک بھی کوئی حرج نہیں، لیکن اس صورت میں جو فکر دامن گیر ہو جاتا ہے وہ بہت حد تک تباہ و برباد کر دیتا ہے۔ اس لئے خیال رکھنا چاہئے کہ تھکن، ٹی بی اور دق وغیرہ کی کوئی علامت نہیں ہے۔

اگرچہ زندگی کے بے شمار افعال، حالات اور کیفیات ہیں جن سے تھکن پیدا ہو جاتی ہے جن کا ذہن اور خیال میں محفوظ رکھنا تقریباً ناممکن ہے۔ اس لئے تھکن کو صرف تین اقسام میں تقسیم کر دیا ہے تاکہ ان کے اسباب علامات اور ان سے پیدا ہونے والے امراض کا علم ہو سکے۔ نیز اس تقسیم سے یہ سہولت بھی ہوگی کہ تھکن سے پیدا شدہ مرض کا علاج بھی آسانی سے سمجھ میں آسکے گا۔

تھکن کی قسمیں

تھکن کی تین قسمیں حسب ذیل ہیں۔

○ **احساسی تھکن**: جو احساسات اور کیفیات کی شدت سے پیدا ہو۔ مثلاً نفسیاتی اثرات غم وغصہ، خوف اور ڈر، خوشی اور لذت وغیرہ اور کیفیاتی اثرات جیسے سردی، گرمی، خشکی اور تری وغیرہ و دیگر قسم کے احساسات ہمارے اعصاب میں پیدا ہوتے ہیں جن کا مرکز دماغ ہے۔ گویا ان تمام احساسات اور کیفیات کی وجہ سے جو تھکن پیدا ہوگی اس کا زیادہ تر اثر اعصاب اور دماغ پر ہوگا۔ اسی لئے اس قسم کی تھکن سے جو امراض پیدا ہوں گے اعصابی اور دماغی ہوں گے جن کا بہترین علاج یہ ہے کہ ان احساسات اور کیفیات کو رفع کرنے کی کوشش کی جائے تاکہ اعصاب اور دماغ کی طرف جو دوران خون کی کمی بیشی ہے وہ اعتدال پر مرض رفع کرنے کا باعث ہو جائے۔

○ **حرکتی تھکن**: ایسی تھکن جو زیادتی ورزش سے جسمانی محنت و دماغی اور اکثر افکار یا اس کے برعکس حرکت کی کمی وغیرہ سے پیدا ہو۔ مثلاً زیادہ چلنا پھرنا زیادہ بیٹھنا اور لیٹے رہنا، زیادہ ورزش کرنا اور بالکل ورزش نہ کرنا، زیادہ دماغی محنت کرنا اور کثرت کے ساتھ سوچ وفکر میں ڈوبے رہنا جس سے دوران خون کی جسم میں بے قاعدگی اور خرابی واقع ہو جاتی ہے اور تھکن کی صورت پیدا ہو جاتی ہے۔

جاننا چاہئے کہ جس طرح ہر قسم کے احساسات کا تعلق اعصاب اور دماغ کے ساتھ ہے اسی طرح ہر قسم کی حرکت کا تعلق بھی ہمارے عضلات (مسلز) اور دل کے ساتھ ہے۔ گویا حرکت کی زیادتی اور کمی سے جو تھکن پیدا ہوگی اس کا زیادہ تر اثر عضلات اور دل پر ہوگا۔ اس کا بہترین علاج یہ ہے کہ سبب رفع کریں یعنی حرکت میں حسب ضرورت کمی بیشی کریں تاکہ دوران خون اعتدال پر آجائے اور پیدا شدہ امراض رفع ہوں۔

○ **مادی تھکن**: یہ تھکن کھانے پینے کی اشیاء کی بے اعتدالی سے پیدا ہوتی ہے۔ مثلاً غذا ضرورت سے زیادہ کھا لینا۔ اسی طرح پینے کی اشیاء زیادہ پی لینا، بھوک کے بغیر کھا لینا۔ تہواروں پر زیادہ مرغن غذائیں کھانا اور ان کے ساتھ دودھ، لسی زیادہ استعمال کرنا۔ ہمیشہ طاقتور مرغن اور لذیذ چیزوں کا کھانا پینا، ہمیشہ ایک ہی قسم کی غذائیں کھانا پینا۔

ایک وقت میں مختلف ومتضاد قسم کی غذائیں کھانا، ثقیل اشیاء کے ساتھ لطیف اشیاء کھانا، پینا، مانع اغذیہ کا اکٹھا کھانا۔ مثلاً مچھلی کے

ساتھ دودھ، مرغی کے ساتھ دہی، شہد کے ساتھ وہی وغیرہ استعمال کرنے سے دوران خون میں خرابی پیدا ہو جاتی ہے۔

خون فاسد اغذیہ ہضم کرنے کے لئے معدہ وجگر کی طرف رہتا ہے یا معدہ جگر کی طرف رجوع ہی نہیں کرتا جس سے جسم میں تھکن پیدا ہو جاتی ہے۔ اس قسم کی تھکن کا تعلق اعضائے غذائیہ سے ہے جس میں معدہ اور آنتیں، جگر اور لبلبہ شریک ہیں۔ اس قسم کی تھکن سے جو امراض پیدا ہوں گے ان کا تعلق بھی انہی اعضاء سے ہوگا۔ اس کا بہترین علاج کھانے پینے کی چیزوں میں باقاعدگی، ضرورت اور اصول کا خیال رکھیں۔

تھکن بظاہر نہایت معمولی چیز ہے لیکن اس کی پروانہ کی جائے تو پھر اس سے خطرناک امراض پیدا ہو جاتے ہیں جو بعض اوقات بے حد پریشان کرتے ہیں۔ ان امراض کی فہرست بہت طویل ہے، مختصراً درج ذیل ہیں۔

احساسی تھکن کے امراض: دردسر، نزلہ اور زکام، بخار، سرسام، سر چکرانا، بدن اور سر میں کھچاوٹ، نمونیہ، جوڑوں میں درد، جسم میں درد۔

حرکتی تھکن کے امراض: جسم میں درد، بخار ہونا، کھانسی، غذا کا ہضم نہ ہونا، سردی کی زیادتی، پیشاب کا زیادہ آنا، بدن گھٹا گھٹا رہنا، خشکی، ناک بند، پیشاب اور پاخانہ سے خون کا آنا وغیرہ۔

مادی تھکن کے امراض: ہاضمہ کی خرابی، ریاح شکم، قے، اسہال، پیچش، قبض، بواسیر، ملیریا، محرقہ، بھوک کا نہ لگنا، یرقان، رنگت کی خرابی، منہ میں پانی آنا۔

علاج میں غذا کی اہمیت

کوئی علاج اس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتا جب تک پیٹ کا خمیر (تعفن) ختم نہ کیا جائے۔

کیمیاوی ادویات و مجربات، مفردات و مرکبات اور جڑی بوٹیوں کے متعلق یہ یقین کر لینا کہ وہ امراض کی ہر حالت کے لئے اکسیر و تریاق اور یقینی و بے خطا اثرات شفا اپنے اندر رکھتی ہیں۔ یہ تصور ایک جاہل عطائی کا ہو سکتا ہے۔ مگر ایک حکیم اس خیال پر کبھی یقین نہیں کر سکتا۔ اہل علم و صاحب فن حکماء اور اطباء کا ایک امر پر اتفاق ہے کہ ہمیشہ مریض کا علاج ہو سکتا ہے، مگر مرض کا علاج ناممکن ہے کیونکہ ہر شخص کا مزاج، مرض کا مزاج، عمر کا مزاج، موسم کا مزاج، ملک کا مزاج، آب و ہوا کے تغیرات ہمیشہ مختلف رہتے ہیں۔ اس لئے ہر مرض کے مختلف مدارج، مختلف امزجہ میں علامات میں ایک ہی دوا کیسے مفید ہو سکتی ہے۔ ایسا عطایانہ علاج صرف فرنگی طب میں پایا جاتا ہے، کیونکہ وہ ان سائنٹفک اور غلط طریق علاج ہے۔ ہر قسم کے دردسر میں چاہے پٹھوں کی خرابی سے ہو، چاہے جگر کی تکلیف سے ہو یا دِل کے افعال میں نقص پایا جائے وہ صرف اسپرین دیں گے۔ اسی طرح ملیریا میں اسہال ہوں یا قبض قے ہو یا پیٹ میں درد ہو یا درد دِل، وہ بہرحال اس مریض کے لئے کونین تجویز کر دیں گے یا کوئی زیادہ قابل فرنگی معالج باقی علامات کے لئے کوئی اور دوا تجویز کر دے گا مگر کونین یا اس کی کوئی قسم لازمی ہوگی۔ اس عطایانہ علاج کے ساتھ ہی فرنگی طب مسئلہ اغذیہ پر بالکل خاموش ہے۔ ہر قسم کے گرم، سرد مشروبات اور اغذیہ پر کوئی پابندی نہیں ہے۔

فرنگی طب (ڈاکٹری) نے اطباء اور عوام کے ذہنوں پر جہاں یہ اثر ڈالا ہے کہ فرنگی ادویات ہر مرض کے لئے سالہا سال کی سائنسی تحقیق و تدقیق اور ریسرچ و تلاش کے بعد بنائی گئی ہیں اس لئے ہر مرض کی ہر حالت میں مفید ہیں وہاں پر یہ غلط صورت بھی پیدا کر

دی ہے کہ مریض کے لئے کسی خاص قسم کی غذائی تخصیص نہیں ہے۔ گویا دوا اپنے اندر پورے کے پورے شفائی اثرات رکھتی ہے، مگر جب ادویات استعمال کی جاتی ہیں تو نتیجہ صفر کے برابر نکلتا ہے۔ البتہ مخدر اور منشی ادویات اور ان کے ٹیکے مریضوں کو بے ہوش ضرور کر دیتے ہیں یا میٹھی نیند سلا دیتے ہیں۔ اکثر ہمیشہ کے لئے ہی سلا دیتے ہیں ورنہ جہاں تک مریض کے علاج کا تعلق ہے فرنگی طب بالکل ناکام ہے۔

لیکن اس تقلید کا کیا کیا جائے جو ہمارے حکماء اور اطباء نہیں بلکہ عطار اور عطائی قسم کے معالج کر رہے ہیں۔ جن کا مقصد سستی شہرت، ناجائز دولت کمانا اور ملک وفن کے ساتھ غداری ہے۔ ایسے لوگ طب یونانی کا صحیح اور مکمل علم نہیں رکھتے۔ انہوں نے فرنگی طب کی نہ سند حاصل کی ہے اور نہ باقاعدہ تعلیم کا موقعہ ملا ہے لیکن علاج کے لئے شب وروز فرنگی ادویات استعمال کرتے ہیں۔ انجکشن لگاتے ہیں اور عوام پر یہ ثابت کرتے ہیں کہ وہ ڈاکٹر اور حکیم دونوں سے اچھے ہیں۔ دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ وہ انگریزی ادویات کو دیسی ادویات سے ملا کر ان کا نقصان دور کر دیتے ہیں اور یونانی دوا کی طاقت تیز کر دیتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ سب سے زیادہ یہ لوگ عوام اور مریضوں کے نقصان کے ساتھ ساتھ فن طب اور یونانی ادویات کے لئے بدنامی کا باعث بنے ہیں۔ مجھے ایک دو نہیں سینکڑوں ایسے عطائیوں اور عطاروں سے ملنے کا اتفاق ہوا ہے، جو فن طب تو رہا ایک طرف، کسی معمولی مرض کی ماہیت اور بادیان جیسی روزمرہ استعمال کی دوا کے خواص تک نہیں جانتے اور باتیں کرتے ہیں پنسلین، سلفاڈرگز اور اینٹی بائیوٹک ادویات کی۔ ان کو نہ نفخ کا پتہ ہے نہ اسہال کی ضرورت کا، نہ پسینہ اور ادرار کے اوقات کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ ان کی بلا جانے مسہل وملین میں کیا فرق ہے۔ ان کے لئے اتنا ہی کافی ہے فلاں دوا پاخانہ لاتی ہے، فلاں شے سے پیشاب آ جاتا ہے اور فلاں شے دینے سے پسینہ آ جاتا ہے یا زیادہ دِل کو طاقت دینے کے لئے چند دوائیں ذہن میں حاضر ہیں مگر ڈیجی ٹیلس، سپرٹ ایمونیا، اروینٹک اور ایڈرنالین کا فرق نہیں جانتے لیکن وہ کامیاب معالج کہلاتے ہیں اور امراض کے علاج میں بڑھ چڑھ کر شفا کے دعوے کرتے ہیں اور جب وقت آتا ہے تو بغلیں جھانکتے ہیں۔

فرنگی طب کی اندھی تقلید نے ملک میں ایسا گروہ پیدا کر دیا ہے جو نہ حکیم ہے اور طبیب مگر فن طب کے لئے بے حد بدنامی کا باعث بنا ہوا ہے ایسا گروہ کبھی ہومیو پیتھک ادویات کا سہارا لیتا ہے اور کبھی طب یونانی کی سندات خریدتا ہے اور اپنی دوا فروشی جاری رکھتا ہے۔ ایسے ہی لوگ ہیں جنہوں نے مسئلہ غذا کی اہمیت کو ختم کر دیا ہے۔ اوّل تو اس قسم کے معالج خواص الاغذیہ ضرورت اغذیہ اور طریق استعمال اغذیہ سے واقف نہیں ہوتے۔ دوسرے فرنگی طب کی تقلید میں ہر غذا کھانے کی اجازت دیتے ہیں یا زیادہ سے زیادہ یہ کہہ دیتے ہیں کہ غذا ثقیل نہیں ہونی چاہئے۔ شوربہ پھلکا اچھی غذا ہے۔ ہاں کھچڑی بھی کھا سکتے ہیں۔ اگر دِل کرتا ہے تو دودھ پی لیں، چائے بھی نقصان نہیں دے گی۔ خیر پھل کا تو کوئی نقصان نہیں ہے۔ البتہ مٹھائی بہت کم کھائیں۔ ہاں بادی چیز اور کھٹا و تیل کے نزدیک نہ جائیں۔ اگر برف کا شوق کرتے ہیں تو ذرا استعمال کر لیں، وغیرہ وغیرہ۔

ان معالج حضرات سے کوئی پوچھے کہ ثقیل اور لطیف غذا کا کیا فرق ہے۔ کون کون سی اغذیہ ثقیل ہیں اور کون کون سی زود ہضم وغیرہ۔ ایک ہی مریض کو گرم اغذیہ بھی اور سرد اغذیہ بھی، روٹی، چاول، برف اور پھل بھی اور چائے بھی۔ آخر غذا شے کیا ہے؟ تندرست اور مریض کی غذا میں کچھ نہ کچھ تو فرق ہونا چاہئے۔ اگر مریض کو کوئی فرق نہیں کرنا چاہتا تو پھر وہ مریض نہیں ہے۔ اگر معالج فرق نہیں جانتا تو معالج نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اچھے اور برے معالج کا اندازہ غذا، پرہیز بتانے پر چل جاتا ہے۔ جو معالج روزانہ استعمال کی اشیاء مثلاً نمک، مرچ، ہلدی، گرم مصالحہ، گوشت، سبزیاں، دالیں، غلے، دودھ، چائے اور ان سے بنی ہوئی اشیاء، پھل، میوہ جات اور پان، تمباکو

وغیرہ وغیرہ کے اثرات سے پوری طرح آگاہ نہیں ہے وہ علاج میں ان کو کیسے استعمال کرسکتا ہے۔ اگر اتفاقاً ایک اچھی دوا بھی تجویز کردی تو غذا کی خرابی سے بجائے آرام ہونے کے مریض کونقصان ہو جانے کا اندیشہ غالب ہے۔

غذا کے متعلق جاننا چاہئے کہ مریض کے لئے نہ کوئی لطیف غذا اور زودہضم غذا ہے اور نہ کوئی ثقیل اور دیر ہضم نہ کوئی غذا مقوی ہے اور نہ غیر مقوی۔ اسی طرح نہ کوئی غذا مولد خون اور نہ ہی پیدائش خون کو روکنے والی ہے بلکہ اصل غذا وہ ہے جس کی مریض کے جسم کوضرورت ہے۔ وہی غذا اس کے لئے زودہضم ومقوی اور مولد خون ہوگی۔ ضرورت غذا پر مریض کے اعضاء کے افعال کی خرابی اور خون کے کیمیاوی نقص سے پتہ چلتا ہے۔ اگر مریض کے لئے صحیح غذا تجویز کردی جائے تو ان شاء اللہ تعالیٰ مریض کو بغیر دوا آرام ہو جائے گا۔ جسم انسان پر پچاس فیصدی غذا کا اثر ہے۔ دوا کا اثر صرف پچیس فیصدی ہے اور پچیس فیصدی مریض کے ماحول کو درست اور مزاج کو مطمئن رکھنا ہے تاکہ قوت مدبرہ بدن بیدار رہے اور مریض کی طبیعت صحت کی طرف دوڑتی رہے۔ مریض کی غذا تجویز کرنے کے لئے ہمیشہ تین باتوں کا خیال رکھنا ہے؛ (۱) خمیر غذا (۲) ضرورت غذا اور (۳) مناسب غذا۔ خمیر غذا کی صورت یہ ہوتی ہے کہ مریض کے شکم میں جو غذا موجود ہے اس میں خمیر پیدا ہو چکا ہے۔ اکثر یہی خمیر فساد خون تک پہنچ چکا ہوتا ہے بلکہ بعض وقت زہر کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ مثلاً ہم روزانہ زندگی میں دیکھتے ہیں کہ آج کا تازہ دودھ کل باسی ہو جاتا ہے۔ دوسرے روز اس مین کھٹاس پیدا ہو جاتا ہے۔ تیسرے روز اس میں تعفن پیدا ہو جاتا ہے۔ چوتھے روز اس میں کیڑے ظاہر ہو جاتے ہیں اور پانچویں روز وہ اس قدر خراب ہو جاتے ہیں گویا زہر کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ بس تقریباً یہی حالت پیٹ کے اندر غذا میں خمیر ہونے سے پیدا ہو جاتی ہے۔ ایسی صورت میں جب تک پیٹ کا خمیر ختم نہ ہو علاج میں صحت کی کیا اُمید ہوسکتی ہے اور ادویہ واغذیہ کیسے مفید ہوسکتی ہیں۔ اگر غذا دی گئی تو اس کا نتیجہ ایسا ہوگا جیسے متعفن دودھ میں عمدہ دودھ ملا کر اس کو ضائع کر دیا جائے اور پھر اس سے اچھے اثرات کی اُمید رکھی جائے۔ اسی طرح خمیرہ آٹا کے ساتھ جب بھی دوسرا آٹا ملا کر گوندھا جائے گا یقیناً وہ بھی خمیر ہو جائے گا۔ جب تک خمیر کو ختم نہیں کیا جائے گا۔ بالکل یہی صورت پیٹ میں غذا کھانے کے بعد پیدا ہو جاتی ہے۔ اس طرح اس خمیر میں نہ صرف ہر قسم کی غذا خراب ہو جاتی ہے بلکہ ادویات بھی ضائع ہو جاتی ہیں۔ مریض گھبرا جاتا ہے اور سمجھتا ہے کہ علاج اور ادویات سے اس کو نقصان اور خطرہ پیدا ہوا ہے اور معالج حیران ہوتا ہے کہ ایسی اکسیر تریاق دوا اور بے خطا و یقینی مجرب نسخہ استعمال کرنے سے ایسے خطرناک حالات کیوں پیدا ہو گئے ہیں۔ یقیناً نتیجہ مفید نہیں ہے بلکہ اس میں یہ خرابیاں ہیں لیکن اصل بات سے وہ واقف نہیں ہوتا کہ مریض کے پیٹ میں جو خمیر تھا اس میں تیزی پیدا ہوگئی ہے جس سے یہ خطرات پیدا ہو گئے ہیں۔

اسی خمیر سے پیٹ میں تیزابیت پیدا ہوتی ہے جس کو ایسڈیٹی کہتے ہیں۔ یہی جب خون میں شامل ہوتی ہے تو مختلف مقامات خصوصاً گردوں اور غشائے مخاطی پر اثر انداز ہو کر بہت سے خوفناک امراض پیدا کرتی ہے۔ بہر حال خمیر میں جوں جوں شدت پیدا ہوتی جاتی ہے، خون میں زہر پیدا ہو جاتا ہے یہاں تک کہ ہلاکت تک پہنچا دیتا ہے۔ اس لئے علاج، غذا اور دوا استعمال کرنے سے قبل خمیر غذا کو ختم کر لینا نہایت ضروری ہے۔

ضرورت غذا

ضرورت غذا میں مریض کو غذا کھانے کی صحیح خواہش ہے جس کی بہترین علامت بھوک ہے۔ گویا بھوک کے بغیر غذا کھانے کی صحیح خواہش نہیں ہے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ کھانے کا وقت ہے اور کھانے کی خواہش پیدا ہوگئی ہے یا کھانے کی شکل دیکھی ہے۔ اس کی رنگ برنگی صورت وخوشبو اور انواع واقسام دیکھ کر دِل میں شوق لذت پیدا ہوگیا یا ڈیوٹی پر جاتے ہوئے خیال آیا کہ کھانا کھالیا جائے۔ پھر گرم گرم کھانا نہیں ملے گا یا کسی دوست اور عزیز نے مجبور کر دیا اور بغیر ضرورت کے کھانا کھالیا، وغیرہ وغیرہ۔ ان تمام حالات میں ضرورت غذا نہیں تھی۔ ضرورت غذا صحیح خواہش غذا ہے جس کو بھوک کہتے ہیں۔ بھوک بالکل وہی صورت ہے جو روزہ کھولنے سے تھوڑی دیر پہلے محسوس ہوتی ہے جس کی علامات یہ ہیں: بدن گرم ہو جاتا ہے خاص طور پر چہرہ کان کی لو تک گرم ہو جاتا ہے۔ دل میں مسرت وفرحت اور لذت کا احساس ہوتا ہے۔ اس کے برعکس جب بھوک میں جسم ٹھنڈا ہو جائے یا دِل ڈوبنا شروع ہو جائے تو یہ بھوک نہیں ہے بلکہ مرض ہے۔ اس کا علاج ہونا چاہئے اس کا فوری علاج شہد پینا یا شہد کا شربت پینا، ہلکی چائے پینا یا کوئی حسب خواہش پھل کھالینا ہے۔ غذا خصوصاً نشاستہ دار غذا کے قریب تک نہیں جانا چاہئے ایسا کرنا گویا خطرناک امراض کو دعوت دینا ہے۔

سال میں ایک مہینہ بھر بھوک کے احساس کی تربیت دی جاتی ہے مگر عید کے دوسرے روز ہم بالکل بھوک کا خیال تک بھول جاتے ہیں۔ [illegible] میں مہینہ بھر کے ثواب کا تصور تو رکھتے ہیں، لیکن ایک مہینہ میں جو ہم کو تقریباً سولہ گھنٹے کی بھوک اور پیاس کا حقیقی تجربہ ہوتا ہے اس کو یقیناً [illegible] دیتے ہیں، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وقت بے وقت اور جگہ بے جگہ کھاپی کر امراض مول لے لیتے ہیں۔ افسوس تو یہ ہے کہ ہم خود ہی قوانین فطرت کی مخالفت کرتے ہیں اور بغیر ضرورت کھاتے ہیں اور جب قوانین فطرت کی بغاوت کے بعد بیماری کی شکل میں ہم کو سزا ملتی ہے تو روتے ہیں، واویلا کرتے ہیں اور پریشان ہوتے ہیں۔ جن لوگوں کی توندیں بڑھ گئی ہیں، کیا یہ یقین کیا جاسکتا ہے ایسے لوگ غذا ضرورت کے مطابق کھاتے ہیں؟ کیا یہ لوگ مریض نہیں ہیں؟ خداوند کریم لالچ کی بھوک سے محفوظ رکھے۔ آمین۔

استعمال غذا

غذا کے استعمال میں کسی خاص علم کی ضرورت نہیں ہے۔ جیسا کہ فرنگی طب نے اپنے تجارتی مقصد کے تحت چکر چلا دیا ہے کہ غذا میں اتنی پروٹین (اجزاء لحمیہ)، اس قدر کاربوہائیڈریٹ (اجزاء ونشاستہ)، اس مقدار میں فیٹس (روغنی اجزاء) ہوں اور اس میں حیاتین کا ہونا ضروری ہے، جس کے لئے خاص طور پر کچی سبزیاں کھائی جائیں وغیرہ وغیرہ۔ جب ایک آدمی اس میں پھنس جاتا ہے کہ بازار میں وٹامن اور دیگر اغذیہ کی گولیاں، مکسچر بھی ملتے ہیں تاکہ فرنگی اور یہودی کی تجارت میں روز بروز اضافہ ہو۔ اس موضوع پر ہم نے ایک الگ مضمون لکھا ہے۔ امریکہ والوں سے آلو کے سلسلہ میں بحث چل نکلی تھی۔ خداوند کریم کی مہربانی سے ان کا منہ بند کر دیا ہے۔ ان کو چیلنج کیا ہے کہ تمام امریکہ میں کوئی بھی غذا کے سلسلہ میں انتہائی قابل ہو مقابلہ پر لایا جائے ہم تسلی وتشفی کے لئے تیار ہیں۔

غذا کے استعمال میں یہ تین باتیں یاد رکھیں: ① شدید بھوک ہو، جس کی علامات لکھ دی ہیں اور اس کا ایک جذبہ یہ بھی ظاہر ہو کہ وہ کتنا ہی کھا جائے گا۔ پھر جس چیز کو دِل چاہے کھائے، یعنی ذائقہ اور کیفیت (گرم وسرد، تر وخشک) اگر غذا حسب ذائقہ اور کیفیت ہو تو بہتر ہے ورنہ غذا میں مقوی اور قیمتی غذا کا تصور ضروری نہیں ہے۔ ② غذا ہمیشہ اس وقت کھائی جائے جب زیادہ کھانے کا تصور ہو مگر خوب کھانے

کے بعد کچھ حصہ بھوک باقی ہو غذا کو چھوڑ دیں تا کہ غذا پیٹ میں پھول کر تمام معدہ کو قابو میں نہ کر لے اور معدہ اپنی حرکات کو چھوڑ بیٹھے اور غذا معدہ میں کچی رہ جائے یا قے اور اسہال کی صورت پیدا ہو کر ہیضہ نہ ہو جائے۔ گویا غذا زیادہ سے زیادہ کھانے کے بعد کچھ حصہ بھوک کا ابھی باقی ہو تو غذا سے ہاتھ کھینچ لینا چاہئے۔ ہمیشہ یہ خیال رکھیں **تھوڑا کھانا گناہ ہے اور پیٹ بھر کے کھانا بھی عذاب ہے۔** غذا کھانے کی صورت، ان کے درمیان ہونی چاہئے۔ البتہ یہ معالج کا کام ہے کہ وہ بتلائے کہ کسی مرض میں کیا غذا ہونی چاہئے چونکہ جگر کے لئے غذا الگ ہونی چاہئے اور دماغ کی ضروریات جدا ہیں۔ اسی طرح دل کے لئے جن چیزوں کی ضرورت ہے وہ الگ ہیں۔ غرض ہر معالج کا فرض ہے کہ اعضاء رئیسہ کی مناسبت سے مریض کے لئے غذا تجویز کرے تا کہ غذا بھی دوا کے لئے معاون بن جائے۔

دق وسل میں مسئلہ غذا کو نہایت اہمیت ہے

دق وسل میں غذا کی اہمیت کا اندازہ اس امر سے لگائیں کہ ایک روپے میں سے آٹھ آنے فائدہ اور اثر صرف صحیح غذا کا ہوتا ہے۔ روپے میں چار آنے صحیح ماحول میں خوش رہنا اور روپے میں چار آنے صرف دوا کا فائدہ اور اثر کام کرتا ہے۔ وہ فائدہ اور اثر بھی اس وقت ہوتا ہے جب صحیح تشخیص سے صحیح دوا تجویز کی جائے اور اس کو صحیح طریق پر استعمال کرایا جائے۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ صحیح دوا اور صحیح تجویز کے باوجود مریض کی غذا اور اس کے ماحول کو کوئی اہمیت نہیں دی جاتی۔ عوام کا تو ذکر ہی کیا حکومت کے ہسپتالوں اور سینی ٹوریمز میں بھی غذا کی افادیت کو مدنظر نہیں رکھا جاتا۔ اوّل ہر مریض کو ایک ہی قسم کی غذا دی جاتی ہے۔ دوسرے اس غذا میں حرارت کی پیدائش اور رطوبت کی زیادتی کا بالکل خیال نہیں کیا جاتا بلکہ ان کے خلاف بخار کو دور کرنے کے خیال سے حرارت کو کم کرنے والی ادویات استعمال کی جاتی ہیں۔ جہاں تک رطوبتی اغذیہ کا تعلق ہے، گھی اور روغنی اجزاء سے پرہیز برتا جاتا ہے جس کے ساتھ جرم کش ادویات کا استعمال جو سب کی سب بغیر استثنا کے رطوبات کو جلا کر خشکی پیدا کرتی ہیں۔ جن میں انٹی بائیوٹک ادویات، سلفا گروپ اور پینسلین اور کیلشیم کے نقصانات ناقابل بیان ہیں جن کی تلافی بے حد مشکل ہے۔ ان ادویات سے اچھا بھلا انسان دق وسل میں گرفتار ہو جاتا ہے اور جس کو یہ مرض ہو وہ بہت جلد موت کا شکار ہو جاتا ہے۔

وید اور اطباء بھی مریض کو لطیف اغذیہ کی تاکید کرتے ہیں اور خشکہ، مونگ کی دال، ہلکا شوربا، سبزیوں میں ٹینڈے، توری، کدو، شلغم، مولی اور پالک کا ساگ پھلکہ اور چپاتی، ساگودانہ اور مربہ جات کو اہمیت دیتے ہیں کیونکہ ان کے مدنظر بھی یہی بات ہے کہ دق سل سخت گرم قسم کا بخار ہے اس لئے گرمی کو زیادہ سے زیادہ کم کرنے کی کوشش کی جائے۔ اور اس غذا کے ساتھ جو ادویات دی جاتی ہیں ان میں دافع حرارت شربت وعرق خمیرہ جات اور جواہرات کے استعمال کو بے حد اہمیت دی جاتی ہے۔ گھی اور مکھن کو دور سے دیکھنے بھی نہیں دیتے۔ البتہ ڈاکٹر قسم کے فرنگی حکیم ڈاکٹروں کی پیروی میں مریضوں کو مکھن اور پھل صرف ان کی تقلید میں استعمال کرانے لگتے ہیں اور تقلید کا لفظ اس لئے لکھا گیا ہے کہ صرف وہ اندھی تقلید ہوتی ہے کیونکہ ان پھلوں میں سنگترہ مالٹا اور سیب جیسے ترش اور بارد پھل بھی استعمال کرا دیتے ہیں جو انتہائی مضر ہیں۔ البتہ بہت میٹھا سیب دیا جا سکتا ہے۔ اسی طرح بعض معالج میٹھے چوساتے ہیں اور تربوز کا پانی دیتے ہیں، یہ بھی دافع حرارت ہیں اور مرض کی مدد کرتے ہیں اور مریض کو نقصان پہنچاتے ہیں اور بے حد نقصان پہنچاتے ہیں، البتہ مریض کو وقتی طور پر ٹھنڈک اور تسکین ضرور پہنچ جاتی ہے۔

اس قسم کی اغذیہ صرف اس لئے دی جاتی ہیں کہ مریض کی حقیقت سے بالکل لاعلمی کی وجہ ہی ہوتی ہے ورنہ اگر سمجھ دار وید اس پر

غور کرے کہ دق سل کی وجہ جسم میں وایو کی زیادتی ہے اور روایو کے معدہ اور امعاء جگر میں بڑھ جانے سے پت کا مقام بدل کر جگر سے معدہ اور امعاء پھیپھڑوں کی طرف چلا گیا ہے تو کبھی بھی ایسی اغذیہ استعمال نہ کرائیں جو وایو کے زیادہ کرنے اور صفرا کو کم کر کے ان کے مقام کو بدلنے والی ہیں تو اس خوفناک مرض سے نجات حاصل ہونا شروع ہو جاتی ہے۔

حیرت ہے کہ قابل اطباء اور ماہرین فن جب یہ جانتے ہیں کہ مرض دق اور سل کا سبب واصلہ ورم اور زخم ہے تو پھر ان کو علاج میں ورم اور زخم کو مدنظر رکھتے ہوئے محللات دینے چاہئیں جو یقیناً سب کی سب گرم اور حار ہیں نہ کہ مبردات ومسکنات اور مخدرات جو اکثر قاطع حرارت ہیں۔ البتہ ورم اور زخم کی ابتدائی صورت میں تو یہ ادویہ اور اغذیہ مفید ہو سکتی ہیں لیکن ان کے مکمل ہو جانے پر ان کا استعمال موت کو دعوت دینا ہے۔ ایک قابل طبیب اور ماہر فن خوب جانتا ہے کہ ورم اور زخم کس حالت اور درجے میں ہے۔ بس یہی اس مرض کے علاج و ادویہ اور اغذیہ کا راز ہے جسے فرنگی ڈاکٹر حقیقتاً نہیں جانتے اور نہ ان کے پاس اس مقصد کا مداوا ہے۔

فرنگی طب (ڈاکٹری) میں بھی علاج کی ناکامی کے ساتھ ساتھ غذا کا کوئی بھی معقول انتظام نہیں ہے۔ اس لئے وہ لوگ غیر معقول اغذیہ استعمال کرا دیتے ہیں جس میں ڈبل روٹی، بسکٹ اور دلیہ و چاول انڈا اور پھل بے تکلف استعمال کراتے ہیں۔ البتہ بعض ڈاکٹر صرف مریض کی طاقت کو مدنظر رکھتے ہوئے (گوشت کے سوپ وشوربہ) اور مکھن وغیرہ بھی استعمال کرا دیتے ہیں۔ ان سب کو اغذیہ کے اوقات اور ضررت کا قطعاً علم نہیں ہے۔ اوّل تو یہ سب اغذیہ غلط ہیں، پھر بے وقت اور بے ضرورت استعمال کرائی جاتی ہیں جن کا مریضان دق وسل کو بجائے فائدہ پہنچنے کے الٹا نقصان پہنچتا ہے۔ اگر میرے بیان میں مبالغہ ہو تو کسی سینی ٹوریم اور ہسپتال میں جا کر دیکھ لیں میرے بیان کی حقیقت سامنے آ جائے گی۔ صرف یہی نہیں بلکہ فرنگی طب کی کتب میں بھی اغذیہ کی اہمیت اور حقیقت کو واضح کر کے بیان نہیں کیا گیا اور اس میں اغذیہ کی ضرورت اور اوقات کا تو بالکل ذکر ہی نہیں ہے۔

ہم سب جانتے ہیں کہ جب ہم کوئی سخت کام یا ورزش کرتے ہیں تو ہمارا سانس گہرا اور تیز چلتا ہے، یہ اس لئے ہوتا ہے کہ خون جب پھیپھڑوں میں گردش کرے تو اسے زیادہ سے زیادہ آکسیجن میسر آ سکے، اسی طرح جب ہمیں بخار آتا ہے تو ہمارا سانس اور نبض اور تیز ہو جاتی ہے۔ اسی طرح جسم کے درجہ حرارت کے بڑھ جانے کا مطلب یہ ہے کہ ہمارے جسم کے خلیوں کو زیادہ آکسیجن کی ضرورت ہے۔ جب درجہ حرارت کم ہو جاتا ہے تو اس کے برعکس عمل ہو جاتا ہے۔ یعنی جسم کو کم مقدار میں آکسیجن کی ضرورت ہے۔ اس حقیقت کو سامنے رکھتے ہوئے لوگ ایسی اغذیہ استعمال کرتے ہیں جن میں آکسیجن کی کمی کے ساتھ ہائیڈروجن وکاربانک ایسڈ گیس کی زیادتی ہو تو غور کریں کہ مرض کے دور ہونے کے امکانات کیسے قریب ہو سکتے ہیں جو ادویہ اور اغذیہ جسم میں آکسیجن کی پیدائش بڑھا دیتی ہیں ان میں یقیناً حرارت کی زیادتی ہوتی ہے۔ اس حقیقت کے بعد غذا کا مسئلہ یقیناً آسان ہو جاتا ہے۔ ہومیوپیتھک اور دیگر چھوٹے چھوٹے طریق علاج میں غذا کے مسئلہ کا اوّل تو ذکر ہی نہیں ہے یا اس کو اہمیت ہی نہیں دی گئی جس سے مرض کی صحیح تجویز بھی اکثر ناکام ہو جاتی ہے۔ ہومیوپیتھی میں جہاں کامیاب علاج کے لئے صحیح علامات تلاش کی جاتی ہیں وہاں پر غذا کے متعلق کوئی اصول نہیں ہے۔ یہ مریض کی مرضی پر منحصر ہے کہ وہ جو کچھ چاہے کھائے۔ عام طور پر دیگر علاجات کی پیروی میں لطیف اور زود ہضم اغذیہ استعمال کرا دی جائیں۔ کم از کم فرنگی طب کی طرح یہ بھی مدنظر رکھا جاتا ہے کہ مریض کے جسم میں غذا کے ضروری عناصر میں سے جن کی کمی واقع ہو گئی ہے جن میں پروٹین (لحمی اجزاء)، فیٹس (روغنی اجزاء)، ہائیڈروکاربونیٹ (نشاستہ دار اجزاء)، سالٹ (نمکیات)، واٹر (پانی) اور خاص طور پر وٹامنز کو خاص اہمیت اصل ہے۔ اگرچہ ان عناصر غذا میں بھی بے حد خرابیاں ہیں اور ان کے (کمبی نیشن) ترتیب کو سمجھنا ایک دشوار کام ہے۔ بہر حال یہ اصول ضروری ہے۔

عناصر اغذیہ نہ امراض کے تحت ترتیب دی گئی ہیں اور نہ مزاج اعضاء کے تحت ان کو تقسیم کیا گیا ہ۔ اکثر ایک ہی قسم کے امراض اور علامات میں مختلف اقسام کی اغذیہ تجویز کر دی جاتی ہیں اور اسی طرح مختلف قسم کے امراض اور علامات کے لئے ایک ہی قسم کی اغذیہ استعمال ہو رہی ہیں جس کے ثبوت میں فرنگی کتب کو اٹھا کر دیکھا جا سکتا ہے۔ مثلاً کلیجی اور اوجھڑی کا جگر اور معدہ کے لئے مفید ہونا مسلم ہے۔ لیکن یہ دونوں غذائیں صرف ضعف جگر اور ضعف معدہ میں مفید ہیں، لیکن حالت یہ ہے کہ سوزش جگر اور معدہ میں بھی استعمال ہو رہی ہیں بلکہ لیور ایکسٹریکٹ (خلاصہ کلیجی کے ٹیکے) لگائے جا رہے ہیں، یہی حال باقی اقسام کی اغذیہ کا ہے۔

جہاں تک حیاتینی (وٹامنز) اغذیہ بلکہ اب تو ادویات کی صورت میں استعمال کی جاتی ہیں، ان میں بے حد نقصانات روزانہ دیکھے جاتے ہیں۔ اوّل تو شاید دس ہزار ڈاکٹروں میں ایک ڈاکٹر بھی نہیں ہے جو ان وٹامن کے کمبی نیشن کی ترتیب سے واقف ہو۔ یعنی کس وٹامن کے ساتھ کونسا وٹامن ملانا چاہیے اور ان کے ساتھ غذائی عناصر کا کون سا جز زیادہ مؤثر ہو سکتا ہے۔ دوسرے وٹامنز کے نقصانات کو مدنظر نہیں رکھا جاتا بلکہ ان کے متعلق یہ تصور ہے کہ یہ بے حد طاقت کے اجزاء ہیں۔ حالانکہ یہ تصور بالکل باطل اور غلط ہے۔

کہتے ہیں کہ انڈے اور گاجر میں ہر قسم کے وٹامن پائے جاتے ہیں۔ جب ایک شخص مسلسل انڈے کھاتا ہے تو بہت جلد بواسیر، گردوں کی خرابی، قبض اور جوش خون میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اسی طرح جب کچھ عرصہ گاجروں کا استعمال کرتا ہے تقریباً انڈوں کے بالکل خلاف امراض اور علامات ہو جاتی ہیں۔ جن میں پیشاب کی کثرت، ہاضمہ کا خراب ہو جانا، جسم کا بالکل ٹھنڈا رہنا اور دل کا ڈوبنا خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ اگر اس بیان میں مبالغہ ہو تو ہر شخص تجربہ کر کے دیکھ سکتا ہے۔ عوام ان اغذیہ کے اثرات سے تو کچھ نہ کچھ واقف ہوتے ہیں، لیکن جب وہ حیاتین (وٹامنز) استعمال کرتے ہیں تو وہ نقصان اٹھاتے ہیں۔ افسوس پاکستانی فرنگی ڈاکٹروں پر ہے کہ ان امور کو قطعاً مدنظر نہیں رکھتے اور ان کی پیروی بھی فرنگی حکیم کر رہے ہیں جو بغیر غور و فکر کے فرنگی ادویہ اور اغذیہ کو استعمال کر رہے ہیں۔

جاننا چاہئے کہ دُنیا میں مقوی غذا اور دوا کوئی نہیں ہے، یہ ایک اضافی لفظ ہے۔ طاقت (پاور، توانائی) انرجی اور قوت (فورس) ضرورت کا نام ہے۔ کسی خاص شے میں مخصوص نہیں ہیں۔ جب ان کو بغیر ضرورت اور غلط مقام پر استعمال کیا جائے گا نقصان ہوگا۔ ان کی مثال گھی، دودھ اور گوشت کی ہو سکتی ہے۔ یعنی اگر ضعف جگر والے مریض کو گھی بلغم اور ریاح کی زیادتی والے کو دودھ اور جوش خون کے مریض کو گوشت استعمال کرایا جائے گا تو بجائے طاقت و توانائی اور قوت دینے کے الٹا سخت نقصان دہ ہوگا اور یہ سلسلہ جاری رکھا گیا تو مریض موت کے منہ میں پہنچ جائے گا۔ یہی حال (وٹامنز) حیاتینی اشیاء اور دیگر طاقتور اغذیہ اور ادویات کا ہے جو بغیر ضرورت کے کبھی نہیں کھانی چاہئیں۔

علاج بالغذا

دُنیا میں ایک طریقہ علاج یہ بھی ہے کہ علاج بالغذا کیا جائے۔ یہ بھی ایک بہت بڑا مبالغہ ہے۔ اوّل تو علاج بالغذا کو طریقہ علاج کہنا غلطی ہے، البتہ یہ ایک اصول ضرور ہو سکتا ہے۔ کیونکہ ہر طریق علاج کے لئے ضروری ہے وہ کائناتی بلکہ آفاقی ہو۔ کیونکہ کائنات اور آفاق کا انسانی جسم اور نفس کے ساتھ گہرا تعلق ہے۔ ہم فرنگی طب کو بھی آفاق تصور نہیں کر سکتے۔ وہ ایک تجرباتی علاج ہے جس کا تعلق مقامی اور وقتی ہے۔ اس کے اثرات کائنات کے تحت حاصل نہیں کیے گئے (تفصیل طوالت طلب ہوگی)۔ دوسرے جو لوگ غذائی طریق علاج کے ماہر ہیں صرف اس کے نام سے فائدہ اٹھا رہے ہیں ورنہ ان کے پاس ایسی کوئی کتاب اور اصول نہیں ہے جس کے تحت

انہوں نے انسانی اغذیہ ترتیب دے رکھی ہوں، لے دے کر صرف چند اغذیہ استعمال کراتے ہیں جن میں سے دودھ سبزیاں قابل ذکر ہیں۔ البتہ بعض اس علاج کے حامل ہر قسم کی دیگر اغذیہ چھڑوا دیتے تھے۔ بعض لوگ صرف دودھ اور اس میں لیموں کے استعمال کو ہی غذائی علاج کہتے ہیں۔ ایسے طریقے صرف وقت اور دولت ضائع کرنے کے سامان ہیں۔ البتہ دیگر علاجات کے دوران میں ان کو ضرورت کے مطابق اپنایا جاسکتا ہے۔

علاج بالفاقہ

ایک علاج بالفاقہ بھی ہے لیکن اس کو بھی علاج کے زمرہ میں شریک کرنا درست نہیں ہے۔ وہ بھی ایک اصول ہے۔ البتہ فاقہ کی افادیت مسلم ہے۔ لیکن افادیت کو تقریباً ضائع کر دیا جاتا ہے، کیونکہ فاقہ میں کم و بیش جو اغذیہ دی جاتی یا فاقہ کے بعد جو اغذیہ استعمال کی جاتی ہیں ان کا تعین صحت و مرض اور مریض کو مدنظر رکھ کر نہیں کیا جاتا ہے اور جو فائدہ فاقہ سے پہنچ جاتا ہے تقریباً وہ ضائع ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ماہ رمضان شریف میں اکثر الٹی سیدھی اغذیہ کھا کر ان فوائد کو تقریباً ضائع کر دیتے ہیں جو تقریباً سولہ گھنٹے پیٹ خالی رکھنے سے پیدا ہوتے ہیں۔

فاقہ ایک ایسی طاقت ہے جس سے جسم میں ایک طرف حرارت پیدا ہوتی ہے اور دوسری طرف فضول اور زہریلی رطوبات جن میں خمیر پیدا ہو چکا ہوتا ہے جلا دیتا ہے۔ اور یہ فائدہ دُنیا بھر کی کوئی دوا پہنچا نہیں سکتی۔ جاننا چاہئے کہ یہ غذا جو ہم کھاتے ہیں ان میں ایک حد تک تخمیر ضروری ہے اور اگر یہ تخمیر بہت زیادہ ہو جائے یعنی تخمیر در تخمیر تو وہ زہر بن جاتا ہے جس کا اخراج جسم سے بے حد ضروری ہے۔ لیکن اس کے ادویات سے اخراج کرنے پر ضرور اندیشہ ہے کہ اچھی رطوبات کو بھی نقصان پہنچے اور دیگر اعضاء بھی متاثر ہوں۔ صرف فاقہ ہی ایک ایسی شے ہے کہ جو ان زہروں کو خارج کر کے بغیر نقصان کے حرارت پیدا کر دیتا ہے۔ تقریباً دُنیا کے تمام مذاہب نے ان کی حمائت کی ہے لیکن اسلام نے روزہ کی صورت کا جو طریق کار بیان کیا ہے اور اس کے لئے ایک بڑی طویل کتاب کی ضرورت ہے اس کا ایک اشارہ یہ ہے کہ **الصوم قائم الشباب**۔

ہم نے تقریباً تمام طریق علاج اور مروجہ اصولوں پر مریضوں کو جو اغذیہ دی جاتی ہیں، ان کا ذکر کر دیا ہے مگر جہاں تک دق وسل کی اغذیہ کا تعلق ہے اس کو ان علاجات میں قیام صحت اور حصول شفاء کے لئے تسلی بخش صورت میں بیان نہیں کیا گیا، اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے اس کو بیان کر دیا جائے اور یقینی طور پر دق سل کے علاج اور دوا کے ساتھ غذا سے بھی مستفید ہو سکے۔ جاننا چاہیے کہ دق سل کے علاج میں غذا کے متعلق ذیل کے تین سنہری اصولوں کو ضروری مدنظر رکھیں، ان شاء اللہ تعالیٰ اس مرض سے ضرور نجات مل جائے گی۔

ا۔ اوقاتِ غذا

مریض کو ایک غذا کے بعد دوسری غذا کبھی بھی چھ گھنٹے سے قبل نہیں دینا چاہیے۔ اس طرح دِن بھر میں صرف تین وقت قائم ہو جاتے ہیں: (۱) صبح (۲) دوپہر (۳) شام۔ شام یعنی اگر صبح سات بجے غذا لی گئی ہے جو عام طور پر ناشتہ ہوتا ہے تو پھر غذا چھ گھنٹے کے بعد ایک بجے دوپہر باری آئے گی۔ ایک سے دو بجے تک کھانے کا وقت ہے اس میں جب چاہیں کھلا دیں۔ پھر چھ گھنٹے بعد آٹھ بجے شام کھانے کا وقت ہوگا۔ بس یہ تین وقت ہیں ان کے درمیان صرف مریضوں کو نہیں بلکہ تندرست انسانوں کو بھی غذا لینی چاہیے کیونکہ ایک بار کھائی ہوئی غذا تقریباً بارہ گھنٹے میں ہضم ہوتی ہے۔ تقریباً تین گھنٹے معدہ میں اور چار گھنٹے بعد چھوٹی آنتوں میں پہنچ جائے اس وقت دوسری غذا لینی

چاہیے، تاکہ ہضم شروع ہو جائیں ورنہ اس میں یا اوّل ہضم خراب ہو جائے گا یا دوسرے ہضم میں نقص پیدا ہو جائے گا۔

۲۔ضروری غذا

ان تین اوقات میں بھی ان تین امر کا احساس اشد ضروری ہے کہ اگر بھوک نہ ہو تو وہ وقت چھوڑ دیں اور اگلے وقت پر غذا کھالیں، کیونکہ بھوک اس امر کا اظہار ہے کہ جسم میں غذا کی ضرورت ہے۔ اگر تین دِن کیا ہفتہ بھر بھی بھوک نہ لگے، غذا نہ کھائیں۔ البتہ دِل چاہے تو پھل کھالیں۔

۳۔اقسام غذا

غذا کئی قسم کی ہوتی ہے: اوّل ریفرشمنٹ (تفریحی) غذا، دوسرے ڈائٹ (لازمی غذا)۔

تفریحی غذا یا لازمی ان کے اوقات میں بھی فرق نہیں آئے گا۔ یعنی دِن بھر میں صرف تین وقت ہوں گے۔ البتہ ان کے لینے کے طریق اور اہمیت سمجھ لی جائے۔ تفریحی غذا اسی صورت میں لینی چاہئے جب بھوک نہیں ہے۔ مگر دِل چاہتا ہے کہ کچھ کھایا جائے یا صبح ناشتہ میں بعض لوگوں کو خالی پیٹ باہر جانے کی عادت نہیں ہوتی۔ بھوک نہ بھی ہو تو کچھ نہ کچھ کھا لیتے ہیں۔ تفریحی غذا میں حسب ذیل اشیاء شریک ہیں: دودھ، چائے، دہی، دہی کی لسی، مکھن، صرف حلوا، مٹھائی، پھل اور گوشت، سالن ہر قسم کا بغیر روٹی، چاول اور ڈبل روٹی کے سلائس کھا سکتے ہیں۔ جیسے مکھن کھالیا جائے، دودھ یا لسی پی لی جائے یا مٹھائی کھا کر چائے یا دودھ یا لسی پی لی جائے۔ یہی صورت سالن اور گوشت کی بھی ہو سکتی ہے۔ لازمی غذا میں روٹی، چپاتی، پھلکا، نان، کلچہ، ڈبل روٹی، دلیا، چاول اور ساگودانہ وغیرہ شریک ہیں۔ لازمی غذا اس وقت تک نہ کھائی جائے جب کسی کو ایسی بھوک نہ لگے جیسے روزہ کے بعد لگتی ہے اور انسان کا احساس یہ ہوتا ہے کہ وہ پتہ نہیں کس قدر کھالے گا۔ اگر ایسا احساس نہیں پیدا ہوا تو اس وقت تک صرف تفریحی غذا لینی چاہیے اور لازمی غذا سے پرہیز برتنا چاہیے۔

دق وسل کے مریض کے لئے غذا

دق وسل کے مریض کی غذا میں تین باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے:

① حرارت پیدا کرنے والی ہو۔

② قابض نہ ہو اور رطوبات زیادہ پیدا کرے۔

③ محلول اغذیہ جو تقریباً پی لی جائے۔

اگر چبائی جائے تو دانتوں کو محنت کرنی پڑے۔ محلول اغذیہ میں دودھ، چائے، گوشت کا شوربا بغیر سبزی کے یا سبزی کے ہمراہ دونوں مفید ہیں۔ حریرہ بادام، حریرہ چار مغز وغیرہ۔ صرف سبزی کا شوربا یا پھلوں کا رس بھی مفید ہے۔ لیکن ان تمام محلول اغذیہ میں تیسرا حصہ گھی کا ہونا ضروری ہے۔ جب خون آنا بند ہو جائے اور بخار اُتر جائے، کھانسی کم ہو جائے تو حلوا، سبزیاں مع گھی بغیر روٹی چاول کے مونگ کی دال مع گھی نیم پاؤ اور خالص گھی کی ہر قسم کی مٹھائی کھلائی جا سکتی ہے اور اگر غذا میں ان باتوں کا اہتمام نہیں کیا جائے گا تو علاج بے سود ہے۔ دق وسل کی غذا میں بکری کا دودھ اور گوشت کو بھی بے حد اہمیت ہے۔ جب تک مرض کی شدت ہو اس وقت تک دودھ کو پھاڑ کر صرف اس کا پانی دیں اور اس کا پنیر بدن پر مل دیا کریں، جب مریض صحت کی طرف لوٹے تو دودھ دیا جا سکتا ہے۔ اگر دق وسل کا مریض صرف بکری کے دودھ اور گوشت کو با اصول استعمال کرے تو یقیناً ایک شرطیہ شفا بخش غذا ہے۔

بکری اور دق وسل (ٹی بی)

بکری کے خون میں دق وسل (ٹی بی) کے جراثیم کو فنا کرنے کی زبردست طاقت ہے، اس لئے اس کا دودھ اور گوشت استعمال کرنے والوں کو کبھی (ٹی بی) نہیں ہوسکتی اور جن کو ٹی بی ہو، وہ اگر ہر قسم کی اغذیہ چھوڑ کر صرف بکری کے گوشت کا شوربہ اور دودھ پینا شروع کردیں تو دق وسل (ٹی بی) سے شفا ہو جائے گی۔ اگر ہمارے بیان میں مبالغہ ہو تو ہم فرنگی ڈاکٹروں اور سائنس دانوں کو چیلنج کرتے ہیں کہ وہ ہمارے بیان کو غلط ثابت کریں۔

ہمیں آج تک یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ ہمارے طبی و معاشرتی مسائل کس انداز میں حل کئے جاتے ہیں اور کون سے خصوصی ایکسپرٹ اور سائنس دان حکومت کے مشیر ہیں جو حکومت کو غلط مشورے دیتے رہتے ہیں۔ یہ مشیر ماشاء اللہ ایسے ذہین اور سمجھدار اور پاکستان کے خیر خواہ ہیں کہ جب کہا جاتا ہے کہ پاکستان کی ادویہ استعمال کرائی جائیں تاکہ زرمبادلہ کی بچت ہو تو ان کے کان پر جوں نہیں رینگتی اور اگر کہا جائے کہ پاکستان کی اکسیر بوٹیاں غیر ممالک میں بھیجی جائیں اور زرمبادلہ بڑھایا جائے تو وہ سنی ان سنی کر دیتے ہیں۔ جب کہا جائے کہ ملک کی ترقی کے لئے اپنے ملکی علم الاشیاء سے بھی استفادہ کیا جائے تو ایسی صدا بصحرا ثابت ہوتی ہے۔

انہی پاکستانی ایکسپرٹ اور سائنس دان مشیروں نے حکومت کو یہ بھی مشورہ دیا ہے بکروں کی نسل کو ختم کر دیا جائے۔ سبحان اللہ! کیا خوب مشورہ ہے، اور لطف کی بات یہ ہے کہ نئی حکومت نے یہ مشورہ قبول بھی کر لیا ہے اور سننے میں آرہا ہے کہ حکومت بکریوں کی نسل کی افزائش کے نہ صرف حق میں نہیں بلکہ اس نسل کو سرے سے ختم کر دینا چاہتی ہے۔ دلائل یہ پیش کئے جاتے ہیں:

① اس کی خوراک بہت زیادہ ہے۔

② ایندھن کی پیداوار میں حائل ہے۔

③ اپنی خوراک اور نقصان کے مقابلہ میں زیادہ مفید نہیں ہے۔

ہم حکومت سے گزارش کریں گے کہ اس سلسلہ میں آپ کے ایکسپرٹ اور سائنس دان مشیروں کا مشورہ بالکل غلط اور بے معنی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ علم الحیوانات خصوصاً بکریوں سے متعلق پوری طرح آگاہ نہیں۔ اگر وہ بکریوں کی افادیت سے عشر عشیر بھی واقف ہوتے تو ایسا غلط مشورہ دینے کی جرأت نہ کرتے۔ اگر ان کو اپنی قابلیت پر ناز ہے تو ہم ان کو ہر وقت جواب دینے اور حقیقت سے آگاہ کرنے کے لئے تیار ہیں۔

جاننا چاہئے کہ بکری ہی ایک ایسا جانور ہے جس کے خون میں طاقت ہے، جو دق وسل (ٹی بی) کے جراثیم کی پرورش کا موقع نہیں دیتی بلکہ فوراً ختم کر دیتی ہے۔ اس لئے اس کا دودھ استعمال کرنے والوں کو کبھی ٹی بی نہیں ہوسکتی اور جن کو ٹی بی ہو اگر وہ ہر قسم کی اغذیہ چھوڑ کر صرف بکری کے گوشت کا شوربا پینا شروع کر دیں تو ان کو فوراً دق وسل (ٹی بی) سے شفا ہو جائے گی اور رفتہ رفتہ اس میں وہ طاقت پیدا ہو جائے گی کہ تمام عمر ٹی بی سے محفوظ رہے گا۔

جاننا چاہیے کہ بکری کے خون میں یہ طاقت صرف اس لئے ہے کہ اس کے جسم میں اعضاء کی بناوٹ اس قسم کی ہے کہ نہ صرف خون میں حرارت زیادہ پیدا ہوتی رہتی ہے بلکہ جسم کے اعضاء میں اس قدر تیزی اور شدت پیدا ہوتی ہے کہ ان کے افرازات کی پیدائش اس قدر زیادہ ہوتی ہے کہ وہ خون میں شامل ہو کر ایسی طاقت پیدا کر دیتے ہیں کہ ان سینکڑوں قسم کے جراثیم خصوصاً ٹی بی کے جراثیم کو فنا کر دینے کی

قوت پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ خوبی گائے بھینس میں نہیں پائی جاتی ہے اور نہ بھیڑ میں اس کا اثر نظر آتا ہے۔

بکری کا دودھ اپنی غیر معمولی حرارت اور رقت کی وجہ سے بے حد زود ہضم ہے۔ بچے کے لئے بے حد مفید اور مناسب غذا ہے۔ عورت کے دودھ سے دوسرے نمبر پر ہے۔ جو بچے بدہضمی یا مرض دق اطفال کی وجہ سے سوکھ گئے ہوں ان کے لئے بے حد مفید ہے اور مقوی غذائی دوا ہے۔

جہاں تک اس پر زیادہ خوراک کھانے اور جنگلات کو ختم کرنے کا الزام ہے تو اس کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ بکری زیادہ تر خودرو خاردار جھاڑیاں کھاتی ہے جو اکثر زہریلی اور بے مصرف ہوتی ہیں۔ اس کے علاوہ خودرو گھاس اس کا من بھاتا کھاجا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ اگر اس کی نگرانی نہ کی جائے تو وہ نوخیز درختوں کی پتیاں اور کونپلیں کھا جاتی ہے جو واقعی نقصان کی صورت ہے مگر اس کا ازالہ ہو سکتا ہے۔

اس چھوٹے سے نقصان کے لئے ایک مفید ترین جانور کی نسل کو تباہ کرنا کہاں کی عقل مندی ہے۔ چاہیے تو یہ تھا کہ حکومت دق سل (ٹی بی) کی روک تھام کے لئے اس کی نسل کو اس قدر فروغ دیتی کہ ہر گھر میں اس کا ریوڑ ہوتا۔ اس طرح پاکستان سے دق وسل (ٹی بی) نہیں بلکہ گھر گھر دودھ کی نہریں چل جاتیں ویسے بھی حکومت (ٹی بی) کی روک تھام کے لئے کروڑوں روپے خرچ کر رہی ہے جس کا نتیجہ کبھی سودمند ثابت نہیں ہوا۔ اس کے علاوہ بی-سی-جی کے ٹیکے حفظ ماتقدم (ٹی بی) کے لئے ملک میں لگائے جا رہے ہیں جن پر ہر سال لاکھوں روپے خرچ ہوتے ہیں۔ یہ سب روپیہ فضول ضائع جا رہا ہے کیونکہ اب یورپ کے سائنس دان اور فرنگی ڈاکٹروں نے اپنے کثیر تجربات کے بعد اعلان کر دیا ہے کہ بی-سی-جی کے ٹیکے غیر مفید اور بے اثر ہیں۔ حکومت ادویات اور انجکشنوں پر لاکھوں روپے فضول و برباد کرتی ہے، مگر معلوم نہیں ملکی مفید اور یقینی علاجوں کو کیوں نظر انداز کر دیتی ہے۔

حکومت کو اس خطرے سے آگاہ رہنا چاہیے کہ اگر ملک سے بکری کی نسل ختم ہوگئی تو مرض ٹی بی کا وہ غلبہ ہو جائے گا کہ پاکستانی نسل ہی کمزور ہو جائے گی خصوصاً دیہاتوں میں جہاں پر مناسب دوا اور غذا کا کوئی مناسب انتظام نہیں ہے۔ وہاں پر وہ مصیبت پیدا ہو جائے گی کہ سنبھالے نہیں سنبھل سکے گی۔ خداوند کریم کی مہربانی سے یہ صرف بکری کے دم قدم کا نتیجہ ہے کہ ملک بھر میں (ٹی بی) سے بچت ہے، جس علاقہ یا گھر میں بکری کا دودھ یا گوشت استعمال نہیں ہوتا اس علاقہ یا گھر میں (ٹی بی) داخل ہو گیا ہے۔ اگر ہمارے بیان میں مبالغہ ہو تو حکومت اعداد و شمار پر غور کرے، وہ صحیح نتیجہ پر خود بخود پہنچ جائے گی۔

اس عظیم فائدہ کے علاوہ بکریوں کے بیشمار فوائد ہیں جن میں سے چند درج ذیل ہیں:

① اس کے فضلہ میں وہ حرارت اور فاسفیٹ ہے جو کسی دوسرے جانور کے فضلہ میں نہیں پائی جاتی۔ جو زمین کمزور ہو جاتی ہے زمیندار اس پر بکریوں کے ریوڑ پال لیتے ہیں، تھوڑے ہی عرصہ میں وہ زمین زرخیز ہو جاتی ہے۔

② شہروں میں اس کا دودھ بیچ کر سینکڑوں خاندان اپنا اور اپنے بچوں کا پیٹ پالتے ہیں۔

③ سارے پاکستان میں ہزاروں من بکری کا گوشت لوگ کھاتے ہیں اور مریضوں کو کھلاتے ہیں۔ اس تجارت پر بیشمار خاندان اور زمیندار اپنا کاروبار کرتے ہیں اور یہ دولت ملک میں ہی رہتی ہے۔

④ اس کی کھال جوتوں کے علاوہ پاکستان کی بے شمار صنعتوں میں کام آتی ہے جو غیر ممالک کو جاتی ہے اور اس کی کھالیں بھی غیر ممالک میں زرمبادلہ پیدا کرتی ہیں۔

ان حقائق کے بعد اگر حکومت نے اس مسئلہ کو قومی اور ملکی قدروں پر سوچا تو یقیناً وہ بکری کی نسل کو ختم کرنے کی بجائے اس کی افزائش نسل پر توجہ دے گی۔ اس طرح کروڑوں کا زرمبادلہ بھی جو ادویات کی صورت اور انجکشنوں پر خرچ ہوتا ہے، بچ جائے گا۔

بناسپتی گھی کھانے سے تپ دق ہو جاتا ہے

غذا میں غلہ کے اجناس کے بعد دوسرے درجہ پر روغنیات ہیں۔ان کی جسم میں ایسی ہی ضرورت ہے جیسے مشینوں میں پٹرول کے بعد موبل آئل کی ضرورت ہے۔جس طرح موبل آئل پرزوں کوتر (لبریکیٹ) رکھتا ہےاور رگڑ کھانے اور جلنے سے بچاتا ہے۔یہی صورت جسم انسان میں روغنیات کی بھی ہے مگر جسم انسان میں ان کا ایک کام یہ بھی ہے کہ وہ جسم میں حرارت بھی پیدا کرتے رہیں تا کہ جسم ایک طرف سردی سے محفوظ رہےاور دوسری طرف جسم میں سوزش اور امراض پیدا نہ ہوں۔

روغن دوقسم کے ہوتے ہیں۔(اوّل) نباتی جنہیں ہم تیل کہتے ہیں جیسے سرسوں، زیتون اور بنولہ وغیرہ اور بعض دوسرے میوہ جات سے بھی نکالے جاتے ہیں جیسے روغن ناریل، روغن کنجد، روغن بادام وغیرہ۔(دوسرے) حیوانی جوگھی اور چربی کہلاتے ہیں۔گھی عام طور پر مکھن اور کریم سے تیار ہوتا ہےاور چربی گوشت سے جدا کی جاتی ہے۔مفید ہونے کی صورت میں میوہ جات کے روغن سبزیوں کے روغنیات سے زیادہ انسانی جسم کے قریب ہیں اور چربی، مکھن اور گھی میوہ جات کے روغنیات سے بھی انسانی جسم کے زیادہ قریب ہیں۔ان کے زیادہ قریب ہونے سے مراد یہ ہے کہ وہ جلد اور زیادہ سے زیادہ جزو بدن بن جاتے ہیں۔اس حیثیت سے اعضاء اور خون کے لئے بے حد مقوی اور مفید ہیں۔ایک عام انسان بھی خوب جانتا ہے کہ تیل کے کھانے سے جہاں گلے میں خراش نزلہ زکام ہوجاتا ہے وہاں پر گھی کے کھانے سے انسان ان امراض سے محفوظ رہتا ہے۔سوائے چند مخصوص علاقوں اور اغذیہ کے جہاں پر تیل فطرتاً مفید ہے یعنی ایسے علاقے جہاں پر رطوبت زیادہ ہوتی ہے یا سال بھر خوب سردی رہتی ہے وہاں پر گھی اور مکھن کی بجائے تیل زیادہ مفید ہے۔رطوبتی علاقے اکثر سمندر کے کنارے ہوتے ہیں یا ایسے علاقے جہاں بہت کثرت سے ہوتی ہے۔ایسے علاقے اکثر پہاڑوں کی وادیاں یا پہاڑ ہوتے ہیں۔**جاننا چاہئے کہ گرم علاقوں میں ہمیشہ مکھن اور گھی مفید ہوتے ہیں اور تیل اکثر تکلیف کا باعث ہوتے ہیں اور مختلف اقسام کے خوفناک امراض پیدا کرتے ہیں۔**

بناسپتی گھی

بناسپتی گھی دراصل گھی نہیں ہے اور نہ ہی حیوانی روغن ہے بلکہ نباتی تیلوں کو مصنوعی اور بناوٹی طور پر گھی کی شکل دے دی گئی ہے۔یہ عام طور پر کسی تیل کے ساتھ سوڈا کاسٹک یا کوئی دیگر قوی الکائن (کھار) ملا کر تیار کیا جاتا ہے۔بالکل اسی طرح جیسے صابن بنایا جاتا ہے۔فرق صرف یہ ہے کہ صابن کا قوام سخت ہوتا ہےاور بناسپتی کا قوام نرم مثل گھی کے رکھا جاتا ہے۔دراصل ہر بناسپتی گھی نرم قسم کا صابن ہے۔

افعال واثرات بناسپتی

بناسپتی گھی افعال واثرات کے لحاظ سے نہ تو مکھن اور گھی کے اثرات رکھتا ہے کہ اس میں حیوانی اثرات خصوصاً حیوانی گندھک کا کوئی اثر نہیں ہوتا جو صحت کے قیام اور جسمانی سوزش کو دور کرنے کے لئے از حد ضروری ہے بالکل اس قسم کے اثرات جو شہد میں پائے جاتے ہیں جس کے لئے قرآن حکیم نے فرمایا ہے: ﴿ فِيْهِ شِفَآءٌ لِلنَّاسِ ﴾ ''اس میں لوگوں کے لئے شفا ہے''۔اور نہ ہی اس میں تیلوں کے تیزابات کا اثر اور نہ گندھک کے افعال باقی رہتے ہیں۔گویا **جو طاقت خالص تیل میں ہوتی ہے، بناسپتی گھی میں بالکل ختم ہوجاتی ہے،** اس کے علاوہ اس میں الکلی (کھار) کی زیادتی کی وجہ سے انتہائی اعصابی سوزش پیدا ہوجاتی ہے جس سے جسم میں رطوبات کی زیادتی، نزلہ اور بلغم کی پیدائش، پیشاب کی کثرت کے ساتھ ساتھ پیشاب میں شکر کا بڑھ جانا۔جب پیشاب کی رطوبات اور بلغم میں زیادتی پیدا ہوجائے تو حرارت کم ہونا شروع ہوجاتی ہے۔دوسری طرف اس میں گندھک کی مقدار بالکل نہیں پائی جاتی جو صحت انسانی کے لئے ضروری حرارت

پیدا کرتی ہے۔ نتیجہ میں اس کے کھانے والے کی صحت خراب ہونا شروع ہو جاتی ہے۔

تجربہ اور نقصان

جن لوگوں نے بناسپتی گھی کبھی نہیں کھایا جب وہ کھانا شروع کرتے ہیں چاہے وہ سالن کی شکل ہو چاہے مٹھائی کی صورت تو اوّل اوّل منہ میں پانی آنا شروع ہو جاتا ہے۔ پھر جب جلد گلے میں جلن اور منہ میں گرمی محسوس ہوتی ہے۔ تھوڑے دنوں کے بعد نزلہ اور گلے میں ریشہ گرنا شروع ہو جاتا ہے۔ پھر سینہ اور معدہ میں ہلکی ہلکی جلن شروع ہو جاتی ہے۔ مریض معالج کے چکر شروع کر دیتا ہے مگر مرض گھٹتا نہیں بلکہ روز روز بڑھتا ہے۔ اس کے بعد پیشاب میں زیادتی، نفخ شکم، البتہ پاخانے میں قبض بہت کم ہوتا ہے۔ نتیجہ ضعف جگر و گردے اور دِل ڈوبنا شروع ہو جاتا ہے۔ آخر مریض کی موت (ہارٹ فیل) سے ہو جاتی ہے۔ سب سے بڑی خرابی **بناسپتی گھی کے استعمال سے یہ شروع ہوتی ہے کہ مردوں میں منی کی پیدائش میں خرابی، جریان اور ضعف باہ شروع ہو جاتا ہے اور اکثر پیدائش اولاد کی طاقت نطفہ میں نہیں رہتی اور عورتوں میں بہت جلد ماہواری میں خرابی اور خون میں کمی کے ساتھ ساتھ سیلان کی شدت پیدا ہوتی ہے۔** اوّل تو ایسے میاں بیوی کی اولاد نہیں ہوتی یا بہت کم ہوتی ہے اور جب ہوتی ہے تو اکثر لڑکیاں ہوتی ہیں۔ اس کے نقصانات اس قدر زیادہ ہیں کہ اس پر دلائل کے ساتھ تفصیلی بحث کی ضرورت ہے۔

اقتصادی اور معاشرتی نقصان

بناسپتی گھی کے طبی نقصان کے ساتھ ساتھ بے حد اقتصادی اور معاشرتی نقصان بھی پائے جاتے ہیں۔ اوّل ملک کی دولت کا ایک حصہ بناسپتی گھی تیار کرنے والے سیٹھوں کی تجوریوں میں چلا جاتا ہے۔ دوسرے ملک بھر کا بنولہ اور دیگر بیج جو گائے بھینسوں کے پیٹوں میں جانا چاہئے تھا مشینوں کی شکم پری ہوتی ہے جس سے اصل مکھن گھی کی بجائے بناسپتی گھی تیار ہوتا رہتا ہے۔ تیسرے جب گائے، بھینسوں کی مقوی غذا ختم ہو گی تو ان میں افزائش نسل میں قدرتاً کمی واقع ہو جاتی ہے جن کے خراب نتائج دور تک پہنچ جاتے ہیں۔

انتہائی خرابی

سب سے بڑی خرابی بناسپتی گھی میں یہ پیدا ہو گئی ہے کہ وہ اصل گھی کے قائم مقام یا اصل گھی میں ملاوٹ کے ساتھ فروخت کیا جاتا ہے۔ آج کل اس کثرت سے بک رہا ہے کہ بازار میں بالکل خالص گھی نظر نہیں آتا۔ پرلطف بات یہ ہے کہ خالص بناسپتی گھی نظر نہیں آتا۔ اس سے زیادہ پرلطف بات یہ ہے کہ خالص بناسپتی گھی بھی مشکل سے دستیاب ہوتا ہے۔ البتہ ناخالص گھی جس قدر ضرورت ہو مل سکتا ہے۔ گرانی کا یہ حال ہے کہ اصلی گھی کے نام پر ساڑھے سات روپے سیر بکتا ہے۔ بناسپتی گھی کو اصل گھی بنانے کا نسخہ جو سب سے اچھا خیال کیا جاتا ہے، بناسپتی گھی دودھ میں جوش دے کر دہی کی صورت میں جما لیتے ہیں پھر اس کو ہم وزن بناسپتی گھی ملا کر خالص گھی بنا لیتے ہیں۔ کوئی پہچان نہیں سکتا۔ اس چربی میں گائے، بھینس، سؤر اور اژدھا تک کی چربی شامل کر لی جاتی ہے۔ غرض بناسپتی گھی کا بیوپار آج کل خوب گرم ہے۔ بارہا حکومت کے سامنے یہ مسئلہ پیدا ہوا ہے کہ بناسپتی گھی کو رنگ دیا جائے لیکن سرمایہ دار سیٹھوں کی کوشش سے یہ تجویز بھی ہمیشہ ناکام رہی ہے۔

دیگر اشیاء خوردنی میں ملاوٹ

مصنوعی گھی کی تجارت میں انتہائی کامیابی اور دولت کی بارش دیکھ کر **ظالم** تجارت پیشہ لوگوں نے دیگر اشیاء خوردنی میں بھی ملاوٹ کرنا شروع کر دی۔ یہاں تک کہ ہلدی، مرچ، گرم مصالحہ اور چائے وغیرہ میں بھی ملاوٹ شروع کر ڈالی اور ایسی تکلیف دہ اشیاء سے

ملاوٹ کی گئی کہ تندرست کھائے تو یقیناً بیمار ہو جائے۔ بیمار کی جو حالت ہوتی ہے وہ خداوند کریم ہی جانتے ہیں۔ مثلاً سرخ مرچ میں پسی ہوئی اینٹ، ہلدی میں لکڑی کا برادہ، چائے میں دیگر درختوں اور اناجوں کی پتیاں وغیرہ۔

خالص دودھ

جہاں تک دودھ کا تعلق ہے اس کا بازار سے دستیاب ہونا تقریباً ناممکن ہے۔ اس کے برعکس دودھ بچہ اور مریض لازم وملزوم کہے جا سکتے ہیں، لیکن ظالم قسم کے لوگوں نے ناجائز کمائی کی خاطر زیادہ سے زیادہ جس قدر ہو سکا ناخالص دودھ فروخت کرنے کی کوشش کی ہے۔ دودھ میں پانی ڈالنا یا پانی میں دودھ ڈالنا تو معمولی بات ہے۔ اصل شے تو یہ ہے کہ دودھ سے کریم (بالائی) نکال لی جاتی ہے اور باقی دودھ جس کو انگریزی میں اسپلیٹا کہتے ہیں خالص دودھ کی جگہ فروخت کیا جاتا ہے لیکن یہ کہنا پڑتا ہے کہ دودھ کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس میں زیادہ سے زیادہ مقدار میں چکنائی ہو جو دودھ کے ساتھ بآسانی ہضم ہو جاتی ہے۔ یہاں تک کہ بچہ بھی ہضم کر لیتا ہے اور ساتھ ہی اس دودھ کی چکنائی سے دودھ کے پنیر کے نقصانات دور ہو جاتے ہیں۔ کریم نکلے دودھ میں جہاں روغنی اجزا نہیں ہوتے وہاں پر اس کا پنیر بھی پورے طور پر ہضم نہیں ہوتا اور نفخ، تبخیر اور ریاح بنتا ہے جس کے بعد معدہ میں ترشی اور تیزابیت بڑھنے لگتی ہے اور پھر جسم اکثر امراض کا مسکن بن کر رہ جاتا ہے۔

معاشرہ پر سب سے بڑا ظلم یہ ہے کہ مصنوعی اور ناخالص شے بھی اصل اور خالص شے کے بھاؤ بکتی ہے۔ گویا نقصان کے ساتھ ساتھ خرابی صحت بھی کر لی جاتی ہے۔ اگر مصنوعی اور خالص شے کو اس کے صحیح نام سے پیش کر دیا جائے تو خریدار کی مرضی ہے کہ وہ خریدے یا نہ خریدے اور وہ مالی اور جانی نقصان سے بچ جائے۔ خاص طور پر مریض شخص تو یقیناً ایسی تکلیف دہ اشیاء سے دور رہیں گے۔

حکومت کا اقدام اور مارشل لاء

حکومت کو اس خرابی کا بھی نہ صرف پورا علم ہے، بلکہ پورا احساس بھی ہے۔ حکومت کی گزشتہ سال کی جو کوشش تھی اس کا اثر ایسے معاشرہ کش لوگوں پر کم پڑا ہے اس لئے اس نے مجبور ہو کر ان ظالم ملاوٹی کاروبار کرنے والوں کو ایک بار پھر شدید طور پر متنبہ کیا ہے۔ اعلان میں کہا گیا ہے کہ آئندہ ملاوٹ کرنے والوں سے کوئی رعایت نہیں برتی جائے گی۔ کیونکہ ایسے لوگ معاشرہ کش اور ظالم ہیں ان پر بھی رحم نہیں ہونا چاہئے۔ اس لئے مارشل لاء کے ضابطے کے تحت اس جرم کی سزا چودہ سال قید با مشقت رکھی گئی ہے۔

مارشل لاء حکومت کے اس اعلان سے ہمیں بے حد مسرت ہوئی ہے۔ اُمید ہے عوام بھی اس اعلان کا خیر مقدم کریں گے۔ کیونکہ ملاوٹ کرنے والوں سے ہر شخص دُکھی ہے۔ اسی لئے ان کے ساتھ کسی کو ہمدردی نہیں ہے۔ یہ لوگ دراصل قتل انسانیت کے مجرم ہیں، یقیناً ان کو زیادہ سے زیادہ سزائیں ملنا چاہئیں۔

سزا

جہاں تک سزا کا تعلق ہے وہ صرف بازار کے اس دکان دار کو نہیں ملنی چاہئے جو ملاوٹی اغذیہ فروخت کرتا ہے بلکہ اس کے ساتھ اس مرکز کو بھی قابو میں کر لینا چاہئے جہاں سے دکاندار وہ شے لا کر فروخت کر رہا ہے اور مرکز کے مالکوں کو اس دکاندار سے دس گنا زیادہ سزا دینے کی ضرورت ہے تا کہ آئندہ ان کو اور اسی طرح کے دیگر مرکزوں کو عبرت ہو۔ جب تک ایسے ملاوٹی مرکز اور انسانیت کش ادارے ختم نہیں کر دیئے جائیں گے، یہ گرانی اور ناخالص اشیاء کی فروخت ختم نہیں ہو سکے گی۔ اس سلسلہ میں عوام کا بھی فرض ہے کہ جہاں پر ملاوٹی اشیاء کا مرکز یا فروخت دیکھیں فوراً اس کی اطلاع حکومت کو پہنچائیں تا کہ جلد سے جلد یہ لعنت ختم کر دی جائے۔

ہر قسم کے تپ دق اور سل (ٹی بی) کا یقینی نسخہ

غلط ثابت کرنے والے کو پانچ صد روپیہ انعام

آک کا تازہ دودھ ایک حصہ اور ہلدی خالص سفوف پندرہ حصے۔

تیاری نسخہ

نسخہ تیار کرنا کوئی مشکل کام نہیں ہے۔ایک پیسہ کے برابر آک کا دودھ ترازو میں وزن کرلیں۔ پھر پندرہ پیسے کے برابر ہلدی خالص کا سفوف ترازو میں وزن کرلیں، پھر پندرہ پیسے کے برابر ہلدی خالص کا سفوف ترازو میں وزن کر کے دونوں کو ایک کھرل میں ملا کر صرف دس منٹ تک کھرل کرلیں، بس تیار ہے۔دوا کو ایک صاف شیشی میں بند کر کے رکھ دیں، بس یہی ایک اکسیر تپ دق ہے۔

مقدار خوراک

ایک رتی سے آٹھ رتی تک (ایک ماشہ) حسب ضرورت ہے۔

ترکیب استعمال

عام طور پر اس دوا کی مقدار خوراک ایک یا دو رتی ہمراہ نیم گرم پانی دن میں تین، چار یا پانچ خوراکیں استعمال کرنا کافی ہیں۔ البتہ اگر مریض کو قبض ہو تو اس مقدار اور خوراک کو رفتہ رفتہ آٹھ رتی تک بڑھا سکتے ہیں۔لیکن اگر پاخانے آتے ہوں تو مقدار خوراک نصف رتی دیں۔البتہ اگر پیچش ہو تو مقدار خوراک ایک دو رتی کافی ہے، بڑھانے اور گھٹانے کی ضرورت نہیں ہے۔دوا ہمیشہ نیم گرم پانی سے لیں۔ٹھنڈا پانی مفید نہیں ہے۔

اجزاء دوا کے لئے ضروری نہیں ہے کہ تازہ ہوں، جس قدر پرانے ہوں گے زیادہ مفید ہوتے جائیں گے اور اس دوا کی گولیاں بھی شہد میں تیار کی جاسکتی ہیں۔اس میں گوند کیکر ڈال کر ولائتی ٹکیاں بھی تیار کی جاسکتی ہیں اور کیپسول میں بھی دی جاسکتی ہے۔

افعال واثرات

اس دوا کی صرف تین خوراکوں میں خون آنا کم ہوجاتا ہے اور تین روز کے اندر خون کا آنا بالکل بند ہوجاتا ہے۔خون کی شدت میں دوا کی مقدار خوراک زیادہ دے سکتے ہیں۔اسی طرح اکثر ایک ہی روز میں ہر قسم کا خون آنا بند ہوجاتا ہے۔ پہلے ہفتہ کے اندر بخار اور کھانسی کم ہونے شروع ہوجاتے ہیں۔دوسرے ہفتے میں بخار اتر جاتا ہے اور تیسرے ہفتے میں کھانسی ختم ہوجاتی ہے۔

ابتداء میں اس دوا اور گھی کے استعمال سے بھوک کھلنے لگتی ہے۔پاخانہ باقاعدہ ہوجاتا ہے۔تین ہفتوں کے بعد طاقت آنا شروع ہوجاتی ہے اور صرف ایک ماہ کے بعد مریض اپنے روزمرہ کے کاروبار کی طرف رجوع کرلیتا ہے۔باقی زندگی مسرت وشادمانی اور صحت کے ساتھ گزار دیتا ہے۔

غذا

غذا میں انتہائی تاکید یہ ہے کہ وہ محلول ہو جس میں تیسرا یا چوتھا حصہ خالص گھی کا ہونا چاہئے اور بے حد بھوک پر استعمال کی جائے۔ محلول غذا اس لئے بھی ضروری ہے کہ وہ فوراً ہضم ہو کر خون پیدا کرتی ہے۔ جس سے بدن میں فوراً قوت پیدا ہو جاتی ہے۔ گھی جسم میں تین کام کرتا ہے:

① جسم کے اندر جہاں پر بھی سوزش، خشکی اور زخم ہوں اس کو دور کر کے بھرتا ہے اور مرہم کا کام کرتا ہے۔

② ہر قسم کے تعفن کو دور کر کے جراثیم کو بھی ختم کر دیتا ہے۔ گویا ایک زبردست ملین اور غذائی جراثیم کش ہے۔

③ اس سے وہ بھوک بالکل مر جاتی ہے جو یونہی خیالی طور پر یا کمزوری سے پیدا ہوتی ہے۔ جس سے جسم میں فضول خمیر اور تعفن بڑھتا ہے اور وہ بیماری کو دور نہیں ہونے دیتا۔ جب تک گھی کھانے کو دل نہ کرے سمجھ لیں کہ پیٹ میں کچھ غذا و تعفن اور خمیر قائم ہے جس کا پہلے صاف ہونا ضروری ہے۔

نوٹ: محلول غذا کا مقصد ایسی غذا ہے جو پی لی جائے جیسے چائے، دودھ، گوشت یا سبزیوں کا شوربا یا ملا جلا شوربا ہونا چاہیے۔ لیکن روٹی، ڈبل روٹی، چاول، دلیا، پیسٹری، بسکٹ اور کیک وغیرہ ہرگز محلول غذائیں نہیں ہیں۔ اس لئے ان سے شفا تک پرہیز لازمی ہے۔ بناسپتی گھی کے پاس تک نہیں جانا چاہیے۔ یہ مرض بڑھاتا ہے۔ جب آرام آ جائے تو پھر محلول غذا کی بجائے ہر قسم کا سالن، ترکاری گوشت میں مناسب گھی ڈال کر چمچے کے ساتھ کھالیا کریں۔ اسی قسم کا حلوا سوجی، پیٹھہ، گاجر بھی جو گھی میں تر بتر ہو کھا سکتے ہیں۔ دودھ میں بہترین دودھ بکری کا ہوتا ہے۔ ویسے دیگر ہر قسم کے دودھ استعمال کر سکتے ہیں۔ گوشت میں بھی بکری کا گوشت بہت مفید ہے۔

ویسے ہر قسم کا حلال گوشت کھا سکتے ہیں۔ پھلوں کو اگر دل کرے تو محلول غذا کھانے کے بعد ساتھ ہی کھا سکتے ہیں لیکن سب سے مفید پھل میٹھا آم اور انگور ہیں، کیونکہ ان سے جسم میں حرارت پیدا ہوتی ہے اور قائم رہتی ہے، باقی تمام پھل رفتہ رفتہ حرارت کو کم کرتے چلے جاتے ہیں۔ غذا اس قدر پکائی جائے کہ گل کر آٹا ہو جائے، **کچی غذا سخت نقصان دیتی ہے۔ کچی سبزیاں بھی نہیں کھانی چاہئیں جس سے حیوانیت پیدا ہوتی ہے۔ وٹامن وغیرہ کا خیال چھوڑ دیں۔ یہ صرف تجارتی پروپیگنڈا ہے۔** فرنگی ڈاکٹر خود اس کے استعمال پر قادر نہیں ہیں۔ اس سلسلہ میں ہماری کتاب خوراک اور تپ دق دیکھئے، مفید معلومات جمع کر دی گئی ہیں۔

اہم نوٹ: تپ دق اور سل (ٹی بی) کے اس یقینی نسخہ کے شائع ہونے کے بعد بے شمار خطوط ہم کو ملے جس میں تیار شدہ دوا ہر قیمت پر طلب کی گئی۔ مگر ہم نے سب کو فرداً فرداً یہی جواب دیا کہ ہمارا مقصد تجارت (بزنس) نہیں ہے۔ یہ ایک مقدس ادارہ (مشن) ہے۔ ہمارا مقصد علم و فن اور ملک و قوم اور انسانیت کی خدمت کرنا ہے۔ اس کی تجارت سے صحیح خدمت کا مقصد ختم ہو جائے گا۔ نسخہ بے حد آسان ہے، ایک ٹکے میں تیار ہو جاتا ہے۔ اس میں کوئی راز نہیں ہے اور نہ ہی کوئی محنت کرنی پڑتی ہے۔ پھر جن کو گھبراہٹ ہو وہ یہی اجزاء اپنے قریب کے حکیم و ڈاکٹر یا کسی معالج اور دوا اس فروش کے پاس لے جائیں، وہ ایک پیسہ لئے بغیر آپ کو نسخہ تیار کر دے گا۔ یہ اس کے لئے ثواب ہے۔ [اگر آپ کو یا آپ کے کسی عزیز کو یہ خطرناک مرض ہو اور وہ اس کا یہ علاج کرنا چاہیں]۔

ہمارا عہد

ہم نے عہد کیا ہے کہ تپ دق وسل (ٹی بی) کے مشورے اور دوا کی رقم نہیں لیں گے، دیگر اطباء اور معالجین بھی یہ عہد کر لیں۔

ہلدی کے افعال واثرات

ایک مشہور کہاوت ہے کہ چوہے کو ملی ہلدی کی گانٹھ وہ بن گیا پنساری۔ اس کہاوت میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ پنساری کی دکان میں اہم شے صرف ہلدی ہی ہے، کیوں نہ ہو؟ غذا، دوا اور صنعت وحرفت تینوں قسم کی ضروریات پوری کرتی ہے۔ اسی طرح ایک دوسری کہاوت ہے کہ ہلدی لگے نہ پھٹکڑی اور رنگ آئے چوکھا۔ گویا ہماری روزانہ زندگی میں ہلدی ہی ایک واحد شے ہے جو رنگنے کے کام آتی ہے۔ مثلاً ہانڈی میں مفید ہونے کے ساتھ ساتھ اس کو خوش رنگ بھی بنا دیتی ہے۔ اسی طرح کپڑے وغیرہ رنگنا ایک معمولی بات معلوم ہوتی ہے۔ خاص طور پر گرمیوں میں جب آشوب چشم کی تکلیف ہوتی ہے تو ہلدی میں کپڑا رنگ کر سر پر ڈال لیتے ہیں تاکہ دھوپ کی تپش سے آنکھوں کو سکون پہنچے اور ضرورت کے مطابق اسی کپڑے سے آنکھ بھی پونچھ لی جائے۔ اسی طرح ابٹن کو اس سے رنگتے ہیں۔ خاص طور پر شادی بیاہ کے موقع پر دولہا اور دلہن دونوں کو اس سے تیار شدہ ابٹن مل کر نہلاتے ہیں۔ اس سے ایک تو جلد خوبصورت ہو جاتی ہے۔ دوسرے رنگت میں ہلکا پیلا پن پیدا ہو کر حسن کو دوبالا کر دیتا ہے۔ گویا روزانہ زندگی میں بھی اس کی اہمیت مسلمہ ہے۔ لیکن افسوس اس کی اہمیت سے صرف عوام ہی نہیں بلکہ اکثر اطباء بھی بے خبر ہیں اور اس کو ایک ایسی دوا خیال کرتے ہیں جو صرف غذا میں استعمال کی جا سکتی ہے یا اس سے رنگنے کا کام لیا جا سکتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اکثر لوگ ہلدی کے متعلق اتنا ہی جانتے ہیں کہ اس کو ہانڈی یا چاولوں کو رنگ دینے کے لئے ڈالتے ہیں لیکن آج کل اس کا استعمال بھی کم ہو رہا ہے۔ صرف سرخ مرچ سے ہی کام نکال لیا جاتا ہے، البتہ خاندانی رؤسا کے ہاں اس کی جگہ زعفران استعمال ہوتا ہے جو رنگ کے ساتھ خوشبو اور تقویت بھی دیتا ہے۔ اس کے علاوہ دکھتی آنکھ کی حفاظت کے لئے کپڑا رنگنے اور عورتوں کے ابٹن میں استعمال ہوتی تھی مگر جب سے رنگ دار چشموں اور کریموں کا رواج ہو گیا ہے ہلدی کا یہ استعمال بھی ختم ہوتا جاتا ہے لیکن مغرب پرست لڑکیوں کو اس امر کا بالکل علم نہیں کہ ہلدی کے ابٹن کا مقابلہ کوئی کریم یا پاؤڈر نہیں کر سکتا کیونکہ اچھی سے اچھی کریم اور عمدہ سے عمدہ پاؤڈر جتنی بھی احتیاط سے لگائیں چند دنوں میں چہرہ بگاڑ کر رکھ دیتے ہیں۔ مگر اس کے مقابلے میں ہلدی کا ابٹن نہ صرف منہ کو صاف کرتا ہے بلکہ منہ کے داغ چھائیاں، دانے دور کرنے کے ساتھ ساتھ چہرے کو ایک ہلکے زعفرانی رنگ میں رنگ دیتا ہے اور پھر طرہ یہ ہے کہ اس میں بالکل نقصان کا احتمال نہیں ہے۔ یہ اس لئے کہ ہر کریم اور پوڈر اس وقت تک مکمل نہیں ہوتا جب تک اس میں کیلشیم کا کوئی جز نہ ڈالا جائے جو چہرے کے مسامات بند کر کے مواد کے اخراج کو روک دیتا ہے۔ ہلدی میں سلفر کا جز ہوتا ہے جو سوزش رفع کرنے، خون صاف کرنے اور جلد کو نرم کرنے کی اپنے اندر زبردست طاقت رکھتا ہے۔ خاص بات یہ ہے کہ سلفر جلدی امراض کے لئے اکسیر تسلیم کی گئی ہے۔

ہانڈی کے استعمال میں اس کو زبردست اہمیت حاصل ہے اور حقیقت یہ ہے کہ ہانڈی میں گھی کے بعد ایک ہی چیز ہے جو ہانڈی کی اصلاح کرتی ہے وہ ہلدی ہے یعنی اگر ہانڈی میں تمام چیزیں مثلاً گوشت، بڑیاں، دالیں، لہسن، پیاز، نمک مرچ اور دیگر گرم مصالے اور پھر آگ کی گرمی تمام کی تمام پیٹ میں سوزش اور جلن پیدا کرنے والی ہیں مگر گھی اور ہلدی ایسی چیزیں ہیں جو اس سوزش اور جلن کو رفع کرتی ہیں اور جن لوگوں کو ہانڈی میں گھی اور مکھن کی بجائے تیل پڑتا ہے اس ہانڈی کی حدت اور گرمی کا اندازہ کچھ وہی لوگ لگا سکتے ہیں جنہوں نے پہلے کبھی تیل کی ہانڈی نہ کھائی ہو۔ اگر تیل کی ہانڈی میں بھی ہلدی کافی ڈال دی جائے تو اس کا ضرر بھی بہت کم ہو جاتا ہے۔

ہلدی کے استعمال کو سمجھنے کے لئے اپنے جسم کے پھوڑے، یا سوجن کا تصور کریں جو کبھی آپ کو ہوئی ہو۔ اس کی تکلیف از حد بے

چین کر دیتی ہے۔اس بے چینی میں کافور کے تیل سے بھی اس قدر ٹھنڈک حاصل نہیں ہوتی جس قدر گرم پانی کی ٹکور سے ہوتی ہے اور ان کا یقینی علاج برف کے پانی کی ٹکور نہیں بلکہ گرم پانی کی ٹکور ہے۔ یہ صرف اس لئے کہ کوئی بھی سوزش خالص حرارت یا رطوبت یا روغنیت کے بغیر رفع نہیں ہوتی۔خالص حرارت گندھک میں ہے باقی دو چیزیں گرم پانی اور گھی ہیں۔ جب بھی جسم میں کہیں پھوڑے ورم یا سوزش ہو تو اس قسم کے علاج کے سوا دُنیا بھر میں اور کوئی علاج مفید نہیں ہے۔ ہلدی میں گندھک کی ایک خاص مقدار اور طاقت ہے۔اس اصول کے مطابق جب بھی جسم کے اندر یا باہر کہیں بھی پھوڑے، پھنسیاں، دانے، ورم، سوزش اور جلن ہو تو ہلدی کا اندرونی اور بیرونی استعمال ہی فوراً تکلیف کو رفع کرنا شروع کر دیتا ہے۔ جب سے گندھک کو خواص سائنٹفک تسلیم کئے گئے ہیں ہلدی کے اثرات بھی گندھک کے اثر کی وجہ سے مصدقہ ہو گئے ہیں۔ پھر ہلدی میں یہ خوبی ہے کہ اس کو غذا کے ہمراہ استعمال کر سکتے ہیں مگر گندھک کو بغیر دوا کے استعمال نہیں کر سکتے۔ سر سے لے کر پاؤں تک ہر قسم کی سوزش میں اکسیر کا کام کرتی ہے مثلاً سوزشی نزلہ زکام، جلن، پیشاب کا زیادہ آنا، جگر آنتوں اور مقعد کی جلن اور سوزش اس کے استعمال سے فوراً دور ہو جاتی ہے۔جن لوگوں کو اس قسم کی کوئی تکلیف ہو وہ ہلدی کا استعمال زیادہ کریں اور اس کو گندھک کا ایک اچھا بدل خیال کریں۔از حد مصفی خون بھی ہے اس لئے اس کو ہانڈی کے علاوہ روغن میں ملا کر یا جلا کر، پلٹس بنا کر، پانی میں ملا کر، لیپ بنا کر، مرہم بنا کر خشک، پانی یا دودھ کے ہمراہ استعمال کر سکتے ہیں۔لیکن صحت کی حالت میں بغیر ضرورت استعمال نہیں کریں کیونکہ اس کے کثرت استعمال سے جسم میں کمزوری، ضعف قلب، صفراء کی زیادتی، بھوک کی کمی اور جسم ڈھیلا اور نرم ہو جاتا ہے۔ ہلدی کے استعمال میں اس امر کو ہمیشہ مدنظر رکھیں کہ یہ اپنے اندر گندھک کے خواص رکھتی ہے مگر اس میں اور گندھک میں یہ فرق ہے کہ گندھک حابس ہے، ہلدی حابس نہیں ہے۔ گویا نباتاتی گندھک ہے۔ [illegible] میں حرارت پیدا کرتی ہے اور ہر قسم کی اندرونی اور بیرونی سوزش کے لئے اکسیر ہے۔اس میں تیزابیت نام کو نہیں ہے بلکہ خود دافع تیزابیت ہے۔جسم میں سے ترشی کو ختم کرنے کے لئے اوّل نمبر کی دوا ہے۔جسم کے اندر سے سوزاکی مادہ جس کو سائیکوسس کہنا چاہئے اس سے دور ہو جاتا ہے۔اس قبیل کی دیگر ادویہ جو اس کے ہمراہ یا اس کی مدد کے لئے استعمال کی جاسکتی ہیں۔ان میں ملٹھی، روغن زیتون، گھی، شہد، بادیان، نیم، [illegible] اور رسونت وغیرہ وغیرہ ہیں۔

ہلدی کے مرکبات

ویسے تو ہلدی کے بے شمار مرکبات ہیں لیکن مندرجہ ذیل مرکبات اپنی افادیت کے اعتبار سے خاص اہمیت رکھتے ہیں:

۱۔سفوف ہلدی

ھوالشافی: ہلدی ایک چھٹانک، ملٹھی ایک چھٹانک، بادیان ایک چھٹانک، سفوف تیار کر لیں۔

خوراک: ایک ماشہ سے تین ماشہ۔

افعال و اثرات: غدی اعصابی ہیں۔

خواص: پرانا نزلہ زکام اور کھانسی بخار، پرانی بدہضمی پیٹ وامعاء کے ہضم، محرقہ بخار، ترشی معدہ اور ترشی ڈکار، پرانی پیچش، سوزاک پرانا اور نیا، پیٹ وامعاء اور مثانہ کے زخم وغیرہ وغیرہ، بیرونی طور پر زخم پر چھڑک سکتے ہیں۔ باریک سرمہ بنا کر آنکھوں میں لگا سکتے ہیں۔ بطور نسوار ناک میں لے سکتے ہیں۔

۲۔حب ہلدی

ھوالشافی: ہلدی ایک حصہ، صابن دیسی عمدہ ایک حصہ دونوں کو کوٹ کر گولیاں بنالیں۔

خوراک: ایک گولی سے تین گولی تک۔

افعال و اثرات: غدی ملین، شہد میں بھی گولیاں بنا سکتے ہیں مگر اثر میں کچھ کمی ہوگی۔

خواص: مندرجہ بالا امراض کے علاوہ اثرات میں تیزی رکھتا ہے۔

۳۔دوائے ہلدی ملین

ھوالشافی: ہلدی، خمیرہ بنفشہ، دونوں ہم وزن، شہد میں بھی تیار کر سکتے ہیں۔تاہم اثر میں زیادہ تیزی نہیں ہوگی۔

خوراک: ۲ ماشہ سے ۶ ماشہ تک۔

افعال و اثرات: غدی ملین حار۔

خواص: مندرجہ بالا امراض میں زیادہ ملین اور اثرات میں زیادہ تیز ہوگی۔

۴۔روغن ہلدی

ھوالشافی: سفوف ہلدی ایک چھٹانک، پانی آدھ سیر، روغن زیتون ایک چھٹانک۔تینوں کو آگ پر رکھ کر پکائیں، جب پانی جل جائے تو روغن چھان لیں۔

خوراک: ایک ماشہ سے تین ماشہ تک، اندرونی بیرونی طور پر استعمال کریں۔

افعال و اثرات: غدی ملین شدید۔

۵۔اکسیر ہلدی

ھوالشافی: ہلدی تین حصے، ریٹھہ ایک حصہ۔گولیاں بقدر نخود بنائیں۔

خوراک: ایک گولی سے تین گولی تک۔

افعال و اثرات: محرک اعصابی حار۔

خواص و اثرات: مندرجہ بالا امراض میں اکسیر ہے۔

۶۔تریاق اصفر

ھوالشافی: ہلدی مسفوف نو حصے اور شیر عشر تازہ ایک حصہ۔دونوں کو اس قدر رگڑیں کہ غبار بن جائیں۔گولیاں بقدر دانہ مونگ بنائیں۔

خوراک: ایک گولی سے تین گولی تک۔

افعال و اثرات: محرک اعصابی حار شدید۔

آک (عشر) کے افعال واثرات

جب سے فرنگی طب کا رواج ہوا ہے، مشرق خصوصاً پاک بھارت میں یورپ اور امریکہ کی تیار شدہ ادویات کا استعمال بہت زیادہ ہوگیا ہے۔ فرنگی معالج تو رہے ایک طرف اپنے ملک کے اہل فن اور ماہرین طب بھی اپنی ملکی ادویات کی طرف نگاہ اٹھا کر نہیں دیکھتے کہ یہاں کیسی کیسی جڑی بوٹیاں، ہیرے جواہرات اور سونے چاندی سے بڑھ کر قیمتی پڑی ہیں۔ اگر یہی جڑی بوٹیاں یورپ اور امریکہ کے دواخانوں سے تیار ہو کر جاذب نظر بوتلوں اور حسین کنستروں میں بھر کر اور خوبصورت رنگ برنگے ڈبوں میں بند ہو کر ہمارے ملک کے بازاروں میں بکنے لگیں تو طبیب تو رہے ایک طرف فرنگی ڈاکٹر بھی مسرت اور شوق سے استعمال کرنے لگیں گے۔ انہی قیمتی جڑی بوٹیوں میں ایک ''آک'' بھی ہے۔ یہ سنہری پودا اپنے غیر معمولی دوائی اثرات رکھتا ہے، گویا ایک قسم کا تریاق ہے۔ اور اکثر امراض کی شرطیہ دوا ہے۔ انہی امراض میں دق اور سل (ٹی بی) جیسے امراض جن کو آج تک لا علاج کہا گیا ہے ایک حکمی دوا ہے۔ صرف اگر ٹی بی کے لئے اس کو استعمال کیا جائے تو یورپ اور امریکہ کی ادویات پر جو کروڑوں روپے کا زرمبادلہ صرف ہو رہا ہے، فوراً بچ سکتا ہے۔

حیرت کی بات یہ ہے کہ نہ صرف آک اکثر لا علاج اور عسر العلاج امراض کی شرطیہ دوا ہے بلکہ یورپ اور امریکہ کے پاس اس کا کوئی جواب نہیں ہے۔ اس سے اکثر امراض کی ادویات تیار ہو سکتی ہیں۔ آک بذاتِ خود بھی کروڑوں روپے کا ان ممالک میں روانہ کیا جاسکتا ہے۔ اس کی مقدار خوراک قلیل ہے کہ رتیوں کے اوزان میں برتا جاتا ہے بلکہ اس کا دودھ تو رتی کا بیسواں اور تیسواں حصہ استعمال کیا جاتا ہے۔ تاثیر کا یہ عالم ہے کہ ہر خوراک اثر انداز ہوتی ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ انجکشن بھی دیر سے اثر کرتا ہے اور یہ اس سے پہلے اثر انداز ہوتا ہے۔ بس اس سے تیار کی ہوئی دوائیں زبان پر رکھیں اور ادھر اثر شروع ہو جاتا ہے۔ اس کے اثر کو دیکھ کر انسان حیران ہی تو رہ جاتا ہے۔

ہمارے اطباء اور اہل فن میں ایک نقص ہے کہ وہ اکثر لکیر کے فقیر ہوتے ہیں۔ ان کی کتب میں جن ادویات کو جن جن امراض میں استعمال کیا گیا ہو ان سے ایک قدم بھی اس طرف نہیں سوچتے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے مقام سے آگے بڑھنے کے بجائے اپنے علم وفن میں سکڑتے اور محدود ہوتے چلے جاتے ہیں۔ اسی طرح اگر ان کو علم ہے کہ فلاں دوا چوتھے درجے میں گرم خشک ہے اور زہر کے مقام تک پہنچ گئی ہے تو اوّل اس طرف نگاہ اٹھا کر بھی نہیں دیکھیں گے۔ اگر کسی کو استعمال کا خیال آئے گا بھی تو صرف چوتھے درجے کی سرد مرض کو ہی سامنے رکھ کر استعمال کی جرأت کریں گے۔ لیکن اس کے مقابلے میں اگر کوئی انگریزی دوا چوتھا درجہ تو رہا ایک طرف اگر یقیناً زہر ہلاہل ہی کیوں نہ ہو تو بغیر کسی شرط اور خوف کے استعمال کر لیں گے بلکہ چوتھے درجے کی گرم خشک امراض میں بلا سوچے سمجھے استعمال کرلیں گے۔ کمال یہ ہے کہ نقصان اٹھانے کے بعد بھی استعمال کرنے سے گریز نہیں کریں گے۔

انگریزی ادویہ میں سنکھیا (جوہر کچلہ)، مارفیا (جوہر افیون)، ایسڈ سائنائیڈ (ایک خوفناک زہر ہے) اور ایکونائٹ (زہر ہلاہل) ایسی خوفناک ادویات موجود ہیں جن کی مقدار خوراک ایک گرین نصف رتی کا سواں یا دوسواں حصہ ہوتی ہے۔ گویا ذرا سی غفلت سے انسانی زندگی چند منٹوں میں ختم ہو جاتی ہے اور ایسی ادویات تو بے شمار ہیں جن کی چند خوراکوں سے انسان پاگل ہو جاتے ہیں جن میں ایکسٹریکٹ بلاڈونا (ست لفاح)، ایکسٹریکٹ ہائیوسائمس (ست جوائن خراسانی)، ایکسٹریکٹ سٹرامونیم (ست دھتورہ)، ایکسٹریکٹ کینابس انڈیکا (ست بھنگ)، وغیرہ وغیرہ۔ اور ان کے علاوہ ہزاروں خوفناک ادویات ہیں جن کی فہرست بہت طویل ہے

جن کی چند خوراکیں اگر غلط استعمال کر دی جائیں تو انسان ہمیشہ کے لئے بے کار ہو جاتا ہے۔ مگر اطباء اور اہل فن بغیر غور وفکر اور مزاج قائم کرنے کے ان کو شوق اور دولت کے لالچ اور کمائی کے لئے استعمال کر لیتے ہیں۔ مگر ملکی دوا کے مزاج میں اگر چوتھے درجہ کی گرم خشک لکھا ہو تو اس کی طرف توجہ نہیں دیں گے۔

حقیقت یہ ہے کہ ہمارے ملک کے اکثر اچھے اچھے اہل فن اور اطباء علم الادویہ کے اس قانون کو نظر انداز کر دیتے ہیں کہ چوتھے درجے کی گرم خشک ادویات یا زہروں کی جب تقلیل کرتے ہیں تو ان کے مزاج میں وہ تیزی اور تندی شدت اور خشکی باقی نہیں رہ جاتی، جیسے خالص تیزاب کو کوئی ہاتھ نہیں لگا سکتا۔ مگر جب ڈالیوٹ (پانی میں محلول کر دیا جاتا ہے) تو بلا دھڑک انسانوں کو پلا دیا جاتا ہے۔ اسی قانون پر سنکھیا، کچلہ، پارہ، افیون، طوطیا، بیش، دھتورہ، لفاح، اجوائن خراسانی اور بھنگ وغیرہ استعمال کئے جاتے ہیں۔ بالکل اسی قانون کے تحت آک بھی استعمال کیا جا سکتا ہے اور وہ نہ صرف بے ضرر ہو جاتا ہے بلکہ صورت تریاق اختیار کر لیتا ہے۔

سب سے بڑی بات یہ ہے کہ آک زہر نہیں ہے کیونکہ اس کے استعمال سے موت واقع نہیں ہوتی، البتہ انتہائی مخرش ضرور ہے۔ اگر کوئی غلطی سے زیادہ استعمال بھی کر لے تو کوئی ترش پھل کو کھلا دو، فوراً اس کا اثر زائل ہو جائے گا اور سوزش دور ہو جائے گی۔ آک سے ایک نفرت کی صورت یہ بھی ہے کہ یہ بے حد مخرش ہے اور دوسرے یہ ملک میں اس کثرت سے پیدا ہوتا ہے کہ اس کو فضول پودا خیال کیا گیا۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ کسان لوگ اسے اکثر اپنے کھیتوں سے کاٹ کر باہر پھینکتے رہتے ہیں کیونکہ جس مقام پر یہ پودا ہوتا ہے وہاں کی زمین نرم، نم ناک اور بوسیدہ وخراب ہو جاتی ہے۔ اس کے اثرات میں سب سے بڑی بات یہ ہے کہ یہ پودا ہوا اور زمین سے پانی کو اپنی طرف جذب کرنا شروع کر لیتا ہے۔ یہ صورت انسانی جسم میں بلکہ حیوانی، نباتی اور جماداتی اجسام میں قائم رہتی ہے کہ وہ اجسام کو اپنے اثرات سے نرم اور ملائم کر دے، اس سے اجسام کی سختی اور تیزابیت دور ہو جاتی ہے اور اس میں عجیب وغریب تغیرات پیدا ہو جاتے ہیں کہ انسان کی عقل حیران رہ جاتی ہے۔

آک کے تمام اجزاء خصوصاً دودھ انتہائی سوزش ناک ہے، جیسا کہ اوپر ذکر کیا جا چکا ہے۔ اس وجہ سے اطباء اور اہل فن نے اس میں تیزابی کیفیت اور گرمی کو تسلیم کیا ہے مگر اس کی گرمی سوزش ناکی میں نہ تیزابیت پائی جاتی ہے اور نہ ہی اس کے استعمال سے جسم میں صفراء پیدا ہوتا ہے بلکہ اس کی سوزش ناکی اپنے اندر کھاری اثرات رکھتی ہے جو قاطع تیزابیت اور دافع صفراء ہے۔ اس کے متعلق تیزابیت کا خیال کرنا بہت بڑی کیمیاوی غلطی ہے۔

جاننا چاہئے کہ تیزابیت کی سوزش ناکی جسم میں انقباض اور ورم پیدا کر کے سختی اور گرہ سی باندھ دیتی ہے مگر کھاری پن سوزش ناکی جسم میں انبساط اور تحلیل پیدا کر کے جسم کے اندر جہاں بھی کہیں گرہ پڑ گئی ہو اس کو دور کر دیتی ہے اور جسم نرم ہو جاتا ہے اور ہر قسم کی سختی دور ہو جاتی ہے۔ اس کا یہ اثر نہ صرف زندہ اجسام اور نباتات پر ہوتا ہے بلکہ جمادات پر بھی ہوتا ہے اور اس کی سختی نرمی میں تبدیل ہو جاتی ہے اور اس کے اندر جو تیزابیت اور خشکی ہوتی ہے فوراً دور ہو جاتی ہے۔

بعض اطباء اور اہل فن نے اس کے استعمال سے اس کی سوزش ناکی کی وجہ سے اس کو چوتھے درجے میں گرم خشک ہونے کی وجہ سے روکا ہے۔ جہاں تک اس کی سوزش ناکی کا تعلق ہے وہ اس کے استعمال میں مانع نہیں ہے، کیونکہ اس کے اجزاء خصوصاً دودھ کو ہمیشہ تقلیل کے ساتھ استعمال کیا جاتا ہے۔ خالص استعمال نہیں کیا جاتا۔ جیسے ہم تیزابات کو خالی استعمال نہیں کرتے بلکہ ان کو پانی یا کسی اور بے ضرر شے میں اس کی تقلیل کر لیتے ہیں یہی صورت زہروں کے استعمال کی بھی ہے جن میں بیش، سم لفاح، کچلہ خاص طور پر شریک ہیں۔ اسی

طرح ہم غشی زہروں کو بھی استعمال کر سکتے ہیں۔ جیسے افیون، دھتورہ، لفاح وغیرہ۔ اس لئے اس کے استعمال میں نہ کوئی رکاوٹ ہے اور نہ ہی اس کی سوزش کے استعمال میں کوئی تکلیف ہوتی ہے۔

جہاں تک ادویات کے امزجہ اور ادویات کا تعلق ہے ان کا تعین صحیح ہے مگر ان کے یہ معنی نہیں ہیں کہ ہم ان کے امزجہ اور درجات میں کمی بیشی نہیں کر سکتے۔ مثلاً 19 حصے گرم تر دوا کے ساتھ ایک حصہ گرم خشک دواء کا شریک کر لیا جائے تو کیا ایک حصہ گرم خشک دواء کا 19 حصے گرم تر دواء میں خشک رہ سکتا ہے۔ یہی صورت درجات ادویات کی بھی ہے۔ مثلاً ایک حصہ چوتھے درجے کی گرم خشک دواء کا اگر 19 حصے گرم تر دواء میں شریک ہو کر چوتھے درجے میں گرم خشک رہے گی؟ نہیں ہرگز نہیں! یہ ہیں علم الادویہ کے اسرار و رموز جس سے اکثر اطباء اور اہل فن کیا استادان فن بھی ناواقف ہیں۔ صرف اسی انکشاف سے سینکڑوں تیز و سوزش ناک و تیزابات و زہریلی ادویات اکسیرات اور تریاقات میں تبدیل ہو سکتی ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ ہم بے شمار ادویات کے اسی طرح کے اسرار و رموز بیان کر کے فن طب میں انقلاب بپا کر دیں گے۔

خواص خصوصی

① اس کے خصوصی خواص میں تین اثرات کو اہمیت حاصل ہے: (۱) محلل (۲) دافع درد (۳) مولد رطوبات۔

محلل اثر کی صورت میں ہر قسم کے اورام خصوصاً غدی اورام میں اکسیر کا کام کرتا ہے۔ اس کے علاوہ جسم کی سختی کو دور کرتا ہے اور ہر قسم کی گرہیں کھول دیتا ہے۔ اگر جگر و گردے اور دیگر غدد سکڑ گئے ہیں تو ان کے لئے بے حد مفید ہے۔ جسم میں کسی قسم کی رکاوٹ ہو اس کی تحلیل کر کے دور کر دیتا ہے۔ مثلاً یرقان میں جگر کی رکاوٹ اور پتہ کی پتھری۔ اسی طرح پتھری اور نفخ کلیہ میں گردوں میں رکاوٹ کو فوراً تحلیلی طاقت سے دور کرنا شروع کر دیتا ہے۔ اسی طرح امعاء کے غدد کی خشکی اور سوزش کو دور کرنے میں لاثانی دوا ہے۔ اس سے فوراً ہر قسم کے پیچش میں پہلے ہی روز افاقہ ہوتا ہے۔ جس قدر بھی جریان خون ہو، پہلے ہی روز رُک جاتا ہے۔ غرض یہ کہ اپنے اندر زبردست محلل اثر رکھتا ہے۔

② درد کو رفع کرنے میں اس کے اندر اعجاز ہے۔ اس کے عمل کرنے کا طریقہ تخدیر نہیں ہے بلکہ تسکین ہے۔ جاننا چاہئے کہ تخدیر اور تسکین کے ظاہری معنی تو ہر شخص جانتا ہے لیکن جسم انسانی میں تخدیر اور تسکین کیسے پیدا ہوتی ہے۔ یہ شاید دس ہزار میں سے ایک اہل فن اور حکیم بے مثل واقف ہو۔ ان شاء اللہ تعالیٰ ہم بہت جلد اس پر روشنی ڈالیں گے۔

جب کبھی بھی آک کے تیل کی جسم پر مالش کی جاتی ہے یا آک کے دودھ میں روئی کا پھویہ کرم خوردہ دانت میں رکھا جائے تو فوراً درد میں کمی شروع ہو جاتی ہے۔ جب درد اس سے رُک جاتا ہے تو دوبارہ اکثر عود نہیں کرتا۔ اسی طرح جب اندرونی دردوں معدہ، امعاء کا درد، پتہ اور قلوہ کی پتھری کا درد، پیچش کا درد یا نقرس اور درد شقیقہ میں اس کا استعمال بعض وقت تریاق سے کم ثابت نہیں ہوتا۔ اکثر مفید ثابت ہوتا ہے۔

③ آک رطوبت کے لئے ایک مایہ ناز دوا ہے جب بھی اس کو اندرونی یا بیرونی طور پر استعمال کیا جاتا ہے فوراً رطوبت کا ترشح شروع ہو جاتا ہے۔ منہ میں تھوک کی پیدائش بڑھ جاتی ہے۔ رطوبات معدہ بعض اوقات طبیعت اس کو قے کے ذریعے خارج کرتی ہے۔ اس طرح امعاء میں رطوبات کی زیادتی سے اسہال شروع ہو جاتے ہیں۔ اور اس کی مداومت سے نہ صرف جوڑوں کے درد میں صرف شفاء حاصل ہوتی ہے بلکہ پرانے زخم تک مندمل ہو جاتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ یہ دوا خشک دمہ اور کھانسی کو بہت جلد آرام دے دیتی ہے۔ یعنی خشک دمہ میں رطوبات کی کمی کی وجہ سے پھیپھڑوں

میں سوزش پیدا ہو جاتی ہے اور اس دوا کے استعمال سے فوراً بلغم اور رطوبات کا ترشح شروع ہو جاتا ہے۔ اس سے نہ صرف خشکی رفع ہو جاتی ہے بلکہ سوزش اور درد بھی دور ہونا شروع ہو جاتا ہے۔

دوا کا اسرار

اس دوا میں سب سے بڑا اسرار یہ ہے کہ یہ دواء دائمی قبض کے لئے نہایت اکسیر شرطیہ اور دعویٰ کی دوا ہے۔ اس کی اس خوبی اور کمال میں کوئی دوا اس کے مقابلے میں رکھی نہیں جا سکتی، کیونکہ ایک طرف تو اس سے قبض رفع ہوتی ہے، اس کی اس صفت کی وجہ سے یہ دوا بواسیر کے لئے تریاق کا حکم رکھتی ہے۔ اکثر قابل اطباء اور اہل فن اس کو بواسیر جیسی ہٹیلی مرض میں استعمال کر کے فائدہ اٹھاتے ہیں اور ہزاروں روپے ماہوار پیدا کرتے ہیں۔ بعض اہل فن نے اس کے مختلف نام رکھ لئے ہیں اور اس طرح اس کے افعال واثرات سے دُنیا کو آگاہ کر رہے ہیں اور اس طرح خواص سے دُنیا کو مستفید کر رہے ہیں۔ جس قدر بھی عوام کو اس دوا سے روشناس کرایا جائے اسی قدر ہمارے ملک سے ٹی بی، دمہ اور بواسیر جیسے عسر العلاج امراض ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائیں گے۔

قبض

اس دوا میں یہ نقص ہے کہ اس کے استعمال سے جی متلاتا ہے اور بعض اوقات قے آ جاتی ہے۔ دراصل یہ نقص نہیں ہے بلکہ ایک خوبی ہے اور اس کے یہ اثرات شفا ہیں۔ البتہ اگر زیادہ جی متلائے تو دوا کی مقدار بہت کم کر دی جائے تو یہ نقص دور ہو جاتا ہے۔ لیکن فائدہ میں کمی واقع نہیں ہوتی۔ دوسری صورت یہ ہے کہ خوش ذائقہ ادویہ یا مٹھائیوں کے ہمراہ بھی استعمال کر سکتے ہیں۔ اس طرح زیادہ مفید ہوتا ہے۔

افعال بالاعضاء

آک کو اندرونی طور پر استعمال کریں یا بیرونی طور پر اس سے اعصاب میں تحریک پیدا ہوتی ہے۔ جوں جوں اس کا اثر بڑھتا جاتا ہے تحریک شدید ہوتی چلی جاتی ہے۔ اعصاب پر اس کا محرک اثر اس وجہ سے ہے کہ یہ ایک شدید قسم کی کھار ہے اور تمام کھاریں کم وبیش یہی اثر رکھتی ہیں۔ جیسا کہ ہم گزشتہ رسالوں میں آک کے افعال واثرات میں بیان کر چکے ہیں۔ جب اس کا محرک اثر اعصاب پر ہوتا ہے تو دورانِ خون ان کی طرف بڑھ جاتا ہے۔ اثرات کی تیزی کے ساتھ ساتھ جسم پر سرخی بڑھتی جاتی ہے۔ اس کا دوسرا ثبوت یہ ہے کہ وہ جگہ گرم ہونا شروع ہو جاتی ہے اور پھر خون کے اجتماع کی صورت پیدا ہو جاتی ہے۔ اگر خالص دودھ لگایا جائے جو اس کا تیز جزو ہے تو سرخی اور گرمی کے ساتھ اس مقام پر پھنسیاں اور بالآخر وہاں پر ورم کی صورت پیدا ہو جاتی ہے۔ لیکن اس کے برعکس گوشت کی مچھلیوں یعنی عضلات کے خلاؤں اور ساختوں میں رطوبات (لمف) کا ترشح شروع ہو جاتا ہے۔ پھر رفتہ رفتہ ان میں رطوبات کی اس قدر زیادتی شروع ہو جاتی ہے کہ وہ پھولنا شروع ہو جاتے ہیں جس کے نتیجہ میں وہاں پر سکون کی حالت اور برودت پیدا ہو جاتی ہے۔ دِل کی رفتار سست اور جسم کی حرارت کم ہونا شروع ہو جاتی ہے، البتہ جگر اور غدد میں دورانِ خون کی اس قدر تیزی شروع ہو جاتی ہے کہ وہاں پر گرمی کی حدت سے تحلیل شروع ہو جاتی اور وہ پھیل کر بڑھ جاتے ہیں۔ یہ اثر یہاں تک جاری رہتا ہے کہ آخر طبیعت قے کے ذریعہ ان رطوبات کو جو معدہ اور امعاء اکٹھی ہو گئی ہیں خارج کرنا شروع کر دیتی ہے اور جسم کے باقی مجاری اور مخارج میں سے رطوبات کا اخراج زیادہ ہو جاتا ہے یا شروع ہو جاتا ہے۔ جیسے نزلہ، تھوک، زکام، ریشہ، بلغم، قارورہ اور سیلان وغیرہ کی پیدائش بڑھ جاتی ہے۔ البتہ جسم کے کسی حصہ سے خون آتا ہو، وہ فوراً رک جاتا ہے۔ اسی طرح پسینہ بند ہو جاتا ہے۔ البتہ دوا کی تیزی کے بعد کمزوری کا پسینہ (تریلی) شروع ہو جاتی ہے جو انتہائی ضعف جگر اور ضعف

قلب کی علامت ہے۔

انہی افعال واثرات کے تحت آک سل ودق میں تریاق کا حکم رکھتا ہے۔ بواسیر میں اکسیر سے کم نہیں ہے۔ جگر وگردہ اور دیگر غدد ناکلہ کے امراض میں بے حد مفید ہے البتہ غدد جاذبہ اور غیر ناکلہ کے امراض میں اضافہ کر دیتا ہے۔ جب جی متلاتا اور قے آجاتی ہے تو اس وقت سخت بے چینی، قلق اور اضطراب کی صورت پیدا ہو جاتی ہے۔ ایسی صورت میں اس دوا کی مقدار بے حد قلیل کر دینی چاہئے۔

قلیل مقدار میں اس سے کوئی نقصان پیدا نہیں ہوتا بلکہ اس سے بے شمار فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ اور اکثر امراض کو بیخ وبن سے اکھاڑ دیتا ہے۔ جب قلیل مقدار میں استعمال کیا جاتا ہے تو اس کے فوائد ایسے حیرت انگیز ہوتے ہیں کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے مگر ضروری نہیں کہ ہمیشہ اس کو قلیل مقدار میں استعمال کیا جائے، کبھی شدید اثرات کے لئے تیز صورت میں بھی استعمال کیا جا سکتا ہے۔ جسم کے کسی حصہ میں اگر دانے نکالنے مطلوب ہوں جیسے طلاء کی صورت میں یا دورانِ خون کو شدت سے اعصاب کی طرف کرنا ہو جیسے دردوں کے امراض میں مثلاً شدید دردسر، صرع، دمہ، بلغمی اور فالج وغیرہ میں اس کی تیزی بے حد مفید ثابت ہوتی ہے۔ اسی طرح سانپ، بچھو اور زنبور وغیرہ زہریلے جانوروں کے کاٹے پر اس کے دودھ کا لیپ لگا دینا نہ صرف ان کے زہر اور درد کو روک دیتا ہے بلکہ ان کے زہر کو جسم میں پھیلنے سے روک دیتا ہے، **اس کے اثرات انگریزی دواء پوٹاشیم پرمیگنیٹ سے بھی زیادہ مفید ثابت ہوتے ہیں۔**

ایک حیرت انگیز واقعہ

کسی شخص کو جنگل میں جاتے ہوئے ایک سانپ ڈس گیا۔ طبی امداد نہ ملنے کی وجہ سے وہ تکلیف اور موت کے خوف سے بے حد پریشان ہوا۔ اتفاقاً اس کی نگاہ آک کے پودے پر جا پڑی۔ اس کو فوراً یہ خیال ہوا کہ یہ تیز قسم کا پودا اس کے لئے مفید ثابت ہوگا تو اس نے اس کا دودھ زہریلے مقام پر لگا دیا اور اس کے پھول چبا کر نگلنے شروع کر دیئے۔ ابتداء میں اس کو کچھ محسوس نہ ہوا لیکن جب اس کا جی متلایا اور قے شروع ہوگئی تو اس کی تکلیف رفع ہوگئی اور اس کو شفاء ہوگئی۔

ملیریا (نوبتی بخار) اور آک

نوبتی بخاروں میں کونین سے زیادہ مفید ہے۔ کونین صرف بخار ہی کو روکتی ہے لیکن اس کو قبل از نوبت استعمال کرنا پڑتا ہے۔ اگر نوبت کے دوران کونین دی جائے تو مریض کی حالت خطرناک ہو جاتی ہے بلکہ جان کا خطرہ لاحق ہوتا ہے۔ نیز کونین قابض ہے اس کے برعکس آک کا مرکب ہر حالت میں دیا جا سکتا ہے اس سے نہ تو کوئی خطرہ بڑھتا ہے اور نہ گھبراہٹ پیدا ہوتی ہے بلکہ بخار اترنا شروع ہو جاتا ہے۔ یہ ایک بہترین ملین بھی ہے اور بغیر تکلیف کے بخار بھی اتر جاتا ہے۔ اس کا کھلانا تو رہا ایک طرف اس کے روغن کی جسم پر روزانہ مالش کرنے سے چند روز میں ملیریا (نوبتی بخار) دور ہو جاتا ہے۔ روغن کی مسلسل سر پر مالش کرنے سے شقیقہ اور دیگر قسم کے نوبتی (دوری) دردسر دور ہو جاتے ہیں۔ آک کی روئی کا کاجل بھی نوبتی بخاروں اور دردوں کے لئے بے حد مفید ہے۔

دق اور سل (ٹی بی)

اس مرض میں تریاق اور یقینی دوا ہے۔ ہر قسم اور ہر سطح میں انشاء اللہ تعالیٰ آرام دیتی ہے۔ اس میں کمال یہ ہے کہ بیک وقت بخار، کھانسی اور اندرونی زخموں اور خون تھوکنے کو فوراً دور کر دیتا ہے۔ اگر غذا میں باقاعدگی رکھی جائے، یعنی بغیر شدید بھوک غذا نہ کھائی جائے اور غذا محلول ہو جس میں تیسرا حصہ گھی شامل کر لیا جائے تو ایک ہفتہ میں اس موذی مرض سے نجات مل سکتی ہے۔ دوا قبض دور کر دیتی ہے اور پیچش

میں بھی اکسیر کا حکم رکھتی ہے، دوا کیا ہے گویا رسائن ہے۔

زحیر (پیچش)

پیچش زحیر ہو یا خونی ہو، آک کے مرکب سے بہترین کوئی دوا نہیں۔ چند ہی خوراکوں میں یقیناً آرام کی صورت ظاہر ہو جاتی ہے، بشرطیکہ غذا میں نیم گرم دودھ استعمال کیا جائے اور دودھ بھی بغیر شدید بھوک کے نہ پیا جائے۔ یہ دوا گویا حیرت انگیز معجزہ ہے۔

آک کا استعمال

ویسے تو ضرورت کے مطابق اس کے تمام اجزاء استعمال کئے جاسکتے ہیں مگر عام طور پر اس کے پھول، پتے اور جڑوں کا استعمال زیادہ ہوتا ہے۔ پھول میں ارضی اجزاء تقریباً نہیں اور جڑ میں ارضی اجزاء زیادہ ہیں اور پتوں میں جڑ سے کم ہیں اور ان میں تیزی بھی کم پائی جاتی ہے۔ اس کی روئی دوائی اثرات کے علاوہ تکیوں اور گدوں میں بھرنے کے کام میں لائی جاتی ہے۔ یہ روئی دائی دردسر، فالج اور تشنج میں بے حد مفید ہے۔

آک کا ٹڈا

اکثر بھون کو کر یا پکا کر کھلایا جاتا ہے۔ اکثر امراض خصوصاً مرگی کا یقینی اور حتمی علاج ہے۔ اس کو بھوننے اور پکانے سے قبل اس کی ٹانگیں کاٹ دینی چاہیں کیونکہ وہ آنتوں میں انتہائی سوزش کا سبب بنتی ہیں۔

(۲۰)

تحقیقات تپ دق و خوراک

فہرست عنوانات

پیش لفظ

فرنگی خصوصاً یورپ وامریکہ کو پراپیگنڈہ اور کولڈوار (ذہنی جنگ) میں جو کمال حاصل ہے وہ قابل تعریف ہے۔اس کا پراپیگنڈہ اور کولڈ وار ہمیشہ تجارتی اغراض کو مدنظر رکھ کر کیا جاتا ہے جس سے وہ اکثر ناجائز فوائد (ایکسپلائی ٹیشن) حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے لیکن پراپیگنڈہ اور ایکسپلائی ٹیشن دونوں ایسی صورتیں ہیں کہ جن سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس کے مفادات بیان کرنے والوں کو نہیں ہیں بلکہ جن کے لیے بیان کیے جا رہے ہیں ان کے لیے ہیں۔گویا بیان کرنے والے کو اپنا کوئی مفاد مقصود نہیں ہے۔وہ صرف جن کے لیے بیان کرر ہا ہے ان کا ہمدرد اور خیر خواہ ہے لیکن حقیقت یہ ہوتی ہے کہ اس کا پراپیگنڈہ اور کولڈ وار جس سے وہ انفرادی اور اجتماعی طور پر ایکسپلائی ٹیشن کر رہا ہے اور دوسروں کو فوائد ہوں یا نہ ہوں البتہ وہ خود ایک بہت بڑا فائدہ (لائن شیئر) حاصل کر رہا ہے۔اس کو ہماری زبان میں کہتے ہیں ایک بام دو ہوا۔

امریکہ اور آلو

جو لوگ فرنگی کی ان چالاکیوں سے خوب واقف ہیں وہ اس کے پراپیگنڈہ کولڈ وار اور ایکسپلائی ٹیشن پر ہمیشہ نگاہ رکھتے ہیں اور وہ خوب جانتے ہیں کہ فرنگی چھوٹی چھوٹی باتوں اور ادنیٰ ادنیٰ چیزوں سے کس قدر بڑے فائدے اور مقصد حاصل کرتا ہے۔انہی ادنیٰ ادنیٰ چیزوں میں ایک آلو بھی شامل ہے جو ہمارے ملک میں اس کثرت سے ہوتا ہے کہ ملک کی ضرورت کو پورا کرنے کے بعد اکثر بچ جاتا ہے جو ضائع ہو جاتا ہے مگر ہمارے ملک میں غذائی قلت کو مدنظر رکھتے ہوئے اس کو موقع مل گیا ہے کہ وہ ہماری ضرورت اور کمزوری سے ناجائز فوائد حاصل کرے۔ بالکل اسی طرح جیسے ہماری ملک میں بے شمار اکسیر ادویات پائی جاتی ہیں مگر فرنگی ان کی برائیاں بیان کرتا ہے اور اپنے ملک کی غیر مفید اور کم فوائد کی ادویات ہمارے ملک میں بھیج کر ہماری دولت کو دونوں ہاتھوں سے سمیٹتا ہے۔مثلاً قبض ایک بالکل معمولی مرض یا علامت ہے۔ ہمارے ملک میں اس کے لیے کم از کم ایک سو کے قریب مفرد ادویات ہیں اور ان کی مرکب صورتیں تو ہزاروں تک پہنچتی ہیں یوں سمجھ لیں کہ ہر مرض کی قبض کے لیے الگ الگ ادویات ہیں۔مگر یہ معلوم کر کے تعجب ہوتا ہے کہ یورپ اور امریکہ سے لاکھوں روپوں کی ادویات صرف قبض کشائی کے لیے آتی ہیں اور لطف کی بات یہ ہے کہ وہ غیر مفید ہونے کے علاوہ ہمارے مزاج اور ہمارے ملک کی آب وہوا کے بالکل مخالف ہیں۔چونکہ فرنگی کا پراپیگنڈہ، کولڈ وار اور ایکسپلائی ٹیشن کا سلسلہ اس قدر زبردست ہے کہ ہمارے عوام تو رہے ایک طرف ہمارے ڈاکٹر و معالج بلکہ حکومت کے اعلیٰ اراکین تک ان ادویات کو استعمال کرتے ہیں۔کیا کبھی ان میں سے کسی نے اس طرف توجہ دی ہے کہ ہمارے ملک میں بھی ان خواص کی کوئی دوا پائی جاتی ہے۔یہی صورت دیگر امراض میں بھی پائی جاتی ہے۔مثلاً پھوڑے پھنسیاں پت دانے زخم اور درد وغیرہ خاص طور پر درد سر کے لیے اسپرو فنلجین، سار یڈان اور وائے سی۔پی وغیرہ منوں کے حساب سے یہاں بک رہی ہیں۔یہ سب کچھ کیا ہے صرف فرنگی کا پراپیگنڈہ و کولڈ وار اور ایکسپلائی ٹیشن ہے۔

پاکستان اور غذائی بحران

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ چند در چند وجوہات سے پاکستان میں غذائی کمی پائی جاتی ہے۔عوام اور حکومت خوب جانتے ہیں کہ یہ

غذائی بحران آبادی کی زیادتی کے علاوہ ذخیرہ اندوزی اور بلیک مارکیٹ کی وجہ سے ہے۔ اگر موخر الذکر دونوں صورتیں نہ ہوں تو اولذکر کا مقابلہ ان اجناس کے ساتھ بڑی آسانی کے ساتھ ہوسکتا ہے۔ جو دیگر ممالک سے حاصل کی جاسکتی ہیں۔ مگر ظلم تو یہ ہے کہ جو اجناس بیرونی ممالک سے درآمد کی جاتی ہیں ان کا اکثر حصہ بھی ذخیرہ اندوزی اور بلیک مارکیٹ کی نذر ہو جاتا ہے۔ جس کا ثبوت یہ ہے کہ جب پاکستان وجود میں آیا تھا تو اس وقت باوجودیکہ غذا کی ضرورت اب سے بہت زیادہ تھی لیکن یہ غذائی قلت نہیں پائی جاتی تھی صرف اس وجہ سے کہ اس وقت ذخیرہ اندوزی اور بلیک مارکیٹ کی لعنت سے سرمایہ دار واقف نہ تھا۔ جب امریکہ نے یہ سبق دیا کہ ملک کا سٹینڈرڈ اور معیار زندگی بلند کیا جائے تو اس وقت ذخیرہ اندوزی کی بیماری پیدا ہوئی جس کا نتیجہ بلیک مارکیٹ کی صورت میں ظاہر ہوا اور اس وقت سے ملک غذائی بحران میں گرفتار ہو گیا ہے۔

غذائی بحران اور امریکہ کا ہاتھ

معیار زندگی کو بلند کرنے کا نظریہ بھی امریکہ کا اور پراپیگنڈہ بھی امریکہ کی طرف سے ایک قسم کی کولڈ وار اور ایکسپلائی ٹیشن تھی جس سے اس کے تین مقصد تھے: ❶ تجارتی اغراض۔ ❷ دوسرے سے اپنی دوستی اور ہمدردی حاصل کرنا۔ ❸ ملک کو کمیونسٹ بلاک سے دور رکھنا۔

جس میں وہ بہت حد تک کامیاب رہا۔ کیونکہ معیار زندگی کے بلند کرنے کے پراپیگنڈہ کے بعد جب ذخیرہ اندوزی اور بلیک مارکیٹ سے غذائی بحران پیدا ہو گیا تو اس نے اپنی سرخ گندم ہمارے ملک میں بھیج دی جس کو دوستی اور ہمدردی کا نشان بتایا گیا اور اس کا پراپیگنڈہ اس قدر کیا کہ کراچی میں باقاعدہ اونٹوں کا جلوس نکالا گیا۔ جس میں امریکہ کی دوستی اور ہمدردی کا ڈھنڈورا پیٹا گیا اور جن اخبارات کو امریکہ نے اندر خانے اندھی دولت دی یا ان کو امریکہ کی سیریں کرائیں انہوں نے بڑی بڑی سرخیوں کے ساتھ امریکہ کی اس ہمدردی اور دوستی کے ترانے نمایاں طور پر گائے۔ سچ ہے جو کھاتا ہے وہی گن گاتا ہے۔ لیکن جب امریکہ کی یہ دوستی اور ہمدردی بھی ملک میں غذائی بحران نہ ہٹا سکی تو امریکہ کو اور بھی مواقع ہاتھ آئے۔ اب وہاں سے مختلف اقسام کی اغذیہ اور سامان آنا شروع ہو گیا جن میں خاص طور پر خشک دودھ، مکھن، تیل و بٹر آئل وغیرہ بڑی مقدار میں بھیجے گئے لیکن ان کا اکثر حصہ انہوں نے یہاں کے عیسائی فرقہ اور گرجوں میں تقسیم کیا لیکن یہ سب کچھ پاکستان کی امداد کے نام لکھا گیا اور اس کا نقصان بھی پاکستان کو برداشت کرنا پڑا ہے۔

آلو اور امریکہ

جب امریکہ نے دیکھا کہ تا حال غذائی بحران چلا جا رہا ہے تو اس نے اپنے پراپیگنڈہ اور ایکسپلائی ٹیشن کی مشینری کو اور بھی تیز کر دیا اور اسی سلسلہ میں یہ پراپیگنڈہ شروع کر دیا کہ ملک کا غذائی بحران اس وقت ختم ہوسکتا ہے کہ اگر ملک میں آلو کو غذائی طور پر زیادہ سے زیادہ استعمال میں لایا جائے تاکہ دیگر اجناس پر جو غذا کا دباؤ ہے وہ کم ہو جائے لیکن دراصل مقصد یہ تھا کہ امریکن آلو کے بیج کی ملک میں کھپت کی جائے جو وہاں پر بے کار پڑا ہوا تھا۔ اس سلسلہ میں امریکہ کی حمایت کا بیان نہ صرف متعلقہ افسران اعلیٰ اور وزراء کی طرف سے آئے بلکہ عزت مآب فیلڈ مارشل محمد ایوب خان صدر پاکستان کی خدمت میں ایک کتاب پروفیسر عنایت اللہ کی پیش کی گئی جو انہوں نے اقتصادیات پر بھی لکھی تھی اور اس میں بھی آلو کو بطور غذا کے استعمال کرنے کی تاکید کی گئی تھی بلکہ پروفیسر موصوف کی ملاقات صدر پاکستان سے ہوئی جو اخبارات میں بڑے اہتمام کے ساتھ شائع ہوئی تاکہ عوام آلو کی اہمیت کو ذہن نشین کر لیں اور اس کو بطور غذا استعمال کرنا شروع کر دیں۔

امریکہ کا شعبہ اطلاعات

پاکستان میں امریکہ کا شعبہ اطلاعات (یو۔ایس۔آئی۔ایس) اطلاعات کے سلسلہ میں جو خدمات انجام دے رہا ہے ہمیں اس کی افادیت اور اہمیت سے انکار نہیں ہے۔ ان کی طرف سے باقاعدہ رسائل و کتب اور پمفلٹ شائع ہوتے ہیں اور فلمیں تیار کی جاتی ہیں جس سے پاکستان اور غیر ممالک میں ہماری اہمیت بڑھتی ہے۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ امریکہ کا ذاتی پراپیگنڈہ اور کولڈ وار سے ایکسپلائی ٹیشن (احساس کمتری) پیدا ہوتا ہے اس کا جو غیر شعوری نقصان ہوتا ہے اس کا اندازہ ایک سیاست دان ہی لگا سکتا ہے۔ خداوند کریم کا ہزار شکر ہے کہ مارشل لاء حکومت نے ان حقائق کا پورے طور پر اندازہ لگالیا ہے اور آئندہ کے لیے بہت حد تک ان باتوں میں توازن قائم کرنا شروع کر دیا ہے۔ اس سلسلہ میں فیلڈ مارشل محمد ایوب خان نے دیگر ممالک کا دورہ کیا ہے جن میں امریکن بلاک اور کمیونسٹ بلاک کی کوئی تخصیص نہیں کی گئی۔ مثلاً سعودی عرب' متحدہ عرب ممالک' انڈونیشیا' جرمنی' یوگوسلاویہ اور جاپان خاص طور پر قابل ذکر ہیں اور اس سلسلہ میں ہمارے ایک وزیر باتدبیر روس تشریف لے گئے ہیں جہاں انہوں نے پاکستان میں تیل نکالنے کے لیے ایک کامیاب معاہدہ کیا ہے ہم ملک سے دوستی رکھنا چاہتے ہیں اس کے لئے باوجود یکہ ہمارا ہندوستان سے کشمیر کے سلسلہ میں جھگڑا ہے لیکن اس سے بھی دوستی قائم کر رہے ہیں۔ اسی طرح ہم امریکہ سے بھی دوستی اور بہت اچھی دوستی رکھنا چاہتے ہیں لیکن ہم احساس کمتری کو برداشت نہیں کر سکتے ہیں جو بھی چاہے ہم سے صحیح اصولوں پر دوستی قائم رکھ سکتا ہے۔

آلو اور غذائی بحران

اس سلسلہ میں امریکہ کے شعبہ اطلاعات نے فیچر بعنوان ''آلو پاکستان کو اناج کی قلت سے نجات دلاسکتا ہے'' شائع کیا۔ جس میں آلو کی غذائی اہمیت اور اس کے استعمال پر زور دیا اور تعجب خیز مبالغہ سے کام لیا۔ جب یہ مضمون ہماری نگاہ سے گزرا تو ہم کو بے حد حیرت ہوئی کیونکہ آلو کا اس کثرت سے روزانہ استعمال کرنا ساری قوم کو ٹی بی کی آگ میں دھکیل دینے کے مترادف تھا۔ فوراً ہم نے ایک مضمون بعنوان ''روزانہ آلو کھانے سے دق اور سل (ٹی بی) ہو جاتا ہے'' لکھ کر اپنے رسالہ رجسٹریشن فرنٹ میں شائع کر دیا۔ جس میں شعبہ اطلاعات امریکہ کے حوالے کے ساتھ اس کے بے معنی پراپیگنڈہ کا بھی ذکر کیا گیا تاکہ حکومت پاکستان کے ساتھ عوام بھی اس سے مستفید ہو جائیں۔

ماہنامہ خوراک کی قابل قدر خدمات

ہمارے اس مضمون کو افادیت اور اہمیت کے پیش نظر پاکستان کے متعدد اخبارات اور رسائل نے اپنی قیمتی کالموں میں جگہ دی اور نمایاں سرخی سے شائع کیا۔ ان میں ایک قابل قدر ''ماہنامہ خوراک لاہور'' بھی تھا۔ جب ہمارا یہ مضمون ماہنامہ موصوف میں شعبہ اطلاعات امریکہ کی نظر سے گزرا تو اس کو بہت بے چینی ہوئی اور ہونی بھی چاہیے تھی کیونکہ اکثر اخبارات اور رسائل ان کا گن گاتے ہیں مگر اس مضمون میں امریکن پراپیگنڈہ اور ایکسپلائی ٹیشن کو پوری طرح ظاہر کیا گیا تھا۔ اس کو چین کیسے آسکتا تھا۔ فوراً اس کا ترجمہ کروا کے امریکہ اور پاکستان کے امریکن متعلقہ افسران کو بھیجا گیا۔ ہماری اطلاع کے مطابق پھر ایک معقول رقم خرچ کر کے ایک شخص مسٹر عبدالحمید لون صاحب سے اس کا جواب لکھوایا گیا۔ جب ہم کو ان امور کا علم ہوا تو ہم نے اپنا ایک آدمی جناب پراچہ صاحب ایڈیٹر ''ماہنامہ خوراک'' کی خدمت میں روانہ کیا اور ان سے وعدہ لیا کہ اگر جب کوئی مضمون ہمارے اس مضمون کے جواب میں شائع ہو تو ہم کو بھی اس کا جواب لکھنے کا موقع دیا جائے۔

صاحب موصوف نے یقین دلایا کہ ہم کو جواب لکھنے کا پورا پورا حق حاصل ہے۔ انہوں نے اپنا وعدہ پورا کیا۔ خداوند کریم ان میں جرأت سلامت رکھے۔

جب امریکہ کی طرف سے جناب عبدالحمید صاحب لون کے نام ''ماہنامہ خوراک'' میں ہمارے مضمون کے خلاف جواب شائع ہوا تو اس میں علمی بحث کی بجائے آئیں بائیں شائیں کے ساتھ گالیاں زیادہ تھیں۔ مگر ہم نے صبر اور تحمل سے کام لے کر اس کا جواب دیا اور اس میں علمی اور تحقیقی شان اور رنگ پیدا کر دیا۔ ہم نے اس کا پانچ قسطوں میں جواب لکھا اور ساتھ ہی چیلنج کیا کہ امریکہ اور فرنگی طب کا علم غذا کے متعلق نہ صرف نامکمل ہے بلکہ غلط ہے۔ اور ہم اس سلسلہ میں اس کے ساتھ ہر وقت ہر مقام پر بحث وتمحیص کرنے کو تیار ہیں اور اس کے علاوہ ہم نے ٹی بی کے متعلق اپنی تحقیقات کتابی شکل میں تحقیقات دق وسل (ٹی بی) کے نام سے شائع کر دی جس میں ٹی بی کو ماڈرن سائنس کی روشنی میں نہ صرف پیش کیا بلکہ فرنگی تحقیقات کو غلط ثابت کیا۔ جس کے ساتھ ٹی بی کے لیے غذا کی اہمیت کو واضح کیا گیا ہے۔

صدر پاکستان کی خدمت میں گزارش

اسی کتاب 'تحقیقات دق وسل (ٹی بی) میں ہم نے رفعت مآب فیلڈ مارشل محمد ایوب خان صدر پاکستان کے نام ایک گزارش بھی کی ہے کہ فرنگی طب (ٹی بی) کے مرض سے نہ پورے طور پر واقف ہے اور نہ اس کے پاس اس کا صحیح علاج ہے اور جو ادویات وآلات یورپ و امریکہ سے ہمارے ملک میں آ رہے ہیں ان سے ہمارا زرمبادلہ برباد ہو رہا ہے۔ اس طرف توجہ فرمائی جائے۔ تسلی کے لیے ہم نے عرض کیا ہے کہ ہائی کورٹ کے دو فاضل جج مقرر کر دیئے جائیں اور ایک پوری ٹیم امریکہ سے اور ایک پوری ٹیم یورپ سے منگوالی جائے اور ہم کو کٹہرے میں کھڑا کر دیا جائے۔ اگر ہم ان کی تحقیقات کو غلط ثابت کر دیں تو جو دل چاہے ہم کو سزا دی جائے۔ اس سے ہماری غرض صرف خدمت بنی نوع انسان ہے چونکہ ہمیں یقین ہے کہ ہماری گزارشات آپ تک پہنچ نہیں سکتیں اس لیے ان سے ہمیں کوئی شکایت نہیں ہے۔

پاکستان ٹی بی ایسوسی ایشن

اس سلسلہ میں ہم نے پاکستان ٹی بی ایسوسی ایشن کو مخاطب کیا تاکہ اہل علم وصاحب فن کی جماعت ہماری تحقیقات اور کامیابیوں پر کچھ غور وخوض کر کے ملک کی خدمت کر سکے۔ مگر ان کی آنکھوں پر فرنگی طب کی پٹی بندھی ہوئی ہے۔ انہوں نے ہم سے بات تک نہیں کی۔ ہم نے ۱۹۵۹ء میں ان کی سالانہ کانفرنس لاہور سیشن میں ان کی خدمت میں ٹی بی کا نسخہ پیش کیا جو ہر قسم کی ٹی بی اور ہر سٹیج پر یقینی بے خطا ہے جس پر یہ شرط تھی کہ اگر اس سے فائدہ نہ ہو تو ہم ہر مریض کو مبلغ سو روپے دینے کو تیار ہیں۔ مگر آج تین سال گزر گئے ایسوسی ایشن والوں نے ویسے کروڑوں روپے برباد کر دیئے مگر ہماری طرف توجہ نہیں کی ہے۔ شاید ان کا فرنگی تعصب جلد ان کو اس طرف توجہ نہ کرنے دے۔

تحقیقات دق سل (ٹی بی)

جب ہم نے دق سل (ٹی بی) پر تحقیقات مکمل کر لیں تو عوام حاملین فن اور ارکان حکومت کو ٹی بی کے متعلق ایک یقینی بے خطا نسخہ پیش کیا۔ جس میں یہ خوبی تھی کہ وہ ایک ٹکے میں تیار ہوتا ہے۔ تیار کرنے میں دس منٹ سے زیادہ خرچ نہیں ہوتے۔ اس میں صرف دو اجزاء ہیں جو ہر جگہ دستیاب ہو جاتے ہیں۔ اس نسخہ میں خاص بات یہ ہے کہ ہر قسم کے ٹی بی اور ہر درجہ میں یقینی بے خطا ہے۔ اس میں طرہ یہ ہے کہ اس نسخہ کے

ساتھ چیلنج تھا کہ اگر اس نسخہ سے جس کو آرام نہ آئے ہم اس کو ایک سو روپیہ انعام دیتے ہیں۔ اس نسخہ کے اعلان کو تقریباً تین سال گزر گئے ہیں اور ہزاروں لوگ اس خوفناک مرض سے نجات پا چکے ہیں۔ نہ صرف پاکستان میں بلکہ ہندوستان میں بھی اس معجزہ نما اثرات کے تحت لوگ مستفید ہو رہے ہیں۔ اس دوا کو مفت تقسیم کرنے کے لیے جگہ جگہ سنٹر کھول دیئے گئے ہیں۔ ان کے ثبوت میں بے شمار خطوط اور اخبارات کے حوالے پیش کیے جا سکتے ہیں۔

جب اس نسخے کی خوبیاں پاک وہند میں پھیلیں تو بے شمار اہل فن اور عوام نے خطوط لکھے اور مزید تفصیلات دریافت کی گئیں۔ ابتدا میں تو ہم جوابات لکھ لکھ کر روانہ کرتے رہے لیکن یہ ڈاک اور زبانی معلومات کا سلسلہ اس قدر طویل ہو گیا کہ ہم اپنی تحقیقات دق وسل (ٹی بی) کو کتابی صورت میں شائع کرنے پر مجبور ہو گئے۔ ہماری یہ تحقیقات بہت مقبول ہوئیں۔ اس کتاب کے ساتھ ایک اور چیلنج لکھا گیا کہ اگر کوئی شخص یہ ثابت کر دے کہ یہ تحقیقات دنیا میں خاص طور پر آج کی سائنسی دنیا میں جس میں یورپ وامریکہ اور روس وچین شامل ہیں موجود ہوں تو ہم اس شخص کو پانچ صد روپیہ انعام دیں گے۔ اس کتاب کو شائع ہوئے تقریباً دوسرا سال ہونے کو ہے مگر آج تک کسی کو یہ ثابت کرنے کی جرأت نہیں ہوئی۔ ایسی تحقیقات پہلے طبی یا سائنسی دنیا میں ہو چکی ہے۔ مگر افسوس پاکستانی ڈاکٹروں پر ہے۔ جو فرنگی طب کے پیروکار ہیں۔ اپنے ملک کے خزانے کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنے کو تیار نہیں ہیں اور نہ ہی حکومت نے اس طرف توجہ کی ہے کہ شاید ہماری یہ تحقیق ایک حقیقت ہو جس سے ہم دنیا بھر کی طبی سائنس میں ٹی بی کے لیے کامیابی سے پیش کر کے عزت حاصل کر سکیں۔

ہمیں پاکستانی فرنگی ڈاکٹروں کے تعصب اور حکومت کی بے توجہی کا کوئی افسوس نہیں ہے کیونکہ اہل فن ہمیشہ طاقت کے سامنے جھکتے ہیں اور حکومتیں ہمیشہ عوام کا احترام کرتی ہیں۔ اور یہ وقت بہت جلد آ رہا ہے کیونکہ عوام اور اہل فن ہماری تحقیقات دق وسل (ٹی بی) کو معمول بنا رہے ہیں۔ یہاں تک کہ پاکستان وہندوستان کے تقریباً ہر ٹی بی سینی ٹوریم میں میری اس تحقیقات کا عوام کو علم ہو چکا ہے اور یہ سلسلہ روز بروز تیزی سے بڑھ رہا ہے۔

نزلہ وزکام اور ٹی بی

یہ حقیقت ہے کہ دق وسل (ٹی بی) کی ابتداء نزلہ زکام کے بعد ہوتی ہے۔ اس لیے ٹی بی کی روک تھام کے لیے ضروری ہے کہ نزلہ زکام کی روک تھام کی جائے۔ اس مقصد کے لیے ہم نے تحقیقات نزلہ زکام شائع کر دیں۔ جس میں نزلہ زکام کا یقینی بے خطا علاج درج کر دیا۔ خداوند کریم کی مہربانی سے ہماری یہ کتاب بھی بے حد مقبول ہوئی ہے۔ اس کے ساتھ ایک ہزار کا چیلنج ہے کہ اگر کوئی یہ ثابت کر دے کہ اس سے قبل طبی اور سائنسی دنیا میں یہ تحقیقات کی گئی ہوں تو ہم ایک ہزار روپیہ انعام دیں گے۔

نزلہ زکام وبائی (فلو)

چونکہ نزلہ زکام کا بیان اس وقت تک مکمل نہیں ہو سکتا جب تک نزلہ زکام وبائی (انفلوئنزا) کو نہ بیان کیا جائے۔ اس لیے ہم نے تحقیقات نزلہ زکام کے بعد تحقیقات نزلہ زکام وبائی (فلو) لکھ کر اسی طرح ایک ہزار روپے کے چیلنج کے ساتھ شائع کر دی، اس سلسلہ میں ایک اہم بات یہ ہے کہ وبائی امراض کے متعلق فرنگی طب کا دعویٰ ہے کہ قدیم طب میں وبائی امراض کا علم اوّل نہ ہونے کے برابر ہے اور جو کچھ ہے وہ بالکل غلط ہے۔ لیکن ہم نے چیلنج کے ساتھ اس دعویٰ کو غلط قرار دیا ہے اور ساتھ ہی ثابت کیا ہے کہ فرنگی طب کا وبائی علم جس کو وہ وائی ذجیکالوجی

کہتے ہیں جس پر ان کو ناز ہے سراسر غلط ہے۔ جو کوئی بھی اس کو صحیح ثابت کر دے یا ہماری تحقیقات کو غلط ثابت کر دے ہم اس کو ایک ہزار روپیہ انعام دینے کو تیار ہیں۔

اعادہ شباب

چونکہ نزلہ زکام کا نتیجہ قبل از وقت بڑھاپا سفید بال اور جنسی کمزوری ہوتا ہے۔ اس لیے اکثر دوستوں کے اصرار پر اپنی یہ تحقیقات اعادہ شباب میں شائع کرنی پڑی۔ جس میں خاص بات یہ ہے کہ طب قدیم اور آیورویدک کے ساتھ فرنگی طب کے سارے نظریے پیش کر کے ان کو غلط قرار دیا گیا اور ثابت کیا گیا کہ فرنگی طب اور ماڈرن سائنس کا علم بسلسلہ اعادہ شباب نہ صرف نامکمل ہے بلکہ بے معنی ہے۔ اس کتاب کے ساتھ بھی چیلنج ہے کہ جو ہماری اس تحقیق کو غلط ثابت کرے یا فرنگی طبی وسائنسی تحقیقات کو صحیح ثابت کرے تو ہم اس کو پانچ ہزار روپیہ بطور انعام دیں گے۔ اس قدر اہم تحقیقات کے بعد بھی اگر علمی وطبی اور سائنسی دنیا حقیقت کی طرف نہ دیکھے تو اس میں تعصب کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے۔

پاکستانی فرنگی ڈاکٹر

اوّل تو پاکستانی فرنگی ڈاکٹروں کو چاہیے تھا کہ وہ خود فرنگی طب اور سائنس کو اپنی ملکی زبان اردو میں منتقل کرتے اور پھر اس پر تحقیقات شروع کرتے۔ اگر انہوں نے ایسا نہیں کیا تھا یا وہ نہیں کر سکے تو ان کا فرض تھا کہ اپنی قوم اور ملک کی عزت کے لیے ان تحقیقات پر غور کرتے جو ملک میں کی گئی ہیں، اور ان میں اگر سچائی اور افادیت پاتے تو ملک اور قوم کی خاطر بلکہ دنیا طب وسائنس میں عزت کی خاطر نہ صرف اس کو اپناتے، بلکہ ترقی دیتے اور اشاعت کرتے مگر انہوں نے صرف تعصب کی خاطر ایسا نہیں کیا۔ لیکن ہمیں افسوس نہیں ہے یہ خدمت بھی طب قدیم کے ذمہ ہے جو تجدید فن کے ساتھ ساتھ فرنگی طب کی خرابیوں' غلطیوں اور اس کی غیر علمی حیثیت کو بھی واضح کرتی رہے گی اور پھر ایک وقت ایسا آئے گا کہ ان فرنگی ڈاکٹروں کو صحیح فن اور سچائی کا علم ہوگا۔ جس کے ساتھ ہی فرنگی طب اور سائنس ختم ہونی شروع ہو جائے گی۔

تحقیق اور اعلیٰ دماغ

محقق اور اعلیٰ دماغ صرف یورپ وامریکہ اور روس وچین میں پیدا نہیں ہوتے بلکہ قدرت یہ نعمت ہر ملک اور قوم کو عطا کرتی ہے۔ اس لیے ہر ملک اور قوم کا فرض ہے کہ وہ اپنی اس نعمت اور انعام خداوندی سے مستفید ہوں۔ ان کے لیے صرف اسی قدر کافی نہیں ہے کہ غیر ملک اور قوم کی تقلید اور نقل کرتے رہیں اور ان کے غلط اور بے معنی علم پر فخر کرتے رہیں۔ یہ کہاں کی عقلمندی ہے کہ یورپ وامریکہ کی علمی وفنی معلومات کو بغیر سوچے سمجھے نہ صرف عمل میں لاتے رہیں بلکہ ان کی نگاہیں ہمیشہ یورپ وامریکہ کے علم وفن اور سائنس وطب کی طرف لگی رہیں۔ مثلاً ہمارے پاکستانی فرنگی ڈاکٹروں کا کام صرف یہ رہ گیا ہے کہ وہ یورپ وامریکہ اور روس کی ایجنٹی کرتے رہتے ہیں۔ وہاں جن امراض کی تحقیق ہوتی ہے یا جن ادویات کو وہ تیار کرتے ہیں وہ ان کا استعمال کرتے ہیں اور پراپیگنڈہ شروع کر دیتے ہیں۔ خود کبھی نہیں سوچتے کہ ہم نے بھی کچھ تحقیقات کرنی ہیں۔ اگر کوئی تھوڑی بہت تحقیقات کا کام ہو بھی رہا ہے تو وہ بھی یورپ وامریکہ اور روس کی قدروں پر ہو رہا ہے۔ اس میں اپنے ملک اور قومی تحقیقات کو مدنظر نہیں رکھا جاتا۔ یا اس امر پر غور نہیں کیا جاتا کہ نئی قدروں پر بھی تحقیقات ہو سکتی ہیں۔ ہمارے ملک میں سب کچھ ہے۔ اپنی زبان ہے۔ گزشتہ روایات ہیں' علم وفن ہے۔ بے شمار نظریات ہیں اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ قابل دماغ

ہیں اور وہ سب کچھ کر سکتے ہیں صرف نئی قدروں واندازوں اور نئے نظریات اور اصولوں کو سامنے لانے کی ضرورت ہے۔

حکومت کے فرائض

ہمارے ملک میں جن اشخاص کے ہاتھوں میں حکومت ہے وہ انتہائی قابل اور بہترین دماغ والی ہستیاں ہیں۔ بے شک ان کا طریق حکومت متمدن اور مہذب حکومتوں کا ہے۔ باوجود اس کے وہ اس میں اصلاح کر کے اور بھی جدت اور خوبیاں پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ جس کی مثالیں ہمارے ملک میں:

① بنیادی جمہوریت کا رائج کرنا۔

② تعلیم میں ملک اور قوم کو مفید اور بہترین قدروں پر چلانا۔

③ مذہبی علوم کی خوبیوں سے عوام اور تعلیم یافتہ طبقہ کو مرصع کرنا ہے۔

جن کا نتیجہ آئندہ چند سالوں میں بہت ہی خوش گوار نکلے گا۔ کیا ہماری حکومت کے انتہائی قابل اور بہترین دماغ باوجود یہ جاننے کے کہ یورپ وامریکہ اور روس میں قابل اور بہترین دماغ پائے جاتے ہیں وہ کبھی گوارہ کر سکتے ہیں کہ اپنی حکومت کی باگ ڈور ان کے حوالے کر دیں۔ کیونکہ ایسا کرنا غلامی کے مترادف ہوتا ہے۔ اس لیے ہماری حکومت کا یہ بھی فرض ہے کہ اپنے ملکی اور قومی علم وفن میں ترقی وتحقیق کی جائے کیونکہ ایسا نہ کرنا ذہنی غلامی کے مترادف ہوتا ہے۔

حکومت کو جاننا چاہیے کہ ہمارا ملک دیگر ممالک سے جغرافیائی ماحول اور اسلامی تعلیمات کی وجہ سے ایک جدا قسم کا تمدن وتہذیب اور ثقافت رکھتا ہے۔ جیسے ہم یورپ وامریکہ کے مذہب وثقافت وتہذیب وتمدن کو قبول نہیں کر سکتے۔ اسی طرح روس کی بے دینی اور عریانی کے لیے ہمارے ہاں جگہ نہیں ہے۔ تو پھر کیا وجہ ہے کہ ہم علم وفن اور سائنس وطب میں یورپ وامریکہ اور روس کے نقش وقدم پر چلیں اور اپنے ملک کو ذہنی طور پر غلام رکھیں۔

ہم یورپ وامریکہ کے دوست ہیں

ہم یورپ وامریکہ کے دوست ہیں مگر روس وچین اور ہندوستان کے دشمن بھی نہیں ہیں۔ ہم ان کی ملکی وقومی خوبیوں کی قدر کرتے ہیں اور ہم فخر کے ساتھ ان کو اپنے تہذیب وتمدن اور ثقافت میں جذب کرنا پسند کرتے ہیں مگر یہ امر قابل برداشت نہیں ہے کہ ہمارے ملک میں جو انتہائی باکمال وعین فطرت کے مطابق شاندار تہذیب وتمدن اور ثقافت کی قدریں اور علمی وفنی اور عقلی معلومات ہیں ان کو نظر انداز کر کے ان کی جگہ غیر علمی وفنی اور دور از عقل وحکمت امور کو اپناتے پھریں۔ جس طرح ہمیں اپنے مذہب وسیاست وتہذیب وتمدن اور ثقافت وروایات عزیز ہیں بالکل اسی طرح ہمیں اپنا علم وفن اور طب وسائنس بھی محبوب ہے۔ جو ہم کسی قیمت پر قربان نہیں کر سکتے اور ایسا کرنا ذہنی غلامی ہے۔

تحریک تجدید طب

انہی حقائق کے مدنظر ہم نے تجدید طب اور احیاء فن کی تحریک شروع کی ہے۔ جس سے ہمارا مقصد یہ ہے کہ دنیا کو صحیح علم وفن طب سے روشناس کرائیں۔ اس مقصد کے لیے ہم نے اوّل قدیم علم وفن طب پر پورے طور پر غور وفکر کیا ہے اور اس کے بعد فرنگی طب اور ماڈرن سائنس

کو اچھی طرح سمجھا ہے تا کہ ہم ان کے قوانین وقاعدوں اور نظریات واصول کو ہم آہنگ کر سکیں۔ پھر دنیا کے سامنے اصل حقیقت رکھ سکیں اور کوشش یہ کی ہے جو کچھ بھی ہم دنیا کے سامنے پیش کریں اس پر کوئی انگلی نہ رکھ سکے اور وہ آج تک کے علوم وفنون میں حرف آخر کا درجہ رکھتا ہو اور اس کی حیثیت ایک چیلنج کی ہوتا کہ اہل علم وصاحب فن کے ذہنوں میں یہ بات نہ رہ جائے کہ علم وفن طب کی بے بہا وسعت کے تحت کچھ رہ گیا ہے۔ لیکن پھر بھی اہل علم وصاحب فن کے لیے ہماری دعوت ہے کہ وہ جس بات سے اختلاف کریں ان کا حق ہے وہ جس طرح چاہیں نظر و نقد سے کام لیں۔ ہم ان کی تسلی کرنے کو تیار ہیں۔

قانون وقاعدہ اور نظریہ واصل

ہم نے اپنی تحقیقات میں بلاوجہ یونہی مختلف قوانین وقاعدوں اور نظریات واصول کو اکٹھا نہیں کر دیا۔ جیسا کہ خذ ما صفا ودع ما کدر کو سامنے رکھتے ہوئے کر دیا جاتا ہے یا جدید تحقیقات کو قدیم تحقیقات میں شامل کر لیا جاتا ہے جس کی مثال گزشتہ پچاس سال کی طبی تاریخ میں ہم کو ملتی ہے۔ یعنی ایک طرف طبی قوانین وقاعدے اور نظریات واصول کو قائم رکھتے ہیں۔ ان میں فرنگی طب اور ماڈرن سائنس کی تحقیقات ومعلومات کو شامل کرنا شروع کر دیا ہے۔ آج بھی پاک وہند کے تمام طبیہ درسگاہوں میں اسی قسم کی تعلیم دی جاتی ہے جس کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ آج تک کوئی محقق فن طب پیدا نہیں ہوا۔ جو چند صاحب ذوق پیدا ہوئے بھی تو ان کی دور قدیم وجدید تراجم اور مجربات کی اشاعت سے آگے نہیں بڑھی اور اس جدید قدیم مرکب کو بہت اہمیت دی گئی۔ ان کی دردناک صورت یہ ہے کہ طبی درسگاہوں میں ایک طرف پیدائش امراض اور خواص ادویہ کو بالاخلاط وبالکیفیات اور بالمزاج بیان کیا جاتا ہے اور دوسری طرف ساتھ ہی ساتھ جراثیم تھیوری کے تحت ان کی اہمیت کو واضح کیا جاتا ہے۔

کتنی افسوسناک تعلیم ہے کہ طبیہ کالج کا ایک پروفیسر پڑھاتا ہے کہ امراض کی پیدائش مزاج کی خرابی اور کمی بیشی سے ہوتی ہے۔ اور دوسری طرف دوسرا پروفیسر یہ تعلیم دیتا ہے کہ اخلاط ومزاج کا نظریہ قدیم ہے جو غلط ہو چکا ہے۔ اور ماڈرن سائنس نے یہ تحقیق کیا ہے کہ امراض جراثیم کے اثرات سے پیدا ہوتے ہیں۔ وہ ان کو خوردبین میں ہر مرض کے جراثیم جدا جدا دکھا بھی دیتا ہے۔ تو پھر اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ طب قدیم پر کیا یقین رہ سکتا ہے اور اس میں کیا ترقی ہو سکتی ہے۔ جس کے نمونے موجودہ طبیہ کالجوں کے فارغ التحصیل معالج ہیں۔ جن میں طبیہ کالج دہلی اور علی گڑھ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ایسے آدھے تیتر اور آدھے بٹیر معالجین کو طب قدیم سے نفرت ہو گئی ہے اور وہ اپنے کو زیادہ تر ڈاکٹر ہی ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور دن رات انگریزی ادویات اور انجکشن استعمال کرتے ہیں۔ گویا اس طرح فن طب کی تذلیل کا باعث ہوتے ہیں۔ ان صورتوں میں فن طب کا احیاء اور تجدید کیسے ممکن ہو سکتی ہے۔

احیاء اور تجدید فن

احیاء طب قدیم اور تجدید فن کے لیے اوّل تو تصور ہی ختم ہو گیا ہے اور جن اطباء وحکماء کو فن طب کی زندگی کا احساس اور جذبہ ہے بھی تو ان کے سامنے احیاء طب اور تجدید فن کی صورت اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ فن اور ماڈرن سائنس کو زیادہ سے زیادہ طب قدیم میں شامل کر کے اس کے نام اور دیسی علاج کی شکل کو قائم رکھا جائے۔ لیکن ان کے ذہن میں بھی یہ حقیقت پیدا نہیں ہوتی کہ اس طرح طب قدیم کے احیاء اور تجدید فن پیدا نہیں ہو گی بلکہ فرنگی طب کی تعلیم کو تقویت کی صورت سامنے آئے گی۔ جس سے رفتہ رفتہ طب یونانی ختم ہو جائے گی اور

ایسا ہو رہا ہے۔

اس مقصد کے لیے ضروری ہے کہ کوئی ایسا نظریہ سامنے لایا جائے جس سے جراثیم تھیوری کا جواب پیدا کیا جائے تاکہ نظریہ اخلاط اور مزاج کو زندہ اور قائم کیا جاسکے۔ کیونکہ نظریہ جراثیم سے جب پیدائش امراض کو تسلیم کیا جائے گا تو لامحالہ نظریہ اخلاط اور مزاج قدرتاً ختم ہو جائے گا اور اب تک ایسا ہی ہوا ہے۔ جس قدر جلد ممکن ہو نظریہ جراثیم کو غلط ثابت کر کے نظریہ اخلاط اور مزاج کو حقائق کے ساتھ ثابت کرنا چاہیے اور واضح کر دینا چاہیے کہ نظریہ جراثیم غلط ہے۔

نظریات اور زندگی

جاننا چاہیے کہ ہر علم و فن بلکہ افراد و اقوام کی زندگی کسی نہ کسی نظریہ پر ہوتی ہے اور یہی نظریات بنیاد اور ایمان ہوتے ہیں۔ اسی بنیاد اور ایمان پر عقائد و عمل بنتے ہیں۔ جب نظریات و ایمان ختم ہو جاتے ہیں تو عقائد و عمل کے ساتھ بنیادیں بھی ختم ہو جاتی ہیں۔ اگر آیورویدک کا نظریہ دوشن ختم کر دیا جائے یا طب یونانی کے نظریہ مزاج اور اخلاط کو قائم نہ رکھا جائے یا ہومیوپیتھی میں ''روح کا مریض ہونا'' نظرانداز کر دیا جائے تو ظاہر ہے کہ یہ تینوں طریق علاج فوراً ختم ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح اگر فرنگی طب کا نظریہ جراثیم ختم کر دیا جائے جیسا کہ ہم نے ختم کر دیا ہے اور ان شاء اللہ تعالیٰ بہت جلد دنیائے طب اس غلط حقیقت سے واقف ہو جائے گی تو اس کی بنیاد ہی ختم ہو جائے گی اور آئندہ کے لیے تمام ترقیاں فوراً رک جائیں گی۔ کیونکہ فرنگی طب پیدائش امراض اور خواص الادویہ اس کے تحت تسلیم کرتی ہے۔ یہی اصول اقوام اور ملل کے لیے بھی کام کرتے ہیں۔ جب ان کے ایمان و عقائد اور نظریات ختم ہو جاتے ہیں تو وہ مٹ جاتی ہیں۔

نئے نظریہ کی تلاش

ہم نے احیاءِ طب اور تجدیدِ فن کے لیے مسلسل بیس سال جدوجہد اور کوشش کی ہے۔ ہماری سعی کا مقصد یہ رہا ہے کہ ہم کوئی ایسا نظریہ تلاش کریں جس کے ذریعے ہم اس قابل ہوسکیں کہ ہم نظریہ اخلاط و مزاج کو دنیا میں نہ صرف صحیح ثابت کر دیں بلکہ اہل فن و صاحب عقل اور عوام کو اس کی حقیقت سمجھا سکیں۔ تاکہ اس کی مدد سے پھر احیا طب اور تجدیدِ فن کی خدمت انجام دی جاسکے۔ یہ امر ہمیشہ ذہن نشین رکھیں کہ ایمان و عقائد اور ان کے مطابق عمل صالح پر ہی زندگی اور احیاء قائم ہے۔ جس عمارت کی بنادیں ڈھادیں وہ کبھی قائم نہیں رہ سکتی۔

خداوند حکیم کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ وہ جدوجہد اور سعی کرنے والے کو بے امید نہیں کرتے۔ صرف ضرورت اس امر کی ہوتی ہے کہ صبر و شکیب اور استقامت کے ساتھ اس کام کو جاری رکھیں۔ اللہ تعالیٰ کی عین نوازش ہے کہ ہماری اس کوشش کو جس کی انہوں نے طاقت دی تھی۔ شرف قبولیت بخشا اور ایک کامیاب نظریہ کی طرف ہماری رہنمائی کی اور ان کی ہدایت سے ایک زبردست حقیقت ہم کو حاصل ہوگئی۔ جس سے نہ صرف احیا طب قدیم اور تجدیدِ فن کی صورت پیدا ہوگئی ہے بلکہ طبی دنیا میں ایک زبردست انقلاب پیدا ہوگیا ہے جس نظریہ کے ساتھ یہ انقلاب پیدا ہوگیا ہے اس کا نام ہے نظریہ مفرد اعضاء (سمپل آرگن تھیوری)۔

نظریہ مفرد اعضاء

نظریہ مفرد اعضاء (سمپل آرگن تھیوری) ایک ایسا نظریہ ہے جس کے نام سے بھی دنیا پہلے واقف نہیں تھی۔ کسی ملک اور قوم کے علماء و

حکما اور اہل فن نے اشارۃً بھی کسی زمانے میں اس کا ذکر نہیں کیا ہے۔ یہاں تک کہ آج کے ماڈرن دور میں جس کو سائنسی زمانہ کہتے ہیں۔ اس علم سے بے خبر اور ناواقف ہے اور جب دنیا اس نظریہ کو سمجھے گی۔ اس وقت نہ صرف فن علاج بدل جائے گا بلکہ دنیا کا معاشرہ ومعاش اور سیاست واقتصادیات تبدیل ہو جائیں گے اور اقتصاد ونفسیات ایک نئے دور میں قدم رکھیں گے۔ دنیا، رنگ گزشتہ زمانہ سے جدا ہو کر نئی قدروں پر گامزن ہو جائے گی۔ کیونکہ ہر نئے نظریہ کے بعد زندگی وحیات اور کائنات وآفاق کی قدروں کو ایک نئے انداز سے اور پیمانے پر جانچا اور تولا جائے گا اور حسن وقبح کے مقام بدل جائیں گے، جن سے دنیا میں تسکین اور راحت کی صورت ہو جائے گی۔ نظریہ مفرد اعضاء کی ابتدا اگرچہ انسانی صحت کے ایک نظریہ سے شروع ہوئی۔ لیکن اس نے انسان کی زندگی اور کائنات کو اپنے گھیرے میں لے لیا ہے کیونکہ صحت کا تعلق زندگی سے اور زندگی سے جسم قائم ہے۔ اس لیے جو نظریہ زندگی، صحت اور ارتقاء کا حامل ہو۔ وہ انسان کے ہر شعبہ حیات پر حاوی ہوگا۔ اس لیے نظریہ مفرد اعضاء صرف اصول صحت تک محدود نہیں ہے بلکہ زندگی کے دیگر شعبہ جات میں بھی اسی طرح ممد ومعاون ثابت ہوتا ہے جس طرح جسم انسان کی صحت کو قائم رکھتا ہے۔

جس وقت انسان اس پر پورے طور پر غور وفکر کرے گا تو اسے ایسے رموز واسرار کا علم ہوگا کہ دنیا دنگ رہ جائے گی۔ نظریہ مفرد اعضاء کو اس طرح سمجھیں کہ ہزاروں سال پہلے جب سے انسانی تہذیب وتمدن نے جنم لیا ہے۔ اس میں پتھر کا زمانہ ہو یا دھات کا۔ اس میں انسان کو آگ کا علم ہوا ہو یا پہیے کی حقیقت سے آشنا ہوا ہو۔ اس کو کشتی سے پانی کے سینے کو چیرنے کا علم ہوا یا ہوائی جہاز سے فضا فتح کرنے کی ابتداء کی۔ بلکہ آج تک کے ایٹم انرجی اور مسائل کی پرواز تک علم العلاج میں کئی دور گزرے ہیں جن میں تین قابل ذکر ہیں۔ اول دور میں امراض کو جن، بھوت اور دیوتا کی ناراضگی کو سبب خیال کیا جاتا تھا۔ یہ دور طبی تاریخ سے قبل کا دور ہے۔ دوسرے دور میں امراض کو جسم کی کسی اندرونی خرابی کا سبب قرار دیا گیا۔ جس کے لیے دوش واخلاط اور روح وخون کی خرابی کو ان میں شمار کیا گیا۔ اسی دور میں ہی فرنگی طب نے جسم کی خرابی کے لیے خون کے ساتھ جراثیم کے زہر کو باعث امراض قرار دیا۔ اگر غور کیا جائے یہ جراثیم اوّل دور کے جن بھوتوں سے جدا حیثیت نہیں رکھتے۔ فرق صرف یہ ہے کہ اس وقت کے جن بھوت شائد نظر نہ آتے ہوں اور آج کل کے جراثیم (جن بھوت) تو خوردبین سے نظر آتے ہیں۔ اس وقت جن بھوت کے اثرات کا تعین نہ کیا گیا ہو مگر آج کل کے جراثیم (جن بھوتوں) کے نام اور اثرات معین کیے گئے ہیں۔ لیکن حقیقت مرض پہلے دور سے آگے نہیں بڑھی۔ تیسرے دور میں امراض کی پیدائش کو جسم انسان کے اعضاء کی خرابی اور افراط وتفریط قرار دیا گیا۔ یہ دور اسلامی زمانے سے شروع ہوتا ہے۔ اس دور میں جسم انسان کے خون واخلاق اور مزاج وکیفیات کو بھی امراض کا باعث قرار دیا گیا۔ جیسا کہ طب یونانی تسلیم کرتی ہے مگر ان کی صورت سبب سابقہ اور بادیہ تک رہا ہے۔ جہاں تک سبب واصلہ کا تعلق ہے اس کو اعضاء کی خرابی قرار دیا گیا۔ مگر فرنگی طب کے زمانے میں جہاں اخلاط ومزاج کو چھوڑ دیا گیا وہاں سبب واصلہ کو نظر انداز کر کے اعضاء کی اہمیت کو بھی کم کر دیا گیا۔ صرف جراثیم کے زہر کو اہمیت دے دی گئی اور اگر اعضاء کا کہیں ذکر آیا تو اس شکل میں کہ جیسا اعضاء کی امیونٹی (قوت مدافعت) کم ہو جاتی ہے تو جراثیم حملہ کر کے جسم انسان میں زہر پیدا کر دیتے ہیں اور امراض پیدا ہو جاتے ہیں۔

مرکب اعضاء میں امراض

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اسلامی زمانہ طب سے فرنگی زمانہ طب تک امراض کو اعضاء میں خرابی تسلیم کیا گیا۔ جس کے لیے علم تشریح

الابدان (اناٹومی) علم منافع الاعضاء (فزیالوجی) وغیرہ کی تدوین ہوئی۔ مگر امراض کو مرکب اعضاء میں تسلیم کیا گیا۔ جیسے سر کے امراض، آنکھ وناک اور کان کے امراض، معدہ وامعاء اور مثانہ وجنسی امراض وغیرہ انہی مرکب اعضاء میں تسلیم کیے گئے اور انہی مرکب اعضاء کو سمجھ کر امراض کے تعلق کو واضح کیا گیا اور انہی مرکب اعضا کے افعال کو درست کرنے کی کوشش کی گئی ہیں اور اب تک دنیا میں یہی سلسلہ امراض اور ان کا علاج جاری ہے۔ اسلامی طب اور فرنگی طب کا یہ فرق ہے کہ اوّل الذکر اعضاء کی خرابی کا سبب اخلاط ومزاج کی خرابی تسلیم کرتے ہیں اور ثانی الذکر اعضا کی خرابی کو جراثیم کے زہریلے اثرات مانتی ہے۔ بہرحال جہاں تک امراض کا تعلق ہے وہ ایک ہی صورت ہے یعنی مرکب اعضاء میں پائے جاتے ہیں۔

مفرد اعضاء میں امراض

ہماری تحقیقات ہیں کہ امراض مرکب اعضاء میں نہیں پائے جاتے بلکہ ہمیشہ امراض کی پیدائش مختلف اقسام کے امراض وعلامات میں ظاہر ہوتے رہتے ہیں۔ صداع (دردسر) ایک مرض ہے لیکن اس کی بھی ایک صورت نہیں ہوتی۔ درد کی نوعیت اور مقام کی خصوصیت کی وجہ سے اس کی بہت سی صورتیں بن جاتی ہیں کبھی سارے سر میں ہوتا ہے کبھی نصف سر میں کبھی آگے کی طرف زیادہ ہوتا ہے کبھی پیچھے کی طرف۔ اس سے چکر آتے ہیں کبھی بے ہوشی طاری ہوجاتی ہے۔ کبھی سر میں خون کا جوش ہوتا ہے کبھی چہرہ پر خون کا نام ونشان نہیں ہوتا۔ کبھی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی ہتھوڑا مار رہا ہے اور کبھی یہ صورت ہوتی ہے کہ کوئی آرا چلا رہا ہے۔ کبھی یہ احساس ہے کہ سر بھرا بھرا اور کبھی اس کے برعکس خالی معلوم ہوتا ہے۔ بعض اوقات ایسا لگتا ہے کہ کسی نے باندھ دیا ہے اور کبھی ایسا سن ہوجاتا ہے کہ جیسے وہ ساتھ ہی نہیں ہے۔ کبھی آرام، چین اور حرکت سے زیادہ ہوتا ہے کبھی آرام کرنے سے بڑھتا ہے اور حرکت سے سکون معلوم ہوتا ہے۔ کبھی نزلہ کی زیادتی سے بڑھ جاتا ہے اور کبھی نزلہ بند ہونے سے زیادہ ہوجاتا ہے۔ غرض صداع کی یہ بہت سی صورتیں اور علامات جو سر میں پیدا ہوتی ہیں وہ سب اس لیے پیدا ہوتی ہیں کہ سر ایک مرکب عضو ہے۔ اس میں دماغ واعصاب کے علاوہ عضلاتی پردے اور مخاطی جھلیاں بھی ہیں اور درد کبھی دماغ واعصاب میں ہوتا ہے اور کبھی حجاب اور مخاطی جھلی میں ہوتا ہے۔ یہی صورت سر میں سوزش اور ورم وضعف کی ہے اور اسی طرح سر میں تکلیف کی وجہ سے مختلف صورتیں بخار کی بھی ہیں۔ چند مختلف امراض میں دردسر بھی انہی صورتوں میں ظاہر ہوتا ہے۔

سر کے علاوہ دل وجگر، آنکھ وکان اور ناک، منہ وسینہ، معدہ وامعاء اور مثانہ وجنسی اعضاء تمام مرکب اعضاء ہیں۔ ان سب میں امراض کی مختلف صورتیں اور علامات پیدا ہوتی ہیں۔ یہ سب حالتیں ان کے مفرد اعضاء کی وجہ سے ہیں۔ اس لیے علاج بھی مفرد اعضاء کا ہونا چاہیے۔ مرکب اعضاء کو مدنظر نہیں رکھنا چاہیے۔ اس طرح تشخیص آسان اور علاج سہل ہوجاتا ہے۔ قانون فطرت یہی ہے کہ امراض مفرد اعضاء میں پیدا ہوں اور ہر مفرد عضو کا تعلق کسی نہ کسی کیفیت اور مزاج کے ساتھ ہے۔ یعنی جب بھی کوئی عضو بگڑے گا اس کے مطابق مزاج بدل جائے گا۔

ہماری تجدید اور احیائے فن طب

ہم نے نظریہ مفرد اعضا کی تحقیق کے بعد احیائے فن اور تجدید طب کی یہ صورت قائم کی ہے کہ مفرد اعضاء کو اخلاط ومزاج کے ساتھ تطبیق دے دیا ہے۔ اس سے ایک طرف اخلاط ومزاج کی اہمیت سامنے آ گئی ہے اور طب یونانی میں زندگی پیدا ہوگئی ہے اور دوسری طرف اعضاء کے افعال کی علاج میں ضرورت سامنے آ گئی ہے اور اس طرح تجدید طب کا سلسلہ قائم کر دیا ہے اور سب سے بڑی خوبی یہ پیدا ہوگئی ہے کہ دنیا کا جو طریق علاج اخلاط ومزاج اور اعضاء کے افعال کے ساتھ تطبیق نہیں کھائے گا وہ طریق علاج بالکل غلط ثابت ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ فرنگی

طب کو غلط قرار دیتے ہیں کیونکہ اس کی جرمز تھیوری بالکل اخلاط ومزاج کے علاوہ مرسیالوجی کلی (بالانصاب) غلط ثابت ہوتی ہے۔ جن اہل فن اور صاحب عقل کا دل چاہے ہم سے آ کر تسلی وتشفی کر سکتا ہے۔ صرف فرنگی معالج نہیں بلکہ ہر طریق علاج کے حامل کو ہم دعوت دیتے ہیں کہ وہ ہم سے اپنے فن کی حقیقت سمجھ لیں اور اس کے مطابق نظریہ مفرد اعضاء ذہن نشین کر لیں۔ جس سے علاج میں کبھی غلطی سرزد نہ ہوگی۔

ہماری تحقیق اور ہمارا چیلنج

ہم اپنی تحقیق وتجدید کا جب چیلنج دیتے ہیں تو اس سے چوکھانے کی ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ ہمارے نظریہ اور فلسفہ کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔ جب ہم دنیا خصوصاً یورپ اور امریکہ اور روس وچین کو چیلنج کرتے ہیں تو ضرور اس میں کوئی اہمیت ہے۔ اب اہل علم' کاملین فن اور صاحب ان صحافت کا یہ فرض ہے کہ وہ ذرا ٹھنڈے دل سے ہمارے نظریہ اور فلسفہ کو سمجھنے کی کوشش کریں اور اس پر اصول وقوانین کے ساتھ تبصرہ کر کے حسن وقبح کو عام کے سامنے رکھیں۔ اس میں اگر واقعی خرابیاں ہیں تو اس سے خود بھی مستفید ہوں اور عام لوگوں کو بھی فیض پہنچائیں اور اپنے ملک کا نام بلند کریں۔ اور اگر اس میں خرابیاں ہوں تو اس کو دنیا کے سامنے لاکر ہمارے نظریہ اور فلسفہ کو ختم کر دیں۔ ان شاء اللہ تعالیٰ جو لوگ بھی ایمان داری سے ہمارے نظریہ اور فلسفہ پر غور کریں نہ صرف اس کو حق پائیں گے بلکہ اس کے ساتھ صحت وعلاج' علم وفن' ادب ولٹریچر' سیاست واقتصادیات بلکہ معاشرہ اور ملک میں ایک نئے باب اور نئے دور کا آغاز سامنے آ جائے گا اور دنیا میں مسرت وشادمانی کی لہر دوڑ جائے گی اور امن لوٹ آئے گا۔

حاملین طب قدیم کے لیے مژدہ

آیورویدک اور طب یونانی کے حاملین کو خوش ہونا چاہیے کہ ہم دونوں طریق علاج کو بالکل صحیح سمجھتے ہیں اور انہیں کا احیاء اور تجدید کر رہے ہیں۔ ان کے مقابلے میں فرنگی طب (یورپی طب) کو نہ صرف غلط قرار دیتے ہیں بلکہ فرنگی معالجین اور ماڈرن سائنس کو چیلنج کرتے ہیں' اگر کسی فرنگی ڈاکٹر کو جرأت ہے تو وہ اپنے طریق علاج کو صحیح ثابت کرنے کی کوشش کرے۔ ہم ہر وقت اس مقصد کے لیے تیار ہیں۔

فرنگی طب کو بھی یہ غلط فہمی نکال دینی چاہیے کہ ان کی بنیاد سائنس (تجربہ ومشاہدہ) پر ہے۔ سائنس غلط بھی ہو سکتی ہے۔ جس پر سائنس کی ایک سو سال کی زندگی گواہ ہے کہ کس بری طرح اس کے نظریات کی تغلیط ہوتی رہی ہے۔ کیا اس سے فرنگی ڈاکٹر اور سائنس دان انکار کر سکتے ہیں۔ اگر یہ حقیقت ہے تو پھر ہمارے نظریہ مفرد اعضاء کی خوبیوں کی طرف بھی آپ کو آنا پڑے گا۔ اگر ذہن میں یہ خیال ہو کہ قابل دماغ یورپ میں ہی پیدا ہوتے ہیں تو اس میں دیگر تمام ممالک کی بے عزتی ہے اور جن ملکوں نے کوششیں کی ہیں وہ کامیاب ہیں۔ امریکہ وروس اور چین وجاپان ان کی بہترین مثالیں ہیں۔

فرنگی ڈاکٹر اس امر کو بھی ذہن سے نکال دیں کہ ایک کمزور آواز کو کون سنتا ہے۔ یہ ان کی حقائق سے بے خبری ہے۔ کیونکہ قانون فطرت میں داخل ہے کہ ایک کمزور سے کمزور لہر جو تالاب میں کنکر مارنے سے پیدا ہوتی ہے ضرور دوسرے کنارے تک پہنچ جاتی ہے اور جب سورج نکلتا ہے تو اس کی روشنی صرف سامنے کے دریچوں ہی سے نہیں بلکہ مخالف سمت کے دریچوں سے بھی مکان کے اندر داخل ہونا شروع ہو جاتی ہے اور آخر میں اس امر کو بھی ذہن نشین کر لیں کہ حق وسچائی اور انصاف وعدل اپنے اندر ایسی قوت رکھتے ہیں کہ جن کو کوئی طاقت روک نہیں سکتی۔ نظریہ مفرد اعضاء میں سچائی ہے حقیقت ہے۔ جس کے نتیجہ میں وہ کامیاب ہے۔ جس فن طب میں احیاء وتجدید اور نشوو ارتقاء ہو رہا

ہے۔عنقریب یہ سب کچھ دنیا پر چھا جائے گا۔ دیر سویر ہر ایک کو اس نظریہ مفرد اعضاء کے تجزیہ کی صورت میں دنیا کا آخری نظریہ ثابت ہوگا۔ اس کے بعد انسانی جسم کا تجزیہ ممکن نہیں ہے۔ ایٹم کی تحقیقات بھی اس نظریہ کو کبھی ختم نہیں کرتیں۔ یہ دائمی حقیقت اور قانون فطرت ہے۔

طب قدیم کی کامیابی کا راز

حاملین طب قدیم کی کامیابی کا راز صرف اس میں ہے کہ وہ میری تحقیقات پر غور کریں۔ میرے دعویٰ کو سمجھیں اور میرے کام کی حقیقت کو جانچیں۔ اگر میرے قول و فعل اور نتیجہ میں ہم آہنگی ہے تو فوراً میرے گرد اکٹھے ہو جائیں۔ میں ان شاء اللہ ایک دن میں ان کا سر بلند کر دوں گا اور اگر مجھ سے بہتر کام کہیں اور ہو رہا ہے تو مجھے دعوت دیں میں فوراً شریک ہونے کو تیار ہوں۔ جو خدمت طب قدیم کی میں کر رہا ہوں جیسا کہ دنیا میں کہیں نہیں ہو رہی تو پھر کیا آپ سب کا فرض نہیں ہے کہ شام ہونے سے پہلے میرے گرد جمع ہو جائیں اور صبح ہونے سے پہلے میں تمام مقام فرنگی طب سے بلند کر دوں گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ ایسا ہی ہوگا۔ قانون فطرت کا صالح رد عمل یہی ہے۔ پھر غور کر لیں:

1. میری تحقیق' نظریہ مفرد اعضاء ہے۔ جس سے اخلاط و مزاج اور اعضاء و جسم کا تطابق ہے۔
2. میرا دعویٰ ہے کہ میں احیا فن اور تجدید طب کر رہا ہوں۔
3. میرا کام فرنگی طب اور ماڈرن سائنس کو چیلنج ہے۔

یہی میرے قول و فعل اور نتائج ہیں۔ جن کی عملی شکل میری کتب و ماہنامہ ''رجسٹریشن فرنٹ'' اور وہ اطباء ہیں جن کو میں نے اس نظریہ مفرد اعضاء کے تحت تیار کیا ہے اور روز بروز ان کی تعداد بڑھ رہی ہے۔

آخری بات یہ ہے کہ جس نے بھی نظریہ مفرد اعضاء کو سمجھ لیا وہ دنیا میں کوئی اور طریقہ علاج نہیں کر سکتا۔ اگر ہماری اس سچائی پر یقین نہ ہو تو اس کو سمجھ کر دیکھ لیا جائے۔ جس پر صرف نصف گھنٹہ صرف ہوتا ہے۔

روزانہ آلو کھانے سے دق وسل (ٹی بی) ہو جاتا ہے

امریکہ کے شعبہ اطلاعات نے ''آلو پاکستان کو اناج کی قلت سے نجات دلا سکتے ہیں'' کے زیر عنوان ایک فیچر شائع کیا ہے۔ اس فیچر نما مضمون میں کہا گیا ہے کہ ''اگر پاکستان کا ہر فرد آلو کھانے کی موجودہ مقدار میں ڈیڑھ اونس کا اضافہ کر لے تو پاکستان غیر ملکوں سے ایک اونس اناج درآمد کرنے کی ضرورت سے بھی بے نیاز ہو سکتا ہے''۔ امریکی شعبہ اطلاعات کے فیچر میں کہا گیا ہے کہ ''دعویٰ تعجب خیز ضرور ہے تاہم اس میں مبالغہ آمیزی کو چنداں دخل نہیں ہے۔ کیونکہ ڈیڑھ اونس فی کس روزانہ آلو کی مقدار بڑھانے کے یہ معنی ہیں کہ آٹھ کروڑ کی آبادی دس لاکھ ٹن سالانہ آلو کھائے گی۔ اس طرح دس لاکھ ٹن غلے کی سالانہ لاگت سے نجات مل جائے گی۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ موجودہ دور میں پاکستان گندم اور چاول کی کمی کے جس بحران سے دوچار ہے اس کا ازالہ ہو سکے گا''۔

امریکی فیچر کی اس عبارت میں پیش کردہ دور رس نتائج کے پیش نظر سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا ہم ایسا کر سکتے ہیں۔ کیا پاکستان کے افراد کو اپنے نظام خوراک کو جدید تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے پر آمادہ کیا جا سکتا ہے۔ کیا ہماری قوم آلو کی پیداوار میں اضافہ اور اس کی قیمتوں کو ایک عام آدمی کی قوت خرید کی سطح پر لا سکتی ہے۔ امریکہ اور پاکستانی ماہرین نے ان سوالوں کا جواب اثبات میں دیا ہے۔ انہوں نے کہا ہے کہ اگرچہ اس راستے میں ثبوت کی رکاوٹیں ہیں۔ تاہم وہ مطمئن ہیں۔ (ہانگ مور)

نیشنل ٹی بی ایسوسی ایشن آف پاکستان کی اطلاع کے مطابق ہر سال دو لاکھ پاکستانی صرف تپ دق سے مرتے ہیں اور مزید دس لاکھ ساتھ ہی اس مرض میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

جناب مسٹر ذاکر حسین صاحب گورنر مشرقی پاکستان نے انسداد دق وسل ایسوسی ایشن کے سالانہ اجلاس کا افتتاح کرتے ہوئے فرمایا کہ حکومت سرکاری ہسپتالوں میں ایک مریض پر دق کے علاج کے لیے چار ہزار روپے سالانہ خرچ کر رہی ہے۔ دق وسل کی وجہ سے ہر سال ایک ارب ساٹھ کروڑ کے قومی سرمایہ کا نقصان ہوتا ہے۔

ان مریضوں اور اخراجات کے اعداد وشمار کو سامنے رکھیئے اور پھر امریکہ کے شعبہ اطلاعات کی معرفت ان کے ماہرین نے پاکستان کو اناج کی قلت سے جو نجات دلانے کی تجویز پیش کی ہے کہ ''ہر پاکستانی اپنی روزانہ خوراک میں آلوؤں کا اضافہ کرلے'' کچھ افسوس نہیں ہے کیونکہ غیر ملکی جس طرح بھی چاہیں الٹے سیدھے مشورے دیتے رہتے ہیں مگر ہم کو بے حد افسوس اور سخت حیرت ہوئی جب یہ معلوم ہوا کہ پاکستانی ماہرین نے بھی اس تجویز کو صحیح تسلیم کرلیا اور وہ اس تجویز اور اس کے زیر عمل لاسکنے پر مطمئن ہیں۔

انتہائی تعجب کا مقام ہے کہ تمام پاکستان میں کوئی شخص نہ حکومت کے افسران اور مشیران میں اور نہ حکومت سے باہر غذا یا ماہر نباتات یا ایسا ڈاکٹر جو ماہر جسم انسانی ہو یا دق وسل (ٹی بی) کا ماہر نہیں پایا جاتا جو حکومت کو آگاہ کرے کہ امریکہ کی مندرجہ بالا تجویز اقتصادی نظریہ سے شاید صحیح ہو سکے (اگر چہ وہ بھی محل نظر ہے) لیکن طبی اور قومی صورت کے نقطہ نظر سے انتہائی مضر اور لایعنی تجویز ہے کیونکہ روزانہ آلو کھانے سے تھوڑے ہی عرصہ میں دق وسل (ٹی بی) ہو جاتا ہے۔ امریکہ والوں کا اس سے مقصد کیا ہے۔ اپنے ملک کی سرخ گندم میں جو انتہائی خشک ہے جس میں زمینی اور ریاحی مادے ہمارے ملک کی گندم سے سو فیصدی زیادہ ہیں کھلا کر بے شمار پاکستانیوں کو ٹی بی کا شکار نہیں بنایا؟ اور اب روزانہ آلو کھلا کر تمام پاکستان کو ٹی بی میں مبتلا کرنا چاہتے ہیں تاکہ امریکن دوائیں اور دیگر ضروریات زندگی پہلے کی نسبت پچاس گنا زیادہ بڑھ جائیں۔

جاننا چاہیے کہ آلو ایک ایسی نباتات ہے جس میں ارضی اور چونے کے اجزاء سوائے بینگن کے تمام سبزیوں سے بہت زیادہ پائے جاتے ہیں۔ ان کے صرف دو تین روز صبح اور شام کھانے سے پیٹ میں ریاح (بادی) کی کثرت، قبض کا مرض اور خشکی بڑھنا شروع ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد خشکی کی شدت سے کھانسی اور ہلکی حرارت شروع ہو جاتی ہے۔ جس سے ان کی وائٹل فورس (قوت مصلح بدن) اور امیونٹی (قوت مقابلہ مرض) دونوں کمزور ہو جاتی ہیں۔ پھر اس کے بعد دق سل (ٹی بی) کا حملہ ہو جاتا ہے۔ اس کا نتیجہ سب کے سامنے ہے یعنی علاج پر بے شمار خرچ اور پھر رفتہ رفتہ مریض موت کی آغوش میں ہمیشہ کے لیے سو جاتا ہے۔

اگر ہمارے اس بیان میں مبالغہ ہو تو کوئی بھی شخص امریکن سرخ گندم کے ساتھ صرف ہفتہ عشرہ صبح وشام آلو کھا کر دیکھ لے۔ اگر بغیر گندم کے صرف آلو کھائے تو نتیجہ اور بھی جلد سامنے آ جائے گا۔ حکومت کا فرض ہے کہ وہ امریکن اور پاکستانی ماہرین کو بلا کر ان کے سامنے تجربات کرا کے اعداد وشمار حاصل کرسکتی ہے۔ بلکہ بہتر ہوگا کہ ان ماہرین ہی کو تجربات کے لیے تختہ مشق بنایا جائے۔ ہم چیلنج کرتے ہیں کہ اگر ہمارے بیان میں مبالغہ ہو تو ہم ہرجانہ ادا کرنے کو تیار ہیں۔ بے شک ایسے تجربات ہمارے سامنے کرائے جائیں اور ان کا اخبارات میں اعلان بھی کرایا جائے۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ دق وسل (ٹی بی) کے مریضوں کو آلو کھلانا سخت مضر ہے۔ ان کو کھلا کر تجربہ کیا جاسکتا ہے۔ یہ تجویز تو بالکل ایسی ہے جیسے ایک بار ایک جرمن سائنس دان نے اپنے دشمنوں کو تباہ کرنے کے لیے یہ نظریہ پیش کیا تھا کہ جس قوم کو تباہ کرنا ہو۔ کشش سے چاند کو

کھینچ کر اس ملک پر پھینک دیا جائے لیکن وہ چاند کے قریب تر آنے کے عواقب اور خوفناک نتائج سے واصف نہ تھا۔ اس کو جب عواقب اور نتائج سے آگاہ کیا گیا تو اس دماغ ٹھکانے آ گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ گزشتہ دنوں صدر پاکستان جنرل محمد ایوب خان نے ایک پریس کانفرنس میں پروفیسر عنایت اللہ خان کی ایک کتاب کا تذکرہ کیا جو اقتصادیات پر لکھی ہوئی ہے۔ جس میں یہی مشورہ دیا ہوا ہے کہ جن ممالک میں گندم کی کمی ہو تو آلو کھلا کر اقتصادی طور پر گندم کو بچایا جا سکتا ہے۔ سربراہ حکومت کا تذکرہ تھا۔ فوراً آگ کی طرح ملک اور بیرون ملک میں پھیل گیا۔ پھر اس کے بعد صدر پاکستان نے پروفیسر صاحب سے ملاقات بھی کی۔ اس کا اور بھی چرچا ہوا اور اکثر اہل علم کو کتاب دیکھنے کا بھی شوق پیدا ہوا۔ کتاب کیسی ہے۔ اس پر تو ماہر اقتصادیات ہی لکھیں گے لیکن جہاں تک آلو کو بطور غذا روزانہ استعمال کرنا ہے۔ اس کا مقصد پاکستانی قوم کو تباہ کرنے کے مترادف ہوگا۔ ہم کبھی اس تجویز پر عمل کرنے کا مشورہ نہیں دیں گے۔

جہاں تک اقتصادی زاویہ نگاہ سے ملک میں غذا کے مسئلہ کا حل ہے اس کے لیے اور بھی کئی بہترین تجاویز پیش کی جا سکتی ہیں اور اگر حکومت چاہے تو بے ضرر متبادل غذائیں بھی تجویز کی جا سکتی ہیں۔ جو نہ صرف مفید ہو سکتی ہیں بلکہ سستی اور مقوی بھی ہو سکتی ہیں۔ لیکن نفسیاتی طور پر انسانی فطرت یہ ہے کہ افسر لوگ انہی کی باتیں سنتے ہیں جو ان کے اردگرد پھریں اور ان کی خوشامد کریں۔ صحیح علم اور حقیقت کی طرف دیکھنے کی کسی اور توفیق فرصت نہیں ہوتی۔ لیکن یہ امر بھی حقیقت سے خالی نہیں ہے کہ اہل علم اور ماہرین فن کبھی کسی کی نہ خوشامد کرتے ہیں اور نہ ان کو کوئی لالچ ہوتا ہے۔ البتہ ایک دنیا ان کے علم و فن سے ضرور مستفید ہوتی رہتی ہے۔

خوراک اور تپ دق

(از عبدالحمید لون ہیلتھ ایجوکیشن آفیسر نیشنل ٹی بی ایسوسی ایشن آف پاکستان، لاہور)

حسب وعدہ پچھلے شمارہ کے ''خوراک اور صحت'' کے زیر عنوان خوراک اور اس کے صحیح استعمال سے متعلق کچھ مزید عرض کرنا تھا لیکن حکیم صابر صاحب نے اپنا مضمون ''روزانہ آلو کھانے سے دق اور سل ہو جاتا ہے'' شائع کر کے مجھے میرا وعدہ ایفا نہیں کرنے دیا۔ کیونکہ مجھے مقصود یہی ہے کہ قارئین حضرات کو خوراک کے متعلق صحیح اور مفید معلومات بہم پہنچائی جائیں اور غلط اور بے بنیاد اطلاعات اور ہدایات کی تردید کی جائے کیونکہ اس معلومات سے قومی صحت کو خطرہ لاحق ہو جاتا ہے۔

آلو اور تپ دق سے متعلق مزید روشنی ڈال کر میں حکیم صاحب کے خیالات اور جذبات کو کچلنا یا ٹھیس پہنچانا نہیں چاہتا اور نہ ہی حکیم صاحب سے مجھے کوئی ذاتی عناد ہے۔ جس بنا پر میں ان کے مضمون کی تردید کر رہا ہوں۔ لیکن حقیقت کو عریاں کرنا۔ مصداق سے کام لینا اور صاف گوئی ہر بنی نوع انسان کا فرض ہے۔ خصوصاً اس وقت جبکہ کوئی انفرادی اختلاف کی وجہ سے اندھا دھند جذباتی رو میں بہہ کر اور دوسروں کو بھی غلط فہمی کا شکار بنا کر ایک نفسیاتی الجھن سے دوچار کر دیتا ہے۔

مزید برآں تپ دق کے متعلق صحیح اور عام فہم معلومات عوام الناس کے گوش گزار کرنا اس مرض کے اسباب، خاطر خواہ علاج اور احتیاطی تدابیر عوام تک پہنچانا میرا پیشہ ہے۔ میں اس موذی مرض سے اپنے عوام کو نجات دلانے کے لیے ہیلتھ ایجوکیشن ڈویژن نیشنل ٹی بی ایسوسی ایشن آف پاکستان کا انچارج ہوں۔ جس کا مقصد لوگوں میں اس مرض کا پرچار کرنا ہے تاکہ لوگ اس بیماری کو سمجھ سکیں اور اس کی روک تھام میں اپنی مدد آپ کر سکیں۔ اس بیماری کے متعلق جو غلط نظریات دلوں میں سمائے ہوئے ہیں کہ یہ موروثی ہوتی ہے یعنی باپ سے بیٹے کو لگ جاتی ہے۔ اس کا علاج نہیں ہو سکتا وغیرہ۔ ان کو دور کرنا ہے اور اس سلسلہ میں صحیح صورت حال سے آگاہ کرنا ہے۔

اس مقصد کے پیش نظر میرا میل جول تپ دق کے ماہرین سے عام ہے۔ ہسپتال کی ٹی بی وارڈز میں جانا' مریضوں سے گفتگو کے دوران میں ان کی انفرادی تکالیف اور ضروریات کو سمجھنا اور بیماری کی روک تھام اور علاج میں سہولت کے متعلق ہدایات کرنا میرا معمول ہے۔ علاوہ ازیں اس سلسلہ میں بیرونی ممالک سے ہماری خط وکتابت اور لین دین ہوتی رہتی ہے۔ اس موذی مرض سے نجات حاصل کرنے کے لیے جونئی ادویات اور تجربات غیر ممالک میں ہو رہے ہیں ان کی اپ ٹو ڈیٹ اطلاع ہم تک پہنچتی رہتی ہے۔ اس لیے ہم بہتر بتا سکتے ہیں کہ آلو کھانے سے تپ دق ہونے کا کہاں تک امکان ہے۔

اس سے پہلے کہ میں اپنی طرف سے کچھ عرض کروں میں حکیم صاحب کے فرمودہ غلط اور بے بنیاد خیالات کا اعادہ کرنا چاہتا ہوں۔ تا کہ جو اصحاب غلط فہمی میں مبتلا ہو چکے ہیں وہ اس کا ازالہ کر کے اپنے شک وشبہ کو دور کر لیں۔

اپنے عنوان کی سچائی میں وہ سب سے پہلے ''بانگ حرم'' کا حوالہ دیتے ہیں اگر اس تحریر پر نظر ثانی کریں تو معلوم ہوگا کہ ''بانگ حرم'' نے کہیں بھی آلو کا صحت انسانی اور خصوصاً دق کے متعلق نہیں لکھا: یہ لکھتا ہے کہ:

> ''آلو کی پیداوار میں اضافہ اور اس کی قیمت کو عام آدمی کی قوت خرید کی سطح پر لایا جا سکتا ہے''۔ اس کا مطلب اقتصادیات یا معاشیات سے ہے۔ نہ کہ جسمانی صحت سے یا طب سے۔

پھر لکھتے ہیں کہ:

> ''امریکہ کی تجویز طبی اور قومی صحت کے نقطۂ نظر سے انتہائی لغو ہے۔ کیونکہ روزانہ آلو کھانے سے تھوڑے ہی عرصہ میں دق اور سل ہو جاتا ہے۔ امریکہ والوں کا اس تجویز سے مقصد کیا ہے؟ اپنے ملک کی سرخ گندم جو انتہائی خشک ہے۔ جس کے عرضی اور ریاحی مادے ہمارے ملک کی گندم سے سو فیصدی زیادہ ہیں کھلا کر بے شمار پاکستانیوں کو ٹی بی کا شکار نہیں بنایا اور اب روزانہ آلو کھلا کر تمام پاکستان کو ٹی بی میں مبتلا کرنا چاہتے ہیں تا کہ امریکن دوائیں اور دیگر ضروریات زندگی پہلے کی نسبت دوگنا زیادہ بڑھ جائیں''۔

مذکورہ بالا عبارت سے پتہ چلتا ہے کہ حکیم صاحب کو امریکہ والوں سے کوئی ذاتی شکایت ہے۔ اس لیے تو کبھی ان کی گندم اور کبھی ان کی دواؤں کا ذکر کیا ہے۔ حالانکہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ مطلع رہے کہ لاہور کے انسٹی ٹیوٹ آف ہائی جین اینڈ پریونٹو میڈیسن میں پچھلے کئی سال سے امریکن گندم پر تجربات ہو رہے ہیں۔ جن کا نتیجہ وہ اس طرح لکھتے ہیں کہ پروٹین امریکن گندم میں پاکستانی سے ۲% سے ۳% زیادہ ہوتے ہیں۔

امریکن گندم میں کوئی بھی ایسی چیز فالتو نہیں یا زیادہ نہیں جو ہماری طبع کے خلاف ہو۔

اس عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ امریکہ والے ہمارے ملک میں دوائیں فروخت کر کے پیسہ بٹورتے ہیں۔ اور ہماری ضروریات زندگی کو بڑھاتے ہیں۔ یہ بات مہمل سی معلوم ہوتی ہے۔ بہر حال مجھے سیاسیات میں نہیں جانا۔ لیکن اتنا ضرور کہہ سکتا ہوں کہ امریکہ والے نہ صرف پاکستان میں بلکہ دنیا کے سب غیر ترقیاتی ممالک کی ہر سال کروڑوں ڈالر سے امداد کرتے ہیں تا کہ یہ ممالک اپنے آپ کو اقتصادی لحاظ سے مضبوط بنا سکیں۔ جس پر ان کی بقا کا انحصار ہے۔ اگر غور کیا جائے تو عنوان ''آلو کھانے سے تپ دق کا ہو جانا نہ کہ سیاسیات'' اقتصادیات یا معاشیات۔

اپنے عنوان کا سب سے بڑا طبی ثبوت دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

''آلو میں چونا یعنی کیلشیم سب نباتات سے زیادہ ہوتا ہے۔ ان کے صرف دو تین روز صبح و شام کھانے سے قبض اور خشکی بڑھنا شروع ہو جاتی ہے۔ جس سے آہستہ آہستہ تپ دق ہو جاتا ہے''۔

میں یہ نہیں کہتا کہ آلو میں چونا یا کیلشیم نہیں ہوتا۔ لیکن یہ ضرور کہوں گا کہ کیلشیم کا کام جسم میں ہڈیوں کو مضبوط کرنا ہے اور رکٹس کی بیماری کو روکنا ہے نہ کہ تپ دق پیدا کرنا اور یہ قبض بھی نہیں کرتے۔ کیونکہ یہ زود ہضم غذا ہے۔ اس کے متعلق مزید معلومات آپ کسی بھی حکیم یا ڈاکٹر سے حاصل کر سکتے ہیں۔ یہ کوئی بھی نہیں کہے گا کہ آلو اور تپ دق کا کہیں دور کا بھی واسطہ ہو۔ یاد رہے کہ آلو کا کیلشیم جسے حکیم صاحب تپ دق کی جڑ بتاتے ہیں۔ آلو میں نہ ہونے کے برابر ہوتا ہے۔

پھر حکیم صاحب روزانہ آلو کھانے پر زیادہ زور دیتے ہیں یعنی صبح دوپہر اور شام متواتر آلو ہی کھانا' یہ بات مجھے بڑی لغو اور بیہودہ سی معلوم ہوتی ہے کیونکہ دنیا میں کوئی بھی ذی روح ایسا نہیں جس کی غذا میں صرف ایک ہی چیز شامل ہو۔ امریکہ والوں نے یا اپنے ماہرین متعلقہ نے یہ بالکل نہیں کہا کہ صرف آلو ہی کھایا جائے کیونکہ کوئی چیز بھی مکمل غذا نہیں۔ جس سے کہ غذا کے ضروری اجزاء مثلاً پروٹین' چکنائی' کاربوہائیڈریٹ' سالٹ اور حیاتین سب بیک وقت حاصل ہوگی۔ صرف دودھ کو کہا جا سکتا ہے کہ چھوٹے بچوں کے لیے یہ ایک مکمل غذا ہے۔ آلو تو ہماری خوراک کا صرف معاون جز ہے۔

انسانی جسم کو پرورش پانے' پھلنے پھولنے اور قائم رہنے کے لیے خوراک کے سب ضروری اجزاء کی ضرورت ہوتی ہے۔ ان میں سے اگر ایک حصہ متواتر نہ ملے تو اس کی کمی کی وجہ سے جسم انسانی کو کوئی نہ کوئی بیماری لگ جاتی ہے۔ لہٰذا یہ ضروری ہے کہ ہمیں خوراک متوازن اور موزوں ملنی چاہیے۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ خوراک کے ضروری اجزاء بیک وقت ایک چیز میں مکمل اور مناسب نہیں مل سکتے۔ اس لیے ہماری روزانہ خوراک میں مختلف چیزیں شامل ہونا ضروری ہیں۔ یعنی گوشت' سبزی ترکاری' گھی' دودھ' انواع واقسام کے پھل اور میوہ جات وغیرہ۔ یہ ضروری نہیں کہ ہر روز اور ہر کھانے کے ساتھ یہ سب ہی کھائے جائیں۔ بلکہ کبھی کوئی اور کبھی کوئی۔ جیسے بھی موقع ملتا جائے۔ لیکن یہ نہیں ہونا چاہیے کہ کبھی بھی نہ کھایا جائے اور اپنی خوراک صرف دال روٹی ہی رکھی جائے۔ سبزیاں اگر اچھی طرح صاف کر کے کچی کھائی جائیں تو بہت ہی مفید ہوتی ہیں۔ ان میں گاجر' مولی' شلغم' ٹماٹر' بھنڈی توری اور اس قسم کی دوسری سبزیاں ہمیں آسانی سے دستیاب ہیں۔

آیئے ہم حقیقت کی کسوٹی پر پرکھتے ہوئے بنظر غائر موذی مرض تپ دق کے لگ جانے کی وجوہات کا مطالعہ کریں اور دیکھیں کہ اس کا آلو کے ساتھ کیا تعلق ہے۔

تپ دق ایک متعدی بیماری ہے جو ایک جراثیم سے لگتی ہے۔ جسے انگریزی میں ٹیوبرکلی بے سلس (TUBRCLE BACILLUS) کہتے ہیں۔ یہ جراثیم جہاں بھی انسانیت کا وجود موجود ہے پائے جاتے ہیں اور ہر وقت حملہ کرتے رہتے ہیں۔ جو بھی موزوں جگہ ملے وہاں ہی ڈیرہ ڈال لیتے ہیں۔ یعنی کمزور جسم جس میں جراثیم کے خلاف قوت مدافعت زیادہ نہیں ہوتی۔ وہ جسم' جس میں قوت مدافعت زیادہ ہوتی ہے وہ اس کا مقابلہ کرتا ہے اور بیماری پر قابو پالیتا ہے۔ پس کسی جسم میں جتنی زیادہ قوت مدافعت زیادہ ہوگی اتنا ہی جسم بیماری لگنے سے محفوظ ہوگا۔

قوت مدافعت کا انحصار ہماری جسمانی حالت پر ہے اور جسمانی حالت کا مضبوط اور کمزور ہونا خوراک اور اس کی غذائیت پر ہوتا ہے۔ اگر ہماری خوراک موزوں اور متوازن ہوگی تو لازمی طور پر قوت مدافعت تیز ہوگی اور ہم بیماری سے محفوظ رہیں گے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ کیا آلو میں تپ دق کے جراثیم موجود ہیں جو بیماری پیدا کرتے ہیں یا آلو میں ایسی چیزیں پائی جاتی ہیں جو قوت مدافعت کو کم کرتی ہیں۔ اگر آلو میں جراثیم بھی موجود ہوں اور قوت مدافعت کو کم کرنے والی چیزیں بھی ہوں تو بیماری کا ہو جانا لازمی ہے۔

موجودہ قوانین طب اور میڈیکل سائنس کی رو سے میں کہہ سکتا ہوں کہ آلو کیا کسی بھی سبزی وغیرہ میں دق کے جراثیم نہیں ہوتے۔ اگر یہ آلو وغیرہ میں رہیں تو انسانی جسم میں داخل ہوتے ہی مر جائیں کیونکہ انسانی جسم کی ساخت یعنی اس کی حرارت خون اور دیگر مواد جسمانی آلو کی ساخت سے بالکل مختلف ہیں اور کوئی بھی ذی حیات متضاد جگہ میں نہیں رہ سکتا۔

آلو ہمارے ملک کی موجودہ غذاؤں کا ایک ضروری معاون جزو ہے۔ سستا اور آسانی سے دستیاب ہونے کے علاوہ ہمارے جسم کی حرارت غریزی کے قائم رہنے میں بہت مدد دیتا ہے۔ وٹامن ''سی'' جو کہ جسم میں قوت مدافعت پیدا کرتا ہے۔ ماخورہ لگنے نہیں دیتا کہ علاوہ اس میں پروٹین' وٹامن ''بی'' آئرن اور کیلشیم ہوتے ہیں جو کہ خصوصاً اہل پاکستان کی غذائیت کے لیے بہت ہی مفید ہیں اور جسمانی ضروریات کے لیے نہایت ہی ضروری ہیں کیونکہ ان سے معدہ بیماریوں سے بچا رہتا ہے۔ خون درست رہتا ہے اور ہڈیاں کمزور نہیں ہونے پاتیں اور خاص کر یہ چھوٹے بچوں اور دودھ پلانے والی ماؤں کے لیے نہایت ہی مفید ہے۔

پس ظاہر ہوا کہ آلو میں نہ تو تپ دق پھیلانے والے جراثیم موجود ہیں اور نہ ہی قوت مدافعت کم کرنے والی چیزیں ہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ آلو کسی بھی حالت میں تپ دق نہیں پھیلا سکتے۔

آخر میں ہیلتھ ایجوکیٹر ہونے کی حیثیت سے میں حکیم انقلاب جناب ڈاکٹر صاحب سے پرزور احتجاج کروں گا کہ وہ اپنی غلط بیانی سے باز رہیں اور آئندہ کبھی بھی ایسی نازیبا حرکت نہ کریں اور اپنے بھولے بھائیوں کو غلط راستے پر نہ ڈالیں۔ ان کی تحریر کا یہ اثر ہوا کہ ہمارے کئی بھائیوں نے آلو کھانے ہی چھوڑ دیئے جو کہ ہماری روزانہ غذا کا ایک اہم جز ہیں۔ لوگوں کے دلوں میں ایسا غلط نظریہ قائم کرنا کسی بے گناہ کو بے دردی سے قتل کرنے کے مترادف ہے اور ایسے گناہ کبیرہ کو خدا کبھی بھی معاف نہیں کرے گا۔

میں یہ بھی کہوں گا کہ وہ انفرادی اور جذباتی ہونے کی وجہ سے ایسی فحش اور غلط بیانی سے کام لے کر اپنے آبائی پیشہ حکمت کے وارثوں کے نیک نام اور درخشاں چہرے کو ایک نہ دُھلنے والا سیاہ دھبہ ہرگز نہ لگائیں۔ جن کا سکہ سب خیریت ہے پر جما ہوا تھا۔ اور آج بھی لقمان اور ارسطو کے نام ان کی زبان پر ہیں اور وہ ان نیک ناموں کی عزت کرتے ہیں۔ میں خود بھی فرنگی طب کی نسبت اپنی طب یونانی کا زیادہ قائل ہوں۔ لیکن بے بنیاد اور غیر تجربہ شدہ جذباتی اور خود ساختہ لغویات کو ضرور رد کرتا ہوں۔ (باقی آئندہ)

❶ ماہنامہ ''خوراک'' لاہور کے شمارہ دسمبر ۱۹۵۹ء میں ایک مضمون ''خوراک اور تپ دق'' از جناب عبدالحمید لون ہیلتھ ایجوکیشن آفیسر نیشنل ٹی بی ایسوسی ایشن آف پاکستان لاہور' نظر سے گزرا جو میرے مضمون ''روزانہ آلو کھانے سے دق و سل ہو جاتا ہے'' کے خلاف لکھا ہوا ہے۔

کسی مضمون پر تنقید کرنا کوئی قابل اعتراض بات نہیں۔ مختلف معلومات اور مختلف تعلیم یا ذہن کے زیر اثر اکثر ایسا ہوتا رہتا ہے لیکن تنقید یا تردید کرنے کے بھی کچھ اصول و قوانین ہیں اور کچھ انداز ہیں۔ افسوس ہے کہ جناب لون صاحب نے ان تمام اصولوں کا ذرا خیال نہیں رکھا اور نہایت بھونڈے اور تحقیر آمیز لہجے میں اس کی تردید کی ہے۔ جو ایک صاحب علم اور ذمہ دار آدمی کے لیے زیبا نہیں۔

جناب عبدالحمید صاحب نے اپنا تعارف یوں کرایا ہے کہ ''میں اس موذی مرض (ٹی بی) سے اپنے عوام کو نجات دلانے کے لیے ہیلتھ ایجوکیشن ڈویژن ٹی بی ایسوسی ایشن آف پاکستان کا انچارج ہوں اور اپنے پیشے کے متعلق کہتے ہیں کہ ''تپ دق'' کے متعلق صحیح اور عام فہم معلومات عوام الناس کے گوش گزار کرنا ہی موذی مرض کا تعارف' پھیلنے کے اسباب' خاطر خواہ علاج اور احتیاطی تدابیر عوام تک پہنچانا میرا پیشہ ہے''۔ ساتھ ہی لمبے چوڑے مقاصد بھی بیان کیے ہیں۔ جو وہ ٹی بی کے متعلق انجام دیتے ہیں۔ وغیرہ وغیرہ

افسوس سے لکھنا پڑتا ہے کہ ایک ایسا ذمہ دار شخص جو ایک بلند تعلیمی محکمہ سے منسلک ہے اور ایک اعلیٰ فن سے تعلق رکھتا ہے اور ساتھ ہی

پورے ڈویژن کا انچارج ہے تنقید کرتے وقت اپنی پوزیشن کو بالکل ہی بھول جاتا ہے۔ حیرت ہے کہ ایسے آدمی کو ایسے منصب پر فائز کیسے کیا گیا ہے' جسے بات کرنے کا بھی سلیقہ نہیں۔ نہ معلوم جناب ان مریضوں سے کیسے باتیں کرتے ہوں گے جو بہت کم کسی کی بات برداشت کر سکتے ہیں۔ یقین نہ آئے تو مضمون منگوا کر پڑھ لیا جائے۔ عوام کی معلومات کے لیے چند جملے درج ذیل ہیں:

''اندھادھند جذباتی رو میں بہہ کر.......... میں حکیم صاحب کے فرمودہ اور غلیظ اور بے بنیاد خیالات کا اعادہ کرنا چاہتا ہوں۔ وہ اپنی غلط بیانی سے باز رہیں اور آئندہ کبھی بھی ایسی نازیبا حرکت نہ کریں۔ وہ انفرادی اختلافات اور جذباتی ہونے کی وجہ سے ایسی فحش اور غلط بیانی سے کام لے کر اپنے آبائی پیشہ حکمت کے نامور اور درخشاں چہرے کو نہ دُھلنے والا سیاہ دھبہ نہ لگائیں...... بے بنیاد اور غیر تجربہ شدہ جذباتی اور خود ساختہ لغویات وغیرہ وغیرہ''۔

اس کے ساتھ ساتھ جناب لون صاحب کا یہ بھی قول ہے کہ ''میں حکیم صاحب کے خیالات اور جذبات کو کچلنا یا ٹھیس نہیں پہنچانا چاہتا اور نہ ہی حکیم صاحب سے مجھے ذاتی عناد ہے''۔ اگر خدانخواستہ یہ صورت ہوتی تو نہ معلوم جناب لون صاحب کیا زبان استعمال فرماتے اور کیا سلوک فرماتے۔ خیر اس بیان سے میرا مقصد ان کا صحیح تعارف کرانا ہے کہ جناب لون صاحب کتنی اخلاقی سطح پر ہیں۔ اب اس کے دوسرے پہلو کی طرف آتا ہوں جو علمی ہے اور جن سے قارئین کو ان کی فنی اور علمی قابلیت کا اندازہ ہوگا کہ وہ تپ دق وسل کیا ان کے مبادیات تاسیہ سے بے خبر ہیں۔

سب سے پہلی بات یہ ہے کہ لون صاحب نہ حکیم ہیں نہ ڈاکٹر اور نہ ہی سائنس کے کسی شعبہ سے مستند ہیں کیونکہ ان کے نام سے پہلے یا آخر میں کوئی ایسی علامت نہیں اور نہ ڈگری تحریر ہے۔ جس سے ثابت ہو کہ وہ کسی شعبہء خاص مثلاً علم نباتات' علم کیمیا' علم زندگی' علم ماہیت امراض' علم منافع الامراض' علم خواص الاشیاء میں فاضل ہیں۔ پھر ان کو کیا حق حاصل ہے کہ ان علوم پر بحث کریں۔ وہ محض ایک عددی شخص ہیں۔ علم وفن میں ان کا کوئی مقام نہیں اور اگر وہ ان علوم میں کچھ دسترس رکھتے بھی ہیں تو اب ہمارا فرض ہے کہ ان کو جواب الجواب دیں تاکہ قارئین اندازہ لگا سکیں کہ وہ ان علوم میں کہاں تک عوام کی رہنمائی کر سکتے ہیں اور ان کی زندگی کے لیے مفید ہو سکتے ہیں۔

سب سے پہلے یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ ہر علم وفن کا کوئی معیار ہونا چاہیے۔ ذاتی خیالات یا دعویٰ کوئی چیز نہیں۔ کسی بات کو صرف اسی وقت تسلیم کیا جا سکتا ہے جب اس کے ساتھ کوئی دلیل یا سائنسی تجربہ ثبوت میں پیش کیا جا سکے۔ ہم اس مقصد کے لیے عقل اور فطرت کو بطور دلیل اور سائنسی تجربہ پیش کرتے ہیں اور جناب لون صاحب اور ان کے دوسرے لوگوں کو بھی دعوت دیتے ہیں کہ وہ بھی کسی قانون کے تحت جواب دیں۔

اقتصادی اور معاشی پہلو

گو ہم نے اپنے مضمون میں روزنامہ ''بانگ حرم'' کے مضمون کا اس پہلو سے کہیں ذکر نہیں کیا کہ اس نے بھی آلو کا صحت انسانی سے خصوصاً دق سے کوئی تعلق ہے' کے متعلق لکھا ہے مگر ان صاحب نے محض غلط فہمی پیدا کرنے کے لیے اس کا ذکر دیا ہے مگر روزنامہ ''بانگ حرم'' کا فقط ادبی اور معاشی تبصرہ اپنے اندر حقیقت رکھتا ہے کہ آلو کی قیمت موسم میں آٹھ آنے سیر اور بعد میں روپیہ' ڈیڑھ روپیہ سیر ہوتی ہے۔ اس کی یہ حالت اس وقت ہے۔ جبکہ پاکستانی عوام محض اس کو بطور سالن استعمال کرتے ہیں۔ بطور غذا استعمال کرنے کی صورت میں گھر جس کے آٹھ دس افراد ہوں کو دو تین سیر آلو خریدنا پڑیں گے اور اس طرح تقریباً ۱۰۰ روپیہ ماہانا خرچ بڑھ جائے گا۔ اس کا علاج یہ ہے کہ آلو کی پیداوار میں

اضافہ کر کے اس کی قیمت کو عام آدمی کی قوت خرید کی سطح پر لایا جائے۔ آلو کے بیج خریدنے پر امریکہ میں کروڑوں روپیہ پہنچ جائے گا اور پھر امریکن آلو اور بھی گراں ہوگا۔ ملکی فصل کو نقصان پہنچے گا۔

آلو گیہوں سے ہمیشہ گراں اور طاقت میں کم ہے، ساتھ ہی یہ بھی ممکن ہے کہ امریکن گندم کی طرح امریکن آلوؤں میں بھی کوئی بیماری ہو، یعنی اس میں گندھک اور روغنی اجزاء بہت کم اور کیلشیم اور زیادہ پائی جاتی ہے جو ہمارے گرم خشک ملک کے لیے نقصان دہ ہے۔ جب سے ہمارے ملک میں امریکن گندم آئی ہے ٹی بی کا مرض بڑھ گیا ہے۔ میں لون صاحب کو چیلنج کرتا ہوں کہ وہ ثابت کریں کہ امریکن سرخ گندم اور پاکستانی گندم میں کوئی فرق نہیں اور دونوں اپنے افعال و اثرات میں بالکل یکساں ہیں۔ یاد رکھو آلو کی پیداوار میں اضافہ پاکستان کے لیے ضرر رساں ہے۔ اس سے ایک طرف زمین ضائع ہوگی دوسری طرف ٹی بی بڑھے گی اور پھر اس کی قوت خرید پر قابو نہیں پایا جاسکے گا۔

امریکہ والوں سے ذاتی شکایت

لون صاحب لکھتے ہیں کہ حکیم صاحب کو امریکہ والوں سے کوئی ذاتی شکایت ہے جو کبھی ان کی گندم اور کبھی دواؤں کا ذکر کیا ہے۔ جناب لون صاحب مجھے امریکہ سے کیا شکایت ہوسکتی ہے۔ میں نے ان سے کبھی امداد نہیں مانگی۔ سیر کی خواہش نہیں کی۔ کوئی وظیفہ طلب نہیں کیا ان کے سفارت خانے پر جا کر بھیک نہیں مانگی جو انکار پر ان کے خلاف لکھ دیا ہو۔ میں تو ایک سچا پاکستانی ہوں اور یہ میری حب الوطنی کا تقاضہ ہے کہ ہر اس چیز کا مقابلہ کروں جو میرے پیارے ملک کو نقصان پہنچانے والی ہو۔ زبان سے، قلم سے اور ان شاء اللہ تا زندگی یہ خدمت کرتا رہوں گا۔

پاکستانی اور امریکن گندم

جناب لون صاحب لکھتے ہیں کہ ''لاہور کے انسٹیٹیوٹ آف ہائی جین میں کئی سال سے امریکن گندم پر تجربات ہو رہے ہیں جن کا نتیجہ وہ اس طرح لکھتے ہیں کہ پروٹین امریکن گندم میں پاکستانی گندم سے ۲% سے ۳% زیادہ ہوتی ہے۔ امریکن گندم میں ایسی کوئی بھی چیز فالتو نہیں یا زیادہ نہیں جو ہماری طبع کے خلاف ہو''۔

میں اس پر یہ تو نہیں کہتا کہ ''کم علم را عقل نباشد'' مگر جناب لون صاحب سے گزارش کروں گا کہ وہ اس تحقیق کا (امریکن گندم میں پاکستانی گندم) سے ۲% سے ۳% تک پروٹین زیادہ ہے، ہمارے بیان سے کہ اپنے ملک امریکہ کی سرخ گندم جو انتہائی خشک ہے۔ جس کے ارضی اور ریاحی مادے ہمارے ملک کی گندم سے ۱۰۰% زیادہ ہیں۔ کھلا کر بے شمار پاکستانیوں کو ٹی بی کا شکار نہیں بنایا۔ موازنہ کریں اور بتائیں کہ ان میں کیا فرق ہے۔

مزید وضاحت کے لیے ذرا پروٹین پر غور کریں۔ آپ کی معلومات کے لیے لکھے دیتے ہیں کہ پروٹین کے معنی ہیں اجزائے لحمیہ یعنی ایسے اجزاء جن میں گوشت کے اثرات پائے جاتے ہیں۔ جن کا صاف مطلب یہ ہے کہ ان میں تیزابیت اور ریاحی مادوں کی کثرت ہے۔ جو جوش خون کو زیادہ کرتے ہیں۔ ایک ہائی بلڈ پریشر کا مریض اچھی طرح جانتا ہے کہ پروٹین اس کے لیے زہر قاتل سے کم نہیں ہے۔ ٹی بی کے مریضوں میں ہائی بلڈ پریشر زیادہ ہوتا ہے اور پروٹین کی تیزابیت پھیپھڑوں میں زخم ڈال دیتی ہے اور یہ سب چیزیں اسی سرخ گندم میں پائی جاتی ہیں۔ جادو وہ جو سر پر چڑھ کر بولے۔

حکومت کو امریکن گندم پر اس قدر تجربات کرانے کی کیا ضرورت تھی۔ صرف دونوں کے رنگوں پر ہی غور کر لیا ہوتا اور کسی (Colour Sepecialist) سے ہی پوچھ لیا ہوتا۔ ہم جناب لون صاحب کی معلومات کے لیے عرض کیے دیتے ہیں کہ پاکستانی گندم کا رنگ زرد ہے جس میں گندھک (سلفر) کی زیادتی ہے اور امریکی گندم کا رنگ سرخ ہے جس میں فیرم کی زیادتی ہے۔ اوّل الذکر خود ہاضم اور دافع ریاح ہے اور ثانی الذکر مولد ریاح اور خرابیٔ ہضم ہے۔ اگر میری اس تحقیق میں غلطی ہو تو میں آپ کو اور امریکہ کے تمام سائنس دانوں کو چیلنج کرتا ہوں کہ میری اس تحقیق کو غلط ثابت کرنے والے کو پانچ صد روپیہ انعام دوں گا ورنہ یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ امریکن گندم ہمارے ملک میں ٹی بی کا باعث ہوئی ہے۔ میں جناب لون صاحب کی اطلاع کے لیے عرض کیے دیتا ہوں اور تحدیث نعمت کے طور پر کہ غذا یا خواص الاشیاء کے متعلق پاکستان ہندوستان میں میرے جیسا علم رکھنے والا شاید کوئی نہ ہو۔ آپ کو اس بارہ میں میرے علم کا صحیح اندازہ نہیں۔ ایک طرف تو آپ مان رہے ہیں کہ امریکن گندم میں پروٹین (اجزائے لحمیہ یعنی تیزابیت بہت اور ریاحی مادے) زیادہ ہیں دوسری طرف یہ بھی دعویٰ ہے کہ اس میں کوئی چیز فالتو یا زیادہ نہیں ہے۔ اس سے آگے پھر ذرا اس امر پر بھی روشنی ڈالیں کہ ان (پاکستانی اور امریکن گندم) کے رنگوں میں فرق کیوں ہے اور پھر افعال واثرات میں کیا تفاوت ہے۔

امریکہ اور ضروریاتِ زندگی

جناب لون صاحب نے اس بات کو کہ ''امریکہ والے ہمارے ملک میں دوائیں فروخت کر کے پیسے بٹورتے اور ہماری ضرورت کو بڑھاتے ہیں'' کو بہل قرار دیا ہے۔ جناب لون صاحب اگر علم اقتصادیات سے ذرا بھی واقف ہوتے تو ایسی بات نہ کہتے جس کا پہلا قانون یہ ہے کہ: ضرورت تقسیم اور پیدائش۔

یعنی جب تک ضرورت پیدا نہ کی جائے مال کی کھپت کیسے ہو سکتی ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ یہاں پہلے امریکی ماہرین آ کر ضروریات پیدا کرتے اور پھر مہیا کرتے ہیں۔ دواؤں کا معاملہ کوئی معمولی معاملہ نہیں ہے۔ ہر سال اسی سلسلہ میں کروڑوں روپیہ امریکہ جا رہا ہے اور لطف یہ ہے کہ یہ سب دوائیں غیر یقینی ہیں۔ جب ان کے اپنے ملک میں فائدہ نہیں کرتیں تو یہاں کیا فائدہ دیں گی۔ اس سلسلہ میں ایک مثال پیش کرتا ہوں۔ آج تک ہمارے ملک میں یہ ضرورت پیدا کر دی گئی ہے کہ یہاں کی آبادی کثرت سے بڑھ رہی ہے اور اس کے لیے غذا اور کنٹرول کی ضرورت ہے۔ غذا کے لیے امریکہ نے آلو استعمال کرنے پر زور دیا ہے تاکہ امریکن آلو یہاں استعمال کرایا جائے اور کثرت پیدائش کے لیے برتھ کنٹرول پر زور دیا جا رہا ہے۔ جس کے لیے امریکن دوائیں اور جنسی آلات آئیں گے اور ملک کا کروڑوں روپیہ خرچ ہوگا۔ امریکہ ایک تجارتی ذہن کا ملک ہے۔ وہ اگر ایک طرف ایک ارب روپیہ مالی امداد کے طور پر دیتا ہے تو دوسری طرف مختلف طریقوں سے ڈیڑھ ارب روپیہ کی دولت کما لیتا ہے۔ لون صاحب لکھتے ہیں: ''بہر حال مجھے سیاسیات میں نہیں جانا'' جناب لون صاحب آپ یہاں پر بھی غلطی کر رہے ہیں۔ کوئی محبِّ وطن، وطن کی دولت کو برباد ہوتے ہوئے دیکھ سکتا۔ کمیونسٹ قسم کے افراد دوسرے محبِّ وطن افراد سے زیادہ ملک و قوم کے لیے محبت نہیں رکھتے۔ مارشل لاء حکومت کے وزراء اور امراء کا کیریکٹر آپ کے سامنے ہے۔

امریکہ اور غیر ترقیاتی ممالک کی امداد!

جناب لون صاحب امریکہ کی تعریف میں لکھتے ہیں کہ ''لیکن اتنا ضرور کہہ سکتا ہوں کہ امریکہ والے نہ صرف پاکستان ہی بلکہ دنیا کے

سب غیر ترقیاتی ممالک کی ہر سال کروڑوں ڈالر سے امداد کرتے ہیں۔ تا کہ یہ ممالک اپنے آپ کو اقتصادی لحاظ سے مضبوط بنا سکیں۔ جس پر کہ قومی صحت کا انحصار ہے''۔ اس کے متعلق کیا عرض کیا جائے۔ جناب لون صاحب کو معلوم ہونا چاہیے کہ امریکہ ایک سامراجی ملک ہے وہ کسی غیر ترقیاتی ملک کی امداد کیا کرے گا۔ وہ مال اور دولت بعد میں لگاتا ہے اور ان ممالک کے ذرائع آمدنی کو پہلے قابو میں کر لیتا ہے۔ آخر میں یہ عرض کیے بغیر نہیں رہا جاتا کہ جب ہم غیر ترقی یافتہ ملک تھے۔ ہمارے ملک میں ٹریکٹر نہیں بلکہ دیسی ہل چلتے تھے۔ اس وقت گندم ڈیڑھ دو روپے من بکتی تھی۔ گھی روپیہ سیر بکتا تھا۔ اور آج جبکہ بناسپتی گھی کی فیکٹریاں لگ گئی ہیں۔ دیسی گھی چھ سات روپے سیر بکتا ہے اور وہ بھی خالص نہیں ہوتا۔ آخر خالص گھی مل بھی کیسے سکتا ہے۔ جبکہ ملک کا بنولہ گائے بھینس کے پیٹ میں جانے کے بجائے مشین کے پیٹ میں چلا جاتا ہے۔ اور بناسپتی گھی بن جاتا ہے۔ خالص چیز انسان اور حیوان کو میسر نہیں آتی۔ ٹی بی کی بیماری اسی وجہ سے پھیل رہی ہے کہ خالص خوراک چراغ لے کر ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملتی۔

❷ جناب لون صاحب اپنے عنوان کا سب سے بڑا طبی ثبوت دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ''آلو میں چونا یعنی کیلشیم سب نباتات سے زیادہ ہوتا ہے۔ ان کے صرف دو تین روز صبح شام کھانے سے قبض کا مرض اور خشکی بڑھنا شروع ہو جاتی ہے جس سے آہستہ آہستہ تپ دق لگ جاتا ہے''۔ اس اعتراض کا جواب دیتے ہوئے جناب لون صاحب تحریر فرماتے ہیں:

''میں یہ نہیں کہتا کہ آلو میں چونا یا کیلشیم نہیں ہوتا لیکن یہ ضرور کہوں گا کہ کیلشیم کا کام جسم میں ہڈیوں کو مضبوط کرنا ہے اور رکٹس کی بیماری کو روکنا ہے نہ کہ تپ دق پیدا کرنا اور پھر آلو قبض کبھی نہیں کرتے' کیونکہ یہ زود ہضم غذا ہے۔ اس کے متعلق مزید معلومات آپ کسی حکیم یا ڈاکٹر سے کر سکتے ہیں۔ یہ کوئی بھی نہیں ہے کہ آلو کا تپ دق سے کہیں دور کا بھی واسطہ ہو۔ یاد رہے کہ آلو کا کیلشیم جسے حکیم صاحب تپ دق کی جڑ بتلاتے ہیں آلو میں نہ ہونے کے برابر ہے''۔

اس کا نام ہے ایک بام اور دو ہوا۔ ایک طرف تو لون صاحب اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ آلو میں کیلشیم ہوتا ہے اور دوسری طرف فرماتے ہیں کہ آلو کا کیلشیم نقصان نہیں دیتا۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ حق کو جھٹلایا جا سکے۔ اس طرح لکھ کر وہ اہل علم و فن کی آنکھوں میں دھول نہیں جھونک سکتے۔ کیلشیم ایک عنصر ہے وہ جہاں بھی پایا جائے گا اور جس قسم کا بھی ہو گا یعنی خواہ جماداتی ہو یا نباتاتی یا حیوانی بہرحال کیلشیم ہی کہلائے گا۔ اور اس میں کیلشیم کے اثرات و افعال پائے جائیں گے۔ جناب لون صاحب کوئی بھی کتاب الادویہ (میٹریا میڈیکا) اٹھا کر دیکھ لیں۔ اس میں صاف لکھا ہو گا کہ کیلشیم قابض ہے۔ نہ صرف قابض بلکہ حابس ہے۔ یعنی قبض کرنے کے ساتھ ساتھ ہر قسم کی رطوبات کو روکتا ہے۔ بلکہ پیدائش کو بھی روکتا ہے۔ اس کے استعمال سے نہ صرف پاخانہ قبض ہو جاتا ہے بلکہ پیشاب بھی رک جاتا ہے اور ہر قسم کی رطوبات کی پیدائش بھی بند کر دیتا ہے۔ ہم کسی کتاب کا حوالہ پیش نہیں کرتے تا کہ لون صاحب! غیر مستند نہ قرار دے دیں۔ وہ کسی کتاب کے حوالے سے خواہ وہ کسی امریکن ہی کی لکھی ہوئی ہے یہ ثابت کر دیں کہ اس میں کیلشیم کو قبض کشا اور مخرج رطوبات نہیں لکھا ہے۔ وہ اگر یہ ثابت کر دیں تو ہم جناب لون صاحب کو مبلغ ایک ہزار روپیہ انعام دیں گے کیونکہ حق کو جھٹلانا آسان نہیں۔

جناب لون صاحب خود تسلیم کرتے ہیں کہ چونا ہڈیوں کو مضبوط کرتا ہے اور رکٹس کو روکتا ہے۔ ہڈیاں ایک خشک عضو ہیں اور جب ان میں چونا کم ہو جاتا ہے تو ان کی سختی کم ہو جاتی ہے تو وہ کمزور ہونے کے ساتھ ساتھ ٹیڑھی ہو جاتی ہیں۔ اسی حالت کا نام رکٹس ہے۔ گویا انہوں نے خود یہ ثابت کر دیا ہے کہ چونا ہڈیوں جیسے خشک اعضاء کو سخت کر دیتا ہے اور جب یہی چونا خون میں اثر کرتا ہے تو اس کو گاڑھا کر دیتا ہے۔ اور جب گوشت (مسلز) میں اثر کرتا ہے تو ان کو بھی ہڈیوں کی طرح سخت کر دیتا ہے' اور اس کی لچک کو ختم کر دیتا ہے۔ جس کے نتیجہ میں خون کا

دباؤ بڑھ جاتا ہے اور دل سکڑنا شروع ہو جاتا ہے اور آخر کار انسان دق دمہ اور دائمی قبض کا شکار ہو جاتا ہے۔ آیورویدک میں چونا وات اور وایو پیدا کرتا ہے۔ اور کف کو ختم کرنے والا ہے۔ یعنی ریاح پیدا کرتا ہے اور بلغم کو فنا کر دیتا ہے۔ طب یونانی میں اس کو قابض۔ حابس اور مولد ریاح لکھتے ہیں اور نتیجہ میں سودا پیدا کرتا ہے۔ یہاں تک کہ انسان پاگل ہو جاتا ہے۔ آلو اور امریکن سرخ گندم میں جو کیلشیم پایا جاتا ہے۔ اس میں کیلشیم کی یہ تمام برائیاں پائی جاتی ہیں۔ کیا مسٹر لون صاحب کو جرأت ہے کہ وہ ثابت کر دیں کہ آلو اور سرخ گندم میں یہ تمام نہیں پائی جاتیں؟

جناب لون صاحب لکھتے ہیں کہ آلو زود ہضم ہے۔ واہ کیا مزے کی بات کہی ہے۔ گویا لون صاحب کو یہ بھی پتہ نہیں کہ زود ہضم کس بلا کو کہتے ہیں۔ جناب زود ہضم اس غذا کو کہتے ہیں کہ جو کھانے کے بعد اعضاء غذائیہ کو نقصان پہنچائے بغیر ہضم ہو جائے اور وہ صالح خون پیدا کرے۔ اس تعریف کے برعکس آلو سخت مولد ریاح، قابض، حابس اور جگر کے فعل کو کمزور کر دیتے ہیں۔ صرف ایک بار کھانے سے تبخیر پیدا کر دیتے ہیں۔ پھر زود ہضم کیسے قرار دیئے جا سکتے ہیں۔ اگر تھوڑی دیر کے لیے ان کو زود ہضم بھی فرض کر لیں تو پھر بھی دودھ سے زیادہ زود ہضم نہیں ہیں۔ جس میں کیلشیم کے ساتھ روغنی اجزاء بھی ہوتے ہیں۔ پھر بھی جن لوگوں کو تبخیر کا مرض ہوتا ہے ان کو دودھ جیسی زود ہضم غذا روک دی جاتی ہے۔ اس کے مقابلے میں آلو جیسی ثقیل غذا جس میں نام کو روغن نہیں پایا جاتا۔ اس کا نقصان کس قدر ہوگا۔ اس کا اندازہ اہل علم خود کر سکتے ہیں۔ ان حقائق سے پتہ چلتا ہے کہ جناب لون صاحب صحیح علم سے کس قدر دور ہیں۔

جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے۔ جناب لون صاحب آخر میں یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ ''آلو کا کیلشیم جسے حکیم صاحب دق کی جڑ بتلاتے ہیں۔ آلو میں نہ ہونے کے برابر ہے''۔ گویا پایا ضرور جاتا ہے۔ گویا کم بہت کم۔ جناب لون صاحب آپ صرف تپ دق کے لیے گھبرا اٹھے ہیں۔ ہم تو یہاں تک لکھ دیتے ہیں کہ آلو اور امریکن سرخ گندم کے کھانے سے تپ دق کے علاوہ دائمی قبض، تبخیر، دوران سر، بواسیر اور ہائی بلڈ پریشر کے ساتھ ساتھ سوداویت کی زیادتی سے خون گاڑھا اور خراب ہو جاتا ہے۔ آپ کے امریکن سائنس دان اور ڈاکٹر بھی اس کا جواب نہیں دے سکتے۔

آگے چل کر جناب لون صاحب لکھتے ہیں کہ ''حکیم صاحب روزانہ آلو کھانے پر زور دیتے ہیں۔ یعنی صبح، دوپہر، شام آلو ہی کھانا یہ بات مجھے بڑی لغو اور بیہودہ سی معلوم ہوتی ہے کیونکہ دنیا میں کوئی بھی ذی روح ایسا نہیں ہے جس کی غذا میں صرف ایک ہی چیز شامل ہو۔ امریکہ والوں نے یا اپنے ماہرین متعلقہ نے یہ بالکل نہیں کہا کہ صرف آلو ہی کھایا جاتا۔ کیونکہ کوئی چیز بھی مکمل غذا نہیں ہے۔ جس سے غذا کے ضروری اجزاء مثلاً پروٹین، کاربوہائیڈریٹ، سالٹ اور حیاتین سب بیک وقت حاصل ہو سکیں، صرف دودھ کو کہا جا سکتا ہے کہ چھوٹے بچوں کے لیے یہ ایک مکمل غذا ہے۔ آلو تو صرف ہماری خوراک کا معاون ہے''۔

جناب لون صاحب آپ مجھ پر الزام کیوں لگاتے ہیں۔ میں آلو کھانے پر زور دیتا ہوں کہ وہ صبح، دوپہر اور شام آلو ہی کھائے جائیں۔ میں تو اس امر کی مخالفت کر رہا ہوں واقعی اگر میں ایسا کہوں تو یہ بڑی لغو اور بیہودہ بات ہوگی۔ جناب یہ تو آپ کے ولی نعمت امریکہ والوں کی طرف سے کہی گئی۔ جن کی میں مخالفت کر رہا ہوں۔ آپ صاف غلط بیانی فرما رہے ہیں اور امریکہ والوں کی حمایت کر رہے ہیں اور لکھ رہے ہیں کہ امریکہ والوں نے یا اپنے ماہرین متعلقہ نے یہ بالکل نہیں کہا کہ صرف آلو ہی کھایا جائے۔ اگر آپ کو یہ سب کچھ بھول گیا ہے تو کہنا پڑے گا کہ دروغ گورا حافظہ نباشد...... جناب لون صاحب! آپ ذرا امریکی شعبہ اطلاعات کے فیچر کا مطالعہ فرمائیں۔ جس میں صاف کہا گیا ہے کہ ''دعویٰ تعجب خیز ضرور ہے۔ تاہم اس میں مبالغہ آمیزی کو چنداں دخل نہیں ہے۔ کیونکہ ڈیڑھ اونس فی کس روزانہ آلو کی خوراک بڑھانے کے یہ معنی ہیں کہ آٹھ کروڑ کی آبادی دس لاکھ ٹن سالانہ آلو کھائے۔ اس طرح دل لاکھ ٹن غلے کی سالانہ لاگت سے نجات مل جائے گی''۔

فرمایئے لون صاحب معلوم ہوا کہ روزانہ آلو کھانے کے لیے ہم نہیں کہہ رہے بلکہ امریکہ زور دے رہا ہے۔ کیونکہ اس سے اس کو کئی فوائد حاصل ہوں گے۔ بیج کی فروخت' دواؤں کی برآمد۔

جہاں تک مکمل غذا کا تعلق ہے۔ اس کی حقیقت سے نہ آپ واقف اور نہ امریکہ والے۔ مسئلہ غذا میں یہ اہمیت نہیں ہے کہ اس میں پروٹین، فیٹس (چکنائی) کاربوہائیڈریٹ (نشاستہ) سالٹ ونمکیات' کسی مقدار میں ہوں۔ بلکہ غذا میں اہمیت اس امر کی ہے کہ اس سے بدن میں حرارت کس قدر پیدا ہوتی ہے۔ اس مقصد کے لیے ان امور کی طرف بھی دھیان دینا پڑتا ہے کہ حرارت پیدا کرنے والے اجزاء کون سے زیادہ ہیں اور کون سے اجزاء حرارت (ہیٹ) کو کم کرنے والے ہیں اور بدن کی حرارت کو قائم کون سے اجزاء رکھتے ہیں۔

جاننا چاہیے کہ غذا میں جو اجزاء حرارت کو زیادہ پیدا کرتے ہیں جیسے فیٹس (روغنی اجزاء) یہ اغذیہ کو ہضم کرنے کے لیے جسم میں حرارت پیدا کرنے کے ذمہ دار ہیں۔ ایسی غذا میں آکسیجن زیادہ ہوتی ہے۔ ایسی غذا کو ہم قوت طبعی (پاور) کہتے ہیں۔ اور جو اجزائے اغذیہ جسم میں رطوبت پیدا کرتے ہیں جیسے کاربوہائیڈریٹس (اجزائے نشاستہ) یہ اجزاء اپنے ہضم ہونے میں حرارت کے محتاج ہیں۔ گویا حرارت کو خرچ کر کے اس کو کم کرتے رہتے ہیں۔ ایسے اجزاء میں ہائیڈروجن زیادہ پائی جاتی ہے۔ ان کو طاقت (انرجی) کا نام دیتے ہیں۔ تیسرے ایسے اجزائے اغذیہ جسم میں پیدا شدہ حرارت کو قائم رکھتے ہیں جیسے اجزائے لحمیہ' ایسے اجزاء اپنے ہضم میں اگرچہ زیادہ حرارت کے محتاج نہیں ہوتے لیکن حرارت کو یہ بھی ایک حد تک خرچ کرتے ہیں اور جسم میں جوش وخروش پیدا کر کے حرارت اور خون کو جسم میں دور دور تک پھیلاتے ہیں۔ ان میں کاربن زیادہ پائی جاتی ہے۔ ان کو ہم جرأت (فورس) کہتے ہیں۔

جب جسم میں حرارت کی کمی واقع ہوتی ہے تو لازمی امر ہے کہ یا تو انرجی بڑھ جائے گی یا فورس زیادہ ہو جائے گی۔ اوّل صورت میں جسم نرم اور پلپلا ہو جائے گا اور بلغمی امراض پیدا ہو جائیں گے اور دوسری صورت میں فورس بڑھ جائے گی۔ جس سے جسم میں کاربن وریاح اور تبخیر زیادہ ہو کر جسم ایسڈیٹی (ترشی) میں تبدیل ہو جائے گا۔ جس سے جسم میں سوزش اور خشکی نمودار ہو جائے گی۔ نتیجہ میں جسم دبلا اور خون گاڑھا ہو جائے گا۔ یہی وہ صورت ہے جب ٹی بی کی ابتداء ہوتی ہے۔ چونا کیمیائی طور پر ایسا سمجھا جا سکتا ہے کہ وہ ایک ایسی کھار (الکلی) ہے جس میں کاربانک ایسڈ گیس میں تبدیل ہو جانے کی زبردست صلاحیت ہے۔ اس میں نہ ہائیڈروجن اجزاء ہیں اور نہ آکسیجن پائی جاتی ہے۔ گویا یہ ایک قسم کی اہم تیزابیت کا مظہر ہے۔ جن لوگوں کے جسم میں اس کی زیادتی پائی جاتی ہے ان کے جسم انتہائی خشک' دبلے' پتلے' قبض اور بواسیر کے دائمی مریض' ریاح وتبخیر میں مبتلا اور آخر کار تپ دق میں گرفتار ہو کر اس دنیا کو ہمیشہ کے لیے خیر باد کہہ دیتے ہیں۔

پان کھانے والوں کو دیکھا گیا ہے کہ جو چونا زیادہ کھاتے ہیں ان کے مسوڑھے گل جاتے ہیں اور دانتوں کا انیمل (چمک) اتر جاتا ہے اور ان کے جسم میں چونا کی زیادتی کی تقریباً تمام علامات نمایاں طور پر پائی جاتی ہیں۔

فاعتبر ویا اولی الابصار.

❸ محترم جناب عبدالحمید لون صاحب فرماتے ہیں کہ

''انسانی جسم کو پرورش پانے' پھلنے پھولنے اور قائم رہنے کے لیے خوراک کے سب اجزاء کی ضرورت ہوتی ہے۔ ان میں سے اگر ایک حصہ متواتر نہ ملے تو اس کی کمی کی وجہ سے جسم انسانی کو کوئی نہ کوئی بیماری لگ جاتی ہے۔ لہٰذا یہ ضروری ہے کہ ہمیں خوراک متوازن اور موزوں ملنی چاہیے۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ خوراک کے ضروری اجزاء ایک چیز میں مکمل اور مناسب نہیں مل سکتے' ہماری روزانہ خوراک میں مختلف چیزیں شامل ہونا ضروری ہیں۔ یعنی گوشت' سبزی' ترکاری' گھی' دودھ' انواع واقسام کے پھل اور

میوہ جات وغیرہ۔ یہ ضروری نہیں کہ ہر روز اور ہر کھانے کے ساتھ یہ سب ہی کھائے جائیں بلکہ کبھی کوئی کبھی کوئی جیسے موقع ملتا جائے۔ لیکن یہ نہیں ہوتا کہ کبھی بھی نہ کھایا جائے۔ اور اپنی روزانہ خوراک صرف دال روٹی ہی رکھی جائے۔ سبزیاں اگر اچھی طرف صاف کر کے کچی کھائی جائیں تو بہت ہی مفید ہیں۔ ان میں گاجر' مولی' شلغم' ٹماٹر' بھنڈی توری اور اس قسم کی دوسری چیزیں آسانی سے دستیاب ہوسکتی ہیں''۔

گزشتہ پرچے میں جناب لون صاحب نے خوراک کے سب ضروری اجزاء کا ذکر کیا ہے کہ کوئی بھی ضروری اور مکمل غذا نہیں جس سے غذا کے ضروری اجزاء مثلاً پروٹین' کاربوہائیڈریٹ' سالٹ (میٹل) اور حیاتین سب بیک وقت حاصل ہوسکیں۔ اس کے مقابلے میں ہم نے کہا تھا ماڈرن سائنس اور فرنگی طب کا یہ مسئلہ غذا فٹ نہیں بیٹھتا۔ بلکہ یہ خیالی اور وہمی ہے۔ اس پر کوئی عمل کر کے دیکھ لے۔ کبھی کامیابی نہیں ہوگی۔ جس کے متعلق ہم دلائل پیش کر چکے ہیں اور اس کے مقابلہ میں ہم نے غذا کے متعلق اہم اور سادہ نظریہ پیش کیا ہے کہ غذا میں صرف ان سائنسی اجزاء کو مدنظر رکھنے کی بجائے صرف ان تین کیفیات کو مدنظر رکھنا چاہیے: ① حرارت ② رطوبت ③ طاقت۔ ان کو ایک طرف سمجھنے میں آسانی ہوتی ہے' دوسرے ہر عام سے عام شخص بھی اس سے مستفید ہوسکتا ہے۔ بلکہ ہر شخص کم وبیش جانتا ہے کہ فلاں شے گرم ہے اور فلاں تر ہے اور فلاں غذا میں قوت ہے۔ ان کے مقابلے میں ایک انگریزی پڑھا لکھا انسان چاہے ایم اے ہو یا بی اے بلکہ خود ڈاکٹر بھی اپنی غذا میں پروٹین' ہائیڈرو کاربوریٹ' سالٹ' فیٹس اور وٹامن کا اندازہ نہیں لگا سکتا۔ آپ فرمائیں۔ آپ اپنی غذا کا اس طرح اندازہ کر سکتے ہیں؟ اگر کر سکتے ہیں تو میری طرف سے کسی وقت بھی میرے غریب خانہ پر یا کسی بھی ہوٹل میں دعوت قبول کرلیں اور اپنی غذا کا اندازہ کر کے بتائیں۔ اگر آپ نہ کرسکیں تو کسی اور ایسے امریکن ڈاکٹر کو ہمراہ لے آئیں وہ کر کے بتادے۔ میرا چیلنج ہے کہ وہ کبھی بھی نہ کرسکے گا۔ کیونکہ یہ صرف یورپ اور امریکہ کے پراپیگنڈے ہیں۔ جن کی کوئی اصلیت نہیں ہے۔ یہ صرف دوسروں کو بتانے کے لیے وہمی اور خیالی تصورات ہیں۔ جب ان کو کھول کر دیکھیں گے تو اندر سے کھوکھلا پائیں گے۔ یاد رکھیں جب ان سائنسی غذائی اجزاء کے مرکب کی اوسط لگا کر حرارت رطوبت اور قوت کا اندازہ نہ لگاسکیں گے۔ اس وقت تک کوئی مستفید نہیں ہوسکے گا۔ اور ایسا اوسطاً اندازہ صرف غذا کے ہضم اور جزو بدن ہونے سے ہی لگایا جاسکتا ہے کیونکہ ہر شخص کے جسم میں حرارت' رطوبت اور طاقت کی نسبت جدا ہوتی ہے اور اسی نسبت سے غذا ہضم ہوکر جسم میں غذائیت اور قوت دے سکتی ہے۔ کوئی نمکین پسند کرتا ہے کوئی میٹھا' کوئی روغنی پسند کرتا ہے اور کوئی خشک اشیاء و اغذیہ کا دلدادہ ہے۔ ایسی صورت میں سائنسی غذا کا توازن اور تناسب کیسے قائم رہ سکتا ہے۔ جب تک غذا میں صحیح توازن اور تناسب نہ ہو تو جسم کو پرورش پانے اور پھلنے پھولنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوسکتا۔

اگر یورپ و امریکہ اور انگریزی تعلیم یافتہ لوگ غذا میں ایسا ہی توازن اور تناسب لگا سکتے ہیں پھر وہ بیمار کیوں ہوتے ہیں بلکہ وہ ہم لوگوں سے زیادہ بیمار ہوتے ہیں اور معمولی مرض نہیں بلکہ بڑے بڑے امراض مثلاً دق و سل' فالج اور لقوہ' ضعفِ اعصاب' خرابی خون' نروس بریک ڈاؤن' ہارٹ فیلور اور اب ایک نیا مرض پھیلایا جارہا ہے۔ جس کا نام الرجی رکھا گیا ہے۔ جس کو آپ حساسیت کہہ سکتے ہیں۔ یعنی مریض میں اس قدر احساس بڑھ جاتا ہے کہ اس کو مرض چھوڑ ہی نہیں سکتا۔ دیکھ لیں ایک سال کے اندر ایک چوتھائی ملک الرجی میں گرفتار ہوجائے گا۔ لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔ جب یورپ اور امریکہ اور آپ جیسے انگریزی دان طبقے کی یہ حالت ہے کہ وہ امراض سے محفوظ نہیں تو پھر ہم لوگوں پر آپ کے یہ وعظ کیا اثر کر سکتے ہیں: ''دیگراں را نصیحت اور خود را فضیحت''۔

یہی صورت آلو کی صورت میں پیدا ہوتی ہے۔ جب عام غذا کو سائنسی اصولوں پر موزوں اور متوازن نہیں کیا جاسکتا تو پھر آلو جیسی

خشک اور قابض اور دق وسل پیدا کرنے والی غذا کو متوازن کیسے کہا جا سکتا ہے۔ اس سے بہتر ہے کہ اس سے دور ہی رہا جائے۔ ایمانداری کی بات تو یہ ہے کہ جب سے یورپ اور امریکہ کی تہذیب وتمدن، تعلیم وزبان، اغذیہ اور ادویہ ہمارے ملک میں آئی ہیں۔ ٹی بی (دق وسل) اور دیگر امراض بہت بڑھ گئے ہیں۔ آج سے تیس چالیس سال قبل کہیں دس پندرہ میل پر کوئی ایک آدھ دق وسل کے مریض نظر آتے تھے۔ ابھی تک بھی فرنگی کی تسلی نہیں ہوئی، جو ہم کو امریکہ کی لال گندم اور آلو کھلا کر رہی سہی ہمارے ملک کی ''مین پاور'' کو بھی خراب کرنا چاہتا ہے تاکہ ہم ان کے محتاج بن کر رہ جائیں۔

یہاں تک تو سائنسی اغذیہ کے متوازن اور موزوں تناسب کا ذکر تھا۔ اب ذرا وٹامن (حیاتین) کی خوبیاں سن لیں۔ شاید آپ کو تعریف سننے کی عادت ہو اور گلہ وشکایت اور ان کی برائی سے کان آشنا نہ ہو۔ بہرحال مجھے اپنے ملک وقوم اور علم وفن کی بھلائی کے لیے یہ تلخ حقیقت بھی بیان کرنی پڑے گی۔ تاکہ یورپ وامریکہ کی تہذیب تمدن اور سائنس وزبان سے فریب خوردہ لوگ صحت مند علم اور صحیح فن سے واقف ہو جائیں۔

جاننا چاہیے کہ اول تو ہماری تہذیب وتمدن میں یہ بات بری ہے کہ حیوانوں کی طرح کچی سبزیاں مثلاً گاجر، مولی، شلغم، ٹماٹر اور بھنڈی توری وغیرہ کھا لیا کریں۔ اس میں ''جناب سلاد'' جو خاص فرنگی تحفہ تھا، وہ تو چھوڑ ہی گئے ہیں۔ کچی سبزیاں کھانا صرف حیوانوں کا کام ہے۔ البتہ گاجر، مولی وغیرہ بعض مضبوط معدہ والے یا دیہاتی کھا لیتے ہیں ورنہ ایک عام شخص بھی جانتا ہے کہ اگر گاجر، مولی کو ہانڈی میں پکایا جائے تو اول تو گلتی ہی نہیں۔ اگر کھانے کے قابل ہو بھی جائے تو بھی ہضم نہیں ہوتیں۔ بے انتہا ریاح پیدا کرتی ہیں۔ پھر مولی کے ریاح میں تعفن اور بدبو اتنی ہوتی ہے کہ کوئی پاس بیٹھ نہیں سکتا اور کچی مولی یا پیاز کھائے ہوئے شخص سے کوئی بات نہیں کر سکتا کیونکہ ایسے شخص کے منہ سے خوفناک قسم کی بدبو آتی ہے۔ حضرت رسول کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ بدبودار شے کھا کر مسجد میں نہ آیا کرو۔ نمازیوں کو تکلیف ہوتی ہے لیکن ہم ایسے یورپ وامریکہ کے مقلد ہیں کہ ہم کو دوسروں کے دکھ پہنچ جانے کی کیا پرواہ ہے۔ ہم نے تو وٹامن حاصل کر کے اپنی صحت بنانی ہے۔ (حقیقت میں تباہ کرنی ہے)۔

سائنس کہتی ہے کہ گاجر میں ہر قسم کے وٹامن ہوتے ہیں اور کثرت سے ہوتے ہیں۔ لیکن فرنگی سائنس دانوں کو کون سمجھائے کہ گاجر کا مزاج سرد ہے۔ ہم صرف گرم مزاجوں کو کھلاتے ہیں اور وہ بھی اس کا مربہ جو دل کے لیے مفرح ہے۔ البتہ جب ویسے ہی کھانا ہوتا ہے تو اس کا حلوہ بناتے ہیں۔ جس کا مزاج گرم تر ہوتا جاتا ہے۔ اگر کوئی شخص چند دن کچی گاجریں کھائے تو جگر وکلیہ اور دل ڈوبنا شروع ہو جائے گا اور اگر پھر بھی استعمال جاری رہا تو ذیابیطس کا مرض پیدا ہو جائے گا اور اس طرح آہستہ آہستہ موت واقع ہو جائے گی۔ ہم لوگ غذا سائنسی طریق پر نہیں کھلاتے بلکہ گرمی وسردی اور تری وخشکی کو مدنظر رکھ کر کھلاتے ہیں۔ جو لوگ بھی وٹامن کے چکر میں پڑے صحت کا ستیاناس ہو گیا۔ پھر فرنگی سائنسی غذا کو وہ بے بھاؤ کی سناتے ہیں کہ کان برداشت نہیں کر سکتے۔ اللہ رحم کرے۔

اسی طرح انڈے میں بھی ہر قسم کے وٹامن کثرت سے پائے جاتے ہیں لیکن جو بے چارہ کیفیات اور مزاج کو مدنظر رکھے بغیر صرف وٹامن کی بنا پر روزانہ زیادہ سے زیادہ کھاتا ہے تھوڑے ہی عرصہ میں قبض اور بواسیر کا شکار ہو کر کمزور ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ آخرکار اس کثرت سے خون آتا ہے کہ بستر پر فراش ہو جاتا ہے۔ انڈا شروع کیا تھا طاقت کے لیے مگر ایسی کمزوری پیدا ہو جاتی ہے کہ ساری عمر وٹامن کا نام لینا گناہ معلوم ہوتا ہے۔ یہ تو چند مثالیں ہیں ورنہ اگر ٹماٹر، بھنڈی اور سلاد وغیرہ کا ذکر کیا جائے تو بے حد طوالت ہوگی۔ یہ تجربہ یقین کی حد تک پہنچ گیا ہے کہ جس کسی نے بھی کچی سبزیاں کھانا شروع کی ہیں تھوڑے عرصہ میں ہی توبہ کر لیتا ہے اور پھر بھی کسی سے نہیں کہتا کہ کچی سبزیاں کھایا کرو۔ لون صاحب معلوم ہوتا ہے کہ آپ خود کچی سبزیاں نہیں کھاتے ورنہ ان کا ذکر نہ کرتے۔ آپ ذرا ایک ماہ استعمال کر کے دیکھیں، تجربہ ہو جائے گا۔ اگر بیمار نہ ہوئے تو ہم ذمہ دار ہیں۔

تہذیب اور اغذیہ تہذیب انفرادی ہو یا تہذیب اجتماعی۔ تہذیب اخلاق ہو یا تہذیب فنون' ہر صورت میں یہی ملکہ پیدا کیا جاتا ہے کہ فرد واحد یا شہریت میں انس و آدمیت اور خدمت کا جذبہ پیدا ہو جائے اور دشمنی' بدکرداری' نفس پرستی کو ختم کر دیا جائے کیونکہ اوّل الذکر کو تہذیب اور ثانی الذکر کو خلاف تہذیب کہتے ہیں۔

اس معیار کو سامنے رکھ کر ماہرین اخلاق' مدبران اور اہل مذہب نے اغذیہ کی افادیت اور استعمال کو سامنے رکھا ہے اور کوشش کی ہے کہ انسانی اور حیوانی اغذیہ میں فرق کیا جائے اور انسان کو ہر اس غذا سے بچایا جائے جو اس کو وحشت و بربریت اور فساد اخلاق و تہذیب کی طرف لے جاتی ہے اور اس کا تسلسل انسان کے خون میں تہذیب اخلاق کی کمزوری پیدا کر دیتا ہے۔

اسلام نے حلال اغذیہ (حلال جانور ہوں یا حلال کمائی ہو) کی تاکید کی ہے۔ حرام اغذیہ سے روکا ہے اور ایسے جانور جن کو غذا سے روکا گیا ہے اس میں وحشی جیسے شیر' چیتا' ریچھ اور بھیڑیا وغیرہ۔

بدکردار جیسے سؤر' لومڑ' کتا' بندر وغیرہ۔ بدفطرت بلی' چوہا' چھپکلی وغیرہ۔ کیونکہ حرام اغذیہ سے بالکل ویسا ہی خون پیدا ہوتا ہے جو شئے استعمال کی جائے۔ ان سے انسانی اعضاء اور خون بالکل ویسا ہی ترتیب و ترکیب اور تربیت پاجاتا ہے۔ اور ان سے امراض اور فساد خون کی جو صورتیں پیدا ہوتی ہیں وہ ایک طویل مسئلہ ہے جس کو نظر انداز کرتے ہیں۔

ان حقائق سے مسئلہ حقیقت سامنے آ جاتا ہے کہ مزاج انسانی جو حقیقی مزاج کے تقریباً بالکل قریب ہے ہر اس شے سے بگڑ جاتا ہے اور فساد قبول کر لیتا ہے۔ جو اس میں افراط و تفریط پیدا کریں یا جن کے ہضم کرنے میں جسم انسان کو بہت محنت کرنی پڑے۔ اس طرح رفتہ رفتہ اس کی استعداد اور قوت کمزور ہو جاتی ہے اور نتیجۂ اعضاء اور خون دونوں میں خرابی اور فساد ہوتا ہے۔

جاننا چاہیے کہ سبزیاں اور ترکاریاں کچی کھائی جائیں یا پکی۔ خالص اغذیہ میں شمار نہیں ہوتیں۔ ان کو دوائے غذائی کہتے ہیں۔ گویا ان میں غذائی اثر بہت کم اور دوائی اثر بہت زیادہ ہوتا ہے۔ ان کے مقابلے میں پھل اور میوہ جات غذائی دوا ہیں۔ یعنی جس میں غذائیت زیادہ اور دوائیت کم ہے۔ خالص غذا صرف دودھ' گوشت اور گندم ہیں۔ انڈے' مچھلی اس میں شریک ہیں۔ خالص غذا کی تعریف یہ ہے کہ جسم سے متاثر ہو کر جزو بدن نہ ہو۔ بلکہ جسم پر اثر انداز ہو۔ اس حقیقت سے ثابت ہوا کہ سبزیوں کا ایک کثیر حصہ جزو بدن نہیں ہوتا۔ بلکہ دوائی کی صورت میں جسم انسان کو متاثر کرتا ہے جب پختہ سبزیوں کا یہ حال ہے کہ وہ پورے طور پر ہضم نہیں ہوتیں اور جزو بدن نہیں بنتیں تو بھلا کچی سبزیاں کہاں تک ہضم ہو کر جزو بدن بن سکتی ہیں۔ ان کے استعمال سے اوّل معدہ خراب ہوتا ہے۔ پھر کیفیات (مزاج انسانی) بگڑنا شروع ہوتا ہے۔ اس کے بعد اخلاط اور خون میں خرابی اور فساد اور نتیجۂ افعال جسم میں افراط و تفریط پیدا ہو جاتا ہے۔ جس کا اثر اخلاق اور صحت انسانی پر پڑتا ہے۔

اگر تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ سوائے فرنگی دور کے کسی اور دور اور تہذیب میں کچی سبزیاں کھانے کا ذکر نہیں ہے۔

ابتدائی وبربریت کے دور میں بھی ہمیں گوشت اور پھل بطور کا ذکر ملتا ہے۔ مگر کچی سبزیاں کیا ہمیں پکی سبزیاں اور ترکاریوں کا پتہ نہیں چلتا۔

قرآن حکیم میں فرمایا گیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے من وسلویٰ اترتا تھا جن کے متعلق مفسرین کا بیان ہے کہ وہ گوشت اور مٹھاس تھی مگر اللہ تعالیٰ کی ناشکر گزار قوم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اصرار کیا کہ ان کو من اور سلویٰ کی بجائے بصل' تھوم' عدس وغیرہ اور سبزیاں ہیں' دی جائیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی خواہش منظور کر لی۔ مگر ان پر ہمیشہ کے لیے ذلت اور مسکینی لازم کر دی۔ حضرت رسول کریم ﷺ کی ساری زندگی میں کہیں کچی سبزیوں کا ذکر نہیں ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ عرب کے ریگزار میں سبزیاں کہاں پیدا ہوتی ہیں۔ لیکن آپؐ کے بعد خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے دور میں جب کہ دنیا بھر کی دولتیں مدینہ طیبہ میں اکٹھی ہوتی تھیں کہیں کچی سبزیوں کے استعمال کا

ذکر نہیں ملتا۔

اسلام میں سب سے زیادہ نفس کشی کرنے والا طبقہ صوفیائے کرام اور اولیا اللہ کا ہے جو اگر دیکھا جائے تو ایک معنوں میں غذا اور لذت کو ترک کر دیتے ہیں۔ ان کے ہاں بھی کچی سبزیوں کے بطور غذا کے استعمال کا ذکر نہیں آتا۔ اسلام کے علاوہ بھی کسی مذہب اور تہذیب میں کچی سبزیوں کی تاکید نہیں کی گئی۔ وائیدانت' ہندمت اور جین مت اور بدھ مت تمام کے تمام گوشت کھانے کو پاپ خیال کرتے ہیں مگر ان میں بھی کچی سبزیوں اور ترکاریوں کا رواج نہیں ہے۔ غرض دنیا کی پوری کی پوری تاریخ اس تصور سے خالی ہے۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر فرنگی طب اور ماڈرن سائنس کیوں کچی سبزیوں اور ترکاریوں پر زور دیتے ہیں۔ وہ صرف اس لیے زور دیتے ہیں کہ عوام کو وٹامن کی اہمیت وشوق اور عادت پیدا کریں۔ تاکہ جب وہ وٹامن کے چکر میں پھنس جائیں تو پھر وٹامن ادویات خریدنا شروع کر دیں۔ دوسری طرف فرنگی ڈاکٹروں کو اس چکر میں پھنسا دیا ہے کہ وٹامن کی کمی سے امراض پیدا ہوتے ہیں۔ جب مریض ان کے پاس آئیں اور کمزوری کی شکایت کریں ان کو فوراً کہو کہ وٹامن غذا میں کم ہو گئے ہیں۔ فلاں فلاں وٹامن دوائیں کھائیں تاکہ یورپ اور امریکہ کی ادویات بکتی رہیں اور دولت ہماری برباد ہوتی رہے۔

جناب لون صاحب کچھ سمجھ آیا کہ کتنا بڑا دھوکہ قوم کو دیا جا رہا ہے اور پاکستانی ڈاکٹروں اور انگریزی تعلیم یافتہ آپ جیسے لوگوں سے مل کر ملک اور قوم اور اس کی دولت کو برباد کیا جا رہا ہے آپ خود اندازہ لگائیں کہ آلو کھانے کا مقصد کیا ہے۔ جو برائے نام غذا ہے اور اس کا روزانہ استعمال انسانی صحت کو تباہ کر دیتا ہے اور امریکن آلو تو بہت ہی نقصان رساں ہے۔ گویا پاکستانیوں کے لیے زہر قاتل ہے' بالکل اسی طرح جیسے امریکن سرخ گندم ہمارے لیے نقصان رساں ہے' جب سے یہ گندم ہمارے ملک میں آئی ہے۔ ۹۰ فیصد ٹی بی بڑھ گیا ہے۔ اگر کسی کو شک ہو تو اعداد وشمار لے لیے جائیں کہ جب امریکن گندم ہمارے ملک میں نہیں آئی تھی' اس وقت کتنے فیصد تھا اور سرخ گندم آنے کے بعد کتنے فیصد ٹی بی بڑھ گیا ہے اور جب امریکن آلو یہاں پہنچ گیا تو رہی سہی کسر بھی پوری ہو جائے گی۔ پھر ملک کی صحت کا اللہ ہی حافظ۔

❹ گزشتہ صفحات میں ہم نے مسٹر عبدالحمید صاحب لون ہیلتھ ایجوکیشن آفیسر نیشنل ٹی بی ایسوسی ایشن آف پاکستان (لاہور) کے ان غلط عقائد کے جو انہوں نے امریکہ اور فرنگی طب (ڈاکٹری) سے حاصل کیے تسلی بخش اور فیصلہ کن عقلی اور نقلی جواب دیئے ہیں۔ ان شاء اللہ تعالیٰ وہ ان کے جواب نہ دے سکیں گے اور ہم نے ان کو چیلنج کیا ہے کہ امریکہ کے تمام سائنس دانوں کو ہمارے سامنے اکٹھا کر دیں۔ ان شاء اللہ تعالیٰ خواص الاغذیہ میں ہمارا مقابلہ نہیں کریں گے بلکہ ہم ان کو خواص الادویہ میں چیلنج کرتے ہیں۔ لون صاحب نے یہ کیوں فرض کر لیا ہے کہ انسانی دماغ صرف امریکہ اور برطانیہ میں تیار ہوتے ہیں اور ہمارا ملک ان خوبیوں کا اہل نہیں ہے۔

اسی مضمون میں انہوں نے کچھ مرض ٹی بی پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ میرا خیال تھا کہ اس کا جواب نہ دیا جائے۔ کیونکہ ٹی بی کے متعلق میری تحقیق اور شرطیہ نسخہ میری کتاب تپ دق اور سل (ٹی بی) میں شائع ہو چکا ہے۔ اس میں رفعت مآب صدر پاکستان فیلڈ مارشل محمد ایوب خان کے نام ایک چٹھی ہے۔ جس میں چیلنج کیا گیا ہے کہ فرنگی طب (ڈاکٹری) کی ٹی بی کی تحقیقات اور علاج غلط ہیں اور اگر ان کو یقین نہ ہو تو رفعت مآب ہائی کورٹ کے دو جج بٹھا دیں اور ایک پوری ٹیم امریکہ سے اور ایک پوری ٹیم روس سے اور ایک پوری ٹیم یورپ سے منگوا لیں اور مجھے کٹہرے میں کھڑا کر لیں۔ اگر میں ان کی تحقیقات اور علاج بلکہ ان کی تمام طب کو غلط ثابت نہ کر دوں تو جو چاہے مجھے سزا دیں۔ مگر دوستوں کا اصرار تھا کہ پورے مضمون کا جواب لکھا جائے۔ تاکہ اس کو شائع کر کے دنیا بھر کے سفارت خانوں اور حکومتوں کو روانہ کیا جائے۔ سو ان کے احترام میں باقی مضمون کا جواب درج ذیل ہے:

لون صاحب لکھتے ہیں: ''آیئے ہم حقیقت کی کسوٹی پر پرکھتے ہوئے بنظر غائر موذی مرض تپ دق کے لگ جانے کی وجوہات کا مطالعہ کریں اور دیکھیں کہ اس کا ''آلو'' کے ساتھ کیا تعلق ہے۔

تپ دق ایک متعدی بیماری ہے جو ایک جراثیم سے لگتی ہے۔ جسے انگریزی میں ٹیوبرسل بیلیس (Tuberclebacillous) کہتے ہیں۔ یہ جراثیم جہاں بھی انسانیت کا وجود موجود ہے پائے جاتے ہیں اور ہر وقت حملہ کرتے رہتے ہیں اور جو بھی موزوں جگہ ملے وہاں ڈیرہ ڈال لیتے ہیں یعنی کمزور جسم۔ جس جسم میں جراثیم کے خلاف ''قوت مدافعت'' زیادہ ہوتی ہے وہ اس کا مقابلہ کرتا ہے اور بیماری پر قابو پالیتا ہے۔ پس جتنی بھی قوت مدافعت زیادہ ہوگی اتنا ہی جسم بیماری لگنے سے محفوظ رہے گا۔

جسمانی حالت کا مضبوط اور کمزور ہونا خوراک اور اس کی غذائیت پر ہوتا ہے۔ اگر ہماری خوراک موزوں اور متوازن ہوگی تو لازمی طور پر قوت مدافعت تیز ہوگی اور ہم بیماری سے محفوظ رہیں گے''۔

مندرجہ بالا اقتباس میں جناب لون صاحب حقیقت کی کسوٹی پیش کر رہے ہیں۔ جس سے مرض تپ دق کے لگ جانے کے وجوہات اور اس کا ''آلو'' کے ساتھ کیا تعلق ہے۔

انہوں نے حقیقت کی کسوٹی وغیرہ تو کوئی بیان نہیں کی البتہ تپ دق کے متعلق فرنگی طب کی وہی پرانی رٹ لگائی ہے کہ ''تپ دق متعدی بیماری ہے'' یہاں پر تین سوال پیدا ہوتے ہیں: ❶ کیا بغیر چھوت کے یہ مرض پیدا ہوسکتا ہے؟ ❷ جراثیم کا حملہ باعث مرض ہے یا قوت مدافعت کی کمی ❸ موزوں اور متوازن خوراک باعث مرض ہے یا ابعث مرض اور آخر میں جراثیم اندر پیدا ہوتے ہیں یا باہر سے حملہ کرکے اندر اڈا بنا لیتے ہیں۔ خود فیصلہ کرکے پہلے انڈا یا مرغی کی خرابی۔

یہ تینوں سوال جناب لون صاحب کی تحریر سے لیے گئے ہیں۔ افسوس کہ لون صاحب فرنگی طب (ڈاکٹری) کے گورکھ دھندوں کو نہیں سمجھ سکے ورنہ وہ متضاد باتیں کبھی نہ لکھتے۔ وہ کیا بڑے بڑے ڈاکٹر لکیر کے فقیر ہیں اور اندھا دھند چلے جا رہے ہیں۔ اور یہ نہیں سمجھتے کہ سینکڑوں سال سے جس منزل کی طرف چلے جا رہے ہیں وہ منزل کیوں نہیں نظر آتی۔ حقیقت یہ ہے کہ گزشتہ تین سو سال سے فرنگی طب اور ماڈرن سائنس کی تحقیق میں دعوے پر دعوے کر رہی ہے مگر آج تک ان کو نہ صحیح طور پر ٹی بی کا علم ہوا ہے اور نہ ہی اس کے علاج میں کامیابی ہوئی ہے اور اس طرح کے گورکھ دھندے اور بھول بھلیوں میں عوام کو پھنسا دیا ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ٹی بی متعدی مرض ہے جب قوت مدافعت کم ہو جاتی ہے تو جراثیم حملہ کر دیتے ہیں۔ جب موزوں اور متوازن خوراک نہیں ملتی تو قوت مدافعت کمزور ہو جاتی ہے اور جب قوت مدافعت کمزور ہو جاتی ہے تو جسمانی حالت خراب ہو جاتی ہے۔ گویا مرض پیدا ہو جاتا ہے۔ اگر ان سے کہا جائے کیوں بھائی الٹی طرف سے ناک کیوں پکڑتے ہو۔ سیدھی طرح ہی کہہ دو کہ جب جسمانی حالت میں خرابی واقع ہو جاتی ہے۔ یعنی اعضائے جسم میں نقص پیدا ہو جاتا ہے تو خوراک جزو بدن نہیں بن سکتی۔ جب جسم میں خوراک کا توازن اور موزونیت قائم نہیں رہتی تو قوت مدافعت کمزور ہو جاتی ہے اور جب قوت مدافعت کمزور ہو جاتی ہے تو جراثیم حملہ کر دیتے ہیں اور مرض ٹی بی پیدا ہو جاتا ہے۔ بات تو یہ سمجھنے والی ہے کہ قوت مدافعت کی کمزوری مقدم ہے۔ یا اعضاء کی خرابی مقدم ہے۔ (جراثیم کا فی الحال ذکر بے سود ہے) قوت مدافعت کا انحصار اعضاء کی مضبوطی پر ہے یا اعضاء کی مضبوطی کا دارومدار قوت مدافعت پر ہے۔ تو یقیناً جراثیم کے حملے اور مرض کے پیدا ہونے کا مسئلہ بھی حل ہو جائے گا۔ اس لیے ہم نے اوپر تین سوال کیے ہیں جن کے جواب درج ذیل ہیں: ہم تمام فرنگی طب خصوصاً امریکہ کو چیلنج کرتے ہیں کہ وہ ہمارے جواب عقلاً یا سائنس کے تجربات سے غلط ثابت کریں۔

① ٹی بی کے متعلق جو یہ کہا جاتا ہے کہ وہ ایک متعدی مرض ہے یعنی بغیر جراثیم کے پیدا نہیں ہوتا۔ حالانکہ یہ ایک ایسا جھوٹ ہے جو اس

چور کی طرح بولا جاتا ہے جو چوری کرنے جاتا ہے اور اس کے ہاتھ میں چراغ ہو۔ حیرت ہے کہ ایک طرف فرنگی طب (ڈاکٹری) خود تسلیم کرتی ہے کہ (الف) جب تک قوت مدافعت میں کمی پیدا نہ ہو (ب) خوراک میں غیر متوازن اور غیر موزوں صورت پیدا نہ ہو۔ اور خاص طور پر اعضاء میں خرابی واقع نہ ہو۔ اس وقت تک جراثیم اپنا اڈا جسم میں نہیں جما سکتے۔ پھر ٹی بی کا سارا مدار جراثیم پر ڈال دینا کہاں کی عقلمندی اور علمی تحقیق ہے۔ ہم تو یہاں تک بھی تسلیم کر لیتے ہیں کہ ایک بالکل تندرست انسان پر ٹی بی کے جراثیم مسلسل حملہ کر کے اس کو کمزور کر دیتے ہیں اور اس کو ٹی بی میں مبتلا کر دیتے ہیں لیکن وہ انسان اس وقت تک ٹی بی میں مبتلا نہیں ہوتا جب تک اس کی قوت مدافعت کمزور اور اعضاء کے افعال خراب نہ ہو جائیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ جراثیم کے حملے کچھ حقیقت نہیں رکھتے جب تک قوت مدافعت کمزور اور اعضاء کے افعال خراب نہ ہو جائیں۔ اب ثابت یہ کرنا ہے کہ قوت مدافعت کی کمزوری مقدم ہے یا کہ اعضاء کے افعال کی خرابی مقدم ہے۔ اس کا جواب بہت آسان ہے اور ایک عام ذہن بھی سمجھ سکتا ہے کہ جسم ہمیشہ قویٰ کا حامل ہوتا ہے۔ یعنی اعضاء کے صحیح افعال ہی قوت مدافعت کے حامل ہیں۔ جب اعضاء کے افعال میں خرابی واقع ہوگی اس وقت قوت مدافعت بھی یقیناً مضبوط نہیں رہ سکتی۔ کیونکہ قوت مدافعت کا دارومدار اعضاء کی درستی پر ہے۔ جب قوت مدافعت درست ہوگی تو جراثیم کا حملہ کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔ پھر جراثیم کو سبب فاعلہ کیوں کہا جائے۔ گویا اصل سبب اعضاء جسم کے افعال کی خرابی ہے نہ کہ جراثیم کا حملہ۔ جراثیم ایک سبب ضرور ہو سکتا ہے جیسے ❶ غذا کی خرابی ❷ آب و ہوا کی خرابی ❸ حرکت و سکون ❹ قوائے جسمانی کی بے اعتدالی ❺ حرکت و سکون نفسانی کی خرابی یعنی غم و غصہ وغیرہ۔ اسی طرح استفراغ اور انقباض مواد کا پیدا ہو جانا وغیرہ وغیرہ۔ اسباب مرض میں شریک ہو سکتے ہیں۔ مگر سبب فاعلہ صرف اعضاء کی خرابی ہی تسلیم کی جا سکتی ہے۔ کیونکہ جب تک اعضاء درست افعال انجام دیتے رہیں گے تمام جراثیم اندر جسم میں فنا ہوتے رہیں گے اور قوت مدافعت مقابلہ کرتی رہے گی۔ صرف جراثیم باعث ٹی بی نہیں ہیں۔

(۲) کیا کوئی انکار کر سکتا ہے کہ غم اور غصے کی زیادتی یا زہریلی ادویات سے مرض دق پیدا نہیں ہو سکتا۔ جس طرح دیگر اسباب مثلاً مادی اور کیفیات جسم انسانی کے اعضاء میں تغیر و تبدل ان کو اعتدال عمل سے دور ہٹا سکتے ہیں۔ کیا غم و غصہ کے وقت اعضاء کے افعال میں اعتدال رہتا ہے؟ کیا ان میں افراط و تفریط واقع نہیں ہو جاتا ہے۔ کوئی بھی صاحب فہم و فراست ان حقائق سے انکار نہیں کر سکتا اور اگر ان جذبات میں تسلسل قائم ہو جائے تو اعضاء کے افعال ایک غلط ڈگر پر قائم ہو جائیں گے۔ بس اسی کا نام مرض ہے۔ جاننا چاہیے کہ کوئی حالت کسی فعل و کیفیت اور غذا دواسے اگر وقتی طور پر پیدا ہو جائے' جیسے تھکن' جسم کا گرم و سرد اور بے چین' تو طبیعت مدبرۂ بدن اس کو واپس اعتدال پر لے آتی ہے اور اگر ان کا تسلسل کچھ عرصہ قائم رہے تو پھر وہ مستقل ہو جاتا ہے۔ پس یہی مرض کہلاتا ہے۔ جس طرح غم و غصے کا تسلسل امراض پیدا کر دیتا ہے۔ اسی طرح دیگر جذبات مثلاً خوف و ندامت اور مسرت و لذت کا تسلسل بھی امراض پیدا کر دیتا ہے۔ ان مسلمہ حقائق سے ثابت ہوا کہ ٹی بی کے لیے دیگر اسباب کے ساتھ ساتھ نفسیاتی اثرات بھی باعث مرض بن سکتے ہیں۔ مزید ثبوت کے لیے نفسیاتی علم العلاج (سائیکو پیتھی) کے ماہرین سے دریافت کیا جا سکتا ہے کہ کیا مرض ٹی بی جذبات کی شدت سے پیدا ہو سکتا ہے کہ نہیں۔ ان شاء اللہ تعالیٰ ایک ماہر نفسیات اس امر سے انکار نہیں کرے گا بلکہ حقائق پر روشنی ڈالے گا۔

یہی صورت زہریلی ادویات کے متعلق بھی ہے۔ مثلاً جن مریضوں کو ٹی بی نہیں ہے اور غلطی سے اس مرض کو ٹی بی سمجھ لیا گیا ہے اور ٹی بی کا علاج شروع کر دیا گیا ہے۔ اس مریض کو کیا آرام آئے گا بلکہ اس کو مرض ٹی بی میں ہو جائے گا۔ خصوصاً فرنگی ادویات جو ٹی بی میں استعمال کی جاتی ہیں تمام کی تمام خوفناک زہر ہیں۔ جیسے ہسٹر پٹو مائی سین، سلفا ڈرگز اور انٹی بائٹک وغیرہ اسی طرح پارہ' سنکھیا اور کریازوٹ وغیرہ کے

مرکبات۔ اگر یقین نہ ہو تو علم الادویہ کی کتب میں ان ادویات کی علامات دیکھی جاسکتی ہیں۔ اگر مزید یقین کی ضرورت ہو تو ایک تندرست مریض کو اسٹر پٹومائی سین یا کوئی اور فرنگی طب کا ٹی بی کے لیے مفید نسخہ استعمال کرا کے دیکھ لیں۔ ان شاء اللہ تعالیٰ دو تین ہفتے کے اندر اندر ٹی بی ہوجائے گی۔ پرلطف بات یہ ہے کہ یورپ و امریکہ میں بی، سی، جی کے ٹیکے بالکل بند کردیئے گئے ہیں۔ یہ ٹیکے مرض ٹی بی کی روک تھام کے لیے حفظ ماتقدم کے طور پر لگائے جاتے تھے لیکن تجربہ نے یہ ثابت کردیا کہ جن کو بھی ٹیکے لگائے گئے ان میں یا تو ٹی بی کے مرض کی استعداد پیدا ہوگئی یا وہ لوگ مرض میں گرفتار ہوگئے۔ بتایئے جناب لون صاحب! کہ آپ نے بھی یہ ٹیکہ لگوایا ہے نہیں تو تجربہ کرکے دیکھ لیں۔ غذا کے متعلق ہم بہت کچھ لکھ چکے ہیں کہ اس کے غلط استعمال سے بھی ٹی بی پیدا ہوجاتی ہے۔ مثلاً ① غذا میں گھی کا استعمال نہ کرنا ② ناخالص گھی، خاص طور پر بناسپتی یقیناً ٹی بی پیدا کردیتا ہے کیونکہ اس سے ضعف معدہ اور تبخیر شروع ہوجاتی ہے اور رفتہ رفتہ جو تیزاب جسم میں پیدا ہوجاتا ہے وہ انسان کو ٹی بی کردیتا ہے۔ بغیر گھی کے خوراک اس قدر نقصان نہیں پہنچاتی جس قدر بناسپتی سے بنی ہوئی نقصان پہنچاتی ہے ③ بغیر بھوک کے غذا کھانا ④ فرنگی طریق زندگی جس میں شراب وبیئر و کافی و کوکو اور چائے کی کثرت، سوڈاواٹر اور کوکا کولا، رات بھر کلبوں اور سینما میں جاگنا۔ جنسی تعلقات کی بے راہ روی وغیرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ آج کل جس کثرت سے ٹی بی بڑھ رہی ہے اس کے متعلق جناب لون صاحب سرکاری رپورٹ اٹھا کر دیکھ لیں۔ اور جن باتوں سے ہم نے روکا ہے حکومت عوام کا خیال رکھے۔ چھ ماہ میں ٹی بی کا اثر نصف سے بھی کم ہوجائے گا۔

ٹی بی کے جس قدر بھی اسباب ہیں ان کو سامنے رکھا جائے تو یقین کرنا پڑتا ہے صرف جراثیم کو باعث قرار دینا سچائی نہیں ہے۔ اس امر سے انکار نہیں ہے کہ جراثیم بھی دیگر اسباب میں سے ایک سبب بن سکتے ہیں مگر سبب فاعلہ اور ناکلہ صرف اعضاء ہی ہیں۔

جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے۔ جناب لون صاحب خود تسلیم کرچکے ہیں کہ "مرض ٹی بی ایک متعدی مرض ہے جو جراثیم سے پیدا ہوتا ہے اور جراثیم کا حملہ اسی وقت کامیاب ہوتا ہے جب قوت مدافعت کا انحصار جسمانی حالت کی مضبوطی پر ہے اور جسمانی حالت کی مضبوطی خوراک اور غذائیت پر قائم ہے"۔ اس عبارت سے اچھی طرح اندازہ ہوسکتا ہے کہ ٹی بی کے جراثیم اس وقت تک جسم انسان میں اڈا نہیں بنا سکتے جب تک اس کے جسم کی حالت مضبوط ہے۔ کیونکہ مضبوط جسم سے انسانی قوت مدافعت طاقتور رہتی ہے۔ اس پر ٹی بی کے جراثیم بلکہ کسی قسم کے جراثیم اثر انداز نہیں ہوسکتے۔

جناب لون صاحب! جراثیموں سے عوام میں خوف وہراس پیدا کرنا کہاں کی عقلمندی ہے۔ جب یہ جراثیم آپ پر بھی شب و روز حملہ کر رہے ہیں اور عوام پر بھی۔ جب آپ کو یقین ہے کہ جب تک اعضاء مضبوط ہیں تو لازماً قوت مدافعت قوی ہے۔ پھر ٹی بی کے جراثیم کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ تو یہی بات عوام کے ذہن نشین کرائیں اور انہیں جراثیم سے خوف زدہ نہ کریں۔ پھر یہ بھی ذہن نشین کرلیں کہ اگر قوت مدافعت کمزور ہوجائے گی تو ضروری نہیں کہ ٹی بی کے جراثیم حملہ کرکے اڈا بنالیں۔ دیگر امراض کے جراثیم بھی حملہ کرسکتے ہیں۔ جن میں نزلہ، زکام، نمونیا ویلپورسی، ٹائیفائیڈ، ٹائفس اور آتشک وسوزاک وغیرہ شامل ہیں۔ آپ نے ان جراثیموں کے حملوں کے متعلق بھی سوچا ہے۔ آخر آپ کے پاس کیا پیمانہ ہے۔ جس سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ قوت مدافعت کے کمزور ہوجانے پر کسی وقت کس مرض کے جراثیم اثر اور حملہ کرکے اپنا اڈا جسم میں بنالیں گے۔ یہ بات آپ کے ولی نعمت امریکہ اور یورپ کو ہم چیلنج کرتے ہیں۔ آپ کی معلومات کے لیے اشارہ کردیتے ہیں۔ تفصیل کے لیے ہماری کتب منگوا کر خود مطالعہ کریں اور امریکہ والوں کو بھی دکھائیں۔ امراض ہمیشہ اعضاء کے افراط وتفریط سے پیدا ہوتے ہیں۔ جس مقام کے اعضاء میں خرابی واقع ہوتی ہے اسی مقام کے اعضاء میں موادرک جاتا ہے۔ جسم میں جراثیم پیدا ہوجاتے ہیں یا خاص قسم کے اعضاء کی خرابی سے اسی قسم کی قوت مدافعت کمزور ہوجاتی ہے۔ اور اس کے مطابق ہی جراثیم حملہ کرکے اپنا اڈا بنالیتے ہیں۔ مگر یاد رہے کہ اوّل اعضاء بگڑتے ہیں۔ پھر قوت مدافعت کمزور ہوتی ہے۔ اور بعد میں جراثیم کے اثر کرنے یا نہ کرنے کا سوال بھی پیدا ہوتا ہے۔

5 محترم عبدالحمید لون صاحب فرماتے ہیں کہ ''اب دیکھنا ہے' کیا آلو میں تپ دق کے جراثیم موجود ہیں۔ جو بیماری پیدا کرتے ہیں یا آلو میں ایسی چیزیں پائی جاتی ہیں جو قوت مدافعت کو کم کرتی ہیں۔ اگر آلو میں جراثیم بھی موجود ہوں اور قوت مدافعت کو کم کرنے والی چیزیں بھی ہوں تو بیماری کا ہو جانا لازمی ہے۔ موجودہ قوانین طب اور میڈیکل سائنس کی رو سے میں کہہ سکتا ہوں کہ آلو کیا۔ کسی بھی سبزی وغیرہ میں دق کے جراثیم نہیں ہوتے۔ اگر یہ آلو وغیرہ میں رہیں تو انسانی جسم میں داخل ہوتے ہی مر جائیں کیونکہ انسانی جسم کی ساخت یعنی اس کی حرارت خون اور دیگر مواد جسمانی آلو کی ساخت سے بالکل مختلف ہیں اور کوئی بھی ذی حیات دو متضاد جگہ میں ایک ساتھ نہیں رہ سکتا''۔

افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ جناب عبدالحمید لون صاحب نہ تو قوانین طب سے واقف ہیں اور نہ ان کو میڈیکل سائنس کا کچھ علم ہے اور فرنگی طب پہلے ہی غلط ہے اور یہ اس کو اور بھی بدنام کر رہے ہیں۔ طب اور سائنس سے بے علمی کے باوجود وہ ہیلتھ ایجوکیشن آفیسر کیسے بن گئے ہیں۔ اب ذرا ان کی بے علمی کے نمونے ملاحظہ فرمائیں۔ لکھتے ہیں:

''کیا آلو میں تپ دق کے جراثیم موجود ہیں جو بیماری پیدا کرتے ہیں''۔ جناب لون صاحب! ذرا کسی سائنسی لیبارٹری میں جھانک کر ہی دیکھ لیا ہوتا۔ جہاں پر جراثیم پرورش کیے جاتے ہیں۔ نہیں تو کسی علم الحیات کے ماہر (بائیولوجسٹ) سے ہی پوچھ لیا ہوتا کہ جراثیم کی من بھاتا غذا کیا ہے۔ اسی لیے آپ کی لاعلمی نے آپ کو آلو کی حمایت میں لکھنے کے لیے مجبور کیا۔ انکل ٹام کے ملک والے آپ کے نام اور کام سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں۔ مگر نہ ان کو پتہ ہے اور نہ آپ کو کہ کہاں پھنس جائیں گے اور رعب دینے کی بجائے خفت اٹھانی پڑے گی۔ جاننا چاہیے کہ آلو جراثیم کا من بھاتا کھاجا ہے۔ اور ان کی پرورش ہی ان پر کی جاتی ہے۔ پہلے دریافت نہیں کیا تو اب جا کر کسی ماہر علم حیات سے پوچھ لیں کہ وہ جراثیم کی پرورش کے لیے آلو کی کھیر جس کو وہ پٹیٹو جیلی کہتے ہیں۔ گلیسرین میں تیار کی جاتی ہے۔ جس کا نام پٹیٹو گلیسرین ہے۔

اس سے ثابت ہوا کہ آلوؤں میں پرورش جراثیم کی زبردست استعداد ہے۔ گویا روزانہ آلو کھانے والے کے اندر ٹی بی کے جراثیم کا پرورش پانا لازمی امر خیال کرنا چاہیے۔ دوسرے آپ اس غلط فہمی میں نہ رہیں کہ جراثیم اندر جا کر بڑھنا شروع ہو جاتے ہیں۔ بلکہ ان کا زہر جا کر جراثیم کی پیدائش کا باعث ہو جاتا ہے۔ جو آلوؤں کی غذا پا لینے پر فوراً اپنا کام شروع کر دیتا ہے۔ یہ ہے جادو جو سر چڑھ کر بولے۔ بولئے آپ میں یا کسی امریکی میں طاقت ہے جو ان حقائق کو باطل کر سکیں۔

دوسرا نمونہ لکھتے ہیں کہ ''آلو میں ایسی چیزیں پائی جاتی ہیں جو قوت مدافعت کو کم کرتی ہیں؟ جناب لون صاحب! آپ کو اس بات کا بھی علم نہیں ہے کہ قوت مدافعت کیا چیز ہے اور کہاں ہوتی ہے اور قوت مدافعت اور قوت مدبرہ کا بدن میں کیا فرق ہے؟ صرف طبی اصلاحات پڑھ لینے سے علم نہیں آ جاتا۔ بلکہ ان کا صحیح مفہوم بھی جاننا ضروری ہے۔ دنیا میں علم کا احتیاط اس وقت آتا ہے جب اس کا سمجھنا ختم ہو جاتا ہے۔

جاننا چاہیے کہ قوت مدافعت وہی چیز ہے جس کو امیونٹی کہتے ہیں۔ جس کا تعلق اعضاء کے ساتھ ہے اور ہر عضو کی قوت مدافعت اس کے اپنے جوہر اور افعال کے ذریعے ہوتی ہے۔ اور حرارت ان کی غذا ہے جہاں حرارت اور اس کے اعتدال میں کمی بیشی واقع ہو جاتی ہے وہاں اعضاء کے افعال میں افراط و تفریط شروع ہو جاتا ہے اور قوت مدافعت کمزور ہو جاتی ہے۔ بس اس حالت کا نام مرض ہے۔ جس طرح قوت سخت اعضاء میں پائی جاتی ہے اسی طرح جو قوت تمام جسم کی نگرانی کرتی ہے اور ضرورت کے وقت خون کو جسم میں ادھر ادھر بھیجتی رہتی ہے اس قوت کو قوت مدبرہ بدن کہتے ہیں۔ یہ قوت اعصاب کے تحت کام کرتی ہے۔ اس قوت کو بھی عمل میں رکھنے کے لیے حرارت کی ضرورت ہے۔ یہی قوت ضرورت کے وقت گرم گرم خون بھیج کر جراثیم یا زہریلا مادہ جو جسم انسان میں داخل ہوتا ہے۔ وہ اس قوت مدافعت اور قوت مدبرہ بدن سے فنا اور ضائع ہوتا رہتا ہے۔ جیسا کہ آپ نے بھی تسلیم کیا ہے کہ: ''جراثیم جسم میں داخل ہوتے ہی مر جائیں۔ کیونکہ انسانی جسم کی ساخت یعنی اس کی

ضرورت خون دیگر مواد جسمانی آلو کی ساخت سے بالکل مختلف ہیں اور کوئی بھی ذی حیات دو متضاد جگہ میں ایک سانہیں رہ سکتا''۔

یہی ہے ہمارا جادو کہ ہم آپ کی زبان سے تسلیم کرا لیتے ہیں کہ حقیقت کیا شے ہے۔ اب یہ تسلیم کر لینے کے بعد قوت مدافعت اور حرارت خون جراثیم کو فنا کر دیتے ہیں۔ ہمارے گزشتہ مضمون پر غور کریں کہ جو ہم ثابت کر آئے ہیں کہ آلو میں نہ صرف حرارت کی کمی ہے بلکہ یہ قاطع حرارت ہیں۔ کیونکہ آلو کے اجزاء میں نشاستہ اور چونا غالب ہیں اور اس میں حرارت کی کمی اور نشاستہ کی زیادتی کی وجہ ہی سے ان میں بہت جلد خمیر (فرمنٹیشن) پیدا ہو جاتا ہے۔ جو جراثیم ٹی بی کو غذائیت مہیا کرتا ہے۔ اس حقیقت کا آپ کے پاس کوئی جواب ہے۔ اگر نہیں ہے تو اپنے استادوں کو پکاریں۔ ہم ان شاء اللہ تعالیٰ ان کی بھی تسلی کر دیں گے۔

تیسرا نمونہ ملاحظہ فرمائیں۔ لکھتے ہیں کہ:

''آلو کیا کسی بھی سبزی وغیرہ میں دق کے جراثیم نہیں ہوتے۔ سبحان اللہ کیا علم پایا جاتا ہے۔ علمی دنیا کا ایک بچہ بھی جانتا ہے کہ سبزیوں کو ہمیشہ دھو کر کھانا چاہیے۔ کہ ان میں امراض کے کیڑے ہوتے ہیں۔ صرف جراثیم ہی نہیں بلکہ کیڑے ہوتے ہیں۔ یہ تو ایک عمومی بات ہے۔ اب ذرا علمی اور سائنسی باتیں سنئے ① پانی کے ایک قطرے میں ہزاروں جراثیم ہوتے ہیں۔ اور سبزی بغیر پانی کے نہیں پیدا ہو سکتی۔ ② ایک گرام مٹی میں بھی بے شمار جراثیم ہوتے ہیں۔ بلکہ جب تک مٹی خمیری نہ ہو۔ سبزی نہیں اگ سکتی اور مٹی میں خمیر یہی جراثیم بناتے ہیں۔ ③ ہر قسم کی سبزیاں، صرف ٹماٹر، لیموں اور دیگر ترش سبزیوں کے باقی تمام میں کھار (الکلی) کی زیادتی ہوتی ہے۔ یہ کھار پن قاطع حرارت ہے۔ سبزیوں میں اگر کوئی سبزی حرارت پیدا کر سکتی ہے۔ تو وہ سرخ مرچ، میتھی، پودینہ، ادرک، پیاز اور لہسن وغیرہ ہیں۔ یہ سب غذا کے طور پر نہیں بلکہ مصالحہ کے طور پر استعمال کی جاتی ہیں۔ اس امر سے ثابت ہوا کہ نشاستہ دار سبزیاں جیسے آلو نہ صرف جراثیم کی پیدائش میں مدد دیتے ہیں بلکہ ٹی بی پیدا کرتے ہیں ⑤ جراثیم کی پیدائش نباتات کے اصولوں پر نہیں ہے۔ کیونکہ ان میں وہ سبز مادہ نہیں پایا جاتا جو نباتات میں پایا جاتا ہے۔ جس سے وہ ہوا میں سے غذا جذب کرتی ہیں۔ اس لیے جراثیم اپنی غذا ہوا میں سے حاصل نہیں کر سکتے۔ ان کے لیے لازمی ہے کہ وہ اپنی غذا زیادہ تر نباتات سے حاصل کریں۔ اس لیے جراثیم اپنی غذا ہوا میں سے حاصل نہیں کر سکتے۔ ان کے لیے لازمی ہے کہ وہ اپنی غذا حیوانات کو بنائیں یا نباتات سے غذا حاصل کریں۔ اس لیے جراثیم اپنی غذا زیادہ تر نباتات سے حاصل کرتے ہیں اور نباتات بھی ایسی جن میں نشاستہ زیادہ ہو۔ جیسے آلو وغیرہ ان امور سے ثابت ہوا کہ سبزیاں خصوصاً کچی سبزیوں کا استعمال کرنا ٹی بی کو دعوت دینا ہے۔ **یاد رکھیں جو قوم صرف سبزیوں پر زندگی گزارے۔ وہ کبھی بہادر نہیں ہو سکتی۔ دنیا میں وہی قومیں زندہ بن سکتی ہیں جو گوشت کھاتی ہیں۔** کیونکہ گوشت موادِ حرارت اور قوت ہے۔ اس کے برعکس سبزیاں دافع حرارت اور ضعف پیدا کرتی ہیں۔ اسی لیے قرآن حکیم میں فرمایا گیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم پر ذلت اور مسکینی لازم کر دی گئی کہ انہوں نے من وسلویٰ کے مقابلے میں سبزیاں طلب کی تھیں اور یہی ان پر اللہ تعالیٰ کا عذاب تھا''۔

جناب لون صاحب لکھتے ہیں کہ ''آلو ہمارے ملک میں موجودہ غذاؤں کا ایک ضروری معاون جزو ہے۔ سستا اور آسانی سے دستیاب ہونے کے علاوہ ہمارے جسم کی حرارت غریزی کے قائم رکھنے میں بہت مدد دیتا ہے۔ وٹامن سی۔ جو کہ جسم میں قوت مدافعت پیدا کرتا ہے ماسخورہ لگنے نہیں دیتا، کے علاوہ اس میں پروٹین، وٹامن (بی) آئرن اور کیلشیم ہوتے ہیں۔ جو کہ خصوصاً اہل پاکستان کے لیے غذائیت کے لحاظ سے بہت ہی موزوں اور بہت ہی مفید ہیں اور جسمانی لحاظ سے بہت ہی مفید ہیں اور جسمانی ضروریات کے لیے نہایت ضروری ہیں کیونکہ ان

سے معدہ بیماریوں سے بچا رہتا ہے۔خون درست رہتا ہے اور ہڈیاں کمزور نہیں ہونے پاتیں۔اور خاص کر یہ چھوٹے بچوں اور دودھ پلانے والی ماؤں کے لیے نہایت مفید ہے''۔

محترم لون صاحب! ہم اپنے مضمون میں عقل ونقل اور قانون فطرت سے ثابت کر چکے ہیں کہ آلو کا روزانہ استعمال نہ صرف ٹی بی پیدا کرتا ہے بلکہ پاکستانی قوم کو قربان کرے گا۔جس سے اس کی نہ صرف بہادرانہ روایات ختم ہو جائیں گی بلکہ ذہنی اور روحانی طور پر بھی ناکارہ ہو جائے گی۔آپ کہتے ہیں کہ''ہماری موجودہ غذاؤں میں معاون جزو ہے'' نہ سستا ہے اور نہ آسانی سے دستیاب ہو سکتا ہے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ حرارت غریزی کو تباہ کرتا ہے۔افسوس آپ حرارت کے متعلق کچھ نہیں جانتے اور نہ حرارت غریزی اور عام حرارت اور حرارت غریبہ میں فرق جانتے ہیں۔اگر آپ یہ سب کچھ جانتے ہوتے تو کبھی یہ نہ لکھتے کہ آلو حرارت غریزی پیدا کرتے ہیں۔جب آپ خود لکھتے ہیں کہ اس میں وٹامن (بی) اور (سی) ہیں کیا آپ کو علم ہے کہ آلو میں اس کے نشاستہ کے مقابلے میں کس نسبت سے وٹامن (بی) اور (سی) ہیں؟ یعنی آٹے میں نمک کے برابر اور وٹامن (بی) نباتاتی وٹامن ہے۔حیوانی نہیں ہے۔وٹامن (سی) کاربن ہے۔ترشی نہیں ہے۔یہ کسی طرح بھی ماںخورے کے لیے مفید نہیں ہے۔میڈیکل سائنس نے ترشی کو ماںخورے کے لیے مفید لکھا ہے۔اور یہی نظریہ غلط ہے۔خیر! بہر حال آپ اس علم سے بے علم ہیں۔کسی طرح بھی ہڈیوں کو آلو طاقت نہیں دیتا بلکہ ہڈیوں کا ٹی بی پیدا کرتا ہے۔خون کو کمزور کرتا ہے اور اس میں سردی پیدا کر دیتا ہے۔معدہ گندہ کرتا ہے اور بے حد تبخیر اور تعفن کے ساتھ بے شمار قسم کے امراض پیدا کرتا ہے۔اس کے استعمال سے فوراً نزلہ زکام پیدا ہو جاتا ہے۔جو ابوالعلامات ہے اور ٹی بی کا پیش خیمہ ہے۔نہ یہ بچوں کے لیے مفید ہے اور نہ دودھ پلانے والی عورتوں کے لیے سودمند ہے۔البتہ امریکہ کے لیے ضرور مفید ہے جس کا بیج پاکستان میں بکتا ہے یا ان مجبور لوگوں کا پیٹ بھر سکتا ہے جن کو کوئی اناج میسر نہ آئے اور بھوک نے ان کا برا حال کر دیا ہو۔

جہاں تک وٹامن کا تعلق ہے۔ہم پہلے بھی لکھ چکے ہیں بلکہ چیلنج کر چکے ہیں کہ آپ ان کے خواص کے متعلق کچھ نہیں جانتے اور جہاں تک اس کی ترتیب (کمبینیشن) کا تعلق ہے۔یعنی غذا میں کس تناسب سے شامل ہوتے ہیں اور ہم کو کس تناسب سے ان کو استعمال کرنا چاہیے اور خاص طور پر کن کن وٹامن کو آپس میں ملانا چاہیے۔اس کا علم کسی فرنگی ڈاکٹر کو بھی نہیں۔اسی طرح وہ ان کے اثرات بالمفرد اعضاء سے واقف نہیں ہیں۔اگر وٹامن کے متعلق ان باتوں کا علم رکھتے ہیں تو ہم مقابلے کے لیے چیلنج کرتے ہیں۔یونہی وٹامن وٹامن کر کے عوام میں خوف و ہراس پیدا کر دینا کہاں کی عقلمندی ہے۔افسوس! جس علم سے آپ واقف نہیں ہیں۔اس کے متعلق لوگوں کو تعلیم دینا بیماری پیدا کرنے کا باعث ہی ہو گا۔

یہ بھی آپ کو جاننا چاہیے کہ وٹامن کے غلط استعمال یا کثرت استعمال سے خطرناک امراض بھی پیدا ہو جاتے ہیں۔جیسے اغذیہ اور ادویہ کے غلط استعمال سے انسان مصیبت اور دکھ میں گرفتار ہو جاتا ہے۔صرف یہ لکھ دینا کہ فلاں وٹامن یہ طاقت دیتا ہے کافی نہیں ہے بلکہ یہ بھی لکھنا چاہیے کہ وہ نقصان کیا دیتا ہے۔اس کے مشینی اور کیمیاوی کیا کیا اثرات ہیں۔ہمارے پاکستان میں بھی اکثر فرنگی ڈاکٹر ہیں۔جب ہم یورپ وامریکہ کے فرنگی ڈاکٹروں اور سائنسدانوں کو چیلنج کرتے ہیں کہ وہ خواص اغذیہ اور تاثیر الادویہ سے پورے طور پر واقف نہیں ہیں تو بھلا ان کو پاکستانی فرنگی ڈاکٹر کیا جانتے ہیں۔اور جناب لون صاحب! آپ کے علم کا تو ذکر ہی بے سود ہے کہ آپ تو ڈاکٹر بھی نہیں ہیں۔چند ادھر اُدھر سے باتیں پڑھ لی ہیں اور آپ جیسے لوگوں ہی کی وجہ سے ٹی بی بے حد شدت اور کثرت سے پھیل رہی ہے۔آخر میں ہم پورے زوردار الفاظ میں احتجاج کریں گے کہ گالیاں دینے سے کسی کے علم وفن کی فوقیت نہیں ہوا کرتی بلکہ صحیح علم وفن کو پیش کرنے سے ہوا کرتی ہے۔

ہم نے بھی آپ کے سامنے علم وفن پیش کیا ہے بلکہ موجودہ سائنس کی روشنی میں پیش کیا ہے۔اگر جرأت ہے تو اس کو غلط قرار دیں۔ٹی بی کے لیے مزید صحیح علم درکار ہو تو میری کتاب تحقیقات تپ دق وسل پڑھیں۔ وماعلینا الاالبلاغ۔

(۲۱)

اسلام اور جنسیات

فہرست عنوانات

پیش لفظ

قانون حیات

خداوند کریم نے یہ کائنات پیدا کر کے اس میں زندگی پیدا کر دی ہے اور اس زندگی کو قانون کے تحت کر دیا ہے۔ زندگی کے جس قدر بھی شعبے ہیں وہ تمام قوانین کے تحت عمل کرتے ہیں۔ ان میں پیدائش زندگی سے لے کر اختتام زندگی تک جن میں بھوک پر ضرورت کے مطابق کھانا پینا، گرمی سردی اور اخلاقی تہذیب کے مطابق لباس پہننا، بارش وطوفان اور دیگر خطرات کے تحت مکان میں رہنا، بیماری میں علاج کرانا، کائنات اور زندگی کو سمجھنے و ترقی و کمال حاصل کرنے اور خالق کائنات و زندگی کو ذہن نشین کرنے کے لئے علم و حکمت حاصل کرنا اور اس زندگی کی ضروریات پوری کرنے کے لئے جدوجہد کام دھندہ کرنا وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ جو لوگ اپنے اعمال کو صالح طریق پر قانون حیات کے تحت رکھتے ہیں وہ نہ صرف خوشگوار زندگی گزارتے ہیں بلکہ زندگی کا کمال حاصل کرتے ہیں۔ ایسے لوگ ہی دُنیا میں باکمال شمار ہوتے ہیں۔

قانون پیدائش

قوانین حیات کا پہلا قانون پیدائش زندگی ہے۔ یہ ایک انتہائی اہم قانون ہے۔ اسی قانون کے تحت جمادات و نباتات اور حیوانات کی زندگیاں نمودار ہوئی ہیں اور اس قانون زندگی کا کمال انسان ہے۔ جس کو اشرف المخلوقات کہا گیا ہے۔ قرآن حکیم نے اس حقیقت کی تائید کی ہے: ﴿ لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ ﴾ مگر اکثریت ایسے لوگوں کی ہے جو طریق اور عمل پیدائش کی طرف کبھی غور نہیں کرتے۔ قانون پیدائش کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ صحیح پیدائش اور اس کی صالح تربیت کے بعد زندگی اپنا وقت عمدہ طریق پر نہ صرف گزار سکتی ہے بلکہ اپنے کمال تک پہنچ سکتی ہے۔ اور جو زندگیاں اپنے کمال تک نہیں پہنچ پاتیں وہ قانون پیدائش اور تربیت صالح سے ناواقف ہوتی ہیں۔ جاننا چاہئے کہ اگر قانون حیات بقائے حیات ہے تو قانون پیدائش بقائے نسل ہے۔

قانون بقائے نسل

قانون پیدائش میں ایک صورت بقائے نسل بھی ہے۔ جس کا مقصد یہ ہے کہ دُنیا میں جس قدر مخلوق پیدا کی گئی ہے اس کی بقا اور نسل قائم رہے۔ اس لئے نباتات و حیوانات اور انسان میں توالد و تناسل کا سلسلہ قائم کیا گیا ہے۔ یہ سلسلہ جمادات و ادنیٰ نباتات اور ادنیٰ حیوانات میں صرف اسی مادہ میں رکھ دیا گیا ہے۔ جس سے اس میں نشوونما ہو کر توالد و تناسل اور بقا و تسلسل کی صورتیں قائم رہتی ہیں۔ لیکن اعلیٰ نباتات اعلیٰ حیوانات اور انسان میں یہ سلسلہ مذکر و مؤنث کے باہم ارتباط و اتحاد اور اجتماع سے عمل میں آتا ہے۔ اس لئے دونوں میں ایک قسم کی کشش اور شوق پیدا کر دیا گیا ہے۔ جس سے ان میں ایک طرف اپنی ذات میں طلب اور دوسری طرف مقابل ذات میں کھچاؤ کے اثرات پیدا کر دیئے گئے ہیں۔ تا کہ ضرورت کے مطابق مذکر و مؤنث کا باہم ملاپ اور شرکت ہو سکے۔ جس کے نتیجہ میں توالد و تناسل اور بقا و تسلسل کی ضرورت قائم رہتی ہے۔ اس

طرح قانون بقائے نسل کام کرتا رہتا ہے۔

قانون توالد و تناسل

جمادات و نباتات اور حیوانات کا قانون توالد و تناسل ان کے احساس اور شعور کے ماتحت ہے۔ یہاں شعور کے معانی نفسیاتی اصطلاح ''غیر شعور'' ہے۔ اسی احساس و غیر شعور کے تحت مقررہ وقت و مقررہ اصولوں اور مقررہ قانون کے تحت توالد و تناسل اور احساس کے ساتھ تحت الشعور و شعور، نطق و ضمیر، ادراک و وجدان اور افہام و تفہیم پائے جاتے ہیں۔ اس لئے اس پر معاشرہ و معاشیات اور ثقافت و اخلاق کی پابندیاں عائد ہوتی ہیں۔ یہ پابندیاں تین صورتوں میں قائم ہوتی ہیں:

1. مذہبی پابندیاں جن کے خلاف کرنے سے گناہ عائد ہو جاتا ہے۔
2. حکومت کی پابندیاں جن کے خلاف کرنے سے جرم و سزا کا مستحق ہو جاتا ہے۔
3. معاشرہ کی پابندیاں جن کے خلاف کرنے سے اخلاق کی خلاف ورزی ہوتی ہے۔

اس طرح قوم و ملک میں معاشرہ و معاشیات اور ثقافت و اخلاق کی قدریں بگڑ جاتی ہیں۔ اس لئے مذہب و حکومت اور معاشرہ نے ایمان و قانون اور اخلاق کی اقدار مقرر کر رکھی ہیں۔ جن کے بغیر انسان توالد و تناسل کی زندگی نہیں گزار سکتا۔ ان پابندیوں کے خلاف توالد و تناسل کا سلسلہ قائم رکھنے والے کو گناہ گار مجرم اور ذلیل خیال کیا جاتا ہے۔ اس لئے مجرد انسان کو معاشرہ میں اچھی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا۔ ان میں جنسی ناقابل اور جنسی باغی دونوں شامل ہیں جن کی کئی وجوہات ہیں:

1. مجرد لوگ قابل اعتبار نہیں سمجھے جاتے۔
2. مجرد لوگوں میں صحیح انسانیت اور ذہنیت کا فقدان تصور کیا جاتا ہے۔
3. آئندہ اس کی نسل قائم نہیں رہتی۔
4. اس کی دولت اور آمدنی اس کی ذات کے سوائے دوسروں پر خرچ نہیں ہوتی۔ گویا وہ معاشرہ کے لئے بے سود انسان ہے۔
5. سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اگر انسان صحیح جنسی زندگی اختیار نہ کرے تو اس کی جسمانی و ذہنی اور روحانی نشوو ارتقاء مکمل نہیں ہوتی جس سے وہ جسمانی طور پر نہ غیر معمولی انسان بن سکتا ہے اور نہ ذہنی طور پر غیر معمولی حساس آدمی بن سکتا ہے اور نہ ہی روحانی طور پر غیر معمولی خود شناس بشر بن سکتا ہے۔ اسی لئے اسلام نے افراط و تفریط دونوں صورتوں میں پابندیاں لگا دی ہیں۔

اسلام نے انسان میں متاہل اور ازدواجی زندگی کے لئے ذوق و شوق پیدا کیا ہے۔ تاکہ انسان کی ضروریات و قیام صحت کے ساتھ ساتھ توالد و تناسل قائم رہے۔ اس سلسلہ میں قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ:

﴿ زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ ﴾ [آل عمران : ١٤]

''مردوں کو عورتوں اور اولاد کی محبت سے زینت ہے''۔

پھر عقد کے لئے پسند کو ضروری قرار دیتے ہوئے تعداد کی پابندی لگا دی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَ ثُلٰثَ وَ رُبٰعَ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً ﴾ [سورة نساء : ٣]

''پس عورتوں میں سے نکاح کرو جس کو تم پسند کرو دو دو تین تین اور چار چار اگر خوف ہو کہ تم عدل نہیں کر سکو گے تو ایک ہی کرو''۔

اس سلسلے میں حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

« تناکحوا تناسلوا فانی اباهی بکم یوم القیامة »

''نکاح کرو اور اولاد پیدا کرو، میں تمہاری افزائش نسل سے قیامت کے دن اور امتوں پر فخر کروں گا''۔

منشائے الٰہی اور ہدایت نبوی ﷺ میں جنسی ضرورت کے لئے ایک سے چار تک کی وسعت دی گئی ہے۔ بلکہ بے حساب باندیوں کی بھی اجازت ہے۔ لیکن اس تعاون میں نیکی اور خوف خدا کو مدنظر رکھنا ضروری ہے۔ گناہ اور حد سے بڑھ جانے کو منع کیا ہے۔ اس وسعت کا مقصد یہ ہے کہ انسانی تخم اپنے صحیح اور جائز مقام پر گرے اور جگہ جگہ ناجائز طور پر حرامی بچے پیدا نہ کئے جائیں۔ ایسا کرنے والے کے لئے سخت گناہ کے ساتھ اس دُنیا میں بھی خوفناک تعزیریں مقرر کردی گئی ہیں یعنی مجرم اگر غیر شادی شدہ ہے تو اس کو کوڑے لگائے جائیں اور شادی شدہ ہے تو اس کو سنگسار کر دیا جائے تاکہ معاشرہ میں موجود گندے عناصر کو ختم کر دیا جائے۔ کیونکہ حرامی بچے نفسیاتی اور وراثتی اثرات کے تحت جنسی بھوک کے مریض ہوتے ہیں اور ان کی وجہ سے آئندہ یہ مرض وبائی جراثیم کی طرح بڑھتا اور پھیلتا ہے، جو معاشرہ کے لئے تباہی کا باعث بنتا ہے۔

مکمل انسان

دُنیا میں شاید ہی کوئی ایسا مذہب وحکومت اور معاشرہ ہو جس نے جنسی ضرورت پر پابندی نہ لگائی ہو۔ ان پابندیوں سے ایک طرف انفرادی طور پر شخص کی جسمانی و ذہنی اور روحانی زندگی میں تقویت پیدا ہوتی ہے تو دوسری طرف معاشرہ میں تعمیر پیدا ہوتی ہے۔ جس معاشرہ میں جنسی فعل کو ضرورت کی بجائے خواہش کے تحت پورا کیا جائے چاہے وہ جائز صورت میں بھی ہو تو امراض کا باعث ہوتا ہے اور وہ لوگ جو عورت کے بغیر جنسی خواہشات کو پورا کرتے ہیں جیسے جلق و اغلام اور دیگر ذرائع حیوانی وغیرہ ایسے لوگ رفتہ رفتہ مقام انسانیت سے گر جاتے ہیں اور معاشرہ کے لئے تباہی کا باعث بنتے ہیں۔ انہی اثرات کے تحت یہ کتاب لکھی گئی ہے۔ جن لوگوں میں جنسی امراض اور خرابیاں پیدا ہوگئی ہوں صحیح علاج معالجہ ہی سے ان کو پھر مقام انسانیت پر قائم کیا جا سکتا ہے۔ جو انسان جنسی فعل کو ضرورت کے مطابق انجام دیں گے وہ جسمانی و ذہنی اور روحانی طور پر مکمل انسان بن کر معاشرہ کے لئے مفید طاقت بن سکتے ہیں اور آئندہ ان کی اولاد بھی صحت مند پیدا ہوگی۔ یہ سب کچھ نظریہ مفرد اعضاء کے تحت پیش کیا گیا ہے جو دُنیا میں اپنے نظریہ کی پہلی کتاب ہے۔

خادم فن

صابر ملتانیؒ

14 / اکتوبر 1969ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کثرتِ ازدواج کا نفسیاتی تجزیہ

فرنگی نے اسلام کی تبلیغ اور بڑھتی ہوئی قوت کو روکنے کے لئے چار اُصول وضع کیے جس سے نہ صرف اسلام کی تبلیغ رُک گئی بلکہ مسلمان دُنیا میں پارہ پارہ ہوکر رہ گئے۔ فرنگی مدبر اپنے ان اصولوں پر نازاں ہے اور فخر کرتا ہے۔ اس کے وہ اصول درج ذیل ہیں:

1. دین اسلام کی تبلیغ کو ختم کر کے مادی فرنگی تہذیب کو رائج کیا جائے۔
2. دین اسلام کے حامل علماء کی تذلیل کی جائے۔
3. اسلام کے مرکز خانہ کعبہ کی اہمیت ختم کر دی جائے اور اس کی جگہ دیگر مرکز بنائے جائیں خاص طور پر پیرس، لندن اور واشنگٹن کی طرف رجوع کرایا جائے۔
4. اسلام کی واحدانی حکومت کا قیام ناممکن کر دیا جائے جہاں سے دینی قوت اور تبلیغ کا چشمہ اُبھرتا ہے۔ ان کی جگہ چھوٹی چھوٹی بے معنی اور مفلوج ریاستیں بنا دی جائیں جن میں اکثر غلام اور نیم آزاد لوگ رہیں اور یہ کوشش کی جائے کہ جو نیم آزاد ہوں وہ بھی آپس میں برسرپیکار رہیں۔

فرنگی کے ان چار اصولوں نے مسلمانوں کو جو نقصان پہنچایا ہے وہ کسی اسلوب عقل و دانش سے پوشیدہ نہیں ہے۔ لیکن چار اصولوں سے بڑھ کر جس خفیہ ہتھیار نے اسلام کو نقصان پہنچایا وہ کثرت ازدواج کے خلاف زہریلا پروپیگنڈا ہے۔ اس پروپیگنڈے نے سرد جنگ کا کام کیا اور اسلام کی نصف آبادی (عورت) کو ذہنی طور پر اسلام کے خلاف یعنی اس کا ذہن کسی بھی ایسے مذہب پر ایمان لانے کو تیار نہیں جس میں کثرت ازدواج کی اجازت ہو۔

اس سے نہ صرف مسلمان عورت کے دماغ میں فتور آ گیا، بلکہ غیر مسلمان عورت کے سامنے جب بھی اسلام کی اچھی تعلیم کا ذکر آیا تو اس نے کثرتِ ازدواج کے مسئلہ پر اسلام کی اچھی تعلیم سے بھی منہ موڑ لیا۔

عناصر اربعہ

فرنگی کے ان چار اصولوں کو اگر عناصر اربعہ قرار دیا جائے تو کثرت ازدواج کے خلاف پروپیگنڈا اسلام کی مخالفت میں روح کا کام دیتا ہے۔ اَن پڑھ، جاہل اور پڑھی لکھی نادان عورتوں نے فرنگی زہریلے پروپیگنڈے کی حمایت کرنی ہی تھی۔ بعض دین اسلام سے نابلد مردوں نے بھی

اپنی حماقت سے اسلام کی تبلیغ اور قوت کو نقصان پہنچانا شروع کر دیا۔ بعض نفس پرستوں نے اس کے تحت عورتوں کی آزادی کے لئے چیخنا شروع کر دیا اور عورت کے دردن خانہ کی پروقار اور پرشکوہ زندگی سے بازار میں لاکر مزدور کی صورت میں کھڑا کر دیا۔ جہاں وہ باپ دادا کی جائیداد، خاوند کی دولت، بھائی اور بیٹے کی کمائی پر عزت وشان کے ساتھ انسانی زندگی میں رنگ بھرتی تھی اب وہ بھکارن بن کر در بدر کی بھیک مانگتی پھرتی ہے۔ اب حالت یہ ہے کہ جب تک جوان ہے اور اس کے جسم میں حرارت ہے تو وہ اپنی روٹی آسانی سے کمالیتی ہے اور جب بوڑھی ہو جاتی ہے تو سڑک کے کنارے بیٹھ کر تیز اور کرخت آواز میں راہ گیروں کے سمع وبصر کے لئے باعث اذیت بنتی ہے۔

اسلام یہ چاہتا ہے کہ عورت جہاں جوانی میں رونق خانہ بنی رہے وہاں بڑھاپے میں جوانی سے بھی زیادہ باعزت وباعظمت زندگی گزار سکے۔ اسلام جس قدر عورت کو عزت اور آزادی دیتا ہے اس قدر نہ کسی مذہب نے دی ہے اور نہ ہی کسی تہذیب نے بخشی ہے۔

آج کے متمدن اور مہذب ممالک میں عورت کی زندگی اس قدر کٹھن ہے کہ وہ اب نہ اپنے گھر کی رہی ہے اور نہ ہی کسی گھاٹ پر اس کو سکون میسر ہے بلکہ ایک تیز قسم کے دھارے کے ساتھ بہتی چلی جارہی ہے۔

غرض وغایت

فرنگی صرف چار عورتوں کے خلاف پروپیگنڈہ کرتا ہے کہ ایک سے زائد نہیں ہونی چاہیئے۔ لیکن اسلام چار سے بھی آگے بڑھ جاتا ہے اور صاحب استعداد واقتدار کو چار بیویوں کے علاوہ (اگر جسمانی اور مالی طاقت ہو) ہزاروں باندیوں کی بھی اجازت دیتا ہے۔ جس میں نہ نکاح کی ضرورت ہے اور نہ خلع کا جھگڑا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اسلام یہ نہیں چاہتا کہ معمولی سے معمولی اور ادنیٰ سے ادنیٰ بلکہ بوڑھی سے بوڑھی عورت بھی گھر کی باعزت وباعظمت زندگی سے نکل کر بازاروں، دفتروں، فیکٹریوں اور کھیتوں میں ناجائز نفسانی خواہشات کا شکار بنتی پھرے۔

اسلام چاہتا ہے کہ عورت گھر میں بہترین طریقے پر بچوں کی تربیت کر سکے۔ جس کے صلہ میں وہ نان ونفقہ کے لئے بے فکر ہو جائے۔ وہ صحیح معنوں میں ماں بن جائے۔ ایسی ماں جس کے پاؤں کے نیچے واقعی جنت ہے۔

ابتدائی انسانی ضروریات

انسان کی ابتدائی ضروریات میں روٹی، کپڑا، مکان، تعلیم، طبی امداد اور قدرتی ذرائع سے مستفید ہونا ہے۔ یہی ضروریات مرد کے ساتھ عورت کے لئے بھی ہیں۔ اسلام اس کی اجازت دیتا ہے۔

انسان کی ان ابتدائی آزادیوں میں مذہبی آزادیوں، مجلسی آزادی اور اقتصادی آزادی بھی شامل ہے۔ ان میں بھی عورت مرد کے ساتھ برابر کی شریک ہے۔ اسلام کوئی رکاوٹ پیدا نہیں کرتا۔ ان کے علاوہ عورت کے لئے بھی بھلا اور کون سی ضرورت یا آزادی باقی رہ جاتی ہے۔

تڑپ تڑپ کر گھر سے باہر کا رخ کرتی ہے اور کونسل تک پہنچنے کی کوشش کرتی ہے۔

کثرتِ ازدواج کا مسئلہ نہ اس قدر اہم ہے اور نہ ہی اس میں کوئی الجھن ہے۔ اسلام نے شادی کے معاملے میں عورت اور مرد کو برابر کی آزادی دی ہے کہ وہ اپنی مرضی کے خلاف شادی نہ کریں۔ اور اگر شادی کے بعد کسی وجہ سے عورت پسند نہ ہو تو وہ جب اور جہاں بھی چاہے

طلاق دے سکتا ہے۔ اس میں کسی گواہ کی ضرورت نہیں ہے اور عورت کے لئے بھی یہی آزادی ہے کہ جب چاہے خلع حاصل کر سکتی ہے۔ لیکن اس کے لئے جگہ کی پابندی ہے کہ وہ قاضی کے پاس جا کر اپنا خلع طلب کرے۔ اس کو فوراً مل جائے گا۔ اس طرح اس کے لئے عدالت کی شہادت قائم ہو جاتی ہے۔

یہ صرف اس لئے ہے کہ عورت میں جذبات کی تیزی مرد سے زیادہ ہے۔ جہاں وہ فوراً خلع طلب کرتی ہے وہاں وہ واپس بھی جلد ہی لوٹ آتی ہے۔ اس لئے اس خلع کو قائم رکھنے کے لئے جگہ اور شہادت کا تعین ضروری ہے۔ اس کے علاوہ ایک نکتہ یہ بھی ہے کہ اگر عورت کے پہلے خاوند سے حمل ہو تو اس کا بھی تصفیہ ہو جائے۔

پاک و ہند میں جہاں مرد کے طلاق کے حق کو برقرار رکھا گیا، وہاں عورت کے خلع کے قانون کو دبایا گیا۔ جس کے نتیجہ میں عورت نے اپنی فطری بے چینی سے تنگ آ کر اسلام اور خاص طور پر کثرت ازدواج کے خلاف بغاوت کر دی۔ یہی مرضی فرنگی کی تھی جو بہت حد تک پوری ہوئی۔ اس کے بعد اس مسئلہ کی اس کثرت سے غلط تفسیریں کیں اور کرائی گئیں کہ یہ مسئلہ اور بھی الجھ کر رہ گیا اور یوں رفتہ رفتہ فرنگی کا یہی پروپیگنڈہ ایک قسم کی سرد جنگ کی صورت اختیار کر گیا ہے۔

خلع کی حقیقت

اصل مسئلہ خلع ہے جو عورت کے لئے آزادی کا قانون ہے یعنی جب عورت چاہے اپنے مرد سے آزاد ہو سکتی ہے۔ اس کی موجودگی میں کثرت ازدواج کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا یعنی جب عورت مرد سے الگ ہو جائے۔ عورت اپنی شادی کے بعد اپنی مرضی کی مالک ہے کہ وہ مرد سے نباہ کرے یا جدا ہو جائے۔ اس کا خاوند دو بیویاں رکھے یا چار۔ بہر حال اگر اس کو اپنے خاوند کے اندر کسی قسم کی کشش معلوم ہوتی ہے تو رہے ورنہ خلع کر کے الگ ہو جائے۔ نہ جانے اس کے بعد ایسی کونسی الجھن باقی رہ جاتی ہے جس کے باعث اسلام کی اجازت تعداد ازدواج کو مطعون کیا جاتا ہے۔

جب ایک عورت کسی شخص سے شادی کرتی ہے تو وہ پہلی عورت کے سوکناپے کو برداشت کرتے ہوئے شادی کرتی ہے۔ اگر دونوں ہر قیمت پر اکٹھی رہ سکتی ہیں تو پھر کثرت ازدواج کا الزام مرد پر کیوں ہے؟

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اچھی بھلی ایک عورت اپنے گھر میں آباد اور خوش و خرم تھی۔ دوسری عورت نے آ کر اس کا سکھ اور خوشی چھین لی۔ اوّل تو یہ قصور اس عورت کا ہے جو سوکن بن کر اپنی ہم جنس بہن پر نازل ہوئی ہے۔ اگر مرد کو قصوروار ٹھہرایا جائے تو بڑی سے بڑی ذمہ داری حاصل کی جاتی ہے اور ضرورت سے زیادہ زیور اور کپڑا طلب کیا جاتا ہے تاکہ لڑکے کی تمام پونجی تباہ کی جائے اور وہ دوسری شادی کا تصور کبھی ذہن میں نہ لا سکے۔ پھر جلد ہی یہ سختی بھی شروع ہو جاتی ہے کہ وہ اپنے خاندان سے الگ ہو جائے اور اچھی طرح اپنی بیوی اور ان کے خاندان کے زیر اثر آ جائے۔ ایسی صورت میں مرد بھلا دوسری شادی کا تصور کیسے کر سکتا ہے۔

صرف تین کام

ہمارے ہاں عورت کے لئے شادی کے بعد تین کام ہی باقی رہ جاتے ہیں جن کی تفصیل کچھ اس طرح سمجھی جا سکتی ہے:

۱۔ مرد اور اس کے خاندان کی دن رات برائیاں کرنا اور اپنی مظلومیت بیان کر کے رونا۔ گویا اس نے یہاں شادی کیا کر لی ہے، مصیبت

میں پڑگئی ہے۔سب سے بڑی بات یہ کہتی ہے کہ اس کے لئے اس رشتہ سے کہیں اچھے رشتے ملتے تھے،مگر ماں باپ نے اس کو یہاں ڈبودیا ہے۔

- دِن رات کی آزادی کے لئے جدوجہد کرنا۔یعنی ماں باپ، بہن بھائی کے گھر میں بلا روک ٹوک جانے کے علاوہ سہیلیوں، دوستوں، ہمسایوں اور بازار میں بلا روک ٹوک جانے کی اجازت ہو۔مگر خاوند کو گھر سے غیر حاضر ہونے کی اجازت نہیں ہے۔خاوند تماشہ اور کھیل کے لئے باہر جائے تو روز جھگڑا اور اگر بیوی کو غیر مرد کے ساتھ سیر، سینما اور ٹینس کھیلنے کی اجازت نہ دی جائے تو مرد کو متعصب اور جنگلی کہا جاتا ہے۔
- دوسری شادی کے خلاف پروپیگنڈہ کرنا ان کا شغل ہے جہاں بھی بیٹھیں گی دوسری شادی کے قصے، سوکن کے جھگڑے اور برائیاں بیان کریں گی۔مگر جب بھی موقع ملے خود کسی کی سوت وسوکن بن جانا اور پھر دِن رات اس سوکن کو گلے سے اُتارنے کی کوشش میں لگے رہنا۔یہاں تک دیکھا گیا ہے کہ مرد کی بیوی ہوتے ہوئے بھی اس سے طلاق لے لینا اور بیوی والے خاوند کے ساتھ شادی کر کے خود سوکن بن جانا۔

اکثر دیکھا گیا ہے کہ شادی نہ کرسکتی ہوں تو ایسے مردوں کے ساتھ ناجائز تعلقات پیدا کرلینا جن کی پہلے سے ہی ایک یا دو بیویاں ہوں۔

گویا جو عورت سوکن کو برا خیال کرتی ہے وہی سوکن بن جاتی ہے۔دراصل عورت کی افتادِ طبع کا اندازہ ذرا مشکل سے ہی کیا جاسکتا ہے۔

ہمارے یہاں کی عورت کے ذہن کو فرنگی پروپیگنڈے اور عیسائی مشنریوں کے متعصبانہ شدید اعتراضات نے مسموم کردیا ہے۔کاش کثرت ازدواج کے سلسلہ میں اعتراض کرنے والے فرنگی نے کبھی اپنی مذہبی کتب کو بھی اُٹھا کر دیکھا ہوتا کہ اُن میں کثرت ازدواج کی کس قدر مثالیں موجود ہیں۔توریت میں حضرت داؤد علیہ السلام کی نو بیویوں اور دس حرموں کا ذکر پایا جاتا ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کی سات سو بیویاں اور تین سو حرم تھیں اور اس میں لونڈیوں کو بھی بیوی بنانے کا حکم بھی ہے۔اسلام سے قبل کثرت ازدواج کا بے حد رواج تھا۔بیویوں کی تعداد سینکڑوں بلکہ ہزاروں تک تھی۔باپ کی وفات کے بعد یہ بیویاں اولاد میں ورثہ کے طور پر قائم رہتی تھیں۔سوائے اصل ماں کے باقی تمام بیٹے کی بیویاں بن جاتی تھیں۔اس زمانے میں عورت کی حیثیت بھیڑ بکری سے زیادہ نہ تھی بلکہ عرب میں عورت کو ''ننگ انسانیت'' خیال کیا جاتا تھا اور اپنی عزت کو قائم رکھنے کے لئے ان کو پیدا ہوتے ہی زندہ دفن کردیا جاتا تھا۔

یہ صرف اسلام کی برکت ہے کہ عورت کو عزت دے دی گئی ہے۔ان کو زندہ دفن کرنا گناہ قرار دے دیا گیا ہے اور بیویوں کی تعداد سینکڑوں ہزاروں سے گھٹا کر صرف چار کردی گئی ہے۔بلکہ اس کے ساتھ بھی یہ شرط لگادی گئی ہے کہ عدل قائم رکھنا ازحد ضروری ہے۔

فطری تقاضے

اس امر سے انکار نہیں کہ اسلام کا مذہب عین دینِ فطرت ہے تو پھر یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ مرد اگر متعدد شادیاں کرے گا تو نہ صرف گناہ سے بچے گا بلکہ اس کی زندگی میں ہر حیثیت سے تکمیل ہوگی۔لیکن یہ صرف انہی مردوں کے لئے ہے جن میں مندرجہ ذیل استعداد ہو۔

- عدل کرسکتے ہوں۔
- شدید ضرورت رکھتے ہوں۔جن کی صورتیں درج ذیل ہیں:

(الف) اسلام ایک تبلیغی مذہب ہے۔اس میں افراد کی بے حد ضرورت ہے۔

(ب) ایک عورت دس ماہ میں ہی بچہ پیدا کرسکتی ہے (اگر چہ اس کے چار خاوند بھی کیوں نہ ہوں)۔ لیکن مرد دس ماہ میں چار (اگر باندیاں بھی ہوں) تو چار سے زیادہ بچے بھی پیدا کرسکتا ہے۔

(ج) ایک عورت جب حاملہ ہوتی ہے یا دودھ پلاتی ہے تو مرد سے پرہیز برتتی ہے۔ اگر پرہیز نہیں کرتی تو اس کے اندرونی اعضاء کی صحت اور بچے کو نقصان پہنچ جاتا ہے۔

(د) مرد کا مطمح نظر عدل ہوتا ہے جو انسان کو آدمی بنا کر خداوند کریم کے قریب کردیتا ہے۔

(ہ) چار بیویوں اور ان کے بچوں کے لئے کھانے کی جدوجہد اور ان کی نگہداشت کا جذبہ پیدا ہو جاتا ہے۔ جنگ کے بعد اگر ضرورت پڑے تو اپنی قوم کی بیوہ عورتوں اور بچوں اور غیر قوم کی عورتوں کو اپنے ہاں سہارا دے سکتا ہے۔

(و) کثرت ازدواج تو ایک طرف، اسلام کے نزدیک تو ایک بیوی بھی اگر لذت، عیش کوشی اور نفس پرستی کے لئے کی گئی ہو تو یقیناً یہ عمل بھی اسلام کی تعلیم کے خلاف ہے۔ کیونکہ اسلام ایک تبلیغی مذہب ہے جس کے ہر نام لیوا کا یہ فرض ہے کہ وہ نہ صرف اپنے قول و فعل سے ہر وقت ہر جگہ اس کی تبلیغ میں لگا رہا بلکہ اس کا بیٹھنا اٹھنا، چلنا پھرنا، اوڑھنا بچھونا اور کھانا پینا اسلامی تعلیم کے مطابق یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ اور رسول کریم ﷺ کے احکامات کے مطابق ہونا چاہئے۔ اس سلسلہ میں بیوی کے ساتھ تعلقات بھی بالکل اسلامی زندگی کا آئینہ ہوں۔

دراصل میاں بیوی دونوں کے باہمی تعلقات کا مطمح نظر اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی اور رسول اکرم ﷺ کے گھرانے کی پوری پوری پیروی ہے۔ دونوں کے تعلقات صرف اس لئے ہیں کہ ذہن میں ایسی اولاد کا تصور ہو جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اکرم ﷺ کی مرضی اور پیروی کے مطابق پیدا ہو۔ پھر عین اسلامی تعلیم کے مطابق اس کی تربیت کی جائے۔ مرد حلال کی کمائی گھر لائے اور بیوی اس کے گھر کی نگرانی کرے۔ ان کا کوئی فعل ذاتی اور غیر اسلامی نہ ہو۔

اسلامی عقائد رکھنے والے افراد پر لازم ہے کہ وہ اپنے بالمقابل کا احترام کرے اور انتقامی جذبہ کو درمیان میں نہ لائے بلکہ ہر قیمت پر اس کی خوشی کو مقدم رکھے۔ نفرت کی بجائے خوشی کے ساتھ ایک دوسرے سے جدا ہوں۔ اگر بچے ہوں تو ان کا انتظام خوش اسلوبی سے کیا جائے جس کے پاس بچے رہ جائیں دوسرا رفیق بغیر کسی رکاوٹ کے بچوں سے مل سکے۔

اگر عورت کا تصور ایمان داری سے اپنی اولاد کی تربیت اسلامی اصولوں پر کرنا ہے جس سے اس کا اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ راضی ہو تو پھر اس امر کی پرواہ نہیں ہوتی کہ اس کے خاوند کے گھر میں ایک عورت ہے یا چار ہیں۔ جب سب کا مقصد اسلام کے لئے مبلغ اور غازی پیدا کرنا ہے، جس میں اپنے نفس کی خوشی مطلوب نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اکرم ﷺ کی رضا اور خوشی درکار ہے۔ جب کوئی میاں بیوی اپنی ذاتی مسرت کی تلاش، اللہ تعالیٰ اور رسول اکرم ﷺ کی بجائے ذاتی محبت، دنیاوی زندگی زر و جواہرات میں تلاش کریں تو پھر لازماً تسلیم کرنا پڑے گا کہ پھر عورت اسلامی تصور کو چھوڑ کر ذاتی ملکیت کی طرف لپکتی ہے۔ خاوند سے نان ونفقہ کی بجائے اس کو اپنی محبت یا ملکیت کے نام پر غلام بنانے کی کوشش کرتی ہے۔

اگر چہ مرد اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے اور عورت کا وقتی طور پر رفیق زندگی ہے۔ اگر عورت وقتی طور پر اسلامی اصولوں کے مطابق اپنے رفیق زندگی میں سہولتیں حاصل نہیں کرسکتی تو پھر اس کا اوّلین فرض ہوگا کہ اس خاوند سے خلع حاصل کرلے اور ایسے انسان کی رفیق زندگی بننے کی کوشش کرے جو اس کی اولاد کو اسلامی زندگی میں ڈھالنے میں معاون ثابت ہو۔

اس امر سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ ایک بچے کی پیدائش سات ماہ سے دس ماہ تک عمل میں آتی ہے۔ اس کے بعد عورت اس کو قریب قریب دو سال تک دودھ پلاتی ہے۔ حمل اور رضاعی دور میں عورت مرد سے فطرتاً دور رہتی ہے۔ یہ زمانہ زیادہ سے زیادہ پونے تین سال کا اور کم از کم دو سال کا بنتا ہے۔ اس عرصے کے بعد ہی عورت اس قابل ہوتی ہے کہ وہ اولاد کا تصور کر سکے۔ لیکن مرد اتنے عرصہ تک بغیر بیوی کے نہیں رہ سکتا۔ اگر عورت کے حمل اور رضاعی دور کے کم از کم زمانے کو چار پر تقسیم کریں تو چھ ماہ بنتے ہیں۔ یعنی حمل سے زیادہ سے زیادہ چھ ماہ تک عورت اپنے مرد کو قریب آنے کی اجازت دے سکتی ہے۔ اس کے بعد مرد کو دوسری بیوی کا محتاج ہونا پڑے گا۔ پھر ہر چھ ماہ دوسری اور تیسری عورت کا۔ یہاں تک کہ پہلی عورت اپنے بچے کے دودھ سے فارغ ہو جائے۔ اگر مرد دوسرا اور چوتھا نکاح نہیں کرے گا تو لازمی امر ہے کہ وہ صبر کرے یا روزے رکھے اور یا حرام کاری کرے۔

ایسے تو صبر کر سکتے ہیں جن کی قوت مردمی اوسط درجے سے بھی بہت کم ہو اور ایسے مرد روزے بھی رکھ سکتے ہیں جو بہت غریب ہیں اور جن کے پاس عمدہ غذاؤں کے لئے پیسے نہیں ہیں اور دوسری طرف زیادہ بیویوں کے اخراجات کے لئے دولت نہیں ہے۔ لیکن جن کے پاس وافر دولت اور سرمایہ بھی ہو وہ بھلا کسی طرح اس قسم کے روزے رکھ سکتے ہیں اور ایک ہی بیوی پر کیوں کر صبر کر سکتے ہیں۔

لیکن ہوتا یہ ہے کہ مرد کو ہی مجبور کیا جاتا ہے جو عین فطرت کے خلاف ہے۔ پھر یقیناً حرام کاری کرتا ہے۔ جس سے معاشرہ میں خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔ اس مقصد کے لئے باقاعدہ چکلے اور بازارِ حسن سرکاری طور پر کھولے جاتے ہیں اور خفیہ طور پر ہوٹلوں اور سراؤں میں بدکاری کے اڈے قائم کئے جاتے ہیں۔ اس سے بڑھ کر عورت کے ضرورت مند مرد گلیوں، محلوں اور ہمسایوں اور رشتہ داروں کی معصوم اور بے گناہ لڑکیوں کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ ان کو ورغلاتے ہیں اور موقع ملے تو بالجبر بھی اپنے جذبات کو تسکین دے لیتے ہیں۔ جس کے نتیجہ کے طور پر شریف عورت برباد ہو جاتی ہے اور اکثر نوبت قتل و خون تک پہنچ جاتی ہے۔

دوسرا پہلو

اگر کوئی شریف آدمی فطرتاً بدکاری سے پرہیز کرتا ہے تو وہ اپنی حاملہ بیوی کو تنگ کرتا ہے اور حمل کے بعد بھی چند ہی دن گزرنے دیتا ہے۔ نتیجہ کے طور پر ہر دس گیارہ ماہ بعد ایک بچہ پیدا ہو جاتا ہے جس سے عورت کی صحت بالکل تباہ ہو جاتی ہے اور اس کو عام طور پر دق لگ جاتی ہے۔

شاید بعض لوگوں کو معلوم نہیں کہ دق کی ابتدا ورم رحم سے ہوتی ہے اور وہ بیس پچیس سال کی عمر تک مشکل سے پہنچتی ہے اور اپنے چھوٹے چھوٹے بچوں کو اپنی آنے والی سوکن کے رحم و کرم پر چھوڑ کر قبر میں اپنا گھر بسا لیتی ہے اور جس سوکن سے ڈرتی تھی وہ ہی اس کے گھر آ کر مالک بنتی ہے اور ساتھ ہی اس کے بچوں اور بچیوں کی نہ تعلیم ہوتی ہے اور نہ تربیت۔ ایسے بچے اور بچیاں اسلام کے غازی اور مبلغ بننے کی بجائے معاشرے کے لئے بھی دُکھ کا باعث بن جاتے ہیں۔

اکثر یہ بھی دیکھا جاتا ہے کہ شادی کے بعد سال سال کے وقفہ سے اس کے کئی بچے ہو گئے اور خود سوکھ کر کانٹا ہو گئی۔ ہلکی ہلکی کھانسی سے دِل گھٹتا ہے۔ دم چڑھ جاتا ہے۔ ہر وقت تھکن اور کمزوری کا احساس ہے۔ پھر بھی ایک بچہ پیٹ میں، ایک گود میں اور تین چار پہلو سے چمٹے ہوئے ہیں۔ سب کا دھیان اور رکھ رکھاؤ ضروری ہے۔ گھر کا کام دھندا اور کھانا پکانا لازمی ہے۔ اور اس پر ظلم یہ کہ رات کو مرد کے جذبات کی تسکین بھی ضروری ہے۔ وہ بھی اللہ کی بندی ایسی سخت جان ہے کہ جان دے دینے کو تیار ہے مگر کیا مجال کہ مرد دوسری بیوی کا نام تو لے۔

کہنا پڑتا ہے کہ عورت واقعی سخت جان ہے اور ضد کی پکی ہے۔ وہ زندگی کے مقصد کو نہیں سمجھتی۔ اسے مذہب کی تعلیم کا احترام نہیں۔

معاشرہ میں جو برائیاں پیدا ہوتی ہیں ان کی پروا نہیں۔ صرف سوکن نہ ہونی چاہئے۔ بلکہ بعض دفعہ سوکن سے بچنے کے لئے خود مرد کا آلہ کار بن کر معاشرہ کو سخت نقصان پہنچاتی ہے لیکن سوکن کو برداشت نہیں کرتی۔ یہ صرف سوکن کا پروپیگنڈہ ہے۔ جس نے کثرت ازدواج کی برائیاں بیان کر کے اسلام کو بدنام کیا ہے۔ دوسرے صحیح اسلامی تعلیم سے بہت دور کر دیا ہے۔ تیسرے اسلام کی کثرت سے بڑھتی ہوئی آبادی کو روکنے میں کامیاب ہو گیا ہے۔ چوتھے اسلامی تبلیغ اور جہاد میں بہت بڑی رکاوٹ پیدا ہو گئی ہے اور اس کے نتیجے میں مرد اور عورت صحیح ازدواجی زندگی کے اصل مقصد سے دور ہو گئے ہیں۔

غرض نکاح

نکاح کرنے والے ہر مرد کے ذہن میں یہ بات لازمی طور پر ہونی چاہئے کہ وہ نکاح محض لذت اور عیش کوشی کے لئے نہیں کر رہا بلکہ اس کا مقصد اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حقوق العباد کی ادائیگی اور اسلام کی خدمت ہے۔ اور اگر نکاح نفسانی خواہش، لذت اور ذہنی عیاشی کے لئے کرتا ہے، جس میں اللہ تعالیٰ کی رضا، مخلوق سے تعاون اور اسلام کی خدمت کا دخل نہ ہو، تو یقیناً ایسی شادی گناہ ہوگی۔ اسی طرح عورت کے لئے بھی لازم ہے کہ وہ اپنے نکاح کا مقصد اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی، صالح اولاد کی اسلامی معاشرہ میں پرورش و تربیت اور خدمت اسلامی ہی سمجھے۔ لیکن اگر وہ ان نیک مقاصد سے ہٹ کر جنس پرستی اور لذت کے لئے نکاح کر رہی ہے تو یقیناً یہ اسلامی اصولوں کے منافی ہوگا۔ ایسی صورت میں نہ اس دُنیا میں کامیاب ہو گی نہ دوسری دُنیا میں ہی جنت میں داخل کی جائے گی۔

اسلام ہر اس عمل کو شیطانی عمل کہتا ہے جس میں نفسانی خواہشات اور عیش کوشی کو دخل ہو۔ لیکن اگر اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے ساتھ یہ چیزیں بھی شامل ہوں تو ''ہم خرما اور ہم ثواب''۔ آخر لذت و آرام اور سکون بھی اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے لئے بنایا ہے، لیکن مسلمان اس کو اللہ تعالیٰ کی مرضی سے عمل میں لاتا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف ہو تو اس کو گناہ تصور کرتا ہے۔ اگر میاں بیوی دونوں میں سے کسی کی طبیعت میں نفس پرستی، لذت اور عیش کوشی کا جذبہ پیدا ہو جائے اور اس کے برعکس اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی، صالح اولاد کی پرورش اور تربیت اور خدمتِ اسلام مدنظر نہ ہو تو لازمی امر ہے کہ مرد اپنی بیوی کو طلاق دے دے یا بیوی اپنے مرد سے خلع کرا لے اور پھر دونوں اپنے عقیدے اور خیال کے مطابق دوسرا نکاح کر لیں۔ البتہ اس صورت میں اسلامی عقائد رکھنے والے پر لازم ہے کہ وہ اپنے بالمقابل کا احترام کرے اور انتقامی جذبہ کو درمیان میں نہ آنے دے۔ بلکہ ہر قیمت پر اس کی خوشی کو مقدم رکھے۔ نفرت کی بجائے خوشی کے ساتھ ایک دوسرے سے جدا ہوں تاکہ اس صورت کا اس فرد واحد اور اجتماعی طور پر تمام معاشرہ پر اچھا اثر پڑے۔

اگر دونوں کے بچے ہوں تو ان کا انتظام خوش اسلوبی سے کیا جائے۔ جس کے پاس بچے رہ جائیں، دوسرا فریق بغیر کسی دقت اور تکلیف کے بچوں کو مل سکے اور خوشی کا وقت ان کے ساتھ بغیر کسی پابندی کے گزار سکے۔

ہر شخص ایک سے زائد بیویاں تو کیا ایک بیوی بھی اپنے گھر لانے کی ہمت نہیں کر سکتا۔ جب تک کہ اس کے پاس ان متعدد بیویوں کے لئے مکان، نان ونفقہ نہ ہو۔ ایک بیوی تو شاید تنگی ترشی اور غربت میں گزارہ کر بھی لے مگر متعدد بیویاں ہمیشہ اچھے مکان اور اعلیٰ قسم کے نان ونفقہ سے کم پر کبھی کسی گھر میں نہیں ٹھہرتیں۔

یہ حقیقت ہے کہ دوسری اور تیسری بیوی ہمیشہ اسی گھر میں آتی ہے جہاں امیرانہ زندگی اور رئیسانہ ٹھاٹھ ہوں۔ بہت کم دیکھا گیا ہے کہ کسی سفید پوش کے گھر دوسری بیوی آ جائے۔ لیکن غریب کے گھر تو ایک بیوی بھی آنے کا نام نہیں لیتی۔

یہ ہر ایک کا کام نہیں

مرد جب مزید شادیاں کر کے عورتوں کو گھر لاتا ہے تو وہ اتنی قوت کا مالک ہوتا ہے کہ ان کو اپنے گھر میں رکھ سکے۔ ان کی ضروریات زندگی احسن طریقے پر پوری کر سکے۔ ان کی اور ان کے بچوں کی نگہداشت کر سکے۔

ان کے درمیان حکمت اور اعتدال سے زندگی گزار سکے۔ یہ ہر ایک کا کام نہیں کہ ایک سے زائد بیویاں اپنے گھر لائے۔ جب کوئی شخص ایک سے زائد بیویاں اپنے گھر لاتا ہے تو لازمی امر ہے کہ پہلی بیوی میں ضرور اس کے معیار کے مطابق کوئی کمی ہوگی۔ یہ کمی معاشرتی علمی اور مجلسی بھی ہوسکتی ہے۔

سب سے بڑی کمی جنسی عدم مطابقت بھی ہوسکتی ہے۔ نفسیاتی طور پر یہ ناممکن ہے کہ عورت مرد کے ذہنی ارتقاء اور جسمانی وجنسی معیار کے مطابق پوری ہو تو وہ دوسری بیویوں کا بوجھ برداشت کر کے اپنے آپ کو ذمہ داری میں گرفتار کرائے۔ جب ایک عورت کسی مرد کے پاس ہو، جس کو وہ معاشرتی وعلمی، مجلسی اور جنسی طور پر اپنے معیار کے مطابق نہیں پاتی تو وہ فوراً ماں باپ کے گھر جا کر بیٹھ جاتی ہے اور علیحدگی کا سلسلہ شروع کر دیتی ہے تو پھر جب مرد غیر مطمئن ہو تو وہ کیوں نہ دوسری بیوی کو گھر لائے۔ باقی رہا پہلی بیوی کا معاملہ تو اس کو اگر اس گھر میں آرام نظر آتا ہے تو رہتی ہے ورنہ وہ بھی علیحدگی کا خیال کر لیتی ہے۔

دوسری آنے والی اپنی مرضی سے آتی ہے اور رہنے والی اپنے مفاد کے لئے رہتی ہے۔ تو پھر مرد پر کثرت ازدواج کا الزام کیوں ہے؟ بلکہ مردوں کا احسان سمجھنا چاہئے کہ دوسری بیوی کی موجودگی میں پہلی بیوی کو بھی رکھنے کو تیار ہو جاتے ہیں۔ میرے خیال میں تو ایسے مردوں کو عزت کی نگاہ سے دیکھنا چاہئے کہ وہ بیک وقت دو، دو۔ تین، تین اور چار، چار عورتیں رکھ سکتے ہیں۔ ان کے بچوں کی نگہداشت کر سکتے ہیں۔ ان کا مقابلہ ایسے مردوں سے کریں جو ایک بیوی بھی اپنے گھر میں نہیں رکھ سکتے یا اگر ایک بیوی رکھ بھی لی تو تنگی ترشی سے اس کی زندگی کو اجیرن کر دیتے ہیں۔

کیا کوئی شخص اپنی بیٹی فاقوں پر دینے کو تیار ہے؟ اس طرح کوئی شخص اپنی لڑکی نالائق، نااہل، بدمعاش، بداخلاق، کنجوس، بے عزت جواری، شرابی، جنسی طور پر ناقابل اور بدنام شخص کو دینے کے لئے تیار ہے؟ بلکہ عورت جانے کو بھی تیار نہیں۔ اگر غلطی سے بیوی بن بھی جائے تو فوراً علیحدگی اختیار کر لی جاتی ہے۔ پھر ایسے مرد جو زیادہ عورتوں کو اپنے ہاں عزت اور آرام سے رکھنے کے قابل ہیں وہ واقعی قابل عزت اور باہمت انسان ہیں۔

ایسے قابل عزت اور باہمت مردوں کی قدر اس وقت ہوتی ہے جب خدانخواستہ جنگ کے بعد قوم میں ایک طرف مردوں میں قحط الرجال پیدا ہو جاتا ہے، دوسری طرف بیواؤں اور یتیم بچوں کی کثرت ہو جاتی ہے جن کی نگہداشت اور پرورش کا مسئلہ ایک شدید قومی مسئلہ کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ ایسے باعزت و باہمت مرد ہی ایسے وقت میں سامنے آ کر ملک اور قوم کی ایک زبردست ضرورت کو پورا کرتے ہیں۔

گزشتہ جنگ عظیم دوم میں دُنیا کے اندر خاص طور پر جرمن، جاپان اور یورپ میں جو قحط الرجال پیدا ہوا ہے اور اس کے ساتھ بیواؤں اور یتیم بچوں کی جو کثرت ہوئی ہے وہ گزشتہ بیس سال میں پوری نہیں ہوسکی۔ جس کا نتیجہ بڑا خوفناک نکلا ہے۔ ایک طرف عورت نے ناجائز تعلقات کا سلسلہ شروع کر دیا ہے۔ دوسری طرف ناجائز بچوں کی پیدائش نے یتیم بچوں سے بھی زیادہ ایک نئے باب کا اضافہ کر دیا ہے۔

ایسے عقدوں کا صرف اور صرف ایک ہی حل ہے اور وہ حل ہے ”تعدد ازدواج“۔

عریانی و بے پردگی

یہ جو دُنیا میں عورتوں کے اندر عریانی و بے پردگی کی روز روز بروز بڑھ رہی ہے اس کے تحت یہ امر بہت شدت سے کام کر رہا ہے کہ عورت کی جنسی ضرورت پوری نہیں ہو رہی اور وہ اس معاملہ میں بے حد بھوکی ہے۔

اگر ایک عورت کی جنسی بھوک اپنے خاوند کے ہاں باعزت طریقے سے پوری ہو رہی ہو تو وہ کبھی گوارا نہیں کرتی کہ اس کا جسم تو کیا اس کا چہرہ بھی کوئی غیر مرد دیکھے۔

ایک ماہر نفسیات کی حیثیت سے آپ ان عورتوں کا سائیکو انالیسس (نفسیاتی تجزیہ) کریں تو یقیناً آپ ایسی عورتوں میں جنسی بھوک پائیں گے۔ ان کے اندر یہ بھوک جنسی قوت کی زیادتی سے ہے یا جنسی بھوک کی تسکین نہ ہونے کی وجہ سے ہے۔ اور ان کو سیکس میڈیا (جنسی مالیخولیا) کی وجہ سے جو حسن وعشق کے قصوں اور تصاویر کی زیادتی کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے۔

مجھے نفسیات کے مطالعہ کا عرصہ بیس سال سے زیادہ کا تجربہ ہے۔ میں نے علاج کے دوران میں ہزاروں کا نفسیاتی تجزیہ کیا ہے، میں بڑے دعوے کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ میرا تجربہ ایک کم سو فیصدی صحیح ہے، ایک کم اس لئے کہ ممکن ہے کوئی خاص بات مجھ سے مطالعہ میں رہ گئی ہو، بلکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے ایک ایسی نعمت عطا کی ہے جو بہت کم لوگوں کو میسر ہے یعنی فزیوسائیکالوجی پر گہرا تجربہ رکھتا ہوں یعنی انسانی اعضاء کی خرابی پر کیا اثرات پیدا کر دیتی ہے اور جذبات کی بے راہ روی اعضاء میں کس قدر خرابی کا باعث ہو سکتی ہے۔

میں اپنے اس تجربہ کی بنا پر کہہ سکتا ہوں کہ جنسی مالیخولیا میں اکثر وہی عورتیں گرفتار ہیں جو ایکٹریسیں بن چکی ہیں، طوائفیں بن چکی ہیں یا مغربی تعلیم کے زیر اثر آ چکی ہیں۔

ان کے برعکس جن مستورات کو مغربی تعلیم حاصل کرنے کے بعد اس زندگی سے نفرت پیدا ہو چکی ہے، ان پر مذہب یا مشرقیت کا اثر ہے۔ ان عورتوں میں جنسی بے راہ روی کا ذرا بھر اثر نہیں پایا جاتا، بلکہ ایسی عورتوں نے اکثر جگہ اصلاح اور تبلیغ کا کام کیا ہے۔ اکثر جگہ پر ان کا مذاق بھی اڑایا گیا ہے، مگر وہ اپنے مقصد میں کامیاب رہی ہیں۔

مقصد یہ ہے کہ ہماری موجودہ عریانی اور بے پردگی میں جنسی بھوک کا بہت بڑا تعلق ہے۔ یہ سب کچھ کثرت ازدواج کے خلاف پروپیگنڈہ اور اس کو روکنا ہے۔ عورت کو اپنی ضرورت کے مطابق مرد کی ضرورت ہے۔ قطع تعلق اس کے کہ مرد کے پاس پہلے ایک بیوی ہے یا تین ہیں۔

اگر اس عورت کو کوئی مرد شکل وصورت کے لحاظ سے، علم وعقل کے لحاظ سے، جسمانی طور پر، ذہنی طور پر مطابقت کے علاوہ معاشرتی ومجلسی اور اقتصادی وسیاسی اعتبار سے اس کے معیار کے مطابق ہے اور جنسی اغراض کے لئے قوت کے لحاظ سے اس کو پسند ہے تو وہ مرد اس کی جنسی بھوک دور کر سکتا ہے اور اس کے جنسی جذبات کی تکمیل کر کے اس کو تسکین دے سکتا ہے۔

جنسی بھوک بے شک ایک جنسی جذبہ اور قوت ہے لیکن اس حقیقت کو بھی نظر انداز نہیں کرنا چاہئے کہ یہ صرف جنسی ضرورت سے ہی پورا ہو کر تسکین پائے گا۔ نہیں! ہرگز نہیں! بلکہ اس کے ساتھ مندرجہ بالا تمام حقائق بھی کام کرتے ہیں۔ مرد کا ایک خاص تصور جو عورت کے دِل میں اور عورت کا ایک خاص تصور جو مرد کے ذہن میں ہے وہی تصور، وہی وہم اور صرف وہی تعبیر اس جنسی خواب کی تفسیر پوری کر سکتی ہے۔

مثلاً یہ کبھی نہیں دیکھا گیا کہ حسن پرست مرد اپنی جنسی بھوک کے لئے بھی بوڑھی، بدصورت اور سیاہ رنگ کی عورت کی طرف رجوع کرے

یا دولت پرست عورت کبھی اپنی جنسی ضرورت کے لئے کسی نوجوان خوبصورت مگر گندے بھکاری کی طرف رجوع کرے جو سر بازار چلتے ہوئے مکھیوں کی بھنبھناہٹ میں سڑے گلے آم یا گڑ کی ڈلی کو مٹھائی سے بھی زیادہ عزیز سمجھ کر کھا رہا ہو۔

روزانہ کا مشاہدہ ہے کہ مرد ہوں یا عورتیں، جب شادی کا سوال پیدا ہوتا ہے تو ان کی لاشعور میں دبی ہوئی خواہشات اپنے ساتھی کو بھی اسی شکل میں دیکھنا چاہتی ہیں۔ وہاں صرف عورت مرد کا سوال نہیں ہوتا، بلکہ دو اجنبی اور غیر شعوری خواہشات (یعنی دولت مند، حسین، تعلیم یافتہ، صاحب ثروت، حاکم، زندہ دِل، جسیم، پہلوان، غیر معمولی طاقتور گویا ہیرو وغیرہ) کے ہم آہنگ، ہمنوا ہونے کا سوال ہوتا ہے۔ یقیناً سچا ساتھی ہی صحیح طور پر جنسی بھوک کے لئے باعث تسکین ثابت ہو سکتا ہے۔

جب بھی کبھی ان رجحانات کے خلاف شادی یا جنسی ملاپ ہوگا تو وہ فوراً ہی نفرت اور جدائی میں تبدیل ہونا شروع ہو جائے گا۔ اسی لئے قرآن حکیم میں اس امر پر تاکید کی گئی ہے کہ ''عورت اور مرد کی مرضی کے بغیر کبھی بھی ان کو رشتہ ازدواج میں منسلک نہ کرو''۔

جب پہلی بار لڑکے لڑکی کی شادی ہوتی ہے تو ماں باپ بڑی جرأت سے کہہ دیتے ہیں کہ کیا ہماری پسند سے زیادہ ہماری اولاد کی پسند ہو سکتی ہے؟ حالانکہ یہاں پسند اور نافرمانی کا سوال نہیں ہوتا بلکہ ان رجحانات کا سوال ہوتا ہے جو اس لڑکے کے اندر ماں باپ کا خون نطفہ اور تعلیم و ماحول سے پیدا ہوتے ہیں جو غیر شعوری طور پر اس کے ذہن میں محفوظ ہوتے ہیں۔

یاد رہے کہ جب تک ان کی تسکین نہیں ہوگی، زندگی خوشگوار نہیں بن سکتی۔ اگر کسی مرد کے پاس چار عورتیں رہنا پسند کرتی ہیں یا وہ مرد ان کو پسند کرتا ہے تو پھر غیر کو دیکھ کر دکھ نہیں ہونا چاہئے۔ اگر کوئی عورت رہنا پسند نہیں کرتی تو یقیناً جدا ہو جائے گی اور مرد پسند نہیں کرتا تو ان کو جدا کر سکتا ہے۔ اسلام کی تعلیم کا یہی کمال ہے کہ وہ مرد یا عورت کو مجبور نہیں کرتا کہ بغیر مرضی کے کسی کے ساتھ رشتہ ازدواج قائم کرے یا خلاف مرضی کسی کے ساتھ رہنے پر مجبور ہو جائے۔ یہ آزادی آج دُنیا کے کسی مذہب میں نہیں پائی جاتی۔ نہ معلوم پھر بھی اسلام کو کثرت ازدواج کے لئے کیوں بدنام کیا جاتا ہے؟۔

اسلام تو عین فطرت کے مطابق انسان کو مسئلہ ازدواج کے متعلق آزادی دیتا ہے اور فطرت وہ مقام جہاں انسان پوری طرح نشو ونما اور ارتقاء کی منزلیں آسانی سے طے کر لیتا ہے، اسلام جہاں فطرت کے مطابق ہر عورت مرد کو مکمل آزادی دیتا ہے وہاں وہ صرف لفظ اسلام کی پابندی لگا دیتا ہے یعنی مسلمان کا ہر عمل اسلام کے مطابق ہو۔

اسلام کے معنی ہیں ''اطاعت'' یعنی ہر عمل میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مقبول ﷺ کی اطاعت پر مبنی ہو۔ اس میں عورت یا مرد کی ذاتی خواہشات کو دخل نہ ہو۔ اگر مرد عورت کا ایک دوسرے کو خوش کرنا بھی مقصود ہو تو اس میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مقبول ﷺ کی خوشنودی ضروری ہے۔

اس تصور کے بعد ذرا غور کریں کہ اللہ تعالیٰ انسان کو ایک خوشگوار، فطرت کے مطابق اور آرام دہ زندگی کا وعدہ کرتے ہیں اور پھر اس کے نتیجے کے خود طلب گار ہیں۔ یعنی زندگی میں جو مال، اولاد اور قوت میں اگرچہ سب کچھ اللہ کا دیا ہوا ہے۔ یہ صرف اس لئے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے پیارے رسول مقبول ﷺ کی خوشنودی ہی اسلامی زندگی کی روح ہے۔ اس میں اسلامی خواہشات خواہ وہ ماں باپ اور خاوند ہی کی کیوں نہ ہوں، رکاوٹ کا باعث نہیں بن سکتیں۔

''لوگو! عورتوں کے حق میں میری نیک وصیت مانو، کیونکہ یہ تمہارے ہاتھوں میں ہیں۔ تم اس کے سوا اور کوئی حق نہیں رکھتے۔ وہ اس صورت میں کہ وہ کھلی بے حیائی کریں۔ اگر وہ ایسا کریں تو ان کو اپنی خواب گاہ سے علیحدہ کر دو اور ان کو ہلکی مار مارو اور جب تمہاری بات مان جائیں تو

پھران پر الزام لگانے کی صورتیں اختیار نہ کرو۔ بے شک ان کا تم پر اور تمہارا ان پر حق ہے''۔

''اسلام کی رو سے سلسلہ ازدواج میں منسلک ہونے کے بعد میاں اور بیویاں اپنے اپنے حقوق اور فرائض میں برابر آزاد ہوتے ہیں، وہ ایک دوسرے کا لباس ہیں''۔[قرآن] کیونکہ اس امر پر مامور ہیں کہ اللہ تعالیٰ اور رسول اکرم ﷺ کی اطاعت کریں۔ مرد کو صرف اس قدر برتری ہے کہ وہ اس کی نگرانی کا اوّلین ذمہ دار ہے۔ بس جس طرح حکومت انتظامی معاملات میں کسی کو کسی کا نگران مقرر کردے یا جیسے حکم ہے کہ جب کوئی سفر یا کام شروع کرو، اپنے میں سے کسی کو امیر بنالو۔

﴿الرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ﴾ [سورة نساء : ۳٤]

''مرد عورتوں پر نظام قائم کرنے والے ہیں''۔

لیکن اگر کوئی مرد اللہ تعالیٰ اور رسول اکرم ﷺ کی اطاعت میں غفلت برتے تو عورتوں کا فرض ہے کہ وہ اوّل اس کو تنبیہ کریں، پھر اس کی اطاعت سے باز رہیں، پھر بھی نہ مانیں تو خلع کرلیں۔

گویا ایک اسلامی گھر میں کسی پر کسی کی حاکمیت نہیں ہے۔ مرد صرف اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کا نگران اوّل ہے۔ لیکن اگر اس سے کوتاہی ہوتی ہے تو اس کی بیویوں بلکہ اولاد تک کو حق حاصل ہے کہ وہ محبت اور حکمت سے اس سے جواب طلبی کرے۔ اگر وہ باز نہیں آتا تو اس سے قطع تعلق کرسکتے ہیں۔ ان حالات میں بھلا ایک مرد کی کیا مجال ہے کہ وہ زبردستی سے کثیر تعداد میں بیویاں اپنے گھر میں قید کرکے رکھ سکے۔

تین بنیادی اصول

اس کے اصولوں کو سمجھنے کے لئے تین اہم اصول ذہن نشین کرلینے چاہئیں۔

- حاکمیت صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے۔
- دین کی مکمل نعمتیں عطا ہوچکی ہیں۔
- ہر شخص اپنے فرائض کی ادائیگی اور اپنے حقوق کے مطالبے کے لئے آزاد ہے۔

ان اصولوں پر چلے بغیر کوئی گھر اسلامی گھر کہلانے کا حق نہیں رکھتا۔ حاکمیت کے متعلق چاہئے کہ ایک اسلامی گھر میں نہ صرف عورت کی ملکیت ہے اور نہ مرد عورت پر کلی اختیار ہی رکھتا ہے۔ دونوں کا صرف اسی حد تک تعلق ہے جس حد تک ان کے اپنے اپنے حقوق اور فرائض کا تعلق ہے۔ ورنہ دونوں اپنی اپنی زندگی کے گزران اور تکمیل میں مصروف ہیں۔ اور خداوند کریم کے سامنے اپنے نیت اور تقویٰ کے مطابق جواب دیں گے۔ ایسی صورت میں ایک گھر میں ایک عورت ہو یا چار، کوئی فرق نہیں پڑتا۔

ہر عورت اپنے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور اپنے رسول ﷺ کی اطاعت کے مطابق فرائض ادا کررہی ہے۔ جہاں وہ کمی یا خرابی پاتی ہے، اس کی اصلاح کرتی ہے۔ اگر اصلاح ناممکن ہوجاتی ہے تو خلع لے لیتی ہے۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایک مرد چار عورتوں اور ان کی کثیر اولاد کا خرچ کیسے برداشت کرسکے گا؟

یہ سوال بالکل بے معنی ہے۔ اوّل رزق اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ وہی جس کو چاہتا ہے زیادہ دیتا ہے اور جس کو چاہتا تنگی کرتا ہے۔ کوئی انسان دعویٰ نہیں کرسکتا کہ اس نے دولت، عقل سے کمائی ہے یا اپنی طاقت سے حاصل کی ہے۔ اگر تھوڑی دیر کے لئے یہ دعویٰ تسلیم بھی کرلیا جائے تو پھر بھی آخر یہ عقل اور طاقت بھی تو اللہ تعالیٰ ہی کی دین ہے۔ بعض دفعہ ایسا بھی دیکھا گیا ہے کہ ایک غریب آدمی ہے اور اس کی دوسری یا

تیسری شادی کا اتفاق ہوا اور وہ دولت مند ہو گیا۔ اگر اللہ تعالیٰ کے رازق ہونے کا مکمل بھروسہ ہو تو وہ دوسری بات ہے۔ سیدھا اور صاف راستہ ہے کہ عورت غریب مرد سے خلع کرا کے کسی اُمیر سے شادی کرلے لیکن اس حقیقت کو کبھی نظر انداز نہیں کرنا چاہئے کہ ہر اسلامی گھر میں حاکمیت اللہ تعالیٰ کی ہوگی۔ جیسا کہ قرآن حکیم میں فرمایا گیا ہے:

''اللہ ہی تمہارا رب اور پرورش کرنے والا ہے اور ملک اسی کا ہے''۔ [فاطر]

''لہٰذا حکم صرف اسی کے لئے جو اعلیٰ اور اکبر ہے''۔ [المومن]

''اور وہ اپنے حکم میں کسی کو شریک نہیں بناتا''۔ [الکہف]

ایک اور جگہ پر خاص طور پر واضح کر دیا گیا ہے کہ:

''لوگ پوچھتے ہیں کہ آیا حکم میں ہمارا بھی کچھ حصہ ہے، کہہ دو کہ حکم سارے کا سارا اللہ تعالیٰ کے لئے ہے''۔

اس پر بس نہیں کی گئی بلکہ جو احکام الٰہیہ کی پوری پوری تعمیل نہ کرے وہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ قرآن حکیم نے فرمایا ہے:

''اور جو اس قانون کے مطابق فیصلہ نہ کریں جو اللہ تعالیٰ نے اُتارا ہے تو ایسے لوگ کافر ہیں''۔ [المائدہ]

عوام تو رہے ایک طرف، نبیوں کو بھی تاکید ہے کہ وہ بھی نفسانی خواہشات کی بجائے حق کی پیروی کریں۔ جیسے فرمایا گیا ہے:

''اے داؤد! ہم نے تم کو خلیفہ مقرر کیا ہے، لہٰذا تم حق کے ساتھ لوگوں کے درمیان حکومت کرو اور اپنی خواہش کی پیروی نہ کرو۔ ورنہ اللہ تعالیٰ کے راستہ سے وہ تم کو بھٹکا لے جائے گی''۔

حقیقی اسلامی زندگی

جہاں تک دین کا تعلق ہے، قرآن حکیم کا دعویٰ ہے کہ اس دُنیا میں زندگی اور کائنات جن قوانین پر چل رہے ہیں قرآن ان پر نہ صرف پوری طرح روشنی ڈالتا ہے بلکہ ذہن نشین کراتا ہے۔ پھر تاکید کرتا ہے کہ دین ایسا راستہ اور عمل ہے جس کا ردِّ عمل صالحیت ہے یعنی اس راستہ پر چلنے والا انسان صراطِ مستقیم حاصل کر سکتا ہے۔ جس میں نتیجہ کے طور پر نشو و ارتقاء حاصل ہوتی ہے۔ اس لئے اس کا نام دین اسلام رکھا گیا ہے یعنی ایسا دین جس کی اتباع بہر صورت لازم ہے اور اللہ تعالیٰ کو یہی دین پسند ہے۔

''تحقیق اللہ تعالیٰ کے نزدیک دین صرف اسلام ہے''۔

یعنی ایسا دین جس میں اطاعت کو فضیلت حاصل ہے جس کے نتیجہ میں سلامتی اور امن پیدا ہوتا ہے جو شخص دین اسلام کے بیان کردہ صراطِ مستقیم پر نہیں چلے گا، یقیناً وہ ان حالتوں سے خالی نہیں ہے یا وہ ظالم ہے یا گمراہ۔ ظالم وہ ہے جو جانتا ہے اور اس پر نہیں چلتا۔ اس پر یقیناً اللہ تعالیٰ کا غضب نازل ہوگا اور جو یہ راستہ نہیں جانتا وہ گم گشتہ راہ ہے اور یقیناً اندھے گڑھے میں گرے گا۔ اس دین کے کھل جانے کے متعلق صاف صاف کہہ دیا گیا۔

''تمہارا دین مکمل کر دیا گیا۔ ہر قسم کی نعمتیں جو اس دُنیا میں زندگی اور کائنات کے لئے ہو سکتی تھیں، ختم کر دی ہیں۔ میں تمہارے دین اسلام کے لئے راضی ہوں''۔

کیا پھر اس کے بعد بھی کسی کے لئے گنجائش رہ جاتی ہے۔ لہٰذا اس کی انفرادی یا اجتماعی اور گھریلو زندگی تلخ ہو کر رہ جاتی ہے۔ لیکن اگر ایک شخص پوری طرح دین اسلام پر عامل ہی نہیں ہے، اس کے باوجود اپنی زندگی کی تلخی کا رونا روتا ہے تو پھر اس میں دین اسلام کا کیا قصور ہے؟

''اور جو لوگ بھی ایمان کے بعد اس دین کو جھٹلاتے ہیں یا اس پر عمل نہیں کرتے، کیا اللہ تعالیٰ تمام حاکموں سے بڑا حاکم نہیں ہے''۔

قرآن حکیم اللہ تعالیٰ کی حاکمیت اور دین اسلام کی مکمل روشنی میں اپنی زندگی گزاریں۔ دوسرے انسان کے معاملہ میں اتنا ہی دخل دیں جس قدر اجازت دی گئی ہے۔ کیونکہ ہر شخص سے اس کے اعمال کے متعلق پوچھا جائے گا۔ یہ نہیں کہ خاوند نے بیوی کے ساتھ کیا سلوک کیا یا بیوی نے خاوند کے ساتھ کیا برتاؤ کیا بلکہ صرف یہ پوچھا جائے گا کہ تم نے اپنی بیوی کے ساتھ کیا برتاؤ کیا یا تم نے اپنے خاوند کے ساتھ کیسا سلوک کیا۔ خاوند امیر اور صحت مند ہو یا غریب اور لاغر، بیوی حسین اور سلیقہ مند یا بدصورت ہو یا پھوہڑ۔ جب آپس میں رہنا پسند ہو تو ضروری ہے کہ اسلام کے اصولوں پر رہیں اور ایک دوسرے کے حقوق اور فرائض ادا کریں۔ اگر ذہن اور طبیعت کا ملاپ نہیں ہے تو بہتر صورت یہ ہے کہ فوراً جدا ہو جائیں یعنی جب بھی میاں بیوی اپنی اس ازدواجی زندگی کو ایمانداری سے دکھ سمجھیں یا یہ کہ نفسانی خواہش کے ماتحت نہیں بلکہ واقعی یہ زندگی دین اسلام کے خلاف ہے تو علیحدگی اختیار کر لیں۔ یاد رہے کہ ان کا دکھ یا تکلیف دین اسلام کی قدروں کے خلاف عمل کرنے کا نتیجہ ہو اور ان میں ذاتی خواہشات اور جذبات کا بالکل دخل نہ ہو۔

اسلامی ازدواجی ضابطہ

اس حقیقت سے یہ امر پورے طور پر واضح ہو جاتا ہے کہ اسلامی زندگی ازدواجی رشتہ اسی صورت میں جائز اور صحیح ہو سکتا ہے جب اسلامی قوانین (دین) کو اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کے تحت اس طرح تسلیم کیا جائے کہ ہر مسلم کو اپنے قوم اور فعل کا جواب قیامت میں دینا ہے۔

اگر یہ صورت نہیں ہے تو پھر کسی ازدواجی زندگی کو اسلامی قوانین کے مطابق نہیں کہا جا سکتا۔ اگر ازدواجی زندگی دین اسلام اور اطاعت قرآن کے مطابق ہے تو پھر ایک بیوی ہو یا چار ہوں، کوئی خرابی پیدا نہیں ہو سکتی۔ بلکہ رحمت خداوندی ہے۔ جو مرد (مرد تو شاید ایمان داری سے نہ کریں) یا عورتیں کثرت ازدواج کے خلاف پروپیگنڈہ کرتے ہیں یا کرتی ہیں تو وہ انسانی زندگی خصوصاً انسانی جسم، اعضائے انسانی قوائے انسانی کی تشریح افعال اور اثرات سے قطعاً واقف نہیں ہیں۔

صرف جذبات اور خواہشات نفسانی کے ماتحت اپنے جوش و خروش اور خیالات کا اظہار کیا جاتا ہے۔

عورتوں میں خاص طور پر یہ جذبہ پایا جاتا ہے کہ ایک بیوی کی صورت میں وہ گھر اور خاوند پر حکومت کریں گی اور خاندان کی مساوی دولت ان کی اور ان کے بچوں کی ہو گی اور کسی قانون کی پابندی ان پر لازم نہ ہو گی۔

ایسی عورتیں نہ صرف اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کے قوانین سے منحرف ہوتی ہیں بلکہ حکومت اور سوسائٹی کے قوانین کی بھی ان کے دِل میں کوئی وقعت نہیں ہوتی۔

سچ کہا گیا ہے کہ وہ عورت بڑی جرأت کی مالک ہو گی جو کسی قانون (چاہے اس کا ذاتی بھی بنایا ہوا کیوں نہ ہو) کی پیروی کرے گی۔

قانون ایک بندش کا نام ہے۔ اس کو تسلیم کر کے اس پر عمدگی سے عمل کرنا یقیناً بڑی مستقل مزاجی اور استقامت کا کام ہے۔ کامیابی صرف استقامت ہی کا دوسرا نام تو ہے۔

اسلام سے قبل جہاں تک تاریخ کی روشنی میں پتہ چلتا ہے، عورت کا سوسائٹی میں کوئی مقام نہیں تھا اور نہ اس کے حقوق تسلیم کیے گئے تھے بلکہ عورت کو صرف بھیڑ، بکری اور گائے کی حیثیت سے خرید اور فروخت کیا جاتا تھا۔ صرف زمانہ جاہلیت ہی میں نہیں بلکہ انتہائی تہذیب و تمدن کے زمانوں میں بھی مرد کا ایک صرف اور صرف ایک دِل بہلاوہ ہی خیال کیا گیا ہے۔

یہاں تک کہ دُنیا کی دیگر تمام اقوام نے بھی عورت کو کوئی درجہ نہیں دیا بلکہ اس کو ہمیشہ روحانی اور اخلاقی ترقی میں رکاوٹ کا باعث قرار دیا۔ بعض نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ عورت میں روح ہی نہیں ہوتی۔

یہ فخر صرف اسلام ہی کو حاصل ہے کہ اس نے مرد اور عورت کو برابری کا مقام عطا کیا۔ خاوند کو صرف (قوام) محنتی اور منتظم و طاقتور ہونے کی وجہ سے عارضی طور پر ایک درجہ دیا ہے اور جب کوئی خاوند نہیں رہتا تو اس پر کسی عورت کا کوئی درجہ نہیں۔

اسی طرح عورت کو بھی مرد پر درجے دیئے ہیں۔ مثلاً ماں کا بڑا درجہ ہے۔ کوئی کتنا ہی بڑا مرد کیوں نہ ہو مگر ماں سے بڑھ کر اس کا درجہ نہیں ہو سکتا۔

اسی طرح بڑی بہن یا رشتہ میں کوئی بھی بڑی عمر کی عورت ہو بلکہ ہر مسلمان عورت جو عمر میں بڑی ہو، قابلِ عزت اور درجہ کے اعتبار سے بڑی ہوتی ہے۔ اس سے بڑھ کر قرآنِ حکیم میں ارشاد ہے:

﴿اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ﴾ [سورۃ حجرات : ۱۳]

''اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہی قابلِ عزت اور بزرگ ہے جو متقی اور پرہیز گار ہے''۔

اس میں مرد پر عورت کی کوئی تخصیص نہیں ہے۔

کیا بدھ، برہمن اور جین لوگ اپنی مذہبی کتب سے ویدوں سے عورت کے درجے کو بیان کر سکتے ہیں۔ کیا یہودی اور عیسائی اپنی کتب توریت اور انجیل میں عورت کا اس قدر بلند مقام دکھا سکتے ہیں۔

سب سے بڑھ کر بات یہ ہے کہ آج بھی جبکہ دُنیا اپنے آپ کو انتہائی مہذب کہتی ہے، کیا اس نے عورت کو اس قدر آزادی اور درجہ دے رکھا ہے جو اسے اسلام نے بخشا ہے؟ لاقانونی آزادی اور چیز ہے اور صحیح حقوق کا حصول اور شے ہے۔

ان حقائق کو وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں، جن کی نگاہ زندگی کے حقائق پر ہو۔ ظاہر داری و عریانی اور جذبات و نفسانی خواہشات میں زندگی کی تفسیریں نظر نہیں آ سکتیں۔

ان تمام مذاہب و تہذیبوں کے خلاف اسلام نے عورت کو نہ صرف مرد کے ساتھ مساوی درجہ اور بلند مقام دیا ہے بلکہ ثابت کیا ہے کہ مرد کی روحانیت بغیر عورت کے مکمل ہی نہیں ہو سکتی۔ اسلام نے ازدواجی زندگی کو ہر مرد اور عورت کے لئے بلکہ آزاد اور غلام دونوں کے لئے خیر و برکت کا سبب قرار دیا ہے۔ قرآن حکیم میں ارشاد ہے:

''تم اپنے میں سے بن شوہر کی عورتوں کا (خواہ کنواری ہوں یا بیوہ) اور اپنے غلاموں اور لونڈیوں میں صلاحیت رکھنے والوں کا نکاح کر دیا کرو۔ اگر وہ غریب ہوں گے تو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ان کو غنی کر دے گا اور اللہ تعالیٰ گنجائش والے اور علم والے ہیں''۔

اس سے ثابت ہوا ہے کہ ازدواجی زندگی تندرست انسان کے لئے نہایت اہم اور خیر و برکت کا موجب ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس شخص کی ضروریات میں اضافہ کے باعث اللہ تعالیٰ اس پر اپنا فضل اور رحمت زیادہ نازل فرمائیں۔ پھر زیادہ اولاد سے رزق میں زیادہ برکت ہو جائے۔ کنبہ وسیع ہونے پر زیادہ طاقت بڑھ جاتی ہے۔

جتنی بیویاں، اتنی رشتہ داریاں، تعلقات اور قوت میں اضافہ، ایسی صورت میں جب ایک شخص پر ہر طرف سے بوجھ پڑتا ہے تو ایک نکمے سے نکما آدمی بھی جدوجہد کرنے لگتا ہے۔ جدوجہد اور عمل کا نام ہی تو زندگی ہے۔

حضرت رسول اکرم ﷺ کے زمانے میں جب بھی کسی شخص نے غربت کی شکایت کی تو اس کو ہمیشہ نکاح کرنے کا مشورہ دیا گیا۔ یہاں

تک کہا جاتا ہے کہ جب ایک یا دو بیویاں گھر میں لانے کے بعد بھی غربت رفع نہیں ہوتی تو تیسری اور چوتھی بیوی لانے کو کہا گیا اور پھر اس گھر سے غربت چلی گئی۔ ہمارے ہاں ذہن میں پہلے ہی یہ بیماری جاگزین ہے کہ دولت ہو تو شادی کی۔ گویا دولت سے شادی کی جاتی ہے۔ حالانکہ قرآن حکیم کا ارشاد ہے:

﴿اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقَاکُمْ﴾ [سورۃ حجرات: ۱۳]

''تم میں سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک بزرگی اس کو ہے جو زیادہ متقی ہے''۔

حقیقت یہ ہے کہ اگر متقی کے اوصاف پر فکر و نظر سے کام لیا جائے تو دولت پرستی کا جذبہ خود بخود ختم ہو جاتا ہے۔ حضرت نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

''نکاح میری سنت ہے۔ جو میری سنت سے روگردانی کرے گا اس کا تعلق مجھ سے نہیں ہے''۔

اسلام دراصل حضرت رسول اکرم ﷺ کی پیروی ہی کا نام ہے۔ اور جو شخص بھی سنت کا تارک ہے وہ مسلمان نہیں ہے۔ اس حدیث شریف میں خاص طور پر اس امر پر زور دیا گیا ہے کہ میری سنت خاص طور پر سنت نکاح سے روگردانی کرنے والا میری اُمت میں شمار نہیں ہوگا۔ اس سے ثابت ہوا کہ نکاح کرنا ہر انسان کے لئے نہایت اہم ہے۔

نکاح کے فوائد

قرآن حکیم نے نکاح کی اس اہمیت کو ظاہر کرنے کے لئے نکاح کے فوائد بیان کئے ہیں:

- اور اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ اس نے تمہاری ہی جنس سے تمہارے لئے بیویاں پیدا کیں تا کہ تم ان سے سکون پاؤ اور تمہارے درمیان پیار اور محبت پیدا کر دیا ہے۔ بیشک اس میں سوچنے والوں کے لئے نشانیاں ہیں۔[۳۰/۱۱، پ۲۱ ع۴]
- نکاح کی غرض تقویٰ حاصل کرنا ہے۔[پ۴ النساء]
- نکاح بطور ایک قلعہ کے ہے جس سے انسان بدی سے محفوظ رہتا ہے۔

کیونکہ قرآن مجید نے زوجین کے لئے ﴿مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ﴾ [سورۃ نساء: ۲۴] کی شرط عائد کی ہے۔

مندرجہ بالا فوائد میں ذیل کی باتیں قابل غور ہیں۔

(۱) بیویوں سے تسکین (۲) باہم پیار و محبت سے تقویٰ (۳) بدی سے روکنے والا قلعہ۔

تفصیل درج ذیل ہے:

اوّل انسان جب جوان ہوتا ہے تو نفسیاتی طور پر اپنے اندر عورت کے لئے پیار و محبت اور کشش کا جذبہ پاتا ہے۔ جب تک اس کی یہ نعمت (عورت) میسر نہیں ہو جاتی اس کے جسم میں ایک آگ اور دِل میں اس کے بغیر اُداسی رہتی ہے۔ گویا عورت اس کے پیار و محبت اور کشش کا مرکز ہے۔ اور جب تک وہ اس کو نہیں پالیتا اس کے دِل و دماغ اور جسم کو تسکین نہیں ہوتی۔

بعض دفعہ تو یہ طلب اتنی شدید ہوتی ہے (جس کو عشق کہتے ہیں) کہ مرد کو دیوانہ اور سودائی بنا دیتی ہے۔ جس کا انجام اکثر موت یا خودکشی ہوتا ہے۔

پیار و محبت اور کشش کی صورت میں عورت کا تسکین بخش ہونا ضروری ہے۔ اس کا کچھ وہی لوگ اچھی طرح اندازہ کر سکتے ہیں جنہوں نے

جذبہ عشق ومحبت کی تلخی کو کسی قدر چکھا ہے۔

اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے انسان میں (مرد ہو یا عورت) زندگی اور صحت کے چند فطری تقاضے رکھے ہیں جن پر انسانی زندگی قائم ہے۔ مثلاً منہ اور ناک کے ذریعے اندر کی ہوا کا صاف ہونا، پسینے سے خون کا صاف ہونا اور پیشاب سے تیزاب کا اخراج پانا۔

اسی طرح دیگر فضلات، گندگیوں اور میل کچیل سے انسانی جسم ہر وقت صاف ہوتا رہتا ہے۔ یہ فضلات انسان کے جسم میں ایک خاص حد تک رہ سکتے ہیں۔ اگر وہ پوری طرح اخراج نہ پائیں یا زائد وقت تک ٹھہرے رہیں۔ ضرورت سے زیادہ بے طریق خارج ہوں یا بے اعتدال، کم وبیش ہوں تو یقیناً انسان بیمار ہو جاتا ہے۔

بالکل یہی صورت اس وقت بھی وارد ہوتی ہے جب یہ جنسی مادہ بھی خارج نہ ہو پائے یا بغیر ضرورت کے یا ضرورت سے زیادہ بے طریق اور بغیر اعتدال کے خارج ہو جائے جو جنسی وظائف کی صورت میں اخراج پاتا ہے۔ ایسی صورت میں بہت سے امراض پیدا ہو جاتے ہیں۔ جو مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) دماغی خرابی، خاص طور پر پاگل پن (۲) فالج، لقوہ اور ادھرنگ وغیرہ (۳) دمہ اور موٹاپا اور عورتوں کے امراض۔

جب مرد یا عورت شادی شدہ ہوتے ہیں تو اس فطری وظیفہ ازدواج کی وجہ سے اکثر امراض سے محفوظ ہو جاتے ہیں۔ گویا اس حیثیت سے بھی عورت مرد کے لئے تسکین کا باعث ہے۔

نکاح کا لازمی نتیجہ اولاد ہے اور یہ مسلمہ امر ہے کہ اولاد باعث تسکین قلب ہے۔ جن لوگوں کے ہاں اولاد نہیں ہے وہ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اولاد کے بغیر ان کے دل کس قدر بے چین اور بے قرار ہوتے ہیں۔ اس لئے عورت کی شکل میں ایسی ہستی ہے جو اولاد کو جنم دیتی ہے۔ اور اس کی پرورش کرتی ہے۔ اور مرد کے لئے تسکین کا باعث بنتی ہے۔

دوسرے صرف عورت ہی ایک وہ ہستی نہیں ہوتی جو اپنے پیار سے مرد کے دِل کو گرما دیتی ہے بلکہ اس کے ماں باپ، بہن بھائی، بلکہ سارے کنبے اور برادری کے دِلوں میں محبت اور پیار کے اثرات پیدا ہو جاتے ہیں۔ خاندان کے تعلقات پیدا ہوتے ہیں اور جذبہ محبت اور ارادت میں اضافہ ہوتا ہے۔ جہاں برادری اور کنبے بڑھتے ہیں، وہاں پیار ومحبت کے ساتھ دونوں کی طاقت بڑھتی ہے۔

تیسرے اسلامی تعلیم کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ انسان کو متقی بنا دے کیونکہ یہ قرآن کا بنیادی (Basic) اور ابتدائی مقام ہے۔ اس کے بعد وہ صابر و عابد اور مومن کی منزلوں سے گزر کر مسلم بنتا ہے اور غائب پر ایمان، نماز، روزہ، زکوٰۃ، کتب اور قیامت پر ایمان وغیرہ متقی بننے کے لئے اہم باتیں ہیں۔

متقی ایک ایسا اعتدال پسند انسان ہے جس کی صالح جبلت نے فطرت کے اصولوں پر تربیت پائی ہو اور پروان چڑھی ہو۔ ازدواجی رشتہ ہی ایک ایسی بندش ہے جو انسان کو بہت حد تک تقویٰ کی حدود کے اندر رکھتا ہے اور اسے بے راہ روی سے روکتا ہے۔

چوتھے اسلام ایک ایسا مذہب ہے جو اپنے ماننے والوں کو ایک خاص قسم کے معاشرہ کے قلعہ میں قید کرنا چاہتا ہے۔ وہ قلعہ ہمیشہ معاشرہ کی خرابیوں کو روکتا ہے۔

اس قلعہ کا نام ﴿ مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ ﴾ پاک دامن رہنے والے نہ کہ شہوت زنی کرنے والے۔ اس سے ثابت ہوا کہ اسلام اخلاق کی بنیاد پاکدامنی پر رکھتا ہے اور ہر برائی کی جڑ شہوت پرستی کو قرار دیتا ہے۔ گویا دُنیا بھر کی برائیاں اسی جنسی بھوک کے تصور ہی سے پیدا ہوتی ہیں۔

زر، زمین اور زن کی جو برائیاں بنیادی بیان کی جاتی ہیں۔ ان میں زر اور زمین حصول زن اور اس سے لطف اندوز ہونے کے لئے ہیں۔ خواہ وہ جائز ہو یا ناجائز۔ لیکن اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ عورت ہی کے لئے مکان، کوٹھی یا محل اور اس پر خرچ کرنے کے لئے زر و جواہرات اور دولت کی ضرورت ہے۔ اگر ہم اپنی زندگی سے عورت کا حسن و عشق، پیار و محبت اور ارمان و کشش نکال دیں تو یقیناً جنسی بھوک کا بھوت بھاگ جاتا ہے اور جب بھوک کا بھوت بھاگ جاتا ہے تو باقی اخلاقی قدریں صحیح شکل و صورت میں اپنی جگہ قائم ہو جاتی ہیں۔ اس لئے اسلام ہر مسلمان مرد اور عورت کے لئے پاک دامنی کا ایک قلعہ قائم کرتا ہے جو جنسی بھوک کی ردم تھام کرے۔

چونکہ انسانی فطرت اپنا صحیح ساتھی اور ہم خیال چاہتی ہے اور ساتھ ہی مرد کی جنسی بھوک کی تسکین بھی ضروری ہے اس لئے اسلام اس کی تو اجازت دیتا ہے کہ مرد دو دو، تین تین اور چار چار شادیاں کریں اور عورت اپنے پسندیدہ خاوند کو چھوڑ کر دوسرے یا تیسرے یا چوتھے علیٰ ہذا القیاس مردوں کو چھوڑ کر کسی اور مرد سے نکاح کرے لیکن دونوں میں سے کوئی بھی زنا کا مرتکب نہ ہو۔

نفسیات کا ایک لطیف مسئلہ

یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ ایک مرد کے گھر بیک وقت دو، تین یا چار بیویاں ہوں اور اس کو ان کا نان و نفقہ اور ضروریات زندگی ایمان داری سے پوری کرنی پڑیں تو وہ کبھی بھی اپنے اندر جنسی بھوک کو محسوس نہ کرے گا۔ گویا شہوت زنی کا تصور ہی ختم ہو جائے گا۔ جب معاشرہ میں برائی کی جڑ ہی ختم ہو گئی تو معاشرہ خود بخود صحیح اور صحت مند قدروں میں رواں دواں ہو جائے گا۔ ایک مرد جو دو تین یا چار شادیاں تو نہیں کرتا مگر اپنے فطری تقاضے کو ناجائز طور پر تسکین دیتا ہے۔ اس کو چار عورتیں تو کیا چار سو عورتیں بھی تسکین نہیں دے سکتیں۔

اسی طرح ایک عورت کو اگر جائز طریقے سے اپنے خاوند اسے اپنے فطری تقاضے کی تسکین کی صورت نہیں ہو سکتی تو پھر ناجائز طریقے سے ایک سو مرد بھی اس کی جنسی بھوک کو ختم نہیں کر سکتے۔ بازار حسن کی رنڈی اس کی شاہد ہے۔

قرآن حکیم ارشاد فرماتے ہیں کہ عورتوں میں جو تم کو خوش لگیں یعنی پسند ہوں۔

﴿ فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَ ثُلٰثَ وَ رُبٰعَ ﴾ [سورة نساء : ۳]

"پس نکاح کرو دو دو، تین تین اور چار چار، ان عورتوں میں جو تم کو خوش لگیں"۔

یعنی نکاح میں یہ امر ضروری ہے کہ دِل میں شوق ہو اور عورتیں دِل کو بے حد پسند ہوں۔ لفظ ﴿ مَا طَابَ ﴾ میں دِل کا شوق اور پسند دونوں باتیں آ جاتی ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ انسانی شوق اور پسند پر کوئی قدغن نہیں ہے۔

بعض لوگ جو کثرت ازدواج پر پابندی، شرائط یا حکومت کی طرف سے بندش لگانا چاہتے ہیں ان کے لئے جائز نہیں ہے، بلکہ یہ فعل اللہ تعالیٰ کے رسول مقبول ﷺ کی منشاء کے خلاف ہے۔

قرآن حکیم تو نفسیاتی طور پر مرد کے جذبۂ دِل یعنی شوق اور پسند کو دلیل بناتے ہیں۔ پھر اس پر پابندی لگانا کہاں تک صحیح ہے۔ یہ نفسیات کا ادنیٰ سا مسئلہ ہے کہ کوئی انسان بھی اپنے شوق اور پسند کے بغیر کسی شے کے حصول کی طرف توجہ نہیں کرتا اور پھر اسی قدر حاصل کرتا ہے جس قدر کہ وہ برداشت کر سکے یا وہ اتنا بوجھ برداشت کر سکے۔

یہ ناممکن بات ہے کہ کوئی انسان اپنے اندازے سے زیادہ بوجھ اُٹھا لینے کی کوشش کرے گا تو ناکام رہے گا یا گرا دے گا۔ اس لئے تاکید کی گئی ہے کہ اگر تم انصاف نہ کر سکو تو پھر ایک ہی نکاح کرو۔

﴿ فَاِنۡ خِفۡتُمۡ اَلَّا تَعۡدِلُوۡا فَوَاحِدَةً اَوۡ مَا مَلَکَتۡ ﴾ [سورۃ نساء: ۳]

''اگر تمہیں ڈر ہو کہ ان میں عدل قائم نہ رکھ سکو گے تو پھر ایک ہی نکاح کر دیا صرف ایک ہی لونڈی کافی ہے''۔

یہاں بھی نفسیاتی طور پر دِل کو ہی دلیل بنایا گیا ہے۔ کیونکہ ہر صحیح اور غلط شئے کا اندازہ دِل اچھی طرح سے لگا سکتا ہے۔ یا قرآن حکیم کے فرمان کے مطابق اللہ تعالیٰ ہر دِل میں اچھائی اور برائی کے سمجھانے کے لئے الہام فرماتے ہیں:

﴿ فَاَلۡهَمَهَا فُجُوۡرَهَا وَتَقۡوٰهَا ○ قَدۡ اَفۡلَحَ مَنۡ زَكّٰهَا ○ وَقَدۡ خَابَ مَنۡ دَسّٰهَا ﴾ [سورۃ شمس: ۸-۱۰]

''پس جی میں ڈال دی گئی برائی اور بھلائی اختیار کی کامیاب ہوا اور وہ نامراد ہوا جس نے برا کیا''۔

گویا اللہ تعالیٰ ہر شخص کے دِل میں ہر شے اور ہر عمل کی اچھائی اور برائی کا ہر گھڑی اظہار کرتے رہتے ہیں۔ اب صرف مسلمان ہونا شرط ہے یعنی خداوند کریم اور حضرت محمد رسول مقبول ﷺ کا فرماں بردار ہونا شرط ہے تا کہ جذبات کی رو میں نہ بہہ جائے۔ گویا ذہن میں یہ بھی ہر گھڑی رہے:

﴿ وَاَمَّا مَنۡ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفۡسَ عَنِ الۡهَوٰى ○ فَاِنَّ الۡجَنَّةَ هِىَ الۡمَاۡوٰى ﴾ [سورۃ نازعات: ۴۰، ۴۱]

''اور اس پر جو اپنے ربّ کے جلال سے خائف ہیں اور اپنے نفس کو خواہشات سے روکتے ہیں یقیناً ان کا ٹھکانہ جنت ہے''۔

اس سے ثابت ہوا کہ جب خود اللہ تعالیٰ انسان کے دِل کو نیکی اور بدی کا احساس کراتے رہتے ہیں اور وہ انسان مسلم (فرمانبردار) بھی ہے۔ پھر اس سے کب ممکن ہے کہ وہ بغیر ضرورت کے دو دو چار چار شادیاں کرے گا۔ وہ تو صرف ایک ہی پر قناعت کرے گا اور اگر وہ ایک کے قابل بھی نہیں ہے تو وہ اپنی لونڈی کو ہی اپنے لئے کافی خیال کرے گا اور خود لونڈی کے قابل بھی نہیں ہے اور لونڈی جوان ہے تو پھر خداوند کریم کا یہ حکم اس کے سامنے کہ اپنی جوان لونڈیوں کا نکاح کر دو تو لازماً ان کا بھی اللہ تعالیٰ کسی ضرورت مند کے ساتھ نکاح کر دے گا۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

''عورتیں تمہارے لئے لباس ہیں اور تم ان کے لئے لباس ہو''۔

یاد رہے کہ لباس جہاں انسان کے لئے ایک سجاوت ہے اور عزت کا باعث، وہاں انسان کی عیوب کی ستاری بھی کرتا ہے۔

انسانی زندگی کا حقیقی احساس اور ادراک ہو جانے کے بعد بھی فرمان خداوندی یہ ہے:

﴿ ذٰلِكَ اَدۡنٰٓى اَلَّا تَعُوۡلُوۡا ﴾ [سورۃ نساء: ۳]

''یہ زیادہ اغلب ہے کہ بے انصافی کرو''۔

اس لئے نکاح کرنے کے معاملے میں اور اگر نکاح کر لو تو اپنی ایک یا زیادہ بیویوں کے حقوق کے معاملے اور اپنے فرائض ادا کرنے میں ان سب کے درمیان عدل قائم رکھنے میں انتہائی جدوجہد سے کام لو۔ اس پر بھی احتیاط رہے کہ جو کچھ بھی تم کر رہے ہو اس میں تمہارے مدنظر عیش پرستی اور لذت نہیں بلکہ:

﴿ وَاِنۡ خِفۡتُمۡ اَلَّا تُقۡسِطُوۡا فِى الۡيَتٰمٰى ﴾ [سورۃ نساء: ۳]

''اور یقیناً دِل میں اللہ تعالیٰ کا ڈر رہے کہ یتیموں میں انصاف نہ کر سکیں گے''۔

اس ساری بحث کے اسباب پر کوئی صاحب بصیرت وفراست ہی انصاف سے کہہ سکتا ہے کہ اسلام کن حالات اور کس صورت میں کثرت ازدواج کی اجازت دیتا ہے اور اس سے اس شخص کی نسبت اس کی ازدواج اور معاشرہ کو کس قدر کثیر فوائد حاصل ہیں۔

باقی رہی عدل میں کمی تو یہ صرف انتہائی عدل کی طرف اشارہ ہے کیونکہ یہ حقیقت ہے کہ انسان انتہائی عدل کے بعد بھی یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ اس کے عدل میں کوئی کمی یا نقص باقی نہیں رہ گیا کیونکہ نفسیاتی طور پر انسان اپنے تمام حواس اور شعور پر حاوی نہیں ہو سکتا۔ اس سے غلطی ممکن ہے۔ سوائے نبی کے۔ کیونکہ اس کا تعلق بلاواسطہ خدا سے ہوتا ہے۔ البتہ کوتاہی نہیں ہونی چاہئے۔ ایسی پابندیوں کے بعد اگر چار شادیاں بھی کر لی جائیں اور بیویاں بھی مسلم اور مومن ہوں تو کیا ایسی شادیاں مبارک اور معاشرہ کے لئے مفید نہ ہوں گی۔

''جو لوگ اسلام کے نام سے ناجائز فائدہ اٹھا کر متعدد شادیاں کر لیتے ہیں اور پھر غیر مسلموں کی طرح اپنی من مانی کارروائیاں کرتے ہیں۔ انہیں اسلام کو بدنام نہیں کرنا چاہئے''۔

جب تک کوئی کسی قانون پر پورے طور پر عمل درآمد کرے تو اسے کیا حق حاصل ہے کہ اس کو بدنام کرے۔ لیکن متعصب، جاہل اور غیر مسلم، خاص طور انگریز اسلام کے خلاف اس طرح کا غلط پروپیگنڈہ کرتے ہیں، تا کہ اس کو بدنام کیا جائے۔

اسلام کے قانون کی پورے طور پر شرائط کے ساتھ پابندی کرنے کو ''حدود اللہ'' کا نام دیا گیا ہے اور یوں ارشاد فرمایا گیا ہے:

﴿ أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ ﴾ [سورۃ بقرہ: ۲۲۹]

''عورت اور مرد دونوں اللہ تعالیٰ کی حدود قائم رکھیں''۔

اس صورت میں میاں اور بیوی کے درمیان تلخی اور فساد کی صورت ہرگز ہرگز پیدا نہیں ہو سکتی اور اگر کبھی کسی قسم کی کوئی غلط فہمی پیدا ہو بھی تو وہ فوراً خداوند کریم کے خوف سے رفع ہو جاتی ہے۔

حقوق ازدواج

زن و شوہر کے حقوق بیان کرنے میں اسلام نے ایسے حقائق بیان کئے ہیں کہ انسان کی بصیرت حیران رہ جاتی ہے اور عقل اس کا نعم البدل تلاش نہیں کر سکتی۔ میاں بیوی کے تعلقات کو ایسے لطیف انداز میں بیان کیا گیا ہے کہ بڑی سے بڑی مطول کتب میں بھی ان کی تشریح ممکن نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن حکیم فرماتے ہیں:

﴿ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ﴾ [سورۃ بقرہ: ۱۸۷]

''عورتیں تمہارے لباس ہیں اور تم ان کے لباس ہو''۔

یاد رہے کہ لباس جہاں انسان کے لئے ایک سجاوٹ اور عزت ہے وہاں انسان کے عیوب کی ستاری بھی کرتا ہے۔ پھر انسان کے لئے لباس اور شرم میں کوئی فرق نہیں ہے۔

مقصد یہ ہوا کہ میاں بیوی ایک دوسرے کے ساتھ ساتھ ایک دوسرے کی شرم اور عیوب سے واقف ہیں اور ایک دوسرے کا لباس ہونے کی صورت میں ایک دوسرے کے برابر عزت اور شان کے حق دار ہیں اور پھر اس کی تشریح اس طرح کر دی کہ:

﴿ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ﴾ [سورۃ بقرہ: ۲۲۸]

''عورتوں کے حقوق دستور کے مطابق مردوں پر ویسے ہی ہیں جیسے مردوں کے لئے عورتوں پر۔ مردوں کو ان پر صرف ایک درجہ حاصل ہے''۔

اس سے ثابت ہے کہ عورتوں اور مردوں کے حقوق اور درجات چاہے وہ مذہبی ہوں یا سیاسی، معاشرتی ہوں یا معاشی، بالکل برابر ہیں۔ صرف ایک درجہ کی فوقیت وہ بھی صرف اس لئے کہ عورت اطاعت کے ایک نظام میں باندھ دی جائے۔ نماز کی حالت میں ایک امام کی پیروی، جنگ

کی حالت میں ایک جرنیل کی اطاعت اور دیگر دنیاوی معاملات میں امیری کی فرمانبرداری، اس صورت میں دونوں کے حقوق کی برابری میں کوئی فرق پیدا نہیں ہوتا۔ایک درجہ کی تشریح ان کے نان ونفقہ کی ادائیگی میں کی گئی ہے۔قرآن حکیم نے عورت کی جو تعریف کی ہے اس سے بہتر اور عمدہ تعریف ممکن نہیں ہے:

﴿ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ ﴾ [سورة نساء : ٣٤]

''نیک بیبیاں وہ ہیں جو فرمانبردار ہیں اور مردوں کی غیر حاضری میں ان کی اولاد مال کی پوری حفاظت کرتی ہیں''۔

بعض لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ عورت کو یہ جو ہلکی پھلکی سزا کا حکم اسلام میں دیا گیا ہے یہ عورت پر زیادتی ہے۔حیرت ہوتی ہے ایسے معترضین کی بصیرت کو کیا ہو جاتا ہے۔کیونکہ ہر قانون چاہے وہ کسی انسانی حکومت کا ہو یا سوسائٹی سے تعلق رکھتا ہو۔یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے مذہب کے قانون میں ہر شخص کے لئے ہے جو قانون کی پیروی نہیں کرتے۔اگر مرد کو حق ہے کہ مجرم عورت کو سزا دے تو ضرورت کے وقت حکومت خود اس مرد کو سزا دیتی ہے۔ہاں! صحت مند معاشرہ کے لئے کوئی سزا نہیں ہے۔اگر سزا تعزیر نہ ہو تو معاشرہ میں خرابیوں کی کبھی بھی اصلاح نہیں ہو سکتی بلکہ وہ ایک دن بھی نہیں چل سکتا اور ختم ہو جاتا ہے۔

تعزیر کیوں؟

عورتوں کی نافرمانی پر مارنے کے متعلق قرآن حکیم فرماتا ہے کہ ''جن بیویوں کے نشوز کا تم کو خطرہ ہو ان کو اوّلاً سمجھاؤ اور خواب گاہوں میں انہیں الگ ڈال دو۔پھر بھی نہ مانیں تو انہیں مارو۔پس وہ اگر تمہارا کہنا مان لیں تو پھر ان کے خلاف الزام کی راہیں تلاش نہ کرو''۔

عورتوں کے مارنے کی صورت صرف ان کی ایک ہی حالت ہو سکتی ہے جسے ''نشوز'' کہا گیا ہے۔اس کے علاوہ کسی حالت میں بھی عورت کو مارنا جائز نہیں۔نشوز کی تفسیر میں علماء اور مفسرین نے ایسی صورت کو بیان کیا ہے کہ جب عورت اپنے خاوند کی بجائے غیر کی طرف دیکھے اور اپنے حدود سے نکلنے کی کوشش کرے یعنی برائی اور بداخلاقی کی طرف مائل ہو۔

بعض مفسرین نے نشوز کا نافرمانی اور حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی کے معنوں میں بھی استعمال کیا ہے۔ان دو کے علاوہ تیسری صورت تو واضح ہے کہ وہ علانیہ خاوند کریم اور حضرت رسول مقبول ﷺ کے احکام کی نافرمانی کرے اور اطاعت سے گریز کرے۔بہر حال عورت کیا ہر اس شخص کے لئے سزا ہے جو قوانین کی خلاف ورزی کرے۔عورت کی بعض نافرمانیوں کی سزا اس کے خاوند کے ذمہ لگا دی ہے تاکہ معاشرہ میں خرابیوں کو جلد روکا جا سکے۔لیکن مارنے کا جو حکم ہے۔اس میں بھی ہدایت کر دی گئی ہے کہ چوٹ سخت نہ لگے اور عورت کے کسی عضو کو نقصان نہ پہنچے گویا اس مار کا مقصد تنبیہ ہے۔بدسلوکی نہیں ہے۔

کیونکہ اسلامی تہذیب میں بدسلوکی کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے۔اگر عورت کا جرم اتنا ہی شدید ہو جس کے لئے انسانی جذبات اس سے وحشیانہ سلوک کرنا چاہتے ہیں تو اس کا علاج صرف طلاق ہے۔زخمی اور بدشکل کرنا مناسب نہیں ہے۔اس لئے حضرت رسول مقبول ﷺ نے عورت کی فطرت کو ایک لطیف پیرائے میں ذہن نشین کرایا ہے کہ عورت کے ساتھ نیکی کیا کرو۔ان کی پیدائش پسلی سے ہوئی ہے۔اس کے ٹیڑھے پن کے باوجود اس سے کام لے سکو تو لے لو، سیدھی کرنے کی کوشش کرو گے تو توڑ بیٹھو گے۔

اگر قرآن حکیم کے فرمان اور حجۃ الوداع کے خطبہ کو سامنے رکھا جائے تو صاف معلوم ہوتا ہے، جب تک عورت کھلی بے حیائی، بداخلاقی اور اطاعت اللہ اور حضرت رسول مقبول ﷺ نہ کرلے تو اس کو مارنا نہیں چاہئے۔صرف زبانی تنبیہ اور خواب گاہ سے علیحدگی ہی کافی ہے۔

مقامات کا تعین

مذہب اسلام نے ہر مسلمان مرد اور عورت کو بنیادی حقوق عطا کئے ہیں اور ان کو ایک ہی انداز میں ایک ہی پیمانہ پر نصیحت کی ہے اور ساتھ ہی تخصیص کردی گئی ہے کہ نیک عورتیں نیک مردوں کے لئے ہیں اور بدکار مرد، بدکار عورتوں کے لئے ہیں۔ جیسے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ اَلْمُحْصَنٰتُ لِلْمُحْصِنِیْنَ ﴾ ''نیکی میں پابند مرد نیکی میں پابند عورتوں کے لئے ہیں''۔

﴿ اَلصَّالِحَاتُ لِلطَّیِّبِیْنَ ﴾ ''پاکیزہ عورتیں، پاکیزہ مردوں کے لئے''۔

اور اس کے برعکس ﴿ اَلْخَبِیْثُوْنَ لِلْخَبِیْثَاتِ ﴾ ''برے مرد، بری عورتوں کے لئے ہیں''۔

اسلام نے یہیں بس نہیں کی بلکہ قرآن حکیم میں ایک لمبی فہرست بیان کی گئی ہے جس میں ایک طرف مردوں اور عورتوں کی خوبیاں اور مساوی درجات کا ذکر کیا گیا ہے، دوسری طرف مرد اور عورت کے مدارج اور مقام ارتقاء کو درجہ بدرجہ بیان کیا گیا ہے۔ قرآن حکیم میں اس طرح فرمایا گیا ہے:

''اے ایماندارو! پاکیزہ چیزوں کو جن کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے حلال کیا ہے حرام مت ٹھہراؤ اور حد سے مت بڑھو، اللہ تعالیٰ حد سے بڑھنے والوں سے محبت نہیں رکھتا''۔ [۶/۵۶، پ۸،ع۷]

انسان دُنیاوی خواہشات اور نفسانی جذبات کے پیچھے اس لئے دوڑتا ہے کہ وہ کامیاب ہو اور ترقی کر کے اعلیٰ مقام حاصل کرے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ انسان برکت اور رحمت کے متعلق کچھ نہیں سمجھ سکتا کہ وہ کس طرح زیادہ سے زیادہ حاصل کرے۔ اللہ تعالیٰ ہی برکت و رحمت والے ہیں۔ وہ صرف ان کے فرمان پر عمل کرنے سے حاصل ہو سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت رسول اللہ ﷺ کو ازدواج مطہرات کے متعلق تاکید کرتے ہیں:

''اے نبی (ﷺ)! اپنی بیویوں سے کہہ دو اگر تم دُنیاوی زندگی اور اس کی زینت چاہتی ہو تو آؤ میں تمہیں سامان دے دوں اور اچھی طرح سے رخصت کردوں۔ اگر تم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مقبول ﷺ اور آخرت کو چاہتی ہو تو آؤ اللہ تعالیٰ نے تم میں نیکی کرنے والوں کے لئے بڑا اجر رکھا ہے''۔ [۳۳/۲۹، پ۲۱ع آخر]

یعنی اسلام قبول کرنے والے مرد اور عورت کے لئے ضروری ہے کہ اسلام کے تحت زندگی گزارے ورنہ اس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس کی تائید میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''جو لوگ مردوں اور مومن عورتوں کے لئے فتنہ قائم کرتے ہیں، ان کے لئے دوزخ کا عذاب ہے''۔ [۶۰/۸۰، پ۳۰]

''جو لوگ مومن مردوں اور مومن عورتوں کو بغیر اس کے کہ انہوں نے برا کام کیا ہو، ایذا دیتے ہیں ان پر اس بہتان اور صریح گناہ کا بوجھ ہوگا''۔ [۳۳/۸۸، پ۲۲ع]

چونکہ ''زنا'' اسلام میں ایک بہت بڑا جرم ہے۔ اس لئے قرآن حکیم اس کے ناجائز الزام اور بہتان پر بھی سرزنش کرتا ہے:

''زنا کی تہمت پر اگر کوئی گواہ نہ پیش کئے جائیں تو اس تہمت پر اعتبار نہیں کرنا چاہئے بلکہ اس سے بیزاری کا اعلان کرنا چاہئے''۔ [پ۱۸، سورہ نور، ع۳]

ساتھ ہی اس کے متعلق تاکید کر دی ہے:

''زنا کے نزدیک مت جاؤ یہ بے حیائی ہے اور بری راہ ہے''۔[۲۳/۱۷، پ۱۰، ۲ع۸]

''زانیہ عورت اور زانی مرد دونوں میں سے ہر ایک کو سو سو کوڑے لگاؤ اور چاہئے کہ ان کی سزا کے وقت مومنوں کی ایک جماعت موجود ہو''۔[۲۴/۴، پ۱۸، ۱ع]

''لیکن پاک دامن عورت پر زنا کے الزام کے ثبوت میں چار گواہوں کا پیش کرنا ضروری ہے۔ وگرنہ ایسے شخص کو اَسّی (۸۰) کوڑے لگائے جائیں اور آئندہ کے لئے اس کی گواہی کو کبھی قبول نہ کیا جائے''۔[۴/۲۴، پ۱۸، ۱ع]

''البتہ اگر لونڈی اگر نکاح میں آچکنے کے بعد زنا کرے تو اس کی سزا آزاد عورت کی سزا کی نصف ہوگی''۔[۲۸/۴، پ۵، ۲ع۱]

''مگر یاد رہے! اپنی عورت پر زنا کا الزام لگانے کی صورت میں چار گواہوں کے موجود نہ ہونے کی صورت میں بالمقابل چار قسمیں اور اللہ تعالیٰ کی لعنت کا مطالبہ ہوگا''۔[۶۰/۳۴، پ۱۸، ۱ع]

اسلام نے صرف اللہ تعالیٰ کا خوف، نفس کی تنبیہ اور سزا کی حد ہی مقرر نہیں کی بلکہ برائی سے بچنے کے لئے مناسب تدابیر بیان فرمائی ہیں۔ قرآن حکیم میں ارشاد ہے کہ:

''مومنوں سے کہہ دو کہ اپنی نظریں نیچی رکھا کریں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں اور عورتیں اپنی زینتوں کو ظاہر نہ کریں سوائے اس کے جو حصہ ضرور تا کھلا رہتا ہے اور چاہئے کہ وہ اپنے شوہروں کے، اپنے باپوں کے یا اپنے بیٹوں یا اپنے شوہر کے بیٹوں یا اپنے بھائیوں یا اپنے بھتیجوں یا اپنے بھانجوں یا اپنی عورت یعنی غیر عورت پر بھی اپنی زینت ظاہر کرنا منع ہے۔ اس لحاظ سے ایک عورت کا پردہ دوسری عورت سے ہونا چاہئے یا اپنی لونڈی یا غلاموں یا مردوں میں ان پر جو عورت کی حاجت نہیں رکھتے یا لڑکوں پر جو عورتوں کی چھپی باتوں سے ابھی واقف نہیں ہوئے زیورات اور ان کی آرائش کے سامان ظاہر ہو جائیں''۔[۳۱/۳۴، پ۱۸، ۴ع۱۰]

مقام حیرت ہے کہ کہاں اسلام میں عورت زینت کو چھپانے کے لئے یہ کوشش کرے کہ عورت کے زیورات کی آوازیں بھی غیر نہ سنیں اور کہاں یورپ و امریکہ کی تعلیم عریانی اور اس کے مقابلے اور ڈانس اور صحت کی حفاظت کے لئے، سمندر کے کنارے یا باغات میں سن باتھ (Sun Bath)۔ کیا یہ تہذیبیں اسلام کی پرامن تہذیب کا مقابلہ کر سکتیں ہیں؟ اس تنبیہ اور تدبیر کے بعد قرآن حکیم تاکید کرتا ہے کہ:

''عقل سے کام نہ لینے والوں پر اللہ تعالیٰ نجاست ڈال دیتا ہے''۔[۱۰۰/۱۰، پ۱۰، ۱ع۱۵]

قرآن حکیم میں یہ ارشاد بھی ہے:

''جو کوئی نیک عمل کرتا ہے وہ مرد ہو یا عورت البتہ مومن ہو یقیناً ہم اس کو پاکیزہ زندگی عطا کریں گے''۔[۱۸/۱۶، پ۱۴، ۱۳ع۱۹]

علیحدہ علیحدہ نصیحت

اجتماعی طور پر مرد اور عورت کو تلقین کرنے کے بعد پھر ایک ایک کو الگ الگ بھی تاکید کی گئی ہے۔

عورت کے لئے تاکید

۱. نیک بیویاں وہ ہیں جو فرماں بردار ہیں اور اپنے خاوند کی غیر حاضری میں بھی ان کے مال اور عصمت کی حفاظت کرتی ہیں جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے کہا ہے۔

۲. ظالموں سے مت ڈرو، صرف اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ [۱۴۵/۳، پ۳، ۱۸ع۲]

۳. ان لوگوں سے کنارہ کرو جنھوں نے اپنے دین کو کھیل تماشہ بنا رکھا ہے اور اس دُنیا کی زندگی نے ان کو دھوکہ دے رکھا ہے۔ [۲۹/۶، پ۷، ۸ع۱۲]

۴. خدا اسراف کرنے والوں (فضول خرچ) کو پسند نہیں کرتا۔ [۱۴۲/۶، پ۸، ۱۷ع۴]

۵. اگر شیطان تجھے وسوسہ میں ڈالے تو خدا کے نام کی مدد سے شیطان کی بابت پناہ مانگ جو لوگ نیک ہوتے ہیں جب شیطان ان کو کوئی تحریک کرتا ہے تو خدا کا نام پکارتے ہیں اور ہر چیز کو غور سے دیکھتے ہیں اور ہوشیار اور بیدار ہو جاتے ہیں۔ [۱۹۹/۷، اعراف، ع آخر]

۶. جو تم سے جاتا رہے اس کا غم مت کھاؤ اور جو تم کو دیا جاتا ہے اس پر فخر نہ کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی فخر کرنے والے، متکبر کو اپنا دوست نہیں رکھتا۔ [۲۴/۵۷، پ۲۷، الحدید۳ع۱۹]

۷. مومن بھائی بھائی ہوتے ہیں۔ اے ایماندارو! ایک قوم دوسری قوم سے ہنسی نہ کرے اور نہ عورتیں دوسری عورتوں کی ہنسی اڑائیں اور اپنے لوگوں پر عیب مت لگاؤ نہ ایک دوسرے کے برے نام رکھو۔ بدظنی کرنے سے بچو، کیونکہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں۔ ایک دوسرے کے عیب تلاش نہ کرو۔ ایک دوسرے کی پیٹھ کے پیچھے برا نہ کہو۔ [پ ۲۶، الحجر، ۱ع دوم]

''عورتوں کی بیعت یہ ہے کہ وہ شرک، چوری، زنا، قتل اولاد اور بہتان لگانے سے باز رہیں اور کسی اچھی بات میں رسول اکرم ﷺ کی نافرمانی نہ کریں''۔ [۱۳/۶، پ۲۸، ع آخر]

''ست نہ بنو، غم نہ کھاؤ۔ تم ہی غالب رہو گے اور اگر تم ایماندار ہو''۔ [۱۳۳/۳، پ۴، ۱۴ع۵]

''مومنوں سے کہہ دو کہ اپنی نظریں نیچی رکھا کریں وہ اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں اور عورتیں اپنی زینتوں کو ظاہر نہ کریں سوائے اس حصہ کے جو ضرورتاً کھلا رہتا ہے اور چاہئے کہ اپنی اوڑھنیاں اپنے سینوں پر ڈال لیا کریں۔ عورتیں اپنی زینت کو کسی پر ظاہر نہ کریں سوائے اپنے شوہروں کے یا اپنے بیٹوں یا اپنے بھائیوں یا اپنے بھتیجوں یا اپنے باپوں یا اپنی عورتوں یا اپنی لونڈیوں یا غلاموں یا اپنے مردوں سے جو عورتوں کی حاجت نہیں رکھتے یا لڑکوں سے جو ابھی عورتوں کی چھپی ہوئی باتوں سے واقف نہیں ہیں اور وہ اپنے پیر زمین پر نہ ماریں کہ ان کے چھپے ہوئے زیور اور ان کی آرائش کے سامان ظاہر ہو جائیں''۔ [۳۱/۲۴، پ۱۸، ۱۴ع۱۵]

''میں بڑا سوچ سمجھ کر عورت کے متعلق یہ بیان دینے پر مجبور ہوں کہ عورت میں شرانگیزی کی بڑی قوت موجود ہے۔ اگر عورت کا وجود نہ ہوتا تو دُنیا میں ہر طرف امن وامان ہوتا''۔ [سقراط]

اسلام میں جہاں نکاح میں سہولتیں پیدا کی ہیں کہ ایک مسلمان مرد کئی قسم کی قومی اور نسلی تفریق کے باوجود چار شادیاں کر سکتا ہے وہاں وہ مرد کو اختیار بھی دیتا ہے کہ جب چاہے ان میں سے کسی ایک یا تمام کو طلاق کے ذریعے سے اپنے سے جدا کر دے اور اسی طرح عورت کو بھی حق بخشا ہے کہ وہ جب چاہے کسی مرد سے علیحدگی حاصل کر لے۔ اسلام یہاں ہندو اور عیسائی مذہب کی طرح تنگی نہیں رکھتا کہ ایک بار مرد عورت نکاح کے بندھن میں جکڑے جانے کے بعد تا زندگی ایک دوسرے سے جدا نہیں ہو سکتے۔ خواہ میاں بیوی ایک دوسرے سے کس قدر نفرت ہی کرتے

ہوں یا کیسی ہی خوفناک مرض میں مبتلا ہوں یا اولاد پیدا کرنے کی اہلیت نہ رکھتے ہوں۔ پھر بھی دونوں مجبور ہیں کہ وہ دونوں جدا نہیں ہو سکتے۔ ان کے خلاف یورپ اور ہندوستان میں مذاہب کے خلاف بغاوت پیدا ہوئی۔ کئی مذاہب پیدا ہوئے۔ آخر حکومتوں نے نئے قانون بنادیئے۔ لیکن ان قوانین نے اس رشتہ کی بنیادیں ہلا کر رکھ دیں اور اس قدر کمزور اور نزاکت پیدا کر دی کہ یہ ازدواجی رشتہ موم کی ناک ہو کر رہ گیا۔ اب یورپ امریکہ اور روس میں ازدواجی رشتہ کی وہ مٹی خراب ہے کہ ایک جوڑا صبح نکاح کرتا، جس پر کل دو منٹ خرچ ہوتے ہیں اور شام کو طلاق حاصل کر لیتا ہے۔ جس پر گیارہ منٹ خرچ ہوتے ہیں۔ جس کے مقابل اسلام کے اصول طلاق اور خلع بالکل مطابق فطرت ہیں۔ ان میں افراط و تفریط نہیں ہے۔

''نہ کوئی مرد بغیر کسی شرط کے طلاق دے سکتا ہے اور نہ کوئی عورت بغیر وجہ کے خلع حاصل کر سکتی ہے''۔

کیونکہ اسلام نے ازدواجی زندگی کے متعلق بنیادی شرط اور مقصد یہ رکھا ہے کہ میاں بیوی باہم محبت و مروّت اور صلح و آشتی سے رہیں اور ایک دوسرے کے حقوق و فرائض کا خیال خداوند تعالیٰ کے خوف کے تحت فیاضانہ طور پر ادا کریں۔ اگر وہ اپنے اندر یہ جذبات مفقود پائیں تو پھر بہتر ہے کہ طلاق یا خلع سے جدائی کرالیں۔ کیونکہ یہ محبت و مروّت کا رشتہ پھر کہیں نفرت اور دشمنی میں تبدیل نہ ہو جائے اور پھر یہ زہر انفرادیت سے نکل کر اجتماعیت میں اثر نہ کر جائے اور خاندانوں میں ایک طویل دشمنی کی بنیادیں مستحکم نہ ہو جائیں۔

طلاق کے اصول اور قواعد

طلاق دینے سے پہلے یہ سمجھ لینا چاہئے کہ طلاق ایک ایسا اختیار ہے جو مرد کو دیا گیا ہے جس کی رو سے وہ جب چاہے دائمی طور پر اپنی نامرغوب بیوی سے علیحدگی اختیار کر سکتا ہے۔

طلاق کی دو صورتیں ہیں:

اوّل: بیک وقت تین طلاقیں دے دے اور عورت کو ہمیشہ کے لئے اپنے سے علیحدہ اور جدا کر دے۔

دوم: وقفہ کی طلاق جسے طلاق رجعی کہتے ہیں۔ اس میں تین ماہ صرف ہوتے ہیں۔ یہ بھی تین طلاقیں ہیں جو ایک ایک ماہ کے بعد دی جاتی ہے۔ اس کا قاعدہ یہ ہے کہ جب عورت حیض سے طہارت کرے تو اس کو ایک طلاق کہہ دیا جائے۔ اسی طرح جب وہ دوسری طہارت کرے تو اسے دوسری طلاق کہہ دیا جائے۔ اگر ایک ماہ کے دوران میں مرد اور عورت اپنی ضد سے باز آ جائیں یا باہمی ناراضگی ختم ہو جائے تو پھر وہ ایک دوسرے کی طرف رجوع کریں اور صلح صفائی کر لیں اور محبت و مروّت سے رہنا شروع کر دیں۔ اگر صلح کی صورت پیدا نہ ہو تو دوسری طلاق کہہ دی جائے اور پھر یہی صورت تیسری طلاق تک بھی قائم رہے۔ لیکن اس سارے وقفہ میں عورت گھر میں رہے۔ تین طلاقوں کے بعد وہ ایک دوسرے کی طرف رجوع نہیں کر سکتے۔ اگر ان کا پھر رجوع کرنا ضروری ہو یا ان کا باہم مغالطہ نکل گیا ہو تو پھر عورت کا حلالہ ہونا ضروری ہے۔

اوّل قسم کی طلاق کو مغلظہ کہتے ہیں۔ یہ اسلام میں اس قدر ناپسندیدہ ہے کہ گناہ کی حد تک پہنچ گئی ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب طلاق مغلظہ گناہ کی حد تک پہنچ جاتی ہے تو پھر اس کو جائز کیوں رکھا گیا۔ یہ صرف اسی صورت میں دی جاسکتی ہے جب مرد اور عورت کی زندگی میں کچھ اس قسم کی رکاوٹ حائل ہو جائے جس کا پاٹنا انتہائی مشکل بلکہ ناممکن ہو۔

طلاق دیتے وقت مرد کے دل پر پوری طرح خوف خدا غالب ہو اور وہ غصہ جلد بازی اور دیوانگی سے کام نہ لے رہا ہو اور اس وقت فوری تین طلاقوں (مغلظہ) کے دوسری متبادل صورت سامنے نہ ہو۔ طلاق مغلظہ کے متعلق اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ:

﴿ وَ عَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰۤى اَنْ تَكْرَهُوْا شَیْــٴًـا وَّ یَجْعَلَ اللّٰهُ فِیْهِ خَیْرًا كَثِیْرًا ﴾ [سورۃ نساء: ۱۹]
''ان کے ساتھ جیسا کہ چاہئے ویسا ہی سلوک کرو اگر چہ تم ان کو ناپسند کرو اور اللہ تعالیٰ بے شک بھلائی کی صورت پیدا کر دیں''۔

اسی طرح حضرت نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک حلال چیزوں میں سب سے زیادہ غیض میں لانے والی طلاق ہے۔ اسی طرح فرمایا ہے کہ شادیاں کرو اور طلاق نہ دو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ مزے چکھنے والوں کو محبوب نہیں رکھتا۔ لیکن جب طلاق بہر صورت ناگزیر ہو تو پھر اللہ تعالیٰ کے فرمان کو ضرور مدنظر رکھنا چاہئے کہ جب تم عورتوں کو طلاق دو تو ان کی عدت کے شروع میں طلاق دو اور عدت کا زمانہ گنتے رہو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور ان کو گھروں سے نکال نہ دو اور نہ وہ خود نکلیں بجز اس کے کہ وہ کسی کھلی بدکاری کی مرتکب ہوئی ہوں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی حدود ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ کی حدود سے تجاوز کرے گا وہ خود اپنے آپ پر ظلم کرے گا۔ تجھ کو کیا خبر کہ اللہ تعالیٰ اس کے بعد کوئی اصلاح کی صورت پیدا کر دے پھر جب وہ مدت مقررہ کے اختتام کو پہنچنے لگیں تو یا ان کو نیکی کے ساتھ روک لو یا ان کو نیکی کے ساتھ جدا کر دو یعنی آخری طلاق دے دو جو بائن ہوگی۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ جب کوئی شخص بیک وقت تین طلاقیں دیتا ہے تو اس کو قائم رکھے مگر اس مرد کو مارتے تھے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ بیک وقت تین طلاقیں دینا اپنے ربّ کی نافرمانی کرنا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے کہ اگر لوگ طلاق کی ٹھیک ٹھیک حدود کا لحاظ کرتے تو کسی شخص کو اپنی بیوی کے جدا ہونے پر نادم نہ ہونا پڑتا۔ گویا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس بیان میں طلاق کا حقیقی معیار بیان کر دیا ہے۔

پابندیاں

اسلام نے جہاں طلاق میں آسانیاں پیدا کی ہیں وہاں اس پر چند فطری پابندیاں بھی لگادی ہیں تاکہ انسان نفسیاتی طور پر اپنے جذبات کو سمجھتے ہوئے طلاق دینے کی جرأت کرے۔ ان تمام پابندیوں کے علاوہ ایک ایسی پابندی لگادی ہے کہ اس میں ایک زبردست کراہت داخل کر دی گئی ہے۔ یعنی کوئی شخص جب تین طلاقیں دے دے چاہے وہ مغلظہ ہوں یا بائن۔ اس کے بعد اپنی بیوی کی طرف اس وقت تک رجوع نہیں کر سکتا جب تک وہ کسی دوسرے مرد سے نکاح نہ کرے اور دوسرا مرد اس سے لطف اندوز ہونے کے بعد بغیر دباؤ کے اپنی مرضی سے طلاق نہ دے دے۔ اس صورت کو حلالہ کہتے ہیں۔ یہ صورت وہی لوگ عام طور پر کرتے ہیں بقول حضرت علی رضی اللہ عنہ طلاق کی صحیح پوزیشن کو نہیں سمجھتے اور بعد میں نادم ہوتے ہیں۔ حلالہ میں بعض لوگ ایسی صورت اختیار کر لیتے ہیں کہ اپنی بیوی کا نکاح کسی مرد سے کرا دیتے ہیں۔ پھر اس کو لالچ یا دباؤ سے مجبور کرتے ہیں کہ بغیر تعلق پیدا کئے طلاق دے دے۔ یہ چیز اسلام میں ناپسندیدہ اور ناجائز ہے۔

حضرت نبی کریم ﷺ نے صاف تصریح فرمادی ہے کہ تحلیل کے لئے نکاح تزویج کافی نہیں بلکہ اپنے خاوند کے لئے اس وقت تک حلال نہیں ہوسکتی جب تک دوسرا شوہر اس سے تعلق پیدا نہ کرے اور وہ طلاق بغیر دباؤ کے اپنی رضا کے ساتھ نہ دے۔ جو شخص اپنی مطلقہ عورت کو اپنے لئے حلال کرنے کی خاطر کسی سے اس لئے نکاح کرائے اور جو اس غرض سے نکاح کرائے ان دونوں پر رسول اللہ ﷺ نے لعنت فرمائی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ واقعات نے اس صورت کو غلط ثابت کیا ہے۔ بارہا ایسا دیکھا گیا ہے کہ عورت کے حلالہ کی خاطر کسی غیر مرد سے نکاح کرا دیا گیا لیکن تعلق پیدا ہو جانے کے بعد عورت نے یا مرد نے خود یا دونوں نے متفقہ طور پر طلاق سے انکار کر دیا۔ اس سے ثابت ہوا کہ شادی اور طلاق کا تعلق انسان کیا اپنے دل و دماغ سے تعلق رکھتا ہے۔ اس میں دباؤ اور لالچ نامفید ہیں اور نہ ہی معاشرہ کو فائدہ پہنچا سکتے ہیں۔ بلکہ اسلام تو

ناپسندیدگی کی حالت میں بھی تعلیم دیتا ہے کہ ایمانداری سے نباہتے چلے جاؤ۔ اللہ تعالیٰ اس میں بھلائی پیدا کردیں گے۔ گویا نکاح اللہ تعالیٰ اور رسول اکرم ﷺ کے لئے پسندیدہ فعل ہے اور طلاق ناپسندیدہ۔ اسی لئے آپ نے فرمایا: ''نکاح کرو اور طلاق نہ دو''۔ پھر فرمایا: ''نکاح کرنا میری سنت ہے اور جو اس کو چھوڑتا ہے گویا وہ مجھ سے نہیں ہے''۔

حق مہر

نکاح اور طلاق میں حق مہر کو بہت زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ جو شخص بھی نکاح کرتا ہے اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ مقررہ رقم جو نکاح کے وقت باہمی فیصلہ سے طے پائی تھی اور جس کی کوئی حد مقرر نہیں ہے، ادا کرنی لازمی ہے۔ جس کے متعلق اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ:

''محرمات کے علاوہ باقی تمام عورتوں میں سے جو تم حاصل کرنا چاہو اسے اپنے مال کے بدلے نکاح میں لا سکتے ہو۔ لیکن شہوت رانی کے لئے نہیں۔ پس تم جو متمتع ہوئے ہو اس کے بدلے میں ان کے مقررہ مہر ادا کرو''۔ [سورۃ النساء]

یہ رقم اوّل نکاح کے ساتھ ہی ادا کردینی چاہئے نہیں تو معاہدہ کے مطابق یا جب عورت طلب کرے یا طلاق کے وقت ضرور اور خوشی سے ادا کردینی چاہئے۔ جس کے متعلق اللہ تعالیٰ کا حکم یہی ہے کہ ''عورتوں کے مہر خوشی سے ادا کرو''۔ یہ صرف مومنہ عورت کے لئے مخصوص نہیں بلکہ غیر اہل کتاب اور لونڈی کا حق مہر ادا کرنا بھی فرض ہے۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ:

''تمہارے واسطے مومنوں میں سے پاک عورتیں حلال کی گئیں اور پاک عورتیں ان سے بھی جن کو پہلے کتاب دی گئی، جب کہ تم ان کے حق مہر ادا کرو''۔ [سورۃ نساء]

اور یہ بھی حکم ہے کہ:

''حق مہر کے علاوہ جو کچھ بیویوں کو دیا ہوا ہے واپس مت لو بلکہ اپنی طرف سے کچھ زیادہ دے کر رخصت کرو لیکن عورتیں اگر بخوشی تم کو معاف کردیں یا مہلت دے دیں تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تم پر کوئی تنگی نہیں ہے''۔

اب ذرا غور کیجئے کہ جو شخص اپنی محبت، عورت کی خوشی، مقررہ حق، نان ونفقہ، سنت رسول اللہ ﷺ کے احترام، اللہ تعالیٰ کا خوف دل میں رکھتے ہوئے، اپنی صحیح ضرورت کی خاطر (شہوت رانی کے لئے نہیں) نکاح کرتا ہے، تو پھر بغیر وجہ کے طلاق کیوں دینے لگا۔ جبکہ اس کو اپنے جذبہ محبت کا احساس ہے، تین طلاق وقفہ سے دینی ہیں، اور مقررہ حق مہر، نان ونفقہ اور عورت کو جو کچھ دیا گیا، سب نقصان برداشت کرنا پڑے گا۔ پھر سب سے کراہت والی شے یہ ہے کہ اگر واپس اپنے نکاح میں لائے گا تو تحلیل لازمی ہوگی۔ اسی صورت میں یقین کرنا پڑتا ہے کہ ایک مسلمان کو جو طلاق کا اختیار دیا گیا ہے وہ کچھ نفسیاتی طور پر اتنا سہل نہیں جیسا کہ اس کے خلاف دشمنوں نے پروپیگنڈہ کیا ہے کہ مسلمانوں میں جتنی چاہے شادیاں کرلی جائیں اور جب چاہے طلاق دے دی جائیں۔ یہاں اعتراض ہوسکتا ہے کہ ہر جگہ اور ہر زمانے میں صالح مسلمان کہاں مل سکتے ہیں۔ اس کا جواب تو اللہ تعالیٰ نے ہی فرمادیا ہے کہ:

''اللہ تعالیٰ کے نزدیک قابل عزت وہ ہیں جو تم میں سے متقی ہیں''۔

لیکن یہاں نکاح میں مرد اور عورت کے لئے جو معیار رکھا گیا ہے۔ وہ یہ ہے: دولت، حسن، حکومت۔ تقویٰ اور شرف وفضیلت کو کون پوچھتا ہے۔ جس کے نتیجہ میں یہ تمام ازدواجی خوبیاں برداشت کرنی پڑتی ہیں۔

بعض احکامات

- حق مہر نکاح کی ضروری شرط ہے۔ ہاں بدکار اور پوشیدہ، آشنا رکھنے والی عورت کا حق مہر ضبط کیا جا سکتا ہے۔[۲۶-۲۴/۴، پ۵، ابتداء]
- اللہ تعالیٰ تو انصاف، احسان اور اقربا کو بخشش کرنے کا حکم دیتا ہے اور بے حیائی اور برائی اور بغاوت اور سرکشی سے منع کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے عہد کو پورا کرو جبکہ تم پختہ کر چکے ہو اور قسموں کو پکا کرنے کے بعد مت توڑو۔[۹۳/۶، پ۱۳، ع۱۹]
- حاملہ عورت اگر مطلقہ ہو اس پر خرچ کرتے رہو جب تک وہ بچہ نہ جن لے۔ اس کے بعد اگر وہ تمہارے لئے دودھ پلائے تو اُسے اجرت دو۔[۶/۶۵، پ۲۸، سورۃ طلاق اوّل]
- عورتوں سے اپنی بے رخی مت برتو کہ ان کو درمیان میں لٹکتا ہوا چھوڑ دو۔ یعنی ایسا نہ کرو کہ نہ ان کو بساؤ اور نہ ان کو طلاق دو۔ اگر تم آپس میں صلح کر لوگے اور خداوند تعالیٰ سے ڈرو گے تو اللہ تعالیٰ بخشنے والے مہربان ہیں۔[۱۲۸/۴، پ۵، ۱۹، ع۱۶]
- تم میں سے جو لوگ اپنی عورتوں کو ماں کہہ دیتے ہیں وہ ان کی مائیں نہیں۔ ان کی مائیں وہ ہیں جنہوں نے ان کو جنا ہے۔ وہ بیہودہ اور جھوٹ بات کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ یقیناً بخشنے والے ہیں۔ جو لوگ ایسا کریں ان کی سزا یہ ہے کہ پیشتر اس کے کہ وہ ایک دوسرے کو چھوئیں، ایک غلام آزاد کریں جو کوئی غلام نہ پائے تو وہ دو ماہ کے لگاتار روزے رکھے، یہ بھی طاقت نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے۔[پ۸، ع اوّل]
- عورت کے پاس جانے پر قسم کھا لینے کی میعاد چار ماہ ہے یعنی چار ماہ کے اندر اندر ان کو فیصلہ کر لینا چاہئے کہ وہ رجوع کریں یا طلاق دے دیں۔[۲۲۶/۳، پ۲، ۲۸، ع۱۲]
- کسی ایک طرف بالکل نہ جھک پڑو کہ دوسری کو گویا معلق رکھ چھوڑو۔[سورۃ نساء]
- پھر اگر تم کو خوف ہو کہ عدل نہ کر سکو گے تو ایک ہی بیوی رکھو یا لونڈی جو تمہارے قبضہ میں ہو۔ یہ زیادہ تر قرین مصلحت ہے تاکہ تم حق سے متجاوز نہ ہو جاؤ۔[سورۃ نساء]
- اور ان کو ستانے اور زیادتی کرنے کے لئے نہ روک رکھو۔ جو ایسا کرے گا وہ اپنے اوپر آپ ظلم کرے گا۔ اللہ تعالیٰ کی آیات کا مذاق نہ بناؤ۔[سورۃ بقرہ]

خلع

عورت کا وہ حق ہے جو اسلام نے عورت کو دیا ہے کہ جس مرد سے وہ نباہ نہ کر سکتی ہو یا اس کا خاوند اس کو پسند نہ ہو، اس سے علیحدگی اختیار کرے۔ بالکل اسی طرح جیسے مرد کو طلاق کا حق ہے کہ مرد خود ہی تین طلاقیں بیک وقت یا وقفہ کے ساتھ دے سکتا ہے۔ مگر عورت کے لئے ضروری ہے کہ وہ قاضی کی عدالت میں اپنا مطالبہ پیش کرے اور اپنے خاوند سے علیحدگی حاصل کرے۔ جس کے بعد اس کو اختیار ہے کہ وہ نکاح دیگر کرے۔ بغور دیکھیں تو طلاق کی صورت میں مرد پر مندرجہ ذیل پابندیاں عائد کی ہیں:

(الف) احکام اسلام کی پابندی۔

(ب) خداوند تعالیٰ کا خوف دل پر ہو۔

(ج) پھر ناپسند ہونے کے باوجود بھی رکھنے کی تاکید۔

(د) اس کے بعد تین طلاقوں کی قید۔

(ہ) گھر میں رکھنا اور کوئی تنگی نہ دینا۔

(ی) باہمی تصفیہ کا اہم خیال کرنا اور طلاق دینا۔

گویا اس قدر ذمہ دلدیاں اس کے سر پر ہوتی ہیں۔ مرد کو اس لئے اختیار دیا گیا کہ حق مہر ادا کرنا، نان ونفقہ کی ذمہ داری جو کچھ عورت کو دے چکا ہو، اسے واپس نہیں لے سکتا اور پھر مطلقہ کو دے دلا کر عزت سے رخصت کرنا۔ گویا جہاں اختیار ہے وہاں ذمہ داریاں بھی ان گنت ہیں اور یہ چیز جسے فوقیت سمجھ لیا گیا ہے یہ دراصل ذمہ داریاں بوجھوں اور نقصانات ہی کا نام ہے۔ لیکن یہی آزادی ایک طرح سے عورت کو بھی ہے اگر وہ حق مہر معاف کر دے یا کچھ رقم دے دلا کر ہی طلاق حاصل کر لے گویا مرد پر ذمہ داری نہ ڈالے۔

خلع کی پابندیاں

عورت کو جب یقین ہو جائے کہ اس کے ازدواجی رشتہ میں:

۱ حدود اللہ پر قائم نہ رہ سکیں گی یعنی مرد اسلام پر ایمان اور عمل صالح سے دور ہو چکا ہے۔

۲ نامرد مجبوب، خصی، جذامی، مبروص، مجنوں (پاگل)، نابالغ یا ناپسندیدہ ہے۔

۳ مفقود الخبر ہو گیا ہے تو ایسی تمام صورتوں میں اگر چاہے تو عورت خلع کرا سکتی ہے۔

ان تمام صورتوں اور حالات کے متعلق فقہی مسائل تقریباً ہر ائمہ کی طرف سے موجود ہیں۔ جن کے متعلق حسب ضرورت قاضی (مگر مسلمان قاضی شرط ہے اور اس کا فیصلہ بھی کتاب وسنت کے ماتحت ہوگا) فیصلہ دے کر خلع کرا سکتا ہے۔

دُنیا کا کوئی مذہب اس قدر فطری نہیں ہے کہ وہ مرد کے علاوہ عورتوں کے نازک ترین جذبات کا بھی احترام کرتا ہے اور جب بھی عورت کے کسی نازک جذبہ کو صدمہ پہنچے یا اس کا کوئی جذبہ مجروح ہو تو عورت اس مرد سے خلع حاصل کر سکتی ہے اس لئے کہا جا سکتا ہے کہ:

''اسلام جہاں فطرت اور عقل کے مطابق ہے وہاں جذبات کا احترام بھی کرتا ہے''۔

ہم مثال کے طور پر چند واقعات کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

حضرت ام المومنین بی بی زینب رضی اللہ عنہا کا واقعہ ہے۔ آپ کی پہلی شادی حضرت زید رضی اللہ عنہ سے ہوئی تھی جو رسول کریم ﷺ کے غلام کے لڑکے اور متبنیٰ تھے (جن کا ذکر قرآن حکیم میں فرمایا گیا ہے)۔ ان دونوں کی نیکی اور دین سے واقفیت کے متعلق کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ مگر بی بی زینب صاحبہ رضی اللہ عنہا کو حضرت زید رضی اللہ عنہ پسند نہ تھے۔ حضرت رحمۃ اللعالمین ﷺ نے انتہائی کوشش کی اور دونوں کو سمجھایا لیکن ان میں نہ بنی۔ آخر ان کی علیحدگی ہو گئی اور بعدہٗ حضرت نبی کریم ﷺ نے انہیں خود اپنے عقد میں لے لیا۔

بریرہ رضی اللہ عنہا ایک لونڈی تھی۔ انہیں اپنا خاوند پسند نہیں تھا۔ وہ ان کی طرف التفات سے پیش نہیں آتی تھیں۔ ان کے خاوند نے حضرت رسول کریم ﷺ سے شکایت کی تو آپ ﷺ نے بریرہ رضی اللہ عنہا کو اپنے خاوند کی طرف ملتفت ہونے کو کہا۔ بریرہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی کہ کیا یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''نہیں''۔ پھر بریرہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی: ''کیا رسول اللہ ﷺ کا حکم ہے؟'' فرمایا: ''نہیں! صرف میرا مشورہ ہے''۔ بریرہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی: ''کیا یہ میری مرضی پر منحصر ہے کہ میں آپ ﷺ کا مشورہ قبول کروں یا نہ کروں؟'' حضور ﷺ نے فرمایا: ''میرے

مشورے پر عمل کرنا یا نہ کرنا تمہاری مرضی پر منحصر ہے"۔ بریرہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی: "مجھے اپنا خاوند پسند نہیں ہے"۔ چنانچہ اس سے علیحدگی اختیار کر لی۔

اس مشہور واقعہ میں جہاں خلع کی اہمیت کو ظاہر کیا گیا ہے وہاں اس امر پر بھی روشنی پڑتی ہے کہ شادی کے بعد اگر خاوند پسند نہ ہو یا اس کی طرف طبیعت ملتفت نہ ہو تو اللہ تعالیٰ اور حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اجازت ہے لیکن اس میں بے حد اجر ہے اور اللہ تعالیٰ اس کے لئے کوئی جلد ہی بہتر صورت پیدا کر دیں گے۔ دوسرے اس امر کو بھی نظر انداز نہیں کرنا چاہئے کہ شادی سے قبل اور شادی سے بعد کچھ عرصہ تک ایک خاوند نہ صرف پسند تھا بلکہ محبت تھی تو ایسا خاوند ناپسندیدگی میں جدا نہیں کیا جا سکتا۔ البتہ کسی اور نقص سے خلع لیا جا سکتا ہے۔

خلع کا ایک مشہور واقعہ ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کا ہے جو ایک بدصورت انسان تھا۔ اس کی دو بیویوں نے اس سے خلع لیا۔ ایک بیوی کا نام جمیلہ بنت ابی ابن سلول (عبداللہ بن اُبی کی بہن) دوسری کا نام حبیبہ بنت سہل الانصاریہ تھا۔ اوّل الذکر نے جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم شکایت کی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "اس کا دیا ہوا باغ واپس کر دو گی؟"

اس نے عرض کی کہ "بلکہ کچھ زیادہ دینے کو بھی تیار ہیں"۔

پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ثابت رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ "وہ باغ واپس لے لیں اور اس کو طلاق دے دیں"۔ یوں علیحدگی ہو گئی۔

اسی طرح حبیبہ رضی اللہ عنہا نے بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے شکایت کی کہ میرا اور قیس کا نباہ نہیں ہو سکتا۔ اس نے بھی قیس کا دیا ہوا سب کچھ واپس کر دیا اور علیحدگی اختیار کر لی۔

قیس رضی اللہ عنہ کی بدصورتی کے متعلق جمیلہ نے اس طرح اظہار کیا تھا:

"اگر مجھے خداوند تعالیٰ کا خوف نہ ہوتا تو میں ثابت بن قیس کے منہ پر تھوک دیتی"۔

عیسائیت اور ہندو مذہب میں سرے سے طلاق ہے ہی نہیں۔ البتہ یورپ، امریکہ اور ہندوستان کی عدالتوں نے طلاق کے جو قوانین وضع کئے ہیں ان کی بعض لوگ بے حد تعریف کرتے ہیں مگر اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ اگر وہ لوگ اسلامی طلاق اور خلع کے قوانین سے واقف نہیں ہیں ان قوانین میں اس قدر نزاکت اور لطافت کے ساتھ فطرت کے اصولوں کو اپنایا گیا ہے کہ اگر مرد اور عورت دونوں ان کی پیروی کریں تو معاشرہ سے سو فیصدی خرابیاں دور ہو جائیں۔

شرعی عدالت

خلع کے لئے یہ لازم ہے کہ عدالت شرعی ہو۔ اگر عدالت شرعی نہ ہو تو خلع کا فیصلہ جائز نہ ہو گا۔ ہندو پاکستان میں شرعی عدالتیں نہیں ہیں بلکہ وہاں پر ابھی تک رومن اور یورپی قانون مروّج ہے۔ اس لئے اکثر عورتیں خلع حاصل نہ کرنے کی وجہ سے مصیبت میں گرفتار رہتی ہیں یا ان کی زندگی دُکھ اور مصیبت میں گزر رہی ہے۔ یا انہوں نے حدود اللہ توڑ کر ناجائز تعلق قائم کر رکھے ہیں۔

اس کے لئے آسان صورت یہی ہو سکتی ہے کہ حکومت کم از کم ہر ضلع میں ایک شرعی عدالت قائم کر دے تاکہ عورتوں پر سے یہ مصیبت رفع ہو جائے۔ اگر حکومت فی الحال ایسا بھی نہیں کر سکتی تو اس کا متبادل طریق صرف یہ ہے کہ عدالت فیصلہ کرنے سے قبل عورت کو صرف یہ کہے کہ وہ اپنے فرقہ کے سربراہ عالم مفتی کا فتویٰ لائے یا میاں بیوی دونوں جدا جدا فتویٰ لائیں اور پھر ان دونوں فتوؤں کی روشنی میں فیصلہ دے کر علیحدگی کرا دی جائے۔

اس طرح نکاح ثانی میں جو کراہت ہے وہ رفع ہو جائے گی۔ جہاں تک یورپ اور امریکہ کی عورت اور ان کی تقلید کا تعلق ہے وہ یقیناً انسانیت اور معاشرہ کے لئے تباہ کن ہے۔ ان ممالک میں عورت اور اس کے متعلق قوانین کی خرابیاں اس نہج تک پہنچ چکی ہیں کہ اب وہاں عوام طبقہ سخت مصیبت میں گرفتار ہے اور ذہین طبقہ پریشان ہے۔ عوام تو خیریت سے ایک دوسرے کا منہ تک رہے ہیں اور خواص اس غور وفکر میں مبتلا ہیں کہ امریکن اور یورپین عورت کی بے راہروی سے جو برائیاں پھیل گئی ہیں ان سے معاشرہ کو کس طرح پاک کیا جائے۔

آج یورپ میں عورت کی آزادی کا یہ حال ہے کہ وہ گلی کوچوں، ہوٹلوں اور تفریح گاہوں میں نہ صرف عریاں گامزن ہے بلکہ ان کو جنسی لذت اور شوق پورا کرنے کی ہر طرح کی قانونی آزادی ہے۔ لیکن یورپ کی اس تحریک آزادی (جو دراصل بربادی ہے) سے قبل عورت موجودہ غیر معمولی آزادی کے مقابلے میں غیر معمولی طور پر قید و بند میں گرفتار غلام اور مظلوم ہستی معلوم ہوتی ہے۔

کیونکہ یوحنا کی تعلیم کی رو سے تو دُنیا اور دُنیا کے خطرناک درندوں میں سے سب سے زیادہ خطرناک اور وحشی درندہ عورت ہے۔

جتنی نفرت شیر، سانپ اور بچھو سے کی جاتی ہے اس سے زیادہ نفرت عورت سے کرنی چاہئے۔ رومن قانون کے مطابق عورتوں کو ہر قسم کے ذمہ دار عہدوں سے الگ کر دیا گیا۔ ضمانت اور گواہی سے عورت کو محروم کر دیا گیا۔ ساتھ ہی عورت سے اپنی وصیت کرنے کا اختیار چھین لیا گیا اور شوہر کو یہاں تک حق دے دیا گیا کہ وہ بعض جرائم کی سزا میں اپنی بیوی کو قتل بھی کر سکتا تھا۔ چھٹی صدی عیسوی میں عیسائی پادریوں نے اعلان کیا کہ عبادت کے اوقات میں کوئی عورت صلیب کے نزدیک نہیں ہونی چاہئے۔ بلکہ بعض علاقوں میں عورتوں کو دیوتاؤں کا پوجنا ممنوع کر دیا گیا۔ یہ صرف اس لئے کہ عورت کے اندر روح نہیں ہے اور اس کا جسم نجس ہے۔ اسی وجہ سے دیوتا اس کو پسند نہیں کرتے۔ خود قوم لوط علیہ السلام کا عورتوں کو پسند نہ کرنا اور ہم جنسی سے آلودہ ہونا صاف ظاہر کرتا ہے کہ اس قوم کو عورت سے کس درجہ نفرت تھی۔ اب بھی بعض ممالک اور مقامات پر عورت کی بجائے مرد کو جنسی بھوک مٹانے کے لئے زیادہ پسند کیا جاتا ہے۔ ارسطو کے قول کے مطابق جزیرہ کریٹ میں جب کہ اس کی تہذیب وتمدن زیادہ کاملیت پر تھی۔ اغلام بازی کو قانونی طور پر جائز قرار دے دیا گیا تھا۔ بعض صورتوں میں یہ جذبہ اس قدر شدت اختیار کر گیا کہ ایسے لوگ جن کو ایک کیا ہزار عورتیں میسر تھیں، انہوں نے بھی اپنی جنسی بھوک مٹانے میں اکثر لڑکوں کو عورتوں پر ترجیح دی۔

حکیم سقراط کے زمانے میں جب کہ یونان دُنیا بھر میں علم وحکمت اور فن طب کا رہنما خیال کیا جاتا تھا۔ جنسی برائیوں کی اس قدر کثرت تھی کہ شہوت رانی تہذیب وتمدن کا جزو اور فیشن بن چکی تھی۔ جس میں عورت انتہائی برائی کی حالت تک غرق تھی۔ ان حالات کو دیکھتے ہوئے حکیم سقراط عورت کے متعلق بیان کرتا ہے کہ ہر معاملہ میں پورے سوچ سمجھ اور غور وفکر کے بعد یہ بیان کرنے پر مجبور ہوں کہ عورت میں شرانگیزی کی زبردست قوت موجود ہے۔ اگر عورت کا وجود نہ ہوتا تو دُنیا میں ہر طرف امن وامان ہوتا۔ ہندوستان میں تو عورت کا درجہ کتے اور شودر کے برابر تھا۔ چنانچہ اگر عورت شودر یا کتا کسی بت کو چھو لیتے تو بت کو از سرِ نو پاک کرنا پڑتا تھا۔

یاد رہنا چاہئے کہ بچہ کی پرورش، گھر کی نگرانی اور خاوند کی معاونت سے عورت بچہ کی مالک نہیں بن سکتی، صرف ماں ہی رہتی ہے۔ اس طرح گھر پر قبضہ نہیں جما سکتی البتہ جو کچھ خاوند اس کو دے دے وہ اس کا ہوگا۔ اس طرح خاوند کی معاونت کرتے ہوئے خاوند اس کو اپنا غلام اور نوکر سمجھنا شروع کر دے اور نہ ہی اپنے آپ کو اپنے خاوند کی ملازم اور باندی سمجھنا شروع کر دے۔

عورت! مہاتما بدھ کے عقیدہ میں

مہاتما بدھ کا عقیدہ تھا کہ عورت ایک خطرناک مصیبت اور مجسم گناہ ہے۔ مرد کو اس کی طرف آنکھ اُٹھا کر بھی نہیں دیکھنا چاہئے کیونکہ یہ پرہیزگاری کے خلاف ہے۔ ان تمام اُمور سے ثابت ہوتا ہے کہ عورت کا درجہ ایک حیوان سے زیادہ نہیں تھا۔ جسے اپنی ضرورت پوری کرنے کے لئے مردوں نے رکھا ہوا تھا۔

ایک طرف یہ تفریط تھی اور دوسری طرف آج کل مادر پدر امریکن اور فرنگن عورت کی افراط۔ دونوں ایسی خبریں ہیں جن سے معاشرہ صحت مند نہیں بن سکتا۔ اس کی صورت تو جب ہو سکتی ہیں:

- عورت کو کھلی آزادی ہو۔
- ان کو انسانیت کا درجہ دیا جائے۔
- اور ان کے حقوق ادا کئے جائیں۔

لیکن معاشرہ میں ان کی وجہ سے جو برائی پیدا ہونے کا امکان ہے اس پر کڑی نگرانی کی جائے۔ یہ اس وقت ہو سکتا ہے کہ جب عورت کو مقام تقدس اور احترام دے دیا جائے۔ جو عورت آج تک غلام، مظلوم، جلتی بھوک کی تسکین اور نفسانی خواہشات کا سکون رہی ہے، اس کو جب تک تقدس اور احترام مریم علیہا السلام اور پاکبازی اور حرمت میں فاطمہ زہرہ رضی اللہ عنہا کا مقام نہ دیا جائے یا ان میں پیدا نہ کیا جائے، اس وقت تک ہمارے معاشرہ کی خرابیاں اور برائیاں دور نہیں ہو سکتیں۔ جب عورت نیکی اور اخلاقی قدروں کے ساتھ اپنی اولاد کو پرورش کرتی ہے اور جن کی مٹھی میں اقوام کی تقدیر ہے۔

اسلام میں عورت کا تصور

اسلام دُنیا کے سامنے ایسی ہی عورت کا تصور پیش کرتا ہے۔ میں اسلام کی تعریف اس لئے نہیں کر رہا کہ میں اسلام کا ادنیٰ نام لیوا ہوں، بلکہ اس لئے کہ میں نے عرصہ ۴۰ سال تک نفسیات کا مطالعہ کیا ہے اور خاص طور پر نفسیات کے شعبہ فزیوسائیکالوجی کا گہرا مطالعہ کیا ہے۔

میرا دعویٰ ہے کہ نہ صرف پاکستان اور بھارت میں بلکہ دُنیا بھر میں چند ہی لوگ ہوں گے جنہیں اس شعبہ میں کچھ دسترس ہوگی، اس علم سے انسانی اعضاء کا جو اثر انسانی جذبات پر اور انسانی جذبات کا جو اثر انسانی اعضاء پر ظاہر ہوتا ہے ان سے نہ صرف انسانی کیفیات کو سمجھا جا سکتا ہے بلکہ انسان کے مبادی جذبات (جبلتیں) کی پیدائش کی حد بندی کی جا سکتی ہے۔ مجھے اس علم کے تحت عورت کا گہرا نفسیاتی مطالعہ کرنے کا موقع ملا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ صدیوں کی وہ تاریخ جس میں عورت کو ایک ادنیٰ حیوان سے لے کر سر کا تاج بنا دیا لیکن وہ شمع محفل ہی رہی۔ البتہ اس کو اس کا صحیح مقام نصیب نہ ہوا۔ بلکہ اس کی صالح قدروں کا تعین بھی نہ کیا گیا۔ ہاں ان مشاہدات و تجربات اور مطالعہ کے بعد عورت کا معاشرہ میں جس صحت مند مقام کا تعین کیا جا سکتا ہے یا جن صالح قدروں کو تجویز کیا جا سکتا ہے ان سب کو فقط اسلام میں باحسن طریق پر موجود پایا۔

میرا مقصد یہ نہیں کہ میرے اس مطالعہ اور فیصلہ کرنے کے بعد ہر انسان اندھی پیروی کرے۔ کیونکہ اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا۔ آج ہی سے عورت کے اس معاملہ میں اسلام کی پیروی شروع کر دے بلکہ عقل وفہم اور سائنس وحکمت سے کام لے کر جانچا جائے تاکہ قلبی تسکین ہو۔ بعض لوگ یہ کہہ سکتے ہیں کہ دُنیا آج تک یہ غور وفکر اور سوچ و بچار کرتی آئی ہے۔ اس نے جانچ اور پڑتال ہی سے عورت کے متعلق نظریات اور

قوانین اخذ کئے ہیں۔ یہ سب بالکل صحیح ہے لیکن اسلام کا دعویٰ ہے کہ اسلام کے قوانین کسی انسانی دماغ کی اختراع نہیں ہیں بلکہ جس خالق وحکیم نے یہ دُنیا بنائی ہے۔ یہ قوانین اس کی طرف سے ہمارے پاس بھیجے ہوئے ہیں تا کہ ہم صحیح اصولوں اور قاعدوں سے زندگی گزار سکیں۔ پھر یہ حقیقت ہے کہ صانع حقیقی سے بہتر اس چیز کو اور کون سمجھ اور بیان کر سکتا ہے۔ البتہ سمجھنا، جانچنا اور تجربہ کرنا عقل مندوں اور علم والوں کا کام ہے۔ ہم تھوڑی دیر کے لئے اسلام کے اس دعوے کو نظر انداز کر دیتے ہیں کہ خالق مطلق اور حکیم کل کے تجویز کردہ قوانین ہی مخلوق اور معاشرہ کے لئے درست ومفید اور صحیح صالح ہو سکتے ہیں۔ بلکہ ان کی جگہ انسانی تحقیقات اور صدیوں کی معلومات کو پیش نظر رکھ کر از سرنو غور وفکر کرتے ہوئے ایسی قدروں کا تعین کرتے ہیں جن پر چل کر صحت مند معاشرہ کی تدوین کر سکیں۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ انسانی معاشرہ کی قدروں کا تعین کس قانون اور قاعدے پر کیا جائے۔ یہ قانون اور قاعدے کم از کم ایسے ہونے چاہئیں جن پر انسان اعتماد کر سکے یا کم از کم ان سے کوئی بھی اختلاف کی صورت پیدا نہ ہو سکے۔

اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے ہم کو ہزاروں سال قدیم انسانی تہذیب مثلاً پتھر کے زمانے کی طرف رجوع کرنا پڑے گا یا کم از کم ایسے دور کی طرف لوٹنا پڑے گا جب انسان ابتدائی زندگی میں جدوجہد اور تگ ودو کرتا ہوا نظر آتا ہے۔ بقائے حیات ونسل کے لئے رواں دواں اور سرگرم ہے لیکن آزاد ہے۔ ہر زمین اس کی ملکیت ہے جہاں چاہے غار بنالے۔ ہر درخت اس کو اپنا معلوم ہوتا ہے۔ جیسے چاہے اس کا پھل توڑ کر کھالے۔ ہر چرند و پرند اور درندہ جس پر قابو پالے یا شکار کر لے، اس پر اس کا ذاتی قبضہ ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے جانور اپنے بقائے حیات کے لئے ہر جگہ جنگل میں رہنے اور کھانے پینے کا حق رکھتے ہیں۔ پھر بقائے نسل کے لئے بھی تقریباً جانوروں کی طرح صورتیں رائج تھیں۔ جب عورت اور مرد جوان ہو جاتے تو وہ اپنی جبلتوں سے مجبور ہو کر قدرتی جذبات کے تحت ایک دوسرے کی طرف کھنچتے اور ساتھی یا رفیق زندگی تلاش کر لیتے۔ جس کے نتیجے میں بقائے نسل کا سلسلہ قائم رہتا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ ہر ایک انسان کے لئے تین صورتیں نہایت اہم ہیں: ① قیام حیات ② بقائے نسل ③ آزادی جدوجہد تک انسان اس دُنیا میں اپنا زمانہ زندگی احسن طور پر گزار سکے۔

دورِ جدید میں عورت کا درجہ

اگر غور سے دیکھا جائے تو آج بھی انسان کے لئے یہی تینوں صورتیں قائم ہیں۔ فرق صرف اتنا پڑ گیا ہے کہ:

1. طاقتور اور اُمیر نے بہت کچھ قابو کر لیا ہے اور کمزور اور غریب محتاج ہو گیا ہے۔
2. طاقتور نے قبیلے اور گروہ قائم کر کے اجتماعی طور پر اپنی طاقت کو زیادہ منظم اور مضبوط بنالیا ہے۔ ان کے مقابلے میں خود زیادہ کمزور ہو کر رہ گیا ہے۔
3. قبیلے اور گروہ اجتماعی زندگیاں اور منظم طاقتیں سرداروں، سرپنچوں، راجاؤں، مہاراجوں، نوابوں اور بادشاہوں بلکہ شہنشاہوں میں تبدیل ہو گئے ہیں۔ انہوں نے اپنا نام حکومت، سلطنت رکھ لیا ہے۔

پھر زمانے کے ساتھ یہی حکومتیں اور سلطنتیں اسلحہ سے مسلح ہوتی گئی ہیں۔ جو ایک پتھر سے شروع ہوا تھا اور ایٹم بم کی شکل اختیار کر گیا ہے جس کے نتیجے میں نہ ہی قیام حیات کی سہولتیں رہیں اور نہ ہی، بقائے نسل کے لئے آسانیاں رہیں اور نہ ہی جدوجہد رہی۔ طاقتور اور زیادہ اُمیر اور طاقتور ہو کر بے شمار زمین اور محلوں کا مالک بن گیا۔ جہاں اس کے دِل بہلانے اور جنسی تسکین کے لئے دلربا اور ماہ جبینیں بھر دی گئیں۔ ساتھ ہی ان کے محلوں میں ان کی ذاتی نسل کی درستی اور پرورش بھی بہترین طریق پر انجام دینے کے اسباب قائم رہے۔ ان کے مقابلے میں کمزور اور غریب کی اوّل تو پیٹ کی بھوک دور نہ ہو سکی، جنسی بھوک کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ رہائش کے لئے بھی مکان تو رہا ایک طرف، جھونپڑا بھی مشکل سے نصیب

ہوا۔ اگر کبھی جنسی بھوک بھی دور ہوئی۔ جس کے نتیجہ میں اس کے گھر لڑکی پیدا ہوئی تو وہ طاقتور اور امیر کی ہوس رانی کا شکار ہوگئی۔ آخر نتیجہ یہ پیدا ہوتا ہے کہ غریب اور کمزور مرد اپنی بھوک کو مٹانے اور ضروریات زندگی کو پورا کرنے کے لئے اپنی محنت اور مزدوری اونے پونے فروخت کرتا ہے۔ اسی طرح ایک غریب اور کمزور عورت بھوک مٹانے کے لئے اپنے حسن اور عصمت کو مجبوراً پیش کر دیتی ہے۔ پھر دونوں ان اعمال کے اس قدر عادی ہو جاتے ہیں کہ ان امور کو ضروری اور فطری تصور کرنے لگ جاتے ہیں۔ ان کی آزادی مفلوج ہو کر رہ جاتی ہے۔ طاقتور اور امیر اس طرح ناجائز فوائد حاصل کر لیتا ہے۔ مگر معاشرہ کی قدروں میں جو خرابیاں رونما ہوتی ہیں۔ اس کے نتائج دوررس ہوتے ہیں۔ کم از کم اس حقیقت سے ہر شخص آگاہ ہے کہ طاقتور اور امیر کا نطفہ محل سے جھونپڑے میں منتقل ہو جاتا ہے اور محل میں گندے معاشرے کے جو جراثیم پرورش پاتے ہیں ان سے محل کی فضا رفتہ رفتہ متعفن ہو جاتی ہے اور وہاں پر گندے معاشرے کی بیماریاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ جس سے محل کی بہو بیٹی محفوظ نہیں رہ سکتی پھر مکافات عمل کے قوانین کے تحت طاقتور اور امیر کی بہو بیٹی غریب ملازمین کو وہ بدلہ چکا دیتی ہے۔ پھر یہ چکر قائم ہو جاتا ہے۔

جنسی بھوک

اسلام نے جہاں انسانی ضروریات اور بھوک کو رفع کرنے کا ایک نظام مقرر کیا ہے وہیں پر انسانی آزادی اور جنسی بھوک کے مسئلہ کو بھی احسن طریق پر حل کیا ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ وہ حل کیا ہے۔ اسلام یہ چاہتا ہے کہ معاشرہ میں زنا کا مرض ختم ہو جائے۔ اس کے نزدیک معاشرہ میں سب سے گندہ مرض زنا ہے۔ اس کے نتائج نہ صرف دوررس ہیں بلکہ قوموں کو تباہ و برباد کر دیتے ہیں۔ تاریخ عالم گواہ ہے کہ آج تک جو قومیں تباہ و برباد ہوئیں تباہی کے وقت ان میں یہ مرض نہ صرف انتہائی کثرت سے تھا بلکہ ان میں تہذیب وتمدن اور فیشن کی صورت اختیار کر گیا تھا۔ قدیم تہذیبوں میں فلسفہ وحکمت کے دعوے دار یونان، علم وقانون کا مرکز روم، فنون اور طاقت کا گہوارہ مصر بہترین شہادتیں ہیں۔ یونان کے بادشاہ، اسلام کے شہنشاہ (درحقیقت اسلام بادشاہت کے خلاف ہے) اور یورپ کی موجودہ تہذیب وتمدن اور فیشن قوموں اور ممالک کی تباہی پر زبردست دلائل ہیں۔ اس تاریخی اور تجرباتی شہادت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

حلال اور حرام کی راہیں

یہاں اس امر کو نظرانداز نہیں کرنا چاہئے کہ بعض صورتوں اور حالات میں نیکی اور بدی، حلال وحرام کی راہیں ایک ہی ہیں۔ ان میں تفاوت صرف چلنے والے کی نیت پر ہے۔ مثلاً نکاح حلال ہے تو زنا حرام ہے لیکن فطری جذبہ یا طریق اور لذت دونوں برابر ہیں۔ حلال کی صورت میں مرد اپنی بیوی اور اولاد کے دکھ سکھ اور ضروریات زندگی کا ذمہ دار ہے۔ اس لئے بقائے حیات ونسل اور آزادی کو قائم رکھنے کے لئے جائز وحلال اور نیکی اور صالحات پر قائم رہنا از بس ضروری ہے۔ کیونکہ ہر شخص میں بقاء حیات ونسل اور آزادی کا خیال رکھنا بھی اس کا فرض ہے۔ گویا اپنے حقوق کے ساتھ ساتھ اپنے فرائض کا بھی احساس قائم رہے۔ تاکہ کہیں بھی باہم تصادم پیدا نہ ہو۔ کیونکہ یہیں سے معاشرہ کی خرابی کا اصل اور سرچشمہ کی ابتدا ہوتی ہے۔ بے شک کسی کی کوئی شے کھلے خزانوں میں پڑی رہے یا پیٹ کا سامان اور جنسی لطف اندوزی کے سامان کھلے بندوں میسر آئیں یا خلوت واجاڑ اور خفیہ وتنہائی میں حاصل ہوں۔ پھر بھی اپنے فرائض کو نظرانداز نہ کیا جائے۔ وہاں بھی جائز وناجائز، حلال وحرام، نیکی وبدی کو مدنظر رکھا جائے تاکہ معاشرہ مجروح نہ ہو۔ اسلام نے جہاں حلال وحرام، جائز وناجائز اور نیکی وبدی کے لئے کچھ قدریں مقرر کی ہیں وہاں پر یہ تصور بھی پیش کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ مالک وخالق کے علاوہ سمیع وبصیر اور علیٰ کل شیء قدیر بھی ہیں۔ گویا انسان لوگوں اور عوام کی نظروں سے تو بچ سکتا ہے لیکن اللہ

تعالیٰ کی نظروں سے نہیں بچ سکتا۔ صرف یہی نہیں بلکہ ساتھ ہی ساتھ حیات بعد الموت کا تصور بھی پیش کیا ہے۔ جس میں ہر زندگی کا حساب کتاب ہوگا۔ اس میں حقوق کی طلب اور فرائض کی ادائیگی کو حلال و حرام، نیکی و بدی کی مقررہ قدروں سے ناپا تولا اور وزن کیا جائے گا۔ پھر جن کے نیک اعمال بھاری ہوں گے ان کے لئے دائمی جنت عیش و مسرت ہوگی اور جن کے اعمال خراب ہوں گے ان کے لئے دوزخ، دائمی دکھ اور رنج ہوگا۔ ان اسلامی مقررہ قدروں اور قوانین کے بعد اوّل تو انسان کو کوئی حق نہیں کہ ان کی خلاف ورزی کرے یا ان کے متعلق سوچے۔ اگر بعض ذہین طبع چاہتے ہیں کہ وہ معلوم کریں کہ اسلام نے مرد کو عورت پر جو تھوڑا بہت درجہ دیا ہے اس کی وجہ کیا ہے یا ایک مرد کو کیوں حق دیا ہے کہ وہ ایک سے زائد بیک وقت چار بیویوں کو اپنے پاس رکھے۔ کیا یہ درست ہے یا فطری تقاضا ہے۔ ان اُمور کو سمجھنے اور ذہن نشین کرنے کے لئے ضروری ہوگا کہ مرد اور عورت کے باہمی تفاوت و تخالف صورتوں کا بغور مطالعہ کیا جائے تاکہ دونوں کا صحیح نقشہ سامنے آجائے۔

عورت پر مرد کی فضیلت

جاننا چاہئے کہ ہزاروں سالوں سے امر زیر بحث چلا آرہا ہے کہ کیا مرد عورت سے افضل ہے یا دونوں برابر ہیں۔ یہ حقیقت تو مسلمہ ہے کہ عورت نے ہمیشہ برابری کا دعویٰ کیا ہے اور فضیلت کا دعویٰ نہیں کیا۔ لیکن اسلام اس مسلمہ حقیقت کے خلاف یہ کہتا ہے کہ افضلیت کا معیار اللہ تعالیٰ کے نزدیک کسی کا مرد ہونا نہیں بلکہ مرد و عورت کے اعمال ہیں۔ ان میں جو بھی ایمان تقویٰ اعمال کے لحاظ سے بہترین ہیں، وہی بہتر ہیں۔ اس معیار میں اگر عورتیں بہتر ہیں تو مردوں سے افضل ہیں۔ اگر صالح عورتوں کو ان کے ایمان تقویٰ اور اعمال کے لحاظ سے درجہ میسر نہ ہو تو روز قیامت ان کو یہ درجہ دیا جائے گا۔ البتہ اس دُنیاوی زندگی میں نظام حیات اور بقائے نسل کے لئے صرف خاوند کو اپنی بیوی پر قوام بنا دیا ہے۔ تاکہ وہ اپنی بیوی کی ضروریات زندگی اور نان ونفقہ کا ذمہ دار ہے ورنہ عام انسانوں میں نہ مرد کو عورت پر درجہ اور نہ عورت کو مرد پر فضیلت۔ البتہ جن کا ایمان تقویٰ اور عمل احسان ہوگا اسی کو فضیلت حاصل ہوگی۔

یہ ناممکن ہے کہ ایک غیر صالح مرد کو صالح عورت پر فضیلت ہو۔ غیر صالح کی گواہی قبول نہیں ہوتی۔ غیر صالح مرد کو صالح عورت کے مقابلے میں وصیت سے عاق کیا جاسکتا ہے۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ غیر صالح مرد کا عقد صالح عورت سے نہیں ہوسکتا۔ پھر اگر غلطی سے نکاح ہو بھی جائے تو عورت کے لئے لازم ہے کہ خداوند تعالیٰ کا خوف کرتے ہوئے غیر صالح مرد سے خلع کرے نہیں تو اس کی ذاتی زندگی بھی غیر مشروع ہو جائے گی اور اس کے ایمان، تقویٰ اور اعمال میں غیر صالحیت پیدا ہو جائے گی۔

صالح عورت کی فضیلت کی دلیل یہ ہے کہ عام صالح انسان بھی اس امر کا تصور نہیں کرسکتا کہ وہ کسی حیثیت میں حضرت مریم علیہا السلام، امہات المومنین رضی اللہ عنہن اور بی بی فاطمہ الزہرہ رضی اللہ عنہا سے درجہ میں بلند ہوسکتا ہے۔ ان بزرگ ہستیوں کا تصور تو ایک طرف، کوئی اشارۃً اپنے کو اپنی والدہ اور دیگر بزرگ مستورات سے افضل نہیں کہہ سکتا۔ البتہ بعض مرد صالح بعض صالح عورتوں سے افضل ہیں۔ کلیہ قاعدہ یہ ہے کہ ایک خاص درجہ کا صالح مرد اپنی درجہ کی صالح عورت سے کچھ درجہ رکھتا ہے۔ وہ بھی صرف انتظامی معاملات کی قیادت کے لئے اسلام کا فیصلہ ہے کہ قیادت ہمیشہ مرد کی ہونی چاہئے۔ مثلاً نماز، سفر، جنگ میں کبھی بھی کسی عورت کو قائد تسلیم نہیں کرنا چاہئے۔

مرد کو عورت پر فضیلت ہے

صالح مرد کو اپنے درجہ کے مطابق صالح عورت پر فضیلت کے علاوہ صالح خاوند کو بھی اپنی صالح بیوی پر کچھ فضیلت حاصل ہے۔ وہ

صرف اس لئے ہے کہ وہ اپنی بیوی کا نان ونفقہ اور ضروریات زندگی پوری کرتا ہے۔ اسلام نے عورت کی بحث کہ ان میں کون اعلیٰ و بہتر ہے اور کون ادنیٰ اور کمتر ہے۔ اس احسن طریق پر ختم کر دی ہے کہ آج تک کوئی مذہب یا قوم اور ملک اس کا صحیح فیصلہ نہیں کر سکا۔ البتہ بعض لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ مرد کا جسم، روح، قویٰ عورت کی نسبت زیادہ مضبوط اور طاقتور ہیں۔ ان سے افعال بھی بہتر صادر ہوتے ہیں۔ اس لئے مرد عورت سے ہر حیثیت سے افضل ہے۔ یہ دعویٰ بغیر دلیل کے ہے۔ کیونکہ یہ اجسام وارواح اور قویٰ کا مضبوط ہونا حقیقت پر مبنی نہیں۔ اور نہ ہی تجربہ، مشاہدہ بلکہ تاریخ اس کو صحیح ثابت کرتی ہے۔ کیونکہ ہر معمولی عقل وفہم کا انسان بھی اس امر سے پوری طرح واقف ہے کہ بعض عورتیں بعض مردوں سے جسمانی، روحانی وذہنی حیثیت سے زیادہ ہی نہیں بلکہ بہت زیادہ افضل ہیں۔ مرد کو جسمانی، روحانی اور ذہنی طور پر عورت سے کلی طور پر افضل جب کہا جا سکتا ہے کہ مرد ہر عورت سے افضل ہے جیسے ہم کہتے ہیں کہ سونا ایک قیمتی دھات ہے اور یہ حقیقت ہے کہ سونے کا ہر ٹکڑا دیگر دھاتوں کے ٹکڑوں سے کلی طور پر بہتر اور افضل ہے۔ پھر قدیم تاریخ سے لے کر آج تک سینکڑوں نہیں ہزاروں عورتیں پہلوان، جنگجو، شمشیرزن، آج کل ہواباز، نشانہ باز بھی ہیں۔ اور روحانی طور پر انتہائی نیک، عابد، زاہد پیغمبروں، رسولوں، اولیاء اللہ کی مائیں، بہنیں اور بیٹیاں، اسلام میں صحابیات کی ایک لمبی فہرست پائی جاتی ہے ان کے بعد کے زمانہ میں بھی ہزاروں صالحات اور رابعہ صفت پیدا ہوئیں۔ اگر ذہنی طور پر دیکھا جائے تو ان کی ایک طویل فہرست سامنے آجاتی ہے جس میں بڑے سے بڑے درجہ کی عالمہ اور فاضلہ سے لے کر اعلیٰ درجے کی حکیمہ وطبیبہ، فلسفی ومعلمہ اور سائنسدان پائی جاتی ہیں اور بعض اپنے علم وحکمت اور فن میں وہ کمال رکھتی تھیں کہ تاریخ ان کا جواب پیدا نہ کر سکی۔ ان امور سے ثابت ہوا کہ مرد جسمانی، روحانی اور ذہنی طور پر عورت سے افضل نہیں ہے۔

فلسفہ طب اور عورت

مرد اور عورت میں اگر کہیں فرق ہے تو صرف ان کے اعضائے مخصوصہ کی بناوٹ کی وجہ سے ہے اور بس۔ لیکن یہ صرف ایک فرق ہے اور اسے برتری اور افضلیت اور کمتری وتذلیل کا پہلو پیدا نہیں ہوا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی تخلیق اور بناوٹ ہے کہ کائنات اور زندگی کو رواں دواں رکھنے کے لئے مختلف جمادات اور حیوانات پیدا کر دیئے ہیں اور ان کے اختلاف ان کے خواص ان کے اعمال کی وجہ سے ہیں۔ بہرحال ہم ان سب کو جمادات، نباتات اور حیوانات کا درجہ دیتے ہیں۔ اس طرح انسان کا ایک درجہ ہے جس میں مرد اور عورت دو مختلف خواص اور اعمال کے مظہر ہیں۔ بس انہیں اختلاف خواص کی وجہ سے کبھی ان کو حیوان سمجھا گیا، کبھی غلامی کی وجہ پر رکھ کر اس کو باندی بنا لیا گیا۔ جب کبھی اس کا ستارہ چمکا تو اس کو شہزادی ملکہ اور سر کا تاج بنا لیا گیا مگر صحیح مقام متعین نہ کیا گیا۔

اور اگر اس کی صحیح قدر ومنزلت کا کسی نے تعین کیا ہے تو فقط دین اسلام ہے۔ اسلام ہی ہے جس نے سب سے پہلے یہ ثابت کیا کہ عورت میں بھی نفس کے ساتھ روح ہے۔ اس کی روح بھی اعلیٰ مدارج حاصل کر سکتی ہے۔ وہ نیکی اور تقدس کے اعلیٰ مقام تک فائز ہو سکتی ہے۔ ایسا مقام اختیار کر سکتی ہے جہاں لاکھوں نہیں بلکہ کروڑوں مرد نہیں پہنچ سکے اور نہ ہی پہنچ سکتے ہیں بلکہ کروڑوں انسانوں کی گردنیں ان کی نیکی اور تقدس کے سامنے جھکتی رہی ہیں اور آج بھی جھکی ہوئی ہیں۔

خواص اور اعمال نے عورت کے مقام اور درجہ میں استقامت پیدا نہیں ہونے دی۔ وہ مخصوص اعضاء کی بناوٹ ہے جن کی تشریح اور تجزیہ تو کتب تشریح الابدان میں مفصل درج ہے۔ ان کا یہاں بیان کرنا طوالت اور غیر دلچسپی کا باعث ہوگا۔ البتہ ان کے افعال کا تذکرہ افادیت اور دلچسپی کا باعث ہوگا۔ اگرچہ ان اعضاء کے افعال بھی تفصیل کے ساتھ علم افعال الاعضاء (Physiology) کی کتب میں درج ہے۔ ہم یہاں اس

قدر بیان کریں گے جس قدر اس کا تعلق مسائل کے ساتھ ہے، تاکہ صحیح طور پر اعضاء اور مسائل کو تطبیق کیا جا سکے۔

مخصوص افعال الاعضاء زنانہ کو سمجھنے کے لئے یہ جاننا چاہئے کہ وہ اس طریق انداز اور صورت پر بنے ہوئے ہیں کہ مرد کا نطفہ قائم، پرورش اور تربیت پا سکے۔ جس کو مجموعی طور پر رحم کہتے ہیں۔ تقریباً نو دس ماہ بچے کا رحم میں قیام رہتا ہے۔ اس کے بعد تولد ہو کر اس کارگاہ حیات میں اپنی زندگی کے دِن پورے کرتا ہے۔ جب تک وہ ماں کے رحم میں ہوتا ہے اس کو ماں کے جسم ہی سے غذا ملتی ہے جو خون کی صورت میں ہوتی ہے۔ نطفہ قرار پانے کے فوراً بعد شریانوں اور وریدوں کے ذریعے خون کا تعلق بچے سے ہو جاتا ہے۔ جو اس کی پیدائش تک رہتا ہے۔ یہی خون جو عورت کی زندگی کا جوہر اور قوت ہے۔ نسلِ انسانی کے لئے اللہ تعالیٰ کی نعمت غیر مترقبہ ہے۔ بقاء نسل انسانی کے لئے حکیم مطلق کی ربوبیت ہے اور عورت ذات کی طرف سے مردوں پر ایک زبردست احسان ہے۔ مگر یہی خون عورت کے لئے زیادہ حقارت اور تذلیل کا باعث بن گیا ہے۔ اسی وجہ سے بڑے بڑے علماء و فضلاء و حکماء اور عقلاء نے عورت کو گندگی کا مجسمہ اور تعفن کا ڈھیر کہا ہے اور پلید حیوان قرار دیا ہے۔ اسی وجہ سے عورت کو دور رکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔ یہی خون جس سے بقائے نسل انسانی ہے جب یہ رحم سے خارج ہوتا ہے تو اس کو حیض کہتے ہیں۔ یہ حیض لڑکی کو اس وقت آنا شروع ہوتا ہے جب وہ بالغ ہونا شروع ہوتی ہے۔ یہ عام طور پر پانچ سے سات یوم تک مسلسل رحم سے خارج ہوتا رہتا ہے۔ لیکن جب جنسی تعلقات کی صورت پیدا ہوتی ہے تو نطفہ قرار پایا جاتا ہے۔ یعنی حمل ہو جاتا ہے تو ماہواری خون نطفہ کی پرورش پر خرچ ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ اس لئے بچے کی پیدائش کے دنوں میں حیض عام طور پر نہیں آتا اور بچہ کی پیدائش کے بعد بھی یہ حیض (خون) اس وقت تک نہیں آتا جب تک بچہ دودھ پیتا ہے۔ گویا یہ خون (حیض) دودھ کی شکل میں منتقل ہو جاتا ہے اور آبِ حیات کا کام دیتا ہے۔

حیض کی وجہ سے عورت ناپاک نہیں

اس امر میں کوئی شک نہیں کہ حیض ناپاک اور گندگی ہے جیسا کہ قرآن حکیم میں مذکور ہے:

﴿ یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِیْضِؕ قُلْ هُوَ اَذًى ﴾ [سورة بقره : ۲۲۲]

''حیض کے متعلق سوال کیا جاتا ہے کہ وہ گندگی ہے لیکن حیض کے سوا باقی خون کو بھی جسم کے کسی حصہ سے خارج ہو، کو حرام قرار دیا ہے''۔

جیسے قرآن حکیم میں فرمایا گیا ہے:

﴿ حُرِّمَتْ عَلَیْكُمُ الْمَیْتَةُ وَ الدَّمُ وَ لَحْمُ الْخِنْزِیْرِ وَ مَاۤ اُهِلَّ لِغَیْرِ اللّٰهِ ﴾ [سورة مائده : ۳]

''تم پر مردہ خون سؤر اور غیر اللہ کے لئے حلال کیا گیا ہوا، سب حرام ہے''۔

یہاں تک کہ خون کپڑے پر لگ جائے وہ ناپاک ہو جاتا ہے۔ پھر حیض کی تخصیص کرنے کا کوئی مقصد نہیں ہے۔ خون کے حرام ہونے میں یہ حقیقت ہے خون ایک مرکب ہے۔ جس میں زہریلے اجزاء بھی شامل ہوتے ہیں۔ طب یونانی کے نظریہ کے مطابق اس میں بلغم، سودا اور صفرا شامل ہیں۔ اس طرح طبِ مغرب کی رو سے اس میں چودہ عدد عناصر شامل ہیں۔ جن میں فیرم، سوڈیم، پوٹاشیم، میگنیشیم، سلفر، فاسفیٹ اور کیلشیم اور آیوڈائڈ وغیرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں جو سب کے سب اگر ضرورت سے زیادہ استعمال کئے جائیں تو زہریلا اثر کرتے ہیں۔ اس لئے خون کو نہ صرف حرام دیا گیا ہے بلکہ ناپاک بھی قرار دیا ہے۔ باقی رہا حیض کو گندگی قرار دینا تو یہ ایک حیض ہی پر کیا منحصر ہے۔ اکثر انسان کے جسم سے جو مادے خارج ہوتے ہیں وہ گندگیاں ہیں اور ناپاک ہیں۔ ان سب کی گندگی اور ناپاکی کی حیثیت کسی بھی طرح حیض سے کم نہیں ہے۔

ماں کے پیٹ میں انسان کی غذاء

پھر عورت کو مرد سے کم تر کیوں خیال کیا جائے کیا مرد میں کوئی ایسا پاک مادہ پایا جاتا ہے جس سے اس کا درجہ عورت سے افضل قرار دیا جاتا ہے۔

اگر دونوں باتیں نفی میں ہیں تو پھر عورت اور مرد میں پاکی اور ناپاکی کا یہ درجہ اور اختلاف کیوں قائم کیا جائے۔ اگر حقیقت پر غور کر کے اصلیت کو دیکھا جائے تو اس امر سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ اسی گندے خون (حیض) ہی سے انسان کی پیدائش اور پرورش ہوتی ہے۔ جب انسان ماں کے پیٹ میں ہوتا ہے تو دس ماہ سوائے اس خون (حیض) کے اور کیا غذا حاصل کر سکتا ہے۔ اور جن ایام میں وہ دودھ پیتا ہے وہ بھی یہی حیض کا خون صاف ہو کر دودھ میں منتقل ہو جاتا ہے بلکہ ماں کے دودھ کے علاوہ بھی جو دودھ جانوروں کا استعمال کیا جاتا ہے وہ ان کا صاف شدہ خون ہوتا ہے۔ گھی دودھ ہی کا جز ہے، دن رات جو مٹھائیاں کھائی جاتی ہیں یا اس طرح کا میٹھا میٹھا ہڑپ کر لیا جاتا ہے، وہ دودھ گھی ہی سے تیار ہوتی ہے۔ میرا مقصد یہ ہرگز نہیں کہ دودھ گھی اور اس سے تیار شدہ مٹھائیاں نہ کھائی جائیں، بلکہ یہ اشیاء اسلام نے حلال قرار دے دی ہیں۔ ان کو شوق سے استعمال کیا جائے۔ میرا مقصد صرف یہ ہے کہ کسی ایک نشان کو ناپاک دیکھ کر اس سے متعلقہ پاک اشیاء اور اجسام کو ناپاک، ذلیل اور قابل نفرت نہیں بنا دینا چاہئے۔

ان امور سے ثابت ہوا کہ حیض کی وجہ سے عورت ناپاک نہیں ہے۔ البتہ اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ حیض کے دنوں میں عورت کا مزاج عدل فی القسمت کے تحت اعتدال پر ہوتا ہے۔ اگر ان دنوں میں طبیعت پر مادی، کھانا پینا اور (آب و ہوا) کیفیاتی (گرمی، سردی اور خشکی و تری) اور نفسیاتی (جذبات کی شدت ماحول میں غیر مناسب اور محنت کی زیادتی) اثرات غیر معمولی طور پر پڑے تو یقیناً حیض کی باقاعدگی میں خرابی واقع ہو جاتی ہے۔ یعنی اس میں افراط و تفریط واقع ہو جاتا ہے۔ دراصل ان ایام میں طبیعت میں اعتدال قائم رکھنا از حد ضروری ہے۔ یہاں تک کہ غیر معمولی حرکت، سکون، کھانے پینے میں کثرت اور مسرت اور تفریح میں زیادتی بھی حیض کی باقاعدگی میں خرابی کا باعث ہو جاتی ہے۔ ان دنوں آرام کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے جس کے لئے زیادہ تر بیٹھے رہنا یا لیٹے رہنا زیادہ مفید ہے۔ کیونکہ ذرا سی بے اعتدالی سے حیض کی باقاعدگی میں خرابی پیدا ہو جائے گی۔

مرد کی ذمہ داری

اس سے تین شدید صورتوں میں سے کسی ایک کا پیدا ہونا یقینی امر ہے:

۱. خون کی آمد میں زیادتی ہو جانا جس سے فوراً ضعف جسم واقع ہو جاتا ہے۔ دل گھٹتا ہے اور غشی تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔
۲. خون کا آنا رک جائے جس سے گھبراہٹ دوران سر اور اختلاج اور بے ہوشی کے دورے (اختناق الرحم) ہسٹریا کی صورت پیدا ہو جاتی ہے۔
۳. خون کا کمی سے رُک کر آنا، رحمی درد کی شدت، ضعف قلب و دماغ، قے، پیشاب میں جلن، پیچش وغیرہ کی حالت نمودار ہو جاتی ہے گویا ہر بالغ عورت کو ہر ماہ میں تقریباً ایک ہفتہ باقاعدہ آرام کی ضرورت ہوتی ہے۔ ورنہ اس کے جسم اور طبیعت و ذہن میں خرابی واقع ہو جائے گی۔

اس سے ثابت ہوا کہ عورت تمام ماہ ایک مرد کی طرح اپنے تمام معمولات انجام نہیں دے سکتی۔ عورت اور مرد کا یہ اوّلین اور بنیادی فرق

ہے کہ عورت اپنے حیض کے سلسلے کی وجہ سے ایک ماہ میں ایک ہفتہ تقریباً بے کار ہو جاتی ہے۔ اگر آرام نہ کرے گی تو بہت جلد کسی خوفناک مرض میں مبتلا ہو جائے گی۔ جس کا نتیجہ سل یا سیلان الرحم میں ظاہر ہوگا۔

جب جنسی تعلقات کے بعد عورت کا حیض اصولاً رُک جائے، جس حالت کو اصولاً حمل کہتے اس میں اوّل ماہ سے عورت میں جنسی جذبہ مرد سے کم ہوتا ہے۔ حمل کے بعد اس کے جنسی جذبہ کی تسکین ہو جاتی ہے۔ اس کی طبیعت بگڑ جاتی ہے۔ پریشان کن ابکائیاں، قے اور طبیعت بوجھل ہو جاتی ہے۔ رفتہ رفتہ جسم میں خون کی کمی، رنگ زرد، منہ پر چھائیاں اور ہر وقت تھکن، بدہضمی، بھوک میں کمی، پیاس میں زیادتی اور قبض رہنے لگتی ہے۔ یہ تو عمومی حالت ہے۔ اس کے علاوہ خصوصی امراض بھی پیدا ہو جاتے ہیں۔ جسم پر پھوڑے، پھنسیاں، بخار، کھانسی، درد کمر وغیرہ۔

یہ سلسلہ پورے نو دس ماہ رہتا ہے اور بچہ پیدا ہونے کے بعد ایک دو ماہ تک خارش رہتی ہے۔ اس دوران میں بھی عورت اپنے معمولات باقاعدگی سے انجام نہیں دے سکتی۔ یہ دوسرا فرق ہے جو عورت اور مرد کے مابین پایا جاتا ہے کہ عورت حمل کی وجہ سے سال بھر بیکار ہو جاتی ہے اور اس عرصہ کا خرچ لامحالہ اس شخص کے ذمے ہونا چاہئے جس مرد کا حمل اس کو قرار پاتا ہے۔

عورت نہ باندی اور نہ غلام ہے

اس کو سارا سال آرام سے گزارنا چاہئے۔ اگر وہ خود ملازم ہے تو کم از کم اسے آخری تین ماہ کی چھٹی ملنی چاہئے۔ کیونکہ ان دنوں تو وہ بالکل حرکت نہیں کر سکتی۔ بس ان دنوں عورت مرد کے مقابلے میں بے کار ہوتی ہے۔ بلکہ نان ونفقہ اور ضروریات زندگی کے لئے مرد کی محتاج ہوتی ہے اور کوئی طاقت اس کو اس محتاجی سے نجات نہیں دے سکتی۔ یہ مرد اور عورت کا تیسرا بین فرق ہے۔

جب بچہ تولد ہوتا ہے تو اس کو دودھ پلانے، پرورش اور نگرانی کرنے کا سوال پیدا ہوتا ہے۔ ماں کا دودھ پلانے کا حکم مذہبی اور قانونی حیثیت سے دو سال ہے۔ دودھ شروع شروع میں جلد جلد یعنی ایک گھنٹے بعد اور بعد میں دو دو اور پھر تین تین گھنٹے تک وقفہ بڑھا دیا جاتا ہے۔ دودھ کے علاوہ اس کی دیگر ضروریات زندگی کا پورا کرنا اور اس کی ہر طرح اور ہر وقت کی نگرانی ہے۔ اس دوران میں بھی عورت بچے کو نظر انداز کر کے کسی دیگر کام میں پوری پوری توجہ نہیں دے سکتی۔ اگر وہ ایک یا دو عدد نوکرانیاں یا نرس رکھ لے تاہم دودھ سے پرورش تو اس کے ذمہ ہوگی۔ کام بیشک بٹ جائے گا لیکن ذمہ داری ختم نہ ہوگی۔ نوکرانی رکھ لینے سے اصل حقیقت اپنی جگہ قائم رہتی ہے۔ یعنی بچہ کی پرورش کے لئے ہر حال میں عورت کی خدمات ضروری ہیں۔ ماں ہو یا ملازمہ ان کے بغیر بچہ کی پرورش ناممکن ہے۔

یہ چوتھا فرق ہے جو عورت اور مرد میں پایا جاتا ہے۔ یہاں بھی عورت کے ساتھ بچہ کی ضروریات کا ذمہ دار مرد ہی قرار دیا گیا ہے اور اس کو اپنی طاقت کے مطابق خرچ کرنا چاہئے۔ ایام حیض، ایام حمل اور ایام رضاعت میں عورت کا مردوں کے برابر اپنے معمولات ادا نہ کرنا، ان کی ضروریات زندگی کی ذمہ داری بھی مردوں پر ہوتی ہے۔ اس سے یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ مردوں کو عورتوں پر فوقیت حاصل ہو جاتی ہے۔ نہیں! ہرگز نہیں! کیونکہ جو خدمات ان دنوں عورتیں انجام دیتی ہیں، وہ مرد انجام نہیں دے سکتے۔ اس لئے دونوں اپنی اپنی جگہ برابر ہیں۔ البتہ اس نظام میں اسلام کی یہ بات صحیح ثابت ہوتی ہے: انتظامی معاملات میں مرد کو عورت پر کچھ فوقیت حاصل ہے۔ کیونکہ اس سارے عرصہ میں عورت کمانے اور خوراک مہیا کرنے کے قابل نہیں ہوتی۔ پھر بھلا وہ منتظم کیسے بن سکتی ہے۔ حقیقت بھی یہ ہے کہ مریض کا نگران تندرست انسان ہی ہو سکتا ہے۔ اگر بنظر غور دیکھا جائے تو تسلیم کرنا پڑے گا کہ جب تک عورت بچہ جننے کے قابل ہے وہ بچہ کی پیدائش، دودھ پلانا اور پرورش سے فارغ نہیں ہو سکتی۔ جب وہ

گھر میں اپنے اہم فرض میں مشغول ہے تو پھر اس کے لئے مشکل ہے کہ گھر سے باہر کے کام اور کمائی کے لئے وقت نکال سکے۔ اس لئے وہ اپنے نان ونفقہ ضروریات زندگی اور نگرانی کے لئے لازماً مرد کی محتاج ہو گی۔ اس تقسیم کار میں مرد مجبور ہے کہ وہ ضروریات زندگی کو حاصل کرنے کے لئے گھر سے باہر جدوجہد کرے اور کما کر لائے تاکہ اپنی بیوی اور بچوں اور اپنے لئے خوراک اور ضروریات زندگی حاصل کرے۔ جب مرد باہر کمائی پر مجبور ہو گیا اور عورت اپنے بچوں کے ساتھ گھر پر مقیم ہو گی تو اس پر لازم ہو گیا کہ گھر میں بچہ اور اپنی خوراک تیار کرنے کے ساتھ اپنے خاوند کی خوراک ساتھ تیار کرے تاکہ اس کے خاوند کی اپنی کمائی میں خوراک کی تیاری پر وقت ضائع نہ کرنا پڑے۔ یا وہ زیادہ سے زیادہ وقت میں زیادہ سے زیادہ کمائی کر سکے۔ جو اس عورت اور بچوں کے لئے خوشحالی کا باعث بنے اور ساتھ ہی ساتھ گھر کی صفائی اور نگرانی بھی اس عورت نے اپنے پر لازم کر لی تاکہ گھر اور اس کا ماحول اس کی مرضی کے مطابق بن جائے۔ بس اس طرح ایک قدرتی تقسیم کار بن گئی ہے جس کی باقاعدگی سے زندگی خوشگوار گزرتی ہے اور بقائے نسل کا سلسلہ بھی جاری رہتا ہے۔

عورت نہ باندی اور نہ غلام ہے۔ لیکن یہ یاد رہنا چاہئے کہ بچہ کی پرورش اور خاوند کی معاونت سے عورت بچہ کی مالک نہیں بن سکتی۔ صرف ماں ہی رہتی ہے۔ اس طرح گھر پر قبضہ نہیں جما سکتی البتہ جو کچھ خاوند اس کو دے اس کا ہو گا۔ اس طرح خاوند کی معاونت کرتے ہوئے اس کو اپنا غلام اور نوکر سمجھنا شروع کر دے اور نہ ہی اپنے آپ کو اپنے خاوند کی باندی سمجھنا شروع کر دے۔ جب عورت اپنے مقام حقوق اور فرائض کا خیال رکھے گی اور ساتھ ہی ساتھ اپنی حدود پر قائم رہنے کی کوشش میں اپنے مالک حقیقی سے ڈرتی رہے گی کہ مرنے کے بعد اس کو اپنی زندگی اور اعمال کا حساب دینا ہے۔ تو پھر اس کا ذہن اس تعصب سے خالی ہو جائے گا کہ اس کا نیک خاوند اپنی ضروریات اور اولاد کے لئے ایک کی بجائے دو تین عورتیں رکھ لے اور سب کے ساتھ برابر کا سلوک رکھے اور ساتھ ہی وہ عورتوں کو یہ اجازت بھی دے دے کہ راضی نہ ہو، اس کو خوشی کے ساتھ راضی کر کے اپنے سے علیحدہ کرنے کو تیار ہے۔ ایسے معاشرہ میں یقیناً کہیں بھی گندگی نہیں رکتی اور کہیں بھی فساد کی بو پیدا ہونے کا خطرہ نہیں ہے۔ پھر کثرت ازدواج زحمت کی بجائے رحمت ثابت ہوتا ہے۔ جھگڑا لڑائی ہمیشہ اسی مقام پر پیدا ہوتا ہے جہاں پر میاں بیوی اپنے مقام حقوق اور فرائض کا پورا پورا خیال نہیں رکھتیں۔ جس میں خوف خدا، جزا اور سزا اور آخرت بھی مدنظر نہیں ہوتی۔ اگر طرفین اپنی اپنی حدود میں رہیں، بلکہ دوسرے کی حدود کو ناجائز چھونے کی کوشش بھی نہ کریں تو کبھی بھی آپس میں فساد اور ناراضگی کی صورت پیدا نہیں ہو سکتی۔ چاہے خاوند کی ایک بیوی ہو یا چار بیویاں ہوں جھگڑا اور برائی ایک سے زیادہ بیوی کا نہیں ہے بلکہ دوسرے کے مقام اور حقوق کی پامالی ہے اور اپنے فرائض سے کوتاہی ہے۔ عام طور پر نفسانی خواہشات کے ماتحت اور لاعلمی اور بے علمی سے اپنے مقام کو بلند اور حقوق کو زائد سمجھ لیا جاتا ہے اور اپنے فرائض کی طرف توجہ نہیں دی جاتی۔

اسلامی اور انسانی قانون میں تفاوت

قانون فطرت ہے کہ جب اس کو مقررہ حدود سے پھاندا جائے تو ردّعمل کے طور پر معاملہ یا معاشرہ میں فساد اور بدبو پیدا ہو جائے گی۔ جس کا نتیجہ خرابی اور تخریب ہے۔ قانون دانوں کو یہ امر ذہن نشین کر لینا چاہئے کہ اس معاملے میں قانون بناتے وقت عام طور پر یا فوری طور پر تو وہ قانون مفید ہوتا ہے لیکن آئندہ چل کر اس میں بے حد خرابیاں اور تکالیف پیدا ہو جاتی ہیں۔ پھر فوری ضرورت اور تکالیف کے ماتحت ان میں ترمیم، تنسیخ اور اصلاح کرنی پڑتی ہے۔ لیکن کچھ عرصہ بعد اس میں پھر وہی خرابی واقع ہو جاتی ہے۔ صرف اسلام ہی ایک ایسا قانون حیات ہے کہ اس کے قانون کا بغور مطالعہ کریں، اس میں آپ کو ہرگز ازابتداء تا انتہاء بلکہ ہر موڑ پر ایسی حقیقت نظر آئے گی جو مفید ہی مفید

ہوگی۔ جولوگ اسلام کے کسی قانون پر اعتراض کرنا چاہیں ان کو حق ہے کہ بڑے شوق سے کریں۔ اسلام خود عقل وبصیرت کی دعوت دیتا ہے۔ لیکن ان کو لازم ہے کہ اوّل ایک ایسا متبادل قانون کا خاکہ کھینچ لیں جس کی حقیقت کو از ابتداء تا انتہا خوب پرکھ لیا گیا ہو۔ انشاء اللہ پھر غلطی اور اسلامی قوانین سے روگردانی کی صورت کم پیدا ہوگی۔ بلکہ خواص کے ساتھ عوام بھی اسلامی قوانین کو اپنانے پر مجبور ہوں گے۔ زمانہ شاہد ہے کہ دُنیا ان کی طرف آ رہی ہے۔ یہی صورت مسلمہ تعلقات ازدواج میں پیدا ہورہی ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ حق مہر کم ہونا چاہئے اور کوئی کہتا ہے کہ نہیں زیادہ سے زیادہ ہونا چاہئے۔ عورت کی عزت افزائی ہو اور مرد قابو میں رہے۔ ان کے علاوہ ایک ایسا بھی گروہ ہے جو حق مہر اور جہیز دینے سے بالکل انکاری ہے۔ کوئی ابتدائی دور کی مثال پیش کرتا ہے اور کوئی امراء کا نقشہ ظاہر کرتا ہے۔ لیکن حقیقت کی طرف کوئی نہیں آتا کہ مسئلہ کا صحیح حل میسر آسکے۔

مرد اور عورت انسانیت کے درجے میں برابر ہیں

دیکھنا تو یہ چاہئے کہ مرد اور عورت کی تخلیق کے مطابق ان کی بناوٹ اور حقیقت وجذبات کی حقیقت کیا ہے اور وہ کن فطری مقاصد کے لئے ان کو عطا کئے گئے ہیں۔ ان پر غور کیا جائے، ان فطری مقاصد کی اگر صحیح ترتیب ضرورت پوری نہ ہوسکے اور ان کو برمحل استعمال نہ کیا گیا تو لازما نتائج حقیقت افروز نہیں ہوں گے۔ بلکہ جگہ جگہ اور ہر وقت خرابیاں پیدا ہوں گی۔ اسلام ہر قانون پر جہاں جزوی طور پر بحث کرتا ہے وہاں اس کے اجتماعی اثرات کو بھی نظر انداز نہیں کرتا۔ جس کا نتیجہ ہمیشہ احسن نکلتا ہے۔ مسلمانوں میں فی الذات یا ان کے معاشرہ میں جو خرابیاں پیدا ہوتی ہیں وہ اسلامی قانون کی خرابیاں نہیں ہیں بلکہ ان کا ہر عمل فطری صورت پر انجام نہیں پاتا۔

اس بحث سے یہی ثابت کرنا ہے کہ مرد اور عورت انسانیت کے درجے میں برابر ہیں۔ لیکن قدرت نے دونوں کے فرائض مختلف کر دیئے ہیں۔ اس لئے ان کے حقوق اور مقام بھی آپس میں مختلف ہیں۔ جب تک وہ اپنی اپنی حدود میں قائم رہتے ہیں، معاشرہ میں خرابیوں کی صورت نمودار نہیں ہوتی۔ جب خرابی اور فساد واقع ہوتا ہے تو یقیناً اس کا کوئی سبب درمیان میں کام کر رہا ہوگا۔ جو اس امر کو صاف ثابت کرتا ہے کہ ہر دو میں سے یقیناً کوئی ایک اپنی حدود کو پھاند گیا ہے۔ اس خرابی اور فساد کا علاج کچھ بھی ہو لیکن اوّل بات ان حدود کا احترام ہوگا جس سے معاشرہ میں صحت پیدا ہونے کے امکانات واضح ہو جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے مرد اور عورت میں جزوی طور پر کچھ ایسے خواص رکھے ہیں جن کو وہ اپنے اپنے مقام پر انجام دے سکتے ہیں۔ لیکن اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ ان کی وہ مخصوص قابلیت انہیں کسی کو ایک دوسرے سے ممتاز یا افضل بنا دیتی ہے۔ مثلاً مرد کا بچہ کے لئے نطفہ مہیا کرنے کی قابلیت اور عورت میں بچہ کو اپنے پیٹ میں پرورش اور دودھ پلانے کی صلاحیت وغیرہ وغیرہ جدا افعال ہیں۔ مرد عورت کے افعال اور عورت مرد کے افعال انجام دینے کی طاقت نہیں رکھتی اور پھر دونوں مل کر قدرت کے کام کو انجام دیتے ہیں۔ پھر سمجھ نہیں آتی اس قسم کے افعال کے باعث ایک دوسرے سے عظیم اور اعلیٰ بننے کا کوئی جواز کیسے پیدا ہوسکتا ہے۔

عورت کو مرد کی سربراہی کی ضرورت ہے

یہ صحیح ہے کہ انتظامی معاملات خاص طور پر ان دنوں جبکہ عورت ایام حیض، ایام حمل اور ایام میں رضاعت میں مبتلا ہو، قدرت نے مرد کو سربراہی دے دی ہے۔ تاکہ وہ عورت اور بچہ کے لئے جہد للحیات اور بقائے نسل کے لئے سعی اور کوشش سے کما کر گھر لائے اور ان کی ضرورت کے

ساتھ اپنے لئے بھی بدل پیدا کرے۔ اس کے علاوہ مقام اور راہیں اور بھی ہیں جہاں عورت کو مرد کی سربراہی کی ضرورت ہے:

- عورت کا کسی سفر پر جانا۔
- کسی تنہا جگہ پر رہنا۔
- کہیں مردوں کے معاملات میں شریک ہونا۔

ایسی صورت میں جہاں عورت تنہا نہیں جاسکتی یا تنہا نہ جانا چاہیے کیونکہ ایسی صورت میں اس کی اپنی عزت خطرے میں پڑ سکتی ہے۔ عورت بیشک شریف اور برائی کے جذبات سے پاک ہو لیکن اس کے پاس اس کا کیا جواب ہے کہ تنہائی میں اس کا کسی شیطان صفت انسان سے تصادم ہو جاتا ہے یا واسطہ پڑ جاتا ہے یا دھوکہ کھا جاتی ہے۔ نتیجہ میں عورت کی بے عزتی اور گوہر انسانیت کی بے آبروئی ہو جاتی ہے۔ تھوڑی دیر کے لئے فرض کر لیا جائے کہ اس صورت میں عورت پر کوئی گناہ نہیں کہ اس پر جبر اور زبردستی سے ظلم کیا گیا ہے، ممکن ہے انسان نے اس کو دیکھا بھی نہ ہو لیکن اس کا کیا جواب ہے کہ ضمیر کی مجرم ہو جائے گی اور اگر حمل قرار پا گیا تو انسانیت کی باقی آب و تاب بھی ختم ہو جائے گی۔ اوّل تو وہ کبھی گوارا نہیں کرے گی کہ وہ اس حرامی بچہ کو باقاعدہ جنم دے۔ اگر مجبوراً وہ بچہ اس دُنیا میں تولد بھی ہو گیا تو ساری عمر ماں کے ضمیر کے لئے ایک نشتر ثابت ہوگا۔ وہ ہمیشہ یاد دلائے گا کہ اس کے باپ نے اس پر جبراً اور زبردستی سے ظلم کیا تھا۔ اور اگر معاشرہ کو اس حرامی بچہ کا علم ہو گیا تو یقیناً ماں اور بچہ دونوں معاشرہ کی نگاہ میں مظلوم ہونے کے باوجود ہمیشہ باعث ذلت اور بدنام رہیں گے۔ اس لئے عورت (چاہے بیٹی، بہن، بیوی اور ماں ہوں) کو کبھی بھی بالکل تنہا نہ رہنا چاہیے اور نہ ہی تنہا اپنی ذات پر اعتماد کر لینا چاہیے۔ تاکہ مقام تقدس سے گرا نہ جائے۔ عورت کی حفاظت کے لئے یہی ایک مقام بڑا مشکل ہے جس سے معاشرہ میں زبردست خرابی اور برائی پیدا ہوتی ہے۔ جبکہ عورت کو ناجائز حمل ہو جاتا ہے۔ چاہے اس کی مرضی سے ہو یا مرضی کے بغیر ہو جائے۔ عورت اپنی مرضی یا مرضی کے خلاف ناجائز حمل کو چاہے برداشت بھی کر لے کیونکہ اس کے بطن میں رہ کر نو دس ماہ اس کا خون پیتا ہے اور ایک زبردست دُکھ سے تولد ہوتا ہے۔ قدرت نے اس میں ماں کی مامتا بھی رکھ دی ہے، لیکن معاشرہ کبھی بھی اس عورت اور بچہ کو قبول نہیں کرے گا۔ اوّل عورت کو ملزم گردانے گا۔ اگر ملزم نہ بھی گردانے پھر بھی اس کو داغ دار ضرور کہے گا۔ اس امر سے ثابت ہوا کہ عورت کو معاشرہ میں جو بات سب سے زیادہ ذلت کی صورت پیدا کر دیتی ہے وہ بغیر نکاح کے کسی مرد سے تعلق یا بغیر عقد کے کسی بچہ کی ماں بننا، چاہے اس میں اس کی مرضی کا دخل بالکل نہ ہو بلکہ اس امر پر جبر اور زبردستی ظلم کیا گیا ہو۔ لیکن زمانہ اس کو کبھی معاف نہیں کرتا اور معاف بھی نہیں کرنا چاہیے۔ کیونکہ مظلوم اور مجبور عورتوں کو معاف کر لیا گیا تو وہ عورتیں جو مظلوم و مجبور نہیں ہوتیں اور انہوں نے اپنے شوق اور لذت کی خاطر ناجائز بُرا فعل کیا ہے وہ معاشرے کے لئے ایک زبردست مرض اور خرابی بلکہ طوفان پیدا کر دیں گی، جس کا روکنا معاشرہ کے لئے ازبس ضروری ہے۔ ورنہ معاشرہ متعفن ہو جائے گا۔

اگر بعض عورتیں حقیقت اور نیکی کو نظر انداز کرتے ہوئے ایسی آزادی طلب کریں جس میں ایسی داغ دار عورتیں اور بچوں کو معاشرہ میں دیگر شریف زادیوں کے برابر درجہ دیا جائے تو فیصلہ شریف زادیوں سے لیا جاسکتا ہے۔ وہ اپنے عمل اور جذبات میں ان کو جہاں تک قبول کرتی ہیں ہزاروں سال سے اس وقت تک کی تاریخ گواہ ہے کہ شریف زادیوں نے ایسی داغدار عورتوں کو کبھی نہیں اپنایا۔ البتہ اسلام اپنی اخلاقی فضیلت سے ان کو پھر معاشرہ میں شامل کر دیتا ہے۔ اسلام تو صرف یہ مطالبہ کرتا ہے کہ آئندہ کے لئے توبۃ النصوح کر کے اپنی زندگی کو اسلامی قدروں میں ڈھال لیا جائے۔ خداوند کریم غفور الرحیم ہیں اور بخش دیتے ہیں اور اخلاقی فضیلت کا تقاضا ہے کہ بلند اخلاق یقیناً انسانی زندگی کا مقام بلند کر دیتے ہیں۔ اس امر سے ثابت ہوا کہ عورت کو ہمیشہ اس داغ سے دور رکھا جائے۔ بچانا نہ صرف اہم اور ضروری ہے بلکہ معاشرہ کے لئے بھی بے حد مفید

ہے۔اس شے کا نام عورت کی عصمت اور عفت ہے اور یہی عورت کی سب سے بڑی کمزوری ہے۔جس کی وجہ سے مرد سے کم ہو کر رہ گئی ہے یا جہاں پر اس کو مرد کی مدد اور معاونت کی ضرورت ہے۔اس لئے جب وہ لڑکی ہوتی ہے بچپن سے شادی تک اس کے ماں باپ اور بہن بھائی اس کی حفاظت کرتے ہیں۔شادی کے بعد اس کی عصمت اور عفت کا نگران اس کا خاوند ٹھہرایا جاتا ہے۔خاوند کے بعد یہ خدمت اس کے جوان فرزندوں کے ذمہ خیال کی جاتی ہے۔عورت کی اس کمزوری کا مقابلہ کرنے کے لئے ہی اس کے لئے چار دیواری اٹھائی گئی۔محل اور قلعے تعمیر کئے گئے اور پھر اس کو شرم کی چادر اور عزت کے برقعے میں لپیٹا گیا۔اس کے لئے ایک ہی فیصلہ کر دیا کہ عورت کا حلقہ (سرکل) مردوں سے جدا ہے، کیونکہ جب بھی عورت کو مردوں کا قرب حاصل ہوا اس وقت یہ خرابیاں پیدا ہو گئیں اور سادہ معاشرہ میں فساد برپا ہو گیا۔بالآخر اس کی زیادتی سے قومیں تباہ ہو گئیں۔اس حقیقت کے برعکس آج کل جو دیکھا جا رہا ہے وہ یہ ہے کہ عورت چار دیواری پھاند کر بازار میں اور اپنا حلقہ چھوڑ کر مردوں میں خلط ملط ہو رہی ہے۔بلکہ پردے کے بند توڑ کر دعوت حسن دے رہی ہے۔طرّہ یہ کہ بے پردگی اور آرائش محفل پر راضی نہیں۔وہ آرٹ کا عریاں مجسمہ اور شمع محفل بننا چاہتی ہے اور آئندہ خبر نہیں کہ وہ کہاں جا کر رکے۔یہ سب کچھ امریکہ یورپ اور روس کی اندھی تقلید اور گندی ہواؤں کا اثر ہے۔اندھی تقلید اس لئے کہ امریکہ و یورپ اپنی اس تہذیب و تمدن سے معاشرتی طور پر تباہ ہو گئے ہیں۔آج وہاں پر ہر عورت جنسی طور پر بدنام اور برباد ہے۔اس کا اندازہ اس امر سے لگا لیں کہ بارہ تیرہ سال عمر کی کوئی لڑکی کنواری نہیں رہی اور حرامی بچوں کی تعداد لاکھوں تک پہنچ گئی ہے اور یہ حرامی بچے اپنے ماں باپ سے دس گنا زیادہ حرام کاری میں جدوجہد کر رہے ہیں۔یہ جدوجہد صرف اس لئے ہے کہ معاشرہ میں کوئی حلالی بچہ نہ رہے اور ان کی الجھن (Complex) ختم ہو جائے۔بہرحال عورت کے سامنے دو پہلو ہیں کہ یا تو وہ بازار آرائش اور محفل کی زیبائش بنے یا اپنے حرم میں اکرام سے بیٹھ کر اپنی صحیح قسم کی اولاد کی پرورش کرے۔

ایک زبردست غلط فہمی جو اکثر مردوں کی جگہ ان کے غیر شعوری پروپیگنڈے سے عورتوں میں بھی پیدا ہو گئی ہے کہ مردوں کی نسبت شہوانی جذبہ عورتوں میں زیادہ ہے۔حالانکہ یہ خیال بالکل غلط ہے اور عورتوں پر زبردست الزام ہے۔بلکہ نااہل اور کمزور لوگوں کا عورتوں کو مرعوب کرنے بلکہ ان کو ذلیل کرنے کے لئے یہ سلسلہ صرف یہیں ختم نہیں ہوتا۔بلکہ اسی خیال کی بنیاد پر بدکردار لوگوں نے کوک شاستر لکھ مارے ہیں جن میں ایک کشمیری راجہ کے دربار میں ایک عریاں عورت کا بے دھڑک آ جانا۔راجہ کے استفسار پر ظاہر کرنا کہ مجھے کوئی مرد نظر نہیں آتا پھر کوکا پنڈت کی قابلیت سے اس کے مزاج کو اعتدال پر لانا۔اس کے بعد پنڈت کوکا صاحب کے کمالات کی تفصیل یعنی چونسٹھ آسن کا تذکرہ جس سے یہ ظاہر کرنا ہے کہ ان آسنوں پر عمل کر کے ہی ایک مرد عورت کو قابو میں رکھ سکتا ہے۔﴿لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ﴾

اور اسی طرح عورت کے ساتھ چلتر نامی کتب بھی اکثر دیکھی سنی ہیں، جن میں یہ بات ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ اپنی شہوت سے اس قدر بے قرار ہے کہ وہ برائی کئے بغیر نہیں رہ سکتی۔اس کو قابو رکھنا مشکل ہے۔جس قدر بھی سخت اس پر بندش کی جاتی ہے کم ہے کیسے اس پر پہرے بٹھائے جائیں۔جتنی اونچی چار دیواری اور ڈیوڑھیوں کے اندر بند رکھا جائے تو وہ نکل کر برائی کرے گی اور ضرور کرے گی۔عورت کے سات چلتر سات مشکل عملی صورتوں کا ذکر ہے جن کو پھاند توڑ کر وہ اپنے جذبہ شہوت کا باعث ہوتی ہے۔جن میں سے کسی ایک کو تفصیل سے بیان کرنا اخلاقی قدروں کے انتہائی خلاف ہے۔ان کے علاوہ بعض قصے کہانیوں میں بھی اس قسم کے اشارے اور کنائے پائے جاتے ہیں۔خاص طور پر الف لیلہ، طلسم ہوشربا جیسی عام پڑھی جانی والی کتب میں عورت کے اس جذبہ کو کھول کر لکھا گیا ہے۔انتہا یہ ہے کہ رنڈی اور چکلے کا جواز بھی صرف عورت کے اس جذبہ پر ختم کر دیا ہے کہ عورت میں شہوانی جذبہ مردوں سے بہت زیادہ ہوتا ہے۔

عورت ایک مقدس ہستی ہے

ایک حقیقت میں یہ سب کچھ غلط اور عورت جیسی مقدس ہستی پر ایک الزام ہی نہیں بلکہ ظلم ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ بعض عورتیں بے حد آزاد اور بے باک ہوں گی بلکہ ہیں۔ لیکن اس کی اوّل ذمہ داری مردوں پر ہے اور اس کے علاوہ ان کے اعمال کے تحت جو حقائق کام کر رہے ہیں وہ شہوانی جذبہ اور برائی کرنا مقصود نہیں بلکہ کچھ اور ہیں۔ جیسے آج کل پیٹ کی بھوک، فیشن پرستی، مرد اور عورت کا بے تکلف اختلاط وغیرہ۔ مگر یہ تسلیم کرنا کہ عورت میں شہوانی جذبہ مردوں سے بہت زیادہ ہے ان پر نہ صرف ظلم ہے بلکہ عقل و حکمت کے خلاف ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ عورت کے اعضاء اس طریق سے بنائے گئے ہیں کہ ان کو شہوت ہوتی ہے اور نہ ہی ان میں شہوانی جذبہ رکھا گیا ہے اور نہ ہی ان کو اس امر کی ضرورت پیدا ہوتی ہے کہ ان کے جسم میں شہوت پیدا ہو۔ یہ جذبہ اور قوت مرد میں رکھی گئی ہے تاکہ وہ اپنا نطفہ عورت کے رحم تک پہنچا سکے۔ عورت کے اعضاء اس مقصد کے لئے بنائے گئے ہیں کہ وہ مرد کا نطفہ یا کرم منی اپنے اندر اس وقت تک جذب رکھیں تاوقتیکہ ان کے جسم کا کوئی بیضہ انثی اس کے قریب پہنچ کر وصال کی صورت حاصل کرے اور استقرار حمل ہو جائے۔ اور پھر حیض سے اس کی پرورش شروع ہو جائے۔ اس امر کو نظر انداز نہیں کرنا چاہئے کہ بالغ ہو جانے کے بعد عورت کو ہر ماہ میں تقریباً ایک ہفتہ خون آتا ہے اور ساتھ ہی بیضے بھی بنتے اور خارج ہوتے رہتے ہیں۔ ان کا شہوت کے ساتھ کوئی تعلق نہیں کیونکہ آج سائنس کے تجربات نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ جب کسی جوان عورت کے جسم میں انسانی منی کو پچکاری سے بھی داخل کر دیا جائے تو حمل قرار پاتا ہے اور بچہ صحیح وسالم اپنے پورے دنوں میں ٹھیک اور تندرست پیدا ہو جاتا ہے۔ اس سارے زمانے میں عورت کو نہ شہوت پیدا ہوتی ہے اور نہ فرحت محسوس ہوتی ہے عورت جب جوان ہو جاتی ہے اور حیض کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے تو یہ اس امر کی علامت ہے کہ اب وہ اولاد پیدا کرنے کے قابل ہو گئی ہے بس نطفہ اس کے رحم میں پہنچنے کی دیر ہے اگر وہ تندرست ہے تو فوراً حمل قرار پا جائے گا۔

بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ عورت کو لذت کیوں آتی ہے اور اس کے اندر سے رطوبات کیوں خارج ہوتی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر عورت کے جسم میں لذت نہ رکھی جاتی تو وہ کبھی مرد کے قریب نہ آتی اور اس طرح بقائے نسل کا سلسلہ بند ہو جاتا اور جو رطوبت خارج ہوتی ہے کوئی شک نہیں کہ وہ منی کی قسم ہے (مرد کی منی سے جدا قسم کی ہوتی ہے جس کا قوام رقیق ہوتا ہے) اور اس میں عورت کے بیضے بھی ہوتے ہیں۔ یہ بے شک اس تحریک کا ردعمل ہے جو عورت کے جسم میں ہوتی ہے۔ لیکن اس کا استقرار حمل سے کوئی تعلق نہیں۔ اس کے ثبوت میں ہم اس حمل کو پیش کر سکتے ہیں جو جبراً یا زبردستی کرنے کے بعد استقرار پا جاتے ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ استقرار حمل کے لئے عورت کے لئے لذت کا ہونا اور رطوبت کا خارج ہونا ضروری نہیں۔ یہ بھی یاد رکھیں کہ عورت کو ہر بار لذت بھی پیدا نہیں ہوتی اور نہ ہر بار رطوبت خارج ہوتی ہے۔ اگر ایسا ہو تو عورت بیمار، کمزور اور بوڑھی ہو جائے۔ اس سے ماہواری میں خرابی اور سیلان الرحم کا مرض لاحق ہو جاتا ہے۔ مرد عورت کو بار بار اکساتا ہے اور وہ مرد کے قریب آ کر اس کی خاطر اپنی صحت خراب کرتی ہے۔

لیکن یہ حقیقت ہے کہ عورتوں کے ذہن میں جب بھی کبھی مرد کی قربت کا خیال پیدا ہوتا ہے تو اس میں اولاد کا جذبہ کارفرما ہوتا ہے اور یہ غلط ہے کہ وہ شہوت کے ماتحت مرد کی خواہش کرتی ہے کیونکہ یہ مسلمہ امر ہے کہ جب عورت کو حمل قرار پا جاتا ہے تو اس کے ذہن میں کبھی بھی مرد کی قرابت کا خیال پیدا نہیں ہوتا بلکہ مرد جب اس کو اکساتا ہے، اس کو نفرت اور غصہ پیدا ہوتا ہے۔ بالکل جیسے ہم روزانہ زندگی میں گائے، بھیڑ بکری کو دیکھتے ہیں، بلکہ کتوں اور بلیوں میں بھی یہی دستور کارفرما ہے۔ جب بھی کبھی ان میں سے کسی کو حمل قرار پا جاتا ہے پھر وہ اپنے مذکر کو اپنے پاس نہیں آنے دیتی ہیں۔ یہ اس امر کا ثبوت ہے کہ عورت بھی اولاد کے تصور کے ساتھ مرد کے قریب جاتی ہے۔ ورنہ شہوانی جذبہ اس کو مجبور نہیں کرتا۔ البتہ

مرد کا اکسانا ایک دیگر امر ہے جو اس کے اندر وقتی طور پر ایک ہیجان پیدا کر دیتا ہے۔

چکلوں میں جو رنڈیاں بیٹھتی ہیں وہ بھی حقیقت میں اس امر کا ثبوت ہیں کہ عورتوں میں شہوانی جذبہ کم ہے اور مردوں میں بہت زیادہ ہے جو اپنے جذبے کی تسکین کے لئے عورتوں کے پاس جاتے ہیں اور دولت خرچ کر کے اپنے جذبہ کی تسکین کرتے ہیں۔ اگر عورت میں شہوانی جذبہ مردوں سے زائد ہوتا تو عورتوں کی بجائے مرد چکلوں میں بیٹھے ہوتے اور عورتیں مردوں کے پیچھے پھرتیں اور دولت خرچ کرتیں۔ اس امر کا فیصلہ اسلام نے بہت اچھے طریقے پر کر دیا ہے کہ ایک اچھے صحت مند مرد میں ایک عورت نسبت چار گنا جنسی طاقت ہے کیونکہ ایک مرد چار بیویاں رکھ سکتا ہے اور تاریخ گواہ ہے کہ مرد نہ صرف چار بیویاں بلکہ لاتعداد باندیاں بھی رکھتے ہیں جو اس امر کا بین ثبوت ہے کہ مرد میں عورت سے بہت زیادہ جذبہ شہوت ہے۔ اس تمام بحث سے تین نتائج سامنے آتے ہیں۔

اوّل: عورت کی تخلیق کا سب سے بڑا مقصد بچہ کی پیدائش، پرورش اور تربیت ہے۔

دوم: مرد متعدد عورتوں کا نان ونفقہ اور ضروریات وحفاظت کے ساتھ ان کی تخم پاشی بھی کر سکتا ہے۔

سوم: عورت جب کبھی بھی کسی مرد کے قریب جاتی ہے شہوانی جذبہ کے تحت نہیں بلکہ اولاد یا ضروریات زندگی یا اپنا تحفظ مدنظر ہوتا ہے۔ جو عورتیں چکلوں کی زیبائش یا آرائش محفل یا بے پردہ اور عریاں بے تکلف بغیر کسی شرم وحیا کے ماری ماری پھرتی ہیں:

۱۔ مردوں کی کمزوری۔

۲۔ مردوں کے اکسانے اور مردوں کے تجارتی لالچ کا نتیجہ ہے۔

اگر بنظر غور دیکھا جائے تو عورت بے حد مظلوم ہے اور اس کو آزادی کے نام سے اس قدر برانگیختہ کر دیا گیا ہے کہ وہ اپنے اصل مقصد تخلیق سے بہت دور ہٹ گئی ہے۔ اب حالت یہ ہے کہ وہ اس امر کو سنجیدگی سے سمجھنے کو تیار نہیں ہے۔ عورت کا مقصد تخلیق واضح ہو جانے کے بعد یہ اس کی مرضی ہے کہ ایسے مرد سے شادی کرلے جس کی پہلے کوئی بیوی نہ ہو یا ایسے مرد سے شادی کرے جس کی پہلے کچھ بیویاں ہوں۔ لیکن اس بات کو ہمیشہ ذہن نشین رکھنا چاہئے کہ اس کا مقصد تخلیق کیا ہے۔ اگر عورت ایمانداری سے اپنی تخلیق کے مقصد کو ادا کرے تو شادی سے بڑھاپے تک وہ صرف اولاد کی پیدائش، پرورش اور تربیت وتعلیم سے فارغ نہیں ہو سکتی۔ بعض دفعہ تو یہ کام اس کے لئے اس قدر زیادہ ہو جاتا ہے کہ وہ تنہا اس کو انجام تک نہیں پہنچا سکتی۔ یعنی چھوٹے چھوٹے تین چار بچوں کو سنبھالنا، گھر والے کی الگ دلجوئی، شیر خوار کی الگ نگرانی اور جو پیٹ میں ہے اس کا الگ رکھ رکھاؤ۔ بھلا پھر اس کو کیسے فرصت مل سکتی ہے کہ گھر سے فارغ ہو کر کہیں ملازمت یا قومی یا ملکی خدمت انجام دے۔ تو یہ عمر کچھ ایسی ہوتی ہے کہ اس عمر میں بیٹے، بیٹیوں اور دامادوں، بہوؤں بلکہ پوتے، پوتیوں اور نواسے، نواسیوں سے گھر کا انتظام اس بڑی بی کے سپرد ہوتا ہے۔ پھر بھلا کیسے گھر کے دھندے چھوڑ کر دوسروں کے نپٹاتی پھرے۔ البتہ بعض عورتوں کی اولاد بدقسمتی سے نہیں ہوتی یا جو عورتیں شادی کے جھمیلوں میں جلد نہ پڑیں وہ بے شک ملازمت اور قومی ملکی خدمت انجام دے سکتی ہیں۔

سوکن

سوکن کا تصور بڑی تکلیف دہ چیز ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اگر ایمان داری سے دیکھا جائے تو سوکن باعث رحمت ہے۔ مگر اس کو نفسانی خواہشات، ہندو ماحول اور فرنگی پراپیگنڈے نے تکلیف دہ بنا دیا ہے۔

اسلام رحمت کے دامن اور کامرانی وکامیابی کا داعی ہے۔ وہ جب ایک مرد کو چار بیویوں سے عقد اور لاتعداد باندیوں سے ازدواجی

تعلقات کی اجازت دیتا ہے تو پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ اس کی اس تعلیم میں بجائے امن ورحمت کے بدامنی اور زحمت بن جائے۔ کامیابی وکامرانی کے برعکس پریشانی پیدا ہو۔ دراصل حقیقت یہ ہے کہ ہر عورت کے لئے چند حدود مقرر ہیں۔ جیسے میاں بیوی کے جدا جدا حدود ہیں اور جس طرح میاں بیوی اپنے اپنے فرائض اور حقوق کے ذمہ دار ہیں۔ بالکل اسی طرح ہر عورت اپنے حق اور فرض کی ذمہ دار ہے۔ پھر کسی عورت کو یہ حق حاصل نہیں ہوتا کہ وہ اپنے خاوند کی دوسری بیویوں سے نفرت اور غصہ کا اظہار کرے یا ان کی دشمن بن جائے اور جلتی رہے۔ یہ صرف نفسانی خواہش کی زیادتی اور بداخلاقی کا اثر ہے۔ ورنہ اگر گھر میں جب دو تین یا چار بیویاں ہوں تو اس سے اوّل گھر میں رونق ہوتی ہے یا دو چار مختلف معلومات اور قابلیت کی عورتیں آپس میں تبادلہ خیال کرتی ہیں۔ اپنے اپنے خیالات اور قابلیت سے گھر کا نقشہ بدل دیتی ہیں۔ جس کو کھانا پکانے کی دسترس ہو وہ باورچی خانہ کی انچارج بن جائے، جس کو سینے پرونے کی مہارت ہو وہ اس کام کو سنبھالے۔ اسی طرح کوئی گھر کی صفائی اپنے ذمے لے۔ کوئی بچوں کی نگہداشت کرے اور پھر ان میں جو حاملہ ہیں یا شیر خوار بچوں کی مائیں ہیں ان کو گھر میں بہت آرام کی ضرورت ہے، جو بغیر سوکن کے میسر نہیں آسکتا۔

کہنے کو کہا جاسکتا ہے کہ ساس اور نند بھی گھر کے معاملات میں مدد دے سکتی ہیں۔ لیکن نفس پرست اور بدکردار عورتوں نے اپنی ساس اور نند سے کب سلوک رکھا ہے۔ حقیقت دیکھو تو ایسی بدطینت عورت کو اپنے سوا کوئی اچھا نہیں لگتا، یہاں تک کہ خاوند بھی اچھا نہیں لگتا۔ اس کو بھی اپنی ضرورت اور اپنے گھر کے کام کاج کے لئے رکھ لیا جاتا ہے۔ لیکن اس کی عزت نوکر کے برابر بھی نہیں ہوتی۔ صبح شام اس سے لڑنا کوسنا اور اس کو دھمکیاں دینا عذاب بن جاتا ہے۔ مرد کو نہ کھانے کے وقت سکون ہوتا ہے نہ سوتے وقت آرام نصیب ہوتا ہے۔ ایک شریف مرد شاید اپنی عزت کی خاطر برداشت کرلے لیکن بعض بگڑ بیٹھتے ہیں۔ جھگڑا ہو جاتا ہے۔ مار پٹائی ہوتی ہے۔ بگاڑ اور روٹھنے کی نوبت آجاتی ہے۔ گاہے خاوند راضی ہو جاتا ہے، مگر عورت اپنی فطرت سے باز نہیں آتی۔ پھر اسی بدکرداری اور نفسانی خواہشات کے مظاہرے جن کی نوبت اکثر طلاق پر ہی ختم ہوتی ہے۔

حقیقت میں سوکن کوئی شے نہیں ہے۔ بلکہ اپنے اندر کا نفس ہی سوکن ہے۔ دو چار شریف زادیاں اپنے آپ کو کیوں دکھ پہنچائیں گی۔ ان میں سے ہر ایک زندگی کی مسرت کو جانتی ہو۔ اخلاقی قدروں سے واقف ہو اور خوفِ خدا اسے اپنی حدود سے باہر نہ نکلنے دے تو پھر جب ان کا نفس انہیں دھوکہ دے سکتا ہے اور نہ ہی ان کو سوکن (سوکان والی) ڈائن معلوم ہوگی۔ جب ہر مرد کو خدا تعالیٰ کے حضور میں اپنی زندگی، ایمان اور کردار کا جواب دینا ہے تو اس کو کیا پڑی ہے کہ دوسری عورت کے دھندوں میں ناجائز اپنے آپ کو پھنسائے اور فساد اور بداخلاقی اور گناہ کا مرتکب ہو۔ ہاں! بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ شریف زادیوں میں کمین زادی بھی آجاتی ہے، اس صورت میں اوّل تو خاندان ہی اس کا بندوبست کر دیتا ہے یا اس کو نکال باہر کرتا ہے۔ نہیں تو شریف زادیاں اس سے واسطہ نہیں رکھتیں اور وہ جھک مار کر خود ہی ان کی شرافت کو سمجھ پا جاتی ہیں۔

اگر دونوں صورتیں پیدا نہ ہوں تو شریف زادیوں کا فرض ہے کہ ایسی کمین زادی اور بے انصاف عورت سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے خلع کرالیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کے مطابق پہلے سے بہتر فرمادیں گے۔

﴿اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ﴾ فساد سے علیحدگی بہتر ہے۔ سوکن سے اس قدر نباہ ناممکن ہے کہ جس قدر اپنے مضبوط ایمان، استقامت عمل اور تزکیہ نفس میں جدوجہد کی ضرورت ہے۔ اس زندگی کا مقصد دائمی امن اور روحانی ترقی حاصل کرنا ہے۔ تاکہ انسان اللہ تعالیٰ کی احسن تخلیق کا نمونہ بن جائے اور یہ نہ ہو دائمی فساد اور نفسانی گندگی سے ضلالت کے گڑھے میں جا گرے۔ سچ تو یہ ہے کہ عورت کی صحیح زندگی کا معیار اور پیمانہ اس کی سوکن ہے۔ اگر وہ ایمان داری کے ساتھ اپنی سوکن کو اچھا بلکہ اپنے جیسا خیال کرے اس کے ساتھ انسانیت کا سلوک کرتی ہے تو خود بھی انسانیت

کی بڑی دعوے دار اور صحیح العقیدہ مسلمہ ہونے کا دعویٰ کرسکتی ہے جس کو کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں الصالحۃ کہا ہے، کا دعویٰ نہیں کرسکتی تو پھر ٹھیک ہے جو اس کا دل چاہے سوکن کے ساتھ سلوک کرے۔ اس کا اسلام سے کوئی تعلق نہ ہوگا۔

سوکن کے معاملہ میں خرابی اس وقت پیدا ہوتی ہے جب ایک عورت کے دل و دماغ میں خدا کا خوف نہیں ہوتا۔ وہ خدا کو خالق، مالک، سمیع بصیر، رازق اور قادر نہیں جانتی۔ اس کے ذہن میں یہ تصور نہیں ہوتا ہے کہ قسمت اور مقدر اللہ کی طرف سے ہے۔ زندگی بھی اسی نے دی اور موت بھی اسی کے اختیار میں ہے۔ بلکہ مر کر بھی اللہ تعالیٰ کے ہاں جانا ہے اور اپنے اعمال کا حساب دینا ہے۔ جب ایک عورت کا تصور ایمان اس قدر صحت مند ہو جائے تو لامحالہ وہ از خود الصالحۃ بن جائے گی۔ اس کا ہر عمل نیکی ہوگا۔ وہ دوسری عورت کو بھی اللہ تعالیٰ کی مخلوق اور اپنے جیسا خیال کرے گی۔ بلکہ اس کے انسان اور مسلمہ ہونے کی وجہ سے جو حقوق محسوس کرے گی۔ ان کو ادا کرے گی۔ میرا یہ چیلنج ہے کہ دُنیا کے کسی ملک میں چلے جائیں اور کسی قوم کا نفسیاتی مطالعہ کریں تو یقیناً یہ امر نمایاں طور پر سامنے آتا ہے کہ عورت جب کسی دوسری عورت سے سوکن کی حیثیت سے نفرت کرتی ہے تو خود اس کی نفسیاتی خواہشات میں تشدد اور طوفان ہوتا ہے۔ اس کو دولت کا لالچ ہو یا حکومت کا جذبہ یا مرد کی خواہش۔ بہرحال کوئی نہ کوئی نفسانی خواہش اندر ضرور کام کر رہی ہوگی۔ ورنہ اگر کوئی عورت نیک کرداری کا نمونہ اور مجسمہ الصالحہ ہو تو کوئی وجہ نہیں کہ دُنیا میں اس کو کسی قسم کا یا کسی سے ذرا بھی دُکھ پہنچ جائے۔ کیونکہ ہر گھڑی اپنے قادر وقوی اور قیوم کی طرف یقین ہوگا کہ اس کی مرضی کے بغیر کوئی اس کا بال بیکا نہیں کرسکتا اور نہ اس کی قسمت کے رزق اور مقدر کی دولت میں سے ایک رتی یا پائی ہتھیا سکتا ہے۔ سوکن تو رہی ایک طرف، دُنیا کی کوئی طاقت اسے ڈرا یا خوفزدہ نہیں کرسکتی۔ اگر خاوند بد اخلاق اور بدکردار ہے تو اس سے علیحدگی میں امن محسوس کرے گی۔

اکثر کہا کرتے ہیں کہ سوکن کبھی سہیلی اور بہن نہیں بن سکتی۔ مگر اکثر دیکھا گیا ہے کہ اکثر سہیلیاں سوکن بن گئی ہیں۔ سہیلیاں تو غیر ہوتی ہیں، بارہا دیکھا گیا ہے کہ سگی بہنیں سوکن بن گئیں۔ سکھوں میں تو عام رواج ہے اور ان میں جائز بھی ہے لیکن مسلمانوں میں دیکھا گیا ہے کہ ایک بہن کو طلاق دلوا کر اس کی جگہ خود مالک بن بیٹھیں۔ بہن کے خاوند سے ناجائز تعلقات کے واقعات بھی کچھ کم دیکھنے میں نہیں آتے۔ سب سے زیادہ سوکناپے کا جلاپا اس وقت دیکھا جاتا ہے جب بہن مر جاتی ہے اور اس کے کچھ بچے ہوتے ہیں۔ باپ اور دیگر رشتہ داروں خاص طور پر بچوں کے نانا اور نانی کا بھی خیال ہوتا ہے کہ بچوں کی خالہ ماں کی بہترین بدل ہوگی۔ لیکن خالہ جان جب والدہ صاحبہ بن کر گھر تشریف لاتی ہیں تو ان کا سوکناپا جاگ اٹھتا ہے۔ اپنی مرحومہ بہن کو دس دس گندی گالیاں دیتی ہے کہ ڈائن آپ تو مر گئی مگر اپنے دانت چھوڑ گئی (ڈائن کے دانتوں کے متعلق ہے کہ وہ جہاں جائیں فوراً خود بخود ڈائن بن جاتے ہیں)۔ بچوں پر ناقابل برداشت ظلم صرف اسی لئے کیا جاتا ہے کہ وہ سوکن کے بچے ہیں۔ خاوند ان کے ساتھ ذرا بھی شفقت سے بات کرے تو اس سے بے حد ناراضگی اور سختی کا اظہار کیا جاتا ہے۔ یہ سب کچھ کیا ہے، سوکن کے کارنامے نہیں ہیں، صرف نفسانی خواہش کی بے اعتدالی، بد اخلاقی اور زندگی کے حقائق سے ناواقفیت۔ صرف حیوانی جذبہ کی غلامی، ہر وقت ذاتی اغراض کا خیال، شرافت اور انسانیت کوسوں دور، رحم اور ہمدردی کا نام ونشان تک کوسوں نظر نہیں آتا۔ ایسی عورتوں کے لئے سوکن اور بہن سب برابر ہیں۔ جب لڑتی ہیں تو برسوں ایک دوسرے کی شکل دیکھنے کی روادار نہیں ہوتیں۔ اس امر سے ثابت ہوا کہ سوکن بری شے نہیں بلکہ وہ عورت جو سوکن کے نام سے جلتی ہے خود اس کے اخلاق اور کردار برے ہیں اور وہ نفسانی خواہشات کی بندی ہے۔

قرون اولیٰ میں خلفائے راشدین اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی دو دو چار چار بیویاں اور باندیاں الگ تھیں۔ کہیں سوکناپا اور جلن نظر نہیں آتا۔ آپس میں محبت تھی، حسن سلوک تھا، ایک دوسرے کو تحفے تحائف دیئے جاتے۔ ایک دوسرے کی خدمت کی جاتی تھی۔ بچے پالے جاتے تھے۔ کوئی جھگڑا نہیں، کوئی فساد نہیں۔ ہر عورت اپنے ایمان اور عمل کی ذمہ دار تھی۔ ہر ایک کو قیامت کے روز اپنے اچھے کردار کے پیش کرنے کا

خیال تھا۔ ہر عورت کو اپنے خاوند سے واسطہ تھا اور اسی سے نباہ تھا۔ جب خاوند حسب منشا ہو تو وہاں ایک سوکن کیا، تین عدد سوکنیں بھی ہو جائیں کیا فرق پڑتا ہے۔ مگر اس کے برعکس سوکن کا کردار یہ نظر آتا ہے کہ گویا سوکن کیا ہو سوتن ہو گئے اور ہر تن کے سوکان ہیں۔ دس جگہ لگاتی بجھاتی ہے تو بیس جگہ شکوہ اور غیبت ہے۔ کہیں جھگڑا فساد ہے تو کہیں گالی گلوچ اور اکثر جگہ نوبت مار کٹائی کے بغیر معاملہ ختم ہونے پر نہیں آتا۔ گویا زندگی اسی دُنیا میں جہنم اور مسلسل عذاب ہے۔ پھر اس تگ و دو اور دھینگا مشتی سے کہیں سوکن کا تصور ختم تھوڑا ہو جاتا ہے، بلکہ اس کا وہم اور جنون ترقی پذیر ہے۔ مرد پر ہر وقت شک کیا جاتا ہے، یہاں تک کہ ہر عورت کو شبہ کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ غیر تو کیا اپنوں سے ملنے پر پابندی عاید کر دی جاتی ہے۔ جہاں مرد پر ذرا شک گزرا فوراً اس عورت کو سوکن کہہ دیا۔ بغیر سوچے سمجھے گھر میں جھگڑا فساد کھڑا کر دیا۔ منت منٹ بعد روٹھنا اور بگڑنا نتیجہ مار کٹائی اور طلاق کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ یہ حقیقت روز روشن کی طرح ظاہر ہے۔ سوکن کا تصور سختی اور نفرت سے ختم نہیں ہو سکتا، بلکہ نیکی اور خوش کرداری سے یہ معاملہ خوش اسلوبی کے ساتھ حل ہو سکتا ہے اور سوکن زندگی میں جہنم اور عذاب کی بجائے رحمت اور سکھ بن سکتی ہے۔ لیکن اس امر کے لئے تعلیم اور خصوصاً تعلیم اسلام کی ضرورت ہے۔ جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا خوف اور روز جزا کا خدشہ بھی لگا رہے تو عورت کا صحیح کردار بن سکتا ہے۔ ورنہ اس کو اپنی زندگی میں دیگر عورتوں سے دوچار ہونے کے مواقع ہر وقت اور ہر گھڑی پڑے رہیں گے۔ سوکن نہ سہی ماں، بہن ساس نند اور ہمسائیاں سہیلیاں وغیرہ اگر وہ بد اخلاق اور بدکردار ہے تو ہر کسی سے بگڑ جائے گی اور اگر صالح اور خوش اخلاق ہے تو سوکن سے بھی نباہ کر جائے گی۔ گویا عورت کی صحیح زندگی کا معیار اس کی سوکن ہے۔ سوکن سے بھاگنا انسانیت نہیں بلکہ سوکن سے نباہ کرنا کمال انسانیت اور شرافت ہے۔ دُنیا بھی اسی عورت کی تعریف کرتی ہے جو سوکن سے نباہ کرنا جانتی ہے اور جو عورت سوکن پر ظلم کرتی ہے، کبھی کسی مرد بلکہ کبھی کسی عورت نے اس کی تعریف نہیں کی بلکہ ہمیشہ ظالم کہا ہے۔

سوتیلا پن

ہمارے معاشرے میں دوسرا گھناؤنا کردار سوتیلی ماں کا ہے۔ بالکل سوکن کی طرح دشمنی، جلن اور نفرت کا اظہار کرتی ہے۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ سوکن صرف اپنی سوکن کے بچوں سے یہی سلوک کرتی ہے اگر بنظر غور دیکھا جائے تو صاف پتہ چلتا ہے کہ سوکناپے ہی کے نتیجے میں سے یہ سوتیلی ماں کا کردار پیدا ہوتا ہے۔ یہ کردار بھی اتنا پختہ اور واضح ہو چکا ہے کہ اس کے لئے بھی کسی تربیت کی ضرورت نہیں، سوکن کا منہ دیکھا ہو یا نہ دیکھا ہو، مگر سوتیلے بچوں کو دیکھتے ہی سوتیلی ماں کا کردار خود بخود اُبھرتا ہے۔ دشمنی کے عجیب و غریب طریقے اختیار کئے جاتے ہیں۔ بچے سے نفرت اور اس کو ذلیل کرنا اوّلین بات ہے۔ کھلانے پلانے اور پہنانے میں دکھ اس کے آرام پر کڑی نگرانی، تعلیم پر بندش، نوکروں سے بڑھ کر ظلم و محنت، صبح و شام تک کام، اگر تھکن اور بیماری کی وجہ سے انکار ہو جائے تو مار، والد کو شکایت، ہمسایوں سے کہنا، آخر سوتیلا جو ہوا۔ لیکن اپنی دشمنی اور سخت نفرت کا ذرا بھی ذکر نہ کرنا۔ ہمیشہ یہی کہنا کہ مشٹنڈے کو جب بیٹھے بٹھائے روٹی ملے اور سلے سلائے کپڑے تو کام اس کا ٹھینگا کرتا ہے۔ حرام کی لگ گئی ہے۔ بدن میں چربی پیدا ہوگئی ہے۔ سؤر کی طرح پھول رہا ہے۔ چاہے وہ کتنا دُبلا پتلا ہو۔ ذرا وہ بات کرے تو فوراً کتے کا پلا (اگرچہ اس کے کتے باپ سے شادی کر کے خود کتیا بن چکی ہو)۔ ذرا سا بھی اس سے قصور ہو جائے تو الو کا پٹھا، گدھا کہیں کا، صبح ابھی اندھیرا ہوتا ہے اسے اٹھا دیا جاتا ہے اور اگر گرمی ہو یا سردی رات کو جب سو جاتے ہیں تو اس بے چارے کو سونا نصیب ہوتا ہے۔

ایسی عورتوں کے خاوند بھی ماشاءاللہ جنسی اندھے ہو جاتے ہیں۔ ان کو بھی اپنی بیوی کے سوا کچھ نظر نہیں آتا۔ کوئی اس کی بیوی کے عیب یا برائیاں کرے تو اس کو برا لگتا ہے۔ عام طور پر ایسی بیوی دوسری ہو یا تیسری، آنکھوں پر ایسی پٹی بندھی رہتی ہے کہ عورت ان کے سامنے برائیاں اور

خرابیاں کرتی رہے مگر وہ بری نہیں لگتی۔اس کی اولاد کے ساتھ جس قدر چاہے ظلم کرے، ان کو اپنی عورت کا اپنی اولاد پر رحم معلوم ہوتا ہے۔آخر ایک دِن نوبت یہاں پہنچ جاتی ہے کہ بیوی اس کے ذریعے اس کے بچوں کو باہر نکال دیتی ہے۔یا اتنا ظلم کرتی ہے کہ وہ خود بخود بھاگ جاتے ہیں۔پھر وہ ذات شریف ان کو بدنام کرتی پھرتی ہے۔

یہ امر بھی یاد رکھنا چاہئے کہ جو عورتیں اپنے سوتیلے بچوں سے سوتیلا پن کرتی ہیں وہ عورتیں اپنے خاوندوں سے اچھا سلوک نہیں کرسکتیں اور خاوند کے رشتہ داروں کے ساتھ بھی ان کا سلوک سوتیلے بچوں جیسا ہی ہوتا ہے۔ان کی فطرت پہلے ہی سے خراب ہوتی ہے اور پھر مسخ ہو جاتی ہے۔ان کی کوشش ہوتی ہے کہ بات بات پر خاوند کو بوڑھا کہے، چاہے وہ جوان اور خود کو بچی، چاہے ادھیڑ ہی کیوں نہ ہو۔اور سر کے بالوں میں سفیدی آ چکی ہو۔ہمیشہ یہی کہے گی کہ میرے ماں باپ نے مجھ پر ظلم کیا ہے۔تیرے جیسے نالائق کھوسٹ کے پلے باندھ دیا ہے۔ورنہ میرے لئے تو بڑے بڑے رشتے آ رہے تھے۔اس عورت کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ اس کا سارا گھر اور آمدنی لوٹ لے اور اپنے تقریباً دور نزدیک کے رشتہ دار بلا لیتی ہے۔ماں باپ، بہن بھائی تو اکثر گھر کا جز و بن جاتے ہیں جو عیش کے ساتھ دوسرا کام یہ کرتے ہیں کہ اگر کہیں ذرا بھی مرد نے کوئی جائز بات دریافت کرلی تو وہ اپنی بیٹی کی حمایت میں کھڑے ہو جاتے ہیں۔وہ (بیوی) بجائے صحیح جواب دینے کے عورتوں کا حربہ ''چلانا'' شروع کر دیتی ہے، یعنی رونے لگتی ہے اور پھر اپنے پھوٹے مقدروں کو یاد کرنا شروع کر دیتی ہے۔خاوند بے چارہ اپنا منہ لے کر بیٹھ جاتا ہے۔اگر ذرا بھی غیرت باقی ہے تو خون کے گھونٹ پیتا ہے اور صبر کرتا ہے۔لیکن پھر بھی اس کو اپنے گلے سے نہیں اُتارتا۔اگر کوئی کہے کہ بھائی تمہاری عورت بدکار ہے، تو آپ جواب دیں گے: لوگ جلتے ہیں، میرے گھر کی آبادی برداشت نہیں کر سکتے۔گویا لوگ ان کے دشمن ہیں۔اس سوکناپے کا اثر سوتیلی ماں سے گزر کر سوتیلے بہن بھائی تک پہنچ جاتا ہے۔جن کے لئے بعض اوقات ایسے خطرناک اور ہوشربا حربے ہوتے ہیں کہ انسان کی عقل و سمجھ کام نہیں کرتی۔

بعض دفعہ دیکھا اور سنا گیا ہے کہ انسان اپنے سوتیلے رشتے سے وہ سلوک اور ظلم کرتا ہے کہ وہ کبھی کسی حیوان سے بھی کرنے پر راضی نہ ہو۔یہ سب کچھ کیا ہے؟ صرف لالچ اور طمع اور خود غرضی اور غرور۔گویا انسان نفسانی خواہشات اور بدکرداروں میں اس قدر اندھا ہو جاتا ہے کہ احترام انسانیت اور مقصد آدمیت تک بھول جاتا ہے۔یہ سوکناپا اور سوتیلا پن معاشرہ پر نہ صرف ایک سیاہ دھبہ ہے بلکہ اس کو غیر صحت مند بنانے کا مرض ہے۔جس کے اسباب نفسانی خواہشات اور خود غرضی میں پائے جاتے ہیں۔اگر انسان ایمانداری سے سوچے اور سمجھے تو اس کو آسانی سے پتہ چل جائے گا کہ ہر انسان عورت یا مرد کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا۔موت بھی اس کے حکم سے ہوگی۔مقدر اسی نے بنایا ہے۔رزاق اور ضروریات زندگی کا بھی وہی ذمہ دار ہے۔انسان کے برے کردار اور بداعمال اس دُنیا اور آئندہ دُنیا میں اس کے لئے دُکھ اور عذاب کا باعث ہوں گے۔کیا کوئی شخص یہ ایمان داری سے بتا سکتا ہے کہ اس نے دُنیا میں جو برائیاں کی ہیں اور ظلم کئے ہیں اس کو ان کی روحانی یا جسمانی سزا نہیں ملی۔قیامت کے علاوہ یہاں بھی سزا ملتی ہے۔اس دُنیا کا مزاج بھی سزا اور جزا کے فطری اصولوں پر قائم کیا گیا ہے۔روح عالم ہر گھڑی اس کائنات کے ردّعمل کا عمل کرتی رہتی ہے۔جیسے جسم انسان کے کسی حصہ پر سوئی چبھ جائے یا جلن ہو جائے تو روح جسم انسانی فوراً اس حصہ کی اصلاح کے لئے جسم کے خون کو اس طرف روانہ کر دیتی ہے تاکہ اس کی سوزش اور جلن دور ہو۔ویسے ہی روحِ عالم اس دُنیا میں جہاں کہیں ظلم یا نظری اصولوں میں بے راہروی ہو فوراً کائنات کی طاقتیں ردّعمل کے لئے اس طرف اپنے افعال کو تیز کر دیتی ہے۔

یاد رکھنا چاہئے کہ اس دُنیا میں مکافات عمل کا قانون بڑی شدت سے جاری ہے۔جو کچھ انسانی نفس میں ہو رہا ہے وہی کائنات میں جاری اور ساری ہے۔شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب کہا ہے ؎

از مکافات عمل غافل مشو   گندم از گندم بروید جوز جو

آج تک کسی نے دیکھا ہے کہ کبھی ایک جنس سے دوسری جنس پیدا ہوگئی ہے یا کسی نے حنظل بو کر خربوزے حاصل کئے ہیں۔ یا نیم کا درخت اگا کر اس سے بیر حاصل کر لئے ہوں۔ کبھی نہیں بھولنا چاہئے کہ اس زندگی میں وہی سکھ حاصل کر سکتا ہے جو دوسروں کو سکھ پہنچاتا ہے اور فطری طور پر عمل کرتا ہے۔ اسی سزا اور جزاء کا نام اسلام نے دین رکھا ہے۔ اسلام کا دوسرا نام دین فطرت ہے۔ جس میں قیامت تک بالکل تبدیلی نہیں ہوگی۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آج کل اکثر لوگوں کا رجحان خاص کر عورتیں امریکہ اور یورپ کی تقلید اور مغرب پرستی کی طرف ہے۔ کیا امریکہ اور یورپ اور مغربی تمدن عورت و مرد کے جنسی تعلقات اور عورت کی آزادی کا صحیح حل پیش کرتا ہے۔ اس کا جواب خود ان کی تہذیب و تمدن کو دیکھ کر آسانی کے ساتھ حل کیا جا سکتا ہے۔ یورپ اور امریکہ کی تہذیب اور مغربی تمدن کوئی دو چار سالوں سے یا ربع اور نیم صدی کا قصہ نہیں ہے، بلکہ کئی صدیاں گزر گئی ہیں اور آج اگرچہ اس کا ستارہ پستی کی طرف جا رہا ہے مگر اس میں اس کے انتہائی عروج کے آثار قائم ہیں اور ابھی مشرق، اگرچہ وہ ترقی کی بے حد منازل طے کر چکا ہے۔ اس عروج پر نہیں پہنچا۔ پھر بھی نمایاں طور پر عورت مرد کے باہمی تعلقات اور عورت کی آزادی پر اچھی خاصی روشنی ڈال سکتا ہے۔ یاد رکھنا چاہئے کہ اس مسئلہ کا حل انسانی دُنیا کی نصف مخلوق یا کل مخلوق کا مسئلہ ہے۔ اس کی اہمیت کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ دُنیا کا کوئی خطہ ہو، متمدن اقوام ہوں یا وحشی ممالک، اس مسئلہ کو حل کرنے اور سلجھانے کی کوشش نہ کی ہو، بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جس قدر اس مسئلہ کو حل کرنے کی سعی مغرب اور موجودہ تہذیب و تمدن نے کی ہے۔ کسی قوم، ملک اور کسی زمانے میں نہیں کی گئی۔ ان کی کتب مطالعہ قوانین کے جاننے، سائنسی تجربات اور روزانہ زندگی سے سب کچھ عیاں اور ظاہر ہوتا ہے کہ اس نے اس مسئلہ کو حل کرنے کے لئے کیا جدوجہد کی اور کتنی تکلیف دہ منزلوں سے گزرنا پڑا ہے۔ اس مسئلہ کو حل کرنے کے لئے ایک طرف حکومت کی طرف سے پارلیمنٹ میں قوانین تیار ہو کر ناقص ہوتے رہے تو دوسری طرف ارباب کلیسا بڑے بڑے پادریوں اور اجتماع میں اپنی مذہبی تعلیم میں ترمیم و تنسیخ کے قلم چلاتے رہے اور ان کے علاوہ ادیب، شاعر اور صحافی و لیڈر اپنی شعلہ بیانی سے قوم اور ملک میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک برابر آگ لگاتے رہے ہیں اور ہر ملک میں سرکاری طور پر اصلاحی کمیٹیوں کے علاوہ غیر سرکاری مردانہ و زنانہ جماعتیں اور انجمنیں قائم ہوگئیں۔ کہیں حقوق ازدواج کی اصلاح پر زور دیا گیا اور کہیں عورت کے حقوق کے لئے آواز بلند کی گئی۔ ان باتوں کا اثر بہت گہرا پڑا۔ بہت کچھ ہوا اور ہو رہا ہے۔ ساتھ ساتھ پکار اور طلب بھی جاری ہے۔ مگر ان دو تین صدیوں میں کیا حاصل ہوا۔ حقوق ازدواج کا تعین ہو گیا؟ مرد کی تسلی یا عورت کی تشفی ہو چکی ہے؟ ہرگز نہیں۔ کیوں نہیں؟ حقیقت یہ ہے کہ حقوق کی اس شدید طلب میں تین باتیں بڑی حد تک رکاوٹ کا باعث رہی ہیں اور باوجود اس قدر ذہنی بیداری کے اب تک بھی بہت حد تک رکاوٹ کا باعث بنی ہوئی ہے۔

(۱) امریکہ اور یورپ کے ممالک میں اکثریت کا مذہب عیسائیت اور یہودیت ہے اور دونوں مذاہب میں عورت کے لئے کوئی مقام نہیں ہے۔ اس کو نہ صرف انسانی مقام سے گرا دیا گیا بلکہ اس کو ذلیل و حقیر اور قابل نفرت سمجھا گیا ہے۔

یہودیت کے عقائد میں عورت گناہ کی ماں اور بدی کا سرچشمہ ہے۔ اس نے حضرت آدم علیہ السلام کو جنت سے باہر نکالا تھا۔ یہ ہمیشہ مرد کو زندگی میں گناہ کی تحریک دیتی رہتی ہے۔ جس کے نتیجے میں وہ جہنم میں دھکیلا جاتا ہے۔ گویا شیطان کی سب سے بڑی آلہ کار ہے۔ اس دُنیا کے لئے سب سے بڑی لعنت اور مصیبت ہے۔ اس سے دور رہنے میں ہی اس دُنیا کا امن اور آخرت میں جنت کا حصول ممکن ہے۔

عیسائیت کے عقائد میں عورت کا تصور کچھ اس طرح پیش کیا گیا ہے کہ وہ شیطان کے آنے کا دروازہ، وہ شجر ممنوع کی طرف لے جانے والی، غذائی قانون کو توڑنے والی اور خدا کی تصویر مرد کو غارت کرنے والی ہے۔ بلکہ کبائر پادریوں نے عورت کے متعلق تصور یہاں تک بڑھا دیا ہے

کہ عورت ایک ناگزیر برائی ہے۔ ایک پیدائشی وسوسہ ہے۔ ایک مرغوب آفت، ایک خانگی خطرہ، ایک غارت گر دلربائی اور ایک زبردست مصیبت ہے۔

اگرچہ آج کل یورپ اور امریکہ میں مذہب کی حکومت ختم ہو چکی ہے اور اس کا ہلکا سا خاکہ باقی رہ چکا ہے۔ تاہم پادری اور مذہبی پیشوا اور وہ لوگ جو مذہبی تصورات میں گرفتار ہیں۔ آج بھی عورت کے متعلق اپنے مذہبی عقائد رکھتے ہیں اور اس امر کی تبلیغ کرتے ہیں۔ جبکہ عورت کی ناجائز آزادی نے ملک میں بے اندازہ خرابیاں پیدا کر دی ہیں اور مبلغوں اور لوگوں کو عورت کے خلاف زیادہ سے زیادہ کہنے کا موقع مل گیا ہے۔

(۲) یورپ کے سامنے کوئی معقول اور فطری معیار نہ تھا جس کو سامنے رکھ کر وہ مرد اور عورت کی آواز اور ان کے باہمی معاشرتی اور جنسی تعلقات کو منضبط کر لیتے۔ وہاں پر صورت عام طور پر یہی رہی ہے کہ جو جھگڑا اور مصیبت سامنے آتی اس کو رفع کرنے کے لئے قوانین بنانے کی کوشش کرتے رہے اور پھر اس قانون کو ختم کر کے اس کی جگہ دوسرے بنا دیتے اور بار ہا ان میں ترمیم و تنسیخ کرنے کی نوبت پیدا ہوئی اور یورپ کے مختلف ممالک میں مختلف قوانین بنائے گئے۔ اس سے بڑھ کر یہ ہوا کہ عیسائیت کے مختلف فرقوں نے عورت کے متعلق مختلف اقسام کے قوانین مرتب کئے اور باہمی اختلاف اس وقت سے جاری ہے اور عیسائی مذہب عورت کے لئے کوئی واضح صورت قائم نہیں کرتا۔ آخر عورت بلکہ مرد کو بھی اپنی آزادی کی خاطر مذہب کو خیرباد کہنا پڑا۔ جہاں تک قانون کا تعلق تھا وہ اپنی نامعقولیت اور بے مائیگی پر خود نالاں ہے۔ کیونکہ وہ مرد اور عورت کی خواہشات کا شکار ہو کر رہ گیا۔ اگر اس نے عورت پر مظالم دیکھے تو اس نے عورت کی بھلائی کی خاطر قانون وضع کر دیا اور جب مرد کی مجبوری دیکھی تو اس کی خاطر ایک جدا قاعدہ منضبط کر دیا۔ نتیجہ کچھ برآمد نہ ہوا۔ عورت روز بروز آزاد ہوتی گئی۔ مرد اس سے مستفید ہوتا گیا، گناہ ہوتا گیا اور دُنیا میں فساد اور مصیبت بڑھتی گئی۔ نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ قانون اپنی بے بسی پر چیخ اٹھا لیکن وہ مجبور ہے اور کچھ کر نہیں سکتا۔ اور اب قوم اس مقام پر پہنچ چکی ہے کہ واپس آنا مشکل ہے۔ سوائے تباہی کے نظر نہیں پڑتی۔ اس کا بچنا مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے۔ بہت جلد تباہی آنے والی ہے، جس کو روکا نہیں جاسکتا، کیونکہ جب ایک مرض اپنی حد سے گزر جائے تو جسم برداشت نہیں کر سکتا۔ پھر لازماً اس جسم کے لئے موت ہی ناگزیر ہوتی ہے۔

(۳) سائنس کا شوق اور آزادئ خیال کے جذبہ نے مرد اور عورت کے تعلقات اور ربط کو کسی صحیح مقام پر پہنچنے میں رکاوٹ پیدا کی۔ سائنس کے شوق اور آزاد خیالی کے جذبہ کی ابتداء تو بالکل صحیح اور فطری تھی کہ انسان کو توہم پرستی اور غلط قسم کی بندشوں سے چھٹکارا حاصل ہو جاتا مگر شوق اور جذبہ کے ساتھ ساتھ اگر حدود اور مقام کا تعین نہ ہو، عقل اور اخلاق کی قدروں اور اندازوں کو بھی نظر انداز کر دیا جائے تو لامحالہ انسان حیوانی جذبات اور نفسانی خواہشات کا شکار ہو جاتا ہے۔ یہی صورت یورپ اور امریکہ میں پیدا ہو گئی ہے۔ سائنسی شوق نے جہاں بحر و بر اور زمین و آسمان کے فاصلوں کو کم کر دیا ہے۔ مٹی، پانی اور ہوا سے گزر کر ستاروں کی دُنیا کے متعلق چھان بین کرنے لگے۔ جسمانیات میں جمادات، نباتات اور حیوانات کی تشریحات افعال اور خواص مرتب کر دیئے۔ یہاں تک کہ مادے میں ذرّے ذرّے بلکہ اجزائے تجزی کا سینہ چیر دیا اور ایٹم کی قوت کو آشکارا کر دیا اور دوسری طرف آزاد خیالی کے جذبہ، روح اور نفس کی آزادانہ تحقیق شروع کر دی ہے۔ جس کے ساتھ روح کی طاقت اور علم النفس کے تعین کی صورتیں پیدا ہوئیں مگر جب جسم نفسانی اور روح سے گزرے تو عقل و اخلاق کی حدود بھی پھاند کر نکل گئے۔ مذاہب کی تحقیق کے ساتھ ساتھ مذہب سے انکار کر دیا اور انتہا یہ کہ خالق دُنیا کا پیدا کرنے والا کوئی خدا نہیں۔ یہ خود بخود پیدا ہوئی ہے اور خود بخود چل رہی ہے۔

جس قوم اور فرد کی آزادی اور نفسانی خواہشات اپنے حدود اور مقام سے پھاند جائیں یا صراط مستقیم اور فطری راہوں کو چھوڑ دے اور بالکل ایسے معذور گھوڑے پر سوار ہو جائے جس کی نہ باگ ہاتھ میں ہو اور نہ اس کے رکاب میں پیر ہوں تو نتیجہ ظاہر ہے کہ آخر یہ گھوڑا یقیناً کہ ائی میں گرے گا یا پہاڑ سے ٹکرا جائے گا یا جنگل میں غائب ہو جائے گا۔ یورپ اور امریکہ نے گزشتہ تین سو سال میں جہاں مادی اور سائنسی انتہائی ترقیاں کی ہیں وہاں اخلاقی اور مذہبی معلومات میں تنگدلی اور تعصب کا ثبوت دیا ہے۔ بلکہ یوں کہنا چاہئے نفسانی خواہشات اور آزادی نے اس کو صحیح اور

صحت مند معاشرہ اور منزل کی طرف نہ آنے دیا۔ کیونکہ جہاں اس نے اپنی علمی، فنی، طبی، سیاسی و معاشرتی، اقتصادی و معاشی بنیادیں اسلامی تہذیب وتمدن اور ثقافت پر استوار کی تھیں اور ان پر بعض غلط قسم کے کاخِ بلند اور ایوان فلک بوس تعمیر کئے۔ لیکن اخلاق اور مذہب کی تجدید اور تعمیر میں اسلام کے نام سے ہمیشہ دور بھاگتا رہا۔ نتیجہ ظاہر ہے کہ اب یورپ اور امریکہ خود اپنی تہذیب وتمدن سے فنا ہو رہے ہیں۔ یہ فیشن پرستی یہ عریانی یہ جذباتی رومان یہ سمندر میں عریاں مخلوط آفتابی اور مہتابی غسل، باہمی رقص وسرود، مخلوط سوسائٹیاں، عریاں اور نیم عریاں تھیٹر سینما اور لٹریچر اور تصاویر، ریڈیو سے ہیجان انگیز گانے اور ڈرامے آخر کیا ہیں؟ تہذیب انسانی کو کہاں لیے جا رہے ہیں؟ ہمارے ہاں ایک طوائف بدنام تھیں، وہاں ہر گلی، ہر سڑک پر ہر پارک میں طوائف نظر آئیں گی۔ ہر ہوٹل ریسٹورنٹ اور شراب خانہ میں حاضر ملے گی۔ کیا شریف اور مقدس عورت کی آزادی کا یہی حال ہے کہ اس کی عصمت وعفت ہر مقام پر بکتی رہے۔ بلکہ اونے پونے نیلام ہوتی رہے۔ پھر کیا کوئی غیر مند مرد یا خود دار عورت گوارا کرے گی کہ ایسے ممالک اور اقوام کی پیروی کرے۔ البتہ نفسانی خواہشات کے بندوں اور پر خیال حیوانوں کے لئے زندگیوں کو برباد کرنے کا نادر موقع ہے۔

تہذیب یورپ نے مرد اور عورت کے تعلقات اور صحت مند معاشرہ کو استوار کرنے کے لئے تین نظریات کو مدنظر رکھا:

۱. مرد اور عورت کے حقوق اور مقام میں مساوات۔
۲. مرد اور عورت کی سیاسی اور معاشی آزادی۔
۳. مرد اور عورت کا آزادانہ معاشرتی میل ملاپ۔

لیکن یہ تینوں نظریے صرف اصول بن کر رہ گئے ہیں۔ لیکن آج تک ان میں کوئی عقل اور اخلاقی حدود کا تعین نہیں کیا گیا جس کے نتیجہ میں حسن کا وہ حشر ہوا کہ عشق بھی دانتوں میں انگلی دبائے دور کھڑا دیکھتا رہ گیا کہ عورت کو اپنے حقوق اور مقام کا تو خیال ہے لیکن فرائض بھول گئی۔ سیاسی اور معاشی آزادی کی طرف دوڑتی رہی لیکن سنجیدگی اور وقار کھو بیٹھی۔ آزادانہ معاشرت اور میل ملاپ میں اپنی عصمت اور عفت کو قربان کر گئی۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ آج تک مساوات وآزادی اور وقار کا صحیح مقام اور مرتبہ حاصل نہ کر سکی۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ بوڑھا جان بل اور خستہ انکل ٹام اس کھوکھلے پن پر ہنس رہے ہیں۔

یورپ اور امریکہ کے مندرجہ بالا اصول جن میں وہ ہزار جدوجہد سے بھی ناکام ہیں۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا مشرقی خاص طور پر ایک مسلم عورت یورپ اور امریکہ کی تہذیب وتمدن اور قانون پر زندگی گزارتے ہوئے شمع محفل بننے کی غرض سے آزاد اور عریاں بننا چاہتی ہے جس کا نہ کوئی گھر بار اور نہ کوئی ٹھکانہ ہے وہ ہوٹلوں میں زندگی گزارتی ہے اور ہسپتالوں میں مرتی ہے۔ جس کے بعد یہ خاندانی شرف اور فضیلت اور روایات کا بقا اور نہ نسل انسانی (اولاد) کی تربیت یا مشرقی اور مسلم عورت (باوجود اس کے حقوق کی نفی کی جا رہی ہے)۔ جو گھر کی مالکہ ہے خاوند اس کا ساتھی ہے۔ اولاد پر اس کی حکومت ہے۔ ماں باپ کی نگاہ میں اس کے لئے بے حد عزت ہے۔ اس کی انفرادی ہستی ہے۔ اس کا الگ سرمایہ ہے۔ اس کا جدا ورثہ ہے۔ اس کی پیدائش پر بسم اللہ پڑھی جاتی ہے۔ اس کی شادی پر شادیانے بجائے جاتے ہیں اور اس کی موت پر گھر بھر ماتم کدہ اور بعض صورتوں میں شہر بھر رنج وغم کے سمندر میں غرق ہو جاتا ہے۔

ہمارے لئے سب سے مشکل یہی سوال ہے کہ عورت کو یورپ اور امریکہ کے قوانین زندگی سے نوازا جائے یا اسلامی دستور حیات سے مرتبع کیا جائے۔ حیرت ہے کہ عورت کو موجودہ تہذیب وتمدن نے اس قدر رفتہ اور پریشان کر دیا ہے کہ وہ ان دونوں میں سے کسی کو اپنانے کی جرأت نہیں رکھتی۔ کیونکہ مغرب کی آزادی اور تعلیم کے بعد اس کا کردار گناہوں میں اور عصمت وعفت خطرے میں پڑ جاتی ہے وہ نہ گھر کی رہتی ہے اور نہ گھاٹ کی۔ اسلامی نظام حیات میں وہ حقیقی زندگی سے اس قدر دور جا چکی ہے کہ وہ گھر کی چار دیواری کی لذت، اولاد کی محبت اور اپنے فرائض کی

ادائیگی سے بھاگتی ہے۔ وہ کرے تو کیا کرے۔ مغربی ماحول اور اسلامی تعلیم سے بے قاعدگی اس کو بھٹکائے پھرتی ہے۔ اس کے اپنے ذہن میں زندگی کا کوئی خاص تصور نہیں ہے اور نہ اس کا دماغ اپنے لئے کوئی دستور مرتب کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ ان پر کیا منحصر ہے۔ مردوں میں بھی یہ قابلیت نہیں ہے کہ وہ زندگی کا صحیح دستورِ عمل مرتب کر سکیں جو ہر زمانہ اور ہر دور کے لئے مفید انسانیت ہو۔ اسی لئے مافوق انسان اور فطرت کی طاقت (نبوت) کی طرف رجوع کیا گیا ہے اور نبوت خود بھی یہ دعویٰ کرتی ہے کہ یہ قوانین اس کی طرف سے نہیں ہیں۔ بلکہ اس کا فرمان ہے کہ یہ قوانین خالق زندگی و کائنات اور مالک جزاء وسزاء اور رب العالمین کی طرف سے ہیں۔ کیونکہ وہ زندگی کائنات اور عمل ردّعمل کا خالق و مالک ہے۔ جو زندگی و کائنات اور عمل کی ربوبیت کا ذمہ دار ہے۔ وہ ہمارے لئے صحیح زندگی کی قدروں اور صحت مند معاشرہ حیات کا قائم رکھنے والا ہے۔ اس لئے کوئی اگر یہ دعویٰ کرتا ہے کہ وہ دستورِ حیات بنا سکتا ہے، تو وہ غلط فہمی اور بہت بڑے اندھیرے میں غرق ہے۔ آج بھی قرآن حکیم کا دعویٰ اپنی جگہ قائم ہے کہ ایسی ایک آیت بھی تمام دُنیا کے لوگ مل کر نہیں بنا سکتے۔ یہ آیات کیا ہیں۔ اپنے حسن بیان کے ساتھ ساتھ زندگی و کائنات اور عمل ردّعمل کے قوانین ہیں۔ جب آج بھی قرآن حکیم کا چیلنج کوئی قبول نہیں کر سکتا تو پھر اس کے مقابلے میں دستورِ حیات مرتب کون کر سکتا ہے۔ دُنیا کے سامنے مغربی اصول (روز بروز بدلنے والے) اور اسلامی قانون (جن میں تبدیلی ناممکن ہے) ہیں۔ عقل منداور صاحب بصیرت خود فیصلہ کرلیں کہ کونسا دستور انسانی زندگی کے لئے مفید ہو سکتا ہے۔ یہ یاد رکھنا چاہئے کہ زندگی ناپنے کا پیمانہ جذبات نہیں ہیں، بلکہ عقل ہے اور عقل بھی اس اس وقت کام کرتی ہے، جب اس کے سامنے تصورات پیش کئے جائیں تا کہ وہ تصدیقات کرتی جائے اور سورج کی گردش کے مطابق نہیں ہوگی۔ وہ کبھی بھی اس کا ساتھ نہیں دے گی۔ اس طرح جو زندگی اپنے عمل اور ردّعمل میں غیر ارتقا اور فطرت کے مطابق ہوگی وہی صحیح زندگی ہوگی اس کے مطابق جو قوانین ہوں گے وہی صحیح دستورِ حیات ہوگا۔

مساوی حقوق

مغربی تہذیب کا خلاصہ یہ ہے کہ عورت مرد کے برابر حقوق چاہتی ہے یعنی وہ ہر شعبہ زندگی میں مرد کے برابر چلنا چاہتی ہے۔ یہ ایک بہتر جذبہ ہے۔ مگر سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ

1. کیا عورت اپنی جنسی بناوٹ، جسمانی بناوٹ اور نفسیاتی ترکیب کی وجہ سے اپنے اندر یہ مقدر پاتی ہے کہ وہ مرد کے مساوی حقوق حاصل کر سکے یا مرد کے برابر زندگی میں دوڑ دھوپ کر سکے۔
2. کیا موجودہ سائنس اور مغرب کا ذہین طبقہ (جس میں خود عورت کا دماغ بھی شریک ہے) اور یورپ کا قانون اس امر پر متفق ہے کہ عورت کے حقوق مرد کے برابر ہوں۔
3. کیا دنیا میں ایسی مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں کہ عورت نے کسی زمانہ میں جبکہ اس کو مکمل آزادی تھی (یہاں تک کہ وحشی دور میں بھی) ایسے کارنامے کئے جن کی وجہ سے وہ مردوں پر فوقیت لے گئی۔

جہاں تک پہلے سوال کا تعلق ہے۔ یہ چیز ڈھکی چھپی نہیں ہے جیسا کہ ہم گزشتہ صفحات میں لکھ آئے ہیں کہ عورتوں کے اعضاء اس قدر نازک، ذہن حساس اور جنسی اعضاء کی ترکیب ایسی پیچیدہ ہے کہ وہ مردوں کی طرح محنت اور مشقت برداشت نہیں کر سکتیں۔ اگر وہ ایسا کرنا چاہے تو کر سکتی ہے مگر اس میں نسائیت باقی نہیں رہے گی۔ اس کے اعضاء مضبوط ہو جائیں گے، ذہنی نزاکت مفقود ہونا شروع ہو جائے گی اور جنسی ترکیب کا توازن بگڑ جائے گا۔ نہ ہی اس کی ماہواری باقاعدہ رہے گی اور نہ ہی اولاد پیدا کرنے کے قابل رہے گی۔ بلکہ اس کے دِل و دماغ سے اولاد کی

محبت بھی بہت کم ہوجائے گی اور گھریلو نگرانی کی صلاحیت تقریباً مفقود ہوجائے گی۔ مزدور اور محنت کش عورتوں میں ان مثالوں کا بغور معائنہ کیا جاسکتا ہے۔ آج کل اس قسم کی خبریں اخباروں میں عام پڑھی جاتی ہیں۔

دوسرے سوال کے جواب میں کہا جاسکتا ہے کہ سائنس، فلسفہ اور قانون تینوں یک زبان ہیں کہ عورت کسی بھی حیثیت سے مردوں کے برابر نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ اس میں تخلیقی قاعدوں کی رو سے ایک قسم کی انفرادیت پائی جاتی ہے۔ اگر وہ اپنی انفرادیت کو چھوڑتی ہے تو وہ جنس عورت نہیں رہتی۔ جس طرح بھینس کو بجائے نسل کشی اور دودھ حاصل کرنے کے اگر ہل کھیتی باڑی کے کام میں جوت دیا جائے تو وہ بھینس نہیں رہ سکتی البتہ وہ مادہ سانڈ ضرور بن جائے گی۔ یہ سب مسائل بہت دقیق اور طویل ہیں۔ اگر ہر مسئلہ پر تفصیل سے لکھا جائے تو جدا کتب تصنیف کرنا پڑیں گی۔

جہاں تک تیسرے مسئلہ کا تعلق ہے تو تاریخ گواہ ہے کہ پتھر، پیتل اور دشت کے زمانے سے لے کر تمام تہذیبوں سے گزر کر کوئی ایسا کارنامہ سامنے نہیں آتا جن میں عورتوں کی مردوں پر فوقیت یا کم از کم برابری کا دعویٰ ثابت ہو۔ جہاں تک ان کی انفرادی کامیابی کا تعلق ہے۔ چاہے وہ ذہنی ہو یا جسمانی، علمی ہو یا فنی، اخلاقی ہو یا معاشرتی، یہ سب درجہ بدرجہ طبقہ نسواں میں قابل عزت اور وقعت سے دیکھی جاتی ہے۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ بعض عورتوں کا درجہ بعض مردوں سے اپنی قابلیت اور عزت کی وجہ سے بلند نہیں ہے۔ اور ضرور ہے مگر کلی طور پر عورت کو مرد پر فوقیت نہیں ہے۔ بعینہٖ جس پر کہا جاتا ہے کہ بعض انسانوں کا درجہ بعض فرشتوں سے بھی افضل ہے لیکن کلی طور پر انسانوں کو فرشتوں پر افضیلت حاصل نہیں ہے کیونکہ انسان کی تخلیق خاک سے ہے اور فرشتہ کی نور سے ہے۔ یہی تخلیقی فرق ہے جو ہر انسان کو ہر حیوان سے افضل کرتا ہے۔ چاہے وہ حیوان کتنا ہی تربیت یافتہ، کائنات اور زندگی میں اہم ہو۔ اس کو کس قدر بلند درجہ دے دیں اور اس کی خدمت اور نگرانی انسانوں سے زیادہ کریں بلکہ اس کی خدمت کے لئے انسانوں کو مقرر کردیں۔

لیکن اس کی کون وتخلیق کی وجہ سے وہ حیوان کبھی بھی انسان سے افضل نہیں ہوسکتا بلکہ برابری کا دعویٰ نہیں کرسکتا۔ یہی صورت مرد اور عورت کی مساوات میں نمایاں ہے کہ دونوں کی تخلیق میں غیر معمولی فرق ہے اور دُنیا کا کوئی بھی صاحب بصیرت مرد اور کوئی بھی عقل مند اور ذہین عورت اس فرق کو دور نہیں کرسکتی۔ یہ خداوند کریم کی تخلیق ہے۔ انسان کی ذاتی صفت اور کاریگری نہیں ہے۔

مگر ''عورت کو یہ حق حاصل ہے وہ جب تک قاضی اور مذہبی عدالت کی طرف رجوع کرے خلع اور طلاق نہیں ہوسکتی''۔ اصل میں یہ الزام بھی اسلام کے خلاف پراپیگنڈہ ہے۔ کیونکہ پراپیگنڈہ کرنے والے اوّل تو حقیقی اسلام اور صحیح مسلمان سے واقف نہیں ہوتے اور ان لوگوں کے اعمال کو اسلامی تعلیمات کہہ دیتے ہیں جو خود نام کے مسلمان ہیں اور اسلام بشرطیکہ کوئی انتہائی خوفناک صورت سامنے نہ ہو جس سے معاشرہ میں فساد کا باعث پیدا ہونا ممکن ہو۔ دوسرے طلاق کی تمام شرائط اس کے سامنے ہوتی ہیں۔ مثلاً:

۱۔ حق مہر ادا کرنا۔
۲۔ جو کچھ بیوی کو دیا ہوا ہے واپس نہ لینا۔
۳۔ طلاق کے دنوں میں بیوی کو تین ماہ تک گھر رکھنا۔
۴۔ جب تک حیض سے فارغ نہ ہو طلاق نہ دینا۔
۵۔ طلاق کے دوران کا تمام خرچ برداشت کرنا۔
۶۔ طلاق کے بعد رخصت کرتے وقت اس کو راضی اور خوشی روانہ کرنا وغیرہ۔

اور ان تمام شرائط کے برعکس عورت کو صرف چند گھنٹے صرف کرنے پڑتے ہیں۔ وہ قاضی اور عدالت کے سامنے جا کر اپنا خلع طلب کرلیتی

ہے یا مرد کو اپنا حق مہر اور اس کا دیا ہوا مال واپس کر کے یا جس طرح بھی چاہے راضی کر کے فوراً اس سے طلاق حاصل کر سکتی ہے۔ ذرا انصاف سے دیکھا جائے کہ کیا صحیح العقیدہ اور صحیح العمل مسلمان کو طلاق دینے میں زیادہ وقت سرمایہ اور وقت برداشت کرنی پڑتی ہے۔ یا ایک عورت کو اس کے مقابلے میں زیادہ سہولتیں حاصل ہیں۔ جو لوگ تنگ کرنے کی وجہ سے عورتوں کو لٹکائے رکھتے ہیں وہ کس قسم کے مسلمان ہیں اور ان کا تعلق اسلام کے ساتھ کہاں تک کیا جا سکتا ہے۔ یہ خود غور کر لینا چاہئے۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ حکومت کا فرض ہے کہ وہ عورت کے لئے خلع حاصل کرنے سے زیادہ سے زیادہ سہولتیں مہیا کرے تاکہ اس کے ذہن میں اسلامی مسئلہ ازدواج کے خلاف نفرت اور غلط خیال نکل جائے اور وہ کم سے کم وقت میں زیادہ سہولت کے ساتھ خلع حاصل کرے۔ بجائے اس اہم ضرورت کے حکومت کو مسئلہ ازدواج پر نہ تو اہم پابندیاں لگانی چاہئیں اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کے احکام میں ترمیم و تنسیخ کرنی چاہئے۔ نئے قوانین وضع کرنا دور از بحث ہے بلکہ گناہ کی حدود میں داخل ہوتا ہے۔ غلط قسم کے لوگ حکومت کو ایسا کرنے کے لئے مشورہ دیتے ہیں۔

جاننا چاہئے کہ انسان کس قدر بھی ذہنی اور علمی طور پر اعلیٰ وارفع مقام پر پہنچ جائے وہ کبھی بھی مقام نبوت کا احاطہ نہیں کر سکتا۔

اور پھر نبوت کے فیصلے جو اللہ تعالیٰ کی تعلیم کے تحت کئے گئے ہیں۔ ان کا کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا کہ اس مقام کو ایک انسان سمجھ لے۔ پھر خداوند کریم اور اس کے رسول مقبول رحمۃ اللعالمین ﷺ کے مقابلے میں قوانین وضع کرنا یا ان میں ترمیم و تنسیخ کرنا کہاں تک قابل قبول ہو سکتا ہے۔ جو غیر مسلمان اسلام کے مسئلہ ازدواج پر اعتراض کرتے ہیں وہ اپنے مذہب میں اس مسئلہ کا حل تلاش کریں یا تیرہ سو سال کے قریب اس مسئلہ سے متعلق جو قوانین بنائے گئے ہیں ان کا اسلام سے مقابلہ کریں۔ انشاء اللہ اسلامی قوانین کو فوقیت اور افضلیت حاصل ہوگی۔

مردانہ امراض

شیخ الرئیس نے امراض اعضائے تناسل مردانہ میں صرف ضعف باہ کو لکھا ہے اور پھر اس کو تقسیم در تقسیم بیان کیا ہے۔ اس نے ایسے امراض کو جو مرد اور عورت میں مشترک ہیں، مردانہ امراض میں شامل کیا ہے۔ پھر ضعف باہ کی دو وجوہ بیان کی ہیں:

1. شہوت کا ضعف ہو جانا، یعنی رغبت شہوت میں ضعف واقع ہو جانا جو حقیقت میں کثرت جماع کے باعث ہے۔
2. عضو خاص میں (نائزہ) کا ڈھیلا ہو جانا۔ یعنی عضو خاص کی ایسی حالت ہونا جس سے یہ عضو جماع کے وقت نہ حرکت کرے اور نہ اس میں انتشار پیدا ہو۔

پھر وجہ اوّل (ضعف شہوت) کی اٹھارہ سے زائد اقسام بیان کر دیئے۔ اگر ہم ان تمام اسباب کے تحت ضعف شہوت کے متعلق لکھیں تو طوالت کا باعث ہوں گے اور طالب علم بھی ضعف باہ کے علاج میں پورے طور پر قدرت حاصل نہیں کر پاتا۔ کیونکہ وہ ان کے حقائق پر پوری طرح دسترس نہیں کر پاتا۔ اس لئے ہم نے ان تمام اسباب کو صرف دو اسباب میں تقسیم کر دیا ہے:

1. خون کے امراض۔
2. منی کے امراض۔

اگر شیخ الرئیس کی دوسری وجوہ عضو مخصوص کا ڈھیلا ہونا ہو تو کل صرف تین صورتیں بن جاتی ہیں۔

جاننا چاہئے کہ خون کے امراض سے ہماری مراد یہ ہے کہ خون کی پیدائش اور اس کے کیمیائی تغیرات یعنی خون کی کیفیات و مزاج اور اخلاط ارواح میں خرابی سے ضعف باہ کا پیدا ہونا۔ اسی طرح منی کے امراض سے ہماری مراد یہ ہے کہ منی کے بننے سے لے کر رغبت شہوت پیدا ہونے تک مختلف علامات پیدا ہو کر ضعف باہ پیدا کر دیتی ہیں۔ کیونکہ جو غذا ایک انسان کھاتا ہے اس کے ہضم ہونے سے لے کر خون بننے تک بلکہ منی بننے سے لے کر رغبت جماع اور شہوت پیدا ہونے تک جو خلطی و کیمیاوی اور کیفیاتی و روحانی تغیرات پیدا ہوتے ہیں وہ سب رغبت جماع اور شہوت کے ضعف میں شریک ہیں۔ اس طرح وہ طوالت چند مشہور اسباب و علامات میں باقی رہ جاتی ہے جس پر اگر طالب علم پورے طور پر دسترس حاصل کر لے تو وہ پورے طور پر قدرت حاصل کر لیتا ہے۔ کیونکہ اس کے سامنے صرف تین ہی صورتیں رہ جاتی ہیں:

1. خون کے امراض کا ضعف باہ پر اثر۔
2. منی کے امراض سے ضعف باہ پر اثر۔
3. استرخائے عضو مخصوص سے ضعف باہ میں خرابی کا پیدا ہو جانا۔

اس طرح وہ بہت جلد صحیح تشخیص سے علاج کر سکتا ہے۔

(۱) خون کے امراض سے ضعف باہ پر اثرات

خون کے امراض وہی ہیں جو نظام غذائیہ و نظام ہوائیہ اور نظام دمویہ کے نقائص سے غذا کے ہضم، خون کی پیدائش، اس کی کیفیات و مزاج اور اخلاط وارواح میں خرابیاں ظاہر ہوتی ہیں۔ ان کا قوت باہ پر بالواسطہ اثر پڑتا ہے۔

ضعف باہ کے علاج میں سب سے پہلے انہی امراض کو دیکھیں۔ ان کو دیکھنے سے یہ تمام اعضاء و نظام اور خون کی پیدائش کیمیاوی تغیرات فوراً سامنے آجاتے ہیں۔ گویا ضعف باہ کے علاج میں یہ پہلا قدم ہے۔

(۲) منی کے امراض سے ضعف باہ پر اثرات

منی کے امراض وہی ہیں جو نظام بولیہ و نظام منویہ اور نظام عصبیہ کے نقائص سے منی کی پیدائش، اس کی کیفیت و مزاج اور ضمیر و روح میں خرابیاں ظاہر ہوتی ہیں۔ ان کا قوت باہ پر بلاواسطہ اثر پڑتا ہے۔ ضعف باہ کے علاج میں ان امراض کو مدنظر رکھنا نہایت ضروری ہے۔ ان کی طرف توجہ دینے سے تمام اعضاء و نظام اور منی کی پیدائش و کیمیائی تغیرات فوراً سامنے آجاتے ہیں۔ ضعف باہ کے علاج میں یہ دوسرا قدم ہے۔ لیکن طوالت کے خوف سے ہم یہاں پر ان کے علاج کو بھی نظرانداز کرتے ہیں۔ ان کو ہماری دیگر کتب میں دیکھیں۔ البتہ منی کے نقصان سے جو اثر عضو مخصوص کے استرخاء (ڈھیلے پن) پر پڑتا ہے۔ اس کے لئے ایسی ادویات و اغذیہ کا ضرور ذکر کریں گے جن سے اس کی پیدائش میں کثرت ہوتی ہے۔ تاکہ ضعف باہ کے علاج میں کمی باقی نہ رہ جائے۔ جو ہمارا مقصد ہے۔

(۳) استرخائے عضو مخصوص سے ضعف باہ

مردانہ امراض میں ضعف باہ کی یہ صورت (استرخائے عضو، قضیب کا ڈھیلا ہوجانا) ایک بے حد خوفناک بلکہ دردناک صورت ہے۔ اس کا سبب کچھ ہی کیوں نہ ہو لیکن ایک انسان کے سامنے استرخائے عضو مخصوص ہی ضعف باہ ہے۔ وہ خون اور منی کے امراض کو نہ سمجھتا ہے اور نہ اس کو دیکھنے اور سمجھنے کی ضرورت ہے۔ وہ ضرورت یا خواہش جماع کے وقت محسوس کرتا ہے کہ اس کی انتہائی کوشش کے باوجود اس کو نعوظ (انتشار اور شہوت) نہیں ہوتا۔ بس وہ اسی کو ضعف باہ اور نامردی خیال کرتا ہے اور اس کو ہر ممکن طریقے سے فوراً دور کرنے کو تیار رہتا ہے۔ گویا یہ اس کا سب سے قیمتی سرمایہ ہے۔

نامردی اور ضعف باہ کے جس قدر مریض اس خاص صورت (استرخائے عضو مخصوص) میں پائے جاتے ہیں، اس قدر اور کسی صورت میں نہیں پائے جاتے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عوام سوائے اس صورت کے اور کسی صورت کو نامردی سمجھ ہی نہیں سکتے۔ اور اسی کے لئے بکثرت معالجین کے پاس جاتے ہیں۔

اس سے کم درجہ کی ایک اور صورت کو بھی عوام نامردی (ضعف باہ) خیال کرتے ہیں۔ اس میں خواہش جماع بہت تیز ہوتی ہے۔ کسی قدر انتشار اور شہوت بھی ہوتی ہے۔ لیکن نعوظ (ایستادگی) بہت کمزور ہوتا ہے۔ اور ساتھ ہی دخول سے قبل یا دخول کے ساتھ ہی انزال ہوجاتا ہے۔ یہ صورت اگرچہ نامردی سے کم درجے کی صورت ہے لیکن یہ ممکن ہے کہ اس صورت کے بعد مکمل نامردی ہوجائے۔ اس کم درجہ کی صورت کو ہم اگر نامردی کا ایک مقام تصور کرلیں تو انتشار و انزال کے وقفوں کی کمی بیشی کو نامردی کی کمی بیشی خیال کرسکتے ہیں۔ یہ تمام صورتیں ایک مریض میں بھی مدتوں ایک صورت میں رہتی ہیں اور اکثر جلد ہی مکمل نامردی کی صورت اختیار کرلیتی ہیں۔ ہاں! اگر کبھی اچھا ماحول و اچھی غذا اور مسرت نصیب ہوجائے یا کوئی قابل معالج یا صحیح دوا میسر آجائے تو یہ مرض مکمل طور پر دور ہوجاتا ہے اور مریض کامل مرد بن جاتا ہے۔

بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ نعوظ (شہوت) بہت اچھی طرح ہوتا ہے اور انسان خیال کرتا ہے کہ وہ جنسی طور پر صحت مند ہے۔ جماع میں اسے کوئی دقت پیش نہ آئے گی۔ مگر جب ارتکاب کرتا ہے تو کیا دیکھتا ہے کہ دفعتاً قضیب ڈھیلا ہو گیا ہے اور دخول کی نوبت تک نہیں پہنچی۔ ایسی صورت میں کبھی انزال ہو گیا اور کبھی بغیر انزال کے عضو ڈھیلا ہو جاتا ہے۔ اس کی وجہ ممکن ہے کوئی ذہنی پریشانی یا جذباتی مشکل ہو۔ بہرحال نفسیاتی طور پر شہوت کے بعد اس کا یہ خیال کرنا کہ وہ جنسی طور پر صحت مند ہے اور وہ جماع پر قادر ہو جائے گا۔ حقیقت میں اس کا یہ خیال ضعف باہ کی طرف دلالت کرتا ہے۔ جنسی صحت مندی وہ قوت ہے کہ اس کی شدت نہ ایسا خیال کرنے کی مہلت دیتی ہے اور نہ روکے رکھتی ہے۔ ایک طوفان کی طرح گزر کر تھمتی ہے۔ دراصل یہ صورت بھی کم درجے کی نامردی (ضعف باہ) ہے۔

یہ کم درجے کی نامردی عام طور پر ان لوگوں میں پائی جاتی ہے جو نوجوانی میں کثرتِ جماع، اغلام بازی اور جلق کا شکار رہتے ہیں۔ البتہ ان میں بعض ایسے ادھیڑ عمر اور متوسط عمر کے لوگ بھی شریک ہوتے ہیں جن کا زیادہ وقت علمی، مذہبی اور دماغی محنت میں گزرا ہو اور جنہوں نے جنسی لذت و لطف کی طرف سے طبیعت کو سختی سے روکے رکھا ہو اور ان کے ذہنی رجحانات کم یا بدل گئے ہوں۔ لیکن جب شادی ہو جاتی ہے تو ایسے تلخ نتائج سامنے آ جاتے ہیں۔ ایسی حالت میں وہ اپنی زندگی کو ایک غیر علمی، دین سے دور اور ادارہ مزدور سے بہت کم تصور کرتا ہے اور اپنی جوانی خرچ کر کے جو قیمتی سرمایہ حاصل کیا ہے، اس کو فضول خیال کرتا ہے۔ ایسے شخص کی خواہش جماع ہوتی ہے بلکہ زیادہ بڑھ جاتی ہے اور جماع کو جی بے قرار ہوتا ہے۔ مقوی اغذیہ وادویہ اور دیگر تحریکات سے نعوظ حاصل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ مگر اکثر سخت ناکامی ہوتی ہے۔ یہی صورتیں استرخائے عضو مخصوص کی ہیں۔ نامردی اور ضعف باہ میں اسی صورت کو دور کرنا ہی اس کا حقیقی علاج ہے۔

جلق

جلق کسے کہتے ہیں؟

ہاتھ کی حرکت سے منی کا خارج کرنا۔ جسے عربی میں ''استمنا بالید'' کہتے ہیں۔ فارسی میں ''مشت زنی''۔ یہی نام عرف عام میں بھی بولا جاتا ہے۔ ہندی میں ''ہتھ رسی'' اور انگریزی میں ''ماسٹربیشن'' کہتے ہیں۔ یہ فعل عام طور پر ہاتھ کی مٹھی سے کیا جاتا ہے۔ مگر بعض دفعہ چمڑے کی تھیلی یا تکیوں کی مدد سے بھی کیا جاتا ہے۔ یہ بھی سنا ہے کہ فرنگی عیاش ایک قسم کی ربڑ کی لاعبہ (گڑیا) سے یہ فعل انجام دیتے ہیں۔ جو اس مقصد کے لئے تیار کی جاتی ہے۔ کہتے ہیں کہ اس کی بعض حرکات عورت کی طرح ہوتی ہیں۔

اس بدعادت کی ابتدا کب ہوئی، یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا۔ البتہ یہ ضرور کہا جا سکتا ہے کہ قدیم زمانے سے اس کا وجود چلا آتا ہے۔ کیونکہ قدیم تصنیفات میں اس کا ذکر ملتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بچپن میں کم وبیش ہر بچہ اپنی بے سمجھی سے اس لذت میں گرفتار ہو جاتا ہے۔ بعض حکماء اور فلاسفر جن کو شادی کے مواقع نصیب نہیں ہوتے۔ ان پر بھی اس بدعادت کا الزام ہے۔ یہی الزام سقراط پر ہے۔ بلکہ کہتے ہیں کہ گناہ سے بچنے کے لئے وہ اس کو احسن خیال کرتے تھے۔ اس الزام کی صداقت کے ظاہرہ کوئی ثبوت نہیں ہیں۔ یہ بالکل ایسی بات ہے جیسے بعض شعراء اور علماء پر شراب خوری کا الزام لگاتے ہیں۔ اس پراپیگنڈہ کا مقصد شائد یہ ہے کہ ان بدعادات کا جواز تلاش کیا جائے یا ان کو بدعادات نہ کہا جائے۔ بہرحال یہ عادات یقیناً بد ہیں اور ہر صورت میں گناہ کی حدود میں داخل ہیں۔ جس فعل سے انسان کو فطری طور پر نقصان پہنچے وہ یقیناً گناہ ہے۔ اس بدعادت سے اس قدر نقصان ہوتا ہے کہ اس سے ایک شخص کی انسانیت اور آدمیت دونوں برباد ہو جاتی ہیں۔

جلق کے نقصانات

جلق کا ظاہرہ نقصان تو قوت باہ خصوصاً اعضائے تناسل اور پیدائش منی پر معلوم ہوتا ہے۔ لیکن باطن میں اس کا اثر تمام جسم انسان خصوصاً اعضائے رئیسہ اور روحانی قدروں خصوصاً اخلاق و کردار پر پڑتا ہے۔ اس عادت سے انسان رفتہ رفتہ اپنی صحت کے ساتھ ساتھ احساس شرف و فضیلت اور عزت برباد کر لیتا ہے۔ ہم اس سے پہلے لکھ چکے ہیں کہ قضیب کی بناوٹ میں اعصاب، غدد غشائے مخاطی، عضلات شریک ہیں۔ ان میں اعصاب باہر کی طرف، اس کے نیچے غدد (غشائے مخاطی) اور سب سے نیچے عضلات جو اسفنجی اجسام ہیں۔ تمام جسم قضیب اسی طرح بنا ہوا ہے۔ البتہ احلیل (پیشاب کی نالی) کے اندر بھی غشائے مخاطی کا استر ہے جو اندرونی جلد کا کام کرتا ہے۔

جب کوئی شخص جلق شروع کرتا ہے تو پہلے اعصاب جو باہر کی طرف ہیں، متاثر ہوتے ہیں۔ اوّل اوّل ان میں لذت ولطف بڑھتا ہے۔ اس صورت میں دورانِ خون کی تیزی اعضائے تناسل خصوصاً قضیب کی طرف زیادہ ہو جاتی ہے۔ وہ شخص لذت کے تحت بار بار جلق کی خواہش کرتا ہے اور اس طرح اپنے مادہ منویہ کو برباد اور اس کی آئندہ پیدائش کو خراب کر لیتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی جسم میں جوش خون، دل میں تیزی، پیٹ میں ریاح، احتلام کی کثرت اور دماغ و اعصاب میں کمزوری شروع ہو جاتی ہے۔ جسم میں رطوبات بڑھ جاتی ہیں اور ہاضمہ خراب اور نزلہ زکام شروع ہو جاتا ہے۔

جب اعضاء کمزور ہو جاتے ہیں تو پھر مرض کا اثر غدد غشائے مخاطی تک پہنچ جاتا ہے۔ پیشاب میں جلن، قطرہ قطرہ آنا، کبھی سوزاک کا ہو جانا، سرعت انزال کا مرض پیدا ہو جاتا ہے۔ یعنی ذرا ذرا سی تحریک پر یونہی بیٹھے بیٹھے اور چلتے چلتے انزال ہو جاتا ہے۔ دل کمزور، ہاضمہ کی خرابی اور پٹھے (اعصاب) سن ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔ یہاں سے قضیب میں استرخاء (فالج) کی ابتداء شروع ہو جاتی ہے۔ بلکہ اس کا اثر بعض اوقات تمام جسم پر بھی پڑ جاتا ہے۔

جب غدد یا غشائے مخاطی میں سوزش کی انتہا ہو جاتی ہے تو عضلات جو اسفنجی اجسام میں شدید رگڑ سے برباد ہونا شروع ہو جاتے ہیں اور وہاں پر ایک خفیف سے ورم کی صورت پیدا ہو جاتی ہے۔ یہاں تک کہ وہاں کپڑا چھو جائے تو درد ہونے لگتا ہے۔ ساتھ ہی دیگر اعضائے تناسل بھی شدید متاثر ہو جاتے ہیں۔ کم و بیش رطوبت کا اخراج رہتا ہے جو سوزش کی شدت کا نتیجہ ہوتا ہے۔ جس کے بڑھ جانے سے اس کی وہ رطوبت جو احلیل کو تر رکھتی ہے اور ضرورت کے وقت احلیل کو نرم رکھتی ہے۔ بہت زیادہ بہنے لگتی ہے۔ اس رطوبت کا کثرت سے نکلنا وہی اثر پیدا کرتا ہے جو منی کے نکلنے سے ہوتا ہے اور ایسی صورت پیدا ہو جاتی ہے کہ ذرا سی بھی تحریک ہوئی رطوبت بہنا شروع ہو جاتی ہے۔ اس کے علاوہ یہ رطوبت سوتے وقت زیادہ بہتی ہے اور احلیل کے بیرونی سوراخ پر آ کر جمع ہوتی رہتی ہے۔ ایسے لوگ جب صبح اُٹھ کر پیشاب کرتے ہیں تو حشفہ کے لب باہم جڑے ہوتے ہیں۔ اکثر پیشاب کرنے میں مشکل پیش آتی ہے۔ اس طرح کثرت رگڑ سے عضلات (اسفنجی اجسام) میں شدید خرابی سے کجی (ٹیڑھاپن) پیدا ہو جاتی ہے۔ جس کا علاج ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ بعض نادان لوگ جو علم و فن سے واقف نہیں ہیں یہ خیال کرتے ہیں خاص قسم کے طلا لگا دینے سے کجی (ٹیڑھاپن اور قضیب کا دبلا پن) دور ہو سکتی ہے۔ ایسا خیال کرنا غلط ہے۔ جب اعصاب و غدد اور عضلات میں پھر سے زندگی پیدا نہ ہو مرض کجی رفع نہیں ہو سکتا۔ قضیب کی کجی کا علاج صرف ماہر معالج ہی کر سکتا ہے۔

جاننا چاہئے کہ جلق سے جب اعصاب کو نقصان پہنچتا ہے تو ان کا وہ احساس ختم ہو جاتا ہے جس سے دورانِ خون وہاں آ کر غذا اور قوت پیدا کرتا ہے۔

یاد رکھیں کہ جس مقام پر اعصاب کے نظام میں خلل واقع ہو جاتا ہے۔ وہاں پر دورانِ خون نہیں پہنچتا۔ اس طرح وہ مقام کمزور ہو کر رہ جاتا ہے۔ اسی طرح جب غدی اور غشائے مخاطی کا نظام خراب ہو جاتا ہے، وہاں پر اعضا خون سے غذا جذب نہیں کر سکتے۔

جاننا چاہئے کہ ہر شریان کے اختتام پر غدد ہوتے ہیں۔ جو یہ کام کرتے ہیں، بالکل اسی طرح جب عضلات میں رگڑ سے خرابی پیدا ہو جاتی ہے تو اس کا اسفنجی جسم برباد ہو جاتا ہے۔ جس سے اس میں رطوبت اور ریاح کی مناسب غذا نہیں رہ سکتی۔ جس سے ایک طرف اس کا جسم ختم ہو جاتا ہے، وہ لاغر اور کمزور ہو جاتا ہے۔ دوسری طرف اس میں پھیلنے اور سکڑنے کی قوت ختم ہو جاتی ہے۔ اس طرح رفتہ رفتہ قضیب کی حالت اس قدر خراب ہو جاتی ہے کہ اس میں انتشار اور خیزش کی صورت تقریباً ختم ہو جاتی ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انتہائی جلق سے ایک طرف کجی پیدا ہو جاتی ہے اور دوسری طرف مرد نامرد ہو جاتا ہے۔

جلق کے نقصانات

جلق انتہائی بدعادت ہے۔ اس سے اس قدر شدید نقصان ہوتا ہے کہ شاید ہی کسی بدعادت سے اس قدر شدید نقصان ہوتا ہو۔ یہ نقصان صرف عضوی اور جسمانی ہی نہیں ہوتا بلکہ نفسیاتی اور روحانی بھی ہوتا ہے۔ نفسیاتی طور پر انسانی جذبات میں بے اعتدالی اور کمزوری واقع ہو جاتی ہے۔ روحانی طور پر اخلاقی گراوٹ پیدا ہو جاتی ہے۔ قوت ارادی کمزور اور خودداری ختم ہو جاتی ہے۔ ایسے لوگ زیادہ تر تنہائی پسند ہو جاتے ہیں اور دیگر لوگوں سے آنکھیں ملا کر بات نہیں کر سکتے۔ عام طور پر سست و کاہل ہو جاتے ہیں اور کوئی کام کرنے کو ان کا دل نہیں چاہتا۔ چہرے کا رنگ عام طور پر زردسیاہی مائل ہو جاتا ہے اور مزاج چڑچڑا ہو جاتا ہے۔ کسی بات کی برداشت مشکل ہو جاتی ہے۔

۱. جسمانی طور پر کمزوری، خون کی کمی، ہضم کی خرابی، پیشاب میں نقص، مثانہ میں سوزش پیدا ہو جاتی ہے۔ منی جیسی قیمتی شے یونہی ضائع ہوتی رہتی ہے۔ ہم اپنی قیمتی اشیاء حفاظت سے رکھتے ہیں مگر منی کو، جو زندگی کا جوہر ہے، بے وجہ یا ذرا سی لذت کے لئے ضائع کرتے رہتے ہیں۔ جس سے خوفناک امراض پیدا ہو جاتے ہیں۔

۲. یہ صحیح ہے کہ جلق اور جماع دونوں میں اخراج منی ہوتا ہے لیکن جلق کی صورت میں جو اخراج ہوتا ہے وہ زیادہ مضر اور نقصان رساں ہوتا ہے۔ کیونکہ جماع ایک طبعی امر ہے اور طبیعت کو اس کی طرف فطری میلان ہوتا ہے۔ اور ساتھ ہی محبوب کی موجودگی اور اس کے حسن و جمال کو دیکھ کر طبیعت کو تازگی ولطف اور فرحت وانبساط ہوتا ہے جس سے اکثر قوت باہ میں زیادتی ہوتی ہے اور چونکہ مرد اور عورت کے آلاتِ تناسل کے باہم ملنے سے قدرت کی ایک مرضی پوری ہوتی ہے، اس لئے جماع کے بعد قلب کو تقویت، نفس کو لذت اور اعضائے تناسل کو قدرتی طور پر غذائیت حاصل ہوتی ہے اور ان فوائد کے مقابلے میں جلق کی صورت میں خجالت، پشیمانی اور پریشانی حاصل ہوتی ہے۔

۳. جماع کا صحیح تصور اس وقت پیدا ہوتا ہے جب منی میں پختگی پیدا ہو کر اس کا دباؤ بڑھتا ہے۔ اس وقت اس کا اخراج اکثر باعث تقویت ہوتا ہے۔ لیکن جن کو جلق کی بدعادت ہوتی ہے وہ وقت بے وقت اپنی لذت وعادت اور بے چینی کے مطابق پے در پے جلدی جلدی جلق کے ذریعے منی کا اخراج کرتے رہتے ہیں۔ جس سے جسم کمزور اور خون خراب ہو جاتا ہے۔ گویا اس قدر خون پیدا نہیں ہوتا جس قدر ضائع ہوتا ہے۔

۴. جلق کی کثرت سے جگر وغدد اور گردوں میں ضعف پیدا ہو جاتا ہے۔ اس لئے پیشاب بار بار آنا شروع ہو جاتا ہے۔

۵. کثرت جلق سے اعصاب قضیب کی جلد سوزش ناک ہو جاتی ہے۔ اس سبب سے غشائے مخاطی میں ہر وقت خون کی کثرت رہتی ہے۔

اس وجہ سے وہ ذکی الحس ہو جاتی ہے، جس سے منی اور دیگر رطوبات اکثر بہتی رہتی ہیں۔ جس کا نتیجہ انتہائی ضعف ہے۔

۶ اوعیہ منی اور خصیتین میں سوزش پیدا ہو جاتی ہے جس سے سرعت انزال کا مرض ہو جاتا ہے۔
۷ عضوتناسل میں دورانِ خون کی آمد و رفت بگڑ جاتی ہے جس کا اثر دیگر اعضائے جسم پر بھی پڑتا ہے۔
۸ قضیب کے اعصاب میں خرابی کے باعث دماغ ونخاع اور نظام عصبی بگڑنا شروع ہو جاتا ہے۔
۹ جلق سے قضیب خمیدہ اور باریک ہو جاتا ہے۔ اس کو کجی کہتے ہیں۔
۱۰ جلق کی بدعادت سے قضیب کی جڑ باریک ہو جاتی ہے جس سے اس کے انتشار میں فرق آ جاتا ہے۔
۱۱ انتشار کی کمی اور انزال میں سرعت کے باعث لذت ختم ہو جاتی ہے۔
۱۲ جلق کے مریض کی قوت باہ اوّل تو ختم ہو جاتی ہے اور اگر کچھ باقی ہوتی بھی ہے تو بھی مریض شادی کے قابل نہیں رہتا۔

جلق زیادہ مضر ہے یا کثرت جماع

جلق اور کثرت جماع دونوں ہی انتہائی مضر ہیں۔ لیکن بعض حکماء واطباء اور علماء میں اس امر میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ جلق کثرت جماع سے زیادہ مضر ہے یا کہ کثرت جماع جلق سے زیادہ نقصان رساں ہے۔ اس سلسلہ میں مختلف آراء ہیں۔ ایک گروہ کا خیال ہے کہ جلق کثرت جماع سے زیادہ مضر ہے۔ اس کی آراء درج ذیل ہیں:

۱ جلق کرنے میں بہت سہولت ہوتی ہے اور اسی لئے آدمی اس کو جماع کی نسبت زیادہ بار کرتا ہے۔ وہ اس مقصد کے لئے ہر وقت تیار رہتا ہے۔ اس کو اتنی ضرورت ہے کہ چند منٹ کے لئے خلوت کی جگہ مل جائے۔ بس وہ اپنا کام کرلے گا۔ اور اگر چاہے تو دن میں کئی بار یہ فعل بد انجام دے سکتا ہے جو جماع کی حیثیت سے نہ صرف مشکل ہے بلکہ ناممکن بھی ہے۔ اس کے برعکس گروہ کا یہ خیال ہے کہ جلق اور جماع دونوں صورتوں میں منی کا اخراج ہوتا ہے بلکہ جماع سے منی کا اخراج زیادہ ہوتا ہے۔ اس لئے کثرت جماع جلق سے زیادہ مضر اور نقصان دہ ہے۔

۲ جلق سے اعصاب میں سوزش اور حس میں تیزی پیدا ہو جاتی ہے اور ہر گھڑی جلق کے لئے طبیعت تیار رہتی ہے یا کرلی جاتی ہے۔ اس کے برعکس کثرت جماع میں ذکاوت حس کم ہوتی جاتی ہے اور اس کے لئے خود تیار ہونے کے ساتھ ساتھ مفعول کی بھی تسلی کرنی پڑتی ہے۔ اس کے برعکس دوسرے گروہ کا خیال ہے کہ جلق میں منی کا اخراج کم ہوتا ہے اور کسی قسم کی شرمندگی بھی نہیں ہوتی۔

۳ جلق غیر فطری صورت ہے۔ اس کے عادی کی نہ صرف صحت اور اخلاق خراب ہو جاتے ہیں بلکہ وہ شادی کے قابل بھی نہیں رہتا۔ اس کے علاوہ وہ اولاد پیدا کرنے کے قابل نہیں رہتا۔ حقیقت یہ ہے کہ اس عادت سے ذہن اس قدر خراب ہو جاتا ہے کہ وہ سوسائٹی میں اٹھنے بیٹھنے کے قابل بھی نہیں رہتا۔ اس کے دِل میں کسی کی محبت اور عزت نہیں پائی جاتی اور وہ رشتہ داروں اور عوام سے عموماً دور رہتا ہے۔ دوسرے گروہ کا خیال ہے کہ پیٹ کی بھوک کی طرح جنسی بھوک بھی اپنے اندر بہت شدت رکھتی ہے۔ جماع ہر جگہ میسر نہیں ہوتا لیکن جنسی بھوک کا جذبہ سکون نہیں لینے دیتا۔ اس لئے بھی جلق مفید ہے اور اس میں نقصان کم ہے۔ خاص طور پر جب ایک انسان تنہائی کے وقت اعتدال کے ساتھ انجام دے۔

اس سلسلے میں دلائل خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہوں لیکن حقیقت یہ ہے کہ جلق انتہائی بدعادت ہے اور اس سے بے شمار نقصانات ہوتے ہیں اور

خاص طور پر بچوں پر اس کا بہت برا اثر پڑتا ہے۔ اور ان میں یہ بدعادت ایک دوسرے کو دیکھ کر پڑ جاتی ہے۔ اس لئے والدین پر یہ بات لازم آتی ہے کہ وہ نوخیز بچوں پر نگاہ رکھیں۔ خاص طور پر جب وہ چھپ کر کھیلیں تو ان کو گاہے گاہے خاموشی سے دیکھ لیا کریں۔ اس طرح وہ اس بدعادت سے محفوظ رہتے ہیں۔

جلق اور فطری مردانگی

شخصی فطرت میں تین اہم اوصاف پائے جاتے ہیں: انسانیت، آدمیت، بشریت۔

جس شخص میں یہ اوصاف نہ پائے جائیں اس کی شخصیت مکمل نہیں ہوتی اور نہ ہی اس میں نشوو ارتقاء اور نفسیاتی کمال کی صورتیں قائم رہتی ہیں۔ انسانیت سے دوسروں کے ساتھ انس پیدا ہوتا ہے۔ آدمیت سے تہذیب و تمدن اور ثقافت و کردار کے جذبات کو جلا ہوتی ہے۔ بشریت سے عقل و شجاعت کے قویٰ بلند ہوتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ دوسروں کے لئے اپنی جان تک قربان کر دیتا ہے۔ لیکن جن لوگوں کو جلق کی عادت ہوتی ہے، ان کی شخصی فطرت بالکل برباد ہو جاتی ہے اور یہ اوصاف ختم ہو جاتے ہیں۔

مجھے اچھے پڑھے لکھے بلکہ فاضل لوگوں کو بھی دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے، ان میں جلق کی بدعادت سے یہ اوصاف ختم ہو گئے تھے۔ بلکہ ان میں ان اوصاف کا احساس تک باقی نہ رہا تھا۔ اس کی وجہ فطرت مردانہ کی تباہی ہے۔ یہ فطری اثرات ہیں جن کو فطرت مردانہ کے حامل ہی سمجھ سکتے ہیں۔ جیسے ایک عقل مند کم عقل انسان کو سمجھ سکتا ہے۔

جب جلق کے بداثرات شروع ہوتے ہیں تو ظاہرا طور پر جنسی خرابیاں شروع ہو جاتی ہیں۔ یعنی خواہش جماع اور قوت جماع ختم ہو جاتی ہے۔ اوّل خواہش جماع ختم ہوتی ہے اور بعد میں قوت جماع بگڑ جاتی ہے۔ لیکن باطنی طور پر ذہنی اور عقلی قویٰ میں بھی ضعف پیدا ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ جس سے تمام جسمانی قوتیں کمزور ہونا شروع ہو جاتی ہیں۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب جلق کرنے والے کے جسمانی قویٰ کمزور ہو جاتے ہیں تو اس کو جلق کی تحریک کس طرح پیدا ہوتی ہے۔

جلق کے لئے تین محرک ہوتے ہیں۔ اوّل بدلوگوں کی صحبت میں رہنے سے جنسی جذبات بھڑکتے ہیں اور ان کی دیکھا دیکھی دوسرے بھی جلق شروع کر دیتے ہیں۔ دوسرے گردوں میں سوزش ہو جانے کی وجہ سے جنسی قوت پر دباؤ بڑھ جاتا ہے، جس کی فوری تسکین بغیر جلق کے ممکن نہیں ہے۔ تیسرے تصور محبوب اور حسین صورت بھی جلق کی محرک بن جاتی ہیں۔ وہ تصور میں ان سے لطف اندوز ہوتا ہے اور ان خیالی صورتوں کو پیش نظر رکھتا ہے جو اس کی خوشی یا خواہش کا باعث ہوسکتی ہیں۔ لیکن جب یہ خیالی صورتیں ان میں تحریک پیدا نہیں کر سکتیں تو اس تحریک اور لذت کے لئے فحش کتب پڑھتا ہے یا گندی تصویریں دیکھتا ہے۔ لیکن جب رفتہ رفتہ یہ صورتیں بھی تحریک اور لذت پیدا نہیں کر سکتیں تو اس کے ساتھ ہی قوت جماع بھی ختم ہو جاتی ہے۔ اس طرح خواہش جماع اور قوت جماع دونوں ختم ہو جاتی ہیں اور وہ شخص اپنی صحت تباہ کر کے اپنی مردانگی برباد کر لیتا ہے اور حقیقی طور پر نامرد ہو جاتا ہے۔ اس وقت وہ عورتوں سے نفرت کرنے لگ جاتا ہے اور ہمیشہ بچ کر گزرتا ہے۔ یہاں تک کہ ماں اور بہن کی محبت سے بھی دور بھاگتا ہے بلکہ گھر بھر سے دور رہتا ہے۔ اکثر اپنا وقت تنہائی میں گزارتا ہے اور تنہائی اس کو تسکین دیتی ہے۔ ایک واقعہ سنئے:

ایک نوجوان آدمی کا باپ اس کی شادی کرنا چاہتا تھا۔ مگر وہ کسی نہ کسی بہانہ سے ٹال دیتا اور آئندہ وقت پر ملتوی کر دیتا۔ آخر کار اس نے اپنے باپ سے صاف کہہ دیا کہ مجھے جماع کی خواہش بالکل نہیں ہے اور التجا کی کہ آئندہ اسے اس بارے میں کچھ نہ کہا جائے۔ باپ بیٹے کی یہ حالت دیکھ کر نہایت پریشان ہوا اور بڑی مشکل سے اس کو اس امر پر مجبور کیا کہ وہ اپنا علاج کرائے۔ وہ معالج کے پاس بغرض علاج گیا۔ پہلے لڑکے

کی لڑکیاں شادی ہو جانے کے بعد بھی ان اثرات کے زیر اثر رہتی ہیں۔ اس قسم کی لڑکیوں اور عورتوں کی یہ اکثر عادت ہوتی ہے کہ وہ خوشی وغمی جیسے خاص موقعوں پر بے ہوش ہو جایا کرتی ہیں اور عالم بے ہوشی میں مختلف جنرک یا خوفناک صورتوں کا دیکھنا بیان کرتی ہیں۔ ایسی لڑکیوں اور عورتوں کو ذرا ذرا سی بات پر غصہ آ جاتا ہے۔ اگر ان کی مرضی کے مطابق کوئی بات نہ کی جائے تو کئی کئی ... بلکہ اکثر اپنے شدت غصے میں بھری رہتی ہیں اور غصے کی وجہ سے درد سر اور درد شکم میں مبتلا رہتی ہیں۔ جس کا اظہار وہ وہاں پر پٹی باندھ کر کرتی ہیں۔ ... پیٹ میں ہوا کا گولا بن جاتا ہے۔ پیٹ کا پھول جانا اور بدہضمی تو روزانہ کی بات ہوتی ہے اور ہمیشہ بھوک ... سے بے ہوش ہو جاتی ہیں۔ یا ان کے جب کھانے کا وقت آتا ہے تو سب سے زیادہ کھانا کھاتی ہیں۔ زیادہ تر لذیذ و مقوی اور مرغن اغذیہ خاص ... پراٹھا، گھی میں تر بتر، دودھ یا بادام کی کھیر، حریرہ، مغزیات کے لڈو، اسی قسم کی کوئی اور مٹھائی کھاتی ہیں۔ ساتھ ہی ... کرتی رہتی ہیں۔ لیکن بھوک نہ ہونے کی وجہ سے زیادہ نہیں کھایا جاتا۔ ... حلوہ پوری اور

ایسی لڑکیاں اور عورتیں نہ کسی اور کے گھر رہ سکتی ہیں اور نہ کسی اور کو کھاتا دیکھ سکتی ہیں۔ ہر لڑکی کے فیشن پر اعتراض اور منہ بناتی ہیں۔ یہ سب کچھ ان کے جنسی جذبات کی شدت کا نتیجہ ہوتا ہے۔ اگر سمجھدار معالج ذرا ان کی طبیعت کو سمجھ کر علاج کرے آرام آ جاتا ہے۔

اسباب جلق

جلق پر ہم تفصیل سے لکھ چکے ہیں جن میں اس کے اسباب اور نتائج بھی شامل ہیں۔ تاہم اختصار کے ساتھ ان کے اسباب درج ذیل ہیں: صحبت بد اور فحش خیالات کا پرچار، کثرت شہوت، اولاد کی طرف سے بزرگوں کی غفلت، سنگ مثانہ، سوزش جگر، کرم امعاء، سوزش غلفہ، ریگ گردہ، عصبی فتور وغیرہ اسباب سے جنسی تحریکات کا احساس ہونے لگتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان کے خیالات قبل از وقت اعضائے تناسل کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں اور پھر ادنیٰ سی تحریک پر وہ جلق کے خوگر ہو سکتے ہیں۔ اگر ذرا غور سے دیکھا جائے تو جہالت و ناواقفی ایک بڑا سبب اور اصل سرچشمہ اس بدعادت کے اختیار کرنے کا بن جاتا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ انسانی صحت کو کسی چیز سے اتنا نقصان نہیں پہنچتا جتنا کہ اعضائے تناسل کے علم کو نہ صرف غیر ضروری بلکہ قابل شرم وحیا خیال کیا جاتا ہے۔ انسان کو بدن و روح دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پھر روح کو غالب اور بدن کو مغلوب قرار دے کر اعضائے تناسل کی طرف سے ایسی چشم پوشی اختیار کر لی گئی ہے کہ گویا وہ بدن کا محض غیر ضروری حصہ ہیں ان کی طرف سے ہم بے خبر ہونے کی کوشش کرتے ہیں۔ مگر وہ بے خبری اور بے پروائی ہم پر نئے نئے حملے کر کے آتی ہے۔

ہم یہ نہیں کہتے کہ بچوں کو اعضائے تناسل کی تشریح اور فزیالوجی پڑھا کر ان کے نقصانات سے آگاہ کر دیا جائے۔ بلکہ والدین کو بقدر ضرورت ان بدعادات کے نقصانات کا علم ہونا چاہئے تاکہ وہ بچوں کی نگرانی کریں۔ ان میں اگر ایسے خطرناک اثرات محسوس کریں تو ان کو معالج کے پاس لے جا کر ان تحریکات کے اسباب معلوم کر کے ان کا بچپن ہی سے باقاعدہ علاج کرا دیں تاکہ وہ جلق اور اسی قسم کی دوسری بدعادات سے محفوظ رہ سکیں۔

...مات

اس مرض کے بیمار نہایت ہی پست ہمت اور بزدل ہوتے ہیں۔ چہرہ اداس، طبیعت غمگین، کاروبار سے بے پرواہ اور مجلس سے گریزاں، ...ر، آنکھوں کے نیچے سیاہ حلقے، نہایت شرمیلا مزاج، ہر وقت آنکھیں نیچے کئے ہوئے، آنکھیں ملا کر بات چیت نہ کرنا۔ ہتھیلیوں اور تلوؤں ...سینہ، عورتوں کی صحبت سے گریزاں اور اکثر تنہائی پسند ہوتے ہیں۔

علاج بالتدبیر

پہلے اس بدعادت کو رفع کرنے کی کوشش کی جائے۔ اس غرض کے لئے اطباء نے کئی طریقے تجویز کئے ہیں۔ مریض کو اس عادت کا ایک ذہنی احساس ہوتا ہے، اس لئے خیال آنے پر وہ بے اختیار آپے سے باہر ہو جاتا ہے۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ آدمی کیسا ہی سمجھ دار ہو جلق کے نقصانات سے کتنا ہی واقف ہو، خیال آتے ہی بے بس ہو جاتا ہے اور کارروائی شروع کر دیتا ہے۔ اس لئے رفع عادت کے لئے صرف پند و نصائح ہی کافی نہیں ہو سکتے۔

اس بدعادت سے دور رکھنے کے لئے اوّل صورت یہ ہے کہ قضیب پر آبلہ انگیز ادویہ کا ضماد لگا دینا چاہئے، تاکہ درد کی وجہ سے مریض قضیب پر ہاتھ پھیرنے کی جرأت نہ کر سکے۔ دوسرے آبلہ انگیز ادویہ اعصابی ہوتی ہیں اور اعصابی ادویہ رطوبات پیدا کرتی ہیں، جن سے تناؤ اور شہوت کم ہو جاتے ہیں۔

دوسری صورت یہ ہے کہ ایسا طلا استعمال کرنا چاہئے جو اعصابی تحریکات بڑھا دیتے ہیں۔ ان کے استعمال سے آبلے تو پیدا نہیں ہوتے، مگر پھر بھی قضیب کی خارجی سطح میں ایسی تیزی پیدا ہو جاتی ہے کہ اس پر ہاتھ کی رگڑ برداشت نہیں ہو سکتی۔ ایسے ضماد اور طلاؤں کے نسخہ جات علاج کے دوران بیان کریں گے۔

یہ بات یاد رکھیں کہ اس بدعادت والے مردوں یا عورتوں اور خاص طور پر نوعمر لڑکوں اور لڑکیوں کو تنہائی میں بیٹھنے کا موقعہ نہ دیا جائے اور رات کو ان کو اکیلا نہ سونے دیا جائے۔ بلکہ ہمیشہ ان کے ساتھ ان کا کوئی بزرگ بھی سوئے۔ وعظ و نصیحت سے ان کے دلوں میں خوف خدا پیدا کیا جائے۔ خاندانی وقار کو بیدار کیا جائے اور اس امر پر زور دیا جائے کہ اس عادت بد سے آئندہ خاندانی نام و نمود کے ساتھ اولاد کا سلسلہ بھی ختم ہو جاتا ہے۔ مریض کو صحت کے تباہ ہو جانے اور آئندہ خطرناک امراض کی پیدائش کا یقین پیدا کیا جائے اس طرح رفتہ رفتہ وہ ذہنی طور پر بھی اس مرض سے دور رہنا قبول کر لیتا ہے۔

جب اس بدعادت کی طرف سے مریض کے دِل میں نفرت پیدا ہو جائے اور دِل سے اپنی اصلاح کی طرف مائل ہو تو پھر اس میں طبعی جنسی قوت پیدا کرنے کی کوشش کی جائے تاکہ اس میں جماع کی رغبت بیدار ہو جائے۔ بعض معالج خصوصاً فرنگی طب کے حاملین قاطع باہ ادویہ استعمال کرا کے جنسی جذبہ کو ختم کر دیتے ہیں۔ جس سے مریض کی جسمانی صحت متاثر ہو کر خراب ہو جاتی ہے۔ مخدرات و مسکنات کا استعمال یقیناً نقصان پیدا کرتا ہے۔

ادویات کے استعمال سے قبل مریض کی روزانہ زندگی باقاعدہ کریں جیسے: صبح جلد اٹھنا، سیر کرنا، روزانہ غسل کرنا، اگر ہلکی ورزش کی عادت ہو جائے تو زیادہ بہتر ہے، عبادت اور مذہبی کتب کے مطالعہ کی عادت ڈالی جائے، غذا وقت مقرر پر لینا، بھوک شدید نہ ہو تو غذا میں ناغہ کر لینے کی عادت ڈالنا، روزانہ ناشتہ میں مکھن یا دودھ گھی کا استعمال، دوپہر کے کھانے میں پھل اور سبزیوں کا زیادہ استعمال کرنا، اناج وغیرہ بہت کم کھانا، تاکہ غذا جلد ہضم ہو جایا کرے، رات کے کھانے میں ہلکی اور زود ہضم اغذیہ ہونی چاہئیں، کاروبار میں دل جمعی، اچھے لوگوں کی مجلس میں بیٹھنا جہاں پر دوسروں کی خدمت خصوصاً ملکی و قومی خدمت کا جذبہ پیدا ہو۔ یاد رہے کہ دوسروں کی خدمت کا جذبہ اعصاب میں زندگی پیدا کرتا ہے۔

حلوہ مقوی اعصاب

نسخہ: مربہ گاجر ایک سیر، کھویا نصف سیر، الائچی خورد ایک تولہ، گھی حسب ضرورت لیں۔

ترکیب: اوّل مربہ گاجر باریک پیس لیں۔ پھر اس میں کھویا ملا لیں۔ پھر اندازاً کچھ گھی دیگچی میں ڈال کر اس میں الائچی خورد پیس کر ڈال دیں اور آگ پر رکھ دیں۔ جب الائچی قدرے سرخ ہو جائے تو اس میں مربہ گاجر اور کھویا ڈال کر ہلکی آنچ پر پکائیں۔ جب مربہ گاجر اور کھویا سرخ ہو جائیں تو اس وقت اس میں اس قدر گھی اور ڈال دیں کہ جس میں حلوہ تر بہ تر ہو جائے۔

مقدار خوراک: ایک چھٹانک صبح و شام ہمراہ نیم گرم دودھ استعمال کریں۔

فوائد: اعصابی عضلاتی مقوی، اعصاب و دماغ کو طاقت دیتا ہے۔ جسم میں صالح رطوبت پیدا کرتا ہے۔ ذکاوت حس کو دور کرتا ہے۔ جگر اور گردوں کی سوزش کو کم کرتا ہے۔ دِل کو فرحت بخشتا ہے۔ رنگت کو صاف اور جسم کو موٹا کرتا ہے۔ جس کو جلق کی بدعادت ہو ان کے لئے بہت مفید ہے۔

مٹھائی مقوی اعصاب

نسخہ: ناریل ایک سیر، مغز بادام نصف سیر، گوند کیکر نصف سیر، گھی ایک پاؤ، چینی دو سیر، پانی ایک سیر۔

ترکیب: اوّل ایک دیگچی میں گھی ڈال کر آگ پر رکھیں۔ اس میں گوند کیکر ڈال کر چمچہ ہلاتے رہیں۔ یہاں تک کہ گوند پھول جائے۔ ٹھنڈا ہونے پر اس کو پیس لیں۔ ناریل اور بادام کو بھی پیس کر گوند میں ملا لیں۔ پھر چینی میں پانی ڈال کر آگ پر رکھیں۔ جب دو تار کا قوام بن جائے تو آگ پر سے اتار لیں اور فوراً ہی اس میں وہ مرکب ملا کر کسی تھال میں ڈال لیں۔ ٹھنڈا ہونے پر ٹکڑے کاٹ کر رکھ لیں۔

مقدار خوراک: آدھی چھٹانک سے ایک چھٹانک تک نیم گرم دودھ کے ساتھ استعمال کریں۔

فوائد: (اعصابی عضلاتی مقوی) جگر و گردوں اور مثانہ کی سوزش کو کم کرتا ہے۔ نیا خون اور صالح رطوبت پیدا کرتا ہے۔ ضعف قلب کو بے حد مفید ہے۔ ذکاوت حس کو دور کرتا ہے۔ اعصاب و دماغ اور حواس خمسہ خصوصاً آنکھوں کو طاقت بخشتا ہے۔ رنگت کو صاف اور جسم کو موٹا کرتا ہے۔ جن کو جلق کی بدعادت ہو اس کا استعمال اس بدعادت سے دور رکھتا ہے۔

سفوف مقوی اعصاب

نسخہ: زیرہ سفید، کشنیز مقشر، خشخاش، تخم تربوز مقشر، تخم خربوزہ مقشر، خیارین مقشر اور چینی سب چیزیں ہم وزن لے لیں۔

ترکیب: سب کو کوٹ کر سفوف تیار کر لیں۔

مقدار خوراک: ایک تولہ سے تین تولہ تک ہمراہ دودھ نیم گرم استعمال کریں۔

فوائد: (اعصابی عضلاتی مقوی) اس میں بھی مندرجہ بالا خواص پائے جاتے ہیں۔

طلاء آبلہ انگیز

نسخہ: روغن کنیر، روغن ترب ہر دو ایک ایک پاؤ، روغن جمال گوٹہ ایک تولہ، موم نصف پاؤ۔

ترکیب: پہلے موم کو کسی برتن میں آگ پر رکھ کر گرم کریں۔ جب موم پگھل جائے تو اس میں باقی روغن ملا لیں۔ بس تیار ہے۔

مقدار استعمال: ضرورت کے مطابق تھوڑا سا لے کر حشفہ اور نیچے کی نالی چھوڑ کر باقی جسم قضیب پر لیپ کر دیں۔ مالش کی ضرورت نہیں۔

روزانہ ایک بار رات کو کافی ہے۔ چند دنوں میں دانے نکل آئیں گے۔ جن سے ایک طرف قضیب کو طاقت آئے گی، کجی دور ہو جائے گی اور جلق کی عادت ختم ہو جائے گی۔

طلاء آبلہ انگیز شدید

شیر عشر، شیر تھوہر دونوں ہم وزن ملا کر مسلسل ایک گھنٹہ کھرل کر لیں۔ بس تیار ہے۔ (اعصابی غدی شدید) فوائد کے لئے بے انتہائی مفید ہے۔

مقدار استعمال: ضرورت کے مطابق مندرجہ بالا طریق پر استعمال کریں۔ کجی و دبلا پن اور لمبائی میں کمی ہو گئی ہو تو اس کا استعمال بے حد مفید ہے۔ اس کے استعمال سے قضیب پر آبلے اُبھر آئیں تو دوا لگانا ترک کر دیں۔ یہ آبلے خود بخود درفع ہو جاتے ہیں۔ جلق کی عادت کو روکنے کے لئے مفید ہے۔ اگر آبلوں کی تکلیف زیادہ ہو اور اس کو روکنا مقصود ہو تو روغن کنجد ایک چھٹانک میں پانچ ماشے ست اجوائن شامل کر کے ان پر دن میں دو تین بار لگائیں۔ آبلے بھی رفع ہو جائیں گے اور طاقت بھی قائم رہتی ہے۔

طلاء مقوی شاہی

نسخہ: عطر گلاب، عطر حنا، عطر مشک، ایک ایک حصہ، روغن صندل (اگر میسوری ہو تو بہتر ہے) پانچ حصے۔

ترکیب: سب کو ملا لیں۔ تیار ہے۔

مقدار خوراک: (اعصابی عضلاتی مقوی) ضرورت کے مطابق حشفہ اور نیچے کی نالی چھوڑ کر قضیب پر ہلکے ہلکے مالش کریں۔ اس سے آبلے نہیں نکلتے۔ اس سے کجی و کمزوری اور دُبلا پن دور ہو جاتا ہے۔

جریان

جریان کے معنی کسی رقیق مواد کا بہنا ہے۔ طبی اصطلاح میں عام طور پر منی کے بلا ارادہ یا بلا ضرورت بہنے کو کہا جاتا ہے۔ اس لئے اس کو جریان منی کہتے ہیں۔ اس کو سیلان منی بھی کہا جاتا ہے۔ انگریزی میں اس کو اسپرمے ٹوریا کہتے ہیں۔ جو دو یونانی الفاظ سے مرکب ہے۔ ایک لفظ سپرم ہے جس کے معنی تخم یا بیج کے ہیں اور دوسرا لفظ ٹوریا ہے جس کا معنی بہنا ہے۔ چونکہ منی جسم انسان میں تخم یا بیج کی حیثیت رکھتی ہے، اس لئے اس کو جریان منی کہتے ہیں۔ عام لوگ اس کو دھات بہنا کہتے ہیں۔ چونکہ منی کا عام طور پر اخراج بوقت مباشرت ہوتا ہے جس کو انزال (گرنا) کہتے ہیں۔ مگر جریان کی صورت میں منی بغیر مباشرت، بغیر خواہش، بغیر ارادہ اور اکثر بغیر انتشار کے اخراج پا جاتی ہے بلکہ بہہ جاتی ہے جو اکثر سیلان کی صورت ہوتی ہے۔ اس لئے اس کو جریان منی کہتے ہیں۔ ضعف باہ کی چوتھی قسم جریان منی ہے۔ پیشاب و پاخانے کے وقت پیشاب سے قبل یا پیشاب کے ساتھ یا پیشاب کے بعد جب کوئی سفید مادہ خارج ہوتا ہے اس کو عام طور پر جریان منی کہتے ہیں اس کے علاوہ شہوانی خیالات یا کپڑے کی رگڑ کی صورت میں بھی اکثر جریان کی صورتیں پیدا ہو جاتی ہیں۔

بعض اطباء سرعت انزال اور احتلام کو بھی جریان منی میں شمار کرتے ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ دونوں علامات جریان سے بالکل جدا ہیں۔ سرعت انزال کی علامات اس وقت پیدا ہوتی ہیں جب عمل مباشرت میں بہت جلد انزال ہو جائے۔ یہ حالت انزال ہے، جریان یا سیلان نہیں ہے۔ اس کے علاوہ اس میں عمل و ارادہ اور خواہش کو بھی دخل ہوتا ہے۔ اسی طرح احتلام کی علامت اس حالت میں پیدا ہوتی ہے جب مریض کو حالت خواب میں انزال ہو جائے۔ اس میں اگرچہ لذت اور خواہش نہیں ہوتی مگر یہ بھی صورت انزال ہوتی ہے۔ اس لئے احتلام بھی جریان منی

سے ایک مختلف حالت اور علامت ہے۔ ان تینوں کے اسباب اور علامات بھی جدا جدا ہیں۔ جن کی تفصیل آئندہ بیان کی جائے گی۔

جریان منی کی طرح دو رطوبتیں اور بھی اخراج پاتی ہیں۔ عام طور پر ان کا اطلاق بھی جریان منی پر کر دیا جاتا ہے۔ مگر یہ دونوں رطوبتیں دراصل منی سے جدا ہیں۔ اگرچہ ان دونوں کے رنگ بھی سفید ہوتے ہیں مگر دونوں منی سے علیحدہ شمار ہوتی ہیں۔ ان میں ایک رطوبت کا نام مذی ہے اور دوسری رطوبت کو ودی کہتے ہیں۔ مذی ایک ایسی لطیف شے ہے جو لذت کے وقت اخراج پاتی ہے۔ عام طور پر جذبہ مباشرت اور لذت کی صورت میں پیدا ہوتی ہے۔ اس کے اخراج کی حقیقت یہ ہے کہ منی کے اخراج کے وقت اس امر کی ضرورت ہوتی ہے کہ منی کے اخراج کی صورت میں پیشاب کی نالی تر رہے تاکہ منی کی حدت سے پیشاب کی نالی میں رکاوٹ یا سوزش نہ پیدا ہو جائے۔ جس سے نقصان کا خدشہ ہوتا ہے۔ عام لوگ اس کو بھی منی خیال کرتے ہیں اور اس کی زیادتی کو بھی باعث نقصان خیال کرتے ہیں۔ اس کے کثرت اخراج میں کچھ نہ کچھ نقصان تو ہو سکتا ہے لیکن حقیقت میں اس سے کوئی خاص نقصان نہیں ہوتا۔ اس کا اخراج ایک فطری امر ہے، کیونکہ جب تک ایک شخص حالت لذت میں رہے گا، اس وقت تک مذی کا اخراج جاری رہے گا۔ جو لوگ ضرورت کے خلاف زیادہ وقت لذت میں صرف کرتے ہیں، ظاہر ہے اس سے رطوبت کا اخراج زیادہ ہوگا، گویا اس کی زیادتی ہر شخص کے جذبات کی زیادتی اور حصول لذت پر منحصر ہے۔ اسی طرح بعض لوگ حسن و عشق اور لطف و محبت میں گرفتار ہو جاتے ہیں۔ اس طرح غیر شعوری طور پر ان کے جذبات لذت سے بھڑکتے رہتے ہیں جن سے ان میں اس رطوبت کی پیدائش اور اخراج بڑھ جاتی ہے۔ بعض دفعہ کثرت جذبات سے اس کا اخراج بھی غیر معمولی ہوتا ہے۔ جس کے نتائج اکثر خراب ظاہر ہوتے ہیں۔

دوسری رطوبت ودی ہے جو پیشاب کے وقت فطری طور پر اس لئے پیدا ہوتی ہے کہ پیشاب کی نالی کو تر رکھے اور نالی میں پیشاب کی جلن اور تیزابیت کا احساس نہ ہو۔ جب بھی پیشاب میں حدت اور تیزابیت پیدا ہوتی ہے تو اس رطوبت میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ جس سے جلن اور سوزش دور ہو جاتی ہے۔ بہر حال یہ دونوں رطوبتیں منی سے بالکل جدا ہیں۔

جنسی لذت

لذت بھی ایک جذبہ ہے، جس طرح مسرت اور غم غصہ انسانی جذبات ہیں۔ جب انسان میں کوئی جذبہ شدت یا تسلسل اختیار کرتا ہے تو اس کا اثر دل و دماغ اور جگر پر پڑتا ہے۔ اس سے دورانِ خون میں اس طرف تیزی ہو جاتی ہے۔ اگر دورانِ خون میں یک بیک شدت پیدا ہو جائے تو اکثر موت واقع ہو جاتی ہے۔ خوشی و مسرت ایک اچھا جذبہ ہے۔ لیکن اس کی شدت سے بھی موت واقع ہو جاتی ہے۔ جس کو شادی مرگ کہتے ہیں۔ اسی طرح غم مرگ اور خوف مرگ واقع ہو جاتے ہیں لیکن جب کسی جذبہ میں شدت نہ ہو مگر تسلسل ہو تو اس سے اس عضو کی طرف دوران خون اکٹھا ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ جس سے وہاں پر خوفناک امراض پیدا ہو جاتے ہیں۔

یہی صورت جذبہ لذت کے حصول میں بھی پیدا ہوتی ہے۔ یہ جذبہ جنسی لذت کے تحت ہو یا کسی اور لذت کے تحت۔ بہر حال دورانِ خون پر ضرور اثر انداز ہوتا ہے۔ اس میں شدت ہو تو اس کا نقصان فوراً ظاہر ہو جاتا ہے اور اگر اس میں تسلسل ہو تو اس کا نقصان رفتہ رفتہ پیدا ہوتا ہے۔ اور بعض اوقات بہت خوفناک امراض پیدا ہو جاتے ہیں۔ جن میں جریان و سیلان الرحم اور ذیابیطس و خارش قابل ذکر ہیں۔ جب تک جذبہ لذت ختم نہ ہو ایسے امراض سے چھٹکارا پانا مشکل ہو جاتا ہے۔

مرد ہو یا عورت، ان کی خواہشات میں مسرت اور لذت کو بہت دخل ہے۔ وہ شب و روز ان کے حصول میں جدوجہد اور کوشش کرتے رہتے ہیں۔ اس مقصد کے لئے جنسی لذت کے علاوہ کھانے پینے میں لذت، زیور و کپڑے میں لذت، مکان و سجاوٹ میں لذت، پھلوں، پھولوں میں لذت، سیر تماشوں میں لذت، نغمہ و سرود میں لذت، یہاں تک کہ شراب اور رقص میں لذت۔ یہ ہر قسم کی مسرتیں اور لذتیں

کبھی کبھار تو برداشت ہو جاتی ہیں لیکن ہمہ وقت مسرت ولذت کے چکر میں پڑے رہنا سخت نقصان رساں ہے۔ اس سے دیگر امراض کے علاوہ ہارٹ فیل ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قدرت فطری طور پر انسان کو غم وغصہ اور خوف وندامت کے اثرات کا احساس دلاتی رہتی ہے تاکہ مسلسل ایک ہی جذبہ زندگی کے لئے نقصان کا باعث نہ بن جائے۔ یاد رکھیں کہ خود پرہیزگاری ہی انسان کو ہر جذبہ کی شدت اور تسلسل سے محفوظ کر سکتی ہے۔

بچوں سے لاڈ کرنا بھی ایک خاص قسم کی لذت ہے۔ اس سے بچوں اور ماں باپ بلکہ بہن بھائیوں کو بھی نقصان پہنچتا ہے۔ لاڈ کو غلطی سے پیار سمجھ لیا گیا ہے۔ یہ غلط ہے۔ لاڈ اور پیار میں بہت فرق ہے۔ لاڈ غیر فطری صورت ہے جو صرف بچے کی مرضی کو پورا کرنا ہوتا ہے۔ جو اس کی ایک لذت کے جذبہ کی تکمیل ہے جس سے دورانِ خون ایک خاص جانب دورہ کرتا ہے۔ اور نقصان کا باعث بن جاتا ہے۔ لیکن پیار ایک فطری صورت ہے جس میں اس اخلاق اور کردار حسنہ کی تکمیل مدنظر ہوتی ہے۔ اس لئے اگر بچہ کوئی ناجائز اور غلط قسم کی ضد کرے تو یہ اس کی لذت ہے۔ اس کا قائم رہنا اس کی صحت اور زندگی کو نقصان پہنچاتا ہے۔ جو ماں باپ اور بہن بھائی اس کی غلط مرضی اور ضد پورا کرتے رہتے ہیں وہ بھی اسی لذت کا شکار ہو جاتے ہیں۔

جریان اور فرنگی ماہرین کی رائے

طب یونانی کا دعویٰ ہے کہ فرنگی طب (ڈاکٹری) وماہرین جنسی امراض میں ناکام ہیں۔ ہم نظریہ مفرد اعضاء کے تحت اس امر کی تصدیق کرتے ہیں کہ واقعی فرنگی ڈاکٹر جنسی امراض کی نہ حقیقت سے آگاہ ہیں اور نہ ہی اس کے علاج سے صحیح طور پر واقف ہیں۔ جہاں تک ان کے علاج کا تعلق ہے وہ صرف علاماتی ہے۔ یعنی پیدا شدہ علامات کو روکنا ہے۔ نہ کہ اصل امراض کو سمجھنا اور مدنظر رکھنا۔ جہاں تک علامات کو رفع کرنے کا تعلق ہے وہ بھی صرف تسکین وتخذیر کی حد تک ہے جو امراض وعلامات کی ابتدائی حالت تک تو مفید ہو سکتی ہے لیکن ان کی انتہا اور شفا کے لئے اور خاص طور پر سوزش کی حالت میں تحلیل کے بغیر شفا ناممکن ہے۔ ذیل میں فرنگی ماہرین کی آراء پر غور کریں اور ان کی بے بسی کا اندازہ لگائیں۔

قدیم مذہبی کتب سے اس مرض کا پتہ لگتا ہے۔ کیونکہ ان کی شریعت میں مریضان جریان کے لئے احکامات موجود ہیں۔

طب یونانی کی کتابوں (بقراط کی تصنیفات) میں اس مرض کا پتہ چلتا ہے اور بقراط حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے چھ سو برس پیشتر گزرا ہے۔

ڈاکٹری کتابوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ مرض پندرھویں صدی کے آخر تک بڑے بڑے طبیبوں کو بھی بخوبی معلوم نہ تھا۔ ان لوگوں کی کتابوں میں اس کا ذکر تو موجود ہے مگر قابل اطمینان بیان نہیں ہے۔

ڈاکٹر ہنٹر کے زمانہ تک اس مرض کے بارے میں حکماء کو سکوت رہا مگر اس وقت ان کی توجہ اس کی طرف زیادہ تر مائل نہ ہوئی۔

ہاں! البتہ ڈاکٹر لیلے منڈ نے اپنا بہت سا قیمتی وقت اس کی تحقیق اور تفتیش میں صرف کیا اور کئی مریضوں کے حالات ان کے اپنے ہاتھوں سے لکھے ہوئے جمع کئے ہیں۔

سب سے زیادہ عام سبب اس مرض کا اعضائے تناسل کا ذکی الحس ہونا ہے۔ بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ سوائے کثرت منی کے دوسرے اسباب کا عمل اسی وقت ہوتا ہے جب کہ اعضائے تناسل کی حس پہلے سے زیادہ ہوگئی ہو۔ یہ حس کئی طرح زیادہ ذکی ہو جاتی ہے۔ اس کی کئی وجوہات ہیں۔ مثلاً اوّل کثرت جماع جس سے تمام جسم خصوصاً آلاتِ تناسل ضعیف ہو جاتے ہیں اور منی چونکہ جلدی جلدی پیہم بنتی اور خارج ہوتی رہتی ہے تو اس سبب سے خصیتین جن میں منی بنتی ہے اور اوعیہ منی جن میں منی بن کر جمع ہو جاتی ہے اور وہاں سے خارج ہوتی ہے بہت ہی کمزور اور ذکی الحس ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح حرام مغز اور اعصاب پر صدمہ پہنچنے سے اعضائے مذکور کا فعل خراب ہو جاتا ہے۔ پس جملہ نظام عصبی میں جو باہ سے تعلق

رکھتے ہیں حسیت بہت زیادہ بڑھ جاتی ہے کہ وہ ادنیٰ سے ادنیٰ تحریک سے اس قدر متاثر ہوتے ہیں کہ ان سے جس طرح بن پڑے فوراً کارمفوضہ کو سرانجام دیتے ہیں۔ چنانچہ اگر قبض کی وجہ سے ذرا سا بھی دباؤ کیاۃ المنی پر پہنچے یا مقعد میں کسی نوع کا خراش یا محض نام کو ہی شہوت انگیز خیالات سے دغدغہ ہو تو منی فوراً خارج ہونے لگتی ہے۔

دوسرا بڑا سبب اس ذکاتِ حس کا جلق ہے جس سے نائزہ کی ساخت بگڑ جاتی ہے۔ اس کے اندر ہر وقت امتلائے دم اور خفیف ورم رہتا ہے۔ اس کا منہ سرخ اور کشادہ ہو جاتا ہے۔ پیشاب بار بار آتا ہے۔ منی کی اصلیت بھی خراب ہو جاتی ہے اور چونکہ وہ اپنی اصلیت پر قائم نہیں رہتی، اس سبب سے کیاۃ المنی اس کو ایک اجنبی جسم سمجھ کر اور بھی جلدی جلدی خارج کرتے ہیں۔ جلق سے اور کیا کچھ مضر نتائج پیدا ہوتے ہیں اس کی تفصیل اوپر بیان ہو چکی ہے۔

تیسرا سبب اس تیزی کا اغلام ہے۔ اغلام کے علاوہ ان مضار کے جو جلق سے حاصل ہوتے ہیں یا کثرت جماع سے پیدا ہوتے ہیں۔ ایک اور خرابی یہ ہوتی ہے کہ مقعد کے گرد کے عضلاتی ریشے جو مانع دخول ہوتے ہیں ان کے سبب سے حشفہ کو زیادہ صدمہ پہنچتا ہے۔ نائزہ کا منہ کشادہ ہو جاتا ہے اور اس کی ساخت خراب ہو جاتی ہے۔

یونانی طبیبوں نے اس کے چھ اسباب بیان کئے ہیں۔ اوّل کثرت منی بہ سبب کثرت تناول مولدات منی۔ دوم حدت وحرافت منی کہ اس کے لذع کی وجہ سے طبیعت اس کو دفع کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ سوم استرخائے ادعیہ منی بہ سبب برودت ورطوبت کہ جس کی وجہ سے اس کا ماسکہ ضعیف ہو جائے اور منی کو محفوظ کر سکے۔ چہارم تشنج ادعیہ منی۔ پنجم ضعف گردہ یا اس کی چربی کی شدت حرارت وشہوت یا کثرت جماع کی وجہ سے گلنا۔ ششم تصور جماع، استماع سخن جماع۔

ویدک طبابت کے طبیب جریان کے اسباب یوں لکھتے ہیں کہ زیادہ بیٹھنا، بہت سونا، نیا پانی پینا، بکرا بھیڑ، قند سیاہ، بہت شیریں چیزیں، بہت دہی اور بلغم پیدا کرنے والی خلاف طبیعت چیزیں، شراب کا بکثرت پینا وغیرہ۔ اس مرض کو پرمیہ کہتے ہیں اور تین طرح کے پرمیہ قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ جریان منی کو شکر پرمیہ لکھا ہے اور یہ علامت لکھی ہے کہ اگر منی سمیت پیشاب کرے اس کو شکر پرمیہہ کہتے ہیں اور اس کا علاج یوں لکھا ہے کہ دوب، دوریا، بیج ڈایا، سالو کا چھلکا ان کا کاڑھا پیئے تو شکر پرمیہہ اور خون کا پرمیہہ جاوے۔

علامات جریان منی اس بگڑی ہوئی حالت کا نام ہے جو کثرت اخراج منی سے لاحق ہوتی ہے یا یوں کہنا چاہئے کہ یہ وہ حالت جس کو کثرت اخراج منی کا نتیجہ خیال کرنا چاہئے۔ پس اس کے علاوہ وہ ہوں گی جو بکثرت اخراج منی کا نتیجہ سمجھی جاسکتی ہیں۔ یہ علامات دو حصوں میں منقسم ہوسکتی ہیں۔ اوّل علامات ابتدائی۔ دوم علامات انتہائی۔ ابتدائی علامات جو شروع مرض میں پائی جاتے ہیں وہ حسب ذیل ہیں:

اخراجِ منی بلا ارادہ

اس میں منی بلا ارادہ خارج ہوتی رہتی ہے۔ اس اخراج کی دو اقسام ہوسکتی ہیں۔ اوّل بہ اعتبار وقت کے:

- اخراج منی رات کے وقت ہوتا ہے۔
- اخراج منی دن کے وقت ہوتا ہے۔
- اخراج منی دونوں وقت دن کو بھی اور رات کو بھی ہوسکتا ہے۔

دوم بہ اعتبار حالات کے۔ اس کی تین صورتیں ہوسکتی ہیں۔ مثلاً:

- اخراج منی کم وبیش شہوت اور نعوظ کے ساتھ ہوتا ہے یا بلا شہوت۔
- انزال بے خبری کی حالت میں ہوتا ہے یا اس وقت آنکھ کھل جاتی ہے۔
- بعد اخراج منی ضعف وستی پیدا ہوتی ہے یا راحت وسکون ہوتا ہے۔

قسم اوّل کی تینوں صورتیں

صورت اوّل یہ کہ رات کو اخراج منی بلا ارادہ ہو جاتا ہے۔ عموماً رات کے آخری حصے میں جب کہ آدمی نیم خوابی کی حالت میں ہوتا ہے اور چت لیٹا ہوا ہوتا ہے۔ اس وقت اخراج منی ہو جاتا ہے۔ اس کو انگریزی میں ناکٹرنل امیشن کہتے ہیں اور عربی میں اس کا نام احتلام ہے۔ اب احتلام کے وقفوں میں اور تعداد میں بڑا اختلاف ہے۔ بعض آدمیوں کو ہر شب میں یا ہر ہفتے میں یا ہر مہینے میں ایک بار احتلام ہو جاتا ہے۔ بعضوں کو ہر شب، ہر ہفتے یا ہر مہینے کئی بار احتلام ہو جایا کرتا ہے۔ جیسے جیسے جلدی جلدی احتلام ہوتا ہے ویسے ہی اس کی مضر بھی زیادہ ہوتی ہیں۔

جریان کے اسباب

اکثر وہ حالات جن سے اعضائے تناسل کی طرف توجہ مائل رہے۔ جن سے ان اعضاء میں تنبیہ وانعاظ زیادہ پایا جائے۔ مثلاً کثرت جماع، جلق وغیرہ کا عادی وخوگر ہونا یا عشق انگیز قصوں اور کتابوں کا پڑھنا جس سے ہر وقت اعضائے تناسل متحرک حالت میں رہتے ہیں۔ ادنیٰ سی تحریک سے وہ نہایت سخت متاثر ہو جایا کرتے ہیں اور جھٹ منی خارج کرتے ہیں۔ عشقیہ خیالات سے رات کو خوابیں بھی عشق انگیز آتی ہیں۔

علامات جریان

جب مباشرت کے بغیر بلا خواہش منی کا اخراج خود بخود ہو تو یہ جریان منی یا سیلان منی کی سب سے بڑی علامت ہے۔ اخراج عام طور پر پیشاب وپاخانے اور جذبات کی شدت کے وقت ہوتا ہے۔ مگر جب جریان کا مرض بڑھ جاتا ہے اور اعضائے مخصوصہ زیادہ ذکی الحس ہو جاتے ہیں تو پائجامہ وغیرہ کی رگڑ سے، کسی خوبصورت شکل کو دیکھنے یا تصورات سے بھی اخراج کا مرض ہو جاتا ہے۔ جب مرض میں کچھ مدت گزر جاتی ہے تو ذیل کی علامات پیدا ہوتی ہیں:

ضعف ونقاہت کے آثار مثلاً کمزوری تھکان، دماغی محنت کا نہ ہو سکنا۔ خیالات کا منتشر رہنا، توجہ کا کسی خاص امر پر منعکس نہ ہونا۔ تھوڑا سا چلنے سے پنڈلیوں میں کمزوری کا پایا جانا۔ صبح بستر سے بیدار نہ ہو سکنا۔ سر کا بوجھل رہنا، نسیان کا لاحق ہو جانا۔ جب ان علامات میں شدت پیدا ہو جاتی ہے تو ذیل کی علامات پیدا ہو جاتی ہیں، جیسے: محنت کا کوئی کام مریض سے نہیں ہو سکتا۔ محنت کسی قسم کی ہو، جسمانی ہو یا دماغی ہو، تھوڑا سا کام کر کے اس کو دم چڑھ جاتا ہے۔ خیالات درست نہیں رہتے۔ اس کے خیالات اکثر پریشان اور غیر منظم ہوتے ہیں۔ حافظہ کمزور اور قوت فیصلہ بے کار ہو جاتی ہے۔ سر میں گاہے درد اور گرانی رہتی ہے۔ کمر وپشت اور پیٹ وسینہ میں اکثر عصبی درد رہتا ہے۔ ہاضمہ خراب، ڈکاریں اور نفخ رہتا ہے۔ نیند نہیں آتی اور اگر آتی ہے تو اس سے نہ راحت معلوم ہوتی ہے اور نہ تھکن اترتی ہے۔ خوابیں ڈراؤنی آتی ہیں۔ رفتہ رفتہ مثانہ میں خراش، مقعد وحشفہ اور احلیل میں جلن معلوم ہوتی ہے۔ ریڑھ پر چیونٹیاں چلتی معلوم ہوتی ہیں۔ رانوں اور جنگاسوں کے عضلات میں درد، پنڈلیوں میں کپکپی رہتی ہے۔ نگاہ اور سماعت میں کمزوری شروع ہو جاتی ہے۔ جلد کا رنگ زرد وسیاہی مائل ہو جاتا ہے۔ انثیین میں ہلکا ہلکا درد ہوتا ہے۔ دقت تنفس، چڑچڑا پن، پاؤں کے تلوؤں میں جلن، عام بدنی لاغری اور کمزوری روز بروز بڑھتی جاتی ہے اور آخر کار قوت باہ برباد ہو جاتی ہے۔ مختصر یہ کہ اس مرض میں جسمانی

اور جنسی کمزوری کے علاوہ درد سردائمی، سرچکرانا، ضعف بصارت، ضعف سماعت، مرگی، جنون، ضعف ہضم، مزمن اور دق و سل تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔ یہ ایک خوفناک مرض ہے کہ اس کا علم بعض اوقات مریض کو نہیں ہوتا اور یہ اپنا کام کر جاتا ہے۔

تشخیص مرض

جب کوئی مریض علاج کے لئے آئے اور وہ خود جریان اور جنسی کمزوری کا ذکر نہ کرے لیکن نبض و قارورہ اور چہرے پر اس کے آثار اور علامات ظاہر ہوں تو معالج کو اس مرض کی تشخیص کرنا نہایت ضروری ہے۔ لیکن اکثر مریض خصوصاً نوجوان اس مرض کی حقیقت سے واقف نہیں ہوتے۔ دوسرے بعض مریض واقف ہوتے ہیں لیکن شرم کی وجہ سے بیان نہیں کرتے اور بعض مریضوں نے خود بری عادتوں میں پڑ کر اپنا نقصان کیا ہوتا ہے۔ اس لئے ان میں بیان کرنے کی جرأت نہیں ہوتی۔ یہ صرف معالج کا کام ہے کہ جب بھی وہ کسی ایسے مریض کو دیکھے کہ پہلی تشخیص کے بعد مریض کو سمجھادے کہ وہ کسی برے مرض میں گرفتار ہے۔

بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ مریض کسی اور مرض میں گرفتار ہوتا ہے اور اس کے ساتھ جریان کی علامت بھی پائی جاتی ہے۔ مگر مریض جس مرض میں گرفتار ہوتا ہے وہ اس کی تکلیف سے خلاصی نہیں پاسکتا اور نہ ہی کسی اور علامت یا مرض کی طرف توجہ دے سکتا ہے۔ یہ فرض معالج کا ہے کہ وہ اپنی تشخیص میں اس مرض کو معلوم کرے اور اس امر کا یقین کرلے کہ پہلے جریان کا علاج ضروری ہے یا اس مرض کا جس میں مریض مبتلا ہو چکا ہے۔

صرف ایک مرض

یاد رکھیں کہ کسی مریض کو بیک وقت دو تین یا چار اس سے زیادہ مرض نہیں ہو سکتے۔ ہمیشہ ایک وقت میں ایک ہی مرض ہوتا ہے۔ باقی سب اس کی علامات ہوتی ہیں۔ البتہ بعض اوقات علامات یا کوئی ایک علامت اس قدر شدید ہوتی ہے کہ مریض اور نادان معالج اس کو ہی مرض تصور کرلیتا ہے۔

اچھی طرح یاد رکھیں کہ تشخیص اسی علم کا نام ہے کہ مرض اور علامات کو جدا جدا کیا جائے تاکہ علاج میں آسانی اور یقینی صورت پیدا ہو جائے۔ اس طرح مرض اور علامات جلد سے جلد رفع ہو جاتی ہے۔

تشخیص کی صورت یہ ہوتی ہے کہ مریض کی تمام علامات کا غور سے مطالعہ کرنے کے بعد مرض کا تعین کرلیا جائے اور پھر یہ یقین کرلیا جائے کہ تمام علامات واقعی اس مرض کی ہیں۔ اس تشخیص کا نتیجہ حیرت انگیز ہوگا یعنی اسی وقت سے مریض کا مرض اور تمام علامات رفع ہونا شروع ہو جائیں گی۔ مرض چاہے بیس سال پرانا ہو، صحیح تشخیص سے لوٹنا شروع ہو جاتا ہے۔ اس سے بھی حیرت انگیز بات یہ ہے کہ دوا تو رہی ایک طرف صحیح غذا کے استعمال سے ہی اسی روز مرض اور تمام علامات کم ہونا شروع ہو جاتی ہیں اور چند لمحوں میں آرام کی صورت پیدا ہو جاتی ہے۔ جو ممبر کبھی دواخانہ تشریف لائے ہیں، انہوں نے اپنی آنکھوں سے یہ کرشمے اور جادوگری دیکھی ہے۔ اس لئے بعض ممبر معالجین نے یہاں پر ایک ایک دو دو ماہ لگا کر اس فن کو حاصل کیا ہے۔ اس تشخیص میں زیادہ تر معالج کو نظریہ مفرد اعضاء اور اس کے ماتحت نبض و قارورہ اور چہرہ و جسم کی علامات سے تشخیص کی تعلیم دی جاتی ہے۔

بہرحال یہاں پر یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ صحیح تشخیص کے بعد فوراً ہی ہر مرض اور اس کی علامات رفع ہونا شروع ہو جاتی ہیں۔ پھر یاد رکھیں کہ بغیر تشخیص کے صرف مریض کی حقیقت پر علاج کرنا حکمت نہیں عطائیانہ پن ہے، بلکہ گناہ ہے۔

جریان کا اصول علاج

یاد رکھیں کہ اصول علاج کا مقصد یہ ہے کہ ہر مرض کے علاج میں جو چند اصول مقرر کئے گئے ہیں، علاج ان کے تحت کیا جائے۔ کیونکہ بے مقصد دوائیں استعمال کرنا بے معنی ہوتا ہے بلکہ بعض دفعہ صحیح تجویز ونسخہ اور دوائیں بھی مفید ثابت نہیں ہوتیں۔ یہ بھی ذہن میں رکھیں کہ جریان ان امراض میں سے ایک ہے جن میں اکثر معالج ناکام رہتے ہیں۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ اس کو اکثر غلط سمجھا گیا ہے اور اس کے علاج میں بھی اس لئے غلطیاں ہو جاتی ہیں۔ ورنہ جریان کا علاج مشکل نہیں ہے لیکن اصول علاج کو مدنظر رکھنا ضروری ہے۔ جریان کے علاج میں یہ اصول ذہن نشین کرلیں: ذکاوت حس کا دور کرنا، صحیح غذا دینا۔

ذکاوت حس کا دور کرنا

ذکاوت حس کے معنی ہیں احساسات میں تیزی۔ یہ اصطلاح خصوصاً جنسی تحریک کے لئے بولی جاتی ہے۔ بعض معالج اور اکثر عوام اس حالت کو جسم میں گرمی کی زیادتی خیال کرتے ہیں۔ لیکن ایسا خیال کرنا صحیح نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جسم میں جس قدر بھی احساسات پیدا ہوتے ہیں ان کا تعلق اعصاب سے ہے اور جسم میں جس قدر بھی حرکات عمل میں آتی ہیں ان کا تعلق عضلات سے ہے اور جسم میں جس قدر رطوبات کا اخراج اور بندش ہے اس کا تعلق غدد کے ساتھ ہے۔ البتہ اس حقیقت کو ذہن نشین کرلیں کہ اعصاب میں جب تحریک پیدا ہوتی ہے تو غدد سے رطوبات کا اخراج شروع ہو جاتا ہے اور جب عضلات میں تحریک ہوتی ہے تو رطوبات کے اخراج میں بندش آ جاتی ہے جس کو ہم نزلہ کے نام سے بیان کر چکے ہیں۔ جو معالج ہیں حقیقت کو ذہن نشین کرلیں گے وہ ہر قسم کے رطوبات کے اخراج اور بندش کا علاج کر سکتے ہیں۔

ذکاوت حس کے علاج میں غلطی

ذکاوت حس کے متعلق یہ تصور عام ہے کہ گرمی سے زیادہ ہوتی ہے۔ اس لئے اس کا علاج اکثر مبردات ومسکنات اور مخدرات سے کیا جاتا ہے۔ یہ تصور بالکل غلط ہے، کیونکہ مبردات ومسکنات اور مخدرات وغیرہ اعصاب میں تیزی پیدا کر دیتی ہیں اور اس سے رطوبات کے اخراج میں تیزی آ جاتی ہے۔ البتہ دِل اور عضلات کے افعال میں سستی اور تسکین پیدا ہو جاتی ہے جس سے دورانِ خون میں کمی پیدا ہو کر عارضی طور پر علامت میں رکاوٹ پیدا ہو جاتی ہے اور دوا کا اثر دور ہونے پر مرض اور علامت پہلے سے بھی زیادہ شدت اختیار کر لیتی ہے۔

فرنگی طب کی غلط فہمی

فرنگی طب میں بھی ذکاوت حس کے لئے مسکنات اور مخدرات استعمال کرائے جاتے ہیں۔ چونکہ اس میں گرمی سردی کا کوئی تصور نہیں ہے اس لئے وہ مبردات کا استعمال نہیں کرتے۔ البتہ جہاں کہیں سے دورانِ خون کو کم کرنا ہو وہاں پر سرد پانی کی پٹی اور برف تک کا استعمال کر لیتے ہیں۔ جیسے سرسام میں وہ اکثر برف کی ٹوپی استعمال کرتے ہیں۔

ہم پہلے بھی کئی بار لکھ چکے ہیں کہ فرنگی طب میں ہر عضو کے فعل میں دو ہی صورتیں تسلیم کی گئی ہیں۔ ایک کسی عضو کے خلل میں تیزی دوسرے کسی عضو کے فعل میں سستی۔ اوّل صورت کو تحریک اور دوسری صورت کو تسکین کہتے ہیں۔ اوّل صورت کے لئے محرکات اور دوسری صورت کے لئے مسکنات اور مخدرات کا استعمال کرتے ہیں۔ تیسری صورت ان کے ذہن میں نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ تحریک اور سوزش کا علاج نہ مسکنات سے ہوتا ہے اور نہ ہی مخدرات مفید ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ فرنگی طب میں جریان واحتلام اور سرعت انزال کے لئے مدتوں تک بروما ئیڈ و اماسائمس اور کلورل ہائیڈریٹ وغیرہ استعمال کرائے جاتے ہیں۔ مگر نہ یہ علامات رفع ہوتی ہیں اور نہ ذکاوت حس ختم ہوتی ہے۔

تحریک اور سوزش کا علاج صرف تحلیل ہے

جاننا چاہئے کہ جسم میں جہاں بھی تحریک وتیزی اور سوزش ہو اس کا علاج تحلیل ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے ورم کا علاج کیا جاتا ہے۔ اسی اصول پر ذکاوت حس اور اعصابی تحریک کا علاج تحلیل سے کیا جاتا ہے۔ جہاں پر تحلیل کی جاتی ہے وہاں پر دورانِ خون کو تیز کرنا پڑتا ہے۔ جس سے وہاں کی سوزش رفع ہو جاتی ہے۔ یاد رکھیں کہ محلل ادویہ انتہائی قسم کی خشک یا گرم خشک یا گرم تر ہوں گی۔

ایک راز کی بات

یہ صحیح ہے کہ ذکاوت حس اعصابی تحریک ہے مگر اس اعصابی تحریک کا دباؤ زیادہ تر جنسی اعضاء کے اعصاب پر ہوتا ہے۔ جس سے منی کا اخراج جاری رہتا ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے سر میں دباؤ ہو تو درد سر عصبی، ناک پر دباؤ ہو تو زکام، گردوں پر دباؤ ہو تو پیشاب میں زیادتی اور اگر آنتوں کے اعصاب پر دباؤ ہو تو اسہال شروع ہو جاتے ہیں۔ جاننا چاہئے کہ اعصاب تو سر سے پاؤں تک پھیلے ہوئے ہیں۔ تحریک کم وبیش ہر جگہ ہوتی ہے، لیکن تکلیف وہاں زیادہ ہوتی ہے جہاں پر اس کا دباؤ زیادہ ہوتا ہے۔

ماحول کا بدلنا

جریان اکثر انہی لوگوں میں دیکھا گیا ہے جن کا ماحول جنسی تحریکات سے بھرا ہوا ہو۔ اس میں بچہ وجوان، ادھیڑ و بوڑھا، عورت و مرد اور نیک وبد کی تخصیص نہیں ہے۔ یہاں تک کہ مولوی اور پیر کوئی بھی ہو جب جنسی ماحول ہو گا اس پر جنسی تحریکات کا ضرور اثر ہو گا۔ اس اثر کو روکنا انسانی اختیار میں نہیں ہے۔ کیونکہ حسن وخوبصورتی، لذت ولطف اور عشق ومحبت کے اثرات انسانی اعصاب پر اثر انداز ہو کر دِل اور عضلات کے افعال میں تیزی پیدا کر دیتے ہیں جن سے دورانِ خون میں تیزی آ جاتی ہے جو جنسی اعضاء کی طرف دوڑتا ہے جس سے وہاں پر تحریک شروع ہو جاتی ہے۔ اس لئے جن لوگوں کو جریان ہو ان کو جنسی اثرات سے دور رہنا چاہئے۔ خاص طور پر عشقیہ قصے اور داستانیں، رقص وسرود اور عریاں وجنسی تصاویر کا دیکھنا بے حد نقصان دہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے مرد وعورت کو ایک دوسرے کے حلقے میں شریک ہونے سے روکا ہے۔ لیکن فرنگی تہذیب نے یہ تمیز ختم کر دی ہے۔ جس سے آتشک اور سوزاک جیسے موذی امراض پیدا ہو کر نقصان کا باعث بن رہے ہیں۔ اس لئے جریان کے علاج سے قبل مریض کا ماحول بدلنا ضروری ہے۔

غذا کی صحیح ترتیب

جریان کے مریض میں اوّل تو غذا کی تبدیلی کی ہی نہیں جاتی۔ اگر کچھ کی جاتی ہے تو ٹھنڈی اغذیہ واشربہ پر زور دیا جاتا ہے۔ حالانکہ چاہئے تو یہ کہ مریض کم مقدار میں زیادہ سے زیادہ پروٹین (لحمیات) والی اشیاء کھائے یہ کم مقدار کے باوجود بدن کو زیادہ حرارت وقوت فراہم کرتی ہیں۔ اس کا طریق کار یہ ہے کہ مریض کو تاکید کریں کہ غذا وقت پر کھائے، غذا کا درمیانی وقفہ کم از کم چھ گھنٹے ہو، اگر صبح شام کھائے تو زیادہ بہتر ہے اور اگر اتنے وقفہ کے بعد بھی شدید بھوک نہ ہو تو غذا کو دوسرے وقت پر چھوڑ دے۔

غذا میں صبح مکھن کے ساتھ ڈبل روٹی، دوپہر کو بھوک ہو تو کوئی پھل اور رات کو دلیہ، ڈبل روٹی وغیرہ کسی سالن کے ساتھ دے دیا کریں۔ جس میں گھی زیادہ ہو۔ کیونکہ جسم میں خشکی ہو تو اعصاب کی سوزش میں شدت ہو جاتی ہے۔ گھی ہی ایک ایسی شے ہے جس سے تحریکات و ذکاوت بلکہ سوزش تک ختم ہو جاتی ہے۔

علاج جریان بالا دویہ

جریان کے علاج میں ذکاوت حس کا رفع کرنا ضروری ہے جس سے جوش باہ میں کمی واقع ہو جاتی ہے لیکن یہ کمی عارضی ہوتی ہے بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ کمی نہیں ہوتی اور جوش کی شدت میں کمی آ جاتی ہے اور جسم میں اعتدال قائم ہو جاتا ہے۔ اس مقصد کے لئے اکثر قاطع باہ اور منی کو خشک کرنے والی ادویات استعمال کی جاتی ہیں۔ یہ اصول تو صحیح ہے لیکن جب ادویات کا استعمال کیا جاتا ہے تو اس اصول کو مدنظر رکھتے ہوئے ایسی غلط ادویات استعمال کر دی جاتی ہیں جو فائدے کی بجائے نقصان کا باعث بن جاتی ہیں۔ یعنی قوت باہ میں تو کمی آ جاتی ہے مگر جریان بڑھ جاتا ہے۔ جیسے کشنیز، کاہو، کاسنی، نیلوفر، صندل، خشخاش، چہار مغز، افیون اور کافور وغیرہ۔ اسی طرح غذاؤں میں کدو، ٹنڈا، توری، شلغم، مولی گاجر وغیرہ کا استعمال جوش باہ کو کم کر دیتا ہے۔ اس مقصد کے لئے ایسی ادویات ہونی چاہئیں جو برودت کے ساتھ اپنے اندر کچھ حبس اور خشکی کی طاقت بھی رکھتی ہوں۔

ایک راز کی بات

جریان منی کے بہت سے اسباب ہیں جیسا کہ گزشتہ صفحات میں تفصیل سے بیان کر دیئے گئے ہیں۔ لیکن اگر صحیح دوا اور غذا کا استعمال کیا جائے تو اسی کے ساتھ ذکاوت حس اور دیگر اسباب خود بخود دور ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ تمام اسباب کا مرکزی اثر اعصاب پر اور جنسی اعصاب میں سوزش کا پیدا ہونا ہوتا ہے اور علاج میں اعصاب کی اس سوزش کو رفع کرنا ہوتا ہے جو ان ادویات اور اغذیہ سے وہاں تحلیل ہو کر رفع ہو جاتی ہے۔ اس مقصد کے لئے مفرد و مرکب ادویات اور مجربات و اغذیہ درج ذیل ہیں۔

جریان کے لئے مفرد ادویہ

آملہ، اسپند، اقاقیا، تخم املی سوختہ، پھلی اور گل کیکر، شیر برگد، بوپھلی، بہمن سرخ، بلیلہ، پیپل، پھٹکری، چاکسو، سلاجیت، سم الفار، طباشیر، عناب، کتھ، کرنجوہ، کلونجی، مازو، مائیں، ہیرا کسیس اور ہلیلہ۔ یہ سب ادویہ عضلاتی اعصابی ہیں۔

جریان کے لیے کشتہ جات

کشتہ فولاد، کشتہ الماس، کشتہ توتیا، کشتہ جست، کشتہ یاقوت، کشتہ خبث الحدید، کشتہ مرجان، کشتہ قلعی اور کشتہ چاندی وغیرہ۔ یہ سب کشتہ جات عضلاتی اعصابی ہیں۔ ان میں صرف کمی بیشی کا فرق ہے۔

جریان کے لئے اغذیہ

آڑو، امرود سرخ، مکی، باجرہ، باقلا، جامن، جوار، سنگھاڑا، سیب، شکر قندی، نارجیل اور چنا۔

جریان کے لئے گرم مفردات

اگر ضرورت ہو تو گرم ادویات بھی جریان کے لئے استعمال ہو سکتی ہیں۔ لیکن ان ادویہ میں خشکی ان کی گرمی سے زیادہ ہونی چاہئے۔ جیسے اذراقی، اسطوخودوس، انڈا، اندرائن، پیاز و تخم پیاز، جاوتری، چنا، خرما، کشتہ خرمہرہ، خولنجان، دارچینی، مروارید، مکندر پھلی اور لونگ وغیرہ یہ سب عضلاتی غدی ہیں۔

جریان کے لئے مجربات

تحقیقات طبی فرماکوپیا میں جتنے بھی عضلاتی اعصابی اور عضلاتی غدی مرکبات اور مجربات دیئے گئے ہیں وہ سب جریان منی کے لئے

یقینی و بے خطا اور تریاق و اکسیر ہیں۔ اسی طرح تحقیقات المجربات میں جو نسخے جریان کے لئے لکھے گئے ہیں وہ سب بے حد مفید ہیں۔ ہمارے نسخہ جات و مرکبات اور مجربات کی یہی سب سے بڑی خوبی ہے کہ وہ سو فیصدی صحیح ہیں۔ البتہ مریضوں کو اپنی غذا اور ماحول کو درست رکھنا چاہئے۔ ان کے علاوہ ذیل میں چند مجربات درج کئے جاتے ہیں۔

سفوف جریان

نسخہ: ثعلب مصری ۲ چھٹانک، مغز تخم تمر ہندی سوختہ تین چھٹانک، آرد سنگھاڑا تین تولے۔

ترکیب: باریک پیس کر ملالیں، بس تیار ہے۔

مقدار خوراک: ایک ماشہ سے تین ماشہ تک دِن میں دو تین بار آب تازہ سے لیں۔

حبوب جریان

نسخہ: سم الفار ایک ماشہ، کشتہ فولاد دو تولے اور سلاجیت اصلی نو تولے۔

ترکیب تیاری: اوّل سم الفار کو کھرل میں ڈال کر کھرل کریں۔ پھر اس میں تھوڑا تھوڑا کشتہ فولاد ڈال کر کھرل کریں۔ جب تمام کشتہ ختم ہو جائے تو پھر سلاجیت اسی طرح کھرل کر کے ملالیں اور گولیاں بقدر دانہ نخود بنائیں۔

مقدار خوراک: ایک گولی صبح اور ایک گولی شام فوراً بعد از غذا ہمراہ چائے یا دودھ استعمال کریں۔ جریان کے علاوہ مولد و مقوی خون و جسم ہے۔

مٹھائی جریان

نسخہ: پستہ ایک پاؤ، اخروٹ تین پاؤ، ناریل چار پاؤ اور مربہ سیب آٹھ پاؤ۔

ترکیب تیاری: پہلے تینوں میوہ جات کو باریک کر کے ملالیں، پھر مربہ باریک کر کے ان میں ملالیں۔ بس تیار ہے۔

مقدار خوراک: ایک تولہ سے تین تولے تک صبح ناشتہ کے ساتھ اور رات کو غذا کے ساتھ کھائیں۔

اکسیر جریان

نسخہ: کشتہ چاندی، کشتہ یاقوت، کشتہ مرجان، ہر ایک ڈیڑھ ڈیڑھ تولہ۔

ترکیب تیاری: سب کو ملا کر کم از کم نصف گھنٹہ کھرل کریں۔ بس تیار ہے۔

مقدار خوراک: ڈیڑھ رتی سے تین رتی تک منقیٰ میں ڈال کر کھالیں۔ دِن میں دو خوراکیں لے سکتے ہیں۔

تریاق جریان

نسخہ: خولنجاں دو تولے، رائی تین تولے، کلونجی تین تولے۔

ترکیب تیاری: تمام ادویات کو باریک کر کے باہم ملالیں۔ بس تیار ہے۔

مقدار خوراک: دو ماشے سے چار ماشے تک صبح و شام ہمراہ دودھ یا چائے استعمال کریں۔ جریان کے علاوہ مقوی خون اور مقوی بدن بھی ہے۔ مردمی طاقت کے لئے کامل بھروسے کا نسخہ ہے۔

احتلام

ماہیت احتلام

احتلام عربی لفظ ہے۔ اس کا مادہ حلم ہے، جس کے معنی خواب دیکھنا یا خواب میں جنسی لذت حاصل کرنا ہے۔ چاہے اس کی کوئی بھی صورت ہو۔ اس میں مباشرت و اغلام اور جلق و حظ شدید وغیرہ شامل ہیں۔ عوام میں یہ بدخوابی، خواب میں شیطان آنا یا خواب میں کپڑے خراب ہونا بھی کہتے ہیں۔ انگریزی میں ناک ٹرنل ایمیشن کہتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ نیند کی حالت میں جب منی اور اس کے اعضاء کا جسم پر دباؤ اور غلبہ ہوتا ہے تو لبیب جنسی جذبہ کو پیش کر دیتی ہے۔ جس سے جنسی جذبہ میں اس قدر شدت پیدا ہو جاتی ہے کہ انسان بے قابو ہو جاتا ہے اور اس کا انزال ہو جاتا ہے اور یہ اخراج منی بلا ارادہ ہو جاتا ہے۔ اس وقت انسان عام طور پر چت لیٹا ہوا ہوتا ہے۔ اس لئے احتلام خواب کی حالت میں اخراج منی کو کہتے ہیں۔ لیکن اکثر نیم خوابی کی حالت ہوتی ہے۔

سونے والے شخص نے خواب میں دیکھا کہ وہ اپنی بیوی سے جذبات محبت میں مشغول ہے یا حظ و لذت کے جذبہ شدید میں مبتلا ہے۔ پھر ایسی حالت میں اس کو بے اختیار اور بلا ارادہ انزال ہو جاتا ہے۔ احتلام کے متعلق بعض اطباء اور ڈاکٹروں میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض کی یہ رائے ہے کہ یہ خواب میں انتہائی حظ و لذت اور شدت جذبہ کا نتیجہ ہے۔ لیکن اکثر کی یہ رائے ہے کہ چونکہ اس میں مادہ منی کا نقصان ہے اس لئے یہ مرض کسی مرض کی علامت میں شریک ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اگر احتلام گاہے گاہے ہو جو مادہ منی کے دباؤ سے ہو جاتا ہے تو کوئی بات نہیں۔ اس کی کثرت ضرورت علامت مرض ہے۔ اسی طرح وقفوں اور تعداد میں بھی اختلاف ہوتا ہے۔ بعض کو ہر شب، ہر ہفتہ یا ہر ماہ میں ایک بار احتلام ہو جاتا ہے۔ تو اس کا نقصان بھی بڑھتا جاتا ہے اور طبیعت پریشان رہنے لگتی ہے۔ اس لئے جب احتلام میں کثرت ہو جائے اور جسم میں ضعف پیدا ہونا شروع ہو جائے جس کے ساتھ پریشانی بھی شریک ہو تو ضرور اس کے علاج اور مداوا کی طرف توجہ کرنی چاہئے۔ ورنہ نقصان کا خطرہ ہے۔

احتلام کی شدید صورت

رات کے احتلام کی طرح اگر کبھی کبھار دن میں بھی احتلام ہو جائے تو یہ بھی کسی مرض کی علامت میں شامل نہیں بلکہ وقتی طور پر ذہنی یا منی کا جسم پر دباؤ ہے۔ لیکن یہ رات کی طرح دن میں بھی کثرت اختیار کر لے تو یہ ایک خطرناک صورت ہے۔ دن میں احتلام کی صورت دراصل احتلام شبینہ کی ترقی یافتہ صورت کا نام ہے۔ اس کو عربی میں ذرور اور انگریزی میں ابنارمل بولیوشن کہتے ہیں۔

اس کی صورت یہ ہے کہ پہلے رات کو انزال ہونا شروع ہوتا ہے۔ پھر رفتہ رفتہ شدت اختیار کر کے آلاتِ منی پر قبضہ کر لیتا ہے اور وہ آلات ایسے ذکی الحس ہو جاتے ہیں کہ دن بھی ادنیٰ ادنیٰ سے خواب میں تحریک پر احتلام ہو جاتا ہے۔ پھر کباۃ المنی ایسے کمزور ہو جاتے ہیں کہ فوراً اپنے مادہ کو باہر نکال دیتے ہیں۔

احتلام کی خطرناک صورت

جب احتلام کی حالت زیادہ شدت اختیار کر لیتی ہے تو خطرناک صورت پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ احتلام کی تیسری صورت ہے۔ اس میں آلاتِ منی بہت زیادہ ذکی الحس ہو جاتے ہیں اور منی انتہائی طور پر رقیق ہو جاتی ہے۔ اس میں غلظت نہیں رہتی۔ مثل پانی کے ہو جاتی ہے۔ خواہ نعوظ

ہوخواہ نہ ہو۔ ذراسی تحریک سے اخراج پاجاتی ہے۔اور بعض وقت پاخانہ پھرتے وقت ذراسا زور لگایا جائے تو منی فوراً باہر آجاتی ہے۔کبھی سوزش کے ساتھ اور کبھی بلاسوزش خارج ہوجاتی ہے۔ یہ صورت انتہائی نقصان دہ ہے۔

اگرایسی حالت میں منی کا کیمیاوی امتحان کیا جائے تو اس میں دانہ ہائے منی کم ہوجاتے ہیں اور حیوانات منی بہت کم ہوجاتے ہیں اور اکثر حیوانات (کرم منی) کی دم نہیں ہوتی۔ صرف سرہی نظر آتے ہیں۔ دمیہ منی تاحال خام ہوتی ہے۔ اس لئے اس سے نطفہ قرار نہیں پاسکتا اور بعض اوقات اس میں خون کے نقطے نظر آتے ہیں۔ جب ایک عرصہ تک یہی حالت رہتی ہے تو خصیوں میں سوزش واقع ہوجاتی ہے اور اس کی ساخت خراب ہوجاتی ہے۔

احتلام کے اسباب

امتلائے منی، سوزش وخراش آلاتِ مخصوصہ، فاسد خیالات کا غلبہ، مجرد رہنا، موسیقی اور رقص وسرود میں زیادہ مشغول ہونا۔ جذباتی ناول اور افسانے پڑھنا، اکثر چت یا اوندھا سونا، بھوک کے بغیر کھانا، قبض، بدہضمی، پیٹ میں کیڑے، ان میں بعض اسباب وقتی ہوتے ہیں اور جب وہ ختم ہوجاتے ہیں تو احتلام ختم ہوجاتا ہے۔ اور جب پھر یہ اسباب پیدا ہوجاتے ہیں تو احتلام شروع ہوجاتا ہے۔ لیکن اگر کوئی عارضی سبب مسلسل رہے تو احتلام دائمی صورت اختیار کرکے باعث مصیبت بن جاتا ہے۔ عارضی اسباب میں شکم پری، نرم بستروں پر سونا اور سوتے میں مثانہ کا پیشاب سے پر رہنا خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ رات کو دیر سے سونا بھی احتلام کے اسباب میں شامل ہوتا ہے۔

علاماتِ احتلام

مذکورہ بالا صورتوں کے علاوہ ضعف ونقاہت کے آثار مثلاً کمزوری، دماغی محنت کا نہ ہوسکنا، خیالات کا منتشر رہنا، توجہ کا کسی خاص امر پر مجتمع نہ ہونا، تھوڑی دور آنے جانے پر پنڈلیوں کے عضلات میں کمزوری کی علامات کا پایا جانا، صبح کے وقت بستر خواب سے بیدار نہ ہونا، سر کا بوجھل رہنا، نسیان کا لاحق ہوجانا۔ جب یہ علامات زیادہ ترقی کرجاتی ہیں تو انتہائی علامات کے نام سے موسوم ہوسکتی ہیں۔ مثلاً کوئی کام محنت کا مریض سے نہیں ہوسکتا۔ کسی قسم کی محنت ہو، دماغی یا جسمانی، تھوڑا سا کام کرنے پر وہ بے دم ہوکر رہ جاتا ہے۔ سلسلہ خیالات درست نہیں رہتا۔ اس کے خیالات پریشان اور غیر منظم ہوتے ہیں۔ حافظہ کمزور اور قوت فیصلہ بے کار ہوجاتی ہے۔ سر میں گاہے درد اور گاہے گرانی رہتی ہے۔ کمر، چہرہ وسینہ میں اکثر عصبی درد رہا کرتا ہے۔ کھانا ہضم نہیں ہوتا۔ ڈکاریں آتی ہیں اور نفخ ہوجاتا ہے۔ نیند نہیں آتی اور اگر آتی ہے تو اس سے کوئی راحت معلوم نہیں ہوتی ہے۔ خوابیں متوحش آتی ہیں، پیشاب میں فتور واقع ہوجاتا ہے، مقعد وحشفہ اور احلیل میں جلن معلوم ہوتی ہے، ریڑھ پر چیونٹیاں سی چلتی معلوم ہوتی ہیں۔ رانوں اور جنگاسوں کے عضلات میں درد، پنڈلیوں میں درد اور ساعت میں ثقل معلوم ہوتا ہے۔ جلد کا رنگ سیاہی مائل زرد ہوجاتا ہے۔ انثیین میں دھیما دھیما درد ہوتا ہے۔ دقت تنفس، مزاج چڑ چڑا، آلات تناسل کی کمزوری، مریض دن بدن لاغر وکمزور ہوتا جاتا ہے۔ پاؤں کے تلوے جلا کرتے ہیں۔ جن کے نتیجے میں کمزوری، بزدلی، سوزش، ناامیدی، بطلان باہ، ضعف بصارت، ضعف ہضم، درد معدہ، درد سر۔ کبھی سل، مرگی، نامردی اور جنون تک حالت پہنچ جاتی ہے۔

احتلام بہ نظریہ مفرد اعضاء

احتلام عضلات کی تحریک سے پیدا ہوتا ہے۔ جس طرح جریان اعصابی تحریک سے اور سرعت انزال غدی تحریک سے پیدا ہوتے ہیں۔ اکثر حکماء واطباء اور فرنگی ڈاکٹر احتلام وجریان اور سرعت انزال کو منی کا غیر معمولی اخراج خیال کرتے ہوئے ان تینوں کا علاج ایک ہی طرق اور

ایک ہی قسم کی ادویات سے کرتے ہیں۔ جن میں مبردات ومسکنات اور مخدرات شامل ہوتی ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ تینوں مختلف علامات ہیں جو مختلف اعضاء میں تحریک اور سوزش سے پیدا ہوتی ہیں۔ اس لئے ہر ایک کا علاج بالکل ایک دوسرے سے مختلف ہے جیسا کہ ہم نے اس کتاب میں ہر ایک کا الگ الگ علاج لکھا ہے۔

احتلام کی ابتداء معدہ کے عضلات کی تیزی اور تحریک سے شروع ہوتی ہے۔ پھر وہاں سوزش کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ جب اس میں شدت پیدا ہو جاتی ہے تو اس کا اثر دل اور جسم کے دیگر عضلات تک پہنچ جاتا ہے اور انتہا کی حالت میں دماغ کے عضلاتی پردے میں سوزش کی صورت پیدا ہو جاتی ہے۔ جس سے تمام جسم میں ذکاوتِ شدت اختیار کر لیتی ہے اور ذرا سی بھی عضلاتی تحریک جسمانی ہو یا ذہنی، برداشت نہیں کر سکتی۔ جس کا نتیجہ اخراج منی اور احتلام ہوتا ہے۔

اصول علاج

مرض کی شدت اور مریض کی حالت کے مطابق علاج ہونا چاہئے۔ بعض دفعہ مرض کی شدت اور مریض کی بے چینی بے حد پریشانی کا باعث بن جاتی ہے اور بعض دفعہ بہت سے اسباب اکٹھے ہو جاتے ہیں جن کا فوری طور پر رفع کرنا مشکل ہوتا ہے اور بعض دفعہ مختلف اسباب پیش آ جاتے ہیں۔ ان کے علاج میں کسی میں کمی اور کسی میں زیادتی ہو جاتی ہے۔ اکثر ایک سے زیادہ ہی اسباب اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ اگر اسباب مرض میں ایک اکیلا ہی سبب مرض کا باعث ہے تو جلد آرام ہوگا۔ بعض مرتبہ ایک اصلی سبب ہوتا ہے اور کئی اسباب اس کے مدد و معاون ہو جاتے ہیں اور مرض کو ترقی دیتے ہیں۔ پھر ان اسباب میں سے بعض بہ آسانی رفع ہونے والے ہوتے ہیں۔ بعض کا دور کرنا کچھ دشوار ہو جاتا ہے۔ بعض اسباب ایسے ہوتے ہیں کہ ان کو دور کرنا فقط مریض کے اختیار میں ہوتا ہے۔ اگر وہ خود ان کو ہٹانا چاہے تو ہٹا سکتے ہیں۔ ورنہ وہ کسی صورت نہیں ہٹ سکتے اور معالج کی کوئی تدبیر و غذا اور دوا کام نہیں کر سکتی۔ البتہ ایسے موقع پر مریض کو بچی ہمدردی کے ساتھ ذرا ترش روئی اور تلخی سے تاکید اً بتائیے کہ اگر اس نے مرض رفع کرنے کی کوشش نہ کی تو آئندہ ایسی خوفناک صورت حال اور امراض پیدا ہو جائیں گے کہ زندگی عذاب بن جائے گی اور جب تک وہ معالج کی مرضی کے مطابق یقین نہ لائے اس وقت تک علاج سے انکار کر دے۔ یہ علاج کی کامیابی کے لئے اولین قدم ہے۔

اس حقیقت کو مدنظر رکھیں کہ اگر امتلائے منی باعث مرض ہے تو باقاعدہ زندگی اور شادی سے جلد آرام ہو جاتا ہے۔ اگر مرض کا سبب عضلاتی سوزش اور خراش ہو تو اس صورت میں علاج سے جلد آرام ہو سکتا ہے۔ لیکن اگر جلق و اغلام اور کثرت مجامعت باعث مرض ہو تو آرام ہو سکتا ہے۔ مگر مریض و معالج دونوں کو کوشش کرنی پڑتی ہے۔

علاج کے لئے مریض کا ماحول فوری طور پر بدل دینا چاہئے۔ لطف و لذت اور حظ کی صورتیں قطعاً بند کر دینی چاہئیں۔ عشق و محبت کے سلسلے روک دینے چاہئیں۔ بلکہ دوستوں کی صحبت خصوصاً جذباتی قسم کے دوستوں سے بالکل دور رہنا چاہئے۔ بہتر ہے کہ اخلاقی قدروں کو مدنظر رکھنا چاہئے اور مذہبی تعلیم پر صالح طور پر گامزن ہو جانا ضروری ہے۔ صبح کے وقت جلدی اٹھنا، نہانا، جسمانی اور ذہنی طور پر پاک وصاف رہنا اور اکثر اوقات اپنے کام میں مشغول رہنا چاہئے۔ روزانہ صبح و شام اس قدر ورزش اور محنت کرے کہ تھکن کے بعد آرام اور نیند کے لئے طبیعت مجبور کر دے۔ جب آنکھ کھل جائے تو فوراً اٹھ بیٹھنا چاہئے۔ لیٹے رہنا نقصان کا باعث ہوتا ہے۔ ان کے علاوہ خیالات کی پاکیزگی لازمی جزو ہے۔

غذائی علاج

مریض کو غذا سے اس وقت تک دور رکھنا چاہئے جب تک اس کو شدید بھوک نہ لگے۔ ایسے صورت میں صرف پھل دیتے رہنا چاہئے۔ پھلوں کے جوس بھی دے سکتے ہیں۔ جہاں پر پھل ملنے مشکل ہوں وہاں پر تازہ دودھ پلایا جا سکتا ہے۔ جب بھوک میں شدت ہو تو صبح کی غذا میں

...ں مدت انزال طبعی ہو۔ اگر ایسی صورت نہ ہو تو اپنی صحت کو درست کر

ایک ہی قسم کی ادویات سے کرتے ہیں۔ جن میں مبردات ومسکنات اور مخدرات شامل ہوتی ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ تینوں مختلف علامات ہیں جومختلف اعضاء میں تحریک اور سوزش سے پیدا ہوتی ہیں۔ اس لئے ہر ایک کا علاج بالکل ایک دوسرے سے مختلف ہے جیسا کہ ہم نے اس کتاب میں ہر ایک کا الگ الگ علاج لکھا ہے۔

احتلام کی ابتداء معدہ کے عضلات کی تیزی اور تحریک سے شروع ہوتی ہے۔ پھر وہاں سوزش کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ جب اس میں شدت پیدا ہو جاتی ہے تو اس کا اثر دِل اور جسم کے دیگر عضلات تک پہنچ جاتا ہے اور انتہا کی حالت میں دماغ کے عضلاتی پردے میں سوزش کی صورت پیدا ہو جاتی ہے جس سے تمام جسم میں ذکاوت شدت اختیار کر لیتی ہے اور ذرا سی بھی عضلاتی تحریک جسمانی ہو یا ذہنی، برداشت نہیں کر سکتی۔ جس کا نتیجہ اخراج منی اور احتلام ہوتا ہے۔

اصول علاج

مرض کی شدت اور مریض کی حالت کے مطابق علاج ہونا چاہئے۔ بعض دفعہ مرض کی شدت اور مریض کی بے چینی بے حد پریشانی کا باعث بن جاتی ہے اور بعض دفعہ بہت سے اسباب اکٹھے ہو جاتے ہیں جن کا فوری طور پر رفع کرنا مشکل ہوتا ہے اور بعض دفعہ مختلف اسباب پیش آ جاتے ہیں۔ ان کے علاج میں کسی میں کمی اور کسی میں زیادتی ہو جاتی ہے۔ اکثر ایک سے زیادہ ہی اسباب اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ اگر اسباب مرض میں ایک اکیلا ہی سبب مرض کا باعث ہے تو جلد آرام ہوگا۔ بعض مرتبہ ایک اصلی سبب ہوتا ہے اور کئی اسباب اس کے ممد ومعاون ہو جاتے ہیں اور مرض کو ترقی دیتے ہیں۔ پھر ان اسباب میں سے بعض بہ آسانی رفع ہونے والے ہوتے ہیں۔ بعض کا دور کرنا کچھ دشوار ہو جاتا ہے۔ بعض اسباب ایسے ہوتے ہیں کہ ان کو دور کرنا فقط مریض کے اختیار میں ہوتا ہے۔ اگر وہ خود ان کو ہٹانا چاہے تو ہٹا سکتے ہیں۔ ورنہ وہ کسی صورت نہیں ہٹ سکتے اور معالج کی کوئی تدبیر وغذا اور دوا کام نہیں کر سکتی۔ البتہ ایسے موقع پر مریض کو سچی ہمدردی کے ساتھ ذرا ترش روئی اور سختی سے تاکیداً بتایئے کہ اگر اس نے مرض رفع کرنے کی کوشش نہ کی تو آئندہ ایسی خوفناک صورت حال اور امراض پیدا ہو جائیں گے کہ زندگی عذاب بن جائے گی اور جب تک وہ معالج کی مرضی کے مطابق یقین نہ دلائے اس وقت تک علاج سے انکار کر دے۔ یہ علاج کی کامیابی کے لئے اوّلین قدم ہے۔

اس حقیقت کو مدنظر رکھیں کہ اگر امتلائے منی باعث مرض ہے تو باقاعدہ زندگی اور شادی سے جلد آرام ہو جاتا ہے۔ اگر مرض کا سبب عضلاتی سوزش اور خراش ہو تو اس صورت میں علاج سے جلد آرام ہو سکتا ہے۔ لیکن اگر جلق واغلام اور کثرت مجامعت باعث مرض ہو تو آرام ہو سکتا ہے۔ مگر مریض ومعالج دونوں کو کوشش کرنی پڑتی ہے۔

علاج کے لئے مریض کا ماحول فوری طور پر بدل دینا چاہئے۔ لطف ولذت اور حظ کی صورتیں قطعاً بند کر دینی چاہئیں۔ عشق ومحبت کے سلسلے روک دینے چاہئیں۔ بلکہ دوستوں کی صحبت خصوصاً جذباتی قسم کے دوستوں سے بالکل دور رہنا چاہئے۔ بہتر ہے کہ اخلاقی قدروں کو مدنظر رکھنا چاہئے اور مذہبی تعلیم پر صالح طور پر گامزن ہو جانا ضروری ہے۔ صبح کے وقت جلدی اٹھنا، نہانا، جسمانی اور ذہنی طور پر پاک وصاف رہنا اور اکثر اوقات اپنے کام میں مشغول رہنا چاہئے۔ روزانہ صبح وشام اس قدر ورزش اور محنت کرے کہ تھکن کے بعد آرام اور نیند کے لئے طبیعت مجبور کر دے۔ جب آنکھ کھل جائے تو فوراً اُٹھ بیٹھنا چاہئے۔ لیٹے رہنا نقصان کا باعث ہوتا ہے۔ ان کے علاوہ خیالات کی پاکیزگی لازمی جزو ہے۔

غذائی علاج

مریض کو غذا سے اس وقت تک دور رکھنا چاہئے جب تک اس کو شدید بھوک نہ لگے۔ ایسے صورت میں صرف پھل دیتے رہنا چاہئے۔ پھلوں کے جوس بھی دے سکتے ہیں۔ جہاں پر پھل ملنے مشکل ہوں وہاں پر تازہ دودھ پلایا جا سکتا ہے۔ جب بھوک میں شدت ہو تو صبح کی غذا میں

مکھن اور دودھ یا چائے، مغز بادام، پیس کر اور مکھن میں ملا کر بھی دے سکتے ہیں۔ اگر بھوک زیادہ ہو تو ڈبل روٹی مکھن یا گھی میں تر بہ تر کھا کر دودھ یا چائے پی سکتے ہیں۔ دلیہ گھی میں تر بہ تر نمکین یا میٹھا کھا کر دودھ یا چائے پی سکتے ہیں۔ دوپہر کو صرف سالن ترکاری اور پھل، اگر بھوک شدید ہو تو روٹی چاول بھی کھا سکتے ہیں۔ رات کو دودھ یا چائے میں مکھن یا گھی ملا کر پلا دیا کریں۔ اگر بھوک زیادہ ہو تو برفی یا دودھ کی کوئی مٹھائی کھلا کر دودھ پلا سکتے ہیں۔ دوپہر اور رات کو بھی پھل دیئے جا سکتے ہیں۔

علاج بالمفرد ادویہ

نمک، بادیان، سنا مکی، زنجبیل، کشنیز، گھی، روغن زیتون، دنبہ کی چکی، گوشت کا شوربا، مچھلی، انگور، تل، اسپغول، تخم کاسنی، تخم کدو شیریں، توری، تخم توری، تخم مولی، نمک مولی، تخم گاجر، ملٹھی، ستاور، خلنجاں، ست گلو، ریوند چینی، فلفل سیاہ، فلفل دراز، ہلدی، دارچینی، گندھک، پارہ ریٹھا، شنگرف، زیرہ سیاہ، زیرہ سفید، آمیں، چرائتہ، ریوند عصارہ، شہد، چینی دودھ، بلائی، مکھن، انزروت، لفاح اور لہسن وغیرہ وغیرہ۔

علاج بالمرکبات

تحقیقات فارما کوپیا میں جس قدر غدی عضلاتی اور غدی اعصابی مرکبات درج ہیں وہ ضرورت کے مطابق استعمال کئے جا سکتے ہیں۔ یعنی جسم میں حرارت کی کمی ہو تو غدی عضلاتی مرکبات کا استعمال کریں۔ بلکہ اگر ضرورت محسوس ہو تو کچھ غدی اعصابی بھی دے سکتے ہیں۔ تاکہ رطوبت پورے طور پر ختم ہو کر مکمل حرارت پیدا ہو جائے۔

جب جسم میں خشکی کا اثر زیادہ محسوس ہو تو غدی اعصابی کا استعمال کرائیں۔ البتہ ہر صورت میں قبض اور شدت مرض کا اندازہ کرلیں۔ یعنی اگر قبض ہو تو اس کو بھی ملین یا مسہل غدی عضلاتی دیں اور اگر پیشاب میں خرابی یا جلن وغیرہ ہو تو غدی اعصابی ملین یا مسہل دیں۔ اسی طرح جو نسخے تحقیقات المجربات میں درج ہیں وہ بھی استعمال کئے جا سکتے ہیں۔ سب اپنی جگہ بے حد مفید اور یقینی و بے خطر مجربات ہیں۔ ذیل میں چند خصوصی مجربات درج کئے جاتے ہیں۔ جو ضرورت اور تحریک کے مطابق استعمال کئے جا سکتے ہیں۔

(۱) **سفوف احتلام:** نمک خوردنی ایک حصہ، سنا مکی تین حصے، باریک کر کے سفوف بنالیں۔

مقدار خوراک: چار رتی سے ایک ماشہ تک دن میں دو تین یا چار بار استعمال کریں۔

اثرات و افعال: یہ نسخہ غدی اعصابی ملین ہے۔

(۲) **حبوب احتلام:** تخم مولی دو حصے، ریوند خطائی چار حصے، انزروت دو حصے، باریک کر کے گولیاں بقدر نخود بنالیں۔

مقدار خوراک: ایک ایک گولی دن میں تین چار بار ہمراہ آب تازہ دیں۔

افعال و اثرات: غدی اعصابی شدید ہے۔

(۳) **مصالحہ احتلام:** فلفل سیاہ ڈھائی حصہ، الائچی خورد آدھا حصہ، زیرہ سیاہ ۶ حصے سفوف بنالیں۔ بس تیار ہے۔

مقدار خوراک: ایک ماشہ سے تین ماشہ تک۔

(۴) **تریاق احتلام:** گندھک اور ریٹھا دونوں ہم وزن باریک پیس کر بقدر نخود حبوب تیار کریں۔

مقدار خوراک: ایک ایک گولی دن میں دو تین بار یا چار بار بھی لے سکتے ہیں۔ ایک خوراک میں دو دو گولیاں بھی لے سکتے ہیں۔

افعال و اثرات: یہ غدی اعصابی تریاق ہے۔

(۵) **اکسیر احتلام:** شنگرف ایک حصہ، نوشادر تین حصے، سہاگہ دو حصے، کشنیز پانچ حصے، ملٹھی پانچ حصے، باریک پیس کر سفوف تیار کرلیں۔

مقدار خوراک: ایک ماشہ سے چھ ماشہ تک ہمراہ آب تازہ نیم گرم استعمال کریں۔
اثرات و افعال: یہ نسخہ غدی اعصابی اکسیر ہے۔
(۶) **حلوہ احتلام:** مغز بادام ایک چھٹانک رات کو بھگو رکھیں۔ صبح کو چھیل کر باریک کر کے چینی ملالیں۔ پھر کسی برتن میں مناسب گھی ڈال کر گرم کریں۔ جب گھی گرم ہوجائے تو اُتار کر اس میں بادام ڈال کر ملالیں۔
مقدار خوراک: روزانہ صبح ناشتہ کریں۔
اثرات و افعال: یہ نسخہ بھی غدی اعصابی مقوی ہے۔

سرعت انزال

سرعت انزال کی ماہیت

مردانہ قوت میں ضعف کا چوتھا سبب سرعت انزال ہے جو ایک ایسی علامت ہے جس سے مباشرت میں قبل از وقت (طبعی مدت سے قبل) انزال ہوجاتا ہے۔ جاننا چاہئے کہ انزال کی دو صورتیں ہیں: طبعی انزال اور غیر طبعی انزال۔
(۱) **طبعی انزال:** مباشرت میں انزال کی طبعی مدت عام طور پر دو تین منٹ سے پانچ منٹ تک ہوسکتی ہے یا زیادہ سے زیادہ دس منٹ تک ہو سکتی ہے۔ چونکہ مباشرت کا اصل مقصد اولاد پیدا کرنا یا زیادہ سے زیادہ صحت کے لئے اخراج منی کرنا ہے۔ اس لئے تندرست انسان کے لئے یہ مدت بہت کافی ہے۔ اس سے زیادہ مدت کے طلب گار لذت اور حظ کے خواہش مند ہیں جس کا تعلق صحیح زندگی سے نہیں ہے۔
(۲) **غیر طبعی انزال:** غیر طبعی انزال کی بھی دو حالتیں ہیں۔
اوّل صورت طبعی مدت سے پہلے انزال ہوجائے یعنی مباشرت میں دخول کے ساتھ ہی فوراً منی کا اخراج ہوجائے یا دخول سے پیشتر ہی انزال ہوجائے یا مباشرت کے خیال یا خوبصورت شکل دیکھنے کے ساتھ ہی انزال ہوجائے۔ یہی صورت سرعت انزال میں شمار کی جاتی ہے۔ یہی قابل علاج ہے۔ یہی بڑھ کر ضعف باہ پیدا کر دیتی ہے۔ دوسرے اس علامت سے اکثر اولاد نہیں ہوتی۔ تیسرے اس خرابی سے عورت کی تسلی نہیں ہوتی اور اس کو مرد سے نفرت ہوجاتی ہے۔ جس سے اکثر خانہ خراب یا خانہ برباد ہوجاتا ہے۔
دوسری صورت طبعی مدت سے بہت دیر بعد انزال ہو۔ یہ صورت کسی مرض کی وجہ سے ہو یا کسی غذا اور دوا کے ساتھ یا الٹی پلٹی حرکات کرنے سے مدت انزال کو طول دے دیا جائے یعنی پندرہ بیس منٹ سے نصف گھنٹہ تک بڑھا لیا جائے تاکہ مباشرت کی لذت سے زیادہ سے زیادہ لطف حاصل کیا جاسکے۔ لیکن یاد رکھیں کہ پہلی صورت کی طرح دوسری صورت بھی سخت نقصان دہ ہے۔ اوّل اس سے اعضائے منویہ میں ضعف، دوسرے مادہ منویہ کی پیدائش میں کمی پیدا ہوجاتی ہے۔ تیسرے عضو مخصوص میں استرخاء، چوتھے فالج کا خطرہ پیدا ہوجاتا ہے، پانچویں اتنی مدت مسلسل حرکات کرنے سے عورت کے رحم میں ورم ہوجاتا ہے، چھٹے جریان خون شروع ہوجاتا ہے۔ آخر عورت کے اعضائے مخصوصہ گوشت اور اعصاب کے بنے ہوتے ہیں وہ کسی حد تک ہی چوٹیں برداشت کرسکتے ہیں۔

امساک کی صورتیں

امساک کی بہترین صورت تو یہ ہے کہ انسان تندرست ہو اور اس کی مدت انزال طبعی ہو۔ اگر ایسی صورت نہ ہو تو اپنی صحت کو درست کر

کے مدت انزال کو طبعی کر لینا چاہئے۔ جس کے لئے مناسب اغذیہ وادویہ کا استعمال ہونا چاہئے۔ لیکن ہوتا یہ ہے کہ اکثر لوگ افیون، بھنگ اور چرس و دھتورہ وغیرہ استعمال کرتے ہیں۔ جن سے آخر کار قوت مردی برباد ہو جاتی ہے۔ اس لئے ان اشیاء اور دیگر مخدرات سے دور رہنا ہی بہتر ہے۔ زیادہ امساک اور لذت کی خواہش نہ کریں، بلکہ اپنی ضرورت کو مدنظر رکھیں۔ جو اچھی صحت سے ہی حاصل ہو سکتی ہے۔

یاد رکھیں کہ یہ خیال غلط ہے کہ زیادہ امساک سے عورت کو زیادہ خوشی اور تسلی ہوتی ہے بلکہ اس کے خلاف عورت کو تکلیف ہوتی ہے جس سے وہ مباشرت سے دور ہو بھاگتی اور برا مناتی ہے۔

بعض لوگ امساک کے لئے الٹی پلٹی حرکات بھی کرتے ہیں:

1. مباشرت کے وقت اپنی توجہ کو دوسری طرف لگانے کی کوشش کرتے ہیں یا حرکت کی گنتی شروع کر دیتے ہیں۔ اس سے ایک طرف اپنی توجہ بدلتے ہیں اور دوسری طرف عورت پر یہ تاثر بٹھاتے ہیں کہ وہ اس قدر قوت کے مالک ہیں۔
2. مباشرت کے وقت جب انزال کے قریب پہنچ جاتے ہیں تو اپنی حرکات روک دیتے ہیں یا عضو مخصوص کو باہر نکال کر تسکین حاصل کرتے ہیں۔ پھر حرکت شروع کر دیتے ہیں اور پھر تسکین وغیرہ کی صورت سے امساک کی صورتیں پیدا کرتے ہیں۔
3. مباشرت کے وقت اپنے پاؤں کی ایڑی سے مقعد پر دباؤ ڈال کر اپنی توجہ بدل کر امساک کی حالت قائم کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔
4. مباشرت میں ایک بار انزال کے بعد دوبارہ مباشرت سے ایک لمبا عرصہ حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

یاد رکھیں کہ ایسی تمام صورتیں عورتوں خصوصاً دلہنوں (نو واردان چمن) پر ظلم ہے جو مباشرت کی حقیقت کو نہیں جانتیں۔ جس سے وہ رحم کی مشکل اور پیچیدہ امراض میں مبتلا ہو جاتی ہیں۔ جن کا نتیجہ اولاد سے محرومی یا تپ دق وسل کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے اور لذت و حظ کے دیوانے بالآخر مفلوج یا پاگل ہو جاتے ہیں۔ یاد رکھیں کہ زندگی کے ہر عمل میں اعتدال کو قائم رکھنا انتہائی ضروری ہے۔

تشخیص سرعت انزال

سرعت انزال کی تشخیص میں اکثر غلطیاں کی جاتی ہیں۔ یہ غلطیاں صرف عوام تک محدود نہیں ہیں بلکہ اچھے اچھے اطباء سے بھی روزانہ سرزد ہوتی ہیں اور بڑے بڑے حکما کی کتب میں بھی نظر آتی ہیں۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ جریان واحتلام اور سرعت انزال میں پوری طرح فرق نہیں سمجھا جاتا۔ ان تینوں کے اسباب وعلامات کو آپس میں ملا دیا گیا ہے۔ صرف ایک مثال درج ہے جو ایک مشہور طبی مصنف کی کتاب میں درج ہے۔ سرعت انزال کے اسباب قریباً قریباً وہی ہیں جو جریان منی کے ہیں۔ جریان منی اور سرعت انزال اس حیثیت سے بالکل ملتے جلتے ہیں۔ سرعت انزال جریان منی کی ایک چھوٹی حالت ہے ورنہ جو نقص اعضائے تناسل اور منی کے جریان منی پیدا کرتے ہیں وہی اسباب چھوٹے اور خفیف ہونے کی حالت میں سرعت انزال پیدا کرتے ہیں۔ یہ صرف ایک مثال ہے لیکن اکثر کتب طبیہ میں سے اس قسم کی مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں۔ جہاں تک فرنگی طب کا تعلق ہے وہ اس کی ماہیت واسباب اور علامات وعلاج وغیرہ سے بالکل بے خبر ہے۔

غلط فہمی

سرعت انزال کی ماہیت کو سمجھنے میں غلط فہمی صرف اس لئے پیدا ہوتی ہے کہ اس کو صرف جریان منی یا اخراج منی کی ایسی صورت خیال کر لیا گیا ہے جس سے سرعت اور تیزی پائی جاتی ہے اور حیرت یہ ہے کہ جریان منی میں تو اخراج مسلسل کے ساتھ ضعف انتشار قائم ہوتا ہے۔ جب کہ سرعت انزال میں انتشار میں شدت پائی جاتی ہے۔ پھر دونوں کو ایک ہی مرض قرار دینا کس قدر غلط فہمی ہے۔ اس لئے دونوں کے اسباب کو مشترک

کہنا بہت بڑی غلط فہمی ہے۔ اگر دونوں کی ایک ہی صورت ہوتی تو پھر ان کو جدا جدا امراض کا نام دینا ضروری نہیں تھا۔ سرعت انزال دراصل جریان اور احتلام سے بالکل جدا مرض ہے۔ اس لئے اس کو جدا سمجھنے کی ضرورت ہے لہٰذا اس کے اسباب بھی ان سے مختلف ہیں۔

حقیقت سرعت انزال

اس امر کو ذہن نشین کر لیں کہ تندرست انسان میں انزال کے لئے ایک مناسب وقت ہوتا ہے جو دو منٹ سے لے کر پانچ منٹ تک یا زیادہ سے زیادہ اسی قدر اور وقت ہو سکتا ہے۔ لیکن اگر اس سے کم ہو تو سرعت انزال اور اگر زیادہ بھی ہو تو مرض میں شمار کریں۔ جس کا نتیجہ خوفناک امراض خصوصاً فالج ولقوہ اور دق وسل ہوتے ہیں۔ اس لئے مخدرات اور ممسکات مضر اور نقصان دہ ہیں۔

گزشتہ صفحات میں ہم لکھ چکے ہیں کہ احتلام عضلات میں تیزی اور سوزش سے پیدا ہوتا ہے اور جریان اعصاب میں سوزش اور تیزی سے ظاہر ہوتا ہے۔ اسی طرح سرعت انزال کے متعلق بھی سمجھ لیں کہ وہ گردوں میں سوزش اور تیزی سے عمل میں آتا ہے۔ اس حقیقت سے احتلام و جریان اور سرعت وانزال کی حقیقت اور ان کے فرق کو سمجھا جا سکتا ہے۔ جن کے اسباب وعلامات درج کئے گئے ہیں۔

ایک خاص بات

اکثر لوگ خصوصاً جنسی مریض سرعت انزال کی بہت شکایت کرتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ سرعت انزال اس قدر عام مرض نہیں ہے اور نہ ہی فوری طور پر ہو سکتا ہے۔ چونکہ اس سے جنسی جذبہ میں شدت ہوتی ہے۔ اس لئے اس جذبہ کی تسکین سے شدت کم ہو کر سرعت انزال کم ہو جاتا ہے۔ لیکن جس کثرت سے لوگ اس کے شاکی پائے جاتے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سو فیصدی لوگ اس مرض میں گرفتار ہیں۔ دراصل یہ مرض کی صورت نہیں بلکہ لذت اور حظ کی زیادہ سے زیادہ طلب ہوتی ہے۔ انسانی خصلت کا تقاضا ہے کہ وہ لذت ولطف اور حظ کی طرف کھنچا چلا جاتا ہے۔ اکثر لوگ نہ اس کے مقصد کو سمجھتے ہیں اور نہ ہی اس کی ضرورت کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ بلکہ اپنے جذبہ نفسانی کے تحت اپنے حواس خمسہ کو تسکین دیتے ہوئے لذیذ اغذیہ واشربہ لطیف نظارے و پرلطف نغمے وحسین رقص اور جنسی حظ کو زندگی سمجھ لیا گیا ہے۔ مگر اس حقیقت سے بالکل بے خبر ہوتے ہیں کہ ان جذبات کی شدت رفتہ رفتہ کسی خاص عضو خصوصاً اعضائے رئیسہ کی طرف خون کو اکٹھا کر دیتی ہے جس کا نتیجہ بالکل اسی طرح ہو سکتا ہے جیسے یک بارگی شدت جذبہ کے تحت خون کے اکٹھا ہونے سے عمل میں آتے ہیں جن کو ہم شادی مرگ یا غم مرگ کا نام دیتے ہیں یا خوفناک امراض کی صورت پیدا ہو جاتی ہے۔ جن میں جسم کا سن ہو جانا، ضعف بصر وسماعت اور فالج ولقوہ وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

یہ بھی یاد رکھیں کہ انتہائی خوشی میں اپنے آپ میں نہ رہنا یا قہقہہ مار کر بے قابو ہو کر ہنسنا بھی بعض اوقات نقصان کا باعث بن جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام میں قہقہہ مار کر ہنسنے کو منع کیا گیا ہے اور اس صورت میں وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ ان حقائق کے پیش نظر زیادہ سے زیادہ لذت ولطف اور حظ خصوصاً جنسیاتی جذبات میں زیادتی اور شدید امساک سے دور رہنا چاہئے۔ کیونکہ قدرتی اور اعتدال کا راستہ اور عمل ہی درست ہو سکتا ہے۔

ایک اور غلط فہمی

اکثر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ جب تک مرد اور عورت کا انزال اکٹھا نہ ہو اس وقت تک اولاد نہیں ہو سکتی۔ اس لئے اگر مرد میں سرعت انزال ہو تو اس کو ضرور اس قدر امساکی ادویہ کھانا چاہئیں جس قدر اس کو عورت کے انزال میں ضرورت ہو سکتی ہے۔ یہ ایک زبردست غلط فہمی اور حقائق سے لاعلمی ہے۔ امساک اپنی لذت ولطف اور حظ کے لئے نفسیاتی طلب ہے یا زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ سرعت انزال میں عورت تشنہ رہ کر

بے قرار ہو جاتی ہے اور اس کی خاموشی بھی شدید احتجاج معلوم ہوتی ہے۔ مگر یہ خیال کرنا کہ اکٹھا انزال نہ ہونے سے اولاد نہیں ہو سکتی یہ سراسر غلط فہمی اور حقائق سے لاعلمی ہے۔ کیونکہ جن صاحب علم اور اہل فن کی نگاہ تشریح الابدان، منافع الاعضاء اور حقائق توالد و تناسل پر ہے وہ خوب جانتے ہیں کہ مرد اور عورت کا اکٹھا انزال ہونا یا نہ ہونا قیام حمل میں کوئی معنی نہیں رکھتا۔ اس کے بغیر بھی اولاد ہو سکتی ہے۔

جاننا چاہئے کہ اول تو یہ خیال ہی فطرت نفسانی اور مزاج کے خلاف ہے کہ دونوں ہم نفس اور ہم مزاج ہوں۔ اس لئے تقدم و تاخر لازمی امر ہے۔ دوسری مرد کے عضو مخصوص کی بناوٹ صرف ایک پچکاری کی حیثیت رکھتی ہے کہ اس سے مادہ منویہ کسی قدر لذت و انتشار اور عورت میں لطف و حظ پیدا کرنے کے ساتھ اس کے جسم میں داخل کر دیا جائے۔ پھر جسم میں یہ مادہ منویہ دس سے پندرہ یوم تک اندر رہتا ہے اور کرم منی اپنا سفر جاری رکھتے ہیں۔ جب ان کو اتصال نصیب ہوتا ہے تو حمل قائم ہو جاتا ہے۔ تیسرے عورت کے بیضہ جن کے ساتھ مرد کے کرم حمل قائم کرتے ہیں وہ عورت کے انزال کے ساتھ مشروط نہیں ہیں۔ بلکہ ان کا تعلق عورت کے اس خون کے ساتھ ہے جو اسے ہر ماہ آتا ہے اور اس کے ساتھ اس کے بیضوں کا اخراج ہوتا ہے۔ ہر حیض کے بعد بیضے رحم میں پائے جاتے ہیں اور کرم منی کو قبول کر کے حمل کا باعث بنتے ہیں۔ چوتھے جب مرد عورت پر اس کی مرضی کے بغیر مجرمانہ حملہ کرتا ہے تو اس کا انزال عورت کی مرضی کے بغیر ہوتا ہے۔ مگر اولاد ہو جاتی ہے۔ پانچویں جب عورت پینتالیس اور پچاس سال کی عمر کو پہنچتی ہے تو اس کا سلسلہ حیض بند ہو جاتا ہے۔ اس صورت میں ہزار بار اکٹھا انزال کیا جائے مگر کبھی حمل قرار نہیں پاتا۔ ان حقائق سے ثابت ہوتا ہے کہ پیدائش اولاد کے لئے مرد اور عورت کا اکٹھا انزال ہونا ضروری نہیں ہے۔ اس لئے اس ضرورت کے لئے امساکی ادویہ کا استعمال غیر ضروری اور نقصان کا باعث ہے۔

سرعت انزال کے اسباب

اکثر طبی کتب میں سرعت انزال کے اسباب قریباً قریباً وہی لکھے ہیں جو جریان منی کے اسباب ہیں۔ گویا جریان منی اور سرعت انزال اس حیثیت سے بالکل ملتے جلتے ہیں۔ بلکہ سرعت انزال کو جریان منی کی ایک چھوٹی حالت قرار دیا ہے۔ یعنی جو نقص اعضائے تناسل اور منی کے جریان پیدا کرتے ہیں وہی اسباب چھوٹے اور خفیف ہونے کی حالت میں سرعت انزال پیدا کرتے ہیں۔ یہ بات بالکل غلط ہے جیسا کہ ہم پہلے کئی بار لکھ چکے ہیں کہ سرعت انزال کا مرض جریان منی سے بالکل جدا مرض ہے۔ اس لئے سرعت انزال کے اسباب بھی اس سے بالکل جدا ہیں۔ سرعت انزال کے اسباب درج ذیل ہیں۔

(۱) **سوزش غدد اور غشائے مخاطی:** سوزش غدد میں جگر و گردے اور خصیتین و امعاء کے غدد خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ان حالات میں دوران خون مقام سوزش پر دباؤ کی حالت پیدا کر کے سرعت انزال کا بڑا اور قوی سبب بن جاتا ہے۔ اس حالت میں ذکاوت اور انتشار بھی اکثر رہتا ہے اور دوران خون میں تیزی اور دباؤ بڑھ جاتا ہے۔

غشائے مخاطی کی صورت میں سر سے پاؤں تک کسی مقام کے غشائے مخاطی میں سوزش ہو سکتی ہے۔ اس میں احلیل (پیشاب کی نالی) کی سوزش اور سوزاک قابل ذکر ہیں۔ چونکہ غشائے مخاطی کی سوزش بھی ایک قسم کی غدی سوزش ہے اس لئے وہی حالات قائم رہتے ہیں۔ بعض عیاش قسم کے لوگ انتشار میں تیزی پیدا کرنے کے لئے سوزاک پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

راز کی بات: فرنگی طب میں جس حالت کی ہائی بلڈ پریشر (خون کے دباؤ میں شدت) کہا جاتا ہے وہ اور کچھ نہیں ہے صرف جسم کے کسی غدد یا جسم میں کسی جگہ غشائے مخاطی میں سوزش پیدا ہوتی ہے۔ پس وہاں کی سوزش کو معلوم کر کے دفع کرنے کی کوشش کی جائے۔ عام طور پر یہ سوزش اعضائے رئیسہ کی غشائے مخاطی یا گردوں اور خصیتین میں پائی جاتی ہے۔

(۲) **غلبہ خون:** غلبہ خون عام طور پر خون کی زیادہ پیدائش سے ہوتا ہے۔اس کی تین صورتیں ہیں:

① جگر کی تقویت ② بہترین غذاء ③ اچھا ماحول۔

خوش قسمت ہیں وہ لوگ جن میں یہ تینوں صورتیں اکٹھی پائی جاتی ہیں۔ان میں سے ایک حالت میں بھی غلبہ پیدا ہو جائے تو سرعت انزال کی صورت قائم ہو جاتی ہے۔

یہ حقیقت مسلمہ ہے کہ جگر کی تقویت سے جسم میں غذا جلد جلد خون بننے لگتی ہے اور اگر اس کے ساتھ بہترین غذا ہو تو خون میں کثرت کے ساتھ تقویت اور بڑھ جائے گی۔اس کے ساتھ اچھا ماحول میسر آ جائے یعنی گلشن و آسائش زندگی، نغمہ و سرود اور حظ ولذت کا آرام وغیرہ۔ اگرچہ یہ وقتی صورتیں ہیں تاہم ان کا تسلسل آخر کار تحلیل قلب پیدا کر کے فوری موت (ہارٹ فیلور) کا باعث بن جاتا ہے۔ بہرحال غلبہ خون بہت ہی کم لوگوں میں ہوتا ہے۔

(۳) **کثرت حرارت وحدت منی:** کثرت حرارت کی صورت عام طور پر یہ ہوتی ہے کہ حرارت کی پیدائش زیادہ ہو اور اس کا اخراج یا خرچ کم ہو۔اس کی تین صورتیں ہیں:

① جگر وغدد یا غشائے مخاطی میں سوزش ② گرم اشیاء اور اغذیہ کا بالفعل یا بالقوئی استعمال ③ گرم ماحول۔

ان تمام صورتوں میں جب جسم میں حرارت اور صفراء کی پیدائش بڑھ جاتی ہے اور اس حرارت کا اخراج پورے طور پر نہیں ہو سکتا یا اس کا جسم میں پورے طور پر خرچ نہیں ہو سکتا تو اس سے منی میں بھی حدت بڑھ جاتی ہے۔اس طرح سرعت انزال کی صورت پیدا ہو جاتی ہے۔بعض لوگ گرم گرم روٹی سالن کھانے اور گرم گرم دودھ یا چائے پینے کے عادی ہوتے ہیں۔اس عادت سے بھی اکثر سرعت انزال ہو جاتا ہے۔گرم علاقے اور گرم ماحول میں جہاں پر بہت زیادہ شدت کی گرمی ہوتی ہے۔گرمی جسم میں جذب ہو کر سرعت انزال کا باعث بنتی ہے۔

ایسے مکان جن میں گھٹن اور گرمی کا احساس ہوتا ہے، سرعت انزال کے اسباب میں ان کو بھی شریک کر لینا چاہئے۔ایسی صورتوں میں مقام اور مکان دونوں پر فضا اور تسکین دہ ہونے چاہئیں۔

اس امر کو ہمیشہ یاد رکھیں کہ کثرت حرارت سے حدت منی پیدا ہو جاتی ہے اور اس سے سرعت انزال پیدا ہو جاتا ہے۔حدت منی میں صرف حرارت کی پیدائش یا حار اغذیہ یا حار ماحول کے اسباب نہیں ہوتے بلکہ نفسیاتی اور جذباتی اثرات بھی منی میں حدت پیدا کر دیتے ہیں۔ یہ اثرات ظاہرہ صورتوں میں ہوں یا تصور میں پیدا ہو جائیں اس میں عشقیہ قصے و کہانیاں اور ناول شریک ہیں۔ بلکہ نفسیاتی اور جذباتی اثرات اس قدر شدید ہوتے ہیں کہ ان کا اثر فوراً ہو جاتا ہے۔ان کے مقابلے میں پیدائش حرارت کا اثر دنوں اور مہینوں میں ہوتا ہے۔اغذیہ میں گوشت و گرم مصالحہ جات اور گرم میوہ جات وغیرہ اور جو لوگ کثرت سے شراب پیتے ہیں وہ بہت جلد اس مرض کا شکار ہو جاتے ہیں۔

سرعت انزال کے اسباب میں حرارت کے اثرات کی ایک خوفناک صورت یہ بھی ہے کہ جو لوگ فاحشہ یا حیض والی عورتوں سے مباشرت کرتے ہیں ان سے بھی جسم میں حرارت اور حدت منی پیدا ہو جاتی ہے۔ کیونکہ فاحشہ عورتوں میں آتشک اور سوزاک کے امراض عام ہوتے ہیں۔ ان سے جسم میں یقیناً حرارت و سوزش پیدا ہوتی ہے۔ بلکہ اکثر وہی امراض پیدا ہو جاتے ہیں۔ یہی صورتیں حیض والی عورتوں سے بھی پیدا ہو جاتی ہیں۔ بلکہ اکثر سوزش ہو کر سوزاک پیدا ہو جاتا ہے۔

ان سب باتوں کے علاوہ سرعت انزال کی ایک اور صورت بھی اکثر پائی جاتی ہے۔وہ ہے اپنے سے کم عمر عورتوں یا کنواری لڑکیوں سے مباشرت کرنا۔ان کے جسم میں مرد کی حرارت سے بہت زیادہ حرارت ہوتی ہے۔جو جسم میں جذب ہو کر منی میں حدت پیدا کر دیتی ہے اور سرعت

انزال کا مرض پیدا ہو جاتا ہے۔ ان اسباب کے ساتھ ہی کم عمر عورتوں یا کنواری لڑکیوں کے تصورات بھی حدت منی کا باعث بن جاتے ہیں۔ ظاہر میں یہ باتیں معمول زندگی ہیں لیکن سرعت انزال کے شدید اسباب ہیں۔ ان حقائق سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایک صحیح زندگی کے لئے تزکیہ نفس بھی بے حد ضروری امر ہے۔

تشخیص

صرف مریض کے کہنے پر اس کو سرعت انزال کی دوا دے دینا کوئی زیادہ مفید نہیں ہے، بلکہ مریض کو پورے طور پر سمجھنے کی ضرورت ہوتی ہے اور جس قدر اسباب بیان کئے گئے ہیں ان کو ذہن میں رکھنا لازمی ہوتا ہے۔ تاکہ مریض کا صحیح طریق پر علاج کیا جا سکے۔ بظاہر سرعت انزال معمولی مرض ہے لیکن مندرجہ بالا اسباب کے تحت غور کریں تو یہ ایک خوفناک مرض ہے۔ اس کی شدت سے خوفناک امراض پیدا ہوتے ہیں جن میں فالج، ذیابیطس اور تپ دق وسل قابل ذکر ہیں۔ ضعف قلب اور ہارٹ فیلور بھی انہی صورتوں میں ہو جاتے ہیں۔

علاج سرعت انزال بالا دویہ

ذہن نشین کرانے کے لئے ہم پھر لکھ رہے ہیں کہ سرعت انزال ایک جدا علامت ہے۔ اس کا جریان اور احتلام سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ سرعت انزال غدی تحریک ہے۔ اس میں چونکہ عضلات میں تحلیل پیدا ہوتی ہے اس لئے عضلات میں کمزوری ہو جاتی ہے جس سے منی میں امساک قائم نہیں رہ سکتا۔ امساک خون کے دباؤ سے پیدا ہوتا ہے۔ ریاح صالح سے قائم رہتا ہے۔ جو حرارت کی عضلات کی طرف زیادتی سے تحلیل ہو جاتی ہے۔

یہ امر بھی ذہن نشین رکھیں کہ انزال ایک اضافی حالت ہے جو تندرستی کی حالت میں طبعی صورت پر قائم رہتی ہے۔ اس کا اندازہ دو تین حد پانچ منٹ سے زیادہ نہیں ہوتا اور نہ ہی ہونا چاہئے۔ یہ کمی بیشی صالح ریاح کی کمی بیشی پر منحصر ہے۔ مرض کی حالت میں چند سیکنڈ سے زیادہ نہیں ہوتی۔ یہی اس کی حالت مرض ہے اور اسی کا علاج کیا جاتا ہے۔

چونکہ لذت ولطف اور حظ انسانی شوق اور خواہشات کا کمال ہے۔ اس لئے اکثر انسان ان کی تکمیل کے لئے اور مد مقابل کو اپنی طاقت کی نمائش کے لئے امساک کی تلاش میں سرگرداں رہتے ہیں۔ لیکن یہ وہ نہیں جانتے کہ مرض کی حالت کو رفع کرنے کے لئے ان کی کوشش جائز ہے لیکن ضرورت سے زیادہ طبعی اور مصنوعی امساک دل و دماغ اور جگر جو اعضائے رئیسہ ہیں، ان کو کمزور کر دیتا ہے۔ اوّل اندازہ سے زیادہ حرکت کرنی پڑتی ہے، دوسرے ممسک ادویہ اپنی خشکی کی وجہ سے مادہ منویہ کو خشک کر دیتی ہیں، تیسرے ممسک ادویہ میں اکثر نشہ آور اجزاء شامل ہوتے ہیں۔ ان سب کا نتیجہ خوفناک امراض کا پیدا ہو جانا ہے۔ البتہ طبعی اور غیر مضر امساک میں کوئی نقصان نہیں۔

ملذذ ادویہ

مباشرت میں لذت ولطف اور حظ کو بڑھانے کے لئے بعض لوگ ملذذ ادویات کا استعمال کرتے ہیں۔ اس حظ نفسانی سے ایک مراد یہ بھی ہوتی ہے کہ عورت بھی اس لذت ولطف اور حظ سے لطف اندوز ہو کر ان سے دلی محبت کرنے لگے۔ لیکن وہ لوگ اس حقیقت سے بالکل واقف نہیں ہوتے کہ ہر ملذذ دوا شدید محرک اور سوزش پیدا کرنے والی ہوتی ہے۔ اس سے دورانِ خون میں تیزی پیدا ہو کر جلد انزال ہو جاتا ہے۔ اور دوسرے اس بات کو بھی ذہن نشین کر لیں کہ جو ادویہ بھی لذت ولطف اور حظ میں اضافہ کریں گی وہ یقیناً جلد انزال کا باعث ہوں گی۔

بعض لوگ ملذذ ادویہ اس لئے استعمال کرتے ہیں کہ عورت کو جلد انزال ہو جائے لیکن وہ اس امر کو بھول جاتے ہیں کہ وہ دوا ان میں بھی

سرعت انزال پیدا کردے گی۔ ان ادویات کے استعمال سے بے حد نقصان ہوتا ہے۔ کیونکہ ملذذ ادویہ سے عورتوں کے رحم اور مردوں کے عضو مخصوص میں سوزش پیدا ہوکر سیلان الرحم اور جریان منی پیدا ہوجاتا ہے۔ مرد و عورت دونوں کو ملذذ ادویات سے پرہیز بہتر ہے۔

راز کی بات

سرعت انزال کے کئی اسباب بیان کئے گئے ہیں لیکن اگر صحیح اغذیہ اور درست ادویہ کو تجویز کردیا جائے تو تمام اسباب کا مرکزی اثر غدد اور خصوصاً جنسی غدد پر پڑتا ہے۔ جس سے وہاں کے عضلات میں جلد تحلیل ہوجاتی ہے۔ اس لئے علاج میں غدد کی اس سوزش کو رفع کرنا اور حرارت کا اعتدال مقصود ہوتا ہے۔ جو صحیح اغذیہ اور درست ادویہ سے فوراً اعتدال پر آنا شروع ہوجاتی ہیں۔ ایسی ادویہ اور اغذیہ درج ذیل ہیں۔

سرعت انزال کے لئے اغذیہ: ہر قسم کا دودھ، مکھن، مرغابی کا گوشت، مچھلی، بادام، چہار مغز، انگور تازہ شیریں، امرود، میٹھا، خربوزہ، ناشپاتی، گھیا، کھیرا، ککڑی، شلغم اور چقندر وغیرہ۔ اس میں غدی اعصابی، اعصابی غدی اور اعصابی عضلاتی ہر قسم کی اغذیہ شامل کی جاسکتی ہیں۔

سرعت انزال کے لئے مفرد ادویہ: اسپغول، بالنگو، گوند ببول اور گوند کیکر، تال مکھانہ، صندل، تخم کاسنی، سمندر سوکھ، کف دریائی، ابریشم، اسگندھ، الائچی خورد، برم ڈنڈی، برہمی، بھنگ، ترنجبین، تل، ثعلب، کشنیز، رب السوس، ستاور، ریٹھا، زیرہ سفید و سیاہ، سپستان، سرپھوکہ، سونا مکھی، شکر، گاؤزبان، مشک، لوبان، مروڑ پھلی، موم، انزروت، تلسی، شربت شہد، گھی، لفاح۔

سرعت انزال کے لئے کشتہ جات: کشتہ چاندی، کشتہ قلعی، کشتہ سیسہ، کشتہ نیلم، کشتہ سنکھ، کشتہ کوڑی زرد، کشتہ سیپ اور کشتہ سونا مکھی۔

سرعت انزال کے لئے مجربات: تحقیقات طبی فارماکوپیا میں جتنے بھی نسخہ جات غدی اعصابی، اعصابی غدی اور اعصابی عضلاتی دیئے گئے ہیں ضرورت کے مطابق وہ سب مفید اور صحیح ہیں۔ اسی طرح تحقیقات المجربات میں بھی جو نسخے درج ہیں وہ بھی سب یقینی ہیں۔ اور جو نسخے اس تحریک کے نام سے مقوی واکسیر اور تریاق کے تحت درج ہیں وہ سب بے خطا ہیں۔ ہمارے مجربات و مرکبات اور نسخہ جات سو فیصد صحیح ہیں۔ البتہ مریض کو اپنی غذا و ماحول کو درست رکھنا چاہئے۔

حبوب برائے سرعت انزال: انزروت ایک تولہ، لوبان ایک تولہ، کف دریائی دو تولے، ورق نقرہ دو ماشے، اوّل انزروت اور لوبان کو باریک کرلیں۔ پھر ان میں ورق کھرل کرلیں۔ اس کے بعد اس میں کف دریائی ملا کر کھرل کریں اور گولیاں بقدر نخود تیار کرلیں۔ مقدار خوراک ایک گولی صبح ایک گولی شام ہمراہ آب تازہ۔

سفوف برائے سرعت انزال: الائچی خورد ایک تولہ، صندل سفید ایک تولہ، اسگندھ ناگوری تین تولے، گوند کیکر تین تولے۔ باریک سفوف بنالیں۔ مقدار خوراک ایک ماشہ صبح ایک ماشہ شام۔ اس کو بوقت ضرورت دوگنا استعمال کرسکتے ہیں۔

مٹھائی برائے سرعت انزال: مغز بادام دو چھٹانک، مربہ گزر چار چھٹانک، مٹھائی پیٹھہ چار چھٹانک۔ پہلے مربہ اور مٹھائی کو کوٹ لیں۔ پھر اس میں مغز بادام شامل کرلیں۔

مقدار خوراک: ایک تولہ صبح ایک تولہ شام ہمراہ آب تازہ۔

اکسیر برائے سرعت انزال: کشتہ چاندی، کشتہ سیپ، کشتہ سونا مکھی ہم وزن لے کر ملالیں۔

مقدار خوراک: نصف رتی صبح نصف رتی شام۔

تریاق برائے سرعت انزال: ریٹھا ایک تولہ، کشنیز تین تولے، زیرہ سیاہ ایک تولہ، گوند کیکر تین تولے کوٹ کر گولیاں بنالیں۔

مقدار خوراک: ایک گولی صبح ایک گولی شام۔

کیمیاوی اور نفسیاتی نامردی اور ضعف باہ

ماہیت مرض میں ہم لکھ چکے ہیں کہ عنانت و نامردی اور ضعف باہ تینوں لفظ وسیع معنوں میں استعمال ہوتے ہیں۔ یعنی معمولی مردمی قوت کی کمزوری سے لے کر مادرزاد نامردی تک کے تمام درجات اس میں شریک ہیں۔ لیکن ان کے حقیقی مفہوم میں تین قسم کی صورتیں پیش آتی ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) **مردمی قوت میں کمزوری:** جس سے مرد کا مباشرت و مواصلت اور جماع کی قابلیت ختم ہو جانا یا بہت کم ہو جانا اور مناسب اندازہ کے مطابق فعل انجام نہ دے سکنا۔

(۲) **خواہش جماع کا ختم ہو جانا:** اس صورت میں وہ جذبات ختم ہو جاتے ہیں یا بہت حد تک کم ہو جاتے ہیں جن سے خواہش جماع پیدا ہوتی ہے۔

(۳) **قوت تولید کا خراب یا ختم ہو جانا:** اس صورت میں تولید نسل کی قابلیت ختم ہو جاتی ہے یا بہت کم ہو جاتی ہے۔ اس میں مباشرت و مواصلت اور جماع کی قابلیت تو ہوتی ہے بلکہ بعض حالتوں میں بہت زیادہ ہوتی ہے مگر اولاد پیدا کرنے کی قابلیت نہیں رہتی۔ اس صورت کے اسباب کچھ ہی کیوں نہ ہوں اس کو بھی نامردی میں شمار کرتے ہیں۔

عنانت و نامردی اور ضعف باہ کے اسباب میں ہم کثرت مباشرت، جلق، احتلام، جریان اور سرعت انزال کی حقیقت و ماہیت اور علامات و علاج پر بہت کچھ لکھ چکے ہیں۔ اگرچہ ان میں احتلام و جریان اور سرعت انزال بذاتِ خود امراض ہیں لیکن ضعف باہ کے زبردست اسباب میں شریک ہیں۔ کیونکہ باہ کی خرابی کسی ایک عضو کا نقص نہیں ہے بلکہ جسم کے کسی عضو کی خرابی سے یہ واقع ہو سکتی ہے۔

اعضاء کی خرابی گویا مشینی نقص ہے۔ اگرچہ ہر مشینی نقص میں بھی جسم میں خاص قسم کے کیمیاوی اثرات موجود ہوتے ہیں۔ لیکن ظاہری طور پر مرض کی ابتدا مشینی صورت ہی سے ہوتی ہے۔ اس لئے ان کو مشینی نقص ہی تسلیم کیا گیا ہے۔ بعض ایسی خرابیاں اور اسباب ہیں جن کا تعلق مشینی کی نسبت جسم کے کیمیاوی اثرات سے ہوتا ہے۔ جیسے منی میں نقص پیدا ہو کر باہ میں بے اعتدالی واقع ہو جائے، خون میں خرابی پیدا ہو کر باہ میں نقص پیدا ہو جائے، ماکولات و مشروبات میں کیمیاوی توازن قائم نہ رہے۔ اس سے جسم میں قوتِ باہ کا توازن ختم ہو جاتا ہے۔ اگرچہ ہم ان پر روشنی ڈال چکے ہیں تاہم ان کا خصوصی علاج لکھنا بہت ضروری معلوم ہوتا ہے۔

مشینی خرابی اور کیمیاوی نقص کے علاوہ نفسیاتی افعال و اثرات بھی قوت باہ میں نقصان کا باعث بن سکتے ہیں۔ بالکل اسی طرح جیسے شوق و عشق اور لذت و سرور سے قوتِ باہ میں تحریک اور حظ پیدا ہو جاتا ہے۔ ان جذبات میں جو قوت باہ میں نقصان کا باعث بنتے ہیں ان میں خوف و غم اور ندامت و احساس کمتری خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ان کی حقیقت و ماہیت اور علاج پر لکھنا بھی بے حد ضروری ہے۔ تاکہ معالج مردانہ امراض کے علاج میں الجھن کا شکار نہ بن جائے۔

منی کے نقص سے ضعف باہ

منی کے نقص کی تین صورتیں ہیں: (۱) پیدائش منی میں کمی (۲) قوام منی میں ضعف (۳) مزاج منی میں نقص۔

ان تینوں نقائص کی صورتیں اگرچہ جدا جدا ہیں لیکن ان کا باہم گہرا تعلق ہے۔ اس لئے ان کا ذکر ایک مقام پر ہی مفید ہو سکتا ہے۔

منی میں بذاتِ خود یہ قوت ہے کہ جب اس کی پیدائش بڑھ جاتی ہے تو جسم انسان پر اس کا ایک خاص قسم کا اثر ہوتا ہے۔ کیونکہ قانون فطرت نے اپنے نظام کے مطابق اس دُنیا میں بنی نوع انسان کے سلسلہ حیات و بقا کو جاری رکھنے اور قائم رکھنے کے لئے عمل ازدواج میں ایک

قسم کا ذوق وتلذذ رکھ دیا ہے۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو پھر یقیناً انسان اس طرف متوجہ نہ ہوتا جس کا نتیجہ یہ نکلتا کہ نظام حیات اور سلسلہ توالد و تناسل ختم ہو جاتا۔

اس ہیجان اور جوش کی وجہ وہ مادہ مولدہ یا مادہ منویہ ہی ہوتا ہے جو انسان کے جسم میں تیار ہوتا رہتا ہے۔ مادہ بدن میں کثیر مقدار میں تیار ہوتا رہتا ہے۔ جس کے ساتھ ہی اس کے اخراج کے لئے سرور اور دغدغہ محسوس ہوتا ہے اور انسان عمل طبعی کا طلب گار ہوتا ہے۔ غور کرنے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ مادہ منویہ بذاتِ خود انسان کے لئے منزلہ احساس کے ہے۔ اگر منی کی پیدائش میں کمی واقع ہو جائے یا اس کے اخراج میں زیادتی کر دی جائے جو عام طور پر کثرت اخراج منی سے واقع ہوتی ہے تو اس کا لازمی اثر قوت باہ پر پڑے گا اور جو احساس اور دغدغہ باعث تلذذ اور انتشار ہوتا ہے وہ ختم ہو جاتا ہے یا کم ہو جاتا ہے۔ اس کا علاج اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ منی کی پیدائش بڑھانے کی کوشش کی جائے۔ اس مقصد کے لئے اور ادویہ کے علاوہ مریض کو اچھے ماحول میں رکھنا نہایت ضروری ہے۔

علاج بالغذا

منی کا نقص قلت کی وجہ سے ہو تو غذا میں گوشت، انڈے اور دیگر مرغن اشیاء استعمال کرائیں۔ اس کے ساتھ میوے اور حلوے بے حد مفید ہیں۔ عام طور پر ان کی ترتیب اس طرح رکھنی چاہئے کہ صبح کو میوہ جات پیس کر اور گھی میں سرخ کر کے کھائیں۔ ساتھ دودھ یا چائے دے دیں۔ دوپہر کو بھنا ہوا گوشت یا دالیں اور سبزیاں ہو سکتی ہیں۔ لیکن ان کا گھی میں تربہ تر ہونا ضروری ہے۔ ساتھ پھل بھی دیئے جا سکتے ہیں۔ رات کو دو چار انڈوں کا حلوہ کھلا کر ساتھ دودھ دے دیں۔ اس طرح بہت جلد جسم میں تقویت پیدا ہونا شروع ہو جاتی ہے اور منی کی پیدائش بڑھ جاتی ہے۔

علاج بالمرکبات

اس سلسلہ میں طبی کتب میں بے شمار مجربات درج ہیں جو تقریباً سب ہی مفید ہیں۔ مثلاً لبوبات و معجونات اور حلوے وغیرہ جن میں حلوہ کنجشک، حلوہ بیضہ مرغ، دوائے ترنجبین، حلوہ آنبہ معجون انطاکی، معجون سپاری پاک، معجون تال مکھانہ اور حلوہ نخود وغیرہ شامل ہیں۔

علاج بالمفرد ادویہ

بادام، پستہ، چلغوزہ، نارجیل، کنجد، مربہ زنجبیل، تخم گذر، تازہ مچھلی، بہمن سرخ وسفید، ثعلب مصری، تودری سیاہ وسفید، چارمغز اور شہد وغیرہ۔

نوٹ: اس قسم کے علاج میں مزاج اور تحریک کو ضرور مدنظر رکھیں تا کہ علاج معالجہ میں فوری اثر نمودار ہو اور یہی کامیابی ہے۔

نقص قوت تولید

عنانت و نامردی اور ضعف باہ کی ہم نے تین صورتیں پیش کی ہیں۔

(۱) **مردمی قوت میں کمزوری:** جس سے مرد میں مباشرت ومواصلت اور جماع کی قابلیت ختم ہو جاتی ہے اور وہ مناسب اندازہ کے مطابق یہ فعل انجام نہیں دے سکتا۔ اگرچہ اس میں خواہش جماع باقی ہوتی ہے بلکہ بعض حالتوں میں شدید ہوتی ہے۔

(۲) **خواہش جماع کا ختم ہو جانا:** جس میں وہ جذبات ختم ہو جاتے ہیں یا بہت حد تک کم ہو جاتے ہیں جن سے خواہش جماع پیدا ہوتی ہے۔

(۳) **نقص قوت تولید:** اس صورت میں تولید نسل کی قابلیت ختم ہو جاتی ہے یا بہت کم ہو جاتی ہے۔ اس میں مباشرت ومواصلت اور جماع

کی قابلیت تو ہوتی ہے بلکہ بعض حالتوں میں بہت زیادہ ہوتی ہے مگر اولاد پیدا کرنے کی قابلیت نہیں رہتی۔ اس صورت کے اسباب کچھ ہی کیوں نہ ہوں اس کو بھی نامردی میں شمار کرتے ہیں۔

گزشتہ صفحات میں ہم نے ''منی کے نقص سے ضعف باہ'' کے عنوان کے تحت کیمیاوی اثرات کی تین صورتیں بیان کی ہیں:

(۱) پیدائش منی میں کمی (۲) قوام میں خرابی (۳) مزاج منی میں نقص۔

ان تینوں نقائص کی صورت کم وبیش جدا جدا ہے لیکن ان کا باہم گہرا تعلق ہے۔ اس لئے ان کا ذکر ایک ہی مقام پر کر دیا ہے۔

عنانت ونامردی اور ضعف باہ کی تین صورتوں میں نقص قوت تولید کی خرابی کا علاج منی کے نقص سے ضعف باہ میں شامل ہے۔ لیکن نقص قوت تولید کا عنوان پھر قائم کر دیا گیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ فرنگی طب نے ایک علامت منی میں خرابی کے متعلق تشخیص کی ہے کہ کرم منی کا نہ ہونا یا بہت کم ہونا وغیرہ۔

جاننا چاہئے کہ جب منی اپنے مزاج میں پختہ ہو جاتی ہے تو اس میں کرم خود بخود پیدا ہو جاتے ہیں۔ اس میں کرم منی پیدا کرنے کی جدا کوئی صورت نہیں ہوتی۔ بہر حال سہولت اور مزید معلومات کے لئے جدا عنوان کے تحت ذکر کر دیا گیا ہے۔

نقص قوت تولید کی تین صورتیں ہوتی ہیں: (۱) رطوبات بلغمیہ کی زیادتی سے اس میں پختگی پیدا نہ ہو اور نہ ہی مکمل قوام بنے۔ (۲) جسم میں اس قدر حرارت اور صفراء پیدا ہو جائے جس سے منی کا قوام بگڑ جائے یا کرم منی فنا ہو جائیں۔ (۳) بچپن میں جماع سے مادہ منویہ کو تباہ کر لینا یا عام زندگی میں کثرت مباشرت سے منی میں پختگی اور قوام قائم نہ ہونے دینا۔ ان تینوں صورتوں میں نقص تولید پیدا ہو جاتا ہے۔

یاد رکھیں کہ یہ نقص مردوں کے علاوہ عورتوں میں بھی پایا جاتا ہے۔ ان میں مادہ منویہ کا نقص بھی ہوتا ہے۔ جس طرح مردوں میں کرم منی کا نہ ہونا یا بہت کم ہونا پایا جاتا ہے۔ اسی طرح عورتوں میں بیضہ انثیٰ کا نہ ہونا یا بہت کم ہونا ہوتا ہے۔ اولاد پیدا ہونے کے لئے صورت یہ ہے کہ مردوں اور عورتوں کے اعضائے تناسل درست ہونے کے ساتھ ساتھ ان میں کرم منی اور بیضہ انثیٰ کی بھی کثرت ہو۔ تاکہ ان کے آزادانہ ملاپ سے فوراً حمل قرار پا جائے۔ اس لئے دونوں میں مادہ منویہ کی کثرت ہونی چاہئے۔ اس مقصد کے لئے اغذیہ اور ادویہ درج ذیل ہیں:

1. مغزیات میں ہر قسم کے میوہ جات خاص طور پر بادام بے حد مفید ہیں۔ ان کو سفوف وحلوہ اور حریرہ وچٹنی کی صورت میں دے سکتے ہیں۔
2. روغنیات میں ہر قسم کا حیوانی روغن جس میں دُنبے کی چکی، گائے اور بھینس کا روغن (چربی نہیں) روغن موٹا ہوتا ہے اور چربی پتلی ہوتی ہے۔ اس میں مکھن، دودھ اور گھی کی خاص خصوصیت ہوتی ہے۔ بالائی بھی اس مقصد کے لئے مفید ہے۔
3. پرندوں کا گوشت، ان میں تیتر وبٹیر اور مرغ ومرغابی کا گوشت مفید ہے۔ اسی طرح جگر وگردوں کا پکا کر کھانا بھی مفید ہے۔
4. جوان بکروں کے تازہ خصیے گھی میں تل کر روٹی یا بغیر روٹی کے کھانا مفید ہے۔
5. چڑوں کا گوشت اور تیتر کا گوشت بھون کر کھانا مفید ہے۔
6. خرما تر یا خشک معجون اور حلوہ کی صورتوں میں اپنے اندر یقینی اثرات رکھتا ہے۔
7. بنولوں کا حریرہ اور حلوہ بھی مفید ہے۔ خاص کر عورتوں کے لئے مفید ہے۔
8. دالوں میں ماش اور چنے کی دالیں گھی میں گوشت یا گوشت کے بغیر بھون کر کھانا، تازہ مٹر گھی میں تل کر کھانا مفید ہے۔ ماش کی دال اور چنے کی دال کے حلوے بھی اپنے اندر مفید اثرات رکھتے ہیں۔
9. ناریل کی مٹھائی، خصوصاً گھی میں تلے ہوئے ناریل منی کی تقویت اور اس میں خمیر پیدا کرنے کے لئے خاص طور پر مفید ہے۔

ادویہ میں ذیل کی ادویہ منی کی پیدائش اور تقویت کے لئے مفید ہیں:

۱ درخت ببول (کیکر) کی خام پھلیاں سائے میں خشک کر کے مفرد یا مرکب منی کی پیدائش وتقویت اور تغلظ وتکمیل کے لئے بہترین دوا ہے۔ اگر وقتی طور پر میسر نہ ہو تو کیکر کے پھول وکونپلیں اور گوند بھی استعمال کیا جاسکتا ہے۔ ان کے علاوہ اس کی چھال اور کیکر کے کسی جزو میں کیا ہوا قلعی کا کشتہ بھی اپنے اندر مفید اثرات رکھتا ہے۔

۲ مغز تخم تمر ہندی سوختہ چھلکا دور کر کے مفرد یا مرکب اپنے اثرات میں مفید ہے۔

۳ درخت بڑ کا پھل سایہ میں خشک کر کے مفرد یا مرکب استعمال کر سکتے ہیں۔ اگر وہ میسر نہ ہوں تو اس کا دودھ، کونپلیں اور چھال بھی مفید ہیں۔ اسی طرح درخت پیپل بھی اپنے اندر مفید اثرات رکھتا ہے۔

۴ ثعلب مصری منی کی تقویت اور تکمیل کے لئے ایک مشہور اور مفید دوا ہے۔ مفرد اور مرکب دونوں صورتوں میں استعمال ہوسکتی ہے۔

۵ کمرکس بھی تقویت منی اور پیدائش کے لئے مفید ہے۔

۶ اسگندھ ناگوری اپنے خاص افعال واثرات میں اپنا مقام رکھتی ہے۔ مفرد اور مرکب دونوں صورتوں میں استعمال ہوتی ہے۔

۷ سنگھاڑا خام وپختہ اور تازہ وخشک ہر صورت میں اپنے اندر تقویت رکھتا ہے۔ مفرد اور مرکب دونوں صورتوں میں مفید ہے۔

۸ سلاجیت ایک قسم کا چونہ ہے۔ منی کی پیدائش وتغلظ اور تقویت وتکمیل کے لئے ادویات میں شامل ہے۔

یہ چند اہم اغذیہ اور ادویہ لکھ دی گئی ہیں تاکہ فوری طور پر اطباء اور حکماء ان سے استفادہ کر سکیں۔ ان کے علاوہ اور بھی بہت سی ادویات ہوسکتی ہیں۔

کجی قضیب

اعوجاج ذکر، قضیب کا ٹیڑھا ہونا۔ اس حالت میں عضو مخصوص کسی ایک طرف کو جھک جاتا ہے۔

قضیب کی بناوٹ

یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ انسان کا جسم چار قسم کے مفرد اعضاء (انسجہ۔ٹشوز) سے بنا ہوا ہے:

(۱) اعصابی انسجہ (۲) عضلاتی انسجہ (۳) قشری انسجہ (۴) الحاقی انسجہ۔

یہ چاروں انسجہ (ٹشوز) چار مفرد اعضاء کہلاتے ہیں۔ ہم یہ حقیقت ثابت کر چکے ہیں کہ جب اخلاط مجسم ہوتے ہیں تو یہی مفرد اعضاء بنتے ہیں۔ ان کی عام طور پر ترتیب یہ ہوتی ہے کہ اعصابی انسجہ باہر کی طرف، قشری انسجہ (:دی) اندر کی طرف۔ عضلاتی انسجہ سب سے اندر ہوتے ہیں اور الحاقی انسجہ سے ان تمام انسجہ کے درمیان بھرتی ہوتی ہے۔ جس کا مقصد تمام انسجہ کو آپس میں ملا کر مضبوط کرنا ہے۔ ان کے افعال کی صورت یہ ہے کہ اعصاب جسم میں حس اور رطوبت پیدا کرتے ہیں۔ عضلات جسم میں حرکت اور خشکی قائم کرتے ہیں۔ غدد وغشاء جسم میں حرارت اور روح کی پیدائش کو جاری رکھتے ہیں جو ضرورت کے وقت خون کی نالیوں سے عضلات میں داخل ہوتے ہیں۔

یہی ترکیب وترتیب اور بناوٹ عضو مخصوص (قضیب) کی بھی ہے۔ البتہ یہاں پر اعصاب کی کثرت، عضلات میں نزاکت اور غدد میں بہت تیزی ہوتی ہے۔ یہاں پر عضلات کی بناوٹ اس طرح ہوتی ہے کہ قضیب کے دائیں بائیں اور اوپر نیچے کی طرف آپس میں ملے ہوتے ہیں اور ضرورت کے وقت پھیلتے اور سکڑتے رہتے ہیں۔ یہ اس لئے کہ عضلات کی بناوٹ اسفنجی نما ہوتی ہے۔ جب ان میں روح اور رطوبت بھرتی ہے تو وہ پھیل جاتے ہیں اور جسم تن جاتا ہے۔ جب ان کا اخراج ہو جاتا ہے تو وہ سکڑ جاتے ہیں۔

ماہیت انتشار

جب جنسی حظ اندرونی یا بیرونی طور پر پیدا ہوتا ہے یعنی ذہنی یا حسی کسی صورت سے بھی اثر انداز ہوتا ہے تو اوّل اعصاب میں لہر سی دوڑتی

جاتی ہے۔ جس سے عضلات میں تحریک ہوتی ہے اور دِل کا فعل تیز ہو جاتا ہے اور اپنی شرائن کے ذریعے اعضائے مخصوصہ کی طرف خون روانہ کرتا ہے۔ جس کے ساتھ روح اور حرارت وہاں پر بڑھ جاتی ہے۔

نظریہ مفرد اعضاء کے تحت جب عضلات میں تحریک پیدا ہوتی ہے تو رطوبات غدد کی طرف روانہ ہو جاتی ہے اور حرارت اعصاب کی طرف جا کر وہاں جو تیز لہر دوڑتی رہتی ہے اس میں تحلیل پیدا کر کے اس کو اعتدال پر لاتی ہے۔ مگر عضلات کی تیزی سے چونکہ غدد میں سکون ہوتا ہے۔ اس لئے رطوبات کا اخراج بند ہو جاتا ہے۔ اس طرح قضیب میں خیزش بڑھتی رہتی ہے۔ یعنی اعصاب میں بجلی کی سی لہر دوڑ رہی ہوتی ہے۔ عضلات میں تحریک سے خیزش بڑھ رہی ہوتی ہے اور غدد میں رطوبات کا اخراج بند ہو جاتا ہے۔ یہی رطوبت جو خصیتین میں اکٹھی ہوتی ہے وہ پختہ ہو کر منی بن جاتی ہے اور عضلات میں تحریک بڑھتی جاتی ہے تو دِل کے فعل میں تیزی آ جاتی ہے جس سے دوران خون کی قضیب کی طرف زیادتی ہوتی ہے اور وہ اپنی لمبائی اور چوڑائی میں بڑھنا اور پھیلنا شروع ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ اپنے اندازے کے مطابق شدید تن جاتا ہے۔ اس صورت میں اوپر نیچے اور دائیں بائیں عضلات اپنی اپنی جگہ کھینچ کر قضیب کو انتشار کی حالت میں کھڑا کر دیتے ہیں۔ چونکہ شدت حرارت سے تحریک غدد میں آ جاتی ہے اس سے منی پختہ ہو جاتی ہے۔

کجی کی ماہیت

کثرت رگڑ یا چوٹ یا زخم سے جب قضیب کے انسجہ خصوصاً عضلاتی انسجہ خراب ہو جاتے ہیں یا ان میں فساد پیدا ہو جاتا ہے تو وہاں پر رطوبات وخون اور روح وحرارت کا اجتماع مشکل ہو جاتا ہے اور جس طرح کے عضلات درست ہوتے ہیں اس طرف انتشار کے وقت تیزی جھکاؤ اور ٹیڑھا پن پیدا ہو جاتا ہے جس قدر انسجہ زیادہ خراب ہوں گے اسی قدر کجی زیادہ ہوگی۔

یاد رکھیں کہ اگر احساس میں کمی ہے تو عصبی انسجہ میں بگاڑ ہے۔ اگر انتشار میں خرابی ہے تو عضلاتی انسجہ میں نقص ہے۔ اگر حرارت وخون اور رطوبت وروح کے جوش میں کمی ہے تو غدی اور غشائی خرابی ہے۔ بس یہی کجی کی ماہیت ہے۔ بار بار پڑھیں اور ذہن نشین کر لیں۔

کجی کے اسباب

جلق، اغلام، کثرت مباشرت، سوزاک، آتشک، ضرب اور زخم اور اسی قبیل کی دیگر صورتیں ہوتی ہیں۔

کجی کی علامات

قضیب میں دبلا پن اور شہوت کی حالت میں ٹیڑھا پن، جھکاؤ اسی طرف ہوتا ہے جس طرف کھچاؤ ہوتا ہے اور دوسری طرف استرخاء اور ڈھیلا پن ہوتا ہے۔ انتشار نامکمل، حرارت میں کمی اور جوش کا فقدان، احلیل سے رطوبات کا اخراج، غرض یہ کہ کجی کے ساتھ نامکمل انتشار اور کمی حظ کی حالتیں پیدا ہو جاتی ہیں۔

اصول علاج

یاد رکھیں کہ سب سے مشکل علاج وہ ہے جس کسی عضو میں تحلیل وضعف پیدا ہو جائے جیسے فالج ولقوہ اور استرخاء ریاسل ودق اور ذیابیطس ہیں لیکن تحلیل وضعف سے بڑھ کر وہ امراض ہیں جن میں مفرد اعضاء (انسجہ) کے خلیات برباد ختم ہو جائیں یا مر جائیں۔ انہی امراض میں کجی وسرطان اور فساد خلیات ہیں۔ مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ یہ امراض ناقابل علاج ہیں۔ مندرجہ بالا تمام امراض اور انہی اقسام کے دیگر امراض قابل علاج ہیں۔ البتہ یہ مشکل ترین اور پیچیدہ ترین امراض ہیں اور معالج کی انتہائی توجہ چاہتے ہیں بلکہ مریض اور اس کے لواحقین کو بھی کوشش کرنی چاہئے۔

کجی میں چونکہ مفرد اعضاء (انسجہ) کے خلیات برباد و ضائع اور ختم ہو جاتے ہیں اس لئے وہاں کے مفرد اعضاء کے خلیات کو پھر پیدا اور زندہ کیا جاتا ہے۔ قانون فطرت یہ ہے کہ یہ خلیات پیدا اور زندہ ہو جاتے ہیں۔ جس کی دلیل وہ گوشت ہے جو جسم کے کسی حصہ سے کٹ جاتا ہے یا ضائع ہو جاتا ہے، لیکن وہ پھر پیدا ہو جاتا ہے۔ بہر حال کجی قابل علاج ہے۔

یہ بات بھی ذہن نشین کر لیں کہ نظریہ مفرد اعضاء (انسجہ) کے تحت تشخیص مرض سہل اور علاج مرض آسان ہو گیا ہے۔ ایسے مریض کے علاج میں غور سے اس کی نبض اور قارورہ دیکھیں اور معلوم کریں کہ تحریک کہاں ہے اور جس مفرد عضو میں تحریک ہو اس کے افعال کو دیکھیں کہ وہ کہاں تک صحیح کام کر رہے ہیں۔ اس طرح جہاں تسکین و تحلیل وہ ان کے مفرد اعضاء کے افعال کو مدنظر رکھیں۔ اگر تحریک کے مفرد اعضاء پورے طور پر کام نہ کر رہے ہوں تو اول انہی کو تیز کر کے ان کے افعال کو مکمل کریں۔ یعنی اعصاب ہیں تو ان میں تیزی سے رطوبات پیدا ہو جائیں۔ اگر عضلات ہوں تو ان میں تیزی سے دورانِ خون تیز بلکہ بخار پیدا ہو جائے اور اگر غدد میں تیزی ہو تو جسم میں حرارت اور صفراء کی زیادتی ہو جائے اور مفرد عضو تحریک سے لے کر مسہل تک کام کرنا شروع کر دے۔ جب کوئی مفرد عضو اپنے افعال درست کر لے گا تو یقیناً اس کا اثر دیگر مفرد اعضاء پر پڑے گا۔ اگر تحریک اپنے پورے کام انجام دے رہی ہو تو جہاں پر تسکین ہے اس کو تیز کر کے اس میں انتہائی تحریک پیدا کر دیں تاکہ وہ اپنے پورے افعال انجام دے سکے۔ اس طرح دورانِ خون و حرارت اور روح و رطوبت تمام جسم میں خصوصاً ضرورت کے مقام پر دوڑنے اور پہنچنے لگیں گی۔ اس طرح ایک طرف نیا خون اور کیمیاوی اجزا بننا شروع ہو جائیں گے، دوسری طرف مفرد اعضاء (انسجہ) کے نئے خلیات بننا شروع ہو جائیں گے۔ لیکن پھر بھی جلدی صحت کا تصور نہ کریں۔ کیونکہ خلیات کی بناوٹ و پیدائش اور زندگی میں اچھا خاصا وقت لگ جاتا ہے۔ بہر حال مستقل مزاجی سے یقیناً آرام آ جاتا ہے۔

غذا

مریض کو اس کی تحریک کے مطابق غذا دیں۔ لیکن وقت کی پابندی اور شدید بھوک کو ضرور مدنظر رکھیں۔ بھوک کی شدت سے اس وقت ضعف تحلیل کا نقصان نہیں ہوتا جس قدر بغیر بھوک کے کھانے سے ہوتا ہے۔

دوا

علاج میں دوا کی اہمیت ظاہر ہے مگر جب تک مریض کو اچھی خاصی بھوک نہ لگے دوا نہ دینی چاہئے تاکہ خمیر ختم ہو کر خون بننا شروع ہو جائے۔ جس مفرد عضو کو تحریک دینی ہو اس تحریک کی ادویہ دیں۔ قبض کا خیال رکھیں۔ غذا کے لئے تحقیقات علاج بالغذاء کو مدنظر رکھیں۔ دوا کے طور پر تحقیقات فارماکوپیا اور تحقیقات المجربات میں سے ضرورت کے مطابق دوا تجویز کریں۔

جنسی قوت کے ضعف کے لئے اغذیہ اور ادویہ

جنسی قوت کی کمزوری کسی ایک عضو یا قوت کے تحت نہیں ہے بلکہ اس کے اسباب مختلف اعضاء اور قویٰ میں ہوتے ہیں۔ جیسے اعضاء رئیسہ و شریفہ کی کمزوری منی کی پیدائش میں کمی یا اس میں حدت کی کمی۔ ضعف بدن، کمی غذا، مزاج میں گرمی و سردی اور خشکی و تری، مدت دراز تک جماع ترک کرنے میں آلہ تناسل کا ڈھیلا پڑ جانا۔ نچلے حصہ میں ریح کا کم پیدا ہونا، جلق اور فالج اور ضعف اعصاب وغیرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ لیکن جنسی قوت و جذبات کو جو اغذیہ اور ادویہ تحریک دیتی ہیں وہ غدی عضلاتی اور غدی اعصابی ہوتی ہیں۔ اس لئے حکماء و اطباء اور دیگر معالجین نے جو اغذیہ اور ادویہ تحریر کی ہیں ان کی اکثریت غدی عضلاتی اور غدی اعصابی پر مشتمل ہے۔

اغذیہ برائے جنسی قوت

گوشت: ہر قسم خصوصاً مرغ و کنجشک اور تیتر و بٹیر، ان کے انڈے بھی ویسے ہی مفید ہیں۔ دریائی اور سمندری جانور جیسے مچھلی، مرغابی اور

بطخ وغیرہ۔ اناج: میں گیہوں، چنا۔ میوہ جات: بادام، پپیتا، اخروٹ، چلغوزہ، خوبانی، نارجیل، انجیر اور کشمش۔ پھل: کھجور اور آم وغیرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ سبزیاں: میتھی، پیاز، کریلے، ٹماٹر وغیرہ مفید ہیں۔

مفرد ادویہ برائے جنسی قوت

دار چینی، جائفل، جاوتری، عاقر قرحا، زنجبیل، زعفران، عنبر اور کستوری خالص، کشتہ ہیرا، خولنجاں۔ روغن: بعض ادویہ کے روغن اندرونی اور بیرونی طور پر مفید ہیں روغن زیتون، گھی اور دُنبے کی چکی اور گائے کی موٹی چربی جس کو روغن کہتے ہیں۔ مرغ اور بطخ وغیرہ کی چربیاں خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ دھاتیں: کشتہ سونا، کشتہ تانبا، کشتہ نیلا تھوتھا، پارہ اور شنگرف اور ان کے مرکبات وغیرہ خاص طور پر مفید ہیں۔

مجربات برائے جنسی قوت

جنسی قوت کے متعلق بے شمار مجربات طبی اور جنسی کتب میں بھرے پڑے ہیں لیکن ان کی اکثریت میں غیر اصولی اور کسی نظریہ کے بغیر ادویہ کو جمع کر دیا گیا ہے اور جو مجربات صحیح ہیں ان کو تلاش کر کے پیش کرنا ایک مشکل امر ہے۔ اس لئے یہ کام کسی دوسرے وقت کے لئے رکھ دیا ہے۔ اگر موقع ملا تو انشاء اللہ تعالیٰ ایک کتاب تحقیقات المرکبات لکھی جائے گی جس میں سر سے پاؤں تک حکما و اطبا اور قرابادینوں کے مجربات اکٹھے کر دیئے جائیں گے۔ ذیل میں چند ذاتی مجربات درج ہیں جو ضرورت کے مطابق زود اثر و اکسیر اور یقینی و بے خطا ہیں۔

مقوی چھوہارے: موٹے موٹے چھوہارے حسب ضرورت لے لیں۔ ان کو درمیان میں سے چیر کر دو ٹکڑے کر لیں۔ پھر ان میں پستہ باریک کر کے بھر دیں۔ معمولی دھاگے سے باندھ لیں۔ پھر توے پر تھوڑا گھی ڈال کر خوب تل لیں۔ بس تیار ہے۔ پانچ سے دس تک صبح ناشتہ میں کھائیں۔ ضرورت محسوس کریں تو رات کو بھی غذا کے بعد لے سکتے ہیں۔

مقدار خوراک: غدی عضلاتی شدید ہیں۔

اکسیر مقوی باہ: کشتہ نیلا تھوتھا ایک ماشہ، کچلہ چار ماشہ، شنگرف ۸ ماشہ، رائی بارہ ماشہ، سب کو پیس کر ملا لیں اور پھر کم از کم ایک گھنٹہ کھرل کر لیں۔ پھر گولیاں بقدر فلفل سیاہ بنا لیں۔

مقدار خوراک: ایک ایک گولی دن میں دو تین بار دیں۔ نوجوانوں کے لئے ایک گولی ایک وقت ہی کافی ہے۔

افعال و اثرات: غدی عضلاتی۔

تریاق مقوی باہ: لونگ ایک تولہ، تخم پیاز تین تولے، رائی چار تولے پیس کر سفوف تیار کر لیں۔ بس تیار ہے۔

مقدار خوراک: نصف ماشہ سے ایک ماشہ تک دن میں ایک دو یا تین خوراکیں۔ ضرورت کے مطابق دے سکتے ہیں۔

افعال و اثرات: عضلاتی غدی شدید۔

اسرار مقوی باہ: جمال گوٹہ تین ماشے، کچلہ نو ماشے، دونوں کو باریک کر کے سفوف بنا لیں اور کم از کم نصف گھنٹہ کھرل کر لیں۔ بس تیار ہے۔

مقدار خوراک: ایک تنکا سے تین تنکے تک یعنی ایک تنکے کے سرے پر جس قدر بھی آ جائے۔ اگر مقدار زیادہ ہو جائے گی تو اجابتیں شروع ہو جائیں گی۔

اس نسخہ میں یہی ایک اسرار ہے کہ ایک شدید مسہل کو بطور شدید مقوی باہ استعمال کیا گیا ہے۔ اس سفوف کی رائی کے برابر گولیاں بھی بنائی جا سکتی ہیں۔ اس کے استعمال سے اگر اجابتیں شروع ہو جائیں تو پریشان ہونے کی چنداں ضرورت نہیں ہے کیونکہ اجابتیں آنے سے کسی قسم کا نقصان نہیں ہوتا۔ البتہ مریض کے لئے پریشانی ضرور ہوتی ہے۔ اس لئے احتیاط ضروری ہے۔

جنسی قوت اور اقوال حکمائے قدیم

۱. جالینوس کہتا ہے کہ کثرت جماع بدن کو کمزور کرتی ہے اور جلد بوڑھا بنا دیتی ہے۔ زیادہ جماع کرنے والے کو لازم ہے کہ فصد بہت کم کھلوائے۔ تکلیف کے کاموں اور حمام پسینہ وغیرہ سے پرہیز کریں۔ بدن کو گرمی اور رطوبت پہنچانے کی تدبیروں میں مصروف رہے۔ کیونکہ جماع بدن کو سرد و خشک اور تحلیل کرتا ہے۔ ان امور کی تلافی کے لئے مقوی غذا اور شراب کا استعمال، نیند بھر کر سونا، بدن کو آسائش دینا، خوشبودار اشیاء اور روغنیات کا استعمال کرنا ضروری ہے۔

۲. جالینوس کہتا ہے کہ جن نوجوانوں میں منی کی زیادتی ہوتی ہے اگر وہ جماع نہ کریں تو ان کے سر بوجھل اور بھوک زائل ہو جاتی ہے۔ میں نے بہت سے ایسے اشخاص کو دیکھا ہے جن میں منی بکثرت تھی اور انہوں نے اپنے آپ کو جماع سے روکے رکھا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے بدن سرد ہو گئے۔ حرکت کرنا مشکل ہو گیا۔ ہاضمہ خراب اور بھوک کم ہو کر مالیخولیا کے عوارض میں مبتلا ہو گئے۔ حتیٰ کہ بلا وجہ رونے کی طرف ان کی طبیعت کا میلان ہو گیا۔

۳. جالینوس لکھتا ہے کہ میں نے ایک ایسے شخص کو دیکھا ہے کہ متواتر ایک سال تک جماع کرنے کے بعد تارک جماع ہو گیا جہاں وہ پہلے خوب بھوک اور خواہش کے ساتھ کھایا کرتا تھا وہاں اس کی بھوک بہت کم ہو گئی۔ بہت کم غذا کھاتا اور اس کو بھی اچھی طرح ہضم کرنے سے قاصر رہتا۔ اگر زیادہ کھا لیتا تو فوراً قے ہو جاتی۔ غرض یہ کہ اسے مالیخولیا کے عوارض لاحق ہو گئے۔ اس کے بعد وہ اپنی عادت کے مطابق جماع کی طرف راغب ہوا تو تمام عوارض رفع ہو کر اس کی صحت بحال ہو گئی۔

۴. جالینوس کا قول ہے کہ اگر طاقت کی حالت اچھی ہو تو کثرت جماع سے امراض بلغمیہ کا انسداد ہوتا رہتا ہے۔

۵. جالینوس کہتا ہے کہ جو شخص بکثرت جماع کرتا ہے۔ اس کا بدن حرارت غریزی کے کم ہو جانے سے سرد پڑ جاتا ہے۔ کیونکہ شدت لذت جو لازمہ جماع ہے نہایت سخت محلل ہے۔

۶. شیخ الرئیس لکھتے ہیں کہ جماع مناسب وقت پر کیا جائے تو نفع مند ثابت ہوتا ہے۔ ذہن کو صاف کرتا ہے، غصہ اور جنون کو تسکین دیتا ہے، خصوصاً عاشق کو معشوق کے ساتھ جماع کرنے سے عشق کا ازالہ ہو جاتا ہے۔

۷. شیخ الرئیس بو علی سینا لکھتے ہیں کہ اگر عضو خاص کے اعصاب میں برودت کی وجہ سے استرخا ہو جائے تو عانہ و خصیتین اور عضو خاص پر عاقر قرحا اور روغن چنبیلی ملا کر مالش کریں۔ فرفیون اور مشک روغن چنبیلی میں حل کر کے ملنا بھی مفید ہے۔ شیر کی چربی تو بہت ہی اچھی چیز ہے۔

۸. شیخ الرئیس بو علی سینا لکھتے ہیں کہ کثرت جماع کے ستائے ہوئے مریضوں کے معدہ کو قوی اور ہضم کو عمدہ بنانا نہایت ضروری ہے۔ نیز ادویہ مقوی قلب و مسکن چیزیں دی جائیں۔ عام مقویات سے روکا جائے۔

۹. شیخ الرئیس بو علی سینا لکھتے ہیں کہ شتر اعرابی کے بچے کا پنیر بھی تقویت باہ کے لئے عجیب المنفعت دوا ہے۔ یہ خشک شدہ بقدر نخود لے کر تقریباً دس تولے پانی میں حل کر کے وقت سے بارہ گھنٹے پہلے پلا دیں۔ اگر شدید نعوظ موجب اذیت ہو تو عضو کو سرد پانی سے دھو ڈالیں۔ پھلوں میں انگور شیریں باہ کے لئے بہت عمدہ ہے۔ اگر تازہ ہو تو خصوصیت کے ساتھ مفید ہے۔ عصافیر (کنجشک) کا گوشت پکا کر کھانا بھی باہ کے

لئے مفید ہے۔اس کو مداومت کے ساتھ کھانا اور اس میں بجائے پانی کے دودھ پینا نعوذ پیدا کرتا ہے۔

۱۰ حکیم رازی لکھتا ہے کہ جماع سے عاجز ہونے کے چار اسباب ہیں: (۱) انتشار کی کمزوری (۲) منی کی کمی (۳) جمود (۴) وہم کا قائم رہنا۔

۱۱ حکیم رازی کہتا ہے کہ اس کبوتر اور چوزہ کا گوشت بہت مفید ہے جو نخود، مغز پنبہ دانہ، لوبیا، مغز تخم قرطم اور باقلا کھلا کر پرورش کیا گیا ہو۔

۱۲ حکیم سویدی کہتا ہے کہ جو شخص نر چڑیا کے کھانے پر مداومت کرے اور جب پیاس لگے تو دودھ پیا کرے اس کی منی کی پیدائش اور جماع میں بے حد ترقی ہو جائے گی۔اس کا قول ہے کہ گھوڑ سواری کرنا قوت باہ کو بڑھاتا ہے۔

۱۳ حکیم سویدی کہتا ہے کہ گاجروں کا کھانا تقویت باہ کے لئے بہت مفید ہے۔گاجر کا مربہ بھی بہت مفید ہے۔خصوصاً جب کہ اس میں زنجبیل، شکر اور شہد بھی شریک کر لئے گئے ہوں۔رُب زلال نخود بھی نفع بخش چیز ہے۔ماہی تازہ کو روغن زیتون میں بھون کر پیاز ملا کر کھانا بھی اچھا ہے۔

۱۴ حکیم سویدی لکھتا ہے کہ بکری کا گوشت، پیاز، شکر، شہد اور زعفران ملا کر کھائیں۔اونٹ کا گوشت بھون کر استعمال کرائیں۔یمک صیدا بو نے دو ماشے کھلائیں اور اوپر سے ایک قدح شراب ابیض یک سالہ پلائیں۔یہ سب چیزیں ان کے مجربات میں سے ہیں۔

۱۵ ایک حکیم کہتا ہے کہ اگر چنے رات کو بھگو کر صبح کچے کھائے جائیں اور اوپر سے ان کا پانی بھی تھوڑا سا شہد ملا کر پی لیں تو ضعف باہ کے مایوس مریضوں کو قوت باہ عود کر آتی ہے۔

۱۶ بیضہ بٹیر (ہمانی) کا کھانا بالخاصیت عورتوں کی شہوت کو برانگیختہ کرتا ہے۔

تعارف

چودھویں صدی کے بعد علمی وتحقیقی جمود کو توڑنے والی عظیم شخصیت حضرت دوست محمد صابر ملتانیؒ کی ہے جنہوں نے نہ صرف تجدید فن طب میں ایک نیا نظام ایجاد کیا بلکہ انسان سے متعلقہ اور وابستہ تمام امور جو نظام کائنات سے ذرہ و زمان تک اور ذرہ و مکان سے نظام آفاق تک کے حقائق کو انتہائی آسان انداز میں دریافت کرتے ہیں۔ علم حکمت وفن طب صدیوں سے اپنی تجدید وارتقاء اور کمال کے لیے کسی مسیحا وقت کا شدت سے منتظر تھا۔ یورپ اور روس میں طب قدیم پر مظالم علمی وعملی طور جا بجا تھے جس کی وجہ سے طب قدیم اپنی بربادی اور تباہی پر نوحہ کناں تھی۔ چودھویں صدی کے بعد عالم عرب سے لے کر برصغیر تک اور یورپ سے روس اور برطانوی راج تک جو علمی تحقیقات ہمیں ملتی ہیں ان میں یہ واضح ہے کہ ان ضمیر فروش تاجروں اور تنگ نظر سائنسدانوں نے علم طب کے مبادیات اور قوانین وکلیات کو اپنے حرص وہوس کی بھینٹ چڑھا دیا تھا۔ حکماء واطباء اسلاف کی صدیوں کی محنت شاقہ سے کی جانے والی تحقیقات اور فطری مسلمہ حقائق کو مٹی میں رولا جا رہا تھا۔ جب اطباء وحکماء فرنگی طب سے مرعوب ہوتے جا رہے تھے اور فن طب کے نظریات اور تحقیقات کی فرنگی طب کے مطابق کرنے کے درپے تھے اور ایسا کرنے کو وہ فرنگی حصار میں بند ہے حکماء واطباء تجدید طب واحیائے فن کا نام دے رہے تھے اور ان کی یہ خود غرضی فن طب کو انتہائی نقصان پہنچا رہی تھی یوں کہیے کہ جب فن طب کا بس جنازہ اٹھنے والا تھا تو ان حالات میں فن طب میں تجدید واحیائے فن وقت کی اہم ضرورت بن چکی تھی۔ اس وقت اللہ نے حضرت دوست محمد صابر ملتانیؒ جیسے مرد جلیل کو فن طب اور احیائے علم کا مسیحا بنا کر پیدا کیا۔ جو حکیم انقلابؒ کے لقب سے مشہور ومعروف تھے۔ قادر مطلب نے فن طب پر تجدید اور اس کے احیائے کے لیے حکیم انقلابؒ کو کمال وعروج فن عطا کیا۔ جس پر حکیم انقلابؒ نے علوم وفنون وحکمت کی تجدید اور احیاء کی بنیاد قوانین فطرت کے عین مطابق رکھی اور حکیم انقلابؒ نے اس اصول کو ایک قانون کی صورت میں علمی دنیا میں پیش کیا۔

یہ نظریہ قانون فطرت کا ایک ایسا اصول ہے جو مادہ (Matter) اور جوہر (Essence) سے اخذ کیا گیا ہے۔ یعنی مادہ دراصل جوہر سے پیدا ہوتا ہے۔ اور اس طرح جوہر اور مادہ اپنے افعال واثرات کی حیثیت میں ایک ہی خواص وفوائد رکھتے ہیں۔ جیسے جوہر سے مادہ اور پھر مادہ کی مختلف صورتیں وکیفیات اور ان صورتوں وکیفیات سے ارکان کا وجود پھر ارکان سے اخلاط، پھر اخلاط سے اجسام کثیفہ ولطیفہ کی ترتیب اور پھر مفرد اعضاء کا بننا بنیادی حقیقت ہے۔ یعنی جب جوہر کوئی جسم اختیار کر لیتا ہے تو مادہ بن جاتا ہے اور جب مادہ کی تخصیص ہوتی ہے تو وہ ارکان بن جاتا ہے۔ جب ارکان محلول ہوتے ہیں تو اخلاط پیدا ہوتے ہیں اور جب اخلاط مجسم ہوتے ہیں تو مفرد اعضاء بن جاتے ہیں۔ انہی مفرد اعضاء پر حکیم انقلابؒ نے علم وفن طب کی بنیاد رکھی۔ ان میں خاص ترتیب، توازن، فعل وانفعال اور منظم ہم آہنگی اعتدال کی صورت ہو تو حالات جسم صحت کی حالت میں اور درست کام کرتے ہیں اور جب اعتدال نہ رہے تو مرض کی پیدائش ہوتی ہے۔ یہی قانون مفرد اعضاء (Simple Organopathy) تجدید طب واحیائے فن کا دور رواں ہے اور جدید علمی دنیا کے لئے ایک چیلنج بھی ہے۔

قانون مفرد اعضاء ایک فطری سائنس ہے جو جدید میڈیکل سائنس سے کئی سو سال آگے ہے اور اس کے جوازات اور دلائل بھی دیتی ہے۔ حضرت دوست محمد صابر ملتانیؒ نے جو تحقیقات چالیس سال کی عرق ریزی سے کی اور انتہائی ایمانداری سے عوام الناس کے سامنے پیش کیں انکی مثال ہمیں اپنے خطے میں کم ہی ملتی ہے۔ کلیات تحقیقات صابر ملتانی دن رات کی انتھک محنت اور خون جگر سے لکھے گئے نظریات وتحقیقات کا ہی ذخیرہ ہے۔ "کلیات تحقیقات صابر ملتانی" میں حکیم دوست محمد صابر ملتانیؒ کی تمام طبع شدہ کاوشوں کو یکجا کر کے نہایت خوبصورت انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ ادارہ مطبوعات سلیمانی یہ کوشش بلاشبہ قابل صد تحسین ہے۔

حکیم محمد ثناء اللہ حلاج

ادارہ مطبوعات سُلیمانی

رحمان مارکیٹ غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور • فون 042-37232788
042-37361408 E-mail: idarasulemani@yahoo.com
www.sulemani.com.pk